وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلشرز کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام "**نِعم الباری**" کی توجیہ

میں نے 18 رجنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب "المسند الصحیح الجامع المعروف به صحیح البخاری" کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010 کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہوگئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام "**نِعم الباری**" رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا

(اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نِعمُ الباری فی شرح صحیح البُخاری

تصنیف

علامہ غُلام رسُول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء الثامن

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نِعَمُ الباری

فی

شرح صحیح البُخاری

جلد ثامن (۸)

الاحادیث: ۴۶۲۷ ـــ ۴۹۷۷

کتابُ التفسیر

تفسیر سورۃ الانعام تا سورۃ الناس

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثامن (۸)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ
	شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	بار اول جون 2012ء
	بار دوم ستمبر 2012ء
	بار سوم مئی 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS21

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 021-3221201-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212
e-mail:- Info@zia-ul-quran.com
ziaulquranpublications@gmail.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری (جلد ہشتم)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

نعمۃ الباری کا افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ربّ العالمین، الّذی جعلنا من المسلمین، ووصفنا بخیر امّۃ من الأمم الماضین، و انعم علینا بتنزیل القرآن الکریم و ھدانا بہ الی الصراط المستقیم، و الصلوٰۃ والسّلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین قائد الغرّ المحجّلین، الذی شرح الفرقان باحادیثہ و بیانہ القویم، و کشف عن اسرارہ و غوامضہ لھدایۃ الناس اجمعین، و انقذنا بحسن سیرتہ من الظلمات والضلال المبین، و علی الہ الطیبین واصحابہ الطّاھرین الذین قاموا باشاعۃ الدین المتین مع کمال الخلوصؒ والجھد العظیم، وعلی ازواجہ الطّاھرات امھات المؤمنین، وعلی جمیع الائمۃ التابعین من المفسرین والمحدثین المخلصین الکاملین الی یوم الدّین۔

و بعد فیقول العبد الفقیر الی مولاہ القدیر غلام رسول السعیدی دائم الاحتیاج الی کرم ربہ السرمدی انّی بعد الفراغ من التفسیر قد شرعت فی شرح الصحیح للامام البخاری (علیہ نعمۃ الباری) توکّلا علی رحمۃ اللہ و فضلہ العمیم۔ ولا یکون تحریرہ و تقریرہ و تکمیلہ الّا نعمتہ العظمیٰ۔ فلذا سمّیتہ بنعمۃ الباری فی شرح الصحیح للبخاری۔ (تقبّلہ اللہ بلطفہ و تغمدنی بغفرانہ بمحض فضلہ)

اشھدان لا الہ الّا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد انّ سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی و من سیئات اعمالی۔ من یھدہ اللہ فلا مضلّ لہ ومن یّضللہ فلا ھادی لہ۔ اللھم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تصنیف ھذا الکتاب علی صراط مستقیم واجعلہ موافقاً باسمہ واحفظہ من شرور الاشرار و الحاسدین۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک الکریم و مقبولاً عندک و عند رسولک الرؤف الرحیم واجعلہ شائعاً و مستفیضاً و مفیضاً و مرغوباً فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ولجمیع من انتسب الی من المسلمین صدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبیّ الکریم ﷺ فی الدنیا و شفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ و امتنی علی الایمان بالکرامۃ۔ اللھم انت ربّی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت۔ اعوذ بک من شرّما صنعت ابوء لک بنعمتک علیّ وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ و علی والدیّ وان اعمل صالحاً ترضٰہ۔ آمین یا ربّ العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

گذارش احوال واقعی

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق ☆ میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

فروری 2005ء کو میں نے تبیان القرآن کی تکمیل کے بعد شرح صحیح البخاری کی تصنیف کا عزم کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھے اس سعادت کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ چنانچہ 22، جنوری 2006ء کو میں نے "انعام الباری شرح بخاری" کے نام سے فرید بک اسٹال کے ساتھ سات مجلدات کی تصنیف کا معاہدہ کیا۔ بعد ازاں میں نے "نعمۃ الباری" کے نام سے بتوفیقِ باری تعالیٰ اِس معاہدے کو مکمل کیا اور سات مجلدات فرید بک اسٹال کے سپرد کر دیں، جن میں سے پانچ مجلدات طبع ہو چکی ہیں اور دو مجلدات زیرِ طبع ہیں۔

میں اپنے مزاج کے اعتبار سے خلوت نشین آدمی ہوں اور بہت سے معاملات سے مجھے کماحقہٗ آگہی نہیں ہوتی۔ فرید بک اسٹال کے مالک سید محسن اعجاز شاہ صاحب کا رویہ میرے ساتھ ہمیشہ روکھے پن اور سرد مہری کا رہا، لیکن میں اُن کے اِس رویے کو اِس لئے برداشت کرتا رہا کہ میری زندگی کی جتنی سانسیں باقی ہیں، اُن میں دین کا زیادہ سے زیادہ کام کرسکوں، جو میرے لئے صدقۂ جاریہ بنے اور "باقیاتِ صالحات" کی صورت میں طالبانِ علم کے لئے فیض رساں ثابت ہو۔

اب میری عمر تقریباً 76 سال ہو چکی ہے، میں کئی عشروں سے متعدد عوارض اور امراض میں مبتلا ہوں، درمیان میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجھے تحریری و تدریسی کام معطل کرنا پڑا، یہ ایام میرے لئے انتہائی اذیت ناک تھے، کیونکہ مارچ 1986ء سے لے کر جنوری 2011ء تک مسلسل مطالعہ اور تصنیف کی وجہ سے میں شدید بیمار ہو گیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور 18، مئی 2011ء کو میری صحت بحال ہو گئی اور میرے تصنیفی کام کی نشاۃِ ثانیہ ہو گئی ۔اب میری قوتِ برداشت اتنی مضمحل ہو چکی ہے کہ میں سید محسن اعجاز شاہ صاحب کی بے مہری اور بے اعتنائی کے رویے کا مزید متحمل نہیں ہو سکتا۔ میری دل شکنی کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ شرح صحیح مسلم شریف کے معاہدہ کے مطابق سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے والد مرحوم سید اعجاز شاہ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ خدانخواستہ میری علالت کی صورت میں میری اعانت کریں گے، لیکن از حد افسوس کے ساتھ یہ حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ جب میں انتہائی علالت کے سبب کچھ عرصہ کام کے قابل نہ رہا تو میرے ساتھ تعاون تو در کنار انہوں نے ہمدردی کے کلمات بھی ادا نہیں کئے بلکہ یہ کہا کہ متبادل انتظام کر دیجئے، اس سے میرا دل ٹوٹ گیا، آخر ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

چنانچہ میں نے اب اُن سے قطعِ تعلق کا ارادہ کیا اور مزید کام جاری نہ رکھنے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے۔

اسی دوران "ضیاء القرآن پبلی کیشنز" کے مالک محترم جناب محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب دامت الطافہم العالیہ سے رابطہ ہوا، اُن کی ایک عرصے سے خواہش تھی کہ میں اُن کے اشاعتی و طباعتی ادارے کے لئے کوئی کام کروں۔ شاہ صاحب اہلسنت و جماعت کی ایک عظیم روحانی اور علمی شخصیت کے فرزندِ ارجمند ہیں، اُن کے والدِ ماجد حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی

۱۹۹۸ء اپنی تمام تر علمی عظمت و وجاہت کے باوجود انتہائی ملنسار، خلیق اور محبت کرنے والے انسان تھے اور اپنے اسی رویے سے وہ اپنے معاصرین اور اصاغر کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ مجھ پر ان کی خصوصی شفقتیں تھیں، ضیائے حرم کے لئے مضامین لکھوانے کے لئے وہ کئی بار میرے پاس تشریف لائے۔ اُن کے صاحبزادگان بھی اُن کے اسی حسنِ اخلاق کا مظہر ہیں، مجھے امید ہے کہ شاہ صاحب زید حبہ سے مجھے محبت و احترام اور گرمجوشی ملے گی، جس سے میرے علمی اور فکری قُویٰ کو تقویت ملے گی اور میں معیار اور مقدار کے اعتبار سے زیادہ سرعتِ رفتار سے کام کرسکوں گا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں میرے لئے میرے حسنِ ظن سے بھی بہتر ثابت کرے، اُن کے دل میں میرے لئے ہمیشہ وسعت پیدا ہو، تاکہ میں اپنے وجود کے لاحق امراض وعوارض کا مقابلہ کرتے ہوئے زندگی کی آخری سانس تک کام جاری رکھ سکوں اور ''نعمۃ الباری'' کی بقیہ مجلدات پہلے سے بھی زیادہ وقیع انداز میں علمی وجاہت کے ساتھ مکمل کرسکوں۔ قارئینِ کرام اور دین کا درد رکھنے والے سب اہلِ عقیدت ومحبت سے التجا ہے کہ اپنی خلوتوں میں میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائیدِ غیبی ہمیشہ میرے شاملِ حال رہے اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی نگاہِ کرم دنیا و آخرت میں میرے لئے وسیلۂ نجات بنے۔ میری علمی زندگی کا سارا سرمایہ میرا یہی قلمی ورثہ ہے، یہ رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں ماجور و مشکور ہو اور رحمۃ للعالمین ﷺ کے حضور مقبول ہو۔

میں ''نعمۃ الباری'' کی آٹھویں جلد سے اس کی طباعت و اشاعت کا کام محترم صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز'' 14 انفال سنٹر اردو بازار، کراچی کے سپرد کر رہا ہوں، اسی طرح میں اپنی مندرجہ ذیل کتب کے دائمی حقوق بھی ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز'' کو تفویض کر رہا ہوں:

(۱) تذکرۃ المحدثین (۲) مقالاتِ سعیدی (۳) مقامِ ولایت ونبوت (۴) توضیح البیان (۵) ذکر بالجہر

مندرجہ بالا کتب کو اگرچہ ماضی میں فرید بک اسٹال والے شائع کرتے رہے، لیکن میرا ان سے کوئی باقاعدہ معاہدہ نہیں تھا اور نہ ہی میں نے ان سے کوئی اس کا معاوضہ لیا، لہٰذا آج کے بعد میں انہیں باقاعدہ طور پر متنبہ کرتا ہوں کہ وہ میری ان کتب کی اشاعت فوراً روک دیں، ورنہ میں ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ اور اگر میں نے ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی نہیں کی اور وہ میری اجازت کے بغیر ان کتابوں کو چھاپ کر رقم بٹورتے رہے تو آخرت میں عذاب الٰہی کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہیں۔ اگر ان میں ایمان کی ذرہ برابر بھی رمق ہے تو جس معاہدہ پر انہوں نے میری بیماری کی حالت میں مجھ سے جبراً انگوٹھا لگوایا اور میرے دستخط کرائے تھے اس کا مسودہ مجھے واپس کر دیں اسی طرح نعمۃ الباری اور تبیان القرآن کے انہوں نے جو دوبارہ معاہدات تیار کرائے اور اصطلاحی الفاظ کے معنی بتائے بغیر مجھ سے دستخط کرائے ان کے مسودات بھی مجھے واپس کر دیں کیونکہ یہ تمام معاہدات شرعاً غیر مؤثر ہیں۔

شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کے حقوق میں نے فرید بک اسٹال کو دیئے تھے اور انہوں نے ماشاء اللہ عرصۂ دراز تک ان کتب کو طبع کیا، فروخت کیا اور معتد بہ نفع حاصل کیا، یہ منافع ان کو مبارک ہوں۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ ملکی قانون کے تحت مصنف کے ناشر کو تفویض کردہ حقوق دائمی نہیں ہوتے اور دس سال کے بعد مصنف دوبارہ انہیں واپس لے سکتا ہے اور کسی بھی ملک کا پبلک لاء ملک کے تمام شہریوں پر نافذ ہوتا ہے اور حکومت نے یہ قانون اس لئے بنایا کہ پبلشرز تو لامحدود مدت تک منافع سمیٹتے رہتے تھے، لیکن جو مصنفین و مؤلفین اپنا خونِ جگر کشید کر کے اور پوری علمی، عقلی اور فکری قوت صرف کر کے یہ شاہکار تخلیق کرتے تھے، وہ اور ان کے متعلقین آخری عمر میں اپنے علاج معالجے اور بنیادی انسانی ضرورتوں کے لئے پریشان رہتے تھے، غالباً حکومت نے یہ

قانون ایسے ہی پریشان حال مصنفین کی اشک شوئی کے لئے وضع کیا، کیونکہ جنہوں نے ساری زندگی ذہن اور قلم کے ساتھ اپنے دل ودماغ کی زمین کی اپنی فکری کاوشوں سے آبیاری کی ہو اور قلم کے ذریعے وہ تیار فصل کاٹ کر پبلشرز کے حوالے کر دی ہو، جب وہ قابل کار نہ رہیں تو اب آخری عمر میں وہ کیا کریں!۔ لہٰذا میں نے بھی اس ملکی قانون کی رعایت کو استعمال کرتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ اپنا حق لوں اور آئندہ ان کتب کی اشاعت کا متبادل انتظام کروں اور اب قانوناً فرید بک اسٹال کو ان کتب کی مزید اشاعت کا حق باقی نہیں رہے گا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث، دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38
19-03-2012

فرید بک اسٹال سے واپسی کے سفر کی دل دوز حکایت

محترم قارئین! اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ''نعمۃ الباری'' کی جلد ثامن (۸) ہے جو ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور کی طبع شدہ ہے، یقیناً آپ کو تعجب ہوگا کہ اس سے پہلے تو ''نعمۃ الباری'' کی مجلدات فرید بک اسٹال لاہور سے طبع ہو کر آ رہی تھیں اب یکا یک یہ آٹھویں جلد ضیاء القرآن پبلی کیشنز کی طرف سے طبع ہو کر کیسے آ گئی! اس کا پس منظر بتانے کے لئے میں آپ کو شروع سے کہانی سناتا ہوں ؎

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

مارچ 1986ء کی کسی تاریخ کو سید محمد اعجاز شاہ صاحب رحمہ اللہ، مالک فرید بک اسٹال اپنی علالت اور ضعفِ بصارت کے باوجود مجھ سے ملاقات کے لئے کراچی تشریف لائے اور انہوں نے ''شرح صحیح مسلم'' کی سات جلدوں کی اشاعت کا مجھ سے معاہدہ کیا اور فی جلد دس ہزار روپے (10,000) کی معمولی سی رقم مقرر کی اور دو جلدوں کی ایڈوانس رقم مجھے پیش کر دی، سید محمد اعجاز شاہ مرحوم بہت متحمل مزاج اور فراخ دل شخص تھے۔ ان کے ساتھ جو بھی وقت گزرا وہ میری زندگی کے بہترین ایام میں سے ہے۔ جب ''شرح صحیح مسلم'' کی سات جلدوں کی تکمیل ہوگئی تو اس کی خوشی میں انہوں نے مجھے انیس سو ترانوے (1993ء) میں پینتیس (۳۵) ہزار روپے عمرہ کرنے کے لئے پیش کئے پھر ''شرح صحیح مسلم'' کی تکمیل کے بعد میرا عزم تھا کہ میں قرآن مجید کی تفسیر ''تبیان القرآن'' کے نام سے لکھوں، سو مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ منیب الرحمن زید حبہ نے سید محمد اعجاز شاہ صاحب مرحوم کے ساتھ میری طرف سے اس کا معاہدہ کیا جس کے مطابق ''تبیان القرآن'' کی ہر جلد کا معاوضہ پچاس (۵۰) ہزار روپے مقرر کیا گیا اور پہلے ایڈیشن کی پچاس (۵۰) جلدوں کا فراہم کرنا طے کیا گیا اور ہر نئے ایڈیشن کی دس (۱۰) جلدوں کی فراہمی مقرر کی گئی۔ سید صاحب موصوف نے اسی وقت مجھے پہلی جلد کے پچاس ہزار روپے (۵۰،۰۰۰) پیشگی ادا کر دیئے، سید محمد اعجاز شاہ صاحب مرحوم نے اس معاہدہ میں یہ بھی لکھوایا کہ اگر کسی جلد کی تکمیل سے پہلے میں قضائے الٰہی سے وفات پا گیا تو اس کی پیشگی لی ہوئی رقم مجھ پر معاف ہوگی، اور اگر اس دوران میں سخت بیمار ہو گیا تو وہ میرے علاج کے اخراجات برداشت کریں گے اور اگر میں تنگ دست ہو گیا تو وہ میری کفالت کریں گے۔ قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک وقیع علمی و تحقیقی کام کا یہ معاوضہ اس قابل بھی نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے، مگر اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میرے پیش نظر میری کم از کم ضروریات کی تکمیل تھی اور یہ حسن نیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علمی صلاحیت اور تحریر کا ملکہ عطا کیا ہے، اس کا تشکرِ نعمت ایک علمی کام کی صورت میں کرتا جاؤں جو میرے، میرے والدین اور میرے اساتذۂ کرام علیہم الرحمۃ کے لئے صدقۂ جاریہ بنے اور دین کا قرض جو کہ ایک خادم دین پر ہوتا ہے، اپنی حقیر بشری استطاعت کے مطابق اس سے عہدہ برآ ہو سکوں اور یہ میرے لئے آخرت میں سرمایۂ نجات بن جائے۔

تبیان القرآن کی دوسری جلد کی طباعت کے دوران سید محمد اعجاز شاہ صاحب وفات پا گئے۔ ان کی وفات سے مجھے بہت رنج ہوا اور میں نے ایک سو (۱۰۰) قرآن مجید کے ختم ہائے مبارکہ کروا کے ان کو ایصالِ ثواب کیا۔

انیس سو چورانوے (1994ء) میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حج اور عمرہ کی سعادت عطا کی اور جنوری 2006ء میں تبیان القرآن

کی بارہ (۱۲) جلدیں مکمل ہوگئیں۔ اس وقت مجھے سید محمد اعجاز شاہ مرحوم کی یاد آئی جنہوں نے شرح صحیح مسلم کی سات جلدوں کی تکمیل پر مجھے عمرہ کرنے کے لئے پینتیس (۳۵) ہزار روپے ارسال کئے تھے لیکن اس کے برعکس سید محسن اعجاز شاہ نے تبیان القرآن کی بارہ جلدوں کی تکمیل پر ایسی کسی فیاضی تو در کنار، کسی علامتِ خوشی کا بھی مظاہرہ نہیں کیا، سید محمد اعجاز شاہ مرحوم کے ساتھ گزارا ہوا دور ختم ہوا۔ اور اب میں "نعمۃ الباری" کی تصنیف کے دوران سید محسن اعجاز شاہ کے ساتھ گزارے ہوئے دور کی چند جھلکیاں پیش کرتا ہوں۔

نعمۃ الباری کی تصنیف کے دوران سید محسن اعجاز شاہ کے حُسنِ اخلاق کی چند جھلکیاں:

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم   قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
سازِ خاموش ہیں، فریاد سے معمور ہیں ہم   نالہ آتا ہے اگر لب پہ، تو معذور ہیں ہم
میں بندۂ ناداں ہوں، مگر شکر ہے تیرا   رکھتا ہوں نہانخانۂ لاہوت سے پیوند
اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو   لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمر قند

18، جنوری 2006ء کو سید محسن اعجاز شاہ نے کراچی آ کر مجھ سے نعمۃ الباری کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور ہر جلد کے عوض پچھتر (75) ہزار روپے کی معمولی رقم طے کی اور پہلے ایڈیشن پر پچاس (50) جلدیں اور نئے ایڈیشن پر دس جلدیں مہیا کرنے کا وعدہ کیا، الحمدللہ میں نے 14، ستمبر 2010ء کو نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہوگئی۔ 15، ستمبر 2010ء کو میں نے آٹھویں جلد کی ابتداء کر دی تھی، میں مارچ 1986ء سے لے کر جنوری 2011ء تک مسلسل فرید بک اسٹال کے لئے لکھتا رہا اور اس اثناء میں، میں نے شرح صحیح مسلم کی سات جلدیں، تبیان القرآن کی بارہ جلدیں اور نعمۃ الباری کی سات جلدیں لکھیں جو تقریباً چھبیس (26) ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہیں۔ مسلسل دماغی کام اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے میری صحت نہایت متاثر ہوئی، یکم جنوری 2011ء سے لے کر 18، مئی 2011ء تک میں سخت بیمار رہا اور تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا کام معطل ہوگیا، یہ ایام میرے لئے سخت اذیت ناک تھے، تبیان القرآن کے معاہدہ میں یہ بات تحریر تھی کہ اگر میں سخت بیمار ہوگیا تو فرید بک اسٹال کی طرف سے میرا علاج کیا جائے گا اور اگر میں تنگ دست ہوگیا تو میری کفالت کی جائے گی، لیکن سید محسن اعجاز شاہ نے معاہدہ کی اس شق کی کوئی پرواہ نہیں کی، ان کو تو یہ فکر تھی کہ اگر میں اسی طرح بیمار رہا تو نعمۃ الباری کی بقیہ مجلدات کیسے پوری ہوں گی، انہوں نے مجھ سے سیل فون پر کہا کہ اب آپ یہ کام نہیں کر سکتے تو یہ کام اپنے لائق شاگرد مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ کے سپرد کر دیں۔ پھر انہوں نے کراچی آ کر مفتی محمد اسماعیل نورانی سے نعمۃ الباری لکھنے کا معاہدہ کیا، پہلے انہوں نے اس کا معاوضہ پینتیس (35) ہزار روپے فی جلد مقرر کیا پھر میرے کہنے سے بڑھا کر اس کا معاوضہ پچاس (50) ہزار روپے فی جلد کر دیا اور وہ پچاس (50) ہزار روپے مفتی محمد اسماعیل نورانی کو پیشگی ادا کر دیئے، مفتی محمد اسماعیل نورانی زید حبہ نے وہ پچاس ہزار روپے اسی وقت میرے قدموں میں ڈال دیئے اور مجھ سے کہا: یہ میری طرف سے حقیر نذرانہ ہے، مجھے چونکہ بیماری کے ان ایام میں پیسوں کی سخت ضرورت تھی اس لئے میں نے اس نذرانہ کو مجبوراً قبول کر لیا، اسی مجلس میں سید محسن اعجاز شاہ بونڈ پیپر پر ایک معاہدہ لکھوا کر لائے جس کے مطابق میں نے توضیح البیان، ذکر بالجہر، تذکرۃ المحدثین

،مقالاتِ سعیدی اور مقامِ ولایت ونبوت کی اشاعت کے دائمی حقوق فرید بک اسٹال کے نام کردیئے، میں نے پوچھا: اس کی کوئی رائلٹی اور معاوضہ؟ انہوں نے کہا: آپ کو اس کی کوئی رائلٹی اور معاوضہ نہیں ملے گا، پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر بونڈ پیپر پر میرا انگوٹھا لگوالیا اور میں نے شدید بیماری کی حالت میں بہ امر مجبوری اس پر دستخط کردیئے۔ سید محسن اعجاز شاہ کاروباری ذہنیت کے مالک ہیں اور پروفیشنل آدمی ہیں۔ ان کے دل میں انسانی ہمدردی کا کوئی شمہ نہیں ہے، بہر حال وہ لاہور واپس چلے گئے۔

مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ وحبہ بہت ذہین، طباع اور محنتی عالم دین ہیں، انہوں نے درسِ نظامی کی اکثر کتب اپنے محترم استاذ مفتی محمد حسن حقانی رحمہ اللہ سے پڑھی ہیں اور 2001ء میں صحیح البخاری مجھ سے اور مفتی منیب الرحمن مدظلہ العالی سے صحیح مسلم پڑھی ہے۔ وہ دارالعلوم نعیمیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور انہوں تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان سے نمایاں حیثیت (ممتاز مع الشرف) کے ساتھ شہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ کی سند حاصل کی ہے۔ انہوں نے میری تمام تصانیف کو بہ غور پڑھا ہے، وہ جامعہ انوار القرآن کراچی میں درسِ نظامی کی منتہی کتب پڑھاتے ہیں اور افتاء کا کام بھی کرتے ہیں اور ''انوار الفتاویٰ'' کے نام سے ان کے فتاویٰ کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے، انہوں نے تفسیر خازن کا ترجمہ کیا اور اس میں درج احادیث کی تخریج وتحقیق کی اور علامہ خازن شافعی نے فقہاء احناف کے خلاف جو دلائل دیئے ان کے مثبت اور مدلل جوابات لکھے، اس کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے اور شائقین سے داد وتحسین حاصل کر چکی ہے، انہوں نے تفسیرِ خازن کی دوسری جلد بھی تیار کر کے فرید بک اسٹال کو دے دی جو فرید بک اسٹال نے ہنوز شائع نہیں کی، انہوں نے شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کے تعارف پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ''حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن'' ہے، یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ سو مفتی محمد اسماعیل نورانی کی بہت علمی اور دینی مصروفیات ہیں، وہ اعلیٰ پایہ کے مقرر ہیں، شہر میں ان کے خطابات ہوتے رہتے ہیں اور Q.tv پر ان کے دینی معلوماتی پروگرام مسلسل ٹیلی کاسٹ ہوتے رہتے ہیں، ان کی شادی بھی ہو چکی ہے، ان کی گھریلو اور خانگی ذمہ داریاں ہیں اور والدین کی خدمت کا فریضہ بھی ان کے ذمہ ہے، لہٰذا ان کے لئے نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کی تصنیف کے لئے وقت نکالنا بہت مشکل تھا، وہ ایک گھنٹے کے لئے میرے پاس آتے اور میری ذاتی لائبریری میں بیٹھ کر نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کی تصنیف پر کام کرتے اور مجھ سے مشاورت کرتے، اسی اثناء میں وہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے اور ایک ماہ کا عرصہ گزار کر آئے اور جنوری 2011ء سے مئی 2011 کے طویل عرصہ میں وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے صرف پچاس صفحات لکھ سکے اور انہوں نے سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی تفسیر مکمل کی، جس کو میں نے من وعن نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد میں شامل کر دیا۔

میری اس طویل بیماری کے دوران مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم نعیمیہ کراچی (بسط علمہ وزید حبہ) نے میری بہت دل جوئی اور دستگیری کی۔ ہر چند کہ میں اب صحیح البخاری کی تدریس پر پہلے کی طرح قادر نہیں تھا، لیکن انہوں نے میرا مشاہرہ اور دیگر تمام سہولیات برقرار رکھیں اور وقتاً فوقتاً مجھے دیگر عطیات سے بھی نوازتے رہے اور مسلسل میرے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا اظہار فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے اور آخرت کے مراحل ان پر آسان کر دے اور ہمیں جنت میں بھی اسی طرح یک جا کر دے جس طرح 1964ء سے لے کر تا دم تحریر ہم باہم شیر وشکر ہیں۔

چونکہ میری کتابیں، بھارت میں بھی پڑھی جاتی ہیں بلکہ بھارت میں توضیح البیان، تذکرۃ المحدثین، شرح صحیح مسلم، تفسیر تبیان القرآن اور تاریخ مسجد وحجاز شائع بھی ہو چکی ہیں۔ اسی طرح یورپ اور امریکہ میں بھی میری کتابیں پڑھی جاتی ہیں، جب امریکہ کے قارئین کو یہ معلوم ہوا کہ میں اب ذہنی دباؤ کی وجہ سے بیمار ہو گیا ہوں اور لکھنے کے قابل نہیں رہا تو ڈاکٹر خالد اعوان، ڈاکٹر

ارشد بھٹی اور ڈاکٹر شہرام شکر اللہ عطایا ھم نے امریکہ سے میری دماغی تقویت کے لئے دوائیں بھجوائیں اور ان کو مسلسل استعمال کرنے سے الحمد للہ میں دوبارہ اپنا تصنیفی کام شروع کرنے کے قابل ہوا۔ پھر مفتی محمد اسماعیل نورانی زید حبہ نے نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کا کام میرے سپرد کر دیا اور میں نے 18، مئی 2011ء سے نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کو لکھنا شروع کر دیا اور میں نے سورۃ الشعراء سے لے کر سورۃ الناس تک کی تفسیر لکھ کر آٹھویں جلد کو مکمل کیا اور 8، ستمبر 2011ء کو میں نے آٹھویں جلد مکمل کر دی۔ 18 مارچ 2012ء کو میں نے نعمۃ الباری کی جلد تاسع (۹) بھی مکمل کر دی ہے اور 19 مارچ 2012ء کو میں نعمۃ الباری جلد عاشر (10) کا بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رسول اللہ ﷺ کی نظر عنایت سے افتتاح کر چکا ہوں۔ تقبلہ اللہ منی وادام اشاعتہ الی یوم القیامۃ (آمین)۔

میری عمر اب انگریزی حساب سے 76 سال اور چاند کے حساب سے 78 سال ہو چکی ہے اور کمر کے درد، شوگر، کولیسٹرول اور ہائی بلڈ پریشر کے امراض اور عوارض کی وجہ سے اب میرے لئے اپنے قلم سے خود لکھنا بے حد مشکل اور دشوار ہے، میرے ایک مخلص محب اور ہونہار شاگرد جنہوں نے مجھ سے دورۂ حدیث پڑھا ہے مولانا وقار الحسن زید علمہ وحبہ ہیں، وہ لکھتے ہیں اور میں ان کو املاء کراتا ہوں۔ وہ صبح پونے چار بجے میرے پاس آجاتے ہیں اور ہم صبح ساڑھے چھ بجے تک کام کرتے ہیں، وہ چونکہ تخصص سال دوم میں پڑھ رہے ہیں، اس کے بعد ان کی تعلیمی مصروفیات ہوتی ہیں اور میری تدریسی مصروفیات ہوتی ہیں، پھر نماز ظہر کے بعد وہ میرے پاس آجاتے ہیں اور ظہر کے بعد سے لے کر عصر تک میرے ساتھ کام کرتے ہیں، وہ ماشاء اللہ بہت ذہین اور طباع ہیں اور میری ضرورت کے مطابق کتابوں سے حوالہ جات بھی تلاش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علم وفضل میں ترقی عطا فرمائے اور حدیث کی اس خدمت کی وجہ سے ان کو دنیا اور آخرت میں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے۔

سید محسن اعجاز شاہ کے میرے ساتھ ظالمانہ رویہ اور استحصال کی بدترین مثال یہ ہے کہ انہوں نے نعمۃ الباری کا دوبارہ معاہدہ بونڈ پیپر پر لکھوایا اور اس میں Contract of Service (کنٹریکٹ آف سروس) کے ٹیکنکل الفاظ لکھے اور مجھے اس کا معنی اور مفہوم بالکل نہیں بتلایا اور یہ تو مجھے اب معلوم ہوا کہ اس اصطلاح کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے تحت مستقبل میں مصنف کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہ میرے ساتھ انتہائی فراڈ اور فریب کاری ہے۔ انہوں نے اس کا معنی بتائے بغیر مجھ سے اس پر دستخط کرائے، سید محسن اعجاز شاہ نے تبیان القرآن کا بھی دوبارہ اسی طرح معاہدہ لکھوایا اور فریب دہی سے اس کا معنی اور مفہوم مجھے بتائے بغیر اس پر مجھ سے دستخط کرا لیے، اس لیے شرعاً یہ معاہدہ غیر مؤثر ہے، وہ دنیا میں تو ان کتابوں کی غیر شرعی اشاعت سے اپنا خزانہ بھر لیں گے لیکن ان شاء اللہ العزیز آخرت میں اس کے متعلق جواب دِہ ہوں گے۔

سید محسن اعجاز شاہ کے اس بے رحمانہ رویہ اور شدید استحصال کے باوجود میں فرید بک اسٹال کے لئے کام کرتا رہا لیکن چھٹی جلد کی اشاعت میں انہوں نے جو غیر معمولی تاخیر کی تو اس سے میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور میں نے عزم مصمم کر لیا کہ اب میں آئندہ فرید بک اسٹال کے لئے کام نہیں کروں گا اور آٹھویں جلد اشاعت کے لئے ان کے حوالہ نہیں کروں گا۔

09، فروری، بہ روز جمعرات 2012ء علی الصبح سید محسن اعجاز شاہ میرے پاس تشریف لائے، انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے دروازہ کھولا اور انہیں عزت واحترام سے بٹھایا اور ان کی تواضع کی۔ اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ میں آٹھویں جلد آپ کو نہیں دوں گا اور آپ نے اس سلسلہ میں پچاس ہزار روپے مفتی اسماعیل نورانی کو دیئے اور بعد ازاں پچیس ہزار روپے مجھے بھجوائے، وہ میرے ذمہ واجب الاداء ہیں اور اسی طرح میرے بھی آپ کے ذمے واجبات ہیں۔ یہ رقم ان کے عوض منہا ہو جائے گی، پھر بھی

میرے ذمے ان کی کوئی رقم باقی رہی تو میں فی الفور ادا کر دوں گا۔

پھر میں نے واشگاف الفاظ میں بتا دیا کہ آپ نے توضیح البیان، ذکر بالجہر، تذکرۃ المحدثین، مقالات سعیدی اور مقام ولایت ونبوت کی اشاعت پر بلا معاوضہ جو مجھ سے دائمی حقوق کا جبری معاہدہ لکھوایا تھا اور میری بیماری کے ایام میں میرا ہاتھ پکڑ کر بونڈ پیپر پر اپنے ہاتھ سے انگوٹھا لگوایا تھا، وہ اب غیر مؤثر ہے اور اگر اب آپ نے ان کتابوں کی اشاعت کی تو میں آپ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ مارچ 1986ء سے لے کر 9 فروری 2012ء تک ہمارے درمیان جو اشاعتی تعلقات تھے وہ اب ختم ہو گئے ہیں، لیکن اسلام کی محبت اور دعا سلام کا تعلق باقی رہے گا اور جب بھی آپ مجھ سے سلام دعا کریں گے اور محبت آمیز بات کریں گے تو میں خوش دلی سے اس کا خیر مقدم کروں گا، اس پر سید محسن اعجاز شاہ نے کہا: جب کاروباری تعلق ختم ہو گیا تو پھر اب اسلامی سلام دعا کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ رخصت کے وقت جب میں نے ان سے معانقہ کرنا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور صرف بے دلی سے مصافحہ کر کے وہ میرے کمرے سے چلے گئے اور یوں ان کے بے رحمانہ اور سنگدلانہ طویل دور کا ڈراپ سین ہو گیا۔

اس دوران ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور کے مینجنگ ڈائریکٹر محترم جناب محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب زید حبہ ولطفہ سے میرا رابطہ ہوا۔ انہوں نے بہت پہلے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے لئے کوئی علمی کام کروں۔ چنانچہ میں نے ان کے ساتھ نعمۃ الباری کی بقیہ جلدوں کا معاہدہ کر لیا ہے۔ محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب بہت خوش اخلاق، فیاض اور دل آویز شخص ہیں اور اپنے والد محترم پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ العزیز متوفی ۱۹۹۸ء کے حسن اخلاق کا مظہر ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی رفاقت اور محبت کو قائم ودائم رکھے، میں اب عمر کے آخری حصہ میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ "نعمۃ الباری" کی بقیہ جلدوں کی میرے ہاتھوں تکمیل کرا دے اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے زیر انتظام اس کی شایان شان طریقہ سے اشاعت کرا دے، وما ذٰلک علی اللہ بعزیز، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ اللّٰھم تقبل منی ھذہ الدعوات بجاہ النبی الکریم علیہ الف الف صلوات وتسلیم، آمین یا رب العالمین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
دار العلوم نعیمیہ، بلاک 15 فیڈرل بی ایریا، عقب ایوب منزل، کراچی
19-03-2012

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٦- تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ

سورۃ الانعام کی تفسیر

سورۃ الانعام کا تعارف

امام ابن المنذر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سورۃ الانعام مکمل مکہ مکرمہ میں رات کو نازل ہوئی اور اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تھے جو بلند آواز سے تسبیح پڑھ رہے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء اور الکلبی سے روایت ہے کہ سورۃ الانعام مکہ میں نازل ہوئی ہے، سوا تین آیتوں کے، وہ مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) قُلْ تَعَالَوْا - تَتَّقُوْنَ تک (الانعام: ۱۵۳-۱۵۱)۔ (۲) مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ (الانعام: ۹۱)۔ (۳) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ (الانعام: ۱۴۱)۔

الکتاب الفائق میں عبد الحسن القیسی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پوری سورۃ الانعام پڑھی اور درمیان میں کوئی بات نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے کیونکہ یہ پوری سورت ایک ساتھ نازل ہوئی ہے اور اس کے ساتھ فرشتوں کی جماعت تھی جنہوں نے زمین اور آسمان کو بھر لیا تھا اور ان کی تسبیح سے زمین لرز رہی تھی۔

اس سورت میں ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) آیتیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۲۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ (الانعام: ۲۳) مَعْذِرَتُهُمْ مَعْرُوْشٰتٍ (الانعام: ۱۴۱) مَا يُعْرَشُ مِنَ الْكَرْمِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ حَمُوْلَةً (الانعام: ۱۴۲) مَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا وَّلَلَبَسْنَا (الانعام: ۹) لَشَبَّهْنَا وَيَنْئَوْنَ (الانعام: ۲۶) يَتَبَاعَدُوْنَ تُبْسَلَ (الانعام: ۷۰) تُفْضَحُ اُبْسِلُوْا (الانعام: ۷۰) اُفْضِحُوا بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ (الانعام: ۹۳) الْبَسْطُ الضَّرْبُ وَقَوْلُهُ اسْتَكْثَرْتُمْ (الانعام: ۱۲۸) مِنَ الْاِنْسِ اَضْلَلْتُمْ كَثِيْرًا مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ (الانعام: ۱۳۶) جَعَلُوا لِلّٰهِ مِنْ ثَمَرَاتِهِمْ وَمَالِهِمْ نَصِيْبًا وَلِلشَّيْطَانِ وَالْاَوْثَانِ نَصِيْبًا اَكِنَّةً (الانعام: ۲۵) وَاحِدُهَا كِنَانٌ اَمَّا اشْتَمَلَتْ (الانعام: ۱۴۴، ۱۴۳) يَعْنِيْ هَلْ تَشْتَمِلُ اِلَّا عَلٰى ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى فَلِمَ تُحَرِّمُوْنَ بَعْضًا وَتُحِلُّوْنَ بَعْضًا مَسْفُوْحًا (الانعام: ۱۴۵) مُهْرَاقًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ (الانعام: ۲۳) اس کا معنی ہے: پھر ان کا اور کوئی عذر نہ ہوگا۔ مَعْرُوْشٰتٍ (الانعام: ۱۴۱) اس کا معنی ہے: چھپر پر چڑھائی ہوئی انگور وغیرہ کی بیلیں۔ حَمُوْلَةً (الانعام: ۱۴۲) اس کا معنی ہے: جن جانوروں پر بوجھ لادا جائے۔ وَّلَلَبَسْنَا (الانعام: ۹) اس کا معنی ہے: ہم نے ان پر شبہ ڈال دیا۔ وَيَنْئَوْنَ (الانعام: ۲۶) اس کا معنی ہے: وہ دور ہو جاتے ہیں۔ تُبْسَلَ (الانعام: ۷۰) اس کا معنی ہے: وہ رسوا کیے جائیں گے۔ اُبْسِلُوْا (الانعام: ۷۰) اس کا معنی ہے: وہ رسوا کیے گئے۔ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ (الانعام: ۹۳) اس کا معنی ہے: مارنا۔ اسْتَكْثَرْتُمْ (الانعام: ۱۲۸) اس کا معنی ہے: یعنی تم نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا۔ ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ (الانعام: ۱۳۶) یعنی انہوں نے اپنے پھلوں اور مالوں میں سے اللہ کا ایک حصہ اور شیطان اور بتوں کا ایک حصہ قرار دیا۔ اَكِنَّةً (الانعام: ۲۵) اس کا واحد کنان

وَصَدَفَ (الانعام: ١٥٧) أَعْرَضَ أُبْلِسُوْا (الانعام: ٤٤) أُوْيِسُوا وَ أُبْسِلُوْا (الانعام: ٧٠) أُسْلِمُوا سَرْمَدًا (القصص: ٧١) دَائِمًا اسْتَهْوَتْهُ (الانعام: ٧١) أَضَلَّتْهُ تَمْتَرُونَ تَشُكُّونَ وَقْرٌ صَمَمٌ وَأَمَّا وَقْرًا (الانعام: ٢٥) فَإِنَّهُ الْحِمْلُ أَسَاطِيْرُ (الانعام: ٢٥) وَاحِدُهَا أُسْطُورَةٌ وَإِسْطَارَةٌ وَهِيَ التُّرَّهَاتُ بِالْبَأْسَاءِ (الانعام: ٤٢) مِنَ الْبَأْسِ وَيَكُونُ مِنَ الْبُؤْسِ (الانعام: ٤٧) جَهْرَةً (الانعام: ٤٧) مُعَايَنَةً الصُّوَرِ (الانعام: ٧٣) جَمَاعَةُ صُورَةٍ كَقَوْلِهِ سُورَةٌ وَسُوَرٌ مَلَكُوْتَ (الانعام: ٧٥) مُلْكٌ مِثْلُ رَهَبُوتٍ خَيْرٌ مِنْ رَحَمُوتٍ وَتَقُولُ تُرْهَبُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُرْحَمَ جَنَّ (الانعام: ٧٦) أَظْلَمَ تَعٰلٰى (الانعام: ١٠٠) عَلَا إِنْ تَعْدِلْ (الانعام: ٧٠) تُقْسِطْ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ يُقَالُ عَلَى اللّٰهِ حُسْبَانُهُ أَيْ حِسَابُهُ وَيُقَالُ حُسْبَانًا (الانعام: ٩٦) مَرَامِيَ وَ رُجُوْمًا لِلشَّيٰطِيْنِ (الملک: ٥) مُسْتَقَرٌّ (الانعام: ٩٨) فِي الصُّلْبِ وَمُسْتَوْدَعٌ (الانعام: ٩٨) فِي الرَّحِمِ الْقِنْوُ (الانعام: ٩٩) الْعِذْقُ وَالِاثْنَانِ قِنْوَانِ وَالْجَمَاعَةُ أَيْضًا قِنْوَانٌ مِثْلُ صِنْوٍ وَصِنْوَانٍ۔

ہے اور اس کا معنی ہے: پردہ۔ أَمَّا اشْتَمَلَتْ (الانعام: ١٤٣، ١٤٤) یعنی کیا مادہ جانوروں کے پیٹ میں نر اور مادہ نہیں ہوتے تو پھر تم کیوں ایک کو حرام اور دوسرے کو حلال قرار دیتے ہو؟ مَسْفُوْحًا (الانعام: ١٤٥) یعنی بہایا ہوا خون۔ وَصَدَفَ (الانعام: ١٥٧) اس کا معنی ہے: اعراض کیا۔ أُبْلِسُوْا (الانعام: ٤٤) اس کا معنی ہے: وہ ناامید کیے گئے۔ أُبْسِلُوْا (الانعام: ٧٠) اس کا معنی ہے: وہ غمگین اور نادم ہوئے۔ سَرْمَدًا (القصص: ٧١) اس کا معنی ہے: ہمیشہ۔ اسْتَهْوَتْهُ (الانعام: ٧١) یعنی گمراہ کیا۔ تَمْتَرُوْنَ (الانعام: ٢) یعنی تم شک کرتے ہو۔ وَقْرًا (الانعام: ٢٥) اس کا معنی ہے: ڈاٹ۔ (وِقْر) اس کا معنی ہے: بوجھ۔ أَسَاطِيْرُ (الانعام: ٢٥) اس کا واحد اُسطورۃ اور اِسطارَۃ ہے اور یہ تُرہات ہیں۔ اس کا معنی ہے: کہانیاں اور لغو باتیں۔ بِالْبَأْسَاءِ (الانعام: ٤٢) یہ بأس سے ماخوذ ہے اور بؤس سے بھی ہے، اس کا معنی خوف اور مایوسی ہے۔ جَهْرَةً (الانعام: ٤٧) اس کا معنی ہے: کھلم کھلا۔ الصُّوَرِ (الانعام: ٧٣) یہ صورۃ کی جمع ہے جیسے سُوْرَۃٌ کی جمع سُوَرٌ ہے۔ مَلَكُوْتَ (الانعام: ٧٥) اس کا معنی ہے: ملک یعنی سلطنت جیسے کہا جاتا ہے: رھبوت رحموت سے بہتر ہے اور تم یوں کہتے ہو کہ تمہیں ڈرایا جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔ جَنَّ (الانعام: ٧٦) یعنی رات کا اندھیرا اس پر چھا گیا۔ تَعٰلٰى (الانعام: ١٠٠) اس کا معنی ہے: وہ بلند ہے۔ إِنْ تَعْدِلْ (الانعام: ٧٠) اس کا معنی ہے کہ اگر وہ (نفس کافر) انصاف (یعنی توبہ) کرے گا تو قیامت کے دن اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے: علی اللہ حسبانہ یعنی اس کا حساب اللہ پر ہے، اور کہا جاتا ہے: حُسْبَانًا (الانعام: ٩٦) مَرَامِيَ (شیطان کو آگ کے گولے مارنے کی جگہیں) اور رُجُوْمًا لِلشَّيٰطِيْنِ (الملک: ٥) (یعنی شیاطین کو آگ کے گولے مارنا) مُسْتَقَرٌّ (الانعام: ٩٨) سے مراد ہے: وہ پشت میں ٹھہرا ہوا ہے اور مُسْتَوْدَعٌ (الانعام: ٩٨) کا معنی ہے: وہ رحم میں رکھا ہوا ہے۔ الْقِنْوُ (الانعام: ٩٩) اس کا معنی ہے: خوشہ۔ اس کا تثنیہ بھی قنوان ہے اور جمع بھی قنوان ہے جیسے صِنْوٌ اور صنوانٌ۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ مَعْذِرَتُهُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر ان کا اور کوئی عذر نہ ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ (الانعام: ۲۳۔۲۲) اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکین سے کہیں گے: تمہارے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے؟○ پھر وہ صرف یہی عذر کر سکیں گے کہ کہیں: اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

مَعْرُوْشَاتٍ مَا يُعْرَشُ مِنَ الْكَرْمِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ۔ مَعْرُوْشٰتٍ اس کا معنی ہے: چھپر پر جو انگور وغیرہ کی بیل چڑھائی جاتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ۔ (الانعام: ۱۴۱) اور وہی ہے جس نے بیلوں والے باغ پیدا کئے اور جس نے درختوں والے باغ پیدا کئے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ معروشات سے مراد ہے: جن کو لوگ چھپروں پر بیلیں چڑھا لیتے ہیں اور غیر معروشات سے مراد وہ ہے جو میدانوں میں اور پہاڑوں میں پھلوں کے درخت ہوتے ہیں۔

حَمُوْلَةً مَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا۔ حَمُوْلَةً کا معنی ہے: جن جانوروں پر بوجھ لادا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا۔ (الانعام: ۱۴۲) اور اس نے بعض (قد آور) مویشی پیدا کئے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں اور بعض زمین سے لگے ہوئے (کوتاہ قد) مویشی پیدا کئے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ الحمولۃ سے مراد ہیں: اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے اور ہر وہ جانور جس پر سامان لادا جائے اور فرش سے مراد ہیں: بکریاں۔

وَلَلَبَسْنَا لَشَبَّهْنَا۔ اور لَلَبَسْنَا کا معنی ہے: ہم نے ان پر مشتبہ کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ (الانعام: ۹) اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں○

اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

يَنْاَوْنَ يَتَبَاعَدُوْنَ۔ وَيَنْئَوْنَ کا معنی ہے: وہ دور ہوتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ۔ (الانعام: ۲۶) اور وہ لوگوں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: کفار مکہ لوگوں کو حق کی پیروی سے منع کرتے ہیں اور (خود بھی) اس

سے دور ہوتے ہیں۔

تُبْسَلُ تُفْضَحُ أُبْسِلُوا أُفْضِحُوا۔ تُبْسَلَ (الانعام:۷۰) کا معنی ہے: وہ رسوا کیے جائیں گے اور أُبْسِلُوْا (الانعام:۷۰) کا معنی ہے: وہ رسوا کیے گئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے دو آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ۔ (الانعام:۷۰) اور اس (قرآن) کے ساتھ ان کو نصیحت کرتے رہو کہیں یہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے رسوائی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

یعنی لوگوں کو قرآن مجید سے نصیحت کرتے رہیے اور ان کو قیامت کے دن کے دردناک عذاب سے ڈرایئے کہ کہیں وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے رسوا نہ ہو جائیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا۔ (الانعام:۷۰) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے رسوائی میں مبتلا کیے گئے۔

بَاسِطُوٓا اَيْدِيْهِمْ الْبَسْطُ الضَّرْبُ۔ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ (الانعام:۹۳) اس کا معنی ہے: مارنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ (الانعام:۹۳) اور (اے مخاطب!) کاش! تو وہ منظر دیکھے جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے): نکالو اپنی جانوں کو۔

بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ کی ایک تفسیر ہے: مارنا اور دوسری تفسیر ہے: ان کو عذاب دینا اور تیسری تفسیر ہے: موت کے وقت ان کے جسموں سے ان کی روحوں کو کھینچ کر نکالنا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عذاب قیامت کے دن ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عذاب دوزخ میں ہوگا۔

وَقَوْلُهُ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ أَضْلَلْتُمْ كَثِيرًا۔ اسْتَكْثَرْتُمْ (الانعام:۱۲۸) یعنی تم نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ۔ (الانعام:۱۲۸) (اور فرمائے گا): اے جنات کی جماعت! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا۔

مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ جَعَلُوا لِلّٰهِ مِنْ ثَمَرَاتِهِمْ وَمَالِهِمْ نَصِيبًا وَلِلشَّيْطَانِ وَالْأَوْثَانِ نَصِيبًا۔ ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ (الانعام:۱۳۶) یعنی انہوں نے اپنے پھلوں اور مالوں میں سے اللہ کا ایک حصہ اور شیطان اور بتوں کا ایک حصہ قرار دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا۔ (الانعام:۱۳۶) اور انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لئے مقرر کر لیا اور بزعم خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لئے اور یہ ہمارے شرکاء کے لئے ہے۔

امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

أَكِنَّةً وَاحِدُهَا كِنَانٌ۔ أَكِنَّةً (الانعام:٢٥) اس کا واحد ہے: کنان اور اس کا معنی ہے: پردہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا۔ (الانعام:٢٥) اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ آپ کی باتیں سمجھ نہ سکیں اور ہم نے ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی ہے۔

یعنی ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ڈاٹ لگادی ہے تا کہ وہ قرآن کو سن نہ سکیں۔

أَمَّا اشْتَمَلَتْ يَعْنِي هَلْ تَشْتَمِلُ إِلَّا عَلَى ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى فَلِمَ تُحَرِّمُونَ بَعْضًا وَتُحِلُّونَ بَعْضًا۔ اَمَّا اشْتَمَلَتْ (الانعام:١٤٤۔١٤٣) یعنی کیا مادہ جانوروں کے پیٹ میں نر اور مادہ نہیں ہوتے تو پھر تم کیوں ایک کو حرام اور دوسرے کو حلال قرار دیتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ آپ کہیے: کیا اس نے دو نر حرام کیے یا دو مادہ حرام کیں یا وہ جسے دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں لیے ہوئے ہیں، مجھے علمی دلیل سے خبر دو اگر تم سچے ہو O (الانعام:١٤٣)

مشرکین اونٹوں کی بعض اجناس کو مردوں اور عورتوں دونوں پر حرام قرار دیتے تھے اور اونٹوں کی بعض اجناس کو صرف عورتوں پر حرام قرار دیتے تھے نہ کہ مردوں پر، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح حرام قرار دیا ہے یا تم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

مَسْفُوحًا مُهْرَاقًا۔ مَّسْفُوْحًا (الانعام:١٤٥) یعنی بہایا ہوا خون۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا۔ آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو۔ (انعام:١٤٥)

امام بخاری نے مَّسْفُوْحًا کی تفسیر مُهْرَاقًا کے ساتھ کی ہے یعنی بہایا ہوا۔ العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی تفسیر کی روایت کی ہے۔

صَدَفَ أَعْرَضَ۔ وَصَدَفَ (الانعام:١٥٧) اس کا معنی ہے: اعراض کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا۔ تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے، اور ان سے اعراض کرے۔ (الانعام:١٥٧)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کیا ہے اور السدی نے کہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل کرنے سے اعراض کیا اور لوگوں کو ان آیات پر ایمان لانے سے روکا۔

أُبۡلِسُوا أُویِسُوا۔ أُبۡلِسُوۡا (الانعام: ۴۴) اس کا معنی ہے: وہ ناامید کیے گئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ۝ (الانعام: ۴۴)

پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی، تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، حتیٰ کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے O

امام ابو عبیدہ نے بھی اَلۡمُبۡلِسِیۡن کی تفسیر میں کہا ہے: جو غمزدہ اور نادم ہوں اور اَلۡفَرّاء نے کہا ہے: اَلۡمُبۡلِس وہ شخص ہوتا ہے جس کی امید منقطع ہو چکی ہو۔

وَ أُبۡسِلُوا أُسۡلِمُوا۔ أُبۡسِلُوۡا (الانعام: ۷۰) وہ غمگین اور نادم ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اُبۡسِلُوۡا بِمَا كَسَبُوۡا (الانعام: ۷۰) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے رسوائی میں مبتلا کیے گئے۔

اس آیت کی تفسیر بھی حسب سابق ہے۔

سَرۡمَدًا دَائِمًا۔ سَرۡمَدًا (القصص: ۷۱) اس کا معنی ہے: ہمیشہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ الَّيۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ۝ (القصص: ۷۱)

فرمایئے: بتاؤ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک رات کر دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے پاس (دن کی) روشنی لے آئے۔ تو کیا تم نہیں سنتے O

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ سورۃ الانعام کی تفسیر میں اس آیت کو لکھنے کی کوئی مناسبت نہیں۔

اسۡتَهۡوَتۡهُ أَضَلَّتۡهُ۔ اسۡتَهۡوَتۡهُ (الانعام: ۷۱) یعنی گمراہ کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلۡ اَنَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعۡقَابِنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّيٰطِيۡنُ فِى الۡاَرۡضِ حَيۡرَانَ۔ (الانعام: ۷۱)

آپ کہیے: کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کریں جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اور ہم اللہ کے ہدایت دینے کے بعد الٹے پاؤں لوٹا دیے جائیں! اس شخص کی طرح جس کو جنات نے جنگل میں بھٹکا دیا ہو اور وہ اس حال میں حیران اور پریشان پھر رہا ہو۔

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جس کو جنات نے گمراہ کر دیا ہو۔

تَمۡتَرُوۡنَ تَشُكُّوۡنَ۔ تَمۡتَرُوۡنَ (الانعام: ۲) یعنی تم شک کرتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر مدت (حیات) مقرر

مُسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○ (الانعام:۲) فرمادی، اور قیامت کا معین وقت اللہ ہی کے پاس ہے، پھر تم لوگ شک کرتے ہو ○

السدی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ تَمْتَرُوْنَ کا معنی ہے: تم اس آیت میں شک کرتے ہو۔

وَقْرٌ صَمَمٌ وَأَمَّا الْوِقْرُ فَإِنَّهُ الْحِمْلُ۔ وَقْرًا (الانعام:۲۵) اس کا معنی ہے: ڈاٹ یا گرانی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا۔ (الانعام:۲۵) اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے۔

اس آیت کی تفسیر حسب سابق ہے۔

وِقْرٌ اس کا معنی ہے: بوجھ۔

امام بخاری نے اس تعلیق کو اس لئے ذکر کیا ہے تا کہ اَلْوَقْر اور اَلْوِقْر کا فرق ظاہر ہو جائے۔ وَقْر کا معنی ڈاٹ ہے اور وِقْر کا معنی بوجھ ہے۔

أَسَاطِيْرُ وَاحِدُهَا أُسْطُورَةٌ وَإِسْطَارَةٌ وَهِيَ التُّرَّهَاتُ۔ اَسَاطِيْرُ (الانعام:۲۵) اس کا واحد اُسْطُوْرَةٌ اور اِسْطَارَةٌ ہے، اس کا معنی ہے: کہانیاں اور لغو باتیں اور یہ تُرہات ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ (الانعام:۲۵) حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس بحث کرتے ہوئے آئیں گے تو کہیں گے: یہ قرآن تو محض پہلے لوگوں کا قصہ کہانی ہے ○

اَسَاطِيْرُ کا معنی ہے: باطل باتیں۔ ابوزید نے کہا: تُرَّهَاتٌ، تُرَّهَةٌ کی جمع ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ تُرَّهَات کا معنی ہے: وہ چھوٹے راستے جو کسی بڑی شارع کی طرف نکلتے ہوں اور یہ باطل باتوں سے کنایہ ہے۔ الاصمعی نے کہا ہے کہ تُرَّهَات اصل میں فارسی لفظ ہے جس کو عربی بنالیا گیا ہے۔

اَلْبَأْسَاءُ مِنَ الْبَأْسِ وَيَكُوْنُ مِنَ الْبُؤْسِ۔ بِالْبَاْسَآءِ (الانعام:۴۲) یہ بَأس سے ماخوذ ہے اور بُؤس سے بھی ہے، اس کا معنی خوف اور مایوسی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۞ (الانعام:۴۲) اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے ان کو خوف اور مایوسی میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ گڑگڑا کر دعا کریں ○

امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جائز ہے کہ اَلْبَأْسَاءُ، اَلْبَأْس سے ماخوذ ہو، جس کا معنی شدت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اَلْبُؤْس سے ماخوذ ہو جس کا معنی ضرر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی فقر اور بدحالی ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اَلْبَأْس کا معنی قتال ہے۔

جَهْرَةً مُعَايَنَةً۔ جَهْرَةً (الانعام:۴۷) اس کا معنی ہے: کھلم کھلا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ (الانعام:٤٧)

آپ کہیے! یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اچانک یا کھلم کھلا اللہ کا عذاب آجائے تو ظالم لوگوں کے سوا اور کون ہلاک کئے جائیں گے O

بَغْتَةً کا معنی ہے: اچانک اور جَهْرَةً کا معنی ہے: مشاہدہ، امام ابوعبیدہ نے اسی طرح تفسیر کی ہے۔

الصُّوَرُ جَمَاعَةُ صُوْرَةٍ كَقَوْلِهٖ سُوْرَةٌ وَسُوَرٌ۔

اَلصُّوْرِ (الانعام:٧٣) یہ صُوْرَةٌ کی جمع ہے جیسے سُوْرَةٌ کی جمع سُوَرٌ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ لَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ۝ (الانعام:٧٣)

اور اس کی حکومت ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا، وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی نہایت حکمت والا، بہت خبر رکھنے والا ہے O

امام بخاری نے کہا ہے کہ صور، صورۃ کی جمع ہے۔ امام ابن جریر نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ صُور سے مراد وہ سینگ ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے پوچھا: یارسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی اور یہ واحد لفظ ہے، اسم جمع نہیں۔

مَلَكُوْتٌ مُلْكٌ مِثْلُ رَهَبُوْتٍ خَیْرٌ مِنْ رَحَمُوْتٍ وَتَقُوْلُ تُرْهَبُ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تُرْحَمَ۔

مَلَكُوْتَ (الانعام:٧٥) اس کا معنی ہے: ملک یعنی سلطنت، جیسے کہا جاتا ہے: رَهَبُوْت، رَحَمُوْت سے بہتر ہے اور تم کہتے ہو کہ تمہیں ڈرایا جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ۝ (الانعام:٧٥)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت دکھائی اور اس لئے کہ وہ (کامل) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں O

الجوہری نے کہا ہے کہ الملکوت، ملک سے ماخوذ ہے جیسے رَھبوت، اَلرُّھبة سے ماخوذ ہے اور ان دونوں لفظوں میں واؤ اور تاء دونوں زائد ہیں۔ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ کا معنی ہے کہ ہر چیز اس کی ملک میں ہے اور وہ ہر چیز کا مالک ہے اور وہ ہر چیز میں جس طرح چاہے تصرف کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ملکوت کا معنی ہے: عالم الغیب، جس طرح ملک کا معنی ہے: عالم الشهادة۔ امام بخاری نے جو کہا کہ رَھبوت، رَحموت سے بہتر ہے اور تم کو ڈرایا جائے، وہ تم پر رحم کئے جانے سے بہتر ہے، یہ بہت کمزور تاویل ہے۔

جَنَّ اَظْلَمَ۔

جَنَّ (الانعام:٧٦) یعنی رات کا اندھیرا اس پر چھا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا۔ (الانعام:٧٦)

پھر جب ان پر رات کا اندھیرا چھا گیا تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔

یہ ابوعبیدہ کی تفسیر کے مطابق ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ جَنَّ کا معنی ہے: ڈھانپ لیا اور اندھیرا کر دیا۔

تَعَالٰى عَلَا۔

تَعٰلٰی (الانعام:١٠٠) اس کا معنی ہے: وہ بلند ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ (الانعام:۱۰۰) اور وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ بیان کرتے ہیں O

نسفی نے اس کی تفسیر کی ہے: ظالم اور جاہل لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لئے شرکاء قرار دیتے ہیں اور اس کے لئے اولاد بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام اوصاف سے بہت بلند اور برتر ہے۔

وَاِنْ تَعْدِلْ تُقْسِطْ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔ اِنْ تَعْدِلْ (الانعام:۷۰) اس کا معنی ہے کہ اگر وہ (نفس کافر) انصاف کرے (یعنی توبہ کرے) تو قیامت کے دن اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا۔ (الانعام:۷۰) اور اگر وہ ہر قسم کا فدیہ دے تو اس سے نہیں لیا جائے گا۔

امام بخاری نے تَعْدِلْ کا معنی انصاف کیا ہے اور اس کی ضمیر نفس کافر کی طرف لوٹائی ہے یعنی اگر قیامت کے دن کافر انصاف کرے (اور انصاف سے مراد توبہ ہے) تو اس کا یہ عمل قبول نہیں کیا جائے گا۔ امام ابوعبیدہ نے عدل کی تفسیر توبہ سے کی ہے، یعنی قیامت کے دن توبہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ توبہ تو زندگی میں نفع دیتی ہے موت کے بعد نہیں۔

يُقَالُ عَلَى اللّٰهِ حُسْبَانُهٗ أَيْ حِسَابُهٗ وَيُقَالُ حُسْبَانًا۔ علی اللہ حسبانہ یعنی اس کا حساب اللہ پر ہے اور کہا جاتا ہے: حُسْبَانًا (الانعام:۹۶)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا۔ (انعام:۹۶) وہ رات کو چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لئے بنایا اور سورج اور چاند کو ایک حساب سے چلایا۔

حُسْبان حساب کی جمع ہے اور تفسیر میں ہے کہ سورج اور چاند حساب سے چلتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر اور اضطراب نہیں ہے۔

مَرَامِيَ وَرُجُوْمًا لِلشَّيَاطِيْنِ۔ مَرَامِي: شیطان کو آگ کے گولے مارنے کی جگہ۔ رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ (الملک:۵) یعنی شیطان کو آگ کے گولے مارنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے سورۃ الملک:۵ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کی تفسیر کتاب بدء الخلق میں گزر چکی ہے۔

مُسْتَقَرٌّ فِي الصُّلْبِ وَمُسْتَوْدَعٌ فِي الرَّحِمِ۔ (مُسْتَقَرٌّ) فی الصلب (الانعام:۹۸) یعنی وہ پشت میں ٹھہرا ہوا ہے، (مُسْتَوْدَعٌ) فی الرحم یعنی وہ رحم میں رکھا ہوا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ۔ (الانعام:۹۸) وہی ہے جس نے تم (سب) کو ایک نفس سے پیدا کیا، پھر ہر ایک کے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور اس کی سپردگی کی جگہ ہے۔

امام بخاری نے مستقر کی تفسیر کی ہے: فی الصلب یعنی وہ نطفہ پشت میں رکھا ہوا ہے اور مُسْتَوْدَعٌ کی تفسیر کی ہے: فی الرحم یعنی وہ نطفہ رحم میں ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور مجاہد، عطاء، نخعی، ضحاک اور قتادہ کے قول کے

مطابق ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ مستقر کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے اور مُسْتَوْدَعٌ کا تعلق اس کی موت کے وقت کے ساتھ ہے۔اور امام طبرانی کی حدیث میں ہے کہ مستقر کا تعلق رحم کے ساتھ ہے اور مستودع کا تعلق زمین کے ساتھ ہے۔

اَلْقِنْوُ الْعِذْقُ وَالِاثْنَانِ قِنْوَانِ وَالْجَمَاعَةُ أَيْضًا قِنْوَانٌ مِثْلُ صِنْوٍ وَصِنْوَانٍ۔ اَلْقِنْوُ (الانعام:۹۹) اس کا معنی ہے: خوشہ، اس کا تثنیہ بھی قنوان ہے اور جمع بھی قنوان ہے، جیسے صِنْوٌ اور صِنْوَان۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ۔ (الانعام:۹۹) اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے پیدا کیے۔

اَلْقِنْوُ واحد ہے اور اس کا تثنیہ اور جمع قنوان ہے اور ان دونوں میں فرق اس طرح ہے کہ تثنیہ میں ہر حال میں نون پر زیر ہوگی اور جو قنوان جمع ہے اس میں نون پر اعراب بہ اعتبار عوامل ہوگا مثلاً جَاءَنِیْ قِنْوَانٌ میرے پاس ایک خوشہ آیا اور رَأَیْتُ قِنْوَانًا، میں نے ایک خوشہ دیکھا اور مَرَرْتُ بِقِنْوَانٍ، میں ایک خوشہ کے پاس سے گزرا۔

نوٹ: ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۰۲-۲۹۵ سے لی گئی ہے۔

۱۔ بَابٌ: وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔ (الانعام:۵۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا (الانعام:۵۹) کی تفسیر

غیب کی تعریف

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: جس چیز کا حواس (خمسہ) سے ادراک نہ کیا جا سکے اور نہ اس کو ابتداءً عقل سے معلوم کیا جا سکے، وہ غیب ہے۔اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے۔(المفردات ص ۳۶۷، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ، ایران، ۱۳۴۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں: جو چیز تم سے غائب ہو، وہ غیب ہے۔ابو اسحاق زجاج نے "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" کی تفسیر میں کہا ہے: جو چیز متقین سے غائب تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی خبر دی، وہ غیب ہے، جیسے مرنے کے بعد اٹھنا، جنت، دوزخ اور ہر وہ چیز جو ان سے غائب تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی خبر دی، وہ غیب ہے۔(تاج العروس ج ۱ ص ۴۱۶، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ)

الانعام:۵۹ میں مذکور مَفَاتِحُ الْغَيْبِ کی لفظی اور معنوی تحقیق

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اَلْمَفَاتِحُ، اَلْمَفْتَحُ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: المفتاح یعنی چابی یا کنجی اور اس کا معنی یہ ہے کہ علم غیب تک پہنچنے کا ذریعہ اسی کے پاس ہے۔السدی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے، خزائن الغیب (تفسیر طبری ج ۵ ص ۲۱۰) اور مقاتل نے کہا ہے کہ عذاب کے غیب کا علم کہ وہ عذاب تم پر کب نازل ہوگا (تفسیر بغوی ج ۳ ص ۱۵۰) اور دوسروں نے کہا ہے: اس سے مراد ہے جو چیزیں ابن آدم سے غائب ہیں مثلاً زمین کے خزانے اور رزق اور بارش اور ثواب اور بعض علماء نے کہا: اس سے مراد شقاوت اور سعادت ہے یعنی بدبختی اور نیک بختی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ ہی کو علم ہے کہ بارش کب اور کیسے نازل ہوگی۔ایک اور قول یہ ہے کہ اس سے مراد اعمال کا خاتمہ ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ازخود کوئی نہیں جانتا کہ بندے کا کس عمل پر خاتمہ ہوگا۔

اور جب کہ چابیوں سے مُقفّل خزانے کو کھولا جاتا ہے توجس کو چابیوں کا علم ہوگا وہ غیب کے ان خزانوں کو کھول سکے گا اور ان چابیوں کا اللہ عزوجل ہی کو علم ہے۔(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۳۲۸۔۳۲۷، وزارۃ الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا ہے کہ مَفَاتِحُ مِفْتَحٌ کی جمع ہے جس سے کسی چیز کو کھولا جاتا ہے۔ اسم آلہ میں یہ لغت بہت کم مستعمل ہے اور مشہور یہ ہے کہ مفتاح کی جمع مفاتیح ہے۔ اور امام طبری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا ہے سوا مفاتح الغیب کے۔(فتح الباری ج ۵ ص ۵۸۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ غیب کے لئے چابیاں بطور استعارہ ہیں کیونکہ چابیوں سے ان بند خزانوں کو کھولا جاتا ہے جن میں قفل لگا ہوا ہو اور جس کو ان چابیوں کا علم ہوگا اور یہ پتا ہوگا کہ ان چابیوں سے قفل کو کیسے کھولا جاتا ہے تو وہ غیب کے خزانوں سے علم حاصل کرلے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ مُغیبات کا علم صرف اسی کو ہے اور کوئی ان مُغیبات کا علم حاصل نہیں کرسکتا جیسے جس شخص کے پاس خزانوں کی چابیاں ہوں اور اس کو قفل کھولنے کا طریقہ معلوم ہو تو وہی ان بند خزانوں کو کھول سکتا ہے اور کوئی نہیں کھول سکتا۔(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مفاتح الغیب کی تفسیر میں علامہ ابن الملقن، علامہ ابن حجر اور علامہ عینی پر مصنف کا تعاقب

ان شارحین نے مطلق علم غیب کا حصر اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ میں کیا ہے، حالانکہ غیب کے علم کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور عطائی۔ اگر مطلق علم غیب کا اللہ کی ذات میں حصر کیا جائے تو اس کا معنی ہوگا: علم غیب خواہ ذاتی ہو یا عطائی وہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے مقبول بندوں کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو تو کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے، سو ان علماء اور مفسرین کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ ذاتی علم غیب صرف اللہ عزوجل ہی کے پاس ہے اور وہی ازخود ہر غیب کو جاننے والا ہے، وہ غیب کو جاننے میں کسی سبب، کسی ذریعہ اور کسی کی تعلیم کا محتاج نہیں ہے، ہاں! تمام مخلوق غیب کو جاننے میں اس کی طرف محتاج ہے۔

مقبول بندوں کو علم غیب عطا کرنے میں محققین علماء کی تصریحات

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی المالکی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

ان مغیبات کے علم کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو علم عطا فرمائے یا جس کو چاہے ان مغیبات میں سے کسی ایک چیز کا علم عطا فرمائے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔(الجن:۲۷۔۲۶)

وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا ماسوا انکے جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اس کے بعد علامہ قرطبی لکھتے ہیں: سو جس شخص نے ان پانچ مغیبات میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بغیر کسی چیز کے علم کا دعویٰ کیا تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا۔(المفہم ج ۱ ص ۱۵۶، دار ابن کثیر، بیروت ۱۴۲۰ھ)

علامہ قرطبی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مغیبات خمسہ میں سے جتنا اس نے چاہا، آپ کو علم عطا فرمایا ہے اور آپ کے واسطے سے دوسرے مقبول بندوں کو ان پانچ مغیبات میں سے جتنا اس نے چاہا ان کو اتنا علم عطا فرمایا ہے۔ علامہ قرطبی کی اس عبارت کو علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ بدرالدین عینی، ملا علی قاری اور دیوبندیوں کے عالم شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ ان کے حوالہ جات درج ذیل ہیں:

(فتح الباری ج ا ص ۱۲۴، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ، عمدۃ القاری ج ا ص ۲۹۰، مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ، مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۶۵، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان ۱۳۹۰ھ، فتح الملہم ج ا ص ۱۷۲، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز، کراچی)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں کا علم بھی دیا گیا ہے اور وقت وقوع قیامت اور روح کا علم بھی دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۴ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ سورۂ لقمان کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجن: ۲۶ میں فرمایا ہے: وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا O ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ لوگوں کو خبر دیتے ہیں کہ وہ کیا کھاتے ہیں اور کیا گھر میں رکھتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام لوگوں کو خواب کی تعبیر بیان کرتے تھے۔ ان کے علاوہ جو معجزات اور کرامات ظاہر ہیں، اس کا ثبوت سورۃ الجن کی اس آیت سے ہے کیونکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بعض غیب پر مطلع فرماتا ہے اور ولی اس کے رسول کے تابع ہیں اور ولی رسول علیہ السلام سے اکتساب فیض کرتا ہے اور رسول اور ولی کے علم میں فرق یہ ہے کہ رسول ان غیوب کے علم پر وحی کی اقسام سے مطلع ہوتا ہے اور ولی ان غیوب پر خواب کے ذریعے یا الہام سے مطلع ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۰، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۴۶۲۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ﴿إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝﴾ (لقمان: ۳۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از سالم بن عبداللہ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کی پانچ چابیاں ہیں، بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہی جانتا ہے ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے اور کوئی شخص از خود نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص از خود جانتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ بے حد جاننے والا، بہت زیادہ خبر رکھنے والا ہے O (لقمان: ۳۴)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۳۹ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَابٌ: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ (الانعام: ۶۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہیے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے۔ (الانعام: ۶۵) کی تفسیر

يَلْبِسَكُمْ (الانعام: ۶۵) یہ التباس سے ماخوذ ہے، يَلْبِسُوْا (الانعام: ۸۲) اس کا معنی ہے: وہ خلط ملط ہو گئے اور شِيَعًا (الانعام: ۶۵) مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

۴۶۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ (الانعام: ۶۵) قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَعُوذُ بِوَجْهِكَ قَالَ ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ (الانعام: ۶۵) قَالَ أَعُوذُ بِوَجْهِكَ ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ (الانعام: ۶۵) قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم هٰذَا أَهْوَنُ أَوْ هٰذَا أَيْسَرُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عمرو بن دینار از حضرت جابر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: آپ کہیے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے (الانعام: ۶۵) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: میں تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (الانعام: ۶۵) تو آپ نے دعا کی: میں تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعضوں کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھادے۔ (الانعام: ۶۵) تو آپ نے فرمایا یہ بہت ہلکا ہے یا آپ نے فرمایا: یہ بہت آسان ہے۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ۲۵۱۶ میں گزر چکی ہے۔

اس امت کا آپس کی لڑائیوں میں مبتلا ہونا ان کے گناہوں کا کفارہ ہے

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

تمہارے اوپر سے: جیسے آسمان سے پتھر برسائے مثلاً قوم لوط پر یا جیسے ابرہہ کے لشکر پر ابابیلوں نے کنکریاں برسائیں۔
تمہارے پاؤں کے نیچے سے: اس کا معنی ہے: زمین میں دھنسا دینا جیسے قارون کو زمین میں دھنسا دیا یا آل فرعون کو سمندر میں غرق کر دیا یا قوم نوح کو غرق کرنے کے لئے موسلا دھار بارش نازل کی، دوسری تفسیر یہ ہے کہ ''تمہارے اوپر سے'' کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اکابر اور تمہارے سلاطین سے اور ''تمہارے پاؤں کے نیچے سے'' کا معنی ہے: جو لوگ تمہارے نیچے اور تمہارے غلام ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمہارے اوپر سے، کا معنی ہے: بارش کو روک لینا اور تمہارے پیروں کے نیچے سے، کا معنی ہے: زمین کی پیداوار کو روک لینا۔ اس تفسیر کو امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۲۳۹)
اور تمہارے بعضوں کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے: اس کا معنی ہے: فتنے اور اختلاف، یہ مجاہد کی تفسیر ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۹۰)
یہ بہت ہلکا ہے یا بہت آسان ہے: یعنی جو فتنے مخلوق کے درمیان واقع ہوں گے، ان کا عذاب اللہ کے عذاب سے بہت ہلکا ہے اور یہ امت فتنوں میں مبتلا ہوئی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ آپ کی امت کے اوپر کوئی ایسا دشمن

غالب نہ ہو جو آپ کی امت کا غیر ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آپ کو عطا کر دیا، اور دوسری دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے وہ بھی آپ کو عطا کر دیا، اور جب یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے روک دیا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ جب آپ کی امت آپس کی لڑائیوں میں مبتلا ہو گی تو اس سے ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۳۳۱۔ ۳۳۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۰ھ)

باب مذکور کی حدیث کے موافق دیگر احادیث

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس باب کی حدیث کے موافق متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت سے چار چیزیں اٹھا لے تو اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں اٹھا لیں اور دو چیزوں کے اٹھانے سے انکار کر دیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان سے پتھروں کے برسنے کو اٹھا لے اور ان سے زمین میں دھنسائے جانے کے عذاب کو اٹھا لے اور یہ دعا کی کہ وہ مختلف فرقوں میں مبتلا نہ ہوں اور امت کے بعض افراد کو دوسرے بعض افراد کی لڑائی سے مزہ نہ چکھائے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے زمین میں دھنسنے کو اور پتھر برسنے کو اٹھا لیا اور دوسرے دو عذابوں کو اٹھانے سے انکار فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہارے اوپر سے یا تمہارے نیچے سے، اس کی نظیر درج ذیل آیت میں ہے:

اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ اَوۡ یُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا۔ (الاسراء: ۶۸)

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ وہ تمہیں خشکی کے کسی کنارے میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسا دے۔

(۲) امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ العبدی نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ چند قبائل کو زمین میں دھنسا نہ دیا جائے۔

(۳) امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسنا ہو گا اور مسخ ہو گا اور آسمان سے پتھروں کا برسنا ہو گا۔

(۴) امام احمد نے، امام ابن ماجہ نے، امام بزار نے اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے لیکن ان کی اسانید پر جرح ہے، البتہ ان اسانید کا تعدد اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے۔

(۵) امام مسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے میرے لئے زمین کے مشارق اور مغارب کو لپیٹ دیا اور جہاں تک ان کو لپیٹا ہے میری امت وہاں تک پہنچے گی اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ میری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کرنا اور یہ کہ میری امت پر ان کے غیر کو مسلط نہ کرنا اور یہ کہ میری امت کو مختلف فرقوں میں تقسیم نہ کرنا اور میری امت کو ایک دوسرے کی لڑائی کا مزہ نہ چکھانا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! جب میں کوئی فیصلہ کر لوں تو وہ مسترد نہیں کیا جاتا اور میں نے آپ کی امت کو یہ عطا کر دیا ہے کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان کے اوپر ان کے غیر کو مسلط نہیں کروں گا حتیٰ کہ وہ خود ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور امام طبری نے سند صحیح کے ساتھ حضرت شداد سے یہ روایت کی ہے کہ بعض مومنوں کے اوپر ان کے دشمن کافر کو مسلط کیا گیا ہے لیکن یہ بطریق عموم نہیں تھا، اسی طرح بعض مسلمانوں کو زمین میں دھنسایا گیا اور بعض پر پتھر برسائے گئے لیکن یہ بھی بطریق عموم نہیں تھا اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان پر بطریق عموم پتھر نہیں برسائے جائیں گے یا پوری امت کو زمین میں دھنسایا نہیں جائے گا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۸۴۔ ۵۸۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابٌ: وَلَمْ يَلْبِسُوٓا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ۔ (الانعام:۸۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا (الانعام:۸۲) کی تفسیر

۴۶۲۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوٓا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ﴾ (الانعام:۸۲) قَالَ أَصْحَابُهُ وَأَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَنَزَلَتْ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان:۱۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از شعبہ از سلیمان از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا (الانعام:۸۲) تو آپ کے اصحاب نے کہا: ہم میں سے کون شخص ظلم نہیں کرتا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے O (لقمان:۱۳)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲ میں گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ظلم کا ایک معنی ہے: غیر کی ملک میں تصرف کرنا یا کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا، جیسے کوئی شخص کسی کی چیز دوسرے کو دے دے یا مسجد میں دخول کے وقت پہلے بایاں پیر رکھ دے، لیکن یہ معنی الانعام: ۸۲ کے منافی نہیں ہے۔ یہ پوری آیت اس طرح ہے:

اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوٓا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ (الانعام:۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا، ان ہی کے لئے بے خوفی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں O

پس صحابہ کرام کو یہ اشکال ہوا کہ ظلم تو کبھی خلاف اولیٰ کا ارتکاب بھی ہوتا ہے، سو اگر دوزخ سے نجات ظلم نہ کرنے پر موقوف ہے تو پھر ہم میں سے کسی کی بھی نجات نہیں ہوگی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ظلم کا ایک معنی شرک بھی ہے کیونکہ شرک میں بھی عبادت کو غیر محل میں رکھا جاتا ہے، جیسا کہ لقمان: ۱۳ میں ہے اور الانعام: ۸۲ میں جو فرمایا کہ ''جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا'' اس سے مراد بھی شرک ہے یعنی جنہوں نے ایمان لانے کے بعد شرک نہیں کیا، ان ہی کو دوزخ سے نجات ملے گی۔

۴۔ بَابٌ: وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِينَ (الانعام:۸۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور یونس اور لوط، اور ہم نے سب کو (ان کے زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی O (الانعام:۸۶) کی تفسیر

۴۶۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از ابی العالیہ، انہوں نے کہا: مجھے تمہارے نبی کے عم زاد نے حدیث بیان کی یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ کسی بندے

کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں حضرت یونس بن متّی (علیہ السلام) سے بہتر ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۹۵ میں گزر چکی ہے۔

۴۶۳۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعد بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے سنا از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: کسی بندے کو یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں حضرت یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۱۵ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کے خلاف دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور اس پر فخر نہیں ہے اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر فخر نہیں ہے اور اس دن ہر نبی خواہ حضرت آدم ہوں یا ان کے ماسوا سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے زمین مجھ سے شق ہوگی اور اس پر فخر نہیں ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
(سنن ترمذی: ۳۶۱۵، مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے، اس میں مذکور ہے کہ: سنو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور اس پر فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں ہے اور میں وہ ہوں جو سب سے پہلے جنت کے دروازے کو کھٹکھٹائے گا، پس وہ دروازہ میرے لئے کھول دیا جائے گا، پس اللہ تعالیٰ مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور فخر نہیں ہے اور میں تمام اولین اور آخرین سے زیادہ مکرم ہوں اور فخر نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۱۶)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ میں تمام نبیوں سے افضل ہوں اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی بندہ یہ نہ کہے کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں، سو اس باب کی حدیث کا ان احادیث سے تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ تمام نبیوں سے افضل ہیں یا یہ آپ کا ارشاد بطور تواضع اور انکسار ہے۔

۵۔ بَابٌ: أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ (الانعام: ۹۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ (الانعام: ۹۰) کی تفسیر

۴۶۳۲۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث

أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ أَنَّ مُجَاهِدًا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ أَفِي ص سَجْدَةٌ فَقَالَ نَعَمْ ثُمَّ تَلَا ﴿وَ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَ يَعْقُوبَ إِلَى قَوْلِهِ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ۸۴-۹۰) ثُمَّ قَالَ هُوَ مِنْهُمْ زَادَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ وَسَهْلُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ الْعَوَّامِ عَنْ مُجَاهِدٍ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صلی اللہ علیہ وسلم مِمَّنْ أُمِرَ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ۔

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان الاحول نے خبر دی کہ ان کو مجاہد نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا سورۂ ص میں سجدہ ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! پھر یہ آیت تلاوت کی: اور ہم نے ''انہیں اسحاق اور یعقوب'' عطا کیا (الانعام: ۸۴) یہ آیت یہاں تک پڑھی تو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں (الانعام: ۹۰) پھر کہا: اور آپ بھی ان میں سے ہیں اور یزید بن ہارون اور محمد بن عبید اور سہل بن یوسف نے از عوام از مجاہد یہ اضافہ کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا: کیا آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان میں سے ہیں جن کو ان نبیوں کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۲۱ میں گزر چکی ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ انبیاء سابقین کے مقتدی ہیں حالانکہ آپ کا مقام مقتدٰی ہونا ہے نہ کہ مقتدی ہونا

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء سابقین کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام یہ ہے کہ آپ کی پیروی کی جائے نہ یہ کہ آپ کسی کی پیروی کریں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء سابقین علیہم السلام کے عقائد کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور عقائد تمام نبیوں کے ایک ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۳۴۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ ناسخ کے نازل ہونے تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ شریعتوں پر عمل کرتے تھے یا نہیں؟ بعض علماء نے اثبات کا قول کیا ہے اور ان کی دلیل یہی آیت (الانعام: ۹۰) ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں! اور انہوں نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ انبیاء سابقین کی ان اعمال میں پیروی کریں جو آپ کی شریعت میں بھی مذکور ہیں۔ اکثر شافعی علماء نے اور امام الحرمین نے اور ابن حاجب نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۸۵، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: اس آیت کا معنی ہے: اے رسول مکرم! ان نبیوں اور رسولوں نے جو عمل کیا ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں اور جس منہاج پر یہ چلتے رہے ہیں اسی منہاج پر چلیں اور ہماری دی ہوئی ہدایت اور توفیق کے مطابق جس طرح انہوں نے زندگی گزاری ہے، آپ اسی طرح زندگی گزاریں اور ان تمام نبیوں اور رسولوں کے جس قدر محاسن اور خوبیاں ہیں آپ وہ سب اپنے اندر جمع کرلیں۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم منقبت ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں میں جو خوبیاں اور کمالات الگ الگ اور متفرق طور پر پائے جاتے تھے، وہ سب کمالات آپ کی ذات میں جمع ہو گئے، جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام مالک بن بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ حسن اخلاق کو مکمل کر دوں۔

(الموطا: ۱۶۷۷، مشکوٰۃ: ۵۰۶۷-۵۰۶۶)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں صالح اخلاق کو مکمل کر دوں۔ (المستدرک: ج ۲ ص ۶۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۹۲، الاستذکار: ۳۸۹۴۲، مسند احمد: ۸۹۳۲، شیخ احمد شاکر نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد: ۳۸۱، طبع قدیم، کنز العمال: ۳۱۹۶۹)

امام احمد بن عمر عتکی بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے صرف مکارم اخلاق کو پورا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

(مسند البزار: ۲۴۷۰، المعجم الاوسط: ۶۸۹۱، علامہ الہیثمی نے کہا: امام بزار کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۵، طبرانی کی روایت میں ایک راوی ضعیف ہے، الدر المنثور ۵: ۱۶۸)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ صفات کمال اور خصال شرف ان میں متفرق ہیں۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نعمت پر بے حد شکر کرنے والے تھے، اور حضرت ایوب علیہ السلام آزمائشوں پر بہت صبر کرنے والے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام صبر اور شکر کے جامع تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی شریعت کے بانی اور غالب معجزات کے حامل تھے اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہم السلام زہد میں راسخ قدم رکھتے تھے، حضرت اسماعیل پر صدق غالب تھا اور حضرت یونس علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں بہت گڑگڑا کر دعا کرنے والے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء علیہم السلام کا یہاں ذکر فرمایا ہے، ان میں سے ہر ایک پر شرف اور فضیلت کی کوئی نہ کوئی صفت غالب تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ ان تمام انبیاء کی اتباع کریں، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ عبودیت اور اطاعت کی کل صفات جو ان تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں، آپ تنہا ان صفات سے متصف ہو جائیں اور خصائل رفیعہ اور شمائل جمیلہ کو اپنی ذات میں جمع کر لیں، اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا تو یہ محال ہے کہ آپ ان صفات کمال کے حصول میں کوئی کوتاہی کریں، پس ثابت ہوا کہ شرف اور فضیلت کی یہ تمام صفات آپ کی ذات میں جمع ہو گئیں اور جو کمال تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق تھے، وہ سب آپ کی ذات مبارکہ میں جمع ہو گئے، لہٰذا یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

(تفسیر کبیر: ج ۵ ص ۵۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ، ج ۱۳ ص ۷۱، مطبوعہ مصر)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہئے: میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرت یہ تھی کہ وہ دین کو پہنچانے اور شریعت کی تبلیغ کرنے پر اجر اور معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے تھے تو آپ نے بھی ان کے طریقہ کی پیروی کی اور

فرمایا: میں دین کے پہنچانے کے عوض تم سے کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتا اور یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ یعنی تمام انسانوں کو اپنی دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے لئے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے، وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے انسانوں کی طرف مبعوث ہیں نہ کہ کسی ایک قوم کی طرف۔

علامہ شہاب الدین القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں کیونکہ اللہ سبحانہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ان کی ہدایت کی اقتداء کریں اور اس حکم پر آپ کا عمل کرنا واجب ہے، پس ضروری ہوا کہ آپ کی ذات مقدسہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے فضائل اور اخلاق متفرقہ مجتمع ہو جائیں، سو اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور جن امور میں آپ کو اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اصول دین ہیں جو کہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کا نام ہدایت مطلقہ رکھا جائے کیونکہ وہ نسخ کو قبول نہیں کرتے، اسی طرح ان انبیاء علیہم السلام کے مکارم اخلاق اور صفات محمودہ و مشہودہ بھی نسخ کو قبول نہیں کرتے۔ سو انبیاء علیہم السلام میں جو الگ الگ مکارم اخلاق تھے وہ سب آپ میں جمع ہو گئے۔ (ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۲۳۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے یہ پوری عبارت نقل کی ہے۔

(عون الباری ج ۵ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

٦- بَابٌ: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ۔ (الانعام: ١٤٦)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ الْبَعِيْرُ وَالنَّعَامَةُ اَلْحَوَايَآ الْمَبْعَرُ وَقَالَ غَيْرُهُ هَادُوْا صَارُوْا يَهُوْدًا وَأَمَّا قَوْلُهُ هُدْنَآ تُبْنَا هَائِدٌ تَائِبٌ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور ہم نے ان پر گائے اور بکری کی چربی حرام کر دی تھی (الانعام: ۱۴۶) کی تفسیر

حضرت ابن عباس نے فرمایا: كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ (الانعام: ۱۴۶) یعنی ہر ناخن والے جانور، اس سے مراد اونٹ اور شتر مرغ ہے۔ اَلْحَوَايَآ (الانعام: ۱۴۶) یعنی انتڑیاں یعنی مینگنیوں کی جگہ اور دوسروں نے کہا: هَادُوْا (الانعام: ۱۴۶) اس کا معنی ہے: وہ یہودی ہو گئے اور هُدْنَآ (الاعراف: ۱۵۶) اس کا معنی ہے: ہم نے توبہ کی اور ھائد کا معنی ہے: تائب۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو قول ذکر کیا ہے اس کو امام ابن المنذر نے علی بن ابی طلحہ سے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہر ناخن والے جانور، قتادہ نے کہا: یہ وہ پرندے ہیں جن کے ناخن ملے ہوئے ہوں، الگ الگ نہ ہوں، جیسے بطخ۔ (تفسیر طبری: ج ۵ ص ۳۸۲)

اور اہل لغت کے نزدیک یہ وہ پرندے ہیں جو اپنے پنجوں سے شکار کرتے ہیں اور ان میں تمام وہ پرندے داخل ہو گئے جو ناخنوں سے شکار کرتے ہیں اور کتوں اور بلیوں اور درندوں کی تمام اقسام، یہی الزجاج کا مختار ہے۔ (معانی القرآن، ج ۲ ص ۳۰۱)

اور یہ کھر والے جانور ہیں جیسے اونٹ اور وہ جانور ہیں جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہیں ہوتیں، جیسے بطخ۔

اور ابن زید نے کہا کہ ناخن والے جانور صرف اونٹ ہیں۔ (تفسیر طبری: ج۵ ص ۳۸۲)

اور القتبی نے کہا: یہ ہر وہ پرندہ ہے جس کے پنجے ہوں اور ہر وہ چوپایہ ہے جس کے کھر ہوں اور انہوں نے اس قول کی بعض مفسرین سے حکایت کی ہے اور انہوں نے کہا: کھر کو بہ طور استعارہ ناخن کہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اَلْحَوَایَا کی تفسیر اَلْمَبَاعِرْ یعنی مینگنیوں کی جگہ سے کی ہے۔ اس کو ابن منذر نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور الضحاک سے روایت ہے کہ الحوایا کا معنی ہے: اَلْمَرَابِض یعنی پیٹ میں آنتوں کے جمع ہونے کی جگہ اور ایک قول ہے کہ جو چیز پیٹ میں ہو اور جمع ہو اور ٹھہری رہے اور ایک قول ہے: اس کا معنی ہے: وہ انتڑیاں جن پر چربی ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح: ج ۲۲ ص ۳۳۶-۳۳۵، وزارت الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۶۳۳ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ قَالَ عَطَاءٌ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ لَمَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوهَا وَقَالَ أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ كَتَبَ إِلَيَّ عَطَاءٌ سَمِعْتُ جَابِرًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب، عطاء نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا: انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا: آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کر دے، جب اللہ تعالیٰ نے ان پر (جانوروں کی) چربی حرام کر دی تو انہوں نے چربی کو پگھلایا، پھر اس کو بیچا، پھر اس کو کھایا، اور ابو عاصم نے کہا: ہمیں عبدالحمید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میری طرف عطاء نے لکھا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر سے سنا از نبی ﷺ "اسی کے مثل"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲۳۶ میں گزر چکی ہے۔

جائز حیلہ اور ناجائز حیلہ کی تحقیق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا حیلہ جائز نہیں ہے جس میں اصل کے اندر کوئی تغیر نہ ہو کیونکہ چربی تو بہر حال چربی ہے خواہ جمی ہوئی ہو یا پگھلی ہوئی ہو لیکن اگر اصل میں تغیر ہو جائے تو پھر وہ حیلہ جائز ہے، جیسے گدھے کا گوشت کھانا حرام ہے لیکن اگر وہ نمک کی کان میں جا کر نمک بن جائے تو پھر اس کی ذات میں تغیر ہو گیا تو اب اس کا کھانا جائز ہے، اسی طرح شراب حرام ہے لیکن جب اس میں اتنا نمک ڈال دیا کہ وہ سرکہ بن گئی اور نشہ آور نہیں رہی اور یہ اس کی ذات میں تغیر ہے تو اب اس سے بنا ہوا کھانا کھانا جائز ہے۔

۷ - بَابٌ: وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ (الانعام: ۱۵۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ۔ (الانعام: ۱۵۱) کی تفسیر

۴۶۳۴ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث

عَمْرٍو عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ وَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا شَيْئَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللهِ وَلِذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ قُلْتُ سَمِعْتَهُ مِنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَرَفَعَهُ قَالَ نَعَمْ۔

[اطراف الحدیث: ۴۶۳۷، ۵۲۲۰، ۷۴۰۳]
[صحیح مسلم: ۲۷۶۰، الرقم المسلسل: ۶۸۸۵]

بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت والا نہیں ہے اس لئے اس نے تمام بے حیائی کے کاموں کو حرام کر دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ باطن اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ اپنی تعریف کرنا پسند ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کی ہے۔ راوی نے کہا: میں نے ابووائل سے پوچھا: کیا آپ نے اس حدیث کو خود حضرت عبداللہ سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا انہوں نے یہ بتایا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں!

ظاہری بے حیائی اور باطنی بے حیائی کی تفصیل

علامہ عمر بن علی ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا کہ بے حیائی کے ظاہر کام وہ ہیں جن کو انسان کھلم کھلا کرے۔ (تفسیر طبری: ج ۵ ص ۳۹۲)

لوگ آزاد عورت کے ساتھ چھپ کر زنا کرتے تھے اور باندی کے ساتھ کھلم کھلا زنا کرتے تھے۔ ایک قول ہے کہ بے حیائی کے ظاہر کاموں سے مراد ہے: شراب پینا اور بے حیائی کے پوشیدہ کاموں سے مراد ہے: زنا۔ (تفسیر طبری: ج ۵ ص ۳۹۲)

اور الماوردی نے کہا ہے کہ بے حیائی کے ظاہر کاموں سے مراد ہے: ظاہری اعضاء سے کئے ہوئے کام اور پوشیدہ سے مراد ہے: دل کا اعتقاد، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تمام بے حیائی کے کاموں کو شامل ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ظاہر سے مراد وہ ہے جو بندے اور لوگوں کے درمیان ہوں اور باطن سے مراد ہے: جو بندے اور اللہ کے درمیان ہوں، اور ایک قول یہ ہے کہ ظاہر بے حیائی سے مراد ہے: اجنبی عورت کو گلے لگانا اور اس کا بوسہ لینا اور باطن سے مراد ہے: برے کاموں کی نیت کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت اور بندوں کی غیرت کا معنی

غیرت کا معنی ہے: حمیت اور کسی چیز کو باعث عار سمجھنا۔ النحاس نے کہا ہے: اس کا معنی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی اور اس کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کی حفاظت کرے اور غیر محرم کو ان کے پاس آنے اور ان کو دیکھنے سے منع کرے اور یہ دیوث اور بے غیرت کی ضد ہے۔ صاحب المطالع نے کہا ہے کہ ایک شخص کی بیوی کی شرمگاہ میں اگر کوئی دوسرا شخص دخل اندازی کرے تو اس سے اس کا خون جوش میں آئے اور قلب میں ہیجان پیدا ہو تو یہ آدمیوں کے معاملہ میں غیرت کا معنی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معنی یہ ہے: جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے کاموں کو کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ غیرت میں آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معنی ہے: کسی کام سے منع کرنا اور اس کو حرام قرار دینا اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے اور ان کے ارتکاب پر وعید فرمائی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غیرت سے تعبیر فرمایا ہے اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی غیرت سے یہ ہے کہ اس نے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا۔ (صحیح البخاری: ۵۲۲۳)

اپنی تعریف کو پسند کرنا

اللہ تعالیٰ جو اپنی تعریف کو پسند فرماتا ہے، یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح ہم اپنی تعریف کو پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کو پسند فرماتا ہے اور اس کی تعریف فرماتا ہے تاکہ اس پر ثواب عطا فرمائے اور بندہ اس ثواب سے فائدہ اٹھائے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ بندے کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہو یا اللہ تعالیٰ جو اپنی تعریف فرماتا ہے اس سے اس کو کوئی فائدہ ہو، جب کہ ہم اپنی تعریف کو اس لئے پسند کرتے ہیں کہ اس سے ہم کو فائدہ ہو اور لوگوں کے سامنے ہماری قدر و منزلت میں اضافہ ہو، پس ظاہر ہو گیا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کو پسند فرماتا ہے تو ہم کیوں نہ اپنی تعریف کو پسند کریں کیونکہ دونوں میں فرق ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح: ج ۲۲ ص ۳۳۹-۳۳۸، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

۸۔ بَابٌ: وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ (الانعام: ۱۰۲)

۸۔ باب: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے O (الانعام: ۱۰۲) کی تفسیر

وَكِيلٌ حَفِيظٌ وَمُحِيطٌ بِهِ۔

وکیل: حفیظ اس کا معنی ہے: وہ اس کو محیط ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ (الانعام: ۱۰۲)

اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے O

امام ابوعبیدہ نے بھی وکیل کی تفسیر حفیظ اور محیط کے ساتھ کی ہے۔ ایک اور آیت میں ہے:

وَاٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا (بنی اسرائیل: ۲)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ O

اس آیت میں وکیل کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی شریک ہے یعنی تم اللہ کے سوا کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ جس کی طرف تمہارے امور مفوض ہوں، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کا معنی کفیل ہے یعنی لوگوں کو رزق دینے کا اللہ کے سوا کوئی کفیل نہیں ہے۔

قُبُلًا جَمْعُ قَبِيْلٍ وَالْمَعْنَى اَنَّهُ ضُرُوْبٌ لِلْعَذَابِ، كُلُّ ضَرْبٍ مِنْهَا قَبِيْلٌ۔

قُبُلًا قبیل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: عذاب کی قسمیں اور اس کی ہر قسم ایک قبیل ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ (الانعام: ۱۱۱)

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو ان کے سامنے جمع کر دیتے، تب بھی وہ ایمان نہ لاتے، سوائے اس کے کہ اللہ کی مشیت ہوتی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں O

تفسیر میں مذکور ہے کہ قُبُلًا قبیلہ کی جمع ہے یعنی فوجاً فوجاً اور صنفاً صنفاً اور اخفش نے کہا: قبیلًا، قبیلًا اور اس آیت کے علاوہ قبیلًا کفیل کے معنی میں ہوتا ہے اور عریف (کارمختار) کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور اس سے امام بخاری نے عذاب کی انواع اور اقسام کی طرف اشارہ کیا ہے اور بعض لوگوں نے اس لفظ کو قاف کے کسرہ اور باء کے فتح کے ساتھ قِبَلًا پڑھا ہے اور اس کا معنی ہے: مقابلہ اور معاینہ (یعنی بالمقابل اور سامنے ہونا)۔

زُخْرُفَ الْقَوْلِ كُلُّ شَيْءٍ حَسَّنْتَهُ وَوَشَّيْتَهُ، وَهُوَ بَاطِلٌ فَهُوَ زُخْرُفٌ۔

زُخْرُفَ الْقَوْلِ ہر اس بات کو کہتے ہیں جس کو تم خوش نما اور آراستہ بناؤ اور وہ واقع میں باطل ہو تو وہ زُخْرُف ہے یعنی وہ ملمع کاری اور مصنوعی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ (الانعام:۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے شیطان انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا جو (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لئے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے رہتے ہیں۔

زُخْرُف کا معنی ہے: کسی باطل چیز کو خوبصورت بنانا اور مزین کرنا جیسے پیتل کے اوپر سونے کا پانی چڑھانا تاکہ دیکھنے والے اسے سونا سمجھیں، مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ کفار جن اور شیاطین، شیاطین انس کی طرف وحی کرتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں؟ فرمایا: ہاں! اس حدیث کی امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

وَحَرْثٌ حِجْرٌ حَرَامٌ وَكُلُّ مَمْنُوعٍ فَهُوَ حِجْرٌ مَحْجُوْرٌ وَالْحِجْرُ كُلُّ بِنَاءٍ بَنَيْتَهُ وَيُقَالُ لِلْأُنْثَى مِنَ الْخَيْلِ حِجْرٌ وَيُقَالُ لِلْعَقْلِ حِجْرٌ وَحِجًى وَأَمَّا الْحِجْرُ فَمَوْضِعُ ثَمُوْدَ وَمَا حَجَّرْتَ عَلَيْهِ مِنَ الْأَرْضِ فَهُوَ حِجْرٌ وَمِنْهُ سُمِّيَ حَطِيْمُ الْبَيْتِ حِجْرًا كَأَنَّهُ مُشْتَقٌّ مِنْ مَحْطُوْمٍ مِثْلُ قَتِيْلٍ مِنْ مَقْتُوْلٍ وَأَمَّا حَجْرُ الْيَمَامَةِ فَهُوَ مَنْزِلٌ۔

وَحَرْثٌ حِجْرٌ کا معنی ہے: جو کھیت حرام ہو اور ہر ممنوع چیز کو حِجر مَحْجُور کہتے ہیں اور حجر اس عمارت کو بھی کہتے ہیں جس کو تم نے بنایا ہو اور مادہ گھوڑیوں کو بھی کہتے ہیں اور عقل کو بھی حجر اور حِجٰی کہتے ہیں اور اَصْحَابُ الْحِجْر سے مراد اہل ثمود کی بستی والے ہیں اور جس زمین کو تم لوگوں کے آنے سے اور جانوروں کے چرانے سے روک دو، اس کو بھی حجر کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے حطیم کو حجر کہنا بھی اسی سے ماخوذ ہے اور وہاں حطیم محطوم کے معنی میں ہے، جیسے قتیل مقتول کے معنی میں ہے، رہا یمامہ کا حجر تو وہ ایک مقام کا نام ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تکرار بلا فائدہ ہے، کیونکہ اس کا ذکر درج ذیل آیت کے تحت آچکا ہے:

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا۔ (الاعراف:۷۳)

اور (قوم) ثمود کی طرف ان کے مشفق ہم قبیلہ صالح کو (بھیجا)۔

اور یہ آیت:

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الحجر:۸۰)

اور بے شک (وادی) حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا ۝

اس آیت میں الْحِجْر سے مراد قوم ثمود کی جگہ ہے اور وہ جو امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ حَرْثٌ حِجْرٌ کا معنی ہے: حرام (آخر عبارت تک) اس کو صحیح بخاری کے دوسرے ناقلین نے ذکر نہیں کیا اور یہ اولیٰ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۱۰-۳۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابٌ: قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمْ۔ (الانعام:۱۵۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہیے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو۔ (الانعام:۱۵۰) کی تفسیر

امام بخاری نے یہاں پوری آیت ذکر نہیں کی، پوری آیت اس طرح ہے:

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ۔ (الانعام:١٥٠)

آپ کہئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو پیش کرو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ یہ (جھوٹی) گواہی دیں تو (اے مخاطب!) تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا۔

لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ هَلُمَّ لِلْوَاحِدِ وَالاثْنَيْنِ وَالْجَمْعِ

یہ اہل حجاز کی لغت ہے، هَلُمَّ واحد، تثنیہ اور جمع کے لئے آتا ہے۔

یعنی اہل حجاز کے نزدیک هَلُمَّ واحد، تثنیہ اور جمع تینوں کی صلاحیت رکھتا ہے اور اہل نجد کے نزدیک واحد مذکر کے لئے هَلُمَّ ہے اور واحد مونث کے لئے هَلُمِّي ہے اور دونوں کے لئے تثنیہ هَلُمَّا ہے اور جمع مذکر کے لئے هَلُمُّوا ہے اور جمع مونث کے لئے هَلْمُمْنَ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۶۳۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا رَآهَا النَّاسُ آمَنَ مَنْ عَلَيْهَا فَذَاكَ حِينَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوزرعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا، پس اس وقت جب لوگ اس کو دیکھیں گے تو جو زمین پر ہوں گے ایمان لے آئیں گے اور یہی وہ وقت ہوگا جب کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا ہوگا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۵ میں گزر چکی ہے۔

۱۰۔ بَابٌ: يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا۔ (الانعام:۱۵۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا۔ (الانعام:۱۵۸) کی تفسیر

امام بخاری نے یہاں پوری آیت ذکر نہیں کی، پوری آیت اس طرح ہے:

يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ (الانعام:١٥٨)

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہئے کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ۝

۴۶۳۶۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللّٰه عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے

الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ وَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ وَذٰلِكَ حِينَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا ثُمَّ قَرَأَ الْآيَةَ۔

بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا، جب سورج (مغرب سے) طلوع ہوگا اور لوگ اس کو دیکھ لیں گے تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے اور یہ اس وقت ہوگا جب کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا (الانعام:۱۵۸) پھر آپ نے یہ پوری آیت پڑھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۸۵ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

باب مذکور کے موافق دیگر احادیث

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: جب تین چیزوں کا خروج ہو جائے گا تو کسی ایسے شخص کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس شخص نے اپنے ایمان لانے کے بعد کوئی نیک کام نہ کیا ہو: (۱) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ (۲) دجال کا نکلنا۔ (۳) دابۃ الارض کا نکلنا۔ (صحیح مسلم:۱۵۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سورج کے ساتھ چاند بھی اسی وقت میں طلوع ہوگا گویا کہ وہ دونوں ایک ساتھ چلنے والے اونٹ ہیں، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ (القیامہ:۹) اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے ○

اس حدیث کی امام طبری نے روایت کی ہے۔ (تفسیر طبری ج۵ ص۴۰۹)

قیامت کی پہلی نشانیوں میں اختلاف ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پہلی نشانیاں یہ ہیں: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دابۃ الارض کا نکلنا، ان میں سے جس کا بھی پہلے ظہور ہو، دوسرے کا اس کے بعد خروج ہوگا۔ (صحیح مسلم:۲۹۴۱)

نعیم بن حماد سے روایت ہے کہ صفوان بن عسال نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مغرب میں توبہ کا ایک دروازہ ہے، اس کا عرض ستر یا چالیس سال کی مسافت ہے۔ وہ اس وقت تک بند نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو، پھر آپ نے درج ذیل آیت کی تلاوت کی:

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِيْ إِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ (الانعام:۱۵۸)

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو۔

اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی:۳۵۳۶)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو ابلیس سجدے میں گر پڑے گا اور بلند آواز سے کہے گا کہ اے معبود! مجھے حکم دے کہ تو جس کے لئے چاہے میں اس کو سجدہ کروں، پھر (دوزخ کے) فرشتے اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے: یہ کیسا گڑگڑانا ہے؟ ابلیس کہے گا: میں نے اپنے

رب سے سوال کیا تھا کہ مجھے اس وقت معلوم تک مہلت دے اور یہ وقت معلوم ہے، پھر دابۃ الارض صفا پہاڑ کے شگاف سے نکلے گا، پس وہ اپنا پہلا قدم انطاکیہ میں رکھے گا، پھر وہ ابلیس کے پاس آ کر اس کو ایک تھپڑ مارے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کی روایت میں عثمان بن سعید متفرد ہے۔ (المعجم الاوسط: ۹۴)

امام ابن المنذر نے الشعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جب پہلی نشانیاں نکلیں گی تو قلم پھینک دیئے جائیں گے اور کراماً کاتبین کو روک دیا جائے گا اور اجسام اپنے اعمال پر گواہی دیں گے۔

سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے وقت ایمان لانے کے غیر مفید ہونے کا سبب

علماء نے ذکر کیا ہے کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اس وقت کسی نفس کو اس کا ایمان لانا مفید نہیں ہوگا، کیونکہ اس وقت لوگوں کے دلوں سے تمام باطل خواہشات ختم کر دی جائیں گی اور بدن کی قوتوں میں سے ہر قوت کمزور ہو جائے گی اور تمام لوگ اس پر یقین کریں گے کہ قیامت قریب آ گئی ہے، جیسے جس شخص پر اس کی موت کا وقت قریب آ جائے تو ہر قسم کی معصیت کے محرکات ختم ہو جاتے ہیں اور اس کے بدن سے وہ محرکات ماؤف ہو جاتے ہیں، پس جو شخص اس وقت توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی جیسے جو شخص موت کے حاضر ہونے کے وقت توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی، کیونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک کہ روح اس کے بدن سے نکل کر حلقوم تک نہیں پہنچ جاتی۔

(سنن ترمذی: ۳۵۳۷، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۲)

یعنی جس وقت اس کی روح حلق سے نکل جاتی ہے اور یہ معاینہ کا وقت ہوتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہے یا جنت میں، پس سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے دیکھ لینے کو بھی اس کی مثل قرار دینا چاہیے، اس بناء پر جو بھی اس وقت توبہ کرے تو اس کی توبہ مردود ہوگی۔

ثعلبی نے بیان کیا ہے کہ سورج کو مغرب سے طلوع کرانے کی حکمت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے فرمایا تھا:

قَالَ اِبْرٰهِمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ۔ (البقرۃ: ۲۵۸)

ابراہیم نے فرمایا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ تو بدحواس (ہو کر عاجز) ہو گیا کافر۔

اس سے معلوم ہوا کہ سورج کا مغرب سے نکلنا صرف اس وقت ہوگا جب کسی کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ مغرب سے طلوع شمس کے وقت توبہ اس لئے قبول نہیں ہوگی کہ اس وقت ایک زبردست چنگھاڑ کی آواز آئے گی جسے سن کر کئی لوگ ہلاک ہو جائیں گے، پس جو شخص اس وقت اسلام لایا یا اس نے توبہ کی اور وہ اس چنگھاڑ کو سن کر ہلاک ہو گیا تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور جس نے اس کے بعد توبہ کی تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔ (تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۴۸-۱۴۶)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے کہا ہے کہ مغرب سے طلوع کا وقت حدیث میں ذکر کے مطابق اس وقت کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ یہ وہ وقت ہے کہ جس میں سب سے پہلے عالم علوی میں تغیر ہوگا اور جب سے اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کر قیامت تک اس عالم میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا اور اس کے علاوہ جو دوسری قیامت کی پہلی نشانیاں ہیں، (مثلاً دابۃ الارض اور دجال وغیرہ کا خروج) اس نوع کی متقارب چیزوں کا اس سے پہلے ظہور ہوگا، پس جب ایسا ہو جائے گا اور ہر قلب میں کفر یا ایمان جو کچھ بھی ہے، اس کے موافق اس کے قلب کے اوپر مہر لگا دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ دابۃ الارض کو نکالے گا تاکہ ان کے دلوں میں کفر یا ایمان جو بھی ہے، وہ معلوم ہو جائے، پس دابۃ الارض ان کے اوپر ایسی نشانی لگا دے گا جس سے وہ پہچان لئے جائیں گے

اور لکھ دے گا کہ یہ مومن ہیں اور یہ کافر ہیں۔ (المفہم ج ۷ ص ۲۴۲)

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ نے جو تفسیر القرطبی کا حوالہ دیا ہے وہ علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ کی تصنیف ہے اور وہ صاحب المفہم کے شاگرد ہیں، جن کا نام ہے: علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی متوفی ۶۵۶ ھ، انہوں نے صحیح مسلم کی شرح المفہم کے نام سے لکھی ہے۔ گویا استاد نے حدیث کی کتاب صحیح مسلم کی شرح لکھی ہے اور شاگرد نے قرآن مجید کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن کے نام سے لکھی ہے اور اس ناکارہ پر اللہ کا احسان اور انعام واکرام ہے کہ اس نے مجھے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی بھی توفیق دی اور صحیح مسلم کی شرح لکھنے کی بھی ہمت عطا کی۔ تفسیر تبیان القرآن کی بارہ ضخیم جلدیں ہیں اور شرح صحیح مسلم کی سات ضخیم جلدیں ہیں۔ اور اب صحیح البخاری کی شرح لکھنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد ایمان اس لئے نفع نہیں دے گا کیونکہ اس کے بعد قیامت قائم ہوگی، پس جب اس کا مشاہدہ کر لیا جائے گا تو اس پر بداہۃً ایمان حاصل ہو جائے گا اور یہ ایمان بالمشاہدہ ہوگا اور یہ ایمان بالغیب نہیں ہوگا جس کے ہم مکلف ہیں۔

مقاتل نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ اس وقت کسی نفس کو اس کا ایمان لانا مفید نہیں ہوگا (الانعام: ۱۵۸) اس سے مراد ہے: نفس کافر کو اس وقت ایمان لانا مفید نہیں ہوگا، پس جس کو اس سے پہلے عمل نے نفع نہیں دیا تھا تو اس کے بعد بھی ایمان نفع نہیں دے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۳۵۰-۳۴۳، ملخصا، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ ھ)

سورۃ الانعام کی تفسیر یہاں پر ختم ہوگئی ہے اور اب ان شاء اللہ سورۃ الاعراف کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْاَعْرَافِ

سورۃ الاعراف کی تفسیر

سورۃ الاعراف کا تعارف

ابوالعباس نے اپنی کتاب ''مقامات التنزیل'' میں لکھا ہے کہ سورۃ الاعراف مکی ہے اور اس میں اختلاف ہے۔ الکلبی نے ذکر کیا ہے کہ اس کی پندرہ (۱۵) آیات مدنی ہیں جو اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ (الاعراف: ۱۵۲) سے لے کر وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ (الاعراف: ۱۵۷) تک ہیں، اور وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ (الاعراف: ۱۶۳) سے لے کر وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ (الانعام: ۱۶۹) تک ہیں، اور اس میں ایک اور آیت ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ (الاعراف: ۲۰۴) ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن خطبہ میں نازل ہوئی اور جمعہ صرف مدینہ میں ہوتا تھا۔

سورۃ الاعراف میں دوسو چھ (۲۰۶) آیات ہیں جو کوفی اور مکی ہیں اور دوسو پانچ (۲۰۵) آیات بصری اور شامی ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَرِيْشًا (الاعراف: ۲۶) اَلْمَالُ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (الاعراف: ۵۵) فِي الدُّعَاءِ وَفِيْ غَيْرِهٖ عَفَوْا (الاعراف: ۹۵) كَثُرُوْا وَكَثُرَتْ اَمْوَالُهُمْ اَلْفَتَّاحُ (سبا: ۲۶) اَلْقَاضِيْ افْتَحْ بَيْنَنَا (الاعراف: ۸۹) اقْضِ بَيْنَنَا نَتَقْنَا الْجَبَلَ (الاعراف: ۱۷۱) رَفَعْنَا فَانْبَجَسَتْ (الاعراف: ۱۶۰) انْفَجَرَتْ مُتَبَّرٌ (الاعراف: ۱۳۹) خُسْرَانٌ اٰسٰى (الاعراف: ۹۳) اَحْزَنُ تَاْسَ (المائدہ: ۲۶، ۶۸) تَحْزَنْ وَقَالَ غَيْرُهٗ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: ۱۲) يَقُوْلُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ يَخْصِفٰنِ (الاعراف: ۲۲) اَخَذَا الْخِصَافَ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ يُؤَلِّفَانِ الْوَرَقَ يَخْصِفَانِ الْوَرَقَ بَعْضَهٗ اِلٰى بَعْضٍ سَوْاٰتِهِمَا (الاعراف: ۲۰) كِنَايَةٌ عَنْ فَرْجَيْهِمَا وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (الاعراف: ۲۴) هُوَ هَاهُنَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَالْحِيْنُ عِنْدَ الْعَرَبِ مِنْ سَاعَةٍ اِلٰى مَا لَا يُحْصٰى عَدَدُهُ الرِّيَاشُ وَالرِّيْشُ وَاحِدٌ وَهُوَ مَا ظَهَرَ مِنَ اللِّبَاسِ وَ قَبِيْلُهٗ (الاعراف: ۲۷) جِيْلُهُ الَّذِيْ هُوَ مِنْهُمْ ادَّارَكُوْا (الاعراف: ۳۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَرِيْشًا (الاعراف: ۲۶) کا معنی ہے: مال۔ الْمُعْتَدِيْنَ (الاعراف: ۵۵) اس کا معنی ہے: دعاء اور اس کے غیر میں تجاوز کرنے والے۔ عَفَوْا (الاعراف: ۹۵) اس کا معنی ہے: وہ کثیر ہو گئے اور ان کے مال بہت زیادہ ہو گئے۔ اَلْفَتَّاحُ (سبا: ۲۶) اس کا معنی ہے: فیصلہ کرنے والا۔ افْتَحْ بَيْنَنَا (الاعراف: ۸۹) اس کا معنی ہے: ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ (الاعراف: ۱۷۱) اس کا معنی ہے: جب ہم نے پہاڑ کو اٹھایا۔ فَانْبَجَسَتْ (الاعراف: ۱۶۰) اس کا معنی ہے: چشمے پھوٹ پڑے۔ مُتَبَّرٌ (الاعراف: ۱۳۹) اس کا معنی ہے: خسارہ اور نقصان۔ اٰسٰى (الاعراف: ۹۳) اس کا معنی ہے: میں غمگین ہوتا ہوں۔ تَاْسَ (المائدہ: ۲۶، ۶۸) اس کا معنی ہے: تم غم کرو اور دوسروں نے کہا: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: ۱۲) اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا۔ يَخْصِفٰنِ (الاعراف: ۲۲) اس کا معنی ہے: ان دونوں نے جنت کے پتے پکڑ لیے، وہ ان پتوں کو ایک دوسرے سے ملا کر لپیٹتے تھے۔ سَوْاٰتِهِمَا (الاعراف: ۲۰) یہ ان کی شرمگاہوں سے کنایہ

اجْتَمَعُوا وَمَشَاقُّ الْإِنْسَانِ وَالدَّابَّةِ كُلُّهَا يُسَمَّى سُمُومًا وَاحِدُهَا سَمٌّ وَهِيَ عَيْنَاهُ وَمَنْخِرَاهُ وَفَمُهُ وَأُذُنَاهُ وَدُبُرُهُ وَإِحْلِيلُهُ غَوَاشٍ (الاعراف: ۴۱) مَا غُشُّوا بِهِ نُشُرًا (الاعراف: ۵۷) مُتَفَرِّقَةً نَكِدًا (الاعراف: ۵۸) قَلِيلًا يَغْنَوْا (الاعراف: ۹۲) يَعِيشُوا حَقِيقٌ (الاعراف: ۱۰۵) حَقٌّ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ (الاعراف: ۱۱۶) مِنْ رَهْبَةٍ تَلْقَفُ (الاعراف: ۱۱۷) تَلْقَمُ طٰٓئِرُهُمْ (الاعراف: ۱۳۱) حَظُّهُمْ طُوفَانٌ مِنَ السَّيْلِ وَيُقَالُ لِلْمَوْتِ الْكَثِيرِ الطُّوفَانُ وَالْقُمَّلَ (الاعراف: ۱۳۳) الْحُمْنَانُ يُشْبِهُ صِغَارَ الْحَلَمِ عُرُوشٌ وَعَرِيشٌ بِنَاءٌ سُقِطَ (الاعراف: ۱۴۹) كُلُّ مَنْ نَدِمَ فَقَدْ سُقِطَ فِي يَدِهِ أَسْبَاطًا (الاعراف: ۱۶۰) قَبَائِلُ بَنِي إِسْرَائِيلَ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ (الاعراف: ۱۶۳) يَتَعَدَّوْنَ لَهُ يُجَاوِزُونَ تَجَاوُزٌ بَعْدَ تَجَاوُزٍ تَعْدُ تُجَاوِزْ شُرَّعًا (الاعراف: ۱۶۳) شَوَارِعَ بَئِيسٍ (الاعراف: ۱۶۵) بَئِيسٍ (الاعراف: ۱۶۵) شَدِيدٍ أَخْلَدَ (الاعراف: ۱۷۶) إِلَى الْأَرْضِ قَعَدَ وَتَقَاعَسَ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ (الاعراف: ۱۸۲) أَيْ نَأْتِيهِمْ مِنْ مَأْمَنِهِمْ كَقَوْلِهِ تَعَالَى فَأَتَاهُمُ اللهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا مِنْ جِنَّةٍ (الاعراف: ۱۸۴) مِنْ جُنُونٍ أَيَّانَ مُرْسَاهَا (النزعت: ۴۲) مَتَى خُرُوجُهَا فَمَرَّتْ بِهِ (الاعراف: ۱۸۹) بِهِ اسْتَمَرَّ بِهَا الْحَمْلُ فَأَتَمَّتْهُ يَنْزَغَنَّكَ (الاعراف: ۲۰۰) يَسْتَخِفَّنَّكَ طَيْفٌ مُلِمٌّ بِهِ لَمَمٌ وَيُقَالُ طٰٓئِفٌ (الاعراف: ۲۰۱) وَهُوَ وَاحِدٌ يَمُدُّونَهُمْ (الاعراف: ۲۰۲) يُزَيِّنُونَ وَخِيفَةً (الاعراف: ۲۰۵) خَوْفًا خُفْيَةً (الاعراف: ۵۵) مِنَ الْإِخْفَاءِ وَالْآصَالِ (الاعراف: ۲۰۵) وَاحِدُهَا أَصِيلٌ وَهُوَ مَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى الْمَغْرِبِ كَقَوْلِهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔ (الفرقان: ۵)

ہے۔ وَمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ (الاعراف: ۲۴) یعنی اس وقت سے لے کر قیامت تک اور حِیْنٍ کا عربوں کے نزدیک معنی ہے: ایک ساعت سے لے کر غیر متناہی ساعات تک اور رِیَاش اور رِیْش دونوں کا ایک معنی ہے یعنی ظاہری لباس۔ وَ قَبِيْلُهٗ (الاعراف: ۲۷) اس کا معنی ہے: شیطان کا وہ گروہ جس میں سے وہ خود بھی ہے۔ ادَّارَكُوْا (الاعراف: ۳۸) اس کا معنی ہے: وہ جمع ہو جائیں گے، آدمی اور جانور سب کے سوراخ، اس کو سموم کہتے ہیں اور اس کا واحد سَمٌّ ہے اور وہ سوراخ کہ اس کی دو آنکھیں ہیں اور دو نتھنے ہیں اور منہ ہے اور اس کے دو کان ہیں اور اس کی مقعد کا سوراخ ہے اور اس کے آلہ تناسل کا سوراخ ہے۔ غَوَاشٍ (الاعراف: ۴۱) اس کا معنی ہے: جس سے ڈھانپے گئے یعنی غلاف۔ نُشُرًا (الاعراف: ۵۷) اس کا معنی ہے: متفرق۔ نَكِدًا (الاعراف: ۵۸) اس کا معنی ہے: تھوڑا۔ يَغْنَوْا (الاعراف: ۹۲) اس کا معنی ہے: وہ زندہ رہے یا آباد ہوئے۔ حَقِيْقٌ (الاعراف: ۱۰۵) اس کا معنی برحق ہے یا واجب۔ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ (الاعراف: ۱۱۶) یہ رَهْبَةٌ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: میں نے اس کو ڈرایا۔ تَلْقَفُ (الاعراف: ۱۱۷) اس کا معنی ہے: وہ نگلنے لگا۔ طٰٓئِرُهُمْ (الاعراف: ۱۳۱) اس کا معنی ہے: سیلاب کے طوفان سے ان کا حصہ، اور جب اس سے بہت زیادہ اموات ہوں تو اس کو طوفان کہتے ہیں۔ وَالْقُمَّلَ (الاعراف: ۱۳۳) اس کا معنی ہے: چھوٹی جوؤں کی طرح چیچڑیاں اور عُرُوْش اور عَرِيْش کا معنی ہے: عمارت۔ سُقِطَ (الاعراف: ۱۴۹) اس کا معنی ہے: ہر شخص جب نادم ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں پر گر گیا۔ أَسْبَاطًا (الاعراف: ۱۶۰) اس کا معنی ہے: بنی اسرائیل کے قبائل۔ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ (الاعراف: ۱۶۳) اس کا معنی ہے: وہ ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کرتے تھے۔ تَعَدّی اس کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا۔ شُرَّعًا (الاعراف: ۱۶۳) اس کا معنی ہے: پانی کے اوپر تیرتے ہوئے۔ بَئِيْسٍ (الاعراف: ۱۶۵) اس کا معنی ہے: سخت۔ أَخْلَدَ (الاعراف: ۱۷۶) اس کا معنی ہے: بیٹھا اور پیچھے ہٹ گیا۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

(الاعراف:۱۸۲) اس کا معنی ہے: جہاں سے ان کو خطرہ نہیں ہوگا ہم وہاں سے آئیں گے جیسا کہ اس آیت میں ہے، یعنی اللہ کا عذاب ان پر وہاں سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔ (الحشر:۲) مِّنْ جِنَّةٍ (الاعراف:۱۸۴) اس کا معنی ہے: جنون اور دیوانگی۔ اَیَّانَ مُرْسٰهَا (النزعت:۴۲) اس کا معنی ہے: اس کے نکلنے کا وقت کب ہوگا۔ فَمَرَّتْ بِهٖ (الاعراف:۱۸۹) اس کا معنی ہے: اس کا حمل برقرار رہا، پس اس کی مدت پوری ہوگئی۔ يَنْزَغَنَّكَ (الاعراف:۲۰۰) اس کا معنی ہے: شیطان تم کو ڈگمگائے یا پھسلائے۔ طٰٓىِٕفٌ (الاعراف:۲۰۱) اس کا معنی ہے: شیطان کی طرف سے جو تمہیں وسوسہ آئے۔ طائِفٌ اور طَیْفٌ کا ایک ہی معنی ہے۔ يَمُدُّوْنَهُمْ (الاعراف:۲۰۲) اس کا معنی ہے: وہ اس کو خوش نما بناتے ہیں۔ وَّخِيْفَةً (الاعراف:۲۰۵) اس کا معنی ہے: ڈر اور خوف۔ خُفْيَةً (الاعراف:۵۵) اس کا معنی ہے: چپکے چپکے۔ وَالْاٰصَالِ (الاعراف:۲۰۵) اس کا واحد اَصِیْلٌ ہے اور اس کا معنی ہے: عصر سے لے کر مغرب تک کا وقت جیسا کہ اس آیت میں ہے: بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الفرقان:۵) یعنی صبح اور شام کے وقت۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَرِیَاشًا الْمَالُ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وَرِیْشًا کا معنی ہے: مال۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا۔ بے شک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور تمہاری زینت (بھی) ہے۔ (الاعراف:۲۶)

اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ علی بن ابی طلحہ سے روایت کی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۴۵۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رِیْشًا اور رِیَاشًا دونوں قراءتیں ہیں۔

اور رِیَاشًا یہ عاصم کی قراءت ہے۔ (المحتسب ج ۱ ص ۲۴۶)

امام ابو حاتم نے کہا: یہ قراءت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کا معنی ہے: رزق میں فراخی اور پر تعیش زندگی اور لباس کی کثرت۔ ابن الاعرابی نے کہا کہ اَلرِّیْش کا معنی ہے: کھانا اور پینا اور اَلرِّیَاش کا معنی ہے: حاصل شدہ مال۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَلرِّیْش کا معنی مال ہے جیسا کہ امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ ان سے ایک روایت ہے: لباس اور پر تعیش زندگی۔ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۴۵۷)

جب کوئی شخص مال دار ہوجائے تو کہا جاتا ہے: تَرَيَّشَ الرَّجُلُ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۵۸ ۴ تفسیر ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۴۵۷)

اور قطرب نے کہا: اَلرِّیش اور الرِّیاش کا ایک معنی ہے، جیسے حِلٌّ اور حَلَالٌ کا ایک معنی ہے اور اخفش نے کہا: اس کا معنی ہے: کھیتوں کی اور فصلوں کی زرخیزی، اور القتبی نے کہا: اَلرِّیش اور الریاش کا معنی ہے: ظاہری لباس۔ (القرطبین ج ا ص ۱۷۶)

مقاتل نے کہا: یہ آیت ثقیف، بنو عامر بن صعصعہ، خزاعہ، بنو مدلج، عامر اور الحارث بن عبد کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا تھا: ہم ان کپڑوں میں بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے تھے اور ہم ریشم کا اور اون کا، اور بالوں سے بنا ہوا اور چمڑے سے بنا ہوا لباس نہیں پہنیں گے اور وہ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے اور ان کی عورتیں رات کو طواف کرتی تھیں۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ فِي الدُّعَاءِ وَفِي غَيْرِهِ۔ الْمُعْتَدِينَ (الاعراف: ۵۵) اس کا معنی ہے: دعاء اور اس کے غیر میں تجاوز کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۞ (الاعراف: ۵۵) تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو، بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا O

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا میں حد سے تجاوز کرنے کو پسند نہیں فرماتا اور نہ ہی کسی اور کام میں۔ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۵۱۵) دعا میں حد سے بڑھنے کا معنی یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زیادہ سوال کرے، یا گا گا کر سوال کرے یا زیادہ بلند آواز کے ساتھ سوال کرے، حالانکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ گڑگڑا کر اور چپکے چپکے سوال کرو۔

عَفَوْا كَثُرُوْا وَكَثُرَتْ اَمْوَالُهُمْ۔ عَفَوْا (الاعراف: ۹۵) اس کا معنی ہے: وہ کثیر ہو گئے اور ان کے مال بہت زیادہ ہو گئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا۔ (الاعراف: ۹۵) پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا حتیٰ کہ وہ خوب پھلے پھولے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: وہ کثیر ہو گئے اور ان کے مال بھی بہت زیادہ ہو گئے۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۹)

اور مقاتل نے کہا کہ انہوں نے تکبر کیا اور وہ اترائے اور انہوں نے شکر ہی نہیں کیا، اور عَفَوْا کی اصل عَفْوٌ سے ہے جس کا معنی کثرت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَعْفُوا اللُّحٰی یعنی داڑھیاں بڑھاؤ۔ (صحیح البخاری: ۵۸۹۳) اور قتادہ نے کہا ہے کہ وہ مال کی فراوانی سے خوش ہوئے۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۰)

اَلْفَتَّاحُ الْقَاضِي۔ اَلْفَتَّاحُ (سباء: ۲۶) اس کا معنی ہے: فیصلہ کرنے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۞ (سباء: ۲۶) فرما دیجئے: ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے گا اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے O

اَلْفَتَّاحُ کا معنی ہے: فیصلہ کرنے والا، قرآن مجید میں ہے: ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے، اور قتادہ کہتے ہیں: میں اس کا معنی نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ میں نے ذی یزن کی بیٹی سے سنا، وہ اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی: اُفَاتِحُكَ یعنی میں تجھ سے فیصلہ کراتی ہوں۔

(تفسیر طبری ج۶ص۴)

المؤرج نے کہا ہے کہ اَفْتَحْ کا معنی ہے: میں فیصلہ کرتا ہوں اور الفراء نے کہا کہ اہل عمان قاضی کو فاتح اور فتّاح کہتے ہیں۔

(معانی القرآن ج۱ص۳۸۵)

اِفْتَحْ بَيْنَنَا اقْضِ بَيْنَنَا۔ اِفْتَحْ بَيْنَنَا (الاعراف:۸۹) اس کا معنی ہے: ہمارے درمیان فیصلہ کردے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ (الاعراف:۸۹) اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرمادے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے O

اس کی شرح اوپر گزر چکی ہے۔

نَتَقْنَا الْجَبَلَ رَفَعْنَا۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ (الاعراف:۱۷۱) اس کا معنی ہے: جب ہم نے پہاڑ کو اٹھایا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ۔ (الاعراف:۱۷۱) اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ (اس طرح) اٹھالیا تھا گویا کہ وہ ان کے اوپر سائبان ہے۔

نَتَقْنَا کا معنی ہے: ہم نے اوپر اٹھادیا۔

انْبَجَسَتْ انْفَجَرَتْ فَانْبَجَسَتْ (الاعراف:۱۶۰) اس کا معنی ہے: چشمے پھوٹ پڑے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ (الاعراف:۱۶۰) تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے انبجست کی تفسیر انفجرت کے ساتھ کی ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے:

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ (البقرہ:۶۰) تو اس سے بارہ چشمے جاری ہوگئے۔

جس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری تھی وہ پتھر پہاڑ طور کا تھا، جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ اٹھا کر لائے تھے، پس جب بنی اسرائیل اس جگہ پہنچے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی سے ضرب لگائی تھی تو اس سے پانی کے بارہ چشمے نکل آئے تھے اور ہر قبیلہ نے اپنے اپنے چشمے سے پانی پیا۔

مُتَبَّرٌ خُسْرَانٌ۔ مُتَبَّرٌ (الاعراف:۱۳۹) اس کا معنی ہے: خسارہ اور نقصان۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ (الاعراف:۱۳۹) بے شک جس کام میں یہ لوگ مصروف ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں، وہ سراسر غلط ہے O

امام بخاری نے مُتَبَّرٌ کی تفسیر خسارے کے ساتھ کی ہے اور مُتَبَّرٌ کا لفظ تَبَار سے ماخوذ ہے، اور اس کا معنی ہلاک ہے اور یہی تَتْبِیْر ہے، اور جب کوئی شخص کسی کو توڑ پھوڑ دے اور ہلاک کر دے تو کہا جاتا ہے: تَبَّرَہٗ تَتْبِیْرًا۔

آسٰی أَحْزَنُ۔ اٰسٰی (الاعراف: ۹۳) اس کا معنی ہے: میں غمگین ہوتا ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَكَيْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (الاعراف: ۹۳) تو اب میں کافروں (کے عذاب) پر کیوں افسوس کروں O

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں پر دو لفظ ہیں: پہلا لفظ ہے: اٰسٰی اور یہ الاعراف: ۹۳ میں ہے جس کا معنی ہے: میں غم اور افسوس کروں، اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے قول کی حکایت ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد فرمایا: میں کیسے اس قوم کی ہلاکت پر افسوس کروں جو اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک ہوئی، اور دوسرا لفظ ہے: تَأْسَ جس کی شرح آ رہی ہے۔

تَأْسَ تَحْزَنْ۔ تَأْسَ (المائدہ: ۲۶، ۶۸) اس کا معنی ہے: تم غم کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (المائدہ: ۲۶) تو (اے موسیٰ!) غمگین نہ ہونا نافرمان قوم (کے انجام) پر O

اس تعلیق کی شرح سورۃ المائدہ: ۲۶، ۶۸ میں گزر چکی ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ مَا مَنَعَكَ أَنْ لَا تَسْجُدَ يَقُوْلُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ۔ اور دوسروں نے کہا: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: ۱۲) اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ۔ فرمایا: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ (الاعراف: ۱۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے الاعراف: ۱۲ کو لکھنے کے بعد یہ کہا ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا؟ اور اس قول سے یہ تنبیہ کی ہے کہ اس آیت میں لَا کا لفظ زائد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ (ص: ۷۵) (اللہ نے) فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ کرے اس کے لئے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر الاعراف: ۱۲ میں لَا کو زائد نہ مانا جائے تو پھر تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: تجھے سجدہ نہ کرنے پر کس نے برانگیختہ کیا۔

يَخْصِفَانِ أَخَذَا الْخِصَافَ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ يُؤَلِّفَانِ الْوَرَقَ يَخْصِفَانِ الْوَرَقَ بَعْضَهُ إِلَى بَعْضٍ سَوْاٰتِهِمَا كِنَايَةٌ عَنْ فَرْجَيْهِمَا۔ يَخْصِفٰنِ (الاعراف: ۲۲) اس کا معنی ہے: ان دونوں نے جنت کے درخت کے پتے پکڑ لئے۔ وہ ان پتوں کو ایک دوسرے سے ملا کر لپیٹتے تھے۔ سَوْاٰتِهِمَا یہ ان دونوں کی شرمگاہوں سے کنایہ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔ (الاعراف: ۲۲) پس جب انہوں نے اس درخت سے چکھا تو ان کی شرمگاہیں ان کے لئے ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے۔

خِصَاف، خَصْفَة کی جمع ہے اور یہ اس ٹوکری کو کہتے ہیں جس میں کھجوریں رکھی جاتی ہیں، اور طَفِقَا افعال مقاربہ میں سے ہے، یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام اپنے اوپر جنت کے درخت کے پتے لپیٹنے لگے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا، تو جب حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے اس ممنوع درخت سے کھایا تو ان کی شرمگاہیں کھل گئیں۔ تفسیر میں ہے کہ ان دونوں کا لباس گر گیا اور ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں اور وہ دونوں اپنی طرف نہیں دیکھتے تھے اور نہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے تھے۔ امام بخاری نے جو کہا ہے کہ یہ شرم گاہ سے کنایہ ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ کنایہ نہیں ہے۔ الجوہری نے کہا کہ اَلسَّوْاَۃُ کا معنی شرمگاہ ہے۔

وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ هُوَ هَا هُنَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَالْحِينُ عِنْدَ الْعَرَبِ مِنْ سَاعَةٍ إِلَى مَالَا يُحْصَىٰ عَدَدُهُ۔ — وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (الاعراف: ۲۴) یعنی اس وقت سے لے کر قیامت تک اور حِیْنٌ کا عربوں کے نزدیک معنی ہے: ایک ساعت سے لے کر غیر متناہی ساعات تک۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ — اور تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانا ہے ۝ (الاعراف: ۲۴)

امام بخاری نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ حِیْنٍ سے مراد یہاں پر قیامت تک کا وقت ہے، پھر امام بخاری نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عرب کے نزدیک حِیْن کا لفظ اعداد کثیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور اس کی کم سے کم مقدار ایک ساعت یا ایک گھنٹہ ہے، علامہ ابن الاثیر نے کہا کہ حِیْن کا معنی وقت ہے اور لغت کی کتاب ''مغرب'' میں مذکور ہے کہ حِیْن کا لفظ مبہم ہے، قلیل اور کثیر پر واقع ہوتا ہے۔

الرِّيَاشُ وَالرِّيشُ وَاحِدٌ وَهُوَ مَا ظَهَرَ مِنَ اللِّبَاسِ۔ — اور رِیَاش اور رِیْش دونوں کا ایک معنی ہے: یعنی ظاہری لباس۔

اس تعلیق کی شرح اوپر گزر چکی ہے۔

قَبِيلُهُ جِيلُهُ الَّذِي هُوَ مِنْهُمْ۔ — وَ قَبِیْلُهٗ (الاعراف: ۲۷) اس کا معنی ہے: شیطان کا وہ گروہ جس میں سے وہ خود بھی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔ — بے شک وہ (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ (الاعراف: ۲۷)

امام بخاری نے قَبِیْل کی تفسیر جِیْل کے ساتھ کی ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: لوگوں کی ایک قسم، ترک بھی ایک جیل ہے اور چین بھی ایک جیل ہے، اور یہاں جِیْل سے مراد شیطان اور اس کا قبیلہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد گھوڑ سوار اور پیادہ ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس کی ذُرِّیَّت ہے اور تیسرا قول ہے کہ اس سے مراد اس کے اصحاب ہیں۔

ادَّارَكُوا اجْتَمَعُوا۔ — اِدَّارَكُوْا (الاعراف: ۳۸) اس کا معنی ہے: وہ جمع ہو جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا۔ (الاعراف: ۳۸) — جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی، حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے۔

امام بخاری نے اِدَّارَكُوْا کی تفسیر اِجْتَمَعُوْا کے ساتھ کی ہے، یعنی وہ جمع ہو گئے۔ مقاتل نے کہا کہ جب بھی ایک ملت والے دوزخ میں داخل ہوں گے تو وہ اپنی ملت والوں پر لعنت کریں گے، پس یہود، یہود کو لعنت کریں گے اور نصاریٰ، نصاریٰ کو لعنت کریں گے اور مجوس، مجوس کو لعنت کریں گے، اور اس آیت میں اُخت سے مراد ہے: دین اور ملت کی اخوت نہ کہ نسب کی اخوت اور حتّٰی اِذَا ادَّارَكُوْا کا معنی ہے: جب وہ دوزخ میں جمع ہو جائیں گے۔ اصل میں یہ لفظ تَدَارَكُوْا تھا، پھر تاء کو دال سے بدل کر دال کا دال میں ادغام کر دیا۔

وَمَشَاقُّ الْإِنْسَانِ وَالدَّابَّةِ كُلُّهَا يُسَمّٰى سُمُوْمًا وَاحِدُهَا سَمٌّ وَهِيَ عَيْنَاهُ وَمَنْخِرَاهُ وَفَمُهُ وَأُذُنَاهُ وَدُبُرُهُ وَإِحْلِيلُهُ۔

آدمی اور جانور سب کے سوراخ کو سُمُوْم کہتے ہیں اور اس کا واحد سَمٌّ ہے اور وہ سوراخ اس کی دو آنکھیں ہیں اور دو نتھنے ہیں اور منہ ہے اور اس کے دو کان ہیں اور اس کی مقعد کا سوراخ ہے اور اس کے آلہ تناسل کا سوراخ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے لفظ سَمٌّ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے، جو درج ذیل آیت میں ہے:

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ (الاعراف: ۴۰)

اور وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے (سوراخ) میں داخل ہو جائے۔

اس تعلیق میں مشاق الانسان کا ذکر ہے۔ اور صحیح بخاری کے دوسرے نسخوں میں مسام الانسان کا ذکر ہے۔ اور دونوں کا معنی ایک ہے، اور وہ ہے: انسان کے سوراخ۔

غَوَاشٍ مَا غُشُّوْا بِهٖ۔

غَوَاشٍ (الاعراف: ۴۱) اس کا معنی ہے: جس میں ڈھانپے گئے یعنی غلاف۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ۔ (الاعراف: ۴۱)

ان کے لئے دوزخ (کی آگ) کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا۔

امام بخاری نے غَوَاشٍ کے لفظ کی اس کے ساتھ تفسیر کی ہے جس کو ڈھانپ لیا گیا ہو، جیسے لحاف یا لباس بدن کو ڈھانپ لیتا ہے، اس طرح دوزخ کے اوپر تلے طبقات ہیں اور ہر اوپر والا طبقہ نیچے والے طبقہ کو ڈھانپ لیتا ہے۔

نُشُرًا مُتَفَرِّقَةً۔

نُشُرًا (الاعراف: ۵۷) اس کا معنی ہے: متفرق۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ نُشُرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ۔ (الاعراف: ۵۷)

وہی ہے جو متفرق ہواؤں کو بھیجتا ہے اپنی رحمت کے سامنے۔

امام بخاری نے نشرا کی تفسیر متفرق کے ساتھ کی ہے اور فن تفسیر میں مذکور ہے کہ نُشُرٌ نَشُوْرٌ کی جمع ہے اور یہ اس لطیف ہوا کو کہتے ہیں جو ہر جانب سے چلتی ہے۔ (ہماری قرأت میں یہ لفظ بُشْرًا ہے، اور اس کا معنی ہے: بارش کی خوش خبری دینے والی ہوائیں)۔

نَكِدًا قَلِيْلًا۔

نَكِدًا (الاعراف: ۵۸) اس کا معنی ہے: تھوڑا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا۔ (الاعراف:۵۸) اور جو خراب زمین ہوتی ہے، اس کی پیداوار صرف تھوڑی سی نکلتی ہے۔

امام بخاری نے نَکِدًا کی تفسیر قلیلا کے ساتھ کی ہے اور امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر عُسْرًا یعنی شدت کے ساتھ کی ہے۔

یَغْنَوْا یَعِیْشُوا۔ یَغْنَوْا (الاعراف:۹۲) اس کا معنی ہے، وہ زندہ رہے یا آباد ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا۔ (الاعراف:۹۲) جن لوگوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی تھی، (وہ صفحہ ہستی سے اس طرح مٹ گئے) گویا کہ کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔

امام بخاری نے یَغْنَوْا کی تفسیر یَعِیْشُوا کے ساتھ کی ہے۔ اس کا معنی ہے: انہوں نے خوش گوار زندگی نہیں گزاری۔

حَقِیْقٌ حَقٌّ۔ حَقِیْقٌ (الاعراف:۱۰۵) اس کا معنی ہے برحق یا واجب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

حَقِیْقٌ عَلٰۤی اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ۔ (الاعراف:۱۰۵) میرا یہ منصب ہے کہ میں اللہ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہوں۔

امام بخاری نے حَقِیْقٌ کی تفسیر حَقٌّ کے ساتھ کی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس لائق ہے کہ اس کے متعلق حق کے سوا اور کوئی بات نہ کہی جائے۔

اسْتَرْهَبُوْهُمْ مِنَ الرَّهْبَةِ۔ وَ اسْتَرْهَبُوْ هُمْ (الاعراف:۱۱۶) یہ رَهْبَتٌ سے ماخوذ ہے: اس کا معنی ہے: میں نے اس کو ڈرایا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ۝ (الاعراف:۱۱۶) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: تم ڈالو! جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا O

امام بخاری نے کہا کہ استرهبوهم، رُهْبَةٌ سے ماخوذ ہے، یعنی خوف اور اس کا معنی یہ ہے کہ فرعون کے جادوگر لوگوں کی آنکھوں پر جادو کرتے تھے یعنی جو چیز ان کی آنکھوں میں ڈالتے، لوگ سمجھتے کہ خارج میں اس کی کوئی حقیقت ہے اور وہ لوگوں کو اس سے ڈراتے اور لوگ اس سے خوف زدہ ہو جاتے۔

تَلَقَّفُ تَلَقَّمُ۔ تَلْقَفُ (الاعراف:۱۱۷) اس کا معنی ہے: نگلنے لگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۱۷) اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا O

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ فرعون کے جادوگروں نے لاٹھیوں کو اور رسیوں کو سانپ بنا کر دکھایا تھا، ان سب کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اژدھے نے نگل لیا اور ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے جو کچھ دکھایا تھا، وہ باطل ہے۔

طَآئِرُهُمْ حَظُّهُمْ طُوْفَانٌ مِنَ السَّیْلِ وَیُقَالُ لِلْمَوْتِ طٰٓئِرُهُمْ (الاعراف:۱۳۱) اس کا معنی ہے: سیلاب کے طوفان سے

اَلْکَثِیرُ الطُّوفَانُ۔ ان کا حصہ اور جب اس سے بہت زیادہ اموات ہوں تو اس کو طوفان کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿﴾ (الاعراف:۱۳۱) سنو! ان کافروں کی نحوست اللہ کے نزدیک (ثابت) ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے O

امام بخاری نے طٰٓئِرُ کی تفسیر حصہ کے ساتھ کی ہے اور امام ابوعبیدہ نے بھی اسی طرح اس کی تفسیر کی ہے۔

طوفان سیلاب سے ماخوذ ہے، اور موت کثیر کے لئے طوفان کہا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ۔ (الاعراف:۱۳۳) پس ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور چچڑیاں اور جوئیں۔

امام بخاری نے طوفان کی تفسیر سیلاب سے کی ہے اور سیلاب کے معنی میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب بہت زیادہ بارشیں ہوں جن سے فصلیں، کھیتیاں اور باغات تباہ ہو جائیں تو اس کو سیلاب کہتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ سیلاب کا معنی ہے: کثرۃ الموت جیسا کہ یہاں بیان کیا ہے اور عطاء کا بھی یہی قول ہے۔

اَلْقُمَّلُ الْحُمْنَانُ يُشْبِهُ صِغَارَ الْحَلَمِ۔ وَالْقُمَّلَ (الاعراف: ۱۳۳) اس کا معنی ہے: چچڑیاں جو چھوٹی جوؤں کے مشابہ ہوتی ہیں۔

امام بخاری نے قُمَّل کی تفسیر وہ کی ہے جو اس آیت میں ہے۔ امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ عرب کے نزدیک قُمَّل چچڑی کی ایک قسم ہے اور اس کا واحد حمنانۃ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قُمَّل اس سُرسُری کو کہتے ہیں جو گندم وغیرہ سے نکلتی ہے اور ان سے ایک اور روایت ہے کہ قُمَّل اس چھوٹی ٹڈی کو کہتے ہیں، جس کے پر نہیں ہوتے اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے کہا کہ قتمل کا معنی ہے: پسو۔

عُرُوشٌ وَعَرِيشٌ بِنَاءٌ۔ عُرُوش اور عریش کا معنی ہے: عمارت۔

امام بخاری نے اس تعلق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴿﴾ (الاعراف: ۱۳۷) اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی عمارتوں اور جو کچھ وہ بناتے ہیں، ان کو تباہ و برباد کر دیا O

امام بخاری نے یہ بتایا ہے کہ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ کا معنی ہے: جو کچھ وہ بناتے تھے۔ اور امام بخاری نے جو عروش اور عریش کا معنی بیان کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عُرُوش عرش کی جمع ہے اور عرش کا معنی ہے: بادشاہ کا تخت اور مکان کی چھت، لہٰذا امام بخاری نے جو اس کا معنی بیان کیا ہے: وہ درست نہیں ہے۔

سُقِطَ كُلُّ مَنْ نَدِمَ فَقَدْ سُقِطَ فِي يَدِهِ۔ سُقِطَ (الاعراف:۱۴۹) اس کا معنی ہے: ہر شخص جب نادم ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں پر گر گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡهِمۡ۔ (الاعراف:۱۴۹)　اور جب ان کی خود فریبی کا طلسم جاتا رہا (یعنی جب وہ اپنے کئے پر نادم اور شرمسار ہو گئے)۔

امام بخاری نے سُقِطَ کی تفسیر ندامت کے ساتھ کی ہے اور علامہ جوہری نے بھی کہا ہے کہ سُقِطَ فی یدیہ کا معنی ہے: وہ نادم ہو گیا اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے قصہ میں ہے، جنہوں نے زیورات کا بچھڑا بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کی اس آیت میں خبر دی کہ جب وہ نادم ہو گئے اور انہوں نے جان لیا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں، یعنی وہ اپنے کئے پر نادم ہو گئے ہیں۔

الْأَسْبَاطُ قَبَائِلُ بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡلَ۔　اَلْاَسْبَاطِ (الاعراف:۱۶۰) اس کا معنی ہے: بنی اسرائیل کے قبائل۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیۡ عَشۡرَةَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا۔ (الاعراف:۱۶۰)　اور ہم نے ان (بنو اسرائیل) کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم کر دیا۔

امام بخاری نے اسباط کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے قبائل ہیں۔ امام ابو عبیدہ نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے اور انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کا واحد سِبط ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تم کس سِبط سے ہو، یعنی کس قبیلے سے ہو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو اسباط کہا جاتا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو قبائل کہا جاتا ہے۔ اس کا اشتقاق سِبط سے ہے اور اس کا معنی ہے: پے در پے آنا اور سَبَط اس درخت کو کہتے ہیں، جو بہت گھنا ہو۔ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو سِبطِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی ذُرِّیَّت دنیا میں بہت پھیل گئی۔

یَعْدُوۡنَ فِی السَّبۡتِ یَتَعَدَّوۡنَ لَهٗ یُجَاوِزُوۡنَ تَجَاوُزٌ یَعۡدَ تَجَاوُزٍ تَعۡدُ تُجَاوِزُ۔　یَعۡدُوۡنَ فِی السَّبۡتِ (الاعراف:۱۶۳) اس کا معنی ہے، وہ ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَسۡـَٔلۡهُمۡ عَنِ الۡقَرۡيَةِ الَّتِیۡ كَانَتۡ حَاضِرَةَ الۡبَحۡرِ ۘ اِذۡ یَعۡدُوۡنَ فِی السَّبۡتِ۔ (الاعراف:۱۶۳)　اور ان سے اس بستی کے متعلق سوال کیجئے جو سمندر کے کنارے واقع تھی، جب وہ سنیچر (ہفتہ) کے دن تجاوز کرتے تھے۔

امام بخاری نے یَعۡدُوۡنَ کی تفسیر یتجاوزون کے ساتھ کی ہے، یعنی وہ حد سے گزرتے تھے۔ علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ وہ ہفتہ کے دن شکار کرتے تھے، حالانکہ انہیں ہفتہ کے دن شکار کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ ہفتہ کے دن شکار کے آلات تیار کرتے تھے، حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت کے سوا اور کوئی کام نہیں کریں گے۔

شُرَّعًا شَوَارِعَ۔　شُرَّعًا (الاعراف: ۱۶۳) اس کا معنی ہے: پانی کے اوپر تیرتے ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذۡ تَاۡتِیۡهِمۡ حِیۡتَانُهُمۡ یَوۡمَ سَبۡتِهِمۡ شُرَّعًا وَّیَوۡمَ لَا یَسۡبِتُوۡنَ ۙ لَا تَاۡتِیۡهِمۡ۔ (الاعراف:۱۶۳)　جب سنیچر کے دن مچھلیاں تیرتی ہوئی ان کے پاس آتی تھیں، اور جب سنیچر کا دن نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس (اتنی کثرت سے) اس طرح نہیں آتی تھیں۔

امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ شُرَّعًا، شوارع کی جمع ہے اور یہ پانی کی سطح کے اوپر راستہ ہے۔

بَئِیسٍ شَدِیدٍ۔ بَئِیسٍ (الاعراف:۱۶۵) اس کا معنی ہے: سخت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِیْسٍ۔ اور ہم نے ظالموں کو سخت عذاب میں جکڑ لیا۔
(الاعراف:۱۶۵)

امام بخاری نے بَئِیْسٍ کی تفسیر شدید سے کی ہے یعنی سخت اور مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: اَلِیْمٌ یعنی دردناک۔

أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ قَعَدَ وَتَقَاعَسَ۔ اَخْلَدَ (الاعراف:۱۷۶) اس کا معنی ہے: بیٹھا اور پیچھے ہٹ گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ۔ (الاعراف:۱۷۶) مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔

امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اَخْلَدَ کا معنی ہے: وہ زمین کی طرف لازم ہو گیا یعنی وہ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی طرف لازم ہوا اور وہ دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کی طرف بڑھا اور ان چیزوں نے اس کو دھوکے میں ڈال دیا اور وہ پستی میں گر گیا اور تَقَاعَسَ کا معنی ہے: اس نے تاخیر کی اور دیر کی اور وَلٰكِنَّهٗ کی ضمیر بلعم بن باعورا کی طرف راجع ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا اور اس کی دعاء بہت قبول ہوتی تھی لیکن اس نے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کی اور یہ ایمان سے نکل گیا اور اس کا قصہ مشہور ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد امیہ بن ابی الصلت ہے، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کی پیروی نہیں کی، اور یہ مشرکین کے مددگاروں میں سے ہو گیا، اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ یہ زبان سے ایمان لایا اور دل سے ایمان نہیں لایا اور اس کے کچھ ربانی اشعار بھی ہیں، جن میں حکمت اور فصاحت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے اس کا دل نہیں کھولا۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ أَيْ نَأْتِيهِمْ مِنْ مَأْمَنِهِمْ كَقَوْلِهِ تَعَالَى فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا۔ (الحشر:۲) سَنَسْتَدْرِجُهُمْ (الاعراف:۱۸۲) اس کا معنی ہے: جہاں سے ان کو خطرہ نہیں ہو گا ہم وہاں سے آئیں گے، جیسا کہ اس آیت میں ہے: یعنی اللہ کا عذاب وہاں سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۸۲) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا! ہم ان کو بتدریج تباہی کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا O

اِسْتِدْرَاج کا معنی ہے: کسی چیز کی طرف درجہ بہ درجہ لے جانا یا پہنچنا اور الحشر: ۲ کے ساتھ تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اچانک پکڑ لیا، جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے:

حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً۔ جب وہ اترانے لگے ان چیزوں کے ساتھ، جو انہیں دی گئیں تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا۔ (الانعام:۴۴)

مِنْ جِنَّةٍ مِنْ جُنُونٍ۔ مِّنْ جِنَّةٍ (الاعراف:۱۸۴) اس کا معنی ہے: جنون اور دیوانگی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ۔ (الاعراف:۱۸۴) ان کے صاحب پر مطلقاً جنون نہیں ہے۔

اس آیت میں صاحب سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کفار آپ کے متعلق یہ کہتے تھے کہ آپ شاعر ہیں یا مجنون، تو اللہ تعالیٰ

نے کفار کا رد فرمایا کہ مسلمانوں کے صاحب پر جنون نہیں ہے۔

أَيَّانَ مُرْسَاهَا مَتَى خُرُوجُهَا۔ أَيَّانَ مُرْسٰهَا (النزعت: ۴۲) اس کا معنی ہے: اس کے نکلنے کا وقت کب ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا۔ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں: اس کے نکلنے کا وقت کب ہوگا۔ (النازعات: ۴۲، الاعراف: ۱۸۷)

امام ابوعبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور امام طبری نے علی بن ابی طلحہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ تفسیر کی ہے کہ مُرْسٰهَا کا معنی ہے: اس کی انتہاء کب ہوگی اور قتادہ سے روایت ہے کہ اس کا معنی ہے: کب قائم ہوگی یعنی قیامت۔

فَمَرَّتْ بِهِ اسْتَمَرَّ بِهَا الْحَمْلُ فَأَتَمَّتْهُ۔ فَمَرَّتْ بِهٖ (الاعراف: ۱۸۹) اس کا معنی ہے: اس کا حمل برقرار رہا، پس اس کی مدت پوری ہوگئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ۔ پھر مرد نے جب اسے ڈھانپ لیا تو اسے خفیف سا حمل ہوگیا، وہ اس کے ساتھ چل پھر رہی تھی۔ (الاعراف: ۱۸۹)

فَمَرَّتْ بِهٖ کی ضمیر حضرت حواء علیہا السلام کی طرف لوٹتی ہے، یعنی جب ان کو حضرت آدم علیہ السلام سے حمل ہوگیا تو انہوں نے حمل کی مدت کو پورا کیا۔

يَنْزَغَنَّكَ يَسْتَخِفَّنَّكَ۔ يَنْزَغَنَّكَ (الاعراف: ۲۰۰) اس کا معنی ہے: شیطان تم کو ڈگمگائے یا پھسلائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ إِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ اور (اے مخاطب!) اگر شیطان تمہیں کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ کی پناہ طلب کرو۔ (الاعراف: ۲۰۰)

امام بخاری نے يَنْزَغَنَّكَ کی تفسیر کی ہے: شیطان تم کو ڈگمگائے یا پھسلائے، اسی طرح امام ابوعبیدہ نے بھی اس کی تفسیر کی ہے۔ اور امام ابن جریر نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: اگر شیطان آپ کو غضبناک کرے، اور آپ کو جاہل سے درگزر کرنے سے روکے، اور آپ کو جاہل سے بدلہ لینے پر برانگیختہ کرے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کریں۔

طَيْفٌ مُلِمٌّ بِهِ لَمَمٌ وَيُقَالُ طَائِفٌ وَهُوَ وَاحِدٌ۔ طٰٓئِفٌ (الاعراف: ۲۰۱) اس کا معنی ہے: شیطان کی طرف سے جو تمہیں وسوسہ آئے۔ طَائِفٌ اور طَيْفٌ کا ایک ہی معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ۔ بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی برا خیال چھو بھی جاتا ہے۔ (الاعراف: ۲۰۱)

امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ طیف کا معنی ہے: لَمَمٌ اور لَمَمٌ کا اطلاق جنون کی ایک قسم پر، اور صغیرہ گناہوں پر کیا جاتا ہے۔ بعض

مفسرین نے اس کی تفسیر غضب کے ساتھ کی ہے اور بعض مفسرین نے اس کی تفسیر مَسّ شیطان کے ساتھ کی ہے اور بعض نے اس کی تفسیر ارتکاب گناہ کے ساتھ کی ہے۔

يَمُدُّونَهُمْ يُزَيِّنُونَ۔ يَمُدُّونَهُمْ (الاعراف: ۲۰۲) اس کا معنی ہے: وہ اس کو خوش نما بناتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ۝ (الاعراف: ۲۰۲) اور شیطانوں کے بھائی بند ان کو گمراہی میں کھینچتے ہیں، پھر وہ (ان کو گمراہ کرنے میں) کوئی کمی نہیں کرتے O

امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: وہ ان کے لئے کفر اور گمراہی کو مزین کرتے ہیں۔

وَخِيفَةً خَوْفًا وَخُفْيَةً مِنَ الْإِخْفَاءِ۔ وَخِيفَةً اس کا معنی ہے: ڈر اور خوف۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً۔ (الاعراف: ۲۰۵) اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو۔

اور قرآن مجید میں خُفْيَة بھی ہے، جس کا معنی ہے: چپکے چپکے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً۔ (الاعراف: ۵۵) تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو۔

وَالْآصَالُ وَاحِدُهَا أَصِيلٌ وَهُوَ مَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى الْمَغْرِبِ كَقَوْلِهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔ وَالْآصَالِ (الاعراف: ۲۰۵) اس کا واحد اصیل ہے، اور اس کا معنی ہے: عصر سے لے کر مغرب تک کا وقت، جیسا کہ اس آیت میں ہے: بُكْرَةً وَّأَصِيلًا (الفرقان: ۵) یعنی صبح اور شام کے وقت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ۔ (الاعراف: ۲۰۵) اور زبان سے آواز بلند کئے بغیر صبح اور شام (اپنے رب کو) یاد کرو۔

امام ابو عبیدہ نے بھی یہی کہا ہے کہ اٰصال، اَصِیل کی جمع ہے۔

نوٹ: ان تعلیقات کی شرح التوضیح ج ۲۲ ص ۵۶-۳۵۲ اور عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۲۲-۳۲۱ سے لی گئی ہیں۔

۱- بَابٌ: قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ (الاعراف: ۳۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہیے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں، خواہ پوشیدہ (الاعراف: ۳۳) کی تفسیر

فواحش سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو عموم پر محمول کیا ہے۔ قتادہ سے روایت ہے کہ چھپ کر بے حیائی کے کام کئے جائیں خواہ کھلم کھلا بے حیائی کے کام کئے جائیں اور بعض مفسرین نے اس کو خصوص پر محمول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ چھپ کر زنا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور کھلم کھلا زنا کرنے کو برا سمجھتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے مطلقاً زنا کو حرام قرار دیا خواہ چھپ کر کیا جائے، خواہ کھلم کھلا۔ (عمدۃ القاری: ج ۲۲ ص ۳۲۳-۳۲۲)

۴۶۳۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ قُلْتُ أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَعَمْ وَرَفَعَهُ قَالَ لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ فَلِذَلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللهِ فَلِذَلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، از عمرو بن مرۃ از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے ابووائل سے پوچھا: کیا آپ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا نہیں ہے۔ اسی لئے اس نے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمادیا خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ باطن اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو اپنی تعریف کرنا پسند نہیں ہے، اسی لئے اللہ نے اپنی تعریف کی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۳۴ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَابٌ: وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۴۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا، تو عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں، فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا: تو پاک ہے، میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں O (الاعراف: ۱۴۳) کی تفسیر

میقات، رب کی تجلی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے ہوشی، ان کی توبہ اور ان کے اول المومنین ہونے کا محمل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لِمِيقَاتِنَا: اَلْمِيقَاتُ وقت کا مصدر ہے، اصل میں یہ مِوْقَاتٌ تھا، واو ماقبل مکسور تھا تو اس کو یاء سے بدل دیا تو یہ میقات ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے: یعنی کسی بشر میں یہ طاقت نہیں ہے کہ دنیا میں میری طرف دیکھے اور جس نے دنیا میں میری طرف دیکھا تو وہ مر جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے خدا! میں نے تیرا کلام سنا تو مجھے تیری طرف

دیکھنے کا شوق ہوا، سو تو مجھے اپنی ذات دکھا تو میں تیری طرف دیکھوں، پھر اگر میں تیری طرف دیکھتے ہوئے مر جاؤں تو وہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں تیری طرف دیکھے بغیر زندہ رہوں۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رب کی تجلی اس کے نور کا ظہور ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت سے صرف اتنی تجلی کی تھی جتنا سوئی کا ناکہ ہوتا ہے، اور السدی نے کہا: چھنگلی کے برابر۔ امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار حجابات میں سے ایک درہم کے برابر اپنے نور کو ظاہر کیا۔

جَعَلَهٗ دَكًّا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس پہاڑ کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا۔ ابوبکر الہذلی نے کہا: وہ پہاڑ زمین کی تہہ میں چلا گیا۔

وَ خَرَّ موسٰى صَعِقًا: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔ وہ جمعرات کا دن اور یوم عرفہ تھا اور انہیں جمعہ کے دن تورات دی گئی اور وہ یوم نحر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صَعِقًا کی تفسیر بے ہوشی کے ساتھ کی ہے، اور قتادہ نے اس کی تفسیر موت کے ساتھ کی ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر راجح ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو کہا: سُبْحَانَكَ: یعنی تیری ذات اس سے مبرہ ہے کہ کوئی تجھے دنیا میں دیکھے اور جو تجھے دنیا میں دیکھے گا، وہ مر جائے گا۔

تُبْتُ اِلَيْكَ: یعنی میں تجھے دنیا میں دیکھنے کے سوال سے توبہ کرتا ہوں، اور ایک قول یہ ہے کہ میں تیری اجازت سے پہلے تجھ سے سوال کرنے سے توبہ کرتا ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میں اس اعتقاد سے توبہ کرتا ہوں کہ تجھے دنیا میں دیکھنا ممکن ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ توبہ سے یہاں مراد ہے: بغیر کسی پیشگی گناہ کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور تسبیح سبحان اللہ کہا جیسا کہ مسلمانوں کی عادت ہے کہ وہ اللہ کی کسی نشانی کو دیکھ کر سبحان اللہ کہتے ہیں۔

اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ: یعنی میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں کہ تجھے دنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا، اور مجاہد نے کہا: میں بنی اسرائیل میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مجھے نہیں دیکھ سکتے، اس سے معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا اور آخرت میں نہیں دیکھا جا سکتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ یہ حدیث ثابت ہے کہ مومنین اللہ تعالیٰ کو آخرت میں دیکھیں گے، نیز اہلسنت نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دکھائی دینے کو پہاڑ کے اپنی جگہ برقرار رہنے پر موقوف کیا ہے اور پہاڑ کا اپنی جگہ برقرار رہنا ممکن ہے، سو جو اس پر معلق ہو وہ بھی ممکن ہی ہوگا نہ کہ محال۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۲۵-۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَرِنِی یعنی مجھے دکھا، اس کا معنی ہے: مجھے (اپنا دیدار) عطا فرما۔

اس تعلیق کو امام طبری نے از علی بن ابی طلحہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما موصولاً روایت کیا ہے۔

۴۶۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضى الله عنه قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَدْ لُطِمَ وَجْهُهُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو بن یحییٰ المازنی از والد خود از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ: وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جس

رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِكَ مِنَ الْأَنْصَارِ لَطَمَ فِي وَجْهِي قَالَ ادْعُوهُ فَدَعَوْهُ قَالَ لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي مَرَرْتُ بِالْيَهُودِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ فَقُلْتُ وَعَلَى مُحَمَّدٍ وَأَخَذَتْنِي غَضْبَةٌ فَلَطَمْتُهُ قَالَ لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ۔

کے منہ پر تھپڑ مارا گیا تھا اور اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے اصحاب میں سے ایک انصاری شخص نے میرے منہ پر تھپڑ مارا۔ آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ، لوگوں نے اس کو بلایا، آپ نے اس سے پوچھا: تم نے اس کے منہ پر تھپڑ کیوں مارا ہے؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں ایک یہودی کے پاس سے گزرا۔ میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ اس ذات کی قسم! جس نے موسیٰ کو تمام بشروں پر فضیلت دی، تو میں نے اس سے کہا: کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی؟ تو اس نے کہا: ہاں! محمد پر بھی، تو مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے اسے تھپڑ مار دیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔ کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے، پس میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کو پکڑ کر کھڑے ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کہ آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے یا طور کی بے ہوشی کے بدلے میں ان کو یہ جزا دی گئی (پھر ان کو بے ہوش نہیں کیا گیا)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۲ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور کی وضاحت کی جارہی ہے:

مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو: یعنی مجھے انبیاء علیہم السلام پر اس طرح فضیلت مت دو جس سے ان کی کمی لازم آئے، یا مجھے ان پر اس طرح فضیلت مت دو جو کسی جھگڑے کا موجب ہو۔

امام ابن ابی الدنیا نے لکھا ہے کہ جس نے یہودی کو تھپڑ مارا تھا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور صحیح بخاری میں ہے: ایک انصاری نے تھپڑ مارا تھا، اور یہ تعارض ہے، تاہم صحیح بخاری کی حدیث راجح ہے۔

کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے: ظاہر یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ بے ہوشی اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے کے لئے ان پر تجلی فرمائے گا اور سب لوگ اس تجلی سے بے ہوش ہو جائیں گے اور یہاں صَعقة سے مراد موت نہیں ہے۔
(عمدۃ القاری: ج ۲۲ ص ۳۲۵)

۳۔ بَابٌ: الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (الاعراف: ۱۶۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے ان پر من اور سلویٰ نازل کیا۔ (الاعراف: ۱۶۰) کی تفسیر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى (الاعراف: ۱۶۰)

اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من و سلویٰ نازل کیا۔

۴۶۳۹۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءُ الْعَيْنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالملک از عمرو بن حریث از سعید بن زید از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: کھمبی ''من'' میں سے ہے۔ اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۴۴۷۸ میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں کھمبی کے پانی میں دو احتمال ہیں: یا تو محض اس کا پانی شفاء ہے، یا اس کے پانی کو دواء میں ملا کر ڈالا جائے تو وہ آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔

۴۔ بَابٌ: قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِۦ وَيُمِيتُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَٰتِهِۦ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ (الاعراف: ۱۵۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) آپ کہیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کی مِلک میں تمام آسمان اور زمینیں ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی امی لقب ہیں، جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں، اور تم سب ان کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤO (الاعراف: ۱۵۸) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ مذکور الصدر آیت کے تحت لکھتے ہیں:

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور رسول محمد ﷺ سے فرماتا ہے: اے محمد! آپ کہیے: اے لوگو! یہ خطاب ہر کالے اور گورے اور عربی اور عجمی کے لئے ہے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

میں اللہ کا رسول ہوں: یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے جو ہر چیز کا خالق ہے، رب ہے اور مالک ہے اور اسی کے قبضے میں ملک ہے اور وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس اللہ پر ایمان لاؤ۔ جب اللہ نے لوگوں کو یہ بتا دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (ﷺ) تو اللہ نے آپ پر ایمان لانے کا حکم دیا، اور اپنے رسول نبی امی کی اتباع کا حکم دیا، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور کتب قدیمہ میں تم کو بشارت دی گئی تھی کہ ان کی یہ یہ صفات ہیں۔

وَاتَّبِعُوهُ: یعنی ان کے طریقے پر چلو اور ان کے نقش قدم کی تلاش کرو تا کہ تم صراط مستقیم کی ہدایت پا جاؤ۔

(عمدۃ القاری: ج ۲۲ ص ۳۲۶)

۴۶۴۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَٰنِ وَمُوسَى بْنُ هَارُونَ قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ زَبْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن عبدالرحمٰن اور موسیٰ بن ہارون نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں الولید بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن العلاء بن زبر

الْخَوْلَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ كَانَتْ بَيْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ مُحَاوَرَةٌ فَأَغْضَبَ أَبُو بَكْرٍ عُمَرَ فَانْصَرَفَ عَنْهُ عُمَرُ مُغْضَبًا فَاتَّبَعَهُ أَبُو بَكْرٍ يَسْأَلُهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَهُ فَلَمْ يَفْعَلْ حَتَّى أَغْلَقَ بَابَهُ فِي وَجْهِهِ فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمَّا صَاحِبُكُمْ هَذَا فَقَدْ غَامَرَ قَالَ وَنَدِمَ عُمَرُ عَلَى مَا كَانَ مِنْهُ فَأَقْبَلَ حَتَّى سَلَّمَ وَجَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَصَّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْخَبَرَ قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ يَقُولُ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَأَنَا كُنْتُ أَظْلَمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي صَاحِبِي هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي صَاحِبِي إِنِّي قُلْتُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقْتَ قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ غَامَرَ سَبَقَ بِالْخَيْرِ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے بسر بن عبیداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو ادریس الخولانی نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ رنجش ہوگئی تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو غضبناک کر دیا، پس حضرت عمر وہاں سے ناراض ہو کر چلے گئے، پھر حضرت ابوبکر ان کے پیچھے گئے اور ان سے یہ سوال کیا کہ ان کو معاف کر دیں۔ حضرت عمر نے ان کو معاف نہ کیا اور ان کے منہ کے سامنے اپنا دروازہ بند کر لیا، پھر حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، حضرت ابوالدرداء نے بتایا ہم اس وقت آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے یہ صاحب (یعنی حضرت ابوبکر) کسی سے لڑ کر آئے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء نے بتایا کہ حضرت عمر اپنے فعل پر نادم ہوئے، پس وہ آئے حتیٰ کہ سلام کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا واقعہ بتایا۔ حضرت ابوالدرداء نے بتایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے اور حضرت ابوبکر کہہ رہے تھے: اللہ کی قسم یارسول اللہ! میں ہی ظلم کرنے والا تھا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میرے لئے میرے صاحب کو چھوڑتے ہو؟ (پھر مکرر فرمایا:) کیا تم میرے لئے میرے صاحب کو چھوڑتے ہو؟ میں نے کہا تھا: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، تو تم لوگوں نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو، اور ابوبکر نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ امام ابوعبداللہ نے کہا: غَامَرَ کا معنی ہے: نیکی میں سبقت لے لینا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۶۱ میں گزر چکی ہے۔
اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

۵۔ بَابٌ: وَقُولُوا حِطَّةٌ (الاعراف: ۱۶۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور حِطَّةٌ (معاف کرنا) کہتے جاؤ۔ (الاعراف: ۱۶۱) کی تفسیر

۴۶۴۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان

مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ فَبَدَّلُوا فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ وَقَالُوا حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ۔

کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ دروازے میں جھکتے ہوئے داخل ہونا اور کہنا حِطَّةٌ (معاف کرنا) تو ہم تمہارے لئے تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے، انہوں نے اس کو بدل دیا، پس وہ اپنی سرین پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور کہا: دانہ جو میں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۰۳ میں گزر چکی ہے۔

۶۔ بَابٌ: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (الاعراف: ۱۹۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے، اور نیکی کا حکم دیجئے، اور جاہلوں سے اعراض کیجئے O (الاعراف: ۱۹۹) کی تفسیر

اَلْعَفْو: معروف کا حکم دینے اور جاہلوں سے درگزر کی تفصیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں کا حکم دیا ہے: (۱) معاف کرنے کا۔ (۲) نیکی کا حکم دینے کا۔ (۳) جاہلوں سے درگزر کرنے کا۔

امام طبری نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ معاف کرنے کے حکم کا تعلق لوگوں کے اخلاق اور ان کے اعمال کے ساتھ ہے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت صرف لوگوں کے اخلاق کے متعلق نازل کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور سدی نے کہا کہ خُذِ الْعَفْوَ کا تعلق مسلمانوں کے اموال کے ساتھ ہے اور عفو کا معنی ہے: زائد چیز، یعنی لوگوں کے اموال میں سے جو چیز زائد ہے، وہ لے لیں۔ امام ابن جریر نے کہا: یہ حکم زکوٰۃ کے نازل ہونے سے پہلے تھا اور امام ابن جوزی نے کہا ہے: یہ وہ صدقہ ہے جو زکوٰۃ سے پہلے لیا جاتا تھا، پھر زکوٰۃ سے اس کا حکم منسوخ ہو گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ مشرکین کو معاف کر دیں اور ان پر سختی نہ کریں، اور یہ حکم جہاد کی فرضیت سے پہلے تھا اور اَلْعُرْف کی تفسیر ابھی آ رہی ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ جاہلوں سے اعراض کریں، تو ان جاہلوں سے ابوجہل اور اس کے اصحاب مراد ہیں۔ ابن زید نے کہا: یہ حکم بھی جہاد کی آیات سے منسوخ ہو گیا۔

اَلْعُرْف کا معنی ہے: اَلْمَعْرُوْف

امام طبری نے السدی اور قتادہ سے روایت کی ہے کہ معروف میں رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھنا، اور جو محروم ہوں، ان کو عطا کرنا اور جو ظالم ہوں، ان کو معاف کرنا یہ امور داخل ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے کہا ہے: معروف سے مراد وہ امور ہیں جو اللہ عزوجل کی اطاعت میں معروف ہیں۔ الثعلبی نے کہا ہے: ہر نیک خصلت معروف ہے۔ عطا نے کہا ہے: اس سے مراد ہے: لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لانے کا حکم دینا۔ (عمدۃ القاری: ج ۲۲ ص ۳۲۹-۳۲۸)

۴۶۴۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنِ بْنِ حُذَيْفَةَ فَنَزَلَ عَلَى ابْنِ أَخِيهِ الْحُرِّ بْنِ قَيْسٍ وَكَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِينَ يُدْنِيهِمْ عُمَرُ وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجَالِسِ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا فَقَالَ عُيَيْنَةُ لِابْنِ أَخِيهِ يَا ابْنَ أَخِي هَلْ لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هَذَا الْأَمِيرِ فَاسْتَأْذِنْ لِي عَلَيْهِ قَالَ سَأَسْتَأْذِنُ لَكَ عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاسْتَأْذَنَ الْحُرُّ لِعُيَيْنَةَ فَأَذِنَ لَهُ عُمَرُ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ هِيْ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ فَوَاللهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ وَلَا تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ فَغَضِبَ عُمَرُ حَتَّى هَمَّ أَنْ يُوقِعَ بِهِ فَقَالَ لَهُ الْحُرُّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝﴾ (الاعراف:۱۹۹) وَإِنَّ هَذَا مِنَ الْجَاهِلِينَ وَاللهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِينَ تَلَاهَا عَلَيْهِ وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ۔

[طرف الحدیث:۷۲۸۶]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی، از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ آئے تو وہ اپنے بھتیجے الحر بن قیس کے ہاں ٹھہرے اور یہ ان چند لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب رکھتے تھے، جو لوگ قرآن مجید کے زیادہ عالم اور قاری ہوتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ان کو زیادہ قرب حاصل ہوتا تھا اور ایسے لوگ آپ کے مشیر ہوتے تھے، خواہ وہ ادھیڑ عمر کے ہوں یا جوان ہوں۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے میرے بھتیجے! تمہیں اس امیر کی مجلس میں بہت قرب حاصل ہے، سو میرے لئے بھی اس مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت لے دو، حر بن قیس نے کہا: میں آپ کے لئے عنقریب ان سے اجازت حاصل کروں گا۔ حضرت ابن عباس نے بتایا: سو انہوں نے عیینہ کے لئے بھی حاضری کی اجازت طلب کی، پس حضرت عمر نے ان کو مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی۔ جب وہ مجلس میں پہنچے تو کہنے لگے: اے ابن خطاب! قصہ یہ ہے اللہ کی قسم! تم ہمیں نہ مال دیتے ہو اور نہ ہمارے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات پر سخت غصہ آیا حتیٰ کہ انہوں نے عیینہ کو مارنے کا ارادہ کیا۔ تب حر نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا ہے: آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے، اور نیکی کا حکم دیجئے، اور جاہلوں سے اعراض کیجئے ۝ (الاعراف:۱۹۹)۔ اور یہ شخص بھی جاہلوں میں سے ہے۔ اللہ کی قسم! جب حر نے یہ کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بالکل تجاوز نہ کیا اور قرآن سن کر حضرت عمر کی یہی حالت ہوتی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

كُهُوْلًا: ابن فارس نے کہا: اس کا معنی ہے: جس شخص کے بال سفید ہو جائیں۔ المبرد نے کہا: جس شخص کی عمر تینتیس (۳۳) سال ہو۔

مَہْ: یہ ڈانٹ ڈپٹ کا کلمہ ہے، اور دھمکانے کا کلمہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، یعنی قصہ یہ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اسماء افعال میں سے ہے۔ یہ اس شخص سے کہا جاتا ہے جس نے اپنے قول یا کسی کام میں زیادتی کی ہو۔

الجزل: اس کا معنی یہ ہے کہ تم ہمیں عطاء کثیر نہیں دیتے۔

وَقَّافًا: یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کی کتاب سے بہت واقف تھے۔ جب وہ کوئی آیت سنتے تو ٹھہر جاتے اور اس کے حکم سے تجاوز نہ کرتے۔ (عمدۃ القاری: ج ۱۸ ص ۳۲۹)

۴۶۴۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ قَالَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا فِي أَخْلَاقِ النَّاسِ

[طرف الحدیث: ۴۶۴۴]، (سنن ابوداؤد: ۴۷۸۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، از ہشام از والد خود از حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ خذ العفو وامر بالعرف کے متعلق انہوں نے بتایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے صرف لوگوں کے اخلاق کے متعلق نازل کیا ہے۔

خلق کی تعریف

اخلاق خُلق کی جمع ہے، اور خُلق اس ملکہ یا مہارت کو کہتے ہیں جس سے افعال بغیر غور وفکر کے صادر ہوتے ہیں۔ امام جعفر الصادق نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں مکارم اخلاق کی اس سے زیادہ جامع آیت اور کوئی نہیں ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ معاملہ اپنے نفس کے ساتھ ہوگا یا اپنے غیر کے ساتھ، اور ہر ایک کے متعلق اس آیت میں ہدایت ہے یا اس لئے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں کیونکہ انسانی قویٰ بھی تین ہیں: عقلیہ، شہویہ اور غضبیہ اور ہر قوت کی ایک فضیلت ہے اور وہ کیفیت متوسطہ ہے اور عقلیہ کی کیفیت متوسط حکمت ہے، اور اسی کے ساتھ انسان نیکی کا حکم دیتا ہے اور قوت شہویہ کی کیفیت متوسط عفت ہے اور اسی سے انسان معاف کرتا ہے اور قوت غضبیہ کی کیفیت متوسط شجاعت ہے اور اسی سے انسان جاہلوں سے درگزر کرتا ہے۔

۴۶۴۴۔ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بَرَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ أَمَرَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ ﷺ أَنْ يَأْخُذَ الْعَفْوَ مِنْ أَخْلَاقِ النَّاسِ أَوْ كَمَا قَالَ۔

اور عبد اللہ بن براد نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ لوگوں کے اخلاق میں سے معاف کرنے کو لے لیں یا جس طرح آپ نے فرمایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۴۳ میں گزر چکی ہے۔

سورۃ الاعراف کی تفسیر یہاں پر ختم ہوگئی۔ اب ان شاء اللہ سورۃ الانفال کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الۡاَنۡفَالِ

سورۃ الانفال کی تفسیر

سورۃ الانفال کا تعارف

سورۃ الانفال چار آیات کے سوا مدنی ہے اور جو چار آیات مکی ہیں، وہ یہ ہیں:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ (الانفال:۲۲،۵۵) وَ اِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا (الانفال:۳۰) اور ایک آیت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے: وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ وَ اَنۡتَ فِیۡہِمۡ (الانفال: ۳۳) الحصار نے اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں لکھا ہے کہ یہ آیت بالاتفاق مدنی ہے۔

سورۃ الانفال کی پچھتر (۷۵) آیات ہیں۔

۱۔ بَابٌ: یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ۔ (الانفال:۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) یہ آپ سے انفال (اموال غنیمت) کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ انفال (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول مالک ہیں، سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔ (الانفال:۱) کی تفسیر

غنیمتوں کی تقسیم میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ: یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے اصحاب آپ سے ان غنیمتوں کے متعلق سوال کرتے ہیں جن غنیمتوں کو آپ نے اور آپ کے اصحاب نے غزوہ بدر میں حاصل کیا تھا کہ یہ غنیمتیں کس کے لئے ہیں؟ پس ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ انفال السرایا ہیں، یعنی لشکر کے افراد کو جو مال غنیمت کے اس کے حصے سے زائد دیا جاتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مشرکین مسلمانوں کی طرف جو غلام یا سواری چھوڑ گئے تھے، وہ مراد ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ غنیمتوں کی تقسیم کے بعد غنیمتوں کے سامان سے جو چیز گر جائے تو وہ نفل ہے، سو وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ نفل سے مراد وہ خمس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اہل خمس کے لئے مقرر کیا ہے۔

النحاس نے کہا ہے: اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں اور اکثر اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَ لِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ ابۡنِ

اور (اے مسلمانو!) یاد رکھو تم جتنا بھی مال غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے

السَّبِيْلِ۔(الانفال:۴۱) لئے ہے، اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے ہے، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے اور ائمہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اس آیت پر عمل کریں، پس جس کو چاہیں نفل دیں، یعنی اس کی کارکردگی کی بناء پر اس کو مال غنیمت سے زائد حصہ دیں، جب کہ اس میں مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْأَنْفَالُ الْمَغَانِمُ قَالَ قَتَادَةُ رِيحُكُمُ الْحَرْبُ يُقَالُ نَافِلَةٌ عَطِيَّةٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: (الانفال:۱) اس کا معنی ہے: غنیمتیں۔ قتادہ نے کہا: رِيحُكُمْ (الانفال:۴۶) اس کا معنی ہے: جنگ۔ کہا جاتا ہے کہ نافلۃ کا معنی عطیہ ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ج ۵ ص ۱۶۴۹)

أنفال کا واحد نفل ہے، اور اس کا معنی ہے: زیادہ۔ اس لئے امام بخاری نے اس کے بعد کہا ہے کہ کہا جاتا ہے: نافلۃ کا معنی عطیہ ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے حلال میں زیادہ کیا، کیونکہ اس سے پہلی امتوں میں یہ حرام تھا، اسی وجہ سے فرض سے زائد رکعات کو نماز میں نفل کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ فرض سے زیادہ ہیں، اور ایک قول کے مطابق درج ذیل آیت میں نافلہ کا معنی ''زیادہ'' ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ۔(الانبیاء:۷۲) اور ہم نے انہیں اسحاق عطا فرمائے اور (اسحاق پر) زائد یعقوب۔

اور قتادہ نے کہا: (وتذهب رِيحُكُمْ)، اس کا معنی ہے: جنگ، اس اثر کی امام عبد الرزاق نے معمر سے روایت کی ہے۔

(تفسیر عبد الرزاق: ج ۱ ص ۲۳۸)، (التوضیح: ج ۲۲ ص ۳۷۳۔۳۷۲)

۴۶۴۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما سُورَةُ الْأَنْفَالِ قَالَ نَزَلَتْ فِي بَدْرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبد الرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر نے خبر دی از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الانفال کے متعلق پوچھا: تو انہوں نے کہا: یہ غزوۂ بدر میں نازل ہوئی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۲۹ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

سورۃ الانفال کے شان نزول میں متعدد اقوال

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے متعلق چند اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ بدر میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمانوں کے تین گروہ کر دیئے گئے تھے۔ ایک گروہ وہ تھا، جو دشمن سے لڑ رہا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا تاکہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور تیسرا گروہ وہ تھا، جو غنیمتوں کو جمع کر رہا تھا پس جب لڑائی ختم ہو گئی تو

مسلمانوں نے ان غنیمتوں کے متعلق اختلاف کیا، سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ان میں اللہ اور رسول کا حکم ہوگا اور اس آیت سے ان کی آزمائش کی گئی، پس وہ راضی ہو گئے اور انہوں نے اس حکم کو تسلیم کر لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان غنیمتوں کا حکم بیان فرمایا: اور (اے مسلمانو!) یاد رکھو! تم جتنا بھی مال غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے ہے، اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے ہے، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ یہ تفسیر امام حاکم نے از عبادہ روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ (المستدرک: ج ۲ ص ۱۳۵-۱۳۴)

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ابوالیسر کے متعلق نازل ہوئی اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔ (الناسخ والمنسوخ ج ۲ ص ۳۶۵)

اور اکثر سے منقول ہے کہ یہ آیت محکمہ (غیر منسوخ) ہے۔ (التوضیح ج ۲۲ ص ۳۷۳-۳۷۲)

الشَّوْكَةِ (الانفال:۷) الْحَدُّ مُرْدِفِيْنَ (الانفال:۹) فَوْجًا بَعْدَ فَوْجٍ رَدِفَنِي وَأَرْدَفَنِي جَاءَ بَعْدِي فَذُوْقُوا (الانفال:۳۵) بَاشِرُوا وَجَرِّبُوا وَلَيْسَ هَذَا مِنْ ذَوْقِ الْفَمِ فَيَرْكُمَهُ (الانفال:۳۷) يَجْمَعَهُ فَشَرِّدْ (الانفال:۵۷) فَرِّقْ وَ اِنْ جَنَحُوْا (الانفال:۶۱) طَلَبُوا السِّلْمُ وَالسَّلْمُ وَالسَّلَامُ وَاحِدٌ يُثْخِنَ (الانفال:۶۷) يَغْلِبَ وَقَالَ مُجَاهِدٌ مُكَاءً إِدْخَالُ أَصَابِعِهِمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ تَصْدِيَةً (الانفال:۳۵) الصَّفِيرُ لِيُثْبِتُوْكَ (الانفال:۳۰) لِيَحْبِسُوكَ۔

الشَّوْكَةِ (الانفال:۷) اس کا معنی ہے: تلوار کی دھار۔ مُرْدِفِيْنَ (الانفال:۹) اس کا معنی ہے: فوج در فوج۔ رَدِفَنِي اور اَرْدَفَنِي کا معنی ہے: وہ میرے بعد آیا۔ فَذُوْقُوا (الانفال:۳۵) اس کا معنی ہے: اس کو برداشت کرو اور تجربہ کرو اور اس سے منہ سے چکھنا مراد نہیں۔ فَيَرْكُمَهُ (الانفال:۳۷) یعنی اس کو جمع کر دے۔ فَشَرِّدْ (الانفال:۵۷) اس کا معنی ہے: متفرق کر دیں۔ وَ اِنْ جَنَحُوْا (الانفال:۶۱) انہوں نے طلب کیا۔ سِلْم، سَلْم اور سَلَام کا ایک ہی معنی ہے۔ يُثْخِنَ (الانفال:۶۷) اس کا معنی ہے: غالب ہوئے اور مجاہد نے کہا کہ مُكَاءً کا معنی ہے: اپنی انگلیوں کو اپنے منہ میں داخل کرنا اور تَصْدِيَةً (الانفال:۳۵) کا معنی ہے: سیٹی بجانا۔ لِيُثْبِتُوْكَ (الانفال:۳۰) اس کا معنی ہے: تا کہ وہ آپ کو قید کر لیں۔

تعلیقات مذکور کی شرح

علامہ ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

الشَّوْكَةُ الْحَدُّ۔ الشَّوْكَةِ (الانفال:۷) اس کا معنی ہے: تلوار کی دھار۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ۔ (الانفال:۷)

اور (یاد کرو) جب اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک (پر غلبہ) کا تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (قافلہ) تمہارے ہاتھ لگے۔

علامہ ابن الملقن کہتے ہیں کہ امام بخاری نے جو شوکۃ کا معنی تلوار کی دھار کیا ہے، وہ صحیح ہے۔ (مجاز القرآن ج ۱ ص ۲۴۷)

مُرْدِفِيْنَ فَوْجًا بَعْدَ فَوْجٍ رَدِفَنِي وَأَرْدَفَنِي جَاءَ بَعْدِي۔ مُرْدِفِيْنَ (الانفال:۹) اس کا معنی ہے: فوج در فوج۔ ردفنی اور اَرْدَفَنِي کا معنی ہے: وہ میرے بعد آیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۞ (الانفال:۹) اور (یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمالی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمانے والا ہوں O

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے پاس فرشتوں کو فوج در فوج لایا۔ ردفتُ وأردفته اس وقت کہتے ہیں جب تم اس کے بعد آؤ۔
(کتاب الحجہ للفارسی ج ۴ ص ۱۲۵-۱۲۴)

امام طبری نے کہا ہے کہ اَرْدَفْتُهٗ اور رَدِفْتُهٗ کا ایک ہی معنی ہے۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۹۰)

امام ابوعبید نے کہا ہے: مُردفین کا لفظ اصلاً مُرتدفین کے معنی میں ہے، جیسا کہ سیبویہ نے کہا ہے اور السدی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ تمہاری ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرے گا۔ (تفسیر طبری: ج ۶ ص ۱۹۰) اور یہ آل عمران کے موافق ہے اور جس نے الف کے ساتھ پڑھا اور مُردفین کی تفسیر "ملائکہ کو یکے بعد دیگرے بھیجے" کے ساتھ نہیں کی، اس نے مُرَادِفین ان فرشتوں کو کہا ہے جو لڑنے والے تھے، اور ان کے ماسوا فرشتے ان کے پیروکار تھے۔ (الکشاف ج ۲ ص ۲۰۱)

ذُوْقُوْا بَاشِرُوْا وَجَرِّبُوْا وَلَيْسَ هٰذَا مِنْ ذَوْقِ الْفَمِ۔ فَذُوْقُوْا (الانفال: ۳۵) اس کا معنی ہے: اس کو برداشت کرو اور تجربہ کرو، اور اس سے منہ سے چکھنا مراد نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۞ (الانفال:۳۵) سو اب عذاب کو برداشت کرو کیوں کہ تم کفر کرتے تھے O

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ۔ (الحشر:۱۵) جنہوں نے اپنی شامت اعمال کا عذاب چکھا۔

فَيَرْكُمَهٗ يَجْمَعَهٗ۔ فَيَرْكُمَهٗ (الانفال:۳۷) یعنی اس کو جمع کر دے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ۔ (الانفال:۳۷) تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے اور سب خبیثوں کو اوپر تلے رکھے، پھر ان سب کا ڈھیر بنا دے۔ پھر اس (ڈھیر) کو دوزخ میں ڈال دے۔

امام بخاری نے یَرْکُمَہٗ کی تفسیر یَجْمَعَهٗ کے ساتھ کی ہے، یعنی وہ ان کو اوپر تلے جمع کرتا ہے۔ اور اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے اس کی تفسیر کی ہے، اور رَکْم کا معنی ہے: چیزوں کو اوپر تلے جمع کرنا جیسے بادل، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے خبیث فریق کو مومنین کے طیب فریق سے ممتاز کر دے گا، پس خبیث لوگوں کو اوپر تلے جمع کرے گا اور ان سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔

شَرِّدْ فَرِّقْ۔ فَشَرِّدْ (الانفال:۵۷) اس کا معنی ہے: متفرق کر دیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۞ (الانفال:۵۷) پس اگر آپ ان کو میدان جنگ میں پائیں تو ان کو ان کے پیچھے سے بھگا دیں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں O

امام ابوعبیدہ نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے، اور زجاج نے کہا ہے کہ آپ ان کے ساتھ ایسا فعل کریں جو قتل کرنے، اور بھگانے کے فعل کی طرح ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری اور ضحاک اور سدی نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: ان کو سخت سزا دیں اور ان کو قتل کریں اور ان کا خون بہائیں تا کہ ان کے علاوہ جو اور عرب میں دشمن ہیں، وہ ڈریں۔

وَإِنْ جَنَحُوا طَلَبُوا السِّلْمُ وَالسَّلْمُ وَالسَّلَامُ وَاحِدٌ۔ وَإِنْ جَنَحُوا (الانفال:٦١) انہوں نے طلب کیا۔ سِلْم، سَلْم اور سلام کا ایک ہی معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ۔ (الانفال:٦١) اور اگر (دشمن) صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی ان کی طرف مائل ہوں اور اللہ پر توکل کریں۔

امام بخاری نے جَنَحُوا کی تفسیر کی ہے: وہ طلب کریں اور امام ابوعبیدہ نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے اور تفسیر میں مذکور ہے: اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہوں اور ان سے صلح کو قبول کرلیں۔

يُثْخِنَ يَغْلِبَ۔ يُثْخِنَ (الانفال:٦٧) اس کا معنی ہے: غالب ہوجائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ۔ (الانفال:٦٧) کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ اس کے لئے قیدی ہوں، حتیٰ کہ وہ زمین میں (کافروں کا) اچھی طرح خون بہادے۔

امام بخاری نے خون بہانے کی تفسیر غلبہ کے ساتھ کی ہے، کیونکہ جب کفار کا زمین پر خون بہایا جائے گا تو نبی کو زمین پر غلبہ حاصل ہوگا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مُكَاءٌ إِدْخَالُ أَصَابِعِهِمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَتَصْدِيَةٌ الصَّفِيرُ۔ اور مجاہد نے کہا: مُكَاءً (الانفال:٣٥) اس کا معنی ہے: اپنی انگلیوں کو اپنے منہ میں داخل کرنا اور تَصْدِيَةً کا معنی ہے: سیٹی بجانا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً۔ (الانفال:٣٥) اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ وہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔

امام بخاری نے یہ مجاہد کی تفسیر نقل کی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: اَلْمُكَاءُ کا معنی ہے: سیٹیاں بجانا اور تصدیۃ کا معنی ہے: تالی بجانا، اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی تفسیر نقل کی ہے کہ قریش بیت اللہ کے گرد برہنہ طواف کرتے تھے، سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔

لِيُثْبِتُوكَ لِيَحْبِسُوكَ۔ لِيُثْبِتُوكَ (الانفال:٣٠) اس کا معنی ہے: تا کہ وہ آپ کو قید کرلیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ۔ (الانفال:٣٠) اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تا کہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کردیں۔

امام بخاری نے لِيُثْبِتُوكَ کی تفسیر کی ہے: تا کہ وہ آپ کو قید کرلیں۔ عطاء نے کہا ہے کہ میں نے عبید بن عمیر سے سنا، وہ

بیان کرتے ہیں کہ کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشورہ کیا کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو وطن سے نکال دیں۔ آپ کے چچا ابو طالب نے آپ سے پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے متعلق کیا مشورہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کا ارادہ ہے کہ وہ مجھے قید کر دیں یا مجھے قتل کر دیں یا مجھے وطن سے نکال دیں۔ ابو طالب نے پوچھا: آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ تو آپ نے کہا: میرے رب نے۔ ابو طالب نے کہا: کیا ہی اچھا رب ہے تمہارا رب، تم اس سے خیر خواہی طلب کرو۔ آپ نے فرمایا: میں اس سے خیر خواہی طلب کروں، بلکہ وہ میری خود خیر خواہی کرتا ہے۔ اس حدیث کی ابن جریج نے بھی عبید بن عمیر سے روایت کی ہے، اور حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ابو طالب کا ذکر بہت عجیب ہے، بلکہ منکر ہے، کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور قریش نے جو یہ مشورہ کیا تھا کہ آپ کو قید کیا جائے یا قتل کیا جائے یا بے وطن کیا جائے، یہ ہجرت کا واقعہ ہے اور یہ ابو طالب کی موت کے تین سال بعد کا واقعہ ہے جب کفار قریش اس پر قادر ہوئے کہ آپ کے خلاف یہ اقدام کریں، کیونکہ آپ کے چچا ابو طالب فوت ہو چکے تھے جو آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کی نصرت کرتے تھے اور آپ کی مدافعت کرتے تھے۔

نوٹ: ان تعلیقات کی شرح التوضیح: ج ۲۲ ص ۴۷-۲۷۳ اور عمدۃ القاری: ج ۱۸ ص ۳۳۵-۳۳۲ سے لی گئی ہے۔

۲۔ بَابٌ: اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ (الانفال: ۲۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جو بہرے، گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ○ (الانفال: ۲۲) کی تفسیر

سب سے بدترین جاندار کے مصداق میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اپنے الفاظ کے عموم کے اعتبار سے تمام مشرکین کو شامل ہے اگرچہ اس کا شان نزول مجاہد کی تفسیر کے مطابق بنو عبد الدار کے قریش کے ساتھ خاص ہے، اور محمد بن اسحاق نے کہا: اس آیت کا مصداق منافقین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ بنو آدم کی یہ قسم بدترین مخلوق ہے۔ پس فرمایا کہ سب سے بدترین جاندار وہ ہیں جو حق کو سننے سے بہرے ہیں، اور حق کو سمجھنے سے قاصر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بے عقل ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ پس فرمایا:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ (الاعراف: ۱۷۹)

وہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے زیادہ گم راہ ہیں۔

۴۶۴۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنِ ابْنِ اَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ قَالَ هُمْ نَفَرٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ورقاء نے حدیث بیان کی، از ابن نجیح از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک سب سے بدترین جاندار وہ ہیں جو بہرے ہیں اور گونگے ہیں اور عقل نہیں رکھتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ وہ بنو عبد الدار کی ایک جماعت ہے۔

اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

۳۔ بَابٌ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (الانفال: ۲۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے حیات آفریں ہو، اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے اور بے شک تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے ○ (الانفال: ۲۴) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اِذَا دَعَاكُمْ: یعنی جب تم کو طلب کریں یا تم کو بلائیں۔

اللہ تعالیٰ مرد اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ مومن اور اس کے کفر کے درمیان اور کافر اور اس کے ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کی حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کی روایت نہیں کی ہے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ مرد اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کو اس حال میں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ غور و فکر نہیں کرتا اور السدی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، پس وہ اس کی اجازت کے بغیر ایمان لا سکتا ہے اور نہ کفر کر سکتا ہے۔

اِسْتَجِیْبُوْا کا معنی ہے: اَجِیْبُوْا یعنی اس چیز کو قبول کرو جو تمہیں دائمی زندگی دے گی اور تمہاری اصلاح کرے گی۔

امام ابوعبیدہ نے بھی یہی کہا ہے کہ یہاں اِسْتَجِیْبُوْا، اَجِیْبُوْا کے معنی میں ہے، یعنی یہاں پر باب استفعال طلب کے معنی میں نہیں ہے۔ قتادہ نے کہا: جو چیز تمہیں دائمی زندگی دے گی اور تمہاری اصلاح کرے گی، وہ قرآن ہے جس میں نجات ہے، بقاء ہے اور حیات ہے۔ عروہ بن زبیر نے کہا ہے: وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہے جو تمہیں دائمی زندگی دے گی، اس سے مراد جہاد ہے جس نے تمہیں ذلت کے بعد عزت دی ہے اور ضعف کے بعد قوت دی ہے اور دشمن کو تم سے دور کر دیا ہے جب کہ وہ اپنے قہر سے تم پر حاوی ہو رہا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۳۶-۳۳۵)

۴۶۴۷۔ حَدَّثَنِی إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَیْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ یُحَدِّثُ عَنْ أَبِی سَعِیدِ بْنِ الْمُعَلّٰی رضی الله عنه قَالَ كُنْتُ أُصَلِّی فَمَرَّ بِی رَسُولُ اللهِ ﷺ فَدَعَانِی فَلَمْ آتِهِ حَتّٰی صَلَّیْتُ ثُمَّ أَتَیْتُهُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِیَ أَلَمْ یَقُلِ اللهُ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ﴾ (الانفال: ۲۴) ثُمَّ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از خبیب بن عبدالرحمٰن، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حفص بن عاصم سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت ابی سعید بن المعلّٰی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، پس میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو آپ نے مجھے بلایا، پس میں آپ کے پاس نہ آیا حتیٰ کہ میں نے نماز پڑھ لی، پھر

لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ فَذَهَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِيَخْرُجَ فَذَكَرْتُ لَهُ۔

میں آپ کے پاس آیا، پس آپ نے فرمایا: تمہیں میرے پاس آنے سے کس چیز نے روکا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جب تمہیں رسول بلائیں۔ (الانفال: ۲۴) پھر آپ نے فرمایا: میں تمہیں جانے سے پہلے ضرور قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا، پھر رسول اللہ ﷺ جانے لگے، پھر میں نے آپ کو یاد دلایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۷۴ میں گزر چکی ہے۔

وَقَالَ مُعَاذٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعَ حَفْصًا سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ بِهٰذَا وَقَالَ هِيَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، السَّبْعُ الْمَثَانِي۔

اور معاذ نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، از خبیب بن عبدالرحمٰن انہوں نے حفص سے سنا، انہوں نے حضرت ابوسعید سے سنا جو نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک مرد تھے، یعنی اسی حدیث کو اور آپ نے فرمایا: وہ الحمد للہ رب العالمین ہے اور السبع المثانی ہے۔

سورۂ فاتحہ کے سب سے عظیم ہونے کی توجیہ اور اس کے السبع المثانی ہونے کا معنی

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں سورۃ الفاتحہ کو سب سے عظیم سورت فرمایا ہے، یعنی اس کی قراءت کا ثواب سب سے زیادہ ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بھی ہے اور اس سے سوال اور دعاء بھی ہے۔

اس حدیث میں آپ نے سورۂ فاتحہ کو السبع المثانی فرمایا ہے۔ السبع اس لئے فرمایا ہے کہ اس میں سات آیات ہیں اور مثانی اس لئے فرمایا ہے کہ یہ تثنیہ سے ماخوذ ہے اور تثنیہ کے معنی میں تکرار ہے یا پھر ثناء سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کی ثناء پر مشتمل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۲۲۷-۲۲۶)

۴۔ بَابٌ: وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (الانفال: ۳۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (یاد کیجئے) جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر (کوئی دوسرا) دردناک عذاب لے آO (الانفال: ۳۲) کی تفسیر

کفار کے طلبِ عذاب کی دعا کے باوجود ان پر عذاب نازل نہ فرمانے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ کہنے والے کفار قریش تھے جیسے النضر بن الحارث اور ابوجہل اور ان کے مشابہ دوسرے کافر اور جاہل جو اپنے کثرت جہل اور سرکشی اور اپنے عناد اور اپنی تکذیب کی شدت کی وجہ سے یہ کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن برحق ہے یا آپ کی نبوت برحق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسائیں اور یہ بات انہوں نے اس وجہ سے کہی تھی کہ ان کے دلوں میں آپ کی نبوت اور قرآن مجید

کے مُنَزَّل من اللہ ہونے کے متعلق شبہ جڑ پکڑ چکا تھا اور اگر انہیں اپنے شبہ کے باطل ہونے کا پتا ہوتا تو وہ یہ بات نہ کہتے کیونکہ انہیں علم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے، پس انہوں نے پتھروں کے برسانے کو طلب کیا، کیونکہ ان کے خیال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لئے یہ بہت بڑی دلیل تھی۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبے کو پورا نہیں کیا۔ اولاً، اس وجہ سے کہ جب تک آپ کافروں کے درمیان موجود تھے تو اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید تھا کہ وہ رحمۃ للعالمین کے ہوتے ہوئے ان پر آسمانی عذاب نازل فرماتا۔ ثانیاً، اس لئے کہ اگر آسمان سے پتھر برس جاتے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کی حقانیت بالکل بدیہی ہو جاتی اور اس میں عقل انسانی کے امتحان کے لئے کوئی گنجائش نہ رہتی اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

ابن عیینہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مَطَرٌ صرف عذاب کو فرمایا ہے اور عرب مطر بارش کو کہتے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا۔ (الشوریٰ: ۲۸) اور وہی ہے جو بندوں کے ناامید ہونے کے بعد ان پر بارش نازل فرماتا ہے۔

ابن عیینہ کے اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں مطر کا لفظ بارش کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ۔ (النساء: ۱۰۲) اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو۔

ان کو بارش کی وجہ سے یہ تکلیف تھی کہ ان کے بدن اور کپڑے بارش کی وجہ سے بھیگ گئے تھے۔

جوہری نے کہا ہے کہ لوگ کہتے ہیں: مطرت السماء امطرت یعنی آسمان سے بارش ہوئی۔

امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ جب عذاب کا معنی ہو تو اُمطِرَتْ ہوتا ہے اور جب رحمت کا معنی ہو تو مَطَرَتْ ہوتا ہے۔

۴۶۴۸ ۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ هُوَ ابْنُ كُرْدِيدٍ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ أَبُو جَهْلٍ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ فَنَزَلَتْ ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (الانفال: ۳۳۔ ۳۴) الْآيَةَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے احمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ بن معاذ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالحمید اور وہ ابن کردید ہیں جو زیادی کے صاحب ہیں، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا: اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر دردناک عذاب لے آ، تو یہ آیت نازل ہوئی: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں۔ اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ (الانفال: ۳۴۔ ۳۳)

احمد بن النضر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں احمد کا ذکر ہے اور ان کی کسی کی طرف نسبت نہیں ہے۔ حاکم ابوعبداللہ نے کہا ہے کہ وہ احمد بن النضر بن عبدالوہاب نیشاپوری ہیں اور حافظ مزی نے بھی کہا ہے کہ وہ احمد بن نضر ہیں جو محمد کے بھائی ہیں۔

علامہ عینی کہتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس حدیث کے بعد امام بخاری کی روایت میں از محمد بن نضر آ رہا ہے اور یہ دونوں امام بخاری کے تلامذہ میں سے ہیں، اگرچہ یہ امام بخاری کے بعض شیوخ میں شریک ہیں اور ان دونوں کی صحیح بخاری میں صرف اسی جگہ روایت ہے اور ان کے شیخ عبیداللہ بن معاذ اپنے والد معاذ بن معاذ بن حصان ابوعمر العنبری التیمی البصری سے روایت کرتے ہیں اور عبدالحمید بن دینار البصری سے روایت کرتے ہیں اور عمرو بن علی نے کہا: وہ عبدالحمید بن واصل ہیں اور وہ کمسن تابعی ہیں۔ اور ہمارے بعض نسخوں میں عبدالحمید بن کردید مذکور ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ ان کا کسی نے ذکر کیا ہو اور میں اس کی صحت کا التزام نہیں کرتا اور ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ زیادی کے صاحب ہیں اور زیادی میں زیاد بن ابوسفیان کی طرف نسبت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۳۸)

ابوجہل کا تذکرہ اور علامہ عینی کا علامہ عسقلانی پر تعاقب کرنا

ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام المخزومی ہے اور ظاہر عبارت کا یہ تقاضا ہے کہ ابوجہل نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ یہ دعاء کرنے والا النضر بن الحارث تھا۔ اسی طرح مجاہد، عطاء اور السدی نے کہا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں نے یہ دعا کی ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس دعا کی ابوجہل کی طرف نسبت کرنا زیادہ لائق ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ دعاء اس نے کی ہے جو اس امت میں سب سے بڑا جاہل ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۹۷)

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ زیادہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ دعاء ابوجہل نے کی تھی بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ النضر بن الحارث کی طرف اس دعاء کی نسبت کرنا زیادہ لائق ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ النضر بن الحارث فارس کے شہروں میں جاتا تھا اور وہاں کے بادشاہوں کی خبریں معلوم کر کے آتا تھا اور رستم اور اسفندیار کی خبریں حاصل کر کے آتا تھا اور جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے اور آپ لوگوں کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی مجلس سے اٹھتے تو النضر بھی وہیں آپ کی جگہ جا کر بیٹھ جاتا اور پھر لوگوں کو فارس میں سنے ہوئے قصے سناتا، پھر لوگوں سے پوچھتا: بتاؤ کون عمدہ قصے سناتا ہے، میں یا محمد؟ یہی وجہ ہے کہ جب غزوۂ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر قادر کیا اور وہ قیدیوں میں گرفتار ہو کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے سامنے اس کو باندھ کر اس کی گردن اڑادی جائے، سو ایسا کیا گیا اور جس نے اس کو گرفتار کیا تھا، وہ حضرت المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۳۸)

کفار قریش پر عذاب نازل نہ کرنے کی وجوہ

جب ان کافروں نے یہ دعاء کی تو پھر وہ اس پر نادم ہوئے اور کہا: اے اللہ تو ہمیں معاف کر دے، تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان

مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (الانفال: ۳۳) میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں O

علی بن ابی طلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو اس وقت عذاب دے جب اس قوم میں انبیاء بھی موجود ہوں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان نبیوں کو اس قوم کے درمیان سے نکال لیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اہل مکہ کے لئے دو امانیں تھیں: ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں تشریف فرما ہونا اور دوسرا ان کا استغفار کرنا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے تو تشریف لے گئے اور ان کا استغفار کرنا باقی رہا۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ابن ابزیٰ سے روایت کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں (مشرکین کو) عذاب دے جبکہ آپ ان میں تشریف فرما ہوں۔ امام ابن جریر نے بیان کیا: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جبکہ یہ استغفار کر رہے ہوں'' اور اس وقت باقی مسلمان اپنے ضعف کی وجہ سے مکہ میں ہی رہ رہے تھے اور جب وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں''۔

مسجد حرام کے متولی صرف مسلمان ہیں

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: ''اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں'' پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے عموم سے مشرکین کا استثناء کرلیا اور فرمایا: ''اور اللہ! انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں''۔ (الانفال: ۳۴) یعنی وہ مومنین کو مسجد حرام میں جانے سے روکتے ہیں حالانکہ وہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے اور اس میں طواف کرنے کے اہل ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ (الانفال: ۳۴) اور وہ (مشرکین) اس (مسجد حرام) کے متولی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف متقی مسلمان ہی ہوتے ہیں۔

عروہ، السدی اور محمد بن اسحاق نے کہا: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کے متولی متقی مسلمان ہیں، خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔

۵۔ بَابٌ: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (الانفال: ۳۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں O (الانفال: ۳۳) کی تفسیر

اس باب کے تکرار پر علامہ عینی کا اعتراض

اس باب میں جو آیت ذکر کی ہے اور اس کی تفسیر میں جو حدیث ذکر کی ہے، وہ بعینہٖ باب سابق میں گزر چکی ہے، تاہم یہ فرق ہے کہ باب سابق میں یہ حدیث احمد بن النضر سے مروی تھی اور اس باب میں یہ حدیث ان کے بھائی محمد بن النضر سے مروی ہے

ورنہ یہ تکرار بلا فائدہ ہے۔

۴۶۴۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النَّضْرِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ صَاحِبِ الزِّيَادِيِّ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ أَبُو جَهْلٍ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ فَنَزَلَتْ ﴿وَ مَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيهِمْ وَ مَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (الانفال: ۳۳۔۳۴) اَلْآيَةَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن النضر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن معاذ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، از عبدالحمید جو صاحب الزیادی ہیں، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا: اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر دردناک عذاب لے آ۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں O اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ (الانفال: ۳۴۔۳۳)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۴۸ (حدیث سابق) میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

الانفال: ۳۴-۳۳ کی متعدد تفسیریں

علامہ محمد بن علی ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

مقاتل نے بیان کیا: جب النضر بن الحارث نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں سناتے ہیں تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ سے ڈر، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف حق بات کہتے ہیں اور میں بھی حق بات کہہ رہا ہوں، کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں: لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں ہے)، النضر بن الحارث نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں، لیکن میں کہتا ہوں کہ فرشتے رحمان کی بیٹیاں ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝ (الزخرف: ۸۱)

آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) رحمٰن کی اولاد ہو تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والوں میں سے ہوں O

پس انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔ تب الولید بن المغیرہ نے کہا، اور وہ بہت فصیح تھا: نہیں اللہ کی قسم! انہوں نے تم سے سچ نہیں کہا، پھر النضر نے کہا: اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر پتھر برسا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے، جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں O (الانفال: ۳۳) یعنی جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں، پھر بنو عبدالدار کی ایک جماعت نے کہا: ہم وہ لوگ ہیں جو بیت اللہ کے پاس نماز پڑھتے ہیں تو اللہ ہمیں عذاب دینے والا نہیں ہے، جب کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، پس یہ آیت نازل ہوئی: اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ (الانفال: ۳۴) کیونکہ ان کے درمیان کوئی نبی تھا نہ مومن اور وہ مومنین کو مسجد حرام سے روکتے تھے۔

اور الواحدی نے نقل کیا ہے کہ (الانفال: ۳۳) کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ ان مشرکین کو عذاب نہیں دے گا جب کہ انبیاء علیہم السلام ان کے درمیان موجود ہیں۔ (تفسیر البسیط، الانفال: ۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بستی پر بھی عذاب نازل کیا تو انبیاء علیہم السلام اور مومنین کو اس بستی سے نکال لیا اور اسی کے ساتھ یہ آیت ملی ہوئی ہے: اور نہ اللہ اس وقت انہیں عذاب دینے والا ہے جب یہ استغفار کر رہے ہوں، یعنی اللہ ان کفار کو اس وقت عذاب دینے والا نہیں ہے جب ان میں مومنین ہوں اور وہ استغفار کر رہے ہوں۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۲۳۳)

ایک قول یہ ہے کہ جن کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم سابق یہ تھا کہ وہ ایمان لے آئیں گے جیسے ابوسفیان بن حرب اور ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب اور الحارث بن ہشام اور حکیم بن حزام اور ایک جماعت۔ یہ قول الزجاج کا مختار ہے۔

(معانی القرآن ج ۲ ص ۴۱۲)

اس آیت میں عذاب سے مراد ایسا عذاب ہے جو ان کافروں کو نیست و نابود کر دے، پھر اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے مشرکین کا ذکر کیا کہ وہ ان کو تلوار سے عذاب دینے والا ہے، اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا یعنی تلوار سے، حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں، یعنی مومنین کو بیت اللہ میں طواف کرنے سے روکتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء نہیں ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ مشرکین نے کہا تھا کہ ہم اللہ کے اولیاء ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور فرمایا:

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ (الانفال: ۳۴) اللہ کے اولیاء تو صرف متقین ہیں۔

(تفسیر الوسیط ج ۲ ص ۴۵۸-۴۵۷)

النحاس نے کہا: یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے: اور اللہ انہیں کیوں عذاب نہیں دے گا۔ (الانفال: ۳۴)

اور تمام علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے۔ (الناسخ والمنسوخ: ج ۲ ص ۳۸۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۳۸۵-۳۸۳، وزارۃ الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶- بَابٌ: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ (الانفال: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم ان کے خلاف جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے اور پورا دین (صرف) اللہ کے لئے ہو جائے۔ (الانفال: ۳۹) کی تفسیر

فتنہ کا مصداق شرک ہے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کفار سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ فتنہ نہ رہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: حتیٰ کہ شرک نہ رہے، یعنی فتنہ سے مراد شرک ہے۔ ابو العالیہ، مجاہد، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس، سدی، مقاتل بن حیان اور زید بن اسلم نے بھی اسی طرح اس آیت کی تفسیر کی ہے اور عروہ بن زبیر وغیرہ نے کہا: حتیٰ کہ کسی مسلمان کو اس کے دین کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا نہ کیا جائے۔

اور پورا دین (صرف) اللہ کے لئے ہو جائے یعنی توحید خالص اللہ کے لئے ہو جائے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابن جریج نے کہا کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہے اور محمد بن اسحاق نے کہا: توحید خالص اللہ کے لئے ہو اور اس میں شرک نہ ہو اور اللہ کے سوا جو اس نے

شرکاء بنار کھے تھے، ان سب کو چھوڑ دے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۴۰)

۴۶۵۰۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا حَيْوَةُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَجُلًا جَاءَهُ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَلَا تَسْمَعُ مَا ذَكَرَ اللهُ فِي كِتَابِهِ ﴿وَ إِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا﴾ (الحجرات: ۹) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ لَا تُقَاتِلَ كَمَا ذَكَرَ اللهُ فِي كِتَابِهِ فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي أَغْتَرُّ بِهٰذِهِ الْآيَةِ وَلَا أُقَاتِلُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَغْتَرَّ بِهٰذِهِ الْآيَةِ الَّتِي يَقُولُ اللهُ تَعَالَى وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا (النساء: ۹۳) إِلَى آخِرِهَا قَالَ فَإِنَّ اللهَ يَقُولُ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ (الانفال: ۳۹) قَالَ ابْنُ عُمَرَ قَدْ فَعَلْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِذْ كَانَ الْإِسْلَامُ قَلِيلًا فَكَانَ الرَّجُلُ يُفْتَنُ فِي دِينِهِ إِمَّا يَقْتُلُونَهُ وَإِمَّا يُوثِقُونَهُ حَتّٰى كَثُرَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ فَلَمَّا رَأَى أَنَّهُ لَا يُوَافِقُهُ فِيمَا يُرِيدُ قَالَ فَمَا قَوْلُكَ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ مَا قَوْلِي فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ أَمَّا عُثْمَانُ فَكَانَ اللهُ قَدْ عَفَا عَنْهُ فَكَرِهْتُمْ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُ وَأَمَّا عَلِيٌّ فَابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَخَتَنُهُ وَأَشَارَ بِيَدِهِ وَهٰذِهِ ابْنَتُهُ أَوْ بِنْتُهُ حَيْثُ تَرَوْنَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حسن بن عبدالعزیز نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حیوۃ نے حدیث بیان کی از بکر بن عمرو از بکیر از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ ان کے پاس ایک (خارجی) مرد آیا، پس اس نے کہا اے عبدالرحمٰن! کیا آپ اللہ کی کتاب میں اس آیت کا ذکر نہیں سنتے: اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں (الحجرات: ۹) آخر آیت تک، پھر آپ کو اس طرح قتال کرنے سے کیا چیز مانع ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، تو حضرت ابن عمر نے کہا: اے میرے بھتیجے! میں اس آیت میں تاویل کرتا ہوں اور قتال نہیں کرتا اور میرے نزدیک یہ تاویل اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس آیت میں تاویل کروں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور جو کوئی کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کا بدلہ دوزخ ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ آخر آیت تک۔ اس خارجی نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور تم ان کے خلاف جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کفر (کا غلبہ) نہ رہے۔ (الانفال: ۳۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اس پر عمل کیا ہے جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی، پس آدمی کی اس کے دین میں آزمائش کی جاتی تھی، پس مشرکین یا تو اس کو قتل کر دیتے یا اس کو قید کر دیتے حتیٰ کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، پس فتنہ نہ رہا، جب اس خارجی نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے ارادے کی موافقت نہیں کرتے تو اس نے کہا: اچھا تو آپ علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق میرا قول یہی ہے کہ رہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور تم ان کی معافی کو ناپسند کرتے ہو، اور رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور ان کے داماد ہیں، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا: یہ ان کی صاحبزادی ہیں

اور یہ ان کا گھر ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱۳۰ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں سے الگ رہنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک مرد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا: اس مرد کا نام حبان تھا۔ یہ امام سعید بن منصور کا قول ہے اور ابوبکر نجار نے کہا: اس کا نام ہیثم بن حنش تھا اور احمد بن یونس سے روایت ہے: وہ ایک شخص تھا جس کو حکیم کہا جاتا تھا اور ایک قول ہے: اس کو نافع بن ازرق کہا جاتا تھا۔ اس مرد نے کہا: تم کو قتال کرنے سے کیا چیز مانع ہے: اس جملہ میں "اَلَّا تقاتل" مذکور ہے مگر اس میں لَا زائد ہے جیسے مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (الاعراف: ۱۲) میں لَا زائد ہے۔ اور مسلمانوں میں جو آپس کی لڑائیاں ہوئی تھیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان میں سے کسی لڑائی میں شریک نہ ہوئے تھے نہ جنگ صفین میں، نہ جنگ جمل میں اور نہ اس جنگ میں جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تھا اور نہ کسی اور جنگ میں۔

اَغْتَرَّ یہ اِغْتِرَار سے ماخوذ ہے، یعنی الحجرات: ۹ میں تاویل کرنا میرے نزدیک النساء: ۹۳ میں تاویل کرنے سے زیادہ محبوب ہے، کیونکہ اس آیت میں سخت تغلیظ ہے اور بہت بڑی تہدید ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس سائل کا اعتقاد یہ تھا کہ جس امام کی اطاعت کا وہ معتقد ہے، جو شخص اس امام کی مخالفت کرے اس کے خلاف لڑنا ضروری ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ نظریہ تھا کہ جو لڑائیاں حکومت اور ملک کو حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہیں، ان لڑائیوں میں حصہ نہیں لینا چاہئے اور ان کو ترک کر دینا چاہئے، اور ظاہر یہ ہے کہ وہ سائل خوارج میں سے تھا، کیونکہ خوارج حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے تو محبت کرتے تھے اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطا پر قرار دیتے تھے، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان دونوں کے مناقب ذکر کئے اور یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان دونوں کا بہت بڑا مرتبہ تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو غزوۂ احد میں بھگدڑ کی وجہ سے بھاگے تھے اور غزوۂ بدر اور بیت رضوان سے جو غائب رہے تھے، اس قصے میں ان کا عذر بیان کیا۔

یہ ان کی صاحبزادی ہیں اور یہ ان کا گھر ہے: راجح یہ ہے کہ روایت میں گھر کا ذکر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۱۴۱۔۱۴۰ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۶۵۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا بَيَانٌ أَنَّ وَبَرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا أَوْ إِلَيْنَا ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ كَيْفَ تَرَى فِي قِتَالِ الْفِتْنَةِ فَقَالَ وَهَلْ تَدْرِي مَا الْفِتْنَةُ كَانَ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ وَكَانَ الدُّخُولُ عَلَيْهِمْ فِتْنَةً وَلَيْسَ كَقِتَالِكُمْ عَلَى الْمُلْكِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بیان نے حدیث بیان کی کہ ان کو وبرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن جبیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمارے پاس یا ہماری طرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آئے تو ایک (خارجی) مرد نے پوچھا کہ قتال فتنہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ قتال فتنہ کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے قتال کرتے تھے اور ان مشرکین پر داخل ہونا فتنہ تھا اور وہ قتال

ایسا نہیں تھا جیسا تم ملک کے حصول کے لئے جنگ کرتے ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۳۰ میں گزر چکی ہے۔

۷۔ بَابٌ: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۗ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ (الانفال:۶۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے نبی (مکرم!) مومنین کو قتال پر برانگیختہ کیجئے، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے، اور اگر تم میں ایک سو (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے، کیوں کہ وہ لوگ سمجھ نہیں سکتے O (الانفال:۶۵) کی تفسیر

مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ: یہ تحریض سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز پر برانگیختہ کرنا۔

وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ: یعنی اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں اور دشمن کے لشکر سے مقابلے کے وقت صبر کرنے والے ہوں۔

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ: یعنی مشرکین قتال کرتے ہیں بغیر ثواب کی نیت کے اور بغیر طلب ثواب کے۔

۴۶۵۲: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما لَمَّا نَزَلَتْ ﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ﴾ (الانفال:۶۵) فَكُتِبَ عَلَيْهِمْ اَنْ لَا يَفِرَّ وَاحِدٌ مِنْ عَشَرَةٍ فَقَالَ سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ اَنْ لَا يَفِرَّ عِشْرُوْنَ مِنْ مِائَتَيْنِ ثُمَّ نَزَلَتْ ﴿اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللهُ عَنْكُمْ﴾ (الانفال:۶۶) الْآيَةَ فَكَتَبَ اَنْ لَا يَفِرَّ مِائَةٌ مِنْ مِائَتَيْنِ وَزَادَ سُفْيَانُ مَرَّةً نَزَلَتْ ﴿حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۗ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ﴾ (الانفال:۶۵) قَالَ سُفْيَانُ وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ وَاُرَى الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ مِثْلَ هٰذَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، از عمرو از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آ جائیں گے'' (الانفال:۶۵) تو ان پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک (مؤمن) دس (کفار) سے مقابلہ میں نہ بھاگے، پس سفیان نے متعدد مرتبہ کہا کہ بیس دو سو کے مقابلہ میں نہ بھاگیں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ''اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے''۔ (الانفال:۶۶) پوری آیت پڑھیں، پس اللہ نے یہ فرض کر دیا کہ ایک سو (مؤمن) دو سو (کافروں) سے نہ بھاگیں اور کبھی سفیان نے یہ اضافہ کیا کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''مومنین کو قتال پر برانگیختہ کیجئے اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں'' (الانفال:۶۵) سفیان نے بیان کیا کہ ابن شبرمہ نے کہا: میری رائے

یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی اسی کی مثل ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کی شرح ۴۶۵۳ میں کی ہے۔ تاہم بعض امور کی وضاحت کی جارہی ہے:

نسخ اور تخفیف کا فرق اور ابن شبرمہ کا تعارف اور کفار اور فساق دونوں سے مقابلے کا حکم واحد ہے

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَكُتِبَ عَلَيْهِمْ: یعنی مسلمانوں پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ایک مسلمان دس کافروں سے مقابلہ میں نہ بھاگے۔ یہ آیت اگر چہ صورۃً خبر ہے۔ مگر اس سے مراد امر ہے۔ اس لئے اس پر ناسخ داخل ہوا کیوں کہ جب مسلمانوں پر ایک کا دس سے مقابلہ دشوار ہوا تو اس فرض کو منسوخ کر کے ایک مسلمان کا دو کافروں سے مقابلہ فرض کر دیا۔ اس بناء پر یہ تخفیف ہے، نسخ نہیں ہے، اور قاضی ابوبکر بن الطیب نے کہا ہے کہ جب کسی حکم کا بعض حصہ منسوخ کر دیا جائے یا اس کے بعض اوصاف کو منسوخ کر دیا جائے یا اس کے عدد کو متغیر کر دیا جائے تو یہ کہنا جائز ہے کہ حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ اب وہ پہلے والا حکم نہیں ہے بلکہ اس کا غیر ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ واقعہ بدر کے دن کا ہے۔ علامہ ابن العربی نے کہا: یہ غلط ہے بلکہ یہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے اور مقاتل نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو علم تھا کہ جو قتال وہ کر رہے ہیں، وہ ثواب ہے اور کفار کو کچھ نہیں تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس لئے ایک کا دس سے مقابلہ فرض کیا گیا، پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو اس حکم میں تخفیف کر دی گئی، پھر یہ ہمارے حق میں ہے اور رہے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کا مقابلہ کثیر تعداد کے دشمن سے بھی واجب ہے۔ کیونکہ آپ سے مدد کا وعدہ کیا گیا ہے اور آپ کامل القوۃ ہیں۔

اور ابن شبرمہ نے کہا: ان کا نام عبداللہ ہے، یہ تابعی ہیں اور کوفہ کے عالم ہیں۔ ایک سو چوالیس ہجری (۱۴۴ھ) میں ان کی وفات ہوئی۔ ابن شبرمہ نے کہا: جب ایک مسلمان کے سامنے دو فاسق کوئی برا کام کر رہے ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان دو سے گھبرا کر نہ بھاگے، ہاں! اگر ایک مسلمان کا دو سے زیادہ فاسقوں سے مقابلہ ہو تو پھر اس کا بھاگنا جائز ہے۔ کفار سے مقابلہ ہو یا فساق سے مقابلہ ہو ایک کا دو کے مقابلے سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۴۳-۳۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابٌ: اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا (الانفال: ٦٦)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔ (الانفال: ٦٦) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، تک کی تفسیر

۴۶۵۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ السُّلَمِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِي الزُّبَيْرُ بْنُ خِرِّيتٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾ (الانفال: ٦٥) شَقَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حِينَ فُرِضَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَفِرَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن عبداللہ السلمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن المبارک نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے الزبیر بن خریت نے خبر دی، از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں

وَاحِدٌ مِنْ عَشَرَةٍ فَجَاءَ التَّخْفِيفُ فَقَالَ ﴿ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ﴾ (الانفال:٦٦) اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيكُمْ ضُعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ قَالَ فَلَمَّا خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنَ الْعِدَّةِ نَقَصَ مِنَ الصَّبْرِ بِقَدْرِ مَا خُفِّفَ عَنْهُمْ۔

(سنن ابوداؤد:٢٦٤٦)

پر) غالب آ جائیں گے۔ (الانفال:٦٥) جب مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا تھا تو یہ حکم مسلمانوں پر دشوار ہوا تھا کہ ایک مسلمان (دس (کافروں) کے مقابلہ سے نہ بھاگے۔ تب تخفیف آ گئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آ جائیں گے (الانفال: ٦٦) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر تعداد کے بارے میں تخفیف کر دی تو تعداد کی اس کمی سے اس کے مطابق مسلمانوں کے صبر میں کمی ہو گئی۔

لشکر کے بغیر تنہا مسلمان کا دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا، آیا جائز ہے یا نہیں؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں تخفیف نازل ہونے کا ذکر ہے۔ اسماعیلی کی روایت ہے: پس ان پر یہ فرض کیا گیا کہ ایک مسلمان دو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے، اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان دو کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے اور اس کا دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا حرام ہے، خواہ وہ اس کو طلب کریں یا نہ کریں، خواہ وہ لشکر کی کسی صف میں کھڑا ہو یا وہاں کوئی لشکر نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کا یہی تقاضا ہے اور یہی امام شافعی کا جدید قول ہے، لیکن اگر مسلمان ایک ہو اور لشکر میں نہ ہو اور اس کے پاس لڑنے کے لئے اسلحہ ہو اور دو کافر اس کو مقابلہ کے لئے للکاریں تو اس کے لئے ان سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا جائز ہے۔ اگر اس کو کافر طلب کریں تو آیا اس کا بھاگنا حرام ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق متاخرین کے دو قول ہیں: زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کا بھاگنا حرام نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ظاہر قول یہ ہے کہ جب مسلمان لشکر میں ہو تو پھر اس کا دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں ہے، لیکن جب کوئی مسلمان لشکر کے بغیر اکیلا ہو تو پھر اس کا دو کے مقابلہ سے بھاگنا حرام نہیں ہے، کیونکہ معروف یہ ہے کہ جہاد جماعت کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب کو تنہا لڑنے کے لئے بھی بھیجا ہے، اور امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایسی روایات جمع کی ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ ایک مسلمان کا بھی دو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا ممنوع ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس موقف پر ان آیات سے استدلال کیا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ (البقرہ:٢٠٧)

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو اللہ کی رضا طلب کرنے کے لئے اپنی جان فروخت کر دیتا ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ۔ (النساء:٨٤)

سو آپ اللہ کی راہ میں جہاد کیجئے، آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ٥ ص ٦٠١، دار المعرفۃ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

تنہا مسلمان کے دو یا زیادہ کافروں سے لڑنے کے وجوب پر حافظ ابن حجر کے دلائل پر مصنف کی گرفت

حافظ ابن حجر عسقلانی نے البقرہ: ۲۰۷ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ تنہا مسلمان کا دو یا زیادہ کافروں سے لڑنا واجب اور مقابلہ میں ان سے بھاگنا جائز نہیں ہے، تاہم یہ استدلال صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ آیت صہیب رومی یا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جب وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو کفار قریش نے ان کو پکڑ لیا تو وہ ان کو اپنا سارا مال دے کر مدینہ کی طرف چلے گئے اور حضرت صہیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صہیب! تمہاری تجارت نے نفع پایا۔
(الدر المنثور ج ۱ ص ۴۳۹، ایران، مختصر تاریخ دمشق ج ۱۴ ص ۱۱۷، دار الفکر، بیروت)

اس آیت میں حضرت صہیب اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا ذکر ہے اور اس میں یہ حکم نہیں ہے کہ تنہا مسلمان کا دو یا دو سے زائد کفار سے لڑنا واجب ہے، تاہم جو تنہا مسلمان زیادہ کافروں سے لڑے گا خواہ اپنی جان دے دے، وہ بھی اس فضیلت میں داخل ہوگا، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تنہا مسلمان کا دو یا زیادہ کافروں سے لڑنا واجب ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے النساء: ۸۴ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: سو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا۔

اس آیت میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے عام مسلمانوں سے خطاب نہیں ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی طاقت اور قوت عطا کی تھی کہ آپ تنہا تمام کافروں سے لڑ سکتے تھے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عام مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ اگر وہ تنہا ہوں اور غیر مسلح ہوں پھر بھی ان کا زیادہ کافروں سے لڑنا واجب ہے اور مقابلہ میں ان سے بھاگنا حرام ہے۔

سو حافظ ابن حجر نے اپنے موقف پر قرآن مجید کی جن دو آیتوں سے استدلال کیا ہے، ان سے ان کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔
سورۃ الانفال کی تفسیر یہاں پر ختم ہوگئی۔ اب ان شاء اللہ سورۃ التوبۃ کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ

سورۃ التوبہ کی تفسیر

سورۃ براءۃ (توبہ) کا تعارف

ابوالحسن بن الحصار نے کہا ہے کہ سورۃ براءۃ بالاتفاق مدنی ہے اور اس میں ایک سو انتیس آیات ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس کی آخری دو آیات: ۱۲۹۔۱۲۸ مکہ میں نازل ہوئیں ہیں۔ اس سورت کے متعدد اسماء ہیں، ان میں سے دو اسم مشہور ہیں: براءۃ اور توبہ۔

سورۃ التوبہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھنے کی توجیہات

اس میں اختلاف ہے کہ سورۂ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیوں نہیں لکھی گئی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں عہد کو توڑنے کا حکم ہے، اور زمانہ جاہلیت میں جب لوگوں کا کسی سے معاہدہ ہوتا اور پھر اس معاہدے کو توڑنے کی تحریر لکھتے تو اس کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھتے تھے، سو اس وجہ سے سورۂ براءۃ کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں لکھا اور جب سورۂ براءۃ میں عہد کے توڑنے کا اعلان کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سورت کو کفار قریش کے سامنے پڑھا اور ان کے عرف و عادت کے مطابق بسم اللہ نہیں پڑھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سورۂ انفال اوائل سورتوں میں سے ہے اور سورۂ براءۃ آخری سورتوں میں سے ہے اور سورۂ براءۃ کا قصہ سورۂ انفال کے قصے کے مشابہ تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا کہ سورۂ براءۃ سورۂ انفال کا حصہ ہے، پس میں نے یہ گمان کیا کہ یہ اسی کا حصہ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں لکھا۔ اس حدیث کی امام حاکم نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مصحف کو لکھا گیا تو صحابہ کا اختلاف ہوا، پس بعض نے کہا: سورۂ براءۃ اور سورۂ انفال ایک سورت ہیں اور بعض نے کہا: یہ دو سورتیں ہیں، پس ان دو سورتوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی گئی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امان ہے اور سورۂ براءۃ تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے جس میں امان نہیں ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ امام قشیری نے کہا ہے کہ صحیح وجہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سورۂ براءۃ سے پہلے بسم اللہ کو نازل نہیں کیا، اس لئے اس سے پہلے بسم اللہ کو نہیں لکھا گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَلِيْجَةً (براءة:۱۶) كُلُّ شَيْءٍ أَدْخَلْتَهُ فِي شَيْءٍ مَرْصَدٍ (براءة:۵) طَرِيْقٌ الشُّقَّةُ (براءة:۴۲) السَّفَرُ الْخَبَالُ

وَلِيْجَةً (براءة:۱۶) اس کا معنی ہے: ہر وہ چیز جس کو تم دوسری چیز میں داخل کرو۔ مَرْصَدٍ (براءة:۵) اس کا معنی ہے: راستہ۔

اَلْفَسَادُ وَالْخَبَالُ الْمَوْتُ وَلَا تَفْتِنِّيْ (۴۹) لَا تُوَبِّخْنِي كُرْهًا وَكُرْهًا (۵۳) وَاحِدٌ مُدَّخَلًا (۵۷) يُدْخَلُونَ فِيهِ يَجْمَحُونَ (۵۷) يُسْرِعُونَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ (۷۰) ائْتَفَكَتْ انْقَلَبَتْ بِهَا الْأَرْضُ أَهْوٰى (النجم: ۵۳) أَلْقَاهُ فِي هُوَّةٍ عَدْنٍ (۷۲) خُلْدٍ عَدَنْتُ بِأَرْضٍ أَيْ أَقَمْتُ وَمِنْهُ مَعْدِنٌ وَيُقَالُ فِي مَعْدِنِ صِدْقٍ فِي مَنْبَتِ صِدْقٍ الْخَوَالِفِ (۹۳) الْخَالِفُ الَّذِي خَلَفَنِي فَقَعَدَ بَعْدِي وَمِنْهُ يَخْلُفُهُ فِي الْغَابِرِينَ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ النِّسَاءُ مِنَ الْخَالِفَةِ وَإِنْ كَانَ جَمْعَ الذُّكُورِ فَإِنَّهُ لَمْ يُوجَدْ عَلَى تَقْدِيرِ جَمْعِهِ إِلَّا حَرْفَانِ فَارِسٌ وَفَوَارِسُ وَهَالِكٌ وَهَوَالِكُ الْخَيْرٰتُ (۸۸) وَاحِدُهَا خَيْرَةٌ وَهِيَ الْفَوَاضِلُ مُرْجَوْنَ (۱۰۶) مُؤَخَّرُونَ شَفَا (۱۰۹) شَفِيرٌ وَهُوَ حَدُّهُ وَالْجُرُفُ (۱۰۹) مَا تَجَرَّفَ مِنَ السُّيُولِ وَالْأَوْدِيَةِ هَارٍ (۱۰۹) هَائِرٍ يُقَالُ تَهَوَّرَتِ الْبِئْرُ إِذَا انْهَدَمَتْ وَانْهَارَ مِثْلُهُ لَأَوَّاهٌ (۱۱۴) شَفَقًا وَفَرَقًا وَقَالَ الشَّاعِرُ إِذَا قُمْتُ أَرْحَلُهَا بِلَيْلٍ تَأَوَّهُ آهَةَ الرَّجُلِ الْحَزِينِ۔

الشُّقَّةُ (براءۃ: ۴۲) اس کا معنی ہے: سفر۔ خَبَالًا (۴۷) اس کا معنی ہے: فساد اور موت۔ وَلَا تَفْتِنِّيْ (۴۹) اس کا معنی ہے: تم مجھ کو مت جھڑکو یا مجھ کو مت ڈانٹو۔ كَرْهًا اور كُرْهًا (۵۳) کا ایک معنی ہے: زبردستی اور ناخوشی۔ مُدَّخَلًا (۵۷) اس کا معنی ہے: کسی چیز کے داخل ہونے کی جگہ مثلاً سرنگ۔ يَجْمَحُونَ (۵۷) اس کا معنی ہے: دوڑتے جائیں۔ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ (۷۰) اس کا معنی ہے: جس زمین کو الٹ دیا گیا۔ أَهْوٰى (النجم: ۵۳) یعنی اس کو گڑھے میں دھکیل دیا۔ عَدْنٍ (۷۲) اس کا معنی ہے: ہمیشہ یعنی اس زمین میں ہمیشہ رہ گیا اور اسی سے مَعْدِن کا لفظ نکلا ہے۔ مَعْدِنِ صِدْقٍ اس جگہ کو کہتے ہیں جس جگہ سچائی ہوتی ہے۔ الْخَوَالِفِ (۹۳) خَالِفُ اس شخص کو کہتے ہیں جو مجھ سے پیچھے رہا اور میرے پیچھے بیٹھ گیا۔ اسی سے ماخوذ ہے یہ جملہ کہ: جو لوگ مرنے والوں کے بعد باقی رہ گئے، اللہ عزوجل ان کا ولی و وارث ہو جائے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ خوالف جمع مونث ہو اور خَالِفَةٌ کی جمع ہے اور اگر یہ خَالِفُ مذکر کی جمع ہو تو یہ شاذ ہے۔ عربی زبان میں صرف ایسی دو جمع ہیں: فارس کی جمع فوارس اور هَالِك کی جمع هوالك۔ الْخَيْرٰتُ (۸۸) کا واحد خَيْرَةٌ ہے، اس کا معنی ہے: نیکیاں اور اچھائیاں اور یہ الْفَوَاضِلُ کی طرح ہے۔ مُرْجَوْنَ (۱۰۶) اس کا معنی ہے: جن لوگوں کو موخر کیا گیا یا ان کو ڈھیل دی گئی۔ شَفَا (۱۰۹) اس کا معنی ہے: کنارہ اور حد۔ الْجُرُفُ (۱۰۹) اس کا معنی ہے: ندی نالوں کے بہنے سے جو زمین کھد جاتی ہے۔ هَارٍ (۱۰۹) اس کا معنی ہے: گرنے والی۔ کہا جاتا ہے: تَهَوَّرَتِ الْبِئْرُ جب کنواں گر جائے اور انْهَارَ بھی اسی کی مثل ہے۔ لَأَوَّاهٌ (۱۱۴) اس کا معنی ہے: اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا اور خوف زدہ۔ شاعر نے کہا ہے: جب میں رات میں اٹھوں تو اونٹنی کو کیونکر سفر کے لئے تیار کروں جب کہ وہ غمزدہ مرد کی طرح آہیں بھر رہی ہو۔

تعلیقات مذکور کی شرح

وَلِيجَةً كُلُّ شَيْءٍ أَدْخَلْتَهُ فِي شَيْءٍ۔

وَلِيجَةً (براءۃ: ۱۶) اس کا معنی ہے: ہر وہ چیز جس کو تم دوسری چیز

میں داخل کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ⓪ (براءۃ:۱۶) اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بنایا ہو، اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خوب خبر رکھتا ہے O

امام بخاری نے وَلِيجَةً کی تفسیر کی ہے: ہر وہ چیز جس کو تم دوسری چیز میں داخل کر دو اور تفسیر میں مذکور ہے کہ وَلِيجَة کا معنی ہے: محرم راز، یعنی جن لوگوں نے تمہارے ساتھ جہاد کیا ہے اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی کو محرم راز نہیں بنایا، بلکہ وہ ظاہر اور باطن میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کرنے والے ہیں۔

مَرْصَدٍ طَرِيقٌ۔ مَرْصَدٍ (براءۃ:۵) اس کا معنی ہے: راستہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ۔ (براءۃ:۵) اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔

مَرْصَدْ کا معنی ہے: راستہ یعنی ان کو گرفتار کرنے کے لئے ہر راستہ پر بیٹھو۔ مَرْصَدْ کی جمع مَرَاصِدْ آتی ہے یعنی راستے۔

الشُّقَّةُ السَّفَرُ۔ الشُّقَّةُ (براءۃ:۴۲) اس کا معنی ہے: سفر

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ۔ (براءۃ:۴۲) (اے رسول مکرم! آپ نے جس طرف نکلنے کے لئے کہا تھا) اگر وہ سہل الحصول مال ہوتا اور متوسط سفر ہوتا تو (یہ منافقین) ضرور آپ کے پیچھے چل پڑتے، لیکن دور دراز کا سفر ان کو بھاری لگا۔

امام بخاری نے شُقَّۃ کی تفسیر سفر کے ساتھ کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے اور کتب تفسیر میں ہے: لو كان عرضا قريبا کا معنی ہے: اگر مال غنیمت قریب کی جگہ حاصل ہو تو یہ آپ کے ساتھ جائیں گے لیکن جب دور دراز کی مسافت ہو مثلاً شام کی طرف تو پھر یہ سفر منافقین پر دشوار ہوگا۔

اَلْخَبَالُ اَلْفَسَادُ وَالْخَبَالُ الْمَوْتُ۔ اَلْخَبَالُ (۴۷) اس کا معنی ہے: فساد اور موت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا۔ (التوبہ:۴۷) اور اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو وہ تم میں فساد زیادہ پھیلاتے۔

امام بخاری نے اَلْخَبَالُ کی تفسیر فساد کے ساتھ کی ہے۔ امام ابوعبیدہ نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ افعال، ابدان اور عقول میں فساد کو خَبَال کہتے ہیں اور امام بخاری نے کہا ہے: اَلْخَبَالُ کا معنی ہے: موت۔ یہ انہوں نے صحیح نہیں کہا، الخبال کا معنی موت نہیں ہے بلکہ اَلْمُوْتَۃ ہے اور اس کا معنی ہے: مرگی۔

وَلَا تَفْتِنِّي لَا تُوَبِّخْنِي۔ وَلَا تَفْتِنِّي (۴۹) اس کا معنی ہے: تم مجھ کو مت جھڑکو یا مجھ کو مت ڈانٹو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي۔ (التوبہ:۴۹) اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ مجھے (جہاد سے رخصت کی)

اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالو۔

امام بخاری نے اس کا معنی کیا ہے: تم مجھے زجر و توبیخ نہ کرو۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: تم مجھے گناہ میں نہ ڈالو اور یہی صحیح ہے۔ یہ آیت ابن قیس منافق کے دادا کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے تم رومیوں سے جہاد کرو اور ان کی باندیوں کو حاصل کرلو۔ اس نے کہا: آپ مجھے یہیں بیٹھے رہنے کی اجازت دیں اور عورتوں کا ذکر کر کے مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں، کیونکہ میری قوم کو معلوم ہے کہ میں عورتوں کو بہت پسند کرتا ہوں اور ان پر صبر نہیں کرسکتا۔

كَرْهًا وَ كُرْهًا وَاحِدٌ مُدَّخَلًا۔ كَرْهًا اور كُرْهًا (۵۳) کا ایک معنی ہے: یعنی زبردستی اور ناخوشی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ۔ (التوبہ: ۵۳) آپ کہیے کہ تم (اللہ کی راہ میں) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس لفظ میں دو لغتیں ہیں: کوفیوں نے اس کو كُرْهًا پڑھا ہے اور باقیوں نے اس کو كَرْهًا پڑھا ہے۔

مُدَّخَلًا يُدْخَلُوْنَ فِيْهِ۔ مُدَّخَلًا (۵۷) اس کا معنی ہے: کسی چیز کے داخل ہونے کی جگہ مثلاً سرنگ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۞ (التوبہ: ۵۷) اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا تہہ خانے یا دخول کی کوئی بھی جگہ، تو وہ اس میں تیزی سے رسیاں تڑاتے ہوئے گھس جائیں O

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر منافقین کو کوئی قلعہ مل جائے، جس میں یہ محفوظ رہ سکیں یا پہاڑوں میں کوئی غار مل جائے اور مُدَّخَلًا کا معنی ہے: پانی کا چشمہ، تو یہ لوگ وہیں چلے جائیں

يَجْمَحُوْنَ يُسْرِعُوْنَ۔ يَجْمَحُوْنَ (۵۷) اس کا معنی ہے: دوڑتے جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۞ (التوبہ: ۵۷) اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا تہہ خانے یا دخول کی کوئی بھی جگہ تو وہ اس میں تیزی سے رسیاں تڑاتے ہوئے گھس جائیں O

یعنی یہ منافق جو آپ کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں، یہ خوشی سے نہیں رہتے بلکہ جبراً رہتے ہیں۔ اگر انہیں کوئی اور جگہ مل جائے تو وہ دوڑتے ہوئے وہاں چلے جائیں گے۔

وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ائْتَفَكَتْ انْقَلَبَتْ بِهَا الْاَرْضُ۔ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ (۷۰) اس کا معنی ہے: جس زمین کو الٹ دیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔ (التوبہ: ۷۰) اور اصحاب مدین کی اور (ان کی) جن کی بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا، ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے۔

امام بخاری نے الْمُؤْتَفِكٰتِ کی تفسیر اس سے کی ہے کہ جس جگہ کی زمین کو الٹ دیا گیا۔ اس سے مراد قوم لوط کے شہر ہیں اور

ان کے بڑے شہر کا نام سدوم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب کرتے تھے اور ایسی بے حیائی کا کام کرتے تھے جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔

أَهْوَى أَلْقَاهُ فِي هُوَّةٍ۔ اَھْوٰی (النجم: ۵۳) یعنی اس کو گڑھے میں دھکیل دیا۔

یہ لفظ سورۂ توبہ میں نہیں ہے یہ لفظ سورۃ النجم میں ہے۔ امام بخاری نے یہاں اس لفظ کو وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوٰی O (النجم: ۵۳) کی مناسبت سے ذکر کر دیا ہے اور هُوَّةٌ کا معنی گڑھا ہے۔

عَدْنٍ خُلْدٍ عَدَنْتُ بِأَرْضٍ أَيْ أَقَمْتُ وَمِنْهُ مَعْدِنٌ وَيُقَالُ فِي مَعْدِنِ صِدْقٍ فِي مَنْبَتِ صِدْقٍ۔ عَدْنٍ (۷۲) اس کا معنی ہے: ہمیشہ یعنی میں اس زمین میں ہمیشہ رہ گیا اور اسی سے مَعْدِنٌ کا لفظ نکلا ہے۔ مَعدِنِ صِدْق اس جگہ کو کہتے ہیں جس جگہ سچائی ہوتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ (التوبہ: ۷۲) اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہوں کا (وعدہ فرمایا ہے)۔

امام بخاری نے عدن کی تفسیر دوام، بقا اور ہمیشگی سے کی ہے اور اس کا لغوی معنی ہے: ٹھہرنا۔

الْخَوَالِفُ الْخَالِفُ الَّذِي خَلَفَنِي فَقَعَدَ بَعْدِي وَمِنْهُ يَخْلُفُهُ فِي الْغَابِرِينَ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ النِّسَاءُ مِنَ الْخَالِفَةِ وَإِنْ كَانَ جَمْعَ الذُّكُورِ فَإِنَّهُ لَمْ يُوجَدْ عَلَى تَقْدِيرِ جَمْعِهِ إِلَّا حَرْفَانِ فَارِسٌ وَفَوَارِسُ وَهَالِكٌ وَهَوَالِكُ۔ الْخَوَالِفِ (۹۳) خَالِف اس شخص کو کہتے ہیں جو مجھ سے پیچھے رہا اور میرے پیچھے بیٹھ گیا۔ اسی سے ماخوذ ہے یہ جملہ کہ جو لوگ مرنے والے کے بعد باقی رہ گئے، اللہ عزوجل ان کا ولی و وارث ہو جائے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ خوالف جمع مونث ہو اور خَالِفَه کی جمع ہو اور اگر یہ خَالِف مذکر کی جمع ہو تو یہ شاذ ہے۔ عربی زبان میں ایسی صرف دو جمع ہیں: فارس کی جمع فوارس اور هَالِك کی جمع هَوَالِك۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (التوبہ: ۹۳) وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ (گھروں میں) رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو وہ کچھ نہیں جانتے O

یہ آیت اور اس سے پہلی آیتیں غزوۂ تبوک کے قصے میں ہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غزوۂ تبوک میں جانے کا حکم دیا تو ایک جماعت پیچھے رہ گئی جس کا اللہ تعالیٰ نے عذر بیان فرمایا: کمزوروں اور بیماروں اور جو لوگ خرچ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ان پر (جہاد میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے) کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے اخلاص سے عمل کریں، نیکی کرنے والوں پر (طعنہ کرنے کی) کوئی راہ نہیں ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے جو آپ کے پاس آئے تاکہ آپ انہیں جہاد کے لئے سواری مہیا کریں تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہہ رہے تھے کہ

ان کے پاس جہاد میں خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے O (التوبہ: ۹۲۔۹۱)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے ملامت کی نفی کر دی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر رد فرمایا جو خوش حال تھے اور اس کے باوجود انہوں نے بیٹھے رہنے اور غزوۂ تبوک میں نہ جانے کی اجازت طلب کی۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ (گھروں میں) رہیں، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو وہ کچھ نہیں جانتے۔ (التوبہ: ۹۳) اور الْخَوَالِف سے مراد وہ عورتیں ہیں جو مردوں سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔

امام بخاری نے کہا ہے: خَالِفٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو مجھ سے پیچھے رہا اور میرے پیچھے بیٹھ گیا۔ اس عبارت میں خالف کی تفسیر کی طرف اشارہ ہے اور یہ وہ شخص ہے جو کسی شخص کے بعد پالان میں بیٹھتا ہے۔ اس کی جمع خالفین آتی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ﴿۸۳﴾ (التوبہ: ۸۳) سواب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی جو مرد غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اور خَالِفٌ کی جمع خَالِفِیْن نہیں آتی، کیونکہ جمع مونث یاء اور نون کے ساتھ نہیں آتی، پس اگر تم یہ سوال کرو کہ قتادہ سے یہ روایت ہے کہ فاقعدوا مع الخالفین کا معنی ہے: عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہو تو میں کہوں گا کہ امام ابن جریر نے اس کا رد کیا ہے اور اس کے اوپر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ کرمانی نے قتادہ کے قول کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ الخوالف، خالف کی جمع ہے اور کہا ہے کہ یہ جمع مونث ہے کیونکہ فَوَاعِلُ فَاعِلَةٌ کی جمع ہے۔ اور کلام عرب میں ایسے صرف دو لفظ ہیں: فَوَارِس اور هَوَالِك۔ تو میں کہوں گا کہ سابق کی جمع سَوَابِق اور ناقص کی جمع نواقص اور داجن کی جمع دَوَاجِن آتی ہے: اور خلاصہ یہ ہے کہ خوالف سے مراد وہ عورتیں ہیں جو پیچھے رہ گئی تھیں۔

امام بخاری نے کہا ہے: اسی سے ماخوذ ہے جو لوگ مرنے والوں کے بعد باقی رہ گئے: یہ اس شخص کے لئے دعا ہے جس کا کوئی مرد فوت ہو گیا ہو، یعنی اے اللہ! اس کی نسل سے ان لوگوں کو کر دے جو باقی رہنے والے ہوں۔

امام بخاری نے کہا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ خوالف جمع مونث ہو اور یہ خَالِفَةٌ کی جمع ہو اور اگر یہ خَالِفٌ مذکر کی جمع ہو تو یہ شاذ ہے۔ عربی زبان میں ایسی صرف دو جمعیں ہیں: فارس کی جمع فوارس اور ھالک کی جمع ھوالک۔

امام بخاری کی اس عبارت پر دو اعتراض ہیں: اول یہ کہ امام بخاری نے اس عبارت کے شروع میں حتمی طور پر یہ کہا تھا کہ خوالف خالف کی جمع ہے اور یہاں پر اس کو شک کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اگر خوالف جمع مذکر ہو تو ایسی جمع صرف دو آئی ہیں: فوارس اور ھوالک۔ ثانی یہ کہ امام بخاری نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ فاعل کی جمع فواعل صرف دو لفظوں میں آئی ہے: فوارس اور ھوالک، حالانکہ اس کے علاوہ اور بھی اس وزن پر جمع مذکر آئی ہیں جیسے سابق کی جمع سوابق اور ناقص کی جمع نواقص اور داجن کی جمع دواجن۔

الْخَيْرَاتُ وَاحِدُهَا خَيْرَةٌ وَهِيَ الْفَوَاضِلُ۔ الْخَيْرٰتُ (۸۸) کا واحد خَيْرَةٌ ہے، اس کا معنی ہے: نیکیاں اور اچھائیاں اور یہ اَلْفَوَاضِلُ کی طرح ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ (التوبہ: ۸۸) اور ان ہی کے لئے سب اچھائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں O

امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ خَيْرٰت کا واحد خَيْرَةٌ ہے، پھر خَيْرٰت کی تفسیر فَوَاضِلُ کے ساتھ کی اور تفسیر میں مذکور ہے کہ اس سے مراد آخرت میں جنات الفردوس اور بلند درجات ہیں۔

مُرْجَئُونَ مُؤَخَّرُونَ۔

مُرْجَوْنَ (۱۰۶) اس کا معنی ہے: جن لوگوں کو مؤخر کیا گیا یا ان کو ڈھیل دی گئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ۔ (التوبہ:۱۰۶)

اور بعض دوسرے وہ ہیں جن کو اللہ کا حکم آنے تک موخر کیا گیا ہے، یا اللہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمالے گا۔

امام بخاری نے مُرْجَوْنَ کی تفسیر کی ہے کہ ان کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک موخر کیا گیا ہے اور اسی لفظ سے مُرْجِئہ ماخوذ ہے اور یہ اسلام کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جن کا یہ اعتقاد تھا کہ ایمان کے ساتھ گناہ کرنے سے کوئی ضرر نہیں ہوتا اور جن تین لوگوں کا معاملہ یہاں موخر کیا گیا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ مرارہ بن الربیع، کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ تھے۔ یہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہے جو سستی، آرام طلبی اور درختوں پر کھجوروں کے پکنے کے انتظار میں بیٹھے رہے، اور غزوۂ تبوک میں نہیں گئے۔

اَلشَّفَا شَفِيْرٌ وَهُوَ حَدُّهُ۔

اَلشَّفَا (۱۰۹) اس کا معنی ہے: کنارہ اور حد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ۔ (التوبہ:۱۰۹)

تو کیا جس نے اللہ سے ڈرنے اور اس کی رضا پر اپنی مسجد کی بنیاد رکھی وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے۔

امام بخاری نے الشفا کی تفسیر شفیر کے ساتھ کی ہے، جس کا معنی طرف اور کنارہ ہے۔

وَالْجُرُفُ مَا تَجَرَّفَ مِنَ السُّيُوْلِ وَالْاَوْدِيَةِ هَارٍ هَائِرٍ يُقَالُ تَهَوَّرَتِ الْبِئْرُ اِذَا انْهَدَمَتْ وَانْهَارَ مِثْلُهُ۔

اَلْجُرُفُ (۱۰۹) اس کا معنی ہے: ندی نالوں کے بہنے سے جو زمین کھد جاتی ہے۔ هَارٍ (۱۰۹) اس کا معنی ہے: گرنے والی۔ تَهَوَّرَتِ الْبِئْرُ جب کنواں گر جائے اور اِنْهَار بھی اسی کی مثل ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ۔ (التوبہ:۱۰۹)

تو کیا جس نے اللہ سے ڈرنے اور اس کی رضا پر اپنی مسجد کی بنیاد رکھی وہ بہتر ہے، یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے۔

جُرُف نالے کے اس کنارے کو کہتے ہیں جو نہر اور وادیوں کے پانی سے کمزور ہو جاتا ہے، اور گرنے کے قریب ہو جاتا ہے، اور ذرا سی حرکت سے گر جاتا ہے۔

هَارٍ اصل میں هَائِرٌ تھا، پھر هَائِرٌ میں صرفی قانون سے قلب ہو گیا یعنی وہ هَارِءٌ ہو گیا، پھر ہمزہ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے یاء بنا دیا تو هَارِیٌ بن گیا۔ پھر قاضی کے قاعدہ سے یاء کو حذف کر دیا تو هَارٍ بن گیا جس کا معنی ہے: گرنے والا۔

لَاَوَّاهٌ شَفَقًا وَفَرَقًا وَقَالَ الشَّاعِرُ اِذَا قُمْتُ اَرْحَلُهَا بِلَيْلٍ تَاَوَّهُ آهَةَ الرَّجُلِ الْحَزِيْنِ۔

لَاَوَّاهٌ (۱۱۴) اس کا معنی ہے: اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا اور خوف زدہ۔ شاعر نے کہا ہے: جب میں رات میں اٹھوں تو اونٹنی کو

کیونکر سفر کے لئے تیار کروں جب کہ وہ غمزدہ مرد کی طرح آہیں

بھر رہی ہو۔ کہا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ۝ (التوبہ:۱۱۴) بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے O

اَوَّاہٌ کا معنی ہے: گڑگڑا کر دعا کرنے والا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اَوَّاہٌ کا معنی ہے: بہت زیادہ توبہ کرنے والا۔ ابوایوب سے مروی ہے: اَوَّاہ کا معنی ہے: جو شخص اپنے گناہ کو یاد کرے تو توبہ کرے اور شفق کا معنی ہے: خوف خدا۔ اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ اگر کوئی ان پر ظلم کرتا تو وہ بہت بردباری سے کام لیتے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے خوف زدہ رہتے تھے۔

نوٹ: ان تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری: ج ۱۸ ص ۳۴۹-۳۴۴ سے لی گئی ہے۔

۱۔ بَابٌ: بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (التوبہ:۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے اعلان براءت (بیزاری) ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا O (التوبہ:۱) کی تفسیر

مشرکین سے کیے ہوئے معاہدہ کو ان کی خلاف ورزی کی وجہ سے توڑنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابواللیث سمرقندی نے کہا ہے کہ ''اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکین کے عہد سے براءت ہے''۔ یہ آیت براءت ہے اور یہ سورۃ براءت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: براءت کا معنی ہے: تم نے مشرکین سے جو عہد کیا تھا اللہ اور رسول نے اس عہد کو توڑ دیا، کیونکہ انہوں نے بھی مدت پوری ہونے سے پہلے اپنے معاہدے کو توڑ دیا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ ان کو چار مہینے کی مہلت دیں۔ اس کے بعد ان سے عہد یا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔

علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ اس مدت کی ابتداء حج اکبر کے دن سے تھی اور دس ربیع الثانی کو اس کی انتہاء ہوگئی، اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے معاہدہ نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۵۱)

أَذَانٌ إِعْلَامٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أُذُنٌ يُصَدِّقُ۔ اذان اس کا معنی ہے: اعلان اور خبر دینا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اُذُنٌ کا معنی ہے: وہ تصدیق کر دیتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ۔ (التوبہ:۶۱) اور بعض منافقین نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کے کچے ہیں۔

یعنی منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی باتوں سے تکلیف پہنچاتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کان ہیں، یعنی وہ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں یا ہر ایک کی بات سن کر اس کی تصدیق کر دیتے ہیں۔

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَنَحْوُهَا كَثِيرٌ وَالزَّكَاةُ الطَّاعَةُ وَالْإِخْلَاصُ۔ آپ ان کو پاکیزہ کرتے ہیں، اور ان کا باطن صاف کرتے ہیں، اور اس کی بہت مثالیں ہیں۔ اور زکوٰۃ کا معنی ہے: اطاعت اور اخلاص۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔ (التوبہ: ۱۰۳) آپ ان کے مالوں میں زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک کریں اور ان کے باطن کو صاف کریں۔

مفسرین نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولبابہ اور ان کے اصحاب کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ ہمارے اموال ہیں، آپ ان کو صدقہ کردیں اور ہم کو پاک کردیں اور ہمارے لئے مغفرت طلب کریں، تو آپ نے فرمایا: مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں تمہارے اموال میں سے کوئی چیز لوں، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ "آپ ان کے اموال سے صدقہ لیں"، اس کے متعلق دو قول ہیں: (۱) نفلی صدقہ (۲) زکوٰۃ، اور اس آیت میں جو تزکیہ کا ذکر ہے، اس سے مراد پاکیزگی میں مبالغہ ہے اور یہ افزائش اور برکت کے معنی میں ہے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی بہت مثالیں ہیں: یعنی دو لفظوں کا مادہ مختلف ہو اور ان کا معنی ایک ہو جیسے تطہیر اور تزکیہ، دو مختلف لفظ ہیں اور ان کا معنی ایک ہے: پاکیزہ کرنا، اور ان کی بہت مثالیں ہیں: جیسے لیث اور اسد دو مختلف لفظ ہیں اور ان کا معنی ایک ہے، یعنی شیر۔

نیز امام بخاری نے کہا کہ زکوٰۃ کا معنی اطاعت اور اخلاص ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ لَا يَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ۔ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ اس کا معنی ہے: وہ یہ شہادت نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ (حم السجدۃ: ۷) ان مشرکین کے لئے سخت عذاب ہے ۝ جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین بھی احکام شرعیہ فرعیہ کے مکلف ہوتے ہیں اور محققین احناف کا بھی یہی مختار ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق میں جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ سورۂ توبہ میں نہیں ہے، بلکہ حم السجدۃ میں ہے اور انہوں نے اس آیت کی طرف اس مناسبت سے اشارہ کیا ہے کہ اس آیت میں بھی زکوٰۃ کا ذکر ہے۔

يُضَاهُونَ يُشَبِّهُونَ۔ یضاھئون کا معنی ہے: وہ پہلے لوگوں کے مشابہ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ۔ (التوبہ: ۳۰) اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ محض ان کے منہ سے کہی ہوئی (بے سروپا) باتیں ہیں، یہ اپنے سے پہلے کافروں کی کہی ہوئی باتوں کی

مشابہت کرتے ہیں۔

امام بخاری نے جو یُضَاهِئُونَ کی تفسیر مشابہت کے ساتھ کی ہے، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ صرف ان کے منہ سے کہی ہوئی باتیں ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ قول ان سے پہلے کفار کے قول کی مثل ہے اور جس طرح وہ گم راہ تھے اسی طرح یہ بھی گم راہ ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۵۲-۳۵۱ ملخصاً وموضحاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۶۵۴ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رضی الله عنه يَقُولُ آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ (النساء: ۱۷۶) وَآخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ بَرَاءَةٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، از ابی اسحاق، انہوں نے کہا: میں نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں جو آخری آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے: آپ سے حکم پوچھتے ہیں، فرما دیجئے! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کلالہ (کی میراث) میں۔ (النساء: ۱۷۶) اور سورت براءۃ آخر میں نازل ہوئی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۳۶۴ میں گزر چکی ہے۔

آخری آیت اور آخری سورت کے متعلق متعدد اقوال

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آخری آیت سود کی آیت ہے اور وہ یہ ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللهِ۔ (البقرہ: ۲۸۱) اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورۂ توبہ کے نزول کی ابتداء نو ہجری میں ہوئی ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق نے لوگوں کو حج کرایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ (المائدہ: ۳) آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

یہ آیت حجۃ الوداع کے سال نازل ہوئی، پس سورۂ توبہ کیسے آخری نازل ہونے والی سورت ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ حضرت البراء رضی اللہ عنہ نے سورۂ توبہ کی بعض آیتوں کا ارادہ کیا ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۴۰۲-۴۰۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ہو سکتا ہے حضرت البراء کی مراد یہ ہو کہ سورۂ توبہ کا اکثر حصہ آخر میں نازل ہوا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سورۂ توبہ کا اکثر حصہ غزوۂ تبوک کے بیان پر مشتمل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت البراء رضی اللہ عنہما کے اقوال میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ انہوں نے آخر میں نازل ہونے والی سورت کو کسی سے نقل نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے اجتہاد سے کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد سے کہا کہ آخری آیت البقرہ: ۲۸۱ ہے، اور حضرت البراء نے کہا کہ آخری سورت سورۂ توبہ ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۰۴)

علامہ عینی علامہ ابن حجر پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے ایک قول یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی، وہ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ ہے۔ اور میں وہاں پر ان اقوال میں تطبیق ذکر کروں گا۔ لیکن حافظ ابن حجر نے وہاں پر کوئی تطبیق ذکر نہیں کی اور وہ غالباً بھول گئے جیسا کہ وہ اکثر بھول جاتے ہیں۔

٢۔ بَابٌ: فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ‌ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخۡزِى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ (التوبہ: ٢)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو (اے مشرکو! اب تم (صرف) چار ماہ زمین میں (آزادی سے) چل پھر لو اور یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے O (التوبہ: ٢) کی تفسیر

سِيۡحُوۡا کا معنی ہے: زمین میں سیر کرو۔

٤٦٥٥ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي مُؤَذِّنِينَ بَعَثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ يُؤَذِّنُونَ بِمِنًى أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ أَرْدَفَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیہ وسلم بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَائَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ يَوْمَ النَّحْرِ فِي أَهْلِ مِنًى بِبَرَائَةَ وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حمید بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس حج میں اعلان کرنے والوں میں بھیجا، آپ نے ان کو قربانی کے دن بھیجا، وہ منیٰ میں اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی کعبہ میں برہنہ طواف کرے گا۔ حمید بن عبد الرحمٰن نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ مشرکین سے برأت کا اعلان کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ قربانی کے دن اہل منیٰ میں برأت کا اعلان کیا اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، اور بیت اللہ میں برہنہ طواف نہیں کرے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٣٦٩ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو براءت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے براءت کا اعلان کرنے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جب وہ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: یہ اعلان صرف میں کر سکتا ہوں یا میرے اہل بیت میں سے کوئی کر سکتا ہے، پھر آپ نے براءت کا اعلان کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اس

حدیث کی امام ترمذی نے بھی کتاب التفسیر میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ جب سورۂ توبہ کی دس آیتیں نازل ہوئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں اہل مکہ پر یہ آیات پڑھنے کے لئے بھیجا، پھر آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا: تم ابوبکر سے جا کر ملو وہ جہاں بھی ہوں اور ان سے وہ مکتوب لے لو اور تم اہل مکہ کے سامنے جاؤ اور یہ آیات پڑھو، پس میں مقام الجحفہ میں جا کر ان سے مل گیا اور ان سے وہ مکتوب لے لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئے، پس کہا یا رسول اللہ! کیا میرے متعلق کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں لیکن ابھی حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور بتایا کہ آپ کی طرف سے یہ اعلان یا آپ کریں گے یا آپ کی طرف سے کوئی مرد کرے گا۔ حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت واپس آ کر پوچھا تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جو تمام مناسک حج ادا کرنے کا حکم دیا تھا، وہ مناسک ادا کرنے کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر پوچھا جیسا کہ درج ذیل روایت میں ہے:

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ حنین کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الجعرانہ سے عمرہ کیا، پھر آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حج کا امیر بنایا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ مکہ میں جا کر مشرکین سے براءت کا اعلان کریں۔ حضرت ابوہریرہ نے بتایا: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ براءت کا اعلان کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں براءت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجنے کی وجہ یہی تھی کہ معاہدہ توڑنے کا اعلان یا تو خود صاحب معاہدہ کرے گا یا اس کے اہل بیت میں سے کوئی مرد کرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو معاہدۂ حدیبیہ کیا تھا، ان کی عہد شکنی کی وجہ سے وہ معاہدہ توڑ دیا، سو اس کا اعلان آپ خود کرتے یا آپ کا کوئی قریبی عزیز کرتا۔

۳۔ بَابٌ: وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (التوبہ: ۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور سب لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہے کہ حج اکبر کے دن اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول (بھی)، پس اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرتے ہو تو تم یقین رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور آپ کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیجئے ۝ (التوبہ: ۳) کی تفسیر

حج اکبر کے متعلق مختلف اقوال اور مصنف کا مختار

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کو یہ خبر دینا ہے اور یہ اعلان کرنا ہے اور لوگوں

کو ڈرانا ہے۔

یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ: یہ وہ دن ہے جو ایام مناسک میں سب سے افضل دن ہے اور سب سے زیادہ لوگوں کو جمع کرنے والا دن ہے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ ابواسحاق سے روایت کی ہے کہ میں نے ابوجحیفہ سے حج اکبر کے دن کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ یوم عرفہ ہے۔ اسی طرح عطاء سے بھی روایت ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، مجاہد اور طاؤس سے روایت ہے۔ ان سب نے کہا کہ عرفہ کا دن ہی حج اکبر کا دن ہے۔

محمد بن قیس بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن خطبہ دیا، پس فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حج اکبر کا دن یوم النحر ہے یعنی قربانی کا دن۔ اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ حج اکبر کا دن یوم النحر ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر کو جمرات کے پاس ٹھہرے اور فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے۔

ابن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن سیرین سے حج اکبر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: حج اکبر وہ دن ہے جو اس دن کے موافق ہو جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا، اور تمام اہل خیمہ نے حج کیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۵۶-۳۵۵)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی بنیاد پر بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جس سال یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ حج، حج اکبر ہے۔ میں نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث (۳) ص ۶۹۲-۶۸۸ میں اس کی بہت زیادہ تحقیق کی ہے کہ جس سال یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو وہ حج، حج اکبر ہوتا ہے، اور میں نے ۱۹۹۴ء میں حج کیا تھا اور اللہ کا کرم ہے کہ وہ حج بھی حج اکبر تھا۔

اَذَنَهُمْ کا معنی ہے: ان کو مطلع کیا یا خبر دی۔

۴۶۵۶- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ رضي الله عنه فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي الْمُؤَذِّنِينَ بَعَثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ يُؤَذِّنُونَ بِمِنًى أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ قَالَ حُمَيْدٌ ثُمَّ أَرْدَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ بِبَرَاءَةَ وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی، ابن شہاب نے کہا: پس مجھے حمید بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حج میں اعلان کرنے والوں میں بھیجا جن کو انہوں نے قربانی کے دن بھیجا تھا۔ وہ منیٰ میں اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے گا۔ حمید نے بتایا: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے حضرت علی بن ابی طالب کو بھیجا، پس ان کو یہ حکم دیا کہ وہ مشرکین سے براءت کا اعلان کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ منیٰ والوں میں قربانی کے دن مشرکین سے براءت کا اعلان کیا اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں

کرے گا اور نہ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۹ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جارہے ہیں:

اس اشکال کا جواب کہ حضرت ابوبکر نے حضرت ابوہریرہ کو اعلان کے لئے کیسے بھیجا؟ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اعلان کرنے کے لئے حضرت علی کو بھیجا تھا، اور حضرت علی کے اعلان کے متعلق حدیث اور سورۂ توبہ سے ان کے اعلان کی وضاحت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ نے بیان کیا کہ مجھے حضرت ابوبکر نے اعلان کرنے والوں میں بھیجا: امام طحاوی نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو بھیجا، پھر ان کے پیچھے حضرت علی کو بھیجا، پس ان کو اعلان کرنے کا حکم دیا تو یہ کیسے صحیح ہوگا کہ حضرت ابوبکر نے حضرت ابوہریرہ کو بھیجا؟ پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت ابوہریرہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو مشرکین سے براءت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تو میں بھی ان کے ساتھ تھا اور میں بھی بلند آواز سے اعلان کر رہا تھا اور وہ حضرت ابوبکر کے حکم سے اعلان کر رہے تھے جس طرح ان کو یہ پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو نو ہجری میں حج کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ اور حضرت علی کو سورۂ توبہ کی تیس یا چالیس آیتیں مشرکین پر پڑھنے کے لئے بھیجا تھا۔

علامہ کرمانی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت علی کو تو سورۃ التوبہ کی آیات پڑھ کر سنانے کے لئے بھیجا تھا، پھر انہوں نے یہ اعلان کیسے کیا کہ اس سال کے بعد کوئی حج نہیں کرے گا، پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت علی کا یہ اعلان سورۂ براءت کی ان آیات کے مطابق ہے:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ (التوبہ: ۲۸)

تمام مشرک محض نجس ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔

اور ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یہ حکم دیا ہو کہ تم وہی اعلان کرنا جس کا میں نے ابوبکر کو حکم دیا تھا، اور حضرت ابوبکر کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا تھا کہ بیت اللہ کا کوئی برہنہ طواف نہ کرے۔

شعبی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، جب ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرنے کے لئے بھیجا، پس جب وہ تیز آواز سے اعلان کرتے تو میں اعلان کرتا۔ شعبی نے پوچھا: آپ کیا اعلان کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہم چار باتوں کا اعلان کرتے تھے: (۱) کوئی بھی کعبہ کا برہنہ طواف نہ کرے (۲) جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی مدت کے لئے عہد کیا، وہ عہد اس مدت تک ہے (۳) مومن کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا (۴) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔

اس حدیث کی امام ابن جریر نے متعدد سندوں کے ساتھ شعبی سے روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۵۷-۳۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ (التوبہ:۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ماسوا ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔ (التوبہ:۴) کی تفسیر

۴۶۵۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رضی اللہ عنہ بَعَثَهُ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي أَمَّرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَيْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فِي رَهْطٍ يُؤَذِّنُونَ فِي النَّاسِ أَنْ لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ فَكَانَ حُمَيْدٌ يَقُولُ يَوْمُ النَّحْرِ يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ مِنْ أَجْلِ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب کہ حمید بن عبد الرحمٰن نے ان کو خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس حج میں بھیجا جس حج کا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا تھا حجۃ الوداع سے پہلے۔ وہ ایک جماعت کے ساتھ لوگوں میں یہ اعلان کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرے، پس حمید یہ کہتے تھے کہ قربانی کا دن ہی حج اکبر کا دن ہے، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی وجہ سے ایسا کہتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۹ میں گزر چکی ہے۔

حج اکبر اور حضرت علی کے اعلان کے متعلق مختلف روایات

علامہ عمر بن ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حمید یہ کہتے تھے کہ قربانی کا دن ہی حج اکبر کا دن ہے: میں کہتا ہوں: یہی زیادہ صحیح قول ہے، اور کتاب الحج میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کے متعلق فرمایا: یہ دن حج اکبر ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۷۴۲) اور یہ حج اکبر کے متعلق نص صریح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام ایام، حج اکبر ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ یوم عرفہ حج اکبر ہے اور محمد بن سیرین نے کہا کہ جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تھا، اس دن تمام اہل ملل نے حج کیا اور وہی دن حج اکبر ہے اور مجاہد سے روایت ہے کہ حج اکبر قران ہے اور حج اصغر عمرہ ہے۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۳۱۸۔ ۳۰۹)

امام بیہقی نے کہا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نو ہجری میں حج کیا اور سورۂ توبہ ان کے جانے کے بعد نازل ہوئی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بھیجا تا کہ وہ سورۂ توبہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو بھیجا کہ وہ ان کلمات کے ساتھ ندا کریں، پھر ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علی ان کلمات کے ساتھ ندا کرتے تھے، پس جب وہ تھک جاتے تو حضرت ابو ہریرہ کھڑے ہو کر ندا کرتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو سورۂ توبہ کی چند آیات پڑھنے کے لئے بھیجا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۳۰۷، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۔ بَابٌ: فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ۔ (التوبہ: ۱۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (التوبہ: ۱۲) کی تفسیر

۴۶۵۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ فَقَالَ مَا بَقِيَ مِنْ أَصْحَابِ هٰذِهِ الْآيَةِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ وَلَا مِنَ الْمُنَافِقِينَ إِلَّا أَرْبَعَةٌ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ إِنَّكُمْ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ تُخْبِرُونَا فَلَا نَدْرِي فَمَا بَالُ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَبْقُرُونَ بُيُوتَنَا وَيَسْرِقُونَ أَعْلَاقَنَا قَالَ أُولٰئِكَ الْفُسَّاقُ أَجَلْ لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ إِلَّا أَرْبَعَةٌ أَحَدُهُمْ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَا وَجَدَ بَرْدَهُ۔

(اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں)۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زید بن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: جن لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی ان میں سے صرف تین زندہ ہیں اور منافقین میں سے صرف چار زندہ ہیں۔ ایک اعرابی نے کہا: آپ لوگ! سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب ہیں، آپ ہمیں خبر دیں ہم خود نہیں جانتے، ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ہماری چھتوں میں سوراخ کرتے ہیں اور اچھی چیزیں چرا کر لے جاتے ہیں۔ حضرت حذیفہ نے بتایا کہ یہ لوگ فاسق ہیں، ہاں! ان منافقین میں سے صرف چار باقی ہیں اوران میں سے ایک تو اتنا بوڑھا ہو چکا ہے کہ اگر وہ ٹھنڈا پانی پیئے تو اسے اس کی ٹھنڈک کا پتا نہیں چلتا۔

ائمہ کفر کے متعلق مختلف اقوال اور حضرت حذیفہ کو ان منافقین کا علم تھا یا نہیں؟

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ائمہ کفر سے مراد ہے: قریش کے بڑے بڑے سردار جو اس آیت کے نزول کے وقت تھے۔ ابوجہل، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب اور سہیل بن عمرو (موخر الذکر دونوں بعد میں اسلام لے آئے تھے)۔ اس آیت میں ہے: لا ایمان لھم: فراء نے کہا: ان کے کئے ہوئے عہدوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (معانی القرآن ج ۱ ص ۴۲۵)

مجاہد نے کہا: ائمہ کفر سے مراد اہل فارس اور اہل روم ہیں۔

حذیفہ نے کہا: اس آیت کے مصداق سے ابھی تک قتال نہیں کیا گیا اوران کے مصداق ابھی تک نہیں آئے۔

(تفسیر طبری ج ۶ ص ۳۳۰ و تفسیر ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۷۶۱)

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ کو نبی ﷺ نے متعدد منافقین کے نام بتائے تھے اوران ائمہ کفر کے متعلق بھی بتایا تھا جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے، لیکن آپ نے ان کو تمام منافقین کے متعلق نہیں بتایا تھا۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت حذیفہ کی اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ ان منافقین کو جانتے تھے، جب ہی تو انہوں نے کہا کہ اب منافقین میں سے صرف چار باقی رہ گئے۔

اس حدیث میں اعلاق کا معنی ہے: نفیس مال اور ہر وہ چیز جس کی قدر و منزلت ہو۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: اعلاق کا معنی ہے: قیمتی چیز۔ (اعلام الحدیث ج ۳ ص ۱۸۴۴)، (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۴۱۰۔۴۰۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

٦۔ بَابٌ: وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (التوبہ: ۳۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے ○ (التوبہ: ۳۴) کی تفسیر

آیت مذکورہ کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے مصداق کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عام اہل کتاب اور مسلمانوں دونوں کے متعلق نازل ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صرف اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ اس امت کے ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ یہ حضرت ابن عباس، سدی اور عام مفسرین کا قول ہے۔

کنز: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو اور وہی مال وعید کا مستحق ہے۔

پس ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے: زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے عذاب کی وعید کو ثواب کی بشارت کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۵۹)

۴۶۵۹۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يَكُونُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحکم بن نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی کہ عبدالرحمن اعرج نے انہیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے کسی ایک کا جمع کیا ہوا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن جائے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۰۳ میں گزر چکی ہے۔

گنجا سانپ عام سانپوں کی بہ نسبت زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔

۴۶۶۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ مَرَرْتُ عَلَى أَبِي ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ فَقُلْتُ مَا أَنْزَلَكَ بِهٰذِهِ الْأَرْضِ قَالَ كُنَّا بِالشَّامِ فَقَرَأْتُ ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از حصین از زید بن وہب، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ربذہ میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو میں نے ان سے پوچھا: آپ کو اس زمین میں کس نے ٹھہرایا ہے؟ انہوں نے بتایا: میں شام میں تھا تو

أَلِيمٍ ۝ (التوبہ: ۳۴) قَالَ مُعَاوِيَةُ مَا هٰذِهِ فِينَا مَا هٰذِهِ إِلَّا فِي أَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ قُلْتُ إِنَّهَا لَفِينَا وَفِيهِمْ۔

میں نے یہ آیت پڑھی: اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے O (التوبہ: ۳۴) تو حضرت معاویہ نے کہا: یہ آیت ہمارے متعلق نازل نہیں ہوئی، یہ آیت صرف اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے کہا: یہ آیت ہمارے متعلق اور ان کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۰۶ میں گزر چکی ہے۔

ربذہ: مدینہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے، اور حضرت ابوذر کے وہاں رہنے کی وجہ یہ تھی کہ شام میں ان کے اور حضرت معاویہ کے درمیان اس آیت کی تفسیر میں مناظرہ ہوا تو وہ دل برداشتہ ہو کر مدینہ میں آ گئے، پھر مدینہ میں بھی لوگوں نے ان سے اس سلسلے میں مناظرے کئے تو وہ دل برداشت ہو کر ربذہ میں آ گئے۔ (عمدۃ القاری ج۱۸ ص ۳۶۰-۳۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ میں جانے کا صحیح سبب

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ربذہ میں جانے کا صحیح سبب یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد سے یہ کہتے تھے کہ ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد مال کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے اور اس کا استنباط انہوں نے درج ذیل آیت سے کیا تھا:

وَيَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۚ قُلِ الْعَفْوَ۔ (البقرہ: ۲۱۹)

اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیں: جو ضرورت سے زائد ہو۔

میں کہتا ہوں: اس آیت میں حکم مستحب بیان کیا ہے، یہ حکم واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر ہر شخص اپنی ضرورت سے زائد مال صدقہ کر دے تو نہ کسی پر زکوٰۃ واجب ہوگی نہ قربانی، نہ صدقہ فطر اور نہ حج واجب ہوگا۔ تب حضرت عثمان نے حضرت ابوذر سے کہا: یہ لوگ آپ سے بحث کرتے ہیں اور آپ کی بات سمجھتے نہیں ہیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ ربذہ میں چلے جائیں، سو اس وجہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ربذہ میں چلے گئے۔

۷۔ بَابٌ: يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ (التوبہ: ۳۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن وہ (سونا اور چاندی) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا، یہ ہے وہ (سونا اور چاندی) جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو O (التوبہ: ۳۵) کی تفسیر

۴۶۶۱۔ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبِي

اور احمد بن شبیب بن سعید نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث

عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللهُ طُهْرًا لِلْأَمْوَالِ

بیان کی، از یونس از ابن شہاب از خالد بن اسلم، انہوں نے بیان کیا کہ ہم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلے تو انہوں نے کہا: یہ حکم زکوٰۃ کے حکم نازل ہونے سے پہلے تھا، پس جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اموال کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۰۴ میں گزر چکی ہے۔

٨۔ بَابٌ: إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (التوبہ:۳۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ (التوبہ:۳۶) کی تفسیر

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۚ اَلْقَيِّمُ هُوَ الْقَائِمُ

اور یہ دینِ قیم ہے۔ (التوبہ:۳۶) قَیِّم کا معنی ہے: قائم

یعنی یہی شرع مستقیم ہے کہ اللہ عزوجل کے حکم کی اطاعت کی جائے، کیونکہ چار مہینوں میں قتال کو حرام قرار دینا، یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا دین ہے اور یہی دین مستقیم ہے۔

فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ

سو ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ (التوبہ:۳۶)

یعنی ان چار مہینوں میں تم ایک دوسرے سے قتال کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

۴۶۶۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از ابن ابی بکرہ از حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: زمانہ گھوم کر اپنی اصل حالت پر آ گیا ہے جیسے اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین مہینے پے در پے ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور مُضَر کا رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان میں ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۹۷ میں گزر چکی ہے۔

زمانے کے گھومنے کا معنی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بے شک زمانہ: اس سے مراد ہے: سال۔

بے شک گھوم کر آ گیا ہے: گھومنے سے مراد ہے: زمانہ اپنی اصل حالت کی طرف منتقل ہو گیا ہے، کیونکہ عرب محرم کو صفر کی طرف موخر کر دیتے تھے تا کہ اس مہینے میں قتال کر سکیں اور وہ یہ عمل ہر سال کرتے رہتے تھے، پس محرم ایک مہینے سے دوسرے مہینے کی طرف منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ وہ سال کے تمام مہینوں میں یہ عمل کرتے رہے۔

اور مُضَر کا رجب: مُضر کی طرف رجب کی اضافت کی گئی ہے، کیونکہ یہ وہ قبیلہ تھا جو رجب کے مہینے کی تعظیم کرتا تھا اور اس مہینے کو اس کی جگہ سے منتقل نہیں کرتا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۲۶۲-۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابٌ: ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (التوبہ: ۴۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: درآں حالیکہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، یعنی ہمارا مددگار ہے۔ (التوبہ: ۴۰) کی تفسیر

امام بخاری نے پوری آیت ذکر نہیں کی، پوری آیت درج ذیل ہے:

إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

اگر تم نے رسول کی مدد نہیں کی تو بے شک اللہ ان کی مدد کر چکا ہے جب کافروں نے ان کو بے وطن کر دیا تھا درآں حالیکہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، (یعنی اللہ ہمارا مددگار ہے)۔

إِلَّا تَنْصُرُوْهُ: یعنی اگر تم اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ آپ کا مددگار ہے، اور آپ کا مؤید ہے، اور آپ کے لئے کافی ہے، اور آپ کا محافظ ہے، جیسے اللہ نے آپ کی اس وقت مدد کی جب مشرکین مکہ نے آپ کو شہر سے نکال دیا تھا اور یہ ہجرت کے سال کا واقعہ ہے جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا یا آپ کو قید کرنے کا یا آپ کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

ثانِیَ اثنین: یعنی دو میں سے ایک، اور وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اور غار ثور، ثور کی بلندی کے اوپر ایک سوراخ ہے اور وہ مشہور پہاڑ ہے جو مکہ کے پیچھے دائیں جانب واقع ہے۔

لِصَاحِبِهِ: اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

السَّكِيْنَه: یہ سکون سے ماخوذ ہے، فَعِيْلَة کے وزن پر اور اس کا معنی بھی سکون ہے۔

ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکون نازل ہوتا رہتا ہے لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ آپ کے اوپر دوبارہ سکون نازل ہو۔

۴۶۶۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ حَدَّثَنِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان نے حدیث بیان کی، انہوں

أَبُو بَكْرٍ رضي الله عنه قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغَارِ فَرَأَيْتُ آثَارَ الْمُشْرِكِينَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ رَفَعَ قَدَمَهُ رَآنَا قَالَ مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا۔

نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں تھا تو میں نے مشرکین کے آثار دیکھے تو میں نے کہا: یارسول اللہ! اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنا قدم اوپر اٹھایا تو وہ ہم کو دیکھ لے گا۔ تو آپ نے فرمایا: تمہارا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے؟ جن میں تیسرا اللہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۵۳ میں گزر چکی ہے۔

۴۶۶۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّهُ قَالَ حِينَ وَقَعَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ابْنِ الزُّبَيْرِ قُلْتُ أَبُوهُ الزُّبَيْرُ وَأُمُّهُ أَسْمَاءُ وَخَالَتُهُ عَائِشَةُ وَجَدُّهُ أَبُو بَكْرٍ وَجَدَّتُهُ صَفِيَّةُ فَقُلْتُ لِسُفْيَانَ إِسْنَادُهُ فَقَالَ حَدَّثَنَا فَشَغَلَهُ إِنْسَانٌ وَلَمْ يَقُلْ ابْنُ جُرَيْجٍ۔

[طرف الحدیث: ۴۶۶۵، ۴۶۶۶]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی، از ابن جریج از ابن ابی ملیکہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان مناقشہ ہوا تو میں نے کہا کہ ان کے باپ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی ماں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کے نانا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں)، پس میں نے سفیان سے پوچھا: اس کی سند کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: انہوں نے ہمیں حدیث بیان کی، پھر کسی انسان نے ان کو باتوں میں مشغول کر دیا اور انہوں نے ابن جریج نہیں کہا۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر کے درمیان بیعت کے مناقشہ کی تفصیل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر میں بیعت کے سبب سے اختلاف ہوا تھا، کیونکہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو حضرت ابن زبیر نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے انکار کیا اور اس پر اصرار کیا حتیٰ کہ یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو بھیج کر مدینہ پر حملہ کرایا، پھر الحَرَّة کا واقعہ ہوا، پھر وہ لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا، پس ان کا امیر مسلم بن عقبہ مر گیا اور شامی لشکر کی قیادت حصین بن نمیر نے سنبھال لی اور مکہ میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا اور منجنیق سے کعبہ کے اوپر پتھر برسائے حتیٰ کہ کعبہ جل گیا، پھر ان کے پاس اچانک یزید بن معاویہ کے مرنے کی خبر آئی، پھر وہ لشکر شام کی طرف واپس چلا گیا اور حضرت ابن الزبیر نے کعبہ کی تعمیر شروع کی، پھر انہوں نے لوگوں کو اپنی بیعت کرنے کی دعوت دی تو ان کی بیعت خلافت کی گئی اور اہل حجاز، مصر، عراق، خراسان اور شام کے بھی بہت سے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی، پھر مروان بن الحکم نے شام پر غلبہ پالیا اور اس نے ضحاک بن قیس کو

قتل کر دیا جو حضرت ابن زبیر کی طرف سے امیر تھا، پھر مروان مصر کی طرف روانہ ہوا اور اس نے مصر کے اوپر غلبہ پالیا اور یہ تمام واقعات چونسٹھ (۶۴) ہجری کے ہیں اور کعبہ کی تعمیر پینسٹھ (۶۵) ہجری میں مکمل ہوگئی، پھر مروان پینسٹھ (۶۵) ہجری میں مرگیا اور اس کا بیٹا عبد الملک بن مروان، اس کا جانشین ہوا اور المختار بن ابی عبید نے کوفہ پر غلبہ پالیا تو وہاں حضرت ابن زبیر کے طرف دار جو لوگ تھے، وہ وہاں سے بھاگ گئے اور محمد بن علی بن ابی طالب جو ابن الحنفیہ کے نام سے معروف ہیں، وہ اور حضرت عبداللہ بن عباس مکہ میں ہی تھے جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے، پس ان دونوں کو حضرت ابن الزبیر نے اپنی بیعت کے لئے بلایا تو ان دونوں نے انکار کیا اور کہا: ہم اس وقت تک بیعت نہیں کریں گے جب تک کہ تمام لوگ اس خلیفہ کی بیعت پر متفق نہ ہو جائیں اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کی موافقت کی تھی تو حضرت ابن زبیر نے ان کے اوپر سختی کی اور ان کو گھیر لیا، مختار کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے ان کی طرف ایک لشکر بھیجا اور ان دونوں کو وہاں سے نکال لیا اور ان دونوں سے حضرت ابن زبیر سے لڑنے کی اجازت طلب کی تو ان دونوں نے انکار کیا اور وہ دونوں طائف کی طرف چلے گئے، پھر وہ دونوں وہیں پر رہے، حتیٰ کہ حضرت ابن عباس اڑسٹھ (۶۸) ہجری میں وفات پا گئے اور ان کے بعد ابن الحنفیہ ینبع پہاڑ کی طرف چلے گئے اور وہاں ٹھہر گئے، پھر انہوں نے شام میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، پس وہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور سن تہتر (۷۳) یا چوہتر (۷۴) ہجری کے اول میں فوت ہو گئے اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ حضرت ابن الزبیر کی شہادت کے بعد کا واقعہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اسی (۸۰) ہجری یا اس کے بعد تک زندہ رہے اور امام واقدی نے یہ کہا ہے کہ وہ اکیاسی (۸۱) ہجری میں مدینہ میں فوت ہوئے تھے اور فرقۂ الکیسانیہ کا یہ زعم ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں اور فوت نہیں ہوئے اور وہی مہدی ہیں اور وہ اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ تمام روئے زمین کے مالک نہ ہو جائیں اور اس فرقہ کی اس سلسلہ میں بہت خرافات ہیں جن کو بیان کرنے کی یہ جگہ نہیں ہے اور میں نے جو ذکر کیا ہے، اس کو میں نے طبقات ابن سعد اور تاریخ الطبری سے اخذ کیا ہے تا کہ ابن ابی ملیکہ کے اس قول کی وضاحت ہو جائے کہ ''حضرت ابن عباس کے اور حضرت ابن الزبیر کے درمیان اختلاف ہوا''۔ اور دوسری سند سے ان کا یہ قول ہے کہ میں صبح کو حضرت ابن عباس کے پاس گیا، پس میں نے کہا: کیا آپ حضرت ابن الزبیر سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو حضرت ابن عباس نے کہا: ان سے لڑائی کیسے ہو سکتی ہے اور ان کے مناقب بیان کئے لیکن حضرت ابن عباس نے حضرت ابن الزبیر کی بیعت کرنے سے انکار کیا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

اور فاکہی نے سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم از والد خود یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس اور ابن الحنفیہ دونوں مدینہ میں تھے، پھر انہوں نے مکہ میں رہائش اختیار کی اور حضرت ابن الزبیر نے ان دونوں سے بیعت طلب کی، پس ان دونوں نے انکار کیا حتیٰ کہ تمام لوگ اس مرد کی بیعت پر متفق ہو جائیں تو حضرت ابن الزبیر نے ان دونوں پر تنگی کی، پس ان دونوں نے ایک قاصد عراق کی طرف بھیجا، پس ان کی طرف چار ہزار کا ایک لشکر آیا، پس ان دونوں کو محصور پایا، پھر ان کو ڈرانے کے لئے دروازے پر لکڑیاں رکھی گئیں، پھر ان دونوں کو طائف کی طرف نکال دیا۔ امام ابن سعد نے حضرت ابن زبیر اور حضرت ابن عباس کے درمیان مناقشہ کا یہ قصہ چھیاسٹھ (۶۶) ہجری میں ذکر کیا ہے۔

اور ان کی ماں اسماء ہیں: یعنی بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما اور ان کی دادی صفیہ ہیں یعنی بنت عبد المطلب اور دوسری روایت میں ہے کہ ان کی پھوپھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں۔ ان کی مراد تھی: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، ان پر ان کی پھوپھی کا اطلاق مجازاً ہے، ورنہ وہ ان کے باپ کی پھوپھی ہیں کیونکہ حضرت خدیجہ خویلد بن اسد کی بیٹی ہیں اور حضرت زبیر، وہ ابن العوام بن خویلد بن اسد ہیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۱۳ - ۶۱۲، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۶۶۵ـ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ وَكَانَ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ فَغَدَوْتُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ أَتُرِيدُ أَنْ تُقَاتِلَ ابْنَ الزُّبَيْرِ فَتُحِلَّ حَرَمَ اللهِ فَقَالَ مَعَاذَ اللهِ إِنَّ اللهَ كَتَبَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَبَنِي أُمَيَّةَ مُحِلِّينَ وَإِنِّي وَاللهِ لَا أُحِلُّهُ أَبَدًا قَالَ قَالَ النَّاسُ بَايِعْ لِابْنِ الزُّبَيْرِ فَقُلْتُ وَأَيْنَ بِهَذَا الْأَمْرِ عَنْهُ أَمَّا أَبُوهُ فَحَوَارِيُّ النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ الزُّبَيْرَ وَأَمَّا جَدُّهُ فَصَاحِبُ الْغَارِ يُرِيدُ أَبَا بَكْرٍ وَأُمُّهُ فَذَاتُ النِّطَاقِ يُرِيدُ أَسْمَاءَ وَأَمَّا خَالَتُهُ فَأُمُّ الْمُؤْمِنِينَ يُرِيدُ عَائِشَةَ وَأَمَّا عَمَّتُهُ فَزَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ خَدِيجَةَ وَأَمَّا عَمَّةُ النَّبِيِّ ﷺ فَجَدَّتُهُ يُرِيدُ صَفِيَّةَ ثُمَّ عَفِيفٌ فِي الْإِسْلَامِ قَارِئٌ لِلْقُرْآنِ وَاللهِ إِنْ وَصَلُونِي وَصَلُونِي مِنْ قَرِيبٍ وَإِنْ رَبُّونِي رَبُّونِي أَكْفَاءٌ كِرَامٌ فَآثَرَ التُّوَيْتَاتِ وَالْأُسَامَاتِ وَالْحُمَيْدَاتِ يُرِيدُ أَبْطُنًا مِنْ بَنِي أَسَدٍ بَنِي تُوَيْتٍ وَبَنِي أُسَامَةَ وَبَنِي أَسَدٍ إِنَّ ابْنَ أَبِي الْعَاصِ بَرَزَ يَمْشِي الْقُدَمِيَّةَ يَعْنِي عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ وَإِنَّهُ لَوَّى ذَنَبَهُ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن معین نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی، ابن جریج نے کہا کہ ابن ابی ملیکہ نے بتایا کہ ان دونوں کے درمیان اختلاف تھا، پس میں صبح کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا، پس میں نے کہا: کیا آپ حضرت ابن زبیر سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ پس آپ اللہ کے حرم کو حلال کریں گے؟ حضرت ابن عباس نے کہا: معاذ اللہ! بے شک اللہ نے ابن الزبیر اور بنو امیہ کے متعلق لکھ دیا ہے کہ وہ حرم کو حلال کرنے والے ہیں اور بے شک میں اللہ کی قسم! حرم کو کبھی حلال نہیں کروں گا، ابن ابی ملیکہ نے بتایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ابن الزبیر سے بیعت کر لیں تو حضرت ابن عباس نے کہا: مجھے ان سے بیعت کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ رہے ان کے والد تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے، ان کی مراد تھی حضرت زبیر۔ رہے ان کے نانا تو وہ غار کے ساتھی ہیں، ان کی مراد تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ رہی ان کی ماں تو وہ کمر بند والی ہیں، ان کی مراد تھی حضرت اسماء۔ رہی ان کی خالہ تو وہ ام المومنین ہیں، ان کی مراد تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور رہی ان کی پھوپھی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں، ان کی مراد تھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور رہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تو وہ ان کی دادی ہیں، ان کی مراد تھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، پھر وہ اسلام میں پاک باز ہیں، قرآن مجید کے قاری ہیں اور اللہ کی قسم اگر وہ مجھ سے حسن سلوک کریں تو ان کو حسن سلوک کرنا ہی چاہئے، وہ میرے بہت قریبی رشتہ دار ہیں اور اگر وہ مجھ پر حکومت کریں تو حکومت کریں وہ ہمارے برابر عزت دار ہیں لیکن انہوں نے تو تویتات، اسامات اور حمیدات کو ہم پر ترجیح دی ہے۔ ان کی مراد بنو اسد کے قبیلہ سے تھی بنو تویت، بنو اسامہ اور بنو اسد اور بے شک ابو العاص کا بیٹا اعلان جنگ کر رہا ہے، اور پیش قدمی کر رہا ہے، ان کی مراد تھی عبدالملک بن مروان اور بے شک ابن الزبیر نے اپنی دم دبالی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۶۴ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ کے درمیان جنگ کی تفصیل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس تم اللہ کے حرم کو حلال کرو گے: یعنی تم حرم میں قتال کرو گے، خون بہاؤ گے۔

اللہ نے لکھ دیا ہے: یعنی اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے۔

ابن الزبیر اور بنو امیہ حرم کو حلال کرنے والے ہیں: یعنی وہ حرم میں قتال کریں گے اور خون بہائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حرم کو حلال کرنے کی نسبت حضرت ابن الزبیر کی طرف کی ہے، حالانکہ بنو امیہ ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے قتال کی ابتداء کی تھی اور حضرت ابن الزبیر کا حرم میں محاصرہ کیا تھا اور حضرت ابن الزبیر نے تو اپنی مدافعت کی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ تھا کہ حرم میں اپنی مدافعت کے لئے بھی قتال کرنا جائز نہیں ہے، خواہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ التویتات، الاسامات، الحمیدات، ان کی مراد تھی: بنو اسد کے قبیلے۔ رہے تویتات تو ان کی نسبت بنو تویت بن اسد کی طرف ہے اور رہے اسامات تو ان کی نسبت بنو اسامہ بن اسد بن عبد العزیٰ کی طرف ہے اور رہے حمیدات تو ان کی نسبت بنو حمید بن زہیر بن الحارث بن اسد بن عبد العزیٰ کی طرف ہے۔

اور انہوں نے اپنی دم دبالی ہے: یعنی حضرت ابن الزبیر نے۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کھڑے رہے، نہ آگے بڑھے نہ پیچھے ہٹے اور ابن التین نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ ان کا ارادہ پورا نہیں ہوا اور ابو مخلف نے کہا ہے کہ حضرت ابن الزبیر اپنے پچھلے پاؤں پر لوٹ رہے تھے اور یہ اس کے مناسب ہے کہ عبد الملک آگے بڑھ رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے عراق کو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے چھین لیا اور ان کے بھائی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا پھر اس کے لشکر مکہ میں حضرت ابن الزبیر پر حملہ آور ہوئے اور حضرت ابن الزبیر مسلسل پیچھے ہٹتے رہے، یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی اللہ تعالیٰ۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۱۵ - ۶۱۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۶۶۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ دَخَلْنَا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ أَلَا تَعْجَبُونَ لِابْنِ الزُّبَيْرِ قَامَ فِي أَمْرِهِ هَذَا فَقُلْتُ لَأُحَاسِبَنَّ نَفْسِي لَهُ مَا حَاسَبْتُهَا لِأَبِي بَكْرٍ وَلَا لِعُمَرَ وَلَهُمَا كَانَا أَوْلَى بِكُلِّ خَيْرٍ مِنْهُ وَقُلْتُ ابْنُ عَمَّةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ أَبِي بَكْرٍ وَابْنُ أَخِي خَدِيجَةَ وَابْنُ أُخْتِ عَائِشَةَ فَإِذَا هُوَ يَتَعَلَّى عَنِّي وَلَا يُرِيدُ ذَلِكَ فَقُلْتُ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنِّي أَعْرِضُ هَذَا مِنْ نَفْسِي فَيَدَعُهُ وَمَا أُرَاهُ يُرِيدُ خَيْرًا وَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ لَأَنْ يَرُبَّنِي بَنُو عَمِّي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَرُبَّنِي غَيْرُهُمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبید بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن یونس نے حدیث بیان کی، از عمر بن سعید، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: تمہیں ابن الزبیر پر تعجب نہیں ہوتا؟ وہ خلافت کے لئے کھڑے ہو گئے، تو میں نے کہا: میں ان کے لئے اپنے نفس کا ایسا محاسبہ کروں گا کہ ایسا محاسبہ میں نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے لئے بھی نہیں کیا تھا اور وہ دونوں ان سے ہر اعتبار سے افضل تھے اور میں نے کہا: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے ہیں اور حضرت زبیر کے بیٹے ہیں اور حضرت ابوبکر کے بیٹے ہیں اور حضرت خدیجہ کے بھتیجے ہیں اور حضرت عائشہ کے بھانجے ہیں اور اب وہ مجھ پر بڑائی ظاہر کرنے لگے ہیں اور وہ مجھے اپنے برابر

رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتے، پس میں نے (دل میں) کہا کہ مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ میں اپنے متعلق ان سے یہ عرض کروں گا کہ وہ اس کو چھوڑ دیں گے اور مجھے ان سے کسی خیر کی توقع نہیں ہے، اگرچہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے، اگر میرے چچا کے بیٹے مجھ پر حکومت کریں تو وہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ان کا غیر مجھ پر حکومت کرے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۶۴ میں گزر چکی ہے۔

بعض مشکل جملوں اور بعض ناموں کی وضاحت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وہ اس امر میں کھڑے ہو گئے، یعنی خلافت کے لیے کھڑے ہو گئے۔

میں ان کے لئے ضرور اپنے نفس سے محاسبہ کروں گا: یعنی میں حضرت ابن الزبیر کے لئے ضرور مناقشہ کروں گا اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: میں اپنے نفس سے ضرور مطالبہ کروں گا کہ وہ میری رعایت کرے اور میرے حق کی حفاظت کرے اور میں ان کی پوری پوری خیر خواہی کروں گا اور ان کا دفاع کروں گا۔

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے ہیں: اس میں مجاز ہے اور حقیقت میں ان کے والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے ہیں اور وہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ اسی طرح انہوں نے کہا: وہ حضرت ابوبکر کے بیٹے ہیں، اس میں بھی مجاز ہے، کیونکہ وہ حضرت ابوبکر کی بیٹی حضرت اسماء کے بیٹے ہیں۔ (عمدۃ القاری، ج ۱۸ ص ۳۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۰- بَابٌ: وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ (التوبہ: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو۔ (التوبہ: ۶۰) کی تفسیر

امام بخاری نے پوری آیت نہیں لکھی، پوری آیت درج ذیل ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۖ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۶۰)

زکوٰۃ کے مصارف صرف فقراء اور مساکین ہیں، اور زکوٰۃ کی وصول یابی پر مامور لوگ، اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو، اور جن غلاموں کو آزاد کرنا ہو، اور مقروض لوگ اور اللہ کی راہ میں مسافرین، یہ اللہ کی جانب سے ایک فریضہ ہے، اور اللہ بہت علم والا، بے حد حکمت والا ہے ۝

مؤلفۃ القلوب کی تعریف اور ان کا حکم

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل نے اس آیت میں صدقات کی تقسیم اور ان کے آٹھ مصارف کا بیان فرمایا ہے اور ان میں سے مؤلفۃ القلوب اب ساقط ہو گئے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا اور ان سے مستغنی فرما دیا۔ ابتداء میں مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جاتا تھا، تاکہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل رہیں یا مسلمانوں سے ان کا ضرر دور رہے۔ آیا مؤلفۃ القلوب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد بھی اسلام پر قائم رکھنے کے لئے زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، پس حضرت عمر، شعبی اور ایک جماعت سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کو زکوٰۃ سے حصہ نہیں دیا جائے گا اور دوسروں نے کہا ہے کہ دیا جائے گا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اور ھوازن کا زور ٹوٹنے کے بعد ان کو زکوٰۃ میں سے حصہ دیا اور اس چیز کی کب ضرورت پیش آتی ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان کی تالیف قلب کے لئے کس وقت ان کو زکوٰۃ سے حصہ دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے اسلام لانے سے پہلے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے اسلام لانے کے بعد، اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ زکوٰۃ میں سے ان کا حصہ کب منقطع کیا گیا؟ ایک قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت میں اور دوسرا قول ہے کہ حضرت عمر فاروق کی خلافت میں، مؤلفۃ القلوب کی تعداد تقریباً پچاس (۵۰) تھی۔ ان میں سے حضرت ابوسفیان اور ان کے بیٹے حضرت معاویہ اور حضرت حکیم بن حزام اور حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳٦٧)

مجاہد نے کہا: ان کو کچھ عطیہ دے کر ان کی تالیف قلب کی جاتی تھی۔

۴٦٦٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضى الله عنه قَالَ بُعِثَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِشَيْءٍ فَقَسَمَهُ بَيْنَ أَرْبَعَةٍ وَقَالَ أَتَأَلَّفُهُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مَا عَدَلْتَ فَقَالَ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا قَوْمٌ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از والد خود از ابن ابی نعیم از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز بھیجی گئی تو آپ نے اس کو چار مردوں میں تقسیم کر دیا اور فرمایا: میں ان کی تالیف کرتا ہوں، تو ایک مرد نے کہا: آپ نے عدل نہیں کیا، تو آپ نے فرمایا: اس آدمی کی نسل سے ایسی قوم نکلے گی جو دین سے نکل جائے گی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۱۵ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جارہے ہیں:

چند مبہم اسماء کی تعیین

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چار مردوں میں تقسیم کر دیا: ان میں سے ایک اقرع بن حابس ہیں، دوسرے عیینہ بن بدر ہیں، اور تیسرے زید بن مہلہل ہیں، اور چوتھے علقمہ بن علاثہ ہیں۔

ایک مرد نے کہا: آپ نے عدل نہیں کیا، اس مرد کا نام ذوالخویصرہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳٦٨، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۱۔ بَابٌ: اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ۔ (التوبہ: ۷۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک جو (منافق) خوشی سے صدقہ دینے والے مومنوں کو طعنہ دیتے ہیں۔ (التوبہ: ۷۹) کی تفسیر

آیت مذکورہ میں طعن کی تفسیر

اس آیت میں منافقین کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ کوئی شخص بھی ان کی عیب جوئی اور نکتہ چینی سے بچا ہوا نہیں تھا۔ اگر کوئی شخص

اللہ کی راہ میں بہت زیادہ مال لے کر آتا تو وہ کہتے: یہ دکھاوا کرنے والا ہے اور اگر کوئی شخص محنت مزدوری کر کے تھوڑا مال لے کر آتا تو وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کو اتنے مال کی کیا ضرورت ہے۔

يَلْمِزُوْنَ: کا معنی ہے: وہ عیب جوئی کرتے ہیں، اور نکتہ چینی کرتے ہیں۔

جُهْدَهُمْ اور **جَهْدَهُمْ** اس کا معنی ہے: ان کی طاقت کے مطابق۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ۔ اور ان کو جن کے پاس (صدقہ کے لئے) اپنی محنت کی مزدوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (التوبہ:۷۹)

اس لفظ میں دو لغتیں ہیں جُهد اور جَهد، جُهد کا معنی ہے: طاقت اور جَهد کا معنی ہے: مشقت۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۶۸)

۴۶۶۸۔ حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَبُو مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا أُمِرْنَا بِالصَّدَقَةِ كُنَّا نَتَحَامَلُ فَجَاءَ أَبُو عَقِيلٍ بِنِصْفِ صَاعٍ وَجَاءَ إِنْسَانٌ بِأَكْثَرَ مِنْهُ فَقَالَ الْمُنَافِقُونَ إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَدَقَةِ هَذَا وَمَا فَعَلَ هَذَا الْآخَرُ إِلَّا رِئَاءً فَنَزَلَتْ ﴿الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ (التوبہ:۷۹) الْآيَةَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے بشر بن خالد ابو محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی از شعبہ از سلیمان از ابی وائل از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: جب ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا گیا تو ہم بوجھ اٹھا کر لاتے، پس ابو عقیل نصف صاع (دو کلوگرام) لے کر آئے اور ایک انسان اس سے زیادہ لے کر آیا، تو منافقین نے کہا: اللہ عزوجل اس صدقہ سے مستغنی ہے اور دوسرا جو اکثر لے کر آیا ہے، وہ صرف دکھاوے کے لئے لے کر آیا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: بے شک جو (منافق) خوشی سے صدقہ دینے والے مومنوں کو طعنہ دیتے ہیں اور ان کو جن کے پاس (صدقہ کے لئے) اپنی محنت کی مزدوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (التوبہ:۷۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۱۵ میں گزر چکی ہے تاہم بعض امور کی تفصیل بیان کی جارہی ہے:

جن صحابہ پر منافقین نے طعن کیا تھا، ان کے اسماء

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

ایک قول ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے نصف مال کا صدقہ کیا جو چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا، اور حضرت عاصم بن عدی ایک سو وسق (چھ سو من) کھجوریں لے کر آئے تو منافقین نے ان دونوں پر نکتہ چینی کی اور کہا: یہ دکھاوا ہے اور کسی منافق نے کہا یہ کتنا بڑا دکھاوا ہے اور ایک انصاری تھوڑی سی کھجوریں لے کر آیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ ایک صاع (چار کلوگرام) کھجوریں لے کر آئے اور کہا کہ میرے پاس صرف دو صاع کھجوریں تھیں۔ ایک صاع کھجوریں میں نے اپنے بال بچوں کے لئے رکھ لیں اور ایک صاع صدقہ کے لئے لے کر آ گیا۔ تو منافقین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۴۲۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۶۶۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے

أُسَامَةَ أَحَدَّثَكُمْ زَائِدَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُ بِالصَّدَقَةِ فَيَحْتَالُ أَحَدُنَا حَتَّى يَجِيءَ بِالْمُدِّ وَإِنَّ لِأَحَدِهِمْ الْيَوْمَ مِائَةَ أَلْفٍ كَأَنَّهُ يُعَرِّضُ بِنَفْسِهِ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابو اسامہ سے پوچھا: کیا تم کو زائدہ نے (یہ) حدیث بیان کی ہے؟ از سلیمان از شقیق از حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیتے تو ہم میں سے کوئی شخص حیلہ کرتا، حتیٰ کہ وہ ایک کلو لے کر آتا اور بے شک آج ان کے پاس ایک لاکھ ہے۔ حضرت ابو مسعود اپنی ذات سے کنایہ کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۱۵ میں گزر چکی ہے۔
اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ وہ حیلہ کرتا: اس کا معنی ہے: کوشش کرتا۔

۱۲۔ بَابٌ: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ (التوبہ: ۸۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ (التوبہ: ۸۰) کی تفسیر

نکتہ چینی کرنے والے منافقین کا استغفار سے محروم ہونا

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ خبر دی ہے کہ یہ نکتہ چینی کرنے والے منافقین ہیں، یہ استغفار کے اہل نہیں تھے اور اگر نبی ﷺ ان کے لئے ستر (۷۰) بار بھی استغفار کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں منع فرما دیتا۔ ستر (۷۰) سے مراد ستر کا عدد نہیں ہے بلکہ عرب ستر کا لفظ مبالغہ کے لئے بولتے تھے اور اس سے خاص عدد مراد نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۷۰)

۴۶۷۰۔ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ قَمِيصَهُ يُكَفِّنُ فِيهِ أَبَاهُ فَأَعْطَاهُ ثُمَّ سَأَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَامَ عُمَرُ فَأَخَذَ بِثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تُصَلِّي عَلَيْهِ وَقَدْ نَهَاكَ رَبُّكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللَّهُ فَقَالَ ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً﴾ (التوبہ: ۸۰) وَسَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، از ابو اسامہ از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں: جب عبد اللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ ان کو اپنی قمیص عطا فرمائیں تا کہ اس قمیص میں وہ اپنے باپ کو کفن دیں تو آپ نے ان کو قمیص عطا فرما دی، پھر انہوں نے سوال کیا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں تو رسول اللہ ﷺ اس کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے، سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کا کپڑا کھینچا، پس کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ اس پر نماز پڑھیں گے؟ حالانکہ آپ کے رب نے آپ کو اس پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، تو

قَالَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ قَالَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾ (التوبہ:۸۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے، پس فرمایا ہے: آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ (التوبہ:۸۰) اور میں عنقریب ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمر نے کہا: وہ منافق ہے، حضرت ابن عمر نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور جو ان میں سے مرجائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ:۸۴)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۲۶۹ میں گزر چکی ہے۔ تاہم چند ضروری امور بیان کئے جارہے ہیں:

عبداللہ بن ابی کو قمیص عطا فرمانے اور اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی توجیہات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ واقدی نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی آپ کے تبوک سے واپس آنے کے بعد مر گیا تھا اور یہ ذوالقعدہ نو ہجری کا واقعہ ہے۔ یہ بیس (۲۰) دن بیمار رہا اور اس کی بیماری کی ابتداء شوال کی راتوں سے ہوئی تھی۔ اسی طرح امام حاکم نے "اکلیل" میں ذکر کیا ہے۔

علماء نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا۔ (التوبہ:۴۷) اور اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو وہ تم میں فساد زیادہ پھیلاتے۔

نبی ﷺ نے اس کو اپنی قمیص عطا فرمادی: علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی ﷺ نے اس منافق کو قمیص کیوں عطا فرمائی ہے؟ پھر انہوں نے کہا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس منافق کی وجہ سے قمیص نہیں عطا فرمائی تھی بلکہ اس کے بیٹے کی وجہ سے قمیص عطا فرمائی تھی، جو صحابی تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر کسی کی قمیص پوری نہیں آرہی تھی، کیونکہ ان کا بہت لمبا قد تھا، تو عبداللہ بن ابی نے ان کو اپنی قمیص دی تھی جو ان کو پوری آگئی، تو نبی ﷺ نے اس کا بدلہ اتارنے کے لئے عبداللہ بن ابی کو قمیص عطا فرمادی تاکہ آپ کے چچا پر اس کا احسان نہ رہے۔

میں کہتا ہوں کہ آپ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ کسی سائل کو رد نہیں فرماتے تھے، اس لئے آپ نے قمیص عطا فرمادی اور اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ:۱۰) اور سائل کو نہ جھڑکیں ۝

پھر اس کے بیٹے نے آپ سے اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا سوال کیا: انہوں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ عبداللہ بن ابی ظاہر میں کلمہ بھی پڑھتا تھا اور نمازیں بھی پڑھتا تھا، تو انہوں نے اس کو اسلام پر محمول کیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ لوگ ان کے باپ پر اور ان کے قبیلے پر طعنہ نہ دیں اور نبی ﷺ نے بھی ظاہر حال کے مطابق ان کے اس سوال کو قبول کرلیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت

واضح فرمادی۔

حضرت عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کیا آپ منافق پر نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت عمر نے منافق پر نماز پڑھنے کی ممانعت کو اس آیت سے نکالا تھا:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ (التوبہ: ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔

حضرت عمر کی رائے دین پر تَصَلُّب اور منافقین پر شدت کا مظہر تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا جس کی تھوڑی سی بھی دین کی طرف نسبت ہے، اس پر شفقت کی جائے اور ان کے بیٹے کی دل جوئی کی جائے، جو صحابی تھے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل چیز پر عمل کیا اور قتادہ نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ میری قمیص اس سے اللہ کے عذاب کو نہیں دور کرسکتی، لیکن مجھے یہ امید ہے کہ میرے اس حسن خلق کو دیکھ کر اس کی قوم کے ایک ہزار افراد ایمان لے آئیں گے۔ (سوایسا ہی ہوا)

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔ (التوبہ: ۸۴)

اور جو ان میں سے مرجائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

اس کے بعد پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

میں کہتا ہوں: یہاں پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قرآن مجید کی یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نازل ہوئی ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے سے پہلے ہی منع فرمادیتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نماز جنازہ پڑھانے کے بعد یہ آیت نازل فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا اس کی نماز جنازہ پڑھانا بالکل درست تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر عبداللہ بن ابی کے ظاہر نفاق پر تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس کی قوم کے ایک ہزار مردوں کے اسلام پر تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۱۷-۳۰۷-۳، فتح الباری ج ۵ ص ۶۲۱-۶۱۹)

۴۶۷۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ وَ قَالَ غَيْرُهُ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ لَمَّا مَاتَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ دُعِيَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَثَبْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتُصَلِّي عَلَى ابْنِ أُبَيٍّ وَقَدْ قَالَ يَوْمَ كَذَا كَذَا وَكَذَا قَالَ أُعَدِّدُ عَلَيْهِ قَوْلَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ أَخِّرْ عَنِّي يَا عُمَرُ فَلَمَّا أَكْثَرْتُ عَلَيْهِ قَالَ إِنِّي خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ لَوْ أَعْلَمُ أَنِّي إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ يُغْفَرْ لَهُ لَزِدْتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی، از عقیل اور ان کے غیر نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی از حضرت ابن عباس از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: جب عبداللہ بن ابی ابن سلول مرگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے بلایا گیا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو میں تیزی سے آپ کی طرف بڑھا، پس میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ ابن ابی پر نماز پڑھیں گے؟ حالانکہ اس نے فلاں دن اس طرح اور اس طرح کہا تھا۔ حضرت عمر اس کے اقوال گنواتے

عَلَيْهَا قَالَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ انْصَرَفَ فَلَمْ يَمْكُثْ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى نَزَلَتْ الْآيَتَانِ مِنْ بَرَائَةَ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا﴾ (التوبہ: ۸۴) إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ قَالَ فَعَجِبْتُ بَعْدُ مِنْ جُرْأَتِي عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔

رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور فرمایا: اے عمر! مجھ سے پیچھے ہٹو، پس جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا ہے، پس میں نے (استغفار کو) اختیار کیا اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اگر میں نے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی تو میں ستر بار سے زیادہ استغفار کرتا۔ حضرت عمر نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی، پھر آپ لوٹ آئے، پھر سورۂ توبہ کی دو آیتیں نازل ہو گئیں: اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ: ۸۴) یہ آیت وھم فٰسِقُوْن تک ہے۔ حضرت عمر نے کہا: پھر بعد میں مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی جرأت پر بہت تعجب ہوا، اور اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ علم والے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۶ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور میں اضافہ شدہ روایات اور عبد اللہ بن ابی ابن سلول کے نام کی وضاحت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ: ۸۴) مسدد نے اپنی حدیث میں از یحییٰ القطان از عبید اللہ بن عمر اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ پس آپ نے ان پر نماز پڑھنے کو ترک کر دیا ہے۔ امام بخاری نے کتاب الجنائز میں از مسدد اس حدیث کی بغیر اس اضافے کے روایت کی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ آپ نے اس پر نماز پڑھائی، پھر واپس چلے گئے، پھر تھوڑی دیر بعد یہ آیت نازل ہو گئی۔ اور زہری نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا، اور طبری نے اسی سند کے ساتھ ابن اسحاق سے یہ روایت کی ہے کہ نہ آپ کسی منافق کی قبر پر کھڑے ہوئے۔

امام عبد الرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۔ (التوبہ: ۸۰)

آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

تو نبی ﷺ نے فرمایا: میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۔ (المنافقون: ۶)

ان پر یکساں ہے، آپ ان کے لئے معافی چاہیں یا ان کے لئے معافی نہ چاہیں، اللہ انہیں ہرگز معاف نہ فرمائے گا۔

جب عبد اللہ بن ابی ابن سلول مر گیا: سلول عبد اللہ بن ابی کی ماں کا نام ہے اور وہ قبیلہ خزاعہ سے تھی اور عبد اللہ بن ابی قبیلہ

خزرج سے تھا اور یہ دونوں انصار کے قبیلے ہیں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: مجھ سے پیچھے ہٹو۔ علامہ داؤدی نے اس حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکرانے پر اشکال کیا ہے کہ جنائز کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکرانا اور ہنسنا ثابت نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر کی دل جوئی کے لئے اور ان کو خوش کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ آپ نے ان کے مشورے کو قبول نہیں کیا تھا اور ان کے کلام کو ترک کر دیا تھا تو گویا آپ کا مسکرانا اس کی معذرت کے لئے تھا۔

بعض شارحین نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے حضرت عمر نے یہ گمان کیا ہو کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے تو شاید آپ بھول گئے کہ اس نے آپ کے خلاف کیا کیا کہا تھا، تو پھر جب میں نے زیادہ مبالغہ کیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا ہے، یعنی استغفار کا، پس میں نے استغفار کو اختیار کرلیا، تب حضرت عمر کو پتا چلا کہ آپ بھولے نہیں تھے۔

۱۳۔ بَابٌ: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۔ (التوبہ: ۸۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبہ: ۸۴) کی تفسیر

التوبہ: ۸۴ کا مصداق

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت تمام منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت معین منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں ایک راز بتا رہا ہوں تم اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا: مجھے فلاں فلاں کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع کیا گیا ہے اور منافقین کے معین عدد کا ذکر فرمایا۔ حضرت جبیر بن معطم سے روایت ہے کہ وہ بارہ (۱۲) مرد تھے۔

۴۶۷۲ ۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما أَنَّهُ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأَعْطَاهُ قَمِيصَهُ وَأَمَرَهُ أَنْ يُكَفِّنَهُ فِيهِ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي عَلَيْهِ فَأَخَذَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِثَوْبِهِ فَقَالَ تُصَلِّي عَلَيْهِ وَهُوَ مُنَافِقٌ وَقَدْ نَهَاكَ اللهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُمْ قَالَ إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللهُ أَوْ أَخْبَرَنِي اللهُ فَقَالَ ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ (التوبہ: ۸۰) فَقَالَ سَأَزِيدُهُ عَلَى سَبْعِينَ قَالَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَصَلَّيْنَا مَعَهُ ثُمَّ أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں انس بن عیاض نے حدیث بیان کی، از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: جب عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے ان کو اپنی قمیص عطا فرمائی اور فرمایا: اس قمیص میں اس کو کفن دینا، پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر کہا کہ آپ اس پر نماز پڑھ رہے ہیں؟ یہ تو منافق ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے، یا فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے! کہ آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں،

اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ﴾ (التوبہ:۸۴)

[طرف الحدیث:۴۶۷۰]

اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ (التوبہ:۸۰) پس آپ نے فرمایا: میں عنقریب ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت ابن عمر نے بتایا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل کی: اور جو ان میں سے مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ نافرمانی کی حالت میں مرے O (التوبہ:۸۴)

حدیث مذکور میں یہ تصریح ہے کہ عبداللہ بن ابی کفر پر مرا، پھر اس پر یہ اشکال ہے کہ آپ نے اس کے لئے استغفار کیوں کیا؟ اور اس کا جواب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ عبداللہ بن ابی کی موت کفر پر ہوئی، تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسے فرمایا کہ مجھے اس کے لئے استغفار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی نماز جنازہ کیسے پڑھائی؟ جس کی موت کفر پر ہوئی، ہر چند کہ یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت کی ہے لیکن اس حدیث میں یہ طعن ہے، اس وجہ سے حسب ذیل مشاہیر علماء اور محققین نے اس حدیث کی صحت کا انکار کیا ہے۔

(۱) قاضی ابوبکر نے کہا کہ اس حدیث کو قبول کرنا جائز نہیں ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۲) علامہ ابوبکر الباقلانی نے ''التقریب'' میں کہا کہ یہ حدیث احاد میں سے ہے، جس کے ثبوت کا یقین نہیں ہے۔

(۳) امام الحرمین نے اپنی مختصر میں کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور ''البرہان'' میں کہا: اس حدیث کو محدثین صحیح نہیں قرار دیتے۔

(۴) امام غزالی نے ''المستصفیٰ'' میں کہا: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۵) علامہ داؤدی نے کہا: یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان علماء نے یہ گمان کیا کہ قرآن مجید کی یہ آیت کہ: انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ لوگ فسق پر مر گئے، یہ آیت اس آیت کے ساتھ نازل ہوئی ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا استغفار نہ کریں، لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ آیت اس کے بعد نازل ہوئی ہے اور اب اعتراض اٹھ جاتا ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس استغفار سے ممانعت اس کے لئے ہے جو حالت شرک میں مرا اور یہ ممانعت اس کے لئے نہیں ہے جو اسلام کو ظاہر کرتا ہے اور چونکہ عبداللہ بن ابی اسلام کو ظاہر کرتا تھا، اس لئے اس کے لئے استغفار کی ممانعت نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ آپ کا یہ کلام عبداللہ بن ابی کے قبیلہ کی دلجوئی کے لئے تھا، ورنہ آپ کا یہ ارادہ نہیں تھا، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے

سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں اس کے لئے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی تقریر کی ہے، لیکن ان کا کلام بہت طویل اور غیر مرتب ہے اور علامہ عینی کی عبارت مختصر اور مرتب ہے اور تقریباً ہر حدیث کی شرح میں ان دونوں شارحین کا یہی اسلوب ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۲۳-۶۲۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۴۔ بَابٌ: سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَّمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (التوبہ: ۹۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان (کے جھوٹے بہانوں) سے صرف نظر کرو، پس تم ان کی طرف توجہ نہ کرو، بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، (یہ) ان کے ان کاموں کی سزا ہے، جو وہ کرتے تھے O (التوبہ: ۹۵) کی تفسیر

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس الرازی، ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت علی کو اپنے بعد خلیفہ بنایا اور ان کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ منافقین نے کہا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضی کی بناء پر اپنے ساتھ نہیں لے گئے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ راستہ میں آپ سے جا ملے اور منافقین کی باتوں سے آپ کو مطلع کیا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس گئے تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تھا اور میں نے اپنے پیچھے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو؟ کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے، ہاں! مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا استقبال کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سواری پر اپنے ساتھ بٹھایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ منافقین اور مخالفین پر لعنت فرمائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین سے فرمایا: ان کے ساتھ بات کرو، نہ ان کے ساتھ بیٹھو، اور ان سے اس طرح اعراض کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک وہ ناپاک ہیں: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کا باطن خبیث اور نجس ہے، اور ان کی روح ناپاک ہے اور جس طرح جسمانی نجاستوں سے احتراز کرنا واجب ہے، اسی طرح روحانی نجاستوں سے بھی احتراز کرنا واجب ہے تاکہ ان کی نجاستیں انسان میں سرایت نہ کر جائیں اور تاکہ ان کے برے کاموں کی طرف انسان کی طبیعت راغب نہ ہو۔

۴۶۷۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ عَبْدَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، از عقیل از ابن

اللهِ بْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوكَ وَاللهِ مَا أَنْعَمَ اللهُ عَلَيَّ مِنْ نِعْمَةٍ بَعْدَ إِذْ هَدَانِي أَعْظَمَ مِنْ صِدْقِي رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ لَا أَكُونَ كَذَبْتُهُ فَأَهْلِكَ كَمَا هَلَكَ الَّذِينَ كَذَبُوا حِينَ أُنْزِلَ الْوَحْيُ ﴿سَيَحْلِفُونَ بِاللهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ (التوبہ:۹۵) إِلَى قَوْلِهِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

شہاب از عبدالرحمٰن بن عبداللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن کعب بن مالک نے کہا کہ میں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا جب وہ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دینے کے بعد اس سے بڑی اور کوئی نعمت عطا نہیں کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولا اور اگر میں نے آپ سے جھوٹ بولا ہوتا تو میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا، جب وحی نازل ہوئی: جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم (ان کے جھوٹے بہانوں سے) صرف نظر کرو (التوبہ: ۹۵) یہ فاسقین تک ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۷۷ میں گزر چکی ہے۔

۱۵۔ بَابٌ: يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ:۹۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ تم کو راضی کرنے کے لئے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے، پس اگر تم ان سے راضی ہو (بھی) گئے تو اللہ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا O (التوبہ:۹۶) کی تفسیر

یہ آیت ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو قسمیں کھاتے تھے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، پس اگر تم بالفرض راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ تعالیٰ قوم فاسقین سے راضی نہیں ہوتا۔ فاسقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت سے اور اس کے رسول کی اطاعت سے خارج ہو گئے۔

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں کوئی تعلیق ذکر کی ہے، نہ کوئی حدیث روایت کی ہے۔

۱۶۔ بَابٌ: وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ:۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا، انہوں نے نیک کاموں کو دوسرے برے کاموں سے ملا دیا۔ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O (التوبہ:۱۰۲) کی تفسیر

بعض صالح مومنین کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا ذکر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے حال کی خبر دی تھی، جنہوں نے غزوۂ تبوک سے تکذیب کی وجہ سے اعراض کیا تھا، تو اب ان لوگوں کے حال کا بیان شروع کیا جو سستی کی وجہ سے اور راحت اور آرام کے میلان کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے، حالانکہ وہ مومن تھے اور حق کی تصدیق کرنے والے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ۔ (التوبہ: ۱۰۲) اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا۔

یعنی انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور اپنے رب کے سامنے اعتراف کیا اور ان کے دیگر اعمال صالحہ بھی تھے جو ان کے گناہوں کے ساتھ مل گئے تھے، تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عفو اور مغفرت کے تحت ہیں۔ یہ آیت اگرچہ ان خاص لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے مگر اس کا حکم ان تمام گناہ گاروں اور تمام خطا کاروں کو شامل ہے جن کے برے عمل بھی ہیں اور نیک عمل بھی ہیں۔ مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ بعض نے کہا: حضرت ابولبابہ کے ساتھ ان کے پانچ اصحاب تھے۔ بعض نے کہا: سات اصحاب تھے اور بعض نے کہا نو اصحاب تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۷۴)

۴۶۷۴۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ هُوَ ابْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَنَا أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ فَابْتَعَثَانِي فَانْتَهَيْنَا إِلَى مَدِينَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَلَبِنِ فِضَّةٍ فَتَلَقَّانَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ وَشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَاءٍ قَالَا لَهُمْ اذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذٰلِكَ النَّهْرِ فَوَقَعُوا فِيهِ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ فَصَارُوا فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَا لِي هٰذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ وَهٰذَاكَ مَنْزِلُكَ قَالَا أَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرٌ مِنْهُمْ حَسَنٌ وَشَطْرٌ مِنْهُمْ قَبِيحٌ فَإِنَّهُمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُمْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مؤمل نے حدیث بیان کی، اور وہ ابن ہشام ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابورجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس رات کو دو آنے والے آئے۔ ان دونوں نے مجھے بیدار کیا اور ہم ایسے شہر کے پاس پہنچے جو سونے کی اینٹوں اور چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا، پھر ہم سے کچھ لوگ ملے جو بہت حسین تھے کہ تم نے اتنے حسین لوگ نہ دیکھے ہوں گے اور کچھ اور لوگ ملے جو انتہائی بدشکل تھے۔ تم نے اتنے بدشکل لوگ نہ دیکھے ہوں گے۔ ان دونوں آنے والوں نے ان سے کہا: جاؤ اس دریا میں کود جاؤ، سو وہ دریا میں کود گئے، پھر وہ ہماری طرف لوٹ کر آئے تو ان کی بدصورتی ان سے ختم ہو چکی تھی، پس وہ انتہائی حسین صورت میں ہو گئے۔ ان دونوں نے مجھے کہا: وہ لوگ جن میں سے آدھے حسین تھے اور آدھے بدشکل تھے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ

برے اعمال ملا لئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۸۴ میں گزر چکی ہے، تاہم کچھ وضاحت مزید کی جارہی ہے:

دو آنے والے آئے: وہ فرشتے تھے۔

پس انہوں نے مجھے بیدار کیا: یعنی نیند سے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۷۵)

۱۷۔ بَابٌ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ (التوبہ: ۱۱۳) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔ (التوبہ: ۱۱۳) کی تفسیر

قتادہ نے کہا: ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ مردوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے نبی! ہمارے آباء واجداد میں سے ایسے لوگ تھے جو پڑوسیوں سے حسن سلوک کرتے تھے، رشتہ داروں سے مل جل کر رہتے تھے، قیدیوں کو چھڑاتے تھے اور لوگوں کے حقوق ادا کرتے تھے۔ کیا آپ ان کے لئے استغفار نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میں اپنے باپ کے لئے ضرور استغفار کروں گا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔ (التوبہ: ۱۱۳) یہ آیت اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ تک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔ آپ نے کہا: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی: اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس سے ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ (التوبہ: ۱۱۴) اور علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ لوگ اپنے فوت شدہ رشتہ داروں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تھے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے رک گئے، اور زندوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے نہیں منع کیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۷۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء اور امہات مومن تھے

میں کہتا ہوں کہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب غیر نبی یا غیر معصوم کے لئے استغفار کیا جائے تو اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے گناہ کبیرہ کئے ہوں گے۔ اور صحیح مسلم: ۹۷۶ میں یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو اس کی آپ کو اجازت دی گئی، حالانکہ کفار کی قبروں پر آپ کو کھڑے ہونے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ کافرہ نہیں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور آپ کے تمام آباء اور امہات مومن تھے۔ علامہ عینی نے اس مسئلہ پر کچھ نہیں لکھا، اس لیے کہ یہ مسئلہ بعد کے متاخرین پر منکشف ہوا ہے جب کہ ان کی حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے لئے نہیں بلکہ اپنے چچا ابو طالب کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ کیا تھا اور یہی التوبہ: ۱۱۳ کا شان نزول ہے۔

۴۶۷۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ أَيْ عَمِّ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ فَنَزَلَتْ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝﴾ (التوبہ: ۱۱۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از زہری از سعید بن المسیب از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ جب ابو طالب پر وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس نبی ﷺ آئے اور اس کے پاس اس وقت ابوجہل تھا اور عبداللہ بن ابو امیہ تھا، پس نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: آپ کہیے: لا الٰہ الا اللہ، میں اس کلمہ کی وجہ سے آپ کے لئے اللہ کے پاس شفاعت کروں گا، تو ابوجہل اور عبداللہ بن ابو امیہ نے کہا: اے ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: میں آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (مشرکین) دوزخی ہیں ○ (التوبہ: ۱۱۳)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۱۳۶۰ میں گزر چکی ہے۔

ابو طالب کا نام عبد مناف ہے اور ابوجہل کا نام عمرو بن ہشام المخزومی ہے اور عبداللہ بن ابی امیہ المخزومی فتح مکہ کے سال اسلام لے آئے تھے۔

میں اللہ کے پاس آپ کی شفاعت کروں گا: علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کو زندہ کیا، پس وہ آپ پر ایمان لائے اور علامہ سہیلی نے ''الروض الانف'' میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی والدہ کو اور آپ کے والد کو زندہ کیا، پس وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۷۶)

میں کہتا ہوں: ابو طالب کے ایمان کی پوری تحقیق ان شاء اللہ میں سورۃ القصص کی تفسیر میں بیان کروں گا۔

۱۸۔ بَابٌ: لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۱۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ نے نبی کی توبہ قبول فرمائی، اور مہاجرین اور انصار کی جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جب کہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہ ان پر نہایت مہربان بہت رحم والا ہے ○

(التوبہ:۱۱۷) کی تفسیر

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبہ قبول کرنے کے محامل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بے شک اللہ نے نبی کی توبہ قبول کی: یہ آیت اس طرح ہے جس طرح یہ آیت ہے: اور تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام بخش دے۔ (الفتح:۲) اور جیسے یہ آیت ہے: اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کے لئے استغفار کیجئے۔ (المومن:۵۵) اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے مومنین کو توبہ اور استغفار کرنے پر برانگیختہ کیا۔ اور بے شک ہر مومن توبہ اور استغفار کی طرف محتاج ہے، حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین کو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی جو اجازت دی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبہ کا ذکر بطور تمہید کیا گیا ہے۔ تنگی کے وقت میں: اس وقت بہت تنگی تھی اور سختی تھی۔ حضرت جابر نے بتایا کہ سواریوں کی تنگی تھی اور زادراہ کی تنگی تھی اور مال کی تنگی تھی، اور مجاہد وغیرہ نے کہا: یہ آیت غزوۂ تبوک کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ صحابہ اس غزوہ میں سخت گرمی کے موسم میں نکلے تھے اور زادراہ اور پانی کی بہت تنگی تھی۔ قتادہ نے کہا کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ دو آدمی ایک کھجور کے دو ٹکڑے کرتے اور اس کو آپس میں تقسیم کر لیتے اور لوگ باری باری ایک کھجور کو چوستے، پھر اس کے اوپر پانی پی لیتے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، پھر ان کو اس غزوہ سے واپس لوٹا دیا۔

جب کہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ایک گروہ کے دل بل جائیں: یعنی غزوۂ تبوک میں جو سختی اور مشقت انہیں برداشت کرنی پڑی تھی اس کی وجہ سے ہوسکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں ان کو شک پڑ جاتا۔

پھر اس کے بعد اللہ نے ان کی توبہ قبول کی: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف رجوع اور اپنے دین کے اوپر ثابت قدمی عطا فرمائی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۷۷-۳۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۶۷۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ ح قَالَ أَحْمَدُ وَحَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ كَعْبٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فِي حَدِيثِهِ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا قَالَ فِي آخِرِ حَدِيثِهِ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللّٰهِ وَإِلَى رَسُولِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی۔ (ح) احمد نے کہا: اور ہمیں عنبسہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی، از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمن بن کعب نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن کعب نے خبر دی اور وہ حضرت کعب کے بیٹوں میں سے ان کے قائد تھے، جب وہ نابینا ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت کعب بن مالک سے ان کی حدیث میں سنا: اور ان تین آدمیوں پر جو پیچھے رہ گئے تھے۔ اور حضرت کعب نے اس حدیث کے آخر میں کہا کہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنا سارا مال خالی کر کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ کر دوں۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنا بعض مال اپنے پاس رکھو وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۷۶ میں گزر چکی ہے۔
حضرت کعب بن مالک کے تین بیٹے تھے: عبداللہ، عبدالرحمٰن اور عبیداللہ، اور وہ تینوں اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

۱۹۔ بَابٌ: وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (التوبہ:۱۱۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تا کہ وہ توبہ پر قائم رہیں، بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O (التوبہ:۱۱۸) کی تفسیر

ان تین کا بیان، جو پیچھے رہ گئے تھے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی، جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا: ان تینوں کے نام یہ ہیں: حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارہ بن الربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم، یہ تینوں دوسرے مجاہدین کے ساتھ تبوک کی طرف نہیں گئے اور مدینہ میں ان سے پیچھے رہ گئے تھے۔
زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی: یعنی اس زمین میں ان کو کوئی ایسی جگہ نہیں ملی، جس میں ان کے بے قرار دل کو قرار آتا اور سکون ملتا۔
اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں: یعنی ان کے دلوں میں نہ کوئی انس تھا اور نہ کوئی سرور۔
اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے: یعنی انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے صرف اس کی طرف توبہ اور استغفار کرنے سے پناہ ملے گی، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی: یعنی اللہ تعالیٰ نے دوسری بار ان کی طرف قبول اور رحمت کے ساتھ رجوع فرمایا۔
تا کہ وہ توبہ پر قائم رہیں: تا کہ وہ اپنی توبہ پر مستقیم اور ثابت قدم رہیں اور اگر ان سے مستقبل میں پھر کوئی خطا ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۷۷)

۴۶۷۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي شُعَيْبٍ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَعْيَنَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ رَاشِدٍ أَنَّ الزُّهْرِيَّ حَدَّثَهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن ابی شعیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن اعین نے حدیث بیان کی، انہوں

بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ وَهُوَ أَحَدُ الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ تِيبَ عَلَيْهِمْ أَنَّهُ لَمْ يَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللهِ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا قَطُّ غَيْرَ غَزْوَتَيْنِ غَزْوَةِ الْعُسْرَةِ وَغَزْوَةِ بَدْرٍ قَالَ فَأَجْمَعْتُ صِدْقِي رَسُولَ اللهِ ضُحًى وَكَانَ قَلَّمَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ سَافَرَهُ إِلَّا ضُحًى وَكَانَ يَبْدَأُ بِالْمَسْجِدِ فَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ وَنَهَى النَّبِيُّ عَنْ كَلَامِي وَكَلَامِ صَاحِبَيَّ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ كَلَامِ أَحَدٍ مِنَ الْمُتَخَلِّفِينَ غَيْرِنَا فَاجْتَنَبَ النَّاسُ كَلَامَنَا فَلَبِثْتُ كَذَلِكَ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ الْأَمْرُ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَهَمُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَمُوتَ فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ النَّبِيُّ أَوْ يَمُوتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَكُونَ مِنَ النَّاسِ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ فَلَا يُكَلِّمُنِي أَحَدٌ مِنْهُمْ وَلَا يُصَلِّي وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيَّ فَأَنْزَلَ اللهُ تَوْبَتَنَا عَلَى نَبِيِّهِ ﷺ حِينَ بَقِيَ الثُّلُثُ الْآخِرُ مِنَ اللَّيْلِ وَرَسُولُ اللهِ عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مُحْسِنَةً فِي شَأْنِي مَعْنِيَّةً فِي أَمْرِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا أُمَّ سَلَمَةَ تِيبَ عَلَى كَعْبٍ قَالَتْ أَفَلَا أُرْسِلُ إِلَيْهِ فَأُبَشِّرَهُ قَالَ إِذًا يَحْطِمَكُمُ النَّاسُ فَيَمْنَعُونَكُمُ النَّوْمَ سَائِرَ اللَّيْلَةِ حَتَّى إِذَا صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ آذَنَ بِتَوْبَةِ اللهِ عَلَيْنَا وَكَانَ إِذَا اسْتَبْشَرَ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتَّى كَأَنَّهُ قِطْعَةٌ مِنَ الْقَمَرِ وَكُنَّا أَيُّهَا الثَّلَاثَةُ الَّذِينَ خُلِّفُوا عَنِ الْأَمْرِ الَّذِي قُبِلَ مِنْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ اعْتَذَرُوا حِينَ أَنْزَلَ اللهُ لَنَا التَّوْبَةَ فَلَمَّا ذُكِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا رَسُولَ اللهِ مِنَ الْمُتَخَلِّفِينَ وَاعْتَذَرُوا بِالْبَاطِلِ ذُكِرُوا بِشَرِّ مَا ذُكِرَ بِهِ أَحَدٌ قَالَ اللهُ سُبْحَانَهُ ﴿يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ﴾ (التوبہ: ۹۴) الْآيَةَ

نے کہا: ہمیں اسحاق بن راشد نے حدیث بیان کی کہ بے شک زہری نے ان کو حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب بن مالک نے خبر دی از والد خود، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ ان تین میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول کی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس غزوہ میں بھی جہاد کے لئے گئے وہ ان میں سے کسی غزوہ میں آپ سے پیچھے نہیں رہے سوائے دو غزووں کے، ایک تنگی کا غزوہ تھا اور دوسرا غزوۂ بدر تھا۔ انہوں نے کہا: جب چاشت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس پہنچے تو میں نے آپ سے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور بہت کم آپ کسی سفر سے چاشت کے وقت واپس آتے تھے، آپ مسجد سے ابتداء کرتے تھے، پس وہاں دو رکعت نماز پڑھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اور میرے دو صاحبوں سے لوگوں کو کلام کرنے سے منع فرما دیا تھا اور ہمارے علاوہ دوسرے پیچھے رہنے والوں میں سے کسی کے ساتھ کلام کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا، پس لوگوں نے ہمارے ساتھ کلام کرنے سے اجتناب کیا، پس میں اس حال پر ٹھہرا رہا حتیٰ کہ کافی طویل عرصہ گزر گیا۔ اور میرے نزدیک سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ میں مر جاؤں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری نماز جنازہ نہ پڑھیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کی وفات ہو جائے اور میں لوگوں سے اسی طرح الگ تھلگ رہوں، پس مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرے گا اور نہ میری نماز جنازہ پڑھے گا، اور نہ مجھے سلام کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہماری توبہ نازل کی جس وقت رات کا تہائی حصہ باقی رہ گیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ اور حضرت ام سلمہ میرے متعلق بہت نیکی کرنے والی تھیں اور میرے معاملہ میں بہت مدد کرنے والی تھیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلمہ! کعب کی توبہ قبول کر لی گئی ہے، تو انہوں نے کہا: کیا میں ان کی طرف کسی کو بھیج کر یہ پیغام نہ دوں اور ان کو یہ خوش خبری نہ سناؤں؟ آپ نے فرمایا: اس وقت تمہیں لوگ

روند ڈالیں گے اور تمہیں ساری رات نیند نہیں آ سکے گی، حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی تو آپ نے یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمالی ہے اور جب آپ خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ یوں چمکنے لگتا تھا جیسا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ جو لوگ ہم تین کے علاوہ پیچھے رہ گئے تھے ان کا عذر قبول کر لیا گیا تھا اور ہم تینوں کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ نازل کی، پس جب ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جو پیچھے رہ جانے والے تھے، اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا تھا، اور جھوٹا عذر پیش کیا تھا تو ان کا ذکر اتنی برائی کے ساتھ کیا گیا تھا جتنی برائی کے ساتھ کسی کا ذکر نہیں کیا گیا ہوگا۔ اللہ سبحانہ نے ان کے متعلق فرمایا: (اے مسلمانو!) جب تم ان (منافقین) کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے بہانے بنائیں گے، (اے رسول مکرم!) آپ کہیے کہ تم بہانے نہ بناؤ، ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے، اللہ نے ہم کو تمہارے حالات سے مطلع کر دیا ہے اور اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے (طرز) عمل کو دیکھے گا۔ (التوبہ: ۹۴)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۵۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ: یعنی منافقین جب مدینہ آئیں گے تو تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم غزوۂ تبوک سے واپس آؤ گے۔

قد نبأنا الله: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے راز کی خبر دی ہے اور جن باتوں کو تم اپنے سینوں میں چھپاتے تھے، ان کی خبر دے دی ہے، اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول دیکھیں گے کہ تم آئندہ کیا کام کرتے ہو کہ آیا تم اپنے نفاق سے توبہ کرتے ہو، یا اس پر قائم رہتے ہو؟ اور تم موت کے بعد عالم الغیب والشہادہ کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے تو وہ تم کو خبر دے گا کہ تم ظاہر اور پوشیدہ اور جلوت اور خلوت میں کیا کام کرتے رہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۷۹)

۲۰۔ بَابٌ: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ (التوبہ: ۱۱۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور (ہمیشہ) سچوں کے ساتھ رہو O (التوبہ: ۱۱۹) کی تفسیر

یہ آیت التوبہ: ۱۱۸ کے بعد ہے جس میں یہ بتایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اصحاب پر جو تنگی اور تکلیف آئی اور مسلمانوں نے ان سے پچاس راتوں تک قطع تعلق رکھا۔ انہوں نے اس پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سچ بولنے کے سبب ان کو اس مصیبت سے

نجات عطا فرمائی اور ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کے تقویٰ کے سبب سے ان کو نجات عطا فرمائی تو اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہنے کو لازم کرلو تا کہ تم کو بھی مصائب سے نجات ملے اور اللہ تعالیٰ تمہاری تنگی کو کشادگی سے بدل دے۔

۴۶۷۸۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ قِصَّةِ تَبُوكَ فَوَاللهِ مَا أَعْلَمُ أَحَدًا أَبْلَاهُ اللهُ فِي صِدْقِ الْحَدِيثِ أَحْسَنَ مِمَّا أَبْلَانِي مَا تَعَمَّدْتُ مُنْذُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى يَوْمِي هٰذَا كَذِبًا وَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى رَسُولِهِ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبہ:۱۱۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، از عقیل از ابن شہاب از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک از عبداللہ بن کعب بن مالک جو حضرت کعب بن مالک کو راستہ دکھاتے تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ جب تبوک کے قصے میں وہ پیچھے رہ گئے تھے تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں کسی شخص کو نہیں جانتا جس کو اللہ تعالیٰ نے سچی بات بیان کرنے کی وجہ سے اس سے اچھی جزا دی ہو، جس میں میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس سچی بات کا ذکر کیا اس وقت سے لے کر اب تک میں نے عمداً جھوٹ نہیں بولا اور اللہ عزوجل نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل کی: بے شک اللہ نے نبی کی اور مہاجرین کی توبہ قبول فرمائی اور یہ آیت یہاں تک ہے: اور سچوں کے ساتھ رہو O (التوبہ:۱۱۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۵۷ میں گزر چکی ہے۔

۲۱۔بَابٌ: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:۱۲۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں، مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں O (التوبہ:۱۲۸) کی تفسیر

التوبہ:۱۲۸ میں نبی ﷺ کے فضائل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مِنْ اَنْفُسِهِمْ: یعنی ہم نے مومنین کی جنس سے اور ان کی زبان سے ایک رسول بھیجا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔(البقرہ:۱۲۹) اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیج دے۔

اور ایک قراءت میں ہے: مِنْ اَنْفَسِكُمْ اور یہ نفاست سے ماخوذ ہے، یعنی تم میں جو سب سے زیادہ نفاست والے اور سب سے زیادہ شرف والے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کی قراءت ہے، اور حضرت سیدہ فاطمہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما

کی قراءت ہے۔

عَزِيْزٌ عليه ما عَنِتُّمْ: یعنی جو کام تم پر دشوار ہے، وہ ان پر شاق ہے۔ عَنِتُّمْ، عَنَتٌ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: مشقت۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے: آپ پر یہ شاق گزرتا ہے کہ تم دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ اس آیت میں سیدنا رسول اللہ ﷺ کی چھ صفات ہیں:

(۱) رسالت (۲) نفاست (۳) عزت (۴) اپنی امت کی طرف دنیا اور آخرت کی خیر پہنچانے کی حرص (۵) رأفت یعنی مہربانی (۶) رحمت۔ حسین بن الفضل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے لئے اپنے نام سے دو نام نہیں بنائے سوائے ہمارے نبی ﷺ کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کا نام رؤف اور رحیم رکھا ہے، کیونکہ فرمایا ہے:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۲۸)

اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی رؤف و رحیم ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۱۴۳، الحج: ۶۵)۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مِنَ الرَّأْفَةِ: یعنی رؤف، رَأْفَةٌ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: بہت زیادہ رحمت کرنے والا۔

۴۶۷۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ رضي الله عنه وَكَانَ مِمَّنْ يَكْتُبُ الْوَحْيَ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ وَعِنْدَهُ عُمَرُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِالنَّاسِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ فِي الْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنْ تَجْمَعُوهُ وَإِنِّي لَأَرَى أَنْ تَجْمَعَ الْقُرْآنَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ قُلْتُ لِعُمَرَ كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ عُمَرُ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي فِيهِ حَتَّى شَرَحَ اللهُ لِذَلِكَ صَدْرِي وَرَأَيْتُ الَّذِي رَأَى عُمَرُ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعُمَرُ عِنْدَهُ جَالِسٌ لَا يَتَكَلَّمُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ وَلَا نَتَّهِمُكَ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفَنِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابن السباق نے خبر دی کہ حضرت زید بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ اور یہ ان صحابہ میں سے تھے جو وحی لکھتے تھے، نے بیان کیا کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا جن دنوں اہل یمامہ سے لڑائی ہوئی تھی اور ان کے پاس اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ یمامہ کی جنگ میں بہت زیادہ مسلمان شہید ہو گئے ہیں اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ مختلف علاقوں کی جنگوں میں قرآن مجید کے مزید قاری شہید ہوتے رہیں گے تو اکثر قرآن جاتا رہے گا سوا اس کے کہ آپ اس کو کسی مصحف میں جمع کر لیں اور میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کریں۔ حضرت ابوبکر نے بتایا کہ میں نے حضرت عمر سے کہا: میں وہ کام کیسے کروں جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تو حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! اس کام میں خیر ہے، پھر حضرت عمر مجھ سے مسلسل اس کام کے لئے بات کرتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا سینہ کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہو گئی جو حضرت عمر کی رائے تھی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے

أَزَلْ أُرَاجِعُهُ حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ اللهُ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَقُمْتُ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَافِ وَالْعُسُبِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ حَتَّى وَجَدْتُ مِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ مَعَ خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ﴾(التوبہ:۱۲۸) إِلَى آخِرِهِمَا وَكَانَتِ الصُّحُفُ الَّتِي جُمِعَ فِيهَا الْقُرْآنُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ تَابَعَهُ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ وَاللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ وَقَالَ مُوسَى عَنْ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ وَتَابَعَهُ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ وَقَالَ أَبُو ثَابِتٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ وَقَالَ مَعَ خُزَيْمَةَ أَوْ أَبِي خُزَيْمَةَ۔

کہا: حضرت عمر بھی اس وقت وہیں بیٹھے ہوئے تھے اور کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ پس حضرت ابوبکر نے کہا: تم جوان مرد ہو اور عقل مند ہو اور ہم تم پر کوئی تہمت نہیں لگاتے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھتے تھے، پس تم قرآن مجید کو تلاش کرو اور اس کو جمع کرو۔ حضرت زید نے کہا: پس اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ مجھ پر اتنا بھاری نہ ہوتا جتنا مجھ پر یہ بھاری تھا کہ انہوں نے مجھے قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ میں نے کہا: آپ دونوں وہ کام کیسے کریں گے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، تو حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! اس کام میں خیر ہے، پھر میں ان سے مسلسل اس سلسلہ میں بات کرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا جس کام کے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا سینہ کھولا تھا، پھر میں کھڑا ہوا اور میں نے قرآن مجید کو تلاش کیا۔ میں قرآن مجید کو چمڑوں سے اور چوڑی ہڈیوں سے اور کھجور کی چوڑی شاخوں سے اور مردوں کے سینوں سے جمع کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے سورۂ توبہ کی دو آیتوں کو حضرت خزیمہ انصاری کے پاس پایا اور میں نے ان آیتوں کو ان کے سوا کسی اور کے پاس نہیں پایا۔ وہ آیتیں یہ ہیں: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ (التوبہ:۱۲۸) ان آیتوں کو آخر تک پڑھیں۔ اور وہ صحیفے جن کو قرآن مجید میں جمع کیا گیا حضرت ابوبکر کے پاس تھے حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی تو پھر وہ صحیفے حضرت عمر کے پاس تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی وفات دے دی تو پھر وہ صحیفے حضرت حفصہ بنت عمر کے پاس تھے۔ شعیب کی متابعت عثمان بن عمر اور لیث نے کی ہے از یونس از ابن شہاب اور لیث نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن خالد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، اس میں خزیمہ کی جگہ ابوخزیمہ انصاری کا ذکر ہے اور موسیٰ نے کہا: از ابراہیم ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی، ابوخزیمہ کے ساتھ اس حدیث کی یعقوب بن ابراہیم نے متابعت کی ہے از والد خود اور ابوثابت نے کہا: ہمیں ابراہیم نے

حدیث بیان کی اور کہا خزیمہ کے ساتھ یا ابوخزیمہ کے ساتھ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۰۷ میں گزر چکی ہے، تاہم کچھ ضروری امور بیان کئے جا رہے ہیں:

حضرت ابوبکر کے قرآن جمع کرنے اور حضرت عثمان کے قرآن مجید جمع کرنے کا فرق اور بعض دیگر مسائل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

مقتل اهل یمامہ: جن ایام میں صحابہ نے مسیلمہ کذاب سے قتال کیا تھا، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ قتال گیارہ ہجری میں ہوا تھا اور یمامہ یمن کا ایک شہر ہے۔

استحر: جب بہت شدت سے اور بہت کثرت سے قتال ہوا۔ اس جنگ میں گیارہ سو مسلمان شہید کر دیئے گئے تھے اور ایک قول ہے کہ چودہ سو مسلمان شہید کر دیئے گئے تھے۔ ان میں ستر ایسے مسلمان تھے، جو قرآن مجید کے حافظ تھے۔

فی المواطن: یعنی ان جگہوں میں جہاں مسلمان جہاد کریں گے، اور قرآن مجید کے حفاظ وہاں شہید ہو جائیں گے۔

میں کیسے وہ کام کروں جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا: علامہ ابن جوزی نے کہا ہے: یہ ایسے شخص کا کلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اختیار کرتا ہے اور بدعت کے ارتکاب سے ڈرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں قرآن مجید کو اس لئے جمع نہیں کیا تھا کہ ان دنوں مسلسل وحی نازل ہوتی رہتی تھی اور بعض آیتیں منسوخ ہو جاتی تھیں، اور بعض آیات میں اضافہ ہو جاتا تھا، اس لئے آپ کی حیات میں قرآن مجید کو جمع کرنا ممکن نہ تھا، تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور اب یہ احتمال نہ تھا کہ کوئی آیت منسوخ ہو جائے گی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کا اہتمام کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید میں کوئی کارروائی نہیں کی۔ انہوں نے وہ مصحف منگوایا جو ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھا ہوا تھا اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبداللہ بن الحارث بن ہشام اور حضرت سعید بن العاص اور حضرت ابی بن کعب اور دیگر قریش اور انصار کے بارہ مردوں کو یہ حکم دیا کہ وہ حضرت حفصہ کے مصحف کے مطابق نقول تیار کریں اور ان نقول کو مختلف شہروں میں بھیج دیا، کیونکہ حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو یہ خبر دی تھی کہ لوگ قرآن مجید میں اختلاف کر رہے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو سات قراءتوں میں پڑھنے کی اجازت دی تھی، پس جب کوئی شخص ایک قراءت کے مطابق قرآن پڑھتا تو دوسرا شخص اس کی تغلیط کرتا، کیونکہ وہ دوسری قراءت کے مطابق قرآن پڑھتا تھا، اس لئے حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو لکھا کہ اس سے پہلے کہ یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف کرنے لگے آپ اس کی کوئی تدبیر کر لیجئے۔ تب حضرت عثمان نے یہ کارروائی کی، پھر جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی تو مروان بن الحکم نے ان مصاحف کو دھو ڈالا اور یہ کہا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ ان مصاحف میں کوئی ایسی چیز ہو جو حضرت عثمان کے لکھے ہوئے مصاحف کے خلاف ہو۔ یہ کام حضرت عثمان نے کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کام نہیں کیا، اس لئے کہ حضرت ابوبکر کی غرض یہ تھی کہ قرآن مجید کو ان جمیع حروف اور ان جمیع طرق سے جمع کیا جائے جن پر وہ نازل ہوا اور یہ لغت قریش پر بھی تھا اور دوسری لغت پر بھی تھا اور حضرت عثمان کی غرض یہ تھی کہ قرآن مجید کو لغت قریش کے علاوہ باقی قراءت سے خالی کر لیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کا قرآن کو جمع کرنا اور ہے اور حضرت عثمان کا قرآن مجید کو جمع کرنا اور ہے۔

اور اللہ کی قسم! اس کام میں خیر ہے: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابوبکر کا قرآن مجید کو جمع کرنا نیک کام تھا اور اس میں خیر تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیر کو کیسے ترک کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جمع قرآن کا خیر ہونا حضرت ابوبکر کے زمانے میں ہے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید کو جمع کرنا خیر نہیں تھا، کیونکہ اس وقت تک تمام قرآن نازل نہیں ہوا تھا اور بعض آیات کے منسوخ ہونے کا احتمال قائم تھا۔

تم جوان مرد ہو: حضرت ابوبکر نے یہ کلام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کیا تھا اور ان کو جوان اس لئے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو ان کی عمر گیارہ سال تھی اور جب حضرت ابوبکر نے ان سے اپنی خلافت میں کلام کیا تو ان کی عمر تقریباً بائیس (۲۲) سال تھی اور یہ ایام شباب ہیں۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھتے تھے: حضرت زید بن ثابت کا وحی لکھنا، ان کی انتہائی امانت پر دلیل ہے اور کیوں نہ ہو کہ وہ افاضل صحابہ میں سے ہیں اور اصحاب الفتویٰ میں سے ہیں۔

پس میں نے قرآن مجید کو تلاش کیا: اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت زید بن ثابت قرآن مجید کے حافظ تھے تو پھر ان کی تلاش اور تتبع کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت ساتوں قراءتوں کو تلاش کرتے تھے اور اپنی قراءت کے علاوہ دوسری قراءتوں کا بھی تتبع کرتے تھے۔

الرقاع، الکتاف اور اَلْعَسَبْ: رِقَاعْ، رُقْعَةٌ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: چمڑے کا ٹکڑا اور الاکتاف، کتف کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: چوڑی ہڈی اور اَلْعَسَبْ اس کا معنی ہے: کھجور کی چوڑی شاخ۔

حضرت خزیمہ الانصاری کے ساتھ: یہ حضرت خزیمہ بن ثابت بن الفاکہہ الانصاری ہیں جو صاحب شہادتین تھے۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور سینتیس (۳۷) ہجری میں اس دن شہید کر دیئے گئے۔

میں نے ان دو آیتوں کو حضرت خزیمہ کے سوا کسی کے پاس نہیں پایا: اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ توبہ کی آخری دو آیتیں صرف حضرت خزیمہ کے قول سے ثابت ہوئیں، حالانکہ قرآن مجید کے ثبوت کے لئے تو نقل متواتر ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ توبہ کی یہ دو آیتیں ان سب کو نقل متواتر سے معلوم تھیں اور ان سب کو حفظ تھیں۔ انہیں اس کی تلاش تھی کہ انہیں اس پر دو گواہیاں مل جائیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کو لکھوایا تھا، کیونکہ وہ مصحف میں کسی آیت کو اس وقت لکھتے تھے جب اس پر کم از کم دو گواہیاں مل جاتیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا اور سورۂ توبہ کی ان آخری دو آیتوں کے متعلق صرف حضرت خزیمہ کی شہادت ملی، پھر جب ان کو یہ بتایا گیا کہ حضرت خزیمہ کی شہادت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا ہے، تو وہ مطمئن ہو گئے اور انہوں نے ان دو آیتوں کو سورۂ توبہ کے آخر میں لکھ دیا۔

حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دینے کے متعلق حدیث میں صراحت

عمارہ بن خزیمہ کے چچا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مہلت طلب کی تاکہ گھوڑے کی قیمت لے کر آئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی گھوڑے کی قیمت لینے گئے۔ اس اعرابی نے اس کو تاخیر سمجھا، پھر دوسرے لوگ اس اعرابی سے اس گھوڑے کی قیمت لگانے لگے اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں، پھر اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا: اگر آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں۔ آپ نے اس اعرابی کی بات سن کر فرمایا: کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس اعرابی نے کہا: نہیں خدا کی قسم! میں نے آپ کو یہ نہیں فروخت کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں۔ اس اعرابی نے کہا: اچھا پھر آپ گواہ لائیں۔ حضرت خزیمہ بن ثابت نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا آپ کو فروخت کر دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت خزیمہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تم کس وجہ سے گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیونکہ میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہیوں کے برابر قرار دیا۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۳۶۰۷، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۴۶۶۱، طبقات الکبری، رقم الحدیث: ۵۸۴، المعجم الکبیر، رقم الحدیث: ۳۷۳۰، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۳۲۰، المستدرک، ج ۲ ص ۱۸، سنن کبریٰ، ج ۱۰ ص ۱۴۶، تہذیب تاریخ دمشق، ج ۵ ص ۱۳۶، کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۷۰۳۸، الاصابہ، رقم الحدیث: ۲۲۵۶، اسد الغابہ، رقم الحدیث: ۱۴۴۶)

سورۂ توبہ کی تفسیر یہاں ختم ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورۂ یونس کی تفسیر شروع ہو گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

١٠۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ يُوْنُسَ

سورۂ یونس کی تفسیر

سورۂ یونس کا تعارف

ابوالعباس نے ''مقامات التنزیل'' میں لکھا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس میں ایک آیت ہے جس کے متعلق کلبی نے ذکر کیا ہے کہ وہ آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ (یونس: ٦٤) اور ہم تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ سورۂ یونس میں اس کے سوا کوئی اور مدنی آیت ہے اور تفسیر ابن النقیب میں الکلبی سے منقول ہے کہ سورۂ یونس مکی ہے سوا اس آیت کے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ (یونس: ٤٠) مقاتل نے کہا ہے: سورۂ یونس مکی ہے سوا ان دو آیتوں کے: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۙ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (یونس: ٩٥۔ ٩٤) یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں۔ اور تفسیر ابن مردویہ میں مذکور ہے کہ مشہور یہ ہے کہ پہلی آیت مکی ہے اور دوسری آیت مدنی ہے۔ سورۂ یونس میں ایک سو نو (١٠٩) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ١٨ ص ٣٨٥)

١۔ بَابٌ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاخْتَلَطَ (یونس: ٢٤) فَنَبَتَ بِالْمَاءِ مِنْ كُلِّ لَوْنٍ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ (یونس: ٦٨) وَقَالَ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ (یونس: ٢) مُحَمَّدٌ ﷺ وَقَالَ مُجَاهِدٌ خَيْرٌ يُقَالُ تِلْكَ اٰيٰتُ (یونس: ١) يَعْنِي هٰذِهِ أَعْلَامُ الْقُرْآنِ وَمِثْلُهُ حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ (یونس: ٢٢) بِهِمْ الْمَعْنَى بِكُمْ يُقَالُ دَعْوٰىهُمْ (یونس: ١٠) دُعَاؤُهُمْ أُحِيْطَ بِهِمْ (یونس: ٢٢) دَنَوْا مِنَ الْهَلَكَةِ وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ (البقرہ: ٨١) فَاَتْبَعَهُمْ (یونس: ٩٠) وَأَتْبَعَهُمْ وَاحِدٌ عَدْوًا (یونس: ٩٠) مِنَ الْعُدْوَانِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ (یونس: ١١) قَوْلُ الْإِنْسَانِ لِوَلَدِهِ وَمَالِهِ إِذَا

باب

اور حضرت ابن عباس نے کہا: فَاخْتَلَطَ (یونس: ٢٤) اس کا معنی ہے: بارش نازل ہونے کی وجہ سے ہر قسم کا سبزہ اگا۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ (یونس: ٦٨) یعنی عیسائیوں نے کہا: اللہ نے بیٹا بنالیا ہے۔ وہ اس سے پاک ہے اور بے پرواہ ہے۔ اور زید بن اسلم نے کہا: اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ (یونس: ٢) اس سے مراد (سیدنا) محمد ﷺ ہیں، اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد خیر ہے۔ کہا جاتا ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ (یونس: ١) یعنی یہ قرآن کی نشانیاں ہیں، اور اسی کی مثل یہ آیت ہے: حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ (یونس: ٢٢) اس آیت میں بِهِمْ، بِكُمْ کے معنی میں ہے۔ دَعْوٰىهُمْ (یونس: ١٠) کا معنی ہے: ان کی دعا۔ أُحِيْطَ بِهِمْ (یونس: ٢٢) یعنی وہ ہلاکت کے قریب آ پہنچے۔ وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ (البقرہ: ٨١) یعنی ان کو ان کے گناہوں

غَضِبَ اللّٰهُمَّ لَا تُبَارِكْ فِيهِ وَالْعَنْهُ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ (یونس:۱۱) لَأُهْلِكَ مَنْ دُعِيَ عَلَيْهِ وَلَأَمَاتَهُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى (یونس:۲۶) مِثْلُهَا حُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ (یونس:۲۶) مَغْفِرَةٌ وَرِضْوَانٌ وَقَالَ غَيْرُهُ النَّظَرُ اِلٰى وَجْهِهِ الْكِبْرِيَآءُ (یونس:۷۸) الْمُلْكُ۔

نے گھیر لیا۔ فَاَتْبَعَهُمْ (یونس:۹۰) اور اَتْبَعَهُمْ کا ایک معنی ہے، عَدْوًا (یونس:۹۰) یہ عدوان یعنی سرکشی سے ماخوذ ہے۔ اور مجاہد نے کہا: يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ (یونس:۱۱) اگر اللہ لوگوں کے لئے شر کو جلدی نازل کر دیتا جس طرح وہ خیر کو جلدی طلب کرتے ہیں۔ یہ اس طرح ہے جب انسان اپنے بیٹے یا مال پر غضب ناک ہو کر کہتا ہے: اے اللہ! اس میں برکت نہ ڈال اور اس پر لعنت کر۔ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ (یونس:۱۱) یعنی جس کے خلاف دعا کی گئی، وہ ہلاک ہو گیا اور اس کو مار دیا۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى (یونس:۲۶) یعنی جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لیے مغفرت ہے، اور اللہ کی خوشنودی ہے۔ زِيَادَةٌ (یونس:۲۶) یعنی اضافہ ہے۔ اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا۔ الْكِبْرِيَآءُ (یونس:۷۸) اس سے مراد ہے: اللہ کا ملک اور اس کی بادشاہی۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاخْتَلَطَ فَنَبَتَ بِالْمَاءِ مِنْ كُلِّ لَوْنٍ۔

حضرت ابن عباس نے کہا: فَاخْتَلَطَ (یونس:۲۴) اس کا معنی ہے: بارش نازل ہونے کی وجہ سے ہر قسم کا سبزہ اگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ۔ (یونس:۲۴)

دنیا کی زندگی کی مثال محض اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی وہ پیداوار خوب گھنی ہو گئی۔

امام ابن جریر نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پانی سے ہر قسم کا غلہ پیدا کیا جس کو لوگ کھاتے ہیں جیسے گندم، جو، مکئی وغیرہ۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ (یونس:۶۸) یعنی عیسائیوں نے کہا: اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے اور بے پرواہ ہے۔

یعنی اہل مکہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنالی ہے۔ انہوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہود نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اولاد بنانے سے پاک ہے، وہ بیوی اور بچوں سے مستغنی ہے۔

وَقَالَ زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ مُحَمَّدٌ ﷺ۔

اور زید بن اسلم نے کہا: اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ (یونس:۲) اس سے مراد (سیدنا) محمد ﷺ ہیں۔ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد خیر ہے۔

زید بن اسلم کی کنیت ابو اسامہ ہے، وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام ہیں۔ انہوں نے درج ذیل آیت میں قدم صدق کی تفسیر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔(یونس:۲) اور ایمان والوں کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس (ان کے نیک اعمال کا) بہترین اجر ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کی ہے: مَنْزِلِ صدق۔ اور ایک قول یہ ہے کہ قدم سے مراد عمل صالح ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: اس سے مراد ہے: صدق کا ثواب اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: خیر، پھر ان سے مروی ہے کہ اس سے مراد ہے: لوگوں کی نماز، ان کی تسبیح اور ان کے روزے۔ امام ابن جریر نے مجاہد کے قول کو ترجیح دی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ خَيْرٌ يُقَالُ تِلْكَ آيَاتُ۔ کہا جاتا ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ (یونس:۱) یعنی یہ قرآن کی نشانیاں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ (یونس:۱) الف، لام، را، یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت سے معمور ہے ○

امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس آیت میں تلک، ھذہ کے معنی میں ہے، اور بعید کا اشارہ قریب کے لئے ہے اور بُعد رتبتی کو بعد مکان کا قائم مقام کر کے اسم اشارہ بعید ذکر کیا گیا۔

يَعْنِي هَذِهِ أَعْلَامُ الْقُرْآنِ وَمِثْلُهُ حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمُ الْمَعْنَى بِكُمْ۔ اور اس کی مثل یہ آیت ہے: حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ (یونس:۲۲) اس آیت میں بهم، بِكُمْ کے معنی میں ہے۔

یعنی جس طرح یونس:۱ میں تلک، ھذہ کے معنی میں ہے، اسی طرح یونس:۲۲ میں بهم۔ بکم کے معنی میں ہے اور غائب سے مراد حاضر ہے، اس صنعت کو علم بلاغت میں التفات کہتے ہیں۔

يُقَالُ دَعْوَاهُمْ دُعَاؤُهُمْ دَعْوٰىهُمْ (یونس:۱۰) اس کا معنی ہے: ان کی دعا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ۔(یونس:۱۰) اور جنتوں میں ان کی (بے ساختہ) یہ پکار ہوگی: "پاک ہے تو اے اللہ!"۔

امام ابوعبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

أُحِيطَ بِهِمْ دَنَوْا مِنَ الْهَلَكَةِ۔ أُحِيْطَ بِهِمْ (یونس:۲۲) یعنی وہ ہلاکت کے قریب آپہنچے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ۔(یونس:۲۲) اور لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں۔

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے کہ وہ ہلاکت کے قریب آپہنچے اور امام ابوعبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

أَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ۔ وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ (البقرہ:۸۱) یعنی ان کو ان کے گناہوں نے گھیر لیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ۔(البقرہ:۸۱) کیوں نہیں جس نے برائی کی اور اس کے گناہوں نے اسے گھیر لیا۔

یعنی ان کو ان کے گناہوں نے گھیر لیا ہے، جس طرح دشمن کسی کا احاطہ کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے گناہوں نے ان کے لیے نجات کے راستے بند کر دیئے ہیں۔

فَاتَّبَعَهُمْ وَأَتْبَعَهُمْ وَاحِدٌ۔ فَأَتْبَعَهُمْ (یونس:۹۰) اور اتَّبَعَهُمْ کا ایک معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ (یونس:۹۰) اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اِتَّبَعَهُمْ، تاء کی تشدید کے ساتھ اور اَتْبَعَهُمْ، تاء کی تشدید کے بغیر دونوں کا معنی ایک ہے اور اصمعی نے یہ کہا ہے کہ اِتَّبَعَهُمْ کا معنی یہ ہے کہ ان کو پالیا اور ان کے ساتھ مل گیا اور اَتْبَعَهُمْ کا معنی ہے: ان کے نشانات کو پالیا۔

عَدْوًا مِنَ الْعُدْوَانِ۔ عَدْوًا (یونس:۹۰) یہ عدوان یعنی سرکشی سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا۔ (یونس:۹۰) تو فرعون اور اس کے لشکر نے دشمنی اور سرکشی سے ان کا پیچھا کیا۔

امام بخاری نے عَدْوًا کی تفسیر دشمنی کے ساتھ کی ہے۔ امام ابوعبیدہ نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ قَوْلُ الْاِنْسَانِ لِوَلَدِهٖ وَمَالِهٖ اِذَا غَضِبَ اَللّٰهُمَّ لَا تُبَارِكْ فِیْهِ وَالْعَنْهُ۔ اور مجاہد نے کہا: یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ (یونس:۱۱) اگر اللہ لوگوں کے لئے شر کو جلدی نازل کر دیتا جس طرح وہ خیر کو جلدی طلب کرتے ہیں۔ یہ اس طرح ہے جب انسان اپنے بیٹے یا مال پر غضب ناک ہو کر کہتا ہے: اے اللہ! اس میں برکت نہ ڈال اور اس پر لعنت کر۔

یہ آیت نضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی، جب اس نے یہ کہا تھا: اے اللہ! اگر یہ حق ہے تو تو ہم پر پتھر برسا۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب لوگ غضب ناک ہو کر اپنی جانوں کے اوپر اور اپنے گھر والوں کے اوپر اور اپنے اموال کے اوپر بددعاء کرتے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ ان کی بددعاؤں کو بھی قبول کر لیتا جس طرح وہ ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے تو وہ ہلاک ہو جاتے۔

لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ لَاَهْلَكَ مَنْ دُعِیَ عَلَیْهِ وَلَاَمَاتَهٗ۔ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ (یونس:۱۱) یعنی جس کے خلاف دعا کی گئی وہ ہلاک ہو گیا اور اس کو مار دیا۔

یہ لَوْ کا جواب ہے، اس کا معنی ہے: وہ مار دیئے جاتے اور ہلاک کر دیئے جاتے، یعنی جس کے خلاف دعا کی گئی ہے وہ مار دیا جاتا یا ہلاک کر دیا جاتا۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی مِثْلُهَا حُسْنٰی۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی (یونس:۲۶) یعنی جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے مغفرت ہے، اور اللہ کی خوشنودی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ ؕ وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ۔ (یونس:۲۶) جن لوگوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور اس کے علاوہ زائد اجر ہے اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور

نہ ہی ذلت۔

امام بخاری نے جو تفسیر ذکر کی ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ زمخشری نے کہا: حسنٰی سے مراد نیک کام ہیں، اور دوسروں نے کہا: حسنٰی سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ امام بخاری نے جو کہا ہے: مِثْلُهُ حُسْنٰى، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو اس حُسْنٰی کی مثل اور حُسْنٰی عطا فرمائے گا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (النساء: ۱۷۳) یعنی ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔

وَزِيَادَةٌ مَغْفِرَةٌ وَرِضْوَانٌ وَقَالَ غَيْرُهُ النَّظَرُ إِلَى وَجْهِهٖ۔ زِيَادَةٌ (یونس: ۲۶) یعنی اضافہ ہے۔ اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا۔

قتادہ سے روایت ہے: حُسْنٰی سے مراد ہے: جنت اور زِيَادَةٌ سے مراد ہے: رحمٰن عزوجل کے چہرے کا دیدار۔

الْكِبْرِيَاءُ الْمُلْكُ۔ الْكِبْرِيَاءُ (یونس: ۷۸) اس سے مراد ہے: اللہ کا ملک اور اس کی بادشاہی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ۔ (یونس: ۷۸) انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ تم ہمیں اس (دین) سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں تم ہی دونوں کے لیے بڑائی ہو جائے۔

یعنی فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اپنے آباء و اجداد کے طریقے یعنی بتوں کی عبادت سے پھیر دو اور تمہارے لئے اس سرزمین مصر میں بڑائی اور سلطنت حاصل ہو جائے۔

نوٹ: ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری جلد ۱۸ صفحہ ۳۸۸-۳۸۵ سے لی گئی ہے۔

۲- بَابٌ: وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (یونس: ۹۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے دشمنی اور سرکشی سے ان کا پیچھا کیا، حتیٰ کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے کہا: میں ایمان لایا کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں O (یونس: ۹۰) کی تفسیر

فرعون کا نام اور جس سمندر میں فرعون غرق ہوا تھا اس کا بیان اور فرعون کا ایمان قبول نہ ہونے کی وجہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَجٰوَزْنَا: یعنی ہم نے ان کے لئے سمندر کو قطع کیا اور اس سمندر کا نام بحر قلزم ہے اور یہ مصر اور یمن کے درمیان میں واقع ہے۔ اور بحر قلزم کے قرب میں فرعون کو غرق کیا گیا تھا۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان ابومرہ تھا۔ سدی نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ

لاکھ بیس ہزار لڑنے والی فوج کے ساتھ نکلے، اس فوج میں کوئی مرد بیس سال سے کم کا نہیں تھا، اور نہ ساٹھ سال سے زیادہ عمر کا تھا۔

فَاَتْبَعَهُمْ: پھر فرعون ان کے لشکر سے جاملا، وہ دس لاکھ کا لشکر لے کر نکلا تھا، اس کے لشکر میں ایک لاکھ سیاہ گھوڑے تھے اور ان میں کوئی مادہ گھوڑی نہیں تھی۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ: حتیٰ کہ جب فرعون کو غرق کر دیا گیا، اور وہ عاشوراء کا دن تھا۔ اس نے تین بار کہا: میں ایمان لے آیا مگر اس کا ایمان قبول نہیں ہوا، کیونکہ وہ آخرت کا عذاب دیکھ کر ایمان لایا تھا۔ اگر وہ اس سے پہلے ایک بار بھی کہتا کہ میں ایمان لے آیا تو اس کا یہ قول قبول کر لیا جاتا۔

نُنَجِّيْكَ: یعنی ہم تجھے زمین کی بلند جگہ پر ڈال دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً۔ سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے۔ (یونس: ۹۲)

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ نُنَجِّيْكَ کا معنی ہے: ہم تمہیں ڈال دیں گے۔ یہ النجوۃ سے مشتق ہے نہ کہ نجاۃ سے، النجوۃ کا معنی ہے: زمین کی بلند جگہ اور النجاۃ کا معنی ہے: سلامتی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب جب سمندر سے باہر نکل آئے تو جو فرعون کی قوم کے بقیہ لوگ تھے، انہوں نے کہا: فرعون غرق نہیں ہوا بلکہ فرعون اور اس کے اصحاب سمندر میں شکار کر رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف یہ وحی کی کہ وہ فرعون کو برہنہ ساحل کی کسی بلند جگہ پر پھینک دے تو سب نے دیکھ لیا کہ فرعون مردہ پڑا ہوا ہے۔

مقاتل نے بیان کیا کہ بنو اسرائیل نے کہا کہ قبطی غرق نہیں ہوئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف وحی کی کہ وہ قبطیوں کی لاشوں کو سمندر کی سطح پر لے آئے۔

ببدنك سے مراد ہے: تیرے جسم کے ساتھ، یہ مجاہد کا قول ہے، ایک قول یہ ہے کہ ببدنك سے مراد وہ زرہ ہے جو اس کے جسم پر تھی اور وہ زرہ سونے کی تھی جس سے وہ دور سے پہچان لیا جاتا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۸۹-۳۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۶۸۰۔ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ بِشْرٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِيْنَةَ وَالْيَهُوْدُ تَصُوْمُ عَاشُوْرَاءَ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ ظَهَرَ فِيْهِ مُوْسٰى عَلٰى فِرْعَوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِاَصْحَابِهٖ اَنْتُمْ اَحَقُّ بِمُوْسٰى مِنْهُمْ فَصُوْمُوْا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور یہود عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا: یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تھا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم ان کی بہ نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہو، پس تم (بھی) روزہ رکھو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۰۴ میں گزر چکی ہے۔

سورۂ یونس کی تفسیر ختم ہوئی، اب ان شاء اللہ سورۂ ھود کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ ھُوۡدٍ

سورۂ ہود کی تفسیر

سورۂ ہود کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابوالعباس نے ''المقامات'' میں لکھا ہے کہ سورۂ ہود میں ایک آیت مدنی ہے اور بعض نے کہا: دو آیتیں مدنی ہیں۔ السدی نے بتایا کہ حضرت ابن عباس نے کہا: سورۂ ہود مکی ہے سوا اس آیت کے: وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ (ہود:۱۱۴)۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ سورت مطلقاً مکی ہے، حسن بصری، عکرمہ، مجاہد، جابر بن زید اور قتادہ نے بھی یہی کہا ہے اور قتادہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے سوائے ایک آیت کے اور وہ یہ ہے: فَلَعَلَّکَ تَارِکٌۢ بَعۡضَ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ (ہود:۱۲) اس کی ان سے علی بن ابی طلحہ نے روایت کی ہے اور مقاتل نے کہا ہے: دو آیتوں کے سوا یہ سورت مکی ہے: (۱) اَقِمِ الصَّلٰوۃَ الایۃ (ہود:۱۱۴)، (۲) اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ (ہود:۱۷) یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

سورۂ ہود میں ایک سو تیئس (۱۲۳) آیتیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۹۱)

قَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ عَصِیۡبٌ (ہود:۷۷) شَدِیۡدٌ لَا جَرَمَ (ہود:۲۲) بَلٰی وَقَالَ غَیۡرُہٗ وَحَاقَ (ہود:۸) نَزَلَ یَحِیۡقُ یَنۡزِلُ یَؤُوۡسٌ (ہود:۹) فَعُوۡلٌ مِنۡ یَئِسۡتُ وَقَالَ مُجَاھِدٌ تَبۡتَئِسۡ (ہود:۳۶) تَحۡزَنۡ یَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَھُمۡ (ہود:۵) شَکٌّ وَامۡتِرَاءٌ فِی الۡحَقِّ لِیَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡہُ مِنَ اللّٰہِ اِنِ اسۡتَطَاعُوۡا وَقَالَ اَبُوۡ مَیۡسَرَۃَ الۡاَوَّاہُ (ہود:۷۵) الرَّحِیۡمُ بِالۡحَبَشِیَّۃِ وَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ بَادِیَ الرَّاۡیِ (ہود:۲۷) مَا ظَھَرَ لَنَا وَقَالَ مُجَاھِدٌ الۡجُوۡدِیِّ (ہود:۴۴) جَبَلٌ بِالۡجَزِیۡرَۃِ وَقَالَ الۡحَسَنُ اِنَّکَ لَاَنۡتَ الۡحَلِیۡمُ (ہود:۸۷) یَسۡتَھۡزِءُوۡنَ بِہٖ وَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ اَقۡلِعِیۡ (ہود:۴۴) اَمۡسِکِیۡ عَصِیۡبٌ شَدِیۡدٌ لَا جَرَمَ بَلٰی وَفَارَ التَّنُّوۡرُ (ہود:۴۰) نَبَعَ الۡمَاءُ وَقَالَ عِکۡرِمَۃُ وَجۡہُ الۡاَرۡضِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عَصِیۡبٌ (ہود:۷۷) اس کا معنی ہے: شدید۔ لَا جَرَمَ (ہود:۲۲) اس کا معنی ہے: کیوں نہیں اور دوسروں نے کہا: حَاقَ (ہود:۸) اس کا معنی ہے: نازل ہوا اور یحیق کا معنی ہے: نازل ہوگا۔ یَؤُوۡسٌ (ہود:۹) یہ فعول کا وزن ہے اور یَئِسۡتُ، یعنی یاس اور ناامیدی سے ماخوذ ہے اور مجاہد نے کہا: تَبۡتَئِسۡ (ہود:۳۶) اس کا معنی ہے: غمگین ہونا۔ یَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَھُمۡ (ہود:۵) اس کا معنی ہے: حق میں شک کرنا اور تردد کرنا تاکہ اگر ہو سکے تو وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ سکیں۔ ابومیسرہ نے کہا: اَلۡاَوَّاہُ (ہود:۷۵) اس کا معنی حبشی زبان میں رحیم ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: بَادِیَ الرَّاۡیِ (ہود:۲۷) اس کا معنی ہے: سرسری نظر میں۔ اور مجاہد نے کہا: الۡجُوۡدِیِّ (ہود:۴۴) یہ جزیرے میں ایک پہاڑ ہے۔ اور حسن نے کہا: اِنَّکَ لَاَنۡتَ الۡحَلِیۡمُ (ہود:۸۷) یعنی آپ بردبار ہیں۔ وہ اس قول سے استہزاء

کرتے تھے اور حضرت ابن عباس نے کہا: اَقْلِعِیْ (ھود: ۴۴) اس کا معنی ہے: روک لے اور عصیب کا معنی ہے: شدید اور لاجرم کا معنی ہے: کیوں نہیں۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ (ھود: ۴۰) اس کا معنی ہے: پانی ابل گیا۔ اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: زمین کی سطح پر زمین سے پانی ابلنا شروع ہوا۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَصِيْبٌ شَدِيْدٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عَصِيْبٌ (ھود: ۷۷) اس کا معنی ہے: شدید۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ۝ (ھود: ۷۷)

اور جب ہمارے فرشتے (خوبصورت لڑکوں کی شکل میں) لوط کے پاس گئے تو وہ ان کی آمد سے غمگین ہوئے اور ان کا دل تنگ ہوا اور انہوں نے کہا: آج کا دن بڑا سخت ہے O

امام بخاری نے عَصِیْب کی تفسیر شدید سے کی ہے، یعنی یہ سخت دن ہے۔ یہ قول حضرت لوط علیہ السلام نے اس وقت کیا تھا جب ان کے پاس فرشتے بے ریش لڑکوں کی صورت میں آئے، پس انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ انسان ہیں، پھر اپنی قوم کے شر کی وجہ سے ان پر خوف زدہ ہوئے اور کسی کو ان کا پتا نہیں تھا۔ ان کی بیوی گھر سے باہر نکلی اور اس نے ان کی قوم کو خبر دے دی تو حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: یہ سخت دن ہے۔

لَا جَرَمَ بَلٰی۔

لَا جَرَمَ (ھود: ۲۲) اس کا معنی ہے: کیوں نہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۝ (ھود: ۲۲)

بلاشبہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں O

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ امام ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ (النحل: ۲۳) اس کا معنی ہے: کیوں نہیں بے شک اللہ جانتا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۳۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری اس سورت، یعنی سورۂ ھود کی تفسیر لکھ رہے ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو آیت نقل کی ہے وہ سورۂ ھود میں نہیں ہے بلکہ سورۃ النحل میں ہے اور مناسب یہ تھا کہ وہ سورۂ ھود کی آیت لکھتے، کیونکہ امام بخاری سورۂ ھود کی تفسیر لکھ رہے ہیں، اگر چہ معنی دونوں جگہ پر ایک ہے۔ فراء نے کہا ہے کہ لَا جَرَمَ ایک کلمہ ہے اور یہ اصل میں لَابُدَّ اور لَامَحَالَةَ کے معنی میں ہے، پس یہ اسی طرح جاری ہو گیا اور اس کا استعمال کثیر ہو گیا، حتیٰ کہ یہ قسم کے معنی میں منتقل ہو گیا اور حَقٌّ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۹۱)

وَقَالَ غَیْرُهٗ وَحَاقَ نَزَلَ یَحِیْقُ یَنْزِلُ۔

اور دوسروں نے کہا: حَاقَ (ھود: ۸) اس کا معنی ہے: نازل ہوا اور

یَحِیْقُ کا معنی ہے: نازل ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (ھود:۸) سنو! جس دن ان پر وہ عذاب واقع ہوگا تو پھر وہ ان سے دور نہیں کیا جائے گا اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑاتے تھے، وہ ان کا احاطہ کرے گا ○

امام بخاری نے حَاقَ کی تفسیر کی ہے: ان پر نازل ہوا اور ان کو پہنچا۔ امام ابوعبیدہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے، پھر امام بخاری نے لکھا ہے: یَحِیْقُ کا معنی ہے: یَنْزِلُ، اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ فَعَلَ یَفْعِلُ کے باب سے ہے یعنی ماضی میں عین کلمہ پر زبر اور مضارع میں عین کلمہ کے نیچے زیر۔

یَئُوْسٌ فَعُوْلٌ مِنْ یَئِسْتُ۔ یَئُوْسٌ (ھود:۹) یہ فَعُوْلٌ کا وزن ہے اور یَئِسْتُ یعنی یاس اور ناامیدی سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ لَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَیَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ (ھود:۹) اور اگر ہم اپنے پاس سے انسان کو رحمت (کی لذت) چکھائیں، پھر اس سے اس رحمت کو واپس لے لیں (تو) یقیناً وہ ناامید اور ناشکرا ہوگا ○

امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ یَئُوْسٌ، فَعُوْلٌ کے وزن پر ہے اور یہ مبالغہ کے صیغوں میں سے ہے اور یہ یاس سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: امید کا منقطع ہونا۔ امام بخاری نے جو کہا ہے کہ یہ یَئِسْتُ سے ماخوذ ہے، یہ ان کا تسامح ہے، کیونکہ تمام صیغے مصدر سے مشتق ہوتے ہیں نہ کہ فعل سے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَبْتَئِسْ تَحْزَنْ۔ تَبْتَئِسْ (ھود:۳۶) اس کا معنی ہے: غمگین ہونا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ (ھود:۳۶) پس آپ ان کی کارروائی سے غمگین نہ ہوں ○

امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ مجاہد نے تَبْتَئِسْ کی تفسیر تَحْزَنْ کے ساتھ کی ہے اور اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام سے خطاب ہے اور اس تعلیق کی امام طبری نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ شَكٌّ وَامْتِرَاءٌ فِی الْحَقِّ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ مِنَ اللّٰهِ اِنِ اسْتَطَاعُوْا۔ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھم (ھود:۵) اس کا معنی ہے: حق میں شک کرنا اور تردد کرنا تاکہ اگر ہو سکے تو وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ سکیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (ھود:۵) سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اس وقت بھی) وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں، اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ○

امام بخاری نے جو تفسیر کی ہے، یہی مجاہد کی تفسیر ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: یثنون صدورھم کا معنی ہے: حق میں شک اور تردد کرنا۔ علامہ زمخشری نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ حق کی تکذیب کرتے ہیں اور حق سے انحراف کرتے ہیں، کیونکہ جو شخص کسی چیز کو قبول کرتا ہے تو وہ اس کی طرف اپنا منہ اور سینہ کرتا ہے، اور جو شخص کسی سے انحراف کرتا ہے تو وہ اسے دیکھ کر اپنا سینہ موڑ لیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ بہت شیریں کلام تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ملتا جس طرح آپ پسند کرتے اور دل میں ناپسندیدہ باتوں کو چھپاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت بعض منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت بعض مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو وہ اپنا سینہ موڑ لیتے اور سر جھکا لیتے تاکہ آپ ان کو نہ دیکھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دے دی کہ وہ اپنے دلوں میں کیا چھپاتے ہیں اور وہ آپ کے ساتھ عداوت رکھتے تھے۔

وَقَالَ أَبُو مَيْسَرَةَ الْأَوَّاهُ الرَّحِيمُ بِالْحَبَشِيَّةِ۔ ابو میسرہ نے کہا: اَلْاَوَّاهُ (ھود:۷۵) اس کا معنی حبشی زبان میں رحیم ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ○ (ھود:۷۵) بے شک ابراہیم بردبار، اللہ سے آہ وزاری کرنے والے، اور اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے ○

ابو میسرہ کا نام عمرو بن شرحبیل الہمدانی ہے، یہ تابعی کوفی ہیں، ان سے شعبی اور ابواسحاق السبیعی ایسے لوگوں نے حدیث کی روایت کی ہے۔ امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اَلْاَوَّاهُ کا معنی بہت مہربانی کرنے والا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَادِئَ الرَّأْيِ مَا ظَهَرَ لَنَا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بَادِیَ الرَّاْیِ (ھود:۲۷) اس کا معنی ہے: سرسری نظر میں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ۔ (ھود:۲۷) اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں۔

امام بخاری نے بَادِیَ الرَّاْیِ کی تفسیر کی ہے: جو چیز ہمیں سرسری نظر میں معلوم ہوتی ہے۔ اس تعلیق کی ابو محمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْجُودِيُّ جَبَلٌ بِالْجَزِيرَةِ۔ اور مجاہد نے کہا: اَلْجُوْدِیِّ (ھود:۴۴) یہ جزیرے میں ایک پہاڑ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ۔ (ھود:۴۴) اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ اس دن پہاڑوں نے بہت سر اٹھایا اور تکبر کیا اور جودی پہاڑ نے اللہ عزوجل کے سامنے تواضع کی تو وہ پہاڑ غرق نہیں کیا گیا اور کشتی وہاں لنگر انداز ہوگئی۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین نبیوں کی وجہ سے تین پہاڑوں کو عزت دی ہے: حراء پہاڑ کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عزت دی ہے، اور جودی پہاڑ کو حضرت نوح علیہ السلام کی وجہ سے عزت دی ہے اور پہاڑ طور کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے عزت دی ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ يَسْتَهْزِءُونَ بِهِ۔ اور حسن نے کہا: اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ (ھود:۸۷) یعنی آپ بردبار

ہیں، وہ اس قول سے استہزاء کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ (ھود:۸۷) بے شک آپ تو بہت بردبار اور راست باز ہیں O

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ آیت حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے میں نازل ہوئی ہے۔ ان کی قوم نے ان کا مذاق اڑانے کے لئے کہا تھا کہ آپ تو بہت بردبار ہیں۔ اس تعلیق کی ابومحمد نے اپنی سند کے ساتھ حسن بصری سے روایت کی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَقْلِعِىْ اَمْسِكِىْ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اَقْلِعِىْ (ھود: ۴۴) اس کا معنی ہے: روک لے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ۔ (ھود:۴۴) اور حکم دیا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا۔

اس تعلیق کی ابومحمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔

عَصِيْبٌ شَدِيْدٌ لَا جَرَمَ بَلٰى۔ عَصِيْبٌ کا معنی ہے: شدید اور لَا جَرَمَ کا معنی ہے: کیوں نہیں۔

ان دونوں تعلیقوں کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

وَفَارَ التَّنُّوْرُ نَبَعَ الْمَاءُ وَقَالَ عِكْرِمَةُ وَجْهُ الْاَرْضِ۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ (ھود:۴۰) اس کا معنی ہے: پانی ابل گیا اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: زمین کی سطح پر زمین سے پانی ابلنا شروع ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ۔ (ھود:۴۰) حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور ابلنے لگا۔

اس تعلیق کی علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے اور فَارَ، اَلْفَوْر سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: پانی کا جوش مارنا۔ ابن درید نے کہا ہے کہ التنور فارسی اسم ہے، جس کو عربی بنالیا گیا ہے۔ عربی زبان میں التنور کے علاوہ اس کے لئے اور کوئی اسم نہیں ہے، اس لئے قرآن میں جب یہ لفظ آیا تو لوگوں نے اس کو جان لیا۔ اس تنور کی جگہ میں اختلاف ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ کوفہ کی ایک جانب میں ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے کوفہ کی مسجد کے وسط میں یہ کشتی بنائی تھی اور تنور اس میں داخل ہونے والے کی دائیں جانب میں تھا۔ مقاتل نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام کا تنور تھا اور یہ شام کی ایک جگہ میں تھا اور عکرمہ نے کہا: یہ تنور ہند میں تھا اور عکرمہ نے کہا کہ تنور کا معنی ہے: روئے زمین کا اسم، اور اس میں چھ اقوال ہیں: (۱) ایک یہی قول ہے۔ (۲) سطح زمین کی بلند جگہ کا نام ہے۔ (۳) صبح کے نور کا نام ہے۔ (۴) طلوع شمس کا نام ہے۔ (۵) یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں کشتی کا پانی جمع ہو گیا تھا۔ جب وہاں پانی ابلا تو حضرت نوح علیہ السلام نے جان لیا کہ اب کشتی میں سوار ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ (۶) جو امام بخاری نے ذکر کیا ہے یعنی سطح زمین۔

نوٹ: ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۹۴ سے لی گئی ہے۔

۱- بَابٌ: اَلَاۤ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے

ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○ (ھود:۵)

کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اس وقت بھی) وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں، اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ○ (ھود:۵) کی تفسیر

۴۶۸۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ أَلَا إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُورُهُمْ قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْهَا فَقَالَ أُنَاسٌ كَانُوا يَسْتَحْيُونَ أَنْ يَتَخَلَّوْا فَيُفْضُوا إِلَى السَّمَاءِ وَأَنْ يُجَامِعُوا نِسَاءَهُمْ فَيُفْضُوا إِلَى السَّمَاءِ فَنَزَلَ ذَلِكَ فِيهِمْ۔

[اطراف الحدیث: ۴۶۸۲، ۴۶۸۳]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن محمد بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ ابن جریج نے کہا: مجھے محمد بن عباد بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے حضرت ابن عباس کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں (ھود:۵) انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کچھ لوگ کھلی جگہ میں قضائے حاجت کرتے وقت آسمان کی طرف ستر کھولنے سے حیاء کرتے تھے، اسی طرح اپنی عورتوں سے جماع کرتے وقت آسمان کی طرف ستر کھولنے سے حیاء کرتے تھے (تو وہ اپنے سینوں کو موڑ کر جھکا لیتے تھے)۔ یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی۔

حدیث مذکور کی صرفی اور نحوی ترکیب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یثنونی: یہ باب افعیعال سے ہے اِثْنَوْنَی یثنونی جیسے احلولی یحلولی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: ''مثل اِعشَوْشب''۔ علامہ عینی رد فرماتے ہیں کہ ان کو چاہئے تھا کہ وہ کہتے: ''مثل العشوشب'' اس میں ایک شین اور واؤ زائد ہے اور اس کا مادہ عُشْبٌ ہے اور قرأت مشہورہ یثنون ہے، جمع مذکر مضارع اور اس کی ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے، یعنی وہ اپنے سینوں کو موڑ لیتے ہیں۔

کانو یَسْتَحْیُونَ: حضرت ابن عباس نے کہا: وہ اس سے حیاء کرتے تھے کہ کھلے میدان میں قضاء حاجت کے وقت آسمان کی طرف منہ کریں یا اپنی عورتوں کے ساتھ جماع کریں یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے انہیں برہنہ ہونے سے حیاء آتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر کھلی اور ڈھکی چیز کو دیکھنے والا اور جاننے والا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۹۴)

۴۶۸۲۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَأَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَرَأَ أَلَا إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُورُهُمْ قُلْتُ يَا أَبَا الْعَبَّاسِ مَا تَثْنَوْنِي صُدُورُهُمْ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از ابن جریج، انہوں نے کہا: اور مجھے محمد بن عباد بن جعفر نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں

يُجَامِعُ امْرَأَتَهُ فَيَسْتَحِي أَوْ يَتَخَلَّى فَيَسْتَحِي فَنَزَلَتْ ﴿أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ﴾۔ (ھود:۵)

(ھود:۵) میں نے کہا: اے ابوالعباس! ان کے سینہ موڑنے کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے بتایا: جب مرد اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے تو اسے حیاء آتی ہے یا جب وہ قضاء حاجت کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے (برہنہ ہونے سے) حیا آتی ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں۔ (ھود:۵)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۸۱ میں بیان کی جاچکی ہے۔

۴۶۸۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ﴾ (ھود:۵) وَقَالَ غَيْرُهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْتَغْشُونَ يُغَطُّونَ رُءُوسَهُمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی: سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں (ھود:۵) اور دوسروں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ يَسْتَغْشُونَ کا معنی ہے: وہ اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں یا چھپا لیتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۸۱ میں گزر چکی ہے۔

سِيءَ بِهِمْ سَاءَ ظَنُّهُ بِقَوْمِهِ وَضَاقَ بِهِمْ بِأَضْيَافِهِ۔

سِيءَ بِهِمْ کا معنی ہے: حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے ساتھ برائی کا گمان کیا اور اپنے مہمانوں کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝ (ھود:۷۷)

اور جب ہمارے فرشتے (خوبصورت لڑکوں کی شکل میں) لوط کے پاس گئے تو وہ ان کی آمد سے غمگین ہوئے اور ان کا دل تنگ ہوا اور انہوں نے کہا: آج کا دن بڑا سخت ہے ○

امام بخاری نے جو تفسیر کی ہے، اس کی علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور امام طبری نے اس کی اپنی سند سے روایت کی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے بے ریش لڑکوں کی صورت میں آئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جب ان کے حسین چہروں اور ان کے خوشبودار جسموں کو دیکھا تو وہ اپنی قوم کے کرتوتوں سے ڈرے کہ کہیں وہ ان کے ساتھ بدکاری کا ارادہ نہ کریں۔

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ بِسَوَادٍ۔

اس کا معنی ہے: رات کے ایک حصہ میں جب سیاہی پھیل جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ۔ (ھود:۸۱)

آپ رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔

امام بخاری نے رات کے ایک حصہ کی سیاہی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ امام ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: رات کے بعض حصہ میں اور امام عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کی ہے: رات کے ایک طائفہ میں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ اِلَيْهِ اُنِيْبُ وَاَرْجِعُ۔ اور مجاہد نے کہا: اُنِيْبُ کا معنی ہے: میں رجوع کرتا ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ (ھود:۸۸) اور میری توفیق صرف اللہ کی مدد سے ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں O

امام بخاری نے اُنِيْبُ کی تفسیر اَرْجِعُ کے ساتھ کی ہے۔ امام عبد بن حمید نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے۔

سِجِّيْلٌ کا معنی ہے: سخت اور بڑا۔ سِجِّيْل اور سِجِّيْن لام اور نون کے ساتھ ایک جیسے لفظ ہیں۔

اس سے امام بخاری نے ہود: ۸۲ کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ قوم ھود پر جو پتھر برسائے گئے وہ سخت اور بڑے پتھر تھے۔

اور تمیم بن مقبل نے کہا: بہت سے پیدل چلنے والے ایسے ہیں جو چاشت کے وقت ایسی سخت تلواریں مارتے ہیں جن کی بہادر مردوصیت کرتے ہیں۔ تمیم بن مقبل مخضرمی شاعر ہے، یعنی اس نے زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں کو پایا ہے۔ اس کے اس شعر کو یہاں ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سجیل کا لفظ سخت کے معنی میں آتا ہے۔

اور اَشھاد کہیں گے، یعنی گواہ جنہوں نے اپنے رب کے اوپر جھوٹ بولا، سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اَشْهَاد کا واحد شاہد ہے۔ جیسے اَصْحَاب کا واحد صاحب ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ۔ (ھود:۱۸) اور تمام گواہ یہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اَشْهَاد شاہد کی جمع ہے جیسے اَصْحَابٌ صَاحِبٌ کی جمع ہے۔ زید بن اسلم نے کہا ہے کہ اشھاد یہ ہیں: انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور مومنین، اور ضحاک نے کہا: انبیاء اور رسل علیہم السلام اور مجاہد سے روایت ہے کہ ملائکہ اشھاد ہیں، اس کی روایت امام ابن ابی حاتم نے کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۹۹-۳۹۵)

۲۔ بَابٌ: وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (ھود:۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (ھود:۷) کی تفسیر

امام بخاری نے یہاں پوری آیت ذکر نہیں کی، پوری آیت درج ذیل ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (ھود:۷) اور وہی جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل نیک ہے۔

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ پانی کس چیز پر تھا؟ تو انہوں نے کہا: وہ ہوا کی پشت پر تھا؟ اور کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سرخ یاقوت پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر ہیبت سے دیکھا تو وہ کپکپاتا ہوا پانی ہو گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو پیدا کیا اور پانی کو ہوا کی پشت پر رکھا، پھر عرش کو پانی پر رکھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۰۰-۳۹۹)

۴۶۸۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ وَقَالَ يَدُ اللهِ مَلْأَى لَا تَغِيضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَقَالَ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَبِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ۔

[اطراف الحدیث: ۵۳۵۲-۷۴۱۱-۷۴۱۹-۷۴۹۶]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی، از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: تم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا، اور آپ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، اس میں خرچ سے کمی نہیں ہوتی۔ وہ مسلسل رات اور دن میں خرچ کرتا رہتا ہے، اور آپ نے فرمایا: مجھے بتاؤ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اس نے کتنا خرچ کیا ہے؟ اس سے اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان ہے وہ اس (کے پلڑے) کو جھکاتا ہے اور اس کو اٹھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بھرے ہوئے ہاتھ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خرچ کرنے سے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے: یہ اس سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے اس کے خزانوں میں کمی نہیں ہوتی۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ خرچ کررہا ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی: اس حدیث میں جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ اور اس کے بھرے ہوئے ہونے کا ذکر ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس کی کیفیت کی تاویل میں نہیں پڑنا چاہیے اور متاخرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے خزانوں کو خرچ کرنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۰۰)

اِعْتَرَاكَ یعنی افتعلت یہ عَرَوْتُهُ سے ماخوذ ہے، یعنی میں نے اسے مصیبت میں مبتلا کر دیا اور اس سے ہے: يَعْرُوْهُ وَاعْتَرَانِي (یعنی یہ لفظ نَصَرَ اور افتعال دونوں سے ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ۔ (ھود: ۵۴) ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تم کو مجنون بنا دیا ہے۔

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اِعْتَرَاكَ باب انتعال سے ہے، اور اس کے بعد کاف خطاب کا ذکر ہے، پھر امام بخاری نے کہا یہ عَرَوْتُهُ سے ماخوذ ہے۔ اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ نَصَرَ کے باب سے بھی آتا ہے اور علامہ جوہری نے صحاح میں کہا ہے

کہ عَرَوْتُ الرَّجُلَ اس وقت کہتے ہیں جب تم کسی کے پاس سائل بن کر جاؤ، پھر امام بخاری نے کہا: اسی سے ماخوذ ہے یَعْرُوْهُ وَاعْتَرَانِي علامہ جوہری نے کہا: اس کا معنی ہے: اس نے مجھ کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا (ھود:٥٦) یعنی وہ اس کے قبضہ اور اس کی سلطنت میں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ھود:٥٦) ہر جان دار کو اس نے اس کی پیشانی سے پکڑا ہوا ہے، بے شک میرا رب سیدھے راستے پر (ملتا) ہے O

امام بخاری نے ''وہ اس کو پیشانی سے پکڑے ہوئے ہے''۔ کی تفسیر اس سے کی ہے کہ وہ اس کے قبضہ اور اس کی سلطنت میں ہے۔ یہ تفسیر غایت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ جس کو کوئی پیشانی سے پکڑے ہوئے ہو وہ اس کا مقہور اور ماتحت ہوتا ہے۔

عَنِيْد اور عَنُوْد اور عَانِد، ان سب کا ایک معنی ہے اور یہ تَجَبُّرٌ (تکبر) کی تاکید ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ھود:٥٩) اور انہوں نے ہر ظالم ہٹ دھرم کا حکم مانا O

عَنِيْد، عُنُود اور عَانِد ان سب کا معنی ہے: سرکش یعنی وہ ایسے لوگوں کی پیروی کرتے رہے جو ظالم اور سرکش تھے۔ ان الفاظ سے تَجَبُّر یعنی تکبر کی تاکید اور اس کا مبالغہ مراد ہے۔

ويقول الاشهاد اور اس کا واحد شاہد ہے جیسے اصحاب کا واحد صاحب ہے۔

اس تعلیق کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

اِسْتَعْمَرَكُمْ کا معنی ہے: تم کو آباد کیا اور بسایا۔ عرب کہتے ہیں: اعمرته الدار فهي عمرة میں نے وہ گھر اسے عمر بھر کے لئے دے دیا، پس وہ عمرہ ہے یعنی وہ گھر میں نے اس کے لئے کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ (ھود:٦١) اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا، سو تم اس سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو۔

مجاہد سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے: میں نے یہ گھر اس کے لئے کر دیا یعنی اس کے لئے ہبہ کر دیا۔

نَكِرَهُمْ وَاَنْكَرَهُمْ وَاسْتَنْكَرَهُمْ، یعنی وہ ان سے خوف زدہ ہوئے، ان تینوں لفظوں کا معنی واحد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً۔ (ھود:٧٠) پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔

یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ فرشتوں کے ہاتھ ان کے لائے ہوئے بچھڑے کے بھنے ہوئے گوشت کی طرف نہیں پہنچ رہے تو وہ خوف زدہ ہوئے، پس فرشتوں نے کہا:

لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ (ھود:٧٠) آپ مت ڈریں، بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے O

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ نَكِرَهُمْ ثلاثی مجرد ہے، اور اَنْكَرَهُمْ ثلاثی مزید فیہ باب افعال سے ہے، اور اسْتَنْكَرَهُمْ

ثلاثی مزید فیہ باب استفعال سے ہے اوران تینوں کا معنی ایک ہے یعنی وہ ان سے خوف زدہ ہوئے۔

حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ: گویا کہ یہ مَاجِدٌ سے فعیل کے وزن پر ہے، اور حمید، محمود کے معنی میں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ (ھود: ۷۳) اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، بے شک اللہ حمد وثناء کا مستحق بہت بزرگ ہے 0

یعنی اللہ تعالیٰ ہی حمد کا اور مجد کا مستحق ہے، مجد کا معنی ہے: شرف اور بلندی، جب کوئی شخص سخی ہو اور اس کی عطا بہت وسیع ہو تو کہا جاتا ہے: وہ ماجد شخص ہے۔ علامہ طیبی نے کہا ہے کہ مَجِیْد، مَاجِدٌ کا مبالغہ ہے، یعنی بہت زیادہ سخاوت کرتا ہے۔ ایک قول ہے: مجید کا معنی ہے: عظیم اور بلند قدر ومنزلت والا۔

سِجِّیْل کا معنی ہے: سخت اور بڑا۔ سجیل اور سِجِّیْن لام اور نون کے ساتھ ایک جیسے لفظ ہیں اور تمیم بن مقبل نے کہا ہے:

بہت سے پیدل چلنے والے ایسے ہیں جو چاشت کے وقت ایسی سخت تلواریں مارتے ہیں جن کی بہادر مرد وصیت کرتے ہیں۔

اس تعلیق کی شرح گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا (ھود: ۸۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (ہم نے) مدین والوں کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا۔ (ھود: ۸۴) کی تفسیر

شعیب کی لفظی تحقیق اور ان کا نسب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ہم نے اہل مدین کی طرف ان ہی میں سے شعیب کو بھیجا اور لفظ شعیب منصرف ہے کیونکہ یہ علم اور عربی ہے اور اس میں دوسری علت نہیں ہے۔

صحیح ابن حبان میں یہ حدیث ہے کہ چار نبی عرب ہیں: (۱) ھود (۲) صالح (۳) شعیب (۴) اور اے ابوذر! تمہارے نبی، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

حضرت شعیب کی زبان عربی تھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بعد مدین کی طرف بھیجا۔ حضرت شعیب کے والد کے متعلق کئی قول ہیں، مشہور یہ ہے: شعیب بن نویب ابن مدینہ بن ابراہیم اور مدین علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے، پھر وہ قبیلہ کا نام پڑ گیا، پھر جب مدینہ نے سرزمین معان کے قریب ایک شہر بنایا جو شام کے اطراف میں تھا تو انہوں نے اس کا نام مدین رکھا۔

الی مدین: یعنی اہل مدین کی طرف کیونکہ مدین ایک شہر کا نام ہے اور شہر کی طرف رسول کو بھیجنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا اس شہر والوں کی طرف رسول کو بھیجا گیا تھا، اس لئے وہاں پر مضاف مقدر ہے جیسے وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ، یعنی بستی والوں سے سوال کیجئے کیونکہ بستی سے سوال کرنا متصور نہیں ہے۔ اسی طرح وَسْئَلِ الْعِيْرَ یعنی قافلہ والوں سے سوال کیجئے۔

وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا: یعنی تم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اور جب کوئی شخص کسی کی حاجت پوری نہ کرے تو کہا جاتا ہے: تم نے میری حاجت کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا اور تم نے مجھے پیٹھ کے پیچھے کر دیا اور ظِهْرِيّ کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ تم اپنے ساتھ کوئی چوپایہ یا برتن لوتا کہ اس سے مدد حاصل کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا۔ (ہود: ۹۲) اور تم نے اللہ کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے۔

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ تم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اور یہ تفسیر نتیجہ اور غایت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ کسی چیز کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دینا اس کی طرف توجہ نہ کرنے سے کنایہ ہوتا ہے اور امام بخاری نے جو کہا ہے: ظِهْرِيّ کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ تم اپنے ساتھ کوئی چوپایہ یا برتن لو تا کہ اس سے مدد حاصل کرو: یہ عرب کے محاورہ کے اعتبار سے ہے، قرآن مجید کی آیت کی تفسیر نہیں ہے۔

اَرَاذِلُنَا اس کا معنی ہے: جو ہمارے پس ماندہ طبقہ سے ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ۔ (ہود: ۲۷) اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں۔

اَرَاذِل اَرْذَل کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے: ردی، خسیس، گھٹیا اور نچلے طبقہ کے لوگ۔ یہ آیت حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں وارد ہوئی۔

اِجْرَامِي اور وہ اَجْرَمْتُ کا مصدر ہے اور بعض علماء نے کہا: وہ جَرَمْتُ کا مصدر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝ (ہود: ۳۵) آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ میرے ذمہ ہے۔ اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں O

اِجْرَام باب افعال کا مصدر ہے، اور یہ ثلاثی مزید فیہ ہے اور بعض نے کہا: یہ ثلاثی مجرد جَرَمْتُ کا مصدر ہے۔

اَلْفُلْكُ وَ الْفَلَكُ دونوں کا معنی ایک ہے اور یہ کشتی اور جہاز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا۔ (ہود: ۳۷) آپ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے موافق کشتی بنائیے۔

یہ آیت بھی حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔

مَجْرٖهَا اس کا معنی ہے: کشتی کو چلانا اور یہ اَجْرَيْتُ کا مصدر ہے۔ اَجْرَيْتُ کا معنی ہے: میں نے اس کو چلایا اور اَرْسَيْتُ کا معنی ہے: میں نے اس کو روک لیا اور مَرْسٰهَا پڑھا جاتا ہے، یہ رَسَتْ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: کشتی کو روکنا یعنی کشتی کو چلانا اور روکنا اللہ ہی کا کام ہے۔ دوسری قراءت ہے: مَجْرَاهَا وَ مَرْسٰهَا یہ جَرَتْ سے ماخوذ ہے۔ تیسری قراءت ہے: مُجْرِيْهَا وَ مُرْسِيْهَا یعنی کشتی کو چلانے والا اور ٹھہرانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جس نے کشتیوں کو ٹھہرایا یعنی اس سے مراد ہے: ٹھہری ہوئی کشتیاں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا۔ (ہود: ۴۱) اور نوح نے کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔

پہلی قراءت میں مُجْرٰهَا وَ مُرْسٰهَا ہے اور یہ دونوں باب افعال سے مصدر میمی ہیں، یعنی کشتی کو چلانا اور روکنا اللہ ہی کے نام

سے ہے۔ دوسری قراءت مَجْرٰهَا وَ مَرْسٰهَا ہے۔ اس میں میم پر زبر ہے یعنی کشتی کا چلنا اور رکنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔ تیسری قراءت مُجْرِيْهَا وَ مُرْسِيْهَا ہے۔ اس قراءت میں دونوں باب افعال سے اسم فاعل کے صیغے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کشتی کا چلانے والا اور ٹھہرانے والا اللہ ہی ہے۔ امام بخاری نے ہماری قراءت کی طرف اشارہ نہیں کیا، یعنی مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰهَا جیسا کہ ہود: ۴۱ میں ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۳۴، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۔ بَابٌ: وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (ھود:۱۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تمام گواہ یہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا، سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ○ (ھود:۱۸) کی تفسیر

اشهاد کا واحد شاہد ہے جیسے اصحاب کا واحد صاحب ہے۔

۴۶۸۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ وَهِشَامٌ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ قَالَ بَيْنَا ابْنُ عُمَرَ يَطُوْفُ إِذْ عَرَضَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَوْ قَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ فِي النَّجْوٰى فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ يُدْنَى الْمُؤْمِنُ مِنْ رَبِّهِ وَقَالَ هِشَامٌ يَدْنُو الْمُؤْمِنُ حَتّٰى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهُ فَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوْبِهِ تَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا يَقُوْلُ أَعْرِفُ يَقُوْلُ رَبِّ أَعْرِفُ مَرَّتَيْنِ فَيَقُوْلُ سَتَرْتُهَا فِي الدُّنْيَا وَأَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ ثُمَّ تُطْوٰى صَحِيْفَةُ حَسَنَاتِهِ وَأَمَّا الْآخَرُوْنَ أَوِ الْكُفَّارُ فَيُنَادٰى عَلٰى رُءُوْسِ الْأَشْهَادِ ﴿هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (ہود:۱۸) وَقَالَ شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید اور ہشام نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از صفوان بن محرز، وہ بیان کرتے ہیں: جب حضرت ابن عمر طواف کر رہے تھے تو ان کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا: اے ابو عبد الرحمٰن! یا کہا: اے ابن عمر! کیا آپ نے النجوٰی (سرگوشی) کے متعلق نبی ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو اس کے رب کے قریب کیا جائے گا، اور ہشام نے کہا: مومن قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی رحمت کا پر رکھ دے گا، پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا: تم فلاں گناہ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں اور وہ دو مرتبہ کہے گا: میں پہچانتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تمہارا پردہ رکھا تھا اور آج میں تم کو بخش دیتا ہوں، پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا۔ رہے دوسرے لوگ یا کفار تو ان کو گواہوں کے سروں پر پکارا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے اوپر جھوٹ باندھا تھا۔ سنو! لعنت ہے اللہ کی ظالموں پر ○ (ہود:۱۸) اور شیبان نے کہا: از قتادہ: ہمیں صفوان نے حدیث بیان کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۴۱ میں گزر چکی ہے۔

النجوٰی اور کَنَفُ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اَلنَّجوٰی: یہ اللہ تعالیٰ اور مومنین کے درمیان مناجات ہے۔اس کو نجویٰ اس لئے فرمایا کہ یہ کفار کی ندا کے مقابلہ میں ہے، ان کو لوگوں کے سروں پر سے ندا کی جائے گی۔

کَنَفَہٗ: یعنی وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں ہوگا۔ابن اثیر نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کا پر رکھے گا، یعنی اس کو چھپالے گا اور کَنَفُ کا معنی ہے: قرب یعنی اللہ تعالیٰ اس کو قریب کرلے گا اور حقیقت میں یہ دونوں معانی اللہ کے لئے محال ہیں اور یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۰۴)

۵۔ بَابٌ: وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ○ (ھود:۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے جب وہ بستیوں پر اس حال میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کررہی ہوتی ہیں، بے شک اس کی گرفت دردناک شدید ہے ○ (ھود:۱۰۲) کی تفسیر

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کو ہلاک کیا، اور ان کو عذاب میں گرفتار کیا اسی طرح جن بستیوں کے رہنے والے اللہ کی نافرمانی کرکے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے عذاب میں گرفتار کرلے گا۔

الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ الْعَوْنُ الْمُعِیْنُ رَفَدْتُهٗ أَعَنْتُهٗ۔ اَلرِّفْدُ الْمَرْفُوْد رَفَدْتُهٗ: کا معنی ہے: میں نے اس کی مدد کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ○ (ھود:۹۹) اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگادی گئی، اور قیامت کے دن بھی ان کو کیسا برا انعام دیا گیا ○

امام بخاری نے الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ کی تفسیر اَلْعَوْنُ الْمُعِیْن سے کی ہے، یعنی وہ بری مدد اور برا انعام ہے۔علامہ زمخشری نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

تَرْكَنُوْا تَمِیْلُوْا۔ تَرْكَنُوْآ: یعنی تم دل سے میلان اور محبت کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (ھود:۱۱۳) اور تم ان لوگوں سے میل جول نہ رکھو جنہوں نے ظلم کیا ہے ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم ان ظالموں کے ساتھ دل سے محبت نہ رکھو اور ان کے ساتھ نرمی سے کلام نہ کرو۔

فَلَوْلَا كَانَ فَهَلَّا كَانَ۔ فَلَوْلَا كَانَ: فَهَلَّا كَانَ یعنی ایسا کیوں نہ ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (ھود:۱۱۶) پس تم سے پہلی امتوں میں ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے۔

اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ۔ (بنی اسرائیل:۷۴) اور اگر (بالفرض) ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف مائل ہو جاتے۔

أُتْرِفُوا أُهْلِكُوا۔ أُتْرِفُوا: اس کا معنی ہے: وہ ہلاک کر دیئے گئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ۝ (ھود:۱۱۶) اور ظالموں نے اس عیش و نشاط کی پیروی کی جس پر وہ جمے ہوئے تھے اور وہ لوگ مجرم تھےO

امام بخاری نے اُترفوا کی تفسیر کی ہے کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے حالانکہ اِتراف کا معنی ہے: ناز و نعمت اور عیش و نشاط، پس شاید امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اس عیش و نشاط نے ان کو سرکش بنا دیا اور وہ ہلاک کر دیئے گئے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ زَفِيْرٌ وَشَهِيْقٌ شَدِيْدٌ وَصَوْتٌ ضَعِيْفٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: زفیر اور شہیق کا معنی ہے: بلند آواز اور پست آواز۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ۝ (ھود:۱۰۶) رہے بد بخت لوگ تو وہ دوزخ میں ہوں گے، اور ان کے لئے اس میں چیخنا اور چلانا ہوگاO

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: زَفِيْر سخت آواز ہے اور شَهِيْق پست آواز ہے اور تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ دونوں مکروہ آوازیں ہیں، یعنی مفسرین نے کہا کہ زفیر گدھے کی آواز ہے اور شہیق خچر کی آواز ہے۔ امام ابو العالیہ نے کہا: زفیر وہ آواز ہے جو حلق سے نکلتی ہو اور شہیق وہ آواز ہے جو سینے سے نکلتی ہو۔

۴۶۸۶۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ اللهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ قَالَ ثُمَّ قَرَأَ وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔

(صحیح مسلم:۲۵۸۳، ترمذی:۳۱۱۰، ابن ماجہ:۴۰۱۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں برید بن ابو بردہ نے حدیث بیان کی از ابی بردہ از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو اس کو نہیں چھوڑتا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے، جب وہ بستیوں پر اس حال میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں، بے شک اس کی گرفت دردناک شدید ہےO (ھود:۱۰۲)

۶۔ بَابٌ: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۚ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھئے، بے

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ (ھود: ۱۱۴) شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں O

(ھود: ۱۱۴) کی تفسیر

دن کی دو طرفوں کا بیان اور زلفا من الیل کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ: اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ دن کی دو طرفوں میں نماز پڑھیں۔ دن کی دو طرفوں سے مراد فجر اور مغرب ہے۔ ایک قول ہے کہ ظہر اور عصر ہے اور دوسرا قول ہے کہ فجر اور ظہر ہے، یعنی ان میں پوری طرح رکوع اور سجود کریں۔ نماز کا خصوصیت سے اس لئے ذکر ہے کہ ایمان کے بعد نماز پڑھنے کا حکم ہے اور انسان مصائب سے گھبرا کر نماز کی پناہ میں آتا ہے۔

وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ: اور رات کے قریب نماز پڑھیے یعنی دن کی ان ساعات میں نماز پڑھیے جو رات کے قریب ہیں۔ صلوٰۃ الزلف مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں کیونکہ زُلَفٌ کے معنی قریب ہیں۔

بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں: نیکیوں سے مراد ہے: پانچ نمازیں اور ایک قول ہے: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ عطاء نے کہا: یہ باقیات صالحات ہیں اور سیّاٰت سے مراد ہے: گناہ صغیرہ۔

یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے: یعنی پانچ نمازیں اور ایک قول ہے: قرآن مجید کی تلاوت اور دوسرا قول ہے نیکی پر قائم رہنا، برائیوں سے بچنا اور الذکریٰ کے معنی ہیں: توبہ اور دوسرا قول ہے: نصیحت۔ اس کو نصیحت قبول کرنے والوں کے ساتھ خصوصیت سے ذکر کیا اس لئے کہ وہی اس نصیحت سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۰۵)

اور زُلَفًا کا معنی ہے: ساعات کے بعد ساعات اس سے ماخوذ کر کے اَلْمُزْدَلِفَه کا نام رکھا گیا ہے۔ اَلزُّلَفُ کا معنی ہے: ایک منزل کے بعد دوسری منزل اور رہا زُلْفٰی تو یہ قُرْبٰی کا مصدر ہے، اِزْدَلَفُوْا کا معنی ہے: وہ جمع ہو گئے۔ اَزْلَفْنَا کا معنی ہے: ہم جمع ہو گئے۔

زلفاً مِّنَ الَّيْلِ: یہ زُلْفَةٌ کی جمع ہے جیسے ظُلْمَةٌ کی جمع ظُلَمٌ۔

اسی سے ماخوذ کر کے اَلْمُزْدَلِفَة کا نام رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں لوگ رات کے اوقات میں آتے ہیں۔ ایک قول ہے: لوگ اس میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اور اللہ کے نزدیک مرتبہ پانے کے لئے آتے ہیں۔ دوسرا قول ہے: کیونکہ لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں۔ تیسرا قول ہے: کیونکہ اس میں کئی منازل ہیں۔ الجوہری نے کہا ہے: اَلزُّلْفَةُ اور اَلزُّلْفٰی اس کا معنی ہے: قربت اور منزلت۔

اِزْدَلَفُوْا کا معنی ہے: اجتمعوا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ ازدلاف اجتماع کے معنی میں آتا ہے اور یہ آگے بڑھنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ کہا جاتا ہے: قومٌ ازدلفوا الی الحَرْبِ یعنی وہ لوگ جنگ کی طرف آگے بڑھے۔

اَزْلَفْنَا کا معنی ہے: ہم جمع ہو گئے، قرآن مجید میں ہے: وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ (شعراء: ۶۴) اور اس جگہ ہم فرعون کو قریب لائے پھر دوسروں کو O

اور زُلْفٰی کا معنی قُرْبٰی ہے اور اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ (ص: ۲۵) اور بے شک ان کے لئے ہمارے پاس ضرور قرب خاص اور

بہترین ٹھکانا ہے O

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۶۸۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ هُوَ ابْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنِ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَأَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ ﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۚ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝﴾ (ھود: ۱۱۴) قَالَ الرَّجُلُ أَلِي هٰذِهِ قَالَ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے حدیث بیان کی وہ ابن زریع ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان تیمی نے حدیث بیان کی از ابی عثمان از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے ایک عورت کا بوسا لے لیا، پس وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیئے۔ بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں O (ھود: ۱۱۴) اس مرد نے کہا کیا یہ صرف میرے لئے ہے۔ آپ نے فرمایا میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل کرے اس کے لئے ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۲۶ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کئے جارہے ہیں:

بوسا لینے والے مرد کا نام اور ان کا مختصر تذکرہ

علامہ بدرالدین محمود احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک مرد نے ایک عورت کا بوسا لے لیا: اس مرد کا نام کعب بن عمرو ہے اور اس کی کنیت ابوالیسر ہے۔ اس حدیث کی ابن ابی خیثمہ نے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا: انصار کا ایک مرد جسے معتب کہا جاتا تھا، ایک قول ہے: اس کا نام نبہان التمار (کھجور فروش) تھا۔ دوسرا قول ہے: اس کا نام عمرو بن غزیہ تھا، وہ بیعت عقبہ کے بعد غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور ان کی عمر بیس (۲۰) سال تھی، یہ وہی ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر میں عباس بن عبدالمطلب کو گرفتار کیا تھا، ان کا قد چھوٹا تھا اور یہ دبلے تھے اور عباس طویل قامت تھے اور فربہ تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ایک معزز فرشتہ نے تمہاری مدد کی ہے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے مشرکین سے ان کا جھنڈا چھین لیا تھا، یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا تھا۔ نبہان التمار کی حدیث کی امام ثعلبی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ نبہان التمار کے پاس ایک خوبصورت عورت کھجور خریدنے کے لئے آئی تو انہوں نے اس کو کولہوں پر ضرب لگائی، پھر وہ نادم ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: تم غازی فی سبیل اللہ کی بیوی کو چھیڑنے سے اجتناب کرو تو، پھر وہ بہت روئے اور روزے رکھے اور قیام کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (آل عمران: ۱۳۵)

اور وہ لوگ کہ جب وہ بے حیائی کا کام کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کو اس کی خبر دی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ! میری توبہ قبول ہوگئی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کروں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیے، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں یہ ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں O (حود: ۱۱۴) اس مرد نے کہا: کیا یہ صرف میرے لئے ہے: یعنی کیا یہ آیت میرے ساتھ مختص ہے کہ میرا نماز پڑھنا میرے گناہ کو مٹانے والا ہے یا یہ حکم پوری امت کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں یہ حکم پوری امت کے لئے ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ سنن دارقطنی کے اندر ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں پوچھا کیا یہ صرف ان کے لیے ہے یا تمام لوگوں کے لئے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد سوال کرنے والوں پر محمول ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

سورۂ ھود کی تفسیر ختم، ہوئی اب سورۂ یوسف کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

١٢۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ يُوْسُفَ

سورۂ یوسف کی تفسیر

سورۂ یوسف کا تعارف

ابوالعباس نے مقامات التنزیل میں کہا ہے کہ سورۂ یوسف پوری مکی ہے اور ہمیں اس میں کوئی اختلاف نہیں پہنچا اور حضرت ابن عباس اور قتادہ سے روایت ہے کہ چار آیتوں کے سوا سورۂ یوسف مکہ میں نازل ہوئی، ان میں سے تین آیتیں سورۂ یوسف کی پہلی آیات ہیں اور چوتھی آیت یہ ہے: لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ۝ (یوسف:۷)

اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ یہود نے حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق سوال کیا تھا تو یہ سورت نازل ہوئی۔

وَقَالَ فُضَيْلٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ مُتَّكَأً الْأُتْرُجُّ قَالَ فُضَيْلٌ الْأُتْرُجُّ بِالْحَبَشِيَّةِ مُتْكًا وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ مُجَاهِدٍ مُتْكًا قَالَ كُلُّ شَيْءٍ قُطِعَ بِالسِّكِّيْنِ۔

اور فضیل نے از حصین از مجاہد کہا کہ مُتَّكَأً کا معنی ہے: اَلْاُتْرُج یعنی سنترہ یا نارنگی، فضیل نے کہا: اُتْرُجّ حبشی زبان میں مُتْکًا کو کہتے ہیں اور ابن عیینہ نے از ایک مرد از مجاہد کہا: مُتْکا ہر وہ چیز ہے جس کو چھری سے کاٹا جائے۔

علامہ بدرالدین عینی اس تعلیق کی شرح میں اور اس باب میں مذکور دیگر تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

فُضَیْل: یہ فَضْل کی تصغیر ہے، ان کا پورا نام ہے: فضل بن عیاش بن موسیٰ بن علی، یہ سمرقند میں پیدا ہوئے تھے اور ابی ورد میں ان کی نشو ونما ہوئی اور کوفہ میں انہوں نے حدیث لکھی، پھر مکہ مکرمہ میں منتقل ہو گئے اور وہیں پر قیام کیا حتیٰ کہ انہوں نے ۱۸۷ھ میں وفات پائی، ان کی قبر مکہ میں ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور حصین کا پورا نام حصین بن عبدالرحمٰن السلمی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ۔ (یوسف:۳۱)

جب اس عورت نے ان عورتوں کی نکتہ چینی سنی تو اس نے ان کو بلوایا اور اس نے ان کے لئے تکیے سجا کر ایک محفل منعقد کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور (یوسف سے) کہا: ان کے سامنے باہر آؤ۔

مُتَّکَاً کی تفسیر مجاہد نے کی ہے کہ اس سے مراد اُتْرُجّ ہے یعنی سنترہ یا نارنگی اور علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ مُتَّکَاً سے مراد وہ گدے ہیں جن پر ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مُتَّکَاً کا معنی ہے: طعام کی مجلس کیونکہ اس میں کھانے، پینے اور باتیں کرنے کے لئے تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے جس طرح امراء کی عادت ہوتی ہے۔ اسی لئے آپ نے لوگوں کو ٹیک لگا کر کھانے سے منع فرمایا ہے اور مجاہد سے دوسری تفسیر یہ مروی ہے کہ مُتَّکَاً اس طعام کو کہتے ہیں جسے کاٹ کاٹ کر کھایا جاتا ہے گویا کہ معنی یہ

ہے کہ وہ چھری پر اعتماد کرتے تھے کیونکہ کاٹنے والا کاٹنے والی چیز کے لیے چھری کا سہارا لیتا ہے۔

اور ابن عیینہ نے کہا: یہ سفیان بن عیینہ ہیں از ایک مرد اور وہ مجہول ہے از مجاہد مُتْكًا اور یہ ہر وہ چیز ہے جسے چھری سے کاٹا جائے۔

وَقَالَ قَتَادَةُ لَذُوْ عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ عَامِلٌ بِمَا عَلِمَ۔ قتادہ نے کہا: لَذُوْ عِلْمٍ اس کا معنی ہے: جو اپنے علم کے تقاضے پر عمل کرے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ۔ (یوسف: ۶۸) بے شک وہ صاحب علم تھے کیوں کہ ہم نے ان کو علم عطا کیا تھا۔

اِنَّهٗ کی ضمیر حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف راجع ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا: اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے مت داخل ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا۔ (یوسف: ۶۷)

وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ صُوَاعَ الْمَلِكِ مَكُّوْكُ الْفَارِسِيِّ الَّذِيْ يَلْتَقِيْ طَرَفَاهُ كَانَتْ تَشْرَبُ بِهِ الْأَعَاجِمُ۔ اور سعید بن جبیر نے کہا: صُوَاعَ اس کا معنی ہے: اہل فارس کا ایک پیالہ جس کی دونوں جانبیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی تھیں، عجمی لوگ اس میں پانی پیتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ○ (یوسف: ۷۲) کارندوں نے کہا: بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں ○

سعید بن جبیر نے کہا: بادشاہ کا پیمانہ چاندی کا پیالہ تھا جس میں وہ پانی پیتے تھے، حضرت عباس کے پاس بھی زمانہ جاہلیت میں ایسا پیالہ تھا۔ زید بن زید نے کہا: یہ سونے کا پیالہ تھا۔ امام ابن اسحاق نے کہا: یہ چاندی کا پیالہ تھا اور اس میں جواہر جڑے ہوئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس پیالے سے ناپ ناپ کر غلہ دیتے تھے اور اسی سے پانی پیتے تھے۔ علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ المکوک پیمانے کا نام ہے اور مختلف شہروں میں لوگوں کی اصطلاح سے اس کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکوک پانی سے وضوء کرتے تھے یعنی ایک لیٹر پانی سے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تُفَنِّدُوْنِ تُجَهِّلُوْنِ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: تُفَنِّدُوْن کا معنی ہے: تم مجھے جاہل قرار دیتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ○ (یوسف: ۹۴) اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا: اگر تم یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے تو مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے ○

امام ابوعبیدہ نے کہا: لولا ان تُفَنِّدُوْن کا معنی ہے: اگر تم مجھے بے وقوف نہ قرار دو اور مجاہد نے کہا: اگر تم یہ نہ کہو کہ آپ کی عقل ضائع ہو چکی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو تین دن کی مسافت سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ گئی تھی۔

وَقَالَ غَيْرُهُ غَيَابَةٌ كُلُّ شَيْءٍ غَيَّبَ عَنْكَ شَيْئًا فَهُوَ غَيَابَةٌ۔ حضرت ابن عباس کے غیر نے کہا کہ غَيَابَةُ الْجُبِّ کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو تم سے تھوڑی سی بھی غائب ہو تو وہ غیابت ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ۔ (یوسف:۱۰) اور اس کو کسی اندھے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو اس کو کوئی قافلہ والا اٹھا لے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: یہ حضرت ابن عباس کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ امام ابوعبیدہ کا کلام ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰ ۶)

علامہ بدرالدین عینی اس عبارت پر مواخذہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام ابوعبیدہ کا کلام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حضرت ابن عباس کا کلام نہ ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت ابن عباس کا کلام ہو اور اس کو امام ابوعبیدہ نے بھی نقل کیا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۱۰)

ثعلبی نے کہا ہے کہ غیابۃ الجب کا معنی ہے: کنویں کی گہرائی اور اس کا اندھیرا جہاں اس کی خبر غائب ہوجاتی ہے اور قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: کنویں کا نچلا حصہ اور اس کی اصل غیبوبت ہے۔

وَالْجُبُّ الرَّکِیَّةُ الَّتِیْ لَمْ تُطْوَ۔ اور جُبّ کا معنی ہے: وہ کنواں جس کی منڈیر نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ۔ (یوسف:۱۰) اور اس کو کسی اندھے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو۔

قَلِیْب کا معنی بھی وہ کنواں ہے جس کی منڈیر نہ ہو۔ الجوہری نے کہا ہے: قلیب وہ کنواں ہے جس کی منڈیر نہ ہو۔ اس کو جُبّ اس لئے کہتے ہیں گویا کہ اس کو کاٹا گیا ہے۔

بِمُؤْمِنٍ لَّنَا بِمُصَدِّقٍ۔ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا اس کا معنی ہے: آپ ہماری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ ۝ (یوسف:۱۷) اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا، پس اس کو بھیڑیئے نے کھالیا اور آپ ہماری بات ماننے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ ہمارے کلام کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں اور تفسیر میں مذکور ہے: اور آپ ہماری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں کیونکہ آپ ہمارے ساتھ برا گمان رکھتے ہیں اور ہم پر تہمت لگاتے ہیں حالانکہ یہ قمیص خون آلود ہے۔

اَشُدَّهُ قَبْلَ اَنْ یَّاْخُذَ فِی النُّقْصَانِ یُقَالُ بَلَغَ اَشُدَّهُ وَبَلَغُوْا اَشُدَّهُمْ وَقَالَ بَعْضُهُمْ وَاحِدُهَا شَدٌّ۔ اَشُدَّهُ کا معنی ہے: قبل اس کے کہ اس میں کمی شروع ہو، کہا جاتا ہے: بَلَغَ اَشُدَّهُ یعنی وہ اپنی نشوونما کے کمال کو پہنچ گیا اس سے پہلے کہ اس میں کمی شروع ہوتی اور انہوں نے کہا: بَلَغَ اَشُدَّهُ اور بَلَغُوْا اَشُدَّهُمْ اور بعض نے کہا: اس کا واحد شَدٌّ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا۔ یوسف:۲۲) اور جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا۔

امام بخاری نے اَشُدَّہٗ کی تفسیر کی ہے کہ اس سے پہلے کہ اس میں کمی شروع ہو۔ اس سے امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ اپنے شباب کی انتہاء کو پہنچ گیا اور امام مالک سے منقول ہے کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا اور سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ وہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ یہاں پر کئی اقوال ہیں جو ساٹھ سال کی عمر تک کے ہیں۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ چالیس سال کی عمر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے ان کو فیصلہ کرنے کی قوت اور علم عطا کیا (یوسف: ۲۲) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کے بعد نبوت عطا کی گئی ہے۔ بعض علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو چالیس سال سے کم عمر میں نبوت عطا کر دی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاٰتَیۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِیًّا ۝ (مریم: ۱۲) اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا کی ۝

علامہ عینی نے کہا کہ یہ دونوں اس وصف کے ساتھ مخصوص ہیں بہ خلاف تمام انبیاء کے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بچپن میں نبوت عطا کی گئی تھی (یعنی روح مع الجسد والی نبوت) اور اس پر دلیل یہ حدیث ہے: عتبہ بن عبد السلمی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا: میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا، میں اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے لگے، ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا، میں نے کہا: اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ، میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا، پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے، ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہ وہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے، ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرا دیا، پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: برف کا پانی لاؤ، پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا، پھر کہا: ٹھنڈا پانی لاؤ، پھر کہا: چھری لاؤ، پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا، پھر کہا، اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو، پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو، پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے، پھر ان میں سے کسی نے کہا: اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا، پھر میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی، ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی افتاد آ جائے گی، انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں، وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھایا حتیٰ کہ ہم میری والدہ (رضی اللہ عنہا) تک پہنچ گئے، میری رضاعی ماں نے کہا: کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟ اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا تھا۔ میری والدہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوئیں اور فرمایا: میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۵-۱۸۴ طبع قدیم، مسند احمد ج ۲۹ ص ۱۹۶-۱۹۵۔ سنن دارمی: ۱۳، الا حاد والمثانی: ۱۳۶۹، مسند الشامیین: ۱۱۸۱، المستدرک ج ۲ ص ۶۱۷-۶۱۶، تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۷۶، الوفا لابن الجوزی ص ۱۰۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۷، مجمع الزوائد: ۱۳۸۴۱، حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند حسن ہے، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۳۳ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن میں شق صدر کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس واقعہ کو اپنی نبوت کی نشانی قرار دیا اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ آپ کو روح مع الجسد والی نبوت بچپن میں عطا کر دی گئی تھی اور اس میں نبوت کا ثبوت ہے اور نبوت کے احکام اس وقت جاری ہوئے جب آپ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو گئے اور آپ کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔

اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہم نے سورۂ الم نشرح: ۱ کے تحت تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۴۲ میں لکھی ہے۔

امام بخاری نے کہا کہ کہا جاتا ہے: بَلَغَ اَشُدَّهٗ اور بَلَغُوْا اَشُدَّهُمْ، امام بخاری نے اس قول سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کی اضافت مفرد اور جمع دونوں کی طرف لفظ واحد سے کی جاتی ہے اور امام بخاری نے کہا: بعض نے کہا: اس کا واحد اَشُدّ ہے، اس بات سے مراد سیبویہ اور کسائی ہیں اور امام ابوعبیدہ نے کہا: اس کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا۔

وَالْمُتَّكَأُ مَا اتَّكَاْتَ عَلَيْهِ لِشَرَابٍ أَوْ لِحَدِيْثٍ أَوْ لِطَعَامٍ وَأَبْطَلَ الَّذِي قَالَ الْأُتْرُجُّ وَلَيْسَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ الْأُتْرُجُّ فَلَمَّا احْتُجَّ عَلَيْهِمْ بِأَنَّهُ الْمُتَّكَأُ مِنْ نَمَارِقَ فَرُّوا إِلَى شَرٍّ مِنْهُ فَقَالُوا إِنَّمَا هُوَ الْمُتْكُ سَاكِنَةَ التَّاءِ وَإِنَّمَا الْمُتْكُ طَرَفُ الْبَظْرِ وَمِنْ ذٰلِكَ قِيلَ لَهَا مَتْكَاءُ وَابْنُ الْمَتْكَاءِ فَإِنْ كَانَ ثَمَّ أُتْرُجٌّ فَإِنَّهُ بَعْدَ الْمُتَّكَإِ۔

اور مُتَّكَأ کا معنی ہے: کسی چیز کو پینے کے لئے یا باتیں کرنے کے لئے جس پر ٹیک لگائی جائے اور جس نے کہا: اس کا معنی ہے: اُتْرُجّ یعنی سنترہ یا نارنگی۔ اس کا قول باطل ہے، کلام عرب میں اَلْاُتْرُجّ کا لفظ نہیں ہے، جب ان کے خلاف یہ دلیل دی گئی کہ اس کا معنی ٹیک لگانے والے گدے ہیں تو وہ اس سے بھی بدتر معنی کی طرف بھاگے تو انہوں نے کہا: یہ لفظ اَلْمُتْكُ ہے اور اس میں تاء ساکن ہے، یہ انہوں نے صحیح نہیں کہا کیونکہ اَلْمُتْكُ کا معنی ہے: عورت کی شرم گاہ کا کنارہ اور اسی وجہ سے غیر مختون عورت کے لئے کہا جاتا مَتْكَاءُ اور اس کے بیٹے کے لئے کہا جاتا ہے: ابن الْمَتْكَاء، پھر اگر وہاں پر سنترہ کا معنی ہو تو وہ ٹیک لگانے کے بعد کا استعمال ہے۔

اس سے پہلے ذکر کیا گیا تھا کہ اَلْمُتَّكَأ کا معنی اَلْاُتْرُجّ یعنی سنترہ ہے، سو امام بخاری نے اس کا انکار کیا اور انہوں نے کہا: اَلْمُتَّكَأ کا معنی ہے: جس پر کسی مشروب کو پینے کے لئے یا کسی طعام کو کھانے کے لئے یا کسی سے باتیں کرنے کے لئے ٹیک لگائی جائے۔

امام بخاری نے کہا: یہ کہنا باطل ہے کہ المتكأ کا معنی سنترہ ہے اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ کلام عرب میں اَلْاُتْرُجّ کا لفظ مستعمل نہیں ہے۔ اس قول پر اعتراض ہے کیونکہ علامہ ابن الملقن نے کہا ہے کہ یہ دعویٰ تعجب خیز ہے کیونکہ لغت کی کتاب المحکم میں لکھا ہے کہ اَلْمُتَّكَأ کا معنی اَلْاُتْرُجّ ہے اور اخفش نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ابوحنیفہ دینوری نے کہا ہے: المتكأ کا معنی الاترج ہے۔ اسی طرح ابو العلی القالی اور ابن فارس نے مجمل وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے اَلْمُتْكُ کا معنی ذکر کیا ہے کہ یہ عورت کی شرم گاہ کا کنارہ ہے یعنی عورت کے ختنہ کے بعد جو کھال لٹکی ہوتی ہے اس کو اَلْمُتْكُ کہتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ امام بخاری نے جو کہا ہے وہ امام ابو عبیدہ کی اتباع میں کہا ہے، تاہم ان لوگوں نے اتنا تتبع نہیں کیا جتنا ہم نے تتبع کیا ہے، دراصل امام بخاری امام ابوعبیدہ کی تقلید کرتے ہیں اور یہ سب تقلید کی آفت ہے۔

شَغَفَهَا يُقَالُ بَلَغَ شِغَافَهَا وَهُوَ غِلَافُ قَلْبِهَا وَأَمَّا شَعَفَهَا فَمِنَ الْمَشْعُوفِ۔

شَغَفَهَا کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے پردے تک پہنچ گیا اور یہ اس کے قلب کا غلاف ہے اور رہا شَعَفَهَا تو اس کا معنی ہے: دل کی گہرائی تک پہنچ گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (یوسف: ۳۰)

عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان (غلام) کو اپنی طرف راغب کر رہی ہے اس کی محبت اس کے دل پر چھا چکی ہے، بے شک ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھ رہی ہیں ۝

یعنی زلیخا کے دل کے پردے میں یوسف کی محبت پہنچ گئی تھی۔ ایک قول ہے: شِغَاف کا معنی ہے دل کی محبت اور رہا شِعَاف تو اس کا معنی ہے: کسی چیز کا دل کی گہرائی میں پہنچنا۔

أَصْبُ أَمِيلُ صَبَا مَالَ۔ أَصْبُ اس کا معنی ہے: أَمِيلُ یعنی میں مائل ہو جاؤں گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ (یوسف: ۳۳) اور اگر تو نے اس کی سازش مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا O

امام بخاری نے أَصْبُ کی تفسیر أَمِيلُ کے ساتھ کی ہے، جب کوئی شخص کسی چیز کی طرف مائل ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے: صَبَا اِلَیْهِ اور صَبِیّ یعنی بچہ بھی اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ہر چیز کی طرف مائل ہوتا ہے۔

أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ مَا لَا تَأْوِيلَ لَهُ۔ أَضْغَاثُ أَحْلَام اس کا معنی ہے: جس کی کوئی تاویل نہ ہو سکے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ۝ (یوسف: ۴۴) انہوں نے کہا: یہ تو پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تاویل نہیں جانتے O

اضغاث ضِغْث کی جمع ہے اور اس کا لغوی معنی ہے: مٹھی بھر تنکے۔ امام بخاری نے اضغاثُ احلام کی تفسیر کی ہے: جس کی تاویل نہ ہو سکے کیونکہ یہ جھوٹے خواب ہوتے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔

وَالضِّغْثُ مِلْءُ الْيَدِ مِنْ حَشِيشٍ وَمَا أَشْبَهَهُ وَمِنْهُ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا لَا مِنْ قَوْلِهِ أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ وَاحِدُهَا ضِغْثٌ۔ ضِغْث کا معنی ہے: مٹھی بھر تنکے اور جو اس کے مشابہ ہے اور اسی معنی میں یہ آیت ہے: وَ خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا (ص: ۴۴) اور (اے ایوب! آپ) اپنے ہاتھ میں تنکوں کی ایک جھاڑو لے لیں، اور یہ آیت کریمہ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ (یوسف: ۴۴) سے ماخوذ نہیں ہے جس کا واحد ضغث ہے۔

امام بخاری نے ضغث کا لفظ لا کر دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے: ایک یہ کہ ضغث واحد ہے اور اضغاث جمع ہے اور دوسرا یہ کہ ص: ۴۴ میں ضِغْث کا معنی ہے: تنکوں کی جھاڑو۔

نَمِيرُ مِنَ الْمِيرَةِ۔ وَ نَمِیْرُ، اَلْمِیْرَة سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: طعام۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ۚ وَ نَمِیْرُ اَهْلَنَا۔ (یوسف: ۶۵) یہ ہماری رقم کی تھیلی ہمیں لوٹا دی گئی ہے ہم اپنے گھر والوں کے لئے غلہ لائیں گے۔

اور اس کا معنی ہے: ہم اپنے گھر والوں کے لئے طعام یا غلہ لے کر آئیں گے۔

وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ مَا يَحْمِلُ بَعِيرٌ۔ وَ نَزْدَادُ كَیْلَ بَعِیْرٍ کا معنی ہے: جتنا غلہ ایک اونٹ پر لادا جا سکے۔

یعنی ہم زیادہ غلہ لائیں گے جس کو اونٹ پر لادا جا سکے۔ ثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ یہاں اونٹ کا معنی گدھا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کنعان میں رہتے تھے اور وہاں اونٹ نہیں ہوتے۔

أَوٰى إِلَيْهِ ضَمَّ إِلَيْهِ۔ اٰوٰٓى اِلَيْهِ کا معنی ہے: حضرت یوسف کی طرف ملا دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ۔ (یوسف:۶۹) اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرایا۔

یعنی جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس ٹھہرایا۔

اَلسِّقَايَةُ مِكْيَالٌ۔ اَلسِّقَايَة کا معنی ہے: ناپنے کا پیمانہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ۔ (یوسف:۷۰) پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کیا تو اس میں (شاہی) پیالہ اپنے بھائی کی بوری میں رکھ دیا۔

امام بخاری نے سقایہ کی تفسیر مکیال سے کی ہے اور یہ وہ برتن ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام پانی پیتے تھے، پھر انہوں نے اس کو ناپنے کا پیمانہ بنا دیا تا کہ لوگ اس پیمانہ کے علاوہ اور کسی پیمانہ سے نہ دیں ورنہ وہ ظالم ہو جائیں گے۔

اسْتَيْاَسُوْا يَئِسُوْا وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ مَعْنَاهُ الرَّجَاءُ۔ اِسْتَيْاَسُوْا کا معنی ہے: وہ مایوس ہو گئے وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (یوسف:۸۷) اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور اس کا معنی ہے: امید۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا۔ (یوسف:۸۰) جب یوسف کے بھائی اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں سرگوشی کی۔

یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں یہ مشورہ کیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کو ان سے ملا دیں۔

خَلَصُوْا نَجِيًّا اعْتَزَلُوْا نَجِيًّا وَالْجَمِيْعُ اَنْجِيَةٌ يَتَنَاجَوْنَ الْوَاحِدُ نَجِيٌّ وَالْاِثْنَانِ وَالْجَمِيْعُ نَجِيٌّ وَاَنْجِيَةٌ۔ خَلَصُوْا نَجِيًّا کا معنی ہے: انہوں نے الگ بیٹھ کر سرگوشی کی اور نَجِيًّا کی جمع اَنْجِيَةٌ ہے یعنی وہ سرگوشی کرتے ہیں، اس کا واحد نَجِيٌّ ہے اور تثنیہ اور جمع نَجِيٌّ اور اَنْجِيَةٌ ہے۔

اور نجی کے لفظ کا واحد اور جمع دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۱۴۱)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا۔ (یوسف:۸۰) جب یوسف کے بھائی اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں سرگوشی کی۔

یعنی انہوں نے دوسروں سے الگ بیٹھ کر تنہائی میں مشورہ کیا ہے۔

تَفْتَأُ لَا تَزَالُ۔ تَفْتَأُ کا معنی ہے: لَا تَزَالُ یعنی ہمیشہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ۔ (یوسف:۸۵) بیٹوں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ یوسف کو (ہی) یاد کرتے رہیں گے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا: اللہ کی قسم! آپ ہمیشہ حضرت یوسف کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آپ کے دل سے ان کی محبت کم نہیں ہوتی۔

حَرَضًا مُحْرَضًا يُذِيبُكَ الْهَمُّ۔ حَرَضًا کا معنی ہے: مُحْرَضًا یعنی تفکرات آپ کا جسم گھلا دیں گے، کمزور کردیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ۝ (یوسف:۸۵) حتیٰ کہ آپ سخت بیمار پڑ جائیں گے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے O

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ حَرَضًا، مُحرضا کے معنی میں ہے، یعنی جس کا جسم تفکرات سے گھل گیا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ موت کے قریب آ پہنچا ہو۔ الفراء نے کہا ہے کہ اس کے جسم میں فساد ہو گیا ہو۔ قتادہ نے کہا: حَرَضًا کا معنی ہے: بڑھاپا۔ ربیع بن انس نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: ہڈیوں پر اس کی کھال خشک ہو گئی ہو۔

تَحَسَّسُوا تَخَبَّرُوا۔ تَحَسَّسُوْا: اس کا معنی ہے: تم خبر حاصل کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ۔ (یوسف:۸۷) اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

امام بخاری نے تَحَسَّسُوْا کا معنی کیا ہے: خبر طلب کرو۔ حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا: تَحَسُّس اور تَجَسُّس میں کیا فرق ہے؟ انہوں نے کہا: کوئی فرق نہیں ہے مگر تَحَسُّس کا استعمال خیر میں ہوتا ہے اور تَجَسُّس کا استعمال شر میں ہوتا ہے۔

مُزْجَاةٌ قَلِيْلَةٌ۔ مُزْجَاةٌ کا معنی ہے: تھوڑی سی یعنی پونجی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ۔ (یوسف:۸۸) اور ہم آپ کے پاس حقیر پونجی لے کر آئے ہیں۔

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نے حضرت یوسف سے کہا: ہم آپ سے غلہ خریدنے کے لیے تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں۔

غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ عَامَّةٌ مُجَلِّلَةٌ۔ غٰشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اس کا معنی ہے: عام عذاب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ (یوسف:۱۰۷) کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے اوپر اللہ کا ایسا عذاب آجائے جو ان کا مکمل احاطہ کرلے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو O

امام بخاری نے غاشیہ کا معنی کیا ہے: عام عذاب اور مجللہ کا بھی یہی معنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۱۴-۴۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نوٹ: ہم نے سورۂ یوسف کی تفسیر میں تعلیقات کا اسلوب تبدیل کر دیا ہے۔ پہلے ہم نے التوضیح اور فتح الباری کی طرز پر تمام تعلیقات کو اکٹھا لکھا، پھر ان میں سے ہر تعلیق کی الگ الگ شرح کی اور سورۂ یوسف کی تفسیر میں ہم نے عمدۃ القاری کی طرز پر الگ الگ

تعلیقات کو لکھا اور تعلیق کے ساتھ اس کی شرح کی اور زیادہ غور وفکر سے ہمیں عمدۃ القاری کی طرز زیادہ مختصر اور آسان معلوم ہوئی۔

۱۔ بَابٌ: وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰٓ اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ۔ (یوسف:٦)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے اس نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر مکمل فرمایا تھا (یوسف:٦) کی تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام پر اور ان کے باپ دادا پر نعمت پوری کرنے کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ: یعنی اللہ آپ پر اپنی نعمت پوری کرے گا، اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام سے خطاب ہے، اور نبوت کے ذریعے آپ پر نعمت پوری کرے گا: ایک قول ہے کہ آپ کا نام بلند کرے گا۔ دوسرا قول ہے: آپ کے بھائیوں کو آپ کا محتاج کرے گا۔

اور آل یعقوب پر: وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر، ایک اور قول ہے: ان پر، ان کی بیوی پر اور ان کے گیارہ بیٹوں پر، اور نعمت پوری کرنے کا معنی یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی نعمتیں ان میں جمع کردے گا۔

جیسا کہ نعمت کو پورا کیا تھا حضرت ابراہیم اور اسحاق کے اوپر: حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نعمت یہ تھی کہ ان کو آگ سے نجات دی اور حضرت اسحاق پر نعمت یہ تھی کہ ان کو ذبح سے نجات دی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۱۵ ۳)

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح نہیں تھے بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح تھے جب کہ حضرت اسحاق پر نعمت کو پورا کرنا یہ ہے کہ ان کو نبوت عطا فرمائی، ان کے باپ بھی نبی ہیں ان کے بیٹے حضرت یعقوب اور پوتے حضرت یوسف علیہم السلام بھی نبی ہیں۔

۴۶۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَرِيْمُ ابْنُ الْكَرِيْمِ ابْنِ الْكَرِيْمِ ابْنِ الْكَرِيْمِ يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبدالصمد نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار از والد خود از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ آپ نے فرمایا: الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۸۲ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَابٌ: لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ (یوسف:۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں ۝ (یوسف:۷) کی تفسیر

۴۶۸۹۔ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی،

عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَيُّ النَّاسِ أَكْرَمُ قَالَ أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللهِ ابْنُ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ خَلِيلِ اللهِ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِي قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا تَابَعَهُ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ۔

انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از عبید اللہ از سعید بن ابی سعید از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ کریم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ کریم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ صحابہ نے کہا: ہم آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کر رہے۔ آپ نے فرمایا: پھر لوگوں میں سب سے زیادہ کریم یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔ صحابہ نے کہا: ہم آپ سے اس کے متعلق (بھی) سوال نہیں کر رہے، آپ نے فرمایا: پھر تم عرب کے معادن کے متعلق سوال کر رہے ہو۔ صحابہ نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر جو زمانہ جاہلیت میں تم میں سب سے بہتر تھا وہ زمانہ اسلام میں بھی تم میں سب سے بہتر ہے بہ شرطیکہ اس کو دین میں فہم ہو۔ عبدہ کی متابعت ابو اسامہ نے کی از عبید اللہ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۵۳ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ از روئے نسب حضرت یوسف سب سے افضل ہیں کیونکہ ان کے باپ، ان کے دادا اور ان کے دادا کے باپ سب نبی ہیں اور یہ فضائل کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئے۔ اس حدیث میں معادن کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ جس طرح معادن میں مختلف دھاتیں ہوتی ہیں اسی طرح فضیلت میں بھی مختلف صفات ہوتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۱۶)

۳۔ بَابٌ: قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔ (یوسف: ۱۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (یعقوب نے) کہا: (بھیڑیے نے تو خیر نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑ لی ہے، پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے۔ (یوسف: ۱۸) کی تفسیر

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات اپنے بیٹوں سے اس وقت فرمائی تھی جب وہ حضرت یعقوب کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کی خون آلود قمیص لے کر آئے اور کہا: یوسف کو بھیڑیے نے کھا لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: یہ بات تم نے بنا لی ہے، پس میرا صبر، صبر جمیل ہے۔ صبر جمیل سے مراد وہ صبر ہے جس میں نہ بے قراری کا اظہار ہو اور نہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شکایت ہو۔

سَوَّلَتْ زَيَّنَتْ۔ سَوَّلَتْ یعنی تمہارے دل نے یہ خوش نما بات بنائی ہے۔

۴۶۹۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ ح و حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب انہوں نے کہا: (ح) اور ہمیں حجاج

حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَيْلِيُّ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللهُ كُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللهُ وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ قُلْتُ إِنِّي وَاللهِ لَا أَجِدُ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ (یوسف:۱۸) وَأَنْزَلَ اللهُ ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ﴾ (النور:۱۱) إِنَّ الَّذِينَ جَاؤُا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ الْعَشْرَ الْآيَاتِ

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عمر النمیری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن یزید الایلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے عروہ بن زبیر اور سعید بن مسیب اور علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبداللہ سے سنا از حدیث عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ جب تہمت لگانے والوں نے ان کے متعلق جو کہا سو کہا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا، ان میں سے ہر ایک نے مجھ سے حدیث کا ایک حصہ بیان کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آپ بے قصور ہیں تو عنقریب اللہ آپ کی براءت کو ظاہر کر دے گا اور اگر آپ نے گناہ کا ارتکاب کر لیا ہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اس کی طرف توبہ کریں، میں نے کہا: بے شک اللہ کی قسم! میں صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کی مثال پاتی ہوں، پس صبر کرنا چاہیے اور جو کچھ آپ بیان کر رہے ہیں اس پر اللہ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے O (یوسف:۱۸) اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: بے شک جو لوگ (ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ پر) کھلا بہتان لائے (وہ) تم میں سے ایک گروہ ہے (النور:۱۱) یہ دس آیات ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۵۹۳ میں گزر چکی ہے۔

۴۶۹۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَسْرُوقُ بْنُ الْأَجْدَعِ قَالَ حَدَّثَتْنِي أُمُّ رُومَانَ وَهِيَ أُمُّ عَائِشَةَ قَالَتْ بَيْنَا أَنَا وَعَائِشَةُ أَخَذَتْهَا الْحُمَّى فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَعَلَّ فِي حَدِيثٍ تُحُدِّثَ قَالَتْ نَعَمْ وَقَعَدَتْ عَائِشَةُ قَالَتْ مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَيَعْقُوبَ وَبَنِيهِ ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ (یوسف:۱۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از حصین از ابی وائل، انہوں نے کہا: مجھے مسروق بن الاجدع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ام رومان نے حدیث بیان کی اور یہ حضرت عائشہ کی والدہ ہیں انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت میں حضرت عائشہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی ان کو بخار چڑھ گیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید یہ اس بات کی وجہ سے ہے جو بیان کی جا رہی ہے۔ حضرت ام رومان نے کہا جی ہاں اور حضرت عائشہ اٹھ کر بیٹھ گئیں، حضرت عائشہ نے کہا: میری اور تمہاری مثال حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی مثل ہے: بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے، پس اب صبر جمیل ہی بہتر ہے۔ اور جو کچھ تم لوگ کہہ رہے ہو

اس پر اللہ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے O (یوسف:۱۸)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۸۸ میں گزر چکی ہے۔

۴۔ بَابٌ: وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۖ (یوسف:۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا: جلدی آؤ۔ (یوسف:۲۳) کی تفسیر

یعنی عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے یوسف کا ارادہ کیا یعنی حضرت یوسف سے یہ طلب کیا کہ وہ اس کے ساتھ جماع کریں۔ اس آیت میں ابواب کا ذکر ہے، وہاں پر سات دروازے تھے۔

وَقَالَ عِكْرِمَةُ هَيْتَ لَكَ بِالْحَوْرَانِيَّةِ هَلُمَّ وَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ تَعَالَهْ۔

اور عکرمہ نے کہا: هَيْتَ لَكَ اس کا معنی حورانی زبان میں ہے: آؤ اور ابن جبیر نے کہا: اس کا معنی ہے: آؤ۔

علامہ کرمانی نے کہا، اَلْحُوران شام کا شہر ہے اور رشاطی نے کہا کہ حوران شام کا پہاڑ ہے۔ ابو محمد نے کہا: حوران دمشق کے شہروں میں سے ہے اور هَلُمَّ کا معنی ہے: آگے بڑھو۔ الکسائی نے کہا: یہ اہل حوران کی زبان ہے جس کا حجاز کی زبان میں معنی ہے: آؤ۔ حسن بصری نے کہا: یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور هیت لک کا معنی ہے: کیا تمہیں میرے حسن و جمال میں کوئی رغبت نہیں؟ ابو عبیدہ نے کہا: هیت کا نہ تثنیہ ہے نہ جمع نہ مونث ہے، یہ ہر حال میں اسی صورت میں ہوتا ہے۔ امام بخاری نے کہا: ابن جبیر نے کہا: یعنی سعید بن جبیر نے اور تعال کے آخر میں جو ہ (ھا) ہے وہ سکتہ کے لئے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۲۱۸-۲۱۷)

۴۶۹۲۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ هَيْتَ لَكَ قَالَ وَإِنَّمَا نَقْرَؤُهَا كَمَا عُلِّمْنَاهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان از ابو وائل از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: هَيْتَ لَكَ اور کہا: ہم اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح ہمیں اس کی تعلیم دی گئی۔

اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

مَثْوَاهُ مُقَامُهُ۔

مَثْوَاهُ اس کا معنی ہے: ان کا مقام اور مرتبہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ۔ (یوسف:۲۱)

اور مصر کے جس شخص نے یوسف کو (قافلہ سے) خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کو تعظیم و تکریم سے ٹھہراؤ۔

اس آیت میں عزیز مصر کی بیوی کا ذکر ہے۔ اس کا نام زلیخا تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام راعیل تھا۔

وَأَلْفَيَا وَجَدَا أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ أَلْفَيْنَا۔

وَأَلْفَيَا کا معنی ہے: ان دونوں نے پایا۔ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ کا معنی ہے: انہوں نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اَلْفَيْنَا کا معنی ہے: ہم نے پایا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا

وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے، اس عورت نے ان کی قمیص

لَدَا الْبَابِ۔ (یوسف:۲۵)

پیچھے سے پھاڑ ڈالی اور ان دونوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازے کے قریب پایا۔

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا دونوں دروازے کی طرف بھاگے۔ رہے حضرت یوسف علیہ السلام وہ بے حیائی کے کام سے بچنے کے لئے بھاگے اور رہی زلیخا تو وہ حضرت یوسف کو پکڑنے کے لئے بھاگی تا کہ وہ اس کی خواہش پوری کریں۔ زلیخا نے حضرت یوسف کی قمیص کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا تو وہ پھٹ گئی اور ان دونوں نے زلیخا کے شوہر قطفیر کو دروازے پر دیکھا جو اپنے چچا زاد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے بل عَجِبْتَ وَیَسْخَرُونَ اس کا معنی ہے: بلکہ آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ پوری آیت درج ذیل ہے:

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ۝ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ۝ (الصافات:۱۲-۱۱)

بیشک ہم نے انہیں لیس دار مٹی سے بنایا بلکہ آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑاتے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کو یہاں ذکر کرنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

۴۶۹۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه أَنَّ قُرَيْشًا لَمَّا أَبْطَئُوا عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْإِسْلَامِ قَالَ اللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى أَكَلُوا الْعِظَامَ حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا مِثْلَ الدُّخَانِ قَالَ اللهُ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ۝﴾ (الدخان:۱۰) قَالَ اللهُ ﴿اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ۝﴾ (الدخان: ۱۵) أَفَيُكْشَفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَمَضَتِ الْبَطْشَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از مسلم از مسروق از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں تاخیر کی تو آپ نے ان کے خلاف دعا کی: اے اللہ! ان سے میرا بدلہ لے اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے قحط کے سات سالوں کی طرح قحط کے سات سال مسلط کر دے تو ان پر قحط آ گیا جس نے ہر چیز کو خالی کر کے رکھ دیا حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی مرد آسمان کی طرف دیکھتا تو وہ اپنے اوپر آسمان کے درمیان دھوئیں کی مثل دیکھتا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس دن آسمان واضح دھواں لائے گا O (الدخان:۱۰) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم تھوڑے وقت کے لئے عذاب دور کئے دیتے ہیں (مگر) بے شک تم پھر (کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو O (دخان:۱۵) اور کیا قیامت کے دن ان سے عذاب دور کر دیا جائے گا اور دُخان یعنی دھواں گزر چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت جنگ بدر میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ بَابٌ: فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۞ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ (یوسف:۵۰-۵۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب ان کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا: اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو: ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، بے شک میرا رب ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے O بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا: اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی، انہوں نے کہا: حَاشَ لِلّٰهِ (یوسف:۵۱۔۵۰) کی تفسیر

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ: یعنی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بادشاہ کا قاصد آیا اور کہا: بادشاہ کے پاس چلیں حتیٰ کہ بادشاہ کے پاس ان کا عذر اور ان کا بے قصور ہونا واضح ہو جائے اور بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ عورتوں نے ان کو گناہ پر اکسایا تھا۔

اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ: یعنی اللہ تعالیٰ عورتوں کے مکر وفریب کو جاننے والا ہے، اور یہ کہ ان کا آقا قطفیر جاننے والا ہے کہ عورتوں نے ان کو فتنہ میں مبتلا کیا تھا۔

حَاشَ لِلّٰه: یعنی معاذ اللہ ہم نے حضرت یوسف میں کوئی بے حیائی کا کام نہیں پایا۔

وَحَاشَ وَحَاشَى تَنْزِيْهٌ وَّاسْتِثْنَاءٌ۔ حاش و حاشی اس کا معنی تنزیہ اور استثناء ہے۔

حاش کی تین قسمیں ہیں: ایک یہ کہ وہ فعل متعدی ہو اور اس کی گردان ہو جیسے حَاشَيْتُه کا معنی ہے: میں نے اس کا استثناء کیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تنزیہ کے لئے ہو جیسے حاش للہ اور یہ مبرد اور کوفیوں کے نزدیک فعل ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اسم ہے جو تنزیہ کے مترادف ہے کیونکہ بعض کی قراءت میں حَاشًا لِلّٰهِ ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ استثناء کے لئے ہو، پس سیبویہ اور بصریوں کا مذہب یہ ہے کہ یہ ہمیشہ حرف ہوتا ہے اور اِلَّا کے قائم مقام ہے لیکن یہ مستثنیٰ کو جر دیتا ہے۔

حَصْحَصَ وَضَحَ۔ حَصْحَصَ اس کا معنی ہے: وَضَحَ یعنی واضح ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ۔ (یوسف:۵۱) عزیز مصر کی بیوی نے کہا: اب تو حق بات ظاہر ہو گئی ہے۔

امام بخاری نے حصحص کی تفسیر کی ہے: وَضَحَ (بمعنی واضح اور ظاہر ہونا) اور بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ قول باطل چلا گیا اور کذب منقطع ہو گیا اور حق ظاہر ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۲۱-۴۲۰)

۴۶۹۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ تَلِيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ بَكْرِ بْنِ مُضَرَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن تلید نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن القاسم نے حدیث بیان کی از بکر بن مضر از عمرو بن الحارث از یونس بن یزید از ابن شہاب

سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَرْحَمُ اللهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ وَنَحْنُ أَحَقُّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لَهُ ﴿أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ (البقرہ:۲۶۰)۔

از سعید بن مسیب و ابی سلمہ بن عبد الرحمن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت لوط پر رحم فرمائے انہوں نے کسی مضبوط قبیلہ کی طرف پناہ لی اور اگر میں قید میں اتنا عرصہ رہتا جتنا عرصہ حضرت یوسف رہے تھے تو میں بلانے والے کی بات مان لیتا اور ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہ نسبت شک کرنے کے زیادہ حق دار ہیں جب ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا آپ ایمان نہیں لائے تو انہوں نے کہا: کیوں نہیں لیکن تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ (البقرہ:۲۶۰)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۳۳۷۲ میں گزر چکی ہے۔

۶۔ بَابٌ: حَتّٰى إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ (یوسف:۱۱۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: حتیٰ کہ جب رسول ناامید ہونے لگے (یوسف:۱۱۰) کی تفسیر

کُذِبُوا اور کُذِّبُوا کی قراءت کا فرق

علامہ بدر الدین عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہونے لگے اور ان کی قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے جو ان کو عذاب نازل ہونے کی وعید سنائی تھی وہ جھوٹی تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب رسول اس بات سے مایوس ہو گئے کہ ان کی قوم ان کی تصدیق کرے گی اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا اور عطاء اور حسن اور قتادہ نے یہ کہا کہ رسولوں کو یہ یقین تھا کہ ان کی قوم ان کی تکذیب کرے گی اور اگر یہ کذبوا نہ ہو بلکہ کُذِبُوا ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ امتوں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے جو ان کو یہ خبر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ہلاک کر کے ان کی مدد کرے گا تو رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔ (یہ قوم کا گمان تھا)

۴۶۹۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ لَهُ وَهُوَ يَسْأَلُهَا عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ﴾ حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ قَالَ قُلْتُ أَكُذِبُوا أَمْ كُذِّبُوا قَالَتْ عَائِشَةُ كُذِّبُوا قُلْتُ فَقَدِ اسْتَيْقَنُوا أَنَّ قَوْمَهُمْ كَذَّبُوهُمْ فَمَا هُوَ بِالظَّنِّ قَالَتْ أَجَلْ لَعَمْرِي لَقَدِ اسْتَيْقَنُوا بِذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهَا فَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا قَالَتْ مَعَاذَ اللهِ لَمْ تَكُنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے عروہ کو بتایا: جب وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق سوال کر رہے تھے (حَتّٰى إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ) عروہ نے بتایا کہ میں نے پوچھا کہ یہ لفظ کُذِبُوا ہے یا کُذِّبُوا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا: کُذِّبُوا ہے، میں نے کہا: رسولوں کو یقین تھا کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی ہے تو یہ ظن تو نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: معاذ اللہ! رسول

الرُّسُلُ تَظُنُّ ذٰلِكَ بِرَبِّهَا قُلْتُ فَمَا هٰذِهِ الْآيَةُ قَالَتْ هُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ الَّذِينَ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَصَدَّقُوهُمْ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءُ وَاسْتَأْخَرَ عَنْهُمُ النَّصْرُ حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ مِمَّنْ كَذَّبَهُمْ مِنْ قَوْمِهِمْ وَظَنَّتِ الرُّسُلُ أَنَّ أَتْبَاعَهُمْ قَدْ كَذَّبُوهُمْ جَاءَهُمْ نَصْرُ اللّٰهِ عِنْدَ ذٰلِكَ۔

اپنے رب کے ساتھ یہ گمان کرنے والے نہیں تھے۔ میں نے کہا: پھر اس آیت کا کیا معنی ہے؟ حضرت عائشہ نے بتایا: وہ رسولوں کے پیروکار تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی، پھر ان پر مصائب بہت طویل ہو گئے اور اللہ کی مدد موخر ہو گئی حتیٰ کہ جب رسول ان لوگوں سے مایوس ہو گئے جنہوں نے ان کی قوم میں سے ان کی تکذیب کی تھی اور رسولوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے پیروکار بھی ان کی تکذیب کریں گے تو اس وقت ان کے پاس اللہ کی مدد آ گئی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۸۹ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اتباع الرُّسُل: اس سے مراد مومنین ہیں، پس جس چیز کا رسولوں نے گمان کیا وہ مومنین کی تکذیب ہے اور جس چیز کا انہیں یقین تھا وہ کفار کی تکذیب ہے۔

معاذ اللہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے اللہ کی پناہ طلب کی کہ رسولوں کو یہ گمان ہو کہ وہ اللہ کے نزدیک جھٹلائے گئے ہوں بلکہ رسولوں کو یہ گمان اپنے ان پیروکاروں پر تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۲۲)

۴۶۹۶ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ فَقُلْتُ لَعَلَّهَا كُذِبُوا مُخَفَّفَةً قَالَتْ مَعَاذَ اللّٰهِ نَحْوَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی، میں نے کہا: شاید یہ لفظ تخفیف کے ساتھ کُذِبُوا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا معاذ اللہ اسی کی طرح۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۸۹ میں گزر چکی ہے۔

سورۂ یوسف کی تفسیر ختم ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورۃ الرعد کی تفسیر شروع ہو گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۳۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الرَّعۡدِ

سورۃ الرعد کی تفسیر

سورۃ الرعد کا تعارف

ایک قول یہ ہے کہ سورۃ الرعد مکی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں مکی اور مدنی آیات ہیں اور اس سورت میں تینتالیس (۴۳) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رَعد کے متعلق سوال کیا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادل کے ساتھ مؤکل ہے۔ اس کے پاس آگ کے کوڑے ہیں، جہاں اللہ چاہتا ہے وہ فرشتہ بادل کو وہاں لے جاتا ہے۔ انہوں نے پوچھا: یہ آواز کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بادل کو ڈانٹنے کی آواز ہے جب فرشتہ بادل کو ڈانٹتا ہے۔ یہود نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ (سنن ترمذی: ۳۱۱۷، سنن کبری للنسائی: ۹۰۷۲، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۴۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات میں ان پر بارش نازل کروں گا اور دن میں ان پر سورج طلوع کروں گا اور ان کو رعد کی آواز نہیں سناؤں گا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۴۹)

وَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ مَثَلُ الۡمُشۡرِكِ الَّذِیۡ عَبَدَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ غَيۡرَهٗ كَمَثَلِ الۡعَطۡشَانِ الَّذِیۡ يَنۡظُرُ اِلٰى ظِلِّ خَيَالِهٖ فِی الۡمَآءِ مِنۡ بَعِيۡدٍ وَهُوَ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتَنَاوَلَهٗ وَلَا يَقۡدِرُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ (الرعد: ۱۴) یعنی اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ یہ اس مشرک کی مثال ہے جو اللہ کے ساتھ اس کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کرے وہ اس پیاسے شخص کی طرح ہے جو دور سے پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے پانی کو لینے کا ارادہ کرے اور اس پر قادر نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِیۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَیۡءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ اِلَى الۡمَآءِ لِيَبۡلُغَ فَاهُ۔ (الرعد: ۱۴)

اور جو لوگ کسی اور کو (حقیقی حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، ان کا پکارنا صرف اس شخص کی طرح ہے جو (دور سے) پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھوں کو بڑھائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے۔

یعنی جو مشرکین اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پکارتے ہیں اور اس سے کسی ضرر کو دور کرنے کا ارادہ کرتے ہیں یا کسی نفع کے حصول کا ارادہ رکھتے ہیں وہ بت ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔

وَقَالَ غَيۡرُهٗ سَخَّرَ ذَلَّلَ۔

اور دوسروں نے کہا: سَخَّرَ کا معنی ہے: تابع کر دیا اور کام میں لگا دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ (الرعد:۲) اور اس نے سورج اور چاند کو اپنے نظام پر کار بند فرمادیا، ہر ایک اپنی مقرر مدت تک گردش کررہا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو مخلوق کی منفعتوں اور مخلوق کی مصلحتوں کے کام میں لگا دیا ہے اور ان میں سے ہر ایک وقت معلوم یعنی قیامت تک اپنے اپنے کام میں لگا رہے گا۔

مُتَجَاوِرَاتٌ مُتَدَانِيَاتٌ وَقَالَ مُجَاهِدٌ مُتَجَاوِرَاتٌ طَيِّبُهَا وَخَبِيثُهَا السِّبَاخُ۔ مُتَجٰوِرٰتٌ کا معنی ہے: مُتَقَارِبَاتٌ اور مجاہد نے کہا کہ زمین کا اچھا حصہ وہ ہے جو میٹھا ہو اور زمین کا خبیث حصہ وہ ہے جو شور اور بنجر ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ۔ (الرعد:۴) اور زمین میں ایک دوسرے کے قریب قطعات ہیں۔

امام بخاری نے مُتَجٰوِرٰتٌ کی تفسیر مُتَدَانِيَاتٌ سے کی ہے یعنی زمین کے حصے ایک دوسرے کے قریب ہیں اور صفات میں مختلف ہیں۔ بعض حصے زرخیز ہیں جو فصل اگاتے ہیں اور بعض حصے بنجر ہیں جو کچھ نہیں اگاتے۔

الْمَثُلَاتُ وَاحِدُهَا مَثُلَةٌ وَهِيَ الْأَشْبَاهُ وَالْأَمْثَالُ وَقَالَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا۔ اَلْمَثُلٰت اس کا واحد مَثُلَةٌ ہے یہ ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے کے مثل چیزیں ہیں اور فرمایا تو اب وہ انتظار نہیں کررہے مگر ان ہی لوگوں سے دنوں کا جو ان سے پہلے گزر چکے۔ (یونس:۱۰۲)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۔ (الرعد:۶) اور بے شک ان سے پہلے عذاب یافتہ لوگ گزر چکے ہیں۔

یعنی ان سے پہلے وہ امتیں گزر چکی ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی۔ قتادہ نے بیان کیا ہے کہ المثلت کا معنی ہے: العقوبات یعنی سزائیں۔

بِمِقْدَارٍ بِقَدَرٍ۔ بِمِقْدَارٍ یعنی بِقَدَرٍ اس کا معنی ہے: اندازے سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ○ (الرعد:۸) اور ہر چیز کا اس کے نزدیک ایک اندازہ ہے ○

مقدار سے مراد یہاں پر وہ حد ہے جس پر نہ اضافہ ہو سکے اور نہ کمی ہو سکے۔ حضرت ابن عباس نے بتایا کہ مقدار کا معنی یہ ہے کہ قیامت تک ہر ہونے والی چیز کا صحیح اندازہ۔

مُعَقِّبَاتٌ مَلَائِكَةٌ حَفَظَةٌ تُعَقِّبُ الْأُولَى مِنْهَا الْأُخْرَى وَمِنْهُ قِيلَ الْعَقِيبُ أَيْ عَقَّبْتُ فِي إِثْرِهِ۔ مُعَقِّبٰتٌ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے بندوں کے اعمال کی حفاظت کرنے کے لئے آتے ہیں اور اسی سے اَلْعَقِيب ماخوذ ہے جو کسی کے پیچھے آتا ہے۔ کہا جاتا ہے عَقَّبْتُ فِي إِثْرِهِ یعنی میں اس کے نشان کے پیچھے آیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَهُ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ اس کے لئے باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم

اَمْرِ اللّٰهِ۔ (الرعد:١١) سے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

امام بخاری نے مُعَقِّبٰتٌ کی تفسیر حفاظت کرنے والے فرشتوں سے کی ہے جو رات اور دن میں باری باری آتے ہیں، جب دن کے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں تو رات کے فرشتے نیچے آجاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحمن کی طرف سے جو آپ کے آگے اور پیچھے کی جانب سے آپ کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور مِنْ اَمْرِ اللّٰه کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے حفاظت کرتے ہیں اور اسی سے عقیب ماخوذ ہے جو کسی کے بعد آتا ہے۔

اَلْمِحَالِ اَلْعُقُوْبَةُ۔ اَلْمِحَال کا معنی ہے: اَلْعُقُوْبَة یعنی سزا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ (الرعد:١٣) اور وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے ○

امام بخاری نے المحال کی تفسیر گرفت کے ساتھ کی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ شدید گرفت کرنے والا ہے۔ مجاہد سے مروی ہے: وہ شدید قوت والا ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے: وہ شدید غلبہ والا ہے اور مجاہد سے دوسری روایت میں ہے: وہ سخت انتقام لینے والا ہے۔

كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآئِ لِيَقْبِضَ عَلَى الْمَآءِ۔ كَبَاسط كَفَّيْهِ الى الماء یعنی جیسے وہ شخص جو اپنے ہاتھوں کو بڑھائے تاکہ پانی پر قبضہ کرلے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ۔ (الرعد:١٤) اور جو لوگ کسی اور کو (حقیقی حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، ان کا پکارنا صرف اس شخص کی طرح ہے جو (دور سے) پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ پانی اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں۔

یعنی جو مشرکین اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پکارتے ہیں وہ بت ان کی کسی پکار کا جواب نہیں دے سکتے مگر جس طرح کوئی شخص پانی کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے، سو جس طرح اس شخص کا مقصود پورا نہیں ہوسکتا اسی طرح بتوں کو پکارنے والے کا مقصود بھی پورا نہیں ہوسکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: جیسے کوئی پیاسا شخص کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا ہو اور اپنے ہاتھ کنوئیں کے پانی کی طرف بڑھائے تو اس کے ہاتھ کنوئیں کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے اور وہ کنوئیں کے پانی کو نہیں پا سکتا۔

رَابِيًا مِنْ رَبَا يَرْبُوْ۔ رَابِيًا یہ رَبَا يَرْبُوْ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: وہ پھول کر بلند ہوجاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ اسی نے آسمان سے پانی نازل کیا جس سے اپنی وسعت کے

السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا۔ (الرعد:۱۷) مطابق ندی نالے جاری ہو گئے، پھر پانی کے زور نے بلبلے والے جھاگ بنا دیئے۔

امام بخاری نے یہ بتایا ہے کہ رَابِیًا، ربا یربو سے ماخوذ ہے۔امام ابوعبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے: پھول گیا اور تفسیر میں مذکور ہے۔اس کا معنی ہے: وہ پانی کی سطح کے اوپر بلند ہو گیا۔

أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ اَلْمَتَاعُ مَا تَمَتَّعْتَ بِهِ۔ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ یا جھاگ کی متاع اور متاع کا معنی ہے: جس سے تم فائدہ اٹھاؤ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِمَّا یُوقِدُونَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ۔ (الرعد:۱۷) اور جس دھات کو زیور یا کسی اور چیز (کی شکل) میں ڈھالنے کے لئے آگ میں پگھلاتے ہیں اس میں بھی ایسے ہی جھاگ بنتے ہیں۔

امام بخاری نے مَتَاع کی تفسیر کی ہے: جس سے تم فائدہ اٹھاؤ، یعنی جس طرح تم زیورات یا دیگر زینت کی چیزوں کو طلب کرنے کے لئے مختلف دھاتوں کو مثلاً سونے، چاندی، پیتل اور تانبے کو پگھلاتے ہو، پس ان سے وہ چیزیں بنتی ہیں جن سے تم فائدہ اٹھاتے ہو یعنی زیورات یا برتن وغیرہ اور ان کو بھی پگھلانے سے ایسے ہی جھاگ بنتے ہیں اور جھاگ باقی نہیں رہتا اور نہ اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔

جُفَاءً یُقَالُ أَجْفَأَتِ الْقِدْرُ إِذَا غَلَتْ فَعَلَاهَا الزَّبَدُ ثُمَّ تَسْكُنُ فَیَذْهَبُ الزَّبَدُ بِلَا مَنْفَعَةٍ فَكَذٰلِكَ یُمَیِّزُ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ۔ جُفَاءً یہ اَجْفَأَتِ الْقِدْرُ سے ماخوذ ہے یعنی جب دیگچی کا پانی جوش میں آئے تو جھاگ اوپر آ جاتا ہے، پھر جب دیگچی میں پانی ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو پھر جھاگ بغیر کسی منفعت سے ختم ہو جاتا ہے اسی طرح حق کو باطل سے ممتاز کیا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً۔ (الرعد:۱۷) پس رہا جھاگ تو وہ بے فائدہ ہونے کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے۔

امام بخاری کے قول کا معنی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جھاگ کو اس چیز سے ممتاز کیا ہے جو باقی رہتی ہے اور جھاگ باقی نہیں رہتا اور نہ نفع پہنچاتا ہے اسی طرح حق باقی رہتا ہے اور دائم رہتا ہے اور باطل باقی نہیں رہتا اور دوسری آیت میں زیادہ وضاحت سے فرمایا: رہا جھاگ تو وہ بغیر فائدے کے زائل ہو جاتا ہے اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو نفع دیتی ہے، پس وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔(رعد:۱۷)

اَلْمِهَادُ الْفِرَاشُ۔ اَلْمِهَاد کا معنی ہے: بچھونا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (الرعد:۱۸) اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ ٹھہرنے کی کیسی بری جگہ ہے ۝

یہ تفسیر ابوذر کی روایت کے علاوہ دوسروں کی روایت میں ہے۔

یَدْرَءُوْنَ یَدْفَعُوْنَ دَرَأْتُهُ عَنِّی دَفَعْتُهُ۔ وَیَدْرَءُوْنَ یعنی وہ دور کرتے ہیں۔ دَرَأْتُهُ عَنِّی یعنی میں نے اس کو اپنے پاس سے دور کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ اور وہ برائی کو اچھائی سے دور کرتے ہیں ان ہی کے لئے آخرت کا (اچھا) گھر ہے O (الرعد:۲۲)

امام بخاری نے يَدْرَءُوْنَ کی تفسیر يَدْفَعُوْنَ کی ہے، جب تم کسی شخص کو گھر سے دور کر دو تو کہا جاتا ہے: تم نے فلاں شخص کو دفع کر دیا۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ أَيْ يَقُوْلُوْنَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یعنی وہ کہیں گے: سلامٌ علیکم۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا، پس آخرت کا گھر کیسا اچھا گھر ہے O (الرعد:۲۴)

امام بخاری نے اس آیت سے پہلے يَقُوْلُوْنَ کو محذوف نکالا ہے۔ تفسیر میں مذکور ہے کہ فرشتے اہل جنت کے پاس آئیں گے، پس ان کو سلام کر کے کہیں گے کہ چونکہ تم نے دنیا میں فقر پر صبر کیا، ایک قول ہے جہاد پر صبر کیا، دوسرا قول ہے: دائمی عبادت پر صبر کیا۔ تیسرا قول ہے: گناہوں کے چھوڑنے پر صبر کیا، چوتھا قول ہے: شہوت کے تقاضوں کو ترک کرنے پر صبر کیا، اس لئے تم پر سلامتی ہو۔

وَإِلَيْهِ مَتَابِ تَوْبَتِي۔ وَإِلَيْهِ متاب کا معنی ہے: اور اس کی طرف میری توبہ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ۝ (الرعد:۳۰) آپ کہیے: وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے O

تفسیر میں مذکور ہے: اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے اور مَتَاب مصدر میمی ہے اور توبہ کا معنی ہے: گناہ سے رجوع کرنا۔

أَفَلَمْ يَيْأَسْ أَفَلَمْ يَتَبَيَّنْ۔ أَفَلَمْ يَايْئَسْ کا معنی ہے: کیا پس ان پر ظاہر نہیں ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا۔ (الرعد:۳۱) کیا پس ایمان والوں پر یہ منکشف نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔

امام بخاری نے أَفَلَمْ يَايْئَسْ کی تفسیر کی ہے: کیا پس ان پر ظاہر نہیں ہوا۔ مجاہد اور حسن بصری نے کہا ہے کہ یہ ہوازن کی لغت ہے تم کہو: يَائِسْتُ كَذَا یعنی میں نے اس کو اس طرح جان لیا۔

قَارِعَةٌ دَاهِيَةٌ۔ قَارِعَةٌ اس کا معنی ہے: دَاهِيَةٌ یعنی مصیبت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ۔ (الرعد:۳۱) اور کافروں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی۔

امام ابوعبیدہ نے کہا ہے دَاهِيَةٌ کا معنی ہے: ہلاکت اور مصیبت۔

فَأَمْلَيْتُ أَطَلْتُ مِنَ الْمَلِيِّ وَالْمِلَاوَةِ وَمِنْهُ مَلِيًّا وَيُقَالُ لِلْوَاسِعِ الطَّوِيْلِ مِنَ الْأَرْضِ مَلًى مِنْ فَأَمْلَيْتُ کا معنی ہے: میں نے اس کو طویل مہلت دی۔ یہ اَلْمَلِيّ اور اَلْمِلَاوَةُ سے ماخوذ ہے اور اسی سے مَلِيًّا ماخوذ ہے۔ وسیع اور

الْأَرْضِ۔ طویل زمین کے لئے کہا جاتا ہے: مَلَاءٌ مِنَ الْأَرْضِ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ (الرعد: ۳۲)

اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا، پس میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، سو کیسا تھا میرا عذاب! O

امام بخاری نے اَمْلَيْتُ کی تفسیر کی ہے: میں نے طویل مہلت دی، اور قرآن مجید میں ہے:

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ (مریم: ۴۶) اور مجھے طویل عرصے کے لئے چھوڑ دے O

الجوہری نے کہا ہے: اَلْمَلَاءُ کا معنی ہے: صحراء۔

أَشَقُّ أَشَدُّ مِنَ الْمَشَقَّةِ۔ اَشَقُّ یعنی بہت سخت اور یہ مشقت سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ (الرعد: ۳۴)

ان کے لئے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ دشوار ہے اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے O

امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اَشَقُّ کا لفظ شَقَّ يَشُقُّ سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔

مُعَقِّبٌ مُغَيِّرٌ۔ مُعَقِّبٌ اس کا معنی ہے: مُغَيِّرٌ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (الرعد: ۴۱)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے جا رہے ہیں اور اللہ حکم فرماتا ہے اور کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O

امام ابوعبیدہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی اس کے حکم کو متغیر کرنے والا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مُتَجَاوِرَاتٌ طَيِّبُهَا وَخَبِيْثُهَا السِّبَاخُ۔

اور مجاہد نے کہا: مُتَجٰوِرٰتٌ یعنی زمین کے بعض حصے عمدہ اور قابل کاشت ہیں اور بعض حصے شور اور کھاری ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ۔ (الرعد: ۴) اور زمین میں ایک دوسرے کے قریب قطعات ہیں۔

اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔

صِنْوَانٌ النَّخْلَتَانِ أَوْ أَكْثَرُ فِي أَصْلٍ وَاحِدٍ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ وَحْدَهَا بِمَاءٍ وَاحِدٍ كَصَالِحِ بَنِي آدَمَ وَخَبِيْثِهِمْ أَبُوْهُمْ وَاحِدٌ۔

صِنْوَانٌ اس کا معنی ہے: کھجور کے دو یا دو سے زائد درخت جن کی جڑ ایک ہو اور غَيْرُ صِنْوَانٍ اس کا معنی ہے: ایک درخت، ان کو ایک ہی زمین سے پانی دیا جاتا ہے جیسے بنو آدم نیک اور بدکار اور دونوں کے باپ ایک ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ زَرْعٌ وَ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ۔ (الرعد:۴) اور کھیت ہیں اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کھجور کے درخت ہیں اور الگ الگ بھی ہیں (حالانکہ) سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔

صِنْوٌ کا اصل معنی ہے: مثل، حدیث میں ہے: مرد کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں کی اصل واحد ہے۔

السَّحَابُ الثِّقَالُ الَّذِی فِیهِ الْمَاءُ۔ اَلسَّحَابُ الثِّقَال یعنی جس بادل میں پانی ہو، اس شخص کی طرح جو دور سے بادل کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کو ہلائے اور پانی کو بلائے، پس وہ اس کے پاس نہیں آئے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ۝ (الرعد:۱۲) وہی ہے جو تم کو (کبھی) ڈرانے کے لئے اور (کبھی) امید دلانے کے لئے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے۝

یعنی اللہ تعالیٰ پانی سے بوجھل اور بھاری بادلوں کو چلاتا ہے۔

فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا تَمْلَأُ بَطْنَ كُلِّ وَادٍ زَبَدًا رَابِیًا الزَّبَدُ زَبَدُ السَّيْلِ زَبَدٌ مِثْلُهُ خَبَثُ الْحَدِيدِ وَالْحِلْيَةِ۔ سَالَت اَوْدِیَةٌ بِقَدَرِهَا یعنی نالے اندازے سے بہتے ہیں اور وہ ہر وادی کا پیٹ پھولنے والے جھاگ سے بھر دیتے ہیں۔ جھاگ سے مراد ہے: سیلاب یعنی بہتا ہوا پانی یا جھاگ سے مراد ہے: لوہے اور زیورات کا زنگ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا۔ (الرعد:۱۷) وسعت کے مطابق ندی نالے جاری ہو گئے، پھر پانی کے زور نے بلبلے والے جھاگ بنا دیئے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش نازل کی اور اس بارش سے ہر وادی اپنی گنجائش سے بھر گئی خواہ وہ وادی چھوٹی ہو یا بڑی۔

اَوْدِیَةٌ وَادِیْ کی جمع ہے، دو پہاڑوں کے درمیان جو کشادہ جگہ ہوتی ہے اس کو وادی کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۴۲۹ - ۴۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱- بَابٌ: اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ۔ (الرعد:۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہر مادہ کے حمل کو اللہ ہی جانتا ہے، اور ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے (الرعد:۸) کی تفسیر

ناتمام بچے کی مختلف تعریفات

علامہ بدرالدین عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مَا تَغِیْضُ: وہ جو رحم میں بچے کا نقصان ہو جاتا ہے یعنی حمل ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی بچہ پورا پیدا ہو جاتا ہے۔ ضحاک نے کہا

ہے کہ غیضھا کا معنی یہ ہے کہ عورت کے ہاں بچہ نو مہینہ سے کم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ حسن بصری نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: ناتمام بچہ پیدا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ چھ مہینے سے تین دن کم میں بچہ پیدا ہوا۔ علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ حاملہ کو حیض آتا ہے اور امام شافعی کا بھی یہ ایک قول ہے اور عطاء، شعبی اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس کو حیض نہیں آتا اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۸ ص ۴۲۸)

۴۶۹۷۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللهُ لَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللهُ وَلَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللهُ وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیب کی پانچ چابیاں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحم میں کیا کمی ہوتی ہے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۳۹ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں صرف پانچ چیزوں کا ذکر ہے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا حالانکہ ایسی بہت چیزیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس کا جواب یہ ہے کہ کفار قریش کا یہ عقیدہ تھا کہ ان پانچ چیزوں کا علم ان کے کاہنوں کو ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کر کے فرمایا کہ ان پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے سورۃ الرعد کی تفسیر ختم ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورۂ ابراہیم کی تفسیر شروع ہو گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۴۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَةِ اِبۡرَاهِیۡمَ

سورۂ ابراہیم کی تفسیر

سورۂ ابراہیم کا تعارف

ابوالعباس نے کہا ہے کہ اس سورت میں صرف ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا۔ (ابراہیم:۲۸) اور کلبی سے روایت ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور ان کفار کے متعلق نازل ہوئی جو غزوہ بدر میں قتل کر دیئے گئے تھے۔

اس سورت میں باون (۵۲) آیات ہیں۔

قَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ هَادٍ دَاعٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هَادٍ کا معنی ہے: دعوت دینے والا۔

اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ۝ (الرعد:۷) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں O

امام بخاری پر یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے سورۂ ابراہیم کی تفسیر میں سورۂ رعد کی آیت کو ذکر کر دیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان بعض لکھنے والوں کی غلطی ہے جنہوں نے صحیح بخاری کے نسخہ کو نقل کیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ صَدِيۡدٌ قَيۡحٌ وَّدَمٌ۔ اور مجاہد نے کہا: صَدِیۡد کا معنی ہے: پیپ اور خون۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مِنۡ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسۡقٰى مِنۡ مَّآءٍ صَدِيۡدٍ۝ (ابراہیم:۱۶) اس کے بعد دوزخ ہے اور اس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا O

قتادہ سے روایت ہے کہ یہ وہ پیپ اور خون ہے جو کافر کی کھال سے نکلے گا اور ربیع بن انس سے روایت ہے کہ یہ دوزخیوں کا غسالہ ہے اور یہ وہ پیپ اور خون ہے جو زنا کرنے والوں کی شرم گاہوں سے نکلے گا اور وہ دوزخیوں کو پلایا جائے گا۔

وَقَالَ ابۡنُ عُيَيۡنَةَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اَيَادِيَ اللّٰهِ عِنۡدَكُمۡ وَاَيَّامَهٗ۔ اور ابن عیینہ نے کہا: اذکروا نعمۃ اللہ علیکم کا معنی ہے، اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو تمہارے پاس ہیں اور ان واقعات کو یاد کرو جو اس کی قدرت سے ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ اَنۡجٰىكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ۔ (ابراہیم:۶) اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم کو فرعون کے متبعین سے نجات دی۔

امام بخاری نے نِعْمَةَ اللهِ کی تفسیر ایادی الله کے ساتھ کی ہے۔اور ایادی یَدْ کی جمع ہے اور وہ نعمۃ کے معنی میں آتا ہے۔

امام طبری نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْهُ رَغِبْتُمْ إِلَيْهِ فِيهِ۔ اور مجاہد نے کہا: من کلِّ مَا سَأَلْتُمُوْہ کا معنی ہے: ہر وہ چیز جس کی طرف تم نے رغبت کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (ابراہیم:۳۳-۳۴) اور تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا O اور تمہاری تمام مانگی ہوئی چیزوں میں سے تم کو (بہت کچھ) عنایت کیا۔

یعنی جن چیزوں کی طرف تم نے رغبت کی وہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا کر دیں اور بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے: تم کو وہ نعمتیں عطا کیں جن کا تم نے سوال کیا اور وہ نعمتیں بھی عطا کیں جن کا تم نے سوال نہیں کیا۔

يَبْغُونَهَا عِوَجًا يَلْتَمِسُونَ لَهَا عِوَجًا۔ و یبغونها عوجا اس کا معنی ہے: اور وہ اس میں کجی اور ٹیڑھ کو تلاش کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ (ابراہیم:۳) اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔

یہ تفسیر مجاہد کی تفسیر کے مطابق ہے۔

وَإِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ أَعْلَمَكُمْ آذَنَكُمْ۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے تم کو خبر دی اور بتایا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ (ابراہیم:۷) اور یاد کرو جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا۔

امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں اِذْ کا لفظ زائد ہے۔علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے: یاد کرو جب تمہارے رب نے یہ خبر دی۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ تَاَذَّنَ، ایذان سے ماخوذ ہے۔(فتح الباری ج ۵ ص ۶۵۴)

علامہ عینی اس کا رد فرماتے ہوئے کہتے ہیں: بلکہ یہ تاذین سے ماخوذ ہے۔

رَدُّوْا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ هَذَا مَثَلٌ كَفُّوا عَمَّا أُمِرُوا بِهِ۔ رَدُّوْا ایدیهم فی اَفْوَاهِهِمْ یہ ایک مثال ہے یعنی وہ اس کام سے باز رہے جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ۔ (ابراہیم:۹) ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ دیئے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے غصہ میں آ کر اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا۔امام بخاری نے کہا: یہ ضرب المثل ہے یعنی

جب کوئی شخص کسی حکم پر عمل نہ کرے تو اس کے لئے ضرب المثل ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لئے، یعنی جب انبیاء علیہم السلام نے ان کو وعظ اور نصیحت کی تو انہوں نے ان کا بہت زیادہ رد کرنے کے لئے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لئے یعنی تم جو پیغام لے کر آئے ہو ہم اس کا کفر کرتے ہیں اور ہماری طرف سے اس کا یہی جواب ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نصیحتوں کو ان کی طرف لوٹا دیا۔

مَقَامِي حَيْثُ يُقِيمُهُ اللهُ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ مَقَامِي یعنی وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيْدِ ۝ (ابراہیم: ۱۴) یہ (اعلان) اس کے لئے ہے جو میرے سامنے پیش ہونے اور میرے عذاب دینے کی خبر سے ڈرے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت ہے اور تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ موقف ہے یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے حساب لے گا۔

مِنْ وَرَائِهِ قُدَّامَهُ جَهَنَّمُ۔ مِنْ وَّرَآىِٕهٖ اس کا معنی ہے: ان کے سامنے جہنم ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝ (ابراہیم: ۱۷) اور ان کے سامنے ایک اور سخت عذاب ہے O

امام بخاری نے وَّرَآىِٕهٖ کی تفسیر قُدَّامہ سے کی ہے یعنی سامنے اور زمخشری نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے۔ قطرب وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ لفظ اضداد سے ہے یعنی اس کا معنی پیچھے بھی ہے اور سامنے بھی اور ابراہیم بن عرفہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ وراء کا لفظ آگے یا سامنے کے معنی میں اسی وقت آتا ہے جب وہ مکان یا زمان کے معنی میں ہو۔

لَكُمْ تَبَعًا وَاحِدُهَا تَابِعٌ مِثْلُ غَيَبٍ وَغَائِبٍ۔ لَكُمْ تبعًا اس کا واحد تَابِعٌ ہے جیسے غَيَبٌ اور غَائِبٌ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ۔ (ابراہیم: ۲۱) اور آخرت میں سب اللہ کے سامنے پیش ہوئے تو کمزور لوگوں نے بڑوں سے کہا: ہم (دنیا میں) تمہاری پیروی کرتے تھے، پس کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب کو کچھ کم کر سکتے ہو؟

اَلتَّبَعُ التابع کی جمع ہے جیسے خَدَمٌ خَادِمٌ کی جمع ہے۔ امام بخاری نے مثال دی ہے جیسے غَيَبٌ غائب کی جمع ہے، اس آیت کا معنی ہے: بے شک ہم تمہاری پیروی کرنے والے تھے۔

بِمُصْرِخِكُمْ اسْتَصْرَخَنِي اسْتَغَاثَنِي يَسْتَصْرِخُهُ مِنَ الصُّرَاخِ۔ بِمُصْرِخِكُمْ یہ اِسْتَصْرَخَنی سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: استغاثنی یعنی اس نے مجھ سے مدد طلب کی۔ يَسْتَصْرِخُهُ وہ مدد طلب کرتا ہے اور یہ صُراخ سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۚ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ۔ (ابراہیم: ۲۲) تو تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرنے والے ہو۔

علامہ زمخشری نے اس کا معنی کیا ہے: ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے عذاب سے نجات دے سکتا ہے اور نہ کسی کی مدد کر سکتا ہے۔ یَسْتَصْرِخُهٗ کا معنی ہے: وہ زور سے چلاتا ہے۔ اسی لئے امام بخاری نے کہا: یہ مُراخ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے آواز دینا۔

وَلَا خِلَالَ مَصْدَرُ خَالَلْتُهٗ خِلَالًا وَيَجُوْزُ أَيْضًا جَمْعُ خُلَّةٍ وَخِلَالٍ۔

وَلَا خِلَال یہ خَالَلْتُهٗ خِلَالًا کا مصدر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خُلَّةٌ کی جمع خِلَال ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ (ابراہیم: ۳۱)

اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی O

امام بخاری نے لفظ خِلَالٌ میں دو صورتیں بیان کی ہیں: ایک یہ کہ یہ مصدر ہے اور اس کا معنی ہے: اس دن کسی دوست کی دوستی کام نہیں آئے گی اور دوسرا یہ کہ یہ خُلَّۃ کی جمع ہے جیسے ظُلَّۃ کی جمع ہے: ظلال ہے اور جمہور اہل لغت نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور خُلَّۃ کا معنی صداقت اور محبت ہے جو دل میں بس جائے اور اسی سے خلیل اور صدیق بنا ہے۔

اجْتُثَّتْ اسْتُؤْصِلَتْ۔

اجْتُثَّتْ اس کا معنی ہے: جڑ سے اکھاڑ لیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ (ابراہیم: ۲۶)

اور ناپاک کلمہ (بات) کی مثال اس ناپاک درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا اس کے لئے بالکل ثبات نہیں O

امام بخاری نے اُجْتُثَّتْ کی تفسیر اُسْتُؤْصِلَتْ کے ساتھ کی ہے، یہ لفظ اسْتِيْصَال سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۶-۳)

۱۔ بَابٌ: كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ۔ (ابراہیم: ۲۴-۲۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں O وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۵-۲۴) کی تفسیر

کلمہ طیبہ اور شجرۂ طیبہ میں مختلف وجوہ سے مشابہت

علامہ بدرالدین محمود احمد بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ کلمہ طیبہ سے مراد ہے: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور شجرہ طیبہ میں کئی اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر پھل دار درخت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنت ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنت کا درخت ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد مومن ہے۔

اگر اس سے مراد پھل دار درخت ہو تو کلمہ طیبہ میں اور شجرۂ طیبہ میں مشابہت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک سے منافع حاصل

ہوتے ہیں۔کلمہ طیبہ سے جنت میں دخول اور دوزخ کے دوام سے نجات حاصل ہوگی اور پھل دار درخت سے لذت اور قوت حاصل ہوتی ہے اور اگر شجرۂ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہو تو کھجور کا درخت دیکھنے میں بہت خوبصورت ہوتا ہے اور اس سے بہت خیر حاصل ہوتی ہے اور اس کے منافع بہت زیادہ ہیں، اس کے تنے سے ستون بنائے جاتے ہیں اور اس کی شاخیں اور پتوں سے بہت کار آمد اور مفید چیزیں بنتی ہیں مثلاً چٹائیاں، پنکھے، چنگیریاں اور ٹوپیاں وغیرہ اور اس کی شاخیں جو اوپر کو جاتی ہیں اور اس کی جڑیں جو زمین میں پیوست ہوتی ہیں تو یہ ایسے ہے جیسے مومن کا ایمان اس کے سینہ میں ہوتا ہے اور اس کے نیک اعمال قبولیت کے لئے اوپر پہنچائے جاتے ہیں اور اگر شجرہ طیبہ سے مراد جنت یا جنت کا درخت ہو تو یہ اس لئے واضح ہے کہ کلمہ طیبہ سے جنت ملتی ہے اور جنت میں دوام حاصل ہوتا ہے اور اگر شجرہ طیبہ سے مراد مومن ہو تب بھی واضح ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھنے سے بندہ مومن ہوتا ہے۔

اور وہ ہر وقت پھل دیتا ہے: یعنی جس طرح کھجور کا درخت ہر وقت پھل دیتا ہے اور کبھی معطل نہیں ہوتا، اسی طرح مومن سے بھی اس کے اعمال صالحہ کبھی معطل نہیں ہوتے۔

اس کی اصل ثابت ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں: یعنی کھجور کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں اور اس کی شاخیں بلندی کی طرف اٹھی ہوئی ہوتی ہیں اور جب اس کی شاخیں اوپر اٹھی ہوئی ہوتی ہیں تو وہ زمین کی کثافتوں سے بہت بلند ہوتی ہیں۔

درخت اس وقت مکمل درخت بنتا ہے جب اس میں تین چیزیں ہوں، اس کی جڑ راسخ ہو اور اس کی اصل قائم ہو اور اس کی فرع بلند ہو، اسی طرح مومن اس وقت پھل دیتا ہے جب اس میں تین چیزیں ہوں: تصدیق بالقلب ہو، اقرار باللسان ہو اور عمل بالابدان ہو۔

سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا ہے کہ ''حین'' کا اطلاق ہر چھ ماہ بعد پر ہوتا ہے یعنی کھجور کا درخت ہر چھ ماہ بعد پھل دیتا ہے۔

الربیع بن انس نے کہا: کل حین کا معنی ہے: ہر صبح اور شام۔ اسی طرح مومن بھی ہر صبح اور شام نیک عمل کرتا ہے۔ ضحاک نے کہا ہے کہ حین کا معنی ہے: رات اور دن کی ساعت یعنی کھجور ہر موسم میں رات اور دن کے وقت کھائی جاتی ہے، اسی طرح مومن بھی رات اور دن کے ہر وقت میں نیک کام کرتا رہتا ہے، اس کا سونا بھی نیکی ہے کیونکہ وہ رات کی نیند سے دن میں نیک کام کرنے کی طاقت حاصل کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۷-۶)

۴۶۹۸- حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ تُشْبِهُ أَوْ كَالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ لَا يَتَحَاتُّ وَرَقُهَا وَلَا وَلَا وَلَا تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ وَرَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ لَا يَتَكَلَّمَانِ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ فَلَمَّا لَمْ يَقُولُوا شَيْئًا قَالَ رَسُولُ اللهِ هِيَ النَّخْلَةُ فَلَمَّا قُمْنَا قُلْتُ لِعُمَرَ يَا أَبَتَاهُ وَاللهِ لَقَدْ كَانَ وَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَكَلَّمَ قَالَ لَمْ أَرَكُمْ تَكَلَّمُونَ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ أَوْ أَقُولَ شَيْئًا قَالَ عُمَرُ لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی از ابی اسامہ از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ نے فرمایا: مجھے ایک درخت کی خبر دو جو مشابہ ہے یا فرمایا وہ مسلمان مرد کے مشابہ ہے۔ اس کے پتے نہیں گرتے اور نہ اس طرح ہوتا اور نہ اس طرح ہوتا ہے اور نہ اس طرح ہوتا ہے وہ اپنا پھل ہر وقت دیتا ہے، حضرت ابن عمر نے بتایا پس میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے اور میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بات نہیں کر رہے تو میں نے بات کرنا پسند نہیں کیا، پس جب صحابہ نے کچھ بھی نہیں کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا: وہ کھجور کا درخت ہے، پس جب ہم اٹھے تو میں نے حضرت عمر سے کہا اے ابا جان! اللہ کی

كَذَا أَوْ كَذَا۔

قسم! میرے دل میں یہ آیا تھا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، پس انہوں نے کہا: تمہیں بتانے سے کیا چیز مانع ہوئی؟ حضرت ابن عمر نے کہا: میں نے دیکھا کہ آپ لوگ نہیں بتا رہے تو میں نے بتانے کو ناپسند کیا یا کچھ کہنے کو ناپسند کیا۔ حضرت عمر نے کہا اگر تم بتا دیتے تو یہ مجھے فلاں اور فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٦١ میں گزر چکی ہے۔

٢۔ بَابٌ: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ۔ (ابراہیم: ٢٧)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ ایمان والوں کو مضبوط کلمہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے (ابراہیم: ٢٧) کی تفسیر

عذاب قبر کا ثبوت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو اور ان کے اعمال کو قول ثابت کے ساتھ محقق کرتا ہے اور اس سے مراد ہے: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

دنیا کی زندگی میں: یعنی قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت۔

اور آخرت میں: یعنی جب ان کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

٤٦٩٩ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ (ابراہیم: ٢٧)

امام بخاری روایت کرتے ہیں ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے علقمہ بن مرثد نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے سعد بن عبیدہ سے سنا از حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جائے گا تو وہ شہادت دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، پس یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اللہ ایمان والوں کو دنیا میں (بھی) مضبوط کلمہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی)۔ (ابراہیم: ٢٧)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ١٣٦٩ میں گزر چکی ہے۔

٣۔ بَابٌ: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا۔ (ابراہیم: ٢٨)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا (ابراہیم: ٢٨) کی تفسیر

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بَدَّلُوْا: یعنی جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اللہ عزوجل کی نعمت کو تبدیل کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان ہی لوگوں میں سے مبعوث فرمایا اور ان ہی میں مبعوث فرمایا، پس انہوں نے آپ کا کفر کیا اور آپ کی تکذیب کی۔

وَاَحَلُّوْا: یعنی انہوں نے اپنی قوم کے ان لوگوں کو جہنم میں داخل کر دیا جنہوں نے کفر کرنے میں ان کی موافقت کی تھی۔

اَلَمْ تَعْلَمْ یہ آیت اَلَمْ تَرَ كَيْفَ کی مثل ہے یعنی کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں والوں کے ساتھ کیا کیا یا یہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا کی مثل ہے یعنی کیا آپ نے نہیں دیکھا جو لوگ اپنے گھروں سے نکلے تھے۔

امام بخاری نے جو تفسیر کی ہے وہی تفسیر امام ابوعبیدہ نے کی ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اَلَمْ تَعْلَمْ، اَلَمْ تَرَ کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ ان کو دیکھنا عادتاً حاصل نہیں ہوا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ اظہار تعجب کے موقع پر کہا جاتا ہے۔

۴۷۰۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللهِ كُفْرًا﴾ (ابراہیم: ۲۸) قَالَ هُمْ كُفَّارُ أَهْلِ مَكَّةَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از عطاء، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا۔ (ابراہیم: ۲۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اہل مکہ کے کفار تھے جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے تبدیل کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۷۷ میں گزر چکی ہے۔

سورۂ ابراہیم کی تفسیر ختم ہوئی اب ان شاء اللہ سورۃ الحجر کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۵۔ تَفْسِيرُ سُوْرَةِ الْحِجْرِ

سورۃ الحجر کی تفسیر

سورۃ الحجر کا تعارف

امام طبری نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔ علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورۂ یوسف کے بعد اور سورۂ انعام سے پہلے نازل ہوئی اور اس میں ننانوے (۹۹) آیات ہیں۔ حجر کا معنی منع کرنا ہے۔ عقل کو بھی حجر کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو غلط اور برے کاموں سے روکتی ہے، جو مکان پتھروں سے بنایا جائے اس کو بھی حجر کہتے ہیں۔ قوم ثمود کی آبادیاں چونکہ پتھروں کو تراش کر کے بنائی گئی تھیں اس لئے ان کو اَلْحِجر کہا گیا ہے جیسا کہ (الحجر: ۸۰) میں ہے۔ (تبیان القرآن ج ۶ ص ۲۳۱)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ الْحَقُّ يَرْجِعُ إِلَى اللهِ وَعَلَيْهِ طَرِيقُهُ۔

اور مجاہد نے کہا: صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ اس کا معنی ہے کہ حق اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہی اللہ کا راستہ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝ (الحجر: ۴۱)

فرمایا: مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا راستہ ہے ○

یہ امام ابن ابی حاتم کی تعلیق ہے اور اخفش نے اس کا معنی بیان کیا ہے کہ یہ صراط مستقیم پر دلالت ہے۔

وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ الْإِمَامُ كُلُّ مَا ائْتَمَمْتَ وَاهْتَدَيْتَ بِهِ إِلَى الطَّرِيقِ۔

وانهما لباِمام مّبين: اس کا معنی ہے: یہ دونوں شہر کھلے ہوئے راستہ پر ہیں۔ امام ہر اس راستہ کو کہتے ہیں جس کا تم قصد کرو اور جس سے تم کسی منزل کا راستہ پاؤ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ۝ (الحجر: ۷۹)

سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور یہ دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر ہیں ○

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا شہر اور اصحاب الایکہ کا شہر کھلی ہوئی شاہراہ پر ہیں یعنی وہ بالکل واضح راستہ ہے، اس راستے کو امام اس لئے کہا کہ اس راستے کی اتباع کی جاتی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَعَمْرُكَ لَعَيْشُكَ۔

حضرت ابن عباس نے کہا: لَعَمْرُكَ کا معنی ہے: آپ کی زندگی کی قسم۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ (الحجر: ۷۲)

(اے محمد!) آپ کی زندگی کی قسم! وہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش ہو رہے ہیں ○

تفسیر ثعلبی میں مذکور ہے: اے محمد! آپ کی زندگی کی قسم! حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اپنی گمراہی اور اپنی حیرت میں تردد کر رہے ہیں اور قتادہ سے روایت ہے کہ کھیل رہے ہیں۔

علامہ ابن الملقن نے لکھا ہے: تفسیر ابن مردویہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے علاوہ اور کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی، پھر فرمایا: لَعَمْرُكَ یا محمد وَ حَيَاتُكَ یا محمدُ۔ (الدر المنثور ج ۴ ص ۱۹۲)، (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۵۰۸)

قَوْمٌ مُنْكَرُونَ أَنْكَرَهُمْ لُوطٌ۔ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ یعنی یہ اجنبی لوگ ہیں، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اجنبی قرار دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ۙ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ (الحجر: ۶۲-۶۱) پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے O لوط نے کہا: بے شک تم اجنبی لوگ ہو O

اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کو یہ بشارت دی کہ ان کے بڑھاپے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو بیٹا عطا فرمائے گا، (ابراہیم نے) پوچھا: اے فرشتو! تمہیں اور کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا: بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (الحجر: ۵۷-۵۶)

فرشتوں نے مجرمین سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو مراد لیا، پھر جب وہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں کو نہیں پہچانا اور فرمایا کہ تم اجنبی لوگ ہو۔ (الحجر: ۶۲)

وَقَالَ غَيْرُهُ كِتَابٌ مَعْلُومٌ أَجَلٌ۔ اور دوسروں نے کہا: کتابٌ معلومٌ کا معنی ہے: تقدیر میں لکھی ہوئی مدت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ○ (الحجر: ۴) ہم نے جس بستی کو تباہ کیا اس کا نوشتہ تقدیر میں وقت معین تھا O

اس کا معنی ہے: مدت اور تفسیر میں مذکور ہے: مدت معینہ جو ہم نے ان کے لئے لکھ دی ہے، جب تک وہ اس مدت کو نہیں پہنچ جائیں گے ہم ان کو نہ عذاب دیں گے اور نہ ہلاک کریں گے۔

لَوْمَا تَأْتِينَا هَلَّا تَأْتِينَا۔ لَوْمَا تَأْتِينَا کا معنی ہے: هَلَّا تَأْتِينَا یعنی تم ہمارے پاس کیوں نہیں لائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (الحجر: ۷) اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے O

خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ آپ ہمارے پاس فرشتوں کو لے کر کیوں نہیں آئے جو آپ کے صدق پر گواہی دیتے اور ہمیں ڈرانے میں آپ کی مدد کرتے۔

شِيَعٌ أُمَمٌ وَلِلْأَوْلِيَاءِ أَيْضًا شِيَعٌ۔ شِيَعٌ اس کا معنی ہے: امتیں اور دوستوں کے لئے بھی شِيَعٌ کہا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (الحجر:۱۰) اور بے شک ہم نے آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے O

امام ابوعبیدہ نے بھی شیعٌ کی یہی تفسیر کی ہے اور شِیَعٌ کا واحد شِیْعَه ہے اور شیعہ کا معنی ہے: فرقہ اور لوگوں کی جماعت۔ امام طبری نے کہا ہے کہ کسی شخص کے دوستوں کو بھی شیعہ کہا جاتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُهْرَعُوْنَ مُسْرِعِيْنَ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: يُهْرَعُوْنَ کا معنی ہے: وہ دوڑتے ہوئے آئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ۔ (ھود:۷۸) اور ان کے (منکر) لوگ بھاگتے ہوئے ان کی طرف آئے اور وہ پہلے ہی سے برے کام کرتے تھے۔

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ان کی قوم آئی۔ اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ لِلنَّاظِرِيْنَ۔ لِلْمُتَوَسِّمِيْن کا معنی ہے: ناظرین کے لئے یعنی غور کرنے والوں کے لئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ۝ (الحجر:۷۵) بے شک اس (قصہ) میں اہل فراست کے لئے نشانیاں ہیں O

علامہ زمخشری نے کہا ہے: متوسمین کا معنی ہے: کسی چیز میں فکر ونظر کر کے اس کی حقیقت کو پہچاننا۔

قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: معتبرین اور مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے: متفکرین۔

سُكِّرَتْ غُشِّيَتْ۔ سُكِّرَتْ اس کا معنی ہے: ڈھانپ لی گئیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝ (الحجر:۱۵) تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ بات صرف یہی ہے کہ ہماری نظر بند کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے O

امام بخاری نے سکرت کی تفسیر کی ہے: ان کی آنکھوں کو ڈھانپ لیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: سُكِّرَتْ کا معنی ہے: پکڑ لی گئی یا لے لی گئی اور کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے: نظر سے روک لیا گیا ہے۔

بُرُوْجًا مَنَازِلَ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ۔ بُرُوْجًا کا معنی ہے: سورج اور چاند کی منازل۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ۝ (الحجر:۱۶) اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے اور ہم نے ان کو دیکھنے والوں کے لئے مزین کر دیا O

یہ کواکب سیارہ کی منازل ہیں۔

علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو (۹) ہیں۔ سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے، سات سیارگان یہ ہیں: قمر،

زحل، عطارد، شمس، مشتری، مریخ اور زہرہ اور آٹھویں آسمان میں دو ستارے ہیں جو ثابت ہیں (یعنی گردش نہیں کرتے) اور نویں آسمان کو وہ فلک اطلس کہتے ہیں، وہ سادہ ہے اور آٹھویں آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے جو مختلف شکلیں بنتی ہیں وہ اس نویں آسمان میں نظر آتی ہیں جن کو رصد گاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہیں یہ شکل شیر کی سی بن جاتی ہے، اس کو برج اسد کہتے ہیں اور کہیں ترازو کی سی شکل بن جاتی ہے اس کو برج میزان کہتے ہیں اور کہیں یہ شکل بچھو کی سی بنتی ہے اس کو برج عقرب کہتے ہیں، یہ کل بارہ برج ہیں: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ سورج ہر ماہ میں ایک برج کی مسافت کو طے کرتا ہے اور ایک سال میں بارہ بروج کی مسافت قطع کرتا ہے۔ گرمی، سردی، بہار اور خزاں یہ چاروں موسم سورج کی اسی حرکت سے وجود میں آتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۴ ص ۳۳-۳۲ ملخصاً وموضحاً)

میں کہتا ہوں کہ علماء ہیئت کا آسمانوں کی تعداد کو نو قرار دینا قرآن مجید کی صریح آیات اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ اگر عرش اور کرسی کو بھی آسمانوں کے ساتھ ملا لیا جائے تو یہ تعداد نو ہو جاتی ہے مگر میرے نزدیک قرآن مجید کی نصوص کو علماء ہیئت کے مطابق کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اصل علماء ہیئت کے اقوال ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اصل قرآن مجید اور احادیث ہیں۔

لَوَاقِحَ مَلَاقِحَ مُلْقِحَةً۔ لَوَاقِحَ کا معنی ہے: مَلَاقِحَ اور یہ مُلْقِحَہ کی جمع ہے یعنی وہ ہوائیں جو پانی کو اٹھائے ہوئے ہوتی ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ۔ (الحجر: ۲۲) اور ہم نے بادلوں کا بوجھ اٹھانے والی ہوائیں بھیجیں، پھر ہم نے آسمان سے بارش برسائی، سو ہم نے تم کو وہ پانی پلایا۔

امام بخاری نے لَوَاقِحَ کی تفسیر مَلَاقِحَ کی ہے اور یہ بتایا کہ یہ ملقحہ کی جمع ہے اور یہ تفسیر بہت نادر ہے کیونکہ رِیَاح کی تفسیر لَوَاقِحَ آتی ہے ملاقح نہیں آتی۔ الجوہری نے کہا ہے کہ یہ تفسیر نادر ہے۔

حَمَإٍ جَمَاعَةُ حَمْاَةٍ وَهُوَ الطِّيْنُ الْمُتَغَيِّرُ وَالْمَسْنُوْنُ الْمَصْبُوْبُ۔ حَمَاءٍ حَمْاَةٌ کی جمع ہے اور یہ اس کیچڑ کو کہتے ہیں جو متغیر ہو کر بدبودار ہو گئی ہو اور مسنون کا معنی ہے: مَصْبُوْب یعنی گیلی مٹی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (الحجر: ۳۳) اس نے کہا: میں اس بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں جس کو تو نے بجتی ہوئی خشک مٹی سے، سیاہ سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا○

امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ حَمَاءٍ حَمْاَةٌ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: بدبودار کیچڑ اور امام ابوعبیدہ نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ مسنون کا معنی ہے: گیلی مٹی اور صَلْصَال کا معنی ہے: خشک مٹی۔

لَا تَوْجَلْ تَخَفْ۔ تَوْجَلْ کا معنی تَخَفْ یعنی ڈرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ (الحجر: ۵۳) انہوں نے کہا: آپ ڈریں نہیں! بے شک ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دے رہے ہیں○

لا تَوْجَلْ، وَجَلٌ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: خوف، یہ فرشتوں کا قول ہے جو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہم تم سے خوف زدہ ہیں، پھر فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم والے لڑکے کی بشارت دی باوجود اس بات کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے تھے اور ان کی بیوی بھی بوڑھی تھیں اور اس آیت میں لڑکے سے حضرت اسحاق علیہ السلام مراد ہیں اور عَلِیْمٌ سے مراد ہے: جس کو دین کا علم ہو یا حکمت کا علم ہو۔

دَابِرَ آخِرَ۔ دَابِرَ کا معنی ہے: آخر اور اس سے مراد ہے: جڑ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ (الحجر:٦٦) اور ہم نے لوط کو اس فیصلہ سے مطلع کیا کہ جس وقت یہ لوگ صبح کر رہے ہوں گے تو ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی O

اس آیت میں فرمایا: ان لوگوں کی جڑ کاٹی ہوئی ہے یعنی اکھاڑی ہوئی ہے، اس سے مراد ہے: لوط علیہ السلام کی قوم کا انجام۔

اَلصَّيْحَةُ الْهَلَكَةُ۔ اَلصَّيْحَة اس کا معنی ہے: ہلاکت یعنی ایسی چنگھاڑ جس کو سن کر لوگ ہلاک ہو جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ (الحجر:٧٣) سو جب ان پر سورج چمک رہا تھا تو ایک زبردست چیخ نے ان کو پکڑ لیا O

امام ابو عبیدہ نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے یعنی جب قوم لوط کے اوپر سورج طلوع ہوا تو ایک چنگھاڑ نے ان کو ہلاک کر دیا۔
(عمدۃ القاری ج ١٩ ص ١٢-٩، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

١۔ بَابٌ: اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الحجر:١٨)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سوا اس کے جو چوری سے (فرشتوں کی باتیں) سنے تو اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا انگارہ آتا ہے O (الحجر:١٨) کی تفسیر

اس آیت کی تفسیر کے لئے اس مکمل آیت کو اور اس سے پہلی آیت کو جاننا ضروری ہے:

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الحجر:١٨-١٧) اور ہم نے ان کو ہر راندۂ درگاہ شیطان سے محفوظ کر دیا O سوا اس کے جو چوری سے (فرشتوں کی باتیں) سنے تو اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا انگارہ آتا ہے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: پہلے شیطانوں کو آسمانوں سے حجاب میں نہیں رکھا جاتا تھا یعنی محفوظ نہیں رکھا جاتا تھا، پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کو تین آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا، پھر جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو ان کو تمام آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا، پھر جب ان میں سے کوئی شیطان یہ ارادہ کرتا کہ وہ چوری چھپے آسمانوں میں جا کر فرشتوں کی باتیں سن لے تو اس کے پیچھے ایک آگ کا شعلہ مارا جاتا جس کو شہاب مبین فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ١٢)

٤٧٠١۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث

عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ قَالَ إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتْ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَى صَفْوَانٍ قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذَلِكَ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا لِلَّذِي قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُو السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ هَكَذَا وَاحِدٌ فَوْقَ آخَرَ وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِيَدِهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِ يَدِهِ الْيُمْنَى نَصَبَهَا بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ الْمُسْتَمِعَ قَبْلَ أَنْ يَرْمِيَ بِهَا إِلَى صَاحِبِهِ فَيُحْرِقَهُ وَرُبَّمَا لَمْ يُدْرِكْهُ حَتَّى يَرْمِيَ بِهَا إِلَى الَّذِي يَلِيهِ إِلَى الَّذِي هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ حَتَّى يُلْقُوهَا إِلَى الْأَرْضِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى الْأَرْضِ فَتُلْقَى عَلَى فَمِ السَّاحِرِ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَيُصَدَّقُ فَيَقُولُونَ أَلَمْ يُخْبِرْنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا يَكُونُ كَذَا وَكَذَا فَوَجَدْنَاهُ حَقًّا لِلْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ۔

[اطراف الحدیث: ۴۸۰۰-۷۴۸۱]

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از عکرمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی اور اطاعت کے اظہار کے لئے اپنے پروں کو مارتے ہیں جیسے آپ کا ارشاد ہے جس طرح زنجیر کو کسی چکنے پتھر پر مارا جائے، یہ علی بن عبداللہ کا قول ہے اور ان کے علاوہ سفیان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ فیصلہ ان میں نافذ فرماتا ہے، پھر جب فرشتوں کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو وہ اس سے کہتے ہیں جس نے پوچھا تھا کہ اس نے حق فرمایا اور وہ بلند اور بزرگ ہے، پس اس بات کو چوری چھپے سننے والے بھی سن لیتے ہیں اور اس طرح ایک کے بعد دوسرا سن لیتا ہے۔ سفیان نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھی اور انگلیوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھا، پھر آگ کا ایک شعلہ سننے والے کو دوسرے تک بات پہنچانے سے پہلے پکڑ لیتا ہے، پس اس کو جلا دیتا ہے اور بعض مرتبہ وہ شعلہ اس کو نہیں پکڑ پاتا حتیٰ کہ وہ شعلہ اس کے قریب نیچے والے شیطان کو پکڑ لیتا ہے حتیٰ کہ اس کو زمین پر گرا دیتا ہے اور بعض اوقات سفیان نے کہا: حتیٰ کہ وہ بات زمین تک پہنچ جاتی ہے، پھر وہ بات جادوگر کے منہ میں ڈال دی جاتی ہے، پس وہ جھوٹ بول کر اس کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے پھر کبھی وہ بات سچی ہو جاتی ہے تو لوگ کہتے ہیں: کیا اس نے فلاں دن ہم کو اس اس طرح خبر نہیں دی تھی کہ اس اس طرح واقعہ ہوگا، پس ہم نے اس کو برحق پایا اس بات کی وجہ سے جس کو آسمان سے سنا گیا تھا۔

حدیث مذکور کی شرح اور مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے: انہوں نے صراحۃً یہ نہیں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ ہو۔

جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے: یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا حکم دیتا ہے اور یہ تقدیر کے معنی میں ہے اور

یہ لفظ پیدا کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

فرشتے اطاعت سے اپنے پر آسمان پر مارتے ہیں: اس حدیث میں خضعان کا لفظ ہے، اس کا معنی انقیاد اور طاعت ہے۔ علامہ طیبی نے کہا ہے کہ جب پرندہ خوف زدہ ہوتا ہے تو اپنے پروں کو مارتا ہے۔

جیسے زنجیر کو چکنے پتھر پر مارا جائے: جو قول اللہ تعالیٰ سے سنا ہو اس کو اس سے تشبیہ دی ہے جیسے زنجیر کو چکنے پتھر پر مارا جائے جیسے بدء الوحی کے باب میں وحی کو گھنٹی کی آواز کے ساتھ تشبیہ دی تھی۔

جب ان کا خوف زائل ہو جاتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا تو جو فرشتے جواب دیتے ہیں: وہ ملائکہ مقربین ہیں جیسے جبرئیل اور میکائیل وغیرہ، چنانچہ سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب اللہ عزوجل وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے تو فرشتے ایسی آواز سنتے ہیں جیسے زنجیر کو چکنے پتھر پر مارنے سے آتی ہے، پس وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں، پس وہ اسی طرح بے ہوش رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں، پس جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں تو ان کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے۔ پس وہ کہتے ہیں: اے جبرئیل! آپ کے رب نے کیا فرمایا: حضرت جبرئیل کہتے ہیں: حق فرمایا ہے تو فرشتے بھی کہتے ہیں: حق فرمایا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے قضا وقدر کے متعلق اللہ تعالیٰ کے قول کو حق سے تعبیر کیا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں حق سے مراد وہ ہو جو باطل کے مقابلے میں ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ قول ہو جو لوح محفوظ میں لکھا ہو تو یہاں حق کا معنی ہے: جو لوح محفوظ میں ثابت ہو۔

سفیان نے اشارہ سے بتایا: کہ جس طرح یہ ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے کے اوپر ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی وحی کو چوری چھپے سننے والے بھی ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہیں۔

بعض اوقات شعلہ سننے والے کو پکڑ لیتا ہے: اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ شہاب سے مراد آگ کا شعلہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ روشن ستارے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ (الصفت: ٦-٧)

بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمایا ۝ اور (اسے) ہر سرکش شیطان سے محفوظ رکھنے کے لئے (بھی مزین فرمایا) ۝

اس کو اس کی روشنی اور آگ کی مشابہت کی وجہ سے شہاب کہا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ شہاب آگ کا شعلہ ہے۔

بعض اوقات سفیان نے کہا: پس وہ بات جادوگر کے منہ تک پہنچ جاتی ہے: یہاں جادوگر سے مراد نجومی ہے اور سورۂ سبا میں ہے: جادوگر یا کاہن کی زبان۔ اور سنن سعید بن منصور میں سفیان سے روایت ہے کہ جادوگر یا کاہن کے منہ تک وہ بات پہنچ جاتی ہے، پس وہ ساحر اس بات کے ساتھ کئی جھوٹ ملا دیتا ہے اور اس وجہ سے ساحر کی جھوٹی باتوں کی تصدیق کی جاتی ہے اور سننے والے کہتے ہیں کہ جادوگر نے ہم کو فلاں فلاں دن یہ یہ بات بتائی تھی، یہ ان خرافات سے کنایہ ہے جن کا جادوگر ذکر کرتے ہیں، پس آسمان سے جو بات سنی گئی تھی اس کی وجہ سے وہ جادوگر کی تمام باتوں کو حق قرار دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵-۱۳)

۴۷۰۱- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ وَزَادَ وَالْكَاهِنِ وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابوہریرہ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ فَقَالَ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ وَقَالَ عَلَى فَمِ السَّاحِرِ قُلْتُ لِسُفْيَانَ أَنْتَ سَمِعْتَ عَمْرًوا قَالَ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ لِسُفْيَانَ إِنَّ إِنْسَانًا رَوَى عَنْكَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَيَرْفَعُهُ أَنَّهُ قَرَأَ فُرِّغَ قَالَ سُفْيَانُ هَكَذَا قَرَأَ عَمْرٌو فَلَا أَدْرِي سَمِعَهُ هَكَذَا أَمْ لَا قَالَ سُفْيَانُ وَهِيَ قِرَاءَتُنَا

رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے اور اس حدیث میں کاہن کا اضافہ ہے، اور ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ عمرو نے کہا: میں نے عکرمہ سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابو ہریرہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے، اور انہوں نے بیان کیا کہ یہ بات جادوگر کے منہ میں ڈال دی جاتی ہے، علی بن عبد اللہ نے کہا: میں نے سفیان سے پوچھا: کیا تم نے یہ خود عمرو سے سنا تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے عکرمہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا، انہوں نے کہا: ہاں! میں نے سفیان سے کہا کہ ایک انسان آپ سے روایت کرتے ہیں از عمرو از عکرمہ از حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو ہریرہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں انہوں نے (فُزِّعَ کی بجائے) فُرِّغَ پڑھا ہے۔ سفیان نے کہا: اسی طرح عمرو نے پڑھا تھا، پس میں نہیں جانتا انہوں نے اسی طرح سنا تھا یا نہیں، سفیان نے کہا: یہی ہماری قراءت ہے۔

امام بخاری نے حدیث مذکور کی ایک اور سند بیان کی ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ عکرمہ نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے سنی تھی اور اس سند کے ساتھ حدیث میں کچھ لفظی اختلاف بھی ہے کیونکہ پہلی سند کے ساتھ حدیث میں فُزِّعَ تھا اور اس حدیث کی سند کے ساتھ فُرِّغَ ہے۔

۲۔ بَابٌ: وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الحجر: ۸۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی O (الحجر: ۸۰) کی تفسیر

الحجر کا محل وقوع اور مرسلین کی تکذیب کی توجیہ

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں حجر کا لفظ ہے یعنی وادی اور یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا شہر ہے اور یہ مدینہ اور شام کے درمیان ہے۔ علامہ ثعلبی نے کہا: مرسلین سے مراد فقط حضرت صالح علیہ السلام ہیں۔ علامہ زمخشری نے بتایا: اس کو جمع سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس نے کسی ایک رسول کی تکذیب کی تو گویا اس نے تمام رسولوں کی تکذیب کی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی بھی تکذیب کی اور ان کے ساتھ جو دوسرے مومنین تھے ان کی بھی تکذیب کی، دوسرے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں مذکور

ہے کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ جو مئنین تھے وہ رسول نہیں تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵)

۴۷۰۲۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لِأَصْحَابِ الْحِجْرِ لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب حجر کے متعلق ارشاد فرمایا: ان لوگوں پر صرف روتے ہوئے گزرو اور اگر تم رو نہ سکو تو پھر ان پر نہ گزرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی ایسا عذاب آئے جیسا کہ ان پر عذاب آیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۴۳۳ میں گزر چکی ہے۔

اصحاب حجر سے فرمایا: یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصحاب سے فرمایا جو وادیٔ حجر میں گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶)

۳۔ بَابٌ: وَلَقَدْ آتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ (الحجر: ۸۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو دوبار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا ۝ (الحجر: ۸۷) کی تفسیر

سبعا من المثانی کی متعدد تفاسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي: اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، یہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور تابعین میں سے حسن بصری، مجاہد، قتادہ، ربیع اور کلبی کا بھی قول ہے اور یہ حدیث مرفوع سے بھی ثابت ہے جیسے ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔

سورۂ فاتحہ کو سبعا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سات آیات ہیں اور مَثَانی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت دوبار نازل ہوئی ہے، ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سات قافلے ایک دن میں بنو قریظہ اور بنو النضیر کے لئے انواع و اقسام کے ساز و سامان لے کر آئے جس میں نفیس جواہر تھے تو مسلمانوں نے انہیں دیکھ کر کہا: اگر یہ اموال ہمارے لئے ہوتے تو ہم ان اموال سے قوت حاصل کرتے اور ان اموال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تو اللہ تعالیٰ نے الحجر: ۸۷ نازل فرمائی کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیات تمہارے لئے ان سات قافلوں سے بہتر ہیں کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں فرمایا ہے:

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ۔ (الحجر: ۸۸)

اور آپ اس متاع (دنیاوی) کی طرف (رشک سے) نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے کئی گروہوں کو دی ہے اور نہ ان کافروں پر افسوس کریں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کو مثانی اس لئے کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب چھینک آئی تو انہوں نے کہا: الحمد للہ اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا جنت میں آخری کلام بھی یہی ہوگا:

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (یونس: ۱۰)

اور الحمد للہ رب العالمین پر ان کی دعا ختم ہوگی ۝

اور بعض مفسرین نے کہا: السبع المثانی سے مراد سات لمبی سورتیں ہیں: (۱) البقرۃ (۲) آل عمران (۳) النساء (۴) المائدہ (۵) الانعام (۶) الاعراف (۷) الانفال اور التوبہ۔ یہ دونوں ایک سورت ہیں اس لئے ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی گئی اور یہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور تابعین میں سے سعید بن جبیر اور ضحاک کا قول ہے، اس کے بعد والقرآن العظیم فرمایا ہے اور یہ عام کا خاص پر عطف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷-۱۶)

۴۷۰۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ مَرَّ بِيَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا أُصَلِّي فَدَعَانِي فَلَمْ آتِهِ حَتَّى صَلَّيْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَنِي فَقُلْتُ كُنْتُ أُصَلِّي فَقَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ (انفال:۲۴) ثُمَّ قَالَ أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَذَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ لِيَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَذَكَّرْتُهُ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از خبیب بن عبدالرحمٰن از حفص بن عاصم از حضرت ابوسعید بن المعلّٰی انہوں نے کہا: نبی ﷺ میرے پاس سے گزرے اور میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے مجھے بلایا تو میں آپ کے پاس نہیں آیا حتیٰ کہ میں نے نماز پوری کی، پھر میں آپ کے پاس آیا: آپ نے پوچھا: تمہیں (فوراً) میرے پاس آنے سے کیا چیز مانع تھی؟ میں نے عرض کیا، میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا، اے ایمان والو! جب اللہ اور اس کا رسول بلائیں (تو فوراً آجاؤ) (انفال:۲۴)، پھر فرمایا: کیا میں تم کو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم نہ دوں اس سے پہلے کہ میں مسجد سے نکلوں، پھر نبی ﷺ کو مسجد سے نکلتے وقت خیال نہیں رہا تو میں نے آپ کو یاد دلایا تو آپ نے فرمایا: الحمدللہ رب العالمین، یہ السبع المثانی ہے اور وہ قرآن مجید ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۷۴ میں گزر چکی ہے۔

۴۷۰۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ۔

(سنن ابوداؤد: ۱۴۵۷، سنن ترمذی: ۳۱۲۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید مقبری نے حدیث بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ام القرآن ہی السبع المثانی ہے اور قرآن عظیم ہے۔

سورۂ فاتحہ کو ام القرآن کہنے کی توجیہ

السبع المثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اور اس کو ام القرآن اس لئے فرمایا ہے کہ یہ قرآن مجید کے ان معانی پر مشتمل ہے: اللہ عزوجل کی ثناء، اللہ عزوجل کے احکام پر عمل کرنے کا ذکر اور وعد اور وعید اور اس میں اصول ثلاثہ کا ذکر ہے اور وہ مبدأ، معاش اور معاد ہیں اور اس حدیث میں ابن سیرین کے اس قول کا رد ہے کہ سورۂ فاتحہ کو ام القرآن نہ کہو کیوں کہ ام الکتاب تو صرف لوح محفوظ

ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷)

۴۔ بَابٌ: الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ۝ (الحجر: ۹۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جنہوں نے قرآن کو (کچھ مان کر اور کچھ نہ مان کر) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۝ (الحجر: ۹۱) کی تفسیر

اس سے پہلی آیت اور یہ آیت درج ذیل ہے:

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ۝ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ۝ (الحجر: ۸۹۔۹۰۔۹۱)

اور آپ کہیں: میں ہی علی الاعلان ڈرانے والا ہوں ۝ جیسا کہ ہم نے ان پر (عذاب) نازل کیا جو (اپنی کتاب کو) تقسیم کرنے والے تھے ۝ جنہوں نے قرآن کو (کچھ مان کر اور کچھ نہ مان کر) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۝

یعنی اے محمد! آپ کہیے کہ میں اللہ کے کھلے ہوئے عذاب سے ڈرانے والا ہوں جیسا کہ ہم نے ان پر عذاب نازل کیا جو اپنی کتاب کو تقسیم کرنے والے تھے۔

عِضین کا معنی ہے: اعضاء متفرقہ، جب تم کسی چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو تو کہتے ہو: عَضَّیْتُ الشَّیْءَ یعنی میں نے اس چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸)

اَلْمُقْتَسِمِیْنَ الَّذِیْنَ حَلَفُوْا۔ اَلْمُقْتَسِمِیْن کا معنی ہے: جن لوگوں نے قسم کھائی تھی۔

ان کو المقتسمین اس لئے فرمایا ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید کے ساتھ استہزاء کرتے تھے، ان میں سے ایک شخص کہتا کہ فلاں سورت میرے لئے ہے اور دوسرا کہتا: فلاں سورت میری ہے۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے اپنی کتاب کے حصے کر دیئے تھے، پس ان میں سے بعض قرآن مجید کے کسی حصے پر ایمان لاتے اور دوسرے حصے کا کفر کرتے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تقسیم کر دی تھی، پس ان میں سے بعض کہتے کہ قرآن مجید جادو ہے اور دوسرے کہتے کہ یہ قرآن شعر ہے، ان میں سے کوئی کہتا کہ قرآن میں پچھلوں کے قصے ہیں اور دوسرا کہتا کہ یہ جھوٹ ہے اور جادو ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ سولہ (۱۶) مرد تھے جن کو ولید بن مغیرہ نے حج کے ایام میں بھیجا، انہوں نے مکہ کے راستوں اور گلیوں کو تقسیم کر لیا اور ان کے دروازوں پر بیٹھ گئے، پس جب کوئی حج کرنے والا آتا تو ایک فریق ان میں سے کہتا کہ جو شخص ہم میں سے خارج ہو چکا ہے اس سے دھوکہ میں نہ آنا وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور بے شک وہ مجنون ہے اور دوسری جماعت ایک اور راستے پر بیٹھ کر کہتی کہ وہ کاہن ہے اور ان میں سے کوئی کہتا کہ وہ شاعر ہے اور ولید مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاتا اور وہاں انہوں نے ایک کاہن کو رکھا تھا، پس جب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی سوال کرتا تو ولید بن مغیرہ کہتا کہ یہ لوگ سچ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو غزوۂ بدر کے دن ہلاک کر دیا اور کچھ کو غزوۂ بدر سے پہلے مختلف آفات میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا۔

وَمِنْهُ لَا اُقْسِمُ اَیْ اُقْسِمُ وَتُقْرَأُ لَاُقْسِمُ۔ اور اسی سے ہے: لَا اُقْسِمُ یعنی میں قسم کھاتا ہوں لَاُقْسِمُ بھی پڑھا جاتا ہے۔

اور مقتسمین کے معنی سے لَا اُقْسِمُ ماخوذ ہے، اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ مقتسمین کے معنی میں قسم ہے، اسی وجہ سے

بخاری نے اس سے پہلی تعلیق میں یہ کہا تھا کہ مقتسمین کا معنی ہے: وہ لوگ جنہوں نے قسم کھائی۔ امام بخاری نے یہ صحیح نہیں کہا کیونکہ مقتسمین، اقتسام سے بنا ہے نہ کہ قسم سے، لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ لَا أُقْسِمُ، مُقْتَسِمِیْن سے بنا ہے کیونکہ لَا أُقْسِمُ میں لَا کا لفظ زائد ہے۔

لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (القیامہ:۱) کی تفسیر میں امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ یہ مجاز ہے اور اس کا معنی ہے: میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لَا کا لفظ اپنے معنی پر ہے یعنی میں اس طرح قسم نہیں کھاتا اور اس طرح قسم نہیں کھاتا بلکہ اس طرح قسم کھاتا ہوں اور یہ لَأُقْسِمُ بھی پڑھا جاتا ہے لام تاکید کے ساتھ۔

وَقَاسَمَهُمَا حَلَفَ لَهُمَا وَلَمْ يَحْلِفَا لَهُ۔

قَاسَمَهُمَا یعنی ابلیس نے حضرت آدم اور حضرت حواء کے لئے قسم کھائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَاسَمَهُمَآ إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ (الاعراف:۲۱) اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ○

یعنی قاسَمَا باب مفاعلہ ہے جو مشارکت کے لئے ہوتا ہے لیکن یہاں وہ اپنی اصل پر نہیں ہے اور یہ معنی نہیں ہے کہ ابلیس نے ان کے سامنے قسم کھائی اور ان دونوں نے اس کے سامنے قسم کھائی بلکہ صرف یہ معنی ہے کہ ابلیس نے ان کے سامنے قسم کھا کر یہ کہا تھا: (اے آدم و حوا!) تمہارے رب نے اس درخت سے تمہیں نہیں روکا مگر صرف اس لئے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے میں سے ہو جاؤ۔ (الاعراف:۲۰)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَقَاسَمُوْا تَحَالَفُوْا۔

اور مجاہد نے کہا: تَقَاسَمُوْا کا معنی ہے: تَحَالَفُوْا یعنی ان سب نے قسم کھائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَأَهْلَهٗ۔ (النمل:۴۹)

انہوں نے کہا: سب آپس میں اللہ کی قسمیں کھا کر عہد کر لو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون مار دیں گے۔

الفریابی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے، اس تعلیق سے اور تعلیق سابق سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ ان کے مذہب کو تقویت دی جائے کہ جنہوں نے کہا ہے کہ لفظ مقتسمین قسم سے ماخوذ ہے قِسْمَة سے ماخوذ نہیں ہے اور یہ تفسیر جمہور مفسرین کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹-۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۰۵۔ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ قَالَ هُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ جَزَّؤُوهُ أَجْزَاءً فَآمَنُوا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوا بِبَعْضِهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر نے خبر دی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، حضرت ابن عباس نے بتایا کہ وہ اہل کتاب ہیں، انہوں نے قرآن مجید کے کئی حصے کر دیئے، پس بعض پر وہ ایمان لائے اور بعض کا انہوں نے کفر کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۳۹۴۵ میں گزر چکی ہے۔

۴۷۰۶۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما ﴿كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ (الحجر:۹۰) قَالَ آمَنُوا بِبَعْضٍ وَكَفَرُوا بِبَعْضٍ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی ظبیان از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ (الحجر:۹۰) کی تفسیر میں کہا کہ یہود و نصاریٰ قرآن مجید کی بعض آیات پر ایمان لائے اور بعض آیات کا کفر کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۴۵ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ بَابٌ: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر:۹۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آجائے O (الحجر:۹۹) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام نے بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر یہ وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں لیکن مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر:۹۹-۹۸)

سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے O اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آجائے O

سالم نے کہا: یقین سے مراد موت ہے۔

سالم سے مراد ہے: حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب کے بیٹے رضی اللہ عنہم، اس تعلیق کی اسحاق بن ابراہیم نے اپنی سند کے ساتھ سالم سے روایت کی ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

موت پر یقین کے اطلاق کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ام العلاء کی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کے متعلق فرمایا: ان کے پاس یقین آگیا ہے اور میں ان کے لئے خیر کی توقع کرتا ہوں۔ بخاری کے بعض شارحین نے امام بخاری پر اعتراض کیا ہے کہ یقین موت کے اسماء میں سے نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: میں کہتا ہوں کہ امام بخاری پر یہ اعتراض لازم نہیں آتا کیونکہ امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں بہترین زندگی گزارنے والا وہ شخص ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے رہا حتیٰ کہ اس کے پاس یقین آگیا اور وہ شخص لوگوں میں سے صرف خیر پر ہے اور یہ سالم کے قول پر عمدہ شاہد ہے، نیز قرآن مجید میں ہے:

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ (المدثر:۴۷-۴۶)

اور ہم حساب کے دن کو جھٹلاتے تھے O یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی O

اس آیت میں بھی موت کے اوپر یقین کا اطلاق کیا گیا ہے اور یقین پر موت کا اطلاق مجاز ہے کیونکہ موت کے متعلق کوئی شک نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۶۰، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نصرت سے سورۃ الحجر کی تفسیر ختم ہوئی، اب ان شاء اللہ سورۃ النحل کی تفسیر شروع ہوگی۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

١٦۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ النَّحۡلِ

سورۃ النحل کی تفسیر

سورۃ النحل کا تعارف

ہمام نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور سعید نے ان سے روایت کی ہے کہ اس سورت کا اول حصہ مکی ہے: الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِی اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا (النحل:٤١) تک اور پھر اس آیت سے لے کر آخیر سورت تک مدنی ہے اور سدی نے کہا: یہ سورت مکی ہے سوا اس ایک آیت کے: وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ (النحل:١٢٦) اور سفیان نے کہا کہ یہ سورت مکی ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ سورت مکی ہے سوا تین آیتوں کے جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد نازل ہوئی تھیں: وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا (النحل:٩٥) الآیات۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تین آیتوں کے سوا یہ سورت مکی ہے، وہ آیتیں مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد پہاڑ سے واپس جا رہے تھے۔

اس سورت میں ایک سو اٹھائیس (١٢٨) آیتیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج١٩ ص٢٠، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

رُوۡحُ الۡقُدُسِ جِبۡرِيۡلُ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ۔ رُوۡحُ الۡقُدُس سے مراد ہے: حضرت جبریل علیہ السلام، قرآن مجید میں ہے: اس قرآن کو الروح الامین نے نازل کیا۞ (الشعراء:١٩٣)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلۡ نَزَّلَهٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ۔ آپ کہیے: اس کو روح القدس نے آپ کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ (النحل:١٠٢)

امام طبری نے محمد بن الکعب قرظی سے روایت کی ہے کہ روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور روح کی اضافت قدس کی طرف کی ہے جس کا معنی طہر اور پاکیزگی ہے اور اس سے مراد ہے: الروح القدس یعنی ایسی روح جو پاکیزہ ہے۔ روح حقیقت میں اس کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے جسم قائم ہوتا ہے اور اس میں حیات ہوتی ہے اور روح کا اطلاق قرآن پر بھی کیا گیا ہے اور رحمت پر بھی اور وحی پر بھی اور حضرت جبریل پر بھی کیا گیا ہے اور یہ جو امام بخاری نے کہا ہے کہ قرآن کو روح الامین لے کر نازل ہوئے یہ اس لئے کہا کہ روح القدس سے مراد حضرت جبریل ہیں۔ یہ قرآن سے ثابت ہے اور ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ روح القدس سے مراد وہ اسم ہے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ امام ابن ابی حاتم نے اس حدیث کی سند ضعیف سے روایت کی ہے۔ حضرت جبریل کی صفت امین ہے کیونکہ انہیں جو پیغام دے کر رسولوں کے پاس بھیجا جاتا تھا وہ اس پیغام کو پہنچانے میں امین تھے۔

فِيۡ ضَيۡقٍ يُقَالُ اَمۡرٌ ضَيۡقٌ وَضَيِّقٌ مِثۡلُ هَيۡنٍ وَهَيِّنٍ وَلَيۡنٍ وَلَيِّنٍ وَمَيۡتٍ وَمَيِّتٍ۔ فِيۡ ضَيۡقٍ (تنگی میں)، کہا جاتا ہے: اَمۡرٌ ضَيۡقٌ وَضَيِّقٌ جیسے هَيۡنٌ اور هَيِّنٌ ہے اور لَيۡنٌ اور لَيِّنٌ اور مَيۡتٌ اور مَيِّتٌ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (النحل:۱۲۷) اور آپ ان کی سازشوں سے دل تنگ نہ ہوں O

امام بخاری نے کہا ہے: کہا جاتا ہے: اَمْرٌ ضَيْقٌ و ضَيِّقٌ، اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ یہاں پر دو لغتیں ہیں: ایک تشدید کے ساتھ اور ایک تخفیف کے ساتھ، اسی طرح باقی مثالوں کا بھی یہی محمل ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي تَقَلُّبِهِمْ اخْتِلَافِهِمْ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: تَقَلُّبِهِمْ کا معنی ہے: ان کا اختلاف۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیات کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (النحل:۴۷-۴۶)

جو لوگ بری سازشیں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر وہاں سے عذاب لے آئے جہاں سے عذاب آنے کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو O یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے، سو وہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے O

علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ ان آیات کا معنی یہ ہے جب وہ رات یا دن میں کہیں چل پھر رہے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اچانک ان کو عذاب میں پکڑ لے گا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَمِيْدُ تَكَفَّأُ۔ مجاہد نے کہا ہے: تَمِيْدُ کا معنی ہے: جھکنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ۔ (النحل:۱۵) اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو نصب کر دیا تا کہ زمین تمہارے ساتھ (ایک طرف) جھک نہ جائے۔

اس تعلیق کو ابو محمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مُفْرَطُوْنَ مَنْسِيُّوْنَ مُفْرَطُوْن کا معنی ہے: جو لوگ بھلا دیئے گئے ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ (النحل:۶۲) بے شک ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے اور وہ (اس میں) سب سے پہلے بھیجے جائیں گے O

امام بخاری نے کہا ہے کہ مُفْرَطُوْن کا معنی مُنْسَيُوْنَ ہے اور امام طبری نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں سستی اور کمی کرتے تھے اور برے کاموں میں بہت زیادہ کوشش کرتے تھے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ هٰذَا مُقَدَّمٌ وَمُؤَخَّرٌ وَذٰلِكَ اَنَّ الِاسْتِعَاذَةَ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَمَعْنَاهَا الِاعْتِصَامُ بِاللّٰهِ

اور مجاہد کے غیر نے کہا: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (النحل: ۹۸) یعنی جب تم قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھو، اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے کیونکہ اعوذ باللہ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور اس کا معنی ہے: اللہ کی پناہ میں آنا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ هٰذَا مُقَدَّمٌ وَمُؤَخَّرٌ وَذٰلِكَ اَنَّ الِاسْتِعَاذَةَ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَمَعْنَاهَا الِاعْتِصَامُ بِاللّٰهِ۔

یہ امام بخاری کی تقریر ہے اور جمہور نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کے شروع میں یہ لفظ محذوف ہے کہ جب تم قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو تو اللہ کی پناہ طلب کرو حتیٰ کہ علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے سوا اس کے جو حضرت ابوہریرہ، داؤد ظاہری اور امام مالک سے مروی ہے کہ قرآن مجید پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے تاکہ ظاہر قرآن پر عمل ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ غیر سے مراد امام ابوعبیدہ ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری کی تعلیق میں غَیْرُہٗ سے پہلے مجاہد کا ذکر ہے، اس کا معنی ہوگا: مجاہد کے غیر نے کہا نہ کہ ابوعبیدہ نے کہا:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تُسِيمُونَ تَرْعَوْنَ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: تسیمون کا معنی ہے: چراتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝ جس پانی کو تم پیتے ہو اور اسی سے درخت بھی سیراب ہوتے ہیں جس میں تم مویشی چراتے ہو O (النحل: ۱۰)

اور ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اسمت الابل کا معنی ہے میں نے اونٹوں کو چرایا۔

شَاكِلَتِهِ نَاحِيَتِهِ۔ شاکلتہ کا معنی ہے اپنے اپنے طریقہ پر۔

یہ تعلیق اس کے بعد والی سورت میں ہے اور امام بخاری نے وہاں اس تعلیق کو پھر دہرایا ہے۔ حموی سے روایت ہے کہ شاکلتہ کا معنی ہے: نیت۔

قَصْدُ السَّبِيلِ الْبَيَانُ۔ قصد السبیل کا معنی ہے: سیدھے راستے کا بیان۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (النحل: ۹) اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا O

امام بخاری نے قصد السبیل کا معنی لکھا ہے: سیدھے راستے کا بیان۔ امام طبری نے لکھا ہے: اس کا معنی ہے: تمہارے لئے حکم کو بیان کرنا اور قصد کا معنی ہے: سیدھا راستہ۔ ایک قول ہے کہ شرائع اور فرائض کا بیان، ابن المبارک نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: سنت۔

الدِّفْءُ مَا اسْتَدْفَأْتَ بِهِ۔ الدفء جس سے تم حرارت حاصل کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ (النحل: ۵) اور اس نے چوپاؤں کو پیدا کیا ان میں تمہارے لئے گرم کپڑے اور دوسرے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو O

امام بخاری نے الدفء کی تفسیر کی ہے: جن چیزوں سے تم حرارت حاصل کرو مثلاً چادریں اور مکان وغیرہ۔ الجوہری نے کہا ہے: الدفء کا معنی ہے: گرمی اور اس آیت میں الدفء سے مراد ہے: اونٹوں کے بچے اور ان کے دودھ اور ان کے اون سے جو نفع حاصل کیا جائے۔

تُرِيحُونَ بِالْعَشِيِّ وَ تَسْرَحُونَ بِالْغَدَاةِ۔ تُرِيحُونَ بِالْعَشِيِّ وَ تَسْرَحُونَ بِالْغَدَاةِ یعنی شام کو تم مویشی چرا کر لاتے ہو اور صبح کو مویشی چرانے لے جاتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ (النحل:٦)
اور ان میں تمہارے لئے حسن وزیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چراگاہ میں چھوڑتے ہو O

یعنی شام کو تم انہیں چرا کر انہیں ان کے باڑہ کی طرف لاتے ہو اور صبح کو انہیں باڑہ سے نکال کر چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو۔

بِشِقِّ يَعْنِي الْمَشَقَّةَ۔ بِشِقِّ یعنی مشقت سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ۔ (النحل:٧)
اور وہ چوپائے تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود نہیں پہنچ سکتے تھے۔

امام ابوعبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور کہا ہے کہ شق کا معنی مشقت ہے۔

عَلٰى تَخَوُّفٍ تَنَقُّصٍ۔ عَلٰى تَخَوُّفٍ کا معنی ہے: نقصان کر کے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ۔ (النحل:٤٧)
یا وہ ان کو اس حال میں پکڑ لے جب وہ اپنے اعمال میں کمی کر رہے ہوں۔

حضرت ابن عباس نے اس کی یہی تفسیر کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی خوف ہے اور اس صورت میں معنی ہوگا: یا وہ ان کو عین حالت خوف میں پکڑ لے۔

الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً وَهِيَ تُؤَنَّثُ وَتُذَكَّرُ وَكَذٰلِكَ النَّعَمُ الْاَنْعَامُ جَمَاعَةُ النَّعَمِ۔
اَلْانعام لَعِبْرَةً میں انعام نعم کی جمع ہے اور یہ مذکر اور مونث دونوں کے لئے ہے۔ اسی طرح نعم کی جمع انعام ہے اور یہ بھی مذکر اور مونث دونوں کے لئے ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ۔ (النحل:٦٦)
اور بے شک مویشیوں میں بھی تمہارے لئے غور کا مقام ہے ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے۔

لَعِبْرَةً کا معنی ہے: اس میں تمہارے لئے نصیحت ہے مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ فرمایا ہے بُطُوْنِهَا نہیں فرمایا کیونکہ انعام اور نعم واحد ہیں اور لفظ نعم مذکر ہے، اس وجہ سے مذکر کی ضمیر لائے نعم کی جمع انعام ہے اور یہ اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں۔

اَكْنَانٌ وَاحِدُهَا كِنٌّ مِثْلُ حِمْلٍ وَاَحْمَالٍ۔ اکنانا اس کا واحد کِنٌّ ہے جیسے حِمل اور اَحمال۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا۔ (النحل:٨١)
اور اس نے تمہارے لئے پہاڑوں میں محفوظ غار بنائے۔

اَكْنَانًا کا واحد کِنٌّ ہے اور اس کا معنی ہے: جو چیز تمہاری حفاظت اور ستر کا سبب ہو، اسی وجہ سے پہاڑوں میں جو غار رہائش کے لئے ہوتے ہیں انہیں اکنان کہتے ہیں۔

سَرَابِيْلَ قُمُصٌ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَاَمَّا سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ
سَرَابِيْلَ سے مراد قمیصیں ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور قمیصیں

بَأْسَكُمْ فَإِنَّهَا الدُّرُوعُ۔ تمہیں ہتھیاروں سے محفوظ رکھتی ہیں، اس سے مراد زرہیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ۔ (النحل:۸۱) اور تمہارے لئے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس (زرہیں) بنائے جو تم کو حملوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔

جو قمیصیں گرمی سے بچاتی ہیں وہ سوت اور اون سے بنی ہوئی ہوتی ہیں اور یہ قمیصیں سردی سے بھی بچاتی ہیں اور جو قمیصیں نیزوں اور تیروں کی ضرب سے بچاتی ہیں وہ لوہے سے بنی ہوئی ہوتی ہیں جن کو زرہ کہتے ہیں۔

دَخَلًا بَيْنَكُمْ كُلُّ شَيْءٍ لَمْ يَصِحَّ فَهُوَ دَخَلٌ۔ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اس کا معنی ہے: جو چیز صحیح نہ ہو اور جو چیز صحیح نہ ہو اس کو دَخَلٌ کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ۔ (النحل:۹۲) تم اپنی قسموں کو آپس میں عہد شکنی کا ذریعہ بنانے لگو گے۔

امام ابوعبیدہ نے کہا کہ دَخَل کا معنی دھوکہ دینا اور خیانت کرنا بھی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَفَدَةٌ مَنْ وَلَدَ الرَّجُلُ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: حَفَدَة کا معنی ہے: مرد کی اولاد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً۔ (النحل:۷۲) اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے۔

مرد کی اولاد کا ذکر کیا ہے اور یہ بیٹوں، پوتوں اور ان کی اولاد کو شامل ہے۔

اَلسَّكَرُ مَا حُرِّمَ مِنْ ثَمَرَتِهَا وَالرِّزْقُ الْحَسَنُ مَا أَحَلَّ اللهُ۔ اَلسَّكَرُ وہ ان پھلوں سے نکالا ہوا وہ مشروب ہے جس کو (نشہ آور ہونے کی وجہ سے) حرام کر دیا گیا ہے اور رزق حسن وہ پھل ہیں جن کو حلال کر دیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا۔ (النحل:۶۷) اور ہم تمہیں کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے پلاتے ہیں تم ان سے میٹھے مشروبات تیار کرتے ہو اور عمدہ رزق۔

الثعلبی نے کہا ہے کہ سَكَر خمر ہے اور رزق حسن کھجور اور انگور ہیں، انہوں نے کہا: یہ خمر کی تحریم سے پہلے پر محمول ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر اور ابراہیم اور حسن کا یہی مذہب ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ سکر وہ مشروب ہے جو ان پھلوں سے نکالا گیا ہو اور حرام ہو اور رزق حسن وہ مشروب ہے جو ان پھلوں سے نکالا گیا ہو اور حلال ہو، اور قتادہ نے کہا: سَكَر ان عجمیوں کی شرابیں ہیں اور رہا رزق حسن، پس وہ نبیذ ہے اور سرکہ ہے اور جن پھلوں کو تم کھاتے ہو، اور خمر کی تحریم سورۂ مائدہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ ثعلبی نے کہا کہ سکر وہ چیزیں ہیں جن کو پیا جاتا ہے اور رزق حسن وہ چیزیں ہیں جن کو کھایا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حبشی لوگ خمر کا نام سکر رکھتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ صَدَقَةَ أَنْكَاثًا هِيَ خَرْقَاءُ كَانَتْ إِذَا أَبْرَمَتْ غَزْلَهَا نَقَضَتْهُ۔ ابن عیینہ نے صدقہ سے روایت کی ہے کہ انکاثا کا معنی ہے: ٹکڑے ٹکڑے، یہ مکہ میں ایک عورت تھی جو مضبوط سوت بناتی

پھر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا۔ (النحل: ۹۲) اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوطی سے کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

زمخشری نے کہا ہے کہ تم اپنی قسموں کو توڑنے میں اس عورت کی مثل نہ ہو جانا جو مضبوط سوت بناتی، پھر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ ھی خَرْقَاءُ یعنی اس عورت کا نام خرقاء تھا۔ قتادہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کے لئے ضرب المثل بیان کی ہے جو پختہ اور مضبوط عہد کرنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں۔ مقاتل نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ عورت قرشیہ تھی اور اس کا نام ریطہ بنت عمرو بن کعب تھا۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ الْأُمَّةُ مُعَلِّمُ الْخَيْرِ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اُمّة کا معنی ہے: خیر کی یعنی نیکی کی تعلیم دینے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ۔ (النحل: ۱۲۰) بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے، اللہ کے اطاعت گزار۔

حضرت ابن مسعود نے امت کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ نیکی کی تعلیم دینے والا ہے۔ حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ وہ تنہا مومن تھے اور باقی تمام لوگ کفار تھے اور شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ زمین میں ہمیشہ ایسے چودہ (۱۴) آدمی رہے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مصائب دور کرتا ہے اور روئے زمین میں ان کی برکتیں نازل ہوتی ہیں سوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کیونکہ وہ اپنے زمانے میں تنہا ایسے شخص تھے جو ان صفات کے حامل تھے۔

قرآن مجید میں اُمَّةٌ کے اور بھی معانی ہیں: لوگ، جماعت، دین، وقت اور ایسا ایک شخص جو جماعت کے قائم مقام ہو۔

وَالْقَانِتُ الْمُطِيعُ۔ والقانت اس کا معنی ہے: مطیع یعنی اطاعت کرنے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا۔ (النحل: ۱۲۰) اللہ کے اطاعت گزار، باطل سے مجتنب۔

۱۔ بَابٌ: وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ (النحل: ۷۰) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ (النحل: ۷۰) کی تفسیر

ارذل عمر کا معنی

علامہ بدرالدین محمود احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الجوہری نے کہا ہے: رذیل کا معنی ہے: گھٹیا، خسیس اور ہر چیز کا ردی جز۔ ارذل عمر کا معنی ہے: انسان کی عمر کا گھٹیا حصہ۔ سدی نے کہا ہے: سخت بوڑھا۔ قتادہ نے کہا ہے: نوے (۹۰) سال کی عمر۔ حضرت علی نے کہا: پچھتر (۷۵) سال کی عمر۔ مقاتل نے کہا ہے بہت بوڑھا۔ عکرمہ نے کہا: جو قرآن پڑھنے والا ہو وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔ امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ارذل عمر ایک سو (۱۰۰) سال ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶-۲۵)

۴۷۰۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مُوسَى أَبُو عَبْدِ اللهِ الْأَعْوَرُ عَنْ شُعَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَدْعُو أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ وَأَرْذَلِ الْعُمُرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہارون بن موسیٰ ابو عبداللہ الاعور نے حدیث بیان کی از شعیب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں بخل سے اور سستی سے اور ارذل عمر سے اور عذاب قبر سے اور دجال کے فتنہ سے اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۲۳ میں گزر چکی ہے، تاہم چند اہم باتیں بیان کی جارہی ہیں:

بخل سے: یعنی مال کے حقوق سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بخل سے پناہ مانگنا اس طرح ہے جس طرح آپ نے دولت کے فتنہ سے پناہ مانگی اور دولت کا فتنہ یہ ہے کہ اس کو گناہوں میں یا اسراف میں یا کسی قسم کے باطل کاموں میں خرچ کیا جائے۔

اور کسل سے یعنی سستی سے: اور وہ یہ ہے کہ کسی نیک کام کرنے کے لئے نفس کا تیار نہ ہونا اور اس میں کم رغبت کرنا۔

اور ارذل عمر سے: یعنی سخت بڑھاپے سے اور اس سے پناہ اس لئے مانگی ہے کہ عمر میں مطلوب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں میں غور وفکر کرے اور دل اور اعضاء سے اس کا شکر ادا کرے اور بڑھاپے میں چونکہ انسان اپنی قوتوں سے فائدہ حاصل نہیں کرسکتا اس لئے اس سے پناہ مانگنی چاہئے۔

اور زندگی کے فتنہ سے: زندگی کا فتنہ یہ ہے کہ انسان میں صبر نہ رہے اور مشکل حالات میں اللہ کی رضا نہ رہے، وہ مصائب میں مبتلا ہو اور فساد پر اصرار کرے اور ہدایت کی پیروی نہ کرے۔

اور موت کے فتنہ سے: یعنی منکر نکیر کا سوال کرنا حیرت اور خوف کے ساتھ۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶)

اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے سورۃ النحل کی تفسیر ختم ہوئی اب ان شاء اللہ سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۷۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ بَنِیۡ اِسۡرَآئِیۡلَ

سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر

سورۂ بنی اسرائیل کا تعارف

قتادہ نے کہا ہے کہ یہ سورت آٹھ آیتوں کے سوا مکی ہے اور وہ آٹھ آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی تھیں اور وہ آٹھ آیتیں یہاں سے شروع ہوتی ہیں: وَاِنۡ کَادُوۡا لَیَفۡتِنُوۡنَکَ (بنی اسرائیل: ۷۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ علامہ سخاوی نے کہا کہ یہ سورت سورۃ القصص کے بعد سورۂ یونس (علیہ السلام) سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس سورت میں ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

۱۔ بَابٌ

۴۷۰۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعۡبَةُ عَنۡ أَبِي إِسۡحَاقَ قَالَ سَمِعۡتُ عَبۡدَ الرَّحۡمٰنِ بۡنَ يَزِيۡدَ قَالَ سَمِعۡتُ ابۡنَ مَسۡعُوۡدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ فِي بَنِي إِسۡرَائِيۡلَ وَالۡكَهۡفِ وَمَرۡيَمَ إِنَّهُنَّ مِنَ الۡعِتَاقِ الۡأُوَلِ وَهُنَّ مِنۡ تِلَادِي فَسَيُنۡغِضُوۡنَ إِلَيۡكَ رُءُوۡسَهُمۡ قَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ يَهُزُّوۡنَ وَقَالَ غَيۡرُهُ نَغَضَتۡ سِنُّكَ أَيۡ تَحَرَّكَتۡ

(اطراف الحدیث: ۴۷۳۹۔ ۴۹۹۴)

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سنا، انہوں نے کہا میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: بنی اسرائیل، الکہف اور مریم یہ سورتیں پہلی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور یہ مجھے اچھی طرح یاد تھیں۔ وہ عنقریب آپ کی طرف اپنے سروں کو ہلائیں گے (بنی اسرائیل: ۵۱) حضرت ابن عباس نے کہا اس کا معنی ہے: وہ ہلائیں گے اور دوسروں نے کہا: نَغَضَتۡ سِنُّكَ یعنی دانت ہل گیا۔

مشکل الفاظ کے معانی

اَلۡعِتَاقُ الۡاُوَلُ: عتاق عتیق کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: قدیم یا ہر وہ چیز جو عمدگی میں انتہاء کو پہنچی ہوئی ہو، ایک جماعت نے کہا اس حدیث میں عتاق کا یہی معنی ہے۔

تلادی: یعنی حضرت ابن مسعود کو یہ سورتیں شروع سے ہی حفظ تھیں، حضرت ابن مسعود کی مراد یہ ہے کہ جب انہوں نے ابتداءً قرآن مجید پڑھا تھا تو ان سورتوں کو حفظ کر لیا تھا، ان سورتوں کی فضیلت یہ ہے کہ ان سورتوں میں انبیاء علیہم السلام کے قصے اور ان کی امتوں کی خبریں ہیں۔

وہ عنقریب آپ کی طرف اپنے سروں کو ہلائیں گے۔ (بنی اسرائیل: ۵۱)

حضرت ابن عباس نے کہا کہ وہ استہزاءً اپنے سروں کو ہلائیں گے اور ابن قتیبہ نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ وہ آپ کے ارشاد کو بعید

سمجھتے ہوئے اپنے سروں کو ہلائیں گے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۲۶۴)

۲۔ بَابٌ: وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ (بنی اسرائیل: ۴) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے بنی اسرائیل کو بتادیا تھا۔ (بنی اسرائیل: ۴) کی تفسیر

امام بخاری نے پوری آیت ذکر نہیں کی، پوری آیت اس طرح ہے:

وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا (بنی اسرائیل: ۴) اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کی کتاب میں بتادیا تھا کہ تم ضرور دو بار زمین میں فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے O

حافظ ابن حجر عسقلانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی ہم نے ان کو خبر دی تھی کہ وہ عنقریب فساد کریں گے۔

لفظ قضی کے کئی معنی ہیں: وَ قَضٰى رَبُّكَ (بنی اسرائیل: ۲۳) یعنی آپ کے رب نے یہ حکم دیا اور اس کا معنی فیصلہ کرنا بھی ہے جیسے اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ (النمل: ۷۸) بے شک آپ کا رب ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اس کا معنی پیدا کرنا بھی ہے جیسے فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (حم سجدہ: ۱۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کیے اور اس کا معنی ہے: فراغت جیسے فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ (البقرہ: ۲۰۰) یعنی جب تم افعال حج سے فارغ ہو جاؤ اور اس کا معنی تقدیر میں لکھنا بھی ہے جیسے فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا (المؤمن: ۶۸) یعنی جب اللہ تعالیٰ تقدیر میں کسی کام کو لکھ دیتا ہے اور اس کا معنی فیصلہ بھی ہے جیسے لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ (الانعام: ۵۸) تو ضرور میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور اس کا معنی ہلاک کرنا ہے جیسے لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ (یونس: ۱۱) ان کی مدت حیات پوری کر دی جاتی یعنی ان کو ہلاک کر دیا جاتا اور اس کا معنی وصیت ہے جیسے وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل: ۲۳) اور آپ کے رب نے یہ وصیت (تاکید) کی ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور اس کا معنی موت ہے جیسے فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ (القصص: ۱۵) یعنی پس حضرت موسیٰ نے اس کو گھونسا مارا تو اللہ نے اس پر موت طاری کر دی اور اس کا معنی فعل ہے جیسے كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ (عبس: ۲۳) یعنی حق بات یہ ہے کہ اس نے وہ کام نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا اور اس کا معنی عہد ہے جیسے اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ (القصص: ۴۴) یعنی جب ہم نے موسیٰ سے ایک کام کا عہد لیا۔

الازہری نے ذکر کیا کہ قضی کے لغت میں کئی معانی ہیں اور ان سب کا رجوع اس معنی کی طرف ہوتا ہے کہ کسی کام کو مکمل کر کے اسے منقطع کر دیا جائے۔

نَفِيْرًا مَنْ يَّنْفِرُ مَعَهٗ۔ نَفِيْرًا کا معنی ہے: جو شخص اس کے ساتھ روانہ ہو جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا (بنی اسرائیل: ۶) اور ہم نے تم کو بڑا گروہ بنادیا O

ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ جائیں اور قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: اور تم کو بڑا عدد بنادیا۔ ثعلبی نے کہا ہے: اس کی اصل یہ ہے کہ کسی مرد کے ساتھ اس کے قبیلے والے اور گھر والے روانہ ہوں۔

مَيْسُوْرًا لَيِّنًا۔ مَيْسُوْرًا کا معنی ہے: نرم۔

فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا (بنی اسرائیل: ۲۸) تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دو O

امام ابو عبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ عکرمہ نے کہا ہے: ان سے اچھا وعدہ کر لو اور سدی نے کہا ہے کہ سائل سے کہو: ہاں! اس وقت ہمارے پاس رقم نہیں ہے، پھر آئے گی تو دیں گے اور حسن بصری نے کہا: یوں کہو کہ ان شاء اللہ ہو جائے گا۔

حَصِيرًا مَحْبِسًا مَحْصَرًا۔ حصیرًا اس کا معنی ہے: قید کرنے کی جگہ یعنی قید خانہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۸) اور ہم نے کافروں کے لئے جہنم کو قید خانہ بنادیا ہے O

امام بخاری نے حصیر کی تفسیر قید خانہ کے ساتھ کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے۔

حَقَّ وَجَبَ حَقَّ کا معنی ہے: واجب ہوگیا۔

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ پھر وہ عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں، سو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں O (بنی اسرائیل:۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ ان پر عذاب واجب ہوگیا ہے۔

خِطْئًا إِثْمًا وَهُوَ اسْمٌ مِنْ خَطِئْتَ وَالْخَطَأُ مَفْتُوحٌ مَصْدَرُهُ مِنَ الْإِثْمِ خَطِئْتُ بِمَعْنَى أَخْطَأْتُ۔ خِطْاءً یعنی گناہ اور یہ خَطِئْتُ کا اسم مصدر ہے اور خَطَأ جس میں خاء پر زبر ہے یہ گناہ کا مصدر ہے اور خَطِئْتُ کا معنی ہے: أَخْطَأْتُ یعنی میں نے خطا کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۳۱) بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے O

امام بخاری نے خطأ کی تفسیر گناہ کی ہے، اسی طرح امام ابوعبیدہ نے بھی تفسیر کی ہے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ خِطْأ یہ خَطِئْتُ کا اسم مصدر ہے اور اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ یہ خِطَاءً کا مصدر ہے، نیز امام بخاری نے کہا کہ خَطَأ جس میں خاء پر زبر ہے یہ مصدر ہے، یہ بھی اہل لغت کی تصریح کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا: یہ اسم مصدر ہے اور اس کا معنی ہے: جو کام صحیح اور صواب نہ ہو، نیز امام بخاری نے کہا کہ خَطِئْتُ کا معنی أَخْطَأْتُ ہے یعنی میں نے گناہ کیا، یہ بھی اہل لغت کی تصریح کے خلاف ہے کیونکہ خطاء کا لفظ جب ثلاثی مجرد سے ہو تو اس کا معنی ہے: عمداً کوئی غلط کام کرنا اور جب یہ ثلاثی مزید فیہ سے ہو تو اس کا معنی ہے: ایسا غلط کام کرنا جس میں عمد کا دخل نہ ہو۔

تَخْرِقَ تَقْطَعَ۔ تَخْرِقَ اس کا معنی ہے: تو زمین کو پھاڑ دے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۳۷) اور زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چلو کیونکہ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم طول میں پہاڑوں تک پہنچ سکتے ہو O

یعنی تم تمام روئے زمین کو طے نہیں کرسکو گے اور مَرَحًا کا معنی ہے: اترانا، تکبر کرنا اور فخر کرنا اور انلک لن تَخْرِق الارض کا معنی ہے کہ تو تمام زمین کو طے کرکے اس کے آخر تک نہیں پہنچ سکتا۔

وَإِذْ هُمْ نَجْوَى مَصْدَرٌ مِنْ نَاجَيْتُ فَوَصَفَهُمْ بِهَا وَالْمَعْنَى يَتَنَاجَوْنَ۔ وَاِذْهُمْ نَجْوٰی یہ نَاجَیْتُ کا مصدر ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت سرگوشی کی ہے اور اس کا معنی ہے: وہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰى۔ جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں اور جب وہ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل:۴۷)

یعنی جب وہ آپ کا کلام سنتے ہیں تو اس وقت وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ یہ مجنون ہیں اور کوئی کہتا ہے: یہ کاہن ہیں، کوئی کہتا ہے: یہ جادوگر ہیں، کوئی کہتا ہے: یہ شاعر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مجسم سرگوشی فرمایا حالانکہ سرگوشی کرنا ان کا فعل تھا اور یہ مبالغۃً اطلاق کرنا ہے جیسے کہا جاتا ہے: زَیْدٌ عَدْلٌ (زید سراپا عدل ہے)۔

رُفَاتًا حُطَامًا۔ رُفَاتًا اس کا معنی ہے: چورا چورا ہونا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا (بنی اسرائیل:۴۹) اور انہوں نے کہا: کیا جب ہم ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر ہم کو از سر نو بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا○

یعنی کفار مکہ حیات بعد الموت پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ کیا جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو کیا ہم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ مجاہد نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

وَاسْتَفْزِزْ اسْتَخِفَّ بِخَيْلِكَ الْفُرْسَانِ وَالرَّجْلُ وَالرِّجَالُ الرَّجَّالَةُ وَاحِدُهَا رَاجِلٌ مِثْلُ صَاحِبٍ وَصَحْبٍ وَتَاجِرٍ وَتَجْرٍ۔ وَاسْتَفْزِزْ اس کا معنی ہے: تو اپنی آواز سے جن کو گمراہ کر سکتا ہے اور اپنے گھوڑوں اور پیادوں سے بھی کام لے۔ الرجل، رجال کے معنی میں ہے اور اس کا واحد راجل ہے جیسے اَلصَّحْبُ کا واحد صاحب ہے اور التجر کا واحد تاجر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ۔ (بنی اسرائیل:۶۴) تو ان میں سے جن کو اپنی آواز کے ساتھ پھسلا سکتا ہے پھسلا دے اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر دے۔

امام بخاری کی تفسیر امام ابوعبیدہ کی تفسیر کے مطابق ہے۔ کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اس آیت میں امر تہدید کے لئے ہے یعنی دھمکانے کے لئے ہے، مراد یہ ہے کہ تو آدم علیہ السلام کی اولاد کو اپنی ترغیب سے اور گناہوں کا وسوسہ ڈالنے کی وجہ سے گمراہ کر سکتا ہے تو کر لے۔ حضرت ابن عباس نے کہا ہے: جو شخص بھی اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ شیطان کے لشکر میں سے ہے اور مجاہد نے کہا ہے کہ شیطان کی آواز سے مراد ہے: غنا اور مزامیر یعنی وہ آلات موسیقی جن کو منہ سے بجایا جائے۔

حَاصِبًا الرِّيْحُ الْعَاصِفُ وَالْحَاصِبُ أَيْضًا مَا تَرْمِي بِهِ الرِّيْحُ وَمِنْهُ حَصَبُ جَهَنَّمَ يُرْمَى بِهِ فِي جَهَنَّمَ وَهُوَ حَصَبُهَا وَيُقَالُ حَصَبَ فِي الْأَرْضِ ذَهَبَ وَالْحَصَبُ مُشْتَقٌّ مِنَ الْحَصْبَاءِ وَالْحِجَارَةِ۔ حَاصِبًا اس کا معنی ہے: سخت آندھی۔ آندھی جن کنکریوں وغیرہ کو پھینک دے ان کو بھی حاصب کہا جاتا ہے حَصَبُ جَهَنَّمَ بھی اسی سے ماخوذ ہے یعنی جن کافروں کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا وہ اس کا ایندھن ہیں اور جب کوئی شخص چلا جائے تو کہا جاتا ہے حَصَبَ فِي الْأَرْضِ اور حَصَبَ کا لفظ اَلْحَصْبَاءِ سے مشتق ہے جس کا معنی پتھر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا (بنی اسرائیل:۶۸) یا تمہارے اوپر پتھر برسائے، پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاؤ○

امام بخاری نے حاصب کی تفسیر کی ہے: سخت آندھی اور کتبِ تفسیر میں مذکور ہے کہ حاصب سے مراد وہ پتھر ہیں جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر برسائے گئے تھے۔ الجوہری نے کہا ہے کہ آندھی جن کنکریوں کو اڑا کر لاتی ہے ان کو حاصب کہتے ہیں۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ حَصَبٌ، حَصْباء سے مشتق ہے، اس سے مراد اشتقاق اصطلاحی نہیں ہے بلکہ صرف مناسبت مراد ہے۔

تَارَةً مَرَّةً وَجَمَاعَتُهُ تِيَرَةٌ وَتَارَاتٌ۔ تَارَةً کا معنی ہے مَرَّةً یعنی ایک مرتبہ اور اس کی جمع تِيَرَةٌ اور تَارَاتٌ آتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَ کُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی۔ (بنی اسرائیل: ۶۹) یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ (سمندری سفر پر) بھیج دے۔

علامہ ابن التین نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ مناسب یہ تھا کہ امام بخاری لکھتے، تَارَةٌ کی جمع تِيَرَةٌ آتی ہے اور یاء پر جزم ہوتی جیسے قَاعَةٌ کی جمع قِيْعَةٌ آتی ہے۔

لَاَحْتَنِكَنَّ لَاَسْتَاْصِلَنَّهُمْ يُقَالُ احْتَنَكَ فُلَانٌ مَا عِنْدَ فُلَانٍ مِنْ عِلْمٍ اسْتَقْصَاهُ۔ لاحتنکن کا معنی ہے: تَاَسْتَاْصِلَنَّهُمْ یعنی میں ان کو ضرور جڑ سے اکھاڑ دوں گا جیسے جب کوئی شخص کسی کا سارا علم لے لے تو کہا جاتا ہے: اِحْتَنَكَ فلانٌ مَا عِنْدَ فُلَانٍ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا۝ (بنی اسرائیل: ۶۲) اگر تو نے مجھے روز قیامت تک کی مہلت دی تو میں اس کی اولاد کو ضرور قابو میں کرلوں گا، سوا چند لوگوں کے O

امام بخاری نے اِحْتِنَاك کا معنی کیا ہے: جڑ سے اکھاڑنا، اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: شیطان نے کہا: میں اولاد آدم کو گمراہ کر کے ان پر غالب آجاؤں گا اور جب ٹڈیاں کسی کھیت کو چاٹ کر ختم کردیں تو کہا جاتا ہے: اِحْتَنَكَ الجرادُ الزرعَ یعنی ٹڈیوں نے کھیت کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

طَائِرُهٗ حَظُّهٗ۔ طَائِرَهٗ کا معنی ہے: اس کا حصہ یعنی اس کا نوشتہ تقدیر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ۔ (بنی اسرائیل: ۱۳) اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔

امام ابوعبیدہ اور قتبی نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ انسان کی خیر اور شر کا اور اچھائی اور برائی کا تقدیر میں جو بھی حصہ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم کر دیا ہے اور گردن کا ذکر اس لئے کیا ہے جیسے گردن میں ہار ڈالا جاتا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُلُّ سُلْطَانٍ فِی الْقُرْاٰنِ فَهُوَ حُجَّةٌ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: قرآن مجید میں سلطان کا لفظ جہاں بھی آیا ہے وہ حجت کے معنی میں ہے یعنی غلبہ کے۔

اس سورت میں سلطان کا لفظ دو مقامات پر آیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا۔ (بنی اسرائیل: ۳۳) اور جو شخص مظلوماً قتل کیا گیا ہم نے اس کے وارث کو قوت دی ہے۔

(۲) وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۝ (بنی اسرائیل:۸۰)

اور میرے لئے اپنے پاس سے وہ غلبہ عطا فرما جو میرا مددگار ہو O

وَلِیٌّ مِنَ الذُّلِّ لَمْ یُحَالِفْ أَحَدًا۔

وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ یعنی اس نے اپنی کمزوری میں کسی کو اپنا حلیف نہیں بنایا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۝ (بنی اسرائیل:۱۱۱)

اور نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور آپ اس کی کبریائی بیان کرتے رہئے O

مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۲-۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (بنی اسرائیل:۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندہ کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجد حرام سے لے گیا۔ (بنی اسرائیل:۱) کی تفسیر

سُبْحَان: تسبیح کا نام ہے، اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے تسبیح کی، اس کے بعد اَسْرٰی کا ذکر ہے جس کا معنی ہے: رات کو لے گیا، اس کے بعد پھر لَیْلًا کا ذکر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ رات کے ایک قلیل وقت میں لے گیا۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۲)

۴۷۰۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ أَخْبَرَنَا یُونُسُ ح و حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا یُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ ابْنُ الْمُسَیَّبِ قَالَ أَبُو هُرَیْرَةَ أُتِیَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَیْلَةَ أُسْرِیَ بِهٖ بِإِیلِیَاءَ بِقَدَحَیْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ فَنَظَرَ إِلَیْهِمَا فَأَخَذَ اللَّبَنَ قَالَ جِبْرِیلُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی (ح) اور ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عنبسہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا کہ ابن المسیب نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ شب معراج جب رسول اللہ ﷺ کو ایلیاء یعنی بیت المقدس لے جایا گیا تو آپ کے پاس دو پیالے لائے گئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ تھا، آپ نے ان پیالوں کی طرف دیکھا، پھر دودھ کو لے لیا، حضرت جبریل نے کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جس نے آپ کو فطرت کی ہدایت دی، اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۹۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث المعراج میں ہے کہ تین پیالے تھے اور تیسرے پیالے میں شہد تھا، علامہ عینی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی منافات

(تضاد) نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳)

۴۷۱۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ زَادَ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ حِينَ أُسْرِيَ بِي إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ نَحْوَهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: ابوسلمہ نے بتایا کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں مقام حجر میں کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس منکشف کر دیا، پھر میں بیت المقدس کو دیکھ کر انہیں اس کی نشانیاں بتاتا رہا، یعقوب بن ابراہیم نے یہ اضافہ کیا کہ ہمیں ابن شہاب کے بھتیجے نے اپنے چچا سے حدیث بیان کی کہ جب مجھے بیت المقدس کی طرف رات کو لے جایا گیا تو قریش نے میری تکذیب کی، یہ حدیث بھی اسی کی مثل ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۸۶ میں گزر چکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت المقدس اٹھا کر رکھنے میں آپ کی فضیلت اور خصوصیت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں حجر میں کھڑا ہو گیا: کعبہ کے پرنالے کے نیچے جو جگہ ہے اس کو حجر کہتے ہیں۔ میں ان کو بیت المقدس کی نشانیاں بتا رہا تھا: آپ سے مطعم بن عدی نے کہا تھا: اگر آپ رات کو بیت المقدس جا کر ہو آئے ہیں تو آپ ہمیں اس کی نشانیاں بتائیں تو ان میں سے بعض تالیاں بجانے لگے اور بعض اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر تعجب سے دیکھنے لگے، ان میں سے بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے بیت المقدس تک کا سفر کیا تھا اور مسجد اقصیٰ کو دیکھا تھا تو ان میں سے کسی نے کہا: کیا آپ ہمیں بیت المقدس کی صفات بیان کر سکتے ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس کی صفات بیان کرنے لگا حتیٰ کہ بعض صفات مجھ پر مشتبہ ہو گئیں تو میرے سامنے بیت المقدس لا کر رکھ دی گئی تو پھر میں بیت المقدس کو دیکھ کر اس کی صفات بیان کر رہا تھا تو لوگوں نے کہا: جو آپ نے صفات بیان کی ہیں وہ درست ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳)

میں کہتا ہوں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب بیت المقدس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا تو کیا بیت المقدس کی مسجد اپنی جگہ پر باقی نہیں رہی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیت المقدس اپنی جگہ قائم تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی مثال لا کر رکھ دی گئی تھی یا اصل بیت المقدس کی مسجد آپ کے سامنے لا کر رکھ دی گئی اور وہاں اس کی مثال رکھ دی گئی اور اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تخت بلقیس لایا گیا اور آپ کے لئے مسجد اٹھا کر لائی گئی اور تخت کا لایا جانا اتنی حیرت کا باعث نہیں ہے کیونکہ تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے لیکن کسی عمارت کو ایک جگہ سے کسی دوسری جگہ منتقل کرنا عادتاً محال ہے اور اس میں یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ ہم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ فرق ہے کہ ہماری توجہ کسی چیز کی طرف سے ہٹ جائے تو کچھ نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کسی چیز سے ہٹ

جائے تو وہ چیز اپنی جگہ سے ہٹ جاتی ہے آپ کی توجہ بیت المقدس سے کیا ہٹی تو بیت المقدس اپنی جگہ سے ہٹ گیا!

قَاصِفًا: وہ سخت آندھی جو ہر چیز کو اکھاڑ کر توڑ پھوڑ دیتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ۔ (بنی اسرائیل:٦٩)

یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ (سمندری سفر پر) بھیج دے، پھر تم پر تیز و تند ہواؤں کے جھکڑ بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تم کو غرق کر دے۔

امام بخاری نے قَاصِفٌ کی تفسیر کی ہے: ایسی سخت آندھی جو اپنی شدت سے ہر چیز کو توڑ پھوڑ ڈالے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

۴۔ بَابٌ: وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:٧٠)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو فضیلت دی (بنی اسرائیل:٧٠) کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بنو آدم کو عقل کے ساتھ دوسری مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ ضحاک نے کہا: نطق کے ساتھ فضیلت دی ہے۔ عطاء نے کہا: اس کی فضیلت یہ ہے کہ وہ سیدھا چلتا ہے۔ یمان نے کہا کہ اس کے لئے دوسری مخلوقات کو مسخر کیا گیا ہے اور اس کو کسی کے لئے مسخر نہیں کیا گیا ہے، نیز حضرت ابن عباس نے کہا: ہر مخلوق اپنا منہ کھانے تک لے جاتی ہے اور انسان کھانا اپنے ہاتھ میں لے کر منہ تک لے جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج١٩ ص٣٤)

کَرَّمْنَا وَاَکْرَمْنَا وَاحِدٌ۔ کَرَّمْنَا اور اَکْرَمْنَا دونوں کا معنی ایک ہے۔

کَرَّمْنَا باب تفعیل سے ہے اور اَکْرَمْنَا باب افعال سے ہے اور کَرَّمْنَا میں تشدید کی وجہ سے زیادہ مبالغہ ہے۔

ضِعْفَ الْحَیَاةِ عَذَابَ الْحَیَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ عَذَابَ الْمَمَاتِ۔ ضِعْفَ الحیاۃ کا معنی ہے: دنیا کی زندگی میں دگنا عذاب اور ضعف الممات کا معنی ہے: موت کے بعد دگنا عذاب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل:٧٥)

تو اس وقت ہم آپ کو دنیا کی زندگی میں دگنا مزہ چکھاتے ہیں اور دگنا مزہ موت کے وقت، پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار نہ پاتے ○

امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اس آیت سے مراد ہے: دنیا اور آخرت کا عذاب اور اس سے مراد آپ کی امت کو ڈرانا ہے نہ کہ آپ کو ڈرانا تا کہ کوئی مسلمان کسی چیز میں کسی مشرک کی طرف مائل نہ ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے اور امام ابن جوزی نے کہا: یہ آیت اور ایسی دوسری آیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں محال ہیں اور یہاں ذکر آپ کا ہے اور مراد آپ کی امت ہے یعنی بہ ظاہر اسناد آپ کی طرف ہے اور حقیقت میں اسناد آپ کی امت کی طرف ہے اور اس کو صنعت تعریض کہتے ہیں۔

خِلَافَکَ وَ خَلْفَکَ سَوَاءٌ۔ خِلَافَکَ اور خَلْفَکَ برابر ہے کیونکہ دونوں کا معنی ہے: آپ کے بعد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل:٧٦) پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت کم عرصہ ٹھہر پاتے ○

امام ابوعبیدہ نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

وَنَأَى تَبَاعَدَ۔ وَنَأَىٰ کا معنی ہے: دور ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَآ أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِ۔ (بنی اسرائیل: ۸۳) اور جب ہم انسان کو کوئی انعام دیتے ہیں تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ نَأَى کا معنی ہے: اس نے اپنے آپ کو ہم سے دور کر لیا۔ عطاء نے کہا: اس کا معنی ہے: اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور تکبر کیا۔

شَاكِلَتِهِ نَاحِيَتِهِ وَهِيَ مِنْ شَكْلِهِ۔ شَاكِلَتِهِ کا معنی ہے: اس کے طریقہ پر اور یہ شَكْلَتُهُ سے ماخوذ ہے یعنی یہ اس کے مشابہ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ۔ (بنی اسرائیل: ۸۴) آپ کہئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور مجاہد نے کہا ہے کہ ہر شخص علیحدہ عمل کرتا ہے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ابوزید نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنے دین پر عمل کرتا ہے اور مقاتل نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ابوعبیدہ اور قتبی نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنی طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

صَرَّفْنَا وَجَّهْنَا۔ صَرَّفْنَا کا معنی ہے: ہم نے اس کو کئی طرح بیان کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا۔ (بنی اسرائیل: ۴۱) اور بے شک ہم نے اس قرآن میں کئی طرح بیان فرمایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

قَبِيلًا مُعَايَنَةً وَمُقَابَلَةً وَقِيلَ الْقَابِلَةُ لِأَنَّهَا مُقَابِلَتُهَا وَتَقْبَلُ وَلَدَهَا۔ قَبِيلًا کا معنی ہے: جس چیز کا مشاہدہ اور معاینہ ہو، اور جو آنکھوں کے سامنے ہو اور دائی کو اس لئے قابلہ کہا جاتا ہے کہ بچہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۹۲) یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے (بے حجاب) لے آئیں ۝

قابلہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے سامنے بچہ کی ولادت ہوتی ہے، اردو میں اس کو دائی کہتے ہیں۔

خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ أَنْفَقَ الرَّجُلُ أَمْلَقَ وَنَفِقَ الشَّيْءُ ذَهَبَ۔ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ کا معنی ہے کہ مال ختم ہونے کے ڈر سے خرچ نہ کرنا اور املاق کا معنی ہے: فقر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۰) آپ کہیے: اگر تم (بالفرض) میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ کے ڈر سے ان کو روکے رکھتے۔

امام بخاری نے انفاق کی تفسیر املاق کی ہے جس کا معنی ہے: فقر یعنی تم فقر کے ڈر سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

قَتُوْرًا مُقَتِّرًا۔ قَتُوْرًا اس کا معنی ہے: بخیل۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۱۰۰) اور (دراصل) انسان ہے ہی بخیل O

قتور اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی انسان خرچ کرنے میں کمی کرے، اس کا معنی بخیل اور ممسک ہے۔

لِلْاَذْقَانِ مُجْتَمَعُ اللَّحْيَيْنِ وَالْوَاحِدُ ذَقَنٌ۔ لِلْاَذْقَانِ یہ دو جڑوں کے ملنے کی جگہ ہے، اس کا واحد ذقن ہے یعنی ٹھوڑی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ (بنی اسرائیل:۱۰۷) وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں O

جبڑا اس ہڈی کو کہتے ہیں جس میں دانت پیوست ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے چہروں اور پیشانیوں اور ٹھوڑیوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَوْفُوْرًا وَافِرًا۔ مجاہد نے کہا: موفورًا کا معنی ہے: وافر یعنی زیادہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۶۳) فرمایا: چلا جا! ان میں سے جنہوں نے تیری پیروی کی تو بے شک جہنم تمہاری سزا ہے پوری پوری سزا O

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مفعول فاعل کے معنی میں ہے، اس کے برعکس عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ (الحاقہ:۲۱) میں فاعل مفعول کے معنی میں ہے یعنی پسندیدہ زندگی۔

تَبِيْعًا ثَائِرًا۔ تَبِيْعًا اس کا معنی ہے: مطالبہ کرنے والا یا بدلہ لینے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝ (بنی اسرائیل:۶۹) پھر تم ہمارے خلاف کوئی چارہ جوئی کرنے والا نہ پا سکو گے O

امام بخاری نے تَبِيْعًا کی تفسیر ثَائِرًا کی ہے یعنی انتقام لینے والا یہ تفسیر مجاہد نے بھی کی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَصِيْرًا۔ اور حضرت ابن عباس نے کہا: نَصِيْرًا کا معنی ہے: مدد کرنے والا۔

امام ابن ابی حاتم نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

خَبَتْ طَفِئَتْ۔ خَبَتْ کا معنی ہے: طَفِئَتْ یعنی بجھ گئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۹۷) جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو ان کے لئے اور بھڑکا دیں گے O

جب آگ کا شعلہ ٹھنڈا ہو جائے تو کہا جاتا ہے: خَبَتِ النَّارُ یعنی آگ بجھ گئی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا تُبَذِّرْ لَا تُنْفِقْ فِي الْبَاطِلِ۔ اور حضرت ابن عباس نے کہا: لَا تُبَذِّرْ کا معنی ہے: باطل میں خرچ نہ کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنی اسرائیل:۲۶) اور رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ان کو دیتے رہو اور اسراف اور فضول خرچ کرنے سے بچو O

حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ تبذیر کا معنی ہے: جہاں مال خرچ نہیں کرنا چاہئے وہاں مال خرچ کرنا اور اسراف کا معنی ہے: جہاں مال خرچ کرنا چاہئے وہاں ضرورت سے زائد مال خرچ کرنا۔

اِبْتِغَاءَ رَحْمَةٍ رِزْقٍ۔ اِبْتِغاء رَحْمَةٍ میں رحمت کا معنی ہے: رزق۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا (بنی اسرائیل:۲۸) اور اگر تم کو اپنے رب کی رحمت (وسعت رزق) کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دو O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی رحمت کی تفسیر رزق کے ساتھ کی ہے۔

مَثْبُوْرًا مَلْعُوْنًا۔ مَثْبُوْرًا کا معنی ہے: ملعون۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (بنی اسرائیل:۱۰۲) اور اے فرعون! میں تم کو ضرور ہلاک کیے جانے والا گمان کرتا ہوں O

حضرت ابن عباس نے بھی مثبور کا معنی ملعون بیان کیا ہے لیکن امام ابوعبیدہ نے کہا ہے: ثبور کا معنی ہے: ہلاکت اور ملعون کا معنی ہے: ہلاک ہونے والا۔ العوفی نے کہا: اس کا معنی ہے: مغلوب اور ابن زید بن اسلم نے کہا: اس کا معنی ہے: بے عقل۔

لَا تَقْفُ لَا تَقُلْ۔ وَلَا تَقْفُ اس کا معنی ہے: تم نہ کہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ (بنی اسرائیل:۳۶) اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہو۔

یعنی جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے متعلق کوئی بات نہ کہو۔ قتادہ نے کہا: جب تم نے کسی کو نہ دیکھا ہو تو یہ نہ کہو کہ میں نے دیکھا ہے اور جب تم نے کوئی بات نہ سنی ہو تو یہ نہ کہو کہ میں نے سنی ہے اور جب تمہیں کسی چیز کا علم نہ ہو تو یہ نہ کہو کہ مجھے اس چیز کا علم ہے۔

امام ابوحنیفہ نے اسی آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص قیافہ سے کوئی بات کہے اس کی بات پر عمل نہ کرے اور اس سلسلے میں جو احادیث ہیں وہ سب اخبار احاد ہیں، وہ اس نص صریح کے مزاحم نہیں ہو سکتیں۔

فَجَاسُوْا تَيَمَّمُوْا۔ فَجَاسُوْا کا معنی ہے انہوں نے قصد کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (بنی اسرائیل:۵) سو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے، پس وہ شہروں میں تمہیں ڈھونڈنے کے لئے پھیل گئے اور یہ وعدہ پورا ہونے والا تھا O

امام بخاری نے جاسوا کی تفسیر تیمموا کے ساتھ کی ہے یعنی انہوں نے گھر کے وسط کا قصد کیا۔ جاسوا کا لفظ جوس سے بنا ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو اچھی طرح طلب کرنا۔

يُزْجِی الْفُلْكَ يُجْرِی الْفُلْكَ۔

يُزْجِی الْفُلْكَ اس کا معنی ہے: کشتی کو چلاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَبُّكُمُ الَّذِیْ يُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ۔ (بنی اسرائیل:٦٦) تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے سمندروں میں کشتیاں چلاتا ہے۔

يُزْجِی، الازجاء سے بنا ہے جس کا معنی ہے: کسی چیز کو چلانا، جب تم اونٹوں کو ہانکتے ہو تو کہتے ہو: اَزْجَيْتُ الْاِبِلَ اور جب ہوا بادل کو چلائے تو کہا جاتا ہے: الریح تُزجی السحاب۔

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ لِلْوُجُوْهِ۔

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ للوجوه اس کا معنی ہے: وہ ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں۔

اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

٥۔ بَابٌ: وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا۔ (بنی اسرائیل:١٦)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب ہم کسی بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں۔ (بنی اسرائیل:١٦) کی تفسیر

امام بخاری نے پوری آیت نہیں لکھی، پوری آیت اس طرح ہے:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل:١٦)

اور جب ہم کسی بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں، سو وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں، پھر وہ عذاب کے حکم کے مستحق ہو جاتے ہیں، سو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں ۝

٤٧١١۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ أَخْبَرَنَا مَنْصُوْرٌ عَنْ أَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ لِلْحَیِّ إِذَا كَثُرُوْا فِی الْجَاهِلِيَّةِ أَمِرَ بَنُوْ فُلَانٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے خبر دی از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہ جب زمانہ جاہلیت میں کسی قبیلہ کی کثرت ہو جاتی تو ہم کہتے تھے امر بنو فلان یعنی بنو فلاں بہت کثیر ہو گئے ہیں۔

حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِیُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَقَالَ أَمَرَ۔

ہمیں حمیدی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی اور کہا: امر۔

اس حدیث کی شرح میں امام بخاری منفرد ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ یہاں امر کا معنی کثیر تعداد میں ہونا ہے۔ (فتح الباری ج ٥ ص ٦٧٠)

٦۔ بَابٌ: ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل:٣)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے) ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا، بے شک وہ بہت شکر گزار بندے تھے ۝ (بنی اسرائیل:٣) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کوئی کپڑا پہنتے یا کوئی کھانا کھاتے یا کوئی مشروب پیتے تو کہتے: الحمدللہ تو ان کا نام عبد شکور رکھ دیا گیا اور عمران بن سلیم نے بیان کیا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عبد شکور اس لئے کہا گیا ہے کہ جب وہ کوئی طعام کھاتے تو کہتے: اللہ کی حمد ہے کہ اس نے مجھے طعام کھلایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا اور جب کوئی مشروب پیتے تو کہتے کہ اللہ کی حمد ہے کہ اس نے مجھے مشروب پلایا، اگر وہ چاہتا تو مجھے پیاسا رکھتا اور جب وہ کوئی کپڑا پہنتے تو کہتے: اللہ کی حمد ہے کہ جس نے مجھے کپڑا پہنایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے برہنہ رکھتا اور جب وہ جوتی پہنتے تو کہتے: اللہ کی حمد ہے جس نے مجھے جوتی پہنائی اور اگر وہ چاہتا تو مجھے ننگے پیر رکھتا اور جب وہ قضائے حاجت کرتے تو اس کے بعد کہتے کہ اللہ کے لئے حمد ہے جس نے مجھ سے اس غلاظت اور نجاست کو نکال دیا اور اگر وہ چاہتا تو اس کو میرے اندر ہی رکھتا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۱۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أُتِيَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَشَ مِنْهَا نَهْشَةً ثُمَّ قَالَ أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهَلْ تَدْرُونَ مِمَّ ذَلِكَ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ يُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا يَحْتَمِلُونَ فَيَقُولُ النَّاسُ أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ أَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ عَلَيْكُمْ بِآدَمَ فَيَأْتُونَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُولُونَ لَهُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ أَلَا تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ آدَمُ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ يَا نُوحُ إِنَّكَ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ سَمَّاكَ اللهُ عَبْدًا شَكُورًا اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ إِنَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی انہوں نے کہا: ہمیں ابوحیان التیمی نے خبر دی از ابی زرعہ بن عمرو بن جریر از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا، آپ کی طرف اس کا اگلا پایا پیش کیا گیا گوشت دانتوں سے نوچا، پھر فرمایا: میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کیسا دن ہوگا؟ اس دن اللہ تعالیٰ تمام اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع کرے گا اور ایک پکارنے والے کی آواز ان سب تک پہنچے گی اور ایک نظر ان سب کو دیکھ سکے گی، سورج قریب ہوگا اور لوگوں کو پریشانی بہت زیادہ ہوگی جس کی وہ طاقت نہیں رکھیں گے اور ان کی برداشت سے باہر ہوگی، لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کیا: تم نہیں دیکھ رہے ہماری کیا حالت ہوگئی، کیا تم اللہ کے ایسے مقبول بندے کو تلاش نہیں کرتے جو تمہارے رب کے پاس تمہاری شفاعت کر سکے، لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے: ہمیں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے، پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے: آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ جو آپ کو پسند تھا، آپ نے اس میں سے نہیں دیکھ رہے کہ ہماری

رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُهَا عَلَى قَوْمِي نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ يَا إِبْرَاهِيمُ أَنْتَ نَبِيُّ اللهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ لَهُمْ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ كُنْتُ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ فَذَكَرَهُنَّ أَبُو حَيَّانَ فِي الْحَدِيثِ نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُونَ يَا مُوسَى أَنْتَ رَسُولُ اللهِ فَضَّلَكَ اللهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ عَلَى النَّاسِ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أُومَرْ بِقَتْلِهَا نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُونَ يَا عِيسَى أَنْتَ رَسُولُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَيَقُولُ عِيسَى إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ ذَنْبًا نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي اذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا فَيَقُولُونَ يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ فَأَنْطَلِقُ فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّي عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ يَفْتَحُ اللهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَى أَحَدٍ قَبْلِي ثُمَّ يُقَالُ يَا مُحَمَّدُ

کیا حالت ہوگئی ہے، حضرت آدم کہیں گے: بے شک میرا رب آج اتنے زیادہ غضب میں ہے کہ پہلے کبھی اتنے غضب میں نہیں تھا اور نہ کبھی بعد میں اتنے غضب میں ہوگا، بے شک اس نے مجھے ایک درخت سے روکا تھا اور میں نے اس کی (صورتاً) نافرمانی کی، پس مجھے آج اپنے نفس کی فکر ہے، پس مجھے آج اپنے نفس کی فکر ہے، پس مجھے آج اپنے نفس کی فکر ہے، تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم حضرت نوح کے پاس جاؤ، پس لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے نوح! بے شک آپ زمین والوں کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ تو حضرت نوح کہیں گے: بے شک میرا رب عزوجل آج اتنے زیادہ غضب میں ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں نہیں ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور میں نے اپنی قوم کے خلاف ایک دعا کی تھی، مجھے آج اپنی فکر ہے، مجھے آج اپنی فکر ہے، مجھے آج اپنی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ، پس لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے ابراہیم! آپ زمین والوں کی طرف اللہ کے نبی اور خلیل ہیں، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ پس وہ ان سے کہیں گے کہ میرا رب آج اتنے زیادہ غضب میں ہے کہ پہلے کبھی اتنے غضب میں نہیں ہوا اور نہ کبھی آئندہ اتنے غضب میں ہوگا، پس میں نے (صورتاً) تین جھوٹے بولے تھے۔ راوی ابوحیان نے ان تین جھوٹوں کا اپنی روایت میں ذکر کیا ہے، مجھے اپنی فکر ہے، مجھے اپنی فکر ہے، مجھے اپنی فکر ہے، پس تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ، پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، پس لوگ کہیں گے: اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اوپر آپ کو اپنی رسالت اور اپنی ہم کلامی

ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ أُمَّتِي يَا رَبِّ أُمَّتِي يَا رَبِّ أُمَّتِي يَا رَبِّ فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَحِمْيَرَ أَوْ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرَى۔

سے فضیلت دی ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں، وہ کہیں گے: بے شک میرا رب آج اتنے غضب میں ہے کہ پہلے کبھی اتنے غضب میں نہیں ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور میں نے ایک ایسے شخص کو (تادیباً) قتل کر دیا تھا جس کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، آج مجھے اپنی فکر ہے، آج مجھے اپنی فکر ہے، آج مجھے اپنی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ، پس لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم کی طرف ڈالا تھا اور اس کی پسندیدہ روح ہیں اور آپ نے بچپن میں لوگوں سے پنگھوڑے میں کلام کیا تھا۔ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری سفارش کیجئے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال میں ہیں، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ آج میرا رب اتنے زیادہ غضب میں ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور وہ اپنا کوئی (صورتاً) گناہ یاد نہیں کریں گے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ، پس لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے، پس کہیں گے: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے خاتم ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام معاف کر دیئے ہیں۔ آپ اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں، پس میں جاؤں گا اور اپنے رب عزوجل کے لئے عرش کے نیچے سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ میرے لئے اپنی حمد و ثناء کے ایسے کلمات کھولے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے نہیں کھولے ہوں گے، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا، پھر کہوں گا اے میرے

رب! میری امت! اے میرے رب! میری امت! اے میرے رب! میری امت! پھر کہا جائے گا: اے محمد! جنت کے دروازوں میں سے سیدھے دروازے سے آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو داخل کر دیجئے جن پر کوئی حساب نہیں ہے اور ان دروازوں کے علاوہ باقی دروازوں میں دوسرے لوگ بھی شریک ہوں گے، پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! جنت کے دروازوں میں سے دو دروازوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ مکہ اور حمیر میں ہے یا جتنا فاصلہ مکہ اور بصریٰ میں ہے۔

اس حدیث کی مفصل اور مکمل شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۰ میں گزر چکی ہے۔

۷۔ بَابٌ: وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ (بنی اسرائیل: ۵۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی O (بنی اسرائیل: ۵۵) کی تفسیر

ربیع بن انس نے بیان کیا ہے کہ زبور میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے، دعا ہے اور تسبیح ہے، قتادہ نے کہا: ہم یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ زبور میں وہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو سکھائی تھی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور تمجید ہے، اس میں حلال اور حرام کے احکام نہیں ہیں اور نہ اس میں فرائض ہیں اور نہ حدود ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰)

۴۷۱۳۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ الْقِرَاءَةُ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَابَّتِهِ لِتُسْرَجَ فَكَانَ يَقْرَأُ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ يَعْنِي الْقُرْآنَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام بن منبہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اوپر (زبور کا) پڑھنا آسان کر دیا گیا تھا، وہ سواری پر زین بچھانے کا حکم دیتے، پھر زبور کو پڑھنا شروع کرتے اور زین بچھنے سے پہلے وہ زبور کو پڑھ لیتے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۷۳ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے زمانے کو لپیٹ دیتا ہے جس طرح ان کے لئے وہ مکان کو لپیٹ دیتا ہے یعنی جس طرح وہ کم وقت میں زیادہ سفر طے کر لیتے ہیں اسی طرح وہ کم وقت میں زیادہ کام کر لیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱-۴۰)

۸۔ بَابٌ: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ (بنی اسرائیل: ۵۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہئے کہ تم ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں اللہ کے سوا (عبادت کے مستحق) ہیں، سو وہ تم سے نہ کسی ضرر کو دور کرنے کے مالک ہیں اور نہ اس کو بدلنے کے (مالک ہیں) O

(بنی اسرائیل:۵۶) کی تفسیر

۴۷۱۴۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ قَالَ كَانَ نَاسٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعْبُدُونَ نَاسًا مِنَ الْجِنِّ فَأَسْلَمَ الْجِنُّ وَتَمَسَّكَ هَؤُلَاءِ بِدِينِهِمْ زَادَ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ﴾ (بنی اسرائیل:۵۶)

[طرف الحدیث:۴۷۱۵]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از ابراہیم از ابی معمر از عبداللہ، انہوں نے اپنے رب کی طرف وسیلہ (بنی اسرائیل:۵۷) کی تفسیر میں کہا: کچھ انسان کچھ جنات کی عبادت کرتے تھے، پس جنات تو اسلام لے آئے اور وہ انسان جنات کی پرستش کے دین پر جمے رہے۔ اشجعی نے از سفیان از اعمش یہ اضافہ کیا ہے: آپ کہئے کہ تم ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں اللہ کے سوا (عبادت کے مستحق) ہیں۔ (بنی اسرائیل:۵۶)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے رب کی طرف وسیلہ (بنی اسرائیل:۵۷): یہاں یہ عبارت محذوف ہے، حضرت عبداللہ نے یہ پوری آیت پڑھی: جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، بے شک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے ○ (بنی اسرائیل: ۵۷)۔ حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھ کر کہا کہ انسانوں کی ایک جماعت جنات کی ایک جماعت کی عبادت کرتی تھی، پھر جنات کی جماعت اسلام لے آئی اور انسانوں کی جماعت جنات کی عبادت کے ساتھ چمٹی رہی، تب یہ آیت نازل ہوئی: وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل:۵۷)

وسیلہ سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کا قرب، اور اس حدیث میں ہے کہ انسانوں میں سے کچھ ناس جنات میں سے کچھ ناس کی عبادت کرتے تھے، علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے کہ ناس تو انسان ہیں جو جنات کی ضد ہیں، پس حضرت عبداللہ نے یہ کیسے کہا کہ "انسانوں میں سے کچھ ناس اور جنات میں سے کچھ ناس؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ناس کے لفظ سے طائفہ اور جماعت مراد ہے یعنی انسانوں کی ایک جماعت جنات کی ایک جماعت کی عبادت کرتی تھی، پھر انسانوں کی جماعت جنات کی عبادت پر قائم رہی اور جنات ان کی عبادت کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ اسلام لا چکے تھے اور یہ وہی ہیں جن کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔

حدیث میں مذکور ہے کہ جنات اسلام لے آئے اور ان کو یہ علم نہیں تھا کہ انسان ان کی عبادت کرتے ہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی: یہ مشرکین جن کی عبادت کرتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۲۔۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابٌ: أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ (بنی اسرائیل:۵۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل:۵۷) کی تفسیر

یہاں بھی یہ عبارت محذوف ہے: یہ مشرکین جن کو معبود قرار دے کر ان کی عبادت کرتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں یعنی اپنے رب کا قرب تلاش کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس، مجاہد اور اکثر علماء سے روایت ہے کہ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے وہ حضرت عیسیٰ ہیں اور ان کی والدہ ہیں اور حضرت عزیر ہیں اور فرشتے ہیں اور سورج، چاند اور ستارے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۶)

۴۷۱۵۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه فِي هَذِهِ الْآيَةِ ﴿الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ (بنی اسرائیل: ۵۷) قَالَ كَانَ نَاسٌ مِنَ الْجِنِّ يُعْبَدُوْنَ فَأَسْلَمُوا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی از شعبہ از سلیمان از ابراہیم از ابی معمر از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۵۷) انہوں نے بیان کیا کہ جنات میں سے ایک جماعت کی عبادت کی جاتی تھی، پس وہ اسلام لے آئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۴۷۱۴ میں گزر چکی ہے۔

۱۰۔ بَابٌ: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (بنی اسرائیل: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔ (بنی اسرائیل: ۶۰) کی تفسیر

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس رویاء سے مراد ہے: شب معراج جو عجائبات اور نشانیاں آپ کو دکھائی گئی تھیں، ابن الانباری نے کہا کہ رؤیت کا استعمال خواب میں کم ہوتا ہے اور اَلرُّؤْیَاء کا استعمال خواب میں زیادہ ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا استعمال دونوں معنی میں جائز ہے۔

اِلَّا فِتْنَةً: یعنی یہ رؤیا لوگوں کے لیے آزمائش تھا کیونکہ انہوں نے واقعہ معراج کی خبر کو مذاق بنالیا تھا۔
(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۶)

۴۷۱۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ (بنی اسرائیل: ۶۰) قَالَ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اور ہم نے آپ کو (شب معراج) میں جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔ (بنی اسرائیل: ۶۰) انہوں نے کہا: یہ وہ رؤیا ہے جو شب معراج کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ سے دکھایا گیا تھا اور الشجرۃ الملعونہ سے مراد ہے: حنظل کا درخت

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۸۸ میں گزر چکی ہے۔

شب معراج میں عجائبات دیکھنے کی خبر کا لوگوں کے لیے آزمائش ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ: یعنی شب معراج آپ کو جو عجائبات دکھائے گئے اور الشجرة الملعونة کا جو قرآن میں ذکر ہے وہ صرف لوگوں کے لیے آزمائش ہے کیونکہ ایک جماعت شب معراج کو عجائبات دیکھنے کی خبر سن کر اسلام سے مرتد ہو گئی تھی۔ انہوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ایک رات میں بیت المقدس کی طرف چلے گئے ہوں اور شجرۃ ملعونہ میں یہ آزمائش تھی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوجہل نے کہا کہ ابو کبشہ کے بیٹے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے بڑا اور کیا جھوٹ ہوگا کہ وہ تم کو دوزخ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو جلا دیتی ہے، پھر یہ کہتے ہیں کہ اس میں ایک درخت اگتا ہے اور تم جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے، اور شجرۃ الزقوم کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ (الصافات: ۶۴) یقیناً وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی اصل (گہرائی) میں سے نکلتا ہے ○

۱۱۔ بَابٌ: اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿﴾ (بنی اسرائیل: ۷۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک فجر کی نماز میں قرآن پڑھنے میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں ○ (بنی اسرائیل: ۷۸) کی تفسیر

قُرْاٰنَ الْفَجْرِ سے مراد ہے: فجر کی نماز میں قرآن مجید پڑھنا اور **كَانَ مَشْهُوْدًا** سے مراد یہ ہے کہ اس نماز میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ: اللہ تعالیٰ اس میں رات کے فرشتوں کو اور دن کے فرشتوں کو حاضر فرماتا ہے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب رات کی تین ساعات باقی رہ جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس ذکر کو کھول دیتا ہے جس کو کسی نے نہیں دیکھا، پھر جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے، پھر دوسری ساعت میں عدن کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس فرماتا ہے: اسے مبارک ہو جو تیرے اندر داخل ہوا، پھر تیسری ساعت میں آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس فرماتا ہے: کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے تو میں اس کی مغفرت کر دوں اور کیا کوئی دعا کرنے والا ہے تو میں اس کی دعا قبول کر لوں حتیٰ کہ وہ فجر کی نماز پڑھ لے اور پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حاضر کرتا ہے، رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے۔

قَالَ مُجَاهِدٌ صَلَاةَ الْفَجْرِ۔ مجاہد نے کہا: صلاۃ الفجر۔

یعنی فجر کی نماز میں قرآن پڑھنا مراد ہے۔

۴۷۱۷۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ فَضْلُ صَلَاةِ الْجَمِيعِ عَلٰى صَلَاةِ الْوَاحِدِ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ دَرَجَةً وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابی سلمہ و ابن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جماعت سے نماز پڑھنے والے کی فضیلت تنہا نماز پڑھنے

وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ (بنی اسرائیل:۷۸)

والے پر پچیس (۲۵) درجہ ہے اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے صبح کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے تھے کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: اور فجر کی نماز میں قرآن پڑھیں، بے شک فجر کی نماز کے قرآن پڑھنے میں فرشتے حاضر ہوتے ہیںO (بنی اسرائیل:۷۸)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۱۷ میں گزر چکی ہے۔

۱۲۔ بَابٌ: عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا (بنی اسرائیل:۷۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گاO (بنی اسرائیل:۷۹) کی تفسیر

مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جس میں آپ اپنی امت کی شفاعت کریں گے اور تمام اولین و آخرین آپ کی حمد کریں گے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔ (بنی اسرائیل:۷۹) اور فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے اپنے قریب کر کے اپنے ساتھ اپنے عرش پر بٹھائے گا۔ یہ دونوں تفسیریں علامہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۴)

۴۷۱۸۔ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ آدَمَ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما يَقُولُ إِنَّ النَّاسَ يَصِيرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُثًا كُلُّ أُمَّةٍ تَتْبَعُ نَبِيَّهَا يَقُولُونَ يَا فُلَانُ اشْفَعْ يَا فُلَانُ اشْفَعْ حَتَّى تَنْتَهِيَ الشَّفَاعَةُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَلِكَ يَوْمَ يَبْعَثُهُ اللَّهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسماعیل بن ابان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی از آدم بن علی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگ دو زانوں بیٹھے ہوئے ہوں گے، ہر امت اپنے نبی کے تابع ہوگی، وہ کہیں گے: اے فلاں! شفاعت کیجئے اے فلاں! شفاعت کیجئے حتیٰ کہ یہ شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگی، یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۱۴۷۵ میں گزر چکی ہے۔

۴۷۱۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ رَوَاهُ حَمْزَةُ بْنُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عیاش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب بن ابی حمزہ نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا کی: اے اللہ! اس دعوت تامہ کے رب اور اس کے نتیجے میں کھڑی ہونے والی نماز کے رب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (جنت میں) بلند مقام عطا فرما اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے

عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

ان سے وعدہ کیا ہے، تو قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنا میرے لیے جائز ہو جائے گا۔ اس حدیث کی حمزہ بن عبداللہ نے از والد خود از نبی ﷺ روایت کی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۶۱۴ میں گزر چکی ہے۔

۱۳۔ بَابٌ: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ (بنی اسرائیل: ۸۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ کہیے: حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا اور بے شک باطل تھا بھی نابود ہونے والا O (بنی اسرائیل: ۸۱) کی تفسیر

حق سے مراد اسلام ہے اور باطل سے مراد شرک ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حق سے مراد اللہ کا دین اور باطل سے مراد بتوں کا دین ہے، ابن جریج سے روایت ہے کہ جہاد حق ہے اور قتال باطل ہے۔

يَزْهَقُ يَهْلِكُ۔

يَزْهَقُ کا معنی ہے: وہ ہلاک ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم کیسے کہتے ہو کہ باطل ہلاک ہو گیا حالانکہ باطل موجود ہے اور اس کے ماننے والے اس پر عمل کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تدبر کرنے والوں کے نزدیک دلائل سے باطل کا ہلاک ہونا بالکل واضح ہے۔

۴۷۲۰۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ وَحَوْلَ الْبَيْتِ سِتُّونَ وَثَلَاثُ مِائَةِ نُصُبٍ فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُودٍ فِي يَدِهِ وَيَقُولُ ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۱) ﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ﴾ (سبا: ۴۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن ابی نجیح از مجاہد از ابی معمر از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت تھے، آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، آپ وہ لکڑی ان بتوں کو چبھوتے اور فرماتے: حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا اور بے شک باطل تھا بھی نابود ہونے والا O (بنی اسرائیل: ۸۱) اور حق آ گیا اور باطل نہ (کچھ) پیدا کرے گا اور نہ (کسی کو) لوٹا کر لائے گا O (سبا: ۴۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۷۸ میں گزر چکی ہے۔

۱۴۔ بَابٌ: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (بنی اسرائیل: ۸۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۸۵) کی تفسیر

روح کی تحقیق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علامہ زمخشری نے کہا کہ اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ لوگوں نے آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ نے یہ خبر دی کہ ''روح'' اللہ کے امر سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کو اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان

کرتے ہیں کہ یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمیں روح کے متعلق خبر دیجئے اور اس کو کیسے عذاب ہوگا حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر روح کے متعلق کوئی چیز نازل نہیں ہوئی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، پھر حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے پاس یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

الشعری نے کہا کہ روح اس سانس کو کہتے ہیں جو جسم میں داخل ہوتا ہے اور جسم سے خارج ہوتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جو اجسام ظاہرہ اور اعضائے ظاہرہ میں شریک ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو روح کا علم نہیں ہے، اور جمہور نے کہا کہ روح معلوم ہے یعنی مخلوق کو روح کا علم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روح خون ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ روح اللہ کے نور سے ایک نور ہے اور اللہ کی حیات سے ایک حیات ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ روح اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے جس کی حقیقت اور اس کے علم کو اللہ نے مخفی رکھا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ روح روحانی ہے جو ملکوت سے پیدا کی گئی ہے، پس جب روح صاف ہوتی ہے تو یہ ملکوت کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ عام معتزلہ نے کہا ہے کہ روح عرض ہے اور ابن الراوندی کا قول ہے کہ یہ جسم لطیف ہے جو بدن میں رہتی ہے، علامہ واقدی نے کہا کہ مختار یہ ہے کہ روح جسم لطیف ہے جس میں حیات پائی جاتی ہے، اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ تمام مخلوق کی روحیں مخلوق ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ بدن کی صورت سے روح کی موت ہو جاتی ہے یا نہیں ہوتی۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ روح نہ مرتی ہے نہ بوسیدہ ہوتی ہے اور بعض علماء نے کہا کہ روح مرتی ہے اور بوسیدہ نہیں ہوتی اور ابدان بوسیدہ ہو جاتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ روح کو عذاب دیا جاتا ہے جس طرح بدن کو عذاب دیا جاتا ہے، اسی طرح روح کو ثواب ہوتا ہے جس طرح بدن کو ثواب ہوتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن روح کو اٹھایا جائے گا کیونکہ وہ آسمان کے حکم میں ہے اور بدن کو نہیں اٹھایا جائے گا کیونکہ وہ زمین سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ قول کتاب، سنت اور اقوال صحابہ اور تابعین کے خلاف ہے اور ایک بحث یہ ہے کہ نفس اور روح ایک چیز ہیں یا مغایر ہیں تو علماء اہل سنت نے کہا کہ روح نفس کے مغایر ہے اور نفس کا قوام روح کے ساتھ ہوتا ہے اور نفس دنیا کی طرف دعوت دیتا ہے اور روح آخرت کی دعوت دیتی ہے، خواہشات، نفس اور شیطان کے تابع ہیں اور فرشتہ عقل اور روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۲۱ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي حَرْثٍ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى عَسِيبٍ إِذْ مَرَّ الْيَهُودُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَقَالَ مَا رَأْيُكُمْ إِلَيْهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَسْتَقْبِلُكُمْ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ فَقَالُوا سَلُوهُ فَسَأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَأَمْسَكَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ شَيْئًا فَعَلِمْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَقُمْتُ مَقَامِي فَلَمَّا نَزَلَ الْوَحْيُ قَالَ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی از علقمہ از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھیت میں تھا اور آپ ایک شاخ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے، اس وقت وہاں سے یہود گزرے، پس انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ان سے روح کے متعلق سوال کرو تو کسی نے کہا: کہیں وہ تمہیں اس کے متعلق شک میں نہ ڈال دیں، اور کسی نے کہا: کہیں وہ تم کو کوئی ایسی چیز نہ بیان کر دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو پس انہوں نے آپ سے روح کے متعلق سوال کیا،

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، پس میں نے جان لیا کہ آپ کی طرف وحی نازل ہو رہی ہے، پس میں اپنی جگہ کھڑا رہا، پس جب وحی نازل ہو چکی تو آپ نے فرمایا: اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے، اور تم کو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے O (بنی اسرائیل:۸۵)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۱۲۵ میں گزر چکی ہے۔

۱۵۔ بَابٌ: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا۔ (بنی اسرائیل:۱۱۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے۔ (بنی اسرائیل:۱۱۰) کی تفسیر

نماز میں قرآن کو متوسط آواز کے ساتھ پڑھنے کا حکم

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے نزول کے کئی اسباب ہیں: ایک وہ ہے جس کو امام بخاری نے بیان کیا ہے جو اس باب کی حدیث میں آ رہا ہے، دوسرا قول سعید بن جبیر کا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے تو قریش نے کہا کہ آپ بلند آواز سے قرآن پڑھ کر ہمارے معبودوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، پھر ہم بھی آپ کے رب کی ہجو کریں گے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، تیسرا قول الواحدی کا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک اعرابی بلند آواز سے پڑھ رہا تھا: تمام قولی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور تمام بدنی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور وہ اپنی آواز بلند کر رہا تھا اور چوتھا قول عبداللہ بن شداد کا ہے کہ جب بنو تمیم کے اعراب نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تو کہتے: اے اللہ! ہم کو مال دے اور اولاد دے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۴۷۲۲۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ (بنی اسرائیل:۱۱۰) قَالَ نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ كَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ فَإِذَا سَمِعَهُ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ أَيْ بِقِرَاءَتِكَ فَيَسْمَعَ الْمُشْرِكُونَ فَيَسُبُّوا الْقُرْآنَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں کہا: اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے۔ (بنی اسرائیل:۱۱۰) انہوں نے بتایا کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ایک خفیہ مقام میں تھے اور جب آپ اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے تو جب مشرکین اس کو

عَنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسْمِعْهُمْ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا۔

[اطراف الحدیث: ۷۴۹۰۔۷۵۲۵۔۷۵۴۷]

سنتے تو قرآن کو برا کہتے اور اس کے نازل کرنے والے کو برا کہتے اور جو اس کو لے کر آیا اس کو برا کہتے، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: آپ اپنی نماز میں بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں، پس مشرکین اس کو سنیں گے تو وہ قرآن کو برا کہیں گے اور نہ اس کو اپنے اصحاب کے سامنے اتنا آہستہ پڑھیں کہ ان کو سنا نہ سکیں اور آپ اس کی درمیانی صورت اختیار کریں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں ایک خفیہ مقام میں تھے، یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے۔

۴۷۲۳۔ حَدَّثَنِي طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ أُنْزِلَ ذَلِكَ فِي الدُّعَاءِ۔

[اطراف الحدیث: ۶۳۲۷، ۷۵۲۶]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے طلق بن غنام نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

نیز سند صحیح کے ساتھ ایک انصاری صحابی سے روایت ہے کہ یہ آیت دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے اور حضرت ابن عباس نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور سوال کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۵۱)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر ختم ہوئی، اب ان شاء اللہ سورۃ الکہف کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۸۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْكَهْفِ

سورۃ الکہف کی تفسیر

سورۃ الکہف کا تعارف

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ ان دونوں نے کہا: یہ سورت مکی ہے۔ علامہ قرطبی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے سوا اس آیت کے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ (الکہف:۲۸) اور مقامات التنزیل میں مذکور ہے کہ یہ آیت بھی مدنی ہے اور وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ (الکہف:۸۳) اور اس سورت میں ایک سو دس آیتیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۵۲)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سورۃ الکہف پڑھی، اس کے گھر میں ایک گھوڑا تھا، وہ بدکنے لگا، اس نے سلام پھیر دیا، اچانک اس نے دیکھا کہ ایک بادل کے ٹکڑے نے اس کو ڈھانپا ہوا تھا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اے شخص پڑھو! کیونکہ وہ سکینہ ہے (یعنی ایسی طمانیت اور رحمت ہے جس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں) یہ قرآن مجید (پڑھنے) کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری:۴۸۳۹۔ ۳۶۱۴۔ صحیح مسلم:۷۹۵، سنن ترمذی:۲۸۸۵، مسند ابو یعلیٰ:۱۷۰۲۲، مسند احمد:۱۸۶۶۶)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَقْرِضُهُمْ تَتْرُكُهُمْ۔ مجاہد نے کہا: تَقْرِضُهُمْ کا معنی ہے: وہ ان کو چھوڑ دیتی ہے یعنی دھوپ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ۔ اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو دھوپ ان سے بائیں جانب پھر جاتی ہے۔ (الکہف:۱۷)

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ تَقْرِضُهُمْ کا معنی ہے کہ دھوپ ان کو چھوڑ دیتی ہے اور مقاتل نے کہا ہے کہ دھوپ ان سے تجاوز کر جاتی ہے اور قرض کا لغوی معنی ہے: قطع کرنا۔

وَكَانَ لَهُ ثُمُرٌ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ۔ وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ، اس سے مراد ہے: سونا اور چاندی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ۔ (الکہف:۳۴) اور جس شخص کے پاس پھل تھے۔

مجاہد نے کہا ہے کہ قرآن میں جو لفظ پیش کے ساتھ ثُمُرٌ ہے اس سے مراد مال ہے اور جو لفظ زبر کے ساتھ ثَمَرٌ ہے اس سے مراد ہے: درخت میں لگے ہوئے پھل۔

وَقَالَ غَيْرُهُ جَمَاعَةُ الثَّمَرِ۔ اور مجاہد کے غیر نے کہا: یہ ثَمَرٌ کی جمع ہے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ مجاہد کے غیر سے مراد ہے: قتادہ، اور کہا گیا ہے کہ ثَمَرٌ کی جمع ثِمَار ہے اور ثِمَار کی جمع ثُمُرٌ ہے تو گویا کہ

یہ جمع الجمع ہے۔

بَاخِعٌ مُهْلِكٌ۔ بَاخِعٌ اس کا معنی ہے: ہلاک ہونے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۝ (الکہف:٦) اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرط غم سے ان کے پیچھے جان دے دیں گے O

امام ابوعبیدہ نے بھی بَاخِعٌ کی یہی تفسیر کی ہے۔

أَسَفًا نَدَمًا۔ أَسَفًا اس کا معنی ہے: ندامت

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۝ (الکہف:٦) اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرط غم سے ان کے پیچھے جان دے دیں گے O

امام ابوعبیدہ نے بھی اَسَفًا کا معنی ندامت بیان کیا ہے اور قتادہ نے کہا ہے: اس کا معنی افسوس ہے۔

الْكَهْفُ الْفَتْحُ فِي الْجَبَلِ۔ الْكَهْفِ کا معنی ہے: پہاڑ میں کھلا ہوا راستہ یعنی غار۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۝ (الکہف:٩) (اے مخاطب!) کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے O

امام بخاری نے الکہف کی تفسیر کی ہے: پہاڑ میں کھلا ہوا راستہ، کہا جاتا ہے کہ الکہف کا معنی ہے: پہاڑ میں غار۔

وَالرَّقِيمُ الْكِتَابُ مَرْقُومٌ مَكْتُوبٌ مِنَ الرَّقْمِ۔ وَالرَّقِيْمِ کا معنی ہے: کتاب اور مَرْقُومٌ کا معنی ہے: لکھی ہوئی چیز، یہ لفظ رقم سے ماخوذ ہے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۝ (الکہف:٩) (اے مخاطب!) کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے O

مفسرین کا رقیم کا معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ پہاڑ میں ایک طاق ہے، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ ایلہ اور اسفان کے درمیان ایک وادی ہے اور ایلہ فلسطین کے نزدیک ہے اور یہ وہ وادی ہے جس میں اصحاب کہف رہتے تھے۔ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ الرقیم پتھر کی ایک لوح ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ سیسہ کی ایک لوح ہے جس میں اصحاب کہف کے اسماء اور ان کا قصہ لکھا ہوا ہے، اور انہوں نے اس لوح کو غار کے دروازے پر رکھ دیا، اس وجہ سے الرقیم کا معنی مرقوم ہے یعنی مکتوب اور رقم کا معنی لکھنا ہے۔

رَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَلْهَمْنَاهُمْ صَبْرًا۔ رَبَطْنَا علی قُلُوبِهِمْ یعنی ہم نے ان کے دلوں میں صبر ڈال دیا ہے۔

کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ ہم نے ان کے دلوں میں صبر کو باندھ دیا اور ان کے دلوں میں ان کا الہام کیا اور ان کو نور ایمان سے قوی کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی قوموں سے جدائی پر صبر کیا اور جو عیش وعشرت وہ چھوڑ آئے تھے اس پر صبر کیا۔

لَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَى قَلْبِهَا۔ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا یعنی اگر ہم نے ان کے دل کو مضبوط نہ

کیا ہوتا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ (القصص:١٠)

اور موسیٰ کی ماں کا دل (صبر سے) خالی ہو گیا، بے شک وہ قریب ہو گئیں کہ موسیٰ کا حال ظاہر کر دیں اگر ہم ان کے دل کو (اس لیے) مضبوط نہ رکھتے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے رہیں O

یہ آیت سورۃ القصص میں ہے۔امام بخاری نے اس آیت کو یہاں پر اس مناسبت سے ذکر کیا ہے کہ اس میں بھی رَبَطْنَا کا لفظ ہے۔

شَطَطًا اِفْرَاطًا

شَطَطًا اس کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا۝ (الکہف:١٤)

تو انہوں نے کہا: ہمارا رب آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہماری بات حق سے بہت دور ہوگی O

امام بخاری نے شطط کی تفسیر افراط کی ہے، حضرت ابن عباس اور مقاتل نے اس کی تفسیر ظلم کی ہے اور قتادہ نے اس کی تفسیر جھوٹ کی ہے اور لغت میں شطط کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا اور افراط۔

اَلْوَصِیْدُ الْفِنَاءُ جَمْعُهٗ وَصَائِدُ وَوُصُدٌ وَيُقَالُ الْوَصِيْدُ الْبَابُ مُؤْصَدَةٌ مُطْبَقَةٌ آصَدَ الْبَابَ وَأَوْصَدَ۔

اَلْوَصِیْدُ اس کا معنی ہے: صحن اور اس کی جمع وَصَائِد اور وُصُد ہے اور بعض نے کہا: وَصِیْد کا معنی ہے: دروازہ اور مُوصَدَۃٌ کا معنی ہے: بند کیا ہوا۔عرب کہتے ہیں: اٰصَدَ الباب وَاَوْصَدَ یعنی اس نے دروازہ بند کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ۔ (الکہف:١٨)

اور ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔

امام بخاری نے وصید کی تفسیر صحن کے ساتھ کی ہے اور اس کا معنی ہے: گھروں کے سامنے کشادہ جگہ، حضرت ابن عباس اور سدی نے کہا ہے کہ وصید کا معنی ہے: دروازہ۔عطاء نے کہا ہے کہ وَصِیْد کا معنی ہے: چوکھٹ، نیز امام بخاری نے کہا کہ موصدۃٌ کا معنی بند کیا ہوا ہے، اس قول سے انہوں نے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ۝ (الہمزہ:٨)

بے شک وہ (آگ) ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی O

یعنی کافروں کے اوپر دوزخ کی آگ ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی، امام بخاری نے کہا: یہ آصَدَ الباب سے ماخوذ ہے یعنی دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر مد کے ساتھ آصَدَ کر دیا یا واؤ سے بدل کر اَوْصَدَ کر دیا۔

بَعَثْنَاهُمْ اَحْيَيْنَاهُمْ۔

بَعَثْنٰهُمْ، اس کا معنی ہے: ہم نے ان کو زندہ کیا یعنی ان کو نیند سے بیدار کر کے کھڑا کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ۔ (الکہف:١٩)

اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا تا کہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں۔

کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ ہم نے ان کو نیند سے بیدار کیا اور یہ اس وقت ہوا جب مسلمانوں نے اصحاب کہف کے متعلق بحث کی، اگلے مسلمانوں نے اور بعد کے مسلمانوں نے کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے ہیں، اگلے مسلمانوں نے کہا کہ وہ تین سو نو سال (۳۰۹) غار میں رہے اور بعد کے مسلمانوں نے کوئی اور مدت بیان کی اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے کہا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت تک غار میں رہے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے غار میں ان کو نیند سے بیدار کیا تا کہ یہ ظاہر فرمائے کہ ان کی نیند کی مدت کے متعلق کس کا قول صحیح ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝ (الکہف:۱۲)

پھر ہم نے ان کو اٹھایا تا کہ ہم یہ ظاہر کریں کہ ان کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو دو جماعتوں میں سے کس نے زیادہ یاد رکھا ہے O

مجاہد نے کہا ہے کہ جب ہم نے ان پر غار میں نیند طاری کی تو اتنے طویل زمانے تک ان کے جسموں کو بوسیدہ ہونے سے محفوظ رکھا اور ان کے کپڑوں کو بدبو سے محفوظ رکھا۔

أَزْكٰى أَكْثَرُ وَيُقَالُ أَحَلُّ وَيُقَالُ أَكْثَرُ رَيْعًا۔

اَزْکٰی کا معنی ہے: جو اس بستی کے لوگوں کی زیادہ خوراک ہے اور جو زیادہ حلال اور پاکیزہ خوراک ہے اور جو زیادہ اچھی خوراک ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیات کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ۔ (الکہف:۱۹)

سو اب تم اپنے میں سے کسی کو چاندی کے یہ سکے دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ غور کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے کر آئے۔

امام بخاری نے اَزْکٰی کی تفسیر کی ہے: جو اس بستی والوں کی اکثر خوراک ہے، یہ لفظ زکوٰۃ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: زیادتی اور بڑھنا، اور یہ جو معنی بیان کیا گیا کہ جو زیادہ حلال ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بستی میں زیادہ مجوسی تھے جو ذبح نہیں کرتے تھے اور کچھ مومن تھے جو ذبح کرتے تھے تو اصحاب کہف نے کہا: ہمارے لیے حلال خوراک لے کر آنا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس کا اصل کے مقابلہ میں بڑھنا زیادہ ہو۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ لَمْ تَنْقُصْ۔

حضرت ابن عباس نے کہا: اُكُلَهَا کا معنی ہے: خوب پھل لائے۔ وَلَمْ تَظْلِمْ کا معنی ہے: پھل لانے میں کوئی کمی نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا۔ (الکہف:۳۳)

دونوں باغ خوب پھل لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی۔

حضرت ابن عباس کی اس تفسیر کی امام ابن ابی حاتم نے بھی روایت کی ہے۔

وَقَالَ سَعِيدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الرَّقِيمُ اللَّوْحُ مِنْ رَصَاصٍ كَتَبَ عَامِلُهُمْ أَسْمَائَهُمْ ثُمَّ طَرَحَهُ فِي خِزَانَتِهِ۔

اور سعید نے کہا: از حضرت ابن عباس: اَلرَّقِیْم کا معنی ہے: سیسہ کی لوح، ان کے عامل نے اس لوح کے اوپر اصحاب کہف کے نام لکھ دیئے، پھر اس لوح کو اپنے خزانے میں ڈال دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان نو جوانوں کو تلاش کیا گیا تو وہ نہیں ملے، تب بادشاہ سے یہ قصہ بیان کیا گیا تو

بادشاہ نے کہا: ان نوجوانوں کا ضرور کوئی واقعہ ہے، پھر اس نے سیسہ کی لوح پر ان نوجوانوں کے اسماء لکھے اور اس لوح کو اپنے خزانے میں ڈال دیا، پس رقیم سے مراد وہ لوح ہے جس پر ان کے نام لکھے گئے تھے۔ اس تعلیق کی امام ابن منذر نے روایت کی ہے۔

فَضَرَبَ اللّٰهُ عَلٰٓى آذَانِهِمْ فَنَامُوا۔ فضرب اللہ علی اذانھم کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی تو وہ سو گئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ پھر ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سالوں تک نیند مسلط کر دی ○ (الکہف:۱۱)

یہ قرآن مجید کا بہت فصیح کلام ہے جس کی کوئی مثل نہیں لا سکتا۔ اس کا معنی ہے: ہم نے ان کو سلا دیا اور ہم نے ان پر نیند مسلط کر دی اور ان کے کانوں تک کسی آواز کو پہنچنے نہیں دیا۔

وَقَالَ غَيْرُهٗ وَأَلَتْ تَئِلُ تَنْجُو وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَوْئِلًا مَحْرِزًا۔ حضرت ابن عباس کے غیر نے کہا: وَأَلَتْ تَئِلُ اور اس کا معنی ہے: نجات پانا اور مجاہد نے کہا: مَوْئِلًا کا معنی ہے: حفاظت کی جگہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝ بلکہ ان کے لیے وعدہ کا ایک وقت مقرر ہے وہ اس سے سر مو ٹلنے کا وقت نہیں پائیں گے ○ (الکہف:۵۸)

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ لفظ ''مَوْئِل'' وأل یئل سے ماخوذ ہے جو باب ضرب سے ہے اور مَوْئِل کا معنی ہے: ملجا، قتادہ سے اسی طرح روایت ہے۔

لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا لَا يَعْقِلُونَ۔ لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا کا معنی ہے: وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے یعنی وہ سمجھ نہیں سکتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے متعلق درج ذیل آیات کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِىْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِىْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝ (الکہف:۱۰۱) جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں رہیں اور وہ (حق کو) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ○

کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا وصف بیان کیا ہے جن کی آنکھوں کے آگے میرے ذکر سے اور مجھ پر ایمان لانے سے اور قرآن پر ایمان لانے سے غفلت کے پردے ہیں، وہ اللہ عزوجل کی کتاب کو سننے کی طاقت نہیں رکھتے اور چونکہ ان پر شقاوت کا غلبہ ہے اس لیے وہ اس قرآن میں تدبر نہیں کرتے یعنی اس طرح نہیں سنتے کہ غور و فکر کریں۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۵۵۔۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَىْءٍ جَدَلًا۔ (الکہف:۵۴) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ (الکہف:۵۴) کی تفسیر

یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے جو قرآن میں بہت بحث کرتا تھا اور ایک قول ہے کہ یہ ابی بن خلف کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر بحث کرتا تھا۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۵۵۔۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۲۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخْبَرَهُ عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ قَالَ أَلَا تُصَلِّيَانِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے علی بن حسین نے خبر دی کہ حضرت حسین بن علی نے ان کو خبر دی از حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ رات کو ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، فرمایا: کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے؟

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۱۱۲۷ میں گزر چکی ہے۔

یہ پوری حدیث اس طرح ہے کہ حضرت علی نے کہا: یارسول اللہ! ہماری جانیں اللہ کے اختیار میں ہیں وہ جب ہم کو جگانا چاہے گا جگا دے گا، یہ سن کر آپ خاموشی سے لوٹ گئے اور اپنے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے فرما رہے تھے: وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (الکہف: ۵۴)۔

رَجْمًا بِالْغَيْبِ لَمْ يَسْتَبِنْ۔

رَجْمًا بِالْغَيْبِ کا معنی ہے: لم يستبن یعنی واضح نہیں ہوا اور انہوں نے صرف اندازے سے بات کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ۔ (الکہف: ۲۲)

اور (بعض) کہیں گے: وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا، یہ تمام اقوال اٹکل پچو پر مبنی ہیں۔

امام بخاری نے رَجْمًا بِالْغَيْبِ کی تفسیر کی ہے: ''واضح نہیں ہوا''، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے بغیر یقین کے ظن سے کہا ہے۔

فُرُطًا يُقَالُ نَدَمًا۔

کہا جاتا ہے: فُرُطًا کا معنی ندامت ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝ (الکہف: ۲۸)

اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ۝

امام بخاری نے فُرُطًا کی تفسیر ندامت کے ساتھ کی ہے اور ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر اسراف اور ضائع کے ساتھ کی ہے۔ مجاہد نے اس کی تفسیر ضیاع کے ساتھ کی ہے اور سدی نے اس کی تفسیر ہلاک کرنے کے ساتھ کی ہے۔

سُرَادِقُهَا مِثْلُ السُّرَادِقِ وَالْحُجْرَةِ الَّتِي تُطِيفُ بِالْفَسَاطِيطِ۔

سُرَادِقُهَا یہ لفظ سرادق کی مثل ہے اور اس حجرہ کی مثل ہے جس کو سب طرف سے خیمے گھیر لیتے ہیں (اس کا معنی ہے: چار دیواری یا ہر وہ چیز جو کسی چیز کو محیط ہو جیسے خیمہ یا شامیانہ یا قنات)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔ (الکہف: ۲۹)

بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی دوزخ تیار کی ہے جس (کے شعلوں) کی چار دیواری ان کا احاطہ کرے گی۔

سُرَادِقُهَا کی ضمیر دوزخ کی آگ کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کی چار دیواری اس حجرے کی طرح ہے جس کو خیموں نے گھیر لیا ہو اور سرادق وہ جگہ ہے جو گھر کے اوپر صحن میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور گھر گھر محیط ہوتی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسعید خدری نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ کے سُرادِق چار دیواریں ہیں، ان میں سے ہر ایک کی موٹائی چالیس سال کی مسافت ہے، حضرت ابن عباس نے کہا: السُرادق دوزخ کی دیوار ہے اور یہاں سرادق سے مراد وہ دھواں ہے جو قیامت کے دن کفار کا احاطہ کیے ہوئے ہوگا۔

يُحَاوِرُهُ مِنَ الْمُحَاوَرَةِ۔

يُحَاوِرُهٗ، المحاورہ سے ماخوذ ہے اور اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗٓ (الکہف: ۳۴) یعنی اس نے اپنے ساتھی سے بحث کرتے ہوئے کہا یعنی لفظ یحاورہٗ، المحاورہ سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے: جواب دینا اور تفسیر میں مذکور ہے کہ یُحاورہ کا معنی ہے: اس کو جواب دینا۔

اس تعلیق کی امام بخاری نے از خود شرح کر دی ہے۔

لَكِنَّا هُوَ اللهُ رَبِّي أَيْ لَكِنْ أَنَا هُوَ اللهُ رَبِّي ثُمَّ حَذَفَ الْأَلِفَ وَأَدْغَمَ إِحْدَى النُّوْنَيْنِ فِي الْأُخْرٰى۔

لٰكِنَّاۡ هُوَ اللهُ رَبِّيْ اس کا معنی ہے: لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اللہ میرا رب ہے۔ لٰكِنَّاۡ اصل میں لٰكِنْ اَنَا تھا، الف کو حذف کر دیا اور ایک نون کا دوسرے نون میں ادغام کر دیا تو لٰكِنَّاۡ ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لٰكِنَّاۡ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ (الکہف: ۳۸)

لیکن وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا O

امام بخاری نے یہاں نحویوں کا قاعدہ ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ لٰكِنَّاۡ اصل میں لکن انا تھا پھر اَنَا کے الف کو حذف کر کے نون کا نون میں ادغام کر دیا تو لٰكِنَّاۡ ہو گیا۔

وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا يَقُوْلُ بَيْنَهُمَا نَهَرًا۔

وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا یعنی ہم نے دو باغوں کے درمیان زمین کو شق کر کے ایک دریا بہا دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ (الکہف: ۳۳)

دونوں باغ خوب پھل لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی اور ہم نے ان کے درمیان دریا رواں کر دیے تھے O

یعنی ہم نے ان دو باغوں کے درمیان زمین شق کر کے دریا بنا دیا۔

زَلَقًا لَا يَثْبُتُ فِيهِ قَدَمٌ۔

زَلَقًا اس کا معنی ہے: پھسلنے کی جگہ جس میں قدم ٹھہرتے نہیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ (الکہف: ۴۰)

اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے تو وہ چٹیل اور چکنا میدان بن جائے O

تفسیر میں مذکور ہے کہ اس کا معنی ہے: چکنا میدان کہ جس میں کوئی پیداوار نہ ہو، اور مجاہد نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: ریتلی زمین۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ مَصْدَرُ الْوَلِيِّ۔ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ یہ الولی کا مصدر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ۔ (الکہف: ۴۳۔۴۴) اور وہ بدلہ لینے کے قابل نہ تھا O یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں جو سچا ہے۔

هُنَالِكَ سے مراد ہے: قیامت کا دن اور تفسیر میں مذکور ہے کہ اس دن وہ اللہ سے محبت کریں گے اور دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے تھے ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

عُقُبًا عَاقِبَةً وَعُقْبٰى وَعُقْبَةً وَاحِدٌ وَهِيَ الْاٰخِرَةُ۔ عُقُبًا، عَاقِبَةٌ وَعُقْبَةٌ ان سب کا ایک معنی ہے اور وہ ہے: آخرت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقُبًا ۝ (الکہف: ۴۴) وہی سب سے اچھا ثواب دینے والا ہے اور اس کے پاس بہترین انجام ہے O

الجوہری نے کہا ہے کہ ہر چیز کی عاقبت اس کا آخر ہے۔

قِبَلًا وَقُبُلًا وَقَبَلًا اسْتِئْنَافًا۔ قِبَلًا وَقُبُلًا وَقَبَلًا ان تینوں کا معنی ہے: سامنے آنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ (الکہف: ۵۵) یا ان کے سامنے سے عذاب آجائے O

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: ان کی آنکھوں کے سامنے، ثعلبی نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے: غزوۂ بدر میں ان کو تلواروں سے ہلاک کرنا اور مقاتل نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے: مختلف قسم کے عذاب۔

لِيُدْحِضُوا لِيُزِيلُوا الدَّحْضُ الزَّلَقُ۔ لِيُدْحِضُوْا اس کا معنی ہے تاکہ وہ زائل کریں اور دَحْض کا معنی ہے: پھسلانا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ۔ (الکہف: ۵۶) تاکہ حق کو زائل کریں۔

جب کسی آدمی کا پیر پھسل جائے تو وہ کہتا ہے: دَحَضَتْ رِجْلِيْ اور سدی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: تاکہ وہ لوگ اس سے حق کو باطل کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۵۸۔۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا۔ (الکہف: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا: میں مسلسل چلتا رہوں گا حتیٰ کہ میں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا سالہا سال تک چلتا رہوں گا۔ (الکہف: ۶۰) کی تفسیر

حُقُبًا زَمَانًا وَجَمْعُهُ اَحْقَابٌ۔ حُقُبًا کا معنی ہے: زمانہ اور اس کی جمع احقاب ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى: یعنی یاد کیجئے جب حضرت موسیٰ نے کہا، اور وہ حضرت ابن عمران ہیں۔

لِفَتٰهُ: یعنی اپنے شاگرد سے اور وہ یوشع بن نون ہیں، وہ ان کے ساتھ سفر میں تھے، ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے غلام اور مملوک تھے۔

مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ: وہ بحر فارس اور بحر روم ہے جو مشرق کے قریب ہے اور حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ وہ افریقہ میں ہے اور ایک قول ہے کہ وہ بحر اردن اور بحر قلزم ہے۔

أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا: یعنی میں طویل زمانے تک سفر کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میں مجمع البحرین تک پہنچ جاؤں گا۔ قتادہ نے کہا: حُقُبٌ کا معنی ہے: زمانہ، حضرت ابن عباس نے کہا: اس کا معنی ہے: دہر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا: اس کا معنی ہے: اسی (۸۰) سال اور اس کی جمع احقاب ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۵۸)

۴۷۲۵۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبِكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى صَاحِبَ الْخَضِرِ لَيْسَ هُوَ مُوسَى صَاحِبَ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ حَدَّثَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِنَّ مُوسَى قَامَ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَسُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَقَالَ أَنَا فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ إِنَّ لِي عَبْدًا بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ مُوسَى يَا رَبِّ فَكَيْفَ لِي بِهِ قَالَ تَأْخُذُ مَعَكَ حُوتًا فَتَجْعَلُهُ فِي مِكْتَلٍ فَحَيْثُمَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَهُوَ ثَمَّ فَأَخَذَ حُوتًا فَجَعَلَهُ فِي مِكْتَلٍ ثُمَّ انْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ حَتَّى إِذَا أَتَيَا الصَّخْرَةَ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا فَنَامَا وَاضْطَرَبَ الْحُوتُ فِي الْمِكْتَلِ فَخَرَجَ مِنْهُ فَسَقَطَ فِي الْبَحْرِ فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا وَأَمْسَكَ اللهُ عَنِ الْحُوتِ جِرْيَةَ الْمَاءِ فَصَارَ عَلَيْهِ مِثْلَ الطَّاقِ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ نَسِيَ صَاحِبُهُ أَنْ يُخْبِرَهُ بِالْحُوتِ فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَلَيْلَتَهُمَا حَتَّى إِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا قَالَ وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن جبیر نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف بکالی کا یہ زعم ہے کہ جو موسیٰ حضرت خضر کے صاحب تھے وہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، مجھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے تو ان سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف علم کو نہیں لوٹایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ مجمع البحرین میں میرا ایک بندہ ہے جو تم سے بڑا عالم ہے تو حضرت موسیٰ نے پوچھا: اے میرے رب! میری اس تک کیسے رسائی ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے ساتھ ایک مچھلی لو اور اس کو ٹوکری میں رکھو، پس جہاں تم اس مچھلی کو گم پاؤ گے وہ بندہ اسی جگہ ہوگا، حضرت موسیٰ نے ایک مچھلی لے کر اس کو ٹوکری میں رکھا، پھر وہ روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے شاگرد حضرت یوشع بن نون بھی تھے، حتیٰ کہ جب وہ دونوں ایک چٹان پر آئے اور اس پر سر رکھ کر وہ دونوں سو گئے تو وہ مچھلی

النَّصَبَ حَتّٰی جَاوَزَا الْمَكَانَ الَّذِی أَمَرَ اللهُ بِهٖ فَقَالَ لَهٗ فَتَاهُ أَرَأَیْتَ إِذْ أَوَیْنَا إِلَی الصَّخْرَةِ فَإِنِّی نَسِیتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِیهِ إِلَّا الشَّیْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِیلَهٗ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا قَالَ فَكَانَ لِلْحُوتِ سَرَبًا وَلِمُوسٰی وَلِفَتَاهُ عَجَبًا فَقَالَ مُوسٰی ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِی فَارْتَدَّا عَلٰی آثَارِهِمَا قَصَصًا قَالَ رَجَعَا یَقُصَّانِ آثَارَهُمَا حَتَّی انْتَهَیَا إِلَی الصَّخْرَةِ فَإِذَا رَجُلٌ مُسَجًّی ثَوْبًا فَسَلَّمَ عَلَیْهِ مُوسٰی فَقَالَ الْخَضِرُ وَأَنّٰی بِأَرْضِكَ السَّلَامُ قَالَ أَنَا مُوسٰی قَالَ مُوسٰی بَنِی إِسْرَائِیلَ قَالَ نَعَمْ أَتَیْتُكَ لِتُعَلِّمَنِی مِمَّا عُلِّمْتَ رَشَدًا قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیعَ مَعِیَ صَبْرًا یَا مُوسٰی إِنِّی عَلٰی عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِیهِ لَا تَعْلَمُهٗ أَنْتَ وَأَنْتَ عَلٰی عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَكَهُ اللهُ لَا أَعْلَمُهٗ فَقَالَ مُوسٰی سَتَجِدُنِی إِنْ شَاءَ اللهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِی لَكَ أَمْرًا فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِی فَلَا تَسْأَلْنِی عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا فَانْطَلَقَا یَمْشِیَانِ عَلٰی سَاحِلِ الْبَحْرِ فَمَرَّتْ سَفِینَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ یَحْمِلُوهُمْ فَعَرَفُوا الْخَضِرَ فَحَمَلُوهُمْ بِغَیْرِ نَوْلٍ فَلَمَّا رَكِبَا فِی السَّفِینَةِ لَمْ یَفْجَأْ إِلَّا وَالْخَضِرُ قَدْ قَلَعَ لَوْحًا مِنْ أَلْوَاحِ السَّفِینَةِ بِالْقَدُومِ فَقَالَ لَهٗ مُوسٰی قَوْمٌ قَدْ حَمَلُونَا بِغَیْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلٰی سَفِینَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا إِمْرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیعَ مَعِیَ صَبْرًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِی بِمَا نَسِیتُ وَلَا تُرْهِقْنِی مِنْ أَمْرِی عُسْرًا قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَكَانَتِ الْأُولٰی مِنْ مُوسٰی نِسْیَانًا قَالَ وَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلٰی حَرْفِ السَّفِینَةِ فَنَقَرَ فِی الْبَحْرِ نَقْرَةً فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ مَا عِلْمِی وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللهِ إِلَّا مِثْلُ مَا نَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُورُ مِنْ هٰذَا الْبَحْرِ ثُمَّ خَرَجَا مِنَ السَّفِینَةِ فَبَیْنَا هُمَا یَمْشِیَانِ عَلَی السَّاحِلِ إِذْ أَبْصَرَ الْخَضِرُ

ٹوکری میں تڑپی اور وہ مچھلی سمندر میں جا گری اور اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنا لیا اور اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے ساتھ پانی کے بہنے کو روک لیا اور وہ پانی اس پر طاق کی طرح ہو گیا، پھر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو ان کا شاگرد ان کو مچھلی کی خبر دینا بھول گیا، پھر وہ دونوں بقیہ دن اور رات سفر کرتے رہے، پھر جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا: ہمارا ناشتہ لاؤ ہم اس سفر سے تھک گئے ہیں، آپ نے بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ اس وقت ہوئی تھی جب وہ اس جگہ سے آگے چلے گئے تھے جہاں کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا تو ان کے شاگرد نے کہا: بھلا دیکھیے جب ہم اس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں آپ سے مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور مجھے اس کا ذکر کرنا صرف شیطان نے بھلایا تھا، اس مچھلی نے سمندر میں بہت عجیب راستہ بنا لیا تھا اور مچھلی کے لیے سرنگ بن گئی تھی اور یہ حضرت موسیٰ اور ان کے شاگرد کے لیے بہت حیرت انگیز بات تھی، پس حضرت موسیٰ نے کہا: اسی واقعہ کو تو ہم ڈھونڈ رہے تھے، پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان پر واپس گئے اور اپنے قدموں کے نشان پر چلتے رہے حتیٰ کہ اس چٹان پر پہنچ گئے، پس انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک مرد چادر اوڑھے ہوئے بیٹھا ہے، حضرت موسیٰ نے انہیں سلام کیا، تو حضرت خضر نے کہا: اس جگہ سلام کہاں سے آیا؟ حضرت موسیٰ نے کہا: میں موسیٰ ہوں، حضرت خضر نے پوچھا: بنی اسرائیل کے موسیٰ ہو؟ حضرت موسیٰ نے کہا: جی ہاں! میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو ہدایت کا علم دیا ہے آپ اس میں سے کچھ علم مجھے بھی عطا فرما دیں۔ حضرت خضر نے کہا: آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے اے موسیٰ! مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے وہ علم دیا ہے جسے آپ نہیں جانتے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے جو علم دیا ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ نے کہا: ان شاء اللہ آپ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گا۔ حضرت خضر نے کہا: اگر آپ میری پیروی کرتے ہیں تو آپ کسی چیز کے متعلق مجھ

غُلَامًا يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَاقْتَلَعَهُ بِيَدِهِ فَقَتَلَهُ فَقَالَ لَهُ مُوسَى أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَاكِيَةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ وَهٰذِهِ أَشَدُّ مِنَ الْأُولَى قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ قَالَ مَائِلٌ فَقَامَ الْخَضِرُ فَأَقَامَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ مُوسَى قَوْمٌ أَتَيْنَاهُمْ فَلَمْ يُطْعِمُونَا وَلَمْ يُضَيِّفُونَا لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ إِلَى قَوْلِهِ ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ (الکہف:۷۸) فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَدِدْنَا أَنَّ مُوسَى كَانَ صَبَرَ حَتَّى يَقُصَّ اللهُ عَلَيْنَا مِنْ خَبَرِهِمَا قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا وَكَانَ يَقْرَأُ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ۔

سے اس وقت تک سوال نہ کریں جب تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر نہ کروں، پس وہ دونوں روانہ ہوئے اور سمندر کے کنارے چلتے رہے، پھر ان کے پاس سے کشتی گزری، انہوں نے اس سے بات کی کہ وہ ان کو سوار کرلیں انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور بغیر معاوضہ کے ان کو سوار کرلیا، پس جب وہ کشتی میں سوار ہو گئے تو وہ صرف اس بات سے حیران ہوئے کہ حضرت خضر نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کو کلہاڑے سے چیر ڈالا، تو حضرت موسیٰ نے کہا: ان لوگوں نے ہم کو بغیر اجرت کے سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی کا ایک تختہ چیر ڈالا تا کہ انجام کار اس میں بیٹھنے والے ڈوب جائیں، یہ تو آپ نے بہت برا کام کیا۔ حضرت خضر نے کہا کہ میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟ حضرت موسیٰ نے کہا: آپ میری بھول پر مواخذہ نہ کریں اور میرے کام کو دشوار نہ بنائیں، حضرت ابن عباس نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ پہلی بار حضرت موسیٰ سے بھول ہوئی تھی اور آپ نے فرمایا: ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی، پھر اس نے سمندر میں ایک چونچ ماری تو حضرت خضر نے کہا: میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں بس اتنا ہے جتنا اس چڑیا نے سمندر سے پانی کم کیا ہے، پھر وہ دونوں کشتی سے اتر کر روانہ ہوئے، پس جس وقت وہ دونوں سمندر کے کنارے جا رہے تھے تو اچانک حضرت خضر نے ایک لڑکے کو دیکھا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر نے اس کا سر پکڑ کر اس پر اپنا ہاتھ مارا، سو اس کو مار ڈالا تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا: آپ نے ایک بے قصور شخص کو بغیر کسی جان کے بدلے مار ڈالا، یہ تو آپ نے بہت برا کام کیا، حضرت خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے، نبی ﷺ نے فرمایا: یہ (ملامت) پہلے سے زیادہ شدید تھی، حضرت موسیٰ نے کہا: اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں بے شک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں، پھر وہ دونوں روانہ

ہوئے حتیٰ کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان بستی والوں سے طعام طلب کیا، انہوں نے ان کی ضیافت سے انکار کر دیا، پھر ان دونوں نے دیکھا اس بستی کی ایک دیوار ٹوٹنے والی ہے، آپ نے بتایا کہ وہ جھک رہی تھی، حضرت خضر نے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے اس دیوار کو سیدھا کر دیا، پس حضرت موسیٰ نے کہا: ہم ان لوگوں کے پاس آئے تو انہوں نے ہمیں کھانا نہیں کھلایا، ہماری مہمانی نہیں کی تو اگر آپ چاہیں تو اپنے اس کام پر اجرت لے لیں، حضرت خضر نے کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کی گھڑی ہے، یہ آیت یہاں تک ہے'' یہ ان باتوں کی توجیہات ہیں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے''O (الکہف: ۷۸) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ صبر کرتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے واقعات سے کچھ اور خبریں بیان فرماتا۔ سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس یوں پڑھتے تھے کہ ان کے سامنے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو چھین لیتا تھا اور وہ یہ پڑھتے تھے کہ رہا وہ لڑکا تو وہ کافر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۴ میں گزر چکی ہے، تاہم چند امور کی وضاحت کی جارہی ہے:

بعض مشکل عبارات کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام بخاری نے دس سے زیادہ ابواب میں بیان کیا ہے اور ہم نے اس کی شرح اس باب میں کی ہے جس کا عنوان ہے: عالم کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے تو وہ کہے: اللہ۔

نوف البکالی: حضرت ابن عباس نے ان کے متعلق کہا: اس اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غضب سے کہا تھا ورنہ نوف البکالی نیک مومن تھے اور انہوں نے اسلام میں بہت اچھے عمل کیے تھے۔

حتیٰ کہ جب وہ دونوں چٹان پر پہنچے: یہ چٹان مجمع البحرین کے پاس تھی، وہ دونوں اس چٹان پر رات کے وقت پہنچے تھے اور سو گئے تھے۔

وہ مچھلی ٹوکری میں تڑپی اور ٹوکری سے نکل کر سمندر میں جا گری: کہا جاتا ہے کہ اس چٹان کی جڑ میں ایک چشمہ تھا جس کو آب حیات کہا جاتا تھا، جو بھی اس کا پانی پی لیتا تو وہ ہمیشہ زندہ رہتا۔ اس مچھلی نے بھی اس چشمہ کا پانی پالیا تھا اس لیے وہ ٹوکری میں تڑپی اور ٹوکری سے نکل کر سمندر میں داخل ہو گئی، یہ امام ابن مردویہ کی روایت ہے اور دوسری روایت ہے کہ اس چشمہ کے پانی کے چند قطرے اس مچھلی پر گرے تھے، پس وہ زندہ ہو گئی اور ٹوکری سے نکل کر سمندر میں گر گئی۔

سَرَبًا: یعنی چلنے کی جگہ، حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ وہ پانی مچھلی کے راستہ سے ایک

طرف ہو گیا اور وہ روشن دان کی طرح ہو گیا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مچھلی کے پیچھے اس روشن دان میں داخل ہو گئے، پس وہاں ان کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، یہ ثعلبی کی روایت ہے۔ کلبی کی روایت ہے کہ حضرت یوشع نے آب حیات کے چشمہ سے وضو کیا اور اس مچھلی پر جو ٹوکری میں تھی اس پر پانی کے چھینٹے ڈالے تو وہ زندہ ہو گئی، پھر وہ پانی میں کود گئی، پھر حضرت یوشع مچھلی کی دم کو مارتے اور جہاں بھی اس کو ضرب لگتی اس جگہ سے پانی خشک ہو جاتا۔

نَصَبًا: اس کا معنی ہے: شدید تھکاوٹ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس چٹان سے تجاوز کرنے کے بعد بھوک لگ گئی تھی تاکہ وہ مچھلی کو یاد کریں اور اپنے مطلب کی جگہ پہنچ جائیں۔

خضر: ان کا نام بلیاء تھا، ان کو خضر کا لقب اس لیے دیا گیا کہ وہ جس زمین پر بیٹھتے تو وہ سرسبز ہو جاتی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۶۰۔ ۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا۔ (الکہف: ۶۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس جب وہ دونوں سمندر کے سنگم پر پہنچ گئے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، سو مچھلی نے سمندر میں سرنگ بناتے ہوئے اپنا راستہ بنا لیا۔ (الکہف: ۶۱) کی تفسیر

مَذْهَبًا يَسْرُبُ يَسْلُكُ وَمِنْهُ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ۔

سَرَبٌ کا معنی ہے: جانے یا چلنے کی جگہ اور اسی سے ماخوذ ہے دن میں راستے پر جانے والا۔

وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے: الثعلبی نے کہا ہے کہ مچھلی حضرت یوشع کے پاس تھی اور وہی اس کو بھول گئے تھے، پھر دونوں کی طرف نسیان کی نسبت کر دی اور مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بھولا تھا۔

۴۷۲۶۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ وَغَيْرُهُمَا قَدْ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ إِنَّا لَعِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي بَيْتِهِ إِذْ قَالَ سَلُونِي قُلْتُ أَيْ أَبَا عَبَّاسٍ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ بِالْكُوفَةِ رَجُلٌ قَاصٌّ يُقَالُ لَهُ نَوْفٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَمَّا عَمْرٌو فَقَالَ لِي قَالَ قَدْ كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ وَأَمَّا يَعْلَى فَقَالَ لِي قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُوسَى رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ ذَكَّرَ النَّاسَ يَوْمًا حَتَّى إِذَا فَاضَتِ الْعُيُونُ وَرَقَّتِ الْقُلُوبُ وَلَّى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، انہوں نے بتایا کہ یعلیٰ بن مسلم اور عمرو بن دینار نے مجھے خبر دی از سعید بن جبیر ان میں سے ایک اپنے صاحب کی روایت پر اضافہ کرتا تھا اور ان دونوں کے غیر نے کہا: میں نے ان سے سنا وہ اس حدیث کو سعید بن جبیر سے روایت کرتے تھے، انہوں نے کہا: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا جب انہوں نے کہا: مجھ سے سوال کرو تو میں نے کہا: اے ابو العباس! اللہ مجھے آپ پر فدا کر دے کوفہ میں ایک قصہ بیان کرنے والا ہے جس کا نام نوف ہے۔ جس کا یہ زعم ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے (جن کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تھی) لیکن عمرو بن دینار نے مجھ

فَأَدْرَكَهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَيْ رَسُولَ اللهِ هَلْ فِي الْأَرْضِ
أَحَدٌ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ لَا فَعَتَبَ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ
إِلَى اللهِ قِيلَ بَلَى قَالَ أَيْ رَبِّ فَأَيْنَ قَالَ بِمَجْمَعِ
الْبَحْرَيْنِ قَالَ أَيْ رَبِّ اجْعَلْ لِي عَلَمًا أَعْلَمُ ذَلِكَ بِهِ
فَقَالَ لِي عَمْرٌو قَالَ حَيْثُ يُفَارِقُكَ الْحُوتُ وَقَالَ لِي
يَعْلَى قَالَ خُذْ نُونًا مَيِّتًا حَيْثُ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ فَأَخَذَ
حُوتًا فَجَعَلَهُ فِي مِكْتَلٍ فَقَالَ لِفَتَاهُ لَا أُكَلِّفُكَ إِلَّا أَنْ
تُخْبِرَنِي بِحَيْثُ يُفَارِقُكَ الْحُوتُ قَالَ مَا كَلَّفْتَ كَثِيرًا
فَذَلِكَ قَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ يُوشَعَ
بْنِ نُونٍ لَيْسَتْ عَنْ سَعِيدٍ قَالَ فَبَيْنَمَا هُوَ فِي ظِلِّ
صَخْرَةٍ فِي مَكَانٍ ثَرْيَانَ إِذْ تَضَرَّبَ الْحُوتُ وَمُوسَى
نَائِمٌ فَقَالَ فَتَاهُ لَا أُوقِظُهُ حَتَّى إِذَا اسْتَيْقَظَ نَسِيَ أَنْ
يُخْبِرَهُ وَتَضَرَّبَ الْحُوتُ حَتَّى دَخَلَ الْبَحْرَ فَأَمْسَكَ
اللهُ عَنْهُ جِرْيَةَ الْبَحْرِ حَتَّى كَأَنَّ أَثَرَهُ فِي حَجَرٍ قَالَ لِي
عَمْرٌو هَكَذَا كَأَنَّ أَثَرَهُ فِي حَجَرٍ وَحَلَّقَ بَيْنَ إِبْهَامَيْهِ
وَاللَّتَيْنِ تَلِيَانِهِمَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا
قَالَ قَدْ قَطَعَ اللهُ عَنْكَ النَّصَبَ لَيْسَتْ هَذِهِ عَنْ
سَعِيدٍ أَخْبَرَهُ فَرَجَعَا فَوَجَدَا خَضِرًا قَالَ لِي عُثْمَانُ بْنُ
أَبِي سُلَيْمَانَ عَلَى طِنْفِسَةٍ خَضْرَاءَ عَلَى كَبِدِ الْبَحْرِ قَالَ
سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ مُسَجًّى بِثَوْبِهِ قَدْ جَعَلَ طَرَفَهُ تَحْتَ
رِجْلَيْهِ وَطَرَفَهُ تَحْتَ رَأْسِهِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسَى
فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ وَقَالَ هَلْ بِأَرْضِي مِنْ سَلَامٍ مَنْ
أَنْتَ قَالَ أَنَا مُوسَى قَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ
نَعَمْ قَالَ فَمَا شَأْنُكَ قَالَ جِئْتُ لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ
رَشَدًا قَالَ أَمَا يَكْفِيكَ أَنَّ التَّوْرَاةَ بِيَدَيْكَ وَأَنَّ
الْوَحْيَ يَأْتِيكَ يَا مُوسَى إِنَّ لِي عِلْمًا لَا يَنْبَغِي لَكَ أَنْ
تَعْلَمَهُ وَإِنَّ لَكَ عِلْمًا لَا يَنْبَغِي لِي أَنْ أَعْلَمَهُ فَأَخَذَ طَائِرٌ
بِمِنْقَارِهِ مِنَ الْبَحْرِ وَقَالَ وَاللهِ مَا عِلْمِي وَمَا عِلْمُكَ
فِي جَنْبِ عِلْمِ اللهِ إِلَّا كَمَا أَخَذَ هَذَا الطَّائِرُ بِمِنْقَارِهِ مِنَ

سے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس اللہ کے دشمن نے
جھوٹ بولا ہے اور یعلیٰ نے کہا کہ مجھ سے حضرت ابن عباس نے
کہا کہ مجھے حضرت ابی بن کعب نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے لوگوں کو وعظ کیا حتیٰ کہ جب وعظ کے اثر سے لوگوں کی آنکھوں
سے آنسو بہنے لگے اور ان کے دل نرم ہونے لگے تو وہ پیٹھ پھیر کر
جانے لگے تو ایک شخص ان سے ملا اور کہا: اے رسول اللہ! کیا
زمین میں آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟ حضرت موسیٰ نے کہا:
نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کو اللہ
کی طرف نہیں لوٹایا تھا، سو ان سے کہا گیا: کیوں نہیں، حضرت
موسیٰ نے پوچھا: اے میرے رب! وہ کہاں ہیں؟ فرمایا کہ مجمع
البحرین میں ہیں، حضرت موسیٰ نے کہا: اے میرے رب!
میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے جس کے ذریعہ میں ان کو
پہچان لوں، پس مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
جس جگہ مچھلی تم سے جدا ہو گی اور یعلیٰ نے مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کہ تم ایک مردہ مچھلی لو، جس جگہ اس مچھلی میں روح ڈالی
جائے گی تو حضرت موسیٰ نے ایک مچھلی لی اور اس کو ٹوکری میں رکھ
دیا اور اپنے شاگرد سے کہا: میں تمہیں صرف اس بات کا پابند کرتا
ہوں کہ تم مجھے بتانا کہ وہ مچھلی تم سے کہاں جدا ہوتی ہے۔ ان کے
شاگرد نے کہا: آپ نے مجھے کسی زیادہ کام کا مکلف نہیں کیا اور یہ
اللہ عزوجل کا وہ قول ہے: جب موسیٰ نے اپنے شاگرد یوشع بن نون
سے کہا، یہ سعید کی روایت میں نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ جس
وقت حضرت موسیٰ چٹان کے سائے میں گئے جہاں نمی اور ٹھنڈک تھی
اس وقت مچھلی تڑپی (اور سمندر میں کود گئی) اور حضرت موسیٰ سوئے
ہوئے تھے تو ان کے شاگرد نے کہا: میں ان کو بیدار نہیں کروں گا
حتیٰ کہ جب وہ بیدار ہوئے تو حضرت یوشع ان کو بتانا بھول گئے کہ
مچھلی تڑپی اور سمندر میں داخل ہو گئی، پس اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے
سمندر کی روانی کو روک لیا حتیٰ کہ جس پتھر سے مچھلی گزری تھی اس
پر اس کا نشان بن گیا، مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا: "اس طرح"

الْبَحْرِ حَتَّى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ وَجَدَا مَعَابِرَ صِغَارًا تَحْمِلُ أَهْلَ هَذَا السَّاحِلِ إِلَى أَهْلِ هَذَا السَّاحِلِ الْآخَرِ عَرَفُوهُ فَقَالُوا عَبْدُ اللهِ الصَّالِحُ قَالَ قُلْنَا لِسَعِيدٍ خَضِرٌ قَالَ نَعَمْ لَا نَحْمِلُهُ بِأَجْرٍ فَخَرَقَهَا وَوَتَدَ فِيهَا وَتِدًا قَالَ مُوسَى أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا قَالَ مُجَاهِدٌ مُنْكَرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا كَانَتِ الْأُولَى نِسْيَانًا وَالْوُسْطَى شَرْطًا وَالثَّالِثَةُ عَمْدًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ قَالَ يَعْلَى قَالَ سَعِيدٌ وَجَدَ غِلْمَانًا يَلْعَبُونَ فَأَخَذَ غُلَامًا كَافِرًا ظَرِيفًا فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ بِالسِّكِّينِ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَمْ تَعْمَلْ بِالْحِنْثِ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَرَأَهَا زَكِيَّةً زَاكِيَةً مُسْلِمَةً كَقَوْلِكَ غُلَامًا زَكِيًّا فَانْطَلَقَا فَوَجَدَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ قَالَ سَعِيدٌ بِيَدِهِ هَكَذَا وَرَفَعَ يَدَهُ فَاسْتَقَامَ قَالَ يَعْلَى حَسِبْتُ أَنَّ سَعِيدًا قَالَ فَمَسَحَهُ بِيَدِهِ فَاسْتَقَامَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ سَعِيدٌ أَجْرًا نَأْكُلُهُ وَكَانَ وَرَاءَهُمْ وَكَانَ أَمَامَهُمْ قَرَأَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَزْعُمُونَ عَنْ غَيْرِ سَعِيدٍ أَنَّهُ هُدَدُ بْنُ بُدَدَ وَالْغُلَامُ الْمَقْتُولُ اسْمُهُ يَزْعُمُونَ جَيْسُورٌ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا فَأَرَدْتُ إِذَا هِيَ مَرَّتْ بِهِ أَنْ يَدَعَهَا لِعَيْبِهَا فَإِذَا جَاوَزُوا أَصْلَحُوهَا فَانْتَفَعُوا بِهَا وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ سَدُّوهَا بِقَارُورَةٍ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ بِالْقَارِ كَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ وَكَانَ كَافِرًا فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا أَنْ يَحْمِلَهُمَا حُبُّهُ عَلَى أَنْ يُتَابِعَاهُ عَلَى دِينِهِ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً لِقَوْلِهِ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا هُمَا بِهِ أَرْحَمُ مِنْهُمَا بِالْأَوَّلِ الَّذِي قَتَلَ خَضِرٌ وَزَعَمَ غَيْرُ سَعِيدٍ

اور انہوں نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ کی دو انگلیوں کے درمیان حلقہ بنایا گویا کہ پتھر پر اس طرح کا نشان تھا (حضرت موسیٰ نے کہا:) ہم کو اس سفر سے بہت تھکاوٹ ہو گئی ہے، (حضرت یوشع نے) کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے اس تھکاوٹ کو منقطع کر دیا ہے، یہ جملہ سعید کی روایت میں نہیں ہے جو انہوں نے بتائی، پس وہ دونوں واپس گئے اور انہوں نے حضرت خضر کو پا لیا۔ ابن جریج نے کہا: مجھ سے عثمان بن ابی سلیمان نے کہا کہ حضرت خضر سمندر کے وسط میں سبز چادر کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے، سعید بن جبیر نے کہا: وہ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے، اس کپڑے کی ایک طرف اپنے دونوں پیروں کے نیچے رکھی تھی اور دوسری طرف اپنے سر کے نیچے رکھی تھی، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سلام کیا، انہوں نے اپنے چہرے سے کپڑا کھولا اور کہا: کیا میری زمین میں سلامتی ہے؟ تم کون ہو؟ حضرت موسیٰ نے کہا: میں موسیٰ ہوں، انہوں نے پوچھا: بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ انہوں نے کہا: ہاں! انہوں نے پوچھا: آپ کو کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا: میں اس لیے آیا ہوں کہ اللہ نے آپ کو جو کچھ ہدایت کا علم دیا ہے اس میں سے کچھ علم کی آپ مجھے بھی تعلیم دیں۔ حضرت خضر نے کہا کہ آپ کو یہ کافی نہیں ہے کہ تورات آپ کے دونوں ہاتھوں میں ہے اور وحی آپ کے پاس آتی ہے اے موسیٰ! بے شک ایک علم ایسا ہے کہ آپ کے لیے اس کا جاننا مناسب نہیں ہے اور بے شک آپ کے پاس ایسا علم ہے جس کو جاننا میرے لیے مناسب نہیں ہے، پس ایک پرندے نے اپنی چونچ میں سمندر کا پانی پی لیا اور کہا: اللہ کی قسم! میرا علم اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہے جتنا اس پرندے نے اپنی چونچ میں سمندر کا پانی لیا حتیٰ کہ وہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے، کشتی میں سوار ہوتے وقت انہوں نے چھوٹی چھوٹی کشتیاں دیکھیں جو ساحل سمندر کے ایک طرف رہنے والوں کو دوسرے ساحل پر رہنے والوں تک پہنچاتی تھی انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا۔ کہنے لگے اللہ کے نیک بندے ہیں ابن جریج نے کہا: ہم نے سعید سے پوچھا: کیا حضرت خضر کو؟

أَنَّهُمَا أُبْدِلَا جَارِيَةً وَأَمَّا دَاوُدُ بْنُ أَبِي عَاصِمٍ فَقَالَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ إِنَّهَا جَارِيَةٌ۔

انہوں نے کہا: ہاں! کشتی والوں نے کہا: ہم انہیں اجرت لے کر سوار نہیں کریں گے، حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا اور تختے کی جگہ اس میں کیلیں ٹھوک دیں، حضرت موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے کشتی کا تختہ اس لیے اکھاڑا ہے کہ اس میں بیٹھنے والے غرق ہو جائیں؟ آپ نے ایک ناگوار کام کیا ہے۔ مجاہد نے اس کا ترجمہ مُنْكَرًا یعنی برا کیا ہے۔ حضرت خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ کا سوال بھول سے تھا، دوسری مرتبہ بہ طور شرط تھا اور تیسری مرتبہ عمداً تھا، حضرت موسیٰ نے کہا: آپ میری بھول پر میرا مواخذہ نہ کریں اور میرے کام کو مشکل میں نہ ڈالیں، وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو حضرت خضر نے اس کو قتل کر دیا، یعلیٰ نے کہا: سعید نے بیان کیا: حضرت خضر نے دیکھا کہ لڑکے کھیل رہے ہیں، انہوں نے ایک کافر اور چالاک لڑکے کو پکڑا اور اس کو زمین پر پچھاڑا اور اس کو زمین پر چھری سے ذبح کر دیا، حضرت موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے ایک بے قصور لڑکے کو بغیر کسی جان کے بدلے کے قتل کر دیا جس نے ابھی تک کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے اس کو پڑھا ہے: زَكِيَّةً، زَاكِيَةً مُسْلِمَةً جیسے تم کہو: بے قصور لڑکا، پس وہ دونوں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک دیوار گرنے والی ہے تو حضرت خضر نے اس کو درست کر دیا، سعید نے کہا: انہوں نے اپنے ہاتھ سے اس طرح درست کیا، انہوں نے اپنا ہاتھ بلند کر کے سیدھا کیا۔ یعلیٰ نے کہا: میرا گمان ہے کہ سعید نے کہا کہ حضرت خضر نے اس دیوار پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھی ہو گئی، (حضرت موسیٰ نے کہا:) آپ چاہیں تو اس کی اجرت لے لیں، سعید نے کہا: ایسی اجرت لیں کہ جس کو ہم کھائیں وَكَانَ وَرَاءَهُمْ اس کا معنی ہے: اس کے آگے ایک امام تھا، حضرت ابن عباس نے اس کو اِمام پڑھا ہے یعنی بادشاہ تھا اور سعید کے علاوہ دوسروں نے یہ کہا ہے کہ اس کا نام ہدد بن بدد تھا اور جو لڑکا قتل کیا گیا تھا اس کے بارے میں وہ بتاتے ہیں کہ اس کا نام جیسور تھا، بادشاہ ہر کشتی کو چھین لیتا تھا تو میں نے ارادہ کیا کہ جب وہ کشتی

بادشاہ کے پاس سے گزرے تو اس کے عیب کی وجہ سے اس کو چھوڑ دے، پس جب وہ کشتی والے وہاں سے گزر جائیں گے تو اس کشتی کو ٹھیک کر کے اس سے نفع اٹھائیں گے اور ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ انہوں نے اس کشتی کے تختے کو سیسہ سے جوڑ دیا اور بعض نے کہا: تارکول سے جوڑ دیا اور اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے اور وہ لڑکا کافر تھا، پس ہم ڈرے کہ وہ لڑکا ان کو بھی کفر اور سرکشی میں مبتلاء کر دے گا اور اس کے ماں باپ اس لڑکے سے محبت کی وجہ سے اس کے دین میں اس کی موافقت کریں گے، پس ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا رب اس لڑکے سے بہتر اور پاکیزہ اور اللہ کی رحمت کے زیادہ قریب ان کو بیٹا دے دے، یہ اس قول کی تفسیر ہے: کیا آپ نے ایک بے قصور لڑکے کو قتل کر دیا اور اقرب رحما سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں اس پہلے لڑکے سے زیادہ رحم کریں گے جس کو حضرت خضر نے قتل کر دیا تھا اور سعید کے علاوہ دوسروں نے یہ کہا کہ اس لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک لڑکی دے دی اور داؤد بن ابی عاصم نے کہا کہ متعدد لوگوں نے کہا ہے کہ اس لڑکے کے بدلے میں انہیں لڑکی دی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۴ میں گزر چکی ہے۔

اللہ نے اس مقتول لڑکے کے بدلے میں جو لڑکی دی تھی اس کا تذکرہ

اللہ نے انہیں اس لڑکے کے بدلے میں ایک لڑکی دی: ابن جریج نے بتایا کہ سعید بن جبیر نے کہا: اس مقتول لڑکے کے بدلے میں اللہ نے انہیں لڑکی دی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس لڑکی کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے اور سدی نے کہا: یہ وہی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تھے، بنی اسرائیل نے کہا تھا: ہمارے لیے ایک بادشاہ بھیجیے ہم اس کے ساتھ مل کر اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اس نبی کا نام شمعون علیہ السلام تھا اور اس لڑکی کا نام حنہ تھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ ان کو اس مقتول لڑکے کے بدلے میں ایک لڑکا دیا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ روایت ضعیف ہے اور ابن الکلبی کی تفسیر میں ہے کہ ان کو ایسی لڑکی دی تھی جس سے متعدد انبیاء پیدا ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام سے متعدد امتوں کو ہدایت دی۔
(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۶۶)

۴- بَابٌ: فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر جب وہ دونوں اس جگہ سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا: ہمارا ناشتہ لاؤ، ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے ○ اس

نَسِیْتُ الْحُوْتَ۔ (الکہف: ۶۲۔ ۶۳) نے کہا: بھلا دیکھیے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ یہ آیت یہاں تک ہے: اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنالیا تھا۔

(الکہف: ۶۳۔ ۶۲) کی تفسیر

یعنی جب حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع نے اس جگہ سے تجاوز کیا جہاں وہ مچھلی بھول گئے تھے تو حضرت موسیٰ نے اپنے شاگرد حضرت یوشع بن نون سے کہا: ہمارا ناشتہ لاؤ ہم تھک گئے ہیں اور وہ اس لیے تھک گئے تھے کہ وہ اس چٹان سے گزرنے کے بعد ایک دن اور ایک رات تک چلتے رہے تھے۔

صُنْعًا عَمَلًا۔ صُنْعًا کا معنی ہے: عمل اور کام۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ (الکہف: ۱۰۴) یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام مساعی دنیا کی زندگی میں اکارت گئیں اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں O

امام بخاری نے صُنْعًا کی تفسیر عَمَلًا سے کی ہے اور اس آیت میں جن کا ذکر ہے ان کا بیان اس دوسری آیت میں ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۝ (الکہف: ۱۰۳) آپ کہیے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں O

ان کے مصداق میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ راہب اور قصہ گو ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گرجوں میں وقف کر رکھا تھا، یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ یہود اور نصاریٰ ہیں اور عبد اللہ بن الکوا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا: یہ تم لوگ ہو، اے اہل حروراء!

حِوَلًا تَحَوُّلًا۔ حولا کا معنی ہے: پھر جانا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ (الکہف: ۱۰۸) وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ اس جگہ کو تبدیل کرنا نہیں چاہیں گے O

یعنی اہل جنت جنت کو چھوڑ کر کہیں اور جانا نہیں چاہیں گے۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ (الکہف: ۶۴) موسیٰ نے کہا: یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے O

امام بخاری نے اس تعلیق میں اس آیت کا ذکر کیا ہے، بہ ظاہر اس آیت کی اس تعلیق کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے، علامہ عینی نے اس آیت کا ذکر نہیں کیا، حافظ ابن حجر نے اس آیت کو لکھا ہے مگر اس آیت کی یہاں پر کسی مناسبت کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اِمْرًا وَ نُكْرًا دَاهِیَةً۔ اِمْرًا اس کا معنی ہے: بہت عجیب کام وَنُکْرًا اس کا بھی یہی معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل دو آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۝ (الکہف:۷۱) یہ تو آپ نے بہت خطرناک کام کیا ہے O

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۝ (الکہف:۷۴) آپ نے یہ بہت معیوب کام کیا ہے O

امام بخاری نے ان دونوں لفظوں کی تفسیر داھیہ کے ساتھ کی ہے یعنی عظیم (سنگین بات) اور اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں لفظوں میں سے کون سا زیادہ بلیغ ہے۔ ایک قول ہے کہ اِمْرًا، نُکْرًا سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت خضر نے کشتی کا تختہ اکھاڑ دیا تھا اور نُکْرًا اس وقت کہا تھا جب حضرت خضر نے اس لڑکے کو مار ڈالا تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ نُکْرًا زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس کا ضرر اسی وقت ہو گیا تھا جب کہ اِمْرًا اس وقت کہا تھا جب ضرر کا خطرہ تھا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نُکْرًا کے ساتھ فرمایا: اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ (الکہف:۷۵) اور یہ اِمْرًا کے ساتھ نہیں کہا تھا۔

يَنْقَضَّ يَنْقَاضُ كَمَا تَنْقَاضُ السِّنُّ۔ يَنْقَضَّ اس کا معنی ہے: وہ دیوار ٹوٹ جائے گی جیسے دانت ٹوٹ جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ۔ (الکہف:۷۷) پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو گرنے والی تھی تو اس نے اس کو سیدھا کر دیا۔

جب کوئی گھر منہدم ہو جائے تو عرب کہتے ہیں: اِنْقَضَتِ الدَّارُ بعض نے اس کو يَنْقَاضُ پڑھا ہے، یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی چیز اپنی اصل سے نکل جائے جیسے دانت نکل جائے تو کہتے ہیں: اِنْقَاضَتِ السِّنُّ۔

لَتَخِذْتَ وَاتَّخَذْتَ وَاحِدٌ۔ لَتَخِذْتَ اور وَاتَّخَذْتَ یہ دونوں الفاظ ایک ہیں یعنی آپ اجرت لے لیتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَخِذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ (الکہف:۷۷) موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے O

مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لَتَخِذْتَ پڑھا ہے۔

رُحْمًا مِنَ الرُّحْمِ وَهِيَ أَشَدُّ مُبَالَغَةً مِنَ الرَّحْمَةِ وَنَظُنُّ أَنَّهُ مِنَ الرَّحِيمِ وَتُدْعَى مَكَّةُ أُمَّ رُحْمٍ أَيِ الرَّحْمَةُ تَنْزِلُ بِهَا۔ رُحْمًا، رُحم سے ماخوذ ہے اور یہ رحمت کا بہت زیادہ مبالغہ ہے اور ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ رَحیم سے نکلا ہے اس لیے مکہ کو اُمِّ رُحم کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں رحمت نازل ہوتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَرَدْنَا اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ (الکہف:۸۱) تو ہم نے یہ چاہا کہ ان کا رب ان دونوں کو اس کے بدلہ میں اس سے اچھا بچہ عطا فرمائے جو پاکیزہ اور زیادہ رحم دل ہو O

خلاصہ یہ ہے کہ رُحم اس رِحم سے ماخوذ ہے جو قرابت کے معنی میں ہے اور اس میں رحمت سے زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ رحمت کا معنی ہے: رقت قلب اور وہ قرابت کو مستلزم نہیں ہے جب کہ قرابت رقت قلب کو مستلزم ہے اور یہی امام بخاری کا مختار ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷۲۷۔ حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنِي سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ لَيْسَ بِمُوسَى الْخَضِرِ فَقَالَ كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَامَ مُوسَى خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقِيلَ لَهُ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ قَالَ أَنَا فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ وَأَوْحَى إِلَيْهِ بَلَى عَبْدٌ مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ أَيْ رَبِّ كَيْفَ السَّبِيلُ إِلَيْهِ قَالَ تَأْخُذُ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ فَحَيْثُمَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَاتَّبِعْهُ قَالَ فَخَرَجَ مُوسَى وَمَعَهُ فَتَاهُ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ وَمَعَهُمَا الْحُوتُ حَتَّى انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَنَزَلَا عِنْدَهَا قَالَ فَوَضَعَ مُوسَى رَأْسَهُ فَنَامَ قَالَ سُفْيَانُ وَفِي حَدِيثِ غَيْرِ عَمْرٍو قَالَ وَفِي أَصْلِ الصَّخْرَةِ عَيْنٌ يُقَالُ لَهَا الْحَيَاةُ لَا يُصِيبُ مِنْ مَائِهَا شَيْءٌ إِلَّا حَيِيَ فَأَصَابَ الْحُوتَ مِنْ مَاءِ تِلْكَ الْعَيْنِ قَالَ فَتَحَرَّكَ وَانْسَلَّ مِنَ الْمِكْتَلِ فَدَخَلَ الْبَحْرَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ مُوسَى قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا الْآيَةَ قَالَ وَلَمْ يَجِدِ النَّصَبَ حَتَّى جَاوَزَ مَا أُمِرَ بِهِ قَالَ لَهُ فَتَاهُ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ الْآيَةَ قَالَ فَرَجَعَا يَقُصَّانِ فِي آثَارِهِمَا فَوَجَدَا فِي الْبَحْرِ كَالطَّاقِ مَمَرَّ الْحُوتِ فَكَانَ لِفَتَاهُ عَجَبًا وَلِلْحُوتِ سَرَبًا قَالَ فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ إِذْ هُمَا بِرَجُلٍ مُسَجًّى بِثَوْبٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسَى قَالَ وَأَنَّى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ فَقَالَ أَنَا مُوسَى قَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ لَهُ الْخَضِرُ يَا مُوسَى إِنَّكَ عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَكَهُ اللهُ لَا أَعْلَمُهُ وَأَنَا عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيهِ اللهُ لَا تَعْلَمُهُ قَالَ بَلْ أَتَّبِعُكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے سفیان بن عیینہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن دینار از سعید بن جبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف البکالی کا یہ زعم ہے کہ بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ وہ موسیٰ نہیں تھے جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ تھے، حضرت ابن عباس نے کہا: اس اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، ہمیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے تو ان سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف علم کو نہیں لوٹایا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: کیوں نہیں مجمع البحرین میں میرے بندوں میں سے ایک بندہ ہے جو آپ سے بڑا عالم ہے، حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! میں ان تک کیسے پہنچوں گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنی ٹوکری میں ایک مچھلی رکھ لو، جس جگہ تم اس مچھلی کو گم پاؤ وہیں تم ان کی پیروی کرنا، آپ نے بتایا کہ حضرت موسیٰ نکلے اور ان کے ساتھ ان کے شاگرد حضرت یوشع بن نون بھی تھے اور دونوں کے ساتھ مچھلی تھی حتیٰ کہ جب وہ دونوں ایک چٹان پر پہنچے تو اس چٹان کے پاس ٹھہرے، پس حضرت موسیٰ اس چٹان پر سر رکھ کر سو گئے، سفیان نے کہا: عمرو بن دینار کے علاوہ دوسروں نے بتایا: اس چٹان کی جڑ میں ایک چشمہ تھا جس کو حیات کہا جاتا تھا، جس کو بھی اس چشمہ کا کچھ پانی مل جاتا تو وہ زندہ ہو جاتا، پس اس مچھلی نے اس چشمہ کا پانی پی لیا، وہ ٹوکری میں متحرک ہوئی اور ٹوکری سے نکل گئی، پس سمندر میں داخل ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیدار ہوئے تھے تو اپنے شاگرد سے کہتے تھے کہ ہمارا ناشتہ لاؤ (پوری آیت پڑھیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا: انہیں اس وقت تھکاوٹ ہوئی تھی جب وہ اس جگہ سے آگے گئے تھے جہاں پہنچنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا، ان کے شاگرد حضرت یوشع بن نون نے کہا: یہ بتائیے کہ جب ہم نے

قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى السَّاحِلِ فَمَرَّتْ بِهِمْ سَفِينَةٌ فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوهُمْ فِي سَفِينَتِهِمْ بِغَيْرِ نَوْلٍ يَقُولُ بِغَيْرِ أَجْرٍ فَرَكِبَا السَّفِينَةَ قَالَ وَوَقَعَ عُصْفُورٌ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَغَمَسَ مِنْقَارَهُ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ لِمُوسَى مَا عِلْمُكَ وَعِلْمِي وَعِلْمُ الْخَلَائِقِ فِي عِلْمِ اللهِ إِلَّا مِقْدَارُ مَا غَمَسَ هَذَا الْعُصْفُورُ مِنْقَارَهُ قَالَ فَلَمْ يَفْجَأْ مُوسَى إِذْ عَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى قَدُومٍ فَخَرَقَ السَّفِينَةَ فَقَالَ لَهُ مُوسَى قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ الْآيَةَ فَانْطَلَقَا إِذَا هُمَا بِغُلَامٍ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ فَقَطَعَهُ قَالَ لَهُ مُوسَى أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا إِلَى قَوْلِهِ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَقَالَ بِيَدِهِ هَكَذَا فَأَقَامَهُ فَقَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّا دَخَلْنَا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَلَمْ يُضَيِّفُونَا وَلَمْ يُطْعِمُونَا لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَدِدْنَا أَنَّ مُوسَى صَبَرَ حَتَّى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا قَالَ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا۔

چٹان پر آرام کیا تھا تو میں آپ سے مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا (پوری آیت پڑھیں) تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان پر واپس لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ مچھلی کے گزرنے سے سمندر ایک طاق کی طرح بن گیا ہے، یہ ان کے شاگرد کے لیے بہت حیرت انگیز بات تھی اور مچھلی کے لیے ایک سرنگ بن گئی تھی، آپ نے بتایا: جب وہ دونوں اس چٹان کی طرف پہنچے تو وہاں ایک مرد کپڑے میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔ حضرت موسیٰ نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے کہا: تمہاری سرزمین میں سلامتی کہاں ہے، حضرت موسیٰ نے کہا: میں موسیٰ ہوں، انہوں نے پوچھا: بنی اسرائیل کے موسیٰ ہو؟ حضرت موسیٰ نے کہا: جی ہاں! حضرت موسیٰ نے کہا: کیا میں آپ کی اس لیے پیروی کروں کہ آپ کو جو ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے کچھ مجھے بھی تعلیم دیں، حضرت خضر نے کہا: اے موسیٰ! آپ اللہ کے علم میں سے اس علم پر ہیں جس کی اللہ نے آپ کو تعلیم دی ہے میں اسے نہیں جانتا اور میں اللہ تعالیٰ کے اس علم پر ہوں جو اللہ نے مجھے تعلیم دی اور آپ اس علم کو نہیں جانتے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: بلکہ میں آپ کی پیروی کروں گا، حضرت خضر نے کہا: اگر آپ میری پیروی کرتے ہیں تو آپ مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کریں جب تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر نہ کروں، پھر وہ دونوں روانہ ہوئے اور ساحل سمندر پر چلنے لگے، پس ان دونوں کے پاس سے ایک کشتی گزری تو کشتی والوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا تو انہوں نے ان کو اپنی کشتی میں بغیر کسی معاوضہ کے سوار کر لیا یعنی بغیر کسی اجرت کے، پس وہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے، آپ نے بتایا کہ ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی، پھر اس نے اپنی چونچ سمندر میں ڈالی تو حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے کہا: آپ کا علم اور میرا علم اور تمام مخلوق کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں بس اتنا ہے جتنا اس چڑیا نے سمندر میں اپنی چونچ ڈبو کر اس سے پانی لیا ہے، آپ نے بتایا کہ پس حضرت موسیٰ نے اچانک دیکھا کہ حضرت خضر نے کلہاڑے سے کشتی کا ایک تختہ چیر کر الگ کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر

سے کہا: ان لوگوں نے بغیر اجرت کے ہمیں کشتی میں سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر نکال دیا تاکہ کشتی میں بیٹھنے والے غرق ہو جائیں، آپ نے یہ (برا) کام کیا ہے (پوری آیت پڑھیں) پھر وہ دونوں روانہ ہوئے، پس وہ ایک لڑکے کے پاس سے گزرے جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر نے اس کا سر پکڑ کر کاٹ ڈالا تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا: کیا آپ نے ایک بے قصور جان کو بغیر کسی جان کے بدلہ قتل کر دیا، یہ آپ نے بہت برا کام کیا۔ حضرت خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے، اس کے بعد یہ آیت یہاں تک ہے کہ بستی والوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا، پس وہاں ان دونوں نے دیکھا کہ ایک دیوار گرنے والی ہے، حضرت خضر نے اس دیوار کو اپنے ہاتھ سے درست کر کے اس طرح کھڑا کر دیا تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا: جب ہم اس بستی میں داخل ہوئے تو ان لوگوں نے ہماری مہمانی نہیں کی اور ہم کو کھانا نہیں کھلایا تو اگر آپ چاہیں تو اس پر اجرت لے لیں، حضرت خضر نے کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کی گھڑی ہے، میں عنقریب آپ کو ان کاموں کی توجیہات بتاؤں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے تھے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم یہ پسند کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ صبر کرتے تا کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے معاملہ سے ہمیں کچھ اور بتاتا اور حضرت ابن عباس یہ آیت اس طرح پڑھتے تھے کہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو چھین لیتا تھا اور رہا وہ لڑکا تو وہ کافر تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۴ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس چشمہ کو حیات کہا جاتا تھا اور لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ اس چشمہ کو آب حیات کہا جاتا ہے۔

۵۔ بَابٌ: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا۔ (الکہف: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کہیے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں۔ (الکہف: ۱۰۳) کی تفسیر

اس آیت کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

۴۷۲۸۔ حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبِي ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ (الکہف: ۱۰۳) هُمُ الْحَرُورِيَّةُ قَالَ لَا هُمُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى أَمَّا الْيَهُودُ فَكَذَّبُوا مُحَمَّدًا ﷺ وَأَمَّا النَّصَارَى فَكَفَرُوا بِالْجَنَّةِ وَقَالُوا لَا طَعَامَ فِيهَا وَلَا شَرَابَ وَالْحَرُورِيَّةُ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَكَانَ سَعْدٌ يُسَمِّيهِمُ الْفَاسِقِينَ۔

(اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ از مصعب بن سعد انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ آیہ کریمہ ''آپ کہیے: کیا ہم تم کو یہ خبر دیں کہ سب سے زیادہ نقصان دہ کام کن لوگوں کے ہیں''۔ (الکہف: ۱۰۳) کا مصداق کون ہے، کیا وہ اَلْحَرُوْرِیَہ ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں وہ یہود اور نصاریٰ ہیں، رہے یہود تو انہوں نے سیدنا محمد ﷺ کی تکذیب کی تھی، رہے نصاریٰ تو انہوں نے جنت کا کفر کیا تھا اور انہوں نے کہا کہ جنت میں نہ طعام ہوگا نہ مشروب ہوگا اور حروریہ وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑ دیا تھا اور حضرت سعد ان کو فاسق کہتے تھے۔

مصعب کے والد کا نام اور حروریہ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصعب بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا: ان کے والد کا نام ہے: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

وہ حروریہ ہیں: یہ خوارج کی ایک جماعت ہے جو حروراء کی طرف منسوب ہے اور وہ کوفہ کے قریب ایک بستی ہے اور خوارج کے خروج کی ابتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوئی تھی، مصعب بن سعد بیان کرتے ہیں کہ جب حروریہ نے خروج کیا تو میں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے: ان لوگوں کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی۔ (الکہف: ۱۰۴) تو حضرت سعد نے کہا: اس آیت کا مصداق گرجے والے ہیں، یہ لوگ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور یہود و نصاریٰ کو خسارہ ہوا کیونکہ ان لوگوں نے بغیر کسی صحیح دلیل کے غیر اللہ کی عبادت کی تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور عمریں برباد ہو گئیں اور حروریہ وہ ہیں جنہوں نے قرآن مجید میں اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پکا کرنے کے بعد اس عہد کی مخالفت کی، انہوں نے قرآن میں یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اولوالامر کی اطاعت کریں گے اور انہوں نے اولوالامر کی مخالفت کی اور حروریہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نقصان اٹھانے والے ہیں کیونکہ وہ کافر نہیں ہیں بلکہ فاسق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عہد شکنی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں۔ (البقرہ: ۲۷) اور کافر وہ ہیں جو زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں جن کا ذکر (الکہف: ۱۰۵) میں ہے، اس کا بیان اگلے باب میں آرہا ہے۔

(عمدۃ القاری، ج ۱۹ ص ۷۰۔ ۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۔ بَابٌ: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ (الکہف: ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کے ساتھ کفر کیا، سو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ (الکہف: ۱۰۵) کی تفسیر

یعنی جن لوگوں نے دلائل کا انکار کیا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور ثواب اور عذاب کا کفر کیا ان کے اعمال برباد ہو گئے کیونکہ وہ ثواب سے خالی ہیں۔

۴۷۲۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُوا ﴿ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ﴾ (الکہف:۱۰۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں المغیرہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابوالزناد نے حدیث بیان کی از اعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک بہت بڑا موٹا مرد آئے گا، اللہ کے نزدیک اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا اور آپ نے فرمایا تم یہ آیت پڑھو: اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے O (الکہف:۱۰۵)، (مسلم:۲۷۸۵)

وَعَنْ يَحْيَى بْنِ بُكَيْرٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ مِثْلَهُ۔

از یحییٰ بن بکیر از مغیرہ بن عبدالرحمٰن از ابی الزناد سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سورۂ کہف کی تفسیر مکمل ہوگئی، اب ان شاء اللہ سورۂ مریم کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

١٩۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ كٓهٰيٰعٓصٓ

سورۂ کٓھٰیٰعٓصٓ (مریم) کی تفسیر

سورۂ کٓھٰیٰعٓصٓ (مریم) کا تعارف

یہ سورۂ کٓھٰیٰعٓصٓ کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ الثعلبی نے کہا: یہ سورت مکی ہے، مقاتل نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے سوا آیت سجدہ کے، وہ مدنی ہے، علامہ قرطبی نے کہا: یہ سورت سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور اس میں اٹھانوے (۹۸) آیات ہیں۔

کٓھٰیٰعٓصٓ کے معنی میں بھی اختلاف ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے، قتادہ سے روایت ہے کہ یہ اسماء قرآن میں سے ایک اسم ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک سورت کا نام ہے، نیز حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ قسم ہے جس سے اللہ نے قسم کھائی ہے، کلبی سے روایت ہے کہ یہ ثناء ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی ثناء کی ہے، نیز حضرت ابن عباس نے کہا: الکاف کریم سے ہے اور الہاء ہادی سے ہے اور یاء رحیم سے ہے اور عین علیم اور عظیم سے ہے۔ اس حدیث کی امام مالک نے از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷)

امام ابن سعد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تھے، میں نے بنو غفار کے ایک شخص کو دیکھا وہ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہا تھا، میں نے سنا اس نے صبح کی پہلی رکعت میں سورۂ مریم پڑھی اور دوسری رکعت میں وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ پڑھی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۴۷۷)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ اللّٰهُ يَقُوْلُهُ وَهُمُ الْيَوْمَ لَا يَسْمَعُوْنَ وَلَا يُبْصِرُوْنَ فِي ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ يَعْنِي قَوْلَهُ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ الْكُفَّارُ يَوْمَئِذٍ أَسْمَعُ شَيْءٍ وَأَبْصَرُهُ۔

حضرت ابن عباس نے کہا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ کفار آج (دنیا میں) نہ (حقیقت میں) سنتے ہیں اور نہ (حقیقت میں) دیکھتے ہیں، ان کی مراد اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ کا تعلق قیامت کے دن سے ہے، اس دن وہ خوب سنتے ہوں گے اور خوب دیکھتے ہوں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (مریم: ۳۸)

جس دن وہ ہمارے سامنے پیش ہوں گے تو کیسے سنتے ہوں گے اور کیسے دیکھتے ہوں گے! لیکن ظالم آج کے دن کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ۝

اس کا معنی یہ ہے کہ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ لفظاً امر ہیں اور اس کا معنی خبر ہے یعنی قیامت کے دن لوگوں میں کفار سے زیادہ سننے والا اور دیکھنے والا کوئی نہیں ہوگا لیکن اس دن ان کا سننا اور دیکھنا ان کو نفع نہیں دے گا اور دنیا میں وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں، نہ سنتے ہیں

نہ دیکھتے ہیں۔

قولہ لَاَرْجُمَنَّكَ لَاَشْتِمَنَّكَ۔ لَاَرْجُمَنَّكَ اس کا معنی ہے: میں تم پر گالیوں سے پتھراؤ کروں گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ (مریم:۴۶) اس نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ دے O

مقاتل، ضحاک اور کلبی نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے اور حضرت ابن عباس نے کہا: اس کا معنی ہے: میں تم کو ماروں گا۔

وَرِئْيًا مَنْظَرًا۔ وَّرِءْيًا کا معنی ہے: منظر یعنی دکھائی دینے والی چیز۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝ (مریم:۷۴) اور ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو تباہ کر چکے ہیں، جن کا سامان اور آرائش ان سے زیادہ شاندار تھی O

امام بخاری نے رِئْيًا کی تفسیر منظر کے ساتھ کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

وَقَالَ أَبُو وَائِلٍ عَلِمَتْ مَرْيَمُ أَنَّ التَّقِيَّ ذُو نُهْيَةٍ حَتَّى قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا تُزْعِجُهُمْ إِلَى الْمَعَاصِي إِزْعَاجًا۔ ابو وائل نے کہا کہ حضرت مریم نے جان لیا تھا کہ جو اللہ سے ڈرنے والا ہو وہ صاحب عقل ہوتا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ (مریم:۱۸) اور ابن عیینہ نے کہا: تَؤُزُّهُمْ اَزًّا کا معنی ہے: تو ان کو گناہوں کی طرف کھینچتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝ (مریم:۸۳) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر (مسلط کر کے) بھیجا جو انہیں (برائیوں پر) برانگیختہ کرتے رہتے ہیں O

سفیان بن عیینہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ شیاطین کفار کو گناہوں کی طرف کھینچتے رہتے تھے۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور ضحاک نے اس کی تفسیر میں کہا کہ شیاطین ان کو گناہوں کا حکم دیتے ہیں: اَلْاَزُّ کا لغت میں معنی ہے: پست آواز۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ إِدًّا عِوَجًا۔ مجاہد نے کہا: لُدًّا کا معنی ہے: کجی اور ٹیڑھ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (مریم:۹۷) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو اس سے ڈرائیں O

لُدًّا اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عادت لوگوں سے جھگڑا کرنا ہو اور مجاہد نے کہا: لُدًّا اس ظالم کو کہتے ہیں جو ہدایت پر نہ ہو اور ابو عبیدہ نے کہا: اَلْاَلَدّ اس شخص کو کہتے ہیں جو حق کو قبول نہ کرے اور باطل کی دعوت دے۔ مجاہد کی تعلیق کی امام ابن المنذر نے روایت کی ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وِرْدًا عِطَاشًا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وِرْدًا کا معنی ہے: پیاسے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (مریم:۸٦) اور ہم مجرموں کو پیاسے جہنم کی طرف ہانکیں گے O

اَلْوِرْد اس جماعت کو کہتے ہیں جو پانی کے گھاٹ پر یا پانی کے تالاب پر پانی پینے کے لیے آئے اور ثعلبی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: جو پیاسا ہو اور ننگے پیر گردن اٹھائے ہوئے پانی کی طرف آئے۔

اَثَاثًا مَالًا۔ اَثَاثًا اس کا معنی ہے: مال۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا (مریم:۷۴) اور ہم ان سے پہلے کتنی بستیوں کو تباہ کر چکے ہیں، جن کا سامان اور آرائش ان سے زیادہ شاندار تھی O

امام بخاری نے اَثَاثًا کی تفسیر مال کے ساتھ کی ہے، حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر ہیئت سے کی ہے، جب کہ مقاتل نے اس کی تفسیر کپڑے سے کی ہے۔

اِدًّا قَوْلًا عَظِيمًا۔ اِدًّا کا معنی ہے: قول عظیم یعنی بہت سنگین بات۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا (مریم:۸۸۔۸۹) اور کافروں نے کہا: رحمن نے (اپنی) اولاد بنالی ہے O بے شک تم نے بہت سخت بات کہی ہے O

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا قول کرنا بہت سنگین بات ہے۔

رِكْزًا صَوْتًا۔ رِكْزًا کا معنی ہے: آواز۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (مریم:۹۸) اور ہم اس سے پہلے کتنی صدیوں کے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں، کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی آہٹ سنتے ہیں O

امام بخاری نے رِكْزًا کی تفسیر آواز کے ساتھ کی ہے، حضرت ابن عباس سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور امام طبری نے کہا ہے کہ کلام عرب میں رِکز کا معنی ہے: پست آواز۔

وَقَالَ غَيْرُهُ غَيًّا خُسْرَانًا۔ حضرت ابن عباس کے غیر نے کہا: غَيًّا کا معنی ہے: خسران یعنی نقصان۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (مریم:۵۹) پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات کی پیروی کی تو عنقریب وہ غی (ہلاکت) میں جا گریں گے O

امام بخاری نے غَيًّا کی تفسیر خسران کے ساتھ کی ہے، حضرت ابن عباس سے بھی اسی تفسیر کی مثل مروی ہے، حضرت ابن مسعود

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اَلْغَیّ جہنم کی ایک وادی ہے جس کی گہرائی بہت زیادہ ہے، اس حدیث کی حاکم نے روایت کی ہے، حضرت ابن مسعود سے یہ بھی روایت ہے کہ اَلْغَیّ جہنم میں ایک دریا ہے، عطا سے روایت ہے کہ اَلْغَیّ جہنم کی ایک وادی ہے جس میں خون اور پیپ بہتا رہتا ہے اور کعب سے روایت ہے کہ وہ جہنم میں ایک وادی ہے جو سب سے زیادہ گہری ہے اور اس میں سب سے زیادہ تپش ہے اس میں ایک کنواں ہے جس کا نام اَلْبَہِیم ہے۔ جب بھی جہنم کی آگ ٹھنڈی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کنوئیں کو کھول دیتا ہے، پھر اس سے جہنم بھڑکنے لگتی ہے۔

بُکِیًّا جَمَاعَۃُ بَاکٍ۔ بُکِیًّا یہ بَاکٍ کی جمع ہے، یعنی رونے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا۝ (مریم:۵۸) جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیںO

امام بخاری نے کہا کہ بُکِیًّا بَاکٍ کی جمع ہے، امام ابو عبیدہ نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کی اصل بُکُوْیٌ ہے۔ فُعُوْلٌ کے وزن پر جو قَاعِدٌ کی جمع ہے۔ اس میں واؤ اور یاء جمع ہوئے اور اس میں سے پہلا ساکن ہے تو واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا اور چونکہ اس سے پہلے پیش تھا اس کو یاء کی مناسبت سے زیر سے بدل دیا۔ ثعلبی نے کہا کہ یہ آیت اہل کتاب کے مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب ہیں۔

صِلِیًّا صَلِیَ یَصْلٰی۔ صِلِیًّا یہ صَلِیَ یَصْلٰی کے باب کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے: جو دوزخ میں گرا اور جل گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ ہُمْ اَوْلٰی بِہَا صِلِیًّا۝ (مریم:۷۰) پھر بے شک ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیںO

کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص آگ میں داخل ہوا اور جل گیا۔

نَدِیًّا وَالنَّادِیْ وَاحِدٌ مَجْلِسًا۔ نَدِیًّا اور نَادِیْ واحد ہیں اور ان کا معنی ہے: مجلس۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا۝ (مریم:۷۳) اور جب ان پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار مومنوں سے یہ کہتے ہیں کہ دو فریقوں میں سے کس کا مقام زیادہ اچھا ہے، اور کس کی مجلس زیادہ بہتر ہےO

امام ابو عبیدہ نے کہا ہے: اَلنَّدِیُّ اور اَلنَّادِیْ دونوں واحد ہیں اور اس کی جمع اَنْدِیَۃٌ ہے اور اس کا معنی ہے: وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہو کر بیٹھتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۷۳۔۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: وَاَنْذِرْہُمْ یَوْمَ الْحَسْرَۃِ۔ (مریم:۳۹) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے۔ (مریم:۳۹) کی تفسیر

یَوۡمَ الۡحَسۡرَۃِ کا مصداق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے پوری آیت نہیں لکھی، پوری آیت اس طرح ہے:

وَ اَنۡذِرۡہُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَۃِ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ۘ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ وَّ ہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۹﴾ (مریم:۳۹)

اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے، جب فیصلہ ہو چکا ہو گا اور وہ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لا رہے O

یعنی آپ کفار مکہ کو قیامت کے دن سے ڈرائیے جو حسرت کا دن ہے، اس دن بدکار حسرت کرے گا کہ اس نے نیک عمل کیوں نہ کیے اور نیکوکار حسرت سے کہیں گے کہ کاش! اس نے زیادہ نیک کام کیے ہوتے۔

جب فیصلہ ہو چکا ہو گا: یعنی جب اللہ عزوجل بندوں کا حساب لے چکا ہو گا اور ایک قول ہے: جب موت کو ذبح کیا جا چکا ہو گا اور یہ کفار دنیا کی محبت اور مشغولیت میں غافل ہیں اور آخرت میں جو کچھ ہونا ہے۔ اس سے غافل ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۷۴۔ ۷۳)

۴۷۳۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُؤْتَى بِالْمَوْتِ كَهَيْئَةِ كَبْشٍ أَمْلَحَ فَيُنَادِي مُنَادٍ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ فَيَقُولُ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا فَيَقُولُونَ نَعَمْ هَذَا الْمَوْتُ وَكُلُّهُمْ قَدْ رَآهُ ثُمَّ يُنَادِي يَا أَهْلَ النَّارِ فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ فَيَقُولُ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا فَيَقُولُونَ نَعَمْ هَذَا الْمَوْتُ وَكُلُّهُمْ قَدْ رَآهُ فَيُذْبَحُ ثُمَّ يَقُولُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَ اَنۡذِرۡہُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَۃِ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ۘ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ﴾ (مریم:۳۹) وَهَؤُلَاءِ فِي غَفْلَةٍ أَهْلُ الدُّنْيَا وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔

(صحیح مسلم:۲۸۴۹، سنن ترمذی:۳۱۵۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوصالح نے حدیث بیان کی از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرمئی مینڈھے کی شکل میں موت کو لایا جائے گا، پس ایک منادی ندا کرے گا: اے اہل جنت! تو وہ گردن اٹھائیں گے اور دیکھیں گے، وہ کہے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ تو وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ چکے ہوں گے، پھر وہ پکارے گا: اے اہل دوزخ! پھر وہ گردن اٹھائیں گے اور دیکھیں گے وہ کہے گا کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے اور ان سب نے اس کو دیکھ لیا ہو گا، پھر اس مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر وہ منادی کہے گا: اے اہل جنت! اب خلود اور دوام ہے، پس موت نہیں آئے گی اور اے اہل دوزخ! اب خلود اور دوام ہے، پس موت نہیں آئے گی، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے، جب فیصلہ ہو چکا ہو گا اور وہ غفلت میں ہیں (مریم:۳۹) اور یہ لوگ اہل دنیا کی غفلت میں ہوں گے اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

موت کو مینڈھے کی شکل میں ذبح کرنے کے متعلق احادیث

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوسعید نے بیان کیا کہ سرمئی مینڈھے کی شکل میں موت کو لایا جائے گا اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے ذبح کر دیا جائے گا، پس اگر کوئی خوشی سے مرجاتا تو اہل جنت مرجاتے اور اگر کوئی غم سے مرجاتا تو اہل دوزخ مرجاتے، پھر امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی:۲۵۵۸)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری:۶۵۴۵)

نیز امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی اس طرح روایت کی ہے کہ موت کو لایا جائے گا، پھر اس کو الصراط پر کھڑا کر دیا جائے گا، پس کہا جائے گا: اے اہل جنت! تو وہ خوف زدہ ہوں گے، کہیں ان کو ان کی جگہ سے نکال نہ دیا جائے، پھر کہا جائے گا: اے اہل دوزخ! تو وہ خوشی خوشی مطلع ہوں گے کہ ان کو اس جگہ سے نکال دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا، کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ تو وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے تو اس کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا، پھر اس کو الصراط پر ذبح کر دیا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ:۴۳۲۷)

امام ترمذی نے اس حدیث کی ایک اور عبارت سے روایت کی ہے، اس میں ہے کہ موت کو لایا جائے گا اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان سرحد پر کھڑا کر دیا جائے گا پھر اس کو لٹا کر اس سرحد پر ذبح کر دیا جائے گا۔ (سنن ترمذی:۲۵۵۷)

امام ابن مردویہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ (الدر المنثور ج ۴ ص ۴۹۰)

مینڈھے میں سفید اور سیاہ رنگ ہونے کی حکمت اور موت کا مخلوق ہونا اور جنت اور دوزخ کا دائمی ہونا

اس مینڈھے میں سفید رنگ بھی ہوگا اور سیاہ دھاریاں بھی ہوں گی اور ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ وہ خالص سفید ہوگا۔ (تہذیب اللغت ج ۴ ص ۳۴۴)

اس کے سفید اور سیاہ رنگ کی حکمت یہ ہے کہ سفید رنگ جنت کی جہت سے ہے اور سیاہ رنگ دوزخ کی جہت سے ہے۔

علامہ مازری نے کہا ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک موت اعراض میں سے ایک عرض ہے جو حیات کی ضد ہے۔ بعض معتزلہ کا زعم ہے کہ موت عرض نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے: حیات کا نہ ہونا، ان کا یہ قول غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ۔ (الملک:۲) اللہ نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ موت مخلوق ہے اور ان دونوں اقوال کی بناء پر موت جسم نہیں ہے اس لیے اس حدیث کی یہ تاویل کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے عالم مثال سے موت کا ایک جسم پیدا کر دیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ اہل آخرت کو موت نہیں آئے گی۔ (اکمال المعلم بفوائد المسلم ج ۸ ص ۳۳۲-۳۳۱)

حضرت ابن عباس، مقاتل اور کلبی نے کہا ہے کہ موت اور حیات دو جسم ہیں، پس موت مینڈھے کی شکل میں ہے اور جس شخص کو بھی اس کی خوشبو آئے گی، وہ مر جائے گا اور حیات چتکبری گھوڑی کی صورت میں ہے اور یہ وہی ہے جس پر حضرت جبریل علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام سواری کرتے تھے اور یہ وہی ہے جس کے پیروں کے نیچے آنے والی مٹی کو سامری نے لے کر گوسالے، یعنی بچھڑے میں ڈال دیا تھا۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ صفت الموات کا اس صورت میں مشاہدہ کریں گے۔

اس حدیث میں اور اس طرح کی دیگر احادیث میں یہ تصریح ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے لیے خلود اور دوام ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، پس جس نے یہ کہا کہ اہل دوزخ کو دوزخ سے نکال دیا جائے گا اور دوزخ خالی ہو جائے گی اور فنا ہو جائے گی تو اس کا یہ قول عقل کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح احادیث کے بھی خلاف ہے اور علماء اہلسنت کے اجماع

کے بھی خلاف ہے۔ ہاں دوزخ کا پہلا طبقہ جس میں گناہ گار مسلمان ہوں گے وہ خالی ہو جائے گا جب گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس کا بیان ایک حدیث موقوف میں ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ آندھیاں دوزخ کے دروازوں کو بلائیں گی اور ان میں موحدین میں سے کوئی نہیں ہوگا۔ (مسند البزار: ۲۴۷۸)

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن اس حدیث کی مثل رائے اور عقل سے نہیں کہی جا سکتی تو یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔

موت کو مینڈھے کی صورت میں اس لیے لایا جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس ملک الموت سرمئی مینڈھے کی شکل میں آیا تھا اور اس نے اپنے چار ہزار (۴۰۰۰) پر کھول رکھے تھے اور جو اس کو ذبح کریں گے وہ یحییٰ بن زکریا ہیں، وہ اس مینڈھے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذبح کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو حضرت جبرئیل علیہ السلام ذبح کریں گے۔ یہ دونوں قول علامہ قرطبی نے ذکر کیے ہیں۔ (التذکرۃ ص ۵۱۳۔۵۱۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۵۹۷۔۵۹۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہم اس حدیث کی شرح کتاب الرقاق میں کریں گے۔ دیکھیے صحیح البخاری: ۶۵۴۸۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۹۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس کی وہی شرح کی ہے جو ہم ابھی "التوضیح" سے لکھ چکے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۷۵۔۷۴)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی المالکی الزرھونی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مینڈھے کی سفید دھاریوں سے اہل جنت کی طرف اور سیاہ دھاریوں سے اہل دوزخ کی طرف اشارہ کی توجیہ

موت کو لایا جائے گا: جو اعراض میں سے ایک عرض ہے، اس کو جسم بنا کر لایا جائے گا، کیونکہ اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرض کو جسم بنا دے اور اس عرض کو اس کے جسم کا مادہ بنا دے۔ سرمئی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا، اس میں سفید اور کالی دھاریاں ہوں گی، سفید زیادہ ہوں گی۔

قاضی عیاض نے کہا کہ سفیدی سے اہل جنت کی طرف اشارہ ہے، جن کے چہرے سفید ہوں گے اور سیاہی سے اہل دوزخ کی طرف اشارہ ہے، جن کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۳۸۳)

علامہ دمامینی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ سفیدی زیادہ ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے زیادہ ہے۔

(مصابیح الجامع الصحیح: ۴۷۳۰)

ان میں سے ہر ایک نے اس کو دیکھ لیا: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسی بات ڈالی جس سے انہوں نے پہچان لیا کہ یہ مینڈھا دراصل موت ہے۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۲۔ باب: وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ (مریم: ۶۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور ہمارے آگے اور پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے۔ (مریم: ۶۴) کی تفسیر

حضرت جبریل کے آپ کے پاس نازل نہ ہونے کی مدت میں متعدد اقوال

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عکرمہ، ضحاک، قتادہ، مقاتل اور کلبی نے بیان کیا ہے کہ جب آپ کی قوم کے لوگوں نے آپ سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا اور حضرت جبریل آپ کے پاس نہیں آئے، آپ کو امید تھی کہ حضرت جبریل آپ کے پاس ان کے سوال کا جواب لے کر آئیں گے، پس انہوں نے تاخیر کردی، عکرمہ نے کہا: چالیس دن تاخیر کردی، مجاہد نے کہا: بارہ راتیں اور ایک قول ہے: پندرہ دن، یہ تاخیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت شاق گزری، پھر جب حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تو آپ نے ان سے کہا کہ آپ نے بہت تاخیر کردی، مجھے آپ سے ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ تب حضرت جبریل نے کہا: مجھے بھی آپ سے ملنے کا شوق تھا لیکن میں حکم کا پابند ہوں، جب مجھے بھیجا جاتا ہے تو میں نازل ہو جاتا ہوں اور جب مجھے روک لیا جاتا ہے تو میں رک جاتا ہوں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔ (مریم:۶۴)

۴۷۳۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِجِبْرِيلَ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا فَنَزَلَتْ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ (مریم:۶۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے فرمایا: آپ کو کس چیز نے منع کیا کہ آپ اس سے زیادہ ہم سے ملاقات کیا کریں جتنی آپ ہم سے ملاقات کرتے ہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی: اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور ہمارے آگے اور پیچھے جو اس کے درمیان ہے، وہ بس اس کی ملکیت ہے۔ (مریم:۶۴)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۱۸ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابٌ: أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۔ (مریم:۷۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا؟ جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی۔ (مریم:۷۷) کی تفسیر

عاص بن وائل نے قرآن مجید کی آیات کا کفر کیا اور وہ کہتا تھا کہ قیامت کے بعد اسے جنت میں مال اور اولاد ملے گی اور وہ قرآن مجید کی آیات کا مذاق اڑاتا تھا۔

۴۷۳۲۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَمِعْتُ خَبَّابًا قَالَ جِئْتُ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ السَّهْمِيَّ أَتَقَاضَاهُ حَقًّا لِي عِنْدَهُ فَقَالَ لَا أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی الضحیٰ از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں العاص بن وائل السہمی

بِمُحَمَّدٍ ﷺ فَقُلْتُ لَا حَتّٰی تَمُوتَ ثُمَّ تُبْعَثَ قَالَ وَإِنِّي لَمَيِّتٌ ثُمَّ مَبْعُوثٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ إِنَّ لِي هُنَاكَ مَالًا وَوَلَدًا فَأَقْضِيكَهُ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝﴾ (مریم:۷۷)

کے پاس اس سے اپنے حق کا تقاضا کرنے کے لیے گیا جو اس کے پاس تھا، اس نے کہا: میں تم کو تمہارا حق اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک کہ تم (سیدنا) محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرو گے، میں نے کہا: میں اس وقت تک یہ کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم مر جاؤ، پھر تم کو زندہ کر کے اٹھایا جائے، اس نے کہا: میں مر جاؤں گا، پھر مجھ کو اٹھایا جائے گا؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: پھر میرے پاس وہاں پر مال بھی ہوگا اور اولاد بھی ہوگی تو پھر میں تم کو تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی ۝ (مریم:۷۷)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۲۰۹۱ میں گزر چکی ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ کیا حضرت خباب قیامت کے بعد رسول اللہ ﷺ کا کفر کر دیں گے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

العاص بن وائل: یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مشہور صحابی کے والد کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس کی بہت قدر و منزلت تھی، لیکن اس کو اسلام لانے کی توفیق نہیں ہوئی، کلبی نے کہا ہے کہ یہ قریش کے حکام میں سے تھا۔

التوضیح میں مذکور ہے: العاص بغیر یاء کے ہے اور یہ لفظ عِصْیَان سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ یہ عَصٰی یَعْصُو سے ماخوذ ہے جب کوئی شخص تلوار سے وار کرے، علامہ عینی ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر یہ عصیان سے ماخوذ ہو تب بھی کوئی مانع نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ عصیان سے ہی ماخوذ ہے اور تخفیف کی وجہ سے اس کی یاء حذف کر دی گئی، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ لفظ اجوف بھی ہے اور ناقص بھی ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: جب یہ لفظ اجوف ہوگا تو العوص سے ماخوذ ہوگا اور جب ناقص ہوگا تو پھر یہ عصیان سے ماخوذ ہوگا۔

میں نے کہا: میں آپ کا کفر نہیں کروں گا: اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت خباب کے اس جواب سے پتا چلتا ہے کہ وہ موت کے بعد نبی ﷺ کا کفر کریں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ موت کے بعد کفر کا کوئی تصور نہیں ہے اور ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ بالکل کفر نہیں کروں گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے یہ اس لیے کہا تھا کہ عاص بن وائل مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا قائل نہیں تھا اور اس کے نزدیک یہ محال تھا اور حضرت خباب کا موت کے بعد کفر کرنا بھی محال تھا، تو حضرت خباب نے محال کے اوپر محال کو معلق کیا اور اس کا خلاصہ یہی ہے کہ میں نبی ﷺ کا کفر کبھی نہیں کروں گا۔

رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَحَفْصٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ۔

اس حدیث کی ثوری، شعبہ، حفص، ابو معاویہ اور وکیع نے الاعمش سے روایت کی ہے۔

۴۔ بَابٌ: أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ (مریم:۷۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے (یعنی پکا عہد لیا ہے)۔ (مریم:۷۸) کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا عاص بن وائل نے لوح محفوظ کو دیکھ لیا اور مجاہد نے کہا: کیا اس نے غیب کو جان لیا حتیٰ کہ اس کو پتا چل گیا کہ وہ جنت میں ہوگا یا نہیں ہوگا۔

أَطَّلَعَ: اس کا معنی ہے: جب کوئی شخص پہاڑ کی بلندی پر چڑھ جائے۔

عَهْدًا: اس کا معنی ہے: کیا اس نے کلمہ پڑھ کر جنتی ہونے کی سند حاصل کر لی ہے، قتادہ نے کہا: کیا اس نے اللہ کے پاس نیک عمل بھیج دیئے ہیں، کلبی نے کہا: کیا اس نے اللہ سے یہ عہد لے لیا ہے۔

مَوْثِقًا: اس کا معنی ہے: پکا عہد۔ یہ لفظ وِثاق سے ماخوذ ہے، وِثاق اس رسی کو کہتے ہیں جس سے قیدی کو یا سواری کو باندھا جاتا ہے۔ جوہری نے کہا: موثقا کا معنی ہے: میثاق۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۷۷)

۴۷۳۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ خَبَّابٍ قَالَ كُنْتُ قَيْنًا بِمَكَّةَ فَعَمِلْتُ لِلْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ السَّهْمِيِّ سَيْفًا فَجِئْتُ أَتَقَاضَاهُ فَقَالَ لَا أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ قُلْتُ لَا أَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى يُمِيتَكَ اللهُ ثُمَّ يُحْيِيَكَ قَالَ إِذَا أَمَاتَنِي اللهُ ثُمَّ بَعَثَنِي وَلِي مَالٌ وَوَلَدٌ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا۞ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۞﴾ (مریم:۷۷۔۷۸) قَالَ مَوْثِقًا لَمْ يَقُلِ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ سَيْفًا وَلَا مَوْثِقًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از الاعمش از ابی الضحیٰ از مسروق از حضرت خباب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ میں لوہار تھا، پس میں نے العاص بن وائل السہمی کے لیے تلوار بنائی، پس میں اس کے پاس (اپنی اجرت کا) تقاضا کرنے کے لیے گیا، اس نے کہا: میں تم کو اجرت نہیں دوں گا حتیٰ کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر کرو، میں نے کہا: میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تم کو مارے، پھر زندہ کرے، اس نے کہا: جب اللہ مجھ کو مارے گا، پھر زندہ کرے گا تو میرے پاس مال اور اولاد ہوگی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی○ کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے○ (مریم:۷۷۔۷۸) امام بخاری نے کہا: مَوْثِقًا سے پکا عہد مراد ہے، اشجعی نے سفیان سے روایت میں نہ تلوار کا ذکر کیا ہے اور نہ موثقا کا ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ بَابٌ: كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ (مریم:۷۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہرگز نہیں! ہم عنقریب اس کی باتوں کو لکھ لیں گے اور اس کے عذاب کو بڑھاتے رہیں گے ۝ (مریم:۷۹) کی تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عاص بن وائل کے قول کا رد کیا ہے کہ ہم نے اس کے قول کو لکھ لیا ہے اور اس کی سزا میں آخرت میں اس کو دوگنا عذاب دیں گے۔

۴۷۳۴۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ أَبَا الضُّحَى يُحَدِّثُ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ خَبَّابٍ قَالَ كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ لِي دَيْنٌ عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ قَالَ فَأَتَاهُ يَتَقَاضَاهُ فَقَالَ لَا أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ فَقَالَ وَاللهِ لَا أَكْفُرُ حَتَّى يُمِيتَكَ اللهُ ثُمَّ يَبْعَثَكَ قَالَ فَذَرْنِي حَتَّى أَمُوتَ ثُمَّ أُبْعَثَ فَسَوْفَ أُوتَى مَالًا وَوَلَدًا فَأَقْضِيكَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝﴾ (مریم:۷۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوالضحیٰ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از مسروق از حضرت خباب رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا اور میرا العاص بن وائل پر قرض تھا۔ میں اس کے پاس تقاضا کرنے کے لیے گیا۔ اس نے کہا: میں تمہارا قرض نہیں دوں گا حتیٰ کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کفر کرو۔ پس حضرت خباب نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کا اس وقت تک کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مارے، پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے، اس نے کہا: پس تم مجھے چھوڑ دو حتیٰ کہ میں مر جاؤں، پھر دوبارہ زندہ کیا جاؤں، پس مجھے عنقریب مال اور اولاد دی جائے گی، سو میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی ۝ (مریم:۷۷)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۱ میں گزر چکی ہے۔

۶۔ باب: وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ (مریم:۸۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ہم ہی اس کی باتوں کے وارث ہیں، اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا ۝ (مریم:۸۰) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ علامہ نسفی نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم العاص بن وائل کے اس قول کو نہیں بھولیں گے اور نہ اس کو لغو قرار دیں گے بلکہ اس کے اس قول کو اس کے اعمال نامہ میں محفوظ رکھیں گے اور قیامت کے دن وہ صحیفہ اس کے منہ پر مار دیں گے اور وہ ہمارے پاس حالت فقر میں مال اور اولاد کے بغیر تنہا آئے گا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْجِبَالُ هَدًّا هَدْمًا۔

حضرت ابن عباس نے کہا: اَلْجِبَالُ هَدًّا کا معنی ہے کہ پہاڑ منہدم

ہو جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ (مریم:۹۰)

قریب ہے کہ اس بات سے آسمان پھٹ جائیں، اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں O

یعنی مشرکین نے جو کہا ہے کہ رحمٰن کا بیٹا ہے۔ یہ قول اتنا سنگین ہے کہ اسے سن کر آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ امام بخاری نے هَدًّا کی تفسیر منہدم ہونے کے ساتھ کی ہے۔ مقاتل نے اس کی تفسیر ٹوٹنے کے ساتھ کی ہے۔ امام ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر گرنے کے ساتھ کی ہے۔

۴۷۳۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ خَبَّابٍ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا قَيْنًا وَكَانَ لِي عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَيْنٌ فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ فَقَالَ لِي لَا أَقْضِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ قَالَ قُلْتُ لَنْ أَكْفُرَ بِهِ حَتَّى تَمُوتَ ثُمَّ تُبْعَثَ قَالَ وَإِنِّي لَمَبْعُوثٌ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ فَسَوْفَ أَقْضِيكَ إِذَا رَجَعْتُ إِلَى مَالٍ وَوَلَدٍ قَالَ فَنَزَلَتْ ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّ نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝﴾ (مریم:۷۷ تا ۸۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابوالضحیٰ از مسروق از حضرت خباب رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک لوہار شخص تھا اور میرا العاص بن وائل پر قرض تھا، میں اس کے پاس تقاضا کرنے کے لیے گیا۔ اس نے کہا: میں اس وقت تک (تمہارا قرض) ادا نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہ کرو، حضرت خباب بیان کرتے ہیں میں نے کہا: میں ہرگز ان کا کفر نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم مر جاؤ، پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔ اس نے کہا: بے شک میں جب موت کے بعد اٹھایا جاؤں گا تو میں عنقریب تمہارا قرض ادا کر دوں گا جب میں اپنے مال اور اولاد کے ساتھ لوٹوں گا، کہتے ہیں: تب یہ آیات نازل ہوئیں: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی O کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے O ہرگز نہیں! ہم عنقریب اس کی باتوں کو لکھ لیں گے اور اس کے عذاب کو بڑھاتے رہیں گے O اور ہم اس کی باتوں کے وارث ہیں اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا O (مریم:۷۷ تا ۸۰)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۹۱ میں گزر چکی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ مریم کی تفسیر مکمل ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورۂ طٰہٰ کی تفسیر شروع ہو گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۰۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَةِ طٰهٰ

سورۂ طٰہٰ کی تفسیر

سورۂ طٰہٰ کا تعارف

مقاتل نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرح کہا ہے، اور مقامات التنزیل میں مذکور ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور الکلبی نے ذکر کیا ہے کہ اس کی یہ آیت مدنی ہے: وَمِنۡ اٰنَآئِ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ۞ (طٰہٰ: ۱۳۰) اس آیت میں نماز کے اوقات بیان کیے گئے ہیں۔

اس سورت میں ایک سو پینتیس (۱۳۵) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۷۹)

مقاتل نے کہا: جب ابوجہل، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث اور مطعم بن عدی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا: جب سے آپ نے اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑا ہے، آپ بہت سختی اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی: اے طٰہٰ! ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ کو سختی اور مشقت میں مبتلا کریں۔

(طٰہٰ: ۱۔۲) (تبیان القرآن ج۷ ص۳۲۳)

لفظ طٰہٰ کے متعدد محامل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ طٰہٰ النبطیہ زبان کا لفظ ہے، مقاتل نے کہا: یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے: اے مرد، الواسطی نے کہا ہے کہ یہ حروف مقطعہ ہیں اور طا سے مراد ہے: یا طاہر اور ہا سے مراد ہے: یا ہادی۔ امام ابو حاتم نے کہا کہ طٰہٰ اس سورت کا افتتاحی لفظ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس اسم کے ساتھ قسم کھائی ہے۔

لیث نے کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو ان پر خوف طاری ہوا تو وہ شدت خوف کی وجہ سے اپنے پنجوں کے اوپر کھڑے ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طٰہٰ یعنی آپ مطمئن ہو جائیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: زمین کو اپنے قدموں سے روندیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۹۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

قَالَ ابۡنُ جُبَيۡرٍ وَالضَّحَّاكُ بِالنَّبَطِيَّةِ أَيۡ طَهۡ يَا رَجُلُ يُقَالُ كُلُّ مَا لَمۡ يَنۡطِقۡ بِحَرۡفٍ أَوۡ فِيهِ تَمۡتَمَةٌ أَوۡ فَأۡفَأَةٌ فَهِيَ عُقۡدَةٌ۔

ابن جبیر اور ضحاک نے کہا: نَبَطِیَّہ میں طٰہٰ کا معنی ہے: اے مرد! سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ نبطی زبان میں طٰہٰ کا معنی ہے: اے مرد! اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں جن کو ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی حرف کو نہ بول سکے یا اس کے بولنے میں تمتمہ ہو، یعنی بولنے میں اس کی زبان اٹکتی ہو یا فأفأة ہو یعنی بولتے وقت اس کی زبان سے فافا کے الفاظ نکلتے ہوں ان

تمام صورتوں میں اس پر عقدہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ (طٰہٰ:۲۷) اور میری زبان کی گرہ کھول دے O

حضرت ابن عباس نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد یہ تھی کہ میری زبان میں جو گرہ ہے، اس کو کھول دیجئے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں، تمتمہ کا معنی ہے: کلام میں تاء کو بار بار لانا۔ فأفاۃ کا معنی ہے: کلام میں فاء کو بار بار لانا۔

أَزْرِی ظَهْرِی۔ آزری اس کا معنی ہے: میری پشت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هٰرُوْنَ اَخِی ۝ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۝ (طٰہٰ:۳۰۔۳۱) میرے بھائی ہارون کو O اس سے میری کمر کو مضبوط کردے O

امام بخاری نے اَزر کی تفسیر پشت کے ساتھ کی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اَزر کا معنی قوت بھی ہے اور پشت بھی، کہا جاتا ہے: اَزَّرْتُ فلانا علی الأمر یعنی میں نے اس کو اس کام پر قوت دی۔

فَیُسْحِتَکُمْ یُهْلِکَکُمْ۔ فَیُسْحِتَکُمْ اس کا معنی ہے: وہ تم کو ہلاک کردے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی وَیْلَکُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ۔ (طٰہٰ:۶۱) موسیٰ نے ان سے کہا: تم پر افسوس ہے، تم جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان نہ باندھو، وہ تم کو عذاب سے ملیا میٹ کردے گا۔

امام بخاری نے یُسْحِتَکُمْ کی تفسیر کی ہے: وہ تم کو ہلاک کردے گا اور تفسیر میں ہے: وہ تم کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔

الْمُثْلٰی تَأْنِیثُ الْأَمْثَلِ یَقُولُ بِدِینِکُمْ یُقَالُ خُذِ الْمُثْلٰی خُذِ الْأَمْثَلَ۔ اَلْمُثْلٰی یہ اَمْثَل کی تانیث ہے۔ وہ کہتا ہے: یعنی وہ دونوں تمہارے بہترین دین کو لے جائیں، کہتے ہیں: خُذِ الْمُثْلٰی وَالْاَمْثَل یعنی آپ اعلیٰ اور افضل کو لے لیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِکُمُ الْمُثْلٰی ۝ (طٰہٰ:۶۳) وہ کہنے لگے: بے شک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں O

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے عمدہ طریقہ یعنی عمدہ دین کو مٹانا چاہتے ہیں۔

ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا یُقَالُ هَلْ أَتَیْتَ الصَّفَّ الْیَوْمَ یَعْنِی الْمُصَلَّی الَّذِی یُصَلَّی فِیهِ۔ پھر تم صف میں آؤ: عرب کہتے ہیں: کیا تم آج صف میں گئے تھے، یعنی اس عید گاہ میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَجْمِعُوْا کَیْدَکُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا۔ (طٰہٰ:۶۴) تم اپنے سارے داؤ پیچ جمع کرلو، پھر صف باندھ کر آؤ۔

امام بخاری نے کہا: یہاں صف کا معنی عید گاہ ہے، یعنی لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ۔ امام ابو عبیدہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے

مقاتل نے کلبی سے تفسیر کی ہے: اس کا معنی ہے: تم سب مل کر آنا، خلاصہ یہ ہے کہ فرعون نے اپنے لوگوں سے کہا: تم جادو کے اپنے طریقوں کو جمع کرلو، پھر تم لوگوں کے مصلّی یعنی ان کے جمع ہونے کی جگہ میں آؤ۔ (امام بخاری کی یہ تفسیر کہ صف کا معنی عید گاہ ہے، صحیح نہیں ہے فرعون کے دور میں عید گاہ کہاں تھی، صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ سعیدی غفرلہ)

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خَوْفًا فَذَهَبَتِ الْوَاوُ مِنْ خِيفَةً لِكَسْرَةِ الْخَاءِ۔ حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں خوف کو چھپایا۔ خیفۃ اصل میں خوف تھا۔ واؤ کو ماقبل کسرہ کی وجہ سے یاء سے بدل دیا تو یہ لفظ خیفۃ ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۝ (طٰہٰ: ٦٧) پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف پایا ۝

امام بخاری نے اوجس کی تفسیر کی ہے: انہوں نے چھپایا، یعنی خوف کو، مقاتل نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کو یہ خوف ہوا کہ جب وہ معجزہ سے لاٹھی کو اژدہا بنائیں گے تو کہیں لوگ ان کے معجزہ کو بھی فرعونیوں کے جادو کی طرح نہ گمان کرلیں اور پھر وہ آپ کی نبوت میں شک کرنے لگیں۔

فِي جُذُوعِ أَيْ عَلَىٰ جُذُوعِ النَّخْلِ۔ فِي جُذُوعِ یعنی کھجور کے تنوں کے اوپر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ۔ (طٰہٰ: ٧١) اور میں تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔

یعنی اس آیت میں فی، علیٰ کے معنی میں ہے۔

خَطْبُكَ بَالُكَ۔ خَطْبُكَ اس کا معنی ہے: تمہارا معاملہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ ۝ (طٰہٰ: ٩٥) موسیٰ نے کہا: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے ۝

امام بخاری نے خَطْبُكَ کی تفسیر کی ہے: تمہارا معاملہ، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا: وہ کیا سبب ہے جس نے تمہیں اس کارروائی پر برانگیختہ کیا ہے۔

مِسَاسَ مَصْدَرُ مَاسَّهُ مِسَاسًا۔ مِسَاسَ یہ مَاسَّهُ کا مصدر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ۔ (طٰہٰ: ٩٧) موسیٰ نے کہا: اب تو یہاں سے چلا جا، اب تو زندگی بھر یہی کہے گا کہ ''مجھے مت چھونا''۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا: تم ہمارے پاس سے چلے جاؤ۔ اب تم جب تک زندہ ہو، یہی کہتے رہو گے کہ مجھے مت چھونا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی سزا دی کہ اس سے زیادہ وحشت ناک اور کوئی سزا نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کو لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور ان کے ساتھ باتیں کرنے سے بالکل روک دیا گیا تھا۔

لَنَنْسِفَنَّهُ لَنُذْرِيَنَّهُ۔ لَنَنْسِفَنَّهُ کا معنی ہے: ہم اس کو ضرور بکھیر دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا۝ (طٰہٰ:۹۷)
ہم اس کو ضرور جلا دیں گے، پھر اس کی راکھ کو اڑا کر سمندر میں پھینک دیں گےO

کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو پکڑ کر ذبح کر دیا تو اس سے خون بہا چونکہ وہ گوشت اور خون بن گیا تھا، پھر انہوں نے اس کو جلا کر اس کی راکھ کو سمندر میں بہا دیا۔

قَاعًا يَعْلُوْهُ الْمَاءُ وَالصَّفْصَفُ۔
قاعًا اس کا معنی ہے: ہموار زمین، جس پر پانی چڑھ جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا۝ (طٰہٰ:۱۰۶)
اور زمین کو کھلے ہوئے ہموار میدان کی حالت میں چھوڑ دے گاO

امام بخاری نے اَلْقَاعُ کی تفسیر کی ہے: ایسی زمین، جس پر پانی چڑھ جائے، امام عبد الرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے کہ اَلْقَاعُ الصَّفْصَفُ کا معنی ہے: ہموار زمین، الفراء نے کہا ہے: القاع اس کشادہ زمین کو کہتے ہیں جس میں دوپہر کے وقت ریت پانی کی طرح دکھائی دے، یعنی سراب اور صفصف اس چکنی اور پتھریلی زمین کو کہتے ہیں جس میں پیداوار نہ ہو۔

وَالصَّفْصَفُ الْمُسْتَوِي مِنَ الْأَرْضِ۔
الصفصف المستوی من الأرض اس کا معنی ہے: ہموار زمین۔

اس کی تشریح اس سے اوپر والی تعلیق میں ذکر کر دی گئی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ أَوْزَارًا أَثْقَالًا۔
مجاہد نے کہا: اَوْزَارًا کا معنی ہے: ثقیل چیزیں، یعنی بوجھل چیزیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ۔ (طٰہٰ:۸۷)
لیکن قوم (فرعون) کے زیورات کا بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا۔

اَوْزَار، وِزْر کی جمع ہے اور وِزْر کسی سزا کے بوجھ کو کہتے ہیں جیسے کسی بوجھل چیز کے اٹھانے سے آدمی تھک جائے اور اس کو وہ بوجھل چیز سزا معلوم ہو یا اس سے مراد ہے: گناہوں کی سزا۔

مِنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ وَهِيَ الْحُلِيُّ الَّتِي اسْتَعَارُوا مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ۔
مِنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ یہ وہ زیورات ہیں جو بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے عاریۃً لیے تھے۔

جو زیورات بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے عاریۃً لیے تھے، جب مصر سے جاتے وقت ان کو وہ اٹھانے پڑے تو ان کو وہ بوجھ معلوم ہوئے۔

فَقَذَفْتُهَا فَأَلْقَيْتُهَا۔
فقذفتھا اس کا معنی ہے: پس ہم نے ان کو ڈال دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ۝ (طٰہٰ:۸۷)
تو ہم نے ان کو (آگ میں) ڈال دیا، سو اسی طرح سامری نے (ان کو آگ میں) ڈالا تھاO

یعنی بنی اسرائیل کے پاس جو قوم فرعون کے زیور تھے سامری نے ان کو آگ میں پگھلا کر ایک مجسمہ بنا لیا جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔

أَلْقَى صَنَعَ۔
اَلْقٰی اس کا معنی ہے: صنع یعنی بنایا۔

اس تعلیق میں بھی اسی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی سامری نے ان زیورات کو پگھلا کر ایک مجسمہ بنا لیا تھا۔

فَنَسِيَ مُوسَى هُمْ يَقُولُونَهُ أَخْطَأَ الرَّبَّ لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا الْعِجْلُ۔

فَنَسِيَ (موسیٰ) اس سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل یہ کہتے تھے کہ موسیٰ نے اپنے رب کو پہچاننے میں خطا کی یعنی اصل رب تو یہ بچھڑا ہے، حالانکہ وہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ۝ (طٰہٰ:۸۸)

پس اس نے ان کے لیے بچھڑے کا مجسمہ بنایا جس کی بیل کی (طرح) آواز تھی تو لوگوں نے کہا: یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود، موسیٰ تو بھولا رہا تھا O

امام بخاری نے کہا ہے: سامری اور اس کے متبعین یہ کہتے تھے کہ حضرت موسیٰ تو بھول گئے کہ انہوں نے تم کو یہ نہیں بتایا کہ ان کا رب تو اصل میں یہ بچھڑا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا۔ (طٰہٰ:۸۹)

تو کیا یہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔

یعنی بنی اسرائیل نے اس پر غور نہیں کیا کہ وہ بچھڑا نہ تو ان سے بات کر سکتا تھا، اور نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا تھا۔

هَمْسًا حِسُّ الْأَقْدَامِ۔

هَمْسًا اس کا معنی ہے: قدموں کی آہٹ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝ (طٰہٰ:۱۰۹)

اور رحمٰن کے خوف سے سب کی آوازیں پست ہوں گی سو (اے مخاطب!) تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ نہ سن سکے گا O

علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ حشر کے دن لوگوں کو صرف آہٹ سنائی دے گی۔ قتادہ اور عکرمہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور همس کا لغوی معنی ہے: پست آواز۔

حَشَرْتَنِي أَعْمَى عَنْ حُجَّتِي وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا فِي الدُّنْيَا۔

حَشَرْتَنِي أَعْمَى اس کا معنی ہے: یعنی تو نے میرا حشر اس طرح کیا ہے کہ میں اپنی دلیل سے اندھا ہوں، حالانکہ میں دنیا میں بہت بصیر تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۝ (طٰہٰ:۱۲۵)

وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں (دنیا میں) دیکھنے والا تھا O

حضرت ابن عباس نے أَعْمَى کی تفسیر میں کہا ہے: جو آنکھوں سے اندھا ہو۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِقَبَسٍ ضَلُّوا الطَّرِيقَ وَكَانُوا شَاتِينَ فَقَالَ إِنْ لَمْ أَجِدْ عَلَيْهَا مَنْ يَهْدِي الطَّرِيقَ آتِكُمْ بِنَارٍ تُوقِدُونَ۔

حضرت ابن عباس نے کہا: بِقَبَسٍ کا معنی ہے: انگارہ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ راستہ بھول گئے تھے اور وہ سردیوں کے دن تھے، تو حضرت موسیٰ نے کہا کہ اگر مجھے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں

ملا تو میں تمہارے پاس آگ لے کر آؤں گا، جس سے تم حرارت اور روشنی حاصل کرو گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۝ (طٰہٰ:۱۰)

جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا: ٹھہرو! بے شک میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں یا میں آگ سے راستہ کی کوئی نشانی پاؤں O

امام طبری نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اھل سے کہا: تم لوگ ٹھہرو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اھل سے مراد ان کی زوجہ صفوراء، ان کا بچہ اور ان کا خادم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اھل سے مراد صرف ان کی زوجہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: إِنِّي آنَسْتُ نَارًا میں نے آگ کو دیکھا ہے۔ اِیناس کا معنی ہے: اس واضح چیز کو دیکھنا جس میں کوئی اشتباہ نہ ہو، حضرت موسیٰ نے اپنے اہل سے فرمایا: شاید کہ میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً أَعْدَلُهُمْ۔

اور ابن عیینہ نے کہا: أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً کا معنی ہے: سب سے افضل راستہ والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا۝ (طٰہٰ:۱۰)

جب کہ ان کے نزدیک سب سے اچھے طریقہ والا یہ کہے گا کہ تم تو صرف ایک دن ٹھہرے تھے O

امام طبری نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ جس کی عقل ان سب میں سب سے کامل تھی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَضْمًا لَا يُظْلَمُ فَيُهْضَمُ مِنْ حَسَنَاتِهِ۔

حضرت ابن عباس نے کہا: هَضْمًا کا معنی ہے: ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا بایں طور کہ ان کی نیکیاں کم کر دی جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا۝ (طٰہٰ:۱۱۲)

اور جو شخص ایمان کی حالت میں نیک عمل کرے گا، اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ کسی نقصان کا O

یہ تفسیر حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ هَضْم کا لغوی معنی ہے: کم کرنا اور توڑنا۔

عِوَجًا وَادِيًا۔

عِوَجًا کا معنی ہے: وادی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا۔ (طٰہٰ:۱۰۷)

آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ عِوَجًا سے مراد وادیاں اور نالے ہیں اور لغت میں عِوَجًا کا معنی کجی اور ٹیڑھا پن ہے۔

وَلَا أَمْتًا رَابِيَةً۔

وَلَا أَمْتًا اس کا معنی ہے: بلندی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا۝ (طٰہٰ:۱۰۷)

آپ اس زمین میں نہ کوئی کجی دیکھیں گے نہ اونچ نیچ۔

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: ٹیلے اور مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: ارتفاع۔

سِيْرَتَهَا حَالَتَهَا الْأُولَى۔ سِيْرَتَهَا اس کا معنی ہے: اس کی پہلی حالت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْأُولٰى ⊙ فرمایا: اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت، ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے O (طٰہٰ:۲۱)

یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ لاٹھی ڈالیں، سو انہوں نے لاٹھی ڈال دی، پس وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: آپ اس کو پکڑ لیں اور مت ڈریں، ہم عنقریب اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔

النُّهٰى التُّقٰى۔ النُّهٰى سے مراد ہے: عقل والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ⊙ (طٰہٰ:۵۴) بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O

حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: عقل والے، ضحاک، نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں سے اپنے آپ کو روکتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: یہ متقی لوگ ہیں۔ ثعلبی نے کہا: النُّهٰى سے مراد ہے: عقل والے، متقین کو عقل والے اس لیے فرمایا ہے کیونکہ عقل برے کاموں سے اور محرمات اور ممنوعات سے روکتی ہے۔

ضَنْكًا الشَّقَاءُ۔ ضَنْكًا کا معنی ہے: شقاوت یعنی بدبختی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ⊙ (طٰہٰ:۱۲۴) اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو یقیناً اس کی زندگی بہت تنگی میں گزرے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے O

امام بخاری نے ضَنْكًا کی تفسیر شقاوت اور بدبختی کے ساتھ کی ہے اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ ضَنْكًا کا معنی ہے: تنگی۔ کہا جاتا ہے: مَنْزِلٌ ضَنْكٌ یعنی تنگ گھر اور عَيْشٌ ضنكٌ یعنی تنگ زندگی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ الضنك عذاب قبر ہے اور حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: زقوم یعنی تھور کا درخت، عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: حرام، ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: ناجائز کمائی۔

هَوٰى۔ هَوٰى کا معنی ہے: بدبخت ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ⊙ (طٰہٰ:۸۱) اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ یقیناً تباہ ہو گیا O

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: وہ ہلاک ہو گیا یا دوزخ میں گر گیا۔

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ الْمُبَارَكِ۔ بالوادی الْمُقَدَّس اس کا معنی ہے: مبارک وادی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⊙ (طٰہٰ:۱۲) بے شک آپ مقدس میدان طویٰ میں ہیں O

امام بخاری نے اس کی تفسیر المبارک کی ہے۔

طُوًی اسْمُ الْوَادِی۔ طُوًی ایک وادی کا نام ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ۞ (طٰہٰ:۱۲) بے شک آپ مقدس میدان طوی میں ہیں O

امام بخاری نے اس کی تفسیر وادی کے ساتھ کی ہے اور ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: گہری اور گول وادی جیسے کنوئیں کے گرد منڈیر ہوتی ہے۔

بِمَلْکِنَا بِأَمْرِنَا۔ بِمَلْکِنَا اس کا معنی ہے: ہم نے اپنے امر اور اختیار سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَکَ بِمَلْکِنَا۔ (طٰہٰ:۸۷) انہوں نے کہا: ہم نے دانستہ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔

امام بخاری نے اس کی تفسیر امر کے ساتھ کی ہے اور یہ اس تقدیر پر ہے کہ جب میم پر زیر ہو تو اکثر قراء کا یہی مختار ہے۔

مَکَانًا سِوًی مَنْصَفٌ بَیْنَهُمْ۔ مَکَانًا سُوًی کا معنی ہے: ایسی جگہ جو ہمارے اور ان کے درمیان نصف نصف ہو یعنی برابر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَکَانًا سُوًی ۞ (طٰہٰ:۵۸) لہٰذا تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک مدت مقرر کر لو نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم کرنا یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہوگا O

یعنی ایسی جگہ مقرر کر لیں جو مسافت میں دونوں فریقوں کے مساوی ہو۔

یَبَسًا یَابِسًا۔ یَبَسًا اس کا معنی ہے: خشک۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا۔ (طٰہٰ:۷۷) اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے جائیں، پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ نکالیں۔

امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: یَابِسٌ یعنی خشک، اور تفسیر میں مذکور ہے: ایسی جگہ جہاں پانی ہو نہ کیچڑ ہو۔

عَلٰی قَدَرٍ مَوْعِدٍ۔ عَلٰی قَدَرٍ اس کا معنی ہے: مقرر وقت پر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ۞ (طٰہٰ:۴۰) سو آپ کئی سال اہل مدین میں رہے، پھر اے موسیٰ! آپ اللہ کے مقرر کردہ وقت پر آ گئے O

امام بخاری نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ آپ اس وقت پر آ گئے جو آپ کے آنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا اور عبدالرحمن بن کیسان نے کہا ہے کہ آپ چالیس (۴۰) سال کی ابتدا میں آ گئے اور یہ وہ وقت ہے جو انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی نازل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

لَا تَنِيَا تَضْعُفَا۔ لَا تَنِيَا اس کا معنی ہے: تم دونوں کمزور نہ ہونا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ (طٰہٰ:۴۲) آپ اور آپ کے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں O

امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے کہ تم دونوں کمزور نہ ہونا۔ حضرت ابن عباس نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے اور سدی نے کہا ہے: تم دونوں تھکنا نہیں اور محمد بن کعب نے کہا ہے تم دونوں کوتاہی نہ کرنا، حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ہے تم دونوں بزدلی نہ کرنا۔ الجوہری نے کہا ہے: وَنْيٌ کا معنی ہے: تھکاوٹ اور سستی۔

يَفْرُطُ عُقُوبَةً۔ يَّفْرُطَ کا معنی ہے: وہ ہم پر زیادتی کرے گا یعنی کوئی سزا دے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَاۤ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ (طٰہٰ:۴۵) ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا O

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے یہ دعا کی تھی کہ اے میرے رب! میرا کام مجھ پر آسان کر دے، پھر ان کو یہ خوف کیوں ہوا کہ فرعون ان پر زیادتی یا سرکشی کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کام آسان ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ کی اس طرح تبلیغ کریں کہ اس میں سہو اور نسیان نہ آسکے اور تبلیغ کرنے میں کوئی خوف اور خطرہ نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۸۵۔۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ (طٰہٰ:۴۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا O (طٰہٰ:۴۱) کی تفسیر

اس کا معنی ہے: میں نے تم کو اپنے لیے پسند کر لیا اور میں نے تم کو نبوت اور رسالت کے ساتھ فضیلت دی۔

۴۷۳۶۔ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُوْنٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ الْتَقٰى آدَمُ وَمُوْسٰى فَقَالَ مُوْسٰى لِآدَمَ آنْتَ الَّذِيْ أَشْقَيْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ آدَمُ أَنْتَ مُوْسَى الَّذِيْ اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَاصْطَفَاكَ لِنَفْسِهٖ وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ التَّوْرَاةَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَوَجَدْتَهَا كُتِبَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَنِيْ قَالَ نَعَمْ فَحَجَّ آدَمُ مُوْسٰى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الصلت بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مہدی بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سیرین نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے بیان فرمایا کہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے کہا کہ آپ وہ ہیں جنہوں نے لوگوں کو بدبخت کیا اور ان کو جنت سے نکالا۔ حضرت آدم نے ان سے کہا: آپ وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنا رسول بنانے کے لیے منتخب کر لیا اور آپ کو اپنے نفس کے لیے پسند کیا اور آپ پر تورات نازل کی، حضرت موسیٰ نے کہا: ہاں! حضرت آدم نے کہا کہ آپ نے تورات میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق یہ بات مجھے پیدا

کرنے سے پہلے لکھ دی تھی، حضرت موسیٰ نے کہا: ہاں! پس
حضرت آدم نے حضرت موسیٰ پر غلبہ پالیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۰۹ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کیے جارہے ہیں:

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے مذاکرہ کی تفصیل اور یہ مذاکرہ کس جگہ ہوا تھا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی: امام بخاری نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ سے دعا کی: اے ہمارے رب! ہمیں ہمارا باپ دکھا جس نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکالا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی حضرت آدم سے ملاقات کرائی۔ حضرت موسیٰ نے کہا: آپ ہمارے باپ ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں! حضرت موسیٰ نے کہا: آپ وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی اور آپ کے لیے اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ حضرت آدم نے کہا: ہاں! حضرت موسیٰ نے کہا: پھر آپ کو ہمیں جنت سے نکالنے کے لیے کس چیز نے برانگیختہ کیا؟ حضرت آدم نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: میں موسیٰ ہوں، حضرت آدم نے کہا: جو بنو اسرائیل کے نبی ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور ان کے علاوہ اپنی مخلوق میں سے کسی اور رسول سے کلام نہیں کیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا: جی ہاں! حضرت آدم نے کہا: کیا آپ نے اللہ کی کتاب میں میری پیدائش سے پہلے یہ لکھا ہوا نہیں پایا تھا؟ حضرت موسیٰ نے کہا: جی ہاں! حضرت آدم نے کہا: تو آپ مجھے اس کام پر کیوں ملامت کر رہے ہیں؟ جس کا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فیصلہ فرما دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا: سو حضرت آدم نے حضرت موسیٰ پر غلبہ پالیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان دونوں کی ملاقات کس جگہ ہوئی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کی روحوں کی آسمان میں ملاقات ہوئی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن ان کی ملاقات ہو، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس کو ظاہر پر محمول کرنا جائز ہے۔ معراج کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام آسمانوں پر اور بیت المقدس میں جمع ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی، سو یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا ہو جیسے شہداء کو زندہ فرمایا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں ہوا ہو۔

دنیا میں کیے ہوئے گناہوں پر تقدیر کا عذر پیش کرنا جائز نہیں ہے

یہ واقعہ میری پیدائش سے پہلے لکھا ہوا تھا: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ بتایا کہ شجر ممنوعہ سے کھانے میں ان کا کسب اور اختیار نہیں تھا، بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ یہ واقعہ ہونا ہے اور انہوں نے بھولے سے شجر ممنوعہ کھانا ہے اور اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمانا ہے، سو جس کام سے وہ توبہ کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما چکا ہے آپ اس کام پر مجھے کیوں ملامت کر رہے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا ہم بھی اپنی کسی تقصیر پر تقدیر کا عذر پیش کر سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں! حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں اس کام پر تقدیر کا عذر پیش نہیں کیا، بلکہ اس پر بڑے لمبے عرصہ تک استغفار کرتے رہے۔ انہوں نے آخرت میں یہ عذر پیش کیا تھا، سو جب تک ہم دنیا میں ہیں ہمیں اپنی تقصیرات پر استغفار کرنا ہوگا اور توبہ کرنی ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۸۷۔۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ (طٰہٰ: ۷۷ تا ۷۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے جائیں، پھر ان کے لیے سمندر میں سے خشک راستہ نکالیں آپ کو کسی کے پکڑنے کا خوف ہوگا نہ ڈر ہوگا O پس فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، پھر سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا O اور فرعون نے اپنی قوم کو گم راہ کر دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا O (طٰہٰ: ۷۷ تا ۷۹) کی تفسیر

یعنی آپ میرے بندوں کو رات کے وقت مصر کی سرزمین سے نکال کر لے جائیں، سمندر میں آپ کے لیے خشک راستہ ہوگا، اس میں پانی ہوگا نہ مٹی، اور آپ اپنے پیچھے فرعون کے آنے سے نہ ڈریں، پس فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر نے ڈھانپ لیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۸۸)

۴۷۳۷۔ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وَالْيَهُودُ تَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوا هَذَا الْيَوْمُ الَّذِي ظَهَرَ فِيهِ مُوسَى عَلَى فِرْعَوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ نَحْنُ أَوْلَى بِمُوسَى مِنْهُمْ فَصُومُوهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر نے حدیث بیان کی، از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو یہود عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے۔ آپ نے ان سے (اس کے سبب کا) سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے (حضرت) موسیٰ کو فرعون پر غلبہ عطا کیا تھا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ہم ان کی بہ نسبت حضرت موسیٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ سو تم اس دن کا روزہ رکھا کرو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۰۴ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابٌ: فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ (طٰہٰ: ۱۱۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ایسا نہ ہو کہ یہ (ابلیس) آپ دونوں کو جنت سے نکلوا دے تو آپ مشقت میں پڑ جائیں گے O (طٰہٰ: ۱۱۷) کی تفسیر

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام کو سرخ بیل کی طرف اتارا گیا۔ وہ اس کے ذریعہ کھیتی باڑی کرتے تھے اور

اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے تھے۔ یہ وہ مشقت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، بہ ظاہر یوں ہونا چاہیے تھا کہ تم دونوں مشقت میں پڑ جاؤ گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مذکر کو غلبہ دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر فرمایا کیونکہ ان کی مشقت زیادہ تھی یا آیات کے وزن کی موافقت کے لیے واحد کا صیغہ فتشقٰی فرمایا۔ (عمدۃ القاری:۸۸)

۴۷۳۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ النَّجَّارِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ حَاجَّ مُوسَى آدَمَ فَقَالَ لَهُ أَنْتَ الَّذِي أَخْرَجْتَ النَّاسَ مِنَ الْجَنَّةِ بِذَنْبِكَ وَأَشْقَيْتَهُمْ قَالَ قَالَ آدَمُ يَا مُوسَى أَنْتَ الَّذِي اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ أَتَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي أَوْ قَدَّرَهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب بن النجار نے حدیث بیان کی، از یحییٰ بن ابی کثیر از ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے بیان فرمایا: حضرت موسیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے مباحثہ کرتے ہوئے کہا: آپ وہ ہیں جنہوں نے اپنی (ظاہر) خطاء کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے نکلوایا اور آپ نے ان کو نامراد کیا، آپ نے بتایا کہ حضرت آدم نے کہا: اے موسیٰ! آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اور اپنی ہم کلامی سے فضیلت دی، کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے پہلے لکھ دیا تھا یا مجھے پیدا کرنے سے پہلے مقدر فرما دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۰۹ میں گزر چکی ہے تاہم بعض اہم امور بیان کیے جا رہے ہیں:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے اس حدیث کی روایت میں بیان کیا ہے کہ حضرت آدم نے فرمایا: کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے تقدیر میں لکھ دیا تھا کہ میں یہ کام کروں گا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر حضرت آدم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پا لیا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۵۲)

علامہ نووی نے کہا ہے کہ تقدیر سے مراد یہاں پر لوح محفوظ میں لکھنا ہے، یا تورات کے صحیفوں اور تختیوں میں لکھنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے یہ لکھ دیا تھا اور اس کے بعد کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے کتنا عرصہ پہلے تورات کو لکھا تھا، تو حضرت موسیٰ نے کہا: چالیس سال پہلے تو حضرت آدم نے کہا: آپ مجھے اس کام کرنے پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا۔
(صحیح مسلم: ۲۶۵۲، الرقم المسلسل: ۶۶۳۷)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ تقدیر سے مراد تورات کے صحیفوں میں لکھنا ہے اور اس سے حقیقتاً تقدیر مراد نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اور جو کام اس نے اپنے بندوں کے لیے مقدر کیے ہیں، وہ ازلی ہیں، ان کی کوئی ابتداء نہیں ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کہ حضرت موسیٰ کی پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھنے سے کیا مراد ہے؟ حالانکہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تقدیر کو لکھا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۵۳، سنن ترمذی: ۲۱۶۳)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مخلوق کے وجود سے پہلے تمام معلومات کو اللہ تعالیٰ کا علم قدیم محیط ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی نہ کسی زمانہ میں لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے، پس ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جو معاملہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھ لیا ہو اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ وہ مدت ہے جس میں ان کا پتلا مٹی اور گارے میں رہا تھا، کیونکہ وہ چالیس سال تک اسی حالت میں رہے تھے۔ گویا کہ حضرت آدم نے فرمایا: یہ مجھ پر اس وقت لکھ دیا گیا تھا جتنی مدت میں میرے پتلے میں روح نہیں پھونکی گئی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۸۹۔۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین سورۂ طٰہٰ کی تفسیر ختم ہوگئی، اب ان شاء اللہ سورۃ الانبیاء کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٢١۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْأَنْبِيَاءِ

سورۃ الانبیاء کی تفسیر

سورۃ الانبیاء کا تعارف

امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اسی طرح مقاتل نے کہا ہے اور مقامات التنزیل میں مذکور ہے کہ اس آیت میں اختلاف ہے: اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا۔ (الانبیاء: ۴۴) کہ یہ آیت مکی ہے یا مدنی؟ کیونکہ اس کا معنی ہے کہ ہم کفار کو قتل کر دیں گے یا ان کو قید کریں گے اور یہ واقعہ مدینہ میں ہوا تھا، مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: ہم وہاں کے رہنے والوں کو مارتے رہیں گے اور زمین کی پیداوار میں کمی کرتے رہیں گے، سو یہ واقعہ مکہ کا ہی ہو سکتا ہے۔

علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت، سورۂ ابراہیم کے بعد اور سورۃ الفتح سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں ایک سو بارہ آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۳۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالْكَهْفُ وَمَرْيَمُ وَطٰه وَالْأَنْبِيَاءُ هُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُوَلِ وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سنا از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا: (سورۃ) بنی اسرائیل، الکہف، مریم، طٰہٰ اور انبیاء ان پہلے کی بہت فصیح سورتوں میں سے ہیں (جو مکہ میں نازل ہوئی تھیں) اور یہ وہ سورتیں ہیں جن کو میں نے بہت پہلے یاد کیا ہوا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۰۸ میں گزر چکی ہے۔

وَقَالَ قَتَادَةُ جُذَاذًا قَطَّعَهُنَّ۔

اور قتادہ نے کہا: جُذٰذًا کا معنی ہے: اس کو کاٹ ڈالا یعنی ان بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ (انبیاء: ۵۸)

سو ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ۝

امام ثعلبی نے کہا ہے کہ جُذٰذًا کا معنی ہے: حضرت ابراہیم نے ان بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جُذَاذًا، جَذِيْذ کی جمع ہے اور اس کا اطلاق واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مونث سب پر ہوتا ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ فِي فَلَكٍ مِثْلِ فَلْكَةِ الْمِغْزَلِ يَسْبَحُونَ يَدُورُونَ۔
حسن بصری نے کہا: فِی فَلَكٍ کی مثال چرخہ کے تکلے کی طرح ہے۔ يَسْبَحُونَ اس کا معنی ہے: وہ گھومتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾ (انبیاء: ۳۳)
اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو پیدا کیا، ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے O

مِغْزَل کا معنی سوت کاتنے کا چرخہ ہے اور فَلْكَةٌ کا معنی ہے: تکلہ یعنی وہ لوہے کی سلاخ جس پر چرخہ گھومتا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ چکی کی سلاخ کی طرح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہے جس میں یہ سیارے ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَفَشَتْ رَعَتْ لَيْلًا۔
حضرت ابن عباس نے فرمایا: رات کے وقت چریں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ۔ (انبیاء: ۷۸)
اور داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے جب وہ ایک کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے، جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت کو چر لیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے، جس کی امام ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے اور اہل لغت نے کہا ہے کہ نَفَشَتْ کا معنی ہے: جو جانور کسی چرواہے کے بغیر از خود رات کو چر لیں۔

يُصْحَبُونَ يُمْنَعُونَ۔
يُصْحَبُونَ اس کا معنی ہے: اور نہ وہ ہم سے روکے جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُونَ ﴿٤٣﴾ (انبیاء: ۴۳)
وہ تو خود اپنی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، اور نہ ہماری طرف سے ان کی مدد کی جائے گی O

مجاہد نے کہا: یعنی ہماری طرف سے ان کی کوئی حفاظت نہیں کی جائے گی اور قتادہ نے کہا: وہ اللہ کی طرف سے کوئی خیر حاصل نہیں کر سکیں گے۔

أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً قَالَ دِينُكُمْ دِينٌ وَاحِدٌ۔
امتکم امة واحدة اس کا معنی ہے: تمہارا دین ایک دین ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾ (انبیاء: ۹۲)
بے شک یہ تمہاری ملت ہے جو در حقیقت ایک ہی ملت ہے اور میں (ہی) تمہارا رب ہوں۔ سو تم میری (ہی) عبادت کرو O

امام بخاری نے اُمَّة کی تفسیر دین کے ساتھ کی ہے، قتادہ نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ میں کہتا ہوں: تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے اصول اور عقائد واحد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا، اس کے رسولوں کا برحق ہونا، اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کا صادق ہونا، مرنے کے بعد سب کا دوبارہ زندہ ہونا اور ہر اچھی اور بری چیز کا اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہونا، اعمال کے اعتبار سے جزا اور سزا کا ملنا اور اللہ تعالیٰ کا گناہوں کو معاف فرما دینا اور شریعت ہر نبی کی الگ الگ ہوتی ہے، جس میں وہ اپنے زمانے کی خصوصیات کے اعتبار سے احکام وضع فرماتے ہیں۔

وَقَالَ عِكْرِمَةُ حَصَبُ حَطَبُ بِالْحَبَشِيَّةِ۔
عکرمہ نے کہا: حَصَبُ کا معنی حبشیہ میں ایندھن ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ (انبیاء:۹۸) بے شک تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہیں، تم (سب) اس میں داخل ہونے والے ہو O

عکرمہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو، اس سے مراد بت ہیں۔ اہل یمن کی لغت میں بھی حَصَب کا معنی ایندھن ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ اَحَسُّوا تَوَقَّعُوا مِنْ اَحْسَسْتُ۔ عکرمہ کے علاوہ دوسروں نے کہا: اَحَسُّوا کا معنی ہے: جب ان کو اس کی توقع ہوئی۔ یہ اَحْسَسْتُ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے محسوس کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ (انبیاء:۱۲) سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو فوراً اس سے بھاگنے لگے O

عکرمہ کے غیر سے مراد امام ابوعبیدہ ہیں، انہوں نے کہا: جب کفار کو عذاب کا خطرہ ہوا اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ جب انہوں نے ہمارے عذاب کی علامتیں دیکھیں تو انہوں نے بستی سے نکلنے کا قصد کیا۔ امام بخاری نے کہا: اَحَسُّوا، اَحْسَسْتُ سے ماخوذ ہے یعنی احساس سے اور احساس کا معنی ہے: حواس کے ذریعہ علم جیسے آنکھ سے دیکھنا اور کان سے سننا اور ناک سے سونگھنا اور زبان سے چکھنا اور ہاتھوں سے چھونا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب انہوں نے اپنے حواس سے ہمارے عذاب کی شدت اور گرفت کو جان لیا تو پھر ان کو اس میں کوئی شک نہ رہا۔

خَامِدِيْنَ هَامِدِيْنَ۔ خٰمِدِيْنَ کا معنی ہے: بجھے ہوئے یعنی مرے ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝ (انبیاء:۱۵) ان کا مسلسل یہی کہنا رہا حتیٰ کہ ہم نے ان کو کاٹی ہوئی فصل کی طرح کر دیا زندگی کی حرارت سے بجھا ہوا O

امام ابوعبیدہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ جب آگ بجھ کر ختم ہو جائے تو کہا جاتا ہے: خَمِدَتِ النَّارُ اور جب کپڑا پرانا اور بوسیدہ ہو جائے تو کہا جاتا ہے: خَمِدَتِ الثَّوْبُ، جس زمین میں کوئی پیداوار نہ ہوا سے کہا جاتا ہے: اَرْضٌ خَامِدَةٌ۔ کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ خامدین کا معنی ہے: مرے ہوئے۔

وَالْحَصِيْدُ مُسْتَاْصَلٌ يَقَعُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْاِثْنَيْنِ وَالْجَمِيْعِ۔ حَصِيْدٌ اس کا معنی ہے: جڑ سے اکھاڑا ہوا۔ اس کا واحد، تثنیہ اور جمع سب پر اطلاق ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝ (انبیاء:۱۵) ان کا مسلسل یہی کہنا رہا حتیٰ کہ ہم نے ان کو کاٹی ہوئی فصل کی طرح کر دیا زندگی کی حرارت سے بجھا ہوا O

امام بخاری نے اس کی تفسیر مُسْتَاْصَلٌ کی ہے اور یہ اِسْتِئْصَال سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا۔

لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ لَا يُعْيُوْنَ وَمِنْهُ حَسِيْرٌ وَحَسَرْتُ بَعِيْرِي۔

لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ اس کا معنی ہے: وہ تھکتے نہیں ہیں، حَسِيْرٌ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔اس کا معنی ہے: تھکا ہوا اور جب تم اپنے اونٹ کو تھکا دو تو کہتے ہو: حَسَرْتُ بَعِيْرِي یعنی میں نے اپنے اونٹ کو تھکا دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ (انبیاء:۱۹)

اور جو اس کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں O

امام بخاری نے اس کی تفسیر لَا يُعْيُوْنَ کی ہے۔اس کا معنی ہے: وہ عاجز نہیں ہوتے۔اسی سے الحسیر ماخوذ ہے۔جو شخص تھک کر کھڑا ہو جائے اس کو الحسیر کہتے ہیں۔

عَمِيْقٌ بَعِيْدٌ۔

عَمِيْقٌ کا معنی ہے: بعید۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ (انبیاء:۲۷)

اور (اے ابراہیم!) لوگوں میں بلند آواز سے حج کا اعلان کر دیجئے کہ وہ آپ کے پاس پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر آئیں گے وہ اونٹنیاں جو ہر دور دراز راستے سے پہنچیں گی O

امام بخاری نے عمیق کی تفسیر بعید کے ساتھ کی ہے، لیکن امام بخاری سورۂ انبیاء کی تفسیر کر رہے ہیں اور یہ آیت سورۂ حج میں ہے۔ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کو اس لیے ذکر کر دیا ہے کہ سورۂ انبیاء کی ایک آیت میں فِجَاجًا کا لفظ ہے اور فِجَاجًا کا لفظ بھی فَجّ سے ماخوذ ہے۔اس مناسبت سے اس آیت کی تفسیر کو ذکر کر دیا۔سورۃ الانبیاء کی وہ آیت درج ذیل ہے:

وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ (انبیاء:۲۷)

اور ہم نے زمین میں اونچے اونچے پہاڑ بنا دیئے تا کہ لوگوں کے بوجھ سے زمین ایک طرف ڈھلک نہ جائے اور ہم نے اس زمین میں کشادہ راستے بنائے تا کہ لوگ ہدایت حاصل کریں O

نُكِسُوا رُدُّوا۔

نُكِسُوا کا معنی ہے: لوٹائے گئے یا پلٹائے گئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ (انبیاء:۶۵)

پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لیے (اور شرمندگی سے) کہا: تم کو معلوم ہے یہ بول نہیں سکتے O

امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: وہ لوٹائے گئے اور امام ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے: وہ پلٹائے گئے اور امام ثعلبی نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: انہوں نے حیران ہو کر اپنے سروں کو جھکا لیا، اور انہوں نے جان لیا کہ یہ بت نہ بول سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں۔نَكَسْتُهٗ اس وقت کہتے ہیں جب تم کسی چیز کو پلٹ کر اوندھا کر دو اور اس کے نیچے کا حصہ اوپر اور اوپر کا حصہ نیچے کر دو۔

صَنْعَةَ لَبُوْسٍ الدُّرُوْعُ۔

صَنْعَةَ لَبُوْسٍ کا معنی ہے: زرہوں کو بنانے کی صنعت یا کاری گری۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ۔ اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تا کہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے۔ (انبیاء: ۸۰)

امام بخاری نے صَنْعَةَ لَبُوْسٍ کی تفسیر زرہوں کے ساتھ کی ہے اور امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ لَبُوْسٍ کا معنی ہر قسم کے ہتھیار ہیں خواہ زرہ ہو یا نیزہ۔ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ جس نے سب سے پہلے زرہ بنی اور اس کے حلقہ بنائے، وہ حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔ علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک لَبُوْسٍ کا معنی ہر قسم کے ہتھیار ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مراد اس جگہ زرہ ہے۔

تَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ اخْتَلَفُوا۔ تَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ کا معنی ہے: انہوں نے اختلاف کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۚ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝ اور انہوں نے اپنے دین میں (مختلف) فرقے بنا لیے، وہ سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں O (انبیاء: ۹۳)

امام ابوعبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ انہوں نے دین میں اختلاف کیا اور ان کے کئی فرقے اور جماعتیں ہو گئیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ سب ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں، پس اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہود، نصاریٰ، مجوس اور مشرکین ہو گئے۔

الْحَسِيْسُ وَالْحِسُّ وَالْجَرْسُ وَالْهَمْسُ وَاحِدٌ وَهُوَ مِنَ الصَّوْتِ الْخَفِيِّ۔ اَلْحَسِيْسُ وَالْحِسُّ وَالْجَرْسُ وَالْهَمْسُ، ان سب کا ایک معنی ہے: اور وہ ہے پست آواز۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ (انبیاء: ۱۰۲) وہ دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور انہوں نے جن لذتوں کو چاہا تھا ان میں ہمیشہ رہیں گے O

امام بخاری نے اَلْحَسِيْس کی تفسیر کی ہے: پست آواز، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے تو وہ اہل دوزخ کی آہٹ تک نہیں سنیں گے۔

آذَنَّاكَ أَعْلَمْنَاكَ آذَنْتُكُمْ إِذَا أَعْلَمْتَهُ فَأَنْتَ وَهُوَ عَلَى سَوَاءٍ لَمْ تَغْدِرْ۔ آذَنَّاكَ کا معنی ہے: ہم نے تم کو خبر دے دی، جب تم کسی کو کوئی چیز بتاؤ تو تم کہتے ہو: آذَنْتُكُمْ پس وہ اور تم عہد شکنی نہ کرنے میں برابر ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۝ (حم السجدہ: ۴۷) اور جس دن اللہ انہیں ندا فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں، وہ کہیں گے: (اے رب!) ہم تیری بارگاہ میں عرض کر چکے ہیں کہ ہم میں سے کوئی گواہی دینے والا نہیں (کہ وہ تیرے شریک ہیں) O

امام بخاری نے اٰذَنّٰكَ کی تفسیر کی ہے کہ ہم نے تم کو خبر دے دی تھی لیکن یہ آیت سورۃ الانبیاء میں نہیں ہے، بلکہ یہ سورۂ حم السجدہ کی آیت ہے۔ امام بخاری نے اس آیت کو اس مناسبت سے ذکر کیا ہے کہ سورۂ انبیاء میں اٰذَنْتُكُمْ کا لفظ ہے اور وہ اس آیت میں ہے

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ۔ (انبیاء:۱۰۹) پھر اگر یہ پیٹھ پھیر لیں تو آپ کہیے: میں واضح طور پر تم کو خبردار کر چکا ہوں۔

عَلٰی سَوَآءٍ کا معنی ہے: جن کو خبر دی ہے، وہ سب اس خبر میں برابر ہیں، نہ کسی سے عہد شکنی کی ہے نہ کسی کو دھوکا دیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ تُفْهَمُونَ۔ مجاہد نے کہا: لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ اس کا معنی ہے: شاید کہ تم سمجھو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ (انبیاء:۱۳) (ان سے کہا گیا:) اب بھا گو مت، اور اسی جگہ لوٹو جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی اور اپنی رہائش گاہوں میں تاکہ تم سے پوچھ گچھ کی جائے ○

ابن ابی نجیح نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

ارْتَضٰى رَضِيَ۔ ارْتَضٰى کا معنی ہے: راضی ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ (انبیاء:۲۸) وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہیں ○

امام بخاری نے ارتضٰی کی تفسیر راضی ہونے کے ساتھ کی ہے اور حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے راضی ہوتا ہے۔

التَّمَاثِيْلُ الْاَصْنَامُ۔ التَّمَاثِيْلُ کا معنی ہے: اصنام یعنی بت اور مورتیاں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ (انبیاء:۵۲) جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیسی مورتیاں (بت) ہیں جن (کی پرستش) پر تم جمے ہوئے ہو ○

اَلتَّمَاثِيل، تِمْثَال کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: مجسم صورت جیسے بت ہوتے ہیں۔

السِّجِلُّ الصَّحِيفَةُ۔ اَلسِّجِلُّ کا معنی ہے: صحیفہ یعنی وہ کاغذات جن پر کوئی چیز لکھی ہوئی ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ۔ (انبیاء:۱۰۴) جس دن ہم آسمانوں کو وثیقہ کے کاغذوں کی طرح لپیٹ لیں گے۔

امام بخاری نے اَلسِّجِلّ کی تفسیر صحیفہ کے ساتھ کی ہے، یعنی وہ کاغذات جن پر کچھ لکھا ہوا ہو، جیسے وثیقہ ہوتا ہے، یعنی ہم آسمانوں کو کاغذات کی طرح لپیٹ دیں گے۔

۱۔ بَابٌ: كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ (الانبیاء:۱۰۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: جس طرح ہم نے ابتداء پیدا کیا تھا، ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے،

جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں O (الانبیاء: ۱۰۴) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی جس طرح ہم نے لوگوں کو ان کی ماؤں کے پیٹوں میں ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر مختون پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم ان کو قیامت کے دن دوبارہ پیدا کریں گے، دوسرا قول یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ان کو پانی سے پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم ان کو مٹی سے پیدا کریں گے۔ ان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا ہمارا وعدہ ہے، ہم اس وعدہ کو ضرور پورا کریں گے۔

۴۷۴۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ شَيْخٌ مِنَ النَّخَعِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ إِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ثُمَّ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ أَلَا إِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُصَيْحَابِي فَيُقَالُ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ إِلَى قَوْلِهِ شَهِيدٌ۝﴾ (المائدہ: ۱۱۷) فَيُقَالُ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از المغیرہ بن النعمان جو النخع کے شیخ ہیں، از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: (تم قیامت کے دن) اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے اس حال میں کہ تم ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے، جس طرح ہم نے تم کو پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح تم کو دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں، پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے، مگر میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا ان کو بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں، پس کہا جائے گا: آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئے کام کیے ہیں، پس میں اسی طرح کہوں گا جس طرح اللہ کے نیک بندہ نے کہا تھا: میں ان پر اس وقت تک گواہ تھا جب تک میں ان میں تھا۔ یہ آیت شہید تک ہے۔ (المائدہ: ۱۱۷) پس بتایا جائے گا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے، یہ ہمیشہ مرتدین رہے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۹ میں گزر چکی ہے۔

النخع کا معنی اور اس کی وجہ تسمیہ، غرلاً کا معنی اور مرتدین کا مصداق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

النخع: یہ مذحج کا بڑا قبیلہ ہے اور النخع کا نام جبیر بن عمرو ہے۔ نخع کا معنی دور ہونا ہے، ان کو النخع اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی قوم سے دور ہو گئے تھے اور اسلام قبول کر کے کوفہ میں رہائش اختیار کی تھی۔

غرلاً: یہ اغرل کی جمع ہے۔ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا ختنہ نہ کیا گیا ہو۔ ان کو بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا: یعنی دوزخ کی جانب۔

مرتدین: اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، بلکہ یہ لوگ بعض حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے تھے اور الحمد للہ صحابہ میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا، البتہ بعض اعرابی جو قتل کے خوف سے یا مال کے لالچ میں اسلام میں داخل ہوئے تھے، وہ مرتد ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۹۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ یہاں پر سورۃ الانبیاء کی تفسیر مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الحج کی تفسیر شروع ہو گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۲۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَۃِ الْحَجِّ

سورۃ الحج کی تفسیر

سورۃ الحج کا تعارف

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ سورۃ الحج مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور مقاتل نے کہا: اس سورت کا بعض حصہ مکہ میں نازل ہوا ہے اور قتادہ نے کہا کہ یہ سورت مکی ہے اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ چار آیات کے سوا یہ سورت مدنی ہے اور ہبۃ بن سلامہ نے کہا: یہ قرآن مجید کی سب سے عجیب سورتوں میں سے ہے، کیونکہ اس میں مکی آیات بھی ہیں اور مدنی آیات بھی، سفری آیات بھی ہیں اور حضری آیات بھی، زمانہ جنگ کی آیات بھی ہیں اور زمانہ صلح کی بھی، رات میں نازل ہونے والی آیات بھی ہیں اور دن میں نازل ہونے والی آیات بھی اور اس میں ناسخ آیات بھی ہیں اور منسوخ آیات بھی ہیں اور اس میں المحکم (۷۸) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ الْمُخْبِتِينَ الْمُطْمَئِنِّينَ۔

اور ابن عیینہ نے کہا: الْمُخْبِتِیْنَ کا معنی ہے: الْمُطْمَئِنِّیْنَ یعنی اللہ کے احکام پر خوشی اور اطمینان سے عمل کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۝

پس تمہاری عبادت کا مستحق واحد ہے اسی کی اطاعت کرو اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجئے ۝ (الحج: ۳۴)

یعنی سفیان بن عیینہ نے اس آیت کی تفسیر میں از ابن جریج از مجاہد یہ روایت کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: جو اطمینان سے اللہ کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ دوسرا قول ہے: جو عاجزی کرتے ہیں، تیسرا قول ہے: جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ إِذَا حَدَّثَ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي حَدِيثِهِ فَيُبْطِلُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ وَيُحْكِمُ آيَاتِهِ۔

اور حضرت ابن عباس نے درج ذیل آیت: اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ (الحج: ۵۲) یعنی جب نبی کوئی بات کرتا ہے تو شیطان اس کی بات میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیتا ہے۔ کی تفسیر میں کہا: پس اللہ تعالیٰ شیطان کی ملائی ہوئی باتوں کو باطل کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ ۚ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی

اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا، تو جب بھی اس نے (اپنی امت کی وسعت کی) تمنا کی تو شیطان نے

الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۵۲﴾ (الحج:۵۲) (لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر) اس کی تمنا (پوری ہونے) میں رخنہ ڈال دیا، سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو زائل کر دیتا ہے، پھر اللہ اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے O

امام ابوالحسن بن علی الطبری نے اس آیت کی تفسیر میں یہ ذکر کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ترتیل سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو شیطان آپ کی گھات لگا کر بیٹھ جاتا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت کے بعد سکوت کرتے تو وہ سکوت کے اس وقفہ میں آپ کی آواز بنا کر اپنی طرف سے کچھ ملا دیتا، جس سے سننے والا یہ سمجھتا کہ یہ آپ نے فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں سورۂ والنجم پڑھی اور جب آپ اس آیت پر پہنچے:

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی ﴿۲۰﴾ (النجم:۲۰۔۱۹) تو کیا تم نے لات اور عزیٰ (دیویوں) کو بہ غور دیکھا O اور اس تیسری ایک اور (دیوی) منات کو O

تب شیطان نے آپ کے سکوت کے وقفہ میں آپ کی آواز کے مشابہ آواز میں اپنی طرف سے یہ کلمات ملا دیئے:

تلك الغرانيق العلى، وان شفاعتهن لترتجى۔ یہ اونچی اڑان والے پرندے، ان کی شفاعت کے مقبول ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

تب مشرکین نے کہا: آج سے پہلے انہوں نے کبھی ہمارے معبودوں کا خیر کے ساتھ ذکر نہیں کیا، پس جب آپ نے سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کر لیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی، یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا کہ طبری نے اس مسئلہ میں بہت زیادہ روایات ذکر کی ہیں، جو سب باطل ہیں اور ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث کی اصل صحت میں سے کسی نے روایت نہیں کی اور نہ کسی ثقہ راوی نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی کوئی سند متصل نہیں ہے اور اس کے ناقلین ضعیف ہیں اور یہ روایات مضطرب ہیں، ان کی اسانید منقطع ہیں، اسی طرح تابعین اور مفسرین میں سے جس نے اس قصہ کو بیان کیا ہے، ان میں سے کسی نے اس کی ثقہ راوی کی طرف نسبت نہیں کی اور اس حدیث کے اکثر طرق ضعیف ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۹۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی اور قاضی عیاض نے یہ جو کچھ کہا ہے، یہ قواعد کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کے طرق متعدد اور مختلف ہوں تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۰۷)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی اور قاضی عیاض نے جو کہا ہے وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اور مقام کے لائق ہے، کیونکہ دلائل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم ہونا ثابت ہے اور اس پر اجماع بھی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بتوں کی تعریف میں کچھ کہنے سے معصوم ہیں اور آپ اس سے بری ہیں کہ آپ کے دل یا آپ کی زبان پر ایسی کوئی بات جاری ہو، ایسی کوئی بات آپ کی زبان پر عمداً جاری ہو سکتی ہے نہ سہواً اور نہ شیطان کو یہ طاقت ہے کہ وہ آپ سے کوئی بات کہلوا سکے۔ عقل اور عرف کے نزدیک یہ محال ہے، اگر ایسا ہوتا تو کئی مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں ہے۔

علامہ ابن العربی نے الحج: ۵۲ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے رسولوں میں سنت جاریہ یہ ہے کہ جب رسول کوئی بات کہتے ہیں تو شیطان اس میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیتا ہے۔ اس قول میں یہ تصریح ہے کہ شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا تھا، نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات از خود فرمائے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ہم نے اس مسئلہ کی پوری تحقیق اپنی تفسیر میں سورۃ الحج: ۵۲ کے تحت کی ہے۔ دیکھیے: تبیان القرآن ج ۷ ص ۷۷۷۔۷۸۵

وَيُقَالُ أُمْنِيَّتُهُ قِرَاءَتُهُ إِلَّا أَمَانِيَّ يَقْرَءُونَ وَلَا يَكْتُبُونَ۔

اور کہا جاتا ہے: اُمْنِيَّتُهُ اس کا معنی ہے: اس کا پڑھنا اِلَّآ اَمَانِيَّ یعنی وہ پڑھتے ہیں اور لکھتے نہیں ہیں۔

یہ فراء کا قول ہے، اس نے اِلَّا اِذَا تَمَنّٰی کا معنی بیان کیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ۔ (البقرہ: ۷۸)

اور ان میں بعض ان پڑھ ہیں جو زبان سے لفظوں کو پڑھ لینے کے سوا (اللہ کی) کتاب (کے معانی) کا کچھ علم نہیں رکھتے O

امام بخاری نے اس آیت کو یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے کہ تَمَنّٰی کا معنی ہے: اس نے پڑھا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَشِيدٌ بِالْقَصَّةِ جِصٌّ۔

اور مجاہد نے کہا: مَشِيْد کا معنی ہے: اس کو چونے سے مضبوط کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ (الحج: ۴۵)

اور بہت سے غیر آباد کنویں اور بہت سے مضبوط محل O

ضحاک بیان کرتے ہیں یہ کنواں حضر موت کے شہر میں تھا جس کو حاضورا کہا جاتا تھا، کیونکہ چار ہزار مرد جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، جب وہ عذاب سے نجات پا گئے تو وہ حضر موت میں آئے اور ان کے ساتھ حضرت صالح علیہ السلام بھی تھے، پس جب وہ اس شہر میں حاضر ہوئے تو حضرت صالح علیہ السلام کو موت آ گئی، اس وجہ سے اس شہر کا نام حضر موت پڑ گیا۔ کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کو جب موت آئی تو ان لوگوں نے حاضورا کو بنایا اور اس کنویں پر بیٹھ گئے اور ایک مرد کو وہاں امیر بنا دیا جس کا نام جلبس تھا اور سخاریب بن سوادہ کو اس کا وزیر بنا دیا، پھر وہ وہاں پر بڑے عرصہ تک رہے اور ان کی نسل چلتی رہی، حتیٰ کہ وہ بہت زیادہ ہو گئے، پھر انہوں نے بتوں کی عبادت کی اور اللہ تعالیٰ کا انکار کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک نبی کو بھیجا جن کا نام حنظلہ بن صفوان تھا، وہ اونٹ چراتے تھے۔ ان لوگوں نے ان کو بازار میں قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور وہ کنواں ویران ہو گیا اور ان کے محل کھنڈر بن گئے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ يَسْطُوْنَ يَفْرُطُوْنَ مِنَ السَّطْوَةِ وَيُقَالُ يَسْطُوْنَ يَبْطِشُوْنَ وَهُدُوْا إِلَى الطَّيِّبِ أُلْهِمُوْا وَهُدُوْا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ الْإِسْلَامِ۔

اور مجاہد کے غیر نے کہا: يَسْطُوْنَ کا معنی ہے: وہ زیادتی کرتے ہیں۔ یہ لفظ سَطْوَت سے ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے: يَسْطُوْنَ یعنی وہ پکڑتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ۔ (الحج: ۷۲)

لگتا ہے کہ وہ ہماری آیتیں تلاوت کرنے والوں پر حملہ کر بیٹھیں گے

امام بخاری نے کہا ہے کہ یَسْطُوْنَ کا معنی ہے: وہ زیادتی کرتے ہیں، امام ابوعبیدہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یَسْطُوْنَ کا معنی ہے: جب وہ کسی کو پکڑتے ہیں یعنی کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی طرف غیظ و غضب میں آ کر ہاتھ بڑھاتے تھے تا کہ ان کو ایذاء پہنچائیں۔

اور ان کو نیک بات کی طرف ہدایت دی گئی، یعنی ان کو قرآن کی طرف الہام کیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ هُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَ هُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝ (الحج:۲۴)

اور ان کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی جائے گی اور حمد کیے گئے والوں کے راستہ کی طرف ان کو ہدایت کی جائے گی۝

ان کو صراط حمید کی طرف ہدایت دی گئی: اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو اسلام کی طرف ہدایت دی گئی اور انہیں نیک بات کی طرف ہدایت دی گئی۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس سے مراد ہے: لا الٰہ الا اللہ والحمد للہ واللہ اکبر۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِسَبَبٍ بِحَبْلٍ إِلَى سَقْفِ الْبَيْتِ ثَانِ عِطْفِهِ مُسْتَكْبِرٌ۔

اور حضرت ابن عباس نے کہا: بِسَبَبٍ سے مراد ہے: وہ رسی جو چھت کی طرف لٹکی ہوئی ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝ (الحج:۱۵)

جو یہ گمان کرتا تھا کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا اور آخرت میں ہرگز مدد نہیں کرے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی اونچی جگہ پر رسی باندھ کر (اپنے گلے میں ڈال لے)، پھر اس رسی کو کاٹ لے پھر یہ دیکھے کہ آیا اس کی یہ تدبیر اس کے غضب اور غصہ کو دور کرتی ہے (یا نہیں)۝

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جس شخص کا یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرے گا، وہ اپنے گھر کی چھت میں رسی لٹکا کر اپنا گلا گھونٹ لے۔

تَذْهَلُ تُشْغَلُ۔

تَذْهَلُ کا معنی ہے: وہ غافل ہو جائے گی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (الحج:۲)

جس دن تم اس کو دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے (بچے) کو فراموش کر دے گی جس کو دودھ پلایا تھا اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۝

۱۔ بَابٌ: وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى۔ (الحج:۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے۔ (الحج:۲) کی تفسیر

۴۷۴۱۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث

الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا آدَمُ يَقُولُ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ فَيُنَادَى بِصَوْتٍ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ قَالَ يَا رَبِّ وَمَا بَعْثُ النَّارِ قَالَ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ أُرَاهُ قَالَ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ فَحِينَئِذٍ تَضَعُ الْحَامِلُ حَمْلَهَا وَيَشِيبُ الْوَلِيدُ وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِيدٌ فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ حَتَّى تَغَيَّرَتْ وُجُوهُهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ وَمِنْكُمْ وَاحِدٌ ثُمَّ أَنْتُمْ فِي النَّاسِ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جَنْبِ الثَّوْرِ الْأَبْيَضِ أَوْ كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جَنْبِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا۔

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو صالح نے حدیث بیان کی از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ عز وجل قیامت کے دن فرمائے گا، اے آدم! وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! میں حاضر ہوں اور تیری اطاعت کے لیے کمربستہ ہوں، پھر اللہ عز وجل ایک آواز سے ندا فرمائے گا: بے شک اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اپنی اولاد میں سے نکالو ایک گروہ کو دوزخ کی طرف، حضرت آدم کہیں گے: اے میرے رب! دوزخ کا گروہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہر ہزار میں سے (میرا گمان ہے) نو سو ننانوے، پس اس وقت حاملہ عورت اپنے حمل کو گرا دے گی اور بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے (الحج:۲) پس لوگوں پر یہ حدیث بہت سخت گزری حتیٰ کہ ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: نو سو ننانوے یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے اور تم میں سے ایک ہوگا اور تم لوگوں میں ایسے ہو گے جیسے سفید بیل کے پہلو میں ایک کالا بال ہو یا کالے بیل کے پہلو میں ایک سفید بال ہو اور مجھے توقع ہے کہ تم اہل جنت میں سے چوتھائی ہو گے، پس ہم نے کہا: اللہ اکبر، پھر فرمایا: پھر اہل جنت میں سے ایک تہائی ہو گے، پس ہم نے کہا: اللہ اکبر، پھر فرمایا: تم اہل جنت کا نصف ہو گے، پس ہم نے کہا: اللہ اکبر۔

قَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ تَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَقَالَ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ وَقَالَ جَرِيرٌ وَعِيسَى بْنُ يُونُسَ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ سَكْرَى وَمَا هُمْ بِسَكْرَى۔

ابواسامہ نے اعمش سے روایت کرتے ہوئے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے (الحج:۲) ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے اور جریر، عیسیٰ بن یونس اور ابومعاویہ نے اس آیت کو یوں پڑھا سَكْرَى وَمَا هُمْ بِسَكْرَى۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۳۳۴۸ میں گزر چکی ہے۔

جریر اور عیسیٰ کے اختلاف کی وضاحت

سُکٰرٰی کا لفظ جمع ہے اور سَکْرٰی کا لفظ واحد ہے۔ ان حضرات تابعین نے اس آیت میں لفظ واحد کو ذکر کیا، لیکن صحیح لفظ وہ ہے جو ہماری متواتر قراءت میں ہے۔

۲۔ بَابٌ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ (الحج: ۱۱۔۱۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے، پس اگر اس کو کوئی بھلائی مل جائے تو وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی آزمائش کی جائے تو وہ منہ کے بل پلٹ جاتا ہے، اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان سمیٹا (یہ یہاں تک ہے) یہی دور کی گمراہی ہے O (الحج: ۱۲۔۱۱) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علامہ الواحدی نے کہا ہے کہ حضرت ابو سعید نے بیان کیا کہ یہود میں سے ایک شخص اسلام لایا، پھر اس کی بینائی چلی گئی، پھر اس کا مال ضائع ہو گیا تو اس نے اسلام کے ساتھ بدشگونی لی اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ مجھ سے میرا اسلام واپس لے لیجئے۔ آپ نے فرمایا: اسلام واپس نہیں لیا جاتا اور اسلام لوگوں کو اس طرح پگھلاتا ہے جس طرح آگ لوہے کو پگھلا کر اس کا زنگ دور کر دیتی ہے۔

اس آیت میں عَلٰى حَرْفٍ کا لفظ ہے۔ حرف کا معنی ہے: طرف اور جانب اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: شک یعنی وہ اللہ کی عبادت شک سے کرتا تھا۔ حسن بصری نے کہا: وہ منافق تھا، وہ زبان سے اللہ کی عبادت کرتا تھا دل سے اللہ کی عبادت نہیں کرتا تھا۔ اس آیت میں خَيْرٌ کا لفظ ہے، یعنی اس کو بھلائی مل جائے۔ اس سے مراد ہے: اس کا جسم تندرست ہو اور اس کا کاروبار وسیع ہو۔

اس آیت میں مذکور ہے: اِطْمَاَنَّ بِهٖ: اس سے مراد یہ ہے کہ پھر وہ اسلام پر راضی رہتا ہے اور اس پر قائم رہتا ہے۔

اور اس آیت میں مذکور ہے: وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ: اس سے مراد ہے کہ اس کے جسم میں کوئی بیماری ہو جائے اور اس کو کاروبار میں نقصان پہنچے۔

اس میں مذکور ہے: انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ: یعنی وہ مرتد ہو کر اپنے سابقہ کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ: یعنی وہ ہم سے بہت دور ہو جاتا ہے۔

أَتْرَفْنَاهُمْ وَسَّعْنَاهُمْ۔ أَتْرَفْنٰهُمْ کا معنی ہے: ہم نے ان کی زندگی کشادہ کر دی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (المومنون: ۳۳)

اور رسول کی قوم کے وہ کافر سردار بولے جنہوں نے آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں فراوانی عطا فرمائی تھی۔

یہ آیت سورۂ حج میں نہیں ہے، بلکہ سورۃ المومنون میں ہے۔ صحیح بخاری کو نقل کرنے والوں نے اس کو یہاں پر تسامح سے لکھ دیا ہے۔

۴۷۴۲۔ حَدَّثَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ أَبِيْ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيْلُ عَنْ أَبِيْ حَصِيْنٍ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن الحارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ابی بکیر نے حدیث

سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ عَلَى حَرْفٍ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْمَدِينَةَ فَإِنْ وَلَدَتْ امْرَأَتُهُ غُلَامًا وَنُتِجَتْ خَيْلُهُ قَالَ هَذَا دِينٌ صَالِحٌ وَإِنْ لَمْ تَلِدْ امْرَأَتُهُ وَلَمْ تُنْتَجْ خَيْلُهُ قَالَ هَذَا دِينُ سُوءٍ

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی حصین از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا: اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ (الحج:11) انہوں نے بتایا: ایک شخص مدینہ آتا، پس اگر اس کی بیوی کے لڑکا پیدا ہوتا اور اس کی گھوڑیاں بچے دیتیں تو وہ کہتا: یہ اچھا دین ہے اور اگر اس کی بیوی کے بچہ نہ ہوتا اور اس کی گھوڑیاں بچے نہ دیتیں تو وہ کہتا کہ یہ خراب دین ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر ان لوگوں کے ہاں اچھی پیداوار نہ ہوتی اور بری اولاد پیدا ہوتی تو وہ کہتے کہ ہمارے لیے اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے اور العوفی کی روایت میں ہے: اگر کوئی شخص مدینہ میں بیمار ہو جاتا اور اس کی بیوی کے لڑکی پیدا ہوتی اور اس کو صدقہ دیر سے ملتا تو اس کے پاس شیطان آ کر کہتا کہ اللہ کی قسم! تم نے اس دین میں صرف مصیبت ہی پائی ہے اور حسن بصری کی روایت ہے کہ اگر اس کے جسم میں بیماری ہوتی اور اس کو صدقہ نہ ملتا اور اس کو مال کی ضرورت ہوتی تو وہ کہتا: اللہ کی قسم! یہ دین اچھا نہیں ہے میں ہمیشہ اپنے جسم میں اور اپنے مال میں نقصان پا رہا ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ۔ (الحج:19)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔ (الحج:19) کی تفسیر

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

اَلْخَصْمَان: خصم کا تثنیہ ہے، اور خصم کا معنی ہے: فریق اور مقابل۔

۴۷۴۳۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو هَاشِمٍ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ يُقْسِمُ قَسَمًا إِنَّ هَذِهِ الْآيَةَ هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ نَزَلَتْ فِي حَمْزَةَ وَصَاحِبَيْهِ وَعُتْبَةَ وَصَاحِبَيْهِ يَوْمَ بَرَزُوا فِي يَوْمِ بَدْرٍ رَوَاهُ سُفْيَانُ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ وَقَالَ عُثْمَانُ عَنْ جَرِيرٍ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ قَوْلَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو ہاشم نے خبر دی، از ابی مجلز از قیس بن عباد از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ آیت: یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔ (الحج:19) حضرت حمزہ اور ان کے دو صاحبوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور عتبہ اور اس کے دو ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے غزوۂ بدر میں ایک دوسرے کو للکارا۔ اس حدیث کی سفیان نے از ابی ہاشم روایت کی ہے اور عثمان نے کہا: از جریر از منصور از ابی ہاشم از ابی مجلز: یہ ان کا قول ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر کا نام جندب بن جنادہ ہے اور حضرت حمزہ کے دو صاحبوں کا نام حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن الحارث ہے

عبد المطلب ہے اور عتبہ کے دو ساتھیوں کا نام شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ ہے اور عتبہ کا پورا نام عتبہ بن ربیعہ ہے۔

۴۷۴۴۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مِجْلَزٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَجْثُو بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمَنِ لِلْخُصُومَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ قَيْسٌ وَفِيهِمْ نَزَلَتْ ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ (الحج:۱۹) قَالَ هُمُ الَّذِينَ بَارَزُوا يَوْمَ بَدْرٍ عَلِيٌّ وَحَمْزَةُ وَعُبَيْدَةُ وَشَيْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَعُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدُ بْنُ عُتْبَةَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں ابومجلز نے حدیث بیان کی از قیس بن عباد از حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا: میں پہلا شخص ہوں جو قیامت کے دن جھگڑے (کے فیصلہ) کے لیے رحمٰن کے سامنے دو زانو بیٹھوں گا۔ قیس نے کہا: انہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔ (الحج:۱۹) قیس نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر کے دن کفار کو للکارا تھا: حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم (اور جن کفار کو للکارا تھا ان کے نام یہ ہیں:) شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۶۵ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام طبری نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ یہ آیت اہل کتاب اور مسلمین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور حسن بصری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت کفار اور مومنین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور مجاہد سے روایت کی ہے کہ مومن اور کافر نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق جھگڑا کیا تھا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی آیت متعدد اسباب میں سے کسی ایک سبب کے متعلق نازل ہو تو وہ اس کے خلاف نہیں کہ وہ آیت ان تمام اسباب کے لیے عام ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۰۱ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۃ الحج کی تفسیر یہاں پر ختم ہوگئی، اب ان شاء اللہ سورۃ المومنون کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۳۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْمُؤْمِنُوْنَ

سورۃ المومنون کی تفسیر

سورۃ المومنون کا تعارف

یہ سورۃ المومنون کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ ابوالعباس نے کہا ہے کہ پوری سورۃ المومنون مکی ہے اور اس میں ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ سَبْعَ طَرَائِقَ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ۔ ابن عیینہ نے کہا: سَبْعَ طَرَآئِقَ سے مراد سات آسمان ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ۔ (المومنون:۱۷) اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے۔

امام ثعلبی نے کہا: سات آسمانوں کو سبع طرائق یعنی "سات راستے" فرمایا، کیونکہ آسمان ایک دوسرے کے اوپر ہیں، پس ان میں سے ہر آسمان ایک راستہ ہے اور جو چیز ایک دوسرے کے اوپر ہو، اس کو عرب راستہ کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آسمان فرشتوں کے راستے ہیں۔

لَهَا سَابِقُوْنَ سَبَقَتْ لَهُمُ السَّعَادَةُ۔ لَهَا سٰبِقُوْنَ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے لیے ازل سے سعادت اور نیک بختی لکھ دی گئی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ (المومنون:۶۱) وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: چونکہ ان کے لیے پہلے سے سعادت اور نیک بختی مقدر ہو چکی ہے اس لیے وہ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں۔

قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ خَائِفِيْنَ۔ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اس کا معنی ہے: ان کے دل خوف زدہ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (المومنون:۶۱) اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) کچھ دیتے ہیں وہ خوف زدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کے ساتھ) کہ وہ اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں O

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ وہ لوگ اس خوف سے عمل کرتے ہیں کہ شاید ان کے عمل مقبول نہ ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! المومنون: ٦٠ میں جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، کیا یہ اس شخص کے متعلق ہے جو زنا کرتا ہے اور چوری کرتا ہے اس کے باوجود اللہ سے ڈرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ اس شخص کے متعلق ہے جو روزہ رکھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے۔ اس حدیث کی امام ترمذی، امام احمد اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ بَعِيدٌ بَعِيدٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ کا معنی ہے: بعید ہے بعید ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ (المومنون: ٣٦) جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، (اس کا پورا ہونا) بہت دور ہے بہت دور ہے ۝

امام طبری نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

فَاسْأَلِ الْعَادِّيْنَ۔ فاسأل العادین یہ فرشتوں کا قول ہے: یعنی آپ گننے والوں سے پوچھیے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ (المومنون: ١١٣) وہ کہیں گے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے آپ گننے والوں سے پوچھ لیجئے ۝

امام ثعلبی نے کہا ہے کہ یہ عام فرشتوں کا قول ہے یا کراماً کاتبین کا قول ہے یا حساب رکھنے والے فرشتوں کا قول ہے۔ امام عبدالرزاق نے معمر اور قتادہ سے روایت کی ہے کہ یہ حساب رکھنے والے فرشتوں کا قول ہے۔

قَالَ الْمَلَائِكَةُ تَنْكِصُوْنَ تَسْتَأْخِرُوْنَ۔ فرشتوں نے کہا: تَنْكِصُوْنَ یعنی تم پیچھے ہٹ رہے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ (المومنون: ٦٦) بے شک اس سے پہلے میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے ۝

امام طبری نے مجاہد سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کی ہے۔

لَنَاكِبُوْنَ لَعَادِلُوْنَ۔ لَنٰكِبُوْنَ کا معنی ہے: منحرف ہونے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ (المومنون: ٧٤) اور بے شک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ ضرور صراط مستقیم سے منحرف ہونے والے ہیں ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: جب کوئی شخص کسی کام سے اعراض کرے اور انحراف کرے، تو کہا جاتا ہے: نَكَبَ۔

كَالِحُوْنَ عَابِسُوْنَ۔ كٰلِحُوْنَ کا معنی ہے: بری حالت والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۝ آگ ان کے چہروں کو جھلستی رہے گی اور وہ اس میں بری حالت میں ہوں گے O (المومنون:۱۰۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ دونوں ہونٹ ایک دوسرے سے دور ہو جائیں حتیٰ کہ دانت ظاہر ہو جائیں اور حضرت ابوسعید خدری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اس کو آگ جلائے گی تو اس کا اوپر والا ہونٹ اوپر چڑھ کر دماغ کے وسط میں پہنچ جائے گا اور نیچے والا ہونٹ لٹک کر ناف تک پہنچ جائے گا۔

وَقَالَ غَيْرُهٗ مِنْ سُلَالَةٍ الْوَلَدُ وَالنُّطْفَةُ السُّلَالَةُ۔ مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: مِنْ سُلَالَةٍ کا معنی ہے: ولد یعنی بچہ اور نطفہ ہے، ولد اور نطفہ کو سُلَالَة کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۝ (المومنون:۱۲) اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا O

علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ قتادہ اور مجاہد نے کہا ہے: جو چیز زمین سے کھینچ کر نکالی جائے اس کو سُلَالَة کہتے ہیں اور عرب مرد کے نطفہ کو اور بچے کو سلالہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی اس کی پشت سے کھینچ کر آتے ہیں۔

وَالْجِنَّةُ وَالْجُنُوْنُ وَاحِدٌ۔ اور جِنّہ اور جنون کا ایک معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ۔ (المومنون:۷۰) یا وہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو جنون ہے۔

اس آیت میں جِنّہ کا معنی جنون ہے۔

وَالْغُثَاءُ الزَّبَدُ وَمَا ارْتَفَعَ عَنِ الْمَاءِ وَمَا لَا يُنْتَفَعُ بِهٖ۔ والغثاء کا معنی ہے: جھاگ اور جو چیز پانی سے بلند ہو اور اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً۔ (المومنون:۴۱) بالآخر تقاضۂ عدل کے مطابق ان کو ایک زبردست چنگھاڑ نے پکڑ لیا، پس ہم نے ان کو (ہلاک کر کے) خس وخاشاک بنا دیا۔

امام عبدالرزاق نے معمر اور قتادہ سے روایت کی ہے کہ الغثاء کا معنی ہے: پرانی اور بوسیدہ چیز۔

يَجْاَرُوْنَ يَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ كَمَا تَجْاَرُ الْبَقَرَةُ۔ يَجْاَرُوْن کا معنی ہے: وہ اپنی آواز بلند کرتے ہیں جیسے گائے تکلیف کے وقت آواز نکالتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ۝ (المومنون:۶۴) حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو گرفتار کریں گے تو وہ بلبلانے لگیں گے O

اس کی تفسیر کتاب الزکوٰۃ کے اواخر میں گزر چکی ہے۔

عَلٰى اَعْقَابِكُمْ رَجَعَ عَلٰى عَقِبَيْهِ۔ علی اعقابکم کا معنی ہے: تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ (المومنون:۶۶)

بے شک اس سے پہلے میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں، تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے O

یہ امام ابوعبیدہ کی تفسیر کے مطابق ہے۔

سَامِرًا مِنَ السَّمَرِ وَالْجَمِيْعُ السُّمَّارُ وَالسَّامِرُ هَا هُنَا فِى مَوْضِعِ الْجَمْعِ۔

سٰمِرًا، سَمَرْ سے ماخوذ ہے اور اس کی جمع سُمَّار ہے اور سَامِرُ یہاں پر جمع کی جگہ ہے۔ سَامِرْ کا معنی ہے: رات کو فضول باتیں کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ (المومنون:۶۷)

اس پر تکبیر کرتے ہوئے اس قرآن کو افسانہ کہہ کر بکواس کرتے ہوئے O

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس کی تشریح کتاب المواقیت کے اواخر میں گزر چکی ہے۔

تُسْحَرُوْنَ تَعْمَوْنَ مِنَ السِّحْرِ۔

تُسْحَرُوْنَ کا معنی ہے: وہ جادو سے اندھے ہو رہے ہیں، یہ لفظ سحر سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ (المومنون:۶۶)

عنقریب وہ کہیں گے کہ سب کا اللہ ہی مالک ہے، آپ کہیے: پھر کہاں سے تم پر جادو کیا گیا ہے O

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے اس کی شرح میں کچھ نہیں لکھا، لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اس آیت سے مشرکین کا رد کیا گیا ہے، تاہم اس کی تفسیر کے لیے کتب تفسیر کی طرف رجوع کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۰۳۔۱۰۱، فتح الباری ج۵ ص ۱۳۔۱۲۔۷)

الحمد للہ سورۃ المومنون کی تفسیر جتنی امام بخاری نے کی ہے، مکمل ہو گئی ہے اور اب ان شاء اللہ سورۃ النور کی تفسیر شروع ہو گی۔

علامہ عینی نے اکثر تعلیقات کا ذکر نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر نے تمام تعلیقات ذکر کی ہیں، لیکن اکثر کی شرح نہیں کی تاہم ہم نے اپنے اسلوب کے مطابق ان کی شرح کی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۴۔ تَفۡسِيرُ سُوۡرَةِ النُّوۡرِ

سورۃ النور کی تفسیر

سورۃ النور کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابوالعباس، مقاتل، حضرت ابن الزبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ یہ پوری سورت مدنی ہے اور اس میں انہوں نے کسی اختلاف کا ذکر نہیں کیا ہے اور اس میں چونسٹھ آیات ہیں۔

مِنۡ خِلَالِهٖ مِنۡ بَيۡنِ أَضۡعَافِ السَّحَابِ۔ مِنۡ خِلَالِهٖ اس کا معنی ہے: بادلوں کی تہوں کے درمیان سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِهٖ۔ (النور: ۴۳) پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش ہوتی ہے۔

امام ابوعبیدہ نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے اور خِلَال، خَلَلٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے: درمیان اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلل بارش کی جگہ ہے اور الودق کا معنی ہے: بارش۔

سَنَا بَرۡقِهٖ وَهُوَ الضِّيَاءُ۔ سَنَا بَرۡقِهٖ اس کا معنی ہے: بجلی کی روشنی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَكَادُ سَنَا بَرۡقِهٖ يَذۡهَبُ بِالۡاَبۡصَارِ۝ (النور: ۴۳) قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی آنکھوں کی بینائی لے جائے۝

یعنی بجلی کی روشنی کی شدت اور بجلی کی کڑک کی شدت سے قریب ہے ان کی آنکھیں اچک لی جائیں۔

مُذۡعِنِيۡنَ يُقَالُ لِلۡمُسۡتَخۡذِي مُذۡعِنٌ۔ مُذۡعِنِيۡنَ اس کا معنی ہے: عاجزی کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِنۡ يَّكُنۡ لَّهُمُ الۡحَقُّ يَاۡتُوۡۤا اِلَيۡهِ مُذۡعِنِيۡنَ۝ اور اگر ان کے حق میں فیصلہ ہو تو وہ آپ کی طرف فرماں برداری کرتے ہوئے چلے آتے ہیں۝ (النور: ۴۹)

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ مُذۡعِنِيۡنَ کا معنی ہے: عاجزی کرنے والے اور الجوہری نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: جلدی کرنے والے۔

أَشۡتَاتًا وَشَتّٰى وَشَتَاتٌ وَشَتٌّ وَاحِدٌ۔ اشتاتا اور شَتّٰى و شَتَاتٌ و شَتٌّ ان سب کا ایک معنی ہے، یعنی متفرق اور الگ الگ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا۔ (النور: ۶۱) اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۝

اشتات، شتٌّ کی جمع ہے اور شتٌّ مفرد ہے اور اس کا معنی ہے: متفرق۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سُورَۃٌ أَنْزَلْنَاهَا بَيَّنَّاهَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ سُورَۃٌ أَنْزَلْنٰهَا کا معنی ہے: ہم نے اس سورت کو وضاحت سے بیان کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا۔ (النور:۱)

یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا۔

فَرَضْنٰهَا کا معنی ہے: ہم نے اس کو بیان کیا اور بَيَّنَّاهَا اس کی تفسیر ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ سُمِّيَ الْقُرْآنُ لِجَمَاعَةِ السُّوَرِ وَسُمِّيَتِ السُّورَةُ لِأَنَّهَا مَقْطُوعَةٌ مِنَ الْأُخْرَى فَلَمَّا قُرِنَ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ سُمِّيَ قُرْآنًا۔

حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: قرآن کا نام قرآن اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ متعدد سورتوں کا جامع ہے اور سورت کا نام سورت اس لیے رکھا گیا ہے کہ ہر سورت دوسری سورت سے منقطع ہوتی ہے، پھر جب یہ سورتیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں، تو ان کو قرآن کہا جاتا ہے۔

یہ امام ابوعبیدہ کے قول کے مطابق ہے۔ سورت کا اصطلاحی معنی ہے: یہ قرآن مجید کی چند آیات کا مجموعہ ہے اور سورت کا لغوی معنی منزل اور مرتبہ ہے اور یہ سُؤر سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: کسی چیز کا بقیہ۔ اس میں ہمزہ کو واؤ سے تبدیل کر دیا، یا اس لیے کہ جس طرح کسی چیز کا بقیہ اس کا حصہ ہوتا ہے، اسی طرح سورت بھی قرآن کا حصہ ہے۔

وَقَالَ سَعْدُ بْنُ عِيَاضٍ الثُّمَالِيُّ الْمِشْكَاةُ الْكُوَّةُ بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ۔

اور سعد بن عیاض ثمالی نے کہا کہ مشکاۃ کے لفظ کا معنی طاق ہے، اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔

اس تعلیق میں سعد بن عیاض ثمالی کا ذکر ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں اور تابعین میں سے ہیں۔ مشکاۃ کا دوسرا معنی وہ چیز ہے جس میں قندیل کو لٹکایا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا: مشکاۃ کا معنی قندیل ہے اور ابن کعب نے کہا کہ مشکاۃ سے مراد سینہ ہے اور مِصْبَاح سے مراد ایمان اور قرآن ہے اور زُجَاجَۃ سے مراد اس کا دل ہے اور الشجرۃ المبارکۃ سے مراد اخلاص ہے۔

وَقَوْلُهُ تَعَالَى إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ تَأْلِيفَ بَعْضِهِ إِلَى بَعْضٍ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ فَإِذَا جَمَعْنَاهُ وَأَلَّفْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ أَيْ مَا جُمِعَ فِيهِ فَاعْمَلْ بِمَا أَمَرَكَ وَانْتَهِ عَمَّا نَهَاكَ اللَّهُ وَيُقَالُ لَيْسَ لِشِعْرِهِ قُرْآنٌ أَيْ تَأْلِيفٌ وَسُمِّيَ الْفُرْقَانَ لِأَنَّهُ يُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَيُقَالُ لِلْمَرْأَةِ مَا قَرَأَتْ بِسَلًا قَطُّ أَيْ لَمْ تَجْمَعْ فِي بَطْنِهَا وَلَدًا وَيُقَالُ فِي فَرَضْنَاهَا أَنْزَلْنَا فِيهَا فَرَائِضَ مُخْتَلِفَةً وَمَنْ قَرَأَ فَرَّضْنَاهَا يَقُولُ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامہ:۱۷) اے نبی مکرم! بے شک ہمارے ذمہ ہے قرآن کو آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ سے پڑھوانا ۝ یعنی بعض آیت کو بعض آیت سے ملانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامہ:۱۸) پس جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیجئے ۝ یعنی جب ہم قرآن کو جمع کر دیں اور اس کو مرتب کر دیں تو آپ اس مجموعہ کی پیروی کیجئے، پس جس کا آپ کو حکم دیا ہے اس پر عمل کیجئے اور جس کام سے اللہ نے آپ کو روکا

فَرَضْنَا عَلَيْكُمْ وَعَلَى مَنْ بَعْدَكُمْ۔

ہے اس سے رک جایئے اور شعر کی تالیف کو قرآن نہیں کہا جاتا اور اس کو فرقان بھی فرمایا ہے، کیونکہ یہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرتا ہے اور عورت سے کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی بچہ دانی کو جمع نہیں کیا، یعنی اس کے پیٹ میں بچہ کبھی نہیں آیا۔

امام بخاری نے یہ جو کچھ ذکر کیا ہے، یہ بالکل ظاہر ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ قرآن قَرَءَ سے جَمَعَ کے معنی میں ماخوذ ہے اور قرآن قَرَءَ سے تلاوت کے معنی میں ماخوذ نہیں ہے اور اس تعلیق میں سلاً کا لفظ ہے۔ سلا کا معنی ہے: وہ باریک کھال، جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَرَضْنٰهَا یعنی ہم نے اس میں مختلف فرائض نازل کیے اور جس نے اس آیت کو بغیر تشدید کے پڑھا، فَرَضْنٰهَا تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے یہ احکام تم پر بھی فرض کیے ہیں اور تمہارے بعد والوں پر بھی۔

فَرَّضْنٰهَا میں راء پر تشدید ہے۔ اس کا معنی ہے: ہم نے تم پر مختلف فرائض نازل کیے ہیں اور ان کو تم پر اور تمہارے بعد قیامت تک آنے والوں پر واجب کیا ہے۔ یہ ابن کثیر اور ابی عمرو کی قراءت ہے اور دوسروں کی قراءت بغیر تشدید کے ہے، یعنی فَرَضْنٰهَا ہم نے ان احکام کو فرض کر دیا ہے۔ فرض کا معنی ہے: یعنی ان پر عمل کرنے کو قطعی طور پر لازم قرار دیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا لَمْ يَدْرُوا لِمَا بِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ۔

مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا یعنی یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں (النور: ۳۱) یعنی وہ اپنی کم عمری کی وجہ سے نہیں جانتے۔

امام بخاری نے پوری آیت نہیں لکھی، پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے:

أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ۔ (النور: ۳۱) یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں۔

مجاہد نے کہا: اس سے مراد نابالغ بچے ہیں، جنہیں صرف اپنے کھانے پینے کی فکر ہوتی ہے اور عورتوں کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ أُولِي الْإِرْبَةِ مَنْ لَيْسَ لَهُ أَرَبٌ۔

اور شعبی نے کہا کہ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ کا معنی ہے: وہ لوگ جنہیں عورتوں کی شہوت نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ۔ (النور: ۳۱) یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمہاری خدمت کرتے ہیں اور تمہارا بچا ہوا کھانا کھاتے ہیں اور نہ ان کو عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ عورتوں کی شہوت ہوتی ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يُهِمُّهُ إِلَّا بَطْنُهُ وَلَا يَخَافُ عَلَى النِّسَاءِ وَقَالَ طَاوُسٌ هُوَ الْأَحْمَقُ الَّذِي لَا حَاجَةَ لَهُ فِي النِّسَاءِ۔

اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو صرف اپنے پیٹ کی فکر ہو یعنی صرف کھانے پینے کی اور ان سے عورتوں پر کوئی خطرہ نہ ہو اور طاؤس نے کہا: اس سے وہ احمق لوگ مراد ہیں، جن کو عورتوں کی احتیاج نہ ہو۔

امام بخاری کی اس تعلیق کی امام عبد الرزاق نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے

اس سے وہ خدمت گار مراد ہے جو احمق ہو اور اس کو عورت کی شہوت نہ ہو اور مرد کو اس پر غیرت نہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے وہ احمق مراد ہے جو کھانے پینے کی خواہش تو کرتا ہو لیکن عورتوں کی خواہش نہ کرتا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نامرد ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد شیخ فانی ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا آلہ کٹا ہوا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۰۵۔ ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّآ أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَٰدَٰتٍۭ بِٱللَّهِ ۙ إِنَّهُۥ لَمِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ۝ (النور:٦)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان میں کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O (النور:٦) کی تفسیر

یعنی جو لوگ کسی پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور ان کے پاس اپنے قول کی یا تہمت کی صحت کے اوپر اور کوئی دلیل نہیں ہوتی سوا ان کے اپنے قول کے تو ان سے حد قذف کو صرف چار گواہیاں ساقط کر سکتی ہیں (یعنی چار مرتبہ اللہ کی قسم اٹھا کر شہادت دینا)۔

۴۷۴۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ عُوَيْمِرًا أَتَى عَاصِمَ بْنَ عَدِيٍّ وَكَانَ سَيِّدَ بَنِي عَجْلَانَ فَقَالَ كَيْفَ تَقُولُونَ فِي رَجُلٍ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَصْنَعُ سَلْ لِي رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذَلِكَ فَأَتَى عَاصِمٌ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمَسَائِلَ فَسَأَلَهُ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَرِهَ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا قَالَ عُوَيْمِرٌ وَاللهِ لَا أَنْتَهِي حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذَلِكَ فَجَاءَ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ رَجُلٌ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَصْنَعُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ أَنْزَلَ اللهُ الْقُرْآنَ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ فَأَمَرَهُمَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِالْمُلَاعَنَةِ بِمَا سَمَّى اللهُ فِي كِتَابِهِ فَلَاعَنَهَا ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ حَبَسْتُهَا فَقَدْ ظَلَمْتُهَا فَطَلَّقَهَا فَكَانَتْ سُنَّةً لِمَنْ كَانَ بَعْدَهُمَا فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الزہری نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد کہ حضرت عویمر حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور وہ بنو عجلان کے سردار تھے۔ انہوں نے کہا: تم اس مرد کے متعلق کیا کہتے ہو، جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے مرد کو پائے، آیا اس کو قتل کرے؟ پس تم اس کو قتل کر دو گے (یعنی قصاص میں) یا پھر وہ کیا کرے؟ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لیے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کرو۔ پھر حضرت عاصم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کو ناپسند کیا، پھر حضرت عویمر نے حضرت عاصم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کو ناپسند کیا ہے اور ان سوالات کی مذمت کی ہے۔ حضرت عویمر نے کہا: اللہ کی قسم! میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کروں، پھر حضرت عویمر آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ دوسرے مرد کو پاتا ہے کیا وہ اس کو قتل کر دے تو

اللهِ ﷺ انْظُرُوا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَسْحَمَ أَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ عَظِيمَ الْأَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَلَا أَحْسِبُ عُوَيْمِرًا إِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أُحَيْمِرَ كَأَنَّهُ وَحَرَةٌ فَلَا أَحْسِبُ عُوَيْمِرًا إِلَّا قَدْ كَذَبَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى النَّعْتِ الَّذِي نَعَتَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ تَصْدِيقِ عُوَيْمِرٍ فَكَانَ بَعْدُ يُنْسَبُ إِلَى أُمِّهِ۔

آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے (یعنی قصاص میں) یا پھر وہ کیا کرے؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق قرآن میں حکم نازل فرمایا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو لعان کرنے کا حکم دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے، پھر حضرت عویمر نے اپنی بیوی سے لعان کیا، پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! اب اگر میں نے اس کو اپنے نکاح میں رکھا تو میں اس پر ظلم کرنے والا ہوں گا، پھر انہوں نے اس کو طلاق دے دی، اس کے بعد جو لعان کرنے والے ہیں ان کے لیے یہ طریقہ مقرر ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھو! اگر اس عورت کے کالا بہت کالی پتلیوں والا بھاری سرین اور بھری ہوئی پنڈلیوں والا بچہ پیدا ہو تو پھر میرا گمان ہے کہ عویمر نے اس کے اوپر صحیح الزام لگایا تھا اور اگر اس کا سرخ گرگٹ جیسا بچہ پیدا ہوا تو پھر گمان ہے کہ عویمر نے اپنی بیوی پر جھوٹا الزام لگایا تھا، پھر اس عورت کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جس کی رسول اللہ ﷺ نے ایسی صفات بیان کی تھیں، جن سے حضرت عویمر کی تصدیق ہوتی تھی، پھر اس بچے کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جاتی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۲۳ میں گزر چکی ہے۔

ہر چند کہ اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری ۴۲۳ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں۔

حضرت عاصم بن عدی کے سوال کو ناپسند کرنے کی وجوہ

نبی ﷺ نے حضرت عاصم کے سوال کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ انہوں نے ایسے معاملہ کے متعلق سوال کیا تھا، جس کا ابھی تک وقوع نہیں ہوا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عویمر نے اپنی بیوی کے پاس دوسرے مرد کو دیکھا، سو اس بات سے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی عزت پر حرف آیا اور یہودیوں اور منافقین کو مسلمانوں کی عزت کے خلاف حرف گیری کا موقع ملا۔

ملاعنہ کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عویمر اور ان کی بیوی کو ایک دوسرے پر لعان کرنے کا حکم دیا۔

مرد اپنی بیوی سے اس طرح لعان کرے گا کہ مرد یوں کہے گا کہ اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں تو اللہ کی مجھ پر لعنت ہو اور عورت چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ خاوند سچوں میں سے ہو۔

ان قسموں کو لعان اس لیے فرمایا ہے کہ ان میں ہر ایک نے دوسرے پر لعنت کی ہے اور لعنت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کی بد دعا دینا اور اس لیے کہ اس لعان کے بعد ہر ایک اپنے صاحب سے بعید اور دور ہو جائے گا اور ان کے درمیان نکاح دائماً حرام ہو جائے گا۔ لعان کا یہ واقعہ شعبان نو ہجری میں واقع ہوا، اس تاریخ کو قاضی عیاض نے طبری سے نقل کیا ہے۔ لعان کا واقعہ حضرت عویمر العجلانی اور حضرت ہلال بن امیہ دونوں کے درمیان ہوا ہے۔ جمہور علماء نے کہا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے لعان حضرت ہلال بن امیہ نے کیا تھا۔ حضرت ہلال بن امیہ کے لعان کا واقعہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور حضرت عویمر کے لعان کے واقعہ کی روایت حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے ہے۔

حدیث مذکورہ سے مستنبط مسائل، لعان کے مختلف شرعی احکام اور ائمہ مجتہدین کے اقوال

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے واقع ہونے سے پہلے بھی اس کے متعلق سوال کیا جا سکتا ہے تا کہ اس کا حکم معلوم ہو۔ (۲) جو صاحب اختیار اور حکم نافذ کرنے کا اختیار رکھتا ہو، اس سے یہ سوال کرنا چاہیے۔ (۳) احکام کو ظاہر پر محمول کرنا چاہیے اور دلوں کی بات کو جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ (۴) جن مسائل کے سوال کی حاجت نہ ہو، ان کے متعلق سوال نہیں کرنا چاہیے خاص طور پر جب اس سے کسی مسلمان مرد یا عورت کی عزت کی پردہ دری ہو یا کسی مسلمان مرد یا عورت کی طرف بدکاری کی نسبت ہو۔ (۵) اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی شخص کسی مرد کو قتل کر دے اور اس کا یہ زعم ہو کہ اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی ہے تو جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے قصاص لینا لازم ہے سوا اس صورت کے کہ چار نیک مرد یہ گواہی دیں کہ اس شخص نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے اور وہ شخص شادی شدہ ہو اور اگر وہ شخص صادق ہو تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی جرم نہیں ہے۔ (۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسئلہ معلوم کرنے کے لیے عالم کے گھر کی طرف از خود جانا چاہیے، نہ یہ کہ عالم دین کا مسجد میں یا راستہ میں ملاقات کا انتظار کیا جائے۔ (۷) اس حدیث سے لعان کا جواز ثابت ہوتا ہے (یعنی زوجین کا باہم ایک دوسرے پر لعنت کرنا) اور یہ قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (النور: ۷)

اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو، اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ○

(۸) لعان کا فعل حاکم یا قاضی اور لوگوں کے مجمع کے سامنے انجام پانا چاہیے اور یہ لعان میں شدت کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں: لعان میں وقت، جگہ اور لوگوں کے مجمع سے شدت پیدا کی جاتی ہے، چنانچہ وقت یہ ہے کہ یہ فعل عصر کی نماز کے بعد ہو اور اس کے لیے شہر کی کسی بلند جگہ کا انتخاب کیا جائے اور مجمع یہ ہے کہ لوگوں کا گروہ وہاں موجود ہو جس کی کم سے کم تعداد چار ہے۔ رہا یہ کہ لعان میں یہ شدتیں واجب ہیں یا مستحب؟ سو اس بارے میں اختلاف ہے، ہمارے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ شدتیں مستحب ہیں۔ (۹) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زوجین کے درمیان محض لعان سے جدائی واقع نہیں ہوتی، بلکہ حاکم کے فیصلہ سے واقع ہوتی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا موقف ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے لعان کرنے کے بعد طلاق بھی دی، (جیسا کہ صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث میں صراحۃً مذکور ہے) اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے کہ: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق فرما دی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۹۴)، اس سے معلوم ہوا کہ محض لعان سے جدائی واقع نہیں ہوتی۔ سفیان ثوری اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ جب کہ امام مالک کی فقہ میں اس بارے میں چار اقوال منقول ہیں: (۱) جدائی اس وقت واقع ہوگی جب دونوں لعان کر لیں۔ (۲) دوسرا

قول یہ ہے کہ شوہر کے لعان کر لینے سے جدائی واقع ہو جائے گی۔ مؤطا میں بھی امام مالک کا ظاہر قول ہے۔ (۳) تیسرا قول علامہ سحنون کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جدائی اس وقت واقع ہوگی جب شوہر کی طرف سے لعان پایا جائے اور عورت کی طرف سے نکول (قسم اٹھانے سے انکار)۔ (۴) اور چوتھا قول علامہ ابن القاسم کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے لعان سے جدائی واقع ہو جائے گی بہ شرط یہ کہ عورت بھی لعان کرے۔ خلاصہ یہ کہ فقہ مالکی میں لعان کے بعد جدائی کے لیے نہ حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہے، نہ شوہر کے طلاق دینے کی۔ امام زفر، اوزاعی، لیث اور ابوعبید بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ شوہر کے لعان کر لینے سے جدائی واقع ہو جائے گی، پھر ائمہ کے درمیان ایک اختلاف یہ بھی ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان جو جدائی ہے، وہ فسخ ہے یا طلاق؟ سو امام ابوحنیفہ، ابراہیم نخعی اور سعید بن المسیب کے نزدیک یہ ایک طلاق کے حکم میں ہے، جب کہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ فسخ کے حکم میں ہے۔

(۱۰) حدیث میں چونکہ یہ فرمایا کہ ''لعان کرنے والوں کے درمیان یہ طریقہ مقرر ہو گیا'' تو اس سے معلوم ہوا کہ لعان کرنے والے زوجین کے درمیان آئندہ کبھی ملاپ نہیں ہوسکتا۔ (۱۱) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مشابہت کے ذریعہ قیاس کیا جا سکتا ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر کی تصدیق کے معاملہ میں بچہ کی شباہت پر اپنے اندازہ کو موقوف فرمایا، البتہ حکم اس لیے جاری نہیں فرمایا کہ مشابہت سے زیادہ قوی چیز موجود تھی، یعنی قسمیں اٹھا کر لعان کرنا اور جب قوی چیز موجود ہو تو اندازے اور ظاہری مشابہت پر فیصلہ نہیں کیا جاتا جیسے زمعہ کی باندی کا بیٹا اگرچہ عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ تھا، مگر اس کے باوجود آپ نے ''الولد للفراش'' کے قوی اصول کی بنا پر یہی فیصلہ فرمایا کہ یہ زمعہ کا بیٹا ہے، نہ کہ عتبہ بن ابی وقاص کا، مگر چونکہ وہ لڑکا عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ تھا اس لیے احتیاطاً آپ نے ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ کو اس لڑکے سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا۔ (صحیح بخاری: ۲۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۵۷) اس سے بھی یہی واضح ہوا کہ مشابہت کے مقابلہ میں کوئی قوی چیز موجود ہو تو ظاہری مشابہت اور اندازے پر فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ (۱۲) حدیث لعان سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ لعان شدہ عورت اور اس کا بیٹا دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، کیونکہ اس حدیث کا آخری جملہ یہ ہے کہ: حضرت عویمر کی تصدیق ہو جانے کے بعد وہ بچہ اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اور اگلی حدیث (صحیح البخاری: ۴۷۴۶) میں صراحتہً یہ بات آ رہی ہے کہ لعان کے بعد میراث کے معاملہ میں یہ طریقہ مقرر ہو گیا کہ وہ بچہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور وہ عورت اپنے بچہ کی وارث ہوگی، اور اس کے لیے بچہ کے مال میں وہی حصہ ہوگا جو اس کے لیے اللہ عزوجل نے مقرر فرمایا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر اس بچہ کے مال میں صرف وہ عورت ہی وارث ہو تو عصبہ کے طور پر تمام مال اسی کو ملے گا اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ تنہا ہونے کی صورت میں تمام مال اسے ملے گا مگر عصبہ ہونے کی بناء پر نہیں، بلکہ ایک تہائی حصہ مقدار فرض کے طور پر اور بقیہ مال رد کے قاعدہ سے اسے دیا جائے گا۔ (۱۳) لعان کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ زوجین کے درمیان ہو (یعنی ایسے دو افراد کے درمیان جن میں نکاح صحیح کے ساتھ رشتہ زوجیت قائم ہوا ہو) کیونکہ اللہ عزوجل نے النور: ۶ میں وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ فرما کر لعان کو زوجین کے ساتھ خاص فرمایا ہے، لہٰذا اگر نکاح فاسد کے بعد مرد، عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو لعان نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نکاح فاسد کی وجہ سے یہ دونوں آپس میں زوجین نہیں ہیں۔ اسی طرح طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دینے کے بعد شوہر نے زنا کی تہمت لگائی، تب بھی لعان نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر طلاق رجعی دی ہو اور پھر زنا کی تہمت لگائی تو لعان واجب ہوگا۔ اسی طرح شوہر نے عورت پر شادی سے پہلے زنا کی تہمت لگائی تب بھی لعان واجب ہوگا، کیونکہ آیت مبارکہ (النور: ۶) میں عموم ہے، البتہ امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں لعان نہیں ہے۔ اس کے برعکس

اگر کوئی شخص اپنی عورت پر اس کے مرنے کے بعد زنا کی تہمت لگائے تو ہمارے نزدیک اس شخص پر لعان کا حکم نہیں ہے، جب کہ امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ وہ شخص عورت کی قبر پر لعان کرے گا۔ (۱۴) اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زنا کی تہمت لگانے کے باوجود آدمی پر تہمت کی حد جاری نہیں ہوگی، کیونکہ قسمیں کھانے کے سبب اس سے حد ساقط ہوگئی۔ (۱۵) ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ لعان کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ شوہر کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ نہ ہوں، کیونکہ اسی آیت میں اللہ عزوجل نے فرمایا: وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ (النور: ٦) ''اور ان کے پاس خود ان کے سوا کوئی گواہ نہ ہو''۔ لہٰذا اگر شوہر نے عورت کے زنا کرنے پر شرعی گواہ قائم کر دیئے تو اب لعان واجب نہیں ہوگا بلکہ عورت پر حد جاری کی جائے گی۔ (۱۶) اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ لعان کے واجب ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت اپنی ذات سے زنا کا انکار کرے، لہٰذا اگر وہ انکار کرنے کے بجائے زنا کا اقرار کرلے تو بھی لعان کا حکم نہیں ہوگا، بلکہ عورت پر زنا کی حد جاری ہوگی اور زنا کی حد شرعی یہ ہے کہ اگر عورت محصنہ ہو تو اسے رجم کیا جائے گا اور اگر غیر محصنہ ہو تو اسے سو کوڑے لگائے جائیں گے (زنا کے باب میں محصنہ سے مراد ایسی عورت ہے جو آزاد ہو، باندی نہ ہو، عاقلہ اور بالغہ ہو، مسلمان ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ اس سے دخول کیا گیا ہو۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی دونوں اس پر متفق ہیں)۔ (القاموس الفقہی ص ۹۲)

(عمدۃ القاری موضحاً و شرحاً ج ۱۰ ص ۱۱۰، ۱۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

لعان کے بعد وقوع طلاق کا جواز اور شرح صحیح مسلم میں اس کی تحقیق

لعان کے ان مسائل میں جو مسئلہ زیادہ اہم ہے، وہ یہ ہے کہ زوجین کے درمیان آیا محض لعان سے ہی جدائی واقع ہو جاتی ہے یا شوہر کے طلاق دینے یا حاکم کے فیصلہ سے جدائی واقع ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ موقف بہت واضح ہے کہ لعان سے زوجین کے درمیان صرف مجامعت حرام ہو جاتی ہے، زوجیت کا رشتہ اس سے ختم نہیں ہوتا۔ اس کے لیے یا تو حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے، یا یہ کہ شوہر از خود طلاق دے کر عورت کو جدا کرے۔ علامہ عینی نے مذکورہ عبارت میں مسئلہ: ۹ کے تحت امام ابو حنیفہ کے اس موقف کو بہت جامع انداز میں بیان کیا ہے، تاہم اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لیے ہمارے قارئین کو اس مقام پر شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۱۵۰ تا ۱۱۵۲ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں استاذ مکرم محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مدظلہ العالی نے امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے اس موقف پر بہت دلائل کے ساتھ بحث کی ہے اور غیر مقلدین کی طرف سے اس مسئلہ پر تین طلاقوں کے حوالہ سے جو خدشات اور اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں، ان کا بھرپور ازالہ کیا ہے۔

لعان کرنے والے مرد و عورت کے درمیان آئندہ کبھی نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء احناف کا اختلاف اور مفتیٰ بہ قول پر دلائل

گزشتہ عبارت میں علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمہ نے مسئلہ: ۱۰ کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ لعان کرنے والے زوجین کے درمیان کبھی ملاپ نہیں ہوسکتا اور اس کی تفصیل نہیں فرمائی کہ اس بارے میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے اور فقہ حنفی میں اس بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ سو ہم یہاں مسئلہ کی وضاحت کے لیے ملک العلماء علامہ علاء الدین کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ کی ایک عبارت پیش کر رہے ہیں:

علامہ کاسانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ایسی چیز جس سے لعان کا حکم باطل ہو جائے اس کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ لعان سے جو جدائی واقع ہوتی ہے وہ ایک طلاق بائن کے ساتھ ہوتی ہے، اس لیے اس سے

نکاح کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے اور وطی کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور جب تک وہ دونوں لعان کی حالت پر برقرار رہیں ان کا باہمی نکاح بھی جائز نہیں، البتہ اگر شوہر اپنے آپ کو جھٹلا دے (اور عورت کو تہمت سے بری کر دے) اور اپنے آپ کو جھٹلانے کے سبب اس پر حد قذف جاری ہو جائے یا عورت اپنی قسموں کو جھٹلا دے اور شوہر کے دعویٰ کی تصدیق کر دے تو اب دونوں کا باہمی نکاح جائز ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف، امام زفر اور حضرت حسن بن زیاد کا موقف یہ ہے کہ لعان ایک ایسی جدائی ہے جو طلاق کے بغیر ہے اور اس سے زوجین کے درمیان ابدی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، جیسے رضاعت اور مصاہرت سے ابدی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ان ائمہ کا استدلال نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ہے کہ: متلاعنان (لعان کرنے والے زوجین) آپس میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۷۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۰۹) صحابہ کرام کی ایک جماعت جیسے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور دیگر سے بھی یہی منقول ہے کہ لعان کرنے والے زوجین آئندہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت عویمر رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کے درمیان لعان کروا دیا تو حضرت عویمر نے عرض کی: یا رسول اللہ! اب اگر اس عورت کو میں اپنے پاس رکھوں تو میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا، لہٰذا (میری طرف سے) اس کو تین طلاقیں ہیں۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ: اگر میں اس سے جدائی اختیار نہ کروں تو میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا، لہٰذا اس پر تین طلاقیں ہیں۔ سو لعان کرنے کے بعد طلاق دینا لعان کرنے والوں کے لیے ایک طریقہ قرار پایا، کیونکہ حضرت عویمر نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لعان کرنے کے بعد اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر لعان کرنے والا شخص اپنی عورت کو طلاق بھی دے (تاکہ دونوں میں تفریق ہو سکے)، اگر وہ طلاق نہ دے تو پھر تفریق کے لیے قاضی اس کا قائم مقام ہے، لہٰذا قاضی کا تفریق کرانا طلاق قرار پائے گا، جیسے عنین (نامرد) کے مسئلہ میں قاضی کی تفریق طلاق کے حکم میں ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ لعان میں جو جدائی ہے اس کا سبب قذف ہے، یعنی شوہر کا عورت پر زنا کا الزام لگانا، کیونکہ اس الزام لگانے سے ہی لعان واجب ہوتا ہے اور لعان تفریق کرنے کو واجب کرتا ہے (یعنی جدا کرنے کو) اور جدا کرنا فرقت کو واجب کرتا ہے (یعنی جدا ہونے کو) سو ان تمام واسطوں کے ذریعہ زوجین کے درمیان جو جدائی ہے وہ اصلاً شوہر کے قذف ہی کی طرف منسوب ہے اور ہر وہ جدائی جو شوہر کی طرف سے ہو یا شوہر کا کوئی فعل اس کا سبب بنے تو وہ جدائی طلاق کے حکم میں ہوتی ہے، جیسے عنین، خلع اور ایلا، وغیرہ میں جدائی طلاق کے حکم میں ہے، متقدمین ائمہ جیسے حضرت ابراہیم نخعی، حسن بصری، سعید بن جبیر اور قتادہ وغیرہم بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہر وہ فرقت جو شوہر کی طرف سے ہو وہ طلاق ہے۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں فرمایا کہ متلاعنان آپس میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے، تو اس کے حقیقی معنی پر عمل ممکن نہیں ہے، کیونکہ متلاعنان کا لفظ باب تفاعل سے ہے، جس کا حقیقی معنی ہے: عملاً کسی کام میں مشغول ہونا، (اس اعتبار سے حدیث کا معنی ہو گا کہ دونوں لعان کرنے والے جب لعان کرنے میں مشغول ہوں تو آپس میں جمع نہیں ہو سکتے، اور یہ ظاہری معنی ممکن نہیں کیونکہ جب دونوں لعان کرنے میں مشغول ہوتے ہیں تو اس وقت دونوں جمع بھی ہوتے ہیں اور نکاح بھی برقرار ہوتا ہے) اور جب دونوں لعان سے فارغ ہو جاتے ہیں تو وہ متلاعن رہتے ہی نہیں ہیں، لہٰذا حدیث میں متلاعنان سے مراد حکم لعان ہو گا اور مفہوم یہ ہو گا کہ دونوں اس وقت تک جمع نہیں ہو سکتے جب تک لعان کا حکم دونوں پر ثابت رہے، پس اگر شوہر اپنے آپ کو جھٹلا دے اور اس پر حد قذف جاری ہو جائے تو اب اس سے لعان کا حکم زائل ہو جائے گا اور یوں وہ حقیقۃً متلاعن رہے گا نہ حکماً، لہٰذا اب دونوں کا باہمی

نکاح جائز ہو جائے گا، اس کی نظیر یہ ہے کہ اصحاب کہف کے واقعہ میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ (الکہف: ۲۰)

بے شک اگر وہ لوگ تم پر آگاہ ہو گئے تو وہ تم پر پتھراؤ کریں گے یا تمہیں اپنی ملت میں لوٹا دیں گے اور اس صورت میں تمہیں ہرگز کبھی فلاح نہیں ملے گی ۝

یعنی اگر تم نے ان کی ملت اختیار کر لی تو جب تک ان کی ملت پر رہو گے تمہیں فلاح اور کامیابی نصیب نہیں ہوگی۔ اسی معنی و مفہوم میں یہ حدیث ہے کہ لعان کرنے والے جب تک لعان کے حکم میں رہیں، کبھی آپس میں نکاح نہیں کر سکتے اور جب دونوں سے یا کسی ایک سے بھی لعان کا حکم زائل ہو جائے تو متلاعن نہ رہنے کے سبب دونوں کا باہم نکاح جائز ہے۔

(بدائع الصنائع ،موضحاً ج ۵ ص ۵۴۔ ۵۳، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ،۱۴۱۸ھ)

فقہ حنفی میں اسی پر فتویٰ ہے کہ لعان کا حکم زائل ہونے کی صورت میں دونوں کا آپس میں نکاح جائز ہے، کیونکہ لعان سے زوجین کے درمیان ابدی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۲ھ فتاویٰ عالم گیری اور در مختار کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

لعان وتفریق کے بعد پھر اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا جب تک دونوں اہلیت لعان رکھتے ہوں اور اگر لعان کی کوئی شرط دونوں یا ایک میں مفقود ہوگئی تو اب باہم نکاح کر سکتے ہیں، مثلاً شوہر نے اس تہمت میں اپنے کو جھوٹا بتایا اگرچہ صراحۃً یہ نہ کہا ہو کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی، مثلاً وہ بچہ جس کا انکار کر چکا تھا مر گیا اور اس نے مال چھوڑا، ترکہ لینے کے لیے یہ کہتا ہے کہ وہ میرا بچہ تھا تو حد قذف قائم ہوگی اور اس کا نکاح اس عورت سے اب ہو سکتا ہے اور اگر حد قذف نہ لگائی گئی جب بھی نکاح ہو سکتا ہے۔

(بہار شریعت ،حصہ ۸،ص ۶۱ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ،لاہور)

۲۔ بَابٌ: وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (النور: ۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ۝ (النور: ۷) کی تفسیر

یعنی اگر ابتداءً چار مرتبہ شوہر اس بات پر قسم اٹھا کر شہادت دے کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں اس تہمت کے لگانے میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس کے بعد عورت سے قسمیں لی جائیں گی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔

۴۷۴۶۔ حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا رَأَى مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَأَنْزَلَ اللهُ فِيهِمَا مَا ذُكِرَ فِي الْقُرْآنِ مِنَ التَّلَاعُنِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ قُضِيَ فِيكَ وَفِي امْرَأَتِكَ قَالَ فَتَلَاعَنَا وَأَنَا شَاهِدٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَفَارَقَهَا فَكَانَتْ سُنَّةً أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے سلیمان بن داؤد ابو الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح نے از الزہری از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کی کہ: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ یہ بتائیں کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ مرد کو پائے تو کیا وہ اسے قتل کر دے اور پھر اس کے نتیجہ میں آپ (قصاص کے طور پر) اس شخص کو قتل کر دیں گے، یا پھر اس آدمی کو کیا کرنا چاہیے؟ تو ایسے مرد وعورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وہ

الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَكَانَتْ حَامِلًا فَأَنْكَرَ حَمْلَهَا وَكَانَ ابْنُهَا يُدْعَى إِلَيْهَا ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْمِيرَاثِ أَنْ يَرِثَهَا وَتَرِثَ مِنْهُ مَا فَرَضَ اللهُ لَهَا۔

آیات نازل فرمائیں جن میں لعان کا ذکر ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے (سوال کرنے والے) شخص سے فرمایا: تمہارے بارے میں اور تمہاری بیوی کے بارے میں فیصلہ کیا جاچکا ہے، راوی نے کہا: پس دونوں نے آپس میں لعان کیا اور میں (اس وقت) رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا، پھر آپ نے دونوں میں جدائی کروادی اور اس کے بعد یہی طریقہ مقرر ہوگیا کہ دونوں لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی کرادی جائے (اس واقعہ میں) عورت حاملہ تھی، پس انہوں نے (اپنی زوجہ کے) حمل کا (بھی) انکار کردیا اور اس عورت کا (وہ) بیٹا اس عورت کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، پھر میراث کے معاملہ میں یہ طریقہ رائج ہوگیا کہ (ایسا) لڑکا اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں (بھی) اس کے مال میں اس حصہ کی وارث ہوگی جو اللہ عزوجل نے اس کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح، صحیح البخاری: ۴۲۳ اور گزشتہ حدیث: ۴۷۴۵ کے تحت گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور حسب ذیل ہیں:

علامہ نووی کا یہ استدلال کہ محض لعان سے جدائی واقع ہوجاتی ہے اور دلائل سے اس نظریہ کا رد

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے دو سندوں سے روایت کیا ہے، ایک از اسحاق از محمد بن یوسف، جو کہ رقم الحدیث: ۴۷۴۵ کے تحت گزر چکی اور دوسری از سلیمان بن داؤد از فلیح، جو کہ زیر بحث ہے، اور فلیح کا مکمل نام ابو یحییٰ عبدالملک بن سلیمان الخزاعی ہے اور ان کا لقب فلیح ہے۔

اس حدیث میں جو فرمایا کہ: ایک شخص حاضر ہوا، اس سے مراد حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ ہیں، اور یہ جملہ کہ: اس کے بعد یہی طریقہ مقرر ہوگیا کہ دونوں لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی کرادی جائے، اس کی تاویل میں علامہ ابن نافع المالکی نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لعان کے بعد طلاق دینا مستحب ہے، جب کہ علامہ نووی نے جمہور کے حوالہ سے کہا ہے کہ اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ محض لعان سے ہی زوجین کے درمیان جدائی حاصل ہوجاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جدائی کے لیے حاکم کا فیصلہ ضروری ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عویمر کو لعان کے بعد فرمایا: تم اس (عورت) کو طلاق دے دو۔ (اس سے معلوم ہوکہ محض لعان سے جدائی واقع نہیں ہوتی)۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۱۱۔ ۱۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ نووی نے جمہور کا جو استدلال پیش کیا ہے اس کے جواب میں علامہ عینی کا کلام اطمینان بخش نہیں ہے، کیونکہ جو جملہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کے حوالہ سے پیش کیا ہے کہ: "آپ نے حضرت عویمر سے فرمایا: تم اس (عورت) کو طلاق دے دو"۔ اس پر علامہ عینی نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ یہ جملہ کس حدیث میں مذکور ہے، جب کہ اس کے برخلاف کئی احادیث میں صراحت موجود ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے حکم فرمانے سے پہلے ہی عورت کو طلاق دے دی۔ (دیکھیے: صحیح بخاری: ۵۲۵۹۔ ۵۳۰۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵) اور خود علامہ عینی نے اس اعتراض وجواب سے چند سطر پہلے یہ بات لکھی ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم فرمانے سے پہلے ہی عورت کو تین طلاقیں دے دیں، اس لیے جمہور کے استدلال کا صحیح جواب یہ ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی کروانے کا جو طریقہ مقرر ہوا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ محض لعان سے جدائی واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر نفس لعان سے جدائی واقع ہو جاتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں میں جدائی کروانے کی ضرورت پیش نہ آتی اور نہ ہی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو لعان کے بعد طلاق کی ضرورت پیش آتی، مگر لعان کرنے کے بعد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ کہ اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طلاقوں کو نافذ بھی فرما دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰) اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ محض لعان سے جدائی واقع نہیں ہوتی۔

محض حمل کا انکار کرنے پر لعان کرنا واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کے اقوال اور احناف کے موقف پر دلائل

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث میں راوی نے کہا: وہ عورت حمل سے تھی پس، انہوں نے (یعنی حضرت عویمر نے) اس کے حمل کا انکار کر دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حمل کے انکار پر لعان کروانا جائز ہے۔ ابن ابی لیلیٰ، امام مالک، ابوعبیدہ اور امام ابو یوسف اپنی ایک روایت کے مطابق اسی کے قائل ہیں۔ ان سب کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنی زوجہ کے حمل سے انکار کر دے، اس کے اور اس کی عورت کے درمیان قاضی لعان کروائے گا اور بچہ کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دے گا، جب کہ سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اپنے قول مشہور کے مطابق، امام محمد، امام احمد ایک قول کے مطابق، مالکیہ میں سے ابن الماجشون اور امام زفر کا موقف یہ ہے کہ حمل کے انکار پر لعان نہیں ہے۔ رہا یہ کہ حمل سے انکار کے بعد چھ مہینے مکمل ہونے پر ولادت ہوتی ہو یا چھ مہینے سے پہلے، سو امام ابوحنیفہ اور امام زفر کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (یعنی ان دونوں صورتوں میں لعان نہیں ہوگا) جب کہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام احمد کا موقف یہ ہے کہ حمل سے انکار کے بعد چھ ماہ سے کم میں ولادت ہو جائے تو لعان واجب ہوگا، کیونکہ اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ انکار کے وقت حمل موجود تھا اور اگر چھ ماہ سے زائد میں پیدا ہوا تو لعان نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ حمل بعد میں ٹھہرا ہو اور انکار پہلے ہی کر دیا گیا ہو۔

اس مسئلہ میں جو علماء لعان کے قائل نہیں ہیں انہوں نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے انکار حمل کا جواب یہ دیا ہے کہ ان کے اور ان کی زوجہ کے درمیان جو لعان ہوا ہے وہ حمل سے انکار کرنے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ انہوں نے اپنی عورت پر زنا کا جو دعویٰ کیا اس کی وجہ سے یہ لعان ہوا ہے اور دوسرا یہ کہ حمل کا ہونا ایک امکانی چیز تھی کیونکہ عورت سے کسی ایسے فعل کا صادر ہونا جس سے اسے حمل ٹھہرنا ممکن ہو یہ اس کے حمل کی یقینی دلیل نہیں ہے، اس لیے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا حمل سے انکار ایک امکانی اور غیر یقینی چیز کا انکار کرنا تھا اور غیر یقینی چیز کے انکار سے لعان واجب نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ ھ اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا اختلاف اور دلائل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب شوہر یہ کہے کہ: تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے، تو اس صورت میں دونوں کے درمیان لعان نہیں ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام زفر کا قول ہے، کیونکہ حمل کا قیام یقینی چیز نہیں ہے، اس لیے شوہر اپنے اس جملہ سے عورت پر زنا کی تہمت لگانے والا قرار نہیں پائے گا۔ جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا موقف یہ ہے کہ حمل کا انکار کرنے کے بعد اگر چھ ماہ سے کم میں ولادت ہو جائے تو لعان واجب ہوگا، کیونکہ اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ انکار کے وقت حمل موجود تھا اور جب حمل موجود تھا تو شوہر کی طرف سے عورت پر قذف (زنا کا

الزام) متحقق ہوگیا۔ امام ابوحنیفہ اور امام زفر کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر نے جس وقت حمل سے انکار کیا اس وقت وہ قذف نہ بن سکا تو یہ معلق بالشرط کی طرح ہوگیا، یعنی شوہر نے گویا عورت سے یوں کہا کہ: اگر تجھے حمل ہو تو وہ مجھ سے نہیں ہے، اور جب شوہر کا جملہ شرط پر موقوف ہوگیا تو یہ قذف نہیں بن سکتا، کیونکہ قذف کو معلق بالشرط کرنا درست نہیں ہے۔

(الہدایہ مع فتح القدیر ج ۴ ص ۲۶۲ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فقہ حنفی میں فتویٰ اسی قول پر ہے کہ محض حمل کا انکار کرنے پر لعان نہیں ہے، البتہ حمل کے انکار کے ساتھ ساتھ عورت پر زنا کا صراحۃً الزام لگایا تو اب لعان کیا جائے گا، اسی طرح بچہ پیدا ہونے پر کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہے تب بھی لعان ہوگا اور لعان کے بعد بچہ کو ماں کی طرف منسوب کر کے ماں کے ساتھ ہی لاحق کر دیا جائے گا، جیسا کہ صحیح بخاری کی زیر بحث احادیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ اس عورت کا بیٹا اسی عورت کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث بھی بہت واضح ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی عورت کے درمیان لعان کروایا، کیونکہ مرد نے اس عورت کے بیٹے کا انکار کر دیا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (لعان کے بعد) ان دونوں میں تفریق فرما دی اور اس لڑکے کو عورت کے ساتھ لاحق فرما دیا۔

(صحیح بخاری: ۴۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۹، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹)

لعان والی عورت اور اس کی اولاد کا آپس میں ایک دوسرے کا وارث ہونا

صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کے آخر میں فرمایا: پھر میراث کے معاملہ میں یہ طریقہ رائج ہوگیا کہ (ایسا) لڑکا اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں (بھی) اس کے مال میں اس حصہ کی وارث ہوگی جو اللہ عزوجل نے اس کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: اس جملہ کا خلاصہ گزشتہ باب کی حدیث کے تحت گزر چکا ہے اور تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ اس بچہ کے اس کی ماں کی جانب سے جو اصحاب فروض رشتہ دار ہیں (یعنی ایسے لوگ جن کے حصے مقرر ہیں) وہ سب اس بچے کے وارث ہوں گے اور وہ بچہ ان کا وارث ہوگا۔ اور ایسے رشتہ دار اس بچے کے ماں شریک بھائی بہن اور اس کی نانیاں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

زیر بحث جملہ کے آخر میں جو فرمایا کہ: ماں اس بچہ کے مال میں اس حصہ کی وارث ہوگی جو اللہ عزوجل نے اس کے لیے مقرر فرمایا ہے، اس سے مراد میراث کے وہ حصے ہیں جو شریعت میں ماں کے لیے طے کر دیئے گئے ہیں، اور یہ کل تین حصے ہیں:

(۱) سدس (چھٹا حصہ): یہ حصہ اس صورت میں ہے جب مرنے والے کی اولاد یا پوتا پوتی یا دو یا دو سے زائد بھائی بہن (خواہ سگے ہوں یا سوتیلے) موجود ہوں۔

(۲) ثلث الکل (کل مال کا تہائی حصہ): یہ اس صورت میں ہے جب مذکورہ افراد میں سے کوئی بھی نہ ہو اور زوجین میں سے بھی کوئی نہ ہو، تو اس صورت میں کل مال کا تہائی ماں کو دیا جائے گا۔

(۳) ثلث مابقی (بقیہ مال کا ایک تہائی): یہ اس صورت میں ہے جب زوجین میں سے کوئی موجود ہو تو اس کو اس کا فرض حصہ دینے کے بعد باقی بچے ہوئے مال میں سے ایک تہائی حصہ ماں کو دیا جائے گا۔

(السراجی مع الشریفیہ ص ۳۰۔۲۹، مکتبہ حقانیہ پشاور، در مختار مع رد المحتار ج ۱۰ ص ۴۲۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اور گزشتہ حدیث کی شرح میں علامہ عینی کے حوالہ سے ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول لکھ چکے ہیں کہ اگر اس بچے کا سوائے اس کی ماں کے کوئی اور وارث نہ ہو تو سارا مال ماں کو ملے گا، مگر اس طرح کہ ایک تہائی حصہ مقدار فرض کے طور پر اور بقیہ مال رد کے قاعدے

سے دیا جائے گا۔

٣۔ بَابٌ: وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ (النور: ٨)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے O (النور: ٨) کی تفسیر

٤٧٤٧۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِشَرِيكِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْبَيِّنَةَ أَوْ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ الْبَيِّنَةَ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ فَلَيُنْزِلَنَّ اللهُ مَا يُبَرِّئُ ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَّفُوهَا وَقَالُوا إِنَّهَا مُوجِبَةٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَكَّأَتْ وَنَكَصَتْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ قَالَتْ لَا أَفْضَحُ قَوْمِي سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَبْصِرُوهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيكِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَجَاءَتْ بِهِ كَذَلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْلَا مَا مَضَى مِنْ كِتَابِ اللهِ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے از ہشام بن حسان حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، ہمیں عکرمہ نے از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ حدیث بیان کی کہ: حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ (زنا کرنے کی) تہمت لگائی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اپنے اس دعویٰ پر) گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پشت پر حد لگائی جائے گی، تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی شخص کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ ملوث پائے تو کیا (اس وقت) وہ گواہ تلاش کرنے جائے؟ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ گواہ لے کر آؤ ورنہ تمہاری پشت پر حد جاری کی جائے گی، پس حضرت ہلال نے کہا: جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس کی قسم! بے شک میں (اپنے دعویٰ میں) ضرور سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور ایسی آیت نازل فرمائے گا جو میری پشت کو حد سے بری کردے گی، سو (اس کے بعد) حضرت جبرئیل آپ کے پاس یہ آیت لے کر نازل ہوئے: اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود اپنے سوا اور گواہ نہ ہوں۔ (یہ آیات النور: ٦ سے النور: ٩ تک ہیں۔) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم (وحی الٰہی سے) فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ہلال کو (ان آیات پر عمل کے لیے) بلوایا، سو انہوں نے حاضر ہو کر گواہیاں دیں (یعنی چار مرتبہ قسمیں اٹھائیں) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر فرما رہے تھے کہ اللہ عزوجل اس بات کو جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کے لیے تیار ہے؟ پھر (ان کی زوجہ

نے) کھڑے ہو کر قسمیں کھائیں (یعنی چار مرتبہ قسم اٹھا کر شہادت دی کہ میرا خاوند جھوٹوں میں سے ہے)، پس وہ پانچویں شہادت پر پہنچی تو لوگوں نے اسے روکا اور کہا کہ (اگر تم اپنی قسم میں جھوٹی ہو تو) تمہاری یہ قسمیں (دردناک عذاب کا) سبب بن جائیں گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: پس وہ عورت تردد کا شکار ہوئی اور ہچکچائی، حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ اب یہ رجوع کر لے گی، مگر اس نے کہا: میں کبھی اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی اور (پانچویں شہادت دے کر) اس نے لعان مکمل کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب دیکھنا اگر یہ عورت ایسا بچہ جنے جس کی آنکھیں بہت سیاہ پلکوں والی ہوں، اس کے سرین موٹے ہوں اور پنڈلیاں بھری ہوئی ہوں تو وہ شریک بن سحماء کا ہے، پس اس عورت نے اس طرح کا بچہ جنا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ کی کتاب کا حکم نہ آ چکا ہوتا تو میرا اس عورت کے لیے کچھ اور ہی سلوک ہوتا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۷۱ اور گزشتہ احادیث: ۴۷۴۵ اور ۴۷۴۶ کے تحت گزر چکی ہے، تاہم چند امور مزید بیان کیے جا رہے ہیں۔

لعان کی آیتیں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں یا حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں؟ اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی کی مفصل تحقیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ہے کہ لعان کی آیات حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں، جب کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی جو روایت گزری اس میں ہے کہ یہ آیتیں حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں نازل ہوئیں، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: حضرت عویمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے تو کیا وہ اسے قتل کر دے اور پھر اس کے نتیجہ میں آپ (قصاص کے طور پر) اس شخص کو قتل کر دیں، یا پھر اس آدمی کو کیا کرنا چاہیے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرمایا ہے، اور پھر آپ نے ان دونوں کو لعان کرنے کا حکم دیا۔ اب ائمہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ لعان کی آیتیں کس واقعہ پر نازل ہوئیں، بعض ائمہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ آیتیں حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں نازل ہوئیں اور بعض ائمہ نے اس بات کو ترجیح دی کہ یہ آیتیں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں نازل ہوئیں، اور بعض ائمہ نے ان دونوں روایات میں تطبیق دی ہے (یعنی اختلاف کو دور کیا ہے) اور اس طرح کہ لعان کا واقعہ سب سے پہلے جن صحابی کو پیش آیا وہ حضرت ہلال ہی ہیں، البتہ ان کے ساتھ ہی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس طرح کا واقعہ پیش آ گیا اور لعان کی آیتیں ایک ہی وقت میں دونوں کے لیے نازل ہو گئیں۔ علامہ نووی کا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے اور خطیب نے ان پر سبقت کرتے ہوئے پہلے ہی فرما دیا کہ: ہو سکتا ہے دونوں صحابہ اتفاقاً ایک ہی وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس پہنچے ہوں۔ یہ واقعہ ایک سے زائد افراد کے ساتھ پیش آیا، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں جو تفصیل بیان کرنے والے ہیں وہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ اس کو امام ابوداؤد اور امام طبری نے روایت کیا ہے۔ (جامع البیان للطبری: ۱۹۵۳۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ) جب کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں جو تفصیل بیان کرنے والے ہیں وہ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی گزشتہ حدیث: ۴۷۴۵ میں گزر چکا ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ واقعات میں تعدد ہو اور نزول ایک مرتبہ ہو۔ (لہٰذا حضرت ہلال اور حضرت عویمر دونوں کا واقعہ آیات لعان کا سبب ہوسکتا ہے)، اسی طرح امام بزار اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تم ام رومان کے ساتھ کسی مرد کو پاؤ تو اس سے کیا سلوک کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کی: میں اس کے ساتھ بہت ہی سخت سلوک کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عمر! تم کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا: میں اسے خدا کی قسم! قتل کردوں گا، اور میں پہلے ہی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی رحمت سے بہت دور کردے، راوی کہتے ہیں: پھر آیت لعان نازل ہوئی۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار: ۲۲۳۷، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۷۴)

اور یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ آیت لعان کا نزول اصلاً حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی وجہ سے ہوا ہو، پھر جب حضرت عویمر رضی اللہ عنہ آئے ہوں اور انہیں حضرت ہلال کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ معلوم نہ ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی سابقہ حکم سے آگاہ فرمایا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ہلال کے واقعہ میں راوی نے کہا: ''پس جبریل نازل ہوئے'' اور حضرت عویمر کے واقعہ میں راوی نے کہا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق حکم نازل فرمادیا ہے''۔ اس کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری طرح جس کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آئے اس کے متعلق حکم نازل فرمادیا ہے، لہٰذا دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ علامہ ابن الصباغ نے الشامل میں یہی جواب دیا ہے، وہ کہتے ہیں: آیت لعان حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، البتہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ سے جو فرمایا کہ: ''تمہارے اور تمہاری زوجہ کے بارے میں حکم نازل ہوگیا ہے''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہی حکم جو حضرت ہلال کے واقعہ میں نازل ہوا۔ اس کی تائید امام ابویعلیٰ کی روایت کردہ اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام میں سب سے پہلا جو لعان ہوا وہ اس وجہ سے تھا کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کے ساتھ شریک بن سحماء کے ملوث ہونے کا دعویٰ کیا۔ الحدیث (مسند ابویعلیٰ: ۲۸۲۴ ج ۵ ص ۲۰۷)

علامہ ابوالعباس قرطبی متوفی ۶۵۶ھ کا رجحان اس بارے میں یہ ہے کہ ہوسکتا ہے آیت لعان دو مرتبہ نازل ہوئی ہو۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: یہ مختلف احتمالات اگرچہ بعید ہیں، مگر ان روایتوں کے راوی جو کہ حفاظ ہیں ان کو غلط قرار دینے سے یہ احتمالات ہی بہتر ہیں۔ ایک جماعت نے لعان کے واقعہ میں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ذکر سے انکار کیا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ابوعبداللہ بن ابی صفرہ جو کہ المہلب کے بھائی ہیں انہوں نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (راویوں سے) خطاء ہوئی ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا ہے، اور امام طبری نے بھی اسی طرح کی بات کی ہے۔ (المفہم ج ۴ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی، ابوعبداللہ بن ابی صفرہ کے اس قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ابن ابی صفرہ کا یہ دعویٰ بلادلیل ہے اور حضرت ہلال کا ذکر کرنے میں راویوں کی خطاء کا کیسے یقین کیا جاسکتا ہے جب کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اور پھر ان میں تطبیق بھی ممکن ہے اور جہاں تک امام ابن جریر طبری کے حوالہ کا تعلق ہے تو ایسی کوئی بات میں نے ان کے کلام میں نہیں دیکھی۔

(فتح الباری، موضحاً ومخرجاً ج ۵ ص ۷۱۶-۷۱۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث کے کچھ مشکل کلمات کی تشریح

فتلکأت: اس کا معنی ہے: کسی کام سے پیچھے ہٹنا، اس میں توقف اور تردد کرنا۔ یہ باب تفعل سے ہے اور اس کے حروف اصلیہ لام، کاف اور ہمزہ ہیں۔ نکصت: یہ نکوص (مصدر) سے ہے اور اس کا باب نصر وضرب ہے، اس کا معنی ہے: باز رہنا، پیچھے ہٹنا۔ فمضت: اس سے مراد ہے: اس نے لعان مکمل کر دیا۔ اکحل العینین: آنکھوں کی پلکوں پر قدرتی طور پر ایسی سیاہی ہو جیسے ان پر سرمہ لگایا گیا ہو۔ سابغ: ایسی چیز جو مکمل ہو اور بھری ہوئی ہو۔ خدلج: ایسی چیز جو بھری ہوئی ہو اور موٹی ہو۔ حدیث کے بالکل آخر میں جو فرمایا: لکان لی ولھا شأن اس میں لفظ شأن سے مراد رجم کرنا ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اگر لعان کے سبب شریعت نے اس عورت سے رجم کو ساقط نہ کیا ہوتا تو میں اس کے بیٹے کے شریک بن سحماء کے ساتھ مشابہ ہونے کی بناء پر رجم کرتا۔

(کشف المشکل لابن الجوزی ج ۶ ص ۱۶۷، عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۱۲، تحفۃ الباری لابی یحییٰ الانصاری الشافعی ج ۸ ص ۵۳)

۴۔ بَابٌ: وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور: ۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور پانچویں بار (عورت یہ کہے) کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو ۝ (النور: ۹) کی تفسیر

۴۷۴۸۔ حَدَّثَنَا مُقَدَّمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَمِّي الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَقَدْ سَمِعَ مِنْهُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَجُلًا رَمَى امْرَأَتَهُ فَانْتَفَى مِنْ وَلَدِهَا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَتَلَاعَنَا كَمَا قَالَ اللّٰهُ ثُمَّ قَضَى بِالْوَلَدِ لِلْمَرْأَةِ وَفَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ۔

[اطراف الحدیث: ۵۳۰۴۔ ۵۳۱۳۔ ۵۳۱۴۔ ۵۳۱۵۔ ۶۷۴۸]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مقدم بن محمد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے چچا قاسم بن یحییٰ نے از عبید اللہ حدیث بیان کی اور قاسم نے عبید اللہ سے سماع کیا ہے، عبید اللہ از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اپنی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس سے پیدا ہونے والے بچہ کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے لعان کروایا، پھر آپ نے فیصلہ فرمایا کہ بچہ عورت کا ہے اور دونوں لعان کرنے والوں کے درمیان آپ نے جدائی کروا دی۔

(صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۹، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، المنتقی لابن الجارود: ۷۵۴، سنن دارمی: ج ۲ ص ۱۵۱، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۷، ص ۴۰۹، صحیح ابن حبان: ۴۲۸۸، مسند احمد ج ۲ ص ۷، طبع قدیم ج ۸ ص ۱۲۴، رقم الحدیث ۴۵۲۷، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفس لعان سے میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد حاکم کے فیصلہ کی ضرورت پڑتی ہے یا یہ کہ شوہر از خود طلاق دے کر جدائی کر دے۔ دوسرا یہ کہ بچہ پیدا ہونے پر اس کا انکار کر دینا لعان کو واجب کر دیتا ہے اور لعان کے بعد وہ بچہ صرف اپنی ماں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ان تمام مسائل پر گزشتہ احادیث کی شرح میں تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

۵۔ بَابٌ: اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾ (النور:۱۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: بے شک جن لوگوں نے (عائشہ صدیقہ پر) تہمت لگائی وہ تم میں سے ایک گروہ ہے، تم اس (تہمت) کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ (نتائج کے اعتبار سے) تمہارے لیے بہتر ہے، اس گروہ میں سے ہر فرد کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جس شخص نے ان میں سے اس (تہمت) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O (النور:۱۱) کی تفسیر

سورۃ النور کی آیت:۱۱ کی مختصر تفسیر، لفظ افک کا اصل معنی اور عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ پر اشکال کا جواب

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت اور اس کے بعد آنے والی آیات (النور: ۲۰ تک) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، کیونکہ غزوۂ بنو المصطلق سے لوٹنے کے بعد آپ پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی گئی، تو اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت کے تعلق سے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کو از خود بیان فرمایا اور آپ کی شان میں سورۃ النور کی دس آیتیں نازل فرمائیں۔

اس آیت میں ''الافك'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: جھوٹ اور ایک قول کے مطابق اس کا معنی ہے: بدترین جھوٹ۔ اس کا اصل معنی ہے: کسی چیز کا پلٹ دینا، جیسے وہ بستیاں جن کو عذاب الٰہی نے پلٹ دیا ان کو قرآن مجید میں المؤتفکات کہا گیا ہے۔ اس اعتبار سے ''إفك'' کا معنی ہوا: ایسی بات جس کو اس کے اصل رخ سے پھیر دیا گیا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں یہ لفظ اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا، کہ وہ اپنی پاک دامنی اور شرافت نسب کی بناء پر تعریف وتوصیف کی حق دار تھیں نہ کہ تہمت اور الزام تراشی کی، لیکن جنہوں نے ان پر تہمت لگائی انہوں نے ان کا اصل حق (تعریف وثناء) ان سے پھیر دیا، اس لیے اس کو آیت میں ''افک'' قرار دیا گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۱۳)

ایک لفظ ''عُصْبَةٌ'' آیا ہے، اس کا معنی جماعت اور گروہ ہے، البتہ کتنے افراد کے گروہ پر یہ لفظ بولا جاتا ہے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ لفظ تین سے دس تک افراد پر بولا جاتا ہے جب کہ ابن عیینہ کے نزدیک ۴۰ افراد، فراء کے نزدیک ایک سے چالیس ۴۰ افراد تک اور مجاہد کے نزدیک دس سے پندرہ افراد پر بولا جاتا ہے۔

(تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۸۲، عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۱۳)

جن افراد نے تہمت لگائی ان میں اس کا بانی تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ہے، جب کہ اس کے ساتھ زید بن رفاعہ، حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہ، حضرت حمنہ بنت جحش اور دیگر منافقین بھی شامل ہو گئے۔ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں ''مِّنْكُمْ'' کا لفظ فرمایا گیا ہے، جس کا معنی ہے: یہ گروہ تم ہی میں سے ہے، حالانکہ تہمت لگانے والے اس گروہ میں زیادہ تر منافقین نے حصہ لیا، اس کے باوجود ''مِّنْكُمْ'' کہہ کر ان کو مسلمانوں میں کیوں شامل کیا گیا؟ علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ

نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ "مِنْکُمْ" سے مراد ہے: ایسا گروہ جو تمہاری ملت پر ہے اور اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتا ہے، خواہ فی الواقع مسلمان ہے یا نہیں، لہٰذا یہ لفظ عبداللہ بن ابی کو بھی شامل ہوگا، کیونکہ وہ بہ ظاہر اپنے آپ کو اسلام ہی کی طرف منسوب کرتا تھا، اگرچہ حقیقۃً وہ کافر تھا۔ (روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۰۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں فرمایا: تم اس تہمت کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس جملہ میں مسلمانوں سے خطاب ہے، کیونکہ تہمت لگانے سے انہیں بہت صدمہ اور رنج ہوا تھا، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو اس کا بہت غم اور ملال تھا، اس لیے یہاں اللہ عزوجل کی طرف سے تسلی اور تسکین فرمائی جا رہی ہے کہ اس تہمت کو اپنے لیے شر یعنی نقصان دہ نہ سمجھو، بلکہ اس میں تمہارے لیے خیر اور نفع ہے، کیونکہ اس تکلیف پر اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا اور اپنا کلام نازل فرما کر تمہاری پاکیزگی کا اعلان فرمائے گا اور اس کے لیے ایسی آیات نازل فرمائے گا کہ ان میں سے ہر آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ان کی تسلی کا سامان ہوگا اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی اور اہل بیت کرام کی طہارت کا بیان ہوگا اور جو اس معاملہ میں کلام کرے اس کے لیے سزا کا بیان ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۱۳)

آیت کے آخر میں فرمایا: اور جس شخص نے ان میں سے اس تہمت میں بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ اس سے مراد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں آنے والی حدیث: ۴۷۴۹ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے صراحۃً فرمایا ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے۔ اس کی مزید تفصیل ہم وہیں ذکر کریں گے۔

افاک اس کا معنی ہے: بہت جھوٹ بولنے والا۔

امام ابوعبیدہ اور دیگر نے افاک کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۱۴، فتح الباری ج ۵ ص ۱۸۷) اس تعلیق سے امام بخاری کا مقصد لفظ "افلث" کا معنی ومفہوم واضح کرنا ہے۔

۴۷۴۹ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها ﴿وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهٗ﴾ (النور: ۱۱) قَالَتْ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از معمر از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے (النور: ۱۱) کی تفسیر میں وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهٗ کے متعلق فرمایا: یہ عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے۔

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت میں جس نے بڑا حصہ لیا" اس سے عبداللہ بن ابی کے مراد ہونے پر دلائل

وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهٗ کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اس تہمت میں بڑا حصہ لیا۔ بڑا حصہ لینے سے مراد یہ ہے کہ اس سنگین کام کا آغاز کیا اور اس کی بنیاد رکھی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۴۲۱۴، معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۹۲) اور ظاہر ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی ناپاک تہمت کی بنیاد رکھنے والا اور اس ناپاک مہم کا آغاز کرنے والا رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا۔ اس لیے صحیح قول یہی ہے کہ النور: ۱۱ میں "وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهٗ" سے مراد صرف عبداللہ بن ابی ہے اور اسی کے لیے عذاب عظیم ہے۔ امام زہری نے عروہ سے اور انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ: وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهٗ سے مراد عبداللہ بن ابی ہے اور عذاب عظیم سے مراد جہنم کا عذاب ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۹۲)

علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عذاب عظیم سے مراد دنیا اور آخرت دونوں کا عذاب ہے یا صرف آخرت کا عذاب ہے، اور وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهٗ سے مراد

عبداللہ بن ابی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری (۴۷۴۹) میں از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے اور اسی پر محدثین کی اکثریت ہے، اور عبداللہ بن ابی لعنۃ اللہ علیہ لوگوں کو اپنے پاس جمع کیا کرتا تھا اور ان کے سامنے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا تھا، یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ تہمت گھڑی اور اس کی تشہیر و اشاعت کی اور اس نے یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں شدت کی وجہ سے کیا۔ آخرت میں اس کے لیے عذاب یہ ہے کہ اس کو جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ڈالا جائے گا اور اس میں کتنا عذاب دیا جائے گا اس کی مقدار اللہ عزوجل ہی کو معلوم ہے اور دنیا میں اس کو جو عذاب ملا وہ یہ کہ اللہ عزوجل نے اس کو ذلت و رسوائی کا نشان بنا دیا اور تمام لوگوں پر اس کی منافقت ظاہر فرما دی اور اس پر دو مرتبہ حد جاری ہوئی، جیسا کہ امام طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی میں) آیات نازل ہونے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بلایا اور لوگوں کو جمع فرمایا، پھر ان سب کے سامنے وہ آیات تلاوت فرمائیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کے بیان میں نازل ہوئی تھیں اور آپ نے عبداللہ بن ابی کو بھی بلوایا، اسے سامنے لایا گیا تو آپ نے اس پر دو مرتبہ حد جاری فرمائی اور حضرت حسان، حضرت مسطح اور حضرت حمنہ بنت جحش (رضی اللہ عنہم) کو بھی بلوایا اور انہیں سخت ضرب لگائی۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۱۲۸) ایک قول یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی پر آپ نے ایک ہی حد جاری فرمائی۔ چنانچہ امام طبرانی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النور:۱۱) کی تفسیر یہ کی ہے کہ عبداللہ ابی کے لیے دنیا میں عذاب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ۸۰ کوڑے لگائے اور آخرت میں عذاب یہ ہے کہ اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۱۳۷۔۱۳۶) (روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

آیت میں عبداللہ بن ابی کے مراد ہونے پر صحیح بخاری ہی کی ایک حدیث کے ذریعہ معترضین کا اعتراض اور اس کا جواب

علامہ آلوسی کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں آغاز سے لے کر تشہیر و اشاعت تک سب سے بڑا حصہ جس نے لیا ہے وہ عبداللہ بن ابی ہے اور اس کے لیے عذاب عظیم یہ ہے کہ وہ دنیا میں بھی رسوا ہوا اور آخرت کی رسوائی کہیں زیادہ ہے، اور صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود بھی صراحت فرما چکیں کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ سے مراد عبداللہ بن ابی ہے۔

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ صحیح بخاری ہی کی ایک حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ (جس نے تہمت میں بڑا حصہ لیا) اس سے مراد حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ مکمل حدیث اس طرح ہے:

مسروق روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کرنے کی اجازت چاہی، میں نے عرض کی کہ آپ انہیں بھی (اپنے پاس آنے کی) اجازت دیتی ہیں؟ ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کی: آپ ایسے شخص کو اپنے پاس آنے دیتی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل فرما چکا کہ: وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ (النور:۱۱) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا انہیں عذاب عظیم نہیں پہنچ چکا؟ سفیان کہتے ہیں: آپ کا اشارہ حضرت حسان کے نابینا ہو جانے کی طرف تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (مسروق سے) فرمایا: نابینا ہو جانے سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہوگا؟ (اور ان کے بارے میں کچھ بولنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۴۷۵۵۔۴۱۴۶۔۴۷۵۶)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا موقف تو یہی ہے کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ (جس نے تہمت میں بڑا حصہ لیا) اس سے مراد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ہے (جیسا کہ صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث: ۴۷۴۹ میں مذکور ہے) البتہ مسروق کو یہ وہم ہوا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور جتنے افراد بھی تہمت لگانے والے ہیں وہ سب اس آیت میں شامل ہیں، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے گویا بر سبیل فرض یہ بات فرمائی کہ اگر وہ اس آیت میں شامل بھی ہیں تو ان کا معاملہ عبداللہ بن ابی کی طرح نہیں ہے، کیونکہ عبداللہ بن ابی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل اذیت اور تکلیف دیتا رہا اور آپ کی شان میں گستاخیاں کرتا رہا، جب کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور دفاع میں کفار کے خلاف اشعار کہتے ہیں اور ان کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کے جواب دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرتے ہیں، سو جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ابی کی طرح نہیں ہیں تو اس آیت کے بہ موجب ''عذاب عظیم'' میں بھی وہ عبداللہ بن ابی کی طرح نہیں ہیں، کیونکہ عبداللہ بن ابی کے لیے عذاب عظیم یہ ہے کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوا اور آخرت میں بھی اس کے لیے بہت شدید اور کبھی نہ ختم ہونے والی رسوائی ہے، جب کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی جو بینائی چلی گئی، تو یہی ان کے لیے کفارہ بن گیا اور ان کے لیے آگے کوئی عذاب نہیں ہے۔

اس جواب کی تائید میں مختلف شارحین حدیث کی آراء

خلاصہ یہ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذاتی موقف یہی ہے کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ سے مراد صرف عبداللہ بن ابی ہے اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اس میں شامل کرنا یہ مسروق کا اپنا خیال ہے۔ ذیل میں ہم اس سلسلہ میں مختلف شارحین کی آراء ذکر کر رہے ہیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا شامل ہونا ایک پیچیدہ معاملہ ہے، کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن ابی ہے اور یہی قول معتمد ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۴۶، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل کورانی حنفی متوفی ۸۹۳ ھ لکھتے ہیں:

یہ مسروق کا وہم ہے (ذاتی خیال ہے) کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے تہمت میں سب سے بڑا حصہ لیا وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۲۰۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ ھ)

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی التوفی ۹۲۳ ھ لکھتے ہیں:

یہ ایک پیچیدہ روایت ہے، کیونکہ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ سے مراد حضرت حسان رضی اللہ عنہ ہیں، حالانکہ معتمد قول یہ ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن ابی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۵۲۷ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

علامہ محمد الخضر بن الفاطمی الزرہونی المالکی التوفی ۱۳۱۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسروق سے یہ فرمانا کہ: ''نابینا ہونے سے زیادہ کیا عذاب ہوگا'' یہ بر سبیل تنزل ہے۔ (یعنی اگر مان لیا جائے کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ شامل ہیں تو دنیا میں نابینا ہو جانا ہی ان کے لیے کافی ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا اس کے سوا کوئی معنی نہیں ہے۔ (علامہ زرہونی ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ) معتمد قول یہی ہے کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ سے مراد صرف عبداللہ بن ابی ہے۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۹ ص ۳۵۶، ج ۱۱ ص ۴۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ ھ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی فرمانا اوران کے خلاف بولنے سے منع فرمانا

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذاتی موقف یہی تھا کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ سے مراد عبداللہ بن ابی ہے اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس میں شامل نہیں ہیں''۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو بہت عزت دیتی تھیں اوران کے خلاف کسی قسم کی بات سننے کو گوارا نہیں کرتی تھیں اور اگر کوئی کہنا چاہتا تو اسے یہ کہہ کر خاموش فرمادیتی تھیں کہ حسان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں اشعار کہتے ہیں اور آپ کے دشمنوں کا بھرپور رد کرتے ہیں، اس لیے ان کے خلاف کچھ نہ کہو۔ چنانچہ واقعہ افک کی تفصیلی حدیث میں امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میرے معاملہ میں وہ لوگ ہلاک ہوگئے جو ہلاک ہوگئے اور جس نے اس تہمت میں سب سے زیادہ حصہ لیا وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے۔ عروہ کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سامنے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی مذمت کیے جانے کو ناپسند کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ انہوں نے یہ شعر کہا ہے:

فان ابی ووالدہٗ و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

میرے آباء واجداد اور میری عزت وآبرو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وآبرو کے لیے تمہارے حملوں سے بچاؤ کا ذریعہ اور ڈھال بنی رہے گی۔ (صحیح البخاری: ۴۱۴۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰)

علامہ ابوعمر ابن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ حدیث ذکر کرتے ہیں کہ: محمد بن سائب بن برکہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طواف کررہی تھیں، ان کے ساتھ ام حکیم بنت خالد بن العاص اور ام حکیم بنت عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہما بھی موجود تھیں، یہ دونوں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے متعلق گفتگو کرنے لگیں اوران کی گفتگو میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی مذمت تھی، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم دونوں (حسان رضی اللہ عنہ کی مذمت کررہی ہو؟) میں تو یہ امید کرتی ہوں کہ وہ اپنی زبان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا جو تحفظ کرتے تھے اس کے طفیل اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱ ص ۴۰۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مفسر شہیر امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن سعد نے محمد بن سیرین سے روایت کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو (اپنے پاس آنے کی) اجازت دیا کرتی تھیں اوران کے لیے تکیہ منگواتی تھیں اور (لوگوں سے) فرماتی تھیں کہ: حسان (رضی اللہ عنہ) کو اذیت مت دیا کرو' کیونکہ یہ اپنی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کرتے ہیں اور اللہ عزوجل اس بات پر قادر ہے کہ ان کے نابینا ہونے کو ہی ان کے لیے عذاب عظیم (کے قائم مقام) فرمادے (اور آخرت میں انہیں کچھ تکلیف نہ ہو)۔

ایک روایت میں ہے کہ: نابینا ہونا بڑا عذاب ہے اور اللہ عزوجل اس بات پر قادر ہے کہ وہ ان کے نابینا ہونے کو ہی عذاب عظیم (کے قائم مقام) فرمادے اور حسان (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرمادے اوران کو جنت میں داخل فرمادے۔

(الدرالمنثور ج ۶ ص ۱۴۷، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس روایت میں نابینا ہونے کو جو عذاب عظیم قرار دیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں اس تکلیف کو ان کے لیے کفارہ کردیا گیا ہے اور اب آخرت میں ان کے لیے کسی قسم کی سزا اور سرزنش نہیں ہوگی، البتہ جو ان ہستیوں پر لعن طعن کرے اس کے لیے ضرور ذلت ورسوائی کا عذاب ہے، کیونکہ جب ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' فرما کر اللہ عزوجل نے ان ہستیوں سے اپنی رضا اور

خوشنودی کا اعلان فرما دیا تو یہی ان کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کے ہوتے ہوئے انہیں کسی کی ناراضی اور بغض و عداوت کی پرواہ نہیں ہے۔

٦۔ بَابٌ: لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ (النور: ١٢۔ ١٣)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: جب تم نے اس (تہمت) کو سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہیں کیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ تو کھلا بہتان ہے O تہمت لگانے والے اس تہمت پر چار گواہ کیوں نہ لائے! پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں O (النور: ١٣۔ ١٢) کی تفسیر

بے قصور یا نا معلوم شخص پر تہمت لگے تو اہل ایمان کو کیا گمان رکھنا چاہیے؟ اور واقعہ افک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر ایک دلیل

''مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہیں کیا'' یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق جو غلط اور سنگین افواہ اڑائی گئی اس کو سنتے ہی اہل ایمان کو چاہیے تھا کہ وہ اپنوں کے متعلق نیک گمان کرتے اور اس معاملہ کو اپنی ذات پر قیاس کر کے غور کرتے، جیسے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا نے مثال قائم فرمائی کہ انہوں نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ نے سنا لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں میں نے وہ باتیں سنی ہیں، مگر وہ سب جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب! تم بتاؤ کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کر سکتی، تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا، خدا کی قسم! عائشہ (رضی اللہ عنہا) تم سے بہتر عورت ہیں (وہ بدرجہ اولیٰ ایسا کام نہیں کر سکتیں)۔ (جامع البیان للطبری ج ١٠ ص ١٢٨ تفسیر قرطبی ج ٦ ص ١٨٦)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: پس اللہ عزوجل نے مسلمانوں پر واجب فرما دیا کہ جب وہ نا معلوم شخص پر کسی کی زبان سے تہمت یا کسی بھی قسم کا برا تذکرہ سنیں تو اس کو تسلیم نہ کریں اور اسے جھٹلا دیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ: اس آیت سے یہ قانون ملتا ہے کہ کوئی فاسد، مجہول اور غیر یقینی خبر، خواہ کتنی ہی مشہور ہو جائے، اس کی بناء پر کسی کے مرتبہ ایمان، مقام تقویٰ اور پاک دامنی کی چادر کو زائل نہیں کیا جا سکتا۔ (تفسیر قرطبی ج ٦ ص ١٨٦، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ١٤١٥ھ)

''اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے'' اس جملہ میں اللہ عزوجل نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے واقعہ کو ''افک مبین'' (کھلا بہتان) قرار دیا ہے اور اہل ایمان پر عتاب فرمایا ہے کہ ان کو یہ الزام سنتے ہی کہنا چاہیے تھا کہ یہ بالکل کھلا بہتان ہے، سو جب قرآن مجید نے اس تہمت کو کھلا بہتان قرار دے دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی پوشیدہ اور پیچیدہ معاملہ نہیں تھا، لہٰذا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی حقیقت کا علم نہیں تھا اور معاذ اللہ لاعلمی کی وجہ سے آپ افسردہ اور پریشان تھے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا بھی انکار ہے اور آیت مبارکہ کے الفاظ ''افک مبین'' کے معنی و مفہوم کا بھی انکار ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ١٣٩١ھ اس آیت کے تحت کنز الایمان کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

یہ بھی معلوم ہوا کہ اس (تہمت) کا جھوٹا بہتان ہونا غیب نہیں، بلکہ بالکل ظاہر تھا، جسے رب نے ''مبین'' فرمایا، لہٰذا حضور پر کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ (نور العرفان ص ۵۶۰ مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

اگلی آیت (النور: ۱۳) میں فرمایا: ''پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں'' یعنی تہمت لگانے والے اگر اپنی خبر میں حق پر تھے تو قذف کی جو بنیادی شرط ہے (چار گواہ پیش کرنا) وہ انہوں نے پوری کیوں نہیں کی؟ اور جب یہ شرط پوری نہیں کی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی یہ خبر کذب پر مبنی ہے۔

حدیث افک

۴۷۵۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رضی الله عنها زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللهُ مِمَّا قَالُوا وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ وَبَعْضُ حَدِيثِهِمْ يُصَدِّقُ بَعْضًا وَإِنْ كَانَ بَعْضُهُمْ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضٍ الَّذِي حَدَّثَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ أَقْرَعَ بَيْنَ أَزْوَاجِهِ فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مَعَهُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَأَقْرَعَ بَيْنَنَا فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ سَهْمِي فَخَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بَعْدَمَا نَزَلَ الْحِجَابُ فَأَنَا أُحْمَلُ فِي هَوْدَجِي وَأُنْزَلُ فِيهِ فَسِرْنَا حَتَّى إِذَا فَرَغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ غَزْوَتِهِ تِلْكَ وَقَفَلَ وَدَنَوْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ قَافِلِينَ آذَنَ لَيْلَةً بِالرَّحِيلِ فَقُمْتُ حِينَ آذَنُوا بِالرَّحِيلِ فَمَشَيْتُ حَتَّى جَاوَزْتُ الْجَيْشَ فَلَمَّا قَضَيْتُ شَأْنِي أَقْبَلْتُ إِلَى رَحْلِي فَإِذَا عِقْدٌ لِي مِنْ جَزْعِ ظَفَارِ قَدِ انْقَطَعَ فَالْتَمَسْتُ عِقْدِي وَحَبَسَنِي ابْتِغَاؤُهُ وَأَقْبَلَ الرَّهْطُ الَّذِينَ كَانُوا يَرْحَلُونَ لِي فَاحْتَمَلُوا هَوْدَجِي فَرَحَلُوهُ عَلَى بَعِيرِي الَّذِي كُنْتُ رَكِبْتُ وَهُمْ يَحْسِبُونَ أَنِّي فِيهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر، سعید بن المسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے نبی ﷺ کی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ بیان کیا جب تہمت لگانے والوں نے ان کے متعلق ناگفتہ بہ باتیں کیں اور پھر اللہ عزوجل نے اس تہمت سے ان کی پاکیزگی کو بیان فرمایا، (ابن شہاب الزہری کہتے ہیں:) ان راویوں میں سے ہر ایک نے مجھے اس حدیث کا ایک ایک ٹکڑا بیان کیا اور ان راویوں کی بیان کردہ حدیث کا ایک ٹکڑا دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، اگرچہ ان راویوں میں بعض ایسے ہیں جو اس حدیث کو دوسرے بعض سے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں۔ عروہ نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مجھے جس طرح بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ: نبی ﷺ کی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب (سفر کے لیے) تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے، پس ان میں سے جس کا نام نکل آتا رسول اللہ ﷺ اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: ایک غزوہ کے موقع پر آپ نے اسی طرح ہمارے درمیان قرعہ اندازی فرمائی تو میرا نام نکل آیا، پس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئی، یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے، پس مجھے ہودج سمیت (اونٹ پر) سوار کیا جاتا تھا اور اسی کے ساتھ مجھے (اونٹ سے) اتارا جاتا تھا، سو (اس طرح) ہم چلتے رہے، حتیٰ کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے اس غزوہ سے

وَكَانَ النِّسَاءُ إِذْ ذَاكَ خِفَافًا لَمْ يُثْقِلْهُنَّ اللَّحْمُ إِنَّمَا
تَأْكُلُ الْعُلْقَةَ مِنَ الطَّعَامِ فَلَمْ يَسْتَنْكِرِ الْقَوْمُ خِفَّةَ
الْهَوْدَجِ حِينَ رَفَعُوهُ وَكُنْتُ جَارِيَةً حَدِيثَةَ السِّنِّ
فَبَعَثُوا الْجَمَلَ وَسَارُوا فَوَجَدْتُ عِقْدِي بَعْدَمَا
اسْتَمَرَّ الْجَيْشُ فَجِئْتُ مَنَازِلَهُمْ وَلَيْسَ بِهَا دَاعٍ وَلَا
مُجِيبٌ فَأَمَمْتُ مَنْزِلِي الَّذِي كُنْتُ بِهِ وَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ
سَيَفْقِدُونِي فَيَرْجِعُونَ إِلَيَّ فَبَيْنَا أَنَا جَالِسَةٌ فِي مَنْزِلِي
غَلَبَتْنِي عَيْنِي فَنِمْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ
السُّلَمِيُّ ثُمَّ الذَّكْوَانِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْجَيْشِ فَأَدْلَجَ
فَأَصْبَحَ عِنْدَ مَنْزِلِي فَرَأَى سَوَادَ إِنْسَانٍ نَائِمٍ فَأَتَانِي
فَعَرَفَنِي حِينَ رَآنِي وَكَانَ رَآنِي قَبْلَ الْحِجَابِ
فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهِ حِينَ عَرَفَنِي فَخَمَّرْتُ
وَجْهِي بِجِلْبَابِي وَ وَاللّٰهِ مَا كَلَّمَنِي كَلِمَةً وَلَا سَمِعْتُ
مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهِ حَتَّى أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ فَوَطِئَ
عَلَى يَدَيْهَا فَرَكِبْتُهَا فَانْطَلَقَ يَقُودُ بِي الرَّاحِلَةَ حَتَّى
أَتَيْنَا الْجَيْشَ بَعْدَمَا نَزَلُوا مُوغِرِينَ فِي نَحْرِ الظَّهِيرَةِ
فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ وَكَانَ الَّذِي تَوَلَّى الْإِفْكَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ
أُبَيِّ ابْنَ سَلُولَ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَاشْتَكَيْتُ حِينَ
قَدِمْتُ شَهْرًا وَالنَّاسُ يُفِيضُونَ فِي قَوْلِ أَصْحَابِ
الْإِفْكِ لَا أَشْعُرُ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ وَهُوَ يَرِيبُنِي فِي وَجَعِي
أَنِّي لَا أَعْرِفُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اللُّطْفَ الَّذِي
كُنْتُ أَرَى مِنْهُ حِينَ أَشْتَكِي إِنَّمَا يَدْخُلُ عَلَيَّ رَسُولُ
اللّٰهِ ﷺ فَيُسَلِّمُ ثُمَّ يَقُولُ كَيْفَ تِيكُمْ ثُمَّ يَنْصَرِفُ
فَذَاكَ الَّذِي يَرِيبُنِي وَلَا أَشْعُرُ بِالشَّرِّ حَتَّى خَرَجْتُ
بَعْدَمَا نَقَهْتُ فَخَرَجَتْ مَعِي أُمُّ مِسْطَحٍ قِبَلَ
الْمَنَاصِعِ وَهُوَ مُتَبَرَّزُنَا وَكُنَّا لَا نَخْرُجُ إِلَّا لَيْلًا إِلَى لَيْلٍ
وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ نَتَّخِذَ الْكُنُفَ قَرِيبًا مِنْ بُيُوتِنَا
وَأَمْرُنَا أَمْرُ الْعَرَبِ الْأُوَلِ فِي التَّبَرُّزِ قِبَلَ الْغَائِطِ فَكُنَّا
نَتَأَذَّى بِالْكُنُفِ أَنْ نَتَّخِذَهَا عِنْدَ بُيُوتِنَا فَانْطَلَقَتْ

فارغ ہو کر واپس لوٹے اور لوٹتے ہوئے ہم مدینہ کے قریب ہو
گئے تو ایک رات جب قافلہ کے چلنے کا حکم ہوا تو میں چلنے کا حکم
ہوتے ہی کھڑی ہوئی اور (قضائے حاجت کے لیے ایک طرف)
چلی حتیٰ کہ لشکر سے دور نکل گئی، پھر جب اپنی حاجت پوری کر کے
میں اپنی منزل کی طرف آنے لگی تو اچانک میری توجہ ہوئی کہ ظفار
(یمن کی ایک بستی) کے نگینوں کا بنا ہوا میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا
ہے، پس میں اپنا ہار تلاش کرنے لگی اور اس کی تلاش نے مجھے
(وہاں) روک دیا، (دوسری طرف) وہ لوگ جو میرے لیے کجاوہ
اونٹ پر باندھتے تھے وہ آئے اور میرا کجاوہ اٹھا کر اس اونٹ پر
رکھ دیا جس پر میں سوار ہوتی تھی، وہ لوگ اس گمان میں تھے کہ
میں کجاوے میں موجود ہوں۔ ان دنوں عورتوں ہلکی پھلکی ہوتی
تھیں اور گوشت سے ان کے بدن بھاری نہیں ہوتے تھے، کیونکہ
وہ تھوڑا سا کھانا کھاتی تھیں، سو اس لیے کجاوے کو اٹھاتے وقت
لوگوں کو اس کا ہلکا ہونا محسوس نہیں ہوا اور (مزید یہ کہ اس وقت)
میں ایک کم عمر لڑکی تھی، پس ان لوگوں نے اونٹ کو اٹھایا اور چل
دیئے اور جب لشکر گزر گیا تو مجھے میرا ہار مل گیا، لہٰذا میں لوگوں کے
پڑاؤ کی جگہوں پر پہنچی تو وہاں (یہ حال تھا کہ) نہ کوئی آواز دینے
والا تھا نہ کوئی جواب دینے والا، پس میں اس جگہ پر چلی آئی جہاں
میں تھی، اور میرا گمان یہ تھا کہ جب لوگ (کجاوے میں) مجھے نہیں
پائیں گے تو میری طرف لوٹ آئیں گے، میں ابھی اپنے پڑاؤ کی
جگہ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اس دوران مجھے اونگھ آنے لگی اور میں سو
گئی، حضرت صفوان بن معطل السلمی ثم الذکوانی (رضی اللہ عنہ) لشکر کے
پیچھے پیچھے تھے، وہ رات کے آخری حصہ سے چلتے ہوئے آرہے
تھے، پس میرے پڑاؤ کی جگہ پر وہ صبح کے وقت پہنچے، انہوں نے
(دور سے) ایک سوئے انسان کا سراپا دیکھا تو وہ میرے پاس
آئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے (کیونکہ) پردے کا حکم آنے
سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا، سو انہوں نے مجھے پہچانتے
ہی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا جس سے میں جاگ گئی اور
میں نے فوراً اپنی چادر سے اپنا چہرہ چھپالیا، اللہ کی قسم! انہوں نے

أَنَا وَأُمُّ مِسْطَحٍ وَهِيَ ابْنَةُ أَبِي رُهْمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ
وَأُمُّهَا بِنْتُ صَخْرِ بْنِ عَامِرٍ خَالَةُ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ
وَابْنُهَا مِسْطَحُ بْنُ أُثَاثَةَ فَأَقْبَلْتُ أَنَا وَأُمُّ مِسْطَحٍ
قِبَلَ بَيْتِي وَقَدْ فَرَغْنَا مِنْ شَأْنِنَا فَعَثَرَتْ أُمُّ مِسْطَحٍ
فِي مِرْطِهَا فَقَالَتْ تَعِسَ مِسْطَحٌ فَقُلْتُ لَهَا بِئْسَ مَا
قُلْتِ أَتَسُبِّينَ رَجُلًا شَهِدَ بَدْرًا قَالَتْ أَيْ هَنْتَاهْ
أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قَالَ قَالَتْ قُلْتُ وَمَا قَالَ فَأَخْبَرَتْنِي
بِقَوْلِ أَهْلِ الْإِفْكِ فَازْدَدْتُ مَرَضًا عَلَى مَرَضِي فَلَمَّا
رَجَعْتُ إِلَى بَيْتِي وَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ
تَعْنِي سَلَّمَ ثُمَّ قَالَ كَيْفَ تِيكُمْ فَقُلْتُ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ
آتِيَ أَبَوَيَّ قَالَتْ وَأَنَا حِينَئِذٍ أُرِيدُ أَنْ أَسْتَيْقِنَ الْخَبَرَ
مِنْ قِبَلِهِمَا قَالَتْ فَأَذِنَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ
فَجِئْتُ أَبَوَيَّ فَقُلْتُ لِأُمِّي يَا أُمَّتَاهْ مَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ
قَالَتْ يَا بُنَيَّةُ هَوِّنِي عَلَيْكِ فَوَاللهِ لَقَلَّمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ قَطُّ
وَضِيئَةٌ عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا وَلَهَا ضَرَائِرُ إِلَّا كَثَّرْنَ عَلَيْهَا
قَالَتْ فَقُلْتُ سُبْحَانَ اللهِ أَوَلَقَدْ تَحَدَّثَ النَّاسُ بِهٰذَا
قَالَتْ فَبَكَيْتُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتّٰى أَصْبَحْتُ لَا يَرْقَأُ لِي
دَمْعٌ وَلَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ حَتّٰى أَصْبَحْتُ أَبْكِي فَدَعَا
رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأُسَامَةَ بْنَ
زَيْدٍ رضی اللہ عنہ حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْتَأْمِرُهُمَا
فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ قَالَتْ فَأَمَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَأَشَارَ عَلَى
رَسُولِ اللهِ ﷺ بِالَّذِي يَعْلَمُ مِنْ بَرَاءَةِ أَهْلِهِ
وَبِالَّذِي يَعْلَمُ لَهُمْ فِي نَفْسِهِ مِنَ الْوُدِّ فَقَالَ يَا رَسُولَ
اللهِ أَهْلَكَ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا وَأَمَّا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ
فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَمْ يُضَيِّقِ اللهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ
سِوَاهَا كَثِيرٌ وَإِنْ تَسْأَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ قَالَتْ
فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بَرِيرَةَ فَقَالَ أَيْ بَرِيرَةُ هَلْ
رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَرِيبُكِ قَالَتْ بَرِيرَةُ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ
بِالْحَقِّ إِنْ رَأَيْتُ عَلَيْهَا أَمْرًا أَغْمِصُهُ عَلَيْهَا أَكْثَرَ مِنْ

مجھ سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی اور نہ میں نے ان سے کی اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے سوا ان سے کوئی بات نہیں سنی، حتیٰ کہ انہوں نے اپنا اونٹ بٹھا دیا اور اونٹ کے پاؤں اپنے ہاتھوں سے دبا کر رکھے، پس میں اس اونٹ پر سوار ہوگئی اور وہ اونٹ کو آگے سے کھینچتے ہوئے مجھے لے چلے، حتیٰ کہ ہم اس وقت لشکر کے پاس پہنچے جب وہ عین دوپہر کی شدید گرمی میں (دھوپ سے بچنے کے لیے) پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، سو (اس کے بعد تہمت کا ایک طوفان کھڑا ہوا اور اس میں) جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا اور اس تہمت میں جس نے قائدانہ کردار ادا کیا وہ (رئیس المنافقین) عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے، پس ہم مدینہ پہنچے اور میں پہنچتے ہی ایک ماہ کے لیے بیمار ہوگئی، (اس دوران) لوگ تہمت لگانے والوں کی باتوں میں بہت مشغول رہے اور مجھے اس میں سے کسی بات کا علم نہیں تھا، البتہ اس بیماری کے دوران مجھے اس بات سے کچھ شبہ ہوتا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ لطف و کرم نہیں پاتی تھی جو اس سے پہلے بیماری کے دنوں میں آپ سے میں پاتی تھی، اب صرف اتنا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے اور سلام کر کے فرماتے کہ تم کیسی ہو؟ پھر واپس تشریف لے جاتے، پس یہ وہ بات تھی جس سے مجھے شبہ ہوتا تھا (کہ کوئی بات ضرور ہے) تاہم مجھے (باہر ہونے والی) شرارت کا کچھ علم نہیں تھا، حتیٰ کہ ایک دن جب کمزوری کے باوجود طبیعت میں کچھ افاقہ تھا تو میں باہر نکلی، حضرت ام مسطح (رضی اللہ عنہا) بھی میرے ساتھ نکلیں، ہم ''مناصع'' (مدینہ کے بیرونی جگہ ایک جگہ) کی طرف گئے، ہمارے قضائے حاجت کے لیے یہی جگہ تھی اور (قضائے حاجت کے لیے) ہم صرف رات میں نکلتے تھے اور پھر اس سے اگلی رات کو نکلتے تھے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب اپنے گھروں کے قریب بیت الخلاء بنانے سے ہمیں تکلیف ہوتی تھی، پس میں اور حضرت ام مسطح (مناصع کی طرف) روانہ ہوئیں، ام مسطح ابورہم بن عبد مناف کی بیٹی ہیں اور ان کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی ہیں۔ یوں ام مسطح، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ

أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا
فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ
فَاسْتَعْذَرَ يَوْمَئِذٍ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ ابْنِ سَلُولَ
قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَا
مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي
أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا
وَلَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا وَمَا كَانَ
يَدْخُلُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا مَعِي فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ
الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَا أَعْذِرُكَ مِنْهُ إِنْ
كَانَ مِنَ الْأَوْسِ ضَرَبْتُ عُنُقَهُ وَإِنْ كَانَ مِنْ إِخْوَانِنَا
مِنَ الْخَزْرَجِ أَمَرْتَنَا فَفَعَلْنَا أَمْرَكَ قَالَتْ فَقَامَ سَعْدُ
بْنُ عُبَادَةَ وَهُوَ سَيِّدُ الْخَزْرَجِ وَكَانَ قَبْلَ ذَلِكَ رَجُلًا
صَالِحًا وَلَكِنِ احْتَمَلَتْهُ الْحَمِيَّةُ فَقَالَ لِسَعْدٍ كَذَبْتَ
لَعَمْرُ اللهِ لَا تَقْتُلُهُ وَلَا تَقْدِرُ عَلَى قَتْلِهِ فَقَامَ أُسَيْدُ
بْنُ حُضَيْرٍ وَهُوَ ابْنُ عَمِّ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فَقَالَ لِسَعْدِ
بْنِ عُبَادَةَ كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللهِ لَنَقْتُلَنَّهُ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ
تُجَادِلُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ فَتَثَاوَرَ الْحَيَّانِ الْأَوْسُ
وَالْخَزْرَجُ حَتَّى هَمُّوا أَنْ يَقْتَتِلُوا وَرَسُولُ اللهِ ﷺ
قَائِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ ﷺ
يُخَفِّضُهُمْ حَتَّى سَكَتُوا وَسَكَتَ قَالَتْ فَبَكَيْتُ يَوْمِي
ذَلِكَ لَا يَرْقَأُ لِي دَمْعٌ وَلَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ قَالَتْ فَأَصْبَحَ
أَبَوَايَ عِنْدِي وَقَدْ بَكَيْتُ لَيْلَتَيْنِ وَيَوْمًا لَا أَكْتَحِلُ
بِنَوْمٍ وَلَا يَرْقَأُ لِي دَمْعٌ يَظُنَّانِ أَنَّ الْبُكَاءَ فَالِقٌ كَبِدِي
قَالَتْ فَبَيْنَمَا هُمَا جَالِسَانِ عِنْدِي وَأَنَا أَبْكِي
فَاسْتَأْذَنَتْ عَلَيَّ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَذِنْتُ لَهَا
فَجَلَسَتْ تَبْكِي مَعِي قَالَتْ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذَلِكَ
دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ
قَالَتْ وَلَمْ يَجْلِسْ عِنْدِي مُنْذُ قِيلَ مَا قِيلَ قَبْلَهَا
وَقَدْ لَبِثَ شَهْرًا لَا يُوحَى إِلَيْهِ فِي شَأْنِي قَالَتْ فَتَشَهَّدَ

ہیں اور ان کے بیٹے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ ہیں، پس قضائے
حاجت سے فارغ ہو کر جب میں اور ام مسطح گھر کی طرف آنے
لگیں تو ام مسطح اپنی چادر میں الجھ کر پھسل گئیں، تو (بے اختیار)
انہوں نے کہا: مسطح ہلاک ہو جائے! میں نے ان سے کہا: آپ
نے بری بات کہی، آپ ایک ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہیں جس نے
غزوۂ بدر میں شرکت کی ہے۔ انہوں نے کہا: ہائے سیدھی سادی
لڑکی تم نے وہ بات نہیں سنی جو مسطح نے کہی ہے؟ میں نے کہا:
(بتاؤ) مسطح نے کیا کہا ہے؟ پھر انہوں نے مجھے تہمت والوں کی خبر
سنائی، یوں میری بیماری اور بڑھ گئی، پس میں اپنے گھر لوٹی اور
رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور (حسب
معمول) سلام فرما کر پوچھا کہ تم کیسی ہو؟ تو میں نے کہا: کیا آپ
مجھے میرے والدین کے پاس جانے کی اجازت دیتے ہیں؟ اور
میں اس وقت یہ چاہتی تھی کہ ان دونوں سے اس خبر کی تحقیق
کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی، پس میں
اپنے ماں باپ کے پاس آئی اور میں نے اپنی والدہ سے کہا: امی
جان! لوگ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: پیاری
بیٹی! اپنے آپ پر اطمینان رکھو، کیونکہ اللہ کی قسم! بہت کم ایسا ہوتا
ہے کہ کوئی خوب صورت عورت کسی ایسے شخص کے نکاح میں ہو جو
اس سے محبت بھی رکھتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور پھر عورتیں
اس کے بارے میں باتیں نہ بنائیں۔ (حضرت عائشہ فرماتی
ہیں:) میں نے کہا: اللہ بہت پاک ہے اور لوگ (بھی) اس بات
کا چرچا کرنے میں لگے ہوئے ہیں؟ فرماتی ہیں: پھر میں وہ پوری
رات روتی رہی حتیٰ کہ صبح ہو گئی، (لیکن) میرے آنسو نہیں رک
رہے تھے اور نہ ہی نیند کو میں نے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا، حتیٰ
کہ مجھے روتے روتے صبح ہو گئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت
علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو بلایا اس وقت
کہ جب آپ پر وحی نازل ہونے میں دیر ہو گئی، آپ ان دونوں
سے اپنی زوجہ کو چھوڑ دینے کے معاملہ میں مشورہ لینا چاہتے تھے
فرماتی ہیں: جہاں تک حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا معاملہ ہے

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ جَلَسَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ يَا عَائِشَةُ فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي عَنْكِ كَذَا وَكَذَا فَإِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهِ ثُمَّ تَابَ إِلَى اللّٰهِ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ قَالَتْ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَقَالَتَهُ قَلَصَ دَمْعِي حَتَّى مَا أُحِسُّ مِنْهُ قَطْرَةً فَقُلْتُ لِأَبِي أَجِبْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا قَالَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا أَدْرِي مَا أَقُولُ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ لِأُمِّي أَجِيبِي رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ مَا أَدْرِي مَا أَقُولُ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ فَقُلْتُ وَأَنَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ لَا أَقْرَأُ كَثِيرًا مِنَ الْقُرْآنِ إِنِّي وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَقَدْ سَمِعْتُمْ هَذَا الْحَدِيثَ حَتَّى اسْتَقَرَّ فِي أَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهِ فَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ إِنِّي بَرِيئَةٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ لَا تُصَدِّقُونِي بِذَلِكَ وَلَئِنِ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرٍ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنِّي مِنْهُ بَرِيئَةٌ لَتُصَدِّقُنِّي وَاللّٰهِ مَا أَجِدُ لَكُمْ مَثَلًا إِلَّا قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ قَالَ ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ (یوسف:۱۸) قَالَتْ ثُمَّ تَحَوَّلْتُ فَاضْطَجَعْتُ عَلَى فِرَاشِي قَالَتْ وَأَنَا حِينَئِذٍ أَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ وَأَنَّ اللّٰهَ مُبَرِّئِي بِبَرَاءَتِي وَلَكِنْ وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللّٰهَ مُنْزِلٌ فِي شَأْنِي وَحْيًا يُتْلَى وَلَشَأْنِي فِي نَفْسِي كَانَ أَحْقَرَ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللّٰهُ فِيَّ بِأَمْرٍ يُتْلَى وَلَكِنْ كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَرَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي النَّوْمِ رُؤْيَا يُبَرِّئُنِي اللّٰهُ بِهَا قَالَتْ فَوَاللّٰهِ مَا رَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا خَرَجَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ حَتَّى أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَأَخَذَهُ مَا كَانَ يَأْخُذُهُ مِنَ الْبُرَحَاءِ حَتَّى إِنَّهُ لَيَتَحَدَّرُ مِنْهُ مِثْلُ الْجُمَانِ مِنَ الْعَرَقِ وَهُوَ فِي يَوْمٍ شَاتٍ مِنْ ثِقَلِ الْقَوْلِ الَّذِي يُنْزَلُ عَلَيْهِ قَالَتْ فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ سُرِّيَ عَنْهُ وَهُوَ

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وہی مشورہ دیا جس کا ان کو علم تھا اور وہ یہ کہ آپ کی اہلیہ پاک ہیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے دل میں اپنے گھر والوں سے جس محبت کا علم تھا اس کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! (یہ) آپ کی اہلیہ ہیں اور ہمیں (ان کے بارے میں) خیر کے سوا کسی بات کا علم نہیں ہے، اور جہاں تک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر تنگی نہیں رکھی، ان کے سوا عورتیں اور بھی بہت ہیں اور اگر آپ (ان کی) باندی سے پوچھ لیں تو وہ آپ کو سچ سچ بتائے گی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: پس رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ کو بلایا اور فرمایا: بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تمہیں شک ہوتا ہو؟ حضرت بریرہ نے کہا: نہیں! جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس کی قسم! میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کی وجہ سے میں ان کی ذات پر عیب لگا سکوں، البتہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آپ ایک کم عمر لڑکی ہیں اور اپنے گھر میں آٹا گوندھتے ہوئے سو جاتی ہیں تو کوئی جانور آ کر اس آٹے کو کھا جاتا ہے، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اس دن آپ نے عبداللہ بن ابی ابن سلول کے معاملہ میں (اپنے لیے) حمایت طلب کی۔ فرماتی ہیں: پس رسول اللہ ﷺ نے منبر پر (کھڑے ہو کر) فرمایا: اے گروہ مسلمین! ایک ایسا شخص جس کی میرے گھر والوں کے متعلق شر انگیزی (کی خبر) مجھے پہنچی ہے اس کے مقابلہ پر کون میری حمایت کرے گا؟ پس اللہ کی قسم! مجھے اپنے گھر والی کے متعلق خیر کے سوا کسی چیز کا علم نہیں ہے اور لوگ جس مرد کا ذکر کر رہے ہیں ان کے بارے میں (بھی) مجھے خیر کے سوا کسی چیز کا علم نہیں ہے اور وہ (شخص) ہمیشہ میرے گھر میں میرے ساتھ آیا ہے، پس حضرت سعد بن معاذ الانصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اس (تہمت کا آغاز کرنے والے) کے مقابلہ میں آپ کی حمایت کرتا ہوں، اگر وہ شخص اوس سے ہوا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور

يَضْحَكُ فَكَانَتْ أَوَّلُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا يَا عَائِشَةُ أَمَّا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَدْ بَرَّأَكِ فَقَالَتْ أُمِّي قُومِي إِلَيْهِ قَالَتْ فَقُلْتُ لَا وَاللّٰهِ لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُ إِلَّا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ الْعَشْرَ الْآيَاتِ كُلَّهَا فَلَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذَا فِي بَرَاءَتِي قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رضی الله عنه وَكَانَ يُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحِ بْنِ أُثَاثَةَ لِقَرَابَتِهِ مِنْهُ وَفَقْرِهِ وَاللّٰهِ لَا أُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِي قَالَ لِعَائِشَةَ مَا قَالَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾﴾ (النور: ٢٢) قَالَ أَبُو بَكْرٍ بَلَى وَاللّٰهِ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لِي فَرَجَعَ إِلَى مِسْطَحٍ النَّفَقَةَ الَّتِي كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَقَالَ وَاللّٰهِ لَا أَنْزِعُهَا مِنْهُ أَبَدًا قَالَتْ عَائِشَةُ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَسْأَلُ زَيْنَبَ ابْنَةَ جَحْشٍ عَنْ أَمْرِي فَقَالَ يَا زَيْنَبُ مَاذَا عَلِمْتِ أَوْ رَأَيْتِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَحْمِي سَمْعِي وَبَصَرِي مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا قَالَتْ وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِينِي مِنْ أَزْوَاجِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَعَصَمَهَا اللّٰهُ بِالْوَرَعِ وَطَفِقَتْ أُخْتُهَا حَمْنَةُ تُحَارِبُ لَهَا فَهَلَكَتْ فِيمَنْ هَلَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْإِفْكِ۔

اگر وہ ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہوا تو آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس پر عمل کریں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ خزرج کے سردار ہیں وہ کھڑے ہوئے، پہلے وہ اچھے آدمی تھے، مگر (آج اپنی قوم کی) غیرت ان پر غالب آگئی، انہوں نے کھڑے ہو کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی بقا کی قسم! تم نے غلط بیانی کی ہے، تم اس شخص کو قتل نہیں کرو گے اور نہ ہی اسے قتل کرنے کی تم میں طاقت ہے، پس حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے جو کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے، انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے غلط بیانی کی ہے، اللہ کی بقا کی قسم! ہم ضرور اس شخص کو قتل کریں گے، کیا تم (بھی) منافق ہو گئے ہو جو منافقوں کی حمایت میں جھگڑ رہے ہو؟ پس (اس طرح) اوس اور خزرج دونوں قبیلے (جوش میں) اٹھ کھڑے ہوئے، حتیٰ کہ انہوں نے باہم لڑائی کا ارادہ کر لیا اور (دوسری طرف) رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے تھے، آپ (اپنے منبر سے) مسلسل انہیں ٹھنڈا کرتے رہے، حتیٰ کہ لوگ خاموش ہو گئے اور آپ ﷺ بھی خاموش ہو گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس میرا یہ پورا دن اس طرح گزرا کہ میرے آنسو نہیں تھم رہے تھے اور نہ (اس دوران) میں نے نیند کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا۔ فرماتی ہیں: پس (اگلے روز) صبح کو بھی میرے والدین میرے پاس موجود تھے اور مجھے روتے روتے دو راتیں اور ایک دن گزر چکا تھا، جس میں میں نے نہ تو نیند کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا تھا اور نہ میرے آنسو رکے تھے، (اس حالت کو دیکھ کر میرے والدین) یہ گمان کر رہے تھے کہ اتنا رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا، پس وہ دونوں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ اس اثناء میں انصار کی ایک عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی، میں نے اسے اجازت دی تو وہ بیٹھ گئی اور (خود بھی) میرے ساتھ رونے لگی۔ ابھی ہم اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، پس آپ نے سلام کیا اور پھر

بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سے تہمت کا سلسلہ شروع ہوا تھا اس وقت سے لے کر آج سے پہلے تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس نہیں بیٹھے، ایک مہینے تک آپ نے میرے معاملہ میں انتظار کیا (لیکن) آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ فرماتی ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھے بیٹھے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا: حمد و ثناء کے بعد اے عائشہ! بے شک مجھے تمہارے بارے میں اس اس طرح کی خبر پہنچی ہے، پس اگر تم پاک ہو تو عنقریب اللہ عزوجل تمہاری پاکیزگی بیان فرما دے گا اور اگر تم سے کسی لغزش کا ارتکاب ہو گیا ہے تو اللہ عزوجل سے تم بخشش طلب کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنی لغزش کا اعتراف کر کے اللہ عزوجل کی طرف رجوع کر لیتا ہے تو اللہ عزوجل اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پس جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بات مکمل فرمائی میرے آنسو ایک دم اس طرح خشک ہو گئے کہ میں اس کا ایک قطرہ بھی اب محسوس نہیں کر رہی تھی، پس میں نے اپنے والد (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے آپ (میری طرف سے) اس کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے نہیں سمجھ آ رہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا عرض کروں؟ پس میں نے اپنی والدہ سے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیں۔ انہوں نے (بھی یہی) کہا کہ: مجھے نہیں سمجھ آ رہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا عرض کروں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس میں نے (خود ہی) عرض کیا اور اس وقت میں ایک کم سن لڑکی تھی اور میں نے قرآن مجید بہت زیادہ نہیں پڑھا تھا، (میں نے عرض کیا کہ:) اللہ کی قسم! بلاشبہ یہ بات مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگوں نے (میرے متعلق) یہ بات اس قدر سنی ہے کہ یہ آپ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اس کی تصدیق بھی کی ہے، پس اگر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ میں (اس تہمت سے) پاک ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں پاک ہوں، تو آپ لوگ ضرور میری تصدیق نہیں کریں گے اور اگر میں (اس)

تہمت کا اعتراف کرلوں حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں پاک ہوں، تو آپ لوگ ضرور میری تصدیق کریں گے۔ اللہ کی قسم! آپ لوگوں کے لیے میں کوئی مثال نہیں پاتی سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے اس جملہ کے، انہوں نے فرمایا تھا: پس صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم لوگ بیان کررہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد کی درخواست ہے O (یوسف ۱۸) فرماتی ہیں: پھر میں دوسری جانب منہ کر کے اپنے بستر پر لیٹ گئی اور اس وقت میں بہت مطمئن تھی کہ میں پاک ہوں اور مجھے یقین تھا کہ اللہ عزوجل میری براءت (پاکیزگی) ضرور بیان فرمائے گا، لیکن اللہ کی قسم! مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ اللہ عزوجل میرے معاملہ میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی (ہمیشہ) تلاوت کی جائے گی، اور میرے خیال میں میرا معاملہ اس سے کہیں کم تر تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسی بات فرمائے گا جو (ہمیشہ) تلاوت کی جائے گی، البتہ مجھے یہ امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیند میں کوئی ایسا خواب (ضرور) دیکھیں گے کہ جس سے اللہ تعالیٰ میری پاکیزگی ظاہر فرمائے گا، فرماتی ہیں: پس اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کہیں جانے کے لیے ابھی یہاں سے) اٹھے بھی نہیں تھے اور گھر والوں میں سے بھی کوئی باہر نہیں گیا تھا اور آپ پر وحی کا نزول شروع ہوگیا، پس آپ پر وہی شدت طاری ہوگئی جو (نزول وحی کے وقت) آپ پر طاری ہوتی تھی، حتیٰ کہ جو کلام آپ پر نازل ہو رہا تھا اس کی ثقالت کی وجہ سے موتیوں کی طرح آپ سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے، حالانکہ یہ سردی کا دن تھا۔ فرماتی ہیں: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ مسکرا رہے تھے، پس (نزول وحی کے بعد) سب سے پہلی جو بات آپ نے فرمائی وہ یہ تھی کہ: اے عائشہ! اللہ عزوجل نے تمہاری پاکیزگی بیان فرمادی ہے، پس میری والدہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑی ہو جاؤ، پس میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی اور میں (ابھی) صرف اللہ عزوجل کی تعریف کروں گی۔ اللہ عزوجل نے اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ

عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ (سے وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۝ تک) دس آیتیں مکمل نازل فرمائیں۔ جب یہ آیتیں میری پاکیزگی کے بیان میں اللہ عزوجل نے نازل فرمادیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر ان سے قرابت داری اور ان کی غربت کی وجہ سے (اپنا مال) خرچ کیا کرتے تھے ان کے متعلق انہوں نے فرمادیا کہ: اللہ کی قسم! میں آئندہ مسطح پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا بعد اس کے کہ انہوں نے (میری بیٹی) عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ہے۔ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس کہنے پر) پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمادے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۝ (النور: ۲۲) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (یہ آیت سن کر) کہا: کیوں نہیں! اللہ کی قسم! میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل میری مغفرت فرمادے، پس آپ نے مسطح رضی اللہ عنہ کو پھر سے خرچہ دینا شروع کر دیا جو پہلے آپ دیا کرتے تھے اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس خرچہ کو ان سے کبھی نہیں روکوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے (بھی) میرے معاملہ میں دریافت کیا تھا اور فرمایا تھا: اے زینب! تمہیں (اس بارے میں) کیا کچھ معلوم ہے اور تمہاری کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی بہت حفاظت کرتی ہوں، (عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق) مجھے خیر کے سوا کسی چیز کا علم نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا وہ خاتون ہیں جو مجھ سے بلند رہنا چاہتی تھیں، پس اللہ عزوجل نے ان کی خدا خوفی کی وجہ سے ان کو (تہمت لگانے سے) محفوظ رکھا، (البتہ) ان کی بہن حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ان (کی بلندی) کے لیے لڑیں، پس وہ تہمت

لگانے والوں میں شامل ہو کر ہلاک ہو گئی۔

حدیث افک کے مباحث پر سب سے زیادہ محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی کا بحث اور تحقیق فرمانا

یہ حدیث اسی تفصیل کے ساتھ اس سے قبل دو مرتبہ گزر چکی ہے، ایک مرتبہ کتاب الشہادات میں رقم الحدیث ۲۶۶۱ کے تحت اور دوسری مرتبہ کتاب المغازی میں ۴۱۴۱ کے تحت، اور استاذ مکرم محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی دونوں مرتبہ اس کی بہت مفصل شرح کر چکے ہیں۔ البتہ پہلی حدیث (۲۶۶۱) کی شرح میں خود آپ کے بہ قول آپ نے علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ کی عمدۃ القاری کو پیش نظر رکھا ہے، جب کہ دوسری حدیث (۴۱۴۱) کی شرح میں آپ نے علامہ ابو حفص عمر بن علی المعروف بابن الملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ ھ کی التوضیح سے استفادہ فرمایا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں علامہ کی دونوں ابحاث کے عنوان ذکر کیے جارہے ہیں:

نعمۃ الباری، کتاب الشہادات میں حدیث افک: ۲۶۶۱ کی شرح کے عنوانات

(۱) حدیث مذکور کے رجال (۲) حدیث مذکور میں درج مشکل الفاظ کے معانی (۳) افک کا معنی، اہل افک کے اسماء اور حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ کا تذکرہ (۴) حضرت علی نے حضرت عائشہ کے علاوہ دیگر عورتوں کا جو مشورہ دیا تھا، اس کی توجیہ علامہ عینی کی طرف سے اور دیگر توجیہات مصنف کی طرف سے (۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عالی ظرفی اور اخلاق کی بلندی (۶) حدیث افک سے مستنبط بائیس فقہی مسائل (۷) حدیث افک سے مستنبط مزید تیئس فقہی مسائل (۸) حضرت عائشہ کی براءت میں ایک ماہ کی تاخیر میں مصنف کی بیان کردہ حکمتیں۔ (نعمۃ الباری ج ۵ ص ۴۸۶۔۴۷۸)

نعمۃ الباری، کتاب المغازی میں حدیث افک: ۴۱۴۱ کی شرح کے عنوانات

(۱) غزوۂ بنو المصطلق کے وقوع کی تاریخ میں اختلاف اور اس میں مصنف کی تحقیق (۲) قرعہ اندازی کی تحقیق، قرعہ اندازی کا ثبوت اور قرعہ اندازی کا طریقہ (۳) سفر میں کسی بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی میں مذاہب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیویوں میں عدل کرنے کا عدم وجوب (۴) حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ کا تذکرہ (۵) حضرت عائشہ پر تہمت لگانے والوں کی تعداد اور بعض مشکل الفاظ کے معانی (۶) حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مباحثہ کی توجیہ (۷) اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ کے ذکر کو اکثر محدثین نے امام بخاری کا وہم کہا اور اس پر مصنف کی گرفت (۸) حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے باہمی کلام کی وضاحت (۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو اعتراف گناہ کی جو تلقین کی اس کے متعلق علامہ داؤدی کی تقریر، پھر مصنف کی تقریر (۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عجز وانکسار (۱۱) حضرت عائشہ کے عتاب کی توجیہ علامہ ابن ملقن کی طرف سے، پھر مصنف کی طرف سے (۱۲) حدیث مذکور کے مختصر فوائد (۱۳) علامہ ابن الملقن کی نکتہ شناسی پر مصنف کا تعاقب اور تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کے ثبوت میں احادیث (۱۴) مقبولین کے درمیان حضرت عائشہ کی خصوصی فضیلت اور انفرادیت۔ (نعمۃ الباری ج ۷)

شرح صحیح مسلم میں حدیث افک کی شرح کے عنوانات

علاوہ ازیں یہ حدیث چونکہ صحیح مسلم، کتاب التوبہ (رقم: ۲۷۷۰) میں بھی موجود ہے اس لیے محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے شرح صحیح مسلم میں بھی اس پر بہت سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور مختلف عنوانات قائم کر کے بہت دلائل کے ساتھ گفتگو

کی ہے۔آپ کی اس شرح کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) سفر میں بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی میں مذاہب (۲) نزول وحی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ کی براءت کے متعلق علم اور شبہات کے جوابات (۳) کسی نبی کی زوجہ نے کبھی بدکاری نہیں کی (۴) حضرت عائشہ کی براءت پر علماء اہل سنت کے دلائل (۵) حضرت عائشہ کی براءت پر علماء شیعہ کے دلائل (۶) حضرت عائشہ کی براءت کے متعلق نازل ہونے والی قرآن مجید کی آیات (۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل (۸) حدیث افک سے استنباط شدہ مسائل (۹) حضرت عائشہ کا یہ کہنا کہ "میں حضور کے لیے قیام نہیں کروں گی، میں صرف اللہ کی حمد کروں گی"۔ (شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۵۷۰-۵۵۸)

تفسیر تبیان القرآن میں سورۃ النور کی آیات افک کے تحت حدیث افک کا تذکرہ اور اس کی شرح میں بعض معاصرین کے اعتراضات کے جوابات

بات یہیں پر مکمل نہیں ہوتی، بلکہ علامہ نے اپنی تفسیر تبیان القرآن میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس کے تحت ایک نئے عنوان کے طور پر بعض معاصرین کے حدیث افک پر آٹھ اعتراضات ذکر کر کے ان کے مدلل جوابات دیئے ہیں، اور چونکہ حدیث افک کا دارومدار حضرت ابن شہاب زہری پر ہے اس لیے علامہ نے ان کی ثقاہت اور روایت حدیث میں ان کے مقام ومرتبہ پر بہت دلائل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور منکرین حدیث کی طرف سے ابن شہاب زہری کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی جاتی ہے اس کا بھرپور جواب دیا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۸ ص ۱۰۲-۹۷)

قارئین سے التماس ہے کہ وہ حدیث افک کا فقط ترجمہ پڑھنے پر اکتفاء نہ کریں، بلکہ اس کی شرح کے ان تمام عنوانات کا تفصیل سے مطالعہ کریں جو محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کے حوالہ سے ہم نے اوپر ذکر کیے ہیں اور ان عنوانات کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد بھی یہی ہے، نیز ان عنوانات کے تحت جب اصل ابحاث کا مطالعہ کیا جائے گا تو قارئین پر یہ بھی منکشف ہو جائے گا کہ حدیث افک کے مختلف مباحث اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات پر سب سے زیادہ تحقیق محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر انہیں بہترین اجر عطا فرمائے اور صحت کے حوالہ سے اس وقت جس تکلیف اور پریشانی سے وہ گزر رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس دفاع کے صدقہ میں اس تکلیف اور بیماری سے نجات عطا فرمائے اور ان کا سایہ رحمت ہم پر دراز فرمائے۔

حدیث افک پر شارح بخاری علامہ ابن ابی جمرہ کی شرح اور اس سے کچھ علمی نکات

علامہ عبداللہ بن ابی جمرہ اندلسی متوفی ۶۹۹ ھ بہت عظیم محدث اور صحیح بخاری کے بہت مایہ ناز ارمستند شارح ہیں۔ نعمۃ الباری کی مختلف جلدوں میں استاذ مکرم نے آپ کی تحقیق کو اپنی شرح کی زینت بنایا ہے اور بعض مقامات پر دلائل کے ساتھ ان سے اختلاف بھی فرمایا ہے، تاہم مجموعی حیثیت سے ان کی شرح اور تحقیق بہت وقیع اور بہت مدلل ہوتی ہے۔ حدیث افک کے مباحث پر بھی انہوں نے بہت مفصل اور جامع تحقیق فرمائی ہے اور ساتھ ہی اس حدیث پر وارد ہونے والے بعض دلچسپ سوالات بھی انہوں نے ذکر فرمائے ہیں اور پھر علمی اور تحقیقی انداز میں ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کی اس شرح سے کچھ علمی نکات اور کچھ سوالات کے جوابات ذکر کر رہے ہیں، تاکہ حدیث افک کے بعض مباحث مزید واضح ہو جائیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہودج میں سوار ہونا اور اس کے ضمن میں مختلف شرعی مسائل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے ہودج سمیت سوار کیا جاتا تھا اور اسی کے ساتھ اتارا جاتا تھا۔ اس سے چند امور معلوم ہوئے:

(۱) ایک یہ کہ جو چیز دنیا سے اور دنیا کی زیب و زینت سے تعلق رکھتی ہو اس سے اگر دین پر معاونت حاصل ہو رہی ہو تو وہ چیز دنیا نہیں رہتی، بلکہ آخرت سے ہو جاتی ہے۔ ''ہودج'' اہل عرب کے ہاں باہمی فخر کی چیز تھی، مگر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دینی مصلحت دیکھی تو پردے کی غرض سے اس کو استعمال کروایا۔

(۲) دوسرا یہ کہ جانور پر بھاری چیز لادنا جائز ہے، جب کہ جانور اس کی طاقت رکھتا ہو۔ ہودج بھی بھاری ہوتا ہے اور اس کو جانور پر لادا گیا، مگر چونکہ اس میں طاقت تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

(۳) جو پردہ عورت کے بدن سے جدا ہو اس کو اجنبی آدمی چھو سکتا ہے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود فرمایا کہ کچھ آدمی مقرر تھے جو ان کا ہودج اٹھاتے بھی تھے اور اتارتے بھی تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قضائے حاجت فرمانے کے بعد اپنے گلے کے ہار کی طرف متوجہ ہونا اور کچھ شرعی مسائل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر جب اپنی حاجت پوری کر کے میں اپنی منزل کی طرف آنے لگی تو اچانک میری توجہ ہوئی کہ ظفار (یمن کی بستی) کے نگینوں کا بنا ہوا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا ہے۔ اس جملہ سے چند امور معلوم ہوئے:

(۱) ایک یہ کہ خبیث چیزوں کا نام اپنی زبان پر لانے سے (حتیٰ الامکان) بچنا چاہیے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قضائے حاجت کے لیے ''قضیت شانی'' فرمایا، جس کا معنی ہے: جب میں اپنے کام سے فارغ ہوئی۔

(۲) اپنا مال ڈھونڈنا چاہیے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہار تلاش کیا۔

(۳) عورتوں کا اپنا زیور پہن کر سفر کرنا جائز ہے، لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ اس زیور سے آواز پیدا نہ ہو، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گلے میں ہار پہنا تھا اور ہار سے آواز پیدا نہیں ہوتی، اور اگر ایسا زیور جس سے آواز پیدا ہوتی ہو تو اس کو (اجنبی مردوں کے لیے) پہننا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی آواز فتنہ کا سبب بنے گی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی بیماری کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور کچھ شرعی مسائل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے اس (تہمت) کا کچھ بھی علم نہیں تھا، البتہ اس بیماری کے دوران مجھے اس بات سے کچھ شبہ ہوتا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ لطف و کرم نہیں پاتی تھی جو اس سے پہلے بیماری کے دنوں میں پاتی تھی۔ اب صرف اتنا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے اور سلام کر کے فرماتے کہ تم کیسی ہو؟ پھر واپس تشریف لے جاتے۔ اس سے چند امور معلوم ہوئے:

(۱) مریض کے ساتھ لطف اور محبت سے پیش آنا سنت ہے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں آپ کا وہ لطف و کرم نہیں پاتی تھی جو اس سے پہلے بیماری کے دنوں میں پاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ (اصلاً) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں پر بہت لطف فرمایا کرتے تھے۔

(۲) جس شخص کے بارے میں کوئی ایسی بات مشہور کر دی جائے جو اس کے حق میں قذف (یعنی بدکاری کی تہمت) قرار پائے تو اس سے کنارا کشی کرنی چاہیے، البتہ اس سے بالکل قطع تعلق کر لینا جائز نہیں ہے، جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنی عادت اور معمول کو (کچھ دنوں کے لیے) تبدیل فرما دیا، لیکن اس کے باوجود آپ ان کے پاس تشریف لاتے، سلام کرتے اور

مزاج پرسی فرماتے۔

(۳) گھر والوں میں جب کوئی بیمار ہو تو اس کا حال پوچھتے رہنا چاہیے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حال دریافت فرماتے تھے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ بعض اوقات مریض کی تکلیف بڑھ جاتی ہے، تو گھر کے سرپرست کو جب مریض کے حال کا صحیح علم ہوگا تو وہ اس کے علاج کی ذمہ داری پوری کر سکے گا۔

(۴) گھر والوں کو سلام کرنا چاہیے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر والوں کو سلام کرتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے گھر میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۶۹۸)

(۵) اس حدیث سے "سد ذریعہ" کا اصول بھی مستفاد ہوتا ہے۔ (یعنی لوگوں کی زبان بند کرنا، انہیں بات بنانے کا موقع نہ دینا) کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کی ہر بھلائی اور خوبی سے واقف تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ایسے نہیں ہیں جیسی باتیں کی جا رہی ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے لطف و کرم میں کمی فرمادی اور کچھ لاتعلقی کا اظہار فرمایا، محض اس لیے تاکہ سد ذریعہ ہو سکے، کیونکہ "غیرت" (اپنے محبوب کے متعلق کسی بھی قسم کی غلط بات یا اس کے ساتھ کسی غیر کی شرکت کو برداشت نہ کرنا) دین کا حصہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اظہار نہ فرماتے تو اس سے ترکِ غیرت لازم آتا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طرزِ عمل اختیار فرمایا جس کا بیان ابھی گزرا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں حضرت علی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمانا اور اس سے علامہ ابن ابی جمرہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عدمِ علم پر استدلال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب آپ پر وحی نازل ہونے میں دیر ہوگئی تو آپ نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو بلایا، آپ ان دونوں سے اپنی زوجہ کو چھوڑ دینے کے معاملہ میں مشورہ لینا چاہتے تھے۔

علامہ ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تہمت کے اس واقعہ میں حقیقت سے واقف نہ ہونا آپ کے معجزہ کی دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ جو کچھ لاتے ہیں وہ رب عزوجل کی طرف سے لاتے ہیں، کیونکہ آپ نے قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبریں دی ہیں، جب کہ تہمت کے بارے میں آپ کو (حقیقت کا) علم نہیں تھا، اسی لیے آپ نے مشاورت فرمائی اور آپ پر بشریت کے اوصاف ظاہر ہوئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ہر غیب کی خبر اللہ عزوجل کی طرف سے دیتے ہیں۔

اگر آپ کا خبر دینا کسی اور ذریعہ سے ہوتا جیسا کہ کفار سمجھتے ہیں تو آپ اس تہمت کے بارے میں بھی اسی ذریعہ سے جان لیتے۔

مصنف کی طرف سے علامہ ابن ابی جمرہ کے اس استدلال کا جواب

علامہ ابن ابی جمرہ کے اس استدلال پر حیرت ہے کہ جس چیز کا پہلے وہ اقرار اور اثبات کر چکے ہیں، اسی کا یہاں وہ رد کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و کرم میں کمی محسوس کرنے کی بات فرمائی تو علامہ ابن ابی جمرہ نے یہ توجیہ کی کہ یہ محض "سد ذریعہ" کے لیے تھا، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر والوں کی ہر بھلائی اور ہر خوبی کا علم تھا اور آپ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ایسے نہیں ہیں جیسی باتیں کی جا رہی ہیں۔ یعنی علامہ ابن ابی جمرہ واضح طور پر تسلیم کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت حال سے باخبر تھے۔ اس کے بعد پھر اپنی ہی بات کے خلاف فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مشاورت فرمائی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو حقیقت کا علم نہیں تھا، اور پھر اس نفی کے ساتھ ساتھ یہاں یہ اعتراف بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبر دی، بلکہ صحیح احادیث کے مطابق صحابہ نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وہ

واقعات بھی بتائے جو ہو چکے اور وہ واقعات بھی بتائے جو آئندہ ہوں گے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۹۲) اور ظاہر ہے کہ اس کے عموم میں واقعہ افک بھی داخل ہے۔

علاوہ ازیں خود واقعہ افک کی حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ (قرآنی آیات نازل ہونے سے پہلے ہی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر صحابہ سے فرمایا:

فو اللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا و قد ذکروا رجلا ما علمت علیہ الا خیرا۔

اللہ کی قسم! مجھے اپنی اہلیہ کے متعلق پاکیزگی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں ہے اور لوگوں نے جس شخص کے ساتھ تہمت لگائی ہے مجھے اس کے متعلق بھی صرف پاکیزگی کا علم ہے۔

(صحیح بخاری: ۴۷۵۰، صحیح مسلم: ۲۷۷۰)

لہٰذا علامہ ابن ابی جمرہ کا یہ کہنا قطعاً صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تہمت کے اس واقعہ میں (حقیقت کا) کوئی علم نہیں تھا۔

البتہ علامہ ابن ابی جمرہ اس کی بنیاد پر جو بات ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دین اور جو بھی خبر لے کر آئے وہ اللہ عزوجل ہی کی جانب سے لائے ہیں۔ اللہ عزوجل کے علاوہ آپ کی خبر کا کوئی اور ذریعہ ہوتا تو آپ واقعہ افک کی خبر بھی لے آتے اور لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے، اور کسی سے آپ کو مشاورت کی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔

مگر علامہ ابن ابی جمرہ نے یہ نکتہ آفرینی اس طرح بھی فرما سکتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ اس واقعہ کی حقیقت سے من جانب اللہ پوری طرح باخبر تھے (جیسا کہ صحیح احادیث سے اوپر ثابت کیا گیا) مگر اس کے باوجود آپ نے مشاورت فرمائی اور از خود کوئی فیصلہ نہیں فرمایا، بلکہ وحی جلی (قرآنی آیات) کے نزول کا انتظار فرمایا، تاکہ کفار پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، اور یہ جو کچھ فرماتے اور حکم دیتے ہیں وہ اللہ عزوجل کی جانب سے ہوتا ہے، اور دوسری جانب ناپختہ ایمان والوں کے دلوں میں شیطان یہ وسوسہ بھی نہ ڈال سکے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلدی کا مظاہرہ فرمایا اور اپنے گھر کا معاملہ تھا اس لیے آپ نے زیادہ تحقیق نہیں فرمائی۔ اس طرح کے تمام شکوک و شبہات اور وسوسوں کا ازالہ فرمانے کے لیے اتمام حجت کے طور پر آپ نے اپنے اصحاب سے مشاورت فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی والدہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو مقدم کرنا اور یہ فرمانا کہ میں صرف اللہ عزوجل کی حمد کروں گی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ عزوجل نے تمہاری پاکیزگی بیان فرما دی ہے، پس میری والدہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کھڑی ہو جاؤ، پس میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی اور میں صرف اللہ عزوجل کی حمد کروں گی۔

صحیح بخاری: ۲۶۶۱ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! تم اللہ عزوجل کی حمد کرو، کیونکہ اس نے تمہاری پاکیزگی بیان فرما دی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ایک حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا کہ اللہ عزوجل کی حمد کرو اور ایک حکم والدہ کا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قیام کرو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے والدہ کے حکم پر عمل نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کی اور یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت والدین کی اطاعت پر مقدم ہے، لہٰذا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قیام نہیں کروں گی" یہ اس بناء پر ہے کہ میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کروں گی اور وہ حکم یہ تھا کہ تم اللہ عزوجل کی

حمد کرو، نہ یہ بات کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدانخواستہ ناراض تھیں۔ اگر ایسی کوئی وجہ ہوتی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس موقع پر خاموش نہ رہتے، بلکہ وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر سختی فرماتے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام کرنے پر مجبور کرتے، لیکن انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا، حالانکہ آپ ہی نے اس سے بہت چھوٹی بات پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر سختی اور ناراضگی فرمائی جب ایک سفر میں ان کا ہار گم ہو جانے سے پورا قافلہ رک گیا اور آیت تیمم نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری: ۳۳۴، صحیح مسلم: ۳۶۷، سنن ابوداؤد: ۳۲۰) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی والدہ کے کہنے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام نہ فرمانا خالصۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے حکم کو مقدم کرنے کی وجہ سے تھا۔

حدیث افک پر علامہ ابن ابی جمرہ کے وارد کردہ کچھ سوالات اور ان ہی کے دیئے ہوئے جوابات

(۱) ایک سوال یہ ہے کہ جب قرآن مجید نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کو بیان فرمادیا تو پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوری حدیث افک بیان کر کے اپنی پاکیزگی کیوں بیان فرمائی اور انہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پورا واقعہ اس لیے بیان فرمایا تاکہ کسی قسم کی بدگمانی باقی نہ رہے، کیونکہ قرآن مجید کی آیات سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی قسم کی بدکاری نہیں کی، تاہم کسی بد باطن کے ذہن میں یہ گمان آسکتا ہے کہ بدکاری کے علاوہ کچھ نہ کچھ ایسی بات ضرور ہوئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے تہمت لگانے کا ارتکاب کیا۔ اگر سرے سے کچھ بھی نہ ہوا ہوتا تو اتنی بڑی بات نہ بنائی جاتی، سو اس بدگمانی سے لوگوں کو بچانے کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تہمت کا پورا واقعہ بیان فرمایا اور ایک ایک بات تفصیل سے ذکر فرمائی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جانور ذبح کرنے اور حلق کروا کر احرام کھول دینے کا حکم فرمایا اور صحابہ نے (شدت غم) سے اس حکم پر عمل نہیں کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا، تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگ قربانی وغیرہ کر لیں، تو آپ باہر تشریف لائیں اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنا اونٹ نحر فرمادیں اور سر مونڈنے والے کو بلا کر سر منڈا دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس طرح کیا تو سب نے آپ کی پیروی کی۔ (صحیح بخاری: ۲۷۳۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشورہ دیا، اس میں مسلمانوں کے ساتھ رحمت اور لطف کا اظہار تھا، کیونکہ انہوں نے یہ مشورہ دے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب سے اس رنج کو دور کیا جو بعد میں لوگوں کے لیے ہلاکت کا باعث ہو سکتا تھا، سو جس طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کلام اور مشورہ لوگوں کے لیے باعث رحمت ثابت ہوا، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی زبان سے واقعہ افک کو تفصیلاً بیان فرمانا بھی لوگوں پر شفقت اور رحمت کی بناء پر ہے، تاکہ لوگ بدکاری کے علاوہ اور کسی قسم کی بدگمانی بھی نہ کریں اور اللہ عزوجل کی ناراضگی سے محفوظ رہیں۔

(۲) ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر عبداللہ بن ابی کے خلاف حمایت طلب کی تو قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے یہ کیوں کہا کہ: اگر وہ شخص اوس سے ہوا تو میں اس کی گردن اڑادوں گا اور اگر وہ ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہوا تو آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس پر عمل کریں گے؟ انہوں نے دونوں صورتوں میں قتل کی بات کیوں نہیں کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ اہل عرب کے عرف وعادت کے مطابق تھا، کیونکہ ان میں یہ طریقہ تھا کہ قبیلہ کا سردار اپنی قوم پر از خود فیصلہ کر دیا کرتا تھا اور اس کی ہر بات میں پیروی کی جاتی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی قبیلہ اوس کے سردار تھے اور ان کا حکم اپنی قوم پر مکمل نافذ تھا، اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ابھی تہمت لگانے والے میں کوئی

نص یعنی واضح حکم وارد نہیں ہوا تھا اس لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے یہ کہا کہ ''میں اس کی گردن اڑا دوں گا''۔ اور قبیلہ خزرج والوں کے لیے انہوں نے قتل کی بات نہیں کی، بلکہ صرف یہ کہا کہ ہم آپ کے حکم کی فرمانبرداری کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''خزرج'' ان کا قبیلہ نہیں تھا اور خزرج والے ان کے حکم کے ماتحت نہیں تھے، اس لیے انہوں نے خزرج والوں کا معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر موقوف رکھا، تاکہ کسی ذاتی اقدام کے کرنے سے باہم جھگڑا لازم نہ آئے۔

(۳) ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں فرمایا: ''پس وہ دونوں (میرے والدین) میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ اس اثناء میں انصار کی ایک عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی، میں نے اس کو اجازت دی تو وہ آکر بیٹھ گئی اور (وہ بھی) میرے ساتھ رونے لگی''۔ اس جملہ کے مطابق انصار کی یہ عورت آپ کے ساتھ رونے میں شامل ہوگئی، جب کہ آپ کے والدین نہیں رو رہے تھے، اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ والدین کو اپنی بیٹی کا غم زیادہ ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان کے سات درجات ہیں، ان میں سے سب سے اونچا درجہ تسلیم و رضا ہے، جس کو طمانیت یا اطمینان بھی کہا جاتا ہے اور تمام اہل ایمان باعتبار درجات برابر نہیں ہیں، بلکہ بعض لوگ مقام خوف میں ہوتے ہیں، بعض تسلیم و رضا میں ہوتے ہیں اور بعض کسی اور درجہ میں، اور جو تسلیم و رضا کے درجہ میں ہوتے ہیں وہ تقدیر کے فیصلہ پر نہ تو اعتراض کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے معاملات میں کسی تاویل اور حیلہ کا سہارا لیتے ہیں، کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے ہر فیصلہ کو دلی طور پر قبول کر چکے ہوتے ہیں، اس لیے کوئی فائدہ ہو یا نقصان، وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کو تسلیم و رضا میں (انبیاء کرام کے بعد) سب سے اونچا مقام حاصل ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اور غار میں آپ کے ساتھ رہنے والے ہیں اور حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا بھی اس مقام و مرتبہ میں آپ سے قریب ہیں، سو اس لیے یہ دونوں اس واقعہ پر نہیں روئے اور تسلیم و رضا کا پیکر بنے رہے۔ جہاں تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تھا تو (اگر چہ وہ بھی تسلیم و رضا کی پیکر تھیں، مگر) وہ حیاء کے غلبہ کی وجہ سے زیادہ رو رہی تھیں، کیونکہ انہیں والدین سے بھی حیا آ رہی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حیا آ رہی تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ ابھی ان کی عمر مبارک بھی کم تھی، سو اس لیے ان کا غم بہت بڑھ گیا اور نیند بالکل غائب ہوگئی اور آنسو مسلسل جاری ہو گئے۔

(۴) ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خرچ کے معاملہ میں اللہ عزوجل نے (النور: ۲۲ میں) مغفرت کا وعدہ کیوں فرمایا؟ جب کہ قرآن و سنت میں علی العموم خرچ کرنے کے جو فضائل آئے ہیں ان میں فقط اجر و ثواب کو بڑھانے کا ذکر کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خرچ کرنے پر مغفرت کا وعدہ اس لیے فرمایا گیا کہ اس میں خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی اور ان کے بدری ہونے کا لحاظ کرنا بھی شامل ہے، اور اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دلی صدمہ پہنچنے کے باوجود تواضع اور انکساری فرمائی، پس پاک ہے وہ لطیف و حکیم پروردگار جس نے ہر شخص کو اس کے حال کے موافق بلندی عطا فرمائی اور اپنے حسن تدبیر سے ہر شخص کو اس کے درجہ اور مرتبہ میں رکھا۔ (بہجۃ النفوس للمحدث ابن ابی جمرہ ج ۳ ص ۴۷۔ ۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

۷۔ بَابٌ: وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النور: ۱۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نے جس (تہمت) کا چرچا کیا تھا اس کی وجہ سے تمہیں بہت

بڑا عذاب پہنچتا O (النور: ۱۴) کی تفسیر

فضل ورحمت اور عذاب عظیم کا معنی ومفہوم اور اس آیت کے مخاطبین کا تعین

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فضل اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہما کے سلسلہ میں قرآنی آیات نازل فرمائیں اور ان دونوں کی براءت اور پاکیزگی کو بیان فرمایا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ تم لوگوں نے تہمت سے توبہ کرلی اور عذاب سے بچ گئے۔

عذاب کے بارے میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ ہوسکتا ہے اس سے آخرت کا عذاب مراد ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے دنیا کا عذاب مراد ہو۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۷ ص ۵۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس آیت میں صرف ان لوگوں سے خطاب ہے جو مسلمان تھے اور تہمت لگانے میں مشغول ہوئے، کیونکہ وہی اللہ عزوجل کے فضل اور رحمت سے مستفید ہوئے اور انہوں نے ہی اپنی تہمت سے توبہ کی جب کہ منافقین، جنہوں نے اس تہمت کی نشر واشاعت میں خوب کردار ادا کیا انہوں نے کسی قسم کی توبہ نہیں کی، اس لیے براءت کی آیات نازل ہونے سے وہ لوگ دنیا میں رسوا ہوگئے اور آخرت میں ذلیل ہونا اور جہنم کا عذاب پانا ابھی باقی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ براءت کی آیات نازل فرما کر اللہ عزوجل نے مسلمانوں پر بہت فضل وکرم اور رحمت فرمائی، کہ اس سے انہیں توبہ کی توفیق ملی اور وہ صدق دل سے توبہ کرکے اور حد شرعی کو پا کر حسب سابق طیب اور طاہر ہوگئے اور اخروی عذاب سے بچ گئے، جب کہ دوسری طرف منافقین بے نقاب ہوگئے اور ان کا اصلی چہرہ سامنے آگیا اور یوں آیات براءت کے نزول سے دونوں گروہوں میں فرق بالکل واضح ہوگیا اور اب بھی یہ فرق واضح ہوتا رہتا ہے (جیسا کہ مشاہدہ سے ثابت ہے) اور قیامت تک یہ فرق اسی طرح واضح ہوتا رہے گا۔ اسی لیے قرآن مجید کا ایک نام ''الفرقان'' ہے، یعنی حق اور باطل میں فرق واضح کرنے والی کتاب۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَلَقَّوْنَهُ يَرْوِيهِ بَعْضُكُمْ عَنْ بَعْضٍ تُفِيضُونَ تَقُولُونَ۔

اور مجاہد نے کہا، تلقونه کا معنی ہے: تم اس آیت کو ایک دوسرے سے نقل کرنے لگے۔ اور تُفِيضُونَ کا معنی ہے: تم کہتے ہو۔

اس تعلیق میں امام بخاری نے دو الفاظ کی تفسیر ذکر کی ہے۔ پہلے لفظ سے سورۃ النور کی آیت: ۱۵ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس کی تفصیل اگلے باب میں مستقل آرہی ہے اور امام بخاری تعلیق کے اس حصہ کو وہیں ذکر کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا جب کہ دوسرے لفظ سے سورۂ یونس کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ:

وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ۔ (یونس: ۶۱)

اور تم جو کام بھی کرتے ہو تو ہم (اس وقت) تم سب پر گواہ ہوتے ہیں جس وقت تم ان کاموں میں مشغول ہوتے ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام بخاری نے یہاں سورۂ یونس کے لفظ (تُفِيْضُوْنَ) کی تفسیر اس لیے ذکر کی تاکہ اس سے سورۃ النور کی زیر بحث آیت میں لفظ ''افضتم'' کا معنی واضح ہوجائے، کیونکہ یہ دونوں الفاظ ''الافاضہ'' سے ہیں، جس کا معنی ہے: الاکثار فی القول (بہت زیادہ باتیں کرنا)۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۲۲)

۴۷۵۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان

حُصَيْنٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ أُمِّ رُومَانَ أُمِّ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا رُمِيَتْ عَائِشَةُ خَرَّتْ مَغْشِيًّا عَلَيْهَا۔

کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے خبر دی از حصین از ابو وائل از مسروق از حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا، جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں، انہوں نے فرمایا: جب عائشہ (رضی اللہ عنہا) پر تہمت لگائی گئی تو وہ بے ہوش ہو کر گر گئیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۸۸ میں گزر چکی ہے، تاہم یہاں ایک اعتراض اور اس کے جواب کی تفصیل ضروری ہے:

مسروق کا حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف اور راجح قول کا بیان

اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کو مسروق نے حضرت ام رومان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حالانکہ مسروق کا حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں ہے، بلکہ ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات میں چار یا پانچ یا چھ ہجری میں انتقال کر گئی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر میں اترے تھے، جب کہ مسروق تابعین میں سے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں یمن سے مدینہ منورہ آئے تھے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

غور و فکر کے بعد جو بات مجھ پر واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری کا یہ روایت کرنا درست ہے، کیونکہ جنہوں نے اس سند پر اعتراض کیا ہے ان کا دارومدار اس بات پر ہے کہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں چار یا پانچ یا چھ ہجری میں انتقال کر گئیں تھیں اور یہ وہ بات ہے جس کو واقدی نے اور سند منقطع کے ساتھ زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے اور صرف واقدی کی کسی بات کو بنیاد بنا کر اسانید صحیحہ کا رد نہیں کیا جا سکتا۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ اوسط اور تاریخ صغیر میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا ذکر ان لوگوں میں سے کیا ہے جن کا انتقال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا اور پھر لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کے وفات پانے کی روایت محل نظر ہے اور مسروق کی حدیث سنداً بہت قوی ہے اور اس کا متصل ہونا بالکل واضح ہے۔ امام بخاری کا کلام مکمل ہوا۔ ابراہیم الحربی نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ مسروق نے حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے حدیث کا سماع کیا ہے اور اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی۔ اس اعتبار سے ان کا حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے سماع حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا، کیونکہ ان کی ولادت ہجرت کے سال ہوئی ہے۔ اسی لیے امام ابونعیم الاصبہانی نے کہا کہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی حیات تھیں۔

الخطیب نے صرف واقدی اور زبیر بن بکار کے سہارے ان تمام حقائق کا رد کیا ہے، حالانکہ واقدی اور زبیر بن بکار نے جو بات ذکر کی ہے کہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے چار یا پانچ یا چھ ہجری میں وفات پائی، یہ درست نہیں ہے، کیونکہ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، جب تخییر (الاحزاب: ۲۹۔۲۸) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اختیار دینے کا) آغاز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور فرمایا: اے عائشہ! بے شک میں تمہارے سامنے ایک معاملہ پیش کر رہا ہوں پس تم اس میں از خود کوئی فیصلہ نہ کرنا جب تک تم اسے اپنے والدین حضرت ابو بکر اور حضرت ام رومان رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش نہ کرو۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۱۲) اور اس بات پر سب متفق ہیں کہ آیت تخییر ۹ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ واقدی اور زبیر بن بکار نے حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کے انتقال کا جو سن ذکر کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔

(فتح الباری، ملخصاً ج ۵ ص ۲۷۴۔ ۲۷۳ مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب الاصابہ میں بھی یہی بحث فرمائی ہے۔

(الاصابہ ج ۸ ص ۳۹۴۔۳۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد بھی زندہ تھیں اور مسروق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد یمن سے مدینہ منورہ آئے تھے اس لیے ان کا براہ راست حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے روایت کرنا بالکل ممکن ہے، بلکہ صحیح بخاری کی حدیث: ۴۱۴۳ میں انہوں نے صراحۃً کہا ہے کہ: حدثتنی ام رومان (مجھے ام رومان نے حدیث بیان کی)، لہٰذا حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے ان کا سماع ثابت ہے اور امام بخاری کی اس سند کے بارے میں منقطع ہونے کا قول کرنا درست نہیں ہے۔

نعمۃ الباری کی ساتویں جلد میں حدیث: ۴۱۴۳ کے تحت محدث اعظم علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے اور وہاں حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکورہ عبارت کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر حافظ ابن حجر کے استاذ علامہ ابن الملقن (صاحب توضیح) کا نظریہ بھی پیش کیا ہے۔ قارئین مزید تحقیق کے لیے اس کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

۸۔ بَابٌ: اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ (النور: ۱۵)

اللہ عزوجل کے ارشاد: جب تم یہ (تہمت) اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے منہ سے وہ بات کہتے رہے جس کا تمہیں علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی ○ (النور: ۱۵) کی تفسیر

اس آیت میں فرمایا: "تم اپنے منہ سے وہ بات کہتے رہے"۔ حالانکہ بات منہ سے ہی کی جاتی ہے، اس کے باوجود منہ کا ذکر اس لیے فرمایا تا کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ تہمت بغیر علم اور تحقیق کے تم لوگوں میں گردش کرنے لگی، کیونکہ جس چیز کا علم ہو وہ پہلے دل و دماغ میں ہوتی ہے اور پھر زبان پر آتی ہے اور جس چیز کا کوئی علم ہی نہ ہو وہ صرف زبانوں پر جاری ہوتی ہے، علم اور تحقیق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۲۳۔۱۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جیسے قرآن مجید میں ایک مقام پر فرمایا: يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (آل عمران: ۱۶۷)۔ یہ لوگ اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

۴۷۵۲۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ اَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقْرَاُ اِذْ تَلِقُوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی کہ ابن جریج نے انہیں خبر دی کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو (اس طرح) پڑھتے ہوئے سنا: اِذْ تَلِقُوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قراءت اور اس پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱۴۴ کے تحت گزر چکی ہے، البتہ یہاں مختصراً یہ وضاحت ضروری ہے کہ قراءت مشہورہ کے

مطابق یہ اِذْ تَلِقُوْنَہٗ ہے، جس کا معنی ہے: زبان در زبان کوئی بات منتقل کرنا، جب کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس طرح اس کو پڑھا ہے اس کے مطابق اس کا معنی ''جھوٹ بولنا'' ہے۔ صحیح البخاری: ۴۱۴۴ میں یہ صراحت ہے کہ آپ اِذْ تَلِقُوْنَہٗ پڑھتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اَلْوَلْقُ کا معنی الکذب ہے۔ (یعنی جھوٹ بولنا اور جھوٹی خبر دینا)، اس اعتبار سے سورۃ النور کی آیت: ۱۵ کا معنی یہ ہوگا کہ: جب تم اس جھوٹی تہمت کی خبر دیتے رہے یا غلط بیانی کرتے رہے۔ اور قراءت مشہورہ کے مطابق ترجمہ ہوگا کہ: جب تم یہ تہمت ایک دوسرے کی طرف منتقل کرتے رہے۔ رہا یہ کہ قراءت مشہورہ میں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پڑھنے میں فرق کیوں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کے مختلف قراءتوں پر نازل ہونے کی وجہ سے ہے، کیونکہ قرآن مجید اس طرح نازل ہوا ہے کہ اس کو سات طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے، جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے، پس اس قرآن سے جو آسان لگے اس کی تلاوت کرو۔ (صحیح بخاری: ۲۴۱۹، صحیح مسلم: ۸۱۸) ان شاء اللہ فضائل القرآن میں حدیث: ۴۹۹۲ کے تحت ہم اس حدیث کی مفصل شرح کریں گے۔

۹۔ بَابٌ: وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ (النور:۱۶)

اللہ عز وجل کے ارشاد: اور تم نے اس (تہمت) کو سنتے ہی یہ کیوں نہ کہا: ایسی بات کرنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے، اے اللہ! تو پاک ہے، یہ تو بہت سنگین بہتان ہے O (النور:۱۶) کی تفسیر

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تہمت کی بات سنی تو انہوں نے فوراً کہا: سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (اے اللہ تو پاک ہے، یہ بہت سنگین بہتان ہے)۔

اسی طرح سعید بن المسیب رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہما نے جب اس تہمت سے متعلق کوئی بات سنی تو فوراً کہا: اے اللہ تو پاک ہے، یہ بہت سنگین بہتان ہے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۱۴۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

یعنی آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہی ان حضرات نے سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ کہہ دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے جب آیت نازل فرمائی تو اس میں تہمت لگانے والوں کو مخاطب کر کے اس طرف متوجہ کیا کہ تم لوگوں نے یہ جملہ کیوں نہیں کہا!

تہمت کے اس افسوس ناک موقع پر سبحانک یا سبحان اللہ کہنا عربی محاورہ کے مطابق ہے، کیونکہ عربی میں یہ الفاظ تعجب کے موقع پر بولے جاتے ہیں، اور یہاں اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ وہ اپنے نبی کو عیب دار کرے اور فجور والی عورت ان کے نکاح میں دے اور جب اللہ عز وجل اس بات سے ہی پاک ہے تو پھر نبی کی زوجہ پر بدکاری کا الزام لگانا سوائے سنگین بہتان کے اور کیا ہو سکتا ہے!

۴۷۵۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ حُسَيْنٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ قَالَ اسْتَاْذَنَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَبْلَ مَوْتِهَا عَلٰى عَائِشَةَ وَهِيَ مَغْلُوْبَةٌ قَالَتْ اَخْشٰى اَنْ يُّثْنِيَ عَلَيَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عمر بن سعید بن ابی حسین، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی موت سے قبل جب

فَقِيلَ ابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَمِنْ وُجُوهِ الْمُسْلِمِينَ قَالَتْ ائْذَنُوا لَهُ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدِينَكِ قَالَتْ بِخَيْرٍ إِنِ اتَّقَيْتُ قَالَ فَأَنْتِ بِخَيْرٍ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ زَوْجَةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ يَنْكِحْ بِكْرًا غَيْرَكِ وَنَزَلَ عُذْرُكِ مِنَ السَّمَاءِ وَدَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ خِلَافَهُ فَقَالَتْ دَخَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَثْنَى عَلَيَّ وَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا۔

(صحیح ابن حبان: ۷۱۰۸، المستدرک ج ۴ ص ۸، الطبقات لابن سعد ج ۸ ص ۷۴، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۰، طبع قدیم، مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۹، رقم: ۱۹۰۵، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، المعجم الکبیر: ۱۰۷۸۳، مسند ابو یعلیٰ: ۲۶۴۸)

نزع کے عالم میں تھیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (ان کے پاس آنے کی) اجازت چاہی، آپ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ یہ میری تعریف کریں گے، تو کہا گیا: یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد ہیں اور مسلمانوں کے اکابرین میں سے ہیں، آپ نے فرمایا: (چلو پھر) انہیں اجازت دے دو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (آپ کے پاس آکر) پوچھا: آپ اپنے آپ کو کیسا پاتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اللہ عزوجل سے ڈروں تو بہت بہتر ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان شاء اللہ آپ بہتر ہی ہیں (کیونکہ) آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کے سوا کسی کنواری سے نکاح نہیں فرمایا اور آسمان سے آپ کی پاکیزگی کا بیان نازل ہوا، (حضرت ابن عباس کے جانے کے بعد) ان کے پیچھے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (ابھی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے تھے اور انہوں نے میری تعریف کی، پس میں تو چاہتی ہوں کہ میں بھولی بسری اور گمنام ہو جاؤں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ان کے پاس آنا اور ان کی تعریف و توصیف کرنا

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے: و نزل عذرك من السماء (آسمان سے آپ کی پاکیزگی کا بیان نازل ہوا) یعنی اس جملہ کی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں روایت کیا، اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ سے مراد سعید القطان کے بیٹے ہیں اور ابن ابی ملیکہ سے مراد عبد اللہ ہیں۔

اس حدیث میں فرمایا: وھی مغلوبة۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا موت کی تکلیف سے مغلوب تھیں۔ اس حالت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے پاس آنا چاہا، تو آپ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ یہ میری تعریف کریں گے، تو آپ سے کہا گیا: یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد ہیں۔ یہ جملہ کہنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہما تھے۔ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جملہ سے یہ سمجھا کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو منع فرمانا چاہ رہی ہیں تو انہوں نے فوراً آپ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مقام و مرتبہ کی طرف توجہ دلائی، اور جنہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے اجازت طلب کی وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ذکوان تھے۔ یہ تمام تفصیل امام احمد نے اپنی مسند میں امام عبد الرزاق سے روایت کی ہے، چنانچہ امام احمد کہتے ہیں: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبد اللہ بن عثمان بن خثیم از ابن ابی ملیکہ از ذکوان جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں، کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے اجازت طلب کی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت نزع کے عالم میں تھیں اور آپ کے پاس آپ کے بھائی حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے

بیٹے عبد اللہ موجود تھے۔ (الی آخر الحدیث) (مسند احمد ج ۱ ص ۳۴۹)

صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کی سند میں ذکوان کا نام مذکور نہ ہونا اور اس سے علامہ ابن الملقن کا اس حدیث کے مرسل ہونے پر استدلال

امام بخاری کی زیر بحث روایت میں ابن ابی ملیکہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کسی واسطہ کا ذکر نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس ملاقات کے موقع پر ابن ابی ملیکہ موجود تھے، جب کہ امام احمد کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی ملیکہ خود وہاں موجود نہیں تھے، البتہ انہوں نے یہ ساری تفصیل ذکوان سے سنی ہے اور پھر اس کو ذکوان ہی سے روایت کیا ہے۔ اس اعتبار سے امام بخاری کی سند پر یہ اعتراض ہوگا کہ اس میں ابن ابی ملیکہ نے ذکوان کا نام چھوڑ دیا ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہ راست اس حدیث کو روایت کیا ہے، اس لیے یہ سنداً متصل نہیں ہے۔

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد انصاری شافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام احمد کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ (اس مقام پر) امام بخاری کی سند میں ارسال ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ابن ابی ملیکہ اس موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود نہیں تھے (بلکہ انہوں نے اس حدیث کو ذکوان سے ہی سن کر روایت کیا ہے)۔ (التوضیح ج ۲۳ ص ۴۸، مطبوعہ وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن الملقن کے اس استدلال پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا کلام اور علامہ ابن الملقن کی تردید

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اپنی شرح میں علامہ ابن الملقن کی اس عبارت کا رد کیا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ انہیں (علامہ ابن الملقن کو) یہ یقین کیسے حاصل ہوا کہ ابن ملیکہ نہ تو وہاں موجود تھے اور نہ انہوں نے براہ راست اس حدیث کو سماعت کیا ہے اور آخر اس میں رکاوٹ کیا ہے؟ ہوسکتا ہے یہ تمام افراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود ہوں اور کافی دیر تک بیٹھے ہوں اور اس دوران جو کچھ ہوا ہو اس کو ان لوگوں میں سے ذکوان نے آگے روایت کیا ہو۔ (لہٰذا اس سے ابن ابی ملیکہ کا غیر حاضر ہونا لازم نہیں آتا)۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۴۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد اور علامہ ابن الملقن کی تائید

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اپنی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت کا رد کیا ہے اور علامہ ابن الملقن کی تائید میں کلام کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الملقن نے اپنی عبارت میں یقین کا دعویٰ کیا ہی نہیں ہے، بلکہ ایک امکان قریب کا اظہار کیا ہے (پھر بھی حافظ ابن حجر نے لکھ دیا کہ مجھے نہیں معلوم کہ انہیں یہ یقین کیسے حاصل ہوا؟) اور حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ ابن الملقن کا کیسے رد کر سکتے ہیں حالانکہ انہوں نے اپنی عبارت میں "لعلہ" (جس کا معنی ہے: ہوسکتا ہے) کا لفظ کہہ کر خود اپنا رد کیا ہے!!

(عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۱۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مصنف کا نقطہ نظر اور اس پر زیر بحث حدیث کی سند سے استدلال

ہمارے نزدیک بھی علامہ ابن الملقن کا موقف قوی ہے کہ اس مقام پر امام بخاری کی سند میں ارسال ہے، کیونکہ ابن ابی ملیکہ اس موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود نہیں تھے اور انہوں نے یہ حدیث ذکوان ہی سے سن کر روایت کی ہے۔ علامہ ابن

الملقن نے یہ دعویٰ اگرچہ یقین کے ساتھ نہیں کیا (جیسا کہ علامہ عینی نے فرمایا) تاہم ہمیں اس دعویٰ پر یقین حاصل ہے اور یہ یقین اس لیے حاصل ہے کہ ابن ابی ملیکہ نے خود یہی کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث ذکوان نے بیان کی ہے، جیسا کہ مسند احمد (ج ۱ ص ۲۷۷) اور طبقات ابن سعد (ج ۸ ص ۷۵) میں اس کی صراحت موجود ہے اور ابن ابی ملیکہ کی اپنی صراحت کے ہوتے ہوئے احتمال، امکان اور لعل وغیرہ کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر ابن ابی ملیکہ کی یہ صراحت نہ ہوتی تو پھر مختلف احتمالات اور مفروضات قائم کرنا مناسب ہوتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کمال تواضع اور انکسار اور خوف الٰہی

زیر بحث حدیث میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا واضح ثبوت موجود ہے، کہ انہوں نے بے پناہ تواضع اور انکساری کا اظہار فرمایا اور بالکل گوارا نہیں فرمایا کہ ان کی تعریف کی جائے، حتیٰ کہ فرمایا: میں تو چاہتی ہوں کہ میں ''نسیا منسیا'' ہو جاؤں۔ یعنی بھولی بسری اور گمنام اور کوئی بھی مجھے پہچانے نہ میرا تذکرہ کرے۔ اور آپ کا یہ جملہ خالصۃً خوف الٰہی کے غلبہ اور شدت کی وجہ سے تھا۔ طبقات ابن سعد میں آپ کے یہ جملے بھی مذکور ہیں کہ:

آپ نے اپنے وصال کے قریب فرمایا: کاش میں پیدا نہ کی جاتی! کاش میں ایک درخت ہوتی اور میں تسبیح کرتی رہتی اور میرے پتے اور شاخیں وغیرہ کاٹ دی جاتیں!

کاش میں ایک پتھر ہوتی! کاش میں مٹی کا ایک ڈھیلا ہوتی! کاش میں درخت کا ایک پتا ہوتی!

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۷۵۔ ۷۴، دار صادر، بیروت)

صحابہ کرام کا خوف وخشیت اور ان کے مختلف جملے

سورۂ مریم کی آیت: ۲۳ میں اللہ عزوجل نے حضرت مریم علیہا السلام کا یہ جملہ ذکر فرمایا ہے کہ: (دردزہ کے وقت) انہوں نے کہا: کاش! میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور بھولی بسری اور گمنام ہو جاتی۔ مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے اس آیت کی تفسیر میں مختلف صحابہ اور تابعین کے وہ اقوال ذکر کیے ہیں جو انہوں نے خوف خدا کے غلبہ سے کہے، مثلاً حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا: کاش! میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔ کاش! مجھے پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ (کتاب الزہد للوکیع، رقم الحدیث: ۱۵۹، مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳) اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک پرندے کو درخت پر بیٹھا ہوا دیکھا تو فرمایا: کاش میں اس پرندے کی جگہ ہوتا۔ (کتاب الزہد للوکیع، رقم الحدیث ۱۶۵، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۷) اور ایک موقع پر فرمایا: اے پرندہ! تیرے لیے خوشی ہے، تجھ سے حساب لیا جائے گا نہ تجھے عذاب ہوگا۔ (کتاب الزہد للہناد، رقم الحدیث ۴۳۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: کاش! میں اس طرح تنکا ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے دن کہا: کاش! میں اس دن کے آنے سے ۲۰ سال پہلے فوت ہو چکا ہوتا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر کہا: کاش! بلال کو اس کی ماں نے نہ جنا ہوتا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۲۶) (تبیان القرآن ملخصاً ج ۷ ص ۲۶۷)

امام عبدالرزاق نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر فرمایا: کاش! میں ایک مینڈھا ہوتا اور مجھے میرے گھر والے ذبح کر کے کھا لیتے، اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش! میں کسی ٹیلے کی ریت ہوتا، جسے تیز ہوائیں ادھر ادھر اڑا دیتیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہ جملے یہاں اس لیے ذکر کیے گئے ہیں تاکہ خوف وخشیت اور تقویٰ و پرہیزگاری میں ان کا

مقام و مرتبہ واضح ہو جائے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ اس طرح کے تمنائی جملے بہت سنجیدگی کے ساتھ بولنے چاہئیں اور اس وقت بولنے چاہئیں جب اللہ عزوجل کا خوف بہت شدت اختیار کر جائے، نہ یہ کہ ان جملوں کو وقت بے وقت بول کر یا ان کو اپنا تنظیمی مونوگرام بنا کر ان جملوں کی اہمیت ختم کی جائے، یا موقع، بے موقع بول کر لوگوں کو ہنسنے کی دعوت دی جائے!! ہر کام میں حسن تدبیر اور حکمت ضروری ہے۔

۴۷۵۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الْقَاسِمِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اسْتَأْذَنَ عَلَى عَائِشَةَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ نِسْيًا مَنْسِيًّا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ: ہمیں محمد بن المثنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب بن عبدالمجید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، ہمیں ابن عون نے حدیث بیان کی از القاسم، کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس (آنے کی) اجازت طلب کی۔ بقیہ حدیث سابق ہے، البتہ انہوں نے (یعنی القاسم نے) نسیا منسیا کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے آنا اور اس بارے میں امام احمد کی مفصل روایت کا بیان

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں دیگر اصحاب کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس تشریف لائے اور اس موقع پر ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کی کچھ تفصیل گزشتہ حدیث (۴۷۵۳) میں بیان ہو چکی ہے، البتہ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس گفتگو کو زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے اور ایک سے زائد اسناد کے ساتھ متعدد مقامات پر روایت کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی مکمل روایت پیش کر رہے ہیں:

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ ہمیں معاویہ بن عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن خثیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی، یہ کہ ان کو ذکوان نے حدیث بیان کی، جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دربان تھے، کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لائے، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی اجازت چاہتے تھے، پس میں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس) حاضر ہوا، اس وقت ان کے سرہانے ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ موجود تھے، میں نے عرض کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اجازت طلب کر رہے ہیں، تو ان کے بھائی کے بیٹے عبداللہ ان پر جھک آئے اور وہ بھی یہ کہنے لگے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (آپ سے ملنے کے لیے) اجازت طلب کر رہے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت موت کے عالم میں تھیں، سو آپ نے فرمایا: مجھے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے نہ ملاؤ، تو عبداللہ نے عرض کیا: امی جان! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے نیک بیٹوں میں سے ہیں، وہ آپ کو سلام اور الوداع کہنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو ان کو (آنے کی) اجازت دے دو۔

ذکوان کہتے ہیں: پس میں ان کو اندر لے آیا، پھر انہوں نے بیٹھتے ہی (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہا: آپ کو بشارت ہو۔ آپ نے فرمایا: اور کچھ؟ تو انہوں نے کہا: آپ کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر محبوبین سے آپ کے ملنے کے درمیان صرف بدن سے روح نکلنے کا فاصلہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ازواج مطہرات میں آپ سب سے زیادہ محبوب تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف طیب اور پاکیزہ چیز سے محبت فرماتے تھے، نیز غزوۂ ابواء کی رات آپ کا ہار کہیں گر گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آپ

کی خاطر) ٹھہر گئے حتیٰ کہ اس جگہ صبح ہوگئی اور لوگ بھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، حالانکہ ان کے پاس پانی بھی نہیں تھا، پس اللہ عزوجل نے تیمم کا حکم نازل فرمایا، سو یہ حکم اور اس میں امت کے لیے جو رخصت اور سہولت ہے وہ آپ ہی کے سبب سے ہے، اور سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ عزوجل نے آپ کی پاکیزگی کا بیان نازل فرمایا، جسے روح امین (حضرت جبریل) لے کر نازل ہوئے، پس اب کوئی مسجد ایسی نہیں ہے جس میں شب و روز ان آیات کی تلاوت نہ ہوتی ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابن عباس! مجھے (میرے حال پر) چھوڑ دو اور مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں یہ تمنا کرتی ہوں کہ میں بھولی بسری اور گمنام ہو جاؤں۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۷ طبع قدیم، مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۸۔۲۹۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث سے حافظ ابن حجر عسقلانی کا استنباط مسائل

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا علم بہت وسیع تھا اور صحابہ و تابعین کے درمیان ان کا مرتبہ بہت عظیم تھا، نیز اس واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تواضع و انکسار، بلندی مرتبہ اور دینی معاملات میں ان کے تحقق فرمانے کا ثبوت بھی موجود ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بغیر اجازت کے امہات المومنین کے پاس نہیں آتے تھے۔ علاوہ ازیں اس واقعہ میں چھوٹے کا بڑے کو مشورہ دینے کا ثبوت بھی ہے اور اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ علم اور دین میں جو اکابر ہوں ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کرنا چاہیے اور جس تعظیم کے وہ حق دار ہوں اس کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۴۵ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو آنے کی اجازت اس وجہ سے دی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم زاد ہیں۔

۱۰۔ بَابٌ: يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ (النور: ۱۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد: اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دوبارہ ایسی بات کبھی بھی نہ کرنا اگر تم مومن ہو ○ (النور: ۱۷) کی تفسیر

۴۷۵۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها قَالَتْ جَاءَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا قُلْتُ أَتَأْذَنِينَ لِهَذَا قَالَتْ أَوَلَيْسَ قَدْ أَصَابَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ قَالَ سُفْيَانُ تَعْنِي ذَهَابَ بَصَرِهِ فَقَالَ

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثَى مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ

قَالَتْ لَكِنْ أَنْتَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اعمش از ابوالضحیٰ از مسروق از سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے فرمایا کہ: حضرت حسان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) نے ان سے (ملاقات کی) اجازت طلب کی، میں نے عرض کی: کیا آپ انہیں (بھی اپنے پاس آنے کی) اجازت دیتی ہیں؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا انہیں بڑا عذاب نہیں پہنچ چکا؟ سفیان کہتے ہیں: اس سے ان کی مراد تھی حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا نابینا ہو جانا، پھر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے (یہ شعر) عرض کیا: (آپ) بہت پاک دامن اور باوقار خاتون ہیں اور کسی تہمت والی بات سے آلودہ نہیں ہیں۔ آپ اس حالت میں صبح کرتی ہیں کہ پاک دامن عورتوں کے گوشت سے

آپ کا پیٹ خالی ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (یہ سن کر ان سے) فرمایا: لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔

اس حدیث کی شرح کے لیے صحیح البخاری: ۴۱۴۶ اور ۴۷۴۹ کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۱۔ بَابُ ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (النور:۱۸)

اللہ عزوجل کے ارشاد: اور اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے ۝ (النور:۱۸) کی تفسیر

۴۷۵۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ عَلَى عَائِشَةَ فَشَبَّبَ وَقَالَ

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثَى مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ

قَالَتْ لَسْتَ كَذَاكَ قُلْتُ تَدَعِينَ مِثْلَ هَذَا يَدْخُلُ عَلَيْكِ وَقَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَالَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ﴾ (النور:۱۱) فَقَالَتْ وَأَيُّ عَذَابٍ أَشَدُّ مِنَ الْعَمَى وَقَالَتْ وَقَدْ كَانَ يَرُدُّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از اعمش از ابوالضحیٰ از مسروق، انہوں نے کہا: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہوں نے تشبیب کے ساتھ یہ شعر کہا: (آپ) باوقار خاتون ہیں اور کسی تہمت والی بات سے آلودہ نہیں ہیں۔ آپ اس حالت میں صبح کرتی ہیں کہ پاک دامن عورتوں کے گوشت سے آپ کا پیٹ خالی ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ان سے) فرمایا: (لیکن) آپ ایسے نہیں ہیں۔ (مسروق کہتے ہیں:) میں نے عرض کی: آپ ان جیسے شخص کو اپنے پاس آنے دیتی ہیں حالانکہ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: ان میں سے جس نے اس تہمت میں بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے ۝ (النور:۱۱) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نابینا ہو جانے سے زیادہ شدید عذاب کیا ہوگا! اور انہوں نے (حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بھی) فرمایا کہ: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح کے لیے بھی صحیح البخاری: ۴۱۴۶ اور ۴۷۴۹ کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۲۔ بَابُ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾

اللہ عزوجل کے ارشاد: بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۝ اور اگر تم ان پر اللہ کا فضل

وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾
(النور:۱۹۔۲۰)

اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بہت شفیق اور بے حد مہربان ہے (تو تم پر عذاب آجاتا) O

(النور:۲۰۔۱۹) کی تفسیر

تَشِیْعَ تَظْهَرَ۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں ایمان والوں سے پاک دامن مرد اور پاک دامن عورتیں مراد ہیں اور یہ لفظ اگرچہ تمام اہل ایمان کے لیے ہے، مگر یہاں (خصوصیت کے ساتھ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو مراد لیا گیا ہے اور ''فاحشہ'' کا معنی ہے: انتہائی بدترین فعل، اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں اس کا معنی ہے: بری بات، اور دنیا میں دردناک عذاب سے مراد ہے: حد کا جاری ہونا اور آخرت کے اعتبار سے اس کا معنی ہے: جہنم کا عذاب، جو کہ (تہمت لگانے والوں میں) منافقین کے ساتھ خاص ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز ۱۸ ج ۶ ص ۱۹۰، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ ام المومنین سیدہ عائشہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہما کے لیے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے متعلق کوئی بری بات عام ہو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

آگے جو فرمایا: ''اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے'' اس سے مراد یہ ہے کہ جنہوں نے تہمت لگائی ان کا جھوٹا ہونا اور جن پر تہمت لگائی گئی ان کا سچا ہونا اللہ کے علم میں ہے، اور اے لوگو! تمہیں اس کا علم نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک غیب ہے اور غیوب کا علم اللہ عزوجل کو ہے، لہٰذا جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کو ایمان والوں کی طرف منسوب نہ کرو، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی طرف، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۱۳۴۔۱۳۳، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام بخاری نے کہا: تشیع کا معنی ہے: ظاہر ہو جائے۔

اس سے امام بخاری کا مقصود سورۃ النور کی زیر بحث آیت: ۱۹ میں مذکور لفظ ''تشیع'' کا معنی بیان کرنا ہے، اور علامہ عینی نے کہا ہے کہ مجاہد نے بھی اس لفظ کی یہی تفسیر کی ہے، لیکن اس اضافہ کے ساتھ کہ اس لفظ کا معنی ہے: لوگوں میں اس بات کا چرچا ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۲۶)

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾
(النور:۲۲)

ارشاد باری تعالیٰ: اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے بے حد رحم فرمانے والا ہے O (النور:۲۲) کی تفسیر

یہ آیت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ آپ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر اپنا مال خرچ کیا کرتے

تھے، لیکن حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں حصہ لیا، جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ آئندہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر اپنا مال خرچ نہیں کریں گے۔ اس پر اللہ عزوجل نے مذکورہ آیت نازل فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو درگزر کرنے کا حکم فرمایا۔

۴۷۵۷۔ وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ذُكِرَ مِنْ شَأْنِي الَّذِي ذُكِرَ وَمَا عَلِمْتُ بِهِ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِيَّ خَطِيبًا فَتَشَهَّدَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي أُنَاسٍ أَبَنُوا أَهْلِي وَايْمُ اللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي مِنْ سُوءٍ وَأَبَنُوهُمْ بِمَنْ وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَطُّ وَلَا يَدْخُلُ بَيْتِي قَطُّ إِلَّا وَأَنَا حَاضِرٌ وَلَا غِبْتُ فِي سَفَرٍ إِلَّا غَابَ مَعِي فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ ائْذَنْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ أَنْ نَضْرِبَ أَعْنَاقَهُمْ وَقَامَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي الْخَزْرَجِ وَكَانَتْ أُمُّ حَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ مِنْ رَهْطِ ذَلِكَ الرَّجُلِ فَقَالَ كَذَبْتَ أَمَا وَاللهِ أَنْ لَوْ كَانُوا مِنَ الْأَوْسِ مَا أَحْبَبْتَ أَنْ تُضْرَبَ أَعْنَاقُهُمْ حَتَّى كَادَ أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ شَرٌّ فِي الْمَسْجِدِ وَمَا عَلِمْتُ فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ ذَلِكَ الْيَوْمِ خَرَجْتُ لِبَعْضِ حَاجَتِي وَمَعِي أُمُّ مِسْطَحٍ فَعَثَرَتْ وَقَالَتْ تَعِسَ مِسْطَحٌ فَقُلْتُ أَيْ أُمِّ تَسُبِّينَ ابْنَكِ وَسَكَتَتْ ثُمَّ عَثَرَتِ الثَّانِيَةَ فَقَالَتْ تَعِسَ مِسْطَحٌ فَقُلْتُ لَهَا أَيْ أُمِّ أَتَسُبِّينَ ابْنَكِ فَسَكَتَتْ ثُمَّ عَثَرَتِ الثَّالِثَةَ فَقَالَتْ تَعِسَ مِسْطَحٌ فَانْتَهَرْتُهَا فَقَالَتْ وَاللهِ مَا أَسُبُّهُ إِلَّا فِيكِ فَقُلْتُ فِي أَيِّ شَأْنِي قَالَتْ فَبَقَرَتْ لِي الْحَدِيثَ فَقُلْتُ وَقَدْ كَانَ هَذَا قَالَتْ نَعَمْ وَاللهِ فَرَجَعْتُ إِلَى بَيْتِي كَأَنَّ الَّذِي خَرَجْتُ لَهُ لَا أَجِدُ مِنْهُ قَلِيلًا وَلَا كَثِيرًا وَوُعِكْتُ فَقُلْتُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ أَرْسِلْنِي إِلَى بَيْتِ أَبِي فَأَرْسَلَ مَعِي الْغُلَامَ فَدَخَلْتُ الدَّارَ فَوَجَدْتُ أُمَّ رُومَانَ فِي السُّفْلِ وَأَبَا بَكْرٍ فَوْقَ الْبَيْتِ يَقْرَأُ فَقَالَتْ أُمِّي مَا جَاءَ بِكِ يَا بُنَيَّةُ

اور ابو اسامہ نے کہا از ہشام بن عروہ، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ آپ نے فرمایا: جب میرے متعلق لوگوں میں تہمت کا چرچا ہوا، حالانکہ مجھے اس کا کوئی علم نہیں تھا تو رسول اللہ ﷺ میرے معاملہ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے تشہد پڑھا، یعنی اللہ عزوجل کی حمد و ثناء بیان کی، ایسے الفاظ کے ساتھ جو اللہ عزوجل کے شایان شان تھے، پھر فرمایا: حمد و ثناء کے بعد! مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنہوں نے میری زوجہ پر تہمت لگائی ہے، حالانکہ اللہ کی قسم! مجھے اپنی زوجہ کے متعلق کسی برائی (میں مبتلا ہونے) کا علم نہیں ہے اور ان لوگوں نے ایسے شخص کے ساتھ تہمت لگائی ہے کہ اللہ کی قسم! اس کے متعلق بھی کبھی کوئی برائی میرے علم میں نہیں آئی اور وہ میرے گھر میں کبھی داخل نہیں ہوتے مگر یہ کہ میں (خود) موجود ہوں اور میں کسی بھی سفر میں (گھر سے) غائب ہوتا ہوں تو وہ بھی میرے ساتھ غائب ہوتے ہیں، پس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم تہمت لگانے والوں کی گردنیں اڑا دیں، (اتنے میں) بنو الخزرج کا ایک شخص کھڑا ہو گیا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی والدہ اسی شخص کے قبیلہ سے تھیں، اس شخص نے (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے) کہا: آپ نے کذب سے کام لیا ہے، اللہ کی قسم! اگر تہمت لگانے والے افراد قبیلہ اوس سے ہوتے تو آپ (قطعاً) پسند نہ کرتے کہ ان کی گردنیں اڑائی جائیں۔ (بات اتنی بڑھی) کہ مسجد ہی میں اوس اور خزرج کے درمیان جھگڑا برپا ہو گیا اور مجھے (کسی بات کا کوئی) علم نہیں تھا۔ جب اس دن شام ہوئی تو میں کسی ضرورت کی غرض سے باہر نکلی اور میرے ساتھ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ (بھی) تھیں، وہ (چلتے ہوئے) ٹھوکر کھا کر گر گئیں تو ان کے منہ سے نکلا:

فَأَخْبَرْتُهَا وَذَكَرْتُ لَهَا الْحَدِيثَ وَإِذَا هُوَ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهَا مِثْلَ مَا بَلَغَ مِنِّي فَقَالَتْ يَا بُنَيَّةُ خَفِّفِي عَلَيْكِ الشَّأْنَ فَإِنَّهُ وَاللهِ لَقَلَّمَا كَانَتْ امْرَأَةٌ حَسْنَاءُ عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا لَهَا ضَرَائِرُ إِلَّا حَسَدْنَهَا وَقِيلَ فِيهَا وَإِذَا هُوَ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهَا مَا بَلَغَ مِنِّي قُلْتُ وَقَدْ عَلِمَ بِهِ أَبِي قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَتْ نَعَمْ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ وَاسْتَعْبَرْتُ وَبَكَيْتُ فَسَمِعَ أَبُو بَكْرٍ صَوْتِي وَهُوَ فَوْقَ الْبَيْتِ يَقْرَأُ فَنَزَلَ فَقَالَ لِأُمِّي مَا شَأْنُهَا قَالَتْ بَلَغَهَا الَّذِي ذُكِرَ مِنْ شَأْنِهَا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ قَالَ أَقْسَمْتُ عَلَيْكِ أَيْ بُنَيَّةُ إِلَّا رَجَعْتِ إِلَى بَيْتِكِ فَرَجَعْتُ وَلَقَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْتِي فَسَأَلَ عَنِّي خَادِمَتِي فَقَالَتْ لَا وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا عَيْبًا إِلَّا أَنَّهَا كَانَتْ تَرْقُدُ حَتَّى تَدْخُلَ الشَّاةُ فَتَأْكُلَ خَمِيرَهَا أَوْ عَجِينَهَا وَانْتَهَرَهَا بَعْضُ أَصْحَابِهِ فَقَالَ اصْدُقِي رَسُولَ اللهِ ﷺ حَتَّى أَسْقَطُوا لَهَا بِهِ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللهِ وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا مَا يَعْلَمُ الصَّائِغُ عَلَى تِبْرِ الذَّهَبِ الْأَحْمَرِ وَبَلَغَ الْأَمْرُ إِلَى ذَلِكَ الرَّجُلِ الَّذِي قِيلَ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَاللهِ مَا كَشَفْتُ كَنَفَ أُنْثَى قَطُّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُتِلَ شَهِيدًا فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَتْ وَأَصْبَحَ أَبَوَايَ عِنْدِي فَلَمْ يَزَالَا حَتَّى دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَدْ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَخَلَ وَقَدِ اكْتَنَفَنِي أَبَوَايَ عَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ يَا عَائِشَةُ إِنْ كُنْتِ قَارَفْتِ سُوءًا أَوْ ظَلَمْتِ فَتُوبِي إِلَى اللهِ فَإِنَّ اللهَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ مِنْ عِبَادِهِ قَالَتْ وَقَدْ جَاءَتْ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَهِيَ جَالِسَةٌ بِالْبَابِ فَقُلْتُ أَلَا تَسْتَحْيِي مِنْ هَذِهِ الْمَرْأَةِ أَنْ تَذْكُرَ شَيْئًا فَوَعَظَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَالْتَفَتُّ إِلَى أَبِي فَقُلْتُ لَهُ أَجِبْهُ قَالَ فَمَاذَا أَقُولُ فَالْتَفَتُّ إِلَى أُمِّي فَقُلْتُ أَجِيبِيهِ

مسطح ہلاک ہوجائے۔ میں نے کہا: اماں جی! آپ اپنے بیٹے کو برا کہہ رہی ہیں؟ (لیکن) وہ چپ رہیں، پھر دوسری مرتبہ گر پڑیں، تو (دوبارہ) انہوں نے کہا: مسطح ہلاک ہوجائے۔ میں نے ان سے کہا: آپ اپنے بیٹے کو برا کہہ رہی ہیں؟ پھر وہ تیسری مرتبہ گر پڑیں، انہوں نے (پھر) کہا: مسطح ہلاک ہوجائے، تو میں نے ان کو سخت لہجہ میں اس سے روکا، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں صرف آپ کے معاملہ کی وجہ سے مسطح کو برا کہہ رہی ہوں۔ میں نے کہا: میرا کون سا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا۔ میں نے (انتہائی حیرت سے) کہا: کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! پس میں اپنے گھر لوٹ آئی اور میری حالت یہ تھی کہ جس کام کے لیے میں باہر نکلی تھی اس کا مجھے قطعاً احساس نہیں ہو رہا تھا، نہ کم نہ زیادہ اور مجھے بخار ہو گیا، پس میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: آپ مجھے میرے والد کے گھر بھجوا دیں، تو آپ نے ایک بچے کے ساتھ مجھے بھیج دیا، میں گھر میں داخل ہوئی تو میں نے (اپنی والدہ) حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کو گھر کے نچلے حصہ میں پایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گھر کے بالاخانے میں تلاوت کرتے ہوئے پایا۔ میری والدہ نے کہا: پیاری بیٹی! کیسے آنا ہوا؟ تو میں نے انہیں پورا واقعہ سنایا اور اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان کو اس واقعہ سے اتنا رنج وغم نہیں تھا جتنا مجھے تھا۔ پھر انہوں نے کہا: اے بیٹی! اس معاملہ میں پرسکون رہو (پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے) کیونکہ اللہ کی قسم! بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عورت بہت حسین ہو اور کسی ایسے شخص کے نکاح میں ہو جو اس سے محبت رکھتا ہو اور پھر اس کی سوکنیں بھی ہوں اور وہ سوکنیں اس (حسین عورت) سے حسد نہ کریں اور ایسی عورت میں عیب نہ نکالا جائے۔ مجھے (بہرحال) یہی معلوم ہو رہا تھا کہ ان کو اس معاملہ میں اتنی پریشانی لاحق نہیں تھی جتنی مجھے تھی۔ میں نے کہا: کیا میرے والد کو (بھی) یہ سب کچھ معلوم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: اور رسول اللہ ﷺ کو؟ انہوں نے کہا: ہاں! رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ سب کچھ معلوم ہے، پھر

فَقَالَتْ أَقُولُ مَاذَا فَلَمَّا لَمْ يُجِيبَاهُ تَشَهَّدْتُ فَحَمِدْتُ اللهَ وَأَثْنَيْتُ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قُلْتُ أَمَّا بَعْدُ فَوَاللهِ لَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ إِنِّي لَمْ أَفْعَلْ وَاللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَشْهَدُ إِنِّي لَصَادِقَةٌ مَا ذَاكَ بِنَافِعِي عِنْدَكُمْ لَقَدْ تَكَلَّمْتُمْ بِهِ وَأُشْرِبَتْهُ قُلُوبُكُمْ وَإِنْ قُلْتُ إِنِّي قَدْ فَعَلْتُ وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّي لَمْ أَفْعَلْ لَتَقُولُنَّ قَدْ بَاءَتْ بِهِ عَلَى نَفْسِهَا وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا وَالْتَمَسْتُ اسْمَ يَعْقُوبَ فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَيْهِ إِلَّا أَبَا يُوسُفَ حِينَ قَالَ ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ (یوسف:۱۸) وَأُنْزِلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ سَاعَتِهِ فَسَكَتْنَا فَرُفِعَ عَنْهُ وَإِنِّي لَأَتَبَيَّنُ السُّرُورَ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ يَمْسَحُ جَبِينَهُ وَيَقُولُ أَبْشِرِي يَا عَائِشَةُ فَقَدْ أَنْزَلَ اللهُ بَرَاءَتَكِ قَالَتْ وَكُنْتُ أَشَدَّ مَا كُنْتُ غَضَبًا فَقَالَ لِي أَبَوَايَ قُومِي إِلَيْهِ فَقُلْتُ لَا وَاللهِ لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُهُ وَلَا أَحْمَدُكُمَا وَلَكِنْ أَحْمَدُ اللهَ الَّذِي أَنْزَلَ بَرَاءَتِي لَقَدْ سَمِعْتُمُوهُ فَمَا أَنْكَرْتُمُوهُ وَلَا غَيَّرْتُمُوهُ وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَقُولُ أَمَّا زَيْنَبُ ابْنَةُ جَحْشٍ فَعَصَمَهَا اللهُ بِدِينِهَا فَلَمْ تَقُلْ إِلَّا خَيْرًا وَأَمَّا أُخْتُهَا حَمْنَةُ فَهَلَكَتْ فِيمَنْ هَلَكَ وَكَانَ الَّذِي يَتَكَلَّمُ فِيهِ مِسْطَحٌ وَحَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَالْمُنَافِقُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ وَهُوَ الَّذِي كَانَ يَسْتَوْشِيهِ وَيَجْمَعُهُ وَهُوَ الَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ هُوَ وَحَمْنَةُ قَالَتْ فَحَلَفَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ لَا يَنْفَعَ مِسْطَحًا بِنَافِعَةٍ أَبَدًا فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ يَعْنِي مِسْطَحًا إِلَى قَوْلِهِ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ حَتَّى قَالَ أَبُو بَكْرٍ بَلَى وَاللهِ يَا رَبَّنَا إِنَّا لَنُحِبُّ أَنْ تَغْفِرَ لَنَا وَعَادَ لَهُ بِمَا كَانَ يَصْنَعُ۔

(صحیح مسلم: ۲۷۷۰، سنن ترمذی: ۳۱۸۰، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۳

میری آنکھیں بھر آئیں اور میں آواز سے رونے لگیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری آواز سن لی، وہ گھر کے بالاخانے میں تلاوت کر رہے تھے، پس وہ نیچے اترے اور انہوں نے میری والدہ سے کہا: یہ کیوں رو رہی ہیں؟ انہوں نے کہا: اس کو وہ خبر پہنچ گئی ہے جو اس کے معاملہ میں گردش کر رہی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور انہوں نے (مجھ سے) فرمایا: اے میری بیٹی! میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم اپنے گھر لوٹ جاؤ، پس میں لوٹ آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی میرے گھر میں تشریف لائے اور آپ نے میری خادمہ (حضرت بریرہ) سے میرے متعلق پوچھا تو خادمہ نے کہا: اللہ کی قسم! ایسی کوئی بات نہیں ہے (اور) ان کے متعلق کسی قسم کا کوئی عیب میرے علم میں نہیں ہے، سوائے اس کے کہ (آٹا گوندھتے ہوئے) انہیں اونگھ آجاتی ہے حتیٰ کہ بکری آکر ان کا آٹا کھا جاتی ہے۔ صحابہ میں سے کسی نے خادمہ کو ٹوکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ سچ بیان کرو اور لوگوں نے خادمہ کو مختلف باتیں کہہ کر وضاحت چاہی، تو خادمہ نے کہا: اللہ عزوجل پاک ہے، اللہ کی قسم! میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق وہی بات جانتی ہوں جو سونے کے خالص ٹکڑے کے متعلق ایک سنار جانتا ہے (یعنی عیب سے پاک اور صاف ہونا) اور واقعہ کی یہ خبر اس شخص تک (بھی) پہنچی جس کے ساتھ تہمت لگائی تھی (یعنی حضرت صفوان رضی اللہ عنہ)، انہوں نے یہ خبر سن کر کہا: اللہ عزوجل پاک ہے! اللہ کی قسم میں نے کبھی کسی عورت کا کپڑا نہیں کھولا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: انہوں نے اللہ عزوجل کی راہ میں شہادت کی موت پائی۔ فرماتی ہیں: (اگلے دن) صبح کو میرے والدین میرے پاس میری دائیں اور بائیں جانب سے میرا احاطہ کیے ہوئے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: حمد و ثناء کے بعد اے عائشہ! اگر تم نے کسی برائی کا ارتکاب کیا ہے یا ظلم کیا ہے تو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کر لو، کیونکہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس دوران انصار کی ایک عورت آکر

ص ۱۵۰، مسند احمد ج ٦ ص ۵۹، ج ۴۰، ص ۳٦۸، مؤسستہ الرسالۃ، بیروت)

دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سن رہی تھی)، میں نے عرض کی: آپ اس عورت کی وجہ سے توقف نہیں فرمائیں گے کہ کہیں یہ (باہر جاکر) کچھ کا کچھ بیان کردے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت جاری رکھی، پھر میں اپنے والد کی طرف متوجہ ہوئی اور میں نے ان سے کہا: آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں۔ انہوں نے کہا: میں کیا کہوں؟ پھر میں اپنی والدہ کی طرف متوجہ ہوئی اور میں نے ان سے کہا: آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں، تو انہوں نے (بھی) یہی کہا کہ میں کیا کہوں؟ پس جب ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب نہیں دیا تو پھر میں نے تشہد پڑھا، یعنی اللہ عزوجل کی حمد وثناء بیان کی ایسے الفاظ کے ساتھ جن کا اللہ عزوجل ہی اہل ہے، پھر میں نے کہا: حمد وثناء کے بعد اللہ کی قسم! اگر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ میں نے کوئی (غلط کام) نہیں کیا اور اللہ عزوجل گواہ ہے کہ میں ضرور سچی ہوں تو میرا یہ دعویٰ آپ لوگوں کے نزدیک میرے حق میں (بالکل) مفید نہیں ہوگا، (کیونکہ) آپ لوگوں نے اس واقعہ پر آپس میں (بہت) کلام کیا ہے اور یہ واقعہ آپ لوگوں کے دلوں میں رچ بس گیا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ میں نے ایسا کیا ہے، حالانکہ اللہ عزوجل جانتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کیا تو ضرور آپ لوگ کہیں گے کہ اس نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا ہے اور بلاشبہ اللہ کی قسم! میں اپنے لیے اور آپ لوگوں کے لیے صرف حضرت یوسف کے والد (علیہما السلام) کی مثال پاتی ہوں جب انہوں نے فرمایا تھا کہ: ''صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم لوگ بیان کررہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے''O (یوسف: ۱۸) میں (یہ مثال بیان کرنے کے لیے) حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام سوچتی رہی مگر (شدت غم کی وجہ سے) میں اس نام کو ذہن میں لانے پر قادر نہ ہوسکی اور اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوگیا، پس ہم خاموش ہوگئے، پھر جب آپ سے وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو میں نمایاں طور پر آپ کے چہرۂ انور میں خوشی دیکھ رہی تھی اور آپ اپنی پیشانی سے (پسینہ) پونچھ رہے تھے اور فرمارہے تھے: اے

عائشہ! تمہیں خوش خبری ہو، اللہ عزوجل نے تمہاری پاکیزگی (کا بیان) نازل فرمادیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس وقت میں بہت زیادہ غصہ میں تھی، پس مجھ سے میرے والدین نے کہا: تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف (تعظیماً) کھڑی ہوجاؤ، تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کی طرف قیام نہیں کروں گی اور نہ میں ان کی حمد کروں گی اور نہ آپ دونوں کی حمد کروں گی، بلکہ میں اللہ عزوجل کی کروں گی جس نے میری پاکیزگی (کا بیان) نازل فرمایا، آپ لوگوں نے (جب) یہ تہمت کی بات سنی تو نہ تو اس کا انکار کیا اور نہ اس کو ختم کیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو تو اللہ عزوجل نے ان کے دین کے سبب (غلط بات کرنے سے) محفوظ رکھا اور انہوں نے صرف خیر کی بات کی، جب کہ ان کی بہن (حضرت) حمنہ (رضی اللہ عنہا) ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو کر ہلاک ہوگئیں، اور وہ لوگ جو اس تہمت کی بات میں شریک ہوئے وہ حضرت مسطح، حضرت حسان بن ثابت (رضی اللہ عنہما) اور (سب سے بڑھ کر) منافق شخص عبد اللہ بن ابی تھا، یہی وہ شخص تھا جو کرید کرید کر باتیں جمع کررہا تھا (تاکہ کہانی بن سکے) اور تہمت لگانے والوں میں یہ اور حمنہ (رضی اللہ عنہا) دو افراد ہیں جنہوں نے اس میں بڑا حصہ لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھالی کہ وہ آئندہ کبھی بھی مسطح رضی اللہ عنہ کو کوئی نفع نہیں پہنچائیں گے، پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور قسم نہ کھائیں تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت۔ اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ قسم کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں کو کچھ نہیں دیں گے، اس سے مراد حضرت مسطح رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ آیت یہاں تک ہے کہ: کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کردے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے (النور: ۲۲) حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، اللہ کی قسم! اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم ضرور چاہتے ہیں کہ تو ہماری مغفرت فرمادے۔ اور (یہ کہہ کر) انہوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا وہ خرچہ بحال فرمادیا جو

(پہلے) انہیں آپ دیا کرتے تھے۔

• اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۵۰ کے تحت بہت تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے، تاہم یہاں دو اہم امور ذکر کیے جا رہے ہیں:

حدیث افک کو امام بخاری کا سند معلق کے ساتھ روایت کرنا اور افک کے واقعہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غضب فرمانے کی توجیہ

(۱) ایک یہ کہ اس حدیث کو یہاں امام بخاری نے سند معلق کے ساتھ روایت کیا ہے، کیونکہ انہوں نے سند کے آغاز میں فرمایا: ابو اسامہ نے کہا: جب کہ امام مسلم نے اس حدیث کو سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے، اور ان کی سند کے الفاظ یہ ہیں کہ: ہمیں ابو بکر بن ابی شیبہ اور محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود (حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ) از سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (صحیح مسلم: ۲۷۷۰، کتاب التوبہ، رقم: ۵۸)

(۲) دوسرا یہ کہ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں بہت زیادہ غصہ میں تھی (الی قولہا): اللہ کی قسم! میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف قیام نہیں کروں گی اور نہ میں ان کی حمد کروں گی اور نہ آپ دونوں کی حمد کروں گی۔ اس جملہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والدین سمیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی غصہ تھا، تو آیا ان کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غصہ ہونا ان کے ایمان کے منافی تھا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کی رسالت اور نبوت کی حیثیت سے غصہ ہونا، یہ تو ایمان کے منافی ہے، لیکن تمام حیثیات کا حکم یکساں نہیں ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں، اگر بالفرض انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غصہ فرمایا ہے تو آپ کے رسول اور نبی ہونے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ آپ کے ساتھ ازدواجی رشتہ کے لحاظ سے، اور اس پر شرعاً کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا۔ اگر ان کا یہ جملہ ان کے ایمان کے منافی ہوتا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر یہ بات ظاہر فرما دیتے اور ان کا ایمان ضائع ہونے سے بچاتے، مگر یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی، اور ازدواجی رشتہ کے لحاظ سے غصہ ہونا ایسی چیز ہے جس کی نسبت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف فرمائی ہے، جیسا کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں خوب جانتا ہوں جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ (الی آخر الحدیث) (صحیح بخاری: ۵۲۲۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۹)

یہ تمام گفتگو اس صورت میں ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر اپنے والدین سمیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی غصہ میں تھیں، ورنہ اس سے قبل (صحیح البخاری: ۴۷۵۰ کے تحت) علامہ ابن ابی جمرہ متوفی ۶۹۹ ھ کے حوالہ سے ہم لکھ چکے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب ان کے والدین نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کھڑی ہو جاؤ، تو آپ نے قیام کرنے سے اس لیے منع کر دیا تھا کہ آپ کو آپ کے والدین سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم فرما چکے تھے کہ اللہ عزوجل کی حمد کرو۔ (جیسا کہ صحیح البخاری: ۲۶۶۱ میں اس کی تصریح ہے) سو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مناسب نہ سمجھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر والدین کے حکم کو ترجیح دی جائے، اس لیے آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے قیام نہیں کیا۔

۱۳۔ بَابٌ: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ۔ (النور: ۳۱)

اللہ عزوجل کے ارشاد: اور عورتیں اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں۔ (النور: ۳۱) کی تفسیر

اس آیت مبارکہ کا آغاز اس طرح ہے:

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ۔ (النور:۳۱)

اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو از خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں۔

۴۷۵۸۔ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ يَرْحَمُ اللهُ نِسَاءَ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُوَلَ لَمَّا أَنْزَلَ اللهُ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ﴾ (النور:۳۱) شَقَقْنَ مُرُوطَهُنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۱۰۲، سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۳۴، المستدرک ج ۲ ص ۳۹۷ شرح السنہ: ۳۰۸۲)

اور احمد بن شبیب نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از یونس، کہ ابن شہاب نے کہا از عروہ از سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے فرمایا: اللہ عزوجل رحمت نازل فرمائے ان عورتوں پر جنہوں نے پہلے ہجرت کی، کہ جب اللہ عزوجل نے یہ حکم نازل فرمایا: "اور عورتیں اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں" (النور:۳۱)۔ تو ان عورتوں نے اپنی چادریں پھاڑ کر ان کے دوپٹے بنا لیے۔

النور:۳۱ کی تفسیر میں امام بخاری کا سند معلق کے ساتھ حدیث روایت کرنا اور اس حدیث کی مختصر شرح

یہ حدیث بھی امام بخاری نے سند معلق کے ساتھ ذکر کی ہے حالانکہ احمد بن شبیب آپ کے مشائخ میں سے ہیں۔ اس اعتبار سے اگر آپ یوں فرماتے کہ "ہمیں حدیث بیان کی احمد بن شبیب نے" تو زیادہ بہتر ہوتا، لیکن ہو سکتا ہے آپ نے ان سے یہ حدیث نہ سنی ہو اس لیے آپ نے حدثنا کا لفظ ترک فرما دیا۔

پہلے ہجرت کرنے سے مراد یہ ہے کہ جن عورتوں نے ہجرت کرنے میں سبقت کی، اور دوپٹے بنانے سے مراد یہ ہے کہ ان عورتوں نے اپنی چادریں پھاڑ کر اپنا سر، سینہ اور چہرہ سب کچھ چھپا دیا۔ زمانہ جاہلیت میں عورتیں اپنا دوپٹہ پیچھے کی طرف لٹکا دیتی تھیں اور اگلا حصہ کھلا چھوڑ دیتی تھیں، اس لیے النور:۳۱ نازل فرما کر اللہ عزوجل نے عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنے گریبان ڈھانپے رکھنے کا حکم فرمایا۔ ہمارے دور میں خواتین کی ایک بڑی تعداد نے دوپٹہ استعمال کرنا ہی ترک کر دیا ہے، وہ اپنے سر کے بال اور سینے کو نمایاں کر کے جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں اور ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو دوپٹے کو برائے نام اپنے گلے میں لٹکائے رکھتی ہے اور یہ دونوں ہی طرز عمل قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں۔

۴۷۵۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها كَانَتْ تَقُولُ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ﴾ (النور:۳۱) أَخَذْنَ أُزُرَهُنَّ فَشَقَقْنَهَا مِنْ قِبَلِ الْحَوَاشِي فَاخْتَمَرْنَ بِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن نافع نے حدیث بیان کی از حسن بن مسلم از صفیہ بنت شیبہ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: جب یہ آیت نازل ہوئی: "اور عورتیں اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں" (النور:۳۱)۔ تو عورتوں نے اپنے تہبند کناروں سے پھاڑ کر ان کے دوپٹے بنا لیے۔

چادروں کے دوپٹے بنانے کے متعلق دو مختلف روایتوں میں تطبیق

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جن عورتوں نے اپنی چادروں کے دوپٹے بنائے وہ مہاجرات (ہجرت کرنے والی) خواتین ہیں، جب کہ آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ انصار کی عورتوں نے اپنی چادروں کے دوپٹے بنائے۔ اس کو امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ انصار کی عورتوں نے اس حکم پر عمل کرنے میں سبقت کر لی اور پھر مہاجرات نے بھی اس پر عمل کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۳۰)

سورۃ النور کا اختتام

الحمدللہ آج بروز جمعرات ۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۹ مئی ۲۰۱۱ء کو سورۃ النور کی احادیث کی شرح مکمل ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورۃ الفرقان کی احادیث کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۵۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَةِ الۡفُرۡقَانِ

سورۃ الفرقان کی تفسیر

سورۃ الفرقان کا مختصر تعارف

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

الفرقان کا لفظ فرق سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: دو چیزوں کے درمیان فاصلہ اور امتیاز کرنا۔ قرآن مجید کا ایک نام الفرقان ہے، کیونکہ قرآن مجید حق اور باطل کے درمیان فرق کرتا ہے اور بعض نے یہ وجہ بیان کی کہ قرآن مجید ایک مرتبہ میں نازل نہیں ہوا، بلکہ جدا جدا طور پر نازل ہوا ہے، اس لیے اس کو الفرقان کہا جاتا ہے اور اس بات کی تائید سورۂ بنی اسرائیل کی آیت: ۱۰۶ میں موجود ہے۔

سورۃ الفرقان مکی ہے، البتہ اس کی آیت: ۷۰ کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سورت کی آیت: ۶۸ اور آیت: ۷۰ دونوں کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ دونوں آیات مدنی ہیں اور بعض کے نزدیک مکی ہیں، جب کہ سعید بن جبیر کے نزدیک ان میں سے پہلی آیت مکی ہے اور دوسری آیت مدنی ہے۔ اس سورت میں ۷۷ آیتیں ہیں، ۸۹۲ کلمات ہیں اور ۳۷۸۰ حروف ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۳۱)

وَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ هَبَاءً مَنۡثُوۡرًا مَا تَسۡفِي بِهِ الرِّيحُ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا کا معنی ہے: ایسی چیز جو ہوا اڑا کر لائے۔

اس تعلیق سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَ قَدِمۡنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰهُ هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا ۝ (الفرقان: ۲۳)

اور انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان کی طرف قصد کریں گے اور ان کو فضا میں بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنادیں گے ۝

مفسرین کے ایک قول کے مطابق یہ آیت کفار سے متعلق ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کفار نے اپنے گمان میں جو نیک اعمال کیے تھے وہ آخرت میں ریزہ ریزہ کر کے ضائع کر دیے جائیں گے اور وہ فضا میں بکھرے ہوئے سورج کی شعاعوں کے باریک ذرات کی طرح ہو جائیں گے، کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی صالح عمل مقبول نہیں ہوتا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۵۷۷)

اس آیت میں هَبَآءً کا جو لفظ ہے اس کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں: مجاہد، عکرمہ اور حسن بصری کے نزدیک اس سے مراد غبار کی مانند وہ ذرات ہیں جو سورج کی روشنی میں روشن دان سے نظر آتے ہیں اور سائے میں نظر نہیں آتے اور ہاتھوں سے ان کو چھوا بھی نہیں جاتا۔ ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد غبار ہے اور مقاتل کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ ذرات ہیں جو جانوروں کے کھروں سے اڑتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۳۱) اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی جو تفسیر فرمائی وہ امام بخاری نے ذکر کر دی کہ اس سے مراد وہ چیز یعنی وہ ذرات ہیں جو ہوا اپنے ساتھ اڑا کر لائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے اعمال انہی ذرات

اور گرد وغبار کی طرح بے کار ہو جائیں گے اور انہیں کوئی نفع نہیں ہوگا۔

مَدَّ الظِّلِّ مَا بَيْنَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ سَاكِنًا دَائِمًا۔

مَدَّ الظِّلِّ سے مراد وہ وقت ہے جو طلوع فجر سے طلوع آفتاب کے درمیان ہوتا ہے، اور سَاكِنًا سے مراد ہے: ہمیشہ رہنے والا۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا۔ (الفرقان: ۴۵)

کیا آپ نے اپنے رب کی (قدرت کی) طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ٹھہرا ہوا کر دیتا۔

اس تعلیق کے ذریعہ امام بخاری نے یہ واضح فرمایا ہے کہ سایا پھیلانے کا جو وقت ہے وہ طلوع فجر سے طلوع آفتاب کے درمیان ہے۔ اس وقت میں ہر طرف چھاؤں پھیلی ہوئی ہوتی ہے، کیونکہ اس وقت تک سورج نمودار نہیں ہوا ہوتا، اور سَاكِنًا کی جو تفسیر فرمائی اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سائے کو ہمیشہ سایا رکھنے پر قادر ہے، اس طور پر کہ کبھی سورج طلوع ہی نہ ہو، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر مہربانی فرمائی اور ہر چیز کے لیے ایک مخصوص مقدار مقرر فرمائی تا کہ لوگوں کے لیے زندگی گزارنا ممکن ہو۔

عَلَيْهِ دَلِيلًا طُلُوعُ الشَّمْسِ۔

عَلَيْهِ دَلِيلًا سے مراد سورج کا طلوع ہونا ہے۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۝ (الفرقان: ۴۵)

پھر ہم نے سورج کو اس کے اوپر دلیل (علامت) بنا دیا ۝

یعنی سورج کا طلوع ہونا سائے کے وجود کی دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورج سائے پر دلالت کرتا ہے، یعنی اگر سورج نہ ہوتا تو سائے کی پہچان نہ ہوتی اور نور نہ ہوتا تو اندھیرے کی پہچان نہ ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۳۲)

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ نے بھی آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۸ ص ۳۰)

خِلْفَةً مَنْ فَاتَهُ مِنَ اللَّيْلِ عَمَلٌ أَدْرَكَهُ بِالنَّهَارِ أَوْ فَاتَهُ بِالنَّهَارِ أَدْرَكَهُ بِاللَّيْلِ۔

خِلْفَةً سے مراد یہ ہے کہ جس شخص کا رات میں کوئی عمل رہ جاتا ہے وہ اسے دن میں پالیتا ہے یا دن میں کوئی عمل رہ جاتا ہے تو وہ رات میں اسے پالیتا ہے۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ۝ (الفرقان: ۶۲)

اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا یہ اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کرے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرے ۝

اس تعلیق کے ذریعہ امام بخاری نے یہ واضح فرمایا کہ اس آیت میں خِلْفَةً کا لفظ خلیفہ اور نائب کے معنی میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا نائب بنایا ہے، لہٰذا دن کا کوئی عمل رہ جائے اور دن گزر جائے تو اگلے دن کا انتظار کرنے کے بجائے رات میں ہی اس عمل کو انجام دیا جائے، اسی طرح رات کا عمل رہ جائے اور رات گزر جائے تو دن میں اس عمل کو ادا کر لیا جائے۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں: دن اور رات میں ہر ایک کو اللہ عزوجل نے دوسرے کے پیچھے آنے والا بنا دیا ہے، تا کہ دونوں میں سے کسی ایک میں ذکر واذکار اور شکر کی ادائیگی رہ جائے تو دوسرے میں اسے ادا کر لیا جائے۔ حسن بصری نے

اس کے قریب قریب قول فرمایا ہے اور اسی کی مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! میں رات کو نماز نہیں پا سکا۔ آپ نے فرمایا: رات کا جو عمل رہ جائے اسے دن میں ادا کر لو اور دن کا جو عمل رہ جائے اسے رات میں ادا کر لو، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی کہ: (اللہ) وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا۔
(تاویلات اہل السنۃ ج ۸ ص ۲۸)

خِلْفَةً کی تفسیر میں علماء مفسرین کے اور بھی اقوال ہیں، جن کی تفصیل کتب تفسیر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ فِي طَاعَةِ اللهِ وَمَا شَيْءٌ أَقَرَّ لِعَيْنِ الْمُؤْمِنِ مِنْ أَنْ يَرَى حَبِيبَهُ فِي طَاعَةِ اللهِ۔

اور حسن (بصری) نے کہا: هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا سے مراد ہے: اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں، اور مومن کی آنکھ کے لیے سب سے زیادہ جو چیز ٹھنڈک کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ مومن شخص اپنے پیارے کو اللہ کی اطاعت میں دیکھے۔

اس تعلیق سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ۔ (الفرقان: ۷۴)

اور وہ لوگ (رحمن کے بندے) یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

اس تعلیق میں امام بخاری نے حسن بصری کا جو قول پیش کیا ہے وہ درحقیقت ''قُرَّةَ أَعْيُنٍ'' کی تفسیر ہے، جس کا لفظی معنی ہے: آنکھوں کی ٹھنڈک، اور حسن بصری کی مراد یہ ہے کہ ازواج کی طرف سے ان کے شوہروں کے لیے اور اولاد کی طرف سے ان کے والدین کے لیے جو چیز آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو سکتی ہے وہ ازواج اور اولاد کا نیک، فرمانبردار مومن ہونا ہے، اور جس شخص نے ایمان کی حلاوت پالی ہو اس کی آنکھوں کے لیے اس سے زیادہ کوئی چیز آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے گھر والوں کو اللہ عزوجل کا اطاعت گزار اور متبع شریعت دیکھے۔ ہمارے زمانے میں چونکہ لوگوں کی اکثریت ایمان کی حلاوت سے محروم ہے اس لیے بدقسمتی سے آنکھوں کی ٹھنڈک کا معیار بھی بدل چکا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُبُورًا وَيْلًا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ثُبُورًا کا معنی وَيْل ہے (یعنی بربادی)۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝ (الفرقان: ۱۳)

اور جب ان کو زنجیروں سے جکڑ کر (دوزخ کی) تنگ جگہ میں جھونکا جائے گا تو وہاں وہ موت کو پکاریں گے ۝

موت کو پکارنے سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ موت کو طلب کریں گے، تا کہ عذاب سے چھٹکارا ملے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لفظ ثبور کی جو تفسیر فرمائی کہ اس کا معنی وَيْل ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخی لوگ عذاب کی شدت سے تنگ آ کر ثبور کا لفظ پکاریں گے اور مراد یہ ہوگی کہ ہم برباد ہو گئے ہم تباہ ہو گئے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ السَّعِيرُ مُذَكَّرٌ وَالتَّسَعُّرُ وَالْاِضْطِرَامُ التَّوَقُّدُ الشَّدِيدُ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر نے کہا ہے: السعیر مذکر ہے اور تسعر اور اضطرام کا معنی ہے: آگ کا بہت شدت

کے ساتھ روشن ہونا۔

اس تعلیق سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ (الفرقان:۱۱) بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جس نے قیامت کو جھٹلایا ہم نے اس کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر نے کہا: اس سے مراد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے لفظ سعیر کو مذکر کہا ہے، کیونکہ لفظی طور پر اس میں کوئی تانیث نہیں ہے، البتہ جب اس کے لیے فعل کا صیغہ مونث لایا جائے تو وہ اس بناء پر ہے کہ اس لفظ کا استعمال آگ کے لیے ہوتا ہے یا اس بناء پر ہے کہ یہ لفظ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ دونوں وجہیں ایسی ہیں کہ ان سے بہ ہر حال خود لفظ سعیر کا مونث ہونا لازم نہیں آتا۔

اس تعلیق کے آخر میں امام بخاری نے جو فرمایا کہ: تسعر اور اضطرام کا معنی ہے: آگ کا بہت شدت سے روشن ہونا، اس سے مقصود سعیر کا معنی واضح کرنا ہے۔

تُمْلَى عَلَيْهِ تُقْرَأُ عَلَيْهِ مِنْ أَمْلَيْتُ وَأَمْلَلْتُ۔ تُمْلَى عَلَيْهِ کا معنی ہے: وہ (کہانیاں) اس رسول پر پڑھی جاتی ہیں۔ یہ اَمْلَيْتُ اور اَمْلَلْتُ سے مشتق ہے۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (الفرقان:۱۱) اور انہوں نے کہا: یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس (رسول) نے لکھوالیا جو اس پر صبح وشام پڑھی جاتی ہیں O

یعنی کفار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید گزشتہ زمانے کی کہانیوں کی طرح کہانی کی ایک کتاب ہے اور وہ کہانیاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے اپنے لیے لکھوائی ہیں اور پھر وہ کہانیاں صبح وشام آپ کے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔ (نعوذ باللہ من ھفوات الکافرین)

تعلیق کے آخر میں امام بخاری نے املیت اور امللت سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آیت میں تُمْلٰى کا لفظ املاء سے مشتق ہے اور املاء میں ایک لغت املال بھی ہے جو کہ البقرہ: ۲۸۲ میں مذکور ہے اور چونکہ یہ دونوں لغتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں اس لیے یہ دونوں جید ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ص ۱۳۲)

الرَّسُّ الْمَعْدِنُ جَمْعُهُ رِسَاسٌ مَا يَغْبَأُ۔ الرّس کا معنی ہے: المعدن (کان)، اس کی جمع رساس آتی ہے۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَّ عَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ (الفرقان:۱۱) اور عاد اور ثمود اور کنویں والوں اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کے لیے (ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے)O

ابوعبیدہ نے کہا: اصحاب الرس سے مراد اصحاب المعدن ہیں۔ خلیل نے کہا: الرس ہر اس کنویں کو کہتے ہیں جو پتھروں سے نہ بنایا گیا ہو۔ مجاہد نے کہا: الرس سے مراد کنواں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۰۷) قتادہ نے کہا: اصحاب الایکہ اور اصحاب الرس دو امتیں ہیں جن کی طرف اللہ عزوجل نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا اور دونوں امتیں عذاب کا شکار ہوئیں۔ سدی نے کہا: رس ایک کنواں ہے جو انطاکیہ میں ہے۔ اس میں لوگوں نے حبیب نجار کو شہید کیا، اس لیے لوگوں کو اس کنویں کی طرف منسوب کیا گیا، اور اصحاب الرس فرمایا گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۱۳۳)

مَا يَعْبَأُ يُقَالُ مَا عَبَأْتُ بِهِ شَيْئًا لَا يُعْتَدُّ بِهِ۔
مایعبأ: کہا جاتا ہے: ماعبات بہ شیئا۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ یہ ایسی چیز کے بارے میں بولا جاتا ہے جو کسی گنتی میں نہ ہو۔

اس سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ۔ (الفرقان: ۷۷)
آپ کہیے: میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں اگر تم (اس کی) عبادت نہ کرو۔

غَرَامًا هَلَاكًا وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَعَتَوْا طَغَوْا۔
غَرَامًا کا معنی ہے: ہلاکت، اور مجاہد نے کہا: عتوا کا معنی ہے: انہوں نے سرکشی کی۔

غَرَامًا کی تفسیر سے امام بخاری کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ (الفرقان: ۶۵)
اور (رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے، بے شک دوزخ کا عذاب چمٹنے والا ہے O

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: غرام ایسی چیز کو کہتے ہیں جو کسی سے چمٹ جائے اور اس سے جدا نہ ہو، اور بعض نے کہا: اس کا معنی ہلاکت ہے۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۸ ص ۴۱)

امام بخاری نے اس کے بعد مجاہد کے حوالہ سے عتوا کی جو تفسیر ذکر کی اس سے آپ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ (الفرقان: ۲۱)
ان (کفار) نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور بہت بڑی سرکشی کی O

کیونکہ انہوں نے بعث بعد الموت کو جھٹلایا اور اپنے آپ کو اس پر ایمان لانے سے بالاتر سمجھا اور سرکشی کا مظاہرہ کیا۔ سرکشی سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے یہ انکار کر کے خوب دیدہ دلیری اور جسارت کا مظاہرہ کیا اور حد سے آگے بڑھ گئے اور یہ سب کچھ اس بنا پر ہوا کہ ان کے دلوں میں تکبر تھا۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَاتِيَةٍ عَتَتْ عَنِ الْخُزَّانِ۔
اور سفیان بن عیینہ نے کہا: عاتیۃ سے مراد ایسی ہوا ہے جو خازن فرشتوں پر تجاوز کر گئی۔

امام بخاری نے یہ تعلیق صرف لفظ عتوا کا معنی واضح کرنے کے لیے ذکر کی ہے، ورنہ ''عَاتِيَةٍ'' کا لفظ سورۃ الفرقان میں نہیں ہے، بلکہ سورۃ الحاقہ میں ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے:

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ (الحاقہ: ۶)
اور رہے عاد تو ان کو گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا O

امام بخاری نے جو تعلیق ذکر کی اس میں خازن فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ہواؤں پر مقرر ہیں اور اللہ عزوجل کے حکم سے وہ ایک معین مقدار میں ہوا چلاتے ہیں، مگر جس دن قوم عاد پر عذاب کی ہوا چلائی گئی تو اس دن وہ ہوا ان فرشتوں پر تجاوز کر گئی اور کسی قسم کی مقدار، پیمانے اور وزن کے بغیر چلتی رہی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۳۳) اور ظاہر ہے کہ اس دن یہی حکم ربی تھا، ورنہ کوئی بھی چیز اذن الٰہی کے بغیر کیسے تصرف کر سکتی ہے!

۱- بَابٌ: اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ (الفرقان: ۳۴)

اللہ عزوجل کے ارشاد: جولوگ اپنے چہروں کے بل گھسیٹ کر جہنم کی طرف لائے جائیں گے ان کا بہت برا ٹھکانا ہوگا اور وہ راستے سے سب سے زیادہ بھٹکنے والے ہوں گے O (الفرقان: ۳۴) کی تفسیر

علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں: کفار مکہ نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے اصحاب اللہ کی مخلوق میں (معاذ اللہ) سب سے برے لوگ ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(زاد المسیر ص ۱۰۱۶، مطبوعہ دار ابن حزم، ۱۴۲۳ ھ)

۴۷۶۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضى الله عنه أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ أَلَيْسَ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ قَتَادَةُ بَلَى وَعِزَّةِ رَبِّنَا۔

[طرف الحدیث: ۶۵۲۳]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن محمد البغدادی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا کافر کو قیامت کے دن اس کے چہرے کے بل چلایا جائے گا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ذات جس نے اس دنیا میں اسے دو ٹانگوں کے ذریعہ چلایا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ قیامت کے دن اسے اس کے چہرے کے بل چلائے۔ قتادہ نے کہا: کیوں نہیں، ہمارے پروردگار کی عزت کی قسم!

کفار کا قیامت کے دن منہ کے بل گھسیٹا جانا اور عامۃ المسلمین کا اپنے قدموں سے چل کر آنا اور صالحین کا اپنی سواریوں پر بیٹھ کر آنا

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں کا حشر تین اقسام میں ہوگا: ایک قسم ان لوگوں کی ہوگی جو جانوروں پر سوار ہوں گے، ایک قسم ان لوگوں کی ہوگی جو اپنے پیروں پر کھڑے ہوں گے اور ایک قسم ان لوگوں کی ہوگی جو اپنے چہروں کے بل چل رہے ہوں گے، پس سوال کیا گیا: لوگ اپنے چہروں کے بل کیسے چلیں گے؟ (آگے وہی جواب مذکور ہے جو صحیح بخاری کی حدیث میں اوپر مذکور ہوا۔) اور احادیث کے مجموعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل کے نیک اور مقرب بندے اپنی سواریوں پر حشر میں وارد ہوں گے، عام مسلمان اپنے قدموں سے چل کر آئیں گے اور کفار اپنے چہروں کے بل جمع کیے جائیں گے۔

کتاب الرقاق میں حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں جو جملہ ارشاد فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ کفار کا چہرے کے بل چلنا حقیقتاً ہوگا (لہٰذا اس میں بلا ضرورت تاویل کرنے کی ضرورت

نہیں ہے) اسی لیے صحابہ نے اس پر حیرت کا اظہار کیا اور نبی ﷺ سے اس کی کیفیت کے متعلق سوال کیا۔ بعض مفسرین نے یہ گمان کیا ہے کہ کافروں کا منہ کے بل چلنا ایک مثال ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ عزوجل نے فرمایا: اَفَمَنۡ یَّمۡشِیۡ مُکِبًّا عَلٰی وَجۡہِہٖۤ اَہۡدٰۤی اَمَّنۡ یَّمۡشِیۡ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۲﴾ (الملک: ۲۲) ''بھلا جو شخص منہ کے بل اوندھا چلے کیا وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو صراط مستقیم پر سیدھا چلے'' O مجاہد نے کہا کہ اس آیت میں مومن اور کافر کی مثال بیان کی گئی ہے۔ (حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں: مجاہد نے اس آیت کی جو تفسیر فرمائی اس کو بنیاد بنا کر کسی دوسری آیات کی تفسیر نہیں کی جا سکتی، لہٰذا نبی ﷺ نے سائل کو جو جواب ارشاد فرمایا اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ قیامت کے دن کفار کا منہ کے بل چلنا (کوئی مجاز نہیں ہے) بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۱۵۷، ج ۷ ص ۵۹۳، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

زیر بحث حدیث میں قتادہ نے جو جملہ کہا کہ: کیوں نہیں! ہمارے پروردگار کی عزت کی قسم! یہ انہوں نے نبی ﷺ کے جملے کی تصدیق میں کہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سن کر کہا۔

۲- بَابٌ: وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ وَ لَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ لَا یَزۡنُوۡنَ ۚ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ (الفرقان: ۶۸)

اللہ عزوجل کے ارشاد: اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا O (الفرقان: ۶۸) کی تفسیر

اس آیت کا تعلق الفرقان: ۶۳ سے ہے، کیونکہ اس میں ''عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ'' (رحمن عزوجل کے بندوں) کی صفات کا بیان فرمایا گیا ہے اور زیر بحث آیت (الفرقان: ۶۸) میں ان ہی صفات کا تسلسل جاری ہے۔

۴۷۶۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا یَحۡیٰی عَنۡ سُفۡیَانَ قَالَ حَدَّثَنِیۡ مَنۡصُوۡرٌ وَسُلَیۡمَانُ عَنۡ أَبِیۡ وَائِلٍ عَنۡ أَبِیۡ مَیۡسَرَةَ عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ ح قَالَ وَحَدَّثَنِیۡ وَاصِلٌ عَنۡ أَبِیۡ وَائِلٍ عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ رضی اللّٰه عنه قَالَ سَأَلۡتُ أَوۡ سُئِلَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ أَیُّ الذَّنۡبِ عِنۡدَ اللّٰهِ أَکۡبَرُ قَالَ أَنۡ تَجۡعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَکَ قُلۡتُ ثُمَّ أَیُّ قَالَ ثُمَّ أَنۡ تَقۡتُلَ وَلَدَکَ خَشۡیَةَ أَنۡ یَطۡعَمَ مَعَکَ قُلۡتُ ثُمَّ أَیُّ قَالَ أَنۡ تُزَانِیَ بِحَلِیۡلَةِ جَارِکَ قَالَ وَنَزَلَتۡ هٰذِهِ الۡاٰیَةُ تَصۡدِیۡقًا لِقَوۡلِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ ﴿وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلَا یَزۡنُوۡنَ﴾ (الفرقان: ۶۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے منصور اور سلیمان نے حدیث بیان کی از ابو وائل از ابو میسرہ از عبد اللہ، (ح) انہوں نے کہا: اور مجھے واصل نے حدیث بیان کی از ابو وائل از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: میں نے پوچھا، یا پوچھا گیا: (یا) رسول اللہ ﷺ! کون سا گناہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: (سب سے بڑا گناہ) یہ ہے کہ تم اللہ کے لیے شریک ٹھہراؤ حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا گناہ؟ فرمایا: یہ کہ تو اپنی اولاد کو قتل کرے اس خوف سے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا گناہ؟ فرمایا: (پھر یہ گناہ) کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی

سے بدکاری کرو۔ راوی نے کہا: اور یہ آیت (الفرقان: ۶۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق کے لیے نازل ہوئی (جس میں رحمٰن عزوجل کے بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:) اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ (الفرقان: ۶۸)

اس حدیث کی شرح، صحیح البخاری: ۴۷۶۱ کے تحت گزر چکی ہے۔

۴۷۶۲- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي الْقَاسِمُ بْنُ أَبِي بَزَّةَ أَنَّهُ سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ هَلْ لِمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا مِنْ تَوْبَةٍ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ ﴿وَ لَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (الفرقان: ۶۸) فَقَالَ سَعِيدٌ قَرَأْتُهَا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ كَمَا قَرَأْتَهَا عَلَيَّ فَقَالَ هَذِهِ مَكِّيَّةٌ نَسَخَتْهَا آيَةٌ مَدَنِيَّةٌ الَّتِي فِي سُورَةِ النِّسَاءِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ابن جریج نے انہیں خبر دی، انہوں نے کہا کہ مجھے القاسم بن ابی بزہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جس شخص نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو، کیا اس کے لیے توبہ (کی گنجائش) ہے؟ (انہوں نے کہا: نہیں) پس میں نے اس شخص کے سامنے یہ آیت پڑھی: اور وہ لوگ کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ (الفرقان: ۶۸) تو سعید بن جبیر نے (مجھ سے) کہا: یہ آیت میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پڑھی تھی جس طرح تم نے میرے سامنے پڑھی ہے، تو انہوں نے فرمایا تھا: یہ مکی آیت ہے، اس کو ایک مدنی آیت نے منسوخ کر دیا ہے جو کہ سورۃ النساء میں ہے۔

الفرقان: ۶۸ اور النساء: ۹۳ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف اور جمہور امت کا ان سے اختلاف

اس حدیث کی شرح، صحیح البخاری: ۳۸۵۵ کے تحت گزر چکی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ القرآن: ۶۸ تا ۷۰ میں ان لوگوں کے لیے مغفرت کا اعلان فرمایا گیا ہے جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا ہو اور اگر ارتکاب کر لیا ہو تو اس کے بعد توبہ کر لی ہو۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کر لینے کے بعد بڑے سے بڑے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں، جب کہ سورۃ النساء کی آیت: ۹۳ میں مطلقاً فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس میں توبہ کرنے والے اور نہ کرنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کے لیے قطعاً معافی نہیں ہے، اگرچہ وہ توبہ کر لے۔

دونوں آیتوں کے اس مفہوم میں ظاہراً جو اختلاف نظر آ رہا ہے اس کو دور کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ الفرقان کی مذکورہ آیات کفار و مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہیں اور انہیں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے کفر و شرک سے توبہ کر لیں تو زمانہ کفر میں کیے ہوئے ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، جب کہ النساء کی آیت: ۹۳ اہل

ایمان کے متعلق نازل ہوئی ہے، کہ اگر ان میں سے کسی نے قتل عمد کا ارتکاب کیا تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اس کے لیے کسی قسم کی توبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کے برخلاف جمہور امت کا نظریہ یہ ہے کہ گناہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، توبہ کر لینے سے وہ معاف ہو جاتا ہے۔ النساء: ۹۳ میں توبہ کرنے والوں کا استثناء نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قاتل کے لیے توبہ کی گنجائش ہی نہ ہو، کیونکہ جب شرک جیسا گناہ توبہ کر لینے سے معاف ہو جاتا ہے تو قتل کا گناہ معاف کیوں نہیں ہو سکتا! النساء: ۹۳ کی ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ اس میں قتل عمد پر ابدی عذاب کی جو وعید بیان کی گئی ہے وہ اس صورت میں ہے جب کوئی شخص قتل مومن کو حلال جان کر قتل کا ارتکاب کرے اور پھر اسی نظریہ پر قائم رہے، حتیٰ کہ اسے موت آ جائے، تو ایسا شخص چونکہ قتل مومن کو حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر ہو کر مرا، اس لیے اس کی سزا دائمی عذاب ہے۔

۴۷۶۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْكُوفَةِ فِي قَتْلِ الْمُؤْمِنِ فَرَحَلْتُ فِيهِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ نَزَلَتْ فِي آخِرِ مَا نَزَلَ وَلَمْ يَنْسَخْهَا شَيْءٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از المغیرہ بن النعمان از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: قتل مومن کے معاملہ میں کوفہ والوں کے درمیان اختلاف ہوا، پس میں اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا، تو آپ نے فرمایا: یہ آیت (النسا: ۹۳) ان آیتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئی ہیں اور اس کو کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا۔

۴۷۶۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ﴾ (النساء: ۹۲) قَالَ لَا تَوْبَةَ لَهُ وَعَنْ قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ ﴿لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (الفرقان: ۶۸) قَالَ كَانَتْ هٰذِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ عزوجل کے ارشاد: فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ (النساء: ۹۲) کے متعلق سوال کیا (کہ قاتل کے لیے توبہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟) انہوں نے فرمایا: اس کے لیے کوئی توبہ نہیں ہے، اور میں نے اللہ عزوجل کے ارشاد: لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (الفرقان: ۶۸) کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اس کا حکم زمانہ جاہلیت والوں کے لیے ہے۔

ان دونوں احادیث کی شرح کے لیے صحیح البخاری: ۳۸۵۵ کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ بَابٌ: يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (الفرقان: ۶۹)

اللہ عزوجل کے ارشاد: اس کے لیے قیامت کے دن عذاب کو دوگنا کر دیا جائے گا اور اس میں وہ ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا (الفرقان: ۶۹) کی تفسیر

یعنی وہ شخص جو اللہ عزوجل کے ساتھ کسی کو شریک کرے یا قتل ناحق کا ارتکاب کرے یا بدکاری کرے اس کے لیے دوگنا عذاب ہے اور ذلت ورسوائی کے ساتھ اس کے لیے عذاب میں ہمیشگی بھی ہے۔

۴۷۶۵۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ ابْنُ أَبْزَى سَلْ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَ مَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا﴾ (النساء: ۹۳) وَقَوْلِهِ ﴿وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (الفرقان: ۶۸) حَتَّى بَلَغَ ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ﴾ (الفرقان: ۷۰) فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لَمَّا نَزَلَتْ قَالَ أَهْلُ مَكَّةَ فَقَدْ عَدَلْنَا بِاللّٰهِ وَقَدْ قَتَلْنَا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَتَيْنَا الْفَوَاحِشَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا اِلَى قَوْلِهِ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الفرقان: ۷۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از منصور از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا کہ ابن ابزیٰ نے (مجھ سے) کہا: آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے قول (کے متعلق) پوچھیں: (ایک یہ) کہ: ''جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کردے تو اس کی سزا جہنم ہے''۔ (النساء: ۹۳) اور (دوسرے یہ: ''اور وہ لوگ ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جس کو ناحق قتل کرنا اللہ نے حرام کردیا ہے''۔ اس آیت تک کہ: ''سوائے اس کے جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے''۔ (الفرقان: ۷۰۔۶۸) پس میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب (الفرقان کی آیت) نازل ہوئی تو اہل مکہ نے کہا: ہم نے اللہ کے ساتھ شرک بھی کیا ہے اور ایسے شخص کو قتل بھی کیا ہے جس کا ناحق قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے اور ہم نے بے حیائی کے کاموں کا ارتکاب بھی کیا ہے۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: سوا اس کے جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الفرقان: ۷۰)

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۳۸۵۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ بَابٌ: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ (الفرقان: ۷۰)

اللہ عزوجل کے ارشاد: سوا اس کے جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الفرقان: ۷۰) کی تفسیر

گناہوں کا نیکیوں سے بدلنا کس طرح ہوگا؟ اس بارے میں مفسرین کے اقوال

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

گناہوں کو نیکیوں سے بدلنے کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ گناہ کرنے والے لوگ جب اپنے گناہوں سے توبہ کرلیتے ہیں اور ان

گناہوں پر نادم ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو آئندہ کی زندگی میں یہ توفیق عطا فرماتا ہے کہ وہ ہر گزشتہ گناہ کی جگہ ایک نیکی کر لیتے ہیں اور یوں (اس توفیق کے سبب) ان کا ہر گناہ نیکی میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور دوسرا معنی یہ ہے کہ: دنیا میں لوگوں کو اگر اپنے گناہوں پر ندامت اور حسرت پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ان گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دے گا۔

(تاویلات اہل السنۃ، ج ۸ ص ۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

یہ دوسرا معنی اللہ عزوجل کی رحمت پر زیادہ دلالت کرتا ہے اور اس کی تائید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک ضرور اہل جنت میں، میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اور اہل جہنم کے اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا۔ آپ نے فرمایا: ایک ایسا شخص ہوگا جس کو قیامت کے دن اللہ عزوجل کے حضور میں پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اس شخص کے صغیرہ گناہ اس کے سامنے پیش کرو اور کبیرہ گناہ اس سے (ابھی) دور رکھو، چنانچہ اس کے صغیرہ گناہ اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا اور فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا، تو وہ ''ہاں'' میں جواب دے گا اور اس میں انکار کرنے کی سکت نہیں ہوگی اور (اندر ہی اندر) اسے اپنے کبیرہ گناہوں سے ڈر لگ رہا ہوگا کہ کہیں وہ (گناہ) سامنے نہ لائے جائیں۔ (اسی اثناء میں) اس سے کہا جائے گا: تمہارے لیے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے، پس وہ بندہ (خوشی کے مارے) کہے گا: اے میرے رب! میں نے تو اور بھی گناہ کیے تھے جو مجھے یہاں نظر نہیں آ رہے۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ (صحیح مسلم: ۱۹۰، سنن ترمذی: ۲۵۹۶)

۴۷۶۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ أَمَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبْزٰى أَنْ أَسْأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ هَاتَيْنِ الْاٰيَتَيْنِ ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا﴾ (النساء: ۹۳) فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لَمْ يَنْسَخْهَا شَيْءٌ وَعَنْ ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (الفرقان: ۶۸) قَالَ نَزَلَتْ فِي أَهْلِ الشِّرْكِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خبر دی میرے والد نے از شعبہ از منصور از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: مجھے عبد الرحمن بن ابزیٰ نے حکم دیا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان دو آیتوں کے متعلق سوال کروں: ایک یہ آیت کہ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے۔ (النساء: ۹۳) پس میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اس کو کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا۔ اور دوسری یہ آیت کہ: وہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کی پوجا نہیں کرتے۔ (الفرقان: ۶۸) تو انہوں نے فرمایا: یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۳۸۵۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ بَابٌ: ﴿فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا﴾ (الفرقان: ۷۷) هَلَكَةً

اللہ عزوجل کے ارشاد: پس (اس کا عذاب تم پر) ہمیشہ لازم رہے گا ۝ (الفرقان: ۷۷) کی تفسیر

امام بخاری نے کہا:

(اس آیت میں) لِزَامًا کا معنی ہلاکت ہے۔

لِزَامٌ کا معنی ومفہوم اور اس کی تفسیر میں مختلف اقوال

مکمل آیت اس طرح ہے:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝ (الفرقان:۷۷)

آپ کہیے کہ اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے، پھر بے شک تم نے اس کو جھٹلایا تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا O

علامہ ابن جریر طبری کہتے ہیں: لِزَامًا سے مراد یہ ہے کہ ایسا عذاب ہوگا جو ہمیشہ رہے گا اور ایسی ہلاکت ہوگی جو تمہیں فنا کردے گی۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: لِزَامًا کا معنی ہے: عذابا لازمًا لکم۔ یعنی ایسا عذاب ہوگا جو تم پر لازم رہے گا۔ اور اس کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: (۱) ایک یہ کہ اس سے کفار کا غزوۂ بدر میں قتل ہونا مراد ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے۔ (۲) دوسرا یہ کہ اس سے مراد موت ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف ہے۔ (۳) تیسرا یہ کہ اس سے قتال مراد ہے۔ (یعنی کفار کے خلاف جہاد کا ہونا) یہ ابن زید کا قول ہے۔ (زاد المسیر ص ۱۰۲۵ مطبوعہ دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

۴۷۶۷۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ خَمْسٌ قَدْ مَضَيْنَ الدُّخَانُ وَالْقَمَرُ وَالرُّوْمُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ ﴿فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝﴾ (الفرقان:۷۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی از مسروق، انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (قیامت کی) پانچ علامتیں ایسی ہیں جو پوری ہو چکی ہیں: دھواں (نکلنا)، چاند (کا شق ہونا)، روم (کا مغلوب ہونا)، گرفت اور لزام (یعنی ہلاکت اور بربادی)، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:) تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا O (الفرقان:۷۷)

قیامت کی پانچ نشانیوں میں دھواں نکلنے سے متعلق علامہ عینی کی تحقیق

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۰۷ کے تحت گزر چکی ہے، تاہم چند امور مزید ذکر کیے جا رہے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دھویں کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے مراد حقیقی دھواں نہیں ہے، بلکہ دھوئیں کی کیفیت کا محسوس ہونا مراد ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق یہ کیفیت کفار قریش پر گزر چکی ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں: جب قریش (کی مخالفت) سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دشواری ہونے لگی تو آپ نے ان کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی مانند سات سال قحط میں مبتلا ہونے کی دعا فرمائی، سو قحط اور تنگی نے ان کو گھیر لیا، حتیٰ کہ ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اسے اپنی بے حالی کی وجہ سے اس پوری فضا میں دھوئیں کی مانند کوئی چیز نظر آتی اور لوگ اتنے بدحال ہو گئے کہ ہڈیاں کھانے لگے، پھر ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! قبیلہ مضر کے لیے اللہ عزوجل سے دعاء مغفرت فرمائیں، کیونکہ وہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبیلہ مضر کے لیے (دعاء کروں)؟ بے شک تم بہت جرأت مند آدمی ہو، پھر آپ نے ان کے لیے اللہ عزوجل سے دعاء فرمائی، تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝ (الدخان:۱۵) اگر ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو بے شک تم پھر (کفر کی طرف) لوٹنے والے ہوO

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر لوگوں پر بارش ہوئی اور جب خشک سالی دور ہو گئی، تو وہ لوگ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ آئے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الدخان:۱۰-۱۱) سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گاO جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ہے دردناک عذابO

خلاصہ یہ کہ دخان (دھواں) دو طرح کا ہے: ایک حقیقی جو کہ قرب قیامت میں ایک علامت کے طور پر ظاہر ہوگا اور دوسرا غیر حقیقی، جو کہ کفار کے لیے ظاہر ہو چکا اور زیر بحث حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی مراد ہے۔ (عمدۃ القاری ملخصاج ۷ ص ۴۱)

بقیہ چار نشانیوں کی تائید میں قرآن مجید کی آیات

اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مزید جن چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی قرآن مجید کی مختلف آیات میں مذکور ہیں، چنانچہ چاند کے شق ہونے سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر:۱) قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیاO

یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اقدس میں ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا اور یہ اہل مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں، تو اس کے جواب میں آپ نے انہیں چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۸۴۳)

روم کے مغلوب ہو جانے سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے:

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ (الروم:۱ تا ۳) الف لام میمO رومی (ایرانیوں سے) سے مغلوب ہو گئےO قریب کی سرزمین میں۔

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب مسلمان حدیبیہ سے لوٹے (۶ ہجری میں) تو رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے تھے۔
(انوار تبیان القرآن ص ۹۴۵)

گرفت سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اشارہ درج ذیل آیت کی طرف ہے۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى۔ (الدخان:۱۶) جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے۔

اس سے غزوۂ بدر میں کفار کا قتل ہونا مراد ہے اور پانچویں چیز (لزام) سے الفرقان: ۷۷ کی طرف اشارہ ہے، جس کو خود حضرت ابن مسعود نے زیر بحث حدیث میں ذکر فرما دیا ہے اور اس کی تفسیر میں ہم مختلف اقوال ذکر کر چکے ہیں۔ مزید اقوال یہ ہیں کہ لزام سے قحط سالی مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مشرکین کو اکٹھا کر کے بدر کے کنویں میں ڈالنا مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے کفار کا قید ہونا مراد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۳۸)

سورۃ الفرقان کا اختتام

الحمد للہ آج بروز جمعۃ المبارک ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۷ مئی ۲۰۱۱ء کو سورۃ الفرقان کی احادیث کی شرح مکمل ہو گئی۔ اب ان شاء اللہ سورۃ الشعراء کا آغاز کیا جائے گا۔

نعمۃ الباری کی تحریر کی تشکیل جدید

علامہ مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ وحبہ نے سورۃ النور سے سورۃ الفرقان تک کی تفسیر مکمل کی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید اور اعانت سے سورۃ الشعراء سے ان شاء اللہ میں شروع کروں گا۔ایک طویل بیماری کے بعد میں نے سید محسن اعجاز صاحب زید حبہ کے مشورہ سے یہ کام موقوف کر کے علامہ اسماعیل نورانی کے سپرد کر دیا تھا انہوں نے بہت محنت اور کاوش سے سورۃ النور اور سورۃ الفرقان خصوصاً سورۃ النور کی تفسیر بہت طویل اور بہت تفصیل اور تحقیق سے لکھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وفضل میں مزید نکھار پیدا فرمائے، پھر اٹھارہ مئی ۲۰۱۱ء کو مفتی پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمن زید حبہم وطفہم کی اور دیگر احباب کی پرخلوص دعاؤں اور حضرت حافظ عبدالجید برسٹل کے تعاون سے میں نے امریکا سے دماغ کی دوائیں منگائیں اور الحمد للہ ان دواؤں کے استعمال سے میرے حافظہ اور دماغ کی کارکردگی بحال ہوگئی اور میں نے پھر نعمۃ الباری کا کام شروع کر دیا۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ۝۲۸ (الشوریٰ:۲۸) اور وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے، اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ مددگار ہے بہت حمد کیا ہواO

والحمد للہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۶۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الشُّعَرَاءِ

سورۃ الشعراء کی تفسیر

سورۃ الشعراء کا مختصر تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ تفسیر سورۃ الشعراء کی بعض آیات کی ہے، اور ایک آیت کے سوا یہ پوری سورت مکی ہے اور وہ آیت یہ ہے:

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا وَّانۡتَصَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا۔ (الشعراء: ۲۲۷) سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا اور انہوں نے اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لیا۔

یہ آیت حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحۃ، اور حضرت حسان رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی، جو شعراء انصار تھے۔

مقاتل نے کہا: اس سورت میں دو مدنی آیات ہیں، وہ یہ ہیں:

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُہُمُ الۡغَاوٗنَ ۞ (الشعراء: ۲۲۴) اور شاعروں کی پیروی گم راہ لوگ کرتے ہیں O

اَوَلَمۡ یَکُنۡ لَّہُمۡ اٰیَۃً اَنۡ یَّعۡلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۞ (الشعراء: ۱۹۷) کیا ان کفار مکہ کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اس قرآن کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں O

علامہ سخاوی کے نزدیک یہ سورت، سورۃ الواقعہ کے بعد اور سورۃ النمل سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس میں دو سو ستائیس (۲۲۷) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۸۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَعۡبَثُوۡنَ تَبۡنُوۡنَ۔ اور مجاہد نے کہا: تَعۡبَثُوۡنَ کا معنی ہے: تم تعمیر کرتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَتَبۡنُوۡنَ بِکُلِّ رِیۡعٍ اٰیَۃً تَعۡبَثُوۡنَ ۞ (الشعراء: ۱۲۸) کیا تم ہر اونچی جگہ پر لہو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کرتے رہے ہو O

اور اس آیت میں رِیۡعٍ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ٹیلا، یعنی ہر وہ اونچی جگہ جو دور سے نظر آئے۔ (المفردات ج ۲ ص ۲۷۴، دارالفکر، بیروت)

اور اس آیت میں تَعۡبَثُوۡنَ کا لفظ ہے، یہ عبث سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: کھیل کود اور بے کار کام میں مشغول ہونا، جس کام کی کوئی غرض صحیح نہ ہو اس کو عبث کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۶، دارالفکر، بیروت)

اور اس میں اٰیَۃً کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: علامت، نشانی اور یادگار، قوم عاد ہر اونچی جگہ پر جو یادگار تعمیر کرتی تھی اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

اونچی جگہ پر یادگار بنانے کے متعلق اقوال

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ ہر اونچی جگہ پر مکان بناتے تھے جس میں وہ رہائش کا ارادہ نہیں رکھتے تھے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعمیر کو عبث فرمایا۔
(۲) سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا: وہ عمارت بنا کر اس کے اوپر برج بناتے تھے اور اس برج میں کبوتر رکھتے تھے۔
(۳) ضحاک نے کہا: وہ بلند جگہ پر ایک عمارت بناتے اور اس پر کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو دیکھتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔
(زاد المسیر ج ۲ ص ۱۳۶۔۱۳۵، مکتب اسلامی، بیروت)

جائز اور ناجائز کھیلوں کا بیان

کبوتر کے ساتھ کھیلنے کی ممانعت ہے اور اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا جس سے وہ کھیل رہا تھا تو آپ نے فرمایا: شیطان، شیطان کا پیچھا کر رہا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۹۴۰، دار الفکر، بیروت)
تاہم جسمانی ورزش اور باہمی دل چسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو تو ان کا کھیلنا جائز ہے۔

قوم عاد کی مذمت کی وجوہ

قوم عاد کے ظاہر حال سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان مکانوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان کی مذمت اس لیے فرمائی کہ ان کا یہ فعل اسراف تھا یا اس میں اظہار تکبر تھا، ان کی مذمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی دلچسپیوں میں منہمک ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور اس کی عبادت سے غافل ہو گئے تھے، وہ یہ بھول گئے تھے کہ یہ دنیا سرائے فانی ہے، یہاں سے آگے گزر جانا ہے، یہ دائمی قیام گاہ نہیں ہے۔
علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت مجاہد نے تَعْبَثُوْنَ کا معنی کیا ہے: تَبْنُوْنَ یعنی وہ تعمیر کرتے تھے، اور ابن ابی نجیح نے اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ کی تفسیر میں کہا ہے: بِكُلِّ فَجٍّ یعنی وہ ہر کھلے راستے میں تعمیر کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: بِكُلِّ رِيْعٍ کا معنی ہے: بِكُلِّ شَرَفٍ یعنی وہ ہر بلندی پر تعمیر کرتے تھے، اور عکرمہ سے روایت ہے کہ رِيْعٍ کا معنی وادی ہے یعنی وہ ہر وادی میں تعمیر کرتے تھے اور مقاتل نے بیان کیا ہے کہ وہ سفر کرتے تھے اور ستاروں سے ہدایت حاصل کرتے تھے تو انہوں نے راستوں پر بلند یادگاریں بنا دیں تا کہ ان یادگاروں کو دیکھ کر ہدایت حاصل کریں، اور علامہ کرمانی نے کہا کہ وہ کبوتروں کے لیے مکانوں کے اوپر بروج بناتے تھے اور ان سے کھیلتے تھے اور اَلرِّيْعُ کا معنی ہے: بلند زمین اور اس کی جمع ہے: رِيَعَةٌ۔
(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

هَضِيْمٌ يَتَفَتَّتُ إِذَا مُسَّ۔ هَضِيْمٌ اس کا معنی ہے: ایسا خوشہ جو چھونے سے ریزہ ریزہ ہو جائے یعنی اس کے سوکھنے کے بعد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:
فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا باغوں اور چشموں میں ○ کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں

هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ (الشعراء: ۱۴۸۔۱۴۷) جن کے خوشے نرم ہیں O

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے هَضِيْمٌ کی تفسیر اپنے اس قول سے کی ہے کہ وہ کھجور کا ایسا خوشہ ہے جو چھونے سے جھڑ جاتا ہے اور یہ حضرت مجاہد کی تفسیر ہے۔

مُسَحَّرِينَ الْمَسْحُورِينَ۔ مُسَحَّرِينَ اس کا معنی ہے: مَسْحُورِينَ یعنی جن پر جادو کیا گیا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ (الشعراء: ۱۸۵) انہوں نے کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے O

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے مُسَحَّرِينَ کی تفسیر مَسْحُورِينَ کے ساتھ کی ہے یعنی جن پر بار بار جادو کیا گیا ہو، چونکہ تم کھاتے پیتے ہو اس لیے تم پر جادو کیا گیا ہے۔ الفراء نے کہا: بے شک تم طعام کھاتے ہو اور پانی پیتے ہو اور اس کے ساتھ تم پر جادو کیا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم فرشتے نہیں ہو تم تو صرف ہماری مثل بشر ہو، تم کو ہم پر کسی چیز میں فضیلت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹، فتح الباری ج ۵ ص ۷۵۶)

لَيْكَةُ وَالْاَيْكَةُ جَمْعُ اَيْكَةٍ وَهِيَ جَمْعُ شَجَرٍ۔ لَيْكَةُ اور الْاَيْكَةُ، اَيْكَةٌ کی جمع ہے اور یہ شجر یعنی درخت کی جمع ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ (الشعراء: ۱۷۶) اصحاب الایکہ (سرسبز جنگل والوں) نے رسولوں کی تکذیب کی O

عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا۔ ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا، پھر اس قوم کی نافرمانی کی بنا پر اس قوم کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ (سرسبز جھاڑیوں والے علاقے کے رہنے والوں) کی طرف بھیجا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۰ ص ۳۰۸۔۳۰۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

علامہ عینی فرماتے ہیں: الجوہری نے کہا: الایکہ کا معنی ہے: سرسبز جنگل اور الیکہ ایک بستی کا نام ہے اور انہوں نے کہا الایکہ سرسبز اور گھنے درختوں کو کہتے ہیں اور اس کا واحد اَیْکَۃ ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ یہ اَیْکَۃ کی جمع ہے، تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے اور یہ صحیح نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ کہا جائے کہ اَلْیکہ اور اَلْاَیکہ دونوں اَیْکٌ کا مفرد ہیں اور ان کی جمع بھی اَیْکٌ ہے۔

بعض شارحین پر تعجب ہے کہ انہوں نے یہاں پر کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ کہا: پہلا کلام مجاہد کا قول ہے، الایکہ اَیْکَۃ کی جمع ہے، یہ ابو عبیدہ کا کلام ہے اور مجاہد اور ابو عبیدہ اس بات سے بری ہیں کہ وہ کہیں کہ الایکہ، اَیْکَۃ کی جمع ہے۔

امام بخاری نے کہا: یہ شجر کی جمع ہے، اکثر نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے اور بعض نسخوں میں ہے کہ یہ درختوں کی جمع ہے اور ہر تقدیر پر نفس الامر میں اس طرح نہیں ہے۔ غیضہ جس کی تفسیر الایکہ سے کی جاتی ہے کیونکہ غیضہ درختوں کی جماعت ہے اور جب ایکہ کی تفسیر غیضہ سے نہیں کی جائے گی تو یہ کلام درست نہیں ہوگا، غور کریں، یہ غور کرنے کی جگہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

يَوْمِ الظُّلَّةِ اِظْلَالُ الْعَذَابِ اِيَّاهُمْ۔ يَوْمُ الظُّلَّةِ کا معنی ہے: عذاب کا ان پر سایہ کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۞ (الشعراء:۱۸۹) انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو سائے بان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ بے شک وہ بہت بھاری دن کا عذاب تھا O

علماء نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بیس (۲۰) سال کی عمر میں مدین کی طرف مبعوث فرمایا، یہ قوم ناپ تول میں کمی کرتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور ان کو ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو بہترین جواب دیتے تھے، اس لیے ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا، جب اہل مدین کی سرکشی بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی کا عذاب بھیجا، وہ گرمی سے گھبرا کر اپنے گھروں کو چھوڑ کر جنگل کی طرف چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک بادل بھیجا جس نے سورج سے ان کے اوپر سایہ کر لیا، اس سے ان کو ٹھنڈک اور لذت حاصل ہوئی، پھر انہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی بلا لیا حتیٰ کہ سب اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے اوپر ایک آگ بھیجی جس نے ان سب کو جلا ڈالا اور یہ بھی یوم الظلہ ہے یعنی سائبان کے دن کا عذاب ہے۔ (المنتظم ج ا ص ۲۱۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ عینی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان پر عذاب کا سایہ کرنا یہ یوم الظلہ کی تفسیر ہے اور الظلہ سے مراد وہ بادل ہے جس نے ان پر سایہ کر لیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مَوْزُوْنٍ مَعْلُوْمٍ۔ مَوْزُوْنٍ کا معنی ہے: معلوم۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ تعلیق اس جگہ سے متعلق نہیں ہے اور گویا کہ یہ لکھنے والے کی جہالت ہے کیونکہ موزون کا لفظ اس آیت میں ہے۔

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۞ (الحجر:۱۹) اور ہم نے اس زمین میں ہر مناسب چیز اگائی O

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

كَالطَّوْدِ كَالْجَبَلِ۔ کالطود اس کا معنی ہے: پہاڑ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۞ (الشعراء:۶۳) تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا سمندر پر ماریں تو یکایک سمندر پھٹ گیا، پس (اس کا) ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا O

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام بخاری نے الطود کی تفسیر پہاڑ کے ساتھ کی ہے۔ ابوذر نے کہا ہے کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے اور دوسروں نے کہا ہے کہ یہ تفسیر مجاہد کی طرف منسوب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۰، فتح الباری ج ۵ ص ۷۵۶)

وَقَالَ غَيْرُهٗ لَشِرْذِمَةٌ اَلشِّرْذِمَةُ طَائِفَةٌ قَلِيْلَةٌ۔ الشرذمۃ اس کا معنی ہے: قلیل جماعت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۞ (الشعراء:۵۴) کہ بے شک یہ جماعت (بنی اسرائیل) بہت کم تعداد میں ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الشرذمۃ کی تفسیر قلیل جماعت کے ساتھ کی ہے۔ امام ثعلبی نے کہا ہے: فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے اپنے لشکر کو بھیجا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک کروڑ پانچ لاکھ بنی اسرائیل کے ساتھ نکلے اور فرعون بہت

بڑے تخت پر بیٹھ کر نکلا گویا کہ اس میں دس کروڑ گھوڑ سوار تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ فرعون نے دو ہزار گھوڑوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چھ لاکھ بنی اسرائیل تھے تو فرعون نے کہا: یہ قلیل جماعت ہے، پس ان دونوں عبارتوں میں کس طرح تطبیق ہوگی؟ تو میں کہوں گا کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کی مراد یہ ہو کہ فرعون کے ساتھ اس کے خواص ہوں جو دن رات فرعون کے ساتھ رہتے تھے اور انہوں نے دوسروں کا ذکر نہیں کیا۔ علاوہ ازیں امام ثعلبی کی تفسیر پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ فرعونیوں کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل اس دن چھ لاکھ تھے اور فرعون کے لشکر کی تعداد کا شمار نہیں تھا اور امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ یہ روایت کی ہے کہ وہ بنی اسرائیل جن کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن سمندر کو پار کیا تھا وہ چھ لاکھ تھے اور امام ابن ابی حاتم نے از ابن اسحاق از ابوعبیدہ از حضرت ابن مسعود یہ روایت ذکر کی ہے کہ وہ چھ لاکھ ستر ہزار تھے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۵۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

فِي السّٰجِدِيْنَ الْمُصَلِّيْنَ۔ فی السّٰجدین اس کا معنی ہے: نماز پڑھنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۙ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ جو آپ کو آپ کے قیام کے وقت دیکھتا ہے ۝ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو ۝ (الشعراء: ۲۱۸۔۲۱۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کی تحقیق

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کی روح ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہو رہی تھی، یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء و اجداد مسلمان تھے اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہ تھے۔

(اسرار التنزیل وانوار التاویل ص ۲۶۷ للبیضاوی متوفی ۶۸۵ھ، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع، مصر)

امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں۔ (صحیح مسلم: ۲۰۳، سنن ابوداؤد: ۴۷۱۸)

بہ ظاہر یہ حدیث والدین کے ایمان کے معارض ہے لیکن اس حدیث میں میرے باپ سے مراد چچا ہے یعنی ابوطالب، پھر کوئی اعتراض نہیں ہے اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق ایسی کوئی بات کہیں اور آپ کو ایذاء پہنچائیں کیونکہ آپ نے فرمایا کہ مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔ وہ حدیث یہ ہے: عمرو بیان کرتے ہیں کہ جب عکرمہ بن ابی جہل مدینہ میں آئے تو لوگ جمع ہو کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابوجہل کا بیٹا ہے، یہ ابوجہل کا بیٹا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ (تاریخ دمشق الکبیر جز ۴۳ ص ۱۹۴ لابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جب حضرت عکرمہ کے والد کو کافر کہنا حضرت عکرمہ کے لیے باعث اذیت ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہنا آپ کے لیے کس قدر باعث ایذاء ہوگا، قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ بے شک جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ

الْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۝ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اس نے ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے O (الاحزاب: ۵۷)

حافظ ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاہین متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجون پر بہت غمزدگی اور افسردگی کی حالت میں اترے اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہیں ٹھہرے رہے، پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے، میں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ مقام حجون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے، پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کر دیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو لوٹا دیا۔ (یہ حدیث مسلم کی حدیث کے لیے ناسخ ہے)۔(الناسخ والمنسوخ رقم الحدیث: ۶۳۰، مکتبہ دارالباز، مکۃ المکرمہ، ۱۴۱۲ھ)

اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت اس سے عاجز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کو جس چیز کے ساتھ چاہے خاص کر لے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اَلسَّاجِدِیْن کی تفسیر نمازیوں کے ساتھ کی ہے۔ الکلبی نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جماعت کے ارکان الصلوٰۃ میں کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور رکوع وسجود میں تصرف کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ الثعلبی نے کہا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔(عمدۃ القاری ج۱۹ص ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ سلیم اللہ خان اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابوجعفر نحاس نے معانی القرآن میں اس کا ایک اور مطلب نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۝ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل کیا۔ علامہ ماوردی نے بھی حضرت ابن عباس سے یہ ہی تفسیر نقل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: اس آیت میں چھ تاویلات ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہوتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر نکالا اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ (النکت والعیون ج ۳ ص ۱۸۵)

اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے مسالک الحنفاء میں یہ ثابت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مومن تھے بلکہ ان کا تو خیال ہے کہ آپ سے عمود نسب میں جناب عبداللہ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی بھی کافر نہیں گزرا۔

(الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۱۶۔۲۱۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں راجح قول یہ ہی ہے کہ وہ مومن ہوئے ہیں۔ علامہ آلوسی نے اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے جیسا کہ اکثر اجلہ اہلسنت کا مذہب ہے اور جو شخص ان کو کافر کہتا ہے مجھے اس کے کفر کا خدشہ ہے۔(روح المعانی ج۱۹ص ۱۳۸)

امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب الایمان میں ایک روایت نقل کی ہے، اس سے آپ کے والد کا غیر ناجی ہونا معلوم ہوتا ہے اور امام مسلم ہی نے جنائز میں ایک اور روایت نقل کی ہے، اس سے آپ کی والدہ کا غیر ناجی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، پس آپ خود بھی روئے اور اپنے اردگرد والوں کو بھی رلایا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا

کروں تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی اور میں نے اس سے اجازت طلب کی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کروں تو مجھے اس کی اجازت دی گئی، سو تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تم کو موت کی یاد دلائے گی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۴، مطبوعہ کراچی)

لیکن ابن شاہین نے کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں اور خطیب بغدادی نے ''کتاب السابق واللاحق'' میں ایک روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو زندہ کیا اور وہ ایمان لے آئیں، اس کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔

شیخ سلیم اللہ خان کا الفطرۃ لکھنا اور یہ لفظ غلط اور خلاف قرآن ہے [1]

علامہ سیوطی کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اصحاب الفطرۃ (میں کہتا ہوں کہ صحیح لفظ فَتْرَۃٍ ہے، دیکھیے: المائدہ: ۱۹) اور اصحاب الفطرۃ (اصحاب الفترۃ) اگر مشکوک نہ ہوں تو ان کے حق میں نجات کا فیصلہ ہے۔ امام مسلم کی روایت پر علامہ سیوطی نے کلام کیا ہے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۲۷۔۲۲۶)

لیکن یہ مسئلہ بہر حال پیچیدہ ہے اور عقیدے سے اس کا اس طرح تعلق بھی نہیں ہے کہ انسان کی نجات کا دارومدار اس پر ہے اس لیے اس مسئلہ پر سکوت اختیار کرنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

شیخ شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اور بعض سلف نے کہا ہے کہ ساجدین سے آپ کے آباء مراد ہیں یعنی آپ کے نور کا ایک نبی کی صلب سے دوسرے نبی کی صلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا بلکہ بعض مفسرین نے اسی لفظ سے آپ کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۰۱، سورۃ الشعراء: ۳۱۹۔۳۱۸) (کشف الباری کتاب التفسیر ص ۴۹۰۔۴۸۸، مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی، کراچی)

ہم نے والدین کریمین کے ایمان پر اس سے کہیں زیادہ مفصل اور محقق بحث کی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں دیکھیے۔ (تبیان القرآن ج ۸ ص ۵۱۱۔۴۷۷)

اس اعتراض کا جواب کہ لَعَلَّ کا معنی ہے امید اور شاید اور اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے وہ کسی چیز کی امید کرنے سے پاک ہے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ كَأَنَّكُمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، لعلکم تخلدون میں لعلکم کانکم کے معنی میں ہے یعنی گویا کہ تم ان مکانوں میں ہمیشہ رہو گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ (الشعراء: ۱۲۹)

تم مضبوط مکان بنا رہے ہو (گویا کہ) تم ان میں ہمیشہ رہو گے ۝

یعنی ان کے ظاہر حال سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان مکانوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اس کی مذمت اس لیے فرمائی ہے کہ

---

[1] میں کہتا ہوں کہ فطرت کا معنی ہے: وہ صفت کہ ہر موجود اپنی ابتداء پیدائش میں اس کے ساتھ متصف ہو، طبعی حالت۔ (المنجد اردو ص ۷۵۴) اور فترت کا معنی ہے: دو نبیوں کے درمیان کا زمانہ۔ (المنجد ص ۷۲۸)

قرآن مجید میں ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ۔ (المائدہ: ۱۹)

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا جو انقطاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شریعہ) بیان کرتا ہے۔

شیخ سلیم اللہ خان اپنے حلقہ میں بہت بڑے عالم ہیں، مفتی تقی عثمانی اور مفتی رفیع عثمانی کے استاذ ہیں، پھر حیرت ہے کہ ان پر فطرت اور فترت کا فرق مخفی رہا۔ (سعیدی غفرلہ)

ان کا یہ فعل اسراف تھا یا اس میں اظہار تکبر تھا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ واحدی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی لَعَلَّ کا لفظ ہے وہ علت اور سبب بیان کرنے کے لیے ہے سوا اس مقام کے، یہاں پر یہ لفظ تشبیہ کے لیے ہے، مگر اس حصر پر یہ اعتراض ہے کہ ایک اور جگہ بھی قرآن مجید میں لعل تشبیہ کے لیے ہے اور وہ یہ آیت ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء: ۳) (اے رسول مکرم!) گویا کہ آپ اس غم میں جان دے دیں گے کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول اس اعتراض کا جواب ہو کہ لَعَلَّ کا معنی ہے: ترجی یعنی امید ہے کہ ایسا ہو یا شاید اور یہ بات وہ کہے گا جس کو مستقبل کی خبر نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ تو مستقبل کے تمام امور کا جاننے والا ہے، سو الشعراء: ۱۲۹، کا معنی ہوگا: تم یہ مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ شاید تم ان مکانوں میں ہمیشہ رہو گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہاں لَعَلَّ تشبیہ کے لیے ہے یعنی گویا کہ تم ان مکانوں میں ہمیشہ رہو گے۔

الرِّیعُ اور اَلْعَبَثُ کے معنی کی تحقیق

اَلرِّيْعُ الْاَيْفَاعُ مِنَ الْاَرْضِ وَجَمْعُهُ رِيَعَةٌ وَاَرْيَاعٌ وَاحِدُهُ رِيعَةٌ۔ اَلرِّيْعُ اس کا معنی ہے: بلند زمین اور اس کی جمع رِيَعَةٌ اور اَرْيَاعٌ آتی ہے اور اس کا واحد اَلرِّيْعَةُ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ (الشعراء: ۱۲۸) کیا تم ہر اونچی جگہ پر لہو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو ○

اس آیت میں رِيْعٌ کا لفظ ہے اور رِيْعٌ کا معنی ہے: ٹیلا اور ہر وہ اونچی جگہ جو دور سے نظر آئے۔

(المفردات ج ۲ ص ۲۷۴ مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ)

اور اس میں تعبثون کا لفظ ہے اور یہ عبث سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: کھیل کود اور بے کار کام میں مشغول ہونا۔ جس کام کی کوئی غرض صحیح نہ ہو اسے عبث کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۶)

اور اس میں اٰيَةٌ کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے علامت، نشانی اور یادگار۔ قوم عاد ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار تعمیر کرتے تھے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے فرمایا: الریع کا معنی ہے: الایفاع من الارض۔ ایفاع کا لفظ یَافِعٌ کی جمع ہے اور یہ زمین کی بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ اسی سے ماخوذ ہے: ایفع الغلامُ یعنی لڑکے کا قد بلند ہوگیا اور صحیح لفظ اَلْيَفَعُ من الارض ہے اور اس کا معنی زمین کی بلند جگہ ہے۔ عمارہ نے کہا ہے: اس کا معنی پہاڑ ہے اور رِيْعٌ کا معنی راستہ بھی ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: دو پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مَصَانِعَ كُلُّ بِنَاءٍ فَهُوَ مَصْنَعَةٌ۔ مَصَانِعَ اس کا معنی ہے: ہر عمارت یہ مصنعۃٌ کی جمع ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۞ (الشعراء:۱۲۹) تم مضبوط مکان بنا رہے ہو گویا کہ تم ان مکانوں میں ہمیشہ رہو گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فرمایا: ہر عمارت کو مصنعہ کہتے ہیں: اسی طرح امام ابوعبیدہ نے کہا ہے اور مصنعہ مفرد ہے اور اس کی جمع مَصَانِعَ ہے۔ امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے کہ المصانع محلات اور قلعوں کو کہتے ہیں۔ امام عبدالرزاق نے کہا: ہمارے نزدیک المصانع یمن کی لغت میں محلات کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مصانع کا معنی ہے: کبوتروں کے گنبد۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی مصانع کی شرح میں یہی لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۵۷ دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

فَرِهِيْنَ مَرِحِيْنَ فَارِهِيْنَ بِمَعْنَاهُ وَيُقَالُ فَارِهِيْنَ حَاذِقِيْنَ۔ فرھین کا معنی ہے: اترانے والے اور فخر کرنے والے، ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فارھین کا معنی ہے: تجربہ کار اور ماہر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۞ (الشعراء:۱۴۹) اور تم خوشی سے اتراتے ہوئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فَرِهِيْنَ کا معنی مَرِحِيْنَ یعنی اترانے والے کیا ہے، اسی طرح امام ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے اور مرحین مَرِحٌ کی جمع ہے اور یہ صفت مشبہ ہے اور اَلْمَرَاحُ کا معنی ہے: بہت زیادہ خوش ہونا۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے: نعمت سے حصہ لینے والے اور سدی نے کہا: اس کا معنی ہے متحیر، اور ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے: قوی۔
(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تَعْثَوْا هُوَ أَشَدُّ الْفَسَادِ۔ تَعْثَوْا کا معنی ہے: جنہوں نے بہت زیادہ فساد کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۞ (الشعراء:۱۸۳) اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو O

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَعْثَوْا کی تفسیر بہت شدید فساد کے ساتھ کی ہے کیونکہ عثا فی الارض کا معنی ہے: زمین میں بہت فساد کیا۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۴۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابن ابی حاتم نے از قتادہ روایت کی ہے کہ وَلَا تَعْثَوْا کا معنی ہے: زمین میں فساد کرتے ہوئے سفر نہ کرو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۵۷)

عاثَ يَعِيْثُ عَيْثًا۔

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ عاث کا معنی عثی کی مثل ہے یعنی اس نے فاسد کر دیا اور ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ تعثوا، عاث سے مشتق ہے کیونکہ تعثوا ناقص واوی ہے اور عاث اجوف واوی ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۴۲-۱۴۱)

الْجِبِلَّةَ الْخَلْقَ جُبِلَ خُلِقَ وَمِنْهُ جُبُلًا وَجِبِلًا وَجُبْلًا يَعْنِي الْخَلْقَ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ۔ الجبلة کا معنی ہے: پیدا کرنا۔ جبل کا معنی ہے: پیدا کیا گیا اور اسی سے جُبُل، جبل اور یہ جُبْل سے ماخوذ ہے یعنی مخلوق۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ۝ (الشعراء: ۱۸۴)

اور بے شک اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے کی جبلت (سرشت) کو پیدا کیا ہے O

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی فرماتے ہیں:

امام بخاری نے کہا: اور اسی باب سے ہے جبلاً اور وہ اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْکُمْ جِبِلًّا کَثِیْرًا۔ (یٰس: ۶۲)

اور بے شک اسی نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گم راہ کر دیا۔

اس آیت میں کئی قراءتیں ہیں: جُبُلًا، جُبْلًا وغیرہ۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ تمام کلام امام ابوعبیدہ کا ہے، میں کہتا ہوں کہ امام ابوعبیدہ کا کلام ہونا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ۝ (الشعراء: ۸۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا O (الشعراء: ۸۷) کی تفسیر

۴۷۶۸۔ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَرَى أَبَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ الْغَبَرَةُ وَالْقَتَرَةُ الْغَبَرَةُ هِيَ الْقَتَرَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور ابراہیم بن طہمان نے کہا از ابن ابی ذئب از سعید بن ابی سعید المقبری از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے (عرفی) باپ کو دیکھیں گے ان پر گرد و غبار اور سیاہی ہوگی، اور الغبرۃ کا معنی بھی سیاہی ہے۔

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری ۳۳۵۰ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی الشعراء: ۸۷ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا:

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ۝ (الشعراء: ۸۶)

اور میرے (عرفی) باپ کو بخش دے بے شک وہ گم راہوں میں سے تھا O

اور جب انہوں نے اس کو گرد و غبار اور سیاہی میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

حدیث مذکور کے رجال

ابراہیم بن طہمان: الہروی ہیں، ابوسعید مقبری نیشاپور میں رہے پھر مکہ میں رہے اور ایک سو ساٹھ ہجری میں فوت ہو گئے، یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں، ابن ابی ذئب: محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب اور ان کا نام ہشام ہے اور سعید اپنے والد ابی سعید سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام کیسان المدنی ہے، وہ ایک قبرستان کے پاس رہتے تھے تو ان کو قبرستان کی طرف منسوب کر کے مقبری کہتے ہیں۔ یہ حدیث معلق ہے، اس کو امام نسائی نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عرفی باپ کو قیامت کے دن اس طرح دکھایا جائے گا کہ ان کے چہرہ پر

الغبرہ اور القترہ ہوگا، ان لفظوں کا معنی ہے: گرد وغبار اور سیاہی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَوُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ عَلَیۡهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ (عبس: ۴۰-۴۱)

اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہو گی O

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۳-۱۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قترہ اور غبرہ کا معنوی فرق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام نسائی نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے (عرفی) باپ کو دیکھ کر کہا: میں نے تم کو شرک سے منع کیا تھا لیکن تم نے میری نافرمانی کی، ان کے (عرفی) باپ نے کہا: لیکن میں آج تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ الغبرہ هی القترة یہ امام بخاری کا کلام ہے جس کو انہوں نے امام ابوعبیدہ کے کلام سے اخذ کیا ہے اور ان کا یہ کلام سورۂ یونس کی تفسیر میں ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ قترہ اس سیاہی کو کہتے ہیں جو غم اور افسوس کی وجہ سے چہرے کو ڈھانپ لیتی ہے اور غبرہ اس گرد وغبار کو کہتے ہیں جو چہرے پر پڑ جاتا ہے۔ غَبَرَۃ حسی امر ہے اور قترہ معنوی امر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ قترہ اس گرد وغبار کو کہتے ہیں جو چہرے کو سیاہ کردے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قترہ دھوئیں کی سیاہی کو کہتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۵۸-۷۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷۶۹- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا أَخِي عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَنْ لَا تُخْزِيَنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ فَيَقُولُ اللّٰهُ إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے بھائی نے حدیث بیان کی از ابن ابی ذئب از سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ سے ملاقات کریں گے، پس عرض کریں گے: اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے اس دن شرمندہ نہیں کرے گا جس دن سب لوگوں کو اٹھایا جائے گا، تب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: بے شک میں نے جنت کو کافروں کے اوپر حرام کردیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۵۰ میں گزر چکی ہے۔

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے جس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سعید مقبری سے ان کے باپ کے واسطے کے بغیر سنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے (عرفی) باپ آزر کو دوزخ میں ڈالنے پر اعتراض کے متعدد جوابات

علامہ بدر الدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں عرض کیا:

وَلَا تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۸۷﴾ (الشعراء: ۸۷)

اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا O

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسوائی کا ذکر اس لیے کیا کہ قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ (آل عمران: ۱۹۲)

اے ہمارے رب! تو نے جس کو دوزخ میں داخل کردیا، سو تو نے

اس کو ضرور رسوا کر دیا ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے (عرفی) باپ کو دوزخ میں ڈال دیا تو یہ امران کے لیے باعث شرمندگی تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان کو اس دن شرمندہ نہیں کرے گا جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا اور جب ان کے (عرفی) باپ کو دوزخ میں ڈال دیا تو یہ ان کے لیے باعث شرمندگی ہوا کیونکہ باپ کی رسوائی بیٹے کی رسوائی ہے اور اس سے الخلف فی الوعد لازم آیا اور یہ محال ہے، تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگر ان کے عرفی باپ آزر کو دوزخ میں نہ ڈالا جاتا تو الخلف فی الوعید لازم آتا اور یہ بھی محال ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے اس سے یہی مراد ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آزر کو قبر کے بجو کی صورت میں مسخ کر کے دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شرمندگی کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ شرمندگی کی وجہ تب ہوتی کہ جب آزر کو اس کی معروف صورت میں دوزخ میں ڈالا جاتا تو لوگ کہتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے (عرفی) باپ کو دوزخ میں ڈال دیا گیا، پس اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شرمندگی سے بچ گئے اور اللہ تعالیٰ کی وعید بھی پوری ہو گئی کیونکہ کافر کو دوزخ میں نہیں ڈالا گیا، اور اس اعتراض کا ایک اور جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ وہ آزر کو بخش دے گا اس کے ایمان لانے کے ساتھ مشروط تھا اور جب وہ ایمان نہیں لایا تو اس کی مغفرت کی کوئی وجہ نہیں رہی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۱۴)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا، اور جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے O

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آزر کو بجو کی شکل میں مسخ کرنے کی حکمتیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آزر کے لیے استغفار کو ترک کرنے اور آخرت میں اس کے لیے استغفار کرنے کی دو روایتوں میں تطبیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایوب کی روایت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمائے گا: اے میرے بندے! آپ جنت کے جس دروازے سے داخل ہونا چاہیں جنت میں داخل ہو جائیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تو مجھے رسوا نہیں کرے گا اور اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہو گی کہ میرا (عرفی) باپ دوزخ میں داخل ہو۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے: پس ندا کی جائے گی کہ جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو گا۔

ابراہیم بن طہمان کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے ابراہیم! تمہارے باپ کہاں ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: تو نے اس کو مجھ سے لے لیا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نیچے دیکھو، پس وہ دیکھیں گے کہ ایک قبر کا بجو اپنی بدبو میں لوٹ پوٹ ہو رہا ہے، اور ایوب کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مسخ کر کے قبر کا بجو بنا دیں گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے

میرے بندے! تمہارا باپ یہ ہے، سو حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: نہیں! تیری عزت کی قسم! اور حضرت ابوسعید کی حدیث میں ہے: اس کو قبیح صورت اور بد بودار شکل میں قبر کے بجو کی صورت میں بنا دیا جائے گا، ابوالمنذر نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے: جب حضرت ابراہیم اس کو اس صورت میں دیکھیں گے تو فرمائیں گے: تو میرا (عرفی) باپ نہیں ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کو بجو کی شکل میں مسخ کرنے کی حکمت یہ ہے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نفس اس سے متنفر ہو اور تاکہ ان کا (عرفی) باپ اپنی اس صورت میں دوزخ میں نہ ڈالا جائے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے باعث رنج و ملال ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آزر کو قبر کے بجو کی شکل میں مسخ کرنے کی حکمت یہ تھی کہ قبر کا بجو تمام جانوروں میں سب سے زیادہ احمق ہے اور کیونکہ یہ کتے اور خنزیر اور شیر کے درمیان متوسط ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت زیادہ تواضع کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ کی لیکن اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور تکبر کیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا، سو اس کے ساتھ قیامت کے دن ذلت آمیز سلوک کیا جائے گا اور اس لیے کہ قبر کا بجو ٹیڑھا ہے اور اس میں استقامت نہیں ہے اور آزر بھی سیدھا نہیں ہوا اور اپنی کجروی اور ٹیڑھ پر ڈٹا رہا۔

اسماعیلی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، پھر کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور معلل ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی وعید کے خلاف نہیں کرتا، پھر انہوں نے کیوں کر آزر کے لیے دعا کی!

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث بہ ظاہر اس آیت کے خلاف ہے:

وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو ابراہیم نے اس سے کیا تھا، اور جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ (التوبہ: ۱۱۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس وقت آزر سے بیزار ہوئے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب آزر حالت شرک میں مر گیا تو وہ دنیا میں ہی اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ اس روایت کو امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب آزر مر گیا تو حضرت ابراہیم نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا، ایک اور سند سے مروی ہے کہ جب تک وہ زندہ رہا حضرت ابراہیم اس کے لیے استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو آپ اس کے لیے استغفار کرنے سے رک گئے۔

امام ابن المنذر کی روایت ہے کہ قیامت کے دن جب آزر کو بجو کی شکل میں مسخ کیا جائے گا تو حضرت ابراہیم اس سے بیزار ہو جائیں گے جیسا کہ میں نے اس طرف پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔

ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ جب آزر شرک پر مر گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے استغفار کو ترک کر دیا، لیکن جب انہوں نے اس کو قیامت کے دن دیکھا تو ان پر پھر نرمی اور شفقت غالب آ گئی، سو انہوں نے اس کے حق میں دعا کی، پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ آزر کو مسخ کر دیا گیا تو وہ اس کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور وہ اس سے ہمیشہ کے لیے بیزار ہو گئے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۵۹۔۷۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابٌ: وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۙ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب سے) ڈرائیے ○ اور جن مسلمانوں نے آپ

الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الشعراء ۲۱۴۔۲۱۵)

کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو کو جھکا کر رکھیے ۝ (الشعراء: ۲۱۵۔۲۱۴) کی تفسیر

امام بخاری نے کہا: اس کا معنی ہے آپ اپنی جانب کو نرم رکھیں۔

۴۷۷۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝﴾ (الشعراء: ۲۱۴) صَعِدَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِي يَا بَنِي فِهْرٍ يَا بَنِي عَدِيٍّ لِبُطُونِ قُرَيْشٍ حَتَّى اجْتَمَعُوا فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ أَرْسَلَ رَسُولًا لِيَنْظُرَ مَا هُوَ فَجَاءَ أَبُو لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ مَاۤ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ۝﴾ (المسد: ۱۔۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن مرہ نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۴) (اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب سے ڈرایئے ۝) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر چڑھے، پھر آپ بلند آواز سے نداء فرمارہے تھے: اے بنی فہر! اے بنی عدی! قریش کے قبیلوں کو حتیٰ کہ وہ سب جمع ہو گئے، پھر جو مرد خود نکلنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا تو وہ کسی قاصد کو بھیجتا تا کہ دیکھے کیا معاملہ ہے، پھر ابولہب اور قریش آئے، تب آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ گھوڑ سواروں کا ایک لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرنے والے ہو؟ تو سب نے کہا: ہاں! ہم نے آپ کے متعلق صدق کے سوا کسی چیز کا تجربہ نہیں کیا، آپ نے فرمایا: پس میں تمہیں سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔ تو ابولہب نے کہا: تمہارے لیے سارے دن ہلاکت ہو، کیا تو نے اس لیے ہمیں جمع کیا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی: تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ مَاۤ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ۝ (المسد: ۱۔۲) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ۝ اس کے مال اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا ۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۹۴ میں گزر چکی ہے۔

اس کی تحقیق کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر کفار قریش کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا قصہ ایک بار کا ہے یا دو مرتبہ ایسا ہوا اور اس اعتراض کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سیدہ فاطمہ سے فرمانا: تم اپنے آپ کو دوزخ کے عذاب سے بچاؤ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا اور دیگر مباحث

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحابہ کی مرسل روایات میں سے ہے، اسماعیلی نے اس کو وثوق سے کہا ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ تو مدینہ میں اسلام لائے تھے اور اس قصہ میں مکہ کا واقعہ ہے اور حضرت ابن عباس اس وقت یا تو پیدا نہیں ہوئے تھے اور یا اس وقت بہت بچے تھے (حدیث: ۴۷۷۰، حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور حدیث: ۴۷۷۱، حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے) اور دوسرے احتمال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت فاطمہ کو یہ نداء کرنا: تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو لیکن میں تم سے اللہ تعالیٰ کے کسی امر کو دور نہیں کر سکتا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ اس وقت احکام کی مخاطب تھیں اور ہم اس سے پہلے اوائل سیرۃ النبویہ میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ دو مرتبہ واقع ہوا ہو، لیکن اصل یہ ہے کہ نزول کا تکرار نہ ہوا ہو کیونکہ اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے یہ اس وقت فرمایا جب وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۴) نازل ہوئی تھی۔

ہاں امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بیان کیا ہے کہ جب وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۴) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم کو اور اپنی ازواج کو اور اپنے گھر والوں کو جمع کیا، پس فرمایا: اے بنو ہاشم! اپنے نفسوں کو دوزخ کے عذاب سے خرید لو اور اپنے غلاموں کو آزاد کرنے کی کوشش کرو اور اے عائشہ بنت ابی بکر! اور اے حفصہ بنت عمر! اور اے ام سلمہ! پھر انہوں نے ایک طویل حدیث روایت کی، پس اگر یہ روایت ثابت ہو تو یہ اس قصہ کے تعدد پر دلالت کرتی ہے۔ چونکہ پہلی حدیث (بخاری: ۴۷۷۰) کا واقعہ مکہ سے متعلق ہے اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ صفا پہاڑ پر چڑھے اور اس وقت حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن آپ کے پاس نہیں تھیں، یہ ازواج مطہرات آپ کے پاس صرف مدینہ میں تھیں، پس ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ پہلے قصہ سے متاخر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی اس وقت آپ کے پاس حاضر ہوئے ہوں اور شاید پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہو: وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ تو آپ نے بالعموم قریش کے عام لوگوں کو اور خاص لوگوں کو جمع کیا اور دوسری مرتبہ یہ ارشاد نازل ہوا: وَرَهْطَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ تو اس وقت آپ نے خصوصاً بنو ہاشم کو اور اپنی ازواج مطہرات کو جمع کیا اور اس سے علامہ نووی کی اس بات کا رد ہو جاتا ہے کہ وَرَهْطَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ صحیح بخاری میں نہیں ہے اور وہ اس سے غافل ہو گئے کہ یہ جملہ صحیح بخاری میں سورۃ تبت کی تفسیر میں موجود ہے۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی: وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۴) تو امام بخاری نے سورۃ تبت کی تفسیر میں یہ اضافہ کیا ہے: اس سند کے ساتھ ابو اسامہ نے از اعمش یہ روایت کی ہے، اور اس کے ساتھ یہ آیت نازل ہوئی: ورهطك منهم المخلصين (اور اپنے قبیلہ میں سے مخلص لوگوں کو ڈرایئے) اور اس اضافہ کی امام طبری نے ایک اور سند سے بھی روایت کی ہے: عمرو بن مرۃ نے کہا: آپ اسی طرح تلاوت فرماتے تھے، علامہ قرطبی نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ اضافہ قرآن ہو، پھر اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی ہو، پھر اس پر یہ اشکال قائم کیا ہے کہ عذاب سے ڈرانا تو کافروں کے لیے تھا اور مخلصین تو مومنین کی صفت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ خاص کا عطف عام پر ہو، وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ ان سب کے لیے عام ہے خواہ وہ ایمان لائے ہوں یا نہ

لائے ہوں، پھر اس کی تائید کے لیے اس پر قبیلہ کے مخلصین کا عطف فرمایا۔اس حدیث میں فرمایا ہے: ''اے فاطمہ بنت محمد! تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو میں تمہیں اللہ کی کسی چیز سے بے پرواہ نہیں کرسکتا''۔بعض مالکیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ نیک اعمال میں کسی کی نیابت نہیں ہو سکتی، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نیک اعمال سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کے عذاب سے بچا لیتے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر مطلع نہیں فرمایا تھا کہ آپ جس کی شفاعت فرمائیں گے اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول فرمالے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایک جماعت کو بغیر حساب کے جنت میں داخل فرما دے گا (اللہ تعالیٰ مصنف کو بھی اس جماعت میں شامل فرمادے۔آمین) اور اللہ تعالیٰ ایک اور جماعت کے درجات بلند فرمادے گا اور ایک جماعت کو دوزخ سے نکال لے گا جو اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیے گئے تھے یا آپ نے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ اس لیے فرمایا تھا کہ یہ عذاب سے ڈرانے کا مقام تھا، یا آپ نے نیک اعمال پر برانگیختہ کرنے کے لیے اس طرح فرمایا تھا یا آپ نے جو فرمایا تھا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، یہاں پر یہ جملہ مقدر ہے: سوا اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے قریش کی جماعت! یا اس طرح کا کوئی کلمہ کہا، البلاذری نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: اے بنوفہر! پس وہ جمع ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا: اے بنوغالب! تو فہر کے دو بیٹے محارب اور الحارث آ گئے، پس آپ نے فرمایا: اے بنی لوی! پھر آپ نے فرمایا: اے آل کعب! تو بنوعدی اور ایک جماعت آ گئی، پھر آپ نے فرمایا: اے آل کلاب! تو بنومخزوم اور بنوتیم آ گئے، پھر فرمایا: اے آل قصی! تو بنوزہرہ آ گئے تو پھر فرمایا: اے آل عبد مناف! تو عبدالدار کے بیٹے اور عبدالعزیٰ آ گئے، تب ابولہب نے آپ سے کہا: یہ بنوعبد مناف آپ کے پاس ہیں اور علامہ واقدی نے صرف بنو ہاشم اور بنومطلب کے بلانے پر اقتصار کیا ہے اور وہ اس وقت پینتالیس (۴۵) مرد تھے، اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ وہ چالیس (۴۰) سے زیادہ تھے اور اس میں آپ کے چچاؤں کا ذکر ہے۔ابوطالب، ابولہب اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما۔

حضرت علی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں عرب کے کسی جوان کو نہیں جانتا کہ جس نے اپنی قوم کو اس سے افضل چیز کی دعوت دی ہو جس کی دعوت میں نے تمہیں دی ہے، میں نے تم کو دنیا اور آخرت کی خیر کی دعوت دی ہے۔

امام مسلم اور امام احمد کی حدیث میں ہے کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور میری مثال اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جو دشمن کو دیکھ کر بلند آواز سے اپنی قوم کو ڈرائے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے: تم اپنے نفسوں کو اللہ سے خرید لو یعنی اپنے نفسوں کو دوزخ کے عذاب سے چھڑا لو گویا کہ آپ نے فرمایا: تم اسلام قبول کرلو تو تم اللہ کے عذاب سے سلامت رہو گے اور یہ اللہ سے اپنے نفسوں کو خریدنے کی مثل ہے گویا کہ عبادت نجات کی قیمت ہے اور رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۖ (التوبہ:۱۱۱)	بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن کو بیچنے والا قرار دیا ہے اور جنت کو قیمت قرار دیا ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ تمام نفوس اللہ تعالیٰ کے ملک ہیں اور بے شک جس نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ اطاعت کی اور اس کے تمام احکام پر عمل کیا اور اس کے تمام منع کردہ

کاموں سے رکا رہا تو اس نے جنت کی پوری قیمت ادا کر دی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۱۷۔۵۹۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ أَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَ أَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝﴾ (الشعراء: ۲۱۴) قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: وَ أَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۴) (اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں O) تو رسول اللہ ﷺ نے (صفا پہاڑ پر) کھڑے ہو کر فرمایا: اے قریش کی جماعت! یا اس کی مثل کوئی کلمہ فرمایا، تم اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ سے خرید لو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا، اے بنی عبد مناف! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا اور اے صفیہ! رسول اللہ (ﷺ) کی پھوپھی، میں آپ کو اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا اور اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۵۳ میں گزر چکی ہے۔

تَابَعَهُ أَصْبَغُ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ۔

امام بخاری نے کہا: اصبغ نے ابوالیمان کی متابعت کی ہے از ابن وہب از یونس از ابن شہاب۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: اصبغ بن الفرج المصری امام بخاری کے مشائخ میں سے ایک ہیں۔

اور نبی ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو جو سب سے پہلے اللہ کے عذاب سے ڈرایا اس میں حکمت یہ تھی کہ جب آپ کے قریبی رشتہ داروں کے اوپر حجت قائم ہوگی تو دوسروں پر بھی یہ حجت قائم ہوگی اور دوسروں کے لیے آپ کی دعوت کو مسترد کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی مفصل شرح حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی عبارت میں گزر چکی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین، سورۃ الشعراء کی تفسیر مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ النمل کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۷۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَةِ النَّمۡلِ

سورۃ النمل کی تفسیر

سورۃ النمل کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس سورۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علامہ القرطبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، اور علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ یہ سورت سورۃ القصص سے پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۃ القصص کے بعد سورۂ بنی اسرائیل نازل ہوئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۵)

میں کہتا ہوں کہ اس سورت کو قرآن بھی فرمایا اور کتاب بھی، قرآن کا لفظ قراءت سے بنا ہے جس کا معنی ہے: پڑھنا اور کتاب کا لفظ کَتَبَ سے بنا ہے جس کا معنی ہے: لکھنا۔ اس کو قرآن اس لیے فرمایا کہ اس کو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے اور کتاب اس لیے فرمایا کہ اس کو سب سے زیادہ لکھا جاتا ہے اور قرآن کے لفظ کو کتاب کے لفظ پر اس لیے مقدم فرمادیا کہ پہلے اس کو پڑھا جاتا تھا، پھر اس کو لکھا جاتا تھا۔

وَالۡخَبۡءُ مَا خَبَأۡتَ۔ الخب کا معنی ہے: جس چیز کو تم چھپاؤ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَّا یَسۡجُدُوۡا لِلّٰہِ الَّذِیۡ یُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ۔ (النمل: ۲۵) یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو (آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو) باہر لاتا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے الۡخَبۡءَ کا معنی بیان کیا ہے: جس چیز کو تم پوشیدہ رکھو، الفراء نے کہا: اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش کو نکالتا ہے اور سبزہ کو زمین سے نکالتا ہے۔ ابوذر کی روایت میں والخبء ہے اور دوسروں کی روایت میں الخبء ہے اور اس واؤ کو واؤ استفتاح کہا جاتا ہے، میں نے اپنے بڑے اساتذہ سے اسی طرح سنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۵)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش کو اور سبزہ کو زمین سے نکالتا ہے۔ اس آیت میں فی کا معنی زمین ہے۔

(فتح الباری ج ۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

لَا قِبَلَ لَا طَاقَةَ۔ لَا قِبَلَ اس کا معنی ہے: اس کی طاقت نہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِرۡجِعۡ اِلَیۡهِمۡ فَلَنَاۡتِیَنَّهُمۡ بِجُنُوۡدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمۡ بِهَا وَلَنُخۡرِجَنَّهُمۡ مِّنۡهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ۝ (النمل: ۳۷) ان کے پاس واپس جاؤ (اور انہیں بتادو) کہ ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل و رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے ○

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ ابوعبیدہ کا قول ہے اور امام طبری نے بھی اسماعیل بن ابی خالد سے اس کی مثل روایت کی ہے۔

الصَّرْحُ كُلُّ مِلَاطٍ اتُّخِذَ مِنَ الْقَوَارِيرِ وَالصَّرْحُ الْقَصْرُ وَجَمَاعَتُهُ صُرُوحٌ۔ الصَّرْحُ: ہر وہ عمارت جو شیشے اور گارے کو ملا کر بنائی جائے اور الصرح کا معنی محل ہے اور اس کی جمع صُرُوح ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ (النمل: ۴۴) اس سے کہا گیا: اس محل میں داخل ہو جا، سو جب اس نے اس (شیشہ کے فرش) کو دیکھا تو اس نے اس کو گہرا پانی گمان کیا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا۔ سلیمان نے کہا: بے شک یہ شیشہ سے بنا ہوا چکنا محل ہے۔

بلقیس جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل کے قریب پہنچی اس سے کہا گیا: اس محل میں داخل ہو جاؤ (الصرح کا معنی ہے: بلند عمارت اور خالص چیز)، بلقیس نے دیکھا کہ اس محل میں سورج چمک رہا ہے اور اس میں مچھلیاں تیر رہی ہیں تو اس نے سمجھا کہ محل کے صحن میں پانی بھرا ہوا ہے تو اس نے اپنے پائنچے اپنی پنڈلیوں سے اوپر اٹھا لیے تاکہ اس کا لباس بھیگ نہ جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکنا محل ہے یعنی وہ جس کو پانی گمان کر رہی ہے وہ شیشے کا فرش ہے، اس کے نیچے پانی بھرا ہوا ہے جو شیشے میں سے پانی نظر آ رہا ہے، اس لیے تم کو اس سے بچنے کے لیے پائنچے اوپر اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے کہا ہے: ہر بلند عمارت جو شیشہ سے بنائی گئی ہو اور اسی طرح امام ابوعبیدہ نے کہا ہے اور امام بخاری نے کہا: اس کی جمع صروح ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کی جمع صرروح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۶۔ ۱۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: الملاط کا معنی ہے: وہ گارا جو تعمیر کے وقت اینٹوں کے درمیان رکھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی بڑا پتھر ہے۔

امام طبری نے کہا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا تھا تو انہوں نے شیشے کا یہ محل بنایا، پھر اس کے نیچے پانی چھوڑ دیا اور اپنا تخت اس کے اوپر رکھا، پس وہ اس پر بیٹھ گئے اور پرندے، جنات اور انسان وہاں پر بیٹھ گئے تاکہ وہ بلقیس کو دکھائیں کہ ان کا ملک اس کے ملک سے زیادہ غالب ہے اور محمد بن کعب کی روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمندری جانور، مچھلیاں اور مینڈک قید کر رکھے تھے تو جب بلقیس نے انہیں دیکھا تو یہ گمان کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس کی پنڈلیاں بہت حسین تھیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو پنڈلیاں چھپانے کا حکم دیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲۔ ۷۶۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَهَا عَرْشٌ سَرِيْرٌ كَرِيْمٌ حُسْنُ الصَّنْعَةِ وَغَلَاءُ الثَّمَنِ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بلقیس کا ایک عرش عظیم ہے اس کا معنی ہے: معزز تخت جس کی بہت حسین کاری گری ہو اور اس کی قیمت بہت مہنگی ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ (النمل: ۲۳) (ہدہد نے کہا:) میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے ○

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: بلقیس کا ایک بہت عمدہ اور بیش قیمت تخت ہے، انہوں نے تخت کی صفت میں کہا: وہ کریم ہے، یہ مجازاً فرمایا جیسے حدیث میں ہے: کَرَائِمَ اموالِ الناس یعنی لوگوں کے نفیس مال۔ حسن الصنعہ کا معنی ہے: اس کی کاری گری بہت حسین ہے اور غالی الثمن کا معنی ہے: وہ بیش قیمت ہے۔ علامہ ثعلبی نے بیان کیا ہے: اس تخت کا اگلا حصہ سونے کا تھا اور اس میں سرخ یاقوت اور سبز زمرد جڑے ہوئے تھے اور اس کا پچھلا حصہ چاندی کا تھا اور وہ بھی جواہر سے آراستہ تھا۔ اور اس کے چار پائے تھے اور ایک پایہ زرد یاقوت کا تھا اور دوسرا پایہ سبز زمرد کا تھا اور تیسرا پایہ موتیوں کا تھا۔ علامہ ثعلبی نے چوتھے پایہ کا ذکر نہیں کیا، اس پایہ کے اوپر سات کمرے بنے ہوئے تھے اور ہر کمرے کا دروازہ بند تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: وہ تیس ہاتھ لمبا اور تیس ہاتھ چوڑا تھا اور مقاتل سے روایت ہے کہ وہ اسی ہاتھ لمبا اور اسی ہاتھ چوڑا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: بعض علماء نے بلقیس کی حکمرانی سے عورت کی حکمرانی کے جواز کا استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ جس دور میں بلقیس حکمران تھی اس دور میں وہ کافرہ تھی اور کافروں پر اس کی حکومت تھی اور کافروں کا کوئی قول اور فعل حجت نہیں ہوتا۔ اسلام میں عورت کی حکمرانی جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنا امیر مقرر کر لیا۔ (صحیح البخاری: ۷۰۹۹) اس موضوع پر مفصل بحث کے لیے تبیان القرآن میں اسی آیت کا مطالعہ کریں۔

(تبیان القرآن ج ۸ ص ۶۲۹۔ ۶۵۷)

يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ طَائِعِينَ۔ وہ میرے پاس اس حال میں آئیں کہ مسلمین ہوں: اس کا معنی ہے: وہ مطیع اور فرمانبردار ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ (النمل: ۳۸)

سلیمان نے کہا: اے سردارو! تم میں سے کون ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے ۝

امام بخاری نے طائعین کی تفسیر کی ہے: مطیع اور اطاعت گزار، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ طائعین سے مراد ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرنے والے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: امام طبری نے علی بن ابی طلحہ کی حضرت ابن عباس سے اسی طرح روایت کی ہے اور جریج کی روایت سے لکھا ہے کہ وہ دین اسلام کے اقرار کرنے والے ہو جائیں، اور امام طبری نے پہلی روایت کو راجح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رَدِفَ اقْتَرَبَ۔ رَدِفَ کا معنی ہے: قریب آ پہنچا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ (النمل: ۷۲)

آپ کہیے کہ جس چیز کو تم جلد طلب کر رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ لگ چکی ہو ۝

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے رَدِفَ کی تفسیر کی ہے: وہ قریب آ پہنچا۔ اسی طرح امام طبری نے از علی بن ابی طلحہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ذکر کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: کفار یہ کہتے تھے کہ تم نے جس عذاب کی وعید سنائی ہے وہ کب آئے گا؟ آپ کہیے: وہ عذاب تمہارے قریب آ پہنچا ہے اور وہ عذاب تمہارے لیے بہ منزلہ ردیف ہے۔ ردیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھتا ہے یعنی جس طرح ردیف سوار کے قریب ہوتا ہے اسی طرح وہ عذاب تمہارے قریب آ پہنچا ہے۔

جَامِدَةً قَائِمَةً۔ جَامِدَةً اس کا معنی ہے قائم ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (النمل: ۸۸) (اے مخاطب) تو اس دن پہاڑوں کو اپنی جگہ جما ہوا گمان کرے گا حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے جَامِدَةً کی تفسیر قَائِمَةً کی ہے۔ اسی طرح امام طبری نے از علی بن ابی طلحہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲)

میں کہتا ہوں: اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اس دن پہاڑ اپنی جگہوں پر نہیں رہیں گے بلکہ اس دن پہاڑ بادلوں کی طرح چلیں گے اور اڑیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی روئی کے گالوں کی طرح بنا کر اڑا دے گا۔

أَوْزِعْنِي اجْعَلْنِي۔ أَوْزِعْنِي اس کا معنی ہے: اِجْعَلْنِي یعنی مجھے بنا دے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ (النمل: ۱۹) اور سلیمان (علیہ السلام) نے دعا کی: اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطاء کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہو اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے ○

علامہ عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے أَوْزِعْنِي کی تفسیر اِجْعَلْنِي کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام طبری نے از علی بن ابی طلحہ از حضرت ابن عباس روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۷۔۱۴۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: امام ابو عبیدہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا: مجھے شکر گزاری پر برقرار رکھ اور دوسری جگہ یہ لکھا: مجھ پر شکر گزاری کا الہام فرما۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ نَكِّرُوا غَيِّرُوا۔ اور مجاہد نے کہا: نَكِّرُوا یعنی اس کی صورت بدل دو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ (النمل: ۴۱) سلیمان نے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ تغیر کر دو تا کہ ہم آزمائیں کہ آیا وہ اس کو پہچاننے کی راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو

نہیں پاتے O

مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان نے حکم دیا کہ عرش کی صورت بدل دو، پس تبدیل کر کے جو سرخ تھا اسے سبز کر دیا اور جو سبز تھا اس کو زرد کر دیا اور ہر چیز کی حالت بدل دی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: عکرمہ نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اس تخت میں کچھ اضافہ کرو اور کچھ کمی کر دو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲)

وَالْقَبَسُ اس کا معنی ہے: جس چیز کا آگ سے استفادہ کیا گیا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ (النمل: ۷) یا کوئی سلگتا ہوا انگارہ لاتا ہوں تا کہ تم حرارت حاصل کرو O

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابوعبیدہ نے کہا ہے: اس سے مراد ہے: آگ کا شعلہ اور قبس کا معنی ہے: جو چیز آگ سے حاصل کی گئی ہو یعنی انگارہ۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ) علامہ عینی نے اپنی شرح میں اس تعلیق کا ذکر نہیں کیا۔

وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ یَقُوْلُهٗ سُلَیْمٰنُ۔ و اوتینا العلم اور ہمیں علم عطا کیا ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ ۝ (النمل: ۴۲) پس جب بلقیس آئی تو اس سے پوچھا گیا: کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا: گویا کہ یہ وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم اطاعت گزار ہو چکے ہیں O

علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے ''اور ہمیں پہلے ہی علم دیا گیا تھا'' یہ بلقیس کا قول ہے اور امام الواحدی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے دوسرے قول کو معتمد لکھا ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲)

- علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آیت کا سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بلقیس کا قول ہے، اس نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے یہ بات کہی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۷)

اَلصَّرْحُ بِرْكَةُ مَاءٍ ضَرَبَ عَلَیْهَا سُلَیْمٰنُ قَوَارِیْرَ اَلْبَسَهَا اِیَّاهُ۔ اَلصَّرْحُ کا معنی ہے: پانی کا تالاب۔ حضرت سلیمان نے اس تالاب کے اوپر شیشے بچھا دیئے تھے تا کہ وہ مشتبہ ہو کر ان شیشوں کو پانی سمجھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ۔ (النمل: ۴۴) بلقیس سے کہا گیا: اس محل میں داخل ہو جا، سو جب اس نے اس (شیشے کے فرش) کو دیکھا تو اس نے اس کو گویا پانی گمان کیا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا۔ سلیمان نے کہا: بے شک یہ شیشے سے بنا ہوا چکنا محل ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: جب بلقیس نے اپنی پنڈلیوں کو کھولا تو ان پر بال تھے تو حضرت سلیمان نے اس کو حکم دیا کہ وہ ان بالوں کو صاف کرے، سو اس نے ایسا کیا۔ قواریر، قَارُوْرَۃٌ کی جمع ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس محل کو بنانے کا حکم دیا اور اس کے نیچے پانی کو جاری کر دیا اور اس پانی میں مچھلیاں اور دوسرے سمندری جانور ڈال دیئے اور اس کے وسط میں اپنا تخت رکھوا دیا اور اس پر تشریف فرما ہو گئے، پس جب بلقیس آئی تو اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ، جب بلقیس نے اس شیشے کو دیکھا تو گمان کیا کہ یہ بہت گہرا پانی ہے اور ابن جریج کی روایت ہے کہ اس نے اس کو سمندر گمان کیا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا اور اس کا باقی قصہ مشہور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ بلقیس وہ پہلی خاتون تھی جس نے چونے کو بال صاف کرنے کے لیے استعمال کیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین سورۃ النمل کی تفسیر مکمل ہو گئی، اس کے بعد ان شاء اللہ سورۃ القصص کی تفسیر شروع ہو گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۸۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَۃِ الْقَصَصِ

سورۃ القصص کی تفسیر

سورۃ القصص کا تعارف

سورۃ القصص میں احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے اور یہ سورت ان چیزوں کو بیان کرتی ہے جن میں بنی اسرائیل اختلاف کرتے تھے، اور اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے وہ حقائق اور دقائق بیان کیے گئے ہیں جن کو ان کے ماہرین میں سے بھی بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ یہ سورت بیان کرتی ہے کہ فرعون اور اس کی قوم سے کس طرح انتقام لیا گیا اور قارون کو کس طرح سزا دی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر کیا کیا انعام کیے گئے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ابوالعباس نے کہا: یہ سورت مکی ہے سوا ایک آیت کے جو الجحفہ میں نازل ہوئی اور وہ یہ ہے: اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ (القصص:۸۵) مَعَاد سے مراد مکہ مکرمہ ہے یعنی جس ذات نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ آپ کو مکہ مکرمہ کی طرف لوٹانے والی ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد موت ہے اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور ان سے تیسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس ہے، اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ اس سے مراد جنت ہے، اس سورت میں اٹھاسی (۸۸) آیات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۸۔ ۱۴۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ إِلَّا مُلْكَهُ وَيُقَالُ إِلَّا مَا أُرِيدَ بِهِ وَجْهُ اللهِ۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ یعنی اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ وَجْهَهُ کی تفسیر میں کہا جاتا ہے: مُلْكَهُ یعنی اللہ کی حکومت کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اور کہا جاتا ہے: سوا اس کام کے جس سے اللہ کی رضا کا ارادہ کیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۟ کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجۡہَہٗ ؕ لَہُ الۡحُکۡمُ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۸﴾ (القصص:۸۸)

اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، اسی کا حکم ہے اور تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الوجہ کی تفسیر ملک کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام طبری نے بعض اہل العربیہ سے نقل کیا ہے، اور اسی طرح الفراء نے ذکر کیا ہے، اور امام ابوعبیدہ سے منقول ہے: سوا اس کے جلال کے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کے معنی میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سوا ان کاموں کے جن سے اللہ کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے، سفیان نے کہا: اس کا معنی ہے: سوا ان کاموں

کے جن سے اللہ کی رضا اور اس کے تقرب کا ارادہ کیا جاتا ہے نہ کہ ریا کاری کا اور لوگوں کی خوشنودی کا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۸)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام نے جو دو قول نقل کیے ہیں وہ اس اختلاف پر متفرع ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر شے کا اطلاق جائز ہے یا نہیں، جنہوں نے اس کو جائز کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ استثناء متصل ہے اور الوجہ سے مراد ذات ہے اور اہل عرب شرف والی چیز کو ذات سے تعبیر کرتے ہیں، اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر شے کے اطلاق کو ناجائز کہا ہے انہوں نے کہا: یہ استثناء منقطع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے یا یہ استثناء متصل ہے اور الوجہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو اللہ کی رضا کے لیے کیے گئے ہوں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ الْحُجَجُ۔ مجاہد نے کہا: اَلْاَنْبَاءُ کا معنی ہے: اَلْحُجَجُ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ (القصص:۶۶) تو اس دن ان سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی، پس وہ ایک دوسرے سے سوال تک نہ کر سکیں گے ○

میں کہتا ہوں: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا: جب تمہارے پاس انبیاء بھیجے گئے تھے اور انہوں نے اللہ کے پیغام پہنچائے تھے تو تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟ اس وقت ان سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی، مجاہد نے کہا کہ وہ اس وقت کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے پاس رسول بھیج کر ان پر اپنی حجت تمام کر دی اور وہ ایک دوسرے سے عذر کو پوچھ بھی نہیں سکیں گے، اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن ان پر ایسی دہشت طاری ہوگی کہ نہ خود ان کے دماغوں میں کوئی عذر آئے گا نہ وہ کسی سے عذر پوچھ سکیں گے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: کہ انباء کا معنی ہے: دلائل، اسی طرح امام طبری نے ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس بات پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۳)

۱۔ بَابٌ: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ (القصص:۵۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے، لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے ○ (القصص:۵۶) کی تفسیر

۴۷۷۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ فَقَالَ أَيْ عَمِّ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی از والد خود، انہوں نے بیان کیا: جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پس آپ نے اس کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ کو دیکھا، پس آپ نے فرمایا: اے

أَبِي أُمَيَّةَ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ وَيُعِيدَانِهِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَبَى أَنْ يَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَاللهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (التوبہ: ۱۱۳) وَأَنْزَلَ اللهُ فِي أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (القصص: ٥٦)

میرے چچا! آپ یہ کلمہ پڑھیے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے)، میں اس کلمہ کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کے حق میں جھگڑا کروں گا، پس ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا: کیا تم عبدالمطلب کے دین سے (جو ان کے نزدیک مشرک تھے) اعراض کر رہے ہو؟ پس رسول اللہ ﷺ ابو طالب پر کلمہ توحید پیش کرتے رہے، اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے، آخر کار ابو طالب نے ان سے کہا: وہ عبدالمطلب کے دین پر ہے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے سے انکار کر دیا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ضرور تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہیں کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (التوبہ: ۱۱۳) (یعنی نبی کے لیے اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں) اور اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے متعلق رسول ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (القصص: ٥٦) (بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۰ میں گزر چکی ہے۔

ابو طالب کے ایمان کی تحقیق ہم نے اسی آیت کی تفسیر میں کی ہے (یعنی التوبہ: ۱۱۳ کی تفسیر میں)۔ دیکھیے تبیان القرآن ج ۵ ص ۲۷۲۔۲۷۱۔

علامہ عینی اور علامہ عسقلانی کا مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

صاحب التلویح (علامہ مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ) نے کہا اور علامہ ابن الملقن (متوفی ۸۰۴ھ) نے اس کی اتباع کی ہے، انہوں نے کہا یہ حدیث صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مراسیل میں سے ہے کیونکہ حضرت مسیب مصعب کے قول کے مطابق فتح مکہ کے سال اسلام لائے اور العسکری کے قول کے مطابق وہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی پس صورت حال جو بھی ہو وہ ابو طالب کی وفات کے وقت حاضر نہیں تھے کیونکہ ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریب قریب ایام میں ایک ہی سال میں فوت ہوئے تھے اور یہ تقریباً پچاس (۵۰) ہجری کی بات ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۹)

نوٹ: علامہ مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ دونوں

کے استاد ہیں اور علامہ مغلطائی حنفی نے جو صحیح البخاری کی شرح التلویح کے نام سے لکھی ہے وہ ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ سعیدی غفرلہ

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت مسیب کے اسلام کے متاخر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ابو طالب کی وفات کے وقت حاضر نہ ہوں کیونکہ جس طرح عبداللہ بن ابی امیہ، ابو طالب کی وفات کے وقت حاضر تھے اور وہ اس وقت کافر تھے، پھر اس کے بعد اسلام لائے، پھر اس قائل پر تعجب ہے کہ اس نے کس طرح العسکری کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ حضرت المسیب ان صحابہ میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی اور وہ اس بات سے غافل ہو گئے، حالانکہ یہ بات تو صحیح حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ میں نے اس کی کتاب المغازی میں شرح کی ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۴)

علامہ بدرالدین عینی حافظ ابن حجر پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: عبداللہ بن ابی امیہ کا ابو طالب کی وفات پر حاضر ہونا جس حال میں وہ کافر تھے حدیث صحیح سے ثابت ہے اور ابو طالب کی وفات کے دن مسیب کا حاضر ہونا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے خواہ وہ حدیث صحیح ہو یا غیر صحیح اور محض احتمال کی وجہ سے علامہ ابن الملقن کے کلام کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے ابو طالب کے عذاب میں تخفیف

جب ابو طالب پر وفات حاضر ہوئی: حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس سے مراد وفات کی علامات کا حاضر ہونا ہے ورنہ اگر ابو طالب نے وفات کے وقت علامات عذاب کو دیکھ لیا ہوتا تو اس کے بعد اگر وہ ایمان بھی لے آتا تو اس سے اسے کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔

حافظ ابن حجر علامہ کرمانی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابو طالب نے موت کے وقت عذاب کی علامات دیکھ لی ہوں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امید ہو کہ جب وہ توحید کا اقرار کرلے گا خواہ وہ اسی حال میں ہو تو اس کا ایمان لانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے فائدہ دے گا اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اس کو فائدہ ہوگا اور تب ہی آپ نے فرمایا: میں تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کروں گا اور تمہارے حق میں شفاعت کروں گا اور عنقریب اس کا بیان آئے گا، اور خصوصیت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس کے ایمان لانے سے انکار کرنے اور کفر پر مرنے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شفاعت کو ترک نہیں کیا بلکہ اس کے لیے آپ مسلسل شفاعت فرماتے رہے حتیٰ کہ دوسروں کی بہ نسبت اس کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی اور یہ اس کے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اور میں اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان میں روایت لکھ چکا ہوں۔

ابو طالب کا کلمہ توحید سے انکار کرنا اور حافظ ابن حجر کا ابن المنیر پر رد کرنا

ابو طالب کا آخری کلام یہ تھا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے:

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا کہ ابو طالب نے کہا: اے میرے بھتیجے! میں اپنے اشیاخ کی ملت پر ہوں، اور امام مسلم، امام ترمذی اور امام طبری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ ابو طالب نے کہا کہ اگر مجھے قریش کے عار دلانے کا خطرہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ کلمہ توحید کے اقرار پر موت کی گھبراہٹ نے برانگیختہ کیا، سو اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا تو میں کلمہ توحید پڑھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا اور ابو طالب نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے سے انکار کر دیا۔

یہ راوی کی طرف سے اس بات کی تائید ہے کہ ابو طالب اسلام نہیں لائے۔

اور اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے ضرور اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کیا جائے:
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: الزین بن المنیر نے کہا ہے: اس سے مراد مغفرت عامہ کی طلب نہیں ہے اور شرک کے گناہ سے معافی کو طلب کرنا مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مغفرت سے مراد عذاب میں تخفیف ہے جیسا کہ اس کا دوسری حدیث میں بیان ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: یہ ابن المنیر کی شدید غفلت ہے کیونکہ ابو طالب کے حق میں تخفیف عذاب کی شفاعت مسترد نہیں کی گئی اور اس کو طلب کرنے سے آپ کو منع نہیں کیا گیا بلکہ آپ کو مغفرت عامہ کی طلب سے منع کیا گیا ہے کہ اس کو بالکل عذاب نہ دیا جائے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں جائز ہے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ التوبہ: ۱۱۳ ابو طالب کی وفات کے وقت نازل ہوئی اور حافظ ابن حجر کی تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت حضرت آمنہ اور مشرکین کی وفات کے وقت نازل ہوئی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ اس کے قرابت دار ہوں جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ مشرکین دوزخی ہیں۔ (التوبہ: ۱۱۳)
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یعنی نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ مناسب نہیں ہے اور امام طبری کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے (عرفی) باپ آزر کے لیے استغفار کیا حالانکہ وہ مشرک تھا، سو میں بھی ابو طالب کے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میرا رب مجھے اس سے منع فرما دے، پھر آپ کے اصحاب نے کہا: ہم بھی اپنے آباء و اجداد کے لیے استغفار کریں گے جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے لیے استغفار کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی یعنی التوبہ: ۱۱۳۔ اور اس پر یہ اشکال ہے کہ یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ ابو طالب کی وفات ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوئی تھی اور یہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرہ کیا تو آپ اپنی والدہ کی قبر پر گئے اور اپنے رب سے ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ نزول کا تکرار نہیں ہوتا۔ اور امام حاکم نے اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر نکلے اور قبرستان کی طرف گئے، سو ہم نے بھی آپ کی پیروی کی، پس آپ آئے حتیٰ کہ ایک قبر کی طرف بیٹھ گئے اور بہت طویل دعا کی، پھر آپ روئے اور آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی روئے، تب آپ نے فرمایا: یہ قبر جس کے پاس میں بیٹھا تھا یہ میری والدہ کی قبر ہے اور میں نے اپنے رب سے ان کے حق میں دعا کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ (التوبہ: ۱۱۳)
نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں۔

اور امام احمد نے از ابن بریدہ از والد خود یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ ٹھہرے اور ہم آپ کے ساتھ تھے تقریباً ایک ہزار سوار اور امام طبری نے اسی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو ایک قبر کے پاس آئے اور فضیل بن مرزوق نے عطیہ سے روایت کی ہے کہ جب آپ مکہ میں آئے تو اپنی والدہ کی قبر پر ٹھہرے حتیٰ کہ آپ کے اوپر تیز دھوپ آ گئی، آپ کو یہ توقع تھی کہ آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت دی جائے گی، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور امام طبرانی نے بھی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی مثل روایت کی ہے، پس یہ متعدد اسانید ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتی

ہیں اور ان میں یہ دلیل ہے کہ یہ آیت ابوطالب کی وفات کے بعد نازل ہوئی ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ غزوۂ احد میں، جب آپ کا سر زخمی ہو گیا تو آپ نے دعا کی: اے میرے رب! میری قوم کو معاف فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا یہ استغفار زندوں کے ساتھ خاص ہو اور اس میں بحث نہیں ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت کا نزول متاخر ہو ہر چند کہ اس کا سبب مقدم تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے دو سبب ہوں، ایک مقدم ہو اور وہ ابوطالب کا معاملہ تھا، اور ایک سبب مؤخر ہو اور وہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تھا، اور تاخیر نزول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سورۂ توبہ کی تفسیر میں یہ گزر چکا ہے کہ آپ نے پہلے منافقین کے لیے استغفار کیا، پھر بعد میں اس کی ممانعت نازل ہوئی، اس سے یہ واضح ہو گیا کہ بعض اوقات نزول آیت کا سبب مقدم ہوتا ہے اور آیت بعد میں نازل ہوتی ہے، اور اس کی طرف اس میں اشارہ ہے کہ: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ، بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے۔ (القصص:۵۶) حدیث میں ہے: یہ آیت اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے متعلق نازل فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت ابوطالب اور دوسروں کے متعلق نازل ہوئی ہے (یعنی التوبہ:۱۱۳) اور دوسری آیت (یعنی القصص:۵۶) صرف ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور تعدد سبب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی سے روایت کی ہے کہ ایک مرد اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کر رہا تھا اور وہ دونوں مشرک تھے، سو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ، اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں (التوبہ:۱۱۳) اور امام طبری نے مجاہد سے روایت کی ہے: مومنوں نے پوچھا: کیا ہم اپنے باپ دادا کے لیے اس طرح استغفار نہ کریں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے (عرفی) باپ کے لیے استغفار کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی، اور حدیث میں ہے کہ جس شخص نے کوئی بھی نیک عمل نہ کیا سو جب اس کا خاتمہ توحید کی شہادت پر ہو تو اس کے اسلام کا حکم کیا جائے گا اور اس پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے جائیں گے، پس اگر اس نے اس کے ساتھ زبان سے بھی اقرار کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو اس سے نفع ہو گا، بہ شرطیکہ اس نے عذاب کے معائنہ تک اللہ تعالیٰ سے اپنی امید منقطع نہ کی ہو اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ۔

اور ان لوگوں کی توبہ مقبول نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی شخص کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے: میں نے اب توبہ کی۔ (النساء:۱۸)

واللہ اعلم۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۵۔ ۷۶۳ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أُولِی الْقُوَّةِ لَا یَرْفَعُهَا الْعُصْبَةُ مِنَ الرِّجَالِ لَتَنُوْءُ لَتُثْقِلُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: أُولِی الْقُوَّةِ کا معنی ہے: طاقت والے یعنی طاقت والے مردوں کی جماعت بھی ان (چابیوں) کو اٹھا نہیں سکتی تھی اور لتنوء کا معنی ہے تا کہ وہ بوجھل ہو جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْهِمْ ۪ وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْۤاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ ۗ

بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا، پھر اس نے ان کے خلاف سر اٹھایا اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقت ور جانور کو تھکا دیتی تھیں۔ (القصص:۷۶)

اَلْعُصْبَۃُ کی تفسیر میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے کہ اَلْعُصْبَۃُ دس سے پندرہ لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں اور قتادہ نے کہا کہ دس سے لے کر چالیس لوگوں کی جماعت کو اَلْعُصْبَہ کہتے ہیں اور ابو طالح نے کہا: چالیس مردوں کو اَلْعُصْبَہ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تین سے لے کر دس تک کی جماعت کو العصبہ کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ساٹھ مردوں کی جماعت کو العصبہ کہتے ہیں اور لَتَنُوْءُ کا معنی ہے کہ وہ اس کے بوجھ سے جھک جاتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۴۹)

حافظ ابن حجر نے العصبہ کی تفسیر میں کوئی کلام نہیں کیا۔ (فتح الباری ج۵ ص۷۶۵)

فَارِغًا اِلَّا مِنْ ذِكْرِ مُوْسٰی۔ فَارِغًا اِلَّا مِنْ ذِكْرِ مُوْسٰی۔ یعنی موسیٰ کی یاد کے سوا ان کا دل ہر چیز سے خالی ہو چکا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا (القصص:۱۰) اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد کے سوا ان کا دل ہر چیز سے غافل ہو چکا تھا، اور امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ ان کا دل غم سے فارغ ہو چکا تھا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غرق نہیں کیے گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۴۹)

حافظ ابن حجر نے اس تعلیق کی بھی کوئی قابل ذکر شرح نہیں کی۔ (فتح الباری ج۵ ص۷۶۵)

اَلْفَرِحِیْنَ الْمَرِحِیْنَ۔ اَلْفَرِحِیْنَ اس کا معنی ہے: اترانے والے اور تکبر کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ۝ (القصص:۷۶) جب قارون سے اس کی قوم نے کہا: تم اتراؤ مت بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَلْفَرِحِیْنَ کی تفسیر اَلْمَرِحِیْنَ کی ہے یعنی اترانے والے، اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۴۹)

قُصِّیْهِ اتَّبِعِیْ اَثَرَهٗ وَقَدْ یَکُوْنُ اَنْ یَّقُصَّ الْکَلَامَ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ۔ قُصِّیْهِ اس کا معنی ہے اس کے پیچھے پیچھے اس کے نقش قدم پر چلی جا اور کبھی اس کا معنی ہوتا ہے: کلام اور قصے کو بیان کرنا، جیسے قرآن مجید میں ہے: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ (یوسف:۳) ہم آپ کے سامنے حضرت یوسف کا قصہ بیان کریں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (القصص:۱۱) اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا: تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ تو وہ اس کو دور دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا شعور نہیں ہوا ۝

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے جو قُصِّیْهِ کا معنی بیان کیا ہے یہ اہل عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے: قَصَصْتُ اثار القوم یعنی میں نے قوم کے نقوش کی پیروی کی، پھر لکھا ہے: اور کبھی یہ قصہ بیان کرنے کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید

میں ہے نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ (یوسف: ۳) ہم آپ کے سامنے حضرت یوسف کا قصہ بیان کریں گے۔ قَصَّ الرّؤیا کا معنی ہے: خواب کی خبر دینا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۴۹)

عَنْ جُنُبٍ عَنْ بُعْدٍ عَنْ جَنَابَةٍ وَاحِدٌ وَعَنِ اجْتِنَابٍ أَيْضًا۔ — عَنْ جُنُبٍ کا معنی ہے دور سے، جنابت اور اجتناب کا بھی یہی معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَتْ لِأُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (القصص: ۱۱) — اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا: تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ تو وہ اس کو دور دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا شعور نہیں ہوا۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کو دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو یہ پتا نہیں چلا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہے یعنی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دور سے دیکھتی رہیں حالانکہ فرعونیوں کہ یہ پتا نہیں چلا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: اَلْجُنُبُ کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی دور کی چیز کو دیکھے حالانکہ وہ چیز اس کے پہلو میں ہو اور اسے اس کا پتا نہ ہو۔ قتادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کی طرف اس طرح دیکھتی تھی گویا کہ وہ ان کا ارادہ کر رہی تھی، امام بخاری نے کہا: جَنَابَت اور اجتناب کا بھی یہی معنی ہے یعنی بُعد، اور جُنبی کو جنبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تلاوت قرآن سے بعید ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۰۔۱۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے اس تعلیق کی کوئی قابل ذکر شرح نہیں کی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۵)

يَبْطِشُ وَيَبْطُشُ۔ — يَبْطِشُ کا معنی ہے يَبْطُشُ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا۔ (القصص: ۱۹) — پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ بتایا ہے کہ يَبْطِشُ اور يَبْطُشُ دو لغات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۰)

میں کہتا ہوں: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مشترکہ دشمن کو پکڑنا چاہا تو اسرائیلی نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ اس کو پکڑ رہے ہیں اس لیے اس نے کہا: آپ تو شہر میں جَبّار بننا چاہتے ہیں، جبار کا معنی ہے: زور اور زبردستی کرنے والا، جس کو ہمارے عرف میں دادا گیر کہتے ہیں اور وہ اسرائیلی دراصل کافر تھا۔

يَأْتَمِرُوْنَ يَتَشَاوَرُوْنَ۔ — يَأْتَمِرُوْنَ اس کا معنی ہے: يَتَشَاوَرُوْنَ یعنی وہ مشورہ کر رہے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَأْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (القصص: ۲۰) — اور ایک مرد شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: اے موسیٰ! بے شک فرعون کے سردار آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۝

علامہ عینی نے لکھا ہے: امام بخاری نے يأتمرون کی تفسیر يَتَشَاوَرُوْنَ کی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: وہ ایک

دوسرے کو حکم دے رہے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مشورہ دینے والے شخص کا نام حزقیل تھا اور وہ آل فرعون میں سے مومن تھا اور فرعون کے چچا کا بیٹا تھا اور اَلْمَلَأ کا معنی ہے: جماعت۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۰)

اَلْعُدْوَانُ وَالْعَدَاءُ وَالتَّعَدِّي وَاحِدٌ۔

اَلْعَدْوَان اور اَلْعَدَاء اور اَلتَّعَدِّی ان تینوں لفظوں کا معنی واحد ہے یعنی کسی پر زیادتی کرنا اور حد سے تجاوز کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ (القصص:۲۸)

موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے، میں نے ان دونوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کر دیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ ان تینوں لفظوں کا معنی ایک ہے اور اَلتَّعَدِّی کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۰)

آنَسَ أَبْصَرَ۔

آنَسَ: اس کا معنی ہے: اس نے دیکھ لیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ (القصص:۲۹)

پھر جب موسیٰ نے (اجارہ کی مدت) پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے (پہاڑ) طور کی جانب ایک آگ دیکھی۔

امام بخاری نے آنَسَ کی تفسیر اَبْصَرَ کے ساتھ کی ہے یعنی انہوں نے دیکھ لیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۰)

الْجِذْوَةُ قِطْعَةٌ غَلِيظَةٌ مِنَ الْخَشَبِ لَيْسَ فِيهَا لَهَبٌ وَالشِّهَابُ فِيهِ لَهَبٌ۔

الجذوۃ اس کا معنی ہے: جلی ہوئی لکڑی کا موٹا ٹکڑا جس میں شعلہ نہ ہو یعنی انگارہ اور شہاب وہ ہوتا ہے جس میں شعلہ ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ (القصص:۲۹)

موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا: تم لوگ یہاں ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کی کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں جس سے تم ہاتھ تاپو ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس آیت میں الجذوۃ کا معنی آگ کا انگارہ ہے، اور مقاتل اور قتادہ نے کہا ہے کہ الجذوۃ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کا ایک سرا جل گیا ہو اور تصطلون کا معنی ہے: تم اس سے حرارت حاصل کرو اور لکھا ہے کہ شہاب وہ لکڑی ہے جس کا ایک سرا جل گیا ہو۔ اس سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے:

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ (النمل:۷)

جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا: بے شک میں نے آگ دیکھی ہے، میں تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی سلگتا ہوا انگارہ تا کہ تم حرارت حاصل کرو ۝

امام بخاری نے شہاب کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس میں شعلہ ہوتا ہے، الجوہری نے کہا: شہاب بھڑکتی ہوئی آگ کا ایک شعلہ ہے اور

انہوں نے کہا کہ ابولہب کی کنیت اس کے جمال کی وجہ سے تھی۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۵۱۔۱۵۰)

كَأَنَّهَا جَانٌّ وَفِي فِي آيَةٍ أُخْرَى كَأَنَّهَا حَيَّةٌ تَسْعَى وَالْحَيَّاتُ أَجْنَاسٌ الْجَانُّ وَالْأَفَاعِي وَالْأَسَاوِدُ۔ کانھا جان اور دوسری آیت میں اس کے متعلق فرمایا: کانھا حیۃ تسعٰی گویا کہ وہ دوڑتا ہوا سانپ ہے اور الحیات کی متعدد اقسام ہیں، الجان اور الافاعی اور الاساود۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ۔ (القصص:۳۱) اور یہ (بھی آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں، پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور واپس مڑ کر نہ دیکھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: اور دوسری آیت میں مذکور ہے، وہ آیت یہ ہے:

فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ۞ (طہ:۲۰) موسیٰ نے اس عصا کو ڈال دیا، اچانک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ تھا O

اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے:

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۞ (الشعراء:۳۲) پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکایک کھلم کھلا اژدھا بن گیا O

اور امام بخاری نے اس آیت کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ بھی اس سے متعلق ہے اور حیات یعنی سانپوں کی مختلف قسمیں ہیں، قرآن مجید میں الحیہ، الجان اور الثعبان کا ذکر ہے اور الحیہ اسم جنس ہے، اس کا مذکر و مونث اور صغیر اور کبیر سب پر اطلاق ہوتا ہے اور الحیہ کا لفظ الجان اور الثعبان کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کے خطاب کی رات میں وہ عصا سانپ بن گیا اور جب حضرت موسیٰ نے اس لاٹھی کو فرعون کے سامنے ڈالا تو وہ لہراتا ہوا سانپ بن گیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: وہ زرد رنگ کا سانپ تھا، پھر وہ پھول کر ثعبان یعنی اژدہا بن گیا اور یہ تمام سانپوں میں سب سے بڑے سائز کا ہے۔ اسی لیے دوسری آیت میں فرمایا: كَأَنَّهَا جَانٌّ اور یہ سب سے چھوٹا سانپ ہے اور دوسری آیت میں ثعبان فرمایا اور یہ سب سے بڑا سانپ ہے تو اس لاٹھی کی ابتدائی حالت الجان تھی یعنی چھوٹا سانپ اور اس کی انتہائی حالت ثعبان تھی یعنی سب سے بڑا سانپ اور الجان بہت تیزی سے دوڑتا ہے اس لیے فرمایا:

فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ۔ (القصص:۳۱) پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الحیات یعنی سانپوں کی چالیس (۴۰) قسمیں ہیں اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اَلْحَيَّة ثعبان کی صورت میں تبدیل ہوگیا یعنی چھوٹا سانپ بہت بڑا سانپ بن گیا اور یہ سانپ مذکر تھا اور بڑے بڑے پتھروں کو نگل جاتا تھا، امام بخاری نے لکھا ہے: اَلْأَفَاعِي یہ أَفْعَى کی جمع ہے اور الافعی مذکر سانپ ہے اور امام بخاری نے لکھا ہے الاساود یہ اسود کی جمع ہے اور یہ سیاہ رنگ کا سانپ ہوتا ہے۔ الجوہری نے کہا ہے کہ یہ اسم جنس ہے اور یہ ہر سال اپنی کینچلی بدل لیتا ہے یعنی اپنی کھال تبدیل کر لیتا ہے اور اس کی مونث أَسْوِدَةٌ ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے اس تعلیق کی کوئی شرح نہیں کی۔ (فتح الباری ج۵ ص۷۶۵)

رِدْءًا مُعِينًا۔ رِدْءًا اس کا معنی ہے مُعِين یعنی مددگار۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ٘ ۖ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ (القصص: ۳۴)

(موسیٰ نے عرض کیا:) اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ روانی سے بولنے والے ہیں تو ان کو میری مدد کے لیے رسول بنادے، وہ میری تصدیق کریں گے، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رِدْاً کی تفسیر مُعِین کے ساتھ کی ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی کی مدد کرے اور اس کی پشت مضبوط کرے تو کہا جاتا ہے: فلانٌ رِدْءٌ۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۱)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِكَیْ یُصَدِّقُنِی وَقَالَ غَیْرُهُ سَنَشُدُّ سَنُعِیْنُكَ كُلَّمَا عَزَّزْتَ شَیْئًا فَقَدْ جَعَلْتَ لَهُ عَضُدًا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: لِكَیْ یُصَدِّقُنِیْ یعنی تاکہ وہ میری تصدیق کرے اور دوسروں نے کہا سَنَشُدُّ کا معنی ہے: سَنُعِیْنُكَ یعنی ہم عنقریب تمہاری مدد کریں گے۔ جب بھی تم کسی چیز کو غلبہ دو تو تم اس کے لیے بازو بن گئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ (القصص: ۳۵)

فرمایا: ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے، سو وہ آپ دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے، ہماری نشانیوں کے سبب سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب رہیں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے: ان کو میرا مددگار بنادے تاکہ وہ میری تصدیق کریں، کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ تصدیق سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے کہیں کہ آپ نے سچ کہا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی تشریح کریں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں کفار سے بحث کریں اور حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ کا معنی ہے: ہم عنقریب آپ کی مدد کریں گے اور آپ کو حضرت ہارون کی وجہ سے قوت دیں گے، اور بازو کو مضبوط کرنا تقویت دینے سے کنایہ ہوتا ہے اور كُلَّمَا عزّزت کا معنی بھی قوت دینا ہے، کہا جاتا ہے: عَزَّ فلانٌ اَخَاهُ فلاں نے اپنے بھائی کو قوت دی اور اسی سے ماخوذ ہے: فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ (یٰس: ۱۴) یعنی ہم نے تیسرے رسول سے ان کو قوت دی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲-۱۵۱)

مَقْبُوْحِیْنَ مُهْلَكِیْنَ۔

مَقْبُوْحِیْن کا معنی ہے: مُهْلَكِیْن یعنی ہلاک ہونے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾ (القصص: ۴۲)

اور ہم نے اس دنیا میں (بھی) ان کے پیچھے (اپنی) لعنت لگادی ہے، اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے المقبوحین کی تفسیر المهلكين کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے اور دوسروں نے اس کی تفسیر کی ہے: اَلْمَلْعُوْنِیْن یعنی وہ اللہ کی رحمت سے دور کیے جائیں گے، اور ابن زید نے کہا: قَبَّحَ اللّٰهُ فُلَانًا تقبیحًا اس کا معنی ہے: اللہ نے اس کو ہر خیر سے دور کردیا اور الکلبی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: ان کا منہ کالا کردیا اور اس طرح

یہ اَلْمُقَبَّحِیْنَ کا معنی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲)

وَصَّلْنَا بَیَّنَّاهُ وَاَتْمَمْنَاهُ۔ وَصَّلْنَا: اس کا معنی ہے بَیَّنَّاهُ وَاَتْمَمْنَاهُ یعنی ہم نے اس کے کلام کو بیان کیا اور اس کو مکمل کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۞ (القصص:۵۱) اور ہم لگا تار اپنا کلام لوگوں کے لیے بھیجتے رہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَصَّلْنَا کی تفسیر بَیَّنَّاهُ کے ساتھ کی ہے اور سدی سے بھی اسی طرح منقول ہے اور الفراء سے منقول ہے کہ ہم نے بعض کلام کو بعض دوسرے کلام کے ساتھ متصل بھیجا، اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے کفار مکہ کے لیے قرآن مجید میں گزشتہ امتوں کی خبریں بیان کیں کہ جب انہوں نے ہم کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو کیسا عذاب دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲)

يُجْبٰى يُجْلَبُ۔ يُجْبٰى اس کا معنی ہے: يُجْلَبُ یعنی کھینچ کر لائے جاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ (القصص:۵۷) کیا ہم نے ان کو حرم میں آباد نہیں کیا جو امن والا ہے، اس کی طرف ہمارے دیئے ہوئے ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں لیکن ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يُّجْبٰۤى کی تفسیر يُجْلَبُ کے ساتھ کی ہے اور اِلَيْهِ کی ضمیر حرم کی طرف لوٹتی ہے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام ممالک سے ہر قسم کے پھل بہ طور رزق کے حرم کی طرف کھینچ کر لائے جاتے ہیں اور وہ ہماری طرف سے لائے جاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲)

بَطِرَتْ اَشِرَتْ۔ بَطِرَتْ کا معنی ہے: اَشِرَتْ یعنی اترانا، نازاں ہونا اور تکبر ہونا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۞ (القصص:۵۸) اور ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جن کے رہنے والے اپنی خوش حالی پر اتراتے تھے، سو یہ ان کے مکان ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی، اور (انجام کار) ہم ہی وارث ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بطرت کی تفسیر اشرت کے ساتھ کی ہے یعنی انہوں نے سرکشی اور بغاوت کی، ابن فارس نے کہا: اَلْبَطَر کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا، اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: نعمت کی ناشکری کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲)

ہم نے لکھا ہے: اس آیت میں کفار کے اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں یہ خوف تھا کہ ہم ایمان لائیں تو ہم سے یہ نعمتیں زائل ہو جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ایمان لانے سے یہ نعمتیں زائل نہیں ہوتیں بلکہ ایمان نہ لانے سے نعمتیں زائل ہوتی ہیں۔ پچھلی امتوں کے جو لوگ ہماری دی ہوئی خوشحالی پر اتراتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے ان بستیوں میں سکونت نہ ہونے کی درج ذیل وجوہات ہیں:

(۱) خالی مکانوں میں صرف مسافر یا راستے سے گزرنے والے ایک یا دو دن رہتے تھے۔
(۲) ان مکانوں میں رہنے والوں کے گناہوں کی نحوست ان مکانوں میں سرایت کر گئی تھی اس لیے ان مکانوں میں کوئی نہیں رہتا تھا۔
(۳) ہر چند کہ قریش مکہ بھی کفر اور شرک کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یہ عنقریب ایمان لے آئیں گے اور اگر یہ خود ایمان نہ لائے تو ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایمان لے آئیں گے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۲۶)

فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا اُمُّ الْقُرٰی مَكَّةُ وَمَا حَوْلَهَا فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا: امها سے مراد اُمُّ الْقُرٰی یعنی مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد کی بستیاں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا (القصص:۵۹) اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ ذکر کیا ہے کہ ام القریٰ سے مراد مکہ اور اس کے اردگرد کی بستیاں ہیں، اس کو ام القریٰ اس لیے فرمایا ہے کہ زمین مکہ کے نیچے سے پھیلا دی گئی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۲)

تُكِنُّ تُخْفِیْ اَكْنَنْتُ الشَّیْءَ اَخْفَیْتُهٗ وَكَنَنْتُهٗ اَخْفَیْتُهٗ وَاَظْهَرْتُهٗ۔ تُكِنُّ اس کا معنی ہے: تُخْفِیْ یعنی وہ چھپاتے ہیں: اَكْنَنْتُ الشَّیْءَ کا معنی ہے: میں نے اس چیز کو چھپایا اور كَنَنْتُهٗ کا معنی ہے: میں نے اس کو چھپایا اور اس کو ظاہر کیا، یہ لغت اضداد میں سے ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَرَبُّكَ یَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ (القصص:۶۹) اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تُكِنُّ کی تفسیر تُخْفِیْ کے ساتھ کی ہے، جب کوئی شخص کسی چیز کو چھپا لے تو وہ کہتا ہے: اَكْنَنْتُ الشَّیْءَ اور كَنَنْتُهٗ جو ثلاثی مجرد سے ہے، یہ لغت اضداد سے ہے، اس کا معنی ہے: میں نے چھپایا اور میں نے ظاہر کر دیا، سو یہ لغت اضداد سے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۳۔۱۵۲)

وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ مِثْلُ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ۔ (الروم:۳۷) یُوَسِّعُ عَلَیْهِ وَیُضَیِّقُ عَلَیْهِ۔ ویکان اللہ یہ اس آیت کی مثل ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے (رزق) تنگ کر دیتا ہے۔

یعنی جس کے لیے اللہ چاہتا ہے رزق میں وسعت کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں کمی کر دیتا ہے۔

ویکاں کی لفظی تحقیق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ اور کل تک جو لوگ اس کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے

وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ (القصص: ۸۲)

لگے: افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے (رزق) تنگ کر دیتا ہے۔

امام بخاری نے وی کان اللہ کی تفسیر الم تر الایہ کی مثل کی ہے، اسی طرح امام ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے۔ الزمخشری نے کہا ہے کہ لفظ وی، کان سے منفصل ہے اور یہ خطاء پر تنبیہ کرنے کا کلمہ ہے اور یہی خلیل اور سیبویہ کا مذہب ہے اور کوفیوں کے نزدیک ویک، ویلک کے معنی میں ہے اور اس کا معنی یہ ہے: کیا آپ نہیں جانتے کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کاف خطاب کا ہو اور وی کے ساتھ ملا ہوا ہو اور یہ لانہ (اس لیے کہ) کے معنی میں ہو یعنی اس وجہ سے یہ بات کہی گئی ہے کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس تعلیق کی کوئی خاص شرح نہیں کی۔ (فتح الباری، ج ۵ ص ۷۶۶)

۲۔ بَابٌ: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ۔ (القصص: ۸۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے۔ (القصص: ۸۵) کی تفسیر

علامہ عینی نے لکھا ہے، پوری آیت اس طرح سے ہے:

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ۔ (القصص: ۸۵)

بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ (مکہ مکرمہ) ضرور واپس لائے گا۔

علامہ ثعلبی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: جس ذات نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے اور عطا بن ابی رباح نے اس کی تفسیر میں کہا ہے جس نے آپ پر قرآن کے عمل کو فرض کیا ہے۔

۴۷۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ اَخْبَرَنَا يَعْلَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الْعُصْفُرِيُّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَرَادُّكَ اِلٰی مَعَادٍ قَالَ اِلٰی مَكَّةَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعلی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان العصفری نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے لرادك الی معاد (آپ کو لوٹنے کی جگہ ضرور واپس لائے گا) کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

مجاہد سے بھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے اور القعنبی نے کہا ہے کہ کسی مرد کا معاد اس کا شہر ہے کیونکہ وہ وہاں جا کر واپس لوٹ کر آتا ہے اور حضرت ابوسعید خدری نے کہا کہ اس سے مراد موت ہے اور الزہری نے کہا: اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور ابو صالح نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۳)

الحمد للہ علی احسانہ، سورۃ القصص کی جو تفسیر امام بخاری نے کی ہے وہ مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ العنکبوت کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۲۹۔ تَفْسِيرُ سُوْرَةِ الْعَنْكَبُوتِ

سورۃ العنکبوت کی تفسیر

سورۃ العنکبوت کا تعارف

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: یہ سورۃ العنکبوت کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ یہ سورت مکی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس میں سترہ (۱۷) آیات میں اختلاف ہے، پھر انہوں نے ان آیات کا ذکر کیا، اور مقاتل نے کہا: الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ (العنکبوت: ۲۔۱) یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت مھجع بن عبد اللہ کے متعلق نازل ہوئی جو مسلمانوں کی جانب سے غزوۂ بدر میں سب سے پہلے قتل کیے گئے تھے۔ ابن الحضرمی نے ان پر ایک تیر مار کر ان کو قتل کر دیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے شہداء میں سے ان کو سب سے پہلے جنت کی طرف بلایا جائے گا، اور علامہ سخاوی نے کہا کہ یہ سورت الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ (الروم: ۲۔۱) کے بعد نازل ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت المطففین سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس میں انہتر (۶۹) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۵۴۔ ۱۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قَالَ مُجَاهِدٌ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ضَلَلَةً۔

مجاہد نے کہا: وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ: اس سے مراد ہے: وہ گمراہ لوگ تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝ (العنکبوت: ۳۸)

اور قوم عاد اور قوم ثمود کو ہلاک کیا اور (اے مکہ والو!) تم پر (سفر میں) ان کی بستیاں ظاہر ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوبصورت بنا دیا تھا، سو اس نے ان کو صراط مستقیم پر چلنے سے روک دیا حالانکہ وہ سمجھدار لوگ تھے ۝

علامہ عینی نے لکھا ہے: حضرت مجاہد نے کہا: ضَلَلَةٌ یہ ضَال کی جمع ہے یعنی گمراہ لوگ اور اس پر اعتراض ہے اور صحیح لفظ ضَلَالَةٌ ہے، کتب تفسیر میں اس کا معنی یہ کیا گیا ہے: وہ لوگ گمراہی کو سمجھنے والے تھے اور قتادہ سے منقول ہے کہ وہ اپنی گمراہی پر بصیرت رکھتے تھے اور اس سے خوش ہوتے تھے، اور الفراء سے منقول ہے کہ وہ عقلاء اور اصحاب بصیرت تھے اور ضحاک، کلبی اور مقاتل سے منقول ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ حق اور ہدایت پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں اور گمراہی میں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۵۴)

اور ہم نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: عاد قوم کی بستی حضر موت (یمن) کے قریب ہے اور ثمود کی بستی حجر ہے اور اس کو آج کل مدائن صالح کہتے ہیں، یہ علاقہ حجاز کے شمال میں ہے، عربوں کے لیے ان کی بستیاں انجان نہیں تھیں اور اے اہل مکہ! تم نے اپنے سفر کے دوران قوم عاد کے گھروں کے کھنڈرات اور قوم ثمود کے ویران مکانوں کے آثار دیکھے ہوں گے، شیطان نے ان کے کفر اور دیگر ناجائز کاموں کو ان کی آنکھوں میں خوبصورت اور خوش نما بنا دیا تھا اور ان کو سیدھے راستے سے ہٹا دیا تھا جس پر چلنا ان پر واجب تھا اور یہ وہ

صراط مستقیم ہے جس کی انبیاء علیہم السلام دعوت دیتے ہیں کہ وہ اللہ کو ایک مانیں اور صرف اس کی اطاعت اور عبادت کریں حالانکہ وہ لوگ سمجھ دار تھے، ان میں عقل تھی، غور وفکر کرنے اور نظر اور استدلال کرنے کی صلاحیت تھی، لیکن شیطان کی پیروی کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنی بصیرت اور دیگر صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۳۹ ،فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ غَيْرُهُ الْحَيَوَانُ وَالْحَيُّ وَاحِدٌ

اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: اَلْحَيَوَانُ اور اَلْحَيّ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی زندگی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (العنکبوت: ۶۴)

اور دنیا کی یہ زندگی صرف کھیل اور تماشا ہے اور بے شک آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے اگر وہ جانتے ہوتے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ الحیوان اور اَلْحَيّ دونوں ایک ہیں یعنی دار آخرت ہی حیات ہے اور وہی زندہ لوگوں کی جگہ ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ لَهِيَ الْحَيَوَان کا معنی ہے: جو گھر باقی ہے اور جس کو زوال نہیں ہے اور جس میں موت نہیں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس گھر میں صرف ایک زندگی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گی اور اس میں موت نہیں آئے گی گویا وہ اپنی ذات میں نفس زندگی ہے اور الحیوان کا لفظ حَيّ کا مصدر ہے اور لفظ الحیوان کو حیات پر اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس میں حروف زیادہ ہیں اور حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے اور الحیات کا معنی حرکت ہے جیسا کہ موت کا معنی سکون ہے، اسی لیے لفظ حیوان کو اختیار کیا ہے جو مبالغہ کا مقتضی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۴)

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: دنیا کی زندگی کو کھیل اور تماشا کے ساتھ دو وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ کھیل اور تماشا جلد ختم ہو جاتا ہے اور دائمی نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا کی زیب و زینت اور اس کی باطل خواہشیں بھی جلد ختم ہو جاتی ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ کھیل اور تماشا میں مشغول ہونا بچوں اور کم عقلوں کا کام ہے نہ کہ عقل والوں کا، اسی وجہ سے عقل والے دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے دور رہتے ہیں۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۴۴ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۳۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے علم پر حادث ہونے کے اشکال کا جواب

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ عَلِمَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِنَّمَا هِيَ بِمَنْزِلَةِ فَلِيَمِيزَ اللّٰهُ كَقَوْلِهِ لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ (سو اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کر دے گا) اللہ کو اس کا علم ہے اور یہ اس مرتبہ میں ہے جیسے اللہ ان کو ضرور ممتاز کر دے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (الانفال: ۳۷) یعنی تا کہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ (العنکبوت: ۶۴)

اور اللہ ایمان والوں کو ضرور ظاہر فرما دے گا اور منافقوں کو بھی ضرور ظاہر فرما دے گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: فریقین کا حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظاہر ہے جو جزا اور سزا کا مالک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ (العنکبوت: ۳)

سو اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کر دے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو بھی ضرور ظاہر کر دے گا جو جھوٹے ہیں O

فلیمیز اللہ کا معنی ہے: اللہ کو پہلے سے اس کا علم ہے کیونکہ اس نے دونوں جماعتوں کے درمیان تفریق کر دی جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ (الانفال: ۳۷) تا کہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے۔

یعنی کافر کو مومن سے الگ کر دے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۵۔ ۱۴۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اور ابو عبیدہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ممتاز کر دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے سے علم ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۷۶۷)

اور ہم نے لکھا ہے: اس آیت کا لفظی ترجمہ ہے: سو اللہ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو (بھی) ضرور جان لے گا جو جھوٹے ہیں۔ (العنکبوت: ۳) اس آیت سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مستقبل میں ہونے والے کسی کام کا پہلے علم نہیں ہوتا بلکہ اس کام کے واقع ہو جانے کے بعد اس کا علم ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کا امتحان لینے سے پہلے ان کا علم ہوتا ہے، اس کا علم قدیم اور مکمل ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دے گا حتیٰ کہ اس کا معلوم ہونا موجود اور متحقق ہو جائے، الاخفش نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ممتاز اور ممیز کر دے گا۔ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۷۰)

(انوار تبیان القرآن ص ۱۳۳۳ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۳۳ھ)

نیز اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ (الطلاق: ۱۲) بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے ۝

تمام چیزیں اول سے آخر تک خواہ وہ حقیر ہوں یا عظیم ہوں، قلیل ہوں یا کثیر ہوں سب اللہ کے سامنے حاضر ہیں، اس کو ان سب کا علم ایک ساتھ ہے اور اس کے علم میں تقدم اور تاخر ہرگز نہیں ہے مگر وہ معلومات ایک دوسرے کی بہ نسبت مقدم و مؤخر اعتبار کی جاتی ہیں، سو اللہ تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے تو تمام چیزیں شے واحد کے مرتبہ میں موجود ہیں، اس لیے وہاں ماضی، حال اور مستقبل کو نکالنا بالکل غلط ہوگا بلکہ باہمی تقدم و تاخر کی وجہ سے یہ تینوں زمانے یقیناً الگ الگ نکلیں گے، سو اللہ تعالیٰ حسب موقع و حسب حکمت اپنے معلوم ہونے کے لحاظ سے کلام فرماتا ہے اور کبھی ان چیزوں کے تقدم و تاخر کا لحاظ ہوتا ہے، اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ أَصْحٰبَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا۔ (الاعراف: ۴۴) اور اہل جنت نے دوزخیوں سے پکار کر کہا کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اس کو ہم نے سچا پایا۔

حالانکہ یہ واقعہ ابھی نہیں ہوا بلکہ قیامت کے بعد واقع ہوگا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ۔ (البقرہ: ۵۰) اور ہم نے آل فرعون (فرعون اور اس کے متبعین) کو غرق کر دیا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو ازلی اور قدیم ہے اور ازل میں نہ تو فرعون تھا اور نہ ہی اس کے غرق کرنے کا واقعہ ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تمام چیزیں حاضر اور پیش نظر ہیں اور وہاں ماضی اور مستقبل کا کوئی لحاظ نہیں ہے، البتہ ان کی تعبیرات اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے کی جائیں گی۔

أَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ أَوْزَارًا مَّعَ أَوْزَارِهِمْ۔ أَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ اس کا معنی ہے: أَوْزَارًا مَّعَ أَوْزَارِهِمْ یعنی ان کے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ دوسرے کفار کے گناہوں کا بوجھ ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ اٹھائیں گے O (العنکبوت: ۱۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اثقال کی تفسیر ''اوزار'' کی ہے، اسی طرح امام ابوعبیدہ نے تفسیر کی ہے: یعنی اس سبب سے کہ انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا، پس ان کے اوپر قیامت کے دن ان کے مکمل گناہ لاد دیئے جائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: جس نے کسی قوم کو گمراہی کی دعوت دی تو اس کے اوپر اس کے گناہوں کے بوجھ کے مثل ڈالی جائے گی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۷۷)

یعنی اس کے اوپر اس کے گناہوں کا بوجھ بھی ڈالا جائے گا اور جن کو اس نے گمراہ کیا ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پر ڈالا جائے گا کیونکہ وہ ان کی گمراہی کا سبب بنا، اور اس کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

حدیث میں ہے: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا تو آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کے اوپر اس کے گناہ کا ایک حصہ ڈالا جائے گا (کیونکہ قابیل نے بعد کے لوگوں کو گناہ کا طریقہ بتایا)

(صحیح البخاری: ۶۸۶۷، ۳۳۳۵، صحیح مسلم: ۱۶۷۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۳، سنن نسائی: ۳۹۸۵، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۶)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ العنکبوت کی تفسیر مکمل ہوگئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ سورۃ الروم کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۰۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الرُّوْمِ

سورۃ الروم کی تفسیر

سورۃ الروم کا تعارف

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ سورۃ الروم کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس کی دو آیتوں میں اختلاف ہے: ایک یہ ہے: وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ۔ (لقمان: ۲۷) السدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی اور دوسری آیت یہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان: ۳۴) اور علامہ سخاوی نے کہا: یہ سورت اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ (الانشقاق: ۱) کے بعد اور العنکبوت سے پہلے نازل ہوئی۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوۂ بدر کا دن تھا تو رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے، سو اس سے مومنین بہت خوش ہوئے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی: الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ (الروم: ۲۔۱) پس مومنین ایرانیوں پر روم کے غلبہ سے خوش ہوئے کیونکہ رومی عیسائی اور اہل کتاب تھے جو اللہ کو اور نبی کو اور کتاب کو مانتے تھے اور ایرانی ان میں سے کسی چیز کو نہیں مانتے تھے، اس سورت میں ساٹھ (۶۰) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۵)

میں کہتا ہوں: یہ پوری آیت اس طرح ہے:

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ (الروم: ۱۔۵)

الف، لام، میم ۝ رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے ۝ قریب کی سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب دوبارہ غالب ہوں گے ۝ چند سالوں میں، پہلے (بھی) اور بعد (بھی) حکم اللہ ہی کو زیبا ہے اور اس دن مومنین خوش ہوں گے ۝ اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے، اور وہ بہت غالب ہے بے حد رحم فرمانے والا ۝

ہم نے لکھا ہے: حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ (الروم: ۱۔۲) الف، لام، میم ۝ روم (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے ۝

تو مشرکین نے حضرت ابوبکر سے کہا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے نبی نے کیا کہا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر نے کہا: میرے نبی نے سچ فرمایا ہے، مشرکین نے کہا: کیا تم اس پر شرط لگاؤ گے، پھر حضرت ابوبکر نے ایک شرط مقرر کی اور رومیوں کے غلبہ سے وہ مدت پوری ہو گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ رنجیدہ ہوئے اور حضرت ابوبکر سے پوچھا: تمہیں اس شرط پر کس نے برانگیختہ کیا؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نے، آپ نے فرمایا: ان سے پھر بات کرو اور شرط اور مدت دونوں میں اضافہ کر دو، حضرت ابوبکر نے مشرکین سے بات کی اور دوبارہ شرط لگائی، ابھی وہ مدت

پوری نہیں ہوئی تھی کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے اور انہوں نے مدائن میں اپنے گھوڑے باندھے، حضرت ابوبکر اپنی جیت کی اونٹنیاں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے فرمایا: ان اونٹنیوں کو صدقہ کر دو یہ حرام ہیں، تو حضرت ابوبکر نے ان کو صدقہ کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۱۷۴۵۸)

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب مسلمان حدیبیہ سے چھ (۶) ہجری میں لوٹے تو رومی ایرانیوں پر غالب آ چکے تھے۔
(انوار تبیان القرآن ص ۶۴۵ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

۱۔ بَابٌ: فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللهِ۔ (الروم: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔ (الروم: ۳۹) کی تفسیر

مَنْ أَعْطَى عَطِيَّةً يَبْتَغِي أَفْضَلَ مِنْهُ فَلَا أَجْرَ لَهُ فِيهَا قَالَ مُجَاهِدٌ يُحْبَرُونَ يُنَعَّمُونَ۔

جس نے کسی کو کچھ عطا کیا تاکہ وہ اس کے بدلے میں اس سے زیادہ طلب کرے تو اس کو اس عطا میں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ مجاہد نے کہا: يُحْبَرُونَ کا معنی ہے: يُنَعَّمُونَ یعنی وہ نعمتوں میں ہوں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ۝ (الروم: ۱۵)

اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری ملاقات اور ہماری آیات کی تکذیب کی، تو ان سب کو عذاب میں پیش کیا جائے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يُحْبَرُونَ کی تفسیر ینعمون کی ہے یعنی وہ نعمتوں میں ہوں گے اور اس تعلیق کی حنظلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یعنی ان کی تکریم کی جائے گی، اور ایک قول ہے کہ وہ جنت میں سماع کریں گے۔
(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۵)

ہم نے لکھا ہے: الروضہ کا معنی جنت ہے یعنی باغ اور اس کی جمع ریاض ہے یعنی جنان، بعض علماء نے کہا: جو باغ اونچی جگہ میں ہو اس کو الروضہ کہتے ہیں اور بعض علماء نے کہا: جو باغ پست زمین پر بنا ہو اس کو الروضہ کہتے ہیں۔ ضحاک نے کہا: يُحْبَرُونَ کا معنی ہے: ان کی تعظیم اور تکریم کی جائے گی۔ (انوار تبیان القرآن ص ۷ ۶۴، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللهِ مَنْ أَعْطَى عَطِيَّةً يَبْتَغِي أَفْضَلَ مِنْهُ فَلَا أَجْرَ لَهُ فِيهَا۔

فلا یربوا عند اللہ: اس کا معنی ہے: جس نے کسی شخص کو کوئی عطیہ دیا تاکہ اس دیئے ہوئے سے کچھ زیادہ طلب کرے تو اس کو اس دیئے ہوئے عطیہ سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللهِ ۚ۔ (الروم: ۳۹)

اور تم جو مال سود لینے کے لیے دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے، پس سعید بن جبیر اور مجاہد اور طاؤس اور قتادہ اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی شخص کو عطیہ اور ہدیہ دے تاکہ وہ اس دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو یہ ربا (سود) ہے جو حرام ہے اور عام لوگوں کا حکم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حرام ہے کہ آپ کسی کو کوئی ہدیہ زیادہ لینے کے لیے دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ (المدثر: ۶)

اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجئے ۝

الشعبی نے کہا ہے: اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی کے ساتھ دوستی گانٹھتا ہے اور اس کا سامان اٹھاتا ہے اور اس کے ساتھ سفر کرتا ہے، پس اس کو اس کے مال کا نفع دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کا بدلہ دے اور وہ اس کو صرف اس سے مدد طلب کرنے کے لیے لیتا ہے اور اس سے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کرتا، اور ابراہیم نخعی نے کہا: یہ زمانہ جاہلیت میں تھا، ایک مرد اپنے قرابت دار کو مال دیتا تاکہ اس سے زیادہ مال لے۔ امام بخاری نے کہا: اس عطیہ سے اس کو نہ کوئی اجر ملے گا اور نہ کوئی گناہ ہوگا یعنی یہ مباح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۶۔۱۵۵)

اور ہم نے لکھا ہے: اس آیت میں سود سے مراد وہ ہدیہ ہے جس میں ہدیہ دینے والا اس سے افضل چیز کا طالب ہو، یہ حقیقتاً سود نہیں ہے لیکن صورتاً سود کے مشابہ ہے، اس لیے اس کو سود فرمایا ہے اور یہ جائز ہے، اس میں ثواب ہے نہ گناہ اور اس کو ہمارے عرف میں نیوتا کہتے ہیں۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۵۲۔۶۵۱، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

يَمْهَدُونَ يُسَوُّونَ الْمَضَاجِعَ۔ يَمْهَدُونَ: اس کا معنی ہے: يُسَوُّونَ الْمَضَاجِعَ یعنی وہ اپنا بستر ہموار اور برابر کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ (الروم: ۴۴)

اور جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جن لوگوں نے نیک کام کیے تو وہ اپنے ہی لیے (جنت کو) تیار کر رہے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَمْهَدُونَ کی تفسیر کی ہے: وہ اپنے بستروں کو برابر کرتے ہیں، مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: وہ اپنی قبروں میں ٹھہرنے کی جگہوں کو یا جنت میں اپنے ٹھہرنے کی جگہوں کو تیار کر رہے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ہم نے لکھا ہے: مَهد کا معنی ہے بستر، مسکن اور قرار کی جگہ، مَهْدُ الصَّبِيِّ بچے کے پالنے کو کہتے ہیں، تمهيد الامور کا معنی ہے: چیزوں کو ہموار کرنا اور ان کی اصلاح کرنا اور تَمَهَّدَ کا معنی ہے: جگہ حاصل کرنا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۵۲، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

الْوَدْقُ الْمَطَرُ۔ الْوَدْقَ: کا معنی ہے: المطر یعنی بارش۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ۔ (الروم: ۴۸)

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادل کو اٹھاتی ہیں تو وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے، اور وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الْوَدْقَ کی تفسیر المطر کے ساتھ کی ہے، اسی طرح مجاہد نے اس کی تفسیر کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: الفریابی نے اس تعلیق کی از ابی نجیح روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۸۷)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَلْ لَكُمْ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فِي الْآلِهَةِ وَفِيهِ تَخَافُونَهُمْ أَنْ يَرِثُوكُمْ كَمَا يَرِثُ بَعْضُكُمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کریمہ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (الروم: ۲۸) یہ کفار کے باطل معبودوں کے

بَعْضًا۔ لیے مثال بیان فرمائی، اور اس آیت میں ہے کہ تمہیں ان سے یہ خوف ہوتا ہے کہ وہ تمہارے وارث ہوں گے جیسے تم ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (الروم:۲۸)

اللہ نے تمہارے لیے تم میں سے ہی ایک مثال بیان فرمائی، کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی تمہارا اس رزق میں شریک ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے، کہ تم اور وہ (غلام) اس (رزق) میں برابر ہوں، تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مثلوں سے خوف ہے، ہم عقل والوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیات بیان فرماتے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا: فِی الْاٰلِہَۃِ یہ آیت (باطل) معبودوں کے متعلق ہوئی ہے اور فرمایا: وفیہ یعنی اللہ کے حق میں اور یہ بہ طور مثال ہے یعنی کیا تم اپنے لیے اس پر راضی ہو کہ تمہارے بعض غلام تمہارے اس رزق میں شریک ہو جائیں جو ہم نے تم کو دیا ہے اور تم اور وہ اس رزق میں برابر ہوں اور تمہارے درمیان اور تمہارے غلاموں کے درمیان کوئی فرق نہ ہو اور تمہیں یہ خوف ہو کہ ان میں سے بعض تمہارے بعضوں کے وارث ہو جائیں یا وہ تمہارے بغیر خود مستقل تصرف کریں جیسا کہ بعض آزاد دوسروں سے خوف کرتے ہیں، پس جب تم اس بات کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو تو تم اللہ کے لیے اس بات پر کیسے راضی ہو کہ تم اللہ کے بعض بندوں کو اس کا شریک قرار دو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: یہ مثال اللہ عزوجل اور بتوں کے لیے بیان کی گئی ہے، پس اللہ مالک ہے اور بت مملوک ہیں اور مملوک مالک کے برابر نہیں ہوتا، اور ابومجلز نے بیان کیا ہے کہ تمہارا مملوک تمہارے مال کو تقسیم نہیں کر سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ اللہ نے اس مثال کو اس شخص کے لیے بیان کیا ہے جو اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو اس کے برابر قرار دے، فرماتا ہے: کیا تم میں سے کسی شخص کا مملوک اس کے بستر یا اس کی بیوی میں شریک ہوتا ہے اور اسی طرح سے اللہ اس سے راضی نہیں ہوتا کہ اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کے برابر ہو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۸)

ہم نے لکھا ہے: اس مثال کا معنی یہ ہے: کیا تم میں سے کوئی شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ جو شخص اس کا نوکر اور غلام ہو وہ اس کے مال اور کاروبار میں اس کا شریک بن جائے تو تم اس کو ناپسند کرتے ہو کہ تمہارے نوکروں اور غلاموں کو تمہارے اموال میں شریک کیا جائے، تو تم اللہ کے مملوک اور اس کی مخلوق کو اللہ کا شریک کیوں کہتے ہو اور جو چیز تمہیں اپنے لیے ناپسند ہے اس کو اللہ کے لیے کیوں پسند کرتے ہو، پھر فرمایا: تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مثلوں سے خوف ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اپنے غلاموں اور نوکروں سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم آزاد لوگ ایک دوسرے سے ڈرتے ہو یعنی جس طرح تم مشترکہ کاروبار یا مشترکہ املاک میں تصرف کرتے ہوئے ڈرتے ہوئے ہو کہ دوسرے شرکاء تم سے باز پرس کریں گے کہ تم نے ان کو بتائے بغیر کیوں تصرف کیا، کیا تم اپنے نوکروں اور غلاموں سے بھی اسی طرح ڈرتے ہو یعنی نہیں ڈرتے کیونکہ جب تم نے اپنے نوکروں اور غلاموں کو اپنے کاروبار میں اور املاک میں شریک بنایا ہی نہیں تو پھر ان سے ڈرنے کا کیا سبب ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ

ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہشات کی پیروی کی یعنی کفار جو بت پرستی کرتے ہیں اور بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں یہ کسی دلیل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ کفار اپنی خواہش سے ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں ان کی پرستش کرتے ہیں۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۵۰، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

يَصَّدَّعُونَ يَتَفَرَّقُونَ فَاصْدَعْ۔ يَصَّدَّعُونَ: اس کا معنی ہے: وہ متفرق ہو جائیں گے اور فَاصْدَعْ کا معنی ہے: پس ان سے الگ ہو جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ۝ (الروم: ۴۳) سو آپ اپنا رخ دین مستقیم ہی کی طرف رکھیں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جو اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَصَّدَّعُونَ کی تفسیر یتفرقون کے ساتھ کی ہے یعنی سب لوگ متفرق ہو جائیں گے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے تفسیر کی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت درج ذیل آیت کے معنی میں ہے:

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ (الزلزال: ۶) اس دن لوگ مختلف احوال میں لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائیں جائیں O

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ان کے درجات کا فرق ہے، کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ وہ مختلف فرقوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک فریق جنت میں چلا جائے گا اور ایک فریق دوزخ میں چلا جائے گا اور يصّدّعون کا لفظ يَتَصَدَّعُونَ تھا، تا کو صاد سے بدل کر صاد کا صاد میں ادغام کر دیا گیا تو يَصَّدَّعُونَ ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۶)

نیز امام بخاری نے کہا: فَاصْدَعْ، اس میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ (الحجر: ۹۴) آپ اس کا برملا اعلان کر دیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے O

یعنی آپ مشرکین سے الگ ہو جائیں اور اپنے طریقہ پر چلتے رہیں، یہ ابو عبیدہ کی تفسیر ہے اور اَلصَّدْعُ کا اصل معنی ہے: کسی چیز کو شق کرنا اور پھاڑنا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: اَلصَّدْعُ کا لفظ کسی سخت چیز کے توڑنے کے معنی میں ہے مثلاً لوہا یعنی تم کہو کہ میں نے کسی چیز کو توڑا تو وہ ٹوٹ گئی اور صداع الراس بھی اسی سے ماخوذ ہے یعنی جب سر میں شدید درد ہو تو آدمی کو یہ وہم ہوتا ہے کہ اس کا سر پھٹ جائے گا اور فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کا معنی یہ ہے کہ آپ اللہ عزوجل کی توحید کی طرف دعوت دے کر لوگوں سے متفرق ہو جائیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۸)

وَقَالَ غَيْرُهُ ضُعْفٌ وَضَعْفٌ لُغَتَانِ۔ اور دوسروں نے کہا: ضُعْفٌ اور ضَعْفٌ دو لغتیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ۝ (الروم: ۵۴) اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، پھر اس کمزوری کے بعد قوت پیدا کی، پھر اس قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور وہ بہت علم والا

ہے اور بے حد قدرت والا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسروں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ پہلا لفظ ضَعف ہے اور دوسرا لفظ ضُعف ہے اور جمہور نے دونوں لفظوں کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور عاصم اور حمزہ نے دونوں لفظوں کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور الخلیل نے کہا ضُعف کا معنی ہے: جسمانی کمزوری اور ضَعف کا معنی ہے عقل کی کمزوری۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس شرح پر کچھ اضافہ نہیں کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۸)

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، اس سے انسان کی پیدائش کی حالت اور اس کے بچپن کی حالت مراد ہے کیونکہ اس وقت اس کا جسم اور بدن کمزور ہوتا ہے اور کمزوری کے بعد قوت دی، اس سے اس کی جوانی کی حالت مراد ہے، پھر بہ تدریج اس میں ضعف پیدا کیا، پھر وہ بڑھاپے میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ قوت کے بعد کمزوری کی حالت ہے۔

(انوار تبیان القرآن ص ۶۵۴، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

مصنف کی جوانی کے بعد بڑھاپا اور اس سے نعمۃ الباری کا کام متاثر ہونا اور پھر اللہ کے فضل سے دوبارہ شروع ہونا

اب میری عمر چاند کے حساب سے چھہتر (۷۶) سال ہو چکی ہے اور انگریزی حساب سے دو ہزار گیارہ (۲۰۱۱ء) میں چوہتر (۷۴) سال ہو چکی ہے اور میرے بالوں میں کافی سفیدی آ چکی ہے اور جسم نحیف اور لاغر ہو چکا ہے، گزشتہ دنوں میں میرے دماغ پر اثر ہو گیا تھا اور حافظہ کمزور ہو گیا تھا حتیٰ کہ چھبیس (۲۶) فروری دو ہزار گیارہ (۲۰۱۱ء) کو میں نے اپنے آپ کو نعمۃ الباری کے کام سے عاجز پایا، سو میں نے نعمۃ الباری کا کام اپنے عزیز فاضل علامہ مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ وحبہ کے سپرد کر دیا اور انہوں نے نہایت عمدگی اور بہت تفصیل اور تحقیق کے ساتھ سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی تفسیر لکھی، پھر میں نے امریکا سے دماغ کی تقویت کی دوائیں منگوائیں جن کے استعمال سے میں نے اپنے دماغ میں اتنی قوت محسوس کی کہ اب میں دوبارہ یہ کام کر سکتا ہوں، سو اٹھارہ مئی (۱۸) دو ہزار گیارہ کو میں نے یہ کام دوبارہ شروع کر دیا اور یوں نعمۃ الباری کی دوبارہ نشاۃ ثانیہ ہوگئی اور اب تک یعنی چھ جون (۶) تک الحمد للہ رب العالمین میں سورۃ الشعراء، سورۃ النمل، سورۃ القصص اور سورۃ العنکبوت کی امام بخاری کی کی ہوئی تفسیر کی شرح لکھ چکا ہوں اور اب سورۃ الروم قریب الاختتام ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ دعا کریں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے دماغ کو طاقت دی ہے اسی طرح میرے جسم کو بھی طاقت اور توانائی عطا فرمائے اور مجھے شوگر کے موذی مرض سے نجات عطا فرمائے اور میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے نعمۃ الباری کی تکمیل کر لوں۔ آمین یا رب العالمین۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ السُّوأَى الْإِسَاءَةُ جَزَاءُ الْمُسِيئِينَ۔ اور مجاہد نے کہا: السُّوأَى: اس کا معنی ہے: برائی، جو برے کام کرنے والوں کی سزا ہوگی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَى أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ ۝ (الروم: ۱۰) پھر برے کام کرنے والوں کا برا انجام ہوا کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے السُّوآی کی تفسیر اِساءۃ کی ہے اور علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ السوآی الاَسْوَاء کی تانیث ہے اور اس کا معنی ہے: زیادہ برا کام جیسا کہ الْحُسْنٰی، الْاَحْسَن کی تانیث ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۷،

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یعنی کافروں کی سزا عذاب ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۷۶۸)

اور ہم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے مراد قرآن مجید ہے یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل اور آپ کے معجزات ہیں یا خود آپ کی ذات مقدسہ مراد ہے، کفار مکہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے، آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور شرک کرتے تھے اور یہ سب سے برے کام ہیں، اسی وجہ سے وہ سب سے برے عذاب کے مستحق ہو گئے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۷۶۴، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

۴۷۷۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ وَالْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يُحَدِّثُ فِي كِنْدَةَ فَقَالَ يَجِيءُ دُخَانٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَأْخُذُ بِأَسْمَاعِ الْمُنَافِقِينَ وَأَبْصَارِهِمْ يَأْخُذُ الْمُؤْمِنَ كَهَيْئَةِ الزُّكَامِ فَفَزِعْنَا فَأَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَغَضِبَ فَجَلَسَ فَقَالَ مَنْ عَلِمَ فَلْيَقُلْ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلْ اللهُ أَعْلَمُ فَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يَقُولَ لِمَا لَا يَعْلَمُ لَا أَعْلَمُ فَإِنَّ اللهَ قَالَ لِنَبِيِّهِ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿قُلْ مَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (ص:۸۶) وَإِنَّ قُرَيْشًا أَبْطَئُوا عَنِ الْإِسْلَامِ فَدَعَا عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَتَّى هَلَكُوا فِيهَا وَأَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْعِظَامَ وَيَرَى الرَّجُلُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ فَجَاءَهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ جِئْتَ تَأْمُرُنَا بِصِلَةِ الرَّحِمِ وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا فَادْعُ اللهَ فَقَرَأَ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ (الدخان:۱۰) إِلَى قَوْلِهِ عَائِدُونَ أَفَيُكْشَفُ عَنْهُمْ عَذَابُ الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَ ثُمَّ عَادُوا إِلَى كُفْرِهِمْ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى يَوْمَ بَدْرٍ وَلِزَامًا يَوْمَ بَدْرٍ الم غُلِبَتِ الرُّومُ إِلَى سَيَغْلِبُونَ وَالرُّومُ قَدْ مَضَى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی: وہ کہتے ہیں: ہمیں منصور اور الاعمش نے حدیث بیان کی از ابی الضحیٰ از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ایک مرد کندہ میں حدیث بیان کر رہا تھا تو اس نے کہا: قیامت کے دن دھواں آئے گا تو وہ منافقین کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لے گا اور مومنوں کی کیفیت زکام کی طرح ہوگی، پس ہم ڈر گئے، پس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، پس وہ غضب ناک ہو گئے تو انہوں نے کہا: جس کو علم ہو وہ کوئی بات کرے اور جس کو علم نہ ہو وہ کہے: اللہ ہی زیادہ جانتا ہے کیونکہ یہ بھی علم میں سے ہے کہ جس بات کا تمہیں علم نہ ہو تم کہو: میں نہیں جانتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا قُلْ مَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ (ص:۸۶) آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں○ بے شک قریش نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی، پس کہا: اے اللہ! میری مدد فرما اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے قحط کی طرح قحط مسلط کر دے، پس ان کو ایک سال تک قحط نے پکڑ لیا حتیٰ کہ وہ اس میں ہلاک ہو گئے اور انہوں نے مردار اور ہڈیاں کھائیں، اور ایک مرد آسمان اور زمین کے درمیان دھوئیں کی طرح ایک چیز دیکھتا تھا، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوسفیان آیا، پس کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ہمیں لوگوں کو رشتہ داروں سے ملانے کا حکم دینے کے لیے آئے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، سو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تو آپ نے یہ آیت پڑھی: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي

السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الدخان:١٠) سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا ○ یہ آیت: عَآئِدُوْنَ تک پڑھیے، کیا پس ان سے آخرت کا عذاب کھول دیا جائے گا جب آ جائے، پھر وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ جائیں گے، پس یہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا مصداق ہے: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ (الدخان:١٦) جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں ○ (بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑنے سے مراد) بدر کا دن ہے اور لِزَامًا کی قید سے بھی مراد بدر کا ہی دن ہے۔ الف، لام، میم ○ رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے (یہ آیت یہاں تک ہے) وہ عنقریب دوبارہ غالب ہوں گے ○ اور سورۃ الروم کی پیش گوئی گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ١٠٠٧ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی مزید شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بعینہٖ اسی سند کے ساتھ کتاب الاستسقاء میں اس باب کے تحت گزر چکی ہے: ''جب مشرکین قحط کے وقت مسلمانوں سے شفاعت طلب کریں'' لیکن اس کے الفاظ میں کچھ زیادتی اور کمی ہے اور اس حدیث کی سند میں جو سفیان کا ذکر ہے اس سے مراد سفیان ثوری ہے اور منصور سے مراد منصور بن المعتمر ہے اور الاعمش سے مراد سلیمان ہے، ابوالضحیٰ مسلم بن صبیح الکوفی العطار ہے اور مسروق ابن الاجدع ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

کِندہ: علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ کوفہ کی ایک جگہ ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں جس مرد کا ذکر ہے اس کا تعلق کندہ قبیلہ سے ہو۔

پس میں حضرت ابن مسعود کے پاس آیا: یہاں کچھ عبارت محذوف ہے یعنی حضرت ابن مسعود کے پاس گیا اور ان کو اس مرد کی خبر دی وہ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، یہ سن کر غصہ میں آ گئے اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، کیونکہ یہ بھی علم میں سے ہے کہ انسان جس چیز کو نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہے کہ میں نہیں جانتا: علامہ کرمانی نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ''میں نہیں جانتا'' کہنا علم ہو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: معلوم کو مجہول سے ممتاز کرنا بھی علم کی قسم ہے اور یہ اس قول کے مناسب ہے کہ میں نہیں جانتا کہنا بھی نصف علم ہے اور آیت کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ آدمی کو جس چیز کا علم نہ ہو اس کے متعلق بات کرنا بھی ایک قسم کا تکلف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ١٩ ص ١٥٨۔١٥٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

۲۔ بَابٌ: لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ۔ (روم: ۳۰) لِدِيْنِ اللهِ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ تعالیٰ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، (روم: ۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ کے دین میں۔

خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ (الشعراء: ۱۳۷) دِيْنُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْفِطْرَةُ الْإِسْلَامُ

اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے ○ (الشعراء: ۱۳۷) یعنی اولین کا دین، فطرت سے مراد اسلام ہے۔

باب مذکور کے عنوان کی شرح

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، امام بخاری نے کہا: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے دین میں، کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اس عبارت کا ظاہر نفی ہے اور اس سے مراد ممانعت ہے یعنی اللہ کے دین میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے اور یہی اکثر علماء کا قول ہے، اور عکرمہ اور مجاہد نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تغیر نہ کیا جائے، یعنی جانوروں کو خصی نہ کیا جائے۔ امام بخاری نے کہا: یہ صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے یعنی یہ صرف پہلے لوگوں کا دین ہے، امام بخاری نے کہا: فطرت سے مراد اسلام ہے، امام بخاری نے اس عبارت سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۔ (الروم: ۳۰)

(اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اس خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے وہی صحیح دین ہے۔

امام بخاری نے فطرت کی تفسیر اسلام کے ساتھ کی ہے اور یہ عکرمہ کا قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں فطرت سے مراد فقر اور فاقہ ہے اور فِطْرَتَ اللهِ پر جو نصب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مفعول مطلق ہے، اصل عبارت ہے: فَطَرَ فِطْرَةً اور الدین القیم کا معنی ہے: دین مستقیم۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۸)

۴۷۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ ﴿فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ﴾ (الروم: ۳۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی انہوں نے ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ الفطرۃ پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے بکری کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، کیا تم اس کی ناک یا کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ (الروم: ۳۰) (اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اس خلقت پر قائم رکھو جس پر

اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے: اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے وہی صحیح دین ہے)۔

یہ حدیث صحیح بخاری ۱۳۵۸ میں اسی سند اور اسی متن کے ساتھ گزر چکی ہے۔

عبدان: سے مراد ہے: عبداللہ بن عثمان المروزی، یہ ان کا نام ہے اور عبدان ان کا لقب ہے اور عبداللہ سے مراد ہے: عبداللہ بن المبارک المروزی اور یونس سے مراد ہے: یونس بن یزید اور الزہری سے مراد ہے: محمد بن مسلم بن شہاب اور ابوسلمہ وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین سورۃ الروم کی جو تفسیر امام بخاری نے کی تھی وہ مکمل ہوگئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ سورۃ لقمان کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۱۔ تَفۡسِيۡرُ سُوۡرَةِ لُقۡمَانَ

سورۃ لقمان کی تفسیر

سورۃ لقمان کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ لقمان کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس کی دو آیتوں کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ایک یہ ہے: وَلَوۡ اَنَّ مَا فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ۔ (لقمان: ۲۷) السدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی اور دوسری آیت یہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ۔ (لقمان: ۳۴) یہ آیت محارب کے ایک مرد کے متعلق مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور الحسن البصری سے منقول ہے کہ صرف ایک آیت میں اختلاف ہے اور وہ یہ آیت ہے: الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ (لقمان: ۴) کیونکہ زکوٰۃ کے احکام مدینہ میں نازل ہوئے، اس سورت میں چونتیس (۳۴) آیات ہیں۔

لقمان کا تعارف

ان کا پورا نام ہے: لقمان بن باعور بن ناخر اور وہ آزر ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (عرفی) باپ تھے، یا السہیلی نے کہا ہے: لقمان بن عنقا بن سرون، یہ ایک ہزار سال زندہ رہے تھے اور انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم حاصل کیا اور یہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے فتویٰ دیتے تھے، پھر جب حضرت داؤد علیہ السلام مبعوث ہو گئے تو ان کے فتاویٰ رک گئے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک ہزار نبیوں کے شاگرد تھے، اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے: یہ سیاہ فام غلام تھے اور ان کے ہونٹ بڑے بڑے تھے اور ان کے دونوں پیر کٹے ہوئے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ حبشی غلام تھے اور بڑھئی تھے اور سعید بن المسیب نے کہا کہ یہ مصر کے سیاہ فام لوگوں میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا کی اور ان سے نبوت کو روک لیا اور حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کوتاہ قد تھے اور امام ابن قتیبہ نے کہا: اکثر اقوال کے مطابق یہ نبی نہیں تھے اور نیک مرد تھے اور ابن المسیب سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ درزی تھے اور زجاج سے روایت ہے کہ یہ نجار تھے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ چرواہے تھے۔ الواقدی نے کہا ہے: یہ بنی اسرائیل میں مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے اور احکام نافذ کرتے تھے، اور ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا، اور عکرمہ سے روایت ہے کہ یہ نبی تھے اور وہ اس قول میں منفرد ہیں، وہب بن منبہ نے کہا کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے اور مقاتل نے کہا کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خالہ کے بیٹے تھے، ان کے بیٹے کا نام انعم تھا، وہ پہلے کافر تھا، پھر مسلمان ہو گیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام مشکم تھا اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام ثاران تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۱- بَابٌ: لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان: ۱۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے ○ (لقمان: ۱۳) کی تفسیر

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کے شروع کا حصہ نہیں لکھا اور وہ یہ ہے:

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان: ۱۳)

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا گناہ ہے ○

ظلم کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کی جگہ کے غیر میں رکھنا اور شرک کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس کے غیر کی طرف منسوب کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہے اور زندہ کرنے والا ہے اور مارنے والا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵۹)

میں کہتا ہوں: اصطلاحی مشرک کی یہ تعریف نہیں ہے، بلکہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عبادت کا مستحق قرار دیا جائے یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب الوجوب اور قدیم مانا جائے۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

حکیم لقمان کا بیٹا اور اس کی بیوی دونوں کافر تھے، حکیم لقمان ان دونوں کو مسلسل نصیحت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۹۴)

اس میں اختلاف ہے کہ یہ قول اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا حکیم لقمان کا قول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے، شرک کو سب سے بڑا ظلم اس وجہ سے فرمایا ہے کہ ظلم کا معنی ہے، کسی کا حق دوسرے کو دے دینا جو اس حق کا مستحق نہ ہو اور مستحق عبادت ہونا اللہ کا حق ہے، اسی طرح اللہ ہی کا یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، پس اگر مخلوق میں سے کسی کا حق دوسرے غیر مستحق کو دے دیا جائے تو یہ بھی ظلم ہے لیکن سب سے بڑا ظلم تو یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ کسی غیر مستحق کو دے دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کو عبادت کا مستحق مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۷۶۵، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

۴۷۷۶- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللّٰه عنه قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الانعام: ۸۲) شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالُوْا أَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ إِيْمَانَهُ بِظُلْمٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّهُ لَيْسَ بِذَاكَ أَلَا تَسْمَعُ إِلٰى قَوْلِ لُقْمَانَ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾﴾ (لقمان: ۱۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ (الانعام: ۸۲) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا ان ہی کے لیے بے خوفی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ○ تو یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر بہت دشوار گزری اور انہوں نے کہا: ہم میں سے کون ہے جو اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں ظلم سے یہ

مراد نہیں ہے، کیا تم نے نہیں سنا کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬ (لقمان: ۱۳) (بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے)O

یہ حدیث صحیح البخاری: ۳۲ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: جریر کا پورا نام جریر بن عبداللہ ہے اور یہ سلیمان الاعمش سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابراہیم النخعی از علقمہ بن قیس النخعی از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اور یہ حدیث کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۰۔۱۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں کچھ نہیں لکھا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۶۹)

۲۔ بَابٌ: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ (لقمان: ۳۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ (لقمان: ۳۴) کی تفسیر

علامہ بدرالدین عینی اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ آیت الوارث بن عمر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو جنگلوں میں اور دیہاتوں میں رہنے والے تھے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا کہ قیامت کس وقت قائم ہوگی؟ اور کہا: ہماری زمین قحط زدہ ہے، پس بارش کب نازل ہوگی؟ اور میں نے اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑا ہے تو اس کے یہاں ولادت کب ہوگی؟ اور میں زمین میں کس جگہ مروں گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۰)

۴۷۷۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ عَنْ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ يَمْشِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْإِيمَانُ قَالَ الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَلِقَائِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْإِحْسَانُ قَالَ الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلَكِنْ سَأُحَدِّثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتِ الْمَرْأَةُ رَبَّتَهَا فَذَاكَ مِنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی از جریر از ابی حیان از ابی زرعہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک مرد آپ کے پاس چلتا ہوا آیا، پس کہنے لگا: یارسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے تمام فرشتوں پر، اس کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام رسولوں پر اور اس سے ملاقات پر ایمان لاؤ اور تم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ، اس نے پوچھا: یارسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور تم نماز کو قائم کرو اور فرض زکوٰۃ کو ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، اس نے پوچھا: یارسول اللہ! احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، پس

أَشْرَاطِهَا وَإِذَا كَانَ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رُؤُسَ النَّاسِ فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللهُ ﴿إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ﴾ (لقمان:۳۴) ثُمَّ انْصَرَفَ الرَّجُلُ فَقَالَ رُدُّوا عَلَيَّ فَأَخَذُوا لِيَرُدُّوا فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ۔

اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو بے شک وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔اس نے پوچھا: یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے لیکن میں عنقریب تم کو قیامت کی علامات بتاؤں گا (اور وہ یہ ہیں:) آپ نے فرمایا: جب کوئی عورت اپنے آقا کو پیدا کرے تو یہ قیامت کی علامات میں سے ہے اور جب ننگے پیر اور ننگے بدن آدمی لوگوں کے سردار بن جائیں تو یہ قیامت کی علامات میں سے ہے،(یہ) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہی (از خود) جانتا ہے کہ (ماؤں) کے رحموں میں کیا ہے اور کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا (لقمان:۳۴) پھر وہ مرد واپس چلا گیا، آپ نے فرمایا: اس کو میرے پاس واپس لاؤ، پس صحابہ اس کو واپس لانے کے لیے گئے تو انہوں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا: یہ جبرئیل تھے جو لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

اسحاق کا نام اسحاق بن ابراہیم ہے اور یہ ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں اور جریر کا نام ہے: جریر بن عبدالحمید اور ابو حیان کا نام ہے: یحییٰ ابن سعید الکوفی اور ابوزرعہ کا نام ہے: حرم بن عمرو بن جریر البجلی۔ یہ حدیث کتاب الایمان میں گزر چکی ہے اور ہم نے وہاں اس کی مفصل شرح کی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۰)

علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں صرف اتنا ہی لکھا ہے۔

علوم خمسہ کے متعلق متعدد احادیث اور قرآن مجید میں علم غیب کی نفی اور اس بات کا محمل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مفاتیح الغیب پانچ ہیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ (لقمان:۳۴) اور ابو عاصم کی روایت میں ہے کہ مفاتیح الغیب پانچ ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے یعنی پوری آیت۔ اور اس سے پہلے سورۃ الرعد کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اور کتاب الاستقاء میں حضرت عبداللہ بن دینار کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مفاتیح الغیب پانچ ہیں، ان کو اللہ کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا، اللہ کے سوا کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا (الحدیث)، یہ سیاق ان پانچ چیزوں کے بیان میں ہے اور تفسیر الانعام میں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ مفاتیح الغیب پانچ ہیں: بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، آخر سورت تک، اور امام ابوداؤد والطیالسی نے اپنی مسند میں زہری سے یہ روایت کی ہے کہ تمہارے نبی کو ان پانچ چیزوں کے سوا غیب کی مفاتیح دی گئی ہیں، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی، اور میرا گمان یہ ہے کہ ایک متن دوسرے متن میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ امام ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے۔ امام احمد اور امام البزار نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت بریدہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا: بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے الآیہ، اور کتاب الایمان میں ہم پہلے ان پانچ چیزوں کی وجہ حصر بیان کر چکے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ اس کا اس آیت سے استفادہ کیا جائے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (النمل:٦٥)	آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (از خود) غیب نہیں جانتا۔

پس اس آیت میں جس غیب کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد وہ غیب ہے جس کا سورۂ لقمان میں ذکر ہے اور رہی یہ آیت:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن:٢٦۔٢٧)	وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا ۝ ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

پس ممکن ہے اس آیت کی تفسیر امام الطیالسی کی روایت کردہ حدیث کے مطابق کی جائے اور وہ جو صریح قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ لوگوں کو خبر دیتے ہیں کہ وہ کیا کھا کر آئے ہیں اور کیا گھر میں ذخیرہ کیا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کے خواب کی تعبیر بیان کی اور اس قسم کے دوسرے واقعات، یہ معجزات اور کرامات کی قبیل سے ہیں، پس ان میں سے ہر چیز کا سورۃ الجن ٢٧۔٢٦ سے استفادہ کرنا ممکن ہے کیونکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ رسولوں کو بعض غیوب پر اطلاع دی جاتی ہے اور ولی رسول کے تابع ہے، وہ رسول سے غیب کا علم حاصل کرتا ہے اور اس کی تکریم کی جاتی ہے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ رسول کو وحی کی تمام اقسام سے اطلاع دی جاتی ہے اور ولی صرف خواب یا الہام کے ذریعے غیب پر مطلع ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ٧٧٠، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

لقمان: ٣٤ کی تفسیر میں مصنف کی تحقیق

ہم نے سورۂ لقمان: ٣٤ کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی قیامت کا علم کلی، ذاتی اور محیط اللہ ہی کے پاس ہے، علم کلی اور محیط کی قید اس لیے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قرب قیامت میں مہدی کا ظہور ہو گا (سنن ابوداؤد: ٤٢٩٠) اور فرمایا: قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا، یاجوج و ماجوج کا ظہور ہوگا (صحیح مسلم: ٢٩٠١) اور آپ نے فرمایا: محرم کی دس (١٠) تاریخ کو قیامت واقع ہوگی (فضائل الاوقات للبیہقی ص ٤٤١) اور یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے دن قیامت آئے گی (صحیح مسلم: ٨٥٤) اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے دن قیامت آئے گی (الاسماء والصفات للبیہقی ص ٣٨٣) آپ نے وقوع قیامت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً۔ (الاعراف:١٨٧)	قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مصدق بن کر آئے تھے اس کے مکذب بن کر نہیں آئے تھے، سو آپ نے قرآن کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوع قیامت کی تمام نشانیاں مہینہ، تاریخ، دن اور ان کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔

اور اس آیت میں بارش نازل ہونے کے علم کی بھی نفی ہے، اس کا بھی یہی معنی ہے کہ بارش کا کل علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بارش نازل ہونے کی خبر دی ہے، فرمایا:

ثُمَّ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ۔ (یوسف: ۴۹)

اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش نازل کی جائے گی۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارش کے نزول کی خبر دی ہے:

امام شافعی نے کتاب الام میں المطلب بن حطب سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات اور دن کی ہر ساعت میں بارش نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بارش کو لے جاتا ہے۔ (مسند شافعی ص ۸۲، الدر المنثور ص ۷۹)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس بارش کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور بارش کے ساتھ فلاں فلاں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ کہاں بارش ہو رہی ہے اور کس کو رزق مل رہا ہے اور اس کے قطروں سے کیا پیدا ہو رہا ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۰۳)

اور اس آیت میں ماؤں کے رحم میں کیا ہے، اس کے علم کی بھی نفی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم بھی مخلوق کو عطا فرمایا ہے، قرآن مجید میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی، فرمایا:

قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○ (الذاریات: ۲۸)

فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں اور ان کو علم والے لڑکے کی بشارت دی ○

اور فرشتوں کو بتا دیا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور فرشتے ماں کے پیٹ میں لکھ دیتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۱۸)

اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حسن پیدا ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۳)

اس آیت میں آئندہ کل کے علم کی بھی نفی کی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے کل اور آئندہ ہونے والے واقعات سے بھی انبیاء اور بالخصوص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرمایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں بتایا:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِىْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ○ ثُمَّ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ○ (یوسف: ۴۷۔۴۸)

(حضرت) یوسف نے کہا: تم لگاتار سات سال تک معمول کے مطابق کاشتکاری کرنا اور فصل کاٹ کر اس کو خوشوں میں رہنے دینا سوا اپنے کھانے کی تھوڑی چیزوں کے ○ اس کے بعد سات سخت قحط کے سال آئیں گے وہ تمہارے ذخیرہ کیے ہوئے غلے کو کھا جائیں گے سوا اس تھوڑے سے غلے کے جس کی تم حفاظت کرو گے ○

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ کے دیئے ہوئے علم سے صرف کل کی نہیں چودہ سال پہلے کی خبر دی تھی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کل کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا يفتح الله عَلٰى يَدِهٖ (صحیح البخاری: ۳۰۰۱) کل میں جھنڈا اس کو عطا کروں گا جس

کے ہاتھ پر اللہ خیبر کو فتح کرے گا۔

اس آیت میں مرنے کی جگہ کے علم کی بھی نفی کی گئی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قید کے ایک ساتھی سے یہ فرمایا تھا: تمہیں سولی دی جائے گی (یوسف: ۴۱) اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف نے اس کو بتادیا کہ تمہیں پھانسی کے تختے پر موت آئے گی اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے مرنے کی جگہ کا علم تھا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقتولین بدر کے متعلق فرمایا: هذا مَصْرَعُ فُلانٍ ان شاء الله غَدًا (صحیح مسلم: ۲۸۷۳) ان شاء اللہ کل فلاں کافر اس جگہ قتل ہو گا، خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا بالذات، بلا واسطہ اور از خود علم تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور ان پانچ چیزوں کا کلی علم بھی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے سے ان کی جزئیات کا علم فرشتوں کو بھی ہے اور نبیوں اور رسولوں کو بھی ہے اور جس کا مرتبہ جتنا زیادہ ہے اس کو اتنا زیادہ علم ہے اور ان جزئیات کا سب سے زیادہ علم ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔

(انوار تبیان القرآن ص ۶۶۲-۶۶۱، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

۴۷۷۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ ﴿إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (لقمان: ۳۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں، ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمر بن محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ ان کے والد نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مفاتح الغیب پانچ ہیں، پھر یہ آیت پڑھی: إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ (لقمان: ۳۴) بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ۱۰۳۹ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی شرح وہی ہے جو اس سے پہلے فتح الباری اور انوار تبیان القرآن کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۂ لقمان کی امام بخاری کی کی ہوئی تفسیر مکمل ہو گئی اور اس کے بعد ان شاء اللہ سورۃ السجدۃ کی تفسیر شروع ہو گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۲۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَۃِ السَّجْدَۃِ

سورۃ السجدۃ کی تفسیر

سورۃ السجدۃ کا تعارف

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: یہ سورۃ السجدۃ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، مقاتل نے کہا سورۃ السجدۃ مکی ہے اور اس میں ایک مدنی آیت ہے اور وہ یہ ہے: تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدۃ:۱۶) کیونکہ یہ انصار کے متعلق نازل ہوئی اور علامہ سخاوی نے کہا اس کے بعد سورۃ المومنون نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں تیس (۳۰) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۶۱)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَهِينٍ ضَعِيفٍ نُطْفَةُ الرَّجُلِ۔ اور مجاہد نے کہا: مَهِيْنٍ کا معنی ہے: ضعیف اور اس سے مراد ہے: مرد کا نطفہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ (السجدۃ:۸) پھر ایک حقیر پانی کے نچوڑ سے اس کی نسل بڑھائی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ مجاہد نے مهين کا معنی ضعیف کیا ہے، پھر کہا: حقیر پانی سے مراد مرد کا نطفہ ہے، اس حدیث کی امام ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۶۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس تعلیق کی شرح میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ (فتح الباری ج۵ ص۱۷۷)

ضَلَلْنَا هَلَكْنَا۔ ضَلَلْنَا کا معنی ہے: هَلَكْنَا یعنی جب ہم ہلاک ہو جائیں گے اور مر جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (السجدۃ:۱۰) اور (کافروں نے) کہا: جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا پھر ہماری از سر نو پیدائش ہو گی؟ بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مجاہد کے حوالے سے ضَلَلْنَا کی تفسیر کی ہے: جب ہم ہلاک ہو جائیں گے اور دوسروں نے کہا کہ جب ہم مٹی میں مل جائیں گے کیونکہ جب میت کو دفن کر دیا جائے تو کہا جاتا ہے: اَضَلَّ الْمَيِّتُ، اور جب تم اس کو دفن کر دو تو کہتے ہو: اَضْلَلْتُهٗ۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۶۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس شرح پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ (فتح الباری ج۵ ص۱۷۷)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْجُرُزُ الَّتِي لَا تُمْطَرُ إِلَّا مَطَرًا لَا يُغْنِي عَنْهَا شَيْئًا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَلْجُرُزُ اس زمین کو کہتے ہیں جہاں بہت کم بارش ہوتی ہے جس سے زمین کو بہت کم فائدہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا۔ (السجدۃ:۲۷)
کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں، پھر ہم اس سے فصل اگاتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس نے اَلْجُرُزْ کی تفسیر اس زمین کے ساتھ کی ہے جہاں بارش نہیں ہوتی، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ زمین ہے جو بہت سخت ہو، خشک ہو، جہاں کوئی پیداوار نہ ہوتی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا: یہ اَبْيَنْ کی زمین ہے، الحربی نے کہا: ابین یمن کا ایک مشہور شہر ہے اور غالباً مجاہد نے یہ اس وقت کہا تھا جب اَبْيَنْ کی زمین کوئی چیز پیدا نہیں کرتی تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ یہ یمن کی زمین ہے، اور امام ابوعبیدہ نے کہا: یہ وہ سخت زمین ہے جو خشک ہو اور اس پر بارش نہ ہوتی ہو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۱۷۷)

يَهْدِ يُبَيِّنْ۔ يَهْدِ: اس کا معنی ہے: بیان کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ۔ (السجدۃ:۲۶)
کیا انہوں نے اس سے ہدایت حاصل نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے جو اپنے گھروں میں چلتے پھرتے تھے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَهْدِ کی تفسیر يُبَيِّنْ کے ساتھ کی ہے، اور امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ کیا ہم نے ان کے لیے بیان نہیں کر دیا؟ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۳۔۱۶۱)

۱۔ بَابٌ: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ۔ (السجدۃ:۱۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا کر رکھا گیا ہے۔ (السجدۃ:۱۷) کی تفسیر

۴۷۷۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ (السجدۃ:۱۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے بیان کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدۃ:۱۷) سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا کر رکھا گیا ہے۔

یہ حدیث صحیح البخاری: ۳۲۴۴ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے: اور نہ ان کو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ نبی مرسل۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۶۲)

و حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ اللهُ مِثْلَهُ قِيلَ لِسُفْيَانَ رِوَايَةً قَالَ فَأَيُّ شَيْءٍ؟ وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَرَأَ أَبُو هُرَيْرَةَ قُرَّاتِ۔

اور ہم کو علی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہم کو سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم کو ابوالزناد نے حدیث بیان کی از اعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ حدیث بھی سفیان کی روایت کے مثل ہے اور سفیان سے پوچھا گیا: کیا یہ روایت ہے؟ انہوں نے کہا: پھر اور کیا چیز ہے؟ اور ابو معاویہ نے کہا الاعمش از ابو صالح کہ حضرت ابو ہریرہ نے پڑھا: قُرَّاتِ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

سفیان سے پوچھا: گیا کیا یہ روایت ہے؟ یعنی کیا یہ الفاظ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہو یا تم اپنے اجتہاد سے کہہ رہے ہو تو انہوں نے کہا: اگر یہ روایت نہیں ہے تو پھر اور کیا چیز ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۶۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:

اس حدیث کا سبب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ اہل جنت میں سے سب سے بڑا مرتبہ کس کا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے ان کی تکریم کا پودا اپنے ہاتھ سے اگایا ہے اور میں نے اس پر مہر لگادی ہے اور جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔ اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کی بہت طویل روایت کی ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۷۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷۸۰۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ اللهُ تَعَالَى أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ ذُخْرًا بَلْهَ مَا أُطْلِعْتُمْ عَلَيْهِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (السجدۃ: ۱۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از الاعمش، انہوں نے کہا: ہمیں ابو صالح نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ان نعمتوں کو تیار کر رکھا ہے جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے، میں نے ان کا ذخیرہ تیار کر رکھا ہے اس کو چھوڑو جس کی تم کو اطلاع دی گئی ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (السجدۃ: ۱۷)

سو کوئی نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے اس کے
اعمال کی جزاء میں کس نعمت کو چھپا کر رکھا گیا ہے O

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۴۴ میں گزر چکی ہے۔

بَلۡهَ کے معنی کی تحقیق

علامہ بدرالدین عینی نے اس حدیث کی شرح میں بَلۡهَ کے متعلق لکھا ہے:

اس کا معنی ہے: اس کو چھوڑ و جس پر تم مطلع ہو چکے ہو، ایک قول ہے: ان کے سوا جن کا ذکر قرآن میں آ چکا ہے جن پر تم مطلع ہو چکے ہو۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: گویا کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ اس کو چھوڑ و جس پر تم مطلع ہو چکے ہو، اور میں نے ان کے لیے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ اس کے متعلق بہت تھوڑی ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: اَجَلْ یعنی ہاں یا کیوں نہیں۔

اور لیث نے حکایت کی ہے کہ یہ فضل یعنی زائد کے معنی میں ہے گویا کہ یوں فرمایا: یہ وہ نعمتیں ہیں جن کو میں نے تم سے غائب رکھا تھا، اور یہ ان سے زائد ہیں جن پر تم مطلع ہو چکے ہو۔

ابن مالک نے کہا کہ معروف یہ ہے کہ بَلۡهَ اسم فعل ہے اور اس کا معنی ہے: چھوڑ و اور یہ اپنے بعد والے لفظ کو بہ طور مفعول نصب دیتا ہے۔

اور الاخفش نے کہا: کہ بَلۡهَ یہاں پر مصدر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہی لکھا ہے اور کچھ عبارت اس پر زائد ہے اور وہ یہ ہے:

علامہ ابن ہشام نے المغنی میں لکھا ہے: بَلۡهَ کو تم معرب استعمال کرو اور یہ لفظ مِنۡ سے مجرور ہے اور اس کا معنی ہے: غیر اور انہوں نے اس کے سوا ذکر نہیں کیا اور اس پر اعتراض ہے کیونکہ علامہ ابن التین نے حکایت کی ہے کہ بَلۡهَ میں ہاء پر زبر ہے حالانکہ اس سے پہلے مِنۡ موجود ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ مبنی ہے معرب نہیں ہے اور ما مصدر یہ ہے اور یہ اور اس کا صلہ بہ طور مبتداء کے مرفوع ہے؟ اور اس کی خبر جار اور مجرور ہے جو مقدم ہے اور بَلۡهَ سے مراد یہ ہے کہ کیسے اس کے مستبعد ہونے کا قصد کیا جائے گا اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمہیں اس مقدار پر کیسے اطلاع ہوگی جس کا احاطہ کرنے سے بشر کی عقلیں عاجز ہیں اور اس طور پر بَلۡهَ کے اوپر مِنۡ کو داخل کرنا صحیح ہے جیسا کہ سید میر شریف نے کافیہ ابن حاجب کی شرح میں تحریر کیا ہے، میں کہتا ہوں: ان تمام توجیہات میں سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ غَیۡرُ کے معنی میں ہے یعنی ان نعمتوں کا خیال کسی بشر کے دل میں نہیں آیا ماسوا ان نعمتوں کے جن پر تم مطلع ہو چکے ہو۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۲۷۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ السجدۃ کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث درج کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الاحزاب کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٣٣- تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْأَحْزَابِ

سورۃ الاحزاب کی تفسیر

سورۃ الاحزاب کا تعارف

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الاحزاب کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور یہ پوری سورت مدنی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، علامہ سخاوی نے کہا: یہ سورت آل عمران کے بعد اور سورۃ الممتحنہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں تہتر (٧٣) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ صَيَاصِيهِمْ قُصُوْرِهِمْ۔ مجاہد نے کہا: صَيَاصِيهِمْ: اس کا معنی ہے: ان کے محل یا ان کے قلعے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا (الاحزاب:٢٦)

اور جن اہل کتاب نے ان حملہ آور مشرکوں کی مدد کی تھی اللہ نے ان کو ان قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب طاری کر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قید کر رہے ہو O

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ صیاصیھم، صَیْصَۃ کی جمع ہے اور یہ وہ عمارت ہے جسے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لیے بنایا جائے، اس آیت میں فرمایا: جن اہل کتاب نے ان حملہ آوروں کی مدد کی تھی یعنی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے خلاف قریش اور غطفان کی مدد کی تھی اور وہ بنوقریظہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ١٦٤۔ ١٦٣)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس تعلیق کی شرح میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ٥ ص ٧٧٣)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس سے مراد بنوقریظہ کو قلعوں سے اتارنا ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس (٢٥) روز تک ان کا محاصرہ کیا تو انہوں نے کہا: ہم اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر قلعہ سے نکل آئیں گے کیونکہ جاہلیت میں قبیلہ اوس یہودیوں کا حلیف تھا اور ان کا یہ گمان تھا کہ حضرت سعد ان کے ساتھ اسی طرح مصلحت اندیشی سے پیش آئیں گے جس طرح عبداللہ بن ابی سلول بنوقینقاع کے ساتھ پیش آیا تھا، اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بازو کی ایک رگ میں ان کی طرف سے ایک تیر پیوست ہو چکا تھا (اس وجہ سے وہ اس موقع پر مدینہ منورہ میں نہیں تھے)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے بلایا تا کہ وہ بنوقریظہ کے متعلق فیصلہ کریں، جب حضرت سعد دراز گوش پر سوار ہو کر آئے تو قبیلہ اوس نے ان سے بنوقریظہ کے متعلق سفارش کی کہ ان سے نرم فیصلہ کریں، جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب اس بات کا وقت آ گیا ہے کہ سعد اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی فکر نہیں ہے، حضرت سعد نے بنوقریظہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ بنوقریظہ میں جس قدر جنگ جو ہیں ان کو قتل کر دیا جائے، ان

کی اولاد کو قید کر لیا جائے اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیا جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! تم نے ان کے متعلق وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتویں آسمان کے اوپر حکم تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو باندھا گیا اور ان کی گردنیں اڑا دی گئیں، یہ سات سو (۷۰۰) یا آٹھ سو (۸۰۰) افراد تھے، ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا اور ان کے اموال کو ضبط کر لیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۲۴) (انوار تبیان القرآن ص ۶۷۲، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

معروفا فی الکتاب: معروف کے معنی ہیں نیکی اور فی الکتاب سے مراد ہے کہ یہ حکم اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِیٰٓىٕكُمْ مَّعْرُوْفًاؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (الاحزاب:۲۶)

اللہ کی کتاب میں رشتہ دار دوسرے مومنوں اور مہاجروں کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں، مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی نیکی کرو، یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق میں الکتاب کا ذکر ہے اور اس سے مراد قرآن ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تورات ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۹ ص ۱۶۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ ابن جریج نے بیان کیا کہ میں نے عطاء سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ پہلے مسلمان اس کافر کو عطا کرتا تھا جس کے ساتھ اس کی رشتہ داری ہوتی تھی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۳۷۳)

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی وجہ سے بعض مہاجرین کو بعض انصار کا بھائی بنا دیا تھا، وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، اسی طرح بعض مسلمان دین میں ایک دوسرے کی حمایت کرنے کی وجہ سے دوستی کی بنا پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وارث ہونے کی یہ تمام صورتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہونے کی صورت باقی رہ گئی۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۶۸، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

۱۔ بَابٌ: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب:۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں (الاحزاب:۶) کی تفسیر

علامہ عینی نے اس آیت کا یہ معنی لکھا ہے کہ نبی مومنوں سے ہر چیز میں خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے ہو زیادہ حق دار ہے، کیونکہ یہ آیت مطلق ہے اور اس میں کوئی قید نہیں ہے۔

۴۷۸۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب:۶) فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ تَرَكَ مَالًا فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا فَإِنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از ہلال بن علی از عبد الرحمٰن بن ابی عمرۃ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جو بھی مومن ہے میں دنیا اور آخرت میں اس کا لوگوں سے زیادہ حق دار ہوں اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:۶) نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں، پس جس

مومن نے ترکہ میں مال چھوڑا تو اس کے وارث اس کے قریبی رشتہ دار ہوں گے اور اگر اس نے قرض چھوڑا یا اولاد چھوڑی تو وہ میرے پاس آئے میں اس کا کفیل ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲۹۸ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ضیاع کا معنی ہے: مرنے والے کی اولاد کیونکہ جب ان کے پاس کوئی مال نہیں ہوگا اور نہ کوئی ان کا کفیل ہوگا تو وہ ضائع ہو جائیں گے، اور مولیٰ کے معنی ہیں: مددگار۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: اس حدیث کی شرح ان شاء اللہ کتاب الفرائض میں آئے گی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۳)

۲۔ بَابٌ: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (الاحزاب: ۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے (الاحزاب: ۵) کی تفسیر

علامہ عینی نے لکھا ہے: کہ اَقْسَط کا معنی ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عدل کی بات ہے۔

۴۷۸۲۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ مَا كُنَّا نَدْعُوهُ إِلَّا زَيْدَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ۔

(صحیح مسلم: ۲۴۲۵، سنن ترمذی: ۳۸۴۰-۳۲۲۰، مسند احمد: ۵۴۸۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن المختار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہ حضرت زید بن حارثہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، ہم ان کو صرف زید بن محمد کہہ کر بلاتے تھے حتیٰ کہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوگئی: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (الاحزاب: ۵) منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ: عنقریب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث آئے گی، اس میں ہے کہ جو شخص زمانہ جاہلیت میں کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تو لوگ اس کو اسی کی طرف منسوب کر کے پکارتے تھے اور وہ اس کی میراث کا وارث ہوتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس شرح پر کوئی خاص اضافہ نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۳)

۳۔ بَابٌ: فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (الاحزاب: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو ان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی ○ (الاحزاب: ۲۳) کی تفسیر

نَحْبَهُ عَهْدَهُ۔ نَحْبَهُ کا معنی ہے: اس کا عہد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (الاحزاب: ۲۳) سو ان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں، اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اَلنَّحْب کا معنی ہے: نذر اور اَلنَّحْب کا معنی ہے: الموت، مقاتل سے روایت ہے کہ اس کا معنی ہے: اس کی مدت حیات پوری ہو گئی، پس وہ نذر پوری ہونے کے بعد شہید ہو گیا یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے اپنا عہد پورا کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور النحب کا معنی النفس بھی ہے اور النحب کا معنی بہت بڑا کام بھی ہے اور دوسروں نے کہا: نَحْب کا معنی نذر ہے، پھر اس کو ہر چیز کے آخر میں استعمال کیا گیا، اور امام عبدالرزاق نے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ اس نے عہد پورا کرنے میں اپنی مدت حیات پوری کر دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: اے طلحہ! تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کر لیا۔ اس حدیث کی امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے بھی روایت کی ہے اور ان میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو مجاز پر محمول کیا جائے اور قضٰی بہ معنی یقضی ہے یعنی اے طلحہ! تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی نذر کو پورا کریں گے، اور امام ابن ابی حاتم کی تفسیر میں مذکور ہے کہ ان میں سے حضرت عمار بن یاسر بھی ہیں اور حضرت حمزہ اور ان کے اصحاب بھی ہیں رضی اللہ عنہم اور حضرت انس بن مالک نے کہا: ان میں سے حضرت انس بن النضر بھی ہیں اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر بھی ہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۷۷)

أَقْطَارِهَا جَوَانِبُهَا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا لَأَعْطَوْهَا۔ أَقْطَارُهَا: اس کا معنی ہے: اس کی جوانب اور اطراف۔ اَلْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا یعنی وہ فتنے میں ضرور داخل ہو جاتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ (الاحزاب: ۱۴) اور اگر مدینہ کے چاروں اطراف سے ان پر لشکر حملہ آور ہوتے، پھر ان سے شرک کو طلب کیا جاتا تو وہ ضرور شرک کر لیتے اور وہ اس میں ذرا دیر نہ کرتے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: اگر کفار کی جماعتیں مدینہ میں داخل ہوتیں اور وہ ان منافقین کو شرک کرنے کا حکم دیتیں تو وہ ان کی بات ماننے میں بالکل دیر نہ کرتے اور اسلام سے (ظاہراً بھی) مرتد ہو جاتے اور کفر کرتے اور اس آیت میں فتنہ سے مراد شرک ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۵)

۴۷۸۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ نُرَى هَذِهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبداللہ الانصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از

الْاٰیَةَ نَزَلَتْ فِیْ اَنَسِ بْنِ النَّضْرِ ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ﴾ (الاحزاب: ۲۳)

ثمامہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا، ہم یہ گمان کرتے تھے کہ یہ آیت حضرت انس بن النضر کے متعلق نازل ہوئی ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ (الاحزاب: ۲۳) مومنوں میں کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۰۵ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں، حضرت انس بن النضر الانصاری رضی اللہ عنہ حضرت انس بن مالک انصاری کے چچا ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۲۶)

ہم نے لکھا ہے کہ ان مومنوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ دین اسلام کی سربلندی کے لیے آئندہ کفار کے خلاف جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور وہ مسلسل قتال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ شہید ہو جائیں گے، یہ مومنین حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعید بن زید، حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت انس بن نضر وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۱۷۶، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

۴۷۸۴- حَدَّثَنَا اَبُو الْیَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ خَارِجَةُ بْنُ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ لَمَّا نَسَخْنَا الصُّحُفَ فِی الْمَصَاحِفِ فَقَدْتُ اٰیَةً مِّنْ سُوْرَةِ الْاَحْزَابِ كُنْتُ كَثِیْرًا اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقْرَؤُهَا لَمْ اَجِدْهَا مَعَ اَحَدٍ اِلَّا مَعَ خُزَیْمَةَ الْاَنْصَارِیِّ الَّذِیْ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَهَادَتَهٗ شَهَادَةَ رَجُلَیْنِ ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ﴾
(الاحزاب: ۲۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری انہوں نے کہا: مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: جب ہم قرآن مجید کو مصاحف میں لکھ رہے تھے تو میں نے سورۃ الاحزاب کی ایک آیت کو گم پایا جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار پڑھتے ہوئے سنا تھا، وہ آیت مجھے حضرت خزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ملی جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا، وہ آیت یہ تھی: مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ (الاحزاب: ۲۳) مومنوں میں سے کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۰۷ میں گزر چکی ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دینے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت زید بن ثابت قرآن کو جمع کرنے میں اپنے علم پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور نہ اپنے حفظ کے اوپر انحصار کرتے تھے لیکن اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ انہوں نے صرف حضرت خزیمہ سے اس آیت کو سننے پر اکتفاء

کرلیا حالانکہ قرآن مجید تو تواتر سے ثابت ہے اور مجھ پر جو اس کا جواب منکشف ہوا وہ یہ ہے کہ: حضرت زید نے جو کہا کہ میں نے اس آیت کو گم پایا اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے اس کا جود بالکل نہیں پایا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت کو لکھا ہوا نہیں پایا کیونکہ یہ آیت ان کو بھی حفظ تھی اور دوسروں کو بھی حفظ تھی، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ جمع القرآن کی حدیث میں ہے کہ میں قرآن مجید کو کاغذ کے ٹکڑوں اور ہڈیوں پر لکھا ہوا تلاش کرتا تھا جیسا کہ عنقریب فضائل قرآن میں تفصیل سے آئے گا۔

حضرت زید نے کہا کہ حضرت خزیمہ انصاری کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا، اس میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جس کو امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت خزیمہ کے چچا سے روایت کیا ہے اور وہ بھی صحابی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا، خریدا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کی قیمت لینے گھر گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی جا رہے تھے اور اعرابی آہستہ آہستہ چل رہا تھا، پھر دوسرے لوگوں نے اس اعرابی سے گھوڑے کی قیمت پوچھی حتیٰ کہ اس کی قیمت میں اضافہ کیا، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قیمت لے کر آئے تو اس اعرابی نے کہا: آپ اس پر گواہ لائیں کہ میں نے اس گھوڑے کی آپ کے ساتھ بیع کی ہے، پھر مسلمانوں میں سے کسی شخص نے کہا: تجھ پر افسوس ہے، کیا تجھے نہیں معلوم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتے حتیٰ کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ اس موقع پر آئے اور انہوں نے یہ بحث سنی تو انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے اس گھوڑے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع کر دی تھی، ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم کس بناء پر گواہی دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ کی نبوت کی تصدیق کی بنا پر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا، اور امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ اس اعرابی کا نام سواد بن الحارث تھا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۷۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ جس آیت کو حضرت خزیمہ نے گم پایا تھا اس کی تعیین میں تعارض ہے

علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ جس آیت کو حضرت زید بن ثابت نے گم پایا تھا وہ یہ تھی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۲۳) اور یہ بھی کہا گیا ہے: جو آیت حضرت خزیمہ نے گم پائی تھی وہ سورۂ توبہ کی آخری آیت تھی جو صرف خزیمہ کے پاس سے ملی تھی۔ اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہاں حصر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ صرف ایک آیت حضرت زید کو نہیں ملی تھی جو صرف حضرت خزیمہ کے پاس تھی اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ دونوں آیتیں صرف حضرت خزیمہ کے پاس لکھی ہوئی ہوں اور دوسروں کے پاس لکھی ہوئی نہ ہوں، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلا واقعہ اس وقت کا ہے جب صحابہ اس آیت کو ہڈیوں وغیرہ سے تلاش کر کے مصحف میں نقل کر رہے تھے اور دوسرا واقعہ اس وقت کا ہے جب صحابہ آیتوں کو ایک مصحف سے دوسرے مصحف میں نقل کر رہے تھے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار اور وسعت علم کی دلیل

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار اور آپ کے شارع ہونے پر دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ ۔ (البقرۃ: ۲۸۲) اور تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ، تو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ ظاہر اس آیت کے خلاف صرف حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ اس آیت میں جو دو مردوں کی شہادت کا قاعدہ بیان فرمایا ہے اس سے حضرت

خزیمہ مستثنیٰ ہیں، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ علم نبوت میں یہ بات تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ سورۂ احزاب کی اور سورۂ توبہ کی ایک آیت حضرت خزیمہ کے سوا اور کسی کے پاس سے نہیں ملے گی تو اگر آپ حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار نہ دیتے تو یہ آیتیں قرآن مجید میں درج ہونے سے رہ جاتیں، سو جس طرح یہ حدیث آپ کے اختیار کی دلیل ہے اسی طرح آپ کے علم کی وسعت کی بھی دلیل ہے۔ اس نکتہ کو بیان کرنے میں اللہ کے فضل و کرم سے یہ ناکارہ متفرد ہے۔

۴۔ بَابٌ: يَاۤ اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ (الاحزاب:۲۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں ○ (الاحزاب:۲۸) کی تفسیر

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: مفسرین نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ سے دنیا کا ساز و سامان اور خرچ میں اضافہ کو طلب کرتی تھیں اور آپ کو اس سے تکلیف پہنچتی تھی اور آپ نے ایک مہینے تک ان کے قریب نہ آنے کی قسم کھالی اور آپ اپنے اصحاب کی طرف بھی نہیں گئے، تب یہ آیت نازل ہوئی، جس میں مذکور ہے کہ اگر دنیا کی زندگی اور زینت یعنی دنیا میں کشادگی اور مال کی کثرت چاہتی ہو تو آؤ یعنی تم اپنے اختیار اور ارادے سے آؤ میں تم کو طلاق دے کر رخصت کر دوں۔

ازواج مطہرات کو اختیار دینے کا معنی اور ان کو اختیار دینے کا سبب

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آپ نے جو ازواج مطہرات کو اختیار دیا تھا اس کا کیا معنی ہے؟ حسن بصری اور قتادہ نے کہا: آپ نے ان کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا تھا، پس اگر وہ دنیا کو اختیار کرتیں تو آپ ان سے الگ ہو جاتے اور اگر وہ آخرت کو اختیار کرتیں تو آپ ان کو اپنے پاس رکھتے اور آپ نے ان کو طلاق میں اختیار نہیں دیا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور مجاہد، شعبی اور مقاتل نے کہا ہے: بلکہ آپ نے ان کو طلاق کے درمیان اور آپ کے ساتھ رہنے کے درمیان اختیار دیا تھا اور اس وقت آپ کے نکاح میں نو (۹) ازواج مطہرات تھیں، پانچ (۵) قریش میں سے تھیں: (۱) حضرت عائشہ بنت ابی بکر (۲) حضرت حفصہ بنت عمر (۳) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۴) حضرت سودہ بنت زمعہ (۵) حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ، اور باقی چار یہ ہیں: (۶) حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب الخیبریہ (۷) حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ (۸) حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ (۹) حضرت جویریہ بنت الحارث المصطلقیہ۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ازواج مطہرات کو اختیار دینے کا کیا سبب تھا؟ پس ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپ دنیا کا ملک رکھیں یا آخرت کی نعمتیں رکھیں تو آپ نے بھی اپنی ازواج مطہرات کو یہ اختیار دیا تھا تا کہ ان کا حال بھی آپ کے حال کی طرح ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ آپ کے اوپر غیرت کرتی تھیں تو آپ ایک مہینے کے لیے ان سے الگ ہو گئے، تیسرا قول یہ ہے کہ ایک دن ازواج مطہرات جمع ہوئیں، پس انہوں نے کہا: ہم بھی دوسری عورتوں کی طرح زیورات چاہتی ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے کہا: اگر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے پاس ہوتیں تو ہمارے پاس بہت عمدہ کپڑے ہوتے، بہت نفیس زیورات ہوتے۔ (مصنف اس قول سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہے)، چوتھا قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ طلب کیا جس کی بہ ظاہر آپ کے پاس استطاعت نہ تھی، پس حضرت ام سلمہ نے ایک منقش لباس کو طلب کیا اور

حضرت میمونہ نے حلہ یمانیہ کو طلب کیا اور حضرت زینب نے دھاری دار کپڑوں کو طلب کیا جو کہ یمنی چادریں ہیں اور حضرت ام حبیبہ نے سوتی کپڑے کو طلب کیا اور حضرت حفصہ نے مصری کپڑوں کو طلب کیا اور حضرت جویریہ نے سر پر باندھنے کے کپڑوں کو طلب کیا اور حضرت سودہ نے خیبر کی چادر طلب کی سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے، انہوں نے کوئی چیز طلب نہیں کی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۷۔۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مَعْمَرٌ التَّبَرُّجُ أَنْ تُخْرِجَ مَحَاسِنَهَا۔

معمر نے کہا: اَلتَّبَرُّج کا معنی یہ ہے کہ عورت اپنے حسن اور اپنی زیبائش کو ظاہر کرے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى۔ (الاحزاب: ۳۳)

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ تَبَرُّج کا معنی ہے: تَبَخْتُر یعنی ناز سے چلنا اور نخرے دکھانا۔

سُنَّةَ اللهِ اسْتَنَّهَا جَعَلَهَا۔

سُنَّةَ الله: اس سے مراد وہ معمول اور وہ طریقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ۔ (الاحزاب: ۳۸)

جو لوگ اس سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی اللہ کا یہی دستور تھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے: مثل "اللہ کی سنت کے" یعنی اس کے دستور کی مثل، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ کے دستور کی پیروی کرو، نیز فرمایا: جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں، اس سے مراد ہے: گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا جو طریقہ اور دستور رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں نکاح کی سنت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۷)

۴۷۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم جَاءَهَا حِيْنَ أَمَرَهُ اللهُ أَنْ يُّخَيِّرَ أَزْوَاجَهُ فَبَدَأَ بِيْ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنِّيْ ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ أَنْ لَا تَسْتَعْجِلِيْ حَتّٰى تَسْتَأْمِرِيْ أَبَوَيْكِ وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُوْنَا يَأْمُرَانِيْ بِفِرَاقِهِ قَالَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِلٰى تَمَامِ الْآيَتَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ فَفِيْ أَيِّ هٰذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ فَإِنِّيْ أُرِيْدُ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ اپنی ازواج کو یہ اختیار دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ابتداء کی، آپ نے فرمایا: بے شک میں تمہارے سامنے ایک بات کا ذکر کرتا ہوں، پس تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم عجلت (نہ) کرو حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو حالانکہ آپ کو خوب علم تھا کہ میرے والدین مجھے آپ سے الگ ہونے کا مشورہ نہیں دیں گے، حضرت عائشہ نے بیان کیا: پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ہے: اے نبی! آپ اپنی ازواج سے کہیے: (پوری دو آیتیں) میں نے عرض کیا: پس میں کس چیز کا اپنے والدین سے مشورہ کروں، پس بے شک میں اللہ کا اور اس کے رسول کا اور دار آخرت کا ارادہ کرتی ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۸۶ میں آرہی ہے۔

۵۔ بَابٌ: وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۲۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے O (الاحزاب: ۲۹) کی تفسیر

وَقَالَ قَتَادَةُ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللهِ وَالْحِكْمَةِ الْقُرْآنِ وَالْحِكْمَةُ السُّنَّةُ۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے ان کو یاد کرتی رہو۔ (الاحزاب: ۳۴) یعنی قرآن اور سنت کو یاد کرتی رہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: امام ابی حاتم نے اس تعلیق کو از معمر از قتادہ سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام عبدالرزاق کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۷۷)

۴۷۸۶۔ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ لَمَّا أُمِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِتَخْيِيرِ أَزْوَاجِهِ بَدَأَ بِي فَقَالَ إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ أَنْ لَا تَعْجَلِي حَتّٰى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ قَالَتْ وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ قَالَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ قَالَ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا إِلٰى اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۲۸۔۲۹) قَالَتْ فَقُلْتُ فَفِي أَيِّ هٰذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ فَإِنِّي أُرِيدُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ قَالَتْ ثُمَّ فَعَلَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ تَابَعَهُ مُوسَى بْنُ أَعْيَنَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَأَبُو سُفْيَانَ الْمَعْمَرِيُّ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ

اور لیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی ﷺ کی زوجہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار دیں تو آپ نے مجھ سے ابتداء کی، پس آپ نے فرمایا: میں تم سے ایک بات کا ذکر کرتا ہوں، سو اگر تم جلدی نہ کرو تو کوئی حرج نہیں ہے حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو، حضرت عائشہ نے کہا: حالانکہ آپ کو خوب علم تھا کہ میرے والدین مجھے آپ سے الگ ہونے کا مشورہ نہیں دیں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ جل ثناؤہٗ نے فرمایا: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے: کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ (یہ آیت اجرًا عظیمًا تک پڑھیں)، حضرت عائشہ نے بیان کیا: میں نے کہا: پس میں کس چیز میں اپنے والدین سے مشورہ کروں، پس بے شک میں اللہ کا ارادہ کرتی ہوں اور رسول کا ارادہ کرتی ہوں اور آخرت کے گھر کا ارادہ کرتی ہوں،

عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا۔

حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج نے بھی اسی کی مثل کیا۔ موسیٰ بن اعین نے لیث کی متابعت کی ہے از معمر از زہری، انہوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ نے خبر دی اور عبدالرزاق، ابوسفیان المعمر ی نے ازمعمر روایت کی ہے از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

ازواج مطہرات کو اختیار دینے کے متعدد اسباب اور ان کے درمیان تطبیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

ازواج کو اختیار دینے کا سبب یہ تھا جیسا کہ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دیکھ رہے ہو میرے گرد یہ ازواج بیٹھی ہوئی ہیں اور مجھ سے خرچ کا سوال کر رہی ہیں اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ آپ اپنی ازواج سے ایک مہینہ الگ رہے، پھر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: اے نبی! آپ اپنی ازواج سے کہیے اور یہ آیت اجر عظیم تک ہے (الاحزاب: ۲۹۔۲۸) پھر آپ نے عائشہ سے ابتداء کی جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے، اور کتاب النکاح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ایک طویل حدیث آئے گی جس میں ان دو ازواج کا قصہ ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت نہیں کی تھی، جب حضرت حفصہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راز حضرت عائشہ کو بتادیا تھا اور آپ نے ان پر شدید غم وغصہ کی وجہ سے فرمایا تھا کہ میں ازواج کے پاس ایک ماہ تک نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا، پھر جب انتیس (۲۹) دن گزر گئے تو آپ حضرت عائشہ کے پاس گئے اور ان سے ابتداء کی، انہوں نے عرض کیا کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ آپ ایک ماہ تک ہمارے پاس نہیں آئیں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ انتیس (۲۹) دن کا بھی ہوتا ہے اور وہ مہینہ انتیس دن کا تھا، حضرت عائشہ نے بیان کیا: پھر آپ پر اختیار دینے کی آیت نازل ہوگئی تو پھر آپ نے اپنی ازواج میں سے سب سے پہلے مجھ سے ابتداء کی، آپ نے فرمایا: میں تم سے ایک بات کا ذکر کرتا ہوں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم کوئی جلدی نہ کرو، اس سیاق سے یہ ظاہر ہے کہ یہ پوری روایت حضرت ابن عباس از حضرت عمر مروی ہے، اور جو روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ بھی حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور اس کی تصریح تفسیر ابن ابی حاتم میں مذکور ہے لیکن امام مسلم کی روایت میں زیادہ بہتر تفصیل ہے، اس طویل حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر نے ان دو ازواج کا قصہ بیان کیا جنہوں نے آپ سے موافقت نہیں کی تھی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا، عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ جب انتیس (۲۹) دن گزر گئے، پھر اس میں ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میں تم سے ایک بات کا ذکر کرتا ہوں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم کوئی جلدی نہ کرو حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کرلو، الحدیث۔ پس یہ دونوں حدیثیں اس پر متفق ہیں کہ اختیار دینے کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب ان سے الگ ہونے کے بعد ایک مہینہ گزر گیا اور یہ دونوں حدیثیں ازواج سے الگ ہونے کے سبب میں مختلف ہیں۔ ایک حدیث میں یہ بیان ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ ازواج نے خرچ میں اضافہ کا سوال کیا تھا اور دوسری حدیث میں یہ ہے کہ ازواج سے الگ ہونے کا سبب یہ ہے کہ دو ازواج نے آپ کے ساتھ موافقت نہیں کی تھی، جب حضرت حفصہ نے آپ کا راز حضرت عائشہ کو بتادیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت کتاب النکاح اور کتاب المظالم میں ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں باتیں ازواج سے الگ ہونے کا سبب ہوں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۷۷، مطبوعہ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

آپ نے جو ازواج کو اختیار دیا تھا آیا یہ اختیار دنیا اور آخرت کے درمیان تھا یا ان کو طلاق دینے اور نکاح کو برقرار رکھنے کے درمیان تھا؟

اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے جو ازواج کو اختیار دیا تھا یہ دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار تھا یا طلاق دینے اور آپ کے پاس رہنے کے درمیان اختیار تھا، علامہ الماوردی نے کہا ہے: اس میں علماء کے دو قول ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ طلاق دینے اور آپ کے پاس رہنے کے درمیان اختیار تھا، اسی طرح امام شافعی اور علامہ قرطبی نے کہا ہے۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ ایک امر دوسرے امر کو لازم ہے گویا کہ آپ نے ان کو یہ اختیار دیا کہ آپ ان کو طلاق دے دیں اور یہ گویا ان کو دنیا کا اختیار دیا، اور آپ نے ان کو آخرت کا اختیار دیا کہ آپ ان کو اپنے نکاح میں رکھیں، پھر مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ ان دونوں قولوں کا محمل یہ ہے کہ آیا آپ نے ان کو طلاق تفویض کر دی تھی یا نہیں؟ اسی وجہ سے امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو صرف دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا تھا۔

حضرت ام رومان کے نو (۹) ہجری تک زندہ رہنے پر دلیل

امام احمد اور طبری کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت ام رومان سے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس وقت حضرت ام رومان حیات تھیں، اور یہ اختیار دینے کا واقعہ نو (۹) ہجری کا ہے، اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت ام رومان چھ (٦) ہجری میں فوت ہو گئی تھیں۔

اختیار دینے کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو اختیار دینے کی ابتداء کی تھی اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی دلیل ہے اور حضرت عائشہ نے فرمایا: آپ کو معلوم تھا کہ میرے ماں باپ مجھے آپ سے الگ ہونے کا مشورہ نہیں دیں گے، اس میں ان کی ذہانت کی دلیل ہے اور ان کی عقل کے کمال اور ان کی رائے کی صحت کی دلیل ہے اس کے باوجود کہ وہ بہت کم عمر تھیں اور غیرت کامل عقل والی کو بھی نامناسب بات کہہ دینے پر برانگیختہ کرتی ہے، اس لیے حضرت عائشہ نے کہا: آپ دوسری ازواج کو یہ نہ بتائیں کہ میں نے کیا جواب دیا، لیکن چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ علم تھا کہ عورتوں میں جو طبعاً غیرت ہوتی ہے اور وہ سوکنوں کا بھلا نہیں چاہتیں، اس وجہ سے حضرت عائشہ نے یہ کہا ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کہنے پر عمل نہیں کیا۔

آیا اپنی ازواج کو اختیار دینا طلاق ہے یا نہیں

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اپنی ازواج کو طلاق یا اپنے نکاح میں رکھنے کا اختیار دینا یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے لیکن اس حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس اختیار کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اختصاص پر دلالت کرے، ہاں! بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں یہ اختیار طلاق اور نکاح میں برقرار رکھنے کے درمیان نہیں تھا اور امت کے حق میں اختیار دینا طلاق اور نکاح میں برقرار رکھنے کے درمیان ہے۔

٦ - بَابٌ: وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ أَحَقُّ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو

اَنْ تَخْشٰهُ۔ (الاحزاب: ۳۷) لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے۔ (الاحزاب: ۳۷) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کے شروع کا حصہ یہ ہے:

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ۔ (الاحزاب: ۳۷)

اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے قصہ کے متعلق علامہ عینی کی عبارت

یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا اور اس کا قصہ کتب تفسیر میں مذکور ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے گھر کسی کام سے گئے تو آپ نے ان کی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو دیکھا جو اپنی قمیص پہنے اور اپنا دوپٹا اوڑھے کھڑی تھیں تو وہ آپ کو اچھی لگیں تو گویا کہ وہ آپ کے دل میں اتر گئیں تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ دلوں کو پلٹنے والے، اور آپ واپس چلے گئے تو حضرت زینب نے حضرت زید سے یہ واقعہ ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے دل میں ان کی کراہت ڈال دی تو انہوں نے حضرت زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، سو کہا: میں اپنی بیوی سے الگ ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا: اور یاد کرو جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی اس کو اسلام کی توفیق دی ہے اور وہ شخص حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے اور آپ نے بھی اس پر انعام فرمایا یعنی آپ نے ان کو آزاد کر دیا اور فرمایا: آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے یعنی اگر حضرت زید بن حارثہ نے حضرت زینب کو طلاق دے دی اور آپ نے ان سے نکاح کر لیا، اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ آپ اپنے دل میں حضرت زینب کی محبت کو چھپاتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا ہے اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا یعنی آپ لوگوں سے حیاء فرماتے تھے، حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ آپ کو یہ خوف تھا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ آپ نے اس مرد کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے، پھر جب اس نے طلاق دے دی تو آپ نے ان سے نکاح کر لیا، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ کے اوپر اس سے زیادہ سخت آیت نازل نہیں ہوئی کہ اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرتے تھے اور اللہ سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ صرف اس سے ڈریں اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈریں، اور آپ اللہ ہی سے ڈرتے تھے لیکن آپ کو لوگوں کے طعنوں کا بھی اندیشہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ اپنا خوف صرف اللہ کے لیے رکھیں، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر کوئی طعن نہیں ہے کیونکہ بندے کے دل میں جو خیالات آئیں اس پر اسے کوئی ملامت نہیں کی جاتی جب تک کہ وہ اس میں کسی گناہ کا ارادہ نہ

کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۸۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيهِ﴾ (الاحزاب: ۳۷) نَزَلَتْ فِي شَأْنِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ۔

(صحیح البخاری: ۷۴۲۰، سنن ترمذی: ۳۲۱۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد الرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معلٰی بن منصور نے حدیث بیان کی از حماد بن زید، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہ بے شک یہ آیت: وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيهِ (الاحزاب: ۳۷) اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا۔ حضرت زینب بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے قصہ کے متعلق حافظ ابن حجر کی عبارت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب التوحید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت زینب کی شکایت کرتے ہوئے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما رہے تھے: تم اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو، حضرت انس نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے۔ حضرت انس نے بیان کیا کہ حضرت زینب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کے اوپر فخر کیا کرتی تھیں (الحدیث) اور امام ابن ابی حاتم نے اس قصہ کو سدی کی سند سے زیادہ عمدہ اور وضاحت سے بیان کیا ہے اور اس کی عبارت یہ ہے: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان کی والدہ اُمیمہ بنت عبد المطلب تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ کیا کہ وہ حضرت زینب کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے کر دیں جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے، پہلے انہوں نے اس رشتہ کو ناپسند کیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز پر راضی ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے کر دیا، پھر اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ زید بن حارثہ سے حضرت زینب کے نکاح کے بعد حضرت زینب آپ کے نکاح میں داخل ہو جائیں گی تو آپ اس سے حیاء فرماتے تھے کہ آپ حضرت زید بن حارثہ کو یہ حکم دیں کہ وہ حضرت زینب کو طلاق دیں اور حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب کے درمیان مسلسل لڑائی جھگڑے رہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور آپ کو یہ خدشہ تھا کہ لوگ آپ کو یہ طعنہ دیں گے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے خود نکاح کر لیا کیونکہ آپ حضرت زید کو اپنا بیٹا بنا چکے تھے اور امام ابن ابی حاتم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ بے شک حضرت زینب آپ کی ازواج میں داخل ہو جائیں گی، پس جب آپ کے پاس حضرت زید حضرت زینب کی شکایت کرنے کے لیے آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں خبر دے چکا ہوں کہ بے شک میں تمہارا نکاح ان سے کر دوں گا اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور حکیم ترمذی نے اس روایت کو ثابت کرنے کے لیے بہت طویل بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ پوشیدہ علم کے جواہر میں سے ہے

اور گویا کہ وہ سدی کی تفسیر سے واقف نہیں ہوئے جس کو میں بیان کر چکا ہوں اور وہ زیادہ واضح ہے اور اس کی سند زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہے، وہ ضعیف راوی ہے اور امام عبد الرزاق نے از معمر از قتادہ یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ کے پاس حضرت زید بن حارثہ آئے، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! زینب کی زبان بہت لمبی اور سخت ہے اور میں اس کو طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ وہ زینب کو طلاق نہ دیں اور لوگوں کی نکتہ چینی سے ڈرتے تھے، اس سلسلے میں اور بھی آثار مروی ہیں جن کی امام ابن ابی حاتم نے اور طبری نے روایت کی ہے اور ان کو اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے اور ان میں مشغول ہونا مناسب نہیں ہے اور جس روایت کو میں نے نقل کیا ہے وہی معتمد ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو مخفی رکھتے تھے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی تھی کہ وہ عنقریب آپ کی زوجہ ہو جائیں گی اور جو چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر کو چھپانے پر برانگیختہ کرتی تھی وہ یہ تھی کہ (لوگ کہیں گے کہ) انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ زمانہ جاہلیت کے اس رواج کو باطل کر دیا جائے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کے حکم میں نہیں ہوتا، اور اس کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کی قوی دلیل یہی ہو سکتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح فرمالیں تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل لوگوں کے لیے نمونہ بن جائے اور یہ لوگوں کے عمل کے لیے زیادہ قوی سبب ہو، مفسرین کو خبط میں خشیت کی تاویل نے مبتلاء کیا، امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی وحی کو چھپا سکتے تو اس آیت کو چھپا لیتے یعنی وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ (الاحزاب: ۳۷) (اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے: جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا۔) پھر آپ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ (الاحزاب: ۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زید کو بیٹا بنایا تھا تو وہ چھوٹے اور کم سن تھے حتیٰ کہ وہ بڑے ہو کر مرد بن گئے تو انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَ مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ۔ (الاحزاب: ۵،۴)

اور (اللہ نے) نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے، یہ تمہارا صرف زبانی کہنا ہے اور اللہ حق بات کہتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے ۝ اور منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف پسند بات ہے۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے صرف اتنا کہا تھا کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو، پھر حضرت زید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب سے ان کی زبان درازی کی وجہ سے اپنی نفرت پر مطلع کیا اور ان کو طلاق دینے کی اجازت طلب کی اور ان کو طلاق دے دی۔

امام مسلم، امام احمد اور امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ جب حضرت زینب کی عدت پوری ہو گئی تو

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا: تم حضرت زینب کے پاس جا کر میرا ذکر کرو، انہوں نے کہا: پس میں گیا اور میں نے کہا: اے زینب! تمہیں مبارک اور خوش خبری ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا ہے اور وہ تمہارا ذکر فرما رہے تھے، انہوں نے کہا: میں اس وقت تک کچھ نہیں کروں گی حتیٰ کہ اپنے رب سے مشورہ کرلوں، پس حضرت زینب کھڑی ہو کر اپنے نماز پڑھنے کی جگہ گئیں اور قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوگئی:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (الاحزاب: ۳۷) پھر جب زید نے اس کو طلاق دے کر اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس بغیر اجازت کے داخل ہو گئے اور یہ اس واقعہ کا سب سے بلیغ قصہ ہے، اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ عورت کے لیے استخارہ کرنا مستحب ہے، اور وہ منگنی کو قبول کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور یہ کہ جو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس چیز کو آسان کر دیتا ہے جس کا اس کے لیے اس کی دنیا اور آخرت کے لیے زیادہ نفع ہو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۹۔ ۷۷۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۔ بَابٌ: تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِىْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ۔ (الاحزاب: ۳۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ان ازواج میں سے جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس بیوی سے آپ الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب کرلیں تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے (الاحزاب: ۵۱) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں، مفسرین میں سے الواحدی نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ازواج کو اختیار دینے کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے کیونکہ بعض ازواج مطہرات اس سے ڈریں کہ آپ ان کو طلاق دے دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ازواج کی باریوں کی تقسیم کو آپ کے سپرد کر دیا اور فرمایا: تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ یعنی آپ جس کو چاہیں مؤخر کر دیں وَتُـْٔوِىْٓ یعنی آپ جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں، ازواج کے معاملہ کو آپ کے سپرد کر دیا یعنی آپ جس کو چاہیں اس کی باری مؤخر کر دیں اور جس کو چاہیں اس کی باری سے پہلے اپنے پاس بلا لیں آپ پر اس میں کوئی تنگی نہیں ہے، اس آیت میں آپ کو تمام مردوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷۰)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تُرْجِىْ تُؤَخِّرُ أَرْجِئْهُ أَخِّرْهُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تُرْجِىْ کا معنی ہے: آپ مؤخر کر دیں، أَرْجِئْهُ کا معنی ہے: تم اس کو مؤخر کر دو۔

حضرت ابن عباس نے جو تُرْجِىْ کا معنی بیان کیا ہے اس کو امام ابن حاتم نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس حکم کے ساتھ سیدنا رسول اللہ ﷺ کو خاص کر دیا گیا ہے اور امام بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ أَرْجِئْهُ کا معنی ہے کہ تم اس کو مؤخر کر دو تو أَرْجِئْهُ کا لفظ سورۃ الاعراف اور سورۃ الشعراء میں ہے اور امام بخاری نے اس کو یہاں تجاوز کر دیا ہے۔

۴۷۸۸۔ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ هِشَامٌ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ كُنْتُ أَغَارُ عَلَى اللَّاتِي وَهَبْنَ أَنْفُسَهُنَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے زکریا بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی: ہشام نے کہا: انہوں نے ہمیں اپنے والد سے حدیث بیان کی از حضرت

لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَقُوْلُ أَتَهَبُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا فَلَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ﴾ (الاحزاب:۵۱) قُلْتُ مَا أُرَى رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۱۳، صحیح مسلم: ۱۴۶۴، سنن نسائی: ۳۱۹۰)

عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے کہا: مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہبہ کرتی تھیں اور میں کہتی تھی: کیا کوئی عورت اپنا نفس ہبہ کرسکتی ہے، پس جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ (الاحزاب:۵۱) ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس بیوی سے سے آپ الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب فرمالیں تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ تو میں نے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور اپنا نفس ہبہ کرنے والی عورتوں کا بیان

میں ان پر غیرت کرتی تھی: اس کا معنی ہے: میں ان پر عیب لگاتی تھی۔

اور جو اس حدیث میں ہے کہ جو عورتیں اپنا نفس ہبہ کرتی تھیں: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہبہ کرنے وای عورتیں ایک سے زیادہ تھیں۔ امام ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے خولہ بنت حکیم تھیں اور الشعبی کی روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے ام شریک تھیں اور ابوعبیدہ کی روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے فاطمہ بنت شریح تھیں اور بعض کی روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے لیلیٰ بنت الحطیم تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے میمونہ بنت الحارث تھیں۔

حضرت عائشہ نے کہا: میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی کرتا ہے: یعنی اللہ تعالیٰ بغیر کسی تاخیر کے وہ کام کر دیتا ہے جس کو آپ پسند کرتے ہیں اور جس سے آپ راضی ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جن عورتوں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا تھا ان کے متعلق احادیث

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عنقریب کتاب النکاح میں یہ حدیث آئے گی کہ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا (الحدیث) اور اس حدیث میں اس مرد کا قصہ ہے جس نے ان کو طلب کیا تھا تو آپ نے فرمایا: جا کر اس کا مہر تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو اور حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے عرض کیا: میری ایک بیٹی ہے، پھر اس نے اس کا حسن و جمال ذکر کیا اور کہا: میں نے اس کو آپ کے لیے پسند کرلیا تو آپ نے فرمایا: میں اس کو قبول نہیں کرتا، پھر وہ اس کا ذکر کرتی رہی حتیٰ کہ کہا: اس کے سر میں کبھی درد نہیں ہوا، آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری بیٹی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس حدیث کی امام احمد نے بھی روایت کی ہے اور یقیناً یہ کوئی اور عورت ہے، اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عائشہ کی اس روایت میں کہا ہے: جس عورت نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا تھا وہ خولہ بنت حکیم تھی اور عنقریب کتاب النکاح میں اس پر بحث آئے گی، کیونکہ امام بخاری نے اس کی طرف اپنی تعلیق میں اشارہ کیا ہے، اور امام نسائی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ اپنا نفس ہبہ کرنے والیوں میں ام

شریک تھیں اور امام ابوعبیدہ سے معمر نے روایت کی ہے کہ اپنا نفس ہبہ کرنے والوں میں فاطمہ بنت شریح تھیں اور ایک قول ہے کہ لیلیٰ بنت الحطیم بھی ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے اپنا نفس ہبہ کیا تھا اور شعبی سے روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے زینب بنت خزیمہ بھی تھیں اور یہ ثابت نہیں ہے، اور قتادہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ان عورتوں میں سے میمونہ بنت الحارث تھیں مگر اس حدیث کی سند منقطع ہے، مگر یہ ایک اور ضعیف سند سے مروی ہے اور اس کے معارض یہ ہے کہ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ایسی کوئی عورت نہیں تھی جس نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کیا ہو، اس حدیث کی امام طبری نے روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے کسی ایسی عورت کے ساتھ دخول نہیں کیا جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا ہو ہر چند کہ یہ آپ کے لیے مباح تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الاحزاب:۵۰)

اور وہ مومنہ عورت بھی آپ کے لیے حلال ہے جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں، یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۸۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷۸۹۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنْ مُعَاذَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسْتَأْذِنُ فِي يَوْمِ الْمَرْأَةِ مِنَّا بَعْدَ أَنْ أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ (الاحزاب:۵۱) فَقُلْتُ لَهَا مَا كُنْتِ تَقُولِينَ قَالَتْ كُنْتُ أَقُولُ لَهُ إِنْ كَانَ ذَاكَ إِلَيَّ فَإِنِّي لَا أُرِيدُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنْ أُوثِرَ عَلَيْكَ أَحَدًا تَابَعَهُ عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ سَمِعَ عَاصِمًا۔

(صحیح مسلم: ۱۴۷۶، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم الاحول نے خبر دی از معاذۃ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہم میں سے کسی زوجہ کی باری کے متعلق اجازت طلب کرتے تھے، وہ آیت یہ ہے: تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ (الاحزاب:۵۱) ان ازواج میں آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس بیوی سے آپ الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب کر لیں تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ معاذہ نے کہا: میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا آپ کیا فرماتی ہیں؟ انہوں نے کہا: میں آپ سے یہ کہتی تھی کہ اگر یہ معاملہ میرے سپرد ہو یا رسول اللہ! تو میں آپ کے اوپر کسی کو ترجیح دینے کا ارادہ نہیں کروں گی۔ عبد اللہ بن عباد نے عباد بن عباد کی متابعت کی ہے جنہوں نے عاصم سے سنا ہے۔

الاحزاب:۵۱ کی تفسیر میں تین اقوال

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ۔ ان ازواج میں آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں۔ (الاحزاب:۵۱)

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا: آپ ہمیں طلاق نہ دیں اور ہمارے لیے جس طرح چاہیں باری مقرر فرما دیں تو آپ ان میں سے بعض کے لیے برابر برابر باری مقرر فرماتے اور یہ وہ ازواج تھیں جن کو آپ نے اپنے پاس رکھا تھا اور باقی ازواج کے لیے آپ جس طرح چاہتے باری مقرر فرماتے اور یہ وہ ازواج تھیں جن کو آپ نے خود سے دور رکھا تھا، خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) آپ جس کو چاہیں طلاق دے دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں۔

(۲) آپ جس زوجہ کو چاہیں بغیر طلاق کے اپنے پاس سے الگ کر دیں اور دوسری ازواج کے لیے باریاں مقرر کر دیں۔

(۳) جو عورتیں اپنا نفس آپ کو ہبہ کرتی ہیں آپ ان میں سے جس کو چاہیں قبول فرمالیں اور جس کو چاہیں مسترد کر دیں۔

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے جیسا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ آپ ان ازواج میں سے کسی سے الگ نہیں ہوئے، زہری نے کہا ہے کہ مجھے علم نہیں کہ آپ اپنی ازواج سے کسی سے الگ ہوئے ہوں، قتادہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی ہے کہ آپ جس طرح چاہیں ازواج کی باریاں مقرر فرمائیں مگر آپ نے صرف برابر برابر باریاں مقرر کیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۸۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۸۔ بَابٌ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ؗ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ۝ (الاحزاب:۵۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو، بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں، اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک اللہ کے نزدیک یہ

بہت سنگین بات ہےO (الاحزاب: ۵۳) کی تفسیر

يُقَالُ إِنَاهُ إِدْرَاكُهُ أَنَى يَأْنِي أَنَاةً۔

کہا جاتا ہے: إِنَاهُ اس کا معنی ہے: إِدْرَاكُهُ یعنی اس کا پکنا اور تیار ہونا انی یانی اناءۃً اس کا معنی ہے: وقت کا آنا اور پکنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ۔ (الاحزاب: ۵۳)

کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو۔

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا إِذَا وَصَفْتَ صِفَةَ الْمُؤَنَّثِ قُلْتَ قَرِيبَةً وَإِذَا جَعَلْتَهُ ظَرْفًا وَبَدَلًا وَلَمْ تُرِدِ الصِّفَةَ نَزَعْتَ الْهَاءَ مِنَ الْمُؤَنَّثِ وَكَذٰلِكَ لَفْظُهَا فِي الْوَاحِدِ وَالِاثْنَيْنِ وَالْجَمِيعِ لِلذَّكَرِ وَالْأُنْثَى۔

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا۝ اس کا معنی ہے: اور اے مخاطب تجھے کیا پتا کہ شاید قیامت عنقریب واقع ہو (الاحزاب: ۶۳) یہاں یہ ظاہر یہ اشکال ہے کہ الساعۃ مونث ہے تو قریبۃ کا لفظ ہونا چاہیے تھا کیونکہ جب تم مونث کی صفت لاؤ تو قریبۃ لاتے ہو اور جب تم اس کو ظرف اور بدل لاؤ تو تم مونث کی تاء کو حذف کر دیتے ہو اور اس میں واحد، تثنیہ اور جمع اور مذکر اور مونث سب برابر ہوتے ہیں۔

۴۷۹۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رضی الله عنه قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ يَدْخُلُ عَلَيْكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ أَمَرْتَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِالْحِجَابِ فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ الْحِجَابِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے پاس نیک اور بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، پس آپ امہات المومنین کو حجاب میں رہنے کا حکم دیں تو اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیت نازل فرما دی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۲ میں گزر چکی ہے۔

۴۷۹۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الرَّقَاشِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ حَدَّثَنَا أَبُو مِجْلَزٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ لَمَّا تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ دَعَا الْقَوْمَ فَطَعِمُوا ثُمَّ جَلَسُوا يَتَحَدَّثُونَ وَإِذَا هُوَ كَأَنَّهُ يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ قَامَ فَلَمَّا قَامَ قَامَ مَنْ قَامَ وَقَعَدَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَجَاءَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم لِيَدْخُلَ فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ ثُمَّ إِنَّهُمْ قَامُوا فَانْطَلَقْتُ فَجِئْتُ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صلی الله علیه وسلم أَنَّهُمْ قَدِ انْطَلَقُوا فَجَاءَ حَتَّى دَخَلَ فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ فَأَلْقَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبداللہ الرقاشی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے، وہ کہتے تھے: ہمیں ابومجلز نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپ نے لوگوں کو بلایا، پس انہوں نے کھانا کھایا، پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور اس وقت آپ گویا اٹھنے کے لیے تیار ہوئے، پس لوگ نہیں اٹھے، جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے، پھر جب آپ کھڑے ہو گئے تو جنہوں نے کھڑے ہونا تھا وہ

الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ﴾ الْآيَةَ (الاحزاب:۵۳)
(صحیح مسلم:۱۴۲۸، سنن نسائی:۳۲۴۸)

کھڑے ہو گئے اور تین شخص بیٹھے رہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہونے کے لیے آئے تو اس وقت (بھی) وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، پھر وہ لوگ کھڑے ہو گئے، پھر میں بھی چلا گیا، پس میں آیا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی وہ لوگ چلے گئے ہیں، پس آپ آئے حتیٰ کہ اندر داخل ہو گئے تو میں داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان حجاب ڈال دیا، پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ (الاحزاب:۵۳)
اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو۔

۴۷۹۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَا أَعْلَمُ النَّاسِ بِهَذِهِ الْآيَةِ آيَةِ الْحِجَابِ لَمَّا أُهْدِيَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ رضی اللہ عنہا إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَتْ مَعَهُ فِي الْبَيْتِ صَنَعَ طَعَامًا وَدَعَا الْقَوْمَ فَقَعَدُوا يَتَحَدَّثُونَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْرُجُ ثُمَّ يَرْجِعُ وَهُمْ قُعُودٌ يَتَحَدَّثُونَ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ إِلَى قَوْلِهِ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ الْآيَةَ (الاحزاب:۵۳) فَضُرِبَ الْحِجَابُ وَقَامَ الْقَوْمُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی قلابہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمام لوگوں سے زیادہ اس آیت کو جانتا ہوں جو آیت حجاب ہے، جب حضرت زینب جحش رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیش کیا گیا وہ آپ کے ساتھ گھر میں تھیں، آپ نے کھانا تیار کیا اور لوگوں کو بلایا، پس وہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلتے، پھر لوٹ آتے اور وہ اسی طرح بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو (الاحزاب:۵۳) یہ آیت یہاں تک ہے مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ یعنی پردے کے پیچھے سے۔ پس پردہ گرا دیا گیا اور لوگ اٹھ گئے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابوعبیدہ نے کہا: حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ نکاح تین (۳) ہجری میں ہوا، اور قتادہ نے کہا: پانچ (۵) ہجری میں ہوا تھا، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

وہ لوگ کھانا کھانے کے بعد گھر سے نہیں نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار گھر سے نکل کر باہر جاتے اور لوٹ آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے حیاء فرماتے تھے کہ آپ ان سے فرمائیں کہ تم اٹھ کر چلے جاؤ۔

حضرت زینب بن جحش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیش کیا گیا: یعنی کسی عورت نے ان کا بناؤ سنگھار کر کے دلہن بنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیش کیا۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۷۴)

۴۷۹۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے

عنه قَالَ بُنِيَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ فَأُرْسِلْتُ عَلَى الطَّعَامِ دَاعِيًا فَيَجِيءُ قَوْمٌ فَيَأْكُلُونَ وَيَخْرُجُونَ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ فَيَأْكُلُونَ وَيَخْرُجُونَ فَدَعَوْتُ حَتَّى مَا أَجِدُ أَحَدًا أَدْعُو فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ مَا أَجِدُ أَحَدًا أَدْعُوهُ قَالَ ارْفَعُوا طَعَامَكُمْ وَبَقِيَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ يَتَحَدَّثُونَ فِي الْبَيْتِ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَانْطَلَقَ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللهِ فَقَالَتْ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ كَيْفَ وَجَدْتَ أَهْلَكَ بَارَكَ اللهُ لَكَ فَتَقَرَّى حُجَرَ نِسَائِهِ كُلِّهِنَّ يَقُولُ لَهُنَّ كَمَا يَقُولُ لِعَائِشَةَ وَيَقُلْنَ لَهُ كَمَا قَالَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ رَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ فَإِذَا ثَلَاثَةٌ مِنْ رَهْطٍ فِي الْبَيْتِ يَتَحَدَّثُونَ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ شَدِيدَ الْحَيَاءِ فَخَرَجَ مُنْطَلِقًا نَحْوَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَمَا أَدْرِي آخْبَرْتُهُ أَوْ أُخْبِرَ أَنَّ الْقَوْمَ خَرَجُوا فَرَجَعَ حَتَّى إِذَا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي أُسْكُفَّةِ الْبَابِ دَاخِلَةً وَأُخْرَى خَارِجَةً أَرْخَى السِّتْرَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ وَأُنْزِلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ۔

کہا: ہمیں عبدالعزیز بن صہیب نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا گیا تو آپ نے روٹیاں اور گوشت تیار کرایا، پھر میں نے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، پس لوگ آتے کھانا کھاتے اور چلے جاتے، پھر دوسرے لوگ آتے وہ کھانا کھاتے اور چلے جاتے، پس میں لوگوں کو دعوت دیتا رہا حتیٰ کہ کوئی ایک شخص باقی نہیں رہا کہ جس کو میں دعوت دوں تو میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں کسی ایک شخص کو بھی نہیں پاتا کہ جس کو میں دعوت دوں، آپ نے فرمایا: تم اپنا کھانا اٹھالو اور تین آدمی باقی رہ گئے جو گھر میں باتیں کر رہے تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف باہر نکلے تو آپ نے فرمایا: اے اہل بیت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حضرت عائشہ نے جواب دیا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ، آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا، اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں گئے اور ان سے اسی طرح بات کی جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تھی اور انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا جس طرح حضرت عائشہ نے جواب دیا تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس آئے تو وہ تین شخص اسی طرح باتیں کر رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ حیاء فرماتے تھے، آپ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف چل پڑے، مجھے پتا نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی یا کسی اور نے خبر دی کہ لوگ گھر سے نکل گئے ہیں، پس آپ واپس آئے حتیٰ کہ آپ نے اپنا ایک پیر دروازے کی چوکھٹ پر داخل ہونے کے لیے رکھا اور دوسرا پیر باہر تھا، پھر آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور حجاب کی آیت نازل ہوگئی۔

اس حدیث کی وہی شرح ہے جو صحیح البخاری: ۴۷۹۱ میں ہے۔

علامہ عینی نے بعض مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں:

بُنِیَ: اس کا معنی ہے: بیوی کے پاس داخل ہونا اور اس کی اصل یہ ہے کہ مرد جب کسی عورت سے نکاح کرے تو ان کے لیے خیمہ یا کمرہ بنادیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ دخول کرے۔

فَتَقَرّٰی: یعنی آپ ایک ایک کر کے ہر حجرے میں گئے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۹۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَكْرٍ السَّهْمِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ أَوْلَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ بَنَى بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَأَشْبَعَ النَّاسَ خُبْزًا وَلَحْمًا ثُمَّ خَرَجَ إِلَى حُجَرِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ صَبِيحَةَ بِنَائِهِ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِنَّ وَيُسَلِّمْنَ عَلَيْهِ وَيَدْعُو لَهُنَّ وَيَدْعُونَ لَهُ فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ رَأَى رَجُلَيْنِ جَرَى بِهِمَا الْحَدِيثُ فَلَمَّا رَآهُمَا رَجَعَ عَنْ بَيْتِهِ فَلَمَّا رَأَى الرَّجُلَانِ نَبِيَّ اللهِ ﷺ رَجَعَ عَنْ بَيْتِهِ وَثَبَا مُسْرِعَيْنِ فَمَا أَدْرِي أَنَا أَخْبَرْتُهُ بِخُرُوجِهِمَا أَمْ أُخْبِرَ فَرَجَعَ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ وَأَرْخَى السِّتْرَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ وَأُنْزِلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ سَمِعَ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن بکر السہمی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت زینب بنت جحش کو پیش کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ولیمہ کیا، پس تمام لوگ روٹیوں اور گوشت سے سیر ہو گئے، پھر آپ امہات المومنین کے حجروں کی طرف نکلے جیسا کہ آپ شب باشی کی صبح کو کرتے تھے، پس آپ نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور آپ نے ان کو دعا دی اور انہوں نے آپ کو دعا دی، پھر جب آپ اپنے گھر کی طرف واپس گئے تو آپ نے دیکھا کہ دو مردوں کے درمیان باتیں جاری ہیں، پس جب آپ نے ان دونوں کو دیکھا تو اپنے گھر واپس گئے، پس جب ان دو مردوں نے نبی اللہ ﷺ کو دیکھا تو وہ بہت تیزی سے آپ کے گھر سے لوٹ گئے، پس مجھے معلوم نہیں کہ میں نے ان کے نکلنے کی خبر دی تھی یا آپ کو وحی کے ذریعے خبر دی گئی تھی، پس آپ واپس آئے حتیٰ کہ گھر میں داخل ہو گئے اور آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ لٹکا دیا اور آیت حجاب نازل ہوئی، ابن ابی مریم نے کہا: ہمیں یحییٰ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی حمید نے، انہوں نے حضرت انس سے سنا، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح وہی ہے جو صحیح البخاری: ۴۷۹۱ کی شرح ہے۔

علامہ عینی نے بعض مشکل الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

صَبِيحَةَ بِنَائِهِ: یعنی شب زفاف کے بعد کی صبح۔

آپ نے دو مردوں کو دیکھا: اس سے پہلی حدیث میں تین مردوں کا ذکر تھا اور مفہوم عدد کا اعتبار نہیں ہوتا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ باتیں دو آدمی کر رہے تھے اور تیسرا خاموش تھا اور تیسرا جواب یہ ہے کہ پہلے تین آدمی تھے، پھر ان میں سے ایک اٹھ کر چلا گیا تو باقی دو رہ گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ صفحہ ۱۷۶)

۴۷۹۵۔ حَدَّثَنِي زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ خَرَجَتْ سَوْدَةُ بَعْدَمَا ضُرِبَ الْحِجَابُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے زکریا بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں:

لِحَاجَتِهَا وَكَانَتْ امْرَأَةً جَسِيمَةً لَا تَخْفَى عَلَى مَنْ يَعْرِفُهَا فَرَآهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ يَا سَوْدَةُ أَمَا وَاللهِ مَا تَخْفَيْنَ عَلَيْنَا فَانْظُرِي كَيْفَ تَخْرُجِينَ قَالَتْ فَانْكَفَأَتْ رَاجِعَةً وَرَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِي وَإِنَّهُ لَيَتَعَشَّى وَفِي يَدِهِ عَرْقٌ فَدَخَلَتْ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي خَرَجْتُ لِبَعْضِ حَاجَتِي فَقَالَ لِي عُمَرُ كَذَا وَكَذَا قَالَتْ فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ ثُمَّ رُفِعَ عَنْهُ وَإِنَّ الْعَرْقَ فِي يَدِهِ مَا وَضَعَهُ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ۔

پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اپنے کسی کام کے سبب گھر سے باہر نکلیں اور یہ بھاری جسم والی عورت تھی، جو شخص ان کو پہچانتا ہو وہ اس پر مخفی نہیں رہتی تھیں، پس ان کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو انہوں نے کہا: اے سودہ! سنیے! اللہ کی قسم! آپ ہم پر مخفی نہیں ہیں آپ غور کیجئے آپ کیسے نکل رہی ہیں، حضرت عائشہ نے بتایا کہ حضرت سودہ مڑ کر واپس گئیں اور رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں کھانا تناول فرما رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں گوشت والی ہڈی تھی، وہ اندر آئیں اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اپنے کسی کام سے نکلی تھی، پس مجھ سے حضرت عمر نے اس طرح اور اس طرح کہا۔ حضرت عائشہ نے بتایا: پس اللہ نے آپ کی طرف وحی کی، پھر آپ سے وحی منقطع ہوئی اور گوشت والی ہڈی آپ کے ہاتھ میں تھی جس کو آپ نے ابھی رکھا نہیں تھا، پس آپ نے فرمایا: تم ازواج کے لیے اجازت دی گئی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلا کرو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۶ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی نے اس حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

حضرت سودہ نکلیں: یہ حضرت سودہ بنت زمعہ ام المومنین ہیں۔

پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد: کتاب الطہارت میں یہ گزر چکا ہے کہ یہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، علامہ کرمانی نے لکھا ہے: شاید یہ واقعہ دو مرتبہ ہوا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ تھا کہ نبی ﷺ کی ازواج پر اجنبی مردوں کی نظریں نہ پڑیں حتیٰ کہ انہوں نے اس کی تصریح کی اور کہا: آپ اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیں حتیٰ کہ پردہ کے احکام نازل ہو گئے، پھر ان کا ارادہ یہ تھا کہ ازواج مطہرات کا بدن بالکل ظاہر نہ ہو خواہ وہ مستور ہوں تو انہوں نے اس میں مبالغہ کیا اور حضرت عمر کو اس سے منع کیا گیا اور ازواج مطہرات کو اپنی ضرورت کے کاموں میں نکلنے کی اجازت دی گئی تاکہ ان کو مشقت اور حرج نہ ہو۔

اس باب میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں وہ سب حجاب سے متعلق ہیں۔

حجاب کے احکام کی تفصیل

قاضی عیاض نے کہا ہے: نبی ﷺ کی ازواج کے اوپر حجاب فرض کیا گیا ہے اور یہ ان پر بالاتفاق فرض ہے اور ان کے لیے چہرے اور ہتھیلیوں کو بھی کھولنا جائز نہیں ہے نہ شہادت کے موقع پر اور نہ کسی اور موقع پر اور ان کے لیے اپنے جسم کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ قضائے حاجت کے لیے گھر سے باہر جائیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ازواج مطہرات کے سوا دوسری عورتوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے کاموں میں گھر سے باہر جا سکتی ہیں لیکن ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام اعضاء کو مستور رکھیں اور اپنی کسی زینت کو ظاہر نہ کریں اور نہ اپنی آواز بلند کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷۶-۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابٌ: اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ فِیْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِیْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۵۵﴾ (الاحزاب: ۵۴۔۵۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اگر تم کسی بات کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو تو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O ان خواتین پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ دادا اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی ہم دین خواتین اور اپنی باندیوں سے پردہ نہ کریں اور تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے O (الاحزاب: ۵۵۔۵۴) کی تفسیر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے نکاح کے حرام ہونے کی سخت حرمت اور جن رشتہ داروں سے پردہ لازم ہے ان کی تفصیل

علامہ عینی ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے نکاح کے متعلق کوئی بات اپنی زبانوں پر لاؤ یا تم اس قسم کی بات کو اپنے سینوں میں چھپاؤ تو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے، وہ تم کو سخت عذاب دے گا اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا کسی سے نکاح کرنا حرام ہو چکا ہے اس لیے بیت المال سے ان کا خرچ ادا کرنا لازم ہے اور اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ پس ایک قول یہ ہے کہ ان پر عدت واجب نہیں ہے کیونکہ عدت میں دوسرے نکاح کا انتظار ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان پر عدت واجب ہے کیونکہ عدت گزارنا عبادت ہے خواہ اس کے بعد کسی دوسرے نکاح کا انتظار ہو یا نہ ہو۔

مفسرین نے کہا کہ جب آیت حجاب نازل ہوئی تو عورتوں کے باپوں اور بیٹوں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! کیا ہم بھی ان سے پردہ کے پیچھے سے بات کیا کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کہ ان رشتہ داروں کے حق میں پردہ کرنا لازم نہیں ہے، اس آیت میں چچا کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ باپ کی مثل ہے اور نہ ماموں کا ذکر کیا کیونکہ وہ بھائی کی مثل ہے اور فرمایا: اور تم اللہ سے ڈرتی رہو یعنی ان رشتہ داروں کے علاوہ کوئی اور تم کو دیکھے تو تم اللہ سے ڈرتی رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ صفحہ ۱۷۸۔۱۷۷)

۴۷۹۶۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْیَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ حَدَّثَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها قَالَتْ اسْتَاْذَنَ عَلَیَّ اَفْلَحُ اَخُوْ اَبِی الْقُعَیْسِ بَعْدَ مَا اُنْزِلَ الْحِجَابُ فَقُلْتُ لَا آذَنُ لَهُ حَتّٰی اَسْتَاْذِنَ فِیْهِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاِنَّ اَخَاهُ اَبَا الْقُعَیْسِ لَیْسَ هُوَ اَرْضَعَنِیْ وَلٰكِنْ اَرْضَعَتْنِی امْرَاَةُ اَبِی الْقُعَیْسِ فَدَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ لَهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن زبیر نے حدیث بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد ابوالقعیس کے بھائی افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو میں نے کہا: میں اس کو اجازت نہیں دوں گی حتیٰ کہ میں اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلوں کیونکہ ابوالقعیس کے

إِنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ اسْتَأْذَنَ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتَّى أَسْتَأْذِنَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا مَنَعَكِ أَنْ تَأْذَنِي عَمُّكِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَيْسَ هُوَ أَرْضَعَنِي وَلَكِنْ أَرْضَعَتْنِي امْرَأَةُ أَبِي الْقُعَيْسِ فَقَالَ ائْذَنِي لَهُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ تَرِبَتْ يَمِينُكِ قَالَ عُرْوَةُ فَلِذَلِكَ كَانَتْ عَائِشَةُ تَقُولُ حَرِّمُوا مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا تُحَرِّمُونَ مِنَ النَّسَبِ۔

بھائی نے مجھے دودھ نہیں پلایا لیکن ابوالقعیس کی بیوی نے مجھ کو دودھ پلایا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ سے پوچھا: یا رسول اللہ! بے شک افلح جو ابوالقعیس کا بھائی ہے اس نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی تھی تو میں نے اس کو اجازت دینے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ میں آپ سے اجازت طلب کرلوں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور تمہیں اپنے چچا کو اجازت دینے سے کس چیز نے روکا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس مرد نے مجھے دودھ نہیں پلایا لیکن ابوالقعیس کی بیوی نے مجھ کو دودھ پلایا تھا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو اجازت دو تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں وہ تمہارا رضاعی چچا ہے، عروہ نے کہا: اسی وجہ سے حضرت عائشہ یہ فرماتی تھیں: جن رشتہ داروں کو تم نسب سے حرام قرار دیتے ہو ان کو رضاعت سے بھی حرام قرار دو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۴ میں گزر چکی ہے

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اور ابوالقعیس کے نام اور کنیت کی تحقیق

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں کوئی تفسیر نہیں ہے تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے ساتھ اس حیثیت سے مطابق ہے کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ رضاعی باپوں اور رضاعی چچاؤں کا امہات المؤمنین کے گھر داخل ہونا جائز ہے کیونکہ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: ان کو اجازت دو وہ تمہارے چچا ہیں۔

اس حدیث میں افلح ابوالقعیس کا ذکر ہے اور ابوعمر نے کہا ہے یہ اسم افلح بن ابی القعیس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے نام میں دو قول ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام ابوالقعیس ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے فرمایا: ابوالقعیس کے بھائی افلح آئے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ ابوالقعیس کا نام الجعد ہے اور کہا جاتا ہے کہ افلح کی کنیت ابوالجعد ہے اور ایک قول ہے: ان کا نام وائل بن افلح ہے۔

اس حدیث میں ذکر ہے: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں: یہ وہ بات ہے جس کو عرب کہتے ہیں اور وہ ان الفاظ کی حقیقت اور ان کے وقوع کا ارادہ نہیں کرتے تھے اور ان الفاظ کا معنی یہ ہے کہ تم فقیر اور محتاج ہو جاؤ کیونکہ جو شخص فقیر اور محتاج ہو وہ خاک سے مل جاتا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مرد سے بھی دودھ کا رشتہ ثابت ہوتا ہے اور دودھ پلانے والی کا شوہر والد کے حکم میں ہے اور اس کا بھائی چچا کے حکم میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷۸)

۱۰۔ بَابٌ: إِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۵۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو ○ (الاحزاب: ۵۶) کی تفسیر

قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ صَلَاةُ اللهِ ثَنَاؤُهُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ وَصَلَاةُ الْمَلَائِكَةِ الدُّعَاءُ۔

ابو العالیہ نے کہا: اللہ کی صلوٰۃ کا معنی ہے: اللہ عزوجل کا فرشتوں کے سامنے اپنی حمد وثنا کرنا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابو العالیہ کا نام رفیع بن مہران الریاحی البصری ہے، انہوں نے زمانہ جاہلیت کو پایا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دو سال بعد اسلام لائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے احادیث روایت کیں اور نوے (۹۰) ہجری میں وفات پائی۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُصَلُّونَ يُبَرِّكُونَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: يُصَلُّونَ کا معنی ہے: وہ برکت کی دعا کرتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

لَنُغْرِيَنَّكَ لَنُسَلِّطَنَّكَ۔

لَنُغْرِيَنَّكَ اس کا معنی ہے: لَنُسَلِّطَنَّكَ یعنی ہم آپ کو ان پر ضرور غالب کر دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (الاحزاب: ۶۰)

اگر منافق باز نہ آئے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (فسق کی) بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے تو ہم آپ کو ضرور ان پر مسلط فرما دیں گے تو پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے ۝

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی اگر منافقین مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے سے باز نہیں آئے اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے سے نہیں رکے تو ہم آپ کو ان کے اوپر جنگ کرنے کے لیے مسلط کر دیں گے اور مدینہ سے ان کو نکالنے کے لیے آپ کو غالب کر دیں گے، پھر وہ آپ کے ساتھ بہت کم تعداد میں رہ جائیں گے یا بہت تھوڑے زمانہ تک رہیں گے حتیٰ کہ ہلاک ہو جائیں گے یا وہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: یہاں پر اسی طرح ہے اور اس تعلیق کا آیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے ہر چند کہ یہ بھی اسی سورت سے ہے، پس شاید کہ یہ بخاری کے نسخہ کو نقل کرنے والے کی غلطی ہے۔ (فتح الباری ج ۵ صفحہ ۶۸۶)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس تعلیق کو لکھا ہے تاکہ اس کے معنی کی تفسیر کی جائے، اگر یہ آیت کسی اور سورت کی ہوتی تو حافظ ابن حجر کے اعتراض کی کوئی وجہ ہوتی اور بخاری کے نسخہ کو نقل کرنے والوں کی طرف اس غلطی کی نسبت کرنا بہت بعید ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷۹)

۴۷۹۷۔ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضی اللہ عنہ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے سعید بن یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی از الحکم از ابن ابی لیلیٰ از حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ عرض کیا گیا: یا رسول

قَالَ قُولُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

اللہ! آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو ہم نے جان لیا ہے تو ہم آپ پر صلاۃ کیسے پڑھیں تو آپ نے فرمایا: تم کہو: اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی آل ابراھیم انك حمید مجید اللھم بارك علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انك حمیدٌ مجیدٌ۔

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۴۷۰۷ میں گزر چکی ہے۔

درود ابراہیمی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افضلیت کے اعتراض کا جواب

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہا آپ پر سلام پڑھنا تو اس کا طریقہ ہمیں معلوم ہے: صحابہ کی مراد یہ تھی کہ آپ نے ان کو سلام پڑھنے کا جو طریقہ نماز کے تشہد میں سکھایا ہے یعنی السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ نے فرمایا: جس طرح آپ نے حضرت ابراہیم پر صلاۃ پڑھی ہے: یعنی جس طرح آپ پہلے حضرت ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر صلاۃ نازل فرما چکے ہیں، پس ہم آپ سے سیدنا محمد پر صلاۃ نازل کرنے کا سوال کرتے ہیں، پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تشبیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ سے اقوی ہوتا ہے اور یہاں اس کے برعکس ہے کیونکہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم سے افضل ہیں، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں تشبیہ اس لیے نہیں ہے کہ ناقص کو کامل کے ساتھ ملایا جائے بلکہ اس لیے ہے کہ غیر معروف کو معروف کے ساتھ ملایا جائے یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ معروف ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر مجموع کو مجموع کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آل ابراہیم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل سے افضل ہیں کیونکہ آل ابراہیم میں انبیاء علیہم السلام داخل ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل میں کوئی نبی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۹۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ هٰذَا التَّسْلِيمُ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَبُو صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ وَقَالَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن الہاد نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن خباب از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سلام پڑھنا ہے تو ہم آپ پر صلاۃ کیسے پڑھیں، آپ نے فرمایا: تم کہو: اللھم صل علی محمد عبدك و رسولك کما صلیت علی آل ابراھیم و بارك علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم۔ ابوصالح نے لیث سے روایت کرتے ہوئے کہا: علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم۔ ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان

إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ

کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی حازم اور الدراوردی نے حدیث بیان کی از یزید اور کہا: کما صلیت علی ابراھیم و بارک علی محمد و آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و آل ابراھیم۔

ابراہیم بن حمزہ اور ابن ابی حازم کا تعارف

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابراہیم بن حمزہ کا نام ابو اسحاق الزبیری المدنی ہے اور ابن ابی حازم وہ عبد العزیز بن ابی حازم ہیں اور ان کا نام سلمہ ہے اور الدراوردی وہ عبد العزیز بن محمد ہیں جو منسوب ہیں دراوردکی طرف اور یزید سے مراد ابن الہاد ہیں اور امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ ابن ابی حازم اور الدراوردی دونوں نے اس حدیث کی لیث کی سند سے روایت کی ہے، پس آل ابراہیم کا ذکر کیا جیسا کہ اس کا ذکر ابو صالح نے لیث کی روایت سے کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۱۔ ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

غیر نبی پر استقلالاً صلاۃ پڑھنے کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ارشاد ہے: اللھم صل علی محمد و علی آل محمد اور آل محمد میں تو نبی نہیں ہیں، سو اس سے معلوم ہوا کہ غیر نبی پر بھی صلاۃ پڑھنا جائز ہے حالانکہ جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ جواز اس صورت میں ہے جب نبی پر صلاۃ کی دعا کرنے کے بعد تبعاً غیر نبی پر صلاۃ کی دعا کی جائے اور ممانعت اس صورت میں ہے جب غیر نبی پر استقلالاً صلاۃ کی دعا کی جائے اور ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ پڑھنا شعار ہو گیا ہے، اسی لیے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا، اس لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ ''ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم'' ہر چند کہ اس کا معنی صحیح ہے اور یوں کہنا جائز ہے کہ صلی اللہ علی النبی و علی صدیقہ یا و علی خلیفتہ اور اسی کے قریب یہ ہے کہ ''محمد عزوجل'' کہنا جائز نہیں ہے اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے کیونکہ یہ ''ثناء'' اللہ سبحانہ کا شعار ہے، اس لیے کسی دوسرے کو اس میں شریک کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (توبہ: ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے جس کے ذریعے آپ انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ ان پر صلاۃ بھیجئے، بے شک آپ کی صلاۃ ان کے لیے باعث طمانیت ہے اور اللہ بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے O

اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اللھم صل علی آل ابی اوفی (اے اللہ! ابو اوفیٰ کی آل پر صلاۃ نازل فرما) اور حضرت جابر کی بیوی نے کہا: صل علی و علی زوجی (مجھ پر صلاۃ نازل فرما اور میرے خاوند پر) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اللھم صل علیھما (اے اللہ! ان دونوں پر صلاۃ نازل فرما)، یہ تمام دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہیں اور صاحب حق کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے حق میں سے جس کو چاہے عطا فرما دے اور دوسروں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے حق میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسروں کے لیے یہ اجازت ثابت نہیں ہے اور ممانعت کی قوی دلیل یہ ہے کہ غیر نبی پر استقلالاً صلوٰۃ پڑھنا روافض اور اہل بدعت کا شعار ہے کیونکہ یہ لوگ اہل بیت میں سے جس کی تعظیم کرتے ہیں اس پر استقلالاً صلاۃ پڑھتے ہیں اور یہ ممانعت آیا حرام ہے یا مکروہ ہے یا خلاف اولیٰ ہے؟

علامہ نووی نے کتاب الاذکار میں یہ تینوں قول نقل کیے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اور اسماعیل بن اسحاق نے کتاب احکام

القرآن میں سند حسن کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے یہ روایت نقل کی ہے، انہوں نے لکھا کہ کچھ لوگ آخرت کے عمل کے بدلہ میں دنیا کا عمل تلاش کرتے ہیں اور کچھ قصہ گو واعظین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ کے ساتھ اپنے خلفاء اور امراء پر صلاۃ پڑھنے کی بدعت ایجاد کرلی ہے، پس تمہارے پاس جب میرا یہ مکتوب آئے تو تم ان کو یہ حکم دو کہ نبیوں پر صلاۃ پڑھیں اور مسلمانوں کے لیے دعا کریں اور اس کے سوا جو چیز ہے اس کو ترک کردیں، پھر انہوں نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی پر صلاۃ پڑھنا جائز نہیں ہے، لیکن مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے استغفار ہے اور ابوذر نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ پڑھنے کا معمول دوسری صدی ہجری میں رائج ہوا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۸۷۔۷۸۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۱۔ بَابٌ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى۔ (الاحزاب:۶۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی۔ (الاحزاب:۶۹) کی تفسیر

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ایذا نہ دو جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دی تھی اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ایذاء پہنچائی تھی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا کہ ان کے خصیتین بہت بڑے بڑے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کیا ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگر اور مجنون ہونے کی تہمت لگائی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۱)

۴۷۹۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ وَخِلَاسٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ مُوسَى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا وَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝۶۹﴾ (الاحزاب:۶۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق ابن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از الحسن اور محمد اور خلاس از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیاء والے مرد تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝۶۹ (الاحزاب:۶۹) اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی، تو اللہ نے موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری کردیا اور وہ اللہ کے نزدیک معزز تھے ○

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۸ میں گزر چکی ہے۔

حییا اور وجیہا کے معنی

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیاء دار تھے کیونکہ وہ صرف خلوت میں غسل کرتے تھے تو بنی اسرائیل نے ان پر تہمت لگائی کہ وہ صرف اس لیے چھپ کر غسل کرتے ہیں کہ ان کے خصیتین بہت بڑے بڑے ہیں تو

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اس تہمت سے بری کر دیا کہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پتھر کے پیچھے بھاگتے ہوئے بنی اسرائیل کی جماعت کے پاس سے گزرے اور اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام برہنہ جا رہے تھے تو بنی اسرائیل نے ان کو دیکھ لیا کہ ان میں تو کوئی عیب نہیں ہے۔ صلوٰت اللہ وسلامہ۔

اور اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وجیہہ فرمایا ہے، وجیہہ کا معنی ہے: کریم، مقبول اور عزت والا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کا ایک اور محمل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح تفصیل کے ساتھ کتاب الانبیاء میں گزر چکی ہے۔ احمد بن منیع نے اپنی مسند میں اور امام طبری اور امام ابن ابی حاتم نے سند قوی کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں پہاڑ پر چڑھے، پس حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہو گئے تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ نے ان کو قتل کر دیا ہے اور وہ آپ سے زیادہ نرم مزاج اور آپ سے زیادہ حیاء دار تھے، سو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اس قول سے اذیت پہنچائی، تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کا جسد لے کر بنی اسرائیل کی مجالس کے پاس سے گزریں تو ان کو حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کا علم ہوا، امام طبری نے کہا ہے کہ اس آیت میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کا حکم ہے ہو سکتا ہے اس سے یہی اذیت مراد ہو۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: وہ جو صحیح حدیث میں ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے (یعنی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خصیتین کے متعلق جو بری بات کہی تھی) لیکن ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کے دو سبب ہوں جیسا کہ اس سے پہلے کئی بار گزر چکا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۸۷، دار المعروفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الاحزاب کی جو تفسیر ذکر کی تھی اس کی شرح مکمل ہو گئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۂ سبا کی امام بخاری کی بیان کردہ تفسیر کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۴۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَۃِ سَبَإٍ

سورۂ سبا کی تفسیر

سورۂ سبا کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ سبا کی بعض آیات کی تفسیر ہے، مقاتل نے کہا: ایک آیت کے سوا یہ پوری سورت مکی ہے اور وہ آیت یہ ہے: وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ۔ (سبا:٦) اس سورت میں چون (۵۴) آیات ہیں۔

سبا کے متعلق علامہ عینی کی تحقیق

امام ترمذی نے فروہ بن مسیک المرادی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پھر پوری حدیث ذکر کی تو ایک مرد نے پوچھا سباء کیا ہے زمین ہے یا کوئی عورت ہے تو آپ نے فرمایا: نہ وہ زمین ہے اور نہ وہ عورت ہے لیکن وہ ایک مرد ہے، اس کے عربوں سے دس بیٹے پیدا ہوئے، ان میں سے چھ (۵) تو یمن میں چلے گئے اور چار (۴) شام میں چلے گئے۔ رہے وہ جو ملک شام میں گئے تھے وہ لخم، جذام، غسان اور عاملہ ہیں اور رہے وہ جو یمن میں گئے تھے پس وہ ازد ہیں، اشعرین ہیں اور حمیر ہیں اور کندہ ہیں اور مزحج ہیں اور انمار ہیں۔ اس مرد نے پوچھا: انمار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن سے خثعم اور بجیلہ ہیں۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اور امام ابن اسحاق نے کہا: سبا ایک شخص کا نام ہے جو عبد شمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان بن یقطان بن عامر ہے اور وہ ہود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام ہے اور وہ پہلا شخص ہے جن کو عربوں میں سے قید کیا گیا، یعنی السبی پس اس کو یہ لقب دیا گیا۔

ادب الخواص میں مذکور ہے کہ یہ اشتقاق صحیح نہیں ہے اس لیے کہ سبا مہموز ہے اور السبی غیر مہموز ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اسم سبا النار الجلد سے ماخوذ ہے یعنی اس نے کھال کو جلا دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۲۔۱۸۱ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سبا کے متعلق حافظ ابن حجر کی تحقیق

امام ترمذی اور امام ابن اسحاق کی عبارات نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے فروہ کی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! سبا ایسی قوم ہے جس کی زمانہ جاہلیت میں عزت تھی اور مجھے یہ خوف ہے کہ وہ مرتد ہو گئے تھے، کیا پس میں ان سے قتال کروں تو آپ نے فرمایا: مجھے ان کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ کَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْکَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ۔ (سبا:۱۵) بے شک اہل سبا کے لیے ان کی بستیوں میں ہی نشانی تھی، دو باغ دائیں اور بائیں جانب تھے۔

پس ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! سبا کیا ہے تو پھر آپ نے اس کا ذکر کیا اور امام ابن عبد البر نے کتاب الانساب میں اس کا

تمیم داری سے ایک شاہد ذکر کیا ہے جس کا امام ابن اسحاق نے سیرت النبی کی ابتداء میں بہت طویل قصہ ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۷۸۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

يُقَالُ مُعَاجِزِينَ مُسَابِقِينَ۔ مُعَاجِزِينَ کا معنی ہے: مُسَابِقِينَ یعنی آگے بڑھنے والے اور مقابل کو عاجز کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِينَ سَعَوْ فِيٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ (سبا:۵) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں پر غالب آنے کی کوشش کی ان کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے معاجزین کی تفسیر مسابقین کی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اس کا معنی ہے: جو لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر غالب آجائیں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مُعَاجِزِيْن کا معنی ہے: مُعَانِدِيْنَ اور مُغَالِبِيْنَ۔

بِمُعْجِزِيْنَ بِفَائِتِيْنَ۔ بِمُعْجِزِيْنَ کا معنی ہے: عاجز کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (العنکبوت:۲۲) اور تم (اللہ کو) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ آسمان میں اور نہ اللہ کو چھوڑ کر تمہارے لیے کوئی دوست ہے اور نہ مددگار O

یہ آیت سورۂ عنکبوت کی ہے اور امام بخاری نے اس کو لفظ عجز کی مناسبت سے یہاں ذکر کر دیا ہے۔

مُعَاجِزِيْنَ مُغَالِبِيْنَ۔ مُعَاجِزِين: اس کا معنی ہے: مُغَالبِين یعنی ان میں سے ہر ایک یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے مقابل کے اوپر غالب آجائے گا۔

یہ لفظ صرف ابوذر کی روایت میں مکرر واقع ہوا ہے اور دوسرے ناسخین کی روایت میں نہیں ہے۔

سَبَقُوا فَاتُوا۔ سبقوا اس کا معنی ہے: فَاتُوا یعنی نکل گئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝ (الانفال:۵۹) اور کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ نکل گئے بے شک وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے O

لَا يُعْجِزُوْنَ لَا يَفُوْتُوْنَ۔ لَا يُعْجِزُوْنَ اس کا معنی ہے: لَا يَفُوْتُوْنَ یعنی وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

اس میں بھی سورۂ انفال کی اسی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

يَسْبِقُوْنَا يُعْجِزُوْنَا۔ يَسْبِقُوْنَا اس کا معنی ہے: يُعْجِزُوْنَا یعنی وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (العنکبوت:۴) جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں O

وَقَوْلُهُ بِمُعْجِزِينَ بِفَائِتِينَ۔ اور بِمُعْجِزِیْنَ کا معنی ہے: بِفَائِتِیْن یعنی عاجز کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق کو مکرر ذکر کیا ہے۔

وَمَعْنَى مُعَاجِزِينَ مُغَالِبِينَ يُرِيدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يُظْهِرَ عَجْزَ صَاحِبِهِ۔ اور مُعَاجِزِین کا معنی ہے: مُغَالِبِیْنَ یعنی ان میں سے ہر ایک یہ ارادہ کرتا ہو کہ وہ اپنے صاحب کو عاجز کر دے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ معاجزین باب مفاعلہ سے ہے جو فاعل میں مشارکت کا تقاضا کرتا ہے۔

مِعْشَارٌ عُشْرٌ۔ مِعْشَارَ اس کا معنی ہے عُشر یعنی دسواں حصہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ (سبا:۴۵) اور ان سے پہلے لوگوں نے (بھی رسولوں کو) جھٹلایا تھا اور جو (نعمتیں) ہم نے ان کو دی تھیں یہ (کفار مکہ) اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے تو ان پر میرا کیسا عذاب آیا تھاO

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: ہم جن لوگوں کو اس سے پہلے ہلاک کر چکے ہیں یہ کفار مکہ جسمانی قوت میں اور اولاد کی کثرت میں ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے۔

يُقَالُ الْأُكُلُ الثَّمَرُ۔ اُكُلٍ اس کا معنی ہے: الثمر یعنی پھل۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ (سبا:۱۶) پھر انہوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا، پھر ہم نے ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے تبدیل کر دیا جن میں بدذائقہ پھل اور جھاؤ کے درخت اور بیری کے بہت کم درخت تھےO

کتب تفسیر میں مذکور ہے: اَلْاُكُل کا معنی ہے: پھل اور اَلْخَمْط کا معنی ہے: جھاؤ کے درخت یعنی پیلو کے درخت اور اکثر مفسرین نے کہا ہے اس سے مراد کانٹے دار درخت ہیں۔

بَاعِدْ وَبَعِّدْ وَاحِدٌ۔ بٰعِدْ اور بَعِّدْ دونوں کا معنی ایک ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا۔ (سبا:۱۹) پھر انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہماری منازل کو دور دور کر دے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: بَاعِدْ اور بَعِّدْ دونوں کا معنی ایک ہے اور بَاعِدْ اکثرین کی قراءت ہے اور بَعِّدْ ابوعمرو اور ابن کثیر کی قراءت ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَعْزُبُ لَا يَغِيبُ۔ مجاہد نے کہا: لَا یَعْزُبُ یعنی غائب نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ اور کافروں نے کہا: ہم پر قیامت نہیں آئے گی، آپ کہیے: کیوں

لَتَأْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

نہیں! مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے وہ تم پر ضرور آئے گی، اس سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں اور ہر چیز روشن کتاب میں ہے خواہ وہ ایک ذرہ سے چھوٹی ہو یا بڑی O (سبا:۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی ابومحمد الحنظلی نے ابوسعید سے روایت کی ہے، حضرت ابن عباس سے مروی ہے: لَا يَعْزُبُ کا معنی ہے: آپ کے رب سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

سَيْلَ الْعَرِمِ السُّدُّ مَاءٌ أَحْمَرُ أَرْسَلَهُ اللّٰهُ فِي السُّدِّ فَشَقَّهُ وَهَدَمَهُ وَحَفَرَ الْوَادِيَ فَارْتَفَعَتَا عَنِ الْجَنْبَيْنِ وَغَابَ عَنْهُمَا الْمَاءُ فَيَبِسَتَا وَلَمْ يَكُنِ الْمَاءُ الْأَحْمَرُ مِنَ السُّدِّ وَلٰكِنْ كَانَ عَذَابًا أَرْسَلَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَيْثُ شَاءَ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ شُرَحْبِيلَ الْعَرِمُ الْمُسَنَّاةُ بِلَحْنِ أَهْلِ الْيَمَنِ وَقَالَ غَيْرُهُ الْعَرِمُ الْوَادِي۔

اَلْعَرِم اس کا معنی ہے: اَلسَّدُّ یعنی بند، یہ سرخ پانی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بند میں بھیجا، پس اس نے اسے پھاڑ دیا اور منہدم کر دیا اور اس نے ایک وادی کو کھود ڈالا پس دو باغ پانی سے بلند ہو گئے اور پانی ان سے غائب ہو گیا تو وہ دو باغ خشک ہو گئے اور یہ سرخ پانی اس بند سے نہ تھا لیکن یہ عذاب تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھیجا جہاں سے چاہا اور عمر بن شرحبیل نے کہا: اَلْعَرِم کا اہل یمن کی لغت میں معنی ہے: بند، جو سیلاب کو روکنے کے لیے بنایا جاتا ہے اور دوسروں نے کہا: العرم ایک وادی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابن شربہ نے کہا کہ ایاس بن رحیعم بن سلیمان بن داؤد علیہالسلام کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو قبیلہ ازد سے بھیجا جس کا نام عمرو بن الحجر تھا اور ایک دوسرے شخص کو بھیجا جس کو حنظلہ بن صفوان کہا جاتا تھا اور ان کے زمانے میں یہ بند ویران ہو چکا تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسولوں نے وہاں کے رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو انہوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر کسی نعمت کو نہیں پہچانتے، اگر تم سچے ہو تو ہمارے خلاف اور ہمارے بند کے خلاف دعا کرو، سو انہوں نے ان کے خلاف دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سرخ رنگ کی موسلا دھار بارش نازل فرمائی گویا کہ اس میں آگ تھی اور ان کے آگے گھوڑا تھا، پس جب وہ گھوڑا اس بند سے ٹکرایا تو بند ٹوٹ گیا اور ان کے گھر ریت میں دفن ہو گئے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ عرب کے نزدیک ان کی مثال بن گئی، پس انہوں نے کہا: سبا کے ہاتھوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

السَّابِغَاتُ الدُّرُوعُ۔

اَلسّٰبِغٰتُ اس کا معنی ہے: اَلدُّرُوْع یعنی زرہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ۔

اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا O کہ آپ مکمل زرہیں بنائیں اور مناسب انداز سے ان کی کڑیاں جوڑیں۔ (سبا:۱۰-۱۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے دُرُوْع یعنی زرہوں کے ساتھ تفسیر کی ہے، اسی طرح امام ابوعبیدہ نے بھی تفسیر کی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ بہت وسیع اور طویل زرہیں تھیں اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ وہ کامل اور وسیع زرہیں تھی اور بے شک حضرت داؤد علیہالسلام وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے زرہیں بنائیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ يُجَازِي يُعَاقِبُ۔

اور مجاہد نے کہا یُجَازِی کا معنی ہے: وہ سزا دیتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ (سبا:۱۷) یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم صرف ناشکروں کو (ایسی) سزا دیتے ہیں○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یُجَازِیْ کی تفسیر یُعَاقِبُ کے ساتھ کی ہے یعنی وہ سزا دیتا ہے اور اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ بِطَاعَةِ اللهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى وَاحِدٌ وَاثْنَيْنِ۔ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ یعنی میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی، مَثْنٰى وَفُرَادٰى یعنی دونوں مل کر یا ایک ایک۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا۔ (سبا:۴۶) آپ کہیے کہ میں تم کو صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے تم دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر غور کرو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ میں تم کو حکم دیتا ہوں اور ایک بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دو دو مل کر یا تنہا تنہا قیام کرو در آں حالیکہ تم تفکر کر رہے ہو اور تفکر کا معنی ہے: دل سے کسی چیز کو طلب کرنا، دوسرا قول ہے کہ تم دوسروں کے ساتھ مل کر تفکر کرو یا اپنے دل میں تفکر کرو۔

التَّنَاوُشُ الرَّدُّ مِنَ الْاٰخِرَةِ اِلَى الدُّنْيَا۔ التَّنَاوُشُ اس کا معنی ہے: آخرت سے لوٹ کر دنیا کی طرف آنا اور اس کا اصل معنی ہے: ہاتھ بڑھا کر کسی چیز کو اٹھانا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝ (سبا:۵۲) اور وہ (اس وقت) کہیں گے: ہم اس (قرآن) پر ایمان لے آئے، اور اتنی دور کی جگہ سے ان کے لیے کیسے (اس کا) حصول ہو سکتا ہے○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے التَّنَاوُشُ کی تفسیر کی ہے: دنیا سے آخرت کی طرف لوٹنا، حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ وہ لوٹنے کی تمنا کریں گے اور وہ لوٹنے کا وقت نہیں ہے۔

وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ مِنْ مَالٍ أَوْ وَلَدٍ أَوْ زَهْرَةٍ بِأَشْيَاعِهِمْ بِأَمْثَالِهِمْ۔ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ یعنی ان کے مال یا اولاد یا دنیا کی تروتازگی جو ان کے سامان کی مثل ہو، کی خواہش کے درمیان۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝ (سبا:۵۴) اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک حجاب ڈال دیا گیا جیسے پہلے بھی ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا، بے شک وہ بھی بہت بڑے شک میں مبتلا تھے○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بِاَشْيَاعِهِمْ کی تفسیر بامثالہم کے ساتھ کی ہے یعنی جو لوگ ان کے دین پر تھے اور گزشتہ امتوں میں سے ان کے موافق تھے جس وقت ان سے توبہ کو اور ایمان کو قبول نہیں کیا گیا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَالْجَوَابِ كَالْجَوْبَةِ مِنَ الْأَرْضِ۔ حضرت ابن عباس نے کہا: کَالْجَوَابِ اس کا معنی ہے: کالجوبۃ مِنَ الْأَرْضِ یعنی زمین میں حوض کی مثل۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ۔ (سبا:۱۳) سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ (جنات) ان کے لیے بنا دیتے تھے قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر ٹب اور چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت کی ہے اور مجاہد نے کہا: الجواب کا معنی ہے: اونٹوں کے حوض اور لغت میں اس کی اصل اَلْجَابِيَةُ ہے اور یہ وہ حوض ہے جس میں کوئی چیز جمع کی جاتی ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ٹب کو ایک ہزار آدمی مل کر اٹھاتے تھے اور الجفان جَفْنه کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: ٹب اور الجواب جابیہ کی جمع ہے۔

الْخَمْطُ الْأَرَاكُ وَالْأَثْلُ الطَّرْفَاءُ۔ الخمط کا معنی ہے: اَلْاَرَاك یعنی پیلو کے درخت اور اَلْاَثْل کا معنی ہے: الطرفاء یعنی جھاؤ کے درخت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَّأَثْلٍ۔ (سبا:۱۶) پھر ہم نے ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے تبدیل کر دیا جن میں بدذائقہ پھل اور جھاؤ کے درخت تھے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَلْخَمْط کی تفسیر پیلو کے درخت کے ساتھ کی ہے۔ یہ وہ درخت ہے جس کی جڑ سے مسواک بنائی جاتی ہے، یہ مجاہد اور ضحاک کا قول ہے اور امام ابوعبیدہ نے کہا کہ الخمط ہر کانٹے دار درخت ہے جس کا پھل بدذائقہ ہو اور ابن فارس نے کہا: جس درخت میں کانٹے نہ ہوں۔

الْعَرِمُ الشَّدِيدُ۔ اَلْعَرِم اس کا معنی ہے: اَلشَّدِيْد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ۔ (سبا:۱۶) پھر انہوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۶۔۱۸۲ سے لی گئی ہیں]

۱۔ بَابٌ: حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ (سبا:۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: حتیٰ کہ جب ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی، تو (طالبین شفاعت ان سے) پوچھیں گے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہیں گے: حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند اور بہت بڑا ہے ۝ (سبا:۲۳) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے شروع کا حصہ یہ ہے:

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ۔ (سبا:۲۳) اور اس کے پاس صرف اسی کی شفاعت نفع آور ہوگی جس کو وہ

شفاعت کرنے کی اجازت دے گا۔

یعنی اس دن کسی فرشتے اور نہ کسی نبی کی شفاعت نفع دے گی حتیٰ کہ اس کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور اس آیت میں کفار کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ ان کے معبودان کی شفاعت کریں گے: نیز فرمایا: حتیٰ کہ ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان کے دلوں سے کون گھبراہٹ کو نکالے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے سے ان کے دلوں میں جو خوف اور گھبراہٹ پیدا ہو گی تو فرشتے ان کے دلوں سے اس گھبراہٹ کو نکال دیں گے، پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے: تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ تو وہ کہیں گے: حق فرمایا تھا اور وہ بلند اور نہایت بڑا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ مشرکین کی موت کے وقت ان کے دلوں میں گھبراہٹ ہو گی تو جب وہ گھبراہٹ دور ہو جائے گی تو ان سے فرشتے پوچھیں گے: تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ پس وہ کہیں گے: حق فرمایا تھا، پس وہ موت کے وقت اقرار کر لیں گے، لیکن اب ان کا یہ اقرار ان کو نفع نہیں دے گا۔ یہ حسن بصری کا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۶)

۴۸۰۰۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا لِلَّذِي قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُ السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ فَحَرَفَهَا وَبَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا إِلَى مَنْ تَحْتَهُ ثُمَّ يُلْقِيهَا الْآخَرُ إِلَى مَنْ تَحْتَهُ حَتَّى يُلْقِيَهَا عَلَى لِسَانِ السَّاحِرِ أَوِ الْكَاهِنِ فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا وَرُبَّمَا أَلْقَاهَا قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَيُقَالُ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سَمِعَ مِنَ السَّمَاءِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عکرمہ سے سنا، وہ کہتے تھے: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عجز کے ساتھ اپنے پروں کو مارتے ہیں اس کے ارشاد کی ہیبت کی وجہ سے گویا کہ وہ ایک زنجیر ہے جو پتھر پر ماری گئی، ہو پس جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ (سبا ۲۳) تو وہ اس سے کہتے ہیں جس سے فرمایا تھا اس نے حق فرمایا اور وہ بہت بلند اور نہایت بڑا ہے، پس اس بات کو چوری چھپے سننے والے شیطان سن کر بھاگتے ہیں، شیطان آسمان کے نیچے یوں اوپر نیچے ہوتے ہیں، سفیان نے اس موقع پر ہتھیلی کو موڑ کر انگلیاں الگ الگ کر کے شیاطین کے جمع ہونے کی کیفیت بتائی کہ اس طرح شیاطین ایک کے اوپر ایک ہوتے ہیں، پھر وہ شیاطین کوئی ایک بات سن لیتے ہیں اور اپنے نیچے والے کو بتاتے ہیں، پھر وہ اپنے سے نیچے والے کو بتاتے ہیں، اس طرح وہ بات ساحر یا کاہن تک پہنچتی ہے، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ یہ بات اپنے سے نیچے والے کو بتائیں آگ کا اک شعلہ انہیں دبوچ لیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ بتاتے ہیں

تو آگ کا انگارہ ان پر پڑتا ہے، اس کے بعد کاہن اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے، (جب اس کاہن کی ایک بات صحیح ہو جاتی ہے تو ان کے ماننے والوں کی طرف سے) کہا جاتا ہے کہ کیا اس، اس طرح ہم سے فلاں دن کاہن نے نہیں کہا تھا، اسی ایک بات کی وجہ سے جو آسمان پر شیاطین نے سنی تھی کاہنوں اور ساحروں کی بات کو لوگ سچا جاننے لگتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۰۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے بعض مشکل جملوں کی شرح علامہ عینی سے

علامہ بدر الدین عینی اس حدیث کے بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب اللہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے: امام طبرانی نے النواس بن سمعان سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ وحی سے کلام فرماتا ہے تو آسمان اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہت زیادہ لرزنے لگتا ہے، پھر جب اس کلام کو فرشتے سنتے ہیں تو بے ہوش ہو جاتے ہیں اور سجدہ میں گر جاتے ہیں، پھر ان میں سے سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں، پھر اللہ جو چاہتا ہے اپنی وحی سے ان سے کلام فرماتا ہے، پھر حضرت جبرئیل فرشتوں کے پاس پہنچتے ہیں، پھر جب بھی وہ کسی آسمان سے گزرتے ہیں وہ آسمان والے ان سے سوال کرتے ہیں: ہمارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ کہتے ہیں: ہمارے رب نے حق فرمایا۔

خُضْعَانًا: اس کا معنی ہے: عاجزی سے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۶ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے بعض مشکل جملوں کی شرح حافظ ابن حجر سے

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کے بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں: گویا کہ وہ قول ایک زنجیر ہے جو پتھر پر ماری گئی ہو: اس کی مثل بدء الوحی میں ہے: اس کی آواز گھنٹی کی آواز کی طرح ہے، یہ دراصل فرشتے کی وحی کی آواز ہے، اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی سے کلام کرتا ہے تو اس کو تمام آسمانوں والے اس طرح سنتے ہیں جیسے کسی زنجیر کو پتھر پر مارا جائے تو آواز آتی ہے، پس وہ سب خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قیامت آ گئی اور اس حدیث کی اصل سنن ابوداؤد میں موقوفاً روایت ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ کتاب التوحید میں آئے گا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: الصلصلہ لوہے کے ہلانے کی آواز ہے، یہ بدء الوحی کے اعتبار سے ہے اور جو یہاں ذکر ہے وہ یہ ہے کہ لوہے کی زنجیر کو کسی چکنے پتھر پر مارا جائے تو اس سے جو آواز آتی ہے۔

چکنے پتھر پر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ جب بھی اللہ کا کلام آسمان والوں پر نازل ہوتا ہے تو وہ خوف سے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اور امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ چند انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو ایک ستارہ مارا گیا، پھر وہ چھپ گیا، آپ نے پوچھا: جب زمانہ جاہلیت میں یہ ستارا مارا جاتا تھا تو تم اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ انہوں نے کہا: تو ہم کہتے تھے کہ بہت بڑا آدمی فوت ہو گیا ہے یا کسی بڑے آدمی کا بیٹا فوت ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا: یہ ستارہ نہ کسی کی موت کی وجہ سے مارا جاتا ہے اور نہ کسی کی حیات کی وجہ سے، لیکن جب ہمارا رب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش اس کی تسبیح کرتے ہیں، پھر حاملین عرش کے نزدیک جو آسمان کے فرشتے ہیں وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ تسبیح

آسمان دنیا تک پہنچتی ہے، پھر وہ حاملین عرش یہ کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا۔الحدیث، اور کتاب التوحید میں اس حدیث کی مزید شرح آئے گی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۹۱۔۶۹۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابٌ: اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ○ (سبا:۴۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ تو صرف تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں ○ (سبا:۴۶) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف تم کو قیامت کے دن کے سخت عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۷)

۴۸۰۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ صَعِدَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الصَّفَا ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ يَا صَبَاحَاهُ فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ قَالُوا مَا لَكَ قَالَ أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ يُصَبِّحُكُمْ أَوْ يُمَسِّيكُمْ أَمَا كُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي قَالُوا بَلَى قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ (اللہب:۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر چڑھے اور آپ نے بلند آواز سے فرمایا: یا صباحاہ (لوگو دوڑو)، پس تمام قریش آپ کی طرف جمع ہو گئے، انہوں نے کہا: کیا ہوا، کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: تم مجھے یہ بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن صبح کو یا شام کو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر میں تم کو سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں جو تم پر آنے والا ہے تو ابولہب نے کہا: تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہم کو صرف اس لیے جمع کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ (اللہب:۱) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

یَا صَبَاحَاهُ: یہ وہ کلمہ ہے جس کو عرب لوٹ مار کے خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے بولتے ہیں اور زیادہ تر یہ خطرہ صبح کے وقت پیش آتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ امام بخاری نے سورۂ سبا کی جو تفسیر کی تھی اس کی شرح مکمل ہو گئی، اب ان شاء اللہ سورۂ فاطر کی تفسیر کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۵۔ تَفۡسِيۡرُ سُوۡرَةِ الۡمَلَائِكَةِ

سورۃ الملائکہ (فاطر) کی تفسیر

سورۃ الملائکہ (فاطر) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ فاطر کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور یہ سورت مکی ہے، یہ سورۂ مریم سے پہلے اور سورۃ الفرقان کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس میں پینتالیس (۴۵) آیات ہیں۔

قَالَ مُجَاهِدٌ اَلْقِطْمِيْرُ لِفَافَةُ النَّوَاةِ۔ اَلْقِطْمِيْر: اس کا معنی ہے: کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک سا چھلکا یا جھلی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ (فاطر:۱۳) اور جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے (بھی) مالک نہیں ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے القطمیر کا یہ معنی کیا ہے: کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک سا چھلکا، مجاہد نے بھی اسی طرح کہا ہے، اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ القطمیر کھجور کی گٹھلی کے اوپر والے چھلکے کو کہتے ہیں۔

مُثْقَلَةٌ مُثَقَّلَةٌ۔ مُثْقَلَةٌ اس کا معنی ہے: بوجھ اٹھانے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ۔ (فاطر:۱۶) اور اگر کوئی بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی دوسرے کو بلائے گا تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: کوئی گناہوں کا بوجھ اٹھانے والا۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۸۸)

وَقَالَ غَيْرُهُ اَلْحَرُوْرُ بِالنَّهَارِ مَعَ الشَّمْسِ۔ اور دوسروں نے کہا ہے: اَلْحَرُوْرُ: دن کے وقت کی دھوپ کو کہا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ (فاطر:۱۹۔۲۰۔۲۱) اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے O اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہے O اور نہ سایا اور دھوپ برابر ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ الحرور سے مراد دھوپ ہے اور کتب تفسیر میں ہے کہ وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ (فاطر:۱۹) کا معنی ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں اور نہ کفر اور ایمان برابر ہے اور وَلَا الظِّلُّ وَلَا

الْحَرُوْرُ ۝ کا معنی ہے: جنت اور دوزخ برابر نہیں ہے اور الحرور کا معنی ہے: دھوپ، اور ایک قول ہے: حرور کا معنی ہے: رات کو چلنے والی گرم ہوا اور سَمُوْم کا معنی ہے: دن کو چلنے والی گرم ہوا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْحَرُوْرُ بِاللَّيْلِ وَالسَّمُوْمُ بِالنَّهَارِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اَلْحَرُوْرُ کا معنی ہے: رات کو چلنے والی گرم ہوا اور اَلسَّمُوْمُ کا معنی ہے: دن کو چلنے والی گرم ہوا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حَرُوْرٌ کی تفسیر کی ہے اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ ابوذر کے نسخہ میں نہیں ہے۔

وَغَرَابِيبُ أَشَدُّ سَوَادٍ الْغِرْبِيبُ الشَّدِيدُ السَّوَادِ وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ اس کا معنی ہے: بہت زیادہ سیاہ، اَلْغِرْبِيْب کا معنی ہے بہت شدید سیاہی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ (فاطر: ۲۷) کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل پیدا کیے اور پہاڑوں کے حصے ہیں سفید اور سرخ ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ غَرَابِيْبُ غربیب کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: بہت سخت سیاہ اور وہ کوے کے رنگ کے مشابہ ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۸۸۔۱۸۷ سے لی گئی ہے]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ امام بخاری نے سورۂ فاطر کی شرح میں جو تعلیقات درج کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ سورۂ یاسین کی امام بخاری کی کی ہوئی تفسیر کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۶۔ تَفۡسِيۡرُ سُوۡرَةِ يٰسٓ
سورۂ یٰسٓ کی تفسیر

سورۂ یٰسین کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
یہ سورۂ یٰسین کی بعض آیات کی تفسیر ہے، ابوالعباس نے لکھا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے، یہ سورۂ فرقان سے پہلے اور سورۂ جن کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس میں تراسی (۸۳) آیات ہیں۔

سورۂ یٰس کے بعض فضائل

ہم نے لکھا ہے: بعض ظنی روایات کے مطابق یٰس اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ (جامع البیان: ۲۲۲۲)
اور بعض روایات کے مطابق یٰس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۶)
سورۂ یٰس کو پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب یٰس ہے اور جس نے سورۂ یٰس کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کو سورۂ یٰس پڑھنے کی وجہ سے دس بار قرآن پڑھنے کا اجر عطا فرمائے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۸۸۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس شخص نے کسی رات میں سورۂ یٰس کو پڑھا اس رات میں اس کی مغفرت کردی جائے گی۔ (سنن دارمی: ۳۴۱۸) (انوار تبیان القرآن ص ۷۰۲، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ فَعَزَّزۡنَا شَدَّدۡنَا۔ اور مجاہد نے کہا: فَعَزَّزۡنَا اس کے معنی ہے: ہم نے قوت دی یا تائید کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ۝ جب ہم نے ان کے پاس دو رسولوں کو بھیجا تو انہوں نے ان کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے رسول سے ان کی تائید کی، سو ان تینوں نے کہا: ہم تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں O (یٰس: ۱۴)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ہم نے ان کی تائید کی، امام عبد بن حمید نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: ہم نے تیسرے رسول سے ان دو رسولوں کی تائید کی اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول تھے جن کو انہوں نے انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا، ان کے نام صادق، صدوق اور شلوم ہیں اور کہا گیا ہے کہ تیسرے کا نام شمعون تھا۔

يَا حَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ كَانَ حَسۡرَةً عَلَيۡهِمُ اسۡتِهۡزَاؤُهُمۡ بِالرُّسُلِ۔ يٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ اس کا معنی ہے: یہ حسرت کافروں کو ہوگی کیونکہ انہوں نے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ○ (یٰس: ۳۰)

(کہا گیا:) ہائے افسوس! ان بندوں پر جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حسرۃ کی تفسیر کی ہے: ان کا رسولوں کا مذاق اڑانا یعنی دنیا میں، ابو العالیہ نے کہا: جب ان کو عذاب دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: ہائے بندوں پر افسوس ہے! یعنی وہ ان تین رسولوں پر ایمان نہیں لائے اور قیامت کے دن ان پر ایمان لائے جب ان کا ایمان انہیں نفع نہیں دے گا۔

أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ لَا يَسْتُرُ ضَوْءُ أَحَدِهِمَا ضَوْءَ الْآخَرِ وَلَا يَنْبَغِي لَهُمَا ذٰلِكَ سَابِقُ النَّهَارِ يَتَطَالَبَانِ حَثِيثَيْنِ۔

أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ اس کا معنی ہے کہ سورج اور چاند میں سے کوئی دوسرے کی روشنی کو نہیں چھپاتا اور نہ یہ ان کے لیے مناسب ہے اور نہ رات دن پر سبقت کر سکتی ہے اور سورج اور چاند میں سے ہر ایک اپنے صاحب کو طلب کرتا ہے اس حال میں کہ وہ دونوں طلب میں کوشاں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○ (یٰس: ۴۰)

نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر ایک (سیارہ) اپنے مدار میں تیر رہا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ کی یہ تفسیر کی ہے کہ چاند اور سورج میں سے کوئی دوسرے کی روشنی نہیں چھپا سکتا اور نہ یہ ان کے لیے چھپانا مناسب ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی ایک حد ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا اور نہ اس حد سے کم کر سکتا ہے، پس جب وہ جمع ہو جائیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کو پکڑ لے تو قیامت آ جائے گی اور فرمایا: اور نہ رات دن پر سبقت کر سکتی ہے یعنی سورج اور چاند ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کو طلب کرتا ہے اور اس میں کوشاں ہے، پس یہ صرف اس وقت میں جمع ہوں گے جس وقت کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے معین کر دیا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔

نَسْلَخُ نُخْرِجُ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ وَيَجْرِي كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا۔

نَسْلَخُ اس کا معنی ہے: ہم رات اور دن میں ایک کو دوسرے سے کھینچ لیتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر وارد ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ○ (یٰس: ۳۷)

اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے، ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں تو یکایک وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نَسْلَخُ کی تفسیر کی ہے کہ ہم رات اور دن میں سے ایک کو دوسرے سے نکال لیتے ہیں، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: ہم رات کو کھینچ لیتے ہیں اور اس سے دن کو نکالتے ہیں۔

اصل میں نَسْلَخُ کا معنی ہے: بکری کی کھال کو کھینچ لینا، اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ ہم دن کی روشنی کو کھینچ لیتے ہیں اور اس کے اوپر رات کے اندھیرے کو طاری کر دیتے ہیں۔

مِنْ مِثْلِهِ مِنَ الْأَنْعَامِ۔

من مثله اس سے مراد ہے: ہم نے کشتی کی مثل مویشی پیدا کیے ہیں جیسے اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ جن پر لوگ سوار

ہوتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ۝ اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی مثل اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں O (یٰس:۴۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: کشتی کی مثل وہ مویشی ہیں جن پر لوگ سوار ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اونٹ خشکی کی کشتی ہے، اور ابو مالک سے مروی ہے یہ مویشی چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہیں۔

فَكِهُوْنَ مُعْجَبُوْنَ۔ فَكِهُوْنَ کا معنی ہے: مُعْجَبُوْنَ یعنی خوش ہوں گے یا خوش ہونے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ۝ بے شک اہل جنت آج دل چسپ مشغلوں میں خوش وخرم ہوں گے O (یٰس:۵۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام کسائی نے کہا: الفاکه کا معنی ہے: ذوالفاکِهَ یعنی پھلوں والا جیسے تَامِرٌ اور لَابِنٌ یعنی کھجور والا اور دودھ والا اور السدی سے روایت ہے: وہ نعمتوں میں ہوں گے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ خوش ہوں گے۔

جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ عِنْدَ الْحِسَابِ۔ جند محضرون: اس سے مراد ہے: یہ بت حساب کے وقت حاضر کیے جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ۝ حالانکہ وہ (بت) کسی کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (بلکہ) وہ (مشرکین) خود (ان کی مدافعت کے لیے) کمربستہ ہیں O (یٰس:۷۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی کفار، اور لشکر مراد ہے: ان کا گروہ اور ان کے مددگار سب حساب کے وقت حاضر کیے جائیں گے اور وہ ایک دوسرے کی مدافعت نہیں کرسکیں گے۔

وَیُذْكَرُ عَنْ عِكْرِمَةَ الْمَشْحُوْنِ الْمُوْقَرُ۔ اور عکرمہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ اَلْمَشْحُوْنِ کا معنی ہے: بوجھل، بھری ہوئی، لدی ہوئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ۝ اور ان کے لیے اس بھری ہوئی کشتی میں نشانی ہے جس میں ہم نے ان کی اولاد کو سوار کردیا O (یٰس:۴۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے منقول ہے کہ المشحون کا معنی ہے: بھری ہوئی کشتی اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی تھی، انہوں نے لوگوں کے آباء واجداد کو اور ان کو جو ان کی پشتوں میں تھے ان کو سوار کیا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَائِرُكُمْ مَصَائِبُكُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: طَآىِٕرُكُمْ کا معنی ہے: تمہاری مصیبتیں یا تمہاری نحوستیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ (یٰس:۱۹) رسولوں نے کہا: تمہاری بد فالی تمہارے ساتھ ہے، کیا تم نصیحت کرنے کو برا سمجھتے ہو! بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے طَآىِٕرُكُمْ کی تفسیر تمہارے مصائب کی ہے اور قتادہ سے منقول ہے: تمہارے اعمال۔

يَنْسِلُوْنَ يَخْرُجُوْنَ۔ ینسلون اس کا معنی ہے: يَخْرُجُوْنَ یعنی وہ نکلیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ (یٰس:۵۱) اور صور پھونک دیا جائے گا، پس اچانک وہ سب قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَنْسِلُوْنَ کی تفسیر کی ہے: وہ تیزی سے نکلیں گے اور اسی سے نَسِيْل کا لفظ ماخوذ ہے جو اس بچے کے لیے کہا جاتا ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔

مَرْقَدِنَا مَخْرَجِنَا۔ مَّرْقَدِنَا اس کا معنی ہے: مخرجنا یعنی ہمارے نکلنے کی جگہ اور اس سے مراد قبر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ؔ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ (یٰس:۵۲) وہ کہیں گے: ہائے ہماری مصیبت! ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا، یہ وہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مرقد کی تفسیر نکلنے کی جگہ کے ساتھ کی ہے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کس نے ہم کو ہماری نیندوں سے اٹھا دیا، حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے منقول ہے: یہ وہ صرف اس وقت کہیں گے، کیونکہ دو صور پھونکنے کے وقتوں میں اللہ ان سے عذاب کو اٹھا لے گا تو وہ سو جائیں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ کفار جب جہنم اور اس کے عذاب کی انواع و اقسام کا مشاہدہ کریں گے تو ان کو قبروں میں جو عذاب دیا گیا تھا وہ ان کے پہلو میں خواب کی طرح ہو گا تو وہ کہیں گے: ہائے ہماری مصیبت! کس نے ہم کو خواب سے اٹھا دیا۔

اَحْصَيْنٰهُ حَفِظْنَاهُ۔ احصیناہ اس کا معنی ہے: حفظناہ یعنی ہم نے اس کو محفوظ کر لیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ (یٰس:۱۲) بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیج دیئے اور وہ عمل (بھی) جو انہوں نے پیچھے چھوڑ دیئے اور ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر کے لوح محفوظ میں منضبط کر دیا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ تم کو معلوم ہے اور ہم نے اس کا شمار کر لیا ہے اور ہم نے اس کو امام مبین یعنی لوح محفوظ میں محفوظ کر لیا ہے۔

مَكَانَتِهِمْ وَمَكَانُهُمْ وَاحِدٌ۔ مکانتھم اور مَكَانُهُمْ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ (یس:٦٧) اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ پر ان کی صورتوں کو مسخ کر دیتے تو پھر وہ نہ جا سکتے تھے اور نہ لوٹ سکتے تھے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے: المکانۃُ اور المکان دونوں کا ایک معنی ہے اور امام طبری نے العوفی سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ہم ان کو ان کے گھروں میں ہلاک کر دیتے۔

[تمام تعلیقات کی یہ شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۰۔۱۸۸ میں ذکر کی ہے]

۱۔ بَابٌ: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ (یس:٣٨)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے، یہ بہت غالب علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے O (یس:٣٨) کی تفسیر

علامہ عینی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سورج اپنے مستقر میں اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک اپنی منزلوں کو طے نہیں کر لیتا، دوسرا قول یہ ہے: اس سلسلے کی انتہاء اس وقت ہوگی جب دنیا ختم ہو جائے گی اور یہ دن اور رات اور سورج کا جو معاملہ ذکر کیا گیا ہے یہ اللہ عزوجل جو بہت غالب ہے اور بہت علم والا ہے اس کا اپنے ملک میں بنایا ہوا نظام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۱۔۱۹۰)

۴۸۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضى الله عنه قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَتَدْرِي أَيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتّٰى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾﴾ (یس:٣٨)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از ابراہیم تیمی از والد خود از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورج کے غروب ہونے کے وقت مسجد میں تھا، آپ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: پس بے شک سورج چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ (یس:٣٨) اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے۔ یہ بہت غالب بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے O

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۹۹ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۰۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے

سَاَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ (یس:۳۸) قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ

کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از ابراہیم التیمی از والد خود از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق سوال کیا: وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (یس:۳۸) اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کی منزل عرش کے نیچے ہے۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۳۱۹۹ میں گزر چکی ہے۔

عرش کے نیچے سورج کے سجدہ کرنے کے متعلق علامہ عینی کی تقریر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے خود حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ اور دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوذر نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے اور پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ سورج عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اس کا انکار اس لیے نہیں کیا جائے گا کہ سورج اپنے چلنے اور اپنی رفتار میں عرش کے بالمقابل ہوتا ہے اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ سورج اور چاند اور ستارے سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، اگر تم یہ اعتراض کرو کہ دوسری جگہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ۔ (الکہف:۸۶)

حتیٰ کہ جب وہ (ذوالقرنین) غروب آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اسے سیاہ دلدل کے چشمے میں غروب ہوتے ہوئے پایا۔

ان حدیثوں میں مذکور ہے کہ سورج غروب کے وقت عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اس آیت میں مذکور ہے کہ سورج سیاہ دلدل کے چشمے میں غروب ہوا تھا اور ان میں تعارض ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تعارض نہیں ہے اس لیے کہ اس آیت میں سورج کے غروب کے وقت بصر کے ادراک کی انتہاء کا بیان ہے اور حدیث میں جو ذکر ہے کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے، وہ غروب کے بعد کا واقعہ ہے اور سیاہ دلدل کے چشمے میں غروب کا یہ معنی نہیں ہے کہ سورج اس چشمے میں گر جاتا ہے بلکہ اس آیت میں ذوالقرنین کے سفر کی انتہاء کو بیان کیا گیا ہے حتیٰ کہ انہیں اس کے بعد کوئی بڑا راستہ نہیں ملا جیسے کوئی شخص ساحل سمندر پر کھڑا ہو تو وہ غروب آفتاب کے وقت یہ دیکھے کہ سورج سمندر میں غروب ہو رہا ہے اور درحقیقت وہ اس سمندر کے نیچے غروب ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو حقیقت حال کا علم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عرش کے نیچے سورج کے سجدہ کرنے کے متعلق حافظ ابن حجر کی تقریر

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام نسائی نے اس حدیث کو از اسحاق بن ابراہیم از ابونعیم شیخ بخاری روایت کیا ہے اور اس کی یہ عبارت ہے کہ سورج عرش کے نیچے اپنے رب کے پاس چلتا رہتا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے تو اس کو طلوع کی اجازت دی جاتی ہے اور قریب ہے سورج اجازت طلب کرے گا تو اسے اجازت نہیں دی جائے گی، اس وقت اس سے کہا جائے گا: تم اس جگہ سے طلوع ہو جاؤ۔ (یہ اس وقت ہوگا جب قیامت آئے گی)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سورج چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور عنقریب کتاب التوحید میں آئے گا کہ سورج چلتا رہے گا، پھر وہ سجدہ کی اجازت طلب کرتا ہے تو اس کو اجازت دی جاتی ہے گویا کہ اس سے کہا جائے گا، تو جہاں سے آیا ہے وہیں طلوع ہو، اور امام عبدالرزاق کی روایت ہے کہ جب سورج غروب ہوگا تو وہ سلام کرے گا، سجدہ کرے گا اور اجازت طلب کرے گا تو اس کو اجازت نہیں دی جائے گی، پس جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا سورج ٹھہرا رہے گا، پھر اس سے کہا جائے گا: جہاں سے تو غروب ہوا ہے وہیں سے طلوع ہو جا، پس اس وقت سے لے کر قیامت تک جو شخص اس وقت ایمان نہیں لایا ہے اسے ایمان لانے کا فائدہ نہیں ہوگا، اور جو حدیث میں ہے کہ سورج عرش کے نیچے سجدہ کرے گا تو کہا گیا ہے کہ سورج عرش کی محاذات میں سجدہ کرے گا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۹۴۔ ۷۹۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

سورج کے مستقر کے متعلق مصنف کی تقریر

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں مستقر کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) اس مستقر سے مراد ظرف زمان ہے اور وہ قیامت تک کا وقت ہے یعنی قیامت آنے تک سورج مسلسل چلتا رہے گا اور قیامت آنے کے بعد سورج کی حرکت منقطع ہو جائے گی۔

(۲) کسی ایک خطۂ زمین میں رات آنے تک سورج چلتا رہتا ہے اور جب رات آ جاتی ہے تو وہ اس خطہ زمین میں غروب ہو چکا ہوتا ہے اور کسی دوسرے خطۂ زمین میں اس کی حرکت شروع ہو جاتی ہے اور یہ صرف ظاہری اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت میں سورج کی حرکت قیامت تک منقطع نہیں ہوگی۔

(۳) سورج ایک سال تک اپنے مستقر تک سفر کرتا رہتا ہے اور دوسرے سال اس کا پھر نیا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۷۶ ملخصا) (انوار تبیان القرآن ص ۷۰۶، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ امام بخاری نے سورۂ یٰس کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں وہ مکمل ہو گئیں اور اب ان شاء اللہ سورۃ الصافات کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٣٧۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الصَّافَّاتِ

سورۃ الصافات کی تفسیر

سورۃ الصافات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الصافات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، ہاں ایک آیت کے متعلق عبدالرحمن بن زید کی روایت ہے کہ وہ مدنی ہے اور وہ آیت یہ ہے: قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّیۡ کَانَ لِیۡ قَرِیۡنٌ ﴿الصافات:۵۱﴾

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ يُرْمَوْنَ۔

مجاہد نے کہا، اس کا معنی ہے: ان پر غیب سے ہر طرف سے ٹوٹے ہوئے ستارے مارے جاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَسَّمَّعُوۡنَ اِلَى الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰى وَيُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ۞ دُحُوۡرًا وَّلَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۞ (الصافات:۸۔۹)

وہ عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے کان نہیں لگا سکتے اور ان پر ہر جانب سے ضرب لگائی جاتی ہے O ان (کو بھگانے) کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یقذفون کی تفسیر یُرۡمَوۡنَ کی ہے یعنی ان پر مارے جاتے ہیں اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: ان پر ستارے مارے جاتے ہیں اور ان کو ہر جانب سے بھگایا جاتا ہے یعنی وہ جس جانب سے بھی آسمان پر چڑھنا چاہیں ان کو اس جانب سے بھگایا جاتا ہے۔ دُحُوۡرًا کا معنی ہے: ان کو دھتکارنے کے لیے۔

وَاصِبٌ دَائِمٌ۔ واصب کا معنی ہے: دائمی یعنی ہمیشہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّلَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۞ (الصافات:۹) اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَّاصِبٌ کی تفسیر دَائِمٌ کے ساتھ کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر منقول ہے: شدید یعنی ان کے لیے عذاب شدید ہے۔

لَازِبٌ لَازِمٌ۔ لازب کا معنی ہے: لَازِمٌ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ ۞ (الصافات:۱۱) ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لازب کی تفسیر لَازِمٌ کے ساتھ کی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ ایسی مٹی جو چکنی ہو اور بہت عمدہ ہو، اور السدی سے منقول ہے کہ لَازِبٌ کا معنی ہے: خالص۔

تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ يَعْنِي الْحَقَّ الْكُفَّارُ تَقُولُهُ لِلشَّيْطَانِ۔ تاتوننا عن الیمین اس کا معنی ہے: تم ہمارے پاس دائیں طرف سے آتے تھے یعنی جو جن کفار ہیں وہ یہ بات شیطان سے کہیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝ (الصافات:۲۸) (شیطان کے پیروکار شیطان سے) کہیں گے: بے شک تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جو کفار جن ہیں وہ شیطان سے کہیں گے کہ تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے، اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ لفظ جِنّ نہیں ہے بلکہ حَقّ ہے یعنی تم ہمارے پاس حق کی جہت سے آتے تھے اور تم ہم پر حق کو مشتبہ کرتے تھے۔

غَوْلٌ وَجَعُ بَطْنٍ۔ غَوْلٌ اس کا معنی ہے: پیٹ میں درد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ (الصافات:۴۷) نہ اس سے دردِ سر ہوگا اور نہ وہ اس سے بہکیں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے غَوْلٌ کی تفسیر پیٹ کے درد کے ساتھ کی ہے اور یہ قتادہ کا قول ہے اور الکلبی سے منقول ہے: نہ اس میں کوئی گناہ ہوگا، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

لَا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝ (الطور:۲۳) جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی اور نہ کوئی گناہ O

اور حسن بصری سے منقول ہے کہ غَوْلٌ کا معنی سر کا درد ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عقول زائل نہیں ہوں گی اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں ہوگی۔

يُنْزَفُوْنَ لَا تَذْهَبُ عُقُوْلُهُمْ۔ يُنْزَفُوْنَ اس کا معنی ہے: ان کی عقلیں نہیں جائیں گی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ (الصافات:۴۷) نہ اس سے دردِ سر ہوگا اور نہ وہ اس سے بہکیں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ینزفون کی تفسیر کی ہے کہ ان کی عقلیں نہیں جائیں گی اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ ان کی عقلوں پر شراب کا غلبہ نہیں ہوگا اور نہ اس سے نشہ آئے گا، جب کسی کو نشہ ہوا اور اس کی عقل چلی جائے تو عرب کہتے ہیں: نَزَفَ الرجلُ۔

قَرِيْنٌ شَيْطَانٌ۔ قَرِيْنٌ اس سے شیطان مراد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ۝ (الصافات:۵۱) ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا: بے شک دنیا میں میرا ایک ساتھی ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے قرین کی تفسیر شیطان کی ہے یعنی دنیا میں ایک شیطان اس کا ساتھی تھا۔

يُهْرَعُوْنَ كَهَيْئَةِ الْهَرْوَلَةِ۔ يُهْرَعُوْنَ اس کا معنی ہے: وہ دوڑنے کی طرح تیز چلتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ۝ (الصافات:۷۰) سو وہ ان ہی کے نقش قدم پر بھگائے جاتے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اَلْھَرْوَلَہ کا معنی ہے: تیز تیز چلنا۔ امام بخاری نے کہا ہے: وہ دوڑنے کی طرح تیز تیز چلتے ہیں۔

یَزِفُّوْنَ النَّسَلَانُ فِي الْمَشْيِ۔ یزفون اس کا معنی ہے: وہ تیز تیز چلتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَقْبَلُوْۤا اِلَیْهِ یَزِفُّوْنَ۝ (الصافات:۹۴) پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یَزِفُّوْنَ کی تفسیر تیز تیز چلنے کے ساتھ کی ہے، اَلنَّسَلَان کا معنی ہے: قریب قریب قدم رکھنا اور دوڑے بغیر تیز تیز چلنا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ زفیف النعام سے ماخوذ ہے یعنی شتر مرغ کی اڑنے اور چلنے کے درمیان رفتار۔

وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا قَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ الْمَلَائِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ وَأُمَّهَاتُهُمْ بَنَاتُ سَرَوَاتِ الْجِنِّ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ۝﴾ (الصافات: ۱۵۸) سَتُحْضَرُ لِلْحِسَابِ۔

وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا اس سے مراد یہ ہے کہ کفار قریش کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ان کی مائیں جنات کی سرداروں کی مائیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ۝ (الصافات: ۱۵۸) جنات کو خوب معلوم ہے کہ وہ حساب کے لیے پیش کیے جائیں گے O

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ جَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ۝ (الصافات:۱۵۸) اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت داری بنا دی، حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: مشرکین مکہ نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان قرابت داری بنائی، جنات سے مراد فرشتے ہیں اور انہوں نے فرشتوں کو جنات اس لیے کہا کہ فرشتے ان کی آنکھوں سے چھپے ہوئے ہیں، انہوں نے کہا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اور فرشتوں کی مائیں جنات کے سردار یعنی ان کے خواص کی بیٹیاں ہیں۔ السروات کا لفظ سراۃ کی جمع ہے اور وہ عزیز کے معنی میں ہے اور اس بات کے کہنے والے خوب جانتے ہیں کہ جنات دوزخ پر پیش کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا اور اگر جنات اللہ تعالیٰ کے رشتہ دار یا شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیتا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَنَحْنُ الصَّافُّوْنَ الْمَلَائِكَةُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ اس کا معنی ہے: بے شک ہم صف باندھے ہوئے ہیں اور اس سے مراد فرشتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ۝ (الصافات:۱۶۵) اور بے شک ہم ضرور صف بستہ ہیں O

علامہ عینی نے لکھا ہے: صف باندھنے والے فرشتے ہیں، اسی طرح ابن جریر کی حضرت ابن عباس سے روایت ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ہم اللہ کی تسبیح کرنے والے ہیں، اور علامہ ثعلبی نے کہا: ہم نماز میں صف باندھنے والے ہیں۔

صِرَاطِ الْجَحِیْمِ سَوَاءِ الْجَحِیْمِ وَوَسَطِ الْجَحِیْمِ۔ صراط الجحیم، سواء الجحیم، وسط الجحیم تینوں کا ایک معنی

ہے یعنی دوزخ کا راستہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ○ (الصافات: ۲۳) پھر ان سب کو دوزخ کے راستے پر لے جاؤ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ ان تینوں لفظوں کا ایک معنی ہے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ صراط الجحیم: دوزخ کا راستہ ہے اور صراط کا معنی ہے: راستہ۔

لَشَوْبًا يُخْلَطُ طَعَامُهُمْ وَيُسَاطُ بِالْحَمِيْمِ۔ لَشَوْبًا اس کا معنی ہے: ملانا یعنی ان کے کھانے کو گرم کھولتے ہوئے پانی کے ساتھ ملایا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ○ (الصافات: ۶۷) پھر بے شک ان کے لیے (پیپ) ملا ہوا گرم پانی ہوگا○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے شوبا کی تفسیر کی ہے: یُخْلَطُ یعنی اس کو ملایا جائے گا گرم کھولتے ہوئے پانی کے ساتھ اور ان کا کھانا حنظل کے درخت سے بنا ہوگا جو بہت کڑوا ہوتا ہے۔

مَدْحُوْرًا مَطْرُوْدًا۔ مَدْحُوْرًا اس کا معنی ہے: دھتکارا ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ (الاعراف: ۱۸) فرمایا: یہاں سے ذلیل اور دھتکارا ہوا ہو کر نکل جا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: لیکن یہ سورۂ اعراف کی آیت ہے اور یہاں اس کا محل نہیں ہے، سورۃ الصافات میں یہ آیت ہے:

وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ○ دُحُوْرًا۔ اور ان پر ہر جانب سے ضرب لگائی جاتی ہے○ ان کو بھگانے کے لیے۔ (الصافات: ۹-۸)

امام بخاری نے مدحورا کی تفسیر مطرودا کی ہے یعنی دھتکارا ہوا کیونکہ الدحر کا معنی ہے: بھگانا اور دور کرنا۔

بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ۔ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ اس کا معنی ہے: پوشیدہ موتی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ○ (الاعراف: ۴۹) گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ کی تفسیر کی ہے: پوشیدہ موتی یعنی صفائی میں اور ''بیض'' بیضہ کی جمع ہے یعنی انڈے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: مَّكْنُوْنٌ کا معنی ہے: مستور اور ایک قول ہے: محفوظ، قرآن مجید میں مَّكْنُوْنٌ مذکر کا صیغہ ہے حالانکہ یہ بَيْضٌ کی صفت ہے اور وہ مونث ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ کے اعتبار سے ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ يُذْكَرُ بِخَيْرٍ۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ یعنی ہم نے ان کے بعد آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ ان پر سلام ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ (الصافات: ۷۸) اور ہم نے ان کا ذکر بعد والوں میں باقی رکھا○

علامہ عینی لکھتے ہیں: ذکر خیر سے مراد یہ ہے کہ ہر امت میں قیامت تک حضرت نوح علیہ السلام کی حمد و ثناء ہوتی رہے گی۔

وَيُقَالُ يَسْتَسْخِرُونَ يَسْخَرُونَ۔ يستسخرون اس کا معنی ہے: یسخرون یعنی وہ مذاق اڑاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ (الصافات:۱۴) اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یستسخرون کی تفسیر یسخرون کی ہے یعنی وہ مذاق اڑاتے ہیں۔

بَعْلًا رَبًّا۔ بعلا اس کا معنی ہے: ان کا خود ساختہ رب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ (الصافات:۱۴) کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بعل کی تفسیر رَبّ کی ہے اور بعل ایک بت کا نام ہے جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور اسی سے بعلبک ماخوذ ہے، یہ ان کے بت کا نام ہے۔ [یہ تمام تعلیقات اور ان کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۱۹۵۔ ۱۹۲ میں کی ہیں]

۱۔ بَابٌ: وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (الصافات:۱۳۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں O (الصافات:۱۳۹) کی تفسیر

۴۸۰۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَكُونَ خَيْرًا مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابووائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ متی کے بیٹے حضرت یونس سے افضل ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۱۲ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۰۵۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ مِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى فَقَدْ كَذَبَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از ہلال بن علی جو عامر بن لوی کے بیٹوں میں سے ہیں از عطاء بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے کہا: میں یونس بن متّیٰ سے افضل ہوں اس نے جھوٹ بولا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۱۵ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں تھا کہ آپ حضرت یونس علیہ السلام سے افضل ہیں؟ اس کا

ایک جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو اپنے افضل الانبیاء ہونے کا علم نہیں تھا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ کلام تواضعاً فرمایا ہے۔

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الصافات کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ سورۂ ص کی تفسیر شروع ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٣٨ـ تَفْسِيرُ سُوْرَةِ صٓ

سورۂ ص کی تفسیر

سورۂ ص کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ ص کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ ص مکی ہے، یہ سورۂ انشقاق کے بعد اور سورۂ اعراف سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس میں اٹھاسی (٨٨) آیات ہیں۔

لفظ ص کے متعلق متعدد اقوال

ص کے معنی میں اختلاف ہے، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ ایک سمندر ہے جس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے، وہاں نہ کوئی رات ہے اور نہ دن ہے اور حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے: یہ ایک سمندر ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ دو صوروں کے درمیان مردوں کو زندہ کرے گا، اور ضحاک سے روایت ہے کہ ص سے مراد ہے: صدق اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا) اور مجاہد سے مروی ہے: ص کا معنی ہے: سورت کی ابتداء، اور قتادہ سے مروی ہے کہ ص قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور السدی سے مروی ہے کہ ص اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور محمد القرظی سے مروی ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی چابی ہے، وہ صمد ہے اور تمام مصنوعات کو بنانے والا ہے اور صادق الوعد ہے اور ابن سلیمان دمشقی سے مروی ہے کہ ص ایک سانپ کا نام ہے جس کا سر عرش کے نیچے ہے اور اس کی دم سب سے آخری زمین کے نیچے ہے، انہوں نے کہا: میرا گمان ہے کہ یہ عکرمہ سے مروی ہے اور ایک قول ہے: اس کا معنی ہے: ص تمہارے عمل کے ساتھ قرآن ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارا عمل کہاں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ١٩ ص ١٩٦ـ ١٩٥، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

١ـ بَابٌ

٤٨٠٦ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْعَوَّامِ قَالَ سَأَلْتُ مُجَاهِدًا عَنِ السَّجْدَةِ فِي ص قَالَ سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ٩٠) وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَسْجُدُ فِيهَا۔

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از العوام انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سورۂ ص کے سجدہ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا: حضرت ابن عباس سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ آیت پڑھی: أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: ٩٠) یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ اور حضرت ابن عباس اس آیت پر سجدہ کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۲۱ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۰۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ عَنِ الْعَوَّامِ قَالَ سَأَلْتُ مُجَاهِدًا عَنْ سَجْدَةٍ فِي ص فَقَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ مِنْ أَيْنَ سَجَدْتَ فَقَالَ أَوَ مَا تَقْرَأُ ﴿وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَ سُلَيْمٰنَ﴾ (الانعام: ۸۴)۔ ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ۹۰) فَكَانَ دَاوُدُ مِمَّنْ أُمِرَ نَبِيُّكُمْ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِ فَسَجَدَهَا دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَجَدَهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبید الطنافسی نے حدیث بیان کی از العوام، انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سورۂ ص کے سجدہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا تھا: آپ نے کہاں سے سجدہ کیا؟ تو انہوں نے کہا: کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتے: وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَ سُلَيْمٰنَ (الانعام: ۸۴) اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان ہیں۔ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: ۹۰) یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام وہ ہیں کہ جن کی اقتداء کا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا، اس پر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ کیا۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۳۴۲۱ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی اس حدیث کے بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے کہاں سے سجدہ کیا؟ یعنی آپ نے کس دلیل سے اس سورت میں سجدہ کیا ہے؟

پس حضرت داؤد علیہ السلام نے اس پر سجدہ کیا: یعنی حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سورت میں سجدہ کیا ہے اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ حدیث امام شافعی پر حجت ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں سورۂ ص میں سجدہ کرنا عزیمت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۹۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان دونوں حدیثوں کی شرح میں کچھ نہیں لکھا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۶۔ ۱۹۵)

الانعام: ۹۰ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم منقبت

میں کہتا ہوں: ہم نے (الانعام: ۹۰) کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت کا معنی ہے: اے رسول مکرم! ان نبیوں اور رسولوں نے جو عمل کیا ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں اور جس منہاج پر یہ چلتے رہے ہیں اس منہاج پر آپ بھی چلیں اور ہماری دی ہوئی ہدایت اور توفیق کے مطابق جس طرح انہوں نے زندگی گزاری ہے آپ اس طرح زندگی گزاریں اور ان تمام نبیوں اور رسولوں کے جس قدر محاسن اور خوبیاں ہیں آپ وہ سب اپنے اندر جمع کرلیں۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم منقبت ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں میں جو خوبیاں اور کمالات الگ الگ اور متفرق طور پر پائے جاتے تھے وہ سب کمالات آپ کی ذات میں جمع ہو گئے یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی گزاری ہوئی زندگیاں متن متین ہیں اور آپ کی زندگی ان کی شرح جمیل ہے:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(تبیان القرآن ص ۲۱۹ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

عُجَابٌ عَجِيبٌ۔ عُجاب: اس کا معنی ہے: عجیب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ (ص:۵) بے شک یہ بہت عجیب بات ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ ذکر کیا ہے کہ عجاب کا معنی عجیب ہے اور اس لفظ کو جیم کی تشدید کے ساتھ عُجّاب بھی پڑھا گیا ہے، مقاتل نے کہا: یہ ازدشنوءہ کی لغت ہے جیسے کریم اور کُرّام اور کبیر اور کبّار اور طویل اور طُوّال اور عریض اور عُرّاض۔

اَلْقِطُّ الصَّحِيفَةُ هُوَ هَا هُنَا صَحِيفَةُ الْحِسَابِ۔ اَلْقِط کا معنی ہے: صحیفہ اور یہاں اس سے مراد نیکیوں کا صحیفہ ہے یا اعمال نامہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝ (ص:۱۶) اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بتایا کہ القِط کا معنی ہے: الصحیفہ مطلقاً لیکن یہاں اس سے مراد نیکیوں کا صحیفہ ہے اور کشمیہنی کی روایت میں ہے: حساب کا صحیفہ اور اسی طرح النسفی کی روایت ہے، اور الکلبی نے کہا کہ جب سورۃ الحاقہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ (الحاقہ:۱۹) سو جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: آؤ میرا نامہ اعمال پڑھو○

تو کفار نے بہ طور استہزاء کہا: ہمارا حصہ ہمیں جلدی دے دے، ان کی مراد یہ تھی کہ ہمارا اعمال نامہ ہمیں دنیا میں ہی جلد دے دے، اور قتادہ، مجاہد اور سدی سے روایت ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ ہمارا عذاب جو ہمارے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ ہمیں دنیا میں ہی جلد دے دے۔ یہ النضر بن الحارث نے کہا تھا اور امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ القِط کا معنی ہے: کتاب اور اس کی اصل قط الشئ ہے جب کسی چیز کو کاٹ کر ٹکڑے کر دو اور اس کا صحیفہ پر اس لیے اطلاق ہوتا ہے کہ وہ بھی کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور اسی طرح اس کا صک پر بھی اطلاق ہوتا ہے یعنی چیک پر۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں قِطَّنا کا لفظ ہے اور القط کا معنی ہے: کسی چیز کو کاٹنے کے بعد اس کا حاصل شدہ ٹکڑا اور اس سے مراد ان کا حصہ اور مقسوم ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ہم کو جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں اس عذاب میں سے جو حصہ ہمارے لیے مقرر ہے وہ حصہ ہمیں دنیا میں دلوا دیں اور اس کو روز حساب تک موخر نہ کریں۔ (انوار تبیان القرآن ص ۷۴۴، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ فِي عِزَّةٍ مُعَازِّينَ۔ اور مجاہد نے کہا: فِیْ عِزَّةٍ کا معنی ہے: غلبہ چاہنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ (ص:۲) بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ارادہ کیا کہ فِیْ عِزَّةٍ کا لفظ خبر کے محل میں ہے اور معزین کا معنی ہے: مغالبین یعنی غلبہ چاہنے والے، دوسرا قول ہے: اس کا معنی ہے: تکبر اور جاہلیت اور شقاق کا معنی ہے: مخالفت اور تفرقہ۔

الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ مِلَّةُ قُرَيْشٍ الْاِخْتِلَاقُ الْكَذِبُ۔ الملة الاخرۃ اس کا معنی ہے: قریش کا دین اور الاختلاق کا معنی ہے: جھوٹ اور من گھڑت بات۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ (ص:۷) ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی، یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الملة الاخرۃ کی تفسیر قریش کے دین کے ساتھ کی ہے اور اختلاق کی تفسیر جھوٹ کے ساتھ کی ہے، مجاہد اور قتادہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، اور حضرت ابن عباس اور قرطبی اور الکلبی اور مقاتل نے کہا ہے: ان کی مراد نصرانیت تھی کیونکہ نصاریٰ بھی اللہ کے ساتھ اور خدا کو شریک کرتے تھے۔

الْأَسْبَابُ طُرُقُ السَّمَاءِ فِي أَبْوَابِهَا۔ الاسباب اس سے مراد ہے، آسمان کے دروازوں میں آسمانوں کے راستے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۟ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝ (ص:۱۰) یہ آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز ان کی ملکیت میں ہے تو ان کو چاہیے کہ رسیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اسباب کی تفسیر آسمان کے دروازوں میں آسمان کے راستوں کے ساتھ کی ہے، اسی طرح اس کی تفسیر مجاہد اور قتادہ سے منقول ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ فَلْيَرْتَقُوْا کا معنی ہے کہ انہیں چاہیے کہ پہاڑوں پر چڑھ کر آسمان تک پہنچیں، پھر وہاں سے ان کے پاس وحی لے کر آئیں یہ ان کو ڈانٹنے، جھڑکنے اور عاجز کرنے کا حکم ہے۔

قَوْلُهُ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ يَعْنِي قُرَيْشًا۔ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ اس سے مراد ہے: یہ اس جگہ کفار قریش کا شکست خوردہ لشکر ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝ (ص:۱۱) یہ اس جگہ کفار کا شکست خوردہ حقیر لشکر ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے اسی طرح مجاہد نے تفسیر کی ہے یعنی اس جگہ لشکر کفار کو شکست دی جائے گی اور یہ غیب کی خبر دینا ہے کیونکہ اس کے بعد یعنی مکہ میں کفار کو شکست دی گئی اور قتادہ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ اللہ عزوجل نے مکہ میں یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کو شکست دی جائے گی اور اس کی تعبیر غزوۂ بدر میں پوری ہوئی۔

أُولٰٓئِكَ الْأَحْزَابُ الْقُرُوْنُ الْمَاضِيَةُ۔ أُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ اس کا معنی ہے: گزشتہ گروہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ۭ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝ (ص:۱۳) اور ثمود اور لوط کی قوم اور اصحاب ایکہ (جنگل والے)، یہ کفار کے گروہ ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ کی تفسیر گزری ہوئی جماعتوں کے ساتھ کی ہے اور دوسرے مفسرین نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ان لوگوں پر قہر کیا گیا اور ان کو عذاب دیا گیا۔

فَوَاقٍ رُجُوعٍ۔ فَوَاقٍ کا معنی ہے: رجوع یعنی واپسی کی مہلت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَمَا يَنْظُرُ هٰؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ (ص:۱۵) اور یہ (کفار) صرف ایک سخت چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہوگی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ بتایا ہے کہ ان کے لیے دنیا کی طرف لوٹنے اور واپسی کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ امام ابو عبیدہ نے کہا ہے: یہ لفظ فَوَاق ہے اور اس کا معنی ہے: ان کے لیے کوئی راحت نہیں ہوگی اور جنہوں نے کہا کہ یہ لفظ فُوَاق ہے (فاء پر پیش) انہوں نے کہا: اس کا معنی ہے: مہلت یعنی اونٹنی کا دودھ دوہنے کے درمیان وقفہ۔

قِطَّنَا عَذَابَنَا۔ قِطَّنَا اس کا معنی ہے: ہمارے حصہ کا عذاب۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق مکرر ہے مگر پہلے امام بخاری نے قِطَّنَا کی تفسیر کی تھی: صحیفہ اور یہاں اس کی تفسیر عذاب کی ہے اور صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں یہ تعلیق نہیں ہے۔

اَتَّخَذْنَاهُمْ سُخْرِيًّا اَحَطْنَا بِهِمْ۔ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اس سے مراد ہے: جن لوگوں کا ہم مذاق اڑاتے ہوئے ان کو گھیر لیا کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝ (ص:۶۲۔۶۳) دوزخی کہیں گے کیا: سبب ہے کہ ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آرہے جنہیں ہم لوگ (دنیا میں) برے لوگ شمار کرتے تھے O کیا ہم نے ان کا ناحق مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئی ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی کفار قریش نے کہا اور وہ اس وقت دوزخ میں ہوں گے کہ کیا وجہ ہے کہ ہم ان مردوں کو نہیں دیکھ رہے جن کو ہم بہت برا اور رذیل قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے یعنی ہم ان کو دوزخ میں نہیں دیکھ رہے گویا کہ وہ دوزخ میں نہیں ہیں بلکہ ہماری نظریں ان سے پھیر دی گئی ہیں اور وہ دوزخ ہی میں ہیں۔

ہم نے لکھا ہے: یعنی کفار جب جہنم کی تمام اطراف اور جوانب میں نظر ڈالیں گے تو ان کو وہ فقراء مسلمین نظر نہیں آئیں گے جن کا دنیا میں مذاق اڑاتے تھے، وہ ان کو اشرار اور بروں میں شمار اس لیے کرتے تھے کہ وہ ان کے دین کے خلاف تھے اور ایسے دین کی پیروی کر رہے تھے جس سے ان کو کوئی دنیاوی منفعت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ (انوار تبیان القرآن ص ۲۹۷، فرید بک سٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

أَتْرَابٌ أَمْثَالٌ۔ أَتْرَابٌ اس کا معنی ہے: ان کی ہم مثل۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝ (ص:۵۲) اور ان کے پاس نیچی نظر والی حوریں ہوں گی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے أَتْرَابٌ کی تفسیر امثال کی ہے اور اتراب، ترب کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: لدت اس سے مراد یہ ہے کہ ان حوروں کی عمر ایک ہوگی اور وہ سب تینتیس (۳۳) سال کی ہوں گی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْأَيْدُ الْقُوَّةُ فِي الْعِبَادَةِ الْأَبْصَارُ الْبَصَرُ فِي أَمْرِ اللهِ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الاید کا معنی ہے: عبادت میں قوت اور الابصار کا معنی ہے: اللہ کے احکام میں بصیرت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ (ص:۴۵) اور ہمارے (دیگر خاص) بندوں کو یاد کیجئے ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے اور بصیرت والے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الاید کی تفسیر عبادت میں قوت کے ساتھ کی ہے اور الابصار کی تفسیر اللہ کے احکام میں بصیرت کے ساتھ کی ہے۔ امام طبری نے اس کو اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں، ایک مشہور تفسیر اور دوسری محقق تفسیر

حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي مِنْ ذِكْرِ۔ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ، مِنْ ذکر ربی اس میں یہ بتایا ہے کہ عن ذکر ربی میں عَنْ، مِنْ کے معنی میں ہے یعنی خیر کی محبت نے مجھے میرے رب کی عبادت سے غافل کر دیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ (ص:۳۲) انہوں نے کہا: بے شک میں نے نیک مال کی محبت اپنے رب کے ذکر کرنے کی وجہ سے اختیار کی ہے حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: میں نے خیر کی محبت میں، اس سے ان کی مراد گھوڑے تھے اور چودہ گھوڑے تھے جو ان کے سامنے پیش کیے گئے تھے، عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ یعنی نماز سے غافل کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ امام بخاری نے من ذکر ربی لکھ کر یہ اشارہ کیا ہے: اس آیت میں عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ میں عن من کے معنی میں ہے۔ میں کہتا ہوں: ان آیات کی تفصیل میں نحاس نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے پاس غنیمت سے حاصل شدہ گھوڑے لائے گئے تھے تا کہ وہ ان کا معائنہ کریں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے اشارہ کیا کہ ان گھوڑوں کو ان کے اصطبل میں پہنچا دیا جائے حتیٰ کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے پاس لاؤ، پھر آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور آپ کا ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنا ان گھوڑوں کی تکریم کے لیے تھا تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی بڑا اور باوقار آدمی گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرے تو یہ کام اس کے مقام اور وقار کے خلاف نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۷۵ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۹۰) (انوار البیان القرآن ص ۲۶۷، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

اس آیت کی مشہور تفسیر یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ اس وقت کی نماز یا وظیفہ رہ گیا، جب بعد میں آپ اس پر متنبہ ہوئے تو آپ نے ان گھوڑوں کو واپس لانے کا حکم دیا اور تلوار سے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنی شروع کیں جن کی وجہ سے اللہ کی عبادت میں خلل ہوا تھا۔

ہم نے جو لکھا ہے وہ اس آیت کی دوسری تفسیر ہے کہ یہ گھوڑے جہاد کے لیے تھے اور ان کا معائنہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ جہاد بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ علامہ عینی نے جو تفسیر کی ہے وہ مشہور تفسیر کے مطابق ہے۔

مَسْحًا يَمْسَحُ اَعْرَافَ الْخَيْلِ وَعَرَاقِيْبَهَا۔ طَفِقَ مَسْحًا اس کا معنی ہے: وہ گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر

ہاتھ پھیرنے لگے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

رُدُّوْهَا عَلَیَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝ (ص:۳۳)

تو انہوں نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے O

الْاَصْفَادِ الْوَثَاقِ۔

اَلْاَصْفَاد اس کا معنی ہے: زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ۝ (ص:۳۸)

اور دوسرے جنات کو بھی (ان کے تابع کر دیا) جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الاصفاد کی تفسیر الوثاق کی ہے یعنی زنجیریں اور بیڑیاں اور مقرنین کا معنی ہے: وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۹۹۔۱۹۶ میں کی ہے]

۲۔ بَابٌ: وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (ص:۳۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے O (ص:۳۵) کی تفسیر

ص:۳۵ کی علامہ عینی سے تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی، پھر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ ان کو ایسی سلطنت عطا فرمائے جو ان کے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو اور مقاتل بن حیان نے روایت کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت حاصل تھی لیکن انہوں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہواؤں کو اور پرندوں کو بھی مسخر کر دے اور اَلْوَهَّابُ کا معنی ہے: جو بہت زیادہ دینے والا ہو۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۱۹۹)

۴۸۰۸۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّ عِفْرِيتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلَاةَ فَأَمْكَنَنِي اللهُ مِنْهُ وَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبِطَهُ إِلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تُصْبِحُوا وَتَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ قَوْلَ أَخِي سُلَيْمَانَ ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾ (ص:۳۵) رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح اور محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی از شعبہ از محمد بن زیاد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ایک خبیث جن گزشتہ رات مجھ پر حملہ آور ہوا یا کوئی اور اس کی مثل کلمہ فرمایا تاکہ وہ مجھ پر میری نماز منقطع کر دے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قادر کر دیا اور میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ جب تم صبح اٹھو تو تم سب اس کی طرف دیکھو، پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ

رَوْحٌ فَرَدَّهُ خَاسِئًا۔

وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (ص:۳۵) (اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو)، روح نے کہا: پھر آپ نے اس کو نامراد کرتے ہوئے دھتکار دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۴۰۶۱ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابٌ: وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص:۸۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O (ص:۸۶) کی تفسیر

ص:۸۶ کی تفسیر علامہ عینی سے

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ پوری آیت اس طرح ہے:

قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص:۸۶)

آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O

یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کہیے: میں تم لوگوں سے اس وحی کے پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔

الحسن بن فضل نے کہا: یہ آیت درج ذیل آیت کے لیے ناسخ ہے:

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ (الشوریٰ:۲۳)

آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قرابت داروں کی محبت کے۔

اور مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ کا معنی ہے کہ میں از خود اپنی طرف سے قرآن کو نہیں بناتا، اور علامہ نسفی نے کہا ہے کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کام کو خود نہ کرتے ہوں اور یہ چاہتے ہوں کہ ان کی ان کاموں پر تعریف کی جائے اور میں اس چیز کا دعویٰ کرنے والا نہیں ہوں جو میرے پاس نہ ہو حتیٰ کہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کروں اور قرآن کو اپنے پاس سے بنا کر لاؤں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (یوسف:۱۰۴)

یہ قرآن تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے O

اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ میں اس کی تبلیغ کروں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۰۰)

۴۸۰۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلِ اللهُ أَعْلَمُ فَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يَقُوْلَ لِمَا لَا يَعْلَمُ اللهُ أَعْلَمُ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِنَبِيِّهِ ﷺ ﴿قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (ص:۸۶) وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنِ الدُّخَانِ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ دَعَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی الضحیٰ از مسروق انہوں نے بیان کیا: ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، انہوں نے فرمایا: اے لوگو! جس کو کسی بات کا علم ہو وہ اس کو کہے اور جس کو علم نہیں ہو تو اس کو چاہیے وہ کہے: اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کیونکہ یہ بھی علم میں سے ہے کہ انسان کو جس چیز کا علم نہ ہو وہ کہے: اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ

قُرَيْشًا إِلَى الْإِسْلَامِ فَأَبْطَئُوا عَلَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ فَحَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْجُلُودَ حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ يَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ دُخَانًا مِنَ الْجُوعِ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۙ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (الدخان: ١٠-١١) قَالَ فَدَعَوْا ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝﴾ (الدخان: ١٠-١٥) أَفَيُكْشَفُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ فَكُشِفَ ثُمَّ عَادُوا فِي كُفْرِهِمْ فَأَخَذَهُمُ اللهُ يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ اللهُ تَعَالَى ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ۝﴾ (الدخان:١٦)

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝ (ص:٨٦) آپ کہیے: میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O اور میں تمہیں عنقریب دخان (دھواں) کے متعلق حدیث بیان کروں گا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو دعوت اسلام دی، انہوں نے اس کو قبول کرنے میں تاخیر کر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی: اے اللہ! ان کے خلاف میری مدد فرما اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے قحط کے سات (۷) سالوں کی طرح ان پر قحط کے سات سال مسلط فرما دے، پس ان کو قحط نے پکڑ لیا اور ہر چیز ختم ہو گئی حتیٰ کہ انہوں نے مردار کھائے اور کھالیں کھائیں حتیٰ کہ ایک مرد اپنے اور آسمان کے درمیان بھوک کی وجہ سے دھوئیں کو دیکھتا تھا، اللہ عزوجل نے فرمایا: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۙ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (الدخان:١٠-١١) سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا O جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ہے درد ناک عذاب O حضرت عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا پس انہوں نے دعا کی: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝ (الدخان: ١٠-١٥) (اس دن وہ کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے، بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں O اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے، حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آ چکے تھے O پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں O (اگر) ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو بے شک تم پھر (کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو O کیا پس قیامت کے دن عذاب دور کیا جائے گا، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: پس عذاب دور کیا گیا۔ پھر وہ اپنے کفر میں لوٹ گئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ان کو پکڑ لیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ

الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ۝ (الدخان:١٦) جس دن ہم بہت گرفت
کے ساتھ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

الحمدللہ رب العالمین سورۂ ص کی امام بخاری نے جو تفسیر تعلیقات اور احادیث کے ساتھ کی تھی اس کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ الزمر کی جو تفسیر کی ہے اس کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۳۹۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الزُّمَرِ

سورۃ الزمر کی تفسیر

سورۃ الزمر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الزمر کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے۔ صرف دو آیتیں مدنی ہیں، ان میں سے ایک یہ آیت ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا۔ (الزمر:۵۳) یہ آیت حضرت وحشی کے متعلق نازل ہوئی تھی اور دوسری آیت یہ ہے: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ (الزمر:۶۷)

علامہ سخاوی نے کہا ہے: سورۃ الزمر، سورۂ سبا کے بعد نازل ہوئی ہے اور سورۃ المومن سے پہلے یعنی سورۂ غافر سے پہلے سورۃ الزمر میں کل پچہتر (۷۵) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۲۰۱)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ أَفَمَنْ يَّتَّقِي بِوَجْهِهِ يُجَرُّ عَلٰى وَجْهِهِ فِي النَّارِ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (حم السجدہ:۴۰)

اور مجاہد نے کہا ہے: اَفَمَنْ يَّتَّقِي بِوَجْهِهٖ یعنی کیا جو شخص اپنے چہرے کو (عذاب سے) بچاتا ہے جو منہ کے بل دوزخ میں گھسیٹا جائے گا یہ اس آیت کا مصداق ہے:

آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (الزمر:۲۴)

کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرتا ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا جو خوشی سے جنت میں داخل ہو؟)

علامہ عینی لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے: کسی شخص نے سامنے سے آنے والے عذاب کو اپنی ڈھال سے دور کیا اور اپنے ہاتھوں سے دور کیا لیکن دوزخی شخص جس کو اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا وہ اس عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرے گا کیونکہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص بدترین عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرے گا کیا وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو عذاب سے بے خوف ہو؟

غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَبْسٍ۔

غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَبْسٍ یعنی جس میں کجی اور اشتباہ نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (الزمر:۲۸)

ہم نے انہیں عربی زبان میں قرآن عطا فرمایا جس میں کوئی کجی نہیں ہے تاکہ وہ اللہ سے ڈریں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَلْعِوَجِ کی تفسیر لَبْس کے ساتھ کی ہے جس کا معنی ہے: اشتباہ یعنی قرآن میں کوئی اشتباہ نہیں ہے اور نہ کوئی کجی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یعنی قرآن مجید مخلوق نہیں ہے۔

وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ مَثَلٌ لِاٰلِهَتِهِمُ الْبَاطِلِ وَالْاِلٰهِ الْحَقِّ۔ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ اور ایک مرد صرف ایک مرد کا غلام ہو۔ یہ کفار کے معبودان باطلہ اور معبود برحق کی مثال ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا۔ اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے کہ ایک غلام ہے جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں اور ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے، کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے۔ (الزمر:۲۹)

ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلا غلام اپنے مختلف آقاؤں کی وجہ سے ہمیشہ تذبذب اور مشکل میں رہے گا کہ کس کا حکم مانے اور کس کو راضی رکھے اور جب کہ دوسرا شخص صرف ایک آقا کا غلام ہے اور اس کا معاملہ صرف ایک شخص سے متعلق ہے، وہ تذبذب اور مشکل میں مبتلا نہیں رہے گا کیونکہ اس کا معاملہ صرف ایک ہی شخص کے ساتھ متعلق ہے، بالکل یہی مثال اس شخص کی ہے جو متعدد معبودوں کی عبادت کرتا ہے، وہ بھی اسی طرح تذبذب اور مشکل میں مبتلا ہوگا اور جو شخص صرف ایک آقا کا غلام ہوگا اس کو یہ تذبذب اور پریشانی نہیں ہوگی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے: یہ ان کے باطل معبودوں اور برحق معبود کی مثال ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کیا ان دونوں غلاموں کی صفات برابر ہیں؟ علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس کافر کی مثال بیان فرمائی ہے جو متعدد معبودوں کی عبادت کرتا ہے اور مومن کی مثال بیان فرمائی ہے جو صرف ایک اللہ عزوجل کی عبادت کرتا ہے، اس آیت میں متشاکسون کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: جو مختلف ہوں اور متنازع ہوں اور جھگڑالو اور بداخلاق ہوں۔

وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهِ بِالْاَوْثَانِ۔ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ یعنی یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈراتے ہیں (الزمر:۳۶) اس سے مراد ان کے بت ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ۔ (الزمر:۳۶) کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈرا رہے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی مشرکین آپ کو بتوں کے ضرر پہنچانے سے ڈراتے ہیں۔ کفار نے کہا: آپ ہمارے معبودوں کی مذمت کرتے ہیں اور ان کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، آپ ان کے ذکر سے باز آ جائیں ورنہ ہم آپ کے ساتھ برا سلوک کریں گے۔ اس میں الاوثان کا ذکر ہے اور بالاوثان کی بھی روایت ہے اور یہ روایت زیادہ بہتر ہے۔

خَوَّلْنَا أَعْطَيْنَا۔ خَوَّلْنَا اس کا معنی ہے: أَعْطَيْنَا یعنی ہم نے عطا کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے، پھر

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ۔ (الزمر:۴۹) جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف ایک علم کی بنا پر دی گئی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے خَوَّلْنَا کی تفسیر اعطینا کے ساتھ کی ہے اور امام ابوعبیدہ نے کہا: جب تم کسی کو کوئی مال عطا کرو تو کہتے ہو: خَوَّلْتُهٗ۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ الْقُرْآنُ وَصَدَّقَ بِهٖ الْمُؤْمِنُ یَجِیْئُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَقُوْلُ هٰذَا الَّذِیْ اَعْطَیْتَنِیْ عَمِلْتُ بِمَا فِیْهِ۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (الزمر:۳۳) (اور جو سچے دین کو لے کر آئے) یعنی القرآن وَصَدَّقَ بِهٖ (اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی) یعنی مومن قیامت کے دن آ کر کہے گا: یہ وہ ہے جو تو نے مجھے عطا کیا تھا، میں نے جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل کیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝ (الزمر:۳۳) اور جو سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ کی تفسیر ''القرآن'' کے ساتھ کی ہے اور السدی نے کہا: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ کا مصداق حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو قرآن لے کر آئے اور و صدق بہ کا مصداق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے حامل ہیں اور و صدق بہ کا بھی مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے اس پیغام کو مخلوق تک پہنچایا، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ابو العالیہ اور الکلبی سے روایت ہے کہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور و صدق بہ کا مصداق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اور قتادہ اور مقاتل سے روایت ہے کہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور و صدق بہ کا مصداق المومنون ہیں اور عطاء سے روایت ہے: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ کا مصداق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور و صدق بہ کا مصداق ان کے پیروکار ہیں، اور اس صورت میں وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ میں الذی بہ معنی الذین ہے جیسے خُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا (التوبہ: ۶۹) میں الذی بہ معنی الذین ہے اور یہ پوری تفسیر صرف علامہ نسفی نے ذکر کی ہے۔

وَقَالَ غَیْرُهٗ مُتَشَاكِسُوْنَ الرَّجُلُ الشَّكِسُ الْعَسِرُ لَا یَرْضٰی بِالْاِنْصَافِ۔ مُتَشَاكِسُوْنَ اس کا معنی ہے: الرجل الشکس یعنی وہ مرد جو تنگ دل اور جھگڑالو ہو اور انصاف کی بات پر راضی نہ ہوتا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشَاكِسُوْنَ۔ (الزمر:۲۹) اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے ایک ایسے غلام کی جس میں کئی متضاد خیالات کے (جھگڑالو) لوگ شریک ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الشکس لکھ کر یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ مُتَشَاكِسُوْنَ کا مادہ ہے، البتہ قرآن مجید میں اس کا ذکر باب تفاعل سے ہے جو فاعل میں مشارکت کے لیے آتا ہے اور الشکس کا لفظ مفرد ہے اور صفت مشبہ ہے، رجل شکس ایسا شخص کو کہتے ہیں جس کے اخلاق ٹیڑھے ہوں اور قوم شُكُسٌ اس کا معنی ہے: سچا مرد اور سچی قوم اور اَلشِّكْسُ کا معنی ہے: بہت برا۔ امام بخاری نے اَلشِّكْسُ کی تفسیر اس شخص کے ساتھ کی ہے جو جھگڑالو ہو اور انصاف کی بات پر راضی نہ ہوتا ہو۔

وَرَجُلًا سِلْمًا وَيُقَالُ سَالِمًا صَالِحًا۔ رَجُلًا سَلَمًا اور اس کے معنی میں کہا جاتا ہے جو سالم اور صالح ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے کیونکہ یہ مکرر ہے، چار تعلیقات پہلے اس کا ذکر آ چکا ہے، لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلی تعلیق میں امام بخاری نے وَرَجُلًا سِلْمًا کہا تھا اور اس تعلیق میں رَجُلًا سَلَمًا کہا ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ سَلَمًا کے سین پر زیر بھی ہے اور زبر بھی اور الزجاج نے کہا سِلْمًا اور سَلَمًا دونوں مصدر ہیں اور اس سے مراد وہ مرد ہے جو نیک سیرت اور صالح ہو۔

اشْمَأَزَّتْ نَفَرَتْ۔ اِشْمَأَزَّتْ کا معنی ہے: متنفر ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ (الزمر: ۴۵) اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل متنفر ہوتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اِشْمَأَزَّتْ کی تفسیر تنفر کے ساتھ کی ہے، اسی طرح اس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ منقبض ہوتے ہیں اور قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: ان کے دل کفر کرتے ہیں۔

بِمَفَازَتِهِمْ مِنَ الْفَوْزِ۔ بِمَفَازَتِهِمْ یہ الفوز سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: کامیابی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ۔ (الزمر: ۶۱) اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے عذاب سے نجات دے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ مَفَازَةٌ، فَوْزٌ سے ماخوذ ہے یعنی مصدر میمی ہے۔

حَافِّينَ أَطَافُوا بِهِ مُطِيفِينَ بِحِفَافَيْهِ بِجَوَانِبِهِ۔ حافین اس کا معنی ہے: وہ حاطہ کرنے والے ہیں بِحَفَافِيْهِ یعنی عرش کی تمام جانبوں سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ (الزمر: ۷۵) اے رسول مکرم! آپ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حَافِّين کی تفسیر مطیفین کے ساتھ کی ہے جو اَلِاطَافَةُ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کے گرد طواف کرنا بِحفَافِيْهِ یہ حفاف کا تثنیہ ہے اور اس کا معنی جانب ہے اور حفافیہ کا معنی ہے: اس کی دونوں جانبوں سے۔ اور دوسری روایت میں ہے: بجوانبہ یعنی اس کی تمام جانبوں سے۔

مُتَشَابِهًا لَيْسَ مِنَ الْاِشْتِبَاهِ وَلٰكِنْ يُشْبِهُ بَعْضُهُ بَعْضًا فِي التَّصْدِيْقِ۔ مُتَشَابِهًا یہ اشتباہ سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے کہ بعض آیات دوسری بعض آیات کے تصدیق میں مشابہ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا۔ (الزمر: ۲۳) اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ متشابھا، اشتباہ سے ماخوذ نہیں ہے جس کا معنی اختلاط اور التباس

ہے لیکن اس کا معنی ہے: قرآن مجید کی بعض آیات تصدیق میں دوسری بعض آیات کے مشابہ ہیں کیونکہ قرآن مجید کی بعض آیات دوسری بعض آیات کی تصدیق کرتی ہیں، اور دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق میں دوسری بعض آیات کے مشابہ ہیں اور یہ آپ کے معجزہ کے سبب سے ہیں۔

۱۔ بَابٌ: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر: ۵۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے میرے وہ بندو! جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الزمر: ۵۳) کی تفسیر

آیت مذکورہ کا شان نزول

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس باب میں الزمر: ۵۳ کی تفسیر ہے: اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت اہل مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ زعم ہے کہ جس شخص نے اس کو قتل کیا جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور اس نے بتوں کی عبادت کی تو اس کی بخشش نہیں ہوگی، پس انہوں نے کہا: ہم کیسے ہجرت کریں اور اسلام قبول کریں حالانکہ ہم نے اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی عبادت کی ہے اور ہم اس شخص کو قتل کر چکے ہیں جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت وحشی کے متعلق نازل ہوئی ہے، جو سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا اور قتادہ سے روایت ہے کہ بعض لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں بہت بڑے بڑے گناہ کیے تھے، پس جب اسلام کا ظہور ہوا تو انہیں اس بات کا خوف ہوا کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی، تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے ان کو اسلام کی دعوت دی، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ اور ولید بن الولید اور مسلمانوں کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اسلام لا چکے تھے، پھر ان کو فتنہ میں ڈالا گیا اور عذاب دیا گیا، پس وہ فتنہ میں مبتلا ہوئے تو ہم یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کبھی بھی نہ فرض قبول کرے گا اور نہ نفل یہ لوگ اسلام لائے، پھر انہوں نے اپنے دین کو اس عذاب کی وجہ سے ترک کر دیا جو عذاب انہیں دیا گیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۱۰۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ يَعْلَى إِنَّ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ كَانُوا قَدْ قَتَلُوا وَأَكْثَرُوا وَزَنَوْا وَأَكْثَرُوا فَأَتَوْا مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم فَقَالُوا إِنَّ الَّذِي تَقُولُ وَتَدْعُو إِلَيْهِ لَحَسَنٌ لَوْ تُخْبِرُنَا أَنَّ لِمَا عَمِلْنَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، یعلیٰ نے کہا کہ بے شک سعید بن جبیر نے ان کو خبر دی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ مشرکین میں سے بعض لوگوں نے بہت زیادہ قتل کیا اور بہت زیادہ زنا کیا، پھر وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ آپ جو بیان کرتے ہیں اور جس دین کی

كَفَّارَةٌ فَنَزَلَ ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ﴾ (الفرقان: ۶۸) وَنَزَلَتْ ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ (الزمر: ۵۳)

(صحیح بخاری: ۴۵۱۹، صحیح مسلم: ۱۲۲، سنن ابی داؤد: ۴۲۷۴، سنن نسائی: ۴۰۰۵)

طرف دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھا ہے اگر آپ ہم کو یہ خبر دیں کہ بے شک ہم نے جو گناہ کیے تھے ان کا کوئی کفارہ ہے تو یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ (الفرقان: ۶۸) اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ اور یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (الزمر: ۵۳) آپ کہیے: اے میرے وہ بندوں جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی کی روایت میں ہے: لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم سے بھی وہ گناہ ہو چکے ہیں جو وحشی نے کیے ہیں، تب آپ نے فرمایا: یہ آیت تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

امام احمد نے اور امام طبرانی نے اوسط میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے آپ فرما رہے تھے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے اس آیت کے بدلہ میں دنیا اور مافیہا مل جائے یعنی يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (الزمر: ۵۳) کے بدلہ میں، ایک شخص نے پوچھا: اور جس نے شرک کیا ہو تو؟ آپ پہلے کچھ دیر خاموش رہے، پھر تین بار فرمایا: اور جس نے شرک کیا ہو۔

آیا اس آیت میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب حقوق کی مغفرت کی نوید ہے یا صرف حقوق اللہ کی مغفرت کی نوید ہے؟

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس آیت کے عموم سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اس شخص کے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے خواہ کبائر ہوں یا صغائر اور ان کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہو یا نہ ہو اور اہل سنت کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ تمام گناہ توبہ سے معاف کر دیے جاتے ہیں اور جس کے لیے اللہ چاہے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے خواہ وہ بغیر توبہ کے مر گیا ہو، اور رہے حقوق العباد تو جب اس نے یہ توبہ کی ہو کہ وہ آئندہ ایسا گناہ نہیں کرے گا تو اس کو اس توبہ سے نفع ہوگا اور اگر اس نے کسی بندہ کا حق ضائع کیا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس بندہ سے اس حق کو معاف کرائے ورنہ پھر اس کو اس کے حق کے بدلہ میں اپنی نیکیاں دینی ہوں گی ہاں! اللہ تعالیٰ کے فضل میں یہ وسعت ہے کہ وہ حق دار کو اس کے حق کے بدلہ میں اپنی طرف سے اس کا معاوضہ عطا فرمائے اور گناہ گار کو عذاب نہ دے اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (النساء:۱۱۶)

بے شک اللہ اس کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے کم ہو گا اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۰۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابٌ: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ (الزمر:۶۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ (الزمر:۶۷) کی تفسیر

۴۸۱۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبِيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ جَاءَ حَبْرٌ مِنَ الْأَحْبَارِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّا نَجِدُ أَنَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ السَّمٰوَاتِ عَلٰى إِصْبَعٍ وَالْأَرَضِيْنَ عَلٰى إِصْبَعٍ وَالشَّجَرَ عَلٰى إِصْبَعٍ وَالْمَاءَ وَالثَّرٰى عَلٰى إِصْبَعٍ وَسَائِرَ الْخَلَائِقِ عَلٰى إِصْبَعٍ فَيَقُوْلُ أَنَا الْمَلِكُ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ تَصْدِيْقًا لِقَوْلِ الْحَبْرِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ (الزمر:۶۷)

(صحیح البخاری: ۷۴۱۴، ۴۳۶۸، صحیح مسلم: ۲۷۸۶، سنن ترمذی: ۳۲۳۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا کہ علماء یہود میں سے ایک عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم یہ لکھا ہوا پاتے ہیں: بے شک اللہ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور تمام زمینوں کو ایک انگلی پر اور تمام درختوں کو ایک انگلی پر اور تمام پانی اور کیچڑ کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، اس یہودی عالم کی تصدیق کی وجہ سے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الزمر:۶۷) اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہ کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔

حدیث مذکورہ میں انگلی کی شرح میں علماء کے اقوال اور ہنسی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھوں کے ظہور کی تحقیق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک انگلی پر: اس سے مراد قدرت ہے، ابن فورک نے کہا: اس سے مراد کسی مخلوق کی انگلی ہے اور یہ بھی ممنوع نہیں ہے، اور محمد بن شجاع الثلجی نے کہا: ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کوئی مخلوق ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو اور اس کا نام انگلی کے موافق ہو اور وہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ ''رحمٰن کی انگلیوں میں سے ایک انگلی'' اس کی تاویل قدرت یا سلطنت کے ساتھ ہے اور الخطابی نے کہا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ انگلی یا اس کی مثل جو چیز ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جائے گا سوا اس کے کہ اس کا ذکر کتاب میں ہو یا کسی ایسی حدیث میں ہو جس کی صحت قطعی ہو اور اگر اس طرح نہ ہو تو پھر اس کا اللہ پر اطلاق کرنے سے توقف کرنا لازم ہے اور انگلیوں کا ذکر نہ کتاب میں ہے اور نہ سنت قطعیہ میں ہے اور انگلی ہاتھ کے معنی میں نہیں ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ ہاتھ کے ثبوت سے انگلی کا ثبوت ہو جائے گا اور اس حدیث کی روایت حضرت عبداللہ کے بہ کثرت اصحاب نے کی ہے اور عبیدۃ کے سوا اور کسی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی عالم کی تصدیق کی اور یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب تمہارے

سامنے جو حدیث بیان کریں تو نہ تم ان کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے اس یہودی عالم کی تصدیق یا تکذیب ہوتی ہو اور آپ سے صرف ہنسی کا ظہور ہوا جس سے یہ خیال کیا گیا کہ آپ اس کی بات پر راضی ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کی ہنسی اس کی بات پر تعجب کے لیے ہو اور انکار کے لیے ہو اور جس نے یہ کہا کہ آپ سے ہنسی کا ظہور اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے ہوا یہ محض اس کا گمان ہے اور اس سے ایسے عظیم امر کی مثل پر استدلال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس میں کوئی تاویل کرنا ضروری ہے کہ یہ کسی قسم کا مجاز ہے اور کبھی کوئی قوی انسان کسی دشوار کام کے لیے کہتا ہے کہ وہ اس کام کو تو ایک انگلی سے کر سکتا ہے اور وہ اس سے اس کام پر اپنی قدرت کو ظاہر کرتا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ اس یہودی عالم کی تحریف تھی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی بات پر ہنسنا تعجب کے طور پر تھا۔

اور علامہ تیمی نے کہا ہے کہ علامہ خطابی نے اس شرح میں تکلف کیا ہے اور ایسی بات کہی ہے جو قدیم علماء نے نہیں کہی، اور صحابہ کرام جنہوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے وہ ان سے زیادہ عالم ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ کا ہنسنا اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے تھا اور سنت صحیحہ میں یہ وارد ہے کہ ہر دل رحمٰن کی انگلیوں میں دو انگلیوں کے درمیان ہے اور علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ایسی حدیث کی مثل میں امت کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ اس قسم کی حدیث کی تاویل کرتا ہے اور ایک گروہ اس پر توقف کرتا ہے جیسا کہ آیات متشابہات کے بارے میں بعض علماء ان کی تاویل کرتے ہیں اور بعض علماء ان پر توقف کرتے ہیں اور ان کا علم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کا سیاق و سباق اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس یہودی عالم کی بات پر ہنسنا اس کی تصدیق کے لیے تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنسنے کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الزمر: ٦٧) (اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا)۔

النواجذ: الاصمعی نے کہا: یہ تمام ڈاڑھیں ہیں نہ کہ آخری دانت، اور علامہ ابن کثیر نے بہترین بات کہی ہے کہ انسان کے نواجذ اس کے ضواحک ہیں اور یہ وہ دانت ہیں جو ہنسی کے وقت ظاہر ہوتے ہیں اور زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ آخری دانت ہیں اور یہاں مراد پہلا معنی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر نہیں ہنستے تھے کہ آپ کی آخری ڈاڑھیں ظاہر ہوں اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ آپ کے ہنسنے کی یہ تفصیل کی گئی ہے کہ آپ کا ہنسنا تبسم فرمانا تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ اس سے مراد دانتوں کا آخری حصہ ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اس سے ہنسنے میں مبالغہ مراد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٢٠٦۔ ١٠٥، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حافظ ابن حجر نے یہ لکھا ہے کہ انگلی کی شرح میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (فتح الباری ج ٥ ص ٨٠٢)

٣۔ بَابٌ: وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (الزمر: ٦٧)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور قیامت کے دن سب زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O (الزمر: ٦٧) کی تفسیر

٤٨١٤۔ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث

قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ مُسَافِرٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ وَيَطْوِي السَّمٰوَاتِ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ

(صحیح البخاری: ۴۸۱۲، صحیح مسلم: ۲۷۸۷)

بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمن بن خالد بن مسافر نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابی سلمہ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام زمینوں کو ایک مٹھی میں پکڑ لے گا اور تمام آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں زمینوں کے بادشاہ کہاں ہیں؟

تمام زمینوں کو اپنی مٹھی میں پکڑنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت ہے اور آسمانوں کو دائیں ہاتھ میں لپیٹنے سے مراد اللہ کی قدرت اور قوت ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے بعض مشکل الفاظ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اور تمام زمینوں کو ایک مٹھی میں پکڑ لے گا: اس سے یہ مراد نہیں کہ تمام زمینیں اس کی ہتھیلی میں ہوں گی بلکہ یہ مراد ہے کہ تمام زمینیں اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں ہیں کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بیان کرنا مقصود ہے۔

اور تمام آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا: یہاں طیّ کا لفظ ہے اور طیّ کے کئی معانی ہیں اور اس کا ایک معنی لپیٹنا ہے جیسے کاغذ کو لپیٹا جاتا ہے اور اس کا دوسرا معنی ہے کہ میں نے فلاں چیز کو لوگوں کی نظروں سے لپیٹ دیا یعنی اس کو چھپالیا اور اس کا ایک معنی اعراض کرنا ہے۔ طویتُ عَنْ فلانٍ اس کا معنی ہے: میں نے اس سے اعراض کیا۔

دائیں ہاتھ: دائیں ہاتھ کا ذکر قدرت میں مبالغہ کے لیے ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے قوت کا بیان کرنا مقصود ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۰۷۔۲۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح تفصیل سے کتاب التوحید میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۰۲)

۴۔ بَابٌ: وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر: ۶۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان والے اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جس کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو یکایک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے ۝ (الزمر: ۶۸) کی تفسیر

آیت مذکور کے مشکل الفاظ کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کے مشکل الفاظ کی شرح میں لکھتے ہیں:

الصور: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے: صور سینگ کی شکل کی ایک چیز ہے جس میں پھونک

ماری جائے گی۔

فَصَعِقَ: آسمانوں اور زمینوں والے سب مرجائیں گے۔

الا من شاء الله: اس میں اختلاف ہے کہ کن لوگوں کو موت سے مستثنیٰ فرمایا ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ شہداء ہیں جو عرش کے گرد اپنی تلواریں لٹکائے ہوئے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل ہیں، اس کی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور کعب الاحبار سے منقول ہے کہ وہ بارہ (۱۲) ہیں، آٹھ (۸) تو حاملین عرش ہیں اور چار (۴) یہ ہیں: حضرت جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت، اور ضحاک سے منقول ہے کہ وہ جنت کے محافظ رضوان ہیں اور بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں اور دوزخ کے محافظ مالک ہیں اور وہ انیس (۱۹) فرشتے ہیں، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ وہ صرف اللہ عزوجل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ دوزخ کے بچھو اور سانپ ہیں۔

پس یکا یک وہ کھڑے ہوں گے: وہ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے۔

وہ دیکھ رہے ہوں گے: کہ وہ کب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، دوسرا قول ہے: وہ اپنے متعلق اللہ کے حکم کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ص ۲۰۷)

۴۸۱۳۔ حَدَّثَنِي الْحَسَنُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنِّي أَوَّلُ مَنْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ بَعْدَ النَّفْخَةِ الْآخِرَةِ فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى مُتَعَلِّقٌ بِالْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَكَذَلِكَ كَانَ أَمْ بَعْدَ النَّفْخَةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے الحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن خلیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحیم نے خبر دی از زکریا بن ابی زائدۃ از عامر از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: دوسری بار صور پھونکنے کے بعد سب سے پہلے میں سر بلند کر کے دیکھوں گا، اس وقت حضرت موسیٰ عرش کے ساتھ معلق ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کہ وہ شروع سے اسی طرح ہیں یا صور میں پھونکنے کے بعد اس طرح ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ کی شرح

دوسری بار صور میں پھونکنے کے بعد: اس صور میں پھونکنے کے بعد لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور پہلی بار صور میں پھونکنے کے بعد لوگوں کو مار دیا جائے گا۔

پس میں از خود نہیں جانتا آیا وہ شروع سے اسی طرح ہیں: یعنی وہ پہلی بار صور میں پھونکنے سے فوت نہیں ہوئے اور پہاڑ طور پر جو بے ہوش ہوئے تھے اسی پر اکتفاء کر لی گئی یا دوسری بار صور میں پھونکنے کے بعد ان کو زندہ کیا گیا، پس وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے اور عرش سے معلق ہو گئے۔ اس طرح اس کی علامہ کرمانی نے تفسیر کی ہے۔

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جائیں گے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے، جب آپ ہوش میں آ کر دیکھیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام عرش سے متعلق ہیں اور آپ کو از خود یہ پتا نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو گئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آ گئے یا

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے والوں سے مستثنیٰ فرمالیا اور جس کا میں نے ذکر کیا ہے
یہ اس حدیث کا مضمون ہے جس کو امام بخاری نے اشخاص میں اور احادیث الانبیاء علیہم السلام میں ذکر کیا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۱۴۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ قَالُوا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَرْبَعُونَ يَوْمًا قَالَ أَبَيْتُ قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ أَبَيْتُ قَالَ أَرْبَعُونَ شَهْرًا قَالَ أَبَيْتُ وَيَبْلَى كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الْإِنْسَانِ إِلَّا عَجْبَ ذَنَبِهِ فِيهِ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ۔
(صحیح البخاری: ۴۹۳۵، صحیح مسلم: ۲۹۵۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابو صالح سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: دو مرتبہ صور میں پھونکنے کے درمیان چالیس (۴۰) کا عرصہ ہے، لوگوں نے کہا: اے ابو ہریرہ! چالیس دن کا عرصہ ہے؟ انہوں نے کہا میں انکار کرتا ہوں، انہوں نے کہا: چالیس (۴۰) سال کا؟ انہوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں انہوں نے کہا: چالیس (۴۰) مہینوں کا؟ انہوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں اور کہا: انسان کی ریڑھ کی ہڈی کے سوا اس کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی اور اسی سے اس کی دوبارہ پیدائش کی جائے گی۔

حدیث مذکورہ کے مشکل الفاظ کی شرح

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
دو مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان: اس سے مراد پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ صور میں پھونکنا ہے۔
لوگوں نے کہا: اس سے مراد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب ہیں۔
میں انکار کرتا ہوں: یعنی میں دنوں، سالوں اور مہینوں کی تعیین سے انکار کرتا ہوں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کو اس کی تعیین کا علم نہیں تھا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: بعض شارحین نے کہا ہے کہ صحیح مسلم میں چالیس (۴۰) سال کی تصریح ہے اور اس کا وجود نہیں ہے۔
میں کہتا ہوں کہ: اگر بعض شارحین سے ان کی مراد صاحب التوضیح ہیں (علامہ ابن الملقن جو حافظ ابن حجر کے استاد ہیں) تو انہوں نے اس طرح نہیں کہا، انہوں نے یہ کہا ہے کہ صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں چالیس (۴۰) سال کی تصریح کی ہے، اس سے انہوں نے اسی سند کے ساتھ امام ابن مردویہ کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں چالیس سال کا ذکر کیا ہے اور یہ شاذ ہے اور ایک سند ضعیف سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ دو صوروں کے پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے۔
میں کہتا ہوں: علامہ ابن الملقن کی عبارت اس طرح ہے: اس حدیث کی امام مسلم اور امام نسائی نے روایت کی ہے اور "میں انکار کرتا ہوں" کا معنی یہ ہے: مجھے کسی مدت پر وثوق نہیں ہے، مجھے صرف چالیس کے عدد پر وثوق ہے اور امام مسلم کے علاوہ دوسری

کتب حدیث میں چالیس سال کی تصریح ہے۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے: یا تو حضرت ابو ہریرہ کو اس روایت کا علم نہیں تھا یا وہ اس لیے خاموش رہے کہ ان کو کسی اور وقت میں بتادیں گے، پھر وہ بھول گئے یا پھر کسی اور کام میں مشغول ہو گئے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۱۸۳)

عجب الذنب کے متعلق علماء اور شارحین کی عبارات

انسان کی ریڑھ کی ہڈی کے سوا اس کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی: حدیث میں عجب ذنبہ کے الفاظ ہیں اور یہ ریڑھ کی ہڈی کی جز ہے جو اس کی پشت کی جڑ میں ایک نرم ہڈی ہے۔ امام ابن ابی الدنیا نے کتاب البعث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! العجب کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ رائی کے دانہ کی مثل ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کو عجم بھی کہا جاتا ہے اور اس کی آدمی میں سب سے پہلے تخلیق کی جاتی ہے اور یہ وہی ہے جس کو باقی رکھا جاتا ہے تاکہ اس سے اس کی تخلیق کی جائے، اس مخصوص ہڈی کو باقی رکھنے کا فائدہ یہ ہے جیسا کہ علامہ ابن عقیل نے کہا ہے: اس کی حقیقت کا تو اللہ ہی کو علم ہے کیونکہ جو عدم سے وجود کو ظاہر فرماتا ہے وہ اس کا محتاج نہیں ہے کہ اس کے فعل کے لیے کوئی چیز ہو جس پر بناء کی جائے۔ اگر اللہ عزوجل کے اس فعل کی اور تخصیص کی کوئی حکمت بیان کی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نرم ہڈی کو اس لیے باقی رکھا گیا کہ یہ فرشتوں کے لیے اس بات کی علامت ہو کہ ہر انسان کو بعینہ اس کے جوہر سے زندہ کیا جائے گا اور فرشتوں کو اس کا علم صرف اس صورت میں ہوگا جب ہر شخص کی نرم ہڈی کو باقی رکھا جائے تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو کہ انسان کے بعینہ اسی جز میں روح ڈالی جائے گی۔ (اسی کو متکلمین انسان کا جزء اصلی کہتے ہیں)، جب حضرت عزیر علیہ السلام فوت ہو گئے اور ان کا گدھا بھی فوت ہو گیا اور گدھے کی ہڈیوں کو باقی رکھا گیا، پھر ان پر گوشت پہنایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے یہ اسی گدھے کا جسم ہے کسی اور کا نہیں اور اگر انسان کے کسی جزء کو باقی نہ رکھا جاتا تو ہو سکتا تھا فرشتوں کے نزدیک یہ جائز ہوتا کہ ارواح کا اعادہ ان جسموں کی امثال میں ہے نہ کہ بعینہ ان ہی اجسام میں۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ صحیح حدیث میں ہے کہ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے اور اس حدیث میں ہے کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی کا عجب (جو رائی کے دانہ کے برابر ہے) وہ بوسیدہ نہیں ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ یہ عام مخصوص عنہ البعض نہیں ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے انبیاء علیہم السلام مخصوص ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر ان کے اجسام کے کھانے کو حرام کر دیا ہے۔ اور علامہ ابن عبدالبر نے شہداء کو بھی ان کے ساتھ لاحق کیا ہے اور علامہ قرطبی نے بلا معاوضہ اذان دینے والے کو بھی ان کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

اگر تم یہ پوچھو کہ ریڑھ کی ہڈی کے اس رائی کے دانہ کے برابر حصہ کو بوسیدہ ہونے سے مستثنیٰ رکھنے کی کیا حکمت ہے تو میں کہوں گا کہ انسان کی اصل خلقت اسی جز سے ہوتی ہے اور اسی سے اس کو بنایا جاتا ہے اور یہ ہی وہ بنیاد ہے جس کے اوپر انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا، سو وہ انسان کے تمام اجزاء کے مقابلہ میں اصل بنیاد ہے جیسے دیوار کی بنیاد کسی خاص چیز پر ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمام کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ انسان کی ایک ہڈی ہے جس کو زمین کبھی بھی نہیں کھا سکتی اور اس ہڈی سے انسان قیامت کے دن دوبارہ بنایا جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا: وہ کون سی ہڈی ہے تو حضرت ابو ہریرہ نے کہا: وہ ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سلیمان کی حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سر کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں ہے اور ریڑھ کی ہڈی کی حدیث ان کی اولاد کے متعلق ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سلیمان کے قول سے مراد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سر میں سب سے پہلے روح پھونکی جائے گی۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان

کے جسم کو جب بنایا جائے گا تو سب سے پہلے سر کو بنایا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۰۹۔ ۲۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عجب الذنب کے متعلق علامہ ابن الملقن کی عبارت

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

عجب الذنب: ایک لطیف ہڈی ہے جو پشت کی جڑ میں ہوتی ہے اور جانوروں میں یہ دم کی ہڈی ہوتی ہے اور یہ پہلا جز ہے جس سے آدمی کی تخلیق کی جاتی ہے اور یہی وہ جز ہے جس کو باقی رکھا جاتا ہے تاکہ اس کے اوپر انسان کی دوبارہ تخلیق کی جائے اور حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ عجب الذنب سے مخلوق کو (دوبارہ) بنایا جائے گا، اور امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! العجب کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ رائی کے دانہ کی مثل ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس مخصوص ہڈی کو باقی رکھنے کا کیا فائدہ ہے تو میں کہوں گا: اس میں ایک راز ہے جس کو ہم نہیں جانتے کیونکہ جو ذات وجود کو عدم سے ظاہر کرتی ہے وہ اس کی محتاج نہیں ہے کہ اس کے فعل کے لیے کوئی ایسی چیز ہو جس پر بنیاد رکھی جائے، پس اگر اس کی حکمت بیان کی جائے تو کہا جائے گا کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتوں کے لیے اس بات کی علامت بنادیا ہو کہ ہر انسان کو اس کے بعینہٖ جوہر سے زندہ کیا جائے گا اور فرشتوں کو اس کا علم صرف جانداروں کی اس ہڈی کے باقی رکھنے سے حاصل ہوگا تاکہ فرشتے یہ جان لیں کہ ارواح کو ان ہی اجسام میں لوٹایا گیا ہے جن کا جز یہ ان کی ہڈی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عزیر پر اور ان کے گدھے پر موت طاری کی تو گدھے کی ہڈیوں کو باقی رکھا اور ان پر گوشت پہنا دیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ اسی گدھے کو زندہ کیا گیا ہے نہ کہ کسی اور کو اور اگر انسان کے کسی جز کو باقی نہ رکھا جاتا تو ہوسکتا تھا فرشتے یہ سمجھتے کہ ان اجسام کی امثال میں ارواح کو لوٹایا گیا ہے نہ کہ بعینہٖ ان ہی اجسام میں۔ اس پر علامہ ابن عقیل حنبلی نے تنبیہ کی ہے۔

اور وہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ انسان کے جسم کی ہر چیز بوسیدہ ہوجائے گی، اس سے مراد ریڑھ کی ہڈی کے اس جز کے ماسوا ہے اور اس سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ ان کے اجسام کو فنا کردے اور اسی طرح جو شہداء ہیں اور یا جو ان کے حکم میں ہے جیسے وہ مؤذن جو بلا معاوضہ اذان دیتا ہو اور ان کے مشابہ دوسرے لوگ۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی علامہ ابن الملقن کی عبارت کو ان کا نام لیے بغیر نقل کردیا ہے جس طرح علامہ عینی نے بھی علامہ ابن الملقن کی عبارت کو ان کا نام لیے بغیر نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۸۰۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

عجب ذنبہ: یہ رائی کے دانہ کی مثل نرم ہڈی ہے جو پشت کی جڑ میں ہوتی ہے دم کی ہڈی کے سر کے پاس، یہ ہڈی بوسیدہ نہیں ہوتی جیسے انبیاء علیہم السلام اور جو مقدس لوگ ان کے حکم میں ہیں وہ بوسیدہ نہیں ہوتے۔ (الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۱۱۱، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الزمر کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المؤمن کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۰۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ الْمُؤْمِنِ

سورۃ المؤمن کی تفسیر

سورۃ المؤمن یعنی سورۂ غافر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المومن کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، یہ سورت سورۃ الزمر کے بعد اور سورۂ حم السجدہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور سورۂ حم السجدہ کے بعد سورۃ الشوریٰ ہے، پھر سورۃ الزخرف ہے، پھر سورۃ الدخان ہے، پھر سورۃ الجاثیہ ہے، پھر سورۃ الاحقاف ہے اور اس سورت میں پچاسی (۸۵) آیات ہیں۔

قَالَ مُجَاهِدٌ حم مَجَازُهَا مَجَازُ أَوَائِلِ السُّوَرِ

مجاہد نے کہا: حم اس کا مجاز وہ ہے جو سورتوں کی ابتداء کا مجاز ہے یعنی حم کا وہی حکم ہے جو سورتوں کی ابتداء میں حروف مقطعات کا حکم ہے یعنی حم بھی حروف مقطعہ ہے۔

حٰم کے معنی میں بعض اقوال

علامہ عینی لکھتے ہیں: عکرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور یہ تمہارے رب جل جلالہ کے خزانوں کی چابی ہے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ اور ان سے دوسری روایت ہے کہ یہ قسم ہے جس کے ساتھ اللہ نے قسم کھائی ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور الشعبی سے روایت ہے: یہ اس سورت کا شعار ہے اور عطاء الخراسانی سے روایت ہے کہ حم کی حاء جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کا شروع ہے: حلیم، حمید، حی، حنان، حکیم، حفیظ اور حبیب، اور میم اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کا شروع ہے: ملک، مجید اور منان۔ اور ضحاک اور کسائی سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ جو کام ہونے والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا فیصلہ کر دیا ہے۔

وَيُقَالُ بَلْ هُوَ اسْمٌ لِقَوْلِ شُرَيْحِ بْنِ أَبِي أَوْفَى الْعَبْسِيِّ

اور کہا جاتا ہے: بلکہ یہ اسم ہے یعنی حرف نہیں ہے اور اس پر شریح بن ابی اوفی العبسی کے شعر سے استدلال ہے:

يُذَكِّرُنِي حَامِيمَ وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ
فَهَلَّا تَلَا حَامِيمَ قَبْلَ التَّقَدُّمِ

وہ مجھے حامیم کی یاد دلاتا ہے حالانکہ نیزہ چلنے والا ہے، پس اس نے حملہ سے پہلے حامیم کی تلاوت کیوں نہ کی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: جو لوگ کہتے ہیں کہ حم اسم ہے انہوں نے شاعر مذکور کے اس شعر سے استدلال کیا ہے جس کے دونوں مصرعوں میں لفظ حامیم منصوب بہ طور مفعول ہے اور منصوب بہ طور اسم ہوتا ہے نہ کہ حرف۔

شریح ابن ابی اوفی: جنگ جمل میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب کا شعار حم تھا، پس جب شریح نے محمد بن طلحہ بن عبید اللہ پر نیزہ سے حملہ کیا اور ان پر نیزہ مارا تو محمد بن طلحہ نے کہا: حم یعنی وہ حضرت علی

کے اصحاب میں سے ہے تو شریح نے کہا: یہ اب مجھے حم یاد دلا رہا ہے، اسے چاہیے تھا کہ یہ نیزہ مارنے سے پہلے مجھے حم یاد دلاتا۔

اَلطَّوْلِ التَّفَضُّلُ۔ اَلطَّوْل اس کا معنی ہے فضل اور احسان کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ۔ (المومن: ۳) گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا بہت سخت عذاب دینے والا صاحب فضل ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے طَوْل کی تفسیر فضل اور احسان کرنے کے ساتھ کی ہے، اسی طرح اس کی امام ابوعبیدہ نے تفسیر کی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ عرب اس شخص کو ذوطول کہتے ہیں جو اپنی قوم پر فضل اور احسان کرتا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ ذی الطوال کا معنی ہے: وسعت والا اور غنی اور عکرمہ سے یہ روایت کی ہے کہ ذی الطوال وہ شخص ہے جو احسانات کرتا ہو اور قتادہ سے روایت کی ہے کہ ذی الطوال کا معنی ہے: نعمتیں دینے والا۔

دَاخِرِيْنَ خَاضِعِيْنَ۔ دَاخِرِيْنَ اس کا معنی ہے: ذلیل اور رسوا ہوتے ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿ (المومن: ۶۰) بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے دَاخِرِيْنَ کی تفسیر خاضعین کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے اور السدی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: صاغرین یعنی ذلیل ہوتے ہوئے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ اِلَى النَّجَاةِ الْاِيْمَانُ۔ مجاہد نے کہا: اِلَى النَّجَاةِ اس کا معنی ہے: ایمان کی طرف۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَى النَّارِ ﴿ (المومن: ۴۱) اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الی النجاۃ کی تفسیر الی الایمان کے ساتھ کی ہے۔

لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ يَعْنِي الْوَثَنَ۔ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ یعنی بت کسی کی دعا قبول نہیں کر سکتا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ۔ (المومن: ۴۳) اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی طرف دعوت دے رہے ہو جو نہ دنیا میں عبادت کا مستحق ہے اور نہ آخرت میں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا کہ بت کسی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ اس مرد کے کلام کا تتمہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا اور یہ وہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے:

وَقَالَ الَّذِيْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿ (المومن: ۳۸) اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! میری پیروی کرو میں نیکی کے راستہ پر تمہاری رہنمائی کروں گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ شخص آل فرعون میں سے تھا اور اپنا ایمان فرعون سے اور اس کی قوم سے چھپاتا تھا اور سدی اور مقاتل

سے منقول ہے کہ یہ فرعون کے چچا کا بیٹا تھا، اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اس کا نام حزقیل تھا اور وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ اس کا نام خزیال تھا اور اسحاق سے روایت ہے کہ اس کا نام خزبیل تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام حبیب تھا۔

يُسْجَرُونَ تُوقَدُ بِهِمُ النَّارُ۔ يُسْجَرُونَ اس کا معنی ہے: ان کو آگ میں ڈالا جائے گا یا ان پر آگ جلائی جائے گی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ۙ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۚ

جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کو زنجیروں کے ساتھ گھسیٹا جائے گا○ سخت گرم پانی میں، پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا○ (المومن: ۷۱۔۷۲)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يُسْجَرُوْنَ کی تفسیر کی ہے کہ انہیں آگ میں جلایا جائے گا۔ اور مجاہد سے منقول ہے کہ وہ آگ کا ایندھن بنائے جائیں گے۔

تَمْرَحُونَ تَبْطَرُونَ۔ تَمْرَحُوْنَ اس کا معنی ہے: تم اتراتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۚ (المومن: ۷۵)

(اے کافرو!) تمہارا یہ عذاب اس وجہ سے ہے کہ تم زمین میں اپنی عارضی کامیابی پر ناحق اتراتے تھے اور بے جا اکڑتے پھرتے تھے○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَمْرَحُوْنَ کی تفسیر اترانے کے ساتھ کی ہے۔

امام بخاری لوگوں کو عذاب سے ڈرانے کے فوائد کے متعلق لکھتے ہیں:

وَكَانَ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ يُذَكِّرُ النَّارَ فَقَالَ رَجُلٌ لِمَ تُقَنِّطُ النَّاسَ قَالَ وَأَنَا أَقْدِرُ أَنْ أُقَنِّطَ النَّاسَ وَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ﴾ (الزمر: ۵۳) وَيَقُولُ ﴿وَ اَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝﴾ (المومن: ۴۳) وَلٰكِنَّكُمْ تُحِبُّونَ أَنْ تُبَشَّرُوا بِالْجَنَّةِ عَلٰى مَسَاوِئِ أَعْمَالِكُمْ وَإِنَّمَا بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا ﷺ مُبَشِّرًا بِالْجَنَّةِ لِمَنْ أَطَاعَهُ وَمُنْذِرًا بِالنَّارِ لِمَنْ عَصَاهُ۔

اور علاء بن زیاد (مشہور عبادت گزار تابعی) لوگوں کو دوزخ کی یاد دلاتے تھے تو ایک شخص نے ان سے کہا: آپ لوگوں کو اس قدر مایوس کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: کیا میں لوگوں کو مایوس کرنے پر قادر ہوں؟ حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے میرے وہ بندو جو گناہ کر کے اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو (الزمر: ۵۳) اور فرماتا ہے: اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں○ (المومن: ۴۳) لیکن تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تم کو تمہارے برے کاموں کے باوجود جنت کی بشارت دی جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو اس شخص کے لیے جنت کی بشارت دینے کے لیے بھیجا ہے جو اللہ کی اطاعت کرتا ہو، اور اس شخص کو دوزخ سے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: العلاء بن زیاد العدوی البصری التابعی زاہد ہیں، ان کو احادیث کا علم کم تھا، ان کا صحیح بخاری میں اس جگہ ذکر ہے اور یہ چورانوے (۹۴) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔ (ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۱۲۔۲۱۰ سے اخذ کی گئی ہے)

۴۸۱۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَخْبِرْنِي بِأَشَدِّ مَا صَنَعَ الْمُشْرِكُونَ بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ بَيْنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ إِذْ أَقْبَلَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ فَأَخَذَ بِمَنْكِبِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَلَوَى ثَوْبَهُ فِي عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ بِهِ خَنْقًا شَدِيدًا فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَ بِمَنْكِبِهِ وَدَفَعَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَقَالَ ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ (المؤمن: ۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن ابوکثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن ابراہیم تیمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہا: مجھے بتائیے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ برا سلوک کب کیا تھا؟ انہوں نے کہا: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے تو اچانک عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کندھا پکڑا اور اپنا کپڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں لپیٹا اور پھر بڑی سختی سے آپ کا گلا گھونٹنے لگا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے، پس انہوں نے عقبہ بن ابی معیط کو کندھے سے پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور دھکا دیا اور کہا: **اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ** (المؤمن: ۲۸) کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا: میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لا چکا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۷۸ میں گزر چکی ہے۔

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المؤمن کی تفسیر میں جو تعلیقات لکھی تھیں اور جو حدیث روایت کی تھی ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۂ حم السجدہ کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۱۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَۃِ حٰمٓ السَّجْدَۃِ

سورۂ حم السجدۃ کی تفسیر

سورۂ حم السجدۃ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ حم السجدہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، یہ سورۃ المومن کے بعد اور سورۃ الشوریٰ سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں چون (۵۴) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ) اس کو سورۃ فصلت بھی کہتے ہیں۔

وَقَالَ طَاوُسٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا أَعْطِيَا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ أَعْطَيْنَا۔

طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: ائْتِيَا طَوْعًا او كَرْهًا اس کا معنی ہے: تم خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو، ان دونوں (آسمان اور زمین) نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں۔

ائْتِيَا کا معنی اعطیا کرنے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام طبری اور امام ابن ابی حاتم نے امام بخاری کی شرط کے مطابق سند موصول کے ساتھ اس تعلیق کی روایت کی ہے اور امام طبری نے کہا ہے: اعطیا یعنی لاؤ تو زمین اور آسمان نے کہا: أَعْطَيْنَا یعنی ہم لاتے ہیں۔ قاضی عیاض نے کہا: یہاں پر اتی، اعطی کے معنی میں نہیں ہے، وہ صرف اتیان سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی حاضر ہونا ہے، جیسا کہ خود اس آیت میں دلیل ہے اور اسی کے ساتھ مفسرین نے اس کی تفسیر کی ہے، کہ اس کا معنی ہے: تم ان چیزوں کے ساتھ حاضر ہو جو میں نے تم دونوں میں پیدا کی ہیں اور ان کو ظاہر کرو، زمین اور آسمان نے کہا: ہم ایسا کرتے ہیں اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح روایت ہے جس طرح اس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے لیکن معنی کو قریب کرنے کے لیے اس کی اس طرح روایت کی گئی ہے کہ جب ان دونوں کو یہ حکم دیا گیا کہ ان میں جو سورج، چاند، دریا اور سبزہ وغیرہ ہیں وہ ان کو ظاہر کریں اور انہوں نے اس کا مثبت جواب دیا تو یہ اعطاء یعنی لانے کی مثل ہے، پس آنے کو لانے کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: جب یہ توجیہ موجود ہے اور اس کے ساتھ روایت بھی ثابت ہے تو حضرت ابن عباس کی اس تفسیر کا انکار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اور امام طبری نے مجاہد کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ اللہ عزوجل نے آسمانوں سے فرمایا کہ سورج، چاند اور ستاروں کو طلوع کرو اور زمین سے فرمایا: اپنے دریاؤں کو پھاڑ کر نکالو اور اپنے پھلوں کو نکالو تو ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ جائز ہے کہ اتینا کا معنی موافقت ہو اور اسی کو زمخشری نے وثوق کے ساتھ کہا ہے، اس بناء پر

ایک مفعول محذوف ہوگا اور اصل عبارت یوں ہوگی: تا کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کے موافق ہو تو ان دونوں نے کہا: ہم نے موافقت کر لی اور پہلی صورت میں دو مفعول محذوف ہوں گے اور اصل عبارت یوں ہوگی: تم دونوں کو جو حکم دیا گیا ہے تم اس کی طرف سے اپنی اطاعت لاؤ تو ان دونوں نے کہا: ہم اس اطاعت کو لاتے ہیں اور یہ زیادہ راجح ہے کیونکہ اس کا ترجمان القرآن یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صراحتاً ثبوت ہے، زمین و آسمان نے کہا: اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ یعنی ہم خوشی سے لاتے ہیں یا آتے ہیں۔ اس جگہ زمین و آسمان کے لیے جمع کا صیغہ لائے ہیں نہ کہ تثنیہ کا کیونکہ آسمان اور زمینیں متعدد ہیں اور اسی کو ذوی العقول کی جمع مذکر سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ان کے ساتھ ذوی العقول کا معاملہ کیا گیا تھا اور اس کی نظیر یہ ہے کہ قرآن مجید میں سورج، چاند اور ستاروں کے لیے فرمایا: رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝ (یوسف: ۴) (میں نے دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں ۝) اور سٰجِدِیْنَ بھی ذوی العقول کی جمع ہے۔

قرآن مجید کی چار آیتوں میں تعارض کا جواب

اور منہال نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں قرآن مجید کی چند آیتوں میں تعارض اور اضطراب پاتا ہوں، حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ آیتیں بیان کرو، اس نے کہا: ایک آیت میں اس طرح ہے:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ۝ (المومنون: ۱۰۱)

پھر جب صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کر سکیں گے ۝

اور دوسری آیت میں اس طرح ہے:

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ (الصافات: ۲۷۔۵۰، الطور: ۲۵)

وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے ۝

(اس طرح ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے) اور تعارض کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آیت میں اس طرح ہے:

وَ لَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا ۝ (النساء: ۴۲)

اور (کفار) اللہ سے کسی بات کو چھپا نہ سکیں گے ۝

اور دوسری آیت میں اس طرح ہے: کہ قیامت کے دن کفار کہیں گے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝ (الانعام: ۲۳)

اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے ۝

سو اس آیت میں بتایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے شرک کو چھپایا اور یہ ان دو آیتوں میں واضح تعارض ہے، اور تعارض کی تیسری صورت یہ ہے: کہ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَ اَغْطَشَ لَیْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝ وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ (النازعات: ۲۷۔۳۰)

کیا تم کو پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کو؟ جس کو اللہ نے بنا دیا ہے ۝ اللہ نے اس کی چھت بلند کی، پھر اس کو ہموار بنایا ۝ اس کی رات تاریک کر دی اور اس کا دن روشن کر دیا ۝ اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا ۝

ان آیتوں میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کرنے سے پہلے آسمان کو بنایا، پھر دوسری آیت میں فرمایا:

قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (الی قولہ تعالیٰ) ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ

آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا (یہ آیت یہاں تک ہے) پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا، پھر اس نے آسمان

اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو، ان دونوں نے کہا: ہم دونوں بہ خوشی حاضر ہیں O

اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝

(حم السجدۃ: ۹ تا ۱۱)

اس آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا ہے اور سورۃ النازعات میں فرمایا تھا کہ زمین کو آسمان کے بعد پیدا فرمایا ہے اور یہ سورۃ النازعات اور سورۂ حم السجدۃ میں واضح تعارض ہے۔

اور تعارض کی چوتھی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء: ۹۶) — اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا تھا O

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (النساء: ۵۶) — بے شک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا تھا O

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ (النساء: ۵۸) — بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا تھا O

گویا کہ اللہ تعالیٰ زمانہ ماضی میں ان صفات کے ساتھ متصف تھا اب نہیں ہے حالانکہ اب بھی اللہ تعالیٰ ان صفات کے ساتھ متصف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے جواب میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ان کے درمیان رشتے باقی نہیں رہیں گے (المومنون: ۱۰۱) یہ اس وقت کی بات ہے جب پہلے صور میں پھونکا جائے گا اور پہلی بار صور میں پھونکنے کے بعد فرمایا: پھر دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں میں اور زمینوں میں جتنے بھی ہیں سب ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا، پس اس وقت ان کے درمیان کوئی رشتے نہیں ہوں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے، پھر دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا، تب وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے۔

رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: کہ کفار کہیں گے: ہم شرک کرنے والے نہ تھے اور دوسری آیت میں فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو چھپا نہ سکیں گے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبان اخلاص کے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور مشرکین یہ کہیں گے: آؤ ہم کہتے ہیں کہ ہم شرک کرنے والے نہ تھے، پس اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا، پس اس وقت ان کے ہاتھ بولیں گے، پھر اس وقت یہ معلوم ہو جائے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ سے وہ کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝ (النساء: ۴۲) — جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور رسول کی نافرمانی کی ہے وہ اس دن یہ تمنا کریں گے: (اس آیت تک) اور وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہ سکیں گے O

اور تیسرے تعارض کے جواب میں فرمایا: اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا ہے، پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا، پھر ان کو دوسرے دو دنوں میں برابر کر دیا، پھر زمین کو پھیلا دیا اور زمین کو پھیلانے کا معنی یہ ہے کہ زمین سے پانی اور چراگاہوں کو نکالا اور پہاڑوں کو پیدا کیا اور اونٹوں کو اور ٹیلوں کو اور زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ ہے اس کو دوسرے دو دنوں میں پیدا کیا، یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی ہے کہ زمین کو پھیلایا (النازعات: ۳۰) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا (حم السجدہ: ۹) پس زمین کو اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو چار دنوں میں پیدا کیا اور آسمانوں کو دو دنوں میں پیدا کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کو دو دن میں پیدا کرنے کا معنی یہ ہے کہ زمین کا مادہ دو دنوں میں پیدا کیا، اس کو ابھی پھیلایا نہیں، پھر آسمان کو پیدا کیا اور دو دنوں میں اس کو برابر کیا یعنی اس کے طبقات مرتب کیے، اس کے بعد زمین کو پھیلایا اور زمین کو پھیلانا یہ ہے کہ اس میں سے پانی

نکالا اور گھاس وغیرہ کو پیدا کیا یعنی زمین دو دنوں میں پیدا ہوئی جیسے فرمایا: خلق الارض فی یومین اور زمین اپنی تمام چیزوں سمیت چار دنوں میں بنی اور آسمان دو دنوں میں بنے، اس طرح یہ تعارض دور ہوا۔

چوتھے تعارض کے جواب میں فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا تھا۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ماضی میں ایسا تھا اور اب نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس طرح تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس چیز کو اپنے ارادہ کے موافق حاصل کر لیتا ہے، پس تم پر قرآن مجید کی آیات متعارض نہ ہوں کیونکہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں (خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت سماعت قدیم ہے اور اس کے متعلقات یعنی مسموعات حادث ہیں)۔

امام بخاری فرماتے ہیں: مجھے یہ حدیث یوسف بن عدی نے بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عمر نے حدیث بیان کی از زید بن انیسہ از المنہال، اسی طرح۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ مَحْسُوبٍ۔

اور مجاہد نے کہا: أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (حم السجدہ: ۸) اس کا معنی ہے: اس اجر کا کبھی شمار نہیں ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ (حم السجدہ: ۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہوگا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: ایک روایت میں ہے: غیر مَحْسُوب یعنی اس کا شمار نہیں کیا جائے گا اور امام طبری نے اس کی تفسیر کی ہے: غیر منقوص یعنی وہ اجر کبھی کم نہیں ہوگا۔

أَقْوَاتَهَا أَرْزَاقَهَا۔

أَقْوَاتَهَا اس کا معنی ہے: ان کے رزق۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا۔ (حم السجدہ: ۸)

اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی مقدر کی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اقواتھا کی تفسیر ان کے رزق کے ساتھ کی ہے، یہ بھی مجاہد کی تفسیر ہے اور امام ابوعبیدہ نے کہا اقوات کا واحد قوت ہے اور وہی رزق ہے۔

فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا مِمَّا أَمَرَ بِهِ۔

فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا اس کا معنی ہے جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا۔ (حم السجدہ: ۱۲)

اور ہر آسمان میں اس کے متعلق احکام بھیجے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر اس سے کی ہے کہ ہر آسمان میں اسی کے متعلق وحی فرمائی۔ یہ تفسیر بھی مجاہد سے منقول ہے اور اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ آسمانوں میں جو ستارے پیدا کیے اور شہاب ثاقب پیدا کیے۔ اور قتادہ اور سدی سے منقول ہے کہ آسمانوں میں سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے اور ہر آسمان میں فرشتے پیدا کیے اور اس میں سمندر اور برف کے پہاڑ پیدا کیے جن کو کوئی نہیں جانتا۔

نَحِسَاتٍ مَشَائِيمَ۔ نَحِسَاتٍ اس کا معنی ہے: منحوس اور نا مبارک، مَشَائِيم، مَشْؤُمَةٌ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: منحوس۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ۔ (حم السجدہ:۱۶) سو ہم نے (ان کے) منحوس دنوں میں ان پر خوف ناک آواز والی آندھی بھیجی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نحسات کی تفسیر مَشَائِيم کی ہے جو مَشْؤُمَةٌ کی جمع ہے اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے اور امام ابوعبیدہ نے کہا ہے: خوف ناک آواز والی آندھی کو الصرالصر کہتے ہیں اور نحسات کا معنی ہے نحوست والی۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ قَرَنَّاهُمْ بِهِمْ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ الْمَوْتِ۔ وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ۔ (فصلت:۲۵) اس کا معنی ہے: قَرَنَّا بِهِمْ یعنی ہم نے ان کے ساتھ (ان کے شیطانوں کو) ملا دیا، موت کے وقت ان کے اوپر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ (فصلت:۳۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (فصلت:۳۰) وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ (فصلت:۲۵) کی تفسیر نہیں ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: قَيَّضْنَا کا معنی ہے: ہم نے ان پر مسلط کر دیا یعنی ان جیسے شیاطین کو ان پر مسلط کر دیا۔ اور مجاہد سے مروی ہے کہ قُرَنَاءَ کا معنی شیاطین ہے اور (فصلت:۳۰) کی پوری آیت اس طرح ہے:

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا۔ (فصلت:۳۰) ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو۔

موت کے وقت فرشتے مومنوں پر یہ کہتے ہوئے نازل ہوتے ہیں۔ اور فصلت:۲۵، اور فصلت:۳۰، الگ الگ آیتیں ہیں۔

اهْتَزَّتْ بِالنَّبَاتِ وَرَبَتْ ارْتَفَعَتْ مِنْ أَكْمَامِهَا حِينَ تَطْلُعُ۔ اهْتَزَّتْ یعنی وہ زمین سبزہ کے ساتھ لہلہاتی ہے، وَرَبَتْ یعنی وہ زمین بلند ہوتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ۔ (فصلت:۳۹) اور (اے مخاطب!) اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور غیر آباد دیکھتا ہے، پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اهْتَزَّتْ کی تفسیر کی ہے: یعنی جب وہ سبزہ سے لہلہاتی ہے اور ربت کی تفسیر کی ہے: جب وہ نشو و نما پا کر بلند ہوتی ہے۔

اور مجاہد کے سوا دوسروں نے کہا: مِنْ أَكْمَامِهَا یعنی اپنے شگوفوں سے جب پھل نکلتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد کے علاوہ دوسروں نے بیان کیا کہ ربت اور ارْتَفَعَتْ کا معنی یہ ہے کہ جب پھول اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں۔

لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِي أَيْ بِعَمَلِي أَنَا مَحْقُوقٌ بِهٰذَا۔ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ یعنی یہ میرے عمل کے سبب سے ہے اور میں اس کا مستحق ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۔ (حم السجدہ:۵۰)

اور اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ میں بہر صورت اس کا حق دار تھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لِیْ کی تفسیر کی ہے: بِعَمَلِیْ اور اَنَا مَحْقُوْقٌ کا معنی ہے: یعنی میں اس کا مستحق ہوں، اور علامہ نسفی نے کہا ہے کہ وہ ضرور یہ کہے گا کہ یہ میرا حق ہے جو مجھ تک پہنچا ہے کیونکہ میں اس کا مستحق ہوں ان کاموں کی وجہ سے جو میرے نزدیک عمدہ اور افضل ہیں اور نیکی کے کام ہیں۔

وَقَالَ غَيْرُهُ سَوَاءً لِلسَّائِلِيْنَ قَدَّرَهَا سَوَاءً ۔

اور دوسروں نے کہا: سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ یعنی تمام مانگنے والوں کے لیے برابر ہے اور انہوں نے سَوَآءً کو مقدر کیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ (حم السجدہ:۵۰)

اور اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقدر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے برابر ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی زمین میں رہنے والوں کے لیے ان کی خوراک اور ان کے معاش اور ان کی اصلاح کی چیزیں مقدر کیں یعنی اس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اتوار اور پیر کے دن اور چار دنوں میں ان کی خوراک اور رزق کو پیدا کیا، دوسرا قول یہ ہے کہ لِلسَّآئِلِيْنَ کا معنی ہے: یعنی جو اللہ سے اپنی ضروریات کا سوال کرتے ہیں، اور ابن زید سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کے اعتبار سے یہ رزق مقرر کیا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ سائلین اور غیر سائلین کے لیے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو رزق رکھا ہے وہ سوال کرنے والوں کو بھی عطا فرماتا ہے اور جو سوال نہ کریں ان کو بھی عطا فرماتا ہے۔

فَهَدَيْنَاهُمْ دَلَلْنَاهُمْ عَلَى الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَقَوْلِهِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ وَكَقَوْلِهِ هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ وَالْهُدَى الَّذِي هُوَ الْإِرْشَادُ بِمَنْزِلَةِ أَصْعَدْنَاهُ وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُهُ ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام:۹۰)

فَهَدَيْنَاهُمْ اس کا معنی ہے: ہم نے انہیں خیر اور شر کی رہنمائی کر دی، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد:۱۰) (یعنی ہم نے ان کو گمراہی اور ہدایت کے دونوں راستے دکھا دیئے) اسی طرح اس آیت میں ہے: هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ (الدہر:۳) (ہم نے اس کو سیدھا راستہ دکھا دیا) اور ہدایت کا دوسرا معنی ہے اِرْشَادٌ اور اِسْعَادٌ یعنی کسی کو مومن اور نیک بخت بنا دینا جیسا کہ اس آیت میں ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام:۹۰) (یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے نیک بخت بنا دیا سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ۔ (حم السجدہ:۱۷)

اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی تھی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ہدایت کے دو معنی ہیں: ایک راستہ دکھانا اور دوسرا مومن بنانا اور نیک بخت بنا دینا۔ (حم السجدۃ:١٧) (البلد: ١٠) اور (الدہر:٣) ان تینوں آیتوں میں ہدایت کا معنی ہے: ارائۃ الطریق یعنی راستہ دکھانا اور دوسرا معنی یعنی مومن بنانا اور نیک بخت بنا دینا ہدایت کا یہ معنی اس آیت میں ہے: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام:٩٠) (یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے نیک بخت بنا دیا، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں)، امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ بعض آیات میں ہدایت کا معنی ارائۃ الطریق ہے یعنی راستہ دکھانا اور بعض آیات میں ہدایت کا معنی ایصال الی المقصود ہے یعنی مومن بنا دینا اور نیک بخت بنا دینا، رہا یہ کہ یہ ہدایت ان دونوں معنوں میں مشترک ہے یا ایک میں حقیقت ہے اور دوسرے میں مجاز، سو اس میں علماء اور مفسرین کا اختلاف ہے۔

يُوزَعُونَ يُكَفُّونَ۔ يُوزَعُونَ اس کا معنی ہے: ان کو اکٹھا کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ (حم السجدہ:١٩) اور جس دن اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لایا جائے گا، پھر ان کو جمع کیا جائے گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ يُوزَعُونَ کا معنی ہے: جمع کیا جائے گا، اور امام ابوعبیدہ سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے: ان کو دھکیلا جائے گا، جب تم کسی کو روکو تو کہا جاتا ہے: وَزَعْتُ اور دوسروں نے کہا، اس کا معنی ہے: ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

مِنْ أَكْمَامِهَا قِشْرُ الْكُفُرَّى هِيَ الْكُمُّ۔ من اکمامها اس کا معنی ہے: خوشہ کا چھلکا اور اس کو کُم کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ أَكْمَامِهَا۔ (حم السجدہ:١٧) اور جو پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے أکمام کی تفسیر خوشہ کے چھلکے کے ساتھ کی ہے۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: جب یہ لفظ کُم ہو (کُ پر پیش ہو) تو اس کا معنی ہے: قمیص کی آستین۔ اور امام ابوعبیدہ کی عبارت بھی اس پر دلالت کرتی ہے اور اسی پر امام راغب اصفہانی نے اعتماد کیا ہے اور تفسیر کشاف میں لکھا ہے: کاف کی زیر کے ساتھ یعنی کِم۔ اگر یہ ثابت ہو تو یہ بھی اس میں ایک لغت ہے نہ کہ قمیص کی آستین (فتح الباری ج ۵ ص ۸۱۰) علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں زمخشری کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ کُم (کاف پر پیش) کا معنی ہے: قمیص کی آستین اور کِم (کاف پر زیر) کا معنی ہے: شگوفہ یا پھل کا چھلکا، اسی طرح ان دونوں کے درمیان الجوہری وغیرہ نے فرق کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٢١٩)

وَقَالَ غَيْرُهُ وَيُقَالُ لِلْعِنَبِ إِذَا خَرَجَ أَيْضًا كَافُورٌ وَكُفُرَّى۔ اور دوسروں نے کہا: انگور جب نکلتا ہے تو اس کو بھی کافور اور کفری کہا جاتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق صرف صحیح بخاری کے المستملی کے نسخہ میں ہے اور اس کے علاوہ کسی اور نسخہ میں نہیں ہے۔ اور الاصمعی وغیرہ نے کہا ہے کہ ہر چیز کے غلاف کو کافور کہتے ہیں۔

وَلِيٌّ حَمِيمٌ الْقَرِيبُ۔ وَلِيٌّ حَمِيمٌ اس کا معنی ہے: قریبی دوست۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿ (حم السجدہ: ۳۴) پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حمیم کی تفسیر قریبی دوست کے ساتھ کی ہے، اسی طرح اکثرین نے کہا ہے۔

مِنْ مَحِيصٍ حَاصَ عَنْهُ أَيْ حَادَ۔ محیص یہ حاص بہ معنی حاد سے ماخوذ ہے، حاد کا معنی ہے: ہٹ جانا، الگ ہونا، اعراض کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيصٍ ﴿ (حم السجدہ: ۴۸) اور ان سے وہ سب گم ہو جائیں گے جن کی اس سے پہلے وہ دنیا میں پرستش کرتے تھے اور وہ یہ سمجھ لیں گے کہ اب ان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ محیص کا لفظ حاص یحیص سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: حاد یعنی اعراض کرنا، حاصل معنی یہ ہے کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔

مِرْيَةٌ وَمُرْيَةٌ وَاحِدٌ أَيْ امْتِرَاءٌ مِریۃٌ اور مُریۃٌ دونوں ایک ہیں اور ان کا معنی ہے: شک کرنا اور جھگڑنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ﴿ (حم السجدہ: ۵۴) سنو! بے شک ان کو اپنے رب سے ملاقات کے متعلق شک ہے، سنو! وہ وہ ہر چیز پر محیط ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: کہ مِریۃٌ اور مُریۃٌ دونوں کا معنی واحد ہے اور جمہور کی قراءت مِریۃ ہے یعنی زیر کے ساتھ اور حسن بصری نے کہا: یہ مُریۃٌ ہے یعنی پیش کے ساتھ۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ هِيَ وَعِيدٌ۔ اور مجاہد نے کہا: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ یعنی تمہارا جو دل چاہے وہ کرو، اس کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ یہ وعید ہے اور جھڑکنے اور دھمکانے کے طور پر فرمایا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۙ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿ (حم السجدہ: ۴۰) تم جو چاہو کرو بے شک وہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اس آیت میں امر کا صیغہ اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے بلکہ یہ دھمکانے اور جھڑکنے کا امر ہے اور وعید ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ الصَّبْرُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْإِسَاءَةِ فَإِذَا فَعَلُوهُ عَصَمَهُمُ اللَّهُ وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوُّهُمْ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (حم السجدہ: ۳۴) (آپ برائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں) یعنی غصہ اور غضب کے وقت صبر کریں اور برے سلوک کو معاف کر

دیں، پس جب لوگ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو (ضرر سے) بچائے گا اور ان کا دشمن ان کے لیے متواضع ہو جائے گا گویا کہ وہ ان کا قریبی دوست ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حم السجدہ: ۳۴)

سو آپ برائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں، پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہےO

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اچھے طریقہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ غضب کے وقت صبر کیا جائے اور برے سلوک کو معاف کر دیا جائے۔ امام بخاری نے اس تعلیق کو سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور مجاہد سے اچھے طریقہ کے متعلق منقول ہے کہ اس سے مراد اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ (ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۰۔ ۲۱۰ سے اخذ کی گئی ہے)

۱۔ بَابٌ: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (حم السجدہ: ۲۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی، لیکن تمہارا یہ گمان تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتاO (حم السجدہ: ۲۲) کی تفسیر

آیت مذکورہ کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ نسفی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ تم بے حیائی کے کام کرتے وقت اپنے آپ کو دیواروں اور پردوں کے پیچھے چھپاتے ہو اور تمہارا اپنے آپ کو چھپانا اس وجہ سے نہیں ہے کہ تمہیں یہ خوف ہے کہ تمہارے خلاف تمہارے اعضاء گواہی دیں گے کیونکہ تم کو یہ علم نہیں ہے کہ تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا اور بداعمالیوں پر سزا کا بالکل انکار کرتے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۰)

۴۸۱۶۔ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ زُرَیْعٍ عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اَبِیْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا اَبْصَارُكُمْ الْاٰیَةَ قَالَ كَانَ رَجُلَانِ مِنْ قُرَیْشٍ وَخَتَنٌ لَهُمَا مِنْ ثَقِیْفَ اَوْ رَجُلَانِ مِنْ ثَقِیْفَ وَخَتَنٌ لَهُمَا مِنْ قُرَیْشٍ فِیْ بَیْتٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَتَرَوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْمَعُ حَدِیْثَنَا قَالَ بَعْضُهُمْ یَسْمَعُ بَعْضَهٗ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَئِنْ كَانَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الصلت بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی از روح بن القاسم از منصور از مجاہد از ابومعمر از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں: وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ (پوری آیت تک) (اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں گواہی دیں گے)، اس حدیث کا شان نزول یہ ہے کہ قریش کے دو مرد اور ان دونوں کا بیوی کی طرف سے کوئی رشتہ دار

يَسْمَعُ بَعْضَهُ لَقَدْ يَسْمَعُ كُلَّهُ فَأُنْزِلَتْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ الْآيَةَ.

(صحیح البخاری: ۴۸۱۷، ۷۵۲۱، سنن ترمذی: ۳۲۴۸)

قبیلہ ثقیف سے تھا یا دو مرد قبیلہ ثقیف سے تھے اور بیوی کی طرف سے ان کا کوئی رشتہ دار (برادر نسبتی) قریش سے تھا، وہ دونوں کسی ایک گھر میں تھے، پس انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تمہارا کیا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری باتیں سن رہا ہے؟ ان میں سے کسی نے کہا: بعض باتیں سن رہا ہے تو دوسرے نے کہا: اگر وہ بعض باتیں سن رہا ہے تو وہ سب باتیں سن رہا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ (حم السجدۃ: ۲۲) اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں گواہی دیں گی۔

حدیث مذکور کے الفاظ کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی کے بیان میں لکھتے ہیں:

قریش کے دو مرد تھے اور ایک ان کا ختن تھا: بیوی کی طرف سے ہر رشتہ دار کو ختن کہتے ہیں مثلاً برادر نسبتی یا سسر۔

یا قبیلہ ثقیف کے دو مرد: یہ شک حدیث کے راوی ابو معمر کو ہے، اور امام عبدالرزاق نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ ایک مرد ثقفی تھا اور بیوی کی طرف سے دو رشتہ دار قریشی تھے اور اس میں کوئی شک نہیں تھا۔

ابن بشکوال نے کتاب المبہمات میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قرشی کا نام الاسود بن عبد یغوث تھا اور جو دو ثقفی تھے ان میں سے ایک کا نام اخنس بن شریق تھا اور انہوں نے دوسرے کا نام نہیں بتایا، علامہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے اور علامہ بغوی نے اس کی پیروی کی ہے کہ ثقفی کا نام عبد یالیل بن عمرو بن عمیر تھا اور دو قرشی، صفوان اور ربیعہ تھے جو امیہ بن خلف کے بیٹے تھے اور اسماعیل بن محمد تیمی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ قرشی کا نام صفوان بن امیہ تھا اور جو دو ثقفی تھے وہ ربیعہ اور حبیب تھے جو عمرو کے بیٹے تھے۔

اگر وہ بعض باتیں سنتا ہے تو پھر ضرور وہ کل باتیں سنتا ہے: اس تلازم کی دلیل یہ ہے کہ تمام مسموعات کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت واحد ہے اور تخصیص کرنا کہ وہ بعض باتیں سنتا ہے محض اپنی رائے سے حکم لگانا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۲- بَابٌ: وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدٰىكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (حم السجدہ: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا، پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے O (حم السجدہ: ۲۳) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: ذلکم کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف ہے:

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (حم السجدہ: ۲۲)

لیکن تمہارا یہ گمان تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا ۝

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۱۷۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ اجْتَمَعَ عِنْدَ الْبَيْتِ قُرَشِيَّانِ وَثَقَفِيٌّ أَوْ ثَقَفِيَّانِ وَقُرَشِيٌّ كَثِيرَةٌ شَحْمُ بُطُونِهِمْ قَلِيلَةٌ فِقْهُ قُلُوبِهِمْ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَتُرَوْنَ أَنَّ اللهَ يَسْمَعُ مَا نَقُولُ قَالَ الْآخَرُ يَسْمَعُ إِنْ جَهَرْنَا وَلَا يَسْمَعُ إِنْ أَخْفَيْنَا وَقَالَ الْآخَرُ إِنْ كَانَ يَسْمَعُ إِذَا جَهَرْنَا فَإِنَّهُ يَسْمَعُ إِذَا أَخْفَيْنَا فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ﴾ (حم السجدہ: ۲۲) الْآيَةَ وَكَانَ سُفْيَانُ يُحَدِّثُنَا بِهَذَا فَيَقُولُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ أَوْ ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ أَوْ حُمَيْدٌ أَحَدُهُمْ أَوْ اثْنَانِ مِنْهُمْ ثُمَّ ثَبَتَ عَلَى مَنْصُورٍ وَتَرَكَ ذَلِكَ مِرَارًا غَيْرَ مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بِنَحْوِهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از مجاہد از ابی معمر از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ بیت اللہ کے پاس دو قریشی اور ایک ثقفی جمع ہوئے یا دو ثقفی یا اور ایک قریشی جمع ہوئے، ان کے پیٹوں کی چربی تو بہت زیادہ تھی اور ان کے دلوں کی سمجھ بہت کم تھی، پس ان میں سے کسی ایک نے کہا: کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جو کچھ ہم باتیں کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سن رہا ہے، دوسرے نے کہا: اگر ہم زور سے بولیں تو وہ سنتا ہے اور اگر ہم آہستہ بولیں تو وہ نہیں سنتا اور اس دوسرے نے کہا: اگر وہ ہمارے زور سے بولنے کو سنتا ہے تو وہ ہمارے آہستہ سے بولنے کو بھی سنتا ہے۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ (حم السجدہ: ۲۲) اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی۔ اور سفیان ہمیں یہ حدیث بیان کرتے تھے، پس وہ کہتے تھے: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی یا ابن ابی نجیح نے حدیث بیان کی یا حمید نے حدیث بیان کی، ان میں سے ایک نے یا ان میں سے دو نے، پھر وہ منصور ہی کا ذکر کرتے تھے اور دوسروں کا ذکر ایک بار سے زیادہ نہیں کیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حدیث بیان کی عمرو بن علی نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی سفیان ثوری نے، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی منصور نے از مجاہد از ابی معمر از حضرت عبداللہ اسی کی مثل۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۸۱۶ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کی شرح حافظ ابن حجر سے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کے بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان کے پیٹوں کی چربی بہت زیادہ تھی اور ان کے دلوں کی سمجھ بہت کم تھی: اس میں یہ اشارہ ہے کہ موٹے آدمی میں ذہانت بہت کم ہوتی ہے، امام شافعی نے کہا: میں نے امام محمد بن الحسن کے علاوہ کسی موٹے آدمی کو عقل مند نہیں دیکھا۔

اگر وہ بعض باتیں سنتا ہے تو پھر ضرور کل باتیں سنتا ہے: کیونکہ تمام مسموعات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف واحد ہے اور بعض کی تخصیص کرنا محض اپنی رائے سے حکم لگانا ہے۔ اس میں یہ خبر ہے کہ اس قول کا قائل اپنے اصحاب میں زیادہ ذہین تھا اور یقیناً وہ الاخنس بن شریق تھا کیونکہ وہ اس کے بعد مسلمان ہو گیا تھا، اسی طرح صفوان بن امیہ تھا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۸۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ ابن تیمیہ وغیرہ کا اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ سے دعا کرنے والوں کو مشرکین کے برابر قرار دینا باطل ہے

حم السجدۃ: ۲۳، اور صحیح بخاری: ۴۸۱۷۔ ۴۸۱۶ سے یہ معلوم ہوا کہ بعض مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بعض باتوں کا علم نہیں ہوتا تھا اور اس سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو واحد، عالم اور قادر مانتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو عبادت کا مستحق نہیں قرار دیتے تھے بلکہ وہ کہتے تھے: ہم بتوں کی اس لیے عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، سو جو لوگ اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں وہ بھی ان مشرکین کی طرح ہیں۔ ہم کہتے ہیں: یہ بات محض غلط اور باطل ہے، مشرکین اللہ تعالیٰ کو اس طرح نہیں مانتے تھے جس طرح اسے ماننے کا حق ہے بلکہ حم السجدۃ: ۲۳، سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عالم بھی نہیں مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس عقیدہ اور قول کو باطل قرار دیا ہے لہٰذا شیخ ابن تیمیہ وغیرہ کا اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ سے دعا کرنے والوں کو مشرکین کے برابر قرار دینا قطعاً باطل اور مردود ہے۔

۳۔ بَابٌ: فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ۔ (حم السجدہ: ۲۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اب اگر یہ صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے۔ (حم السجدہ: ۲۴) کی تفسیر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ پوری آیت اس طرح سے ہے:

فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ ﴿۲۴﴾ (حم السجدہ: ۲۴)

اب اگر یہ صبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے اور اگر وہ اللہ کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی O

یعنی اگر وہ کفار اہل دوزخ کے اعمال کے اوپر صبر کریں تب بھی ان کی اقامت کی جگہ دوزخ ہی ہے اور اگر وہ اللہ کی رضا کو طلب کریں اور اس کی ناراضگی کے دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جو اللہ کو راضی کرنے والے ہیں۔

صحیح البخاری: ۴۸۱۷ کی سند کی تحقیق

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہم کو عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم کو یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم کو سفیان ثوری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے منصور نے حدیث بیان کی از مجاہد از معمر، از عبد اللہ، اسی حدیث کی مثل۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: عمرو بن علی بن بحر ابو حفص البصری الصیرفی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں اور یحییٰ ابن سعید القطان ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۲)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے از ابوبکر بن خلاد از یحییٰ القطان از سفیان ثوری از سلیمان اور وہ الاعمش ہیں از عمارہ بن عمیر از وہب بن ربیعہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور گویا کہ امام بخاری نے الاعمش کی سند کو ترک کر دیا کیونکہ ان میں اختلاف تھا، ایک قول تو اس طرح ہے اور دوسرا قول اس طرح ہے: از عمارہ بن عمیر از عبدالرحمٰن بن یزید از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام ترمذی نے اس حدیث کی دونوں سندوں سے روایت کی ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۱۲)

میں کہتا ہوں: یہ اسی سند کی تحقیق ہے جو صحیح البخاری: ۴۸۱۷ اور صحیح البخاری: ۴۸۱۶ میں مذکور ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۂ حم السجدۃ کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان سب کی شرح مکمل ہوگئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ سورۂ حم عسق کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۲۔ تَفۡسِيۡرُ سُوۡرَةِ حٰمٓ عٓسٓقٓ

سورۂ حٰم عسق (یعنی سورۃ الشوریٰ) کی تفسیر

سورۂ حٰم عسق (یعنی سورۃ الشوریٰ) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الشوریٰ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، مفسرین نے حٰم عسق کے بھی بہت معانی ذکر کیے ہیں جن کے ذکر کرنے کا یہ مقام نہیں ہے اور یہ سورت مکی ہے اور مقاتل نے کہا: اس میں مدنی آیات بھی ہیں اور وہ یہ ہیں: ذٰلِكَ الَّذِيۡ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهٗ (الشوریٰ: ۲۳) اور یہ آیت بھی: وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الۡبَغۡیُ هُمۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ۝ یہ آیت یہاں تک ہے: فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سَبِيۡلٍ۝ (الشوریٰ: ۳۹۔۴۱) اور سورۂ الشوریٰ میں ترپن (۵۳) آیات ہیں۔

وَيُذۡكَرُ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ عَقِيۡمًا الَّتِیۡ لَا تَلِدُ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے کہ عَقِيۡمًا کا معنی وہ عورت ہے جس کی اولاد نہ ہوتی ہو، یعنی وہ عورت بانجھ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوۡ يُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجۡعَلُ مَنۡ يَّشَآءُ عَقِيۡمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ۝ (الشوریٰ: ۵۰) یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں عطا کردے اور جس کو چاہے بے اولاد کردے، وہ بے حد علم والا بہت قدرت والا ہے○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ عقیم وہ عورت ہے جس کی اولاد نہ ہو، اسی طرح ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے مگر یہ سند ضعیف اور منقطع ہے، اس وجہ سے امام بخاری نے اس کو وثوق سے نہیں کہا اور کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے۔

رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا الۡقُرۡاٰنُ۔ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا اس سے مراد قرآن ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا۔ (الشوریٰ: ۵۲) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے روح کی تفسیر قرآن کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور السدی سے منقول ہے کہ روح کا معنی ہے: وحی اور حسن بصری سے منقول ہے: اس کا معنی ہے: رحمت۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ نَسۡلٌ بَعۡدَ نَسۡلٍ۔ اور مجاہد نے کہا: يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ کا معنی ہے: وہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (الشوریٰ:۱۱)

وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں سے جوڑے بنائے، وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے، وہ ہر بات کو سننے والا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: يَذْرَؤُكُمْ کا معنی ہے: وہ انسانوں اور مویشیوں میں سے ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا ہے، اس طرح السدی نے اس کی تفسیر کی ہے گویا کہ یہ لفظ ذُرِّیَّتْ کو پیدا کرنے کے ساتھ خاص ہے، اس کے برخلاف بَرَأَ ہے کیونکہ وہ عام ہے۔ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ کا معنی القتبی نے بیان کیا ہے کہ وہ تمہیں روح میں پیدا کرتا ہے اور جس نے کہا: رحم میں پیدا کرتا ہے اس نے خطاء کی کیونکہ رحم مونث ہے مذکر نہیں ہے۔

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ لَا خُصُومَةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے حُجَّتْ کا معنی ہے: خصومت یعنی جھگڑا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ (الشوریٰ:۱۵)

اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں، اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حُجَّتْ کی تفسیر خُصُومَتْ یعنی جھگڑے کے ساتھ کی ہے اور بعض نسخوں میں مذکور ہے: ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی خصومت نہیں۔

مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ذَلِيلٍ۔

مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ: اس کا معنی ہے ذلیل اور کمزور نظر سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۔ (الشوریٰ:۴۵)

اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے خَفِيٍّ کی تفسیر ذلیل اور کمزور کے ساتھ کی ہے، اسی طرح اس کی مجاہد نے تفسیر کی ہے، اور السدی سے منقول ہے کہ وہ چور نظروں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ يَتَحَرَّكْنَ وَلَا يَجْرِيْنَ فِي الْبَحْرِ۔

اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ کا معنی ہے: وہ جہاز سمندر میں حرکت کرتے رہے یعنی ہلتے جلتے رہے اور سمندر میں چل نہ سکے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ مِنۡ اٰیٰتِہِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَہۡرِہٖ ۔ (الشوریٰ: ۳۲۔۳۳)

اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں رواں دواں پہاڑوں کی مانند جہاز ہیں O اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سطح سمندر پر ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ الشوریٰ ۳۳۔۳۲ میں فرمایا ہے: اگر اللہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور وہ جہاز سمندر میں موجوں کے تھپیڑے کھاتے رہیں اور ہوا کے رک جانے کی وجہ سے چل نہ سکیں، اور اس آیت میں فرمایا: وَمِنۡ اٰیٰتِہٖ یعنی اللہ کی وہ بعض علامتیں جو اس کی عظمت اور توحید پر دلالت کرتی ہیں وہ پہاڑوں کی طرح جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں، نیز ارشاد ہے: کَالۡاَعۡلَامِ یہ علم کی جمع ہے اور خلیل سے منقول ہے: ہر بلند چیز عرب کے نزدیک عَلَم ہے اور ارشاد ہے: رَوَاکِدَ یعنی وہ جہاز ٹھہرے کے ٹھہرے رہ جائیں، نیز ارشاد ہے: عَلٰی ظَہۡرِہٖ یعنی سمندر کی پشت پر ہوں اور چل نہ سکیں۔ اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جہاز ٹھہرے رہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ حرکت کریں اور سکون اور حرکت کرنے میں منافات ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حرکت کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پر ہلتے جلتے رہیں اور سمندر میں چل نہ سکیں اور ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ہاں! اگر اس آیت کا تعلق زمین سے ہوتا تو حرکت کرنے اور ٹھہرنے میں منافات ہوتی۔

شَرَعُوۡا اِبۡتَدَعُوۡا۔ شَرَعُوۡا کا معنی ہے: انہوں نے دین میں نیا معنی نکالا ہے اور بدعت کی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَمۡ لَہُمۡ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَہُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا لَمۡ یَاۡذَنۡۢ بِہِ اللّٰہُ۔ (الشوریٰ:۲۱)

کیا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے شَرَعُوۡا کی تفسیر اِبۡتَدَعُوۡا کے ساتھ کی ہے یعنی انہوں نے دین میں ایک نیا طریقہ نکالا ہے اور یہ مقام بدعت کی تفصیل ذکر کرنے کا نہیں ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی کی عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۴۔۲۲۲ سے اخذ کی گئی ہے]

۱۔ بَابٌ: اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی۔ (الشوریٰ: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سوا قرابت کی محبت کے۔ (الشوریٰ: ۲۳) کی تفسیر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے پوری آیت ذکر نہیں کی پوری آیت اس طرح ہے:

قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی۔ (الشوریٰ: ۲۳)

آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قرابت کی محبت کے۔

قرابت اور قرابت داروں کی تفسیر

کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپ کو بعض حوادث اور حقوق پیش آئے اور آپ کے ہاتھ میں گنجائش نہیں تھی تو انصار نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے ذریعہ ہدایت دی ہے اور آپ کو ضروریات

اور حقوق درپیش ہیں اور آپ کے ہاتھ میں گنجائش نہیں ہے تو ہم آپ کے لیے اپنے اموال کو جمع کرتے ہیں تو آپ ان سے اپنی مہمات میں مدد طلب کریں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا معنی یہ ہے: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) آپ کہیے کہ میں نے جو تمہیں دلائل اور ہدایات پیش کی ہیں میں تم سے ان پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا ماسوا قرابت کی محبت کے یعنی تم اللہ عزوجل سے محبت کرو اور عبادت کر کے اس کا قرب حاصل کرو، یہ حسن بصری رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، انہوں نے کہا: قرابت سے مراد اللہ کا قرب ہے اور عکرمہ، مجاہد، السدی، ضحاک اور قتادہ سے منقول ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میرے قرابت داروں اور میری عترت اور آل سے محبت رکھو اور تم میری ان میں حفاظت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کے مصداق میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور ان کے صاحبزادے ہیں رضی اللہ عنہم جو عبد المطلب کی اولاد ہیں، دوسرا قول یہ ہے جن پر صدقہ حرام کر دیا گیا ہے اور جن پر خمس کو تقسیم کیا جاتا ہے اور وہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہیں۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ سَمِعْتُ طَاوُسًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قُرْبَى آلِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَجِلْتَ إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يَكُنْ بَطْنٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَّا كَانَ لَهُ فِيهِمْ قَرَابَةٌ فَقَالَ إِلَّا أَنْ تَصِلُوا مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنَ الْقَرَابَةِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد الملک بن میسرۃ، انہوں نے کہا: میں نے طاؤس سے سنا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ ان سے سوال کیا گیا: اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى یعنی قرابت داروں کی کیا تفسیر ہے؟ تو سعید بن جبیر نے کہا کہ قرابت داروں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے عجلت کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر قبیلہ میں قرابت ہے، پس فرمایا: اس آیت کا معنی ہے: مگر یہ کہ تم میرے درمیان اور اپنے درمیان قرابت کو ملاؤ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۴۹۷ میں گزر چکی ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی امام ترمذی نے کتاب التفسیر میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں اور اس آیت سے بنو ہاشم وغیرہ مراد نہیں ہیں جس طرح سعید بن جبیر کے قول کی طرف ذہن متبادر ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ صفحہ ۲۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس بات کی تحقیق کہ الشوریٰ: ۲۳ کی تفسیر میں صحیح بخاری کی روایت ہی معتمد ہے اور اس کے علاوہ جو دیگر روایات ہیں وہ موضوع ہیں یا ضعیف ہیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں طاؤس کی حدیث روایت کی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو سعید بن جبیر نے کہا: قربیٰ سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے اس کی

تفسیر کرنے میں عجلت کی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: سعید بن جبیر نے جو تفسیر کی ہے اس کی امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! وہ آپ کے کون سے قرابت دار ہیں جن سے محبت کرنا ہم پر واجب ہے۔ الحدیث، اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور یہ ساقط ہے کیونکہ یہ صحیح بخاری کی اس صحیح روایت کے خلاف ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تم میری قرابت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری حفاظت کرو اور اس میں خصوصاً قریش سے خطاب ہے اور قربیٰ سے مراد آپ کے عصبات اور رحم کی قرابت ہے گویا کہ آپ نے فرمایا: قرابت کی وجہ سے میری حفاظت کرو اگر تم نبوت کی وجہ سے میری پیروی نہیں کرتے۔ اور علامہ زمخشری نے اس آیت کی تفسیر میں کئی احادیث ذکر کی ہیں جن کا ظاہر یہ ہے کہ وہ احادیث موضوع ہیں اور الزجاج نے اس کو رد کر دیا ہے کیونکہ طاؤس کی جو روایت اس باب کی حدیث میں حضرت ابن عباس سے ہے وہ صحیح ہے اور وہی معتمد ہے اور انہوں نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

اس آیت کے سبب نزول میں ایک اور قول ہے جس کی واحدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے اور آپ کو کئی ضروریات پیش آئیں اور آپ کے ہاتھ میں کوئی مال نہیں تھا تو انصار نے مال جمع کیے، پس کہا: یارسول اللہ! آپ ہمارے بھانجے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب سے ہمیں ہدایت دی ہے اور آپ کی ضروریات اور حقوق ہیں اور آپ کے پاس وسعت اور گنجائش نہیں ہے تو ہم نے آپ کے لیے یہ اموال جمع کیے ہیں تا کہ ان سے آپ کام چلائیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور یہ کلبی اور اس کے مماثل کی روایت ہے جو ضعفاء میں سے ہیں اور واحدی نے مقسم کی سند سے حضرت ابن عباس سے بھی یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب انصار کی یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: کیا تم گمراہ نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے سبب سے ہدایت دی۔ الحدیث، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ انصار گھٹنوں کے بل گر گئے اور کہنے لگے: ہماری جانیں اور ہمارے اموال آپ کے لیے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور یہ اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور انصار مدینہ میں تھے اور اس آیت کے نزول کے سبب میں قوی روایت یہ ہے جو قتادہ سے مروی ہے کہ مشرکین نے کہا کہ شاید محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی تبلیغ پر اجر کو طلب کریں گے اور بعض علماء کا یہ زعم ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ثعلبی نے اس کو رد کر دیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ کی اطاعت کر کے اور اس کے نبی کی پیروی کر کے یا صلہ رحم کر کے اللہ کا قرب حاصل کرو اور ان تمام امور کا حکم دائمی ہے منسوخ نہیں ہے۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ سعید بن جبیر اور جو ان کے موافقین ہیں مثلاً علی بن حسین اور سدی اور عمرو بن شعیب وغیرہ انہوں نے اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ مخاطبین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے محبت رکھیں اور حضرت ابن عباس نے اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ مخاطبین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سبب سے محبت رکھیں کہ ان کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قرابت ہے۔ پہلی صورت میں یہ خطاب تمام مکلفین کے لیے عام ہے اور دوسری صورت میں یہ خطاب قریش کے ساتھ خاص ہے، اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ سورت مکی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۔ (ص:۸۶) آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔

اور ہو سکتا ہے کہ یہ حکم عام ہو اور اس باب کی آیت کے مدلول سے اس میں تخصیص کی گئی ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ قریش اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے تھے اور جب آپ مبعوث کیے گئے تو انہوں نے آپ سے رشتہ منقطع کر لیا تو آپ نے فرمایا: تم

میرے ساتھ بھی اسی طرح رشتہ کو ملاؤ جس طرح تم میرے علاوہ اپنے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ رشتہ کو ملاتے ہو۔اور امام سعید بن منصور نے شعبی کی سند سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں لوگوں نے بہت بحث کی تو میں نے حضرت ابن عباس کی طرف مکتوب لکھ کر ان سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قریش میں نسب کا واسطہ تھے۔اور قریش کے ہر قبیلہ میں آپ کا نسب تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قربت کی محبت کے۔(الشوریٰ: ۲۳) یعنی میری جو تمہارے ساتھ قرابت ہے تم اس قرابت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو اور میری حفاظت کرو۔

یہاں پر ایک تیسرا قول بھی ہے، اس کی امام احمد نے از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے پاس جو دلائل اور ہدایت لایا ہوں میں تم سے اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ تم اللہ کی عبادت کر کے اس کا قرب حاصل کرو۔اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس پر اجرت کا اطلاق مجاز ہے اور قربیٰ زلفی اور بشریٰ کی طرح مصدر ہے اور اس کا معنی قرابت ہے اور اس سے مراد اہل قرابت ہیں، یہ اس بناء پر ہے کہ یہ استثناء متصل ہو اور اگر یہ استثناء منقطع ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ میں تم سے بالکل اجرت طلب نہیں کرتا لیکن میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم مجھ سے اس وجہ سے محبت رکھو کہ میری تمہارے ساتھ رشتہ داری ہے۔(فتح الباری ج ۵ ص ۸۱۴۔۸۱۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الشوریٰ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور ایک حدیث روایت کی تھی ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الزخرف کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۳۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ حٰمٓ الزُّخۡرُفِ

سورۂ حٰمٓ (الزخرف) کی تفسیر

سورۂ حٰمٓ (الزخرف) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ حٰمٓ الزخرف کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں سورۃ الزخرف مذکور ہے اور بعض نسخوں میں سورۂ حٰمٓ الزخرف مذکور ہے، مقاتل نے کہا: ایک آیت کے سوا یہ سورت مکی ہے اور وہ آیت یہ ہے: وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا (الزخرف: ۴۵) اور ابو العباس نے کہا: یہ سورت مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، علامہ ابن سیدہ نے کہا: الزخرف کا معنی ہے: سونا، یہ اس کا اصل معنی ہے، پھر ہر مزین چیز کو زخرف کہا گیا اور ہر وہ چیز جس کو مزین کہا گیا وہ زخرف ہے۔ اس سورت میں نواسی (۸۹) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَلٰى أُمَّةٍ عَلٰى إِمَامٍ — اور مجاہد نے کہا: عَلٰٓی اُمَّۃٍ کا معنی ہے: عَلٰی اِمَامٍ یعنی ایک امام پر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّۃٍ وَّاِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِہِمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ۝ (الزخرف: ۲۲) — نہیں بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اُمَّۃٍ کی تفسیر امام کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے۔ مجاہد نے اس کی تفسیر ملت کی ہے اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اس کی تفسیر دین کے ساتھ کی ہے۔

وَقِيلَهُ يَا رَبِّ تَفْسِيرُهُ أَيَحْسِبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَلَا نَسْمَعُ قِيلَهُمْ ﴿اَمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّہُمۡ وَنَجۡوٰىہُمۡ﴾ (الزخرف: ۸۰) — وَقِیۡلِہٖ یٰرَبِّ اس کا معنی ہے: اور ان کے اس قول کی قسم! اے میرے رب! اس آیت کا ربط درج ذیل آیت کے ساتھ ہے: ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔ (الزخرف: ۸۰)

وَلَا نَسۡمَعُ قِیۡلَہُمۡ۔ — اور ہم ان کی گفتگو کو نہیں سنتے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: بعض مفسرین نے اس تفسیر کا انکار کیا ہے، انہوں نے کہا: یہ تفسیر اس وقت صحیح ہوتی اگر الزخرف: ۸۸ میں وقیلھم ہوتا اور جمع کی ضمیر ہوتی جو مشرکین کی طرف راجع ہوتی جب کہ یہ واحد کی ضمیر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، علامہ ثعلبی نے کہا: وقیلہ یا رب یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے شکایت کرتے ہوئے یہ کہا ۔۔۔۔ اور قسم ہے رسول مکرم کے اس قول کی: اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے (الزخرف: ۸۸) سو آپ ان سے درگزر کیجیے اور کہیے: پس ہمارا سلام، پس یہ عنقریب جان لیں گے (الزخرف: ۸۹) اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم

ہے اور آپ کے قول کا علم ہے، اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا: آپ کے قول کی قسم! یہ آپ کے مرتبہ کو بلند کرنے کے لیے فرمایا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَوْلَا أَنْ جَعَلَ النَّاسَ كُلَّهُمْ كُفَّارًا لَجَعَلْتُ لِبُيُوتِ الْكُفَّارِ سُقُفًا مِنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ مِنْ فِضَّةٍ وَهِيَ دَرَجٌ وَسُرُرَ فِضَّةٍ۔

وَ لَوْلَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (الزخرف: ۳۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگوں کو میں ہی کافر بناؤں گا تو میں ضرور کفار کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتا اور ان کی سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتا اور ان کے تخت چاندی کے بنا دیتا (مَعَارِجَ کے معانی سیڑھیاں اور زینہ ہیں۔)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ لَوْلَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ۝ (الزخرف: ۳۳)

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گروہ بن جاتے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتے اور ان کی وہ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی وہ تفسیر کی ہے جو حضرت ابن عباس نے بیان کی اور اس کی امام ابن جریر نے مجاہد سے روایت کی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ کفر پر جمع ہو جاتے، پس تمام لوگ کافر ہو جاتے، یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور ابن زید کی روایت ہے: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ دنیا کی طلب میں اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے میں امت واحدہ ہو جاتے تو ہم رحمٰن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کو چاندی کا بنا دیتے اور ان کی ان سیڑھیوں کو چاندی کا بنا دیتے جن پر وہ چڑھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: ان آیات کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات ناپسندیدہ نہ ہوتی کہ جب لوگ کافروں کے گھروں میں انواع و اقسام کی نعمتیں اور عیش و عشرت کا سامان دیکھ کر کفر کی رغبت کریں گے اور یہ وہم کریں گے کہ فضیلت کفر میں ہے اور پھر سب لوگ کفر کو اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور کافروں کے گھر اور ان کا ساز و سامان چاندی اور سونے کا بنا دیتا، اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: اگر اللہ تعالیٰ کافروں پر تمام نعمتوں کے دروازے کھول دیتا تو یہ تمام لوگوں کے کفر پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں کے دروازے مسلمانوں پر کیوں نہیں کھولے تا کہ یہ تمام لوگوں کے اسلام پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں لوگ دنیا کو طلب کرنے کے لیے اسلام کو قبول کرتے اور یہ منافقین کا ایمان ہے، اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کے اوپر دنیا تنگ کر دی جائے حتیٰ کہ جو شخص بھی اسلام کو قبول کرے وہ اسلام کی حقانیت کی وجہ سے اسلام کو قبول کرے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، اور اب اس کو عظیم ثواب ملے گا کیونکہ اب اس کا اسلام اخلاص پر مبنی ہوگا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۷۸۵، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

مُقْرِنِيْنَ مُطِيقِيْنَ۔

مُقْرِنِیْنَ اس کا معنی ہے: طاقت رکھنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ (الزخرف: ۱۳)

وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مُقْرِنِيْنَ کی تفسیر کی ہے: مُطِيْقِيْنَ یعنی ہم اس پر طاقت رکھنے والے اور اس سواری پر قہر کرنے والے نہیں تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مقرنین قرن سے ماخوذ ہے یعنی ہم قوت میں اس کا ہم پلہ نہیں تھے۔

آسَفُوْنَا اَسْخَطُوْنَا۔ آسَفُوْنَا کا معنی ہے: اَسْخَطُوْنَا انہوں نے ہم کو غضب ناک کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ (الزخرف:۵۵) پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا، پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیاO

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے آسَفُوْنَا کی تفسیر کی ہے: اَسْخَطُوْنَا یعنی انہوں نے ہم کو ناراض کر دیا، اسی طرح حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر کی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: انہوں نے ہم کو غضب ناک کر دیا، تیسرا قول یہ ہے: انہوں نے ہماری مخالفت کی، اور یہ تمام معانی متقارب ہیں۔

يَعْشُ يَعْمَى۔ يَعْشُ اس کا معنی ہے: يَعْمَى یعنی اندھا بن جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ (الزخرف:۳۶) اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے (غافل ہو کر) اندھا ہو جاتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں سو، وہی اس کا ساتھی ہےO

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَعْشُ کی تفسیر يَعْمٰى کے ساتھ کی ہے، اس کا معنی ہے: جس کی نظر کمزور ہو، حضرت ابن عباس نے اس کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی يَعْشَ اس کا معنی ہے: جو ظلم کرتا ہے اور اس کی بینائی کمزور ہو جاتی ہے، القرظی سے منقول ہے: جو اپنی پیٹھ پھیرتا ہے اور ذکر رحمٰن سے مراد قرآن ہے اور نقيض له کا معنی ہے: ہم اس کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور اس پر مسلط کر دیتے ہیں۔ فهوله قرين کا معنی ہے: وہ اس کا ایسا ساتھی ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ اَیْ تُكَذِّبُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ ثُمَّ لَا تُعَاقَبُوْنَ عَلَيْهِ۔ اور مجاہد نے کہا: اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ (الزخرف:۵) یعنی تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو، پھر تم کو اس پر سزا نہیں دی جاتی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿۵﴾ (الزخرف:۵) تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں گے کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہوO

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو، پھر تم کو سزا نہیں دی جاتی؟ یعنی کیا ہم قرآن کی تکذیب کرنے والوں سے اعراض کر لیں اور ان کو سزا نہ دیں؟ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے: کیا ہم تم سے عذاب کو دور کر دیں اور تم سے اعراض کر لیں اور تم کو چھوڑ دیں اور تم کو تمہارے کفر پر سزا نہ دیں، یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس اور سدی سے منقول ہے اور الکسائی سے منقول ہے: کیا ہم تم سے نصیحت کو لپیٹ لیں، پس نہ تم کو دعوت دی جائے اور نہ نصیحت کی جائے۔

وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ۔ وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ اس کا معنی ہے: اور پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الزخرف:۸) سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مثل الاولین کی تفسیر کی ہے: سنۃ الاولین اور دوسرا قول ہے: ان کا طریقہ اور ان کی سزا۔

وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ يَعْنِى الْاِبِلَ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ۔ وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ یعنی اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ (الزخرف:۱۳) تا کہ تم ان (مویشیوں) کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو، پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم ان پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو: وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں لَهٗ کی ضمیر اَنْعَام یعنی مویشیوں کی طرف لوٹتی ہے اور مذکر کی ضمیر اس لیے لائے ہیں کہ اَنْعَام معنیً جمع ہے جیسے الجن، الجیش اور الرھط وغیرہ جو اسماء جنس ہیں۔

يَنْشَاُ فِى الْحِلْيَةِ الْجَوَارِى جَعَلْتُمُوْهُنَّ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا فَكَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔ يَنْشَاُ فِى الْحِلْيَةِ اس کا معنی ہے: جو زیورات میں پلتی ہو۔ اس سے مراد وہ لڑکیاں ہیں جن کو تم نے رحمٰن کی اولاد قرار دیا ہے، پس تم یہ کیسا حکم لگاتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝ (الزخرف:۱۸) کیا وہ جو زیورات میں پلتی ہو اور دوران بحث اپنا موقف واضح نہ کر سکے O (وہ لڑکی اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے؟)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: جو لڑکی زیورات میں پل کر بڑی ہوئی ہو، اور اس کی تفسیر لڑکیوں کے ساتھ کی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ تم نے عورتوں کو اللہ کی اولاد قرار دیا کیونکہ مشرکین نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، پس تم اللہ کے لیے یہ حکم کیسے لگاتے ہو جب کہ تم اپنے لیے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے۔

لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ يَعْنُوْنَ الْاَوْثَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اَىِ الْاَوْثَانُ اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ یعنی اگر رحمٰن چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان کو اس بات کا علم نہیں ہے (الزخرف:۲۰) یعنی بت اس بات کو نہیں جانتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ (الزخرف:۲۰) اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ محض انکل پچو سے باتیں کرتے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ بتوں کا ارادہ کرتے ہیں اور قتادہ نے کہا: وہ فرشتوں کا ارادہ کرتے ہیں اور عام

مفسرین کے نزدیک مَا عَبَدْنٰهُمْ کی ھم ضمیر بتوں کی طرف راجع ہے اور بتوں کو ذوی العقول کے منزلہ میں نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے مذکر کی ضمیر ذکر کی ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہیں اس کا کچھ علم نہیں۔ وہ محض اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں یعنی جھوٹ بولتے ہیں۔

فِي عَقِبِهٖ وَلَدِهٖ۔ فِیْ عَقِبِهٖ اس کا معنی ہے: وَلَدِهٖ یعنی اپنی اولاد میں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝ (الزخرف: ۲۸) اور (ابراہیم) نے اس (عقیدۂ توحید) کو اپنی نسل میں باقی رکھا تا کہ ان کی اولاد اس عقیدہ کی طرف رجوع کرے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَلْعَقَب کی تفسیر وَلَدْ کے ساتھ کی ہے اور اس سے مراد جنس وَلَدْ ہے حتیٰ کہ وَلَدُ الْوَلَدْ (پوتا) بھی اس میں داخل ہو جائے، اور ابن فارس نے کہا: بلکہ تمام وَرَثَۃٌ عَقَبْ ہیں اور کلمہ بَاقِيَةً سے مراد ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

مُقْتَرِنِيْنَ يَمْشُوْنَ مَعًا۔ مُقْتَرِنِيْنَ کا معنی ہے: ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَوْ لَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ۝ (الزخرف: ۵۳) (اگر یہ واقعی رسول ہے تو) اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے چلتے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مُقْتَرِنِيْنَ کی تفسیر کی ہے: ساتھ ساتھ چلتے یعنی ان کی پیروی میں ساتھ ساتھ چلتے۔

سَلَفًا قَوْمُ فِرْعَوْنَ سَلَفًا لِكُفَّارِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَمَثَلًا عِبْرَةً۔ سَلَفًا یعنی فرعون کی قوم سیدنا محمد ﷺ کی امت کے کفار کے لیے سلف ہے، اور ان کے لیے مثل ہے یعنی عبرت ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ۝ (الزخرف: ۵۶) پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ہم نے قوم فرعون کو اس امت کے کفار کے لیے سلف بنا دیا اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: سلف کا معنی ہے: گزری ہوئی پہلی امتیں اور مثلاً کا معنی ہے: بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔

يَصِدُّوْنَ يَضِجُّوْنَ۔ يَصِدُّوْنَ اس کا معنی ہے يَضِجُّوْنَ یعنی چلانے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ۝ (الزخرف: ۵۷) اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم (خوشی سے) چلانے لگی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَصِدُّوْنَ کی تفسیر يَضِجُّوْنَ کی ہے، اس کا معنی ہے: وہ چلاتے ہیں اور بعض نے اس کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی يَصُدُّوْن، اس کا معنی ہے: وہ در پے ہوتے ہیں۔ اور الکسائی نے کہا ہے: یہ ایک معنی کی دو لغتیں ہیں۔

مُبْرِمُوْنَ مُجْمِعُوْنَ۔ مُبْرِمُوْنَ اس کا معنی ہے: مُجْمِعُوْنَ یعنی اجماعی فیصلہ کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ کیا انہوں نے کسی کام کو پکا کر لیا ہے بے شک ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں O (الزخرف:۷۹)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مبرمون کی تفسیر مُجْمِعُوْنَ کی ہے، دوسرا قول ہے کہ اس کی تفسیر مُحْکِمُوْن ہے، یعنی کیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی سازش کو پکا کر لیا ہے تو ہم بھی ان کے خلاف پکا کام کرنے والے ہیں۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: مقاتل نے کہا: یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب کفار مکہ نے دار الندوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خفیہ سازش کی تھی کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد مل کر اچانک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے آپ کو قتل کر دے تاکہ تمام قبائل آپ کو قتل کرنے میں مشترک ہوں اور کسی ایک قبیلہ پر الزام نہ آئے اور آپ کی دیت اور خون بہا کا مطالبہ کمزور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں یعنی ان کی سازش کا توڑ کرنے والے ہیں۔

(انوار تبیان القرآن ص ۷۹۰، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

أَوَّلُ الْعَابِدِينَ أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ۔ اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ اس کا معنی ہے: اَوَّلُ المومنین۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ آپ کہیے: اگر رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا O (الزخرف:۸۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے العابدین کی تفسیر المومنین کے ساتھ کی ہے اور مجاہد نے اس کی تفسیر کی ہے: میں سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے والا ہوں، تم جو چاہو کہو، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: اگر تمہارے زعم اور تمہارے قول کے مطابق اللہ کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اللہ کو واحد ماننے والا ہوں اور اللہ پر ایمان لانے والا ہوں اور تمہاری تکذیب کرنے والا ہوں اور تم جو کہتے ہو کہ اللہ کا بیٹا ہے تو میں سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والا ہوں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رحمٰن کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور میں سب سے پہلے اس کی شہادت دینے والا ہوں۔

وَقَالَ غَيْرُهُ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ الْعَرَبُ تَقُولُ نَحْنُ مِنْكَ الْبَرَاءُ وَالْخَلَاءُ وَالْوَاحِدُ وَالِاثْنَانِ وَالْجَمِيعُ مِنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ يُقَالُ فِيهِ بَرَاءٌ لِأَنَّهُ مَصْدَرٌ وَلَوْ قَالَ بَرِيءٌ لَقِيلَ فِي الِاثْنَيْنِ بَرِيئَانِ وَفِي الْجَمِيعِ بَرِيئُونَ وَقَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ إِنَّنِي بَرِيءٌ بِالْيَاءِ

اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ (الزخرف:۲۶) (ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو O) اور عرب کہتے ہیں: نحن منك اَلْبَرَاءُ وَ الْخَلَاءُ ہم تم سے بیزار ہیں اور الگ ہیں اور اس میں واحد، تثنیہ، جمع مذکر اور جمع مونث سب برابر ہیں۔ اس میں کہا جاتا ہے: بَرَآءٌ کیونکہ یہ مصدر ہے اور اگر اس نے کہا: بَرِیْءٌ تو پھر تثنیہ میں بَرِیْئَانِ کہا جائے گا اور جمع میں بَرِیْئُوْن کہا جائے گا اور حضرت عبداللہ کی قراءت ہے: اِنَّنِیْ بَرِیْءٌ یاء کے ساتھ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ (الزخرف:۲۶) اور یاد کیجیے جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا اس میں بَرَآءٌ کہا جائے گا کیونکہ یہ مصدر ہے یعنی اس کو صفت کا قائم مقام کیا گیا ہے، کہا جاتا ہے: میں نے تم کو دُیُون یعنی قرضوں سے اور عیوب سے بری کر دیا۔ امام بخاری نے کہا: اور جمع میں برینون کہا جائے گا اور اس میں براء بھی کہا جاتا ہے جیسے فقیہ اور فقہاء اور اس میں بِرَآءٌ یعنی باء کی زیر کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے جیسے کریم اور کرام اور اَبْرَآءٌ بھی کہا جاتا ہے جیسے شَرِیْفٌ اور اَشْرَافٌ اور اَبْرِیَآءُ بھی کہا جاتا ہے جیسے نَصِیْبٌ اور اَنْصِبَاءُ اور مونث میں کہا جاتا ہے: اِمْرَءَۃٌ بَرِیْئَۃٌ وَ ھُمَا بَرِیْئَتَانِ وَ ھُنَّ بَرِیْئَاتٌ وَ بَرَایَا اور یہ اہل نجد کی لغت ہے اور پہلی لغت اہل حجاز کی ہے۔ امام بخاری نے کہا: اور حضرت عبداللہ کی قرأت ہے: اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

وَالزُّخْرُفُ الذَّهَبُ مَلَائِكَةً يَخْلُفُونَ يَخْلُفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔

والزُّخْرُف اس کا معنی ہے: اَلذَّهَبُ یعنی سونا۔ مَلَائِكَةً يَخْلُفُونَ: اس کا معنی ہے: فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ (الزخرف: ۶۰)

اور اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتے پیدا کر دیتے جو تمہارے بعد زمین میں رہتے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یَخْلُفُوْن کی تفسیر کی ہے: وہ ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ اسی طرح روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے: ابن آدم کی جگہ یعنی تمہارے ہاں ابن آدم کی جگہ فرشتے پیدا ہوتے اور وہ زمین پر رہتے اور ایک دوسرے کے بعد آتے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۹۔ ۲۲۵ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ۔ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ (الزخرف: ۷۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ (دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے: اے مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں ختم کر دے، وہ کہے گا: تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو ۝ (الزخرف: ۷۷) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی کفار دوزخ میں دوزخ کے محافظ مالک سے پکار کر کہیں گے: چاہیے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ کر دے یعنی ہم کو مار ڈالے تاکہ ہم اس عذاب سے نجات پالیں تو ایک ہزار سال بعد مالک ان کو جواب دے گا: تم اس عذاب میں ہمیشہ رہو گے اور امام ابن جوزی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ چالیس (۴۰) سال تک مالک سے پکار کر کہتے رہیں گے، پھر اس کے بعد وہ ان کو جواب دے گا کہ تم اس دوزخ میں ہمیشہ رہو گے، پھر وہ پکاریں گے: اے رب العزت! ہم کو اس دوزخ سے نکال دے، اللہ تعالیٰ ان کو کوئی جواب نہیں دے گا حتیٰ کہ اتنا عرصہ گزر جائے گا جتنی دنیا کی عمر ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم دوزخ میں دفع ہو جاؤ اور مجھ سے بات نہ کرو۔

۴۸۱۹۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان بن عیینہ نے حدیث بیان کی از عمرو از عطاء از صفوان بن یعلیٰ از والد خود وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر پڑھ رہے تھے: وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ

لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ (الزخرف: ۷۷) (اور وہ دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے: اے مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں ختم کر دے)۔

وَقَالَ قَتَادَةُ مَثَلًا لِلْآخِرِينَ عِظَةً لِمَنْ بَعْدَهُمْ۔

اور قتادہ نے کہا: مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ اس کا معنی ہے: بعد والوں کے لیے نصیحت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝ (الزخرف:۵٦)

پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ان کو بعد والوں کے لیے نصیحت بنا دیا۔ امام بخاری نے عِظَةٌ کا لفظ لکھا ہے، یہ اصل میں مَوْعِظَةٌ ہے، واؤ کو اس سے حذف کر دیا گیا چونکہ اس کے فعل میں بھی واؤ کو حذف کیا گیا ہے اور اس کی گردان اس طرح ہے: وَعَظَ يَعِظُ، يَعِظُ اصل میں يَوْعِظُ تھا، اس سے واؤ کو حذف کر دیا گیا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ مُقْرِنِينَ ضَابِطِينَ يُقَالُ فُلَانٌ مُقْرِنٌ لِفُلَانٍ ضَابِطٌ لَهُ۔

اور قتادہ کے علاوہ دوسروں نے کہا: مُقْرِنِين کا معنی ہے: ضابِطِين یعنی قابو میں لانے والے، کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا مُقْرِن ہے یعنی وہ اس کو قابو میں لانے والے ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ (الزخرف: ۱۳)

وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے سواری کو ہمارے قابو میں کر دیا اور ہم از خود اس کو قابو میں لانے والے نہیں تھے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی تفصیل اور تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

وَالْأَكْوَابُ الْأَبَارِيقُ الَّتِي لَا خَرَاطِيمَ لَهَا۔

اَلْاَكْوَابُ اس سے مراد وہ لوٹے ہیں جن کی ٹوٹی نہ ہو، خَرَاطِيم خُرْطُوم کی جمع ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ۔ (الزخرف:۷۱)

ان کے گرد سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا۔

علامہ عینی کہتے ہیں: الاکواب اَلْكُوبَة کی جمع ہے اور علامہ زمخشری نے کہا ہے: اَلْكُوب اور اَلْكُوز اس لوٹے کو کہتے ہیں جس کا دستہ اور ٹوٹی نہ ہو۔

وَقَالَ قَتَادَةُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ جُمْلَةِ الْكِتَابِ أَصْلِ الْكِتَابِ۔

اور قتادہ نے کہا: فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ (الزخرف: ۴) اس کا معنی ہے: جملة الكتاب، اصل الكتاب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (الزخرف:۴)

بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ، بہت

حکمت والی ہے۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: قتادہ نے ام الکتاب کی تفسیر جملۃ الکتاب اور اصل الکتاب کی ہے اور مفسرین نے کہا ہے کہ ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

أَوَّلُ الْعَابِدِينَ أَيْ مَا كَانَ فَأَنَا أَوَّلُ الْآنِفِينَ وَهُمَا لُغَتَانِ رَجُلٌ عَابِدٌ وَعَبِدٌ وَقَرَأَ عَبْدُ اللهِ وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ وَيُقَالُ أَوَّلُ الْعَابِدِينَ الْجَاحِدِينَ مِنْ عَبِدَ يَعْبَدُ

أَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:۸۱) اس کا معنی ہے: میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوں اور یہ دونوں لغتیں ہیں رَجُلٌ عَابِدٌ یعنی عبادت کرنے والا مرد وَعَبِدٌ یعنی انکار کرنے والا۔ اور حضرت عبداللہ (بن مسعود) نے قرأت کی: وقال الرسول یا رب: یعنی رسول نے کہا: اے میرے رب! اور کہا جاتا ہے کہ اول العابدین کا معنی ہے میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوں، یہ دوسری لغت ہے جس کی گردان عَبِدَ يَعْبَدُ سے ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: عنقریب اول العابدین کی یہ تفسیر گزر چکی ہے کہ اگر بافرض رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ امام بخاری نے عابدین کا دوسرا معنی بتانے کے لیے یہاں اس کو دوبارہ ذکر کیا ہے اور دوسرا معنی ہے: فَأَنَا أَوَّلُ الْآنِفِيْنَ یعنی میں سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والا ہوں کیونکہ عابدین یہاں پر عَبِدَ يَعْبَدُ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: انکار کرنے والا، اور الجوہری نے کہا ہے: عَبَدُ کا معنی ہے: غضب اور عبد کا معنی ہے: انکار۔ امام بخاری نے کہا: عَبِدَ يَعْبَدُ سے عَبِدَ کا معنی ہے انکار کیا اور علامہ ابن التین نے کہا کہ اہل لغت نے اس کا ذکر نہیں کیا کہ عَبِدَ کا معنی ہے: انکار کیا اور اس کا محمد بن عزیز السجستانی نے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ عابدین کا معنی ہے: انکار کرنے والے اور اس بناء پر تفسیر کی ہے کہ اگر رحمٰن کا ولد ہو تو میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوں اور سدی نے کہا ہے: اس کا معنی اس طرح ہے کہ اگر رحمٰن کا ولد ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا تھا لیکن رحمٰن کا کوئی ولد نہیں ہے اور ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی اس طرح ہے کہ رحمٰن کا ولد نہیں ہے اور میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوں۔ امام بخاری نے کہا: اور عبداللہ نے پڑھا یعنی حضرت ابن مسعود نے وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ (الزخرف:۸۸) میں یارب کی جگہ قال الرسول یا رب پڑھا۔ علامہ عینی اعتراض کرتے ہیں: امام بخاری کو چاہیے تھا کہ اس بات کو (الزخرف:۸۸) کی تفسیر میں ذکر کرتے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۳۱۔ ۲۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ۝ (الزخرف:۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۝ (الزخرف:۵) کی تفسیر

مُشْرِكِيْنَ وَاللهِ لَوْ أَنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ رُفِعَ حَيْثُ رَدَّهُ أَوَائِلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ لَهَلَكُوْا فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَضَى مَثَلُ الْأَوَّلِيْنَ عُقُوْبَةُ الْأَوَّلِيْنَ۔

مسرفین کا معنی ہے: مشرکین اور اللہ کی قسم! اگر اس قرآن کو اس وقت اٹھالیا جاتا جب اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کو مسترد کر دیا تھا تو سب ہلاک ہو جاتے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مسرفین کا معنی ہے: مشرکین یعنی جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور اللہ کے حکم سے تجاوز کرنے والے

ہیں، لیکن اللہ عزوجل نے اپنے بندوں پر رحمت کے ساتھ رجوع کیا اور بیس (۲۰) سال تک یا جب تک اللہ نے چاہا ان کو اس قرآن کی طرف دعوت دیتا رہا۔

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الزخرف:۸) (سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے) یعنی پہلے لوگوں کی سزا گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اسی طرح قتادہ سے روایت ہے اور امام عبدالرزاق نے معمر سے روایت کی ہے اور مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ کی تفسیر کی ہے: عقوبۃ الاولین یعنی پہلے لوگوں کی سزا۔

جُزْءًا عِدْلًا۔ جزءًا اس کا معنی ہے: عِدلًا یعنی حصہ اور بعض۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الزخرف:۱۵) اور انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا جز قرار دے دیا، بے شک انسان ضرور کھلا ہوا ناشکرا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے جزءً کی تفسیر عِدلًا کی ہے یعنی بعض اور کتب تفسیر میں مذکور ہے یعنی حصہ اور بعض۔ کیونکہ مشرکین کہتے تھے: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اس قول سے بہت بلند ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الزخرف کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ سورۂ حٰمٓ الدخان کی تفسیر شروع ہوگئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۴۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ حٰمٓ الدُّخَانِ

سورۃ (حٰم) الدخان کی تفسیر

سورۃ (حٰم) الدخان کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الدخان کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں حم الدخان لکھا ہے اور بعض نسخوں میں صرف الدخان لکھا ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے، اور ابوالعباس نے کہا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس سورت میں انسٹھ (۵۹) آیات ہیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: جس شخص نے رات کو سورۂ حم الدخان کی تلاوت کی تو اس کے لیے صبح کو ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں، اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی رات میں سورۂ حم الدخان پڑھی اس کی مغفرت کردی جائے گی:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ رَهْوًا طَرِيْقًا يَابِسًا وَيُقَالُ رَهْوًا سَاكِنًا۔

اور مجاہد نے کہا: رَهْوًا کا معنی ہے: خشک راستہ اور کہا جاتا ہے کہ رَهْوًا کا معنی ہے: ساکن۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۝ (الدخان: ۲۴)

آپ سمندر کو یوں ہی ساکن چھوڑ کر چلے جائیں، بے شک ان کا لشکر غرق کردیا جائے گا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رَهْوًا کی تفسیر خشک راستہ سے کی ہے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ سمندر جس طرح ہے اس کو اسی طرح چھوڑ کر چلے جائیں، اور ابوعبیدہ نے تفسیر کی ہے: خشک راستہ۔

عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ عَلٰى مَنْ بَيْنَ ظَهْرَيْهِ۔

عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ اس کا معنی ہے: على من بين ظهريه یعنی ان لوگوں پر جو ان کے درمیان ہیں ان پر ان کو برتری دی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الدخان: ۳۲)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دانستہ اس وقت تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے على من بين ظهريه کی تفسیر بنی اسرائیل کے معاصرین کے ساتھ کی ہے اور یہ مجاہد کا بھی قول ہے اور اس آیت کا معنی ہے: ہم نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو ان کے زمانہ کے تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

فَاعْتُلُوْهُ ادْفَعُوْهُ۔

فاعتلوه اس کا معنی ہے: ادفعوه، یعنی اس کو جھونک دو۔

امام بخاری اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰى سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ۝ (الدخان: ۴۷) (اللہ فرمائے گا:) اس کو پکڑو، پس اس کو گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط کی طرف لے جاؤ O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فاعتلوہ کی تفسیر دھکیل دو اور جھونک دو کے ساتھ کی ہے، کتب تفسیر میں مذکور ہے: اس کا معنی ہے: اس کو گھسیٹتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جاؤ۔

وَزَوَّجۡنَاهُمۡ بِحُورٍ عِينٍ أَنۡكَحۡنَاهُمۡ حُورًا عِينًا يَحَارُ فِيهَا الطَّرۡفُ۔ وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ یعنی ہم نے ان کا نکاح بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیا جن کو دیکھ کر آنکھیں حیرت میں رہ جاتی ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَذٰلِكَ وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ ۝ (الدخان: ۵۴) ایسا ہی ہوگا اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی بیویاں بنائیں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: کپڑوں کے پارسے ان کی پنڈلیوں کا گودا دکھائی دے گا اور دیکھنے والا ان کے چہرے کی طرف دیکھے گا، ان کی کھال باریک ہوگی جیسے آئینہ ہو اور موتی کی طرح صاف ہوگی اور حور حوراء کی جمع ہے اور عین عیناء کی جمع ہے اور یہ وہ عورت ہے جس کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں۔

میں (سعیدی غفرلہ) کہتا ہوں: عبداللہ بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ جس شخص نے ایمان اور تصدیق کے ساتھ جمعہ کی شب حم الدخان پڑھی وہ صبح کو بخشا ہوا اٹھے گا، ابورافع کی روایت میں ہے: ان کی بڑی آنکھوں والی حور سے شادی کر دی جائے گی۔ (سنن دارمی: ۳۴۲۲۔۳۴۲۱، دارالمعرفہ، بیروت)

تَرۡجُمُوۡنِ الۡقَتۡلُ۔ تَرۡجُمُوۡنِ یعنی تمہارے قتل کرنے سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِنِّىۡ عُذۡتُ بِرَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ۝ (الدخان: ۲۰) اور بے شک میں تمہارے سنگ سار کرنے سے اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آچکا ہوں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس طرح قتادہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، تَرۡجُمُوۡنِ کا معنی ہے: تم مجھے برا کہتے ہو اور جادوگر کہتے ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے: اس کا معنی ہے: تمہارے قتل کرنے سے۔

وَرَهۡوًا سَاكِنًا۔ رھوا یعنی ساکن۔

یہ تعلیق مکرر ہے، عنقریب اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

وَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ كَالۡمُهۡلِ أَسۡوَدُ كَمُهۡلِ الزَّيۡتِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: كَالۡمُهۡلِ یعنی زیتون کے تیل کے تل چھٹ کی طرح سیاہ ہوگا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۝ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ۝ كَالۡمُهۡلِ ۛۚ يَغۡلِىۡ فِى الۡبُطُوۡنِ ۝ (الدخان: ۴۳۔۴۵) بے شک تھوہر کا درخت گنہ گاروں کا کھانا ہے O جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اَلْمُهْل کا معنی ہے: پگھلا ہوا سیسہ یا پیتل یا چاندی، ان دھاتوں میں سے جس کو بھی پگھلا لیا جائے تو وہ مُهل ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ دوزخیوں کی کھالوں سے جو پیپ بہتی ہے اس کو اَلْمُهل کہتے ہیں۔ اللیث نے کہا: اَلْمُهْل ایک قسم کا تیل ہے جس کے ساتھ سردیوں میں اونٹوں کی مالش کی جاتی ہے اور الاصمعی سے منقول ہے کہ اگر یہ لفظ اَلْمَهْل ہو یعنی میم پر زبر ہو تو اس کا معنی پیپ ہے اور جو چیز میت سے بہتی ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ زیتون کے تیل کا تل چھٹ ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ انگاروں کے نکلنے کے بعد جو راکھ باقی رہ جاتی ہے اس کو اَلْمَهْل کہتے ہیں، اَلْمُحْكَم میں مذکور ہے کہ اَلْمَهْل جواہر کا زنگ ہے یعنی سونا، چاندی، سیسہ اور لوہے کا زنگ۔

وَقَالَ غَيْرُهُ تُبَّعٍ مُلُوكُ الْيَمَنِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يُسَمَّى تُبَّعًا لِأَنَّهُ يَتْبَعُ صَاحِبَهُ وَالظِّلُّ يُسَمَّى تُبَّعًا لِأَنَّهُ يَتْبَعُ الشَّمْسَ۔

اور حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: اَلتُّبَّعْ یمن کے بادشاہ کو کہتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا نام تُبَّعْ ہے کیونکہ وہ اپنے صاحب کی اتباع کرتا ہے اور سایا کو بھی تُبَّعْ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سورج کی اتباع کرتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ۔ (الدخان: ۳۷) کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم تبع کے لوگ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے التبع کی تفسیر کی ہے: یمن کے بادشاہ اور جو بھی یمن کا بادشاہ تھا اس کو تبع کہا جاتا تھا جیسے جو بھی فارس کا بادشاہ تھا اس کو کسریٰ کہا جاتا تھا اور اسی طرح جو بھی روم کا بادشاہ تھا اس کو قیصر کہا جاتا تھا اور جو بھی حبشہ کا بادشاہ تھا اس کو نجاشی کہا جاتا تھا اور جو بھی ترک کا بادشاہ تھا اس کو خاقان کہا جاتا تھا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ صفحہ ۲۴۲-۲۴۳ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ (الدخان: ۱۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا ۝ (الدخان: ۱۰) کی تفسیر

قتادہ نے کہا: فارتقب کا معنی ہے: پس آپ انتظار کیجئے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: قتادہ نے اللہ عزوجل کے ارشاد: فارتقب کی تفسیر میں کہا ہے: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ انتظار کیجئے اور یہ کسی ناپسندیدہ بات کے متعلق کہا جاتا ہے، اور اس کا معنی ہے: اس کے عذاب کا انتظار کیجئے، یہاں پر مفعول عذاب کو حذف کر دیا کیونکہ بعد کا مضمون اس کے حذف پر دلالت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (الدخان: ۱۱) دوسرا قول ہے: وہ مفعول ہے يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ کا۔

۴۸۲۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ مَضَى خَمْسٌ الدُّخَانُ وَالرُّومُ وَالْقَمَرُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از مسلم از مسروق از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: پانچ چیزیں چلی گئیں: دخان، روم، قمر، البطشہ اور لزام۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی کے بیان میں لکھتے ہیں:

الدخان: قیامت کے وقوع سے پہلے کفار اور منافقین کے کانوں میں دھواں داخل ہو جائے گا حتیٰ کہ ان کا سر بھنی ہوئی سری کی طرح ہو جائے گا اور تمام روئے زمین اس گھر کی طرح ہو جائے گی جس میں آگ جلائی گئی ہو اور ابھی تک جلی نہ ہو، اور مومن صرف زکام کی سی کیفیت میں مبتلا ہوگا۔

الروم: قرآن مجید میں ہے: الٓمّٓ ۞ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۞ (الروم: ۱۔۲) الف، لام، میم O رومی پسپا ہو گئے O

القمر: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۞ (القمر: ۱) اور چاند شق ہو گیا O

البطشہ: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى (الدخان: ۱۶) جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے۔ یعنی بدر کے دن جو کفار کو قتل کیا گیا تھا۔

اللزام: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۞ (الفرقان: ۷۷) تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا O اس سے مراد ہے: غزوۂ بدر میں کفار کو جو گرفتار کیا گیا تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بھی ان کو قتل کرنا ہے۔

۲۔ بَابٌ: يَغْشَى النَّاسَ ۚ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ (الدخان: ۱۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ہے دردناک عذاب O (الدخان: ۱۱) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: يَغْشَى النَّاسَ یعنی وہ دھواں مشرق اور مغرب کے تمام لوگوں کا احاطہ کر کے ان کو بھرے گا اور چالیس دن اور رات تک رہے گا، رہا مومن تو وہ اس سے صرف زکام میں مبتلا ہوگا اور رہا کافر تو وہ اس طرح ہوگا جیسے نشہ میں ہو اور اس کے نتھنوں اور اس کے کانوں اور اس کے مقعد سے دھواں نکلے گا، نیز اس آیت میں مذکور ہے: یہ دردناک عذاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ یہ فرمائے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ لوگ کہیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۳۴)

۴۸۲۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِنَّمَا كَانَ هٰذَا لِاَنَّ قُرَيْشًا لَمَّا اسْتَعْصَوْا عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم دَعَا عَلَيْهِمْ بِسِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ فَاَصَابَهُمْ قَحْطٌ وَجَهْدٌ حَتّٰى اَكَلُوا الْعِظَامَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ اِلَى السَّمَاءِ فَيَرٰى مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجَهْدِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۞﴾ (الدخان: ۱۰) يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ قَالَ فَاُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اسْتَسْقِ اللّٰهَ لِمُضَرَ فَاِنَّهَا قَدْ هَلَكَتْ قَالَ لِمُضَرَ اِنَّكَ لَجَرِيْءٌ فَاسْتَسْقٰى لَهُمْ فَسُقُوْا فَنَزَلَتْ اِنَّكُمْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے حدیث بیان کی از الاعمش از مسلم از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو آپ نے ان کے خلاف کئی سالوں کے قحط کی دعا کی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط کے سال آئے تھے، سو ان پر قحط آ گیا اور وہ شدید مصیبت میں مبتلا ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں، پس کوئی مرد آسمان کی طرف دیکھتا تو اس کو شدید مشقت کی وجہ سے دھوئیں کی طرح کوئی چیز دکھائی دیتی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۞ (الدخان: ۱۰) (سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب

عَائِدُونَ فَلَمَّا أَصَابَتْهُمُ الرَّفَاهِيَةُ عَادُوا إِلَى حَالِهِمْ حِينَ أَصَابَتْهُمُ الرَّفَاهِيَةُ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ۝﴾ (الدخان: ١٦) قَالَ يَعْنِي يَوْمَ بَدْرٍ۔

آسمان واضح دھواں لائے گا جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ دردناک عذاب ہے O) پس رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! مضر کے لیے اللہ تعالیٰ سے پانی طلب کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں، آپ نے فرمایا: مضر کے لیے وہ تو بڑے سرکش ہیں، پھر آپ نے ان کے لیے (اللہ تعالیٰ سے) بارش کو طلب کیا، پس بارش ہوئی۔ پس یہ آیت یہاں تک نازل ہوئی: بے شک تم پلٹنے والے ہو۔ پھر جب ان کے اوپر خوش حالی آ گئی تو پھر اپنے اس حال کی طرف لوٹ گئے جب ان پر خوش حالی آئی تھی تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ۝ (الدخان:١٦) (جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں O) حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: یعنی بدر کے دن۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ١٠٠٧ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ میں بعض مشکل جملوں کا بیان

علامہ عینی حدیث مذکور کے بعض مشکل جملوں کے بیان میں لکھتے ہیں:

اس کی وجہ یہ ہے: یعنی قریش پر جو شدید قحط آیا اور شدید مصیبت آئی حتیٰ کہ انہوں نے اپنے اور آسمان کے درمیان دھوئیں کی مثل کوئی چیز دیکھی۔

جب قریش نے نافرمانی کی: یعنی انہوں نے شرک کو ترک نہیں کیا۔

الرفاهیه: اس کا معنی ہے: وسعت اور راحت۔

٣۔ بَابٌ: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ (الدخان: ١٢)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اس دن وہ کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں O (الدخان: ١٢) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: جب مشرکین پر قحط آیا اور وہ شدید مشقت اور مصیبت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے یہ دعا کی: اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے اور عذاب سے مراد وہ قحط ہے جس میں انہوں نے مردار اور کھالوں کو کھالیا، انہوں نے کہا: بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝ (الدخان: ١٥) اگر ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو بے شک تم پھر (کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو O

پھر وہ کفر کی طرف لوٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ان سے انتقام لیا۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٢٣٥)

۴۸۲۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ تَقُولَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اللّٰهُ أَعْلَمُ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ ﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (ص:۸۶) إِنَّ قُرَيْشًا لَمَّا غَلَبُوا النَّبِيَّ ﷺ وَاسْتَعْصَوْا عَلَيْهِ قَالَ اللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ أَكَلُوا فِيهَا الْعِظَامَ وَالْمَيْتَةَ مِنَ الْجَهْدِ حَتَّى جَعَلَ أَحَدُهُمْ يَرَى مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجُوعِ قَالُوا ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ﴾ (الدخان:۱۲) فَقِيلَ لَهُ إِنْ كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَادُوا فَدَعَا رَبَّهُ فَكَشَفَ عَنْهُمْ فَعَادُوا فَانْتَقَمَ اللّٰهُ مِنْهُمْ يَوْمَ بَدْرٍ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ ﴿اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾ (الدخان:۱۰۔۱۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی الضحیٰ از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوا، انہوں نے کہا کہ بے شک یہ بھی علم میں سے ہے کہ تمہیں جس چیز کا علم نہ ہو تو تم کہو: اس کو اللہ ہی جانتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص:۸۶) (آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O) بے شک قریش نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ مصیبت میں مبتلا کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! ان کے خلاف میری ایسے سات سالوں کے ساتھ مدد فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں سات سال تھے، پس ان کو قحط نے پکڑ لیا، اور انہوں نے اس مصیبت کی وجہ سے ہڈیاں کھائیں اور مردار کو کھایا حتیٰ کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے اوپر آسمان کے درمیان بھوک کی وجہ سے دھوئیں کی مثل کوئی چیز دیکھتا تھا تو انہوں نے یہ دعا کی: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ (الدخان:۱۲) (اس دن وہ کہیں گے! اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں O) پس آپ سے فرمایا گیا: بے شک اگر ہم ان سے عذاب کو دور کر دیں تو پھر یہ کفر کی طرف لوٹنے والے ہوں گے، آپ نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا، پس وہ پھر کفر کی طرف لوٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ان سے انتقام لیا، اس کے موافق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (الدخان:۱۰) یہ آیت یہاں تک ہے: اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ (الدخان:۱۶) (اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے۔ بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں)۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

۴۔ بَابٌ: اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ (الدخان: ۱۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آچکے تھے O (الدخان: ۱۳) کی تفسیر

۴۸۲۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا دَعَا قُرَيْشًا كَذَّبُوْهُ وَاسْتَعْصَوْا عَلَيْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ فَأَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ يَعْنِي كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى كَانُوْا يَأْكُلُوْنَ الْمَيْتَةَ فَكَانَ يَقُوْمُ أَحَدُهُمْ فَكَانَ يَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ مِثْلَ الدُّخَانِ مِنَ الْجَهْدِ وَالْجُوْعِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ حَتّٰى بَلَغَ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾﴾ (الدخان: ۱۰، ۱۵) قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ أَفَيُكْشَفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ وَالْبَطْشَةُ الْكُبْرَى يَوْمَ بَدْرٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی الضحیٰ از مسروق، وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوا، پھر انہوں نے بیان کیا: پھر بے شک جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کی نافرمانی کی تو آپ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! حضرت یوسف کے زمانہ کے سات سالوں کی طرح ان پر سات سال مسلط کر کے ان کے خلاف میری مدد فرما تو ان پر قحط آ گیا جس نے ہر چیز کو تباہ کر دیا حتیٰ کہ یہ مردار کو کھاتے تھے، پھر ان میں سے کوئی شخص کھڑا ہوتا تو اپنے اور آسمان کے درمیان مصیبت اور بھوک کی وجہ سے دھوئیں کی مثل کوئی چیز دیکھتا، پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ یہ آیت یہاں تک تلاوت کی اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ (الدخان: ۱۰۔۱۵) (سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس میں آسمان واضح دھواں لائے گا وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ دردناک عذاب ہے تم پھر کفر کی طرف لوٹنے والے ہو O) حضرت عبداللہ نے کہا: کیا ان سے قیامت کے دن عذاب دور کیا جائے گا اور البطشۃ الکبریٰ یعنی زبردست گرفت بدر کے دن تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ باب: ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ (الدخان: ۱۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں O (الدخان: ۱۴) کی تفسیر

۴۸۲۴۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں محمد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں

عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ وَقَالَ ﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾(ص: ٨٦) فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا رَأَى قُرَيْشًا اسْتَعْصَوْا عَلَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمُ السَّنَةُ حَتَّى حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا الْعِظَامَ وَالْجُلُودَ فَقَالَ أَحَدُهُمْ حَتَّى أَكَلُوا الْجُلُودَ وَالْمَيْتَةَ وَجَعَلَ يَخْرُجُ مِنَ الْأَرْضِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ فَأَتَاهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ أَيْ مُحَمَّدُ إِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَكْشِفَ عَنْهُمْ فَدَعَا ثُمَّ قَالَ تَعُودُونَ بَعْدَ هَذَا فِي حَدِيثِ مَنْصُورٍ ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴾ إِلَى عَآئِدُوْنَ﴾ (الدخان: ١٠-١٥) أَنُكْشِفُ عَنْهُمْ عَذَابَ الْآخِرَةِ فَقَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ وَقَالَ أَحَدُهُمُ الْقَمَرُ وَقَالَ الْآخَرُ وَالرُّومُ۔

حدیث بیان کی از سلیمان اور منصور از ابی الضحیٰ از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ارشاد فرمایا: قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ (ص:۸٦) (آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O) پس بے شک رسول اللہ ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ قریش نے آپ کی بہت نافرمانی کی ہے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! ان کے خلاف حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات سالوں کی مثل سات سالوں سے میری مدد فرما تو ان کو قحط نے پکڑ لیا حتیٰ کہ اس نے ہر چیز کو تباہ کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیوں کو کھایا اور کھالوں کو کھایا۔ پس ان میں سے کسی نے کہا حتیٰ کہ انہوں نے کھالوں کو اور مردار کو کھایا اور زمین سے دھوئیں کی مثل کوئی چیز نکلنے لگی تو ابوسفیان آپ کے پاس آیا، پس کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) بے شک آپ کی قوم ہلاک ہو گئی آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ان سے یہ مصیبت دور کر دے، پس آپ نے دعا کی، پھر فرمایا تم اس کے بعد (کفر کی طرف) پھر لوٹ جاؤ گے اور منصور کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۙ ---عَآئِدُوْنَ ﴿﴾ تک (سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان دھواں لائے گا--- بے شک تم کفر کی طرف لوٹنے والے ہو۔ تک، کیا ہم ان سے آخرت کا عذاب دور کر دیں گے، پس بے شک الدخان، البطشہ اور اللزام (یہ نشانیاں گزر چکی ہیں) اور ان میں سے کسی ایک نے کہا: القمر اور دوسرے نے کہا: الروم۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

٦- بَابٌ: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿﴾ (الدخان:١٦)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں O (الدخان:١٦) کی تفسیر

۴۸۲۵- حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی،

عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ خَمْسٌ قَدْ مَضَيْنَ اللِّزَامُ وَالرُّومُ وَالْبَطْشَةُ وَالْقَمَرُ وَالدُّخَانُ

انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الاعمش از مسلم از مسروق از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا: یہ پانچ نشانیاں گزر چکی ہیں: اللزام، الروم، البطشہ، القمر اور الدخان۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری، ۱۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

اللزام: سے مراد ہے: جنگ بدر کے دن جو کفار کو گرفتار کیا گیا تھا۔

الروم: سے مراد ہے کہ سورۂ روم میں یہ فرمایا تھا کہ رومی مغلوب ہو گئے۔

البطشہ: سے مراد ہے: جب غزوۂ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے کفار پر سخت گرفت کی اور ان کو قتل کیا گیا۔

القمر: سے مراد ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ چاند شق ہو گیا۔ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ○ (القمر:۱)

الدخان: سے مراد ہے کہ قیامت کے وقوع سے پہلے کفار اور منافقین کے کانوں میں دھواں داخل ہو گا جس سے ان کے سر بھنی ہوئی سری کی طرح ہو جائیں گے اور مومنین پر زکام کی سی کیفیت ہو گی۔

الحمد للہ رب العالمین، امام بخاری نے سورۃ الدخان کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الجاثیہ کی تفسیر شروع ہو گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۵۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ حٰمٓ الۡجَاثِیَۃِ

سورۃ حم الجاثیہ کی تفسیر

سورۃ حم الجاثیہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ جاثیہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور یہ سورت مکی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اس میں سینتیس (۳۷) آیات ہیں۔

مُسۡتَوۡفِزِیۡنَ عَلَی الرُّکَبِ۔ جاثیہ یعنی وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں اور لگتا ہو کہ انہیں اٹھنے کی بہت بے تابی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً۔ (الجاثیہ:۲۸) اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت (اس دن) گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے جاثیہ کی تفسیر کی ہے: مستوفزین علی الرکب، اِسۡتَوۡفَزَ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص غیر مطمئن حالت میں بیٹھا ہو۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ نَسۡتَنۡسِخُ نَكۡتُبُ۔ اور مجاہد نے کہا: نَسۡتَنۡسِخُ کا معنی ہے: ہم لکھتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

هٰذَا کِتٰبُنَا یَنۡطِقُ عَلَیۡکُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّا کُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾ (الجاثیہ:۲۹) یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کر رہا ہے، تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم (اس کو) لکھتے رہتے تھے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے: اس آیت کا معنی ہے: ہم لکھنے کا حکم دیتے تھے، حسن بصری سے منقول ہے: ہم تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے تھے اور ضحاک سے منقول ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو ثابت رکھتے تھے۔

نَنۡسٰکُمۡ نَتۡرُکُکُمۡ۔ نَنۡسٰکُمۡ یعنی ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَقِیۡلَ الۡیَوۡمَ نَنۡسٰکُمۡ کَمَا نَسِیۡتُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ هٰذَا۔ (الجاثیہ:۳۴) اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم تمہیں اس طرح فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: ہم تمہیں اس طرح چھوڑ دیں گے جس طرح تم نے چھوڑ دیا تھا اور ان کو چھوڑنا صرف دوزخ میں ہوگا، یہاں ملزوم کا ذکر کر کے لازم کا ارادہ کیا ہے کیونکہ بھولنے کو چھوڑ دینا لازم ہے اور اس کے برعکس نہیں ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۴۷ میں بیان کی ہے]

۱۔ بَابٌ: وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ۔ (الجاثیہ: ۲۴)

۱۔ باب: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ہم (اس دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے۔ (الجاثیہ: ۲۴) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: ہمیں صرف زمانہ کا گزرنا اور دہر کا طول فنا کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۳۸)

۴۸۲۶۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔

(صحیح البخاری: ۶۱۸۱، صحیح مسلم: ۲۲۴۶، سنن ابوداؤد: ۵۲۷۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مجھے ابن آدم اذیت پہنچاتا ہے، وہ دہر کو برا کہتا ہے اور میں ہی دہر ہوں اور میرے ہی ہاتھ میں معاملات ہیں، میں رات اور دن کو اولتا بدلتا رہتا ہوں۔

انا الدھر کی توجیہ اور ابوبکر بن داؤد کے قول کا بطلان

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری المعروف بابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: میں ہی دہر ہوں: ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: میں صاحب دہر ہوں اور ان معاملات کی تدبیر کرتا ہوں جو دہر کی طرف منسوب ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ تم دہر کو برا کہتے ہو کیونکہ تم پر زمانہ میں مصائب نازل ہوتے ہیں اور فعل تو صرف اللہ کے لیے ہے اور جس نے دہر کو برا کہا تو وہ بھی اس حدیث کے مصداق میں داخل ہوگا اور عرب کی عادت یہ تھی کہ ان پر جب کوئی مصیبت آتی تو وہ دہر کو برا کہتے تھے اور جب وہ اپنے مردوں کو یاد کرتے تو کہتے تھے: ان کو دہر نے فنا کر دیا، وہ ان کی فنا کو دہر کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کاموں کا فاعل دہر ہے اور ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہے، اور اللہ تعالیٰ ازلی ہے اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ دہر حادث ہے، اللہ رات اور دن کو گردش میں لاتا ہے۔ ابوبکر بن داؤد الاصبہانی نے کہا: یہ لفظ اَنَا الدَّهْرُ نہیں ہے بلکہ اَنَا الدَّهْرَ ہے اور یہ بربنائے ظرفیت منصوب ہے یعنی اس پر زبر ہے اور اس کا معنی ہے: میں دہر میں موجود ہوں، انہوں نے کہا: اگر راء پر پیش ہوتی تو یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہوتا۔ قاضی عیاض نے کہا: اس پر زبر بہ طور تخصیص ہے اور بہ طور ظرفیت زیادہ صحیح ہے اور ابوجعفر النحاس نے کہا: اس پر زبر پڑھنا جائز ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہمیشہ باقی ہے اور اس کو زوال نہیں ہے۔

علامہ ابن جوزی نے کہا: ان کا یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے:

(۱) اَنَا الدَّهْرَ (راء پر زبر) پڑھنا اہل نقل کے خلاف ہے اور محدثین اور محققین نے اس کی صرف پیش (اَنَا الدَّهْرُ) کے ساتھ روایت کی ہے اور ابوبکر بن داؤد الاصبہانی حفاظ اور علماء نقل میں سے نہیں ہیں۔

(۲) یہ لفظ احادیث صحیحہ میں اسی طرح وارد ہے اور زبر کے ساتھ اس کی تاویل باطل ہے۔ حدیث میں ہے کہ یہ نہ کہو: ہائے! دہر کی ناکامی کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۱۸۲، صحیح مسلم: ۲۲۴۶)

(۳) اَنَا الدَّهْرُ کی تاویل کا یہ تقاضا ہے کہ ممانعت کی علت کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ جب یہ فرمایا کہ دہر کو برا نہ کہو کیونکہ میں دہر ہوں، رات اور دن کو گردش میں لاتا ہوں تو گویا کہ فرمایا: دہر کو برا نہ کہو کیوں کہ میں دہر کو گردش میں لاتا ہوں اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر خیر اور شر کو گردش میں لاتا ہے اور اس کا چیزوں کو گردش میں لانا اس کی مذمت سے مانع نہیں ہے (اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم مجھے اذیت پہنچاتا ہے۔)

علامہ القرطبی نے کہا: ابن آدم مجھے ایسی بات کہتا ہے جس سے اس کو اذیت ہوتی ہے یا جس کو اذیت ہو سکتی ہو۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اذیت ہوتی ہے کیونکہ اذیت کا معنی ہے: نقصان اور درد کی تکلیف اور اللہ تبارک و تعالیٰ نقصان اور درد کی تکلیف سے منزہ ہے اور یہ مجازات ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ سے یہ معاملہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی سزا اور اس کی گرفت کے درپے ہوگا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف اذیت پہنچنے کی نسبت کی وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے حقیقتاً دہر کی مدح یا مذمت کی وہ بھی کافر ہو جائے گا اور جس کی زبان پر یہ الفاظ اتفاقیہ جاری ہو گئے اور اس نے ان الفاظ کی صحت کا عقیدہ نہیں رکھا تو وہ کافر نہیں ہوگا لیکن وہ اہل کفر کے مشابہ ہوگا اور اس کام کا ارتکاب کرے گا جس سے شارح علیہ السلام نے منع فرمایا ہے، سو اس کو توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔ (المفہم ج ۵ ص ۵۴۸۔ ۵۴۷)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۲۳۰۔ ۲۲۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ قرطبی، علامہ نووی اور علامہ راغب کی اس مسئلہ میں عبارات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ابن آدم مجھے اذیت پہنچاتا ہے: امام بخاری نے اس حدیث کی اختصار کے ساتھ روایت کی ہے اور امام طبری نے اسی سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کی ہے کہ اہل جاہلیت اس طرح کہتے تھے: ہمیں رات اور دن فنا کرتے ہیں اور وہی ہم کو مارتے ہیں اور زندہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا۔ (الجاثیہ: ۲۴) اور انہوں نے کہا: ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے۔

پس وہ دہر کو برا کہتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم مجھے اذیت پہنچاتا ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے: وہ ایسی بات کہتا ہے کہ اس سے اس کو اذیت ہوگی جس کو اذیت ہو سکتی ہے یا جس کے لیے اذیت ممکن ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اس کی طرف اذیت پہنچے اور یہ کلام صرف مجاز پر محمول ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس سے یہ کلام صادر ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے درپے ہوگا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: حدیث میں مذکور ہے کہ میں دہر ہوں، اس کا معنی یہ ہے کہ میں دہر کا مالک ہوں اور ان امور کی تدبیر کرتا ہوں جن کو لوگ دہر کی طرف منسوب کرتے ہیں، پس جس نے دہر کو اس وجہ سے برا کہا کہ دہر ان کاموں کا فاعل ہے تو اس کا یہ سب وشتم درحقیقت دہر کے رب کی طرف راجع ہوگا جو ان کاموں کا فاعل ہے، دہر تو صرف زمانہ ہے جس کو ان کاموں کے وقوع کا ظرف قرار دیا ہے، اور عرب کی یہ عادت تھی کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ اس کی اضافت دہر کی طرف کرتے اور کہتے کہ دہر کے لیے تباہی اور ہلاکت ہے۔ علامہ نووی نے کہا: یہ لفظ انا الدہرُ ہے (پیش کے ساتھ)۔ اسی طرح اکثرین اور محققین نے اس کو

منضبط کیا ہے اور اس کو زبر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی انا الدہر اور یہ زبر بربنائے ظرفیت ہے یعنی میں دہر میں ہمیشہ باقی رہنے والا ہوں۔ اور یہ اس حدیث کے موافق ہے کہ بے شک اللہ ہی دہر ہے اور یہ مجاز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب مصائب کے نزول کے وقت دہر کو برا کہتے تھے تو آپ نے فرمایا: دہر کو برا نہ کہو کیونکہ مصائب کے نزول کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے گویا کہ آپ نے فرمایا کہ دہر کو برا نہ کہو کیونکہ جب تم اس کو برا کہو گے تو تم اللہ عزوجل کو برا کہو گے یا دہر یہاں پر داہر کے معنی میں ہے، اور امام راغب نے یہ نقل کیا ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے: بے شک اللہ ہی دہر ہے یہ یَسُبُّ الدَّھْرَ کے علاوہ ہے کیونکہ پہلی عبارت میں دہر کا معنی زمانہ ہے اور دوسری عبارت میں دہر کا معنی ہے: تدبیر کرنے والا اور حوادث میں تصرف کرنے والا، پھر انہوں نے اس قول کو اس لیے ضعیف قرار دیا کہ اس کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے پھر کہا: اگر اس طرح ہوتا تو دہر کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے شمار کیا جاتا، علامہ راغب کی عبارت ختم ہوئی۔ اور اسی طرح محمد بن داؤد نے کہا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ راء کی زبر کے ساتھ انا الدھر بھی پڑھا گیا ہے، وہ یہ کہتے تھے: اگر انا الدھر ہوتا تو دہر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہوتا اور اس کا رد کیا گیا ہے کیونکہ یہ لازم نہیں ہے خصوصاً اس لیے کہ اس کی روایت دہر کے پیش کے ساتھ ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے کہا: ان اللہ ھو الدھر (راء کے پیش کے ساتھ) کئی وجوہ سے درست ہے۔ اولاً اس لیے کہ محدثین کے نزدیک راء کی پیش ہی منضبط ہے، ثانیاً اس لیے کہ اگر یہ لفظ انا الدھر ہوتا تو اصل عبارت یوں ہوتی کہ میں دہر ہوں کیونکہ میں دہر کو ادلتا بدلتا ہوں، پھر دہر کو برا کہنے کی علت مذکور نہ ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر کو لوٹاتا رہتا ہے، پس یہ مذمت کی ممانعت کو مستلزم نہیں ہے، ثالثاً جس روایت میں ہے کہ پس بے شک اللہ ہی دہر ہے اور یہ روایت پیش کو معین نہیں کرتی کیونکہ مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ اصل عبارت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے جو خیر اور شر کو لوٹاتا رہتا ہے، اسی طرح ممانعت کی علت کے ذکر کو ترک کرنا بھی پیش کو متعین نہیں کرتا کیونکہ سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دہر کا کوئی گناہ نہیں ہے، سو تم اس کو برا نہ کہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۔ ۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: محمد بن داؤد کی عبارت کو رد کرنے میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاد علامہ ابن الملقن کی عبارت بہت زیادہ واضح ہے۔

انا الدہر کہنے کی ممانعت کی علت کے بیان میں علامہ عینی کا تفرد

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اس بحث میں حصہ لیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ محمد بن داؤد کا یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے:

(۱) یہ قول نقل کے خلاف ہے کیونکہ محققین محدثین نے اس لفظ کو پیش کے ساتھ ہی منضبط کیا ہے اور محمد بن داؤد حفاظ میں سے ہیں اور نہ ہی علماء نقل میں سے ہیں۔

(۲) یہ لفظ احادیث صحیحہ میں متعدد الفاظ کے ساتھ وارد ہے جس سے محمد بن داؤد کی تاویل باطل ہو جاتی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں: یہ نہ کہو: ہائے! دہر کی ناکامی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، اور صحیح مسلم میں ہے کہ دہر کو برا نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے۔

(۳) محمد بن داؤد کی تاویل کا یہ تقاضا ہے کہ ممانعت کی علت مذکور نہ ہو کیونکہ جب فرمایا: دہر کو برا نہ کہو کیونکہ میں دہر ہوں، رات اور دن کو لوٹاتا رہتا ہوں تو گویا کہ فرمایا: دہر کو برا نہ کہو کیونکہ میں دہر کو لوٹاتا ہوں کیونکہ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر خیر اور شر کو لوٹاتا رہتا ہے اور اس کا اشیاء کو لوٹانا ان کی مذمت سے مانع نہیں ہے۔

حدیث میں ہے: مجھے ابن آدم ایذاء پہنچاتا ہے، یہ قول عرب کے قول کے موافق ہے کیونکہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ دہر کو برا کہتے ہیں، وہ اپنے مردوں کو یاد کرتے وقت کہتے ہیں: ان کو دہر نے ہلاک کر دیا، وہ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ ان اشیاء کا فاعل دہر ہے اور وہ یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ یہ کام اللہ کی قضاء اور قدر سے ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: حدیث میں مذکور ہے: میں رات اور دن کو لوٹا تا رہتا ہوں اور یہ اس پر قوی قرینہ ہے کہ انا الدہر میں مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یہ ہے کہ میں دہر کا خالق ہوں اور جب معنی اس طرح ہوگا تو اللہ تعالیٰ پر یہ اطلاق کیا جائے گا کہ وہ رات اور دن کو لوٹانے والا ہے اور دہر لوٹایا ہوا ہے، پس یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ ہی مطلقاً دہر ہے کیونکہ لوٹانے والا اس کا غیر ہے جو لوٹایا گیا ہو، اس کو بہ غور سمجھ لو کیونکہ الفتوحات الربانیہ کی وجہ سے میں اس توجیہ میں منفرد ہوں، اس وجہ سے جن افعال میں دہر کی مدح کی گئی ہے یا مذمت کی گئی ہے ان کی حقیقتاً دہر کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے اور جس نے یہ عقیدہ رکھا اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور جس شخص کی زبان پر یہ الفاظ اتفاقاً جاری ہوتے ہیں اور وہ ان کی صحت کا عقیدہ نہیں رکھتا، سو وہ کافر نہیں لیکن وہ کفار کے مشابہ ہے اور جس کام سے منع کیا گیا ہے اس کا ارتکاب کر رہا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے علامہ ابن الملقن کی عبارت پر صرف یہ اضافہ کیا ہے کہ جب دہر سے مراد مطلقاً زمانہ ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ پر دہر کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ رات اور دن کو لوٹانے والا ہے اور دہر لوٹایا ہوا ہے، کیونکہ جو لوٹایا ہوا ہو وہ لوٹانے والے کا غیر ہے۔ دہر لوٹایا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ لوٹانے والا ہے اور اس نکتہ کو علامہ عینی نے بہت طمطراق کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یاد رہے کہ ابوبکر بن داؤد اصفہانی نے یہ کہا تھا کہ انا الدہر میں راء پر زبر ہے کیونکہ اگر راء پر پیش ہوتا اور یہ لفظ اس طرح ہوتا انا الدھر تو پھر دہر اللہ تعالیٰ کی صفت ہوتی اور دہر اللہ تعالیٰ کا اسم ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ علامہ عینی نے یہ بتایا ہے کہ دہر لوٹایا ہوا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو مطلقاً دہر کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ جو لوٹایا ہوا ہو وہ لوٹانے والے کا غیر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الجاثیہ کی تفسیر میں جو تعلیقات اور جو حدیث ذکر کی تھی ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ الاحقاف کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں، ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۶۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ حٰمٓ الْاَحْقَافِ

سورۃ (حم) الاحقاف کی تفسیر

سورۃ (حم) الاحقاف کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الاحقاف کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں سورۂ حم الاحقاف مذکور ہے اور بعض نسخوں میں سورۃ الاحقاف مذکور ہے۔ ابوالعباس نے کہا: یہ سورت مکی ہے اور اس میں دو آیتیں مدنی ہیں، ایک یہ ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ (الاحقاف: ۱۰) اور دوسری آیت یہ ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (الاحقاف: ۱۱) سورۃ الاحقاف میں پینتیس (۳۵) آیات ہیں۔

الکسائی نے کہا ہے کہ احقاف کا معنی ہے: ریت کے بلند ٹیلے، اس کا واحد حقف اور حقاف ہے، جیسے لبس اور لباس۔ دوسرا قول یہ ہے کہ الحقاف، الحقف کی جمع ہے اور الاحقاف جمع الجمع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، الاحقاف عمان اور مہرہ کے درمیان ایک وادی ہے اور مقاتل سے منقول ہے کہ عاد کے چند گھر یمن میں تھے حضر موت کی کسی جگہ میں جس کو مہرہ کہا جاتا تھا، اس کی طرف مہری اونٹ منسوب تھے۔ یہ لوگ قبیلہ ارم سے تھے اور ضحاک سے منقول ہے کہ الاحقاف شام کا پہاڑ ہے اور الخلیل سے منقول ہے کہ یہ بڑے بڑے ٹیلے ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تُفِيضُوْنَ تَقُوْلُوْنَ۔ اور مجاہد نے کہا: تُفِيْضُوْنَ کا معنی ہے: تم کہتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ۔ (الاحقاف: ۸) تم اس (قرآن) کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تُفِيْضُوْنَ کی یہ تفسیر کی ہے: تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ بھی مجاہد سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَثَرَةٍ وَ اُثْرَةٍ وَ اَثَارَةٍ بَقِيَّةٌ مِّنْ عِلْمٍ۔ اور بعض نے کہا: اَثَرَةٌ وَ اُثْرَةٌ وَ اَثَارَةٌ کا معنی ہے: کسی چیز کا باقی علم۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (الاحقاف: ۴) میرے پاس اس سے پہلی کوئی کتاب لاؤ یا (پہلے) علم کا کچھ بقیہ حصہ اگر تم سچے ہو ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: بعض علماء نے ان تین لفظوں کی تفسیر بقیہ کے ساتھ کی ہے، پس پہلا لفظ دو زبروں کے ساتھ ہے یعنی اَثَرَةٌ اور دوسرا لفظ پیش اور جزم کے ساتھ ہے یعنی اُثْرَةٌ اور تیسرا لفظ اَثَارَةٌ ہے زبر کے ساتھ، اور امام ابوعبیدہ نے اَوْ اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ کی

تفسیر بقیہ علم کے ساتھ کی ہے۔امام طبری نے کہا ہے: جمہور کی قراءت اَثَارَۃٌ ہے (الف کے ساتھ) اور کلبی سے منقول ہے: اس کا معنی ہے: علم کا بقیہ جو تم پر اولین کے علوم سے واقف ہو، عرب کہتے ہیں: اس اونٹنی کے لیے اَثَارَۃٌ مِنْ سِنٍ ہے یعنی عمر کا بقیہ حصہ ہے اور عکرمہ اور مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے: انبیاء علیہم السلام سے روایت اور اس کا مادہ اَثَرٌ ہے جس کا معنی روایت ہے اور اس وجہ سے خبر کو اثر کہا جاتا ہے اور مجاہد سے منقول ہے: اس کا معنی ہے: وہ روایت جس کو وہ اپنے پہلوں سے نقل کرتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ لَسْتُ بِأَوَّلِ الرُّسُلِ۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کا معنی ہے: میں پہلا رسول تو نہیں ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ۔ (الاحقاف:۹) آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور نہ میں از خود جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور (نہ میں از خود یہ جانتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس نے بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کی تفسیر کی ہے کہ میں پہلا رسول نہیں ہوں، امام ابن المنذر نے بھی اس کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ أَرَأَيْتُمْ هَذِهِ الْأَلِفُ إِنَّمَا هِيَ تَوَعُّدٌ إِنْ صَحَّ مَا تَدَّعُونَ لَا يَسْتَحِقُّ أَنْ يُعْبَدَ وَلَيْسَ قَوْلُهُ أَرَأَيْتُمْ بِرُؤْيَةِ الْعَيْنِ إِنَّمَا هُوَ أَتَعْلَمُونَ أَبَلَغَكُمْ أَنَّ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ خَلَقُوا شَيْئًا۔ اور حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: اَرَءَيْتُمْ میں جو الف ہے یہ صرف وعید کے لیے ہے یعنی اگر بالفرض تمہارے شرک کا دعویٰ صحیح بھی ہو تب بھی وہ اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ ان بتوں کی عبادت کی جائے اور اَرَءَيْتُمْ کا معنی آنکھ سے دیکھنا نہیں ہے، اس کا صرف یہ معنی ہے: کیا تم جانتے ہو، تمہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو انہوں نے کسی چیز کو پیدا کیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الاحقاف:۱۰۔۹) آپ کہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا کفر کر چکے ہو (تو پھر تمہارا کیا انجام ہوگا) اور بنی اسرائیل کا ایک شخص اس جیسی کتاب کی گواہی دے چکا ہو اور اس پر ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے تکبر کیا ہو (تو تمہاری عاقبت کیسی ہوگی)، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: مفسرین نے کہا کہ اَرَاَيْتُمْ کا معنی ہے: مجھے خبر دو، اور تفسیر نسفی میں مذکور ہے: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ان کفار سے کہیے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی طرف سے مبعوث ہوں اور تم نے ان کا کفر کیا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک شخص بھی ان کے برحق ہونے کی گواہی دے چکا ہو اور اس شرط کا جواب محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا تم ظالم نہیں ہو گے اور اس جواب کے محذوف ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اس کے بعد مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص کی تفسیر میں قتادہ اور ضحاک نے کہا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دی اور آپ پر ایمان لائے ۔ مسروق نے کہا کہ اللہ کی قسم! یہ آیت عبداللہ بن سلام کے متعلق نازل نہیں ہوئی اس لیے کہ سورۃ احقاف مکہ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام مدینہ میں اسلام لائے تھے اور کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے اس شاہد سے مراد حضرت موسیٰ بن عمران علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

امام بخاری نے کہا کہ آرَ اَیْتُمْ کا الف وعید کے لیے ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ آرَ اَیْتُمْ کے شروع میں جو الف ہے وہ کفار مکہ کی وعید کے لیے ہے کیونکہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت کرنا صحیح ہے تو اگر بالفرض ان کا یہ دعویٰ صحیح بھی ہو تو یہ بت اس کے مستحق نہیں کہ ان کی عبادت کی جائے کیونکہ وہ بت مخلوق ہیں، سو اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور امام بخاری نے فرمایا آرَ اَیْتُمْ میں آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم جانتے ہو یا تم کو یہ خبر پہنچی ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۴۱۔ ۲۴۰ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ: وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (الاحقاف: ۱۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم پر اف ہے، تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت صدیاں گزر چکی ہیں، اور وہ دونوں (ماں باپ) اللہ سے فریاد کرتے ہیں تیرے لیے ہلاکت ہو ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے تو وہ کہتا ہے: یہ تو صرف پہلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں ○ (الاحقاف: ۱۷) کی تفسیر

آیت مذکورہ کا شان نزول اور اف اور اساطیر کی تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کے متعلق ان کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہوئی ہے، ان کے ماں باپ ان کو موت سے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے سے ڈراتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اس کا انکار کرتی ہیں کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور زجاج نے کہا: جس نے یہ کہا: یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کا قول باطل ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت اس کافر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے ماں باپ کا نافرمان تھا، اس کا الواحدی اور ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے۔

اف: یہ وہ کلمہ ہے جس کو ناراضگی کے اظہار کے قصد سے بولا جاتا ہے، جمہور نے اف کی فاء پر کسرہ اور تنوین پڑھی ہے اور

عاصم کی قراءت میں فاء پر بغیر تنوین کے زبر ہے۔

اس نے کہا: تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ میں اپنے بوسیدہ ہونے اور فنا ہونے کے بعد قبر سے دوبارہ نکالا جاؤں گا اور مجھ سے پہلے اتنی صدیاں گزر چکی ہیں اور اس دوران مرنے والوں میں سے کسی ایک کو بھی دوبارہ زندہ نہیں کیا گیا اور اس کے ماں باپ اللہ سے فریاد کرتے تھے اور اس کے خلاف مدد طلب کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: ہم تیرے خلاف اللہ سے مدد چاہتے ہیں اور تیری بات سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ اس کے ماں باپ نے کہا: تیرے لیے ہلاکت ہو تو ایمان لے آ اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی تصدیق کر اور وہ جواب میں کہتا تھا: یہ تو صرف پہلے لوگوں کے افسانے ہیں، اس آیت میں اساطیر کا لفظ ہے، یہ اَسْطَار کی جمع ہے اور اَسْطَار، سَطَرٌ کی جمع ہے اور سطر کا معنی خط اور کتابت ہے۔ الجواہری نے کہا ہے: اساطیر کا معنی ہے: اَبَاطِیْل اور یہ اُسْطُوْرَۃ اور اِسْطَارَہ کی جمع ہے۔

۴۸۲۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ قَالَ كَانَ مَرْوَانُ عَلَى الْحِجَازِ اسْتَعْمَلَهُ مُعَاوِيَةُ فَخَطَبَ فَجَعَلَ يَذْكُرُ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ لِكَيْ يُبَايَعَ لَهُ بَعْدَ أَبِيهِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ شَيْئًا فَقَالَ خُذُوهُ فَدَخَلَ بَيْتَ عَائِشَةَ فَلَمْ يَقْدِرُوا فَقَالَ مَرْوَانُ إِنَّ هٰذَا الَّذِي أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ وَالَّذِي ﴿وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ﴾ (الاحقاف: ۱۷) فَقَالَتْ عَائِشَةُ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِينَا شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ عُذْرِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از یوسف بن ماہک وہ بیان کرتے ہیں کہ مروان حجاز کا گورنر تھا، اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنر بنایا تھا، اس نے خطبہ دیا، پس وہ یزید بن معاویہ کا ذکر کرنے لگا تاکہ اس کے والد کے بعد اس کی بیعت کی جائے، پس حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اس کے متعلق کوئی سخت بات کی تو مروان نے کہا: اس کو پکڑلو، پھر حضرت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے، پس مروان کے کارندے ان پر قادر نہ ہو سکے تو مروان نے کہا: یہ ہی وہ شخص ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ (الاحقاف: ۱۷) (اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم پر اف ہے تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو) تو حضرت عائشہ نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق قرآن میں کوئی چیز نازل نہیں کی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں میری براءت نازل فرمائی۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور مجمل الفاظ کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس مروان یزید بن معاویہ کا ذکر کرنے لگا: اسماعیلی نے درج ذیل عبارت کے ساتھ اس کی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ یزید کو خلیفہ بنائیں تو انہوں نے مروان کی طرف خط لکھا اور وہ اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، پس اس نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور کہا: بے شک امیر المومنین کی یزید کے متعلق بہت عمدہ رائے ہے اور انہوں نے یزید کی بیعت کرنے کے لیے لوگوں کو دعوت دی تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو صرف عیسائی بادشاہ ہرقل کا طریقہ ہے، اللہ کی قسم!

حضرت ابوبکر نے اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور نہ اپنے شہر کے لوگوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنایا اور نہ اپنے گھر والوں میں سے کسی کو خلیفہ بنایا تو مروان نے کہا: کیا تم وہی نہیں ہو جس کے متعلق اللہ نے قرآن میں فرمایا: اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا ہے: ''اُفٍّ لَّكُمَآ''۔ اسماعیلی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کو سن لیا تو انہوں نے فرمایا: اے مروان! تم عبدالرحمٰن کے متعلق اس طرح اور اس طرح کہہ رہے ہو اللہ کی قسم! یہ آیت تو صرف فلاں بن فلاں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اگر میں اس کا نام لینا چاہوں تو لے سکتی ہوں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ پر اس وقت لعنت کی تھی جب مروان اپنے باپ کی پشت میں تھا، پس مروان اللہ عزوجل کی لعنت کا ایک ٹکڑا ہے تو مروان جلدی سے منبر سے اترا حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر آیا، پھر وہ حضرت عائشہ سے بات کرنے لگا اور حضرت عائشہ جواب دیتی رہیں، اور اسماعیلی کی دوسری عبارت میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس نے جھوٹ بولا، اللہ کی قسم! یہ آیت عبدالرحمٰن کے متعلق نازل نہیں ہوئی۔

پس عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے کوئی سخت بات کی: امام بخاری نے یہ نہیں بیان کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن نے مروان سے کیا کہا تھا اور اسماعیلی نے اس کی اپنی روایت میں وضاحت کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: یہ تو صرف عیسائی بادشاہوں کا طریقہ ہے اور محمد بن زیاد کی روایت ہے کہ مروان نے کہا کہ یہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا طریقہ ہے، پس حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: نہیں یہ ہرقل اور قیصر کا طریقہ ہے۔

مروان نے کہا: اس کو پکڑ لو: یعنی مروان نے اپنے سپاہیوں سے کہا: اس کو پکڑ لو۔

پس حضرت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے: یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پناہ میں چلے گئے، پس وہ حضرت عبدالرحمٰن پر قادر نہ ہوئے: وہ حضرت عبدالرحمٰن کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکالنے پر قادر نہ ہوئے، اس کی وجہ حضرت عائشہ کی تعظیم تھی، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہونے سے باز رہے۔

مروان نے کہا: یہ وہی ہے جس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: تم پر اف ہے تم مجھے اسی سے ڈراتے رہے ہو'' الایۃ (الاحقاف: ۱۷) پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق کوئی چیز نازل نہیں فرمائی، ہاں! میری براءت میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی دس آیتیں نازل فرمائیں اور حضرت ابوبکر کے متعلق ثَانِيَ اثْنَيْنِ الایۃ (التوبہ: ۴۰) نازل فرمائیں اور متعدد آیات نازل فرمائیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۴۳۔ ۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ (الاحقاف: ۲۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے، (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلد طلب کیا تھا یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے ○ (الاحقاف: ۲۴) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا: کفار حضرت ہود علیہ السلام سے کہتے تھے: آپ

ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہیں تو ہمارے پاس وہ عذاب لے آئیں اگر آپ سچے ہیں اور یہ کہنے والے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے، پھر جب کفار نے دیکھا کہ بادل ان کی بستیوں کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ خوش ہو کر کہنے لگا: یہ ہم پر بارش برسانے والا بادل ہے تو اللہ عزوجل نے فرمایا: ''(نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلد طلب کیا تھا یہ زبردست آندھی ہے''۔ یہ وہی آندھی ہے جس کو دبور بھی فرمایا ہے، اس آندھی نے خیموں کو اکھاڑ کر پھینک دیا اور راستہ میں چلنے والی عورت کو نڈی کی طرح اڑا کر بلندی پر لے گئی اور جوان کے مویشی اور ان کے گھر تھے ان کو زمین اور آسمان کے درمیان پردوں کی طرح اڑایا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ لوگ اپنے گھروں میں داخل ہو گئے اور انہوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے پھر آندھی نے ان کے گھروں کے دروازوں کو اکھاڑ کر پھینک دیا اور ان لوگوں کو اوندھے منہ گرا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آندھی کو حکم دیا تو اس نے ان کے اوپر ریت کو الٹ دیا، پھر وہ سات راتیں اور آٹھ دن تک ریت میں دفن رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آندھی کو حکم دیا تو اس نے ان کے اوپر سے ریت کو ہٹا دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ریت کو حکم دیا تو اس نے ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور یہی اس آیت کا معنی ہے:

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ (الاحقاف: ۲۵)

یہ آندھی اپنے رب کے حکم سے ہر چیز برباد کر دے گی، پھر وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَارِضٌ السَّحَابُ۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: عَارِضٌ سے مراد ہے: بادل۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے اس عذاب کو بادل کیوں کہا تھا۔

(عمدۃ القاری: ج ۱۹ ص ۲۴۴۔ ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۲۸۔حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو أَنَّ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ضَاحِكًا حَتّٰى أَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ۔

(صحیح البخاری: ۶۰۹۲، صحیح مسلم: ۸۹۹، سنن ابوداؤد: ۵۰۹۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے خبر دی کہ ابو النضر نے ان کو حدیث بیان کی از سلیمان بن یسار از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ میں آپ کے حلق کے اوپر کا گوشت دیکھوں آپ صرف مسکراتے تھے۔

۴۸۲۹۔قَالَتْ وَكَانَ إِذَا رَأَى غَيْمًا أَوْ رِيحًا عُرِفَ فِي وَجْهِهِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْغَيْمَ فَرِحُوا رَجَاءَ أَنْ يَكُونَ فِيهِ الْمَطَرُ وَأَرَاكَ إِذَا رَأَيْتَهُ عُرِفَ فِي وَجْهِكَ الْكَرَاهِيَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ مَا يُؤْمِنِّي أَنْ يَكُونَ فِيهِ عَذَابٌ عُذِّبَ قَوْمٌ بِالرِّيحِ وَقَدْ رَأَى قَوْمٌ الْعَذَابَ فَقَالُوا هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب آپ بادل یا آندھی کو دیکھتے تو آپ کے چہرے پر خوف کے آثار دکھائی دیتے، حضرت عائشہ کہتی ہیں: یا رسول اللہ! بے شک جب لوگ بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ اس میں بارش ہوگی اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ جب آپ بادل کو دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! مجھے کون اس چیز سے بے خوف کرے گا کہ اس بادل میں عذاب (نہیں)

ہوگا، قوم عاد کو آندھی کا عذاب دیا گیا تھا اور ایک قوم نے عذاب کو
دیکھ کر کہا تھا: یہ ہم پر بارش لانے والا بادل ہے۔

اس حدیث کا شرح صحیح البخاری: ۳۲۰۶ میں گزر چکی ہے۔

لہوات کا معنی اور یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ ہنستے تو آپ کی ڈاڑھیں دکھائی دیتیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:
حتیٰ کہ میں آپ کے لَهَوَات کو دیکھوں: یہ لفظ لہاۃ کی جمع ہے، یہ وہ گوشت ہے جو حلق کے اوپر کے حصہ میں ہوتا ہے۔
آپ صرف مسکراتے تھے: یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں مذکور ہے کہ ''آپ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں''۔ ڈاڑھیں ان دانتوں کو کہتے ہیں جو منہ کے شروع میں ہوتے ہیں یا کچلیوں کو کہتے ہیں اور یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس سے حلق کے اوپر کا گوشت دکھائی دے۔

آندھی کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا بیان

آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دکھائی دیتے ہیں: عطاء نے حضرت عائشہ سے اس حدیث کے شروع کے حصہ کی روایت کی ہے، جب آندھی آتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جو چیز اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے میں اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جو اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جس چیز کے ساتھ اس کو بھیجا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور جب آسمان پر بادل چھا جاتے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا، آپ گھر سے نکلتے اور داخل ہوتے اور آگے بڑھتے اور پیچھے آتے، پھر جب بارش ہو جاتی تو آپ کے چہرے سے خوف اور گھبراہٹ کے آثار دور ہو جاتے۔ اس حدیث کی امام مسلم نے کافی طویل عبارت کے ساتھ روایت کی ہے، یہ حدیث بدء الخلق میں گزر چکی ہے اور کتاب الاستسقاء کے اواخر میں حضرت انس کی روایت سے گزر چکی ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ سورۂ احقاف کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قوم کو آندھی کے ساتھ عذاب دیا گیا تھا وہ اس کی غیر ہے جس نے کہا تھا کہ یہ بارش لانے والا بادل ہے

ایک قوم کو آندھی کے ساتھ عذاب دیا گیا اور ایک قوم نے عذاب کو دیکھا تو کہا: یہ بارش لانے والا بادل ہے: اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو آندھی سے عذاب دیا گیا تھا وہ ان کے غیر ہیں جنہوں نے کہا تھا: یہ بارش لانے والا بادل ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے، لیکن اس باب کی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو آندھی سے عذاب دیا گیا تھا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے آندھی کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ یہ بارش لانے والا بادل ہے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں:

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۭ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ۔ (الاحقاف: ۲۱)

اور (اے رسول مکرم!) عاد کے ہم قبیلہ (ہود) کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم کو احقاف (ریگستانی بستی) میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الاحقاف: ۲۴)

پھر جب انہوں نے اس عذاب کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلد طلب کیا تھا، یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے O

علامہ کرمانی نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے: یہ قاعدہ مذکورہ (نکرہ جب مکرر ہو تو ثانی غیر اولیٰ ہوتا ہے) اس وقت جاری ہوتا ہے جب عبارت میں ایسا قرینہ نہ ہو جو اس پر دلالت کرے کہ ثانی اول کا عین ہے، اگر وہاں پر قرینہ ہو تو پھر ثانی سے مراد اول کا عین ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۔ (الاحقاف: ۸۴)

اور وہی آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی زمین میں عبادت کا مستحق ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ جو زمین اور آسمان میں عبادت کا مستحق ہے وہ ایک ہے۔ اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ پھر علامہ کرمانی نے لکھا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عاد کی دو قومیں ہوں، ایک وہ قوم جو احقاف (ریگستانی) بستی میں تھی اور یہ وہی ہیں جنہوں نے آندھی کو دیکھ کر کہا: یہ بارش لانے والا بادل ہے۔

یہ جواب ہر چند کہ بعید ہے لیکن اس کا احتمال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں فرمایا:

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ۝ (النجم: ۵۰)

اور یہ کہ اس نے پہلی (قوم) عاد کو ہلاک کر دیا O

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قوم عاد کے علاوہ کوئی دوسری قوم عاد بھی ہے۔

(فتح الباری ج ٦ ص ٨، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الاحقاف کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۂ محمد کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں، ان کی شرح کی جائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۷۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَۃِ مُحَمَّدٍ

سورۂ محمد کی تفسیر

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعض آیات کی تفسیر ہے، ابوالعباس نے سدی کی روایت سے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے، پھر کہا: ہم کو جو عام خبریں پہنچی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں اڑتیس (۳۸) آیات ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی بعض آیات سے پتا چلتا ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے جیسا کہ (محمد: ۴۔۲۱۔۲۹۔۳۰)۔ (سعیدی غفرلہ)

أَوْزَارَهَا آثَامَهَا حَتَّى لَا يَبْقَى إِلَّا مُسْلِمٌ۔ أَوْزَارَهَا اس کا معنی ہے: اس قوم کے گناہ حتیٰ کہ مسلمان کے سوا کوئی باقی نہ رہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا۔ (محمد: ۴) سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کر لو (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو، یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے أَوْزَارَهَا کی تفسیر آثَامَهَا یعنی اس کے گناہوں کے ساتھ کی ہے، پس امام بخاری کی تفسیر کے طور پر اوزار، وِزر کی جمع ہے اور آثام، اِثم کی جمع ہے، علامہ ابن التین نے کہا ہے: یہ تفسیر امام بخاری کے سوا اور کسی نے نہیں کی اور معروف تفسیر یہ ہے کہ أَوْزَارَهَا سے مراد اسلحہ اور ہتھیار ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں: پس اس صورت میں اَوْزار، وِزر کی جمع ہے جس کا معنی ہتھیار ہیں، اور لغت کی کتاب مغرب میں مذکور ہے کہ وِزر کا معنی وزنی بوجھ ہے اور اس کے موافق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ۔ (الانعام: ۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

یعنی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، عرب کہتے ہیں: وَضَعَتِ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا یعنی جنگ ختم ہو گئی اور فریقین نے اپنے اپنے ہتھیار رکھ دیئے، اس وجہ سے ہتھیاروں کو وِزر یعنی بوجھ کہتے ہیں۔

اس تفصیل سے علامہ ابن التین کا کلام قوی ہوتا ہے اور امام بخاری کا کلام علامہ ثعلبی کی تفسیر سے قوی ہوتا ہے، انہوں نے کہا ہے: اثامہا سے مراد ہے: فریقین کے جرائم کیونکہ جنگ میں کسی ایک فریق کا جرم اور گناہ ہوتا ہے، پھر جب جنگ ختم ہو جاتی ہے تو ان کے جرائم بھی ختم ہو جاتے ہیں، پھر علامہ ثعلبی نے کہا: حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیاروں کو رکھ دے اور جنگ کو چھوڑ دے اور حرب سے

مراد لڑنے والی قوم ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: حتیٰ کہ لڑنے والی قوم اپنے ہتھیاروں اور اپنے گناہوں کو چھوڑ دے، بایں طور کہ وہ کفر سے توبہ کرلیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تفصیل سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ امام بخاری کے کلام اور علامہ ابن التین کے کلام دونوں کی توجیہ ہوسکتی ہے۔

عَرَّفَهَا بَيَّنَهَا۔ عَرَّفَهَا اس کا معنی ہے: بَیَّنَهَا یعنی ان کو اس کی پہچان کرادے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ (محمد:٦) اور ان کو جنت میں داخل کردے گا جس کی ان کو پہچان کرادی ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عَرَّفَهَا کی تفسیر کی ہے کہ وہ اس کا بیان کردے گا۔ علامہ ثعلبی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اہل جنت کے لیے ان کے گھروں کا بیان کردے گا حتیٰ کہ ان کو اپنے گھر اور اپنے درجات کی پہچان ہوجائے گی اور انہیں کوئی اور ان کے گھروں کی رہنمائی نہیں کرے گا حتیٰ کہ یوں معلوم ہوگا کہ وہ جب سے پیدا ہوئے ہیں ان گھروں میں رہنے والے ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَلِيُّهُمْ۔ اور مجاہد نے کہا: مومنین کے مولیٰ کا معنی ہے: ان کا ولی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝ (محمد:١١) اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مولیٰ کی تفسیر ولی کے ساتھ کی ہے اور امام طبری نے بھی اپنی سند سے اس کی روایت کی ہے۔

فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ أَيْ جَدَّ الْأَمْرُ۔ عَزَمَ الْاَمْرُ کا معنی ہے معاملہ پختہ ہوگیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝ (محمد:٢١) اللہ کی اطاعت کرنا اور نیک بات کہنا (زیادہ بہتر ہے)، پس جب جہاد کا قطعی حکم آ گیا تو اگر وہ اللہ کے ساتھ سچے رہتے تو ان کے حق میں زیادہ بہتر تھا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عَزَمَ الْاَمْرُ کی تفسیر کی ہے: جَدَّ الْاَمْرُ یعنی جب جہاد کا قطعی حکم آجائے۔ ابونجیح نے بھی اس کی مثل مجاہد سے روایت کی ہے۔

فَلَا تَهِنُوا لَا تَضْعُفُوا۔ فَلَا تَهِنُوْا اس کا معنی ہے: تم کمزور نہ پڑنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ (محمد:٣٥) سو (اے مسلمانو!) تم ہمت نہ ہارو اور ان کو صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب رہو گے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فَلَا تَهِنُوْا کی تفسیر کی ہے: لَا تَضْعُفُوْا یعنی تم کمزور نہ پڑھنا، مجاہد نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَضْغَانَهُمْ حَسَدَهُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: أَضْغَانَهُمْ کا معنی ہے: ان کا حسد۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ (محمد:۲۹)

کیا جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اللہ ان کے دلوں کے کینہ کو ظاہر نہیں فرمائے گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَضْغَانَ کی تفسیر حسد کے ساتھ کی ہے اور اَضْغَانَ، ضِغْن کی جمع ہے جس کا معنی کینہ اور حسد ہے اور فِیْ قُلُوْبِهِمْ کی ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے۔

آسِنٍ مُتَغَیِّرٍ۔ آسِنٍ کا معنی ہے: متغیر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۔ (محمد:۱۵)

جس جنت کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں ایسے دریا ہیں جن کا پانی متغیر نہیں ہوتا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی جنت کے دریاؤں کا پانی متغیر نہیں ہوتا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۲۶۔ ۲۲۵ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ: وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ (محمد:۲۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور رشتہ توڑ ڈالو گے۔ (محمد:۲۲) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے پوری آیت ذکر نہیں کی پوری آیت اس طرح ہے:

فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ۝ (محمد:۲۲)

تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے O

۴۸۳۰۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِیْ مُعَاوِیَةُ بْنُ اَبِیْ مُزَرِّدٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَاَخَذَتْ بِحَقْوِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ لَهُ مَهْ قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِیْعَةِ قَالَ اَلَا تَرْضَیْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰی یَا رَبِّ قَالَ فَذَاكِ۔

[صحیح البخاری: ۴۸۳۱۔ ۴۸۳۲۔ ۵۹۸۷۔ ۷۵۰۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے معاویہ بن ابی مزرد نے حدیث بیان کی از سعید بن یسار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، جب وہ اس سے فارغ ہو گیا تو رحم کھڑا ہو گیا اور اس نے رحمٰن کے ازار باندھنے کی جگہ کو پکڑ لیا، اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: ٹھہرو تو رحم نے کہا: یہ رشتہ توڑنے سے تیری پناہ میں آنے والے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تو اس سے راضی نہیں ہے کہ جو تجھ کو جوڑے میں اس کو جوڑوں اور جو تجھ کو توڑے میں اس کو توڑ دوں۔ رحم نے عرض کی: ہاں! اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ایسا ہی ہو گا۔

قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ اقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ ﴿فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: فَهَلْ

تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴿۲۲﴾ (محمد:۲۲) (تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتہ توڑ ڈالو گے O) عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴿۲۲﴾ (محمد:۲۲)

رحم کا معنی، اور اس کے کھڑے ہونے اور بات کرنے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رحم کھڑا ہو گیا: رحم کا معنی ہے: قربت اور یہ لفظ رحمت سے ماخوذ ہے، وہ ایک عرض ہے جس کو جسم میں رکھ دیا گیا ہے، اس وجہ سے اس نے کھڑے ہو کر کلام کیا۔

قاضی عیاض نے کہا: ہو سکتا ہے رحم کے کھڑے ہونے سے کسی فرشتہ کا کھڑا ہونا مراد ہو، رحم عرش کے ساتھ معلق ہو گیا اور اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ سے کلام کرے اور علامہ قرطبی نے کہا: رحم کو جوڑا جاتا ہے اور توڑا جاتا ہے۔ یہ معانی میں سے ایک معنی ہے، اس کا نہ قیام ہو سکتا ہے اور نہ اس کا کلام ہو سکتا ہے، پس اس حدیث سے مراد اس کی تعظیم اور فضیلت ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ رحم کو توڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔

پس رحم رحمٰن کے ازار باندھنے کی جگہ کو پکڑ لے گا: اور طبری کی روایت میں ہے: رحمٰن کے ازار باندھنے کی دو جگہوں کو پکڑ لے گا یعنی یہ روایت تثنیہ کے ساتھ ہے۔ علامہ طیبی نے کہا: اس میں تثنیہ تاکید کے لیے ہے کیونکہ پناہ لینے کے لیے دو ہاتھوں کو پکڑنا ایک ہاتھ کے پکڑنے سے زیادہ مؤکد ہے۔

الحقو کا معنی اور اس میں استعارہ تخیلیہ اور ترشیحیہ

الحقو: کا معنی ہے: ازار باندھنے کی جگہ، قاضی عیاض نے کہا ہے: الحقو ازار باندھنے کی جگہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں سے پناہ طلب کی جاتی ہے اور علامہ طیبی نے کہا ہے: یہ قول استعارہ تمثیلیہ پر مبنی ہے، رحم کے لیے مجاز بالاستعارہ کیا گیا جب وہ اللہ سے رشتہ توڑنے کے سبب پناہ طلب کرتا ہے، پس گویا کہ رحم جو جوڑنے کا محتاج ہوتا ہے اس کی اس حالت کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو ازار باندھنے کی جگہ کو پکڑ کر پناہ طلب کرتا ہے اور اس میں استعارہ تخیلیہ ہے یعنی مشبہ بہ کے لوازم کو مشبہ کے لیے ثابت کرنا اور یہ اس پر قرینہ ہے کہ یہاں پر حقیقی معنی مراد نہیں ہے اور اس میں ازار باندھنے کی جگہ کا ذکر ہے اور رحم کے پکڑنے کا اور اس کے بات کرنے کا اور یہ استعارہ ترشیحیہ ہے۔

مہ: یعنی رحمٰن رحم سے کہے گا: مہ یعنی رک جاؤ، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم کو حکم دے گا: تم اپنی حاجت کا اظہار کرو اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو طلب کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر راز کی اور چھپی ہوئی بات کو جاننے والا ہے۔

کن رشتوں کو جوڑنا واجب ہے اور کن رشتوں کو جوڑنا مستحب ہے

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں اس سے تعلق جوڑوں جو تم کو جوڑتا ہو اور اس سے تعلق توڑ دوں جو تم کو توڑتا ہو: جوڑنے کا معنی ہے: شفقت اور مہربانی اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے اور ان پر رحمت اور مہربانی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رشتوں کو جوڑنا واجب ہے اور رشتوں کو توڑنا گناہ کبیرہ ہے اور اس باب میں احادیث ہیں جو اس پر شاہد ہیں لیکن رشتوں کے جوڑنے کے درجات ہیں اور ان میں سے بعض بعض پر بلند ہیں اور رشتہ جوڑنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بندہ قطع تعلق

کو ترک کرے اور بات چیت جاری رکھے خواہ سلام ہی کرے اور اس کا حکم قدرت اور ضرورت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ان میں سے بعض واجب ہیں اور بعض مستحب ہیں،اگر اس نے اس پر اقتصار کیا جس پر وہ قادر ہے تو اس کو جوڑنے والا کہنا چاہیے۔اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون سے رشتے ہیں جن کو جوڑنا واجب ہے؟ پس ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ رشتہ جو محرم ہو یعنی ان میں سے ایک مذکر ہو اور دوسرا مونث ہو اور ان کے درمیان نکاح حرام ہو جیسے سگے بھائی بہن اس بناء پر چچا کی اولاد میں اور ماموں کی اولاد میں رشتوں کو جوڑنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں عورت اور اس کی بہن کو اور پھوپھی اور اس کی بہن کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے،دوسرا قول یہ ہے کہ تمام رشتوں کو جوڑنا واجب ہے خواہ وہ عصبات ہوں یا ذوی الارحام ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے۔اس کے بعد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو بہرہ بنادیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ (محمد:۲۲۔۲۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور لوگوں پر ظلم کرو گے،یہ آیت بنو امیہ اور بنو ہاشم کے متعلق نازل ہوئی۔(عمدۃ القاری ج۱۹ص۲۴۸)

آیت مذکورہ سے یزید پر لعنت کے جواز پر استدلال اور اس پر جمہور کا موقف

میں کہتا ہوں کہ علامہ آلوسی نے اس آیت سے یزید کے کفر پر استدلال کیا ہے کہ جب اس کو حکومت مل گئی تو اس نے رشتوں کو توڑ ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر ظلم کیا اور اس کے کارندوں نے امام حسین اور ان کے رفقاء کو شہید کیا اور اس آیت میں ایسا کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے،سو اس آیت سے یزید کے اوپر لعنت کرنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے،ہر چند کہ جمہور مسلمین نے کسی پر شخصی لعنت کرنے سے منع کیا ہے اور یزید کے مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

لعن یزید کے سلسلہ میں علامہ آلوسی کی مفصل تحقیق

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے کہا ہے: کسی معین عاصی پر لعنت کرنا جائز ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے،پس جمہور کا موقف یہ ہے کہ کسی معین شخص کے اوپر لعنت کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ فاسق ہو یا ذمی ہو،زندہ ہو یا مردہ ہو اور اس کی کفر پر موت کا یقین نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا خاتمہ اسلام پر ہو،اس کے برخلاف وہ شخص ہے جس کی کفر پر موت کا یقین ہو جیسے ابو جہل۔

شیخ الاسلام السراج البلقینی کا مذہب یہ ہے کہ عاصی معین پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے،پھر وہ آنے سے انکار کردے اور وہ مرد غصہ میں رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں،مگر اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے اس پر خصوصیت سے لعنت نہ کرتے ہوں بلکہ بالعموم لعنت کرتے ہوں کہ اس عورت پر اللہ لعنت فرمائے جو رات کو اپنے شوہر کو بستر پر چھوڑے رکھے۔

اور الزواجر میں مذکور ہے کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے گدھے کے پاس سے گزرے جس کے چہرے پر داغ لگایا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے ایسا کیا تھا تو اس حدیث سے شخص معین پر لعنت کرنے کا جواز زیادہ ظاہر ہے۔

اس بناء پر یزید پر لعنت کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے کیونکہ اس کے اوصاف خبیثہ بہت زیادہ ہیں اور اس کے ایام حکومت

میں کبائر کا ارتکاب بھی بہت زیادہ ہے اور اس پر لعنت کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس نے اپنے غلبہ کے ایام میں اہل مدینہ اور اہل مکہ کے ساتھ ظلم کیا۔ امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! جو اہل مدینہ پر ظلم کرے اور ان کو دھمکائے تو تو اس کو دھمکا اور اس پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی، اس کا نہ فرض قبول کیا جائے اور نہ نفل، اور یزید نے اہل بیت پر جو ظلم کیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہوا اور اس پر خوش ہوا اور اس نے اہل بیت کی اہانت کی جو معناً متواتر ہے ہر چند ان کی تفاصیل اخبار احاد سے ہیں اور حدیث میں ہے: چھ مردوں پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے:

(۱) اللہ کی کتاب میں تحریف کرنے والا (۲) اللہ کی تقدیر کی تکذیب کرنے والا (۳) اور طاقت سے حکومت کرنے والا تاکہ اس کو عزت دے جس کو اللہ نے ذلیل کیا اور اس کو ذلیل کرے جس کو اللہ نے عزت دی (۴) اللہ کی حرمات کو حلال کرنے والا (۵) اور میری آل پر ظلم کو حلال کرنے والا (۶) اور میری سنت کو ترک کرنے والا۔

علماء کی ایک جماعت نے وثوق کے ساتھ یزید کی تکفیر کی ہے اور اس پر لعنت کی تصریح کی ہے، ان میں سے ناصر السنہ ابن الجوزی ہیں اور قاضی ابویعلیٰ ہیں اور علامہ تفتازانی نے کہا کہ ہم یزید کے معاملہ میں کوئی توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان میں بھی کوئی توقف نہیں کرتے، اس پر اور اس کے اعوان وانصار پر اللہ کی لعنت ہو اور جنہوں نے اس پر لعنت کی تصریح کی ہے ان میں سے علامہ جلال الدین سیوطی ہیں اور وہ تاریخی روایات میں ہے کہ جب عراق سے قیدیوں کو یزید کے پاس لایا گیا تو وہ باہر نکلا اور حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد سے اس حال میں ملا کہ ان کے سرہائے مبارک نیزوں کے اطراف پر تھے، جب اس نے ان کو دیکھا تو کوا کائیں کائیں کرنے لگا تو اس نے ایک شعر پڑھا:

جب یہ لوگ ظاہر ہوئے اور ان کے سروں کو نیزوں پر بلند کیا گیا تو کوا کائیں کائیں کرنے لگا۔
میں نے کہا: کوا کچھ بولے یا نہ بولے میں نے تو رسول سے اپنے پرانے قرضوں کو وصول کر لیا۔

یعنی یزید نے آپ کی آل کو قتل کر کے ان کا بدلہ لے لیا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں قتل کیا تھا جیسے اس کا نانا عتبہ اور اس کا ماموں عتبہ کا بیٹا وغیرہ، پس جب اس شعر کی نقل صحیح ہو تو یہ اس کا صریح کفر ہے۔

اور امام غزالی عفا اللہ عنہ نے فتویٰ دیا کہ یزید پر لعنت کرنا حرام ہے اور سفارینی حنبلی نے ان پر تعاقب کیا اور امام احمد اور ان کے اصحاب نے کہا: اس پر خصوصیت سے لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور اس میں ابوالحسین اور ابن الجوزی وغیرہ کا اختلاف ہے۔

جو شخص قیل اور قال سے ڈرتا ہو اور اس پر صریح لعنت کرنے سے احتیاط کرتا ہو اس کو یوں کہنا چاہیے کہ اللہ اس شخص پر لعنت کرے جو حضرت حسین کے قتل پر راضی ہوا اور جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت کو ناحق اذیت پہنچائی اور جس نے ان کا حق غصب کیا اور ان الفاظ کے ساتھ یزید پر لعنت کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے سوا ابن عربی اور ان کے موافقین کے کیونکہ ان سے یہ منقول ہے کہ وہ اس پر اس طرح بھی لعنت کرنے کو جائز نہیں کہتے اور مجھے میری عمر کی قسم! یہ صریح گمراہی ہے اور یزید کی گمراہی سے زیادہ ہے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۱۱۔ ۱۰۸، ملخصاً دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

۴۸۳۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَمِّي أَبُو الْحُبَابِ سَعِيدُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِهَذَا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم نے حدیث بیان کی از معاویہ، انہوں نے کہا: مجھے میرے چچا ابوالحباب سعید بن یسار نے حدیث

اقْرَؤُا إِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔

بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان الفاظ کے ساتھ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی دوسری سند ہے اور ان الفاظ کے ساتھ کا مطلب ہے: اس حدیث کے ساتھ جس کا اس سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

۴۸۳۲ـ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي الْمُزَرِّدِ بِهٰذَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاقْرَؤُا إِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن ابی المزرد نے خبر دی اس حدیث کے ساتھ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو پڑھو: فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے۔

الحمد للہ رب العالمین سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ الفتح کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۸۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَۃِ الْفَتْحِ

سورۃ الفتح کی تفسیر

سورۃ الفتح کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الفتح کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مدنی ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت الحدیبیہ اور المدینہ کے درمیان نازل ہوئی ہے جب آپ الحدیبیہ سے واپس جارہے تھے یا کراع الغمیم میں نازل ہوئی ہے اور فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے، سورۃ الفتح میں انتیس (۲۹) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ بورًا هَالِكِيْنَ — اور مجاہد نے کہا: بُوْرًا کا معنی ہے: ہلاک ہونے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ○ (الفتح:۱۲) — اور تم نے بہت برا گمان کیا تھا اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بُوْرًا کی تفسیر ھالکین کے ساتھ کی ہے یعنی فساد کرنے والے جو کسی چیز کی اصلاح نہ کریں یہ بار سے ماخوذ ہے اور یہ لفظاً اور معناً ھَالِكٌ کی مثل ہے، یہ واحد، جمع اور مذکر اور مونث کی صفت آتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بائر کی جمع ہو، علامہ نسفی نے کہا ہے کہ تم ایسی قوم تھے جو اپنی جانوں میں اور اپنے دلوں میں اور اپنی نیتوں میں فساد کرنے والے تھے تم میں کوئی خیر نہیں تھی اور تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہلاک ہونے والے تھے، اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب کے مستحق تھے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمُ السِّحْنَةُ وَقَالَ مَنْصُوْرٌ عَنْ مُجَاهِدٍ التَّوَاضُعُ۔ — اور مجاہد نے کہا: سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ میں سیما کا معنی السحنہ ہے یعنی کھال کی نرمی اور تازگی۔ اور منصور نے کہا از مجاہد: اس کا معنی ہے: التواضع یعنی انکسار اور عجز۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ (الفتح:۲۹) — سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے سیاھم کی تفسیر اَلسِّحْنَةُ کے ساتھ کی ہے، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ السحنہ چہرے کی کھال اور اس کی کیفیت اور حال کو کہتے ہیں، السحنہ میں س پر زبر بھی پڑھا گیا ہے اور زیر بھی اور مد کے ساتھ السحناء بھی پڑھا گیا ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے: اہل لغت کے نزدیک یہی صحیح ہے، اس تعلیق کی اسماعیلی نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے۔

اور منصور نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ سِيْمَا کا معنی تواضع ہے۔

یعنی منصور بن المعتمر نے مجاہد سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ ان کی علامت تواضع ہے، یہ تفسیر امام ابن ابی حاتم نے نقل کی ہے کہ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں میں خشوع اور تواضع ہے۔

شَطْأَهُ فِرَاخَهُ۔ شطأه کا معنی ہے: پودے کی ابتدائی کونپل۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ۔ (الفتح:۲۹) جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی باریک کونپل نکالی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: الاخفش نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے جب کھیتی اپنی کونپل نکالے تو کہا جاتا ہے: أَشْطَأَ الزرعُ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شَطْأَهُ کا معنی ہے: اس کی نبات، اور سدی سے منقول ہے کہ اس کے ساتھ ایک اور باریک پودا نکل آئے۔

فَاسْتَغْلَظَ غَلُظَ۔ فاستغلظ کا معنی ہے: قوی ہو گیا اور طاقت ور ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ۔ (الفتح:۲۹) پھر اس کونپل نے طاقت پکڑی، پھر وہ موٹی ہو گئی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: غَلُظَ یعنی وہ پودا موٹا ہو گیا اور قوی ہو گیا۔

سُوْقِهِ السَاقُ حَامِلَةُ الشَّجَرَةِ۔ سُوْقِهِ الساق کا معنی ہے درخت کو اٹھانے والا یعنی تنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ۔ (الفتح:۲۹) پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: سوق ساق کی جمع ہے، امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: درخت کو اٹھانے والا تنا۔

وَيُقَالُ دَائِرَةُ السَّوْءِ كَقَوْلِكَ رَجُلُ السَّوْءِ وَدَائِرَةُ السَّوْءِ الْعَذَابُ۔ اور کہا جاتا ہے دَائِرَةُ السَّوْءِ جیسے تمہارا قول ہے: رَجُلُ السَّوْءِ یعنی برا آدمی اور دائرۃُ السوْء کا معنی ہے: بری گردش یعنی عذاب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ۔ (الفتح:٦) اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو عذاب دے اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے متعلق برا گمان رکھتے ہیں، ان ہی پر بری گردش ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے دَائِرَةُ السَّوْءِ کی تفسیر عذاب کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے، دوسرا قول ہے کہ دائرہ کا معنی ہے: ہلاکت، جمہور نے السوء کی قرأت س کے زبر کے ساتھ کی ہے اور ابوعمرو اور ابن کثیر نے اس کی قرأت پیش کے ساتھ کی ہے یعنی السُّوْء۔

تُعَزِّرُوْهُ تَنْصُرُوْهُ۔ تُعَزِّرُوْهُ کا معنی ہے: تَنْصُرُوْهُ یعنی تم ان کی مدد کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔ (الفتح:۹) تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تُعَزِّرُوْهُ کی تفسیر تنصروہ کے ساتھ کی ہے یعنی تم ان کی مدد کرو، اسی طرح امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ روایت کی ہے اور عکرمہ سے روایت ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تلوار سے قتال کرو اور الثعلبی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ان کی مدد کرو اور ان کی تعظیم اور توقیر کرو اور اس پر

وقف تام ہے۔

شَطْأَهُ شَطْءُ السُّنْبُلِ تُنْبِتُ الْحَبَّةُ عَشْرًا وَ ثَمَانِيًا وَ سَبْعًا فَيَقْوٰى بَعْضُهُ بِبَعْضٍ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى فَاٰزَرَهٗ قَوَّاهُ وَلَوْ كَانَتْ وَاحِدَةً لَمْ تَقُمْ عَلٰى سَاقٍ وَهُوَ مَثَلٌ ضَرَبَهُ اللّٰهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ إِذْ خَرَجَ وَحْدَهٗ ثُمَّ قَوَّاهُ بِأَصْحَابِهٖ كَمَا قَوَّى الْحَبَّةَ بِمَا يُنْبِتُ مِنْهَا۔

شَطْئَهٗ خوشہ کی کونپل جو دس یا آٹھ یا سات خوشے اگاتی ہے، پس بعض خوشے دوسرے بعض خوشوں سے قوی ہو جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے: فَاٰزَرَهٗ (الفتح:۲۹) پس اس کو قوت دی اور اگر وہ ایک خوشہ ہوتا تو وہ اپنی شاخ پر کھڑا نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ نے یہ مثال نبی ﷺ کے لیے بیان کی ہے کہ آپ (دین کی تبلیغ کے لیے) تنہا نکلے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ قوت دی جس طرح ایک دانہ کو دوسرے دانوں کے ساتھ قوت دیتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہ تعلیق مذکور نہیں ہے اور نہ شارحین اس تعلیق کی شرح کے درپے ہوئے ہیں۔

امام بخاری نے کہا: وہ دس یا آٹھ یا سات دانے اگاتا ہے یعنی ایک دانہ دس خوشے اگاتا ہے اور کبھی آٹھ خوشے اگاتا ہے اور کبھی سات خوشے اگاتا ہے، جیسے دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے:

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ۔ (البقرہ:۲۶۱) اس کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے۔

امام بخاری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ مثال نبی ﷺ کے لیے بیان کی ہے۔

اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کے لیے یہ مثال بیان کی ہے کہ وہ ابتداء میں تھوڑے تھے، پھر وہ زیادہ اور کثیر ہو گئے اور قوی ہو گئے اور قتادہ سے منقول ہے کہ یہ سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کی مثال ہے جو انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ عنقریب ایک قوم نکلے گی، وہ ایک کھیت کو اگائیں گے، وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے۔

امام بخاری نے کہا: آپ (دین کی تبلیغ کے لیے) تنہا نکلے۔ جب آپ تنہا کفار مکہ کو اللہ کی توحید کی دعوت دے رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت دی اور مکہ میں چند لوگ اسلام لے آئے اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کفار قریش نے آپ کو اذیت پہنچانے کے لیے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو آپ تنہا نکلے، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے رفیق ہو گئے، پھر جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انصار کے ساتھ آپ کو قوت دی۔

وَيُقَالُ دَائِرَةُ السَّوْءِ كَقَوْلِكَ رَجُلُ السَّوْءِ وَدَائِرَةُ السَّوْءِ الْعَذَابُ۔

کہا جاتا ہے: دائرۃ السوء جیسے تمہارا قول ہے: رجل السوء یعنی برا آدمی اور دائرۃ السوء کا معنی ہے: بری گردش یعنی عذاب۔

تُعَزِّرُوْهُ يَنْصُرُوْهُ۔

تعزروا کا معنی ہے تم ان کی مدد کرو۔

یہ دونوں تعلیقیں مکرر ہیں ایک تعلیق پہلے یہ گزر چکی ہیں۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۱۔۲۴۹ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ (الفتح:۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی ۝ (الفتح:۱) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور مجاہد اور العوفی سے روایت ہے کہ اس سے مراد فتح خیبر ہے اور بعض سے منقول ہے کہ اس سے مراد روم کی فتح ہے اور ایک قول ہے کہ اس سے مراد اسلام کی فتح ہے اور حضرت جابر سے روایت ہے کہ ہم صرف حدیبیہ کے دن فتح مکہ کا شمار کرتے تھے اور بشر بن البراء سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: جب ہم غزوۂ حدیبیہ سے لوٹے اور ہمارے اور ہماری قربانیوں کے درمیان غم اور افسوس حائل ہو چکا تھا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ (الآیۃ) (الفتح:۱) (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی فتح عطا فرمائی۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۲۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسِيرُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسِيرُ مَعَهُ لَيْلًا فَسَأَلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُجِبْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثَكِلَتْ أُمُّ عُمَرَ نَزَرْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ لَا يُجِيبُكَ قَالَ عُمَرُ فَحَرَّكْتُ بَعِيرِي ثُمَّ تَقَدَّمْتُ أَمَامَ النَّاسِ وَخَشِيتُ أَنْ يُنْزَلَ فِيَّ قُرْآنٌ فَمَا نَشِبْتُ أَنْ سَمِعْتُ صَارِخًا يَصْرُخُ بِي فَقُلْتُ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ نَزَلَ فِيَّ قُرْآنٌ فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (الفتح:۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از زید بن اسلم از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر میں رات کو جا رہے تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ رات میں سفر کر رہے تھے، پس آپ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا انہوں نے آپ سے پھر سوال کیا تو پھر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، انہوں نے آپ سے پھر سوال کیا آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، تو حضرت عمر بن خطاب نے (اپنے دل میں) کہا: عمر کی ماں اس پر روئے! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مرتبہ سوال میں اصرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار تم کو جواب نہیں دیا، حضرت عمر نے کہا: پھر میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی، پھر میں لوگوں سے آگے بڑھ گیا اور مجھے یہ خوف ہوا کہ میرے متعلق قرآن میں کوئی آیت نازل ہوگی، پھر تھوڑی دیر میں میں نے سنا کہ کوئی چلانے والا میرا نام لے کر چلا رہا تھا، پس میں نے کہا، مجھے تو (پہلے ہی) یہ خوف تھا کہ میرے متعلق قرآن کی کوئی آیت نازل ہوگی، پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، سو میں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے فرمایا: آج رات مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، پھر آپ نے پڑھا: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (الفتح:۱) (ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱۷۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جارہی ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ سفررات میں اس وقت تھا جب آپ حدیبیہ سے واپس جا رہے تھے اور میرے علم میں اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ثكلتك امك (تجھ پر تیری ماں روئے) کی تحقیق

تجھ پر عمر کی ماں روئے: حدیث میں ہے: ثَكِلَتْكَ اور یہ ثَكَلٌ سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب عورت کا بچہ گم ہو جاتا ہے گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے خلاف دعا کی کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار سوال کیا تھا، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: گویا کہ حضرت عمر نے اپنے لیے موت کی دعا کی اور موت ہر شخص کو آنی ہے، پس گویا کہ یہ دعا نہ تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثَكِلَتْكَ ان الفاظ میں سے ہو جو عربوں کی زبان پر بے ساختہ جاری ہوتے ہیں اور وہ اس کے معنی کا قصد نہیں کرتے جیسے وہ کہتے ہیں تَرِبَتْ يَدَاكَ (تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں) اور کہتے ہیں: قَاتَلَكَ الله (اللہ تمہیں مار ڈالے)۔

حضرت عمر کے بار بار سوال کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً جواب نہ دینے کی توجیہ

فنزرت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: یعنی تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار سوال کیا اور سوال میں مبالغہ کیا۔ الداؤدی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ تم نے آپ سے ایسی چیز کا سوال کیا ہے جس کا آپ کو جواب دینا پسند نہیں تھا۔ ہر بات کا جواب لازم نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات سکوت کرنا بھی کسی بات کا جواب ہوتا ہے، حضرت عمر نے بار بار سوال اس لیے کیا تھا کہ ان کا گمان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سوال نہیں سنا یا جس چیز کے متعلق حضرت عمر کا سوال کر رہے تھے، وہ ان کے نزدیک بہت اہم تھی اور ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں ان کو جواب دیا ہو اور فوراً اس کا جواب اس لیے نہیں دیا تھا کہ اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا اس آیت کے زیادہ محبوب ہونے کی توجیہ

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب تھی کیونکہ اس آیت میں یہ بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ان تمام کاموں کی مغفرت فرما دی جو بہ ظاہر خلاف اولیٰ تھے اور اس آیت میں آپ کے لیے فتح اور آپ کے لیے نصرت کا ذکر ہے اور آپ پر پوری نعمت نازل کرنے کا ذکر ہے اور اس صورت میں اصحاب الشجرہ سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا ذکر ہے، اس حدیث میں ذکر ہے کہ یہ سورت آپ کو ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا کہ آپ کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ یہ سورت آپ کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ دنیا اور آخرت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے، یا یہ عام لوگوں کے اعتبار سے ارشاد ہے کیونکہ عام لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ دنیا کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور یہی مقصود ہے تو آپ نے یہ بتایا کہ آپ کے نزدیک یہ سورت ان تمام چیزوں سے افضل ہے جن کے متعلق تمہارا یہ گمان ہے کہ ان سے افضل کوئی چیز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا قَالَ الْحُدَيْبِيَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۝

(الفتح:۱) (ہم نے آپ کے لیے کھلی فتح عطا فرمائی) انہوں نے کہا: اس سے مراد حدیبیہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱۷۲ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۳۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ سُورَةَ الْفَتْحِ فَرَجَّعَ فِيهَا قَالَ مُعَاوِيَةُ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَحْكِيَ لَكُمْ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ ﷺ لَفَعَلْتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن قرہ نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن سورۂ فتح پڑھی اور اس کو خوش الحانی کے ساتھ دہرایا، معاویہ نے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے نبی ﷺ کی قراءت نقل کروں تو میں ایسا کروں گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۲۸۱ میں گزر چکی ہے۔

نبی ﷺ کی ترجیع کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے نبی ﷺ نے سورۃ الفتح کی قراءت کی فَرَجَّعَ فِيهَا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ترجیع کا معنی ہے: حلق میں آواز کو دہرانا جیسے خوش الحان قراء کرتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے: آواز میں حرکات کو ایک دوسرے کے قریب کرنا، اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ آپ سے اس لیے صادر ہوا کہ آپ اونٹنی پر سوار تھے، پس اونٹنی آپ کو ہلاتی تھی جس سے ترجیع حاصل ہوئی اور یہ اس پر محمول ہے کہ آپ مدات کو کھینچ کر پڑھتے تھے اور نبی ﷺ کی آواز بہت حسین تھی، جب آپ قراءت کرتے تو مدات کو کھینچتے، اور قاضی عیاض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حسین آواز کے ساتھ بھیجا اور اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کی قراءت بہت حسین تھی اور آپ ترتیل کے ساتھ قراءت کرتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ (الفتح:۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراط مستقیم پر برقرار رکھے ۝ (الفتح:۲) کی تفسیر

الفتح:۲ کی تفسیر میں مختلف اقوال

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ آیت إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ۝ (النصر:۱) (جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے) کی طرف راجع ہے۔ تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام (الفتح:۲) اور یہ محمول ہے رسالت سے پہلے سے لے کر اس سورت کے نزول تک، اور عطاء الخراسانی سے منقول ہے کہ مَا تَقَدَّمَ سے مراد ہے: آپ سے

پہلے آپ کے باپ اور ماں حضرت آدم اور حضرت حوا کے گناہ اور مَاتَاَخَّرَ سے مراد ہے کہ آپ کی امت کے گناہ، اور ایک قول یہ ہے کہ جو ہو چکے اور جو ہوں گے ان سب کی مغفرت کر دی گئی، دوسرا قول یہ ہے کہ مغفرت فتح کا سبب ہے یعنی کیونکہ ہم نے آپ کی مغفرت کر دی ہے اس لیے ہم نے آپ کو فتح عطا فرمائی، نیز فرمایا: اور تا کہ آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے یعنی آپ کو نبوت اور حکمت عطا فرمائے اور فرمایا اور تا کہ آپ کو ہدایت دے یعنی آپ کو ہدایت پر ثابت اور برقرار رکھے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۳۶۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا زِيَادٌ هُوَ ابْنُ عِلَاقَةَ أَنَّهُ سَمِعَ الْمُغِيرَةَ يَقُولُ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں زیاد بن علاقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اتنا (زیادہ) قیام کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں پیر سوج گئے، پس آپ سے کہا گیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دیئے ہیں (پھر آپ اتنا قیام کیوں کرتے ہیں؟) آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

نبی ﷺ کے پیر سوجنے کی توجیہ اور الفتح: ۲ کی تفسیر میں مزید اقوال

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت میں شدت کو اختیار کرنا جائز ہے خواہ اس سے بدن کو نقصان پہنچے اور یہ آپ کے لیے حلال ہے اگرچہ آپ کے لیے رخصت پر عمل کرنا بھی جائز تھا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں، اس نکتہ پر علامہ المہلب مالکی نے متنبہ کیا ہے اور اس آیت میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں یا مراد یہ ہے کہ اگر بالفرض آپ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔

(۲) مجاہد کا قول ہے کہ رسالت سے پہلے اور رسالت کے بعد جو امور واقع ہوئے ان کی مغفرت کر دی گئی۔

(۳) امام طبری نے کہا ہے کہ آپ نے جنگ بدر کے دن کہا تھا: اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر کبھی بھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم: ۱۷۶۳) تو آپ کی طرف یہ وحی کی گئی کہ آپ کو یہ کہاں سے معلوم ہوا یہ آپ کا وہ پہلا کام ہے جس کی مغفرت کر دی گئی اور پچھلا کام یہ ہے کہ غزوۂ حنین میں آپ نے کنکریاں ماریں اور آپ نے کہا: اگر میں ان کافروں کو کنکریاں نہ مارتا تو ان کو شکست نہ ہوتی، پس یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔ (الانفال: ۱۷)

اور (اے رسول معظم!) آپ نے وہ خاک نہیں پھینکی جس وقت آپ نے وہ خاک پھینکی تھی لیکن وہ خاک اللہ نے پھینکی تھی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۳ ص ۲۵۵ - ۲۵۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۸۳۷۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا عَبْدُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن عبد العزیز نے

اللهِ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا حَيْوَةُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ سَمِعَ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ تَصْنَعُ هَذَا يَا رَسُولَ اللهِ وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا فَلَمَّا كَثُرَ لَحْمُهُ صَلَّى جَالِسًا فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَقَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حیوۃ نے خبر دی از ابوالاسود، انہوں نے عروہ سے سنا از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قیام کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے دونوں پیر پھٹ گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ یارسول اللہ! اس طرح کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کردی ہے، آپ نے فرمایا: کیا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ بنوں، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر گوشت زیادہ ہو گیا تو پھر آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، پس جب آپ رکوع کرنے کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو کر قراءت کرتے، پھر رکوع کرتے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۱۸ میں گزر چکی ہے۔

آپ کے بدن پر گوشت زیادہ ہونے کی تحقیق

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب آپ کے بدن پر گوشت زیادہ ہو گیا، علامہ داؤدی نے اس لفظ کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث میں ہے: فَلَمَّا بَدَنَ یعنی جب آپ بوڑھے ہو گئے، پس گویا کہ راوی نے اس کی تاویل گوشت کے زیادہ ہونے سے کی اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: کسی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت نہیں بیان کی کہ آپ موٹے ہو گئے تھے حالانکہ جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ ایک دن میں دو مرتبہ بھی خمیری روٹیاں سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے اور امام ابوعبیدہ نے کہا، حدیث میں جو بدن کا لفظ ہے اس سے راوی نے یہ گمان کیا کہ آپ کا گوشت زیادہ ہو گیا حالانکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ کی عمر زیادہ ہو گئی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الفتح: ۲، میں ذنب کا حقیقی معنی مراد ہونے اور اس کے مجاز پر محمول ہونے پر عبارات علماء سے استدلال

الفتح: ۲، کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرمادے، لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور معصوم سے گناہ کا صدور نہیں ہوتا اس لیے ہم نے یہ کہا کہ ہر آیت مجاز پر محمول ہے اور گناہ سے مراد بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام ہیں اور معاف کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ کے درجات کو بلند کیا جائے۔ متقدمین میں سے معتمد علماء نے اس آیت میں ذنب کے لفظ سے گناہ کا معنی مراد نہیں لیا۔

حافظ اسماعیل بن کثیر شافعی دمشقی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصائص میں سے ہے جن میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں ہے، آپ کے علاوہ اور کسی شخص کے لیے کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں ہے کہ اس کی اگلی اور پچھلی (ظاہری) خطاؤں کی مغفرت کردی گئی ہو اور اس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت تعظیم اور تکریم ہے اور اطاعت، نیکی اور پارسائی میں اولین اور آخرین میں سے کسی نے آپ کو مقام کو نہیں پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت میں علی الاطلاق اکمل البشر اور سید البشر ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر کا جو بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا مرتبہ اور مقام ہے اس کا جو ذکر فرمایا ہے اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر آپ کے غلبہ اور آپ کی شریعت کی سربلندی کی خبر دینے سے کی ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ کی مغفرت کر دی گئی ہے اور ماضی اور مستقبل کے کسی کام پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ سے کوئی کام ہوا ہے یا نہیں، بہر حال آپ کا جو بھی کام ہو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۴۱، عبدالتواب اکیڈمی، ملتان)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ ھ لکھتے ہیں:

علامہ تجانی نے کہا کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے، جیسے کوئی شخص کسی سے اظہار محبت کے لیے کہے: اگر تمہارا کوئی پہلا یا پچھلا گناہ ہو بھی تو ہم نے اس کو معاف کر دیا۔ اس کلام سے اس شخص کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس نے فی الواقع کوئی گناہ کیا ہے اور وہ اس کو معاف کر رہا ہے، اور میں کہتا ہوں: کہ ذنب کا معنی ستر ہے جو نہ دکھائی دینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کو لازم ہے عدم ذنب، یعنی جب گناہ ہے ہی نہیں تو کیسے دکھائی دے گا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگلے اور پچھلے دونوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ پچھلے کا وجود ہی نہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا کوئی گناہ پہلے ہے اور نہ بعد میں، لہٰذا آپ سے مطلقاً گناہ سرزد نہیں ہوا۔ (نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳، دارالفکر، بیروت)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ ھ لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ہر چند کہ بندہ اپنے مقسوم کے مطابق اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے، پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے مستغنی نہیں ہوتا کیونکہ بندہ اپنے بشری عوارض کی بنا پر تقاضائے ربوبیت کے مطابق عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباح امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا امت کے اہم کاموں میں منہمک اور مستغرق ہونے کی وجہ سے جو حضرت الوہیت میں غفلت واقع ہوتی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس کو بھی سیئہ اور گناہ خیال کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔

(شرح الشفا علی ہامش نسیم الریاض ج ۱ ص ۲۷۳، دارالفکر، بیروت)

ذنب کا معنی خلافِ اولیٰ کرنے پر دلائل

ہم نے ذنب کا معنی خلافِ اولیٰ کیا ہے اور بہ ظاہر کی قید اس لیے لگائی ہے کہ حقیقت میں آپ کا کوئی بھی کام خلافِ اولیٰ یا مکروہ تنزیہی نہیں ہے، بعض اوقات آپ نے کسی کام سے منع فرمایا، پھر خود اس کام کو کیا تا کہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا اس کام سے منع کرنا تحریم کے لیے نہیں تھا بلکہ تنزیہ کے لیے تھا۔

مثلاً آپ نے فصد لگانے (رگ کاٹنے کے لیے خون چوس کر نکالنا) کی اجرت دینے سے منع فرمایا اور حضرت ابوطیبہ نے آپ کو فصد لگائی تو آپ نے ان کو دو صاع (آٹھ کلو گرام) طعام دینے کا حکم فرمایا۔ (جامع ترمذی، ص ۲۰۴، مطبوعہ کراچی) اگر آپ ابوطیبہ کو فصد لگانے کی اجرت نہ دیتے تو ہم کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ فصد کی اجرت دینا جائز ہے اور آپ کا منع فرمانا تنزیہ کے لیے ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ فصد کی اجرت دینا ہمارے لیے مکروہ تنزیہی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فصد کی اجرت دینا مکروہ تنزیہی نہیں ہے اور اس سے وہ آپ کو اجر و ثواب ملے گا جو فرض کی ادائیگی پر ملتا ہے، اس طرح بعض اوقات آپ نے کسی کام کا افضل اور اولیٰ طریقہ

بتایا، پھر اس کے خلاف کیا، یہ بھی اس طرح بہ ظاہر خلاف اولیٰ ہے حقیقت میں خلاف اولیٰ نہیں ہے مثلاً آپ نے فرمایا سفیدی پھیلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھنے میں زیادہ اجر ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۹، مطبوعہ کراچی)

اور آپ نے خود منہ اندھیرے بھی فجر کی نماز پڑھی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۷۸)

اگر آپ کسی کام سے منع فرما کر یہ بتا دیتے کہ اس کے خلاف کرنا بھی جائز ہے اور خود اس کام کو نہ کرتے تب بھی مسئلہ تو معلوم ہو جاتا لیکن اس کام میں آپ کی اقتداء کا شرف حاصل نہ ہوتا، بہرحال قرآن مجید اور احادیث میں جہاں آپ کی طرف مغفرت ذنب کی نسبت کی گئی ہے وہاں ذنب سے مراد بہ ظاہر خلاف اَولیٰ یا مکروہ تنزیہی کام مراد ہیں اور مغفرت سے مراد آپ کے درجات کی بلندی اور قرب خاص سے نوازنا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی عبارت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلاف اولیٰ کا ثبوت

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولیٰ ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے اور گناہ میں مبتلاء کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیان جواز کے کیا معنی؟

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۴۵۰۔۴۴۹، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۴ء)

۳۔ بَابٌ: اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ (الفتح: ۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۝ (الفتح: ۸) کی تفسیر

شاہد، مبشر اور نذیر کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شَاهِدًا کا معنی ہے، مُبَيِّنًا کیونکہ آپ حکم کو بیان کرتے ہیں تو آپ کا نام شاہد رکھا گیا کیونکہ آپ حال کا اور حقیقت کا مشاہدہ فرماتے ہیں، پس گویا کہ آپ جس کی شہادت دیتے ہیں اس کو دیکھنے والے ہیں اور ان کے اعمال میں جو اطاعت اور معصیت ہے آپ اس کی بھی شہادت دیتے ہیں اور جس چیز کے ساتھ آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا ہے اس کی بھی شہادت دیتے ہیں، شاہد کا اصل معنی ہے: جس چیز کا مشاہدہ کیا ہے اس کی خبر دینے والا، اور قتادہ سے منقول ہے کہ آپ اپنی امت کی گواہی دینے والے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی گواہی دینے والے ہیں۔

اور مُبَشِّرًا کا معنی ہے: آپ اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دینے والے ہیں اور نَذِيْرًا کا معنی ہے: آپ نافرمانوں اور بے عملوں اور بدعملوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ أَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ الَّتِي فِي الْقُرْاٰنِ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں عبد العزیز بن ابی سلمہ نے حدیث بیان کی از ہلال بن ابی ہلال از عطاء بن یسار از عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک یہ آیت جو قرآن میں

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۴۵) قَالَ فِي التَّوْرَاةِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللهُ حَتّٰى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِأَنْ يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَيَفْتَحَ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا وَآذَانًا صُمًّا وَقُلُوبًا غُلْفًا

ہے: يَآيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۴۵) (اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے O) انہوں نے کہا کہ تورات میں مذکور ہے: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا اور ان پڑھ لوگوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام المتوکل رکھا ہے، آپ نہ بدخصلت ہیں اور نہ سخت دل ہیں آپ بازاروں میں شور کرنے والے نہیں ہیں، آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو اس وقت تک ہرگز قبض نہیں فرمائے گا حتیٰ کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا کردے بایں طور پر کہ وہ کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، پس اس کلمہ توحید کے ذریعے وہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۱۲۵ میں گزر چکی ہے۔

۴۔ بَابٌ: هُوَ الَّذِيْٓ أَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الفتح: ۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا۔ (الفتح: ۴) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: السکینہ کا معنی ہے: رحمت اور طمانیت۔

۴۸۳۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رضي الله عنه قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَقْرَأُ وَفَرَسٌ لَهُ مَرْبُوطٌ فِي الدَّارِ فَجَعَلَ يَنْفِرُ فَخَرَجَ الرَّجُلُ فَنَظَرَ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا وَجَعَلَ يَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی اسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں جس وقت نبی ﷺ کے اصحاب میں سے ایک مرد قرآن پڑھ رہا تھا اور اس کا گھوڑا گھر میں بندھا ہوا تھا، پس وہ گھوڑا بدکنے لگا، پھر وہ مرد باہر نکلا، پس اس نے (ادھر ادھر) دیکھا تو اسے کوئی چیز دکھائی نہیں دی، پھر جب صبح ہوئی تو اس نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ چیز (جس سے گھوڑا بدکا تھا) سکینہ ہے جو قرآن کے سبب سے نازل ہوئی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۱۴ میں گزر چکی ہے۔

حضرت اسید بن حضیر کی قراءت اور اس پر سکینہ نازل ہونے کے متعلق دو روایتیں

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوسری حدیث میں بیان ہے: وہ مرد جو قرآن پڑھ رہے تھے ان کا نام اسید بن حضیر تھا اور وہ اس رات سورۂ کہف پڑھ رہے تھے، پس چراغوں کی مثل فرشتے ان پر نازل ہوئے، اور امام نسائی نے روایت کی ہے کہ حضرت اسید جس وقت رات کو سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے تو ان کا گھوڑا بدکنے لگا، پھر وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی پرسکون ہو گیا اس طرح تین مرتبہ ہوا، پھر انہوں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو اس میں چراغوں کی مثل کوئی چیز تھی، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم نہیں جانتے وہ کیا چیزیں تھیں؟ وہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز سن کر قریب آ گئے تھے، اگر تم اسی طرح صبح تک قرآن پڑھتے رہتے تو سب لوگ ان کی طرف دیکھتے۔

بعض علماء نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دو واقعے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت اسید بن حضیر نے ان دونوں راتوں میں قرآن پڑھا ہو، علامہ عینی فرماتے ہیں: اس تطبیق کی اس وقت ضرورت ہو گی کہ جب دونوں روایتیں مساوی ہوں حالانکہ پہلی روایت صحیح بخاری کی ہے اور دوسری روایت سنن نسائی کی ہے اور یہ دونوں روایتیں مساوی نہیں ہیں، پس ان میں تطبیق کی ضرورت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۶۔ ۲۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابٌ: اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ (الفتح: ۱۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ (الفتح: ۱۸) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ پوری آیت اس طرح ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ (الفتح: ۱۸)

بے شک اللہ ایمان والوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

وہ درخت ببول کا تھا، دوسرا قول ہے کہ وہ درخت بیری کا تھا اور روایت ہے کہ اگلے سال وہ درخت ان سے گم ہو گیا، پس وہ نہیں جان سکے کہ وہ درخت کہاں گیا ہے؟ اور کہا گیا ہے کہ وہ درخت مکہ کے راستے میں تھا اور نافع نے کہا: پھر بعد میں لوگ اس درخت کے نیچے آتے تھے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا (حضرت عمر کو یہ خوف تھا کہ کہیں لوگ اس درخت کی پرستش نہ کرنے لگیں)، آپ سے بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد ایک ہزار پانچ سو پچیس (۱۵۲۵) تھی اور دوسرا قول ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) تھی اور تیسرا قول ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار تین سو (۱۳۰۰) تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی نے لکھا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوانے کا حکم دیا تھا لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عمر کا یہ مزاج نہیں تھا، انہوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ نہ بنا لیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر انبیاء اور صلحاء کی یادگاروں کو قائم رکھنا چاہتے تھے حالانکہ اس جگہ بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعد کے لوگ مقام ابراہیم کی پرستش نہ کرنا نہ شروع کر دیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۴۸۴۰۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث

عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ۔

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از جابر، انہوں نے بیان کیا کہ ہم حدیبیہ کے دن ایک ہزار اور چار سو (۱۴۰۰) تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱۵۳ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۴۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ صُهْبَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ إِنِّي مِمَّنْ شَهِدَ الشَّجَرَةَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْخَذْفِ

(صحیح البخاری: ۵۴۷۹، صحیح مسلم، ۱۹۵۴، سنن ابوداؤد: ۵۲۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شبابہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: میں نے عقبہ بن صہبان سے سنا از حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ کہ بے شک میں ان صحابہ سے تھا جو درخت پر حاضر ہوئے تھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو کنکری مارنے سے منع فرمایا تھا۔

۴۸۴۲۔ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ صُهْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيَّ فِي الْبَوْلِ فِي الْمُغْتَسَلِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور عقبہ بن صہبان سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ غسل خانہ میں پیشاب کرنے کے متعلق حدیث بیان کرتے تھے۔

کنکر اور پتھر مارنے کی ممانعت کی حکمت اور اگر اس سے کسی کو ضرر نہ ہو تو پھر اس کی اجازت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دو حدیثوں میں دو مسئلوں کا بیان ہے، پہلی حدیث میں کسی کو کنکر یا پتھر مارنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ کنکر یا پتھر مارنے سے نہ دشمن ہلاک ہوتا ہے اور نہ شکار مارا جاتا ہے لیکن اس سے آنکھ پھوٹ جاتی ہے اور دانت ٹوٹ جاتا ہے، اور اس لیے کہ اس میں کوئی مصلحت نہیں ہے اور اس میں فساد کا خطرہ ہے اور ہر وہ کام جو اس کے مشابہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے، اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کنکر یا پتھر مارنے میں کوئی مصلحت ہو یا دشمن سے قتال میں اس کی ضرورت ہو یا شکار حاصل کرنے میں اس کی ضرورت ہو تو یہ جائز ہے اور پرندوں کو غلیل سے مارنا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ غلیل سے اگر کسی بڑے پرندے کو مارا جائے تو وہ غالباً اس کو ہلاک نہیں کرتا اور اس پرندے کو زندہ پکڑ لیا جاتا ہے تو یہ عمل جائز ہے، علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں اسی طرح لکھا ہے۔

غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت کی توجیہ اور اگر غسل خانہ میں پانی گزرنے کے لیے نالی بنی ہوئی ہو تو پھر اس میں پیشاب کرنے کی رخصت

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے، علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت اس وقت ہے کہ جب غسل خانہ میں پانی گزرنے کی کوئی نالی نہ ہو لیکن جب غسل خانہ میں پانی گزرنے کے لیے کوئی نالی ہو تو پھر غسل خانہ میں نالی کے پاس بیٹھ کر پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب پیشاب کرنے کے بعد اس پر پانی بہا دیا جائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت کے متعلق متعدد احادیث ہیں:

(۱) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص اپنے غسل خانہ میں ہرگز پیشاب نہ کرے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن یزید الانصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اپنے غسل خانہ میں پیشاب نہ کرو۔

(۳) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے اپنے غسل خانہ میں پیشاب کیا وہ پاک نہیں ہوا۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ اس شخص کو پاک نہیں کرتا جو اپنے غسل خانہ میں پیشاب کرتا ہے۔

اور ابن سیرین اور دوسروں نے غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت اسی پر محمول ہے جب غسل خانہ میں پانی کے گزرنے کے لیے نالی بنی ہوئی ہو۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۴۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رضی اللہ عنہ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از خالد از ابی قلابہ از حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ اور وہ اصحاب الشجرہ میں سے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۳ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۴۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ السُّلَمِيُّ حَدَّثَنَا يَعْلَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ سِيَاهٍ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ أَتَيْتُ أَبَا وَائِلٍ أَسْأَلُهُ فَقَالَ كُنَّا بِصِفِّينَ فَقَالَ رَجُلٌ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ فَقَالَ عَلِيٌّ نَعَمْ فَقَالَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ اتَّهِمُوا أَنْفُسَكُمْ فَلَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ يَعْنِي الصُّلْحَ الَّذِي كَانَ بَيْنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالْمُشْرِكِينَ وَلَوْ نَرَى قِتَالًا لَقَاتَلْنَا فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ قَالَ بَلَى قَالَ فَفِيمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا وَنَرْجِعُ وَلَمَّا يَحْكُمِ اللَّهُ بَيْنَنَا فَقَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللَّهُ أَبَدًا فَرَجَعَ مُتَغَيِّظًا فَلَمْ يَصْبِرْ حَتَّى جَاءَ أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ قَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَنْ يُضَيِّعَهُ اللَّهُ أَبَدًا فَنَزَلَتْ سُورَةُ الْفَتْحِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن اسحاق السلمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن سیاہ نے حدیث بیان کی از حبیب بن ابی ثابت، انہوں نے کہا: میں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ کے پاس (خوارج کے متعلق) ایک مسئلہ معلوم کرنے کے لیے گیا تو انہوں نے بتایا کہ ہم مقام صفین میں تھے تو ایک مرد نے کہا: کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے؟ تو حضرت علی نے فرمایا: ہاں! تو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے (خوارج سے) فرمایا: تم لوگ اپنی رائے کے اوپر غلطی کی تہمت لگاؤ، پس ہم نے اپنے آپ کو حدیبیہ کے دن دیکھا یعنی اس صلح کے دوران جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی اور اگر ہم جنگ کو درست سمجھتے تو ضرور جنگ کرتے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ ہم حق پر ہیں اور مشرکین باطل پر ہیں؟ کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور مشرکین کے مقتولین دوزخ میں نہیں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! حضرت عمر نے کہا: پھر ہم کس وجہ سے اپنے دین میں پستی کو اختیار کریں اور لوٹ جائیں

اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان کوئی فیصلہ نہیں فرمایا: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن الخطاب! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت عمر غصہ میں واپس چلے گئے اور ان کو صبر نہیں آیا تھا حتیٰ کہ وہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا: اے ابوبکر! کیا یہ بات نہیں ہے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابن الخطاب! بے شک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ ان کو کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا، پھر سورۃ الفتح نازل ہوگئی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۸۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی شرح علامہ عینی سے

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کے بعض مشکل الفاظ اور بعض مشکل جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

صفین: یہ دریائے فرات کے قریب ایک جگہ ہے جہاں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مشہور جنگ ہوئی تھی اور یہ لفظ غیر منصرف ہے۔

ایک مرد نے کہا: یہ مرد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھا، اس نے الحجرات: ۹ کے ایک حصہ کی تلاوت کی اور اس کا قصد اس آیت کی تلاوت نہیں تھا، اس کا قصد یہ تھا کہ جو لوگ جنگ نہیں کر رہے ان کے خلاف جنگ کے لیے کیوں بلایا جا رہا ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہم جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے، پس اگر وہ رجوع کرے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو۔ (الحجرات: ۹) حضرت علی نے فرمایا: ہاں، مسند احمد اور سنن نسائی میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ میں اس کے زیادہ لائق ہوں یعنی میں کتاب اللہ پر عمل کرنے کے زیادہ لائق ہوں اور مجھے یہ اعتماد ہے کہ میں حق پر ہوں۔

حضرت سہل بن حنیف نے کہا: تم لوگ اپنی رائے کے اوپر غلطی کی تہمت لگاؤ: کیونکہ کبھی انسان اپنی رائے سے ایک بات کہتا ہے اور صحیح اور درست بات اس کے خلاف ہوتی ہے یعنی تم لوگ اپنی آراء پر عمل نہ کرو، ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح کا وقت گزر چکا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے ان کے نزدیک حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو حکم بنانا ناپسندیدہ تھا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حضرت سہل قتال میں کوتاہی کو غلط سمجھتے تھے تو انہوں نے کہا: تم اپنی رائے پر غلطی کی تہمت لگاؤ کیونکہ میں جنگ میں کوتاہی نہیں کرتا اور میں ضرورت کے وقت جنگ میں کوتاہی کرنے والا نہیں ہوں جیسا کہ حدیبیہ کے دن میں تھا کیونکہ اس دن میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اس طرح تھا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت پر قادر نہ ہوتا تو میں مشرکین کے خلاف زبردست قتال کرتا لیکن آج ہم جنگ میں مصلحت کو نہیں دیکھتے بلکہ مسلمانوں کی مصلحت کے لیے اس جنگ میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے اور رہا حکم بنانے پر انکار تو حکم بنانے کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! یہ بات

درست ہے لیکن انکار کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی کتاب سے انحراف کیا کیونکہ مجتہد کی جب یہ رائے ہو اور جب یہ ظن ہو کہ فریقین کے درمیان حکم بنانا جائز ہے تو وہ اللہ کا حکم ہے، حضرت سہل نے کہا: تم اپنی رائے پر غلطی کی تہمت لگاؤ کیونکہ ہم بھی حدیبیہ کے دن قتال ترک کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح پر مجبور کیا۔

تو ہم دین میں پستی کو کیوں اختیار کریں: یعنی ہم ایسی شرائط پر کیوں صلح کریں جو ہمارے عجز اور ضعف پر دلالت کرتی ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۵۹ ـ ۲۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک حدیث مذکور کا خلاصہ

میں کہتا ہوں کہ حضرت سہل بن حنیف نے جو کہا کہ تم اپنی رائے پر غلطی کی تہمت لگاؤ تو ان کی اس سے مراد خوارج تھے جو فریقین کے درمیان حکم بنانے کو غلط کہتے تھے، حضرت سہل بن حنیف نے کہا: تمہاری رائے غلط ہے۔ مصلحت کی وجہ سے فریقین کے درمیان حکم بنانا جائز ہے، جیسا کہ حدیبیہ کے دن مشرکین کے خلاف جنگ موقوف کرنا درست تھا اگرچہ ہم لوگ مشرکین سے جنگ نہ کرنے کے خلاف تھے لیکن بعد میں یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کی خیر اور مصلحت اسی میں تھی۔

حدیث مذکور کی شرح حافظ ابن حجر عسقلانی سے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا علم دیا گیا، انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (کتاب) ان کے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرے۔ (آل عمران: ۲۳)

امام احمد نے یہ پوری آیت ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ مرد عبد اللہ بن الکواء تھا، امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ اہل شام (حضرت معاویہ کا گروہ) نے جب یہ دیکھا کہ اہل عراق (حضرت علی کا گروہ) ان پر غالب آ رہا ہے تو انہوں نے حضرت عمرو بن العاص کو اشارہ یا کہ وہ قرآن مجید اٹھالیں اور قرآن مجید میں جو حکم مذکور ہے اس پر عمل کرنے کی دعوت دیں اور ان کی مراد یہ تھی کہ معاملہ طول پکڑ جائے اور ان کو اس مصیبت سے نجات مل جائے جس میں وہ واقع ہو چکے تھے، پس ایسا ہی ہوا جیسے ان کا گمان تھا، پھر جب انہوں نے قرآن مجید کو اٹھالیا اور کہا: ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کرنے والی ہے اور اس بات کو حضرت علی کے لشکر نے سن لیا اور ان میں اکثریت دین دار تھی، پس حضرت علی نے فریقین کے درمیان حکم بنانے کو قبول کرلیا اور ان کی موافقت کی کیونکہ ان کو اعتماد تھا کہ حق ان کے ساتھ ہے اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کو احمد بن سلیمان سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری کی روایت پر مسند احمد میں یہ اضافہ ہے کہ جب ہم صفین میں تھے اور اہل شام کے ساتھ جنگ گرم ہو گئی تھی تو حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ سے کہا: آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مصحف (قرآن مجید) کو بھیجیں اور انہیں کتاب اللہ پر عمل کی دعوت دیں تو وہ اس پر انکار نہیں کریں گے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرد آیا اور کہا: ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی یہ کتاب حکم ہے یعنی منصف ہے تو حضرت علی نے فرمایا: میں اس کے زیادہ لائق ہوں کہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب حکم ہو۔ پھر حضرت علی کے پاس خوارج آئے اور ہم اس زمانہ میں ان کو القراء کہتے تھے اور ان کی تلواریں ان کے کندھوں پر تھیں، انہوں نے کہا: اے امیر المومنین! ہم اس قوم کا انتظار نہیں کرتے، ہم اپنی تلواروں سے ان کے اوپر حملہ کیوں نہیں کرتے، تب حضرت سہل بن حنیف کھڑے ہوئے۔

حضرت علی نے فرمایا: ہاں: امام احمد اور امام نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ہاں! میں اس کے زیادہ لائق ہوں یعنی جب کتاب اللہ پر

عمل کرنے کی دعوت دی جائے تو میں اس دعوت کو قبول کرنے کے زیادہ لائق ہوں کیونکہ مجھے اس پر اعتماد ہے کہ حق میرے ساتھ ہے۔

حضرت سہل بن حنیف نے کہا: تم اپنی رائے پر غلطی کی تہمت لگاؤ: یعنی اس رائے میں (کہ فریقین کے درمیان حکم نہیں بنانا چاہیے) کیونکہ اکثر خوارج نے فریقین کے حکم بنانے کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں ہے۔

حضرت علی نے فرمایا: یہ کلمہ حق ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے اور اکابر صحابہ نے حضرت علی کی اطاعت کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ کہ ان کی مخالفت نہ کی جائے کیونکہ وہ مصلحت کو زیادہ جاننے والے ہیں اور حضرت سہل بن حنیف نے خوارج سے ذکر کیا کہ ان کے ساتھ حدیبیہ میں جو معاملہ پیش تھا اس وقت مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ مشرکین کے خلاف جنگ جاری رکھی جائے اور انہوں نے حدیبیہ میں صلح کی مخالفت کی، پھر بعد میں یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کی زیادہ مصلحت صلح میں ہی تھی جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ کتاب استتابۃ المرتدین میں آئے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الفتح کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ الحجرات میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۴۹۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْحُجُرَاتِ

سورۃ الحجرات کی تفسیر

سورۃ الحجرات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الحجرات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ ابوالعباس نے کہا ہے: یہ پوری سورت مدنی ہے، ہمیں اس میں کوئی اختلاف نہیں پہنچا۔ علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورۃ المجادلہ کے بعد نازل ہوئی اور سورۂ تحریم سے پہلے، اور اس سورت میں اٹھارہ (۱۸) آیات ہیں، حجرات حجرہ کی جمع ہے اور اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھر ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا تُقَدِّمُوا لَا تَفْتَاتُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى يَقْضِيَ اللهُ عَلَى لِسَانِهِ۔

اور مجاہد نے کہا: لا تقدموا کا معنی ہے: لا تفتاتوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبقت نہ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی فیصلہ فرمائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ (الحجرات:۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لا تقدموا کی تفسیر لا تفتاتوا کی ہے، یہ لفظ افتیات سے بنا ہے اور اس کا مادہ فوت ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز کی طرف سبقت کرنا، مفسرین کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تم کتاب اور سنت کے خلاف کوئی بات نہ کہو اور ان سے دوسری روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے دوران کلام نہ کرو اور حضرت جابر اور حسن بصری سے روایت ہے کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذبح کرنے سے پہلے ذبح نہ کرو اور جن لوگوں نے آپ سے پہلے قربانی کر لی تھی ان کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: تم اپنے نبی کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو تمیم کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ القعقاع بن محمد بن زرارہ کو امیر بنائیں اور حضرت عمر نے کہا: الاقرع بن حابس کو امیر بنائیں، حضرت ابوبکر نے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ رکھتے ہو، حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا، پھر ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ (الحجرات:۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو۔

اور ضحاک سے منقول ہے: قتال میں اور دین کے احکام میں یعنی اللہ اور اس کے رسول کے بغیر کسی کام کا فیصلہ نہ کرو، اور الکلبی

سے منقول ہے: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قول اور فعل سے پہلے سبقت نہ کرو حتیٰ کہ وہ خود تمہیں کسی کام کا حکم دیں، اور ابن زید سے منقول ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے بغیر کسی کام کا فیصلہ نہ کرو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ چلو۔

امْتَحَنَ أُخْلِصَ۔ امتحن کا معنی ہے: خاص کرلیا اور چن لیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (الحجرات:۳) بے شک جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے پرکھ لیا ہے، ان ہی کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے امتحن کی تفسیر اخلص کے ساتھ کی ہے اور امام عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اپنے پسندیدہ کاموں کے لیے چن لیا ہے۔

وَلَا تَنَابَزُوا يُدْعَى بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ۔ تَنَابَزُوا کا معنی ہے: اسلام کے بعد کسی کو کفر کے ساتھ پکارا جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ۔ (الحجرات:۱۱) اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے بلاؤ، ایمان کے بعد فاسق کہلانا کتنا برا کام ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: تنابز کا معنی ہے: کسی مرد کو اسلام کے بعد کفر کے نام سے پکارا جائے۔ اس کا حاصل وہ ہے جو مجاہد نے کہا کہ کسی مسلمان مرد کو کافر کہہ کر نہ پکارو اور عکرمہ سے منقول ہے کہ تنابز کا معنی ہے: ایک مرد دوسرے مرد کو کافر، منافق یا فاسق کہے اور اس کے نزول کا سبب یہ ہے جو ضحاک نے روایت کی ہے: یہ آیت ہم میں یعنی بنو سلمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں آئے تو ہم میں سے ہر شخص کے دو دو یا تین تین نام تھے، پس جب ایک دوسرے مرد کو بلاتا تو ہم کہتے: یارسول اللہ! یہ شخص اس نام سے غضب ناک ہوتا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ۔ (الحجرات:۱۴) اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ بلاؤ۔

يَلِتْكُمْ يَنْقُصْكُمْ أَلَتْنَا نَقَصْنَا۔ يَلِتْكُمْ کا معنی ہے: ینقصکم یعنی تم میں کمی کرے گا، التنا کا معنی ہے: نَقَصْنَا یعنی ہم نے کمی کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (الحجرات:۱۴) اور اگر تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی تو اللہ تمہارے نیک اعمال سے کوئی کمی نہیں کرے گا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یلتکم کی تفسیر ینقصکم کی ہے اور یہ لفظ لاتی یلیت لیتا سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: وہ اس سے کوئی کمی نہیں کرے گا اور التنا کا معنی ہے: نقصنا اور یہ لفظ سورۃ الطور میں ہے، امام بخاری نے اس لفظ کو یہاں پر بالتبع ذکر کردیا ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۶۰۔۲۵۹ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (الحجرات:۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ (الحجرات:۲) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ پوری آیت اس طرح ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو جیسے ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو، ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا O

تشعرون کا معنی ہے: تعلمون یعنی تم جانتے ہو اور اسی سے الشاعر ماخوذ ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تشعرون کی تفسیر تعلمون کی ہے اور اسی طرح دوسرے مفسرین نے اس کی تفسیر کی ہے، امام بخاری نے کہا: اسی سے الشاعر ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے: شعرت بالشیئ میں نے اس چیز کو ذہانت سے جان لیا اور اسی سے شاعر ماخوذ ہے کیونکہ وہ بھی ذہین ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ص۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۴۵۔ حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ بْنِ جَمِيلٍ اللَّخْمِيُّ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ كَادَ الْخَيِّرَانِ أَنْ يَهْلِكَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رضی اللہ عنہما رَفَعَا أَصْوَاتَهُمَا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حِينَ قَدِمَ عَلَيْهِ رَكْبُ بَنِي تَمِيمٍ فَأَشَارَ أَحَدُهُمَا بِالْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ أَخِي بَنِي مُجَاشِعٍ وَأَشَارَ الْآخَرُ بِرَجُلٍ آخَرَ قَالَ نَافِعٌ لَا أَحْفَظُ اسْمَهُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعُمَرَ مَا أَرَدْتَ إِلَّا خِلَافِي قَالَ مَا أَرَدْتُ خِلَافَكَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا فِي ذٰلِكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ﴾ الْاٰيَةَ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَمَا كَانَ عُمَرُ يُسْمِعُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ حَتّٰى يَسْتَفْهِمَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ ذٰلِكَ عَنْ أَبِيهِ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یسرہ بن صفوان بن جمیل اللخمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں نافع بن عمر نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ، انہوں نے بیان کیا: قریب تھا کہ سب سے بہتر دو مرد ہلاک ہو جاتے یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما، ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں بلند کیں جب آپ کے پاس بنو تمیم کے سوار آئے تھے تو ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس کو امیر بنانے کا شارہ کیا جو بنی مجاشع کا بھائی تھا اور دوسرے نے دوسرے مرد کو امیر بنانے کا اشارہ کیا، نافع نے کہا: مجھے اس کا نام یاد نہیں، پس حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا: تم نے صرف میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے، حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا: پس اس معاملہ میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ الایہ (اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو) حضرت ابن الزبیر نے کہا: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر بہت پست آواز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات سناتے تھے حتیٰ کہ آپ ان سے اس بات کو پوچھتے تھے اور حضرت

ابن الزبیر نے اس کے متعلق اپنے باپ (اپنے نانا) یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۳۶۷ میں گزر چکی ہے تاہم بعض مشکل اور مجمل الفاظ کی شرح کی جارہی ہے:

بنو تمیم کے سواروں کے آنے کی تاریخ اور آپ کے سامنے بعض خواتین کے بلند آواز سے باتیں کرنے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب آپ کے پاس بنو تمیم کے سوار آئے: یہ سوار آپ کے پاس نو (۹) ہجری میں اونٹوں پر سفر کر کے آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس کو امیر بنانے کو کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت اقرع کی وفات ہوگئی تھی۔

اور دوسرے نے دوسرے آدمی لیے کہا: وہ دوسرا امرد القعقاع بن معبد بن زرارہ تھا۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر بہت پست آواز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات سناتے تھے: کیونکہ اس آیت کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بات کرنا حرام ہو گیا تھا، اس پر یہ اشکال ہے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عمر اجازت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس وقت آپ کے پاس قریش کی خواتین تھیں جو آپ سے بلند آواز میں باتیں کر رہی تھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا بلند آواز سے باتیں کرنا ممانعت سے پہلے ہو یا سب عورتوں کی آواز مل کر بلند ہو گئی ہو اور ہر ایک کی آواز بلند نہ ہو۔

اور اس کے متعلق حضرت ابن الزبیر نے اپنے باپ سے یعنی اپنے نانا سے کوئی بات نہیں سنی: علامہ کرمانی نے کہا کہ نانا کے اوپر باپ کا اطلاق مجاز ہے کیونکہ حضرت ابوبکر حضرت عبداللہ بن زبیر کی ماں کے باپ تھے اور ان کی ماں حضرت اسماء بنت ابی بکر تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶۲۔ ۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۴۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ أَنْبَأَنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم افْتَقَدَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَا أَعْلَمُ لَكَ عِلْمَهُ فَأَتَاهُ فَوَجَدَهُ جَالِسًا فِي بَيْتِهِ مُنَكِّسًا رَأْسَهُ فَقَالَ لَهُ مَا شَأْنُكَ فَقَالَ شَرٌّ كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَأَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ مُوسَى فَرَجَعَ إِلَيْهِ الْمَرَّةَ الْآخِرَةَ بِبِشَارَةٍ عَظِيمَةٍ فَقَالَ اذْهَبْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَلَكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ازہر بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے خبر دی انہوں نے کہا: مجھے موسیٰ بن انس نے خبر دی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو گم پایا تو ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میں آپ کو ان کا پتا بتاتا ہوں، پس وہ حضرت ثابت بن قیس کے پاس گئے تو دیکھا وہ اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے تو انہوں نے ان سے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا، بہت برا حال ہے، (انہوں نے بتایا:) وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرتے تھے تو (انہوں نے گمان کیا ہے) ان کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ اہل دوزخ سے ہو گئے ہیں، پس وہ مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپ کو اس بات کی خبر دی اور بتایا کہ اس نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے،

موسیٰ (بن انس) نے کہا: پھر وہ مرد دوسری بار حضرت ثابت بن قیس کے پاس عظیم بشارت لے کر گیا، آپ نے فرمایا: تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تم اہل دوزخ سے نہیں ہو لیکن تم اہل جنت سے ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۱۳ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ثابت بن قیس کو جنت کی بشارت دی گئی تو یہ عشرہ مبشرہ پر زائد ہو گئے؟ اس اعتراض کا جواب

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ثابت بن قیس کے جنتی ہونے کی اس حدیث میں تصریح ہے اور یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ جنتی صحابہ دس (۱۰) ہیں تو اس کا ل جواب یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ کو ایک مجلس میں جنت کی بشارت دی گئی تھی، ان کے علاوہ جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے وہ الگ الگ مواقع پر دی گئی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ عدد کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا اس لیے دس (۱۰) سے زیادہ کی بشارت کی نفی نہیں ہوگی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ وہ ہیں جن کو لفظ بشارت کے ساتھ جنت کی بشارت دی گئی اور یہ تاویل اس لیے ضروری ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین کریمین بھی اہل جنت سے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (الحجرات: ۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ۝ (الحجرات: ۴) کی تفسیر

الحجرات: ۴، کا شان نزول

علامہ عینی لکھتے ہیں: مفسرین نے کہا ہے کہ قبیلہ تمیم کے اعراب نے یعنی دیہاتیوں نے ندا کی: اے محمد! ہماری طرف باہر آئیں اور قتادہ نے کہا کہ زید بن ارقم سے روایت ہے کہ چند دیہاتی لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہا ہم اس مرد کی طرف جاتے ہیں، اگر یہ واقعی نبی ہیں تو ہم لوگوں میں سے سب سے زیادہ کامیاب ہوں گے اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو ہم ان کے سائے میں زندگی گزاریں گے، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کی طرف آئے اور آپ کو ندا کرنے لگے: یا محمد! یا محمد! تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ الایۃ (بے شک جو لوگ آپ کو ندا کرتے ہیں)۔ (عمدۃ القاری ۱۹ ص ۲۶۳)

۴۸۴۷۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُمْ أَنَّهُ قَدِمَ رَكْبٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَمِّرِ الْقَعْقَاعَ بْنَ مَعْبَدٍ وَقَالَ عُمَرُ بَلْ أَمِّرِ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا أَرَدْتَ إِلَى أَوْ إِلَّا خِلَافِي فَقَالَ عُمَرُ مَا أَرَدْتُ خِلَافَكَ فَتَمَارَيَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا فَنَزَلَ فِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے خبر دی کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو تمیم کے سوار آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کے اوپر القعقاع بن معبد کو امیر بنائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بلکہ ان کے اوپر الاقرع بن حابس کو امیر بنائیں، پس حضرت ابوبکر نے

ذٰلِكَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُولِهِ حَتَّى انْقَضَتِ الْآيَةُ۔

کہا: تم نے میری طرف کیا ارادہ کیا ہے یا کہا: تم نے صرف میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا: پھر وہ دونوں بحث کرنے لگے حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں، تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَ رَسُولِهٖ (الحجرات:۱) (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو) حتیٰ کہ یہ آیت پوری ہوگئی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۳۶۷ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابٌ: وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ (الحجرات:۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اگر یہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ خود باہر آجاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ (الحجرات:۵) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے، باب کا عنوان تو قائم کیا ہے لیکن اس کے بعد اس کے متعلق کوئی حدیث ذکر نہیں کی، پس یا تو امام بخاری کو اس باب کے مناسب اپنی شرط کے مطابق کوئی حدیث ملی نہیں یا ان پر اس سے پہلے موت آگئی، کہ وہ اس باب کے مناسب کوئی حدیث درج کر دیتے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الحجرات کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اب ان شاء اللہ سورۃ ق کی تفسیر میں انہوں نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۰۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ قٓ

سورۂ ق کی تفسیر

سورۂ ق کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ ق کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت میں پینتالیس (۴۵) آیات ہیں، یہ سورۃ مکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ق اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، علامہ قرطبی سے منقول ہے کہ ق سے مراد اللہ تعالیٰ کے یہ اسماء ہیں: قدیر، قادر، قاہر، قریب، قاضی اور قابض، اور الشعبی سے منقول ہے کہ ق سے سورت کا افتتاح کیا ہے۔

رَجْعٌ بَعِيْدٌ رَدٌّ۔ رَجْعٌ بَعِيْدٌ اس کا معنی ہے: دنیا کی طرف دوبارہ لوٹنا یا جانا بہت بعید ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ (ق:۳) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہوں گے)، بے شک یہ لوٹنا (عقل سے) بعید ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رجعٌ بعید کی یہ تفسیر کی ہے کہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنا یا جانا بعید ہے کیونکہ مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا اعتراف نہیں کرتے تھے۔

فُرُوْجٍ فُتُوْقٍ وَاحِدُهَا فَرْجٌ۔ فُرُوْجٍ کا معنی فتوق ہے یعنی شگاف، فروج جمع ہے اور اس کا واحد فرج ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ (ق:۶) کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا ہم نے اس کو کیسے بنایا اور کس طرح اس کو (ستاروں سے) مزین کیا اور اس میں کوئی شگاف نہیں ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: الفروج، فرج کی جمع ہے اور ابن زید سے منقول ہے: الفروج اس چیز کو کہتے ہیں جس کے اجزاء ایک دوسرے سے متفرق ہوں اور الکسائی سے منقول ہے کہ آسمانوں میں کوئی تفاوت اور اختلاف نہیں ہے۔

مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وَرِيْدَاهُ فِيْ حَلْقِهِ وَالْحَبْلُ حَبْلُ الْعَاتِقِ۔ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ یعنی حلق میں دو رگیں ہیں، الحبل گردن کی رگ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ○ (ق:١٦) اور ہم (انسان کی) شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ہم اس پر اس کی شہ رگ سے زیادہ قادر ہیں چونکہ یہ شہ رگ رسی کے مشابہ ہوتی ہے اس لیے اس کو الحبل فرمایا، اس رگ کے کٹنے سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ امام طبری نے اس تفسیر کو اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْ عِظَامِهِمْ۔ اور مجاہد نے کہا: ماتنقص الارض منھم زمین ان کی ہڈیوں سے جو کم کرتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ۔ (ق:٤) بے شک ہم جانتے ہیں کہ زمین ان سے کتنا کم کرتی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اجسام میں سے جو کم کرتی ہے۔

تَبْصِرَةً بَصِيْرَةً۔ تَبْصِرَةً اس کا معنی ہے: بَصِيْرَةً۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○ (ق:٨) جو بصیرت اور نصیحت ہیں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَبْصِرَةً کی تفسیر بصیرت کے ساتھ کی ہے یعنی ہم نے اس کو بصیرت بنا دیا اور منیب کا معنی ہے: مخلص۔

حَبَّ الْحَصِيْدِ الْحِنْطَةُ۔ حَبُّ الحصید یعنی کاٹی ہوئی فصل کے دانے، اس سے مراد گندم ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ○ (ق:٩) اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس سے باغات اور کھیتوں میں کاٹی جانے والی فصل کے دانے اگائے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ان دانوں کی تفسیر گندم کے ساتھ کی ہے اسی طرح جو اور باقی دانے بھی ہیں۔

بَاسِقَاتٍ الطِّوَالُ۔ بٰسِقٰتٍ اس کا معنی ہے: اونچے اونچے اور لمبے لمبے درخت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ○ (ق:١٠) اور کھجور کے لیے درخت اگائے جن پر تہ بہ تہ پھل لدے ہوئے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے بٰسِقٰتٍ کی تفسیر لمبے درختوں کے ساتھ کی ہے، جب کوئی چیز لمبی اور طویل ہو تو اس کو کہا جاتا ہے: بسق الشیئ اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بٰسِقٰتٍ کو ص کے ساتھ پڑھتے تھے۔

اَفَعَيِيْنَا اَفَاَعْيَا عَلَيْنَا حِيْنَ اَنْشَاَكُمْ وَاَنْشَاَ خَلْقَكُمْ۔ اَفَعَيِيْنَا اس کا معنی ہے: کیا ہم پر بوجھ بن گیا ہے یا ہم کو تھکا دیا ہے جب ہم نے تم کو پیدا کیا اور ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ وہ اپنے

جَدِیۡدٍ ۞ (ق:۱۵) ازسرنو پیدا ہونے کے متعلق شک میں مبتلا ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَفَعَیِیۡنَا کی تفسیر کی ہے أفأعيا علينا یعنی کیا ہم دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہو گئے ہیں یا ہم پر یہ مشکل ہو گیا ہے۔ عیِی عن کذا کا معنی ہے: اس سے عاجز ہو گئے، بَلۡ ہُمۡ فِیۡ لَبۡسٍ اس کا معنی ہے: شیطان نے ان کو شک میں ڈال دیا مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ یعنی دوبارہ پیدا کرنے سے۔

وَقَالَ قَرِیۡنُہٗ اَلشَّیۡطٰنُ الَّذِیۡ قُیِّضَ لَہٗ۔ وَقَالَ قَرِیۡنُہٗ اس سے مراد وہ شیطان ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَ قَرِیۡنُہٗ ہٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیۡدٌ ۞ (ق:۲۳) اور اس (کی زندگی) کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: یہ اس کا اعمال نامہ ہے جو میرے پاس تیار ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے قرین کی تفسیر شیطان کے ساتھ کی ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے اور قتادہ سے منقول ہے: اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے، اسی طرح تفسیر ثعلبی میں ہے۔

فَنَقَّبُوۡا ضَرَبُوا۔ فَنَقَّبُوۡا کا معنی ہے: زمین میں سفر کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَنَقَّبُوۡا فِی الۡبِلَادِ ؕ ہَلۡ مِنۡ مَّحِیۡصٍ ۞ (ق:۳۶) انہوں نے بہت سے شہروں کو کھنگال ڈالا کہ کہیں چھٹکارے کی جگہ ہو O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نَقَّبُوۡا کی تفسیر کی ہے: زمین میں سفر کرنے کے ساتھ، اسی طرح مجاہد سے منقول ہے اور ضحاک سے منقول ہے کہ وہ زمین میں گھومے پھرے اور الفراء سے منقول ہے: انہوں نے زمین کو کھنگال ڈالا، فَنَقِّبُوۡا میں قاف پر زیر بھی پڑھا گیا ہے اور یہ امر کا صیغہ ہے جو تہدید اور وعید کے لیے ہے یعنی تم تمام شہروں میں اور تمام روئے زمین میں گھوم پھر کر دیکھو کیا تمہیں موت سے نجات ہے، تہدید اور وعید کا معنی ہے: ڈانٹ ڈپٹ۔

أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِغَيْرِهِ۔ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ اس کا معنی ہے: وہ اپنے دل میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ سوچیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَ ہُوَ شَہِیۡدٌ ۞ (ق:۳۷) یا جو کان لگا کر سنے اور اس کا ذہن حاضر ہو O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَ ہُوَ شَہِیۡدٌ کی تفسیر کی ہے کہ وہ اپنے دل میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ سوچیں یعنی وہ قرآن کو سنیں اور اس کی طرف کان لگائیں اور ان کا ذہن حاضر ہو۔

حِیۡنَ اَنۡشَاَکُمۡ وَاَنۡشَأَ خَلۡقَکُمۡ۔ وحین انشأکم اور اس نے تمہاری خلقت بنائی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کا تعلق اَفَعَیِیۡنَا (ق:۱۵) سے ہے یعنی تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ بہ ظاہر اس تعلیق کا اس تعلیق کے ساتھ ہونا چاہیے تھا لیکن یہ سہو کاتب کی وجہ سے یہاں لکھی گئی۔

رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ رَصَدٌ۔ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ اس کا معنی ہے: رَصَدٌ یعنی جو کسی کی گھات میں ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ⑱ وہ جو بات بھی کہتا ہے (اس کو لکھنے کے لیے) اس کا کوئی محافظ (فرشتہ) منتظر ہوتا ہےO (ق:۱۸)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ کی تفسیر رصد کے ساتھ کی ہے یعنی جو انتظار کرتا ہے اور گھات میں ہوتا ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ رقیب کا معنی حافظ ہے اور عتید کا معنی حاضر ہے۔

سَائِقٌ وَّشَهِیْدٌ الْمَلَكَانِ كَاتِبٌ وَّشَهِیْدٌ۔ سَائِقٌ وَّ شَهِیْدٌ یہ دو فرشتے ہیں ایک لکھنے والا ہے اور دوسرا گواہ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِیْدٌ㉑ اور ہر شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کو چلانے والا ایک فرشتہ ہوگا اور ایک گواہ ہوگاO (ق:۲۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ ایک لکھنے والا ہے اور دوسرا گواہ ہے اور حسن بصری سے منقول ہے کہ ایک اس کو چلانے والا ہوگا اور دوسرا گواہ ہوگا۔

شَهِیْدٌ شَاهِدٌ بِالْغَیْبِ۔ شَهِیْدٌ اس کا معنی ہے: جو دل کے ساتھ حاضر ہونے والا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ㊲ (ق:۳۷) بے شک اس (قرآن) میں اس کے لیے ضرور نصیحت ہے جو صاحب دل ہو یا جو ذہن حاضر کر کے کان لگائےO

علامہ عینی لکھتے ہیں: الکشمیہنی کی روایت بالقلب ہے اور دوسروں کی روایت بالغیب ہے اور اسی طرح مجاہد سے روایت ہے۔

مِنْ لُّغُوْبٍ النَّصَبُ۔ لُغُوْب اس کا معنی ہے: النصب یعنی تھکاوٹ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ㊳ (ق:۳۸) اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئیO

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لغوب کی تفسیر نصب کے ساتھ کی ہے جس کا معنی ہے: مشقت اور تھکاوٹ، امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ یہ روایت کی ہے کہ یہود نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور تخلیق سے جمعہ کے دن فارغ ہو گیا اور ہفتہ کے دن اس نے آرام کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی اور فرمایا: وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ㊳ اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئیO

وَقَالَ غَیْرُهُ نَضِیْدٌ الْكُفُرَّی مَا دَامَ فِیْ اَكْمَامِهِ وَمَعْنَاهُ مَنْضُوْدٌ بَعْضُهُ عَلٰی بَعْضٍ فَاِذَا خَرَجَ مِنْ اَكْمَامِهِ فَلَیْسَ بِنَضِیْدٍ۔ مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: نضید یعنی خوشہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک وہ اپنے غلاف میں ہو اور اس کا معنی ہے: بعض بعض کے اوپر تہ بہ تہ ہیں: پس جب وہ اپنے غلاف سے نکل جائے تو وہ نضید نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ○ (ق:١٠) اور کھجور کے لیے لمبے اور اونچے درخت اگائے جن پر تہ بہ تہ شگوفے لدے ہوئے ہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نضید کی تفسیر کُفُرّیٰ کے ساتھ کی ہے (کاف پر پیش اور فاء پر زبر اور راء پر تشدید) یہ اس شگوفے کو کہتے ہیں جب تک وہ اپنے غلاف میں ہو، اس کی تفسیر عنقریب گزر چکی ہے۔ مسروق نے کہا کہ جنت کے کھجور کے درخت اپنی جڑ سے لے کر پتوں تک نضید ہیں اور ان کے پھل مٹکوں اور ڈولوں کے برابر تہ بہ تہ ہیں، جب ان میں ایک پھل توڑا جاتا ہے تو اس کی جگہ فوراً دوسرا الگ جاتا ہے۔

وَإِدْبَارِ النُّجُومِ وَأَدْبَارِ السُّجُودِ كَانَ عَاصِمٌ يَفْتَحُ الَّتِي فِي ق وَيَكْسِرُ الَّتِي فِي الطُّورِ وَيُكْسَرَانِ جَمِيعًا وَيُنْصَبَانِ۔

إِدْبَارَ النُّجُومِ ○ (الطور:٤٩) أَدْبَارَ السُّجُودِ ○ (ق:٤٠) میں عاصم ق کی آیت میں ادبار کے ہمزہ پر زبر پڑھتے ہیں اور طور کی آیت میں ہمزہ پر زیر پڑھتے ہیں اور بعض دونوں لفظوں پر زیر پڑھتے ہیں اور بعض دونوں لفظوں پر زبر پڑھتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ○ (ق:٤٠) اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد (بھی) ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابوعمرو اور الکسائی نے ہمزہ پر زبر پڑھنے میں عاصم کی موافقت کی ہے اور نافع، ابن کثیر اور حمزہ نے عاصم کی مخالفت کی ہے اور ہمزہ پر زیر پڑھی ہے، علامہ داؤدی نے کہا ہے: جس نے زیر کے ساتھ اِدبار النجوم پڑھا وہ ستاروں کے مائل اور جھکنے کا ارادہ کرتا ہے اور جس نے ہمزہ پر زبر پڑھی ہے وہ اس آیت کی موافقت کرتا ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۞ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُوْدِ ○ (ق:٣٩،٤٠) اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ○ اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد (بھی) ○

اس کا معنی ہے: حقیقتاً تسبیح کیجئے اور ایک قول ہے: فرض نمازوں کے بعد اس کی تسبیح کیجئے، دوسرا قول ہے: فرض نمازوں کے بعد نوافل پڑھیے، طلوع الشمس سے پہلے کا معنی ہے: صبح کے وقت اور غروب سے پہلے کا معنی ہے: عصر کے وقت اور رات کے کچھ حصہ میں اس کی تسبیح کیجئے، اس سے مراد ہے: عشاء کی نماز میں اور ایک قول ہے: تہجد کی نماز میں، اور أدبار السجود کا معنی ہے: مغرب کے بعد دو رکعت اور ادبار النجوم کا معنی ہے: فجر سے پہلے دو رکعت اور ادبار کا لفظ دُبُرٌ کی جمع ہے۔ امام بخاری نے کہا: اور بعض دونوں میں زیر پڑھتے تھے یعنی سورۂ طور اور سورۂ ق میں دونوں میں ادبار کے ہمزہ پر زیر پڑھتے ہیں اور بعض دونوں میں ادبار کے ہمزہ پر زبر پڑھتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمَ الْخُرُوْجِ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ إِلَى الْبَعْثِ مِنَ الْقُبُوْرِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یوم الخروج کا معنی ہے: جس دن وہ قبروں سے نکالے جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ يَوْمُ جس دن لوگ چیخ کی آواز برحق سنیں گے، یہ قبروں سے نکلنے کا دن

الْخُرُوْجِ ۞ (ق:۴۲) ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶۷۔ ۲۶۴ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ: وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۞ (ق:۳۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اور دوزخ کہے گی:) کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں O (ق:۳۰) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۞ (ق:۳۰)

(آپ یاد کیجئے!) جس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے: کیا تو پر ہو گئی؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ (لوگ) ہیں O

علامہ ثعلبی لکھتے ہیں: اس آیت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ھَلْ نفی کے معنیٰ میں ہو یعنی اب اضافہ کی گنجائش نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ھَلْ استفہام کے معنیٰ میں ہو یعنی کیا اور بھی کچھ لوگ ہیں؟ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۶۷)

۴۸۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يُلْقٰى فِي النَّارِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ حَتّٰى يَضَعَ قَدَمَهُ فَتَقُوْلُ قَطْ قَطْ۔

(صحیح البخاری: ۶۶۶۱۔ ۷۳۸۴)، (ترمذی: ۳۲۷۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حرمی بن عمارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: دوزخ میں اہل دوزخ کو ڈالا جائے گا اور دوزخ کہے گی: کیا کچھ اور بھی زیادہ لوگ ہیں حتیٰ کہ رب العزت اس میں اپنا قدم رکھ دے گا تو دوزخ کہے گی: مجھے یہ لوگ کافی ہیں۔

۴۸۴۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسَى الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا أَبُوْ سُفْيَانَ الْحِمْيَرِيُّ سَعِيْدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ وَأَكْثَرُ مَا كَانَ يُوْقِفُهُ أَبُوْ سُفْيَانَ يُقَالُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ فَيَضَعُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدَمَهُ عَلَيْهَا فَتَقُوْلُ قَطْ قَطْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد موسیٰ القطان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوسفیان الحمیری سعید بن یحییٰ بن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از محمد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ اس حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں اور ابوسفیان اس کو اکثر موقوف بیان کرتے ہیں، جہنم سے کہا جائے گا: کیا تو پر ہو گئی، وہ کہے گی: کیا کچھ اور لوگ بھی ہیں؟ پس رب تبارک وتعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دے گا تو جہنم کہے گی: مجھے یہ لوگ کافی ہیں، مجھے یہ لوگ کافی ہیں۔

۴۸۵۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی،

عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ النَّارُ أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالْمُتَجَبِّرِينَ وَقَالَتِ الْجَنَّةُ مَا لِي لَا يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِلْجَنَّةِ أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي وَقَالَ لِلنَّارِ إِنَّمَا أَنْتِ عَذَابِي أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مِلْؤُهَا فَأَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِئُ حَتَّى يَضَعَ رِجْلَهُ فَتَقُولُ قَطْ قَطْ فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَيُزْوَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ وَلَا يَظْلِمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ خَلْقِهِ أَحَدًا وَأَمَّا الْجَنَّةُ فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا.

انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنت اور دوزخ نے مباحثہ کیا، پس دوزخ نے کہا: مجھے متکبرین اور جابر لوگوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور جنت نے کہا: مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر صرف کمزور اور کم حیثیت لوگ داخل ہوں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے میں تیرے سبب سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا رحم فرماؤں گا اور دوزخ سے فرمائے گا: تو صرف میرا عذاب ہے تیرے سبب سے میں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا، جنت اور دوزخ میں سے ہر ایک کے لیے بھرنا ہوگا، رہی دوزخ تو وہ اس وقت تک نہیں بھرے گی حتیٰ کہ رب العزت (اپنی شان کے مطابق) اس میں اپنا پیر رکھ دے گا تو وہ کہے گی: مجھے یہ لوگ کافی ہیں، مجھے یہ لوگ کافی ہیں، پس اس وقت دوزخ بھر جائے گی اور دوزخ کے حصے ایک دوسرے پر چڑھ جائیں گے اور اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور رہی جنت تو اللہ عزوجل اس کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا۔

جنت اور دوزخ کے مباحثہ کی کیفیت، جنت میں زیادہ تر پسماندہ لوگ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر دلیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنت اور دوزخ نے مباحثہ کیا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے زبان حال سے مباحثہ کیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے زبان قال سے مباحثہ کیا ہو۔

دوزخ نے کہا: مجھے متکبرین اور جابر لوگوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے: لغوی طور پر ان دونوں لفظوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور دوسرا لفظ پہلے کی تاکید ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ متکبر وہ ہوتا ہے جو ان اوصاف کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو جو اس میں نہ ہوں اور جابر وہ ہے جو اس کے برخلاف ہو (یعنی وہ ان اوصاف کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھے جو اس میں ہوں)۔

اور جنت کہے گی: میرے اندر صرف کمزور اور کم حیثیت لوگ ہیں: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ضعف کی وجہ سے اکثر لوگ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ان کو اپنے دروازوں سے دھتکار دیتے ہیں، لوگوں کے نزدیک وہ حقیر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ عظیم ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ بہت زیادہ تواضع کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ حصر اغلب اور اکثر کے اعتبار سے ہے کیونکہ اکثر جنتی لوگ فقراء اور مساکین ہوں گے اور جنت میں مال دار لوگ بہت کم ہوں گے۔

اور اللہ جنت کے لیے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا: امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

جنت میں اتنی جگہ باقی ہوگی جتنی اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا فرمائے گا جس کو وہ چاہے گا اور دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے فضل سے ایک مخلوق کو پیدا کرے گا، علامہ نووی نے لکھا ہے: اس حدیث میں اہل سنت کی یہ دلیل ہے کہ ثواب عطا فرمانا اعمال پر موقوف نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کو اس وقت پیدا کیا جائے گا، ان کو جنت عطا کی جائے گی اور ان کو جنت اور اس کا ثواب بغیر عمل کے عطا کیا جائے گا اور اسی کی مثل وہ نابالغ بچے اور دیوانے ہیں جنہوں نے کوئی نیک عمل نہیں کیا اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے جنت میں ہوں گے اور اس حدیث میں جنت کی وسعت پر بھی دلیل ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک جنتی شخص کو دنیا کی دس گنا نعمتیں دی جائیں گی، اور علامہ ابن الملقن نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا: تم وسیع ہو جاؤ تو وہ اتنی تیزی سے وسیع ہوگی جس طرح تیر کمان سے نکلتا ہے۔

دوزخ میں اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے اور پیر رکھنے کے متعلق دو مذہب اور قدم رکھنے اور پیر رکھنے کی مختلف تاویلات

جن احادیث میں دوزخ میں اللہ عزوجل کے قدم رکھنے کا ذکر ہے، یہ مشہور احادیث الصفات ہیں اور ان میں علماء کے دو مذہب ہیں:

(۱) مذہب المفوضہ: اللہ تعالیٰ نے قدم رکھنے سے جس معنی کا ارادہ کیا ہے وہ برحق ہے اور اس کا ایسا معنی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے، جمہور سلف اور متکلمین کی جماعت کا یہی مذہب ہے۔

(۲) مذہب المؤولہ: اور یہ جمہور متکلمین کا مذہب ہے اور ان میں قدم اور پیر رکھنے کی تاویل میں اختلاف ہے۔

قدم کی حسب ذیل تاویلات ہیں:

(الف) قدم سے مراد مُتَقَدِّمْ ہے اور اس کا معنی یہ ہے: جن لوگوں کو پہلے عذاب دیا جائے گا ان کو دوزخ میں رکھ دے گا۔

(ب) اس سے مراد بعض مخلوق کا قدم ہے اور قدمہ کی ضمیر اس مخلوق کی طرف راجع ہے جو اللہ کو معلوم ہے۔

(ج) یا کوئی مخلوق ہے جس کا نام قدم ہے، اللہ اس مخلوق کو دوزخ میں رکھ دے گا۔

(د) قدم سے مراد جگہ ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان لوگوں کو اور ان جگہوں کو دوزخ میں ڈال دے گا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی یا جن جگہوں پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی اور دوزخ یہ کہتی رہے گی کہ مجھ میں اور لوگ اور جگہیں ڈال حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اتنی جگہیں ڈال دے گا اور اتنے کافر لوگ ڈال دے گا جن سے دوزخ بھر جائے گی۔

(ہ) قدم رکھنے سے مراد زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے جیسے کوئی شخص کہے: یہ تمام چیزیں تو میرے قدم کے نیچے ہیں، پس اللہ تعالیٰ دوزخ کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کرے گا جس کے بعد وہ مزید لوگوں کے ڈالنے کا مطالبہ نہیں کرے گی۔

(و) علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ قدم سے مراد آخر ہے کیونکہ قدم آخر اعضاء ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں اہل دوزخ کے آخر کو رکھ دے گا۔

بعض روایات میں قدم رکھنے کی بجائے پیر رکھنے کا ذکر ہے، امام ابوبکر بن فورک نے کہا ہے کہ پیر کا لفظ اہل نقل کے نزدیک ثابت نہیں ہے، لیکن ان کے اس قول کو رد کیا گیا ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں پیر کا لفظ ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ جن روایات میں پیر کا لفظ ہے وہ بعض راویوں کی تحریف ہے کیونکہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ قدم سے مراد عضو ہے اور اس کو انہوں نے پیر سے تعبیر کیا۔

اور مؤولین نے پیر کی تعریف میں بھی اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ لفظ زجر و توبیخ کے لیے ہے جیسے تم کہو کہ میں نے فلاں

چیز کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھ دیا، اور اس کا بیان ہم قدم کی تاویل میں کر چکے ہیں۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد بعض مخلوق کا پیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس مخلوق کے پیر کو دوزخ میں رکھ دے گا، تیسری تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کا نام پیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مخلوق کو دوزخ میں رکھ دے گا۔

اور بعض علماء نے ان تمام احادیث کا انکار کیا اور ان کی تکذیب کی ہے اور یہ ثقہ راویوں پر طعن ہے اور احادیث صحیحہ کے رد کرنے میں افراط ہے اور بعض علماء نے ان احادیث کی ایسی تاویل کی ہے جو مشبہہ کے قول کے قریب ہے۔

(عمدۃ القاری ۱۹ص ۲۶۷-۲۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ (ق:۳۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ○ (ق:۳۹) کی تفسیر

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: باب فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها اسی طرح ابوذر نے اس کے عنوان میں لکھا ہے اور حدیث کے سیاق میں دونوں جگہوں پر دسبح واؤ کے ساتھ ہے اور یہی تلاوت کے موافق ہے اور یہی صحیح ہے اور ان کے نزدیک قبل الغروب کا لفظ ہے اور اس سورت کی آیت کے موافق ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایسی مبہم اور بے جا بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہمارے نسخہ میں جو عنوان ہے وہ اس سورت کی آیت کے موافق ہے (یعنی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾، ق:۳۹) پھر قرآن مجید میں تحریف کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اس کو ابوذر یا کسی اور کی طرف منسوب کرنے کی کیا حاجت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ص ۲۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۵۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ جَرِيرٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾ (ق:۳۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از جریر از اسماعیل از قیس بن ابی حازم از جریر بن عبداللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے چودھویں رات کو چاند کی طرف دیکھا، پس فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے جیسا کہ اس (چاند) کو دیکھ رہے ہو، تم اس کو دیکھنے میں تنگ نہیں ہو گے، پس اگر تم یہ کر سکتے ہو تو تم طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے نماز پڑھنے پر مغلوب نہ ہو، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ (ق:۳۹) (اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے)○

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۵۴ میں گزر چکی ہے، تاہم علامہ عینی نے بعض مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں:

لا تضامون: یعنی تم اس کو دیکھنے میں ایک دوسرے کے مزاحم نہ ہو۔

اس حدیث میں فجر اور عصر کی نماز پڑھنے پر برانگیختہ فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۷۱)

۴۸۵۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَمَرَهُ أَنْ يُسَبِّحَ فِي أَدْبَارِ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا يَعْنِي قَوْلَهُ وَإِدْبَارَ السُّجُودِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ورقاء نے حدیث بیان از ابن ابی نجیح از مجاہد کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ تمام نمازوں کے بعد اللہ کی تسبیح کریں یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ۝ (نمازوں کے بعد)۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: اس حدیث میں سجدہ کا اطلاق نماز پر کیا گیا ہے جیسے جز کا اطلاق کل پر ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۂ ق کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاءاللہ سورۃ الذاریٰت کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی تفسیر کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۱۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ وَالذّٰرِيٰتِ

سورۂ والذاریات کی تفسیر

سورۂ والذاریات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الذاریات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، مقاتل وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورۂ احقاف کے بعد اور سورۃ الغاشیہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں ساٹھ (۶۰) آیات ہیں اور الذاریات قسم ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔

قَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الذّٰرِيٰتُ الرِّيَاحُ۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: الذاریت کا معنی ہے: ہوائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ الذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ (الذاریات: ۱۔۵)

گرد و غبار اڑانے والی ہواؤں کی قسم ○ پھر بادلوں کی صورت میں پانی کا بوجھ اٹھانے والی ہواؤں کی قسم ○ پھر آسانی سے چلنے والی کشتیوں کی قسم ○ پھر رزق کو تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم ○ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور سچا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابن عیینہ نے اپنی تفسیر میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ ابن الکواء نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا کہ الذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ○ (الذاریات: ۱) کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہوائیں، پھر انہوں نے سوال کیا: فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ○ (الذاریات: ۲) کا کیا معنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: بادل، پھر انہوں نے پوچھا: فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ○ (الذاریات: ۳) کا کیا معنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کشتیاں، پھر انہوں نے پوچھا: فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ○ (النازعات: ۵) کا کیا معنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ فرشتے ہیں۔ اس حدیث کو حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ ابوالطفیل سے روایت کیا ہے اور امام عبدالرزاق نے ایک اور سند کے ساتھ ابوالطفیل سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھا اور آپ خطبہ دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے، مجھ سے سوال کرو، پس اللہ کی قسم! تم قیامت تک کی کسی چیز کا مجھ سے سوال نہیں کرو گے مگر میں تم سے اس کا بیان کروں گا اور آپ نے فرمایا: مجھ سے اللہ کی کتاب کے متعلق سوال کرو، پس اللہ کی قسم! مجھے ہر آیت کے متعلق علم ہے کہ وہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں نازل ہوئی ہے، وہ کسی میدان میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت علی نے فرمایا: تم پر افسوس ہے تم دین سمجھنے کے لیے سوال کرو اور تکبر کی وجہ سے سوال نہ کرو۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۷۳)

تنبیہ: امام بخاری نے حضرت علی کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھا ہے، اسی طرح وہ حضرت فاطمہ کے نام کے ساتھ علیہا السلام لکھتے

ہیں اور حضرت حسن اور حسین کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھتے ہیں اور یہ ان کی اہل بیت کے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے اور باقی صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

شیخ سلیم اللہ خان کا امام بخاری پر یہ اعتراض کہ ان کا اہل بیت کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھنا درست نہیں

شیخ سلیم اللہ خان لکھتے ہیں:

جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ غیر نبی کے لیے علیہ السلام کہنا درست نہیں ہے، اس کے بعد حافظ ابن کثیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کے علاوہ اور کسی کے لیے سلام کہنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔

(کشف الباری، کتاب التفسیر ۴۲۴۔ ۴۲۳، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن کثیر نے علیہ السلام کو انبیاء کے خصائص میں سے نہیں لکھا بلکہ انہوں نے علیہ الصلاۃ کو انبیاء کے خصائص سے لکھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۶۹ دار الفکر، بیروت، اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کی تفسیر میں) جب کہ علیہ السلام کا لفظ عرف اور شرح میں زندہ لوگوں اور وفات یافتہ لوگوں دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، زندہ لوگوں کے لے کہا جاتا ہے: السلام علیکم اور وفات یافتہ لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے: السلام علیکم یا اہل القبور! پس حضرات اہل بیت کے لیے علیہ السلام کا لفظ استعمال کرنا ہرگز ممنوع نہیں ہے اور یہ امام بخاری کی اہل بیت کے ساتھ محبت ہے کہ وہ ان کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام لکھتے ہیں، تاہم ہمارے نزدیک ان کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہم لکھنے میں ان کی زیادہ تکریم ہے کیونکہ رضی اللہ عنہ کا لفظ عرف اور شرع میں صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہے اور علیہ السلام کا لفظ تو عام مومنین کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، لہٰذا شیخ سلیم اللہ خان کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے:

بیروت اور مصر وغیرہ میں جو کتابیں چھپتی ہیں ان میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے ناموں کے ساتھ ترضی کی بہ جائے علیہ السلام ہوتا ہے، معلوم یہ ہوتا ہے کہ طباعت کے اداروں پر شیعوں کا تسلط ہے اور وہ منصوبہ بندی کے تحت یہ کام کرتے ہیں۔

(کشف الباری۔ کتاب التفسیر ص ۶۲۳ مکتبہ فاروقیہ کراچی)

وَقَالَ غَيْرُهٗ تَذْرُوْهُ تُفَرِّقُهٗ۔

اور حضرت علی کے علاوہ دوسروں نے کہا: ہوائیں اس کو بکھیرتی ہیں اور اس کو منتشر کرتی ہیں

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ (الکہف: ۴۵)

تو اس پانی سے زمین کا ملا جلا سبز نکلا پھر وہ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا جس کو ہوائیں اڑا دیتی ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس لفظ کو ذاریٰت کی مناسبت کے ساتھ ذکر کیا ہے، الجوہری نے ذکر کیا ہے کہ ہوا مٹی کو اڑا دیتی ہے۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ تَاْكُلُ وَتَشْرَبُ فِيْ مَدْخَلٍ وَّاحِدٍ وَيَخْرُجُ مِنْ مَّوْضِعَيْنِ۔

وفی انفسکم افلا تبصرون: یعنی قیامت کے وقوع پر تمہارے نفسوں پر بھی نشانیاں ہیں کہ تم ایک جگہ میں کھاتے اور پیتے ہو اور وہ کھانا اور پینا تمہارے جسم کی دو جگہوں سے نکلتا ہے یعنی آگے اور پیچھے سے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: یہ بہت بڑی نشانی ہے کہ انسان ایک جگہ سے کھاتا پیتا ہے اور وہ دو جگہوں سے نکلتا ہے یعنی پیشاب

کے راستے سے اور پاخانہ کے راستہ سے۔

فَرَاغَ فَرَجَعَ۔ فَرَاغَ: کا معنی ہے: پس وہ لوٹا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَرَاغَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ۝ (الذاریات:۲۶) پھر وہ چپکے سے اپنے گھر گئے، پس بھنا ہوا فربہ بچھڑا لے آئے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فراغ کی تفسیر کی ہے: پس وہ لوٹ آئے اور اسی طرح الفراء نے کہا ہے اور تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوسری طرف سے مڑ کر گئے اور الفراء نے کہا ہے کہ فراغ کا لفظ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص چپکے سے آئے اور جائے۔

فَصَكَّتْ فَجَمَعَتْ اَصَابِعَهَا فَضَرَبَتْ بِهٖ جَبْهَتَهَا۔ فَصَكَّتْ: یعنی حضرت سارہ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کر کے اپنی پیشانی پر مارا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ۝ (الذاریات:۲۹) پھر ان کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اپنے چہرے پر ہاتھ مار کر کہا: میں تو بڑھیا اور بانجھ ہوں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فَصَكَّتْ کی تفسیر کی ہے: انہوں نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور مجاہد نے کہا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ پیشانی پر مارا اور کہا: ہائے ہائے فِیْ صَرَّةٍ کا معنی ہے: اپنی چیخ میں۔

وَالرَّمِیْمُ نَبَاتُ الْاَرْضِ اِذَا یَبِسَ وَدِیْسَ۔ والرمیم: اس کا معنی ہے: زمین کا سبزہ جب وہ سوکھ جائے اور اس کو روندا جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ۝ (الذاریات:۴۲) وہ آندھی کسی چیز کو نہیں چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی تھی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی تھی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رمیم کی تفسیر اس سبزہ اور گھاس کے ساتھ کی ہے جب وہ سوکھ جائے اور دِیْسَ کا معنی ہے جس چیز کو پیروں سے روندا جائے حتیٰ کہ وہ چیز ٹوٹ پھوٹ جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رمیم کی تفسیر منقول ہے: جو چیز ہلاک ہو گئی ہو اور ابو العالیہ سے منقول ہے: وہ مٹی جو ریزہ ریزہ ہو گئی ہو اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: بوسیدہ ہڈی۔

لَمُوْسِعُوْنَ اَیْ لَذُوْ سَعَةٍ وَكَذٰلِكَ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ یَعْنِی الْقَوِیَّ۔ لَمُوْسِعُوْنَ اسی طرح علی الموسع قدرہ کا معنی ہے: یعنی جو قوت والا ہے وہ اپنی طاقت کے مطابق چیزیں دے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ (الذاریات:۴۷) اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قوت سے بنایا اور بے شک ہم ضرور وسیع بنانے پر قدرت رکھتے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لَمُوْسِعُوْنَ کی تفسیر کی ہے: ہم ضرور اپنی تخلیق کے لیے وسعت والے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر منقول ہے: ہم ضرور قدرت والے ہیں اور ان سے اس کی تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ وہ ضرور اپنے

مخلوق کو وسعت سے رزق دینے والے ہیں اور حسن بصری سے منقول ہے کہ ہم طاقت رکھنے والے ہیں۔

اسی طرح اس آیت کا معنی ہے:

وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ۔ (البقرہ: ۲۳۶) اور تم (مطلقہ عورتوں کو) استعمال کی کوئی چیز دو، خوشحال پر اس کی طاقت کے مطابق دینا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لموسعون کا معنی ہے: وسعت والے اور قدرت والے۔

زَوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى۔ الزوجین: یعنی مذکر اور مونث۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الذاریٰت: ۴۹) اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے جوڑے بنائے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو○

علامہ عینی لکھتے ہیں: الزوجین سے مراد ہے: تمام حیوانات سے مذکر اور مونث جوڑے بنائے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے زوجین سے مراد ہے: دو مختلف قسمیں، جیسے آسمان اور زمین، سورج اور چاند، رات اور دن، صحراء اور سمندر، سردی اور گرمی، انسان اور جن، کفر اور ایمان، بدبختی اور نیک بختی، حق اور باطل، مذکر اور مونث اور دنیا اور آخرت۔

وَاخْتِلَافُ الْاَلْوَانِ حُلْوٌ وَّحَامِضٌ فَهُمَا زَوْجَانِ اور رنگوں کا اختلاف میٹھا اور کھٹا، سو یہ بھی زوجین ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الروم: ۲۱) اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم کو ان سے سکون حاصل ہو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی۔ بے شک اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اور اس کی من جملہ نشانیوں میں سے بنو آدم کے رنگوں کا اختلاف ہے اس لیے کہ اگر وہ سب ایک نوع اور ایک شکل کے ہوتے تو ان میں تجاہل اور التباس ہوتا اور ان کی الگ الگ شناخت نہ ہوتی اور بہت سی مصلحتیں معطل ہو جاتیں، اور اسی طرح ہر چیز میں رنگوں کا اختلاف ہے اور اسی طرح کھانے کی چیزوں کے ذائقوں اور پھلوں کے رنگوں کا اختلاف ہے یعنی بعض میٹھے ہیں اور بعض کھٹے ہیں اور ان پر زوجین کا اطلاق کیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنی ضد کے اعتبار سے دوسرے کا مقابل ہے جیسے مذکر اور مونث ہیں کیونکہ مذکر ذکورت میں مونث کے مقابل ہے اور وہ تانیث کی ضد ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شارح نے اس مقام کو اتنی وضاحت سے لکھا ہو، ہر چند کہ یہ آیت سورۂ روم کی ہے لیکن امام بخاری نے زوجین کی مناسبت سے اس کو یہاں پر ذکر کر دیا ہے۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَعْنَاهُ مِنَ اللّٰهِ اِلَيْهِ۔ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ: اس کا معنی ہے: اللہ کے غضب اور عذاب سے بچنے کے لیے اللہ ہی کی طرف بھاگو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (الذاریٰت: ۵۰) پس تم اللہ کی طرف بھاگو، میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا

کھلا (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: اللہ سے اسی کی طرف یعنی معصیت سے اس کی اطاعت کی طرف اور اس کے عذاب سے اس کی رحمت کی طرف، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: اللہ کے عذاب سے ایمان کے ساتھ اس کے ثواب کی طرف بھاگو اور ابوبکر الوراق سے منقول ہے: شیطان کی اطاعت سے رحمٰن کی اطاعت کی طرف۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا خَلَقْتُ أَهْلَ السَّعَادَةِ مِنْ أَهْلِ الْفَرِيقَيْنِ إِلَّا لِيُوَحِّدُونِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ خَلَقَهُمْ لِيَفْعَلُوا فَفَعَلَ بَعْضٌ وَتَرَكَ بَعْضٌ وَلَيْسَ فِيهِ حُجَّةٌ لِأَهْلِ الْقَدَرِ۔

الا لیعبدون: یعنی میں نے دو فریقوں میں سے اہل سعادت کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری واحدانیت کو مانیں اور بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب کو توحید کے لیے پیدا کیا ہے۔ پس بعض نے اللہ کو واحد مانا اور بعض نے اس کو ترک کر دیا اور اس آیت میں قدریہ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (الذاریٰت:۵٦)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں O

الذاریٰت:۵٦ پر اشکال کے امام بخاری کی طرف سے دو جوابوں کی وضاحت

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ میں نے ان دو فریقوں یعنی جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے واحد مانیں لیکن امام بخاری نے یہ تفسیر کی ہے کہ میں نے ان دو فریقوں میں سے اہل سعادت کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے واحد مانیں اور ان دو فریقوں میں سے اہل سعادت کو اس لیے مخصوص کیا ہے تا کہ علت اور معلول کے درمیان ملازمہ ظاہر ہو، پس اگر اس آیت کو ظاہر پر محمول کیا جاتا تو علت اور معلول کے درمیان منافات ہوتی اور اسی وجہ سے الضحاک اور سفیان نے کہا ہے کہ یہ آیت اہل عبادت اور اطاعت کے ساتھ خاص ہے اور اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ یعنی میں نے مومنین میں سے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے۔۔۔۔

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں نے ان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ میں ان کو اپنی عبادت کا حکم دوں اور ان کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دوں اور الزجاج نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔ (البینۃ:۵)

اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ پھر جن اور انس نے کفر کیسے کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ربوبیت کے اقرار اور اپنے حکم اور اپنی مشیت کے سامنے ذلت کے ساتھ جھکنے کے لیے پیدا کیا ہے تو میں کہوں گا: وہ اللہ کی اس قضا کے سامنے ذلت کے ساتھ جھک گئے جو اس نے ان کے خلاف قضا کی تھی کیونکہ اللہ کی قضا ان پر جاری ہے اور جب اس کی قضا ان پر نازل ہو تو وہ ان سے انحراف کی طاقت نہیں رکھتے اور جنہوں نے کفر کیا انہوں نے عمل میں اس کے حکم کی مخالفت کی اور اس کی قضا سے تذلل کرنا ممتنع نہیں ہے۔

امام بخاری نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے سب کو توحید کے اعتراف اور اقرار کے لیے پیدا کیا ہے، پس بعض نے توحید کا اقرار کیا

اور بعض نے ترک کر دیا، یہ الفراء کا قول ہے، پس اگر تم سوال کرو، ان دو تاویلوں میں کیا فرق ہے تو میں کہوں گا: پہلی تاویل میں لفظ عام سے خصوص کا ارادہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جن اور انس میں سے اہل سعادت مراد ہیں اور دوسری تاویل میں یہ لفظ اپنے عموم پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اور انس کو پیدا کیا تا کہ وہ اس کو واحد مانیں لیکن ان میں سے بعض نے اس حکم کی اطاعت کی اور ان میں سے بعض نے نافرمانی کی اور خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جبلت اور فطرت میں عبادت کی تخلیق نہیں کی بلکہ ان کو اختیار دے کر عبادت کا مکلف کیا ہے، پس جس کو اس نے توفیق دی اس نے عبادت کو قائم کیا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا تھا اور جس کو اس نے ناکام اور نامراد کیا اور دھتکار دیا اس کو اس نے عبادت سے محروم کر دیا اور اس نے وہ عمل کیا جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم عمل کرو ہر ایک لیے وہی عمل آسان کیا گیا ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، اور نفس الامر میں یہ ایک راز ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ اللہ سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے اور ان سب سے باز پرس کی جائے گی O (الانبیاء: ۲۳)

امام بخاری نے کہا: اور اس آیت میں قدریہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، قدریہ سے مراد المعتزلہ ہیں، انہوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ صرف خیر کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور رہا شر تو اس کی تخلیق کے ساتھ اللہ کا ارادہ نہیں ہوتا اور اہل سنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے: کوئی چیز دوسری چیز کے لیے علت ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ علت مراد بھی ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا غیر مراد ہو۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے افعال کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی کوئی علت ہو، تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کسی چیز کی علت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ علت کا ہونا واجب ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی کام کی علت کا ہونا جائز ہے، معتزلہ نے کہا: بندوں کے افعال ان کے پیدا کیے ہوئے ہیں کیونکہ بندوں کے افعال کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ معتزلہ کی اس میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ بندوں کے افعال کی ان کی طرف نسبت بہ طور کسب ہے بہ طور تخلیق نہیں ہے اور اس وجہ سے کہ بندہ ان افعال کا محل ہے۔

امام بخاری کے جوابوں کا خلاصہ اور معتزلہ کے رد کی وضاحت

میں کہتا ہوں: کہ خلاصہ یہ ہے کہ الذٰریٰت: ۵۶ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب انسانوں اور جنات کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بہت سے جن اور انسان عبادت نہیں کرتے۔ امام بخاری نے الفراء سے اس کے دو جواب نقل کیے ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ہر چند کہ لفظ عام ہے لیکن اس سے مراد خاص اہل سعادت ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو پیدا کیا تو ان میں عبادت کی استعداد اور صلاحیت رکھی لیکن کوئی اس صلاحیت کو استعمال کر کے اللہ کی عبادت کرتا ہے اور کوئی ایسی صلاحیت سے انکار اور انحراف کر کے عبادت کو ترک کر دیتا ہے۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ صرف خیر سے متعلق ہوتا ہے اور شر سے اس کا ارادہ متعلق نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خیر کے ساتھ اللہ کے ارادہ کا تعلق ہے اور شر کے ساتھ اس کے ارادے کا ذکر نہیں ہے، نیز معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ انسانوں اور جنات کو پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، یہ اس کی غرض نہیں ہے، غرض وہ ہوتی ہے جس سے

فاعل اپنے فعل کی تکمیل کا تقاضا کرتا ہے۔

اور معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے کیونکہ افعال کی نسبت انسان کی طرف کی جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انسان کے افعال کی جو اس کی طرف نسبت ہے وہ بہ طور کسب ہے بہ طور خلق نہیں ہے، علامہ عینی نے ایک جامع جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے اور انسان سے اس کے ہر فعل سے متعلق سوال کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے اور انسان مخلوق اور مملوک ہے۔

وَالذَّنُوبُ الدَّلْوُ الْعَظِيمُ وَقَالَ مُجَاهِدٌ ذَنُوبًا سَبِيلًا۔ اور الذنوب کا معنی ہے: بہت بڑا ڈول، اور مجاہد نے کہا: ذنوب کا معنی ہے: سجل یعنی پانی سے بھرا ڈول۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۞ (الذاریٰت: ۵۹) پس بے شک ظالموں کے لیے (عذاب کا ایسا) حصہ ہے جیسے (عذاب کا) حصہ ان کے اصحاب کا ہے، سو وہ (عذاب کی) جلدی نہ کریں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: ذنوب کی تفسیر بہت بڑا ڈول اور سجل کی تفسیر پانی سے بھرا ہوا ڈول، یہ تفسیر لغت کے اعتبار سے ہے، اور النخعی سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے: حصہ، اور قتادہ اور عطاء سے منقول ہے: اس کا معنی ہے: عذاب اور الکسائی سے منقول ہے: اس کا معنی ہے خطا، اور الاخفش سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے: نصیب یعنی حصہ۔

صَرَّةٍ صَيْحَةٍ۔ صَرَّةٍ: کا معنی ہے: چیخ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا۔ (الذاریٰت: ۵۹) پھر ان کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اپنے چہرے پر ہاتھ مارا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے صَرَّةٍ کا معنی چیخ کیا ہے، مجاہد سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

الْعَقِيمُ الَّتِي لَا تَلِدُ وَلَا تُلْقِحُ شَيْئًا۔ العقیم: اس کا معنی ہے: عورت جس کی اولاد نہ ہو اور اس سے کچھ بھی پیدا نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۞ (الذاریٰت: ۲۹) اس نے کہا: (میں تو) بڑھیا (اور) بانجھ ہوں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ عورت حضرت سارہ تھیں، ان کی اس سے پہلے اولاد نہیں ہوتی تھی اور ان کی اس وقت عمر ننانوے (۹۹) سال تھی اور حضرت ابراہیم صلوٰۃ اللہ علیہ کی عمر اس وقت سو (۱۰۰) سال تھی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْحُبُكُ اسْتِوَاؤُهَا وَحُسْنُهَا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا والحبک کا معنی ہے: آسمانوں کا برابر ہونا اور اس کا حسن۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۞ (الذاریٰت: ۷) اور راستوں والے آسمان کی قسم O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الحبك کی تفسیر آسمانوں کے برابر ہونے اور ان کے حسن کے ساتھ کی ہے، اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ اور ربیع سے روایت کی ہے، اس کا معنی ہے: جس کے اخلاق اچھے اور برابر ہوں اور عکرمہ نے کہا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی کپڑا بننے والا عمدہ طریقہ سے کپڑا بنے تو کہا جاتا ہے: مَا اَحْسَنَ حُبُكَهٗ یعنی اس کی بنائی کتنی حسین ہے اور حسن بصری سے منقول ہے: حبکت بالنجوم یعنی آسمان ستاروں سے حسین ہے، اور سعید بن جبیر سے منقول ہے: آسمان زینت والے ہیں اور ضحاک سے منقول ہے: آسمانوں میں راستے ہیں لیکن وہ مخلوق کی رسائی سے دور ہیں، سو وہ ان کو نہیں دیکھتے۔

فِیْ غَمْرَةٍ فِیْ ضَلَالَتِهِمْ یَتَمَادَوْنَ۔ فِیْ غَمْرَةٍ: اس کا معنی ہے وہ اپنی گمراہی میں بڑھتے جا رہے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝ اٹکل پچو سے باتیں کرنے والے ہلاک کر دیئے جائیں O جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں O (الذاریٰت: ۱۰، ۱۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے غَمْرَةٍ کا معنی گمراہی کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ غمرۃ کا معنی شبہ اور غفلت ہے اور سَاهُوْنَ کا معنی ہے: بھولنے والے۔

وَقَالَ غَیْرُهٗ تَوَاصَوْا تَوَاطَئُوْا۔ اور دوسروں نے کہا: تواصوا کا معنی ہے: وہ ان کی موافقت کرنے لگے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ کیا انہوں نے ایک دوسرے کو اس قول کی وصیت کی تھی؟ (نہیں) بلکہ وہ سرکش لوگ تھے O (الذاریٰت: ۵۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تواصوا کی تفسیر کی ہے: وہ ان کی موافقت کرنے لگے اور وہ ایک دوسرے کے موافق بات کہنے لگے، علامہ الثعلبی نے کہا ہے: انہوں نے ایک دوسرے کی تکذیب کی وصیت کی ہے یعنی اللہ اور رسول کو جھٹلانے کی اور اتواصوا میں استفہام زجر و توبیخ اور جھڑکنے کے لیے ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسروں نے کی ہے۔

وَقَالَ مُسَوَّمَةً مُعَلَّمَةً مِنَ السِّیْمَا۔ مُسَوَّمَةً: کا معنی ہے: نشان زدہ، یہ لفظ السِّیْمَا سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِنُرْسِلَ عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِیْنَ ۝ (الذاریٰت: ۳۳، ۳۴) تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں O جو آپ کے رب کے نزدیک حد سے بڑھنے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: مُسَوَّمَةً کا لفظ سِیْمَا سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی علامت ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ لُعِنَ قُتِلَ الْاِنْسَانُ: اس کا معنی ہے: انسان پر لعنت کی گئی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ۝ (عبس: ۱۷) (کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے O

میں کہتا ہوں کہ یہ آیت سورۃ الذاریٰت میں نہیں ہے بلکہ سورۂ عبس میں ہے۔ امام بخاری نے اس آیت کو یہاں قتل

الخراصون کی مناسبت سے ذکر کر دیا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: الخراصون سے مراد ہے: شک کرنے والے اور مجاہد سے منقول ہے: یہ کاہن ہیں۔

امام بخاری نے اس سورت میں کوئی حدیث مرفوع ذکر نہیں کی اور ظاہر یہ ہے کہ ان کو اپنی شرط کے موافق کوئی حدیث نہیں ملی۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۷۶۔۲۷۲ میں کی ہے]

الحمدللہ رب العالمین سورۃ الذاریٰت کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ والطور میں امام بخاری کی ذکر کردہ تعلیقات اور احادیث کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۲۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ وَالطُّوۡرِ

سورۂ والطور کی تفسیر

سورۂ والطور کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الطور کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں سورۂ والطور مذکور ہے اور ابو العباس نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے، اور الکلبی نے ذکر کیا ہے کہ اس میں ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے: وَاِنَّ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِکَ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَھُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ (الطور: ۴۷) ان کا زعم ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو بدر میں قتل کیے گئے تھے اس سورت میں انچاس (۴۹) آیات ہیں۔

علامہ الثعلبی نے کہا ہے: ہر پہاڑ طور ہے لیکن اللہ عزوجل نے یہاں پر طور سے اس پہاڑ کا ارادہ فرمایا ہے جس پہاڑ پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، یہ پہاڑ ارض مقدسہ میں ہے اور وہ مدین میں ہے اور اس کا نام زبیر ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا ہے: یہ دو طور ہیں، ان میں سے ایک کو طور زیتا کہا جاتا ہے اور دوسرے کو طور تینا کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں پہاڑوں پر زیتون اور تین یعنی انجیر کی پیدائش ہوتی ہے اور جب کفار مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے طور کی قسم کھائی، نبطیوں کی لغت میں طور کا معنی وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ علامہ ابن الجوزی نے کہا: یہ طور سیناء ہے اور علامہ ابو عبد اللہ الحموی نے اپنی کتاب المشترک میں لکھا ہے کہ طور زیتا اسم مقصور ہے اور یہ راس عین میں ایک پہاڑ کا نام ہے اور طور زیتا بھی بیت المقدس میں ایک پہاڑ ہے اور آثار میں مذکور ہے کہ طور زیتا میں ستر (۷۰) ہزار نبی فوت ہوئے جن کی بھوک سے وفات ہوئی تھی اور یہ وادی سلوان کی مشرقی جانب میں ہے اور طور بھی ایک معین پہاڑ کا نام ہے جو اردن کے شہر طبریہ میں ہے، اور طور بھی ایک پہاڑ ہے جو سرزمین مصر کی چند بستیوں میں ہے، جو کہ مصر اور فاران کے پہاڑ کے درمیان میں ہے اور طور سیناء کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ایلہ کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ شام میں ہے اور طور ہارون علیہ السلام ایک پہاڑ کا نام ہے جو بیت المقدس سے پہلے ہے اور اس میں حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۷۷۔۲۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

وَقَالَ قَتَادَۃُ مَسۡطُوۡرٍ مَکۡتُوۡبٍ۔ اور قتادہ نے کہا: مَّسۡطُوۡرٍ: کا معنی ہے: مکتوب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَکِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۝ (الطور: ۲) اور اس کتاب کی قسم جو لکھی ہوئی ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کو کتاب خلق الافعال میں از قتادہ روایت کیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الطُّوۡرُ الۡجَبَلُ بِالسُّرۡیَانِیَّۃِ۔ اور مجاہد نے کہا: الطور سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کو ابن ابی نجیح نے مجاہد سے کتاب المحکم میں روایت کیا ہے کہ طور پہاڑ ہے اور اس کا غالب اطلاق طور سیناء پر ہے جو شام میں نہیں ہے اور یہ سریانی زبان میں طور ہے اور اس کی طرف نسبت طوری اور طورانی ہے۔

رَقٍّ مَّنْشُورٍ صَحِيفَةٍ۔ رَقٍّ مَّنْشُورٍ: اس کا معنی ہے: صحیفہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ (الطور: ۳) جو باریک کھال کے کھلے ہوئے ورق میں ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے: الرق کا معنی ہے: جلد، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے لوح محفوظ مراد ہے اور کلبی سے منقول ہے کہ یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے لکھا تھا، اس میں تورات ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی آواز سنتے تھے اور جب بھی قلم ایک جانب سے گزرتا تو وہ اس کو دوسری جانب موڑ دیتے، ان کے پاس ایک کتاب تھی جس کے دو رخ تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں کراما کاتبین کے وہ صحیفے تھے جن میں بنو آدم کے اعمال لکھے ہوئے ہیں، ایک اور قول یہ ہے کہ یہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے قلوب میں ایمان کو لکھ دیا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ (المجادلہ: ۲۲) یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ سَمَاءٌ۔ والسقف المرفوع: اور بلند کی ہوئی چھت یعنی آسمان۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کتاب بدء الخلق میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو چھت فرمایا کیونکہ آسمان زمین کے لیے اس طرح ہے جس طرح گھر کے لیے چھت ہوتی ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۔ (الانبیاء: ۳۲) اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ (الطور: ۵) اور بلند چھت کی قسم ۝

الْمَسْجُوْرِ الْمُوْقَدِ۔ المسجور کا معنی ہے: بھڑکایا ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ (الطور: ۶) اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی قسم ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام طبری نے ابن ابی نجیح کی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے کہ مسجور کا معنی ہے: الموقد یعنی بھڑکایا ہوا، اور امام طبری نے قتادہ کی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ مسجور کا معنی ہے: بھرا ہوا، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے والبحر المسجور کی تفسیر کی ہے کہ وہ عرش کے نیچے ایک کھارے پانی کا سمندر ہے جو سات آسمانوں سے لے کر سات زمینوں تک بڑا ہے، اس کو بحر الحیوان کہا جاتا ہے، پہلی بار صور میں پھونکنے کے بعد اس سے چالیس (۴۰) روز تک بندوں پر بارش ہوگی تو وہ اپنی قبروں میں اگنے لگیں گے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ تُسْجَرُ حَتّٰى يَذْهَبَ مَاؤُهَا فَلَا يَبْقٰى فِيهَا قَطْرَةٌ۔ اور حسن بصری نے کہا کہ سمندر کو اتنا بھڑکایا جائے گا حتیٰ کہ اس کا تمام پانی ختم ہو جائے گا، پس اس میں قطرہ بھی باقی نہیں بچے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی امام طبری نے قتادہ سے روایت کی ہے، درج ذیل آیت کی تفسیر میں:

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ (التکویر:٦) اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے O

وَقَالَ مُجَاهِدٌ أَلَتْنَاهُمْ نَقَصْنَا۔ اور مجاہد نے کہا: أَلَتْنٰهُمْ کا معنی ہے: ہم نے ان میں کوئی کمی نہیں کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَآ أَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔ (الطور:٢١) اور ہم ایمان والوں کے عمل سے کوئی کمی نہیں کریں گے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: وَمَآ أَلَتْنٰهُمْ کا معنی ہے: ہم نے ان میں کوئی کمی نہیں کی ہے، یہ لفظ اَلَتٌ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی نقصان اور کمی ہے، علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ مومن کے بچوں کو اس کے درجوں میں بلند فرمائے گا اگر چہ وہ بچے عمل میں اس مومن سے کم ہوں گے تا کہ ان بچوں کی وجہ سے اس مومن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ۔ (الطور:٢١) اور ایمان والوں کو اور ان کی اس اولاد کو جس نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اس اولاد کو بھی اس کے ساتھ ملا دیں گے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ تَمُوْرُ تَدُوْرُ۔ اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: تَمُوْرُ کا معنی ہے: گھومے گا، گردش کرے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝ (الطور:٩) جس دن آسمان بہت کانپ رہا ہوگا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے کہ آسمان اس طرح گھومے گا جس طرح چکی گھومتی ہے اور مور کا لغوی معنی ہے مضطرب ہونا۔

أَحْلَامُهُمُ الْعُقُوْلُ۔ أَحْلَامُهُمْ: کا معنی ہے: عقول۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ (الطور:٣٢) آیا ان کی عقلیں یہ حکم دے رہی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اسی طرح امام طبری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے احلامھم، حلم کی جمع ہے اور اس کا معنی عقل ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْبَرُّ اللَّطِيْفُ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَلْبَرُّ کا معنی ہے: لطیف اور مہربان۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۝ (الطور:٢٨) بے شک وہ بہت احسان فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اَلْبَرُّ کی تفسیر لطیف اور مہربان کی ہے، ابوذر کی روایت میں یہ تعلیق نہیں ہے۔

كِسْفًا قِطَعًا۔ كِسْفًا: کا معنی ہے: ٹکڑا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝ (الطور: ۴۴)

اور اگر وہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو وہ کہیں گے: یہ تو اوپر تلے بادل ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کسفا کی تفسیر قطعا کے ساتھ کی ہے، یہ قطعۃ کی جمع ہے جس کا معنی ٹکڑا ہے، امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ کِسَفٌ، کِسْفَةٌ کی جمع ہے جیسے سدر، سِدْرَةٌ کی جمع ہے، رہا یہ سوال کہ جمع مکسر کی صفت تو مونث لائی جاتی ہے اور اس آیت میں اس کی صفت ساقط ہے جو مذکر کا صیغہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکر کا صیغہ لفظی اعتبار سے لایا گیا ہے کیونکہ لفظی اعتبار سے کِسْفا واحد مذکر ہے۔

اَلْمَنُوْنُ الْمَوْتُ۔

المنون: کا معنی ہے: الموت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ۝ (الطور: ۳۰)

یا وہ (کفار) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم ان پر مصائب زمانہ (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے المنون کی تفسیر موت کی ہے، اسی طرح امام طبری نے اس کی تفسیر کی ہے۔

وَقَالَ غَیْرُهٗ یَتَنَازَعُوْنَ یَتَعَاطَوْنَ۔

اور حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: یَتَنَازَعُوْنَ: کا معنی ہے: وہ ایک دوسرے سے (مذاق میں) چھینیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ ۝ (الطور: ۲۳)

وہ جنت میں شراب کے جام کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہوں گے، جس میں نہ کوئی بے ہودگی ہوگی اور نہ گناہ O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یَتَنَازَعُوْنَ کی تفسیر ایک دوسرے پر جھپٹ کر لینے کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے، كَاْسًا کا معنی ہے: وہ برتن جس میں شراب ہو، لَا لَغْوٌ فِیْهَا کا معنی ہے: اس میں کوئی باطل اور فضول بات نہیں ہوگی اور ابن زید سے منقول ہے کہ اس میں کوئی گالی گلوچ اور جھگڑا نہیں ہوگا اور عطاء سے منقول ہے کہ اس میں کوئی لغو بات نہیں ہوگی، وہ جنت عدن کی مجلس میں ہوں گے اور فرشتے ان کو شراب طہور پلا رہے ہوں گے اور وہ اللہ کا ذکر کر کے پئیں گے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۷۹۔۲۷۷ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ

باب

۴۸۵۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَیْنَبَ بِنْتِ أَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنِّیْ أَشْتَكِیْ فَقَالَ طُوْفِیْ مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یُصَلِّیْ إِلٰی جَنْبِ الْبَیْتِ یَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے خبر دی از محمد بن عبد الرحمن بن نوفل از عروہ از زینب بنت ابی سلمہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے پیچھے سے طواف کرو اس حال میں کہ تم سوار ہو، پس میں نے طواف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پہلو میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ قرأت کر رہے

تھے: وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۴ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۵۴۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثُونِي عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ فَلَمَّا بَلَغَ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۗ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۗ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۙ﴾ (الطور: ۳۵۔۳۷) قَالَ كَادَ قَلْبِي أَنْ يَطِيرَ قَالَ سُفْيَانُ فَأَمَّا أَنَا فَإِنَّمَا سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ وَلَمْ أَسْمَعْهُ زَادَ الَّذِي قَالُوا لِي۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا مجھے انہوں نے حدیث بیان کی از الزہری از محمد بن جبیر بن مطعم از والد خود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا نبی ﷺ مغرب کی نماز میں سورہ الطور کی قراءت کر رہے تھے، جب آپ اس آیت پر پہنچے: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۗ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۗ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۙ (الطور: ۳۵۔۳۷) (کیا وہ بغیر کسی سبب کے پیدا ہو گئے یا وہ خود خالق ہیں ○ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے، بلکہ وہ یقین نہیں کرتے ○ کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا وہی (ان پر) حاکم ہیں ○) تو میرا دل اڑنے لگا۔ سفیان نے کہا: لیکن میں نے زہری سے سنا ہے، وہ محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں از والد خود، انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ مغرب میں سورۂ طور کی قراءت کر رہے تھے، (سفیان نے کہا:) میرے اصحاب نے اس کے بعد جو اضافہ کیا ہے وہ میں نے زہری سے نہیں سنا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۶۵ میں گزر چکی ہے۔

الطور: ۳۵۔۳۷ کی تفسیر

علامہ عینی نے الطور ۳۷۔۳۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سورت میں اَمْ کا لفظ پندرہ (۱۵) جگہ مسلسل اور ایک دوسرے کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ (الطور: ۳۵) اس کا معنی ہے: یا ان کو بغیر مٹی کے پیدا کیا گیا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے، دوسرا قول ہے: یا ان کو بغیر باپ اور ماں کے پیدا کیا گیا ہے اور وہ جمادات کی مثل ہیں، انہیں کوئی عقل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے خلاف کوئی حجت قائم نہیں کرے گا، کیا وہ نطفہ سے پیدا نہیں کیے گئے ہیں، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی بوٹی سے؟ یہ عطاء کا قول ہے اور ابن کیسان نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: کیا ان کو عبث اور بے مقصد پیدا کیا گیا ہے اور ان کو یوں ہی چھوڑ دیا گیا ہے، انہیں کسی کام کا حکم دیا جائے گا اور نہ کسی کام سے منع کیا جائے گا یا وہ خود اپنے خالق ہیں؟ پس جب یہ دونوں صورتیں باطل ہو گئیں تو ان کے خلاف حجت قائم ہو گی کہ ان کا خالق ہے۔

أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ (الطور: ۳۶) اس کی تفسیر یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کا یہ دعویٰ درست ہو کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے تو پھر ان کو یہ دعویٰ بھی کرنا چاہیے کہ انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ان کا یہ دعویٰ تو ممکن نہیں ہے تو ان کے خلاف حجت قائم ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض کر کے فرمایا: بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ (بلکہ وہ یقین نہیں کرتے) اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے کا سبب یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں ہے اور یقین محض اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اور اس کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ (الطور: ۳۷) (یا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں؟) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خزانوں سے مراد بارش اور رزق ہے اور عکرمہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے اور ایک قول ہے کہ اس سے مراد مستقبل کا علم ہے۔

أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝ یعنی کیا وہ جبر کرنے والے ہیں اور مسلط ہونے والے ہیں، یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور عطاء سے منقول ہے: کیا وہ قہر کرنے والے رب ہیں۔

حضرت جبیر بن مطعم نے کہا: قریب تھا کہ میرا دل اڑنے لگے، علامہ خطابی نے کہا: اس آیت کے سننے اور اس کے معنی کی معرفت کے حسن سے جس میں بہت بلیغ حجت ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۂ والطور کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ سورۂ والنجم کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۳۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ وَالنَّجْمِ

سورۂ والنجم کی تفسیر

سورۂ والنجم کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ النجم کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے، مقاتل نے کہا: سوا اس آیت کے جو نبہان نامی کھجور فروش کے متعلق نازل ہوئی اور وہ یہ آیت ہے: اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ (النجم: ۳۲)، مقاتل نے اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا رد کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور علامہ سخاوی نے کہا: یہ سورت سورۂ اخلاص کے بعد اور سورۂ عبس سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں باسٹھ (۶۲) آیات ہیں۔

والنجم میں واؤ قسم کے لیے ہے، اور النجم سے مراد ہے: ثریا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور عرب ثریا کو النجم کہتے ہیں، اور ستارے کو بھی النجم کہتے ہیں کیونکہ وہ طلوع ہوتا ہے اور ہر طلوع ہونے والا نجم ہے، فرمایا: اِذَا هَوٰى: یعنی جب وہ غائب ہو جائے اور ساقط ہو جائے: مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ: یہ قسم کا جواب ہے اور صاحب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۲۸۱۔ ۲۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے: اصل میں طلوع ہونے والے ستارے کو نجم کہتے ہیں، اس کی جمع نجوم ہے اور عرب ثریا کو بھی نجم کہتے ہیں۔ (المفردات ج۲ ص۶۲۵) النجم سے ثریا کو مراد لینا اس لیے مناسب ہے کہ یہ آسمان کے ستاروں میں سب سے زیادہ روشن اور سب سے زیادہ واضح ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت معجزات اور دلائل کے اعتبار سے نبیوں میں سب سے زیادہ روشن اور واضح ہیں، نیز خریف کے اواخر میں جب عشاء کے وقت ثریا کا ظہور ہوتا ہے تو زمین سے پھلوں کی آفت دور ہو جاتی ہے اور پھل پک جاتے ہیں، اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو دلوں کی بیماریاں دور ہو گئیں اور ایمان اور عرفان کے پھل پک کر تیار ہو گئے، اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے النجم کی قسم کھائی جس کا معنی ثریا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا: مَا ضَلَّ یعنی آپ نے کبھی راہ راست کو ترک نہیں کیا پھر فرمایا ''وَمَا غَوٰى'' یعنی آپ کبھی راہ راست کے خلاف نہیں چلے، خلوت میں نہ ہی جلوت میں، ایام طفولیت میں اور نہ ہی ایام شباب میں۔

(انوار تبیان القرآن ص۸۳۹، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ذُوْ مِرَّةٍ ذُوْ قُوَّةٍ۔ اور مجاہد نے کہا: ذو مرۃ، کا معنی ہے: ذو قُوَّةٍ یعنی طاقت والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝ (النجم: ۶) بہت زبردست نے، پھر اللہ نے استواء فرمایا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے اس کی تفسیر کی ہے: زبردست قوت والے نے اور وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں، حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا: عمدہ اخلاق والے نے، امام ابوعبیدہ نے اس کی تفسیر میں کہا: بہت طاقت والے نے، اور کلبی سے منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طاقت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو سیاہ پانی سے اکھاڑا اور ان بستیوں کو اپنے ایک پر کے اوپر رکھ لیا، پھر وہ ان بستیوں کو بلند کر کے آسمان کی طرف لے گئے، پھر وہاں سے ان کو اٹھا کر زمین پر پلٹ دیا، مرۃ کا لفظ اَمْرَرْتُ الحبلَ سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس کی بنائی مضبوط ہو جائے۔ فاستوی کا معنی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معراج کی شب میں افق اعلیٰ پر پہنچے اور یہ دنیا کا آخری حصہ ہے جب سورج آسمان پر طلوع ہوتا ہے۔

قَابَ قَوْسَيْنِ حَيْثُ الْوَتَرُ مِنَ الْقَوْسِ۔ قَابَ قَوْسَيْنِ: یعنی جس طرح قوس کا وتر ہوتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابوعبیدہ سے منقول ہے: جتنی دو کمانوں کی مقدار ہوتی ہے یا اس سے بھی کم یعنی آپ اللہ کے اتنے قریب ہوئے جتنی دو کمانوں کی مقدار ہوتی ہے یا اس سے بھی کم، اور ضحاک سے منقول ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے، پھر سجدے میں گر گئے تو آپ کا اس سے اتنا فاصلہ تھا "جتنا دو کمانوں میں ہوتا ہے یا اس سے بھی کم"، دوسرا قول یہ ہے کہ "اَوْ اَدْنٰى" کا معنی ہے: آپ اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرش کی ساق سے قریب ہوئے "فَتَدَلّٰى" حتیٰ کہ پردوں کے پار چلے گئے، وہاں کوئی مکان نہیں تھا لیکن آپ اللہ عزوجل کے اذن سے قائم تھے اور یہ اس طرح ہے، جیسے کوئی شخص کسی چیز کے ساتھ لٹکا ہوا ہو اور اس کے قدم مکان پر نہ ہوں اور قاب، قاد اور قید کا معنی ہے: کسی چیز کی مقدار اور کمان کے پکڑنے کی جگہ کو قاب کہتے ہیں، الواحدی نے کہا: یہ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ قوس سے مراد کمان ہے جس سے تیر پھینکے جاتے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ذراع (ایک ہاتھ کی مقدار) ہے کیونکہ اس سے کسی چیز کو قیاس کیا جاتا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کی امام ابن مردویہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: آپ نے فرمایا کہ القاب مقدار ہے اور قوسین دو ذراع ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قَابَ قَوْسَيْنِ میں قلب ہے یعنی الٹی اضافت ہے: یہ اصل میں قَابَیْ قَوْسٍ ہے یعنی ایک کمان کی دو قابیں، کمان کے نصف دائرہ کے دوسرے یعنی جس طرح کمان کی دو قابیں ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں اس طرح اللہ اور رسول ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔

ضِيزَى عَوْجَاءُ۔ ضِیْزٰی: اس کا معنی ہے: ٹیڑھی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (النجم: ۲۲) پھر تو یہ بڑی ظالمانہ تقسیم ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ضِیْزٰی کی تفسیر عوجاء کی ہے یعنی ٹیڑھی، یہ تفسیر مقاتل سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا کہ تم نے اپنے رب کے لیے مونث کو ثابت کیا ہے جس کو تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو، سو یہ بہت ظالمانہ تقسیم ہے اور ابن سیرین سے منقول ہے کہ یہ ناہموار تقسیم ہے کہ تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہوں، اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔

وَاَكْدٰى قَطَعَ عَطَاءَهُ۔ واکدی: کا معنی ہے: اس نے اپنی عطا کو منقطع کر دیا یعنی دینا بند کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَأَعْطٰى قَلِيلًا وَّأَكْدٰى ﴿۳۴﴾ کیا پھر آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے پیٹھ پھیری O اور تھوڑا سا مال دیا اور روک دیا O (النجم: ۳۴-۳۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اکدی کی تفسیر کی ہے: اس نے اپنی عطاء کو منقطع کر دیا، یہ آیت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، مقاتل نے کہا: یعنی ولید نے تھوڑا سا کلمہ خیر کہا، پھر اس کو منقطع کر دیا اور پورا نہیں کیا، اکدی الکدیہ سے ماخوذ ہے جب کوئی شخص بخل کرے تو کہا جاتا ہے: کدیت اصابعہ۔

رَبُّ الشِّعْرٰى هُوَ مِرْزَمُ الْجَوْزَاءِ۔ رَبُّ الشِّعْرٰى: اور وہ مرزم الجوزاء ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ (النجم: ۴۹) اور یہ کہ شعریٰ (ستارے) کا وہی رب ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا کہ شعریٰ کا معنی مرزم الجوزاء ہے اور یہ وہ ستارہ ہے جو الجوزاء ستارے کے بعد طلوع ہوتا ہے اور یہ دونوں ستارے شعریٰ ہیں، پہلا ستارہ برج اسد میں ہے اور دوسرا ستارہ برج جوزاء میں ہے، ان دو ستاروں کو الغیصاء اور العبور بھی کہا جاتا ہے اور قبیلہ خزاعہ الشعریٰ اور العبور کی پرستش کرتے تھے۔

الَّذِي وَفّٰى وَفّٰى مَا فُرِضَ عَلَيْهِ۔ الَّذِي وَفّٰى: اس کا معنی ہے: جو ان پر فرض تھا اس کو پورا کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِبْرٰهِيمَ الَّذِي وَفّٰى ﴿۳۷﴾ (النجم: ۳۷) اور جو ابراہیم کے صحائف میں ہے اس کو انہوں نے پورا کر دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الَّذِي وَفّٰى کی تفسیر کی ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو حکم فرض کیا گیا تھا اس کو انہوں نے پورا کر دیا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ سے منقول ہے کہ اوفی کا معنی ہے: ادا کر دیا، زجاج سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو امتحان لیا گیا تھا اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں اس امتحان میں وہ کامیاب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔

أَزِفَتِ الْآزِفَةُ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ ازفت الازفة: اس کا معنی ہے: قیامت قریب آ گئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ قریب آنے والی ساعت قریب آ چکی ہے O اللہ کے سوا (وقت معین پر) اسے کوئی دکھانے والا نہیں O (النجم: ۵۸-۵۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ازفت الازفة کی تفسیر کی ہے: قیامت قریب آ چکی ہے، مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے، کاشفة کا معنی ہے مظهرة، مقيمة یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قیامت کو ظاہر کرنے والا یا قائم کرنے والا نہیں ہے۔

سٰمِدُونَ الْبَرْطَمَةُ وَقَالَ عِكْرِمَةُ يَتَغَنَّوْنَ بِالْحِمْيَرِيَّةِ۔ سٰمِدُونَ: اس کا معنی ہے: البرطمہ یعنی اعراض کرنے والے اور عکرمہ نے کہا: حمیری زبان میں اس کا معنی ہے: وہ گانا گاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿۶۰﴾ وَأَنْتُمْ سٰمِدُونَ ﴿۶۱﴾ اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو O اور تم کھیل کود میں پڑے ہو O (النجم: ۶۱-۶۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے سٰمِدُوْنَ کا معنی البرطمہ بیان کیا ہے اور اس کا معنی اعراض ہے، ابن عیینہ نے کہا: جب کوئی شخص اپنی ٹھوڑی اپنے سینہ پر رکھ لے تو البرطمہ کہتے ہیں، مجاہد سے منقول ہے: سمدون کا معنی ہے: متبرطمون، ان سے پوچھا گیا: البرطمہ کیا ہے تو انہوں نے کہا: اعراض کرنا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مبرطم کا معنی ہے: متکبر اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: سمدون کا معنی ہے: لہو و لعب میں مشغول اور غافل اور یہ لغو میں مشغول ہونے والوں کے لیے اہل یمن کی لغت ہے، اور عکرمہ نے کہا جو حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں: الحمیر کی لغت میں سامدون کا معنی ہے: جو گانا گاتے ہیں۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ أَفَتُمَارُونَهُ أَفَتُجَادِلُونَهُ وَمَنْ قَرَأَ أَفَتَمْرُونَهُ يَعْنِي أَفَتَجْحَدُونَهُ۔

اور ابراہیم نے کہا: أَفَتُمٰرُوْنَهٗ: کا معنی ہے: کیا تم ان سے جھگڑا کرتے ہو اور جس نے أَفَتَمْرُوْنَه پڑھا اس کا معنی ہے: کیا تم اس کا انکار کرتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ (النجم:۱۲) کیا تم ان سے اس پر جھگڑ رہے ہو جو انہوں نے دیکھا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابراہیم نخعی نے أَفَتُمٰرُوْنَهٗ کی تفسیر أَفَتُجَادِلُوْنَهٗ کی ہے یعنی کیا تم ان سے جھگڑا کرتے ہو، یہ لفظ المراء سے ماخوذ ہے جس کا معنی مجادلہ اور جھگڑا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ مریت الناقة سے ماخوذ ہے، جب اونٹنی کے تھنوں پر دودھ نکالنے کے لیے ہاتھ پھیرا جائے۔ حمزہ اور الکسائی نے اس لفظ کو أَفَتَمْرُوْنَه پڑھا ہے، اس کا معنی ہے: کیا تم ان کا انکار کرتے ہو، اور امام ابو عبیدہ کا یہی مختار ہے، انہوں نے کہا: مشرکین قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑ نہیں رہے تھے بلکہ آپ کا انکار کر رہے تھے اور جب کوئی شخص کسی کے حق کا انکار کرے تو عرب کہتے ہیں: مَرَيْتُ الرَّجُلَ حَقَّهٗ میں نے مرد کے حق کا انکار کیا۔

وَقَالَ مَا زَاغَ الْبَصَرُ بَصَرُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا طَغٰى وَمَا جَاوَزَ مَا رَأٰى

مَا زَاغَ الْبَصَرُ: کا معنی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ ٹیڑھی نہیں ہوئی اور مَا طَغٰى کا معنی ہے: آپ نے جو کچھ دیکھا اس سے متجاوز نہیں ہوئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ (النجم:۱۷) آپ کی نظر نہ ٹیڑھی ہوئی اور نہ حد سے بڑھی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق بالکل ظاہر ہے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ آپ کو جتنا دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا آپ کی نظر نے اس سے تجاوز نہیں کیا اور نہ آپ کی نظر اس سے کسی دوسری طرف ہوئی، کہا جاتا ہے کہ آپ کی نظر نہ دائیں طرف منحرف ہوئی اور نہ بائیں طرف منحرف ہوئی اور نہ اس نے حد سے تجاوز کیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی صفت ہے۔

فَتَمَارَوْا كَذَّبُوْا۔ فَتَمَارَوْا کا معنی ہے: انہوں نے جھٹلایا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ (القمر:۳۶) اور بے شک لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا تو انہوں نے ان کے ڈرانے کو جھٹلایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ آیت سورۃ النجم میں نہیں ہے بلکہ اس کے بعد کی سورت القمر میں ہے اور شاید کہ یہ لکھنے والے کا سہو ہے۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: علامہ کرمانی نے بعض نسخوں سے یہاں نقل کیا ہے کہ تتمارى کا معنی ہے: وہ جھٹلاتے ہیں اور میں اس نسخہ پر واقف نہیں ہو سکا، پھر اس کے بعد مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ علامہ کرمانی نے الفراء کے کلام کا اختصار کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا:

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ (النجم:۵۵) پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاتا رہے گا O

یعنی یہ کہتا رہے گا کہ یہ نعمتیں اس کے رب کی طرف سے نہیں ہیں، اسی طرح یہ آیت ہے: فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ (القمر:۳۶) (پس انہوں نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا O) (فتح الباری ج ۶ ص ۳۲)

علامہ عینی، حافظ ابن حجر پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انہیں علامہ کرمانی کے کلام پر واقف ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ آیت اسی سورت میں ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ (النجم:۵۵) پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاتا رہے گا O

اس آیت میں مطلقاً انسان سے خطاب ہے اور تفسیر نسفی میں مذکور ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے لیکن مجھے یہ تفسیر پسند نہیں ہے۔ واللہ اعلم (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۶۵۔ ۲۶۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

مصنف کی طرف سے ان دونوں میں محاکمہ

میں کہتا ہوں: کہ حافظ ابن حجر نے کوئی غلط بات نہیں کہی جس کے رد کی ضرورت ہو، امام بخاری نے یہاں پر تعلیق میں سورۃ القمر:۳۶ کی آیت لکھی جس کے متعلق علامہ عینی نے کہا کہ یہ لکھنے والے کا سہو ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی توجیہ کی کہ چونکہ اس سورت میں مذکور ہے: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ (النجم:۵۵) (پس (اے مخاطب!) تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاتا رہے گا) تو امام بخاری نے اس آیت کی مناسبت سے یہاں پر سورۃ القمر:۳۶ کو بھی لکھ دیا اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ امام بخاری ایک سورت کی آیت کی مناسبت سے وہاں کسی اور سورت کی آیت کو ذکر کر دیتے ہیں۔

وَقَالَ الْحَسَنُ اِذَا هَوٰى: غَابَ۔ اور حسن نے اِذَا هَوٰى: کی تفسیر میں کہا: جب وہ ستارہ غائب ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ (القمر:۱) روشن ستارے کی قسم! جب وہ غروب ہو گیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: جب وہ ستارہ غائب ہو گیا، اسی طرح امام عبد الرزاق نے از حسن بصری روایت کی ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اِذَا هَوٰى کا معنی ہے: جب وہ ستارہ اترا اور گر گیا، اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں منقول ہے: یعنی جب سیدنا محمد ﷺ شب معراج آسمان سے اترے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَغْنٰى وَاَقْنٰى اَعْطٰى فَاَرْضٰى۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اَغْنٰى وَ اَقْنٰى کی تفسیر میں کہا کہ انہوں نے اتنا دیا کہ لینے والے کو راضی کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۝ (النجم:۴۸) اور یہ کہ اس نے غنی کیا اور خوش کر دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے اور ابوصالح سے منقول ہے کہ اللہ نے لوگوں کو مال دیا اور لوگوں کو اموال کے اصول عطا کیے، اور ضحاک سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سونا، چاندی اور اموال کی مختلف قسمیں عطا کیں اور اقنی کا معنی ہے: اس نے لوگوں کو اونٹ، گائے اور بکریاں عطا کیں اور ابن زید سے منقول ہے کہ اغنی کا معنی ہے: اس نے بہت مال دیا اور اقنی کا معنی ہے: اس نے بہت کم مال دیا اور اخفش سے منقول ہے کہ اقنی کا معنی ہے: اس نے لوگوں کو فقیر بنا دیا۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۸۴۔۲۸۰ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ

۴۸۵۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا يَا أُمَّتَاهْ هَلْ رَأَى مُحَمَّدٌ ﷺ رَبَّهُ فَقَالَتْ لَقَدْ قَفَّ شَعَرِي مِمَّا قُلْتَ أَيْنَ أَنْتَ مِنْ ثَلَاثٍ مَنْ حَدَّثَكَهُنَّ فَقَدْ كَذَبَ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝﴾ (الانعام:۱۰۳) ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾ (الشوریٰ:۵۱) وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ ﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ (لقمان:۳۴) وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ كَتَمَ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ الآية (المائدہ:۶۷) وَلٰكِنَّهُ رَأَى جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي صُورَتِهِ مَرَّتَيْنِ

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد از عامر از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: اے امی جان! کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو حضرت عائشہ نے فرمایا: تم نے جو بات کہی ہے اس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تم ان تین آیات میں سے کہاں ہو، جس نے تم کو بتایا اس نے جھوٹ بولا، جس نے تم کو یہ بتایا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ (الانعام:۱۰۳) (آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور وہ نہایت باریک بین بہت باخبر ہے O وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (الشوریٰ:۵۱) (اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا وحی کے یا پردے کے اوٹ سے۔ اور جس نے تم کو بتایا کہ آپ آئندہ کل کی بات جانتے ہیں تو اس نے جھوٹ بولا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی: وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (لقمان:۳۴) (اور کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا) اور جس نے تم کو یہ بتایا کہ آپ نے (کوئی آیت) چھپا لی تو بے شک اس نے جھوٹ بولا ہے، پھر حضرت عائشہ نے یہ آیت پڑھی: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الآية

(المائدہ:٦٧) (اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے) لیکن آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دو مرتبہ دیکھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۳۴ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

یا امتاہ کی لفظی تحقیق اور حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ

یا امتاہ: حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس کی اصل یا ام ہے اور باء اس میں وقف کے لیے ہے، پھر اس کی طرف استغاثہ کے الف کی طرف اضافت کی گئی اور اس کو تاء سے بدل دیا گیا اور اس پر ہاء کا الف کے سکتہ کے بعد اضافہ کیا گیا ہے۔
(فتح الباری ج ٦ ص ٣٣)

علامہ عینی، حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ جن سے شرح نقل کی جاتی ہے ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس میں الف استغاثہ کے لیے ہے اور یہاں استغاثہ کہاں ہے؟ علامہ خطابی نے کہا ہے: جب عرب باپ یا ماں کو ندا کرتے ہیں تو وقف کی صورت میں یا ابہ یا امہ کہتے ہیں، پس جب وصل کرتے تو یا ابت اور یا امت کہتے ہیں اور جب اس پر زبر پڑھتے ہیں متعدی کرنے کے لیے تو کہتے ہیں: یا ابتاہ اور یا امتاہ اور ہاء اس میں وقف کے لیے ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں الف ندبہ کے لیے نہیں ہے کیونکہ یہاں کسی پر رویا نہیں گیا۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٢٨٤)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ بدر الدین عینی حنفی کے اس اعتراض کا "انتقاض الاعتراض" میں ذکر تک نہیں کیا۔ سعیدی غفرلہ

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نفی رویت باری پر استدلال اور علامہ عینی کے جوابات

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے: یعنی اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے جلال سے میرے دل میں خوف پیدا ہوا اور خوف اور گھبراہٹ کے وقت کھال سکڑ جاتی ہے اور اس پر جو بال ہیں وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تم ان تین آیات میں سے کہاں ہو: یعنی کیا ان تین آیتوں کو ذہن میں حاضر کرنے سے تمہاری فہم غائب ہو گئی؟ پس تمہیں چاہیے کہ ان تین آیتوں کو اپنے ذہن میں حاضر کرو تا کہ تمہارا علم ان کو محیط ہو اور جو شخص ان کے خلاف بات کہتا ہے اس کی تم تکذیب کرو۔

جس نے تم کو بتایا اس نے جھوٹ بولا: یعنی جس نے تم کو ان تین چیزوں کے متعلق بتایا اس نے جھوٹ بولا یعنی جس نے یہ خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے اپنی خبر میں جھوٹ بولا ہے، پھر حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ دیکھنے پر دو آیتوں سے استدلال کیا ہے، پہلی آیت یہ ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (الانعام:١٠٣)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کے ادراک کرنے کی نفی کی ہے اور آنکھوں کے ادراک کی نفی دیکھنے کی نفی ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد سے دیکھنے کی نفی نہیں کی اور ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتیں لیکن انہوں نے اس آیت کے ظاہر سے استنباط کیا ہے اور دوسرے صحابہ نے حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کے اس قول کی مخالفت کی ہے اور جب ایک صحابی کوئی بات کہے اور دوسرا صحابی اس کے خلاف بات کہے تو اس پر اتفاق ہے کہ اس صحابی کا قول حجت نہیں ہوتا، اور حضرت عائشہ کے اس قول کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مخالفت کی ہے، کیونکہ امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، عکرمہ نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے اور بے شک آپ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے، اور امام ابن خزیمہ نے سند قوی کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور حضرت ابن عباس کے تمام اصحاب کا اور کعب احبار کا اور زہری کا اور صاحب معمر کا اور دوسروں کا یہی قول ہے اور امام عبدالرزاق نے معمر سے روایت کی ہے کہ حسن بصری نے حلف اٹھا کر کہا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اور امام ابن خزیمہ نے عروہ بن زبیر سے دیکھنے کی روایت کی ہے اور جب کوئی ان کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کا ذکر کرتا تو وہ اس کا بہت سختی سے رد کرتے، اور امام اشعری اور ان کے اکثر متبعین کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس سے استدلال فرمانا کہ اللہ تعالیٰ سے کلام کی حالت میں کوئی اس کو دیکھ نہیں سکتا اور علامہ عینی کا جواب

وما کان لبشر الایۃ: یہ دوسری آیت ہے جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی رؤیت باری پر استدلال کیا ہے اور ان کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے کلام کرنے کا حصر تین صورتوں میں کیا ہے: (۱) وحی، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نبی کے دل میں جو چاہے القاء فرما دے (۲) اللہ تعالیٰ پردے کی اوٹ سے بغیر واسطہ کے نبی سے کلام فرمائے (۳) نبی کی طرف اپنا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اللہ کا کلام نبی علیہ السلام کو پہنچائے، ان تین صورتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس حالت میں اللہ کلام فرماتا ہے، اس حالت میں اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا، علماء کرام نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس سے مطلقاً رؤیت باری کی نفی نہیں ہوتی، اس کا زیادہ سے زیادہ تقاضا یہ ہے کہ ان تین صورتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرماتا، پس ہو سکتا ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام نہ فرمایا ہو۔

یہ جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی کسی آیت یا اس کے کسی حکم کو چھپالیں

جس نے تم کو یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آیت کو چھپایا تو اس نے جھوٹ بولا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن تین باتوں کا انکار فرمایا تھا یہ ان میں سے تیسری بات ہے، یعنی جس نے یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی وحی میں سے کوئی بات چھپائی تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے، پس آپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ آپ اس میں سے کسی چیز کو چھپالیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر اس سے استدلال فرمایا کہ المائدہ: ۶۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے۔ مصنف کہتا ہے: اس سے یہ معلوم ہوا کہ شیعہ اور روافض کا یہ کہنا باطل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت علی کے خلیفہ بلافصل ہونے کے متعلق آیت نازل کی گئی تھی لیکن آپ نے اس کو چھپا لیا، اسی طرح حضرت علی کے فضائل میں کئی آیات نازل کی گئی تھیں لیکن آپ نے ان آیات کو چھپالیا۔

علامہ ثعلبی اور اکثر علماء کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دو بار دیکھا

لیکن آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی نفی کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا تو پھر حضرت مسروق کے سوال کے جواب میں بتایا: لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کیا:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ (النجم: ۱۳) اور بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا O

علامہ ثعلبی نے کہا ہے: یعنی دوسری بار دیکھا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اس صورت میں جس پر وہ پیدا کیے گئے ہیں دو مرتبہ دیکھا، ایک مرتبہ زمین پر الافق الاعلیٰ میں اور دوسری مرتبہ آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اکثر علماء کا قول ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رویت کو مکان کے ساتھ ملایا ہے، پس فرمایا: سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور کیونکہ فرمایا: نَزْلَةً اُخْرٰى یعنی اترتے وقت اور اللہ تعالیٰ کا مکان میں ہونا اور اترنا جو کہ انتقال کو مستلزم ہے محال ہے۔

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رؤیت باری کا انکار کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رؤیت باری کو ثابت کرتے ہیں تو ان دونوں کے اقوال میں کس طرح موافقت ہوگی؟

میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ نے جو رؤیت باری کی نفی کی ہے وہ آنکھ سے دیکھنے پر محمول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو رؤیت باری کو ثابت کیا ہے وہ دل سے دیکھنے پر محمول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ (النجم: ۱۱) (آپ کے) قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا O

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ (النجم: ۱۳) اور بے شک انہوں نے ضرور اسے دوسری بار دیکھا O

حضرت ابن عباس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے دیکھا ہے آنکھ سے نہیں دیکھا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا، اور عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا اور اس سے بھی زیادہ صریح روایت وہ ہے جس کی امام ابن مردویہ نے از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا، آپ نے اس کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔

علامہ قرطبی نے اس مسئلہ میں توقف کرنے کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس قول کو محققین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ اس باب میں کوئی دلیل قطعی نہیں ہے اور دونوں فریقوں نے جو زیادہ سے زیادہ استدلال کیا ہے وہ ظاہر آیات ہیں جو متعارض ہیں اور تاویل کی گنجائش رکھتی ہیں، انہوں نے کہا: یہ مسئلہ عملیات سے متعلق نہیں ہے کہ اس میں دلائل ظنیہ پر اکتفاء کر لیا جائے، اس مسئلہ کا تعلق صرف عقائد سے ہے اور اس میں صرف دلیل قطعی سے استدلال ہو سکتا ہے، اور امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں کافی طویل دلائل کے ساتھ رؤیت باری کو ثابت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عباس سے جو منقول ہے کہ رؤیت دو

مرتبہ ہوئی وہ اس پر محمول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے آنکھ سے دیکھا اور دوسری مرتبہ دل سے دیکھا۔

اپنے رب کو دو بار دیکھنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: ہم نے لکھا ہے کہ البقلی رحمہ اللہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا اور یہ دوسری بار دیکھنے کا ماجرا ہے کیونکہ جب آپ نے پہلی بار اپنے رب کو دیکھا تو وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کچھ نہ تھا اس لیے وہاں یہ نہیں فرمایا:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ (النجم:۱۷) آپ کی بصر ادھر ادھر متوجہ ہوئی اور نہ اللہ کی ذات کو دیکھنے سے متجاوز ہوئی ۝

بلکہ اس کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہی، اور جب آپ نے دوسری بار واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو آپ کے سامنے جنت، دوزخ اور دیگر عجیب وغریب نشانیاں بھی تھیں لیکن آپ کسی اور طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ صرف اس کی ذات کو ٹکٹکی باندھ کر لگاتار دیکھتے رہے۔ (روح البیان ج ۳ ص ۲۶۹) (انوار تبیان القرآن ص ۸۴۰، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دل کی آنکھ سے دیکھا ہے، النجم:۱۱ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر استدلال اور امام اشعری کا یہ قول کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور لاتدرکہ الابصار کے متعدد جوابات اور دیگر مباحث میں علامہ ابن الملقن کی تحقیق

حافظ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ نے شب معراج رؤیت باری کے مسئلہ پر طویل بحث کی ہے وہ اس میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شب معراج رؤیت باری کا انکار کیا ہے، لیکن انہوں نے اپنے موقف کے ثبوت میں کوئی حدیث ذکر نہیں کی، اگر ان کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتیں، انہوں نے صرف چند آیات سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی مشہور قول یہی ہے اور محدثین، فقہاء اور متکلمین کی ایک جماعت کا بھی یہی موقف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔

امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں ضحاک اور عکرمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے: پس جب میرے رب نے اپنی رؤیت (دیدار) کے ساتھ میری تکریم کی بایں طور کہ میرے قلب میں میری آنکھ کو ثابت کر دیا تو میری آنکھ میں نور عرش کو دیکھنے کی صلاحیت آ گئی، الحدیث۔ اور اللالکائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ (شرح اصول الاعتقاد ج ۳ ص ۵۶۷) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ (شرح اصول الاعتقاد ج ۳ ص ۵۷۵)

اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا (صحیح مسلم:۱۷۶) اور اسی طرح امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ عکرمہ سے روایت کی ہے۔ (سنن ترمذی:۳۲۸۱)

اور امام ترمذی نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا، الحدیث۔ (سنن ترمذی:۳۲۷۹) اور امام مسلم نے ابو العالیہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا (صحیح مسلم:۱۷۶)

امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس کی طرف کسی کو بھیج کر یہ سوال کیا کہ کیا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔

اس حدیث کی عبداللہ بن احمد نے کتاب السنہ ج ا ص ۱۷۵ میں روایت کی ہے۔

اور مشہور یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، اور متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ خاص کر لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کے ساتھ خاص کیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت (دیدار) کے ساتھ خاص کیا۔ اس حدیث کی امام ابن ابی عاصم نے کتاب السنہ: ۴۵۱، امام نسائی نے السنن الکبریٰ: ۲۷۴ میں، اور امام ابن خزیمہ نے التوحید: ۲۷۲ اور امام حاکم نے المستدرک ج ا ص ۶۵ میں روایت کی ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ (النجم:۱۱) (آپ کے) قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا ۝

الماوردی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنی رؤیت کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، پس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ کلام فرمایا۔

ابوالفتح الرازی اور ابوالليث السمرقندی نے اس حکایت کو کعب احبار سے نقل کیا۔ (تفسیر السمرقندی ج ۳ ص ۲۸۹)

عبداللہ بن الحارث نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کعب احبار اکٹھے ہوئے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے تو کعب نے بہت بلند آواز سے کہا: اللہ اکبر حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: بے شک اللہ نے اپنی رؤیت اور اپنے کلام کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، پس حضرت موسیٰ نے اللہ سے کلام فرمایا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے اپنے رب کو دیکھا (سنن ترمذی: ۳۲۷۸) اور شریک نے حضرت ابوذر سے النجم: ۱۱ کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

اور علامہ السمرقندی نے محمد بن کعب القرظی سے اور الربیع بن انس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے دل سے دیکھا ہے اور میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔

(تفسیر السمرقندی ج ۳ ص ۲۸۹)

اور مالک بن یخامر نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو دیکھا۔ (سنن ترمذی: ۳۲۳۵)۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

امام عبدالرزاق نے روایت کی ہے کہ حسن بصری اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے (تفسیر عبدالرزاق، ۳۰۳۳) اسی طرح مقاتل نے ذکر کیا ہے، اور امام عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں النجم: ۱۱ کی تفسیر میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا اور محمد بن کعب سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دل سے دو مرتبہ دیکھا، اور ابراہیم تیمی سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا، پھر انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے اور اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔

اور تفسیر ابن عباس میں حضرت انس سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب میں حجاب تک پہنچا تو میری دونوں آنکھیں سو گئیں اور میں نے اپنے دل سے دیکھا اور میرا دل بیدار تھا اور اس وقت سے اب تک

نہیں سویا اور زجاج نے امام احمد سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کے ساتھ آپ کو خاص کیا گیا ہے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اس قول کی امام ابوعمر ابن عبدالبر نے روایت کی ہے، لیکن نقاش نے یہ روایت کی ہے کہ امام احمد نے کہا: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے، امام احمد بار بار یہ کہتے رہے حتیٰ کہ ان کا سانس ٹوٹ گیا۔

اور اللالکائی نے ام الطفیل زوجہ ابی بن کعب سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یعنی دل کے ساتھ اور بعض متکلمین نے اس موقف کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور امام ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ نے دیکھا ہے اور نہ یہ کہتا ہوں کہ آپ نے نہیں دیکھا اور النجم:11 کی تاویل میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس اور عکرمہ اور حسن بصری اور حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے اور حسن بصری اور ابن مسعود سے دوسری روایت ہے کہ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ہے۔
(تفسیر طبری، جز 11 ص 511-510)

امام اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنی بصر سے اور اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہر وہ معجزہ جو انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کو دیا گیا تھا تو اس کی مثل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دی گئی ہے اور ان میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت کی فضیلت کے ساتھ خاص کر لیا گیا ہے۔

اور بعض مشائخ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اس موقف پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے لیکن جیسا کہ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھنا عقلاً جائز ہے اور عقل کے نزدیک یہ محال نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کی رؤیت کا سوال کیا ہے اور یہ محال ہے کہ اللہ کے نبی کو یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز نہیں ہے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اسی چیز کا سوال کیا جو جائز تھی اور محال نہیں تھی، لیکن اس کا وقوع اور غیب سے اس کا مشاہدہ کرنا اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے اور شریعت میں اس کے وقوع کے محال ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے محال نہیں ہے۔ (اکمال المعلم ج 1 ص 527)

قرآن مجید میں ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (الانعام: 103) یعنی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اس آیت کی متعدد تاویلات ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کفار کی آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں، دوسرا قول یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور یہ تاویلات اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے ممنوع اور محال ہونے کا تقاضا نہیں کرتیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: لَنْ تَرٰىنِیْ (الاعراف: 143) یعنی آپ مجھ کو نہیں دیکھ سکتے، اس آیت کا عموم نہیں ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ مجھے دنیا میں نہیں دیکھ سکتے، سو اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے محال ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور قاضی ابوبکر الباقلانی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے، اسی لیے وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔

اور پہاڑ نے بھی اپنے رب عزوجل کو دیکھا، اسی لیے وہ ریزہ ریزہ ہو گیا، انہوں نے اس کا استنباط اس آیت سے کیا ہے:

وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ (الاعراف: ۱۴۳)

فرمایا: تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی حتیٰ کہ پہاڑ نے اپنے رب کو دیکھ لیا۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ چونکہ پہاڑ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اسی سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے رب کو دیکھا ہے کیونکہ یہ رب کو دیکھنے کے جواز اور امکان پر دلیل ہے اور جواز اور امکان میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ آیات میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۱۱۰۔ ۱۰۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

رویت باری کے مسئلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کا خلاصہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں، حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اور حضرت ابوذر سے روایات مختلف ہیں اور ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، امام عبدالرزاق نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور امام ابن خزیمہ نے عروہ بن الزبیر سے دیکھنے کی روایت کی ہے اور جب کوئی ان سے یہ کہتا کہ حضرت عائشہ نے دیکھنے کا انکار کیا ہے تو وہ اس پر بہت سختی کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس کے تمام اصحاب اسی کے قائل تھے، کعب احبار، زہری، معمر اور دوسروں نے اسی پر وثوق کیا ہے اور یہی امام اشعری اور ان کے اکثر متبعین کا قول ہے، پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا یا دل سے دیکھا، اور امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کے اس مسئلہ میں مطلق اقوال بھی ہیں اور مقید بھی یعنی یہ قول بھی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور یہ قول بھی ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا ہے، اس لیے مطلق اقوال کو مقید پر محمول کرنا ضروری ہے بلکہ ان سے زیادہ صراحت کے ساتھ امام ابن مردویہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے دل سے دیکھا ہے اور اس طریقہ پر حضرت ابن عباس کی جو اثبات رؤیت کی روایت ہے اور حضرت عائشہ کی نفی رویت کی جو روایت ہے ان میں تطبیق دینا ممکن ہے بایں طور کہ حضرت عائشہ کی نفی رویت کی روایت کو رویت بصر پر محمول کیا جائے اور حضرت ابن عباس کی اثبات رویت کی روایت کو رویت قلب پر محمول کیا جائے اور رویت قلب کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز پیدا کر دی تھی جس سے آپ اپنے قلب سے اس طرح دیکھتے تھے جس طرح دوسرے لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ہر چند کہ عادتاً انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے لیکن عقل کے نزدیک رویت آنکھوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، امام ابن خزیمہ نے امام احمد سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو قلب سے دیکھا اور آنکھ سے نہیں دیکھا۔

علامہ قرطبی نے المفہم میں توقف کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس کو محققین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ کہا ہے

کہ اس مسئلہ میں کوئی دلیل قطعی نہیں ہے اور دونوں فریق ظواہر نصوص سے استدلال کرتے ہیں جو باہم متعارض ہیں اور تاویل کی گنجائش رکھتی ہیں اور یہ مسئلہ عملیات سے نہیں ہے اس لیے اس میں دلائل ظنیہ کافی ہیں، دلائل قطعیہ کی ضرورت صرف معتقدات میں ہوتی ہے اور امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں اثبات رویت کو ترجیح دی ہے اور جن علماء نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رویت کو ثابت کیا ہے ان میں امام احمد ہیں، المروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رویت کی نفی کرتی تھیں، آپ ان کے قول کو کس دلیل سے رد کریں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر راجح اور فائق ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں واضح حدیث امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ (خالق) نور ہے اور میں نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۳۲، سنن الترمذی: ۳۲۹۳)

۲۔ بَابٌ: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ۝ (النجم: ۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو وہ (نبی، اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ ۝ (النجم: ۹) کی تفسیر

یعنی (اللہ اور رسول میں) اتنا فاصلہ رہ گیا تھا جتنا کمان اور اس کے وتر (اس کی تانت) میں ہوتا ہے۔

۴۸۵۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ زِرًّا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ۝ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى ۝﴾ (النجم: ۹-۱۰) قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهُ رَأٰى جِبْرِيلَ لَهٗ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الشیبانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے زر سے سنا از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے اس آیت کے متعلق کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ۝ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى ۝ (النجم: ۱۰-۹) (تو وہ (نبی، اللہ سے) دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ ۝) پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی ۝ زر نے کہا: ہمیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۳۲ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام نسائی کی روایت میں ہے، ان کے پروں سے مختلف رنگوں کے موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے۔

۳۔ بَابٌ: فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى ۝ (النجم: ۱۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی ۝ (النجم: ۱۰) کی تفسیر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائی اور حسن بصری، ربیع اور ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے: پس حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ وحی فرمائی جو ان کی طرف ان کے رب نے وحی فرمائی تھی، اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی فرمائی:

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ (الضحیٰ:٦) کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا، پھر آپ کو ٹھکانا دیا ۝

اور یہ آیت:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الم نشرح:٤) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ۝

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف یہ وحی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جنت میں دخول کو حرام فرما دیا ہے حتیٰ کہ آپ جنت میں داخل ہو جائیں اور امتوں پر جنت میں دخول کو حرام کر دیا ہے حتیٰ کہ آپ کی امت جنت میں داخل ہو جائے۔

٤٨٥٧۔ حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ الشَّیْبَانِیِّ قَالَ سَأَلْتُ زِرًّا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ۝﴾ (النجم:٩۔١٠) قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَنَّ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم رَأَى جِبْرِیلَ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں طلق بن غنام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی از الشیبانی، انہوں نے کہا: میں نے زر سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق سوال کیا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ۝ (النجم:١٠۔٩) پھر وہ (اللہ، نبی سے) دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ ۝ پھر اللہ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی ۝ انہوں نے کہا کہ ہمیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جن کے چھ سو (٦٠٠) پر تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٣٢٣٢ میں گزر چکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے مذہب کے مطابق سورۃ النجم: ١٠۔٨ کے معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ معراج کی شب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو دیکھا تھا وہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب ہے اور حضرت ابن مسعود کی رائے کے موافق اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے مقدس بندہ کی طرف وحی کی یعنی اللہ کی وحی پہنچائی کیونکہ وہی آپ کے زیادہ قریب ہوئے، پھر اور زیادہ قریب ہوئے حتیٰ کہ دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے، پھر انہوں نے اللہ کے مقدس بندہ کی طرف وحی پہنچائی جو پہنچائی۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٢٨٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

٤۔ بَابٌ: لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝ (النجم:١٨)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور

دیکھا○ (النجم:۱۸) کی تفسیر

اپنے رب کی سب سے بڑی نشانی کا مصداق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی سیدنا محمد ﷺ نے جنت کے سبز قالین کو دیکھا جس نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا، ضحاک نے کہا: اس سے مراد سدرۃ المنتہیٰ ہے اور مقاتل سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھا جس صورت میں وہ آسمانوں میں ہیں، ایک قول ہے کہ اس سے مراد معراج ہے اور آپ نے اس رات کے سفر کی ابتداء اور انتہاء اور واپس آنے کے درمیان جو کچھ دیکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۸۷)

۴۸۵۸۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى○﴾ (النجم:۱۸) قَالَ رَأَى رَفْرَفًا أَخْضَرَ قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اعمش از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى○ (النجم:۱۸) بے شک (اس نبی نے) اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشان کو ضرور دیکھا○ حضرت ابن مسعود نے کہا: اس سے مراد جنت کا سبز قالین ہے جس نے آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۳۲ میں گزر چکی ہے۔

رفرف کی تعریف میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ رفرف کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے رفرف کو دیکھا اور اس سے پہلی حدیث میں یہ مذکور تھا کہ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جن کے چھ سو پر تھے۔ بہ ظاہر یہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں لیکن امام نسائی کی روایت سے مراد واضح ہو جاتی ہے، انہوں نے از عبدالرحمٰن بن عبداللہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو رفرف پر دکھایا جس نے آسمان اور زمین سب چیزوں کو بھر لیا تھا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام موصوف ہیں اور ان کی صفت یہ ہے کہ وہ رفرف پر تھے اور رفرف سے مراد حلہ ہے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام حلہ پہنے ہوئے تھے اور امام ترمذی نے از عبدالرحمٰن بن یزید از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو رفرف کا حلہ پہنے ہوئے دیکھا، انہوں نے آسمان اور زمین کے درمیان سب چیزوں کو بھر لیا تھا اور انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ (الرحمٰن:۷۶) متقین سبز قالینوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ رفرف اصل میں باریک ریشم ہے جس کی خوبصورت بناوٹ ہو، پھر پردہ پر اس کا استعمال مشہور ہو گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رفرف وہ پرندہ ہے جو اپنے پروں کو پھیلا لے، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ رفرف چادر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ فرش ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام کا لباس تھا، میں کہتا ہوں: دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت جبریل علیہ الصلاۃ

والسلام کو رفرف کے دو حلوں میں دیکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے متکئین علی رفرف کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ جنت کے باغات ہیں اور یہ لفظ رفرفہ کی جمع ہے اور الرفارف جمع الجمع ہے اور ان سے دوسری تفسیر یہ ہے کہ رفرف سے مراد بیٹھنے کی جگہیں اور بستر ہیں اور قتادہ اور ضحاک سے منقول ہے کہ رفرف عرش کے اوپر سبز بیٹھنے کی خوب صورت جگہیں (یعنی سبز قالین) ہیں، اور علامہ قرطبی نے کہا کہ رفرف سے مراد بستر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عرب ہر لمبے، چوڑے کپڑے کو رفرف کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۸۸۔۲۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابٌ: أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ (النجم:۱۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کیا تم نے لات اور عزیٰ کو (بہ غور) دیکھا ○ (النجم:۱۹) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ اللات کا لفظ لفظ اللہ سے ماخوذ ہے، پھر اس کے ساتھ تانیث کی تا ملا دی گئی ہے تو یہ مونث کا صیغہ ہو گیا جیسے کسی مرد کو عمرو کہا جائے، پھر مونث کے لیے عمرۃ کہا جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ کفار نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے باطل الٰہ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے لفظ اللہ کو محفوظ رکھنے اور اس کی حرمت کی حفاظت کرنے کے لیے اس لفظ کو اللات کی طرف منصرف کر دیا اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ اللات طائف میں پتھر کی ایک چٹان کا نام ہے اور ابن زید سے منقول ہے اللات ایک گھر میں کھجور کا ایک درخت تھا جس کی قریش عبادت کرتے تھے اور العزیٰ ایک دوسرا درخت تھا جس کی قبیلہ غطفان عبادت کرتا تھا یہ مجاہد کا قول ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ ہی وہ درخت ہے جس کو کاٹنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا تھا اور انہوں نے اس درخت کو کاٹ دیا تھا، الضحاک سے منقول ہے کہ اللات غطفان کا بت تھا جس کو ان کے لیے سعد بن ظالم الغطفانی نے رکھا تھا اور ابن زید سے منقول ہے کہ یہ طائف میں ایک گھر تھا جس کی ثقیف عبادت کرتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۵۹۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ حَدَّثَنَا أَبُو الْجَوْزَاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما فِي قَوْلِهِ اللَّاتَ وَالْعُزَّى كَانَ اللَّاتُ رَجُلًا يَلُتُّ سَوِيقَ الْحَاجِّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاشہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالجوزاء نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہوں نے اللات اور العزیٰ کی تفسیر میں کہا: اللات ایک مرد تھا جو حجاج کے لیے ستو گھولتا تھا۔

اللات کے ماخذ اشتقاق میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ (النجم:۱۹) کیا تم نے لات اور عزیٰ کو (بہ غور) دیکھا ○ اس کی تفسیر میں فرمایا کہ لات ایک مرد تھا جو حجاج کے لیے ستو گھولتا تھا۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس پر موقوف ہے۔ الزجاج نے کہا ہے: ان کا زعم یہ ہے کہ ایک مرد ستو گھولتا تھا اور اس کو ایک بت کے پاس بیچتا تھا تو اس بت کا نام اللات رکھ دیا گیا۔

غرر البیان میں مذکور ہے کہ اللات لوی کا فعل ہے لانھم کانوا یلودون علیھا یعنی وہ اس بت کے گرد طواف کرتے تھے۔ علامہ

سہیلی نے حضرت ابن عباس کے قول کی تفسیر میں کہا ہے کہ ایک مرد حجاج کے آنے پر ستو گھولتا تھا اور عرب اس مرد کی تعظیم کرتے تھے کیونکہ وہ ہر حج کے موقع پر لوگوں کو ستو کھلاتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کا نام عمرو بن لحی تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام ربیعہ بن حارثہ تھا۔ اور وہ خزاعہ کا والد تھا اور اس نے بہت طویل عمر پائی، جب وہ مر گیا تو جس جگہ وہ ستو گھولتا تھا وہاں ایک عبادت گاہ بنالی، پھر ان پر یہ منکشف ہوا کہ جس چٹان پر وہ بیٹھتا تھا وہاں ایک بت بنا کر رکھ دیا جائے اور اس کا نام اللات رکھ دیا جائے اور یہ لفظ اللاتی سے ماخوذ ہے یعنی لت السویق سے جس کا معنی ستو گھولنا ہے اور وہ بت طائف میں تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ طائف کے راستہ میں تھا ایک اور قول یہ ہے کہ وہ مکہ میں تھا، قتادہ نے کہا کہ وہ ایک کھجور کے درخت کے پاس تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۸۹۔ ۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۶۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ

(صحیح البخاری: ۶۱۰۷، ۶۳۰۱، ۶۶۵۰، صحیح مسلم: ۱۶۴۷، سنن ابو داؤد: ۳۲۴۷، سنن ترمذی: ۳۸۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از حمید بن عبدالرحمن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حلف اٹھایا اور اپنے حلف میں کہا: اللات اور العزیٰ کی قسم! اسے چاہیے کہ وہ کہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور جس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔

اللات کی قسم کھانے سے تکفیر کی توجیہ، بت کی قسم کھانے سے قسم کے منعقد ہونے یا نہ ہونے میں مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے: قسم اس معبود کی کھائی جاتی ہے جس کی تعظیم کی جاتی ہو، پس جب کسی شخص نے اللات اور العزیٰ کی قسم کھائی تو گویا اس نے ان بتوں کو ایسا معبود قرار دیا جن کی تعظیم کی جاتی ہو، سو وہ اللات اور العزیٰ کی قسم کھانے سے اس عمل میں کفار کے مشابہ ہو گیا تو آپ نے اس کے تدارک اور تلافی کے لیے فرمایا کہ کلمہ توحید پڑھے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے۔

جس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فرمایا: اس کو صدقہ کرنا چاہیے، یعنی جس مال سے وہ جوا کھیلنا چاہتا تھا اس مال کو وہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مال سے صدقہ کرے تا کہ وہ صدقہ جوئے کی دعوت دینے والے قول کا کفارہ ہو جائے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے: جب کوئی شخص اللات یا کسی اور بت کی قسم کھائے یا اس نے کہا: اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں اس کے بعد یہودی ہوں گا یا نصرانی ہوں گا یا اسلام سے بری ہوں گا یا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں گا یا اس طرح کی کوئی اور بات کہے تو اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور کہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اس کے سوا اس کے پاس اور کوئی کفارہ نہیں ہے، یہ امام شافعی، امام مالک اور جمہور علماء کا مذہب ہے، اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے: ان میں سے ہر صورت میں اس پر کفارہ لازم ہے سوا اس کے کہ اس نے یوں کہا ہو کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں بدعتی ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں یا یہودی ہوں، علامہ نووی کی عبارت ختم ہوئی۔

اور فتاویٰ الظہیر یہ میں مذکور ہے: اگر اس نے کہا کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو وہ یہودی ہوگا یا اسلام سے بری ہوگا تو ہمارے نزدیک اس کا یہ قول قسم ہے، پھر جب اس نے وہ کام کرلیا تو آیا وہ کافر ہو جائے گا؟ تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر اس نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائی اور اس قسم کو فعل ماضی کے ساتھ معلق کیا اور قسم کھاتے وقت اس کو معلوم تھا کہ وہ جھوٹا ہے تو اس میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا: وہ کافر نہیں ہوگا اور نہ اس پر کفارہ لازم ہے اور شیخ الاسلام خواہر زادہ کا اسی طرف میلان ہے اور اگر اس نے ان الفاظ کے ساتھ مستقبل کے کسی کام پر قسم کھائی تو بعض علماء نے کہا: وہ کافر نہیں ہوگا لیکن اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے اور صحیح وہ ہے جس کو علامہ السرخسی نے کہا ہے، انہوں نے کہا کہ اگر قسم کھانے والے کا اعتقاد یہ ہو کہ اگر اس نے ماضی کے کسی کام پر قسم کھائی تو وہ کافر ہوگا، پس وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا اور اگر اس کے اعتقاد میں یہ نہ ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا خواہ اس کی قسم مستقبل کے کسی کام پر ہو یا ماضی کے کسی کام پر۔

اقامرك یہ لفظ باب مفاعلہ سے ہے یعنی قامرہ یقامرہ قمارًا جب ان میں سے ہر ایک کی طلب یہ ہو کہ وہ اپنے صاحب پر قول یا عمل میں غالب آ کر اس کا تمام مال لے لے گا اور یہ بالاجماع حرام ہے۔

فلیتصدق: یعنی اس کو صدقہ کرنا چاہیے، اور امام مسلم کی روایت میں ہے: اسے کوئی چیز صدقہ کرنی چاہیے، علماء نے کہا ہے: ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ اس کے کلام میں جو معصیت تھی وہ صدقہ اس کی خطا کا کفارہ ہو جائے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اگر وہ ایک دینار کے ساتھ جوا کھیلنے کا ارادہ رکھتا تھا تو اس دینار کو صدقہ کر دے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس کو جتنی رقم آسانی سے میسر ہو اس کو صدقہ کر دے اور ''التلویح'' میں بعض احناف سے منقول ہے کہ فلیتصدق سے مراد ہے: وہ قسم کا کفارہ ادا کرے، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کلام سے اس کی قسم منعقد ہو جائے گی اور جب قسم منعقد ہوئی تو اس پر اس کا کفارہ واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۹۰۔ ۲۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ (النجم: ۲۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس تیسری ایک اور دیوی منات کو ۝ (النجم: ۲۰) کی تفسیر

۴۸۶۱۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ سَمِعْتُ عُرْوَةَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنھا فَقَالَتْ إِنَّمَا كَانَ مَنْ أَهَلَّ بِمَنَاةَ الطَّاغِيَةِ الَّتِي بِالْمُشَلَّلِ لَا يَطُوفُونَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ﴾ (البقرہ: ۱۵۸) فَطَافَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالْمُسْلِمُونَ قَالَ سُفْيَانُ مَنَاةُ بِالْمُشَلَّلِ مِنْ قُدَيْدٍ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ نَزَلَتْ فِي الْأَنْصَارِ كَانُوا هُمْ وَغَسَّانُ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ مِثْلَهُ وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مِمَّنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عروہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔۔۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ جو شخص لوگ مشلل میں گمراہ منات (بت) کا احرام باندھتے تھے (یعنی زمانہ جاہلیت میں تو وہ اسلام لانے کے بعد) صفا اور مروہ میں طواف یعنی سعی نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ (البقرہ: ۱۵۸) (بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں)، پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے صفا اور مروہ میں طواف کیا یعنی سعی کی، سفیان نے

كَانَ يُهِلُّ لِمَنَاةَ وَمَنَاةُ صَنَمٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ قَالُوا يَا نَبِيَّ اللهِ كُنَّا لَا نَطُوفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ تَعْظِيمًا لِمَنَاةَ نَحْوَهُ۔

کہا: منات مشلل میں قدید کے مقام پر ہے اور عبدالرحمٰن بن خالد نے کہا از ابن شہاب، انہوں نے بیان کیا کہ عروہ نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ اور غسان اسلام لانے سے پہلے منات کے نام کا احرام باندھتے تھے اور معمر نے کہا از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انصار کے بعض مرد منات کے لیے احرام باندھتے تھے اور منات مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا: انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیک وسلم!) ہم منات کی تعظیم کی وجہ سے صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہیں کرتے، یہ سفیان کی حدیث کی مثل ہے (کیونکہ وہ اسلام سے پہلے منات کی تعظیم کے لیے صفا اور مروہ میں سعی کرتے تھے۔)

عروہ کے اشکال کا حضرت عائشہ کی طرف سے جواب اور منات کی وجہ تسمیہ اور محل وقوع میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زہری نے کہا: میں نے عروہ سے سنا، انہوں نے بتایا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا، اس جگہ کچھ عبارت محذوف ہے، اصل عبارت اس طرح ہے کہ عروہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اور میں اس وقت کم عمر تھا: یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (البقرہ: ۱۵۸)

پس میں نہیں سمجھتا کہ اس شخص پر کوئی گناہ ہوگا جو صفا اور مروہ کی سعی نہ کرے، پس حضرت عائشہ نے کہا: یہ آیت اس شخص کے متعلق ہے جس نے منات کی تعظیم کی وجہ سے احرام باندھا، حضرت عائشہ نے منات الطاغیہ فرمایا، یعنی جن سرکش لوگوں نے منات کی تعظیم کے لیے احرام باندھا، اس منات کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ مشلل میں ہے اور یہ قدید کی ایک جگہ ہے۔

یعنی جو لوگ پہلے اس بت کے لیے حج کرتے تھے وہ صفا اور مروہ کے درمیان حج اور عمرہ میں سعی نہیں کرتے تھے کیونکہ سعی کی جگہ میں اساف اور نائلہ کے دو بت تھے، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا اس پر ان دونوں کا طواف (سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (البقرہ: ۱۵۸)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ میں سعی کی اور مسلمانوں نے آپ کے ساتھ ان کے درمیان سعی کی۔

سفیان نے کہا: اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

اور عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر الفہمی نے کہا: یہ ہشام کی طرف سے ایک سو ستائیس ہجری (۱۲۷) میں مصر کے امیر تھے،

انصار اور قبیلہ غسان کے لوگ اسلام لانے سے پہلے منات کی تعظیم کے لیے احرام باندھتے تھے، یہ سفیان بن عیینہ کی حدیث کی مثل ہے، منات مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا یعنی منات اس بت کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھا، یہ بت خزاعہ اور ہزیل کا تھا، اس کا نام منات اس لیے رکھا گیا کہ جانوروں کا خون اس بت پر بہایا جاتا تھا اور عربی میں بہائے جانے کے لیے یمنی کا لفظ ہے اور اسی کی مناسبت سے منات کا نام ہے۔

اور تفسیر ابن عباس میں مذکور ہے کہ منات ساحل سمندر پر ایک بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی اور تفسیر عبدالرزاق میں قتادہ سے روایت ہے کہ اہل طائف کے بت کا نام اللات تھا اور قریش کے بت کا نام عزیٰ تھا اور انصار کے بت کا نام منات تھا اور ابن زید سے منقول ہے کہ مشلل میں منات کا ایک گھر تھا جس کی بنوکعب عبادت کرتے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پتھر کے بتوں کا نام منات تھا جو کعبہ کے اندر رکھے ہوئے تھے اور قریش ان کی پرستش کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور اور علامہ عینی کی شرح کی وضاحت از مصنف

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عروہ کو یہ شبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہ کرے اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا حالانکہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا حج میں واجب ہے، حضرت عائشہ نے ان کو سمجھایا اگر بات اس طرح ہوتی جس طرح تم کہہ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: جو صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: جو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انصار اور غسان کے قبیلے اسلام لانے سے پہلے منات کی تعظیم کے لیے احرام باندھتے تھے اور صفا اور مروہ میں ان کی تعظیم کے لیے سعی کرتے تھے، پھر اسلام لانے کے بعد انہوں نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کو مکروہ سمجھا کیونکہ یہ سعی تو وہ قبل از اسلام منات کی تعظیم کے لیے کرتے تھے، حضرت عائشہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صفا اور مروہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان طواف یا سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ہے اور مسلمانوں نے بھی ان کے درمیان سعی کی ہے۔

۷۔ بَابٌ: فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا ﴿۶۲﴾ (النجم: ۶۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو○ (النجم: ۶۲) کی تفسیر

۴۸۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ تَابَعَهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَيُّوبَ وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ عُلَيَّةَ ابْنَ عَبَّاسٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سورۃ النجم کا سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمین، مشرکین، جن اور انس نے سجدہ کیا، عبدالوارث کی ابراہیم بن طہمان نے متابعت کی ہے از ایوب اور ابن علیہ نے حضرت ابن عباس کا ذکر نہیں کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۷۱ میں گزر چکی ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کے سجدہ کرنے کی توجیہ

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ مشرکین نے اس لیے سجدہ کیا کیونکہ یہ پہلی آیت سجدہ تھی جو نازل ہوئی تھی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے معبود کے لیے سجدہ کر کے مسلمانوں سے معارضہ کریں یا انہوں نے بلاقصد یہ سجدہ کر لیا تھا یا وہ اس مجلس میں مسلمانوں کی مخالفت کرنے سے ڈرے، اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے دوران شیطان نے یہ دو جملے القاء کر دیئے تھے:

تلك الغرانيق العلى　　منها الشفاعة ترتجى

یہ اونچی اڑان والے پرندے　　ان کی شفاعت کی امید کی گئی ہے

سو یہ قول عقلاً صحیح ہے نہ نقلاً۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۹۲)
اس کی پوری تفصیل اور تحقیق سورۃ الحج کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

۴۸۶۳۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ أَخْبَرَنِي أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ أَوَّلُ سُورَةٍ أُنْزِلَتْ فِيهَا سَجْدَةٌ وَالنَّجْمِ قَالَ فَسَجَدَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَسَجَدَ مَنْ خَلْفَهُ إِلَّا رَجُلًا رَأَيْتُهُ أَخَذَ كَفًّا مِنْ تُرَابٍ فَسَجَدَ عَلَيْهِ فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ قُتِلَ كَافِرًا وَهُوَ أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں نصر بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو احمد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از الاسود بن یزید از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ جس پہلی سورت میں آیت سجدہ نازل ہوئی وہ النجم ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور آپ کے پیچھے ایک شخص کے سوا سب نے سجدہ کیا، میں نے اس شخص کو دیکھا اس نے اپنی ہتھیلی میں مٹی اٹھائی اور اس پر سجدہ کیا، پس میں نے بعد میں دیکھا وہ شخص حالت کفر میں قتل کیا گیا اور وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۰۶۷ میں گزر چکی ہے۔

حافظ ابن حجر کا علامہ کرمانی سے مناقشہ اور اس پر علامہ عینی کے اعتراضات

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ اس لیے سجدہ کیا کہ یہ پہلی آیت سجدہ تھی تو انہوں نے اپنے معبود کے لیے سجدہ کر کے مسلمانوں سے معارضہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ علامہ کرمانی نے اس کو قاضی عیاض سے نقل کیا ہے، علامہ عینی نے لکھا: حافظ ابن حجر نے اس پر اعتراض کی وجہ بیان نہیں کی، علامہ کرمانی نے لکھا یا انہوں نے بلاقصد سجدہ کیا، حافظ ابن حجر نے کہا: یہ حضرت ابن مسعود کی اس روایت کے خلاف ہے کہ اس نے اپنی ہتھیلی میں مٹی اٹھا کر اس پر سجدہ کر لیا، علامہ عینی اس کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس اعتراض سے یہ احتمال دور نہیں ہوتا کہ انہوں نے بلاقصد سجدہ کیا تھا، علامہ کرمانی نے تیسری وجہ یہ بیان کی ہے: مشرکین نے اس لیے سجدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مخالفت سے ڈرتے تھے، حافظ ابن حجر نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے اس لیے کہ اس وقت مسلمان مشرکین سے ڈرتے تھے نہ کہ مشرکین مسلمانوں سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ دین کے دشمن تھے اور مسلمانوں کو ہلاک کرنے کا قصد کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۰۳، عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۹۲)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ النجم کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کیں تھی ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ اقتربت الساعۃ یعنی سورۃ القمر کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۴۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ اقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ

سُوۡرَۃُ اقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ (سورۃ القمر) کی تفسیر

سُوۡرَۃُ اقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ (سورۃ القمر) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت اقتربت الساعۃ کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس سورت کا نام سورۃ القمر بھی ہے، مقاتل نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے سوا تین آیتوں کے: (۱) اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ۝ (القمر: ۴۴) (۲) وَالسَّاعَۃُ اَدۡهٰی وَ اَمَرُّ ۝ (القمر: ۴۶) (۳) سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ (القمر: ۴۵)، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب بدر کے دن ابوجہل بن ہشام کو قتل کر دیا تھا، اس سورت میں پچپن (۵۵) آیات ہیں۔

اقتربت الساعۃ کا معنی ہے: قیامت قریب آ پہنچی ہے۔

قَالَ مُجَاهِدٌ مُسۡتَمِرٌّ ذَاهِبٌ۔ اور مجاہد نے کہا: مُسۡتَمِر: کا معنی ہے: جانے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً یُّعۡرِضُوۡا وَیَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ۝ (القمر: ۲) اور (کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو وہ جادو ہے جو پیچھے سے چلا آ رہا ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مستمر کی تفسیر کی ہے: ذَاهِبٌ یعنی جانے والا، اسی طرح امام عبدالرزاق کی حضرت انس سے روایت ہے۔ کتب تفسیر میں مذکور ہے: جو عنقریب چلا جائے اور باطل ہو جائے، اور ضحاک سے مروی ہے: اس کا معنی ہے: محکم اور بہت قوی ہے، اور قتادہ سے منقول ہے: اس کا معنی ہے: غالب اور ربیع سے منقول ہے: اس کا معنی ہے، نافذ اور امام ابوعبیدہ سے منقول ہے: اس کا معنی ہے، باطل۔

مُزۡدَجَرٌ مُتَنَاهٍ۔ مُزۡدَجَر کا معنی ہے: متناہی یعنی انتہائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ مَا فِیۡهِ مُزۡدَجَرٌ ۝ (القمر: ۴) اور بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جن میں (شرک پر) سرزنش ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مزدجر کی تفسیر کی ہے: انتہائی یعنی ڈانٹ ڈپٹ جس پر اور اضافہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح قتادہ نے اس کی تفسیر کی ہے یعنی تمہارے پاس گزشتہ امتوں کے عذاب کی انتہائی خبریں آ چکی ہیں اور مزدجر کا لفظ اصل میں مُزۡتَجَرٌ تھا، تاء کو دال سے تبدیل کر دیا گیا۔

وَازۡدُجِرَ فَاسۡتُطِیۡرَ جُنُوۡنًا۔ وَازۡدُجِرَ اس کا معنی ہے: وہ جنون کی وجہ سے ڈرایا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝ (القمر:۹) اس سے پہلے نوح کی قوم نے تکذیب کی، سو انہوں نے ہمارے بندے (نوح) کی تکذیب کی اور کہا: یہ دیوانہ ہے اور ان کو جھڑ کا گیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَازْدُجِرَ کا معنی کیا ہے: ان کو جنون کی وجہ سے ڈرایا گیا ہے، اور ابن زید نے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام پر تہمت لگائی اور ان کو جھڑ کا اور ان کو ڈرایا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جن کو سنگسار کیا گیا ہے اور الثعلبی نے کہا: اس کا معنی ہے کہ کافروں نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی دعوت اور تبلیغ پر جھڑ کا۔

دُسُرٍ أَضْلَاعُ السَّفِيْنَةِ۔ دُسُرٍ اس کا معنی ہے: کشتی کی اطراف یعنی کشتی کے تختے اور کیلیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ (القمر:۱۳) اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے دُسُر کی تفسیر کشتی کے اطراف کے ساتھ کی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ دُسُر کا معنی ہے: کیلیں، دسرت السفینہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کشتی کو کیلیں ٹھونک کر مضبوط کر دیا جائے، یہ قتادہ اور ابن زید کا قول ہے، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ اس سے مراد کشتی کا اگلا حصہ ہے کیونکہ وہ حصہ پانی کو دھکیلتا ہے اور دسر کا لغوی معنی پھینکنا اور دھکیلنا ہے، العنبر کے متعلق حدیث میں ہے: انما ھو شیئ دسرہ البحر یہ وہ چیز ہے جس کو سمندر نے پھینک دیا۔

لِمَنْ كَانَ كُفِرَ يَقُوْلُ كُفِرَ لَهٗ جَزَآءً مِّنَ اللّٰهِ۔ لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ اللہ کی طرف سے اس کی سزا ہے جو نوح کی ناشکری کی گئی تھی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ (القمر:۱۴) جو کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی اس کے صلہ میں جس کے ساتھ کفر کیا گیا تھا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: یہ اللہ کی طرف سے اس کی سزا ہے جو نوح علیہ السلام کی ناشکری کی گئی تھی اور لَهٗ کی ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کافروں کے ساتھ جو معاملہ کیا کہ آسمان نے بارش برسائی اور زمین نے چشموں سے پانی اگل دیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی سزا تھی جو کافروں نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے ساتھ سلوک کیا تھا، علامہ نسفی نے کہا ہے کہ یہ ان کے کفر کی سزا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو ان کے کفر کی سزا دی ہے یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا اور قتادہ نے کہا ہے: جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی ناشکری کی اس کی وجہ سے ان کافروں کو سزا دی۔

مُحْتَضَرٌ يَحْضُرُوْنَ الْمَاءَ۔ مُحْتَضَرٌ یعنی وہ پانی پر حاضر ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ (القمر:۲۸) اور آپ انہیں بتا دیجئے کہ ان کے اور اونٹنی کے درمیان پانی تقسیم کیا گیا ہے، ہر ایک اپنے پانی کی باری پر حاضر ہوگا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پانی پر اس وقت حاضر ہوگی جب اونٹنی غائب ہوگی، اسی طرح مجاہد سے

روایت ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: یعنی ہر ایک اپنی باری کے لیے حاضر ہوگا یعنی جب اونٹنی کی باری ہوگی تو وہ پانی پر حاضر ہوگی اور جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی باری ہوگی تو وہ پانی پر حاضر ہوں گے۔

وَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ مُهْطِعِيْنَ النَّسَلَانُ الْخَبَبُ السِّرَاعُ۔ اور ابن جبیر نے کہا: مُهْطِعِيْنَ کا معنی ہے: النسلان یعنی تیز تیز چلنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مُهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝ (القمر:۸) وہ بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے، کافر کہیں گے: یہ بہت سخت دن ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: سعید بن جبیر نے کہا: مُهْطِعِيْنَ کا معنی ہے: دوڑنے والا، اس کا مصدر اہطاع ہے، امام بخاری نے کہا: ہے النسلان یہ مُهْطِعِيْنَ کی تفسیر ہے یعنی جو تیز تیز چلتے ہیں، پھر امام بخاری نے اس کی تفسیر الخبب کے ساتھ کی ہے، یہ بھی دوڑنے کی ایک قسم ہے: پھر امام بخاری نے اس کی تائید السراع کے ساتھ کی ہے جس کا مصدر المسارعۃ ہے، حضرت ابن عباس نے مُهْطِعِيْنَ کی تفسیر ناظرین کے ساتھ کی ہے، یعنی دیکھنے والے اور قتادہ سے منقول ہے: وہ دوڑ کر بلانے والے کی طرف جا رہے ہوں گے اور احمد بن یحییٰ نے کہا: مہطع کا معنی ہے: جو ذلت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے دیکھتا ہے اور داعی یعنی بلانے والے حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

وَقَالَ غَيْرُهٗ فَتَعَاطٰى فَعَاطَهَا بِيَدِهٖ فَعَقَرَهَا۔ اور دوسروں نے کہا: فَتَعَاطٰى کا معنی ہے: فعاطها بیدہ یعنی اس اونٹنی کو ہاتھ سے پکڑا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۝ (القمر:۲۹) سو انہوں نے اپنے صاحب کو پکارا تو (اس نے اونٹنی کو پکڑ کر) اس کی کونچیں کاٹ دی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: سعید بن جبیر کے علاوہ دوسروں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ فَتَعَاطٰى کا معنی ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پکڑ کر اس کی کونچیں کاٹ دیں، علامہ ابن التین نے کہا ہے: امام بخاری نے جو لکھا ہے: فَعَاطَهَا اس کا کوئی معنی نہیں ہے، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ یہ مقلوب ہو اور اس کے عین کلمہ کو لام کلمہ سے بدل دیا گیا ہو اور اس کا مادہ عوط کے بجائے عَطْوٌ ہو تو اس کا معنی ہاتھ سے پکڑنا ہے اور رہا عوط تو اس کا کلام عرب میں کوئی معنی نہیں ہے اور اگر یہ اجوف یائی ہو یعنی عیت سے بنا ہو تو اس کا معنی یہاں موافق نہیں ہے، ابن فارس نے کہا: تعاطی کا معنی ہے: جزا اور بدلہ۔

الْمُحْتَظِرِ كَحِظَارٍ مِنَ الشَّجَرِ مُحْتَرِقٍ۔ الْمُحْتَظِرِ: اس کا معنی ہے: وہ درخت کی جلی ہوئی لکڑیوں کی باڑھ کی طرح ہو گئے۔ باڑھ سے مراد ہے: جو چیز آگ کے اور دوسروں کے درمیان رکاوٹ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ (القمر:۳۱) بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑھ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گئے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے محتضر کی تفسیر حضار کے ساتھ کی ہے یعنی درخت کی ٹوٹی ہوئی اور جلی ہوئی لکڑی، حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر کی ہے: یعنی جو عذاب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کی وجہ سے بھیجا گیا تھا اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: محتضر کا معنی ہے کہ مرد جو اپنی بکریوں کے لیے درخت کی لکڑیوں سے اور کانٹوں سے باڑھ بناتا ہے، پس جو چیز اس باڑھ سے گر جائے یا جس کو بکریاں روند ڈالیں وہ الھشیم ہے، قتادہ نے کہا: یعنی گلی ہوئی اور جلی ہوئی ہڈیوں کی طرح اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی ایک روایت ہے اور ان سے دوسری روایت ہے کہ اس سوکھی ہوئی گھاس کی طرح جس کو بکری کھاتی ہے۔

اُزْدُجِرَ افْتُعِلَ مِنْ زَجَرْتُ۔ اُزْدُجِرَ: یہ زجرت سے اُفْتُعِلَ کے وزن پر ہے یعنی اُزْتُجِرَ تاء کو دال سے بدل دیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۝ (القمر:۹) سو انہوں نے ہمارے بندے (نوح) کی تکذیب کی اور کہا: یہ دیوانہ ہے اور ان کو جھڑکا گیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق ابھی ابھی گزر چکی ہے، امام بخاری نے اس کا اعادہ یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ ازدجر باب افتعال سے ہے اور اس کی تاء دال سے بدلی ہوئی ہے، امام بخاری نے جو کہا ہے: یہ زجرت سے ماخوذ ہے یہ صحیح نہیں کہا کیونکہ فعل فعل سے مشتق نہیں ہوتا بلکہ مصدر سے مشتق ہوتا ہے۔

كُفِرَ فَعَلْنَا بِهِ وَبِهِمْ مَا فَعَلْنَا جَزَاءً لِمَا صُنِعَ بِنُوحٍ وَأَصْحَابِهِ۔ کفر: اس سے مراد ہے ہم نے نوح اور ان کی قوم کے ساتھ جو معاملہ کیا یہ اس کی سزا تھی جو کافروں نے نوح اور ان کے اصحاب کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق بھی القمر: ۱۴ کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور اگر امام بخاری اس تعلیق کو یہاں ذکر نہ کرتے تو زیادہ بہتر تھا اور کفر سے مراد کفران نعمت ہے یعنی ہم نے نوح کو بھیج کر ان کو جو ہدایت کی نعمت دی تھی ان کافروں نے اس کی ناشکری کی، اس وجہ سے ان کو پانی کے سیلاب کا عذاب دیا گیا۔

مُسْتَقِرٌّ عَذَابٌ حَقٌّ۔ مستقر: اس کا معنی ہے، برحق عذاب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ (القمر:۳۸) اور بے شک ان کو طے شدہ عذاب نے علی الصبح تباہ کر دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مستقر کی تفسیر عذاب حق کے ساتھ کی ہے اور اسی طرح الفراء نے کہا ہے، عبد بن حمید نے قتادہ سے روایت کی ہے: ان کافروں کا ٹھکانہ دوزخ کا عذاب ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے: عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ کا معنی ہے: دائمی اور ہمیشہ کا عذاب۔

يُقَالُ الْأَشِرُ الْمَرَحُ وَالتَّجَبُّرُ۔ الاشر: کا معنی ہے: اترانے والا اور تکبر کرنے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ۝ (القمر:۲۶) عنقریب کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الاشر کی تفسیر اترانے والے اور جھوٹے کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اور

دوسروں نے اس کی تفسیر کی ہے۔[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۹۷۔ ۲۹۴ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ: وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَإِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (القمر:۱۔۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ۝ (اور کافر) اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو وہ جادو ہے جو پیچھے سے چلا آ رہا ہے ۝ (القمر:۲۔۱) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

پوری آیت اس طرح ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر:۱) قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ۝

القمر:۲، میں آیت کا معنی معجزہ ہے یعنی کفار جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۶۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ وَسُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةً فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةً دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اشْهَدُوْا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ وسفیان از الاعمش از ابراہیم از ابی معمر از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے تھا تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ ہو جاؤ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۳۶ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

چاند کے شق ہونے کی جگہ میں متعدد روایات اور اقوال

جس جگہ چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اس کی تعیین میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، ایک ٹکڑا سویداء پر تھا اور دوسرا ٹکڑا خندمہ پر تھا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں، پس آپ نے ان کو دکھایا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے حرا پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

تفسیر ابوعبداللہ میں مذکور ہے کہ مشرکین نے نبی ﷺ سے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں چاند کو شق کر کے دکھائیں؟ آپ نے پوچھا: اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم ایمان لے آؤ گے؟ اور وہ جمعہ کی رات تھی۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، نصف ٹکڑا صفا پہاڑ پر تھا اور نصف ٹکڑا قعیقعان پر تھا۔ الحدیث

امام بخاری نے از ابو معمر از حضرت عبداللہ روایت کی ہے: انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا مکہ میں ابوقبیس پہاڑ پر تھا اور دوسرا ٹکڑا السویداء پر تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے چاند کا نصف ٹکڑا قعیقعان پر دیکھا۔

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے سامنے تھا اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے تھا۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۶۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَصَارَ فِرْقَتَيْنِ فَقَالَ لَنَا اشْهَدُوا اشْهَدُوا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی نجیح نے خبر دی از مجاہد از ابی معمر از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ چاند شق ہو گیا اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے پس چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تو آپ نے ہم سے فرمایا: گواہ ہو جاؤ گواہ ہو جاؤ۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۳۶۳۶ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۶۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي بَكْرٌ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ فِي زَمَانِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے بکر نے حدیث بیان کی از جعفر از عراک بن مالک از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند شق ہو گیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۳۸ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۶۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ سَأَلَ أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: اہل مکہ نے سوال کیا کہ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے ان کو چاند کا شق ہونا دکھایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۱۷ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۶۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ فِرْقَتَيْنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا کہ چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۳۷ میں گزر چکی ہے۔

سورۃ القمر میں شق القمر سے مراد قرب قیامت میں اس کا شق ہونا ہے نہ کہ وہ شق القمر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ الحلیمی نے اپنی منہاج میں لکھا ہے کہ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر: ۱) کا معنی ہے کہ چاند شق ہوگا جیسے اَتٰی

اَمۡرُ اللّٰهِ (النحل:١) کا معنی ہے: اللہ کا حکم آ پہنچے گا، انہوں نے کہا: جب اس طرح ہے تو معلوم ہوا کہ سورۃ القمر میں جو چاند کے شق ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد قیامت میں چاند کا شق ہونا ہے، اس سے چاند کا وہ شق ہونا مراد نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر حجت بنایا تھا۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۲۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٢۔ بَابٌ: تَجۡرِيۡ بِاَعۡيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدۡ تَّرَكۡنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر:١٤۔١٥)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جو (کشتی) ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی ان کے صلہ میں جن کے ساتھ کفر کیا گیا تھا○ اور بے شک ہم نے اس کو نشانی بنا کر چھوڑا، تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا○ (القمر:١٥۔١٤) کی تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی کو بنانا اور اس کو سیلاب میں چلانا کفار کو سزا دینے کے لیے تھا

علامہ عینی ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسی کشتی پر سوار کیا جس پر تختے جڑے ہوئے تھے اور کیلیں ٹھکی ہوئی تھیں اور وہ کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی، مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ہماری حفاظت میں چل رہی تھی اور مقاتل بن سلیمان نے کہا: وہ کشتی ہماری وحی کے موافق چل رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جَزَآءً لِّمَنۡ كَانَ كُفِرَ○ یعنی ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول کر بارش برسائی اور زمین نے اپنا پانی اگلا، ہمارا یہ فعل ان لوگوں کی سزا کے لیے تھا جنہوں نے نوح علیہ السلام کی ناشکری کی کیونکہ اللہ کا نبی اس کی نعمت اور اس کی رحمت ہے، پس حضرت نوح علیہ السلام ایسی نعمت تھے جن کی ان کی قوم کے کافروں نے ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ناشکری کی ان کو یہ سزا دی کہ ان کو سیلاب میں غرق کر دیا۔

امام بخاری نے کہا: ہم نے اس (کشتی) کو نشانی بنا کر چھوڑا۔ (القمر:١٥) یعنی ہم نے اس کشتی کو عبرت اور نصیحت بنا کر چھوڑا حتیٰ کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کی طرف دیکھا اور اس کے بعد کتنی ہی کشتیاں راکھ بن گئیں، اور قتادہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو جزیرہ کی زمین پر ٹھہرادیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کشتی کو لمبے عرصہ تک الجودی پہاڑ پر ٹھہرادیا، اس کے بعد ارشاد ہے: تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا (القمر:١٥)۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: ہے کوئی اس سے عبرت پکڑنے والا اور نصیحت حاصل کرنے والا اور ڈرنے والا کہ ان پر ایسی مصیبت نہ آجائے یا ایسا عذاب نہ آجائے جیسے نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تھا حتیٰ کہ جو لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے وہ ڈر کر ایمان لے آئیں۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو باقی رکھا حتیٰ کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کشتی کو پالیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: قتادہ سے روایت ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کشتی کو ایک جزیرہ کی زمین پر باقی رکھا تاکہ بعد کے لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور اس کو نشانی بنادیا حتیٰ کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کو دیکھا اور اس کے بعد کتنی ہی کشتیاں ہیں جو راکھ بن گئیں، اور امام عبد بن حمید کی روایت میں ہے: اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کشتی کو جودی پہاڑ پر دیکھا۔

۴۸۶۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از الاسود از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قراءت کرتے تھے: فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: آپ اس لفظ کو دال کے ساتھ پڑھتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۲۹۹)

۳۔ بَابٌ: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝ (القمر: ۱۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا O (القمر: ۱۷) کی تفسیر

مجاہد نے کہا: يَسَّرْنَا کا معنی ہے: ہم نے اس کے پڑھنے کو آسان کر دیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام عبد بن حمید نے ابن ابی نجیح سے اسی طرح روایت کی ہے اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ہم نے اس کو حفظ کے لیے آسان کر دیا ہے اور قرآن مجید کے سوا اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کو پورا زبانی پڑھا جاتا ہے اور لِلذِّكْرِ کا معنی ہے: تاکہ اس کو یاد کیا جائے اور اس سے عبرت حاصل کی جائے اور اس میں غور و فکر کیا جائے۔

۴۸۷۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از شعبہ از ابی اسحاق از الاسود از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ پڑھتے تھے: فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

یعنی آپ ذال کے ساتھ پڑھتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۰۰)

۴۔ بَابٌ: تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ (القمر: ۲۰۔۲۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں O پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا O (القمر: ۲۱۔۲۰) کی تفسیر

علامہ بدر الدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ۝ (القمر: ۲۰)

(وہ آندھی) جوان کو اٹھا کر زمین پر اس طرح مارتی تھی جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں O

یہ آیت اور اس سے پہلی آیتیں قوم عاد کے متعلق ہیں یعنی وہ آندھی قوم عاد کے لوگوں کو زمین سے اٹھا کر اوپر سے ان کو سر کے بل اس طرح پھینکتی تھی کہ ان کی گردنیں ٹوٹ جاتی تھیں اور محمد بن قرظہ بن کعب نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ وہ آندھی لوگوں کو قبروں سے نکال کر اس طرح پھینکے گی جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں۔ منقعر کا معنی ہے: اپنی جگہ سے منقطع ہو کر زمین پر گرا ہوا ہو، اور اعجاز عجز کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کا پچھلا حصہ۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۰۰)

۴۸۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا سَأَلَ الْأَسْوَدَ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ أَوْ مُذَّكِرٍ فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ يَقْرَؤُهَا فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ قَالَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَؤُهَا فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ دَالًا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق، انہوں نے ایک مرد سے سنا جو الاسود سے سوال کر رہا تھا کہ یہ لفظ فھل من مدکر ہے یا مذکر ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ اس لفظ کو دال کے ساتھ فھل من مدکر پڑھتے تھے، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے دال کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے: فھل من مدکر۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی مدتکر میں تاء کو دال سے بدل کر دال میں ادغام کیا گیا ہے اور اس کو ذال سے بدل کر ذال میں ادغام نہیں کیا گیا ہے۔

۵۔ بَابٌ: فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝ (القمر: ۳۱۔۳۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو وہ باڑھ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گیا ۝ اور بے شک ہم نے حصول نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ۝ (القمر: ۳۲۔۳۱) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اور اس سے پہلی آیت حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے قصہ سے متعلق ہے، یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری تھی جس کی وجہ سے وہ لوگ چورا چورا ہو گئے، قرآن مجید میں ہے:

إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ (القمر: ۳۱)

بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑھ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گئے ۝

۴۸۷۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَرَأَ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ الْآيَةَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے خبر دی از شعبہ از ابی اسحاق از الاسود از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فھل من مذکر پڑھا ہے (ذال کے ساتھ)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حضرت ابن مسعود کی اس روایت کی ایک اور سند ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۰۱)

۶۔ باب: وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ (القمر: ۳۸-۳۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ان کو طے شدہ عذاب نے علی الصبح تباہ کر دیاO پس تم میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزا چکھوO (القمر: ۳۹-۳۸) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ الایہ، یہ آیت حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے قصہ میں ہے، ان کے اوپر صبح کے ابتدائی وقت میں عذاب آیا جس نے ان کو تباہ کر دیا۔

عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ الایہ، یعنی دائمی عذاب جو ان پر جاری رہا حتیٰ کہ اس نے ان کو عذاب آخرت کی طرف پہنچا دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۱۰)

۴۸۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَرَأَ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از الاسود از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے قراءت کی: فهل من مدكر (دال کے ساتھ)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۱ میں گزر چکی ہے۔

۷۔ بَابٌ: وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ (القمر: ۵۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بے شک ہم تم جیسی بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والاO (القمر: ۵۱) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت مجرموں کے قصہ کے بیان میں ہے۔

أَشْيَاعَكُمْ: اس کا معنی ہے: گزشتہ امتوں کے جو لوگ کفر میں تمہارے مشابہ تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۰۱)

۴۸۷۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَهَلْ مِنْ مُذَّكِرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی اسحاق از الاسود بن یزید از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قراءت کی: فهل من مذكر (ذال کے ساتھ) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فهل من مدكر (دال کے ساتھ)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱-۳۳ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس حدیث کی چھ (۶) سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور ان کو چھ مختلف ابواب میں ذکر کیا ہے اور ہر باب کا الگ الگ عنوان قائم کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۰۱)

۸۔ بَابٌ: سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ (القمر: ۴۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ۝ (القمر: ۴۵) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت اور اس سے پہلی آیات اہل مکہ کو ڈرانے کے لیے نازل ہوئی ہیں کیونکہ وہ کہتے تھے کہ ہماری جماعت غالب رہے گی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو سچا کیا اور ان کو بدر کے دن شکست دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ (القمر: ۴۵) عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ۝

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے پتا نہیں تھا کہ کون سی جماعت شکست کھائے گی، پس جب غزوۂ بدر کا دن آیا تو میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زرہ پہنے ہوئے تھے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے، یعنی کفار مکہ کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، اس آیت میں دُبُرٌ کا لفظ ہے جو واحد کا صیغہ ہے اور مراد کفار کی جماعت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ القمر کی تمام آیتوں کے آخری الفاظ اسی وزن پر ہیں، اگر دُبُرٌ کی جگہ ادبار کا لفظ لایا جاتا تو آخری الفاظ کی یکسانیت کی رعایت نہ رہتی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۰۲)

۴۸۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ح و حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ وُهَیْبٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ یَوْمَ بَدْرٍ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اللّٰهُمَّ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ بَعْدَ الْیَوْمِ فَأَخَذَ أَبُو بَکْرٍ بِیَدِهٖ فَقَالَ حَسْبُكَ یَا رَسُولَ اللهِ أَلْحَحْتَ عَلٰی رَبِّكَ وَهُوَ یَثِبُ فِي الدِّرْعِ فَخَرَجَ وَهُوَ یَقُولُ ﴿سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝﴾ (القمر: ۴۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبداللہ بن حوشب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (ح) اور مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عفان بن مسلم نے خبر دی از وہیب، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس وقت آپ غزوۂ بدر کے دن خیمہ میں تھے اور آپ یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد اور تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں، اے اللہ! اگر تو (مومنین کی ہلاکت) چاہتا ہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی، پس حضرت ابوبکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یا رسول اللہ! بس کریں آپ نے اپنے رب سے بہت اصرار کے ساتھ دعا کی ہے، اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تیزی سے چل رہے تھے

پھر آپ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے: عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے O (القمر: ۴۵)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۹۱۵ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی دوسندوں کی وضاحت اور اللہ تعالیٰ کے عہد اور وعدہ کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے، پہلی سند محمد بن عبداللہ بن حوشب سے شروع ہوتی ہے اور دوسری سند محمد سے شروع ہوتی ہے، الغسانی نے کہا ہے کہ شاید یہ محمد بن یحییٰ الذہلی ہیں۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری ان کا نام صرف محمد لکھتے ہیں اور پورا نام محمد بن یحییٰ الذہلی نہیں لکھتے کیونکہ وہ امام بخاری پر جرح اور تنقید کرتے تھے، وہ بھی امام بخاری کے استاذ ہیں لیکن اللہ کے کلام کے مخلوق ہونے یا نہ ہونے میں ان کا باہم اختلاف ہوا تھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور وہ غزوۂ بدر میں حاضر نہیں تھے تو انہوں نے یہ حدیث اس صحابی سے سنی ہوگی جو غزوۂ بدر میں حاضر تھے، اس لیے یہ حدیث مرسل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد یاد دلاتا ہوں، وہ عہد حسب ذیل آیت میں ہے:

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ۚۖ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۷۱-۱۷۲)

اور بے شک ہم نے پہلے ہی اپنے بندوں سے بات کر چکے ہیں جو رسول ہیں O کہ بے شک ان ہی کی مدد کی جائے گی O

اور اللہ کے وعدہ کے متعلق یہ آیت ہے:

وَ اِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىٕفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ۔ (الانفال: ۷)

اور یاد کرو جب اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک (پر غلبہ) کا تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ تمہارے لیے ہے۔

اس آیت میں ہے اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے۔۔۔ اس کے بعد مفعول محذوف ہے یعنی اگر تو مومنین کی ہلاکت چاہتا ہے تو پھر آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: الحت اس کا معنی ہے: آپ نے دعا میں بہت مبالغہ کیا۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۰۲)

۹۔ باب: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ۝ (القمر: ۴۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے O (القمر: ۴۶) کی تفسیر

امر کا لفظ مرارۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنی تلخی اور کڑواہٹ ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: غزوۂ بدر میں جو کفار کو قتل کیا گیا تھا اور گرفتار کیا گیا تھا اس سے بڑی مصیبت اور تلخ چیز قیامت ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۰۳)

۴۸۷۶۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي يُوسُفُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان

بن ماهك قال إني عند عائشة أم المؤمنين قالت لقد نزل على محمد ﷺ بمكة وإني لجارية ألعب ﴿بل الساعة موعدهم والساعة أدهى و أمر ۝﴾ (القمر:٤٦)، (صحیح البخاری:٤٨٧٦)

کی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یوسف بن ماہک نے خبر دی، انہوں نے بتایا کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا تو انہوں نے بتایا کہ جس وقت یہ آیت (سیدنا) محمد ﷺ پر مکہ میں نازل ہوئی: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَ أَمَرُّ ۝ (القمر:۴۶) بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے ۝ اس وقت میں کم عمر لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کی یہاں پر اختصار سے روایت کی ہے اور کتاب فضائل القرآن کے باب تالیف القرآن میں اس حدیث کی بہت طویل روایت کی ہے اور اس کی شرح ہم ان شاء اللہ وہیں پر کریں گے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۰۳)

٤٨٧٧۔ حدثني إسحاق حدثنا خالد عن خالد عن عكرمة عن ابن عباس أن النبي ﷺ قال وهو في قبة له يوم بدر أنشدك عهدك ووعدك اللهم إن شئت لم تعبد بعد اليوم أبدا فأخذ أبو بكر بيده وقال حسبك يا رسول الله فقد ألححت على ربك وهو في الدرع فخرج وهو يقول ﴿سيهزم الجمع و يولون الدبر ۝ بل الساعة موعدهم والساعة أدهى وأمر ۝﴾ (القمر:٤٥۔٤٦)

(صحیح البخاری: ۲۹۱۵، ۳۹۵۳، ۴۸۷۵، ۴۸۷۷، صحیح مسلم: ۱۷۶۳، مسند احمد: ۲۲۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از خالد از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے خیمہ میں بدر کے دن یہ دعا کی: اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں، اے اللہ! اگر تو (مومنین کی ہلاکت) چاہتا ہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی، پس حضرت ابوبکر نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: بس کریں یا رسول اللہ! آپ نے اپنے رب سے بہت مبالغہ سے دعا کی ہے، پھر آپ زرہ پہنے ہوئے باہر نکلے اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَ أَمَرُّ ۝ (القمر:۴۶۔۴۵) عنقریب ان کی جماعت شکست کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ۝ بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے ۝

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ القمر کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۂ رحمٰن کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۵۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَۃِ الرَّحْمٰنِ

سورۃ الرحمٰن کی تفسیر

سورۃ الرحمٰن کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الرحمٰن کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ ابوالعباس نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مکی ہے مگر ہمام نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، ابوالعباس نے کہا: یہ سورت کیسے مدنی ہو سکتی ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو عکاظ کے بازار میں پڑھا تھا اور یہ بازار مکہ میں ہے اور قریش نے جس قرآن کو بلند آواز سے سنا وہ سورۂ رحمٰن ہے، حضرت ابن مسعود نے الحجر کے پاس سورۂ رحمٰن کو پڑھا تو کفار نے آپ کو زدوکوب کیا حتیٰ کہ آپ کے چہرے پر نیل پڑ گیا اور سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے، علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ سورۂ رحمٰن سورۂ الدہر سے پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۃ الرعد کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں اٹھہتر (۷۸) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ بِحُسْبَانٍ كَحُسْبَانِ الرَّحَى۔

اور مجاہد نے کہا: بحسبان: کا معنی ہے: وہ چکی کی مثل گھوم رہے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ (الرحمٰن:۵)

سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے کہ سورج اور چاند اس طرح گھوم رہے ہیں جس طرح چکی اپنے قطب (چکی کی لوہے کی کیل جس پر چکی گھومتی ہے) پر گھومتی ہے اور حسبان کا لفظ مصدر ہے جیسے غفران اور کفران مصدر ہیں اور کبھی یہ حساب کی جمع ہوتا ہے جیسے رکبان اور رہبان راکب اور راہب کی جمع ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ سورج اور چاند ایک حساب سے چلتے ہیں اور مجاہد کی تعلیق کی امام عبد بن حمید نے ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا ہے: یہ دونوں اس طرح گھومتے ہیں جس طرح چکی اپنے قطب پر گھومتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حساب اور منازل سے چلتے ہیں اس سے تجاوز نہیں کر سکتے اور ابن زید اور ابن کیسان سے روایت ہے کہ اوقات، عمروں اور مدتوں کا حساب سورج اور چاند کی گردش سے کیا جاتا ہے اور سدی سے منقول ہے: جس طرح لوگوں کی اجل یعنی مدت حیات ہے اسی طرح ان کی بھی اجل ہے، پس جب ان کی اجل آئے گی تو یہ دونوں فنا ہو جائیں گے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ يُرِيدُ لِسَانَ الْمِيزَانِ۔

اور دوسروں نے کہا: اقیموا الوزن: سے مراد ہے: ترازو کی لسان یعنی ترازو کے دونوں پلڑوں کے درمیان ایک لکڑی جس سے دونوں پلڑوں کو برابر کیا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ۝ (الرحمن:۹) اور انصاف کے ساتھ صحیح وزن کرو اور تول میں کمی نہ کرو۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی مجاہد کے علاوہ دوسروں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: ترازو کے دونوں پلڑوں کی ڈنڈی کو انصاف سے برابر رکھو، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور ابن عیینہ سے منقول ہے کہ ہاتھ سے اس ڈنڈی کو سیدھا رکھو اور دل سے انصاف کرو اور وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ کا معنی ہے: ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

وَالْعَصْفُ بَقْلُ الزَّرْعِ إِذَا قُطِعَ مِنْهُ شَيْءٌ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَ فَذَلِكَ الْعَصْفُ وَالرَّيْحَانُ رِزْقُهُ وَالْحَبُّ الَّذِي يُؤْكَلُ مِنْهُ وَالرَّيْحَانُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ الرِّزْقُ وَالرَّيْحَانُ رِزْقُهُ وَالْحَبُّ الَّذِي يُؤْكَلُ مِنْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ وَالْعَصْفُ يُرِيدُ الْمَأْكُولَ مِنَ الْحَبِّ وَالرَّيْحَانُ النَّضِيجُ الَّذِي لَمْ يُؤْكَلْ وَقَالَ غَيْرُهُ الْعَصْفُ وَرَقُ الْحِنْطَةِ وَقَالَ الضَّحَّاكُ الْعَصْفُ التِّبْنُ وَقَالَ أَبُو مَالِكٍ الْعَصْفُ أَوَّلُ مَا يَنْبُتُ تُسَمِّيهِ النَّبَطُ هَبُورًا وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْعَصْفُ وَرَقُ الْحِنْطَةِ وَالرَّيْحَانُ الرِّزْقُ۔

کھیت کا وہ پودا جس کے پکنے سے پہلے اس کا کچھ حصہ کاٹ دیا جائے تو اس کو عصف کہتے ہیں اور ریحان اس کے پتے کو کہتے ہیں اور الحب سے مراد وہ دانے ہیں جن کو کھایا جاتا ہے اور ریحان کا معنی کلام عرب میں رزق اور روزی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے: جن دانوں کو کھایا جاتا ہے ان کو العصف کہتے ہیں اور ریحان ان پکے ہوئے دانوں کو کہتے ہیں جن کو (کچا) نہیں کھایا جاتا اور دوسروں نے کہا: گندم کے پتوں کو العصف کہتے ہیں اور ضحاک نے کہا: العصف کا معنی بھوسا ہے، ابو مالک نے کہا: کھیت کا جو پودا سب سے پہلے اگتا ہے اس کو العصف کہتے ہیں اور کسان اس کو ھَبُورا کہتے ہیں، اور مجاہد نے کہا: گندم کے پتوں کو العصف کہتے ہیں اور رزق اور روزی کو الریحان کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ۝ (الرحمن:۱۲) اور بھوسے والا غلہ ہے اور خوشبودار پھول ہیں۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ کھیت کے پودے کے جس حصہ کو پکنے سے پہلے کاٹ لیا جائے اس پودے کو العصف کہتے ہیں، اسی طرح الفراء سے منقول ہے اور ابن کیسان نے کہا: ہر اس چیز کے پتے کو العصف کہتے ہیں جس سے ابتداء میں دانے نکلیں، پھر وہ شاخ بن جائیں، پھر اللہ تعالیٰ اس میں غلاف پیدا کردے، پھر اس غلاف میں دانے پیدا کردے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کھیت کے سبز پتوں کے سروں کو کاٹ لیا جائے اور وہ سوکھ جائیں تو وہ العصف ہیں یعنی بھوسا۔

امام بخاری نے کہا: اور ریحان اس کے پتے ہیں یعنی دانہ کے پتے ہیں اور بعض نسخوں میں لکھا ہے کہ وہ اس کا رزق ہیں اور علامہ ثعلبی نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ریحان کا معنی رزق اور روزی ہے اور ضحاک سے منقول ہے کہ اس کا معنی طعام ہے یعنی گندم، پس الصعف کا معنی ہے: بھوسا اور ریحان کا معنی ہے: اس کا پھل اور حسن اور ابن زید سے مروی ہے کہ ریحان کا معنی وہ پھول ہے جس کو تم سونگھتے ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ کھیت کا سبز پودا ہے۔

امام بخاری نے کہا: الحب سے مراد وہ دانے ہیں جن کو کھایا جاتا ہے اور ریحان کا معنی کلام عرب میں رزق اور روزی ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں: ہم اللہ کے ریحان کو طلب کرنے کے لیے نکلے یعنی اس کے رزق کو طلب کرنے کے لیے نکلے۔

امام بخاری نے کہا کہ بعض علماء نے کہا ہے: جن دانوں کو کھایا جاتا ہے اس کو العصف کہتے ہیں: بعض علماء سے امام بخاری کی مراد

الفراء ہیں کیونکہ انہوں نے کہا کہ جن دانوں کو کھایا جاتا ہے وہ العصف ہیں اور جن پکے ہوئے دانوں کو کھایا نہیں جاتا وہ ریحان ہیں۔

امام بخاری نے لکھا ہے: ضحاک نے کہا: العصف کا معنی ہے: بھوسا: اس طرح ان کی تفسیر میں جویبر کی روایت سے منقول ہے۔

امام بخاری نے لکھا: اور ابو مالک نے کہا: ان کا نام معروف نہیں ہے، یہ ابوزرعہ کا قول ہے اور دوسروں نے کہا: ان کا نام غزوان ہے اور صحیح بخاری میں ان کے علاوہ اور کسی کا ذکر نہیں ہے اور یہ کوفی، تابعی اور ثقہ شخص ہیں۔

امام بخاری نے کہا: النبط: اس سے مراد عجمی کسان ہیں۔

امام بخاری نے کہا: ھبورا: اس سے مراد ہے: کھیت کے خشک پودوں کو کوٹنے کے بعد جو بھوسا نکلتا ہے۔

کعصف ماکول: اس کا معنی ہے: کھائے ہوئے بھوسے کی طرح۔

وَالْمَارِجُ اللَّهَبُ الْأَصْفَرُ وَالْأَخْضَرُ الَّذِي يَعْلُو النَّارَ إِذَا أُوقِدَتْ۔

المعارج: کا معنی ہے: زرد اور سبز رنگ کا شعلہ جو آگ کے بھڑکنے کے بعد اوپر کو اٹھتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ۝ (الرحمٰن: ۱۵) اور جن کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیاO

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مارج کی تفسیر زرد یا سرخ شعلہ کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے، یہ آگ کی زبان ہے جس کی طرف میں بھڑکتا ہوا شعلہ ہوتا ہے، دوسرا قول ہے: مارج کا معنی ہے: صاف اور خالص شعلہ جس میں دھواں نہ ہو اور جان سے مراد جنات کا باپ ہے، اور ضحاک سے مروی ہے: وہ ابلیس ہے اور ابوعبیدہ سے روایت ہے کہ الجان، الجن کا واحد ہے۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ مُجَاهِدٍ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ لِلشَّمْسِ فِي الشِّتَاءِ مَشْرِقٌ وَمَشْرِقٌ فِي الصَّيْفِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ مَغْرِبُهَا فِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ۔

اور بعض علماء نے بیان کیا کہ مجاہد نے رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ کی تفسیر میں کہا کہ سورج کا سردیوں میں ایک مشرق ہے (یعنی طلوع ہونے کی جگہ) اور گرمیوں میں دوسرا مشرق ہے اور رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ کی تفسیر میں کہا: سورج کا سردیوں میں ایک مغرب ہے اور گرمیوں میں دوسرا مغرب ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ۝ (الرحمٰن: ۱۷) وہی مشرقین کا رب ہے اور وہی مغربین کا رب ہےO

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے لکھا ہے: مشرق سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے اور مغرب سورج کے غروب ہونے کی جگہ ہے، ہر روز ایک نیا مشرق اور نیا مغرب ہوتا ہے، گرمیوں میں سورج ہر روز ایک درجہ پہلے طلوع ہوتا ہے اور سردیوں میں، سورج ہر روز ایک درجہ بعد میں طلوع ہوتا ہے، ویسے تو ہر روز الگ الگ مشرق اور مغرب ہیں لیکن گرمیوں اور سردیوں کے دو مشرقوں اور دو مغربوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے اس لیے ان کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۸۴۸، فرید اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

لَا يَبْغِيَانِ لَا يَخْتَلِطَانِ۔

لا یبغیان: اس کا معنی ہے: وہ سمندر ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ (الرحمٰن: ۱۹۔۲۰) اس نے (کھاری اور شیریں) دو سمندر جاری کیے جو (ایک دوسرے سے) مل جاتے ہیں O ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی وہ دو سمندر نہ ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں اور نہ متغیر ہوتے ہیں اور نہ ان میں سے ایک دوسرے کی حد سے تجاوز کرتا ہے اور قتادہ سے منقول ہے: وہ لوگوں کو غرق کر کے سرکشی نہیں کرتے اور ان دو سمندروں سے مراد بحر روم اور بحر ہند ہے، اسی طرح حسن بصری سے مروی ہے اور قتادہ سے منقول ہے: وہ دو سمندر بحر فارس اور بحر روم ہیں اور ان کے درمیان جو آڑ ہیں وہ مختلف جزائر ہیں اور مجاہد اور ضحاک سے مروی ہے: یعنی آسمان کا سمندر اور زمین کا سمندر جو ہر سال ملتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان دو سمندروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ ایک سمندر دوسرے سمندر کی حد سے تجاوز نہیں کرتا اور اس کی تائید ان کے قول سے ہوتی ہے جنہوں نے کہا: بحرین سے مراد بحر فارس اور بحر روم ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت طویل مسافت ہے۔

اَلْمُنْشَآتُ مَا رُفِعَ قِلْعُهٗ مِنَ السُّفُنِ فَاَمَّا مَا لَمْ يُرْفَعْ قِلْعُهٗ فَلَيْسَ بِمُنْشَاَةٍ۔ المنشأت: اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جن کا بادبان اوپر اٹھایا ہوا ہو اور جن کا بادبان اوپر نہ اٹھایا ہوا ہو وہ منشات نہیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۚ (الرحمٰن: ۲۴) اور سمندر میں پہاڑوں کی مانند اونچی چلنے والی کشتیاں اسی کی ملکیت ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَلْمُنْشَئٰتُ کی جو تفسیر کی ہے وہی مجاہد کا قول بھی ہے اور الجوار، اَلْجَارِيَةُ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: بڑی بڑی کشتیاں اور اَلْمُنْشَئٰتُ کا معنی ہے: اونچے بادبانوں والی کشتیاں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مخلوقات ہیں جو بلند اور مسخر ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ كَالْفَخَّارِ كَمَا يُصْنَعُ الْفَخَّارُ۔ اور مجاہد نے کہا: کالفخار: جس طرح ٹھیکرے بنائے جاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ (الرحمٰن: ۱۴) اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: فخار کا معنی ہے: جس سوکھی ہوئی مٹی کو آگ میں تپالیا جائے تو وہ بجتا ہوا ٹھیکرا بن جاتا ہے۔

اَلشُّوَاظُ لَهَبٌ مِنْ نَارٍ۔ اَلشواظ: اس کا معنی ہے: آگ کا شعلہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ (الرحمٰن: ۳۵) (اے مکذبو!) تم پر (روز قیامت) آگ کا خالص شعلہ چھوڑا جائے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی مجاہد کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ شواظ اس آگ کو کہتے ہیں جس میں دھواں نہ ہو اور ضحاک سے منقول ہے کہ شواظ اس دھوئیں کو کہتے ہیں جو شعلہ سے نکلتا ہے اور یہ وہ دھواں نہیں ہے جو جلی ہوئی لکڑیوں سے نکلتا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَنُحَاسٌ النُّحَاسُ الصُّفْرُ يُصَبُّ عَلٰى اور مجاہد نے کہا: نحاس: کا معنی ہے: پیتل یا تانبا (جو پگھلا ہوا ہو) جس

رُؤُسِهِمْ فَيُعَذَّبُونَ بِهِ۔ کو ان کے سروں پر ڈال کر اس کے ساتھ ان کو عذاب دیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝ (الرحمٰن: ۳۵) (اے مکذبو!) تم پر (روز قیامت) آگ کا خالص شعلہ چھوڑا جائے گا، پھر تم اس کو دور نہ کر سکو گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نحاس کی تفسیر پگھلا ہوا تانبا کی ہے، اور اسی طرح مجاہد نے اس کی تفسیر کی ہے۔

میں کہتا ہوں: نحاس کا دوسرا معنی دھواں ہے جس طرح ہم نے اس آیت کا ترجمہ ہے۔

خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ يَهُمُّ بِالْمَعْصِيَةِ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَيَتْرُكُهَا۔ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ: اس کا معنی ہے: ایک شخص گناہ کا ارادہ کرتا ہے پھر وہ اللہ عزوجل کو یاد کرتا ہے، پھر اس گناہ کو ترک کر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح بخاری کے دار الفکر کے مطبوعہ نسخہ میں اس تعلیق کے بعد لھب من نار چھپا ہوا ہے سو یہ غلط ہے یہ دراصل شواظ کا معنی ہے جو کمپوزنگ کی غلطی سے یہاں کمپوز ہو گیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن: ۴۶) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ایک مرد یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ کوئی گناہ کرے گا، پھر وہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کی عظمت کو یاد کرتا ہے، پھر وہ یہ یاد کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کے ارتکاب پر سزا دیتا ہے اور گناہ کو ترک کرنے پر ثواب عطا فرماتا ہے تو وہ اس گناہ کو ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں میں داخل کر دیتا ہے جن کے لیے دو جنتیں ہیں۔

مُدْهَامَّتَانِ سَوْدَاوَانِ مِنَ الرِّيِّ۔ مُدْهَآمَّتٰنِ: اس کا معنی ہے: وہ دونوں باغ سیرابی کی وجہ سے سیاہ رنگ کے دکھائی دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مُدْهَآمَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن: ۶۴) وہ دونوں جنتیں سیاہی مائل سبز رنگ کی ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی وہ شدید سبز رنگ کی وجہ سے سیاہ معلوم ہوں گی کیونکہ جب سبز رنگ گاڑھا ہو تو وہ سیاہ دکھائی دیتا ہے۔

صَلْصَالٍ طِينٌ خُلِطَ بِرَمْلٍ فَصَلْصَلَ كَمَا يُصَلْصِلُ الْفَخَّارُ وَيُقَالُ مُنْتِنٌ يُرِيدُونَ بِهِ صَلَّ يُقَالُ صَلْصَالٌ كَمَا يُقَالُ صَرَّ الْبَابُ عِنْدَ الْإِغْلَاقِ وَصَرْصَرَ مِثْلُ كَبْكَبْتُهُ يَعْنِي كَبَبْتُهُ۔ صلصال: یعنی جس کیچڑ میں ریت ملا دی جائے تو وہ ٹھیکرے کی طرح کھنکھنانے اور بجنے لگتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صَلَّ بدبودار کیچڑ کو کہتے ہیں، اس کو صلصال بھی کہا جاتا ہے جس طرح دروازہ بند کرتے وقت جو آواز آئے اس کو صَرَّ الباب اور صَرْصَرَ کہا جاتا ہے جیسے كَبْكَبْتُهُ کا معنی ہے: كَبَبْتُهُ یعنی میں نے اس کو اوندھا کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ (الرحمٰن: ۱۴) اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: خَلَقَ الْاِنْسَانَ سے مراد ہے: حضرت آدم کو بنایا، مِنْ صَلْصَالٍ کا معنی ہے: اس سوکھی ہوئی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی اور بجتی تھی، امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے کہ جب کیچڑ میں ریت ملادی جائے اور کیچڑ سوکھ جائے تو وہ بہت مضبوط ہو جاتی ہے اور جب اسے کسی چیز پر مارا جائے تو اس سے کھنکھنانے اور بجنے کی آواز آتی ہے۔

امام بخاری نے کہا: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صَلَّ بدبوار مٹی کو کو کہتے ہیں: جیسے لَحْمٌ مُنْتَنٌ کہتے ہیں یعنی بدبودار گوشت اس کو صَلَّ کہتے ہیں خواہ وہ پکا ہو یا کچا۔

امام بخاری نے لکھا، صلصال کہا جاتا ہے جیسے صر الباب کہا جاتا ہے: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ صلصل، صل کا مضاعف ہے جیسے دروازہ بند کرتے وقت جو آواز آتی ہے اس کو صر الباب کہا جاتا ہے اور اس کا مضاعف صرصر ہے جیسے کَبَّ کا مضاعف کَبْکَبَ ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا۔ (الشعراء:۹۴) تمام گمراہ لوگ دوزخ میں اوندھے منہ گرادیئے جائیں گے۔

امام بخاری اور امام ابوحنیفہ کا اس بات میں مناقشہ کہ آیا کھجور اور انار پھلوں میں داخل ہیں یا نہیں، امام ابوحنیفہ کے نزدیک کھجور اور انار پھلوں میں داخل نہیں بلکہ وہ غذا اور دواء ہیں اور امام بخاری کے نزدیک وہ پھلوں میں داخل ہیں

فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ الرُّمَّانُ وَالنَّخْلُ بِالْفَاكِهَةِ وَأَمَّا الْعَرَبُ فَإِنَّهَا تَعُدُّهَا فَاكِهَةً۔

فاکھة و نخل و رمان: یعنی پھل، کھجور اور انار اور بعض ائمہ (امام ابوحنیفہ) نے کہا: انار اور کھجور پھل نہیں ہیں لیکن عرب ان کو پھلوں میں شمار کرتے ہیں۔

جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ (البقرہ:۲۳۸) تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی۔

پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام نمازوں کا حکم دیا، پھر اس کی تاکید کے لیے عصر کی نماز کا بہ طور تاکید دوبارہ ذکر کیا، اسی طرح پہلے فاکھۃ میں تمام پھلوں کا ذکر کیا، پھر دوبارہ النخل و رمان یعنی کھجور اور انار کا بہ طور تاکید ان پر عطف کیا (تو یہ تخصیص بعد التعمیم ہے)، اسی طرح یہ آیت ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ۔ (الحج:۱۸) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ (الحج:۱۸) اور بہت انسان، اور بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں جب فرمایا: اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں، تو اس میں بہت انسان اور بہت وہ جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے داخل تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا دوبارہ خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا (یہ تخصیص بعد التعمیم ہے)، اسی طرح کھجور اور انار بھی پھلوں میں داخل تھے، پھر ان کا خصوصیت سے الگ ذکر کرنا بھی

تخصیص بعد التعمیم ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۝ (الرحمن:۶۸) ان جنتوں میں پھل، کھجوریں اور انار ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: ان دو جنتوں میں جن کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ۝ (الرحمن:۶۲) اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں O

پس جنتیں چار ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں کیا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ۝ (الرحمن:۴۶) اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں O

پھر فرمایا

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ۝ (الرحمن:۶۲) اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں O

یعنی ان دو پہلی جنتوں کے علاوہ جن کا اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے وعدہ فرمایا تھا اور دو جنتیں ہیں۔

امام بخاری نے لکھا ہے اور بعض ائمہ نے کہا: علامہ ابن الملقن نے بتایا کہ بعض ائمہ سے مراد امام ابوحنیفہ ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس قول کی صرف امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت درست نہیں ہے کیونکہ مفسرین کی ایک جماعت کا بھی یہی مختار ہے، الفراء نے کہا: انار اور کھجور پھل نہیں ہیں، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ پھل نہیں کھائے گا، پھر اس نے انار یا تازہ کھجور کھالی تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔

امام بخاری نے لکھا ہے: اور عرب کھجور اور انار کو پھل شمار کرتے ہیں: علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس عبارت سے امام ابوحنیفہ کی دلیل کا جواب دیا ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کھجور اور انار پر پھلوں کے اطلاق کا انکار نہیں کرتے لیکن وہ محض پھل نہیں ہیں۔

امام بخاری نے کہا: جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ:۲۳۸) یعنی تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیانی نماز کی حفاظت کرو حالانکہ درمیانی نماز بھی تمام نمازوں میں داخل ہے۔ اسی طرح کھجور اور انار بھی پھلوں میں داخل ہیں، پھر ان کا پھلوں پر عطف کیا گیا ہے تو یہ بھی اسی طرح تخصیص بعد التعمیم ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے کہ فَاكِهَةٌ عام ہے کیونکہ نکرہ جب اثبات میں ہو تو وہ مفید عموم نہیں ہوتا، ہاں نکرہ جب نفی کے بعد ہو تو وہ مفید عموم ہوتا ہے لہٰذا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ میں فَاكِهَةٌ کیونکہ اثبات میں ہے اس لیے وہ عام نہیں ہے۔

امام بخاری نے کہا: اسی طرح الحج:۱۸ میں تمام آسمانوں اور زمینوں میں جنہوں نے سجدہ کیا ان میں بہت سے انسان اور بہت سے لوگ جن پر عذاب مقدر ہو چکا ہے داخل ہیں اور ان کا بعد میں عطف کرنا تخصیص بعد التعمیم ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں کہ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ میں صلوٰت کا لفظ اتفاقاً عام ہے اور من فی السموٰت بھی اتفاقاً عام ہے لیکن اس پر فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ کو قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ اس آیت میں فَاكِهَةٌ نکرہ ہے اور کلام اثبات میں ہے یعنی نفی کے تحت نہیں ہے اس لیے وہ عام نہیں ہے، کیونکہ نکرہ جب نفی کے تحت ہو تو مفید عموم ہوتا ہے۔

مناقشہ مذکورہ میں مصنف کی رائے

میری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں تو کھجوریں بہ طور غذا کے ہی کھائی جاتیں تھی اور امام ابوحنیفہ کا قول اسی زمانے کے اعتبار سے ہے لیکن بعد میں جب گندم، چنے اور بیسن کی کثرت ہوگئی اور ان کی روٹیاں بہ طور غذا کھائی جانے لگیں تو کھجوروں کو صرف پھلوں کے طور پر کھایا جانے لگا، اسی طرح جب دیگر جڑی بوٹیوں سے علاج دریافت نہیں ہوا تھا تو انار کو بہ طور دواء ہی استعمال کیا جاتا تھا لیکن جب دیگر دوائیں دریافت ہوگئیں تو انار کو پھر صرف پھل کے طور پر استعمال کیا جانے لگا، سو امام ابوحنیفہ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ کے اعتبار سے ہے اور امام بخاری کا قول بعد کے زمانے کے اعتبار سے ہے اور اب پوری دنیا میں کھجوروں اور اناروں کو بہ طور پھل ہی استعمال کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے ہوسکتا ہے میری رائے غلط ہو۔ ان بزرگ ائمہ کے سامنے اس ناکارہ اور کم علم کی حیثیت بھی کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

وَقَالَ غَيْرُهُ أَفْنَانٍ أَغْصَانٍ۔ اور دوسروں نے کہا: افنان کا معنی ہے: شاخیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ذَوَاتَآ أَفْنَانٍ ۝ (الرحمٰن: ۴۸) جو سرسبز شاخوں والی دو جنتیں ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس سے پہلے صراحۃً مجاہد کا ذکر نہیں کیا لیکن یہاں یہی مراد ہے کہ مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا، افنان، فنن کی جمع ہے اور اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ مختلف رنگوں کی جنتیں اور عکرمہ سے مروی ہے: اس کا معنی ہے دیواروں پر ٹہنیاں اور ضحاک سے منقول ہے: مختلف رنگوں کے پھل۔

وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ مَا يُجْتَنَى قَرِيبٌ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ: اس کا معنی ہے: ان دو باغوں کے پھل بہت قریب ہوں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ (الرحمٰن: ۵۴) اور دونوں جنتوں کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: ما یجتنی یعنی دونوں جنتوں کے درخت قریب ہوں گے اور کوئی شخص خواہ کھڑا ہو یا بیٹھا ہو یا لیٹا ہوا ہو وہ اس کے پھل توڑ سکے گا۔

وَقَالَ الْحَسَنُ فَبِأَيِّ آلَاءِ نِعَمِهِ وَقَالَ قَتَادَةُ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ يَعْنِي الْجِنَّ وَالْإِنْسَ۔ اور حسن بصری نے کہا: فَبِأَيِّ آلَاءِ کا معنی ہے: اس کی کون کون سی نعمتیں اور قتادہ نے کہا: رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ: سے مراد ہے: جن اور انس۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۝

(الرحمٰن: ۱۳، ۱۶، ۱۸، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۲، ۴۵، ۴۷، ۴۹، ۵۱، ۵۳، ۵۵، ۵۷، ۵۹، ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۶۹، ۷۱، ۷۳، ۷۵، ۷۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: پس حسن بصری نے اَلَآءِ کی تفسیر نعمتوں کے ساتھ کی ہے اور قتادہ نے رَبِّكُمَا کی تفسیر جن اور انس کے ساتھ کی ہے اور اَلَآءِ، آلی کی جمع ہے اور رَبِّكُمَا میں جن اور انس سے خطاب ہے اگرچہ ان کا پہلے ذکر نہیں ہے اور اس آیت کے

تکرار کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا، پھر ہر دو نعمتوں کے درمیان اس آیت کو فاصلہ بنایا تا کہ لوگوں کو ان نعمتوں پر متنبہ فرمائے۔

وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ يَغْفِرُ ذَنْبًا وَيَكْشِفُ كَرْبًا وَيَرْفَعُ قَوْمًا وَيَضَعُ آخَرِينَ۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن: ۲۹) کی تفسیر میں کہا: وہ گناہ معاف فرماتا ہے اور تکلیف دور کر دیتا ہے اور کسی قوم کا درجہ بلند فرما دیتا ہے اور کسی کا پست کر دیتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن: ۲۹) وہ دن ہر آن نئی شان میں ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت ابوالدرداء عویمر بن مالک نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا جس کو امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ گناہ معاف فرماتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو پست کر دیتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَرْزَخٌ حَاجِزٌ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بَرْزَخٌ کا معنی ہے: آڑ اور رکاوٹ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۙ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (الرحمٰن: ۲۰-۱۹) اس نے (کھاری اور شیریں) دو سمندر جاری کیے جو (ایک دوسرے سے) مل جاتے ہیں O ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ان کے درمیان ایک آڑ ہے، دوسرا قول ہے: ایک حائل ہے، ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت بالغہ کی وجہ سے ہے۔

الْأَنَامُ الْخَلْقُ الانام: اس کا معنی ہے خلق یعنی مخلوق۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ (الرحمٰن: ۱۰) اور اس نے لوگوں کے لیے زمین کو نیچے بنایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس سے اور شعبی سے روایت ہے: انام کا معنی ہے: ہر ذی روح اور دوسرا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: جن اور انس۔

نَضَّاخَتَانِ فَيَّاضَتَانِ۔ نَضَّاخَتَانِ: اس کا معنی ہے: فیض پہنچانے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ (الرحمٰن: ۶۶) ان جنتوں میں چھلکتے ہوئے دو چشمے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے نَضَّاخَتَانِ کی تفسیر کی ہے: فیض دینے والے، دوسرا قول ہے، پانی سے بھرے ہوئے، تیسرا قول ہے: پانی سے جوش مارتے ہوئے، حسن بصری نے کہا: وہ چشمے پھوٹتے ہیں، پھر جاری ہوتے ہیں، سعید بن جبیر نے کہا: وہ پانی سے چھلکتے ہوئے ہیں اور رنگ برنگ پھلوں سے بھرے ہوئے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اہل جنت پر خیر

اور برکت برسانے والے ہیں۔

ذُو الْجَلَالِ ذُو الْعَظَمَةِ۔ ذو الجلال: اس کا معنی ہے: عظمت والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن:۷۸) آپ کے رب کا نام بہت بابرکت ہے جو بہت بزرگی والا اور بہت عزت والا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی وہ عظمت والا ہے اور کبریائی والا ہے، والاکرام اس کا معنی ہے: وہ کرم کرنے والا ہے یعنی جو بغیر سوال اور بغیر وسیلہ کے عطا فرمائے، دوسرا قول ہے: اس کا معنی ہے: جو عتاب نہیں کرتا اور درگزر کرتا ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ مَارِجٌ خَالِصٌ مِنَ النَّارِ يُقَالُ مَرَجَ الْأَمِيرُ رَعِيَّتَهُ إِذَا خَلَّاهُمْ يَعْدُو بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَيُقَالُ مَرَجَ أَمْرُ النَّاسِ مَرِيجٍ مُلْتَبِسٌ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ اخْتَلَطَ الْبَحْرَانِ مِنْ مَرَجْتَ دَابَّتَكَ تَرَكْتَهَا۔

اور دوسروں نے کہا: مَارِجٍ کا معنی ہے: خالص آگ، جب امیر اپنی رعایا کو آزاد چھوڑ دے کہ ان میں سے بعض بعض پر ظلم کریں تو کہا جاتا ہے: مَرَجَ الامیر رَعِیَّتَهُ اور مَرَجَ امر الناس یعنی لوگوں کے معاملات فاسد ہو گئے اور مرج کا معنی ہے، دو سمندر مل گئے، یہ مرجت دابتك سے ماخوذ ہے یعنی جب تم اپنی سواری کو چرنے کے لیے چھوڑ دو (خلاصہ یہ ہے کہ مَارِجٍ کے متعدد معانی ہیں)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ (الرحمٰن:۱۵) اور جن کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق مکرر ہے کیونکہ اس کا عنقریب پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

یعنی حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ مَرَجَ کا لفظ کئی معانی میں مستعمل ہے، ایک معنی یہ ہے کہ جب امیر اپنی رعایا کو آزاد چھوڑ دے اور وہ ایک دوسرے پر ظلم کریں تو کہا جاتا ہے: مرج الامیر رعیتہ اور جب لوگ مختلط اور مضطرب ہوں تو کہا جاتا ہے مرج امر الناس اور اس معنی کے اعتبار سے ہے:

فِیْۤ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۝ (ق:۵) سو وہ الجھن میں ہیں O

یعنی ان پر معاملہ ملتبس ہو گیا اور مشتبہ ہو گیا ہے، اور مرج البحرین کا معنی ہے: دو سمندروں کو ملا دیا۔

امام بخاری نے کہا: یہ مرجت دابَّتَكَ سے ماخوذ ہے یعنی تو نے اپنی سواری کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا، علامہ عینی اعتراض کرتے ہیں کہ امام بخاری کو چاہیے تھا کہ وہ اس کو مرج الامیر کے بعد ذکر کرتے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ سَنُحَاسِبُكُمْ لَا يَشْغَلُهُ شَيْءٌ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ مَعْرُوفٌ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ يُقَالُ لَأَتَفَرَّغَنَّ لَكَ وَمَا بِهِ شُغْلٌ يَقُولُ لَآخُذَنَّكَ عَلَى غِرَّتِكَ۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ: یعنی اب ہم تمہارے لیے فارغ ہوں گے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے کسی کام میں مشغول تھا اور اب جنات اور انسانوں کا حساب لینے کے لیے فارغ ہو گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی کام دوسرے کام سے مشغول نہیں کرتا اور یہ کلام عرب میں معروف اور محاورہ ہے، کہا جاتا ہے: میں ابھی تمہارے لیے فارغ ہوتا ہوں حالانکہ اسے کوئی مشغولیت نہیں ہوتی، اس کا معنی یہ ہے کہ

وہ فرماتا ہے کہ ابھی تمہیں پکڑ کر تمہاری غفلت پر سزا دوں گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۝ (الرحمٰن:۳۱) اے جنات اور انسان کے گروہو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: فارغ ہونے سے مجازی معنی مراد ہے یعنی ہم عنقریب تمہارا حساب لیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی کام دوسرے کام سے مشغول نہیں کرتا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر وعید ہے اور اللہ تعالیٰ کو کوئی مشغولیت نہیں ہے، اس کا معنی ہے: ہم عنقریب تم سے مواخذہ کریں گے۔

امام بخاری نے کہا: یہ مجاز کلام عرب میں معروف ہے، انسان کو کوئی مشغولیت نہیں ہوتی، پھر بھی وہ کہتا ہے کہ میں عنقریب تمہارے لیے فارغ ہوں گا اور عنقریب تمہاری غفلت پر مواخذہ کروں گا، علامہ ثعلبی نے کہا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید اور تہدید ہے جیسے کوئی کہے: میں عنقریب تمہارے لیے فارغ ہوں گا حالانکہ اس کو کوئی مشغولیت نہیں ہوتی اور یہ ابن اسحاق اور ضحاک کا قول ہے۔ [علامہ عینی نے ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۱۰۔۳۰۴ میں بیان کی ہے]

۱۔ بَابٌ: وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن:۶۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں O (الرحمٰن: ۶۲) کی تفسیر

۴۸۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ الْعَمِّيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ۔

(صحیح مسلم: ۱۸۰، سنن ترمذی: ۲۵۳۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ابو الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن عبدالصمد العمی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابوعمران الجونی نے حدیث بیان کی از ابوبکر بن عبداللہ بن قیس از والد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں، ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے (وہ چاندی کا ہے) اور دو جنتیں سونے کی ہیں، ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے (وہ سونے کا ہے) اور لوگوں کے درمیان اور اس کے درمیان کہ وہ اپنے رب کو دیکھیں صرف اللہ کی کبریائی کی چادر ہے جو اللہ کے چہرے پر ہے جنت عدن میں۔

اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر اور اس کے چہرے کی تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث متشابہات میں سے ہے کیونکہ چہرے کا اور چادر کا جو لغوی معنی ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، اللہ تعالیٰ کا نہ ہماری طرح چہرہ ہے اور نہ اس کی ہماری طرح چادر ہے، المفوضۃ یہ کہتے ہیں کہ اس کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور المؤولہ یہ کہتے ہیں کہ چہرے سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور چادر اس کی عظمت سے کنایہ ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ عظمت اور کبریائی کی چادر محسوس کپڑوں کی جنس سے نہیں ہے، یہ صرف مجازات ہیں اور مناسبت یہ ہے کہ جس طرح چادر اور تہبند کسی انسان کو

لازم ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اور اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہوتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ دوسری حدیث میں ہے: جس نے ان کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی میں اس سے جھگڑا کروں گا۔

جنت عدن کا معنی یہ ہے کہ اس وقت اہل جنت جنت عدن یعنی ہمیشگی کی جنت میں ہوں گے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت عدن میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا زمان اور مکان میں ہونا محال ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الرحمٰن: ۶۲، میں مذکور دو جنتوں کی تفصیل

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ الرحمٰن: ۶۲، میں جن دو جنتوں کا ذکر ہے یہ دو جنتیں چاندی اور سونے کی ہیں اور ان کے درجات میں اتنا فرق ہے جتنا چاندی اور سونے میں فرق ہوتا ہے۔ سونے کی جنت مقربین کے لیے ہوگی اور چاندی کی جنت اصحاب الیمین کے لیے ہوگی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲- بَابٌ: حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ (الرحمٰن: ۷۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آنکھوں والی حوریں ہیں جو خیموں میں باپردہ ہیں ۝ (الرحمٰن: ۷۲) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لفظ حور حوراء کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: وہ عورت جو بہت زیادہ سفید ہو اور اس کی آنکھیں بہت زیادہ سیاہ ہوں اور مقصورات کا معنی ہے: مستورات اور الخیام خیمہ کی جمع ہے، الثعلبی نے کہا ہے: ان کے خیموں میں ہونے کا معنی ہے: وہ باپردہ ہیں اور صحابہ سے منقول ہے کہ وہ صرف اپنے شوہروں پر مقصور ہیں یعنی ان ہی کے لیے منحصر ہیں، نہ وہ کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں گی اور نہ وہ کسی کو اپنے اوپر تصرف کرنے دیں گی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْحُورُ السُّودُ الْحَدَقِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَقْصُورَاتٌ مَحْبُوسَاتٌ قُصِرَ طَرْفُهُنَّ وَأَنْفُسُهُنَّ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ قَاصِرَاتٌ لَا يَبْغِينَ غَيْرَ أَزْوَاجِهِنَّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حور کا معنی ہے: جس عورت کی آنکھ کا ڈھیلا خوب سیاہ ہو اور مجاہد نے کہا کہ مقصورات کا معنی ہے: محبوسات یعنی ان عورتوں نے اپنی نگاہوں کو اور اپنے آپ کو اپنے شوہروں میں منحصر کر رکھا ہے، وہ اپنے شوہروں کے سوا کسی اور کی طرف نہ دیکھتیں ہیں نہ کسی کو اپنے اوپر ہاتھ لگانے دیتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۱۲-۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۷۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ خَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ مُجَوَّفَةٍ عَرْضُهَا سِتُّونَ مِيلًا فِي كُلِّ زَاوِيَةٍ مِنْهَا أَهْلٌ مَا يَرَوْنَ الْآخَرِينَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُونَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن عبدالصمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عمران الجونی نے حدیث بیان کی از ابوبکر بن عبداللہ بن قیس از والد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کھوکھلے موتی کا ایک خیمہ ہے جس کا عرض ساٹھ (۶۰) میل ہے اور اس کے ہر کونے پر (مسلمان کی) بیوی ہوگی، اس کو دوسرے

نہیں دیکھ سکیں گے اور ان پر مومنین گھومتے رہیں گے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۴۳ میں گزر چکی ہے۔

کھوکھلے موتی کے خیمہ کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کھوکھلے موتی کا معنی یہ ہے کہ اس موتی کا پیٹ بہت وسیع اور کشادہ ہوگا اور فرمایا: اس کا عرض ساٹھ میل کا ہوگا، ایک میل تین فرسخ کا ہے اور ایک فرسخ چار ہزار (۴۰۰۰) قدم کا ہے اور فرمایا: اس کے ہر کونے میں ایک اہل ہے، صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ مسلمان کی بیوی ہے اور فرمایا: اس پر مومنین طواف کریں گے، علامہ الدمیاطی نے کہا ہے کہ صحیح واحد کا صیغہ ہے یعنی وہ مومن اس خیمہ میں گھومے گا جس کی وہ حور ہوگی اور جمع کے صیغہ کی توجیہ یہ ہے کہ یہ جمع جمع کے مقابلہ میں ہے یعنی ان خیموں میں مومنین گھومیں گے، اس کا معنی ہے: ہر مومن اپنے خیمہ میں گھومے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۱۲ فتح الباری ج ۶ ص ۴۸)

۴۸۸۰۔ وجَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ كَذَا آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ۔

اور دو جنتیں چاندی کی ہوں گی، اس کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے وہ چاندی کا ہوگا، اسی طرح دو جنتیں فلاں چیز کی ہوں گی (یعنی سونے کی) ان کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے (سونے کا ہوگا) اور لوگوں کے درمیان اور اس کے درمیان کہ وہ اپنے رب کی طرف دیکھیں صرف جنت عدن میں کبریائی کی چادر ہے جو اللہ تعالیٰ کے (اس کی شان کے موافق اس کے) چہرے پر ہوگی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۸۷۸ میں گزر چکی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الرحمٰن کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ الواقعہ کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۶۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْوَاقِعَةِ

سورۃ الواقعہ کی تفسیر

سورۃ الواقعہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الواقعہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ ابوالعباس نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور ان آیتوں میں اختلاف ہے: وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ (الواقعہ: ۲۷) اور اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝ (الواقعہ: ۸۱) پہلی آیت اہل طائف کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ فتح مکہ اور حنین کے بعد اسلام لائے تھے، اور دوسری آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ نے بارش کے لیے دعا کی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب مشرکین نے کہا تھا کہ ہم پر فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تب یہ آیت نازل ہوئی وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ (الواقعہ: ۸۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی یوں قرأت کرتے تھے: وتجعلون شکرکم، سورۃ والواقعہ میں چھیانوے (۹۶) آیات ہیں اور الواقعہ سے مراد القیامت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ رُجَّتْ زُلْزِلَتْ۔ اور مجاہد نے کہا: رُجَّتْ کا معنی ہے: جب زمین کو متزلزل کیا جائے یعنی جب اس کو ہلایا جائے گا اور اس کو متحرک کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝ (الواقعہ: ۴) جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے رُجَّتِ کی تفسیر کی ہے: زلزلت یہ تفسیر مجاہد کی ہے اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے: جب زمین متحرک اور مضطرب ہوگی اور لغت میں رَجّ کا معنی حرکت دینا ہے۔

بُسَّتْ فُتَّتْ لُتَّتْ كَمَا يُلَتُّ السَّوِيْقُ۔ بُسَّتِ: اس کا معنی ہے: اس کو چور چور کر دیا جائے گا اور لت پت کر دیا جائے گا، جس طرح ستو کو پانی میں گھول کر لت پت کر دیا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ (الواقعہ: ۵) اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: پہاڑ چور چور کر دیئے جائیں گے اور لت پت کر دیئے جائیں گے اور یہ بھی مجاہد کی تفسیر ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بُسَّتْ اور لُتَّتْ کا ایک ہی معنی ہے یعنی وہ اس طرح ہو جائیں گے جس طرح پسا ہوا گیلا آٹا ہو، اور عرب آٹے اور ستو کو بَسِيْسَة کہتے ہیں اور ابن المسیب سے روایت ہے کہ پہاڑوں میں توڑ پھوڑ کر دی جائے گی اور عطیہ نے تفسیر کی ہے کہ وہ پہاڑ ریت اور مٹی کی طرح ہو جائیں گے۔

اَلْمَخْضُوْدُ الْمُوْقَرُ حَمْلًا وَيُقَالُ اَيْضًا لَا شَوْكَ لَهٗ۔ المخضود: اس کا معنی ہے: پھلوں کے بوجھ سے لدے ہوئے اور

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس درخت میں کوئی کانٹا نہ ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ (الواقعہ:۲۸) وہ بغیر کانٹوں کے بیری کے درختوں میں ہوں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: الخضد کا لغوی معنی ہے: قطع یعنی کاٹنا، گویا کہ اس بیری کے درخت کے کانٹے کاٹے ہوئے ہیں، حسن بصری سے منقول ہے: اس سے ہاتھ زخمی نہیں ہوتے اور ضحاک سے منقول ہے کہ مسلمان طائف کی ایک سرسبز وادی میں گئے تو ان کو وہاں بیری کے درخت بہت اچھے لگے تو انہوں نے کہا: کاش! ہمارے لیے بھی بیری کے درخت ہوں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَنْضُوْدٍ اَلْمَوْزُ۔ مَّنْضُوْدٍ: اس کا معنی ہے: (تہ بہ تہ) کیلے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ (الواقعہ:۲۹) اور تہ بہ تہ کیلوں میں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: طلح، طلحۃ کی جمع ہے یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور حسن بصری نے کہا ہے: وہ کیلے کا درخت نہیں ہے لیکن وہ ایسا درخت ہے جس کا سایہ ٹھنڈا اور خوش گوار ہے اور الفراء اور امام ابوعبیدہ سے منقول ہے کہ عرب کے نزدیک طلح بہت بڑے درخت کو کہتے ہیں جس پر کانٹے ہوں اور المنضود کا معنی ہے کہ پھل ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے ہوں اور لغت کی کتاب المغرب میں مذکور ہے کہ النضد کا معنی ہے کہ بعض سامان کو بعض کے اوپر رکھ دینا۔

وَالْعُرُبُ الْمُحَبَّبَاتُ اِلٰى اَزْوَاجِهِنَّ۔ اَلْعُرُبُ: اس کا معنی ہے: وہ بیویاں جو اپنے شوہروں کے نزدیک محبوب ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ (الواقعہ:۳۶-۳۷) ہم نے ان کو دوشیزہ بنا دیا O محبت کرنے والیاں ہم عمر O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اَلْمُحَبَّبَاتُ اَلْمُحَبَّبَۃ کی جمع ہے اور یہ اَلْحُبُّ کا اسم مفعول ہے، مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: جو بیوی اپنے خاوند کے نزدیک محبوب ہو، اور علامہ الثعلبی نے کہا: عُرُبًا کا معنی ہے: جو بیویاں اپنے شوہروں سے محبت کرنے والی ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عُرُب، عَرُوبۃ کی جمع ہے اور اہل مکہ اس کو عربہ کہتے ہیں (راء پر زیر) اور اہل مدینہ اس کو غَنِجَۃ اور اہل عراق اس کو شَكِلَۃ کہتے ہیں اور اَتْرَاب کے معنی ہیں جو عمر میں مساوی ہوں، یہ لفظ تِرب کی جمع ہے۔

ثُلَّةٌ اُمَّةٌ۔ ثُلَّةٌ: کا معنی ہے: جماعت اور گروہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الواقعہ:۳۹) (دائیں طرف والوں کا) بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: ثُلَّةٌ کا معنی ہے: امت یعنی گروہ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی فرقہ ہے۔

يَحْمُوْمٍ دُخَانٌ اَسْوَدُ۔ يَحْمُوْم: اس کا معنی ہے: کالا دھواں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝ (الواقعہ:۴۳) اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَحْمُوْم کی تفسیر کی ہے: کالا دھواں کیونکہ عرب کالی چیز کو يَحْمُوْم کہتے ہیں۔

يُصِرُّوْنَ يُدِيمُوْنَ
يُصِرُّوْنَ: اس کا معنی ہے وہ اس پر اصرار کرتے تھے یعنی اس پر ہمیشہ ڈٹے رہتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝ (الواقعہ:۴۶) اور وہ بہت بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: الحنث العظیم کا معنی ہے: بہت بڑا گناہ، ابوبکر الاصم سے منقول ہے: کفار قسم کھا کر کہتے تھے کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے اور یہ کہ بت اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ اس قول سے بہت بلند ہے اور يُصِرُّوْنَ کا معنی ہے: وہ اس پر ڈٹے رہتے تھے۔

الْهِيْمُ الْإِبِلُ الظِّمَاءُ۔
الهيم: اس کا معنی ہے: پیاسے اونٹ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝ (الواقعہ:۵۵) پس تم سخت پیاسے اونٹ کی طرح پینے والے ہوگے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: الهيم، الهيماء کی جمع ہے، پیاسے اونٹوں کو کہتے ہیں: جَمَلٌ اَهْيَم و ناقةٌ هيماء، قتادہ سے منقول ہے: یہ اونٹوں کی ایک بیماری ہے جس میں وہ ہمیشہ پانی پیتا رہتا ہے حتیٰ کہ ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کو پیاس کی بیماری کہا جاتا ہے اور الظماء، الظمان کی جمع ہے اور الظما کا معنی پیاس ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ۔ (التوبہ:۱۲۰) ان کو کبھی بھی پیاس نہیں لگے گی۔

اور الظمان کا معنی ہے: پیاسا۔

لَمُغْرَمُوْنَ لَمُلْزَمُوْنَ۔
لمغرمون: کا معنی ہے: (ہم پر تاوان) لازم کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا O بلکہ ہم تو محروم ہوئے O (الواقعہ:۶۷۔۶۶)

علامہ عینی لکھتے ہیں: لملزمون، الزام سے بنا ہے اور لام تاکید کے لیے ہے یعنی ہم پر ضرور تاوان لازم کیا گیا ہے اور حضرت ابن عباس اور قتادہ سے منقول ہے کہ لمغرمون کا معنی ہے: لمعذبون یعنی ہم کو ضرور عذاب دیا گیا ہے اور یہ غَرَام سے ماخوذ ہے جس کا معنی عذاب ہے اور مجاہد سے منقول ہے: ہم کو شر سے ملایا گیا ہے اور مقاتل سے منقول ہے: ہم کو ہلاک کیا گیا اور مرۃ الہمدانی سے منقول ہے: ہمارا محاسبہ کیا گیا ہے۔

مَدِيْنِيْنَ مُحَاسَبِيْنَ۔
مدينين: اس کا معنی ہے: جن کا حساب کیا جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ (الواقعہ:۸۶) پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں ہو O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کا معنی کیا ہے: اگر تم کسی کو حساب دینے والے نہیں ہو، الزمخشری نے کہا ہے: یعنی اگر تم کسی حاکم کے زیر سلطنت نہیں ہو اور اس کا جواب محذوف ہے یعنی جب کسی مرنے والے کی روح اس کی حلقوم تک پہنچ جاتی ہے تو تم اس کو واپس کیوں نہیں لاتے اگر تم سچے ہو۔

رَوْحٌ جَنَّةٌ وَرَخَاءٌ وَرَيْحَانٌ الرِّزْقُ۔ رَوْحٌ: اس کا معنی جنت اور وسعت ہے اور ریحان اس کا معنی رزق ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ (الواقعہ: ۸۸-۸۹) پس اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہے O تو اس کے لیے راحت ہے اور رزق اور انعام والی جنت ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابن زید سے منقول ہے کہ راحت موت کے وقت ہوگی اور ریحان یعنی رزق آخرت میں لے گا اور حسن بصری سے منقول ہے کہ اس کی روح راحت سے نکلے گی اور حضرت ابن عباس اور مجاہد سے منقول ہے کہ فَرَوْحٌ کا معنی ہے: راحت اور ریحان کا معنی ہے: راحت والا اور مجاہد اور سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ ریحان کا معنی ہے: رزق۔

وَنُنْشِئَكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ فِي أَيِّ خَلْقٍ نَشَاءُ۔ وننشاكم: یعنی ہم جس صورت میں چاہیں گے تم کو بنا دیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الواقعہ: ۶۱) اور ہم تمہیں از سر نو اس طرح پیدا کر دیں جس کو تم بالکل نہیں جانتے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ہم تم کو جس صورت میں چاہیں پیدا کر دیں ان صورتوں میں سے جن کو تم بالکل نہیں جانتے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ تَفَكَّهُونَ تَعْجَبُونَ۔ اور دوسروں نے کہا: تَفَكَّهُوْنَ کا معنی ہے: تم تعجب کرتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ (الواقعہ: ۶۵) اگر ہم چاہیں تو اس کو بالکل چورا چورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی مجاہد کے علاوہ دوسروں نے تَفَكَّهُوْنَ کی تفسیر کی ہے: تم تعجب کرتے رہ جاؤ، اسی طرح قتادہ نے اس کی تفسیر کی ہے اور عکرمہ سے منقول ہے: تم ملامت کرتے رہو، اور حسن بصری سے منقول ہے: تم نادم ہوتے رہو اور ابن کیسان سے منقول ہے: تم افسوس کرتے رہو اور انہوں نے کہا: یہ لغت اضداد سے ہے، عرب اس کا معنی کرتے ہیں: تم نعمت میں ہو اور یہ بھی کرتے ہیں کہ تم غم میں ہو، دوسرا قول ہے: تَفَكُّهٌ کا معنی ہے: فضول باتیں کرنا، اسی وجہ سے مزاح کرنے والے کو فَاكِهَةٌ کہتے ہیں۔

عُرُبًا مُثَقَّلَةً وَاحِدُهَا عَرُوبٌ مِثْلُ صَبُورٍ وَصُبُرٍ يُسَمِّيهَا أَهْلُ مَكَّةَ الْعَرِبَةَ وَأَهْلُ الْمَدِينَةِ الْغَنِجَةَ وَأَهْلُ الْعِرَاقِ الشَّكِلَةَ۔ عُرُبًا: یہ ثقیل ہے (یعنی اس پر پیش ہے) اور اس کا واحد عَرُوْب ہے جیسے صبور اور صبر، اہل مکہ ایسی عورت کو العربہ کہتے ہیں اور اہل مدینہ ایسی عورت کو الغنجہ کہتے ہیں اور اہل عراق ایسی عورت کو الشکلہ کہتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق ابوذر کے نسخہ میں نہیں ہے اور یہ تعلیق مکرر ہے جس کا صفت جنت میں ذکر ہو چکا ہے۔

وَقَالَ فِي خَافِضَةٌ لِقَوْمٍ إِلَى النَّارِ وَرَافِعَةٌ إِلَى الْجَنَّةِ۔ (اور مجاہد نے) خافضة کے متعلق کہا: قیامت بعض لوگوں کو دوزخ کی طرف پستی میں لے جانے والی ہے اور بعض لوگوں کو جنت کی طرف بلند کرنے والی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ (الواقعہ:۳) وہ (قیامت) پست کرنے والی، بلند کرنے والی ہوگی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: قیامت کے دن قیامت بعض لوگوں کو دوزخ کی پستی میں ڈال دے گی اور بعض لوگوں کو جنت کی طرف بلند کردے گی، عطاء نے کہا: عدل کے ساتھ پستی میں ڈالے گی اور فضل کے ساتھ بلند کرے گی۔

مَوْضُونَةٍ مَنْسُوجَةٍ وَمِنْهُ وَضِينُ النَّاقَةِ۔ مَوْضُونَةٌ: اس کا معنی ہے: بنی ہوئی اور اسی سے وضین الناقہ بنا ہے یعنی اونٹنی کی وہ رسی جس سے کجاوہ کو باندھتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝ (الواقعہ:۱۵) وہ (زر و جواہر سے) مرصع تختوں پر ہوں گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تعلیق صرف ابوذر کے نسخہ میں ہے۔ یعنی وہ ایسے تختوں پر ہوں گے جو سونے اور جواہر سے بنے ہوئے ہوں گے جس طرح زرہ کے حلقے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ امام بخاری نے کہا: اور اسی باب سے وضین الناقہ ہے یعنی وہ بنی ہوئی رسی جس سے اونٹ کے اوپر پالان کو باندھا جاتا ہے۔

وَالْكُوبُ لَا آذَانَ لَهُ وَلَا عُرْوَةَ وَالْأَبَارِيقُ ذَوَاتُ الْآذَانِ وَالْعُرَى۔ الکوب: یہ وہ برتن ہے جس میں ٹونٹی ہو اور نہ پکڑنے کا دستہ ہو جیسے پیالہ اور گلاس وغیرہ اور الاباریق یہ وہ برتن ہے جن کی ٹونٹیاں بھی ہوں اور پکڑنے کے دستے بھی ہوں (جیسے لوٹے)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيقَ ۔ (الواقعہ:۱۸) جیسے پیالے اور لوٹے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر ظاہر ہے۔ الاکواب، کوب کی جمع ہے اور اباریق، ابریق کی جمع ہے، اس کے روشن رنگ کی وجہ سے اس کو ابریق کہا جاتا ہے۔

مَسْكُوبٍ جَارٍ۔ مسکوب: کا معنی ہے: جاری یعنی بہنے والا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَآءٍ مَّسْكُوبٍ ۝ (الواقعہ:۳۱) اور چھلکتے ہوئے پانی میں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: کتب تفسیر میں مذکور ہے، اس سے مراد وہ پانی ہے جو ہمیشہ بہتا رہتا ہو۔

وَفُرُشٍ مَرْفُوعَةٍ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔ وفرش مرفوعہ: اس سے مراد ہے اوپر تلے بستر۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝ (الواقعہ:۳۴) اور اونچے بستروں میں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ان کے بستر تختوں پر بلند ہوں گے اور حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر اوپر سے بستر نیچے کی طرف پھینکا جائے گا تو وہ ستر (۷۰) سال کے بعد زمین پر پہنچے گا۔

مُتْرَفِينَ مُتَنَعِّمِينَ۔ مترفین: عیش و آرام سے زندگی گزارنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِينَ ۝ (الواقعہ:۴۵) بے شک وہ اس سے پہلے بہت نعمتوں میں تھے ۝

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مترفین کی تفسیر متنعمین کی ہے یعنی اس سے پہلے وہ نعمتوں میں تھے، یہ تنعم سے ماخوذ ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: یہ تمتع سے ماخوذ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰) علامہ عینی ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ غلط ہے، یہ تمتع سے اس وقت ماخوذ ہوتا جب امام بخاری اس کی تفسیر متمتعین کرتے جب کہ امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے متنعمین۔

مَا تُمْنُونَ مِنَ النُّطَفِ يَعْنِي هِيَ النُّطْفَةُ فِي أَرْحَامِ النِّسَاءِ۔ ماتمنون: یعنی وہ نطفہ جس کو عورتوں کے رحموں میں ڈالا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ (الواقعہ: ۵۹۔۵۸) بھلا یہ بتاؤ کہ تم جو منی (رحم میں) ٹپکاتے ہو O کیا اس سے تم (انسان کی) تخلیق کرتے ہو یا ہم تخلیق کرنے والے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ماتمنون کی تفسیر اس نطفہ سے کی ہے جس کو رحم میں ٹپکایا جاتا ہے، الفراء نے کہا ہے: یعنی وہ نطفہ جس کو رحموں میں ڈالا جاتا ہے، کیا ان نطفوں کی تخلیق تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں۔

لِلْمُقْوِينَ لِلْمُسَافِرِينَ وَالْقِيُّ الْقَفْرُ۔ للمقوین: اس کا معنی ہے: مسافرین، یہ لفظ القی سے ماخوذ ہے جس کا معنی صحراء اور ویرانہ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝ (الواقعہ: ۷۳) ہم نے اس کو نصیحت بنایا اور مسافروں کے لیے فائدے کی چیز O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے المقوین کی تفسیر مسافرین کے ساتھ کی ہے، یہ لفظ القِواء سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: صحراء، اور ویرانہ یعنی دور دراز کی وہ خالی جگہ جو آبادی سے دور ہو، جب کوئی جگہ رہنے والوں سے خالی رہ جائے تو عرب کہتے ہیں: اقوت الدار، مجاہد نے کہا ہے: مقوین کا معنی ہے: وہ تمام لوگ جو آگ سے فائدہ اٹھانے والے ہوں خواہ وہ مسافر ہوں یا شہری وہ اس آگ سے اندھیرے میں روشنی حاصل کرتے ہیں اور سردیوں میں اس سے ہاتھ تاپتے ہیں اور اس آگ سے روٹی اور سالن پکاتے ہیں اور اس آگ کو دیکھ کر دوزخ کی آگ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دوزخ کی آگ سے پناہ طلب کرتے ہیں، القطرب نے کہا کہ المقوی لغت اضداد سے ہے، یہ فقیر اور غنی دونوں کے لیے آتا ہے۔

بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ بِمُحْكَمِ الْقُرْآنِ وَيُقَالُ بِمَسْقِطِ النُّجُومِ إِذَا سَقَطْنَ وَمَوَاقِعُ وَمَوْقِعٌ وَاحِدٌ۔ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ: اس کا معنی ہے: قرآن مجید کی محکم آیات، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ستاروں کے گرنے کی جگہ اور مواقع اور موقع کی تفسیر واحد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ (الواقعہ: ۷۵) پس مجھے ستاروں کے وقوع کی جگہوں کی قسم O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی دو تفسیریں کی ہیں، ایک تفسیر کی ہے: قرآن مجید کی محکم آیات، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نجماً نجماً نازل ہوا یعنی قسط وار نازل ہوا، حمزہ اور الکسائی

نے اسی طرح قراءت کی ہے اور اس کی دوسری تفسیر ہے: ستاروں کے گرنے اور ان کے غروب ہونے کی جگہ، امام بخاری نے جو کہا: ہے مواقع اور موقع واحد ہیں، اس کا مطلب ہے: لفظی اعتبار سے واحد ہیں نہ کہ معنوی اعتبار سے کیونکہ صحیح مذہب یہ ہے: جمع مضاف اور مفرد مضاف دونوں عام ہوتے ہیں۔

مُدْهِنُوْنَ مُكَذِّبُوْنَ مِثْلُ ﴿لَوْتُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴾ (القلم:۹)

مُّدْهِنُوْنَ: اس کا معنی ہے: مکذبون جیسے یہ آیت: لَوْتُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم:۹) یعنی اگر آپ دین میں نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے O

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ (الواقعہ:۸۱) کیا تم اس قرآن کو معمولی سمجھ رہے ہو O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مُّدْهِنُوْنَ کی تفسیر مکذبون کی ہے، اسی طرح الفراء نے اس کی تفسیر کی ہے اور کہا ہے کہ اگر آپ تبلیغ میں نرم پڑیں تو یہ بھی نرم پڑ جائیں، یہ سورۃ القلم کی تفسیر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (الواقعہ:۸۱) کی تفسیر میں فرمایا: کیا یہ اس قرآن کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اور ابن کیسان سے منقول ہے کہ مدھن وہ شخص ہے جو اس کام کو نہ کرے جو اس پر فرض اور واجب ہو اور مال لے کر اس کام کو چھوڑ دے، اور المؤرخ سے منقول ہے کہ المدھن وہ منافق ہے جو اپنے کفر کو چھپانے کے لیے اپنی جانب نرم رکھتا ہے۔

فَسَلٰمٌ لَّكَ اَیْ مُسَلَّمٌ لَكَ اِنَّكَ مِنْ اَصْحَابِ الْیَمِیْنِ وَاُلْغِیَتْ اِنَّ وَهُوَ مَعْنَاهَا كَمَا تَقُوْلُ اَنْتَ مُصَدَّقٌ مُسَافِرٌ عَنْ قَلِیْلٍ اِذَا كَانَ قَدْ قَالَ اِنِّیْ مُسَافِرٌ عَنْ قَلِیْلٍ وَقَدْ یَكُوْنُ كَالدُّعَاءِ لَهُ كَقَوْلِكَ فَسَقْیًا مِنَ الرِّجَالِ اِنْ رَفَعْتَ السَّلَامَ فَهُوَ مِنَ الدُّعَاءِ۔

فَسَلٰمٌ لَّكَ: یعنی آپ کے لیے یہ تسلیم کر لیا گیا کہ آپ دائیں طرف والے اصحاب میں سے ہیں اور حرف اِنَّ کو حذف کر دیا گیا اور اس کا معنی مراد ہے جیسا کہ تم کہو کہ تمہاری تصدیق کی گئی ہے کہ تم تھوڑی دیر میں سفر کرنے والے ہو جب کہ اس شخص نے یہ کہا ہو کہ میں تھوڑی دیر میں یہ سفر کرنے والا ہوں اور کبھی سلام کا لفظ دعا کے معنی میں ہوتا ہے جب کہ وہ مرفوع ہو اور اس کا معنی ہے: اللہ تمہیں سلامت رکھے جیسے فسقیا جب منصوب ہو تو یہ دعا کے لیے ہوتا ہے یعنی اللہ تمہیں سیراب کرے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ (الواقعہ:۹۱-۹۰)

اور اگر وہ (مرنے والا) دائیں طرف والوں میں سے ہے O (اے دائیں طرف والے!) تجھ پر سلام ہو کیونکہ تو دائیں طرف والوں میں سے ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلیق میں یہ اشارہ کیا ہے کہ اَنَّ کا حرف محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے: انّك من اصحٰب الیمین، ہر چند کہ یہ لفظاً مذکور نہیں ہے لیکن اس کا معنی مراد ہے جیسا کہ تم یہ کہو: تمہاری یہ تصدیق کی گئی ہے کہ تم تھوڑی دیر میں سفر کرنے والے ہو جب کوئی شخص یہ کہے: میں تھوڑی دیر میں یہ سفر کرنے والا ہوں، یہاں بھی اصل عبارت یہ ہے: انت مصدق انك مسافر عن قلیل، اس عبارت میں بھی لفظاً حرف اَنَّ کو حذف کیا گیا ہے اور معناً مراد ہے، امام بخاری نے کہا:

اور کبھی لفظ سلام دعا کے لیے ہوتا ہے جب اس کو مرفوع پڑھا جائے یعنی سَلَامٌ جیسے تم کہو: فسقیا لک من اصحب الیمین، تم دائیں طرف والوں میں سے ہو تو اللہ تمہیں سیراب کرے۔

تُورُونَ تَسْتَخْرِجُونَ أَوْرَيْتُ أَوْقَدْتُ۔ تُورُونَ: اس کا معنی ہے: جس آگ کو تم نکالتے ہو یعنی اس کو سلگاتے ہو۔ اوریت کا معنی ہے: میں نے آگ جلائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ (الواقعہ: ۷۱) بھلا بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تُورُونَ کی تفسیر کی ہے: تم آگ نکالتے ہو اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ تم چقماق (آگ جلانے کا قدیم آلہ) سے آگ جلاتے ہو، اور درخت کی وہ لکڑیاں جن میں آگ سلگاتے ہو، تُورُونَ اصل میں تُورِيُونَ تھا، یاء پر ضمہ ثقیل تھا، اسے ماقبل کی طرف نقل کر دیا گیا، پھر یاء اور واؤ میں التقاء ساکنین ہوا تو یاء کو حذف کر دیا گیا۔

لَغْوًا بَاطِلًا تَأْثِيمًا كَذِبًا۔ لَغْوًا: اس کا معنی ہے: باطل اور تَأْثِيمًا: اس کا معنی ہے: جھوٹ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ (الواقعہ: ۲۵) وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گناہ کی بات ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی دائمی جنتوں میں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح منقول ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۱۸۔ ۳۱۳ میں بیان کی ہے]

۱۔ بَابٌ: وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۝ (الواقعہ: ۳۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں ۝ (الواقعہ: ۳۰) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ظل ممدود کا معنی ہے: دائمی سایا جس کو سورج مٹا نہ سکے اور الربیع سے منقول ہے: یعنی عرش کا سایہ اور عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ اس سائے کی مسافت ستر ہزار سال ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۱۸)

۴۸۸۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَاقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۝﴾ (الواقعہ: ۳۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، آپ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ کوئی سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے، پھر بھی وہ سایہ ختم نہیں ہوگا اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۝ (الواقعہ: ۳۰) (اور پھیلے ہوئے لمبے سایوں میں ۝)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۵۲ میں گزر چکی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الواقعہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الحدید کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۷۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الۡحَدِیۡدِ

سورۃ الحدید کی تفسیر

سورۃ الحدید کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الحدید کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس کے بعد سورۃ المجادلہ آئے گی اور سورۃ الحدید مکی ہے، اس میں السدی کا اختلاف ہے، اور الکلبی نے کہا ہے: اس میں مکی آیات بھی ہیں اور مدنی آیات بھی ہیں اور اس سورت میں منافقین کا ذکر ہے اور منافقین صرف مدینہ میں تھے اور اس سورت میں یہ آیت ہے: لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ (الحدید:۱۰) اور یہ آیت صرف فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس سے پہلی آیت مکی ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو اپنے اسلام لانے سے پہلے اپنی بہن کے گھر پڑھا تھا، اس سورت میں انتیس (۲۹) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ مُعَمَّرِينَ فِيهِ۔ اور مجاہد نے کہا: جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡهِ: یعنی تم کو اس نے آباد کیا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡهِ ؕ (الحدید:۷) اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنادیا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی تمہیں اس زمین میں آباد کردیا ہے اور الفراء سے منقول ہے: تم کو ان کا جانشین بنادیا ہے۔

مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ مِنَ الضَّلَالَةِ إِلَى الْهُدَى۔ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ: یعنی گمراہی سے ہدایت کی طرف۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبۡدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ (الحدید:۹) وہی ہے جو اپنے (مکرم) بندے پر واضح آیات نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے۔

علامہ عینی نے اس تعلیق کی کوئی شرح نہیں کی۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی اس تعلیق کی کوئی شرح نہیں کی گویا کہ دونوں شارحین کے نزدیک یہ تعلیق بالکل واضح ہے اور اس کی شرح کی حاجت نہیں۔

فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ جُنَّةٌ وَسِلَاحٌ۔ فِیۡهِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ: (الحدید:۲۵) اس سے مراد ہے: ڈھال اور ہتھیار۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ (الحدید:۲۵)
اور ہم نے لوہا نازل کیا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فوائد ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی لوگ لوہے سے بنی ہوئی چیزوں کو اپنی ضروریات اور مصلحتوں میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ لوہا ہر صنعت کا آلہ ہے۔امام بخاری نے بَاْسٌ شَدِیْدٌ اور مَنَافِعُ لِلنَّاسِ کی تفسیر ڈھال اور ہتھیاروں کے ساتھ کی ہے، اور یہ تمام جنگ کے آلات کو شامل ہے۔

مَوْلٰکُمْ اَوْلٰی بِکُمْ۔
مَوْلٰکُمْ: کا معنی ہے: وہ تمہارے زیادہ لائق ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَاْوٰکُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوْلٰکُمْ ؕ (الحدید:۱۵)
تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمہارا رفیق ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: الفراء اور امام ابوعبیدہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے، امام ابوعبیدہ نے لکھا ہے کہ اس میں مذکر کی ضمیر لائی ہے کیونکہ نار سے مراد مکان اور جگہ ہے۔

لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْکِتَابِ لِیَعْلَمَ اَهْلُ الْکِتَابِ۔
لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْکِتٰبِ: اس کا معنی ہے: تاکہ اہل کتاب جان لیں اور اس میں "لا" کا لفظ زائد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْکِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (الحدید:۲۹)
تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر بالکل قدرت نہیں رکھتے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں "لا" اس طرح زائد ہے جس طرح درج ذیل آیت میں "لا" زائد ہے:

قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ ؕ (الاعراف:۱۲)
فرمایا: تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔

یُقَالُ الظَّاهِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا وَالْبَاطِنُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔
الظاہر: یعنی وہ اپنے علم کے اعتبار سے ہر چیز پر ظاہر ہے۔ والباطن: یعنی وہ اپنے علم کے اعتبار سے ہر چیز سے باطن ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ (الحدید:۳)
وہی اول اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن ہے۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے اس تعلیق کی کوئی شرح نہیں کی، تاہم اس آیت کے متعلق یہ حدیث ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں اور تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو باطن ہے تیرے سوا کوئی چیز نہیں، پس تو ہمارا قرض ادا کردے اور ہم کو فقر سے بے پرواہ کر دے۔ (صحیح مسلم: ۲۷۱۳)

اُنْظُرُوْنَا انْتَظِرُوْنَا۔
انظرونا: اس کا معنی ہے: ہمارا انتظار کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا
جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے:

انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُوْرِكُمْ۔ (الحدید: ۱۳) تم ہمارا انتظار کرو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کا معنی کیا ہے: تم ہمارا انتظار کرو، اور الفراء، الاعمش اور حمزہ نے اس کا معنی کیا ہے: تم ہماری طرف دیکھو۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۱۔ ۳۲۰، میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الحدید کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ امام بخاری نے سورۃ المجادلہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۸۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْمُجَادَلَةِ

سورۃ المجادلہ کی تفسیر

سورۃ المجادلہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المجادلہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ ابوالعباس نے کہا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت الحجرات سے پہلے اور المنافقین کے بعد نازل ہوئی ہے، اور اس سورت میں بائیس (۲۲) آیات ہیں۔

مجادلہ کا معنی ہے: لڑنے اور جھگڑنے والی عورت، تفسیر عبد بن حمید میں مذکور ہے کہ محمد بن سیرین نے کہا ہے کہ اس لڑنے والی عورت کا نام خویلہ تھا، اس کے خاوند نے اس سے ظہار کر لیا تھا اور یہ اسلام میں پہلا ظہار تھا اور امام ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ اس کا نام خویلہ بنت الصامت تھا، اور ابوعمر نے کہا: اس کا نام خولہ بنت ثعلبہ تھا اور اس کے خاوند کا نام اوس بن الصامت تھا، مجاہد نے کہا: اس کا نام جمیلہ تھا، ابن مندہ نے کہا: اس کا نام خولہ بنت الصامت تھا، اور ابوعمر نے کہا: اس کا نام خولہ بنت ثعلبہ بن اصرم تھا اور عروہ، محمد بن کعب اور عکرمہ نے کہا: اس کا نام خولہ بنت ثعلبہ تھا، یہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس بن الصامت کے نکاح میں تھیں، انہوں نے اس سے ظہار کیا تھا اور اسی عورت کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْۤ اِلَى اللّٰهِ۔ (المجادلہ: ۱)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ يُحَادُّوْنَ يُشَاقُّوْنَ اللّٰهَ۔

يُحَآدُّوْنَ: اس کا معنی ہے: جو لوگ اللہ سے جھگڑا کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (المجادلہ: ۵)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں وہ اسی طرح رسوا کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ رسوا کیے گئے تھے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام عبد بن حمید نے روایت کی ہے: جو لوگ اللہ سے جھگڑا کرتے ہیں اور اس سے عداوت رکھتے ہیں، مجاہد سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔

كُبِتُوْا أُخْزُوْا مِنَ الْخِزْيِ۔

كُبِتُوْا: اس کا معنی ہے: وہ رسوا کیے جائیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (المجادلہ: ۵)

وہ اسی طرح رسوا کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ رسوا

کیے گئے تھے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کُبِتُوْا کی تفسیر کی ہے: اخزیوا یعنی وہ رسوا کیے گئے۔ تفسیر نسفی میں بھی اسی طرح ہے۔

اسْتَحْوَذَ غَلَبَ۔ استحوذ: اس کا معنی ہے: غالب آ گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ۔ (المجادلہ: ۱۹) شیطان ان پر غالب آ گیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابوعبیدہ نے بھی اسی طرح تفسیر کی ہے، امام بخاری نے اس سورت میں کوئی حدیث مرفوع لکھی ہے نہ اس سے پہلی سورت میں۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۱ میں کی ہے]

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المجادلہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ اس کے بعد سورۃ الحشر کی تفسیر میں جو تعلیق ذکر کی ہے اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۵۹۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الۡحَشۡرِ

سورۃ الحشر کی تفسیر

سورۃ الحشر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الحشر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں چوبیس (۲۴) آیات ہیں۔

اس سورت کا نام حشر اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی درج ذیل آیت میں الحشر کا ذکر ہے:

هُوَ الَّذِيۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ دِيَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ (الحشر: ۲)

ان کفار اہل کتاب سے مراد بنونضیر ہیں جو مدینہ میں رہتے تھے اور امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ بنونضیر کو مدینہ سے اس وقت جلاوطن کیا گیا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے واپس آئے تھے اور بنوقریظہ پر اس وقت فتح حاصل کی تھی جب آپ غزوۂ احزاب سے واپس آئے تھے۔

اس آیت میں اول الحشر اس لیے فرمایا ہے کہ بنونضیر وہ پہلے اہل کتاب تھے جن کا حشر کیا گیا یعنی ان کو جمع کیا گیا اور ان کو حجاز سے نکالا گیا اور ان کو شام کی طرف جمع کیا گیا، مرۃ الہمدانی نے لکھا ہے: یہ ان کا اول حشر مدینہ سے تھا اور ان کا حشر ثانی خیبر اور تمام جزیرۂ عرب سے تھا اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کو شام کے علاقہ اریحا میں دھکیل دیا گیا، قتادہ نے کہا: یہ اول حشر تھا اور حشر ثانی جب ہوگا جب ان کو ایک آگ مشرق سے دھکیل کر مغرب کی طرف لے جائے گی اور جہاں وہ رات کو رہیں گے وہیں وہ آگ رات کو رہے گی اور جہاں وہ دوپہر کو رہیں گے وہیں وہ آگ دوپہر کو رہے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اَلۡجَلَآءَ: اس کا معنی ہے: ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف نکالنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ لَوۡلَاۤ اَنۡ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمُ الۡجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمۡ فِي الدُّنۡيَا (الحشر: ۳) اور اگر اللہ نے ان کے لیے جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا تو وہ ان کو ضرور دنیا میں عذاب دیتا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اَلۡجَلَآءَ کا لفظ الاخراج سے خاص ہے کیونکہ جب کسی کو گھر والوں اور مال و متاع کے ساتھ نکال دیا جائے تو اس کو الجلاء کہتے ہیں، اور الاخراج اس سے عام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۲)

۱۔ بَابٌ

باب

۴۸۸۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بۡنُ عَبۡدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بۡنُ سُلَيۡمَانَ حَدَّثَنَا هُشَيۡمٌ أَخۡبَرَنَا أَبُو بِشۡرٍ عَنۡ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبدالرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن سلیمان نے حدیث بیان

سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ سُورَةُ التَّوْبَةِ قَالَ التَّوْبَةُ هِيَ الْفَاضِحَةُ مَا زَالَتْ تَنْزِلُ وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ حَتَّى ظَنُّوا أَنَّهَا لَنْ تُبْقِيَ أَحَدًا مِنْهُمْ إِلَّا ذُكِرَ فِيهَا قَالَ قُلْتُ سُورَةُ الْأَنْفَالِ قَالَ نَزَلَتْ فِي بَدْرٍ قَالَ قُلْتُ سُورَةُ الْحَشْرِ قَالَ نَزَلَتْ فِي بَنِي النَّضِيرِ۔

کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر نے خبر دی از سعید بن جبیر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ توبہ کے متعلق پوچھا، انہوں نے کہا: سورۂ توبہ ہی الفاضحہ ہے، وہ ہمیشہ نازل ہوتی رہی و منہم و منہم حتیٰ کہ لوگوں نے گمان کیا کہ کوئی شخص باقی نہیں بچا لیکن اس کا ذکر اس سورت میں آ گیا، سعید بن جبیر نے کہا: میں نے پوچھا: وہ سورۂ انفال ہے؟ انہوں نے کہا: وہ تو بدر میں نازل ہوئی تھی، میں نے کہا: وہ سورۃ الحشر ہے؟ تو انہوں نے کہا: وہ بنو النضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۲۹ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

جن آیات میں منہم اور منہم کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ پانچ آیات ہیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ھی الفاضحۃ: یعنی وہ رسوا کرنے والی ہے، وہ لوگوں کو رسوا کرتی ہے، کیونکہ ان کے عیوب بیان کرتی ہے۔

و منہم و منہم اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے:

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ۔ (التوبۃ:۶۱)
اور بعض منافقین میں سے وہ ہیں جو نبی کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ (التوبۃ:۵۸)
اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي (التوبۃ:۴۹)
اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے جہاد سے رخصت کی اجازت دیجئے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ اللّٰهَ۔ (التوبۃ:۷۵)
اور ان میں سے بعض وہ (منافقین) ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا۔

بنو النضیر: یہود کا ایک قبیلہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۸۳۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما سُورَةُ الْحَشْرِ قَالَ قُلْ سُورَةُ النَّضِيرِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن مدرک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے خبر دی از ابی بشر از سعید، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الحشر کے متعلق پوچھا، انہوں نے کہا: سورۃ النضیر کہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۲۹ میں گزر چکی ہے۔

سورۃ الحشر کو سورت بنو النضیر کہنے کی وجہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

سورۃ النضیر کہو: حضرت ابن عباس نے اس سورت کا نام سورۃ الحشر ناپسند کیا تا کہ یہ نہ گمان کیا جائے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ اس سورت سے مراد بنو النضیر کو جلا وطن کرنا ہے۔

۲۔ بَابٌ: مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ۔ (الحشر:۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے۔ (الحشر:۵) کی تفسیر

لینہ: اس سے مراد وہ کھجوریں ہیں جو عجوہ یا برنی نہ ہوں۔

لینہ کی تفسیر میں متعدد اقوال

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ لینہ سے مراد ان کھجوروں کے درخت ہیں جو عجوہ یا برنی نہ ہوں۔ علامہ ثعلبی نے کہا ہے: لینہ کی تفسیر میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ان کھجوروں کے درخت ہیں جو العجوہ نہ ہوں اور العجوہ کے سوا تمام کھجوروں کے درخت لینہ ہیں اور یہ ہی عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے اور زہری سے منقول ہے کہ العجوہ یا البرنی کے سوا تمام قسم کی کھجوروں کے درخت لینہ ہیں اور عطیہ اور ابن زید سے منقول ہے کہ لینہ سے مراد تمام قسم کی کھجوروں کے درخت ہیں اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے اور حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ لینہ کھجوروں کی ایک قسم ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۲۳)

۴۸۸۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِينَ۝﴾ (الحشر:۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام البویرہ میں بنو نضیر کے درخت جلا دیئے اور کاٹ ڈالے تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِينَ۝ (الحشر:۵) تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ دیئے یا جن کو ان کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا، سو وہ اللہ کے اذن سے ہوا اور تا کہ وہ فاسقوں کو ذلیل کرے O

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۲۶ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابٌ: وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُولِهٖ۔ (الحشر:۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ نے جو اموال اپنے رسول پر لوٹا دیئے۔ (الحشر:۶) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی بنو نضیر کے جو اموال رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹا دیئے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۲۳)

۴۸۸۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ عَنْ عَمْرٍو عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے کئی مرتبہ از عمرو حدیث

بْنِ الْحَدَثَانِ عَنْ عُمَرَ رضی الله عنه قَالَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مِمَّا لَمْ يُوجِفُ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ خَاصَّةً يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ مِنْهَا نَفَقَةَ سَنَتِهِ ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللهِ۔

بیان کی از الزہری از مالک بن اوس بن الحدثان از حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں: اموال بنونضیر اس قسم میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر لوٹا دیا جن کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص تھے، رسول اللہ ﷺ ان اموال میں سے اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کا خرچ دیتے تھے، پھر جو ان اموال سے باقی بچتا اس کے ہتھیار اور گھوڑے خرید کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے تیار کر کے رکھتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۹۰۴ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جارہے ہیں:

السلاح اور الکراع کے معانی اور الفئ کی تقسیم میں مذاہب اور خوراک کے ذخیرہ کرنے کی تفصیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

السلاح: اس سے مراد لوہے کے وہ تمام ہتھیار ہیں جن سے دشمن کے خلاف لڑا جاتا ہے اور صرف تلوار کو السلاح نہیں کہا جاتا۔

الکراع: علامہ ابن درید نے کہا ہے: اس سے مراد صرف کھر والے جانور ہیں، پھر اس کا زیادہ استعمال گھوڑوں میں ہونے لگا اور المجرد میں مذکور ہے کہ الکراع تمام قسم کے گھوڑوں کا نام ہے جب ہتھیاروں اور گھوڑوں میں کی ہو۔ علامہ القرطبی نے کہا ہے: اس حدیث میں امام مالک کی یہ دلیل ہے کہ الفئ کو تقسیم نہیں کیا جاتا، وہ صرف سربراہ ملک کے اجتہاد پر موقوف ہے، ان کے نزدیک اسی طرح الخمس کا حکم ہے اور امام ابوحنیفہ الفئ کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور امام شافعی اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ہمارے علم میں نہیں ہے کہ امام شافعی سے پہلے کسی نے الفئ کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے کہا ہو۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ایک سال کی خوراک کا ذخیرہ کرنا جائز ہے جب کہ وہ خوراک ان اموال میں موجود ہو، علامہ ابو العباس نے کہا ہے کہ اگر اس خوراک کو بازار سے خریدیں تو بعض ائمہ نے اس کو ذخیرہ کرنے کی اجازت دی ہے اور دوسروں نے کہا ہے جب اس سے لوگوں کو حرج ہو تو پھر یہ جائز نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خوراک کا ذخیرہ کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۲۴۔ ۳۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ۔ (الحشر: ۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو۔ (الحشر: ۷) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی رسول اللہ ﷺ تم کو جو حکم دیں اس پر عمل کرو۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۲۴)

۴۸۸۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور

لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُوتَشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ فَجَائَتْ فَقَالَتْ إِنَّهُ بَلَغَنِي عَنْكَ أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ فَقَالَ وَمَا لِي أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَنْ هُوَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُ فِيهِ مَا تَقُولُ قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ أَمَا قَرَأْتِ ﴿وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷) قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَإِنَّهُ قَدْ نَهٰى عَنْهُ قَالَتْ فَإِنِّي أَرٰى أَهْلَكَ يَفْعَلُونَهُ قَالَ فَاذْهَبِي فَانْظُرِي فَذَهَبَتْ فَنَظَرَتْ فَلَمْ تَرَ مِنْ حَاجَتِهَا شَيْئًا فَقَالَ لَوْ كَانَتْ كَذٰلِكَ مَا جَامَعْتُهَا۔

(صحیح البخاری: ۴۸۸۷، صحیح مسلم: ۲۱۲۵، سنن ترمذی: ۲۷۸۲، سنن نسائی: ۵۱۱۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۹)

از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا: گودنے والیوں پر اور گودوانے والیوں پر اور بال نوچنے والیوں پر اور حسن کے لیے دانتوں میں جھری (کشادگی) کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے جو عورتیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر کرنے والیاں ہیں، یہ قول بنو اسد کی ایک عورت تک پہنچا جس کو ام یعقوب کہا جاتا ہے، پس وہ (ان کے پاس) آئی اور اس نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے اس طرح کی عورتوں پر لعنت کی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ کی کتاب میں لعنت ہے اس عورت نے کہا: میں نے دو لوحوں (رحل) کے درمیان پورا قرآن پڑھا ہے مجھے تو اس میں وہ لعنت نہیں ملی جو آپ فرماتے ہیں، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اگر تم نے پورا قرآن پڑھا ہوتا تو تم اس لعنت کے ذکر کو پالیتیں، کیا تم نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی؟ **وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا** (الحشر: ۷) اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔ اس عورت نے کہا: کیوں نہیں! حضرت ابن مسعود نے فرمایا: پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس عورت نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی بیوی بھی اس طرح کرتی ہے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: پس تم جاؤ اور دیکھو تو وہ عورت گئی اور اس نے دیکھا پس اس کو اپنی مطلوبہ کوئی چیز نہیں ملی حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اگر میری بیوی اس طرح کرتی تو وہ میرے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتی تھی۔

واشمہ اور موتشمہ کا معنی اور ان کا شرعی حکم

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الواشمات: یہ الواشمہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: جو عورت کسی دوسری عورت کی ہتھیلی پر یا پشت پر یا کلائی پر یا بدن کی کسی اور جگہ پر سوئی چبھو کر خون نکالے، پھر اس خون کو پونچھ دے اور سوئی سے کیے ہوئے ان باریک سوراخوں میں سرمہ یا چونا بھر دے اور اس سے کوئی عبارت لکھی جائے یا کوئی تصویر بنائی جائے تو ایسی عورت کو اردو میں گودنے والی اور عربی میں واشمہ کہتے ہیں اور

جس عورت کے بدن کے کسی حصہ پر یہ عمل کیا جائے اس عورت کو عربی میں موشومہ کہتے ہیں، اگر کوئی عورت اس عمل کو طلب کرے تو اس کو مستوشمہ کہتے ہیں: یہ عمل کرنا حرام ہے اور یہ عمل کروانا بھی حرام ہے، اگر کسی کم سن بچی نے اس عمل کو طلب کیا تو اس کا گناہ گودنے والی پر ہوگا بچی پر نہیں ہوگا کیونکہ وہ کم سن اور نابالغہ ہونے کی وجہ سے مکلفہ نہیں ہے۔

واشمہ اور موتشمہ کے حکم میں امام شافعی کا مذہب

علامہ نووی لکھتے ہیں: بدن کے جس حصہ کو سوئی سے گودا جائے اور اس کے سوراخ میں چونا یا سرمہ بھر کر کچھ بنایا جائے تو جسم کا وہ حصہ نجس ہو جائے گا، اگر علاج کے ذریعہ اس بنائی ہوئی چیز کو زائل کرنا ممکن ہو تو اس کو زائل کرنا واجب ہے اور اگر زخم کیے بغیر اس کو زائل کرنا ممکن نہ ہو تو اگر بدن کے اس حصہ کے تلف ہونے یا عضو کے فوت ہونے یا عضو کی منفعت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا عضو میں کسی اور بڑی خرابی کا خطرہ ہو تو پھر اس بنائی ہوئی چیز کو زائل کرنا واجب نہیں ہے اور جب گودوانے والی عورت یا گودوانے والا امرد اس فعل پر توبہ کرلے تو پھر اس کا گناہ باقی نہیں رہے گا اور اگر اس بنائی ہوئی چیز کے زائل کرنے سے کسی نقصان کا خطرہ نہ ہو تو پھر اس کا زائل کرنا واجب ہے اور اگر اس نے اس کے زائل کرنے میں تاخیر کی تو وہ گناہ گار ہوگا خواہ گودوانے والا امرد ہو یا عورت ہو۔

عورت کی بھوؤں اور اس کے رخسار پر اگے ہوئے بالوں اور اس کی ڈاڑھی مونچھوں کے کاٹنے کے متعلق شرعی حکم

المتنمصات: یہ المتنمصہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: چہرے کے بالوں کو نوچ کر اکھاڑنا، جو عورت اس عمل کی طالبہ ہو اس کو المتنمصہ کہا جاتا ہے اور جو عورت یہ عمل کرے اس کو النامصہ کہا جاتا ہے یعنی چہرے کے بالوں کو اکھاڑ کر زائل کرنے والی۔

علامہ النووی نے کہا ہے: یہ عمل حرام ہے سوا اس صورت کے جب عورت کے چہرے پر ڈاڑھی اگ جائے یا اس کے چہرے پر مونچھیں اگ جائیں تو اس صورت میں ڈاڑھی یا مونچھوں کو اکھاڑنا حرام نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک مستحب ہے اور ممانعت صرف بھوؤں میں ہے یا چہرے کے اطراف یعنی گالوں اور رخساروں پر اگے ہوئے بالوں پر ہے۔ علامہ ابن حزم نے کہا ہے: عورت کی ڈاڑھی کو مونڈنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کی بچی ڈاڑھی کو مونڈنا جائز ہے اور نہ اس کی مونچھوں کو مونڈنا جائز ہے اور نہ اس کی تخلیق کی کسی چیز میں کمی یا زیادتی کے ساتھ تغیر کرنا جائز ہے۔

دانتوں میں کشادگی کرنے اور کروانے کا شرعی حکم

المتفلجات: یہ المتفلجہ کی جمع ہے اور اس کا مصدر التفلج ہے اور اس کا معنی ہے: سامنے کے چار دانتوں میں کشادگی کرنا۔

للحسن: یعنی حسن اور زیبائش کے لیے دانتوں میں کشادگی کرانا، یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ اس سے مراد حسن اور زیبائش کے لیے دانتوں میں کشادگی کرانا ہے لیکن اگر علاج کی غرض سے دانتوں میں کشادگی کرائی جائے یا دانتوں میں کوئی عیب ہو جس کی وجہ سے دانتوں میں کشادگی کرائی جائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: یہ فعل بوڑھی اور ادھیڑ عمر کی عورتیں کرتی ہیں تا کہ ان کی عمر کم معلوم ہو اور دانت خوبصورت لگیں، یہ فعل دانتوں میں کشادگی کرانے والی اور کشادگی کرنے والی دونوں کے لیے حرام ہے۔

المغیرات لخلق اللہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور بناوٹ میں تغیر کرنے والیاں خواہ یہ تغیر کھال گودنے کی وجہ سے ہو یا چہرے کے بالوں کو نوچنے کی وجہ سے ہو یا دانتوں میں کشادگی اور جھری کرانے کی وجہ سے ہو، ان سب صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغیر ہے اور لوگوں کو اشتباہ اور دھوکہ میں ڈالنا ہے اس لیے ان میں سے کوئی صورت بھی جائز نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں کسی مسلمان پر لعنت کرنے کا جواز اور اس پر بحث

مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں لعنت کرنے کے جواز کی دلیل ہے خواہ کسی شخص معین پر لعنت کی جائے یا غیر معین پر لعنت کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر لعنت فرماتے تھے جو آپ کے نزدیک لعنت کا مستحق ہوتا تھا، اگر تم یہ سوال کرو کہ اس کے معارض یہ حدیث ہے: میں نے جس مسلمان کو برا کہا یا اس پر لعنت کی اور وہ اس کا اہل نہیں تھا تو اے اللہ! تو اس لعنت کو اس کے لیے کفارہ بنا دے اور اس کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنا دے، تو میں کہوں گا: یہ حدیث زیر بحث حدیث کے معارض نہیں ہے کیونکہ آپ کے نزدیک ایسی عورتیں لعنت کی مستحق تھیں، رہا یہ کہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی لعنت کی مستحق ہیں یا نہیں تو یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہے، جو اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ لعنت کا مستحق نہ ہو یعنی اے اللہ! وہ تیرے علم میں لعنت کا مستحق نہ ہو نہ کہ میرے علم میں یا تو اس شخص نے اس برائی سے توبہ کر لی ہو یا اس برائی کو ترک کر دیا ہو جس کی وجہ سے آپ نے اس پر لعنت فرمائی۔

سوئی سے گودنے اور بال نوچنے وغیرہ پر قرآن مجید میں بالواسطہ لعنت ہے

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ایسی عورتوں پر قرآن مجید میں لعنت ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ان پر لعنت کہاں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے: اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ جس کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو اس کام سے رکنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کام سے تم کو رسول روکیں اس سے رک جاؤ (الحشر: ۷) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں سے یعنی سوئی سے گودنے اور بال نوچنے وغیرہ سے منع فرمایا ہے تو ان کاموں کا کرنے والا ظالم ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظّٰلِمِينَ ۝ (ہود: ۱۸) سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو ۝

تو اس اعتبار سے ان ممنوعہ کاموں کے کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس کا بالواسطہ قرآن مجید میں ذکر ہے۔

دو لوحوں کا معنی اور اس حدیث کی دیگر مبہم یا مجمل عبارتوں کی وضاحت اور بیان

اس عورت نے کہا: میں نے دو لوحوں کے درمیان پورا قرآن پڑھا ہے: اس حدیث میں دو لوحوں سے مراد رحل کی دو طرفیں ہیں، رحل لکڑی سے بنے ہوئے اس اسٹینڈ کو کہتے ہیں جس پر قرآن مجید کو رکھ کر اس کی تلاوت کی جاتی ہے، سو یہ قرآن مجید سے کنایہ ہے اور اسماعیل قاضی نے کہا ہے کہ وہ عورت قرآن کی قاریہ تھی۔

اس عورت نے کہا: آپ کی بیوی ایسا کرتی ہے: بیوی سے اس عورت کی مراد زینب بنت عبد اللہ الثقفیہ تھیں۔

پس اس کو اپنی مطلوبہ چیز نہیں ملی: یعنی ام یعقوب نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرت ابن مسعود کی بیوی ان ممنوعہ کاموں کو کرتی ہے۔

اگر میری بیوی ایسا کرتی تو میرے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتی تھی: یعنی اگر میری بیوی ان ممنوعہ کاموں کو کرتی تو میں اس کو طلاق دے کر اس سے علیحدہ ہو جاتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مسلمان کی بیوی کوئی خلاف شرع کام کرے اور منع کرنے سے باز نہ آئے تو مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس عورت کو طلاق دے کر اس سے الگ ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۶-۳۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عورت کے رخساروں اور بھوؤں سے بال نوچنے کے متعلق علامہ ابن عابدین شامی حنفی کی تحقیق

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ علاؤالدین الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ نے لکھا ہے: عورت کا اپنے رخساروں سے بالوں کو نوچنا حرام ہے۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتارج ۹ ص ۴۵۵۔ ۴۵۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

شاید یہ عبارت اس صورت پر محمول ہے جب عورت اپنی زینت اجنبی مردوں کو دکھانے کے لیے ایسا کرے ورنہ اگر عورت کے رخساروں پر بال ہوں اور اس کا شوہر اس وجہ سے اس سے نفرت کرتا ہو تو پھر ان بالوں کے ازالہ کو حرام قرار دینا بعید ہے کیونکہ عورتوں کے لیے اپنے حسن کی خاطر زینت کو اختیار کرنا مطلوب ہے، ہاں اس عبارت کا یہ محمل ہوسکتا ہے کہ بلا ضرورت موچنے یا چمٹی سے بالوں کو نوچنا حرام ہے، کیونکہ اس سے ایذاء اور تکلیف ہوتی ہے (بلکہ بعض اوقات اس سے زخم ہو جاتا ہے) اور ''تبیین المحارم'' میں لکھا ہے کہ چہرے سے بالوں کو زائل کرنا حرام ہے سوا اس کے کہ عورت کے چہرے پر ڈاڑھی اور مونچھیں ہوں تو ان کو زائل کرنا حرام نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور تاتارخانیہ میں المضمرات سے منقول ہے کہ بھوؤں کو تراشنے اور رخسار کے بالوں کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے بہ شرطیکہ اس سے مخنث (ہیجڑے) کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۹ ص ۴۵۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

۴۸۸۷۔ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ ذَكَرْتُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ حَدِيثَ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ فَقَالَ سَمِعْتُهُ مِنِ امْرَأَةٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ عَنْ عَبْدِ اللهِ مِثْلَ حَدِيثِ مَنْصُورٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمن نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمن بن عابس کے لیے منصور کی حدیث ذکر کی از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الواصلہ پر لعنت کی ہے، علقمہ نے کہا: میں نے اس بات کو ایک عورت سے سنا جس کو ام یعقوب کہا جاتا تھا از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث منصور کی حدیث کی مثل ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۸۸۶ میں گزر چکی ہے۔

بالوں کے دوسرے بالوں کے ساتھ وصل کرنے میں علامہ قرطبی مالکی اور علامہ نووی شافعی کا مفصل قول اور پراندوں کے ساتھ وصل کرنے کا جواز

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الواصلہ: یہ وہ عورت ہے جو اپنے بالوں کو زیادہ کرنے کے لیے اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور عورت کے بال ملا لے، اور المستوصلہ: وہ عورت ہے جو اس فعل کو طلب کرے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: اس حدیث میں اس فعل کے حرام ہونے کی تصریح ہے اور یہی امام مالک اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے، انہوں نے کہا ہے کہ بالوں کو اون یا دھجیوں یا دھاگوں کے ساتھ ملایا جائے (جس کو چنلا یا پراندہ کہتے ہیں) یا کسی اور چیز کے ساتھ ملایا جائے تو یہ سب صورتیں بالوں کے ساتھ وصل کے معنی میں ہیں اور اس ممانعت کے عموم کی وجہ سے اور سد الذریعہ کی وجہ سے یعنی دیگر ممنوع کاموں کو روکنے کی وجہ سے یہ تمام صورتیں حرام ہیں اور اللیث بن سعد کا یہ قول شاذ ہے کہ انہوں نے بالوں کے اون کے ساتھ وصل کو جائز کہا ہے اور ان چیزوں کے ساتھ وصل کو جائز کہا ہے جو بال نہ ہوں اور دوسرے علماء نے بالوں کے سر پر رکھنے کو مباح کہا ہے: انہوں نے کہا: ممانعت صرف وصل کے ساتھ ہے اور یہ قول صرف ظاہری ہے اور اس میں معنی سے اعراض

ہے اور دوسری قوم کا یہ قول بھی شاذ ہے کہ انہوں نے بالوں کے ساتھ وصل کو مطلقاً جائز کہا ہے اور حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ جب بالوں کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ وصل کیا جائے اور یہ قول باطل ہے اور اس سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

اور اس ممانعت میں رنگین دھاگوں کے چٹلوں اور پراندوں کے ساتھ بالوں کو وصل کرنے کی ممانعت داخل نہیں ہے کیونکہ چٹلے اور پراندے بالوں کے مشابہ نہیں ہیں اس لیے وہ ممنوع نہیں ہیں اور وہ وصل نہیں ہے بلکہ خوبصورتی اور زینت کے لیے چٹلوں اور پراندوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: ہمارے اصحاب نے اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اگر عورت نے آدمی کے بالوں کے ساتھ بالوں کا وصل کیا تو یہ بالاتفاق حرام ہے خواہ مرد کے بالوں کے ساتھ وصل کیا ہو یا عورت کے بالوں کے ساتھ کیونکہ حدیث میں ممانعت عام ہے اور اس لیے بھی کہ آدمی کے بالوں کے ساتھ اور آدمی کے تمام اجزاء کے ساتھ نفع حاصل کرنا آدمی کی کرامت کی وجہ سے حرام ہے بلکہ اس کے بالوں اور اس کے ناخنوں کو اور اس کے تمام اجزاء کو دفن کر دیا جائے گا، اور اگر کسی عورت نے غیر آدمی کے بالوں کے ساتھ وصل کیا تو اگر وہ بال کسی مردے کے ہوں جو نجس ہوں یا اس جانور کے بال ہوں جس کا گوشت کھایا نہیں جاتا تو اگر اس کی زندگی میں وہ بال الگ کر لیے ہوں تب بھی وہ حرام ہیں اور اس لیے کہ وہ عورت اپنی نمازوں وغیرہ میں نجاست کو عمداً اٹھائے ہوئے ہوگی اور ان دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے خواہ وہ عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور اگر اس نے اپنے بالوں کا پاک بالوں کے ساتھ وصل کیا ہو تو اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تب بھی یہ فعل حرام ہے اور اگر وہ عورت شادی شدہ ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ ظاہر حدیث کی وجہ سے یہ وصل حرام ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس عورت نے اپنے خاوند کی اجازت سے اپنے بالوں کا پاک بالوں کے ساتھ وصل کیا تو پھر یہ جائز ہے ورنہ یہ حرام ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بالوں کے دوسرے بالوں کے ساتھ وصل کرنے میں علامہ شامی حنفی اور دیگر فقہاء احناف کا مفصل قول

علامہ علاء الدین الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے الواصلہ اور المستوصلہ پر لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۲۴، سنن ابوداؤد: ۴۱۶۸، سنن ترمذی: ۲۷۸۴) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۹ ص ۵۴۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

الواصلہ: وہ عورت ہے جو اپنے بالوں کے ساتھ بالوں میں اضافہ کے لیے کسی دوسری عورت کے بال ملائے، اس پر لعنت اس لیے فرمائی ہے کہ اس میں لوگوں کو دھوکہ دینا ہے اور آدمی کے جز سے نفع حاصل کرنا۔ (تاتارخانیہ) اور جب کوئی عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بالوں کو ملائے یعنی اس کے بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ جوڑے اور پیوند کرے تو یہ مکروہ ہے، اور بنو آدم کے بالوں کے سوا عورت کسی اور چیز کو اپنی مینڈھیوں میں ملائے جیسے (چٹلا یا پراندہ) تو اس کی رخصت ہے، یہ امام ابو یوسف سے مروی ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے: اگر کوئی عورت اپنی مینڈھیوں میں ریشم کی کوئی چیز ملائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ الحصکفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الواصلہ پر لعنت کی ہے الواصلہ وہ عورت ہے جو اپنے بالوں کے ساتھ کسی دوسرے کے بالوں کو ملائے اور ان کے ساتھ جوڑے یا پیوند کرے اور المستوصلہ وہ عورت ہے جو اس کام کو طلب کرے۔

اگر کوئی عورت اپنے بالوں کے ساتھ کالے اون کے چٹلے یا پراندے جوڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔
(ردالمحتار علی الدر المختار ج ۹ ص ۵۴۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

۵۔ بَابٌ: وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (الحشر: ۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (یہ اموال) ان لوگوں کے لیے ہیں جو دار ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنا چکے ہیں۔ (الحشر: ۹) کی تفسیر

مہاجرین کے آنے سے پہلے انصار کے مدینہ میں دار ہجرت اور دار ایمان بنانے کی فضیلت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی جن لوگوں نے مدینہ میں ایمان اور ہجرت کا گھر بنالیا اور یہ لوگ وہ انصار ہیں جو اپنے گھروں میں اسلام لا چکے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے وہاں آنے سے دو سال پہلے مسجدیں بنالی تھیں یعنی انہوں نے مہاجرین کے آنے سے پہلے وہاں مسجدیں بنالی تھیں اور وہ ایمان لا چکے تھے اور وہ مہاجرین سے محبت کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۷)

۴۸۸۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ يَعْنِي ابْنَ عَيَّاشٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رضي الله عنه أُوصِي الْخَلِيفَةَ بِالْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ أَنْ يَعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ وَأُوصِي الْخَلِيفَةَ بِالْأَنْصَارِ الَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُهَاجِرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَقْبَلَ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيَعْفُوَ عَنْ مُسِيئِهِمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر نے یعنی ابن عیاش نے حدیث بیان کی از حصین از عمرو بن میمون، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں (بعد کے) خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ مہاجرین اولین کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کے حق کو پہچانے اور میں خلیفہ کو انصار کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں جنہوں نے نبی ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے ایمان اور ہجرت کا گھر بنایا اور اس کو میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ انصار میں سے نیکوں کی نیکیوں کو قبول کرے اور ان میں سے برے لوگوں کی برائی کو معاف کردے۔

مہاجرین اولین کے مصداق میں متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مہاجرین اولین: یہ وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے کعبہ اور بیت المقدس دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی، یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ابن المسیب کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بیعت الرضوان کو پالیا تھا، یہ شعبی اور ابن سیرین کا قول ہے، سو پہلے قول کی بنا پر مہاجرین اولین وہ ہیں جنہوں نے تحویل قبلہ سے دو سال پہلے ہجرت کی اور دوسرے قول کی بنا پر مہاجرین اولین وہ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی اور تیسرا قول یہ ہے کہ مہاجرین اولین وہ ہیں جو غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری، ج ۱۹ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶ ۔ بَابٌ: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ۔ (الحشر:۹) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ (الحشر:۹) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ آیت انصار کی مدح میں ہے جنہوں نے اپنے گھروں اور اپنے مالوں کو مہاجرین کے لیے تقسیم کر دیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۷)

اَلْخَصَاصَةُ اَلْفَاقَةُ۔ الخصاصہ: اس سے مراد فاقہ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:۹) وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجروں کی دی گئی ہے اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود شدید ضرورت ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے خصاصہ کی تفسیر فاقہ کے ساتھ کی ہے، اس کا معنی فقر اور احتیاج ہے اور یہ مقاتل بن حیان کا قول ہے۔

اَلْمُفْلِحُوْنَ اَلْفَائِزُوْنَ بِالْخُلُوْدِ وَ الْفَلَاحُ الْبَقَاءُ۔ المفلحون: اس کا معنی ہے: جن کو دائمی کامیابی حاصل ہو اور فلاح کا معنی ہے: بقاء و دوام۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ (الحشر:۹) اور جن کو ان کے نفسوں کے بخل سے بچا لیا گیا، سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۞

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے المفلحون کی تفسیر کی ہے: جن لوگوں کو دائمی کامیابی حاصل ہو الفراء نے بھی اسی کے ساتھ تفسیر کی ہے اور امام بخاری نے فلاح کا معنی لکھا ہے: بقاء و دوام، اور لغت کی کتاب المغرب میں لکھا ہے کہ فلاح کا معنی ہے: مطلوب کے ساتھ کامیاب ہونا۔

حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ عَجِّلْ۔ حیّ علی الفلاح: اس کا معنی ہے: جلدی کرو۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: مطلوب کے ساتھ کامیابی کو جلدی حاصل کرو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: فلاح کی طرف جلدی کرو، علامہ ابن التین نے لکھا ہے: اہل لغت میں سے کسی نے بھی حیّ کا یہ معنی نہیں لکھا، انہوں نے کہا کہ اس کا صرف یہ معنی ہے کہ آؤ اور آگے بڑھو۔ میں کہتا ہوں: یہ اس طرح ہے لیکن اس میں عجلت سے طلب کرنے کی خبر ہے اور اس کا معنی ہے: جلدی سے آؤ۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۵)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے امام بخاری حیّ کا معنی بیان کرنے کے درپے ہوں حالانکہ امام بخاری فلاح کے معنی بیان کرنے کے درپے ہیں اور حیّ کا معنی بالتبع ذکر کیا ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ حَاجَةً حَسَدًا۔
اور حسن بصری نے کہا ہے: حاجة: کا معنی ہے: حسداً۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا۔ (الحشر:۹)
اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی طلب نہیں پاتے جو ان مہاجروں کو دی گئی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حاجت کی تفسیر حسد کے ساتھ کی ہے، اسی طرح امام عبدالرزاق نے حسن بصری سے یہ تفسیر نقل کی ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۲۸۔۳۲۷ میں ذکر کی ہے]

۴۸۸۹۔ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَصَابَنِي الْجَهْدُ فَأَرْسَلَ إِلَى نِسَائِهِ فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُنَّ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَلَا رَجُلٌ يُضَيِّفُهُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ يَرْحَمُهُ اللهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ فَذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ ضَيْفُ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَا تَدَّخِرِيهِ شَيْئًا قَالَتْ وَاللهِ مَا عِنْدِي إِلَّا قُوتُ الصِّبْيَةِ قَالَ فَإِذَا أَرَادَ الصِّبْيَةُ الْعَشَاءَ فَنَوِّمِيهِمْ وَتَعَالَيْ فَأَطْفِئِي السِّرَاجَ وَنَطْوِي بُطُونَنَا اللَّيْلَةَ فَفَعَلَتْ ثُمَّ غَدَا الرَّجُلُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَقَدْ عَجِبَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَوْ ضَحِكَ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةَ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یعقوب بن ابراہیم بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فضیل بن غزوان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم الاشجعی نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں فاقہ سے ہوں، آپ نے اپنی ازواج کی طرف کسی کو بھیجا کہ وہ کھانے کی کوئی چیز لائے، پس اس نے آپ کی ازواج کے پاس کوئی چیز نہیں پائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! کوئی مرد ہے جو اس رات اس کی مہمانی کرے تو اللہ اس پر رحم فرمائے گا، پس انصار میں سے ایک مرد اٹھا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی مہمانی کروں گا، پس اس انصاری نے اپنے گھر جا کر اپنی بیوی سے کہا: رسول اللہ ﷺ کا ایک مہمان ہے، تم اس سے کسی چیز کو ذخیرہ نہ کرنا، اس کی بیوی نے کہا: اللہ کی قسم! میرے پاس تو صرف اس بچی کی خوراک ہے، اس انصاری نے کہا: جب وہ بچی رات کو کھانے کا ارادہ کرے تو اس کو سلا دینا اور آ کر اس چراغ کو بجھا دو اور ہم یہ رات بھوکے گزاریں گے، اس کی بیوی نے ایسا کیا، پھر صبح کو وہ مرد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل خوش ہوا یا فرمایا: وہ فلاں مرد اور فلاں عورت کی کارگزاری سے ہنسا، پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:۹) اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں شدید ضرورت ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۹۸ میں گزر چکی ہے تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

جو مرد بھوکا تھا اور اس نے کھانا طلب کیا تھا اس کا مصداق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
ایک مرد آیا: الواحدی نے ذکر کیا ہے کہ وہ مرد اہل صفہ میں سے تھا اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں لکھا ہے کہ وہ مرد خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۲۹)

جس انصاری نے اس بھوکے کی مہمانی کی تھی اس کا مصداق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
مناقب انصار میں اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے کہ وہ انصاری حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے اور الخطیب کو اس میں تردد ہے کہ آیا وہ انصاری حضرت زید بن سہل تھے یا کوئی اور انصار تھے جن کی کنیت ابوطلحہ تھی اور یہ قول بھی گزر چکا ہے کہ وہ انصاری حضرت ثابت بن قیس تھے۔
اور امام ابن المنذر نے ابوالمتوکل سے روایت کی ہے کہ ایک مسلمان مرد کو تین دن تک کوئی چیز روزہ افطار کرنے کے لیے نہیں ملی حتیٰ کہ انصار کے ایک مرد کو اس کا پتا چل گیا اور ان کا نام ثابت بن قیس تھا اور ہمارے شیخ ابن الملقن نے کہا ہے کہ یہ وہم ہے اس لیے کہ ابوالمتوکل اجماعاً تابعی ہیں، پس گویا کہ ابن المنذر نے ان کو صحابی کہا جن کی کنیت ابوالمتوکل تھی اور اس طرح نہیں ہے۔
(فتح الباری ج۶ ص۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: وہ انصاری مرد حضرت ابوطلحہ انصاری تھے اور ابن بشکوال نے کہا ہے کہ وہ حضرت زید بن سہل تھے اور النحاس نے کہا ہے کہ یہ آیت ابوالمتوکل کے متعلق نازل ہوئی ہے اور مہمان حضرت ثابت بن قیس تھے اور یہ کہنا کہ یہ آیت المتوکل کے متعلق نازل ہوئی ہے وہم فاحش ہے کیونکہ ابوالمتوکل تو اجماعاً تابعی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۲۹)

بچی کو رات میں بھوکا سلانے کی توجیہ

تم بچی کو سلا دینا: یہ اس پر محمول ہے کہ اس بچی کو کھانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اگر اس کو کھانے کی ضرورت ہوتی اور کھانا نہ کھانے سے اس کو نقصان ہوتا تو ان پر واجب تھا کہ وہ مہمان کی بجائے اس بچی کو کھانا کھلاتے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ شاید وہ کھانا ان کی ضرورت سے زائد تھا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اس پر اعتراض ہے کہ اس انصاری کی بیوی نے صراحۃً کہا تھا کہ ہمارے پاس تو صرف بچی کی خوراک ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس انصاری کی بیوی کو یہ معلوم تھا کہ وہ بچی رات کو کھانا نہ کھانے پر صبر کر سکتی ہے کیونکہ انسان کچھ دیر کھانا نہ کھانے پر صبر کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تعجب اور ہنسنے کا معنی

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ عزوجل نے تعجب کیا حالانکہ تعجب کا معنی ہے: کسی نامانوس اور خلاف عادت بات کا ادراک کرنا اور اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہنسا حالانکہ ہنسنے کا معنی ہے: دانتوں کا ظاہر ہونا اور یہ دونوں امور اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تعجب کا اطلاق جائز نہیں ہے، اس کا معنی صرف اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہے، یا اس کا ثواب عطا فرمانا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)
الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الحشر کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الممتحنہ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٦٠ ۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْمُمْتَحِنَةِ

سورۃ الممتحنہ کی تفسیر

سورۃ الممتحنہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الممتحنہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ سہیلی نے کہا کہ الممتحنہ میں حاء کے نیچے زیر ہے یعنی یہ سورت عورتوں کا امتحان لینے والی ہے اور اس سورت کی طرف امتحان لینے کی نسبت مجاز ہے، جیسے سورۂ توبہ کا نام الفاضحہ مجاز ہے یعنی وہ سورت رسواء کرنے والی ہے اور یہ بھی مجاز ہے کیونکہ اس سورت میں منافقین کے عیوب بیان کیے گئے ہیں اور جنہوں نے کہا کہ یہ لفظ اَلْمُمْتَحَنَہ ہے یعنی جن عورتوں کا امتحان لیا گیا ہے کیونکہ یہ سورت ایک عورت کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھیں اور یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور مقاتل نے کہا ہے کہ جس عورت کا امتحان لیا گیا تھا ان کا نام سبیعہ ہے اور کہا جاتا ہے: ان کا نام سعیدہ بنت الحارث اسلمیہ ہے اور وہ سیفی بن راہب کے نکاح میں تھی اور امام ابن عساکر نے کہا ہے کہ وہ عورت ام کلثوم تھیں جو حضرت عمرو بن العاص کے نکاح میں تھیں۔

علامہ ابوالعباس نے کہا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورۃ الاحزاب کے بعد نازل ہوئی ہے اور سورۃ النساء سے پہلے اور اس میں تیرہ (۱۳) آیات ہیں۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: سب کے نزدیک اس سورت میں بِسْمِ اللّٰهِ نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۰۔۳۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ علامہ عینی کا تسامح ہے کیونکہ سورۃ الممتحنہ میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھی جاتی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لَا تُعَذِّبْنَا بِأَيْدِيهِمْ فَيَقُولُونَ لَوْ كَانَ هٰؤُلَاءِ عَلَى الْحَقِّ مَا أَصَابَهُمْ هٰذَا۔

اور مجاہد نے کہا: لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً: اس کا معنی ہے: ان کے ہاتھوں سے ہمیں عذاب نہ دے تو وہ کہیں گے کہ اگر یہ مسلمان حق پر ہوتے تو آج ان کو یہ مصیبت نہ پہنچتی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (الممتحنہ: ۵) اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لیے آزمائش نہ بنا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: ہمیں ان کے ہاتھوں سے عذاب نہ دے اور تفسیر نسفی میں مذکور ہے: ان کافروں کو ہم پر مسلط نہ فرما، پھر وہ ہم کو ایسا عذاب دیں گے جس کی ہم میں طاقت نہیں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو ہم پر غلبہ نہ عطا فرما، پس وہ یہ گمان کریں گے کہ وہ حق پر ہیں اور ہم باطل پر ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۰)

بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ أُمِرَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ بِفِرَاقِ نِسَائِهِمْ كُنَّ كَوَافِرَ بِمَكَّةَ.

بعصم الکوافر: اس کا معنی ہے: نبی ﷺ کے اصحاب کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی ان بیویوں سے الگ ہو جائیں جو مکہ میں کفر پر قائم تھیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ۔ (الممتحنہ:۱۰) (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو۔

مکہ میں جن کافرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کو فسخ کر دیا گیا ان کی تفصیل

علامہ عینی لکھتے ہیں: العصم، اَلْعِصْمَة کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: جو عقد نکاح یا نسب کے رشتہ کی وجہ سے محفوظ ہو اور الکوافر کافرہ کی جمع ہے اور اس آیت کا معنی ہے: اور تم نکاح شدہ کافر عورتوں کو مت روکے رکھو اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا کہ وہ کافرہ کے ساتھ نکاح پر قائم رہیں، اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان مشرکہ بیویوں سے الگ ہو جاؤ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت کا معنی ہے کہ تم کافر عورتوں کے ساتھ عقد پر قائم نہ رہو، پس جس مرد کی بیوی مکہ میں کافرہ تھی وہ اس کے ساتھ نکاح پر قائم نہ رہے، اس کی عصمت ختم ہو گئی اور وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ اور اگر تمہارے پاس اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان عورت آئے اور اس کا وہاں کافر خاوند ہو تو وہ اس کی عدت نہیں گزارے گی، پس بے شک اس کی عصمت منقطع ہو چکی ہے اور الزہری نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ان دو مشرکہ بیویوں کو طلاق دے دی جو مکہ میں تھیں، ان میں سے ایک کا نام قریبہ بنت امیہ تھا، ان کے بعد معاویہ نے ان سے نکاح کر لیا اور وہ دونوں اس وقت اپنے شرک پر تھے اور دوسری کا نام ام کلثوم الخزاعیہ تھا اور یہ حضرت عبداللہ کی ماں تھی، پھر ان سے ابوجہم نے نکاح کر لیا اور وہ دونوں اپنے شرک پر قائم تھے اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے نکاح میں اروی بنت ربیعہ تھیں، اسلام نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ (الممتحنہ:۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ (الممتحنہ:۱) کی تفسیر

۴۸۹۰۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ أَبِي رَافِعٍ كَاتِبَ عَلِيٍّ يَقُولُ سَمِعْتُ عَلِيًّا رضي الله عنه يَقُولُ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ فَقَالَ انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا ظَعِينَةً مَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوهُ مِنْهَا فَذَهَبْنَا تَعَادَى بِنَا خَيْلُنَا حَتَّى أَتَيْنَا الرَّوْضَةَ فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِينَةِ فَقُلْنَا أَخْرِجِي الْكِتَابَ فَقَالَتْ مَا مَعِي مِنْ كِتَابٍ فَقُلْنَا لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا فَأَتَيْنَا بِهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الحسن بن محمد بن علی نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت عبید اللہ بن ابی رافع سے سنا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو بھیجا، پس فرمایا: تم لوگ جاؤ اور جب مقام خاخ کے باغ میں پہنچ جاؤ تو وہاں تمہیں ایک مسافرہ عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہوگا، تم اس سے وہ خط لے لینا، پس ہم لوگ

النَّبِيَّ ﷺ فَإِذَا فِيهِ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى أُنَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِمَّنْ بِمَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَإِذَا فِيهِ مَا هَذَا يَا حَاطِبُ قَالَ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مِنْ قُرَيْشٍ وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ يَحْمُونَ بِهَا أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِمَكَّةَ فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِي مِنَ النَّسَبِ فِيهِمْ أَنْ أَصْطَنِعَ إِلَيْهِمْ يَدًا يَحْمُونَ قَرَابَتِي وَمَا فَعَلْتُ ذَلِكَ كُفْرًا وَلَا ارْتِدَادًا عَنْ دِينِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِي يَا رَسُولَ اللهِ فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ فَقَالَ إِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ قَالَ عَمْرٌو وَنَزَلَتْ فِيهِ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الممتحنۃ:۱) قَالَ لَا أَدْرِي الْآيَةَ فِي الْحَدِيثِ أَوْ قَوْلُ عَمْرٍو۔

گئے، ہم اپنے گھوڑوں کو دوڑا رہے تھے حتیٰ کہ ہم اس باغ میں پہنچے تو وہاں پر وہ مسافرہ عورت تھی، ہم نے اس سے کہا: تم خط نکالو، اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس سے کہا: تم ضرور خط نکالو گی ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے تو اس نے اپنے سر کے بالوں کے گچھے کے نیچے سے خط نکالا، ہم نبی ﷺ کے پاس وہ خط لے کر آئے، پس وہ خط حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے مشرکین کے مردوں کے نام تھا، اس میں انہوں نے نبی ﷺ کے بعض معاملات کی خبر دی تھی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اے حاطب! یہ کیا ہے؟ حضرت حاطب نے کہا: یارسول اللہ! میرے متعلق عجلت میں فیصلہ نہ کریں بے شک میں قریش میں سے ایک مرد تھا اور میں ان میں سے نہیں تھا اور آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی قریش کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے گھر والوں اور اپنے مالوں کی مکہ میں حفاظت کریں گے، پس میں نے یہ پسند کیا کہ جب ان میں میرا نسب اور رشتہ داری نہیں ہے تو میں ان کی طرف کوئی احسان کردوں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں اور یہ میں نے کسی کفر کی وجہ سے نہیں کیا اور نہ اپنے دین سے ارتداد کی وجہ سے کیا ہے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس نے تم سے سچ بولا ہے، پس حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں، آپ نے فرمایا: یہ غزوۂ بدر میں حاضر ہو چکا ہے اور تمہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ عزوجل اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا، پس فرمایا: تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمہاری مغفرت کردی، عمرو بن دینار نے کہا: اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ (الممتحنۃ:۱) اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (دوست) نہ بناؤ۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ حدیث میں اس سے مراد یہ آیت ہے یا عمرو بن دینار کا قول ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۰۰۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جاتی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے خط لینے کے لیے جن کو بھیجا ان کے ناموں کی تفصیل اور اس عورت کا نام و دیگر امور

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے مجھے اور حضرت زبیر کو اور حضرت مقداد کو بھیجا: اور الثعلبی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اور حضرت عمار کو اور حضرت عمر کو اور حضرت زبیر کو اور حضرت طلحہ کو اور حضرت المقداد بن اسود کو اور حضرت ابو مرثد رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور یہ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔

تو وہاں تمہیں ایک مسافرہ عورت ملے گی: یہ عورت حودج میں تھی اور اس کا نام سارہ تھا۔

میں قریش میں سے ایک مرد تھا: یعنی میں نے ان سے دوستی اور محبت کا حلف اٹھایا ہوا تھا، میرا ان سے کوئی نسبی رشتہ نہیں تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب کی تصدیق کر دی تھی تو پھر حضرت عمر نے ان کو قتل کرنے کی اجازت کیوں طلب کی

مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن مار دوں: اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت عمر نے یہ کیسے کہا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تصدیق کر چکے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سبب ان کی دینی قوت اور حق میں صلابت تھی اور ان کو حضرت حاطب کے کفر پر وثوق نہیں تھا، اسی لیے انہوں نے کہا: مجھے اجازت دیں، بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے کہا: یہ منافق ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ منافق سے ان کی مراد نفاق اعتقادی نہیں تھا بلکہ نفاق عملی تھا کیونکہ انہوں نے ایسا اقدام کیا جو ان کے دعویٰ ایمان کے خلاف تھا۔

پس بے شک میں نے ان کی مغفرت کر دی ہے: یعنی امور اخرویہ کی، اور اگر دنیا میں ان پر حد واجب ہو تو حد نافذ کی جائے گی یا کسی مرد کا ان پر کوئی حق ہو تو ان سے وہ حق لیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۲۔۳۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حَدَّثَنَا عَلِیٌّ قَالَ قِیلَ لِسُفْیَانَ فِی هٰذَا فَنَزَلَتْ ﴿لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ﴾ الْاٰیَةَ (الممتحنہ:۱) قَالَ سُفْیَانُ هٰذَا فِی حَدِیثِ النَّاسِ حَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرٍو مَا تَرَكْتُ مِنْهُ حَرْفًا وَمَا أُرٰى أَحَدًا حَفِظَهُ غَیْرِی۔

ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ سفیان سے پوچھا گیا کہ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ۔ الایۃ (الممتحنہ:۱) سفیان نے کہا: یہ بات لوگوں کی زبانوں پر ہے، میں نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے محفوظ رکھا ہے اور میں نے اس حدیث میں سے ایک حرف کو بھی نہیں چھوڑا اور میں نہیں سمجھتا کہ میرے علاوہ کسی اور کو یہ حدیث محفوظ ہے یعنی حفظ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۰۰۷ میں گزر چکی ہے۔

جس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت حاطب کے قصہ میں الممتحنہ: ۱، نازل ہوئی وہ روایت مدرج ہے

علامہ بدر محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں علی سے مراد علی بن المدینی ہیں، اور سفیان سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں۔

کیا اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: یعنی کیا حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے قصہ میں الممتحنہ: ۱، نازل ہوئی ہے۔ سفیان بن

عیینہ نے کہا: یہ بات لوگوں کی زبانوں اوران کی روایات پر ہے: لیکن میں نے عمرو بن دینار سے جو حدیث حفظ کی ہے اور جس کو میں نے اس آیت کے نزول کے بغیر روایت کیا ہے اس میں اس آیت کے نزول کا ذکر نہیں ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور نے عمرو بن دینار کی اس حدیث کو میرے علاوہ یاد رکھا ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جس حدیث میں حضرت حاطب کے قصہ کے بعد اس آیت کے نزول کا ذکر ہے وہ حدیث مدرج ہے یعنی اس حدیث میں راوی نے اپنی طرف سے یہ بات ملا دی ہے اور سفیان کو اس اضافہ پر یقین اور وثوق نہیں تھا، تاہم علامہ ثعلبی نے اس حدیث کی بہت طول کے ساتھ روایت کی ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت حاطب اور ان کے خط بھیجنے کے قصہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ۔ (الممتحنہ:۱)

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ۔ (الممتحنہ:۱۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں۔ (الممتحنہ:۱۰) کی تفسیر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی جس حال میں ایمان والی عورتیں دار الکفر سے ہجرت کر کے دار السلام کی طرف آئیں تو ان کو آزما لیا کرو۔ اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس کا سبب صلح نامہ کی یہ شرط ہے کہ قریش سے جو شخص مسلمانوں کی طرف آئے اس کو قریش کی طرف واپس کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس شرط سے ان مسلمان عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا جو ہجرت کر کے آئیں بہ شرطیکہ ان کو آزما لیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۳۲)

۴۸۹۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَمْتَحِنُ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ بِهٰذِهِ الْآيَةِ بِقَوْلِ اللهِ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ إِلَى قَوْلِهِ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ أَقَرَّ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ قَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا وَلَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ قَدْ بَايَعْتُكِ عَلَى ذٰلِكِ تَابَعَهُ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب کے بھتیجے نے حدیث بیان کی از عم خود، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اس آیت کی وجہ سے ان مسلمان عورتوں کا امتحان لیا کرتے تھے جو آپ کی طرف ہجرت کر کے آتی تھیں، وہ آیت یہ ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ.... غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ تک۔ اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں وہ آپ سے اس پر بیعت کریں.... بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے رحم فرمانے والا ہے (تک)، عروہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پس ایمان والی عورتوں میں سے جس نے اس شرط کا اقرار کیا تو رسول اللہ ﷺ اس عورت

سے فرماتے کہ میں نے تم کو بیعت کر لیا، آپ کلام کے ذریعہ بیعت کرتے اور اللہ کی قسم! عورتوں کو بیعت کرتے وقت آپ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، آپ ان عورتوں کو یہ فرما کر صرف اپنے کلام سے بیعت کرتے کہ میں نے تم کو بیعت کر لیا ہے۔ ابن شہاب کے بھتیجے کی متابعت یونس اور معمر اور عبدالرحمٰن بن اسحاق نے کی ہے از زہری اور اسحاق بن راشد نے کہا از زہری از عروہ وعمرۃ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۱۳ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

عورتوں کا امتحان لینے کی کیفیت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بیعت کرتے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، اس پر ایک اشکال کا جواب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کا امتحان لیتے تھے: کہ وہ عورتیں حلف اٹھا کر یہ بیان کریں کہ وہ عورتیں اپنے شوہر سے بغض کی وجہ سے ہجرت نہیں کر رہیں اور نہ دنیا کو طلب کرنے کے لیے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف جا رہی ہیں بلکہ وہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بناء پر دارکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر رہی ہیں۔

اس آیت کی وجہ سے: پوری آیت حسب ذیل ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۲)

اے نبی! (مکرم) جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں، اور آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

مفسرین نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو بیعت کرنے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے عورتوں کو بیعت کرنا شروع کیا، اس وقت آپ صفا پہاڑ پر تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پہاڑ کے نیچے تھے اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عورتوں کو بیعت کر رہے تھے اور ان عورتوں کو اس آیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم سے اس کلام کے ذریعہ بیعت کی ہے: یعنی آپ کلام سے بیعت کرتے تھے اور ہاتھ سے بیعت نہیں کرتے تھے جس طرح مردوں سے مصافحہ کر کے ان سے دونوں ہاتھوں سے بیعت کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں اس روایت کا رد ہے جس کی امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام البزار، امام طبرانی اور امام ابن مردویہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے بیعت کرنے کے قصہ میں حدیث بیان کی ہے، وہ یہ ہے:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ نے گھر کے باہر سے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ہم نے گھر کے اندر سے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا، پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ ہو جا، اسی طرح اس حدیث میں ہے جو اس کے بعد آئے گی، اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پس ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس حدیث میں یہ خبر ہے کہ ان عورتوں نے آپ سے اپنے ہاتھوں کے ساتھ بیعت کی تھی۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ ان حدیثوں کو مسترد کرنے کی کیا وجہ ہے جب کہ یہ تمام احادیث صحیح ہیں، اس کا جواب یہ ہے: جن حدیثوں میں ہے کہ آپ نے اپنا ہاتھ گھر کے باہر سے بڑھایا ان میں یہ اشارہ ہے کہ بیعت واقع ہوگئی اور صحیح بخاری کی دوسری حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ کھینچ لیا اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے بیعت کو قبول کرنے میں تاخیر کی یا یہ بیعت پردے کی اوٹ سے تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ۔ (الممتحنہ: ۱۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں بیعت کے لیے حاضر ہوں۔ (الممتحنہ: ۱۲) کی تفسیر

۴۸۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَرَأَ عَلَيْنَا أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَنَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ فَقَبَضَتِ امْرَأَةٌ يَدَهَا فَقَالَتْ أَسْعَدَتْنِي فُلَانَةُ أُرِيدُ أَنْ أَجْزِيَهَا فَمَا قَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا فَانْطَلَقَتْ وَرَجَعَتْ فَبَايَعَهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از حفصہ بنت سیرین از حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ نے ہم پر یہ آیت پڑھی کہ وہ عورتیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور ہم کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا تو ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، پس اس نے کہا کہ فلاں عورت نے نوحہ کرنے میں میری موافقت کی تھی اب میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں تو نبی ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، پس وہ عورت چلی گئی اور واپس آئی تو آپ نے اس کو بیعت کر لیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۰۶ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

نوحہ کرنے کا معنی اور جس عورت نے اپنا ہاتھ کھینچا تھا اس سے مراد خود حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور نبی ﷺ کا اختیار

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے ہم کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا: نوحہ کا معنی ہے کہ میت پر رو دیا جائے اور اس کے محاسن اور اچھے کاموں کو بیان کیا جائے، دوسری تعریف یہ ہے کہ آواز کے ساتھ رونے کو نوحہ کہتے ہیں۔

پس ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا: اس عورت سے مراد خود حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ہیں، اس پر دلیل یہ ہے کہ امام نسائی کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ام عطیہ نے کہا: یا رسول اللہ! ایک عورت نے نوحہ کرنے میں میری موافقت کی تھی، سو میرے لیے ضروری ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ نوحہ کرنے میں اس کی موافقت کروں۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا: اور امام نسائی کی روایت میں ہے: آپ فرمایا: جاؤ اس کے ساتھ نوحہ میں موافقت کرو، پس وہ گئیں اور اس عورت کے ساتھ موافقت کی، پھر آ کر آپ سے بیعت کی اور یہی حدیث کے ان الفاظ کا معنی ہے: پس وہ عورت چلی گئی اور واپس آئی تو آپ نے اس کو بیعت کر لیا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو اس عورت کے ساتھ نوحہ کرنے کی اجازت دی۔

علامہ نووی نے کہا ہے: یہ اجازت صرف حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے لیے مخصوص تھی اور شارع علیہ السلام کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جس کو چاہیں عام حکم سے خاص اور مستثنیٰ کر لیں۔

جن احادیث میں مذکور ہے کہ آپ نے دوسری عورتوں کو بھی نوحہ کرنے کی اجازت دی ان احادیث کا محمل

اس پر یہ اعتراض ہے کہ امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے شرک نہ کرنے اور نوحہ نہ کرنے پر بیعت کی تو حضرت خولہ بنت حکیم نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ اور میرا بھائی زمانہ جاہلیت میں مر گئے تھے اور فلاں عورت نے ان پر نوحہ کرنے میں میری موافقت کی تھی اور اب اس عورت کا بھائی مر گیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ از حضرت ام سلمہ انصاریہ رضی اللہ عنہا از اسماء بنت یزید یہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! بنو فلاں نے میرے چچا پر نوحہ کرنے میں میری موافقت کی تھی اور میرے لیے ان کا بدلہ اتارنا ضروری ہے تو آپ نے انکار فرمایا، انہوں نے کہا: پس میں نے آپ سے بار بار یہ بات کہی تو آپ نے مجھے اجازت دے دی، پھر اس کے بعد میں نے کسی پر نوحہ نہیں کیا۔

امام احمد اور امام طبرانی نے مصعب بن نوح سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے ایک بوڑھی عورت ملی جو ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، کہتی ہیں: آپ نے ہم سے اس پر بیعت کی کہ تم نوحہ نہیں کرو گی، اس بوڑھی عورت نے کہا: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کچھ لوگوں نے ہم پر جو مصائب آئے ان پر نوحہ کرنے میں ہماری موافقت کی اب ان پر بھی مصائب آئے ہیں تو میں ان کی موافقت کرنا چاہتی ہوں تو آپ نے فرمایا: تم جاؤ، پس ان کی موافقت کرو، اس بوڑھی عورت نے کہا: پس میں گئی اور میں نے ان لوگوں کے مصائب میں نوحہ کر کے ان کا بدلہ اتارا، پھر میں آئی اور میں نے آپ سے بیعت کر لی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: پس ان احادیث سے بعض فقہاء مالکیہ نے نوحہ کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے اور انہوں نے کہا: وہ نوحہ حرام ہے جس میں افعال جاہلیت میں سے کوئی کام ہو مثلاً گریبان پھاڑنا اور چہرے پر تھپڑ مارنا وغیرہ۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ نوحہ کرنا مطلقاً حرام ہے اور یہی تمام علماء کا مذہب ہے اور ان احادیث کا بہترین جواب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ پہلے ممانعت تنزیہ کے لیے تھی یعنی مکروہ تنزیہی تھی، پھر جب عورتوں کی بیعت مکمل ہو گئی تو پھر نوحہ کی تحریم آ گئی، سو جن احادیث میں آپ نے نوحہ کرنے کی اجازت دی ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ تب نوحہ کرنا مکروہ تنزیہی تھا، پھر بعد میں نوحہ کی تحریم آ گئی اور نوحہ کی ممانعت پر بہ کثرت احادیث میں وعید شدید آ گئی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے خلاف ہے کہ آپ نے عورتوں سے صرف کلام سے بیعت کی تھی اور آپ نے کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس سے پہلے حضرت عائشہ کی حدیث میں یہ بتا چکے ہیں کہ حضرت ام عطیہ کے ہاتھ کھینچنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس بیعت کو قبول کرنے میں تاخیر کی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۳۵-۲۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۹۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ سَمِعْتُ الزُّبَيْرَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ (الممتحنہ:۱۲) قَالَ إِنَّمَا هُوَ شَرْطٌ شَرَطَهُ اللّٰهُ لِلنِّسَاءِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں الزبیر سے سنا از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہا: وَ لَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ (الممتحنہ:۱۲) اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ وہ شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے لگائی ہے۔

معروف کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال، اور شرط مذکورہ کا مردوں کے لیے بھی معتبر ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے: اس سے مراد نوحہ کرنا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے محرم کے علاوہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ خلوت میں نہیں رہے گی، تیسرا قول ہے کہ کوئی عورت اپنے چہرے پر تھپڑ نہیں مارے گی اور اپنا گریبان نہیں پھاڑے گی اور نہ ہائے ہائے اور واویلا کرے گی اور نہ کوئی غیر شرعی شعر پڑھے گی، چوتھا قول ہے کہ معروف سے مراد ہے: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور پانچواں قول ہے: اس سے مراد ہر وہ کام ہے جس میں عورتوں کے لیے ہدایت ہو، چھٹا قول یہ ہے کہ معروف سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ شرط عورتوں کے لیے لگائی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شرط مردوں کے لیے بھی ہے کہ وہ بھی کسی معروف کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اور مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۹۴- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَاهُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ سَمِعَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رضى الله عنه قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أَتُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَسْرِقُوا وَقَرَأَ آيَةَ النِّسَاءِ وَأَكْثَرُ لَفْظِ سُفْيَانَ قَرَأَ الْآيَةَ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فَهُوَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، الزہری نے کہا: انہوں نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو ادریس نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے اس پر بیعت کرو گے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور نہ تم زنا کرو گے اور نہ تم

كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْهَا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَسَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ فِي الْآيَةِ

چوری کرو گے اور آپ نے عورتوں کے متعلق آیت مذکورہ پڑھی، اور سفیان کے اکثر الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے وہ آیت پڑھی پس تم میں سے جس نے اس بیعت کو پورا کر لیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے اور جس نے (ان ممنوعہ کاموں میں سے) کسی کام کو کر لیا، پس اسے سزا دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جس نے ان میں سے کسی کام کو کیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ رکھا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اگر وہ چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو اس کو معاف فرما دے گا۔ سفیان کی متابعت عبدالرزاق نے کی ہے از معمر اس آیت کی تلاوت میں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۸ میں گزر چکی ہے۔

۴۸۹۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ مُسْلِمٍ أَخْبَرَهُ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ شَهِدْتُ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْفِطْرِ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَكُلُّهُمْ يُصَلِّيهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدُ فَنَزَلَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ حِينَ يُجَلِّسُ الرِّجَالَ بِيَدِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ حَتَّى أَتَى النِّسَاءَ مَعَ بِلَالٍ فَقَالَ ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ ﴾ (الممتحنہ: ۱۲) حَتَّى فَرَغَ مِنَ الْآيَةِ كُلِّهَا ثُمَّ قَالَ حِينَ فَرَغَ أَنْتُنَّ عَلَى ذٰلِكَ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ لَا يَدْرِي الْحَسَنُ مَنْ هِيَ قَالَ فَتَصَدَّقْنَ وَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهُ فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبدالرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہارون بن معروف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: اور مجھے ابن جریج نے خبر دی کہ ان کو الحسن بن مسلم نے خبر دی از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ میں عید الفطر کے دن رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ حاضر تھا، پس یہ سب عید الفطر کی نماز خطبہ دینے سے پہلے پڑھتے تھے، پھر اس کے بعد خطبہ دیتے تھے، پس اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ منبر سے اترے، پس گویا کہ میں دیکھ رہا تھا جب آپ اپنے ہاتھ سے مردوں کو بٹھا رہے تھے، پھر آپ ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے حتیٰ کہ آپ حضرت بلال کے ساتھ عورتوں کے پاس آئے، پس آپ نے یہ آیت پڑھی: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ (الممتحنہ: ۱۲) اے نبی! (مکرم) جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور

پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کریں، اور آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے○ حتیٰ کہ آپ پوری آیت پڑھ کر فارغ ہو گئے، پھر جب آپ فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: تم اس (بیعت) پر قائم رہو گی اور ایک عورت کے سوا کسی نے آپ کو جواب نہیں دیا، اس نے کہا: جی ہاں یارسول اللہ! الحسن نہیں جانتے تھے کہ وہ عورت کون ہے، آپ نے فرمایا: پس تم صدقہ کیا کرو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلا لیا تو عورتیں اپنے چھلے اور انگوٹھیاں حضرت بلال کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۹۸ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ عورتوں کو وعظ کرنے اور جھولی پھیلا کر چندہ کرنے کا ثبوت ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الممتحنہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی تفسیر مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الصف کی تفسیر کی میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی تفسیر کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٦١ - تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الصَّفِّ

سورۃ الصّف کی تفسیر

سورۃ الصف کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الصف کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ اس سورت کا نام الصف اس لیے ہے کہ اس کی ایک آیت میں صف کا ذکر ہے اور وہ آیت یہ ہے: يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا (الصف: ۴) اس سورت کا نام سورۃ الحواریین بھی ہے، علامہ ابو العباس نے کہا: یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور ابن النقیب نے ابن بشار سے نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے، اور علامہ سخاوی نے کہا: یہ سورت تغابن کے بعد اور سورۃ الفتح سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں چودہ (۱۴) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَنْ أَنْصَارِيْ إِلَى اللّٰهِ مَنْ يَتَّبِعُنِيْ إِلَى اللّٰهِ۔

اور مجاہد نے کہا: مَنْ أَنْصَارِيْ إِلَى اللّٰهِ: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف میری کون پیروی کرے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ أَنْصَارِيْ إِلَى اللّٰهِ ط (الصف: ۱۴)

جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا: اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف میری کون پیروی کرے گا، اس تعلیق کی الحنظلی نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے، ایک قول یہ ہے کہ لفظ الی، مع کے معنی میں ہے اور اس کا معنی ہے: کون اپنی نصرت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے گا، داؤدی نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کون اللہ کی رضا کے لیے یا اللہ کی محبت میں میری پیروی کرے گا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَرْصُوْصٌ مُلْصَقٌ بَعْضُهٗ بِبَعْضٍ وَقَالَ يَحْيٰى بِالرَّصَاصِ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مرصوص کا معنی ہے: اس کا بعض بعض سے ملا ہوا ہے یا جڑا ہوا ہے اور دوسروں نے کہا کہ وہ سیسہ سے جڑا ہوا ہے یا سیسہ پلایا ہوا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ (الصف: ۴)

جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں یا عمارت ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بعض بعض کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور ابوذر کی روایت میں ہے کہ بعض بعض کی طرف ملے ہوئے ہیں اور دوسروں نے کہا کہ وہ سیسہ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، لفظ رصاص کے متعلق علامہ کرمانی نے کہا: اس پر زبر ہے اور عام لوگوں نے کہا: اس پر زیر ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں: دستور اللغت میں اس پر صرف زبر کو ذکر کیا ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۳۷ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ: يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۔ (الصف:٦)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔ (الصف:٦) کی تفسیر

آپ کے نام احمد کا معنی اور اہل انجیل کے نزدیک آپ کا نام

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۔ (الصف:٦)

اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس (عظیم) رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے آئے گا اس کا نام احمد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام احمد رکھا جو اس کے نام سے مشتق ہے یا فاعل میں مبالغہ ہے اور اس کا معنی ہے: جس نے میری حمد کی تو آپ اس سے احمد ہیں یعنی زیادہ حمد کرنے والے اور اہل انجیل کے نزدیک آپ کا نام الفارقلیط ہے جو فاران کے پہاڑوں سے آئیں گے یعنی وہ حق کی پسندیدہ روح ہیں اور اپنی طرف سے کلام نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي وَأَنَا الْعَاقِبُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن جبیر بن مطعم نے خبر دی از والد خود رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے لیے کئی اسماء ہیں: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں الماحی (مٹانے والا) ہوں، اللہ تعالیٰ میرے سبب سے کفر کو مٹا دے گا اور میں الحاشر (جمع کرنے والا) ہوں، میرے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور میں العاقب ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۳۲ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

الحاشر اور العاقب کی وضاحت اور اس سوال کا جواب کہ اس حدیث میں جتنے اسماء ذکر کیے گئے آپ کے اسماء تو اس سے بہت زیادہ ہیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میرے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا: یعنی میرے زمانہ میں، جب حشر کی علامات کے ظہور کے وقت میں اپنے قدم پر کھڑا ہوں گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میرا سب سے پہلے حشر کیا جائے گا۔

اور العاقب وہ ہے جو اپنے سے پہلوں کے بعد آئے۔

محمد، احمد اور الماحی کے معنی

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے لفظ محمد، احمد اور الماحی کے معانی نہیں لکھے، سو لفظ محمد کا معنی ہے: جس کی بہت زیادہ حمد کی گئی ہو اور جس کی بار بار حمد کی گئی ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو محمد فرمایا ہے اور قرآن مجید میں چار جگہ آپ کے نام محمد کا ذکر ہے اور محمد کا معنی ہے: جس کی بہت زیادہ حمد کی گئی ہو اور حمد صفت کمال پر ہوتی ہے اور آپ علی الاطلاق محمد ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ آپ میں کمال علی الاطلاق ہے اور آپ میں کسی وجہ سے بھی نقص اور عیب ہوتا تو آپ علی الاطلاق محمد نہ ہوتے، یہی وجہ ہے کہ کفار جب آپ کی مذمت کرتے تھے تو آپ کو محمد کی بہ جائے مذمم کہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے سب وشتم کو مجھ سے کس طرح دور کر دیا، وہ مذمم کو سب وشتم کرتے ہیں اور لعنت کرتے ہیں اور میں تو محمد ہوں (صحیح البخاری: ۳۵۳۳) اور احمد کا معنی ہے: میں حامدوں سے زیادہ اللہ کی حمد کرنے والا ہوں اور آپ نے تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کی حمد کی ہے اور الماحی کا معنی ہے: مٹانے والا اور جتنا آپ نے کفر کو مٹایا ہے کسی اور نبی اور رسول نے اتنا کفر کو نہیں مٹایا۔

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں　　ایک طلوع آفتاب دشت و جبل سحر سحر

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث میں جو اسماء ذکر کیے گئے ہیں آپ کے اسماء وصفات تو اس سے بہت زیادہ ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں آپ کے ان اسماء کا ذکر کیا گیا ہے جو کتب قدیمہ میں موجود تھے اور گزشتہ امتوں کو جن کا علم تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الصف کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الجمعہ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح بیان کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۶۲۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الۡجُمُعَۃِ

سورۃ الجمعہ کی تفسیر

سورۃ الجمعہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الجمعہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، امام عبدالرزاق نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے لوگ مدینہ میں جمع ہوئے اور ان ہی لوگوں نے اس دن کا نام جمعہ رکھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ انصار نے کہا: یہودی ہر ہفتہ کے دن جمع ہوتے ہیں اور نصاریٰ اتوار کے دن جمع ہوتے ہیں تو کیوں نہ ہم بھی ایک دن جمع ہوں اور اس دن اللہ کا ذکر کریں اور نماز پڑھیں اور اس کا شکر ادا کریں، پس انہوں نے یوم عروبہ کا نام جمعہ رکھ دیا، پھر وہ حضرت اسعد کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی اور نصیحت کی، پس انہوں نے اس دن کا نام جمعہ رکھا۔ (مصنف عبدالرزاق:۵۸۵۱)

اور علامہ ابوالعباس نے کہا کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ سورۃ الجمعہ سورۃ التحریم کے بعد اور سورۃ التغابن سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں گیارہ (۱۱) آیات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ۔ (الجمعہ:۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ان میں سے دوسروں کو بھی (تعلیم دیتے ہیں) جو ان پہلوں سے (ابھی) نہیں ملے۔ (الجمعہ:۳) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس سے پہلی آیت یہ ہے:

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ ۗ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ (الجمعہ:۲)

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے (عظیم) رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلی کھلی گمراہی میں تھے ○

وَقَرَأَ عُمَرُ فَامۡضُوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰهِ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے: فامضوا الی ذکر اللہ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: سالم بن عبداللہ بن عمر نے کہا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب سے اس طرح سنا، اور مشہور اور متواتر قراءت فاسعوا الی ذکر اللہ ہے۔

۴۸۹۷۔ حَدَّثَنَا عَبۡدُ الۡعَزِیۡزِ بۡنُ عَبۡدِ اللّٰهِ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبدالعزیز بن عبداللہ نے

حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْجُمُعَةِ ﴿وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ (الجمعہ: ۳) قَالَ قُلْتُ مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ حَتَّى سَأَلَ ثَلَاثًا وَفِينَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ وَضَعَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدَهُ عَلَى سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ هَؤُلَاءِ۔

(صحیح مسلم: ۲۵۴۶، سنن ترمذی: ۳۳۱۰۔ ۳۹۳۳)

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از ثور از ابوالغیث از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ پر سورۃ الجمعہ کی یہ آیت نازل ہوئی: وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ (الجمعہ: ۳) اور ان میں سے دوسروں کو بھی (تعلیم دیتے ہیں) جو ان پہلوں سے نہیں ملے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون ہے؟ آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ انہوں نے تین مرتبہ سوال کیا اور ہم میں اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی پر رکھ کر فرمایا: اگر ایمان ثریا (ستارے) کے پاس بھی ہوتا تو ان کے مرد یا ان میں سے ایک مرد ایمان کے پاس پہنچ جاتا۔

دوسرے لوگوں کا مصداق اور فارس کی تاریخ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ پر سورۃ الجمعہ نازل ہوئی: حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: گویا کہ حضرت ابو ہریرہ کی مراد یہ ہے کہ آپ پر سورۃ الجمعہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۳)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شک کے ساتھ تفسیر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور اس کا معنی صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ہے کہ آپ پر سورۃ الجمعہ نازل ہوئی۔

اور دوسروں کو بھی جو ابھی ان پہلوں سے نہیں ملے: حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ اور سنن ترمذی میں ہے: ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں جو ابھی ہم سے نہیں ملے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو جواب دیا حتیٰ کہ انہوں نے تین مرتبہ سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہو تو ان لوگوں کے مرد اس کو حاصل کر لیں گے یعنی فارس کے لوگ اس قرینہ سے کہ حضرت سلمان فارس کے رہنے والے تھے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ وہ دوسرے کون لوگ ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ تابعین ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عجمی ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ وہ تابعین کے بیٹے ہیں، چوتھا قول یہ ہے کہ یہ ہر وہ لوگ ہیں جو صحابہ کے بعد ہیں اور ابوروق نے کہا ہے: اس سے مراد قیامت تک کے تمام مسلمان ہیں۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ دوسروں سے مراد فارس کے باشندے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے: اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوتا تو ان کے مرد اس کے پاس پہنچ جاتے، اور یہ مشاہدہ ہے کہ فارس کے لوگوں نے دین کو کامیابی سے حاصل کیا اور ان میں بہت زیادہ علماء ہیں اور ان کا وجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے صدق کی دلیل ہے۔

اور کتاب الطبقات میں مذکور ہے کہ فارس کے لوگ ابتداء میں توحید کو مانتے تھے اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین پر

تھے یہاں تک کہ طہمورس کا زمانہ آیا جو فارس کے بادشاہوں میں سے تیسرا تھا اور یہ لوگ الصابئین تھے (یعنی ستارہ پرست) یہاں تک کہ یہ بارہ سو (۱۲۰۰) سال تک اسی دین پر رہے، پھر جب زرداشت کا ظہور ہوا تو یہ سب مجوسی ہو گئے، زرداشت نے ان کو دین مجوسیت کی دعوت دی، یہ آگ کی اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے، فارس کے تمام لوگوں نے اس کی اطاعت کی اور صابئین کے دین کو ترک کر دیا اور ان کا اعتقاد تھا کہ زرداشت نبی ہے جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے، وہ تقریباً تیرہ سو سال (۱۳۰۰) تک اس کے دین پر رہے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فارس کو فتح کیا گیا اور وہاں پر اسلام پہنچ گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۴۱۔ ۳۴۰ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۸۹۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ أَخْبَرَنِي ثَوْرٌ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ هَؤُلَاءِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ثور نے خبر دی از ابوالغیث از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ان لوگوں کے مرد ضرور دین کو حاصل کر لیتے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۸۹۷ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَابٌ: وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً۔ (الجمعہ: ۱۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ دیکھا۔ (الجمعہ: ۱۱) کی تفسیر

تجارت کے بعد لہو کے ذکر کا سبب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: یہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَ إِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَ تَرَكُوكَ قَآئِمًا (الجمعہ: ۱۱)

اور جب انہوں نے کوئی تجارتی قافلہ دیکھا یا طبل کی آواز سنی تو اس کی طرف بھاگ گئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا چھوڑ دیا۔

تجارت کے بعد لہو کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ تجارت لہو کا سبب ہے کیونکہ لہو کا معنی ہے: کسی فضول کام میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو جانا اور جب انسان تجارت میں بہت زیادہ مشغول ہوتا ہے تو وہ دنیا داری میں منہمک ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۴۰)

۴۸۹۹۔ حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ وَعَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ أَقْبَلَتْ عِيرٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَثَارَ النَّاسُ إِلَّا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿وَ إِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا﴾ (الجمعہ: ۱۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حصین نے حدیث بیان کی از سالم ابن ابی الجعد از ابو سفیان از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، خود بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن ایک تجارتی قافلہ آیا اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو بارہ (۱۲) مردوں کے سوا سب لوگ بھاگ گئے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَ إِذَا رَأَوْا تِجَارَةً

أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا (الجمعہ:۱۱) اور جب انہوں نے کوئی تجارتی
قافلہ دیکھا یا طبل کی آواز سنی تو اس کی طرف بھاگ گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۹۳۶ میں گزر چکی ہے۔

تجارت کے بعد اَوْ لھوًا فرمانے کی توجیہات اور لہو کا ترجمہ تماشا کرنا، نامناسب ہے اور جو صحابہ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے تھے ان کی توجیہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر ہے، تجارت اور لہو تو بہ ظاہر ان کی طرف تثنیہ کی ضمیر لوٹانی چاہیے تھی یعنی انفضوا الیھما فرمایا جاتا لیکن آیت میں اِنْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا واحد کی ضمیر کا ذکر فرمایا ہے جو تجارت کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب مکلف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل ہو تو اس کو لہو شمار کیا جاتا ہے اور اگر تجارت اس کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کرے تو یہ اس پر اللہ کا فضل ہے، یہاں پر چونکہ بارہ صحابہ کے سوا سب تجارتی قافلہ کی طرف بھاگ گئے تھے اور عبادت سے غافل ہو گئے تھے اس لیے تجارت کے بعد لہو کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں اَوْ کا لفظ واؤ کے معنی میں ہے اور یہ عطف تفسیری ہے یعنی تجارت کی تفسیر لہو سے فرمائی ہے۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

دوسری وجہ یہ ہے کہ تجارتی قافلہ کے آنے کے وقت طبل اور نقارہ بجایا جاتا تھا تاکہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ تجارتی قافلہ آ گیا ہے اور وہ اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لیں، سو اس طبل اور نقارہ کی آواز کو لہو سے تعبیر فرمایا۔

رہا یہ سوال کہ صحابہ کرام سے یہ بعید ہے کہ وہ خطبہ سننے کو چھوڑ کر تجارتی قافلہ کی طرف چلے جائیں، اس کا جواب یہ ہے کہ بارہ صحابہ جن میں خلفاء راشدین بھی تھے وہ خطبہ چھوڑ کر نہیں گئے تھے اور ابتدا میں خطبہ جمعہ کی نماز کے بعد ہوتا تھا اور اس کا سننا واجب نہیں تھا۔ (مراسیل ابوداؤد: ص ۷) اور چونکہ اس زمانہ میں غلہ کی شدید قلت تھی اور اضطرار کی حالت تھی اس لیے ان کا یہ فعل قابل اعتراض نہیں ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کو یہ فعل پسند نہیں آیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر تجارتی قافلہ کی طرف چلے جائیں۔

تقریباً تمام مترجمین نے اس آیت میں لفظ لہو کا ترجمہ تماشا کیا ہے لیکن ہم نے یہاں پر اس ترجمہ سے اعراض کیا ہے کیونکہ صحابہ کے حال سے یہ بعید ہے کہ وہ خطبہ کو چھوڑ کر تماشا دیکھنے چلے جائیں۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الجمعہ کی تفسیر میں جو تعلیق ذکر کی تھی اور جو احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المنافقین کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٦٣۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْمُنَافِقِيْنَ

سورۃ المنافقون کی تفسیر

سورۃ المنافقون کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المنافقون کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور یہ سورت مدنی ہے اور اس میں گیارہ (۱۱) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۳۴۱)

۱۔ بَابٌ: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون:۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں یہ آیت یہاں تک ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں ۝ (المنافقون:۱) کی تفسیر

۴۹۰۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنْتُ فِي غَزَاةٍ فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُبَيٍّ يَقُولُ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتَّى يَنْفَضُّوا مِنْ حَوْلِهِ وَلَئِنْ رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِهِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمِّي أَوْ لِعُمَرَ فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَدَعَانِي فَحَدَّثْتُهُ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ وَأَصْحَابِهِ فَحَلَفُوا مَا قَالُوا فَكَذَّبَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَصَدَّقَهُ فَأَصَابَنِي هَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ قَطُّ فَجَلَسْتُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ لِي عَمِّي مَا أَرَدْتَ إِلَى أَنْ كَذَّبَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَمَقَتَكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ (المنافقون:۱) فَبَعَثَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَرَأَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ (صحیح مسلم: ۹۴۱۰، سنن ترمذی: ۳۳۱۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از زید بن ارقم، انہوں نے کہا کہ میں کسی غزوہ میں تھا، پس میں نے عبد اللہ بن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ لوگ ان کے پاس سے منتشر ہو جائیں اور اگر اب ہم ان کے پاس واپس گئے تو ضرور مدینہ سے عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے تو میں نے اس واقعہ کا ذکر اپنے چچا سے یا حضرت عمر سے کیا، پس انہوں نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، پس آپ نے مجھے بلایا تو میں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کو بلایا تو انہوں نے قسمیں کھالیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ظاہر کے اعتبار سے) مجھے جھوٹا قرار دیا اور اس کی تصدیق کر دی، پس مجھے اس سے بہت غم ہوا ایسا غم مجھے کبھی نہیں ہوا تھا، پس میں گھر جا کر بیٹھ گیا

تو مجھ سے میرے چچا نے کہا: میرا یہ ارادہ نہیں تھا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹا قرار دیں اور تم پر ناراض ہوں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ (المنافقون:۱) (جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں)، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف کسی کو بھیجا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی، پس فرمایا: اے زید! بے شک اللہ نے تمہیں سچا قرار دیا ہے۔

حدیث میں مذکور غزوہ کی تعیین، عبد اللہ بن ابی کا پورا نام، حضرت زید نے صرف اپنے چچا سے اس واقعہ کا ذکر کیا تھا نہ کہ حضرت عمر سے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں کسی غزوہ میں تھا: سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ یہ غزوۂ تبوک تھا، اور اہل مغازی کی تصریح ہے کہ یہ غزوہ بنوالمصطلق تھا اور علامہ ابو الفرج نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ المریسیع تھا جو پانچ ہجری میں ہوا تھا، دوسرا قول ہے کہ یہ غزوہ چھ ہجری میں ہوا تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ یہ غزوہ چار ہجری میں ہوا تھا۔

عبد اللہ بن ابی: یعنی ابن سلول جو منافقین کا سردار تھا اس کے نام میں دوسرا ابن عبد اللہ کی صفت ہے اور سلول غیر منصرف ہے اور یہ عبد اللہ کی ماں کا نام تھا۔

عبد اللہ بن ابی نے کہا: لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ: یہ عبد اللہ بن ابی کا کلام تھا اور راوی نے اس سے آیت کی تلاوت کا قصد نہیں کیا۔

میں نے اس بات کا اپنے چچا سے یا حضرت عمر سے ذکر کیا: یہ راوی کو شک ہے لیکن باقی تمام روایات میں صرف چچا کا ذکر ہے حضرت عمر کا ذکر نہیں ہے اور امام طبرانی اور امام ابن مردویہ نے لکھا ہے کہ چچا سے ان کی مراد حضرت سعد بن عبادہ ہیں اور وہ ان کے حقیقی چچا نہیں ہیں، وہ ان کی قوم الخزرج کے سردار تھے اور حضرت زید بن ارقم کے حقیقی چچا حضرت ثابت بن قیس ہیں جو صحابی ہیں اور ان کے چچا ان کی ماں کے خاوند حضرت عبد اللہ بن رواحہ خزرجی بھی ہیں اور علامہ کرمانی کی عبارت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ ان کے مجازی چچا ہیں۔

حضرت زید بن ارقم کو جھوٹا قرار دینے سے ان کو جو غم ہوا اس کی کیفیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں راضی کرنا

پس مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹا قرار دیا اور عبد اللہ بن ابی کو سچا قرار دیا: پس مجھے اتنا غم ہوا کہ اس سے پہلے مجھے کسی بات کا اتنا غم نہیں ہوا تھا، سنن ترمذی میں یہ اضافہ ہے کہ پس میں غمزدہ ہو کر لیٹ گیا اور ابن ابی لیلیٰ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حتیٰ کہ میں گھر جا کر بیٹھ گیا اس خوف سے کہ مسلمان مجھے دیکھ کر کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو، اور نسائی میں یہ اضافہ ہے کہ میری قوم نے مجھے ملامت کی۔

پس اللہ نے یہ آیت نازل کی: محمد بن کعب کی روایت میں ہے: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور ابو الاسود نے عروہ سے روایت کی ہے کہ جس وقت وہ رات کو جا رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے تو یہ آیت نازل

ہوئی، اور ابوسعد کی روایت میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم نے کہا کہ جس وقت میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اور غم سے میرا سر جھکا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے، آپ نے میرا کان کھینچا، پھر آپ میرے چہرے کے سامنے ہنسے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے آ کر ملے اور مجھ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا اور آدم بن ابی ایاس نے یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو۔ اس آیت تک کہ عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۴۲۔ ۳۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور پر ایک اشکال کا مصنف کی طرف سے جواب اور حضرت زید بن ارقم کی فضیلت

میں کہتا ہوں: اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں اور آپ پر امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں تو پھر آپ کو پہلے ہی معلوم ہونا چاہیے تھا کہ حضرت زید بن ارقم اپنی خبر میں سچے ہیں اور عبداللہ بن ابی نے جھوٹی قسمیں کھائی ہیں، پھر آپ نے کیوں حضرت زید کو جھوٹا اور عبداللہ بن ابی کو سچا قرار دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ظاہر فرمایا کہ شریعت کا مدار ظاہر پر ہے اور چونکہ عبداللہ بن ابی نے قسمیں کھالی تھیں اس لیے آپ نے ظاہر شرع کے اعتبار سے حضرت زید کے ساتھ جھوٹوں کا معاملہ کیا اگرچہ آپ کے نزدیک وہ واقع میں جھوٹے نہیں تھے اور جب حضرت زید کی تائید میں سورۃ المنافقون کی آیات نازل ہوگئیں تو اس سے حضرت زید کے غم کی تلافی ہوگئی اور ان کا مرتبہ مسلمانوں کے نزدیک اور زیادہ ہوگیا۔ حضرت زید کی تائید اور تصدیق میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۗ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الجمعہ: ۸۔ ۷)

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں، لیکن منافقین نہیں سمجھتے O وہ کہتے ہیں کہ اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا، حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے O

اس حدیث سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی تصدیق کے لیے سورۃ المنافقون کی آٹھ آیتیں نازل ہوئیں اور ان کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ ان کو یقین تھا کہ وہ سچے ہیں اور ابی بن کعب اور اس کے حامیوں نے جو قسمیں کھائیں وہ جھوٹی ہیں، اس کے باوجود جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کی قسموں کی بنا پر ان کے ساتھ جھوٹوں کا معاملہ کیا یا ان کو جھوٹا قرار دیا تو ان کے دل و دماغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کے خلاف کوئی شک اور کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوا، وہ بے پناہ غم کے بوجھ تلے دبے رہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق پر قائم رہے اور ان کو ایک آن کے لیے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ اگر یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ان پر حقیقت حال کیوں نہیں منکشف ہوئی اور تیسری فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا غم دور کرنے کے لیے اور ان کو راضی کرنے کی خاطر ان کا کان کھینچا اور ان کو دیکھ کر ہنسے اور ان پر سورۃ المنافقون کی آٹھ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

۲۔ بَابٌ: اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ (المنافقون: ۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا۔ (المنافقون: ۲) کی تفسیر

یَجْتَنُّوْنَ بِهَا: اس کا معنی ہے: وہ منافقین اپنی قسموں سے اپنا ستر کرتے تھے اور ان کو اپنے لیے ڈھال بناتے تھے۔

۴۹۰۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضي الله عنه قَالَ كُنْتُ مَعَ عَمِّي فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ ابْنَ سَلُولَ يَقُولُ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ حَتَّى يَنْفَضُّوا وَقَالَ أَيْضًا لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمِّي فَذَكَرَ عَمِّي لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ وَأَصْحَابِهِ فَحَلَفُوا مَا قَالُوا فَصَدَّقَهُمْ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَكَذَّبَنِي فَأَصَابَنِي هَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ قَطُّ فَجَلَسْتُ فِي بَيْتِي فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ (المنافقون: ۱) إِلَى قَوْلِهِ ﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ (المنافقون: ۷) إِلَى قَوْلِهِ ﴿لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ (المنافقون: ۸) فَأَرْسَلَ إِلَيَّ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَرَأَهَا عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا تو میں نے سنا عبداللہ بن ابی ابن سلول یہ کہہ رہا تھا: جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ لوگ منتشر ہو جائیں اور اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم مدینہ کی طرف واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، سو میں نے اس بات کا اپنے چچا سے ذکر کیا، میرے چچا نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کو بلایا تو انہوں نے قسمیں کھا لیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ظاہر شرع کے اعتبار سے) ان کی تصدیق کر دی اور مجھے جھوٹا قرار دیا، پس مجھے اتنا غم ہوا کہ ایسا غم مجھے کبھی نہیں ہوا تھا، پس میں اپنے گھر میں جا کر بیٹھ گیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ (المنافقون: ۱) یہ آیت یہاں تک نازل فرمائی: هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (المنافقون: ۷) یہ آیت یہاں تک ہے: لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون: ۸) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا اور میرے سامنے یہ آیات پڑھیں، پھر فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق کر دی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۰۰ میں گزر چکی ہے۔

حضرت زید بن ارقم کی تصدیق کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آٹھ (۸) آیات تلاوت فرمائیں ان کا ترجمہ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ

(اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الجمعہ:۸۔۱)

ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں ○ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا، پس اللہ کے راستہ سے (لوگوں کو) روکا، بے شک یہ بہت برا کام کر رہے ہیں ○ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے، پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا، سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو وہ سمجھتے نہیں ہیں ○ اور (اے مخاطب!) جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں گے تو تم ان کی بات سنو گے، گویا وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں، وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، یہی (حقیقی) دشمن ہیں، سو تم ان سے خبردار رہو، اللہ انہیں ہلاک کرے، یہ کہاں اوندھے جا رہے ہیں ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ رسول اللہ تمہارے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اپنے سر مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے آپ کو روکتے ہیں ○ ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا، اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ○ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں لیکن منافقین نہیں سمجھتے ○ وہ کہتے ہیں کہ اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے ○

٣۔ بَابٌ: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (المنافقون:٣)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے، پھر انہوں نے (دل کا) کفر ظاہر کر دیا، سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، سو وہ سمجھتے نہیں ہیں ○ (المنافقون: ٣) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں منافقین کے نفاق اور ان کے دعویٰ ایمان کے جھوٹ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، پھر اپنے کفر کو ظاہر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، سو اب ان کے دلوں میں ایمان

داخل نہیں ہوگا اور یہ ان کے نفاق کی سزا ہے، سو وہ ایمان کی صحت اور قرآن مجید کے اعزاز کو اس طرح نہیں سمجھتے جس طرح اس کو مومنین سمجھتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ص ۳۴۳)

۴۹۰۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ كَعْبٍ الْقُرَظِيَّ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ وَقَالَ أَيْضًا لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ أَخْبَرْتُ بِهِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَامَنِي الْأَنْصَارُ وَحَلَفَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ مَا قَالَ ذَلِكَ فَرَجَعْتُ إِلَى الْمَنْزِلِ فَنِمْتُ فَدَعَانِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ إِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَكَ وَنَزَلَ ﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا﴾ (المنافقون:۷) الْآيَةَ وَقَالَ ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَمْرٍو عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم، انہوں نے کہا: میں نے محمد بن کعب القرظی سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بتایا کہ جب عبداللہ بن ابی نے یہ کہا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو اور یہ بھی کہا کہ اگر اب ہم مدینہ کی طرف واپس گئے الخ تو میں نے اس بات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی، سو انصار نے مجھے ملامت کی تو عبداللہ بن ابی نے یہ قسم کھالی کہ میں نے یہ نہیں کہا ہے، سو میں گھر کی طرف گیا اور جا کر سو گیا، پس مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، پس میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق کر دی ہے اور یہ آیت نازل ہوئی: هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا (المنافقون:۷) (یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے تھے: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو) اور ابن ابی زائدہ نے کہا از الاعمش از عمرو از ابن ابی لیلیٰ از حضرت زید از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حدیث مذکور کے تعارض کو دور کرنے میں حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں نے اس بات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی: اس سے پہلی حدیثوں میں تھا کہ حضرت زید نے اس بات کی اپنے چچا کو خبر دی اور انہوں نے اس بات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت زید نے کہا: میں نے اس بات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور یہ ان حدیثوں میں تعارض ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ میں نے اپنے چچا کی زبان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی۔ (فتح الباری ج۶ ص ۶۷)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی نے قسم کھا کر اس بات کے کہنے کا انکار کیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور (اے مخاطب!) جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے جسم تمہیں اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنو گے، گویا وہ دیوار

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۖ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ (المنافقون: ۴) کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر ہیں، وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، یہی (حقیقی) دشمن ہیں، سوتم ان سے خبر دار رہو، اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں اوندھے جار ہے ہیں O (المنافقون: ۴) کی تفسیر

عبداللہ بن ابی اور اس کے حامیوں کی جسمانی خوبصورتی اور ان کا ایمان سے خالی ہونا اور شہتیروں سے ان کی مشابہت کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

یعنی دیکھنے والوں کو ان منافقین کے جسم اچھے لگیں گے یعنی ان کی ہم وار خلقت، حسین صورت اور طویل قامت کی وجہ سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی گورے رنگ کا جسیم آدمی تھا اور چرب زبان تھا اور دیگر منافقین بھی اسی کی طرح تھے اور یہ لوگ مدینہ کے سردار تھے، یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور یہ دیکھنے میں بھلے لگتے تھے اور ان کی زبانیں فصیح تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حاضرین انہیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے، جب یہ کوئی بات کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سنتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیر کی طرح ہیں یعنی جس طرح شہتیر ایمان اور خیر سے خالی ہوتا ہے اسی طرح یہ ایمان اور خیر سے خالی ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ دیوار کے سہارے کھڑے ہوئے شہتیروں سے ان کی مشابہت کی وجہ یہ ہو کہ ان کی صورتیں تو اچھی ہیں لیکن ان سے نفع کوئی نہیں ہوتا

وہ ہر بلند آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں: اس کی وجہ ان کا خبث اور ان کی بدگمانی ہے اور ان کے یقین کی کمی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہر بلند آواز ان کو نقصان دینے والی ہے، مقاتل نے کہا ہے کہ اگر لشکر میں کوئی منادی ندا کرے یا کسی کی سواری لڑکھڑا کر گر جائے یا کسی گم شدہ چیز کا اعلان کیا جائے تو ان کے دلوں میں جو رعب ہے اس کی وجہ سے یہ گمان کرتے ہیں کہ شاید ان کے خلاف کوئی بات کہی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی تمہارے (حقیقی) دشمن ہیں یعنی دشمنی میں کامل ہیں، سوتم ان پر اعتماد نہ کرو اور ان کے ظاہر سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

اللہ انہیں ہلاک کرے، اس کی شرح میں علامہ عینی کا تسامح اور مصنف کا اس پر تبصرہ

اللہ انہیں ہلاک کرے: یہ ان پر لعنت ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: یہ اللہ نے ان کے خلاف لعنت اور رسوائی کی دعا کی ہے۔

مصنف کہتا ہے: اللہ تعالیٰ دعا کرنے سے بلند اور برتر ہے، اس نے ان کی ہلاکت کی دعا نہیں کی بلکہ ان کی ہلاکت اور رسوائی کا اعلان فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ علامہ عینی کو معاف فرمائے، ان سے یہ سہو ہو گیا۔

یہ کہاں اوندھے جار ہے ہیں: یعنی یہ کس طرح حق سے پلٹ رہے ہیں، اس میں ان کی جہالت اور گمراہی پر تعجب کا اظہار ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۴۹۰۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر بن معاویہ نے حدیث بیان

أَرْقَمَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ أَصَابَ النَّاسَ فِيهِ شِدَّةٌ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ لِأَصْحَابِهِ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ حَتَّى يَنْفَضُّوا مِنْ حَوْلِهِ وَقَالَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَأَرْسَلَ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ فَسَأَلَهُ فَاجْتَهَدَ يَمِينَهُ مَا فَعَلَ قَالُوا كَذَبَ زَيْدٌ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِمَّا قَالُوا شِدَّةٌ حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ تَصْدِيقِي فِي ﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ (المنافقون:١) فَدَعَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُمْ فَلَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَقَوْلُهُ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ قَالَ كَانُوا رِجَالًا أَجْمَلَ شَيْءٍ۔

کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں گئے جس میں لوگوں پر بہت تنگ وقت آیا تھا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے اصحاب سے کہا: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہیں تم ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ ان کے پاس سے منتشر ہو جائیں اور کہا کہ اب اگر ہم مدینہ واپس گئے تو اس میں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، حضرت زید نے کہا: پس میں نبی ﷺ کے پاس گیا اور میں نے آپ کو اس بات کی خبر دی، آپ نے عبد اللہ بن ابی کو بلوایا اور اس سے پوچھا تو اس نے بہت پکی قسم کھا کر کہا کہ اس نے ایسا نہیں کہا۔ لوگوں نے کہا حضرت زید نے رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ بولا ہے تو ان کی اس بات سے میرے دل میں اس کا بہت زیادہ رنج ہوا حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے میری تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ (المنافقون:١) (جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں)، پھر نبی ﷺ نے ان کو بلایا تا کہ ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو انہوں نے اپنے سروں کو مٹکایا اور اللہ عزوجل کا ارشاد: خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (المنافقون:٤) (وہ دیوار کے سہارے لگے ہوئے شہتیر ہیں)، حضرت زید نے کہا: وہ منافقین سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٤٩٠٠ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی کا علامہ کرمانی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس سفر میں لوگوں پر بہت تنگ وقت آیا تھا: کیونکہ لوگوں کے پاس خوراک بہت کم تھی۔

میں نے نبی ﷺ کے پاس آ کر اس کی خبر دی: اس پر یہ اشکال ہے کہ پہلی حدیثوں میں یہ گزرا ہے کہ نبی ﷺ کو یہ خبر حضرت زید بن ارقم کے چچا نے دی تھی۔ علامہ کرمانی نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زید نے جو کہا کہ میں نے خبر دی اس کا معنی ہے: میں نے اپنے چچا کے واسطہ سے آپ کو خبر دی۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حضرت زید نے یہ خبر اس وقت دی تھی جب آپ نے عبد اللہ بن ابی کو بلایا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٣٤٥، دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤٢١ھ)

۵۔ بَابٌ: وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (المنافقون:۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ رسول تمہارے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اپنے سر مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر سے اپنے آپ کو روکتے ہیںO (المنافقون:۵) کی تفسیر

لَوَّوْا اور يَصُدُّوْنَ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ: یعنی اپنے سروں کو ہلاتے ہیں اور کراہیت ظاہر کرنے کے لیے اپنے چہروں سے اعراض کرتے ہیں۔

يَصُدُّوْنَ: یعنی ان کو اسلام کی جو دعوت دی جاتی ہے یہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔

وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ: یعنی وہ مغفرت طلب نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ص ۳۴۵)

حَرَّكُوْا: یعنی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے لیے اپنے سروں کو مٹکاتے تھے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ کی تفسیر ہے یعنی وہ استہزاء کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں اور اسلام کو قبول کرنے سے اعراض کرتے ہیں۔

لووا کو بغیر تشدید کے بھی پڑھا گیا ہے اور یہ لویت سے ماخوذ ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ نافع کی قراءت ہے اور لَوَيْتُ رَاْسِي کا معنی ہے: میں نے اپنے سر کو ادھر ادھر ہلایا۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ص ۳۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۰۴۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَمِّي فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُبَيٍّ ابْنَ سَلُولَ يَقُولُ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتَّى يَنْفَضُّوا وَلَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِعَمِّي فَذَكَرَ عَمِّي لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَدَعَانِي فَحَدَّثْتُهُ فَأَرْسَلَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ وَأَصْحَابِهِ فَحَلَفُوا مَا قَالُوا وَكَذَّبَنِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَصَدَّقَهُمْ فَأَصَابَنِي غَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ قَطُّ فَجَلَسْتُ فِي بَيْتِي وَقَالَ عَمِّي مَا أَرَدْتَ إِلَى أَنْ كَذَّبَكَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَقَتَكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ﴾ (المنافقون:۱) وَأَرْسَلَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَرَأَهَا وَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی اسحاق از حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا تو میں نے سنا، عبداللہ بن ابی ابن سلول یہ کہہ رہا تھا: جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ منتشر ہو جائیں اور اگر ہم مدینہ کی طرف واپس گئے تو عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، میں نے اس بات کا اپنے چچا سے ذکر کیا، پھر میرے چچا نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اور آپ نے ان کی تصدیق کی، سو آپ نے مجھے بلایا تو میں نے آپ کو اس بات کی خبر دی، پھر آپ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کو بلایا تو انہوں نے قسمیں کھا لیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ظاہر شرع کے اعتبار سے) مجھے جھوٹا قرار دیا تو مجھے بہت غم ہوا اتنا غم مجھے کبھی نہیں ہوا تھا، پس میں اپنے گھر جا کر بیٹھ گیا، میرے چچا نے

کہا: میں نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جھوٹا قرار دیں اور تم پر ناراض ہوں، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللهِ (المنافقون:۱) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، پس یہ آیت پڑھی اور فرمایا: بے شک اللہ نے تمہاری تصدیق کر دی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۰۰ میں گزر چکی ہے۔

٦۔ بَابُ: سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۖ لَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَهُمْ ۖ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (المنافقون:٦)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا، بے شک اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا○ (المنافقون:٦) کی تفسیر

منافقین کی مغفرت نہ کرنے کی وجہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ان کے حق میں بخشش طلب کرنا اور بخشش طلب نہ کرنا دونوں برابر ہیں کیونکہ وہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ اس کو قابل شمار سمجھتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۴۶)

۴۹۰۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ كُنَّا فِي غَزَاةٍ قَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً فِي جَيْشٍ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لَلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ فَسَمِعَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ كَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ فَقَالَ فَعَلُوهَا أَمَا وَاللهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی کہ عمرو نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: ہم ایک غزوہ میں تھے، سفیان نے دوسری بار کہا: ہم ایک لشکر میں تھے، پس مہاجرین میں سے ایک مرد نے انصار میں سے ایک مرد کی مقعد پر لات ماری تو انصاری نے کہا: اے انصار! مدد کے لیے آؤ، اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرین! مدد کے لیے آؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آوازیں سنیں تو آپ نے فرمایا: یہ کیسی زمانہ جاہلیت کی طرح (کی) چیخ و پکار ہے، لوگوں نے بتایا: یارسول اللہ! مہاجرین میں سے ایک مرد نے انصار کے ایک مرد کی مقعد پر لات ماری تھی تو آپ نے فرمایا: اس بات کو چھوڑ دو، یہ بدبودار بات ہے، عبداللہ بن ابی نے یہ بات سن لی تو اس نے کہا: کیا انہوں نے ایسا کیا ہے، سنو اللہ کی قسم اگر اب ہم مدینہ واپس

يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ أَكْثَرَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ ثُمَّ إِنَّ الْمُهَاجِرِينَ كَثُرُوا بَعْدُ قَالَ سُفْيَانُ فَحَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرٍو قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرًا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ۔

گئے تو اس میں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچ گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن ماردوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو رہنے دو، لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں اور انصار مہاجرین سے زیادہ تعداد میں تھے جب مہاجرین مدینہ آئے تھے، پھر اس کے بعد مہاجرین زیادہ تعداد میں ہو گئے، سفیان نے کہا: میں نے اس حدیث کو عمرو سے یاد رکھا ہے اور عمرو نے کہا: میں نے حضرت جابر سے سنا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۱۸ میں گزر چکی ہے۔

حدیث میں مذکور غزوہ کی تعیین، جس مہاجر نے انصاری کو لات ماری تھی اس مہاجر اور انصاری کا نام

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم ایک غزوہ میں تھے: امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ غزوہ بنو المصطلق تھا۔

فَكَسَعَ: الکسع کا معنی ہے: کسی انسان کی مقعد پر گھونسا یا لات مارنا۔

جس مہاجر نے لات ماری تھی اس کا نام جہجاء بن قیس تھا اور دوسرا قول ہے کہ اس کا نام ابن سعید الغفاری تھا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور ان کے گھوڑے کو چلا رہا تھا اور جس انصاری کی مقعد پر لات ماری ان کا نام سنان بن وبرہ الجہنی تھا اور وہ انصار کا حلیف تھا۔

۷۔ بَابٌ: هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (المنافقون: ۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں (یعنی متفرق ہو جائیں) اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام خزانے اللہ کی ملکیت میں ہیں، لیکن منافقین نہیں سمجھتے ۝ (المنافقون: ۷) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یتفرق کا لفظ قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ وہ ینفضوا کی تفسیر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۴۷)

۴۹۰۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْفَضْلِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن عقبہ، وہ بیان کرتے ہیں: مجھے

مَالِكٍ يَقُولُ حَزِنْتُ عَلَى مَنْ أُصِيبَ بِالْحَرَّةِ فَكَتَبَ إِلَيَّ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ وَبَلَغَهُ شِدَّةُ حُزْنِي يَذْكُرُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ وَشَكَّ ابْنُ الْفَضْلِ فِي أَبْنَاءِ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ فَسَأَلَ أَنَسًا بَعْضُ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَقَالَ هُوَ الَّذِي يَقُولُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم هٰذَا الَّذِي أَوْفَى اللهُ لَهُ بِأُذُنِهِ۔ (صحیح مسلم: ۲۵۰۶)

عبداللہ بن الفضل نے حدیث بیان کی وہ بیان کرتے ہیں انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو صحابہ واقعہ الحرۃ میں شہید ہوئے تھے مجھے ان پر بہت رنج ہوا، پس حضرت زید بن ارقم نے میری طرف خط لکھا اور ان کو میرے شدید غم کی خبر پہنچی، اس میں انہوں نے ذکر کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ یہ دعا کر رہے تھے، اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما اور انصار کے بیٹوں کی مغفرت فرما، ابن الفضل کو شک ہے کہ آپ نے انصار کے بیٹوں کے لیے بھی دعا کی تھی، پس جو لوگ حضرت انس کے پاس تھے ان میں سے کسی نے حضرت انس سے پوچھا تو انہوں نے کہا: حضرت زید بن ارقم ہی وہ صحابی ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: یہ وہی ہے جس کے کان کی (یعنی جس کے سننے کی) اللہ تعالیٰ نے تصدیق کی تھی۔ (اور اس کے کان کو اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا)۔

واقعہ حرۃ کا بیان اور حضرت زید بن ارقم کی حضرت انس سے شہداء انصار پر تعزیت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اَلْحَرَّةُ: یہ مدینہ کے شروع میں کالے پتھروں والی زمین ہے، یہاں پر سن تریسٹھ (۶۳ھ) ہجری میں مشہور حادثہ ہوا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ جب اہل مدینہ کو یزید بن معاویہ کے برے اور غلط کاموں کی خبر پہنچی تو انہوں نے اس کی بیعت کو توڑ دیا، پس انصار نے عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر کو اپنا امیر بنا دیا اور مہاجرین نے عبداللہ بن مطیع العدوی کو اپنا امیر بنا دیا اور یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو بہت بڑے لشکر کے ساتھ اہل مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، اس نے اہل مدینہ کو شکست دی اور مدینہ میں خونریزی کو مباح کر دیا اور انصار میں سے بہت بڑی تعداد کو شہید کر دیا گیا، اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں تھے، ان کو انصار کے شہید کیے جانے کی خبر پہنچی تو ان کو بہت غم ہوا، پس ان کی طرف حضرت زید بن ارقم نے خط لکھا اور ان سے انصار کی شہادت پر تعزیت کی اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا لکھ کر بھیجی: اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما اور ان کی اولاد کی مغفرت فرما۔

هذا الذي اوفى الله له باذنه: اس جملہ میں اَوْفٰی کا معنی ہے: صَدَّقَ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کان کی تصدیق کر دی یعنی انہوں نے جو عبداللہ بن ابی سے سنا تھا وہ سچ تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۴۸-۳۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸- بَابٌ: يَقُولُونَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (المنافقون: ۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ کہتے ہیں کہ اگر (اب) ہم مدینہ واپس گئے تو ضرور عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور

ایمان والوں کے لیے لیکن منافقین نہیں جانتے O
(المنافقون:۸) کی تفسیر

۴۹۰۷۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما يَقُولُ كُنَّا فِي غَزَاةٍ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لَلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ فَسَمَّعَهَا اللهُ رَسُولَهُ ﷺ قَالَ مَا هَذَا فَقَالُوا كَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لَلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ قَالَ جَابِرٌ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ حِينَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ أَكْثَرَ ثُمَّ كَثُرَ الْمُهَاجِرُونَ بَعْدُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ أَوَقَدْ فَعَلُوا وَاللهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی الله عنه دَعْنِي يَا رَسُولَ اللهِ أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے یاد رکھا ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں تھے، پس مہاجرین میں سے ایک مرد نے انصار کے ایک مرد کی مقعد پر لات ماری تو انصاری نے کہا: اے انصار! آؤ اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرو آؤ! پس اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ چیز سنا دی تو آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے، تو کہنے لگے: مہاجرین میں سے ایک مرد نے انصار کے ایک مرد کی مقعد پر لات ماری ہے تو انصاری نے کہا اے انصار مدد کے لیے آؤ اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرین! مدد کے لیے آؤ، تو نبی ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا اس چیخ و پکار کو چھوڑ دو یہ بدبودار ہے، حضرت جابر نے بتایا کہ جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی تعداد زیادہ تھی، پھر بعد میں مہاجروں کی تعداد زیادہ ہوگئی، پس عبداللہ بن ابی نے کہا: کیا واقعی انہوں نے ایسا کیا ہے اور اللہ کی قسم! اب اگر ہم مدینہ واپس گئے تو ان میں سے عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن ماردوں، نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد (ﷺ) اپنے اصحاب کو قتل کررہے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۱۸ میں گزر چکی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المنافقون کی تفسیر میں جو آٹھ احادیث روایت کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ التغابن میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٦٤ - تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ التَّغَابُنِ

سورۃ التغابن کی تفسیر

سورۃ التغابن کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ التغابن کی بعض آیات کی تفسیر ہے، علامہ ابوالعباس نے کہا کہ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے، اور مقاتل نے کہا: یہ سورت مدنی ہے اور اس میں ایک آیت مکی ہے (علامہ عینی نے اس آیت کا ذکر نہیں کیا) اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ سورت مکی ہے اور اس کی آخر کی چند آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور الکلبی نے کہا: یہ سورت مکی اور مدنی ہے۔

التغابن قیامت کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، تغابن غبن سے ماخوذ ہے، قیامت کا نام تغابن اس لیے رکھا گیا کہ اس دن مظلوم ظالم سے غبن کرے گا یعنی اپنے اوپر زیادتی کا بدلہ لے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ اس دن کفار کو ان کی تجارتوں میں غبن ہوگا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا، اس سورت میں اٹھارہ (۱۸) آیات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۴۹)

وَقَالَ عَلْقَمَةُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ﴾ (التغابن: ۱۱) هُوَ الَّذِي إِذَا أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ رَضِيَ وَعَرَفَ أَنَّهَا مِنَ اللّٰهِ۔

اور علقمہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل آیت کی تفسیر میں روایت کی: وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (التغابن: ۱۱) اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھے اللہ اس کے دل کو ہدایت دے گا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے کہ اس پر جب کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر راضی رہے اور یہ سمجھے کہ یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں، علقمہ کا پورا نام علقمہ بن قیس ہے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور انہوں نے ان سے التغابن: ۱۱ کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ کسی شخص پر جب کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر راضی رہے اور اس کو تسلیم کرے اور یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ التَّغَابُنُ غَبْنُ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَهْلَ النَّارِ۔

اور مجاہد نے کہا: اہل جنت اہل نار کے ساتھ غبن کریں گے یعنی ان کو نقصان پہنچائیں گے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یوم التغابن وہ دن ہے جب اہل جنت اہل نار کے ساتھ غبن کریں گے کیونکہ اہل جنت نے اسلام پر بیعت کی اور نفع میں جنت کو حاصل کیا اور اہل نار نے اسلام لانے سے انکار کیا، پس انہوں نے نقصان اٹھایا تو ان دونوں کو اس سے تشبیہ دی گئی جس طرح دو خرید و فروخت کرنے والے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ غبن کرے، یعنی اس کو

نقصان پہنچائے۔[یہ دونوں تعلیقیں علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۰ میں ذکر کی ہیں]

اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے جنت میں گھر بنائے تھے، اگر کفار ایمان لے آتے تو ان کو وہ گھر مل جاتے لیکن جب وہ ایمان نہیں لائے تو ان کے لیے جو گھر بنائے گئے تھے وہ مومنوں کو یعنی اہل جنت کو مل جائیں گے تو اس طرح اہل جنت، اہل دوزخ کے ساتھ غبن کریں گے یعنی ان کو نقصان پہنچائیں گے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۵۱۲)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ التغابن میں جو دو تعلیقیں ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الطلاق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٦٥ _ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الطَّلَاقِ

سورۃ الطلاق کی تفسیر

سورۃ الطلاق کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الطلاق کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے، اور مقاتل نے کہا ہے: یہ سورت النساء الصغریٰ ہے اور یہ سورۃ الدہر کے بعد نازل ہوئی ہے، اس سورت میں بارہ (۱۲) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۰)

١ _ بَابٌ

باب

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَبَالَ أَمْرِهَا جَزَاءَ أَمْرِهَا۔

اور مجاہد نے کہا: وَبَالَ اَمْرِهَا: اس کا معنی ہے: انہوں نے اپنی بد اعمالیوں کی سزا پائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ (الطلاق: ۹)

سو انہوں نے اپنے کرتوتوں کا خمیازہ چکھا اور انجام کار ان کو نقصان ہوا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَبَالَ کی تفسیر سزا کے ساتھ کی ہے، ابن ابی نجیح سے بھی اسی طرح مروی ہے اور فَذَاقَتْ کی ضمیر درج ذیل آیت میں مذکور بستیوں کی طرف لوٹ رہی ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ (الطلاق: ۸)

اور بہت سی بستیوں والوں نے اپنے رب کے حکم سے اور رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بہت برا عذاب دیا ۝

إِنِ ارْتَبْتُمْ إِنْ لَمْ تَعْلَمُوا أَتَحِيضُ أَمْ لَا تَحِيضُ فَاللَّائِي قَعَدْنَ عَنِ الْمَحِيضِ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ بَعْدُ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ۔

اِنِ ارْتَبْتُمْ: (اگر تم کو شک ہو) یعنی اگر تم کو یہ معلوم نہ ہو کہ آیا اس عورت کو حیض آتا ہے یا نہیں، پس جو عورتیں حیض کے آنے سے بیٹھ گئیں اور جن عورتوں کو ابھی تک حیض نہیں آیا فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ: (تو ان کی عدت تین ماہ ہے)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ (الطلاق: ۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے)۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم کو عورتوں کے حیض کا علم نہ ہو تو جو عورتیں بوڑھی ہونے کی وجہ سے حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور جن کو کم سنی کی وجہ سے ابھی تک حیض نہیں آیا تو ان کی عدت تین ماہ ہے یعنی اگر تمہیں ان کے حکم میں شک ہو اور تم کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کی عدت کا کیا حکم ہے تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

[یہ دونوں تعلیقیں علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۰۵ میں ذکر کی ہیں]

۴۹۰۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما أَخْبَرَهُ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَغَيَّظَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ كَمَا أَمَرَ اللهُ۔

(صحیح البخاری: ۵۲۵۱، ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۶۴، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۷۱۶۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی کہ ان کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور وہ اس وقت حائضہ تھیں، پس حضرت عمر نے اس کا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ اس پر غضب ناک ہوئے، پھر فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے، پھر اس کو روک کر رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کو حیض آئے، پھر وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پس اگر اس کو یہ ظاہر ہو کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ اس کو طہر کی حالت میں طلاق دے دے اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے، پس یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا نبی ﷺ کے غضب کا سبب ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس رسول اللہ ﷺ غضب ناک ہوئے: آپ اس لیے غضب ناک ہوئے کہ حیض میں طلاق دینا بدعت ہے۔

فلیطلقھا طاھراً: اس حدیث میں طاھراً مذکر کا صیغہ ہے حالانکہ یہ عورت کا حکم بیان کیا جا رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حیض سے پاک ہونا عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے طَاهِرَۃٌ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

طلاق حسن، طلاق احسن اور طلاق بدعت کے متعلق امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء کا مذہب

اس حدیث سے درج ذیل احکام مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو تو یہ ایک طلاق ہے، پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے جب وہ تیسرے حیض کے خون کا پہلا قطرہ دیکھ لے اور یہی لیث اور اوزاعی کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ طلاق احسن ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینا چاہے تو اس کو ہر ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو اور یہی ثوری اور اشعب کا قول ہے۔

علامہ المرغینانی نے کہا ہے کہ اصحاب ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں: حسن، احسن اور بدعی، پس حسن وہ طلاق سنت ہے اور وہ یہ ہے کہ جس عورت سے دخول کر چکا ہو اس کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے اور احسن یہ ہے کہ اس کو اس طہر میں ایک طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور طلاق بدعی یہ ہے کہ اس کو ایک جملہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دے یا اس کو ایک طہر میں تین طلاقیں دے دے، پس جب وہ ایسا کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ گناہ گار ہوگا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ طلاق سنت میں علماء کا اختلاف ہے: امام مالک اور ان کے تمام اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، پھر اس کو چھوڑے رکھے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور یہی لیث اور اوزاعی کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ یہ طلاق احسن ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس کو تین طلاقیں دے اور ہر طہر میں ایک طلاق ہو اور یہ دونوں صورتیں فقہاء کوفہ کے نزدیک طلاق سنت ہیں اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اور امام شافعی، امام احمد اور ابوثور نے یہ کہا ہے: تین طلاقوں کے عدد کے اعتبار سے نہ کوئی طلاق سنت ہے اور نہ بدعت ہے، طلاق سنت اور بدعت ہونا وقت کے اعتبار سے ہے۔

حالت حیض میں طلاق سے ممانعت کے متعلق دیگر مسائل

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حیض میں دی گئی طلاق سے رجوع کرے، اس میں یہ دلیل ہے کہ جو طلاق غیر بائن ہو اس میں عورت کی رضا کی ضرورت نہیں ہے۔ (کسی طلاق میں بھی عورت کی رضا کی ضرورت نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قول کے ساتھ طلاق سے رجوع کرنا صحیح ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے: فعل کے ساتھ طلاق کے رجوع میں فقہاء کا اختلاف ہے، قاضی عیاض نے کہا: ہمارے نزدیک فعل کے ساتھ رجوع کرنا بھی صحیح ہے مثلاً وہ اس عورت سے مباشرت کر لے یا اس کو بوسا دے یا اس کو ہاتھ لگائے اور اس کا ارادہ طلاق سے رجوع کرنا ہو۔ امام شافعی نے فعل کے ساتھ طلاق کے رجوع کا مطلقاً انکار کیا ہے اور امام ابوحنیفہ نے اس کو ثابت کیا ہے خواہ اس کا یہ فعل رجوع کے قصد سے بغیر ہو۔

(۴) امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو وہ گناہ گار ہوگا اور اس پر لازم ہے کہ اس طلاق سے رجوع کرے، اگر اس نے رجوع نہیں کیا اور عورت کی عدت گزر گئی تو عورت اس سے ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا، امام مالک کے نزدیک یہ واجب ہے اور جس مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض یا حالت نفاس میں طلاق دی اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا، انہوں نے نفاس کے خون کو حیض کے خون کے مساوی قرار دیا ہے اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور دیگر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس مرد کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اس پر اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا اور انہوں نے کہا ہے: اس حدیث میں جو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم ہے یہ حکم استحباب پر محمول ہے تاکہ اس کی طلاق سنت کے مطابق ہو جائے اور اس پر اجماع ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دی جس میں وہ اس سے جماع کر چکا تھا تو اس کو

اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا اگر چہ اس نے یہ طلاق سنت کے مطابق نہیں دی۔

(۶) حیض میں طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو وہ واقع ہو جائے گی، ایک شاذ قول یہ ہے کہ ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ حالت حیض میں طلاق سے منع کرنے کی کیا حکمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی عبادت ہے جس کی کوئی عقلی توجیہ نہیں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ اس کی عدت طویل ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۵۲ ۳۔ ۵۱ ۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حالت حیض میں طلاق سے ممانعت کی مصنف کے نزدیک حکمت

مصنف کہتا ہے: ہوسکتا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہو کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو کسی بات پر غصہ کی وجہ سے حالت حیض میں طلاق دینے کا ارادہ کرے گا، پھر وہ اس وجہ سے اپنے ارادے سے رک جائے گا کہ حالت حیض میں طلاق دینا منع ہے اور وہ حیض ختم ہونے کا انتظار کرے گا تو اس وقفہ میں ہوسکتا ہے کہ اس کا غصہ ختم ہو جائے اور پھر وہ اس کو طلاق دینے کا ارادہ نہ کرے اور یوں ان کے درمیان جدائی نہیں ہوگی۔

۲۔ بَابٌ: وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝ (الطلاق: ۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا ۝ (الطلاق: ۴) کی تفسیر

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ وَاحِدُهَا ذَاتُ حَمْلٍ۔

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ: اس کا واحد ہے، ذات حمل یعنی حمل والی عورت۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اولات ذات کی جمع ہے اور احمال، حمل کی جمع ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی عورت کی عدت کا وقت مقرر ہے اور وہ وقت ان کا وضع حمل ہے اور یہ حکم مطلقہ عورتوں اور ان عورتوں کے لیے عام ہے جن کے خاوند فوت ہو گئے ہوں اور یہ حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو مسعود بدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور دیگر شہر کے فقہاء کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس عورت کی عدت وہ ہے جس کی مدت زیادہ ہو یعنی اگر اس کے خاوند کی وفات کے ایک دن یا دو دن بعد اس کا وضع حمل ہو گیا تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی کیونکہ یہ زیادہ مدت ہے اور اگر پانچ یا چھ ماہ یا اس سے زیادہ دنوں کے بعد اس کا وضع حمل ہوا تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی کیونکہ یہ مدت چار ماہ دس دن سے زیادہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو مدت زیادہ ہو وہی اس کی عدت ہوگی خواہ وہ مدت چار ماہ دس دن ہو یا وضع حمل ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۵۳ ۳۔ ۵۲ ۳، مع وضاحۃ المصنف، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۰۹۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ جَالِسٌ عِنْدَهُ فَقَالَ أَفْتِنِي فِي امْرَأَةٍ وَلَدَتْ بَعْدَ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس وقت حضرت

آخِرُ الْأَجَلَيْنِ قُلْتُ أَنَا ﴿وَ أُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۴) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِي يَعْنِي أَبَا سَلَمَةَ فَأَرْسَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ غُلَامَهُ كُرَيْبًا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ يَسْأَلُهَا فَقَالَتْ قُتِلَ زَوْجُ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةِ وَهِيَ حُبْلَى فَوَضَعَتْ بَعْدَ مَوْتِهِ بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَخُطِبَتْ فَأَنْكَحَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَكَانَ أَبُو السَّنَابِلِ فِيمَنْ خَطَبَهَا

(صحیح البخاری: ۵۳۱۸، سنن ترمذی: ۱۱۹۴، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۱۴)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس مرد نے (حضرت ابن عباس سے) پوچھا: مجھے اس عورت کے متعلق فتویٰ دیں جس نے اپنے خاوند کی وفات کی چالیس (۴۰) راتوں کے بعد بچہ جن دیا (یعنی اس سے بچہ کی ولادت ہوگئی) تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کی عدت زیادہ مدت والی ہوگی (یعنی اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی)، ابوسلمہ نے بیان کیا کہ میں نے کہا قرآن مجید میں تو اس طرح ہے: وَ أُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: ۴) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا: میری رائے بھی میرے بھتیجے یعنی ابوسلمہ کے ساتھ ہے، تب حضرت ابن عباس نے اپنے غلام کریب کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور ان سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: حضرت سبیعہ اسلمیہ کے خاوند اس وقت شہید کر دیے گئے جب وہ حاملہ تھیں اور ان کی وفات کی چالیس راتوں کے بعد انہوں نے بچہ جن دیا یعنی ان کا وضع حمل ہو گیا، پھر ان کو نکاح کا پیغام دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح کر دیا اور حضرت ابو السنابل بھی ان مردوں میں سے تھے جنہوں نے ان کو نکاح کا پیغام دیا تھا۔

حضرت سبیعہ اسلمیہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کی عدت زیادہ مدت والی ہوگی: یعنی اس عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ چار مہینے دس دن عدت پوری کرے اور اس کے لیے وضع حمل کی عدت گزارنا کافی نہیں ہے کیونکہ وہی زیادہ مدت ہے۔

سبیعہ الاسلمیہ: یہ الحارث اسلمی کی بیٹی ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ پہلی عورت ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائی تھیں اور ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ تھے، عروہ نے کہا کہ حضرت خولہ بنو عامر میں سے تھے اور انہوں نے حبشہ ہجرت کی تھی اور غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کتاب الجنائز میں یہ گزرا ہے کہ حضرت سعد بن خولہ کی مکہ میں وفات ہوئی تھی اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان کو شہید کیا گیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ مشہور یہی ہے کہ ان کی وفات ہوئی تھی اور وہ شہید نہیں کیے گئے تھے، حضرت ام سلمہ نے جو فرمایا کہ وہ شہید کیے گئے تھے، ان کا یہ قول ان کے گمان کی بنا پر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی توجیہ

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور اس نے خاوند کی وفات کے بعد بچہ جنا ہو تو حضرت ابن عباس کے نزدیک اس عورت کی عدت وہ ہے جس کی مدت زیادہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن ابی لیلیٰ سے بھی یہی قول مروی ہے اور سحو

مالکی کا بھی یہی مختار ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بھی ہے کہ انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور انہوں نے کہا کہ اس کی عدت وضع حمل ہے اور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی مذہب ہے اور حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور ابو سلمہ کا بھی یہی قول ہے اور اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ دو آیتوں میں تعارض ہے اور ان میں سے ہر ایک آیت ایک اعتبار سے عام ہے اور دوسرے اعتبار سے خاص ہے۔ وہ دو آیتیں حسب ذیل ہیں:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ (البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔

یہ آیت بیوہ عورت کے متعلق عام ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو، اور دوسری آیت یہ ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

اس آیت میں حاملہ عورتیں اس سے عام ہیں خواہ ان کا خاوند فوت ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، پس یہ سبب ہے جس کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حاملہ بیوہ کی عدت زیادہ مدت والی ہو کیونکہ ایک آیت دوسری آیت پر راجح نہیں ہے اس لیے واجب ہے کہ بغیر یقین کے عدت کو نہ ختم کیا جائے اور یہ یقین اس صورت میں حاصل ہوگا جب زیادہ مدت کو عدت قرار دیا جائے، تاہم شہروں کے فقہاء نے اس باب کی حدیث پر اعتماد کیا ہے کیونکہ یہ حدیث البقرہ: ۲۳۴ کے عموم کے لیے مخصص ہے اور حضرت سبیعہ کا قصہ بعد کا ہے کیونکہ یہ حجۃ الوداع کے بعد کا قصہ ہے۔ اور البقرہ: ۲۳۴ اس پر محمول ہے کہ اس میں اس بیوہ عورت کی عدت کا بیان ہے جو حاملہ نہ ہو اور حاملہ عورت کی عدت کا بیان الطلاق: ۴ میں ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے اور حضرت سبیعہ کی حدیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۴، مع وضاحۃ المصنف، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۱۰۔ وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَاَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ كُنْتُ فِي حَلْقَةٍ فِيهَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي لَيْلَى وَكَانَ اَصْحَابُهُ يُعَظِّمُونَهُ فَذَكَرُوا لَهُ فَذَكَرَ آخِرَ الْاَجَلَيْنِ فَحَدَّثْتُ بِحَدِيثِ سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ فَضَمَّزَ لِي بَعْضُ اَصْحَابِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ فَفَطِنْتُ لَهُ فَقُلْتُ اِنِّي اِذًا لَجَرِيءٌ اِنْ كَذَبْتُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ وَهُوَ فِي نَاحِيَةِ الْكُوفَةِ فَاسْتَحْيَا وَقَالَ لٰكِنْ عَمُّهُ لَمْ يَقُلْ ذَاكَ فَلَقِيتُ اَبَا عَطِيَّةَ مَالِكَ بْنَ عَامِرٍ فَسَاَلْتُهُ فَذَهَبَ يُحَدِّثُنِي حَدِيثَ سُبَيْعَةَ فَقُلْتُ هَلْ سَمِعْتَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ فِيهَا شَيْئًا فَقَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ اَتَجْعَلُونَ عَلَيْهَا التَّغْلِيظَ وَلَا

اور سلیمان بن حرب اور ابو النعمان نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اس میں عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی تھے اور ان کے اصحاب ان کی بہت تعظیم کرتے تھے، پس انہوں نے دو مدتوں میں زیادہ مدت والی عدت کا ذکر کیا تو میں نے حضرت سبیعہ بنت الحارث کی حدیث از عبد اللہ بن عتبہ بیان کی تو عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے کسی صاحب نے مجھے خاموش کرایا، محمد (راوی) نے کہا: میں اس کا مقصد سمجھ گیا، پس میں نے کہا کہ اگر میں نے عبد اللہ بن عتبہ پر جھوٹ باندھا ہو جب کہ وہ کوفہ کی ایک جانب میں موجود ہیں پھر تو میں بہت جرأت والا ہوں گا تو ان صاحب کو حیا آئی اور انہوں نے کہا: لیکن ان کے چچا نے یہ بات نہیں کی، پس میری ابو عطیہ مالک بن عامر سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے اس مسئلہ کے متعلق

تَجْعَلُونَ عَلَيْهَا الرُّخْصَةَ لَنَزَلَتْ سُورَةُ النِّسَاءِ الْقُصْرَى بَعْدَ الطُّولَى وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔

(صحیح البخاری: ۴۵۳۲، صحیح مسلم: ۱۴۸۵)

دریافت کیا تو وہ مجھے حضرت سبیعہ کی حدیث بیان کرنے لگے، پس میں نے پوچھا کیا: آپ نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے تو انہوں نے کہا: ہم حضرت عبداللہ کے پاس تھے تو انہوں نے کہا: کیا تم اس عورت کے اوپر مغلظ عدت لازم کرتے ہو (یعنی زیادہ مدت والی) اور تم اس کے اوپر آسانی نہیں کرتے اور سورۃ النساء الصغریٰ (یعنی سورۃ الطلاق) سورہ نساء الطولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے یعنی اس کی یہ آیت وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: ۴) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

فضمن لی غلط ہے اور صحیح ضمزنی ہے اور اس کا معنی ہے: چپ کرو، اور دیگر بعض الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَضَمِنَ لِي: صاحب التلویح نے کہا ہے: ہمارے صحیح بخاری کے نسخوں میں اسی طرح ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے: لیکن اس کا کوئی محصل معنی نہیں ہے، اور مشابہ بالحق یہ ہے کہ یہ لفظ ضمزنی ہے جس کا معنی ہے: اس نے مجھے خاموش کیا، علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: اس نے مجھے اشارے سے کہا ہے: چپ کرو، ضمز الرجل اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص دونوں ہونٹوں کو ملا کر چپ کرنے کا اشارہ کرے۔

پھر تو میں بہت جرأت والا ہوں گا: یعنی میں جھوٹ بولنے پر حریص ہوں گا۔

لیکن ان کے چچا نے یہ نہیں کہا: یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طرح نہیں کہا، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے اسی طرح حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے لیکن حضرت ابن مسعود کی مشہور روایت اس کے خلاف ہے، ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے پہلے اسی طرح کہا ہو، پھر اس سے رجوع کر لیا ہو یا پھر عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کو اس نقل میں وہم ہوا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۵۔ ۳۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الطلاق کی تفسیر میں جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ التحریم کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٦٦۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ التَّحۡرِیۡمِ

سورۃ التحریم کی تفسیر

سورۃ التحریم کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ التحریم کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس سورت کا نام سورۃ لِمَ تُحَرِّمُ ہے اور یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے، علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورۃ الحجرات کے بعد اور سورۃ الجمعہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ سورت حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی تحریم کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس کی امام نسائی نے روایت کی ہے اور حاکم نے اس کو امام مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے، اور علامہ خطابی نے اس کو اکثر مفسرین سے نقل کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ سورت شہد کی تحریم کے متعلق نازل ہوئی ہے، امام نسائی نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شہد کے سلسلہ میں حدیث بہت عمدہ ہے اور حضرت ماریہ اور ان کی تحریم کے متعلق جو حدیث ہے اس کی سند اتنی عمدہ نہیں ہے، اس سورت میں بارہ (۱۲) آیات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۵۶۔۳۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (التحریم:۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (التحریم:۱) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: ہم اس سورت کے سبب نزول میں اختلاف کو بیان کر چکے ہیں اور عنقریب اس پر مزید کلام آئے گا۔

۴۹۱۱۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنِ ابْنِ حَكِيمٍ هُوَ يَعْلَى بْنُ حَكِيمٍ الثَّقَفِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفَّرُ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

(صحیح البخاری:۵۲۶۶، صحیح مسلم:۱۴۷۳، سنن ابن ماجہ:۲۰۷۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابن حکیم جو یعلی بن حکیم ثقفی ہیں از سعید بن جبیر کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کسی حلال چیز کو حرام کرنے پر کفارہ دیا جائے گا۔ اور حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱) بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

جس شخص نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام قرار دیا اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے یا کہا: یہ چیز مجھ پر حرام ہے تو اس میں قسم کا کفارہ دیا جائے گا اور حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر دیا اور کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اس پر طلاق نہیں ہوگی اور اس پر قسم کا کفارہ ہے اور ان سے دوسری روایت ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کیا تو کچھ نہیں ہے، اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے، اس پر کفارہ ظہار لازم آئے گا اور کہا ہے: یہ ابوقلابہ اور ابن جبیر کا قول ہے اور یہی امام احمد کا قول ہے اور امام شافعی سے منقول ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو یہ طلاق ہے اور اگر ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے بغیر طلاق اور بغیر ظہار کے اس مخصوص عورت کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تو اس لفظ سے اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا اور یہ قسم نہیں ہوگی اور اگر اس نے کچھ نیت نہیں کی تو اس کے متعلق دو قول ہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا یہ کلام لغو ہے، اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا اور نہ اس پر کوئی حکم مرتب ہوگا۔

صورت مذکورہ میں چودہ (۱۴) مذاہب

قاضی عیاض نے اس مسئلہ میں حسب ذیل چودہ (۱۴) مذاہب ذکر کیے ہیں:

(۱) امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام قرار دیا تو اس سے اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی خواہ اس کی بیوی مدخول بہا ہو یا نہ ہو، اگر اس کی بیوی غیر مدخول بہا ہو اور اس نے تین طلاقوں سے کم کی نیت کی ہو تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، زید، حسن بصری اور حکم کا یہی مذہب ہے۔

(۲) اس قول سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی نیت کو قبول نہیں کیا جائے گا نہ مدخول بہا میں اور نہ غیر مدخول بہا میں، یہ ابن ابی لیلیٰ اور عبدالملک بن الماجشون کا قول ہے۔

(۳) اس صورت میں مدخول بہا پر تین طلاقیں واقع ہوں گی اور غیر مدخول بہا پر ایک طلاق واقع ہوگی، یہ ابومصعب اور محمد بن حکم کا قول ہے۔

(۴) اس صورت میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی خواہ اس کی بیوی مدخول بہا ہو یا نہ ہو، یہ امام مالک سے ایک روایت ہے۔

(۵) اس صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، یہ عبدالعزیز بن ابی سلمہ الماکلی کا قول ہے۔

(۶) اس صورت میں جو اس نے نیت کی ہے وہ واقع ہوگی اور ایک طلاق سے کم نہیں ہوگی، یہ زہری کا قول ہے۔

(۷) اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی یا متعدد طلاقوں کی نیت کی یا قسم کی نیت کی تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو اس کا کلام لغو ہے، یہ ثوری کا قول ہے۔

(۸) یہ بھی اسی کی مثل قول ہے مگر جب اس نے کوئی نیت نہیں کی تو اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، یہ الاوزاعی اور ابوثور کا قول ہے۔

(۹) اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو جتنے عدد کی نیت کی اس کا اعتبار ہوگا اور اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی تو یہ ایک طلاق رجعی ہوگی، یہ امام شافعی کا قول ہے اور اسی کی مثل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ اور تابعین سے مروی ہے۔

(۱۰) اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر اس نے دو طلاقوں کی نیت کی تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب

کا قول ہے۔

(۱۱) یہ بھی دسویں قول کی مثل ہے مگر اس میں یہ فرق ہے کہ اگر اس نے دو طلاقوں کی نیت کی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی، یہ امام زفر کا قول ہے۔

(۱۲) اس صورت میں کفارہ ظہار واجب ہوگا، یہ اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔

(۱۳) یہ قسم ہے اور اس میں قسم کا کفارہ لازم آئے گا، یہ حضرت ابن عباس اور بعض تابعین کا قول ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔

(۱۴) یہ پانی اور طعام کو حرام کرنے کی مثل ہے، سو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی اور نہ اس سے کوئی چیز واقع ہوگی بلکہ یہ کلام لغو ہے یہ مسروق، ابو سلمہ اور شعبی اور اصبغ کا قول ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم للقاضی عیاض ج ۵ ص ۲۷۔۲۶، دار الوفاء) (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۱۲۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَشْرَبُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَيَمْكُثُ عِنْدَهَا فَوَاطَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ عَلَى أَيَّتُنَا دَخَلَ عَلَيْهَا فَلْتَقُلْ لَهُ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ قَالَ لَا وَلَكِنِّي كُنْتُ أَشْرَبُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَلَنْ أَعُودَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِي بِذَلِكَ أَحَدًا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۱۶۔ ۵۲۶۷۔ ۵۲۶۸۔ ۵۴۳۱، ۵۵۹۹۔ ۵۶۱۱۔ ۵۶۸۲۔ ۶۶۹۱۔ ۶۹۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن ابو داؤد: ۳۷۱۴، سنن نسائی: ۳۴۲۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی از ابن جریج از عطاء از عبید بن عمیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت زینب بنت جحش کے پاس شہد پیتے تھے اور ان کے پاس ٹھہرتے تھے، پس میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اتفاق سے یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی رسول اللہ ﷺ آئیں تو وہ یہ کہے کہ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے، مجھے آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے، آپ نے فرمایا: نہیں لیکن میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے، پس میں ہرگز اس کو دوبارہ نہیں پیوں گا اور میں نے اس کی قسم کھالی ہے، تم کسی کو اس کی خبر نہ دینا۔

اس سوال کا جواب کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ کو ایذاء پہنچانے کے لیے کیوں جھوٹ پر اتفاق کیا؟

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے لیے یہ کیوں کر جائز ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانے کے لیے باہم جھوٹ پر اتفاق کریں، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کم سن تھیں تاہم ان کا قصد اس سے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانا نہیں تھا بلکہ اس کا سبب وہ غیرت تھی جو عورتوں کی جبلت میں سوکنوں کے خلاف رکھ دی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۸)

مصنف کہتا ہے: اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغافیر نہیں کھایا تھا، پھر ازواج مطہرات نے کیسے

کہہ دیا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے: ازواج نے کہا: شاید اس شہد کی مکھیوں نے عرفط کے درخت کو چوسا ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۶۹۷۲) ازواج کا مطلب یہ تھا: اس وجہ سے جو شہد آپ نے پیا اس سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔

آپ نے کس کے گھر شہد پیا تھا، اس کے متعلق متعدد مختلف روایات

اس میں بھی اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے گھر میں شہد پیا تھا، پس امام بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پیا تھا اور جنہوں نے یہ کہا کہ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں، اور دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پیا تھا اور جنہوں نے یہ کہا تھا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے وہ حضرت عائشہ، حضرت سودہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں۔

اور تفسیر عبد بن حمید میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت سودہ کے گھر شہد پیا تھا اور ان کے رشتہ داروں نے یمن سے لاکر ان کو شہد ہدیہ میں دیا تھا اور جنہوں نے یہ کہا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں اور جو چیز زیادہ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پیا تھا جیسا کہ امام بخاری کی روایت میں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے دو گروہ تھے، ایک گروہ میں حضرت عائشہ، حضرت سودہ، حضرت حفصہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن تھیں اور حضرت زینب، حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج دوسرے گروہ میں تھیں۔

مغافیر کا معنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آئندہ شہد نہ کھانے کی قسم کھانا اور حضرت حفصہ کو اس کی خبر دینے سے منع فرمانا

کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟: مغافیر مغفور کی جمع ہے: یہ میٹھے ذائقہ کا گوند ہے جس کی ناگوار بو ہوتی ہے جو العرفط نامی درخت (یا بیل) پر لگتا ہے، اس کے چوڑے پتے ہوتے ہیں جو زمین پر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور اس میں کانٹے ہوتے ہیں اور اس کا روئی کی طرح سفید رنگ کا پھل ہوتا ہے اور اس کی سخت بدبو ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں: یعنی میں نے مغافیر نہیں کھایا لیکن میں نے زینب کے پاس شہد پیا ہے اور میں نے قسم کھالی ہے کہ میں دوبارہ شہد نہیں پیوں گا: پھر آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا: تم اس کی خبر کسی کو نہ دینا کیونکہ انہوں نے ہی کہا تھا کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ یعنی تم کسی کو بھی اس کی خبر نہ دینا خواہ وہ عائشہ ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کی رضا کو طلب کرتے تھے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ نے شہد کی بجائے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تھا

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اکثر روایات میں یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دینے کے متعلق نازل ہوئی ہے جب آپ نے ان کو اپنے نفس پر حرام کر لیا تھا اور آپ نے حضرت حفصہ سے فرمایا تھا: اس کی خبر عائشہ کو نہ دینا، پس حضرت حفصہ نے آپ کے راز کو نہیں چھپایا اور حضرت عائشہ کو اس بات کی خبر دے دی اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا ۚ اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی، پس اس نے اس راز کی خبر دے دی۔ (التحریم: ۳)

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ان روایات کی تعیین جن میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنے اوپر حضرت ماریہ قبطیہ کو حرام قرار دیا تھا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے گھر میں حضرت ماریہ سے مقاربت کی، پس اچانک اس دوران حضرت حفصہ آ گئیں، انہوں نے آپ کو حضرت ماریہ کے ساتھ مشغول پایا تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میرے گھر میں ایسا کر رہے ہیں، اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس سے دوسری روایت کی ہے کہ حضرت حفصہ اپنے گھر میں آئیں اور حضرت ماریہ کے ساتھ آپ کو مشغول پایا تو وہ آپ پر ناراض ہوئیں، یہ حدیث متعدد ایسی سندوں کے ساتھ مروی ہے جن سے اس حدیث کی تقویت ہوتی ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ سورۂ تحریم کی یہ آیت شہد حرام قرار دینے سے بھی متعلق ہو اور حضرت ماریہ کو حرام قرار دینے سے بھی متعلق ہو، اور امام نسائی نے اس قصہ کو اختصار سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک باندی سے مقاربت کر رہے تھے، سو حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کو ناگوار ہوا تو آپ نے اس باندی کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا، پس سورۃ التحریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ (التحریم:۱)

اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے

(فتح الباری ج ۶ ص ۷۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابٌ: تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ (التحریم:۱۔۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے ○ (التحریم:۲۔۱) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قسموں کے کھولنے کا طریقہ بیان فرما دیا ہے، یہ بیان سورۃ المائدہ میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۵۹)

۴۹۱۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما يُحَدِّثُ اَنَّهُ قَالَ مَكَثْتُ سَنَةً اُرِيْدُ اَنْ اَسْاَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنْ اٰيَةٍ فَمَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَسْاَلَهُ هَيْبَةً لَهُ حَتّٰى خَرَجَ حَاجًّا فَخَرَجْتُ مَعَهُ فَلَمَّا رَجَعْنَا وَكُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ عَدَلَ اِلَى الْاَرَاكِ لِحَاجَةٍ لَهُ قَالَ فَوَقَفْتُ لَهُ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ سِرْتُ مَعَهُ فَقُلْتُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَنِ اللَّتَانِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عبید بن حنین وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ فرماتے تھے: میں ایک سال ٹھہرا رہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے متعلق سوال کروں، پس مجھے ان کی ہیبت کی وجہ سے اب تک ان سے سوال کرنے کی طاقت نہ تھی حتیٰ کہ وہ حج کرنے کے لیے روانہ ہوئے، پس میں بھی ان کے ساتھ نکلا، پس جب ہم حج سے واپس

تَظَاهَرَتَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَزْوَاجِهِ فَقَالَ تِلْكَ حَفْصَةُ وَعَائِشَةُ قَالَ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ إِنْ كُنْتُ لَأُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ عَنْ هَذَا مُنْذُ سَنَةٍ فَمَا أَسْتَطِيعُ هَيْبَةً لَكَ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ مَا ظَنَنْتَ أَنَّ عِنْدِي مِنْ عِلْمٍ فَاسْأَلْنِي فَإِنْ كَانَ لِي عِلْمٌ خَبَّرْتُكَ بِهِ قَالَ ثُمَّ قَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ إِنْ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ أَمْرًا حَتَّى أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِنَّ مَا أَنْزَلَ وَقَسَمَ لَهُنَّ مَا قَسَمَ قَالَ فَبَيْنَا أَنَا فِي أَمْرٍ أَتَأَمَّرُهُ إِذْ قَالَتْ امْرَأَتِي لَوْ صَنَعْتَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَقُلْتُ لَهَا مَا لَكِ وَلِمَا هَا هُنَا وَفِيمَ تَكَلُّفُكِ فِي أَمْرٍ أُرِيدُهُ فَقَالَتْ لِي عَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ مَا تُرِيدُ أَنْ تُرَاجَعَ أَنْتَ وَإِنَّ ابْنَتَكَ لَتُرَاجِعُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى يَظَلَّ يَوْمَهُ غَضْبَانَ فَقَامَ عُمَرُ فَأَخَذَ رِدَاءَهُ مَكَانَهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ فَقَالَ لَهَا يَا بُنَيَّةُ إِنَّكِ لَتُرَاجِعِينَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى يَظَلَّ يَوْمَهُ غَضْبَانَ فَقَالَتْ حَفْصَةُ وَاللّٰهِ إِنَّا لَنُرَاجِعُهُ فَقُلْتُ تَعْلَمِينَ أَنِّي أُحَذِّرُكِ عُقُوبَةَ اللّٰهِ وَغَضَبَ رَسُولِهِ ﷺ يَا بُنَيَّةُ لَا يَغُرَّنَّكِ هَذِهِ الَّتِي أَعْجَبَهَا حُسْنُهَا حُبُّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِيَّاهَا يُرِيدُ عَائِشَةَ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ لِقَرَابَتِي مِنْهَا فَكَلَّمْتُهَا فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ عَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ دَخَلْتَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى تَبْتَغِيَ أَنْ تَدْخُلَ بَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَزْوَاجِهِ فَأَخَذَتْنِي وَاللّٰهِ أَخْذًا كَسَرَتْنِي عَنْ بَعْضِ مَا كُنْتُ أَجِدُ فَخَرَجْتُ مِنْ عِنْدِهَا وَكَانَ لِي صَاحِبٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِذَا غِبْتُ أَتَانِي بِالْخَبَرِ وَإِذَا غَابَ كُنْتُ أَنَا آتِيهِ بِالْخَبَرِ وَنَحْنُ نَتَخَوَّفُ مَلِكًا مِنْ مُلُوكِ غَسَّانَ ذُكِرَ لَنَا أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَسِيرَ إِلَيْنَا فَقَدِ امْتَلَأَتْ صُدُورُنَا مِنْهُ فَإِذَا صَاحِبِي الْأَنْصَارِيُّ يَدُقُّ الْبَابَ فَقَالَ افْتَحْ افْتَحْ فَقُلْتُ جَاءَ الْغَسَّانِيُّ فَقَالَ بَلْ أَشَدُّ مِنْ ذَلِكَ اعْتَزَلَ

آئے اور ہم کسی راستہ میں تھے تو حضرت عمر قضاء حاجت کے لیے پیلو کے درخت کی طرف مڑ گئے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: پس میں ٹھہرا رہا حتیٰ کہ وہ قضاء حاجت سے فارغ ہو گئے، پھر میں ان کے ساتھ چلنے لگا، پس میں نے ان سے پوچھا: اے امیر المومنین! نبی ﷺ کی ازواج میں سے وہ کون سی دو عورتیں تھیں جنہوں نبی ﷺ کے حکم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی؟ حضرت عمر نے فرمایا: وہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما تھیں، حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایک سال سے یہ انتظار کر رہا تھا کہ میں آپ سے اس کے متعلق استفسار کروں لیکن آپ کے رعب اور ہیبت کی وجہ سے میں اس کی طاقت نہیں رکھتا تھا، حضرت عمر نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو جس چیز کے متعلق تمہیں یہ گمان ہو کہ مجھے اس کا علم ہے تم مجھ سے اس چیز کے متعلق سوال کرو، پس اگر مجھے اس کا علم ہوگا تو میں تمہیں اس کی خبر دوں گا، پھر حضرت عمر رضی اللہ نے بیان فرمایا: اللہ کی قسم! ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل شمار نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ اللہ نے ان کے متعلق وہ احکام نازل فرمائے جو احکام نازل فرمائے اور ان کے لیے وہ تقسیم کی جو تقسیم کی، حضرت عمر نے فرمایا کہ جس وقت میں کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا تو میری بیوی نے کہا: اگر آپ اس طرح اور اس طرح کر لیں، تو میں نے اس سے کہا: تمہیں کیا ہوا تم اس معاملہ میں کیوں دخل دے رہی ہو جس معاملہ میں میں غور کر رہا ہوں تم اس میں کیوں بولتی ہو تو اس نے مجھ سے کہا: اے ابن الخطاب! تم پر تعجب ہے تم نہیں چاہتے کہ میں تمہیں جواب دوں حالانکہ تمہاری بیٹی تو رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہے حتیٰ کہ آپ پورا ایک دن ناراضگی میں گزارتے ہیں، پس حضرت عمر کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی جگہ سے چادر اٹھائی حتیٰ کہ وہ حضرت حفصہ کے پاس گئے اور کہا اے میری بیٹی! کیا تم رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہو حتیٰ کہ آپ پورا ایک دن غصہ کی حالت میں گزارتے ہیں تو (حضرت) حفصہ نے کہا: اللہ کی قسم بے شک ہم ضرور رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہیں، پس میں

رَسُولُ اللهِ ﷺ أَزْوَاجَهُ فَقُلْتُ رَغِمَ أَنْفُ حَفْصَةَ وَعَائِشَةَ فَأَخَذْتُ ثَوْبِي فَأَخْرُجُ حَتَّى جِئْتُ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ يَرْقَى عَلَيْهَا بِعَجَلَةٍ وَغُلَامٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ أَسْوَدُ عَلَى رَأْسِ الدَّرَجَةِ فَقُلْتُ لَهُ قُلْ هَذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَأَذِنَ لِي قَالَ عُمَرُ فَقَصَصْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ هَذَا الْحَدِيثَ فَلَمَّا بَلَغْتُ حَدِيثَ أُمِّ سَلَمَةَ تَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَإِنَّهُ لَعَلَى حَصِيرٍ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ شَيْءٌ وَتَحْتَ رَأْسِهِ وِسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ وَإِنَّ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَرَظًا مَصْبُوبًا وَعِنْدَ رَأْسِهِ أَهَبٌ مُعَلَّقَةٌ فَرَأَيْتُ أَثَرَ الْحَصِيرِ فِي جَنْبِهِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَا يُبْكِيكَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ كِسْرَى وَقَيْصَرَ فِيمَا هُمَا فِيهِ وَأَنْتَ رَسُولُ اللهِ فَقَالَ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ۔ (صحیح مسلم:۱۴۷۹)۔

نے کہا: تم اچھی طرح سمجھ لو بے شک میں تم کو اللہ کے عذاب سے اور رسول اللہ ﷺ کے غضب سے ڈرا رہا ہوں، اے میری بیٹی! تم اس عورت سے دھوکا نہ کھاؤ جس کا حسن آپ کو پسند ہے جو رسول اللہ ﷺ کی محبوبہ ہیں، ان کی مراد حضرت عائشہ تھیں، پھر میں وہاں سے نکلا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا کیونکہ میری ان کے ساتھ رشتہ داری تھی، پس میں نے ان سے بھی یہی بات کہی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے ابن الخطاب! تم پر تعجب ہے تم ہر چیز میں دخل دیتے ہو حتیٰ کہ تم چاہتے ہو کہ تم رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج کے درمیان میں بھی مداخلت کرو، پس انہوں نے میری ایسی گرفت کی کہ اللہ کی قسم! اس گرفت نے میرے غم اور غصہ کو کم کر دیا، پس میں ان کے پاس سے نکل آیا اور انصار میں سے میرا ایک ساتھی تھا، پس جس دن میں غائب ہوتا تھا وہ اس دن کی میرے پاس خبر لاتا تھا اور جب وہ کسی دن غائب ہوتا تو میں اس کے پاس اس دن کی خبر لاتا تھا اور ہم لوگ غسان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ سے خوف زدہ رہتے تھے، ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، پس ہمارے دل اس کے خوف سے سہمے رہتے تھے، پس اچانک ایک دن میرا انصاری ساتھی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا، پس اس نے کہا: (دروازہ) کھولو کھولو، میں نے کہا: کیا غسانی آ گیا، اس نے کہا: بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت بات ہو گئی ہے، رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج سے الگ ہو گئے ہیں، میں نے دل میں کہا: (حضرت) حفصہ اور حضرت عائشہ کی ناک خاک آلود ہو، پس میں نے اپنے کپڑے لیے، پس میں نکلا حتیٰ کہ میں آیا تو رسول اللہ ﷺ اپنے بالا خانہ میں تھے جس پر سیڑھی سے چڑھا جاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا ایک سیاہ فام غلام سیڑھی کے ڈنڈے پر بیٹھا ہوا تھا، میں نے اس سے کہا: جا کر کہو یہ عمر بن الخطاب ہیں تو آپ نے میرے لیے اجازت دے دی، حضرت عمر نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات سنائی، پس جب میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بات سنائی تو رسول اللہ ﷺ مسکرائے، آپ ایک چٹائی پر لیٹے

ہوئے تھے اور آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کوئی اور چیز نہیں تھی اور آپ کے سر کے نیچے ایک چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، آپ کے پیروں کی جانب کیکر کے پتوں کا ڈھیر تھا اور آپ کے سرہانے ایک کچی کھال لٹکی ہوئی تھی، پس میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو چکے تھے، پس میں رو پڑا، آپ نے فرمایا: تمہیں کیا چیز رلاتی ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو اس عیش و آرام میں ہیں جس میں وہ ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں (اور آپ کا یہ حال ہے) آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

عورتوں کے حقوق کے متعلق آیات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حق میں وہ احکام نازل فرمائے جو احکام نازل فرمائے: اس سے مراد درج ذیل آیات ہیں:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ (النساء: ۱۹) اور تم عورتوں کے ساتھ دستور کے مطابق نیک سلوک کرو۔

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ (البقرہ: ۲۳۱) اور تم عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکے رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو۔

اور عورتوں کے لیے تقسیم فرمایا جو تقسیم فرمایا: اس کی مثال درج ذیل آیت ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ (البقرہ: ۲۳۳) اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلٰى بَعْضِ أَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهٖ وَأَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَأَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ أَنْۢبَأَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ (التحریم: ۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی، پس اس نے اس راز کی خبر دے دی اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرما دیا تو نبی نے اس کو کچھ بتا دیا اور کچھ بتانے سے اعراض، کیا پھر جب نبی نے اس کو اس (افشاء راز) کی خبر دی تو اس نے کہا: آپ کو کس نے اس کی خبر دی تو نبی کہا: مجھے علیم و

خبیر نے خبر دی ہے O (التحریم: ۳) کی تفسیر

آیت مذکورہ کی تفسیر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کو اپنا راز بتایا، وہ بیوی حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما تھیں اور راز یہ تھا کہ آپ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور فرمایا تھا: کسی کو یہ نہ بتانا کہ میں نے اس باندی کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، اور کلبی کی روایت میں ہے: آپ نے یہ راز بتایا تھا کہ تمہارے والد اور عائشہ کے والد دونوں میرے بعد میری امت پر خلیفہ ہوں گے۔

فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ: جب اس بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ راز اپنی سہیلی کو بتا دیا یعنی حضرت حفصہ نے یہ راز حضرت عائشہ کو بتایا تھا۔

عَرَّفَ بَعْضَهُ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو بتا دیا کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو کیا بتایا ہے اور پوری بات نہیں بتائی۔

قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا: یعنی جب آپ نے حضرت حفصہ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے پوچھا: آپ کو یہ بات کس نے بتائی تو آپ نے فرمایا: مجھے علیم وخبیر نے یہ بات بتائی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فِيهِ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

اس باب میں حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی ہے۔

وہ حدیث درج ذیل ہے:

۴۹۱۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ حُنَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما يَقُولُ أَرَدْتُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی الله عنه فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنِ الْمَرْأَتَانِ اللَّتَانِ تَظَاهَرَتَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَا أَتْمَمْتُ كَلَامِي حَتَّى قَالَ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عبید بن حنین سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا: اے امیر المومنین! وہ دو عورتیں کون ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی، ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اس طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جو ابھی ابھی گزری ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۲)

قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ قَالَ مُجَاهِدٌ أَوْصُوا۔

قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ: مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو وصیت کرو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم:۶) بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو وصیت کرو کہ وہ گناہوں کو ترک کریں اور عبادات کو انجام دیں یعنی ان کو نیک کاموں کا حکم دو اور برے کاموں سے روکو، اور ان کو تعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ یہ معنی صحیح ہے جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے، علامہ زمخشری نے کہا ہے اپنے نفسوں کو دوزخ کے عذاب سے بچاؤ گناہوں کے ترک کرنے کے سبب سے اور نیکیاں کرنے کے سبب سے اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ بایں طور کہ جن کاموں پر تم اپنا مواخذہ کرتے ہو ان کاموں پر ان کا مواخذہ بھی کرو۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۶۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ (التحریم:۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔ (التحریم:۴) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو خطاب ہے کہ تم دونوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کر کے آپ کو ایذا پہنچا رہی ہو اس سے تم دونوں توبہ کر لو تو یہ تمہارے حق میں اچھا ہے۔
(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۶۳)

صَغَوْتُ وَأَصْغَيْتُ مِلْتُ لِتَصْغَى لِتَمِيلَ۔

صفوت اور اصغیت کا معنی ہے: میں مائل ہوا، اور لتصغیٰ کا معنی ہے: تا کہ تم مائل ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ قد صغت کا معنی ہے تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں اور منحرف ہو گئے ہیں اور تم پر توبہ لازم ہے، امام بخاری نے صغوت اور اصغیت دو مثالیں دی ہیں ایک ثلاثی مجرد سے ہے اور دوسری ثلاثی مزید فیہ سے ہے۔ امام بخاری نے دوسری تعلیق میں لکھا ہے لِتَصْغٰی اس سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ (الانعام:۱۱۳)

اور تا کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل (خوش نما باتوں) کی طرف مائل ہوں۔

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ (التحریم:۴)

اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں O

ظَهِيْرٌ عَوْنٌ تَظَاهَرُوْنَ تَعَاوَنُوْنَ۔

ظہیر کا معنی ہے: عون یعنی مددگار اور تظھرون کا معنی ہے: تم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ (التحریم:۶) بِتَقْوَى اللّٰهِ وَأَدِّبُوْهُمْ۔

اپنے اور اپنے گھر والوں کو (اس آگ سے) بچاؤ۔ اس کا معنی ہے تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرو اور ان کو ادب سکھاؤ۔

اس تعلیق کی شرح علامہ عینی کی عبارت کے حوالہ سے اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۴۹۱۵۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ حُنَيْنٍ يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ كُنْتُ أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ اللَّتَيْنِ تَظَاهَرَتَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَمَكَثْتُ سَنَةً فَلَمْ أَجِدْ لَهُ مَوْضِعًا حَتَّى خَرَجْتُ مَعَهُ حَاجًّا فَلَمَّا كُنَّا بِظَهْرَانَ ذَهَبَ عُمَرُ لِحَاجَتِهِ فَقَالَ أَدْرِكْنِي بِالْوَضُوءِ فَأَدْرَكْتُهُ بِالْإِدَاوَةِ فَجَعَلْتُ أَسْكُبُ عَلَيْهِ الْمَاءَ وَرَأَيْتُ مَوْضِعًا فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنِ الْمَرْأَتَانِ اللَّتَانِ تَظَاهَرَتَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَمَا أَتْمَمْتُ كَلَامِي حَتَّى قَالَ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عبید بن حنین سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دو عورتوں کے متعلق سوال کروں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی، پس میں ایک سال ٹھہرا رہا، مجھ کو (سوال کرنے کا) موقع نہیں ملا حتیٰ کہ میں حضرت عمر کے ساتھ حج کرنے کے لیے نکلا، پس جب ہم مقام ظہران پر پہنچے تو حضرت عمر قضاء حاجت کے لیے گئے، پس کہا: میرے وضوء کرنے کے لیے پانی لاؤ، میں ایک مشکیزہ میں پانی لے کر گیا، میں ان کے اوپر پانی ڈال رہا تھا، اس وقت مجھے (سوال کرنے کا) موقع ملا تو میں نے پوچھا: اے امیر المومنین! وہ دو عورتیں کون سی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی؟ حضرت ابن عباس نے بتایا کہ ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عمر نے کہا: وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ بَابٌ: عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ (التحریم: ۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو فرماں بردار، ایمان دار، عبادت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی ۝ (التحریم: ۵) کی تفسیر

ازواج مطہرات کے بدلہ میں آنے والی بہ فرض وقوع دیگر ازواج امہات المومنین سے کیسے بہتر ہوسکتی ہیں، اس سوال کا جواب اور مسلمٰت، مومنٰت وغیرہا صفات کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی خبر دی ہے اور ازواج مطہرات کو ڈرایا ہے، یہ معنی نہیں ہے کہ واقع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے بہتر آپ کی امت میں عورتیں موجود ہیں۔

علامہ زمخشری نے کہا ہے: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کی ازواج کے بدلہ میں جن دیگر عورتوں سے نکاح کیا جائے وہ آپ کی ازواج سے بہتر ہوں حالانکہ روئے زمین پر آپ کی ازواج مطہرات اور امہات المومنین سے کوئی عورت بہتر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کی نافرمانی اور ان کی ایذا رسانی کی وجہ سے ان کو طلاق دے دیں گے تو وہ اپنی بہتری کی صفت پر قائم نہیں رہیں گی اور دیگر جن عورتوں سے بالفرض آپ کا عقد کیا جائے گا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آپ کی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کی وجہ سے ان سے بہتر ہوں گی۔

مسلمٰتٍ مومنٰتٍ: اس کا معنی ہے: جو اسلام کا اقرار کریں گی اور اخلاص پر قائم رہیں گی۔

قٰنِتٰتٍ: دعا کرنے والیاں اور نماز پڑھنے والیاں۔

تٰٓئِبٰتٍ: گناہوں سے توبہ کرنے والیاں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے والیاں اور اپنے نفس کی خواہشوں کو ترک کرنے والیاں۔

عٰبِدٰتٍ: اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت کرنے والیاں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے اپنے آپ کو جھکانے والیاں، اور عبد کا لفظ بھی عبادت سے ماخوذ ہے یعنی اللہ کے سامنے عاجزی کے ساتھ تذلل کرنے والا۔

سٰٓئِحٰتٍ: اس کا ایک معنی ہے روزہ رکھنے والیاں، اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: گناہوں سے ہجرت کرنے والیاں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۱۶۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ اجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ پر غیرت کرنے میں جمع ہوئیں تو میں نے ان سے کہا: عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ (التحریم: ۵) اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا۔ پس یہ آیت نازل ہوگئی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۲ میں گزر چکی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ التحریم کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الملک کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٦٧۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ تَبٰرَكَ الَّذِیْ

سورۃ تَبٰرَكَ الَّذِیْ کی تفسیر

سورۃ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت تَبٰرَكَ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں سورۃ الملک مذکور ہے، یہ پوری سورت مکی ہے، یہ مقاتل کا قول ہے اور علامہ سخاوی نے کہا ہے: یہ سورۃ الحآقہ سے پہلے اور سورۃ الطور کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس میں تیس (۳۰) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری، ج۱۰ص ۳۶۵)

اَلتَّفَاوُتُ اِلاخْتِلَافُ وَالتَّفَاوُتُ وَالتَّفَوُّتُ وَاحِدٌ۔ اَلتَّفَاوُت کا معنی ہے: الاختلاف، التفاوت اور التفوّت دونوں کا معنی واحد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (الملک:۳) (اے مخاطب!) تو رحمٰن کے نظم تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھے گا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تفوّت کی تفسیر اختلاف کی ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ التفاوت اور التفوت دونوں کا معنی واحد ہے۔ جیسے التعہد اور التعاہد ہیں اور التطہر اور التطاہر ہیں، اور الکسائی اور حمزہ نے تفوّت بغیر الف کے پڑھا ہے اور الفراء نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے اور دوسروں نے الف کے ساتھ پڑھا ہے۔

تَمَيَّزُ تَقَطَّعُ۔ تَمَيَّزُ اس کا معنی ہے: وہ (غصہ کے سبب سے) پھٹ پڑے گی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ (الملک:۸) گویا وہ ابھی شدت غضب سے پھٹ جائے گی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَمَيَّزُ کی تفسیر کی ہے: وہ غصہ سے پھٹ جائے گی اور اس کی ضمیر دوزخ کی طرف راجع ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے:

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِیَ تَفُوْرُ ۝ (الملک:۷) جب ان کو دوزخ میں جھونکا جائے گا تو وہ دوزخ کی خوف ناک چنگھاڑ سنیں گے اور وہ جوش میں آ رہی ہو گی ۝

اس کی یہ چنگھاڑ گدھے کی آواز کے مشابہ ہوگی اور وہ اس طرح جوش میں آ رہی ہوگی جس طرح پتیلی میں رکھا ہوا پانی جوش میں آتا ہے جب وہ پتیلی آگ پر رکھی ہو۔

مَنَاكِبِهَا جَوَانِبِهَا مَنَاكِبِهَا اس کا معنی ہے: زمین کی اطراف اور جوانب۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۝ (الملک:١٥) سوتم اس زمین کے راستوں میں چلو اور اس کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ، اور اسی کی طرف سب نے اٹھ کر جانا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مَنَاكِبِهَا کی تفسیر زمین کی جانبوں کے ساتھ کی ہے، اسی طرح الفراء نے اس کی تفسیر کی ہے اور المنکب کا اصل میں معنی جانب ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے اس کی تفسیر زمین کے پہاڑوں کے ساتھ کی ہے، اور مجاہد نے اس کی تفسیر زمین کے راستوں کے ساتھ کی ہے۔

تَدَّعُوْنَ وَتَدْعُوْنَ وَاحِدٌ مِثْلُ تَذَّكَّرُوْنَ وَتَذْكُرُوْنَ۔ تَدَّعُوْن اور تَدْعُوْن، تذکرون اور تَذْكُرُوْن کی مثل ہیں یعنی ان دونوں کا معنی واحد ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝ (الملک:٢٧) اور کہا جائے گا: یہی ہے وہ جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تفسیر سے یہ اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے اور قرآن مجید میں تَدْعُوْن کی قراءت نہیں ہے۔

وَيَقْبِضْنَ يَضْرِبْنَ بِاَجْنِحَتِهِنَّ۔ وَيَقْبِضْنَ: اس کا معنی ہے: وہ اپنے پروں کو مار کر سمیٹ لیتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّ یَقْبِضْنَ ؔۘ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ۝ (الملک:١٩) اور (کبھی) پر سمیٹے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا، ان کو (فضاء میں) رحمٰن کے سوا کوئی روک نہیں سکتا، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے يَقْبِضْنَ کی تفسیر کی ہے: وہ اپنے پروں کو مار کر سمیٹ لیتے ہیں، اس آیت کا معنی ہے کہ جس وقت پرندے فضاء میں پر پھیلاتے ہیں یا سمیٹتے ہیں ان کو اس حالت میں رحمٰن کے سوا کوئی گرنے سے روک نہیں سکتا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ صَافَّاتٍ بَسْطُ اَجْنِحَتِهِنَّ۔ اور مجاہد نے کہا صٰٓفّٰتٍ کا معنی ہے: پرندوں کا اپنے پروں کو پھیلانا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ۔ (الملک:١٩) کیا انہوں نے اپنے اوپر (کبھی) پر پھیلائے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی جب پرندے پر پھیلائے ہوئے فضاء میں اڑتے ہیں اور کبھی اڑتے ہوئے پر سمیٹ لیتے ہیں۔

وَنُفُوْرٌ اَلْكُفُوْرُ۔ نُفُوْر اس کا معنی ہے: کفر اور سرکشی سے بھاگنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ۝ (الملک:٢١) بلکہ کافر اپنی سرکشی میں اور نفرت میں راسخ ہو چکے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: عُتُوّ کا معنی ہے: گمراہی میں بڑھتے جانا اور نفور کا معنی ہے: حق سے متنفر ہو کر بھاگنا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٣٩٦-٣٩٥ میں کی ہے]

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الملک کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی، سورۃ الملک کی تفسیر میں امام بخاری نے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

اب ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ نون والقلم کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٦٨ ـ تَفۡسِيۡرُ سُوۡرَةِ نٓ

سورۂ نٓ والقلم کی تفسیر

سورۂ ن والقلم کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ ن والقلم کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور مقاتل نے کہا: یہ پوری سورت مکی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: اس سورت کا اول حصہ سَنَسِمُهٗ (القلم:١٦) تک مکی ہے اور اس کے بعد لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ۞ (القلم:٣٣) تک مدنی ہے، علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورۃ المزمل کے بعد اور سورۃ المدثر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ مفسرین کا نون کے معنی میں اختلاف ہے، مجاہد، مقاتل اور سدی اور دوسروں سے منقول ہے کہ اس کا معنی مچھلی ہے اور حضرت ابن عباس سے بھی یہ ایک روایت ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ النون ایک دواء ہے اور یہ بھی حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے اور عطاء سے روایت ہے کہ نون اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کا پہلا حرف ہے: نور، ناصر اور نصیر اور جعفر سے روایت ہے کہ نون جنت میں ایک نہر ہے۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ يَتَخَافَتُوۡنَ يَنۡتَجُوۡنَ السِّرَارَ وَالۡكَلَامَ الۡخَفِيَّ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: يَتَخَافَتُوۡنَ کا معنی ہے: وہ چپکے چپکے سرگوشی کر رہے تھے اور خفیہ باتیں کر رہے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَانۡطَلَقُوۡا وَهُمۡ يَتَخَافَتُوۡنَ ۞ (القلم:٢٣) پھر وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چل پڑے ○

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: یہ تعلیق صرف ابوذر کے نسخہ میں ہے اور دوسروں نے اس کو کتاب التوحید میں ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج٦ ص٨٠)

وَقَالَ قَتَادَةُ حَرۡدٍ جِدٍّ فِيۡ أَنۡفُسِهِمۡ۔

اور قتادہ نے کہا: حَرۡدٍ کا معنی ہے: دل و جان سے کوشش کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّغَدَوۡا عَلٰى حَرۡدٍ قٰدِرِيۡنَ ۞ (القلم:٢٥) پھر وہ خود کو اپنے فیصلہ پر قادر سمجھتے ہوئے سویرے سویرے چل دیئے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حَرۡدٍ کی تفسیر کی ہے: کسی کام میں بہت زیادہ مبالغہ سے کوشش کرنا، علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ بعض اصول کے مطابق یہ لفظ جَدٌّ ہے جیسا کہ امام عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے، اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس باغ سے کسی سائل کو کچھ نہیں دیں گے اس لیے وہ صبح صبح اس ارادہ سے چلے جیسے وہ باغ کے سارے پھل توڑنے پر قادر ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَضَالُّونَ أَضْلَلْنَا مَكَانَ جَنَّتِنَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لضالون کا معنی ہے: ہم نے اپنے باغ کی جگہ کو گم کر دیا یا ہم اس کو بھول گئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ (القلم:۲۶)

پھر جب انہوں نے اس کٹے ہوئے باغ کو دیکھا تو کہا: ہم ضرور راستہ بھول گئے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہم اپنے باغ کی جگہ کو بھول گئے ہیں، امام ابن ابی حاتم نے بھی اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا: میں ہا ضمیر جنت یعنی باغ کی طرف لوٹ رہی ہے جو درج ذیل آیت میں مذکور ہے:

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ (القلم:۱۷)

ہم نے ان کی اس طرح آزمائش کی جس طرح ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور صبح کو اس کے پھل کاٹیں گے O

یعنی ہم نے اہل مکہ کا امتحان لیا ہے اور ان کو قحط اور بھوک میں مبتلا کر کے ان کی اس طرح آزمائش کی ہے جس طرح ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ باغ یمن میں تھا، اس کو الضروان کہا جاتا تھا، یہ صنعاء سے دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اس باغ کی کھجوروں کو صبح ہونے سے پہلے اندھیرے میں کاٹ لیں گے تاکہ مسکین مانگنے کے لیے اس باغ کی طرف نہ آ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے آگ بھیجی جس نے اس باغ کو جلا دیا اور اس وقت وہ سوئے ہوئے تھے، پھر جب وہ صبح کو اٹھے اور اس باغ کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا: ہم ضرور راستہ بھول گئے ہیں، یہ ہمارا باغ نہیں ہے۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ بعض شارحین کا یہ گمان ہے کہ یہ لفظ اضللنا نہیں ہے بلکہ ضللنا ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تم کوئی چیز رکھ کر بھول جاؤ کہ تم نے کہاں رکھی ہے اور وہ تمہیں نہ ملے اور اضللت الشیئ اس وقت کہا جاتا ہے جب تم کسی چیز کو ضائع کر دو۔ حافظ ابن حجر ان بعض شارحین کا رد کرتے ہیں کہ اس تعلیق میں جو اضللنا کا لفظ ہے وہ بھی درست ہے اور اس کا معنی ہے: ہم نے اس شخص کی طرح کام کیا جو کسی کام کو ضائع کر دے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۸۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر کی بعض شارحین سے مراد حافظ الدمیاطی ہیں، جنہوں نے کہا کہ یہاں اضللنا کی بجائے ضللنا ہونا چاہیے تھا، ان کا قول لغت کے موافق ہے اور حافظ ابن حجر نے جو حافظ دمیاطی کا رد کیا ہے وہ بہت بعید ہے کیونکہ یہاں پر باغ والوں کا صرف یہ عمل تھا کہ وہ صبح سویرے باغ کی طرف چلے گئے تھے اور ان کا اس میں کوئی ایسا عمل نہیں تھا جو اس شخص کے عمل کی طرح ہو جس نے اپنے عمل سے کسی چیز کو ضائع کر دیا ہو۔

وَقَالَ غَيْرُهُ كَالصَّرِيمِ كَالصُّبْحِ انْصَرَمَ مِنَ اللَّيْلِ وَاللَّيْلِ انْصَرَمَ مِنَ النَّهَارِ وَهُوَ أَيْضًا كُلُّ رَمْلَةٍ انْصَرَمَتْ مِنْ مُعْظَمِ الرَّمْلِ وَالصَّرِيمُ أَيْضًا الْمَصْرُومُ مِثْلُ قَتِيلٍ وَمَقْتُولٍ۔

اور حضرت ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا: کالصریم کا معنی ہے کالصبح یعنی وہ باغ کٹے ہوئے کھیت کی طرح ہو گیا جس طرح صبح رات سے منقطع ہوتی ہے اور رات دن سے منقطع ہوتی ہے، نیز ریت کا ہر وہ چھوٹا ٹیلا جو بڑے ٹیلہ سے منقطع ہو اس کو بھی صَرِیم

کہا جاتا ہے اور نیز صَرِیم، مصروم کے معنی میں بھی ہے یعنی کٹا ہوا جیسے قتیل مقتول کے معنی میں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَصۡبَحَتۡ كَالصَّرِیۡمِ ۝ (القلم:۲۰) پھر وہ پھل دار باغ کٹے ہوئے باغ کی طرح ہو گیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی وہ مذکورہ باغ کٹے ہوئے باغ یا کھیت کی طرح ہو گیا اور صَرِیم کے مادہ میں کٹنے کا معنی ملحوظ ہے، امام بخاری نے تین مثالیں دی ہیں جیسے صبح رات سے منقطع ہوتی ہے اور رات دن سے منقطع ہوتی ہے اور چھوٹا ٹیلا بڑے ٹیلے سے منقطع ہوتا ہے۔

مَكۡظُوۡمٌ وَ كَظِیۡمٌ مَغۡمُوۡمٌ تُدۡهِنُ فَیُدۡهِنُوۡنَ تَرۡخَصُ فَیَرۡخَصُوۡنَ۔ مکظوم اور کظیم، اس کا معنی ہے: مغموم یعنی جس نے اپنے غم اور غصہ کو پی لیا ہو اور تدھن فیدھنون اس کا معنی ہے کہ آپ رخصت پر عمل کریں تو وہ بھی رخصت پر عمل کریں گے یعنی آپ مداہنت کریں تو وہ بھی مداہنت کریں گے۔

امام بخاری نے تعلیق کے دوسرے جز سے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَیُدۡهِنُوۡنَ ۝ (القلم:۹) انہوں نے یہ چاہا کہ اگر آپ (دین میں) نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی تفسیر کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطیہ اور ضحاک سے بھی یہ تفسیر مروی ہے۔ اور کلبی سے یہ تفسیر منقول ہے کہ اگر آپ ان کے لیے نرم ہوں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے اور حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ اگر آپ اپنے دین میں کوئی تحریف کریں تو وہ بھی اپنے دین میں تحریف کریں گے۔ تعلیق کے پہلے جز میں درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَكُنۡ كَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰی وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ ۝ (القلم:۴۸) اور آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب کو حالت غم میں پکارا تھا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مکظوم اور کظیم کی تفسیر کی ہے: مغموم اور اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۷-۳۶۶ میں کی ہے]

۱- بَابٌ: عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِیۡمٍ ۝ (القلم:۱۳) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بہت بدخو، ان سب کے بعد نطفہ حرام ہے O (القلم: ۱۳) کی تفسیر

عتل اور زنیم کے معانی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

العتل کا معنی ہے: سخت جھگڑالو اور منافق، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عبید بن عمیر سے منقول ہے: العتل وہ شخص ہے جو بہت زیادہ کھاتا اور پیتا ہو؛ میزان میں اس کا وزن ایک جو کے برابر بھی نہیں ہو گا، فرشتہ اس کو جہنم میں دھکا دے گا تو وہ ستر ہزار (فرسخ یا ذراع، حدیث میں اس کا بیان نہیں ہے) کی گہرائی تک گر جائے گا اور زنیم وہ شخص ہے جس کی اصل نہ ہو، دوسرا

قول ہے: اس کا معنی ہے: کینہ پرور یعنی بغض رکھنے والا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۸)

۴۹۱۷۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما عُتُلٍّ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ قَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ لَهُ زَنَمَةٌ مِثْلُ زَنَمَةِ الشَّاةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمود نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی حصین از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ کی تفسیر میں کہا: یہ قریش کا ایک مرد تھا جس کے کان پر گوشت کا ایک ٹکڑا لٹک رہا ہوتا تھا جیسے بکری کے کان پر گوشت کا ٹکڑا لٹکا ہوا ہوتا ہے۔

زنیم کے مصداق کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اس صفت قبیحہ سے موسوم کون شخص تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ شخص الولید بن مغیرہ المخزومی تھا اور عطاء اور السدی نے کہا: یہ شخص الاخنس بن شریق تھا اور مجاہد نے کہا: یہ الاسود بن عبد یغوث تھا اور مجاہد سے مروی ہے کہ الولید کے ہر ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں، ایک انگلی زائد تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ الْخُزَاعِيَّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۵۳، سنن ترمذی: ۲۶۰۵، سنن ابن ماجہ: ۴۱۱۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از معبد بن خالد، انہوں نے کہا: میں نے حارثہ بن وہب الخزاعی سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: کیا میں تم کو اہل جنت کی خبر نہ دوں، وہ بہت زیادہ کم زور شخص ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ پر کسی کام کے کرنے کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ وہ کام کر کے اس کو ضرور اس کی قسم میں سچا کر دیتا ہے اور کیا میں تم کو اہل دوزخ کی خبر نہ دوں وہ ہر بدخصلت بھاری جسم والا اور متکبر ہوتا ہے۔

ضعیف سے مراد متواضع اور متذلل ہے اور عتل سے مراد بدخصلت اور متکبر ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بہت کم زور شخص ہوتا ہے: یعنی دنیا میں اس کے ظاہری ضعف کی وجہ سے لوگ اس کو بہت کم زور اور حقیر سمجھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اتنا عالی مرتبہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے کرم پر امید رکھتے ہوئے یہ قسم کھالے کہ اللہ تعالیٰ فلاں کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ وہ کام کر کے اس کو اس کی قسم میں سچا کر دیتا ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے، اور ضعیف سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص متواضع اور منکسر المزاج ہو۔

عُتُلٍّ: اس کا معنی ہے: جو سخت مزاج ہو اور دوسرا قول ہے: جو ہر چیز میں سختی کرتا ہو، اور تیسرا قول ہے: کافر۔ علامہ داؤدی نے کہا: یہ بہت موٹا شخص ہے جس کی گردن لمبی اور پیٹ بڑا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بہت زیادہ کھانے پینے والا ہو۔

الجواظ: اس کا معنی ہے: جو برا کام کرنے کے لیے بہت زور کی آواز نکالے، اور کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے: جو تکبر کرنے والا

ہو اور ناز نخرے سے چلتا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس پر گوشت بہت زیادہ ہو۔
یہ مراد نہیں ہے کہ ہر جنتی اور ہر دوزخی ایسا ہوگا بلکہ مراد یہ ہے کہ اکثر اہل جنت اور اکثر اہل دوزخ اس صفت پر ہوں گے۔
(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ۔ (القلم: ۴۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی۔ (القلم: ۴۲) کی تفسیر

کشف ساق یعنی پنڈلی کھولنے کا معنی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
یعنی قیامت کو اس کی پنڈلی سے کھول دیا جائے گا، دوسرا قول ہے: اس سے مراد بہت بھاری اور سخت امر ہے اور وہ دنیا سے جانا اور آخرت کی طرف متوجہ ہونا ہے، یہ عرب کے محاورہ کے مطابق ہے کہ جب کوئی بہت اہم اور سخت کام کرنا ہو تو عرب کہتے ہیں: اس نے اپنی پنڈلی سے پائنچے اوپر کر لیے یعنی پنڈلی کھول دی، پس پنڈلی کا کھولنا کسی سخت اور دشوار کام سے استعارہ ہے ورنہ حقیقت میں وہاں پنڈلی کا کھولنا نہیں ہوتا اور عرب اس سال کو کہتے ہیں جس میں زیادہ لڑائیاں ہوں، اس سال نے اپنی پنڈلی کھول دی یعنی اس سال میں بہت سخت اور دشوار کام ہوئے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۶۹)

۴۹۱۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ فَيَبْقَى كُلُّ مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِيَاءً وَسُمْعَةً فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ فَيَعُودُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَاحِدًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از خالد بن یزید از سعید بن ابی ہلال از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: ہمارا رب اپنی پنڈلی سے (کپڑا) کھولے گا تو ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت سجدے میں گر جائیں گے اور وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھانے اور سنانے یعنی ریاکاری کے لیے سجدہ کرتے تھے، وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی پیٹھ اکڑ کر ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی (وہ جھک نہیں سکیں گے)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲ میں گزر چکی ہے۔

کشف ساق کے متعلق علماء کے دو مذہب اور متکلمین کی تاویلات، اور تکلیف مالایطاق کا ناجائز ہونا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
ہمارا رب اپنی پنڈلی سے (کپڑا) کھولے گا: یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔ اہل علم کے اس میں دو مذہب ہیں، اکثر سلف یا تمام سلف کا مذہب یہ ہے کہ وہ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس معنی کا اعتقاد رکھتے ہیں جو اللہ عزوجل کی شان کے لائق ہے، دوسرا مذہب بعض متکلمین کا ہے، وہ اس کی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق تاویل کرتے ہیں اور یہ تاویل کرنا صرف اس کے لیے جائز ہے جو اس کا اہل ہو اور زبان عرب کا جاننے والا ہو اور اصول و فروع کے قواعد کی معرفت رکھتا ہو، پس انہوں نے

کہا: ساق (پنڈلی) سے مراد یہاں پر شدت ہے یعنی اللہ تعالیٰ شدت کو کھول دے گا اور جو چیز خوف میں مبتلا کر رہی ہو اس کو زائل کر دے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح تفسیر کی ہے اور قاضی عیاض نے کہا کہ ساق سے مراد عظیم نور ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: جس دن اللہ تعالیٰ پنڈلی کھولے گا، آپ نے فرمایا: یہ وہ عظیم نور ہے جس کے سامنے سب سجدہ کریں گے اور حضرت عبداللہ نے فرمایا: یہ رب العزت کے پردے ہیں جن کو وہ قیامت کے دن مومن کے لیے کھولے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے رب کو قیامت کے دن کس طرح پہچانو گے، مسلمانوں نے کہا: ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان ایک علامت ہے، جب ہم اس علامت کو دیکھیں گے تو اس کو پہچان لیں گے، آپ نے پوچھا: کون سی علامت ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی سے (کپڑا) کھولے گا تو تمام مومنین سجدہ میں گر جائیں گے، قاضی عیاض نے کہا: ساق (پنڈلی) کا وہی انکار کرے گا جو الید (ہاتھ) اور القدم اور الوجہ (چہرہ) کا انکار کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو معطل قرار دیتا ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ کشف الساق کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین سے شدت اور سختیوں کو کھول دے گا، پس وہ سب شکر کا سجدہ کریں گے۔

اور حضرت ابوموسیٰ کی حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حجابات کو کھول دے گا، پس مومنین اللہ کو دیکھیں گے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ رب العالمین کے سامنے چالیس سال تک کھڑے رہیں گے، پس اس وقت اللہ تعالیٰ پنڈلی کھولے گا اور ان کے لیے تجلی فرمائے گا۔

اور بعض علماء نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مخلوقین کی پنڈلی کو کھولے گا یعنی فرشتوں وغیرہم کی پنڈلیوں کو کھولے گا۔

ابوالعباس نحوی نے کہا ہے کہ ساق سے مراد نفس اور ذات ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: میں ضرور خوارج سے قتال کروں گا خواہ میری پنڈلی ضائع ہو جائے، سو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کشف ساق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کی مومنین کے لیے تجلی ہے اور پردوں کو کھولنا ہے حتیٰ کہ جب مومنین اس کو دیکھیں گے تو اس کو سجدہ کریں گے۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ قیامت تو دار الجزاء ہے دار العمل نہیں ہے، پھر وہاں سجدہ کس لیے ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ بہ طور تکلیف نہیں ہوگا بلکہ بہ طور تلذذ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے تقرب کے لیے ہوگا۔

ان کی پیٹھ اکڑ کر ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی: یعنی وہ اپنی کمر کو جھکا نہیں سکیں گے اور موڑ نہیں سکیں گے، پس وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کر سکیں گے، اور ایک طویل حدیث میں مذکور ہے، پس مومنین اپنے چہروں کے بل پر سجدہ میں گر پڑیں گے اور ہر منافق اپنی پیٹھ کے بل پر گرے گا اور منافق سجدہ نہیں کر سکیں گے اور ان کی پیٹھ سلاخ کی طرح ہو جائے گی۔ علامہ نووی نے کہا ہے: قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ (القلم: ۴۲) جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور ان کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ۝

علامہ نووی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بندہ جس کام کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بندہ کو اس کام کا مکلف کرنا جائز ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ استدلال باطل ہے کیونکہ آخرت دار تکلیف نہیں ہے اور ان کو امتحان کے واسطے سجدہ کے لیے بلایا جائے گا اور ان کو اس کا مکلف نہیں کیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۰-۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ القلم کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الحاقۃ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٦٩_ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْحَاقَّةِ

سورۃ الحاقہ کی تفسیر

سورۃ الحاقہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الحاقہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور تمام مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، علامہ سخاوی نے کہا: یہ سورت سورۃ المعارج سے پہلے اور سورۃ الملک کے بعد نازل ہوئی ہے، اس سورت میں باون (۵۲) آیات ہیں۔

اس سورت کا نام الحاقہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں ثواب اور عقاب سے متعلق حقائق اعمال کو بیان کیا گیا ہے۔

حُسُومًا مُتَتَابِعَةً۔ حسومًا کا معنی ہے: لگا تار اور پے در پے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا (الحاقہ: ۷) (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے حسومًا کی تفسیر متتابعہ یعنی لگاتار کی ہے، اس کا معنی ہے: وہ کام جس کے درمیان انقطاع نہ ہو، یہ حسم الکی سے ماخوذ ہے یعنی کسی کو لگاتار داغ لگایا جائے، الکلبی نے کہا: اس کا معنی ہے: دائمہ اور الضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے: کاملہ، وہ آندھی ان سے منقطع نہیں ہوئی حتیٰ کہ ان سب کو فنا کر دیا اور خلیل نے کہا: اس آندھی نے ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور آیت میں حسومًا پر نصب بطور حال ہے۔

قَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ عِيْشَةٍ رَاضِيَةٍ يُرِيْدُ فِيْهَا الرِّضَا۔ اور ابن جبیر نے کہا: عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (الحاقہ: ۲۱) اس کا معنی ہے جو اس زندگی میں رضا کا ارادہ کرے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (الحاقہ: ۲۱) پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا

علامہ عینی لکھتے ہیں: سعید بن جبیر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ رضا سے مراد ہے: ذات رضا یعنی راضی ہونے والا جیسے تامر سے مراد ہے: کھجور والا اور لابن سے مراد ہے: دودھ والا، اس زندگی کو راضیہ اس لیے فرمایا کہ وہ رضا کی طرف منسوب ہوگی، اصل تو راضی وہ شخص ہوگا جو اس زندگی میں ہوگا، پس زندگی کی طرف رضا کی نسبت اسناد مجاز عقلی ہے۔

آخرت میں جو اجر و ثواب ہوگا وہ اس لیے پسندیدہ ہوگا کہ اس کے ساتھ رنج کی آزمائش نہیں ہوگی اور وہ ثواب دائمی ہوگا۔

الْقَاضِيَةَ الْمَوْتَةَ الْاُوْلَى الَّتِيْ مُتُّهَا لَمْ اُحْيَ بَعْدَهَا۔ القاضیہ: کا معنی ہے: وہ پہلی موت جس میں میں مرجاتا، پھر اس کے بعد مجھے زندہ نہ کیا جاتا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ مَاۤ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ (الحاقۃ:۲۷-۲۸)

اے کاش وہی (موت) میرا کام پورا کر دیتی ○ میرا مال میرے کسی کام نہ آیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ کاش پہلی موت ہی میرے معاملہ کو منقطع کرنے والی ہوتی اور میں اس کے بعد کبھی زندہ نہ کیا جاتا نہ اس کے بعد مرنے کے دوبارہ اٹھنا ہوتا اور نہ اعمال کا بدلہ ہوتا، قتادہ نے کہا: وہ اس وقت موت کی تمنا کرے گا حالانکہ زندگی میں اس کے نزدیک موت سے بڑھ کر کوئی چیز ناپسندیدہ نہیں تھی۔

مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِیْنَ اَحَدٌ یَكُوْنُ لِلْجَمْعِ وَلِلْوَاحِدِ۔

مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِیْنَ: یعنی احدٌ کا لفظ جمع اور واحد دونوں کے لیے ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ۝ (الحاقۃ:۴۷)

پھر تم میں سے کوئی بھی ان کو بچانے والا نہ ہوتا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ لفظ اَحَد واحد اور جمع دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ اس آیت میں احد کا لفظ نفی کے بعد ہے، ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر محمد اللہ کے سچے رسول نہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے تو ان پر العیاذ باللہ، اللہ کا ایسا عذاب آتا کہ تم سب مل کر بھی ان کو اس عذاب سے بچا نہ سکتے اور جب ایسا عذاب نہیں آیا تو معلوم ہو گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور برحق نبی ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْوَتِیْنَ نِیَاطُ الْقَلْبِ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الوتین: کا معنی ہے: دل کی رگ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ۝ (الحاقۃ:۴۶)

پھر ہم ضرور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: نیاط القلب کا معنی ہے: شہ رگ، جب وہ کٹ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَغٰی كَثُرَ وَیُقَالُ بِالطَّاغِیَةِ بِطُغْیَانِهِمْ وَیُقَالُ طَغَتْ عَلَی الْخَزَّانِ كَمَا طَغَی الْمَاءُ عَلٰی قَوْمِ نُوْحٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: طَغٰی کا معنی ہے: بہت زیادہ ہو گیا اور الطاغیہ کا معنی ہے: ان کے طغیان اور سرکشی کی وجہ سے، اور کہا جاتا ہے: وہ ہوا الخزان ہے یعنی ہوا کے فرشتوں پر بڑھ گئی جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر پانی بڑھ گیا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ۝ (الحاقۃ:۱۱)

بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے طغیٰ کی تفسیر کی ہے کَثُرَ یعنی جب پانی بہت زیادہ ہو گیا اور حد سے بڑھ گیا اور اس میں طغیانی آ گئی، امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ طغیٰ کا لفظ تین معانی کے لیے آتا ہے، ایک معنی ہے: زیادہ ہونا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا کہ جب پانی بہت زیادہ ہو گیا، اور اس کا دوسرا معنی ہے حد سے بڑھ جانا جیسے قوم ثمود اپنی نافرمانی میں حد سے بڑھ گئی تھی، اس کی طرف امام بخاری نے طغیان اور سرکشی سے اشارہ کیا ہے اور تیسرا معنی ہے: ہوا کا حد سے

بڑھ جانا، اس کی طرف امام بخاری نے اس عبارت سے اشارہ کیا ہے کہ ہوا خزان یعنی ہوا کے فرشتوں پر بڑھ گئی اور قرآن مجید میں ہے:

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (الحاقہ:٦) اور رہے عاد تو ان کو گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیاO

علامہ عینی لکھتے ہیں: الخزان، الخازن کی جمع ہے اور آندھیوں کے لیے فرشتے محافظ ہیں جو اس کو ایک مقدار سے روانہ کرتے ہیں لیکن جب قوم عاد نے حد سے زیادہ سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی آندھی بھیجی جو آندھی کے فرشتوں کے لیے حد سے زیادہ تھی۔

وَغِسْلِيْنٍ مَا يَسِيلُ مِنْ صَدِيدِ أَهْلِ النَّارِ۔ غسلین کا معنی ہے: دوزخیوں کی جو پیپ بہتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ (الحاقہ:٣٦) اور نہ (دوزخیوں کی) پیپ کے سوا کوئی طعام ہےO

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے غسلین کی جو تفسیر کی ہے وہ الفراء کا قول ہے اور الثعلبی نے کہا ہے: گویا کہ وہ ان کے چھالوں اور زخموں سے نکلنے والا پانی ہے اور ضحاک اور ربیع سے منقول ہے: غسلین ایک درخت ہے جس سے دوزخی کھائیں گے اور یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ مِنْ غِسْلِيْنٍ كُلُّ شَيْءٍ غَسَلْتَهُ فَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ فَهُوَ غِسْلِيْنٌ فِعْلِيْنٌ مِنَ الْغَسْلِ مِنَ الْجُرْحِ وَالدُّبُرِ۔ اور دوسروں نے کہا: غسلین کا معنی ہے: ہر چیز جس کو تم دھوؤ، پھر اس میں سے کوئی چیز نکلے تو وہ غسلین ہے۔ یہ الغسل سے فعلین کا وزن ہے یعنی جو پانی زخم سے اور مقعد سے نکلتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی الفراء کے علاوہ دوسروں نے کہا، اور یہ صحیح بخاری کے نسخہ لکھنے والے سے رہ گیا اور اگر اس کو مقدر نہ مانا جائے تو کلام درست نہیں ہوگا۔

أَعْجَازُ نَخْلٍ أُصُولُهَا۔ اَعْجَازُ نَخْلٍ اس کا معنی ہے: کھجور کے تنے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (الحاقہ:٧) پس (اے مخاطب!) تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئےO

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الاعجاز کی تفسیر کی ہے: کھجور کے درخت کے اصول یعنی اس کے تنے اور خاویہ کا معنی ہے ساقطۃ یعنی گرے ہوئے، یہ بھی صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

بَاقِيَهٍ بَقِيَّةٍ۔ بَاقِيَةٍ اس کا معنی ہے: بقیہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ (الحاقہ:٨) کیا اب تمہیں ان میں سے کوئی باقی نظر آ رہا ہے؟O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے باقیۃ کی تفسیر بقیہ کی ہے اور یہ بھی صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۳-۳۷۱ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الحاقہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی، امام بخاری نے اس سورت میں کوئی حدیث روایت نہیں کی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المعارج کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۰۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الۡمَعَارِجِ

سورۃ المعارج کی تفسیر

سورۃ المعارج کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المعارج کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورۃ سَاَلَ سَائِلٌ بھی ہے، اس سورت میں چوالیس (۴۴) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۷۳)

اَلۡفَصِیۡلَۃُ اَصۡغَرُ آبَائِہِ الۡقُرۡبٰی اِلَیۡہِ یَنۡتَمِی مَنِ انۡتَمٰی۔ الفصیلۃ اس کا معنی ہے: اس کے قریبی آباء کے سب سے چھوٹے لوگ، یَنۡتَمِی کا مصدر انتمی ہے یعنی جس کی طرف وہ منسوب ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَفَصِیۡلَتِہِ الَّتِیۡ تُـٔوِیۡہِ ۝ (المعارج: ۱۳) اور اپنے اس رشتہ دار کا جو (دنیا میں) اس کو پناہ دیتا تھا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الفصیلہ کی تفسیر کی ہے: اس کا وہ قریبی قبیلہ یا رشتہ دار جن سے وہ منفصل ہوا ہے، اسی طرح اس کی تفسیر الفراء نے کی ہے اور دوسری تفسیر ہے: اس کے وہ رشتہ دار جو اس کے زیادہ قریب ہیں، اور مجاہد سے منقول ہے: اس کا قبیلہ اور ینتمی کا معنی ہے: جس کی طرف وہ منسوب ہو۔

لِلشَّوٰی اَلۡیَدَانِ وَالرِّجۡلَانِ وَالۡاَطۡرَافُ وَجِلۡدَۃُ الرَّاۡسِ یُقَالُ لَہَا شَوَاۃٌ وَمَا کَانَ غَیۡرَ مَقۡتَلٍ فَہُوَ شَوًی۔ لِلشَّوٰی اس کا معنی ہے: دونوں ہاتھ، دونوں پیر، دیگر اعضاء اور سر کی کھال، ان کو شواۃٌ کہا جاتا ہے اور جسم کا وہ حصہ جس کے کٹنے سے انسان مرتا نہیں ہے اس کو شویٰ کہتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

کَلَّا ؕ اِنَّہَا لَظٰی ۝ نَزَّاعَۃً لِّلشَّوٰی ۝ (المعارج: ۱۵۔۱۶) ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے ۝ وہ (سر سے پاؤں تک) کھال اتارنے والی ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کا معنی ظاہر ہے، اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ نزاعۃ للشوی کا معنی ہے: وہ سر کی کھال اتارنے والی ہے، دوسرا قول ہے کہ وہ چہرے کے محاسن اتارنے والی ہے اور تیسرا قول ہے: اس سے مراد سر، دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ہیں اور چوتھا قول ہے: اس سے مراد ہڈی کے بغیر گوشت ہے، اس کا معنی ہے کہ دوزخ کی آگ گوشت اور کھال میں سرایت کر کے اس کو جلا دے گی اور الکلبی سے منقول ہے کہ دوزخ کی آگ سر کے گوشت اور دماغ کو کھا لے گی، پھر دماغ اپنی اصل حالت پر آ جائے گا، پھر دوزخ اس کو کھا لے گی اور یوں ہی ہوتا رہے گا۔

عِزِیۡنَ وَالۡعِزُوۡنَ الۡحِلَقُ وَالۡجَمَاعَاتُ وَوَاحِدُہَا عِزَۃٌ۔ والعِزون اس کا معنی ہے: جماعتیں اور اس کا واحد عِزۃٌ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۙ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ (المعارج: ۳۶۔۳۷) پس ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ یہ آپ کی طرف بھاگے آ رہے ہیں O دائیں بائیں سے گروہ در گروہ O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عزین کی تفسیر کی ہے: جماعتیں اور ابوذر کی روایت میں ہے، اس کا معنی ہے: حلقے، امام بخاری نے کہا ہے: اس کا واحد عِزۃٌ ہے، اس کی نظیر ہے جیسے ثبۃ اور ثبین اور مھطعین کا معنی ہے: وہ بھاگ رہے ہیں اور گردن اٹھا کر اپنی طرف نظر جمائے ہوئے دوڑے چلے آ رہے ہیں۔

يُوْفِضُوْنَ الْاِيفَاضُ الْاِسْرَاعُ۔ یوفضون الایفاض کا معنی ہے دوڑنا اور بھاگنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ (المعارج ۴۳) جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ بتوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ایفاض کی تفسیر کی ہے: بھاگنا اور دوڑنا، یہ یوفضون کا مصدر ہے جس کا معنی ہے: وہ دوڑتے ہیں اور بھاگتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے اس کی تفسیر کی ہے: یسعون اس کا معنی بھی ہے: وہ دوڑتے اور بھاگتے ہیں۔ ابو العالیہ نے اس کی تفسیر کی ہے، وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں اور الضحاک نے اس کی تفسیر کی ہے: وہ چلتے ہیں، حسن بصری اور علامہ قرطبی نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے، حضرت ابن عباس نے نصب کی تفسیر کی ہے: غایت یعنی ان کے دوڑنے کی انتہاء، اور وہ اس وقت بھاگیں گے جب وہ آخری چیخ سنیں گے اور الکسائی سے منقول ہے: وہ اپنے ان بتوں کی طرف بھاگیں گے جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۲۔ ۳۷۳ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المعارج کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی، اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ نوح کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور ایک حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۱۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ نُوۡحٍ

سورۂ نوح کی تفسیر

سورۃ نوح (اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ نوح کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے: سورۃ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا (نوح:۱) اور یہ سورت مکی ہے، یہ سورت سورۃ النحل کے بعد اور سورۂ ابراہیم سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں۔

أَطْوَارًا طَوْرًا كَذَا وَطَوْرًا كَذَا يُقَالُ عَدَا طَوْرَهُ أَيْ قَدْرَهُ۔

اطواراً اس کا معنی ہے: کبھی اس طرح اور کبھی اس طرح کہا جاتا ہے: عدا اطورہ وہ چیز اپنی مقدار سے تجاوز کر گئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَدۡ خَلَقَكُمۡ اَطۡوَارًا ۝ (نوح:۱۴)

حالانکہ اس نے تم کو بہ تدریج پیدا کیا ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف اطوار میں پیدا کیا پہلے، وہ نطفہ تھا، پھر وہ جما ہوا خون بن گیا، پھر اس میں ہڈیاں بن گئیں، پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر اس کو اور خلقت میں بنایا اور مجاہد نے کہا ہے: پہلے وہ مٹی تھا، پھر وہ نطفہ ہوا، پھر وہ جما ہوا خون ہوا، اور طور ان تمام جگہوں میں کبھی کے معنی میں ہے اور کبھی یہ مقدار کے معنی میں بھی آتا ہے، کہا جاتا ہے: عدا طورہ یعنی فلاں چیز اپنی مقدار سے بڑھ گئی اور اس کی جمع اطوار آتی ہے۔

وَالْكُبَّارُ أَشَدُّ مِنَ الْكِبَارِ وَكَذَلِكَ جُمَّالٌ وَجَمِيلٌ لِأَنَّهَا أَشَدُّ مُبَالَغَةً وَكُبَّارٌ الْكَبِيرُ وَكُبَارًا أَيْضًا بِالتَّخْفِيفِ وَالْعَرَبُ تَقُولُ رَجُلٌ حُسَّانٌ وَجُمَّالٌ وَحُسَانٌ مُخَفَّفٌ وَجُمَالٌ مُخَفَّفٌ

اور اَلْكُبَّار، اَلْكُبَار کا زیادہ مبالغہ ہے، اس طرح جُمَّال اور جمیل ہے کیونکہ جُمَّال میں زیادہ مبالغہ ہے اور کُبَّار کا معنی ہے: الکبیر اور یہ لفظ تخفیف کے ساتھ کُبار بھی ہے اور عرب کہتے ہیں: رَجُلٌ حُسَّانٌ وَ جُمَّالٌ اور حُسَان اور جُمَالٌ تخفیف کے ساتھ بھی کہتے ہیں یعنی وہ مرد بہت حسین اور بہت جمیل ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَكَرُوۡا مَكۡرًا كُبَّارًا ۝ (نوح:۲۲)

اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے کہ کبّار (تشدید کے ساتھ) میں کُبار سے زیادہ مبالغہ ہے یعنی اس سے جس میں تشدید نہ ہو اور کُبار میں کبیر سے زیادہ مبالغہ ہے۔ امام بخاری نے کہا: اسی طرح جُمَّال اور جمیل ہیں یعنی جُمَّال میں (یعنی تشدید کے ساتھ) جُمَال سے زیادہ مبالغہ ہے اور جُمَال میں جمیل سے زیادہ مبالغہ ہے، اسی طرح حُسَّان (تشدید کے ساتھ) میں حُسَان سے زیادہ مبالغہ ہے۔

دَیَّارًا مِنْ دَوْرٍ وَلٰكِنَّهٗ فَيْعَالٌ مِنَ الدَّوَرَانِ كَمَا قَرَأَ عُمَرُ الْحَیُّ الْقَیَّامُ وَهِیَ مِنْ قُمْتُ وَقَالَ غَيْرُهُ دَيَّارًا أَحَدًا

دَیَّارًا یہ دَور سے ماخوذ ہے لیکن یہ دوران سے فَیْعَال کا وزن ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھا اَلْحَیُّ الْقَیَّام اور یہ قُمْتُ سے ماخوذ ہے اور دوسروں نے کہا: یہ دَیَّارًا احداً ہے یعنی کسی کو بسنے والا نہ چھوڑ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ۝ (نوح:۲۶)

اورنوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: دَیَّارا کا لفظ دور سے ماخوذ ہے اور اس کا وزن فیعال ہے اور یہ لفظ اصل میں دَیْوَار تھا، پس واؤ کو یاء سے بدل دیا گیا اور یاء کا یاء میں ادغام کر دیا تو دَیَّار ہو گیا اور یہ نہ کہا جائے کہ اس کا وزن فَعَّال ہے کیونکہ اگر یہ کہا گیا تو اصل میں یہ دَوَّار ہوگا، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اَلْحَیُّ الْقَیَّام فرمایا اور اس کی نظیر دَیَّار ہے کیونکہ قَیَّام کی اصل قَوَّام ہے، پس یہ نہ کہا جائے کہ اس کا وزن فَعَّال ہے بلکہ اس کا وزن فَیْعَال ہے، دوسروں نے کہا: اس کا تقاضا یہ ہے کہ اَحَدٌ کا لفظ مقدم ہو جو بعض ناقلین سے ساقط ہو گیا ہے اور ان دوسروں کی طرف منسوب ہے کہ دَیَّار اَحَد کے معنی میں ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ تو روئے زمین پر ایک کافر کو بھی نہ چھوڑ اور الثعلبی نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا دَیَّاراً اَحَداً یعنی وہ زمین میں چکر لگاتا ہو، جاتا ہو اور آتا ہو، اسی طرح علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

تَبَارًا هَلَاكًا۔

تَبارًا اس کا معنی ہے: ہلاکت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝ (نوح:۲۸)

اور ظالموں میں صرف ہلاکت کو زیادہ فرمایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تبارا کی تفسیر ہلاکت کی ہے اور علامہ ثعلبی نے اس کی تفسیر دَمَار کی ہے اور اس کا معنی بھی ہلاکت ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِدْرَارًا يَتْبَعُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مِدْرَاراً کا معنی ہے: جو چیزیں ایک دوسرے کے پیچھے آئیں یعنی لگاتار۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ (نوح:۱۱)

وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے جو مدرار کی تفسیر کی ہے اسی کی امام ابن ابی حاتم نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

وَقَارًا عَظَمَةً۔

وقارا کا معنی ہے: عظمت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ (نوح:۱۳)

تم اللہ کی عظمت اور جلالت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الوقار کی تفسیر العظمۃ کی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اس طرح نہیں ڈرتے تھے جس طرح اس کی عظمت سے ڈرنے کا حق ہے، مجاہد نے کہا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتقاد نہیں

کرتے تھے اور حسن بصری نے کہا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حق کا اعتراف نہیں کرتے تھے اور اس کی کسی نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے تھے اور ابن جبیر سے منقول ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید نہیں رکھتے تھے اور نہ اس کے عذاب سے ڈرتے تھے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۶۔ ۳۷۵ میں بیان کی ہے]

۱۔ بَابٌ: وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ۔ (نوح: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق (نوح: ۲۳) کی تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جن بتوں کی عبادت کرتی تھی ان بتوں کے اسماء اور ان کی عبادت کی ابتداء کا سبب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے پوری آیت ذکر نہیں کی پوری آیت اس طرح ہے:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ (نوح: ۲۳)

اور انہوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا O

اور محمد بن کعب سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پانچ بیٹے تھے، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر، پس ان میں سے ایک مر د فوت ہو گیا تو وہ اس پر بہت غمگین ہوئے تو شیطان نے کہا: میں تمہارے لیے اس کی مثل تصویر بنا دیتا ہوں، جب تم اس کی طرف دیکھو گے تو اس کو یاد کرو گے، انہوں نے کہا: بنا دو تو اس نے مسجد میں پیتل اور سیسہ کی تصویر بنا دی، پھر دوسرا بیٹا فوت ہوا تو اس کی تصویر بنا دی حتیٰ کہ وہ سب فوت ہو گئے حتیٰ کہ کچھ عرصہ کے بعد لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چھوڑ دی تو شیطان نے لوگوں سے کہا: تمہیں کیا ہوا کہ تم اپنے معبودوں کی اور اپنے باپ دادا کے معبودوں کی عبادت نہیں کرتے، پس لوگوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنا شروع کر دی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔

علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ یغوث حضرت شیث علیہ السلام کا بیٹا ہے اور ان کی عبادت کی ابتداء مہلائیل بن قینان کے زمانہ سے ہے۔

کتاب العین میں مذکور ہے کہ وَدّ (واؤ پر زبر) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا بت تھا اور وُدّ (واؤ پر پیش) قریش کا بت تھا، اس پر عمرو بن عبدود کا نام رکھا گیا ہے، الماوردی نے کہا ہے: یہ پہلا بت تھا جس کا نام ان کی محبت کی وجہ سے ود رکھا گیا ہے اور یہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے بعد تھا اور یہ دومۃ الجندل میں تھا اور سواع ایک عورت کی صورت پر تھا اور یہ ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کا بت تھا اور یہ مکہ شرفہا اللہ پر ساحل سمندر کے قریب ایک جگہ میں تھا اور یغوث مراد کا بت تھا، پھر بنو غطیف کا جوف میں بت تھا یمن کے علاقہ میں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۲۰۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَقَالَ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما صَارَتِ الْأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي الْعَرَبِ بَعْدُ أَمَّا وَدٌّ كَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ وَأَمَّا سُوَاعٌ كَانَتْ لِهُذَيْلٍ وَأَمَّا يَغُوثُ فَكَانَتْ لِمُرَادٍ ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالْجَوْفِ عِنْدَ سَبَإٍ وَأَمَّا يَعُوقُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از ابن جریج اور عطاء نے کہا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جو بت تھے وہ ایک عرصہ کے بعد عربوں کے بت ہو گئے، رہا ود تو وہ دومۃ الجندل میں کلب کا بت تھا اور رہا سواع تو وہ ہذیل کا بت تھا اور رہا یغوث تو وہ مراد کا بت تھا، پھر وہ بنو غطیف کا

فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ وَأَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِآلِ ذِي الْكَلَاعِ أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَسَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ فَفَعَلُوا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ

الجوف میں ہوگیا سبا کے پاس اور رہا یعوق تو وہ ہمدان کا بت تھا اور رہا نسر تو وہ حمیر کا بت تھا جو آل ذی الکلاع کے لیے تھا، یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح مردوں کے نام ہیں، پس جب وہ مرد فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کی طرف یہ وسوسہ ڈالا کہ وہ جن مجلسوں میں بیٹھتے ہیں وہاں پر ان کے بت رکھ دے اور ان مردوں کے نام پر ان بتوں کے نام رکھیں، سو انہوں نے ایسا کیا، اس وقت ان بتوں کی عبادت نہیں کی جاتی تھی حتیٰ کہ جب وہ مرد فوت ہو گئے اور لوگوں میں علم نہ رہا تو ان کی عبادت کی جانے لگی۔

اس حدیث کی سند میں امام بخاری پر اعتراض کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ عطاء خراسانی کا حضرت ابن عباس سے سماع نہیں ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، یہ ہشام بن یوسف الصنعانی ہے اور ابن جریج عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج کا ذکر ہے اور عطاء کا ذکر ہے، یہ العطاء خراسانی ہے اور یہ عطاء بن ابی رباح نہیں ہے اور نہ عطاء بن یسار ہے اور ابن جریج نے کہا کہ اس نے اس حدیث کو عطاء خراسانی کی کتاب سے لیا تھا جو اس کے بیٹے کے پاس تھی جس نے اس سے سماع کیا تھا، اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس سے سماع نہیں کیا، اور ابو مسعود نے کہا ہے کہ امام بخاری نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ عطاء، عطا بن ابی رباح ہے اور ابن جریج نے یہ تفسیر عطاء خراسانی سے نہیں سنی، انہوں نے کتاب اس کے بیٹے سے لی اور اس میں غور وفکر کیا، اور از صالح بن احمد از ابن المدینی روایت کی گئی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے ابن جریج کی احادیث از عطاء الخراسانی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ سب ضعیف ہیں، پس میں نے یحییٰ بن سعید سے کہا: وہ کہتے ہیں: اخبرنا (ہمیں خبر دی)، انہوں نے کہا: یہ لاشیٔ ہے اور یہ پوری حدیث ضعیف ہے: یہ صرف وہ کتاب ہے جو ابن جریج کو عطاء خراسانی کے بیٹے نے دی تھی، اس اعتراض کے جواب میں امام بخاری کی تائید میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ خصوصیت کے ساتھ اس سند پر جو ابن جریج کی العطاء الخراسانی اور از عطاء بن ابی رباح دونوں کے متعلق ہے اور امام بخاری باوجود اس کے کہ وہ اتصال کی شرط میں بہت متشدد ہیں ان پر یہ مخفی رہا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری نے اس سند کے ساتھ بہ کثرت روایت نہیں کی، انہوں نے اس سند کے ساتھ دو جگہ حدیث روایت کی ہے۔ ایک یہاں پر اور دوسری کتاب النکاح میں اور اگر ان پر یہ بات مخفی ہوتی تو وہ اس سند کے ساتھ بہ کثرت روایت کرتے کیونکہ بہ ظاہر یہ سند ان کی شرط کے مطابق ہے (امام بخاری کی طرف سے جواب دینے والے کی عبارت ختم ہوئی)، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ امام بخاری کا اتصال کی شرط میں تشدد اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ان پر اس سند کا انقطاع مخفی نہ رہے، پس سبحان ہے وہ ذات جس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور جواب دینے والے کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ بہ ظاہر یہ سند ان کی شرط کے مطابق ہے کیونکہ خراسانی سے روایت کرنے میں صرف امام مسلم منفرد ہیں۔ عطاء خرسانی امام بخاری کے رجال میں سے نہیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

اوثان کا معنی

علامہ عینی اس حدیث کی مشکل عبارات کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاوثان: یہ لفظ وثن کی جمع ہے، لغت کی کتاب المغرب میں لکھا ہے: الوثن اس کو کہتے ہیں کہ لکڑی یا پتھر یا چاندی یا کسی جوہر کو تراش کر اس کا ایک مجسمہ بنالیا جائے اور اس کی پرستش کی جائے۔

یہ اوثان عربوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ہوئے: امام عبد الرزاق نے از معمر از قتادہ یہ روایت کی ہے کہ ان بتوں کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی اور بعد میں عربوں نے ان کی عبادت کی، امام ابو عبیدہ سے روایت ہے: لوگوں کا یہ زعم ہے کہ یہ لوگ مجوسی تھے۔

حدیث مذکور کا خلاصہ

علامہ کرمانی نے لکھا ہے: یہ پانچ نام نیک مردوں کے تھے، جب یہ پانچ مرد فوت ہو گئے تو نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کے بتوں کی پرستش شروع کر دی اور ان بتوں کے نام ان صالح مردوں کے نام پر رکھ دیئے، خلاصہ یہ ہے کہ جب وہ پانچ نیک مرد فوت ہو گئے اور صورت حال بدل گئی اور لوگوں کے ذہنوں سے ان کی معرفت زائل ہو گئی تو ان بتوں کو مجالس میں رکھ کر ان کی پرستش کی جانے لگی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۸۔۳۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی بناء پر غیر مقلدین نے اہل سنت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جس طرح قوم نوح بزرگوں اور نیک لوگوں کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش کرتی تھی اسی طرح یہ لوگ بھی بزرگوں کی یادگاریں بنا کر ان کی پرستش کرتے ہیں، مشہور محقق حافظ عبد المجید مقیم برسٹل نے اس کے جواب میں ایک مفصل اور مبسوط مقالہ لکھا ہے جس کی تلخیص کو ہم پیش کر رہے ہیں:

حافظ عبد المجید مقیم برسٹل کے مبسوط مقالہ کی تلخیص

اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ (نوح: ۲۳)

اور انہوں نے کہا: ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا ود، سواع، یغوث اور یعوق و نسر کو O

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی اس بات کا ذکر کیا ہے جو ان کے سرداروں نے انہیں کہی تھی جب آپ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

اس آیہ کریمہ میں ان بتوں کا ذکر ہے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی اور ان کے بڑے قوم کو ان کی عبادت کرنے کی تلقین کرتے ہوئے بولے تھے کہ ہرگز اپنے خداؤں کی عبادت کو ترک نہ کرنا، خاص کر ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی عبادت ترک نہ کرنا۔

ان کی قوم کے سرداروں کی اس بات سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ان پانچوں کو کوئی خاص امتیاز حاصل تھا۔

ان پانچوں بتوں کے بارے میں کئی قسم کی باتیں کتب احادیث و تفاسیر وغیرہما میں موجود ہیں۔ یہ بت کیا تھے؟ کہاں سے آئے؟ ان کی حقیقت کیا تھی؟ عربوں میں یہی بت آئے یا صرف ان کے نام؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان کے بارے میں جو سب سے مشہور بات بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے:

یہ پانچوں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی عرصہ کے نیک لوگوں کے مجسمے تھے، جب وہ دنیا سے چل بسے تو شیطان کی تحریک پر اس دور کے ان کے محبین نے ان کی یادگار کے طور پر یہ مجسمے بنائے تھے۔
وہ ان کے مجسموں کی تعظیم کرتے اور آہستہ آہستہ بعد میں آنے والوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کر دی جس سے بت پرستی کی ابتداء ہوئی اور ان بتوں کو معبود بنالیا گیا۔
سب سے پہلے ہم اس بات کو حقیقت کے آئینہ میں دیکھتے ہیں کہ کیا واقعی یہ نیک لوگوں کے مجسمے تھے کہ جن کی بعد میں عبادت کی جانے لگی، اس بارے میں بیان کی جانے والی روایات میں سب سے زیادہ اعتماد اس روایت پر کیا جاتا ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے۔
آیئے! اس روایت اور اس کے بارے میں ائمہ محدثین کی آراء ملاحظہ فرمائیں:
حدیث مذکور کی شرح میں علامہ ابن رجب لکھتے ہیں:
اسماعیلی نے ذکر کیا ہے: یہ عطاء الخراسانی ہے اور عطاء الخراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو نہیں سنا۔
(فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۹۷)

امام ابو علی غسانی لکھتے ہیں:
یعنی ابو مسعود دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت ہے (انہوں نے ابن جریج عن عطاء کی سند سے مروی صحیح بخاری میں دونوں روایتوں کا یہاں ذکر کیا ہے کتاب الطلاق اور کتاب التفسیر والی، جب کہ کتاب التفسیر کی مذکورہ روایت کو پہلے ذکر فرمایا ہے اس لیے فرمایا کہ وہ جو اس سے پہلی ہے) ابن جریج عن عطاء خراسانی کی تفسیر سے، اور بے شک جو اس نے اس کے بیٹے سے کتاب لی تھی اس میں دیکھا ہے، یعنی ابن جریج نے ابن عطاء خراسانی سے وہ لی تھی۔ (التنبیہ علی الاوہام الواقعۃ فی الصحیح للبخاری ص ۱۸۹، مطبعۃ النجاح)
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ''مقدمہ فتح الباری'' میں لکھتے ہیں:
اور یہ حدیث، ابو مسعود دمشقی نے کہا کہ: ''یہ حدیث ابن جریج کی تفسیر میں عطاء الخرسانی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ثابت ہے اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں سنا، اور ابن جریج نے عطاء سے نہیں سنا، اور جو اس نے اس کے بیٹے سے کتاب لی تھی اس میں دیکھا ہے۔ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۵۳۲)
امام عبدالرزاق بھی ابن جریج کے طریق سے اس روایت کو عطاء الخراسانی سے ہی بیان کر رہے ہیں:
نا عبد الرزاق عن ابن جريج، عن عطاء الخراسانی، عن ابن عباس مثله۔
(تفسیر عبدالرزاق ج ۳ ص ۳۵۰ (۳۳۴۲) تفسیر سورۃ النوح)
پس جب ابن جریج کی اپنی کتاب میں بھی وضاحت ہے اور ان سے روایت کرنے والے امام عبدالرزاق بھی واضح بیان کر رہے ہیں کہ یہاں عطاء خراسانی ہے، تو زیادہ قرین قیاس یہی بات ہے کہ بعد میں روایت کرنے والا ثقہ راوی اگر بغیر نسبت کے اس روایت کو اسی سند سے ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد عطاء خراسانی ہی ہوگا نہ کہ عطاء بن ابی رباح۔
حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما'' اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ منقطع ہے کیونکہ عطاء مذکور خراسانی ہے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں ملا، پس اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں ابن جریج سے بیان

کیا۔انہوں نے کہا: مجھے عطاء خراسانی نے خبر دی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اور ابو مسعود نے کہا: یہ حدیث ابن جریج کی تفسیر میں عطاء خراسانی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ثابت ہے اور ابن جریج نے عطاء خراسانی سے تفسیر نہیں سنی، اور جو اس نے اس کے بیٹے عثمان بن عطاء سے لیا تھا اس میں دیکھا ہوگا، اور امام صالح بن احمد بن حنبل نے ''العلل'' میں امام علی بن مدینی سے ذکر کیا، انہوں نے کہا: میں نے امام یحییٰ القطان سے سوال کیا، ابن جریج عن عطاء الخراسانی کی حدیث کے بارے میں، تو انہوں نے کہا: ضعیف ہے۔ میں نے کہا: بے شک وہ کہے: ہمیں خبر دی (اخبرنا)۔فرمایا: کوئی چیز نہیں، کیونکہ وہ کتاب اسے دی گئی ہے انتہی۔اور ابن جریج ملنے اور لکھنے میں اخبرنا کے اطلاق کو جائز قرار دیتے تھے۔اور امام اسماعیلی نے کہا ہے کہ مجھے امام علی بن مدینی سے خبر دی گئی کیونکہ انہوں نے اس کو ابن جریج کی تفسیر سے کلاماً ذکر کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ''عن عطاء الخراسانی عن ابن عباس رضی اللہ عنهما'' پس کاتب کے لیے یہ بات طول کا باعث تھی کہ ہر جگہ خراسانی ذکر کرتے اس لیے انہوں نے خراسانی کو چھوڑ دیا، پس اس کو جس نے بھی روایت کیا ہے اس نے اس سے مراد عطاء بن ابی رباح لیا انتہی۔اور اس میں اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جس کو صالح بن احمد نے علی بن مدینی سے ذکر کیا ہے اور اس پر ابو علی جیانی نے ''تقیید المهمل'' میں متنبہ کیا ہے۔ابن مدینی نے کہا: میں نے ہشام بن یوسف سے سنا، وہ یہ کہتے تھے کہ ابن جریج نے مجھ سے کہا: میں نے عطاء سے سورۂ بقرہ اور آل عمران کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا، پھر انہوں نے کہا: مجھے اس سے معاف رکھو، انہوں نے کہا کہ ہشام نے کہا: پس یہ اس کے بعد تھا جب انہوں نے کہا کہ عطاء نے کہا: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما یعنی عطاء الخراسانی نے کہا۔ہشام نے کہا: پس ہم نے لکھا، پھر ہم اکتا گئے یعنی خراسانی لکھنے سے۔ابن مدینی نے کہا کہ میں نے یہ اس لیے بیان کیا کہ محمد بن ثور ایسے کیا کرتے تھے یعنی ابن جریج سے اپنی بیان کردہ روایت میں عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، پس وہ یہ گمان کرتے تھے کہ اس سے مراد عطاء بن ابی رباح ہے، اور تحقیق فاکہی نے بھی اس مذکورہ حدیث کو ''محمد بن ثور عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہما'' کے طریق سے بیان کیا ہے اور خراسانی نہیں کہا۔

اور عبد الرزاق نے بھی اس کو بیان کیا، پس کہا الخراسانی ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہاں تک بیان کردہ عبارت میں یہ عیاں ہے کہ یہاں عطاء خراسانی ہی ہے اور ایسے ہی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تہذیب التہذیب'' میں عطاء خراسانی کے ترجمہ میں ہی اس روایت کو ذکر کیا ہے اور زیادہ شواہد اسی پر دلالت کرتے ہیں۔(تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۹۰، فی ترجمۃ)

اولاً: ابن مدینی کا بیان کرنا کہ کاتب نے اکتاہٹ کے باعث عطاء کے ساتھ خراسانی لکھنا ترک کر دیا، طوالت کے خوف سے، تو بعد والوں نے غلط فہمی سے اس کو ابن ابی رباح سمجھ لیا۔

پس ان کا اس کو ابن ابی رباح سمجھنا وہم ہے، الہٰذا یہ بات بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ امام بخاری پر اس کا خراسانی ہونا مخفی رہا، انہوں نے اس کو ابن ابی رباح خیال کر کے اس کو اپنی صحیح میں داخل کر دیا، انسان سے خطاء ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کی طرف سے ایک کمزور توجیہ لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں:

امام بخاری پر یہ کیسے مخفی ہو سکتا ہے کہ وہ عطاء خراسانی کو عطاء بن ابی رباح سمجھ لیں، اگر ایسا ہوتا تو ان کی سند میں ایسی روایات بہ کثرت ہوتیں جب کہ اس سند کے ساتھ روایت صرف دو جگہ ہے، ایک اس باب میں اور دوسری کتاب النکاح میں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کی شرط کے مطابق ہے۔(فتح الباری ج ۶ ص ۸۶۔۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی لکھتے ہیں:

اور عطاء نے کہا: (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) لیکن عطا نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں کیا اور ابن جریج نے عطاء خراسانی سے تفسیر کا سماع نہیں کیا کیونکہ وہ کتاب اس نے اس کے بیٹے عثمان سے لی تھی، اس میں دیکھا ہوگا، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان نہیں کیا کیونکہ یہ روایت عطاء بن ابی رباح سے ہے، کیونکہ خراسانی ان کی شرط کے مطابق نہیں اور اگر سوال کرنے والا یہ کہے کہ جو مذکور عطاء ہے وہ خراسانی نہیں، اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ حدیث ابن جریج کے پاس خراسانی اور ابن ابی رباح سے اکٹھی ہے، مقدمہ میں کہا: اور یہ جواب تسلی بخش نہیں ہے اور میرے نزدیک (یعنی امام قسطلانی کے نزدیک) صحیح جواب کی بجائے مخفی مقامات میں سے ہے، لہٰذا کجی سے صواب کی طرف جانا ضروری ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۱۷۴)

اس سلسلہ میں ہم اس سے پہلے امام بخاری کی طرف سے حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ توجیہ کا علامہ عینی کے حوالہ سے رد کر چکے ہیں۔

شیخ وحید الزمان جو غیر مقلدین کے مسلم اکابر سے ہیں وہ لکھتے ہیں:

عطاء خراسانی تو ضعیف ہے، دوسرے ابن جریج نے اس سے نہیں سنا بلکہ عطا کے فرزند عثمان سے اس نے عطاء کی کتاب لی تھی، اس میں دیکھا ہوگا، شاید امام بخاری نے اس کو عطاء بن ابی رباح سمجھا، یہ ان سے غلطی ہوئی اور کیسا ہی بڑا عالم ہو کبھی نہ کبھی اس سے غلطی ہو جاتی ہے، تیراک ہی پانی میں ڈوبتا ہے اور چابک سوار ہی گھوڑے سے گرتا ہے، بعضوں نے کہا: شاید ابن جریج نے یہ حدیث عطاء خراسانی اور عطاء بن رباح (تیسیر میں یوں ہی ہے) دونوں سے روایت کی ہے۔ واللہ اعلم (تیسیر الباری ج ۶ ص ۲۵۷، حاشیہ نمبر ۳)

حافظ ابن حجر کے استاذ حافظ ابن الملقن متوفی ۸۰۴ ھ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ اس حدیث کی سند میں عطاء کو عطاء بن ابی رباح گمان کرنا غلط ہے وہ دراصل عطاء خراسانی ہے اور ابن جریج کی اس سے تمام روایات ضعیف ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۴۵۸-۴۵۷)

عطاء خراسانی کے ضعف کے متعلق محدثین کی تصریحات

امام ابوداؤد فرماتے ہیں: عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس کو نہیں پایا اور نہ ان کو دیکھا۔

(المراسیل لابی داؤد ص ۴۰۸، کتاب الوصایا)

امام بیہقی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۷۰)

امام ابن حبان لکھتے ہیں: عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس سے کوئی چیز نہیں سنی۔ (کتاب المجروحین ج ۲ ص ۲۵۰)

شیخ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں: عطاء خراسانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کوئی چیز نہیں سنی اور نہ حضرت انس کے علاوہ کسی اور صحابی سے کوئی حدیث سنی۔ (المحلی بالآثار ج ۸ ص ۲۳۲)

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہو گیا کہ عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کچھ نہیں سنا، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ روایت منقطع ہے، نیز امام ابو مسعود کے قول کے مطابق ابن جریج نے عطاء خراسانی سے اس روایت کو نہیں سنا بلکہ اس کے بیٹے عثمان سے اس روایت کو لیا اور اس کو دیکھا ہے، لہٰذا یہ روایت منقطع اور ضعیف ہے اور امام بخاری پر یہ مخفی رہا اور انہوں نے اس روایت میں عطاء خراسانی کو عطاء بن ابی رباح سمجھتے ہوئے اپنی صحیح میں اس کی روایت کر دی۔

حدیث مذکور کے متن پر اعتراض

مذکورہ بالا بحث تو اس روایت کی سند کے حوالے سے تھی، اگر ہم اس روایت کو عقلی طور پر دیکھتے ہیں تو بھی یہ بات محال نظر آتی ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض محال ہم تسلیم کر لیں کہ یہ پانچوں بت حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے نیک لوگوں کے تھے جن کی ان کی قوم

عبادت کرتی تھی تو عرض یہ ہے کہ قوم نوح علیہ السلام پر جو عذاب الٰہی نازل ہوا تھا یعنی طوفان نوح تو اس کے ساتھ سوائے ان لوگوں اور اشیاء وغیرہ کے جن کو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں بٹھایا یا رکھا تھا سب کچھ نیست و نابود ہو گیا تھا، پھر یہ پانچوں بت کیسے عربوں تک پہنچ گئے؟

امام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہ پانچ بت سب سے بڑے بت تھے، پھر یہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے اہل عرب کی طرف منتقل ہوئے، پس ود بنو کلب کا ہو گیا اور سواع ہمدان کا ہو گیا، یغوث مذحج کا ہو گیا، یعوق مراد کا ہو گیا اور نسر حمیر کا ہو گیا، اسی وجہ سے اہل عرب کو عبد ود اور عبد یغوث کہا جاتا تھا، تاریخی کتب میں اسی طرح مذکور ہے اور اس پر یہ اشکال ہے کہ طوفان کے زمانہ میں تمام دنیا ملیا میٹ ہو چکی تھی تو یہ بت کیسے باقی بچ گئے اور عرب کی طرف منتقل ہوئے اور یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان بتوں کو اپنے ساتھ کشتی میں لے آئے تھے، پھر انہوں نے ان بتوں کو حفاظت کے ساتھ رکھا یہاں تک کہ یہ امانت عربوں کے پاس پہنچ گئی، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام بتوں کے محافظ نہیں تھے بت شکن تھے۔ (تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٦٥٧، دار احیاء التراث العربی، بیروت ١٤١٥ ھ)

پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ عرب میں جن بتوں کی پرستش ہوتی تھی، یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالحین کی صورتوں کے مجسمے ہیں اور یہ وہی بت ہیں جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پرستش کرتی تھی۔

حضرت محقق مولانا عبد المجید (برٹل) کے تحقیقی مقالہ کی تلخیص ختم ہوئی، ان کا اصل مقالہ بہت فکر انگیز اور کافی ضخیم ہے جو قارئین ان کے اصل مقالہ سے استفادہ کرنا چاہیں تو وہ ''پانچ بت'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

امام بخاری کی سند مذکور پر شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا اعتراض

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ:

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مغالطہ ہوا ہے اور انہوں نے سند میں مذکور عطاء کو عطاء بن ابی رباح سمجھ کر اس سے روایت لی جب کہ یہ عطاء خراسانی ہیں عطاء بن ابی رباح نہیں ہیں۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ ابن جریج نے یہ روایت عطاء خراسانی سے براہ راست روایت نہیں کی ہے بلکہ ابن جریج نے اس کتاب سے روایت لی ہے جو عطاء خراسانی کی تھی اور ان کے بیٹے عثمان کے پاس تھی۔

عطاء خراسانی کی روایت چونکہ بخاری کی شرط پر نہیں اترتی اس لیے امام بخاری کو اسے یہاں ذکر نہیں کرنا چاہیے لیکن امام کو اس کا احساس ہی نہیں ہو سکا۔

اس کے بعد اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

وراق ہر جگہ عطاء کے ساتھ خراسانی لکھنے سے اکتا گیا اور صرف عطاء لکھنے لگا جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ عطاء سے عطاء بن ابی رباح مراد ہیں، چنانچہ محمد بن ثور کو بھی یہ مغالطہ لگا ہے اور انہوں نے عطاء بن ابی رباح ہی مراد لیا ہے جب کہ یہ عطاء خراسانی ہیں۔

بہر حال محدثین کے نزدیک اتنی بات متعین ہے کہ مذکورہ عبارت میں عطاء سے عطاء خراسانی مراد ہیں، ان کی روایت ذکر کر کے بظاہر امام بخاری کو بھی غلط فہمی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔ (کشف الباری کتاب التفسیر ص ٧٠٠۔ ٦٩٩، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

صحیح بخاری کی مذکورہ روایت کی بناء پر غیر مقلدین کا اہل سنت پر بے بنیاد الزام

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی لکھتے ہیں:

بت پرستی کی ابتداء جملہ بت پرستوں کی اقوام میں اس طرح شروع ہوئی کہ انہوں نے اپنے نیک لوگوں کے ناموں پر بت بنا لیے، پہلے عبادت میں ان کو سامنے رکھنے لگے، شیطان نے یہ فریب اس طرح چلایا کہ ان بتوں کے دیکھنے سے بزرگوں کی یاد تازہ رہے گی اور عبادت میں دل لگنے لگا، تمام بت پرستوں کا آج تک یہی حال ہے۔ (الی ان قال)

کتنے نام نہاد مسلمانوں نے مزار اولیاء کے فوٹو لے کر ان کو گھروں میں رکھا ہوا ہے اور صبح و شام ان کو معطر کر کے ان پر پھول چڑھاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں یہ جملہ حرکات بت سازی اور بت پرستی ہی کی شکلیں ہیں اللہ پاک مسلمانوں کو نیک سمجھ عطا کرے کہ وہ ایسی حرکتوں سے باز رہیں ورنہ میدان محشر میں سخت ترین رسوائی کے لیے تیار رہیں۔

(صحیح بخاری مع ترجمہ وتشریح ج ۶ ص ۴۶۲، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور)

شیخ داؤد راز نے صحیح بخاری کی جس روایت کی بناء پر اہل سنت پر یہ طعن اور تشنیع کی ہے اس روای کی سند ضعیف ہے اور متن بھی درست نہیں، علاوہ ازیں اہل سنت مزارات اولیاء کی اس طرح تعظیم نہیں کرتے جس طرح شیخ داؤد راز نے لکھا ہے، وہ صرف مزارات پر جا کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے وسیلہ سے ہماری نیک حاجات کو پورا فرمائے اور ان بزرگوں کے درجات کو بلند فرمائے اور اس میں کوئی چیز خلاف شرع نہیں ہے بلکہ شریعت کے عین مطابق ہے اور شریعت کا مطلوب ہے اور بعض جہلاء، جو مزارات کو سجدہ کرتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی نذر مانتے ہیں علماء اہل سنت اس سے ہمیشہ منع کرتے ہیں۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۂ نوح کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور جو اس کی تفسیر میں حدیث روایت کی ہے اس پر بھی مفصل بحث آگئی اور اب ان شاء اللہ سورۃ الجن کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیق ذکر کی ہے اور حدیث روایت کی ہے اس کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۲۔ تَفۡسِيۡرُ سُوۡرَةِ الۡجِنِّ

سورۃ الجن کی تفسیر

سورۃ الجن (قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الجن کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس کا نام سورۃ قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس سورت میں اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۸)

قَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ لِبَدًا أَعۡوَانًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لِبَدًا کا معنی ہے: مدد کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ يَدۡعُوۡهُ كَادُوۡا يَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِ لِبَدًا ؕ (الجن: ۱۹) اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جتھا بن کر اس پر پل پڑتے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے یعنی وہ سب اکٹھے ہو کر بھیڑ کی صورت میں آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور رش کی وجہ سے گرنے کے قریب ہوتے کیونکہ وہ قرآن مجید کو سننے پر حریص تھے اور حسن بصری اور قتادہ اور ابن زید سے مروی ہے کہ جب اللہ کا بندہ ان کو تبلیغ کرنے کے لیے کھڑا ہوتا تو انسان اور جن جمع ہو کر ان کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کے لیے کھڑے ہوتے تاکہ وہ اس حق کو باطل کریں جس کو وہ لے کر آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں، پس اللہ تعالیٰ نے اس نور کو پورا کرنے کے سوا ہر چیز کا انکار کیا اور اس بندہ کی مدد کی۔

علامہ نسفی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: لِبَدًا کا اصل معنی ہے: گروہ اور جماعتیں جو ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہوں۔ اس لفظ کو لُبَدًا بھی پڑھا گیا ہے اور یہ لُبُوۡد کی جمع ہے اور لُبَّدًا بھی پڑھا گیا ہے جو لَابِدٌ کی جمع ہے جیسے رَاکِعٌ کی جمع رُکَّعٌ ہے۔

امام بخاری نے لِبَدًا کی تفسیر اَعۡوَان کی ہے اور یہ عَوۡن کی جمع ہے جس کا معنی ہے: کسی کام پر مدد کرنے والے۔

بَخۡسًا نَقۡصًا۔ بخسا اس کا معنی ہے: نقص۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخۡسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ (الجن: ۱۳) اور بے شک ہم نے جیسے ہی ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، سو جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا وہ نہ کسی خیر میں کمی پائے گا نہ کسی شر میں اضافہ O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے البخس کی تفسیر النقص کی ہے اور الرھق کا معنی کلام عرب میں گناہ ہے اور حرام کاموں کو

ڈھانپ لینا اور یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ص ۷۹۔۷۸ ۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۲۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ فَقَالُوا مَا لَكُمْ فَقَالُوا حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ قَالَ مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا مَا حَدَثَ فَاضْرِبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَانْظُرُوا مَا هَذَا الْأَمْرُ الَّذِي حَدَثَ فَانْطَلَقُوا فَضَرَبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا يَنْظُرُونَ مَا هَذَا الْأَمْرُ الَّذِي حَالَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ قَالَ فَانْطَلَقَ الَّذِينَ تَوَجَّهُوا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ بِنَخْلَةَ وَهُوَ عَامِدٌ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ تَسَمَّعُوا لَهُ فَقَالُوا هَذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ فَهُنَالِكَ رَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ فَقَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا وَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى نَبِيِّهِ ﷺ ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ﴾ (الجن: ۱) وَإِنَّمَا أُوحِيَ إِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت شیاطین کے درمیان اور آسمان کی خبر (کی چوری) کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی اور ان پر آگ کے گولے بھیجے جاتے تھے، پس جب وہ جنات واپس آئے (تو ان کی قوم نے) ان سے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ تو انہوں نے کہا کہ آسمان کی خبروں اور ہمارے درمیان کوئی رکاوٹ حائل ہوگئی ہے اور ہم پر آگ کے گولے بھیجے جاتے ہیں (تو ان کی قوم نے) کہا کہ تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی نئی چیز حائل ہوئی ہے تو تم زمین کے مشارق اور مغارب میں جاؤ اور تفتیش کرو کہ کون سی نئی چیز تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے، پس وہ روانہ ہوئے اور انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا اور وہ یہ تفتیش کر رہے تھے کہ وہ کون سی چیز ہے جو ان کے اور آسمان کی خبروں (کی چوری) کے درمیان حائل ہوئی ہے، راوی نے بیان کیا کہ جو لوگ اس تفتیش کے لیے گئے تھے وہ وادی تہامہ کی طرف جا نکلے جہاں رسول اللہ ﷺ عکاظ کے بازار کی طرف جاتے ہوئے ایک کھجور کے درخت کے پاس اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، پس جب جنات نے قرآن مجید کو سنا تو انہوں نے کہا: یہی وہ چیز ہے جو تمہارے درمیان اور آسمان کی خبروں (کی چوری) کے درمیان حائل ہوئی ہے، پھر وہ اپنی قوم کی طرف واپس آئے، پس کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو نیکی کے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے، پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں کریں گے اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ (الجن: ۱) آپ

کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا۔اور آپ کی طرف صرف جنات کے قول کی وحی کی گئی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۷۳ میں گزر چکی ہے۔

جنات کے قرآن مجید سننے کا واقعہ کب ہوا اور عکاظ اور تہامہ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے: یہ واقعہ بعثت نبوی کے دس (۱۰) سال بعد ذوالقعدہ میں ہوا تھا۔

عکاظ: یہ مکہ کی ایک جانب عربوں کا بازار ہے، وہ زمانہ جاہلیت میں اس بازار میں کئی کئی دن قیام کرتے تھے۔

تہامہ: یہ حجاز کے شہروں سے نجد کی اترائی کی طرف ایک وادی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جنات کے سامنے قرآن پڑھنے اور نہ پڑھنے کے متعلق دو حدیثوں کا تعارض اور اس کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے سامنے نہ قرآن مجید پڑھا اور نہ ان کو دیکھا، اور حضرت ابن مسعود کی روایت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جنات کی طرف سے ایک دعوت دینے والا آیا تو میں اس کے ساتھ گیا اور میں نے اس کے سامنے قرآن پڑھا، سو ان دو حدیثوں میں تعارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں، پہلے آپ نے ان کے سامنے قرآن نہیں پڑھا تھا جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے اور پھر بعد میں آپ نے ان کے سامنے قرآن پڑھا جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔(فتح الباری ج ۶ ص ۸۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد سے جنات کے سماع کی نفی کی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو اس سماع کے شاہد ہیں۔

بعثت نبوی سے پہلے اور بعثت نبوی کے بعد شیاطین پر آگ کے گولے پھینکنے کی کیفیت اور مختلف احادیث میں تطبیق

اس وقت شیاطین کے درمیان اور آسمان کی خبر (کی چوری) کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی تھی:

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند انصار کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت ایک آگ کا گولہ پھینکا گیا تو آسمان روشن ہوگیا تو آپ نے انصار سے پوچھا جب زمانہ جاہلیت میں یہ آگ کا گولا پھینکا جاتا تھا تو تم اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعثت نبوی سے پہلے بھی آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے اور امام عبدالرزاق نے معمر سے روایت کی ہے کہ زہری سے سوال کیا گیا کہ کیا زمانہ جاہلیت میں بھی آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے تو انہوں نے کہا: ہاں لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا تو آگ کے گولے پھینکنے میں زیادہ شدت ہوگئی۔

اور اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ کے گولے پھینکنے کی ابتداء بعثت نبوی کے بعد ہوئی ہے۔علامہ قرطبی نے کہا:

ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے بھی آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے تاکہ شیطان فرشتوں کی باتیں نہ سن سکے لیکن کبھی پھینکے جاتے تھے اور کبھی نہیں پھینکے جاتے تھے اور کسی ایک جانب سے پھینکے جاتے تھے اور ہر جانب سے نہیں پھینکے جاتے تھے اور بعد میں ان پر ہر جانب سے آگ کے گولے پھینکے جانے لگے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (الصافات: ۱۰۔۶)

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمادیاO اور (اس کو) ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیاO وہ عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے کان نہیں لگا سکتے اور ان پر ہر جانب سے ضرب لگائی جاتی ہےO ان (کو بھگانے) کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہےO مگر جو شیطان کوئی بات اچک لے تو فوراً چمکتا ہوا انگارہ اس کا پیچھا کرتا ہےO

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: پھر میں نے وہب بن منبہ کی عبارت دیکھی جس سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے اور مختلف احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ پہلے ابلیس تمام آسمانوں کی طرف چڑھ جاتا تھا اور ان میں جس طرح چاہتا تھا گھومتا رہتا تھا، اس کو منع نہیں کیا جاتا ہے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا، پھر اس کو چار آسمانوں سے روک دیا گیا، پھر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو ان کو باقی تین آسمانوں سے بھی روک دیا گیا، پھر ابلیس اور اس کا لشکر چوری سے آسمانوں کی خبروں کو سنتا تھا اور اس پر آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طبری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو زمانہ فترت تھا اس زمانہ میں آسمانوں کی حفاظت نہیں کی جاتی تھی، پھر جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آسمانوں کی بہت سخت حفاظت کی گئی اور شیاطین پر آگ کے گولے برسائے گئے اور سدی کی روایت ہے کہ پہلے آسمانوں کی حفاظت نہیں کی جاتی تھی اور شیاطین مختلف مورچوں میں گھات لگا کر بیٹھتے تھے تاکہ مستقبل کے متعلق فرشتوں کی باتیں سنیں، پھر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو ان پر آگ کے گولے برسائے گئے۔ (فتح الباری ج۶ ص۸۹، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الجن کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور حدیث روایت کی تھی ان کی شرح مکمل ہوئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المزمل کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۳۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الۡمُزَّمِّلِ

سورۃ المزمل کی تفسیر

سورۃ المزمل کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المزمل کی بعض آیات کی تفسیر ہے، مقاتل نے کہا کہ یہ سورت مکی ہے سوا اس ایک آیت کے: وَاٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (المزمل:۲۰) اور اس سورت میں بیس (۲۰) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَتَبَتَّلْ أَخْلِصْ۔ اور مجاہد نے کہا: تَبَتَّلْ کا معنی ہے: أَخْلِصْ یعنی اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کے ہو جاؤ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ۝ (المزمل:۸) اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تَبَتَّلْ کی تفسیر أَخْلِصْ کی ہے اور ابن جریج سے روایت ہے کہ آپ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور دعا کریں اور قتادہ نے کہا: آپ اخلاص کے ساتھ تبلیغ کریں اور عبادت کریں اور امام ابن ابی حاتم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی روایت کی ہے اور عطاء سے منقول ہے کہ آپ سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائیں اور یہی معنی اصل کے مطابق ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ أَنْكَالًا قُيُودًا۔ اور حسن بصری نے کہا: انکالا کا معنی ہے: بیڑیاں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّ جَحِیۡمًا ۝ (المزمل:۱۲) بے شک ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: انکالا کا لفظ نکل کی جمع ہے۔

مُنْفَطِرٌ بِهِ مُثْقَلَةٌ بِهِ۔ منفطر بہ اس کا معنی ہے: وہ اس کے خوف کے سبب سے بھاری ہو جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَا ۝ السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِہٖ ؕ کَانَ وَعۡدُہٗ مَفۡعُوۡلًا ۝ (المزمل:۱۸۔۱۷) اگر تم نے اس کا انکار کیا تو تم اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا ○ آسمان اس کی شدت سے پھٹ جائے گا اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے منفطر بہ کی تفسیر کی ہے: مُثْقَلَةٌ اور منفطر کا صیغہ واحد مذکر ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ مُثْقَلَةٌ تو واحد مونث ہے تو وہ منفطر کی کیسے تفسیر ہوگی جب کہ وہ مذکر کا صیغہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ السماء کا لفظ سقف یعنی چھت کی تاویل میں ہے اور وہ مذکر ہے، اس لیے یہ تفسیر صحیح ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَثِيبًا مَهِيلًا الرَّمْلُ السَّائِلُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کَثِيبًا مَهِيلًا کا معنی ہے: بہنے والی ریت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ۝ (المزمل: ۱۴) جس دن زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کا بکھرا ہوا ٹیلا بن جائیں گے O

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، اور حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اس کی عبارت اس طرح ہے: مھیل کا معنی یہ ہے کہ جب اس میں سے کوئی چیز نکالو تو اس کی باقی چیزیں بھی نکل آئیں اور کثیب کا معنی ہے: ریت۔ الفراء نے کہا ہے: کثیب کا معنی ریت ہے اور کثیب وہ چیز ہے کہ جب اس کا نچلا حصہ متحرک ہو تو تمہارے اوپر اس کا اوپر والا حصہ بھی گر جائے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۲)

وَبِيلًا شَدِيدًا۔ وَبِيلًا کا معنی ہے: شدید۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيلًا ۝ (المزمل: ۱۶) پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سخت گرفت سے پکڑ لیاO

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وبیلا کی تفسیر شدیدا کی ہے، اسی طرح امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ وبیلا کا معنی ہے: شدید اور سخت دشوار اور اسی سے وبال کا لفظ بنا ہے۔

[ایک تعلیق کے سوا باقی تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۰ سے اخذ کی گئی ہے]

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

تنبیہ: امام بخاری نے سورۃ المزمل کی تفسیر میں کوئی حدیث مرفوع روایت نہیں کی اور امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قیام اللیل یعنی تہجد کے متعلق ایک روایت کی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس تہجد کی نماز پہلے فرض تھی، پھر وہ نفل ہوگئی اور یہ بھی ممکن ہے کہ درج ذیل آیت:

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ (المزمل: ۲۰) اور تم اپنی بھلائی کے لیے جو آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور زیادہ ثواب میں پاؤ گے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول داخل کر دیا جائے: تم میں سے کوئی ایک اس کی طرف میلان کرتا ہے جو اس نے آگے بھیجا ہے اور اس کا وارث اس کی طرف میلان کرتا ہے جو اس نے پیچھے چھوڑا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المزمل کی تفسیر میں جو احادیث ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المدثر کی تفسیر میں انہوں نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۴۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الۡمُدَّثِّرِ

سورۃ المدثر کی تفسیر

سورۃ المدثر کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المدثر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں چھپن (۵۶) آیات ہیں۔

علامہ ثعلبی نے کہا ہے: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ (المدثر:۱) اے چادر لپیٹنے والے! اور جمہور نے کہا ہے: اے کپڑا لپیٹنے والے!۔

قَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ عَسِیۡرٌ شَدِیۡدٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عسیر کا معنی ہے: شدید یعنی سخت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ (المدثر:۹) تو وہ بہت مشکل والا دن ہوگا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عسیر کی تفسیر شدید کی ہے، امام ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کو سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۱، فتح الباری ج ۶ ص ۹۲)

قَسۡوَرَۃٌ رِکۡزُ النَّاسِ وَأَصۡوَاتُھُمۡ وَکُلُّ شَدِیۡدٍ قَسۡوَرَۃٌ۔ قسورۃٌ اس کا معنی ہے: لوگوں کی آہٹیں اور آوازیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ گویا وہ بدکے ہوئے وحشی گدھے ہیں ○ جو شیر سے بھاگ رہے ہیں ○ (المدثر:۵۰۔۵۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: قسورۃ کا معنی ہے: لوگوں کی آواز، اور ابو سفیان نے کہا: یعنی لوگوں کا احساس اور ان کی آوازیں۔

وَقَالَ أَبُوۡ هُرَيۡرَةَ الۡقَسۡوَرَةُ قَسۡوَرٌ الۡأَسَدُ الرِّكۡزُ الصَّوۡتُ۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا معنی ہے: شیر اور ہر سخت چیز اور قسورٌ کا معنی ہے الرکز یعنی آواز۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ حبشی زبان کا لفظ ہے، اور امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ عربی میں القسورۃ کا معنی شیر ہے اور اس کو فارسی میں شیر اور عربی میں قسورۃ کہتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۳)

مُسۡتَنۡفِرَةٌ نَافِرَةٌ مَذۡعُوۡرَةٌ۔ مُسۡتَنۡفِرَۃٌ اس کا معنی ہے: وحشت زدہ اور ڈری ہوئی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ مستنفرۃ کے دو معنی ہیں: وحشت زدہ اور ڈری ہوئی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۹۳)

۱۔ بَابٌ

۴۹۲۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ سَأَلْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَوَّلِ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُلْتُ يَقُولُونَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ فَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنهما عَنْ ذٰلِكَ وَقُلْتُ لَهُ مِثْلَ الَّذِي قُلْتَ فَقَالَ جَابِرٌ لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِي هَبَطْتُ فَنُودِيتُ فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا وَنَظَرْتُ عَنْ شِمَالِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا وَنَظَرْتُ أَمَامِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا وَنَظَرْتُ خَلْفِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ شَيْئًا فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ دَثِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا قَالَ فَدَثَّرُونِي وَصَبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا قَالَ فَنَزَلَتْ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ (المدثر: ۱۔۳)

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از علی بن المبارک از یحییٰ بن ابی کثیر، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے پوچھا: سب سے پہلے قرآن مجید کی کون سی آیت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں: (سب سے پہلے) اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (نازل ہوئی ہے) تو ابوسلمہ نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق سوال کیا تھا اور ان سے اسی طرح کہا تھا جس طرح تم نے کہا ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم کو صرف وہی حدیث بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمائی ہے، آپ نے فرمایا: میں نے حراء پہاڑ میں اعتکاف کیا، جب میرا اعتکاف پورا ہو گیا تو میں پہاڑ سے نیچے اترا، پس مجھے آواز دی گئی تو میں نے اپنی دائیں طرف دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی اور میں نے بائیں طرف دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی اور میں نے اپنے آگے دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی اور میں نے اپنے پیچھے دیکھا تو میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی، پس میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو میں نے کچھ دیکھا، پس میں خدیجہ کے پاس آیا، پھر میں نے کہا: مجھ پر کپڑا ڈالو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی انڈیلو تو انہوں نے مجھ پر کپڑا ڈالا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی انڈیلا، پھر یہ آیات نازل ہوئیں: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (المدثر: ۳۔۱) اے چادر لپیٹنے والے ۝ اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے ۝ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے ۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت میں تعارض اور اس کا جواب اور جاورت اور جواری کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جاورت بحراء: یعنی میں نے حراء پہاڑ پر اعتکاف کیا، حراء وہ پہاڑ ہے جو شخص مکہ سے منیٰ کی طرف جا رہا ہو تو یہ پہاڑ اس کی بائیں جانب ہوتا ہے۔

جواری: اس کا معنی ہے: میرا اعتکاف۔

تو میں نے کوئی چیز دیکھی: ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ میں نے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا اور اس وقت انہوں نے فرمایا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ (العلق: ۱) (اپنے رب کے نام سے پڑھیے) تو میں اس سے خوف زدہ ہو گیا، پھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے

پاس آیا، پس میں نے کہا: مجھے کپڑے سے ڈھانپ دو، تب یہ آیت نازل ہوئی: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ (المدثر:۱) (اے چادر لپیٹنے والے!) اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی ہے وہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ہے، اور اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ سب سے پہلے یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ نازل ہوئی ہے، یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے اور یہ صحیح بخاری کی اس حدیث کے معارض نہیں ہے جس میں تصریح ہے کہ سب سے پہلے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ نازل ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری:۳) دوسرا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت سے مراد اولیت حقیقی نہیں ہے بلکہ اولیت اضافی ہے یعنی دوسری آیات سے پہلے نازل ہوئی نہ کہ سب سے پہلے نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح نہیں کی۔

۲۔ بَابٌ: قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ (المدثر:۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے ○ (المدثر:۲) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم!) آپ اپنے بستر سے اٹھیے اور پورے عزم اور کوشش کے ساتھ اپنی قوم کو اور دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایئے کیونکہ اس آیت میں مطلقاً ڈرانے کا ذکر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۲)

۴۹۲۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَغَيْرُهُ قَالَا حَدَّثَنَا حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ مِثْلَ حَدِيثِ عُثْمَانَ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمٰن بن مہدی وغیرہ نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں حرب بن شداد نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابی سلمہ از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے حراء پہاڑ میں اعتکاف کیا، یہ حدیث اس حدیث کی مثل ہے جو عثمان بن عمر از علی بن المبارک سے مروی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری نے حضرت جابر کی حدیث سابق کی دوسری سند بیان کی ہے۔

۳۔ بَابٌ: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (المدثر:۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنے رب کی بڑائی کیجئے ○ (المدثر:۳) کی تفسیر

نبی ﷺ کی تکبیر پڑھنے کا معنی

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی اپنے رب کی تعظیم کیجئے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے پر برقرار رہیے اور یہ تکبیر نماز میں بھی ہوتی ہے اور غیر نماز میں بھی اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ نے اللہ اکبر کہا، پس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی اللہ اکبر کہا اور خوش ہوئیں اور انہوں نے جان لیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پر عمل کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۳۔ ۳۸۲)

۴۹۲۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا حَرْبٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ سَأَلْتُ أَبَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے حدیث بیان کی،

سَلَمَةَ أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ أَوَّلُ فَقَالَ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُلْتُ أُنْبِئْتُ أَنَّهُ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ فَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ أَوَّلُ فَقَالَ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ فَقُلْتُ أُنْبِئْتُ أَنَّهُ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ فَقَالَ لَا أُخْبِرُكَ إِلَّا بِمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم جَاوَرْتُ فِي حِرَاءٍ فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِي هَبَطْتُ فَاسْتَبْطَنْتُ الْوَادِيَ فَنُودِيتُ فَنَظَرْتُ أَمَامِي وَخَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ دَثِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا وَأُنْزِلَ عَلَيَّ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ (المدثر: ۱۔۳)

انہوں نے کہا ہمیں حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابوسلمہ سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی کون سی آیت نازل ہوئی تو انہوں نے بتایا: یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ میں نے کہا مجھے خبر دی گئی ہے کہ سب سے پہلے یہ آیت نازل کی گئی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (العلق: ۱) (اے رسول مکرم! اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے ۝) تو ابوسلمہ نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تھا کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی کون سی آیت نازل ہوئی تو انہوں نے کہا: یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ میں نے کہا مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں صرف وہی خبر دیتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے حراء پہاڑ میں اعتکاف کیا، پس جب میرا اعتکاف پورا ہو گیا تو میں پہاڑ سے نیچے اترا اور وادی کے نشیب میں گیا تو مجھے ندا کی گئی، پس میں نے اپنے آگے اور پیچھے اور دائیں طرف اور بائیں طرف دیکھا تو اس وقت وہ (فرشتہ) آسمان اور زمین کے درمیان ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا، پس میں خدیجہ کے پاس آیا، پس میں نے کہا: مجھے چادر اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو اور اس وقت مجھ پر یہ آیت نازل کی گئی: یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ ۝ (المدثر: ۱۔۳) اے چادر لپیٹنے والے ۝ اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے ۝ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے ۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق، اور سورۃ المدثر کا سورۃ المزمل سے پہلے نازل ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جابر کی حدیث میں سب سے پہلی آیت سے مراد اولیت مطلقہ نہیں ہے بلکہ اولیت مخصوصہ ہے یعنی نزول وحی کے موقوف ہونے کے بعد جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حضرت جابر نے اپنے اجتہاد سے یہ استخراج کیا کہ یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ سب سے پہلے نازل ہوئی

ہے اور یہ ان کی روایت نہیں ہے اور صحیح وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ نازل ہوئی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت جابر کی حدیث میں اولیت سے مراد ہے: جو کسی سبب سے اول نازل ہوئی اور وہ سبب ہے: آپ کا چادر لپیٹنا یا اوڑھنا اور جمہور نے جو کہا ہے کہ سب سے پہلے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ نازل ہوئی اس سے مراد ہے: جو آیت بغیر کسی سبب کے سب سے پہلے نازل ہوئی۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کے متعلق ایک اور قول ہے جو عطاء الخراسانی سے منقول ہے کہ سورۃ المزمل سورۃ المدثر سے پہلے نازل ہوئی اور عطاء ضعیف ہے اور اس کی روایت ضعیف ہے کیونکہ کسی معین صحابی سے عطاء کی ملاقات منقول نہیں ہے اور احادیث صحیحہ کا ظاہر یہ ہے کہ سورۃ المزمل بعد میں نازل ہوئی ہے کیونکہ سورۃ المزمل میں قیام لیل اور تہجد کی نماز کا ذکر ہے اور یہ ابتداء نزول وحی سے مؤخر ہے، اس کے برخلاف سورۃ المدثر میں اس طرح نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حراء پہاڑ میں اعتکاف کیا تھا اور اعتکاف پورا کرنے کے بعد آپ پہاڑ سے اترے جب کہ حضرت عائشہ سے جو ابتداء وحی کی حدیث مروی ہے اس میں یہ مذکور نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ آپ ہر سال رمضان کے مہینہ میں اعتکاف کرتے تھے اور آپ کا یہ اعتکاف اس مدت میں ہوا تھا جس مدت میں وحی کا آنا رک گیا تھا اور تب حضرت جبریل آپ کے پاس نزول وحی کے موقوف ہونے کے بعد آئے تھے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٩٤، دار المعرفہ بیروت، ١٤٢٦ھ)

٤۔ بَابٌ: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ (المدثر: ٤)
اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اپنا لباس پاک رکھیے ○ (المدثر: ٣) کی تفسیر

لباس پاک رکھنے کے متعلق متعدد تفاسیر اور مصنف کا مختار

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

علامہ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اپنے لباس کو گناہ اور عہد شکنی کے ساتھ آلودہ نہ کریں اور جب کوئی شخص اپنا عہد پورا کرے اور سچ بولے تو عرب اس کے متعلق کہتے ہیں: اس کا لباس طاہر ہے، اور جب وہ گناہ کرے اور عہد شکنی کرے تو وہ کہتے ہیں کہ اس کا لباس گندہ ہے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اپنے لباس کو تکبر، ظلم اور گناہ سے آلودہ نہ کریں اور اس حال میں لباس پہنیں کہ آپ گناہوں سے پاک ہوں اور ابن سیرین اور ابن زید سے منقول ہے کہ اپنے کپڑوں کو صاف کریں اور ان کو پانی سے دھوئیں اور نجاست سے پاک کریں کیونکہ مشرکین اپنے کپڑوں کو پاک اور صاف نہیں کرتے تھے اور طاؤس سے منقول ہے: اپنے کپڑوں کو دھوئیں کیونکہ کپڑوں کو دھونا بھی پاکیزگی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٣٨٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

میں کہتا ہوں کہ ان اکابر کا کلام اپنی جگہ ہے لیکن میرے نزدیک اس آیت کا معنی ہے: اپنا لباس پاک رکھیے یعنی جس طرح وہ لباس پہلے پاک تھا اس کو اسی حالت پر پاک رکھیے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اپنا لباس پاک کیجئے تو اس سے یہ وہم ہوگا کہ آپ کا لباس ناپاک ہے، سو اس کو پاک کریں۔

٤٩٢٥۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث

عُقَيْلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ ح و حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَجَئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَدَثَّرُونِي فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ إِلَى وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ قَبْلَ أَنْ تُفْرَضَ الصَّلَاةُ وَهِيَ الْأَوْثَانُ۔

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب (ح) اور مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، جب آپ وحی کے رک جانے کے متعلق بیان فرما رہے تھے تو آپ نے اپنی حدیث میں فرمایا: پس جس وقت میں چل رہا تھا تو میں نے آسمان سے آواز سنی، پس میں نے اپنا سر اٹھایا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، پس میں اس سے مرعوب ہو گیا اور میں گھر لوٹ آیا اور میں نے کہا: مجھ پر چادر ڈالو مجھ پر چادر ڈالو تو گھر والوں نے مجھ پر چادر ڈالی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝---- وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (المدثر: ۱۔۵) اے چادر لپیٹنے والے!...... اور بتوں کو چھوڑے رہیے ۝ یہ نماز کے فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے اور رجز کا معنی ہے: الاوثان یعنی بت۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کی مزید تفاسیر اور حافظ ابن حجر کا تسامح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: نماز فرض ہونے سے پہلے: اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو فرضیت نماز سے پہلے بھی لباس پاک رکھنے کا حکم تھا۔

امام ابن المنذر نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ اپنے اخلاق کو حسین بنائیں، امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آپ پاک کپڑوں میں نماز پڑھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابن المنذر نے اس آیت کے سبب نزول میں اپنی سند سے یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ پر اونٹنی کی اوجھڑی یا وہ جھلی ڈال دی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۹۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: امام ابن المنذر کا یہ سبب نزول بیان کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آیت سورۃ المدثر کی ہے جو کہ ابتداء میں اور فرضیت نماز سے پہلے کی آیت ہے اور کفار نے جو آپ کی پشت پر اوجھڑی یا اونٹنی کے بچے کی جھلی ڈال تھی یہ بہت بعد کا واقعہ ہے جب آپ صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، سو حافظ ابن حجر کو اس سبب نزول کو نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے۔

۵۔ بَابٌ: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (المدثر: ۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور بتوں کو چھوڑے رہیے ۝ (المدثر: ۵) کی تفسیر

يُقَالُ الرِّجْزُ وَالرِّجْسُ الْعَذَابُ۔

رُجز کا معنی بیان کیا جاتا ہے: نجاست اور عذاب۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: یہ امام ابوعبیدہ کا قول ہے اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ رُجز کا معنی بت ہے اور یہ تفسیر اس آیت کے معنی کی ہے یعنی عذاب کے اسباب کو چھوڑے رکھیے جو بت ہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۹۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ آپ گناہوں کو چھوڑے رکھیے اور مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری اور ابن زید سے منقول ہے کہ آپ بتوں کو چھوڑے رکھیے اور ان کے قریب نہ جائیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج: ۳۰) سو تم بتوں کی نجاست سے اجتناب کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بت نجس ہیں، نیز اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ ان کاموں کو چھوڑے رکھیں جو عذاب کا سبب ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اپنے دل سے دنیا کی محبت ساقط کر دیں کیونکہ وہ ہر گناہ کی اصل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۲۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي قِبَلَ السَّمَاءِ فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ قَاعِدٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَجَئِثْتُ مِنْهُ حَتَّى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ فَجِئْتُ أَهْلِي فَقُلْتُ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَزَمَّلُونِي فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ إِلَى قَوْلِهِ فَاهْجُرْ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ وَالرِّجْزَ الْأَوْثَانَ ثُمَّ حَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم کو لیث نے حدیث بیان کی از عقیل، ابن شہاب نے کہا: میں نے ابوسلمہ سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے حضرت جابر بن عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ وحی رک جانے کی حدیث بیان کر رہے تھے، (آپ نے فرمایا) کہ جس وقت میں جا رہا تھا تو اچانک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، پس میں نے آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو اس پر وہی فرشتہ تھا جو میرے پاس حراء میں آیا تھا، وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا، میں اس سے مرعوب ہو گیا حتیٰ کہ میں نے زمین پر اترنے کا ارادہ کیا، پس میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا، پس میں نے کہا: مجھے چادر اوڑھاؤ مجھے چادر اوڑھاؤ تو انہوں نے مجھے چادر اوڑھائی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ ..... وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (المدثر: ۱۔۵) اے چادر لپیٹنے والے ..... بتوں کو چھوڑے رہیے۔ ابوسلمہ نے کہا: رجز کا معنی ہے: اوثان، پھر وحی گرم ہو گئی اور لگاتار آنے لگی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المدثر کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ القیامہ کی تفسیر شروع کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٧٥- تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْقِيَامَةِ

سورۃ القیامہ کی تفسیر

سورۃ القیامہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ القیامہ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، سورۃ القیامہ مکی ہے اور اس میں چالیس (۴۰) آیات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ص ۳۸۵)

١- بَابٌ: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ (القیامہ:١٦)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں O (القیامہ:١٦) کی تفسیر

القیامہ:١٦ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے یا مطلق انسان سے؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

متقدمین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت میں نزول وحی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے لیکن امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ قفال نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ آیت انسان کے متعلق نازل ہوئی ہو جس کا اس سے پہلے درج ذیل آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے:

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۝ (القیامہ:١٣) اس دن انسان کو اس کے اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی O

قفال نے کہا کہ انسان پر اس کا اعمال نامہ پیش کیا جائے گا، پس اس سے کہا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ پڑھو، پس جب وہ اس کو پڑھنا شروع کرے گا تو اس پر خوف طاری ہو جائے گا، سو وہ جلدی جلدی پڑھنا شروع کرے گا تو اس سے کہا جائے گا: تم اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دو، تمہارے اعمال کو جمع کرنا اور ان کو تم سے پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے، پس جب ہم تم کو پڑھائیں تو پھر تم اقرار کر کے ہمارے پڑھانے کی اتباع کرو کہ تم نے یہ کام کیے ہیں، پھر یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم انسان کے معاملہ کو اور اس کی سزا سے متعلق امور کو بیان کریں، قفال نے کہا: یہ عمدہ توجیہ ہے اور عقل کے نزدیک کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو اس توجیہ کو رد کرے اگرچہ اس کی تائید میں احادیث اور آثار وارد نہیں ہیں، قفال کی اس تفسیر کا باعث یہ ہے کہ اس آیت اور اس سے پہلی آیات کے درمیان جو احوال قیامت بیان کیے گئے ہیں ان میں مناسبت کو بیان کرنا مشکل ہے حتیٰ کہ بعض رافضیوں نے یہ گمان کیا ہے کہ اس سورت سے کچھ آیات ساقط ہو گئی ہیں اور یہ ان کے دوسرے باطل دعووں میں سے ایک ہے۔

ائمہ تفسیر نے اس آیت اور اس سے پہلی آیتوں کے درمیان یہ مناسبت بیان کی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب قیامت کا ذکر

فرمایا کہ جو شخص نیک اعمال میں کمی کرتا ہے وہ دنیا سے محبت کرتا ہے اور دین کا تقاضا یہ ہے کہ نیک کام کرنے میں سبقت کی جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کی کہ اس مطلوب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ وحی الٰہی کو توجہ سے سنا جائے اور اللہ تعالیٰ اس وحی سے جو ارادہ کرتا ہے اس کو توجہ سے سمجھا جائے اور اللہ تعالیٰ کی وحی کو یاد کرنے کے درپے ہوا جائے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اس وحی کو یاد کرنے میں جلدی نہ کی جائے کیونکہ اس کو یاد کرانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اور انسان کو چاہیے کہ وہ اس پر غور کرے کہ اس کا رب اس سے کیا چاہتا ہے، پھر اس وحی کے حکم کی اتباع کرے، پھر جب یہ جملہ معترضہ ختم ہو گیا تو پھر کلام اس سابق کلام کے ساتھ مل گیا جس میں انسان کے ذکر سے ابتداء کی گئی ہے، پس فرمایا: کَلَّا (ہرگز نہیں) یہ ڈانٹنے اور جھڑکنے کا کلمہ ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ اے بنی آدم! چونکہ تم کو عجلت سے پیدا کیا گیا ہے تو تم ہر چیز میں عجلت کرتے ہو۔ اسی وجہ سے تم العاجلہ یعنی دنیا سے محبت کرتے ہو امام فخر الدین رازی نے یہاں اور بھی متعدد مناسبات ذکر کی ہیں اور آخری مناسبت یہ ذکر کی ہے کہ اس سورت کے شروع میں نفس کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ آیت درج ذیل ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ (القیامہ:۲) اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں ۝

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نفس مصطفیٰ کی طرف عدول فرمایا گویا کہ فرمایا یہ تمام نفوس کی شان ہے اور اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کا نفس تمام نفوس سے اشرف اور افضل ہے اس لیے آپ کا حال تمام احوال سے زیادہ کامل ہونا چاہیے، اس لیے فرمایا: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ (القیامہ:۱۷)، (فتح الباری ج ۷ ص ۹۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

القیامہ:۱۶ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خطاب کی توجیہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ۝ (القیامہ:۱۶) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرآن مجید کو بہت اہمیت کے ساتھ پڑھتے تھے کہ کہیں آپ اس کو بھول نہ جائیں اس لیے اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی قرآن مجید کو یاد کرانا ہمارے ذمہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

- وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سُدًى هَمَلًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سُدًی کا معنی ہے: آزاد، بے قید اور مہمل۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ کیا انسان نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کو یونہی (آزاد) چھوڑ دیا جائے گا ۝ (القیامہ:۳۶)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: سُدًی کا معنی ہے: مہمل یعنی کیا انسان نے یہ گمان کیا ہے کہ اس کو نہ کسی کام سے منع کیا جائے گا اور نہ کسی کام کا حکم دیا جائے گا اور اس کو یونہی آزاد اور مہمل چھوڑ دیا جائے گا، عرب کہتے ہیں: اسدیت حاجتی یعنی تم نے میری ضرورت کو مہمل چھوڑ دیا گویا اس کو پورا کیے بغیر چھوڑ دیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۷)

وَقَالَ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ سَوْفَ أَتُوبُ سَوْفَ أَعْمَلُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لِيَفْجُرَ اَمَامَهُ (یعنی وہ مسلسل گناہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے:) میں عنقریب توبہ کروں گا،

عنقریب نیک کام کروں گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۝ (القیامہ:۶ ۳) بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی (یعنی آئندہ بھی) برے کام کرتا رہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: حاصل معنی یہ ہے کہ انسان یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ دائماً گناہ کرتا رہے گا اور مستقبل میں بھی گناہوں پر قائم رہے گا اور وہ یہ کہتا ہے کہ میں عنقریب توبہ کروں گا اور میں عنقریب نیک عمل کروں گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۵)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے یعنی انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ مستقبل میں بھی برے کام کرتا رہے اور برے کاموں کو بالکل ترک نہ کرے، سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ وہ شخص مسلسل گناہ کرتا ہے اور کہتا رہتا ہے کہ میں عنقریب توبہ کرلوں گا حتیٰ کہ وہ برے کاموں میں مشغول ہوتا ہے اور اسی حال میں اس پر موت آجاتی ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۹۲۷ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

لَا وَزَرَ لَا حِصْنَ۔ لَا وَزَرَ کا معنی ہے: کوئی قلعہ یعنی محفوظ جگہ نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۝ (القیامہ:۱۱۔۱۲) ہرگز نہیں! اس دن کہیں پناہ نہ ہوگی ۝ اس دن آپ کے رب کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہوگی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الوزر کی تفسیر الحصن یعنی قلعہ کے ساتھ کی ہے اور امام ابوعبیدہ نے کہا: اس کی تفسیر ہے: اَلْمَلْجَا یعنی پناہ کی جگہ۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کے لیے نہ کوئی قلعہ ہوگا اور نہ کوئی پناہ کی جگہ ہوگی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں کہا: اس کے لیے قلعہ نہیں ہوگا، اور حسن بصری نے اس کی تفسیر میں کہا: گویا کہ کوئی مرد اپنے مویشیوں میں ہو اور اچانک گھوڑ سواروں کی جماعت اس پر حملہ کرنے کے لیے آجائے تو وہ کہتا ہے: اَلْوَزَرَ، اَلْوَزَرَ یعنی پہاڑ کی طرف جاکر پناہ حاصل کرو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۷۔۹۶)

۴۹۲۷۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ وَكَانَ ثِقَةً عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ حَرَّكَ بِهِ لِسَانَهُ وَوَصَفَ سُفْيَانُ يُرِيدُ أَنْ يَحْفَظَهُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝﴾ (القیامہ:۱۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن ابی عائشہ نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ ہیں از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ اپنی زبان کو حرکت دیتے۔ سفیان نے اس کی یہ صفت بیان کی کہ آپ اس آیت کو یاد کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ (القیامہ:۱۶) آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵ میں گزر چکی ہے۔

٢۔ بَابٌ: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامہ:١٧)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے ۝ (القیامہ:١٧) کی تفسیر

علامہ عینی نے لکھا ہے: القرآن مصدر ہے جیسے رجحان اور نقصان مصدر ہیں۔

۴٩٢٨۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ أَنَّهُ سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَقِيلَ لَهُ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ يَخْشَى أَنْ يَنْفَلِتَ مِنْهُ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ أَنْ نَجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ أَنْ تَقْرَأَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ يَقُولُ أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ أَنْ نُبَيِّنَهُ عَلَى لِسَانِكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از موسیٰ بن ابی عائشہ، انہوں نے سعید بن جبیر سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق سوال کیا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ (القیامہ:١٦) آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ۝ تو انہوں نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب آپ پر کوئی آیت نازل کی جاتی تو آپ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تھے تو آپ سے کہا گیا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ آپ اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں آپ بھول جائیں گے (اور یہ آیت نازل فرمائی:) اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامہ:١٧) بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھنا ہمارا ذمہ ہے ۝ یعنی اس کو آپ کے سینہ میں جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارا ذمہ ہے۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ (القیامہ:١٨) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب آپ پر قرآن نازل کیا جائے فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامہ:١٨) (سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (القیامہ:١٩) یعنی ہم اس کو آپ کی زبان پر بیان کریں گے (اس کا معنی بیان کریں گے)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:٥ میں گزر چکی ہے۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے لکھا ہے: اس کے بعد والی حدیث اس سے زیادہ مکمل ہے، سو اس حدیث کی شرح وہیں کی جائے گی۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٩٧، عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٣٨٦)

٣۔ بَابٌ: فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ (القیامہ:١٨)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں ۝ (القیامہ:١٨) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی آپ قرآن مجید کے احکام پر عمل کریں۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٣٨٦)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرانہ کا معنی ہے: جو ہم نے بیان کیا فاتبع کا معنی ہے: آپ اس پر عمل کریں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی نے لکھا ہے: اس تفسیر کی علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جس کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۹۷، عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۷)

۴۹۲۹ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا نَزَلَ جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَهُ وَشَفَتَيْهِ فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَكَانَ يُعْرَفُ مِنْهُ فَأَنْزَلَ اللهُ الْآيَةَ الَّتِي فِي لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ قَالَ عَلَيْنَا أَنْ نَجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ فَإِذَا أَنْزَلْنَاهُ فَاسْتَمِعْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ عَلَيْنَا أَنْ نُبَيِّنَهُ بِلِسَانِكَ قَالَ فَكَانَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ أَطْرَقَ فَإِذَا ذَهَبَ قَرَأَهُ كَمَا وَعَدَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن ابی عائشہ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ (القیامہ:۱۶) کی تفسیر میں فرمایا کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آئے اور آپ (اسے یاد کرنے کے لیے) اپنی زبان اور اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تو یہ (عمل) آپ پر سخت گزرتا اور اس کی سختی آپ سے پہچانی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل کی جو لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (القیامہ:۱) (میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں) میں ہے: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَ قُرْاٰنَهُ ۝ (القیامہ: ۱۶۔۱۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کریں اور آپ کو پڑھائیں۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهُ ۝ یعنی جب ہم قرآن کو نازل کریں تو آپ اس کو غور سے سنیں ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝ (القیامہ:۱۹) یعنی آپ کی زبان سے اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: پھر جب حضرت جبریل آپ کے پاس آتے تو آپ اپنا سر جھکا لیتے، پھر جب حضرت جبریل چلے جاتے تو آپ قرآن مجید کی اس آیت کو اسی طرح پڑھتے جس طرح اللہ عزوجل نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵ میں گزر چکی ہے۔
میں کہتا ہوں: اس حدیث میں سورۃ القیامت کی ۱۶ تا ۱۹ آیات ذکر کی گئی ہیں، ان کا مربوط ترجمہ حسب ذیل ہے:
آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں O بے شک اس (قرآن کو آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں O پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان O

نزول وحی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شدت اور سختی کی کیفیت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: جب حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آئے اور آپ (اسے یاد کرنے کے لیے) اپنی زبان اور اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تو یہ (عمل) آپ پر سخت گزرتا اور اس کی سختی آپ سے پہچانی جاتی تھی، یہ جملے اس کو بیان کرنے کی تمہید ہیں کہ نزول وحی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت شدت اور سختی ہوتی تھی حتیٰ کے سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے نمودار ہو جاتے تھے جیسا کہ ابتداء وحی کی حدیث میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کی حدیث میں اس کا بیان گزر چکا ہے اور یہ شدت اور سختی اللہ تعالیٰ کے کلام کے ثقل کی وجہ سے ہوتی تھی۔

آپ وحی کو یاد کرتے وقت زبان اور ہونٹ دونوں کو ہلاتے تھے، پھر قرآن مجید میں صرف زبان کا ذکر کیوں کیا گیا ہے

آپ اپنی زبان اور ہونٹوں کو ہلاتے تھے: ابوعوانہ اور اسرائیل نے صرف ہونٹوں کا ذکر کیا ہے اور سفیان نے صرف زبان کا ذکر کیا ہے اور دونوں کا ہلانا مراد ہے کیونکہ ان دونوں کا ہلانا ایک دوسرے کو لازم ہے یا اس سے مراد منہ کا ہلانا ہے جو زبان اور ہونٹوں پر مشتمل ہے لیکن چونکہ بات کرنے میں اصل زبان ہے اس لیے (القیامہ:١٦) میں صرف زبان کا ذکر کیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلدی جلدی ہونٹ ہلانے کے دو سبب اور حضرت ابن عباس نے تو آپ کو ہونٹ ہلاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، پھر انہوں نے کیسے اس کا ذکر کیا

اسرائیل کی روایت میں ہے: کیا آپ اس لیے جلدی جلدی زبان ہلاتے تھے تاکہ آپ آیت کو یاد کرلیں اور وہ آپ کو بھول نہ جائے، اور طبری نے شعبی سے روایت کی ہے کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ اس کو جلدی جلدی دہراتے کیونکہ آپ کو وحی سے محبت تھی، اس محبت کی وجہ سے آپ عجلت سے دہراتے تھے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ آپ کے جلدی جلدی دہرانے کے دو سبب ہوں، ایک یہ سبب تھا کہ وہ آیت آپ کو بھول نہ جائے اور دوسرا سبب یہ تھا کہ آپ کو وحی سے محبت تھی۔

ابوعوانہ کی روایت میں مذکور ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اس طرح ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونٹوں کو ہلاتے تھے اور سعید بن جبیر نے کہا: میں اس طرح ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جس طرح میں نے حضرت ابن عباس کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا ہے، سعید بن جبیر نے یہ قید لگائی ہے کہ جس طرح میں نے حضرت ابن عباس کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا کیونکہ حضرت ابن عباس نے اس حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کیونکہ یہ واقعہ بعثت نبوی کی ابتداء کا ہے اور حضرت ابن عباس اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں حضرت ابن عباس کو بتادیا ہو کہ میں اس طرح جلدی جلدی ہونٹ ہلاتا تھا اور امام ابوداؤد الطیالسی نے ابوعوانہ کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سعید بن جبیر سے فرمایا: میں تمہیں اس طرح ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا۔ صحیح بخاری کی روایت میں مذکور ہے: میں ان دونوں کو اس طرح ہلاتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو ہلاتے تھے (صحیح البخاری:٥) اور صحیح بخاری میں اس سے پہلے ہونٹوں کا ذکر نہیں ہے، اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہ راویوں کے تصرف کی وجہ سے ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی دلیل اور اس پر امام رازی کا اعتراض

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ: یعنی آپ کے جلدی جلدی ہونٹ ہلانے کے سبب سے تاکہ آپ کو وہ آیت یاد ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے ایسا کرتے تھے اور اس حدیث میں ان کی دلیل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے قائل ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے آپ کو جلدی جلدی ہونٹ ہلانے اور آیت دہرانے کی اجازت دی ہو اور بعد میں اس سے منع فرما دیا ہو تا کہ آپ کو مشقت نہ ہو، لہٰذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ اپنے اجتہاد سے آیت کو دہراتے تھے۔

القیامہ: ۱۸ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو تاویلیں

جب ہم قرآن نازل کریں تو آپ غور سے سنیں، اس کے بعد حدیث میں ہے: جب حضرت جبرئیل آپ کے پاس آتے تو آپ اپنا سر جھکا لیتے یعنی خاموش ہو جاتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی دو تاویلیں کی ہیں، ایک یہ ہے کہ جب آپ پر قرآن نازل کیا جائے تو آپ غور سے سنیں یعنی اس کے حلال پر عمل کریں اور اس کے حرام سے اجتناب کریں اور دوسری تاویل یہ کی ہے کہ جب آپ پر قرآن نازل کیا جائے تو آپ خاموش رہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ غور سے سننا خاموش رہنے کی بہ نسبت خاص ہے کیونکہ غور سے سننے کا مطلب ہے: کان لگانا اور خاموش رہنے کا مطلب ہے: بات نہ کرنا اور ان میں سے ایک دوسرے کو مستلزم نہیں ہے، اسی لیے قرآن مجید میں ہے:

فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا۔ (الاعراف: ۲۰۴) (اور جب قرآن پڑھا جائے) تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو۔

خطاب کے وقت سے خطاب کے بعض الفاظ کے بیان کی تاخیر کا جائز ہونا اور اس پر بحث و تمحیص

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (القیامہ: ۱۹) یعنی پھر آپ کی زبان سے اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے ۝

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حدیث کے اس جملہ سے جمہور اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ خطاب کے وقت سے بیان کو مؤخر کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ اور ثُمَّ کا لفظ تاخیر کا تقاضا کرتا ہے، امام شافعی نے اس کی تصریح کی ہے، سب سے پہلے اس آیت سے قاضی ابوبکر بن الطیب اور ان کے متبعین نے استدلال کیا تھا اور یہ دلیل اسی وقت قائم ہوگی جب بیان سے مراد قرآن مجید کے الفاظ کے معانی کو بیان کرنا ہو ورنہ اگر اس سے یہ مراد ہو کہ آپ کو قرآن مجید یاد رہے گا اور آپ کی زبان سے اس کا اظہار ہوگا تو پھر یہ دلیل نہیں بن سکے گی کیونکہ بیان کا معنی اظہار بھی آتا ہے، ستارہ جب ظاہر ہو تو کہا جاتا ہے بان الکوکب اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس آیت سے مراد تمام قرآن ہے یعنی تمام قرآن کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے اور مجمل الفاظ تمام قرآن نہیں ہیں بلکہ قرآن مجید کے بعض الفاظ ہیں اور اس آیت میں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے کہ یہاں قرآن سے مراد صرف بعض مخصوص الفاظ ہیں جو مجمل ہیں۔

ابوالحسن البصری نے کہا ہے کہ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ سے مراد بیان تفصیلی ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیان اجمالی کو مؤخر کرنا جائز ہے، لہٰذا اس مطلوب پر استدلال مکمل نہیں ہوگا اور اس پر یہ تعاقب کیا گیا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اظہار اور تفصیل دونوں معنوں کا ارادہ کیا جائے یعنی قرآن مجید کا آپ کی زبان سے اظہار کرنا ہمارے ذمہ ہے اور قرآن مجید کے مجمل الفاظ کی تفصیل کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے کیونکہ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ میں بیان کا لفظ مضاف ہے اور جنس ہے، پس یہ بیان کی تمام اصناف اور اقسام کو شامل ہے یعنی قرآن مجید کو آپ کی زبان سے ظاہر کرنا اور قرآن مجید کے احکام کو بیان کرنا اور جو امور اس کے متعلق ہیں مثلاً کسی لفظ عام کی تخصیص کرنا اور کسی لفظ مطلق کو مقید کرنا اور کسی آیت یا اس کے حکم کو منسوخ قرار دینا، یہ سب امور قرآن

مجید کے بیان میں شامل ہیں،اس حدیث کے اکثر مباحث ہم اس سے پہلے بدء الوحی کی حدیث کی شرح میں بیان کر چکے ہیں اور بعض نکات نئے بیان کیے ہیں۔(فتح الباری ج ۶ ص ۹۹۔ ۹۸،دار المعرفہ،بیروت،۱۴۲۶ھ)

أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ تَوَعُّدٌ اولی لك فاولی اس کا معنی ہے:عذاب کی وعید۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ۝ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ۝ تیرے لیے (مرتے وقت) خرابی ہو پھر تیرے لیے (قبر میں) خرابی ہو O پھر تیرے لیے (حشر میں) خرابی ہو،پھر تیرے لیے (دوزخ میں) خرابی ہو O (القیامہ:۳۵۔۳۴)

علامہ عینی لکھتے ہیں:اس آیت میں ابوجہل کی دھمکی پر وعید فرمائی گئی ہے اور یہ لفظ تہدید اور وعید کے لیے وضع کیا گیا ہے،دوسرا قول یہ ہے کہ اَوْلٰی وَیْلیٰ کا الٹ ہے جو کہ ویل سے ماخوذ ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابوجہل سے فرماتا ہے:جس دن سخت گرمی ہوگی اس دن تیرے لیے عذاب ہو اور جس دن تو مرے گا اس دن تیرے لیے عذاب ہو اور جس دن تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اس دن تیرے لیے عذاب ہو اور جس دن تو دوزخ میں داخل کیا جائے گا اس دن تیرے لیے عذاب ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۸۷)

میں کہتا ہوں:ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے پہلی آیات (۳۱۔۳۳) کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

نہ اس نے تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی O لیکن اس نے تکذیب کی اور روگردانی کی O پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیا O (القیامہ:۳۳۔۳۱) یہ آیات ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں،اس کے بعد ابوجہل کو وعید دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(ترجمہ)

تیرے لیے (مرتے وقت) خرابی ہو،پھر تیرے لیے (قبر میں) خرابی ہو O پھر تیرے لیے (حشر میں) خرابی ہو،پھر تیرے لیے (دوزخ میں) خرابی ہو O (انوار تبیان القرآن ص ۹۲۸،فرید بک اسٹال،لاہور،۱۴۳۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ القیامۃ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الانسان (الدہر) کی تفسیر میں امام نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٧٦۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْاِنْسَانِ (دَهْر)

سورۃ الانسان (دہر) کی تفسیر

سورۃ الانسان (الدہر) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الانسان (الدہر) کی بعض آیات کی تفسیر ہے، قتادہ، سدی اور سفیان نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور الکلبی سے منقول ہے کہ اس کی چند آیات مدنی ہیں اور باقی مکی ہیں، وہ چند آیات یہ ہیں: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ (الدہر:۹،۸) یہ آیت قَمْطَرِيْرًا۝ تک ہے اور حسن بصری سے منقول ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس میں ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا۝ (الدہر:۲۴)

دوسرا قول یہ ہے: اس کے متعلق حسن بصری اور کلبی کا قول صحیح نہیں ہے اور احادیث میں وارد ہے کہ یہ سورت مدینہ میں حضرت علی، حضرت فاطمہ اور ان کے صاحبزادوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ رضی اللہ عنہم۔ ابن النقیب نے ذکر کیا ہے: یہ پوری سورت مدنی ہے یہ جمہور کا قول ہے، علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ سورت سورۃ الرحمٰن کے بعد اور سورۃ الطلاق سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس میں اکتیس (۳۱) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

يُقَالُ مَعْنَاهُ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ وَهَلْ تَكُوْنُ جَحْدًا وَتَكُوْنُ خَبَرًا وَهٰذَا مِنَ الْخَبَرِ يَقُوْلُ كَانَ شَيْئًا فَلَمْ يَكُنْ مَذْكُوْرًا وَذٰلِكَ مِنْ حِيْنِ خَلَقَهُ مِنْ طِيْنٍ إِلٰى أَنْ يُنْفَخَ فِيْهِ الرُّوْحُ۔

کہا جاتا ہے کہ انسان پر ایک دور آیا، اور ھل کا لفظ (کبھی) نفی کے معنی میں ہوتا ہے اور (کبھی) خبر ہوتا ہے (یعنی) قد کے معنی میں ہوتا ہے اور اس آیت میں ھل خبر کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انسان پہلے کوئی چیز تھا لیکن قابل ذکر چیز نہ تھا اور یہ اس وقت تھا جب اس کو مٹی سے پیدا کیا یہاں تک کہ اس میں روح پھونک دی گئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۝ (الدہر:۱)

یقیناً انسان پر زمانہ میں ایسا وقت آ چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا: کہا جاتا ہے: اس قول کا قائل الفراء ہے، اس نے کہا کہ لفظ ھل کبھی استفہام کے لیے ہوتا ہے اور بعد کا جملہ اس کا صلہ ہوتا ہے اور لفظ ھل نفی کے لیے ہوتا ہے اور کبھی لفظ ھل تحقیق کے لیے ہوتا اور قد کے معنی میں ہوتا ہے، اور اس آیت میں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اس آیت میں فرمایا: یقیناً انسان پر زمانہ میں ایسا وقت آ چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

یہ وقت چالیس (۴۰) سال کا عرصہ تھا جب اس کا پتلا اس میں روح پھونکے جانے سے پہلے مکہ اور طائف کے درمیان پڑا ہوا تھا، نیز فرمایا: اس وقت کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، یعنی اس وقت اس کا کوئی ذکر کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس کو پہچانا جاتا تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ اس کا نام کیا ہے اور نہ یہ معلوم تھا کہ اس سے کس چیز کا ارادہ کیا گیا ہے۔

أَمْشَاجٍ الْأَخْلَاطُ مَاءُ الْمَرْأَةِ وَمَاءُ الرَّجُلِ الدَّمُ وَالْعَلَقَةُ وَيُقَالُ إِذَا خُلِطَ مَشِيجٌ كَقَوْلِكَ خَلِيطٌ وَمَمْشُوجٌ مِثْلُ مَخْلُوطٍ۔

امشاج اس کا معنی ہے: ملی ہوئی چیزیں یعنی عورت کی منی اور مرد کی منی جو ملی ہوئی تھی اور خون اور جما ہوا خون جب کوئی چیز دوسری چیز سے ملا دی جائے تو اس کو مشیج کہتے ہیں جیسے تم کہو خلیط اور اس کو مَمْشُوج بھی کہتے ہیں جیسے مخلوط ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ۔ (الدہر: ۲) بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے امشاج کی تفسیر کی ہے: مخلوط یعنی عورت کی منی اور مرد کی منی سے ملا جلا، امشاج کا لفظ مشج کی جمع ہے، علامہ ثعلبی نے کہا ہے: یہ لفظ جمع ہے اور معنی میں واحد ہے کیونکہ یہ لفظ نطفہ کی صفت ہے اور کبھی واحد کی صفت جمع کے صیغہ سے بھی لائی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ثوب اخلاق یعنی پھٹے پرانے کپڑے۔ امام بخاری نے کہا: عورت کا پانی اور مرد کا پانی، یہ اخلاط کی تفسیر ہے یعنی یہ دونوں پانی رحم میں مخلوط ہو جاتے ہیں اور ان دونوں سے بچہ پیدا ہوتا ہے، مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد اور پتلا ہوتا ہے اور ان میں سے جو پانی بھی غالب ہو جائے بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری اور عکرمہ اور مجاہد اور ربیع سے مروی ہے، پھر امام بخاری نے کہا: اور خون اور جما ہوا خون، اصل عبارت اس طرح ہے کہ پھر وہ نطفہ خون بن جاتا ہے، پھر جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر گوشت بن جاتا ہے، پھر ہڈی بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس میں کئی اور تخلیق فرماتا ہے، اور امام بخاری نے کہا: جب کوئی چیز دوسری چیز سے مل جائے تو اس کو مشیج کہتے ہیں اور یہ فعیل کا وزن مفعول کے معنی میں ہے یعنی مشیج کا لفظ ممشوج کے معنی میں ہے اور خلیط کا لفظ مخلوط کے معنی میں ہے۔

سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا۔ سلا سلا و اغلالا اس کا معنی ہے: زنجیریں اور طوق۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ (الدہر: ۴) بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: السلاسل، السلسلہ کی جمع ہے یعنی زنجیریں اور ہر زنجیر ستر (۷۰) ہاتھ کی ہوگی اور اغلال، غل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: طوق پس زنجیریں کافروں کے گلوں میں ہوں گی اور طوق ان کے ہاتھوں میں ہوگا اور سعیر ایسی آگ ہے جو کبھی نہیں بجھے گی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ سلاسل سے مراد بیڑیاں ہیں۔

میں کہتا ہوں: لغت کی کتابوں میں اور عرف میں طوق کے متعلق مذکور ہے کہ وہ گلے میں ہوتا ہے۔

وَلَمْ يُجْرِ بَعْضُهُمْ اور بعض نے اس کو مجری نہیں کیا یعنی سلاسل کو منصرف نہیں پڑھا اور اس پر تنوین داخل نہیں کی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: سَلَاسِلَ جمع منتہی الجموع ہے اور وہ غیر منصرف ہوتا ہے اور قاعدہ کے مطابق اس پر تنوین نہیں آتی، لہٰذا اس

کو سَلَاسِلَ پڑھنا چاہیے لیکن اس کے بعد جو لفظ اغلالا ہے اس پر تنوین ہے تو اس کی مناسبت سے سلاسل پر بھی تنوین آ گئی اور اس کو سلاسلاً پڑھا گیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں: بعض نے اس کو غیر منصرف ہی رکھا ہے اور اس پر تنوین داخل نہیں کی، امام بخاری کی یہ عبارت قدیم اصطلاح پر مبنی ہے، قدیم اصطلاح میں منصرف کو مجری اور غیر منصرف کو غیر مجری کہا جاتا ہے، اس لیے امام بخاری نے کہا لَمْ يُجِزْ بَعْضُهُمْ یعنی بعض نے اس کو منصرف نہیں کیا غیر منصرف ہی رکھا ہے اور اس پر تنوین داخل نہیں کی۔

مُسْتَطِيرًا مُمْتَدًّا الْبَلَاءُ۔ مُسْتَطِيرًا اس کا معنی ہے: جو مصیبت پھیلی ہوئی ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ (الدہر: ٧) اور نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مُسْتَطِيرًا کی تفسیر کی ہے: جو مصیبت پھیلی ہوئی ہو، اسی طرح اس کی الفراء نے تفسیر کی ہے، دوسرا قول ہے: جب کوئی چیز شدید ہو تو کہا جاتا ہے: اِسْتَطَارَ۔

وَالْقَمْطَرِيرُ الشَّدِيدُ يُقَالُ يَوْمٌ قَمْطَرِيرٌ وَيَوْمٌ قُمَاطِرٌ وَالْعَبُوسُ وَالْقَمْطَرِيرُ وَالْقُمَاطِرُ وَالْعَصِيبُ أَشَدُّ مَا يَكُونُ مِنَ الْأَيَّامِ فِي الْبَلَاءِ۔ القمطریر اس کا معنی ہے: شدید اور سخت: کہا جاتا ہے: يَوْمٌ قَمْطَرِيرٌ وَيَوْمٌ قُمَاطِرٌ یعنی مصیبت کا دن اور العبوس اور القمطریر اور القماطر اور العصیب ان چاروں الفاظ کا معنی ہے: وہ ایام جن میں مصائب بہت شدید اور سخت ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝ (الدہر: ١٠) بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور بہت سخت ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: العبوس کا معنی ہے: تنگ یا تنگی اور القمطریر کا معنی ہے: طویل اور مجاہد سے منقول ہے کہ القمطریر کا معنی ہے: وہ دن جس میں چہروں کی کھال اکڑ جائے گی اور اس دن کی شدت سے آنکھیں پتھرا جائیں گی اور الکسائی سے منقول ہے: بہت سردی والا دن۔

وَقَالَ الْحَسَنُ النُّضْرَةُ فِي الْوَجْهِ وَالسُّرُورُ فِي الْقَلْبِ۔ اور حسن بصری نے کہا: النضرہ یعنی تر و تازگی چہرے میں ہوتی ہے اور سرور یعنی خوشی دل میں ہوتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ (الدہر: ١١) سو اللہ نے ان کو اس دن کے شر سے بچا لیا اور ان کو تر و تازگی اور فرحت عطا فرمائی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی یہ تفسیر صرف علامہ نسفی اور علامہ جرجانی کی کتاب میں ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْأَرَائِكِ السُّرُرُ وَقَالَ مقاتل السرر الجمال من الدر والياقوت۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الارائک کا معنی ہے: سُرُرٌ یعنی تخت اور مقاتل نے کہا سرر اس حسن کو کہتے ہیں جو موتیوں اور یاقوتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ (دار الفکر کے نسخہ میں جمال کا لفظ

ہے جس کا معنی حسن ہے اور صحیح لفظ حجال ہے جس کا معنی مسہری ہے
یعنی موتیوں اور یاقوتوں کی مسہری۔ سعیدی غفرلہ)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ۔ (الدہر: ۱۳) وہ جنت میں مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الْاَرَآئِكِ کی تفسیر کی ہے: سرر، یہ سریر کی جمع ہے جس کا معنی ہے: تخت یا مسند، علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ الْاَرَآئِكِ وہ تخت ہیں جو مسہری میں ہوتے ہیں اور یہ اہل یمن کی لغت ہے اور مقاتل نے کہا: الْاَرَآئِكِ موتیوں اور یاقوتوں کی مسہری ہے جو سونے، چاندی اور مختلف جواہر سے بنی ہوگی، یہ تفسیر بھی صرف علامہ نسفی اور علامہ جرجانی کی کتاب میں ہے۔

وَقَالَ الْبَرَاءُ وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا يَقْطِفُونَ كَيْفَ شَاؤُا۔ وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ جس طرح چاہیں پھلوں کو توڑ لیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ (الدہر: ۱۴) اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت البرآء نے کہا اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے تاکہ وہ جس طرح چاہیں پھلوں کو توڑ لیں یعنی خواہ وہ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں وہ جس حال میں بھی ہوں پھلوں کو توڑ سکیں۔ یہ تفسیر بھی صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ سلسبيلا حديد الحجرية۔ اور مجاہد نے کہا: سلسبیلا کا معنی ہے: حَدِيْدُ الْجَرْيَةِ یعنی بہت تیزی سے بہنے والا چشمہ۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: یہ تفسیر بھی صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۰)

دار الفکر کے نسخہ میں حَدِيْدُ الْحَجْرِيَةِ چھپا ہوا ہے، صحیح لفظ وہ ہے جس کو ہم نے فتح الباری سے نقل کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

وَقَالَ مَعْمَرٌ أَسْرَهُمْ شِدَّةُ الْخَلْقِ وَكُلُّ شَيْءٍ شَدَدْتَهُ مِنْ قَتَبٍ وَغَبِيطٍ فَهُوَ مَأْسُورٌ۔ اور معمر نے کہا: شَدَدْنَا اَسْرَهُمْ کا معنی ہے: ہم نے ان کی خلقت اور بناوٹ خوب مضبوط کی، اور جس چیز کو بھی تم مضبوطی سے باندھو جیسے پالان اور کاٹھی وغیرہ اس کو ماسور کہتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی معمر بن المثنیٰ ابو عبیدہ نے کہا یا معمر بن راشد نے کہا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَاۤ اَسْرَهُمْ (الدہر: ۲۸) ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ہم نے ان کے جوڑ مضبوط بنائے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الاسر کی تفسیر کی ہے: مضبوط خلقت، جو گھوڑا بہت مضبوط ہو اس کو کہا جاتا ہے: یہ شَدِيْدُ الْخَلْقِ ہے، امام بخاری نے کہا: قتب یا غبیط سے، قتب کا معنی ہے: پالان اور غبیط عورتوں کے اس پالان کو کہتے ہیں جس پر ہودج کو باندھا جاتا ہے اور غبیط کی جمع غُبُطٌ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام بخاری نے کہا ہے: معمر، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد معمر بن راشد ہے کیونکہ امام عبدالرزاق از معمر از قتادہ روایت کرتے ہیں، پس حافظ ابن حجر نے زعم کیا کہ امام عبدالرزاق بھی اپنی تفسیر میں ان سے روایت

کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۰)

علامہ عینی لکھتے ہیں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ معمر بن راشد ہے اور معمر بن المثنیٰ ابو عبیدہ نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں امام ابو عبیدہ سے بہت روایات ذکر کی ہیں اور کہیں ان کے نام کا ذکر نہیں کیا تو یہاں ان کے نام کا ذکر کیسے کرتے، اس لیے صاف ظاہر ہے کہ یہ معمر بن راشد ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۹۰۔۳۸۷ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الدہر کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المرسلات کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۷۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ وَالۡمُرۡسَلَاتِ

سورۃ المرسلات کی تفسیر

سورۃ المرسلات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المرسلات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے، یہ ابوالعباس کا قول ہے اور اس میں ایک آیت مدنی ہے اور وہ یہ ہے: وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمُ ارۡكَعُوۡا لَا یَرۡكَعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ (المرسلات: ۴۸) علامہ سخاوی نے کہا: یہ آیت سورۃ الہمزہ کے بعد اور سورۂ ق سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں پچاس (۵۰) آیات ہیں۔

المرسلات کا معنی ہے: تیز ہوائیں اور عرفاً کا معنی ہے: جو لگاتار ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: ہم نے حسب ذیل آیات کی تفسیر میں لکھا ہے:

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۙ﴿۳﴾ فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِكۡرًا ۙ﴿۵﴾ (المرسلات: ۵۔۱)

ان ہواؤں کی قسم جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں O پھر ان ہواؤں کی قسم جو بہت تیز چلتی ہیں O پھر ان ہواؤں کی قسم جو (بادلوں کو) پھیلاتی ہیں O پھر ان فرشتوں کی قسم جو حق اور باطل کو الگ الگ کرنے والے ہیں O پھر ان فرشتوں کی قسم جو (دلوں میں) ذکر ڈالنے والے ہیں O

ان آیات کی تفسیر ہم نے اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ جس قیامت کے واقع ہونے کا اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور آنے والی ہے، ان پانچ چیزوں کے ناموں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا لیکن ان کی صفات کا ذکر فرمایا ہے، اور ان کے موصوف کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے کہا: ان کا موصوف ہوائیں ہیں، بعض نے کہا: ان کا موصوف قرآن مجید ہے۔ بعض نے کہا: ان کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہیں اور جمہور مفسرین نے یہ کہا کہ پہلی تین صفات کا موصوف ہوائیں ہیں اور بعد کی دو صفات کا موصوف فرشتے ہیں، امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر وغیرہم کا یہی مختار ہے اور ہم نے بھی اسی کے موافق ترجمہ کیا ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۲ ۹۳، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ جِمَالَاتٌ حِبَالٌ۔

اور مجاہد نے کہا جمالات کا معنی ہے: (جہاز کی) موٹی رسیاں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّہَا تَرۡمِیۡ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ ﴿ۚ۳۲﴾ كَاَنَّہٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ﴿ؕ۳۳﴾ (المرسلٰت: ۳۳۔۳۲)

بے شک دوزخ محل کے برابر انگارے پھینکتی ہے O گویا وہ زرد اونٹ ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے جِمٰلَتٌ کی تفسیر حِبَال یعنی رسیوں سے کی ہے، یہ وہ موٹی رسیاں ہیں جن کے ساتھ بڑی

کشتیوں یا جہازوں کو باندھا جاتا ہے، یہ اس وقت ہے جب اس لفظ کو جیم کے پیش کے ساتھ جُمِلٰت پڑھا جائے اور جب اس کو زیر جِملٰت پڑھا جائے تو یہ جِمَالَۃٌ کی جمع ہے اور جِمَالَۃٌ کا معنی ہے: اونٹنی کا نر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر سے مروی ہے: جِمٰلتٌ صفرٌ کا معنی ہے: جہازوں کی رسیاں جو بٹی ہوئی ہوتی ہیں۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس سے مقصود یہ ہے کہ جس آگ کے انگارے اتنے بڑے بڑے ہوں گے وہ آگ کتنی عظیم ہوگی اور اس آگ کے انگارے اڑ کر دوزخیوں پر گریں گے اور جس شخص کے اوپر بلندی سے محل کے برابر یا اونٹ کے برابر کوئی چیز آ کر گرے اس کا کیا حال ہوگا؟ سو جب دوزخیوں کے اوپر اتنے بڑے انگارے گریں گے تو ان کا کس طرح کچومر نکل جائے گا، پھر ان لوگوں کو بتایا جو ایمان نہیں لاتے اور کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں ان کو ایسے عذاب کا سامنا ہوگا، پس ان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کریں اور اس دن کی تکذیب کرنے والوں کے لیے سخت عذاب اور ہلاکت ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۹۳۳، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

ارْكَعُوا صَلُّوا لَا يَرْكَعُونَ لَا يُصَلُّونَ۔

ارْكَعُوا کا معنی ہے: نماز پڑھو اور لَا يَرْكَعُونَ کا معنی ہے: وہ نماز نہیں پڑھتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ۝ (المرسلٰت: ۴۸) اور جب ان سے کہا جاتا ہے: نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ارْكَعُوا کی تفسیر کی ہے: صلوا یعنی نماز پڑھو اور لَا يَرْكَعُونَ کی تفسیر ہے: لا یصلون یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے، اس آیت میں رکوع کا اطلاق کیا گیا ہے اور اس سے مراد نماز ہے، رکوع نماز کا جز ہے اور نماز کل ہے، سو اس آیت میں جز کا اطلاق کل پر کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: مقاتل نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ثقیف کے متعلق نازل ہوئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اسلام لے آؤ اور نماز پڑھو، انہوں نے کہا: ہم جھکیں گے نہیں یعنی رکوع نہیں کریں گے، یہ ہمارے لیے عیب ہے، آپ نے فرمایا: اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں رکوع اور سجود نہ ہوں۔

(انوار تبیان القرآن ص ۹۳۴، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا يَنْطِقُونَ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ فَقَالَ إِنَّهُ ذُو أَلْوَانٍ مَرَّةً يَنْطِقُونَ وَمَرَّةً يُخْتَمُ عَلَيْهِمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں ہے: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ ۝ (المرسلٰت: ۳۵) یہ وہ دن ہے جس میں وہ (نفع آور) بات نہ کر سکیں گے ۝ اور دوسری آیت میں فرمایا: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ (الانعام: ۲۳) اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے ۝ (اور یہ آیت پہلی آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں انہوں نے کلام کیا ہے) اور تیسری آیت میں فرمایا: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ۔ (یٰس: ۶۵) ہم آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سوال کے جواب میں)

فرمایا: قرآن مجید نے کفار کے مختلف احوال بیان فرمائے ہیں، کبھی
وہ بات کریں گے اور کبھی ان کے مونہوں پر مہر لگادی جائے گی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تین آیتوں میں کس طرح تطبیق ہوگی؟ ایک آیت میں فرمایا: وہ بات نہیں کر سکیں گے اور دوسری آیت میں فرمایا: ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے اور تیسری آیت میں فرمایا: وہ کہیں گے: اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ بات کریں گے۔ اور جواب کا حاصل یہ ہے: کہ قیامت کے دن کے متعدد احوال ہوں گے یعنی وہ بہت طویل دن ہوگا اور اس میں مختلف مقامات ہوں گے سو وہ ایک وقت میں بات کریں گے اور دوسرے وقت میں بات نہیں کر سکیں گے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۹۱۔۳۹۰ میں بیان کی ہے]

۱۔ بَابٌ

۴۹۳۰۔ حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ وَإِنَّا لَنَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ فَخَرَجَتْ حَيَّةٌ فَابْتَدَرْنَاهَا فَسَبَقَتْنَا فَدَخَلَتْ جُحْرَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا۔

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از منصور از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ پر سورۃ المرسلٰت نازل ہوئی اور ہم اس سورت کو آپ کے منہ سے حاصل کر رہے تھے، اس وقت ایک سانپ نکلا ہم اس پر جھپٹے، وہ ہم پر سبقت کر کے اپنے بل میں داخل ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچالیا گیا جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ ہوگئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۸۳۰ میں گزر چکی ہے۔

۴۹۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مَنْصُورٍ بِهَذَا وَعَنْ إِسْرَائِيلَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ مِثْلَهُ وَتَابَعَهُ أَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ وَقَالَ حَفْصٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَسُلَيْمَانُ بْنُ قَرْمٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدۃ بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن آدم نے خبر دی از اسرائیل از منصور اس حدیث مذکور کی اور از اسرائیل از الاعمش از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ (بن مسعود) بھی اسی حدیث کی مثل مروی ہے، اسود بن عامر نے اس کی متابعت کی ہے از اسرائیل اور حفص اور ابو معاویہ اور سلیمان بن قرم نے کہا از الاعمش از ابراہیم از الاسود اور یحییٰ بن حماد نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے خبر دی از مغیرہ از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن اسحاق نے کہا: از عبدالرحمٰن بن الاسود از والد خود از حضرت عبداللہ بن مسعود۔

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندیں بیان کیں اور ایک متابعت بیان کی اور تین تعلیقات بیان کیں، پھر ان سندوں، متابعت اور تعلیقات کے بعد درج ذیل حدیث کا متن بیان کیا:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بَيْنَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَارٍ إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ فَتَلَقَّيْنَاهَا مِنْ فِيهِ وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا إِذْ خَرَجَتْ حَيَّةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَيْكُمْ اقْتُلُوهَا قَالَ فَابْتَدَرْنَاهَا فَسَبَقَتْنَا قَالَ فَقَالَ وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا

ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از الاسود، انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غار میں تھے اس وقت آپ پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی، ہم اس کو آپ کے منہ مبارک سے حاصل کر رہے تھے اور آپ کا منہ اس سورت کی تلاوت سے تر تھا، اس وقت ایک سانپ نکل آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو پکڑو اور اس کو قتل کر دو، ہم اس کی طرف جھپٹے، وہ ہم پر سبقت کر کے نکل گیا، آپ نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے (یعنی تمہارے حملہ سے) محفوظ ہو گیا جس طرح تم اس کے شر (یعنی اس کے ڈسنے سے) محفوظ ہو گئے۔

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۱۸۳۰ میں گزر چکی ہے۔

موذی جانوروں اور حشرت الارض کو قتل کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ محرم حالت احرام میں کن جانوروں کو قتل کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی نے یہ حدیث بیان کی کہ آپ یہ حکم دیتے تھے: کاٹنے والے کتے کو قتل کر دیا جائے اور چوہے کو اور بچھو کو اور چیل کو اور کوے کو اور سانپ کو اور فرمایا: نماز میں بھی قتل کر دیا جائے۔
(صحیح مسلم: ۱۲۰۰ (۲۷۶۰) دار الفکر، بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: پانچ جانور سب کے سب فاسق ہیں، ان کو حرم میں قتل کر دیا جائے گا: کوا، چیل، کاٹنے والا کتا، بچھو اور چوہا۔ (صحیح البخاری: ۱۸۲۹، صحیح مسلم: ۱۱۹۸ (۲۷۵۶)، سنن نسائی: ۲۸۸۵)

نافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ بھیڑیے کو قتل کر دیا جائے اور چوہے کو اور چیل کو، پس پوچھا گیا: سانپ اور بچھو کو؟ تو انہوں نے کہا: ان کے متعلق بھی کہا جاتا ہے، یزید بن ہارون نے کہا: یعنی محرم قتل کر دے۔ (سنن الدار قطنی ج ۲ ص ۲۳۲، سنن البیہقی ج ۵ ص ۲۱۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ محرم بھیڑیے اور سانپ کو قتل کر دے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۴۷۶)

عطاء نے کہا: بھیڑیے کو اور ہر حملہ کرنے والے جانور کو قتل کر دیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۴۷۷)

سانپ اور دیگر موذی جانوروں کو مارنے کے متعلق احادیث اور آثار کی روشنی میں مذاہب فقہاء

کاٹنے والے کتے کے متعلق ابوعمر نے کہا ہے: اس سے مراد ہر کاٹنے والا درندہ ہے اور خصوصیت سے کتا مراد نہیں ہے۔
(التمہید ج ۱۵ ص ۱۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کاٹنے والا کتا شیر ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۳۷۹-۸۳۷۸)

امام طبرانی نے حضرت ہبار بن الاسود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کے خلاف یہ دعا کی: اے اللہ!

اس کے اوپر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے تو اس کے اوپر شیر نے حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۶۰)

امام مالک سے منقول ہے: ہر وہ جانور جو لوگوں پر حملہ کرے اور ان کو کاٹے مثلاً شیر اور چیتا ان کو قتل کر دیا جائے گا اور جو جانور درندوں میں سے ہو اور حملہ نہ کرے جیسے بجو اور لومڑی تو ان کو محرم قتل نہ کرے، اگر اس نے قتل کر دیا تو اس کا فدیہ دے گا اور ابن القاسم مالکی نے کہا: وہ جانور جو ابتداءً لوگوں پر حملہ نہیں کرتے اور وہ چھوٹے جانور جو حملہ نہیں کرتے تو محرم کے لیے ان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ محرم کے لیے کاٹنے والے کتے کو حل میں اور حرم میں قتل کرنا جائز ہے، اور کاٹنے والے کتے سے مراد یہ ہے کہ جو کاٹنے میں مشہور ہو، قاضی عیاض نے اس قول کو امام ابوحنیفہ اور اوزاعی سے بھی نقل کیا ہے اور بھیڑیے کو بھی اس کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۸ ص ۱۱۴، اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۰۴)

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: امام مالک نے سانپ کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ کاٹنے والے کتے کے حکم میں ہے، اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کاٹنے والے کتے کو حل اور حرم میں قتل کر دیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۵۲۴۹)

بعض علماء نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے حالانکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سانپوں کو مار ڈالو اور جو ان کے حملہ سے ڈر او میرے طریقہ پر نہیں ہے، حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ۸۳۸۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۹۰۰۔۱۹۸۹۶)

اور دوسرے علماء نے کہا ہے: گھروں میں رہنے والے سانپوں کو صرف ان کا عہد یاد دلانے کے بعد قتل کرنا جائز ہے، ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں ایسے جنات ہیں جو اسلام لا چکے ہیں، اگر تم ان میں سے کسی کو دیکھو تو ان کو تین دن تک کی مہلت دو، اگر اس کے بعد بھی وہ ظاہر ہوں تو ان کو مار ڈالو۔ (صحیح مسلم: ۶ ۲۲۳ (۵۷۳۳))

ابوالسائب بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے گھر میں گئے، انہوں نے کہا: میں نے دیکھا وہ نماز پڑھ رہے تھے، میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرتا رہا حتیٰ کہ ان کی نماز ختم ہو جائے، پھر میں نے گھر کی ایک جانب میں کسی کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا، پس میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ سانپ تھا، میں اس کو مارنے کے لیے دوڑا تو حضرت ابوسعید نے مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے گھر کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے کہا: کیا تم اس گھر کو دیکھ رہے ہو، میں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے بتایا کہ اس گھر میں ہمارا ایک نوجوان رہتا تھا جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خندق کی طرف گئے تو اس نوجوان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوپہر کے وقت جانے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دی اور فرمایا: تم اپنا ہتھیار لے جاؤ کیوں کہ مجھے تم پر قریظہ کے حملہ کا خطرہ ہے، پھر وہ مرد اپنا ہتھیار لے کر گیا، پھر وہ لوٹا تو اس کی بیوی دو دروازوں کے درمیان کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اس کو غیرت کی وجہ سے مارنے کا قصد کیا تو اس کی بیوی نے کہا: اپنے نیزے کو روکو اور گھر میں داخل ہو حتیٰ کہ تم دیکھ لو کہ میں کس وجہ سے باہر نکلی ہوں، وہ گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ بہت بڑا سانپ بستر کے اوپر ہے، اس نے اس پر نیزہ مارا، پھر نکلا اور اس نیزے کو گھر میں گاڑ دیا، پس وہ سانپ اس نوجوان پر لپٹ گیا، پھر پتا نہیں چلا کہ ان میں سے کون پہلے مرا وہ سانپ یا نوجوان، پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم نے اس واقعہ کا ذکر کیا اور ہم نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لیے زندہ کر دے، پھر آپ نے فرمایا: تم اپنے ساتھی کے لیے استغفار کرو، پھر آپ نے فرمایا: مدینہ میں

ایسے جنات ہیں جو اسلام لا چکے ہیں، پس جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو اس کو تین دن تک نکل جانے کے لیے کہو، پھر اس کے بعد بھی اگر ظاہر ہو تو اس کو مار ڈالو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (صحیح مسلم ۲۲۳۶ (۵۷۴۲) سنن ابوداؤد: ۵۲۵۷، سنن ترمذی: ۱۴۸۹)

اسی طرح ابن ابی ملیکہ نے عائشہ بنت طلحہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غسل خانہ میں ایک سانپ کو دیکھا تو اس کو مار ڈالا، پھر آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ سے کہا گیا کہ آپ نے ایک مسلمان کو مار ڈالا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر وہ مسلمان ہوتا تو امہات المومنین کے پاس نہ آتا تو آپ سے کہا گیا: وہ آپ کے پاس اس وقت آیا تھا جب آپ کپڑے پہنے ہوئی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صبح کو خوف زدہ ہو کر اٹھیں، پھر آپ نے مسکینوں پر بارہ ہزار (دینار یا درہم حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے) صدقہ کیے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۰۵۰۳، کتاب العظمۃ لابی الشیخ: ۱۱۱۴، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۹)

امام مالک نے کہا ہے کہ میرے نزدیک مستحب یہ ہے کہ سانپوں کو مدینہ میں بھی ڈرایا جائے اور غیر مدینہ میں بھی اور جنگلوں میں نہ ڈرایا جائے اور مدینہ میں ڈرانا زیادہ واجب ہے اور دوسروں نے کہا کہ مدینہ اور غیر مدینہ دونوں میں ڈرانا واجب ہے کیونکہ سانپوں کو قتل نہ کرنے کی علت جنات کا مسلمان ہونا ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ جن ہو یا انسان ہو، اور سانپ کو قتل کرنے کی تاکید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں محرم کو یہ حکم دیا کہ وہ سانپ کو قتل کر دے۔ (صحیح مسلم: ۲۲۳۵ (۵۷۳۰))

امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اگر محرم کاٹنے والے کتے کے سوا کسی کو قتل کر دے اور سانپ اور بچھو کو اور کوے کو اور چیل کو اور بھیڑیے کو تو اس میں فدیہ دینا ہوگا سوا اس صورت کے کہ ان موذی جانوروں نے اس پر حملہ کرنے کی ابتداء کی ہو تو اس پر فدیہ نہیں ہے اور اس کے اونٹ پر جو چچڑیاں ہوں ان کو مار ڈالا جائے گا اور اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے اور امام زفر نے کہا ہے کہ خواہ اس پر درندوں نے حملہ کیا ہو یا نہیں اس پر ہر صورت میں ان کو قتل کرنے کی وجہ سے فدیہ لازم ہوگا۔ (المحلی لابن حزم ج ۷ ص ۲۳۹)

اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ محرم نہ سانپ کو قتل کرے اور نہ چھپکلی کو اور نہ کسی اور جانور کو سوائے چیل اور کوے اور بچھو اور کاٹنے والے کتے اور چوہے کے۔

اور امام مالک نے کہا ہے کہ تمام چار پاؤں والے درندوں کو قتل کر دیا جائے گا مگر کوے اور چیل کو قتل کرنا مکروہ ہے سوا اس کے کہ وہ ایذاء دیں اور لومڑی اور جنگلی بلی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور ان کو قتل کرنے سے فدیہ لازم ہے سوا اس صورت کے کہ وہ ابتداءً حملہ کریں، اور چھپکلی اور مچھر اور اس کے اونٹ کی چچڑی کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اگر اس نے ان کو قتل کر دیا تو وہ صدقہ میں کچھ طعام کھلائے اور اگر اس نے پھاڑنے والے پرندوں کو قتل کر دیا تو اس پر فدیہ ہے اور جوں کو بھی مارا نہیں جائے گا، اگر مار دیا تو صدقہ میں کچھ طعام کھلائے اور امام شافعی کے نزدیک لومڑی کو مارنے میں فدیہ لازم ہے۔ (المحلی لابن حزم ج ۷ ص ۲۴۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چھپکلی کو مار دو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۸۳۹۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۸۹۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کو مارنے کا حکم دیا ہے اور اس کو فویسق فرمایا۔ (صحیح مسلم: ۲۲۳۸ (۵۷۳۷)، سنن ابوداؤد: ۵۲۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کو مارنے سے منع فرمایا: چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور لٹورا (ایک پرندہ جو چھوٹے پرندوں کو شکار کرتا ہے)۔

(سنن ابوداؤد: ۵۲۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۲۴، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۲، مصنف عبد الرزاق: ۸۴۱۵)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہر وہ جانور جس کی طبیعت اور سرشت میں ایذاء پہنچانا اور حملہ کرنا ہو خواہ اس سے فی الحال جان اور مال میں ایذاء نہ پائی جائے تو اس کو مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے پھاڑنے والے تمام درندے اور وہ چوپائے جن کا کھانا حرام ہے اور حملہ کرنے والے پرندے جیسے باز، عقاب اور شاہین وغیرہ اور وہ حشرات الارض جو ایذاء پہنچاتے ہوں جیسے بھڑ (تتیا) اور پسو اور مچھر اور مکھی وغیرہ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۵ ص ۱۷۷۔۱۷۶)(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۲ ص ۳۸۵۔۳۶۷ ملخصاً وملتقطاً، وزارت الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کے نزدیک علامہ ابن قدامہ حنبلی نے جو کچھ لکھا ہے وہ احادیث اور آثار کے زیادہ موافق اور زیادہ قرین قیاس ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۔ بَابٌ: إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ (المرسلات: ۳۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک دوزخ محل کے برابر انگارے پھینکتی ہے O (المرسلات: ۳۲) کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

شَرَرٌ کا معنی ہے: آگ جب بھڑکتی ہے تو اس سے جو چنگاریاں نکلتی ہیں اور اس کا واحد شَرَرَةٌ ہے۔

محل کے برابر: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: وہ چنگاریاں قلعوں کے برابر ہیں اور قصر کی جمع قصور ہے، اور مجاہد سے منقول ہے کہ اس سے مراد درخت کی لکڑیوں کا گٹھا ہے اور سعید بن جبیر اور ضحاک سے منقول ہے کہ یہ کھجور کے درخت اور دوسرے بڑے بڑے درخت ہیں اور اس کا واحد قصرۃ ہے جیسے ثَمَرَةٌ اور ثَمَرٌ اور جَمْرَةٌ اور جَمْرٌ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۹۳)

۴۹۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ قَالَ كُنَّا نَرْفَعُ الْخَشَبَ بِقَصَرٍ ثَلَاثَةَ أَذْرُعٍ أَوْ أَقَلَّ فَنَرْفَعُهُ لِلشِّتَاءِ فَنُسَمِّيهِ الْقَصَرَ (صحیح البخاری: ۴۹۳۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن عابس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے اس آیت انها ترمی بشرر کالقصر کی تفسیر میں فرمایا کہ ہم سردیوں کے موسم میں تین تین ہاتھ یا اس سے کم کی لکڑیوں کو اٹھا کر لاتے تھے اور ان کو ہم قصر کہتے تھے۔

۳۔ بَابٌ: كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (المرسلات: ۳۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: گویا وہ زرد اونٹ ہیں O (المرسلات: ۳۳) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: گویا وہ چنگاریاں زرد اونٹوں کے برابر ہیں۔

۴۹۳۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ قَالَ كُنَّا نَعْمِدُ إِلَى الْخَشَبَةِ ثَلَاثَةَ أَذْرُعٍ أَوْ فَوْقَ ذٰلِكَ فَنَرْفَعُهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن عابس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن

لِلشِّتَاءِ فَنُسَمِّيهِ الْقَصَرَ كَأَنَّهُ جِمَالَاتٌ صُفْرٌ حِبَالُ السُّفُنِ تُجْمَعُ حَتَّى تَكُونَ كَأَوْسَاطِ الرِّجَالِ

(صحیح البخاری: ۴۹۳۲)

عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ انہا ترمی بشرر کالقصر کی تفسیر میں فرماتے تھے، ہم سردیوں کے موسم میں تین تین ہاتھ یا اس سے زیادہ کی لکڑیاں اٹھا کر لاتے تھے اور ان کو ہم قصر کہتے تھے۔ جملت صفر سے مراد جہاز یا کشتی کی رسیاں ہیں جو جمع کر کے رکھی جائیں حتیٰ کہ وہ مردوں کی کمر کے برابر موٹی ہو جائیں۔

۴۔ بَابٌ: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ (المرسلات: ۳۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یہ وہ دن ہے جس میں وہ (نفع آور) بات نہ کر سکیں گے ○ (المرسلات: ۳۵) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی قیامت کے بعض احوال میں وہ بات نہیں کر سکیں گے اور بعض احوال میں وہ ایک دوسرے سے بحث کریں گے اور بعض احوال میں ان کے مونہوں پر مہر لگادی جائے گی تو وہ بات نہیں کر سکیں گے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۹۴)

۴۹۳۴۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي غَارٍ إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ فَإِنَّهُ لَيَتْلُوهَا وَإِنِّي لَأَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا إِذْ وَثَبَتْ عَلَيْنَا حَيَّةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم اقْتُلُوهَا فَابْتَدَرْنَاهَا فَذَهَبَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا قَالَ عُمَرُ حَفِظْتُهُ مِنْ أَبِي فِي غَارٍ بِمِنًى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی از الاسود از حضرت عبداللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غار میں تھے اس وقت آپ پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی، آپ اس کو تلاوت فرما رہے تھے اور میں اس سورت کو آپ کے منہ سے حاصل کر رہا تھا اور آپ کا منہ مبارک اس سے تر تھا، اس وقت ہم پر ایک سانپ کودا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو قتل کر دو تو ہم اس پر جھپٹے لیکن وہ سانپ نکل گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچا لیا گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچا لیے گئے۔ عمر نے کہا: میں نے اس حدیث کو منیٰ کی غار میں اپنے والد سے یاد کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۸۳۰ میں بہت تفصیل سے گزر چکی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المرسلات کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز اس کے بعد سورۃ النباء کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۸۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ

سورۂ نبا کی تفسیر

سورۃ النبا کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ النباء کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس میں چالیس (۴۰) آیات ہیں۔

عَمَّ کی اصل عَمَّا ہے، الف کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا اور جمہور نے اسی طرح قراءت کی ہے، یتساءلون کا معنی ہے: یہ مشرکین کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں؟ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۹۴)، یہ سورۃ مکی ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) یہ سوال کرنے والے کفار تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دھمکانے کے لیے فرمایا: كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ۝ (النباء: ۵۔۴) (ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے ○ پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے ○) اور دھمکانا صرف کفار کے لیے مناسب ہے۔ اس سے معلوم ہوا یہ کفار تھے جو ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے۔

(۲) کفار اور مومنین دونوں سوال کرتے تھے، رہے مومنین تو وہ اس لیے سوال کرتے تھے کہ دین میں ان کی بصیرت اور قیامت پر ان کا ایمان اور زیادہ قوی ہو جائے اور رہے کفار تو وہ اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے اور اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالنے کے لیے سوال کرتے تھے۔

(۳) سوال کرنے والے کفار اور مشرکین تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے تھے کہ آپ جس قیامت کا ہم سے وعدہ کر رہے ہیں وہ کب آئے گی؟ (انوار بیان القرآن ص ۹۳۵، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

قَالَ مُجَاهِدٌ لَا يَرۡجُوۡنَ حِسَابًا لَا يَخَافُوۡنَهٗ۔ مجاہد نے کہا: لَا يَرۡجُوۡنَ حِسَابًا کا معنی ہے: وہ (اعمال کے) حساب سے نہیں ڈرتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّهُمۡ كَانُوۡا لَا يَرۡجُوۡنَ حِسَابًا ۝ (النباء: ۲۷) بے شک وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: وہ حساب سے نہیں ڈرتے تھے اور امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ حساب کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی تصدیق نہیں کرتے اور رجاء کا لفظ امید اور خوف دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

صَوَابًا حَقًّا فِي الدُّنۡيَا وَعَمِلَ بِهٖ۔ صَوَابًا کا معنی ہے: جس نے دنیا میں حق بات کہی تھی اور اس پر عمل کیا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا۝ (النباء:۳۸) جس دن جبرئیل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، اس سے کوئی بات نہیں کر سکے گا سوا اس کے جس کو رحمٰن نے اجازت دی اور اس نے صحیح بات کہی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: جس نے دنیا میں حق بات کہی اور اس پر عمل کیا اور ابو صالح نے کہا: جس نے درست بات کہی اور دنیا میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا۔

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا لَا يُكَلِّمُوْنَهُ اِلَّا اَنْ يَاْذَنَ لَهُمْ۔ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا۝ (النباء:۳۷) اس کا معنی ہے: اس سے وہی بات کر سکیں گے جس کو وہ اجازت دے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا۝ (النباء:۳۷) جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے، نہایت رحم فرمانے والا ہے اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: لَا يَمْلِكُوْنَ کی ضمیر آسمانوں اور زمینوں والوں کی طرف راجع ہے یعنی ان کے اختیار میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے بات کر سکیں، دوسرا قول یہ ہے: انہیں اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ کہیں کہ وہ عذاب کم کر دے یا ثواب زیادہ کر دے سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اجازت دے اور اللہ تعالیٰ ان کو اجازت دے دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ثَجَّاجًا کا معنی ہے: پانی گرایا ہوا یا پانی بہایا ہوا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا۝ (النباء:۱۴) اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زوردار بارش نازل کی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ثَجَّاجًا کی تفسیر کی ہے: مُنْصَبًّا یعنی پانی گرایا ہوا، اسی طرح امام ابو عبیدہ نے اس کی تفسیر کی ہے اور یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر ہے۔

اَلْفَافًا کا معنی ہے: ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا۝ (النباء:۱۶) اور گھنے باغات O

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ ثعلبی نے کہا ہے: اَلْفَافًا کا معنی ہے: ایک دوسرے سے ملے ہوئے یا جڑے ہوئے، اس کا واحد لِفٌّ ہے، اور دوسروں نے کہا: اس کا واحد لفیف ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جمع الجمع ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهَّاجًا مُضِيئًا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وَّهَّاجًا کا معنی ہے: روشن۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا۝ (النباء:۱۳) اور ہم نے سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے وَّهَّاجًا کی تفسیر مُضِيئًا کی ہے، امام ابن ابی حاتم نے بھی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر کی ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ غَسَّاقًا غَسَقَتْ عَيْنُهُ وَيَغْسِقُ الْجُرْحُ يَسِيلُ كَأَنَّ الْغَسَاقَ وَالْغَسِيقَ وَاحِدٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ غَسَّاقًا کا لفظ غسقت عینه سے ماخوذ ہے یعنی اس کی آنکھ بہہ رہی ہے، اسی سے ماخوذ ہے یغسق الجرح یعنی زخم بہہ رہا ہے، غساق اور غسیق دونوں کا ایک معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ۝ (النبا: ۲۵۔۲۴)

اس (دوزخ) میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب ۝ سوا کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر صرف ابوذر کے نسخہ میں ہے اور علامہ جرجانی اور علامہ نسفی کی تفسیروں میں ہے، امام بخاری نے لکھا: غسقت عینه و یغسق الجرح یسیل اس میں یہی اشارہ کیا ہے کہ غساق کا معنی ہے: مائع اور سیال چیز یعنی بہنے والی جیسے خون اور اس کی مثل کیونکہ یہ غسقت عینه سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: اس کی آنکھ بہہ رہی ہے اور یغسق الجرح کا معنی ہے: اس کا زخم بہہ رہا ہے۔ علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ الغساق کا معنی ہے: الزمھریر، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: دوزخیوں کی پیپ، تیسرا قول ہے: اس کا معنی ہے: دوزخیوں کے آنسو۔

عَطَاءً حِسَابًا جَزَاءً كَافِيًا أَعْطَانِي مَا أَحْسَبَنِي أَيْ كَفَانِي۔

عَطَآءً حِسَابًا کا معنی ہے: پورا پورا بدلہ، عرب لوگ کہتے ہیں: اس نے مجھے اتنا دیا جو مجھے کافی ہو گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝ (النبا: ۳۶)

آپ کے رب کی طرف سے جزاء ہوگی نہایت کافی عطاء ہوگی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: جزآءً کافیا، اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے: ایسی عطاء جو کثیر اور وافی ہو، امام بخاری نے کہا: اعطانی ما احسبنی امام بخاری نے اس سے یہ اشارہ کیا ہے کہ حساب کا لفظ کفایت کے معنی میں بھی آتا ہے، کہا جاتا ہے: اعطانی فلان ما احسبنی یعنی فلاں شخص نے مجھے اتنا دیا کہ مجھے کافی ہو گیا اور کہا جاتا ہے: احسبت فلانا یعنی میں نے اس کو اتنا عطاء کیا جو اس کو کافی ہو گیا۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری، ج ۱۹ ص ۹۵-۲۹۴ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ: يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ أَفْوَاجًا ۝ (النبا: ۱۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج آؤ گے ۝ (النباء: ۱۸) کی تفسیر

افواجًا کا معنی ہے گروہ در گروہ۔

۴۹۳۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُوْنَ قَالَ أَرْبَعُوْنَ يَوْمًا قَالَ أَبَيْتُ قَالَ أَرْبَعُوْنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی از الاعمش از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو صور پھونکنے کے درمیان چالیس (۴۰) کا وقفہ ہوگا،

شَهْرًا قَالَ أَبَيْتُ قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ أَبَيْتُ قَالَ ثُمَّ يُنَزِّلُ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلَى إِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

کسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: چالیس دن کا وقفہ ہو گا؟ انہوں نے کہا: میں نہیں کہہ سکتا، (پھر) کسی نے پوچھا: چالیس مہینے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں کہہ سکتا، (پھر) کسی نے پوچھا: چالیس سال؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں کہہ سکتا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے (زندگی کی) بارش نازل فرمائے گا تو لوگ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے، انسان کے بدن کی ہر چیز گل جاتی ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے، وہ نہیں گلتی وہ اس مقام کی ہڈی ہے جہاں جانور کی دم ہوتی ہے، قیامت کے دن اس ہڈی سے مخلوق کو (دوبارہ) پیدا کیا جائے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۸۱۴ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں کہہ سکتا یعنی میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا تو میں اپنی عقل سے از خود کچھ نہیں کہہ سکتا اور یہ معاملہ غیب سے متعلق ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۴)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ النباء کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ والنازعات کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۷۹۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ وَالنّٰزِعَاتِ

سورۃ والنازعات کی تفسیر

سورۃ والنازعات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ النازعات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس کا نام سورۃ الساہرۃ بھی ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، علامہ سخاوی نے کہا ہے: یہ سورت سورۃ النباء کے بعد اور سورۃ الانفطار سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس سورت میں چھیالیس (۴۶) آیات ہیں۔

النازعات کے معنی میں کئی اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتے بنو آدم کی روحوں کو کھینچ کر نکالتے ہیں اور سعید بن جبیر نے کہا: موت روحوں کو نکالتی ہے، عطا اور عکرمہ نے کہا کہ ستارے ایک افق سے دوسرے افق کی طرف نکالے جاتے ہیں، وہ طلوع ہوتے ہیں، پھر غائب ہو جاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۳۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

زَجۡرَۃٌ صَیۡحَۃٌ۔ زَجۡرَۃٌ اس کا معنی ہے: چیخ اور چنگھاڑ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاِنَّمَا هِیَ زَجۡرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ۞ (النازعات: ۱۳) وہ ضرور صرف ایک جھڑکی ہوگی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے زَجۡرَۃٌ کی تفسیر چیخ کی ہے اور یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَۃُ۔ اور مجاہد نے کہا ترجف الراجفۃ اس سے مراد ہے: زلزلہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

یَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَۃُ ۞ (النازعات: ۶) (تم کو ضرور مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا) جس دن لرزائے گی لرزانے والی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے راجفۃ کی تفسیر زلزلہ کے ساتھ کی ہے اور علامہ الثعلبی نے کہا: جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو زلزلہ آئے گا اور ہر چیز حرکت کرے گی، یہ بھی صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الۡاٰیَۃَ الۡکُبۡرٰی عَصَاهُ وَیَدُهٗ۔ اور مجاہد نے کہا الۡاٰیَۃَ الۡکُبۡرٰی سے مراد ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور ہاتھ (ید بیضاء)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَرٰىهُ الۡاٰیَۃَ الۡکُبۡرٰی ۞ (النازعات: ۲۰) پھر انہوں نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بہت بڑی نشانی دکھائی، مجاہد نے اس کی تفسیر ان کی لاٹھی اور ان کے ہاتھ

سے کی ہے، جب ان کا ہاتھ بغل سے باہر نکالا تو وہ چمکتا ہوا سفید تھا۔ امام عبد الرزاق نے بھی از معمر از قتادہ اسی کی مثل روایت کی ہے۔

سَمْكَهَا بَنَاهَا بِغَيْرِ عَمَدٍ۔ سمکھا اس کا معنی ہے: ان کو بغیر ستون کے بنایا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ (النازعات: ۲۸) اللہ نے اس کی چھت بلند کی پھر اس کو ہموار بنایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے اس کو بغیر ستون کے بنایا اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے اللہ نے اس کی چھت بلند کی اور الفراء نے کہا ہے ہر وہ چیز جو دوسری چیز کو اٹھالے اس کے لیے سمک کہا جاتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ہموار اور بغیر کسی شگاف کے بنایا، یہ بھی صرف علامہ نسفی کی تفسیر ہے۔

طَغٰى عَصٰى۔ طَغٰی کا معنی ہے: اس نے نافرمانی اور سرکشی کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ (النازعات: ۱۷) کہ آپ فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سرکشی کی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: طَغٰی کا لفظ طغیان سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا۔

يُقَالُ النَّاخِرَةُ وَالنَّخِرَةُ سَوَاءٌ مِثْلُ الطَّامِعِ وَالطَّمِعِ وَالْبَاخِلِ وَالْبَخِلِ وَقَالَ بَعْضُهُمُ النَّخِرَةُ الْبَالِيَةُ وَالنَّاخِرَةُ الْعَظْمُ الْمُجَوَّفُ الَّذِي تَمُرُّ فِيهِ الرِّيحُ فَيَنْخَرُ۔

کہا جاتا ہے: الناخرۃ اور النخرۃ دونوں برابر ہیں جیسے الطامع اور الطمع اور الباخل اور البخل اور دوسروں نے کہا کہ نخرۃ کا معنی ہے، گلی ہوئی ہڈی اور ناخرۃ کا معنی ہے: کھوکھلی ہڈی کہ جس میں ہوا داخل ہو تو اس سے آواز پیدا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ (النازعات: ۱۱) کیا جب ہم گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی تفسیر صحیح نہیں ہے، الناخرۃ اور النخرۃ دونوں برابر نہیں ہیں، الناخرۃ اسم فاعل ہے اور النخرۃ صفت مشبہ ہے اگر چہ دونوں کا معنی ایک ہے، دوسرا سقم یہ ہے کہ الناخرۃ اور النخرۃ مونث کے صیغے ہیں اور الطامع اور الطمع اور الباخل اور البخل مذکر کے صیغے ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ مثال دینا صحیح نہیں ہے، اگر امام بخاری صَانِعَةٌ اور صَنِعَةٌ کی مثال دیتے تو درست ہوتا۔

امام بخاری نے کہا، اور دوسروں نے لکھا، اس سے مراد ابن الکلبی ہے، اہل کوفہ نے اس لفظ کو نخرۃ پڑھا ہے اور حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے اس کو نَاخِرَةً پڑھا ہے۔

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے امام بخاری کی تفسیر پر لفظی گرفت کی ہے ورنہ معنوی اعتبار سے امام بخاری کی تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْحَافِرَةِ الَّتِي أَمْرُنَا الْأَوَّلُ إِلَى الْحَيَاةِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الحافرۃ اس سے مراد ہماری وہ پہلی حالت ہے جو دنیا کی زندگی میں تھی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ (النازعات: ۱۰) وہ کہتے ہیں: کیا ہم مرنے کے بعد ضرور زندگی کی طرف لوٹائے

جائیں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الحافرۃ کی تفسیر کی ہے: الی امرنا الاول یعنی پہلی حالت، اس سے مراد ہے، پہلی زندگی، کہا جاتا ہے: رجع فلان فی حافرتہ یعنی فلاں شخص اپنے اسی راستہ کی طرف لوٹ آیا جس سے وہ آیا تھا، امام ابن ابی حاتم نے اس تعلیق کی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید نے ان مشرکین مکہ کی خبر دی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے منکر تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ کیا ہم ضرور پہلی زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی کیا ہمیں موت کے بعد اس طرح زندہ کیا جائے گا جس طرح ہم موت سے پہلے زندہ تھے، ان کی اس سے مراد پہلی حالت تھی، دوسرا قول یہ ہے کہ حافرۃ وہ زمین ہے جس میں ان کی قبریں کھودی گئی ہیں اور فاعل بہ معنی مفعول اور حافرۃ بہ معنی محفورۃ ہے اور زمین کو حافرۃ اس لیے فرمایا ہے کہ وہ کھودی ہوئی قبروں کا مستقر ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں حافرۃ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: پہلی حالت پر لوٹنا اور الٹے پاؤں پلٹنا، گویا مشرکین یہ کہتے تھے کہ آیا ہم مرنے کے بعد پہلی زندگی کی طرف لوٹ جائیں گے۔ حسن بصری نے کہا ہے: اس قول سے مشرکین نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا ہے یعنی ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ أَيَّانَ مُرْسَاهَا مَتَى مُنْتَهَاهَا وَمُرْسَى السَّفِينَةِ حَيْثُ تَنْتَهِي۔

اور دوسروں نے کہا ہے: اَیَّانَ مُرْسٰھَا یعنی قیامت کی انتہاء کب ہوگی، مُرْسٰی کا لفظ مُرْسَی السَّفِیْنَۃ سے ماخوذ ہے جہاں کشتی اخیر میں جا کر ٹھہرتی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۝ (النازعات:۴۲)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے کہ اس کی انتہاء کب ہے اور ضمیر قیامت کی طرف راجع ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قیامت کا ذکر فرماتے تھے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جاتا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔

الرَّاجِفَةُ النَّفْخَةُ الْأُولَى۔

اَلرَّاجِفۃ اس سے مراد ہے: پہلی بار صور میں پھونکنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ (النازعات:۶)

جس دن لرزائے گی لرزانے والی O

یہ تعلیق اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے۔

الرَّادِفَةُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ اس سے مراد: دوسری بار صور میں پھونکنا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ (النازعات:۷)

پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی O

علامہ عینی نے مؤخر الذکر دونوں تعلیقوں کی شرح نہیں کی اور نہ حافظ ابن حجر نے ان کی شرح کی ہے، تاہم علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے ان تعلیقوں کے بعد اس حدیث کا ذکر کیا ہے جو باب: ۱، میں آرہی ہے اور بقیہ تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ

القاری ج ۱۹ ص ۳۹۸۔۳۹۶ میں کی ہے۔

۱۔ بَابٌ

باب

۴۹۳۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ بِإِصْبَعَيْهِ هٰكَذَا بِالْوُسْطٰى وَالَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ بُعِثْتُ وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔

(صحیح البخاری: ۵۳۰۱، صحیح مسلم: ۲۹۵۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن المقدام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضیل بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی درمیانی انگلی اور جو انگلی انگوٹھے کے قریب ہے اس سے اس طرح اشارہ کیا اور فرمایا: مجھے اور قیامت کو اس طرح (ملا ہوا) بھیجا گیا ہے جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: اس حدیث سے قیامت کے جلد آنے کی طرف اشارہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَغْطَشَ کا معنی ہے: تاریک کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۝ (النازعات: ۲۹) اور اس کی رات تاریک کر دی اور اس کا دن روشن کر دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: تاریک کر دیا، یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

اَلطَّامَّةُ تَطِمُّ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ۔ اَلطَّامَّةُ اس کا معنی ہے: جو ہر چیز پر چھا جائے اور غالب آجائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ (النازعات: ۳۴) پس جب بڑی مصیبت آجائے گی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَلطَّامَّة کی تفسیر کی ہے: جو ہر چیز پر غالب آجائے، علامہ ثعلبی نے کہا: اَلطَّامَّة اس مصیبت کو کہتے ہیں جس کو برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۹۹)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ والنازعات کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز اس کے بعد سورۃ عبس کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۰۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ عَبَسَ

سورۂ عبس کی تفسیر

سورۃ عبس کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ عبس کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس کا نام سورۃ السفرۃ بھی رکھا گیا ہے اور اس میں بیالیس (۴۲) آیات ہیں۔

علامہ سخاوی نے کہا ہے: یہ سورت سورۃ القدر سے پہلے اور سورۃ النجم کے بعد نازل ہوئی ہے۔

امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ یہ سورت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نابینا تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ کہتے رہے کہ یا رسول اللہ! مجھے ہدایت دیجئے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین کے بڑے بڑے مرد بیٹھے ہوئے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرتے رہے اور دوسروں کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ سورت نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۳۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عَبَسَ وَتَوَلّٰی کَلَحَ وَاَعۡرَضَ۔ عَبَسَ کا معنی ہے: کَلَحَ وَاَعۡرَضَ یعنی منہ بنایا اور پیٹھ پھیر لی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰیۤ ۝ (عبس:۱) رسول چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیر لیا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عبس کی تفسیر کی ہے: کَلَحَ یعنی منہ بنایا، یہ امام ابوعبیدہ کی تفسیر ہے اور جو انہوں نے اس کی تفسیر اَعۡرَضَ کی ہے یہ دوسروں کی تفسیر ہے اور متقدمین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عَبَسَ کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور علامہ داؤدی کا یہ نہایت ناماموس قول ہے کہ اس کا فاعل وہ کافر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ابی بن خلف تھا، اس قول کی امام عبدالرزاق نے از قتادہ روایت کی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ شخص امیہ بن خلف تھا، اس قول کی امام سعید بن منصور نے روایت کی ہے اور امام ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ سے خطاب کر رہے تھے اور ایک اور سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ایسی مجلس میں تھے جس میں مشرکین میں سے ابوجہل اور عتبہ وغیرہ تھے اور یہ روایت دیگر اقوال کی جامع ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان آیات پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تادیب اور ملامت کے مستحق تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن ام مکتوم کو ملامت کرنے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب فرمایا؟

رہا یہ کہ حضرت ابن ام مکتوم ملامت کے مستحق کیوں تھے، اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت ابن ام مکتوم نابینا ہونے کی وجہ سے اگرچہ یہ نہیں دیکھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرداران قریش سے گفتگو فرما رہے ہیں کیونکہ ان کی سماعت تو صحیح تھی، وہ کفار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کی آواز سن رہے تھے، پس ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

کلام کو منقطع کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض پوری ہونے سے پہلے اپنی غرض پوری ہونے کی کوشش کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا ہے اور یہ عظیم معصیت ہے۔

(۲) اہم کام کو مقدم کیا جاتا ہے، حضرت ابن ام مکتوم اسلام لا چکے تھے اور دین کی تعلیم حاصل کر چکے تھے اور سرداران قریش ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور ان کا اسلام لانا ایک عظیم جماعت کے اسلام لانے کا سبب تھا اور حضرت ابن ام مکتوم کا اس کام میں مداخلت کرنا ایک معمولی کام کی خاطر ایک عظیم خیر کو منقطع کرنے کا سبب تھا اس لیے ان کا یہ اقدام (بہ ظاہر) حرام تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (الحجرات:۴) بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں O

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نداء کرنے سے منع فرمایا اور حضرت ابن ام مکتوم کی نداء کفار کے ایمان قبول کرنے کو قطع کرنے کے حکم میں تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہم کے بہ ظاہر خلاف تھی، لہٰذا اس کا ذنب اور معصیت ہونا ظاہر ہے، سو حضرت ابن مکتوم کا فعل بہ ظاہر گناہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل واجب تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بہ ظاہر ایسا ہی تھا لیکن اغنیاء کو فقراء پر اور سرداروں کو کمزوروں پر مقدم کرنے سے فقراء کے دل ٹوٹ جاتے، اس وجہ سے آپ پر عتاب کیا گیا جب کہ آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ فقراء کو نہ دھتکاریں، قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ۔ (الانعام:۵۲) اور آپ ان لوگوں کو نہ دھتکاریں جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔

(انوار تبیان القرآن ص ۹۴۱ فرید بک اسٹال، لاہور، کراچی، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ غَيْرُهُ مُطَهَّرَةٌ لَا يَمَسُّهَا إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَهٰذَا مِثْلُ قَوْلِهِ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا جَعَلَ الْمَلَائِكَةَ وَالصُّحُفَ مُطَهَّرَةً لِأَنَّ الصُّحُفَ يَقَعُ عَلَيْهَا التَّطْهِيرُ فَجُعِلَ التَّطْهِيرُ لِمَنْ حَمَلَهَا أَيْضًا۔

اور ان کے غیر نے کہا: مُّطَهَّرَةٍ ۝ (عبس:۱۴) اس کی مثل ہے لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ (الواقعہ:۷۹) (اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں O) اور وہ فرشتے ہیں اور اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ۝ (النازعات:۵) (پھر ان کی قسم جو (نظام کائنات کی) تدبیر کرنے والے ہیں O) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اور صحیفوں کو پاکیزہ یا پاک کیا ہوا فرمایا کیونکہ صحیفوں پر تطہیر کا وقوع ہوتا ہے، پس تطہیر کو صحیفوں کے حاملین کی مثل قرار دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ (عبس: ۱۳۔۱۶) یہ عزت والے صحیفوں میں ہے O جو بلندی والے پاکیزہ ہیں O ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے O جو عزت والے نیک ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے المطهرة کی تفسیر اس آیت سے کی ہے: اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں O (الواقعہ:۷۹) یعنی جب کہ صحیفے تطہیر کے وصف کے ساتھ متصف ہوتے ہیں تو صحیفوں کے حاملین یعنی فرشتوں کو بھی تطہیر اور پاکیزگی

کے وصف کے ساتھ متصف فرمایا اور یہ اس طرح ہے جس طرح یہ آیت ہے: پھر ان کی قسم جو (نظام کائنات کی) تدبیر کرنے والے ہیںO (النازعات:۵) کیونکہ تدبیر کرنا گھوڑوں کے سواروں کی صفت تھی تو یہ صفت گھوڑوں کے حاملین کو بھی دی گئی یعنی ان کے سواروں کو، پس فرمایا: فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۞۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس توجیہ میں تکلف ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کا بیان یہ ہے کہ صحیفوں پر اس تطہیر کا اطلاق نہیں کیا جاتا جو تنجیس یعنی نجاست کے خلاف حقیقتاً ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ صحیفے اس سے پاک ہیں کہ وہ کفار کے ہاتھوں میں واقع ہوں، دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ صحیفے کلام اللہ کے غیر سے پاک ہیں، پس وہ خالص وحی اور محض حق ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْغُلْبُ الْمُلْتَفَّةُ وَالْاَبُّ مَا يَأْكُلُ الْاَنْعَامُ۔

اور مجاہد نے کہا: الغلب کا معنی ہے: اَلْمُلْتَفَّةُ یعنی ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور گھنے اور اَلْاَبُّ کا معنی ہے: جس کو مویشی کھاتے ہیں یعنی چارا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَحَدَآئِقَ غُلْبًا۞ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا۞ (عبس: ۳۰-۳۱) اور گھنے باغاتO اور میوے اور مویشیوں کا چاراO

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَلْغُلْب کی تفسیر کی ہے: الملتفة، یہ اِلْتِفَاف سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے: وہ چیزیں جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی اور گھنی ہوں، اور اَلْاَبُّ کا معنی ہے: جس تر اور خشک گھاس کو مویشی کھاتے ہیں اور حسن بصری سے منقول ہے کہ وہ گھاس پھوس ہے جس کو چوپائے کھاتے ہیں اور انسان نہیں کھاتے، اور علامہ الثعلبی نے کہا ہے: الغلب کا معنی ہے: گھنے درخت اور اس کا واحد اغلب ہے اور اس معنی میں موٹی گردن والے کو بھی اغلب کہا جاتا ہے اور قتادہ سے منقول ہے کہ النخل کا معنی ہے: کھجوروں کے درخت۔

سَفَرَةٌ اَلْمَلَائِكَةُ وَاحِدُهُمْ سَافِرٌ سَفَرْتُ أَصْلَحْتُ بَيْنَهُمْ وَجُعِلَتِ الْمَلَائِكَةُ إِذَا نَزَلَتْ بِوَحْيِ اللّٰهِ وَتَأْدِيَتِهِ كَالسَّفِيرِ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ الْقَوْمِ۔

سَفَرَةٌ اس کا معنی ہے: ملائکہ یعنی فرشتے اور اس کا واحد سَافِرٌ ہے اور سَفَرْتُ کا معنی ہے: میں نے ان کے درمیان صلح کرائی اور فرشتے جب اللہ کی وحی لے کر نازل ہوتے ہیں اور اس کو پہنچاتے ہیں تو ان کو اس سفیر کی طرح قرار دیا جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ۞ (عبس: ۱۵) ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئےO

علامہ عینی لکھتے ہیں: اور سَفَرَةٌ کا واحد سافر ہے اور قتادہ نے کہا: اس کا واحد سفیر ہے، امام بخاری نے کہا ہے کہ سفرۃ کا معنی ہے: میں نے لوگوں کے درمیان صلح کرادی، اس میں یہ اشارہ ہے کہ اسی سے سفیر کا لفظ ماخوذ ہے جو اللہ کا رسول ہوتا ہے اور قوم کا سفیر بھی وہ ہوتا ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے، اور حضرت ابن عباس اور مقاتل سے منقول ہے کہ سَفَرَةٌ کا معنی ہے: لکھنے والے اور یہ وہ فرشتے ہیں جو کراماً کاتبین ہیں اور اسی وجہ سے کتاب کو سفر کہا جاتا ہے اور اس کی جمع اسفار ہے۔ تادیتہ کا لفظ اداء سے بنا ہے اور تادیب کا لفظ ادب سے بنا ہے نہ کہ اداء سے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ تَصَدّٰى تَغَافَلَ عَنْهُ۔ اور تَصَدّٰی اس کا معنی ہے: آپ اس سے غفلت کرتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ (عبس: ٦) تو آپ اس کے درپے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تصدی کی تفسیر کی ہے: تغافل، یہ اصل میں تتغافل تھا، اسی طرح تصدی اصل میں تتصدی تھا، پس دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کر دیا گیا، علامہ زمخشری نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: جو آپ سے مستغنی ہوتا ہے (یعنی مشرکین) آپ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہی تفسیر مناسب اور مشہور ہے اور صاحب التلویح نے کہا ہے کہ صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں تصدی کی تفسیر تغافل کے ساتھ ہے اور جو دوسری تفسیروں میں ہے: وہ یہ ہے کہ تصدی کا معنی ہے: آپ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہی درست ہے اور اسی پر اکثر مفسرین کا اتفاق ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی امام بخاری پر یہی اعتراض کیا ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ١٠٧)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: استغنی کا معنی ہے: مال و دولت سے غنی ہونا کیونکہ آپ جن کو تبلیغ کر کے مسلمان کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ سب اصحاب ثروت اور مال دار لوگ تھے اور آپ کو توقع تھی کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کی اتباع میں بہت لوگ اسلام قبول کر لیں گے تو آپ ان کے درپے ہیں، اس کا معنی ہے: آپ ان کو مسلمان کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ (انوار تبیان القرآن ص ٩٤٠ فرید بک اسٹال، لاہور، ١٤٣١ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَمَّا يَقْضِ لَا يَقْضِي أَحَدٌ مَا أُمِرَ بِهِ۔ اور مجاہد نے کہا: لَمَّا يَقْضِ کا معنی ہے: ابھی تک کسی انسان نے اس عمل پر پورا حکم نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝ (عبس: ٢٣) بے شک اس نے اللہ کے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر ظاہر ہے اور مجاہد کی عبارت میں ہے: ابھی تک کسی انسان نے اس حکم پر عمل نہیں کیا جو اس پر فرض کیا گیا تھا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَرْهَقُهَا تَغْشَاهَا شِدَّةٌ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تَرْهَقُهَا اس کا معنی ہے: اس کو شدت ڈھانپ رہی ہوگی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ (عبس: ٤١) ان پر سیاہی چھائی ہوگی O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر امام ابن ابی حاتم سے منقول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے چہرے پر اندھیرا، ذلت، معصیت اور سیاہی ہوگی اور ابن زید سے منقول ہے کہ غَبَرَة اور قَتَرَة یعنی گرد و غبار اور سیاہی میں یہ فرق ہے کہ گرد و غبار آسمان کی طرف سے یعنی اوپر کی طرف سے آتا ہے اور سیاہی زمین کے نچلے حصہ کی طرف سے آتی ہے۔

مُسْفِرَةٌ مُشْرِقَةٌ مُسْفِرَةٌ اس کا معنی ہے: روشن اور چمک دار۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ (عبس: ٣٨) اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر بھی امام ابن ابی حاتم سے منقول ہے۔

بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَتَبَةٍ أَسْفَارًا كُتُبًا۔ بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ۝ (عبس:۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے کتابوں یعنی صحائف اعمال کو لکھنے والے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر مکرر ہے اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

سورۃ الجمعہ میں جو اَسْفَارًا کا لفظ ہے (الجمعہ:۵) وہ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

تَلَهّٰى تَشَاغَلَ۔ تَلَهّٰى اس کا معنی ہے: (آپ دوسروں کی طرف) مشغول ہوتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى۝ (عبس:۱۰) تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: تلهى اصل میں تتلهى تھا ایک تاء کو حذف کر دیا گیا، علامہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اس کا معنی ہے آپ اس سے اعراض کر کے دوسروں کی طرف مشغول ہوتے ہیں۔

يُقَالُ وَاحِدُ الْأَسْفَارِ سِفْرٌ۔ کہا جاتا ہے اسفار کا واحد سِفْرٌ ہے یعنی کتاب۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کی نظیر درج ذیل آیت ہے:

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ (الجمعہ:۵) ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔

اس تفسیر کو دوبارہ بالتبع ذکر کیا ہے، ابوذر کے نسخہ میں یہ تفسیر نہیں ہے۔

فَاَقْبَرَهُ يُقَالُ اَقْبَرْتُ الرَّجُلَ جَعَلْتُ لَهُ قَبْرًا قَبَرْتُهُ دَفَنْتُهُ۔ فَاَقْبَرَهُ: کہا جاتا ہے اَقْبَرْتُ الرَّجُلَ یعنی میں نے اس مرد کی قبر بنا دی اور کہا جاتا ہے قَبَرْتُهُ یعنی میں نے اس کو دفن کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ۝ (عبس:۲۱) پھر اس کو موت دی، پس اس کو قبر میں پہنچایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: الفراء نے کہا ہے: جعلته مقبورا کہا اور جعلت له قبرا نہیں کہا کیونکہ قبر بنانے والا تو دفن کرنے والا ہے اور امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ فاقبره کا معنی ہے: میں نے اس کی قبر بنا دی اور جو اس کو اپنے ہاتھ سے دفن کرتا ہے وہی اس کی قبر بنانے والا ہے۔ [علامہ عینی نے ان تمام تعلیقات کی شرح عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۱۔۳۹۹ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ

باب

۴۹۳۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ زُرَارَةَ بْنَ أَوْفَى يُحَدِّثُ عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ حَافِظٌ لَهُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَمَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ وَهُوَ يَتَعَاهَدُهُ وَهُوَ عَلَيْهِ شَدِيدٌ فَلَهُ أَجْرَانِ۔ (صحیح مسلم:۷۹۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے زرارہ بن اوفی سے سنا وہ از سعد بن ہشام حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اس کی مثل ہے کہ وہ السفرۃ الکرام کے ساتھ ہوگا (یعنی معزز

فرشتوں کے ساتھ ہوگا) جو اعمال لکھنے والے ہیں اور اس شخص کی
مثال جو قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کو یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے
اور وہ اس پر دشوار ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے حافظ کی مثال اور معزز فرشتوں کے ساتھ ہونے کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
مثل الذی: اس کا معنی ہے: اس حافظ قرآن کی صفت، جس طرح قرآن مجید میں ہے:
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ (الرعد: ۳۵) اس جنت کی صفت جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے۔
مع السفرۃ: علامہ ابن التین نے کہا ہے: وہ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا جس تلاوت کی وجہ سے وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔
علامہ کرمانی نے کہا ہے: لفظ مثل زائد ہے ورنہ اس لفظ کے درمیان اور لکھنے والے فرشتوں کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہوگا کیونکہ الذی موصول اور صلہ مل کر مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے وہ لکھنے والے معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ مَثَل مَثِیل اور شبیہ کے معنی میں ہو اور تقدیر عبارت اس طرح ہے، جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے وہ معزز فرشتوں کے مشابہ ہے۔ جو قرآن مجید کو یاد کرتا ہو اور وہ اس پر دشوار ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں: یعنی تلاوت کے اعتبار سے اور یاد کرنے کی مشقت کے اعتبار سے، یہ علامہ قرطبی کا قول ہے۔
اگر تم سوال کرو کہ جو شخص حافظ ہو اور وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے تو وہ معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا تو اس کا کیا معنی ہے؟ میں کہتا ہوں: اس کے دو معنی ہیں: ایک معنی یہ ہے کہ اس کے لیے ایسی منازل ہوں گی جن میں وہ معزز فرشتوں کا رفیق ہوگا کیونکہ وہ ان کی صفات کے ساتھ متصف ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ معزز فرشتوں کا عمل کرے گا اور ان کے مسلک پر چلے گا۔
(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:
علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو یاد کرنا اس پر دشوار ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اس میں اختلاف ہے کہ آیا حافظ کی بہ نسبت اس کے دو اجر ہیں یا مطلقاً اس کا اجر زیادہ ہوگا کیونکہ وہ قرآن مجید کو یاد کرنے میں مشقت اٹھاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)
الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورہ عبس کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز اس کے بعد سورۃ التکویر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٨١۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ

سورۂ اذا الشّمس کورت (سورۃ التکویر) کی تفسیر

سُوْرَةُ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (سورۃ التکویر) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ التکویر کی بعض آیات کی تفسیر ہے اوراس میں انتیس (۲۹) آیات ہیں:

میں کہتا ہوں: ہم نے لکھا ہے: تکویر کا معنی ہے: کسی چیز کے بعض اجزاء کو اس کے اوپر لپیٹنا جیسے عمامہ کو سر کے اوپر لپیٹا جاتا ہے۔ اس سورت میں فرمایا ہے:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ (التکویر:۱) جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا ۝

سورج کو لپیٹنے کا معنی یہ ہے کہ سورج کے بعض اجزاء کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا اور جب ایسا کیا جائے گا تو اس کی روشنی جاتی رہے گی۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۸۶)

انْكَدَرَتْ انْتَثَرَتْ۔ انکدرت اس کا معنی ہے: جب وہ منتشر ہو جائیں یا بکھر جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ (التکویر:۲) اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے انکدرت کی تفسیر انتثرت کی ہے یعنی جب ستارے بکھر جائیں اور آسمان سے زمین پر گر جائیں، انکدر الطائر اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی پرندہ گر جائے، حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر منقول ہے: جب ستارے متغیر ہو جائیں گے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ سُجِّرَتْ ذَهَبَ مَاؤُهَا فَلَا يَبْقَى قَطْرَةٌ وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْمَسْجُوْرُ الْمَمْلُوْءُ وَقَالَ غَيْرُهُ سُجِرَتْ أَفْضَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَاحِدًا۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ سُجِّرَتْ کا معنی ہے کہ سمندر کا پانی سوکھ جائے اور اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے اور مجاہد نے کہا ہے المسجور کا معنی ہے: بھرا ہوا، اور دوسروں نے کہا ہے کہ سُجِرت کا معنی ہے کہ سمندر کے اجزاء ایک دوسرے سے مل جائیں گے اور تمام سمندر مل کر ایک سمندر ہو جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ (التکویر:٦) اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: حسن بصری کی تفسیر ظاہر ہے اور اسی طرح السدی نے کہا ہے اور ابن زید اور ابن عطیہ اور سفیان اور وہب بن منبہ نے کہا ہے: جب سمندر بھڑکائے جائیں گے اور وہ آگ ہو جائیں گے اور مجاہد نے وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ (الطور:٦) کی تفسیر

میں کہا ہے: اس سے مراد بھرا ہوا سمندر ہے، ہر چند کہ یہ لفظ اس سورت میں نہیں ہے لیکن امام بخاری نے اس کی تفسیر کو سجوت کی مناسبت سے ذکر کر دیا ہے، امام بخاری نے کہا: اور دوسروں نے بیان کیا یعنی مجاہد یا حسن بصری کے علاوہ دوسروں نے بیان کیا۔ اور یہ مقاتل اور ضحاک کا قول ہے۔

وَالْخُنَّسُ تَخْنِسُ فِي مُجْرَاهَا تَرْجِعُ وَتَكْنِسُ تَسْتَتِرُ كَمَا تَكْنِسُ الظِّبَاءُ۔

وَالْخُنَّس: اس کا معنی ہے: تخنس یعنی وہ اپنے چلنے کی جگہ میں پھر لوٹ آتے ہیں اور تکنس: کا معنی ہے: چھپ جاتے ہیں جس طرح ہرن چھپ جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ (التکویر: ۱۵،۱۶)

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی ۝ چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: الفراء نے کہا ہے: اَلْخُنَّس پانچ ستارے (سیارے) ہیں جو چلتے چلتے آخر میں جا کر پلٹ آتے ہیں، پھر جاتے ہیں، ان پانچوں کے یہ نام ہیں: (۱) بہرام (۲) زحل (۳) عطارد (۴) زہرہ (۴) مشتری۔ روایت کیا گیا ہے کہ قبیلہ مراد کا ایک مرد تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کو بیان کیا۔

اَلْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ: الفراء نے کہا: یہ وہ ستارے ہیں جو دن میں چھپ جاتے ہیں، پس دکھائی نہیں دیتے اور رات میں اپنے چلنے کی جگہوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ خُنَّس کا اصل میں معنی ہے: اپنی پناہ گاہ کی طرف لوٹنا اور یہ وہ جگہیں ہیں جن کی طرف ہرن وغیرہ وحشی جانور پناہ لیتے ہیں اور کہا گیا ہے: خُنَّس کا معنی ہے: نیل گائے جب وہ انسان کو دیکھتی ہے تو اپنی پناہ گاہ میں چھپ جاتی ہے، امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ عمرو بن شرحبیل سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: خُنَّس کیا ہیں؟ انہوں نے کہا: میرا گمان ہے وہ نیل گائے ہیں، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: میرا بھی یہی گمان ہے اور خُنَّس خَانِسٌ کی جمع ہے کُنَّس کَانِس کی جمع ہے جیسے رُکَّعٌ رَاکِعٌ کی جمع ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے لکھا ہے: اَلْخُنَّس کا لفظ خانس اسم فاعل کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانے والے، پھر جانے والے، رک جانے والے، چھپ جانے والے، مفسرین کے نزدیک اس سے مراد ستارے ہیں جو دن میں چھپ جاتے ہیں اور کُنَّس کا لفظ کانس اسم فاعل کی جمع ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الکنس سے مراد وہ ستارے ہیں جو رات میں نظر آتے ہیں اور دن میں چھپ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۹۴۲ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

تَنَفَّسَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ۔

تنفس کا معنی ہے: دن چڑھ جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝ (التکویر: ۱۸)

اور صبح کی جب چمکنے لگے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کی تفسیر ظاہر ہے۔

وَالظَّنِينُ الْمُتَّهَمُ وَالضَّنِينُ يَضَنُّ بِهِ۔

وَالظَّنِيْن: اس کا معنی ہے: اَلْمُتَّهَم یعنی جس پر تہمت لگی ہو۔ وَالضَّنِيْن اس کا معنی ہے: جو بخل کرے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ (التکویر:۲۴) اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے پر بخیل نہیں ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَلظَّنِیْن کی تفسیر کی ہے: مُتَّهَمٌ اور الضنین کی تفسیر کی ہے: جو بخل کرے، علامہ ثعلبی نے کہا ہے: یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر یعنی وحی پر اور آسمان کی خبر پر اور ان کو جس علم غیب پر مطلع کیا جاتا ہے ضنین نہیں ہیں یعنی بخیل نہیں ہیں، سو وہ تم پر غیب کی خبر دینے میں بخل نہیں کریں گے بلکہ تم کو تعلیم دیں گے اور اس غیب کی خبر دیں گے، پھر علامہ ثعلبی نے کہا: یہ لفظ ظاء کے ساتھ ظنین بھی ہے یعنی وہ جس غیب کی خبر دیتے ہیں اس میں ان پر تہمت نہیں ہے، علامہ نسفی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے: ظاء اور ضاد میں فرق کرنا واجب ہے اور ان کے مخارج کی معرفت ضروری ہے کیونکہ اکثر عجمی لوگ ان دونوں حرفوں میں فرق نہیں کرتے اور علامہ جوہری نے فصل الضاد میں کہا ہے کہ جب تم کسی چیز کے ساتھ بخل کرو تو کہتے ہو: ضَنِنتُ بِالشَّيْئِ اور فصل الظاء میں لکھا ہے: الظنین کا معنی ہے: اَلْمُتَّهَمُ اور اَلظِّنَّةُ کا معنی ہے: تہمت۔

وَقَالَ عُمَرُ النُّفُوسُ زُوِّجَتْ يُزَوَّجُ نَظِيرَهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ثُمَّ قَرَأَ احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝ (التکویر:۷) کی تفسیر میں کہا ہے کہ اہل جنت اور اہل نار میں سے ہر ایک کی اس کی نظیر کے ساتھ شادی کر دی جائے گی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ۔ (الصافات:۲۲) ظالموں کو اور ان کی ازواج کو جمع کرو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اہل جنت میں سے کسی مرد کی اس کی نظیر کے ساتھ شادی کر دی جائے گی اور اہل دوزخ میں سے کسی مرد کی اس کی نظیر کے ساتھ شادی کر دی جائے گی، اس تعلیق کی امام عبد بن حمید نے از حضرت النعمان بن بشیر از حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم روایت کی ہے، اور الکلبی نے کہا: مومن کی زوجہ بڑی آنکھوں والی حور ہو گی اور کافر کی بیوی شیطان ہو گی (یعنی جنیہ) اور الربیع بن خثیم نے کہا ہے: ہر مرد اپنے صاحب عمل کے ساتھ آئے گا۔ اہل جنت میں سے اپنی نظیر کے ساتھ اور اہل دوزخ میں سے اپنی نظیر کے ساتھ اور حسن بصری نے کہا: ہر مرد کو اس کے گروہ کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور عکرمہ نے کہا: زانی مرد کا زانی عورت کے ساتھ حشر کیا جائے گا، بدکار مرد کا بدکار عورت کے ساتھ اور نیک مرد کا نیک عورت کے ساتھ حشر کیا جائے گا۔

عَسْعَسَ أَدْبَرَ۔ عَسْعَسَ اس کا معنی ہے: پیٹھ موڑنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝ (التکویر:۱۷) اور رات کی (قسم)! جب وہ جانے لگے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اَدْبَرَ کی جو تفسیر کی ہے یہی تفسیر امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کی ہے اور زجاج نے کہا ہے: جب رات آئے تو کہتے ہیں: عَسْعَسَ الَّيْلُ اور جب رات جائے تب بھی کہتے ہیں: عَسْعَسَ، لہٰذا یہ لفظ دو ضدوں کے درمیان مشترک ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۰۴۔۴۰۲ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین سورۃ التکویر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الانفطار کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۲۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ

سُوْرَةُ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ کی تفسیر

سُوْرَةُ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ (الانفطار) کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الانفطار کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں انیس (۱۹) آیات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اِنْفِطَارُهَا انْشِقَاقُهَا۔ انفطارھا اس کا معنی ہے: آسمان کا پھٹنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝ (الانفطار: ۱) جب آسمان پھٹ جائے گا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: الانفطار فطر سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: پھٹنا۔ یہ تفسیر صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ بُعْثِرَتْ يَخْرُجُ مَنْ فِيْهَا مِنَ الْأَمْوَاتِ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے کہ بعثرت کا معنی ہے کہ زمین اپنے اندر (مدفون) مردوں کو نکال دیں گی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ (الانفطار: ۴) اور جب قبریں شق کر دی جائیں گی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر ظاہر ہے، الفراء نے بھی یہی لکھا ہے اور یہ صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ بُعْثِرَتْ أُثِيْرَتْ بَعْثَرْتُ حَوْضِيْ أَيْ جَعَلْتُ أَسْفَلَهُ أَعْلَاهُ۔ اور دوسروں نے کہا ہے کہ بُعْثِرَتْ کا معنی ہے: پلٹ دی جائیں گی، جب کوئی شخص اپنے حوض کو پلٹ دے اور اس کے نیچے والے حصے کو اوپر کر دے تو وہ کہتا ہے: بَعْثَرْتُ حَوْضِيْ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غیر نے کہا ہے کہ بعثرت کا معنی یہ ہے کہ قبروں کو پلٹ دیا جائے گا اور زمین میں جو خزانے ہیں اور اس میں جو مردے مدفون ہیں اور سونا اور چاندی اور دیگر معدنیات ہیں ان سب کو پلٹ دیا جائے گا، امام بخاری نے کہا ہے: بعثرت حوضی اس میں اشارہ کیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے حوض کو کھود کر الٹا کر دے اور اس کا نیچے والا حصہ اوپر کر دے تو وہ کہتا ہے: میں نے اپنے حوض کو الٹ دیا یا پلٹ دیا یہ تفسیر بھی صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَقَالَ الرَّبِيْعُ بْنُ خُثَيْمٍ فُجِّرَتْ فَاضَتْ۔ اور الربیع بن خثیم نے کہا ہے کہ فُجِّرَتْ کا معنی ہے: بہیں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ (الانفطار: ۳) اور جب سمندر (اپنی جگہ سے) بہا دیئے جائیں گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فُجِّرَتْ کی تفسیر کی ہے: فاضت، یہ لفظ فیض سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: بہنا یعنی جب سمندر کا میٹھا پانی کڑوے پانی سے مخلوط ہو جائے گا اور کڑوا پانی میٹھے پانی سے مخلوط ہو جائے گا تو تمام سمندر کا پانی ایک ہو جائے گا۔
اس تعلیق کی امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

وَقَرَأَ الْأَعْمَشُ وَعَاصِمٌ فَعَدَلَكَ بِالتَّخْفِيفِ وَقَرَأَهُ أَهْلُ الْحِجَازِ بِالتَّشْدِيدِ وَأَرَادَ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ وَمَنْ خَفَّفَ يَعْنِي فِي أَيِّ صُورَةٍ شَاءَ إِمَّا حَسَنٌ وَإِمَّا قَبِيحٌ أَوْ طَوِيلٌ أَوْ قَصِيرٌ۔

اور الاعمش اور عاصم نے (تخفیف کے ساتھ) پڑھا ہے فَعَدَلَکَ اور اہل حجاز نے (تشدید کے ساتھ) پڑھا ہے فَعَدَّلَکَ اور انہوں نے اس سے ارادہ کیا ہے کہ اس کی تخلیق معتدل ہے اور جنہوں نے اس لفظ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ جس صورت میں چاہا اس نے تخلیق کی خواہ حسین صورت میں خواہ قبیح صورت میں اور خواہ طویل قامت میں خواہ کوتاہ قامت میں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ (الانفطار: ۸۔۷)

جس نے تجھے پیدا کیا، پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا O پھر جس صورت میں چاہا تجھے بنا دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی سلیمان الاعمش اور عاصم بن ابوالنجود الاسدی جو سات قراء میں سے ایک ہیں انہوں نے (الانفطار: ۸) کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح حسن بصری اور حمزہ اور کسائی اور امام ابوحنیفہ اور ابورجاء اور عیسیٰ بن عمر اور عمر بن عبید اور کوفیوں نے پڑھا ہے، اور اہل حجاز نے اس لفظ کو دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور جنہوں نے اس کو دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ انسان کو معتدل تخلیق کے ساتھ بنایا اور جنہوں نے اس لفظ کو دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے ان کی مراد ہے: انسان کو جس طرح چاہا اس طرح بنا دیا اور باقی تفسیر ظاہر ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: امام رازی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء معتدل بنائے، ایسا نہیں کیا کہ ایک ہاتھ بڑا اور دوسرا ہاتھ چھوٹا ہوتا یا ایک ٹانگ بڑی اور دوسری ٹانگ چھوٹی ہوتی یا ایک آنکھ بڑی اور دوسری آنکھ چھوٹی ہوتی۔ اسی طرح اس کی ہڈیاں، اس کے اعصاب اور اس کی شریانیں سب بہترین حکمت پر بنائی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور قوت کا ذکر فرمایا ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی کو ترک کرے اور اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کی طرف سبقت کرے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۹۴۴ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۵۔۴۰۴ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الانفطار کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ المطففین کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور ایک حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۳۔ تَفۡسِيۡرُ سُوۡرَةِ وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ

سُوۡرَةُ وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ کی تفسیر

سُوۡرَةُ وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ (المطففین) کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس سورت کا نام ویل للمطففین ہے اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس کا نام المطففین ہے۔ یہ اس سورت کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ ابو العباس اور سعید اور محمد بن ثور نے از معمر روایت کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے، اور اسی طرح سفیان نے کہا ہے اور السدی نے کہا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور الکلبی سے منقول ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ مکہ سے مدینہ کی طرف جا رہے تھے، اور مقاتل نے کہا: یہ سورت مدنی ہے سوا ایک آیت کے جو مکہ میں نازل ہوئی ہے اور وہ آیت یہ ہے: اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝ (المطففین: ۱۳) اور ابن النقیب کے نزدیک یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی اور علامہ سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ سورت سورۃ العنکبوت کے بعد نازل ہوئی ہے۔

امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو لوگ ناپ تول میں بہت زیادہ کمی کرتے تھے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۝ (المطففین: ۱) (ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے سخت عذاب ہے ۝) پھر لوگ عمدہ طریقہ سے ناپ تول کرنے لگے، اور علامہ ثعلبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ویل کے متعلق مقاتل نے کہا ہے کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہے جس کی گہرائی ستر (۷۰) سال کی مسافت ہے، اس میں ستر ہزار گھاٹیاں ہیں اور ہر گھاٹی میں ستر ہزار شگاف ہیں اور ہر شگاف میں ستر ہزار غار ہیں اور ہر غار میں ستر ہزار لوہے کے تابوت ہیں اور ہر تابوت میں ستر ہزار درخت ہیں اور ہر درخت میں ستر ہزار آگ کی شاخیں ہیں اور ہر شاخ میں ستر ہزار پھل ہیں جن کا طول ستر ہزار ہاتھ ہے، ہر درخت کے نیچے ستر ہزار اژدھے ہیں اور ستر ہزار بچھو ہیں، ہر اژدھے کا طول ایک ماہ کی مسافت ہے اور اس کی موٹائی پہاڑ کے برابر ہے، اس کی کھجور کے درخت کے برابر داڑھیں ہیں اور اس کا زہر یلا ڈنک پہاڑ کی چوٹی کے برابر ہے اس کو القتبی نے اپنی کتاب ''عیون الاخبار'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور ابن وہب نے اس کی مثل ''کتاب الاہوال'' میں روایت کی ہے اور ''صاحب التلویح'' نے ذکر کیا ہے کہ ''صحیح ابن حبان'' میں اس حدیث کی اصل ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کافر کے اوپر ننانوے تنین مسلط کیے جائیں گے، کیا تم جانتے ہو تنین کیا ہے؟ یہ ستر سانپ ہیں، ہر سانپ کے سات سر ہیں، وہ اس شخص کو قیامت تک ڈستے اور بھنبھوڑتے رہیں گے۔

المطففون وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے حقوق میں کمی کرتے ہیں اور پورا ناپ اور تول نہیں کرتے اور التطفیف کا معنی ہے: ناپ اور تول میں کمی کرنا۔ اس سورت میں چھتیس (۳۶) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۹-۴۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ بَلْ رَانَ ثَبْتُ الْخَطَايَا۔ اور مجاہد نے کہا: بَلْ رَانَ اس کا معنی ہے: گناہ قائم اور ثابت رہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ (المطففین:۱۴) ہرگز نہیں! بلکہ اس کے (برے) کاموں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: گناہ قائم اور ثابت رہے یعنی گناہوں نے ان کے دلوں کو ڈھانپ لیا اور رَانَ کا لفظ رین سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: غلبہ، جب کوئی شخص شراب کے غلبہ سے مدہوش ہو جائے تو کہا جاتا ہے: رانت الخمر علی قلبہ اور اس آیت کا معنی ہے کہ گناہ ان کے دلوں پر غالب آ گئے اور گناہوں نے ان کے دلوں کا احاطہ کر لیا اور ان کو ڈھانپ لیا اور یہ ایسا ہے جیسے کسی صاف دھات کے اوپر زنگ چڑھ جائے۔

ثُوِّبَ جُوْزِيَ۔ ثُوِّبَ کا معنی ہے: جزا دی گئی یا بدلہ دیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۝ (المطففین:۳۶) کفار کو اپنے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ امام ابوعبیدہ کا قول ہے اور مجاہد سے بھی مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: کفار دوزخ میں دیکھیں گے کہ دوزخ سے باہر نکلنے کا دروازہ کھل گیا ہے، جب وہ دوڑ کر اس دروازے تک پہنچیں گے تو وہ دروازہ بند ہو جائے گا اور مومنین جنت میں عزت والی مسندوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے کہ کفار دنیا کی عزت اور تکبر کی وجہ سے آج کس قدر ذلت اور رسوائی میں ہیں، اس آیت میں ثُوِّبَ کا لفظ ہے یعنی کفار کو اپنے مذاق اڑانے کا کیسا ثواب ملا اور ان کے بدلہ کو استہزاء ثواب فرمایا ہے۔

(انوار تبیان القرآن ص ۹۴۶، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ غَيْرُهُ الْمُطَفِّفُ لَا يُوَفِّي غَيْرَهُ اور دوسروں نے کہا: مُطَفِّفُ وہ شخص ہے جو دوسرے کا حق پورا نہیں دیتا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ۝ (المطففین:۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی جو دوسروں کا حق پورا نہیں دیتے اور اس میں کمی کرتے ہیں۔

اَلرَّحِيْقُ اس کا معنی ہے: خمر یعنی انگور کی شراب، خِتَامُهٗ مِسْكٌ یعنی اس کی مہر مشک ہے یعنی اس کی مٹی التسنیم ہے، یہ اہل جنت کی شراب کا نام ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۚ (المطففین:۲۵۔۲۶) ان کو مہر لگی ہوئی شفاف شراب پلائی جائے گی○ اس کی مہر مشک ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی ابرار اور نیک لوگوں سے پہلے اس مہر کی وجہ سے کسی کو وہ شراب نہیں پلائی جائے گی۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ۝ (المطففین:۲۷) اور اس میں (چشمہ) تسنیم کی آمیزش ہے○

اور مقاتل نے کہا ہے: اس چشمہ کا نام تسنیم اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ اہل جنت کے بالا خانوں اور ان کے گھروں کے اوپر سے جنت عدن سے جنتیوں کی طرف بہہ رہا ہوگا اور یہ تفسیر صرف علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۰۷۔۴۰۵ میں کی ہے]

۴۹۳۸ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ حَتَّى يَغِيبَ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ۔ (صحیح مسلم: ۲۸۶۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: **يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**۝ (المطففین: ۶) جب سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ۝ حتیٰ کہ لوگوں میں سے ایک شخص اپنے آدھے کانوں تک پسینہ میں غائب ہوگا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں سے ڈرتے ہوئے حاضر ہوں گے، وہ کم تولنے کے گناہ سے بہت سہمے ہوئے اور بہت خوف زدہ ہوں گے۔

یہ حدیث امام مالک کے غرائب میں سے ہے اور یہ المؤطا میں نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۰۷)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ المطففین کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الانشقاق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات اور احادیث ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۴۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ

سُوْرَةِ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ کی تفسیر

سُوْرَةِ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ (الانشقاق) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس سورت کا نام إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ بھی ہے اور الانشقاق بھی ہے، یہ اس سورت کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس میں پچیس (۲۵) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۷) یہ سورت مکی ہے۔

قَالَ مُجَاهِدٌ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ يَأْخُذُ كِتَابَهُ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِهِ۔ مجاہد نے کہا: کتابہ بشمالہ یعنی جو شخص اپنے اعمال نامہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ (الانشقاق:۱۰) اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس کا دایاں ہاتھ گردن کی طرف منتقل کیا جائے گا اور اس کا بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا، پھر اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ اس تعلیق میں جو ذکر ہے وہ اس آیت میں ہے:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ (الحاقۃ:۲۵) رہا وہ جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ۝

اور مجاہد نے کہا: اَذِنَتْ کا معنی ہے: اس نے سنا اور اپنے رب کی اطاعت کی اور اس کے اندر جو مردے تھے ان کو نکال باہر کیا اور زمین ان سے خالی ہوگئی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝ (الانشقاق:۲۔۴) اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا اور یہی اس پر حق ہے ۝ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ۝ اور جو کچھ اس کے اندر ہے باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے کہ زمین اپنے مردوں کو باہر ڈال دے گی اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے: وہ اپنے خزانوں کو اور مردوں کو باہر ڈال دے گی اور تَخَلَّتْ کا معنی ہے کہ زمین کے پیٹ میں کچھ نہیں رہے گا اور یہ پوری تفسیر علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَسَقَ جَمَعَ مِنْ دَابَّةٍ۔ وَسَقَ: اس کا معنی ہے: وہ چوپایوں کو جمع کرلے گی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ (الانشقاق:۱۷) اور رات کی (قسم کھاتا ہوں) اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے: اور رات ان چوپایوں کو جمع کر لے گی جو اس میں پناہ لیتے ہیں اور عکرمہ سے منقول ہے کہ رات چوپایوں، بچھوؤں اور سانپوں کو جمع کر لے گی اور مقاتل نے کہا ہے: اندھیروں کو جمع کر لے گی، وسق کا معنی ہے: جمع کرنا، جب تم کسی چیز کو جمع کر لو تو کہتے ہیں: وَسَقْتُهٗ۔ اور جو طعام بہت زیادہ ہو اور جمع ہو اس کو بھی وسق کہا جاتا ہے اور وسق ساٹھ (۶۰) صاع یعنی دو سو چالیس (۲۴۰) کلوگرام غلہ کو کہتے ہیں اور طعامٌ موسوقٌ کا معنی ہے: وہ غلہ جو بوری میں بھرا ہوا ہو۔

ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ لَا يَرْجِعَ إِلَيْنَا۔ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُوْرَ اس کا معنی ہے: اس نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّهٗ ظَنَّ أَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ (الانشقاق: ۱۴) اس کا یہ گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: يَحُوْرَ کا لفظ اَلْحَوْر سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: رجوع کرنا اور لوٹنا، جب تم کسی شخص کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہو: رَاجَعْتُهٗ اور اس کا اطلاق کسی امر کے متعلق تردد کرنے پر بھی کیا جاتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُوعُونَ يُسِرُّوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یُوعُوْنَ کا معنی ہے: یَشْتَرُوْنَ یعنی وہ خریدتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۝ (الانشقاق: ۲۳) اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: ای یشترون یعنی خریدتے ہیں، اس کی امام ابن ابی حاتم نے علی بن ابی طلحہ سے روایت کی ہے اور مجاہد سے منقول ہے: جس کو وہ چھپاتے ہیں اور قتادہ نے کہا جس کا وہ اپنے دلوں میں زعم کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: دار الفکر کے نسخہ میں اس تعلیق میں یشترون چھپا ہوا ہے، اسی طرح عمدۃ القاری میں بھی ہے، لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ یوعون کے معنی یشترون یعنی خریدتے ہیں نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے: محفوظ رکھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس تعلیق میں لکھا ہے: یوعون کا معنی ہے یسرون یعنی جس کو وہ چھپاتے ہیں اور یہی معنی مناسب ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۱۱) [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۰۸۔۴۰۷ میں ذکر کی ہے]

۱۔ بَابٌ: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ (الانشقاق: ۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O (الانشقاق: ۸) کی تفسیر

۴۹۳۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم ح وحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عثمان بن الاسود، انہوں نے کہا: میں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ح، اور ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث

يُونُسَ حَاتِمِ بْنِ أَبِي صَغِيرَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْسَ أَحَدٌ يُحَاسَبُ إِلَّا هَلَكَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَائَكَ أَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا قَالَ ذَاكَ الْعَرْضُ يُعْرَضُونَ وَمَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ

(صحیح البخاری: ۶۵۳۶ ۔ ۶۵۳۷ ،صحیح مسلم: ۲۸۷۶ ،سنن ترمذی: ۳۳۳۷)

بیان کی از ایوب از ابن ابی ملیکہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی ﷺ ، ح ،اور ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی یونس حاتم بن ابی صغیرۃ از ابن ابی ملیکہ از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے بھی حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا ،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ آپ پر قربان کر دے کیا اللہ عزوجل یہ نہیں فرماتا: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۙ (الانشقاق: ۸۔۷) سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ○ تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا ○ آپ نے فرمایا: یہ تو (حساب کو) پیش کرنا ہے جو ان پر پیش کیا جائے گا اور جس شخص سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

باب مذکور کی آسان حساب سے متعلق ایک حدیث کا دوسری صحیح حدیث سے تعارض اور اس کے دو جواب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم سوال کرو کہ ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن الحسن المنصور الطبری نے سنن میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جس مرد سے قیامت کے دن حساب لیا جائے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رہا وہ شخص جس کو اس کا صحیفۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ○ تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا ○ (الانشقاق: ۸۔۷) اس کے اوپر اس کا عمل پڑھا جائے گا، پس جب وہ اپنے عمل کو پہچان لے گا تو اس کو بخش دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس اس دن کسی گناہ گار کے گناہ کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا انسان سے نہ جن سے ○ (الرحمٰن: ۳۹) رہا کافر تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اس دن) مجرمین اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے اور ان کو ان کی پیشانیوں کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا ○ (الرحمٰن: ۴۱) میں کہتا ہوں: اس سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہر چند کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن یہ صحت میں صحیح بخاری کی حدیث کی ٹکر کی نہیں ہے اور معارضہ کی شرط یہ ہے کہ دونوں حدیثیں صحت میں مساوی ہوں اور اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح بخاری کے مقابلہ کی ہے تب بھی اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسروں نے دیگر آیات اور احادیث کی وجہ سے مخالفت کی ہے، اگر تم یہ سوال کرو کہ حساب سے ثواب اور جزاء کو مراد لیا جاتا ہے اور کافر کے لیے تو کچھ ثواب نہیں ہوتا کہ اس کو اس کے حساب سے جزاء دی جائے اور اس لیے کہ حساب لینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ان کافروں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائے گا (البقرۃ: ۱۷۴) میں کہتا ہوں: امام محمد بن جریر طبری نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ایسا کلام نہیں فرمائے گا جس سے وہ خوش ہوں ورنہ تو اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: تم اس دوزخ میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو ○ (المومنون: ۱۰۸)

اس حدیث میں فرمایا ہے: یہ تو حساب کو پیش کرنا ہے یعنی ان کے صحیفہ اعمال کو دکھانا ہے اور ظاہر کرنا ہے۔
دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ بندہ یہ پہچان لے کہ اس کے گناہوں سے تجاوز نہیں کیا گیا اور عرض کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا حواس سے ادراک کیا جائے اور مناقشہ کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اس کے گناہوں کے متعلق تفتیش کی جائے کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ص ۹ ۴۰ ملخصا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)
حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اسماعیل نے کہا ہے: امام بخاری نے اس حدیث کی تین سندوں کو جمع کر دیا ہے جن کے متون مختلف ہیں میں اس کی شرح کتاب الرقاق میں کروں گا۔ (فتح الباری ج٦ص ۱۱۲۔۱۱۱)
میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الرقاق میں اس حدیث کی حسب ذیل شرح کی ہے۔

بیماریوں اور مصیبتوں کا گناہوں کے لیے کفارہ ہونا اور مناقشہ کے عذاب ہونے اور آسان حساب کی دو تاویلیں

امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا: مجھے قرآن مجید میں اس سے زیادہ شدید اور کسی آیت کا علم نہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ تو میں نے یہ آیت پڑھی:
مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝ (النساء: ۱۲۳) جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار O
آپ نے فرمایا: مومن کو اس کے سب سے برے عمل کی سزا دنیا میں دے دی جائے گی، اس پر کوئی بیماری آتی ہے حتیٰ کہ اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے (تو وہ اس کی سزا ہے) لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا تو اس کو عذاب ہوگا، علامہ قرطبی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: یعنی اس کو اس کے ان گناہوں کی وجہ سے جو حساب سے ظاہر ہوئے دوزخ میں عذاب دیا جائے گا، علامہ قرطبی نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لفظ حساب سے استدلال کیا جو قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے۔
اور علامہ قرطبی نے کہا کہ آسان حساب سے مراد صحیفہ اعمال کو پیش کرنا ہے کیونکہ مومن پر ان اعمال کو پیش کیا جائے گا جن پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پردہ رکھا تھا اور آخرت میں ان کو معاف فرما دے گا۔
قاضی عیاض نے کہا ہے: جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا اس کو عذاب دیا گیا، اس کے دو معنی ہیں:
(۱) حساب کا نفس مناقشہ ہونا اور اس کے برے کاموں کو ظاہر کرنا اور ان پر ڈانٹنا عذاب ہے۔
(۲) مناقشہ عذاب کو مستلزم ہے، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ عذاب کا مستحق ہوگا کیونکہ بندہ جو بھی نیک کام کرتا ہے وہ اس نیکی پر اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے کی وجہ سے کرتا ہے اور اس کے فضل اور اس کی ہدایت کی وجہ سے کرتا ہے کیونکہ محض اس کی رضا کی وجہ سے تو نیک کام کرنے والے بہت کم ہیں اور اس دوسری تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسری حدیث میں ہے کہ جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔
علامہ نووی نے کہا ہے کہ دوسری تاویل ہی صحیح ہے کیونکہ لوگوں پر کوتاہیاں غالب ہیں، پس جس سے پوری پوری تفتیش کی گئی اور اس سے چشم پوشی نہیں کی گئی وہ ہلاک ہو گیا۔
دوسروں نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معارضہ کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ عام ہیں کہ جس سے بھی حساب لیا جائے گا اسے عذاب دیا جائے گا اور آیت کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا، ان میں تطبیق

اس طرح ہے کہ اس آیت میں حساب سے مراد یہ ہے کہ بندے پر اس کے اعمال پیش کیے جائیں گے اور اس کے اعمال کو ظاہر کیا جائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرایا جائے گا، پھر اس سے درگزر کر لیا جائے گا، اس کی تائید مسند بزار اور امام طبری کی ان کی سندوں کے ساتھ اس روایت سے ہوتی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آسان حساب کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: بندے پر اس کے صغیرہ گناہ پیش کیے جائیں گے، پھر ان سے درگزر کر لیا جائے گا اور حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس کی نیکیاں اس کے گناہوں سے زیادہ ہوں گی اس کو جنت میں بغیر حساب کے داخل کر دیا جائے گا اور جس کے گناہ اس کی نیکیوں سے زیادہ ہوں گے تو یہ وہ شخص ہے جو ہلاک ہو جائے گا اور شفاعت صرف اسی کی مثل میں ہے اور امام بخاری نے کتاب المظالم میں اور کتاب التوحید میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ تم میں سے کسی ایک کا رب اس کے قریب ہوگا حتی کہ (اپنی رحمت کا) پر اس پر رکھ دے گا اور اس سے فرمائے گا: کیا تو نے یہ، یہ عمل کیا تھا؟ بندہ کہے گا: جی ہاں! پس وہ اس کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرا پردہ رکھا تھا اور آج کے دن میں تیری مغفرت کر دیتا ہوں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۱۰-۷۰۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲- بَابٌ: لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۞ (الانشقاق:۱۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تم ضرور درجہ بہ درجہ چڑھو گے ○ (الانشقاق:۱۹) کی تفسیر

۴۹۴۰- حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ النَّضْرِ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ جَعْفَرُ بْنُ إِيَاسٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ حَالًا بَعْدَ حَالٍ قَالَ هَذَا نَبِيُّكُمْ صلى الله عليه وسلم۔

(اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں)۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے سعید بن نضر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے خبر دی انہوں نے کہا: ہمیں ابو بشر جعفر بن ایاس نے خبر دی از مجاہد، انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: (تم ضرور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کی طرف سوار ہو گے)، یہ ایک حال کے بعد دوسرا حال ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

امام حاکم نے اس حدیث کی شیخین کی شرط کے مطابق روایت کی ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۱۹)

ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کی طرف منتقل ہونے کی متعدد تفاسیر

علامہ عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں ہے کہ تم ایک منزل کے بعد دوسری منزل پر چڑھو گے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا تم آسمان پر ایک مرتبہ دہن کی طرح چڑھو گے (یعنی تیل کی طرح) اور دوسری مرتبہ دہان کی طرح (یعنی سرخ چمڑے کی طرح) چڑھو گے، پھر آسمان پھٹ جائے گا اور شعبی نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان کی طرف چڑھتے گئے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں جنس انسان سے خطاب ہے یعنی وہ ایک حال کے بعد دوسرے حال کی طرف چڑھے گا، تیسرا قول یہ ہے: اس سے مراد مصائب اور احوال ہیں، پھر موت ہے، پھر مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آسانی کے بعد مشکل ہے اور مشکل کے بعد آسانی ہے اور خوش حالی کے بعد تنگ دستی ہے اور تنگ

دستی کے بعد خوش حالی ہے اور اس کے برعکس اور صحت کے بعد بیماری ہے اور اس کے برعکس، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان پہلے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے۔ پھر دودھ پینے لگتا ہے، پھر روٹی کھانے لگتا ہے، پھر نوخیز لڑکا ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے، پھر بوڑھا ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم اپنے سے پہلی امتوں کے طریقوں کے موافق عمل کرو گے اور ان کے طبقہ پر سوار ہو گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۵۱۷۔۵۱۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

طبق کا معنی اور طبقات کی مختلف تعبیریں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الطبق طبقہ کی جمع ہے اور بعض طبقات بعض سے زیادہ شدید ہیں، علامہ ثعلبی نے کہا ہے: اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے، اکثر علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد ایک حال کے بعد دوسرا حال ہے اور یہ احوال قیامت ہیں، الکلبی نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ انسان عالم ہوتا ہے اور دوسری مرتبہ جاہل ہوتا ہے اور مقاتل سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ انسان مردہ ہوتا ہے، پھر زندہ ہوتا ہے، پھر مردہ ہوتا ہے، پھر دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے اور عطاء سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ وہ تنگ دست ہوتا ہے اور دوسری مرتبہ وہ خوش حال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے: اس سے مراد مصائب اور ہولناکیاں ہیں، پھر موت ہے، پھر موت کے بعد زندہ ہونا ہے، پھر حساب کا پیش کیا جانا ہے اور امام ابوعبیدہ سے منقول ہے: اس سے مراد تم سے پہلی امتوں کے طریقے اور ان کے احوال ہیں اور عکرمہ سے منقول ہے کہ ایک حال کے بعد دوسرا حال ہوگا یعنی وہ پہلے دودھ پیتا تھا، پھر روٹی کھاتا ہے، پھر نوخیز لڑکا ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے، پھر بوڑھا ہوتا ہے۔

نطفہ سے لے کر موت تک انسان کے اڑتیس (۳۸) احوال

اور حکماء نے کہا ہے: انسان کے نطفہ سے لے کر موت تک اڑتیس (۳۸) احوال ہیں اور ان کے تینتیس اسماء ہیں: (۱) نطفہ (۲) علقہ یعنی جما ہوا خون (۳) مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی (۴) ہڈی (۵) پھر دوسری تخلیق (۶) جنین یعنی پیٹ میں بچہ (۷) ولید یعنی پیٹ سے پیدا ہوا (۸) رضیع یعنی دودھ پینے والا (۹) فطین یعنی روٹی کھانے والا (۱۰) یافع یعنی چھوٹا بچہ (۱۱) ماشی یعنی چلنے پھرنے والا (۱۲) مترعرع یعنی کھیلنے کودنے والا بچہ (۱۳) حزور یعنی طاقت ور بچہ (۱۴) مراہق یعنی بالغ ہونے کے قریب (۱۵) محتلم یعنی جس کو احتلام ہوا (۱۶) بالغ (۱۷) امرد یعنی بے ریش (۱۸) طار یعنی جس کی مسیں بھیگ جائیں (یعنی مونچھیں آنے کے قریب ہوں) یا اس کی مونچھیں نکلنے لگیں (۱۹) باقل یعنی جب اس کے چہرے پر سبزہ نکل آئے اور ڈاڑھی کے روئیں نکل آئیں (۲۰) مستطر یعنی دوڑنے والا (۲۱) مطرخم یعنی مکمل حسین (۲۲) مخلط یعنی جو معاملات کو غلط ملط کردے (۲۳) صمل یعنی مضبوط جسم والا (۲۴) ملتحی یعنی ڈاڑھی والا (۲۵) مستوی یعنی سیدھی قامت والا (۲۶) مصعد یعنی اوپر چڑھنے والا (۲۷) مجتمع یعنی صوری اور معنوی کمالات کا جامع (۲۸) شاب یعنی جوان (۲۹) ملہوز یعنی جب عمر بڑی ہو اور جماع کرنے سے کمزور ہو (۳۰) کہل یعنی ادھیڑ عمر کا (۳۱) اشمط یعنی بوڑھا ہونے کے بعد (۳۲) شیخ یعنی زیادہ بوڑھا (۳۳) اشیب یعنی جس کی اولاد جوان ہو (۳۴) حوقل یعنی ایسا بوڑھا جو جماع نہ کر سکے (۳۵) صفتات یعنی طاقت ور بوڑھا (۳۶) ہم یعنی جو زیادہ باتیں کرتا ہو اور اس کی باتیں بے ربط ہوں (۳۷) ہرم یعنی شیخ فانی (۳۸) میت۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہو تو وہ جنین ہے اور جب پیدا ہو جائے تو صبی ہے اور جب دودھ پیئے تو

رضیع ہے اور جب روٹی سالن کھائے تو غلام ہے یعنی لڑکا سات سال سے دس سال تک، پھر پندرہ سال کی عمر میں حزور ہے اور پھر پچیس سال کی عمر تک قمد ہے، پھر تیس سال کی عمر تک عنطن ہے، پھر چالیس سال کی عمر تک صمل ہے، پھر پچاس سال کی عمر تک کہل ہے، پھر اسی (۸۰) سال کی عمر تک شیخ ہے، پھر اس کے بعد شیخ فانی ہے۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۱۱۔۴۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمدللہ رب العالمین سورۃ الانشقاق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ البروج کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۵۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْبُرُوْجِ

سورۃ البروج کی تفسیر

سورۃ البروج کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ البروج کی بعض آیات کی تفسیر ہے۔ یہ سورت مکی ہے اور اس کی بائیس (۲۲) آیات ہیں۔

بروج بارہ ہیں اور یہ آسمان کے بطور تشبیہ محل ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ بروج وہ ستارے ہیں جو چاند کی منزل ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ یہ بڑے بڑے سیارے ہیں اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آسمان کے دروازے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بروج کے لغوی اور عرفی معنی

حسن، مجاہد اور قتادہ نے کہا: بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں، ان کو بروج اس لیے فرمایا کہ یہ بہت ظاہر ہیں اور برج کا معنی ظہور ہے۔

عطیہ العوفی نے کہا: برج کا معنی قلعہ اور محل ہے جس میں پہرے دار ہوں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ۔ (النساء: ۷۸) اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد وہ بارہ برج ہیں جو سات کواکب سیارہ کی منازل ہیں، وہ بارہ برج یہ ہیں: (۱) الحمل (بھیڑ کا بچہ) (۲) الثور (بیل) (۳) الجوزا (وہ سیاہ بکری جس کے وسط میں سفیدی ہو) (۴) السرطان (کیکڑا) (۵) الاسد (شیر) (۶) السنبلہ (گندم کا خوشہ) (۷) المیزان (ترازو) (۸) العقرب (بچھو) (۹) القوس (کمان) (۱۰) الجدی (بکری کا بچہ) (۱۱) الدلو (ڈول) (۱۲) الحوت (مچھلی)۔

الحمل اور العقرب مریخ کی منزل ہیں، الثور اور المیزان زہرہ کی منزل ہیں، الجوز اور سنبلہ عطارد کی منزل ہیں، السرطان قمر کی منزل ہے، الاسد شمس کی منزل ہے، القوس اور الحوت مشتری کی منزل ہے، الجدی اور الدلو زحل کی منزل ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۵۴)

اگر ثوابت ستاروں کے اجتماع سے مینڈھے کی شکل بن جائے تو اس کو برج حمل کہتے ہیں، اور اگر ثوابت ستاروں کے اجتماع سے شیر کی شکل بن جائے تو اس کو برج اسد کہتے ہیں اور اگر ان ستاروں کے اجتماع سے ترازو کی شکل بن جائے تو اس کو برج المیزان کہتے ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ (قاموس اللغات ص ۱۷۹)

یہ تفصیل ہم نے الفرقان: ۶۱ کی تفسیر میں بیان کی ہے۔ (تبیان القرآن ج ۸ ص ۲۶۴، فرید بک اسٹال، لاہور)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ اَلْأُخْدُوْدُ شَقٌّ فِي الْأَرْضِ۔ اور مجاہد نے کہا: الاخدود کا معنی ہے: زمین میں کھودا ہوا گڑھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ (البروج:٤) خندقوں والے ہلاک کیے جائیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تفسیر کو امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے۔

فَتَنُوا عَذَّبُوا۔ فَتَنُوا اس کا معنی ہے: جنہوں نے عذاب دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ۝ (البروج:١٠) بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو (آگ کی) مصیبت میں ڈالا، پھر انہوں نے توبہ نہیں کی ان کے لیے دوزخ کا (عام) عذاب اور (خصوصاً) جلنے کا عذاب ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے فَتَنُوا کی تفسیر کی ہے: جنہوں نے عذاب دیا اور فتنے کے کئی معنی ہیں اور ان میں سے ایک معنی عذاب ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ۝ (الذاریات:١٣) جس دن ان کو دوزخ کے عذاب میں ڈالا جائے گا ۝

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالَی اَلْوَدُوْدُ الْحَبِیْبُ الْمَجِیْدُ الْكَرِیْمُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا الْوَدُوْدُ ۝ (البروج:١٤) اس کا معنی ہے ایسا دوست جو بزرگ اور کریم ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝ (البروج:١٤) اور وہی بہت بخشنے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر صرف علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٤١٢۔٤١١ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ البروج کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الطارق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۶۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الطَّارِقِ

سورۃ الطارق کی تفسیر

سورۃ الطارق کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الطارق کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے، اس سورت میں سترہ (۱۷) آیات ہیں۔

یہ سورت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو دودھ اور روٹیاں تحفہ میں دیں، پس جس وقت وہ بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے تو اچانک ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا، پہلے وہ پانی سے بھر گیا، پھر وہ آگ بن گیا، ابو طالب اس سے ڈر گئے اور پوچھا: یہ کیا چیز ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک ستارہ ہے جس سے (شیطان کو) مارا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، پس ابو طالب کو اس پر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ○ (الطارق:۱) آسمان کی قسم اور رات کو طلوع ہونے والے (ستارے) کی ○

یعنی وہ ستارہ جو رات کو ظاہر ہوتا ہے اور دن میں چھپ جاتا ہے اور رات میں ہر آنے والے کو طارق کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

هُوَ النَّجْمُ وَمَا أَتَاكَ لَيْلًا فَهُوَ طَارِقٌ۔ هو النجم اس کا معنی وہ ستارہ ہے اور جو تمہارے پاس رات کو آئے، وہ طارق ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: طارق کا لفظ طرق سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے کھٹکھٹانا یعنی جو شخص اپنی کسی ضرورت سے دروازے کو کھٹکھٹائے اور اپنی ضرورت بتائے یہ تفسیر علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

النَّجْمُ الثَّاقِبُ الْمُضِيءُ۔ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ○ (الطارق:۳) اس کا معنی ہے: روشن ستارہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

النَّجْمُ الثَّاقِبُ ○ (الطارق:۳) (وہ) نہایت روشن ستارہ (ہے) ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی علامہ نسفی کی تفسیر میں ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الثَّاقِبُ الَّذِي يَتَوَهَّجُ۔ اور مجاہد نے کہا: الثاقب: کا معنی ہے: جو چمکے، بھڑکے اور روشن ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: جرجانی سے منقول ہے کہ یہ ابو نعیم سے مروی ہے اور سدی سے منقول ہے کہ جس ستارے کو مارا جائے، دوسرا قول ہے کہ الثاقب سے مراد ہے: ثریا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ذَاتِ الرَّجْعِ سَحَابٌ يَرْجِعُ بِالْمَطَرِ ذَاتِ الصَّدْعِ تَتَصَدَّعُ بِالنَّبَاتِ۔ اور مجاہد نے کہا: ذات الرجع: اس کا معنی ہے: وہ بادل جو بارش لائے، ذات الصدع: اس کا معنی ہے، وہ زمین جو سبزہ سے پھٹ جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ بارش والے آسمان کی قسم ○ اور پھٹنے والی زمین کی قسم ○

(الطارق: ۱۲۔۱۱)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر ظاہر ہے، اور کہا جاتا ہے کہ آسمان ہر سال بارش کو اور بندوں کے رزق کو لاتا ہے اور اگر اس طرح نہ ہوتا تو بندے اور ان کے مویشی ہلاک ہو جاتے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ○ (الطارق: ۱۱) کی تفسیر میں کہا: بارش والے آسمان کی قسم اور وَ الْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ○ (الطارق: ۱۲) کی تفسیر میں کہا: سبزے، درختوں، پھلوں اور دریاؤں کی قسم۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَقَوْلٌ فَصْلٌ لَحَقٌّ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لقولٌ فصلٌ: اس کا معنی ہے: لَحَقٌّ یعنی ضرور برحق ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ○ (الطارق: ۱۳) بے شک یہ (قرآن حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ صرف علامہ نسفی کی تفسیر ہے اور علامہ الثعلبی نے کہا: یہ کلام برحق اور سنجیدہ ہے، یہ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔

لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ اِلَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ۔ لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ○ (الطارق: ۴) اس کا معنی ہے: اِلَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ یعنی مگر اس پر ایک محافظ ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ○ (الطارق: ۴) یعنی ہر نفس کے اوپر ایک محافظ ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور اس کی سند صحیح ہے لیکن امام ابوعبیدہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے: کلام عرب میں لَمَّا کو الا کے معنی میں نہیں سنا گیا اور علامہ نسفی نے اس کو اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں ان نفی کے لیے ہے اور لَمَّا اِلَّا کے معنی میں ہے اور یہ ہذیل کی لغت ہے اور اس آیت کا معنی ہے: ہر نفس کے اوپر اس کے رب کی طرف سے ایک محافظ ہے جو اس کے اعمال کی حفاظت کرتا ہے اور وہ جو بھی اچھا یا برا کام کرتا ہے اس کو لکھتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ نسفی کی اس عبارت میں امام ابوعبیدہ کے اس قول کا رد ہے کہ لَمَّا کو اِلَّا کے معنی میں نہیں سنا گیا۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے، قتادہ نے کہا: وہ فرشتے تمہارے عمل کی اور تمہارے رزق کی اور تمہاری موت اور حیات کی حفاظت کرتے ہیں اور جب تمہاری زندگی پوری ہو جائے اے ابن آدم! تو تمہاری روح قبض کر کے تمہارے رب کے پاس لے جاتے ہیں۔

(جامع البیان: ۲۸۵۸۵) (انوار تبیان القرآن ص ۹۵۰، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۳۔ ۴۱۲ میں کی ہے]

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الطارق کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۷۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى

سُوْرَةُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کی تفسیر

سُوْرَةُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى (الاعلیٰ) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کو سورۃ الاعلیٰ بھی کہا جاتا ہے اور اس سورت کی انیس (۱۹) آیات ہیں، یہ سورۃ مکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ○ (الاعلیٰ:۱) پس آپ نے فرمایا: سُبحان رَبِّی الاعلیٰ اور اسی طرح حضرت علی، حضرت ابوموسیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ وہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

امام سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ میں نے سنا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس طرح پڑھتے تھے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ○ الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى ○ (الاعلیٰ:۲۔۱)

اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے ○ جس نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر اس کو درست بنایا ○

یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ قَدَّرَ فَهَدٰى قَدَّرَ لِلْإِنْسَانِ الشَّقَاءَ وَالسَّعَادَةَ.

اور مجاہد نے کہا: قَدَّرَ فَهَدٰى ○ (الاعلیٰ:۳) اس کا معنی ہے: انسان کے لیے بدبختی اور نیک بختی کو مقدر کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدٰى ○ (الاعلیٰ:۳)

اور جس نے (صحیح) اندازہ کیا، پھر ہدایت دی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر ظاہر ہے۔

وَهَدَى الْأَنْعَامَ لِمَرَاتِعِهَا.

وَهَدَى الْأَنْعَامَ لِمَرَاتِعِهَا: اس کا معنی ہے اور جس نے مویشیوں کو ان کی چراگاہوں کی راہ دکھائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعٰى ○ (الاعلیٰ:۴)

اور جس نے چراگاہ بنائی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کی تفسیر بھی ظاہر ہے، علامہ نسفی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ غُثَاءً أَحْوٰى هَشِيْمًا مُتَغَيِّرًا.

غُثَاءً أَحْوٰى: (الاعلیٰ:۵) اس کا معنی ہے: هشيما متغيرا یعنی

سوکھی ہوئی اور ٹوٹی پھوٹی گھاس۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۝ (الاعلیٰ:۵) پھر تازہ گھاس کو خشک مائل بہ سیاہ کر دیا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی علامہ نسفی کی کتاب میں ہے، اَحْوٰی کا معنی ہے: وہ سیاہ ہوگئی۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۳ میں کی ہے]

۴۹۴۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رضی الله عنه قَالَ أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَجَعَلَا يُقْرِئَانِنَا الْقُرْآنَ ثُمَّ جَاءَ عَمَّارٌ وَبِلَالٌ وَسَعْدٌ ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي عِشْرِينَ ثُمَّ جَاءَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَا رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَرِحُوا بِشَيْءٍ فَرَحَهُمْ بِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْوَلَائِدَ وَالصِّبْيَانَ يَقُولُونَ هَذَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ جَاءَ فَمَا جَاءَ حَتَّى قَرَأْتُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى فِي سُوَرٍ مِثْلِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہ مجھے میرے والد نے خبر دی از شعبہ از ابی اسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: ہمارے پاس جوسب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آئے وہ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما تھے، یہ دونوں ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے، پھر حضرت عمار اور حضرت بلال اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم آئے، پھر حضرت عمر بن الخطاب بیس (صحابہ) کے ساتھ آئے رضی اللہ عنہم، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پس میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ کسی چیز سے اتنے خوش ہوئے ہوں جتنا ان کے آنے سے خوش ہوئے حتیٰ کہ میں نے لڑکیوں اور بچوں کو دیکھا جو یہ کہہ رہے تھے، یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ہمارے پاس آگئے ہیں پس آپ اس وقت تک نہیں آئے تھے حتیٰ کہ میں نے سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور اس کی مثل کئی سورتیں پڑھ چکا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۲۴ میں گزر چکی ہے۔

حافظ ابن حجر کی اس پر تصریح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا مستحب ہے خواہ روایت میں مذکور نہ ہو

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح اوائل الہجرۃ میں گزر چکی ہے، صحیح البخاری: ۳۹۲۵ میں مذکور ہے: لڑکیاں کہہ رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور یہاں ابوذر کی روایت میں صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مذکور نہیں ہیں جو ابوذر کی روایت میں محذوف ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام پڑھنا پانچ ہجری میں مشروع ہوا ہے اور یہ ابتداء ہجرت کی حدیث ہے، قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو O

(الاحزاب:۵۶)

اور صحیح قول کی بناء پر یہ سورت سن پانچ ہجری میں ہی نازل ہوئی ہے، لیکن اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ آیت (درود) پوری سورت سے پہلے نازل ہوگئی ہو، پھر یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت البراء کی اس روایت میں صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ حضرت البراء کے الفاظ میں ہے۔ یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اس روایت میں صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ بعد کے تابعین نے لکھ دیا ہو اور علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ نبی

ﷺ پر صلاۃ وسلام پڑھنا مستحب ہے اور اسی طرح صحابی کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا مندوب اور مطلوب ہے خواہ متن حدیث میں یہ الفاظ مذکور نہ ہوں۔ (فتح الباری ج ٦ ص ١١٤، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ علامہ ابن حجر پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ آیت درود پوری سورۃ الاحزاب پر مقدم ہو، میں کہتا ہوں کہ یہاں مانع موجود ہے کیونکہ اس کا علم نہیں ہے کہ آیت درود پوری سورت الاحزاب پر مقدم ہو، نیز انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ پر ہر صورت میں درود پڑھنا ضروری ہے، خواہ کسی طرح بھی ہو، نیز انہوں نے کہا: یہ ضروری نہیں ہے کہ متن حدیث میں ﷺ کا لفظ صحابی نے کہا ہو، یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ یہ لفظ بعد کے تابعین نے لکھا ہو اور انہوں نے کہا کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ نبی ﷺ پر درود پڑھنا مستحب ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام ابوجعفر طحاوی کا مذہب یہ ہے کہ جب بھی نبی ﷺ کا ذکر کیا جائے تو آپ پر درود پڑھا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٣١٤، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بہت عمدہ اور وجد آفرین شرح کی ہے، ان کا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ ہرچند کہ نبی ﷺ پر سلام اور درود پڑھنے کا حکم (الاحزاب: ٥٦) میں پانچ ہجری میں نازل ہوا ہے لیکن آپ کے نام پر سلام پڑھنا اور درود پڑھنا ابتداء سے مشروع اور معروف تھا کیونکہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے شب معراج میں نماز فرض ہوئی اور اس میں نماز کے تشہد میں آپ پر سلام بھی ہے۔ السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ وبرکاتہ اور اس کے بعد آپ پر درود بھی ہے اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید ٥ اس کی نظیر یہ ہے کہ نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم تو اس آیت میں نازل ہوا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ (المائدہ: ٦)

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو (اور تم بے وضو ہو) تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔

سورۃ المائدہ احکام سے متعلق نازل ہونے والی آخرت سورت ہے حالانکہ نماز سے پہلے وضو کرنا تو بعثت نبوی کی ابتداء سے مشروع اور معروف تھا، اسی طرح آپ کے نام پر سلام اور درود پڑھنے کا حکم تو پانچ ہجری میں نازل ہوا لیکن آپ کے نام پر سلام اور درود پڑھنا ابتداء سے معروف اور مشروع تھا جیسا کہ فرضیت نماز کی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں حافظ ابن حجر عسقلانی پر نازل ہوں جنہوں نے یہ لکھا کہ نبی ﷺ کے نام کے ساتھ ﷺ لکھنا مستحب ہے خواہ حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو اور علامہ عینی پر بھی اللہ تعالیٰ کی بے حساب رحمتیں نازل ہوں کیونکہ انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے موقف کی طرف رجوع کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھ دیا کہ امام ابوجعفر طحاوی کا مذہب یہ ہے کہ جب بھی نبی ﷺ کا ذکر کیا جائے تو آپ پر درود پڑھا جائے۔

میری اس شرح کو بہ غور دل کی آنکھوں سے پڑھنا چاہیے کیونکہ یہ نعمۃ الباری کے خصائص میں سے ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کیں اور حدیث روایت کی ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز اس کے بعد سورۃ الغاشیہ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۸۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ

سورۃ الغاشیہ کی تفسیر

سُوۡرَۃُ هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ (الغاشیہ) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس سورت کا نام الغاشیۃ ہے، یہ سورت مکی ہے، اس پر اجماع ہے اور اس میں چھبیس (۲۶) آیات ہیں۔ الغاشیہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور غشیان کا معنی ہے: ڈھانپنا، اور قیامت کی ہولناکیاں ہر چیز کو ڈھانپ لیں گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ النَّصَارٰی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ (الغاشیہ: ۳) اس کا معنی ہے: سخت کام کرنے والے اور اس سے مراد نصاریٰ ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصۡلٰی نَارًا حَامِیَةً ۝ (الغاشیہ: ۴۔۲)

اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے ۝ کام کرنے والے مشقت برداشت کرنے والے ۝ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ کی تفسیر نصاریٰ کے ساتھ کی ہے، صاحب التلویح نے کہا ہے: میں نے نہیں دیکھا کسی نے اس تعلیق کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہو، علامہ عینی فرماتے ہیں: ان کا نہ دیکھنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت منقول نہ ہو اور بے شک امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے اور اس میں یہود کا بھی اضافہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے: یَّوۡمَئِذٍ (اس دن) یعنی قیامت کے دن وہ ذلیل وخوار ہوں گے اور دوسرا قول ہے کہ وہ دوزخ میں ذلیل وخوار ہوں گے۔

سعید بن جبیر نے کہا: انہوں نے دنیا میں اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ کوئی عمل نہیں کیا، سو ان کو زنجیروں اور بیڑیوں کے ساتھ دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا، یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ اور قتادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے تکبر کیا تو ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور ان سے کام کرایا جائے گا، ضحاک سے منقول ہے کہ انہیں اس کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ لوہے کے پہاڑ کو دوزخ میں چڑھائیں اور نَصَبٌ کا معنی ہے: انہیں کام کا عادی بنایا جائے گا

اور عکرمہ سے منقول ہے کہ وہ دنیا میں گناہوں کے کام کرتے تھے تو انہیں قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں گاڑ دیا جائے گا اور سعید بن جبیر اور زید بن اسلم سے روایت ہے: یہ راہب ہیں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں والے ہیں اور یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَيْنٍ آنِيَةٍ بَلَغَ إِنَاهَا وَحَانَ شُرْبُهَا حَمِيمٍ آنٍ بَلَغَ إِنَاهُ۔

اور مجاہد نے کہا: عَیْنٍ اٰنِیَةٍ: کا معنی ہے: وہ چشمہ گرمی کی انتہاء کو پہنچ گیا اور اس کھولتے ہوئے پانی کو پینے کا وقت آ گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ○ (الغاشیہ: ۵) انہیں کھولتے ہوئے چشمہ (کے پانی) سے پلایا جائے گا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے اٰنِیَةٍ کی تفسیر کی ہے: انتہائی گرم اور کھولتا ہوا، الجوہری نے کہا: انی الحمیم یعنی اس کی گرمی انتہاء کو پہنچ گئی۔ قرآن مجید میں ہے:

يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ○ (الرحمن: ۴۴) وہ اس دن اس (جہنم) میں اور سخت کھولتے ہوئے پانی میں گھوم رہے ہوں گے ○

اور حسن بصری نے کہا ہے: تمہارا ان لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے قدموں پر پچاس ہزار سال تک کھڑے رہے ہوں گے، اس دن نہ وہ کوئی چیز کھائیں گے اور نہ کچھ پی سکیں گے حتیٰ کہ ان کی گردنیں پیاس سے ٹوٹ جائیں گی اور ان کے پیٹ بھوک کے مارے جل جائیں گے، ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا اور ان کو کھولتے ہوئے چشمہ کے پانی سے پلایا جائے گا، اور مقاتل نے کہا: وہ کھولتا ہوا چشمہ ایک پہاڑ کی جڑ سے نکلے گا جس کا طول ستر سال کی مسافت ہے، اس پانی کو ایک فرشتہ لوہے کے گرم پیالہ میں ڈال کر پلائے گا جس سے اس کے جبڑے جل جائیں گے اور اس سے اس کی ڈاڑھیں اور دانت بکھر جائیں گے اور جب وہ کھولتا ہوا پانی اس کے سینہ میں پہنچے گا تو اس کا دل جل جائے گا اور جب اس کے پیٹ میں پہنچے گا تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح سیسہ پگھل جاتا ہے۔

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً شَتْمًا۔ لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ○ (الغاشیہ: ۱۱) لَاغِیَةً کا معنی ہے: گالی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ○ (الغاشیہ: ۱۱) جس میں کوئی شخص بے ہودہ بات نہیں سنے گا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی جنت میں کوئی لغو بات نہیں سنے گا، امام بخاری نے اس کی تفسیر گالی کے ساتھ کی ہے، دوسرا قول ہے: کوئی لغو بات اور اللاغیہ العافیہ کی طرح مصدر ہے، اس کا معنی ہے: تم جنت میں جھوٹ، بہتان اور کفر نہیں سنو گے، دوسرا قول ہے: باطل کو نہیں سنو گے اور تیسرا قول ہے: معصیت کو نہیں سنو گے، چوتھا قول ہے: اور کسی قسم کو نہیں سنو گے خواہ سچی قسم ہو یا جھوٹی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم ان کے کلام میں کوئی فضول اور بے مقصد بات نہیں سنو گے کیونکہ اہل جنت وہی بات کرتے ہیں جس میں حکمت ہوتی ہے۔

وَيُقَالُ الضَّرِيعُ نَبْتٌ يُقَالُ لَهُ الشِّبْرِقُ يُسَمِّيهِ أَهْلُ الْحِجَازِ الضَّرِيعَ إِذَا يَبِسَ وَهُوَ سُمٌّ۔

اور کہا جاتا ہے الضریع کا معنی ہے: ایک قسم کی سبزی اور ترکاری جس کو شبرق کہتے ہیں جب وہ سوکھ جاتی ہے تو زہریلی ہو جاتی ہے۔ اہل حجاز اسے ضریع کہتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس قول کا قائل الفراء ہے، اس نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں یہ بات کہی ہے:

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ۝ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝ (الغاشیہ: ۷۔۶)
ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہوگا O جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا O

مفسرین نے کہا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکین نے کہا: ہمارے اونٹ تو ضَرِیْع (زہریلی گھاس) کو کھاتے ہیں اور فربہ ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور مشرکین نے جھوٹ بولا تھا، ان کے اونٹ ضریع کو اس وقت کھاتے تھے جب وہ تر ہوتی تھی اور خشک ضریع کو نہیں کھاتے تھے۔

اگر تم سوال کرو کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ دوزخیوں کا کھانا صرف ضَرِیْع ہوگا (الغاشیہ: ۶) اور دوسری آیت میں فرمایا ہے:

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ۝ (الحاقہ: ۳۶)
اور نہ (دوزخیوں کی) پیپ کے سوا (ان کا) کوئی طعام ہے O

اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب کئی قسم کا ہوگا اور دوزخی بھی کئی قسم کے ہیں، بعض وہ ہیں جو زقوم (تھوہر کا درخت جس کو عربی میں حنظل اور اردو میں اندرائن کہتے ہیں) کھائیں گے اور بعض وہ ہیں جو ضریع کھائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الضریع آگ کا درخت ہے، اور الخلیل نے کہا: وہ سبز رنگ کی بدبودار بوٹی ہے۔

بِمُسَيْطِرٍ بِمُسَلَّطٍ وَيُقْرَأُ بِالصَّادِ وَالسِّينِ۔
مسیطر: اس کا معنی ہے: مسلط کیا ہوا، یہ لفظ صاد سے بھی پڑھا گیا ہے اور سین سے بھی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ (الغاشیہ: ۲۲)
آپ ان (کافروں) کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: عاصم نے اس لفظ کو سین کے ساتھ مسیطر پڑھا ہے، اسی طرح حمزۃ نے اور باقیوں نے صاد سے مُصَیْطِر پڑھا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِيَابَهُمْ مَرْجِعَهُمْ۔
اور حضرت ابن عباس نے کہا: اِيَابَهُمْ: اس کا معنی ہے ان کے لوٹنے کی جگہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝ (الغاشیہ: ۲۵)
بے شک ہماری طرف ہی ان کا لوٹنا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی امام ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۱۶۔۴۱۵ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الغاشیہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الفجر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۸۹۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ وَالۡفَجۡرِ

سورۃ والفجر کی تفسیر

سورۃ والفجر کا تعارف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الفجر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے، ابن النقیب نے ابن ابی طلحہ سے روایت کی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اس سورت میں تیس (۳۰) آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ الفجر سے مراد پورا دن ہے اور ان سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد نماز فجر ہے اور ان سے تیسری روایت ہے کہ اس سے مراد محرم کی فجر ہے اور قتادہ سے روایت ہے: اس سے مراد محرم کا پہلا دن ہے اور اسی مہینہ سے سال کی ابتداء ہوتی ہے، اور ضحاک سے منقول ہے کہ اس سے مراد ذوالحجہ کی فجر ہے اور مقاتل سے منقول ہے کہ اس سے مراد پورے سال کی صبح ہے، اور علامہ قرطبی سے منقول ہے کہ اس سے مراد قیامت تک ہر دن کی صبح ہے، اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ الفجر سے مراد پانی کے وہ چشمے ہیں جو پہاڑوں سے پھوٹتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ اَلْوَتْرُ اللّٰهُ۔ اور مجاہد نے کہا: وَتْر: کا معنی ہے: واحد یعنی اللہ تعالیٰ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ (الفجر: ۳) اور جفت اور طاق راتوں کی قسم ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا کہ شفع کے معنی ہیں: جوڑا اور وتر کا معنی ہے: اللہ عزوجل کی ذات جو واحد ہے اور امام عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ الشفع سے مراد یوم نحر ہے یعنی قربانی کا دن اور وتر سے مراد یوم عرفہ ہے اور قتادہ سے منقول ہے: بعض نمازیں دوگانہ ہیں اور بعض نمازیں وتر ہیں اور یہ بھی روایت ہے کہ الشفع سے مراد حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام ہیں اور وتر سے مراد اللہ عزوجل کی ذات مقدس ہے اور مکہ اور مدینہ کے قراء نے اور بعض کوفیوں نے اس لفظ کو واؤ کی زبر کے ساتھ وَتر پڑھا ہے اور یہ اہل حجاز کی لغت ہے اور کوفہ کے تمام قراء نے اس کو واؤ کی زیر کے ساتھ وِتر پڑھا ہے۔

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ يَعْنِي الْقَدِيمَةَ وَالْعِمَادُ أَهْلُ عَمُودٍ لَا يُقِيمُونَ۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ (الفجر: ۷) یعنی قدیم قوم عاد کے لوگ اور العماد کا معنی ہے لمبے لمبے لوگ وہ خیموں میں رہتے تھے یعنی خانہ بدوش جو لوگ کسی ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ (الفجر: ۷) وہ ارم کے لوگ تھے ستونوں جیسے لمبے قد والے ۝

قوم عاد کا تعارف

علامہ عینی لکھتے ہیں: ارم کا لفظ قوم عاد کا عطف بیان ہے اور عاد کے دو قبیلے تھے: عاد الاولیٰ اور عاد الاخیرہ۔ عاد الاولیٰ کی طرف امام بخاری نے القدیمہ کے لفظ سے اشارہ کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے تھے جو عاد کہلائے ، اور ان کے دادا کے نام پر ان کا نام ارم رکھا گیا ہے اور ان کے بعد کے لوگوں کو عاد اخیرۃ کہا گیا ہے اور ارم کا لفظ غیر منصرف ہے، یہ قبیلہ ہے یا زمین ہے اور یہ علم اور معرفہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کے مصداق میں اختلاف ہے۔ سعید بن المسیب نے کہا ہے کہ یہ لوگ دمشق میں تھے اور علامہ القرطبی سے منقول ہے کہ یہ لوگ الاسکندریہ میں تھے اور مجاہد نے کہا: یہ ایک امت ہے جس کا معنی ہے: قدیمہ اور قتادہ سے منقول ہے کہ یہ عاد کا قبیلہ ہے، ابن اسحاق سے منقول ہے کہ یہ عاد کا دادا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ قبیلہ یا شہر کا نام ہے۔

امام بخاری نے کہا: ذات العماد: یعنی بہت لمبے اور بہت شدید قوت والے۔ اور حضرت المقدام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کا ذکر کیا تو فرمایا: ان میں سے ایک مرد کسی چٹان پر جاتا اور اس کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر کسی قبیلہ کے اوپر گرا کر اسے ہلاک کر دیتا، اور الکلبی سے منقول ہے کہ ان میں سے ایک مرد کے قد کی لمبائی چار سو (۴۰۰) ہاتھ تھی، اور مقاتل سے منقول ہے کہ ان کا قد ستون کی طرح بارہ ہاتھ لمبا تھا۔

امام بخاری نے کہا: العماد اهل عمود: العماد مبتداء ہے اور اہل عمود اس کی خبر ہے یعنی وہ خیموں میں رہتے تھے اور کسی ایک شہر میں قیام نہیں کرتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ خانہ بدوش تھے، کسی ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے، وہ لوگ سفر کرتے رہتے تھے اور بارش کی تلاش میں رہتے تھے، جہاں ان کو مویشیوں کے لیے چارا مل جاتا وہیں ٹھہر جاتے، پھر اپنے گھروں کی طرف لوٹ آتے تھے اور کسی ایک جگہ قیام نہیں کرتے تھے اور ان کے باغات اور کھیت تھے اور ان کے گھر وادی القریٰ میں تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو ذات العماد اس لیے فرمایا ہے کہ ان کا گھر شداد بن عاد نے بنایا تھا اور اس کی حکایت تفاسیر میں مشہور ہے۔

سَوْطَ عَذَابٍ الَّذِی عُذِّبُوا بِهٖ۔ سَوْطَ عَذَابٍ: اس کا معنی ہے: جس چیز سے ان کو عذاب دیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ (الفجر: ۱۳) پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے سَوْطَ عَذَابٍ کی تفسیر کی ہے: جس چیز سے ان کو عذاب دیا گیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرب لوگ اس لفظ کو ہر قسم کے عذاب کے لیے بولتے ہیں اور اس میں کوڑا بھی داخل ہے اور قتادہ نے کہا: ہر وہ چیز جس سے عذاب دیا جائے وہ عذاب کا کوڑا ہے۔

أَكْلًا لَمًّا السَّفُّ وَ جَمًّا الْكَثِيرُ۔ أَكْلًا لَمًّا: اس کا معنی ہے: السف یعنی ہر چیز کو لپیٹنا یا سمیٹنا اور جَمًّا: کا معنی ہے: الکثیر یعنی بہت زیادہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ تَأْكُلُوْنَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ (الفجر: ۱۹۔۲۰) اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو O اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو O

حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مال کھانے کی مذمت

علامہ عینی لکھتے ہیں: اَلتُّراث کا معنی ہے: یتیموں کا مال اور ان کی وراثت، اور لَمًّا کی تفسیر امام بخاری نے اَلسَّفّ کی ہے، اس کا معنی ہے: ساری چیزیں سمیٹ لینا، جب کوئی شخص سارا کھانا کھا جائے تو کہتے ہیں: سففت الاکل اور جب کوئی شخص ساری دوا ء پی جائے تو کہتے ہیں: سففت الدواء اور جب کوئی شخص سیر ہوئے بغیر زیادہ پانی پی لے تو کہتے ہیں: سففت الماء، الحسن البصری نے کہا ہے: جو شخص اپنا حصہ اور دوسروں کا حصہ کھا جائے، اور علامہ نسفی نے لکھا ہے جو شخص حلال اور حرام کو جمع کر لے، اور بکر بن عبداللہ نے کہا ہے: لَمّ کا معنی ہے: وراثت میں حد سے تجاوز کرنا یعنی جس شخص کو وراثت میں جو چیز بھی ملے وہ اس کو کھا جائے اور یہ نہ پوچھے کہ آیا یہ حرام ہے یا حلال اور وہ اپنا اور دوسروں کا حصہ کھا جائے کیونکہ وہ لوگ عورتوں اور بچوں کو وراثت نہیں بناتے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ مرنے والے نے ظلم سے جو مال جمع کیا ہو اور ان کو اس کا پتا بھی ہو پھر بھی وہ اس کو کھا جاتے تھے، اور امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ لَمَمْتُ کا معنی ہے، دستر خوان پر جتنا بھی کھانا ہو اس کو تم تحقیق اور تفتیش کے بغیر کھا لو۔

جَمًّا کا معنی ہے: الکثیر اور حُبًّا جَمًّا کا معنی ہے: حرص کے ساتھ بہت زیادہ کھانا اور دوسروں کے حقوق نہ دینا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ كُلُّ شَيْءٍ خَلَقَهُ فَهُوَ شَفْعٌ السَّمَاءُ شَفْعٌ وَالْوَتْرُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى۔

اور مجاہد نے کہا: ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ شفع ہے یعنی جوڑا، آسمان جوڑا ہے اور وتر (یعنی واحد) اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے قرآن کی آیت وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ (الفجر: ۳) کی تفسیر میں یہ لکھا ہے: اگر تم یہ کہو کہ آسمان تو وتر ہے کیونکہ وہ سات ہیں تو میں کہوں گا کہ آسمان سے مراد آسمان اور زمین ملا کر ہیں جیسے گرم اور سرد اور مذکر اور مونث۔

وَقَالَ غَيْرُهُ سَوْطَ عَذَابٍ كَلِمَةٌ تَقُولُهَا الْعَرَبُ لِكُلِّ نَوْعٍ مِنَ الْعَذَابِ يَدْخُلُ فِيهِ السَّوْطُ۔

اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ سَوْطَ عَذَابٍ وہ لفظ ہے جس کو عرب ہر قسم کے عذاب کے لیے بولتے ہیں، اس میں کوڑا بھی داخل ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اگر اس تعلیق کو امام بخاری اس سے پہلے سَوْطَ عَذَابٍ کی تفسیر میں لکھتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

لَبِالْمِرْصَادِ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ۔ لَبِالْمِرْصَادِ: اس کا معنی ہے: اس کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ (الفجر: ۱۴) بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: اسی کی طرف لوٹنا ہے اور اسی طرح الفراء نے اس کی تفسیر کی ہے۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: المرصاد المرصد سے مفعال کا وزن ہے اور اس کا معنی ہے: گھات لگانے کی جگہ۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۱۹)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو علم صرف کا بالکل علم نہ ہو (کیونکہ مفعال اسم آلہ کا وزن ہے نہ کہ اسم ظرف کا۔ سعیدی غفرلہ) بلکہ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ المرصاد اَلْمُرْصَدُ کا اسم مبالغہ ہے اور یہ رَصَدَ کا مبالغہ ہے جیسے میقات وقت کا مبالغہ ہے اور یہ اس کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو عذاب دینے کی تاک اور گھات

میں ہے اور نافرمان اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھتا ہے اور ان کو سنتا ہے، مقاتل سے منقول ہے: وہ پل صراط پر لوگوں کی گھات میں ہے۔ پس فرشتے آنکڑے اور دوسرے آلات عذاب کے ساتھ نافرمانوں کی گھات میں ہیں۔

تَحَاضُّونَ تُحَافِظُونَ وَتَحُضُّونَ تَأْمُرُونَ بِإِطْعَامِهِ۔ تحاضُّونَ: اس کا معنیٰ ہے: تم اس کی حفاظت کرتے ہو اور تَحُضُّونَ: اس کا معنیٰ ہے: تم اس کو کھلانے کا حکم دیتے ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الفجر:۱۸) اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہاں پر دو قراءتیں ہیں، اہل کوفہ نے تحاضون کو الف کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسروں نے بغیر الف کے تحضون پڑھا ہے، امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے کہ تم طعام کھلانے کا حکم دیتے ہو۔

الْمُطْمَئِنَّةُ الْمُصَدِّقَةُ بِالثَّوَابِ وَقَالَ الْحَسَنُ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ إِذَا أَرَادَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قَبْضَهَا اطْمَأَنَّتْ إِلَى اللهِ وَاطْمَأَنَّ اللهُ إِلَيْهَا وَرَضِيَتْ عَنِ اللهِ وَرَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَأَمَرَ بِقَبْضِ رُوحِهَا وَأَدْخَلَهَا اللهُ الْجَنَّةَ وَجَعَلَهُ مِنْ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ۔

الْمُطْمَئِنَّةُ: کا معنیٰ ہے: جو ثواب کی تصدیق کرنے والی ہو، حسن بصری نے یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ کی تفسیر میں کہا: جب اللہ تعالیٰ اس روح کو قبض کرنے کا ارادہ فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کی طرف مطمئن ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف مطمئن ہے اور وہ روح اللہ تعالیٰ سے راضی ہے اور اللہ تعالیٰ اس روح سے راضی ہے تو اس روح کو قبض کرنے کا حکم دے گا اور اللہ تعالیٰ اس روح کو جنت میں داخل کر دے گا اور اسے اپنے نیک بندوں میں شامل کرے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ (الفجر:۲۷-۲۸) اے نفس مطمئنہ! ۝ تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: وہ روح اللہ کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے مطمئن ہے، اور ابن کسیان نے کہا المطمئنہ کا معنیٰ ہے: المخلصہ اور ابن عطاء نے کہا: جو روح اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتی ہو اور ایک آن کے لیے بھی اس پر صبر نہ کر سکے اور دوسرا قول ہے: جو اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ (الرعد:۲۸) یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہیں ۝

حسن بصری نے کہا ہے کہ اس آیت میں سات جگہوں پر مونث کی ضمیر لانا ظاہر ہے کیونکہ یہ ضمیر نفس کی طرف لوٹتی ہے، اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے روایت کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اطمینان کی نسبت مجاز ہے اور اس سے مراد اس کا لازم ہے یعنی خیر کو پہنچانا، اور یہ بر بنائے مشاکلت ہے اور رضا کا معنیٰ ہے: اعتراض نہ کرنا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ جَابُوا نَقَبُوا مِنْ جِيبَ الْقَمِيصُ قُطِعَ لَهُ جَيْبٌ يَجُوبُ الْفَلَاةَ يَقْطَعُهَا۔ اور حسن بصری کے علاوہ دوسروں نے کہا: جَابُوا نقبوا کا معنیٰ ہے: (پہاڑ کو) تراش کر سوراخ بنایا، یہ لفظ جیب القمیص سے ماخوذ

ہے جس کا معنی ہے: قمیص کاٹ کر گریبان بنایا اور یجوب الفلاۃ کا معنی ہے: وہ شخص جنگل کو قطع کرتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۝ (الفجر:۹) اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ الجیب کا معنی ہے: کاٹنا اور تراشنا۔ جب قمیص کاٹ کر گریبان بنایا جائے تو کہا جاتا ہے: جبت القمیص، اسی طرح یَجُوْبُ الفلاۃ کا معنی ہے: وہ شخص جنگل کو قطع کرتا ہے۔ اور الفراء نے کہا: جابو الصَّخْرَ کا معنی ہے انہوں نے چٹانوں کو تراش کر گھر بنائے۔

لَمًّا لَمَمْتُهٗ اَجْمَعَ اَتَیْتُ عَلٰی آخِرِهٖ۔ لَمًّا: یہ لفظ لممته اجمع سے ماخوذ ہے: اس کا معنی ہے: میں اس کا سارا تر کہ کھا کر آخر تک پہنچ گیا ہوں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابوذر کے نسخہ میں یہ تعلیق مذکور نہیں ہے اور اس کو ساقط کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ مکرر ہے، عنقریب اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اگر اس کو وہیں ذکر کر دیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۱۹۔ ۴۱۶ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الفجر کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ البلد کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

٩٠۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ لَآ أُقْسِمُ

سورۃ لا اقسم کی تفسیر

سورۃ لا اقسم (البلد) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورۃ البلد بھی رکھا گیا ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں بیس (۲۰) آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ بِمَكَّةَ لَيْسَ عَلَيْكَ مَا عَلَى النَّاسِ فِيهِ مِنَ الْإِثْمِ۔

اور مجاہد نے کہا: بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد: ۲) اس سے مراد مکہ ہے، یعنی لوگوں پر (اس شہر میں) لڑنے کی وجہ سے جو گناہ ہوتا ہے وہ آپ پر نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد: ۲) اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس شہر سے مراد مکہ ہے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مستقبل میں اس شہر میں مشرکین کو جو آپ قتل کریں گے اور ان کو قید کریں گے وہ اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قتال کو حلال فرما دیا حتیٰ کہ آپ نے جن کو قتل کرنا تھا ان کو قتل کیا اور جن کو گرفتار کرنا تھا ان کو گرفتار کیا، سو آپ نے ابن خطل اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا، ابوسفیان کے گھر کو حرم بنا دیا الواسطی نے کہا ہے: اس شہر سے مراد مدینہ ہے، یہ قول الشفاء میں مذکور ہے، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔

وَوَالِدٍ آدَمَ وَمَا وَلَدَ۔ وَوَالِدٍ: اور اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ (البلد: ۳) اور (انسان کے) والد کی قسم! اور اس کی اولاد کی! O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے کی ہے، دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور عکرمہ اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ والد وہ شخص ہے کہ جس کی اولاد ہو اور مَا وَلَدَ میں مَا نفی کے لیے ہے یعنی جو بانجھ ہو اور اس کی اولاد نہ ہو، یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے۔ علامہ ثعلبی نے کہا ہے: یہ قول بہت بعید ہے۔

لُبَدًا كَثِيرًا۔ لُبَدًا کا معنی ہے: کثیر یعنی بہت زیادہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ (البلد:٦) وہ کہتا ہے: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ کہنے والا الولید بن مغیرہ تھا، اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں بہت مال خرچ کر دیا تھا، اور اللبد کا لفظ تلبید سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: چیزوں کا اوپر تلے ڈھیر ہو۔

وَالنَّجْدَيْنِ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ۔ النَّجْدَيْنِ: اس کا معنی ہے: خیر اور شر (کے دو راستے)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد:١٠) اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیئے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد اور اکثر مفسرین نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے، اور نجد کا اصل میں معنی ہے: راستے میں بلند جگہ۔

مَسْغَبَةٍ مَجَاعَةٍ۔ مَسْغَبَةٌ: اس کا معنی ہے: مَجَاعَةٌ یعنی بھوک۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ (البلد:١٤) یا بھوک کے دن کھانا کھلانا O

بھوکے کو کھانا کھلانے کی فضیلت

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: بھوکوں کو کھانا کھلانے کی فضیلت میں یہ حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اسلام کے کون سے حکم پر عمل کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تم جس شخص کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو اس کو کھانا کھلاؤ اور سلام کرو۔ (صحیح البخاری:١٢)

مَتْرَبَةٍ السَّاقِطُ فِي التُّرَابِ مَتْرَبَةٌ: اس کا معنی ہے: جو شخص مٹی اور خاک پر پڑا ہوا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ (البلد:١٦) یا خاک نشین مسکین کو O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کی ہے: جو شخص مٹی پر پڑا ہوا ہو، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر منقول ہے: یعنی جس شخص کے اور زمین کے درمیان کوئی بستر وغیرہ نہ ہو، اور ابن مجاہد سے اس کی تفسیر منقول ہے کہ جو شخص راستے میں پڑا ہوا ہو اور اس کا کوئی گھر نہ ہو۔

يُقَالُ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ فَلَمْ يَقْتَحِمِ الْعَقَبَةَ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ فَسَّرَ الْعَقَبَةَ فَقَالَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ۔

کہا جاتا ہے: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ (البلد:١١) یعنی اس نے دنیا میں کوئی گھاٹی نہیں پھلانگی، پھر گھاٹی کی تفسیر کی: اور آپ کو کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے، وہ غلام کو آزاد کرنا ہے اور بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے۔ (البلد:١٣۔١٤)

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ (البلد:١١۔١٤)

پس وہ دشوار گھاٹی سے نہیں گزرا O اور آپ کیا سمجھے کہ وہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ O (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا O یا بھوک کے دن کھانا کھلانا O

دشوار گھاٹی اور پل صراط کا بیان

علامہ عینی لکھتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے بھوک اور مٹی کا ذکر کیا تو یہ بیان شروع کیا کہ بھوک والے دن کیا کیا جائے اور جو خاک نشین ہو اس کے ساتھ کیا کیا جائے، پس فرمایا: دنیا میں انسان دشوار گھاٹی سے کیوں نہیں گزرتا تا کہ آخرت میں امن سے رہتا اور اَلْاِقْتِحَام کا معنی ہے: شدت اور مشقت کے ساتھ گزرنا اور داخل ہونا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس گھاٹی کی اہمیت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا: آپ کیا سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ پھر اس کی خبر نہیں دی اور اس کی تفسیر کی کہ وہ گردن چھڑانا ہے اور بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑے گناہوں اور ان کے بوجھ کو اور اس کے مرتکب کو گھاٹی کے ساتھ تشبیہ دی ہے، پس جب وہ غلام کو آزاد کردے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس شخص کی مثل ہوگا جو کسی دوسری گھاٹی سے پار گزر جائے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: یہ گھاٹی جہنم میں پہاڑ ہے اور حسن بصری اور قتادہ سے منقول ہے کہ یہ دوزخ میں ایک گھاٹی ہے اور جہنم پر پل ہے، پس لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اس پل سے پار گزر جائیں گے اور مجاہد، ضحاک اور الکلبی سے منقول ہے: یہ پل دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا جو تلوار سے زیادہ تیز ہوگا، اس کا طول تین ہزار سال کی مسافت ہے، اس میں لوگ سہولت سے چڑھیں گے اور اتریں گے اور اس کے پہلوؤں میں سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکڑے ہوں گے۔

فِیْ کَبَدٍ شِدَّۃٍ۔ فِیْ کَبَدٍ: اس کا معنی ہے: شدت اور سختی میں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ۝ (البلد: ۴) بے شک ہم نے انسان کو اس کی مشقت میں پیدا کیا ۝

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر نے اس تعلیق کی شرح نہیں کی۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی ہم نے انسان کو شدت اور مشقت کے کئی مراحل میں پیدا کیا ہے، ایک مرتبہ اس کی ماں کے پیٹ میں، پھر اس کی دودھ پینے کی مدت میں، پھر جب وہ بالغ ہو گیا تو اپنے معاش اور روزگار کے حصول کی مشقت میں مبتلا ہو گیا، پھر اس کے بعد مختلف بیماریوں اور مصائب کی شدت میں، پھر موت کی شدت میں۔

(انوار تبیان القرآن ص ۹۵۵ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۱۔ ۴۱۹ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ البلد کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ الشمس کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور حدیث روایت کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۱۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا

سورۃ والشمس کی تفسیر

سُوْرَةِ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (الشمس) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الشمس کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت میں پندرہ آیات ہیں اور یہ سورت مکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ص۴۲۱)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ضُحَاهَا ضَوْءُهَا إِذَا تَلَاهَا تَبِعَهَا وَطَحَاهَا دَحَاهَا دَسَّاهَا أَغْوَاهَا

اور مجاہد نے کہا: ضُحٰهَا کا معنی ہے: اس کی روشنی، اِذَا تَلٰهَا: کا معنی ہے: جب وہ اس کے پیچھے آئے اور طَحٰهَا: کا معنی ہے: اور اس کو پھیلا دیا، اور دَسّٰهَا: کا معنی ہے: اور اس کو گمراہ کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ (الشمس:۱۔۲)

سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کی! ○ اور چاند کی قسم! جب وہ اس کے پیچھے آئے ○

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝ (الشمس:۶)

اور زمین کی قسم! اور جس نے اس کو پھیلایا ○

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (الشمس:۱۰)

اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے والشمس وضحٰها کی تفسیر میں کہا ہے: جب سورج چمک جائے اور اس کی روشنی غالب آ جائے اور ضحیٰ (چاشت) کا وقت اس کے بعد ہے اور قتادہ سے منقول ہے کہ وہ پورا دن ہے اور مقاتل سے منقول ہے: وہ اس کی حرارت ہے۔

اور مجاہد نے وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ (الشمس:۲) کی تفسیر میں کہا: یعنی جب چاند سورج کی روشنی سے روشنی حاصل کرے اور یہ مہینے کے ابتدائی نصف میں ہوتا ہے، جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو اس کے بعد چاند طلوع ہو جاتا ہے۔

اور مجاہد نے وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝ (الشمس:۶) کی تفسیر میں کہا ہے کہ طَحٰهَا کا معنی ہے: دَحٰهَا یعنی اس کو پھیلا دیا، اور الجوہری نے ذکر کیا ہے کہ دحوت الشیئ دحوا کا معنی ہے: میں نے اس چیز کو پھیلا دیا اور کہا ہے کہ طَحَوْتُهٗ بھی دَحَوْتُهٗ کی مثل ہے یعنی میں نے اس کو پھیلا دیا۔

اور مجاہد نے دَسّٰهَا ۝ (الشمس:۱۰) کی تفسیر میں کہا: وہ شخص ناکام ہو گیا جس نے گناہوں کا ارتکاب کیا، یعنی اس شخص سے اس کے نفس کا محل مخفی رہا اور وہ گناہوں پر سوار ہو گیا۔

فَأَلْهَمَهَا عَرَّفَهَا الشَّقَاءَ وَالسَّعَادَةَ۔

فَاَلْهَمَهَا: اس کا معنی ہے: اس کے نفس کو اس کی بدبختی اور نیک بختی کی پہچان کرائی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ (الشمس:۸) پھر اس (نفس) کو اس کے برے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھایا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی نفس کو اس کے فجور یعنی بدبختی اور اس کے تقویٰ یعنی اس کی سعادت کو سمجھا دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس کے لیے خیر اور شر کو بیان کر دیا اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کو اطاعت اور معصیت کا معنی بتایا اور یہ تفسیر علامہ نسفی کی کتاب میں ہے۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا عُقْبٰى أَحَدٍ۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا اس کا معنی ہے: کسی کی عاقبت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝ (الشمس:۱۴۔۱۵) تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار کر دیا ۝ اور ان سے انتقام لینے سے اسے کوئی خوف نہیں ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ کا معنی ہے: ان کے رب نے اس کے رسول کی تکذیب کرنے اور اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا، اور ان کی بستی کو ہموار کر دیا یعنی یہ عذاب ان کی پوری قوم پر آیا اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور ان کی جڑ کاٹ دی۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا، امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: عقبیٰ أَحَدٍ جب کہ عقبہا کی ضمیر نفس کے اعتبار سے مونث ہے کیونکہ نفس مونث سماعی ہے اور نفس کو عہد کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہ لفظ ذال کے ساتھ اخذ ہے، اس کا معنی ہے: ان کو بالعموم ہلاک کر دیا۔ علامہ نسفی نے کہا ہے کہ اللہ کو ان کے انجام کا خوف نہیں تھا اور حسن بصری سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کا یہ خوف نہیں تھا کہ ان کی ہلاکت میں جو لوگ ان کے تابع ہو گئے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر ثمود کی طرف لوٹتی ہے یعنی قوم ثمود کو اپنے انجام کا خوف نہیں تھا اور ضحاک، سدی اور الکلبی نے کہا کہ لَا يَخَافُ کی ضمیر کونچیں کاٹنے والے کی طرف لوٹتی ہے یعنی جب قوم کا سب سے بدبخت شخص اٹھا اور اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور وہ اپنے انجام سے نہیں ڈرتا تھا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ بِطَغْوٰىهَا بِمَعَاصِيهَا۔ اور مجاہد نے کہا: بِطَغْوٰىهَآ کا معنی ہے: بِمَعَاصِيهَا یعنی اپنی نافرمانیوں کے سبب سے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ (الشمس:۱۱) قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب سے (اپنے رسول کو) جھٹلایا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: بِمَعَاصِيهَا یعنی اپنی نافرمانیوں کے سبب سے اور الفریابی نے مجاہد کی سند سے لکھا ہے: بِمَعْصِيَتِهَا۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح میں لکھا ہے: مَعْصِيَتِهَا وَهُوَ الْوَجْهُ اور یہی عمدہ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۱۸)

علامہ عینی اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر نے اس کی عمدگی کی وجہ بیان نہیں کی بلکہ عمدہ تو لفظ جمع ہے جیسے امام بخاری کی تفسیر میں ہے بِمَعَاصِيهَا اور یہ مخفی نہیں ہے، اور طغوی اور طغیان دونوں واحد ہیں اور یہ طغی کا مصدر ہیں۔

میں کہتا ہوں: ممکن ہے حافظ ابن حجر عسقلانی کی مراد یہ ہو کہ طغویٰ مصدر ہے اور واحد ہے جمع نہیں ہے، اس لیے امام بخاری نے اس کی تفسیر جو بمعاصیھا کی ہے وہ مناسب نہیں ہے، اور جس طرح الفریابی نے اس کی تفسیر میں بِمَعْصِيَتِهَا لکھا ہے وہی مناسب ہے اور عمدہ ہے۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۲۔۴۲۱ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ

۴۹۴۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَمْعَةَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ وَذَكَرَ النَّاقَةَ وَالَّذِي عَقَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا انْبَعَثَ لَهَا رَجُلٌ عَزِيزٌ عَارِمٌ مَنِيعٌ فِي رَهْطِهِ مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ وَذَكَرَ النِّسَاءَ فَقَالَ يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ فَيَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهُ يُضَاجِعُهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِي ضَحِكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ وَقَالَ لِمَ يَضْحَكُ أَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ عَمِّ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ

(صحیح مسلم: ۲۸۵۵)

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود کہ بے شک ان کو حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے خطبہ دیتے ہوئے اونٹنی کا ذکر فرمایا اور اس کا ذکر فرمایا جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں، پس رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: اِذِ انۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا۝ (الشمس: ۱۲) جب (اس قوم کا) سب سے بدبخت اٹھا۝ یعنی ایک عزیز مرد اٹھا جو مفسد تھا اور اپنے قبیلہ میں بہت قوی تھا جیسے زمعہ کا باپ (یعنی دادا) تھا، اور آپ نے عورتوں کا ذکر فرمایا، پس آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے مارنے کا ارادہ کرتا ہے، پھر شاید وہ دن کے آخری حصے میں اس کے ساتھ مباشرت کرتا ہے، پھر آپ نے ان کو اس بات پر نصیحت کی کہ وہ کسی کے گوز لگانے پر ہنستے ہیں اور فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس کام پر کیوں ہنستا ہے جس کام کو وہ خود کرتا ہے؟ اور ابو معاویہ نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عبد اللہ بن زمعہ کہ نبی ﷺ نے فرمایا: زمعہ کے والد کی مثل جو الزبیر بن العوام کے چچا ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۷۷ میں گزر چکی ہے

حدیث مذکور کی سند کی تفصیل

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے، یہ وہیب بن خالد ہیں اور ہشام کا ذکر ہے، یہ عروہ بن الزبیر بن العوام کے بیٹے ہیں وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں از حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ، یہ صحابی ہیں اور الاسود بن المطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی القرشی کے بیٹے ہیں۔

حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی اور اس کی کونچیں کاٹنے والے کا تذکرہ

جس شخص نے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اس کا نام قدار بن سالف تھا اور اس کی ماں کا نام قدیرۃ تھا اور یہ قوم ثمود کا وہ شخص تھا جس کی قوم ثمود میں بدبختی کی مثال بیان کی جاتی تھی، اس کا رنگ سرخ تھا، آنکھیں نیلی تھیں اور قد چھوٹا تھا اور ذکر کیا گیا کہ یہ ولد الزنا تھا اور ساف نام کے ایک بستر پر پیدا ہوا تھا۔

عزیز، عارم اور منیع کے معانی اور زمعہ کے باپ کی مثل کے مصداق کا بیان

ایک ایسا مرد اٹھا جو عزیز عارم اور اپنے قبیلہ میں منیع تھا، عزیز کا معنی ہے: اس جیسے لوگ بہت کم تھے اور عارم کا معنی ہے: وہ بہت شدید بدمزاج، مفسد اور خبیث تھا، ایک قول ہے کہ وہ جاہل تھا اور منیع کا معنی ہے: وہ اپنی قوم میں بہت قوی اور طاقت ور تھا۔

وہ زمعہ کے باپ کی مثل تھا: اس سے مراد اسود ہے جس کا سند میں ذکر کیا گیا ہے جو حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کا دادا تھا، یہ ان لوگوں میں سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا کرتے تھے، یہ مکہ میں حالت کفر میں مر گیا تھا اور اس کا بیٹا زمعہ بھی غزوۂ بدر میں حالت کفر میں قتل کیا گیا تھا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ زمعہ کے اس باپ سے مراد وہ آزمائش ہو جس کی وجہ سے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی گئی تھی اور وہ افریقہ میں ابن خدیج کے غزوہ میں فوت ہو گیا تھا اور القیر وان میں اس کو دفن کیا گیا تھا، علامہ قرطبی نے کہا: اگر یہ وہی شخص ہے تو اس کو اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والے مرد کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ یہ بھی اپنی قوم میں عزیز تھا اور اپنے مخالفین کفار کے خلاف بہت قوی اور جری تھا۔ علامہ قرطبی نے کہا: اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زمعہ کے باپ کی مثل سے مراد کوئی اور شخص ہو جس کا نام ابوزمعہ ہو۔

عورتوں کے ساتھ نرمی کرنے کی نصیحت اور گوز کی آواز سن کر ہنسنے کی مذمت

اس کے بعد آپ نے خطبہ میں خواتین کے متعلق امور کا ذکر فرمایا اور ان کو یہ نصیحت کی کہ تم عورتوں کو نہ مارا کرو کیونکہ تم دن میں عورتوں کو کوڑے مارتے ہو، پھر اسی دن شام کو ان سے مباشرت کرتے ہو۔

پھر ان کو نصیحت کی کہ تم کسی شخص کے گوز مارنے پر ہنستے ہو حالانکہ تم خود بھی یہ کام کرتے ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کو مارنا نہیں چاہیے اور ان پر سختی نہیں کرنی چاہیے اور یہ نصیحت کی کہ تم گوز کی آواز سن کر چشم پوشی کیا کرو اور ایسا نہ کیا کرو جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں اگر کسی شخص کا مجلس میں گوز نکل جاتا تو لوگ اس پر ہنستے تھے۔ شارح علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے اور یہ حکم دیا کہ اس سے اغماض اور چشم پوشی کرنی چاہیے اور اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیے، یہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے برے کاموں میں سے ایک برا کام تھا کہ وہ مجلس میں گوز لگاتے تھے یعنی پاد مارتے تھے اور پھر اس پر ہنستے تھے۔

زمعہ کے باپ کو زبیر بن عوام کا چچا کہنے کی توجیہ

امام بخاری نے اس حدیث کی جو دوسری سند تعلیق میں بیان کی ہے اس تعلیق کو امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں سند موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے: زمعہ کے باپ کی مثل جو الزبیر بن العوام کا چچا ہے، اس تعلیق کی امام احمد نے بھی اپنی سند کے ساتھ ابو معاویہ سے روایت کی ہے لیکن اس کے آخر میں یہ نہیں لکھا کہ وہ الزبیر کا چچا ہے، آپ کا یہ ارشاد اس

طریقہ پر ہے کہ چچا کا بیٹا بھی چچا کے حکم میں ہوتا ہے کیونکہ زمعہ کا باپ الاسود بن المطلب بن اسد تھا اور زبیر بن العوام بن خویلد بھی ابن اسد تھے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس میں یہ غلطی نکالی ہے اور کہا ہے کہ زمعہ کا باپ زبیر کا چچا نہیں تھا، پھر انہوں نے اسی طرح اس اشکال کا جواب لکھا ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۴۔ ۴۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی سے اس توجیہ کی تائید

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں زمعہ کے باپ کو زبیر کا چچا مجازاً کہا ہے کیونکہ زمعہ کا باپ اسود بن المطلب ہے جو بنو اسد ہے اور الزبیر بن العوام بن خویلد بھی بنو اسد سے ہے، پس چچا کے بیٹے کو چچا کے قائم مقام کر کے اس پر اس اعتبار سے چچا کا اطلاق کیا گیا ہے، اسی طرح علامہ الدمیاطی نے زمعہ کے باپ کی یہاں پر توجیہ کی ہے اور یہی معتمد ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۱۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العلمین سورۃ الشمس کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ اللیل کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۲۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى

سورۃ اللیل کی تفسیر

سُوْرَةُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى (اللیل) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ اللیل کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ہے اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس کا نام سورۃ اللیل ہے۔ قتادہ، الکلبی، الشعبی اور سفیان سے روایت ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھاری قیمت میں خرید کر آزاد کیا تھا۔ عکرمہ اور عبدالرحمان بن زید نے کہا: یہ سورت مدنی ہے، یہ انصار کے ایک مرد ابوالدحداح کے متعلق نازل ہوئی اور ام سمرہ کے متعلق نازل ہوئی جن کا طویل قصہ ہے۔ اس سورت میں اکیس (۲۱) آیات ہیں۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ○ (اللیل:۱) کا معنی ہے: اور رات کی قسم! جب وہ اپنی ظلمت سے دن کو چھپائے اور الزجاج نے کہا: رات افق کو اور آسمان اور زمین کے درمیان کی چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى بِالْخَلَفِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى کی تفسیر میں فرمایا: اس نے نیکی کی تکذیب کی یعنی صدقہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے اجر وثواب کی تکذیب کی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ (اللیل:۹)

اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر اجر وثواب ملنے کی تکذیب کی اور مجاہد سے منقول ہے کہ اس نے جنت کی تکذیب کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تکذیب کی اور پہلی تفسیر حق کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں خرچ کرنے والے سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس خرچ کا بدل اور اجر عطا فرمائے گا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَرَدّٰى مَاتَ وَتَلَظّٰى تَوَهَّجُ۔

اور مجاہد نے کہا: تَرَدّٰى: اس کا معنی ہے: مر گیا اور تَلَظّٰى: اس کا معنی ہے وہ بھڑک اٹھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ○ (اللیل:۱۱)

اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا ○

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ (اللیل: ۱۴)
پس میں تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے جب وہ مر جائے گا اور قتادہ اور ابو صالح سے اس کی تفسیر منقول ہے جب اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا، یہ آیت ابو سفیان بن حرب کے متعلق نازل ہوئی (علامہ عینی نے اسی طرح لکھا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے تھے۔ سعیدی غفرلہ) اور تلظی اصل میں تتلظی تھا دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کر دیا گیا اس کا معنی ہے بھڑک اٹھا۔

وَقَرَأَ عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ تَتَلَظّٰى۔
اور عبید بن عمیر نے اس آیت کو تتلظی پڑھا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی تاء کا تاء میں ادغام نہیں کیا۔

۱۔ باب: وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝ (اللیل: ۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہوا! (اللیل: ۲) کی تفسیر

۴۹۴۳۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ دَخَلْتُ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللّٰهِ الشَّأْمَ فَسَمِعَ بِنَا أَبُو الدَّرْدَاءِ فَأَتَانَا فَقَالَ أَفِيكُمْ مَنْ يَقْرَأُ فَقُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَأَيُّكُمْ أَقْرَأُ فَأَشَارُوا إِلَيَّ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَرَأْتُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى قَالَ أَنْتَ سَمِعْتَهَا مِنْ فِي صَاحِبِكَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَأَنَا سَمِعْتُهَا مِنْ فِي النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهٰؤُلَاءِ يَأْبَوْنَ عَلَيْنَا۔ (صحیح مسلم: ۸۲۴، سنن ترمذی: ۲۹۳۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از علقمہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعض اصحاب کی جماعت کے ساتھ شام میں داخل ہوا، پس ہمارے متعلق حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے سنا تو وہ ہمارے پاس آئے، انہوں نے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی شخص قرآن پڑھنے والا ہے؟ تو ہم نے کہا: جی ہاں! پھر انہوں نے کہا: تم میں سے کون زیادہ اچھا قرآن پڑھتا ہے؟ تو میرے اصحاب نے میری طرف اشارہ کیا تو انہوں نے کہا: قرآن پڑھو تو میں نے پڑھا: وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى ۝ (اللیل ۳۔۱) اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپا لے ۝ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہوا ۝ اور نر اور مادہ کی قسم ۝ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے خود اس آیت کو اپنے استاد یعنی حضرت ابن مسعود سے سنا ہے؟ میں نے کہا ہاں! انہوں نے کہا: میں نے بھی اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سنا ہے اور یہ لوگ ہم پر انکار کرتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۸۷ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: دار الفکر کے مطبوعہ نسخہ میں یہ آیت اس طرح لکھی ہے: وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ (اللیل: ۳) صحیح البخاری: ۴۹۴۳ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے قراءت متواترہ تو اسی طرح ہے لیکن حضرت ابن مسعود اور ان کے شاگرد علقمہ وغیرہ اور حضرت ابو

الدرداء اس آیت کو والذکر والانثی پڑھتے تھے اور وما خلق کو حذف کر دیتے تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور اہل شام کا سورۃ اللیل کی قراءت میں اختلاف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اہل شام حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر انکار کرتے تھے کیونکہ حضرت ابوالدرداء وما خلق الذکر والانثی نہیں پڑھتے تھے اور والذکر والانثی پڑھتے تھے اور اہل شام کہتے تھے کہ یہ قراءت متواترہ ہے اور حضرت ابوالدرداء اس آیت میں حذف کر کے والذکر والانثی پڑھتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى ۞ (اللیل: ۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ۞ (اللیل: ۳) کی تفسیر

۴۹۴۴۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قَدِمَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللهِ عَلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ فَطَلَبَهُمْ فَوَجَدَهُمْ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَقْرَأُ عَلَى قِرَاءَةِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُلُّنَا قَالَ فَأَيُّكُمْ أَحْفَظُ فَأَشَارُوا إِلَى عَلْقَمَةَ قَالَ كَيْفَ سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى قَالَ عَلْقَمَةُ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى قَالَ أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَأُ هَكَذَا وَهَؤُلَاءِ يُرِيدُونِي عَلَى أَنْ أَقْرَأَ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى وَاللهِ لَا أُتَابِعُهُمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از ابراہیم، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب حضرت ابو الدرداء کے پاس آئے تو حضرت ابوالدرداء نے ان سے (کسی قاری کو) طلب کیا، پس انہوں نے اس کو پالیا، پس حضرت ابو الدرداء نے پوچھا: تم میں سے کون حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت کے موافق پڑھتا ہے، ابراہیم نے کہا: ہم سب ان کے موافق پڑھتے ہیں، پھر انہوں نے پوچھا: تم میں سے کون زیادہ حافظ ہے؟ تو سب نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا تو حضرت ابو الدرداء نے پوچھا: تم نے حضرت ابن مسعود سے وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ۞ (اللیل: ۱) کو کس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ علقمہ نے کہا: والذکر والانثی حضرت ابوالدرداء نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے اور یہ لوگ (اہل شام) ارادہ کرتے ہیں کہ میں وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى پڑھوں اور اللہ کی قسم! میں ان کی موافقت نہیں کروں گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۸۷ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن مسعود کی قراءت متواترہ کی مخالفت کرنے کی توجیہ اور تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے علقمہ وغیرہ سے پوچھا کہ تم میں سے کون حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھتا ہے

تو حضرت ابن مسعود کے تمام شاگردوں نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے علقمہ سے پوچھا کہ تم نے حضرت عبداللہ کو وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى کی کس طرح قراءت کرتے ہوئے سنا ہے؟ تو علقمہ نے کہا: والذکر والانثیٰ یعنی وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى نہیں پڑھا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح یعنی والذکر والانثیٰ پڑھتے ہوئے سنا ہے اور یہ اہل شام چاہتے ہیں کہ میں وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى پڑھوں اور میں اس قراءت پر ان کی موافقت نہیں کروں گا یعنی وَمَا خَلَقَ کا اضافہ نہیں کروں گا۔

حضرت ابوالدرداء نے کہا کہ میں اہل شام کی موافقت نہیں کروں گا حالانکہ اہل شام کی قراءت متواترہ تھی اور حضرت ابو الدرداء کی قراءت یقینی تھی کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سنا تھا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ پھر اہل شام کو چاہیے تھا کہ وہ حضرت ابوالدرداء کی مخالفت نہ کرتے تو میں کہوں گا کہ ان کی قراءت بھی یقینی تھی اور ان کی قراءت کا ثبوت بھی تواتر سے تھا۔

علامہ المازری نے کہا ہے: اس پر اور جو اس کے حکم میں ہو اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ یہ پہلے تھا، پھر منسوخ ہو گیا اور جن کو ان کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوا وہ اپنی قراءت پر قائم رہے یا یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے جب ان کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف نہیں پہنچا تھا اور اس پر اجماع ہے کہ ہر منسوخ آیت اس مصحف سے محذوف ہو چکی ہے اور جب حضرت عثمان کا مصحف ظاہر ہو گیا تو پھر ان میں سے کوئی شخص بھی اس کے خلاف گمان نہیں رکھتا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوالدرداء کی قراءت کے منسوخ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد انصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ المازری کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن ابوداؤد نے المصاحف میں حضرت ابوالدرداء کی قراءت کو نہیں لکھا اور غالباً حضرت ابوالدرداء کو قراءت متواترہ نہیں پہنچی تھی اور تمام مسلمانوں نے اس قراءت میں ان کی مخالفت کی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۵۳۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابن مسعود کی قراءت متواترہ کی مخالفت کرنے کی مزید توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اس روایت کی نسبت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی طرف بہت قوی ہے مگر اب قراءت متواترہ پر اجماع ہو چکا ہے اور غالباً حضرت ابوالدرداء کی قراءت والذکر والانثیٰ کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود کے شاگردوں تک اس کے منسوخ ہونے کا علم نہیں پہنچا تھا اور تعجب ہے کہ کوفہ میں جو علقمہ اور حضرت ابن مسعود کے شاگرد تھے انہوں نے بھی ان کی قراءت کے موافق نہیں پڑھا اور اسی طرح اہل شام نے بھی حضرت ابو الدرداء کی قرآت کے موافق نہیں پڑھا، اس سے یہ بات قوی ہو جاتی ہے کہ ان کی قراءت کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابٌ: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ (الليل:۵)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ۝ (اللیل:۵) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی جس نے اللہ کی راہ میں اپنے مال سے عطا کیا اور اپنے رب سے ڈرا اور حرام کاموں سے اجتناب کیا۔
(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۲۶)

۴۹۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَقِيعِ الْغَرْقَدِ فِي جَنَازَةٍ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ فَقَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى إِلٰى قَوْلِهِ لِلْعُسْرٰى۔

(صحیح مسلم: ۲۶۴۷، سنن ترمذی: ۲۱۳۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۶۷۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از سعد بن عبیدہ از ابوعبدالرحمٰن السلمی از حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ بقیع الغرقد میں ایک جنازے میں تھے، پس آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا جنت میں ٹھکانا اور دوزخ میں ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے تو صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اسی پر اعتماد نہ کرلیں؟ تو آپ نے فرمایا: تم عمل کرو، پس ہر عمل آسان کردیا گیا ہے، پھر آپ نے یہ آیات تلاوت کیں: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ (اللیل:۵۔۱۰) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ۝ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ۝ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے ۝ اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا ۝ اور نیک باتوں کی تکذیب کی ۝ پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے ۝

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۲ میں کی جاچکی ہے، تاہم چند ضروری امور کا یہاں بیان کیا جارہا ہے:

بقیع الغرقد کا معنی

اس حدیث میں بقیع الغرقد کا لفظ ہے "بقیع" اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں مختلف اقسام کے درخت ہوں۔ بقیع الغرقد اہل مدینہ کا قبرستان ہے۔

جب سب کچھ تقدیر میں لکھا ہوا ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کو کتاب میں لکھ دیا ہے تو صحابہ نے قصد کیا کہ اس لکھے ہوئے کو حجت قرار دے کر عمل کرنے کو ترک کردیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ بتلایا کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں اور

ایک چیز کی وجہ سے دوسری چیز باطل نہیں ہوتی، ایک ظاہر چیز ہے اور دوسری باطن چیز ہے اور وہی علت موجبہ ہے اور دوسری ظاہری چیز ہے اور وہ بندہ کے حق میں تمہ لازمہ ہے اور وہ خیالی علامت ہے اور آپ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو پیدا کیا ہے اور دنیا میں اس کا عمل آخرت کے انجام کی دلیل ہے، اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ۝ (اللیل: ۵۔۷) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا O اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا O پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے O

اس کی نظیر یہ ہے کہ انسان کی قسمت میں رزق لکھ دیا ہے لیکن اس کو کمانے کا حکم دیا ہے اور اس کی زندگی کی مدت تقدیر میں مقرر ہے لیکن اس کو بیماری کا علاج کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح نیک بختی بھی اور بد بختی بھی تقدیر میں مقرر ہے لیکن اس کو نیکی کرنے اور برائی کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے، پس جس طرح وہ تقدیر کے لکھے ہوئے رزق پر اعتماد کر کے حصول رزق کے لیے جدوجہد کو ترک نہیں کرتا اور تقدیر میں لکھی ہوئی مدت پر اعتماد کر کے بیماری میں علاج کو ترک نہیں کرتا، اسی طرح اس کو چاہیے کہ وہ تقدیر میں لکھی سعادت اور شقاوت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کے کرنے اور برے اعمال کے نہ کرنے کو ترک نہ کرے، پس تقدیر میں لکھا ہوا امر باطنی علت موجبہ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور انسان کے اعمال تمہ لازمہ ہیں اور خیالی علامت ہیں اور امر باطنی کی وجہ سے امر ظاہری کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۳۷۳ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝ (اللیل: ۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا O (اللیل: ۶) کی تفسیر

---- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه قَالَ كُنَّا قُعُودًا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ الْحَدِيثَ نَحْوَهُ

---- امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از سعد بن عبیدہ از ابو عبد الرحمٰن از حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، پھر انہوں نے اسی حدیث کا ذکر کیا۔

۵۔ بَابٌ: فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ۝ (اللیل: ۷)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے O (اللیل: ۷) کی تفسیر

۴۹۴۶۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ كَانَ فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ عُودًا يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان از سعد بن عبیدہ از ابو عبد الرحمٰن السلمی از حضرت علی رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ایک جنازے میں تھے، آپ ایک لکڑی پکڑ کر زمین کو کریدنے لگے، پھر آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ٹھکانے کے متعلق لکھ دیا

اللهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ قَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى الْآيَةَ قَالَ شُعْبَةُ وَحَدَّثَنِي بِهِ مَنْصُورٌ فَلَمْ أُنْكِرْهُ مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ۔

گیا ہے کہ اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا یا جنت میں، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اسی پر اعتماد نہ کرلیں؟ آپ نے فرمایا: تم عمل کرو، پس ہر عمل آسان کر دیا گیا ہے (پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں:) فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ (اللیل: ۶۔۵) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا O اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا O شعبہ نے کہا: مجھے یہ حدیث منصور نے بیان کی اور انہوں نے سلیمان کی حدیث کا انکار نہیں کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۲ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اسی حدیث کی ایک اور سند ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۸)

۶۔ بَابٌ: وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ (اللیل: ۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا O (اللیل: ۸) کی تفسیر

۴۹۴۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ قَالَ لَا اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى إِلَى قَوْلِهِ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الاعمش از سعد بن عبیدہ از ابو عبد الرحمان از حضرت علی علیہ السلام، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے، اس کا ٹھکانا جنت سے ہوگا اور دوزخ سے ہوگا، پس ہم نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اسی پر اعتماد نہ کرلیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں تم عمل کرو، پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۭ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى O (اللیل: ۱۰۔۵) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا O اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا O پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے O (اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا O اور نیک باتوں کی تکذیب) O پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے O

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۲ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس کی امام بخاری نے یحییٰ سے روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۲۸)

۷۔ بَابٌ: وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ (اللیل:۹)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○ (اللیل:۹) کی تفسیر

۴۹۴۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا فِي جَنَازَةٍ فِي بَقِيعِ الْغَرْقَدِ فَأَتَانَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَعَدَ وَقَعَدْنَا حَوْلَهُ وَمَعَهُ مِخْصَرَةٌ فَنَكَّسَ فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِمِخْصَرَتِهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ وَمَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٍ إِلَّا كُتِبَ مَكَانُهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَإِلَّا قَدْ كُتِبَتْ شَقِيَّةً أَوْ سَعِيدَةً قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ فَمَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيَصِيرُ إِلٰى عَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ وَمَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَسَيَصِيرُ إِلٰى عَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ قَالَ أَمَّا أَهْلُ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ وَأَمَّا أَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاءِ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى الْآيَةَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از سعد بن عبیدۃ از ابوعبدالرحمٰن السلمی از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بقیع الغرقد میں ایک جنازے میں تھے تو ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، پس آپ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے اور آپ کے پاس ایک لکڑی تھی، پس آپ نے سر مبارک جھکایا اور لکڑی سے زمین کو کریدنے لگے، پھر فرمایا: تم میں سے جو شخص بھی ہے اور جو شخص بھی سانس لینے والا ہے اس کا جنت اور دوزخ سے ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے اور یہ لکھ دیا گیا ہے کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت ہے، ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے اس لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کرلیں اور عمل کو چھوڑ دیں، پس ہم میں سے جو شخص نیک بخت ہوگا وہ عنقریب نیک بختوں کے ساتھ مل جائے گا اور جو ہم میں سے بدبخت ہوگا عنقریب بدبختوں کے ساتھ مل جائے گا، آپ نے فرمایا: رہا وہ شخص جو نیک بخت ہے تو اس کے لیے نیک بختوں کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے اور رہا وہ شخص جو بدبخت ہے تو اس کے لیے بدبختوں کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے، پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں: فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ (اللیل:۵۔۶) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ○ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کر دیں گے ○

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۲ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس کی امام بخاری نے عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کی ہے، اس حدیث میں مخصرۃ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: انسان اپنے ہاتھ میں جو لاٹھی وغیرہ رکھتا ہے، علامہ الطیبی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے

کہ بادشاہ اپنے ہاتھ میں لاٹھی وغیرہ رکھتے ہیں جس سے وہ اشارہ کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ میں عصا اور لاٹھی وغیرہ رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابٌ: فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝ (اللیل: ۱۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے ۝ (اللیل: ۱۰) کی تفسیر

۴۹۴۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ شَيْئًا فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِهِ الْأَرْضَ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى الْآيَةَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاعمش، انہوں نے کہا: میں نے سعد بن عبیدہ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از ابو عبدالرحمٰن السلمی از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں تھے، پس آپ نے کوئی چیز پکڑی اور اس کے ساتھ زمین کریدنے لگے، پھر آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے متعلق اس کا دوزخ میں ٹھکانا اور جنت میں ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے تو صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا پس ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کرلیں اور عمل کو چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: تم عمل کرو، ہر شخص کے لیے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ رہا وہ شخص جو اہل سعادت میں سے ہے تو اس کے لیے اہل سعادت کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے اور رہا وہ شخص جو اہل شقاوت میں سے ہے تو اس کے لیے اہل شقاوت کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے، پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ (اللیل: ۶۔۵) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ۝ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے ۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۶۲ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کا چھ سندوں کے ساتھ مروی ہونا

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ اس حدیث مذکور کی چھٹی سند ہے، امام بخاری نے اس حدیث کی چھ مختلف سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور ہر سند کے ساتھ اس حدیث کے باب کا ایک مستقل اور الگ عنوان قائم کیا ہے، اس حدیث کے متون میں کچھ کمی اور زیادتی ہے لیکن تمام متون کا مضمون واحد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۹)

اہل بیت کرام کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام لکھنے کا جواز اور رضی اللہ عنہ لکھنے کا افضل ہونا، اس کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: امام بخاری کی یہ چھ سندیں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتی ہیں، امام بخاری نے پانچ سندوں میں حضرت مولیٰ

علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا ہے اور ایک حدیث (صحیح بخاری: ۴۹۴۷) کی سند کے ساتھ حضرت مولیٰ علی کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک رضی اللہ عنہ کے کلمات میں علیہ السلام کے کلمات سے زیادہ فضیلت ہے اور انہوں نے ایک حدیث کی سند میں حضرت مولیٰ علی کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھ کر یہ مسئلہ واضح کیا ہے کہ حضرت مولیٰ علی اور دیگر اہل بیت کے اسماء گرامی کے ساتھ علیہ السلام لکھنا بھی جائز ہے کیونکہ بعض ناصبی اور خارجی، حضرات اہل بیت کے ساتھ عداوت رکھنے کی وجہ سے ان کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھنے کو ناجائز کہتے تھے اور اس دور میں بھی بعض ایسے متشدد لوگ ہیں جو حضرت علی علیہ السلام یا حضرت فاطمہ علیہا السلام یا حضرت حسنین علیہما السلام لکھنے کو ناجائز کہتے ہیں، امام بخاری پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں انہوں نے ان اہل بیت کرام کے اسماء گرامی کے ساتھ اپنی صحیح بخاری کی متعدد احادیث میں علیہ السلام لکھ کر یہ واضح کیا کہ اہل محبت کے نزدیک ان حضرات کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام لکھنا جائز ہے۔

تاہم جیسا کہ ہم نے تصریح کی ہے کہ اہل بیت کرام کے اسماء مبارک کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا علیہ السلام لکھنے کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے کیونکہ سلام تو ہر مومن پر پڑھا جا سکتا ہے خواہ وہ زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو کیونکہ زندہ کو کہا جاتا ہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور وفات یافتہ لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: السلام علیکم یا اھل القبور (سنن ترمذی: ۱۰۵۳) نیز حدیث میں ہے: السلام علیکم یا اھل المقابر۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۹، سنن دارمی مقدمہ: ۱۵)

اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال اذا مر الرجل بقبر یعرفه فَسَلَّمَ علیه رَدّ علیه السلام و عرفه واذا مَرّ بقبر لا یَعْرِفه فسلم علیه رَدّ علیه السلام۔

(شعب الایمان جزء ۷ ص ۱۷، رقم الحدیث: ۹۲۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب کوئی مرد ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ پہچانتا ہو اور اس پر سلام پڑھے تو قبر والا اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کو پہچانتا ہے اور اگر وہ ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہ پہچانتا ہو اور سلام کرے تب بھی وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اور امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اتی المقبرۃ فقال السلام علیکم دَارَ قَوْمٍ مومنین وَانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ الحدیث۔

(صحیح مسلم: ۲۴۷، سنن نسائی: ۱۵۰، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۶، مسند احمد: ۸۸۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں آئے اور فرمایا: اے مومنین کے گھر! تم پر سلام ہو اور بے شک ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔

اور رضی اللہ عنہ کے کلمات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے کہے جاتے ہیں یا پھر ان کاملین اور عارفین کے لیے جو اصحاب احسان ہوں یعنی محسنین ہوں یا متقین ہوں یعنی اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے ہوں، اور ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرتے ہوں۔ صحابہ اور محسنین کے لیے رضی اللہ عنہم کہنے کے ثبوت میں یہ آیت کریمہ ہے:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا

اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور جن مسلمانوں نے نیکی

عَنْهُ (التوبہ:۱۰۰) میں ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

اور متقین اور اللہ سے بہت ڈرنے والوں اور ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرنے والوں کے متعلق یہ آیت مبارک ہے:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝ (البینہ:۸) اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا O

سو واضح ہو گیا کہ رضی اللہ عنہم کے دعائیہ کلمات کہنا صحابہ کرام اور محسنین اور متقین کاملین کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ علیہ السلام کے دعائیہ کلمات میں ایسی کوئی تخصیص نہیں ہے ان کو ہر مسلمان کے لیے کہنا جائز ہے۔

میرے دل میں بڑے عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ رضی اللہ عنہ اور علیہ السلام کے درمیان فرق کو واضح کروں اور یہ بتاؤں کہ اہل بیت کرام کے اسماء مبارکہ کے ساتھ علیہ السلام لکھنا جائز ہے لیکن افضل یہی ہے کہ ان کے اسماء مبارکہ کے ساتھ بھی رضی اللہ عنہ لکھا جائے۔ الحمد للہ رب العالمین صحیح بخاری کی اس حدیث کی شرح میں یہ خواہش پوری ہو گئی۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ اللیل کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور جو احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۳۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ وَالضُّحٰى

سورۂ والضحیٰ کی تفسیر

سورۃ والضحیٰ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ والضحیٰ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں گیارہ آیات ہیں۔

علامہ الثعلبی نے کہا ہے کہ الضحیٰ کا معنی ہے: پورا دن اور قتادہ اور مقاتل نے کہا ہے: یعنی چاشت کا وقت، یہ وہ وقت ہے جس میں سورج پوری طرح بلند ہو جاتا ہے (طلوع آفتاب کے دو گھنٹے بعد) اور گرمی اور سردی میں دن معتدل ہوتا ہے اور واؤ قسم کے لیے ہے یعنی چاشت کے رب کی قسم۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۲۹)

میں کہتا ہوں کہ ہم نے سورۂ والضحیٰ کی تفسیر میں لکھا ہے: مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ سیدنا محمد ﷺ کو آپ کے رب نے چھوڑ دیا اور وہ آپ سے بیزار ہو گیا، وہ اپنے اس دعویٰ پر کوئی گواہ پیش نہیں کر سکے، پھر قاعدہ کے مطابق نبی ﷺ پر لازم تھا کہ آپ ان کے اس دعویٰ کے انکار پر قسم اٹھاتے، پس قسم آپ پر آتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی جگہ دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کا معاملہ واحد ہے آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے، آپ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے، اسی طرح جو قسم آپ پر لازم آتی ہے وہ اللہ پر قسم ہے، اس لیے فرمایا: دن کی قسم! اور رات کی قسم! آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے، بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ "والضحیٰ" سے مراد ہے: آپ کے روشن چہرے کی قسم! اور "واللیل" سے مراد ہے: آپ کی سیاہ زلفوں کی قسم!۔ (تفسیر تبیان ج۱۱ ص۱۹۲) (انوار تبیان القرآن ص۹۵۸ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ إِذَا سَجَى اسْتَوَى وَقَالَ غَيْرُهُ سَجَى أَظْلَمَ وَسَكَنَ۔

اور مجاہد نے کہا ہے: اِذَا سَجٰی: کا معنی ہے: جب رات برابر ہو جائے اور دوسروں نے کہا: جب رات تاریک ہو جائے یا ساکن ہو جائے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ (الضحیٰ:۲) اور رات کی قسم! جب وہ پھیل جائے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کو ابو محمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے کہا اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ سَجٰی کا معنی ہے: جب رات تاریک ہو جائے، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، اور انہوں نے دوسری تفسیر کی ہے: جب رات ساکن ہو جائے، یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور حسن بصری سے منقول ہے: جب رات آ جائے اور ان سے یہ بھی منقول ہے: جب رات ٹھہر جائے اور ساکن ہو جائے۔ امام طبری نے کہا: ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ جب رات ساکن ہو جائے کیونکہ جب سمندر ساکن ہو تو کہا جاتا ہے: بحر ساج یعنی ساکن۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس تعلیق کی یہی شرح کی ہے۔(فتح الباری ج ٦ ص ١٢٢)

عَائِلًا ذُو عِيَالٍ — عَائِلًا: اس کا معنی ہے: بال بچوں والا (یعنی ضرورت مند)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ۝ (والضحیٰ: ٨) آپ کو ضرورت مند پایا تو غنی کر دیا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے العائل کی تفسیر کی ہے: بال بچوں والا، اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے، فاغناك اس کا معنی ہے کہ آپ کو پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے غنی کر دیا، پھر غنیمتوں کے مال سے آپ کو غنی کر دیا، اور مقاتل نے کہا ہے: آپ کو رزق عطا کر کے آپ کو راضی کر دیا، اور ابن عطاء سے منقول ہے کہ آپ کے دل کو ضرورت مند پایا تو آپ کے دل کو غنی کر دیا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٤٣٠۔٤٢٩ میں کی ہے]

١۔ بَابٌ: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ (والضحیٰ: ٣)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا ۝ (والضحیٰ: ٣) کی تفسیر

٤٩٥٠۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدُبَ بْنَ سُفْيَانَ رضي الله عنه قَالَ اشْتَكٰى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا فَجَاءَتْ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى قَوْلُهُ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى۔ (صحیح مسلم: ١٧٩٧)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاسود بن قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو آپ دو راتیں یا تین راتیں نہیں اٹھے تو آپ کے پاس ایک عورت آئی، سو اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! بے شک مجھے امید ہے کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ وہ دو یا تین راتوں سے آپ کے قریب آیا ہو، تب اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں: وَالضُّحٰى ۝ وَ الَّيْلِ إِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى ۝ (والضحیٰ: ٣۔١) چاشت کے وقت کی قسم! ۝ اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے ۝ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا ۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ١١٢٤ میں گزر چکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والی عورت کا نام

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب آپ بیمار ہونے کی وجہ سے دو یا تین راتیں تہجد کے لیے نہیں اٹھ سکے تو آپ کے پاس ایک عورت آئی، اس کی کنیت ام جمیل تھی، یہ ابولہب کی بیوی اور حرب کی بیٹی تھی اور ابوسفیان کی بہن تھی اور اس کا نام العوراء تھا یعنی کانی۔

(عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٤٣٠، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں سورۂ والضحیٰ کے سبب نزول کے متعلق دیگر روایات اور ان کا غیر معتبر ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے اس آیت کے سبب نزول میں مجہول راویوں سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے نیچے ایک کتے کا پلا تھا جس کا آپ کو پتا نہیں تھا، اس وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس نہیں آئے اور آپ کے تخت کے نیچے کتے کا پلا ہونے کی وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام کے آپ کے پاس نہ آنے کا قصہ مشہور ہے، لیکن اس آیت کا یہ سبب نزول بیان کرنا غریب ہے بلکہ شاذ ہے اور حدیث صحیح کی بنا پر مردود ہے۔

اس آیت کے نزول کا صحیح حدیث میں یہ سبب ہے کہ آپ دو یا تین راتیں تہجد کے لیے نہیں اٹھے تھے جس کا سبب آپ کی بیماری تھا۔

اس آیت کے نزول کا تیسرا سبب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا تو کئی دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نہیں آئے، اس سے آپ کو بہت رنج ہوا اور مشرکین نے کہا: آپ کو آپ کے رب نے چھوڑ دیا اور آپ سے بیزار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰى ۝ (والضحیٰ:۳) آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا۝

اور اسماعیل مولیٰ آل الزبیر کی سند سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آنا رک گیا، اس سے آپ غمگین ہوئے، پس آپ نے فرمایا: مجھے خوف ہے کہ میرا صاحب مجھ سے ناراض ہو گیا ہے، تب حضرت جبریل سورۂ والضحیٰ لے کر نازل ہوئے اور محمد بن عبدالاعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ وحی کا آنا رک گیا تو مشرکین نے کہا: اگر یہ وحی اللہ کی طرف سے تھی تو مسلسل آتی رہتی لیکن اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گیا، تب اللہ تعالیٰ نے مکمل سورۃ والضحیٰ اور مکمل سورہ الم نشرح نازل فرمائیں اور حق بات یہ ہے کہ سورۂ والضحیٰ کے سبب نزول میں جو وحی کا رکنا بیان کیا گیا ہے یہ اور قصہ ہے جو ابتداء وحی میں وحی کے منقطع ہونے کا قصہ ہے، یہ اس کے علاوہ ہے، نیز ابتداء وحی میں جو وحی کا انقطاع ہوا تھا وہ کئی دنوں پر محیط تھا اور وہ صرف دو یا تین راتوں تک وحی کے نہ آنے کا قصہ نہیں ہے، پس بعض راویوں پر یہ دونوں قصے خلط ملط ہو گئے اور صحیح سبب نزول وہی ہے جو صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

پھر میں نے سیرت ابن اسحاق میں دیکھا اس میں سورۂ والضحیٰ کا ایک اور سبب نزول بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جب مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین اور روح وغیرہ کے متعلق سوال کیا اور آپ نے ان سے کل جواب دینے کا وعدہ فرمالیا اور آپ نے ان شاء اللہ نہیں کہا تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس بارہ (۱۲) یا اس سے زیادہ راتوں تک نہیں آئے، اس سے آپ کو رنج ہوا اور مشرکین نے آپ کے خلاف باتیں کیں تو حضرت جبریل علیہ السلام سورۂ والضحیٰ لے کر اور ان کے سوالوں کے جوابات لے کر نازل ہوئے اور یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الکہف:۲۳-۲۴) اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں یہ کام کل کرنے والا ہوں ۝ مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

اور سورۂ والضحیٰ کا یہاں پر ذکر کرنا بہت بعید ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ان دونوں قصوں کا زمانہ قریب قریب ہو تو بعض راویوں نے ایک قصہ کو دوسرے قصہ کے ساتھ ملا دیا اور ان میں سے کوئی قصہ بھی بعثت کی ابتداء سے متعلق نہیں ہے اور یہ بعثت کے بہت بعد کا

قصہ ہے۔(فتح الباری ج٦ ص ١٢٣۔١٢٢، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

٢۔ بَابٌ: مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰى ۝ (الضحیٰ:٣)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ آپ سے بیزار ہوا۝ (الضحیٰ:٣) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: المستملی کی روایت میں یہ باب مکرر ہے اور دوسروں کی روایت میں یہ باب مکرر نہیں ہے کیونکہ انہوں نے پہلے باب کو ذکر نہیں کیا۔(عمدۃ القاری ج١٩ ص ٤٣٠)

مَاوَدَّعَكَ کو دال کی تشدید کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور دونوں کا معنی ایک ہے یعنی آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: تشدید کے ساتھ **مَاوَدَّعَكَ** پڑھنا جمہور کی قراءت ہے اور تخفیف کے ساتھ مَا وَدَعَكَ پڑھنا ابن ابی عبلہ کی قراءت ہے۔

امام بخاری نے کہا: ان دونوں قراءتوں کا معنی واحد ہے یعنی آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا۔(عمدۃ القاری ج١٩ ص ٤٣٠)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ **مَاوَدَّعَكَ** باب تفعیل سے ہے اور مَا وَدَعَكَ ثلاثی مجرد کے باب سے ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ باب تفعیل کے الفاظ زیادہ ہیں اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، اس لیے **مَاوَدَّعَكَ** کے معنی میں ترک کرنے کا مبالغہ ہے۔(فتح الباری ج٦ ص ١٢٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: مَاقَلٰی اور فَهَدٰی اس سورت کے یہ کلمات ایک وزن پر ہیں ان کو رعایت فواصل کہا جاتا ہے اور قرآن مجید کے غیر میں ان کو رعایت سجع کہا جاتا ہے۔(عمدۃ القاری ج١٩ ص ٤٣١)

٤٩٥١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدُبًا الْبَجَلِيَّ قَالَتِ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أُرَى صَاحِبَكَ إِلَّا أَبْطَأَكَ فَنَزَلَتْ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاسود بن قیس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جندب البجلی رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! میری رائے یہ ہے کہ آپ کے صاحب (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام) نے آپ کے پاس آنے میں دیر لگا دی، تب یہ آیت نازل ہوئی: مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰى ۝ (الضحیٰ:٣) آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بیزار ہوا۝

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ١١٢٤ میں گزر چکی ہے۔

دوسری حدیث میں آپ سے کہنے والی عورت کا مصداق

علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ٧٨٦ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ عورت تو کافرہ تھی تو اس نے کیسے کہا: یا رسول اللہ! اس کا جواب یہ ہے یا تو اس عورت نے آپ کا مذاق اڑانے کے لیے یا رسول اللہ کہا تھا اور یا پھر حدیث میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی روایت راوی کے تصرفات میں سے ہے۔ (تحقیق الکواکب الدراری جز ۱۷ص ۱۹۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

اس پر دلیل کہ دوسری روایت میں جو عورت مذکور ہے وہ پہلی روایت میں مذکور عورت کی غیر ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جس عورت کا یہ بیان ہے یا رسول اللہ! میری رائے ہے کہ آپ کے صاحب نے یعنی حضرت جبرئیل نے آپ کے پاس آنے میں تاخیر کر دی اور اس سے پہلی حدیث میں جس عورت کا ذکر ہے وہ لکڑیاں اٹھا کر لانے والی تھی کیونکہ اس نے آپ کے صاحب کو شیطان سے تعبیر کیا تھا اور کہا تھا کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا بہ خلاف اس روایت کے کیونکہ اس روایت میں اس عورت نے شیطان کے بجائے آپ کے صاحب کا اور چھوڑنے کے بجائے تاخیر کرنا کہا اور علامہ کرمانی نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حدیث کی عبارت میں یہ تغیر راوی کے تصرف کی وجہ سے ہو کیونکہ دونوں حدیثوں کا مخرج واحد ہے۔ (فتح الباری ج ۶ص ۱۲۴۔ ۱۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے ساتھ مناقشہ

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: علامہ کرمانی نے جو کہا ہے: وہ عورت کافرہ تھی، اس پر یہ اعتراض ہے کہ علامہ کرمانی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ امام بخاری کی اس سند کے ساتھ روایت میں جس عورت کا ذکر ہے وہ کافرہ تھی، ہاں! امام بخاری نے پہلی سند کے ساتھ جو روایت کی ہے اس میں ہوسکتا ہے کہ وہ عورت کافرہ ہو کیونکہ اس عورت نے یہ کہا تھا کہ مجھے امید ہے کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا اور یہ بات نہ کوئی مسلمان مرد کہہ سکتا ہے اور نہ کوئی مسلمان عورت کہہ سکتی ہے، نیز اس دوسری روایت میں اس عورت نے کہا: آپ کا صاحب اور یا رسول اللہ! کہا اور یہ بات کوئی کافر نہیں کہہ سکتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ کرمانی کی عبارت کے متعلق کہا کہ اس کی توجیہ کی گئی ہے کیونکہ دونوں روایتوں کا مخرج واحد ہے۔ حافظ ابن حجر کی اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ مخرج کا واحد ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ دونوں عورتیں ایک ہوں یعنی جس عورت کا پہلی روایت میں ذکر کیا گیا ہے یہ وہی عورت ہو جس کا دوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے، علاوہ ازیں علامہ واحدی نے عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں تاخیر کر دی تو آپ کو بہت رنج ہوا، پس حضرت خدیجہ نے کہا کہ آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی، یعنی الضحیٰ: ۳۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں تاخیر کی مدت

ابن جریج سے روایت ہے کہ یہ مدت بارہ دن تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پندرہ دن تھی اور ان سے دوسری روایت ہے کہ پچیس (۲۵) دن تھی اور مقاتل سے روایت ہے کہ چالیس (۴۰) دن تھی اور دوسرا قول ہے تین دن تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ص ۴۳۲۔ ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ سورہ الم نشرح کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۴۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ أَلَمْ نَشْرَحْ

سورۃ الم نشرح لک کی تفسیر

سورۃ الم نشرح لک کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورہ الم نشرح کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں آٹھ (۸) آیات ہیں۔

الم نشرح کا معنی ہے: کیا ہم نے آپ کا سینہ ایمان، نبوت، علم اور حکمت سے کھول نہیں دیا اور اس کو وسیع نہیں کر دیا اور اس میں ہمزہ استفہام حقیقی کے لیے نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۳۲)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کفار کے طعن و تشنیع اور ان کی دل آزار باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اور آپ کا سینہ تنگ ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور وسیع کر دیا اور یا اس سے مراد آپ کا شق صدر ہے جب بچپن میں اور نبوت کے قریب اور معراج کے موقع پر آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تھا اور اس کو علم و عرفان کے ساتھ بھر دیا گیا تھا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۹۵۹، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وِزْرَكَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔ اور مجاہد نے کہا: وِزْرَكَ کا معنی ہے: وہ امور جو زمانہ جاہلیت میں صادر ہوئے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ (الم نشرح: ۲) اور آپ سے (پر مشقت چیزوں کا) بوجھ اتار دیا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ فی الجاهلية، وزر کی صفت ہے اور وَضَعْنَا کے متعلق نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں افضل کام کو ترک کرنے اور فاضل کو کرنے کی وجہ سے جو آپ کے اوپر بوجھ تھا ہم نے وہ بوجھ اتار دیا یعنی خطا اور سہو کے ارتکاب کی وجہ سے جو آپ پر بوجھ تھا وہ اتار دیا، دوسرا قول ہے: اس سے مراد ہے: آپ کی امت کے گناہ اور آپ کی طرف ان کی اضافت اس لیے کی ہے کہ آپ کا دل ان کی مغفرت کی فکر میں مشغول رہتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک افضل کام اور خطاء اور سہو کی تحقیق

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خطاء سرزد نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ علامہ عینی کو معاف فرمائے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیسے خطاء کی نسبت کر دی، رہا اجتہادی خطا کا معاملہ تو جمہور علماء آپ کی اجتہادی خطاء کے قائل ہیں اور محققین علماء کہتے ہیں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطاء ہوتی تھی جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے شجر ممنوعہ سے کھانے کو تنزیہی ممانعت گمان کیا حالانکہ وہ تحریمی ممانعت تھی یا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے ایک قبطی کو اس خیال سے تادیبا گھونسا مارا کہ وہ مرے گا نہیں لیکن وہ قضاء الٰہی سے مر گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اجتہادی خطاء سے بھی محفوظ رکھا ہے اور جن امور کو جمہور علماء نے آپ

کی اجتہادی خطاء کہاوہ حقیقت میں خطاء نہیں ہیں بلکہ وہ وحی خفی پر مبنی ہیں اور ان میں بہت حکمتیں ہیں جن کو ہم اپنے مقام پر بیان کر چکے ہیں۔

رہا سہو کا معاملہ تو سہو کا معنی ہے: کسی چیز کی طرف سے توجہ ہٹ جانا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے مطالعہ میں مشغول ہوتے تو نماز کے کسی کام کی طرف سے آپ کی توجہ ہٹ جاتی اور آپ کو سہو ہو جاتا، ہم کو نماز میں اس لیے سہو ہوتا ہے کہ ہم دنیا کے کسی کام یا کسی بات میں مستغرق ہو کر نماز کے کسی کام کو بھول جاتے ہیں، ہم دنیا کی محبت میں اللہ کی یاد کو بھول جاتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی محبت میں دنیا کو بھول جاتے ہیں، سو ہمارا سہو اور نسیان نقص ہے اور آپ کا سہو اور نسیان کمال اور باعث فضیلت ہے۔

رہا آپ کا کسی افضل کام کو ترک کرنا تو یہ بھی امت کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے مثلاً آپ نے بتایا کہ فجر کے وقت جب سفیدی پھیل جائے تو نماز پڑھنے کا زیادہ اجر ہوتا ہے اور یہ افضل ہے لیکن آپ نے فجر کی نماز اول وقت اندھیرے میں بھی پڑھی اور افضل کام کو ترک کر دیا تا کہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ فجر کی نماز اندھیرے میں بھی پڑھنا جائز ہے اور مسائل شرعیہ کی تعلیم دینا آپ پر فرض ہے، لہٰذا آپ نے جو ترک افضل کیا اس میں بھی آپ کو فرض کی ادائیگی کا اجر و ثواب ہوگا، ہمارا ترک افضل کرنا نقص ہے اور آپ کا ترک افضل کرنا یا خلاف اولیٰ کام کرنا کمال اور باعث فضیلت ہے۔

اسی طرح آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا لیکن آپ نے بعض اوقات کھڑے ہو کر بھی پانی پیا ہے، زمزم کا پانی آپ نے کھڑے ہو کر پیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی جائز ہے اگرچہ خلاف اولیٰ ہے لیکن یہ بھی ہم کریں تو خلاف اولیٰ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ کی تعلیم کے لیے کھڑے ہو کر پانی پیا تو آپ کا اس میں وہی ثواب ہے جو فرض کی ادائیگی کا اجر و ثواب ہوتا ہے۔

کیونکہ علامہ عینی نے اور علامہ کرمانی نے یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ترک افضل اور خطاء اور سہو کی نسبت کی تھی اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک افضل اور خطاء اور سہو کی حقیقت کو واضح کروں، اللہ تعالیٰ میری جسارت کو معاف فرمائے، میں علامہ عینی کے علم کے مقابلہ میں ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہوں اور ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور آپ کی عظمت و کمال کو بیان کرنے کے لیے لب کشائی کرنا ایک الگ بات ہے۔

أَنْقَضَ أَثْقَلَ۔ أَنْقَضَ: کا معنی ہے بھاری کر دیا یا بوجھل کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (الم نشرح: ۳) جس نے آپ کی پشت کو گراں بار کر دیا تھا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی اس تفسیر کی امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، عرب لوگ کہتے ہیں: انقض الجمل ظهر الناقة کہ اونٹ نے اونٹنی کی پشت کو بوجھل کر دیا، یہ اس وقت کہتے ہیں جب اونٹنی کی پشت بھاری ہو جائے، اور الفراء نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: جس نے آپ کی پشت کو توڑ دیا تھا۔

مع العسر یسرا قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ أَيْ مَعَ ذٰلِكَ الْعُسْرِ يُسْرًا آخَرَ كَقَوْلِهٖ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَلَنْ يَغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ۔

مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الم نشرح: ۵) ابن عیینہ نے کہا: اس مشکل کے ساتھ دوسری آسانی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (التوبہ: ۵۲) تم ہماری دو بھلائیوں (فتح یا شہادت) میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہو۔

اور ایک مشکل دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ؕ پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے O بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے O (الم نشرح: ۵۔۶)

نحویوں کے اس قاعدہ کی وضاحت کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اول کا عین ہوتا ہے اور جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے، لہٰذا الم نشرح: ۳، میں ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیوں کا ذکر ہے اور اس کی احادیث اور آثار سے تائید

علامہ عینی لکھتے ہیں: سفیان بن عیینہ کی تفسیر میں نحویوں کے اس قاعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اول کا عین ہوتا ہے اور جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے اور اس آیت میں اَلْعُسْرِ (مشکل) مکرر ہے اور وہ معرفہ ہے جس کا مطلب ہے کہ مشکل وہی ایک ہے اور یسر بھی مکرر ہے اور وہ نکرہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ پہلی آسانی دوسری آسانی کی غیر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشکل تو ایک ہے اور اس کے ساتھ آسانیاں دو ہیں، اسی لیے ابن عیینہ نے کہا کہ ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ ابن عیینہ نے اس آیت کی التوبہ: ۵۲ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مومنین کے لیے بھلائیوں کا تعدد ثابت ہے اسی طرح مومنین کے لیے آسانیوں کا تعدد ثابت ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند ضعیف کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔

اور امام سعید بن منصور اور امام عبد الرزاق نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مشکل ایک سوراخ میں داخل ہو تو اسی سوراخ میں آسانی داخل ہو کر اس مشکل کو نکال دیتی ہے اور ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔

امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ قتادہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس آیت کے ساتھ بشارت دی، اور فرمایا: ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

امام مالک نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا ہے جس میں فرمایا: میرے معاملہ میں کوئی تنگی پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد کشادگی فرما دیتا ہے اور ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ (یہ حدیث الموطا میں نہیں ہے)

امام حاکم نے کہا ہے: اس حدیث کی حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت صحیح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ فَانْصَبْ فِي حَاجَتِكَ إِلَى رَبِّكَ. اور مجاہد نے کہا: فَانْصَبْ کا معنی ہے: اپنی ضرورت میں اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ (الم نشرح: ۷) پس جب آپ (تبلیغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمربستہ ہوں ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی جب آپ عبادت سے فارغ ہوں تو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے خوب کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور امام ابوجعفر نے مجاہد سے اس طرح روایت کی ہے کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو اپنی ضروریات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ فرض نماز سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور اس کی طرف رغبت کریں اور اس سے دعا کریں اور قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوں تو بہت مبالغہ کے ساتھ دعا کریں اور فانصب کا معنی نصب سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی کام میں اپنے آپ کو تھکا دینا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: آپ اپنی نیت اور رغبت اللہ تعالیٰ کی طرف رکھیں، اور امام ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ جب آپ جہاد سے فارغ ہوں تو اللہ عزوجل کی عبادت کریں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا جاتا ہے کہ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ (الم نشرح: ۱) اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ (الم نشرح: ۱) (اے رسول مکرم!) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا؟ ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ تفسیر امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس روایت کی سند ضعیف ہے، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ ہم نے آپ کے سینہ کو علم اور حلم سے بھر دیا، اور مقاتل سے منقول ہے: ہم نے آپ کے سینہ کو تنگ ہونے کے بعد وسیع کر دیا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تفسیر میں کوئی حدیث مرفوع ذکر نہیں کی اور اس تفسیر میں امام ابن حبان کی اس صحیح حدیث کو داخل کرنا چاہیے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل آئے اور کہا: آپ کا رب ارشاد فرماتا ہے: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا ذکر کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے، حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا (بھی) ذکر کیا جاتا ہے، اس حدیث کی امام شافعی، امام سعید بن منصور اور امام عبد الرزاق نے مجاہد سے روایت کی ہے اور اس کا امام ترمذی اور امام حاکم نے اپنی تفسیروں میں شب معراج کو آپ کے شرح صدر کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس حدیث کی جن تعلیقات کو ہم نے علامہ عینی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے ان کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۳۲-۴۳۴ میں کی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الم نشرح کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ والتین کی تفسیر میں امام بخاری نے جو دو تعلیقیں اور ایک حدیث ذکر کی ہے ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۵۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَةِ وَالتِّیۡنِ

سورۂ والتین کی تفسیر

سورۂ والتین کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۂ والتین کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں آٹھ آیات ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ هُوَ التِّينُ وَالزَّيْتُونُ الَّذِي يَأْكُلُ النَّاسُ۔ اور مجاہد نے کہا: یہ تین (انجیر) اور زیتون ہیں جن کو لوگ کھاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَالتِّيۡنِ وَالزَّيۡتُوۡنِ ○ (والتین:۱) انجیر اور زیتون کی قسم!○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابن ابی نجیح سے روایت ہے کہ انجیر اور زیتون وہ پھل ہیں جن کو لوگ کھاتے ہیں اور قتادہ سے روایت ہے کہ التین دمشق کا ایک پہاڑ ہے اور الزیتون بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے۔

انجیر اور زیتون کے طبی فوائد

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: انجیر عمدہ اور لذیذ پھل ہے، یہ بلغم کو تحلیل کرتا ہے، گردوں کو صاف کرتا ہے، مثانہ کی پتھری کو توڑتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے اور حدیث میں ہے: یہ بواسیر کو قطع کرتا ہے اور گنٹھیا کے درد میں مفید ہے۔
(بیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۵۲۱)

زیتون مشہور پھل ہے، اس سے تیل نکالا جاتا ہے جس کو روغن زیتون کہتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زیتون کی مسواک کیا خوب ہے، وہ مبارک درخت کی ہے جو بدبو کو زائل کرتی ہے، یہ میری مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مسواک ہے۔ (المعجم الاوسط: ۶۸۲) (انوار تبیان القرآن ص ۹۶۰، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

يُقَالُ فَمَا يُكَذِّبُكَ فَمَا الَّذِي يُكَذِّبُكَ بِأَنَّ النَّاسَ يُدَانُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ كَأَنَّهُ قَالَ وَمَنْ يَقْدِرُ عَلَى تَكْذِيبِكَ بِالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ۔ فَمَا يُكَذِّبُكَ کی تفسیر میں کہا جاتا ہے: پس وہ کون ہے جو آپ کی اس بات کی تکذیب کرتا ہے کہ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء دی جائے گی گویا کہ یوں فرمایا کہ ثواب اور عقاب کے متعلق آپ کی تکذیب پر کون قادر ہے؟

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعۡدُ بِالدِّيۡنِ ○ (التین:۷) سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرے○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں مطلقاً انسان سے خطاب ہے جیسا کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ (التین: ۴) (بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا) میں انسان کا ذکر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔

[ان دونوں تعلیقوں کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۳۴ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ

باب

۴۹۵۲۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيٌّ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ فِي سَفَرٍ فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عدی نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے تو آپ نے عشاء کی کسی ایک رکعت میں التین والزیتون کی تلاوت کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۷۶۷ میں گزر چکی ہے۔

تَقْوِيمِ الْخَلْقِ۔ تقویم کا معنی ہے: خلق اور بناوٹ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ (التین: ۴) بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا O

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو امام ابونعیم نے روایت کیا ہے اور الفریابی نے اس تعلیق کو مجاہد سے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابن المنذر نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انسان کو معتدل بناوٹ کے ساتھ بنایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو مسلمان قرآن پڑھتا ہے وہ اسفل سافلین یعنی ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔

اس سوال کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی کون سی رکعت میں سورۃ التین پڑھی تھی؟

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: بعض لوگوں نے بہ کثرت یہ سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے والتین والزیتون کو پہلی رکعت میں پڑھا تھا یا دوسری رکعت میں پڑھا تھا یا پہلی اور دوسری دونوں رکعتوں میں پڑھا تھا، یا آپ نے اس سورت کے علاوہ کسی اور سورت کی بھی عشاء کی نماز میں تلاوت کی تھی، اس وقت مجھے اس سوال کا جواب مستحضر نہیں تھا حتیٰ کہ میں نے ابوعلی بن السکن کی کتاب الصحابہ میں حضرت زرعہ بن خلیفہ کے تذکرہ میں پڑھا جو اہل یمامہ میں سے ایک مرد تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنا تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ہمارے سامنے اسلام کو پیش کیا، پس ہم اسلام لے آئے اور آپ نے ہمیں (مال غنیمت میں سے) حصہ عطا فرمایا اور آپ نے نماز میں وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ اور إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ کو پڑھا، پس ہو سکتا ہے کہ یہ وہی نماز ہو جس کے متعلق حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہ عشاء کی نماز تھی اور یہ بھی ہو کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ والتین پڑھی اور دوسری رکعت میں آپ نے سورۃ القدر پڑھی اور اس تقریر سے اس

سوال کا جواب مل جاتا ہے اور اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ حضرت البراء کی حدیث کے علاوہ اور کسی حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ آپ نے عشاء کی نماز میں سورۃ والتین پڑھی اور پھر حضرت زرعہ کی اس حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

(فتح الباری ج ٦ ص ١٢٦۔١٢٥، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ والتین کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور حدیث روایت کی تھی ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ العلق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۶۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ

سورۂ اقرأ کی تفسیر

سُوْرَةُ اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ (العلق) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس سورت کا نام سورۂ اقراء ہے اور بعض نسخوں میں اس کا نام سورۃ العلق ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں انیس (۱۹) آیات ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ یَحْیَی بْنِ عَتِیقٍ عَنْ الْحَسَنِ قَالَ اكْتُبْ فِی الْمُصْحَفِ فِی أَوَّلِ الْإِمَامِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَاجْعَلْ بَیْنَ السُّورَتَیْنِ خَطًّا

اور قتیبہ نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن عتیق از الحسن (البصری)، انہوں نے کہا: مصحف میں قرآن مجید کی ابتداء میں (یعنی سورۃ فاتحہ سے پہلے) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھو اور دو سورتوں کے درمیان ایک خط کھینچ دو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس تعلیق کی مطابقت قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ (العلق:۱)

(اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے ○

سورۃ فاتحہ اور ہر سورت کے اول میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے یا نہ لکھنے کے متعلق حسن بصری کا مذہب

اس تعلیق کا معنی یہ ہے کہ قرآن کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھو آیا صرف سورۂ فاتحہ کے اول میں لکھو یا قرآن مجید کی ہر سورت کے اول میں لکھو، اس میں علماء کے درمیان مشہور اختلاف ہے، پس حسن بصری کا مذہب وہ ہے جس کو امام بخاری نے قتیبہ بن سعید کے قول سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حسن بصری نے کہا: مصحف کے اول امام میں لکھو یعنی قرآن مجید کے اول میں لکھو اور قرآن مجید کا اول سورۃ الفاتحہ ہے تو تم فقط سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھو اور ان کے درمیان فاصلہ کی کوئی علامت لکھو، یہ سات قراء میں سے حمزہ کا مذہب ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اگر حسن بصری کی مراد یہ ہے کہ دو سورتوں کے درمیان فقط خط کھینچو اور بِسْمِ اللّٰہِ نہ لکھو تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سورۃ التوبہ کے علاوہ ہر دو سورتوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰہِ لکھی جاتی ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ہر دو سورتوں کے درمیان خط کھینچو اور بِسْمِ اللّٰہِ لکھو تو یہ مستحسن ہے، اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ صرف سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں لکھی جائے گی اور باقی دو سورتوں کے درمیان فرق کے لیے خط کھینچ دیا جائے گا یا کوئی علامت ڈال دی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کوسورۃ فاتحہ کے اول میں اور ہر سورت کی ابتداء میں لکھنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور علامہ ابن الملقن کا اختلاف

علامہ سہیلی نے کہا ہے: حسن بصری کے مصحف سے جو نقل کیا گیا ہے یہ شاذ ہے اور انہوں نے کہا: اس قول کی بناء پر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ قرآن ہے اور مصحف میں اس کو نہیں لکھا جاتا جو قرآن نہ ہو اور امام شافعی کے قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ ہر سورت کی آیت ہے اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ یہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں: یہ کتاب اللہ کی ایک آیت ہے جو سورت کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور یہ امام ابوحنیفہ اور داؤد کا قول ہے۔ علامہ ابن الملقن نے کہا: ہم اس بات کو نہیں مانتے بلکہ جو شخص بھی دلائل میں غور کرے گا اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ سورۃ فاتحہ کا جزء ہے اور ہر سورت کا جز ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۵۶۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کوسورۃ فاتحہ کی ابتداء اور ہر سورت کی ابتداء میں لکھنے پر علامہ ابن الملقن کی عبارت کا رد

علامہ عینی علامہ ابن الملقن کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: بغیر دلیل کے صرف یہ کہہ دینا کہ ہم نہیں مانتے یہ درست نہیں ہے بلکہ علامہ ابن الملقن نے جو کہا ہے معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ جو آدمی دلائل میں ذرا بھی غور کرے گا اس پر یہ واضح ہو جائے گا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ ہر سورت کا جزء ہے بلکہ یہ آیت مستقلہ ہے جو دو سورتوں کے درمیان فصل کے لیے نازل ہوئی ہے، اسی لیے ابن القصار مالکی نے اس پر اقتصار کیا ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہر سورت کی ابتدا میں قرآن کا جز نہیں ہے کیونکہ اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو نہیں لکھا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ ہر سورت کی ابتداء میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا پڑھنا واجب نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے: گویا کہ امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ جب کہ اس سورت میں یعنی سورۃ العلق کی ابتداء اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ سے کی گئی ہے تو امام بخاری نے یہ ارادہ کیا کہ ہر سورت کی ابتداء میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ جس نے قرآن مجید کی ابتداء میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ لیا تو یہ اس کے لیے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے کافی ہے کہ ''اپنے رب کے حکم سے پڑھو'' ہاں علامہ سہیلی نے اس حکم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ سورۃ فاتحہ کے اول میں بِسۡمِ اللّٰہِ کا ثبوت ہے کیونکہ قرآن مجید میں جو سب سے پہلے حکم نازل ہوا وہ بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھنے کا حکم ہے، پس قرآن مجید کے اول میں بسم اللہ کو پڑھنا اس حکم پر عمل کرنے کے زیادہ لائق ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ نَادِيَهٗ عَشِيۡرَتَهٗ۔ اور مجاہد نے کہا: نَادِيَهٗ کا معنی ہے: اس کے رشتہ دار اور اس کا قبیلہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ ۝ (العلق: ۱۷) اسے چاہیے کہ اپنے ہم مجلس مددگاروں کو بلائے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: النادی کا معنی ہے: جس مجلس کو باتیں کرنے کے لیے منعقد کیا گیا ہو، اس کی امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے۔

اَلزَّبَانِیَۃُ الْمَلَائِکَۃُ۔ الزبانیۃ: اس کا معنی ہے: فرشتے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ ○ (العلق:۱۸) ہم بھی عنقریب دوزخ کے مقرر کردہ فرشتوں کو بلائیں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ الزبانیۃ سے مراد فرشتے ہیں، اس کا واحد زِبْنِیَۃٌ ہے اور اس کا معنی کسی کو دھکا دینا ہے اور دوسرا قول ہے: اس کا واحد زَابِنٌ ہے اور اس سے مراد عذاب کے فرشتے ہیں جو بہت سخت اور شدید ہیں۔

وَقَالَ مَعْمَرٌ الرُّجْعٰی الْمَرْجِعُ۔ اور معمر نے کہا: الرُّجْعٰی کا معنی ہے: اَلْمَرْجِعُ یعنی لوٹنے کی جگہ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی ○ (العلق:۸) بے شک آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے لکھا ہے کہ معمر نے کہا: اسی طرح ابوذر کی روایت میں ہے اور اس سے مراد امام ابوعبیدہ ہیں اور دوسروں کی روایت میں یہ عبارت نہیں ہے، پس گویا کہ یہ بھی مجاہد کا قول ہے اور امام ابوعبیدہ نے اپنی کتاب "المجاز" میں لکھا ہے کہ المرجع کا معنی ہے: رجوع یعنی لوٹنا۔

لَنَسْفَعَنْ قَالَ لَنَاْخُذَنْ وَلَنَسْفَعَنْ بِالنُّوْنِ وَھِیَ الْخَفِیْفَۃُ سَفَعْتُ بِیَدِہٖ أَخَذْتُ لَنَسْفَعَنْ: اس کا معنی ہے: ہم ضرور پکڑیں گے اور دوسرے نسخہ میں ہے: وَلَنَسْفَعَنْ اور یہ نون خفیفہ ہے سَفَعْتُ بِیَدِہٖ کا معنی ہے: میں نے اس کو ہاتھ سے پکڑا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ ○ (العلق:۱۵) بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی معمر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہم اس کو ضرور سر کے اگلے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے۔ امام بخاری نے کہا: یہ نون خفیفہ ہے یعنی نون تاکید کا ثقیلہ بھی ہوتا ہے اور خفیفہ بھی ہوتا ہے اور ابوعمرو سے نون ثقیلہ کی روایت ہے

امام بخاری نے کہا: سفعت بیدہ کا معنی ہے: میں نے اس کو ہاتھ سے پکڑا، اس عبارت سے امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ لغت میں السفع کا معنی پکڑنا ہے، دوسرا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: شدت سے پکڑنا۔ اور مقاتل نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے، دیکھا کہ ابوجہل نے ہبل نامی بت کے گلے میں سونے کا طوق ڈال دیا اور اس پر خوشبو لگائی اور وہ کہہ رہا تھا: اے ہبل! ہر چیز کا شکر ہوتا ہے اور تیری عزت کی قسم! میں اگلے سال سے ضرور تیرا شکر ادا کروں گا اور اس سال ابوجہل کی ایک ہزار اونٹنیوں نے بچے دیئے تھے اور اس نے اپنی تجارت میں ایک ہزار مثقال کمایا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس سے منع فرمایا: پس ابوجہل نے آپ کو دھمکی دی اور کہا: اللہ کی قسم! اگر میں نے یہاں دیکھا کہ آپ ہمارے خداؤں کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں تو میں ضرور آپ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹوں گا، تب یہ آیت نازل ہوئی: بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے۔ (العلق:۱۵) یعنی دوزخ میں۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۳۶۔۴۳۵ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ باب

۴۹۵۳۔ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث

عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح وحَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مَرْوَانَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رِزْمَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو صَالِحٍ سَلْمَوَيْهِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ أَوَّلَ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ فَكَانَ يَلْحَقُ بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ قَالَ وَالتَّحَنُّثُ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ بِمِثْلِهَا حَتَّى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ الْآيَاتِ إِلَى قَوْلِهِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ تَرْجُفُ بَوَادِرُهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ فَقَالَ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ قَالَ لِخَدِيجَةَ أَيْ خَدِيجَةُ مَا لِي لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي فَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ قَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّا أَبْشِرْ فَوَاللهِ لَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا فَوَاللهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلٍ وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِيجَةَ أَخِي أَبِيهَا وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب (ح) اور مجھے سعید بن مروان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبدالعزیز بن ابی رزمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوصالح سلمویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ نے حدیث بیان کی از یونس بن یزید، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے خبر دی کہ ان کو عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے جو وحی کی ابتداء کی گئی وہ نیند میں سچے خواب تھے، آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے (اس کی تعبیر) روشن صبح کی مثل آ جاتی تھی، پھر آپ کے دل میں تنہائی کی محبت ڈالی گئی، پس آپ غار حرا میں چلے جاتے، سو وہاں تحنث کرتے، اس نے کہا: تحنث کا معنی ہے کئی کئی راتوں تک عبادت کرنا، اس سے پہلے کہ آپ اپنی بیوی کی طرف واپس جاتے اور وہ آپ کے لیے زادِ راہ تیار کرتیں، پھر آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹ آتے، پس وہ اسی کی مثل زادِ راہ (کھانے کی چیزیں) تیار کرتیں حتیٰ کہ آپ کے پاس اچانک وحی آ گئی اور اس وقت آپ غار حراء میں تھے، پس آپ کے پاس فرشتہ آیا، سو اس نے کہا، پڑھیے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں، آپ نے فرمایا: پس فرشتے نے مجھ کو پکڑ کر دبایا حتیٰ کہ وہ فرشتہ مجھے دباتے ہوئے انتہائی مشقت کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، پس کہا: پڑھیے، میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے مجھ کو پکڑا پس اس نے مجھ کو دوبارہ دبایا حتیٰ کہ وہ مجھے دباتے ہوئے انتہائی مشقت کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، پس کہا: پڑھیے، میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے مجھ کو پکڑا، پس مجھ کو تیسری بار دبایا حتیٰ کہ وہ مجھے دباتے ہوئے انتہائی مشقت کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، پس کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ (العلق: ۴۔۱) (اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے ○

الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِيَّ وَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعَرَبِيَّةِ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ خَدِيجَةُ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ قَالَ وَرَقَةُ يَا ابْنَ أَخِي مَاذَا تَرَى فَأَخْبَرَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَبَرَ مَا رَأَى فَقَالَ وَرَقَةُ هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى مُوسَى لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا ذَكَرَ حَرْفًا قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ وَرَقَةُ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ بِمَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا أُوذِيَ وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ حَيًّا أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ فَتْرَةً حَتَّى حَزِنَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے O پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا O یہ آیتیں آپ نے یہاں تک پڑھیں: عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۞ (العلق:۵) انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا O رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کو اس حال میں دہرایا کہ آپ کے کندھے کپکپا رہے تھے حتیٰ کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، پس آپ نے فرمایا: مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ، پھر گھر والوں نے آپ کو کپڑا اوڑھایا حتیٰ کہ آپ سے خوف دور ہو گیا، آپ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا: اے خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا ہے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو اس واقعہ کی خبر دی، حضرت خدیجہ نے کہا: ہرگز نہیں، آپ خوش ہو جائیں، پس اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی شرمندہ نہیں کرے گا، پس اللہ کی قسم! آپ رشتہ داروں سے تعلق جوڑتے ہیں اور سچی بات کرتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور جن کے پاس مال نہ ہو ان کے لیے کماتے ہیں اور مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ چل پڑیں حتیٰ کہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لائیں، وہ حضرت خدیجہ کے چچا زاد تھے یعنی ان کے باپ کے بھائی تھے اور وہ ایسے مرد تھے جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور وہ عربی کتاب لکھتے تھے اور انجیل کو عربی میں لکھتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ ان سے لکھوانا چاہتا اور وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور نابینا ہو چکے تھے، پس حضرت خدیجہ نے کہا: اے میرے چچا! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں، ورقہ نے کہا: اے میرے بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا اس کی ان کو خبر دی تو ورقہ نے کہا: یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، کاش! میں اس وقت طاقت ور جوان ہوتا اور کچھ الفاظ ذکر کیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ لوگ مجھ کو نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: جی ہاں! جو شخص بھی آپ کے پیغام کی مثل لے کر آیا اس کو ایذاء

پہنچائی گئی، پھر ورقاء زیادہ دن نہ ٹھہرے کہ ان کی وفات ہو گئی
اور وحی کا آنا منقطع ہو گیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳ میں گزر چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا مرسل ہونا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ہر چند کہ اس حدیث کی مکمل شرح پہلے گزر چکی ہے لیکن چونکہ فاصلہ بہت طویل ہو چکا ہے اس لیے ہم اس حدیث کی اہم اور مشکل باتوں کی شرح کریں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: علامہ نووی نے کہا کہ یہ حدیث مراسیل صحابہ میں سے ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قصہ کے وقت موجود نہیں تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۳۸)

اس حدیث کے مرسل ہونے پر بعض لوگوں کا اعتراض اور حافظ ابن حجر کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض وہ لوگ جنہوں نے علامہ نووی کی مراد کو نہیں سمجھا انہوں نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ ہو سکتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو یا کسی اور صحابی سے سنا ہو اور جب یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس واقعہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو تو علامہ نووی نے کیسے وثوق سے یہ کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابی کی مرسل حدیث وہ ہوتی ہے جس کو وہ ان امور سے روایت کرے جس کا زمانہ انہوں نے نہ پایا ہو بہ خلاف ان امور کے جن کا زمانہ انہوں نے پایا ہو تو اس کی روایت کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ حدیث مرسل ہے بلکہ اس پر محمول کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس کو خود سنا یا وہ اس وقت حاضر تھے، خواہ وہ اس کی تصریح نہ کریں اور یہ قید صحابی کی مرسل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تابعی بھی جب کسی ایسے قصہ کی روایت کرے جس قصہ کے وقت وہ حاضر نہیں تھا تو اس کی روایت کا نام بھی حدیث مرسل رکھا جاتا ہے، ہر چند کہ یہ جائز ہے کہ اس نے اس قصہ کو اس صحابی سے سنا ہو جو اس قصہ کے وقت حاضر تھا اور رہے وہ امور جن کے زمانہ کو اس نے پایا ہو تو اس روایت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے اس کو خود سنا یا وہ اس قصہ کے وقت حاضر تھا بہ شرطیکہ وہ راوی تدلیس سے محفوظ ہو۔ واللہ اعلم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قصہ کو سنا ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ نے اس حدیث کے اثناء میں یہ کہا کہ آپ کے پاس فرشتہ آیا تو اس نے کہا: پڑھیے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں، پس اس نے مجھ کو پکڑا، پھر مجھے دبایا۔ حضرت عائشہ کے اس قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس قصہ کی خبر دی تھی، پس باقی حدیث کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اس حدیث میں آپ پر نزول وحی کی دلیل ہے اور آپ کی نبوت کی دلیل دوسری کتب حدیث میں ہے اور اس پر دلیل کہ آپ کے پاس جو فرشتہ آیا تھا وہ حضرت جبریل تھے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو وحی کی ابتداء کی گئی وہ نیند میں سچے خواب تھے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس حدیث میں آپ پر نزول وحی کی ابتداء کی دلیل ہے کہ آپ کو نیند میں سچے خواب دکھائے جاتے تھے جن کی تعبیر روشن صبح کی طرح آ جاتی تھی، یہ آپ کی نبوت کی دلیل نہیں ہے، آپ کی نبوت کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم اور دوسری کتب

حدیث میں مذکور ہے کہ آپ پر پتھر سلام پڑھتے تھے۔

اور عبد اللہ بن ابوبکر بن حزم کی مراسیل میں یہ دلیل ہے کہ جس فرشتے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے کیونکہ حضرت جبریل کے سورۃ العلق کی آیات پڑھوانے کے بعد آپ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ جس فرشتہ کے متعلق میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے اس فرشتہ کو خواب میں دیکھا ہے، پس وہ حضرت جبریل تھے جو غار حراء میں آئے تھے۔

رویاء صالحہ کا معنی، اور حراء میں آپ کب گئے تھے اور تحنث کا معنی حضرت عائشہ نے نہیں راوی نے بیان کیا ہے

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وہ ایسے خواب تھے جو اضغاث احلام نہیں تھے (یعنی بے سروپا اور بے تکی باتیں) اور نہ ان خوابوں میں شیطان نے اپنی طرف سے کچھ دکھا کر فریب دیا ہو اور نہ ان خوابوں میں کسی مشکل مثال کا بیان ہو۔ یہ ابن المرابط کا قول ہے لیکن اگر ان کی مشکل سے مراد یہ ہے کہ اس خواب کی تاویل اور تعبیر کا علم نہ ہو پھر تو یہ تعریف درست ہے ورنہ نہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کئی کئی راتوں کے لیے غار حراء میں جاتے تھے، امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ رمضان کے مہینہ میں غار حراء میں جاتے تھے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے: اس نے کہا کہ تحنث کا معنی ہے: عبادت کرنا۔ بہ ظاہر یہ ادراج ہے یعنی حدیث کا یہ جملہ حدیث مدرج ہے اور راوی کا کلام ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام نہیں ہے ورنہ حدیث میں قال کی بہ جائے قالت ہوتا، پس ہو سکتا ہے کہ تحنث کا معنی عروہ نے بیان کیا ہو یا ان کے بعد کے راوی نے بیان کیا ہو۔

غار حراء میں عبادت کی کیفیت اور اس کے متعلق شارحین کے اقوال

اس حدیث میں آپ کی عبادت کی صفت کی تصریح نہیں ہے لیکن امام ابن اسحاق نے عبید بن عمیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آپ کے پاس جو مساکین آتے تھے آپ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور بعض مشائخ سے منقول ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تفکر کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے صرف غار حراء کی تنہائی کو آپ کی عبادت کہا ہو کیونکہ لوگوں سے الگ اور علیحدہ ہونا خصوصاً جب لوگ باطل ہوں تو یہ بھی عبادات کی قبیل سے ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کہا تھا:

إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ (الصافات: ۹۹) میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب میری راہ نمائی کرے گا۔

ارباب اصول نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی سے پہلے کسی نبی کی شریعت کے موافق عمل کرتے تھے یا نہیں کیونکہ اگر آپ کسی کی اتباع کرتے تھے تو پھر آپ کا متبوع ہونا مستبعد ہوگا اور اگر آپ کسی کی اتباع کرتے تھے تو وہ نبی ضرور اس کا بیان فرماتے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہاں! آپ کسی نبی کی شریعت کے موافق عبادت کرتے تھے۔ اور یہ علامہ ابن الحاجب کا مختار ہے اور اس کی تعیین میں سات (۷) اقوال ہیں:

(۱) ابن برہان نے کہا: آپ حضرت آدم کی شریعت کے موافق عبادت کرتے تھے (۲) الآمدی نے کہا، آپ حضرت نوح کی شریعت کی موافقت کرتے تھے (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی موافقت کرتے تھے اور یہ ایک جماعت کا مذہب ہے؛ ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (النحل۔ ۱۲۳) کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں۔

(۴) حضرت موسیٰ کی شریعت کی (۵) حضرت عیسیٰ کی شریعت کی (۶) ہر اس حکم کی جو آپ کے پاس کسی نبی کی شریعت سے پہنچا، اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام:۹۰) یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔

(۷) اس میں توقف ہے، اور یہ آمدی کا مختار ہے۔

اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ تیسرا قول بہت قوی ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کیونکہ آپ حج اور طواف اور قربانی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے موافق کرتے تھے۔

اور عبادت کے یہ طریقے آپ کے اعلان نبوت سے پہلے تھے اور اعلان نبوت کے بعد آپ وحی کے موافق عبادت کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی اور نبوت کی ابتداء کس وقت ہوئی

اس حدیث میں مذکور ہے: پس آپ کے پاس فرشتہ آیا اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جیسا کہ اس کو علامہ سہیلی نے وثوق کے ساتھ کہا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ آپ غار حراء میں رمضان کے مہینہ میں معتکف تھے اور وحی کی ابتداء اسی غار میں ہوئی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو رمضان کے مہینہ میں نبی بنایا گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت جبریل آپ کے پاس رمضان کے مہینہ کی ابتداء میں غار میں آئے ہوں اور اسی وقت آپ کو نبی بنایا گیا ہو اور آپ پر یہ آیت نازل کی گئی ہو: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ پھر دوبارہ وہ آپ کے پاس ربیع الاول کے مہینہ میں آئے ہوں اور آپ پر یہ نازل ہوئی ہو:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ (المدثر:۱۔۲) اے چادر لپیٹنے والے ○ اٹھیے! پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے ○

اس طرح امام ابن اسحاق کا یہ قول درست ہو جاتا ہے کہ آپ کو نبی اس وقت بنایا گیا جب آپ کی پیدائش کے چالیس سال پورے ہو گئے تھے، اس وقت حضرت جبریل آپ کے پاس وحی لے کر آئے۔

اقرء اور ما انا بقاری کی وضاحت اور تین دفعہ اقرء کہنے کی حکمت اور سورۃ العلق کی پانچ آیتوں کی مناسبت اور حضرت جبریل کے آپ کو تین بار دبانے اور تین بار چھوڑنے کی حکمت

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ پڑھیے: ہو سکتا ہے حضرت جبریل نے یہ اس لیے کہا ہو کہ آپ اس کے بعد والی بات سننے کے لیے ہوشیار اور متنبہ ہو جائیں اور اس سے پہلے قل محذوف ہے یعنی آپ کہیے: اقرء اور ہو سکتا ہے اس کو اس لیے حذف کیا ہو کہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ لفظ قرآن ہے۔

امام ابن اسحاق نے عبید بن عمیر کی مرسل روایت سے یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل ریشم کے ایک کپڑے میں ایک کتاب لکھی ہوئی لائے اور آپ سے کہا: پڑھیے تو آپ نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں، علامہ سہیلی نے کہا کہ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرہ:۱۔۲) الف لام میم ○ (یہ) وہ عظیم الشان کتاب ہے جس (کے کلام اللہ

ہونے) میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

اس کتاب سے اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے جس کو حضرت جبرئیل علیہ السلام ریشم کے کپڑے پر لکھا ہوا لائے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو آپ سے تین مرتبہ کہا: اقرء (پڑھیے) اس تکرار میں یہ حکمت ہے کہ وحی ایمان کے سبب سے نازل ہوئی ہے اور ایمان کے تین اجزاء ہیں: قول، عمل اور نیت اور وحی کے بھی تین اہم مقاصد ہیں: توحید، احکام اور قصص۔

سورۃ العلق کی جو پانچ آیتیں نازل فرمائی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانچ آیتیں مقاصد قرآن پر مشتمل ہیں کیونکہ ان آیات میں توحید، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، اس کی صفات ذاتیہ اور صفات افعال اور اخبار کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے، اس سورت سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ التوبہ کے علاوہ ہر سورت کے اول میں جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے وہ اس سورت کا جز نہیں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے مصحف کی ترتیب قرآن مجید کے نزول کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے کیونکہ سب سے پہلی آیت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ نازل ہوئی اور مصحف میں سب سے پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے، جب کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو یہ بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھنا اور آپ کی اسی ہدایت کے مطابق قرآن مجید کو مصحف میں ترتیب کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو آپ کو بہت زور سے دبایا تھا اس میں یہ حکمت ہے تا کہ آپ اس پر متنبہ ہوں کہ آپ پر جو کلام نازل ہونے والا ہے وہ بہت ثقیل اور بوجھل ہے اور جب آپ حضرت جبرئیل کے انتہائی زور سے دبانے کو برداشت کر لیں گے تو پھر قرآن مجید کے نزول کے ثقل کو بھی برداشت کر لیں گے۔ اور جب آپ نے حضرت جبرئیل کے انتہائی زور سے دبانے کو برداشت کر لیا تو انہوں نے جان لیا کہ آپ قرآن مجید کے نزول کے ثقل کو بھی برداشت کر لیں گے، پھر اس کے بعد انہوں نے آپ کے اوپر سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات نازل کیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو تین بار جو زور سے دبایا اس میں یہ حکمت ہے کہ تبلیغ دین کی راہ میں آپ کو تین سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، ایک سختی وہ تھی جب آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کیا گیا اور دوسری سختی وہ تھی جب آپ کو ہجرت کے لیے وطن سے نکلنا پڑا اور تیسری سختی وہ تھی جو غزوۂ احد میں آپ پر اور آپ کے اصحاب پر پیش آئی حتیٰ کہ ستر (۷۰) مسلمان شہید ہو گئے اور کافی تعداد میں مسلمان زخمی ہوئے حتیٰ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں بھی چوٹ لگی اور آپ کے چہرے پر زخم آیا اور دندان مبارک شہید ہوا۔ یہ تین سختیاں آپ پر تبلیغ اسلام کی راہ میں پیش آئیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین بار دبانے کے بعد آپ کو تین بار چھوڑا، اس میں یہ حکمت ہے کہ ان سختیوں کے بعد آپ کو تین آسانیاں حاصل ہوں گی: دنیا میں، برزخ میں اور آخرت میں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تسلی دی تھی اس کی توجیہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اللہ آپ کو شرمندہ نہیں کرے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق کی مرسل روایت میں ہے کہ اسماعیل بن ابی حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہ نے آپ سے کہا: اے میرے عم زاد! جب آپ کے پاس آپ کا صاحب آئے تو آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تو آپ نے فرمایا: اے خدیجہ! یہ جبرئیل ہیں تو حضرت خدیجہ نے کہا: آپ کھڑے ہو کر میرے بائیں زانو پر بیٹھ جائیں، پھر پوچھا: کیا آپ اب حضرت جبرئیل کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت خدیجہ نے کہا: اب

آپ میرے دائیں زانوں پر بیٹھ جائیں، پھر کہا: اب آپ میری گود میں بیٹھ جائیں، پھر انہوں نے اپنا دوپٹا آپ کے اوپر ڈال دیا، پھر کہا: اب آپ دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ حضرت خدیجہ نے کہا: تو آپ ثابت قدم رہیں اللہ کی قسم! یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں اور امام بیہقی نے دلائل النبوت میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہ پہلے آپ کو عداس نصرانی کے پاس لے گئیں اور ان کو یہ بتایا کہ آپ کے پاس اس طرح حضرت جبریل آئے تھے تو انہوں نے کہا: حضرت جبریل اللہ تعالیٰ اور نبیوں کے درمیان امین ہیں، پھر حضرت خدیجہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔

ورقہ بن نوفل کا تذکرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابومیسرۃ کی مرسل روایت میں ہے: ورقہ نے آپ سے کہا: آپ خوش ہو جائیں، میں گواہی دیتا ہوں یہ وہی فرشتہ ہے جس نے ابن مریم کی بشارت دی تھی اور بے شک آپ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ناموس کی مثل آیا ہے اور بے شک آپ نبی مرسل ہیں اور آپ کو عنقریب جہاد کا حکم دیا جائے گا اور اس حدیث میں ورقہ کے اسلام کی زیادہ تصریح ہے، اور امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ورقہ نے آپ کی تصدیق کی تھی لیکن وہ آپ کی نبوت کے ظہور سے پہلے فوت ہو گئے اور میں نے ان کو خواب میں دیکھا ان پر سفید لباس تھا اور اگر وہ اہل دوزخ سے ہوتے تو ان پر کوئی اور لباس ہوتا اور امام بزار اور امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ورقہ کو برا نہ کہو کیونکہ میں نے دیکھا کہ اس کے لیے ایک جنت ہے یا دو جنتیں ہیں۔

(فتح الباری ج ٦ ص ۱۳۱۔ ۱۲۶ ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۵۴۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيَّ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ قَالَ فِي حَدِيثِهِ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَفَرِقْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَدَثَّرُوهُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝﴾ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ وَهِيَ الْأَوْثَانُ الَّتِي كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَعْبُدُونَ قَالَ ثُمَّ تَتَابَعَ الْوَحْيُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: محمد بن شہاب نے کہا: پس مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انقطاع وحی کی حدیث کو بیان کرتے ہوئے اثنائے حدیث میں فرمایا: جس وقت میں جا رہا تھا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی تو میں نے اوپر سر اٹھا کر دیکھا تو وہاں پر وہی فرشتہ تھا جو میرے پاس حراء میں آیا تھا وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا تو میں اس سے خوف زدہ ہوا، پس میں واپس آ گیا، پس میں نے کہا: مجھ پر چادر ڈالو مجھ پر چادر ڈالو، پس گھر والوں نے مجھ پر چادر ڈال دی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: یَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (المدثر: ۵۔۱) اے چادر لپیٹنے والے ۝ اٹھیے، پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے ۝ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے ۝ اور اپنا لباس پاک رکھیے ۝ اور بتوں کو چھوڑے رہیے ۝ ابو سلمہ نے کہا: یہ وہ بت ہیں جن کی زمانہ جاہلیت میں

لوگ عبادت کرتے تھے، ابوسلمہ نے کہا: پھر وحی لگاتار آنے لگی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کا مرسل ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ بھی صحابی کی مرسل روایت ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس قصے کے وقت کو نہیں پایا لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو یا کسی اور ایسے صحابی سے سنا ہو جو اس قصہ کے وقت حاضر تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سورۃ المدثر کی ابتدائی پانچ آیتوں کی تفسیر

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں سورۃ المدثر کی ابتدائی پانچ آیتوں کا ذکر ہے اور ان پانچوں کا تعلق آپ کی رسالت کے ساتھ ہے۔ پہلی آیت میں آپ کی اس حالت کا ذکر ہے جب آپ چادر لپیٹے ہوئے تھے، اس میں آپ کے عظیم مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور دوسری آیت میں آپ کو کھڑے ہو کر عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے، اس سے مراد یا تو حقیقتاً کھڑا ہونا ہے یعنی آپ بستر سے اٹھ کر کھڑے ہوں یا اس سے مراد مجاز ہے یعنی آپ اٹھیں، آپ کو صرف عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے حالانکہ آپ ثواب کی بشارت دینے والے بھی ہیں کیونکہ یہ اول اسلام کا واقعہ ہے اور اس وقت عذاب سے ڈرانا متحقق تھا کیونکہ ابھی لوگوں کو ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی ہدایت دی تھی، پس جب مسلمانوں نے آپ کی اطاعت کی تو عذاب سے ڈرانے اور ثواب کی بشارت دینے والوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۝ (الاحزاب: ۴۵)

اور تیسری آیت میں رب عزوجل کی تمجید اور تعظیم کا ذکر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ نماز کو اللہ اکبر سے شروع کریں۔

اور چوتھی آیت میں آپ کو تطہیر کا حکم دیا ہے کہ آپ اپنے بدن کو بھی پاک رکھیں اور اپنے لباس کو بھی پاک رکھیں اور پانچویں آیت میں آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ان چیزوں کو چھوڑے رکھیں جو توحید کے منافی ہیں۔

سورۃ العلق اور سورۃ المدثر جن سے نزول قرآن کی ابتداء کی گئی ہے، ان میں مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں الفاظ کم ہیں اور چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں اور ان کے معانی بہت زیادہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲- بَابٌ: خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ (العلق: ۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے ۝ (العلق: ۲) کی تفسیر

۴۹۵۵- حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از

قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴾ (العلق:۱۔۳)

ابن شہاب از عروہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (نبوت کی) سب سے پہلے سچے خوابوں سے ابتداء کی گئی، پھر آپ کے پاس فرشتہ آیا تو اس نے کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ (العلق:۱۔۳) (اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے○ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے○ پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے○

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳ میں گزر چکی ہے۔

اس آیت میں انسان سے مراد کیا ہے اس کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

انسان سے مراد بنو آدم ہیں کیونکہ بنو آدم کو اللہ تعالیٰ نے علق سے یعنی جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے اور علق وہ چیز ہے جس کی طرف سب سے پہلے رحم میں نطفہ متحول ہوتا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور علق سے مراد وہ مٹی ہے جو ہاتھ میں چمٹ گئی تھی یا چپک گئی تھی۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ (العلق:۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے○ (العلق:۳) کی تفسیر

۴۹۵۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ جَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴾ (العلق:۱۔۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری (ح) اور اللیث نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی، محمد نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (نبوت کی) جس کے ساتھ سب سے پہلے ابتداء کی گئی وہ سچے خواب تھے، آپ کے پاس فرشتہ آیا پس اس نے کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ (العلق:۱۔۴) (اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا○ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے○ پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے○ جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا○

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کرم اور حلم کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کریم سے بڑھ کر اپنے بندوں پر کرم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں سے درگزر فرماتا ہے اور اس کے باوجود کہ وہ کفر کرتے ہیں اور اس کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور جن کاموں سے ان کو منع فرمایا ہے ان کا ارتکاب کرتے ہیں اور جن کاموں کے کرنے کا ان کو حکم دیا ہے ان کاموں کو ترک کرتے ہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو جلدی عذاب نہیں دیتا اور حلم سے کام لیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت قلم کا بیان

میں کہتا ہوں: ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قلم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اگر قلم نہ ہوتا تو احکام شرعیہ کو لکھ کر محفوظ نہ کیا جاتا اور نہ معاش کے معاملات کو لکھ کر منضبط کیا جاتا، اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا کہ ان کو قلم سے لکھنا سکھایا اور ان کو جہالت کے اندھیروں سے علم کی روشنی کی طرف لایا۔ اگر قلم نہ ہوتا تو علوم کو مدون نہ کیا جاتا اور حکمتوں کو مقید نہ کیا جاتا اور نہ اولین و آخرین کی خبروں کو جمع کیا جاتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آسمانی کتابوں کو محفوظ کیا جاتا اور نہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آثار صحابہ اور اقوال مجتہدین کو مدون اور منضبط کیا جاتا، غرض یہ کہ اگر قلم نہ ہوتا تو دین اور دنیا کے حصول علم کا دروازہ بند ہو جاتا۔ (انوار تبیان القرآن ص ۹۶۱، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

۴۔ بَابٌ: الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ (القلم: ۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا ۝ (القلم: ۴) کی تفسیر

۴۹۵۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ عُرْوَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ رضی الله عنها فَرَجَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى خَدِيجَةَ فَقَالَ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَذَكَرَ الْحَدِيثَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: میں نے عروہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹے پس فرمایا: مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ پس پوری حدیث ذکر کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳ میں گزر چکی ہے۔

۵۔ بَابٌ: كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ (القلم: ۱۵۔۱۶)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے ۝ وہ پیشانی جو جھوٹی گناہ گار ہے ۝ (القلم: ۱۶۔۱۵) کی تفسیر

۴۹۵۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو جَهْلٍ لَئِنْ رَأَيْتُ مُحَمَّدًا يُصَلِّي عِنْدَ الْكَعْبَةِ لَأَطَأَنَّ عَلَى عُنُقِهِ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَوْ فَعَلَهُ لَأَخَذَتْهُ الْمَلَائِكَةُ تَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ۔ (سنن ترمذی: ۳۳۴۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از عبد الکریم الجزری از عکرمہ، انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا: اگر میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں ان کی گردن کو اپنے پیروں سے روندوں گا، یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: اگر اس نے ایسا کیا تو اس کو فرشتے پکڑ لیں گے۔ عبد الرزاق یا یحییٰ کی متابعت عمرو بن خالد نے کی ہے از عبید اللہ از عبد الکریم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ابوجہل کے قول کے متعلق مرسل روایت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کا قول نقل کیا ہے اور یہ ان کی حدیث مرسل ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کی اس بات کہنے کا زمانہ نہیں پایا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے تھے، امام ابن مردویہ نے بھی اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ ابوجہل نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ نذر مانی ہے کہ اگر میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو ان کو اپنے پاؤں سے روندوں گا مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

ابوجہل کو اس کی دھمکی کی وجہ سے آگ کی خندق دکھائی گئی اور عقبہ بن ابی معیط کی ایذاء رسانی پر فوراً کوئی عذاب نہیں آیا، اس کی توجیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام البلاذری نے یہ روایت کی ہے کہ بارہ دوزخ کے فرشتے آسمان سے نازل ہوئے جن کے سر آسمانوں میں تھے اور پیر زمین پر تھے۔

اسماعیلی نے اپنی روایت کے آخر میں عبد الکریم الجزری سے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے (قرآن مجید میں ہے: آپ کہیے کہ اگر دار آخرت اللہ کے نزدیک دوسرے لوگوں کے بجائے خصوصیت سے تمہارے لیے ہے یعنی یہودیوں کے لیے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو○ البقرہ: ۹۴) اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے، نیز فرمایا: اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے آئے تھے جب وہ واپس جاتے تو اپنے اہل اور مال کو نہ پاتے۔

اور امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ان لوگوں کو صرف اس چیز نے خوف زدہ کیا کہ ابوجہل اپنی ایڑیوں پر پلٹ رہا تھا اور اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو بچا رہا تھا، اس سے پوچھا گیا کہ کیا ہوا تو اس نے کہا: میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور خطرات ہیں اور پر ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ قریب آتا تو فرشتے اس کو جھپٹ کر اس کے ایک ایک عضو کو پکڑ لیتے۔ ابوجہل کے اس قول کی وجہ سے اس پر اتنی سختی کی گئی اور جب عقبہ بن ابی معیط نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر اونٹنی کے بچہ کی جھلی ڈالی تھی تو اس پر اتنی سختی نہیں کی گئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت نماز میں

ایذاء پہنچانے میں یہ دونوں شریک تھے لیکن ابوجہل کی یہ خباثت تھی کہ اس نے آپ کو دھمکایا تھا اور آپ کی گردن مبارک روندنے کا ناپاک ارادہ کیا تھا، اگر وہ ایسا کر لیتا تو اس پر دنیا میں ہی دوزخ کا سخت عذاب آ جاتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اونٹنی کے بچہ کی جھلی میں نجاست نہیں تھی، پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف اور اس کے شرکاء کے خلاف دعائے ضرر کی تو وہ سب کے سب غزوۂ بدر میں قتل کر دیئے گئے۔

نیز عمرو بن خالد کی روایت میں ہے کہ اگر ابوجہل ایسا کرتا تو سب کے سامنے فرشتے اس کو پکڑ لیتے اور اسماعیلی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے اور دوزخ میں اپنے ٹھکانوں کو دیکھ لیتے۔

(فتح الباری ج ٦ ص ١٣٥۔ ١٣٦، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

الحمد للہ رب العالمین سورۃ العلق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ القدر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۷۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ الْقَدْرِ

سورۃ القدر کی تفسیر

سورۃ القدر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ القدر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے، علامہ ماوردی نے اس کے برعکس لکھا ہے، علامہ الواحدی نے لکھا ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی، اور علامہ ابوالعباس نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اس سورت میں پانچ آیات ہیں۔

اس سورت کے شروع میں فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ اس میں "ہ" کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے جس کا پہلے ذکر نہیں ہے، نیز فرمایا: ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے یعنی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اس قرآن کو اس رات میں نازل فرمایا ہے، پس اس قرآن کو بیت العزت میں رکھا، پھر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو کتاب میں لکھوایا پھر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اول سے لے کر آخر تک تیئس (۲۳) سال کی مدت میں نازل کرتے رہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

يُقَالُ الْمَطْلَعُ هُوَ الطُّلُوْعُ وَالْمَطْلِعُ الْمَوْضِعُ الَّذِیْ يُطْلَعُ مِنْهُ۔

کہا جاتا ہے اَلْمَطْلَعُ کا معنی ہے طلوع یعنی مصدر اور اَلْمَطْلِعُ کا معنی ہے: جس جگہ سے فجر طلوع ہوتی ہے یعنی یہ اسم ظرف ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ (القدر: ۵) یہ رات طلوع فجر ہونے تک سلامتی ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس آیت میں دو قرائتیں ہیں، مَطْلَعُ (لام پر زبر) اور مَطْلِعُ (لام کے نیچے زیر) مَطْلَعُ مصدر میمی ہے اور یہ جمہور کی قرأت ہے اور اس کا معنی وہ جگہ ہے جہاں سے فجر طلوع ہوتی ہے اور یہ الکسائی اور خلف کی قراءت ہے۔

أَنْزَلْنَاهُ الْهَاءُ كِنَايَةٌ عَنِ الْقُرْاٰنِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ خَرَجَ مَخْرَجَ الْجَمِيْعِ وَالْمُنْزِلُ هُوَ اللّٰهُ وَالْعَرَبُ تُوَكِّدُ فِعْلَ الْوَاحِدِ فَتَجْعَلُهُ بِلَفْظِ الْجَمِيْعِ لِيَكُوْنَ أَثْبَتَ وَأَوْكَدَ۔

اَنْزَلْنٰهُ میں ہا ضمیر قرآن مجید سے کنایہ ہے، یہ جمع کا صیغہ ہے حالانکہ نازل کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے (جو واحد ہے) اور عرب لوگ تاکید کے لیے واحد کے صیغہ کو جمع کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں تاکہ وہ زیادہ ثابت اور زیادہ مؤکد ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ میں ضمیر منصوب قرآن مجید کی طرف راجع ہے اگرچہ اس کا لفظاً پہلے ذکر نہیں ہے مگر وہ حکماً مذکور ہے اس اعتبار سے کہ قرآن مجید دائماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں مستحضر تھا اور یا اس وجہ سے کہ

آیت کا سیاق قرآن مجید پر دلالت کرتا ہے یا اس لیے کہ پورا قرآن سورت واحد کے حکم میں ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ جمع کا صیغہ ہے یعنی قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ مفرد کا صیغہ ہوتا بایں طور کہ یوں فرماتا: اِنِّی اَنْزَلْتُہٗ یعنی میں نے اس کو نازل کیا ہے، لیکن عرب تاکید کے لیے واحد کو جمع سے تعبیر کر دیتے ہیں، علامہ عینی امام بخاری پر اعتراض کرتے ہیں کہ اصطلاح یہ ہے کہ واحد کو تعظیم کے لیے جمع سے تعبیر کیا جاتا ہے نہ کہ تاکید کے لیے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۴۔۴۴۳ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ القدر کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ البینۃ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۸۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الۡبَیِّنَۃِ

سورۃ البینۃ کی تفسیر

سورۃ البینۃ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ البینۃ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورۃ القیامہ اور سورۃ المنفکین بھی ہے، اور جمہور کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے، اور ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور یحییٰ بن سلام کا یہی مختار ہے، اور سفیان سے منقول ہے کہ مجھے پتا نہیں چلا کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس سورت میں آٹھ (۸) آیات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۴)

مُنۡفَکِّیۡنَ زَائِلِیۡنَ۔ مُنۡفَکِّیۡنَ اس کا معنی ہے: زائلین یعنی وہ اپنے کفر کو زائل کرنے والے نہیں ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ (البینۃ:۱) اہل کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس واضح دلیل آجائے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے مُنۡفَکِّیۡنَ کی تفسیر زائلین کی ہے یعنی بعض اہل کتاب اپنے کفر سے زائل ہونے والے نہیں ہیں اور فَکٌّ کا اصل معنی ہے فَتۡحٌ یعنی کھولنا اور اسی سے فَکُّ الکتاب ماخوذ ہے یعنی کتاب کو کھولنا۔

قَیِّمَۃٌ اَلۡقَائِمَۃُ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ اَضَافَ الدِّیۡنَ اِلَی الۡمُؤَنَّثِ۔ اَلۡقَیِّمَۃ اس کا معنی ہے: القائمہ یعنی قائم اور مضبوط، دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃ: دین کی اضافت قَیِّمَۃ کی طرف کی ہے جو مونث لفظی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ ؕ (البینۃ:۵) اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں ملت حنفیہ پر قائم رہتے ہوئے اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور یہی دین مستقیم ہے O

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں دین کی صفت قَیِّمَۃ ہے اور وہ مونث لفظی ہے حالانکہ موصوف صفت میں مطابقت ہوتی ہے جو یہاں نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قَیِّمَۃ کا موصوف محذوف ہے اور وہ ملت ہے یعنی دِیۡنُ الۡمِلَّۃِ۔ اَلۡقَیِّمَۃ موصوف کو حذف کر کے اس کی صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۴ میں کی ہے]

۱۔ بَابٌ

۴۹۵۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِأُبَيٍّ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَالَ وَسَمَّانِي قَالَ نَعَمْ فَبَكَى۔

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بے شک اللہ نے مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے یہ آیت پڑھوں: لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا حضرت ابی بن کعب نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پس وہ رونے لگے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۰۹ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اپنے نام کے متعلق سوال کرنے اور پھر رونے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے یہ گمان کیا کہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہو کہ آپ اپنی امت کے کسی مرد کے سامنے پڑھیں۔ اور حضرت ابی بن کعب کا نام نہ لیا ہو تو انہوں نے تحقیق کے لیے آپ سے دریافت کیا، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! یعنی تمہارا نام لیا ہے تو وہ روئے اور رونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس سے کم تر خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کا نام لے اور جب انہیں پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام لیا ہے تو ان کو اس پر تعجب ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور یہی صالحین کی شان ہے کہ جب وہ کسی بات پر خوش ہوتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا خوف طاری ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۴۴۵۔ ۴۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ

۴۹۶۰۔ حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِأُبَيٍّ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ قَالَ أُبَيٌّ آللّٰهُ سَمَّانِي لَكَ قَالَ اللّٰهُ سَمَّاكَ لِي فَجَعَلَ أُبَيٌّ يَبْكِي قَالَ قَتَادَةُ فَأُنْبِئْتُ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَيْهِ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ۔

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حسان بن حسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں، حضرت ابی بن کعب نے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے تمہارا نام لیا ہے، پس حضرت ابی رونے لگے، قتادہ نے بتایا کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ آپ نے ان کے سامنے

یہ آیت پڑھی: لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ
(البینۃ:۱) بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۳۸۰۹ میں گزر چکی ہے۔

مطلق حدیث کو مقید پر محمول کرنا اور سورۃ البینہ کی آیت پڑھنے کی تخصیص اور حضرت ابی بن کعب کا نام لینے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (البینۃ:۱) پڑھوں اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں، ان دونوں جملوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ اس حدیث میں مطلق قرآن پڑھنے کا حکم ہے اور وہ مقید پر محمول ہے یعنی لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ پر کیونکہ آپ نے حضرت ابی بن کعب کے سامنے اس کے سوا اور کوئی آیت نہیں پڑھی۔

اس سورت کے پڑھنے کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یہ آیت ہے:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں O (البینۃ:۲)

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے نام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام میں سب سے عظیم قاری ہیں، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بلند مرتبہ کے باوجود ان کے سامنے قرآن پڑھا تو دوسروں کو ان کے سامنے بہ طریق اولیٰ قرآن پڑھنا چاہیے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت ابی بن کعب کو قرآن مجید پڑھانے اور ان کے سامنے قرآن پڑھنے کی حکمت اور سورۃ البینۃ کی جامعیت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں، یہ مطلق ہے اور یہ آیت لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کو بھی شامل ہے اور دوسری آیتوں کو بھی، قتادہ کی روایت میں ہے کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتادہ کو یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور سے پہنچی تھی جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ حضرت ابی بن کعب کے سامنے آیت مبارک لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (البینۃ:۱) پڑھیں، پھر انہوں نے حضرت انس بن مالک سے اس کے متعلق پوچھا تو پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے قتادہ کو وہی حدیث سنائی جو ان کو دوسروں سے پہنچی تھی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں آپ کو قرآن پڑھاؤں، اور اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو اس کے بعد آئے گی جو السعید بن ابی عروبہ از قتادہ مروی ہے۔ (صحیح البخاری:۴۹۶۱)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت میں کچھ کمی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان کو تجوید کے موافق پڑھائیں تا کہ وہ قراءت کو حسین بنا کر پڑھیں، اور اگر یہ قول صحیح ہو تو آپ کو دو حکم دیئے گئے، ایک میں فرمایا: آپ

ابی بن کعب کے سامنے پڑھیں اور دوسرے میں فرمایا: ان کو قرآن پڑھائیں، ان کا معنی اور مناسبت ظاہر ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے ان کے سامنے قرآن کس حکمت سے پڑھا تھا اور مختار یہ ہے تا کہ یہ امر سنت ہو جائے کہ اہل فضل اور اہل کمال کے سامنے قرآن مجید پڑھنا چاہیے اور اس میں کسی شخص کو عار نہیں ہونا چاہیے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں یہ تنبیہ تھی کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ پڑھنے اور سیکھنے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ قراءت اور تجوید کے امام بن گئے تھے، اور کوئی اور شخص اس فضیلت میں ان کا شریک نہیں تھا اور ان کے اس بلند مرتبہ کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا کہ آپ ان کے سامنے قرآن مجید پڑھیں۔

اس سورت کو پڑھنے کا حکم دینے کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں توحید اور رسالت کا ذکر ہے اور جن امور سے رسالت ثابت ہوتی ہے ان کا بیان ہے اور وہ قرآن مجید ہے جو آپ کا عظیم معجزہ ہے اور اس میں ایمان کی فروع کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کی جائے اور یوم حساب اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کی جگہ کا بیان ہے اور جنت اور دوزخ کا ذکر ہے اور انسانوں کی نیک بختوں اور بدبختوں کی طرف تقسیم کا ذکر ہے اور ان کا ذکر ہے جو مخلوق میں سب سے بہتر ہیں اور جو مخلوق میں سب سے بدتر ہیں اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کے احوال کا ذکر ہے اور انسان کے معاش اور روزگار کا بیان ہے، غرض یہ کہ اس سورت میں نہایت اختصار کے ساتھ مبداء اور معاد کے اہم امور کو بیان فرمایا گیا ہے اور یہ سورت قصار مفصل میں سے ہے اور انتہائی جامع ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۶-۴۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۶۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الْمُنَادِي حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أُقْرِئَكَ الْقُرْآنَ قَالَ آللَّهُ سَمَّانِي لَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں (احمد بن ابی داؤد) ابوجعفر المنادی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی عروبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں تمہیں قرآن پڑھاؤں، حضرت ابی بن کعب نے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: میرا رب العالمین کے پاس ذکر کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پس ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۰۹ میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری کی سند پر خطیب بغدادی کے اعتراض کا جواب اور اسماء رجال کے فن میں امام بخاری کی عظمت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن طاہر نے کہا ہے کہ امام بخاری نے احمد بن ابوداؤد سے صرف یہ ایک حدیث روایت کی ہے اور اہل بغداد اس حدیث کو محمد کے نام سے پہچانتے ہیں اور یہ حدیث محمد بن عبید اللہ بن ابوداؤد بن ابوجعفر المنادی کی روایت سے مشہور ہے کیونکہ الخطیب نے اس

حدیث کو تاریخ بغداد میں محمد بن عبید اللہ کی روایت سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ابن المنادی سے روایت کیا ہے مگر انہوں نے اس کا نام احمد لکھا ہے اور میں نے ہبۃ اللہ الطبری سے سنا، وہ کہتے تھے کہ امام بخاری پر اشتباہ ہو گیا اور انہوں نے یہ روایت احمد بن ابوداؤد سے کی ہے حالانکہ یہ محمد بن ابوداؤد سے روایت ہے اور کہا گیا ہے کہ محمد کا ایک بھائی مصر میں تھا جس کا نام احمد تھا، ہمارے نزدیک یہ قول باطل ہے کیونکہ ہمارے علم کے مطابق ابوجعفر کا کوئی بھائی نہیں تھا یا شاید امام بخاری نے محمد اور احمد کو ایک ہی شخص گمان کر لیا۔ خطیب بغدادی کی عبارت ختم ہوئی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: خطیب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ محمد اور احمد نام کے دو راویوں میں فرق نہ کر سکیں جب کہ امام بخاری اسماء رجال کے درمیان تمیز اور ان کے احوال سے واقفیت میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور اس فن میں سب سے بڑھ کر اور ان کے سردار ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ البینہ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورۃ الزلزال کی تفسیر میں جو تعلیق ذکر کی ہے اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۹۹۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَۃِ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ

سورۃ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ کی تفسیر

سورۃ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ (الزلزال) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الزلزال کی بعض آیات کی تفسیر ہے اس سورت کا نام اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ اور الزلزلہ بھی ہے، یہ سورت مکی ہے، اس سورت میں آٹھ (۸) آیات ہیں۔

اذا زلزلت کا معنی ہے: جب قیامت کی وجہ سے زمین میں شدید حرکت ہوگی، اس کو زلزلہ اور زلزال کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ: فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝ (الزلزال: ۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ۝ (الزلزال: ۷) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: صرف ابوذر کے نسخے میں باب کا لفظ ہے، صحیح بخاری کے دیگر نسخوں میں باب کا لفظ نہیں ہے اور مثقال کا لفظ مفعال کے وزن پر ہے جو ثقل سے ماخوذ ہے اور مثقال کا معنی ہے: وزن اور مقدار۔ ثعلب سے پوچھا گیا: ذرہ کا کیا معنی ہے تو انہوں نے کہا: ایک سو چیونٹیوں کا وزن ایک دانہ ہے اور ذرہ ان میں سے ایک چیونٹی کے برابر ہے اور یزید بن ہارون سے منقول ہے کہ لوگوں کا زعم ہے کہ ذرہ کا کوئی وزن نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۶)

یُقَالُ اَوْحٰی لَهَا اَوْحٰی اِلَیْهَا وَوَحٰی لَهَا وَوَحٰی اِلَیْهَا وَاحِدٌ۔

کہا جاتا ہے: اوحی لھا کا معنی ہے: اَوْحٰی الیھا یعنی اس کی طرف وحی کی اور وَحٰی لَهَا اور وَحٰی اِلَیْهَا دونوں کا ایک معنی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا ۝ (الزلزال: ۵۔ ۴)

اس دن زمین اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی ۝ کیونکہ آپ کے رب نے اسے حکم دیا ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابوعبیدہ نے یہ کہا ہے کہ اَوْحٰی لَهَا کا معنی ہے: اَوْحٰی اِلَیْهَا اور امام بخاری نے کہا: کہا جاتا ہے: اس میں یہ اشارہ ہے کہ اوحی لھا، اَوْحٰی اِلَیْهَا اور وحی لھا اور وَحٰی اِلَیْهَا ان چاروں لفظوں کا معنی واحد ہے، اور ان کا استعمال لام اور الی دونوں کے ساتھ ہوتا ہے، اور اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کلام کرنے کا حکم دیا اور کلام کرنے کی اجازت دی، اور علامہ الثعلبی نے کہا ہے: یہ مجاز ہے اور اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۶۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ الْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ لِرَجُلٍ أَجْرٌ وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذَلِكَ فِي الْمَرْجِ وَالرَّوْضَةِ كَانَ لَهُ حَسَنَاتٍ وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَ بِهِ كَانَ ذَلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ فَهِيَ لِذَلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِئَاءً وَنِوَاءً فَهِيَ عَلَى ذَلِكَ وِزْرٌ فَسُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ قَالَ مَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هَذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از ابوصالح السمان از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں: ایک گھوڑا مرد کے لیے باعث اجر ہے، اور ایک گھوڑا مرد کے لیے باعث پردہ پوشی ہے، اور ایک گھوڑا مرد کے لیے گناہ کا سبب ہے، پس رہا وہ گھوڑا جو اس کے لیے باعث اجر ہے یہ وہ ہے جس گھوڑے کو اس نے اللہ کی راہ میں باندھ کر رکھا، پھر اس کی رسی کو چراگاہ میں یا باغ میں لمبا کر دیا، پس اس رسی کے طول میں جو اس کی لید وغیرہ چراگاہ یا باغ میں نکلی وہ اس کے لیے نیکیاں بن جائیں گی اور اگر اس گھوڑے نے اپنی رسی کو لمبائی میں کاٹ دیا، پس وہ ایک بلندی یا دو بلندیوں پر چڑھا تو اس کے قدموں کے نشان اور اس کی لید اس کی نیکیاں ہوں گی، اور اگر وہ گھوڑا دریا کے پاس سے گزرا اور اس سے پانی پیا خواہ اس کے سوار نے اس کو پانی پلانے کا ارادہ نہ کیا ہو تو وہ بھی اس کے لیے نیکیاں ہوں گی، پس یہ وہ گھوڑا ہے جو اس کے لیے باعث اجر ہے، اور رہا وہ گھوڑا جو اس کے لیے پردہ پوشی کا سبب ہے تو یہ وہ گھوڑا ہے جس کو مرد نے خوش حالی اور سوال سے بچنے کے لیے باندھا اور اس کی گردن میں اللہ کے حق کو نہیں بھولا، اور اس کی پشت پر کسی کے سوار کرنے کو نہیں بھولا تو یہ گھوڑا اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا سبب ہے، اور جس گھوڑے کو مرد نے فخر اور دکھاوے اور دشمن سے بدلہ لینے کے لیے باندھا تو یہ گھوڑا اس کے لیے باعث گناہ ہے، پھر رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر گدھوں کے متعلق خصوصیت کے ساتھ کوئی آیت نازل نہیں کی گئی سوا اس منفرد اور جامع آیت کے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۷۔۸) سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ۝ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا ۝

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۲۳۷۱ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض اہم امور کی شرح کی جا رہی ہے:

گھوڑوں پر زکوۃ فرض ہونے میں امام ابوحنیفہ کی دلیل اور الزلزال: ۸۔۷ کا جامع ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ مرد اس گھوڑے میں اللہ کے حق کو نہیں بھولا یعنی اس گھوڑے کی زکوۃ ادا کرنے کو نہیں بھولا۔ اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہے کہ گھوڑوں پر بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے، یعنی جب اس نے گھوڑوں کو تجارت کے لیے رکھا ہو، اور اگر اس نے اس گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے اس کو رکھا ہو یا اپنی کسی اور ضرورت کے لیے رکھا ہو تو پھر اس پر زکوۃ نہیں ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الزلزال: ۸۔۷ کو آیت جامعہ فرمایا ہے کیونکہ اس آیت کی مثل اور کوئی آیت نہیں ہے جس کے الفاظ کم ہوں اور اس کے معانی بہت زیادہ ہوں کیونکہ یہ آیت خیر کی تمام اقسام اور شر کی تمام اقسام پر محیط ہے، اور جب کسی نے آپ سے گدھے کے حکم کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا حکم بھی اس آیت میں ہے یعنی جس طرح کسی نے گھوڑے کو اللہ کی راہ میں باندھا تو اس کے لیے اجر ہے اسی طرح کسی نے گدھے کو اللہ کی راہ میں باندھا تو وہ گدھا بھی اس کے لیے باعث اجر ہے اور اگر کسی نے گدھے کو دکھاوے کے لیے یا کسی سے بدلہ لینے کے لیے باندھا تو وہ گدھا اس کے لیے باعث گناہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج۱۹ ص ۴۴۸۔۴۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دریاؤں کے پانی کو بلا اجازت پینے کا جواز اور اس پانی کو فروخت کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں گھوڑے کے دریا سے پانی پینے کا ذکر ہے اور اس پر اجماع ہے کہ دریاؤں سے بغیر کسی کی اجازت کے پانی پینا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں کو لوگوں کے اور جانوروں کے پینے کے لیے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دریاؤں کا کوئی مالک نہیں ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ دریا کے پانی کو بیچنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ دریا کے پانی میں کسی کا حق متعین نہیں ہے، پس جب کسی نے دریا کے پانی کو اپنے کسی برتن میں ڈال کر محفوظ کر لیا تو پھر اس کو فروخت کرنا جائز ہے اور امام مالک نے کہا ہے کہ دریا کے پانی کو زیادتی کے ساتھ اور ادھار فروخت کرنا جائز ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام محمد نے کہا کہ دریا کے پانی کی پیمائش کی جاتی ہے اور اس کا وزن کیا جاتا ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد (ایک لیٹر) پانی سے وضوء کرتے تھے اور ایک صاع (چار لیٹر) پانی سے غسل فرماتے تھے، اس وجہ سے امام محمد کے نزدیک اس کی بیع میں زیادتی اور ادھار جائز نہیں ہے کیونکہ سود کی حرمت کی علت کیل اور وزن ہے، امام شافعی کے نزدیک بھی اس کی زیادتی کے ساتھ اور ادھار بیع جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک سود کی حرمت کی علت یہ ہے کہ وہ کھانے پینے کی جنس سے ہو۔

بعض مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس نے گھوڑے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں باندھا ہو، اس کا معنی یہ ہے کہ کسی مرد نے اسلام کی سرحد پر اپنے گھوڑے کو جہاد کے لیے تیار کر کے رکھا ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے آپ کو گناہوں کے ارتکاب سے روک کر اور باندھ کر رکھا ہو۔

اس حدیث میں مرج کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وسیع زمین، ابوالمعالی نے کہا: جس زمین میں بہت زیادہ گھاس اور پانی ہو اور

اس میں چرنے کے لیے بہ کثرت مویشی آئیں۔

اور اس حدیث میں الروضۃ کا لفظ ہے: یہ وہ جگہ ہے جس میں پانی جمع ہو اور اس میں سبزیاں اور ترکاریاں ہوں اور پھل وغیرہ ہوں اور یہ جگہ بلندی پر ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے: گھوڑے نے دریا سے پانی پیا اور اس کے مالک کا ارادہ اسے پانی پلانے کا نہیں تھا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب اس کا ارادہ پانی پلانے کا نہ ہو پھر بھی اسے اجر ملتا ہے تو جب اس کا ارادہ پانی پلانے کا ہوگا تو پھر توقع ہے کہ اس کو بہت زیادہ اجر ملے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کرنے پر دلیل اور اس پر ایک سوال کا جواب

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے زیادہ عدل والی آیت یہ ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (الزلزال: ۸۔۷) سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ۝ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا ۝

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر انکار نہیں کیا، بعض علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجتہاد نہیں کرتے تھے صرف وحی کے موافق حکم فرماتے تھے، ورنہ آپ اجتہاد کر کے گدھوں کا حکم بیان فرما دیتے، دوسرے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف سے گدھے کا حکم نہیں بیان کیا بلکہ اس کے حکم کو اس آیت کے عموم کی طرف مفوض کر دیا، ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ صحابہ نے آپ سے خچر کے متعلق نہیں پوچھا، اس کا جواب یہ ہے کہ عرب میں خچر بہت کم ہیں یا اس لیے کہ خچر گدھوں کے حکم میں ہیں۔ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن مجید کے عموم سے استدلال کرنا چاہیے اور اس میں استنباط اور قیاس کی طرف متنبہ فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید میں گدھوں کا حکم نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حکم کو اس آیت سے مستنبط فرمایا اور یہی نفس قیاس اور اجتہاد ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۲۷ ۳۔۶۸ ۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۔ بَابٌ: وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (الزلزال: ۸)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور جو ذرہ برابر کوئی برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا ۝ (الزلزال: ۸) کی تفسیر

۴۹۶۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْحُمُرِ فَقَالَ لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا هَذِهِ الْآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝﴾ (الزلزال: ۷۔۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے خبر دی از زید بن اسلم از ابی صالح السمان از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: مجھ پر ان کے متعلق کوئی چیز نازل نہیں کی گئی مگر یہ آیت جو جامعہ اور منفرد ہے: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (الزلزال: ۷۔۸) سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ۝ اور جو ذرہ برابر برائی

کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گاO

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۷۱ میں گزر چکی ہے۔

الزلزال: ۸۔۷ کی تفسیر علامہ قرطبی سے

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہاں اس حدیث کی کوئی شرح نہیں کی، تاہم میں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کفار میں سے جو شخص بھی ذرہ برابر کوئی نیک کام کرے گا اس کو اس کی نیکی کا اجر دے دیا جائے گا اور اس کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا اور اگر کوئی کافر کوئی برا کام کرے گا تو آخرت میں اس کو شرک کی سزا کے علاوہ اس برائی کی سزا بھی دی جائے گی اور مومنین میں سے جو شخص بھی ایک ذرہ کے برابر کوئی برائی کرے گا اس کو دنیا میں ہی اس کی برائی کی سزا دی جائے گی اور مرنے کے بعد اس کو آخرت میں اس برائی کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی اور اس کی برائی سے درگزر کر لیا جائے گا اور اگر مومن نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی تو اس کو قبول کر لیا جائے گا اور اس کا آخرت میں اجر زیادہ کر دیا جائے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۳۵) (انوار تبیان القرآن ص ۹۶۴ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۲۱ھ)

الزلزال: ۸ کی تفسیر مصنف کی طرف سے

یہ تو علامہ قرطبی کی تفسیر ہے اور میں یہ کہتا ہوں: اگر مومن سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا اور اس نے اس پر توبہ کر لی تو اس کا گناہ معاف کر دیا جائے گا اور اگر اس نے توبہ نہیں کی اور اس پر کوئی بیماری آئی یا کوئی آفت اور مصیبت آئی تو اس سے اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا اور اگر پھر بھی اس کے گناہ بچ رہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے اس کی بخشش ہو جائے گی، اور بالفرض اگر اس کے باوجود اس کے گناہ باقی رہے تو قبر کے عذاب سے یا حشر کے دن کے طول سے یا دوزخ کے عذاب سے اس کی تطہیر کر دی جائے گی، اور مجھے امید ہے کہ اس کو قبر کا عذاب یا دوزخ کا عذاب محض صورتاً ہوگا حقیقتاً نہیں ہوگا۔

مصنف کی تفسیر پر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے تائید اور توثیق

میں نے لکھا ہے: اگر مومن سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا اور اس نے اس پر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا، اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ (المائدہ: ۳۹)

پھر جس نے اپنے ظلم کرنے کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝ (القصص: ۶۷)

سو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، پس عنقریب وہ کامیابوں میں سے ہو جائے گاO

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کی طویل حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۱۴۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰، سنن ابوداؤد: ۴۸۲۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۰، مسند احمد ۶: ۲۵۳)

اور امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے

جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۰۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

اور میں نے لکھا ہے: اگر اس پر کوئی بیماری آئی یا کوئی آفت اور مصیبت آئی تو اس سے اس کا گناہ دھل جائے گا، اس کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی بیماری میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کو بہت تیز بخار تھا، میں نے کہا: بے شک آپ کو بہت تیز بخار ہے، میں نے کہا: کیا یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کو دگنا اجر ہوتا ہے، آپ نے فرمایا ہاں! جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ ساقط کر دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے گرتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۶۴۷، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، السنن الکبریٰ: ۷۴۸۳)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کو بھی کوئی تکلیف پہنچے خواہ کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہ ساقط کر دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے گرتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۶۴۸، صحیح مسلم: ۲۵۷۱، السنن الکبریٰ: ۷۴۸۳)

اور میں نے لکھا ہے: کہ اگر پھر بھی اس کے گناہ بچ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔ (سنن ترمذی: ۲۴۳۶)

اور میں نے لکھا ہے: یا پھر اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اور میں نے لکھا ہے: اگر پھر بھی اس کے گناہ بچ گئے تو قبر کے عذاب سے اس کی تطہیر ہو جائے گی اور مجھے امید ہے کہ اس کو یہ عذاب محض صورتاً ہوگا حقیقتاً نہیں ہوگا اور اس امید کا منشاء حسب ذیل حدیث ہے:

باب فضل السجود کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ اہل دوزخ میں سے جن پر رحم فرمانے کا ارادہ فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو یہ حکم دے گا: ان کو دوزخ میں سے نکال لو جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، پس فرشتے ان کو دوزخ سے نکالیں گے اور ان کو سجدوں کے نشانات سے پہچانیں گے اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر سجدوں کے نشانات کے کھانے کو حرام فرما دیا ہے، پس ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا، پس سجدوں کے نشان کے سوا ہر ابن آدم کو دوزخ کی آگ کھالے گی، سو ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا اس حال میں کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان پر حیات کا پانی ڈالا جائے گا تو وہ اس سے اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح کوئی دانہ سیلاب کی مٹی میں تیزی سے اگتا ہے۔ الحدیث

(صحیح البخاری: ۸۰۶، صحیح مسلم: ۱۸۲، سنن نسائی: ۱۱۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۳۳۶، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۷۶، السنن الکبریٰ: ۷۷۰۳، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۵۶)

ہو سکتا ہے کہ سجدے کے نشانات کے سوا دوزخ کی آگ جسم کے جس حصہ کو جلا کر کوئلہ کرے گی وہ صرف صورتاً عذاب ہو اور حقیقتاً عذاب نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے دماغ کو ماؤف کر دیا ہو جس سے اسے جلنے اور درد کا ادراک اور احساس نہ ہو جیسے کسی بڑے آپریشن اور سرجری کے وقت ڈاکٹر مریض کو بے ہوش کر دیتے ہیں، اس کے جسم کو چیرا پھاڑا جاتا ہے لیکن بے ہوش ہونے کی وجہ سے اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ تو اپنے مومن بندوں پر بہت رحیم اور کریم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے یہ امید ہے کہ مومن کو دوزخ کے عذاب کے وقت اللہ تعالیٰ اس کو بے ہوش کر دے گا اور اس کو صرف صورتاً عذاب ہوگا اور حقیقت میں عذاب نہیں ہوگا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے، اس کے متعلق کوئی صریح حدیث نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری سوچ غلط ہو۔ الزلزال: ۸ میں فرمایا ہے: اور جو ذرہ برابر کوئی برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا O

میں کافی عرصہ اس آیت پر غور کرتا رہا کہ اگر ہر برائی پر عذاب ہو تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی آیات کا کیا محمل ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میں نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں اس آیت کی تفسیر کی، اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو اور میری تمام کاوشوں اور محنتوں کو قبول فرمائے۔ (امین)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الزلزال کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی تھی اور احادیث روایت کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ العادیات کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

١٠٠۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْعَادِيَاتِ

سورۃ والعادیات کی تفسیر

سورۃ والعادیات کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ العادیات کی بعض آیات کی تفسیر ہے، سورۃ العادیات مکی ہے اور اس میں گیارہ (١١) آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس، عطاء، مجاہد، حسن بصری، عکرمہ، الکلبی اور ابوالعالیہ وغیرہ سے روایت ہے کہ العادیات سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو جہاد کے وقت اللہ کی راہ میں دوڑتے ہیں اور صبحا کا معنی ہے کہ دوڑتے وقت ان کے ہانپنے اور زور زور سے سانس لینے کی جو آواز نکلتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ١٩ ص ٤٤٨، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْكَنُوْدُ الْكَفُوْرُ۔ اور مجاہد نے کہا: الکنود کا معنی ہے: الکفور یعنی جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرتا ہو۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ (العادیات:٦) بے شک انسان اپنے رب کا ضرور ناشکرا ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے روایت ہے کہ انسان ضرور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا ہے، الکلبی نے کہا: یہ بلسان کندۃ اور حضر موت کی لغت ہے، انہوں نے کہا: اس کا معنی ہے: العاصی یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا، اور مضر اور ربیعہ کی لغت میں اس کا معنی ہے: ناشکرا اور بلسان کی لغت میں بھی اس کا معنی ہے: ناشکرا۔

يُقَالُ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا رَفَعْنَ بِهٖ غُبَارًا۔ کہا جاتا ہے: فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ (العادیات:٤) اس کا معنی ہے: جب گھوڑے گرد و غبار اڑاتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ (العادیات:٤) پھر اس وقت وہ گرد و غبار اڑاتے ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس قول کے قائل امام ابوعبیدہ ہیں اور اس آیت کا معنی ہے کہ صبح کے وقت جب وہ گھوڑے حملہ کرتے وقت گرد و غبار اڑاتے ہیں یعنی دشمن پر حملہ کرنے کے وقت۔

لِحُبِّ الْخَيْرِ مِنْ اَجْلِ حُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ لَبَخِيْلٌ وَيُقَالُ لِلْبَخِيْلِ شَدِيْدٌ۔ لحب الخیر اس کا معنی ہے: خیر کی محبت کی وجہ سے، لَشَدِيْدٌ اس کا معنی ہے: وہ ضرور بخیل ہے اور بخیل کو شدید کہا جاتا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ (العادیات:٨) اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی امام ابوعبیدۃ کا قول ہے، انہوں نے لام کو تعلیل کا قرار دیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ لام متعدی کرنے کے لیے ہے یعنی وہ خیر کی محبت میں بہت قوی اور طاقت ور ہے اور خیر سے مراد مال ہے، ابن زید سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو خیر فرمایا ہے اور بعض اوقات مال خبیث اور حرام ہوتا ہے لیکن لوگ مال کو خیر شمار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے عرف کے مطابق کلام فرمایا۔

حُصِّلَ مُيِّزَ۔ حُصِّلَ اس کا معنی ہے: مُيِّزَ یعنی الگ کر دیا جائے گا اور جدا کر دیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ (العادیات:۱۰) اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا O

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بھی امام ابوعبیدہ کی تفسیر ہے، دوسرا قول ہے: اس کا معنی ہے: نکال دیا جائے گا اور ظاہر کر دیا جائے گا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۴۹۔۴۴۸ میں کی ہے]

سورۃ العادیات کا شان نزول اور العادیات کے مختلف معانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بزار اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت کو بھیجا اور ایک ماہ تک ان کی کوئی خبر نہیں آئی، تب سورۃ العادیات نازل ہوئی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے کہ ایک شخص نے مجھ سے العادیات کا معنی پوچھا تو میں نے کہا: اس کا معنی ہے: گھوڑے، پھر وہ شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو بتایا کہ میں نے کیا جواب دیا تھا تو حضرت علی نے مجھے بلایا اور مجھ سے فرمایا: العادیات سے مراد وہ اونٹ ہیں جو میدان عرفات سے مزدلفہ کی گھاٹی کی طرف دوڑتے ہیں اور امام سعید بن منصور کی حارث بن مضرب سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ العادیات کا معنی ہے: دوڑنے والے اونٹ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ العادیات کا معنی ہے: دوڑنے والے گھوڑے، اور عکرمہ نے کہا کہ اونٹ حج کے موقع پر دوڑتے ہیں اور گھوڑے جہاد کے موقع پر دوڑتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی کہا ہے کہ العادیات سے مراد اونٹ ہیں۔ اس آیت میں العادیات کے بعد ضبحا ہے جس کا معنی ہے: ہانپنا اور سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ کتے اور گھوڑے کے سوا اور کوئی جانور نہیں ہانپتا۔

(فتح الباری ج۶ ص۸۔۷۳۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ العادیات کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ القارعۃ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۱۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الۡقَارِعَۃِ

سورۃ القارعۃ کی تفسیر

سورۃ القارعۃ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ القارعۃ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس سورت میں گیارہ (۱۱) آیات ہیں۔

القارعۃ کا معنی ہے: قیامت کے کھٹکھٹانے سے جو مہیب آواز پیدا ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۹)

كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ كَغَوۡغَاءِ الۡجَرَادِ يَرۡكَبُ بَعۡضُهٗ بَعۡضًا كَذٰلِكَ النَّاسُ يَجُوۡلُ بَعۡضُهُمۡ فِیۡ بَعۡضٍ۔

كالفراش المبثوث: اس کا معنی ہے: جیسے ٹڈیاں جن کے پر نکل آئے ہوں اور وہ اڑنے کے لیے تیار ہوں اور ایک دوسرے پر چڑھ رہی ہوں، اسی طرح اس دن لوگ بھی ایک دوسرے پر سوار ہو رہے ہوں گے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیات کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ (القارعۃ: ۴۔۵)

(یہ وہ دن ہے) جس دن تمام لوگ منتشر پروانوں کی طرح ہو جائیں گے ○ اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے كالفراش المبثوث کی تفسیر کی ہے: جیسے ٹڈیاں جن کے پر نکل آئے ہوں اور وہ اڑنے کے لیے تیار ہوں اور ایک دوسرے پر چڑھ رہی ہوں، اور المبثوث کا معنی ہے: المتفرق اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الفراش کا معنی ہے: وہ پروانے جو آگ پر گرتے ہیں اور الغوغاء کا معنی ہے: آواز اور بھنبھناہٹ اور اصل میں غوغاء ان ٹڈیوں کو کہتے ہیں جو اڑنے کے لیے تیار ہوں۔

كَالۡعِهۡنِ كَاَلۡوَانِ الۡعِهۡنِ وَقَرَاَ عَبۡدُ اللّٰهِ كَالصُّوۡفِ۔

كالعهن کا معنی ہے: جیسے روئی کے رنگ اور حضرت عبداللہ نے اس لفظ کو کالصوف پڑھا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: العہن کا معنی ہے: اون اور اسی طرح حضرت عبداللہ نے کالعہن کی جگہ کالصوف پڑھا ہے۔

[ان دونوں تعلیقوں کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۴۹ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ القارعۃ کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ العزیز سورۃ التکاثر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۲۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ التَّكَاثُرِ

سورۃ التکاثر کی تفسیر

سورۃ التکاثر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ التکاثر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورۃ التکاثر ہے اور اس کو سورۃ اَلْهٰكُمُ بھی کہا جاتا ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس میں آٹھ آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۴۹)

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے: اَلْهٰی کا معنی ہے: زیادہ ضروری چیز سے غافل ہونا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم مال اور اولاد کی کثرت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو گئے، اس سورت میں علم الیقین کا ذکر ہے، کسی چیز کی خبر سن کر یا دلائل میں غور و فکر کرنے سے جو یقین حاصل ہو اس کو علم الیقین کہتے ہیں اور کسی چیز کو دیکھ کر جو یقین حاصل ہو اسے عین الیقین کہتے ہیں اور تجربہ سے جو یقین حاصل ہو اس کو حق الیقین کہتے ہیں، اس سورت میں فرمایا ہے: تم مال کی کثرت پر فخر نہ کرو کیونکہ تم کو اس فخر کرنے پر آخرت میں عذاب دیا جائے گا، کاش! تم علم الیقین کے ساتھ اپنا انجام جان لیتے یعنی اگر تم آج آخرت میں اپنا انجام جان لیتے تو مال و دولت پر فخر کرنا چھوڑ دیتے۔ (انوار تبیان القرآن ص۹۶۵ فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ التَّكَاثُرُ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے التکاثر کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد ہے: مال اور اولاد کی کثرت۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ (التکاثر:۱) تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی تم کو مال اور اولاد کی کثرت نے مشغول کر رکھا ہے، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتے تھے کہ ہم بنو فلاں سے زیادہ ہیں، اور بنو فلاں بنو فلاں سے زیادہ ہیں، ان کو اولاد کی کثرت نے غافل کر دیا حتیٰ کہ وہ گمراہی میں مر گئے اور ابن بریدہ سے منقول ہے کہ یہ آیت انصار کے دو قبیلوں میں نازل ہوئی جو فخر کرتے تھے، اور مقاتل اور کلبی سے منقول ہے کہ یہ آیت بنو عبد مناف اور بنو سہم بن عمرو کے متعلق نازل ہوئی جو قریش کے دو قبیلے تھے۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے سعید بن ابی ہلال کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس سورت کا نام سورۃ المقابر رکھتے تھے۔

امام بخاری نے اس سورت کی تفسیر میں کوئی حدیث روایت نہیں کی اور عنقریب کتاب الرقاق میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی

ایک روایت آئے گی جس کو اس سورت کی تفسیر میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ التکاثر کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی تھی اس کی شرح مکمل ہو گئی اور اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ العصر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو دو تعلیقیں ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۳۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْعَصْرِ

سورۃ العصر کی تفسیر

سورۃ العصر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ العصر کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور یہ سورت مکی ہے اور اس سورت میں تین آیات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی ہے یا آپ کی طرف نسبتوں کی

میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے: العصر سے مراد دہر اور زمانہ ہے، بعض مفسرین نے کہا: العصر سے مراد اس زمانہ کی قسم ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے شہر کی قسم بھی کھائی ہے، وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (البلد: ۲) اس شہر کی قسم جس میں آپ مقیم ہیں ۝ اور آپ کی زندگی کی قسم کھائی لَعَمْرُكَ (الحجر: ۷۲) پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کے زمانہ کی قسم! آپ کے شہر کی قسم! آپ کی زندگی کی قسم! سوچیے! اللہ تعالیٰ آپ کی نسبتوں کی قسم کھا رہا ہے اور آپ کی نسبتیں اللہ کے نزدیک اتنی مکرم ہیں تو خود آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر مکرم ہوگی۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۷۹)

نیز میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں ہے:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ (العادیات: ۱)	ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیز دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے ۝
فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ (العادیات: ۲)	پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں ۝
فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝ (العادیات: ۳)	پھر صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیں ۝
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ (العادیات: ۴)	پھر اس وقت وہ گرد و غبار اڑاتے ہیں ۝
فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝ (العادیات: ۵)	پھر دشمن کی فوج میں گھس جاتے ہیں ۝

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم کھائی اور ان چنگاریوں کی قسم کھائی جو ان کے سم مارنے سے نکلتی ہیں اور ان کے گرد و غبار اڑانے کی قسم کھائی کیونکہ گرد و غبار کی نسبت ان گھوڑوں کی طرف ہے اور چنگاریوں کی نسبت سم کی طرف ہے اور سم کی نسبت گھوڑوں کی طرف ہے اور گھوڑوں کی نسبت مجاہدین کی طرف ہے اور مجاہدین کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے کیونکہ آپ نے ان کو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ بھی آپ کی طرف نسبتوں کی قسم ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

وَقَالَ يَحْيَى الْعَصْرُ الدَّهْرُ أَقْسَمَ بِهٖ۔ اور یحییٰ نے کہا: العصر کا معنی ہے: الدہر یعنی جس کی قسم کھائی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی العصر سے مراد زمانہ ہے جس کی اللہ نے قسم کھائی ہے، حسن بصری سے منقول ہے: اس سے مراد ہے:

دوپہر سے عشاء کے وقت تک کا زمانہ، ابن کیسان سے منقول ہے: رات اور دن اور مقاتل سے منقول ہے: اس سے مراد ہے: صلاۃ العصر اور یہی صلاۃ الوسطیٰ ہے۔

اور مجاہد نے کہا: خسر کا معنی ہے: گمراہی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے مومنین کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ بے شک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے ۝ سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے۔ (العصر: ۲۔۳)

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے خسر کی تفسیر گمراہی سے کی ہے اور علامہ ثعلبی نے کہا: اس سے مراد نقصان ہے اور الاخفش نے کہا: اس سے مراد ہلاکت ہے اور الفراء سے منقول ہے: اس سے مراد عقوبت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مستثنیٰ فرمایا کیونکہ وہ نقصان میں نہیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۵۰)

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ العصر کی تفسیر میں جو دو تعلیقیں ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اس کے بعد ان شاءاللہ العزیز سورۃ الہمزۃ کی تفسیر میں امام بخاری نے جو ایک تعلیق ذکر کی ہے اس کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۴۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْهُمَزَةِ

سورۃ الہمزۃ کی تفسیر

سورۃ الہمزۃ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الہمزۃ کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس کا نام سورۃ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ ہے (الہمزۃ:۱)، یہ سورت مکی ہے اور اس میں نو (۹) آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ الہمزۃ کا معنی ہے: جو لوگ چغل خوری کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں اور قتادہ سے منقول ہے کہ الہمزۃ وہ شخص ہے جو لوگوں کا گوشت کھاتا ہو اور ان کی غیبت کرتا ہو اور الہمزۃ کا معنی ہے: جو بہت طعنے دیتا ہو۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سے سب سے اچھے ہیں، صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد آ جائے، پھر فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سب سے برے لوگ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں اور دوستوں کے درمیان پھوٹ اور فساد ڈالتے ہیں اور جو لوگ عیب سے بری ہیں ان میں عیب نکالتے ہیں۔ (مسند احمد: ۲۷۵۹۸)

الْحُطَمَةُ اسْمُ النَّارِ مِثْلُ سَقَرَ وَلَظٰى۔　الْحُطَمَةُ: یہ دوزخ کا نام ہے جیسے سَقَر اور لَظٰى۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ (الہمزۃ:۴)　ہرگز نہیں! وہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) میں جھونک دیا جائے گا ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الحطمة کی تفسیر دوزخ کے ساتھ کی ہے جیسے سقر اور لظیٰ ہے، دوزخ کا نام حطمہ اس لیے رکھا ہے کیونکہ حطم کا معنی ہے: جسم کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اور دوزخ بھی جسم کو توڑ کر چورا چورا کر دیتی ہے۔
(عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو شخص بہت زیادہ کھانا کھاتا ہو اس کو بھی حطمہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی کھانے کو چورا چورا کر دیتا ہے۔
(فتح الباری ج۹ ص۱۳۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

سورۃ الہمزۃ کے شانِ نزول کے متعلق روایات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد انصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت الولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، دوسرا قول ہے کہ یہ امیہ بن خلف کے متعلق نازل ہوئی ہے اور تیسرا قول ہے کہ یہ الاخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے اور چوتھا قول ہے کہ یہ حمید بن عامر کے متعلق نازل ہوئی ہے، اگرچہ اس سورت کا سبب نزول خاص لوگوں کے متعلق ہے لیکن اس کا حکم عام ہے، اور ویل کا لفظ اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے جو کسی ہلاکت میں واقع ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۵۸۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الہمزۃ کی جو تعلیق ذکر کی تھی اس کی شرح مکمل ہوگئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورۃ الفیل کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۵۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ الْفِیْلِ

سورۃ الفیل کی تفسیر

سورۃ اَلَمْ تَرَ (الفیل) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الفیل کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورۃ اَلَمْ تَرَ بھی ہے، یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پانچ (۵) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۱۹ ص۴۵۱)

سورۃ الفیل کا خلاصہ

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سورت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابرہہ کو حبشہ کے بادشاہ نے یمن کا گورنر بنا دیا، اس نے صنعاء نامی شہر میں کلیسا بنالیا، اس نے شاہ حبشہ کو خط لکھا کہ میں نے آپ کے لیے بہترین گرجا قائم کیا ہے، میری خواہش ہے کہ آئندہ عرب اس کعبہ کی بجائے اس معبد میں حج اور طواف کریں، جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو بنو کنانہ کے ایک شخص نے غضب میں آکر اس میں بول و براز کر دیا، یہ دیکھ کر ابرہہ سخت آگ بگولہ ہوا اور ہاتھیوں کا لشکر لے کر کعبہ کو ڈھانے کے ناپاک ارادے سے نکلا۔ مکہ سے دو میل کے فاصلے پر پہنچ کر اس نے مکہ کے لوگوں کے مویشی چھین لیے جن میں دو سو (۲۰۰) اونٹ حضرت عبدالمطلب کے تھے، اس کے بعد ابرہہ نے کسی کو بھیج کر انہیں بلوایا اور ان کی بہت عزت کی اور ترجمان کے ذریعے ان سے بات چیت ہوئی۔ ابرہہ نے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ حضرت عبدالمطلب نے کہا: تم میرے اونٹ واپس کر دو، ابرہہ نے تعجب سے کہا: تمہیں اونٹوں کی فکر ہے اور خانہ کعبہ کی فکر نہیں ہے، حضرت عبدالمطلب نے کہا: میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لیے اونٹ مانگ رہا ہوں، کعبہ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ اپنا گھر خود بچائے گا، حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر مکہ پہنچ گئے، ابرہہ نے مکہ پر حملہ کیا، جب یہ لشکر وادی محسر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیجے جن کی چونچوں میں کنکر تھے، جس فوجی کے کسی جانب کنکر لگتا تو اس کے مقابل جانب سے نکل جاتا اور اس کے جسم کے آر پار ہو جاتا تھا۔ (جامع البیان: ۲۹۴۰۱) (انوار تبیان القرآن ص۹۶۷، فرید بک اسٹال، لاہور، ۱۴۳۱ھ)

مجاہد نے کہا: اَلَمْ تَرَ کا معنی ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ یعنی کیا آپ نے نہیں جانا۔

اَلَمْ تَرَ اَلَمْ تَعْلَمْ۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ○ (الفیل:۱) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا○

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے کہا ہے: اَلَمْ تَرَ کا معنی ہے: کیا آپ نے نہیں جانا اور الفراء نے لکھا ہے: کیا آپ کو حبشہ اور ہاتھی والوں کی خبر نہیں دی گئی، اور یہ اس لیے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھی والوں کے قصے کے وقت موجود نہیں تھے کیونکہ آپ کی

ولادت اسی سال ہوئی تھی۔

قَالَ مُجَاهِدٌ أَبَابِيلَ مُتَتَابِعَةً مُجْتَمِعَةً۔ مجاہد نے کہا: ابابیل کا معنی ہے: وہ پرندے جو لگاتار آئیں اور مجتمع ہوں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ (الفیل: ۳) اوران پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے ابابیل کی تفسیر کی ہے، وہ پرندے جو لگاتار آئیں اور اکٹھے ہوں۔ یہ تفسیر مجاہد سے منقول ہے، الثعلبی نے کہا: ابابیل کا معنی ہے: جو کثیر ہوں اور متفرق ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: ان پرندوں کی سونڈ ہوتی ہے اور پنجے ہوتے ہیں جیسے کتوں کے پنجے ہوتے ہیں اور عکرمہ سے منقول ہے: ان کے ایسے سر تھے جیسے درندوں کے سر ہوتے ہیں، ان کو اس سے پہلے دیکھا گیا نہ اس کے بعد، اور ربیع سے منقول ہے کہ ان کی کچلیاں ہوتی ہیں، اور النسفی کی تفسیر میں مذکور ہے کہ ابابیل ابال کی جمع ہے اور دوسرا قول ہے کہ یہ عَبَادِیْل کی طرح ہے، اس کا کوئی واحد نہیں ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ سِجِّيلٍ هِيَ سَنْكِ وَكِلْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے من سِجیل کی تفسیر میں کہا: یہ سَنگ اور گِلْ ہے یعنی پتھر اور مٹی۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ (الفیل: ۴) جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سجیل کی تفسیر سنگ اور گل کے ساتھ کی ہے اور یہ فارسی زبان کے الفاظ ہیں جس کے معنی پتھر اور مٹی ہیں، امام طبری نے بھی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۵۱ میں کی ہے]

علامہ ابوالحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ لکھتے ہیں:

سجیل کے معنی میں اور بھی اقوال ہیں ان میں قریب ترین قول یہ ہے کہ یہ لفظ سجل سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے وہ کتاب جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ان کو اس کے ساتھ عذاب دیا جائے گا یا سجیل آسمان دنیا کا نام ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۵۸۴، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الفیل کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان سب کی شرح مکمل ہوگئی اور اب ان کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ القریش کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۶۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ لِاِيْلٰفِ

سورۃ لایلاف (قریش) کی تفسیر

سورۃ لایلاف (قریش) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ القریش کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس سورت کا نام سورۃ لایلاف بھی ہے، ابوالعباس نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور ضحاک نے عطاء بن السائب سے یہ روایت کی ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں چار آیات ہیں۔

لایلاف قریش کا معنی ہے: قریش کو رغبت دلانے کے لیے اور یہ لام پہلی سورت کے ساتھ متصل ہے، اور الکسائی اور الاخفش سے منقول ہے کہ یہ لام تعجب ہے یعنی قریش کے رغبت دلانے پر تعجب ہے، وہ سردی اور گرمی میں سفر کرتے ہیں اور اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کو ترک کر دیتے ہیں، اور الزجاج سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے: وہ اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کریں کیونکہ اس نے ان کو سردی اور گرمی کے موسم میں سفر کرنے کی سہولت مہیا کی اور قریش وہ ہیں جو النضر بن کنانہ کی اولاد ہیں اور جو اس کی اولاد نہیں ہیں وہ قریش نہیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لِإِيلَافِ أَلِفُوا ذٰلِكَ فَلَا يَشُقُّ عَلَيْهِمْ فِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ وَآمَنَهُمْ مِنْ كُلِّ عَدُوِّهِمْ فِي حَرَمِهِمْ۔

اور مجاہد نے کہا: لایلاف کا معنی ہے کہ قریش کا سفر میں دل لگا دیا تھا، پس سردی اور گرمی میں سفر کرنا ان پر دشوار نہیں ہوتا تھا اور ان کو ان کے حرم میں ہر دشمن سے محفوظ اور مامون رکھا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیتوں کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ ۚ (القریش:۱-۲)

قریش کو رغبت دلانے کے لیے ○ انہیں سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر سے مانوس کیا ○

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سفر کی الفت ڈال دی اور ان کو ان کے حرم میں ہر دشمن سے محفوظ اور مامون رکھا، اور ضحاک، ربیع اور سفیان سے منقول ہے اور ان کو جذام کی بیماری سے محفوظ رکھا، پس ان کے شہر میں جذام یعنی کوڑھ کی بیماری نہیں ہوتی تھی۔

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ لِإِيلَافِ لِنِعْمَتِي عَلَى قُرَيْشٍ۔

اور ابن عیینہ نے کہا: لایلف کا معنی ہے: قریش پر میری نعمت کی محبت ڈالنے کے لیے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی سفیان بن عیینہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ قریش پر میری نعمت کی الفت اور محبت ڈالنے کے لیے اور ایلاف مصدر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۵۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بیت اللہ کے رب کی عبادت کی وجہ سے اس کی خصوصی نعمت سفر میں آسانی مہیا کرنا ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

اس سورت میں فرمایا ہے:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ (القریش:۳) پس انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں O

یعنی اگر وہ دوسری نعمتوں کی وجہ سے گھر کے رب کی عبادت نہیں کرتے تو وہ اپنے رب کی اس نعمت کی وجہ سے اس کی عبادت کریں کہ اس نے سردی اور گرمی کے موسم میں ان کے تجارتی سفر کو آسان کر دیا۔ (فتح الباری ج۶ ص ۱۴۰)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ القریش کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الماعون کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۷۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْمَاعُوْنِ

سورۃ الماعون کی تفسیر

سورۃ الماعون کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الماعون کی بعض آیات کی تفسیر ہے، صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس سورت کا نام سورۃ ارأیت ہے اور یہ سورت مکی ہے اور اس میں سات آیات ہیں۔

علامہ ثعلبی نے لکھا ہے: مقاتل اور کلبی نے کہا ہے کہ یہ سورت العاص بن وائل السہمی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور السدی اور ابن کیسان سے منقول ہے کہ یہ سورت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور ضحاک سے مروی ہے کہ یہ سورت عمرو بن عائذ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور دوسرا قول ہے کہ یہ سورت ہبیرہ بن وہب المخزومی کے متعلق نازل ہوئی ہے، علامہ النسفی نے کہا ہے:

أَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ کا معنی ہے: کیا آپ اس شخص کو پہچانتے ہیں جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے کہ وہ کون ہے؟ اور اگر اس کو نہیں پہچانتے تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھتکارتا ہے اور اس کو جھڑکتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ يَدُعُّ يَدْفَعُ عَنْ حَقِّهِ يُقَالُ هُوَ مِنْ دَعَعْتُ يُدَعُّوْنَ يُدْفَعُوْنَ۔ اور مجاہد نے کہا: یدع کا معنی ہے: اس کو اس کا حق لینے سے دھتکارتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ دععت سے ماخوذ ہے، یُدَعُّوْنَ کا معنی ہے ان کو دھکا دیا جائے گا اور دھکیلا جائے گا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ (الماعون: ۲) پس یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: مجاہد نے اس کی تفسیر کی ہے: وہ یتیم کو اس کا حق لینے سے دھتکارتا ہے، اور ابو رجاء سے اس کی تفسیر منقول ہے کہ وہ یتیم کا حق ادا کرنے میں کمی کرتا ہے، امام بخاری نے کہا: یہ دععت سے ماخوذ ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب ضمیر متصل تھی تو عین کا عین میں ادغام نہیں کیا گیا اور انہیں بتایا ہے کہ الطور: ۱۳ میں مذکور ہے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ إِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ جس دن ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکیل کر لایا جائے گا ۝

اگر چہ یہ آیت سورۃ الطور میں ہے لیکن امام بخاری نے اس کو یَدُعُّ الْيَتِيْمَ کی مناسبت سے یہاں ذکر کر دیا۔

سَاهُوْنَ لَاهُوْنَ۔ سَاهُوْنَ اس کا مطلب ہے: غفلت کرنے والے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ (الماعون: ۵۔۴) سو ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے ۝ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام طبری نے بھی مجاہد سے اسی طرح روایت کی ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کا وقت نکلنے کے بعد پڑھتے ہیں اور متعدد علماء نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو ترک کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد منافقین ہیں جو اس وقت نماز نہیں پڑھتے جب وہ اکیلے ہوں اور لوگ موجود نہ ہوں، اور لوگوں کے سامنے نماز پڑھتے ہیں، اور قتادہ سے منقول ہے: جو اس کی پرواہ نہ کرتا ہو کہ اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں پڑھی ہے۔

وَ الْمَاعُوْنَ الْمَعْرُوْفَ كُلُّهُ وَقَالَ بَعْضُ الْعَرَبِ الْمَاعُوْنُ الْمَاءُ وَقَالَ عِكْرِمَةُ أَعْلَاهَا الزَّكَاةُ الْمَفْرُوضَةُ وَأَدْنَاهَا عَارِيَةُ الْمَتَاعِ

والماعون اس کا معنی ہے: وہ تمام چیزیں جو عرف میں مروج ہیں اور بعض عربوں نے کہا: الماعون کا معنی ہے: پانی اور عکرمہ نے کہا: الماعون کا اعلیٰ مرتبہ فرض زکوۃ ہے اور اس کا ادنیٰ مرتبہ وہ چیزیں ہیں جو عاریتاً دی جائیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (الماعون:۷) اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے الماعون کی تفسیر میں تین قول ذکر کیے ہیں: پہلا قول ہے: وہ تمام چیزیں جن کا لوگ آپس میں لین دین کرتے ہیں جیسے پانی کا ڈول، کلہاڑی، دیگچی اور تیر وغیرہ، یہ کلبی اور محمد بن کعب کا قول ہے، دوسرا قول ہے: پانی اور یہ سعید بن المسیب، زہری اور مقاتل کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: قریش کی لغت میں ماعون پانی کو کہتے ہیں، تیسرا قول عکرمہ کا ہے کہ ماعون کا اعلیٰ مرتبہ زکوۃ ہے اور یہی حضرت ابن عمر اور حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے، امام بخاری نے کہا: جو چیزیں عاریتاً دی جاتی ہیں اور یہ گھر کی چیزوں کو شامل ہے جیسے چھلنی اور ڈول وغیرہ جو گھر میں استعمال کی جاتی ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ الماعون وہ چیزیں ہیں جن سے منع کرنا جائز نہیں ہے جیسے پانی، نمک اور آگ۔ [ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے ج ۲۰ ص ۴۔ ۳ میں ذکر کی ہے]

الحمدللہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الماعون کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الکوثر کی تفسیر میں امام بخاری نے جو ایک تعلیق ذکر کی ہے اور تین احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۸۔ تَفۡسِیۡرُ سُوۡرَۃِ الۡکَوۡثَرِ

سورۃ الکوثر کی تفسیر

سورۃ الکوثر کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الکوثر کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اور جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اور قتادہ، حسن بصری اور عکرمہ نے کہا کہ یہ سورت مدنی ہے، اس اختلاف کا سبب اس کے سبب نزول کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت العاص بن وائل کے متعلق نازل ہوئی ہے، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر یعنی بے نسل کہا تھا، دوسرا قول ہے کہ یہ عقبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی ہے اور عکرمہ سے منقول ہے کہ یہ قریش کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے اور علامہ سہیلی نے کہا کہ یہ کعب بن الاشرف کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور اس صورت میں یہ سورت مدنی ہوگی، اس سورت میں تین (۳) آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ شَانِئَكَ عَدُوَّكَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شَانِئَكَ اس کا معنی ہے: آپ کا دشمن۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ۝ (الکوثر: ۳)

بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شَانِئَكَ کا معنی آپ کا دشمن کیا ہے، اسی طرح المستملی کی روایت میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴)

۱۔ بَابٌ

باب

۴۹۶۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شَيۡبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنۡ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا عُرِجَ بِالنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى السَّمَاءِ قَالَ أَتَيۡتُ عَلَى نَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤۡلُؤِ مُجَوَّفًا فَقُلۡتُ مَا هٰذَا يَا جِبۡرِيلُ قَالَ هٰذَا الۡكَوۡثَرُ۔

(ابوداؤد: ۴۷۴۸، ترمذی: ۳۳۵۹، مسلم: ۱۶۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کی طرف معراج کرائی گئی تو آپ نے فرمایا: میں ایک ایسے دریا پر آیا جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے خیمے تھے میں نے کہا: اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ کوثر ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۷۰ میں گزر چکی ہے۔

الکوثر کا معنی اور اس کے مصداق میں اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جس کا عدد کثیر ہو یا اس کی مقدار بہت زیادہ ہو تو عرب اس کو کوثر کہتے ہیں اور اس کے مصداق میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک وہ حوض ہے، علامہ ابن الجوزی نے کہا: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض ہے، قاضی عیاض نے کہا: حوض کی احادیث صحیح ہیں اور ان پر ایمان لانا فرض ہے اور اہل السنت والجماعت کے نزدیک وہ احادیث اپنے ظاہر پر محمول ہیں، ان میں نہ کوئی تاویل ہے اور نہ کوئی اختلاف ہے۔

عکرمہ سے منقول ہے کہ الکوثر سے مراد نبوت، قرآن اور اسلام ہے اور مجاہد سے منقول ہے: اس سے مراد ہر خیر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ الکوثر کا مصداق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وہ نور ہے جس نے آپ کی حق کی طرف رہنمائی کی اور آپ کو حق کے ماسوا سے منقطع کیا ہے، تیسرا قول ہے کہ اس کا مصداق شفاعت ہے، چوتھا قول ہے: المعجزات، پانچواں قول ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا، چھٹا قول ہے: دین کی سمجھ، ساتواں قول ہے: پانچ نمازیں، اس میں اور بھی اقوال ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۔۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۶۵۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ الْكَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَ سَأَلْتُهَا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ قَالَتْ نَهَرٌ أُعْطِيَهُ نَبِيُّكُمْ صلی اللہ علیہ وسلم شَاطِئَاهُ عَلَيْهِ دُرٌّ مُجَوَّفٌ آنِيَتُهُ كَعَدَدِ النُّجُومِ رَوَاهُ زَكَرِيَّاءُ وَأَبُو الْأَحْوَصِ وَمُطَرِّفٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن یزید الکاہلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابواسحاق از ابوعبیدہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابوعبیدہ نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: انا اعطیناك الكوثر (الکوثر: ۱) بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: الکوثر ایک دریا ہے جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا ہے، اس کی دونوں جانبوں پر کھوکھلے موتی ہیں اور اس کے برتنوں کی تعداد ستاروں کے برابر ہے۔ اس حدیث کو زکریا اور ابوالاحوص اور مطرف نے از ابو اسحاق روایت کیا ہے۔

۴۹۶۶۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ قَالَ فِي الْكَوْثَرِ هُوَ الْخَيْرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ قَالَ أَبُو بِشْرٍ قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَإِنَّ النَّاسَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهَرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيدٌ النَّهَرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبشر نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: الکوثر وہ خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے، ابوبشر نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ کوثر جنت میں ایک دریا ہے تو سعید نے کہا: جو دریا جنت میں ہے وہ بھی اس خیر میں

سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔

(یہ حدیث صحیح البخاری: ۶۵۷۸ میں بھی مذکور ہے)

الکوثر کی تفسیر میں مزید اقوال

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عکرمہ نے کہا: الکوثر، النبوت، القرآن اور الاسلام ہے اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہر خیر ہے۔

اور اس میں اور اقوال بھی ہیں: قرآن مجید کو آسان کرنا، احکام شرعیہ میں تخفیف کرنا، آپ کے پیروکاروں اور مددگاروں کی کثرت، آپ کے ذکر کو بلند کرنا، دل میں نور، شفاعت، مقام محمود، معجزہ، فقہ، کثرت فقہاء، پانچ نمازیں، نمازیوں کی کثرت، ذکر اور ذاکرین کی کثرت، فضائل کثیرہ، عمدہ اخلاق، جنت کے دو باطنی دریا، وہ حوض جس پر آپ کی امت وارد ہوگی، مقاتل نے کہا کہ کوثر جنت کا سب سے بڑا دریا ہے جس سے اہل جنت کے لیے چار دریا نکلتے ہیں: خمر کا، پانی کا، دودھ کا اور شہد کا۔

زجاج نے کہا: اس سورت کی تفسیر میں جتنے امور بیان کیے گئے ہیں وہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا وہاں دو دریا ظاہر تھے، وہ نیل اور فرات ہیں اور دو دریا باطن تھے وہ الکوثر اور سلسبیل ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۵۹۱۔۵۹۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الکوثر کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی تھی اور احادیث روایت کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہوگئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورۃ الکافرون کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۰۹۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْكَافِرُوْنَ

سورۃ الکافرون کی تفسیر

سورۃ الکافرون کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الکافرون کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورۃ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ○ بھی ہے، یہ سورت مکی ہے، اس سورت میں چھ آیات ہیں۔

اس سورت میں اہل مکہ سے خطاب ہے جن میں الولید بن المغیرہ اور العاص بن وائل اور الحارث بن قیس السہمی اور الاسود بن عبد یغوث اور الاسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف ہیں، انہوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ہمارے دین کی پیروی کریں اور ہم آپ کے دین کی پیروی کریں گے اور ہم آپ کو اپنے تمام معاملات میں شریک کریں گے، آپ ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ہم ایک سال آپ کے معبود کی عبادت کریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ اللہ میں اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں کسی کو اللہ کی عبادت میں شریک کروں، تب اللہ عزوجل نے سورۃ الکافرون کو نازل فرمایا۔

(عمدۃ القاری جلد ۲۰ ص ۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

يُقَالُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ الْكُفْرُ وَلِيَ دِيْنِ الْإِسْلَامُ وَلَمْ يَقُلْ دِيْنِي لِأَنَّ الْآيَاتِ بِالنُّوْنِ فَحُذِفَتِ الْيَاءُ كَمَا قَالَ يَهْدِيْنِ وَيَشْفِيْنِ۔

کہا جاتا ہے: لَكُمْ دِيْنُكُمْ یعنی تمہارے لیے تمہارا دین ہے جو کفر ہے وَلِيَ دِيْنِ یعنی میرے لیے میرا دین ہے جو اسلام ہے اور یوں نہیں فرمایا: دینی کیونکہ ان تمام آیات کے آخر میں نون ہے، پس یا کو حذف کر دیا گیا جیسے فرمایا ہے: يَهْدِيْنِ وَيَشْفِيْنِ (اور یھدینی ویشفینی نہیں فرمایا کیونکہ ان آیات کے آخر میں نون ہے)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○ (الکافرون: ۶) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے○

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلیق سے اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تمہارے لیے تمہارا دین ہے یعنی کفر ہے اور میرے لیے میرا دین یعنی اسلام ہے۔

امام بخاری نے کہا: دینی نہیں فرمایا، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس سورت کی تمام آیات کے آخر میں نون ہے اس لیے دینی نہیں فرمایا جیسے سورۃ الشعراء کی ان آیات میں ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ○ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ

جس نے مجھے پیدا کیا، سو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے○ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے○ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا

ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝ (الشعراء: ۸۱۔۷۸) دیتا ہے ۝ اور وہی میری روح قبض کرے گا، پھر مجھے زندہ فرمائے گا ۝

ان آیات کے آخر میں بھی یائے متکلم کو فواصل کی رعایت کے لیے حذف کر دیا گیا تا کہ تمام آیات کا آخری لفظ ایک وزن پر ہو جائے۔

وَقَالَ غَیْرُهُ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ الْآنَ وَلَا أُجِیبُكُمْ فِیمَا بَقِیَ مِنْ عُمُرِی وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ وَهُمُ الَّذِینَ قَالَ ﴿وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا﴾ (المائدہ: ۶۴)

اور دوسروں نے کہا کہ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ کا معنی ہے میں اب بھی ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ اپنی باقی زندگی میں ان کی عبادت کروں گا وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرے گا۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ اور تعلیق مذکور کا خلاصہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابوذر کے نسخہ میں وقال غیرہ (اور دوسروں نے کہا) کے الفاظ نہیں ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: درست یہ ہے کہ یہ الفاظ ہونے چاہئیں کیونکہ یہ الفراء کے کلام کا بقیہ نہیں ہے بلکہ یہ امام ابو عبیدہ کا کلام ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۳)

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: درست یہ ہے کہ یہ الفاظ حذف ہونے چاہئیں کیونکہ اس سے پہلے یہ مذکور نہیں ہے کہ الفراء نے کہا حتیٰ کہ اس کے بعد یہ کہا جاتا: اور دوسروں نے کہا۔

امام بخاری کی اس تعلیق کا حاصل یہ ہے: نہ میں اب تمہارے خداؤں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ مستقبل میں تمہارے خداؤں کی عبادت کروں گا گویا کہ آپ نے فرمایا: میں باطل کی عبادت نہیں کرتا اور تم حق کی عبادت نہیں کرتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ما مصدر یہ ہے یعنی میں تمہاری عبادت نہیں کرتا اور تم میری عبادت نہیں کرتے۔ اس سورت میں اس کا تکرار ہے کیونکہ اس تکرار سے مراد تاکید ہے اور عرب لوگ تکرار سے تاکید کا اور افہام کا ارادہ کرتے ہیں۔

امام بخاری نے کہا: یہ مخاطبین وہی لوگ ہیں جن کے متعلق المائدہ: ۶۴ میں فرمایا ہے:

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا (المائدہ: ۶۴)

اور آپ پر جو کلام آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرے گا۔

[ان تمام تعلیقات کی شرح علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۔۶ میں کی ہے]

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الکافرون کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورۃ الفتح کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی ہے اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۰۔ تَفۡسِيۡرُ سُوۡرَةِ الۡفَتۡحِ

سورۃ الفتح کی تفسیر

سورۃ الفتح کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ النصر کی بعض آیات کی تفسیر ہے اور اس کو سورۃ الفتح بھی کہا جاتا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، اور ابن النقیب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یہ وہ سورت ہے: جو سب سے آخر میں نازل ہوئی اور امام الواحدی نے کہا کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے واپس آئے تھے اور اس کے نزول کے دو سال بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے اور مقاتل نے کہا: جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے اس کو پڑھا، پس وہ دونوں خوش ہوئے، پس جب اس سورت کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سنا تو وہ رونے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کیوں روتے ہو؟ انہوں نے کہا: اس سورت میں آپ کی وفات کی خبر دے دی گئی ہے، پس اس کے بعد آپ اسی (۸۰) دن زندہ رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی: اے اللہ! اس کو دین کی فقہ عطا فرما اور تاویل کا علم عطا فرما، اس سورت میں تین آیات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ

۴۹۶۷۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا صَلَّى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَاةً بَعْدَ أَنْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ (النصر:۱) إِلَّا يَقُولُ فِيهَا سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي۔

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الاحوص نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابو الضحیٰ از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ○ (النصر:۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ○ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز میں پڑھتے تھے: سُبۡحٰنَكَ رَبَّنَا وَبِحَمۡدِكَ اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡلِيۡ (اے اللہ! ہمارے رب! تو سبحان ہے اور تیری حمد کے ساتھ میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! تو مجھے بخش دے)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۹۴ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ بَابٌ

باب

۴۹۶۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ فِي رُكُوْعِهِ وَسُجُوْدِهِ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابی الضحیٰ از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ آپ اپنے رکوع اور سجود میں بہ کثرت پڑھتے تھے سُبْحٰنَكَ اللهم رَبَّنا وَ بِحَمْدِكَ اللهم اغفرلی (اے اللہ! ہمارے رب تو پاک ہے اور تیری حمد کے ساتھ میں دعا کرتا ہوں: اے اللہ! تو مجھے بخش دے)، آپ قرآن مجید کے حکم پر عمل کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۹۴ میں گزر چکی ہے۔

یعنی سورۃ النصر میں آپ کو جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنے، اس کی حمد کرنے اور اس سے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے آپ اخیر عمر میں رکوع اور سجود میں بہ کثرت حمد اور تسبیح کرتے تھے اور استغفار کرتے تھے تاکہ اس حکم پر عمل ہو۔

۳۔ بَابٌ۔ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللهِ أَفْوَاجًا ○ (النصر: ۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں ○ (النصر: ۲) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: لوگوں سے مراد اہل یمن ہیں اور افواجا سے مراد ہے: ایک فوج کے بعد دوسری فوج اور ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ اور پورا قبیلہ اور پوری قوم بغیر قتال کے دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۶۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہما سَأَلَهُمْ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ○ (النصر: ۱) قَالُوْا فَتْحُ الْمَدَائِنِ وَالْقُصُوْرِ قَالَ مَا تَقُوْلُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ أَجَلٌ أَوْ مَثَلٌ ضُرِبَ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نُعِيَتْ لَهُ نَفْسُهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از حبیب بن ابی ثابت از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان متعلق سوال کیا: إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ○ (النصر: ۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے ○ تو لوگوں نے کہا: اس سے مراد شہروں اور محلات کا فتح ہونا ہے، حضرت عمر نے کہا: اے ابن عباس! تم کیا کہتے ہو؟ تو انہوں نے کہا: اس سے مراد زندگی کی مدت ہے یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مثال بیان کی گئی ہے اور آپ کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۶۷ میں گزر چکی ہے۔

۴۔ بَابٌ۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر: ۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے ۝ (النصر: ۲) کی تفسیر

تَوَّابٌ عَلَى الْعِبَادِ وَالتَّوَّابُ مِنَ النَّاسِ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ۔

تَوَّابٌ: اس کا معنی ہے: بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے اور مغفرت سے اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے اور لوگوں میں سے تَوَّاب وہ ہے جو گناہوں سے اطاعت کی طرف رجوع کرے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ تَوَّاب کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے: وہ مغفرت کے ساتھ رجوع کرتا ہے اور توبہ قبول فرماتا ہے اور توبہ کا لغت میں معنی ہے: رجوع کرنا اور کہا گیا ہے کہ وہ گناہ گاروں کے لیے توبہ کے اسباب میسر کرتا ہے اور انہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے اور ان کو غفلت کی نیند سے بیدار کرتا ہے اور تَوَّاب کا دوسرا معنی بندے کی صفت ہے یعنی وہ اس گناہ سے رجوع کرتا ہے جس کا اس نے ارتکاب کیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۔۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۷۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ يُدْخِلُنِي مَعَ أَشْيَاخِ بَدْرٍ فَكَأَنَّ بَعْضَهُمْ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ فَقَالَ لِمَ تُدْخِلُ هَذَا مَعَنَا وَلَنَا أَبْنَاءٌ مِثْلُهُ فَقَالَ عُمَرُ إِنَّهُ مَنْ قَدْ عَلِمْتُمْ فَدَعَاهُ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَدْخَلَهُ مَعَهُمْ فَمَا رُئِيتُ أَنَّهُ دَعَانِي يَوْمَئِذٍ إِلَّا لِيُرِيَهُمْ قَالَ مَا تَقُولُونَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ۝ (النصر: ۱) فَقَالَ بَعْضُهُمْ أُمِرْنَا أَنْ نَحْمَدَ اللهَ وَنَسْتَغْفِرَهُ إِذَا نُصِرْنَا وَفُتِحَ عَلَيْنَا وَسَكَتَ بَعْضُهُمْ فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَقَالَ لِي أَكَذَاكَ تَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَا قَالَ فَمَا تَقُولُ قُلْتُ هُوَ أَجَلُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَعْلَمَهُ لَهُ قَالَ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ وَذَلِكَ عَلَامَةُ أَجَلِكَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا فَقَالَ عُمَرُ مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَقُولُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے غزوہ بدر کے بزرگوں کے ساتھ داخل کرتے تھے، پس ان بزرگوں میں سے بعض اس بات پر ناراض ہوتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ آپ اس کو ہمارے ساتھ کیوں داخل کرتے ہیں حالانکہ ہمارے بیٹے اس کی عمر کے ہیں، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہیں اس کی وجہ معلوم ہے، پھر ایک دن حضرت عمر نے حضرت ابن عباس کو بلایا، پس میں نے یہی گمان کیا کہ آپ نے مجھے اس دن اس لیے بلایا تھا کہ آپ مجھے ان کو دکھائیں، حضرت عمر نے فرمایا: آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ ۝ (النصر: ۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے ۝ تو ان میں سے بعض بزرگوں نے کہا: ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد کی جائے اور ہمیں فتح عطا کی جائے تو ہم اللہ کی حمد کریں اور اس سے استغفار کریں اور دوسرے بزرگ خاموش رہے اور انہوں نے کچھ نہیں

کہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: اے ابن عباس! کیا تم بھی اسی طرح کہتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں! حضرت عمر نے پوچھا: پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت حیات ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی ہے، فرمایا: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۝ (النصر:۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے۝ اور یہ آپ کی وفات کی علامت ہے۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۝ (النصر:۳) سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۝ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس آیت کے متعلق اتنا ہی علم ہے جتنا تم بیان کر رہے ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۲۷ میں گزر چکی ہے۔
علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت عمر نے ان بزرگوں سے کہا: تمہیں اس کی وجہ معلوم ہے یعنی تمہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علم و فضل کا علم ہے، اور تمہیں اسلام میں ان کی سبقت اور خدمات کا بھی علم ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آخری سورت کی تعیین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق متعدد اقوال

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
سورۃ التوبہ کی تفسیر میں یہ گزر چکا ہے کہ وہ آخری سورت ہے اور یہاں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ سورۃ النصر قرآن مجید کی آخری سورت ہے، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ سوۃ النصر مکمل آخری سورت ہے، اس کے برخلاف سورۃ التوبہ مکمل آخری سورت نہیں ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سورۃ النصر حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں دس ذی الحج کو نازل ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورۃ النصر کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکیاسی (۸۱) دن زندہ رہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کے متعلق متعدد اقوال ہیں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ اس کے بعد نو (۹) راتیں زندہ رہے، مقاتل سے منقول ہے کہ آپ اس کے بعد سات راتیں زندہ رہے، ابن قیم نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور کے آخر میں استغفار کرتے تھے، جب آپ نماز کا سلام پھیرتے تو تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھتے اور جب آپ بیت الخلاء سے نکلتے تو پڑھتے: غُفْرَانَكَ اور وضو کرنے کے بعد دعا کرتے: اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا دے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)
الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ النصر کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی تھی اور احادیث روایت کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورۃ المسد کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۱۔ تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ الْمَسَدِ

سورۃ المسد کی تفسیر

سورۃ المسد (اللہب) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ المسد کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس کا نام سورۃ لہب بھی ہے، یہ سورت مکی ہے اور اس سورت میں پانچ آیات ہیں۔

ابولہب سے مراد ہے: ابولہب بن عبدالمطلب اور اس کا نام عبدالعزیٰ ہے اور اس کی ماں خزاعیہ ہے، اس کی کنیت ابولہب ہے، اس کی وجہ میں کہا گیا ہے کہ اس کے بیٹے کا نام لہب تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے رخسار بہت سرخ تھے گویا کہ اس کے چہرے میں حسن کے شعلے لپکتے تھے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ دشمنی رکھتا تھا، یہ اپنی دشمنی پر برقرار رہا حتیٰ کہ غزوۂ بدر کے چند ایام کے بعد یہ مر گیا، یہ غزوۂ بدر میں نہیں گیا تھا، جب اس کو معلوم ہوا کہ غزوۂ بدر میں قریش کو شکست ہوگئی تو یہ غم سے مر گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وتَبَّ خَسِرَ تَبَابٌ خُسْرَانٌ تَتْبِيْبٌ تَدْمِيْرٌ

وَتَبَّ: اس کا معنی ہے: وہ نقصان میں پڑ گیا، تَبَاب کا معنی ہے: نقصان، تتبیب کا معنی ہے: تباہ کرنا اور ہلاک کرنا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ (اللہب:۱) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے O

یہ الفاظ صورتاً دعا ہیں حقیقتاً دعا نہیں بلکہ خبر ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے تب کی تفسیر تباب اور خسران کے ساتھ کی ہے اور تباب کا لفظ درج ذیل آیت میں ہے:

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝ (المومن:۳۷) اور فرعون کی ہر سازش صرف ناکام ہونے والی تھی O

اور تَتْبِيْبٌ کا لفظ درج ذیل آیت میں ہے۔

وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝ (ہود:۱۰۱) اور انہوں نے ان کی ہلاکت کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا O

امام بخاری نے تَبَّ کی مناسبت سے تباب اور تتبیب کے الفاظ پر مشتمل آیات کا ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں) یہ دعا ہے اور بعد میں جو وَتَبَّ فرمایا ہے یہ خبر ہے یعنی وہ ہلاک ہو گیا۔

علامہ عینی کا تسامح

میں کہتا ہوں علامہ عینی کا تبت یدا ابی لہب کو دعا لکھنا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے سے پاک اور بلند و برتر ہے، دراصل یہ بھی خبر ہے اور اس کے دونوں ہاتھوں سے مراد اس کا ملک اور مال ہے یعنی اس کا ملک اور مال تباہ ہو گیا اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا،

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صورتاً دعا ہے اور حقیقتاً خبر ہے۔ (سعیدی غفرلہ) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ

۴۹۷۱۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۝ (الشعراء: ۲۱۴) وَرَهْطَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى صَعِدَ الصَّفَا فَهَتَفَ يَا صَبَاحَاهْ فَقَالُوا مَنْ هَذَا فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هَذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوا مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ قَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ مَا جَمَعْتَنَا إِلَّا لِهَذَا ثُمَّ قَامَ فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ۝ (اللہب: ۱) وَقَدْ تَبَّ هَكَذَا قَرَأَهَا الْأَعْمَشُ يَوْمَئِذٍ

باب

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن مرۃ نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۝ (الشعراء: ۲۱۴) اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب سے) ڈرایئے○ اور اپنے قبیلہ میں سے ان لوگوں کو جو مخلص ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے حتیٰ کہ آپ صفاء پہاڑ پر چڑھے، پھر آپ نے بلند آواز سے فرمایا: یا صباحاہ (اے لوگو! ہوشیار ہو جاؤ)، پس لوگوں نے کہا: یہ کون ہے، پھر وہ آپ کی طرف جمع ہو گئے، پس آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ گھوڑے سواروں کی ایک جماعت اس پہاڑ کے پیچھے سے تم پر حملہ کرنے کے لیے نکلنے والی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ لوگوں نے کہا: ہم نے آپ پر کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا، تو آپ نے فرمایا: تو میں تم کو صرف سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہوں (سبا: ۴۶) ابولہب نے کہا: تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہم کو صرف اس لیے جمع کیا تھا؟ پھر وہ کھڑا ہو گیا، تب یہ آیت نازل ہوئی: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ۝ (اللہب: ۱) ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے○ وقد تب۔ اسی طرح اس آیت کو الاعمش نے اس دن پڑھا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۹۴ میں گزر چکی ہے۔

ورهطك منهم المخلصين کا منسوخ التلاوت ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ورهطك منهم المخلصين: یہ یا تو عشیرتک کی تفسیر ہے اور یا یہ قراءت شاذہ ہے، اسماعیل نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو پڑھا ہے۔ علامہ نووی نے کہا: حضرت ابن عباس کے پڑھنے میں یہ خبر ہے کہ پہلے یہ قرآن مجید کی آیت تھی، پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔

یا صباحاہ کا معنی

جب کسی قوم پر کوئی حملہ کرنے کے لیے آتا ہے تو وہ مدد طلب کرنے کے لیے لوگوں کو پکارتے ہیں اور چونکہ یہ حملہ عموماً صبح کے وقت ہوتا ہے اس لیے مدد طلب کرنے والا کہتا ہے: یا صباحاہ یعنی دشمن نے صبح کے وقت ہم پر حملہ کر دیا ہے، سو ہماری مدد کے لیے آؤ اور ہوشیار ہو جاؤ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ (اللهب: ۱۔۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور وہ ہلاک ہو جائے ۝ اس کے مال نے اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا ۝ (اللهب: ۲۔۱) کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی اس کا مال اس کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے کام نہ آیا، کہا گیا ہے کہ اس کا مال اس کی بکریاں تھیں اور اس کے پاس قدرتی گھاس چرنے والی بکریاں تھیں اور اس کی کمائی بھی اس کے کام نہ آئی، علامہ الثعلبی نے کہا ہے کہ اس کی کمائی سے مراد اس کی اولاد ہے کیونکہ اولاد بھی باپ کی کمائی ہوتی ہے اور علامہ نسفی نے کہا ہے کہ یہ ما موصولہ ہے یعنی اس نے اپنے اموال سے جو نفع کمایا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مَا مصدریہ ہو یعنی اس کی کمائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْبَطْحَاءِ فَصَعِدَ إِلَى الْجَبَلِ فَنَادَى يَا صَبَاحَاهُ فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ حَدَّثْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ مُصَبِّحُكُمْ أَوْ مُمَسِّيكُمْ أَكُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا تَبًّا لَكَ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ (اللهب: ۱) إِلَى آخِرِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از عمرو بن مرہ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ البطحاء (مکہ کی وادی) کی طرف نکلے، پس پہاڑ پر چڑھ گئے، پھر آپ نے زور سے پکارا: لوگو ہوشیار ہو جاؤ، سو آپ کی طرف قریش جمع ہو گئے، پس آپ نے فرمایا: اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر صبح کے وقت یا شام کے وقت حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: پس میں تم کو صرف سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہوں (سبا: ۴۶) پس ابولہب نے کہا: کیا تم نے ہم کو اس لیے جمع کیا تھا؟ تمہارے لیے ہلاکت ہو، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ (اللهب: ۱) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ۝ آخر تک۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۹۴ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ بَابٌ: سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ (اللهب: ۳)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں جائے گا ۝ (اللهب: ۳) کی تفسیر

۴۹۷۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنهما قَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ إِلَى آخِرِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن مرہ نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابولہب نے کہا: تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہم کو اس لیے جمع کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی: تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ (اللہب: ۱) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ۝ آخر سورت تک۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۳۹۴ میں گزر چکی ہے۔

۴۔ بَابٌ: وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ (اللہب: ۴)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور اس کی بیوی بھی لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ۝ (اللہب: ۴) کی تفسیر

ابولہب کی بیوی کا تذکرہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب تھی، یہ اس کی کنیت ہے اور اس کا نام العوراء تھا، ضحاک نے بیان کیا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں سعدان نام کے درخت کے کانٹے پھیلا دیا کرتی تھی اور آپ ان کانٹوں پر اس طرح چلتے تھے جس طرح تم میں سے کوئی شخص ریشم پر چلتا ہے اور مرہ الہمدانی سے روایت ہے کہ ام جمیل ہر روز مختلف اقسام کے کانٹے لے کر آتی تھی اور ان کو مسلمانوں کے راستہ میں پھیلا دیتی تھی، ایک دن وہ لکڑیوں کا گٹھا لے کر آ رہی تھی تو تھک کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی، سو ایک فرشتہ آیا، اس نے اس کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا اور ہلاک کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۔۱۱)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ تَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ

اور مجاہد نے کہا: حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا معنی ہے: وہ چغلیاں کھاتی تھی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: کہ مجاہد نے کہا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے اصحاب کی مشرکین کی طرف چغلیاں کرتی تھی اور الفراء نے کہا ہے کہ وہ چغلیاں کر کے دشمنی کی آگ بھڑکاتی تھی تو اس کو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ سے کنایہ کیا ہے۔

فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ يُقَالُ مِنْ مَسَدٍ لِيفِ الْمُقْلِ، وَهِيَ السِّلْسِلَةُ الَّتِي فِي النَّارِ۔

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝: یعنی اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہو گی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی گردن میں درخت مقل کے چھال کی رسی ہے اور یہ دوزخ میں زنجیر ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی دنیا میں اس کی گردن میں درخت مقل کی رسی تھی اور آخرت میں اس کی گردن میں آگ کی زنجیر ہو گی، عروہ نے کہا: یہ زنجیر ستر (۷۰) ہاتھ لمبی ہو گی، اس کے منہ میں داخل ہو کر اس کی دبر سے نکل جائے گی اور اس کے جسم سے لپٹ جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ اللہب کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہو گئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الاخلاص کی تفسیر میں امام بخاری نے جو تعلیقات ذکر کی ہیں اور احادیث روایت کی ہیں ان کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۲۔ تَفۡسِيۡرُ سُوۡرَةِ الۡاِخۡلَاصِ

سورۃ الاخلاص کی تفسیر

سورۃ الاخلاص کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الاخلاص کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورۃ قُلۡ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ بھی ہے، یہ سورت مکی اور مدنی ہے اور اس میں چار آیات ہیں۔

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ سے قریش نے کہا یا کعب بن الاشراف نے کہا یا مالک بن الصعب نے کہا یا عامر بن الطفیل العامری نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب کا نسب بیان کیجئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲)

يُقَالُ لَا يُنَوَّنُ اَحَدٌ اَيْ وَاحِدٌ۔

کہا جاتا ہے کہ اَحَدٌ پر تنوین نہیں پڑھی جاتی اور اَحَد کا معنی ہے: واحد۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی حالت وصل میں اَحَد پر تنوین نہیں پڑھی جاتی اور اس کو لفظ اللہ سے ملا کر پڑھا جاتا ہے یعنی اَحَدُنِ اللّٰهُ الصَّمَدُ۔

واحد اور احد کا فرق

امام بخاری نے کہا ہے: احد کا معنی ہے: واحد، امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ واحد اور احد میں کوئی فرق نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان میں فرق ہے، واحد کا معنی ہے: جو صفات کے لحاظ سے واحد ہو اور احد کا معنی ہے: جو ذات کے لحاظ سے واحد ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ واحد وہ ہے جو ازل میں ہو اور سب سے افضل ہو کیونکہ واحد اعداد کا مبداء ہے اور احد اس پر دلالت کرتا ہے جو اپنی تمام صفات میں مخلوق سے ممتاز ہو اور اس سے شرک کے ابواب کی نفی ہو، پس احد اس کی نفی کے لیے ہے جس کو عدد کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور واحد کہ لفظ سے عدد شروع ہوتا ہے، پس احد کے لفظ کو کلام میں انکار کی جگہ لایا جاتا ہے اور واحد کے لفظ کو کلام میں اثبات کے لیے لایا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۔۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابٌ

باب

۴۹۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ اللّٰهُ كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ فَأَمَّا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں ابو الزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ

تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لَنْ يُعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا (البقرہ:۱۱۶) وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُئًا أَحَدٌ۔

تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کو یہ نہیں چاہیے تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کو یہ نہیں چاہیے تھا رہا اس کا میری تکذیب کرنا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ مجھے ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کرے گا جس طرح اس نے مجھے ابتداءً پیدا کیا تھا حالانکہ ابتداءً مخلوق کو پیدا کرنا مجھ پر اس مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے اور رہا اس کا مجھے گالی دینا تو وہ اس کا یہ کہنا ہے: اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا (البقرہ:۱۱۶) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے O اور حالانکہ میں احد ہوں اور الصمد (بے نیاز) ہوں۔ میری کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۹۳ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احد ہونے کے متعلق ایک حدیث

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ترمذی اور امام طبری نے اپنی سند سے ایک روایت کی ہے، اس کے آخر میں ہے: اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے کیونکہ جو بھی پیدا ہوتا ہے وہ عنقریب مرجاتا ہے اور جو بھی مرتا ہے اس کا کوئی وارث ہوتا ہے اور ہمارا رب نہ مرتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث ہے اور نہ اس کا کوئی ہم سر اور ہم پلہ ہے۔ اس حدیث کا شاہد مسند ابو یعلی اور المعجم الاوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ باب: اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ (الاخلاص:۲)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اللہ بے نیاز ہے O (الاخلاص:۲) کی تفسیر

وَالْعَرَبُ تُسَمِّي أَشْرَافَهَا الصَّمَدَ قَالَ أَبُو وَائِلٍ هُوَ السَّيِّدُ الَّذِي انْتَهَى سُودَدُهُ

عرب معزز لوگوں کو الصمد کہتے ہیں، ابو وائل نے کہا: الصمد وہ سید ہے جس پر سیادت کی انتہاء ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ عرب لوگ معزز شخص کو صَمَد کہتے ہیں اور اسی لیے وہ سرداروں کو صمد کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جس میں شرف اور سیادت کی تمام اقسام مجتمع ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صَمَد وہ شخص ہے جس کی طرف ضروریات میں رجوع کیا جاتا ہے، اور تفسیر نسفی میں صمد کے بہت معانی ذکر کیے گئے ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳)

۴۹۷۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللَّهُ كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ أَمَّا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: اور ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ

تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ إِنِّي لَنْ أُعِيدَهُ كَمَا بَدَأْتُهُ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا (البقرہ:۱۱۶) وَأَنَا الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُؤًا أَحَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔

تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کو یہ نہیں چاہیے تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کو یہ نہیں چاہیے تھا، رہا اس کا میری تکذیب کرنا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ میں اس کو ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کروں گا جس طرح میں نے اس کو ابتداءً پیدا کیا تھا، رہا اس کا مجھے گالی دینا تو اس کا یہ کہنا ہے: اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (البقرہ:۱۱۶) اللہ اولاد رکھتا ہے○ حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میری کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی اولاد ہوں اور نہ میرا کوئی ہم سر اور ہم پلہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۹۳ میں گزر چکی ہے۔

كُفُؤًا وَكَفِيئًا وَكِفَاءً وَاحِدٌ۔

كُفوًا، كفيئًا اور كفاءً ان تینوں کا معنی ایک ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: کُفُؤًا میں دو پیش ہیں اور کَفِیئٌ فعیل کے وزن پر ہے اور کفاءٌ فِعَالٌ کے وزن پر ہے، ان تینوں الفاظ کا معنی واحد ہے یعنی مثال اور نظیر یعنی اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی مثال ہے اور نہ کوئی شبیہ ہے۔ الثعلبی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: اس کا کوئی ہم سر اور ہم پلہ نہیں ہے، اور حمزة اور یعقوب نے اس لفظ میں فاء پر جزم پڑھی ہے اور دیگر قراء نے فاء پر پیش اور واؤ پر زبر پڑھی ہے بغیر ہمزہ کے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الاخلاص کی تفسیر میں جو تعلیقات ذکر کی تھیں اور احادیث روایت کی تھیں ان تمام کی شرح مکمل ہوگئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز سورۃ الفلق کی تفسیر میں امام بخاری نے جو ایک تعلیق اور ایک حدیث روایت کی ہے اس کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۳۔ تَفْسِیْرُ سُوْرَةِ الْفَلَقِ

سورۃ الفلق کی تفسیر

سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (الفلق) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الفلق کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ بھی ہے، سفیان نے کہا: یہ سورت مدنی ہے، قتادہ نے کہا: یہ سورت مکی ہے، اس سورت میں پانچ آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فلق کا معنی ہے: صبح اور ان سے دوسری روایت ہے کہ یہ جہنم میں ایک قید خانہ ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الفلق جہنم میں ایک کنواں ہے جو ڈھکا ہوا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ اَلْفَلَقُ الصُّبْحُ وَ غَاسِقِ اللَّيْلُ إِذَا وَقَبَ غُرُوبُ الشَّمْسِ يُقَالُ أَبْيَنُ مِنْ فَرَقِ وَفَلَقِ الصُّبْحِ وَقَبَ إِذَا دَخَلَ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَأَظْلَمَ۔

اور مجاہد نے کہا: فلق کا معنی ہے: صبح اور غَاسِقِ اللَّيْل کا معنی ہے: جب سورج غروب ہو جائے۔ کہا جاتا ہے اَبْيَنُ من فرق الصبح و فلق الصبح یعنی یہ بات پو پھٹنے اور روشنی کے ظہور سے زیادہ واضح ہے اور وقب اس وقت کو کہتے ہیں جب کوئی چیز کسی چیز میں داخل ہو جائے اور اندھیرا چھا جائے اس سے مراد یہاں غروب آفتاب ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ (الفلق: ۳) اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے ۝

علامہ عینی لکھتے ہیں: اسی طرح امام ابو عبیدہ نے تفسیر کی ہے اور وَقَب کا معنی ہے: سورج کا غروب ہونا، جب کوئی چیز دوسری چیز میں داخل ہو جائے اور اندھیرا چھا جائے تو وقب کہتے ہیں۔ الفراء نے یہ کہا ہے کہ یہ چیز صبح کے نمودار ہونے سے زیادہ واضح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵۔ ۱۴)

۴۹۷۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ وَعَبْدَةَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ عَنِ الْمُعَوِّذَتَيْنِ فَقَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ قِيلَ لِي فَقُلْتُ فَنَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عاصم اور عبدۃ از زر بن حبیش، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے المعوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝) کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا:

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے کہا گیا تھا (کہ یہ سورتیں پڑھو) تو میں نے پڑھیں تو ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۷۷ میں ہے۔

اَلْمُعَوِّذَتَيْن کا قرآن ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ المعوذتین قرآن مجید سے نہیں ہیں اس لیے زر بن حبیش نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے یہ دو سورتیں پڑھائی ہیں یعنی یہ قرآن ہے، حضرت ابی بن کعب نے کہا: ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵)

الحمد للہ رب العالمین امام بخاری نے سورۃ الفلق کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی تھی اور ایک حدیث روایت کی تھی ان کی شرح مکمل ہوگئی اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز امام بخاری نے سورۃ الناس کی تفسیر میں جو ایک تعلیق ذکر کی ہے اور ایک حدیث روایت کی ہے اس کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا بہت مہربان ہے

۱۱۴ - تَفْسِيْرُ سُوْرَةِ النَّاسِ

سورۃ الناس کی تفسیر

سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (الناس) کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ سورۃ الناس کی بعض آیات کی تفسیر ہے، اس سورت کا نام سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ بھی ہے، یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں چھ آیات ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۵)

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْوَسْوَاسِ إِذَا وُلِدَ خَنَسَهُ الشَّيْطَانُ فَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ذَهَبَ وَإِذَا لَمْ يُذْكَرِ اللّٰهُ ثَبَتَ عَلَى قَلْبِهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وسواس کی تفسیر میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو کوئی چیز چبھوتا ہے پھر جب اللہ عزوجل کا ذکر کیا جاتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا تو شیطان اس کے دل پر جم جاتا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سند ضعیف ہے، امام طبری اور امام حاکم نے اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس کی سند میں ایک راوی حکیم بن جبیر ہے اور یہ ضعیف راوی ہے، اس حدیث میں خنس کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو پیچھے کرنا اور اس کو اپنی جگہ سے زائل کرنا کیونکہ شیطان جب بچہ کی کوکھ میں کوئی چیز چبھوتا ہے تو اس کی شدت سے وہ اس کو اس کی جگہ سے پیچھے کر دیتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۷۷ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ ح وَحَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ زِرٍّ قَالَ سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ قُلْتُ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ أُبَيٌّ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لِي قِيلَ لِي فَقُلْتُ قَالَ فَنَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدۃ بن ابی لبابہ نے حدیث بیان کی از زر بن حبیش (ح) اور ہمیں عاصم نے حدیث بیان کی از زر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، میں نے کہا: اے ابو المنذر! بے شک آپ کے بھائی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں تو حضرت ابی نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے کہا گیا تھا (کہ آپ یہ دو سورتیں پڑھیں) تو میں نے پڑھیں، حضرت ابی بن کعب نے کہا: ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۷۶ میں گزر چکی ہے۔

المعوذتین کے قرآن ہونے پر احادیث سے دلائل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں یعنی یہ دو سورتیں قرآن نہیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا مجھ سے کہا گیا ہے کہ ان کو پڑھو، اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن ہیں، اس میں صحابہ کا اختلاف رہا ہے، پھر بعد میں اختلاف اٹھ گیا اور اس پر اجماع ہو گیا کہ یہ دونوں سورتیں قرآن ہیں اور اب اگر کوئی ان کے قرآن ہونے کا انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام احمد نے اور امام ابن حبان نے از عاصم یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف میں معوذتین کو نہیں لکھتے تھے اور امام طبرانی نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف سے المعوذتین کو مٹا دیتے تھے تو میں کہوں گا کہ امام بزار نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی اس مسئلہ میں کسی نے موافقت نہیں کی اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ان کو پڑھا ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور امام ابن حبان نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ اگر تم ایسا کر سکو کہ نماز میں ان کی قراءت نہ چھوٹے تو ایسا کرو اور امام احمد نے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو معوذتین پڑھائیں اور آپ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو ان سورتوں کو پڑھو اور اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور امام سعید بن منصور نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس کی دو رکعتوں میں المعوذتین کو پڑھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے بھی ان احادیث سے استدلال کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے المعوذتین کے انکار قرآن کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابوبکر الباقلانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود ان دو سورتوں کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کو مصحف میں لکھنے سے انکار کرتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک مصحف میں ان ہی سورتوں کا لکھنا جائز ہے جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کی اجازت دی ہو، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کی اجازت نہیں پہنچی اور یہ حضرت ابن مسعود کی طرف سے عمدہ تاویل ہے کہ انہوں نے ان سورتوں کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کیا۔

بعض علماء کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف انکار معوذتین کی نسبت کو باطل قرار دینا

بعض علماء نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف المعوذتین کے انکار قرآن کی نسبت کو مستبعد قرار دیتے ہوئے اس بات کا انکار کیا کہ حضرت ابن مسعود نے یہ کہا ہو کہ المعوذتین قرآن نہیں ہیں، سو حافظ ابن حجر عسقلانی ان علماء کی عبارات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ المعوذتین اور الفاتحہ قرآن ہیں اور جس نے ان میں سے کسی کے قرآن ہونے کا انکار کیا وہ کافر ہے اور جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کے قرآن ہونے کا انکار منقول ہے وہ باطل اور صحیح نہیں ہے۔

اور اسی کی مثل ابو محمد حزم نے المحلیٰ کے اوائل میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے المعوذتین کے قرآن ہونے کا جو انکار منقول ہے وہ جھوٹ اور باطل ہے۔
اور اسی طرح امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کے اوائل میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ نقل جھوٹ اور باطل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا ان بعض علماء سے اختلاف

حافظ ابن حجر عسقلانی ان مشاہیر علماء سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
بغیر کسی دلیل کے روایات صحیحہ میں طعن کرنا غیر مقبول ہے بلکہ یہ روایات صحیح ہیں اور ان میں تاویل کی گنجائش ہے اور جس اجماع کا انہوں نے ذکر کیا ہے اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ہر زمانے میں یہ اجماع رہا ہے تو یہ درست نہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ بعد میں المعوذتین کے قرآن ہونے پر اجماع ہو گیا تو پھر یہ درست ہے۔
اور علامہ ابن الصباغ نے مانعین زکوٰۃ پر بحث کرتے ہوئے یہ کہا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے صرف قتال کیا ہے اور ان کو کافر نہیں قرار دیا کیونکہ اس وقت تک اس پر اجماع نہیں ہوا تھا کہ انکار زکوٰۃ کفر ہے اور اب ہم اس کو کافر کہیں گے جو زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرے گا، اور انہوں نے کہا: اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار منقول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک قطعیت کے ساتھ المعوذتین کا قرآن ہونا ثابت نہیں، پھر اس کے بعد امت کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ المعوذتین قرآن ہیں۔
امام فخر الدین رازی نے یہ اشکال کیا ہے کہ اگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں المعوذتین کا قرآن ہونا متواتر تھا تو پھر ان کے زمانے میں بھی ان کے قرآن ہونے کا انکار کفر ہوگا اور اگر ان کے زمانہ میں المعوذتین کا متواتر نہیں تھا تو لازم آئے گا کہ بعض قرآن متواتر نہ ہو اور یہ بہت دشوار گھاٹی ہے جس کو عبور کرنا مشکل ہے، اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی المعوذتین کا قرآن ہونا متواتر تھا لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ تواتر ثابت نہیں تھا، پس اللہ تعالیٰ کی مدد سے اشکال کی یہ دشوار گھاٹی عبور ہو گئی۔ (فتح الباری ج ٦ ص ١٥١، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے المعوذتین کے انکار قرآن کی دوسری توجیہ

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف ابن الملقن المتوفی ٨٠٤ھ لکھتے ہیں:
صحیح البخاری: ٤٩٧٧ کے آخر میں مذکور ہے کہ زر نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اے ابو المنذر! آپ کے بھائی حضرت ابن مسعود اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں تو حضرت ابی نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے (المعوذتین کو پڑھنے کے لیے) کہا گیا تھا تو میں نے ان کو پڑھا، حضرت ابی نے کہا: سو ہم بھی ان کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔
علامہ ابن الملقن کہتے ہیں: حضرت ابی کی مراد یہ تھی کہ حضرت ابن مسعود نے المعوذتین کو اپنے مصحف میں داخل نہیں کیا اور یہ ان کا تفرد اور ان کا اجتہاد ہے کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ شارع علیہ السلام بہ کثرت المعوذتین کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے، پس انہوں نے یہ گمان کیا کہ المعوذتین وحی سے ہیں اور قرآن مجید نہیں ہیں، اور صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ المعوذتین قرآن ہیں اور انہوں نے ان دونوں سورتوں کو مصحف میں داخل کیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ٢٣ ص ٦١٢، وزارۃ الاوقاف، قطر، ١٤٢٩ھ)

زر نے صراحتاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف انکار معوذتین کی نسبت نہیں کی اس کی توجیہ

علامہ قاضی بدرالدین الدمامینی محمد بن ابوبکر بن عمر القرشی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب نے زر سے کہا: آپ کے بھائی ابن مسعود اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں: (صحیح بخاری: ۴۹۷۷) زر نے صراحتاً یہ نہیں کہا کہ آپ کے بھائی حضرت ابن مسعود المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس طرح کہنے کو بہت سنگین بات سمجھتے تھے جب کہ تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ المعوذتین قرآن ہیں اور وہ ان کو اپنے مصاحف میں لکھتے ہیں اور برقرار رکھتے ہیں۔

اور قاضی ابوبکر الباقلانی نے کہا ہے: حضرت ابن مسعود نے المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کو مصحف میں لکھنے کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ مقرر تھا کہ مصحف میں صرف اسی چیز کو لکھا جائے گا جس کو لکھنے کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو اور ان تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المعوذتین کو مصحف میں لکھنے کا حکم دیا ہے ورنہ وہ اس کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے۔ (مصابیح الجامع ج ۸ ص ۵۰۸، دار النوادر، دمشق، ۱۴۳۱ھ)

(قاضی ابوبکر الباقلانی کی یہ تاویل شرح التنقیح میں بھی مذکور ہے۔ ج ۲ ص ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو المعوذتین پڑھنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا یا حضرت جبرئیل نے یہ حکم پہنچایا تھا

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۴۹۷۶ میں مذکور ہے: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (معوذتین پڑھنے کے متعلق) سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے (المعوذتین پڑھنے کے لیے) کہا گیا تھا، سو میں نے ان کو پڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو پڑھنے کے لیے کہنے والا کون تھا؟ یا تو خود اللہ عزوجل نے آپ سے فرمایا تھا یا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے، اور دوسرا احتمال زیادہ صحیح ہے کیونکہ صحیح ابن حبان: ۷۹۷ میں اس کا صراحتاً ذکر ہے، پس اس سے واضح ہو گیا کہ المعوذتین قرآن ہیں۔

مصنف کے نزدیک یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کے تفردات میں سے ہے اور ان کی اجتہادی خطا ہے، ان کی رائے یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو المعوذتین پڑھ کر دم کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ قرآن نہیں ہے، اس لیے وہ ان سورتوں کو اپنے مصحف سے کھرچ دیتے تھے، لیکن باقی تمام صحابہ، فقہاء تابعین اور جمہور مسلمین کا موقف ان کے خلاف ہے، اس طرح حضرت ابن مسعود کے اور بھی تفردات ہیں، وہ قرآن مجید کے ایک لفظ کو اس کے مترادف کے ساتھ بدلنے کو جائز قرار دیتے تھے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز علامہ الکورانی لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرے تو میں کہوں گا کہ وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ مصحف کے دو گتوں کے درمیان جو بھی مذکور ہے وہ قرآن ہے لیکن حضرت ابن مسعود کے زمانے میں یہ اجماع نہیں ہوا تھا لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے قرآن ہونے کی مخالفت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ہمیں برے انجام سے محفوظ رکھے اور حضرت ابن مسعود کی طرف سے وہی تاویل کی جائے گی جو علامہ الباقلانی نے کی ہے کہ حضرت ابن مسعود المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو مصحف میں لکھنے کا انکار کرتے تھے اور ان تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مصحف میں لکھنے کا حکم دیا ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۷۵۔ ۳۷۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

المعوذتین کے قرآن ہونے پر خصوصی احادیث کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے قرآن ہونے پر اجماع کافی ہے

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

بعض اخبار احاد سے المعوذتین کا قرآن ہونا ثابت ہے لیکن اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ المعوذتین قرآن ہیں۔

علامہ القسطلانی نے لکھا ہے: اب اس میں اختلاف اٹھ چکا ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ المعوذتین قرآن ہیں اور اب جو کوئی شخص ان کے قرآن ہونے کا انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

(ارشاد الساری ج ۷ ص ۴۴۲) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۲۹۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

ہر چند کہ المعوذتین کے قرآن ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ ان کے قرآن ہونے پر اجماع ہو چکا ہے، تاہم میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ المعوذتین کے قرآن ہونے کے متعلق چند احادیث صحیحہ کو بھی با حوالہ جات ذکر کر دیا جائے تا کہ قارئین کو المعوذتین کے قرآن ہونے پر پوری بصیرت حاصل ہو جائے۔

المعوذتین کے قرآن ہونے پر خصوصی احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی چلا رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عقبہ! کیا میں تم کو ایسی دو سورتوں کی تعلیم نہ دوں جو باہم ملی ہوئی ہیں، پھر آپ نے مجھے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۞ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۞ کی تعلیم دی، پس آپ نے مجھے نہیں دیکھا کہ میں ان دو سورتوں کے ساتھ بہت زیادہ خوش ہوا، پھر جب آپ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے سواری سے اترے تو آپ نے یہ دونوں سورتیں صبح کی نماز میں لوگوں کو پڑھائیں، پھر آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے عقبہ! تم نے کیسے دیکھا؟ (سنن ابوداؤد: ۱۴۶۲، سنن نسائی: ۵۴۵۲۔۵۴۵۱)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی مذکور ہے:

(مسند احمد: ج ۴ ص ۱۵۰۔۱۴۹، ص ۱۵۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۸۴۸، صحیح ابن خزیمہ: ۵۳۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۳۳۵۔۳۳۴، مسند الشامیین: ۱۹۸، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۴۰، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۹۴) اس حدیث کی سند حسن ہے۔

عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر الحمصی اپنے والد سے از عقبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا معوذتین قرآن ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس نماز میں المعوذتین کو پڑھا۔

(مسند ابویعلیٰ: ۱۷۳۴، سنن نسائی: ۹۴۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۸۵۱۔۱۰۲۴، صحیح ابن خزیمہ: ۵۳۶، المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۱۷ ص ۳۳۸۔۳۳۷، المستدرک ج ۱ ص ۲۴۰، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۹۴)

یہ حدیث ابو اسامہ حماد بن اسامہ الکوفی سے بھی مروی ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ: ج ۱ ص ۲۶۸، صحیح ابن حبان: ۱۸۱۸)

اس حدیث کی روایت میں عبدالرحمٰن بن جبیر منفرد نہیں ہیں بلکہ خالد بن معدان الحمصی نے بھی از عقبہ روایت کی ہے: حضرت عقبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سرخ رنگ کا خچر ہدیہ کیا گیا، آپ اس پر سوار ہوئے اور حضرت عقبہ اس کو چلا رہے تھے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ سے فرمایا: پڑھو انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں کیا پڑھوں؟ تو آپ نے فرمایا: قُلْ

اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ پھر آپ نے اس سورت کو دہرایا حتیٰ کہ حضرت عقبہ نے اس سورت کو پڑھا، پس آپ نے یہ دیکھا کہ میں اس سورت سے زیادہ خوش نہیں ہوا تو آپ نے فرمایا: شاید تم نے اس سورت کو کم درجہ کی سمجھا ہے، تم نماز میں اس مرتبہ کی سورت نہیں پڑھتے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۸۴۲، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۲۶، المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۳۴۷)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اسلم ابی عمران نے کہا کہ انہوں نے حضرت عقبہ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے گیا اور آپ سواری پر سوار تھے، پس میں نے اپنا ہاتھ آپ کے قدم پر رکھا، پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے قرآن پڑھائیے خواہ سورۂ ہود سے یا سورۂ یوسف سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! تم ہرگز کسی ایسی سورت کو نہیں پڑھو گے جو اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بلیغ ہو کہ تم پڑھو: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○، پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ یہ سورت تم سے کسی نماز میں فوت نہ ہو تو تم ایسا کرو۔ (مسند احمد: ج ۴ ص ۱۵۹۔۱۵۵، سنن دارمی: ۳۴۴۳، سنن نسائی: ۵۴۴۹۔۹۴۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۸۴۰۔۷۸۳۹۔۱۰۲۵، صحیح ابن حبان: ۱۸۴۲۔۷۹۵، المعجم الکبیر، ج ۱۷ ص ۳۱۲۔۳۱۱، المستدرک ج ۲ ص ۵۴۰، شعب الایمان: ۱۲۱۳)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل پہلے کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ آخر سورت تک اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ آخر سورت تک۔

(صحیح مسلم، ۸۱۴، الرقم المسلسل: ۱۷۷۵، سنن ترمذی: ۳۳۶۷، سنن نسائی: ۹۵۰، مسند احمد: ج ۴ ص ۱۴۴)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اور المعوذتین پڑھتے تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۲۴، سنن ترمذی: ۴۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۱۷۳)

المعوذتین کو پڑھ کر دم کرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابن عابس الجہنی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابن عابس! کیا میں تمہاری رہنمائی نہ کروں یا فرمایا: کیا میں تمہیں اللہ کی پناہ طلب کرنے کے لیے ان سب سے افضل چیز کی خبر نہ دوں جس سے لوگ پناہ طلب کرتے ہیں، انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ یہ دو سورتیں ہیں۔ (سنن نسائی: ۵۴۴۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! پڑھو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرا باپ اور میری ماں قربان ہوں میں کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: تم پڑھو قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ میں نے ان کو پڑھا تو آپ نے فرمایا: تم ہرگز ان کی مثل نہیں پڑھو گے۔ (سنن نسائی: ۵۴۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوتے تو اپنے اوپر المعوذات کو پڑھ کر دم کرتے اور اپنے ہاتھ پر پھونک مار کر اپنے اوپر پھونکتے، پھر جس درد میں آپ کی وفات ہوئی تھی تو میں ان معوذات کو پڑھتی تھی جن کو آپ پڑھتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر دم کر کے آپ پر پھیرتی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۰۱۶۔۴۴۳۹، صحیح مسلم: ۲۱۹۲، سنن ابوداؤد: ۳۹۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۹، مسند احمد: ۲۶۲۴۹)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ میں آپ کے ہاتھ کی برکت کی توقع پر آپ کے ہاتھ کو آپ کے اوپر پھیرتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک بارش کی رات میں اور سخت اندھیرے میں باہر نکلے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہے تھے تاکہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں، پھر ہم نے آپ کو پالیا، آپ نے پوچھا: کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے تو میں نے کچھ نہیں کہا: پھر آپ نے فرمایا: تم پڑھو تو میں نے کچھ نہیں پڑھا، پھر آپ نے فرمایا: تم پڑھو تو میں نے کچھ نہیں پڑھا (پھر تیسری بار) آپ نے فرمایا: پڑھو، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اور المعوذتین جب تم شام کے وقت میں ہو اور جب تم صبح کے وقت میں ہو تین تین مرتبہ پڑھو، یہ (سورتیں) تمہیں ہر چیز سے کفایت کریں گی۔

(سنن ابوداؤد: ۵۰۸۲، سنن ترمذی: ۳۵۷۵، سنن نسائی: ۵۴۴۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر قوی اشکال اور جمہور صحابہ کی ایک حدیث سے دلیل

یہ معوذات کو پڑھ کر دم کرنے کی احادیث ہیں اور غالباً انہی احادیث کی وجہ سے حضرت ابن مسعود یہ سمجھتے تھے کہ المعوذتین صرف دم کرنے کے وظائف ہیں اور قرآن نہیں ہیں اور یہ ان کا تفرد اور اجتہاد ہے۔

تاہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر یہ اشکال ہے کہ ان احادیث میں جس طرح المعوذتین کو پڑھ کر دم کرنے کا ذکر ہے، اسی طرح ان احادیث میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ یعنی سورۃ اخلاص کو پڑھ کر دم کرنے کا بھی ذکر ہے، سو اگر المعوذتین کو پڑھ کر دم کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ قرآن نہ ہوں تو پھر سورۃ الاخلاص کو پڑھ کر بھی یہ لازم آئے گا کہ وہ قرآن نہ ہو حالانکہ اس کے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی قائل نہیں تھے۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے درج ذیل حدیث ذکر کی ہے جس سے صراحتاً واضح ہوتا ہے کہ المعوذتین قرآن ہیں۔

امام سعید بن منصور اپنی سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں المعوذتین پڑھیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

ختم قرآن کے وقت دعا کرنے کا استحباب

الحمد رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وذریتہ وازواجہ اجمعین

ہم نے اس جلد میں امام بخاری کی کتاب التفسیر سورۃ الانعام سے شروع کی تھی اور اب سورۃ الناس کی تفسیر بھی لکھی جا چکی ہے اور قرآن مجید کی تمام سورتوں کی تکمیل ہو گئی ہے اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا مستحب ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے روایت ہے کہ مسلمان ختم قرآن کے وقت جمع ہوتے تھے کہ اب رحمت نازل ہو گی اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا بہت زیادہ مستحب ہے۔ (الاذکار ج ۱ ص ۱۲۱)

امام دارمی اپنی سند کے ساتھ حمید الاعرج سے روایت کرتے ہیں جس نے قرآن مجید کو پڑھا، پھر دعا کی تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۴۷۰)

اور چاہیے کہ گڑگڑا کر دعا کی جائے اور مشکل اور اہم امور کے لیے دعا کی جائے اور زیادہ تر یا پوری دعا آخرت اور امور مسلمین سے متعلق ہو اور یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اطاعت اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور میں خصوصاً اپنے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دنیا میں مصائب، بیماریوں اور بڑھاپے کے آزار سے محفوظ رکھے اور رحمت و

سلامتی کے ساتھ نعمۃ الباری کو مکمل فرمائے اور میرا ایمان پر خاتمہ فرمائے اور آخرت میں قبر کے عذاب اور حشر کی ہولناکیوں سے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے جنت الفردوس عطا فرمائے اور یہی دعا میں اپنے متعلقین کے لیے کرتا ہوں، سید عمیر الحسن البرنی کے لیے اور مفتی محمد اسماعیل نورانی اور محترم حفیظ البرکات شاہ زید لطفہم کے لیے اور مولانا وقار الحسن کے لیے اور صاحبزادہ حبیب الرحمٰن (بریڈفورڈ) کے لیے اور مولانا عبدالمجید (برسٹل) کے لیے اور ڈاکٹر خالد اعوان، ڈاکٹر شہرام اور ڈاکٹر ارشد بھٹی (ورجینا امریکہ) کے لیے اور مولانا حامد قیوم (ناروے) کے لیے اور ثمینہ بہن (برسٹل) اور بہن شمیم اختر (کراچی) کے لیے اور نعمۃ الباری کے قارئین کے لیے اور آخر میں خصوصاً مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زید حبہم کے لیے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے اور ان کو صحت اور سلامتی اور ایمان اور اسلام کے ساتھ تا حیات قائم رکھے اور ہم سب کو دارین کی نعمتیں، سعادتیں اور کامرانیاں عطا فرمائے اور آخرت کی مشکلات سے محفوظ اور مامون رکھے۔ (آمین)

کتاب التفسیر میں مذکور احادیث کی تعداد

کتاب التفسیر میں پانچ سو اڑتالیس (۵۴۸) احادیث مرفوعہ ہیں عام ازیں کہ حقیقتاً ہوں یا حکماً، ان میں سے چار سو پینسٹھ (۴۶۵) احادیث موصولہ ہیں اور بقیہ معلقہ ہیں اور اس میں چار سو اڑتالیس (۴۴۸) احادیث مکررات ہیں اور خالص احادیث صرف ایک سو (۱۰۰) ہیں۔

نعمۃ الباری جلد ثامن کی تکمیل

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين سيدنا و مولانا محمد رحمة للعالمين شفيع المذنبين قائد الغر المحجلين وعلى اله و اصحابه و ذريته و ازواجه امهات المومنين و امته من الفقهآء و المفسرين و المحدثين والمسلمين اجمعين

میں نے 5 شوال 1431ھ/15 ستمبر 2010ء بہ روز بدھ کو نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کی ابتداء کی تھی جو آج 9 شوال 1432ھ/8 ستمبر 2011ء بہ روز جمعرات کو مکمل ہوگئی۔ اس آٹھویں جلد میں صحیح البخاری کی ۴۹۷۷ تک احادیث آگئی ہیں اس جلد میں 350 احادیث موصولہ ہیں اور بقیہ تعلیقات ہیں۔ یکم جنوری 2011ء سے لے کر 18 مئی 2011ء تک میں بیمار رہا اور زیادہ دماغی کام کی وجہ سے دماغ کام کرنے کے قابل نہ رہا، پھر امریکا کے بعض محبین ڈاکٹر خالد اعوان، ڈاکٹر شہرام اور ڈاکٹر ارشد بھٹی نے مجھے دماغ کی تقویت کی امریکا سے دوائیں بھجوائیں اور ان کے استعمال کے بعد میرے کام کرنے کی صلاحیت کی نشاۃ ثانیہ ہوگئی اور میں نے اٹھارہ مئی 2011ء سے پھر کام شروع کر دیا، اس دوران سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی شرح مولانا محمد اسماعیل نورانی زید حبہم نے تقریباً پچاس صفحات لکھی تھی، صحت بحال ہونے کے بعد انہوں نے یہ شرح میرے سپرد کردی، بڑھاپے، شوگر، بلڈ پریشر، کولیسٹرول اور کمر کے درد کے عوارض کی وجہ سے اب میرے لیے لکھنا مشکل ہوگیا ہے، سو اب میں بولتا ہوں اور میرے ایک مخلص اور عزیز شاگرد مولانا وقار الحسن لکھتے ہیں اور سید عمیر الحسن برنی مسودہ کو پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے کرم سے نعمۃ الباری کی بقیہ جلدوں کو مکمل فرمادے اور اس کو موافقین کے لیے مفید اور فیض آفرین بنائے اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے، امین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین۔

نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد ثامن (۸) کی ڈائری

افتتاح: ۵ شوال ۱۴۳۱ھ، ۱۵ ستمبر ۲۰۱۰ء، بروز بدھ

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	تعداد حدیث
۱۵ مارچ ۲۰۱۰ء	۱۵، شوال ۱۴۳۱ھ	بدھ			۴۲۶۷
یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء	ذوالقعدہ ۱۴۳۱ھ	جمعہ	۷۶	۷۶	۴۶۵۳
یکم نومبر ۲۰۱۰ء	ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ	پیر	۱۰۱	۱۷۸	۴۷۰۶
یکم دسمبر ۲۰۱۰ء	محرم ۱۴۳۲ھ	بدھ	۹۴	۲۷۲	۴۷۴۵
یکم جنوری ۲۰۱۱ء	صفر ۱۴۳۲ھ	ہفتہ	بیماری کے ایام میں درج ذیل مہینوں میں کام معطل رہا		
یکم فروری ۲۰۱۱ء	ربیع الاول ۱۴۳۲ھ	منگل	=	=	=
یکم مارچ ۲۰۱۱ء	ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ	منگل	=	=	=
یکم اپریل ۲۰۱۱ء	جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ	جمعہ	=	=	=
۱۸، مئی ۲۰۱۱ء	جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ	اتوار		۳۲۴	۴۷۶۸
یکم جون ۲۰۱۱ء	رجب ۱۴۳۲ھ	بدھ		۳۳۸	۴۷۷۰
یکم جولائی ۲۰۱۱ء	شعبان ۱۴۳۲ھ	جمعرات	۱۴۴	۴۸۲	۴۸۱۹
یکم اگست ۲۰۱۱ء	رمضان ۱۴۳۲ھ	پیر	۱۶۶	۶۴۸	۴۹۰۹
یکم ستمبر ۲۰۱۱ء	شوال ۱۴۳۲ھ	جمعرات	۱۵۰	۷۹۸	۴۹۵۸
اختتام: ۸، ستمبر ۲۰۱۱ء	۹، شوال ۱۴۳۲ھ	جمعرات	۴۲	۸۴۰	۴۹۷۷

مصادر التحقیق فی نعمۃ الباری

کتب سماویہ

١۔ قرآن مجید

٢۔ تورات

٣۔ زبور

٤۔ انجیل

کتب احادیث

٥۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

٦۔ امام مالک بن انس اصحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دار المعرفہ، بیروت، 1420ھ

٧۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

٨۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

٩۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

١٠۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

١١۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1400ھ

١٢۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابو داؤد الطیالسی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ

١٣۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت 1404ھ

١٤۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1390، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

١٥۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

١٦۔ امام سعید بن منصور خراسانی کی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

١٧۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

١٨۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت، 1427ھ
۲۰۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت 1420ھ، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۲۱۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمن داری شافعی، متوفی 255ھ، سنن داری، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1407ھ، دار المعرفۃ، بیروت 1420ھ
۲۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر، بیروت 1421ھ، مؤسسۃ الرسالۃ 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث 1426ھ
۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412
۲۴۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ
۲۵۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 263ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار الجیل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ
۲۶۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی شافعی، متوفی 275ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر، بیروت 1421ھ، دار المعرفہ، بیروت 1422ھ
۲۷۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی شافعی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۲۸۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1422ھ، دار الجیل، بیروت 1998ء، دار المعرفہ، بیروت 1423ھ
۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ
۳۰۔ امام علی بن عمر دارقطنی شافعی، متوفی 285ھ، سنن دارقطنی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ، دار المعرفہ، بیروت 1422ھ
۳۱۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دار الرایہ، ریاض، 1411ھ
۳۲۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت
۳۳۔ امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر، بیروت 1421ھ
۳۴۔ امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۵۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ، موسسۃ الرسالہ 1421ھ

۳۶۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۷۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابویعلی موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت 1404ھ

۳۸۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307، المنتقی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۹۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ

۴۰۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ

۴۱۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض، 1420ھ

۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ

۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور 1404ھ، قدیمی کتب خانہ، کراچی،

۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ، بیروت 1427ھ

۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ

۴۶۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۴۷۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1407ھ

۴۸۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1425ھ

۴۹۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ

۵۰۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ

۵۱۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبہ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر، بیروت 1420ھ

۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ

۵۴۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن محمد اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیل، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ 1408ھ

۵۵۔ امام عبداللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ،

بیروت 1418ھ

۵۶۔ امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۷۔ امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۵۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ، دارالمعرفہ، بیروت 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۵۹۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۰۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دارالکتاب العربی 1407ھ

۶۱۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارالنفائس، بیروت

۶۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنۃ، ملتان

۶۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۶۴۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1423ھ

۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المینارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1401ھ

۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۷۱۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۷۲۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دارابن حزم 1423ھ

۷۳۔ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۴۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۷۵۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۷۶۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ

۷۷۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ
۷۸۔ امام مجدالدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دارابن کثیر، بیروت 1432ھ
۷۹۔ امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1407ھ، دارابن کثیر، بیروت 1414ھ
۸۰۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امورالآخرہ، مطبوعہ: دارالبخاری، مدینہ منورہ
۸۱۔ امام محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سیدالابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ
۸۲۔ امام محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی
۸۳۔ امام ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دارخضر، بیروت 1419ھ
۸۴۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دارارقم، بیروت، دارابن حزم 1423ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
۸۵۔ امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرالمعارف النظامیہ، حیدرآباد، دکن
۸۶۔ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی محمد خیرالانام، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دارالطباعۃ المحمدیہ 1388ھ
۸۷۔ حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلسِ علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۸۸۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، اہوال القبورواحوال اہلہا الی النشور، دارالکتاب العربی، بیروت 1418ھ
۸۹۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دارالفکر، بیروت 1414ھ
۹۰۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ
۹۱۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی، 807، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۹۲۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیریۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ
۹۳۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائدابن ماجہ علی الکتب الخمسہ مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۹۴۔ حافظ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی ،متوفی 845ھ ،الجوہر النقی ،مطبوعہ :نشر السنہ ،ملتان
۹۵۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی ،متوفی 848ھ ،تلخیص المستدرک ،مطبوعہ: مکتبہ دار الباز ،مکہ مکرمہ
۹۶۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی ،متوفی 852ھ ،المطالب العالیہ ،مطبوعہ: مکتبہ دار الباز ،مکہ مکرمہ ، دار الکتب العلمیہ ،بیروت 1424ھ
۹۷۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی ،متوفی 852ھ ،نتائج الافکار فی احادیث الاذکار ،مطبوعہ: دار ابن کثیر 1421ھ
۹۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی ،متوفی 852ھ ،تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر ،مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ
۹۹۔ امام زین الدین ابو العباس احمد بن عبد اللطیف الزبیدی حنفی ،متوفی 893ھ ،التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح ،مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ ،1430ھ
۱۰۰۔ امام عبد الرحمن بن عبد السلام بن عبد الرحمن بن عثمان الصفوری الشافعی ،متوفی 894ھ ،نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس ، دار الکتب العلمیہ ،بیروت 1419ھ
۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی الشافعی ،متوفی 902ھ ،القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع ،مطبوعہ: مکتبہ المؤید ،دمشق 1408ھ
۱۰۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی ،متوفی 911ھ ،الجامع الصغیر ،مطبوعہ: دار المعرفہ ،بیروت 1391ھ ،مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ، مکہ مکرمہ
۱۰۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی ،متوفی 911ھ ،جامع الاحادیث الکبیر ،مطبوعہ: دار الفکر ،بیروت 1414ھ
۱۰۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی ،متوفی 911ھ جمع الجوامع ،مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ ،بیروت 1421ھ
۱۰۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی ،متوفی 911ھ ،البدور السافرہ ،مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ ،بیروت 1416ھ ،دار ابن حزم ،بیروت 1414
۱۰۶۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی ،متوفی 911ھ ،شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ،مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ ،بیروت 1414ھ
۱۰۷۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی ،متوفی 911ھ ،الخصائص الکبریٰ ،مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ ،بیروت 1405ھ
۱۰۸۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی ،متوفی 974 ،الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ ، مطبوعہ: مکتبہ القاہرہ ،مصر 1385ھ
۱۰۹۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی ،متوفی 975ھ ،کنز العمال ،مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ ،بیروت
۱۱۰۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی ،متوفی 1031ھ ،کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق ،مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ ،بیروت 1417ھ
۱۱۱۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی ،متوفی 1094ھ ،جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد ،مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر

1418ھ

۱۱۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1412ھ

۱۱۳۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1996ء

۱۱۴۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دارالوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ

۱۱۵۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۱۶ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت

۱۱۷۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1409ھ، دارالفکر، بیروت

۱۱۸۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ

۱۱۹۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۲۰۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، المتوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ

۱۲۱ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمیٰ لطائف الاشارات، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۲۲۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۲۳ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دارالوطن، ریاض 1418ھ

۱۲۴ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۱۲۵۔ امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۱۲۶ امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دارالکتب والوثاق، بغداد عراق 1990ء

۱۲۷۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1415ھ

۱۲۸۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دارفراش للنشر والتوزیع، مصر

۱۲۹۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دارالکتب العربیہ، پشاور
۱۳۰۔ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت
۱۳۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۳۲۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۱۳۳۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ تفسیر صاوی، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1421ھ
۱۳۴۔ علامہ السید عبداللہ سبر، متوفی 1242ھ تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دارالاسوۃ للطباعۃ والنشر 1421ھ
۱۳۵۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت، دارالفکر، بیروت 1417ھ
۱۳۶ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۳۷۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۳۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی، لاہور
۱۳۹۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ، خزائن العرفان
۱۴۰۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نورالعرفان، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، گجرات
۱۴۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
۱۴۲۔ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ قانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء
۱۴۳۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری بریلوی، متوفی 1998ء، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۱۴۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ
۱۴۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1431ھ
۱۴۶۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہٗ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
۱۴۷۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہٗ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۴۸۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی 318ھ الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دارالفلاح، 1430ھ
۱۴۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۱۵۰۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388، اعلام السنن، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ
۱۵۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض

1420ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۱۵۲۔ حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1413ھ
۱۵۳۔ حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبہ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۵۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی، متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا ابن انس، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۵۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دار الوفاء، بیروت 1419ھ
۱۵۶۔ علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ
۱۵۷۔ امام ابو محمد عبدالجلیل بن موسیٰ الاندلسی المالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۱۵۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت
۱۵۹۔ علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ
۱۶۰۔ علامہ ابو عبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ
۱۶۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ
۱۶۲۔ امام ابو محمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دار الکتب العلمیہ بیروت 1428ھ
۱۶۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ
۱۶۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1429ھ
۱۶۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن 1413ھ
۱۶۶۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۱۶۷۔ علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن ملقن، التوفی ۸۰۴ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ
۱۶۸۔ امام قاضی بدر الدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دار النور 1431ھ
۱۶۹۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۷۰۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت، 1420ھ
۱۷۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور

1401ھ، دار الفکر، بیروت 1420ھ، دار المعرفہ، بیروت 1426ھ

۱۷۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی 852ھ انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری مکتبہ الرشد، ریاض، 1418ھ

۱۷۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت

۱۷۴۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر 1348ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۷۵۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۷۶۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۷۷۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ، مصر 1306ھ

۱۷۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۷۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ

۱۸۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ

۱۸۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ

۱۸۲۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ

۱۸۳۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926 منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ

۱۸۴۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۸۵۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ فیض القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۸۶۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی،، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۸۷۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۸۸۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۸۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ

۱۹۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۹۱۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی، مصر 1350ھ

۱۹۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۱۹۳۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۹۴۔ شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۱۹۵۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۱۹۶۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۱۹۷۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1318ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ

۱۹۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی

۱۹۹۔ شیخ عبدالرحمن مبارکپوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشرالسنۃ، ملتان، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۰۰۔ شیخ وحیدالزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ء

۲۰۱۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث، مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ

۲۰۲۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ

۲۰۳۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی

۲۰۴۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکلم الطیب، بیروت 1430ھ

۲۰۵۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری 1429ھ

۲۰۶۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۰۷۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

۲۰۸۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی

۲۰۸۔ ابو محمد عبداللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیۃ من التعلیقات البازیۃ علی صحیح البخاری، دارالتدمریۃ، ریاض 1428ھ

کتب اصول حدیث

۲۱۰۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی المتوفی 584ھ کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ

۲۱۱۔ علامہ یحیٰی بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۱۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۱۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۱۴۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۱۵۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ
۲۱۶۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۱۷۔ حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ
۲۱۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۱۹۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ
۲۲۰۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۲۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ تقریب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۲۲۔ حافظ جلال الدین سیوطیشافعی، متوفی 911ھ، اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۲۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۲۴۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422
۲۲۵۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ
۲۲۶۔ علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی الشافعی، متوفی 963، تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ المطبوعہ
۲۲۷۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1401ھ
۲۲۸۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی، دہلی
۲۲۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دار الباز للنشر والتوزیع 1405
۲۳۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۳۱۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق
۲۳۲۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1415ھ

۲۳۳۔ یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۳۴۔ امام اللغہ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
۲۳۵۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۲۳۶۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ
۲۳۷۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دارالعلم، بیروت 1404ھ
۲۳۸۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ
۲۳۹۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۴۰۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۲۴۱۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۴۲۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۴۳۔ علامہ یحیٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۴۴۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء
۲۴۵۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
۲۴۶۔ علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
۲۴۷۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ 1415ھ
۲۴۸۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر
۲۴۹۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ: مطبوعۃ المطبع القاثولیکہ، بیروت 1927ء
۲۵۰۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی
۲۵۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء
۲۵۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ھ
۲۵۳۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۲۵۴۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ: مطبع فیروز سنز لمیٹڈ

۲۵۵۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
۲۵۶۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985ء، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ، لاہور 1984ء
۲۵۷۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۵۸۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۵۹۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۲۶۰۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دار صادر، بیروت 1388ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۶۱۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دار القلم، بیروت
۲۶۲۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی مؤسسۃ السعودیہ، 1411ھ
۲۶۳۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ
۲۶۴۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دار البشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
۲۶۵۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۶۶۔ امام محی السنہ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426
۲۶۷۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دار الفکر، بیروت 1415ھ
۲۶۸۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۶۹۔ علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۷۰۔ علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت
۲۷۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الفکر بیروت
۲۷۲۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۳۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی،

ایران
۲۷۴۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1417ھ
۲۷۵۔ شیخ ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1419ھ
۲۷۶۔ حافظ علاؤ الدین ابو عبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارہ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دار القلم، دمشق 1416ھ
۲۷۷۔ علامہ تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۷۸۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ء
۲۷۹۔ حافظ شہاب احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۰۔ شیخ عبدالرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
۲۸۱۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفا، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۲۸۱۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۸۳۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۸۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوت، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ
۲۸۵۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1393ھ
۲۸۶۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۲۸۷۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
۲۸۸۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۸۹۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی، ہند 1291ھ
۲۹۰۔ امام محمد بن محمد الشہیر الحاکم الشہید البلخی الحنفی المتوفی 344ھ الکافی، دار الکتب العلمیہ بیروت 1421ھ
۲۹۱۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ
۲۹۲۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ، دار المعرفہ، بیروت 1398ھ
۲۹۳۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ
۲۹۴۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمرقندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۹۵۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبدالرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۲۹۶۔ الوزیر عون الدین ابوالمظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۹۷۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۹۸۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ

۲۹۹۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۰۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۰۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۰۲۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۰۳۔ علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرہ، مطبوعہ: المکتبۃ الامدادیہ 1417ھ

۳۰۴۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دار فراش للنشر والتوزیع

۳۰۵۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743 تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421

۳۰۶۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۰۷۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1411ھ

۳۰۸۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1411ھ

۳۰۹۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۱۰۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۱۱۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان

۳۱۲۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ

۳۱۳۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۴۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۱۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۶۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۱۷۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۸۔ علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات

الارواح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ ۳۱۹۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۲۰۔ علامہ خیرالدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۲۱۔ علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدرالمختار، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۲۲۔ علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390

۳۲۳۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۲۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مطبع علمیہ، مصر 1311ھ

۳۲۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ: دارالاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۲۶۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۲۷۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، ردالمحتار، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۲۸۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۲۹۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۳۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۳۱۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور 1427ھ

۳۳۲۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1418ھ

۳۳۳۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1416

۳۳۴۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۳۵۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم، کراچی 1395ھ

۳۳۶۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیرپوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ء

۳۳۷۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء

۳۳۸۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1982ء، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ

۳۳۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء

۳۴۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہٗ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1407ھ

۳۴۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۴۲۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الام، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1403ھ

۳۴۳۔ علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۳۴۴۔ علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1393ھ
۳۴۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1423ھ
۳۴۶۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۳۴۷۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۴۸۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۳۴۹۔ امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ
۳۵۰۔ قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۳۵۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن الحطاب المغربی، متوفی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا
۳۵۲۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت
۳۵۳۔ علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی، متوفی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۳۵۴۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۵۵۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دار الحدیث، قاہرہ 1425ھ
۳۵۶۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۳۵۷۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دار الجیل، بیروت 1418ھ
۳۵۸۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1424ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۳۵۹۔ علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مفلح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
۳۶۰۔ علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ
۳۶۱۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۶۲۔ شیخ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۶۳۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلیٰ بالآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۳۶۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دار الوفاء 1421ھ
۳۶۵۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی مکتب ثنائیہ سرگودھا

٣٦٦۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ء، فتاوی نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ
٣٦٧۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ء، فتاوی اہلحدیث، مطبوعہ: ادارہ احیاء السنہ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

٣٦٨۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ
٣٦٩۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
٣٧٠۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت
٣٧١۔ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ مستصفی، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق، مصر 1294ھ
٣٧٢۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دارالکتاب العربی 1411ھ
٣٧٣۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
٣٧٤۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ تحریر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ
٣٧٥۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1403ھ
٣٧٦۔ بحر العلوم عبدالعلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
٣٧٧۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
٣٧٨۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

٣٧٩۔ علامہ عبدالوھاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
٣٨٠۔ علامہ عبدالرحمن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
٣٨١۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دارالافتاء المصریہ القاہرہ 1400ھ
٣٨٢۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1405ھ
٣٨٣۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

٣٨٤۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دارالکتب الاسلامیہ، تہران
٣٨٥۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران
٣٨٦۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران
٣٨٧۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران

۳۸۸۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران
۳۸۹۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز
۳۹۰۔ شیخ عزالدین عبدالحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ایران
۳۹۱۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعہ المطبعہ الاسلامیہ، تہران 1392ھ
۳۹۲۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ
۳۹۳۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور
۳۹۴۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم)، مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور
۳۹۵۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب عقائد وکلام

۳۹۶۔ علامہ محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ: ہیئۃ الاوقاف، لاہور 1405ھ
۳۹۷۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی حنفی، متوفی 791ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی
۳۹۸۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی حنفی، متوفی 791، شرح المقاصد، مطبوعہ: دار المعارف النعمانیہ، لاہور 1401ھ
۳۹۹۔ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی، متوفی 816ھ، شرح مواقف، مطبوعہ: مطبع منشی نولکشور، لکھنو
۴۰۰۔ علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی حنفی، متوفی 870ھ، حاشیۃ الخیالی، مطبوعہ: عبدالحکیم اینڈ سنز، پشاور
۴۰۱۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، الیواقیت والجواہر، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی، مصر 1378ھ
۴۰۲۔ ملاعلی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی، مصر 1375ھ
۴۰۳۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی حنفی، نبراس، مطبوعہ: مکتبہ قادریہ، لاہور 1397ھ

کتب متفرقات

۴۰۴۔ ابوالمعالی عبدالملک الجوینی الشہید بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ
۴۰۵۔ امام ابوالفتح ظہیر الدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاویٰ الولوالجیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۴۰۶۔ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ 1410ھ
۴۰۷۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دار المامون للتراث 1415ھ
۴۰۸۔ میر عبدالواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ
۴۰۹۔ ملاباقر مجلسی شیعی، متوفی 1110، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ
۴۱۰۔ شیخ محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون، لاہور
۴۱۱۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۱۲۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان 1413ھ
۴۱۳۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ تحذیر الناس، دارالاشاعت، کراچی
۴۱۴۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ
۴۱۵۔ شیخ محمود حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ
۴۱۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۱۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1401ھ
۴۱۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء
۴۱۹۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ
۴۲۰۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلیشرز 2009ء
۴۲۱۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۲۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۲۳۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ
۴۲۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ
۴۲۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ
۴۲۶۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اہل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ
۴۲۷۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1406ھ
۴۲۸۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول ﷺ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز 1415ھ
۴۲۹۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ مابین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل، لاہور 1399ھ
۴۳۰۔ مولانا فیض احمد فیض حنفی، مہر منیر، انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور
۴۳۱۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغییر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی
۴۳۲۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق
۴۳۳۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء، مکتبہ اسلامیہ بلال گنج، لاہور
۴۳۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ
۴۳۵۔ مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری غیر مقلد محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ

۴۳۶۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1998ء

۴۳۷۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۴۳۸۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی

۴۳۹۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء

۴۴۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور

۴۴۱۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۴۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز

۴۴۳۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارۃ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان

۴۴۴۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی، متوفی 1346ھ، المہند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ،

۴۴۵۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دارالاشاعت، کراچی

۴۴۶۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی

۴۴۷۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ

۴۴۸۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ

۴۴۹۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفہ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء،

۴۵۰۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۵۱۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء

۴۵۲۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء

۴۵۳۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات

۴۵۴۔ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالات مفتی اعظم، مطبوعہ: بزم رضا، لاہور 1428ھ

۴۵۵۔ مولانا محمد منشا تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوت فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ

۴۵۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیات استاذ العلماء، مطبوعہ: دارالاسلام، لاہور 1433ھ

۴۵۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ

۴۵۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

۴۵۹۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1426ھ

۴۶۰۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالات سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

۴۶۱۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقام ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1426ھ

۴۶۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء

۴۶۳۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال، لاہور 1425ھ

۴۶۴۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی غفرلہ، سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

[illegible]

نعمۃ الباری
فی
شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام ''**نِعم الباری**'' کی توجیہ

میں نے 18/جنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب ''المسند الصحیح الجامع المعروف بہ صحیح البخاری'' کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010 کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے ''**نِعم الباری**'' رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام ''**نِعم الباری**'' رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی الہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریتہٖ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا
اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

تصنیف
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء التاسع

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

جلد تاسع (۹)

کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح
کتاب الطلاق

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد تاسع (۹)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	اگست 2012ء، باراول اکتوبر 2012ء باردوم بارسوم ستمبر 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS22

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 021-32212011-32630411 فیکس:۔ 021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
Website:- www.ziaulquran.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (جلد نہم)

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

افتتاحیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين، الذی جعلنا من المسلمين، ووصفنا بخير امة من الأمم الماضين، و انعم علينا بتنزيل القرآن الكريم و هدانا به الى الصراط المستقيم، و الصلوٰة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين قائد الغر المحجلين، الذی شرح الفرقان باحاديثه و بيانه القويم، و كشف عن اسراره و غوامضه لهداية الناس اجمعين، و انقذنا بحسن سيرته من الظلمات والضلال المبين، و على اله الطيبين واصحابه الطاهرين الذين قاموا باشاعة الدين المتين مع كمال الخلوص والجهد العظيم، و على ازواجه الطاهرات امهات المومنين، و على جميع الائمة التابعين من المفسرين والمحدثين المخلصين الكاملين الى يوم الدين۔

و بعد فيقول العبد الفقير الى مولاه القدير غلام رسول السعيدی دائم الاحتياج الى كرم ربه السرمدی انی بعد الفراغ من التفسير قد شرعت فی شرح الصحيح للامام البخاری (عليه نعمة الباری) توكلا على رحمة الله و فضله العميم۔ ولا يكون تحريره و تقريره و تكميله الا نعمته العظمى۔ فلذا سميته بنعمة الباری فی شرح الصحيح للبخاری۔ (تقبله الله بلطفه و تغمدنی يغفرانه بمحض فضله)

اشهدان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا و مولانا محمد عبده و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی و من سيئات اعمالی۔ من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادی له۔ اللهم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعه۔ اللهم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابه۔ اللهم اجعلنی فی تصنيف هذا الكتاب على صراط مستقيم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار و الحاسدين۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك الكريم و مقبولاً عندك و عند رسولك الرؤف الرحيم واجعله شائعاً و مستفيضاً و مفيضاً و مرغوباً فی اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لی ولجميع من انتسب الى من المسلمين صدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنی زيارة النبی الكريم ﷺ فی الدنيا و شفاعته فی الاخرة واحينی على الاسلام بالسلامة و امتنی على الايمان بالكرامة۔ اللهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت۔ اعوذ بك من شر ما صنعت ابوٗ لك بنعمتك علیّ وابوٗ لك بذنبی فاغفرلی فانه لا يغفر الذنوب الا انت۔ رب اوزعنی ان اشكر نعمتك التی انعمت علیّ و على والدیّ وان اعمل صالحاً ترضٰه۔ آمين يا رب العالمين بجاه سيد المرسلين ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

۶۶۔ كِتَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ

قرآن مجید کے فضائل کا بیان

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس کتاب میں فضائل قرآن کا بیان ہے، کتاب التفسیر اور کتاب فضائل القرآن کے درمیان مناسبت ظاہر ہے اور فضائل کا لفظ فضیلت کی جمع ہے، الجوہری نے کہا ہے کہ الفضل اور فضیلت کا لفظ نقص اور نقیصہ کی ضد ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷)

۱۔ بَابٌ: كَيْفَ نَزَلَ الْوَحْيُ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ — وحی کا نزول کس طرح ہوا اور سب سے پہلے کیا نازل ہوا

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں نزول وحی کی کیفیت کا بیان ہے اور یہ بیان ہے کہ سب سے پہلے کون سی وحی نازل ہوئی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر کے ساتھ علامہ عینی کا مناقشہ

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ابوذر کے نسخہ کے علاوہ دوسرے نسخوں میں کیف نزول الوحی جمع کے صیغہ کے ساتھ مذکور ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: گویا کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ لفظ نزول جمع ہے، کیونکہ یہ علوم عربیہ سے واقف نہیں ہیں اور یہ ان کی فاحش غلطی ہے۔ نزول کا لفظ مصدر ہے اور اس کا باب ہے: نَزَلَ يَنْزِلُ نُزُوْلًا اور صحیح البخاری کی ابتداء میں نزول وحی کی کیفیت کا بیان ہو چکا ہے اور یہ بیان بھی ہو چکا ہے کہ سب سے پہلے کیا چیز نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے مناقشہ کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی ایسے عظیم محدث اور محقق سے یہ مخفی نہیں ہو سکتا کہ لفظ نزول نزل ینزل کا مصدر ہے اور حیرت یہ ہے کہ علامہ عینی سے یہ مخفی رہا کہ فاعل کی جمع فعول کے وزن پر بھی آتی ہے جیسے ضارب کی جمع ضروب ہے اسی طرح نازل کی جمع نزول ہے، سو حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ لکھنا بالکل درست ہے کہ نزول جمع کا صیغہ ہے اور ان کی مراد یہ ہے کہ وحی کے متعدد نزول ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلْمُهَيْمِنُ الْأَمِيْنُ الْقُرْآنُ أَمِيْنٌ عَلَى كُلِّ كِتَابٍ قَبْلَهُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَلْمُهَيْمِنُ کا معنی ہے: الامین یعنی قرآن مجید اپنے سے پہلی ہر کتاب پر امین ہے۔

قرآن مجید سے پہلے نازل شدہ آسمانی کتابوں کا بیان

علامہ عینی لکھتے ہیں: اَلْمُهَيْمِنُ کا لفظ درج ذیل آیت کریمہ میں ہے:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۔ (المائدہ: ۴۸)

(اے رسول مکرم!) ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی (اور) اس کے سامنے جو (آسمانی) کتاب ہے یہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے۔

امام بخاری نے المھیمن کی تفسیر امین کے ساتھ کی ہے اور مُھَیْمِن اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے، المھیمن کی اصل مؤیمن ہے، پس ہمزہ کو ھا سے بدل دیا گیا جیسے اُرِقَتْ کو ھُرِقت کر دیا گیا اور اس کا معنی ہے: امین اور اپنے وعدہ کو سچا کرنے والا اور اس کے اور بھی معانی ہیں۔

امام بخاری نے کہا: قرآن مجید اپنے سے پہلی ہر کتاب پر امین ہے یعنی وہ آسمانی کتابیں اور صحیفے جو آپ سے پہلے انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو امام عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حافظ ابن حجر سے وضاحت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کی توجیہ یہ ہے کہ قرآن مجید ان تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا مصدق ہے جو قرآن مجید سے پہلے نازل ہوئی ہیں کیونکہ قرآن مجید کے احکام یا تو پچھلی کتابوں کے احکام کو مقرر رکھنے والے ہیں یا ان کتابوں کے احکام کو منسوخ کرنے والے ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ منسوخ بھی ثابت ہو یا قرآن مجید میں نئے احکام نازل کیے گئے ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

۴۹۷۸-۴۹۷۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ وَابْنُ عَبَّاسٍ رضی الله عنهم قَالَا لَبِثَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ وَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از شیبان از یحییٰ از ابی سلمہ، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم دونوں نے خبر دی کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دس سال ٹھہرے آپ پر قرآن نازل ہوتا رہا اور مدینہ میں دس سال“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۶۴ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی عمر ساٹھ (۶۰) سال تھی حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی، اس کی توجیہات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بھی دس سال رہے اور مدینہ میں بھی دس سال رہے اور مشہور یہ ہے کہ آپ پر وحی کی ابتداء چالیس سال کی عمر سے ہوئی۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ آپ کی عمر ساٹھ سال تھی اور معتمد یہ ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی، اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ آپ مکہ میں دس (۱۰) سال رہے تو اس سے کسر کے تین سال حذف کر دیئے ہیں کیونکہ آپ مکہ میں تیرہ (۱۳) سال رہے ہیں، دوسری توجیہ یہ ہے کہ چالیس (۴۰) سال مکمل ہونے کے بعد

آپ پر وحی کی ابتداء ہوئی تو پہلے چھ مہینہ آپ پر خواب میں وحی نازل ہوتی رہی یہاں تک کہ رمضان کے مہینہ میں آپ پر فرشتہ نازل ہوا، پھر آپ پر وحی کا نزول رک گیا، پھر وحی تواتر اور تسلسل سے نازل ہونے لگی، پس وحی تواتر اور تسلسل کے ساتھ دس سال نازل ہوئی اور اس سے پہلے آپ پر یا خواب میں وحی نازل ہوئی تھی یا ایک بار فرشتہ کے نازل ہونے کے بعد وحی کا آنا رک گیا تھا اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ آپ پر چالیس (۴۰) سال کی عمر میں وحی کی ابتداء ہوئی اور تین سال تک آپ پر حضرت میکائیل علیہ السلام یا حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی نازل کرتے رہے، اس کا ذکر ایک حدیث مرسل میں ہے، پھر اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملے اور وہ دس سال تک آپ پر وحی نازل کرتے رہے۔

قرآن مجید کا تدریجاً نازل ہونا اور اس کی حکمتیں

اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر قرآن تدریجاً نازل ہوتا رہا ہے، یک بارگی آپ پر پورا قرآن نازل نہیں ہوا ہے جیسا کہ امام نسائی، امام ابوعبیدہ اور امام حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ مکمل قرآن ایک مرتبہ آسمان دنیا پر لیلۃ القدر میں نازل ہوا، پھر اس کے بعد قرآن مجید بیس (۲۰) سال میں نازل ہوا، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی:

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے (حسب موقع) نازل کیا تا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو بہ تدریج نازل کیا ہے ○

معتمد یہ ہے کہ پورا قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یک بارگی نازل ہوا، پھر اس کے بعد آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن مجید نازل ہوتا رہا، نیز حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان کے مہینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پورے قرآن کا دور کرتے تھے جو اس سال میں آپ پر نازل ہوا تھا، اسی طرح امام ابوعبید اور امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ شعبی سے روایت کی ہے اور عنقریب صحیح بخاری میں یہ حدیث آئے گی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کے مہینہ میں دور کرتے تھے اور اس میں دو حکمتیں ہیں: ایک حکمت تو قرآن مجید کو یاد کرنا ہے اور دوسری حکمت یہ ہے کہ جو احکام منسوخ نہیں ہوئے ان کو باقی رکھا جائے اور جو احکام منسوخ ہو چکے ہیں ان کو اٹھا لیا جائے، پس رمضان کا مہینہ قرآن مجید کے اجمالاً اور تفصیلاً دونوں طرح کے نزول کا محل اور ظرف ہے۔

قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتابوں کے نزول کا بیان

امام احمد اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورات چھ رمضان میں نازل ہوئی اور انجیل تیرہ (۱۳) رمضان میں نازل ہوئی اور زبور (۱۸) رمضان میں نازل ہوئی اور قرآن مجید چوبیس (۲۴) رمضان میں نازل ہوا، اور یہ روایت ان آیات کے موافق ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (بقرہ:۱۸۵) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ (القدر:۱) بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے ○

پس ہو سکتا ہے کہ اس سال لیلۃ القدر اس رات میں ہو جس رات پورا قرآن آسمان دنیا کی طرف نازل کیا گیا تھا، پھر چوبیس (۲۴) رمضان کو زمین پر قرآن نازل کیا گیا اور اس کی پہلی آیت تھی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (العلق:۱) (اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے۝

مکی اور مدنی سورتوں کی اصطلاح کا بیان

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید خصوصیت کے ساتھ مکہ اور مدینہ میں نازل ہوا ہے اور یہ اسی طرح ہے لیکن حرمین کے علاوہ بھی قرآن مجید نازل ہوا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ کے سفر میں تھے یا کسی غزوہ میں تھے لیکن اصطلاح یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ سورتیں مکی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں خواہ وہ مکہ یا مدینہ کے شہر میں نازل ہوئی ہوں یا حالت سفر میں نازل ہوئی ہوں، اور اس کی مزید تفصیل باب تالیف القرآن میں ان شاء اللہ آئے گی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۸۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ أُنْبِئْتُ أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَعِنْدَهُ أُمُّ سَلَمَةَ فَجَعَلَ يَتَحَدَّثُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِأُمِّ سَلَمَةَ مَنْ هَذَا أَوْ كَمَا قَالَ قَالَتْ هَذَا دِحْيَةُ فَلَمَّا قَامَ قَالَتْ وَاللهِ مَا حَسِبْتُهُ إِلَّا إِيَّاهُ حَتَّى سَمِعْتُ خُطْبَةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يُخْبِرُ خَبَرَ جِبْرِيلَ أَوْ كَمَا قَالَ قَالَ أَبِي قُلْتُ لِأَبِي عُثْمَانَ مِمَّنْ سَمِعْتَ هَذَا قَالَ مِنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا از ابی عثمان، انہوں نے کہا: مجھے خبر دی گئی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس وقت آپ کے پاس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں، پس آپ (حضرت جبرئیل سے) باتیں کرنے لگے، پھر ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ یا جو بھی آپ نے فرمایا، حضرت ام سلمہ نے کہا: یہ حضرت دحیہ ہیں، پس جب آپ کھڑے ہوئے تو حضرت ام سلمہ نے کہا: اللہ کی قسم میں نے یہی گمان کیا تھا کہ یہ حضرت دحیہ ہیں حتیٰ کہ حضرت ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا جس میں آپ حضرت جبرئیل کے آنے کی خبر دے رہے تھے یا جس طرح آپ نے فرمایا'' معتمر نے بیان کیا کہ میرے والد نے کہا کہ میں نے ابو عثمان سے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے یہ حدیث حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۳۴ میں گزر چکی ہے، تاہم بغرض ضروری امور کی وضاحت کی جا رہی ہے:

مشکل اور مبہم عبارات کی توضیح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ آپ نے یہ اس لیے پوچھا تھا کہ آیا حضرت ام سلمہ کو یہ پتا چلا یا نہیں کہ جس سے آپ باتیں کر رہے ہیں وہ فرشتہ ہے۔

حضرت ام سلمہ نے کہا: یہ حضرت دحیہ ہیں یعنی دحیہ بن خلیفہ الکلبی جو مشہور صحابی ہیں، یہ بہت حسین و جمیل تھے اور حضرت جبریل اکثر ان کی صورت میں آتے تھے۔

نیز اس میں مذکور ہے: جب آپ کھڑے ہوئے: یعنی جب آپ مسجد کی طرف جانے کے لیے کھڑے ہوئے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے حضرت ام سلمہ کے اس گمان پر انکار نہیں کیا کہ یہ حضرت دحیہ ہیں کیونکہ وہ عنقریب آپ کا خطبہ سن کر یہ جان لیتیں کہ آپ کے پاس آنے والے حضرت جبریل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت دحیہ۔

حافظ ابن حجر سے علامہ عینی کا مناقشہ کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا مگر یہ ایک قصہ نہیں ہے

نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ بنو قریظہ کے قصہ کا ہو کیونکہ امام بیہقی کی دلائل النبوت میں مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد سے باتیں کر رہے ہیں اور اس وقت وہ مرد سوار تھے، پس جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو میں نے پوچھا: یہ کون شخص تھا جس سے آپ باتیں کر رہے تھے؟ آپ نے پوچھا: تم اس شخص کو کس کے مشابہ سمجھتی ہو تو میں نے کہا: دحیہ بن خلیفہ کے، آپ نے فرمایا: یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ میں بنو قریظہ کی طرف جاؤں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ قول کئی وجوہ سے بعید ہے: (۱) اس باب کی حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے والی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور امام بیہقی کی روایت میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں (۲) دونوں حدیثوں کی سند مختلف ہے، حضرت ام سلمہ کی حدیث ابی عثمان سے مروی ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث القاسم سے مروی ہے (۳) ظاہر یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنے گھر میں دیکھا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو گھر سے باہر دیکھا تھا اور اس وقت وہ سوار تھے۔ ان تمام وجوہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ قصے ہیں، لہٰذا حافظ ابن حجر کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ بنو قریظہ کے قصہ کا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے درمیان مناقشہ میں مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض'' میں علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب لکھا ہے کہ علامہ عینی کی عبارت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو ان دونوں قصوں کے اتحاد کے خلاف ہو، پس حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی شکل میں دیکھا۔ حافظ ابن حجر کا جواب ختم ہوا۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۷۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ) میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے ان دونوں قصوں کے تغایر پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبریل کو حضرت دحیہ کی شکل میں گھر میں دیکھا تھا اور حضرت عائشہ نے ان کو گھر سے باہر دیکھا تھا، پس انصاف کی بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی سے علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب نہیں بن سکا۔ (سعیدی غفرلہ)

فرشتہ انسان کی شکل میں آسکتا ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض وغیرہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں آ سکتا ہے اور فرشتے کی اپنی ذاتی صورت ہے جس کو آدمی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ بشری قویٰ ضعیف ہیں مگر جس کو اللہ تعالیٰ دیکھنے کی قوت عطا فرمادے تو وہ الگ بات ہے اس لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر اوقات مرد کی صورت میں آتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری: ۲ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور کبھی فرشتہ میرے لیے مرد کی صورت میں آتا، سو وہ مجھ سے کلام کرتا تو میں یاد رکھتا کہ وہ مجھ سے کیا کہہ رہا ہے، اور آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو بار دیکھا ہے جیسا کہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے دوسرا مناقشہ کہ اکثر صحابہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مرد کی صورت میں نہیں دیکھا

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: شارحین نے کہا کہ اس حدیث میں حضرت ام سلمہ اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہما دونوں کی فضیلت ہے کہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور اس پر اعتراض ہے کہ اکثر صحابہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مرد کی صورت میں دیکھا جب حضرت جبرئیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر آپ سے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق سوال کیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حافظ ابن حجر سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسری عورتوں کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوئی ہو، اور حافظ ابن حجر نے جو لکھا ہے کہ اکثر صحابہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بعض صحابہ کے لیے ثابت ہے کہ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مرد کی صورت میں دیکھا اور جس وقت آپ کے پاس حضرت جبرئیل ایک اعرابی کی صورت میں آئے تھے اس وقت آپ کے پاس اکثر صحابہ نہیں تھے۔

(عمدۃ القاری، ج ۲۰ ص ۱۸ محصلاً دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کے درمیان مصنف کا مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض'' میں علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب نہیں لکھا، اس سے واضح ہوا کہ علامہ عینی کا یہ اعتراض بہت قوی ہے اور حافظ ابن حجر سے اس کا جواب نہیں بن سکا۔ (سعیدی غفرلہ)

۴۹۸۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(صحیح البخاری: ۷۲۷۴، صحیح مسلم: ۱۵۲، مسند احمد: ۸۴۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۲۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید المقبری نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انبیاء علیہم السلام میں سے ہر نبی کو اتنے معجزات دیئے گئے کہ جن کی وجہ سے کوئی بشر ایمان لا سکتا ہے اور مجھے جو چیز عطا کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو اس نے میری طرف وحی فرمائی پس مجھے امید ہے کہ میرے متبعین قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوں گے''۔

نبی ﷺ کا معجزہ قرآن کریم ہے جس کا عقل سے ادراک ہوتا ہے اور انبیاء سابقین کے معجزات کا ادراک حواس سے ہوتا تھا اور آپ کے معجزہ کی ان کی معجزات پر برتری

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کی مراد یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کو معجزات دیئے گئے، حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ دیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی کا معجزہ عطا کیا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کا معجزہ عطا کیا گیا اور نبی ﷺ کو کسی سوال کی وجہ سے معجزہ نہیں دیا گیا حتیٰ کہ آپ اس سے چیلنج کرتے، ہاں! آپ نے اپنی طرف سے بہ کثرت معجزات دکھائے اور آپ کو قرآن کریم عطا کیا گیا جو معجزہ ہے اور اس کے معجزہ ہونے کا بیان درج ذیل آیات میں ہے:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۔ (العنکبوت:۵۱)

کیا ان کے لیے یہ معجزہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔

وَ مَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۔ (بنی اسرائیل:۵۹)

اور ہمیں (فرمائشی) معجزات بھیجنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ پہلے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اتنے معجزات کے ساتھ تائید کی جس سے اس نبی کے دعویٰ نبوت کی تصدیق ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی ہے: ہر نبی کو ایسے معجزات دیئے گئے جیسے اس سے پہلے انبیاء کو معجزات دیئے گئے تھے اور رہا میرا عظیم معجزہ تو وہ قرآن کریم ہے جس کی مثل کسی کو عطا نہیں کی گئی، پس اسی وجہ سے میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے، اور کہا گیا ہے کہ آپ کو ایسا معجزہ دیا گیا جس پر تخییل، جادو اور شعبدہ بازی کا شبہ نہیں ہو سکتا، اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزہ دیا گیا تو جادوگروں نے اس کے مشابہ صورت پیش کی کہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپوں کی طرح رینگنے لگیں۔

اور اس حدیث کا چوتھا معنی یہ ہے کہ انبیاء سابقین کے معجزات ان کے زمانوں کے ساتھ ختم ہو گئے اور ان کا مشاہدہ صرف ان لوگوں نے کیا جو ان کے زمانہ میں حاضر تھے، اس کے برخلاف ہمارے نبی ﷺ کا معجزہ قرآن کریم ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور اس کا اسلوب بیان اور بلاغت لوگوں کی طاقت میں نہیں ہے اور اس میں غیب کی خبریں دی گئی ہیں اور تمام جنات اور انسان اس کی نظیر لانے سے عاجز رہے خواہ وہ اکٹھے ہو کر لاتے یا الگ الگ لاتے اور تمام زمانوں میں اس کی مثال نہیں لائی جا سکی حالانکہ اس کو چیلنج کیا گیا تھا۔

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے: انبیاء سابقین علیہم السلام کو حسی معجزات دیئے گئے تھے جن کا آنکھ سے مشاہدہ کیا جا سکتا تھا جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا اور ہمارے نبی ﷺ کا عظیم معجزہ قرآن ہے جس کا عقل کی آنکھ سے مشاہدہ کیا جاتا ہے اور پچھلی امتوں کے لوگ بے وقوف تھے، تب ہی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسے ان بت پرستوں کے خدا ہیں اور بے وقوف لوگوں کے لیے صرف حسی معجزات ہی صلاحیت رکھتے ہیں اور ہمارے نبی ﷺ جس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے وہ بہت ذہین اور عقل مند لوگ تھے اور ان کے لیے قرآن کا معجزہ کافی تھا، البتہ ان میں سے بعض لوگ باوجود فہم اور عقل کے بہت متکبر تھے اور وہ اپنے تکبر کی وجہ سے نبی ﷺ کی اتباع نہیں کرتے تھے اور وہ اپنے آباء واجداد کی بت پرستی کی طرف لوٹ گئے اور جب شارع علیہ السلام نے ان

کو نصیحت کی تو انہوں نے آپ سے بغض رکھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ (المومن: ۵۶)

بے شک جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کر رہے ہیں ان کے دلوں میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے، جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں، سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے، بے شک وہ خوب سننے والا بہت دیکھنے والا ہے ○

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء سابقین علیہم السلام کی جنس سے بڑا معجزہ عطا کیا گیا تھا

علاوہ ازیں انبیاء سابقین علیہم السلام کا جو بھی معجزہ تھا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی جنس سے افضل معجزہ عطا کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب دشمنوں کے دلوں میں واقع ہو گیا تھا اور ایسا رعب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے طاری نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری رعب سے مدد کی گئی ہے جو ایک ماہ کے فاصلہ سے طاری ہو جاتا ہے''۔ (صحیح مسلم: ۵۲۲)

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا ان کا دشمن ایک ماہ کی مسافت پر تھا اور ہوا ان کے تخت کو صبح کے وقت یا شام کے وقت وہاں پہنچا دیتی تھی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا دشمن ایک ماہ کی مسافت کے فاصلہ سے بھی آپ سے ڈرتا تھا حالانکہ آپ ہوا کے ذریعہ اس کے پاس صبح کو یا شام کو نہیں پہنچتے تھے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ سے بڑا معجزہ ہے۔

اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے تھے اور یہ پتھر سے پانی نکالنے کی بہ نسبت بڑا معجزہ ہے کیونکہ کسی نے یہ خبر نہیں دی کہ گوشت اور ہڈیوں کے درمیان سے پانی نکل آتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں سے کلام کیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کی دستی (اگلا پیر) سے کلام فرمایا ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے بڑا معجزہ ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۵۔ ۱۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ہر نبی کو اس قسم کا معجزہ دیا گیا جس کا اس زمانہ میں چرچا تھا اور چونکہ آپ کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا اس لیے آپ کو کلام بلیغ کا معجزہ دیا گیا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں نے جس معجزہ کے ساتھ چیلنج کیا ہے کہ تم اس کی مثل نہیں لا سکتے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو مجھ پر نازل کی گئی ہے اور وہ قرآن ہے جو واضح معجزہ پر مشتمل ہے اور اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کے معجزات قرآن کریم میں منحصر ہیں اور نہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ آپ کو وہ معجزات نہیں عطا کیے گئے جو آپ سے پہلے انبیاء کو عطا کیے گئے تھے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ یہ وہ عظیم معجزہ ہے جو صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ہر نبی کو ایسا معجزہ عطا کیا گیا جو اس کے ساتھ خاص تھا اور وہ معجزہ دوسرے کو عطا نہیں کیا گیا جس کے ساتھ اس نے اپنی قوم کو للکارا تھا، جیسے فرعون کے زمانہ میں جادو کا چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام لاٹھی کا معجزہ لے کر آئے اور ان کی لاٹھی نے جادوگروں کے جادو سے بنائے ہوئے تمام سانپوں کو نگل لیا اور یہ معجزہ کسی اور نبی سے ظاہر نہیں ہوا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا بڑا چرچا تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا اور مادرزاد اندھوں کو بینا کیا اور ان کا یہ معجزہ ان کے زمانہ کے اطباء کے تمام طبی کمالات پر غالب آ گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مبعوث ہوئے اس زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا بہت ظہور تھا، پس آپ قرآن کریم کو لے کر آئے کہ تم سب مل کر اس کی

کسی ایک سورت کی مثل بنا کر لے آؤ تو اس پر کوئی قادر نہ ہوا۔

قرآن مجید کے وجوہ اعجاز کی تفصیل

قرآن کریم کے معجز ہونے کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں: اور ان کے علاوہ دیگر اقسام:

(۱) قرآن مجید کے کلمات کی عمدہ ترتیب اور ترکیب، ان میں اختصار اور بلاغت کے ساتھ۔

(۲) قرآن مجید کا وہ اسلوب جو عربوں میں سے اہل بلاغت کے اسالیب سے مختلف ہے حتیٰ کہ عقلیں اس میں حیران ہیں اور ذرائع اور وسائل بہ کثرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی مثل لانے پر قادر نہ ہو سکے اور عجز کے اعتراف کے سوا ان کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

(۳) قرآن مجید میں گزشتہ امتوں کی خبریں اور ان کے احوال کا بیان ہے اور ان کے احکام شرعیہ کا ذکر ہے جن میں سے بعض چیزوں کے سوا اہل کتاب میں سے بھی کسی کو علم نہیں تھا۔

(۴) قرآن مجید میں مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبریں دی گئی ہیں جن میں سے بعض کا ظہور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا اور بعض کا آپ کے زمانہ کے بعد ظہور ہوا۔

ان چار وجوہ کے علاوہ اور ایسی آیات ہیں جن میں کسی قوم کے متعلق یہ خبر دی گئی کہ وہ اس کام کو نہیں کریں گے، پس وہ اس کام سے عاجز ہو گئے حالانکہ اس کام کے کرنے کے بہ کثرت ذرائع اور وسائل تھے جس کام کو وہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر سکتے تھے جیسے فرمایا: یہود موت کی تمنا نہیں کریں گے، سو انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی اور قرآن مجید کی آیت صادق ہو گئی۔

اس طرح قرآن مجید کو پڑھنے والا قرآن مجید کو بار بار پڑھنے سے اور سننے والا اس کو بار بار سننے سے نہیں تھکتا اور اس کو زیادہ پڑھنے سے اس کو طراوت اور لذت ہی حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کا معجزہ یہ ہے کہ تمام دنیا کے فنا ہونے کے بعد بھی قرآن مجید کی آیات باقی رہیں گی۔

اور قرآن مجید میں تمام علوم اور معارف مجتمع ہیں جن کے عجائب اور فوائد کبھی ختم نہیں ہوتے۔

(فتح الباری ج ٦ ص ١٥٦، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

۴۹۸۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضي الله عنه أَنَّ اللهَ تَعَالَى تَابَعَ عَلَى رَسُولِهِ صلى الله عليه وسلم الْوَحْيَ قَبْلَ وَفَاتِهِ حَتَّى تَوَفَّاهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ الْوَحْيُ ثُمَّ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَعْدُ۔

(صحیح مسلم: ٣٠١٦، السنن الکبری: ٧٩٨٣)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح بن کیسان از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی وفات سے پہلے لگاتار وحی نازل فرماتا رہا حتیٰ کہ جب آپ کی وفات (قریب) ہوئی تو آپ پر بہت زیادہ وحی نازل ہوئی تھی، پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے بہ کثرت وحی نازل ہونے کا سبب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب آپ پر بہ کثرت وحی نازل ہوئی تھی اور اس کا سبب یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد بہت زیادہ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور وہ احکام شرعیہ کے متعلق بہ کثرت سوالات کرتے تھے، اس وجہ سے اخیر زمانہ میں آپ پر بہ کثرت وحی نازل ہوئی۔

یہ حدیث اس کے خلاف ہے جو امام بخاری نے اول بعثت میں روایت کی ہے کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ پہلے وحی نازل ہوئی، پھر وحی کا آنا رک گیا اور جس عرصہ میں آپ مکہ مکرمہ میں تھے اس عرصہ میں آپ پر بڑی بڑی سورتیں بہت کم نازل ہوئیں، پھر ہجرت کے بعد آپ پر بڑی بڑی سورتیں نازل ہوئیں جن میں سے اکثر سورتوں میں احکام شرعیہ نازل ہوئے تھے اور یہاں جو حدیث روایت کی ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری حصہ میں بہ کثرت وحی نازل ہوئی اور اس کا سبب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ (فتح الباری ج۶ ص ۱۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۸۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ اشْتَكَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ مَا أُرَى شَيْطَانَكَ إِلَّا قَدْ تَرَكَكَ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاسود بن قیس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے، پس آپ نے ایک رات یا دو راتیں قیام نہیں کیا تو آپ کے پاس ایک عورت آئی، اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) میں صرف یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا ہے (معاذ اللہ)، تب اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں: وَالضُّحٰىۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰىۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىؕ (الضحیٰ: ۱-۳) چاشت کے وقت کی قسم! ○ اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے ○ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا ○''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۲۴ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری باتیں بیان کی جا رہی ہیں:

حدیث مذکور کے دوبارہ روایت کرنے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو دوبارہ یہاں اس لیے ذکر کیا ہے کہ کبھی وحی کا تاخیر سے نازل ہونا کسی حکمت کے تقاضے کی وجہ سے ہوتا تھا اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بالکل چھوڑ دیا تھا، لہٰذا قرآن مجید کا نزول کئی طرح سے ہوا، کبھی قرآن مجید مسلسل نازل ہوتا رہا اور کبھی کچھ عرصہ انقطاع کے بعد تاخیر سے نازل ہوا۔

قرآن مجید کو بہ تدریج تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی وجوہ

قرآن مجید کو جو بہ تدریج متفرق طور پر نازل کیا گیا، اس کی متعدد حکمتیں ہیں:

(۱) تا کہ یاد کرنے والوں کے لیے قرآن مجید کو یاد کرنا آسان ہو کیونکہ اگر قرآن مجید یک بارگی مکمل نازل ہو جاتا تو لوگوں پر قرآن مجید حفظ کرنا دشوار ہوتا اس حکمت کی طرف درج ذیل آیتوں میں ارشاد ہے:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ (الفرقان:۳۲)

اور کافروں نے کہا: یہ پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (ہم نے) اسی طرح (تدریجاً) نازل کیا ہے تا کہ اس سے آپ کے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اس کو وقفہ وقفہ سے تلاوت فرمایا ہے ○

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے (حسب موقع) نازل کیا تا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو بہ تدریج نازل کیا ہے ○

(۲) قرآن کے بہ تدریج نازل ہونے کی وجہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس بہ کثرت آتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام آپ تک پہنچاتے تھے اور ان احکام کی وضاحت کے لیے آپ جو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کا جواب دیتا تھا اور جو نئے مسائل پیش آتے تھے ان کے متعلق آپ کو تعلیم دیتا تھا اور اس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا شرف ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام پر یک بارگی کتاب کا نزول ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام ان پر صرف ایک بار کتاب لے کر نازل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تئیس (۲۳) سال تک لگاتار حضرت جبریل علیہ السلام کتاب لے کر نازل ہوتے رہے۔ نیز دوسرے انبیاء علیہم السلام پر جہاں کتاب نازل ہوتی تھی وہاں ان انبیاء علیہم السلام کو جانا پڑتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں جانا نہیں پڑتا تھا۔ آپ جہاں ہوتے تھے کتاب وہیں نازل ہو جاتی تھی، کبھی مکہ میں، کبھی مدینہ میں، کبھی طائف میں، کبھی حنین میں حتیٰ کہ بعض اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر پر بھی کتاب نازل ہوئی۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید سات (۷) لغات پر نازل ہوا ہے اس لیے مناسب یہ تھا کہ قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جائے کیونکہ اگر یہ سات لغات یک بارگی نازل ہوتیں تو ان کو بیان کرنا عادتاً مشکل ہوتا۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے احکام شرعیہ میں سے جن احکام کو منسوخ کرنا چاہتا ہے ان کو منسوخ فرما دیتا ہے اس لیے قرآن مجید کو بہ تدریج نازل فرمایا تا کہ ناسخ اور منسوخ منفصل ہو جائیں۔

(۵) ایک وقت میں متعدد سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں، امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وقت میں متعدد آیات نازل ہوتی رہتی تھیں، پس آپ فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو اور اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۷، مفصلاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابٌ: نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ وَالْعَرَبِ

قرآن مجید کا نزول قریش اور عرب کی زبان کے موافق ہوا

باب مذکور کی وضاحت کہ زیادہ تر قرآن مجید کا نزول لغت قریش پر ہوا اور بعض آیات دوسرے قبائل کی لغات پر نازل ہوئیں

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید قریش کی لغت کے موافق نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید کا اکثر اور معظم حصہ، کیونکہ قرآن مجید میں ہمزہ بہ کثرت ہے اور قریش ہمزہ نہیں پڑھتے اور قرآن مجید میں ایسے کلمات بھی ہیں جو لغت قریش کے خلاف ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ (طٰہٰ: ۱۱۳) اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن نازل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے قرشی قرآن نازل کیا ہے۔

امام بخاری نے لکھا ہے: قرآن مجید لغت قریش کے موافق نازل ہوا، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے نزول کی ابتداء لغت قریش کے موافق ہوئی، پھر قرآن مجید کو دوسرے قبائل کی لغات کے موافق پڑھنے کی اجازت دی گئی، نیز امام بخاری نے کہا: اور عرب کی زبان کے موافق نازل ہوا، یہ عام کا عطف خاص پر ہے، ہر چند کہ لغت قریش لغت عرب میں داخل ہے لیکن قریش کا ذکر الگ کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ قریش کو باقی عربوں پر فضیلت ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ۝ (الحجر: ۸۷) اور بے شک ہم نے آپ کو ایسی سات آیتیں دیں جو دو بار پڑھی جاتی ہیں (سورۂ فاتحہ) اور قرآن عظیم دیا O

اس آیت میں بھی عام کا عطف خاص پر ہے، ہر چند کہ سورۂ فاتحہ قرآن عظیم میں داخل ہے لیکن اس کے شرف کی وجہ سے اس کا الگ ذکر فرمایا۔

حکیم ترمذی نے اپنی کتاب علم الاولیاء میں لکھا ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر وحی عربی زبان میں نازل فرمائی اور حضرت جبریل علیہ السلام ہر رسول کے لیے ان کی قوم کی زبان میں اس وحی کو نازل فرماتے''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۔ ۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ (طٰہٰ: ۱۱۳) یعنی عربی زبان میں، بلسان عربی مبین یعنی واضح عربی زبان میں۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید عربی لغت کے موافق نازل ہوا ہے۔

عرب کی باقی لغات پر لغت قریش کی ترجیح کی وجوہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

سورۂ طٰہٰ: ۱۱۳ میں فرمایا: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ (عربی زبان میں) اور سورۃ الشعراء: ۱۹۵ میں فرمایا: بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ۝ (صاف صاف عربی زبان میں)

قرآن مجید کا لغت قریش پر نازل ہونا اس باب کے عنوان میں مذکور ہے، امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ ''قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا ہے آپ لوگوں کو لغت قریش کے موافق قرآن پڑھائیں'' اس کے بعد امام بخاری نے لغت عرب کا ذکر کیا ہے اور یہ عام کا عطف خاص پر ہے کیونکہ قریش بھی عرب ہیں اور امام بخاری نے تعلیق میں جو دو آیتیں ذکر کی ہیں وہ اس کی دلیل ہیں۔

اور قاضی ابوبکر الباقلانی نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ اکثر قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا ہے اور اس پر کوئی دلیل قطعی قائم نہیں ہے کہ پورا قرآن لغت قریش پر نازل ہوا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا۔ (یوسف:۲) بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی (زبان) میں نازل کیا ہے۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید عرب کی تمام زبانوں پر نازل ہوا ہے اور جس کا یہ زعم ہو کہ قرآن صرف لغت قریش پر نازل ہوا ہے اس کو اس پر دلیل لانی چاہیے، کیونکہ عرب کا اسم عرب کی تمام لغات کو شامل ہے ورنہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید بنو ہاشم کی لغت پر نازل ہوا ہے کیونکہ بنو ہاشم کا نسب باقی قریش کی بہ نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہے۔

ابوشامۃ نے کہا: ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان نے جو کہا: قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا ہے اس کا یہ محمل ہو کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء تو لغت قریش کے موافق ہوئی، پھر بعد میں مسلمانوں کو دوسری لغات کے موافق پڑھنے کی اجازت دے دی گئی جیسا کہ عنقریب اس باب کی شرح میں آئے گا کہ ''قرآن مجید سات لغات پر نازل کیا گیا ہے'' اور اس کا تکملہ یہ ہے کہ ابتداء سات لغات میں سے لغت قریش پر قرآن مجید نازل ہوا، پھر لوگوں کی آسانی کے لیے دوسری لغات پر بھی پڑھنے کی اجازت دی گئی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ جس لغت پر قرآن مجید ابتداءً نازل ہوا ہے وہی لغت سب سے اولیٰ ہے کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے تو اس لیے انہوں نے لوگوں کو لغت قریش پر برانگیختہ کیا اور اس لیے بھی کہ ابتداءً قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی طرف جو لکھا تھا کہ قرآن مجید کا نزول لغت قریش کے موافق ہوا ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۸۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَأَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ فَأَمَرَ عُثْمَانُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَسَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَنْ يَنْسَخُوهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ لَهُمْ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي عَرَبِيَّةٍ مِنْ عَرَبِيَّةِ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوهَا بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت، حضرت سعید بن العاص، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ وہ قرآن مجید کو المصاحف میں لکھیں اور ان سے فرمایا: جب تمہارا اور حضرت زید بن ثابت کا قرآن کی عربیت میں اختلاف ہو تو اس کو تم قریش کی زبان کے موافق لکھنا کیونکہ قرآن ان کی لغت پر نازل ہوا ہے، سو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۰۶ میں گزر چکی ہے۔

لغت قریش کی ترجیح پر مزید دلائل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن شہاب سے منقول ہے کہ صحابہ کا اس دن التابوت کے لفظ میں اختلاف ہوا، پس کسی نے کہا: یہ لفظ التابوۃ ہے، اور حضرت

ابن الزبیر اوران کے اصحاب نے کہا: یہ لفظ التابوت ہے، پھر وہ یہ معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ ''اس لفظ کو التابوت لکھو کیونکہ یہ لغت قریش کے موافق ہے''۔(صحیح البخاری:۳۵۰۶)

اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ:۳۰۲۲۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تمہارا قرآن کی عربیت میں اختلاف ہو تو اس کو لغت قریش پر لکھو''، اس قول میں یہ دلیل ہے کہ قبیلہ قریش کی تمام قبائل پر فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کو ان کی لغت پر نازل فرمایا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں تم سب سے زیادہ فصیح ہوں کیونکہ میں قریش سے ہوں''۔(المعجم الکبیر للطبرانی:۵۴۳۷)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۹۸۵ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ وَقَالَ مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ قَالَ أَخْبَرَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ يَعْلَى كَانَ يَقُولُ لَيْتَنِي أَرَى رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم حِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَلَمَّا كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْجِعْرَانَةِ عَلَيْهِ ثَوْبٌ قَدْ أُظِلَّ عَلَيْهِ وَمَعَهُ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مُتَضَمِّخٌ بِطِيبٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ تَرَى فِي رَجُلٍ أَحْرَمَ فِي جُبَّةٍ بَعْدَ مَا تَضَمَّخَ بِطِيبٍ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم سَاعَةً فَجَاءَهُ الْوَحْيُ فَأَشَارَ عُمَرُ إِلَى يَعْلَى أَنْ تَعَالَ فَجَاءَ يَعْلَى فَأَدْخَلَ رَأْسَهُ فَإِذَا هُوَ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ يَغِطُّ كَذَلِكَ سَاعَةً ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ أَيْنَ الَّذِي يَسْأَلُنِي عَنِ الْعُمْرَةِ آنِفًا فَالْتُمِسَ الرَّجُلُ فَجِيءَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أَمَّا الطِّيبُ الَّذِي بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ۔

(صحیح البخاری:۱۵۳۶، صحیح مسلم:۱۱۸۰، سنن ابوداؤد:۱۸۱۹، سنن ترمذی:۸۳۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عطا نے حدیث بیان کی (ح) اور مسدد نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے صفوان بن یعلیٰ بن امیہ نے خبر دی کہ حضرت یعلیٰ یہ کہتے تھے: کاش! میں دیکھتا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہوتی، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم الجعرانہ میں تھے اور آپ پر ایک کپڑا ڈالا ہوا تھا جس سے آپ کے اوپر سایہ کیا ہوا تھا اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ تھے، اس وقت آپ کے پاس ایک مرد آیا جس نے خوشبو کا لیپ کیا ہوا تھا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس مرد کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس نے خوشبو کا لیپ کرنے کے بعد پھر جبہ میں احرام باندھا؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساعت ان کی طرف دیکھا، پھر آپ کے پاس وحی آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ آگے آئیں، پس حضرت یعلیٰ آئے اور انہوں نے اپنا سر اس کپڑے میں داخل کیا تو اس وقت آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آپ اس طرح تیزی سے سانس لے رہے تھے، پھر آپ سے یہ کیفیت دور ہوگئی، پھر آپ نے فرمایا: ''وہ شخص کہاں ہے جس نے ابھی مجھ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا تھا؟'' پس اس شخص کو تلاش کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، پھر آپ نے فرمایا: ''رہی وہ خوشبو جس کا تم نے اپنے بدن پر لیپ کیا تھا تو اس کو تم تین مرتبہ دھوڈالو اور رہا جبہ تو اس کو اتار دو،

پھر تم اپنے عمرہ میں وہی کام کرو جو کام تم اپنے حج میں کرتے ہو'۔

اس اعتراض کا جواب کہ حدیث مذکور بہ ظاہر اس باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو اس باب میں داخل کرنے کی وجہ اکثر ائمہ کے اوپر مخفی رہی حتیٰ کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس باب کی پہلی حدیث اس باب کے عنوان کے ساتھ زیادہ مطابق ہے اور یہ دوسری حدیث باب کے عنوان سے مطابق نہیں ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے: قرآن مجید کا لغت قریش کے مطابق نازل ہونا جب کہ ایک اعرابی کے عمرہ کے متعلق سوال کا جواب نزول وحی کے بعد دیا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ صحیح بخاری کے بعض نقل کرنے والوں کی غلطی ہو۔

اور کہا گیا ہے: بلکہ امام بخاری نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ ؕ۔ (ابراہیم:۴) اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں مبعوث کیا ہے تا کہ وہ ان کو بیان کر سکے۔

اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قریش کی لغت کے ساتھ بھیجا گیا ہو کیونکہ آپ ان کی قوم سے ہیں بلکہ آپ کو تمام عرب کی زبان کے ساتھ بھیجا گیا ہے کیونکہ آپ تمام عرب کے لیے رسول بنائے گئے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اس اعرابی کے سوال کے جواب میں وحی نازل ہونے کے بعد اس کو اس طرح مسئلہ بتایا جس سے وہ اعرابی سمجھ سکتا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ آپ وحی نازل ہونے کے بعد عرب لوگوں کو اس طرح بتاتے تھے جس سے وہ مسئلہ سمجھ سکیں خواہ وہ قرشی ہوں یا غیر قرشی، اور وحی سے مراد بھی عام ہے خواہ وہ ایسی وحی ہو جس کی تلاوت کی جاتی ہو یعنی قرآن مجید یا ایسی وحی ہو جس کی تلاوت نہ کی جاتی ہو جیسے احکام شرعیہ کے متعلق احادیث۔

اس پر یہ سوال ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے خواہ وہ عرب ہوں یا عجم ہوں یا ان کے غیر ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس زبان میں وحی نازل ہوئی وہ عربی ہے اور آپ اس وحی کی مختلف عرب کے قبیلوں میں تبلیغ فرماتے تھے اور وہ قبائل غیر عرب کے لیے ان کی زبانوں میں اس وحی کا ترجمہ کرتے تھے، اس لیے ابن المنیر نے کہا کہ اس باب کی پہلی حدیث کا اس باب میں داخل ہونا زیادہ لائق ہے کیونکہ اس حدیث میں وحی قرآن کا ذکر نہیں ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ممکن ہے امام بخاری کا مقصد اس پر تنبیہ کرنا ہو کہ وحی قرآن کی ہو یا سنت کی دونوں کی ایک صفت ہے اور دونوں کی ایک زبان ہے اور وہ عربی ہے۔ (فتح الباری ج۶ ص ۱۵۹۔۱۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: جَمْعِ الْقُرْآنِ — قرآن مجید کو جمع کرنا

علامہ عینی لکھتے ہیں: یہ بات قرآن مجید کو جمع کرنے کی کیفیت کے بیان میں ہے اور اس سے مراد مخصوص جمع کرنا ہے یعنی قرآن مجید کی جو سورتیں اور آیات مختلف صحیفوں میں متفرق تھیں ان کو جمع کیا جائے، پھر ان صحیفوں کو ایک مصحف میں جمع کیا جائے جس میں سورتیں اور آیات ترتیب دار ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کا اس عبارت میں یہ اضافہ ہے کہ عنقریب تین ابواب کے بعد تالیف قرآن کا باب آئے گا اور اس سے مراد آیات کو ایک سورت میں جمع کرنا ہے اور سورتوں کو ایک مصحف میں جمع کرنا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۸۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رضی الله عنه قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی الله عنه إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ لِعُمَرَ كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ عُمَرُ هَذَا وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِذَلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ قَالَ زَيْدٌ قَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رضی الله عنهما فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَتَّى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رضی الله عنهما۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی از ابراہیم بن سعد، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از عبید بن سباق کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اہل یمامہ کے ساتھ شدید جنگ ہوئی (اور بہت مسلمان قراء شہید ہو گئے) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا: اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک حضرت عمر میرے پاس آئے، پس انہوں نے کہا کہ یمامہ کا دن قرآن کے قراء کی شہادت کے ساتھ گرم ہو گیا ہے اور بے شک مجھے یہ خطرہ ہے کہ مختلف شہروں کے قراء شہید ہو گئے ہیں تو قرآن مجید کا بہت سا حصہ جاتا رہے گا اور میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں، میں نے حضرت عمر سے کہا: آپ کیسے وہ کام کریں گے جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! یہ نیک کام ہے، پس حضرت عمر مجھ سے مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا اور میری بھی اس مسئلہ میں وہی رائے ہو گئی جو حضرت عمر کی رائے ہے۔ حضرت زید نے بتایا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نوجوان مرد ہو عقل مند ہو ہم تم پر کوئی تہمت نہیں لگاتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو لکھتے تھے، پس تم قرآن مجید کو تلاش کر کے اس کو جمع کرو، پس اللہ کی قسم! اگر وہ لوگ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا مکلف کرتے تو وہ مجھ پر اتنا دشوار نہ ہوتا جتنی مجھے ان کے اس حکم کی تعمیل دشوار تھی کہ میں قرآن مجید کو جمع کروں۔ میں نے کہا: آپ کیسے وہ کام کر رہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! وہ نیک کام ہے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلسل مجھ سے اس پر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھولا تھا، پس میں کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں اور پتلے اور چوڑے سفید پتھروں سے (جن پر قرآن مجید لکھا ہوا تھا) اور

مردوں کے سینوں سے قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کرنے لگا حتیٰ
کہ میں نے سورۃ التوبۃ کی آخری آیت کو حضرت ابوخزیمہ انصاری
رضی اللہ عنہ کے پاس پایا اور میں نے اس آیت کو اور کسی کے پاس نہیں
پایا، وہ آیت یہ ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ
عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آ
گئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے۔ یہ آیت
سورۃ التوبہ کے خاتمہ تک ہے، یہ مصحف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے
پاس رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی، پھر وہ مصحف
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی پوری حیات تک رہا، پھر حضرت
حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۷۹ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کی شرح کی جارہی ہے:

اہل یمامہ کے خلاف جہاد میں سات سو (۷۰۰) قراء صحابہ کا شہید ہونا اور مسیلمۃ الکذاب کا قتل ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زہری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی اور اس وقت تک قرآن کریم کو کسی چیز میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔

اس حدیث میں اہل یمامہ کے شہداء کا ذکر ہے، اہل یمامہ سے یہاں پر مراد وہ صحابہ ہیں جن کو مسیلمۃ الکذاب کے خلاف جہاد کرتے وقت شہید کر دیا گیا تھا اور مسیلمۃ الکذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہت سے عرب مرتد ہو گئے تھے جن کے بعد مسیلمہ کا معاملہ مستحکم ہو گیا، پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف جہاد کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بہ کثرت صحابہ کی جماعت کے ساتھ بھیجا، پھر بہت زبردست جنگ ہوئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسیلمہ کو ناکام کر دیا اور اس کو قتل کر دیا اور اس کے خلاف جہاد کرتے ہوئے بہ کثرت صحابہ شہید ہو گئے، ان کی تعداد سات سو (۷۰۰) تھی۔ دوسرا قول ہے کہ اس سے بھی زیادہ تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: بہت مسلمان قراء شہید ہو گئے: اور سفیان بن عیینہ کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ جو حضرت حذیفہ کے آزاد کردہ غلام تھے، جب وہ شہید ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ اب قرآن ان کے پاس سے جاتا رہے گا تو پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان سات سو صحابہ میں سے ہر ایک نے قرآن کو جمع کیا تھا بلکہ یہ تمام صحابہ مجموعی طور پر قرآن مجید کو جمع کرنے والے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے قرآن کو جمع کرنے پر چند اعتراضات اور ان کے جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کیسے وہ کام کروں جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ علامہ الخطابی وغیرہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو ایک مصحف میں اس لیے جمع نہ کیا ہو کیونکہ آپ یہ انتظار کر رہے تھے کہ کوئی ناسخ آیت نازل ہو جس سے بعض احکام شرعیہ یا بعض آیات کی تلاوت منسوخ ہو جائے،

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن مجید کا نزول مکمل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کے دلوں میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا الہام کیا تا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت محمدیہ کے لیے قرآن مجید کی حفاظت کا جو ذمہ لیا تھا اور اس کی ضمانت دی تھی وہ وعدہ پورا ہو جائے اور اس کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے ہوئی اور اس کی تائید امام ابن ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے المصاحف میں عبد خیر کی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مصاحف کے مرتب کرنے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوگا جنہوں نے سب سے پہلے کتاب اللہ کو جمع کیا۔

یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کے علاوہ مجھ سے کوئی چیز نہ لکھو'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بحث صفت مخصوصہ کے ساتھ کتابت مخصوصہ میں ہے اور بے شک پورا قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لکھا جا چکا تھا لیکن وہ کسی ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا تھا اور نہ اس میں سورتوں کی ترتیب تھی۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ امام ابن ابوداؤد نے المصاحف میں اپنی سند کے ساتھ ابن سیرین سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو میں نے قسم کھائی کہ میں صرف نماز جمعہ کے لیے اپنی چادر اوڑھوں گا حتیٰ کہ میں قرآن مجید کو جمع کرلوں، پس انہوں نے قرآن مجید کو جمع کر لیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند منقطع ہے اور اگر بالفرض یہ حدیث محفوظ ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قرآن مجید کو جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کو اپنے سینہ میں جمع کر لیا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث کی بعض سندوں سے یہ روایت ہے کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حتیٰ کہ میں قرآن مجید کو دو گتوں کے درمیان جمع کر لوں، اس کا جواب یہ ہے ان الفاظ کی روایت میں راوی کو وہم ہوا ہے اور ہم اس سے پہلے عبد خیر کی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو قول لکھ چکے ہیں کہ مصاحف کے مرتب کرنے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوگا جنہوں نے سب سے پہلے کتاب اللہ کو جمع کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی قول معتمد ہے۔

اس پر ایک اور اعتراض یہ ہوتا ہے کہ امام ابن ابوداؤد نے حسن بصری کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ آیت فلاں صحابی کے پاس تھی اور وہ صحابی جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ اور انہوں نے قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیا تو حضرت عمر نے سب سے پہلے قرآن مجید کو جمع کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند بھی منقطع ہے اور اگر بالفرض اس کی سند محفوظ ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کا مشورہ دیا، اس وجہ سے ان کی طرف قرآن جمع کرنے کی نسبت کر دی گئی۔

روافض کے اس اعتراض کا جواب کہ حضرت ابوبکر کا قرآن مجید کو جمع کرنا بدعت ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: مجھ پر بعض روافض نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت ابوبکر نے قرآن مجید کو مصحف میں جمع کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام نہیں کیا تھا، سو ان کا یہ کام بدعت ہے اور ناجائز ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنے اجتہاد سے کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے کیا اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو لکھنے کی اجازت دی تھی اور اس سے منع فرمایا تھا کہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی اور چیز لکھی جائے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو لکھنے کا حکم دیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا جا چکا تھا اور اسی وجہ سے سورۃ التوبہ کی

آخری آیت کو لکھنے میں توقف کیا گیا حتیٰ کہ اس آیت کو لکھا ہوا پا لیا گیا حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو یہ آیت مستحضر تھی اور جب کوئی منصف مزاج شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس کام میں غور کرے گا تو اس کو یقین ہوگا کہ یہ کام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عظیم فضائل اور مناقب میں سے ہے۔ علاوہ ازیں اس کے ثبوت میں یہ حدیث ہے: حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے اسلام میں کسی سنت حسنہ کی ابتداء کی اسے اس سنت پر عمل کرنے کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس سنت پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ان کو ملے گا اور اس کے اجروں میں کوئی کمی نہیں ہوگی''۔ (الحدیث)

(صحیح مسلم: ۱۰۱۷، الرقم المسلسل: ۲۲۴۰، سنن نسائی: ۲۵۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳، مسند احمد: ۱۹۱۷۷)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کسی نے بھی قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور قیامت تک جو لوگ قرآن مجید پڑھتے رہیں گے اس کا اجر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملتا رہے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ جب نماز میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے کی وجہ سے مکہ میں مشرکین نے ان کے خلاف ہنگامہ کیا اور وہ مکہ چھوڑ کر جانے لگے تو ابن الدغنہ نے ان کو پناہ دی، پھر جب دوبارہ انہوں نے بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو ابن الدغنہ نے اپنی پناہ واپس لے لی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ابن الدغنہ کی پناہ کو رد کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی پناہ پر راضی ہوں۔ یہ قصہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں مذکور ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۲۹۷)

نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ (البینہ: ۲) وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں ۝

اس آیت میں پاک صحیفوں سے مراد قرآن مجید ہے، ہر چند کہ وہ ایک صحیفہ ہے لیکن اس کو تعظیماً جمع کے ساتھ تعبیر فرمایا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید صحیفوں میں لکھا ہوا تھا لیکن یہ صحیفے متفرق تھے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام صحیفوں کو ایک جگہ جمع کر لیا اس کے بعد یہ مصحف محفوظ رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کے مطابق مصاحف لکھنے کا حکم دیا، پس چند مصاحف لکھے گئے اور ان کو مختلف شہروں میں بھیج دیا: اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قرآن مجید کو جمع کرنا کوئی نیا کام اور بدعت نہیں ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دینے کی خصوصیت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ جوان مرد ہیں، عقل مند ہیں ہم آپ پر کوئی تہمت نہیں لگاتے اور آپ وحی کو لکھا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر نے حضرت زید بن ثابت کی چار ایسی صفات کو ذکر کیا ہے جو ان کی خصوصیت کا تقاضا کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا: آپ جوان مرد ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ سے جس کام کے لیے کہا جائے گا آپ اسے خوشی سے کریں گے اور کہا کہ آپ عقل مند ہیں یعنی قرآن مجید کو زیادہ یاد رکھنے والے ہیں اور کہا کہ ہم آپ پر کوئی تہمت نہیں لگاتے تو نفوس آپ کی طرف مائل ہوں گے اور کہا کہ آپ وحی لکھا کرتے تھے یعنی آپ کو وحی کے لکھنے کی مہارت حاصل ہے اور یہ صفات حضرت زید بن ثابت میں مجتمع تھیں اور دوسرے صحابہ میں بھی یہ صفات تھیں لیکن متفرق تھیں۔

حضرت ابوبکر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے ابتداءً قرآن مجید کو جمع کرنے سے گریز کی توجیہ

علامہ ابن بطال نے کہا کہ ابتداء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کو جمع کرنے سے گریز کیا، پھر دوبارہ حضرت زید بن ثابت نے اس سے گریز کیا کیونکہ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا تو انہوں نے دین میں احتیاط کی وجہ سے اس کام کے کرنے کو مکروہ جانا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کے فائدے پر متنبہ کیا اور یہ بتایا کہ اگر قرآن مجید کو جمع نہیں کیا گیا تو یہ خطرہ ہے کہ قرآن مجید اپنی شہرت کے بعد مخفی ہو جائے گا تو ان دونوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف رجوع کر لیا، نیز علامہ ابن بطال نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو کرنا یا کسی کام کو ترک کرنا جب قرائن سے خالی ہو تو آپ کا فعل اس کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا اور آپ کا ترک کرنا اس کی تحریم پر دلالت نہیں کرتا۔ (علامہ ابن ابطال کی عبارت ختم ہوئی)

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قرآن کو جمع کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط سے زیادہ احتیاط نہیں تھی بلکہ ان کا یہ فعل ان قواعد کے مطابق ہے جن کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے۔

قرآن مجید کو جمع کرنے کے مزید دلائل اور جمع القرآن کا واجب علی الکفایہ ہونا

علامہ ابن الباقلانی نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو قرآن مجید کو جمع کیا وہ فرض کفایہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے سن کر قرآن مجید کے سوا اور کوئی چیز نہ لکھو''۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ ﴿۱۷﴾ (القیامہ:۱۷) بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O

اِنَّ ہٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ﴿۱۸﴾ (الاعلیٰ:۱۸) بے شک یہ (نصیحت) پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے O

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ۙ﴿۲﴾ (البینہ:۲) وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں O

ان آیات میں بھی قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کو لکھنے کا ثبوت ہے۔

پس ہر وہ کام جس کا رجوع قرآن مجید کی حفاظت اور اس کے حفظ کی طرف ہو وہ واجب علی الکفایہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ مسلمین اور عام مسلمین کی خیر خواہی ہے۔

نیز علامہ ابن الباقلانی نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے جمع کرنے کو جو ترک فرمایا تھا اس میں جمع قرآن کی ممانعت پر دلیل نہیں ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کی طرف رجوع کر لیا کیونکہ انہوں نے جان لیا تھا کہ ان کی رائے درست ہے اور عقل اور نقل میں ان کے منافی کوئی چیز نہیں ہے اور اس کو ترک کرنے سے بعض قرآن کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا، پھر حضرت زید بن ثابت اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی رائے کی تصویب اور تائید کی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک جملہ میں جمع اور واحد کے دو صیغے لانے کی توجیہ اور جمع قرآن کو پہاڑ کے منتقل کرنے سے زیادہ دشوار قرار دینے کا سبب

اس حدیث میں مذکور ہے: اگر وہ لوگ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا مکلف کرتے تو وہ مجھ پر اتنا دشوار نہ ہوتا

جتنی مجھے ان کے اس حکم کی تعمیل دشوار تھی کہ میں قرآن مجید کو جمع کروں۔

اس حدیث میں پہلے جمع کا صیغہ ہے (كَلَّفُوْنِي) اس کے بعد واحد کا صیغہ ہے (مَا اَمَرَنِي) اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابوبکر اور ان کے موافقین کے اعتبار سے جمع کا صیغہ کہا یعنی اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو منتقل کرنے کا مکلف کرتے پھر اس کے بعد صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعتبار سے واحد کا صیغہ کہا کہ انہوں نے جو مجھے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کو پہاڑ منتقل کرنے سے زیادہ دشوار قرار دیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان سے قرآن مجید کو جمع کرنے میں کوئی تقصیر نہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ کام آسان کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔ (القمر:۱۷) اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔

قرآن مجید کو جمع کرنے میں بہت احتیاط سے کام لینا اور دو گواہوں کی اس گواہی کو ضروری قرار دینا کہ یہ حصہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لکھا گیا تھا

امام ابن داؤد نے المصاحف میں یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پس فرمایا: جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید کا کچھ حصہ محفوظ کیا ہو وہ اس کو لے کر آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن مجید کو صحیفوں میں اور تختیوں میں اور کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں میں لکھتے تھے اور حضرت زید کسی شخص سے اس وقت تک کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ دو گواہ اس پر گواہی نہ دے دیتے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت زید محض لکھے ہوئے قرآن مجید کے پانے کو کافی نہیں قرار دیتے تھے حتیٰ کہ اس پر گواہی پیش کر دی جاتی حالانکہ حضرت زید خود بھی قرآن مجید کے حافظ تھے اور وہ ایسا صرف احتیاط میں مبالغہ کے لیے کرتے تھے۔

نیز امام ابن ابوداؤد نے عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم دونوں مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ، پس جب تمہارے پاس دو گواہ کتاب اللہ کے کسی حصہ کے لکھے ہوئے ہونے کی گواہی لے کر آئیں تو تم اس کو لکھ لینا، اس حدیث کی سند منقطع ہے مگر اس کے رجال ثقات ہیں، اور دو گواہوں سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ گواہی دیں کہ یہ مکتوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لکھا گیا تھا یا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اس پر گواہی دیں کہ یہ مکتوب اس طرح ہے جس طرح قرآن نازل ہوا ہے اور ان کی غرض یہ تھی کہ صرف اسی چیز کو لکھا جائے جس کے متعلق یہ ثابت ہو کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہے اور انہوں نے فقط حفظ کا اعتبار نہیں کیا تھا۔

اس کی تحقیق کہ سورۃ التوبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ سے ملی تھی یا حضرت خزیمہ بن ثابت سے اور سورۃ الاحزاب کی آیت کس سے ملی تھی

اس حدیث میں مذکور ہے: حتیٰ کہ میں نے سورۃ التوبہ کی آخری آیت کو حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا۔

عبدالرحمن بن مہدی نے از ابراہیم بن سعد روایت کی ہے کہ اس آیت کو حضرت خزیمہ بن ثابت کے پاس پایا، اس حدیث کی امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور زہری کی روایت میں ہے کہ اس آیت کو حضرت خزیمہ انصاری کے پاس پایا اور امام

طبرانی نے ''مسند الشامیین'' میں اپنی سند سے روایت کی ہے جس میں مذکور ہے: میں نے اس روایت کو حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس پایا، اسی طرح اس کی امام ابن داؤد نے ابن شہاب سے روایت کی ہے اور جس نے یہ کہا کہ ابراہیم بن سعد کی روایت میں ابوخزیمہ ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔

اور سورۃ التوبہ کی تفسیر میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ جس صحابی کے پاس سے سورۃ التوبہ کی آخری آیت ملی وہ اور ہے اور جس صحابی کے پاس سورۃ الاحزاب کی آیت ملی وہ دوسرا صحابی ہے، پس پہلی روایت میں راویوں کا اختلاف ہے، پس کسی نے کہا: وہ آیت حضرت خزیمہ سے ملی اور کسی نے کہا: وہ آیت حضرت ابوخزیمہ سے ملی اور کسی نے اس میں شک کیا اور کہا: وہ آیت حضرت خزیمہ یا حضرت ابوخزیمہ سے ملی اور راجح یہ ہے کہ جس صحابی کے پاس سے سورۃ التوبہ کی آخری آیت ملی وہ حضرت ابوخزیمہ ہیں (کنیت کے ساتھ) اور جس صحابی کے پاس سے سورۃ الاحزاب کی آیت ملی وہ حضرت خزیمہ ہیں اور ابوخزیمہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اوس بن یزید بن اصرم کے بیٹے ہیں، وہ کنیت کے ساتھ مشہور تھے نہ کہ نام کے ساتھ، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ الحارث بن خزیمہ ہیں۔ رہے حضرت خزیمہ تو وہ ابن ثابت ہیں جن کی ایک گواہی دو گواہیوں کے برابر ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں صراحتاً گزر چکا ہے۔

صحابہ نے آیات کی ترتیب اپنے اجتہاد سے نہیں کی بلکہ اس میں حدیث کی اتباع کی ہے، ہاں سورتوں کی ترتیب ان کے اجتہاد سے ہے

امام ابن ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ الحارث بن خزیمہ سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتوں کو لے کر آئے، پس کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان آیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور ان کو یاد رکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان دو آیتوں کو سنا ہے، پھر کہا: اگر یہ تین آیتیں ہوتی تو میں ان کو الگ سورت میں رکھتا۔

رہا حضرت عمر کا یہ کہنا کہ اگر یہ تین آیتیں ہوتیں تو میں ان کو الگ سورت میں رکھتا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سورتوں کی آیات کو اپنے اجتہاد سے جمع کرتے تھے اور باقی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ اپنی طرف سے آیات کو مرتب نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں حدیث کی اتباع کرتے تھے، ہاں! بعض سورتوں کو بعض کے بعد رکھنا یہ ان کے اجتہاد سے ہوتا تھا جیسا کہ تالیف القرآن کے باب میں آئے گا۔

حضرت زید بن ثابت نے جو یہ کہا: مجھے یہ آیت کسی اور کے پاس نہیں ملی، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ کسی اور کے پاس یہ آیت لکھی ہوئی نہیں ملی

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: اور میں نے اس آیت کو اور کسی کے پاس نہیں پایا، وہ آیت یہ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ (التوبہ: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آ گئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: حضرت زید بن ثابت کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت کو ان کے سوا کسی اور کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا تھا کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ فقط حفظ کو کافی نہیں قرار دیتے تھے بلکہ اس آیت کا لکھا ہوا ہونا بھی ضروری قرار دیتے تھے اور انہوں نے جو اس آیت کو کسی اور کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ آیت ان کے

نزدیک ان سے متواتر نہ ہو جنہوں نے اس آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور حضرت زید دوسروں کے پاس اس آیت کو اس لیے تلاش کرتے تھے تاکہ اس بات کے ثبوت میں اور احتیاط میں مبالغہ ہو کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔

علامہ خطابی کا یہ گمان کہ حضرات صحابہ قرآن مجید کے اثبات کے لیے ایک شخص کی خبر کو کافی نہیں قرار دیتے تھے اور اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کہ صحابہ اثبات قرآن کے لیے خبر واحد کو کافی نہیں قرار دیتے تھے

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی مخفی ہے اور اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ حضرت زید کسی آیت کے اثبات کے لیے ایک شخص کی خبر کو کافی قرار نہیں دیتے تھے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے اثبات میں حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوخزیمہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم مجتمع ہو گئے تھے اور علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کے اثبات میں حضرت ابو خزیمہ منفرد نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ حضرت زید بن ثابت بھی شریک تھے، اس لحاظ سے یہ آیت دو مردوں سے ثابت ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: گویا کہ علامہ خطابی نے یہ گمان کیا ہے کہ متکلمین نے جو یہ کہا ہے کہ قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا، اس قول کا مطلب انہوں نے یہ سمجھا کہ قرآن محض واحد سے ثابت نہیں ہوتا اور ان کا یہ گمان درست نہیں ہے، بلکہ یہاں خبر واحد سے اس کا اصطلاحی معنی مراد ہے جو خبر متواتر کے خلاف ہو خواہ اس کے راویوں کا عدد کثیر ہو اور متواتر کی ایک شرط بھی نہ ہو تو وہ خبر، خبر واحد سے خارج نہیں ہوتی۔

اور تحقیق یہ ہے کہ حضرت زید نے جو کہا تھا کہ انہیں یہ آیت کسی اور کے پاس سے نہیں ملی اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ آیت ان کو کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہیں ملی۔ یہ مراد نہیں ہے کہ یہ آیت کسی اور کو حفظ نہیں تھی، اور امام ابوداؤد نے یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب سے روایت کی ہے کہ پس حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم نے دو آیتوں کو ترک کر دیا ہے تم نے ان کو نہیں لکھا ہے، صحابہ نے پوچھا: وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سنی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ (التوبہ:۱۲۸)　بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں۔

انہوں نے یہ آیت آخر سورت تک پڑھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں، پس تمہاری کیا رائے ہے ہم کس طرح ان آیتوں کو لکھیں؟ تو حضرت خزیمہ نے کہا: آپ لوگ اس سورت کو اس آیت پر ختم کر دیں۔

اور ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں صحابہ کرام نے قرآن مجید کو جمع کیا جو ان کو حضرت ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ لکھوا رہے تھے، جب وہ اس آیت پر پہنچے:

صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝　اللہ نے ان کے دلوں کو پلٹ دیا ہے کیونکہ یہ لوگ سمجھنے والے نہیں تھے ○ (التوبہ:۱۲۷)

تو صحابہ نے یہ گمان کیا تھا کہ یہی سورۃ التوبہ کی آخری آیت ہے، تب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو آیتیں پڑھائی ہیں:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ (التوبہ:۱۲۸)　بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب نے یہ دو آیتیں سورۃ توبہ کے آخر تک پڑھیں۔

اس کی تحقیق کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے عہد میں قرآن مجید کو کاغذوں اور صحائف میں لکھا گیا تھا نہ کہ چمڑے کے ٹکڑوں اور کھجور کی شاخوں پر

اس حدیث میں مذکور ہے: یہ مصحف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی پوری حیات تک رہا، پھر حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے ان جملوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

موطا ابن وہب میں امام مالک کی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے متعدد کاغذوں میں قرآن مجید کو جمع کیا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید کو جمع کرنے کے لیے کہا تھا تو انہوں نے انکار کر دیا تھا حتیٰ کہ پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں مدد طلب کی تو پھر انہوں نے حامی بھر لی۔

اور امام موسیٰ بن عقبہ کی مغازی میں ابن شہاب سے روایت ہے کہ جب یمامہ میں مسلمان شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور ان کو یہ خطرہ ہوا کہ قراء کی ایک جماعت ہاتھ سے نکل جائے گی، پھر انہوں نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو کاغذوں میں جمع کیا گیا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے صحیفوں میں قرآن مجید کو جمع کرنے والے تھے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ تمام احادیث عمارہ بن غزیہ کی اس روایت سے زیادہ صحیح ہیں جس میں مذکور ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے کہا: پس حضرت ابوبکر نے مجھے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا، پس میں نے قرآن مجید کو کھالوں اور چمڑوں کے ٹکڑوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا، پس جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو میں نے قرآن مجید کو ایک صحیفہ میں لکھا اور وہ صحیفہ حضرت عمر کے پاس رہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمع کیے جانے سے پہلے قرآن مجید چمڑے کے ٹکڑوں اور کھجور کی شاخوں پر لکھا ہوا تھا اور (سب سے پہلی مرتبہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن مجید صحیفوں میں جمع کیا گیا، جیسا کہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے، پھر یہ جمع شدہ مصحف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت عثمان کی خلافت میں حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کو نقل کر کے لکھوانا شروع کیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ مصحف اس لیے رہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی وصیت کی تھی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۴۔ ۱۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس بات کی تحقیق کہ قرآن مجید کاغذوں اور صحیفوں پر لکھا گیا ہے نہ کہ کھجوروں کی چھلی ہوئی شاخوں پر اور کھالوں پر

میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو کھجور کی شاخوں اور چمڑے کے ٹکڑوں اور پتھر کی سلوں سے لکھ کر جمع کیا تھا جیسا کہ مشہور ہے، اور یہ چیز عقلاً مستبعد ہے کہ اس زمانہ میں کاغذ ایجاد نہ ہوا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تورات کتابی شکل میں لکھی ہوئی محفوظ تھی اور بعض صحابہ تورات کی تلاوت کرتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کی تلاوت کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو گیا تھا اور آپ نے فرمایا: ''یہ تو تورات ہے، اگر حضرت موسیٰ اس وقت زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا''۔ (مسند احمد: ج ۳ ص ۳۳۸، سنن دارمی: ۴۳۵، مشکوٰۃ: ۱۹۴)

نیز امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: ''جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں، پھر ان کو چکر لگوایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ، وہ تورات لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے، جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا''۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۹، الرقم المسلسل: ۴۳۵۷، صحیح البخاری: ۱۸۴۱، ۷۵۴۳، سنن ابوداؤد ۴۴۴۶، سنن ترمذی: ۱۴۴۱، صحیح ابن حبان: ۴۴۳۵، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۳۳۲، شرح السنۃ: ۲۵۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۱۴)

ان احادیث صحیحہ میں یہ ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تورات کتابی شکل میں موجود تھی اور یہ ظاہر ہے کہ وہ کتاب کاغذوں اور صحائف میں لکھی ہوئی تھی اور یہود اور نصاریٰ کو جو اہل کتاب کہا جاتا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس تورات اور انجیل کتابی شکل میں موجود تھی اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عہد میں کاغذوں اور صحیفوں کی صورت میں کتاب لکھی جاتی تھی تو یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام قرآن مجید کی آیات کو کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں، پتھر کی سلوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھتے تھے۔

عہد رسالت، دور صحابہ اور زمانہ تابعین میں کاغذوں اور صحیفوں پر لکھنے کا رواج

قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں بھی اس کا ثبوت ہے کہ قرآن مجید صحائف میں لکھا ہوا تھا:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ (البینۃ: ۲) وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں O

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ (الاعلیٰ: ۱۸) بے شک یہ (نصیحت) پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے O

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (الشعراء: ۱۹۶) اور بے شک اس قرآن کا ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) ہے O

نیز امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پاس کتاب لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہوگے''۔ (صحیح البخاری: ۱۱۴)

نیز امام بخاری مشرکین کے ساتھ صلح کے باب میں روایت کرتے ہیں:

حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ میں عمرہ کیا تو اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں چھوڑنے سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ نے ان سے اس پر صلح کر لی کہ آپ مکہ میں تین دن رہیں گے، پس جب صحابہ نے صلح نامہ لکھا تو اس میں لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہے، پس مشرکین نے کہا: ہم اس کا اقرار نہیں کریں گے، پس اگر ہم کو یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو (مکہ سے) نہ روکتے لیکن آپ محمد بن عبداللہ ہیں: آپ نے فرمایا: میں رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں، پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ (کے الفاظ) کو مٹا دو، حضرت علی نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں آپ (کے نام) کو نہیں مٹاؤں گا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب (مکتوب) کو پکڑ کر اس پر لکھ دیا۔ یہ وہ (شرط) ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے''۔ الحدیث (صحیح البخاری: ۲۶۹۹، صحیح مسلم: ۱۷۸۳، سنن ابوداؤد: ۱۹۸۶، مسند احمد: ۵۰۶۹)

نیز امام بخاری حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں صرف اللہ کی کتاب ہے یا وہ فہم ہے جو ہر مسلمان مرد کو عطا کی گئی ہے یا جو اس صحیفہ میں (لکھا ہوا) ہے۔ میں نے پوچھا: اس صحیفہ میں کیا ہے؟ تو حضرت علی نے فرمایا: اس میں دیت کے احکام ہیں اور قیدیوں کو رہا کرانے کے احکام ہیں اور یہ حکم ہے کہ مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔
(صحیح مسلم: ۱۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۵۳۰، سنن ترمذی: ۲۱۲۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۲۷۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے اس صحیفہ کو اپنی تلوار کی میان سے نکالا، اسی طرح علامہ عینی نے بھی لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۶۵۵، دار المعرفہ، بیروت، عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صحیفہ کاغذات پر مشتمل تھا جب ہی تو وہ تلوار کی میان میں آ گیا تھا ورنہ اگر کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں یا پتھر کی سلوں یا کھالوں اور چمڑے پر وہ احکام لکھے ہوئے ہوتے تو وہ تلوار کی میان میں کیسے آسکتے تھے!

ہم نے اس بحث میں سب سے پہلے قرآن مجید کی آیات پیش کی ہیں جن میں صُحُف اور زُبُر کے الفاظ ہیں اور صحف اور زبر کتابوں کو کہتے ہیں کھجور کی شاخوں اور پتھر کی سلوں کو نہیں کہتے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حدیبیہ میں صلح نامہ لکھوایا اور اس میں آپ نے محمد بن عبد اللہ لکھا اس کے لیے بھی آپ نے کتاب کا لفظ فرمایا اور حدیث قرطاس میں بھی آپ نے فرمایا: مجھے کتاب لا کر دو لا کہ میں اس میں لکھ دوں۔

ان آیات، احادیث اور آثار سے واضح ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں کاغذات اور صحائف میں لکھنے کا رواج تھا نہ کہ کھجور کی شاخوں، ہڈیوں، پتھر کی سلوں اور چمڑوں پر اور اس مبحث کی مزید وضاحت اس اثر سے ہوتی ہے: امام دارمی اپنی سند کے ساتھ ابوقلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس عمر بن عبد العزیز ظہر کی نماز پڑھانے کے لیے آئے اور ان کے پاس ایک کاغذ تھا، پھر وہ ہمارے پاس عصر کی نماز پڑھانے کے لیے آئے اس وقت بھی اُن کے پاس وہی کاغذ تھا، میں نے پوچھا: اے امیر المومنین! یہ کیسی کتاب ہے؟ انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے عون بن عبد اللہ نے ایک حدیث بیان کی تھی جس کو میں نے ایک کاغذ پر لکھ لیا تھا۔ (سنن دارمی: ۵۱۴)

نیز امام دارمی کی درج ذیل روایات میں بھی کاغذات میں لکھنے کا ثبوت ہے:

ابن سیرین بیان کرتے ہیں: اگر میں کوئی کتاب بناتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسائل کو بناتا۔ (سنن دارمی: ۴۵۹)

ابراہیم نخعی کہتے تھے کہ حدیث کو کاغذوں اور کاپیوں پر لکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے حدیث مصحف کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ (سنن دارمی: ۴۶۸)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بنی اسرائیل نے کتاب کو لکھا اور اس کی پیروی کی اور تورات کو چھوڑ دیا۔ (سنن دارمی: ۴۸۴)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ہر اس چیز کو لکھ لیتا تھا جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا، پس مجھ کو قریش نے منع کیا اور انہوں نے کہا: تم ہر اس چیز کو لکھ لیتے ہو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، آپ غضب میں بھی کلام کرتے ہیں اور رضا میں بھی تو میں لکھنے سے رک گیا، پھر میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے اپنی انگشت مبارک سے اپنے دہن مقدس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: "لکھو پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے: اس منہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی"۔ (سنن ابوداؤد: ۳۶۴۶، سنن دارمی: ۴۸۸)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بیٹھتا تھا اور ایک صحیفہ میں لکھتا تھا۔ (سنن دارمی: ۵۰۵)
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈر جاتا ہو تو وہ یہ کہے:

اعوذ بکلمات اللہ التامة من غضبة و سوء عقابه و من شر الشیاطین وان یحضرون۔	میں اللہ کے غضب اور اس کی بری سزا سے اور شیاطین کے شر سے اور ان کے حاضر ہونے سے، اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے سمجھدار بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور ناسمجھ بچوں کے گلے میں یہ کلمات لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔
(سنن ابوداؤد: ۳۸۹۳، سنن ترمذی: ۳۵۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱، کتاب الدعا للطبرانی: ۱۰۸۶، المستدرک ج ۱ ص ۵۴۸، کتاب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۳۰۴)

اور ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اپنے بچوں کے گلوں میں کھجور کی چھلی ہوئی شاخ، پتھر کی سل اور کسی کھال کا تعویذ بنا کر تو نہیں لٹکاتے تھے بلکہ کاغذ کے اوپر ان کلمات کو لکھ کر ان کا تعویذ بنا کر بچوں کے گلے میں لٹکاتے تھے۔
کافی عرصہ سے میری یہ خواہش تھی کہ میں اس کی تحقیق کروں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں اور پتھر کی سلوں پر اور کھالوں پر قرآن مجید کو نہیں لکھتے تھے بلکہ کاغذات اور صحائف پر لکھتے تھے، اور میرا اس سے مقصد صرف قرآن مجید کی عظمت کو اجاگر کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس درجہ قرآن مجید کا ادب اور احترام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور میرے گناہوں کو اپنے فضل سے بخش دے اور قیامت کے دن قرآن مجید کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کی شفاعت نصیب فرمائے، امین، یا رب العالمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد سید المرسلین۔

۴۹۸۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِي أَهْلَ الشَّأْمِ فِي فَتْحِ إِرْمِينِيَةَ وَأَذْرَبِيجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَأَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اخْتِلَافُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ إِلَى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِي إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا إِلَيْكِ فَأَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ إِلَى عُثْمَانَ فَأَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ان سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس وقت حضرت حذیفہ اہل شام کے ساتھ مل کر ارمینیہ اور آذربیجان کی فتح کے لیے اہل شام سے مل کر جہاد کر رہے تھے، تب حضرت حذیفہ مسلمانوں کے قرآن مجید پڑھنے میں اختلاف سے گھبرا گئے تھے۔ پس حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا: اے امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت کتاب میں یہود و نصاریٰ کے اختلاف کی طرح اختلاف کرنے لگے آپ اس کا تدارک کر لیجئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس وہ مصحف بھیج دیں ہم ان کے موافق مصاحف لکھیں گے، پھر ہم اس کو آپ کی طرف واپس کر دیں گے،

بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوا حَتَّى إِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ إِلَى حَفْصَةَ وَأَرْسَلَ إِلَى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوا وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُحْرَقَ۔ (سنن ترمذی: ۳۱۰۴)

پس حضرت حفصہ نے وہ مصحف حضرت عثمان کی طرف بھیج دیا، پھر حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام کو یہ حکم دیا کہ وہ اس نسخہ کے موافق مصاحف لکھیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین قرشی صحابہ سے یہ کہا کہ جب تمہارا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کسی لفظ میں اختلاف ہو تو تم اس لفظ کو قریش کی زبان کے موافق لکھنا کیونکہ قرآن مجید قریش کی زبان پر نازل ہوا ہے، سو انہوں نے اسی طرح کیا حتیٰ کہ جب انہوں نے مصاحف میں اس مصحف کے موافق لکھ لیا تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ مصحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف واپس کر دیا، پھر انہوں نے تمام شہروں میں اس مصحف کی نقل بھیج دی جس کو انہوں نے لکھا تھا اور یہ حکم دیا کہ اس کے سوا قرآن مجید کے ہر صحیفہ کو یا مصحف کو جلا دیا جائے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۵۰۶ میں گزر چکی ہے، تاہم اس حدیث کے مزید کچھ مباحث ذکر کیے جا رہے ہیں:

اہل عراق اور اہل شام کے لشکروں کے امیروں کے نام

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ارمینیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح ہوا اور اس وقت اہل عراق کے لشکر کے امیر سلمان بن ربیعہ الباہلی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل شام اور اہل عراق کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس لشکر میں جمع ہو جائیں اور اہل شام کے لشکر کے امیر حبیب بن مسلمہ الفہری تھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ جہاد کرنے میں شریک تھے اور وہ اہل مدائن کے امیر تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے درمیان قرآن مجید کے پڑھنے میں اختلاف کی تفصیل

عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جب جہاد کر کے آئے تو وہ اپنے گھر نہیں گئے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اے امیر المومنین! مسلمانوں کا تدارک کر لیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ہوا؟ تو انہوں نے کہا: میں ارمینیہ کی فتح کے لیے جہاد کر رہا تھا، اس وقت اہل شام حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق قرآن پڑھ رہے تھے اور وہ اس طرح قرآن پڑھتے تھے جس طرح اہل عراق نے قرآن مجید نہیں سنا تھا اور اہل عراق اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق قرآن پڑھتے تھے اور وہ اس طرح قرآن پڑھتے تھے جس طرح اہل شام نے نہیں سنا تھا، پس وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے۔

امام ابن ابوداؤد نے یزید بن معاویہ النخعی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں الولید بن عقبہ کے زمانہ میں ایک مسجد کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی تھے تو انہوں نے سنا: ایک مرد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھ رہا تھا اور دوسرا مرد حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھ رہا تھا، تب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غصہ میں

کھڑے ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر کہا: اسی طرح تم سے پہلے لوگ اپنی کتاب میں مختلف ہو گئے تھے، اللہ کی قسم! میں ضرور امیر المومنین کے پاس جاؤں گا، اور دوسری سند کے ساتھ روایت ہے کہ دو مردوں نے سورۃ البقرۃ کی ایک آیت میں اختلاف کیا، ایک نے پڑھا: وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ ۱۹۶) اور دوسرے نے پڑھا: واتموا الحج والعمرة للبيت (البقرہ: ۱۹۶) تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے اور ان کی دونوں آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ابو الشعثاء کی سند سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے اور اہل بصرہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابو موسیٰ کی قراءت ہے اور اللہ کی قسم! میں ضرور امیر المومنین کے پاس جا کر یہ کہوں گا کہ ان سب کو ایک قراءت پر متفق کر دیں۔

اور امام ابن ابوداؤد نے المصاحف میں ابو قلابہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک معلم لڑکوں کو ایک صحابی کی قراءت کے موافق تعلیم دیتا اور دوسرا معلم کسی اور صحابی کی قراءت کے موافق تعلیم دیتا، پھر جب معلمین تک یہ اختلاف پہنچتا تو وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے خطبہ دیا اور کہا کہ تم میرے سامنے اختلاف کر رہے ہو اور مصعب بن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا: تم قرآن مجید میں جھگڑ رہے ہو اور تم کہتے ہو کہ یہ حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے اور یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت ہے اور محمد بن سیرین کی سند سے روایت ہے کہ ایک مرد قرآن پڑھتا اور دوسرے مرد سے قرآن سن کر اس کو کافر کہتا۔ جب یہ خبریں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچیں تو انہوں نے بات کو بہت سنگین جانا اور معصب بن سعید بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دے کر فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پندرہ (۱۵) سال ہوئے ہیں اور تم قرآن مجید پڑھنے میں اختلاف کرنے لگے اور حضرت عثمان کی خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ہوئی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیئس (۲۳) ہجری کو ذی الحج کے اواخر میں شہید ہوئے تھے اور ارمینیہ کی فتح ان کی خلافت کے ایک سال بعد ہوئی تھی یعنی چوبیس (۲۴) ہجری میں اور پچیس (۲۵) ہجری کے اوائل میں اور اس کے بعد ہی مسلمانوں میں قرآن مجید کے پڑھنے میں اختلاف ہوا تھا۔

صحیفہ اور مصحف کا فرق اور حضرت عثمان کی رائے کے مطابق تمام صحیفوں کو ایک مصحف کے مطابق کرنا

یونس بن زید کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفہ منگوایا جس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت زید نے جمع کیا تھا، پس اس کے موافق مصاحف لکھے اور ان کو مختلف شہروں میں بھیج دیا۔

اور صحف اور المصحف میں یہ فرق ہے کہ صحف ان اوراق مجردہ کو کہتے ہیں جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا تھا اور ان میں سورتیں متفرق تھیں۔ ہر سورت میں اس کی آیات الگ الگ مرتب تھیں لیکن سورتوں کی ترتیب نہیں تھی، پھر جب اس صحیفہ کے موافق مصاحف لکھے گئے تو ان سورتوں کو ترتیب دی گئی اور پھر یہ مجموعہ مصحف ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے کیا تھا۔

امام ابن ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ سوید بن غفلہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق سوائے خیر کے اور کچھ نہ کہو، پس اللہ کی قسم! انہوں نے جو مصاحف مرتب کیے ہیں وہ ہماری ایک جماعت کے مشورے سے کیے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے اور یہ بات کفر کے قریب ہے۔ ہم نے کہا کہ پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ تو حضرت عثمان نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ میں تمام لوگوں کو ایک مصحف

پر جمع کردوں، پس نہ کوئی فرق رہے گا اور نہ کوئی اختلاف رہے گا تو ہم نے کہا: ٹھیک ہے آپ وہی کریں جو آپ کی رائے ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف لکھنے والوں میں حضرت ابن مسعود کو شامل نہیں کیا، اس پر ان کا اعتراض اور حضرت عثمان کی طرف سے توجیہ

امام ابن ابوداؤد نے حضرت عبد اللہ بن مغفل اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہمارے مصاحف میں سوائے قریش اور ثقیف کے جوانوں کے اور کوئی نہ لکھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: صحیح بخاری کی اس حدیث میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر اور حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم نے اس صحیفہ کے موافق مصاحف کو لکھا، اور جن کے ہم نے نام ذکر کیے ہیں ان میں سے کوئی صحابی بھی ثقیف سے نہیں تھا بلکہ وہ سب یا تو قرشی تھے یا انصاری تھے اور مصاحف میں لکھنے کی ابتداء حضرت زید بن ثابت اور حضرت سعید بن العاص سے ہوئی تھی اور بعد میں ان کی مدد کے لیے حضرت ابی بن کعب کو بھی ان کے ساتھ ملا لیا گیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ ان کو مصاحف میں لکھنے والوں میں شامل نہیں کیا گیا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابت کے مصاحف کے لکھنے پر اعتراض کیا اور امام ترمذی کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اے مسلمانو! مجھے مصاحف کے لکھنے سے معزول کر دیا گیا ہے اور اس شخص کو لکھنے پر مقرر کیا گیا ہے کہ جب میں نے اسلام قبول کیا تو وہ ایک کافر کی پشت میں تھا، اس سے ان کی مراد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔

اور امام ابن ابوداؤد نے خمیر بن مالک سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر (۷۰) سورتیں سنی ہیں اور اس وقت زید بن ثابت بچوں میں سے ایک بچہ تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مصاحف لکھنے والوں میں شامل نہیں کیا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان نے یہ کام مدینہ منورہ میں کیا تھا اور اس وقت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں تھے اور انہوں نے اس میں تاخیر نہیں کی کہ وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کو بلائیں اور وہ آئیں کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد حضرت ابوبکر کے صحیفے کے موافق صحائف تیار کر لیے جائیں اور ان کو اسلامی شہروں میں بھیج دیا جائے، حضرت عثمان نے اس کام کا سربراہ حضرت زید بن ثابت کو بنایا کیونکہ حضرت ابوبکر نے ان ہی کو قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دیا تھا اور حضرت ابوبکر نے ان کو اس لیے حکم دیا تھا کہ وہ کاتب وحی تھے اور ان کو اس میں سبقت حاصل تھی۔

مروان نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ صحائف لے کر ان کو پھاڑا، پھر ان کو دھویا، پھر ان کو جلا دیا

اس حدیث میں مذکور ہے: حتیٰ کہ جب انہوں نے ان صحائف کے موافق مصاحف میں لکھ لیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحائف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام ابوعبید نے اور امام ابن ابوداؤد نے ابن شہاب کی سند سے اس حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب مروان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا تو اس نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ آپ وہ صحائف دے دیں تو حضرت ام المومنین نے اس کو وہ صحائف دینے

سے انکار کر دیا۔ حضرت سالم نے بتایا کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی اور ہم ان کی تدفین سے فارغ ہو کر آئے تو پھر مروان نے سخت تاکید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ صحائف ان کو دے دیں، پس حضرت عبداللہ بن عمر نے وہ صحائف ان کو دے دیئے، پھر مروان کے حکم سے ان صحائف کو پھاڑ دیا گیا اور مروان نے کہا کہ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد لوگ ان صحائف میں شک کریں گے اور امام ابن ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اس نے صحائف کو پھاڑ کر جلا دیا اور عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے کہ اس نے پہلے ان صحائف کو دھویا، پھر ان کو جلا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مختلف شہروں میں بھیجے ہوئے مصاحف کی تعداد

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کی نقول تمام شہروں میں بھیج دیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ان مصاحف کی تعداد میں اختلاف ہے جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں میں بھیجا تھا، پس مشہور یہ ہے کہ ان کی تعداد پانچ تھی اور امام ابوداؤد نے حمزہ الزیات کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار مصاحف بھیجے تھے اور ابوحاتم السجستانی نے بتایا کہ میں نے سات مصاحف لکھے تھے: (۱) مکہ کی طرف (۲) الشام کی طرف (۳) الیمن کی طرف (۴) البحرین کی طرف (۵) البصرہ کی طرف (۶) الکوفہ کی طرف (۷) المدینہ کی طرف۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحائف کو جلانے سے ان کتابوں کے جلانے کے جواز پر استدلال جن میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہو اور اس مسئلہ میں فقہاء کی عبارات اور قرآن کے الفاظ ونقوش کے قدیم نہ ہونے پر دلیل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مصاحف کے سوا ہر صحیفہ اور مصحف کو جلانے کا حکم دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: سوید بن غفلہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف کو جلوایا تھا ان کے متعلق خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔

قاضی عیاض نے وثوق سے کہا ہے کہ انہوں نے پہلے ان مصاحف کو پانی سے دھویا، پھر ان کو جلایا تا کہ ان مصاحف کو محو کرنے میں مبالغہ ہو جائے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان کتابوں کو جلانے کے جواز کی دلیل ہے جن میں اللہ کا نام لکھا ہوا ہو اور یہ ان کتابوں کی تکریم ہے تا کہ وہ قدموں تلے روندی نہ جائیں، اور امام عبدالرزاق نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ وہ ان رسائل کو جلا دیتے تھے جن میں بسم اللہ لکھی ہوئی ہو، اور اسی طرح عروہ نے کہا ہے، اور ابراہیم نخعی نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور ابن عطیہ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت کا حکم ہے اور اب ایسے رسائل کو دھونا اولیٰ ہے جب ان کے ازالہ کی ضرورت ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو ان صحائف کو جلایا تھا ان سے ان علماء کے خلاف استدلال کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے حروف اور نقوش اور ان کی آواز بھی قدیم ہے کیونکہ کلام اللہ کے قدیم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن اوراق میں وہ سطریں لکھی ہوئی ہوں وہ بھی قدیم ہوں اور اگر وہ اوراق قدیم ہوتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم ان اوراق کو جلانے کی جرات نہ کرتے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۷۔۱۶۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس سلسلہ میں فقہاء کی مزید عبارات اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحائف کو جلانے کی توجیہات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

علامہ ابوبکر بن الطیب نے کہا ہے کہ اگر امام کا اجتہاد یہ ہو کہ ان صحائف اور کاغذات کو جلا دیا جائے جن میں قرآن لکھا ہے تو یہ جائز ہے۔ علامہ ابن عطیہ نے کہا: جو شخص ان صحائف کو پھاڑے تو وہ بعد میں ان کو دفن کر دے اور اگر ان کو زائل کرنے کی ضرورت ہو تو ان کو دھونا اولیٰ ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان صحائف کو اس لیے جلایا تھا کہ ان میں شاذ اور متواتر قراءتیں مختلط تھیں اور ان کو اس میں تحریف کا خدشہ تھا یا اس لیے کہ ان مصاحف کا مکمل خاتمہ ہو جائے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ ان کا ان صحائف کو جلانا حضرت عثمان کے مصحف کی حفاظت کی غرض سے تھا اور علامہ قرطبی نے حکیم ترمذی سے یہ نقل کیا ہے کہ جب قرآن مجید کا نسخہ پرانا ہو جائے تو اس کو پانی سے دھو دیا جائے، اور حسن بصری نے کہا ہے کہ پرانے مصحف کو جلایا نہ جائے بلکہ اس کو دھو کر اس کے غسالہ کو پی لیا جائے۔

میں کہتا ہوں: پرانے مصحف کو دھونا اس صورت پر محمول ہے جب ان کو کچی سیاہی سے لکھا گیا ہو جس کو دھو کر زائل کرنا ممکن ہے اور اگر وہ پکی سیاہی سے چھپا ہوا ہو جیسا کہ آج کل مطبوعہ کتابیں ہوتی ہیں تو پھر پرانے مصحف کو قبرستان کے کسی کونے میں دفن کر دینا چاہیے جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب باحوالہ آئے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۵۔ ۲۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

محدثین احناف کے نزدیک پرانے اور بوسیدہ قرآن کے اوراق کا شرعی حکم

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ جب مصحف پرانا ہو جائے اور اس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے تو اس کو کسی پاک جگہ پر دفن کر دینا چاہیے جو جگہ لوگوں کی آمد و رفت سے بہت دور ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۔ ۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ملا علی سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علماء کا مصحف کے بوسیدہ اوراق کے متعلق اختلاف ہے جب ان سے نفع نہ ہو سکے، اولیٰ یہ ہے کہ ان اوراق کو دھو دیا جائے یا جلا دیا جائے، پس کہا گیا ہے کہ جلانا مختار ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی بے حرمتی نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف دھونے سے ہو سکتا ہے اس کا دھوون قدموں کے نیچے آئے، دوسرا قول یہ ہے کہ دھونا مختار ہے اور اس کا غسالہ (دھوون) کسی پاک جگہ میں ڈال دیا جائے کیونکہ قرآن مجید کے اوراق کو جلانے میں ان کی ایک قسم کی اہانت ہے۔ علامہ ابن حجر الہیتمی المکی الشافعی نے کہا ہے کہ جلانے کو ترجیح ہے کیونکہ حضرت عثمان نے بھی صحیفوں کو جلا دیا تھا اور حضرت عثمان کا جلانے سے مقصد یہ تھا کہ مصحف کو بالکلیہ محفوظ کر دیا جائے اور اس میں کسی قسم کی بے حرمتی نہیں تھی اور ہمارے ائمہ شافعیہ نے جو ان اوراق کے جلانے کو حرام کہا ہے یہ اس صورت میں ہے جب اس سے مال ضائع ہو بایں طور کہ جن اوراق میں قرآن لکھا ہوا ہے ان کی قیمت ہو اور جلانے سے وہ قیمت ضائع ہو جائے۔

ملا علی قاری الہروی فرماتے ہیں: یہ بہت عجیب و غریب تاویل ہے کیونکہ گفتگو اس صورت میں ہے جب ان اوراق کا کوئی نفع نہ ہو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جلانے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عثمان نے ان اوراق کو جلایا تھا جن کے متعلق قطعیت سے یہ ثابت نہیں تھا کہ وہ قرآن ہیں یا ان اوراق کو جلایا تھا جن کا قرآن مجید ہونا مشکوک تھا اور انہوں نے جلانے کو اس لیے اختیار کیا کہ اس سے یہ شک زائل ہو جاتا ہے کہ انہوں نے بعض قرآن کو ترک کر دیا کیونکہ اگر وہ اوراق قطعیت کے ساتھ قرآن ہوتے تو کسی مسلمان کے لیے ان کو جلانا جائز نہ تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس کی راکھ کو محفوظ رکھنے کا حکم نہیں دیا مبادا وہ نجاست میں گر جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بہ ظاہر اہانت ہے، اس لیے ان

اوراق کو دھونا متعین ہے بلکہ اس کے غسالہ کو پی لینا چاہیے کیونکہ اس کا غسالہ ہر بیماری کی دوا ہے اور دلوں کی شفا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۷۳۳، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ ہر صحیفہ کو جلا دیا جائے یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے، اس میں راوی کو شک ہے کہ یہ لفظ یُحْرَقَ ہے یا یُخْرَقَ ہے اور اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو مصحف تھا اس کو بھی وعدہ کے مطابق واپس کرنے کے بعد جلا دیا گیا تھا۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۷۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

شیخ نورالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۷۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ قرآن مجید اگر پرانا ہو جائے یا بوسیدہ ہو جائے تو اس کو ایسی پاک زمین میں دفن کر دینا چاہیے جو لوگوں کی آمد و رفت سے اور ان کے پاؤں کے روندنے سے محفوظ ہو۔ (تیسیر القاری ج ۴ ص ۲۷۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

فقہاء احناف کے نزدیک قرآن مجید کے پرانے اور بوسیدہ اوراق کا شرعی حکم

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب مصحف اتنا پرانا ہو جائے کہ اس سے پڑھا نہ جا سکے تو اس کو جلایا نہیں جائے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السیر میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے اور جو اس کو دفن کرنے کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ وہ اس کو کسی پاک کپڑے میں لپیٹے اور اس کے لیے گڑھا کھودے اور لحد بنائے اور شق نہ بنائے کیونکہ جب اس گڑھے کو شق بنایا جائے گا تو اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے اور اللہ عزوجل کے کلام کا استخفاف ہے اور اگر وہ چاہے تو وہ ان اوراق کو پانی کے ساتھ دھولے اور اگر وہ چاہے تو ان اوراق کو کسی ایسی پاک جگہ پر رکھ دے جہاں بے وضو لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچیں اور ان پر گرد و غبار نہ پڑے تاکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعظیم باقی رہے۔ (المحیط البرہانی ج ۸ ص ۱۰، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۲۴ھ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ نے کہا ہے کہ:

جن کتابوں سے نفع حاصل نہ ہو سکتا ہو ان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کے اسماء کو مٹا دیا جائے۔ اور باقی کتابوں کو جلا دیا جائے اور اگر ان کو اس صورت میں جاری پانی میں ڈال دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے یا دفن کر دیا جائے تو وہ زیادہ بہتر ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی تدفین کی جاتی ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: ان بوسیدہ قرآن مجید کے اوراق کو دفن کر دینا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو ان کی وفات کے بعد دفن کر دیا جاتا ہے، اسی طرح تمام وہ کتابیں جو پرانی ہو جائیں اور ان سے نفع حاصل نہ ہو سکے تو ان کا یہی حکم ہے، یہ المجتبیٰ کی عبارت ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو دفن کرنا تعظیم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جو تمام لوگوں سے افضل ہیں ان کو بھی دفن کر دیا جاتا ہے اور الذخیرۃ میں مذکور ہے کہ مصحف جب پرانا ہو جائے اور اسے پڑھنا دشوار ہو جائے تو اس کو آگ میں جلایا نہیں جائے گا، امام محمد نے اس طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اس پر فتویٰ دیتے ہیں اور اس کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے اور اس کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر لحد بنا کر رکھنا چاہیے کیونکہ اگر اس کی قبر شق بنائی تو دفن کے وقت اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے۔ ہاں! اگر قبر کو بہ طور شق بنایا جائے اور اس پر چھت ڈال دی جائے تو پھر درست ہے اور اگر چاہے تو

ان بوسیدہ اوراق کو پانی کے ساتھ دھولے یا ان کو کسی ایسی پاک جگہ پر رکھ دے جہاں پر کسی بے وضو کا ہاتھ یا گرد و غبار یا نجاست نہ پہنچے تا کہ اللہ عزوجل کے کلام کی تعظیم باقی رہے۔ (رد المحتار مع الدر المختار ج ۹ ص ۵۱۹۔۵۱۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ملا نظام الدین حنفی مرتب فتاویٰ عالمگیری متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

مصحف جب پرانا ہو جائے اور اس سے پڑھا نہ جا سکے اور یہ خطرہ ہو کہ یہ ضائع ہو جائے گا تو اس کو ایک پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور اس کو دفن کرنا اس سے بہتر ہے کہ اس کو کسی ایسی جگہ رکھ دیا جائے جہاں اس پر نجاست وغیرہ پڑنے کا خطرہ نہ ہو اور اس کی لحد بنائی جائے کیونکہ اگر اس کی قبر شق بنائی گئی تو اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے، ہاں اگر اس پر چھت بنا دی جائے بایں طور کہ ان اوراق پر مٹی نہ پہنچے تو یہ بھی مستحسن ہے، اسی طرح الغرائب میں مذکور ہے۔ مصحف جب پرانا ہو جائے اور اس سے پڑھنا دشوار ہو تو اس کو آگ میں نہیں جلایا جائے گا۔ امام محمد شیبانی نے اسی بات کی طرف ''السیر الکبیر'' میں اشارہ کیا ہے اور ہم بھی اسی پر فتویٰ دیتے ہیں اور اسی طرح الذخیرہ میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۳، مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

غیر مقلدین کے نزدیک جن کاغذوں میں خدا کا نام ہو ان کو جلانا جائز ہے

مشہور غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ صحیح البخاری: ۴۹۸۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان کا صحائف قرآن کو جلانا عین مناسب اور مقتضائے مصلحت تھا۔ یہ حکم حضرت عثمان نے سب صحابہ کے سامنے دیا انہوں نے اس پر انکار نہیں کیا، بعضوں نے کہا: حضرت عثمان نے ان کو دھلوا ڈالا، پھر ان کو جلوا دیا، اس حدیث سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جن کاغذوں میں خدا کے نام ہوں ان کو جلا ڈالنا درست ہے۔ (تیسیر القاری ج ۴ ص ۷۸۰، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۰ء)

دوسرے غیر مقلد عالم شیخ داؤد راز میواتی نے بھی یہی عبارت نقل کی ہے۔ (ترجمہ و شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۵۲۱، مکتبہ قدوسیہ، لاہور)

۴۹۸۸۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُ آيَةً مِنَ الْأَحْزَابِ حِينَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَأَلْحَقْنَاهَا فِي سُورَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ۔

ابن شہاب نے کہا اور مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بتایا: جب ہم المصحف کو لکھ رہے تھے تو میں نے سورۃ الاحزاب کی ایک ایسی آیت کو گم پایا جس کو میں سنتا تھا کہ ''رسول اللہ ﷺ اس آیت کو پڑھتے تھے پس ہم نے اس آیت کو تلاش کیا تو ہم نے اس آیت کو حضرت خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا وہ آیت یہ ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۲۳) مومنوں میں کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا'' پس ہم نے اس آیت کو مصحف میں اس سورت کے ساتھ ملا دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۸۰۷ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

درج ذیل روایت میں ابن شہاب زہری کا وہم

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن شہاب کی اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سورۃ الاحزاب کی اس آیت کو صحیفوں سے اس وقت گم پایا جب وہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں مصحف کو لکھ رہے تھے، اور یہ ابن شہاب کا وہم ہے اور صحیح بات وہ ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کی خلافت میں سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتوں کو گم پایا تھا اور سورۃ الاحزاب کی جس آیت کو انہوں نے گم پایا تھا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ کا واقعہ ہے جب انہوں نے مصحف کو لکھا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کے درمیان فرق

علامہ ابن التین وغیرہ نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن جمع کرنے میں فرق یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ تھا کہ قراء اور حفاظ کی زیادہ تعداد میں شہادت سے کہیں اصل قرآن ان کے ہاتھ سے نہ جاتا رہے اور یہ فرق بھی تھا کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ایک جگہ قرآن مجید کو نہیں جمع کیا گیا، پس قرآن مجید کو متعدد صحائف میں جمع کیا گیا جن میں سورتوں کی آیات اس طرح مرتب تھیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتایا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو اس وقت جمع کیا جب متعدد لغات کے موافق قرآن مجید پڑھنے کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف ہوا اور وہ ایک دوسرے کو خطا پر قرار دینے لگے، پس حضرت عثمان کو یہ خطرہ ہوا کہ اس سے مسلمانوں میں تفرقہ ہو جائے گا، پس انہوں نے ان متعدد صحائف کو ایک مصحف میں جمع کر لیا اور ان کی سورتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب پر رکھا اور تمام لغات میں سے صرف لغت قریش پر قرآن مجید کو باقی رکھا کیونکہ قرآن مجید قریش کی لغت پر نازل ہوا ہے اور ابتدائے اسلام میں دوسری لغات پر بھی قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی تا کہ مسلمانوں کو حرج اور مشقت نہ ہو، پس حضرت عثمان نے یہ دیکھا کہ اب ضرورت پوری ہو چکی ہے تو انہوں نے صرف ایک لغت پر اقتصار کیا اور چونکہ لغت قریش کو تمام لغات پر ترجیح تھی اس لیے انہوں نے قرآن مجید کو لغت قریش کے موافق جمع کیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴- بَابُ: كَاتِبِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کاتب یعنی قرآن مجید لکھنے والا

۴۹۸۹- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ ابْنَ السَّبَّاقِ قَالَ إِنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ رضي الله عنه قَالَ إِنَّكَ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَاتَّبِعِ الْقُرْآنَ فَتَتَبَّعْتُ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ إِلَى آخِرِهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب کہ ابن السباق نے کہا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور کہا: بے شک تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وحی کو لکھتے تھے، پس تم قرآن کو تلاش کرو، پس میں نے تلاش کیا حتیٰ کہ میں نے سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتوں کو حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا جن کو میں نے ان کے سوا کسی اور کے پاس نہیں پایا تھا، وہ آیتیں یہ ہیں: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

(التوبہ:۱۲۸) بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم
رسول آ گئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے۔یہ
آیتیں آخر سورت تک ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۴۷۰۸ میں گزر چکی ہے۔

قرآن مجید کو جمع کرنا اور اس کو لکھنا اور اس کی حفاظت کرنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ ابوبکر بن الطیب نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کو لکھنے کی سنت قائم کی اور اس کو لکھنے کا حکم دیا اور اپنے کاتبوں کو لکھنے کا حکم دیا اور بے شک حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور ائمہ کی جماعت نے قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کو لکھنے اور اس کی حفاظت کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کیا اور انہوں نے اپنی طرف سے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔

سربراہ ملک کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کے فلاحی امور اور احکام شرعیہ کی ترویج اور نفاذ کے لیے کوئی کاتب یا سیکریٹری رکھے

علامہ المہلب نے کہا ہے کہ خلیفہ اور امام کے لیے یہ سنت ہے کہ وہ کاتب کو رکھیں جو ان کے لیے ان ضروری امور کو لکھے جو عوام کے مفاد میں ہوں اور وہ کاتب سربراہ ملک کی احکام شرعیہ میں مدد کرے کیونکہ سربراہ ملک کے لیے یہ لازم ہے کہ عوام کی فلاح اور بہبود میں غور وفکر کرے اور لوگوں کو ان کاموں سے روکے جو ان کو کتاب اللہ سے غافل کریں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھ پر خلافت کا بوجھ نہ ہوتا تو میں اذان دیتا، ان کی مراد یہ تھی کہ خلافت کے کاموں نے مجھے مسلمانوں کے دوسرے امور سے مشغول رکھا یعنی اذان وغیرہ سے کیونکہ اذان میں تو کوئی ان کا نائب ہو سکتا ہے اور امامت میں کوئی ان کا نائب نہیں تھا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۷۔۲۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن کثیر کا امام بخاری پر اعتراض کہ اس باب کی حدیث باب کے عنوان کے مطابقت نہیں ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: امام بخاری نے اس باب کا عنوان ''کُتَّابُ النَّبِیِّ'' بنایا ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین، اور اس باب کی حدیث میں صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے اور یہ بہت عجیب بات ہے، پس گویا کہ امام بخاری کو اپنی شرط کے مطابق صرف حضرت زید بن ثابت کے کاتب ہونے کی حدیث ملی، پھر انہوں نے ''السیرۃ النبویہ'' میں دیگر کاتبین وحی کی طرف اشارہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی حافظ ابن کثیر کا رد کرتے ہوئے امام بخاری کی طرف سے جواب دیتے ہیں کہ صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں اس باب کا عنوان ''کاتب النبی'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے نہ کہ ''کُتاب النبی'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لہٰذا اس باب کی حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر کاتبین وحی

بعض اوقات حضرت زید بن ثابت غائب ہوتے تھے تو دوسرے صحابہ وحی لکھتے تھے اور حضرت زید بن ثابت سے پہلے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وحی لکھتے تھے اور یہ مدینہ میں وحی لکھنے والے پہلے کاتب تھے اور مکہ مکرمہ میں جنہوں نے سب سے پہلے وحی کو لکھا وہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھے، پھر وہ مرتد ہو گئے، پھر فتح مکہ والے دن انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا اور آپ کے دیگر کاتبین وحی میں خلفاء اربعہ ہیں اور حضرت الزبیر بن العوام ہیں اور حضرت خالد اور حضرت ابان ہیں جو سعید بن العاص بن امیہ کے بیٹے ہیں اور حضرت حنظلہ بن الربیع الاسدی ہیں اور حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن الارقم الزہری ہیں اور حضرت شرحبیل ابن حسنہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ہیں رضی اللہ عنہم، ان کے علاوہ اور بھی کئی کاتبین ہیں۔

امام احمد اور امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور اس کو امام ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا زمانہ آتا کہ آپ پر کئی کئی سورتیں نازل ہوتیں، پس جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ اس سے فرماتے جو آپ کے پاس لکھتا تھا کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھو جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے''۔ (الحدیث) (فتح الباری ج ٦ ص ١٦٨، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

۴۹۹۰۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ادْعُ لِي زَيْدًا وَلْيَجِئْ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ وَالْكَتِفِ أَوِ الْكَتِفِ وَالدَّوَاةِ ثُمَّ قَالَ اكْتُبْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ وَخَلْفَ ظَهْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَمْرُو بْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ الْأَعْمَى قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ فَمَا تَأْمُرُنِي فَإِنِّي رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ فَنَزَلَتْ مَكَانَهَا لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابواسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (النساء: ۹۵) بلا عذر اور بلا ضرر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے (کافروں کے خلاف) جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے لیے زید کو بلاؤ اور وہ تختی اور دوات اور کندھے کی ہڈی لے کر آئیں یا کندھے کی ہڈی اور دوات لے کر آئیں، پھر آپ نے فرمایا: لکھو: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ (جہاد سے بیٹھنے والے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ کے پیچھے حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے جو نابینا تھے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں میں تو نابینا مرد ہوں تو اس وقت اس کی جگہ یہ آیت نازل ہوئی: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ (النساء: ۹۵) بلا عذر اور بلا ضرر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے (کافروں کے خلاف) جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۹۴ میں میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

غنی کا فقر سے افضل ہونا، تکلیف مالا یطاق کے جواز پر علامہ ابن ملقن کی فقہاء احناف کے خلاف دلیل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام مالک نے کہا ہے: حضرت جبریل علیہ السلام غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ والی آیت کو لے کر قلم خشک ہونے سے پہلے پہنچ گئے اور اس آیت کو پہلی آیتوں کے ساتھ ملا دیا گیا یعنی لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ کے ساتھ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے چڑھنے اور اترنے میں ایک ہزار سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ غنی، فقر سے افضل ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو مجاہدین اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کو خرچ کرتے ہیں وہ ان مسلمانوں سے افضل ہیں جو کسی عذر کی وجہ سے اللہ کی راہ میں اور دین کی سربلندی کے لیے اپنی جان اور مال کو خرچ نہیں کر سکے، لہٰذا اصحابِ عذر اور فقراء ان اغنیاء اور مجاہدین کے درجوں کو نہیں پہنچ سکتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحبانِ عذر اگر فرائض لازمہ کو ادا نہ کر سکیں جن کو تندرست اور قادرین ادا کرتے ہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

اس آیت میں جمہور فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ تکلیف مالا یطاق جائز ہے یعنی بندے کو ان کاموں کا مکلف کرنا جائز ہے جن کاموں کے کرنے کی اس میں طاقت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نابینا کو بھی جہاد کرنے کا مکلف کیا تھا حالانکہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا، پھر بعد میں غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ فرما کر نابینا کو جہاد کرنے کے حکم سے مستثنیٰ فرما دیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ ھ)

علامہ ابن ملقن کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: فقہاء احناف کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا بندوں کو ایسے کاموں کا مکلف کرنا جائز نہیں ہے جن کو بندہ نہ کر سکتا ہو، دیکھیے! احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۷۳۳، المنثور فی القواعد ج ۱ ص ۲۰۳۔۲۰۲، المستصفیٰ ص ۷۰، البحر المحیط للزرکشی ج ۲ ص ۱۱۱۔۱۰۹۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ (البقرہ: ۲۸۶) اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔
لہٰذا جو کام بندوں کے کرنے کی طاقت میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کا مکلف نہیں فرماتا اور علامہ ابن ملقن کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً جہاد کا حکم دینے کے بعد قلم کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے فوراً ہی غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کو نازل فرما دیا، اگر غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کو نازل نہ فرمایا ہوتا تو علامہ ابن ملقن کی دلیل مکمل ہوتی۔

صحیح البخاری: ۴۹۹۰ میں النساء: ۹۵ کا صحیح لکھا ہوا نہ ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
صحیح بخاری میں یہ آیت اس طرح مذکور ہے کہ اس میں غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے بعد ہیں اور تلاوت میں غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ کے بعد ہیں، اور اسرائیل کی روایت میں یہ آیت درست طریقے سے لکھی ہوئی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۸، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۸)
میں کہتا ہوں: ہم نے اس حدیث میں اس آیت کو اسی طرح لکھا ہے جس طرح یہ آیت قرآن مجید میں درج ہے۔ دار الفکر کے

مطبوعہ صحیح بخاری کے نسخہ میں النساء: ۹۵ کو صحیح نہیں لکھا، ہم نے اس آیت کو صحیح طریقہ سے لکھا ہے۔

۵۔ بَابٌ: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ
قرآن مجید کو سات حرفوں پر نازل کیا گیا (یعنی سات قبیلوں کی لغات پر)

۴۹۹۱۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے لیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی کہ ان کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے قرآن مجید ایک قراءت (یا ایک قبیلہ کی لغت) پر پڑھایا، پس میں مسلسل ان سے اس قراءت میں (یا قبیلہ کی لغت میں) اضافہ کو طلب کرتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے سات قراءتوں (یا سات قبیلوں کی لغات) پر انتہاء کر دی''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۱۹ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور کا بیان کیا جارہا ہے:

سات حرفوں سے مراد سات لغات ہیں

علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی الحنبلی التوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان سات حرفوں کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے اور اس میں ان کے پینتیس (۳۵) اقوال ہیں جن کو حافظ ابو حاتم بن حبان نے بیان کیا ہے لیکن جمہور نے ان کو اختیار نہیں کیا اور ہمارا مختار یہ ہے کہ اس حدیث میں حرف سے مراد لغت ہے، پس قرآن مجید لغات عرب میں سے سات فصیح لغات پر نازل ہوا ہے، پس بعض قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا اور بعض لغت ہزیل کے موافق نازل ہوا اور بعض لغت ہوازن کے موافق نازل ہوا اور دیگر فصیح لغات کے موافق نازل ہوا۔

بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا حضرت جبریل علیہ السلام ہر لفظ کو سات لغات کے موافق پڑھتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت لازم آتا جب ہر لفظ میں سات لغات جمع ہوتیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ سات لغات قرآن مجید میں متفرق ہیں، پس بعض قرآن لغت قریش کے موافق نازل ہوا اور بعض قرآن دوسروں کی لغت پر نازل ہوا اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہر لفظ میں سات لغات ہیں تو ہم کہیں گے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر مرتبہ ایک لغت کے موافق قرآن مجید کو لے کر نازل ہوتے، پھر دوسری بار دوسری لغت میں لے کر قرآن مجید کو نازل کرتے یہاں تک کہ سات لغات مکمل ہو گئیں۔ (کشف المشکل ج ۲ ص ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید کے بعض کلمات کو سات سے زیادہ طریقوں پر پڑھا گیا ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر کلمہ اور ہر جملہ سات حروف پر پڑھا گیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک کلمہ کو مختلف طریقوں

کے مطابق پڑھنے کی تعداد سات کے عدد تک پہنچتی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ بعض کلمات سات سے زیادہ طریقوں کے مطابق پڑھے گئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر اور غالب یہ ہے کہ ایک کلمہ زیادہ سے زیادہ سات طریقوں سے پڑھا گیا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ سات سے زیادہ پڑھنے کا طریقہ ثابت نہیں ہے بلکہ یہ کسی کلمہ کی ادائیگی میں اختلاف ہے جیسے کسی کلمہ کو مد کے ساتھ پڑھنا یا امالہ کے ساتھ پڑھنا، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ سات کے لفظ سے عدد کی حقیقت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد تسہیل، تیسیر اور آسانی ہے اور اکائی میں سات کا لفظ بول کر اس سے کثرت مراد لی جاتی ہے، اسی طرح دہائی میں ستر (۷۰) کے لفظ سے کثرت مراد لی جاتی ہے اور سینکڑہ میں سات سو کے عدد سے کثرت مراد لی جاتی ہے، پس چوتھے جواب کا حاصل یہ ہے کہ سات حروف سے مراد سات کا عدد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کثیر حروف ہیں، قاضی عیاض اور ان کے متبعین کا اسی طرف میلان ہے۔

علامہ قرطبی نے امام ابن حبان سے روایت کی ہے کہ ان حروف میں اختلاف سات سے لے کر پینتیس (۳۵) اقوال تک ہے اور علامہ قرطبی نے ان میں سے صرف پانچ اقوال نقل کیے ہیں اور میں صحیح ابن حبان میں بسیار تلاش کے باوجود ان پینتیس (۳۵) اقوال پر مطلع نہیں ہو سکا اور عنقریب میں اس باب کے آخر میں ان میں سے مقبول اور مردود اقوال کا بیان کروں گا۔

(فتح الباری جلد ۶ ص ۶۶۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

سات حروف سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایک لفظ کی جگہ اس کے مترادف دوسرے لفظ کو پڑھنا جائز ہے

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سات حروف سے کیا مراد ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے: سات مختلف معانی جیسے امثال، احکام اور قصص وغیرہ اور یہ قول غلط ہے کیونکہ حدیث میں یہ اشارہ کیا ہے کہ ان میں سے ہر حرف کے مطابق قرآن مجید کو پڑھنا جائز ہے اور اس پر اجماع ہے کہ امثال کی آیت کو احکام کی آیت کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ۚ۔ آپ کہیے کہ اس قرآن کو تبدیل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

(یونس: ۱۵)

اور ابن شہاب نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ سات حروف ایک آیت میں ہیں، پس اس میں حلال اور حرام کا اختلاف نہیں ہے اور یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک کلمہ کی جگہ اس معنی کے دوسرے کلمہ کو پڑھنا جائز ہے اور اس کی مالک بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو پڑھایا:

إِنَّ شَجَرَتَ ٱلزَّقُّومِ ۝ طَعَامُ ٱلْأَثِيمِ ۝ بے شک تھوہر کا درخت ○ گنہ گاروں کا کھانا ہے ○

(الدخان: ۴۴-۴۳)

پس ایک مرد نے الاثیم کی جگہ الیتیم پڑھا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: طعام الفاجر پڑھو یعنی گنہ گار کا کھانا، پس میں نے امام مالک سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے کہ قرآن مجید میں اس طرح پڑھا جائے یعنی طعام الاثیم کی جگہ طعام الفاجر پڑھا جائے؟ تو امام مالک نے کہا: ہاں! اس کی گنجائش ہے اور ''المدونۃ'' میں مذکور ہے کہ امام مالک نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھنے سے منع کیا ہے اور کہا اس قراءت سے نکل جاؤ اور اس کو چھوڑ دو۔ (المدونۃ ج ۱ ص ۸۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سات حروف سے مراد سات قبیلوں کی لغات ہیں

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سات حروف سے مراد سات قبائل ہیں تا کہ مختلف قبائل پر قرآن مجید کا پڑھنا آسان ہو جائے کیونکہ کسی لغت میں کوئی لفظ امالہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور دوسری لغت میں کسی لفظ کو ادغام کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور تیسری لغت میں اس طرح نہیں پڑھا جاتا۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۸۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۴۹۹۲۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدٍ الْقَارِيَّ حَدَّثَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَتَصَبَّرْتُ حَتّٰى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ قَالَ أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ كَذَبْتَ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ أَقْرَأَنِيهَا عَلَى غَيْرِ مَا قَرَأْتَ فَانْطَلَقْتُ بِهِ أَقُودُهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَرْسِلْهُ اقْرَأْ يَا هِشَامُ فَقَرَأَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ اقْرَأْ يَا عُمَرُ فَقَرَأْتُ الْقِرَاءَةَ الَّتِي أَقْرَأَنِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے حدیث بیان کی کہ حضرت المسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری (رضی اللہ عنہما) ان دونوں نے ان کو یہ حدیث بیان کی کہ ان دونوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں، میں نے سنا کہ ہشام بن حکیم سورۃ الفرقان کو پڑھ رہے تھے تو میں نے ان کی قراءت کو غور سے سنا، پس وہ اس میں اتنے زیادہ حروف پڑھ رہے تھے جو مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے، پس پھر قریب تھا کہ میں نماز میں ہی ان پر جھپٹ پڑتا (یا انہیں بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا)، پس میں نے ان کے سلام پھیرنے تک صبر کیا، پھر میں نے ان کو اپنی چادر میں پکڑ کر گھسیٹا، پھر میں نے کہا: میں نے ابھی تم کو جس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے تم کو یہ سورت کس نے پڑھائی ہے۔ انہوں نے کہا: مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھائی ہے، میں نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورت اس طرح نہیں پڑھائی جس طرح تم پڑھ رہے ہو، پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا، پھر میں نے کہا: میں نے ان کو اس طرح سورۃ الفرقان ان حروف کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے جن حروف کے ساتھ آپ نے مجھے سورۃ الفرقان نہیں پڑھائی'' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو (پھر فرمایا:) اے ہشام! پڑھو! پس ہشام نے اسی طرح پڑھا جس طرح میں نے ان سے قراءت سنی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے، پھر فرمایا: اے عمر! تم
پڑھو، پس میں نے اس طرح پڑھا جس طرح آپ نے مجھے
پڑھایا تھا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سورت اس طرح
نازل ہوئی ہے، بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے،
پس تم کو جو حروف آسان لگیں تم ان پر پڑھو''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۹ میں گزر چکی ہے اور یہ حدیث صحیح مسلم: ۸۱۸ میں بھی مذکور ہے۔

سات حروف پر قرآن مجید نازل ہونے کے متعلق دیگر احادیث

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ حدیث متعدد سندوں اور متون سے مروی ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) امام مسلم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو غفار کے تالاب کے پاس تھے تو آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، پس انہوں نے کہا کہ بے شک اللہ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن پڑھائیں، آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے اس کے عفو اور مغفرت کا سوال کرتا ہوں، بے شک میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی''، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس دوسری بار آئے اور اسی طرح بات ہوئی حتیٰ کہ حضرت جبریل نے سات حروف تک قراءت پہنچادی، اور کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی امت کو سات حروف پر پڑھائیں، پس وہ جس حرف پر بھی پڑھیں گے تو وہ صحیح پڑھیں گے۔ (صحیح مسلم: ۸۲۱، الرقم المسلسل: ۱۷۹۰)

(۲) امام حاکم اور امام ابن حبان نے از ابوسلمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(پہلی) کتاب ایک باب سے ایک طریقہ پر نازل ہوئی اور قرآن مجید سات ابواب سے سات حروف پر نازل ہوا ہے، اس میں زجر (ڈانٹ ڈپٹ) ہے اور امر ہے اور حلال ہے اور حرام ہے اور محکم ہے اور متشابہ ہے اور امثال ہیں''، حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور امام نسائی نے اس کی اختصار سے موقوفاً روایت کی ہے۔ (المستدرک ج ا ص ۵۵۳، صحیح ابن حبان: ۷۴۵، السنن الکبریٰ: ۷۹۸۴)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ حدیث اہل علم کے نزدیک ثابت نہیں ہے کیونکہ ابوسلمہ کی حضرت ابن مسعود سے ملاقات نہیں ہوئی۔ (التمہید ج ۸ ص ۲۷۵) حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۷۳) تاہم یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، البانی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ (الصحیحہ: ۵۸۷)

(۳) ابوالولید الطیالسی از حماد بن سلمہ از علی بن زید از عبدالرحمن بن ابی بکرۃ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد! قرآن مجید کو ایک حرف پر پڑھیں تو حضرت میکائیل علیہ السلام نے کہا: آپ اس میں اضافہ طلب کریں، سو آپ نے اضافہ طلب کیا حتیٰ کہ سات حروف پر پہنچے اور ہر حرف شافی، کافی ہے، جب کوئی آیت رحمت پر ختم نہ ہو اور عذاب کی آیت کے ساتھ ہو اور عذاب آیت رحمت کی آیت کے ساتھ ہو تو آپ آگے بڑھیں اور جلدی جلدی پڑھیں''۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۱۔۴۱)

(۴) حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں نے حضرت جبریل علیہ السلام

اضافہ طلب کیا تو وہ سات حروف تک پہنچے''۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۴، صحیح ابن حبان: ۷۴۳)

(۵) عبید اللہ بن ابی یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: مجھے ایوب نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے''۔ (مسند احمد ج ٦ ص ۴۳۳، مسند احمد ج ٦ ص ۴۶۳۔ ۴۶۲، یہ روایت ام ایوب انصاری سے ہے)۔

(٦) حضرت سمرة رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید تین حروف پر نازل کیا گیا ہے'' (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۔ ۱٦، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۱۱۵) حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔

(۷) امام بزار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید سات حروف پر نازل کیا گیا ہے''۔ (مسند البزار (البحر الذخار): ۳۰۰) امام بزار نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے اور یہ حدیث حضرت ابی بن کعب اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور ہم نے اس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ان کی جلالت شان کی وجہ سے کی ہے۔

سات حروف کے معانی اور مصادیق کے متعلق محدثین اور فقہاء کے اقوال

سات حروف کے معانی اور مصادیق میں علماء کا اختلاف ہے، علامہ منذری نے کہا ہے کہ اکثر کا قول یہ ہے کہ یہ حصر عدد کے لیے ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ سات حروف کو توسع اور تسہیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس سے حصر مقصود نہیں ہے، پھر انہوں نے اس کی تعیین میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا: یہ سات حروف تلاوت کی صورت میں ہیں اور بعض نے یہ کہا کہ یہ سات حروف الفاظ اور حروف میں ہیں اور امام ابن حبان البستی نے کہا کہ ان کی تعیین میں پینتیس (۳۵) اقوال ہیں، تاہم ان میں سے اکثر ایک دوسرے میں داخل ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض حروف قریش کے موافق ہوں اور بعض کنانہ کے اور بعض اسد کے اور بعض ہزیل اور بعض تمیم کے اور الضبہ کے اور قیس کے، پس یہ مضر کے قبائل ہیں۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ سات لغات ان سات مراتب پر پوری ہو جاتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''قرآن مجید الکعبین کی لغت پر نازل کیا گیا ہے''، کعب قریش اور کعب خزاعہ کی لغت پر، کیونکہ دونوں کا دار ایک ہے۔ (اس حدیث کی امام ابو عبید نے فضائل القرآن ص ۳۴۰ میں از قتادہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، اور امام طبری نے جامع البیان ج ۱ ص ۵۱ میں روایت کی ہے اور امام طبری نے اس پر متنبہ کیا ہے کہ قتادہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی ہے اور نہ اس نے ان سے سماع کیا ہے)

اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سات حروف سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے معانی متفقہ اور متقارب ہوں، علامہ قرطبی نے اس قول کو بھی اکثرین سے نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۷۔ ۳٦) اور امام طحاوی کا بھی یہی قول ہے۔
(شرح مشکل الآثار ج ۸ ص ۱۲۵۔ ۱۲۴)

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جبریل سے ان سات حروف کو ان کے ساتھ سات مرتبہ دور کرتے ہوئے سنا یا ایک دفعہ میں ہی سنا اور حضرت جبریل نے آپ کو ان کی سات مختلف جگہوں پر مطلع کیا۔

پھر یہ شرط نہیں ہے کہ ان سات لغات کا اختلاف کلمات کی کیفیت ادا میں ہو مثلاً اظہار، ادغام، مد، قصر، امالہ، حذف سے اور تخفیف اور وقف کے ساتھ آخری کلمہ پر جزم اور ہمزہ سے پہلے زبان کا سکوت، اور جو اس کے مشابہ اختلاف اعراب کی وجوہ ہیں بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ سات لغات ایک معنی کے اعتبار سے الفاظ مترادفہ میں ہوں جیسا کہ پڑھا گیا ہے:

فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (الجمعہ ۹) پس تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔

اور یہ بھی قراءت کی گئی ہے:

فَامْضُوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (الجمعہ ۹) پس تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف جاؤ۔

علامہ قرطبی نے کہا: یہ سات حروف اب اس قرآن مجید میں نہیں ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

اور امام طحاوی نے کہا: یہ سات حروف یعنی سات لغات میں پڑھنے کی اجازت اس لیے تھی کہ صحابہ پر اپنی لغت کے علاوہ دوسری لغات سے قرآن مجید کو یاد کرنا مشکل اور دشوار تھا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ لوگ ان پڑھ تھے اور بہت کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، پس ہر زبان بولنے والے پر یہ مشکل تھا کہ وہ دوسروں کی زبانوں اور لغات کی طرف منتقل ہوں اور اگر وہ اس کا قصد کرتے تو وہ ان کو سخت مشقت کے بغیر حاصل نہ ہوتا، پس ان کو دوسرے الفاظ کے ساتھ قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی جب کہ معنی متفق ہو اور صحابہ کا یہی حال تھا حتیٰ کہ ان میں سے اکثر لکھنے پڑھنے لگے اور اُن کی لغات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لغات کی طرف راجع ہو گئیں پھر وہ ان الفاظ کو یاد کرنے پر قادر ہو گئے اور اب ان کے لیے یہ جائز نہ رہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے خلاف اور آپ کی قراءت کے خلاف قرآن پڑھیں۔ (شرح مشکل الآثار ج ۸ ص ۱۲۵)

علامہ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا: جب یہ ضرورت پوری ہو گئی تو سات حروف پر قرآن مجید پڑھنے کا حکم ساقط ہو گیا اور قرآن مجید کو ایک حرف یعنی ایک لغت کے موافق پڑھنے کا حکم لوٹ آیا۔ (التمہید ج ۸ ص ۲۹۴، الاستذکار ج ۸ ص ۴۳)

سات مشہور قراءات ان سات حروف یا سات لغات کے علاوہ ہیں اور یہ قراءات اس حرف پر ہیں جس میں حضرت عثمان نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا

علامہ ابو العباس القرطبی المتوفی ۶۵۶ ھ نے کہا ہے: وہ سات قراءات جو سات قراء کی طرف منسوب ہیں ان کے متعلق ہمارے اکثر علماء مثلاً علامہ داؤدی اور علامہ المہلب وغیرہما نے کہا ہے کہ یہ سات قراءات ان سات حروف میں سے نہیں ہیں جن پر قراءت کو صحابہ کرام نے کافی قرار دیا تھا، یہ سات قراءات ان سات حروف میں سے صرف اس حرف کی طرف راجع ہیں جس حرف پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو جمع کیا تھا، اس کا امام نحاس وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور یہ قراءات ان سات قراء کی اختیار کردہ ہیں کیونکہ ان میں سے ہر قاری نے اس قراءت کو اختیار کیا جس کی اس نے روایت کی تھی اور جس کا اس کو علم تھا اور جو اس کے نزدیک سب سے احسن اور سب سے اولیٰ قراءت تھی اور اس نے اس قراءت کو لازم کر لیا اور وہ اس قراءت کے ساتھ مشہور ہو گیا اور اس قراءت کی اس کی طرف نسبت کی گئی اور یہ کہا گیا کہ یہ نافع کی قراءت ہے اور یہ ابن کثیر کی قراءت ہے اور ان میں سے کسی نے دوسرے قاری کی قراءت کو اختیار کرنے سے منع نہیں کیا اور تمام قراءت صحیح ہیں اور کسی نے دوسرے کی قراءت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کو بھی جائز قرار دیا اور ان سات قراء میں سے ہر ایک نے ایک قراءت کو اختیار کیا اور تمام قراءات صحیح ہیں اور اس زمانے میں تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو قراءات ان ائمہ سے منقول ہیں وہ سب صحیح ہیں اور اس کو انہوں نے اپنی تصنیفات میں ذکر کیا، پس صحیح چیز پر اجماع مشہور ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا۔

(المفہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۵۰، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ ھ)

بعض علماء نے ان سات حروف کی پانچ وجوہ سے تاویل کی

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ علماء نے اس حدیث کی بہت تاویلات کی ہیں اور میں نے نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی کا قول معارضہ سے خالی ہو اور ان میں سب سے اچھا قول وہ ہے جس کو ابوعمرو الدانی نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے اور اس قول کے قائل کا نام نہیں لیا۔ اس قائل نے کہا: میں نے متقدمین اور متاخرین کے اقوال پر مطلع ہونے کے بعد اس حدیث کے معنی میں غور کیا تو میں نے اس کو پانچ وجوہ سے متعلق پایا اور یہ وجوہ اس حدیث کے تمام معانی کو محیط ہیں: (۱) حروف کا کیا معنی ہے اور ان کی کیسی تاویل ہے (۲) قرآن مجید کو ان سات حروف پر نازل کرنے کی کیا توجیہ ہے (۳) اور کس چیز میں ان کا اختلاف ہے (۴) یہ اختلاف کتنے معانی پر مشتمل ہے (۵) کیا یہ کل حروف قرآن مجید میں متفرق ہیں اور اس کو ایک بار ختم کرنے میں موجود ہیں حتیٰ کہ جب قاری جو ان ائمہ قراء میں سے ہو جن کی امامت پر تمام شہروں میں اجماع ہے وہ ان تمام حروف کو پڑھتا ہے یا تمام حروف کو نہیں پڑھتا اور وہ اس کے ایک بار ختم قرآن میں موجود ہیں۔

مذکور الصدر پانچ تاویلات پر علامہ ابن بطال کا تبصرہ

پہلی تاویل کی دو قسمیں ہیں: (۱) سات حروف سے مراد سات لغات ہیں اور اس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ۔ (الحج:۱۱) اور کوئی شخص ایک کنارے پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔

اس آیت میں حرف کا معنی طرز اور طریقہ ہے یعنی سات حروف سے مراد سات لغات کے طریقے ہیں۔ (۲) شارع علیہ السلام نے قراءات سبعہ یعنی سات قراءات کو مجازاً حروف فرمایا جیسا کہ رسالہ اور خطبہ کو کلمہ کہا جاتا ہے حالانکہ کلمہ اس رسالہ اور خطبہ کا جزء ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۔ (الاعراف:۱۳۷) اور بنی اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو کلمہ فرمایا ہے حالانکہ وہ ایک جملہ ہے۔

اور مجاہد نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ (الفتح:۲۶) اور اللہ نے انہیں کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ اس میں کلمہ تقویٰ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور یہ بھی ایک جملہ ہے۔

(تفسیر مجاہد ج ۲ ص ۶۰۳)

دوسری تاویل یہ ہے کہ ان سات حروف یا سات لغات کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر توسیع ہے کیونکہ امام ابوعبید نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری حضرت جبریل علیہ السلام سے احجار المراء پر ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے جبریل! میں ایک ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں جن میں مرد، عورت، لڑکا اور لڑکی اور شیخ فانی ہیں جنہوں نے کسی کتاب کو بالکل نہیں پڑھا'' تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: قران مجید سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔

(فضائل القرآن ص ۳۳۸)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان سات حروف سے مراد سات لغات ہوں کیونکہ عرب کی سات لغات ہیں اور الکلبی نے کہا: پانچ لغات

ہیں اوران میں سے ایک ہوازن کی لغت ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا اوران میں سے پانچ ہوازن کے قبیلے تھے۔اور ابو حاتم نے کہا: ہوازن کے قبائل میں ثقیف ہیں اور بنو سعد بن بکر ہیں اور بنو جشم ہیں اور بنو نضر ہیں، ان کو مخصوص کیا گیا ہے نہ کہ ربیعہ کو اور عرب کے باقی قبائل کو کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار کے قریب تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوار منزل الوحی ہے اور مضر اور ربیعہ دونوں بھائی ہیں اور قتادہ نے سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید اس قبیلہ کی لغت پر نازل ہوا ہے، یعنی ہوازن اور ثقیف کی لغت پر۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۳۴۴ تفسیر الطبری جلد ا ص ۳۵)

تیسری تاویل کی بہت اقسام ہیں جو درج ذیل ہیں: (۱) فی نفسہ لفظ کو متغیر کرنا جیسے مَالِكِ یوم الدین اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ (الفاتحہ:۴) اور الصِّرَاطَ (الفاتحہ:۶) یہ لفظ سین، صاد اور زاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

(۲) اثبات اور حذف جیسے وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (البقرہ:۱۱۶) اس میں ہمزہ وصلی کو حذف کر دیا گیا ہے یا جیسے وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا (التوبہ:۱۰۷) اس میں بھی ہمزہ وصلی حذف کر دیا اصل میں تھا اتَّخَذُوْا۔

(۳) ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا جیسے وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ (الشعراء:۲۱۷) اس میں فاء کو واؤ سے بدل کر وَتَوَكَّلْ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ (الشمس:۱۵) اس میں فاء کو واؤ سے بدل کر وَلَا يَخَاف بھی پڑھا گیا ہے۔

(۴) واحد کی بہ جائے جمع کا صیغہ لانا جیسے فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدہ:۶۷) اس میں رِسَالَتَهٗ کی جمع رِسَالَاته کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ (یوسف:۷) اس میں اٰيَةٌ کی جمع اٰيٰتٌ بھی پڑھا گیا ہے۔

(۵) مذکر کے صیغہ کی جگہ مؤنث کا صیغہ لانا جیسے وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (البقرہ:۴۸) اس کو مؤنث کے صیغہ کے ساتھ وَلَا تُقْبَلُ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے فَنَادَاهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (آل عمران:۳۹) اس کو مؤنث کے صیغہ کے ساتھ فَنَادَتْهُ الملائكةُ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ (الانعام:۷۱) اس کو مذکر کے صیغہ کے ساتھ واستهواه الشياطين بھی پڑھا گیا ہے۔

(۶) جیسے کسی لفظ پر تشدید پڑھنا اور تشدید نہ پڑھنا جیسے بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○ (البقرہ:۱۰) یہ تخفیف کے ساتھ ہے اور اس کو تشدید کے ساتھ بما كانوا يُكَذِّبُوْنَ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ (البقرہ ۱۰۲) لٰكِنَّ تشدید کے ساتھ ہے اور اس کو تخفیف کے ساتھ لٰكِنْ بھی پڑھا گیا ہے، اور اسی طرح وَلٰكِنَّ الْبِرَّ (البقرہ:۱۷۷) اس کو بھی تشدید اور تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

(۷) مخاطب کے صیغہ کو غائب کے صیغہ کے ساتھ بدلنا جیسے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ (البقرہ:۷۴) یہ مخاطب کا صیغہ تَعْمَلُوْن ہے اور اس کو غائب کا صیغہ يَعْمَلُوْن بھی پڑھا ہے اور جیسے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ (البقرہ:۷۶) یہ مخاطب کا صیغہ ہے اور اس کو غائب کا صیغہ افلا يعقلون بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ (البقرہ:۱۳) یہ غائب کا صیغہ ہے اور اس کو مخاطب کا صیغہ لا تعلمون بھی پڑھا گیا ہے۔

(۸) متکلم کے صیغہ کو غائب کے صیغہ کے ساتھ بدلنا جیسے نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ (الزمر:۷۴) نتبوأ متکلم کا صیغہ ہے اور اس کو غائب کا يَتَبَوَّاُ بھی پڑھا گیا ہے اور نَشَآءُ متکلم کا صیغہ ہے اور اس کو يشآء بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے يَجْعَلُ الرِّجْسَ (یونس:۱۰۰) یہ غائب کا صیغہ ہے اور اس کو متکلم کا صیغہ نجعل بھی پڑھا گیا ہے۔

(۹) مقدم کو مؤخر کرنا جیسے قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا (آل عمران:۱۹۵) اس میں قٰتَلُوْا قُتِلُوا پر مقدم ہے اور اس کو مؤخر کر کے بھی پڑھا گیا ہے جیسے قُتِلُوْا وَقٰتَلُوْا اور جیسے فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ (التوبہ:۱۱۱) اس میں فَيَقْتُلُوْن وَيُقْتَلُوْن پر مقدم ہے اور اس کو مؤخر کر کے

يُقَتِّلُوْنَ فَيَقْتُلُوْنَ بھی پڑھا گیا ہے۔

(۱۰) نفی کے صیغہ کو نہی کے صیغہ کے ساتھ تبدیل کرنا جیسے وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ (البقرہ:۱۱۹) یہ نفی کا صیغہ ہے اور اس کو نہی کے صیغہ کے ساتھ تبدیل کر کے بھی پڑھا گیا ہے یعنی وَلَا تَسْئَلْ عن اصحٰبِ الجحیم پہلے صیغہ میں لَا تُسْئَلُ پر لام کے اوپر پیش ہے اور دوسری صورت میں لا تسئَلْ کے لام پر جزم ہے اور جیسے وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ (الکہف:۲۶) یہ نفی غائب کا صیغہ ہے اور وَلَا يشرِكُ میں کاف پر پیش ہے، اس کو تبدیل کر کے نہی حاضر کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی وَلَا تُشْرِكْ اور اس میں کاف پر جزم ہے۔

(۱۱) امر کے صیغہ کو خبر کے صیغہ کے ساتھ تبدیل کرنا جیسے وَاتَّخِذُوْا (البقرہ:۱۲۵) یہ امر کا صیغہ ہے اور اس میں خاء کے نیچے زیر ہے، اس کو وَاتَّخَذُوْا بھی پڑھا گیا ہے، یہ خبر کا صیغہ ہے اور اس میں خا پر زبر ہے اور جیسے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ (بنی اسرائیل:۹۳) قُلْ امر کا صیغہ ہے، اس کو خبر کے ساتھ تبدیل کر کے قَالَ بھی پڑھا گیا ہے اور جیسے قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ (الانبیاء:۴) یہ خبر کا صیغہ ہے اور اس کو تبدیل کر کے امر کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی قُلْ رَبِّی یَعْلَمُ۔

(۱۲) صرف اعراب میں تغیر کرنا جیسے وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ (البقرہ:۲۴۰) یہ زبر کے ساتھ ہے اور اس کو پیش کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی وَصِيَّةٌ لِاَزْوَاجِهِمْ اسی طرح ہے تِجَارَةً حَاضِرَةً (البقرہ:۲۸۲) یہ زبر کے ساتھ ہے اور اس کو پیش کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی تِجَارَةٌ حَاضِرَةٌ اسی طرح ہے وَاَرْجُلَكُمْ (المائدہ:۶) یہ زبر کے ساتھ ہے اور اس کو زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی اَرْجُلِكُمْ۔

(۱۳) حرکات لازمہ میں تغیر کرنا جیسے وَلَا يَحْسَبَنَّ (آل عمران:۱۷۸) یہ لفظ سین پر زبر کے ساتھ ہے اور سین پر زیر بھی پڑھی گئی ہے یعنی وَلَا يَحْسِبَنَّ، اور جیسے وَمَنْ يَّقْنَطُ (الحجر:۵۶) اس میں نون پر زبر ہے اور اس کو نون کے نیچے زیر سے بھی پڑھا گیا ہے یعنی وَمَنْ يَقْنِطُ، اسی طرح يَقْنَطُوْنَ ہے (الروم:۳۶) یہ بھی زبر کے ساتھ ہے اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھی گی ہے یعنی يَقْنِطُوْنَ اسی طرح يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ ہے (الاعراف:۱۳۷) اس میں راء کے نیچے زیر ہے اور اس میں راء پر پیش بھی پڑھی گئی ہے یعنی يَعْرُشُوْنَ، اور اسی طرح يَّعْكُفُوْنَ ہے (الاعراف:۱۳۸) اس میں کاف پر پیش ہے اور اس میں کاف کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے یعنی يَعْكِفُوْن اور اسی طرح الْوَلَايَةُ ہے (الکہف:۴۴) اس میں واؤ پر زبر ہے اور اس میں واؤ کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے یعنی اَلْوِلَايَةُ۔

(۱۴) حرکت کو جزم کے ساتھ بدلنا جیسے خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرہ:۱۶۸) اس میں طاء پر پیش ہے، اس کو طاء کی جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی خُطْوٰتِ الشیطٰن اسی طرح ہے عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (البقرہ:۲۳۶) اس میں قَدَرُهٗ کی دال پر زبر ہے اور اس میں دال پر جزم بھی پڑھا گیا ہے یعنی قَدْرُهٗ۔

(۱۵) غیر منصرف کو منصرف پڑھنا جیسے وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاْ (الفرقان:۳۸) اور اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ (ہود:۶۸) ان دونوں آیتوں میں ثمود کا لفظ غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں منع صرف کے دو سبب ہیں علم اور عجمہ اور ان دونوں آیتوں میں اس کو منصرف پڑھا گیا ہے اور اس پر تنوین نہیں ہے اور اس کو تنوین کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ثَمُوْدًا۔

اور تحقیق یہ ہے کہ اس قسم کا اختلاف توقیفی ہے اور اس میں امت کو احادیث ثابتہ کے مطابق پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

امام ابوعبید نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو عرب کے لہجوں اور ان کی آوازوں کے ساتھ پڑھو''۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۶۵)

اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام سے (ماہ رمضان میں) قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام ہر دور میں ان مختلف قراءات کو بیان کرتے تھے، اس لیے آپ نے فرمایا کہ آپ پر قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اور وہ پورا قرآن کافی اور شافی ہے اور آپ نے اپنی امت کے لیے یہ جائز قرار دیا کہ وہ ان تمام قراءات میں سے جس قراءت کو چاہیں پڑھیں اور یہ تمام قراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کی گئی ہیں اور آپ نے اپنی امت پر ان تمام قراءات کے حفظ کرنے کو لازم نہیں کیا اور نہ ان تمام قراءات کے پڑھنے کو لازم کیا ہے بلکہ امت کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان تمام قراءات میں سے جس قراءت کے موافق چاہیں پڑھیں جس طرح ان کو قسم توڑنے کے کفارہ میں اور فدیہ میں اختیار دیا گیا ہے، کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہشام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی قراءات کو درست قرار دیا جب کہ ان دونوں کی قراءت ایک دوسرے کے مخالف تھی اور آپ نے ان دونوں کی قراءات کو برقرار رکھا اور فرمایا: یہ سورت مجھ پر اسی طرح نازل کی گئی ہے۔

چوتھی تاویل یہ ہے کہ ان حروف کا اختلاف درج ذیل تین معانی پر مشتمل ہے

(۱) فقط لفظ میں اختلاف ہو اور معنی ایک رہے جیسا کہ السراط، الصراط اور الزراط ان تینوں الفاظ کا معنی ایک ہے، اور جیسے عَلَيْهِمْ اس میں ہاء کے نیچے زیر ہو اور اِلَيْهُمْ اس میں ہاء پر پیش اور میم پر بھی پیش ہو یا میم پر جزم ہو۔

(۲) لفظ اور معنی دونوں میں اختلاف ہو اور ان کا ایک لفظ میں اجتماع جائز ہو جیسے مٰلِكِ اور مَلِكِ، مٰلِكِ کا معنی ہے: رب اور مَلِك کا معنی ہے: بادشاہ اور دونوں سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۰) ہے، اس کا معنی ہے: وہ جھوٹ بولتے تھے اور بِمَا كَانُوْا يُكَذِّبُوْنَ اس کا معنی ہے: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے اور آپ کی دی ہوئی خبروں کو جھٹلاتے تھے اور دونوں سے مراد منافقین ہیں۔

(۳) لفظ اور معنی دونوں میں اختلاف ہو جیسے وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (یوسف: ۱۱۰) اس آیت میں كُذِبُوْا بغیر تشدید کے ہے اور اس کا معنی ہے: اور لوگوں نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا اور وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا، كُذِّبُوْا کی تشدید کے ساتھ یعنی رسولوں نے یہ گمان کیا کہ لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور ان دونوں کا اجتماع جائز نہیں ہے کہ ظَنُّوْٓا کا فاعل لوگ بھی ہوں اور رسول بھی ہوں۔

پانچویں تاویل یہ ہے کہ ان تمام مختلف حروف کو پڑھنا ممکن نہ ہو

کیونکہ پڑھنے والا صرف کسی ایک قراءت کے ساتھ پڑھے گا نہ کہ کل قراءات کے ساتھ، کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ سات حروف سے مراد سات لغات ہیں یا جیسے ہم نے بیان کیا کہ کسی قراءت میں ایک لفظ پر حرکت ہو اور دوسری قراءت میں اس پر جزم ہو جیسے خُطُوٰتِ اور خُطْوٰتِ، پس بہ یک وقت طا پر پیش اور جزم پڑھنا ممکن نہیں یا کسی قراءت میں ایک لفظ مقدم ہو اور دوسری قراءت میں وہ لفظ مؤخر ہو اور ایک لفظ کو بہ یک وقت مقدم اور مؤخر پڑھنا ممکن نہیں ہے یا ایک قراءت میں کسی لفظ میں ادغام ہو اور دوسری قراءت میں ادغام نہ ہو تو بہ یک وقت اس لفظ میں ادغام کرنا اور ادغام نہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

ہاں!! ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آخری بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کون سی قراءت کو پیش کیا تھا، تاہم یہ تمام قراءات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اور مشہور ہیں اور ان میں سے ہر قراءت کے موافق قرآن مجید کو پڑھنا جائز ہے۔ یہاں تک علامہ ابن بطال کی عبارت ختم ہو گئی۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۲۷-۲۲۹ متصرفاً) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۹-۳۹ وزارۃ

الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی نہایت محقق اور سہل شرح کی ہے، اس کے برخلاف علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ احمد بن اسماعیل کورانی حنفی متوفی ۸۹۳ھ اور علامہ محمد فضیل زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے اس اہم، مشکل اور غامض حدیث کی بہت زیادہ مختصر شرح کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اپنے اسلوب کے مطابق اس حدیث کی نہایت تفصیل اور تحقیق کے ساتھ شرح کی ہے۔ ہم اس عظیم شرح کے بعض مباحث کو وضاحت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ کا قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کے پڑھنے میں باہم نزاع

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از والدخود از جدخود روایت کی ہے کہ "ایک شخص نے قرآن پڑھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو مُغَیَّرْ کیا، پس ان دونوں کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جھگڑا ہوا، اس شخص نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے مجھے اس طرح نہیں پڑھایا تھا؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں کچھ شک ہوا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے چہرے سے پہچان لیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور تین دفعہ فرمایا: اے شیطان دور ہو جا! پھر فرمایا: اے عمر! قرآن مجید کو ہر طرح پڑھنا درست ہے جب تک کہ رحمت کی آیت کو عذاب سے نہ بدلا جائے یا عذاب کی آیت کو رحمت سے نہ بدلا جائے"۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا، پھر اسی طرح حدیث ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ قرآن مجید کو سات حروف پر نازل کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر حرف کافی، شافی ہے۔

حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کے درمیان سورۃ الفرقان کی قراءت میں جو نزاع ہوا تھا اس کی نظیر دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے۔ ان میں سے بعض ازاں یہ ہیں:

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرد نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تو اس سے حضرت عمرو بن العاص نے کہا: یہ آیت تو اس طرح اور اس طرح ہے، پھر ان دونوں نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: "یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس تم ان میں سے جس قراءت کے موافق بھی پڑھو تو وہ درست ہے، پس تم اس میں جھگڑا نہ کرو"۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

امام احمد نے ابوجہم بن الصمۃ سے دوسری روایت کی ہے کہ دو مردوں کا قرآن مجید کی ایک آیت پڑھنے میں اختلاف ہوا، ان میں سے ہر ایک کا یہ زعم تھا کہ اس نے اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھا ہے، پھر یہ حدیث حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ہے۔

امام طبری اور امام طبرانی نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرد آیا، پس اس نے کہا: مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک سورت پڑھائی، اس کو حضرت زید نے بھی مجھے پڑھایا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی مجھے پڑھایا، سو ان کی قراءت میں اختلاف ہو گیا، پس میں کس کی قراءت سے قرآن مجید یاد کروں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے اور آپ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: تم میں سے ہر شخص اس طرح پڑھے جس طرح

اس کو پڑھایا گیا ہے، پس یہ قرآن حسین اور جمیل ہے۔

امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حٰم کی ایک سورت پڑھائی، پس میں مسجد کی طرف گیا، پس میں نے ایک مرد سے کہا: اس سورت کو پڑھو تو وہ اس سورت کو ان حروف کے ساتھ پڑھ رہا تھا جن حروف کے ساتھ میں اس سورت کو نہیں پڑھتا تھا تو اس مرد نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھایا ہے، پس ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، پھر ہم نے آپ کو اس کی خبر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ وہ کتاب میں اختلاف کرتے تھے، پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چپکے سے کوئی بات فرمائی تب حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم میں سے ہر مرد اس طرح قرآن پڑھے جس طرح اس کو قرآن سکھایا گیا ہے''۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم گئے اور ہم میں سے ہر مرد اس طرح قرآن پڑھتا تھا جس طرح اس کا صاحب، قرآن نہیں پڑھتا تھا۔

سات حروف سے مراد سات لغات ہیں اور قرآن پڑھنے والوں کی آسانی کے لیے ان کو سات لغات پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی

اس حدیث میں مذکور ہے: تم کو آسانی سے جو قرآن مجید میسر ہو اس کو پڑھو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن مجید کو ان سات حروف پر نازل کرنا قرآن پڑھنے والے کی آسانی اور سہولت کے لیے ہے اور اس سے ان علماء کا قول قوی ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان حروف سے مراد یہ ہے کہ معنی کو لفظ مترادف کے ساتھ ادا کیا جائے خواہ وہ مترادف ایک لفظ سے ہو کیونکہ حضرت ہشام کی لغت قریش تھی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لغت بھی قریش تھی، اس کے باوجود ان دونوں کی قراءت میں اختلاف ہوا، اس پر حافظ ابن عبد البر نے تنبیہ کی ہے اور اکثر اہل علم سے منقول ہے کہ سات حروف سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کو سات لغات کے موافق پڑھا جائے اور امام ابو عبید اور دوسروں نے یہ کہا کہ سات حروف سے مراد ان لغات کا اختلاف ہے اور یہی ابن عطیہ کا مختار ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ لغات عرب کی تعداد تو سات سے زیادہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد سب سے فصیح لغات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قرآن مجید سات لغات پر نازل ہوا، ان میں سے پانچ لغات ہوازن کی عجز ہیں، انہوں نے کہا: اور عجز سعد بن بکر، جشم بن بکر، نصر بن معاویہ اور ثقیف ہیں اور یہ کل ہوازن ہیں اور ان کو علیا ہوازن کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے ابو عمرو بن العلاء نے کہا: سب سے فصیح عرب علیا ہوازن ہیں اور سفلی تمیم ہیں یعنی بنی دارم۔ امام ابو عبید نے دوسری سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید دو کعب کی لغت پر نازل ہوا ہے، ایک کعب قریش ہے اور دوسرا کعب خزاعہ ہے۔ کہا گیا: یہ کیسے ہوا؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ دار ایک ہے یعنی خزاعہ قریش کے پڑوسی تھے، پس ان پر ان کی لغت آسان ہو گی اور ابو حاتم السجستانی نے کہا: قرآن مجید قریش، ہذیل، تمیم الرباب، ازد، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر کی لغت پر نازل ہوا ہے۔

ابن قتیبہ نے اس قول کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ (ابراہیم: ۴) اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں مبعوث کیا ہے تا کہ وہ ان کو بیان کر سکے۔

اس بنا پر یہ سات لغات قریش کے بطون میں ہیں۔

اور امام ابوعبید نے کہا ہے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ ہر لفظ کو سات لغات پر پڑھا جائے بلکہ یہ سات لغات قرآن مجید میں متفرق ہیں پس بعض قرآن لغت قریش پر ہے اور بعض قرآن لغت ہزیل پر ہے اور بعض قرآن لغت ہوازن پر ہے اور بعض قرآن یمن وغیرہم کی لغت پر ہے، امام ابوعبید نے کہا: بعض لغات کا دوسری لغات سے زیادہ حصہ ہے اور کہا گیا ہے کہ خصوصاً مضر کی لغت کا زیادہ حصہ ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید مضر کی لغت پر نازل ہوا ہے اور حافظ ابن البر نے کہا ہے کہ یہ سات لغات مضر کی ہیں اور مضر کے یہ قبائل ہیں: ہزیل، کنانہ، قیس، ضبہ، تیم الرباب، اسد بن خزیمہ اور قریش، پس یہ سب مضر کے قبائل ہیں جن میں یہ سات لغات ہیں۔

اور ابوشامہ نے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ اولاً قرآن مجید قریش پر نازل ہوا اور جو فصیح قبائل ان کے قریب تھے ان پر نازل ہوا، پھر عربوں کو اجازت دی گئی کہ وہ قرآن مجید کو اپنی اپنی ان لغات پر پڑھیں جن کے موافق پڑھنے کی ان کو عادت ہے خواہ ان کے الفاظ اور اعراب میں اختلاف ہو اور ان میں سے کسی کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ وہ ایک لغت سے دوسری لغت کی طرف منتقل ہوں کیونکہ اس میں مشقت ہے اور دوسرے قبیلہ کی لغت پر پڑھنا ان کے لیے عار کا سبب ہے اور ان سے تسہیل اور آسانی کو طلب کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہے جب دوسری لغت پر پڑھنے سے قرآن مجید کا معنی برقرار رہے اور اسی وجہ سے صحابہ کے قرآن پڑھنے میں اختلاف ہوتا تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی قراءت کو درست قرار دیا تھا اور اس بحث کا تتمہ یہ ہے کہ یہ اجازت لوگوں کی خواہش پر موقوف نہیں ہے یعنی ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق قرآن مجید کے ایک لفظ کو اس کے مترادف دوسرے لفظ کے ساتھ پڑھے بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس نے یہ سنا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو اس کے مترادف لفظ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور اس کی طرف اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما دونوں نے یہ کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پڑھایا ہے لیکن متعدد صحابہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ قرآن مجید کے کسی لفظ کی بہ جائے اس کے مترادف کو پڑھتے تھے خواہ انہوں نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی اس قراءت پر انکار کیا ہے کہ وہ حتیٰ حین کی بہ جائے عتیٰ حین پڑھتے تھے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود کی طرف لکھا کہ قرآن مجید ہزیل کی لغت پر نازل نہیں ہوا تم لوگوں کو قریش کی لغت پر پڑھاؤ اور ان کو ہزیل کی لغت پر نہ پڑھاؤ۔

یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک قراءت پر جمع کر دیا تھا، حافظ ابن عبد البر نے اس حدیث کو امام ابوداؤد کی سند سے روایت کرنے کے بعد کہا: ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر نے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہو یعنی ہزیل کی لغت پر قرآن پڑھنا مختار نہیں ہے، ان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ حضرت ابن مسعود نے جو پڑھایا وہ جائز نہیں ہے اور امام ابن عبد البر نے کہا کہ جب قرآن مجید کو سات طریقوں کے موافق پڑھنا جائز ہے تو پھر پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ وہ کسی بھی نازل شدہ قراءت پر قرآن پڑھے۔

ابوشامہ نے کہا: حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے جو کہا کہ قرآن مجید قریش کی زبان پر نازل ہوا ہے ہوسکتا ہے اس سے ان دونوں کی مراد یہ ہو کہ پہلے قرآن مجید قریش کی لغت پر نازل ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے سہولت کر دی اور ان کے لیے یہ جائز قرار دیا کہ وہ قرآن مجید کو اپنی اپنی لغات پر پڑھیں بہ شرطیکہ وہ لغات عرب سے باہر نہ نکلیں کیونکہ قرآن مجید عربی مبین کی زبان میں نازل ہوا ہے نہ کہ قریش کی زبان میں اور جو لوگ غیر عرب ہیں ان کے لیے مختار یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو قریش کی زبان کے موافق پڑھیں کیونکہ وہ اولیٰ ہے۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی طرف جو مکتوب لکھا تھا اس کا محمل یہ ہے

کہ غیر عرب تمام لغات تعبیر کرنے میں برابر ہیں، پس اس صورت میں ایک لغت کا ہونا ضروری ہے اور یہ وہ لغت ہونی چاہیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت ہو۔

رہا وہ شخص جو عربی ہے اور اس کی فطرت اپنی زبان کے موافق پڑھنا ہے تو اگر اس کو لغت قریش کے موافق پڑھنے کا مکلف کیا جائے تو یہ اس پر دشوار ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو لغت قریش کے علاوہ دوسری لغت پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی اور قرآن جو سات حروف یا سات لغات پر نازل ہوا ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ قرآن مجید کے ہر لفظ کو سات لغات پر پڑھا جائے گا، حافظ ابن عبد البر نے کہا: اس پر اجماع ہے بلکہ ہر لفظ کو سات لغات کے موافق پڑھنا غیر ممکن ہے بلکہ قرآن مجید میں کوئی ایسا کلمہ نہیں پایا جاتا جس کو سات طریقوں سے پڑھا گیا ہو۔

اس پر مزید دلیل یہ ہے کہ اولاً قرآن مجید لغت قریش کے موافق نازل ہوا، پھر امت پر آسانی کی گئی کہ وہ اس کو لغت قریش کے علاوہ بھی پڑھیں کیونکہ بعد میں عرب کے بہت سے قبائل اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور یہ بات ثابت ہے کہ تخفیف کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا اور خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والے پر یہ توسیع کی گئی ہے کہ قرآن مجید کو سات طریقوں سے پڑھے کیونکہ اگر ایک طریقہ اور ایک لغت سے قرآن مجید پڑھنا لازم ہوتا تو لوگوں پر دشوار ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ آسانی کی کہ ہر قوم اپنی لغت کے مطابق قرآن مجید کو پڑھ لے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۷۳۔۱۷۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی یہ شرح بہت طویل ہے لیکن اس میں سے اکثر کام کی باتیں ان کے استاذ علامہ ابن ملقن کی شرح میں آ چکی ہیں اس لیے ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس حدیث کی باقی شرح کو ترک کر رہے ہیں اور اب صحیح بخاری کی دوسری حدیث کو شروع کر رہے ہیں۔

۶۔ بَابُ: تَأْلِيفِ الْقُرْآنِ — قرآن مجید کی تالیف

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: تالیف قرآن کا معنی ہے: ایک سورت کی آیات کو جمع کرنا یا تمام سورتوں کو ترتیب سے مصحف میں جمع کرنا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۹۳۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ وَأَخْبَرَنِي يُوسُفُ بْنُ مَاهَكٍ قَالَ إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضى الله عنها إِذْ جَاءَهَا عِرَاقِيٌّ فَقَالَ أَيُّ الْكَفَنِ خَيْرٌ قَالَتْ وَيْحَكَ وَمَا يَضُرُّكَ قَالَ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرِينِي مُصْحَفَكِ قَالَتْ لِمَ قَالَ لَعَلِّي أُوَلِّفُ الْقُرْآنَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُقْرَأُ غَيْرَ مُؤَلَّفٍ قَالَتْ وَمَا يَضُرُّكَ أَيَّهُ قَرَأْتَ قَبْلُ إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنَ الْمُفَصَّلِ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ان کو ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یوسف بن ماہک نے خبر دی، انہوں نے بتایا کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب ان کے پاس ایک عراقی آیا، پس اس نے پوچھا: کون سا کفن سب سے بہتر ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم پر افسوس ہے (کفن کسی قسم کا بھی ہو) اس سے تم کو کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا: اے ام المومنین! مجھے اپنا مصحف دکھائیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: شاید میں اس کے مطابق

الْإِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ لَقَالُوا لَا نَدَعُ الْخَمْرَ أَبَدًا وَلَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوا لَقَالُوا لَا نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا لَقَدْ نَزَلَ بِمَكَّةَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ أَلْعَبُ ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ﴾ (القمر:٤٦) وَمَا نَزَلَتْ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَالنِّسَاءِ إِلَّا وَأَنَا عِنْدَهُ قَالَ فَأَخْرَجَتْ لَهُ الْمُصْحَفَ فَأَمْلَتْ عَلَيْهِ آيَ السُّوَرِ۔

اپنے قرآن کو مرتب کروں گا کیونکہ قرآن مجید کو غیر مرتب پڑھا جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس سے تم کو کیا تکلیف ہے تم جس آیت کو چاہو پہلے پڑھ لو، سب سے پہلے مفصل کی سورت نازل ہوئی جس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے حتیٰ کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو پھر حلال اور حرام کے احکام نازل ہو گئے اور اگر ابتداء میں یہ حکم نازل ہو جاتا کہ تم شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم شراب پینا کبھی نہیں چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم نازل ہو جاتا کہ تم زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم زنا کرنا کبھی نہیں چھوڑیں گے، اور تحقیق یہ ہے کہ مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا اور اس وقت میں لڑکی تھی (لڑکیوں کے ساتھ) کھیلتی تھیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ (القمر:٤٦) بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے ○ اور سورۃ البقرۃ اور سورۃ النساء اس وقت نازل ہوئیں جب میں آپ کے پاس آپ کے نکاح میں تھی۔ راوی نے کہا: پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے لیے مصحف نکالا اور اس کو سورت کی آیتیں لکھوائیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٤٨٧٦ میں گزر چکی ہے۔

اس عراقی کے کفن کے متعلق سوال کرنے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس عراقی نے پوچھا: کون سا کفن سب سے افضل ہے؟

شاید اس عراقی نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سفید کپڑے پہنو اور سفید کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن دو کیونکہ یہ کپڑے زیادہ پاکیزہ اور زیادہ پسندیدہ ہیں''۔ امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے، پس شاید کہ اس عراقی نے اس حدیث کو سنا اور اس حدیث کی تحقیق کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور اہل عراق سختی کے ساتھ سوالات کیا کرتے تھے اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے فرمایا: تمہیں اس سے کیا تکلیف ہے یعنی تم کو جو کفن بھی پہنا دیا جائے گا وہ تمہارے لیے کافی ہوگا، اور ایک عراقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تھا کہ اگر محرم کے احرام پر مچھر کا خون لگ جائے تو اس کا کیا شرعی حکم ہے تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: اس عراقی کو دیکھو کہ یہ مچھر کے خون کے متعلق سوال کر رہا ہے حالانکہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کو شہید کر دیا ہے۔

حافظ ابن کثیر کے اس قول کا رد کہ عراقی کا قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہروں میں مصاحف بھیجنے سے پہلے کا ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس عراقی نے کہا کہ آپ مجھے اپنا مصحف دکھائیں شاید کہ میں قرآن مجید کو مرتب کر کے لکھوں گا کیونکہ قرآن مجید کو بغیر ترتیب کے پڑھا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: اس عراقی کا یہ قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مختلف شہروں میں مصحف کو بھیجنے سے پہلے کا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث یوسف بن ماہک سے مروی ہے اور انہوں نے وہ زمانہ نہیں پایا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو مختلف شہروں میں بھیجا تھا کیونکہ المزی نے ذکر کیا ہے کہ یوسف بن ماہک کی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب مصاحف بھیجنے کے بعد زندہ رہے اور یوسف نے اس حدیث میں یہ تصریح کی ہے کہ جب اس عراقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو وہ ان کے پاس تھے۔

اور جو چیز مجھے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ عراقی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھتا تھا اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مصحف کو پیش کیا گیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں تھے اور انہوں نے اپنی قراءت سے رجوع کیا تھا اور نہ اپنے مصحف کو تلف کیا تھا جیسا کہ عنقریب اس باب کے آخر میں اس کا ذکر آئے گا، پس اس عراقی کے مصحف کی تالیف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف کی تالیف کے مغائر تھی، اس وجہ سے اس عراقی نے یہ کہا کہ اس کا مصحف غیر مرتب ہے اور یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے جب اس کا سوال سورتوں کی ترتیب کے متعلق ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے فرمایا کہ اگر تم کسی بھی سورت کو پہلے پڑھ لو تو اس سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کے آخر میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد ہے: ''پس میں نے اس عراقی کو سورتوں کی آیتیں لکھوائیں'' تو اس سے ان کی مراد یہ ہو کہ انہوں نے اس کو ہر سورت کی آیات کی تفصیل لکھوائی کہ مثلاً فلاں سورت میں اتنی اتنی آیات ہیں، پہلی آیت اس طرح ہے اور دوسری آیت اس طرح ہے اور اس کا رجوع آیات کے عدد کے اختلاف کی طرف ہے اور اس میں مدنی، بصری اور شامی آیات کا بھی اختلاف ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس عراقی کا سوال سورتوں کی ترتیب کے متعلق ہو اور آیات کی ترتیب کے بھی متعلق ہو۔ واللہ اعلم

سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب نہیں ہے نہ نماز کے اندر اور نہ نماز کے باہر اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے صحابہ کے اجتہاد سے نہیں ہے

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ ہمارے علم میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے قرآن پڑھنے میں سورتوں کی ترتیب کو واجب کیا ہو نہ نماز کے اندر اور نہ نماز کے باہر بلکہ یہ جائز ہے کہ سورۃ الکہف کو سورۃ البقرہ سے پہلے پڑھا جائے اور سورۃ الحج کو سورۃ الکہف سے پہلے پڑھا جائے۔ رہا یہ کہ سلف سے منقول ہے کہ قرآن مجید کو الٹا پڑھنا ممنوع ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ کسی سورت کو آخر سے شروع کرے اور اس سورت کے اول تک پڑھے، اور ایک جماعت قصائد کے اشعار کو الٹ کر پڑھتی تھی تاکہ ان اشعار کے حفظ میں مبالغہ ہو اور زبان پر اس کی روانی زیادہ ہو تو سلف نے قرآن مجید کو اس طرح پڑھنے سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حرام ہے، اور قاضی عیاض مالکی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں سورۂ آل عمران سے پہلے سورۃ النساء پڑھی اور حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ان سورتوں کی یہی ترتیب ہے اور اس میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب صحابہ کے اجتہاد سے ہے اور یہ ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیف سے نہیں ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے اور یہی قاضی الباقلانی کا مختار

ہے۔ انہوں نے کہا: سورتوں کی ترتیب واجب نہیں ہے نہ تلاوت میں اور نہ نماز میں اور نہ درس میں اور نہ تعلیم میں، اسی وجہ سے مصاحف میں اختلاف تھا، پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف لکھ لیا گیا تو صحابہ نے اس مصحف کو اس ترتیب کے موافق لکھا جس ترتیب کے موافق وہ مصحف اب ہمارے پاس ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کی مصاحف کی ترتیب میں اختلاف تھا، پھر علامہ الباقلانی نے علامہ ابن بطال مالکی کے کلام کی مثل کو ذکر کیا، پھر کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر سورت کی آیات کی وہ ترتیب جو اب ہمارے مصحف میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توقیف سے ہے اور اسی کے مطابق امت نے اس ترتیب کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر نقل کیا ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو سورت نازل ہوئی اس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے حالانکہ سب سے پہلے سورۃ العلق نازل ہوئی ہے اور اس میں جنت اور دوزخ کا ذکر نہیں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سب سے پہلے المفصل کی ایک سورت نازل ہوئی جس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول اس تحقیق کے خلاف ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ سب سے پہلے درج ذیل آیت نازل ہوئی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (العلق:۱) (اے رسول مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے ۝

اور سورۃ العلق میں جنت اور دوزخ کا ذکر نہیں ہے، پس ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے پہلے یہ عبارت مقدر ہو کہ یہ سورت اوائل سورتوں میں سے ہو یا سب سے پہلی سورت سے ان کی مراد سورۃ المدثر ہو کیونکہ انقطاع وحی کے بعد سب سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی اور اس سورت کے آخر میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سورت کی آخری آیات سورۃ العلق کی باقی آیات سے پہلے نازل ہوگئی ہوں کیونکہ ابتداء میں سورۃ العلق کی صرف پانچ آیات نازل ہوئی تھیں۔

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا: اس حدیث کا ظاہر اس کے خلاف ہے جو گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے سورۃ العلق:۱ نازل ہوئی اور اس میں جنت اور دوزخ کا ذکر نہیں ہے، پس شاید اس سے مراد ہے جو اس سورت کے آخر میں نازل ہوا کیونکہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات میں جنت اور دوزخ کا ذکر نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۰ طبع لاہور، ۱۴۰۱ھ)

اس پر علامہ عینی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ سب سے پہلے یا تو سورۃ المدثر نازل ہوئی ہے یا سورۃ العلق نازل ہوئی ہے اور ان میں سے ہر ایک میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔ سورۃ المدثر میں تو صراحتاً ہے اور سورۃ العلق: ۱۳ اور العلق: ۱۸ میں التزاماً ذکر ہے، لہٰذا حافظ ابن حجر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ سورۃ العلق میں جنت اور دوزخ کا ذکر نہیں ہے۔

(انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۷۷۵ھ، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کی اس تاویل سے علامہ عینی کا اعتراض نہیں اٹھتا۔

قرآن مجید کے نزول کی ترتیب میں اللہ تعالیٰ کی حکمت

اس حدیث میں مذکور ہے: حتیٰ کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہوگئے تو حلال اور حرام کے احکام نازل ہوئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس قول سے نزول قرآن میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں توحید کی دعوت دی اور مومن اور اطاعت گزار کو جنت کی بشارت دی اور کافر اور گنہ گار کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا، پھر جب لوگوں کے دل اس سے مطمئن ہو گئے تو پھر ان کے اوپر احکام نازل کیے گئے، اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر پہلے یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو تو ضرور لوگ کہتے کہ ہم شراب کو نہیں چھوڑیں گے، پھر جب لوگوں کی طبیعتیں ان احکام پر عمل کرنے سے مانوس ہو گئیں اور وہ اپنی بری عادتوں کے ترک کرنے کے عادی ہو گئے، تو پھر قرآن مجید میں احکام شرعیہ تفصیل سے نازل کیے گئے۔

سورۃ البقرۃ اور سورۃ النساء میں احکام کا نزول اور النحاس کے اس قول کا رد کہ سورۃ النساء مکی ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ ۝ بلکہ ان کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور بہت تلخ ہے ۝ (القمر:۴۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس قول سے اس حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا انہوں نے پہلے ذکر کیا ہے کیونکہ سورۃ القمر ابتدائی سورت ہے اور اس میں کوئی حکم نازل نہیں کیا اور سورۃ القمر، سورۃ البقرۃ اور سورۃ النساء پر مقدم ہے اور ان میں بہ کثرت احکام نازل کیے گئے ہیں۔ اس کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے کہ جب یہ سورتیں نازل ہوئیں تو میں اس وقت آپ کے پاس مدینہ میں تھی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کے بعد گئی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے نحاس کے اس قول کا رد ہو جاتا ہے کہ سورۃ النساء مدنی ہے اور نحاس کی اپنے زعم پر یہ دلیل ہے کہ سورۃ النساء میں یہ آیت ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ۔ بے شک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کر دو۔ (النساء:۵۸)

اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب کعبہ کی چابیوں کو حوالہ کرنے کا قصہ تھا لیکن ان کی یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ جب کسی طویل مدنی سورت کی ایک آیت یا چند آیات مکہ میں نازل ہوئی ہوں تو یہ اس سورت کے مدنی ہونے کے خلاف نہیں ہے۔

نزول کے اعتبار سے مدنی سورتوں کی ترتیب اور بعض مکی سورتوں میں مدنی آیتوں کا نازل ہونا

علامہ ابن الضریس نے فضائل قرآن میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں وہ یہ ہیں: البقرہ پھر الانفال پھر الاحزاب پھر المائدہ پھر الممتحنہ پھر النساء پھر اذا زلزلت پھر الحدید پھر القتال (سورۃ محمد) پھر الرعد پھر الدہر پھر الطلاق پھر سورۃ النصر پھر النور پھر المنافقون پھر المجادلہ پھر الحجرات پھر التحریم پھر الجاثیہ پھر التغابن پھر الصف پھر الفتح پھر سورۃ التوبہ اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ سورۃ الکوثر مدنی ہے اور یہی قول معتمد ہے اور سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الرحمٰن اور المطففین اور اذا زلزلت اور الذٰریٰت اور سورۃ القدر اور سورۃ الماعون اور سورۃ الاخلاص اور سورۃ المعوذتین کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، اسی طرح سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ اور سورۃ التغابن میں بھی اختلاف ہے۔ یہ ان سورتوں کا بیان ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں اور ان میں مکی آیات بھی ہیں اور ان میں سے سورۃ الاعراف بھی ہے۔ یہ بھی مکی

سورت ہے اور اس میں ۱۷۲۔ ۱۶۳ مدنی آیات ہیں، اسی طرح سورۂ یونس بھی مکی ہے اور اس میں یونس: ۹۴ مدنی آیت ہے، اسی طرح سورۂ ہود مکی ہے اور اس میں تین آیتیں مدنی ہیں، اسی طرح سورۂ اسرائیل مکی ہے اور اس میں تین آیتیں مدنی ہیں۔ اسی طرح سورۃ الکہف مکی ہے مگر اس کے شروع کی چند آیتیں مدنی ہیں، اسی طرح سورۂ مریم مکی ہے اور اس میں آیت سجدہ مدنی ہے اور اسی طرح سورۃ العنکبوت اور سورۃ الفرقان اور سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص اور سورۂ لقمان اور سورۃ الزمر اور سورۂ شوریٰ اور سورۃ الجاثیہ اور سورۃ الاحقاف اور سورۃ النجم اور سورۃ الواقعہ اور سورۃ المرسلات مکی سورتیں ہیں اور ان میں چند آیات مدینہ میں بھی نازل ہوئیں۔

(فتح الباری ج ٦ ص ۱۸۳۔ ۱۸۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲٦ھ)

۴۹۹۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ بْنِ قَيْسٍ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالْكَهْفِ وَمَرْيَمَ وَطٰه وَالْأَنْبِيَاءِ إِنَّهُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُوَلِ وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن یزید بن قیس سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف اور سورۃ المریم اور سورۂ طٰہ اور سورۃ الانبیاء یہ سورتیں العتاق الاول سے ہیں اور یہ سورتیں تلادی ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۰۸ میں گزر چکی ہے۔

مذکورالصدر سورتوں کے خصوصی ذکر کی توجیہ، اور العتاق الاول اور تلادی کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ سورتیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں اور یہ سورتیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی اسی طرح مرتب ہیں جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں مرتب ہیں۔

اس حدیث میں العتاق الاُوَل کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: جو سورتیں ابتداء میں نازل ہوئیں اور نہایت عمدہ ہیں۔

اور اس حدیث میں تِلَادِی کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: جو سورتیں قدیم زمانہ میں نازل ہوئیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عتاق عتیق کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: ہر عمدہ چیز اور تِلاد کا معنی ہے: قدیم موروثی مال۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان پانچ سورتوں کو اپنا بہترین سرمایہ قرار دیتے تھے۔

۴۹۹۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ سَمِعَ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ تَعَلَّمْتُ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ﴾ (الاعلیٰ: ۱) قَبْلَ أَنْ يَقْدَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسحاق نے خبر دی، انہوں نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (مدینہ) آنے سے پہلے یہ آیت سیکھ لی تھی: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ (الاعلیٰ: ۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۹۲۴ میں گزر چکی ہے۔

ترتیب مصحف کا ترتیب نزول سے مختلف ہونا

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ یہ سورت نزول میں مقدم ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے مصحف کے اواخر میں ہے اور قرآن مجید کی تالیف تقدیم اور تاخیر کے ساتھ ہوئی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی ترتیب نزول ترتیب مصحف سے مختلف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۹۶ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ لَقَدْ تَعَلَّمْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَؤُهُنَّ اثْنَيْنِ اثْنَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَامَ عَبْدُ اللهِ وَدَخَلَ مَعَهُ عَلْقَمَةُ وَخَرَجَ عَلْقَمَةُ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ عِشْرُونَ سُورَةً مِنْ أَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلَى تَأْلِيفِ ابْنِ مَسْعُودٍ آخِرُهُنَّ الْحَوَامِيمُ حم الدُّخَانِ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزۃ از الاعمش از شقیق، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (میں ان سورتوں کی) نظائر کو جانتا ہوں جن سورتوں کو "نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو دو کر کے ہر رکعت میں پڑھتے تھے" پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے (گھر میں داخل ہو گئے) اور ان کے ساتھ علقمہ بھی داخل ہوئے اور علقمہ باہر نکلے تو ہم نے ان سے ان نظائر کے متعلق سوال کیا، پس انہوں نے کہا: مفصل کی پہلی بیس (۲۰) سورتیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تالیف کے موافق ہیں اور ان کی آخری سورتیں الحوامیم ہیں (حم الدخان، عم یتساءلون)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۷۵ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

المفصل کی تعریف اور اقسام

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن ملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں المفصل کا ذکر ہے اور المفصل کے متعلق دس اقوال ہیں، زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ البروج تک جو سورتیں ہیں وہ طوال مفصل ہیں یعنی ان میں بہت طویل آیات ہیں اور سورۃ البروج سے لے کر سورۃ البینہ تک اوساط مفصل ہیں یعنی ان کی آیات متوسط ہیں اور سورۃ البینہ سے لے کر آخر قرآن تک جو آیات ہیں وہ قصار مفصل ہیں کیونکہ ان سورتوں میں بہت چھوٹی چھوٹی آیات ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس رکعات میں بیس (۲۰) سورتیں پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں دو سورتیں پڑھتے تھے" اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کی ترتیب کے موافق سورتیں تھیں، دو سورتیں تو الدخان اور عم یتساءلون ہیں اور اٹھارہ سورتیں مفصل کی ہیں اور دو سورتیں آل (حم) کی ہیں۔

نظائر سے مراد یہ ہے کہ ایسی دو سورتیں جو مضمون اور طول اور اختصار کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ اور نظیر ہوں، ایسی سورتوں کی بیس (۲۰) نظائر یہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن دو سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے ان سورتوں کی تفصیل

(۱) آپ سورۃ النجم اور سورۃ الرحمٰن کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۲) اور سورۃ القمر اور سورۃ الحاقہ کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۳) سورۂ والطور اور سورۂ والذاریات کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۴) سورۃ الواقعہ اور سورۃ النون کو ایک رکعت میں

پڑھتے تھے (۵) اور سورۃ المعارج اور سورۃ النازعات کوایک رکعت میں پڑھتے تھے (۶) سورۃ المطففین اور سورۃ عبس کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے (۷) آپ سورۃ المدثر اور سورۃ المزمل کوایک رکعت میں پڑھتے تھے (۸) آپ سورۃ الدہر اور سورۃ القیامۃ کوایک رکعت میں پڑھتے تھے (۹) آپ سورۃ النبا اور سورۃ المرسلات کوایک رکعت میں پڑھتے تھے (۱۰) اور آپ سورۃ الدخان اور سورۃ التکویر کوایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ (سنن ابوداؤد:۱۳۹۶)

ایک رکعت میں دو یا دو سے زائد سورتیں پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور ان کے ثبوت میں احادیث

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں دوسورتوں کے نظائر پڑھتے تھے۔

ایک رکعت میں دوسورتوں کو جمع کرنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی اجازت دی ہے اور وہ ایک رکعت میں تین سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۶۸۹)

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہما ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق:۵۹۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ:۳۶۹۱۔۳۶۹۰)

اسی طرح سعید بن جبیر اور امام ابوحنیفہ اور عطاء ایک رکعت میں دوسورتیں پڑھتے تھے یا ایک سورت کو فرض کی دو رکعت میں پڑھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق:۵۹۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ:۳۶۹۶)

ابوجعفر ایک رکعت میں دوسورتوں کے ملانے کو مکروہ کہتے تھے، اسی طرح زید بن خالد الجہنی اور ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام اور ابوعبدالرحمن السلمی اور ابوالعالیہ بھی اس کو مکروہ کہتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۷۱۰۔۳۷۰۸۔۳۷۰۵)

امام مالک نے کہا کہ اگر ایک رکعت میں دو یا تین سورتیں پڑھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور ہمارے نزدیک ایک سورت کو پڑھنا زیادہ مستحب ہے اور ایک سورت کو دو رکعتوں میں نہ پڑھے اور اگر اس نے ایسا کرلیا تو اس کے لیے کافی ہے اور دوسری بار یہ کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن یہ عمدہ نہیں ہے۔ (النوادر والزیادات ج ۱ ص ۱۷۶)

الربیع بن خثیم، النخعی اور عطا نے کہا ہے کہ کوفہ کے فقہاء احناف نے ان تمام صورتوں کی اجازت دی ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۴۹۔۳۴۷، البنایہ شرح الہدایہ للعینی ج ۲ ص ۳۶۵، منیۃ المصلی: ص ۳۰۶)

امام ابوداؤد نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قیام ہو''۔ (سنن ابوداؤد:۱۳۲۵، سنن نسائی:۲۵۲۵، مسند احمد:۱۵۴۰۱)

اور یہ حدیث ایک رکعت میں دو یا دو سے زائد سورتوں کے جمع کرنے پر واضح دلیل ہے کیونکہ تمام نمازوں میں افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قراءت ہو اور طویل قراءت اس صورت میں ہوگی جب ایک رکعت میں کثیر سورتوں کو جمع کیا جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام نے ایسا کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انہوں نے بھی ایسا کیا ہے اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک رکعت میں دس سورتیں یا اس سے کم یا زیادہ پڑھا کرتے تھے اور قیاس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور سورت بھی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، پس قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام سورتوں کا یہی حکم ہو اور حضرت معبد بن خالد سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات لمبی سورتیں ایک رکعت میں پڑھیں''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۶۹۹)

اور عبداللہ بن شقیق نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں کئی سورتوں کو جمع

کرتے تھے؟" انہوں نے کہا: ہاں! المفصل کی سورتوں کو جمع کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۰۷۲)
نیز اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کو ملا کر پڑھتے تھے" پس انہوں نے المفصل کی بیس (۲۰) سورتوں کا ذکر کیا کہ آپ ہر رکعت میں دو سورتیں پڑھتے تھے۔
(صحیح البخاری: ۵۷۷۵، مسند البزار: ۱۷۱۵) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۷ ص ۱۱۱-۱۱۰-۱۰۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے تیار کیے ہوئے مصاحف کا باہمی فرق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (میں ان سورتوں کی) نظائر کو جانتا ہوں جن سورتوں کو "نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو دو کر کے ہر رکعت میں پڑھتے تھے"۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تیار کیا ہوا مصحف اس مصحف کے مغائر تھا جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیار کیا تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ ہے، پھر سورۃ البقرہ ہے، پھر سورۃ النسآء ہے، پھر سورۃ آل عمران ہے اور یہ مصحف ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا مصحف ترتیب نزول کے مطابق تھا۔ اس میں سب سے پہلے سورۃ العلق تھی، پھر سورۃ المدثر، پھر سورۃ القلم، پھر سورۃ المزمل، پھر سورۃ التکویر، پھر سورۃ الاعلیٰ اور اسی طرح آخری مکی سورتوں تک پھر مدنی سورتیں۔ واللہ اعلم۔
رہی اس مصحف کی ترتیب جو اس وقت ہمارے پاس ہے تو اس کے متعلق قاضی ابوبکر الباقلانی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب کا حکم دیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے ہو اور پہلے قول کو ترجیح ہے کیونکہ اس کے بعد جو باب آئے گا اس میں یہ حدیث ہے کہ "حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے اور وہ آپ کے ساتھ سورتوں کی اسی ترتیب کے ساتھ دور کرتے تھے"۔ ابن الانباری نے اس کو وثوق کے ساتھ کہا ہے اور اس پر اعتراض ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ ترتیب نزول کے مطابق سورتوں کا دور کرتے تھے، ہاں! یہ ممتنع نہیں ہے کہ بعض سورتوں یا اکثر سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اگرچہ بعض سورتوں کی ترتیب صحابہ کرام کے اجتہاد سے ہے، اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:
امام احمد، اصحاب السنن، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ آپ نے جو سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ کو ملا کر لکھا ہے اس کا کیا سبب ہے؟ جب کہ سورۃ الانفال مثانی سے ہے (یعنی جن سورتوں میں سو (۱۰۰) سے کم آیات ہیں) اور سورۃ التوبہ المئین میں سے ہے (یعنی جن سورتوں میں سو سے زائد آیات ہیں)۔ آپ نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا ہے اور ان دونوں سورتوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو نہیں لکھا اور آپ نے ان دونوں سورتوں کو سات (۷) لمبی سورتوں کے ساتھ ملا کر لکھا ہے اس کا کیا سبب ہے؟ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہ کثرت متعدد آیات پر مشتمل سورتیں نازل ہوتیں، پس جب آپ پر ان میں سے کوئی سورت نازل ہوتی تو آپ کسی لکھنے والے کو بلاتے، پس فرماتے: ان آیات کو فلاں فلاں سورت میں لکھ دو اور سورۃ الانفال ان اوائل سورتوں میں سے تھی جو مدینہ میں نازل ہوئی تھیں اور سورۃ التوبہ آخر قرآن میں نازل ہوئی تھی اور اس کا قصہ سورۃ الانفال کے مشابہ تھا تو میں نے یہ گمان

کیا کہ سورۃ التوبہ بھی سورۃ الانفال کا حصہ ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ نے ہم سے یہ بیان نہیں فرمایا کہ سورۃ التوبہ سورۃ الانفال کا حصہ ہے اھ۔

پس یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر سورت میں آیات کی ترتیب بھی توقیفی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ التوبہ کو سورۃ الانفال کے ساتھ ملانے کا حکم نہیں دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے سورۃ التوبہ کو سورۃ الانفال کے ساتھ ملا دیا اور صاحب ''الاقناع'' نے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ التوبہ سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا لکھنا ثابت ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے نزول سے ہر سورت کی ابتداء ہونا

اور ہر سورت کی ابتداء کی علامت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا نزول ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام ابوداؤد، امام ابن حبان اور امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک کسی سورت کے ختم ہونے کا علم نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نازل ہو جائے''۔ دوسری روایت میں ہے: پس جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نازل ہوتی تو صحابہ کو علم ہو جاتا کہ یہ سورت ختم ہوگئی۔

مصحف کی ترتیب کے توقیفی ہونے پر درج ذیل حدیث بھی ہے:

قرآن مجید کی تلاوت کے لیے حزب کو مقرر کرنا

امام احمد اور امام ابوداؤد وغیرہما نے اپنی سند کے ساتھ حضرت اوس بن ابی اوس حذیفہ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثقیف کے اسلام لانے والے وفد میں شامل تھا اور انہوں نے اس حدیث میں کہا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ پر قرآن مجید کی تلاوت کا میرا حزب (تلاوت قرآن کا مقررہ حصہ) ابھی باقی ہے، پس میرا ارادہ ہے کہ میں اس وقت تک باہر نہ نکلوں حتیٰ کہ میں اس حزب کو پورا کرلوں''، حضرت اوس نے کہا: پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے پوچھا کہ آپ لوگ قرآن مجید کی تلاوت کا حزب کس طرح مقرر کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تین سورتوں اور پانچ سورتوں اور سات سورتوں اور نو سورتوں اور گیارہ سورتوں اور تیرہ سورتوں کا حزب مقرر کرتے ہیں اور المفصل میں سے سورۃ ق کا حزب اس کے اختتام تک ہے۔

اس پر دلیل کہ مصحف عثمانی کی ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے مطابق ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اب جو ہمارے پاس مصحف ہے اس میں سورتوں کی وہی ترتیب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف المفصل کی حزب مقرر ہو نہ کہ ان کے علاوہ قرآن مجید کی سورتیں مرتب ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس ترتیب میں تقدیم اور تاخیر ہو جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ البقرۃ کے بعد سورۃ آل عمران سے پہلے سورۃ النسآء کی تلاوت فرمائی۔

اور حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ راجح یہ ہے کہ المفصل کی سورتیں سورۃ ق سے لے کر آخر قرآن تک ہیں لیکن یہ اس پر مبنی ہے کہ سورۃ الفاتحہ کو قرآن مجید کے پہلے ثلث میں شمار نہیں کیا گیا، پس جس نے المفصل کو سورۃ الحجرات سے شمار کیا ہے اس پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ المفصل کو سورۃ ق سے شمار کرے اور ائمہ کی ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٧- بَابٌ: كَانَ جِبْرِيلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

حضرت جبریل علیہ السلام کا نبی ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرنا

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کو ایک سال میں جتنا قرآن پہنچاتے تھے ہر سال اس کا دور کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٢٣)

وَقَالَ مَسْرُوقٌ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُنِي بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ وَإِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أُرَاهُ إِلَّا حَضَرَ أَجَلِي۔

اور مسروق نے کہا از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از حضرت فاطمہ علیہا السلام، وہ بیان فرماتی ہیں کہ "نبی ﷺ نے مجھ سے یہ سرگوشی کی کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال میرے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے ہیں اور اس سال انہوں نے میرے ساتھ دو مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا ہے اور میں اس سے صرف یہی گمان کرایا گیا ہوں کہ اب میری وفات کا وقت آ گیا ہے"۔

قرآن مجید کے معارضہ اور دور کرنے کا معنی

حافظ ابن حجر عسقلانی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق اس حدیث کا ایک حصہ ہے جس مکمل حدیث کو امام بخاری نے سند موصول کے ساتھ کتاب علامات النبوت میں روایت کیا ہے اور اس کی شرح کتاب المغازی کے آخر میں الوفاۃ النبویۃ کے باب میں صحیح البخاری: ٤٤٢٠، میں گزر چکی ہے اور معارضہ یا دور کرنے کا معنی یہ ہے کہ دونوں قرآن مجید کو پڑھیں ایک مرتبہ ایک پڑھے، دوسرا سنے اور دوسری بار دوسرا پڑھ اور پہلا سنے۔
(فتح الباری ج ٦ ص ١٨٤، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

میں کہتا ہوں: اس باب کا عنوان ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے سامنے قرآن مجید کا معارضہ کرتے تھے، معارضہ باب مفاعلہ ہے، اس کا معنی ہے: ہر ایک کا دوسرے کے سامنے (قرآن کو) عرض کرنا اور پیش کرنا، حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال جتنا قرآن مجید نازل کرتے رمضان کے مہینہ میں اس کا آپ کے ساتھ دور کرتے تا کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہر سورت میں کون کون سی آیات ہیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے کتنی آیات منسوخ ہو چکی ہیں اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال دو مرتبہ تقریر اور تاکید کے لیے قرآن مجید کا دور کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

٤٩٩٧- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَأَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ لِأَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْقُرْآنَ فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از الزہری از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ "نبی ﷺ سب سے زیادہ خیر کی سخاوت کرتے تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان کے مہینہ میں کرتے تھے"، کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے رمضان کے مہینہ کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے حتیٰ کہ رمضان کا مہینہ

الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ۔ (صحیح مسلم: ۲۳۰۸)

ختم ہو جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرتے، پس جب آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام ملاقات کرتے تو آپ بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:٦ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس حدیث کی پانچ جگہ روایت کی ہے: (صحیح البخاری: ۳۵۵۴، صحیح البخاری: ۱۹۰۲، صحیح البخاری: ۴۹۹۷، صحیح البخاری: ۳۲۲۰) نیز دیکھیں صحیح مسلم: ۲۳۰۸، سنن نسائی: ۲۰۹۱، مسند احمد: ۲۶۱۶)

حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کے دور کی حکمت

اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا بیان ہے۔
قاضی عیاض نے کہا ہے کہ فرشتہ سے ملاقات کے ساتھ ایمان اور یقین کی تجدید ہوتی ہے اور اس کے ساتھ قرآن کا دور کرنے سے مقامات میں ترقی ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اپنی امت کی تعلیم کے لیے تھا تا کہ وہ بھی صالحین کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کا دور کریں۔

قرآن مجید کے دور کے لیے رمضان کے مہینہ کی تخصیص کی وجوہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور قرآن مجید کے دور کے لیے رمضان کے مہینہ کی تخصیص کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اس مہینہ کی باقی مہینوں پر فضیلت ہے اور اس مہینہ میں صدقات کا ثواب دگنا چگنا کر دیا جاتا ہے، اسی طرح اس میں عبادت کا ثواب بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''جس نے اس مہینہ میں کوئی (نفلی) نیک کام کیا وہ ایسا ہے جس طرح اس نے دوسرے مہینہ میں فرض ادا کیا ہو اور جس نے اس مہینہ میں فرض ادا کیا ہو وہ اس طرح ہے جس طرح اس نے دوسرے مہینہ میں ستر فرائض ادا کیے ہوں''۔ (شعب الایمان: ۳۶۰۸، مشکوٰۃ المصابیح ۱۹۶۵)

زہری نے کہا: رمضان کے مہینہ میں ایک بار تسبیح پڑھنا دوسرے مہینہ میں ستر بار تسبیح پڑھنے سے افضل ہے۔
(سنن ترمذی: ۳۴۷۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹۸۳، تہذیب الکمال ج ۳۴ ص ۷۹۔۷۸)

(۲) یہ روزوں کا مہینہ ہے تو آپ اس مہینہ میں لوگوں کو عطا فرماتے اور ان کے ساتھ احسان کرتے تا کہ ان کی سحری اور ان کی عید میں اعانت ہو۔

(۳) اس مہینہ میں انعام زیادہ کیا جاتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے: اس مہینہ میں مومن کا رزق زیادہ کر دیا جاتا ہے۔
(صحیح ابن خزیمہ: ۱۸۸۷، شعب الایمان ۳۶۰۸)

نیز حدیث میں ہے کہ اس مہینہ میں ہر روز دوزخ سے دس لاکھ لوگوں کو آزاد کر دیا جاتا ہے۔

(شعب الایمان: ۳۶۹۵، الفردوس للدیلمی: ۴۹۶۰)

تو اس وجہ سے شارع علیہ السلام نے اس مہینہ میں زیادہ سخاوت فرمائی تاکہ آپ کی سخاوت آپ کے رب کے کرم کے موافق ہو جائے۔

(۴) زیادہ سخاوت کرنا شکر ادا کرنے کی طرح ہے اور شکر ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ نعمت کو زیادہ عطا کرتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ (ابراہیم: ۷) اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا۔

تو آپ اس لیے رمضان کے مہینہ میں زیادہ صدقہ کرتے تھے تاکہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کریں اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس قرآن مجید کا دور کرنے کے لیے آتے تاکہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو اور زیادہ کرے اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس ہر سال آتے رہیں۔

(۵) جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تو آپ آخرت کا زیادہ معاینہ اور مشاہدہ کرتے، اس لیے آپ کے پاس دنیا کا جو مال ہوتا اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیتے۔

(۶) اس حدیث میں قرآن مجید اور اسی طرح دیگر علوم شرعیہ کے تکرار کرنے کے استحباب کا ثبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس بات کا ضامن ہے کہ آپ قرآن مجید کو نہ بھولیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ﴿۶﴾ (الاعلیٰ: ۶) ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے O

اور اس کے لیے رمضان کے مہینہ کو اس لیے خاص کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف نازل کیا، اس کے بعد حسب ضرورت اور مصلحت کے مطابق قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرماتا رہا اور تیئس (۲۳) سال میں تدریجاً قرآن مجید کو نازل فرمایا اور کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں اٹھائیس (۲۸) سورتیں نازل ہوئیں اور بقیہ سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور چوبیس (۲۴) رمضان میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (البقرہ: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ (القدر: ۱) بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے O

اور حضرت ابراہیم کے صحیفے رمضان کی پہلی رات میں نازل کیے گئے ہیں اور تورات اور انجیل تیرہ رمضان میں نازل کی گئیں۔

(۷) حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرنے میں یہ دلیل ہے کہ صالحین کے ساتھ مجلس میں بیٹھنے سے نفع ہوتا ہے۔

(۸) اس میں یہ ثبوت ہے کہ رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کی بہ کثرت تلاوت کرنا مستحب ہے تاکہ آپ کی امت اس پر عمل کرے۔

(۹) اس میں اس پر برانگیختہ کرنا ہے کہ ہر چند کے جود اور سخا ہر وقت میں مستحب ہے لیکن رمضان کے مہینہ میں اور خیر کے مواقع میں اور صالحین کے ساتھ مجلس کے وقت اور ان سے جدا ہونے کے وقت جود و سخا کرنا زیادہ مستحب ہے۔

(۱۰) اس حدیث میں صالحین اور اہل فضل کی زیارت اور ان کے ساتھ مجالست کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت ہے کہ ان کی بار بار زیارت کرنی چاہیے جب کہ جس کی زیارت کی جائے وہ اس کو ناپسند نہ کرے اور زائر کی زیارت کی وجہ سے اس کا کوئی اہم اور افضل کام ترک نہ ہو ورنہ پھر مستحب یہ ہے کہ اس کی زیادہ زیارت نہ کی جائے۔

(۱۱) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ فقط رمضان کہنا بھی جائز اور درست ہے اور رمضان کا مہینہ کہنا ضروری نہیں ہے کیونکہ

بہ کثرت احادیث میں صرف لفظ رمضان کا ذکر ہے، دیکھیے (صحیح البخاری: ۱۹۰۰۔۱۸۹۸)

(۱۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا تسبیح اور دیگر وظائف پڑھنے سے زیادہ افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کا بار بار قرآن مجید کے دور کرنے کا اجتماع ہوتا تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲ ص ۳۶۲۔ ۳۵۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ ابن ملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے مزید فوائد حسب ذیل ہیں:

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ بار بار دور کی مجلس کے فوائد اور مسائل

(۱) اس حدیث میں صالحین کے ساتھ مجلس کی برکت کا ثبوت ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ نیک عمل کو بار بار کرنا چاہیے اور اسی وجہ سے نبی ﷺ نے علماء کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم فرمایا ہے اور ذکر کے حلقوں کو لازم رکھنے کا حکم فرمایا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گزرو تو چر لیا کرو، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! جنت کی کیاریوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ذکر کے حلقے''۔ (سنن ترمذی: ۳۵۱۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۰، مسند ابویعلیٰ: ۳۴۳۲، کتاب الدعا للطبرانی: ۱۸۹۰، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۳۱۲۔۳۱۱، شعب الایمان: ۵۲۹)

نیز نبی ﷺ نے صالح مرد کی مجلس کو عطار کے ساتھ تشبیہ دی ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نیک ہم نشیں اور برے ہم نشیں اس طرح ہیں جیسے مشک اٹھانے والا ہو اور لوہار کی بھٹی پھونکنے (دھونکنے) والا ہو، پس مشک اٹھانے والا یا تو تم کو مشک عطا کرے گا یا تم اس سے مشک خرید لو گے یا تم اس سے عمدہ خوشبو حاصل کرو گے اور لوہار کی بھٹی پھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلائے گا یا تم اس سے بدبو محسوس کرو گے''۔ (صحیح البخاری: ۲۱۰۱، صحیح مسلم: ۲۶۲۸)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے علماء کی مجلس میں بیٹھو اور ان کے سامنے اپنے زانو تہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت کے نور سے دلوں کو اس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۸۱۰، الفردوس للدیلمی: ۴۵۵۰، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۵، کتاب الزہد لابن المبارک: ۱۳۸۷)

اور دوسری بار حضرت لقمان نے کہا: شاید تمہیں بھی ان کی رحمت پہنچے، پس یہ اہل فضل کی مجلس اور ان کی ملاقات کا ثمرہ ہے۔

(۲) اس حدیث میں نیک اعمال کی برکت کا ثبوت ہے اور یہ کہ نیک اعمال ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں: کیا تم نہیں دیکھتے کہ روزے کی برکت اور حضرت جبریل علیہ السلام کی ملاقات اور ان کے ساتھ قرآن مجید کے دور کی برکت سے نبی ﷺ کی سخاوت اور آپ کا صدقہ زیادہ ہو گیا حتیٰ کہ آپ برسنے والی بارش سے زیادہ فیاض اور جواد ہو گئے۔

(۳) اور حضرت جبریل علیہ السلام کا رمضان میں نازل ہونا۔ رمضان میں قرآن کریم کی تلاوت عظیم دلیل ہے اور ہر رمضان میں لوگوں کے قرآن پڑھنے کی اصل ہے کیونکہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔

(۴) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ مومن جب بھی نیک عمل زیادہ کرے گا تو اس کے لیے خیر کا دروازہ کھول دیا جائے گا، سو اس کو چاہیے کہ وہ نیکی کا دوسرا دروازہ طلب کرے اور خیر کی طلب میں اپنا ہاتھ بڑھائے رکھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور خوف زدہ رہے اور اپنے نیک عمل پر فخر نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ درجات کی ترقی کو طلب کرتا رہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۳ ص ۴۷۔ ۶۷، ملخصاً ومخرجاً وموضحاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آخری بار حضرت عثمان کی قراءت کے موافق قرآن مجید کو پیش کیا تھا اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا آخری دور حضرت ابن مسعود کی قراءت کے موافق تھا، ان حدیثوں میں حافظ ابن حجر کی تطبیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام رمضان کے مہینہ کی ہر رات میں اس ماہ کے ختم ہونے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو آخری بار قرآن مجید کا دور کیا آیا اس میں قرآن مجید کے نازل شدہ ان تمام حروف کا دور کیا تھا جن کے موافق آپ کو قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی یا کسی ایک حرف کے موافق انہوں نے آپ کے ساتھ قرآن کا دور کیا تھا اور اگر کسی ایک حروف کے ساتھ آپ سے دور کیا تھا تو آیا یہ وہ حرف تھا جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں پر جمع کیا تھا یا کوئی اور حرف تھا؟

امام احمد اور امام ابن ابوداؤد اور امام طبری نے عبیدہ بن عمرو السلمانی سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس حرف پر لوگوں کو جمع کیا تھا وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے آخری دور کے موافق ہے۔

اور محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور لوگوں کا یہ گمان تھا کہ ہماری قراءت آخری دور کے موافق ہے۔

اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت سمرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا گیا اور لوگ کہتے تھے کہ ہماری قراءت وہ ہے جو آخری دور کی قراءت ہے۔

اور مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم کیا گمان کرتے ہو کہ کون سی قراءت آخری قراءت ہے، لوگوں نے کہا: حضرت زید بن ثابت کی قراءت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر سال حضرت جبریل قرآن مجید کو پیش کرتے تھے، پس جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سامنے دو مرتبہ قرآن مجید کو پیش کیا'' اور حضرت ابن مسعود کی قراءت ان میں سے آخری قراءت تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت سمرہ اور ان کے موافقین کی حدیث کے خلاف ہے۔

اور امام مسدد نے اپنی مسند میں ابراہیم النخعی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرد کو یہ کہتے ہوئے سنا: الحرف الاول یعنی پہلے حرف کے موافق قراءت، حضرت ابن عباس نے فرمایا: حرف اول کون سا ہے؟ تو اس نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں معلم بنا کر بھیجا تو لوگوں نے ان کی قراءت کو حاصل کیا، پس حضرت ابن مسعود نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قراءت کو بدل دیا، پس وہ لوگ کہتے تھے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہی حرف اول ہے یعنی پہلی قراءت ہے، تب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہی وہ آخری حرف ہے جس کے موافق حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن مجید کو پیش کیا تھا۔

اور امام نسائی نے ابوظبیان سے روایت کی ہے کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا تم کون سی قراءت کے موافق

پڑھتے ہو؟ تو میں نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھتا ہوں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بلکہ یہی آخری قراءت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت جبریل علیہ السلام قرآن پیش کرتے تھے، اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اس موقع پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حاضر تھے اور ان کو علم ہو گیا کہ قرآن مجید کی کون کون سی آیت کو منسوخ کیا گیا ہے اور کون کون سی آیت کو تبدیل کیا گیا ہے۔

اب یہ دو حدیثیں ہیں، حضرت سمرہ اور ان کے موافقین کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے جو آخری بار قرآن مجید کا دور کیا وہ اس حرف یا اس لغت کے موافق تھا جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس صحیح السند حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آخری بار جو قرآن مجید کا دور کیا تھا وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ان حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آخری بار دو مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن مجید کو پیش کیا، ایک مرتبہ وہ دور حضرت عثمان کی قراءت کے موافق تھا اور دوسری مرتبہ وہ دور حضرت ابن مسعود کی قراءت کے موافق تھا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی تطبیق سے شدید اختلاف

میں بڑے ادب اور احترام کے ساتھ حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس تطبیق سے اختلاف کرتا ہوں کیونکہ تمام امت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کیے ہوئے مصحف کو قبول کیا ہے اور تمام دنیا میں اسی مصحف کے مطابق قرآن مجید کے نسخے تیار کیے گئے ہیں اور اب دنیا میں کہیں بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کے مطابق کوئی قرآن مجید نہیں ہے اور امام مالک اور دوسرے ائمہ نے حضرت ابن مسعود کے مصحف کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے، نیز ان کے مصحف کے مطابق تو سورۃ الفلق اور سورۃ الناس قرآن مجید نہیں ہیں حالانکہ ان کے قرآن مجید ہونے پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے، نیز حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں تھے کہ قرآن مجید کے کسی لفظ کو اس کے مترادف لفظ کے ساتھ تبدیل کیا جا سکتا ہے مثلاً طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۝ (الدخان: ۴۴) کی جگہ وہ طَعَامُ الْفَاجِرِ پڑھاتے تھے اور ان کی اس بات کو کسی نے قبول نہیں کیا اور اگر ان کی قراءت کو مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا نہیں ہوگا کیونکہ اس طرح لوگ قرآن مجید کی بہت ساری آیات کو اپنی رائے سے تبدیل کر لیں گے۔ العیاذ باللہ (سعیدی غفرلہ) ہر چند کہ یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت جبریل نے جو آخری دور کیا وہ حضرت ابن مسعود کی قراءت کے موافق تھا لیکن اس حدیث میں یہ علت قادحہ ہے کہ یہ حدیث امت مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے سامنے شرمندہ نہ کرے اور ان کے مراتب کو اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی دینی خدمات کو مقبول اور مشکور فرمائے۔ (امین)

علامہ بدرالدین عینی حنفی اور شیخ سلیم اللہ دیوبندی کا حیرت انگیز سکوت

علامہ بدرالدین عینی عموماً حافظ ابن حجر عسقلانی پر اعتراض کرتے رہتے ہیں اور ان کی غلطیاں نکالتے رہتے ہیں اور ان پر طعن کرتے رہتے ہیں لیکن حیرت ہے کہ اس باب کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے دو حدیثوں میں جو تطبیق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں کے تیار کیے ہوئے مصحفوں کو صحیح قرار دیا اس سے انہوں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی اپنے حلقہ میں جامع المعقول والمنقول شمار کیے جاتے ہیں اور ان کے حلقہ میں ان کو اس دور کا سب سے بڑا حنفی عالم کہا جاتا ہے۔انہوں نے فتح الباری کا مطالعہ کر کے اور اس سے استفادہ کر کے صحیح البخاری کی شرح کشف الباری لکھی ہے اور اپنی شرح کے ہر باب میں اور اس باب میں بھی فتح الباری کے حوالے دیئے ہیں لیکن انہوں نے اس سنگین مسئلہ پر قلم نہیں اٹھایا حالانکہ جب حضرت عثمان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں کے تیار کیے ہوئے مصحفوں کو صحیح کہا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس دونوں قرآن مجید ہوں جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف کا تقاضا ہے اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس قرآن مجید نہ ہوں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کا تقاضا ہے اور یہ اجتماع نقیضین ہے، پس حیرت ہے کہ شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی جن کو ان کے حلقہ میں معقولی عالم کہا جاتا ہے انہوں نے اس اجتماع نقیضین سے کیسے صرف نظر کر لیا۔

(دیکھیے: کشف الباری، کتاب فضائل القرآن، ص ۶۷۔مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کو جو بارش برسانے والی ہواؤں سے تشبیہ دی ہے اس میں آپ کی سخاوت کو بہت زیادہ بتانا مقصود ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پس جب آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام ملاقات کرتے تو آپ بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کو بارش برسانے والی ہواؤں سے تشبیہ دی ہے اور اس تشبیہ میں مبالغہ ہے اور معنوی چیز کو محسوس چیز کے ساتھ تشبیہ دی ہے تا کہ سننے والے کی فہم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا زیادہ ہونا قریب ہو جائے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پہلے کہا کہ آپ بہت زیادہ جواد تھے، پھر اس میں زیادہ مبالغہ کا ارادہ کیا تو آپ کی یہ صفت بیان کی کہ آپ بارش برسانے والی ہواؤں کی طرح جواد تھے، پھر اس میں اس سے بھی زیادہ مبالغہ کا ارادہ کیا تو کہا: آپ بارش برسانے والی ہواؤں سے بھی زیادہ جواد تھے کیونکہ ہوائیں تو کبھی نہیں بھی چلتیں اور بند ہو جاتی ہیں اور ہواؤں میں سے بعض بانجھ اور نقصان دہ ہوتی ہیں اور بعض خیر کی بشارت دینے والی ہوتی ہیں، پس حضرت ابن عباس نے آپ کی سخاوت کو مطلقاً ہواؤں کے ساتھ تشبیہ نہیں دی بلکہ بارش برسانے والی ہواؤں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو خیر کی بشارت دیتی ہیں اور اس میں درج ذیل آیات مبارکہ کی طرف اشارہ ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿٤٨﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾

(الفرقان: ۴۹۔۴۸)

اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا O تا کہ ہم اس پانی سے مردہ شہر کو زندہ کریں اور وہ پانی اپنے پیدا کیے ہوئے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلائیں O

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں، پھر وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے، پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان تک

مِنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ⑲ (الروم:۴۹۔۴۸) وہ پانی پہنچا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں O اور بے شک وہ اس بارش کے نازل کیے جانے سے پہلے ضرور مایوس تھے O

پس پانی برسانے والی ہوائیں اپنی بھیجے جانے والی مدت میں مسلسل پانی برساتی رہتی ہیں اور منقطع نہیں ہوتیں، اسی طرح رمضان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا عمل بھی دائمی ہے منقطع نہیں ہوتا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسناد حقیقی اور مجازی دونوں میں اسم تفضیل کا استعمال فرمایا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور فیاضی حقیقی ہے اور بارش کی سخاوت مجازی ہے، پس انہوں نے بارش کو اس اعتبار سے جواد فرمایا کہ وہ خیر کو لاتی ہے، پس اس کو سخاوت کرنے والے کے قائم مقام کیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: کان اجود بالخیر من الریح المرسلة، اس عبارت میں انہوں اجود کے معمول یعنی بالخیر کو مفضل علیہ یعنی بارش برسانے والی ہواؤں پر مقدم کیا ہے اور اس میں ایک لطیف نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر حضرت ابن عباس بالخیر کو الریح المرسلہ یعنی بارش برسانے والی ہواؤں کے بعد ذکر کرتے تو اس سے یہ وہم ہوتا کہ بارش برسانے والی ہوائیں خیر کو لانے والی ہیں اور انہوں نے یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے، یعنی آپ مطلقاً بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد اور خصوصاً رمضان کی راتوں میں قرآن مجید کے دور کی حکمتیں

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے درج ذیل فوائد اور مسائل لکھے ہیں:

(۱) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رمضان کا مہینہ اس لیے عظیم ہے کہ اس میں نزول قرآن کی ابتداء ہے اور اس مہینہ میں حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کا دور کرتے تھے اس وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہ کثرت نزول ہوتا تھا۔

(۲) حضرت جبریل علیہ السلام کے بہ کثرت نازل ہونے سے وہ برکات حاصل ہوئیں جن کا شمار اور احاطہ نہیں ہو سکتا۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ کی فضیلت صرف اس زمانہ میں زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

(۴) دائماً قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے زیادہ خیر حاصل ہوتی ہے۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمر کے آخری حصہ میں زیادہ عبادت کرنی چاہیے غالباً اس لیے ہمارے زمانہ میں لوگ بڑھاپے میں حج کرتے ہیں اور نماز کی جماعت سے پہلے مسجدوں میں آجاتے ہیں اور دیر تک مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور قرآن مجید پڑھتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں۔

(۶) عالم اور فاضل کے ساتھ علم کا مذاکرہ اور تکرار کرنے سے زیادہ حفظ اور نصیحت کا حصول ہوتا ہے۔

(۷) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ رمضان کی راتیں رمضان کے دنوں سے زیادہ افضل ہیں کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے رمضان کی راتوں میں قرآن کا دور کرتے تھے اور اس سے قرآن مجید کی آیات کو ذہن میں حاضر کرنا اور ان کو سمجھنا مطلوب ہے اور دن کی بہ نسبت رات کا وقت اس کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ دن کے وقت انسان دینی اور دنیاوی عوارض میں مشغول ہوتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر سال قرآن مجید رمضان کی راتوں میں نازل ہوتا تھا تو آپ رات کے ہر جزء میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور اس کا سبب یہ ہے کہ آپ ہر رات میں قرآن مجید کی تلاوت کے علاوہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور اپنے بدن کو آرام پہنچاتے تھے اور اپنی اہلیہ کے حقوق ادا کرتے تھے اور آپ رات کے اس جزء میں بار بار قرآن مجید کی تلاوت کرتے

تھے تا کہ رمضان کے تمام مہینہ میں قرآن مجید کی برکات شامل رہیں اور اگر یہ تصریح نہ ہوتی کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال ایک بار آپ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے اور آخری بار انہوں نے دو بار آپ کے ساتھ قرآن کا دور کیا تو یہ ہو سکتا تھا کہ اس سال جتنا قرآن مجید نازل ہوتا آپ اس کو رمضان کی بقیہ راتوں میں دہراتے، اور امام ابوعبید نے داؤد بن ابی ہند سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے شعبی سے کہا کہ قرآن مجید میں ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (البقرہ:۱۸۵) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید کو نازل کیا گیا۔

کیا قرآن مجید سارا سال آپ پر نازل نہیں ہوتا تھا؟ تو شعبی نے کہا: کیوں نہیں! لیکن حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی جن آیات کو چاہا محکم کر دیا اور جن کو چاہا ثابت رکھا، اور اس میں قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمت کی طرف اشارہ ہے اور حضرت جبریل آپ کو محکم اور منسوخ آیات کی تفصیل بتاتے تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۶-۱۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۹۸۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ وَكَانَ يَعْتَكِفُ كُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَكَفَ عِشْرِينَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ۔

(اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں)۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر نے حدیث بیان کی از ابی حصین از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر سال ایک مرتبہ قرآن مجید پیش کیا جاتا تھا اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال میں آپ پر دو بار قرآن مجید پیش کیا گیا اور آپ ہر سال دس دن اعتکاف کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے بیس دن اعتکاف کیا"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۴ میں گزر چکی ہے۔

وفات کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس (۲۰) دن اعتکاف کرنے کی توجیہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے بیس دن اعتکاف کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال دگنا اعتکاف اس لیے کیا تھا کہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب آپ کی مدت حیات پوری ہو گئی ہے تو آپ نے عبادت اور نیکی کے کام میں کثرت کا ارادہ کیا تا کہ آپ کی امت کے لیے یہ سنت ہو جائے کہ جب وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں پہنچیں تو عبادت اور نیک کاموں میں زیادہ کوشش کریں تا کہ وہ اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کریں جو ان کی زندگی کے بہترین احوال ہیں اور عبادت کرتے ہوئے ان کو موت آئے اور اس کی دوسری وجہ حسب ذیل حدیث میں ہے: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشروں میں اعتکاف کرتے تھے، پس ایک سال آپ سفر پر گئے اور اعتکاف نہ کر سکے تو اس کے اگلے سال آپ نے بیس راتیں اعتکاف کیا یعنی اعتکاف کی قضا کر لی"۔

(سنن ابوداؤد، ۲۴۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۷۷۰، زوائد المسند ج ۵ ص ۱۴۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۳۸۹، صحیح ابن خزیمہ: ۲۲۲۵، صحیح ابن حبان: ۳۶۶۳، المستدرک ج ۱ ص ۴۳۹، سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۱۴)

اعتکاف کا سنت مؤکدہ ہونا، بعض صحابہ کے ترک اعتکاف کی توجیہ اور اعتکاف کی حکمت

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اعتکاف سنت موکدہ ہے کیونکہ شارع علیہ السلام نے اعتکاف پر دوام کیا ہے، پس مومن کو بھی چاہیے کہ وہ اعتکاف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور اتباع کرے اور ابن شہاب سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے اعتکاف کو ترک کر دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ میں داخل ہوئے آپ نے رمضان کے آخری عشروں میں اعتکاف کو ترک نہیں کیا حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے واصل ہو گئے۔

ابن نافع نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ امام مالک نے کہا کہ میں ہمیشہ اس پر سوچ و بچار کرتا رہا کہ صحابہ کرام نے اعتکاف کو ترک کر دیا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائماً اعتکاف کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمالی اور صحابہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کرنے والے ہیں حتیٰ کہ میرے دل میں اس کی یہ توجیہ آئی کہ صحابہ کے نزدیک اعتکاف وصال کے روزوں کی طرح ہے جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منع فرمایا تھا اور میرا گمان ہے کہ صحابہ نے اعتکاف کو اس کی شدت اور سختی کی وجہ سے ترک کر دیا اور حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے سوا کسی نے اعتکاف نہیں کیا جن کا نام مغیرہ یا محمد ہے۔

امام ابن المنذر نے کہا ہے: ہم نے عطاء خراسانی سے روایت کی ہے کہ معتکف کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے گرا دیا ہو، پھر اس نے کہا ہو: اے میرے رب! میں اس وقت تک یہاں سے نہیں اٹھوں گا حتیٰ کہ تو مجھ پر رحم فرما دے اور اے میرے رب مجھے بخش دے۔

(الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۶۹، شعب الایمان: ۳۹۷۰) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۳ ص ۶۶۸۔۶۶۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس (۲۰) دن اعتکاف کرنے میں دو احتمال ہیں یا تو آپ نے آخری سال بیس دن اعتکاف کیا یا جس سال آپ نے رمضان کے وسط میں دس دن اعتکاف کیا تھا تو آپ نے پھر دوبارہ آخری عشرہ میں دس دن اعتکاف کیا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: آپ ہر سال دس دن اعتکاف کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے بیس دن اعتکاف کیا۔

اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینہ میں بیس دن اعتکاف کیا اور یہ حضرت جبریل علیہ السلام کے فعل کے مناسب ہے کیونکہ انہوں نے اس سال دو مرتبہ آپ کے سامنے قرآن مجید کو پیش کیا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب وہ ہو جو پہلے گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس دن اعتکاف کرتے تھے، پس ایک سال آپ سفر پر گئے، پس آپ اعتکاف نہ کر سکے تو آپ نے اگلے سال بیس دن اعتکاف کیا اور یہ اس وقت ہوا جب آپ نے رمضان کے مہینہ میں سفر کیا اور یہ تو (۹) ہجری کا واقعہ ہے جب آپ رمضان کے مہینہ میں غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے اور یہ قصہ اس قصہ کے خلاف ہے جو صحیح بخاری کتاب الصیام میں پہلے گزر چکا ہے (صحیح البخاری: ۲۰۴۵) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عشرہ کے اول میں اعتکاف کیا اور جب آپ نے دیکھا کہ آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کے لیے مسجد میں اپنے اپنے خیمے لگا دیے تو آپ نے اس اعتکاف کو ترک کر دیا، پھر آپ نے شوال میں دس دن اعتکاف کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بھی قصہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ قصہ ہو جس کو امام مسلم نے اس باب کی حدیث

میں روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیح بخاری میں درج ذیل ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ کے وسط میں اعتکاف کرتے تھے، پس جب اکیس (۲۱) تاریخ آئی تو آپ نے اس مہینہ میں دوبارہ اعتکاف کیا، پھر فرمایا کہ میں نے اس مہینہ کے وسط میں اعتکاف کیا تھا، پھر مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ میں مہینہ کے آخر میں اعتکاف کروں، پس آپ نے مہینہ کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کیا"۔ (صحیح البخاری: ۲۰۴۰-۲۰۳۶)

پس ہوسکتا ہے ان بیس دنوں کے اعتکاف سے یہ مراد ہو کہ دس دن رمضان کے وسط میں اعتکاف کیا اور دس دن رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا۔ (فتح الباری ج۶ ص ۱۸۷-۱۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۸- بَابُ: الْقُرَّاءِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم — نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قرآن مجید کے قاری

اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جو قرآن مجید کو حفظ کرنے اور اس کی تعلیم کے درپے ہونے میں مشہور تھے، یہ متقدمین کی اصطلاح ہے اور یہ بھی اصطلاح ہے کہ جو قرآن مجید میں تفقہ حاصل کرے اس کو قاری کہتے ہیں۔ (فتح الباری ج۶ ص ۱۸۸)

علامہ عینی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۲۰ ص ۳۴)

۴۹۹۹- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ ذَكَرَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا أَزَالُ أُحِبُّهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو از ابراہیم از مسروق حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، پس کہا کہ میں ہمیشہ ان سے محبت کرتا ہوں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "قرآن مجید کو چار مردوں سے حاصل کرو: عبداللہ بن مسعود سے اور سالم سے اور معاذ بن جبل سے اور ابی بن کعب سے رضی اللہ عنہم"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۵۸ میں گزر چکی ہے۔

جن چار صحابہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا ان کا تذکرہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ان چار صحابہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے فارغ تھے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہو کہ آپ کے بعد یہ چار باقی رہیں گے اور ان سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی جاسکے گی، لیکن علامہ کرمانی کی اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ عہد رسالت کے بعد صرف یہ چار صحابہ باقی نہیں تھے بلکہ قرآن مجید کے علم اور تجوید کے بہت زیادہ ماہرین موجود تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت سالم رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئے تھے، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہے اور ان ہی پر قرآن مجید کی قراءت کی ریاست کی انتہاء ہوئی تھی اور حافظ ابو عمر ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق ان کی وفات پینتالیس (۴۵) ہجری میں ہوئی اور دوسرے قول کے مطابق ان کی وفات اکاون یا باون ہجری میں ہوئی، ان کی نماز جنازہ مروان نے پڑھائی تھی۔ (عمدۃ القاری ج۲۰ ص ۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ان چار صحابہ کے علاوہ عہد رسالت میں بے شمار صحابہ حفاظ قرآن تھے، اس پر علامہ ابن ملقن کے بہ کثرت دلائل اور نقول

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار صحابہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم تاکید کے لیے دیا ہے، آپ کی یہ مراد نہیں تھی کہ ان چار کے سوا اور کسی سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل نہ کی جائے۔

بعض شارحین نے ان چار کے علاوہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کیا ہے، علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ اضافہ محفوظ نہیں ہے اور صحیح قول کے مطابق حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوالدرداء میں سے کسی ایک کا شمار کیا گیا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تمام قرآن کو محفوظ نہیں کیا تھا کیونکہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر سے زیادہ سورتیں یاد کی تھیں اور بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ یہ چار وہ صحابہ ہیں جنہوں نے پورے قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جمع کر لیا تھا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ چاروں خلفاء راشدین نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر اور ابوعمرو الدانی نے ذکر کیا ہے، ابوعمرو نے کہا کہ عہد رسالت میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا تھا، حدیث میں ہے:

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''تم کتنے دنوں میں قرآن مجید کو ختم کرتے ہو؟''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۵۳)

دوسری روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک ماہ میں قرآن پڑھو، میں نے کہا: میں اس سے زیادہ قوت پاتا ہوں حتیٰ کہ آپ نے فرمایا: پس قرآن کو سات دنوں میں ختم کرو اور اس میں اضافہ نہ کرو (یعنی سات سے کم دنوں میں قرآن مجید کو ختم نہ کرو)''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۵۴)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا جب ہی تو وہ تین دن میں قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ دوسرے صحابہ کو بھی قرآن مجید حفظ تھا، ان میں سے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا ذکر حافظ ابن عبدالبر نے کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ذکر کیا گیا ہے، سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں قرآن مجید یاد کر چکا تھا اور اس وقت میری عمر دس سال کی تھی اور ابوعمرو الدانی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کیا ہے اور حضرت مجمع بن جاریہ کا بھی ذکر کیا ہے، ان کو امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۴۴)

امام شعبی نے بیان کیا ہے کہ امام ابن عساکر سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت حضرت مجمع کی ایک سورت یا دو سورتیں باقی رہتی تھیں۔ (تاریخ دمشق ج ۱۹ ص ۳۱۰-۳۰۹)

اور ان صحابہ کے علاوہ حضرت قیس بن ابی صعصعہ عمرو بن زید الانصاری البدری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا ذکر امام ابوعبید بن سلام نے ابن لہیعہ کی حدیث میں کیا ہے۔ حبان بن واسع از والد خود از حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: میں کتنے دنوں میں قرآن مجید کو ختم کروں تو آپ نے فرمایا: "پندرہ (۱۵) دن میں، انہوں نے کہا: میں اس سے زیادہ قوت پاتا ہوں تو آپ نے فرمایا: "ہر جمعہ میں"۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۷۷)

اور ابن لہیعہ کی حدیث میں واسع از عم خود از حضرت سعد بن المنذر الانصاری البدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں تین دن میں قرآن مجید ختم کرلوں، آپ نے فرمایا: "ہاں! اگر تم کو طاقت ہو"۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۷۹)

اور حضرت عوف بن مالک بن الاوس الاوسی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا ذکر ابن حبیب نے المحبر میں کیا ہے۔ (المحبر ص ۲۸۶)

اور حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا ہیں، دوسرا قول ہے: وہ بنت عبد اللہ بن الحارث ہیں، ان کا ذکر امام محمد بن سعد نے کیا ہے۔
(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۵۷)

امام ابن الاثیر الجزری نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ (اسد الغابہ: ۷۶۱۸)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن مجید میں پندرہ آیات سجدہ پڑھائیں جن میں سے تین آیات سجدہ المفصل میں ہیں اور دو آیات سجدہ سورۃ الحج میں ہیں"۔
(سنن ابوداؤد: ۱۴۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۰۵۷، المستدرک ج ۱ ص ۲۲۳، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۱۴)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن مجید کو حفظ کرلیا تھا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث مشہور ہے کہ میں کم سن لڑکی تھی اور بہت زیادہ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتی تھی۔
(صحیح البخاری: ۲۶۶۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰)

اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جائے گا کہ انہوں نے قرآن مجید کو حفظ نہیں کیا تھا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں چار مردوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا، پس حضرت انس کی مراد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے علاوہ چار مردوں نے قرآن مجید جمع کیا تھا اور یہ لازم نہیں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو تمام حفاظ قرآن کا علم ہو۔ (المعلم بفوائد مسلم للمازری ج ۲ ص ۳۴۶۔۳۴۵)

نیز علامہ مازری نے کہا ہے: ہم نے پندرہ اصحاب کو نقل کیا ہے جن کو قرآن مجید حفظ تھا، پس بعض نے اس تعداد میں اضافہ کیا ہے اور بعض نے اس تعداد میں کمی کی ہے اور بعض نے کہا کہ کسی ایک نے بھی قرآن مجید جمع نہیں کیا ہے۔
(المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۴۵۔۳۴۴)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

جس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چار مردوں سے قرآن کو حاصل کرو" (صحیح مسلم: ۲۴۶۴، صحیح بخاری: ۴۹۹۹) اس سے یہ گمان کیا گیا کہ صرف چار صحابہ کو قرآن مجید حفظ تھا لیکن اس حدیث میں دلیل خطاب ہے اور ان چار صحابہ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس پر نہیں دلالت کرتا کہ ان چار کے علاوہ اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ ائمہ اصول کا اس پر اتفاق ہے کہ دلیل خطاب کی وجہ سے دوسروں کی نفی نہیں ہوتی اور جب دوسروں کی تصریح موجود ہو تو خطاب کی خصوصیت کی وجہ سے ان کی نفی نہیں کی جائے گی۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۳۷۹، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۱۷ ھ)

نیز علامہ قرطبی لکھتے ہیں: تحقیق یہ ہے کہ قاضی ابوبکر وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے قرآن مجید کو حفظ کرلیا

اوران میں سے خلفاء اربعہ ہیں اور خبر متواتر سے منقول ہے کہ جنگ یمامہ میں ستر حفاظ صحابہ شہید ہو گئے تھے جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور جنگ یمامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ہوئی تھی، پس جو صحابہ اس لشکر میں باقی رہ گئے اور شہید نہیں کیے گئے تھے ان کی تعداد بہت زیادہ تھی جب کہ یہ ایک لشکر تھا تو غور کرو کہ اسلام کے دیگر شہروں میں جو صحابہ کرام مختلف لشکروں میں جہاد کر رہے تھے ان میں سے کتنے ایسے تھے جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا وہ بے شمار تھے اور کوئی عدد ان کی گنجائش نہیں رکھتا، پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ دلیل خطاب سے خصوصیت ثابت نہیں ہوتی تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان چار صحابہ سے قرآن مجید کو حاصل کرنے کا حکم دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان چار کے ذکر کرنے کی کوئی غرض ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کے ذہن میں صرف یہ چار صحابہ مستحضر ہوں۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ٦ ص ٣٨٠۔٣٧٩، دار ابن کثیر، دمشق، ١٤١٧ھ)

نیز قاضی ابوبکر نے ذکر کیا ہے کہ بہ کثرت روایات میں مذکور ہے کہ ائمہ اربعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا کیونکہ وہ سابقین اسلام تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تکریم کرتے تھے اور یہ ثابت ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ محراب میں اتنی لمبی سورتیں پڑھتے تھے جن کو صرف وہی لوگ پڑھ سکتے ہیں جو قرآن مجید کے حافظ ہوں، ان میں سے ایک روایت حسب ذیل ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز میں سورۃ البقرہ پڑھی تو (نماز کے بعد) حضرت عمر نے کہا: سورج نکلنے والا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر سورج نکلتا تو تم ہم کو غافل نہ پاتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ٣٥٤٥، سنن بیہقی ج ٢ ص ٣٨٩)

اور یہ بات معلوم ہے کہ اکثر حفاظ اور قرآن پڑھنے کے مشتاق صحابہ لوگوں کو نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھاتے تھے اور اس کا یہ تقاضا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حافظ قرآن ہوں، اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا لی تھی یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے اور آپ اس مسجد میں کھڑے ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت آپ بہت زیادہ روتے تھے جس کو مشرکین کے بچے اور ان کی عورتیں سنتی تھیں۔ (صحیح البخاری: ٤٧٦)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے حافظ ہیں، اسی لیے آپ نے حضرت ابوبکر کو نماز میں مقدم کیا تھا چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "امامت وہ لوگ کرائیں جو قرآن مجید کو سب لوگوں سے زیادہ پڑھنے والے ہوں"۔ (صحیح مسلم: ٦٧٣)

امام ابن ابی شیبہ نے بھی اس حدیث کی مثل حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ٣٥٦٥)

نیز امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر کی شہادت کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی جس میں مذکور ہے کہ عمرو بن میمون نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت صبح کی نماز میں سورۂ یوسف یا سورۃ النحل کی تلاوت کر رہے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ٣٧٠٠)

امام حاکم نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز میں سورۂ یوسف کی تلاوت کی اور جب انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم برداشت کرنے والے تھے ○ (یوسف: ٨٤)

تو صفوں کے پیچھے بھی ان کی آواز سنی گئی۔ (المستدرک ج ٢ ص ٣٩٠)

نیز امام حاکم نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۃ الحج کی تلاوت کی اور اس میں دو سجدے کیے۔
(المستدرک ج ۳ ص ۸۶)

عبدالملک بن عمیر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا علم رکھتے تھے اور ہم سب سے زیادہ اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے تھے اور ہم سب سے زیادہ اللہ کے دین کو سمجھنے والے تھے۔
(المستدرک ج ۳ ص ۸۶)

اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ صفت نہ ہوتی اور وہ سب سے زیادہ قرآن کے قاری نہ ہوتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو قرآن جمع کرنے کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ ملاتے اور حضرت زید بن ثابت کو ان کا تابع نہ کرتے کیونکہ قرآن مجید کو جمع کرنے کے لیے اس کو مقرر کرنا جائز نہیں ہے جو حافظ نہ ہو۔

رہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو ان کے متعلق یہ مشہور ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کر لیا تھا اور جب باغیوں نے ان کو قتل کرنے کے ارادے سے ان کے ہاتھ پر تلوار ماری تو حضرت عثمان نے کہا: اللہ کی قسم! یہ پہلا ہاتھ ہے جس نے المفصل کو لکھا ہے۔ (الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ۱۳۲، المطبر انی: ۱۱۹، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۹۴)

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا: تم ان کو قتل کر رہے ہو یہ شب بیدار تھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔
(المطبر انی: ۱۳۰، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۹۴)

اسی طرح حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی فضیلت اور ان کے مناقب معروف اور مشہور ہیں اور ان کے علم کی وسعت مسلم ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے مشورے کرتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت کی تھی اور حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم سب سے زیادہ قرآن کے قاری ابی بن کعب ہیں اور ہم سب سے عمدہ فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔ (صحیح البخاری: ۴۴۸۱، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۵۵۵)

ابوعبدالرحمن السلمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرآن کا پڑھنے والا نہیں دیکھا، ایک دفعہ انہوں نے صبح کی نماز پڑھائی اور ان سے سورۃ الانبیاء کی ایک آیت رہ گئی تو انہوں نے دوبارہ رجوع کر کے اس آیت کو پڑھ لیا۔ (تقیید المہمل ج ۲ ص ۷۰۸)

پس جب ہمارا یہ قول ثابت ہے تو ثابت ہو گیا کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدم کیا تو واجب ہے کہ وہ قرآن مجید کے حفاظ ہوں اور یہ ان روایات سے اولیٰ ہے جن میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف چار حفاظ قرآن تھے اور ان میں وہ صحابہ نہیں ہیں جو دین کے قائد ہیں اور مسلمانوں کے مقتداء ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۶۰۔۵۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ قرآن سے محبت رکھنی چاہیے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرآن مجید کو چار مردوں سے حاصل کرو: عبداللہ بن مسعود سے اور سالم سے اور معاذ بن جبل سے اور ابی بن کعب سے رضی اللہ عنہم"۔

ان چار میں سے دو مہاجر ہیں جن سے اس حدیث میں ابتداء کی گئی ہے اور دو انصار میں سے ہیں اور وہ حضرت سالم بن معقل مولیٰ ابوحذیفہ ہیں اور حضرت معاذ بن جبل ہیں رضی اللہ عنہم۔

اور اس سے پہلے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے مناقب گزر چکے ہیں اور سب سے پہلے اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ان کے متعلق فرمایا کہ میں اس وقت سے ان سے محبت کرتا ہوں جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار مردوں سے قرآن حاصل کرو اور آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابتداء کی'' اور اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس مرد سے محبت کرنی چاہیے جو قرآن مجید پڑھنے میں ماہر ہو، آپ نے ان چار کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا حالانکہ دوسرے صحابہ بھی حفظ قرآن میں ان کے شریک تھے۔

صرف ان چار صحابہ سے حصول قرآن کے متعلق علامہ کرمانی کی توجیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا اس پر رد اور صحیح توجیہ کا بیان

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارادہ ہو کہ آپ یہ خبر دیں کہ آپ کے بعد کون حافظ قرآن ہوں گے یعنی یہ صحابہ حفظ قرآن کے ساتھ باقی رہیں گے اور اس میں منفرد ہوں گے اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ صرف یہ چار صحابہ آپ کے بعد حفظ قرآن میں منفرد نہیں تھے بلکہ بے شمار صحابہ عہد رسالت میں تجوید قرآن کے ماہر تھے اور حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہما کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جنگ یمامہ میں شہید کر دیا گیا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ہو گئی اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں فوت ہو گئے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آخر زمانہ تک زندہ رہے اور ان پر قراءت کی ریاست ختم ہوگئی اور وہ ان کے بعد ایک طویل زمانہ تک زندہ رہے، پس ظاہر یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار صحابہ سے قرآن مجید کو حاصل کرنے کا حکم دیا تھا اس وقت دیگر حفاظ صحابہ بھی موجود تھے اور آپ کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت حفظ قرآن میں ان صحابہ کا کوئی اور شریک نہ ہو بلکہ اس وقت صحابہ میں حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جن کو ان چاروں کی طرح قرآن مجید حفظ تھا اور اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ غزوۂ بئر معونہ میں جو صحابہ شہید کیے گئے ان کو القرآء کہا جاتا تھا اور وہ ستر (۷۰) مرد تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح صحیح بخاری کی بیان کردہ تخصیص کی توجیہ

امام ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ان چار صحابہ کو اس لیے خاص فرمایا کہ ان کو قرآن مجید کے الفاظ زیادہ منضبط تھے اور دوسروں کی بہ نسبت ان کی ان الفاظ کی ادائیگی زیادہ مستحکم تھی اگر چہ دوسرے صحابہ کو قرآن مجید کے معانی کا زیادہ تفقہ حاصل تھا، یہ اس وجہ سے کہ یہ چار صحابہ دوسرے صحابہ کی بہ نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کو بالمشافہ حاصل کرنے کے لیے زیادہ فارغ تھے اور آپ کی یہ مراد نہیں تھی کہ ان چار صحابہ کے علاوہ اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا۔ (ارشاد الساری ج ۸ ص ۲۷۴۔ ۲۷۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حفظ قرآن کا ان چار صحابہ میں حصر نہیں ہے، ان چار کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ دوسروں کی بہ نسبت یہ چار صحابہ زیادہ جید قاری تھے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۸۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

ان چار صحابہ کی اس لیے تخصیص فرمائی کہ یہ دوسرے صحابہ کی بہ نسبت قرآن مجید کے الفاظ کو زیادہ منضبط کرنے والے تھے اور ان الفاظ کو زیادہ مستحکم طریقہ سے ادا کرنے والے تھے۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۹ ص ۹۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۵۰۰۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيقُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ خَطَبَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ فَقَالَ وَاللهِ لَقَدْ أَخَذْتُ مِنْ فِي رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِضْعًا وَسَبْعِينَ سُورَةً وَاللهِ لَقَدْ عَلِمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنِّي مِنْ أَعْلَمِهِمْ بِكِتَابِ اللهِ وَمَا أَنَا بِخَيْرِهِمْ قَالَ شَقِيقٌ فَجَلَسْتُ فِي الْحِلَقِ أَسْمَعُ مَا يَقُولُونَ فَمَا سَمِعْتُ رَادًّا يَقُولُ غَيْرَ ذَلِكَ

(صحیح البخاری: ۶۲۸۲، صحیح مسلم: ۲۴۶۲، سنن نسائی: ۵۰۷۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شقیق بن سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، پس فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر سے زائد سورتیں حاصل کی ہیں اور اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو علم ہے کہ مجھے ان سب سے زیادہ اللہ کی کتاب کا علم ہے حالانکہ میں ان سے افضل نہیں ہوں شقیق نے کہا: پس میں صحابہ کے حلقوں میں بیٹھ کر سنتا تھا کہ وہ لوگ کیا کہتے تھے؟ لیکن میں نے کسی سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات کا رد نہیں سنا جو اس کے سوا کوئی اور بات کہتا ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ مصحف پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تبصرہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ستر سے زائد سورتیں حاصل کی ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ نے اس حدیث کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس کے شروع میں ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ۔ (آل عمران: ۱۶۱) اور جو شخص خیانت کرے گا وہ خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا۔

پھر اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کس کی قراءت کے موافق مجھے قرآن پڑھنے کا حکم دیتے ہو؟ حالانکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن پڑھ چکا ہوں اور میں نے آپ کے دہن اقدس سے ستر (۷۰) سے زیادہ سورتیں سنی ہیں۔

اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیا اور آل عمران: ۱۶۱ کی تلاوت کی، پھر فرمایا: ان لوگوں نے تمہارے مصاحف میں خیانت کی ہے اور تم مجھے کس طرح حکم دیتے ہو کہ میں زید بن ثابت کی قراءت کے موافق پڑھوں حالانکہ میں نے اس کی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک منہ سے سنی ہے۔

خمیر بن مالک نے بھی اس کی مثل روایت کی ہے اور اس کے آخر میں مذکور ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گزشتہ مصاحف کو مٹانے کا حکم دیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو برا لگا اور انہوں نے فرمایا: کیا میں ان آیات کو ترک کر دوں جن کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے، پھر فرمایا: ''جو شخص اپنے مصحف میں خیانت کرنا چاہتا ہے وہ خیانت کرے''۔

کتاب اللہ کا زیادہ علم مطلقاً فضیلت کو مستلزم نہیں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو علم ہے کہ مجھے ان سب سے زیادہ اللہ کی کتاب کا علم ہے حالانکہ میں ان سے افضل نہیں ہوں۔

اعمش کی دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ کسی صحابی کو مجھ سے زیادہ علم ہے تو میں سفر کر کے اس کے پاس جاتا، نیز انہوں نے کہا: حالانکہ میں ان سے افضل نہیں ہوں یعنی کتاب اللہ کا زیادہ عالم ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ مطلقاً سب سے افضل ہوں بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے صحابہ دوسرے علوم میں ان سے زیادہ افضل ہوں۔

امام بخاری کی اس حدیث کا زہری کی روایت سے تعارض اور اس کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے: شقیق بن سلمہ نے کہا کہ میں صحابہ کے حلقوں میں بیٹھ کر سنتا تھا کہ وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ لیکن میں نے کسی سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس بات کا رد نہیں سنا جو اس کے سوا کوئی اور بات کہتا ہو۔

امام مسلم کی روایت میں ہے کہ شقیق نے کہا کہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے حلقوں میں بیٹھا، پس میں نے کسی سے نہیں سنا کہ وہ حضرت ابن مسعود کا رد کرتا ہو یا ان کی مذمت کرتا ہو، اور ابن شہاب کی دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت ابن مسعود منبر سے اترے تو میں حلقہ میں جا کر بیٹھ گیا، پس ان میں سے کوئی بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات کا رد نہیں کر رہا تھا، ان دونوں روایتوں میں یہ فرق ہے کہ اس روایت میں خصوصیت کے ساتھ اہل کوفہ کا ذکر ہے جہاں حضرت ابن مسعود نے خطبہ دیا تھا اور صحیح مسلم کی روایت میں مطلقاً صحابہ کا ذکر ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حضرت ابن مسعود کا انکار نہیں کرتا تھا خواہ وہ کوفی ہوں یا غیر کوفی ہوں۔

زہری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو ناپسند کیا اور یہ روایت صحیح بخاری کی روایت کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ ان کے قول کو کسی نے ناپسند نہیں کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری کی روایت حضرت ابن مسعود کے ان اصحاب کے متعلق ہے جو کوفہ میں تھے اور زہری کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اصحاب کے متعلق ہے جو کوفہ میں نہیں تھے۔

آخر کار حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قراءت کی طرف رجوع کر لینا

زہری نے جو کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے حضرت ابن مسعود کے قول کو ناپسند کیا تو اس سے زہری کی مراد یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے حضرت عثمان رضی رضی اللہ عنہ کے گزشتہ مصاحف کو مٹانے کے حکم کو جو خیانت سے تعبیر کیا تھا اس کو بعض صحابہ نے ناپسند کیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مصاحف میں خیانت سے مراد یہ تھی کہ ان مصاحف کو چھپایا جائے تا کہ ان کا ظہور نہ ہو اور وہ معدوم ہو جائیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف تھی اور ان کے موافقین کی رائے کے خلاف تھی جو یہ کہتے تھے کہ صرف اس ایک قراءت پر اقتصار کیا جائے جس کو حضرت عثمان نے مرتب کیا تھا اور باقی قراءات کو تلف کر دیا جائے یا ان کا ارادہ یہ تھا کہ حضرت زید بن ثابت کی قراءت کو بغیر کسی دلیل کے ترجیح دینا ان کے نزدیک ترجیح بلا مرجح ہے اس لیے وہ اپنی قراءت پر قائم رہے اور امام ابن ابوداؤد نے ایک باب میں یہ روایت کی ہے کہ بعد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کیے ہوئے مصحف سے راضی ہو گئے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۸۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحابہ کرام کی باہمی تلخیوں اور ناراضگیوں کے متعلق مصنف کا موقف

میں کہتا ہوں کہ اس باب کی شرح میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت تلخ باتیں کی ہیں اور اس سے پہلے صحیح البخاری: ۴۹۸۷، کی شرح میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت تلخ باتیں کیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طنز کیا اور کہا: مجھے مصاحف کے لکھنے سے معزول کر دیا گیا اور اس مرد کو مصاحف کے لکھنے پر مامور کیا گیا ہے کہ اللہ کی قسم جب میں اسلام لایا تو وہ کافر مرد کی پشت میں تھا یعنی حضرت زید بن ثابت۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۶)

سو ہمیں ان باتوں میں نہیں پڑنا چاہیے، ہمارے نزدیک تمام صحابہ محترم ہیں، وہ سب دین کا ستون ہیں اور دین اسلام کے لیے ان کی عظیم الشان خدمات ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ - (الحدید: ۱۰)

(اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا، ان کا (ان مسلمانوں سے) بہت بڑا درجہ ہے جنہوں نے بعد میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا، اللہ نے ان سب سے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کی مساعی کو مشکور فرمایا ہے اور ان کو جنت کی اور فوز عظیم کی بشارت دی ہے، اگر دنیا میں بعض صحابہ کا بعض مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف رہا اور رنجشیں رہیں جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف تھا یا جیسے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہوا اور اس کے نتیجہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین برپا ہوئیں اور دونوں طرف سے مسلمان شہید ہوئے تو ان کا یہ اختلاف صرف دنیا میں تھا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے کدورتوں اور باہمی رنجشوں کو مٹا دے گا اور وہ سب شیر و شکر ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ؕ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۞ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۞ (الحجر: ۴۷-۴۵)

بے شک اللہ سے ڈرنے والے جنتوں اور چشموں میں ہوں گے O (ان سے کہا جائے گا:) تم ان میں بے خوف ہو کر سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ O اور ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے O

اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متقین ہیں اور آخرت میں وہ سب جنت اور چشموں میں ہوں گے اور دنیا میں ایک دوسرے کے خلاف ان کے دلوں میں جو رنجشیں تھیں اللہ تعالیٰ جنت میں ان کے دلوں سے وہ رنجشیں نکال لے گا اور وہ سب جنت میں ایک دوسرے کے سامنے مسندوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، پس حضرت ابن مسعود اور حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سب جنتوں میں ایک دوسرے کے سامنے مسندوں پر خوشی خوشی بیٹھے ہوں گے اور ایک دوسرے سے راضی ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے اور اس نے ان کو راضی کر دیا ہے اور ان کو جنت الفردوس اور عظیم کامیابی عطا فرمائی ہے۔ اے اللہ! ہم بھی ان کے نام لیوا اور ان کے عقیدت مند ہیں، ان کے متبع ہیں تو ہم سے بھی راضی ہو جانا اور ہمیں بھی ان کے توسل اور صدقہ سے جنت الفردوس اور عظیم

کامیابی سے نوازنا۔ (امین یا رب العالمین بحرمة سید المرسلین محمد و علی آله و اصحابه اجمعین)

۵۰۰۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُودٍ سُورَةَ يُوسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَا هَكَذَا أُنْزِلَتْ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَحْسَنْتَ وَوَجَدَ مِنْهُ رِيحَ الْخَمْرِ فَقَالَ أَتَجْمَعُ أَنْ تُكَذِّبَ بِكِتَابِ اللهِ وَتَشْرَبَ الْخَمْرَ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ

(صحیح مسلم: ۸۰۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۸۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از الاعمش از ابراہیم از علقمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حمص میں تھے، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۂ یوسف کی تلاوت کی تو ایک مرد نے کہا: یہ سورت اس طرح نازل نہیں ہوئی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سورت پڑھی تو آپ نے فرمایا: "تم نے بہت عمدہ تلاوت کی ہے"، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے شراب کی بدبو محسوس کی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تو اللہ کی کتاب کی تکذیب کو اور شراب پینے کو ایک ساتھ جمع کرتا ہے؟ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے اوپر شراب کی حد جاری فرمائی۔

شراب کی بدبو پانے پر حد جاری کرنے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے شراب کی بدبو محسوس کی تو اس پر حد جاری کی۔

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: اس حدیث میں امام مالک اور ان کے اصحاب کی اور اہل حجاز کی ایک جماعت کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک شراب کی بو سے حد واجب ہو جاتی ہے جب حاکم کے سامنے دو متقی مرد اس کی گواہی دیں اور امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء کا قول اس کے خلاف ہے، وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس مرد نے شراب پینے کا اعتراف کر لیا تھا اس لیے حضرت ابن مسعود نے اس پر حد جاری کی، دوسرا سوال یہ ہے کہ حد تو خلیفہ جاری کرتا ہے اور حضرت ابن مسعود تو خلیفہ نہیں تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود اس وقت خلیفہ کے نائب تھے۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۴۰، تبیین الحقائق ج ۳ ص ۱۹۷۔۱۹۶، المنتقیٰ ج ۳ ص ۱۴۲، الفروع ج ۶ ص ۸۲)

جس مرد نے قرآن مجید کی تکذیب کی تھی اس کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تکفیر نہیں کی، اس کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے: تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تکذیب کرتا ہے یعنی اپنی جہالت سے بعض آیات کا انکار کرتا ہے، اس سے حضرت ابن مسعود کی یہ مراد نہیں تھی کہ وہ حقیقی تکذیب کرتا ہے کیونکہ اگر وہ حقیقی تکذیب کرتا تو کافر ہو جاتا اور اس پر مرتدین کے احکام جاری ہو جاتے کیونکہ قرآن مجید کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۶۱۔۶۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابن مسعود نے اس شخص پر شراب نوشی کی وجہ سے جو حد لگائی اس کی علامہ نووی شافعی کی طرف سے تاویلات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے شراب کی بدبو محسوس کی تو اس پر حد لگائی۔
امام مسلم کی روایت میں ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تم یہاں سے مت جانا حتیٰ کہ میں تم پر حد لگادوں، پس میں نے اس پر حد لگادی۔

علامہ نووی شافعی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس کو حد لگانا اس پر محمول ہے کہ ان کو حد لگانے کی ولایت حاصل تھی، بالعموم یا بالخصوص وہ اس میں خلیفہ کے نائب تھے اور یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ اس مرد نے بلا عذر شراب پینے کا اعتراف کرلیا تھا ورنہ صرف شراب کی بدبو سے کسی شخص پر حد واجب نہیں ہوتی اور یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ اس نے جہالت کی وجہ سے قرآن مجید کی بعض آیات کا انکار کیا تھا کیونکہ اگر وہ حقیقتاً ان آیات کی تکذیب کرتا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو کافر قرار دے دیتے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ جو شخص کسی ایک حرف کا بھی انکار کرے جس کے قرآن ہونے پر اجماع ہو تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔الی آخرہ۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اس پر حد لگائی، اس سے مراد یہ ہے کہ حد لگانے کا حضرت ابن مسعود کی طرف اسناد مجازاً ہے یعنی انہوں نے خلیفہ تک اس کا یہ جرم پہنچایا، پھر خلیفہ کے حکم سے اس پر حد لگائی، پس وہ حد لگانے کا سبب تھے تو اس حدیث میں سبب کی طرف اسناد ہے اور یہ اسناد مجازی ہے اور پہلا احتمال زیادہ واضح ہے۔

حضرت ابن مسعود کے حد لگانے کی علامہ قرطبی مالکی کی طرف سے تاویلات اور ان پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

علامہ قرطبی مالکی متوفی ٦٥٦ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر اس لیے خود حد لگائی کیونکہ خلیفہ نے حد لگانے کا منصب ان کے سپرد کر دیا تھا اور ان کو اس پر ولایت حاصل تھی، دوسری تاویل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کی طرف سے اس واجب کام کو ادا کیا، تیسری تاویل یہ ہے کہ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتداء میں کوفہ کے گورنر تھے۔علامہ قرطبی کی عبارت ختم ہوئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ قرطبی کی دوسری تاویل عمدہ ہے اور آخری تاویل میں علامہ قرطبی اس بات سے غافل رہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ یہ واقعہ حمص کا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حمص کے گورنر تھے بلکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حمص میں جہاد کرنے کے لیے گئے تھے۔

محض شراب کی بدبو کی وجہ سے شراب کی حد لگانے کے متعلق فقہاء مالکیہ، حنفیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے مذاہب

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان فقہاء کے خلاف حجت ہے جو صرف شراب کی بدبو کی وجہ سے حد لگانے کو منع کرتے ہیں جیسے فقہاء احناف ہیں اور امام مالک اور ان کے اصحاب اور اہل حجاز کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں اختلاف مشہور ہے کیونکہ فقہاء شافعیہ شراب کی بدبو کی وجہ سے حد لگانے کو واجب کہتے ہیں اور مانعین یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس شخص نے شراب نوشی کا اقرار کرلیا ہو اس وجہ سے شراب کی بدبو کی وجہ سے حد لگانے کی دلیل ساقط ہوگئی اور علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ھ نے "المغنی" میں یہ بیان کیا ہے کہ محض شراب کی بدبو کی وجہ سے شراب کی حد لگانے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور مختار یہ ہے کہ صرف شراب کی بدبو کی وجہ سے حد نہ لگائی جائے بلکہ اس کے ساتھ قرینہ بھی ضروری ہے مثلاً یہ کہ وہ نشہ کی حالت میں پایا گیا ہو یا یہ کہ وہ ایسی جماعت کے ساتھ

پایا گیا ہو جو فسق میں مشہور ہوں اور ان سے شراب بھی ملی ہو اور ان میں سے کسی ایک سے شراب کی بدبو آ رہی ہو۔

علامہ ابن المنذر نے بعض متقدمین سے یہ نقل کیا ہے کہ محض شراب کی بدبو سے اس وقت حد واجب ہوتی ہے جب کسی شخص کے متعلق یہ مشہور ہو کہ وہ دائماً شراب پیتا ہے۔

اور اسی تفصیل کے مطابق کہا گیا ہے کہ جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کو یہ شک ہو کہ آیا اس سے ہوا خارج ہوئی یا نہیں، پس اگر اس کو بدبو بھی آئی ہو تو یہ اس کے وضو ٹوٹنے کی دلیل ہو گی، پس وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور اسی پر محمول ہے کہ جب اس کو صرف ہوا خارج ہونے کا شک ہو اور بدبو آنے کا قرینہ نہ ہو تو پھر وہ وضو نہیں کرے گا اور ہم ان شاء اللہ کتاب الحدود میں اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کریں گے۔

اس شخص کی تکذیب قرآن کے باوجود اس کو کافر نہ قرار دینے کے متعلق علامہ نووی شافعی کے جواب پر حافظ ابن حجر کا تبصرہ

علامہ نووی نے تیسرے اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اس شخص کے انکار قرآن کے باوجود اس کو اس لیے کافر نہیں قرار دیا کہ اس نے جہالت کی وجہ سے قرآن مجید کی بعض آیات کی تکذیب کی تھی ورنہ جو قرآن مجید کے ایک حرف کا بھی انکار کرے وہ کافر ہو جائے گا۔ علامہ نووی کا یہ جواب بہت عمدہ ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ اس مرد نے حضرت ابن مسعود کو جھوٹا کہا ہو اور قرآن مجید کی تکذیب نہ کی ہو اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس نے کہا: یہ آیت اس طرح نازل نہیں ہوئی، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس آیت کے نازل ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جس کیفیت اور قراءت کے ساتھ اس آیت کو پڑھ رہے تھے اس نے حضرت ابن مسعود کی اس قراءت کا انکار کیا تھا اور اس کی مزید بحث ان شاء اللہ کتاب الطلاق میں آئے گی۔

(فتح الباری ج ٦ ص ١٩٠۔١٨٩، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کی اسی شرح کو اپنے طریقہ سے لکھ دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٣٧۔٣٦)

٥٠٠٢۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ رضی اللہ عنہ وَاللهِ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مِنْ كِتَابِ اللهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ أَيْنَ أُنْزِلَتْ وَلَا أُنْزِلَتْ آيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ فِيمَ أُنْزِلَتْ وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنِّي بِكِتَابِ اللهِ تُبَلِّغُهُ الْإِبِلُ لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ۔

(صحیح مسلم: ٢٤٦٣، مصنف عبدالرزاق: ٨٠٧٢، مصنف ابن ابی شیبہ: ٣٥٧١١)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی از مسروق، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے! کتاب اللہ کی جو سورت بھی نازل کی گئی مجھے اس کے متعلق یہ علم ہوتا ہے کہ یہ سورت کہاں نازل ہوئی اور کتاب اللہ کی جو آیت بھی نازل ہوئی مجھے اس کے متعلق یہ علم ہوتا ہے کہ یہ آیت کن لوگوں کے متعلق نازل کی گئی اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ کوئی ایک شخص بھی مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہے اور وہ اونٹوں کے سفر کی مسافت پر ہوتا تو میں ضرور

سفر کرکے اس کے پاس جاتا۔

ضرورت کے وقت بغیر فخر کے خود اپنی فضیلت بیان کرنے کا جواز

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مجھے علم ہوتا کہ کوئی ایک شخص بھی مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہے اور وہ اونٹوں کے سفر کی مسافت پر ہوتا تو میں ضرور سفر کرکے اس کے پاس جاتا۔

امام ابوعبیدۃ نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اونٹ مجھے اس شخص تک پہنچادیں گے جس کو مجھ سے زیادہ اللہ کی کتاب یاد ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اونٹوں پر سفر کی قید اس لیے لگائی ہے کہ وہ سمندری سفر نہیں کرتے تھے اس لیے خشکی کے سفر کی قید لگائی یا اس وجہ سے کہ ان کو یہ یقین تھا کہ کوئی انسان ان سے زیادہ قرآن کا علم نہیں رکھتا، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان بہ قدر ضرورت اپنی فضیلت کو ظاہر کرسکتا ہے اور اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے اور جن احادیث میں اپنی فضیلت خود بیان کرنے کی مذمت ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ جب انسان فخر اور کبر کی وجہ سے اپنی فضیلت کو بیان کرے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی نے بھی بعینہ یہی شرح کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۰۳۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَرْبَعَةٌ كُلُّهُمْ مِنَ الْأَنْصَارِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ تَابَعَهُ الْفَضْلُ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی ﷺ کے عہد میں کس نے قرآن مجید جمع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: چار مردوں نے وہ سب انصار میں سے تھے: حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم"۔
اس حدیث میں حفص بن عمر کی متابعت الفضل نے کی ہے از حسین بن واقد از ثمامہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۱۰ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کرنے والے جن چار صحابہ کا ذکر ہے ان میں سے چوتھے صحابی حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام قیس بن السکن بن قیس بن زعوراء بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار ہے۔
یہ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں حاضر تھے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں چودہ (۱۴) ہجری میں شہادت پائی، اور امام

ذہبی نے الاسماء میں ان کا نام قیس بن سکن بن بنی عدی بن النجار لکھا ہے، اور ابو زید بدری صحابی ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور علامہ ذہبی نے ''الکنی'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابو زید اوسی ہیں اور دوسرا قول ہے کہ وہ معاذ انصاری ہیں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا تھا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

ان چار انصاری صحابہ میں سے تیسرے صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جو کاتب وحی تھے۔ غزوۂ بدر کے وقت یہ کم سن تھے اور کہا گیا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں حاضر تھے۔

روایت ہے کہ غزوۂ تبوک میں بنو مالک بن النجار کا جھنڈا حضرت عمارۃ بن حزم کے پاس تھا، پس وہ جھنڈا ان سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور فرمایا: ''ان کو تم سے بہت زیادہ قرآن یاد ہے''۔

(المستدرک ج ۳ ص ۴۲۱، الاستیعاب ج ۲ ص ۱۱) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۰ ص ۴۱۸۔۴۱۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ ھ)

امام صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۳۲ ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت بن الضحاک بن زید بن لوذان ابن عمرو البخاری رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے اور انصار کے سرداروں میں تھے، بیعت الرضوان میں حاضر تھے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تلاوت کی اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قرآن مجید جمع کیا اور یرموک کی غنیمتوں کی تقسیم پر مامور کیے گئے، ان سے بانوے (۹۲) احادیث مروی ہیں۔ پانچ احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور چار (۴) احادیث میں امام بخاری منفرد ہیں اور ایک (حدیث) میں امام مسلم منفرد ہیں۔

حضرت زید بن ثابت سے روایت کرنے والوں میں ابن عمر، انس، سلیمان یسار، خارجہ بن زید رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

یحییٰ بن سعید نے کہا: جب حضرت زید کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: اس امت کے سب سے بہتر شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ پینتالیس (۴۵) ہجری میں ان کا انتقال ہوا اور کہا گیا ہے کہ اس وقت ان کی عمر اسی (۸۰) سال تھی اور یہ بھی قول ہے کہ اس وقت ان کی عمر اکاون (۵۱) سال تھی۔ (خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ج ۱ ص ۳۸۴۔۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ ھ)

اس حدیث میں مذکور چاروں انصاری صحابہ کے اسماء اور حضرت ابو زید کے متعلق متعدد اقوال

نیز علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ کا نام قیس بن السکن ہے، یہ غزوۂ بدر میں حاضر تھے اور حضرت ابو عبید کے پل کے دن ان کو حضرت عمر کی خلافت میں شہید کیا گیا، ان کی اولاد نہیں تھی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور وہ ابن الضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک النجار ہیں۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، یہ ابن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ ہیں جو عدی بن عمرو بن مالک بن النجار کے بھائی ہیں، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ان کے مناقب میں گزر چکا ہے۔

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، ان کا نام عویمر بن زید بن قیس بن عبسہ بن امیہ بن مالک بن عامر ہے جو عدی کے بیٹوں کے بھائی ہیں جو ثعلبہ کے بھائی ہیں جو کعب بن الخزرج بن الحارث بن الخزرج کے بیٹے ہیں۔

بنو الحارث الخزرج میں الاوس ابن حارثہ کے بھائی ابو زید بھی ہیں اور ثابت بن زید غزوۂ احد میں اور اس کے بعد کے مشاہد میں حاضر تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا، پھر وہ بصرہ میں چلے گئے، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہو گئے۔

اور حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ میرے دادا ہیں اور وہ ان چھ صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ میں فوت ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: اس زمین میں علم کو دفن کر دیا گیا۔

اور تیسرے ابوزید سعد بن عبید بن النعمان اوسی ہیں یہ وہی ہیں، جن کو سعد القاری کہا جاتا ہے اور ان کے علاوہ صحابہ میں سے اور کسی کو قاری نہیں کہا گیا اور انصار میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا اور قبیلۂ اوس میں ان کے علاوہ اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا۔ یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر تھے، کہا گیا ہے کہ یہ جنگ قادسیہ میں سولہ ہجری میں شہید ہو گئے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۶۳۔ ۶۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

قرآن مجید کو جمع کرنے والے صرف قبیلہ خزرج، کے چار انصار مرد تھے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں کس نے قرآن مجید جمع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: چار مردوں نے وہ سب انصار میں سے تھے۔

امام طبری نے قتادہ کی سند سے اس حدیث کی ابتداء میں یہ ذکر کیا ہے کہ اوس اور خزرج کے دو قبیلوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا، پس اوس نے کہا: ہم میں سے چار مرد ہیں (جو بے نظیر ہیں): (۱) ان کے لیے عرش متحرک ہوا اور وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں (۲) ان کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر ہے اور وہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں (۳) ان کو وفات کے بعد فرشتوں نے غسل دیا اور وہ حضرت حنظلہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں (۴) ان کی لاش کی شہد کی مکھیوں نے حفاظت کی اور وہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، پس خزرج نے کہا: ہم میں چار ایسے مرد ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا اور ان کے سوا کسی اور نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا یعنی حضرت ابوالدرداء، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ ان چار صحابہ کے علاوہ دیگر صحابہ نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا ہے اور اس اشکال کے نو جوابات

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ ان چار انصاری مردوں کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا ہے، پھر اس حدیث میں مذکور حصر کس طرح صحیح ہوگا، اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس حدیث میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اس لیے ان چار صحابہ کے علاوہ دیگر صحابہ کا قرآن مجید جمع کرنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ ان چار صحابہ کے علاوہ اور کسی نے قرآن مجید کو ان جمیع وجوہ اور جمع قراءات کے ساتھ جمع نہیں کیا جن وجوہ اور قراءات کے ساتھ قرآن مجید نازل ہوا تھا۔

(۳) قرآن مجید کی ناسخ اور منسوخ آیات کی تصریح کے ساتھ ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا۔

(۴) اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ ان چار صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالمشافہ اور آپ کے دہن اقدس سے سن کر قرآن مجید کو جمع کیا، اس کے برخلاف دوسرے صحابہ نے بالواسطہ سن کر قرآن مجید کو جمع کیا۔

(۵) ان چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کر کے اس کی تعلیم دی اور وہ قرآن مجید کو جمع کرنے میں مشہور ہو گئے، اس کے برخلاف دوسرے صحابہ کا قرآن مجید کو جمع کرنا مخفی رہا، انہوں نے ریا کاری اور فخر کے خطرہ کی وجہ سے اپنے اس کام کو ظاہر نہیں کیا اور جن چار صحابہ نے اپنے اس کام کو ظاہر کیا تھا وہ ریا کاری اور فخر کے خطرہ سے مامون تھے۔

(۶) قرآن مجید کو جمع کرنے سے مراد ان کو لکھنا ہے اور یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ دوسرے صحابہ نے اپنے ذہن میں قرآن مجید کو حفظ کر لیا اور ان چار صحابہ نے قرآن مجید کو اپنے ذہن میں حفظ بھی کیا اور اس کو لکھ بھی لیا۔

(۷) اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ ان چار کے سوا کسی نے بھی یہ بیان نہیں کیا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو حفظ کر لیا، اس کے برخلاف دوسرے صحابہ نے آپ کی زندگی میں قرآن مجید کو حفظ نہیں کیا تھا بلکہ آپ کی وفات کے وقت قرآن مجید کو حفظ کیا تھا یہاں تک کہ قرآن مجید کی آخری آیت نازل ہو گئی، نیز جب قرآن مجید کی آخری آیت نازل ہوئی تو ان چار صحابہ کے علاوہ ان دوسرے صحابہ میں سے کوئی حاضر نہیں تھا جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا۔

(۸) اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جنہوں نے قرآن مجید کو سن کر اطاعت کی اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا کیونکہ امام احمد نے کتاب الزہد میں ابو الزاہریہ سے یہ روایت کی ہے کہ ایک مرد حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: میرے بیٹے نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے تو انہوں نے کہا: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، قرآن کو جمع کرنے والا وہ ہے جو اس کو سن کر اس کی اطاعت کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ان اکثر جوابات میں تکلف ہے خصوصاً آخری جواب میں کیونکہ دوسرے قرآن کو جمع کرنے والے صحابہ بھی قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے والے تھے۔

(۹) یا اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ صرف خزرج نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے نہ کہ اوس نے، پس یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ اوس اور خزرج کے علاوہ دیگر مہاجرین اور ان کے بعد تابعین نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا ہو اور اس جواب کا مستبعد ہونا مخفی نہیں ہے۔

ان چار صحابہ کے علاوہ دیگر صحابہ کے قرآن مجید جمع کرنے کے ثبوت میں احادیث صحیحہ

(۱) جو چیز بہ کثرت احادیث سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں قرآن مجید کو جمع کر لیا تھا اور یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے صحن میں قرآن مجید پڑھتے تھے (صحیح البخاری: ۲۲۹۷) اور یہ اس پر محمول ہے کہ جتنا قرآن مجید نازل ہوتا تھا اس کو حضرت ابو بکر پڑھتے تھے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس سے قرآن مجید حاصل کرنے کی شدید حرص تھی اور وہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لازم رہتے تھے جیسا کہ ہجرت کی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر صبح اور شام آتے تھے (صحیح البخاری: ۳۹۰۵) اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قوم کی امامت وہ مرد کرے جو اللہ کی کتاب کو سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو (صحیح مسلم: ۶۷۳) اور یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہو گئے تو آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری: ۶۸۲) پس اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے۔

(۲) یہ روایت گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ترتیب نزولی کے مطابق قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

(۳) امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے قرآن مجید کو

جمع کیا اور میں ہر رات میں پورا قرآن پڑھتا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: "تم ایک مہینہ میں (پورا) قرآن پڑھو"۔ (الحدیث) (مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۶، صحیح ابن حبان: ۷۵۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۶۴، سنن نسائی: ج ۳ ص ۱۴۹)

(۴) اور یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا۔ (صحیح البخاری: ۴۹۹۹)

اور یہ تمام صحابہ مہاجرین میں سے تھے یعنی حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت سالم رضی اللہ عنہم۔

(۵) اور امام ابوعبید نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قرآن مجید کے قاری تھے، پس انہوں نے مہاجرین میں سے خلفاء اربعہ کو شمار کیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو مردوں میں سے شمار کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں میں سے شمار کیا، لیکن ان میں سے بعض حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن مجید کو جمع کیا، سو یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کے حصر کے خلاف نہیں ہے۔

(۶) اور امام ابن ابوداؤد نے "کتاب الشریعہ" میں مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس داری اور حضرت عقبہ بن عامر کو مہاجرین میں سے اور انصار میں سے حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت معاذ ابوحلیمہ اور حضرت مجمع بن حارثہ اور حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت مسلمہ بن مخلد وغیرہم رضی اللہ عنہم کو شمار کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ ان میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن مجید کو جمع کیا ہے۔

(۷) اور جن صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوعمرو الدانی رضی اللہ عنہما بھی ہیں اور بعض متاخرین نے کہا کہ قرآن مجید کے قراء میں حضرت عمرو بن العاص اور حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی تقریباً یہی تقریر لکھی ہے، اس کے بعد علامہ عینی لکھتے ہیں:

(۱) اور محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کو جمع کیا، اس کا امام ابن عساکر نے ذکر کیا ہے۔

(۲) امام ابوعبید بن سلام نے ایک طویل حدیث میں ذکر کیا ہے کہ الدانی سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ الاشعری اور حضرت مجمع بن جاریہ نے بھی قرآن مجید کو جمع کیا ہے۔

(۳) علامہ ابن حبیب نے "المحبر" میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ کی ایک جماعت نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

(۴) اور ابن الاثیر نے کہا کہ جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا وہ حضرت قیس بن السکن اور حضرت ام ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہما ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ بنت عبداللہ بن الحارث ہیں اور امام محمد بن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

(۵) اور امام ابوعبیدہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قرآن کے قاری تھے، انہوں نے چار خلفاء راشدین کا ذکر کیا اور حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت سالم، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن السائب،

حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کا مردوں میں اور عورتوں میں سے حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن کا ذکر کیا۔

(۶) امام ابن ابوداؤد نے مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس الداری اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما کا بھی ذکر کیا ہے اور انصار میں سے حضرت معاذ ابوحلیمہ اور حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت مسلمہ بن مخلد کا ذکر کیا ہے۔

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میں قرآن مجید پڑھ چکا تھا اور اس وقت میری عمر دس سال تھی۔

اس سوال کا جواب کہ اگر قرآن کو جمع کرنے میں ان چار صحابہ کا حصر نہیں ہے تو پھر ان چار صحابہ کو خصوصیت سے کیوں ذکر کیا ہے

علامہ عینی لکھتے ہیں: قاضی ابوبکر نے کہا ہے کہ جب اس حدیث میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے تو ان چار صحابہ کا خصوصیت سے ذکر کرنے کا کیا سبب ہے؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ متکلم کی اس میں کوئی غرض ہو یا یہ کہا جائے گا کہ یہ چار صحابہ بھی قرآن مجید کو جمع کرنے والوں میں سے ہیں۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ بعض ملحدین نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید کے قرآن ہونے کی شرط تواتر ہے اور خبر متواتر وہ ہوتی ہے جس کے بیان کرنے والے اتنے کثیر تعداد میں ہوں کہ عقل کے نزدیک ان کا کذب پر اتفاق محال ہو تو میں کہوں گا: تواتر کا ضابطہ یہ ہے کہ اس کا یقینی علم ہو اور ان چار صحابہ کے قول سے یقین حاصل ہو جاتا ہے، نیز تواتر کی یہ شرط نہیں ہے کہ قرآن مجید کے ہر جز کو لوگ قبول کریں بلکہ اگر وہ اس کے مجموعہ کو بھی محفوظ کرلیں تو وہ تواتر ہو جائے گا اور قرآن مجید کے تمام اجزاء کو بے شمار لوگوں نے محفوظ کرلیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۔۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ صرف چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا، اس سے لازم آتا ہے کہ قرآن مجید متواتر نہ ہو

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اور ان چار صحابہ کے سوا قرآن مجید کو اور کسی نے جمع نہیں کیا تھا یعنی حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم کے سوا اور یہ حدیث قتادہ کی اس روایت کے دو وجہ سے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور وہ سب انصار میں تھے، مخالفت کی یہ دو وجہیں حسب ذیل ہیں:

(۱) (صحیح البخاری: ۵۰۰۴) میں حصر کی تصریح ہے جب کہ قتادہ کی روایت میں حصر کی تصریح نہیں ہے۔

(۲) (صحیح البخاری: ۵۰۰۳) میں قتادہ کی روایت میں حضرت انس نے حضرت ابوالدرداء کی جگہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: پہلے اعتراض کا جواب کئی وجوہ سے دیا جا چکا ہے۔ علامہ مازری نے کہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر میں بھی اسی طرح ہو، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ان چار کے سوا اور کسی کا علم نہیں تھا اور نہ وہ تمام صحابہ کے متعلق یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ

ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا کیونکہ صحابہ کرام بہت کثیر تھے اور متعدد شہروں میں متفرق تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ خبر اسی وقت درست ہوسکتی ہے جب انہوں نے ہر صحابی سے الگ الگ ملاقات کی ہو اور ہر صحابی نے ان کو یہ خبر دی ہو کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور یہ بات عادتاً بہت بعید ہے اس لیے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا کہ ان چار صحابہ کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور یہ بات نہیں ہے کہ نفس الامر اور واقع میں ان چار کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو نہیں جمع کیا۔

اور علامہ مازری نے کہا: حضرت انس کے اس قول سے بعض ملحدین نے استدلال کیا کہ صرف چار صحابہ نے قرآن کو جمع کیا تھا اور صرف چار کے عدد سے تواتر لازم نہیں آتا، پس قرآن مجید کا متواتر ہونا ثابت نہیں ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول اپنے ظاہر پر محمول ہے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول اپنے ظاہر پر محمول ہے تو اس سے یہ کیسے لازم آئے گا کہ واقع اور نفس الامر میں بھی ان چار صحابہ کے علاوہ اور کسی صحابی نے قرآن مجید کو حفظ نہ کیا ہو کیونکہ ان چار صحابہ کے علاوہ صحابہ کرام کا ایک جم غفیر تھا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس جم غفیر میں سے کسی کو بھی قرآن مجید حفظ نہ ہو اور قرآن مجید کے متواتر ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ ہر فرد کو قرآن مجید حفظ ہو بلکہ جب کل صحابہ نے کل قرآن مجید کو حفظ کر لیا یعنی ہر ایک نے اپنے اپنے حصے کا قرآن مجید حفظ کر لیا تو یہ قرآن مجید کے متواتر ہونے کے لیے کافی ہے۔

علامہ قرطبی نے اس پر یہ دلیل دی ہے کہ جنگ یمامہ میں ستر (۷۰) قاری شہید ہو گئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی بئر معونہ میں ستر قاری شہید ہو گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک سو چالیس (۱۴۰) سے زیادہ قرآن مجید کے حافظ اور قاری تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ صرف چار صحابہ قرآن کے حافظ تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ان چار صحابہ کے ساتھ شدید تعلق تھا یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان کے ذہن میں صرف یہی چار صحابہ مستحضر تھے۔

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صحیح البخاری: ۵۰۰۳ میں حضرت ابوالدرداء کی جگہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۰۳) پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے ان چار صحابہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ الاسماعیلی نے کہا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں (صحیح البخاری: ۵۰۰۳ اور ۵۰۰۴) مختلف ہیں اور جب دو حدیثیں متباین ہوں تو دونوں صحیح نہیں ہوسکتیں بلکہ دونوں میں سے کوئی ایک صحیح ہوگی اور امام بیہقی نے وثوق سے کہا ہے کہ اس حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۰۴) میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر محفوظ نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں صحت میں برابر نہیں ہیں کیونکہ قتادہ کی سند امام بخاری کی شرط کے موافق ہے اور امام بخاری کی دو میں سے ایک روایت میں ثمامہ نے قتادہ کی موافقت کی ہے اور ثابت کی سند (صحیح البخاری: ۵۰۰۴) بھی امام بخاری کی شرط کے موافق ہے اور اس دوسری روایت میں ثمامہ نے قتادہ کی موافقت کی ہے اور حضرت عمر کی حدیث پر قتادہ کی حدیث کو ترجیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اور وہ حدیث اس باب کی احادیث کے آخر میں ہے۔

اور ہوسکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو دو وقتوں میں بیان کیا ہو، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور دوسری مرتبہ حضرت ابی بن کعب کی جگہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا۔

اور امام ابن ابوداؤد نے محمد بن کعب القرظی کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پانچ انصار نے قرآن مجید کو جمع کیا: (۱) حضرت معاذ بن جبل (۲) حضرت عبادہ بن الصامت (۳) حضرت ابی بن کعب (۴) حضرت ابوالدرداء (۵) حضرت ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہم۔ یہ حدیث مرسل ہے، اس کے باوجود اس کی سند حسن ہے اور یہ حدیث عبداللہ بن المثنیٰ کی حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۰۴) کی جید شاہد ہے کیونکہ اس میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اگرچہ عدد اور معدود میں اس کا اختلاف ہے۔

اور شعبی کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چھ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا، ان میں حضرت ابوالدرداء، حضرت معاذ اور حضرت ابوزید اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ہیں اور یہ چار وہ صحابہ ہیں جن کا عبداللہ بن مثنیٰ کی روایت (۵۰۰۴) میں ذکر کیا گیا ہے۔

پس اللہ ہی کے لیے امام بخاری کی خیر کثیر ہو جو حدیث کی اکثر اسانید پر مطلع ہیں اور اس روایت مرسلہ سے عبداللہ بن المثنیٰ کی روایت (صحیح البخاری: ۵۰۰۴) کی قوت ظاہر ہوگئی اور یہ معلوم ہوگیا کہ ان کی روایت اصل ہے۔ واللہ اعلم

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ شاید سننے والے کا یہ اعتقاد تھا کہ ان چاروں نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا تھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس سننے والے کا رد کیا اور حصر کے صیغہ کے ساتھ کہا اور مبالغۃً یہ دعویٰ کیا کہ صرف ان چار صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا اور اس سے دوسرے صحابہ کے قرآن جمع کرنے کی نفی لازم نہیں آتی۔ واللہ اعلم۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ کے اعتراض کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی وضاحت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے صحیح البخاری میں قتادہ کی یہ روایت ذکر کی ہے: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کس نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا: چار مردوں نے اور وہ سب انصار میں سے تھے: (۱) حضرت ابی بن کعب (۲) حضرت معاذ بن جبل (۳) حضرت زید بن ثابت (۴) حضرت ابو زید رضی اللہ عنہم۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۰۳، ص ۹۰۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

پھر امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ایک اور سند سے ذکر کی، وہ یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور چار مردوں کے سوا اور کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا: (۱) حضرت ابوالدرداء (۲) حضرت معاذ بن جبل (۳) حضرت زید بن ثابت (۴) حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۰۴، ص ۹۰۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: ان دونوں حدیثوں میں تکلف ہے:

(۱) صحیح البخاری: ۵۰۰۴، میں حصر کے صیغہ کی تصریح ہے اور صحیح البخاری ۵۰۰۳، میں حصر کے صیغہ کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) صحیح البخاری: ۵۰۰۴، میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی جگہ ذکر ہے۔

رہا صیغہ حصر کا اعتراض تو میں اس کے تقریباً دس جوابات لکھ چکا ہوں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رہا دوسرا اعتراض کہ صحیح البخاری: ۵۰۰۴ میں حضرت ابی بن کعب کی جگہ حضرت ابوالدرداء کا ذکر ہے تو اس کے متعلق الاسماعیلی نے وثوق سے کہا ہے کہ ان دو حدیثوں میں سے لامحالہ کوئی ایک حدیث صحیح ہے اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے کہ پہلی حدیث صحیح ہے یعنی صحیح البخاری: ۵۰۰۳، جس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے، اور علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے بھی اس طرح کہا ہے، اور امام بخاری کا ان دونوں حدیثوں کی روایت کرنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں، لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی ضرورت ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ اصل میں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پانچ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو حدیث بیان کی تو وہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کرنا بھول گئے یعنی صحیح البخاری: ۵۰۰۴، میں حضرت ابوالدرداء کا ذکر ہے اور حضرت ابی بن کعب کا ذکر نہیں ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کا ذکر کرنا بھول گئے۔

اور جن محدثین نے صحیح بخاری کی اس روایت کو ترجیح دی ہے جس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب کی قرآن مجید کو جمع کرنے میں زیادہ شہرت تھی لیکن حضرت ابوالدرداء کا ذکر ایک روایت مرسلہ میں ہے جس کے تمام رجال ثقہ ہیں، پس ان دونوں حدیثوں میں سے ہر ایک کی وجہ ترجیح ہے، پس یہ دونوں حدیثیں برابر ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی کے اعتراض کی تقریر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے جو جواب لکھا ہے اس جواب کو ان سے پہلے علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ لکھ چکے ہیں، اور گویا کہ حافظ ابن حجر نے ان کے جواب کو پسند کیا اور ان پر اعتراض نہیں کیا حالانکہ حافظ ابن حجر کی عادت یہ ہے کہ جب وہ علامہ کرمانی کی عبارت کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں تو اس پر رد کرتے ہیں اور یہاں انہوں نے اپنی اس عادت کی مخالفت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ علامہ کرمانی کی اس شرح پر راضی تھے کہ یہ احتمال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو دو مرتبہ بیان کیا جب کہ اصل حدیث بھی واحد ہے اور راوی بھی واحد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۔ ۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کو ایک بات یاد رہی اور بہت سی باتیں ان کے ذہن سے غائب تھیں اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو حدیثوں کا مخرج واحد ہو اور وہ حدیثیں مختلف ہوں تو پھر ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے اور جب ان کا مخرج واحد نہ ہو تو ان حدیثوں کو تعدد پر محمول کیا جاتا ہے اور ترجیح کا تقاضا یہ ہے کہ اس حدیث کو ترجیح دی جائے جس میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، لیکن اس کا معارض یہ ہے کہ ایسی روایات موجود ہیں جن میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے اور وہ بھی ثقہ روایات ہیں، لہٰذا اب حضرت ابی بن کعب والی روایت کو ترجیح دینے کی بجائے یہ متعین ہو گیا کہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوالدرداء والی دونوں حدیثوں میں تطبیق دی جائے اور یہ کہا جائے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث دو مرتبہ بیان کی اور ہر مرتبہ وہ ایک صحابی کا ذکر کرنا بھول گئے کیونکہ دراصل نبی ﷺ کے عہد میں پانچ صحابہ قرآن مجید کو جمع کرنے والے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا اور حضرت ابوالدرداء کا ذکر کرنا بھول گئے جیسا کہ صحیح بخاری: ۵۰۰۳ میں ہے اور دوسری مرتبہ انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنا بھول گئے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۷۷۔ ۲۷۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۷ھ)

قتادہ کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوزید کی وفات ہو گئی اور وہ بدری صحابی تھے اور انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ان کے وارث ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ وہ یعنی حضرت ابوزید میرے چچاؤں میں سے ایک ہیں، اس سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے جنہوں نے کہا کہ اس ابوزید مذکور کا نام حضرت سعد بن عبید بن نعمان ہے جو عمرو بن عوف کے بیٹوں میں سے ایک ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خزرجی ہیں اور حضرت سعد بن عبید اوسی ہیں، اور جب یہ بات اس طرح ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سعد بن عبید بھی ان صحابہ میں سے ہوں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا تھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس پر مطلع نہیں ہوئے۔

اور ابواحمد العسکری نے کہا کہ حضرت سعد بن عبید کے سوا اوس میں سے کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا اور محمد بن حبیب نے "المحبر" میں بیان کیا کہ حضرت سعد بن عبید ان صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

اور امام ابن ابوداؤد نے ذکر کیا ہے کہ جن لوگوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا، ان میں سے حضرت قیس بن ابی صعصعہ ہیں اور وہ خزرجی ہیں اور پہلے گزر چکا ہے کہ ان کی کنیت ابوزید ہے، اور حضرت سعد بن المنذر بن اوس بن زہیر وہ بھی خزرجی ہیں لیکن میں نے یہ تصریح نہیں دیکھی کہ ان کی کنیت بھی ابوزید ہو، پھر میں نے امام ابن ابوداؤد کی وہ روایت دیکھی جس سے اس اشکال کی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ انہوں نے امام بخاری کی شرط کے موافق از ثمامہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا ان کا نام قیس بن السکن ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابوزید ہم بنوعدی بن النجار میں سے ایک مرد تھے اور وہ میرے چچاؤں میں سے ایک تھے اور وہ فوت ہو گئے اور انہوں نے اولاد نہیں چھوڑی اور ہم ان کے وارث ہیں۔

امام ابن ابوداؤد نے کہا: ہمیں انس بن خالد انصاری نے حدیث بیان کی اور کہا: وہ قیس بن السکن ہیں جو بنوعدی بن النجار کی شاخ زعوراء میں سے تھے، امام ابن ابوداؤد نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ان کی وفات ہوئی تھی، پس ان کا علم بھی رخصت ہو گیا اور اس کو ان سے حاصل نہیں کیا گیا اور حضرت ابوزید بیعت عقبہ کرنے والے تھے اور بدری صحابی تھے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں وہی سب لکھا ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی لکھ چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۰۴۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ وَثُمَامَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَمْ يَجْمَعِ الْقُرْآنَ غَيْرُ أَرْبَعَةٍ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ قَالَ وَنَحْنُ وَرِثْنَاهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معلیٰ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ثابت البنانی نے اور ثمامہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور چار صحابہ کے سوا کسی نے قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تھا (وہ چار صحابہ یہ ہیں:) حضرت ابوالدرداء، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اور ہم ان کے وارث ہیں (یعنی حضرت ابوزید کے)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۱۰ میں گزر چکی ہے۔

ان لوگوں کا رد جنہوں نے کہا: حضرت ابوزید کا نام حضرت سعد بن عبید ہے اور ان کا منشاء غلطی یہ ہے کہ حضرت سعد بن عبید بھی قرآن مجید کو جمع کرنے والے تھے لیکن وہ اوسی ہیں اور حضرت انس خزرجی تھے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت انس نے کہا: ہم ابوزید کے وارث ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ کون ہیں؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ میرے چچاؤں میں سے ایک ہیں اور غزوۂ بدر میں دوسری سند کے ساتھ۔

۵۰۰۵۔حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ أُبَيٌّ أَقْرَؤُنَا وَإِنَّا لَنَدَعُ مِنْ لَحَنِ أُبَيٍّ وَأُبَيٌّ يَقُولُ أَخَذْتُهُ مِنْ فِي رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَلَا أَتْرُكُهُ لِشَيْءٍ قَالَ اللهُ تَعَالَى ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا﴾ (البقرہ:۱۰۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے خبر دی از سفیان از حبیب بن ابی ثابت از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابی (بن کعب) رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ قاری ہیں لیکن حضرت ابی جہاں غلطی کرتے ہیں ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں، (حضرت ابی بعض منسوخ التلاوت آیات کو بھی پڑھتے تھے) اور حضرت ابی یہ کہتے تھے کہ میں نے تو اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن اقدس سے سنا ہے میں اس آیت کو کسی کے کہنے کی وجہ سے نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت عمر نے کہا: اللہ نے تو خود فرمایا ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ:۱۰۶) جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۸۱ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابی بن کعب کے زیادہ قاری اور حضرت علی کے زیادہ عالم القضا ہونے کی حدیث بخاری کی مزید تخریج

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح البخاری: ۴۴۸۱، میں بھی مذکور ہے، اس میں یہ روایت اس طرح ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم میں سب سے عمدہ قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ قضا کو جاننے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام بخاری نے اسی طرح یہ حدیث موقوف روایت کی ہے اور امام ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کا متن حسب ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''میری امت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابو بکر ہیں اور اللہ کے دین میں سب سے زیادہ متشدد عمر ہیں اور سب سے زیادہ حیا کرنے والے عثمان ہیں اور سب سے زیادہ قضا کو جاننے والے علی بن ابی طالب ہیں اور سب سے زیادہ کتاب اللہ کے قاری ابی بن کعب ہیں اور سب سے زیادہ حلال اور حرام کو جاننے والے معاذ بن جبل ہیں اور سب سے زیادہ علم وراثت کو جاننے والے زید بن ثابت ہیں، سنو! ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۱۵۴، سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۱۰، المستدرک ج ۳ ص ۴۲۲، مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۱، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۳۸۷، المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۰۱، مشکاۃ: ۶۱۱۱، صحیح ابن حبان: ۲۲۱۸، کنز العمال: ۳۱۷۵۳، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۲۲، شرح السنۃ للبغوی ج ۶ ص ۲۱۶، کامل ابن عدی ج ۶ ص ۲۰۹۷، مشکل الآثار ج ۱ ص ۳۵۰)

نیز حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ہم یہ باتیں کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب سے زیادہ قضا کو جاننے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۸۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

جس حدیث میں یہ اضافہ ہے ''سب سے زیادہ قضا کو جاننے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے'' کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اکثر روایات میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب ہم میں سب سے زیادہ قاری ہیں۔ حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ نے اپنی ''کتاب الاطراف'' میں لکھا ہے کہ صدقہ کی روایت میں حضرت علی کا ذکر نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ نسفی کی روایت میں امام بخاری کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ثابت ہے۔ اس حدیث کے شروع میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ قضا کے عالم تھے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ قرآن کے قاری تھے، اور الدمیاطی نے اپنے نسخہ میں اس باب کی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اور وہ درست نہیں ہے کیونکہ الفربری کی روایت میں حضرت علی کا ذکر نہیں ہے۔ انہی کے نسخہ پر الدمیاطی کے نسخہ کا مدار ہے اور سورۃ البقرہ کی تفسیر میں از عمرو بن علی از یحییٰ القطان کی سند سے یہ حدیث گزر چکی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر سب کے نزدیک ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکور الصدر عبارت پر اعتراض

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر کا یہ قول جید نہیں ہے کہ یہ عبارالفربری کے نسخہ سے ساقط ہے جس پر حافظ الدمیاطی کی روایت کا مدار ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ عبارت بہت عجیب ہے اور یہ حافظ الدمیاطی پر کیسے انکار کر رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے النسفی نے بھی اسی طرح کہا ہے اور جو چیز حافظ الدمیاطی کے لیے ظاہر ہوئی ہے وہی چیز اس قائل کے لیے بھی ظاہر ہوئی ہے اسی لیے اس نے انکار کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا علامہ عینی حنفی کے اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اگر علامہ عینی کے اعتراضات میں سے صرف یہی ایک اعتراض ہوتا تو وہ ان کی قوانین روایت سے جہالت کے

اقرار کے لیے کافی تھا کیونکہ حافظ الدمیاطی نے صحیح البخاری کی شرح کا قصد نہیں کیا اور نہ اس حدیث کی تمام اسانید کو جمع کرنے کا قصد کیا ہے جیسا کہ شارحین کی عادت ہے۔وہ کبھی اپنے حاشیہ میں ایک فائدہ لکھ دیتے ہیں، پھر جب کبھی اس سے کوئی چیز رہ جائے تو اس کو بعد میں لکھ کر اس کی تلافی کرتے ہیں اور یہاں پر انہوں نے اس حدیث کے ساتھ حدیث کا یہ ٹکڑا ملا دیا: "ہم میں سب سے زیادہ قضا کے عالم حضرت علی تھے" اس کو انہوں نے فربری کی سند سے ذکر کیا ہے ہر چند کہ یہ فربری کی روایت میں نہیں ہے اور اگر یہ معترض اس فن کے قوانین کی صرف اتنی ہی مقدار کو جانتا ہوتا تو وہ ہماری اس عبارت پر اعتراض نہ کرتا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۷۸۔۲۷۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

شیخ سلیم اللہ خان کا یہ بیان کرنا کہ لحن کا معنی قراءت ہے اور مصنف کا اس پر تعاقب

صحیح البخاری: ۵۰۰۵ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حضرت ابی بن کعب کے لحن کو چھوڑتے ہیں۔

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اپنی شرح میں لکھا ہے: لحن سے قراءت مراد ہے۔

(کشف الباری، کتاب فضائل القرآن ص ۲۷، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

میں کہتا ہوں: لغت کی کسی مستند کتاب میں لحن کا معنی قراءت نہیں ہے۔

مستند کتب لغت میں لحن کا معنی

امام اللغت خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: قراءت میں درست اور صحیح لفظ کو ترک کرنا۔ (کتاب العین ج ۳ ص ۱۶۲۸، مطبعہ باقری، قم ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: اعراب میں خطا کرنا اور لَحَّانَۃٌ کا معنی ہے: جو بہت زیادہ خطا کرتا ہو، اَلتَّلْحِین کا معنی ہے: کسی کی خطا نکالنا، جس شخص کی قراءت بہت اچھی ہو یا جو بہت اچھا گانا گاتا ہو اس کو اَلْحَنُ النَّاس کہتے ہیں، اور لَحَنَ فِیْ کَلَامِہٖ کا معنی ہے: اس نے اپنے کلام میں خطا کی اور لَاحَنْتُ النَّاس کا معنی ہے: میں نے لوگوں سے تعریض کی۔

(الصحاح ج ۶ ص ۲۱۹۴۔۲۱۹۳، دار العلم للملایین، ۱۴۰۷ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: جہت استقامت سے عدول کرنا، جب کوئی شخص اپنے کلام میں صحیح لفظ سے عدول کرے تو کہا جاتا ہے: لحن فلانٌ فی کلامہ، اور اس کا معنی ہے: تعریض اور توریہ کرنا اور اس کا معنی ہے: عربی الفاظ کو صحیح اعراب کے ساتھ پڑھنا۔

حضرت عمر نے فرمایا تَعَلَّمُوا اللحن فی القرآن یعنی تم قرآن مجید کو لغت عرب کے اعراب کے ساتھ پڑھو۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۴۷۳، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۰۸)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت ابی بن کعب ہم میں سب سے اچھے قاری ہیں، ہم ان کے اکثر لحن سے اعراض کرتے ہیں یعنی ان کی لغت سے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۰۵)

ابو میسرہ نے سبا: ۱۶ کی تفسیر میں کہا: اَلْعَرِم کا معنی یمن کی لحن میں تند و تیز سیلاب ہے یعنی یمن کی لغت میں۔

اور لحن کا معنی لہجہ اور طرز ہے، حدیث میں ہے:

اقْرَءُوا القرآن بِلُحُوْنِ العرب وَاَصْوَاتِهَا۔ قرآن مجید کو عرب کے لہجوں اور آوازوں میں پڑھو۔
(شعب الایمان للبیہقی: ۲۶۴۹، مشکوٰۃ المصابیح: ۲۲۰۷)

(النہایہ ج ۴ ص ۲۰۹۔۲۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: بنائی ہوئی آوازیں اور جب کوئی شخص طرز سے قرآن پڑھے تو کہتے ہیں: لَحَنَ فی قراءتِہٖ اور لحن کا معنی ہے: درست قراءت کو ترک کرنا، رَجُلٌ لَاحِنٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو خطا کرے، اور لَحَنَ الرَّجُلُ کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنی زبان میں بات کرے، اور لَحَنَ کا معنی ہے: تعریض اور توریہ اور اَلْحَنَ فی کلامہ کا معنی ہے: وہ اپنے کلام میں خطا کرتا ہے۔ اس کے بعد وہی تفصیل ہے جو علامہ ابن الاثیر الجزری نے بیان کی ہے۔ (لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۸۳۔۱۸۲، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ محمد طاہر صدیقی پٹنی گجراتی التوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: کلام میں غلطی کرنا اور اس کا معنی ہے: تعریض اور توریہ اور کلام سے صحیح اعراب کو زائل کر کے پڑھنا اور اس کا معنی ہے: لغت اور زبان۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت ابی ہم میں سب سے اچھے قاری ہیں لیکن ہم ان کی اکثر لحن سے اعراض کرتے ہیں یعنی ان کی لغت سے، اور لحن کا معنی ہے: غلطی کرنا اور لحن کا معنی ہے: آواز اور لہجہ۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۴۸۷۔۴۸۶ ملخصاً مکتبہ دار الایمان، المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۵ھ)

الامام اللغوی السید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی الحنفی المصری التوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ زبیدی نے لحن کے وہی معنی لکھے ہیں جو النہایہ اور لسان العرب میں مذکور ہیں۔

(تاج العروس شرح القاموس ج ۹ ص ۳۳۲۔۳۳۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

لوئیس معلوف الیسوعی التوفی ۱۸۶۷ء لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: اعراب کو غلط پڑھنا اور تعریض اور توریہ اور لحن کا معنی ہے: قراءت میں خطا کرنا اور ترنم اور لحن کا معنی ہے: لغت اور زبان۔ (المنجد فی اللغت ص ۷۱۷، انتشارات اسلام تہران، ایران، ۱۳۷۹ھ)

دس علماء دیو بند نے المنجد عربی کا ترجمہ کیا، اس میں لحن کے یہ معانی لکھے ہیں:

اعراب میں خطا کرنا، کسی سے کنایہ میں بات کرنا کہ وہی سمجھ سکے نہ کہ دوسرا، قصد کرنا، مائل ہونا، سمجھنا، دلیل جان لینا، قراءت میں ترنم کرنا اور سُر سے پڑھنا، بولنے کی طرز، اعراب کی غلطی، گانے کا ہنر۔ (المنجد اردو ص ۹۱۷۔۹۱۶، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۴ء)

الحاج مولوی فیروز الدین لکھتے ہیں:

لحن کا معنی ہے: آواز، سریلی آواز، خوش آوازی، خوش الحانی۔ (فیروز اللغات ص ۱۱۵۲، فیروز سنز، لاہور، کراچی)

ہم نے ان متعدد کتب لغت سے لحن کے معانی لکھے ہیں اور کسی لغت میں بھی لحن کا معنی قراءت نہیں ہے جیسا کہ شیخ سلیم اللہ خان نے لکھا ہے۔

قراءت کی کتاب فوائد مکیہ میں لحن کا معنی

قاری عبدالرحمٰن مکی لکھتے ہیں: اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے لفظ کا حرف مع حرکت اور سکون کے ثابت رہے صرف بعض صفات جو تحسین حرف سے تعلق رکھتے ہیں اور غیر ممیزہ ہیں تو خوف عقاب اور تہدید کا ہے، پہلی قسم کی غلطیوں کو لحن جلی کہتے ہیں (چونکہ یہ

ظاہری غلطیاں ہیں) اور دوسری قسم کی غلطیوں کو لحن خفی کہتے ہیں (یعنی جب کہ صفات غیر ممیزہ یا صفات عارضہ ادانہ ہوں)

(فوائد مکیہ ص ۳-۲، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کے کثیر الفاظ کو ان کے لحن یعنی ان کی لغت کی وجہ سے چھوڑ دیا اور حضرت ابی بن کعب کے الفاظ کو نہ چھوڑنے کی توجیہ

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح البخاری: ۴۴۸۱ کی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صدقہ کی روایت میں مذکور ہے (صحیح البخاری: ۵۰۰۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم حضرت ابی بن کعب کے قول کو ان کے لحن کی وجہ سے چھوڑتے ہیں" اور لحن کا معنی ہے: لغت اور ابن خلاد کی روایت میں ہے کہ ہم حضرت ابی بن کعب کی کثیر قراءات کو چھوڑتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابی یہ کہتے تھے کہ میں ان الفاظ کو نہیں چھوڑوں گا جن کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب کے ان الفاظ کو نہ چھوڑنے کا سبب یہ ہے کہ انہیں ان الفاظ کے قرآن ہونے کا علم قطعی تھا اور جب کسی صحابی نے ان کو اس کے خلاف دوسرے الفاظ کی خبر دی تو ان کے نزدیک یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے الفاظ کے معارض نہیں تھے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بعض اوقات منسوخ التلاوت آیات بھی پڑھتے تھے، اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات کو چھوڑ دیا کیونکہ حضرت عمر کے نزدیک بعض آیات کا منسوخ التلاوت ہونا ثابت اور واقع تھا

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۔ (البقرہ: ۱۰۶) جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں حضرت ابی بن کعب کی قراءت کو چھوڑنے کا سبب بیان کیا ہے کیونکہ حضرت ابی بعض اوقات ان آیات کی بھی تلاوت کرتے تھے جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی کیونکہ ان تک ان آیات کے منسوخ ہونے کی خبر نہیں پہنچی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے البقرہ: ۱۰۶ پڑھ کر یہ دلیل پیش کی کہ بعض آیات کا منسوخ التلاوت ہونا واقع ہو چکا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے یہ روایت کی ہے کہ بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رات میں وحی نازل ہوتی اور آپ دن میں اس کو بھول جاتے تو اللہ تعالیٰ نے البقرہ: ۱۰۶ نازل فرمائی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ بعض آیات کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ (الاعلیٰ: ۶) ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ۝

اور البقرہ: ۱۰۶ میں مذکور ہے: یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے بھلا دیتے ہیں، اور امام ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ رات کو کوئی آیت نازل ہوتی اور دن میں آپ اس کو بھول جاتے اور یہ البقرہ: ۱۰۶ کے معارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ البقرہ: ۱۰۶ میں سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ یعنی مگر جو اللہ چاہے، بے شک وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز

کو جانتا ہے○ (الاعلیٰ: ۷) (فتح الباری ج ۵ ص ۷۹ ۴-۴۷۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۹- بَابٌ: فَضْلِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ
سورۂ فاتحہ کی فضیلت کا بیان

۵۰۰۶- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي فَدَعَانِي النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ أُجِبْهُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي قَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللهُ ﴿اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ (الانفال: ۲۴) ثُمَّ قَالَ أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَدْنَا أَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ قُلْتَ لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○﴾ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے حبیب بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی از حفص بن عاصم از حضرت ابو سعید بن المعلّٰی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو مجھے نبی ﷺ نے بلایا، پس میں آپ کے پاس نہیں گیا، (بعد میں) میں نے بتایا: یا رسول اللہ! بے شک میں نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے کہا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال: ۲۴) اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو تمہارے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن مجید کی عظیم سورت کی تعلیم نہ دوں''، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا، پھر جب ہم نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا: رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو قرآن کی عظیم سورت کی تعلیم دوں گا، آپ نے پڑھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ یہ السبع المثانی ہے (یعنی ایسی سات آیات جو دوبارہ نازل ہوئیں) اور یہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۷۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو سعید کی حدیث مذکور کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں، تاہم یہ حدیث سنن میں بھی مذکور ہے: سنن ابو داؤد: ۱۴۵۸، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۸۵۔

سورۂ فاتحہ کا نام ام الکتاب بھی ہے، اس کی توجیہ

ام کا معنی ہے، ہر چیز کی اصل اور ابتداء، اسی وجہ سے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہا جاتا ہے کیونکہ تمام زمینیں مکہ کی زمین کے نیچے سے نکال کر پھیلائی گئی ہیں۔ (معانی القرآن للنحاس ج ۱ ص ۴۹-۴۸) اور اسی وجہ سے اس کو الفاتحہ بھی کہتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے اور بھی متعدد اسماء ہیں، حسن بصری اور ابن سیرین کے نزدیک یہ اسماء مکروہ ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج۱ ص۹۷)

سورۃ الفاتحہ کی ایک آیت ہے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اور دین کا معنی جزا اور حساب ہے اور اللہ تعالیٰ کو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک اور بادشاہ نہیں ہوگا اور نہ اس کے سوا کوئی جائے پناہ ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حضرت ابوسعید کے فوراً نہ آنے کی توجیہ اور کسی کے بلانے پر نماز چھوڑ کر جانے کی تفصیل

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید کو بلایا اور اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوسعید نے یہ سمجھا کہ آپ نے ان کو نماز پڑھنے کے بعد بلایا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فوراً بلایا تھا اور نماز میں کسی کو بلانا اور اس پر فوراً آنے کا واجب ہونا یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، اور کسی کے بلانے پر فرض نماز چھوڑ کر فوراً جانا واجب نہیں ہے، ہاں! اگر ماں بلائے تو نفل نماز کو چھوڑ کر جانا واجب ہے اور اگر باپ بلائے تو پھر نماز کو چھوڑ کر جانا جائز نہیں ہے۔

سورۂ فاتحہ کی دوسری سورتوں پر فضیلت

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تم کو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا''۔ اس کا معنی ہے: جس سورت کے پڑھنے کا سب سے عظیم ثواب ہے، محمد بن علی بن الحسین نے کہا: اس سورت کے اول میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے اور اس کے درمیان میں عبادت کے اخلاص کا ذکر ہے اور اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے، امام مالک نے اپنی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے:

آپ نے فرمایا: ''یہ ایسی سورت ہے کہ اس کی مثل نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں ہے اور نہ قرآن مجید میں اس کی مثل نازل کی گئی ہے''۔

بعض سورتوں کی بعض دوسری سورتوں پر فضیلت اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا سورۂ فاتحہ کا جز نہ ہونا

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بعض کلام بعض دوسرے کلام سے افضل ہوتا ہے اور یہی قول صحیح ہے اگرچہ اس حدیث کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا سب سے عظیم ثواب عبادت کرنے والوں کو پہنچتا ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کو پڑھے بغیر کوئی نماز مکمل نہیں ہوتی اور اس کی وضاحت اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ　جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی ہم مثل آیت لے آتے ہیں۔ (البقرہ:۱۰۶)

اور اس آیت میں خیر سے مراد بہترین عبادت ہے اور علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں اعظم کا لفظ عظیم کے معنی میں ہے یعنی میں تم کو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت نہ بتاؤں۔ (الموطا ص۷۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم سورت کے متعلق فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' اس سے فقہاء احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور الحمد کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات جمیلہ اور رب کا معنی ہے: مدبر اور العالمین کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہو۔

السبع المثانی والقرآن العظیم کا معنی

امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر نے کہا کہ السبع المثانی یہ سات طویل سورتیں ہیں: (۱) البقرہ (۲) آل عمران (۳) النسآء (۴) المائدہ (۵) الانعام (۶) الاعراف (۷) یونس۔
(جامع البیان للطبری ج ۷ ص ۵۴۳)

امام حاکم نے امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے موافق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ السبع المثانی مذکورہ بالا سات سورتیں ہیں اور انہوں نے سورۂ یونس کی بہ جائے سورۃ الکہف کا ذکر کیا ہے۔

اور علامہ داؤدی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ سات سورتیں سورۃ البقرہ سے سورۃ التوبہ تک ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ السبع سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے کیونکہ اس میں سات آیات ہیں اور المثانی سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ۔ اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں بار بار دہرائے ہوئے۔ (الزمر: ۲۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور قرآن عظیم''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ قرآن عظیم ہے اور والقرآن العظیم میں واؤ عاطفہ نہیں ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل للبغوی ج ۴ ص ۳۹۰)

سورۂ فاتحہ کا نام مثانی رکھنے کی توجیہات

سورۂ فاتحہ کا نام المثانی رکھنے کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) مثانی کا معنی ہے، دو دو بار، چونکہ سورۂ فاتحہ کو فرض اور نفل کی ہر رکعت میں بار بار پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کا نام مثانی ہے اور یہ قتادہ کا قول ہے۔ (معالم التنزیل للبغوی ج ۴ ص ۳۹۰)

(۲) زجاج نے کہا ہے کہ اس کو مثانی اس لیے فرمایا ہے کہ مثانی کا لفظ ثنا سے بنا ہے اور سورۂ فاتحہ میں حمد و ثنا ہے۔
(معانی القرآن للزجاج ج ۳ ص ۱۸۵)

(۳) حسن بن الفضل نے کہا ہے: یہ سورت صرف اس امت کے لیے مستثنیٰ ہے، اس سے پہلے کسی امت پر یہ سورت نازل نہیں کی گئی گویا مثانی کا لفظ استثناء سے ماخوذ ہے اس لیے اس کو مثانی فرمایا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۹۱، زاد المسیر ج ۴ ص ۴۱۴)

(۴) ابو عبید نے کہا ہے: سورۂ فاتحہ کو مثانی اس لیے فرمایا کیونکہ قصص اور خبریں اس میں دوبارہ ذکر ہیں۔
(غریب الحدیث لابی عبید ج ۱ ص ۴۴۳)

سورۂ فاتحہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی اس لیے اس کو مثانی فرمایا

علامہ واحدی نے لکھا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا کہ سورۂ فاتحہ مکی ہے۔
(اسباب النزول ص ۲۲، زاد المسیر ج ۱ ص ۱۰)

دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ مدنی ہے اور اس کا دو مرتبہ مدینہ میں نزول ہوا۔ ابو اللیث سمرقندی نے اس کا اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور دیگر کتب حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۱۳۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۴۷۸۸، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۹۹)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۱۵۔ ۱۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سورۃ الفاتحہ کے متعدد اسماء اور دین کے متعدد معانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے: سورۃ الفاتحہ کے فضائل۔ اس سورت کے متعدد نام ہیں، ان میں سے ایک نام ہے: الحمد للہ اور اس سورت کا نام ام الکتاب ہے کیونکہ اس سورت سے قرآن مجید کی ابتداء کی گئی ہے اور ہر رکعت میں اس سورت کا اعادہ کیا جاتا ہے اور اس سورت کا نام فاتحۃ الکتاب ہے کیونکہ سورۃ الفاتحہ سے مصاحف کی ابتداء کی گئی ہے اور اس سورت کا نام ام الکتاب اور ام القرآن بھی ہے کیونکہ یہ سورت قرآن مجید کے معانی پر مشتمل ہے یعنی اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ثنا ہے اور عبادت کرنے کا حکم ہے اور وعد اور وعید کا حکم ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کا ذکر ہے اور یہ سورت مبدأ، معاد اور معاش کے ذکر پر مشتمل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ام القرآن یہی السبع المثانی ہے''۔ اور سورۃ الفاتحہ کا نام ام القرآن اور ام الکتاب ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور سورۃ الفاتحہ کے دیگر اسماء یہ ہیں:

الکنز، الوافیہ، الشافیہ، الکافیہ، سورۃ الحمد، سورۃ الحمد للہ، سورۃ الصلوٰۃ، سورۃ الشفاء، سورۃ الاساس، سورۃ الشکر اور سورۃ الدعا۔

اس سورت میں یہ آیت ہے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ (الفاتحہ: ۴) روز جزاء کا مالک ہے ○

دین کا معنی ہے: الحساب اور الجزاء اور دین کے دیگر معانی بھی ہیں، وہ یہ ہیں: عادت، عمل، حکم، حال، خلق، طاعت، قہر، ملت، الشریعہ، الورع اور السیاسہ وغیرہا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۹ ۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی اس حدیث کی شرح پر مصنف کا تعاقب

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو پکاریں تو اسے آپ کی پکار میں لبیک کہنا چاہیے۔

(کشف الباری کتاب التفسیر ص ۸، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

شیخ سلیم اللہ خان کی یہ عبارت صحیح نہیں ہے بلکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو بلائیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر فرض ہے کہ وہ نماز چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر چلا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ جب آپ کے بلانے پر نہیں آئے تو آپ نے عتاب فرمایا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید بن المعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے، پس مجھ کو بلایا، پس میں آپ کے پاس نہیں آیا حتیٰ کہ میں نے نماز پڑھ لی، پھر میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ''تمہیں آنے سے کس چیز نے روکا تھا''۔ پس میں نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ کہا کہ ''کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ۔ (الانفال: ۲۴) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو''۔ (صحیح البخاری: ۴۷۰۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر نماز چھوڑ کر آنا فرض ہے

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے لکھا ہے: اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو پکاریں تو اسے آپ کی پکار میں لبیک کہنا چاہیے۔ (کشف الباری کتاب التفسیر ص ۸)

میں کہتا ہوں: شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی نمازی کو بلائیں تو اس کا نماز چھوڑ کر آنا مستحب ہے اور ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں تو نمازی کا نماز چھوڑ کر آنا فرض ہے کیونکہ مستحب کے ترک پر ٹوکنا اور ملامت کرنا جائز نہیں ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید بن المعلی کو بلایا اور وہ نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے فوراً نہیں آئے تو آپ نے ان کو ملامت کی اور فرمایا: ''جب میں نے تم کو بلایا تھا تم کیوں نہیں آئے''۔ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعب کے پاس تشریف لے گئے اور وہ اس دن نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''یا ابی''۔ حضرت ابی نے مڑ کر دیکھا اور حاضر نہیں ہوئے اور حضرت ابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا: السلام علیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: ''وعلیک السلام! اے ابی! جب میں نے تمہیں بلایا تو کس چیز نے تمہیں حاضر ہونے سے روکا تھا؟''۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو وحی نازل کی ہے کیا تم نے اس میں یہ آیت نہیں پڑھی؟ اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو''۔ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں!! اور میں ان شاء اللہ دوبارہ اس طرح نہیں کروں گا۔ (سنن ترمذی: ۲۸۸۴، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۱۰)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ترمذی، امام نسائی، امام حاکم، امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور علامہ عبدالوہاب مالکی اور علامہ ابوالولید مالکی نے لکھا ہے: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو نماز میں بلائیں تو اس پر نماز چھوڑ کر آنا فرض ہے اور اگر اس نے اس کو ترک کیا تو وہ گنہ گار ہوگا اور ان دونوں مالکی علماء نے جو کہا ہے کہ آپ کے بلانے پر نمازی کا آنا فرض ہے فقہاء شافعیہ کا بھی یہ ایک قول ہے اور آنے کے وجوب کے بعد ان کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کی نماز باطل ہوگی یا نہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ سنن ترمذی کی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ حضرت ابی بن کعب نماز پڑھ رہے ہیں اور پھر آپ نے ان کو بلایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے بلانے پر آنا نماز پڑھنے سے زیادہ افضل اور زیادہ مؤکد ہے اور آپ کے بلانے پر آنے کا حکم قطعی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب وہ آپ کے بلانے پر آئیں تو ان کی نماز برقرار رہے اور باطل نہ ہو۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۶ ص ۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اور علامہ السید محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو نماز میں بھی بلائیں تو اس پر حاضر ہونا واجب ہے۔ امام شافعی نے کہا: اس سے نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی اللہ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ (روح المعانی جز ۹ ص ۲۷۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اگر شیخ سلیم اللہ دیوبندی میں محبت رسول کی چاشنی ہوتی تو وہ صرف یہ نہ لکھتے: ''اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو پکاریں تو اسے آپ کی پکار میں لبیک کہنا چاہیے'' بلکہ یوں لکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر نماز چھوڑ کر آنا فرض ہے اور نہ آئے تو گنہ گار ہوگا جیسے قاضی عبدالوہاب مالکی، قاضی ابوالولید مالکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی ایسے اہل محبت نے لکھا ہے اور حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ مالکی نے لکھا ہے کہ نماز پڑھنے کی بہ نسبت آپ کے بلانے پر آنا زیادہ افضل اور زیادہ مؤکد ہے اور علامہ آلوسی حنفی نے لکھا ہے کہ آپ کے بلانے پر آنا واجب ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر نمازی آپ کے بلانے پر آئے تو اس کی نماز برقرار رہے گی۔

تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کی حدیث کی شرح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین علماء اہلسنت کی عبارات

صحیح البخاری: ۸۳۱ میں مذکور ہے کہ نمازی تشہد میں کہے: السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اہل عرفان کے طریقہ پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات پڑھ کر ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں اس ذات کے حریم میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی جو زندہ ہے اور جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، پس ان کی آنکھیں اس سے مناجات کر کے ٹھنڈی ہوگئیں اور وہ اس پر متنبہ ہوئے کہ وہ نبی الرحمۃ کے واسطہ اور ان کی متابعت کی برکت سے اس بارگاہ میں پہنچے ہیں تو انہوں نے مڑ کر دیکھا تو اس وقت حبیب، حرم الحبیب میں حاضر تھے، پس وہ یہ کہتے ہوئے بڑھے: السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی اپنی شرح میں اسی طرح لکھا ہے: (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۶۴۔ ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض عرفاء نے کہا ہے کہ تشہد میں یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام ذرائر موجودات اور افراد ممکنات میں جاری و ساری ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذوات میں بھی موجود اور حاضر ہیں، پس نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور غافل نہ ہو کہ وہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے منور ہو اور فائز ہو۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۳۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

امام محمد بن محمد غزالی شافعی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

اور التحیات کا معنی یہ ہے کہ نماز میں ادب سے بیٹھو اور اپنے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے شخص کریم کو حاضر کرو اور کہو: السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته اور اس کی تصدیق کرو کہ یہ سلام آپ تک پہنچے گا اور آپ اس کا اس سے بہتر جواب دیں گے۔ (احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی امام غزالی کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۶۳۱، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشافعی الشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شارع علیہ السلام نے نمازی کو تشہد میں اپنی ذات پر سلام پڑھنے کا اس لیے حکم دیا ہے تا کہ جب غافل لوگ اللہ عزوجل کے سامنے بیٹھے ہوں تو وہ اس پر متنبہ ہوں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بارگاہ میں حاضر ہیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کبھی جدا نہیں ہوتے، پس وہ بالمشافہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کریں۔

(المیزان الکبریٰ الشعرانیہ ج ۱ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ اس وقت یہ خطاب حقیقت شناس عارفین حقیقت محمدیہ کے نزدیک ہے جو کہ تمام حقائق موجود میں جاری و ساری ہے، خصوصاً اس دعا کرنے والے کے نزدیک اور وہ صحیح اور صواب کا الہام کیے ہوئے ہے۔

(تیسیر القاری ج ۱ ص ۲۸۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۵۰۰۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا وَهْبٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ مَعْبَدٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے

الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا فِي مَسِيرٍ لَنَا فَنَزَلْنَا فَجَائَتْ جَارِيَةٌ فَقَالَتْ إِنَّ سَيِّدَ الْحَيِّ سَلِيمٌ وَإِنَّ نَفَرَنَا غَيْبٌ فَهَلْ مِنْكُمْ رَاقٍ فَقَامَ مَعَهَا رَجُلٌ مَا كُنَّا نَأْبُنُهُ بِرُقْيَةٍ فَرَقَاهُ فَبَرَأَ فَأَمَرَ لَهُ بِثَلَاثِينَ شَاةً وَسَقَانَا لَبَنًا فَلَمَّا رَجَعَ قُلْنَا لَهُ أَكُنْتَ تُحْسِنُ رُقْيَةً أَوْ كُنْتَ تَرْقِي قَالَ لَا مَا رَقَيْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْكِتَابِ قُلْنَا لَا تُحْدِثُوا شَيْئًا حَتَّى نَأْتِيَ أَوْ نَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ ذَكَرْنَاهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ وَمَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ حَدَّثَنِي مَعْبَدُ بْنُ سِيرِينَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ بِهَذَا

کہا ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از محمد از معبد از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے، پس ہم ایک جگہ ٹھہرے، پھر وہاں ایک لڑکی نے آ کر کہا: ہمارے قبیلہ کے سردار کو ایک بچھو نے کاٹا ہوا ہے اور ہمارے مردوں کی جماعت حاضر نہیں ہے، پس کیا تم میں سے کوئی دم کرنے والا ہے؟ پس اس کے ساتھ ایک مرد کھڑا ہوا جس کے متعلق ہمیں معلوم تھا کہ وہ دم کرنے والا نہیں ہے، پھر اس نے دم کیا تو وہ سردار تندرست ہو گیا، سو سردار نے اس مرد کے لیے تیس (۳۰) بکریاں دینے کا حکم دیا اور ہم سب کو دودھ پلایا، پس جب وہ مرد واپس ہوا تو ہم نے اس سے کہا: کیا تم کو اچھی طرح دم کرنا آتا تھا یا کیا تم پہلے بھی دم کرتے تھے؟ اس نے کہا: نہیں! میں نے تو صرف سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کر دیا ہم نے کہا: تم کوئی نیا کام نہ کرو حتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیں، پس جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ''اس کو کس نے بتایا کہ سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا جاتا ہے؟ ان بکریوں کو تقسیم کرو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو''۔ ابو معمر کہتے ہیں کہ ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سیرین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے معبد بن سیرین نے حدیث بیان کی از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اسی حدیث کی مثل۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲۷۶ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

صحیح البخاری: ۲۲۷۶، ۵۰۰۷، ۵۷۳۶، ۵۷۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۷۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۴۴، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۰۰، شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۲۷۔

دم کرنے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز کے دلائل

یہ حدیث فقہاء احناف، زہری، ابن اسحاق اور حسن بن حی کے خلاف حجت ہے جو کہتے ہیں کہ دم کرنے کی اجرت لینا جائز نہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث سے منسوخ ہے جس میں آپ نے تعلیم قرآن پر کمان کو بہ طور اجرت لینے سے منع فرمایا، عنقریب ہم اس حدیث کا ذکر کریں گے اور یہ ان علماء کا عجیب وغریب استدلال ہے۔

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز کی دلیل یہ حدیث ہے:

اشعث نے کہا: کتاب اللہ پر اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور انہوں نے اجرت پر شرط لگانے کو مکروہ کہا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۰۸۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: ''جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے''، اور شعبی نے کہا: معلم اجرت لینے کی شرط نہ لگائے لیکن اگر اسے از خود اجرت دی جائے تو وہ اس کو قبول کر لے اور حکم نے کہا: میں نے نہیں سنا کہ کسی ایک نے بھی معلم کی اجرت کو مکروہ کہا ہو اور حسن بصری کو دس درہم دیئے گئے اور ابن سیرین قسام کی اجرت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے کہا: گویا کہ کہا جاتا ہے کہ قضا کی اجرت لینا رشوت ہے اور ان کو اندازے سے اجرت دی جاتی تھی۔

صحیح البخاری کتاب الاجارہ، باب: ۱۶: عرب کے قبائل پر سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کرنے کے عوض اجرت لینا۔

(صحیح البخاری ص ۵۳۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا اور ان کو اس کی اجرت میں تیس (۳۰) بکریاں دی گئی تھیں۔ اس کی روایت حسب ذیل کتب حدیث میں ہے:

(صحیح مسلم: ۲۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۹۰۰۔۳۴۱۸، سنن ترمذی: ۲۰۶۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۵۳۳۔۷۵۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۱۵۶)

اور عنقریب صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت آئے گی کہ صحابہ میں سے ایک شخص گیا اور اس نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس کے عوض میں چند بکریاں لیں تو ان کے اصحاب نے اس کو مکروہ جانا اور کہا کہ تم نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے، پھر انہوں نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دم ہے؟ تم نے درست کام کیا اور تم اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۰۷۔۵۷۳۶۔۵۷۴۹۔۵۷۴۹)

علامہ ابو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورۃ الفاتحہ پڑھی اور دم کیا اور دوسری حدیث میں ہے کہ دم کرنے والا کوئی دوسرا تھا۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۸ ص ۳۱۹)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: جس روایت میں مذکور ہے کہ ایک مرد نے دم کیا اس روایت میں حضرت ابو سعید خدری نے خود اپنے آپ کو ایک مرد سے تعبیر کیا، پس ان دونوں حدیثوں میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔

دم کرنے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے خلاف اور معارض احادیث اور ان کے جوابات

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اہل صفہ کے چند اصحاب کو کتاب اللہ اور قرآن مجید کی تعلیم دی، پس ان میں سے ایک مرد نے مجھے کمان ہدیہ میں دی، میں نے دل میں کہا کہ یہ کمان مال نہیں ہے اور میں اس کمان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا اور میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کے متعلق سوال کروں گا کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو کتاب اللہ اور قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ کمان مال نہیں ہے، میں اس کے ساتھ اللہ کی راہ میں تیر ماروں گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے گلے میں دوزخ کی آگ کا طوق ڈالا جائے تو اس کمان کو قبول کر لو''۔ (سنن ابوداؤد: ۳۴۱۶، سنن ابن ماجہ: ۲۱۵۷)

اور اسی طرح آپ نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا: اگر کوئی چیز تمہیں قرآن کے عوض تحفہ میں دی جائے تو اس میں کوئی خیر

نہیں ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۰۸۳۸)

علامہ جورقانی نے اپنی موضوعات میں لکھا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی مسلم اور ابوعبیدہ بن فضیل بن عیاض ہیں اور یہ دونوں ضعیف راوی ہیں، انہوں نے کہا: اسی طرح حضرت عبادہ بن الصامت کی طرف منسوب حدیث بھی باطل ہے کیونکہ اس کی سند میں ابن المغیر ہ ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔(الاباطیل والمناکیر: ۵۲۳۔۵۲۲)

اسی طرح حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے تعلیم قرآن پر ایک کمان کو لی اللہ تعالیٰ اس کمان کے بدلہ میں اس کو دوزخ کی کمان دے گا''۔(العلل المتناہیہ: ۹۲۔۹۱)

اور اسی طرح عبداللہ بن شقیق کا قول ہے کہ انہوں نے استاذ کے لگائے ہوئے جرمانہ کو مکروہ کہا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ابراہیم النخعی نے کہا کہ صحابہ لڑکوں سے کتاب اللہ کی اجر لینے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ امام احمد اور امام طحاوی نے حضرت عبدالرحمٰن بن شبل الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کی تعلیم دو اور اس میں غلومت کرو اور اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ اور اس سے مال کی کثرت حاصل نہ کرو''۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۸، شرح معانی الاثار ج ۳ ص ۱۸)

اور امام ترمذی اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قرآن مجید پڑھو اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کیونکہ تمہارے بعد ایک قوم قرآن مجید پڑھے گی اور اس کے وسیلہ سے لوگوں سے سوال کرے گی''۔(سنن ترمذی: ۲۹۱۷، جامع البیان ج ۱۸ ص ۱۶۷)

اور امام احمد اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید پڑھو اور اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ''۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۷۷، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۰، الصحیحہ للالبانی: ۳۰۵۷)

(یہ حدیث ضعیف ہے۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ معلمین کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ان کی اجرت حرام ہے''۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث مجہول ہے کیونکہ اس حدیث کی ابوجزہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور وہ مجہول بھی اور متروک بھی ہے۔(التمہید ج ۲۱ ص ۱۱۴۔۱۱۳)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ معلم، مؤذن اور امام کی اجرت حرام ہے۔

علامہ الجورقانی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔(الاباطیل والمناکیر: ۵۲۰)

دم کرنے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز کے متعلق احادیث

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: یہ تمام احادیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے کیسے معارض ہوسکتی ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے''۔

(صحیح البخاری کتاب الاجارۃ باب: ۱۶، صحیح البخاری ص ۵۴۸، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

خارجہ بن الصلت تمیمی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے پس اسلام قبول کرلیا پھر آپ کے پاس سے واپس گئے، پس وہ اسی قوم کے پاس سے گزرے جہاں ایک دیوانہ مرد زنجیروں سے بندھا ہوا تھا تو اس کے گھر والوں نے کہا کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارے پیغمبر خیر لے کر آئے ہیں، کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے تم اس کا علاج کر سکو تو میں نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اس پر دم کر دیا، پس وہ تندرست ہو گیا، پس انہوں نے مجھے سو بکریاں دیں، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے پوچھا: ''کیا تم نے اس کے علاوہ بھی کچھ پڑھا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: ان بکریوں کو لے لو، پس میری زندگی کی قسم! جس نے کسی باطل چیز کو پڑھ کر دم کیا (تو اس کی اجرت حرام ہے) بے شک تم نے حق چیز کو پڑھ کر دم کیا ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۹۶، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۹۷، الاذکار: ۱۲۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فاتحۃ الکتاب ہر زہر سے شفا ہے''۔
(سنن سعید بن منصور: ۱۷۸، شعب الایمان للبیہقی: ۲۳۶۸، الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲)

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز میں فقہاء کا اختلاف، فقہاء احناف کی ممانعت اور فقہاء ثلاثہ کا اس کو مباح قرار دینا

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، عطاء اور ابوقلابہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور علامہ ابوالعباس قرطبی مالکی متوفی ۶۵۶ ھ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دم کرنے کی اجرت لینے کو جائز کہا ہے اور اسحاق نے اور متقدمین اور متاخرین کی ایک جماعت نے، اور ان کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو صحیح بخاری کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔ (المفہم ج ۵ ص ۵۸۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ ھ)

زہری نے تعلیم قرآن کی اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے بھی کہا ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ دم کرنے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے خواہ وہ قرآن مجید کی آیات کو پڑھ کر دم کرے کیونکہ لوگوں پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ لوگوں پر دم کریں اور لوگوں پر یہ واجب ہے کہ وہ قرآن کی ایک دوسرے کو تعلیم دیں جس طرح نماز کی تعلیم پر اجرت کو لینا جائز نہیں ہے اور اذان دینے کی اجرت کو دینا جائز نہیں ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۴۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مانعین فقہاء کے دلائل کے جوابات

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: ان فقہاء نے احادیث ضعیفہ سے استدلال کیا ہے جو احادیث حضرت ابن مسعود، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، ہم ان احادیث کو اور ان کے ضعف کی وجہ کو بیان کر چکے ہیں۔

نیز یہ احادیث ضعیفہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم کی احادیث صحیحہ کے کیسے معارض ہو سکتی ہیں جب کہ تعارض میں یہ شرط ہے کہ دونوں حدیثیں صحت میں برابر ہوں۔ رہا امام طحاوی کا یہ کہنا کہ لوگوں کا ایک دوسرے کو قرآن مجید کی تعلیم دینا فرض ہے، اس میں ان کو مغالطہ ہوا ہے کیونکہ مطلقاً قرآن مجید کا سیکھنا فرض نہیں ہے تو اس کی تعلیم دینا کیسے فرض ہوگا، قرآن مجید کی صرف اتنی مقدار سیکھنا فرض ہے جس سے نماز ادا ہو سکے اور اس کے علاوہ پورے قرآن کو سیکھنا افضل، مستحب اور نفل ہے، اسی طرح لوگوں کو نماز کی تعلیم دینا فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے اور دم کی اجرت لینے میں اور قرآن کی اجرت لینے میں فرق کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں منفعت ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سے سب سے زیادہ اجرت کی مستحق اللہ کی کتاب ہے''۔
(صحیح البخاری ص ۵۳۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور یہ حدیث عام ہے، اس میں تعلیم قرآن بھی داخل ہے، لہٰذا ان مانعین فقہاء کی دلیل ساقط ہو گئی۔

اور ہمارے اصحاب شافعیہ نے اذان پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے اور امام شافعی کی دلیل حضرت ابن عباس اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے اور تیز جواز کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے دم کرنے کی اجرت میں بکریاں لیں اور اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ بکریاں حلال ہیں اور دم کی اجرت لینا جائز ہے اور آپ نے فرمایا: ان بکریوں میں سے تم میرا حصہ بھی نکالو''۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۷۸۔۷۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ایصال ثواب کے نذرانہ کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ کا موقف اور نذرانہ لینے کے جواز کے متعلق اعلیٰ حضرت کی توجیہ

اعلیٰ حضرت مجدد اہلسنت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

جب کہ ان میں معہود و معروف یہی لینا دینا ہے تو یہ اجرت پر پڑھنا پڑھوانا ہوا فان المعروف عرفًا کالمشروط لفظًا، اور تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی پر اجرت لینا دینا دونوں حرام ہے، لینے والے دینے والے دونوں گنہ گار ہوتے ہیں جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں اس کی تحقیق فرمائی ہے اور جب یہ فعل حرام کے مرتکب ہیں تو ثواب کس چیز کا اموات کو بھیجے گا، گناہ پر ثواب کی امید اور زیادہ سخت واشد ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اور بزازیہ وغیرہ میں موجود ہے، علماء کرام نے اس مسئلہ میں بہت شدت برتی ہے، ہاں! اگر لوگ چاہیں کہ ایصال ثواب بھی ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے نوکر رکھ لیں اور تنخواہ اتنی دیر کی ہر شخص کی معین کر دیں مثلاً پڑھوانے والا کہے: میں نے تجھے آج فلاں وقت سے فلاں وقت تک کے لیے اس قدر اجرت پر نوکر رکھا، جو کام چاہوں گا لوں گا، وہ کہے: میں نے قبول کیا، اب اتنی دیر کے واسطے وہ اس کا اجیر (نوکر یا مزدور) ہو گیا، جو کام چاہے لے سکتا ہے، اس کے بعد اس سے کہے: فلاں میت کے لیے اتنا قرآن عظیم یا اس قدر کلمہ طیبہ یا درود شریف پڑھ دو، یہ صورت جواز کی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۲۳ ص ۵۳۷، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۲۳ھ)

ایصال ثواب پر اجرت لینے کے جواز کے متعلق مصنف کی توجیہات

میں کہتا ہوں کہ اگر نفس قرآن مجید پڑھنے کا معاوضہ نہ طے کیا جائے بلکہ خاص قیود کے عوض معاوضہ طے کیا جائے مثلاً فلاں جگہ فلاں وقت فلاں شخص کے لیے ایصال ثواب کیا جائے، سو ان قیودات کے عوض معاوضہ لینا جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا نفس قرآن کی اجرت نہ لے بلکہ قرآن پڑھنے سے اس کو جو تھکاوٹ ہوئی ہے اس کے ازالہ کے لیے معاوضہ لے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ قرآن کا معاوضہ تو نہیں لیتا لیکن اس وقت اگر وہ کوئی کار معاش کرتا تو اس کا جو معاوضہ ملتا وہ لیتا ہے، اسی تاویل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر اور دیگر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو کار خلافت اور امامت کی اجرت دی اور اسی تاویل سے نماز کی امامت کی اجرت دی جاتی ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قاری للہ فی اللہ قرآن مجید پڑھے اور پڑھوانے والا للہ فی اللہ بلا تعیین کچھ خدمت کر دے اور آج کل اسی کا رواج ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ علامہ آلوسی اور دیگر علماء نے درج ذیل حدیث کے پیش نظر قرآن مجید کی اجرت لینے کو جائز کہا ہے، وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جن چیزوں پر اجرت لی جاتی ہے ان میں سب سے زیادہ اجرت کی مستحق اللہ کی کتاب ہے''۔ (صحیح البخاری کتاب الاجارۃ باب: ۱۶، صحیح البخاری ص ۵۳۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سوئم، تیجہ اور چالیسویں وغیرہ کے کھانے کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی تصریحات

اعلیٰ حضرت مجدد ملت تیجہ اور چالیسویں کے کھانے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

سوئم، دہم و چہلم کا کھانا مساکین کو دیا جائے، برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کر کے کھلانا بے معنی بات ہے۔
(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۳، سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

نیز سوئم کے کھانے اور کلمہ پڑھے ہوئے چنوں کے متعلق اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

یہ چیزیں غنی نہ لے فقیر لے اور وہ جوان کا منتظر رہتا ہے ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے اوس کا قلب سیاہ ہوتا ہے، مشرک یا چمار (مردار خور) کو اس کا دینا گناہ ہے، فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں اور لے لیے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے دے، یہ حکم عام فاتحہ کا ہے، نیاز اولیاء کرام طعام موت نہیں وہ تبرک ہے، فقیر و غنی سب لیں جب کہ مانی ہوئی نذر بہ طور نذر شرعی نہ ہو، نذر شرعی ہو تو پھر غیر فقیر کو دینا جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۵، سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیاز کے متعلق اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

اور حضرت خاتون جنت کی نیاز کا کھانا پردہ میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں، انہیں اس سے باز رکھا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۵، سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

کسی نے کہا: کوئی ایسی حدیث لکھ دیجئے جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فاتحہ دلائی تھی (اسی طرح سوئم، چہلم اور عرس کے متعلق بھی سوال کیا جاتا ہے) اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت تحریر فرماتے ہیں:

فاتحہ دلانا شریعت میں جائز ہے اور جس طرح مدارس اور خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان ان کو فعل ثواب سمجھتے ہیں کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بنائے یا بنوائے تھے؟ یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے جس میں قرآن مجید اور کھانے دونوں کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا؟ اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بے شک ہرگز نہیں دے سکتا تو جس چیز سے اللہ اور رسول نے منع نہ فرمایا ہو دوسرا کیوں منع کرے گا۔ اپنے دل سے شریعت گھڑے گا:

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ﴿۷۰﴾ (یونس: ۷۰-۶۹)

آپ کہیے: جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) کامیاب نہیں ہوں گے O (یہ) دنیا کا عارضی فائدہ ہے، پھر ہماری ہی طرف انہوں نے لوٹنا ہے، پھر ہم ان کو ان کے کفریہ کاموں کی وجہ سے ان کو سخت عذاب چکھائیں گے O

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۲۶، سنی دار الاشاعت، فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا تراویح کے نذرانہ کے متعلق موقف اور نذرانہ لینے کو ناجائز قرار دینا الا یہ کہ حافظ نذرانہ لینے سے خود منع کر دے

اعلیٰ حضرت مجدد ملت رضی اللہ عنہ سے تراویح کا نذرانہ لینے اور شبینہ پڑھنے کے متعلق سوال کیا گیا، اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں

تحریر فرماتے ہیں:

الجواب:

مولیٰ سبحنہ وتعالیٰ ایسے بندوں کو برکت دے جو قرآن عظیم پر اجرت لینے سے بچیں، آپ صاف کہہ دیں کہ محض ادائے سنت اور حصول ثواب کے لیے پڑھتا ہوں کوئی معاوضہ نہ چاہتا ہوں، نہ ہوگا، اس کے بعد امام یا جو مسلمان کچھ خدمت کریں وہ اجرت نہیں ہوسکتی اس کا لینا حلال اور استاد کو دینا سعادت مندی، فتاویٰ امام قاضی خان میں مذکور ہے۔ الصریح یفوق الدلالۃ شبینہ کہ ایک یا چند حافظ مل کر کرتے ہیں مکروہ ہے اکابر نے ایک ایک رات میں برسوں ختم فرمایا ہے نہ کہ جماعت میں جس میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصاً اکثر بلکہ شاید کل وہی ہوں جو اسے بار سمجھیں اور شرما شرمی شریک رہیں۔

(فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۷ ص ۴۷۲، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۱۵ھ)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمہ اللہ کا تراویح کے نذرانہ کو ناجائز قرار دینا الا یہ کہ حافظ نذرانہ لینے سے خود منع کردے

حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ: آج کل اکثر رواج ہوگیا کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے دینے والا اور لینے والا دونوں گنہ گار ہیں، اجرت صرف یہی نہیں کہ پیشتر مقرر کرلیں کہ یہ لیں گے یہ دیں گے بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ اس سے طے نہ ہوا یہ بھی ناجائز ہے کہ المعروف کالمشروط ہاں! اگر کہہ دے: کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا، پھر پڑھے اور حافظ کی خدمت کریں تو اس میں حرج نہیں کہ الصریح یفوق الدلالۃ۔ (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۳۲، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۶ھ)

مصنف کے نزدیک تراویح کا نذرانہ لینے کے جواز کی توجیہات

- ہمارے نزدیک تراویح کے نذرانہ لینے کے جواز کی وہی پانچ توجیہات ہیں جو ہم نے اس سے پہلے ایصال ثواب کے نذرانہ کے متعلق بیان کی ہیں اور ان کی تائید حسب ذیل اثر سے ہوتی ہے:

حضرت سعید بن جبیر نے رمضان میں لوگوں کو تراویح پڑھائی، حجاج نے ان کی خدمت میں ایک ٹوپی بھیجی جس کو انہوں نے قبول کرلیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۰۰، ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

متقدمین فقہاء احناف کا عبادات پر اجرت لینے سے منع کرنا اور متاخرین فقہاء احناف کا ضرورت کی بنا پر عبادات کی اجرت لینے کی اجازت دینا

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اذان، حج اور اسی طرح امامت اور تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ عبادت جس کے ساتھ کوئی مسلمان خاص ہو ہمارے نزدیک اس پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک ہر وہ عبادت جو اجیر پر فرض عین نہ ہو اس پر اجرت کو طلب کرنا جائز ہے کیونکہ یہ ایک ایسے عمل پر اجرت کو طلب کرنا ہے جو اس پر فرض عین یا واجب عین نہیں ہے، سو اس پر اجرت کو طلب کرنا جائز ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن مجید کی تلاوت کرو اور اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ" (شعب الایمان، یہ حدیث ضعیف ہے، الدرایہ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو یہ آخری وصیت کی کہ "اگر تم کو مؤذن بنایا جائے تو تم اذان پر اجرت نہ لینا" (سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ،

مسند احمد، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن بکار ضعیف راوی ہیں، الدرایہ علی ہامش الہدایہ ج ۳ ص ۳۰۵) نیز اس لیے کہ جب کوئی عبادت ادا کی جائے تو وہ عامل کی طرف سے ادا ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس عبادت میں عامل کی اہلیت کا اعتبار کیا جاتا ہے، پس اس عامل کے لیے اس عبادت کی اجرت لینا جائز نہیں ہے جس طرح روزہ اور نماز کی اجرت لینا جائز نہیں ہے اور تعلیم قرآن ان کاموں میں سے ہے جن پر معلم متعلم کی طرف سے قادر ہوتا ہے، پس وہ ایسی چیز کا التزام کرنے والا ہے جس کو وہ سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے، پس اس لیے اس پر اجرت کا لینا جائز نہیں ہے اور ہمارے بعض مشائخ (بلخ) نے تعلیم قرآن پر اس زمانہ میں اجرت طلب کرنے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اب دینی کاموں میں سستی ظاہر ہو چکی ہے، پس اس کو منع کرنے سے قرآن مجید کو حفظ کرنا ضائع ہو جائے گا اور فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے۔ (الہدایہ ج ۳ ص ۳۰۶-۳۰۵، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور صدر الشریعہ سے مصنف کے اختلاف کا منشا اور محمل

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمہ اللہ نے جو قرآن خوانی کے نذرانہ اور تراویح کے نذرانہ کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں نے متقدمین فقہاء احناف کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور مصنف (غفر اللہ لہ) نے جوان کے نذرانے لینے کی توجیہات کی ہیں اور ان کے نذرانوں کو جائز قرار دیا ہے وہ متاخرین فقہاء احناف کے قول پر مبنی ہے۔

تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینے کے جواز کے متعلق دیگر فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ قرآن مجید اور فقہ کی تعلیم اور امامت اور اذان پر اجرت لینا جائز ہے اور اجرت پر رکھنے والے کو اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۹ ص ۶۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الشامی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علماء اصول نے کہا ہے کہ اجتہاد (افتاء) کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مجتہد کو لوگوں کی عادت اور عرف کی معرفت ہو کیونکہ زمانہ کے بدلنے سے اکثر احکام بدل جاتے ہیں اور اس کی وجہ لوگوں کے عرف اور رواج کا بدلنا ہے یا کسی نئی ضرورت کا پیدا ہونا یا اہل زمانہ کا فساد ہے اور اگر عرف اور زمانہ کے بدلنے کے باوجود پہلا حکم باقی رکھا جائے تو لوگوں کو مشقت ہوگی اور ان کو ضرر پہنچے گا اور اس سے ان قواعد شرعیہ کی مخالفت ہوگی جو لوگوں کے لیے تخفیف اور آسانی اور ان سے ضرر اور فساد کو دور کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں تاکہ نظام عالم عمدہ احکام کے ساتھ برقرار رہے، اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ بہ کثرت مواقع پر مشائخ مذہب نے اپنے زمانہ کی ضروریات کی وجہ سے مجتہد کی تصریحات کے خلاف فتاویٰ جاری کیے کیونکہ ان کو یہ علم تھا کہ اگر وہ مجتہد بھی اس زمانہ میں ہوتا تو وہ بھی قواعد مذاہب کے مطابق وہی کہتا جو انہوں نے کہا ہے۔ اس کی مثالوں میں سے ایک مثال تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ لینا ہے کیونکہ اسلام کے ابتداء عہد میں معلمین کو جو عطیات اور وظائف ملتے تھے اب وہ بند ہو گئے ہیں اور اگر معلمین بغیر اجرت کے تعلیم دیتے رہے تو اس سے وہ اور ان کے اہل وعیال ضائع ہو جائیں گے اور اگر وہ کوئی اور پیشہ یا کاروبار شروع کر دیں تو قرآن مجید اور دین کا علم ضائع ہو جائے گا، اس لیے انہوں نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا، اسی طرح امامت اور اذان پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا حالانکہ یہ فتویٰ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کی ان تصریحات کے خلاف ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا نماز، روزہ، حج اور تلاوت قرآن پر اجرت لینے کی طرح ناجائز ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۱۲۶-۱۲۵، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۶ھ)

علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

متقدمین فقہاء احناف نے تعلیم قرآن کی اجرت کو اس لیے مکروہ کہا تھا کہ معلمین کو بیت المال سے عطیات ملتے تھے اور ان عطیات کی وجہ سے وہ اپنی معاشی ضروریات میں مستغنی تھے اور وہ لوگ محض ثواب کے لیے تعلیم دینے میں رغبت رکھتے تھے اور اب یہ چیز باقی نہیں ہے، امام ابوعبداللہ الخیز اخزی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں امام، موذن اور معلم کے لیے اجرت کا لینا جائز ہے، اس کا الذخیرہ میں ذکر ہے۔ (العنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۸ ص ۴۱۔ ۴۰، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اسی طرح علامہ خوارزمی حنفی نے لکھا ہے: (الکفایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۸ ص ۴۱، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے صدر اول میں تعلیم قرآن کی اجرت کو اس لیے مکروہ قرار دیا تھا کہ اس وقت حاملین قرآن بہت کم تھے اور تعلیم کا دینا واجب تھا تا کہ قرآن جاتا نہ رہے لیکن ہمارے زمانہ میں حاملین قرآن بہت زیادہ ہیں اور اب قرآن مجید کی تعلیم دینا واجب نہیں رہا، پس اس لیے قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت طلب کرنا جائز ہے۔

اور شیخ الاسلام امام ابوبکر محمد بن الفضل البخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے فقہاء متاخرین نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ متقدمین نے اس کو اس لیے مکروہ قرار دیا تھا کہ معلمین کو بیت المال سے عطیات دیئے جاتے تھے، پس وہ اپنی معاشی ضروریات سے مستغنی تھے اور لوگ ثواب کی نیت سے تعلیم دینے میں رغبت رکھتے تھے اور متعلمین بغیر شرط کے احساناً ان کی خدمت کرتے تھے اور اس زمانہ میں معلمین کو بیت المال سے وظائف نہیں ملتے اور تعلیم دینے کی وجہ سے وہ اپنی معاشی ضروریات کو کما کر حاصل نہیں کر سکتے اور محض ثواب کی نیت سے معلمین بھی تعلیم دینے میں رغبت نہیں رکھتے اور نہ متعلمین بغیر شرط کے احساناً ان کی خدمت کرتے ہیں، اس لیے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور تعلیم قرآن پر معلم کو رکھنے والے کو اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اجرت نہ دے تو اس کو قید کر لیا جائے گا۔ اسی قول پر فتویٰ ہے۔

اور اسی طرح ہمارے زمانہ میں فقہ کی تعلیم پر اجرت کو طلب کرنا جائز ہے اور امامت اور اذان پر اجرت طلب کرنا جائز ہے، ہاں! حج، جہاد اور باقی عبادات پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں ہے اور کسی کو بھی ان عبادات کی اجرت دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(المحیط البرہانی ج ۱۱ ص ۳۴۴۔ ۳۴۳، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۲۴ھ)

فتاویٰ عالمگیری میں بھی المحیط کے حوالہ سے اسی طرح مذکور ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۴۴۹، مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی نے بھی اسی طرح المبسوط کے حوالہ سے لکھا ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۱۴، مکتبہ حبیبیہ، کوئٹہ)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۱۱، مطبع تیج کمار، لکھنؤ)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کو اور اس پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مذکور ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۰۷) سنن ابوداود میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المعوذتین پڑھ کر دم کرنے کو مکروہ فرمایا“۔ مؤلف کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن حرملہ ہے اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں معلوم نہیں ہے، نیز معوذتین سے دم کرنے کی ممانعت سورۃ الفاتحہ سے دم کرنے کی ممانعت کو مستلزم نہیں ہے۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ: اطاعت وعبادت کے کاموں پر اجارہ کرنا جائز نہیں مثلاً اذان کہنے کے لیے، امامت کے لیے، قرآن وفقہ کی تعلیم کے لیے اور حج کے لیے یعنی اس لیے اجیر کیا کہ کسی کی طرف سے حج کرے متقدمین فقہاء کا یہی مسلک ہے مگر متاخرین نے دیکھا کہ دین کے کاموں میں سستی پیدا ہوگئی ہے، اگر اس اجارہ کی سب صورتوں کو ناجائز کہا جائے تو دین کے بہت سے کاموں میں خلل واقع ہو گا، پس انہوں نے اس کلیہ سے بعض امور کا استثناء فرما دیا اور یہ فتویٰ دیا کہ تعلیم القرآن، فقہ، اذان اور امامت پر اجارہ جائز ہے کیونکہ ایسا نہ کیا جائے تو قرآن وفقہ پڑھانے والے طلب معیشت میں مشغول ہو کر اس کام کو چھوڑ دیں گے اور لوگ دین کی باتوں سے ناواقف ہوتے جائیں گے، اسی طرح اگر مؤذن وامام کو نوکر نہ رکھا جائے تو بہت سی مساجد میں اذان وجماعت کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور اس سے شعار اسلامی میں زبردست کمی واقع ہو جائے گی، اسی طرح بعض علماء نے وعظ پر اجارہ کو بھی جائز کہا ہے، اس زمانہ میں اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں اہل علم نہیں ہیں، ادھر ادھر سے کوئی عالم پہنچ جاتا ہے جو وعظ تقریر کے ذریعہ انہیں دین کی تعلیم دے دیتا ہے، اگر اس اجارہ کو ناجائز کر دیا جائے تو عوام کو جو اس ذریعہ سے کچھ علم کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اس کا انسداد ہو جائے گا، یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب اصل مذہب یہی ہے کہ اجارہ ناجائز ہے ایک دینی ضرورت کی بنا پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے تو جس بندہ خدا سے ہو سکے ان امور کو محض خالصاً لوجہ اللہ انجام دے اور اجر اخروی کا مستحق بنے تو اس سے بہتر کیا بات ہے، پھر اگر لوگ اس کی خدمت کریں بلکہ یہ تصور کرتے ہوئے کہ دین کی خدمت یہ کرتے ہیں ہم ان کی خدمت کر کے ثواب حاصل کریں تو دینے والا مستحق ثواب ہوگا اور لینے والے کا لینا جائز ہوگا کہ یہ اجرت نہیں ہے بلکہ اعانت اور امداد ہے۔

(بہار شریعت ج ۱۴ ص ۱۱۴۔ ۱۱۳، مکتبہ اسلامیہ لاہور)

تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینے کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

اس سلسلہ میں ایک وہ حدیث ہے جس کو ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور قند مکرر کے طور پر دوبارہ ذہنوں میں تازہ کرنے کے لیے لکھ رہے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: "جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے"۔ اور شعبی نے کہا: معلم اجرت لینے کی شرط نہ لگائے لیکن اگر اسے ازخود اجرت دی جائے تو وہ اس کو قبول کرلے اور حکم نے کہا: میں نے نہیں سنا کہ کسی ایک نے بھی معلم کی اجرت کو مکروہ کہا ہو اور حسن بصری کو دس درہم دیئے گئے اور ابن سیرین قسام کی اجرت میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے کہا: گویا کہ کہا جاتا ہے کہ قضا کی اجرت لینا رشوت ہے اور ان کو اندازے سے اجرت دی جاتی تھی۔ (صحیح البخاری کتاب الاجارہ باب: ۱۶، عرب کے قبائل پر سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کرنے کے عوض اجرت لینا صحیح البخاری ص ۵۳۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور اس سلسلہ میں اس باب کی حدیث صحیح البخاری: ۵۰۰۷ حجت ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک قبیلہ کے سردار کو بچھو کے کاٹے ہوئے پر دم کیا، اس نے ان کو تیس (۳۰) بکریاں اس کے معاوضہ میں دیں اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عمل کو جائز قرار دیا۔ صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی مذکور ہے:

(صحیح مسلم: ۲۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۷۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۴۴، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۰۰، شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۲۷)

تیسری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین پانچوں وقت کی نمازیں پڑھاتے تھے، نماز جنازہ اور جمعہ پڑھاتے تھے، فتاویٰ جاری

کرتے تھے، قرآن مجید اور حدیث نبوی کی تفسیر وتشریح کرتے تھے، مسلمانوں کے دینی معاملات کا انتظام کرتے تھے، جہاد کے لیے لشکر روانہ کرتے تھے، اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے تھے، حدود اور تعزیرات کو جاری کرتے تھے، قاضیوں کو معزول اور مقرر کرتے تھے اور دیگر اسلامی شہروں میں امراء اور حکام کا تقرر کرتے تھے اور ان تمام عبادات اور دینی امور انجام دینے پر خود بھی بیت المال سے وظائف لیتے تھے۔ اس کے ثبوت میں درج ذیل احادیث اور آثار ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے فرمایا: میری قوم کو معلوم ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے لیکن اب میں مسلمانوں کے ملکی انتظام سنبھالنے میں مشغول ہو گیا ہوں تو اب ابوبکر کی اولاد اس مال سے کھائے گی اور ابوبکر مسلمانوں کے دینی اور ملکی امور انجام دے گا۔ (صحیح البخاری: ۲۰۷۰)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطاء بن السائب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا تو وہ صبح کو کپڑوں کی ایک گٹھڑی لے کر بیچنے کے لیے گئے۔ ان کی حضرت عمر اور حضرت عبیدہ بن الجراح سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا: اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے بتایا: بازار، ان دونوں نے کہا: آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ مسلمانوں کے خلیفہ بن چکے ہیں، حضرت ابوبکر نے کہا: پھر میں اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ ان دونوں نے کہا: چلیے ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کرتے ہیں، پھر انہوں نے آپ کے لیے آدھی بکری اور سر اور پیر ڈھانپنے کا لباس مقرر کیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸۴، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

عمرو بن میمون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا تو صحابہ نے ان کے لیے دو ہزار (درہم) مقرر کیے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا: اس میں اضافہ کرو کیونکہ میرے عیال (بال بچے) ہیں اور تمہاری مصروفیات نے مجھے تجارت سے روک دیا ہے، تب صحابہ نے پانچ سو (درہم) کا اضافہ کر دیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸۵، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

حارثہ بن مضرب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے لیے بیت المال کو مال یتیم کے درجہ میں قرار دیا ہے، اگر میں مستغنی ہوں تو اس سے اجتناب کرتا ہوں اور اگر مجھے ضرورت ہو تو دستور کے مطابق بیت المال سے کھاتا ہوں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۷۶، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

الوفین بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں تین معلم تھے جو بچوں کو تعلیم دیتے تھے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر ایک کو پندرہ (۱۵) درہم ماہانہ دیتے تھے۔ (المصنف ج ۶ ص ۲۲۰، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کی امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی روایت کی ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۶ ص ۱۲۴، نشر السنہ، ملتان)

ان تمام احادیث اور آثار اور فقہاء احناف متاخرین کی تصریحات سے یہ مسئلہ الم نشرح ہو گیا کہ قرآن مجید احادیث اور فقہ کی تعلیم اور امامت، خطابت، وعظ وتذکیر اور تراویح پڑھانے کی اجرت لینا اور دینا جائز ہے اور یہ صحابہ کرام، تابعین اور بعد کے اسلاف میں مروج رہا ہے۔

ہم نے اس مسئلہ کو شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۵۷۵۔ ۵۶۸ میں بھی لکھا، پھر اس کے بعد شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۱۰۶۶۔ ۱۰۳۶ میں زیادہ تفصیل سے لکھا لیکن یہاں نعمۃ الباری ج ۹ میں اس مسئلہ کو بہت ضبط اور جامعیت کے ساتھ لکھا ہے اور تمام اکابر کے ادب

واحترام کو ملحوظ رکھا ہے اور ان کے اقوال میں تطبیق دینے کی بھرپور سعی کی ہے۔اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور مجھے بخش دے اور مجھے اور میرے قارئین کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے اور جنت الفردوس عطا فرمائے (آمین) اس بحث کو مکمل کرنے کے بعد ہم صحیح البخاری: ۵۰۰۸ کی شرح کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔

۱۰۔ بَابُ: فَضْلِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ — سورۃ البقرۃ کی فضیلت

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں سورۃ البقرۃ کی فضیلت کا بیان ہے اور سورۃ البقرۃ کا معنی ہے وہ سورت جس میں گائے کا ذکر کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲)

۵۰۰۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از سلیمان از ابراہیم از عبدالرحمٰن از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے دو آیتوں کو پڑھا۔

۵۰۰۹۔ (ح) وحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔

اور ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از عبدالرحمٰن بن یزید از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس مرد نے رات میں سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ اس کو کافی ہوں گی'' (تہجد کی نماز میں)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۰۸ میں گزر چکی ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کا مصداق

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سورۂ بقرہ کی یہ آخری دو آیتیں: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر اخیر سورت تک ہیں اور تہجد میں ان دو آیتوں کو پڑھنا کافی ہے جب کہ ان دو آیتوں کو سورۃ الفاتحہ کے ساتھ پڑھا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تہجد کی ایک رکعت میں کم از کم تین آیات پڑھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۱ ص ۹۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سورۃ البقرۃ کی ان دو آیتوں کے متعلق دیگر کتب حدیث میں روایات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علی بن سعید عسکری نے اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ جس نے ان دو آیتوں کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھا تو وہ اسے کافی ہوں گی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر سورت تک۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے کتاب فرض کی اور اس میں دو آیتیں نازل کیں اور ان پر سورۃ البقرۃ کو ختم کیا''۔ اس حدیث کی اصل سنن ترمذی اور سنن نسائی میں ہے اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور امام ابوعبیدہ نے فضائل قرآن میں جبیر بن نفیر کی یہ مرسل روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ تم ان آیتوں کو پڑھو اور اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیویوں کو اس کی تعلیم دو کیونکہ یہ دو آیتیں قرآن ہیں۔

سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کے رات میں کافی ہونے کے متعدد محامل

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس مرد نے رات میں ان دو آیتوں کو پڑھا وہ اس کو کافی ہوں گی''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ان دو آیتوں کے رات میں کافی ہونے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) یعنی تہجد کی نماز میں قرآن مجید پڑھنے سے یہ دو آیتیں کافی ہوں گی، ان دو آیتوں کا پڑھنا قیام اللیل کے لیے کافی ہے۔

(۲) ان دو آیتوں کا پڑھنا مطلقاً قرآن پڑھنے سے کفایت کرے گا خواہ ان دو آیتوں کو نماز کے اندر پڑھے یا نماز کے باہر پڑھے۔

(۳) یہ دو آیتیں ایمان اور اعمال سے متعلق اجمالی ایمان کے لیے کافی ہیں۔

(۴) ان دو آیتوں کا پڑھنا اس کو ہر برائی اور معصیت سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

(۵) ان دو آیتوں کا پڑھنا شیطان رجیم کے شر سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

(۶) یہ دو آیتیں شیاطین الانس اور شیاطین الجن کے شر کو دور کرتی ہیں اور ان سے بچاتی ہیں۔

(۷) یہ دو آیتیں حصول ثواب کے لیے کافی ہیں اور کسی دوسری چیز کو طلب کرنے سے کافی ہیں۔

سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کی تخصیص کی توجیہات

ان دو آیتوں کی تخصیص کی توجیہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحسین کی گئی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے اور گریہ وزاری سے دعا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مطلوب انہیں عطاء فرما دیا۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نے سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کو پڑھا وہ اس کے لیے رات کے قیام سے کافی ہوں گی''۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب لکھی اور اس میں دو آیتیں نازل کیں جن پر سورۃ البقرۃ کو ختم کیا، جس گھر میں یہ دو آیتیں پڑھی جائیں گی اس گھر میں تین راتوں تک شیطان داخل نہیں ہوگا، اس حدیث کی امام حاکم نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۵۔ ۱۹۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۱۰۔ وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ وَكَّلَنِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَصَّ الْحَدِيثَ فَقَالَ إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ لَنْ

اور عثمان بن الہیثم نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از محمد بن سیرین از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ کی حفاظت کا وکیل مقرر کیا، پس میرے پاس ایک آنے والا آیا اور وہ مٹھی بھر کر طعام لے جانے لگا تو میں نے اس کو پکڑ لیا، پس میں نے کہا: میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا، پھر انہوں نے اس

يَزَالَ مَعَكَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ ذَاكَ شَيْطَانٌ۔

حدیث کا قصہ بیان کیا، پس اس آنے والے نے کہا: جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو تو ہمیشہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ رہے گا اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس نے تم سے سچ کہا ہے حالانکہ یہ جھوٹا ہے، یہی شیطان ہے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۱ میں گزر چکی ہے۔ امام بخاری نے اس باب میں اس حدیث کی اختصار سے روایت کی ہے اور صحیح البخاری: ۲۳۱۱ میں اس حدیث کی مفصل روایت کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۱۰، ۲۳۱۱، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۲۳۸، سنن ترمذی: ۲۸۸۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۳۱۔ ۱۳۰، شرح السنۃ ج ۴ ص ۴۶۱۔ ۴۶۰، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۱۸، معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۶۹، الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۲۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۱۰۷)

مفصل حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوہریرہ نے اس مٹھی بھر طعام چرانے والے کو پکڑ لیا تو کہا: میں تم کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے ضرور پیش کروں گا، پس اس نے کہا: میں محتاج ہوں اور میرے بال بچے ہیں اور مجھے شدید حاجت ہے، پھر میں نے اس کو چھوڑ دیا، پس جب صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے پوچھا: ''اے ابوہریرہ! تمہارے رات کے قیدی نے کیا کیا''، حضرت ابوہریرہ نے جواب دیا: میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے شدید حاجت کی شکایت کی اور بال بچوں کی شکایت کی، پس میں نے اس پر رحم کیا اور اس کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: ''لیکن اس نے تم سے جھوٹ بولا وہ عنقریب پھر آئے گا'' پس میں نے جان لیا کہ وہ عنقریب پھر آئے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''وہ عنقریب پھر آئے گا''۔

جس مال کی حفاظت کا کسی کو وکیل بنایا جائے تو وکیل کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ از خود کسی کو اس میں سے کچھ دے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو اس چور کو چھوڑ دیا تھا اس کی توجیہ

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس چور کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس فعل کو برقرار رکھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص کو کسی چیز کی حفاظت کرنے کا وکیل بنایا جائے یا جس شخص کے پاس کوئی امانت رکھی جائے، پس وہ اس میں سے کوئی چیز دوسرے کو دے دے تو اس کا یہ دینا جائز نہیں ہے خواہ اس نے عرف اور دستور کے مطابق تھوڑی سی چیز دی ہو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل اس لیے جائز تھا کہ شارع علیہ السلام نے بعد میں ان کو اجازت دے دی کیونکہ حضرت ابوہریرہ کو صرف اس مال کی حفاظت کا وکیل بنایا تھا اور کسی کو کچھ عطا کرنے کا وکیل نہیں بنایا تھا اور نہ ان کو یہ اجازت دی تھی کہ اگر کوئی اس مال میں سے کچھ لوٹ کر لے جائے تو اس کو جانے دو اور اس تاویل کی صحت پر یہ دلیل ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں سے کچھ تلف کر دے اور اگر وہ اس میں سے کچھ تلف کرے گا تو وہ اس کا ضامن ہوگا سوا اس صورت کے کہ اس مال کا مالک اس کو اجازت دے دے اور اگر وہ اجازت نہیں دیتا تو پھر اس تلف شدہ چیز کا ضامن ہوگا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر اس نے اس مال میں سے کسی کو کچھ قرض دیا جس کی حفاظت کا اسے وکیل بنایا گیا تھا یا اس مال میں سے کسی کو کچھ قرض دیا جو مال اس کے پاس امانت تھا تو یہ اس کے لیے جائز نہیں تھا

لیکن اگر اس نے ایسا کرلیا تو پھر مال کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اس کے اس فعل کو برقرار رکھے یا چاہے تو اس کو اس کا ضامن بنائے۔ (شرح ابن بطال ج ۶ ص ۴۴۹۔۴۴۸)

حدیث مذکور کے دیگر فوائد و مسائل

(۱) اگر کوئی شخص شدید بھوک کی وجہ سے کوئی چیز چرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور امام کے پاس اس کا مقدمہ پیش کرنے سے پہلے اس کو معاف کرنا جائز ہے اور یہ کہ شیطان کو بھی بعض اوقات کسی نفع آور چیز کا علم ہوتا ہے کیونکہ شیطان نے کہا کہ تم اپنے بستر پر آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ایک محافظ مقرر فرمائے گا اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس بات کی تصدیق کر دی۔

(۲) کذاب بھی شاذ و نادر سچ بولتا ہے کیونکہ شیطان نے یہ بات سچی کہی تھی۔

(۳) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ آپ نے غیب کی خبر دی اور حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا: ''تمہارے رات کے قیدی کا کیا معاملہ ہوا''۔

(۴) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّهُ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ۔ بے شک وہ (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ (الاعراف: ۲۷)

اس حدیث پر یہ سوال ہے کہ جب کوئی شخص شیطان کو نہیں دیکھ سکتا جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس شیطان کو کیسے دیکھ لیا، اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کو اس کی صورت میں جس صورت میں اس کو پیدا کیا گیا ہے کوئی نہیں دیکھ سکتا لیکن جب شیطان کسی جسمانی صورت میں متشکل ہو کر آئے جیسا کہ وہ شیطان چور کی صورت میں آیا تھا تو پھر اس کو دیکھنا ممکن ہے، اسی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ نے اس کو دیکھ لیا تھا۔

(۵) کبھی جنات انسانوں کے سامنے ظاہر ہو جاتے ہیں اور انسانوں کے ساتھ کلام کرتے ہیں اور یہ کہ جنات چوری بھی کرتے ہیں۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چور کا عذر قبول کر لینا چاہیے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کا عذر قبول کر کے اس کو چھوڑ دیا تھا۔

(۷) علامہ داؤدی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چور کو قیدی فرمایا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس چور کو رسی سے باندھ دیا تھا۔

(۸) شیطان قرآن مجید کی آیت نہیں پڑھ سکتا کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ شیطان نے کہا: میں تمہیں ایک ایسی آیت سکھاؤں گا کہ اس کے پڑھنے سے شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ شیطان نے کہا: میں اس کو پڑھ نہیں سکتا، وہ آیۃ الکرسی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۳)

(۹) اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شیطان کو دھمکایا کہ میں تم کو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا اور شیطان نے ان کو دھوکہ دیا، اس حدیث میں چور کو دھمکانے اور شیطان کے دھوکا دینے کا ثبوت ہے۔

(۱۰) وہ شیطان تین مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور چوتھی بار اس نے کہا: آپ مجھے چھوڑ دیں میں آپ کو ایک نفع آور چیز کی تعلیم دوں گا، اس سے معلوم ہوا کہ صرف تین بار کسی جرم کا عذر قبول ہو سکتا ہے۔

(۱۱) اس حدیث میں آیۃ الکرسی کی فضیلت کا ذکر ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں آیۃ الکرسی سے عظیم اور کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ (سنن ترمذی: ۲۸۸۴) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آیۃ الکرسی کا ثواب سب سے زیادہ عظیم ہے۔

(۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر انسان سوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کا اس شخص میں حصہ ہوتا ہے اور اگر وہ قرآن کی کوئی آیت پڑھ لے تو پھر وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۲۰۰۔ ۱۹۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

آیت الکرسی کے فضائل

نیز علامہ ابن ملقن شامی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کی آیتوں کی سردار آیۃ الکرسی ہے''۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۵۹)

امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن مجید کا کوہان سورۃ البقرۃ ہے اور اس سورت میں ایک آیت ہے جو تمام آیتوں کی سردار ہے اور وہ آیۃ الکرسی ہے''۔ (سنن ترمذی: ۲۸۷۸)

امام ابن حبان نے حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: اس سورت میں آیۃ الکرسی ہے اور وہ قرآن مجید کی آیات کی کوہان ہے اور جس گھر میں بھی آیۃ الکرسی پڑھی جائے گی شیطان اس گھر سے نکل جائے گا۔ (صحیح ابن حبان: ۷۸۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں آیۃ الکرسی سے زیادہ عظیم کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ (سنن ترمذی: ۲۸۸۴)

امام ابو عبید نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت یہ ہے: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (الآیہ) (فضائل القرآن لابی عبید ص ۲۳۰۔ ۲۲۹، صحیح مسلم: ۸۱۰)

اور امام حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن مجید کا کوہان سورۃ البقرۃ ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۱، امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور یہ حدیث مرفوعاً بھی مروی ہے)۔

امام ابن الضریس نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر سب سے عظیم کون سی آیت نازل ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا: ''آیۃ الکرسی''۔ (فضائل القرآن لابن الغریس: ۸۶)

امام نسائی نے حضرت ابی ابن کعب سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔ (عمل الیوم واللیلہ: ۹۶۶)

امام بیہقی نے بھی بریدہ بن الحسیب سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۱۱۱)

اور امام عبد الرزاق نے حضرت بریدہ بن الحسیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے: اس آیت یعنی آیۃ الکرسی کی ایک زبان ہے اور دو ہونٹ ہیں اور عرش کے پائے کے پاس ایک فرشتہ اللہ تعالیٰ کی تقدیس کرتا ہے''۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۷۸، شعب الایمان للبیہقی: ۲۳۸۷۔ ۲۳۸۶، صحیح مسلم: ۸۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آیۃ الکرسی قرآن عظیم کا چوتھا حصہ ہے''۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۱)

سورۃ البقرۃ کے دیگر فضائل

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرو کیونکہ قرآن مجید قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا، تم سورۃ البقرۃ کو اور سورۃ آل عمران کو سیکھو اور تم اَلزَّاھْرَاوَیْن کو سیکھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اس طرح آئیں گی گویا کہ وہ دو بادل ہیں یا صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو صفیں ہیں اور سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گی اور سورۃ البقرۃ کو سیکھو کیونکہ اس کا سیکھنا برکت ہے اور اس کے ترک کرنے میں حسرت ہے اور باطل لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے''۔ (صحیح مسلم: ۸۰۴، سنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۲۴۰، المستدرک ج ۱ ص ۵۶۱) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۔۷۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے فرمایا: اس (چور) نے سچ کہا، پھر ازالۂ وہم کے لیے فرمایا: لیکن وہ جھوٹا ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس نے تم سے سچ کہا حالانکہ یہ جھوٹا ہے''۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تتمیم بلیغ ہے کیونکہ جب آپ نے فرمایا کہ اس نے تم سے سچ کہا تو اس سے یہ وہم ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس کی مدح فرمائی ہو، پس آپ نے اس کو جھوٹا فرما کر اس کا تدارک فرمایا اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگرچہ اس کی عادت ہمیشہ جھوٹ بولنا ہے لیکن اس دفعہ اس نے سچ بولا جیسے کہتے ہیں کہ کبھی جھوٹا آدمی بھی سچ بولتا ہے اور آپ نے فرمایا: یہ شیطان ہے، اس سے مراد وہ شیطان ہے جو معہود فی الذہن ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ہر آدمی کے لیے شیطان ہوتا ہے جس کے وہ سپرد کیا جاتا ہے یا آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ تمہارا شیطان ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو شیطان کو باندھنے سے رک گئے تھے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے شیطان کو کیسے باندھ دیا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس شیطان کو رسی سے باندھ دیا اور اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بے شک ایک سرکش جن گزشتہ رات مجھ پر حملہ آور ہوا تا کہ میری نماز منقطع کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مجھے قادر کر دیا، پس میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ جب تم صبح کو اٹھو تو تم سب اس کو دیکھو، پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آئی:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ۔ (ص: ۳۵)

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱، صحیح مسلم: ۵۴۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۸، شرح السنہ ج ۳ ص ۲۶۹، مشکوٰۃ: ۹۸۷، کنز العمال: ۳۱۹۵۶، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۳۰، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۶۴، مسند ابوعوانہ: ج ۲ ص ۱۴۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۹۷)

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو شیطان کو رسی سے باندھنے سے رک گئے تھے اور صحیح البخاری: ۲۳۱۱ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے اس شیطان کو رسی سے باندھ دیا تھا، اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شیطان کو باندھنے کا ارادہ کیا تھا وہ شیاطین کا سردار تھا اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت سے یہ لازم آتا کہ تمام شیاطین پر آپ کو قدرت ہے اور یہ بہ ظاہر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے خلاف تھا اس لیے آپ رک گئے تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول نہیں ہوئی، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس شیطان کو باندھ دیا تھا وہ یہ شیطان نہیں تھا بلکہ اس کی ذریت میں کوئی اور شیطان تھا، دوسرا جواب یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شیطان کو باندھنے کا ارادہ فرمایا تھا یہ شیطان اپنی اصلی صفت میں تھا جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے اور اسی طرح جو شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے وہ بھی اپنی اصلی شکل میں ہوتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جو شیطان آیا تھا وہ انسان کی شکل میں آیا تھا، پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو اس کو باندھا اور اس پر قادر ہوئے اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے خلاف نہیں ہوا کیونکہ ان کی دعا ان شیاطین پر منفرد سلطنت کے متعلق تھی جو اپنی اصلی شکل میں ہوتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس شیطان کو باندھا وہ انسانی شکل میں تھا، پس اشکال دور ہو گیا۔ والعلم عند اللہ۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۱- بَابُ: فَضْلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ

سورۃ الکہف کی فضیلت

۵۰۱۱- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُو وَتَدْنُو وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسحاق نے حدیث بیان کی از حضرت البراء ابن عازب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد سورۃ الکہف کی تلاوت کر رہا تھا اور اس کے پہلو میں ایک گھوڑا دو رسیوں سے باندھا ہوا تھا، پس اس مرد کو بادل نے ڈھانپ لیا، پس بادل اس کے قریب ہوتا اور زیادہ قریب ہوتا اور اس کا گھوڑا ابدک رہا تھا، پس جب صبح ہوئی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”یہ سکینہ ہے جو قرآن مجید کی وجہ سے نازل ہوا“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۱۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۸۳۹، ۵۰۱۱، صحیح مسلم: ۷۹۵، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۴، الدر المنثور ج ۴ ص ۲۰۹)

بعض مشکل الفاظ کے معانی

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس مرد نے سورۃ الکہف پڑھی اور اس کے گھر میں گھوڑا بندھا ہوا بدک رہا تھا اس مرد کا نام حضرت اسید بن الحضیر رضی اللہ عنہ ہے۔

یہ ان صحابہ میں سے ایک ہیں جو نقباء تھے اور انہوں نے مدینہ سے مکہ جا کر ایک گھاٹی میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

اس حدیث میں الضبابہ کا لفظ ہے، ابن فارس نے کہا: اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو غبار کی مثل ہو۔ (مجمل اللغۃ ج ۲ ص ۶۵۰)

علامہ الداؤدی نے کہا: الضبابہ بادل کے قریب ہے اور یہ بادل کو کہتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بنو آدم کے سوا حیوانات بھی قرآن مجید کو سنتے ہیں۔

اس حدیث میں السکینہ کا لفظ ہے، اس سے مراد لپٹی ہوئی ہوا ہے اور اس سے نازل ہونے والے فرشتے بھی مراد ہوتے ہیں جن پر السکینہ نازل ہوتی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۰ ص ۱۹۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سکینہ کی تاویل اور تفسیر میں متعدد اقوال

حافظ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سکینہ تیز چلنے والی ہوا ہے جس کا انسان کی طرح چہرہ ہے۔

(تفسیر امام عبدالرزاق: ۳۱۳ تفسیر ابن جریر: ۵۶۷۱۔ ۵۶۶۸ تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۲۴۷۴، المستدرک ج ۲ ص ۴۶۰)

مجاہد بیان کرتے ہیں: اس کا بلی کے سر کی طرح سر ہے اور اس کے دو پر ہیں اور بلی کی دم کی طرح اس کی دم ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ۳۱۴ تفسیر طبری: ۵۶۷۸۔ ۵۶۷۵ تفسیر ابن ابی حاتم: ۲۴۷۶)

العباس اور الربیع بیان کرتے ہیں کہ یہ بلی کی طرح ایک جانور ہے، اس کی دونوں آنکھوں میں شعاعیں ہیں، پس جب دو جماعتیں لڑتی ہیں اور یہ ان کی طرف دیکھتی ہے تو لشکر مرعوب ہو جاتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۲۴۷۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور السدی نے بیان کیا ہے کہ یہ جنت میں سونے کا طشت ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو دھویا جاتا ہے۔ (تفسیر طبری: ۵۶۸۱۔ ۵۶۸۰ تفسیر ابن ابی حاتم: ۲۴۷۸)

ابو مالک بیان کرتے ہیں: یہ سونے کا طشت ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح تورات اور عصا کو رکھا تھا۔

(تفسیر طبری: ۵۶۸۱)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہے جو کلام کرتی ہے اور جب لوگوں کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو ان کو وہ مسئلہ بیان کرتی ہے۔ (تفسیر طبری: ۵۶۸۳۔ ۵۶۸۲)

ضحاک بیان کرتے ہیں: السکینہ رحمت ہے۔ (تفسیر طبری: ۵۶۸۵ تفسیر ابن ابی حاتم: ۲۴۸۱)

سورۃ الکہف کے فضائل

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''جس نے جمعہ کے دن سورۃ الکہف کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ دو جمعوں کے درمیان اس کے لیے ایک نور روشن کر دیتا ہے''۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۳۶۸، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۴۹)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی نعیم بن حماد ہے، امام بخاری اس سے روایت کرتے ہیں اور امام احمد اور ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے اور دوسرے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۴۹)

نیز حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے جمعہ کی رات میں سورۃ الکہف کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اور کعبہ کے درمیان ایک نور کو روشن کر دیتا ہے۔ (سنن دارمی: ۳۴۵۰، شعب الایمان للبیہقی: ۲۴۴۴)

علامہ ابن التین نے کہا: جو شخص جمعہ کے دن بغیر فصل کے سورۃ الکہف کی تلاوت کرے یہ سورت اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک اس کی حفاظت کرتی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۷۷۔ ۴۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

السَّکِینَۃ کی تعریف میں مزید اقوال اور قرآن مجید میں مذکور سکینہ کی آیات میں ان اقوال کا اطلاق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں مذکور الصدر السکینہ کے متعلق

اقوال لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

ضحاک بن مزاحم کا قول ہے: السکینہ رحمت ہے اور اس سے مراد دل کا سکون ہے اور یہ امام طبری کا مختار ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ السکینہ سے مراد الطمانیت ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وقار ہے اور الصنعانی نے ذکر کیا ہے: اس سے مراد ملائکہ ہیں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ السکینہ کا اطلاق ان تمام معانی پر مشترک ہوتا ہے اور ہر جگہ جو اس کے مناسب معنی ہو اس کا ارادہ کیا جائے گا اور اس باب کی حدیث کے مناسب پہلا قول ہے، اور وہب نے جو کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہے یہ قول بھی بعید نہیں ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ۔ (التوبہ:۴۰)

سو اللہ تعالیٰ نے ان پر (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر) طمانیت قلب نازل کی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ حضرت ابوبکر سے فرما رہے تھے: غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ سو اللہ نے ان پر طمانیت قلب نازل کی۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الفتح:۴)

وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا۔

ان دونوں آیتوں میں متبادر یہ ہے کہ سکینہ سے مراد سکون اور طمانیت قلب ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اٰیَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (البقرہ:۲۴۸)

اور ان کے نبی (حضرت شمویل علیہ السلام) نے ان سے کہا: بے شک اس بادشاہ (یعنی طالوت) کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی باقی ماندہ کچھ چیزیں ہیں، اس تابوت کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس آیت میں ہوسکتا ہے کہ سکینہ سے مراد جنت میں سونے کا طشت ہو جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب دھوئے جاتے ہوں جیسا کہ السدی نے ذکر کیا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سکینہ سے مراد وہ طشت ہو جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی الواح تورات اور اپنے عصا کو رکھا تھا جیسا کہ ابو مالک کا قول ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ مختار قول یہ ہے کہ السکینہ ایک ایسی مخلوق ہے جس میں طمانیت اور رحمت ہے اور اس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۹۶۔ ۱۹۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کی اس شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(تیسیر القاری ج ۵ ص ۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۱۲۔ بَابُ: فَضْلِ سُوْرَةِ الْفَتْحِ

سورۃ الفتح کی فضیلت

۵۰۱۲۔ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَالِكٌ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی،

زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسِيرُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسِيرُ مَعَهُ لَيْلًا فَسَأَلَهُ عُمَرُ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُجِبْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ فَقَالَ عُمَرُ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ نَزَرْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلَّ ذَلِكَ لَا يُجِيبُكَ قَالَ عُمَرُ فَحَرَّكْتُ بَعِيرِي حَتَّى كُنْتُ أَمَامَ النَّاسِ وَخَشِيتُ أَنْ يَنْزِلَ فِيَّ قُرْآنٌ فَمَا نَشِبْتُ أَنْ سَمِعْتُ صَارِخًا يَصْرُخُ بِي قَالَ فَقُلْتُ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ نَزَلَ فِيَّ قُرْآنٌ قَالَ فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا﴾ (الفتح:١)

انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از والد خود کہ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں رات کو جا رہے تھے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ رات میں جا رہے تھے، پس حضرت عمر نے آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو جواب نہیں دیا، حضرت عمر نے پھر آپ سے سوال کیا، پس آپ نے ان کو جواب نہیں دیا، حضرت عمر نے پھر آپ سے سوال کیا، آپ نے پھر جواب نہیں دیا، پس حضرت عمر نے اپنے دل میں کہا: تم پر تمہاری ماں روئے تم نے رسول اللہ ﷺ سے تین مرتبہ اصرار سے سوال کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ہر بار تم کو جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر نے بیان کیا: پس میں نے اپنے اونٹ کو دوڑایا حتیٰ کہ میں تمام لوگوں سے آگے نکل گیا اور مجھے یہ خوف ہوا کہ میرے متعلق قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہو گی، پس میں تھوڑی دیر ٹھہرا تھا میں نے کسی چلانے والے کی آواز سنی، حضرت عمر نے بیان کیا: تو میں نے کہا کہ مجھے ڈر تھا کہ میرے متعلق قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہو گی، انہوں نے بیان کیا: پس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے فرمایا: ''بے شک آج رات مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝ (الفتح:١) (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی ۝''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۱۷۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۱۷۷۔ ۴۸۳۳۔ ۵۰۱۲، صحیح مسلم: ۱۷۸۶، سنن ترمذی: ۳۲۶۳، موطا امام مالک: ۲۰۴، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴ ص ۱۵۴، کنز العمال: ۲۶۳۶۔ ۲۶۳۵، معالم التنزیل ج ۶ ص ۱۸۷)

نَذَرْتَ کا معنی اور الفتح: ۱ کا مقام نزول

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نذرت کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: تم نے بہت اصرار اور شدت سے سوال کیا۔ (تہذیب اللغت ج ۴ ص ۳۵۴۹)

اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کس جگہ نازل ہوئی، الاکلیل میں مذکور ہے: یہ آیت کراع الغمیم میں نازل ہوئی اور امام محمد سعد

متوفی ۲۳۰ھ نے لکھا ہے: یہ آیت عُسفان میں نازل ہوئی۔
(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۵) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۱ ص ۳۱۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الفتح: ۱ کو اشباع اور ترجیع کے ساتھ پڑھا، اس کی توجیہ

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن سورۃ الفتح کو پڑھا اور اس میں ترجیع کی (یعنی مبینا کے الف کو بہت کھینچ کر پڑھا)۔ (صحیح البخاری: ۷۵۴۰)

امام ابوعبید کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ جمع ہو جائیں گے تو میں اس لہجہ میں اس طرز میں پڑھتا جس طرز اور لہجہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی قراءت کی تھی۔ (فضائل القرآن ص ۱۵۹)

بعض شارحین کا یہ زعم ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور اس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے اور اونٹنی کی حرکت کی وجہ سے آپ کی آواز میں اشباع ہوا یعنی آپ نے انا فتحنا اور مبینا میں الف کو بہت کھینچ کر اور لمبا کر کے پڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بہت حسین تھی اور جب آپ قراءت کرتے تو کھینچ کر پڑھتے اور حروف پر وقف کرتے، اور کہا گیا ہے کہ ہر نبی کو خوش آوازی کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ قراءت میں ترتیل اور خوش آوازی مستحب ہے جیسا کہ قاضی عیاض مالکی نے نقل کیا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۱۶۱، النہایہ ج ۲ ص ۲۰۲)

امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ ترجیع کے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہ تحزین اور تشویق پر محمول ہیں۔ (فضائل القرآن ص ۱۶۴)

قرآن مجید کو خوش آوازی، سر اور ترنم کے ساتھ پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

خوش آوازی اور سریلے لہجے میں قرآن پڑھنے کے متعلق اختلاف ہے، امام مالک اور جمہور علما نے اس کو مکروہ کہا ہے۔
(المدونہ ج ۳ ص ۳۷۹)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خوش آوازی اور سریلے لہجے میں قرآن مجید پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے اور اسی طرح متقدمین نے، کیونکہ اس سلسلہ میں احادیث ہیں اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا رقت اور خشیت الٰہی کا سبب ہے اور لوگ اس کو زیادہ غور سے سنتے ہیں۔ (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۹۱)

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: میں خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کو مکروہ قرار دیتا ہوں اور دوسرے مقام پر کہا: میں اس کو مکروہ نہیں قرار دیتا اور امام شافعی کے اصحاب نے ان مختلف اقوال میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جب خوش آوازی اور سر کے ساتھ پڑھنے کے سبب سے کوئی لفظ نحو اور تجوید کے قواعد سے خارج ہو جائے مثلاً أبی و استکبر کو اس طرح کھینچ کر پڑھے کہ وہ واحد کے بجائے تثنیہ کا صیغہ ہو جائے یا جہاں ادغام نہ ہو وہاں ادغام ہو جائے یا کوئی حرف زیادہ یا کم ہو جائے تو پھر خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے اور جب خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے کسی لفظ کی ادائیگی میں تغیر نہ ہو تو پھر خوش آوازی اور سر کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ (روضۃ الطالبین ج ۱۱ ص ۲۲۷)

امام مالک نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذکار اور قرآن مجید کی تلاوت کو گویوں یعنی گانے والوں کی طرزوں کی مشابہت سے منزہ رکھنا چاہیے کیونکہ قرآن مجید حق اور صدق ہے جب کہ غناء (یعنی گانا) لہو و لعب ہے۔

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم بن القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا جائز نہیں ہے اور ہمیں تمام مشائخ سے تواتر کے ساتھ ایسی قراءت پہنچی ہے جس میں خوش آوازی اور سر نہیں ہوتا تھا اور یہ مشائخ مخارج حروف میں اور مد، ادغام اور اظہار میں بہت زیادہ غور وفکر کرنے والے تھے اور یہ قطعی حکم ہے اور اس لیے کہ خوش آوازی، ترنم اور ترجیع سے قرآن مجید کے کسی حرف میں زیادتی ہوگی یا کمی ہوگی اور یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں تو جو چیز اس ممنوع کا سبب ہو وہ بھی ممنوع ہوگی اور اس وجہ سے خوش آوازی اور ترنم سے پڑھنے سے قرآن مجید اشعار کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اشعار سے منزہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۔ (الحاقہ:۴۱) اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔

(المفہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۲۲۔۴۲۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۲۵۲۔۲۵۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اس اشکال کا جواب کہ سورۃ الفتح کا آپ کو تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کو دنیا سے بھی محبت ہو حالانکہ دنیا محبت کے لائق نہیں

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ آج رات مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جن چیزوں پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ دنیا کی چیزیں ہیں اور اور دنیا کی چیزیں خسیس، گھٹیا اور حقیر ہیں۔ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ دنیا کی یہ حقیر چیزیں بھی آپ کو محبوب ہیں اور یہ سورت ان سے زیادہ محبوب ہے حالانکہ دنیا تو اس لائق نہیں کہ وہ آپ کو محبوب ہو۔ حدیث میں ہے:

دنیا مردار ہے اور لوگ اس کے کتے ہیں: (کشف الخفاء ج ا: ۴۹۳، الدر المنتثر ہ: ۸۵)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس سے زیادہ حقیر ہے: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۴۵، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۳۷)

اس اشکال کے دو جواب ہیں:

(۱) آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ سورت آپ کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔

(۲) آپ کا یہ ارشاد لوگوں کے عرف کے مطابق ہے کیونکہ جب لوگ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کو فلاں چیز سے انتہائی محبت ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ چیز مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۹۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

سورۃ الفتح کے زیادہ محبوب ہونے کی توجیہ

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سورت اس لیے زیادہ محبوب تھی کہ اس سورت میں آپ کی مغفرت کی نوید ہے اور فتح مکہ کی بشارت ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۹۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کا جواب نہ دینے کی توجیہ

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہ اصرار سوال کے باوجود اس لیے جواب نہیں دیا کہ اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۱۹، مکتبۃ الرشد، ۱۴۳۰ھ)

اس اشکال کا جواب کہ یہ سورت حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس وقت تو مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر ہے: (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی فتح عطا فرمائی O (الفتح: ۱)
اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ سورت حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس وقت تو مکہ فتح نہیں ہوا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ ہم نے آپ کے لیے فتح مکہ کا فیصلہ فرما دیا ہے یا آپ سے فتح مکہ کا وعدہ کر لیا ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۲۹، دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۳۔ بَابُ: فَضْلِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ — قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی فضیلت

فِيهِ عَمْرَةُ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔ — اس باب میں عمرۃ کی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت ہے۔

سورۂ اخلاص سے محبت کی وجہ سے جنت کی بشارت اور اس تعلیق کے مطابق دو حدیثیں اور علامہ کرمانی کا رد اور مصنف کی تقریر

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے عمرۃ کی اس روایت کی کتاب التوحید میں سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، اس روایت کا متن حسب ذیل ہے: عمرۃ بنت عبد الرحمٰن جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں پلی تھیں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجا اور وہ اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتا تھا اور نماز میں قراءت کو سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پر ختم کرتا تھا، جب وہ لشکر والے واپس آئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ''یہ کس وجہ سے ایسا کرتا تھا؟'' پس صحابہ نے اس سے سوال کیا تو اس نے کہا: یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے اور میں اس سورت کے پڑھنے کو پسند کرتا ہوں۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو خبر دو کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے''۔ (صحیح البخاری: ۷۳۷۵، صحیح مسلم: ۸۱۳، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۸۱، مشکوٰۃ: ۲۱۳۱، الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۳، تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۵۳۹، تفسیر قرطبی ج ۲۰ ص ۲۴۸)

علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری نے یہاں پر پوری حدیث کی روایت نہیں کی کیونکہ یہ حدیث ان کی شرط کے موافق نہیں تھی اس لیے انہوں نے صراحتاً اس حدیث کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی طرف اجمالی اشارہ کو کافی سمجھا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ کرمانی کا رد کرتے ہیں کہ علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ اس سے غافل تھے کہ عمرۃ کی یہ روایت صحیح البخاری کتاب التوحید میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، نیز یہ حدیث باب صفۃ الصلوٰۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک مرد (حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ) مسجد قباء میں امامت کرتے تھے اور جب بھی نماز میں کسی سورت کو شروع کرتے تو سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو شروع کرتے حتیٰ کہ اس سورت سے فارغ ہو کر پھر دوسری سورت پڑھتے اور وہ اس طرح ہر رکعت میں کرتے تھے، تو ان کے اصحاب (مسجد کی انتظامیہ) نے ان سے بات کی اور کہا: ''آپ

اس سورت کے پڑھنے کو شروع کرتے ہیں، پھر اس سورت کو کافی نہیں سمجھتے حتیٰ کہ دوسری سورت پڑھتے ہیں، پس یا تو آپ صرف یہی سورت پڑھیں یا اس کو چھوڑ دیں اور دوسری سورت پڑھیں''۔ تو انہوں نے کہا: ''میں اس سورت کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، اگر تم کو میری امامت پسند ہے تو میں تمہیں نماز پڑھاؤں گا اور اگر تم کو میری امامت پسند نہیں ہے تو میں تم کو چھوڑ دوں گا''۔ ان کے اصحاب (مسجد کی کمیٹی والے) یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان سب سے افضل ہیں اور وہ ان کے علاوہ کسی اور کو امام بنانا ناپسند کرتے تھے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، تو انہوں نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، آپ نے پوچھا: ''اے فلاں! تمہیں اپنے اصحاب کی بات ماننے سے کیا چیز منع کرتی ہے اور تمہیں ہر رکعت میں اس سورت کے پڑھنے کے لزوم کو کیا چیز برانگیختہ کرتی ہے؟'' انہوں نے کہا: ''میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں''۔ آپ نے فرمایا: ''اس سورت سے تمہاری محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا''۔

(صحیح البخاری: ۷۷۴، سنن ترمذی: ۲۹۰۱، صحیح ابن خزیمہ: ۵۳۷، سنن بیہقی ج ۲ ص ۶۱، المستدرک ج ۱ ص ۲۴۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ہم نے اس حدیث کے فوائد اس حدیث کی شرح میں لکھے ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا عظیم فائدہ یہ ہے کہ سورۂ اخلاص کی محبت سے مومن جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اس میں یہ بشارت مضمر ہے کہ جب قرآن کی محبت سے انسان جنت میں داخل ہو جاتا ہے تو صاحب قرآن کی محبت سے جنت میں کیوں نہیں داخل ہوگا اور اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مومن اپنے اجتہاد سے نماز میں کسی عمل کو لازم کر سکتا ہے بہ شرط یہ کہ کسی حدیث کے خلاف نہ ہو کیونکہ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے نماز میں سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے پڑھنے کو لازم کر لیا تھا اور جب مسجد کی کمیٹی نے ان سے کہا کہ تم یہ سورت پڑھنا چھوڑ دو تو انہوں نے کہا: میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں اس سورت کو نہیں چھوڑ سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحسین کی اور ان کے اس عمل کو مقرر رکھا۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۰۱۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۝﴾ (الاخلاص:۱) يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔ (صحیح البخاری: ۶۶۴۳۔ ۷۳۷۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی صعصعہ از والد خود از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سنا کہ ایک مرد بار بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۝ کو پڑھ رہا تھا، (الاخلاص:۱) پس جب صبح ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس بات کا ذکر کیا اور گویا کہ وہ مرد اس آیت کو کم (مقدار کی) سمجھتا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! یہ آیت ضرور تہائی قرآن کے برابر ہے''۔

حدیث مذکور کی تخریج

(سنن ابوداؤد: ۱۴۶۱، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۷۱، مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۔ ۳۵، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۱، مؤطا امام مالک: ۲۰۸، کنز العمال: ۲۷۴۲، شرح السنہ ج ۴ ص ۴۷۴، الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۹)

حدیث مذکور کے معنی میں متعدد روایات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اسماعیلی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک رات حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی، پھر انہوں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! یہ آیت تہائی قرآن یا نصف قرآن کے برابر ہے''۔
ابوعمر حافظ ابن عبد البر التوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ یہ راوی کو شک ہوا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شک نہیں تھا کیونکہ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر شک کے فرمایا کہ ''یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے''۔ (التمہید ج ۱۹ ص ۲۲۸)
اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ہرگز نہ سوئے حتیٰ کہ تہائی قرآن کو پڑھ لے''۔ صحابہ نے عرض کیا: ہم میں سے کوئی شخص تہائی قرآن پڑھنے کی کیسے طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: ''کیا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ تم قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ اور اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ پڑھو''۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۷)
اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے: سنو! یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۱۲)
یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری کے علاوہ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، ان میں سے حضرت ابی بن کعب ہیں اور حضرت عمر ہیں اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہ ہیں اور حضرت ابن مسعود ہیں اور حضرت ابوالدرداء ہیں اور حضرت ابن عمر ہیں اور حضرت ابوایوب انصاری ہیں اور حضرت ابومسعود انصاری ہیں اور حضرت النعمان بن بشیر ہیں اور حضرت انس ہیں رضی اللہ عنہم۔
(التمہید لابن عبد البر ج ۷ ص ۲۵۸۔۲۵۲)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے تہائی قرآن کے برابر ہونے کے متعلق فقہاء اسلام کی متعدد تاویلات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اور تہائی قرآن کے برابر ہونے کے حسب ذیل معانی ہیں:
(۱) قرآن مجید کے مضامین کی تین قسمیں ہیں: قصص، احکام اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس آیت میں محض اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے، سو یہ آیت مضامین قرآن کی تین قسموں میں سے ایک قسم ہے، لہٰذا یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۲۲۶)
(۲) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھنے کا اجر وثواب تہائی قرآن پڑھنے کے ثواب کے برابر ہے۔
(۳) قرآن مجید کے مضامین تین قسموں سے متجاوز نہیں ہیں: (ا) معرفت رب تعالیٰ (ب) رب تعالیٰ کے اسماء اور (ج) اس کی صفات کی معرفت اور یہ آیت ان تین قسموں میں سے ایک قسم پر مشتمل ہے، لہٰذا یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے، اور بعض علماء نے لکھا ہے: یہ تین اقسام اس طرح ہیں: (ا) قصص، عبرتیں اور مثالیں (ب) امر اور نہی اور ثواب اور عقاب (ج) توحید اور اخلاص۔
(۴) جس مسلمان نے توحید کا اقرار کیا اور خالق کی تصدیق کی۔
حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایک شخص معین کا ارادہ کیا جو اس آیت کو بار بار پڑھ رہا تھا اور اس کی تکرار کر رہا تھا۔ اس شخص نے اس آیت کو اتنی بار پڑھا جو تہائی قرآن کے برابر تھا۔ نیز حافظ ابن عبد البر نے کہا: ہم وہی بات کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اگرچہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ یہ آیت کس اعتبار سے تہائی قرآن کے برابر ہے اور علامہ القابسی

نے کہا ہے کہ شاید جو شخص رات بھر اس آیت کو بار بار دہرا تا رہا تھا اس کو صرف اتنا ہی قرآن یاد تھا اور اس نے اپنے اس پڑھنے کو بہت کم سمجھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس آیت کو پڑھنا تہائی قرآن کو پڑھنے کے برابر ہے'' تا کہ اس مرد کو نیکی کے کام کی ترغیب ہو خواہ وہ عمل مقدار میں کم ہو، اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ کو تھوڑے عمل پر بھی کثیر عمل کا ثواب دیا جاتا ہے۔

(٦) ابن راہویہ نے کہا ہے: اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جس نے قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کو تین مرتبہ پڑھ لیا اس کا یہ پڑھنا پورے قرآن کے پڑھنے کے برابر ہوگا خواہ وہ اس کو سو مرتبہ سے زیادہ پڑھے بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض کلام کا ثواب دوسرے بعض کلام کے ثواب سے بہت زیادہ رکھا ہے تا کہ مسلمان قرآن مجید کو یاد کرنے اور بار بار پڑھنے میں رغبت کریں۔

علامہ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا ہے: جس نے اس حدیث پر اشکال کا جواب نہیں دیا وہ اس کی بہ نسبت نجات پا لے گا جس نے اس کا جواب دیا۔ (التمہید ج۱۹ ص ۲۳۲)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ٦٥٦ ھ نے لکھا ہے:

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے دو ایسے اسموں پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف کمالیہ کو متضمن ہیں اور اس آیت کے علاوہ اور کسی آیت میں ایسے دو اسم نہیں ہیں، ان میں سے ایک اسم الاحد ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس وجود خاص کی خبر دیتا ہے جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے، اور دوسرا اسم الصمد ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف کو متضمن ہے اور اس کا اطلاق اس پر صحیح ہے جس نے حقیقتاً تمام صفات کمال کو جمع کر لیا ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں حقیقتاً تمام صفات کمال جمع نہیں ہیں، پس واضح ہو گیا کہ ان دو اسموں کی جو خصوصیت ہے وہ کسی اور اسم میں نہیں ہے اور چونکہ اس آیت میں یہ خصوصیت ظاہر ہوئی اس وجہ سے یہ آیت تہائی قرآن مجید کے برابر ہے۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۴۲۔۴۴۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

المہلب نے کہا ہے کہ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ پڑھنے والے کو تہائی قرآن مجید پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سورۂ اخلاص باقی دوسری سورتوں سے افضل ہے کیونکہ تمام سورتیں اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہیں اور اگر کسی سورت کو دوسرے سے افضل کہا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ دوسری سورت کم درجہ کی ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کے کسی کلام کا کم درجہ نہیں ہے۔

مسلم بن ابراہیم نے از حسن بن ابی جعفر از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: ''جس نے قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کو دو سو مرتبہ پڑھا اس کے دو سو سال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے''۔ اس حدیث کی روایت میں حسن بن جعفر متفرد ہے۔ (فضائل القرآن لابن الضریس: ۲۵۷، شعب الایمان للبیہقی: ۲۵۴۶، تاریخ بغداد ج ٦ ص ۱۸۷)

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور حسن بن ابی جعفر کوئی قابل ذکر شخص نہیں ہے اور الصفدی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف راوی ہے اور امام نسائی نے کہا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ (العلل المتناہیہ: ۱۵۲)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۸۵۔۸۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھنے والے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی حضرت قتادہ بن نعمان تھے اور سننے والے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ تھے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے سنا کہ ایک مرد قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۝ پڑھ رہا ہے (الاخلاص: ۱) اور اس کو بار بار دہرا

رہا ہے گویا کہ وہ مرد اس سورت کو کم (مقدار کی) سمجھ رہا تھا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام احمد نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ایک رات پوری رات تک قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ (الاخلاص:۱) پڑھتے رہے اور اس آیت پر کوئی اضافہ نہیں کیا، الحدیث۔
اور جنہوں نے اس سے سنا تھا وہ شاید حضرت ابو سعید ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں کیونکہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ان کے ماں شریک بھائی ہیں، اور وہ دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے اس بات کو وثوق کے ساتھ کہا ہے۔
امام دارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو رات کو تہجد کی نماز پڑھتا ہے اور وہ صرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ پڑھتا ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس مرد نے اس آیت کو کم سمجھا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے اس کی تنقیص کی بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اس کو پڑھنے میں کم عمل ہوتا ہے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے"۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۸۔۱۹۷، ملخصاً دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)
علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے بھی اس حدیث کی یہی شرح کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تیسیر القاری ج ۵ ص ۴ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۵۰۱۴۔ وَزَادَ أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَخِي قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ مِنَ السَّحَرِ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝) (الاخلاص:۱) لَا يَزِيدُ عَلَيْهَا فَلَمَّا أَصْبَحْنَا أَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ۔

اور ابو معمر نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ہمیں اسماعیل بن جعفر نے یہ حدیث بیان کی ہے از مالک بن انس از عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی صعصعہ از والد خود از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ مجھے میرے بھائی قتادہ بن النعمان نے یہ خبر دی کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سحری کے وقت قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ (الاخلاص:۱) پڑھ رہا تھا اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کر رہا تھا، پس جب ہم نے صبح کی تو وہ مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ اس حدیث کی مثل۔

اس حدیث سے یہی مراد ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ (الاخلاص:۱) کو پڑھنے والے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے۔

۵۰۱۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ وَالضَّحَّاكُ الْمَشْرِقِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضى الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِأَصْحَابِهِ أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ فِي لَيْلَةٍ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ وَقَالُوا أَيُّنَا يُطِيقُ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ ثُلُثُ الْقُرْآنِ قَالَ الْفِرَبْرِيُّ: سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے اور ضحاک المشرقی نے حدیث بیان کی از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ رات میں تہائی قرآن پڑھے؟" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ شاق گزرا

أبي حاتم وَرَّاقِ أبي عبدِالله يقولُ قال أبو عبدِالله: عن إبراهيمَ مُرسَلٌ وعن الضَّحَّاكِ المشرقيِّ مُسنَدٌ

اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟ تب آپ نے فرمایا: ''اللہ الواحد الصمد تہائی قرآن ہے''۔ الفربری نے کہا: میں نے ابوجعفر محمد بن ابی حاتم وراق ابو عبداللہ سے یہ سنا ہے، وہ کہتے تھے: امام ابو عبداللہ نے کہا: از ابراہیم مرسل روایت ہے، اور از الضحاک المشرقی مسند روایت ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(مسند احمد ج ۴ ص ۳، ج ۸ ص ۴۴۲، ۱۲۲، سنن دارمی ج ۲ ص ۴۶۱، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۲۵۵، صحیح بخاری: ۵۰۱۵، مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۷، مسند دارمی ج ۲ ص ۴۶۰، تاریخ اصفہان ج ۲ ص ۱۱-۲۸۶)

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اور ان کی سوانح

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ مکہ کی گھاٹی (العقبہ) میں پہنچ کر اسلام لائے تھے اور غزوۂ بدر، احد اور باقی تمام مشاہد میں حاضر تھے۔ یہ حضرت رافع بن مالک کے مدینہ آنے کے بعد مدینہ آئے تھے۔ اور یہ اکثر اپنے گھر میں قرآن مجید پڑھتے تھے۔ غزوۂ احد میں ان کی آنکھ نکل گئی تھی، اور ان کی اس وقت نئی نئی شادی ہوئی تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ کے ڈھیلے کو اپنے دست مبارک سے پکڑا، پھر اس کو اس کی جگہ پر لوٹا دیا، پھر اس کو اپنی چادر مبارک سے دبایا، پھر دعا کی: ''اے اللہ اس کو حسن و جمال عطا فرما'' ان کی وہ آنکھ ان کے رخسار پر لٹک گئی تھی اور ان کے اصحاب اسے کاٹنا چاہ رہے تھے، پھر ان کی وہ آنکھ ان کی دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین تھی اور اس کی بینائی دونوں آنکھوں میں سے سب سے زیادہ تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۲۵۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۸، تاریخ دمشق ج ۴۹ ص ۲۷۹)

حضرت قتادہ بن نعمان کے چچا حضرت رفاعہ بن زید بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ وہی ہیں جن کی زرہ اور ان کے طعام کو بنو ابیرق نے چرایا تھا، جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۔ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں۔ (النساء: ۱۰۷)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ایک اندھیری رات میں جب بجلی چمک رہی تھی اور بارش ہو رہی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''جب تم واپس جاؤ تو میرے پاس آنا''، پس جب حضرت قتادہ واپس گئے تو آپ نے ان کو ایک درخت کی شاخ عطا کی، پھر آپ نے فرمایا: ''اس کو پکڑ لو، پس یہ عنقریب روشن ہوگی اور تمہارے آگے اور پیچھے دس دس فرشتے ہوں گے''۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۸، صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۶۰)

فتح مکہ کے دن حضرت قتادہ کے پاس بنوظفر کا جھنڈا تھا اور یہی وہ صحابی ہیں جو رات کو تہجد میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (الاخلاص: ۱) پڑھ رہے تھے اور اس کی مقدار کو کم سمجھ رہے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے عاصم بن عمر بن قتادہ المحدث ہیں۔ (معرفۃ الصحابہ: ۲۴۶۳، الاستیعاب: ۲۱۳۱-۲۴۷، الاصابہ: ۷۰۷۶)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تیئس (۲۳) ہجری میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور ان کے

بھائی حضرت ابوسعید الخدری اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما اور حضرت الحارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ ان کی قبر میں اترے تھے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۸۷۔۸۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی یہی تاریخ وفات ذکر کی ہے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال: ۵۴۳۷، تہذیب التہذیب: ۵۷۳۷، تقریب التہذیب: ۶۲۰۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھ احادیث روایت کی ہیں اور امام بخاری نے ان میں سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۵۹ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کے تہائی قرآن ہونے کے متعدد محامل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی موفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا ہے، پس انہوں نے کہا: قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ قرآن مجید کے معانی کے اعتبار سے قرآن مجید کا تیسرا حصہ ہے اور اس کی تائید امام ابوعبیدۃ کی اس روایت سے ہوتی ہے، انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: انہوں نے کہا: ''قرآن مجید کے تین اجزاء ہیں اور قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ قرآن مجید کے اجزاء میں سے ایک جز ہے''۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ قرطبی کی عبارت نقل کی ہے جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے''۔ اس سے مراد صرف حضرت قتادہ بن نعمان کی قراءت ہے کیونکہ وہ اس رات میں اس آیت کو بار بار دہرا رہے تھے، تو آپ نے اس پڑھنے کو تہائی قرآن کے برابر قرار دیا جب کہ اس کو دہرایا نہ گیا ہو۔

علامہ القابسی نے کہا ہے: ہوسکتا ہے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو اس آیت کے علاوہ اور کوئی آیت یاد نہ ہو۔ اسی لیے وہ اس آیت کو ساری رات بار بار پڑھتے رہے اور انہوں نے اس کی قراءت کی مقدار کو کم سمجھا۔

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ عالم اپنے اصحاب کو مسائل کی تعلیم دے اور کسی لفظ سے وہ معنی مراد لیا جائے جو متبادر نہ ہو کیونکہ تہائی قرآن سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ حجم میں تہائی قرآن کے برابر ہو حالانکہ یہ مراد نہیں ہے۔

بعض دوسری سورتوں کے متعلق نصف قرآن یا ربع قرآن ہونے کی روایات

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ہے'' اور ''الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے''۔

اور امام ترمذی اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روات کی ہے کہ ''الکافرون اور النصر ان میں سے ہر ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور اذا زلزلت چوتھائی قرآن کے برابر ہے''۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آیت الکرسی چوتھائی قرآن کے برابر ہے، اور یہ حدیث ضعیف ہے اگرچہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور یہ امام ترمذی کا تساہل ہے، کیونکہ اس حدیث کا تعلق فضائل اعمال سے ہے اور اس حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک ضعیف راوی ہے اور وہ سلمہ ہے۔ اسی طرح امام حاکم نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حالانکہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی یمان بن المغیرۃ ہے اور وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

(فتح الباری ج ٦ ص ١٩٩۔ ١٩٨، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا پڑھنا تہائی قرآن مجید پڑھنے کے برابر ہے'' اس حدیث کے متعلق دیگر شراح بخاری کی تقاریر

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے اس حدیث کی شرح میں وہی لکھا ہے جس کو ہم پہلے علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر سے نقل کر چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٤٧۔ ٤٦، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ١٠٧٣ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید کے مضامین کی تین قسمیں ہیں: قصص، احکام اور صفات باری، اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہے اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ اس سورت کی آیات ان پر بھی مشتمل ہے اور اس سے زیادہ صفات پر بھی مشتمل ہے اور یہ سورۃ الحشر کی ان تین آیتوں کی مثل ہے: ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو (الی اخرہ)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کے پڑھنے کا ثواب تمام قرآن پڑھنے کے تہائی ثواب کے برابر ہے، اور اللہ عزوجل کم مقدار کے عمل کے اوپر زیادہ عمل کا ثواب عطا فرماتا ہے اور اس آیت کے تہائی قرآن کے برابر ثواب کی تخصیص کی وجہ کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہم لوگ ناقص فہم ہیں اپنے قیاس سے اس کی توجیہ نہیں کر سکتے۔ (تیسیر القاری ج ٥ ص ٤، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ٥٩٧ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جس مسلمان نے توحید کا اقرار کیا اور خالق کی تصدیق کی تو وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے تہائی قرآن کو پڑھ لیا اور اس کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا۔ اس تاویل کو امام ابن عقیل نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا: اس کی یہ تاویل جائز نہیں ہے کہ جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھ لیا اس کو تہائی قرآن کا ثواب مل جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس نے قرآن مجید کو پڑھا اس کو ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں ملیں گی''۔ (الدرالمنثور ج ١ ص ٢٢، کنز العمال: ٢٣٩٦)

(کشف المشکل علی صحیح البخاری ج ٦ ص ٣٢٨، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ١٣١٨ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہم نے لکھا ہے: جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھا اس کو تہائی قرآن پڑھنے کا اجر ملے گا، لیکن امام ابن عقیل نے اس کو ضعیف قرار دیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے قرآن کو پڑھا اس کو قرآن کے ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملیں گی''۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ١١ ص ٣٢١، مکتبہ الرشد، ریاض، ١٤٣٠ھ)

شیخ ابوالعباس تقی الدین ابن تیمیہ حنبلی متوفی ٧٢٨ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ثواب کی دو قسمیں ہیں: ایک ثواب اصلی ہے اور دوسرا وہ ثواب ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے بڑھا چڑھا کر عطا فرماتا ہے، سو جو شخص قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کرتا ہے اس کو اس کا اصلی ثواب بھی ملے گا اور وہ ثواب بھی ملے گا جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بڑھا چڑھا کر عطا فرماتا ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا اجر اصلی تہائی قرآن مجید کے برابر ہے۔ (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ج ١٧ ص ١٢٣، مطبوعہ ریاض)

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو ایک مرتبہ پڑھا تو اس کو تہائی قرآن مجید پڑھنے کا اجر ملے گا، دوسری بار پڑھا تو پھر اس کو اسی طرح تہائی قرآن مجید کا اجر ملے گا اور تیسری بار پڑھا تو وہی اجر تیسری بار ملے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ تین مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھنے سے اس کو پورا قرآن مجید پڑھنے کا اجر وثواب مل جائے گا۔

(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۱۷ ص ۱۳۸ مطبوعہ، ریاض)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کے اس حدیث کے ترجمہ پر مصنف کی گرفت

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

یعنی سننے والے آدمی نے اس سورت کو قلیل سمجھا کہ یہ تو چھوٹی سی سورت ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! یہ سورت تو ثلث قرآن کے برابر ہے''۔

(کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۷۷، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے یہ غلط ترجمہ کیا ہے، کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ پڑھنے والے صحابی یعنی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بار بار صرف یہ آیت پڑھ رہے تھے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (الاخلاص:۱) اس آیت میں ان کے سورت پڑھنے کا ذکر نہیں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ''یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے بلکہ آپ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ کے متعلق فرمایا کہ یہ تہائی قرآن کے برابر ہے''۔

دراصل عوام میں اس طرح مشہور ہے کہ سورۂ اخلاص کو پڑھنے کا اجر تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اسی اعتبار سے اس حدیث کا ترجمہ کیا ہے، حالانکہ وہ اپنے حلقہ میں ماہر شیخ الحدیث بتائے جاتے ہیں تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ تحقیق کر کے اور متعدد شروح کا مطالعہ کر کے اس حدیث کا ترجمہ کرتے نہ کہ عوامی زبان کے اعتبار سے اس کا ترجمہ کرتے۔

علماء غیر مقلدین کا غلط ترجمہ اور اس پر مصنف کی گرفت

شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم اس پروردگار کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے''۔

(تیسیر الباری ج ۵ ص ۳۲)

حالانکہ حدیث میں سورت کا لفظ نہیں ہے اِنَّهَا کا لفظ ہے اور ضمیر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ کی طرف راجع ہے۔ اسی طرح انہوں نے اس کے بعد دوسری حدیث کے ترجمہ میں لکھا ہے: یعنی سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ تہائی قرآن کے برابر ہے جب کہ حدیث میں سورت کا لفظ نہیں ہے بلکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں اللہ الواحد الصمد تہائی قرآن ہے۔

اسی طرح دوسرے غیر مقلد عالم شیخ داؤد راز میواتی نے بھی شیخ وحید الزمان کی نقل میں غلط ترجمہ کیا ہے اور لکھا ہے:

وہ رات کو سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ بار بار پڑھ رہے ہیں۔ (ترجمہ وشرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۱۵۴۱، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۴ء)

حالانکہ اس حدیث میں سورت کا لفظ مذکور نہیں ہے، صرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ کے الفاظ ہیں۔

۱۴۔ بَابٌ: فَضْلِ الْمُعَوِّذَاتِ — المعوذات کی فضیلت کا بیان

۵۰۱۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا اشْتَكَى يَقْرَأُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفُثُ فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ بِيَدِهِ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوتے تو خود پر المعوذات پڑھ کر دم کرتے، پس جب آپ کا درد شدت اختیار کر گیا تو میں معوذات کو پڑھ کر آپ پر دم کرتی اور آپ کے اوپر آپ کا ہاتھ پھیرتی تا کہ آپ کے ہاتھ کی برکت حاصل ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳۹ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۱۶، صحیح مسلم: ۲۱۹۲، سنن ابوداؤد: ۳۹۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۹، مسند احمد: ۲۶۲۴۹، شرح السنہ ج ۵ ص ۲۲۵، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴، کنز العمال: ۱۸۳۶۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۷، کتاب الاذکار للنووی: ۱۲۳، مشکاۃ: ۱۵۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۶، تاریخ کبیر ج ۴ ص ۱۱۳: ۳۵۴، معالم التنزیل ج ۷ ص ۳۲۶، الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۷ - ۴۱۴)

نَفْثَہٗ کا معنی اور المعوذات کا مصداق

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نَفْثَہٗ کا لفظ ہے اور نفث کا معنی ہے: لعاب دہن کی کم سے کم چھینٹیں یعنی اس طرح دم کرے کہ لعاب کی معمولی چھینٹیں بھی نہ نکلیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ: اس طرح دم کرے کہ اس سے لعاب دہن کی چھینٹیں نہ نکلیں، اور المعوذات سے مراد ہے: سورۃ الفلق اور سورۃ الناس، اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ المعوذات سے مراد ہے: سورۃ الاخلاص اور سورۃ المعوذتین۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۱ ص ۶۲۷ - ۶۲۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بیماری میں اور سونے سے پہلے اپنے اوپر المعوذات پڑھ کر دم کرنے کا سنت ہونا

نیز علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے جو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا ہے آپ کے اس فعل میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان اپنی بیماری میں اور سوتے وقت معوذات کو پڑھ کر دم کرے اور جس چیز سے بھی وہ نیند میں ڈرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر چند ایسی آیات نازل کی گئی ہیں جن کی مثل نہیں سنی گئی''۔ (تفسیر عبدالرزاق: ۳۷۵۹، صحیح مسلم: ۸۱۴)

نیز حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ان کو پڑھ کر پناہ طلب کرو کیونکہ ان کی مثل سے پناہ نہیں طلب کی گئی''۔
(سنن نسائی ج ۸ ص ۲۵۴، صحیح مسلم: ۸۱۴) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۱۷ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں المفضل بن فضالہ نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان

لَیْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا فَقَرَأَ فِيهِمَا ﴿قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ۝﴾ وَ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۝﴾ وَ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۝﴾ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

(صحیح البخاری:۵۰۱۷، سنن ابوداؤد:۵۰۵۶، سنن ترمذی:۳۴۰۲، سنن ابن ماجہ:۳۸۷۵)

کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات اپنے بستر پر جاتے تو اپنی دو ہتھیلیوں کو جمع کرتے، پھر ان میں دم فرماتے، پھر ان میں پڑھتے قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۝، پھر ان دونوں ہتھیلیوں کو جہاں تک وہ جا سکتیں ان کو اپنے جسم پر پھیرتے، ان کو پھیرنے کی ابتداء اپنے سر اور اپنے چہرے سے کرتے اور جو آپ کے جسم کے سامنے کا حصہ ہوتا، اور آپ یہ فعل تین مرتبہ کرتے۔

اس اشکال کا جواب کہ اس حدیث میں پہلے ہتھیلیوں پر دم کرنے کا ذکر ہے اور پھر المعوذات کو پڑھنے کا ذکر ہے اور اس کا یہ جواب کہ اس حدیث میں راوی کو سہو ہوا ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر تین سورتوں کو پڑھتے، شاید کہ اس روایت میں راوی کو سہو ہوا ہے کیونکہ آپ پہلے ان تین سورتوں کو پڑھتے تھے تاکہ قرآن مجید کی برکت حاصل ہو، پھر اس کے بعد ہتھیلیوں پر دم فرماتے تھے، علامہ طیبی نے یہ کہا ہے کہ: صحیح روایت پر طعن اور اعتراض کرنا جائز نہیں ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے اور ان پر دم کرنے کا عزم فرماتے، پھر ان سورتوں کو پڑھتے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝ (النحل:۹۸)

پس (اے رسول مکرم!) جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں○

اس آیت سے بھی بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قرآن مجید کی تلاوت کریں، پھر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھیں حالانکہ قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب آپ قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کریں تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھیں۔ اسی طرح اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب آپ اپنی ہتھیلیوں پر دم کرنے کا ارادہ فرماتے تو ان سورتوں کو پڑھتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۰۔۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس اشکال کا جواب کہ اس حدیث میں پہلے ہتھیلیوں پر دم کرنے کا ذکر ہے اور پھر المعوذات کو پڑھنے کا ذکر ہے اور اس کا یہ جواب کہ یہ فاء تفسیر یہ ہے

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس حدیث میں سورتوں کے پڑھنے سے پہلے دم کرنے کا ذکر ہے حالانکہ قراءت دم کرنے پر مقدم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں فاء تفسیر یہ ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ۔ (ہود:۴۵)

اور نوح نے اپنے رب کو ندا کی تو کہا: اے میرے رب!

سو اسی طرح پہلے جو ہتھیلیوں پر دم کرنے کا ذکر ہے اس کی تفسیر بعد میں مذکور ہے کہ آپ یہ تین سورتیں پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر دم کرتے تھے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۹۲، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ نے بھی علامہ طیبی کا جواب ذکر کیا ہے۔
(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۲۴، مکتبۃ الرشد، ۱۴۳۰ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کو المعوذات میں تغلیباً شامل کرنا اور مصنف کا اس پر تعاقب

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

معوذات میں تغلیباً قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ (کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۸۰، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

میں کہتا ہوں: ہر چند کہ عقل اور درایت کا تقاضا یہ ہے کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ سے پہلے چونکہ اعوذ کا کلمہ نہیں ہے اس لیے اس کا معوذات میں تغلیباً شمار ہو، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کو بھی معوذات میں شمار فرمایا ہے اس لیے روایت کا تقاضا یہ ہے کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کا المعوذات میں حقیقتاً شمار ہو۔

جس حدیث میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کو بھی معوذات میں شمار فرمایا ہے وہ درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: میں ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو چلا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے عقبہ! کہو''، پس میں نے غور سے سنا، پھر آپ نے فرمایا: ''اے عقبہ! کہو''، پھر میں نے غور سے سنا، پھر آپ نے فرمایا: ''اے عقبہ! کہو''، تو میں نے غور سے سنا، پھر میں نے عرض کیا: میں کیا کہوں؟ تو آپ نے فرمایا: ''قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ حتیٰ کہ آپ نے یہ سورت پڑھ کر اس کو ختم کیا''، پھر آپ نے پڑھا: ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' اور میں نے بھی آپ کے ساتھ پڑھا حتیٰ کہ آپ نے اس سورت کو ختم کر دیا، پھر آپ نے پڑھا: ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پس میں نے بھی یہ آپ کے ساتھ پڑھا حتیٰ کہ آپ نے اس سورت کو ختم کر لیا، پھر آپ نے فرمایا: ''ان سورتوں کی مثل کے ساتھ کسی نے پناہ طلب نہیں کی''۔

(سنن نسائی ج ۸ ص ۲۵۱، سنن نسائی: ۵۴۴۶۔۵۴۴۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اصحاب السنن الثلاث، امام احمد، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ان سورتوں کے ساتھ تعوذ کرو'' (پناہ طلب کرو) کیونکہ اس کی مثل کے ساتھ تعوذ نہیں کیا گیا۔ دوسری روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: ''المعوذات کو ہر نماز کے ساتھ پڑھو'' پھر آپ نے ان سورتوں کا ذکر کیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۰۔۱۹۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ المعوذات میں تغلیباً شامل ہے (فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۹) تو میں کہوں گا کہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حجت ہے نہ کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول، اور ابن حجر عسقلانی کو بھی یہ نہیں لکھنا چاہیے تھا کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ المعوذات میں تغلیباً شامل ہے جب کہ صریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ سے تعوذ کرنے کا حکم دیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان احادیث کی تصریح کی ہے۔

۱۵۔ بَابُ: نُزُوْلِ السَّكِيْنَةِ وَالْمَلَائِكَةِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ — قرآن مجید کی قراءت کے وقت سکینہ اور ملائکہ کا نازل ہونا

۵۰۱۸۔ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يَزِيْدُ بْنُ الْهَادِ عَنْ — اور لیث نے کہا: مجھے یزید بن الہاد نے حدیث بیان کی از محمد بن

مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهُ مَرْبُوطَةٌ عِنْدَهُ إِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَتَتْ فَقَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ وَسَكَتَتِ الْفَرَسُ ثُمَّ قَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهُ يَحْيَى قَرِيبًا مِنْهَا فَأَشْفَقَ أَنْ تُصِيبَهُ فَلَمَّا اجْتَرَّهُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى مَا يَرَاهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ قَالَ فَأَشْفَقْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنْ تَطَأَ يَحْيَى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيبًا فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَانْصَرَفْتُ إِلَيْهِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ فَخَرَجْتُ حَتَّى لَا أَرَاهَا قَالَ وَتَدْرِي مَا ذَاكَ قَالَ لَا قَالَ تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا لَا تَتَوَارَى مِنْهُمْ قَالَ ابْنُ الْهَادِ وَحَدَّثَنِي هَذَا الْحَدِيثَ عَبْدُ اللهِ بْنُ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ۔

ابراہیم از اسید بن حضیر، انہوں نے کہا: جس وقت وہ رات کو سورۃ البقرۃ پڑھ رہے تھے اور ان کے پاس ان کا گھوڑا بندھا ہوا تھا تو اچانک ان کا گھوڑا بدکنے لگا تو وہ خاموش ہو گئے، پس گھوڑا بھی پر سکون ہو گیا، وہ پھر پڑھنے لگے تو گھوڑا پھر بدکنے لگا، وہ پھر خاموش ہوئے تو گھوڑا بھی پر سکون ہو گیا، انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر بدکا، پس وہ مڑ گئے اور ان کا بیٹا یحییٰ اس گھوڑے کے قریب تھا تو ان کو خطرہ ہوا کہ ان کے بیٹے کو گھوڑے سے کوئی ضرر نہ پہنچے، پھر انہوں نے بچہ کو وہاں سے کھینچ لیا اور اپنا سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا حتیٰ کہ انہیں کوئی چیز دکھائی نہیں دی، پھر جب صبح ہوئی تو انہوں نے نبی ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: "اے ابن حضیر! پڑھو، اے ابن حضیر! پڑھو"، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس سے ڈرا تھا کہ وہ گھوڑا یحییٰ کو روند ڈالے گا اور یحییٰ اس کے قریب تھا، پس میں نے اپنا سر اٹھایا اور یحییٰ کی طرف مڑا، پھر میں نے اپنا سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو وہاں پر بہت سے چراغ سائبان کی مثل تھے، پس میں وہاں سے نکل آیا حتیٰ کہ میں نے ان کو نہیں دیکھا" آپ نے پوچھا: تم جانتے ہو وہ کیسے چراغ تھے" انہوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: "وہ ملائکہ تھے جو تمہاری آواز کی وجہ سے قریب آ گئے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح کو سب لوگ ان ملائکہ کی طرف دیکھتے اور وہ ان سے نہ چھپ سکتے"۔ ابن الہاد نے کہا: مجھے عبداللہ بن خباب نے یہ حدیث بیان کی از حضرت ابوسعید الخدری اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۱۸، صحیح مسلم: ۷۹۶، مسند احمد: ۱۱۷۶۶، المستدرک: ۵۵۳، مصنف عبدالرزاق: ۴۱۸۳-۴۱۸۲، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۷۷، تاریخ کبیر للبخاری ج ۵ ص ۵۱۳، کنز العمال: ۳۶۸۱۴-۲۴۳۴-۲۴۳۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۲۴۴-۸۰۷۴-۸۰۱۶)

قرآن مجید کی تلاوت کے وقت سکینہ اور ملائکہ کے نزول میں تلازم

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں سکینہ اور فرشتوں کے نزول دونوں کا ذکر کیا ہے، گویا کہ امام بخاری کے نزدیک قرآن مجید کے پڑھنے کے وقت ان دونوں کے لزوم میں تلازم ہے اور یہ کہ سائبان میں جو چراغ دکھائی دے رہے تھے وہی سکینہ تھے

اور وہ چراغ ہمیشہ فرشتوں کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے بنو آدم سے قرآن کریم سننے کو پسند کرتے ہیں، خصوصاً ان مسلمانوں سے جو خوش آواز ہوں اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ خوش آواز تھے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو قرآن مجید سننے کی حرص ہوتی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: ''اگر تم قرآن پڑھتے رہتے تو صبح کو تمام مسلمان فرشتوں کو دیکھتے''۔ نیز ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس گھر میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہو وہ گھر آسمان والوں کے لیے اس طرح روشن ہو جاتا ہے جس طرح ستارے زمین والوں کے لیے روشن ہوتے ہیں اور فرشتے اس گھر میں حاضر ہوتے ہیں''۔ (شعب الایمان: ۱۹۸۲، سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۲۹)

(۳) اس حدیث میں قرآن مجید کو حفظ کرنے اور تہجد میں قرآن مجید کو پڑھنے اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنے کی دلیل ہے۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بنو آدم کے لیے فرشتوں کو دیکھنا جائز ہے جب کہ فرشتے ایسی صورت میں ہوں جس صورت میں آدمیوں کے لیے ان کو دیکھنا ممکن ہو جیسا کہ غزوۂ بدر میں صحابہ نے فرشتوں کو دیکھا، اور حضرت جبریل علیہ السلام مرد کی صورت میں آکر آپ سے کلام کرتے تھے اور بہت مرتبہ حضرت جبریل آپ کے پاس حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے تھے، جیسا کہ صحیح البخاری: ۳۶۳۴ اور صحیح مسلم: ۲۴۵۱ میں اس کی صراحت ہے۔

(۵) مومنین کے لیے فرشتوں کا دکھائی دینا رحمت ہے اور کفار کے لیے فرشتوں کا دکھائی دینا عذاب ہے۔

(۶) اس میں یہ دلیل ہے کہ سکینہ کوئی جاندار چیز ہے یا ایسی چیز ہے جس میں روح ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید کو سننا ان ہی سے متصور ہو سکتا ہے جو ذوی العقول ہوں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۹۵۔ ۹۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کے عنوان کی وضاحت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں سکینہ اور فرشتوں کے نزول دونوں کو جمع کیا ہے اور اس باب کی حدیث میں سکینہ کا ذکر نہیں ہے اور اس سے پہلے سورۃ الکہف کی فضیلت میں جو حدیث گزری ہے اس میں ملائکہ کے نزول کا ذکر نہیں ہے، پس شاید کہ امام بخاری کی یہ رائے تھی کہ ان دونوں حدیثوں کا قصہ ایک ہو اور شاید کہ امام بخاری نے اس باب کی حدیث میں سکینہ کے ذکر سے سائبان کا ارادہ کیا ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس عنوان کا تقاضا یہ ہے کہ سکینہ ہمیشہ فرشتوں کے ساتھ نازل ہوتے ہیں، اور اس سے پہلے باب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ سکینہ کی کیا تعریف ہے اور علامہ نووی نے سکینہ کے متعلق کیا کہا ہے۔

حضرت اسید بن حضیر کے قرآن مجید پڑھنے کے وقت نزول سکینہ کی مختلف روایات اور ان میں تطبیق

حضرت ابی بن کعب بن مالک نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: جس وقت حضرت اسید رات کو سورۃ البقرۃ پڑھ رہے تھے۔

اور ابن ابی لیلیٰ کی روایت میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر نے کہا: جب میں سورت پڑھ رہا تھا اور اس کو ختم کر کے آخر میں پہنچا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسید نے جس سورت سے پڑھنا شروع کیا تھا اس کو ختم کر لیا تھا۔

اور ابراہیم بن سعد کی روایت میں ہے کہ جس وقت وہ اپنے کھلیان میں قرآن پڑھ رہے تھے جس میں کھجوریں رکھی ہوئی تھیں، اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے گھر کی ایک جانب میں گھوڑا بندھا ہوا تھا جس سے ان کو یہ خطرہ ہوا کہ وہ ان کے بچہ کو روند ڈالے گا۔

یہ حدیث اس روایت کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت اسید گھر کی چھت پر قرآن پڑھ رہے تھے، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ گھر کی چھت سے مراد یہ ہو کہ وہ گھر کے باہر قرآن پڑھ رہے تھے جہاں قرآن تھا، پھر یہ روایات متحد ہو جائیں گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرآن پڑھنے کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ قرآن پڑھتے رہو نہ اس وقت جب وہ یہ قصہ سنا رہے تھے

اس حدیث میں مذکور ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے حضیر! پڑھو''۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جب حضرت اسید یہ قصہ آپ کو سنا رہے تھے اس وقت آپ نے ان کو قرآن پڑھنے کا حکم دیا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں اس وقت کی صورت حاضر تھی جب وہ قرآن پڑھ رہے تھے اور آپ نے اسی وقت کے متعلق فرمایا کہ قرآن پڑھتے رہو، گویا کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی قراءت جاری رکھو تا کہ فرشتوں کے نازل ہونے کی برکت دائماً تمہارے ساتھ جاری رہے اور حضرت اسید بن حضیر نے قراءت منقطع کرنے کے متعلق اپنا عذر بیان کیا کہ مجھے یہ خطرہ تھا کہ گھوڑا میرے بچہ کو روند ڈالے گا۔ حضرت اسید نے پہلی بار اپنے بچہ کو گھوڑے کے پاس سے نہیں کھینچا کیونکہ اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے، پس انہوں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے پر اکتفاء کیا اور تین بار سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور ان کو چراغوں کی شکل میں سکینہ نظر آئی، پھر جب سورۂ بقرۃ پوری پڑھنے کے بعد انہوں نے نماز ختم کر لی تو پھر اپنے بچہ کو گھوڑے کے پاس سے کھینچ لیا۔

حضرت اسید بن حضیر کی خوش آوازی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: تمہاری آواز سن کر فرشتے قریب آ گئے تا کہ تم سے قرآن کریم سنیں۔

اور ابن کعب کی روایت میں ہے کہ حضرت اسید خوش آواز تھے۔

اسماعیلی سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت اسید سے فرمایا: ''اے اسید! تم پڑھتے رہو کیونکہ تمہیں آل داؤد کی مزامیر سے حصہ دیا گیا ہے''۔

حدیث مذکور کے فوائد و مسائل

(۱) علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اس امت کے افراد فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ علامہ نووی نے مطلقاً کہا ہے لیکن اس میں یہ قید لگانی ضروری ہے کہ اس امت کے نیک مرد فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں، اور وہ مرد فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں جو خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھتے ہوں۔

(۲) اس حدیث سے قرآن مجید پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو پڑھنا نزول رحمت اور فرشتوں کے حاضر ہونے کا سبب ہے۔

میں (سعیدی غفرلہ) کہتا ہوں: اس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۞ (بنی اسرائیل:۷۸) بے شک فجر کی نماز کے وقت قرآن پڑھنے میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں O

(۳) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: فرشتوں کا حاضر ہونا اور سکینہ کا نازل ہونا اس خاص سورت کو خاص طریقے سے پڑھنے کی وجہ سے تھا اور اگر یہ علی الاطلاق ہوتا تو ہر قرآن پڑھنے والے کے لیے یہ حاصل ہوتا۔

(۴) اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اگر تم پڑھتے رہتے تو سب فرشتے حاضر ہوتے اور کوئی فرشتہ چھپ نہ سکتا، یعنی فرشتوں کی عادت لوگوں سے چھپنا ہے لیکن وہ قرآن سننے کے لیے اپنی عادت کے خلاف ظاہر ہو گئے۔

(۵) اس حدیث میں حضرت اسید بن حضیر کی فضیلت ہے اور تہجد کی نماز میں سورۃ البقرۃ پڑھنے کی فضیلت ہے اور نماز کو خشوع کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت ہے، کیونکہ حضرت اسید نے اپنے بچہ کو گھوڑے کے پاس سے نہیں ہٹایا اگرچہ نماز کی حالت میں ایسا کرنا مباح تھا، لیکن اس سے خیر کثیر فوت ہو جاتی اس لیے انہوں نے اپنے خشوع کو برقرار رکھا اور نماز کی محبت بچہ کی محبت پر غالب رہی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۱۔ ۲۰۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی اور شیخ نور الحق حنفی نے بھی اسی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۱، تیسیر القاری ۵ ص ۷۔ ۶)

حدیث مذکور کی دیگر شراح سے کی ہوئی شرح

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کی بہ طور تعلیق ابن الہاد سے روایت کی ہے اور فضائل قرآن میں امام ابو عبید نے اس کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۳۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل حنفی متوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس باب کے عنوان میں سکینہ کے نزول اور فرشتوں کے نازل ہونے دونوں کا ذکر ہے اور حدیث میں صرف فرشتوں کا ذکر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سکینہ سے مراد فرشتے ہیں۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۹۷، دار احیاء التراث، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اَلظُّلَّة کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: سائبان اور اس سے مراد بادل ہے جس میں چراغوں کی مثلیں تھیں (یعنی فرشتوں کے چہرے) اور ان کے ساتھ فرشتے تھے۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ۱۱ ص ۳۲۴، مکتبۃ الرشد، ۱۴۳۰ھ)

۱۶۔ بَابُ: مَنْ قَالَ لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ

جو قرآن اب دو گتوں کے درمیان میں ہے نبی ﷺ نے صرف اسی کو چھوڑا تھا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی نبی ﷺ نے صرف اسی قرآن کو چھوڑا ہے جو اب مصحف میں ہے۔ اس عنوان سے امام بخاری کی یہ مراد نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے جمع شدہ قرآن کو دو گتوں کے درمیان چھوڑا کیونکہ یہ ان احادیث کے خلاف ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابو بکر

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے قرآن کو جمع کیا تھا اور یہ عنوان رافضیوں کے اس زعم کو رد کرنے کے لیے ہے کہ حاملین قرآن کے فوت ہو جانے سے اکثر قرآن جاتا رہا اور یہ وہ چیز ہے جس کو رافضیوں نے اس لیے گھڑ لیا ہے تاکہ ان کا یہ دعویٰ صحیح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق تھے اور قرآن مجید میں ان کی امامت کی تصریح تھی جس کو صحابہ نے چھپا لیا تھا اور ان کا یہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ صحابہ نے تو اس حدیث کو بھی نہیں چھپایا جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''۔

(صحیح البخاری:۳۷۰۶، صحیح مسلم:۲۴۰۴)

توجب صحابہ نے اس حدیث کو نہیں چھپایا جس میں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی صریح فضیلت ہے تو ان کی امامت کے متعلق قرآن مجید کی آیت کو کیسے چھپا لیتے، اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے متعلق کوئی آیت ہوتی تو ان کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ اس کو ضرور ظاہر کرتے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو ضرور ظاہر کر دیتے کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عم زاد تھے اور تمام لوگوں سے زیادہ ان کی اطاعت کرتے تھے اور ان کے احوال پر مطلع تھے۔(فتح الباری ج۶ ص ۲۰۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

دَفَّتَيْن: کالفظ دَفَّةٌ کا تثنیہ ہے۔اس کا معنی ہے، پہلو، اور سواری کے اوپر جو زین ڈالی ہوئی ہوتی ہے اس زین کی جو دو طرفیں لٹکی ہوئی ہوتی ہیں ان کو بھی دف کہتے ہیں۔(المغرب) دَفَّة الشی کا معنی ہے: ہر چیز کا پہلو اور دَفَّتَيْن کا معنی ہے: ہر چیز کے دو پہلو، ڈھول کے ہر دو رخ کے چمڑے جن پر بجانے کے لیے ضربیں لگائی جاتی ہیں۔(المنجد ص ۳۲۷)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اور اس سے یہاں پر مراد مصحف کی دو جانبوں میں دو جلدیں یا دو گتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے علاوہ بہت زیادہ احادیث کو بھی چھوڑا ہے تو یہ کس طرح صحیح ہوگا کہ آپ نے صرف اسی چیز کو چھوڑا ہے جو مصحف کے دو گتوں کے درمیان ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو قرآن مجید کے سوا لکھا ہوا نہیں چھوڑا یا جس کو آپ کے حکم سے لکھا گیا ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ باب کتابۃ العلم میں یہ حدیث گزری ہے کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی چیز لکھی ہوئی ہے تو انہوں نے کہا: نہیں صرف قرآن مجید لکھا ہوا ہے یا وہ فہم جو ہر مسلمان مرد کو عطا کی گئی ہے یا جو اس صحیفہ میں ہے۔(صحیح البخاری:۱۱۱) اس کا یہ جواب دیا گیا ہے، شاید اس صحیفہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نہیں لکھا گیا تھا۔

علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے: اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بعض لوگ یہ زعم کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کی وصیت کی تھی تو حضرت ابو جحیفہ نے یہ سوال کیا تھا کیا: آپ کے پاس خلافت کی وصیت سے متعلق کوئی چیز لکھی ہوئی ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں، میرے پاس تو صرف قرآن مجید لکھا ہوا ہے، اور اس میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کا تعلق امامت کی وصیت سے ہو۔علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ بہت عمدہ جواب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۱۹۔حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَشَدَّادُ بْنُ مَعْقِلٍ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما فَقَالَ لَهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن رفیع، انہوں نے کہا: میں اور شداد بن معقل حضرت

شَدَّادُ بْنُ مَعْقِلٍ أَتَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ شَيْءٍ قَالَ مَا تَرَكَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ قَالَ وَدَخَلْنَا عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ مَا تَرَكَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، پس ان سے شداد بن معقل نے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز چھوڑی ہے؟ تو انہوں نے کہا: آپ نے صرف اسی چیز کو چھوڑا ہے جو مصحف کے دو گتوں کے درمیان ہے۔ عبدالعزیز بن رفیع نے کہا، پھر ہم محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اور ہم نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی چیز کو چھوڑا ہے جو مصحف کے دو گتوں کے درمیان میں ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تو ایک صحیفہ لکھا ہوا بھی تھا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کتاب العلم میں یہ حدیث گزری ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے پاس صرف اللہ کی کتاب ہے اور جو کچھ اس صحیفہ میں لکھا ہوا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس صحیفہ میں جو احکام لکھے ہوئے تھے ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اس صحیفہ میں انہوں نے وہ احکام لکھے ہیں جن کو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن حنفیہ نے یہ کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مصحف کو چھوڑا ہے اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا امامت کے احکام سے تعلق ہو۔ اس مصحف میں وہی لکھا ہوا ہے جو اب لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

قرآن مجید کی منسوخ التلاوت آیات

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت سے یہ ثابت ہے کہ قرآن مجید کی کچھ آیتیں نازل ہوئیں، پھر ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی، بعض آیات کا حکم باقی رہا اور بعض آیات کا حکم باقی نہیں رہا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی تھی:

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ۔

بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو یقینی طور پر سنگسار کرو۔

پھر بعد میں اس آیت کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور اس کا حکم باقی رہا۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو ستر (۷۰) قاری بئر معونہ میں شہید کر دیئے گئے تھے ان کے متعلق یہ آیت قرآن مجید میں نازل ہوئی تھی:

بلغوا عنا قومنا انا لقد لقینا ربنا۔

ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ بے شک ہم نے اپنے رب سے ملاقات کر لی۔

اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلے سورۃ الاحزاب سورۃ البقرۃ کے برابر تھی یعنی اس کی کچھ آیتوں کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور یہ تمام احادیث صحیح ہیں اور ان میں سے کوئی چیز اس باب کی حدیث کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ تمام وہ آیات ہیں جن کی تلاوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں منسوخ ہوگئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مصحف کو چھوڑا وہ یہی ہے جو اب

ہمارے پاس ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٢٠٢، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس مصحف کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں چھوڑی تھیں

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ٨٩٣ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس مصحف کو چھوڑا جو دو گتوں کے درمیان ہے۔ اس پر اعتراض ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار چھوڑے تھے اور خچر چھوڑا تھا اور فدک کی زمین کو چھوڑا تھا اور ان سب چیزوں کو آپ نے صدقہ بنایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کی غرض یہ تھی کہ رافضی جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چند علوم کے ساتھ خاص کر لیا تھا، آیا اس کی کوئی اصل ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سائل کی غرض کو جان کر اس کے سوال کے موافق جواب دیا۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو انہوں نے اپنی تلوار کی میان میں رکھا ہوا تھا تو میں کہوں گا کہ روافض کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی امامت کے متعلق وصیت لکھی ہوئی تھی اور اس صحیفہ میں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا صرف دیت سے متعلق اور قیدیوں کو چھڑانے کے متعلق احکام تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت محمد بن حنفیہ کا یہ قول روافض کے خلاف بہت قوی حجت ہے، کیونکہ یہ دونوں حضرات حضرت علی کے بہت قریب تھے۔ اور یہ امام بخاری کی خوبی ہے کہ وہ روافض کے خلاف بہ طور حجت ان دونوں کا قول لائے۔

(الکوثر الجاری ج ٨ ص ٣٩٨۔ ٣٩٧، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٩ھ)

١٧۔ بَابُ: فَضْلِ الْقُرْآنِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ — قرآن مجید کی باقی تمام کلاموں پر فضیلت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان درج ذیل حدیث سے ثابت ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس شخص کو قرآن مجید کی تلاوت نے میرے ذکر سے مشغول رکھا اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا اس کو میں سوال کرنے والوں سے زیادہ افضل عطا کرتا ہوں اور اللہ کے کلام کی فضیلت باقی کلاموں پر اس طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت باقی مخلوق پر ہے“۔

اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں سوائے عطیہ العوفی کے، اس میں ضعف ہے۔

(سنن ترمذی: ٢٩٢٦، تاریخ کبیر ج ٢ ص ١٥، حلیۃ الاولیاء ج ٥ ص ١٠٦، سنن دارمی ج ٢ ص ٤٤١، الترغیب والترہیب ج ٢ ص ٣٤٥، اتحاف السادۃ المتقین ج ٤ ص ٤٧٥، ج ٥ ص ٧، الاسماء والصفات للبیہقی ص ٢٣٨)

نیز امام ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قرآن مجید کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوق پر ہے“۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عمر بن سعید الاشج ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (الکامل لابن عدی ج ٦ ص ٩٨، مسند ابو یعلیٰ: ٢٩٤، سنن دارمی: ج ٢ ص ٤٤١، کنز العمال: ٢٣٠١)

اور امام ابن الضریس نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور قرآن کو سکھائے“ پھر آپ نے فرمایا: ”قرآن کی فضیلت تمام

کلاموں پر اس طرح ہے جس طرح اللہ کی فضیلت اس کی خلق پر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اس کی صفت ہے''۔

(سنن ترمذی: ۲۹۰۹، سنن دارمی: ۳۳۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۰۳، مسند البزار: ۶۹۸، فضائل القرآن لابن الضریس: ۱۳۶، الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۶۱۴، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۵۹، زیادۃ المسند ج ۱ ص ۱۵۳) (فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اس کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۲۰۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ أَبُو خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَالَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا

(صحیح البخاری: ۵۰۲۰، ۵۰۵۹، ۵۴۲۷، ۵۷۶۰، صحیح مسلم: ۷۹۷، مسند احمد: ۱۹۶۸۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبۃ بن خالد ابو خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ''جو (مومن) قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال سنگترہ (نارنگی) کی طرح ہے، اس کا ذائقہ بھی لذیذ ہے اور اس کی خوشبو بھی پسندیدہ ہے اور جو (مومن) قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی طرح ہے اس کا ذائقہ تو لذیذ ہے اور اس میں خوشبو نہیں ہے اور جو فاسق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانہ (پھول) کی طرح ہے، اس کی خوشبو تو پسندیدہ ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور جو فاسق قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن کی طرح ہے اس کا ذائقہ بھی کڑوا ہے اور اس کی خوشبو بھی نہیں ہے''۔

قرآن مجید پڑھنے کے فضائل اور اس کی ترغیب کے متعلق مزید احادیث اور آثار

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی ﷺ نے قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال سنگترہ کے ساتھ دی ہے جس کا ذائقہ بھی لذیذ ہوتا ہے اور خوشبو بھی پسندیدہ ہوتی ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید تمام کلاموں سے افضل ہے، اور قرآن مجید کے فضائل میں اور اس کی تلاوت کی ترغیب میں متعدد احادیث وارد ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ''جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملے گی اور اس نیکی کا اجر دس گنا ہوگا اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے''۔ (سنن ترمذی: ۲۹۱۰، سنن دارمی: ۳۳۵۱، الصحیحۃ للالبانی: ۳۳۲۷)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صاحب قرآن سے کہا جائے گا: قرآن پڑھو اور درجات پر چڑھو اور اس طرح قرآن کی تلاوت کر جس طرح دنیا میں قرآن کی تلاوت کرتا تھا کیونکہ تمہارا ٹھکانا وہاں ہے جہاں تم قرآن مجید کی آخری آیت پڑھو گے''۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۶۴، سنن ترمذی: ۲۹۱۴، الصحیحۃ للالبانی: ۲۲۴۰)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''جنت کے درجات قرآن مجید کی آیات کے برابر ہیں، جس نے تہائی قرآن پڑھا اس کو تین درجات ملیں گے اور جس نے نصف قرآن پڑھا اس کو نصف درجات ملیں گے اور جس نے پورا قرآن پڑھا وہ اعلیٰ علیین میں ہوگا یا صدیق کی منزل میں ہوگا یا شہید کی منزل میں ہوگا''۔

(تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۳۵۶۔۳۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۹۴۳، شعب الایمان: ۱۹۹۸)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن اور روزہ اپنے صاحب کی قیامت کے دن شفاعت کریں گے، پس روزہ کہے گا: اے میرے رب! بے شک میں نے دن میں اس کے کھانے اور پینے کو روک دیا، پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا: میں نے اس کی رات کی نیند کو روک دیا، پس اس کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما، پس دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی''۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۴، المستدرک ج ۱ ص ۵۵۴، امام حاکم نے اس حدیث کی مسلم کی شرط کے موافق روایت کی ہے)

(۵) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''قیامت کے دن جب مسلمان کی قبر شق ہوگی تو قرآن اپنے پڑھنے والے سے اس طرح ملاقات کرے گا جس طرح جوان مرد ہو پس وہ کہے گا کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا میں تم کو نہیں پہچانتا۔ قرآن کہے گا: میں تیرا وہ صاحب ہوں جو قرآن ہے جس نے تمہیں گرمیوں میں پیاسا رکھا اور جس نے تمہیں رات میں بیدار رکھا اور بے شک ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوتا ہے اور بے شک تم ہر تجارت کے پیچھے ہو۔ پھر فرشتہ اس کو اپنا دایاں ہاتھ دے گا اور بائیں ہاتھ سے حلہ دے گا اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھے گا اور اس کے والدین کو دو حلے پہنائیں جائیں گے جو ان کے پاس دنیا میں نہیں تھے وہ کہیں گے یہ حلے ہمیں کیوں پہنائے گئے ہیں تو ان سے کہا جائے گا کیونکہ تمہارے بیٹے نے قرآن حفظ کیا تھا۔ پھر اس قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا تم قرآن پڑھتے جاؤ اور جنت کے درجات اور بالا خانوں میں چڑھتے جاؤ۔ پھر وہ جب تک قرآن پڑھتا رہے گا جنت کے درجات میں چڑھتا رہے گا''۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۰۳۶، سنن دارمی: ۳۳۴۳، احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس کو ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا''۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۲۹۔۵۲۸، شعب الایمان: ۲۷۰۶، صحیح الترغیب للالبانی: ۱۴۳۵، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۰۱۔۹۹، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

قرآن پڑھنے والے مومن کی سنگترہ کے ساتھ تشبیہ کی توجیہ اور سنگترہ کے فوائد

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مومن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال سنگترہ کی طرح ہے، اس کا ذائقہ لذیذ ہے اور اس کی خوشبو عمدہ ہے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی صفت کو ذائقہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اور تلاوت کی صفت کو خوشبو کے ساتھ مخصوص کیا ہے کیونکہ ایمان مومن کو قرآن سے زیادہ لازم ہے کیونکہ قرآن کو پڑھنے کے بغیر ایمان کا حصول ممکن ہے۔ اسی طرح سے ذائقہ جوہر کے لیے خوشبو سے زیادہ لازم ہے۔ کئی مرتبہ جوہر کی خوشبو چلی جاتی ہے اور اس کا ذائقہ باقی رہتا ہے، پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنگترہ کے ساتھ مثال دینے کی حکمت یہ ہے کہ یہ وہ پھل ہے جس میں ذائقہ بھی ہے اور اس میں خوشبو بھی ہے جیسے سیب کے چھلکوں سے دواء بنائی

جاتی ہے اور وہ فرحت پیدا کرتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس گھر میں سنگترے ہوں جنات اس گھر کے قریب نہیں جاتے، اس لیے سنگتروں کے ساتھ قرآن کو تشبیہ دینا زیادہ مناسب تھا، کیونکہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہو وہاں جنات نہیں جاتے، اور سنگتروں کے پھانکوں کا غلاف سفید ہے جو مومن کے دل کے مشابہ ہے اور سنگتروں کے بہت فوائد ہیں جو طب کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ان میں سے بعض یہ ہیں کہ: سنگترہ زود ہضم ہوتا ہے اور اس کا رس دماغ کی کارکردگی میں اضافہ کرتا ہے، صالح خون پیدا کرتا ہے، اعصاب، مسوڑوں اور ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے وغیرہا۔

اس حدیث میں دو قسموں کا بیان ہے: وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا، اور وہ شخص جو نہ عمل کرتا ہے اور نہ قرآن پڑھتا ہے، اور یہ دونوں قسمیں منافق کے حال کے مشابہ ہیں، پس آپ نے اول کی تشبیہ ریحانہ کے ساتھ دی ہے اور ثانی کی تشبیہ اندرائن کے ساتھ دی ہے اور آپ نے منافق کے ذکر پر اکتفاء کر لیا اور آخری دو قسموں کو ذکر فرما دیا۔

(فتح الباری ج ٦ ص ٢٠٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

سنگترہ کا مزاج اس کے خواص اور اس کے وٹامن

سنگترہ کا مزاج سرد و تر بہ درجہ سوم ہے۔ یہ صفرا کو قطع کرتا ہے، مفرح اور مسکن ہے، حرارت جسمانی کو کم کرتا ہے، ہوا کی زہریلی تاثیر کو زائل کرتا ہے۔اس سے چہرے میں چمک پیدا ہوتی ہے۔اس میں وٹامن سی زیادہ مقدار میں ہے۔

(المفردات ص ٢٩٥، شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ١٩٩١ء)

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کی چار قسمیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معقول چیز کو محسوس چیز کے ساتھ تشبیہ دی، پھر اللہ تعالیٰ کے کلام مجید کے ذریعے بندے کے باطن اور ظاہر میں تاثیر ہوتی ہے اور بندے اس تاثیر کے ظہور میں مختلف ہیں، پس بعض بندوں کو اس تاثیر میں سے زیادہ حصہ ملتا ہے اور وہ مومن قاری ہے اور بعض وہ ہیں جن کو اس سے بالکل حصہ نہیں ملتا اور وہ منافق حقیقی ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے ظاہر میں اثر ہوتا ہے اور باطن میں اثر نہیں ہوتا اور یہ ریا کار ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے باطن میں اثر ہوتا ہے اور ظاہر میں اثر نہیں ہوتا، یہ وہ ہیں جو قرآن مجید کی بالکل تلاوت نہیں کرتے۔

سنگترہ کے ساتھ مثال دینے کی وجوہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید پڑھنے والے مومن کی سنگترہ کے ساتھ اس لیے مثال دی ہے کہ یہ تمام پھلوں میں سب سے افضل پھل ہے اور اس میں بہ کثرت صفات مطلوبہ ہیں اور خواص ہیں۔ایک یہ ہے کہ اس کا سائز بڑا ہوتا ہے اور یہ خوبصورت ہے، اس کا ذائقہ لذیذ ہے اور چھونے میں نرم ہے۔اس کا رنگ ایسا ہے جس کو دیکھ کر دیکھنے والے خوش ہوتے ہیں اور طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس سے دماغ اور معدے کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔اس سے قوت باصرہ، قوت ذائقہ، قوت شامہ اور قوت لامسہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے، پھر اس کے اجزاء کی مختلف تاثیرات ہیں، اس کا چھلکا گرم خشک ہے اور اس کا گودا گرم تر ہے اور اس کی گٹھلی سرد خشک ہے اور اس میں اور بہت فوائد ہیں۔(عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٥٤۔٥٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

دیگر شراح بخاری نے اس حدیث کی شرح میں کوئی نئی اور اضافی بات نہیں لکھی۔(سعیدی غفرلہ)

۵۰۲۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّمَا أَجَلُكُمْ فِي أَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَمَغْرِبِ الشَّمْسِ وَمَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِي إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى الْعَصْرِ عَلَى قِيرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارَى ثُمَّ أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ مِنَ الْعَصْرِ إِلَى الْمَغْرِبِ بِقِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ قَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقَلُّ عَطَاءً قَالَ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ قَالُوا لَا قَالَ فَذَاكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ شِئْتُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت (عبداللہ) بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری مدت گزشتہ امتوں کی بہ نسبت اتنی ہے جتنا عصر کی نماز اور غروب آفتاب کی نماز کے درمیان وقت ہوتا ہے اور تمہاری مثال اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس طرح ہے جس طرح کسی مرد نے چند کام کرنے والوں کو اجرت پر کام کرنے کے لیے بلایا ہو، سو اس نے کہا: جو میرے لیے نصف النہار (دوپہر) تک کام کرے گا اس کو ایک ایک قیراط اجرت ملے گی، پس یہود نے عمل کیا، پھر اس مرد نے کہا: میرے لیے نصف النہار سے لے کر عصر تک کون ایک قیراط اجر کے عوض کام کرے گا تو نصاریٰ نے عمل کیا، پھر تم ہو جنہوں نے عصر سے مغرب تک دو دو قیراط اجر کے عوض عمل کیا، تو یہود اور نصاریٰ نے کہا: ہم نے عمل زیادہ کیا ہے اور ہمیں اجرت کم دی ہے، تو اس شخص نے کہا: کیا میں نے تم کو تمہارے حق سے کم دیا ہے، انہوں نے کہا: نہیں! تو اس شخص نے کہا: پس یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہوں عطا کروں''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۵۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۲۶۸۔۲۲۶۹۔۳۴۵۹، سنن ترمذی: ۲۸۷۱، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۵۶۵۔۲۰۹۱۱، سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۱۸، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۸۲۰، تفسیر طبری ج ۲۷ ص ۲۴۴، مسند ابویعلیٰ: ۵۸۳۸، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۶۴۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۲۸۵، المعجم الصغیر للطبرانی: ۵۳، صحیح ابن حبان: ۶۶۳۹، تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۱، مسند احمد ج ۲ ص ۶، رقم الحدیث: ۴۵۰۸، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۱۷۶)

اس امت کے تمام اعمال کا وقت دوسری امتوں کے اعمال کے وقت سے کم ہے

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گزشتہ امتوں کا کیا مرتبہ تھا۔ اور یہ امت جس کی عمر سب سے کم ہے اور جس کے اعمال بھی سب سے کم ہیں اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ہے، اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا۔ امام بخاری نے تکلف کے ساتھ اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عمل کا وقت غروب آفتاب تک ہے اور اس وقت میں جو سب سے قریب عمل ہے وہ نماز عصر ہے اور یہ بہ طریق اشارہ ہے نہ بہ طریق تصریح کیونکہ اس حدیث میں مثال بیان فرمائی ہے اور اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ نماز عصر کا وقت نہیں بیان فرمایا بلکہ اس حدیث سے مراد

اس امت کے تمام اعمال ہیں خواہ وہ پانچ وقت کی نمازیں ہوں یا دوسری عبادات ہوں اور اس مدت کی بقاء قیامت تک رہے گی۔
اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عصر کی نماز پہلے وقت میں پڑھنا آخیر وقت میں پڑھنے سے افضل ہے۔ (المتواری ص ۹۴۔ ۹۲)

یہود اور نصاریٰ کے زمانہ کی مدت

حضرت ابوموسیٰ کی حدیث میں مذکور ہے کہ یہود کے عمل کا زمانہ طویل ہے اور نصاریٰ کی مدت پر زیادہ ہے، کیونکہ ایک روایت کے مطابق حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار چھ سو بتیس سال کا عرصہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ (تاریخ طبری ج ۱ ص ۴۹۵)

اور امام ابن اسحاق نے کہا ہے: ان کے درمیان ایک ہزار نو سو انیس سال کا عرصہ ہے، اور امام ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے، پس اسی وجہ سے یہود نے اول نہار سے ظہر کے وقت تک عمل کیا اور نصاریٰ نے ظہر کے وقت سے لے کر عصر کے وقت تک عمل کیا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہود کا زمانہ نصاریٰ کے زمانہ پر مقدم ہے جب کہ یہود کا عمل طویل تھا اور نصاریٰ کا عمل ان سے کم تھا، پس رہا مسلمانوں کا عمل تو آپ نے اس کو اس مثال میں عصر سے مغرب تک کو قرار دیا، اور اس کی مدت ان سب کی مدت سے کم ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ دنیا کی بقا کی مدت سات ہزار سال ہے مگر یہ قول ضعیف ہے

علامہ سہیلی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: دنیا کی مدت سات دن ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری دن میں مبعوث ہوئے ہیں۔ (الروض الانف ج ۲ ص ۲۹۵)
امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ دنیا کی مدت سات ہزار سال ہے، اس میں سے چھ ہزار دو سو سال گزر چکے ہیں۔ (تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۵)
علامہ سخاوی نے لکھا ہے: ہر وہ حدیث جس میں قیام کے وقت کی مدت معین طور سے بیان کی گئی ہے اس کی سند ثابت نہیں ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ ج ۱ ص ۱۹۳، الضعیفہ للالبانی: ۳۶۱۱)
علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: قیامت کے وقوع کا وقت اس غیب کے ساتھ خاص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص کر لیا کیونکہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ نے فرمایا: جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اس بات کو سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ (صحیح البخاری: ۵۰)

محققین علماء اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وقت وقوع قیامت کا علم دیا گیا ہے

میں کہتا ہوں کہ محققین نے یہ تصریح کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں (بارش کب ہوگی، کل کیا ہوگا، کون کہاں مرے گا، ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور قیامت کب واقع ہوگی) کا علم عطا فرمایا (سعیدی غفرلہ) اور حسب ذیل علماء نے اس کی تصریح کی ہے:

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:
جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ کے بغیر ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔
(المفہم ج ۱ ص ۱۵۶، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدر الدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ احمد قسطلانی، ملا علی قاری اور شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی علامہ قرطبی کی اس عبارت کا ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ا ص ۲۹۰، فتح الباری ج ا ص ۱۲۴، ارشاد الساری ج ا ص ۱۳۸، مرقاۃ ج ا ص ۶۵، فتح الملہم ج ا ص ۱۷۲)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ (سورۂ بنی اسرائیل کی) آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ فرمایا ہو، قیامت کے علم کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳)

علامہ احمد قسطلانی شافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۲۰۳)

علامہ زرقانی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

علم قیامت اور باقی ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورۂ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے علماء نے یہی کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا اور آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا۔ (شرح المواہب اللدنیہ ج ا ص ۲۶۵)

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کا بھی علم دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۱۹، بیروت، الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۵، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ لکھتے ہیں:

علماء کرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے متعلق مطلع نہیں فرمایا لیکن آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا۔ (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۱۵، دار احیاء الکتب العربیہ، مصر)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقت وقوع قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو۔

(روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۱۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے خواہ وہ رسل ملائکہ ہوں یا رسل بشر۔

(شرح المقاصد ج ۵ ص ۶، ایران)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت قائم ہونے کے وقت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا، ہاں! ان کو مطلع فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سب رسول ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں فرمایا بلکہ جائز ہے کہ مطلع فرمایا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا حکم آپ کو نہ دیا ہو اور بعض علماء نے علم قیامت کے متعلق بھی یہی کہا ہے۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۰، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

سیدی عبدالعزیز دباغ عارف کامل فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی ہوگا حالانکہ آپ کی امت شریفہ میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب تصرف نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو ان پانچ چیزوں کی معرفت نہ ہو۔ (الابریز ص ۴۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔ (خالص الاعتقاد ص ۴۳، امام احمد رضا اکیڈمی، کراچی)

جھگڑا ختم کرنا چاہیے اور یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں تحریف کی طرف اشارہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھگڑا منقطع کرنا چاہیے اور لوگوں سے تھکاوٹ کو زائل کرنا چاہیے۔

یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہمیں تمہاری اجرت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریف کر دی اور احکام شرعیہ کو تبدیل کر دیا اور کام ختم ہونے سے پہلے کام کو منقطع کر دیا تو وہ پوری اجرت سے محروم کر دیئے گئے کیونکہ جس کام پر ان کو اجرت ملتی تھی انہوں نے وہ کام پورا نہیں کیا۔ (اعلام الحدیث ج ۱ ص ۴۴۳)

قیراط کا وزن

قیراط کا وزن نصف دانق ہے یعنی درہم کا چھٹا حصہ، القزاز نے کہا: یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے: قرط فلان علی العطاء۔ جب کوئی شخص کسی کو بہت کم چیز دے۔ (الصحاح ج ۳ ص ۱۱۵۱)

میں کہتا ہوں کہ: علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ نے لکھا ہے: قیراط کی جمع قراریط ہے، اکثر شہروں میں قیراط دینار کا بیسواں حصہ ہے، اس سے مراد کسی چیز کا چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے، قیراط کا وزن بارہ (۱۲) چاولوں کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک قیراط دینار کے بیس اجزاء میں سے ایک جز ہے اور ہر قیراط تین دانوں کے برابر ہے اور ہر دانہ چار چاولوں کے برابر ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دانہ دو جو کے برابر ہے اور ایک جو دو جوار کے برابر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

(لسان العرب ج ۱۲ ص ۷۳، دار صادر، بیروت (مختار الصحاح ص ۳۱۱) عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یہود و نصاریٰ کو کم اجرت دینے سے امت مسلمہ کو زیادہ اجرت دینے کی توجیہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت مسلمہ تمام امتوں سے افضل ہے کیونکہ امت مسلمہ کو کم عمل کے باوجود زیادہ اجر دیا گیا اور ان کو اس لیے فضیلت دی ہے کہ ان کی تصدیق قوی ہے اور انہوں نے اصل دین کو محفوظ رکھا ہے اگر چہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں ان کے نفسانی تقاضوں کی وجہ سے بہت کوتاہیاں اور لغزشیں بھی ہوئی ہیں، جس کی تلافی وہ اپنے گناہوں کے اعتراف اور ان پر توبہ کے ذریعہ کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف یہودی اللہ تعالیٰ سے معاندانہ روش رکھتے تھے جیسا کہ انہوں نے کہا:

يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۳۸)

اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا: بے شک تم جہالت کی باتیں کرتے ہو ○

اور جب ان کو قوم جبارین سے جہاد کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کہا:

يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ (المائدہ: ۲۴)

اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ (جبارین) اس زمین میں ہیں، سو آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں اور (ان سے) جنگ کریں بے

شک ہم یہیں بیٹھیں رہیں گے O

میں کہتا ہوں: نصاریٰ کی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا معبود بنالیا تھا۔ (سعیدی غفرلہ) قرآن مجید میں ہے::

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ (المائدہ:۱۷)
بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا: یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

حدیث مذکور سے فقہاء احناف کا یہ استدلال کہ عصر کی نماز کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایا زوال کا سایا نکالنے کے بعد دو مثل کے برابر ہو جائے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نصاریٰ نے یہ کہا کہ ہم نے ان سے زیادہ عمل کیا ہے اور یہ قول اس وقت صحیح ہوگا جب یہ فرض کیا جائے کہ عصر کا وقت دو مثل سائے سے شروع ہوتا ہے، پھر ظہر سے عصر تک کا وقت دگنا ہوگا اور عصر سے مغرب تک کا وقت اس کا آدھا ہوگا اور تب حدیث میں مذکور نصاریٰ کا یہ اعتراض درست ہوگا کہ ہم نے عمل ان سے زیادہ کیا ہے اور اجر ہم کو کم ملا ہے۔ (سعیدی غفرلہ) نیز اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: "ٹھنڈے وقت میں، ٹھنڈے وقت میں، یا فرمایا: انتظار کرو، انتظار کرو" اور فرمایا: "گرمی کی شدت دوزخ کے جوش سے ہے، پس جب شدید گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا"۔

(صحیح البخاری: ۵۳۵، صحیح مسلم: ۶۱۶، سنن ابوداؤد: ۴۰۱، سنن ترمذی: ۱۵۸، موطا امام مالک: ۲۸، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۴۴۵، صحیح ابن خزیمہ: ۳۹۴، صحیح ابن حبان: ۱۵۰۹، سنن بیہقی ج ۱ ص ۴۳۸، شرح السنہ: ۳۶۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول برحق ہے خواہ آپ بہ طور مثال فرمائیں یا بہ طور احکام

علامہ جوینی نے کہا ہے کہ جن احادیث میں امثال بیان کی گئی ہیں ان سے احکام شرعیہ کو مستنبط کرنا صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ جوینی کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ شارع علیہ السلام حق بات کے سوا اور کچھ نہیں فرماتے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۱۰ ص ۳۲۲، دار المعرفہ بیروت)

یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں امت مسلمہ کو دگنا اجر ملنا

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کے لیے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو مشروع کیا تاکہ لوگ اس پر عمل کریں یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث کیے جائیں، سو انہوں نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے، پس آپ نے یہود و نصاریٰ کو بھی اسلام کے احکام پر عمل کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کیا اور نافرمانی کی، پس اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو لے آیا، پس انہوں نے اسلام کے احکام پر عمل کیا، پس ان کو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اجر ملتا رہے گا جیسا کہ اس حدیث میں ہے: مسلمانوں نے عصر سے لے کر غروب آفتاب تک پورا دن عمل کیا تو ان کو یہود اور نصاریٰ دونوں کا اجر مل گیا۔ یہود اور نصاریٰ کو ایک ایک قیراط اجر دیا گیا اور امت مسلمہ کو دو قیراط اجر دیا گیا، اور یہود میں سے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت

تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کیا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تو ان کو دو اجر ملیں گے اور اسی طرح سے جو نصاریٰ ہمارے نبی علیہ السلام پر بھی ایمان لائے ان کو بھی دو اجر ملیں گے جیسا کہ صحیح البخاری: ۹۷ میں اس کی تصریح ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۶ ص ۲۰۷۔۲۰۶ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن ملقن کا احناف پر رد اور مصنف کی طرف سے جواب

علامہ ابن ملقن نے فقہاء احناف کی اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث سے عصر کی نماز کے وقت کی ابتدا دو مثل سائے سے شروع کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث سے مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ کے اعمال یہود و نصاریٰ کے اعمال سے زیادہ ہیں نہ کہ آپ کا مقصد نماز کے اوقات بیان کرنا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۰۴، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: یہ علامہ ابن ملقن کا تحکم ہے یعنی ان کا اپنی طرف سے حکم لگانا ہے اور ان کی ذاتی رائے ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نصاریٰ نے کہا تھا کہ ہم نے کام زیادہ کیا ہے اور ہم کو اجرت کم ملی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۲۱) اور ان کا زیادہ کام کرنا اس کو مستلزم ہے کہ انہوں نے زیادہ وقت تک کام کیا ہو، اور اگر عصر کا وقت ایک مثل سائے سے شروع ہو تو ظہر اور عصر کا وقت برابر ہوگا اور ان کا زیادہ کام اسی صورت میں ہوگا جب وہ زیادہ وقت میں کام کریں اور زیادہ وقت تب ہی ہوگا جب عصر کا وقت دو مثل سائے کے بعد شروع ہو اور ظہر کا وقت دو مثل سائے تک ہو تب یہ ہو سکے گا کہ یہود اور نصاریٰ نے زیادہ وقت میں زیادہ کام کیا ہو اور امت مسلمہ نے کم وقت میں کم کام کیا ہو، پس واضح ہو گیا کہ زیادہ کام کرنا زیادہ وقت کو مستلزم ہے اور یہ فقہاء احناف کی عصر کے وقت پر بہت قوی دلیل ہے کہ اس کی ابتداء دو مثل سائے کے بعد ہوتی ہے، اور علامہ ابن ملقن رحمہ اللہ تو الگ رہے کسی شافعی فقیہ سے بھی اس دلیل کا جواب نہیں بن سکا، خصوصاً جب کہ ہم نے اس کی تائید میں صحیح البخاری: ۵۳۵، صحیح مسلم: ۶۱۶، وغیرہا کو بھی پیش کیا ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ مر چکے تھے ان کے عاجز ہونے کا کیا معنی ہے اور جو دین میں تحریف کر چکے تھے ان کو ایک قیراط اجر دینے کا بھی کوئی معنی نہیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: اہل تورات کو تورات دی گئی تو انہوں نے نصف النہار تک اس پر عمل کیا، پھر وہ عاجز ہو گئے تو ان کو ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انہوں نے عصر تک کام کیا، پھر وہ عاجز ہو گئے اور انہیں بھی ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر ہمیں قرآن دیا گیا اور ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا اور ہمیں دو دو قیراط دیئے گئے تو دونوں کتابوں والوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ان کو دو دو قیراط دیئے ہیں اور ہم کو ایک ایک قیراط دیا ہے حالانکہ ہم نے زیادہ عمل کیا ہے تو اللہ عزوجل نے فرمایا: کیا میں نے تمہارے اجر میں کوئی کمی کی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! فرمایا: پھر یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہوں عطا کروں۔ (صحیح البخاری: ۵۵۷)

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے یہ لکھا ہے کہ اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ ان میں سے جو اسلام پر مر چکے تھے ان کو تو عجز کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کو جو احکام دیئے گئے تھے ان پر انہوں نے عمل کر لیا، اور اگر یہود و نصاریٰ سے وہ مراد ہیں جو اپنے دین میں تغیر اور تبدل کرنے کے بعد مرے تھے تو ان کو ایک ایک قیراط بھی اجر دینا کیسے درست ہوگا؟

علامہ ابن التین نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے: اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ دین

میں تغیر کرنے سے پہلے حالت اسلام میں فوت ہوئے اور یہ فرمایا کہ وہ عاجز ہو گئے کیونکہ وہ پورا دن کام نہیں کر سکے اگرچہ انہوں نے اتنا کام کیا جو ان کے لیے مقدر کیا گیا تھا لیکن ان میں سے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ پر ایمان لے آئے تو ان کو دو مرتبہ اجر دیا گیا جیسا کہ کتاب الایمان میں اس کی تصریح گزر چکی ہے۔

عصر کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے سے ہونے پر فقہاء احناف کی دلیل کے حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے چار جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے زیادہ عمل کیا تھا:

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: فقہاء احناف میں سے ابوزید نے کتاب الاسرار میں اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عصر کے وقت کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر عصر کے وقت کی ابتداء ایک مثل سائے سے ہو تو پھر عصر کا وقت ظہر کے وقت کے مساوی ہو جائے گا حالانکہ انہوں نے کہا تھا: ہم نے زیادہ عمل کیا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ظہر کے وقت سے کم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: ہم نہیں مانتے کہ اس صورت میں عصر کا وقت ظہر کے وقت کے برابر ہو جائے گا کیونکہ ظہر اور عصر کے درمیان کی مدت عصر اور مغرب کے درمیان کی مدت سے زیادہ طویل ہے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ اس صورت میں ظہر سے عصر تک کا وقت اس مدت کے برابر ہو جائے گا جو عصر سے مغرب تک کی مدت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مثال دی ہے اور مثال اور تشبیہ کا ہر جہت سے برابر ہونا لازم نہیں آتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں فریقوں میں سے ہر فریق نے یہ کہا تھا کہ ہم نے مسلمانوں سے زیادہ عمل کیا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں فریقوں نے مجموعی طور پر مسلمانوں سے زیادہ عمل کیا ہو اور تیسرا جواب یہ ہے کہ فجر سے لے کر ظہر تک کا وقت تو بہرحال عصر کے وقت سے زیادہ طویل ہے جب کہ عصر کا وقت ایک مثل سائے سے شروع ہو اور فجر سے ظہر تک یہود نے کام کیا تھا تو دراصل یہود نے یہ کہا تھا کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے اور حدیث میں نصاریٰ کو بھی ان کے ساتھ تغلیباً ملا دیا اور اب یہ اعتراض جڑ سے اکھڑ جائے گا، اور چوتھا جواب یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم نے یہ عمل زیادہ کیا ہے، اس حدیث سے یہی مقصود ہے کہ یہود و نصاریٰ کا عمل زیادہ ہے اور مسلمانوں کا عمل کم ہے اور اجر زیادہ ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کم زمانہ میں زیادہ عمل کیا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ۔ (البقرہ:۲۸۶) اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۱۷۰-۱۶۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کی طرف سے حافظ ابن حجر عسقلانی کے جوابات پر تعاقب

میں کہتا ہوں کہ: حافظ ابن حجر عسقلانی کے پہلے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دی ہے اور یہ لازم نہیں آتا کہ مثال اور تشبیہ ہر لحاظ سے مشبہ بہ کے مساوی ہو۔ یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس مثال میں یہی بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے زیادہ عمل کیا تھا اور زیادہ عمل کرنا اس کو مستلزم ہے کہ ان کا وقت بھی زیادہ ہو اور اگر عصر کے وقت کی ابتداء ایک مثل سائے سے ہو تو پھر عصر اور ظہر کا وقت برابر ہو جائے گا حالانکہ حدیث میں یہ مقصود نہیں ہے۔

دوسرا جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ میں سے ہر دو فریقین کا عمل زیادہ ہے اور ان کا اجر مسلمانوں سے کم ہے اور اگر حافظ ابن حجر عسقلانی کے قول کے مطابق دونوں کا مجموعی عمل زیادہ ہو اور اجر کم ہو تو مسلمانوں کی ان دونوں میں سے ہر ایک پر برتری ثابت نہیں ہوگی بلکہ مجموعہ سے برتری ثابت ہوگی جب کہ حدیث کا مقصود یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک پر مسلمانوں کی برتری زیادہ ہے کیونکہ مسلمانوں کا عمل ان میں سے ہر ایک سے کم ہے اور اجر زیادہ ہے۔

تیسرے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ: حدیث میں یہود و نصاریٰ دونوں کا ذکر تغلیباً ہے۔ دراصل صرف یہود نے زیادہ عمل کیا تھا جنہوں نے فجر سے ظہر تک عمل کیا اور یہ وقت بہر حال زیادہ ہے اور حدیث میں نصاریٰ کو بھی ان کے ساتھ تغلیباً ملا دیا اور تغلیباً جو قول ہو وہ مجاز ہوتا ہے اور بلا ضرورت حدیث کے الفاظ کو مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے، اور جب کہ فقہاء احناف کے بیان کردہ محمل کے مطابق اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا جا سکتا ہے تو بلا وجہ حدیث کے الفاظ کو مجاز پر محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے، سو وہی بات صحیح ہے جو فقہاء احناف نے کہی ہے۔

حافظ ابن حجر کے چوتھے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ عمل کے لیے زیادہ وقت ہونا ضروری نہیں ہے کم وقت میں بھی زیادہ عمل ہو سکتا ہے جیسا کہ گزشتہ امتوں کا عمل زیادہ تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ (البقرۃ:۲۸۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس جواب میں شدید مغالطہ کھایا ہے کیونکہ گزشتہ امتوں کا عمل مقدار میں زیادہ نہیں تھا جس کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت ہو بلکہ ان کا عمل کیفیت میں زیادہ شدید اور بھاری تھا حتیٰ کہ ان کو تیمم کرنے کی اجازت نہیں تھی، مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، ان کو قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں تھی، ان کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا، ان کی توبہ جب قبول ہوتی تھی جب وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں، ان کا کپڑا اگر نجس ہو جائے تو اس کی طہارت کے لیے دھولینا کافی نہیں تھا بلکہ نجس کپڑے کو کاٹنا ضروری تھا، سو ان کے یہ احکام بہت سخت اور دشوار تھے اور ان پر عمل کرنا بہت مشکل تھا۔ یہ بات نہیں ہے کہ ان کے عمل مقدار میں زیادہ تھے جس کے لیے کم وقت کافی نہ ہو اور زیادہ وقت کی ضرورت ہو۔

پس واضح ہو گیا کہ فقہاء احناف کی یہ دلیل کہ عصر کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے کے بعد ہوتی ہے، اس کا توڑ نہ حافظ ابن حجر عسقلانی سے ہو سکا اور نہ ان کے استاذ علامہ ابن ملقن سے ہو سکا تھا اور نہ ان شاء اللہ کسی اور غیر حنفی فقیہ سے ہو سکے گا۔

علامہ عینی کا یہ لکھنا کہ عصر کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے سے ہوتی ہے یہ صرف امام ابو حنیفہ کا قول ہے ان کے باقی اصحاب کا قول ان کے خلاف ہے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہود کا قول ظاہر ہے کیونکہ صبح سے لے کر ظہر تک کے وقت کی مدت اس سے زیادہ ہے جو عصر سے لے کر مغرب تک کے وقت کی مدت ہے، اور نصاریٰ کا قول صرف فقہاء احناف کے مذہب پر صحیح ہو سکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عصر کے وقت کی ابتدا دو مثل سائے سے ہوتی ہے اور یہ ان کی اپنے مذہب پر ایک دلیل ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: علامہ کرمانی نے جو ذکر کیا ہے وہ صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور ان کے دوسرے اصحاب (امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہا) یہ کہتے ہیں کہ عصر کے وقت کی ابتداء ایک مثل سائے سے ہوتی ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ دونوں نے کہا کہ ہم نے زیادہ عمل کیا ہے جب کہ واقع میں ایک نے زیادہ عمل کیا تھا تو یہ تغلیب پر محمول ہے، اور کہا

جاتا ہے کہ ان کا عمل زیادہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا زمانہ بھی زیادہ ہو کیونکہ کم زمانہ میں بھی زیادہ عمل ہو سکتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۵ ص ۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ: علامہ عینی نے ہمیں بہت مایوس کیا، ایسا لگتا ہے کہ علامہ عینی علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تاویلات سے مرعوب ہو گئے: اور وہ ان کی تاویلات کا رد کرنے پر قادر نہ ہو سکے، کاش! وہ بھی ان کی تاویلات کا اس طرح رد کر دیتے جس طرح اللہ تعالیٰ نے نور الٰہی سے مصنف پر فیضان کیا اور اس نے ان دونوں عظیم شافعی فقیہوں کی تاویلات کا رد کیا اور ان کے تار عنکبوت کو توڑ دیا۔ وَ ذٰلِكَ فضل الله يوتيه مَن يَّشاَء۔ میں اگرچہ علامہ عینی کے علم کے مقابلے میں ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ وسعت نظر دی کہ میں ان بزرگ شافعی فقیہوں کی تاویلات کا رد کروں اور فقہاء احناف کے مسلک کو اجاگر کروں۔ یہ میرا کمال نہیں دراصل میرے مولیٰ کا کمال ہے۔ اس تقریر کے بعد اب ہم عصر کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے سے ہونے پر امام ابوحنیفہ کی طرف سے مزید دلائل پیش کرتے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق۔

عصر کے وقت کی دو مثل سائے سے ابتداء کے متعلق مزید احادیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موذن ظہر کی اذان دینے لگا تو آپ نے فرمایا: ''ٹھنڈا کرو، ٹھنڈا کرو'' یا فرمایا: ''انتظار کرو، انتظار کرو'' اور فرمایا: ''گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا''۔
(صحیح البخاری: ۵۳۹، صحیح مسلم: ۶۱۶، سنن ابوداؤد: ۴۰۱، سنن ترمذی: ۱۵۸، مسند احمد: ۲۱۴۳۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے''۔
(صحیح البخاری: ۵۳۴۔۵۳۳، مسلم: ۶۱۵، ابوداؤد: ۴۰۱، سنن ترمذی: ۱۵۷، سنن نسائی: ۴۹۶، سنن ابن ماجہ: ۶۷۸، مسند احمد: ۷۸۳۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے''۔ (سنن ترمذی: ۱۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۶)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اس حدیث کے بعد مذاہب فقہاء بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
ابوعیسیٰ نے کہا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم میں سے ایک قوم نے گرمی کی شدت میں ظہر کی نماز کی تاخیر کو مختار قرار دیا ہے اور یہ ابن المبارک، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ (امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے لیکن امام ترمذی نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ سعیدی غفرلہ)
امام شافعی نے کہا: ظہر کی نماز کو اس وقت ٹھنڈا کیا جائے گا جب لوگ دور سے نماز پڑھنے کے لیے آئیں لیکن جب صرف ایک نمازی ہو یا قبیلہ کی مسجد میں نماز ہو تو مستحب یہ ہے کہ ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے نہ پڑھا جائے۔ (میں کہتا ہوں: حدیث میں عموم اور اطلاق ہے اور یہ تقیید حدیث کے عموم کے خلاف ہے۔ سعیدی غفرلہ)
امام ابوعیسیٰ نے کہا کہ گرمی کی شدت میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا زیادہ اتباع کے لائق ہے، اور امام شافعی نے جو کہا ہے کہ ظہر کو ٹھنڈا کرنے کی رخصت دور سے آنے والوں کے لیے ہے اور لوگوں پر مشقت کی وجہ سے ہے تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث یہ ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ ظہر کی اذان دینے لگے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بلال! ٹھنڈا کرو ٹھنڈا کرو''۔

اگر بات اس طرح ہوتی جس طرح امام شافعی کا مذہب ہے تو اس وقت میں نماز کو ٹھنڈا کرنے کا کوئی معنی نہیں تھا کیونکہ وہ سب اس سفر میں جمع تھے اور کوئی دور سے آنے والا نہیں تھا۔ (سنن ترمذی ص ۸۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

ان احادیث میں ٹیلوں کے سائے کے بعد ظہر کی اذان دینے کا آپ نے حکم فرمایا۔ اس سے واضح ہوا کہ ایک مثل سائے کے بعد بھی ظہر کا وقت ہوتا ہے اور آپ نے ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ظہر کا وقت دو مثل سائے تک ہے اور عصر کے وقت کی ابتداء دو مثل سائے کے بعد سے ہوتی ہے اور یہ احادیث امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر قوی دلائل ہیں۔

۱۸۔ بَابُ: اَلْوَصِيَّةِ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

اللہ عزوجل کی کتاب کی وصیت

۵۰۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى آوْصَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لَا فَقُلْتُ كَيْفَ كُتِبَ عَلَى النَّاسِ الْوَصِيَّةُ أُمِرُوا بِهَا وَلَمْ يُوصِ قَالَ أَوْصَى بِكِتَابِ اللهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک بن مغول نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں طلحہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے سوال کیا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی تو انہوں نے کہا: نہیں! پس میں نے کہا: پھر کیسے لوگوں کے اوپر وصیت کو فرض کیا گیا ہے، لوگوں کو اس (وصیت) کا حکم دیا گیا اور آپ نے خود وصیت نہیں فرمائی؟ انہوں نے کہا: آپ نے اللہ کی کتاب کی وصیت کی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۴۰ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۷۴۰۔ ۴۴۶۰۔ ۵۰۲۲، صحیح مسلم: ۱۶۳۴، سنن ترمذی: ۲۱۹۱، سنن نسائی ج ۶ ص ۲۴۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۴۴۷، صحیح ابن حبان: ۶۰۲۳، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۶۶، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۲۰۶، سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۶، سنن دارمی: ۳۱۲۱، مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۲)

وصیت اور کتب کا معنی

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الوصایا وصیت کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: جب کوئی شخص اپنی موت کے بعد کسی حکم کو بیان کرے۔ (التوضیح ج ۶ ص ۲۶۔ ۲۵)

اس حدیث میں کُتِبَ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: فرض کیا گیا یا مستحب قرار دیا گیا اور اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم ایسے حال میں ہو کہ تم کو مرنے کا خوف ہو تو پھر تم وصیت کرو۔

وصیت کرنے کا شرعی حکم

پہلے اولاد اور والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا فرض تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور اولاد اور والدین

اور عصبات کے حصے مقرر فرما دیئے اور ان کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے لیے تہائی مال سے وصیت کرنا مستحب ہے۔
(جامع البیان للطبری ج ۲ ص ۱۴۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ جو وارث نہ ہوں ان کے لیے وصیت کی جائے مثلاً کافر ماں باپ اور غلام، اور الشعبی اور النخعی نے کہا کہ پہلے وصیت کرنا مستحب تھا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۶۳۳۲۔۱۶۳۲۹، جامع البیان للطبری ج ۲ ص ۱۴۵)

طاؤس نے کہا کہ اگر اس نے کسی اجنبی کے لیے وصیت کی اور ضرورت مند رشتہ دار کو چھوڑ دیا تو اس اجنبی سے مال چھین کر ضرورت مند رشتہ دار کو دیا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۶۳۲۷۔۱۶۴۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷۷۴)

اور حسن بصری اور اسحاق نے کہا کہ جب اس نے غیر وارث کے لیے تہائی مال کی وصیت کی تو یہ جائز ہے اور باقی دو تہائی مال اس کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۶۴۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷۷۳، جامع البیان للطبری ج ۲ ص ۱۴۲)

وصیت کے متعلق دیگر احادیث، آثار اور اقوال تابعین

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس مسلمان مرد کے پاس مال ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو جب اس کی دو راتیں گزریں تو اس پر فرض ہے کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی موجود ہو''۔
(صحیح مسلم: ۱۶۲۷، الرقم المسلسل: ۴۰۹۵، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۲، مسند احمد: ۵۹۳۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت کی تو میں نے پوچھا: کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں''! میں نے پوچھا: کیا میں نصف مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں''! تو میں نے پوچھا: کیا میں تہائی مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! تہائی مال کثیر ہے''۔ (صحیح البخاری: ۴۴۰۹، صحیح مسلم: ۱۶۲۸، الرقم المسلسل: ۴۱۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن نسائی: ۳۶۲۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۸، مسند احمد: ۱۵۴۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میرا باپ فوت ہو گیا ہے، اس نے مال چھوڑا ہے اور وصیت نہیں کی، اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا اس کی طرف سے کفارہ ہو جائے گا؟'' آپ نے فرمایا: ہاں''۔
(صحیح مسلم: ۱۶۳۰، الرقم المسلسل: ۴۱۱۰، سنن نسائی: ۳۶۵۲)

ابن طاؤس بیان کرتے ہیں کہ میراث کے احکام نازل ہونے سے پہلے وصیت فرض تھی، پس جب میراث کے احکام نازل ہو گئے تو ورثاء کے حق میں وصیت کرنا منسوخ ہو گیا اور ورثاء کے حق میں وصیت کرنا ثابت ہے، پس جس نے رشتہ داروں کے علاوہ کسی کے لیے وصیت کی تو اس کی وصیت جائز نہیں ہوگی۔ (سنن سعید بن منصور: ۲۵۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک مرد نے اپنی موت کے وقت چھ غلام آزاد کر دیئے اور ان غلاموں کے علاوہ اس کا کوئی اور مال نہیں تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کے تین حصے کیے، پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کی، پس ان میں سے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام برقرار رکھا اور اس شخص کے متعلق آپ نے سخت قول فرمایا''۔
(صحیح مسلم: ۱۶۶۸، الرقم المسلسل: ۴۲۲۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۵۹، ۳۹۵۸، سنن ترمذی: ۱۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۵)

امام شافعی نے کہا: اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن طاؤس کی روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں میں بھی تیسرے حصہ کی وصیت نافذ فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رشتہ داروں کے غیر کے لیے بھی تہائی مال سے وصیت کرنا جائز ہے۔
(الرسالہ ص ۱۴۵۔۱۴۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: آیت میراث سے وصیت منسوخ ہو گئی۔
(سنن ابوداؤد: ۲۸۶۹، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۶۵، جامع البیان للطبری: ۲۶۶۰، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰)

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۹۳۹، جامع البیان للطبری: ۲۶۶۱، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۶۵)

ضحاک اور طاؤس نے کہا: والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا نص قرآن سے واجب ہے جب کہ وہ وارث نہ ہوں۔ طاؤس نے کہا: جس شخص کے رشتہ دار ہوں اور وہ اجنبی لوگوں کے لیے وصیت کرے تو اس کی وصیت رشتہ داروں کی طرف لوٹائی جائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۶۴۲۷-۱۶۴۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۷۷۴، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۶۵)

حسن بصری نے کہا: والدین کے لیے وصیت منسوخ ہو گئی اور جو رشتہ دار وارث نہ ہوں ان کے لیے وصیت باقی ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (جامع البیان للطبری: ۲۶۵۱-۲۶۵۲-۲۶۵۴)

ابراہیم نخعی اور الشعبی نے کہا: والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا مستحب ہے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۶۳۳۲، جامع البیان للطبری: ۲۶۷۱-۲۶۷۰، مصنف عبدالرزاق: ۱۶۳۲۹)

ضحاک نے کہا: جو شخص مر گیا اور اس کے پاس مال تھا اور اس نے اپنے رشتہ داروں کے لیے وصیت نہیں کی تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مرا۔ (جامع البیان للطبری: ۲۶۴۴)

حسن بصری اور جابر بن زید اور عبدالملک بن یعلی نے کہا: جب کوئی شخص غریب لوگوں کے لیے تہائی مال کی وصیت کرے اور اس کے رشتہ دار بھی ہوں تو اس کا تہائی مال غرباء کو دیا جائے گا اور باقی مال اس کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ (جامع البیان: ۲۶۴۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا، ہم نے جو بھی ترک کیا وہ صدقہ ہے''۔ (صحیح البخاری: ۳۰۹۴-۶۷۲۷، شمائل ترمذی: ۳۸۴، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۳۱۴، سنن ابوداؤد: ۲۹۷۷، سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۰۲، مسند ابوعوانہ ج ۴ ص ۱۴۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۸۰۴-۳۲۹۷، مسند الشامیین للطبرانی: ۳۰۹۸، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۹۹، مصنف عبدالرزاق: ۹۷۷۳، مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۵، ۲۵۱۲۵)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے وصیت فرمائی ہے کہ آپ نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ امت پر صدقہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تین چیزوں کا حکم دیا: ''ایک یہ تھی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو، دوسری چیز یہ تھی کہ وفد کو اسی طرح انعامات دیتے رہنا جس طرح میں دیتا ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تیسری وصیت کو میں بھول گیا۔ (صحیح البخاری: ۳۱۶۸، مؤطا امام مالک ص ۵۵۶، سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۳۵، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۰۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کا وقت آیا اور آپ کا سانس اکھڑ رہا تھا تو آپ فرما رہے تھے: ''نماز کو لازم رکھنا اور زکوٰۃ کو لازم رکھنا (یا) اپنے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا''۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۲۵۸، مسند ابویعلیٰ ج ۵ ص ۳۰۹، المستدرک ج ۳ ص ۵۷، الارواء للالبانی: ۲۱۷۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما انصار کی مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہے تھے تو پوچھا: تمہیں کیا چیز رلا رہی ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہمیں یاد آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہم ہوتے تھے، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے انہوں نے بیان کیا کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس حال میں کہ آپ نے سر کے اوپر ایک چادر کا کنارہ

باندھا ہوا تھا۔ انہوں نے بتایا: پھر آپ منبر پر چڑھے اور اس دن کے بعد آپ منبر پر نہیں چڑھے، پس آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اس کی ثناء کی پھر فرمایا: ''میں تمہیں انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے غم خوار ہیں اور میرے راز دار ہیں اور انہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے اور ان کے حقوق باقی رہے، تم ان کے نیک لوگوں کی نیکیوں کو قبول کرنا اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا''۔ (صحیح البخاری: ۳۸۰۱۔ ۳۷۹۹) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۷ ص ۱۷۸۔ ۱۷۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہما کے اس قول کی توجیہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت نہیں کی

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ طلحہ بن مصرف نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت کی تھی تو انہوں نے کہا: نہیں! پس میں نے کہا: پھر لوگوں پر وصیت کو کیسے فرض کیا گیا؟ یا انہیں کس طرح وصیت کرنے کا حکم دیا گیا۔ (صحیح البخاری: ۴۴۶۰۔ ۵۰۲۲، سنن ترمذی: ۲۱۱۹، سنن نسائی: ۳۶۲۲، سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۶)

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنانے کی وصیت نہیں کی، بعض شیعہ نے یہ زعم کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اس سے براءت کا اظہار کیا ہے۔ جب آپ سے کسی نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کوئی ایسا عہد کیا تھا جس کا لوگوں سے عہد نہیں کیا تھا؟ تو حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور روح کو پیدا کیا! ہمارے پاس صرف اللہ کی کتاب ہے اور جو اس صحیفہ میں لکھا ہوا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۹۰۳)

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ شیعہ کے اس جھوٹ کا اکثر رد فرماتے تھے کہ آپ کو خلافت کی وصیت کی گئی تھی۔

رہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین اور آپ کے ہتھیار اور آپ کے خچر تو آپ نے ان کے متعلق کوئی وصیت نہیں کی جس طرح لوگ اپنے اموال میں وصیت کرتے ہیں کیونکہ آپ نے فرمایا: ''ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا ہم نے جو کچھ بھی ترک کیا ہے وہ صدقہ ہے''۔
(صحیح البخاری: ۳۰۹۴، سنن ابوداؤد: ۲۹۷۷، سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۰۲، مسند احمد ج ۱ ص ۱۴۵، ۲۵۱۲۵) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۷ ص ۱۸۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

وصیت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الوصایا وصیت کی جمع ہے جیسے ہدایا ہدیۃ کی جمع ہے اور وصیت کا اطلاق وصیت کرنے والے کے فعل پر کیا جاتا ہے اور جس مال کی اس نے وصیت کی ہو اس پر بھی وصیت کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور الایصاء کا لفظ الموصی کے معنی میں ہے، یہ وصیت کا لغوی معنی ہے اور اصطلاح شرع میں وصیت کا معنی ہے کہ مرنے سے پہلے کوئی شخص جو مخصوص عہد کرتا ہے اور اس کو وصیت اس لیے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں جن کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا اس کی موت کے بعد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا رہے۔ نیز اطلاقات شرع میں برے کاموں سے باز رہنے کی تاکید کو بھی وصیت کہتے ہیں اور نیک کاموں پر عمل کی ترغیب کو بھی وصیت کہتے ہیں۔
(فتح الباری ج ۴ ص ۱۸۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کرنے کی نفی کی تھی اس کا محمل

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی مراد یہ تھی کہ آپ نے تہائی مال کی وصیت نہیں کی کیونکہ آپ نے اپنے بعد مال نہیں چھوڑا اور آپ نے فرمایا تھا کہ ''آپ نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے اس کا وارث نہیں بنایا جائے گا'' اور آپ نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، اور حضرت عبداللہ بن اوفی نے جو کہا تھا کہ آپ نے وصیت نہیں کی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے کسی کو خلیفہ بنانے کی وصیت نہیں کی تھی اور حضرت عبداللہ بن اوفی نے جو کہا تھا کہ آپ نے کتاب اللہ کی وصیت کی تھی اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ کتاب اللہ کو لازم رکھو اور اس کے تقاضوں پر عمل کرو جیسا کہ صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے وفات کے وقت تین چیزوں کی وصیت کی کہ ''جزیرۂ عرب میں دو دین باقی نہیں رہیں گے'' یا فرمایا کہ ''یہود کو جزیرۂ عرب سے نکال دو'' نیز فرمایا: ''وفد کو اسی طرح انعام واکرام دیتے رہنا جس طرح میں دیا کرتا تھا''۔ اور تیسری وصیت راوی کو یاد نہیں رہی اور یا وہ جو سنن نسائی میں مذکور ہے: آپ نے آخری بات یہ فرمائی کہ ''نماز کی اور زکوٰۃ کی حفاظت کرنا'' یا فرمایا: ''غلاموں اور باندیوں کے حقوق کا خیال رکھنا'' تو حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے ایسی وصیتوں کی نفی نہیں کی۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۱۸۵ ملخصاً دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا جیسا کہ صحیح البخاری: ۳۷۹۹ اور ۳۸۰۱ میں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۹۔ بَابٌ: مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ — جو قرآن کو خوش آوازی کے ساتھ نہ پڑھے

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ پوری حدیث اس طرح سے ہے: جو خوش آوازی کے ساتھ قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے کامل طریقہ پر نہیں ہے۔ یہ حدیث سنن میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(فتح الباری ج ٦ ص ۲۰۴)

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۔ (العنکبوت: ۵۱)

کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری وغیرہ نے یحییٰ بن جعدہ سے روایت کی ہے کہ کچھ مسلمان آئے جنہوں نے یہودیوں سے سنی ہوئی بعض باتیں لکھی ہوئی تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی قوم کے گمراہ ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اس سے اعراض کرے جو ان کے پاس ان کا نبی لے کر آیا اور دوسری چیزوں کی طرف رغبت کرے''۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۔ (العنکبوت: ۵۱)

کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔

حافظ ابن کثیر وغیرہ پر اس آیت کو ترجمۃ الباب کے بعد لکھنے کی وجہ مخفی رہی اور انہوں نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی وجہ سے دوسری کتابوں سے مستغنی نہ ہو۔ (فتح الباری ج ٦ ص ۲۰۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۲۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَمْ يَأْذَنِ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ وَقَالَ صَاحِبٌ لَهُ يُرِيدُ يَجْهَرُ بِهِ

ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنا جتنی توجہ سے نبی ﷺ کو خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوئے سنا ہے''۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے ایک دوست نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کو بلند آواز سے پڑھا جائے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۲۴، ۷۴۸۲، ۷۵۴۴، صحیح مسلم: ۷۹۲، سنن داری ج ۲ ص ۴۷۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۵، مصنف عبدالرزاق: ۴۱۶۷)

۵۰۲۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ قَالَ سُفْيَانُ تَفْسِيرُهُ يَسْتَغْنِي بِهِ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۳، صحیح مسلم: ۷۹۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنا جتنی توجہ سے نبی ﷺ کے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کو سنا ہے''، سفیان نے کہا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ قرآن کے سبب سے مستغنی ہو۔

تَغَنّی کے تین معانی

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: مَا أَذِنَ، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنا، اور حدیث میں ہے:

''جو قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶۷، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۱)

اور دوسروں نے یہ اضافہ کیا ہے: ''جو قرآن مجید کو بلند آواز سے نہ پڑھے''۔

علامہ قرطبی کو وہم ہوا اور انہوں نے اس حدیث کی صحیح مسلم کی طرف نسبت کی۔ (المفہم ج ۲ ص ۴۲۳۔ ۴۲۲)

امام شافعی نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کو سریلی آواز کے ساتھ پڑھا جائے یا خوش آوازی کے ساتھ پڑھا جائے۔ حدیث میں ہے: عبیداللہ بن ابی یزید نے بیان کیا: ہمارے ساتھ حضرت ابولبابہ گزرے، ہم ان کے پیچھے گئے حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے، پس ہم بھی ان کے گھر میں گئے اور وہاں پر ایک مرد تھا جس کی ہیئت پریشان تھی، وہ یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جو شخص خوش آوازی کے ساتھ قرآن کو نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ میں نے ابن ابی ملیکہ سے کہا: اے ابومحمد! یہ بتائیں کہ جب وہ خوش آواز نہ ہو؟ تو انہوں نے کہا: وہ جتنا ہو سکے خوش آوازی کے ساتھ پڑھے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۷۱)

اور دوسروں نے کہا: یتغنی بالقرآن کا معنی ہے کہ: وہ قرآن مجید کے سبب سے مستغنی رہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ قرآن مجید کے سبب سے گزشتہ امتوں کی خبروں سے اور ان کی کتابوں کو پڑھنے کی مشغولیت سے

مستغنی رہے۔

ابن الاعرابی نے تغنی کے معنی میں لکھا ہے کہ: عرب جب اونٹنی پر سوار ہوتے اور جب اونٹ ان کے گھروں کے صحن میں بیٹھتے اور اکثر احوال میں وہ خوش آوازی سے گاتے تھے، پس جب قرآن مجید نازل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند کیا کہ وہ خوش آوازی کے ساتھ گانے کے بجائے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھیں۔ (اعلام الحدیث ج ۳ ص ۱۹۴۵)

دوسرا قول یہ ہے کہ تغنی سے مراد ہے: فقر کی ضد یعنی خوش حالی، امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ حدیث میں ہے: "جو خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس فعل میں ہماری مثل نہیں ہے کیونکہ ہم اس طرح نہیں کرتے، پس جس نے ایسا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح ابن حبان: ۱۲۰)

اور امام نے کہا ہے: اس حدیث کی تاویل میں سب سے واضح وجہ یہ ہے کہ جس کو قرآن نے غنی نہیں کیا اور اس کے ایمان نے اس کو نفع نہیں پہنچایا اور اس نے قرآن مجید کے وعد اور وعید کی تصدیق نہیں کی تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور دوسروں نے کہا: جس کو قرآن پڑھنے سے اور قرآن سننے سے راحت نہیں ملی وہ ہم میں سے نہیں ہے اور یہ جو ہم نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ سے منقول ہے کہ انہوں نے تغنی کی تفسیر فقر کی ضد کے ساتھ کی ہے یعنی خوش حالی، اس کی تائید اسی حدیث سے ہوتی ہے۔
(صحیح البخاری: ۵۰۲۴۔۵۰۲۳)

مذکور الصدر سطور میں تغنی کے تین معانی بیان کیے گئے ہیں: قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا، قرآن مجید کے سبب سے گزشتہ امتوں کی خبروں اور ان کی کتابوں میں مشغول ہونے سے مستغنی ہونا اور قرآن مجید پڑھنے کے سبب سے خوش حال ہونا یعنی محتاج نہ ہونا۔

خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھنے کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور سعید بن المسیب، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور عبدالرحمن بن القاسم اور عبدالرحمن بن الاسود نے کہا ہے کہ قرآن مجید کو الحان، ترجیع اور سریلی آواز اور طرز لگا کر پڑھنا مکروہ ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے کتاب الثواب میں لکھا ہے کہ فقہاء طرز لگا کر قرآن مجید پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے تھے اور جب وہ قرآن مجید پڑھتے تو بغیر طرز کے حدر اور ترتیل سے پڑھتے، یہ امام مالک کا قول ہے، اور ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ امام مالک سے نماز میں الحان کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ مجھے پسند نہیں ہے اور اس کے متعلق بہت سخت بات کہی اور کہا: یہ لوگ گاتے ہیں تاکہ دراہم حاصل کریں۔ (المدونہ ج ۱ ص ۱۹۴) اور ابن عیینہ یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بہت توجہ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے سبب سے دیگر آسمانی کتابوں میں مشغول ہونے سے مستغنی رہتے ہیں۔ اور امام بخاری نے جو حدیث (۵۰۲۴) روایت کی ہے اس سے ان کی بھی یہی مراد ہے۔

اور امام شافعی اور دوسرے فقہاء متقدمین نے یہ کہا ہے کہ تغنی سے مراد ہے کہ: قراءت میں ترجیع کرنا (مد کو لمبا کرنا) اور خوش آوازی اور سریلی آواز اور لہجہ کے ساتھ پڑھنا۔ (کتاب الام ج ۶ ص ۲۱۵، شرح مشکل الآثار ج ۱ ص ۶۴ ۳، المغنی ج ۲ ص ۶۱۳)

عبدالجبار بن الورد کہتے ہیں: میں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ عبیداللہ بن ابی یزید نے کہا کہ: ہمارے ساتھ ابولبابہ کا گزر ہوا تو ہم بھی ان کے پیچھے گئے حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے، پس ایک شخص کہ جس کے بال بکھرے ہوئے

تھے اس نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جو شخص خوش آوازی کے ساتھ قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ عبدالجبار کہتے ہیں: میں نے ابن ابی ملیکہ سے پوچھا: اے ابو محمد! یہ بتائیں کہ جب وہ خوش آواز نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ انہوں نے کہا: جتنا ہو سکے وہ اچھی آواز بنا کر پڑھے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۷۱)

عبدالرحمٰن بن السائب بیان کرتے ہیں کہ: ہمارے پاس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آئے۔ اس وقت وہ نابینا ہو چکے تھے، میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ پس میں نے ان کو خبر دی تو انہوں نے کہا: مرحبا اے بھتیجے! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم خوش آوازی سے قرآن پڑھتے ہو اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''یہ قرآن سختی اور غم کے ساتھ نازل ہوا ہے (یعنی ایسے مضامین کے ساتھ نازل ہوا ہے)، پس جب تم قرآن پڑھو تو روؤ اگر رونا نہ آئے تو زبردستی روؤ اور خوش آوازی سے قرآن پڑھو، پس جس نے خوش آوازی کے ساتھ قرآن نہیں پڑھا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۳۳۷، اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن رافع ہے اور یہ ضعیف اور متروک ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے سنا: ایک مرد قرآن مجید پڑھ رہا تھا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ آپ کو بتایا گیا: یہ حضرت عبداللہ بن قیس ہیں یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔ تب آپ نے فرمایا: ''اس کو آل داؤد کے مزامیر میں سے مزمار دیا گیا ہے''، (سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۱، مسند احمد: ۹۸۱۳) مزمار کا معنی ہے: بانسری۔

حضرت البرآء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو''۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۶۸، سنن نسائی: ۱۰۱۴، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۲، مسند احمد: ۱۸۵۱۹)

سفیان بن عیینہ نے تغنی کی جو تاویل کی ہے اس کا رد اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے متعلق مزید احادیث

عمر بن شبہ نے ذکر کیا کہ میں نے ابو عاصم النبیل سے کہا کہ سفیان بن عیینہ کہتے تھے کہ تغنی کا معنی ہے: قرآن مجید کے سبب سے دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی ہونا اور خوش حال ہونا تو انہوں نے کہا: ابن عیینہ کی یہ تاویل کچھ نہیں ہے لاشئ ہے اور انہوں نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش آوازی سے پڑھتے تھے اور روتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ستر طرزوں کے ساتھ زبور کو پڑھتے تھے اور اس طرح پڑھتے تھے کہ غم زدہ خوش ہو جاتا اور جب وہ رونا چاہتے تو زمین پر چلنے والا اور سمندر میں تیرنے والا ہر جاندار سنتا اور روتا۔ (غریب الحدیث للخطابی ج ۱ ص ۶۵۶۔۶۵۵)

اس قول کی تائید میں درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور سورۃ الفتح پڑھ رہے تھے اور اس میں ترجیع کر رہے تھے (مد کو لمبا کر رہے تھے)۔ انہوں نے کہا: پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی طرز اتاری اور کہا: اگر مجھے لوگوں کے جمع ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اس طرح ترجیع کرتا جس طرح حضرت ابن مغفل نے ترجیع کی تھی۔ تو میں نے حضرت معاویہ سے پوچھا کہ ان کی ترجیع کس طرح تھی تو انہوں نے بتایا: آآآ۔ یعنی مد کو تین مد کے برابر لمبا کر کے پڑھا۔ (صحیح البخاری: ۴۲۸۱۔۷۵۴۰، صحیح مسلم: ۷۹۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۷)

امام شافعی سے سفیان بن عیینہ کی تاویل کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس حدیث کا زیادہ علم ہے۔ اگر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد استغناء ہوتی تو آپ یوں فرماتے:

من لم یستغن بالقرآن فلیس منا۔ جو قرآن مجید کے سبب سے مستغنی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

لیکن آپ نے فرمایا:

من لم یتغنَّ بالقرآنِ فلیس مِنّا۔ جو قرآن کو غنا یعنی خوش آوازی کے ساتھ نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد غنا اور خوش آوازی ہے۔ (سنن بیہقی ج ۱ ص ۵۵۹) اسی طرح ابن ابی ملیکہ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد آواز کو اچھا کرنا ہے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۵۲۹) اور یہی امام ابن المبارک اور نضر بن شمیل کا قول ہے۔ (تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۹)

امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ جنہوں نے قرآن مجید میں خوش الحانی کو اختیار کیا ہے ان میں سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہتے: ہمارے سامنے ہمارے رب کا ذکر کیجئے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۵۸) پس حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سریلے لہجہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو شخص حضرت ابوموسیٰ کی طرح خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنے کی طاقت رکھتا ہو وہ پڑھے، اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے، تو ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے سامنے فلاں سورت پڑھو تو انہوں نے وہ سورت پڑھی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ روئے اور کہا: میں یہ گمان کر رہا تھا کہ یہ سورت ابھی نازل ہوئی ہے، اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مختار ہے اور عطا بن ابی رباح سے بھی یہی مروی ہے اور انہوں نے حضرت عبید بن عمیر کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید رمضان کے مہینہ میں مساجد میں حسین آواز کی پیروی کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنے غور سے نہیں سنتا جتنے غور سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن ترنم کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کو سنتا ہے''۔

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسن صوت کے ساتھ خوش آوازی سے بلند آواز سے قرآن مجید کو پڑھا جائے''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۴۳، صحیح مسلم: ۲۳۳)

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: یہ حدیث خوش آوازی سے قرآن کریم پڑھنے پر بہت واضح دلیل ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۶۱۔۲۶۰)

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بہت زیادہ غور سے اس مرد کو سنتا ہے جو حسین آواز کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے بہ نسبت اس شخص کے جو کسی گانے والی سے گانا سنتا ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۷۱۔۵۷۰، اخلاق حملۃ القرآن ص ۲۰۹۔۲۰۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۰، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۰)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں کہ: اسماعیل اور فضالہ کے درمیان میسرۃ ہے جو فضالہ کا مولیٰ ہے، مگر امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (کتاب الثقات لابن حبان ج ۵ ص ۴۲۵)، اور اس حدیث کی صحیح ابن حبان: ۷۵۴ میں روایت کی ہے، تاہم حافظ ذہبی نے اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۱ ص ۵۷۱، اور البانی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، الضعیفہ: ۲۹۵۱)

علامہ ابن بطال نے کہا: اگر اس حدیث میں تغنّی کا معنی وہ ہوتا جو سفیان بن عیینہ نے کیا ہے تو پھر حسین آواز اور خوش آوازی کا

کوئی معنی نہ ہوتا، اور کلام عرب میں معروف یہ ہے کہ تغنی خوش آوازی کو اور حسین آواز کے ساتھ ترجیع یعنی مد کے لمبا کرنے کو کہتے ہیں، اور جس کا یہ زعم ہے کہ تغنی کا معنی استغنا ہے اس نے کلام عرب میں فحش غلطی کی ہے۔ ہمیں کلام عرب میں کسی کا علم نہیں جس نے غنی کا معنی استغنا کیا ہو۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۶۲)

اور امام طبری نے کہا کہ سفیان بن عیینہ نے جو یہ تاویل کی ہے کہ غنی سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کے سبب سے لوگوں سے مستغنی ہو، کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنا غور سے نہیں سنتا جتنا قرآن کو تغنی کے ساتھ سنتا ہے، اور سفیان بن عیینہ نے اس کی تفسیر کی ہے: جو قرآن کے سبب سے مستغنی ہوتا ہے اور یہ بداہۃً غلط ہے اور لغت کے خلاف ہے کیونکہ اذن کا معنی ہے جس نے کسی بات کو سنا اور چپ رہا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ (الانشقاق: ۲) اور اپنے رب کا حکم سن کر (آسمان) اس کی اطاعت کرے گا اور یہی اس پر حق ہے ۝

اور اس لیے کہ قرآن مجید کے سبب سے لوگوں سے مستغنی ہونا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: درج ذیل حدیث سے اس مسئلہ میں بالکل اشکال نہیں رہتا:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو سیکھو اور اس کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھو اور اس کو لکھو، پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ قرآن رسی سے باندھے ہوئے اونٹ سے زیادہ بھاگنے والا ہے''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۹۸۲)

اور اہل تاویل نے ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی کتاب لے کر آئے جس میں گزشتہ امتوں کی خبریں تھیں تو یہ آیت نازل ہوئی:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ (العنکبوت: ۵۱) کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔

پس قرآن مجید کے سبب سے مستغنی ہونے سے مراد پچھلی امتوں کی خبریں ہیں جیسا کہ اسحاق بن راہویہ نے سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے اور اس استغنا سے وہ استغنا مراد نہیں ہے جو فقر کی ضد ہے اور امام بخاری کا عنوان میں اس آیت کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا بھی اس حدیث میں یہی مذہب ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۶۳۔۲۵۹)

خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کے متعلق احادیث

عنقریب یہ حدیث آئے گی کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دی گئی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۴۸) اور ابوسلمہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ کو دیکھ کر کہتے تھے کہ ہمارے سامنے اللہ کا ذکر کیجئے اور ابوعثمان النہدی کہتے تھے: میں نے کسی ساز کی آواز حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز سے زیادہ حسین نہیں سنی۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۷۵)

ابوعبید بن القاسم بن سلام نے کہا ہے کہ جن احادیث میں قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ لوگوں کو عذاب سے ڈرانے اور بداعمالیوں پر غمگین کرنے اور نیک اعمال کا شوق دلانے کے لیے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھا جائے، اور بے شک حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز کو امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے بھی سنا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۲)

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سے کون سب سے اچھی آواز کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”جس سے تم قرآن سنو تو تم پر اللہ کا خوف اور خشیت طاری ہو“۔ (فضائل القرآن ص ۱۶۵۔ ۱۶۴)

سو خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کا یہ محمل ہے نہ کہ ایسی خوش آوازی جس کے ساتھ لہو ولعب کے گانے ہوتے ہیں۔

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں از عبدالرحمٰن بن السائب کہ ہمارے پاس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آئے، جب ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے مجھ سے میرا نام ونسب پوچھا تو میں نے ان کو بتایا۔ انہوں نے کہا: میرے بھتیجے کو مرحبا ہو۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم خوش آوازی کے ساتھ سر میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہو، اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ”یہ قرآن غم گین کرنے والی آیتوں کے ساتھ نازل ہوا ہے، پس تم اس قرآن کو پڑھو تو روؤ، پس اگر تم کو رونا نہ آئے تو زبردستی روؤ۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۳۳۷، ضعیف ابن ماجہ للالبانی: ۲۸۱)

میں کہتا ہوں کہ: ہر چند کہ البانی کے نزدیک اس حدیث کی سند ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں احادیث ضعیف السند کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

امام عبید نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ہم چھت کے اوپر تھے اور ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ایک مرد تھا اور میرا گمان ہے کہ وہ حضرت عبس الغفاری تھے، پس انہوں نے دیکھا کہ لوگ طاعون کے ڈر سے گھروں سے بھاگ رہے ہیں تو انہوں نے کہا: اے طاعون! مجھے اپنی گرفت میں لے لے، ان سے کہا گیا کیا: آپ موت کی تمنا کر رہے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے تو انہوں نے کہا: میں چند ایسی خصلتوں میں سبقت کر رہا ہوں جن خصلتوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر خوف تھا: مقدمہ کے فیصلہ کو فروخت کرنا، قتل کو معمولی سمجھنا، رحم کو منقطع کرنا اور وہ قوم جو قرآن کو مزامیر بنائے گی (قرآن کو گا گا کر پڑھے گی)، ان میں سے کوئی ایک شخص مقدم کیا جائے گا جو ان سب سے افضل نہیں ہوگا اور نہ وہ سب سے زیادہ فقیہ ہوگا مگر اس وجہ سے کہ ان سب سے زیادہ خوش آوازی سے قرآن کریم پڑھتا ہوگا۔ (فضائل القرآن ص ۱۶۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قرآن مجید کو سب سے اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے والا وہ شخص ہے جب تم اس کو قرآن پڑھتے ہوئے سنو تو تم یہ گمان کرو کہ یہ اللہ سے ڈرتا ہے“۔ (اخلاق حملۃ القرآن ص ۲۱۰)

اور عنقریب یہ حدیث آئے گی جس کو امام بخاری نے الماہر بالقرآن کے باب میں بغیر سند کے بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ”قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو“۔ (صحیح البخاری: ۷۵۴۴)

ہر چند کہ امام بخاری نے اس حدیث کی بغیر سند کے روایت کی ہے مگر امام احمد، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس حدیث کی حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور پوری سند بیان کی ہے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۵، ۲۹۶، ۳۰۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۸، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۷۹، السنن الکبری للنسائی: ۱۰۸۸، ۸۰۵۰، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۲، صحیح ابن حبان: ۷۴۹) امام بخاری نے اپنی کتاب خلق افعال العباد میں اس حدیث کی روایت کی ہے: (۱۹۵، ۱۹۹، ۲۰۱) اور امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے: (صحیح ابن خزیمہ: ۱۵۵۱، ۱۵۵۶) اور حاکم نے بھی اس کی روایت کی ہے (المستدرک ج ۱ ص ۵۷۱) امام دارقطنی نے بھی اس کی روایت کی ہے (علل دارقطنی ج ۱۰ ص ۱۴۸) اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند جید ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸۸) اور البانی نے بھی اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے (صحیح سنن ابوداؤد ج ۱۰

ص ۱۴۸) اور امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (صحیح ابن حبان: ۷۵۰) اور امام ابو عبید نے بھی اس کی روایت کی ہے (فضائل القرآن ص ۱۶۰) اور البانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (صحیح ابوداؤد ج ۵ ص ۲۰۹) اور امام بزار نے بھی اس حدیث کی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے لیکن انہوں نے اسے معلل قرار دیا ہے (مسند البزار: ۱۰۳۵) اور علامہ الہیثمی التوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں صالح بن موسیٰ ہے اور وہ متروک راوی ہے (مجمع الزوائد ص ۷ ص ۱۷۱) اور امام حاکم نے حضرت البراء کی حدیث کی بیس سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور ان سندوں کی وضاحت کی ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۷۵۔۵۷۱)

امام ابن حبان نے کہا ہے: اس حدیث کے الفاظ مختلف ہیں بعض احادیث میں ہے کہ ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو''۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ ''اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے مزین کرو''۔ (صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۲۶)

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی التوفی ۳۸۸ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا معنی ہے: ''اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے مزین کرو''۔ اسی طرح اس کی متعدد ائمہ حدیث نے تفسیر کی ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ یہ حدیث مقلوب ہے یعنی اصل حدیث اس طرح ہے: ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو''۔ جس طرح یہ قول مقلوب ہے کہ اونٹنی کو حوض پر پیش کیا گیا ورنہ اصل میں ہے کہ حوض کو اونٹنی پر پیش کیا گیا اور طلحہ کی روایت میں آوازوں کا لفظ قرآن مجید پر مقدم ہے یعنی اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے مزین کرو اور یہی صحیح ہے۔ (معالم السنن ج ۱ ص ۲۵۲)

امام حاکم نے اس حدیث کی چھ سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور ان میں اس طرح ہے کہ ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو''۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۷۲)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی التوفی ۳۶۰ھ نے اس حدیث کی دو مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک روایت میں ہے کہ ''اپنی آوازوں کو قرآن سے مزین کرو''، (المعجم الکبیر: ۱۱۱۱۳) اور دوسری روایت میں ہے: آپ نے فرمایا: ''اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے حسین بناؤ''، (المعجم الکبیر: ۱۲۶۳۴) امام طبرانی نے پہلی حدیث کی عبداللہ بن خراش سے روایت کی ہے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ (التاریخ الکبیر: ۲۱۹)

ان کثیر حوالہ جات سے یہ متعین ہو گیا کہ صحیح روایت یہ ہے کہ قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو اور جس روایت میں ہے کہ اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے مزین کرو، تو اس کا محمل یہ ہے کہ جس حال میں تم قراءت کر رہے ہو اپنی آوازوں کو مزین کرو اور ترکیب کلام میں بالقرآن حال ہے اور امام دارمی اور امام حاکم کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو کیونکہ اچھی آواز سے قرآن مجید کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے''۔ (سنن دارمی: ۳۵۴۴، المستدرک ج ۱ ص ۵۷۵)، اور البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الصحیحہ: ۷۷۱)

اس حدیث میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی قلب کی اور اس حدیث میں قرآن سے مراد کلام قدیم نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں قرآن سے مراد وہ کلام ہے جو حروف اور آوازوں پر مشتمل ہے۔

ان کثیر احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کو خوش آوازی اور طرز سے اور سریلے لہجہ میں پڑھنا مستحسن اور مستحب ہے۔ اور یہی امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول ہے، اور امام مالک کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ

پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ قول بہ کثرت احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۱۸۔۱۰۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تغنّی کے معنی کی تحقیق، اور سفیان بن عیینہ کی تفسیر کی تائید

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی بات کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تغنی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنتا ہے''۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ تغنی کی تفسیر ہے: قرآن مجید کے سبب سے مستغنی ہو۔
(صحیح البخاری: ۵۰۲۴، صحیح مسلم: ۷۹۲، سنن ترمذی: ۱۰۱۷)

امام ابن ابوداؤد نے علی بن مدینی سے نقل کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے اس حدیث کی یہ تفسیر ہرگز نہیں کی (جس طرح صحیح بخاری میں مذکور ہے) میں کہتا ہوں کہ: اس حدیث کی امام حمیدی نے سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے اور حمیدی سفیان کی حدیث کو سب سے زیادہ پہچاننے والے ہیں، اور ابن ابی ملیکہ نے عبداللہ بن نہیک سے روایت کی ہے کہ میری حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اور میں اس وقت بازار میں تھا، انہوں نے کہا: تجار کسب کرتے ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرمارہے تھے: ''وہ ہم میں سے نہیں ہے جو قرآن مجید کے سبب سے غنی نہ ہو''۔ اور امام ابوعبید اس سے راضی تھے کہ غنی کی تفسیر مستغنی کے ساتھ کی جائے۔ انہوں نے کہا: اس بنا پر اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص قرآن مجید کے سبب سے دنیا کی کثرت سے مستغنی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے طریقہ پر نہیں ہے اور امام ابوعبید نے اس معنی پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے قرآن مجید کو پڑھا وہ غنی ہے۔

تغنی بالقرآن کے متعدد معانی

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ تغنی بالقرآن کے چار معانی ہیں: (۱) خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا (۲) قرآن مجید کے سبب سے لوگوں سے مستغنی ہونا (۳) غم گین آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے (۴) قرآن مجید کے ساتھ مشغول ہونا۔ ان چار اقوال کے علاوہ ایک قول ابن الانباری نے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا: تغنی بالقرآن سے مراد ہے: قرآن مجید پڑھنے سے لذت حاصل کرنا اور اس کی مٹھاس کو محسوس کرنا جیسا کہ موسیقی کے دل دادہ لوگ سازوں سے لذت حاصل کرتے ہیں۔

اور قرآن مجید کی آواز پر غنا کا اطلاق کیا کیونکہ اس کے پڑھنے سے اسی طرح خوشی حاصل ہوتی ہے جس طرح غنا سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے عرب کہتے ہیں: عمائم عربوں کے تاج ہیں کیونکہ عمامہ تاج کے قائم مقام ہے، اور یہاں ایک اور قول بھی ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تغنی کا معنی ہو: ھجیراء جیسا کہ مسافر اور فارغ شخص تنہائی میں گانا گاتا ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا کہ عرب جب اونٹوں پر سوار ہوتے تو گانا گاتے تھے اور جب ان کے صحن میں اونٹنیاں بیٹھتیں تو وہ گاتے تھے، اور جب قرآن مجید نازل ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا کہ آپ گانے کی بجائے قرآن مجید پڑھیں، پس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کو لازم رکھنے پر برانگیختہ کیا جائے اور قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف توجہ نہ کی جائے، اور اس کا رجوع اس طرف ہوتا ہے جو امام بخاری کا مختار ہے کہ قرآن مجید کے سبب سے دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی ہوا جائے۔

''جو تغنی سے قرآن مجید نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے'' کے متعدد محامل

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس کو قرآن مستغنی نہ کرے اور اس کو اس کے ایمان میں نفع نہ دے اور وہ اس کی

وعد اور وعید کی تصدیق نہ کرے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ جس شخص کو قرآن مجید پڑھنے اور سننے سے راحت حاصل نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
اور اس سے وہ مراد نہیں ہے جو امام ابو عبید کا مختار ہے کہ قرآن مجید سے غنا حاصل ہوتا ہے جو فقر کے خلاف ہے اور امام ابو عبید کی یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ محض قرآن مجید کو لازم رکھنے سے غنا حاصل نہیں ہوتا اور اس توجیہ میں تکلف ہے گویا کہ امام ابو عبید نے یوں کہا کہ جو قرآن مجید کی تلاوت کو لازم رکھنے سے غنا حاصل نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، اور وہ معنی جو امام شافعی سے منقول ہے کہ ''تغنی کا معنی ہے: غم گین لہجے میں قرآن مجید کو پڑھنا'' میں نے امام شافعی کا ایسا صریح قول نہیں دیکھا، ہاں! ''مختصر المزنی'' میں یہ مذکور ہے کہ امام شافعی اس کو پسند کرتے تھے کہ قرآن مجید کو حدر اور تحزین کے ساتھ پڑھا جائے۔
اور امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ: امام شافعی سے سوال کیا گیا کہ سفیان بن عیینہ نے تغنی کی تفسیر استغنا کے ساتھ کی ہے تو انہوں نے اس کو پسند نہیں کیا اور کہا: اگر آپ کا ارادہ استغنا ہوتا تو آپ من لم یتغن بالقرآن کی بجائے من لم یستغن بالقرآن فرماتے اور آپ کا تغنی بالقرآن سے ارادہ تحسین صوت تھا یعنی ''جس نے قرآن مجید کو خوش آوازی سے نہیں پڑھا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: کلام عرب میں غنی کا معنی استغنا نہیں ہے۔
اور عمر بن شبہ نے سفیان بن عیینہ کی تفسیر کا رد کیا اور کہا: یہ لاشی ہے اور کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی قراءت میں تغنی کرتے تھے اور خود روتے تھے اور لوگوں کو رلاتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور کو ستر طرزوں میں پڑھتے تھے اور اسی طرح خوش آوازی سے پڑھتے تھے کہ غم زدہ خوش ہو جاتا تھا اور عنقریب صحیح بخاری میں یہ حدیث آئے گی کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مزامیر داؤد سے ایک مزمار دی گئی تھی۔

تغنی کے متعدد محامل میں تطبیق اور ان کی اجتماعی صورت

خلاصہ یہ ہے کہ ان تاویلات مذکورہ میں سے اکثر کو جمع کرنا اور ان میں تطبیق دینا ممکن ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے بلند آواز کے ساتھ ترنم سے پڑھے اور غم گین لہجہ میں پڑھے اور قرآن مجید کے سبب سے دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی رہے اور اس سے اپنے نفس میں غنا کو طلب کرے اور اپنے ہاتھ کو لوگوں کے سامنے پھیلانے سے مستغنی رکھے۔

خوش الحانی اور خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنے میں اختلاف فقہاء

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نفوس ترنم کے ساتھ قرآن مجید کو سننے کی طرف ان کی بہ نسبت زیادہ مائل ہوتے ہیں جو ترنم کے ساتھ نہ پڑھیں کیونکہ ترنم کے ساتھ پڑھنے میں قلب کی رقت پر عمل ہوتا ہے اور اس سے آنسو بہتے ہیں، اور سلف میں یہ اختلاف رہا ہے کہ قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا جائز ہے یا نہیں لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا کہ اچھی آواز سے قرآن پڑھنے والا اس پر مقدم ہے جو اچھی آواز سے قرآن نہ پڑھے۔
عبد الوہاب مالکی نے امام مالک سے یہ نقل کیا ہے کہ جو خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھے وہ حرام ہے اور اس قول کی حکایت ابو الطیب الطبری اور الماوردی الشافعی اور ابن حمدان الحنبلی نے متعدد اہل علم سے کی ہے۔
اور علامہ ابن بطال مالکی اور قاضی عیاض مالکی اور علامہ قرطبی المالکی اور الماوردی الشافعی اور امام غزالی الشافعی اور فقہاء احناف میں سے صاحب الذخیرہ نے خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھنے کو مکروہ کہا ہے اور ابو یعلی اور ابن عقیل حنبلی نے اس قول کو مختار قرار دیا ہے۔

اور علامہ ابن بطال مالکی نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا جائز ہے اور امام شافعی نے اس کی تصریح کی ہے اور فقہاء احناف میں سے امام طحاوی نے اسی کو نقل کیا ہے اور علامہ الفورانی شافعی نے الابانہ میں لکھا ہے کہ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

فقہاء کے مختلف اقوال میں تطبیق

اس اختلاف کا محل یہ ہے کہ جب خوش الحانی کی وجہ سے قرآن مجید پڑھنے سے کوئی لفظ اپنے مخرج سے متغیر نہ ہو تو پھر جائز ہے اور اگر کوئی لفظ اپنے مخرج سے متغیر ہو جائے تو علامہ نووی نے ''التبیان'' میں یہ لکھا ہے کہ یہ حرام ہے اور ان کی عبارت یہ ہے کہ:
علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا مستحب ہے، جب تک کہ کوئی لفظ زیادہ کھینچنے کی وجہ سے اپنی حد سے نہ نکلے حتیٰ کہ کوئی لفظ زیادہ کھینچنے کی وجہ سے اپنی حد سے زیادہ نکل گیا تو پھر یہ حرام ہے۔ اسی طرح الماوردی الشافعی نے لکھا ہے، اور اسی طرح امام غزالی شافعی نے لکھا ہے اور اسی طرح ابن حمدان الحنبلی نے ''الرعایہ'' میں لکھا ہے اور اسی طرح فقہاء احناف میں سے صاحب ذخیرہ نے لکھا ہے۔

خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنے کے متعلق حرف آخر

ان مختلف اقوال اور دلائل میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو اچھی آواز سے پڑھنا مطلوب ہے، پس اگر کسی کی آواز اچھی نہیں ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ کوشش کر کے جہاں تک ہو سکے قرآن مجید کو اچھی آواز سے پڑھے کیونکہ اچھی آواز کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنے سے قرآن مجید کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۷۔۲۰۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے متعلق دیگر شراح کی شروح

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھنا اس وقت مستحب ہے جب خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے لفظ اپنے مخرج سے نہ نکلے اور جب وہ خوش الحانی کی وجہ سے قراءت میں افراط یا تفریط کرے حتیٰ کہ کوئی حرف زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے تو پھر یہ حرام ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص تغنی سے قرآن مجید نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص لذت کے ساتھ قرآن مجید کو نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور آپ کا یہ ارشاد بہ طور ترغیب ہے۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۹، ملخصاً مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:
تغنی بالقرآن میں علماء کے چار قول ہیں: (۱) خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا (سنن ابوداؤد: ۱۴۷۱) (۲) قرآن مجید کے سبب سے لوگوں سے مستغنی رہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو قرآن مجید کے سبب سے مستغنی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۲۹) (۳) قرآن مجید کو غمگین لہجہ میں ترنم سے پڑھے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ (۴) جو قرآن مجید پڑھنے میں مشغول رہے۔ (کشف المشکل ج ۶ ص ۳۳۲۔۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جہاں تک ہو سکے قرآن پڑھنے والا خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ غم گین لہجہ میں قرآن مجید پڑھے اور دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے مستغنی رہے اور صرف اللہ تعالیٰ سے اجر کا طالب رہے۔ (ارشاد الساری ج۱۱ ص۳۴۵، ملخصاً دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس حدیث میں غنا سے مراد خوش آوازی ہے کیونکہ امام احمد اور امام بیہقی نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے: اللہ تعالیٰ اس مرد سے خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھنے کو اس سے زیادہ توجہ کے ساتھ سنتا ہے جتنا کوئی شخص کسی گانے والی سے گانے کو توجہ سے سنتا ہے۔ (مسند احمد:۲۳۴۲۹، بیہقی ج۱۰ ص۲۳۰) (الکوثر الجاری ج۸ ص۴۰۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ فقہاء شافعیہ اور اکثر فقہاء نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی ہے: قرآن مجید کو خوش الحانی اور خوش آوازی کے ساتھ پڑھا جائے (اکمال المعلم ج۳ ص۱۵۸) اور حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی نے لکھا ہے کہ حسین آواز سے بلند آواز کے ساتھ ترنم سے غم گین لہجہ میں قرآن مجید پڑھے اس حال میں کہ وہ دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی ہو اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے مستغنی ہو۔ (فتح الباری ج۶ ص۲۰۷)

۲۰- بَابُ: اِغْتِبَاطِ صَاحِبِ الْقُرْآنِ

صاحب قرآن پر رشک کرنا

۵۰۲۵- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْكِتَابَ وَقَامَ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَرَجُلٌ أَعْطَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يَتَصَدَّقُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''حسد صرف دو خصلتوں میں کیا جائے: ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا کی ہو اور وہ اس کتاب کے ساتھ رات کے اوقات میں قیام کرے اور دوسرا وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو، سو وہ اس مال کو رات کے اوقات میں اور دن کے اوقات میں صدقہ کرے''۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح مسلم:۸۱۶، سنن ابن ماجہ:۴۲۰۸، مسند الحمیدی:۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی:۵۸۴۰، مسند ابو یعلیٰ:۵۰۷۸، صحیح ابن حبان:۱۹۰، المعجم الاوسط:۷۳۳، حلیۃ الاولیاء ج۵ ص۳۶۳، سنن بیہقی ج۱۰ ص۸۸، شعب الایمان:۷۵۲۸، شرح السنہ:۱۳۸، مسند ابوداؤد طیالسی:۳۶۹، مسند احمد ج۱ ص۳۸۵، کنز العمال:۴۴۲۶، مشکل الآثار ج۱ ص۱۹۱، سنن دارمی:۳۵۳، ۴۲۳۳، مجمع الزوائد ج۲ ص۲۵۶، ج۳ ص۱۰۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۰ ص۵۵۷، مشکاۃ:۲۰۲، المطالب العالیہ:۳۵۰۴، مصنف عبد الرزاق:۵۹۷۴، تاریخ بغداد ج۷ ص۸۵، الکامل لابن عدی ج۱ ص۲۹۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاسماعیلی نے اس باب کے عنوان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صاحب قرآن خود اپنے فعل پر رشک نہیں کرتا بلکہ اس کے اوپر دوسرے رشک کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جب کہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ صاحب قرآن کا غیر صاحب قرآن پر رشک کرتا ہے کیونکہ صاحب قرآن خود عمل کرتا ہے تو صاحب قرآن کا خود اپنے عمل پر رشک کرنا زیادہ اولیٰ ہے جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے متعلق بشارتوں کو سنتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی مذکور الصدر شرح پر علامہ عینی کا اعتراض

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ توجیہ صحیح نہیں ہے اور اس کلام کی یہ توجیہ کس طرح کی جائے گی جب کہ غبطہ کا معنی یہ ہے کہ فلاں آدمی کو جو نعمت دی گئی ہے اس کو بھی وہ نعمت دی جائے اور یہ کیسے متصور ہوگا کہ کسی شخص کو جو نعمت دی گئی ہے وہ اس پر خود رشک کرے اور اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ باب کے عنوان میں عبارت محذوف مانی جائے یعنی کسی قرآن پڑھنے والے کا قرآن پر رشک کرنا اور پھر ان تاویلات کی حاجت نہیں ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۵۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں: علامہ عینی کی عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے الغبط اور الاغتباط کا فرق نہیں کیا اور یہ عین الفساد ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۰۔ ۲۷۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر سے علامہ عینی کے اعتراض کا جواب نہیں بن سکے گا۔ (سعیدی غفرلہ)

حسد اور رشک کا معنی، اور حسد کی ایک قسم کا جواز، اور قرآن مجید اور حدیث صحیح سے رشک کا جواز

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حسد کا اصل معنی یہ ہے کہ کوئی مرد یہ تمنا کرے کہ کسی دوسرے شخص کے پاس سے نعمت چلی جائے اور اس کو مل جائے، اور اس حدیث میں حسد کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کی شدید حرص ہو اور اس کی طرف شدید رغبت ہو اور یہ تمنا نہ ہو کہ کسی شخص سے یہ نعمت جاتی رہے، اس کو المنافسة اور الغبطة کہتے ہیں اور اس حدیث میں اس پر حسد کا اطلاق مجازاً ہے۔

(تہذیب اللغت ج ۱ ص ۸۱۲، لسان العرب ج ۲ ص ۸۶۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ (النسآء: ۳۲)

اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ (النسآء: ۳۲)

اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسد صرف دو خصلتوں میں کیا جائے: ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا علم دیا ہو، پس وہ قرآن مجید کی رات اور دن میں تلاوت کرے''۔ اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پڑوسی نے سنا تو انہوں نے کہا: کاش! مجھے اس کی مثل دی جاتی جو فلاں شخص کو دی ہے۔ تو میں اس کی مثل عمل کرتا اور دوسرا وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا، سو وہ اس کو راہ حق میں خرچ کرتا ہے تو ایک مرد نے کہا: کاش! مجھے اس مال کی مثل دی جاتی جو فلاں شخص کو مال دیا گیا ہے تو میں اس شخص کی مثل عمل کرتا۔ (صحیح البخاری: ۵۰۳۶)

اس حدیث میں بھی حسد کا اطلاق رشک پر ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پڑوسی نے اس شخص سے نعمت کے زوال کی

تمنا نہیں کی، اس نے صرف یہ تمنا کی ہے کہ اس کو بھی صرف ایسی ہی نعمت مل جائے اور اسی طرح کی تمنا صالحین اور اخیار نے کی ہے۔

اس حدیث میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں حسد کی ایک قسم کو مباح قرار دیا جیسا کہ کذب کی ایک نوع میں رخصت دی گئی اگرچہ کذب کی باتیں تمام انواع ممنوع ہیں۔ اسی طرح حسد کی بھی تمام انواع ممنوع ہیں اور صرف اس نوع کا حسد کرنا جائز ہے۔

حسد کے احکام

(۱) حسد اجماعاً حرام ہے اور مذموم ہے اور جو حسد مباح ہے وہ دراصل غبطة اور رشک ہے، پس جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائی کو کوئی نعمت دی ہو اور تم اس نعمت کو ناپسند کرو اور تم چاہو کہ اس کی وہ نعمت ختم ہو جائے تو یہ حرام ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کسی فاجر یا کافر کو کوئی نعمت دی گئی ہو اور وہ اس نعمت سے فتنہ اور فساد کرتا ہو تو پھر اس کافر یا فاجر سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرنا جائز ہے۔

(۲) جب غنی کے پاس مال ہو اور وہ اس مال کو اللہ کی رضا کے موافق خرچ کرے تو وہ غنی فقیر سے افضل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۶۳۔۲۶۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

راہ حق میں مال خرچ کرنے کی اقسام

نیز علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مال کو راہ حق میں خرچ کرنے کی تین قسمیں ہیں:

(۱) مال کو اپنے نفس پر خرچ کرنا اور جن کا نفقہ ان پر فرض ہے ان پر خرچ کرنا بغیر اسراف کے اور بغیر تقتیر (بخل) کے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝ (الفرقان: ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی سے ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی مرد اپنی بیوی پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو یہ بھی صدقہ ہے''۔ (صحیح البخاری: ۵۵)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو بھی خرچ کرو گے اس پر تم کو اجر دیا جائے گا حتیٰ کہ تم جو چیز اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے اس پر بھی تمہیں اجر دیا جائے گا''۔

(صحیح البخاری: ۵۶، صحیح مسلم: ۱۶۲۸، مسند احمد: ۱۵۴۶)

(۲) زکوٰۃ کو ادا کرنا، اور حدیث میں ہے: جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی وہ بخیل نہیں ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۴۰۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۱۶)

(۳) دور کے رشتہ داروں پر خرچ کرنا اور نفلی صدقہ کرنا، دوست کی غم گساری کرنا اور بھوکے کو کھانا کھلانا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بیوہ عورت اور مسکین مرد پر خرچ کرتا ہو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی مثل ہے یا رات میں قیام کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کی مثل ہے''۔

(صحیح البخاری: ۵۳۵۳، صحیح مسلم: ۲۹۸۲، مسند احمد: ۸۷۴۰) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۰ ص ۲۶۲۔۲۶۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حامل قرآن کے لیے نصائح

حافظ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابوعبید نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید کو حفظ کیا اس نے بہت عظیم امر کا بار اٹھایا ہے اور اس کے دونوں پہلوؤں میں نبوت درج ہے مگر اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی، پس جو شخص حافظ قرآن ہو اور قرآن مجید کا عالم ہو وہ فحش باتیں اور بے حیائی کا کلام نہ کرے اور نہ کوئی جاہلانہ بات کرے کیونکہ اس کے سینہ میں اللہ کا کلام ہے۔

اور سفیان بن عیینہ نے کہا: جس شخص کو قرآن عطا کیا گیا اور اس نے کسی ایسی چیز کی طرف آنکھیں پھیلائیں یعنی دنیا کی زیب و زینت کی طرف جن کی قرآن مجید نے تحقیر کی ہے تو اس نے قرآن مجید کی مخالفت کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۘ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞ (السجدۃ:۱۶)

ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں، وہ خوف اور امید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور وہ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں O

حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی احادیث سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حامل قرآن کو چاہیے کہ وہ رات اور دن کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیام کرے اور جس نے اس پر عمل کیا وہی اس کا مصداق ہے جس کے اس فعل پر حسد (رشک) کیا جائے، اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس مال کو دن اور رات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ بھی اس کا مستحق ہے کہ اس پر حسد (رشک) کیا جائے اور جس نے اللہ کی راہ میں مال کو صدقہ نہیں کیا اور بخل کیا وہ حسد کیے جانے کا مستحق نہیں ہے اور اس کی بری عاقبت کا خطرہ ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۲۱۔ ۱۲۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۲۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ فَقَالَ لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ فَقَالَ رَجُلٌ لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ بِهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان، انہوں نے کہا: میں نے ذکوان سے سنا از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حسد صرف دو خصلتوں (کے حامل) میں ہے: ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا کیا، پس وہ رات اور دن کے اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے“ پس حضرت ابو ہریرہ کے ایک پڑوسی نے اس حدیث کو سنا تو اس نے کہا: کاش! مجھے بھی اتنا علم دیا جاتا جتنا فلاں کو دیا گیا ہے تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا، اور دوسرا وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے، پس وہ اس مال کو راہ حق میں صدقہ کرتا ہے تو ایک مرد نے کہا: کاش! مجھے بھی اتنا مال دیا جاتا جتنا فلاں کو دیا گیا ہے تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۲۵ میں گزر چکی ہے۔

۲۱۔ بَابُ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور قرآن مجید کو سکھائے

۵۰۲۷۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ قَالَ وَأَقْرَأَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فِي إِمْرَةِ عُثْمَانَ حَتّٰى كَانَ الْحَجَّاجُ قَالَ وَذَاكَ الَّذِي أَقْعَدَنِي مَقْعَدِي هٰذَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے علقمہ بن مرثد نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے سعد بن عبیدہ سے سنا از ابو عبدالرحمٰن السلمی از حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور اس کو سکھائے“۔ اور انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ابو عبدالرحمٰن نے قرآن مجید پڑھایا حتیٰ کہ حجاج کا دورِ حکومت آیا، تب انہوں نے کہا: میں جو اس جگہ بیٹھا ہوا ہوں (یعنی اس جگہ بیٹھ کر قرآن مجید پڑھ رہا ہوں) تو اس کی وجہ صرف یہ حدیث ہے۔

۵۰۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از علقمہ بن مرثد از ابو عبدالرحمٰن السلمی از حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے سب سے افضل شخص وہ ہے جو قرآن مجید پڑھے اور پڑھائے“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۲۷ کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(سنن ترمذی: ۲۹۰۹، سنن دارمی: ۳۳۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۰۳، مسند البزار: ۳۹۸، فضائل القرآن لابن الضریس: ۱۳۶، فضائل القرآن للفریابی: ۱۹، فضائل القرآن لابی الفضل الرازی: ۳۸۔۳۹، الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۶۱۴، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۵۹)

حدیث مذکور کی مزید تخریج

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام نسائی نے فضائل قرآن میں اس حدیث کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تفصیل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید کو پڑھے اور پڑھائے“۔ اور سفیان نے کہا: تم میں سب سے افضل وہ ہے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۳۷)

اور امام ابوداؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سب سے بہتر

وہ ہے جو قرآن مجید پڑھے اور قرآن مجید پڑھائے''۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۵۲، سنن ترمذی: ۲۹۰۹)

بعض راویوں نے اس کے بعد اس جملہ کو درج کر دیا ہے: قرآن مجید کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے خالق کی مخلوق پر فضیلت ہے۔ (الاسماء والصفات للبیہقی: ۵۰۶، فضائل القرآن لابن الضریس: ۳۵)

یہ جملہ دراصل ابوعبدالرحمٰن کا قول ہے، (خلق افعال العباد للبخاری: ۴۷) حافظ اسحاق بن راہویہ اور دوسروں نے بھی اس پر متنبہ کیا ہے کہ حدیث کے بعد یہ جملہ مدرج ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۲۲۰۹، علل دارقطنی ج ۳ ص ۵۷)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کسی ایسی چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے جو قرآن مجید سے افضل ہو''۔ (المستدرک ج ۱ ص ۵۵۵)

قرآن مجید کو سیکھنے سے فقہ کو سیکھنے کا افضل ہونا

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ تمام نیک کاموں میں سب سے افضل قرآن مجید کو پڑھنا ہے کیونکہ جب قرآن مجید کو پڑھنے والا اور پڑھانے والا سب سے بہتر اور سب سے افضل ہے تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سب سے افضل عمل ہے اور جب تک علوم باقی رہیں گے قرآن مجید کی تعلیم سب سے افضل رہے گی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ قرآن مجید کو سیکھنا زیادہ افضل ہے یا فقہ کو سیکھنا زیادہ افضل ہے تو میں کہوں گا فقہ کو سیکھنا زیادہ افضل ہے۔

علامہ ابن الجوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے کہا ہے: بہ قدر ضرورت مسائل فقہیہ کو سیکھنا فرض عین ہے اور تمام مسائل فقہیہ کو سیکھنا فرض کفایہ ہے کیونکہ فقہ کو پڑھنا قرآن مجید کو پڑھنے سے افضل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سب سے بڑا قاری وہی ہوتا تھا جو سب سے بڑا فقیہ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قاری کو مقدم کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے''۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۲۷۔ ۱۲۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے والے کے سب سے افضل اور سب سے بہتر ہونے پر دلائل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید اشرف العلوم ہے، پس جو شخص قرآن مجید سیکھے اور دوسروں کو سکھائے وہ اس سے زیادہ اشرف ہوگا جو غیر قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو قرآن مجید کی تعلیم اور تعلم کو جمع کرنے والا ہو وہ اپنے نفس کی بھی تکمیل کرتا ہے اور دوسروں کی بھی تکمیل کرتا ہے اور وہ النفع القاصر اور النفع المتعدی کا جامع ہے، اس وجہ سے وہ سب سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۞ (حم السجدۃ: ۳۳)

اور اس سے عمدہ کلام کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں O

اور ان امور کی دعوت دینے میں سے قرآن مجید کی تعلیم بھی ہے اور وہ سب سے افضل ہے اور اس کے برعکس وہ کافر ہے جو دوسروں کو اسلام لانے سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۔ (الانعام:۱۵۷) تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے اعراض کرے۔

اس سوال کا جواب کہ کیا قرآن مجید کو پڑھنا اور پڑھانا فقہ کو پڑھنے اور پڑھانے سے افضل ہے

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ قرآن مجید پڑھانے والا فقیہ سے افضل ہو، تو ہم کہیں گے: نہیں! کیونکہ ان آیات اور احادیث کے مخاطبین وہ حضرات تھے جو خود فقہاء تھے، وہ اہل زبان تھے، پس وہ قرآن مجید کے معانی کو اپنی زبان اور محاورہ سے ان کی بہ نسبت زیادہ جانتے تھے جو بعد میں لغت، صرف، نحو اور علم معانی کو پڑھ کر قرآن مجید کے معانی کو جانتے تھے کیونکہ علم فقہ کی ایک فضیلت ہے اور جو شخص محض قرآن مجید کے الفاظ پڑھنے والا ہو یا محض الفاظ پڑھانے والا ہو اور ان کے معانی کو نہ سمجھتا ہو تو وہ ان کے برابر کیسے ہوسکتا ہے۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ ان آیات اور احادیث سے یہ لازم آئے گا کہ قرآن کریم پڑھانے والا مجاہد فی الاسلام اور سرحدوں کے محافظ اور نیکی کا حکم دینے والوں اور برائی سے روکنے والوں سے بھی افضل ہو، تو ہم کہیں گے: یہ مسئلہ نفع متعدی پر موقوف ہے، پس جو زیادہ نفع پہنچائے گا وہ زیادہ افضل ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان احادیث میں اگرچہ قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے کو مطلقاً افضل فرمایا ہے لیکن اس سے مراد وہ مخصوص لوگ ہیں جو اس خطاب کے لائق ہیں یا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید کے علاوہ کسی اور علم کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ قدر ضروری مسائل کا علم حاصل کرنے کے بعد قرآن کریم کو پڑھتے اور پڑھاتے ہوں وہ دوسروں سے افضل ہیں کیونکہ قدر ضروری مسائل کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور اس سے زیادہ کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔

ابوعبدالرحمٰن کے قرآن پڑھانے کی مدت

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ابوعبدالرحمٰن نے قرآن مجید پڑھایا حتیٰ کہ حجاج کا دور حکومت آیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اول میں اور حجاج کی ولایت کے آخر میں بہتر (۷۲) سال ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں اور حجاج کی ولایت کے اول میں اڑتیس (۳۸) سال ہیں اور میں اس پر واقف نہیں ہوسکا کہ ابوعبدالرحمٰن کے قرآن پڑھانے کے اول اور آخر کی کتنی مدت ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس مقدار کو جاننے والا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۱۔۲۱۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی تین مخفی علتیں اور ان کا جواب

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابوالحسن القشیری نے کہا ہے: اس حدیث میں تین علت خفیہ ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اس حدیث کے متن میں یہ اختلاف ہے کہ صحیح البخاری: ۵۰۲۷ میں شعبہ کی روایت میں مذکور ہے کہ ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے''، اور حدیث: ۵۰۲۸ میں سفیان کی روایت میں مذکور ہے کہ ''تم میں سب سے افضل وہ ہے جو قرآن مجید کو سیکھے اور سکھائے''

(۲) بعض راویوں نے اس حدیث کی موقوفاً روایت کی ہے اور بعض نے اس کی مرسلاً روایت کی ہے۔

(۳) شعبہ سے روایت ہے کہ ابو عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا اور ابو حاتم سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ سماع کرنے والے ہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف سے حدیث میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ سفیان اور شعبہ کا حدیث میں اختلاف ہو تو سفیان کی حدیث راجح ہے، وکیع نے کہا: شعبہ نے ایک حدیث روایت کی تو ان سے کہا گیا کہ سفیان نے تمہاری مخالفت کی ہے تو انہوں نے کہا: میری حدیث کو چھوڑ دو، سفیان مجھ سے زیادہ حافظ ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حدیث مرسل اور حدیث موقوف میں جب اختلاف ہو تو وہ حدیث میں قباحت کو پیدا نہیں کرتا کیونکہ ثقہ راوی کا اضافہ اجماعاً مقبول ہوتا ہے۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صدر اول کے بعض اکابر نے کہا ہے کہ ابو عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں قرآن مجید کو پڑھا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۶۱۔ ۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی باقی شرح وہی ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر عسقلانی سے نقل کر چکے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ عبدالرحمٰن علی بن محمد الجوزی الحنبلی التوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ بہ قدر ضرورت دین کے مسائل کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور اس سے زائد مسائل کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور محض قرآن مجید کے الفاظ کو پڑھنا اور پڑھانا مستحب ہے۔

(تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۰۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۵۰۲۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ ﷺ فَقَالَ مَا لِي فِي النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ فَقَالَ رَجُلٌ زَوِّجْنِيهَا قَالَ أَعْطِهَا ثَوْبًا قَالَ لَا أَجِدُ قَالَ أَعْطِهَا وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَاعْتَلَّ لَهُ فَقَالَ مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی تو اس نے کہا کہ اس نے اپنا نفس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے عورتوں کی کوئی ضرورت نہیں" پس ایک مرد نے کہا: اس کا مجھ سے نکاح کر دیں، آپ نے فرمایا: "اس کو کوئی کپڑا دو" اس نے کہا: میں نہیں پاتا، آپ نے فرمایا: "اس کو کچھ دو خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو"، اس نے پھر عذر پیش کیا، آپ نے فرمایا: "تمہیں قرآن مجید سے کچھ یاد ہے؟" اس نے کہا: مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے تو آپ نے فرمایا: "تمہیں جو قرآن یاد ہے میں نے اس کے سبب سے تمہارا اس سے نکاح کر دیا"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۳۱۰، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، الرقم المسلسل: ۳۴۰۷، سنن ترمذی: ۱۱۱۶، سنن نسائی: ۳۳۳۶، سنن ابو داؤد: ۲۱۱۱، شرح مشکل

الآثار: ۲۲۷۴، صحیح ابن حبان: ۴۰۹۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۴۴، شرح السنہ: ۲۳۰۲، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۰، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۴۲، المعجم الکبیر ج ۶ ص ۱۶۴، معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۰۹، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۰۹، کنز العمال: ۴۷۷۴)

بغیر ولی کی اجازت کے جو نکاح کیا گیا ہو اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث سے استنباط کی توجیہ یہ ہے کہ جب اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا تو گویا اس عورت نے آپ کو اس کے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل بنا دیا خواہ آپ خود اس سے نکاح فرمائیں یا کسی اور سے اس کا نکاح کر دیں اور عورت کے ہر ولی کا یہی شرعی حکم ہے کہ وہ اس عورت کا اس وقت تک کسی سے نکاح نہ کرے جب تک کہ وہ عورت اس کی اجازت نہ دے، سوائے باپ کے کہ وہ کنواری لڑکی کا بغیر اجازت کے نکاح کر سکتا ہے اور سوائے مالک کے کہ وہ اپنی باندی کا کسی سے نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر سکتا ہے اور یہ وکالت باقی وکالات کی طرح نہیں ہے جن میں وکیل جو کام کرتا ہے تو موکل بھی اس کی مثل کام کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وکالت میں نکاح کو خاص فرما لیا۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۸۳، سنن ترمذی: ۱۱۰۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۹، مسند احمد ج ۶ ص ۶۶)

اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ عورت عقد نکاح کی کسی حال میں ولی نہیں ہوتی نہ اپنے نکاح کی اور نہ دوسرے کے نکاح کی۔ یہ امام مالک، ابن ابی لیلیٰ، ثوری اور اللیث اور امام شافعی کا قول ہے۔

اور امام اوزاعی نے کہا: جب کوئی عورت اپنا خود نکاح کر لے تو مستحسن یہ ہے کہ ولی اس پر اعتراض نہ کرے سوا اس صورت کے کہ وہ عورت عربیہ ہو اور وہ کسی غلام سے نکاح کر لے تو اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور امام زفر نے کہا ہے کہ عورت اپنا عقد نکاح خود کر سکتی ہے بہ شرطیکہ وہ کفو میں نکاح کرے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۲۵۰، المبسوط ج ۵ ص ۱۱، المدونہ ج ۲ ص ۱۵۲، الذخیرہ ج ۴ ص ۲۰۱۔۲۰۳، مختصر مزنی ص ۲۳۴، الشرح الکبیر ج ۲ ص ۱۵۵۔۱۵۷)

نیز علامہ ابن بطال نے کہا: جب کسی عورت کا ولی نہ ہو اور وہ اپنے نکاح کا وکیل اس مرد کو بنا دے جو اس کا ولی نہ ہو اور یہ معاملہ سربراہ ملک کے پاس پیش نہ کیا گیا ہو تو امام مالک سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ سربراہ ملک کے لیے جائز ہے کہ وہ اس مسئلہ میں غور کرے، پھر وہ چاہے تو اس نکاح کی اجازت دے دے اور چاہے تو اس نکاح کو مسترد کر دے جیسا کہ ولی کو اس کا اختیار ہوتا ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ عورت جب کسی ایسے مرد کو وکیل بنا دے جس کی ولایت جائز نہ ہو اور وہ اس کا نکاح کر دے اور شوہر اس کے ساتھ دخول کر لے اور شوہر اس کا کفوء ہو تو پھر یہ نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا، اور سحنون مالکی نے کہا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے خواہ اس کو سربراہ ملک یا ولی نے جائز قرار دیا ہو کیونکہ یہ وہ نکاح ہے جو بغیر ولی کے منعقد کیا گیا، اور ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہی حدیث ہے جو ابھی گزری ہے۔ (اس کی مفصل بحث کتاب النکاح میں آئے گی۔ سعیدی غفرلہ)

(شرح ابن بطال ج ۶ ص ۴۴۵۔۴۴۶، المدونہ ج ۲ ص ۱۵۲، المنتقیٰ ج ۳ ص ۲۷۰)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) علامہ ابن ملقن شافعی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نکاح اسی وقت صحیح ہوگا جب لفظ نکاح یا لفظ تزویج کے ساتھ نکاح کیا

جائے (البیان ج ۲ ص ۲۳۲) اور امام ابوحنیفہ نے اس کے برخلاف کہا ہے کہ لفظ ہبہ سے بھی نکاح صحیح ہے۔ (الہدایہ ج ۱ ص ۲۰۶)
علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: لفظ تملیک کے ساتھ نکاح صحیح ہے۔ (المفہم ج ۴ ص ۱۳۳) اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ اگر پہلے تزویج کا لفظ ہو اور پھر تملیک کا لفظ ہو تو پھر صحیح ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۹ ص ۲۱۴)

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ بغیر مہر کے اور بغیر عوض کے آپ کا نکاح کرنا صحیح ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الاحزاب: ۵۰)

اور وہ مومنہ عورت بھی (آپ کے لیے حلال ہے) جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

اور ہمارے نزدیک آپ کا نکاح بغیر گواہ کے اور بغیر ولی کے منعقد ہو جاتا ہے اور لفظ ہبہ سے بھی منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ اس پر انکار نہیں کیا گیا۔

(۳) ابن حبیب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد سے منسوخ ہو گئی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بغیر ولی کے اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا''۔ (صحیح ابن حبان: ۴۰۷۵، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۲۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۰، مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۱۹۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۸ ص ۱۴۲)

امام ابن عدی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں مغیرہ بن موسیٰ بصری ہے، اس کے متعلق امام بخاری نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے، اور علامہ الزیلعی حنفی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ثابت بن زہیر ہے، اس کے متعلق امام بخاری نے کہا کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۸۹) اور مصنف عبدالرزاق اور امام طبرانی کے متعلق حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس میں ایک راوی عبد اللہ بن محرر ہے اور وہ متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۷)

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ ابن حبیب کا یہ دعویٰ بہت عجیب ہے کہ حضرت سہل بن سعد کی یہ حدیث منسوخ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت دیگر صحابہ بھی حاضر ہوں کیونکہ اس وقت حضرت سہل رضی اللہ عنہ حاضر تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے ساتھ دیگر صحابہ ہوں، رہا یہ کہ اس عورت کا کوئی ولی نہیں تھا تو شارع علیہ السلام خود ولی ہیں اور آپ کے ہوتے ہوئے کسی مخصوص ولی کی ضرورت نہیں تھی۔

(۴) ابن ابی زید نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث اس مرد کے ساتھ خاص ہے اور انہوں نے کہا کہ دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے اس عورت کا اس مرد سے نکاح کر دیا اور عورت سے مشورہ نہیں لیا اور اس حدیث سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ عورت اس مرد کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتی ہو۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نکاح لفظ اجارہ کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے (کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تعلیم قرآن کے عوض تمہارا نکاح اس سے کر دیا'') اور اس میں امام مالک کے اصحاب کے تین قول ہیں: الاباحت، الکراہت اور المنع۔
(النوادر والزیادات ج ۴ ص ۴۶۶۔۴۶۵)

اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ: غلام کے لیے جائز ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرے اور وہ اس کے عوض اس کی خدمت کرے گا، اور تعلیم قرآن کے عوض نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک تعلیم قرآن کی اجرت جائز نہیں اور رہا آزاد تو اس کے لیے یہ

جائز نہیں ہے کہ وہ خدمت کے عوض کسی عورت سے شادی کرے۔ (الہدایہ ج ا ص ۳۲۴)

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا اس عورت سے نکاح کردو اور اس کا ولی کہے کہ میں نے تمہارا نکاح کر دیا تو اس سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے خواہ شوہر دوسری بار یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کر لیا اور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی قول ہے۔ (تقویم النظر ج ۴ ص ۹۹۔۹۶) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بیع کا بھی یہی حکم ہے (مواہب الجلیل ج ۶ ص ۱۳، التہذیب ج ۵ ص ۱۴) اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس وقت تک بیع صحیح نہیں ہوگی جب تک کہ خریدار یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کر لیا۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۳)

(۷) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر عقد نکاح سے پہلے خطبہ نکاح نہ پڑھا جائے تب بھی نکاح صحیح ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف داؤد ظاہری نے کہا کہ خطبہ نکاح واجب ہے۔

(۸) امام شافعی، ابوعبید، داؤد وغیرہم نے کہا کہ اگر تزویج یا انکاح کے لفظ پر انحصار کیا جائے تب بھی نکاح ہو جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری اور حسن بن صالح نے کہا ہے کہ لفظ ہبہ سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اس کو مقرر شدہ مہر دیا جائے گا اور اگر اس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس کو مہر مثل دیا جائے گا۔

(الہدایہ ج ا ص ۲۰۶، احکام القرآن لابن العربی ج ۳ ص ۱۴۶۸، بدایۃ المجتہد ج ۳ ص ۹۴۰، التہذیب ج ۵ ص ۳۱۱)

(۹) ہمارے نزدیک مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے سوا اس صورت کے کہ ایسی چیز کا مہر مقرر کیا جائے جو مال نہیں ہے تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے اور ربیعہ اور ابوالزناد اور ابن ابی ذئب اور یحییٰ بن سعید اور ابواللیث اور الثوری اور اوزاعی اور الزنجی اور ابن ابی لیلیٰ اور داؤد اور ابن وہب کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالک نے کہا: اور مہر کی کم از کم مقدار چوتھائی دینار ہے اور یہ ان کا منفرد قول ہے جیسا کہ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے۔ (اکمال المعلم ج ۴ ص ۵۷۹) اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: کم از کم مہر کی مقدار دس درہم ہے اور ابن شبرمہ نے کہا ہے کہ کم از کم مہر کی مقدار پانچ درہم ہے۔ (اکمال المعلم ج ۴ ص ۵۸۰) اور النخعی نے کہا کہ کم از کم مہر کی مقدار چار درہم ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۸۳۔۴۸۲) اور اوزاعی اور ابن وہب سے منقول ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار ایک درہم ہے اور ربیعہ سے منقول ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار ایک قیراط ہے اور ابن حزم نے کہا: ہر چیز جس کا نصف اور ثمن ہو سکے خواہ وہ گندم کا ایک دانہ ہو یا جو کا ایک دانہ ہو وہ مہر ہو سکتا ہے۔ (المحلی ج ۹ ص ۴۹۴) اور ابن جبیر سے مروی ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار پچاس (۵۰) درہم ہے۔ (تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۱۲۹)

(۱۰) اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم اس کو کچھ دو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، اس مسئلہ میں ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے، بعض اسے مکروہ کہتے ہیں اور اس کی ممانعت کی حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۱۹۴۔۱۹۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کے عنوان کی وجہ سے علامہ داؤدی کا امام بخاری پر اعتراض اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب النکاح میں آئے گی۔ علامہ داؤدی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور مرد سے نکاح کرنے کی اجازت دی اور نہ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اس عورت نے آپ کو اس مرد سے نکاح کرنے کا وکیل بنایا تھا۔ آپ نے اس عورت کا نکاح اس مرد سے اسی لیے کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب:٦) نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں۔

اس لیے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کرنا درست نہیں ہے کہ عورت امام کو نکاح کا وکیل بنا سکتی ہے جیسا کہ امام بخاری نے (صحیح البخاری:۲۳۱۰) کا یہ عنوان قائم کیا ہے۔ یہ علامہ داؤدی کا امام بخاری پر اعتراض ہے اور امام بخاری کی طرف سے اس کا یہ جواب ہے کہ چونکہ اس عورت نے یہ کہا تھا کہ میں نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا ہے تو اس سے امام بخاری نے یہ مسئلہ نکالا کہ اس عورت نے اپنا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا۔ (فتح الباری ج ۳ ص ٦٩٦، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲٦ھ)

حدیث مذکور کی مفصل روایت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت آ کر عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں اور میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظر اٹھا کر اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر جھکا لیا: جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں سنایا تو وہ بیٹھ گئی، پھر آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اس سے میرا نکاح کر دیں، آپ نے فرمایا: ''تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟'' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، آپ نے فرمایا: ''تم گھر جاؤ شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے''۔ اور وہ گھر گئے اور واپس آ گئے اور کہا: اللہ کی قسم! مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو اور وہ گئے'' اور پھر واپس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! مجھے لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ملی لیکن میرے پاس صرف میرا یہ تہبند ہے، اس کا آدھا حصہ میں اس عورت کو دے دوں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس مرد کے جسم کے اوپر کے حصہ پر کوئی چادر نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی؟ اگر تم نے اس کو پہن لیا تو اس کے پاس کچھ نہیں رہے گا اور اگر اس کو یہ پہن لے گی تو تمہارے پاس کچھ نہیں رہے گا''۔ تو وہ مرد مجبوراً بیٹھ گئے حتیٰ کہ جب ان کو بیٹھے بیٹھے بہت دیر ہو گئی تو پھر وہ کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھا وہ پیٹھ موڑ کر جا رہے تھے، پھر آپ نے ان کو بلانے کا حکم دیا، جب وہ آئے تو آپ نے پوچھا: ''تمہیں قرآن مجید کتنا حفظ ہے؟'' انہوں نے بتایا کہ مجھے فلاں فلاں سورتیں حفظ ہیں اور انہوں نے وہ سورتیں گن کر بتائیں، آپ نے پوچھا: ''تم یہ سورتیں زبانی پڑھ سکتے ہو'' انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''جاؤ! تم کو جو قرآن مجید یاد ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا''۔
(صحیح مسلم: ۱۴۲۵، الرقم المسلسل: ۳۴۷۷)

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد اور علامہ ابن ملقن شافعی کے دلائل کے مصنف کی طرف سے جوابات

(۱) یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ کوئی عورت اپنا نفس آپ کو ہبہ کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ (الاحزاب:۵۰)

اور وہ مومنہ عورت بھی آپ کے لیے حلال ہے جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا، اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

(۲) جو عورت اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دے آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ آپ بغیر مہر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیں اور یہ بھی آپ کے خصائص میں سے ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ لفظ ہبہ سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اگر اس نے مہر مقرر کیا تو وہ اس پر لازم ہوگا اور اگر مہر مقرر نہیں کیا تو مہر مثل لازم ہوگا۔

(۴) عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی نیک مسلمان کے ساتھ نکاح کے لیے خود کو پیش کرے۔

(۵) اگر کسی شخص کو اس پیش کش کی ضرورت نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور فوراً منع کر کے اس کو شرمندہ نہ کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نکاح کی ضرورت نہیں تھی لیکن آپ نے اس کو فوراً منع نہیں کیا۔

(۶) جس عورت نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا، اس کو نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے، جیسے اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اس کے ساتھ میرا نکاح کر دیں۔

(۷) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ فقط ایجاب سے بھی نکاح ہو جاتا ہے خواہ دوسرا فریق قبول نہ کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: ''ہم نے تمہارا نکاح اس کے ساتھ کر دیا''، اور اس عورت کے قبول کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

(۸) ولی اور حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی عورت کا تنگ دست شخص سے نکاح کر دے جب کہ وہ عورت راضی ہو۔

(۹) اگر تنگ دست کو نکاح کی حاجت ہو تو وہ نکاح کر سکتا ہے، کیونکہ اس مرد نے کہا تھا کہ میرے پاس صرف ایک تہبند ہے۔

(۱۰) نکاح میں مہر کا معین کرنا مستحب ہے کیونکہ اس سے جھگڑا منقطع ہوتا ہے اور اس میں عورت کا زیادہ نفع ہے اور اگر اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی تو اس کے لیے نصف مہر واجب ہوگا۔ اور اگر پہلے مہر معین نہیں کیا گیا تو اس کو صرف کپڑوں کا جوڑا ملے گا۔

(۱۱) جب اس شخص نے کہا کہ میرے پاس تو صرف ایک تہبند ہے تو آپ نے فرمایا: ''اگر تم نے اس کو تہبند دے دیا تو تم برہنہ رہو گے''۔ اس میں امام شافعی کے اس قول کی دلیل ہے کہ عورت دخول سے پہلے مکمل مہر کی مستحق ہوتی ہے اور ہمارا اور امام مالک کا قول یہ ہے کہ عورت دخول سے پہلے نصف مہر کی مستحق ہوتی ہے۔ ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے (یعنی دخول سے پہلے) انہیں طلاق دے دی جب کہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے۔

(۱۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''کچھ تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو'' اس ارشاد میں امام شافعی کے اس قول کی دلیل ہے کہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اور جو چیز اجرت یا ثمن بن سکتی ہے وہ مہر بن سکتی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ مہر کی کم سے کم مقدار معین ہے اور وہ دس درہم ہے (اس سال یعنی دس اکتوبر ۲۰۱۰ء میں اس کی مقدار تین ہزار ایک سو (۳۱۰۰) پاکستانی روپے ہے) ہماری دلیل درج ذیل صحیح حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر مقرر نہ کیا جائے''۔

(سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴۷۔ ۲۴۶، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۴۱، ۲۴۰)

اور آپ نے اس شخص کو انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم اس کی تالیف قلب تلاش کرنے کے لیے دیا تھا۔

(۱۳) امام شافعی کہتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ایک سورت کے عوض اس کا نکاح کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن کو بھی مہر بنایا جا سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ''باء'' عوض کی نہیں ہے بلکہ یہ ''باء'' سبب کے لیے ہے یعنی چونکہ تم کو قرآن مجید یاد ہے اور تم مسلمان ہو اس لیے ہم نے تمہارا اس عورت سے نکاح کر دیا، اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ نکاح

کے جواز کی شرط صرف اسلام ہے اور مال، نسب، حرفت اور کفو میں مساوات نکاح کے جواز کی شرط نہیں ہے۔

(۱۴) اس حدیث سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ نکاح کی ولایت حکمران اور سربراہ ملک کو حاصل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے ہم نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا''۔

(۱۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو''۔ اس سے امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اور ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اور ہماری دلیل یہ صریح حدیث ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا: ''کیا وجہ ہے کہ میں تم پر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں''، وہ دوبارہ آیا تو اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: ''کیا وجہ ہے کہ میں تم پر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں''، اس نے وہ انگوٹھی بھی پھینک دی، پھر پوچھا: یا رسول اللہ! میں کس چیز کی انگوٹھی پہنوں؟ آپ نے فرمایا: ''چاندی کی اور وہ پورے ایک مثقال (ساڑھے چار ماشہ) کی نہ ہو''۔

(سنن ابوداؤد: ۴۲۲۳، سنن ترمذی: ۱۷۸۵، مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۹، سنن نسائی: ۵۲۱۰)

میں کہتا ہوں کہ: علامہ ابن ملقن کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، (التوضیح ج ۱۵ ص ۱۹۰) کیونکہ امام ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے اور امام ابوداؤد جس حدیث پر سکوت کریں وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے، اور اس حدیث پر امام ابوداؤد نے سکوت کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔ نیز یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور علامہ شعیب الارنؤوط نے اس حدیث کی تحقیق میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کی الادب المفرد: ۱۰۲۱ میں روایت کی ہے اور امام طحاوی نے اس حدیث کی شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۲۶۱ میں دو سندوں سے روایت کی ہے اور حافظ الہیثمی نے مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۱ میں اس کی روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث کی امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کی ہے اور امام احمد کی ایک سند میں سب ثقہ راوی ہیں، (مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۳، رقم الحدیث: ۶۵۱۸) نیز جب مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے تو اہل علم کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہوتی ہے۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۱۶۳، استنبول، ۱۳۲۷ھ) اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث سے لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت پر استدلال کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے، نیز امام عبدالوہاب شعرانی شافعی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام ابوحنیفہ کے دلائل میں سے کوئی حدیث ضعیف ہے تو یہ ضعف امام اعظم کی سند میں ان نیچے کے راویوں کی وجہ سے ہے جنہوں نے امام اعظم کی وفات کے بعد اس حدیث کی روایت کی ہے اور ہمیں اس حدیث کی صحت کے لیے یہ حدیث کافی ہے کہ ایک امام مجتہد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۵، مصر، ۱۳۵۱ھ) نیز ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے لکھا ہے کہ امام ترمذی نے کہا ہے کہ اہل علم کے عمل سے حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۹۸، ملتان، ۱۳۹۰ھ)

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ علامہ ابن ملقن شافعی کا یہ کہنا کہ فقہاء احناف نے لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت پر جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ فقہی تعصب اور احناف کے خلاف بغض کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

(۱۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی عورت کا جس مرد سے نکاح کر دیں اس کو انکار کا حق نہیں ہے خواہ وہ مالدار ہو یا فقیر، معزز ہو یا گھٹیا، تندرست ہو یا بیمار، کفوء ہو یا غیر کفوء۔

(۱۷) نکاح سے پہلے مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے اور اس کے محاسن میں تدبر کر سکتا ہے کیونکہ آپ نے اس عورت کی طرف دیکھا

اور پھر نظر جھکالی۔

(۱۸) اس حدیث میں تعلیم قرآن کی اجرت کا جواز ہے کیونکہ امام شافعی کے قول کے مطابق تعلیم قرآن کو اس عورت کا مہر بنایا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فقہاء شافعیہ کی اس دلیل کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دیا اور تعلیم قرآن کے عوض اس عورت کا اس مرد سے نکاح کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی صحت کے لیے دس درہم کا ہونا ضروری نہیں ہے

علامہ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء شافعیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جتنی مقدار پر فریقین راضی ہو جائیں اس مقدار کا مہر مقرر کرنا صحیح ہے خواہ اس کی قیمت ایک درہم ہو اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو'' اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں: دس درہم سے کم مہر مقرر کرنا جائز نہیں ہے اور فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ دس درہم سے کم مہر رکھنا جائز نہیں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے کیونکہ اس مسئلہ میں رائے اور قیاس کا دخل نہیں ہے اور امام شافعی نے جو کہا ہے کہ حدیث میں ہے: خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بہ طور مبالغہ ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''صدقہ کرو خواہ بکری کا جلا ہوا پایا دے دو'' نیز اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پورا اور مکمل مہر ہے ہو سکتا ہے کہ وہ مہر معجل کا ایک حصہ ہو اور جب نکاح میں مہر کا ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح صحیح ہوتا ہے اور مہر مثل لازم ہوتا ہے تو یہاں بھی اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس کو فی الوقت لوہے کی انگوٹھی لانے کے لیے فرمایا ہو اور بعد میں اس پر مہر مثل لازم ہو جائے، نیز آپ نے تعلیم قرآن کو جو اس کا مہر فرمایا اس کا بھی یہی محمل ہے کہ چونکہ تمہیں قرآن مجید کی چند سورتیں یاد ہیں اس لیے میں نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا لیکن بعد میں تمہیں مہر مثل دینا ہو گا جس طرح آپ نے اس مفلس شخص کو فرمایا جس نے رمضان کے روزہ میں جماع کر لیا تھا: تم یہ کھجوریں لے جاؤ اور کھا لو اور یہ اس پر محمول ہے کہ جب تمہیں روزہ کا کفارہ دینے کی قدرت ہو تو پھر بعد میں تم روزہ کا کفارہ دے دینا۔ اسی طرح اس حدیث کا محمل ہے کہ اس وقت تو میں نے تمہارے حافظ قرآن ہونے کے سبب سے تمہارا اس سے نکاح کر دیا لیکن تم اس پر اس کا مہر مثل لازم ہے جو تم بعد میں ادا کر دینا۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۲۔۱۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

۲۲۔ بَابٌ: اَلْقِرَاءَةِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ — قرآن مجید کو دیکھے بغیر حافظہ کی مدد سے پڑھنا

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ: امام بخاری نے اس عنوان سے یہ ارادہ کیا ہے کہ قرآن مجید کو حافظہ سے پڑھنا قرآن مجید کو دیکھ کر تلاوت کرنے سے افضل ہے۔ اس پر مفصل بحث عنقریب آ رہی ہے۔

۵۰۳۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ جِئْتُ لِأَهَبَ لَكَ نَفْسِي فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَصَعَّدَ النَّظَرَ إِلَيْهَا وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَأْسَهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبد الرحمن نے حدیث بیان کی از ابو حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس لیے آئی ہوں تا کہ اپنا نفس آپ کو ہبہ کر

فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا قَالَ انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي قَالَ سَهْلٌ مَا لَهُ رِدَاءٌ فَلَهَا نِصْفُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتَّى طَالَ مَجْلِسُهُ ثُمَّ قَامَ فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا عَدَّهَا قَالَ أَتَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۵، مسند احمد: ۲۲۱۹۳)

دوں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا، پس اس کی طرف نظر اٹھائی اور نظر نیچے کی، پھر اپنا سر جھکا یا، جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی، پس آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس ضرورت نہیں ہے تو میرا اس سے نکاح کر دیں، آپ نے اس سے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟'' تو اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: ''جاؤ اپنے گھر کی طرف، پس دیکھو شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے''، پس وہ گیا، پھر لوٹ آیا، پس اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! مجھے کوئی چیز نہیں ملی، آپ نے فرمایا: ''دیکھو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو''، پس وہ گیا، پھر لوٹ آیا، پھر اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے لیکن میرا یہ تہبند ہے، حضرت سہل نے کہا: اس کے جسم کے اوپر والے حصے پر چادر نہیں تھی، پس اس عورت کے لیے آدھا تہبند ہو گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ما تصنع بازارك یہ تمہارے تہبند کے ساتھ کیا کرے گی؟ اگر اس نے تہبند کو پہن لیا تو تمہارے لیے اس میں سے کچھ نہیں ہوگا اور اگر تم نے اس کو پہن لیا تو اس عورت کے لیے اس میں سے کچھ نہیں ہو گا''، پھر وہ مرد بیٹھ گیا حتیٰ کہ اس کا بیٹھنا طویل ہو گیا، پھر وہ کھڑا ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر جا رہا ہے تو آپ نے اس کو بلانے کا حکم دیا، سو اس کو بلایا گیا، پس جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا: ''تم کو کتنا قرآن یاد ہے؟'' اس نے کہا: مجھے فلاں سورت اور فلاں سورت اور فلاں سورت یاد ہے اس نے وہ سورتیں گنوائیں۔ آپ نے پوچھا: ''کیا تم ان سورتوں کو اپنے حافظہ سے پڑھتے ہو؟'' اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''جاؤ، پس میں نے یہ عورت تمہاری ملک کر دی کیونکہ تم کو قرآن یاد ہے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

علامہ ابن ملقن، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی حنفی اور علامہ نور الحق محدث دہلوی حنفی کی شروح کے حوالہ سے ہم پہلے اس حدیث کی شرح لکھ چکے ہیں، اب حافظ ابن حجر کے حوالہ سے اس عنوان کی شرح کے متعلق لکھ رہے ہیں۔

قرآن مجید کو آیا دیکھ کر پڑھنا افضل ہے یا زبانی اور اس مسئلہ میں روایت اور درایت کے اعتبار سے دلائل اور حافظ ابن حجر کا محاکمہ اور حافظ ابن کثیر کے امام بخاری پر اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ: امام بخاری نے اس عنوان سے یہ ارادہ کیا ہے کہ قرآن مجید کو حافظہ سے پڑھنا قرآن مجید کو دیکھ کر تلاوت کرنے سے افضل ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ایک مخصوص مرد کا واقعہ ہے، پس ہو سکتا ہے کہ اس مرد کو لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہو، لہٰذا یہ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ حافظہ سے قرآن مجید پڑھنا دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، نیز اس حدیث کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ چند سورتیں حفظ کرنی چاہئیں تا کہ مرد اپنی بیوی کو وہ سورتیں یاد کروا سکے، اور اس حدیث میں یہ دلالت نہیں ہے کہ دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا افضل ہے یا نہیں، اور حافظ ابن کثیر کا کوئی اعتراض امام بخاری پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ امام بخاری کے عنوان سے یہ مراد ہے کہ حافظہ سے قرآن مجید پڑھنا مشروع ہے یا مستحب ہے اور یہ حدیث اس عنوان کے مطابق ہے اور اس حدیث میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا کہ حافظہ سے پڑھنا دیکھ کر پڑھنے سے افضل ہے اور بہ کثرت علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے۔

امام ابوعبید نے فضائل قرآن میں اپنی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ بعض صحابہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت زبانی پڑھنے پر ایسی ہے جیسے فرض کی فضیلت نفل پر"، اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مصحف پر دائمی نظر دیکھو، اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اور معنوی اعتبار سے یہ دلیل ہے کہ مصحف میں دیکھ کر پڑھنے سے انسان غلط پڑھنے سے محفوظ رہتا ہے لیکن زبانی پڑھنا ریا سے زیادہ دور ہے اور خشوع کے زیادہ قریب ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ فضیلت اشخاص اور احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ امام ابن ابوداؤد نے سند صحیح سے حضرت ابوامامہ سے یہ روایت کی ہے اور تم کو یہ لٹکے ہوئے مصاحف دھوکہ میں نہ ڈالیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہیں دیتا جس نے قرآن مجید حفظ کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے جواب پر علامہ عینی حنفی کا اعتراض اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب

علامہ عینی لکھتے ہیں: سبحان اللہ! یہ جواب صحت وثواب سے کس قدر بعید ہے کیونکہ یہ بات فضائل قرآن کے متعلق ہے، پس حافظ ابن حجر نے یہ کیسے کہہ دیا کہ امام بخاری دل سے قرآن مجید پڑھنے کی افضلیت کے درپے نہیں ہوئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے کے احوال مختلف ہوتے ہیں، کبھی دیکھ کر قرآن مجید پڑھنا افضل ہوتا ہے اور کبھی اپنے حافظہ سے قرآن مجید پڑھنا افضل ہوتا ہے۔ علامہ عینی نے اس بات کو ذکر نہیں کیا تا کہ وہ حافظ ابن حجر پر اعتراض کر سکیں اور اس کا باعث یہ ہے کہ وہ حدیث سے امام شافعی کے اس استدلال کا رد کرنا چاہتے ہیں کہ تعلیم قرآن کو مہر بنانا صحیح ہے۔ واللہ المستعان

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۱۔ ۲۸۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

دیگر شراح کی شروح

علامہ عبد الرحمٰن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرے تو وہ اس کو دیکھ سکتا ہے۔ نیز امام ابوحنیفہ اور

امام مالک نے کہا ہے کہ لفظ تملیک سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور تعلیم قرآن کے عوض انعقاد نکاح کے متعلق امام احمد بن حنبل کی دو روایتیں ہیں: ایک جواز کی اور ایک عدم جواز کی۔ (کشف المشکل ج ۶ ص ۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کی مذکور الصدر شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۵۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ تم کو یہ لٹکے ہوئے مصاحف دھوکہ میں نہ ڈالیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہیں دیتا جس نے قرآن مجید کو یاد کیا ہو۔ (سنن دارمی: ۳۳۱۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۳)

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۰۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں اس کے ہاتھوں کا اور اس کی آنکھوں کا اور اس کے منہ کا اور اس کی گود کا استعمال ہوتا ہے کیونکہ دیکھ کر پڑھنے سے وہ اس میں زیادہ غور کر سکتا ہے اور اکثر سلف کا یہی مسلک ہے اور بعض نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حافظہ سے پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں دیکھ کر پڑھنے کی بہ نسبت زیادہ تدبر ہوتا ہے۔ یہ عضد الدین بن عبد السلام کا قول ہے۔ (الفجر الساع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۳۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۲۳۔ بَابُ: اِسْتِذْكَارِ الْقُرْآنِ وَتَعَاهُدِهٖ — قرآن مجید کو پڑھتے رہنا اور اس کی حفاظت کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ استذکار کا معنی ہے: قرآن مجید کے حفظ کو طلب کرنا اور تَعَاهُد کا معنی ہے: قرآن مجید کی دائماً تلاوت کر کے اس سے کیے ہوئے عہد کو تازہ کرتے رہنا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۳)

۵۰۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن پڑھنے والے کی مثال صرف اس شخص کی طرح ہے جس کے اونٹ باندھے ہوئے ہوں، اگر اس نے ان اونٹوں کی حفاظت کی تو ان کو روکے رکھے گا، اگر اس نے ان اونٹوں کو کھلا چھوڑ دیا تو وہ چلے جائیں گے''۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۳۱، صحیح مسلم: ۷۸۹، موطا امام مالک: ۲۰۲، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۲، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۹۵، الترغیب والترہیب: ج ۲ ص ۳۶۴، شرح السنۃ ج ۴ ص ۴۹۳، مشکوٰۃ: ۲۱۸۹)

قرآن مجید کی باندھے ہوئے اونٹوں کے ساتھ تشبیہ کی توجیہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے اونٹ باندھے ہوئے ہوں،

مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سینوں سے نکلنے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ (المزمل:۵) بے شک ہم آپ پر بھاری کلام نازل فرمائیں گے O

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ثقیل اور بھاری کی صفت سے موصوف کیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد نہ فرماتا تو وہ اس کو حفظ نہ کر سکتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ (القیامۃ:۱۷) بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ (القمر:۱۷) اور بے شک ہم نے حفظ کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔

اور صحیح البخاری: ۵۰۳۲-۵۰۳۱ ان آیات کی تفسیر کرتی ہے، یعنی جب قرآن مجید کو دائماً پڑھا جاتا رہے تو اس کا حفظ برقرار رہے گا۔

تَفَصِّی کا معنی

اس حدیث میں فرمایا ہے: قرآن مجید اَشَدّ تفصیًا ہے یعنی قرآن مجید بہت زیادہ اپنے آپ کو چھڑانے والا ہے اور جانے والا ہے۔

امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ تَفَصِّی کے معنی میں لکھتے ہیں:

جب ہڈی سے گوشت چھڑا لیا جائے تو کہتے ہیں: فصی اللحم من العظم اور انسان جب کسی چیز سے چھٹکارا پالے تو اس سے جلدی بھاگتا ہے۔ اس کا مصدر تفصی ہے اور ابل اور البقر اور الغنم کا ان کے لفظ سے واحد نہیں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کے سینہ سے نکلنے کو اس اونٹنی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو رسی کھلنے کے بعد بھاگ جاتی ہے۔ (کتاب العین ج ۷ ص ۱۶۵، ایران)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۳۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صاحب القرآن کا معنی

علامہ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں صاحب القرآن فرمایا: اور صاحب سے مراد ہے: جو قرآن مجید سے الفت رکھتا ہو، قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ المصاحبۃ کا معنی ہے: المؤالفۃ جیسے قرآن مجید میں اصحاب الجنۃ فرمایا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن مجید کی تلاوت سے الفت رکھتا ہو عام ازیں کہ وہ قرآن مجید کو دیکھ کر تلاوت کرے یا زبانی تلاوت کرے۔ پس جو شخص دائماً قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو اس پر قرآن مجید کے الفاظ سہل اور آسان ہو جائیں گے، اور جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کو چھوڑ دے گا تو اس کے اوپر قرآن مجید کی تلاوت مشکل اور دشوار ہو جائے گی اور انما کا لفظ حصر کا تقاضا کرتا ہے اور یہ حصر مخصوص ہے یعنی قرآن مجید اسی کو حفظ رہے گا جو اس کی دائماً تلاوت کرے گا اور جو قرآن مجید کی تلاوت کو چھوڑ دے گا تو وہ قرآن مجید کو بھول جائے گا بلکہ قرآن مجید اس کو بھول جائے گا۔

باندھے ہوئے اونٹوں کے ساتھ قرآن مجید کی مثال کی وضاحت

قرآن مجید کے درس اور اس کی تلاوت کے دوام کو اس اونٹ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے بھاگنے کے خطرہ کی وجہ سے اس

رسی سے باندھا جاتا ہے، پس جب تک قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی رہے گی وہ محفوظ رہے گا اور جب اس کی تلاوت چھوڑ دی جائے گی وہ بھول جائے گا۔ اسی طرح اونٹ جب تک بندھا رہے گا تو وہ محفوظ رہے گا اور اونٹوں کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ یہ تمام جانوروں میں انسان سے سب سے زیادہ غیر مانوس ہوتا ہے اور اس پر قابو پانے کے بعد اس کو بھاگنے سے روکنے میں مشکل ہوتی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے نافع سے روایت کی ہے کہ جب صاحب قرآن رات اور دن قرآن مجید پڑھتا رہے تو وہ اس کو یاد رہتا ہے اور جب وہ قرآن مجید پڑھنا چھوڑ دے تو وہ اس کو بھول جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٢١٣، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ١٠٧٣ھ نے بھی اس شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٦٧، تیسیر القاری ج ٥ ص ١٣)

٥٠٣٢- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَقُولَ نَسِيتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ مِثْلَهُ تَابَعَهُ بِشْرٌ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ شُعْبَةَ وَتَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدَةَ عَنْ شَقِيقٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کسی شخص کے لیے یہ کہنا بہت برا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں بلکہ وہ اس کو بھلا دی گئی ہے۔ قرآن مجید کو دہراتے رہو کیونکہ وہ مردوں کے سینوں سے اونٹوں کی بہ نسبت زیادہ تیزی سے بھاگنے والا ہے''۔ ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور اسی حدیث کی مثل اور بشر نے محمد بن عرعرہ کی متابعت کی ہے از ابن المبارک از شعبہ اور عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج نے محمد بن عرعرہ کی متابعت کی ہے از عبدہ از شقیق، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ٥٠٣٢، صحیح مسلم: ٧٩٠، سنن نسائی: ٩٤٢، سنن ترمذی: ٢٩٤٢، مشکوۃ: ٢١٨٨، تاریخ بغداد ج ٥ ص ٣٥٣)

قرآن مجید کی آیتوں کے بھولنے کے دو محمل: ایک یہ کہ وہ آیت اسے یاد نہیں رہی، دوسرا یہ کہ وہ آیت اسے بھلا دی گئی یعنی اس کے سینہ سے نکال دی گئی

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ٨٠٤ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے: کسی شخص کا یہ کہنا بہت برا ہے کہ وہ کہے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی بلکہ وہ شخص بھلا دیا گیا ہے، یعنی اس شخص کو قرآن مجید کو نہ دہرانے اور اس کو بھلانے کی یہ سزا دی گئی کہ قرآن نے اس کو بھلا دیا۔
دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ عہد رسالت میں قرآن مجید کی آیات منسوخ ہوتی رہتی

تھیں اور ان آیات کو سینوں سے محو کر دیا جاتا تھا، پس ان کی تلاوت اور کتابت باقی نہیں رہی تھی اور یہ چیز حاملین قرآن پر بہت سخت گزرتی تھی تو وہ کہتے تھے: میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا تو آپ نے ان کو یہ کہنے سے منع فرمایا تا کہ لوگ قرآن مجید کے متعلق ضائع ہونے کا وہم نہ کریں، پس آپ نے ان کو یہ بتایا کہ وہ جو ان آیات کو بھول گئے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تقدیر سے ہے اور ان آیات کے منسوخ ہونے اور دلوں سے ان کے محو ہونے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے، اور رہا کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں فلاں آیت بھول گیا ہوں سو یہ جائز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شاگرد یوشع بن نون نے کہا:

فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ۔ (الکہف: ۶۳) پس میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا۔

اس قول کا جواز کہ مجھے فلاں آیت بھول گئی

علامہ ابوالعباس احمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کو یاد نہ رکھنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا: انسان کا اپنی طرف بھولنے کی نسبت کرنا جائز ہے کیونکہ اس بھولنے میں اس کا دخل نہیں ہے، پس اس کو یہ کہنا چاہیے کہ میں بھلا دیا گیا ہوں لیکن یہ قول درست نہیں ہے۔ (المفہم ج ۲ ص ۴۱۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرمائے اس مرد نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جن کو میں فلاں سورت سے چھوڑ چکا تھا''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۳۷)

دوسری روایت میں ہے: ''جو آیات مجھے بھلا دی گئی تھیں''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۳۸)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک مرد کو قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرمائے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جن کو میں فلاں فلاں سورت سے ساقط کر چکا تھا''۔ اور عباد بن عبد اللہ نے یہ اضافہ کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے حضرت عباد رضی اللہ عنہ کی آواز سنی جو مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے پوچھا: ''اے عائشہ! کیا یہ عباد کی آواز ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! عباد پر رحم فرما''۔ (صحیح البخاری: ۲۶۵۵)

اور اللہ عزوجل نے بھی درج ذیل آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسیان کی طرف نسبت کی ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ۝ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ۔ ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ۝ مگر جو اللہ چاہے۔ (الاعلیٰ ۷۔۶)

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا۔ جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۰۶)

تو آپ نے یہ کہنے سے منع فرمایا کہ میں فلاں آیت کو بھول گیا تا کہ اس سے یہ وہم نہ ہو کہ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے قرآن مجید کی بہ کثرت آیات ضائع ہو گئیں۔

قرآن مجید کی آیات کے بھولنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے کہ اس نے بھلا دیا یا بندہ کی طرف کی جائے یا شیطان کی طرف تینوں نسبتوں کا جواز

یہ توجیہ بعید ہے کیونکہ کبھی انسان بھلانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے اور اس کے تمام

افعال کا خالق ہے اور کبھی بھولنے کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرتا ہے کیونکہ وہ افعال کا، کاسب ہے اور کبھی اس کی نسبت شیطان کی طرف کرتا ہے جیسا کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے کہا تھا:

وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۔ (الکہف: ۶۳) اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے شیطان کے وسوسوں کو مقدر فرمادیا ہے، پس ہر ایک نے ایک مخصوص وجہ سے نسیان کی اضافت کی ہے، کسی نے کہا: چونکہ اللہ تعالیٰ نسیان کو پیدا کرتا ہے: لہٰذا نسیان کی نسبت اس کی طرف ہے، کسی نے کہا: بندہ کسب کرتا ہے، لہٰذا نسیان کی نسبت بندے کی طرف ہے اور کسی نے کہا: شیطان بندوں کو وسوسے میں ڈالتا ہے اس لیے نسیان کی نسبت شیطان کی طرف ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن مجید کا بھولنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ لوگ قرآن مجید کو یاد کرنے سے غفلت کرتے ہیں اور بار بار دہراتے نہیں ہیں جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر صاحب قرآن دن، رات قرآن پڑھتا رہتا ہے تو وہ اس کو یاد رکھتا ہے اور اگر وہ قرآن مجید کے ساتھ نمازوں میں قیام نہیں کرتا تو وہ اس کو بھول جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۷۸۹، الرقم المسلسل: ۱۷۸۹)

پس جب کسی انسان نے کہا کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا تو اس نے اپنے نفس کے خلاف تقصیر کی گواہی دی اور قرآن مجید کی حفاظت کو ترک کرنے کی گواہی دی اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی مرد کو قرآن مجید کی کوئی سورت دی گئی ہو یا کوئی آیت دی گئی ہو اور وہ اس کو بھول گیا ہو''۔ (سنن ترمذی: ۲۹۱۶، سنن ابوداؤد: ۴۶۱)

اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ قرآن مجید کے دہرانے کو ترک کرنا اور اس کی حفاظت کو ترک کرنا لائق مذمت ہے اور قرآن مجید کے دہرانے کو ترک کرنے کی وجہ سے انسان بھولتا ہے، اس لیے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

پورا قرآن مجید حفظ کرنا فرض عین نہیں ہے تو پھر اس میں غفلت کی وجہ سے اس کی مذمت کیوں ہے اور اس کو عذاب کیوں ہے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پورے قرآن کو حفظ کرنا واجب علی العین یا فرض عین نہیں ہے تو جس نے اس کو دہرانے میں تقصیر کی تو اس پر اس کو مذمت کیوں کی جائے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے قرآن مجید کو حفظ کیا اس کے دونوں پہلوؤں میں نبوت مندرج ہو گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے عباد خواص اور اہل اللہ میں سے ہو گیا، اس لیے مناسب یہ ہے کہ جو اس مرتبہ میں کمی کرے اس کا ایسا مواخذہ کیا جائے جیسا دوسروں کا مواخذہ نہیں ہوتا اور قرآن مجید کی حفاظت کو ترک کرنا قرآن مجید سے جہالت کی طرف پہنچاتا ہے اسی وجہ سے قرآن مجید کو یاد کرنے کی تقصیر کی وجہ سے اس کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ ۔ (التوبہ: ۶۷) انہوں نے اللہ کو بھلا دیا، سو اللہ نے بھی ان کو نظر انداز کر دیا۔

علامہ قرطبی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی ان کو عذاب میں چھوڑ دیا یا ان پر رحمت کو ترک کر دیا۔ (المفہم ج ۲ ص ۴۱۹۔۴۱۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۴۰۔۱۳۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

جس شخص نے کہا: میں فلاں آیت کو بھول گیا اس کی مذمت کی چھ توجیہات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ بہت بری بات ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا بلکہ وہ شخص خود بھلا دیا گیا۔

ایسا کہنے والے کی مذمت کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) چونکہ انسان نے اس قول میں بھولنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے اس لیے اس کی مذمت کی گئی کیونکہ وہ اپنے افعال کا خالق نہیں ہے، پس اس کو چاہیے تھا کہ وہ کہتا کہ مجھے یہ آیت بھلا دی گئی ہے اور اس کے اس قول سے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ اس بھولنے میں مستقل ہے یا متصرف ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ آیت بھلائی ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں بندہ کے فعل کی نفی کی گئی ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال:۱۷) اور (اے رسول معظم!) آپ نے وہ خاک نہیں پھینکی جس وقت وہ خاک پھینکی تھی لیکن وہ خاک اللہ نے پھینکی تھی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔ (الانفال:۱۷) سو (اے مسلمانو!) تم نے ان کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے۔

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ۝ (الواقعہ:۶۴) کیا (اس زراعت کو) تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں O

علامہ ابن بطال کا ذہول اور تسامح

اسی اعتبار سے علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے وثوق سے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ارشاد سے مراد یہ ہے کہ بندوں کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام افعال کی نسبت ان افعال کے خالق کی طرف کریں تاکہ اس سے ان کی عبودیت کا اقرار ہو اور اس کی قدرت کو ماننے کا اظہار ہو اور یہ اس لیے اولیٰ ہے کہ بندہ اپنے افعال کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے کیونکہ وہ ان افعال کا، کاسب ہے ہر چند کہ اس کا جواز بھی کتاب اور سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ نسیان کی نسبت اپنی طرف کی اور دوسری مرتبہ شیطان کی طرف کی، پس فرمایا:

فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ۔ (الکہف:۶۳) پس بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا۔

ان میں سے ہر نسبت کا معنی صحیح ہے، پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ تمام افعال کا خالق ہے اور نفس کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ وہ افعال کا، کاسب ہے اور شیطان کی طرف اس اعتبار سے نسبت ہے کہ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے۔ (علامہ ابن بطال کا کلام ختم ہوا)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ ابن بطال کو اس عبارت میں ذہول ہوا ہے جو انہوں نے اس کلام کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی ہے حالانکہ یہ کلام ان کے شاگرد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا ہے۔

اپنی طرف بھولنے کی نسبت کے متعدد شواہد، اور اس بھول کا لائق مذمت نہ ہونا

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کی طرف نسیان کی نسبت کی ہے جیسا کہ عنقریب نسیان القرآن کے باب میں آئے گا، اس طرح حضرت یوشع علیہ السلام نے بھی اپنی طرف نسیان کی نسبت کی ہے جب انہوں نے کہا: فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ (الکہف:۶۳) (بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا ہوں) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی طرف نسیان کی

نسبت کی ہے جب انہوں نے کہا:

لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ۔ (الکہف:۷۳) جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے۔

اور اس سے پہلے صحابہ کرام کی اس دعا کا ذکر گزر چکا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ۔ (البقرہ:۲۸۶) اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں تو ہماری گرفت نہ کرنا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ۔ (الاعلیٰ:۷۔۶) ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ○ مگر جو اللہ چاہے۔

پس زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس قسم کی بھول لائق مذمت نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید کی آیات کو بھولنے پر مذمت کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس بھول پر اس لیے مذمت فرمائی گئی کہ قرآن پڑھنے والے نے غفلت کی اور اس کو یاد کرنے اور بار بار دہرانے میں مشغول نہیں رہا جس کے نتیجہ میں وہ قرآن مجید کی ان آیات کو بھول گیا، اگر وہ ان آیات کی حفاظت کرتا اور نمازوں میں ان کو پڑھتا رہتا تو وہ ان آیات کو نہ بھولتا، پس یہ مذمت اس کی حفاظت نہ کرنے اور غفلت کی وجہ سے ہے اور جب اس نے کہا: میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا تو اس نے اپنی تقصیر کا اعتراف کیا تو یہ مذمت اس کے قرآن کو یاد نہ کرنے اور نہ دہرانے کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے نسیان پیدا ہوا۔

(۳) الاسماعیلی نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ آپ نے قرآن پڑھنے والے کے اس قول کو اس لیے ناپسند کیا ہو کہ اس نے کہا کہ میں فلاں آیت کو بھول گیا یعنی میں نے اس کو ترک کر دیا اور یہ بھول سہو کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ۔ (التوبہ:۶۷) انہوں نے اللہ کو بھلا دیا، سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔

یہ توجیہ امام ابوعبید اور ایک جماعت کی مختار ہے۔

(۴) نیز الاسماعیلی نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نسیت کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گویا کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی نسخ کی حکمت کی وجہ سے مجھے وہ آیت بھلا دی ہے اور اس کی تلاوت میرے سینہ سے اٹھالی ہے اور اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو ان آیات کو بھلا دیتا ہے اور سینوں سے نکال دیتا ہے جن کو وہ منسوخ فرماتا ہے اور وہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ۔ (الاعلیٰ:۷۔۶) ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ○ مگر جو اللہ چاہے۔

پس اس بھول سے مراد وہ ہے جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس آیت کو بھلا دیا جس کو اس نے منسوخ کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔

(۵) علامہ احمد بن محمد خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ مخصوص ہو کیونکہ اس وقت نسخ کی ایک قسم یہ تھی کہ ایک آیت نازل ہوتی، پھر وہ منسوخ ہوجاتی اور اس کے نقوش مٹ جاتے اور اس کی تلاوت اٹھالی جاتی اور حاملین قرآن کے ذہنوں سے وہ آیت ساقط ہوجاتی، پس کہنے والا کہتا کہ میں فلاں آیت بھول گیا تو اس کو اس سے منع کر دیا گیا تا کہ اس سے یہ وہم نہ ہو کہ کچھ قرآن ضائع ہوگیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ جو کچھ ہوا وہ

محض اللہ کے اذن سے تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت تھی۔

(۶) الاسماعیلی نے کہا: اس کی ایک اور توجیہ یہ ہے کہ جو نسیان حفظ کے خلاف ہے اس کی اضافت حامل قرآن کی طرف مجاز ہے کیونکہ یہ نسیان اس کو عارض ہوا ہے وہ قصداً نہیں بھولا کیونکہ اگر وہ قصداً بھولا ہوتا تو بھول کے وقت وہ اس کو یاد ہوتا اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص مرا نہیں اس کو مار دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ توجیہ پہلی توجیہ کے زیادہ قریب ہے اور ان تمام توجیہات میں دوسری توجیہ راجح ہے یعنی جس نے کہا: میں فلاں آیت کو بھول گیا اس کی مذمت اس لیے فرمائی کہ اس نے اس آیت کو یاد رکھنے میں غفلت اور کوتاہی کی۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ دراصل یہ اس کے قول کی مذمت نہیں ہے اس کے حال کی مذمت ہے کہ وہ غافل تھا۔

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ نے کہا ہے کہ کسی شخص کا یہ کہنا کہ مجھے فلاں آیت بھول گئی، یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۵۔ ۲۱۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ ھ نے بھی اسی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۶۸، بیروت، تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

دیگر شراح کی شروح

علامہ عبد الرحمٰن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس قول کی مذمت کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ یہ ممانعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے جب آیات کی تلاوت منسوخ ہوتی رہتی تھی تو ان کو اس قول سے منع فرمادیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس قول کی مذمت اس وجہ سے کی کہ اس نے قرآن مجید کی آیات کو یاد رکھنے میں غفلت کی جس کی وجہ سے وہ بھول گیا۔

(کشف المشکل ج ۶ ص ۳۳۷۔ ۳۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: اس حدیث کے معنی میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حاملین قرآن کو وہ آیات بھلادیں، دوسرا یہ کہ نسیان کے معنی ہیں: ترک کرنا، تو جب کسی نے کہا: میں فلاں آیت کو بھول گیا تو اس سے یہ وہم ہوگا کہ اس نے اس آیت کو ترک کردیا، اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اس قول کی مذمت فرمائی۔

علامہ کورانی حنفی فرماتے ہیں: پہلے قول پر یہ اعتراض ہے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو پھر اس قول کی کیا تخصیص ہے؟ اور تحقیق یہ ہے کہ نسیان کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے جو حفظ کے خلاف ہو، دوسرا معنی ہے: ترک جب کہ یہ لفظ قرآن کو ترک کرنے کا وہم پیدا کرتا تھا اس لیے آپ نے اس کو ناپسند فرمایا اور یہ نسیان قرآن کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو''۔ (صحیح البخاری: ۴۰۱، صحیح مسلم: ۵۷۳)

کیونکہ یہاں نسیان کا معنی ہے: ذہول یعنی عدم توجہ کیونکہ کبھی نسیان کسی فعل کو زیادہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے ترک کرنے کی وجہ سے نہیں ہوتا جیسے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز میں پانچ رکعات پڑھادیں۔ (صحیح البخاری: ۴۰۴)

یہ وہ تحقیق ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور احسان سے مجھ پر الہام فرمایا۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۰۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ محمد الفضیل الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ نے بھی اختصار سے فتح الباری کی تقریر لکھی ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۵۳۔۳۵۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۳۶۔۳۳۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۰ھ)

۵۰۳۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقُلِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ”قرآن مجید کی حفاظت کرو، پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! قرآن مجید رسی سے باندھے ہوئے اونٹ کی بہ نسبت زیادہ بھاگنے والا ہے“ (یعنی رسی تڑا کر)۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۳۱ میں گزر چکی ہے۔

۲۴۔ بَابُ: الْقِرَائَةِ عَلَى الدَّابَّةِ سواری پر (بیٹھے ہوئے) قرآن مجید کی تلاوت کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جو شخص سواری پر سوار ہونے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کو مکروہ کہے اس کا یہ قول مکروہ ہے اور امام ابن ابوداؤد نے بعض سند سے اس کے جواز کو نقل کیا اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ سوار ہونے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی سنت موجود ہے اور اس سنت کی اصل درج ذیل آیت سے ثابت ہوتی ہے:

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۙ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ (الزخرف: ۱۴۔۱۳)

تا کہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہوسکو، پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جس نے سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم ازخود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے O اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں O

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۳۴۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِيَاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُغَفَّلٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَهُوَ يَقْرَأُ عَلَى رَاحِلَتِهِ سُورَةَ الْفَتْحِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوایاس نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے فتح مکہ کے دن دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار تھے اور آپ سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۲۸۱ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے یہاں پوری حدیث ذکر نہیں کی، پوری حدیث اس طرح ہے:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہیں اور آپ سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے ہیں اور اس میں آپ ترجیع کر رہے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مغفل نے کہا: اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ میرے گرد جمع ہو جائیں گے تو میں ضرور اس طرح ترجیع کرتا جس طرح آپ نے ترجیع کی تھی۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۲۸۱، ۵۰۳۴، صحیح مسلم: ۷۹۴، الرقم المسلسل: ۱۷۴۳، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۷۰)

ترجیع کے معنی کی تحقیق

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یُرَجِّعُ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ترجیع ہے اور رَجَّعَ کا معنی ہے قراءت کو لوٹانا یا دہرانا اور دوسرا قول ہے۔ آواز میں حرکات کو بڑھانا، اور تیسرا قول ہے کہ آپ کی ترجیع اس طرح تھی کہ آپ پڑھتے: آ آ آ آ آ (صحیح البخاری: ۷۵۴۰)

(یعنی آپ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ (الفتح: ۱) میں مُّبِيْنًا کے الف کو چار مدات کے برابر کھینچ کر پڑھتے۔ سعیدی غفرلہ)

اور ''الاکلیل'' میں یہ اضافہ ہے کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ جمع ہو جائیں گے تو میں اس لہجہ میں یہ آیت پڑھتا جس لہجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تھی۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۵۹)

بعض علماء کا یہ زعم ہے کہ یہ ترجیع آپ سے اس وجہ سے صادر ہوئی کہ اس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے تو اونٹنی کی حرکت کی وجہ سے آپ نے مبینا کے الف کو چار مدات کے برابر لمبا کر کے پڑھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بہت حسین تھی، جب آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو آیات کو کھینچ کر پڑھتے اور حروف پر وقف کرتے۔ قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ جو نبی بھی مبعوث کیا گیا اس کی آواز بہت حسین اور مترنم تھی، اور اس پر اجماع ہے کہ خوش آوازی اور ترتیل کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا مستحب ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۱۶۱، النہایہ فی غریب الحدیث ج ۲ ص ۲۰۲)

امام ابوعبید نے کہا ہے کہ اس قسم کی احادیث تحزین اور تشویش پر محمول ہیں (یعنی غم گین لہجہ میں پڑھنے اور مسرت کے لہجہ میں پڑھنے میں۔) (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۶۴)

ترجیع میں مذاہب فقہاء

امام مالک اور جمہور نے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کو مکروہ کہا ہے، کیونکہ ترجیع کی وجہ سے قرآن مجید کی قراءت اپنے طریقہ سے خارج ہو جاتی ہے اور مخارج میں فرق ہو جاتا ہے۔ (المدونہ ج ۳ ص ۳۷۹)

اور امام ابوحنیفہ نے ترجیع کو یا خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کو مباح قرار دیا ہے اور سلف کی جماعت کا بھی یہی ایک قول ہے کیونکہ اس سے رقت اور خشیت پیدا ہوتی ہے اور نفوس اس کو غور سے سننے کی طرف متوجہ اور راغب ہوتے ہیں (جیسے ہمارے زمانے میں لوگ قاری عبدالباسط مصری اور دوسرے مصری قراء کی تلاوت کو ذوق و شوق سے سنتے ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۹۱)

اور امام شافعی نے کہا: میں خوش آوازی کے ساتھ قراءت کو مکروہ کہتا ہوں اور دوسرے مقام پر کہا: میں اس کو مکروہ نہیں کہتا۔

(روضۃ الطالبین ج ۱۱ ص ۲۲۷)

اور امام شافعی کے اصحاب نے ان میں تطبیق دی ہے اور کہا ہے: پہلے قول کا محمل یہ ہے کہ جب ترجیع کی وجہ سے کسی لفظ میں

زیادتی یا کمی ہو جائے یا جس لفظ میں مد نہ کرنی ہو اس میں مد کی جائے یعنی جس کو کھینچ کر نہ پڑھنا ہو اس کو کھینچ کر پڑھا جائے یا اس لفظ کا ادغام کیا جائے جس میں ادغام جائز نہیں ہے وغیرہ اور دوسرے قول کا محمل یہ ہے کہ جب لفظ کے مخرج میں تغیر نہ ہو تو پھر ترجیع کرنا جائز ہے، اور امام مالک نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے اذکار کو اور قرآن عظیم کو گویوں کے احوال اور باطل چیزوں کی تشبیہ سے منزہ کرنا چاہیے کیونکہ قرآن کریم حق اور صدق ہے اور غنا اور گانا لہو ولعب ہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے امام مالک کے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ مشائخ کی جو قراءت شارع علیہ السلام تک پہنچی ہے اس میں تطریب اور تحسین (ترنم اور ترجیع) نہیں ہے حالانکہ یہ لوگ بہت زیادہ مخارج میں گہرائی کے ساتھ کوشش کرتے تھے اور مد، ادغام اور اظہار وغیرہ میں، اور اس لیے کہ تطریب اور ترجیع قرآن مجید کی ادائیگی میں زیادتی یا کمی کی طرف پہنچاتی ہیں اور یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں اور جو چیز کسی ممنوع کام کی طرف پہنچائے وہ بھی ممنوع ہے اور اس کی حفاظت یہ ہے کہ تطریب اور تحسین (خوش آوازی اور مد کو لمبا کرنا) مد کی ضروریات میں سے ہے اور نقص وزن کی رعایت کی وجہ سے جیسا کہ اس فن کو جاننے والے کو معلوم ہے، اور اس لیے کہ اس سے قرآن مجید کو پڑھنا شعر کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو شعر سے منزہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۔ (الحاقہ: ۴۱) اور یہ قرآن کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔

علامہ قرطبی کی عبارت ختم ہوئی۔ (المفہم ج ۲ ص ۴۲۲۔۴۲۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۴۵۲۔۴۵۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ترجیع کی کیفیت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی طرز میں (الفتح: ۱) کو پڑھا اور کہا: اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے گرد جمع ہو جائیں گے تو میں اس طرح ترجیع کرتا جس طرح حضرت ابن مغفل نے ترجیع کی تھی۔ راوی نے حضرت معاویہ سے پوچھا: ان کی ترجیع کس طرح تھی، انہوں نے کہا: وہ اس طرح پڑھتے تھے آ آ آ یعنی مبینا کے الف کو تین مدات کے برابر لمبا کرتے تھے۔ اس حدیث کی شرح ان شاء اللہ (صحیح البخاری: ۷۵۴۰) میں آئے گی۔ (سعیدی غفرلہ)

(فتح الباری ج ۵ ص ۳۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ترجیع کی تعریف اور قرآن مجید میں ترجیع کا شرعی حکم

علامہ احمد بن اسماعیل حنفی الکورانی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ترجیع کی تعریف ہے: قراءت میں آواز کو کھینچ کر پڑھنا۔

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ کی جو تلاوت کی تھی اس میں مُبِيْنًا کے لفظ میں ترجیع کی تھی اور ترجیع کا معنی ہے: قراءت کو دہرانا اور اسی سے اذان میں ترجیع ہے یعنی شہادتین کو دوبارہ پڑھنا اور اس کی دوسری تعریف ہے کہ آواز کو کھینچ کر پڑھنا۔ حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیع کی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ آپ آ آ آ، تین مرتبہ مد کے برابر کھینچ کر پڑھتے تھے اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ آپ فتح مکہ کے دن سواری پر سوار تھے اس وجہ سے ترجیع کی کیفیت پیدا ہوئی، اور

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ترجیع سے منع فرمایا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اس وقت سواری پر سوار نہیں تھے۔
(النہایہ ج ۲ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ کورانی لکھتے ہیں: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیع حد سے متجاوز نہ ہوتی اور آپ مد کو بہت زیادہ لمبا کرتے تو آپ قراءت کو چھوڑ دیتے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ نے ترجیع میں ممانعت سے جو منع فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مد کو بہت زیادہ لمبا کیا جائے جیسا کہ قراء کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیع اس طرح نہیں تھی، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قراءت میں کھینچ کر پڑھتے تھے یعنی مدات کو، حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو عرب کے لحون میں پڑھو''۔ (المعجم الاوسط: ۷۲۲۳، شعب الایمان: ۲۶۴۹)

اس حدیث میں لحون کا لفظ ہے اور لُحُون لَحَن کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: آواز میں ترجیع کرنا یعنی مدات کو لمبا کر کے پڑھنا۔ (الکوثر الجاری ج ۷ ص ۲۹۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۲۵۔ بَابُ: تَعْلِيمِ الصِّبْيَانِ الْقُرْآنَ — بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: امام بخاری نے اس عنوان سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھانا مکروہ ہے۔ سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ بچوں کو قرآن پڑھانا مکروہ ہے، اس کی امام ابن ابوداؤد نے ان دونوں سے روایت کی ہے اور ابراہیم النخعی کی عبارت یہ ہے کہ جب تک لڑکے کو عقل نہ آ جائے اس وقت تک اس کو قرآن مجید پڑھانا مکروہ ہے، اور سعید بن جبیر کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بچوں کو قرآن پڑھانا اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ بچے اکتا جاتے ہیں، اور امام ابن ابوداؤد کی عبارت بھی اسی طرح ہے کہ فقہاء اس کو پسند کرتے تھے کہ بچوں کو قرآن مجید کچھ عرصہ کے بعد پڑھایا جائے۔ امام ابن ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ الاشعث بن قیس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹا لڑکا پیش کیا تو فقہاء نے ان کی مذمت کی، پس انہوں نے کہا: میں نے اس کو مقدم نہیں کیا اس کو تو قرآن نے مقدم کیا ہے۔

جو فقہاء کہتے ہیں کہ بچوں کو قرآن پڑھانا جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ بچپن میں جس چیز کو یاد کر لیا جائے وہ ذہن میں راسخ ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے: بچپن میں علم حاصل کرنا ایسا ہے جیسے پتھر پر نقش ہو، اور سعید بن جبیر کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے پہلے بچے کو اس کی خوشی سے چھوڑ دیا جائے، پھر تدریجاً اس کو سنجیدگی کی طرف مائل کیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: تحقیق یہ ہے کہ یہ حکم اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہوا ہے یعنی اگر بعض بچے شروع میں پڑھائی کی طرف مائل ہوں تو انہیں شروع میں قرآن مجید کی تعلیم دینی چاہیے اور اگر بعض بچے شروع میں قرآن مجید کی طرف مائل نہ ہوں تو پھر انہیں کچھ عرصہ کے بعد قرآن مجید پڑھانا چاہیے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۳۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ الْمُفَصَّلَ هُوَ الْمُحْكَمُ قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنَا ابْنُ عَشْرِ سِنِينَ وَقَدْ قَرَأْتُ الْمُحْكَمَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر انہوں نے کہا: تم قرآن کے جس حصہ کو مفصل کہتے ہو (یعنی سورۃ الحجرات سے آخر قرآن تک) وہ محکم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میری عمر دس سال کی تھی اور میں

المحکم کو پڑھ چکا تھا۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۳۵، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۵۷۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۳، مسند الطیالسی ۲۶۴۰، المستدرک ج ۳ ص ۵۳۳، الاحاد والمثانی: ۳۷۳-۳۷۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۵۷۸، المستدرک ج ۳ ص ۵۳۴، مسند احمد: ۳۵۴۳-۲۲۷۳-۲۳۷۹)

مفصل اور محکم سورتوں کی تعریف

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: روایت ہے کہ بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ اس کا ابن زید نے ذکر کیا ہے، اور المفصل سے مراد سورۃ الحجرات سے لے کر آخر قرآن مجید کی سورتیں ہیں کیونکہ ان سورتوں میں بہ کثرت فواصل ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں منسوخ آیات بہت کم ہیں۔ ان سورتوں کو محکم بھی کہا گیا ہے کیونکہ اس کی اکثر سورتوں میں منسوخ آیات نہیں ہیں۔ یہ علامہ ابن التین کی شرح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر کی تحقیق

صحیح البخاری: ۴۹۳، میں مذکور ہے کہ حجۃ الوداع کے سال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بلوغت کے قریب تھے اور امام ابن اسحاق نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی اور ان سے دوسری روایت یہ ہے جیسا کہ اس باب میں ہے، انہوں نے کہا: اس وقت میری عمر دس سال تھی، علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ وہم ہے حالانکہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میری عمر چودہ (۱۴) سال تھی۔ اور الزبیر اور الواقدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے تھے اور یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر (تیرہ) سال تھی، اور امام ابن حبان نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر چودہ (۱۴) سال تھی۔

(ثقات ابن حبان ج ۳ ص ۲۰۷)

اور عمرو بن علی نے کہا کہ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تیرہ (۱۳) سال پورے کر چکے تھے اور چودھویں (۱۴) سال میں داخل ہوئے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۴۳-۱۴۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

المفصل کے مصداق اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
مفصل سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں بہ کثرت فواصل ہوں اور صحیح قول کی بناء پر ان کا مصداق سورۃ الحجرت سے لے کر آخر قرآن تک ہے، اور شاید کہ امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان سے حضرت ابن عباس کے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مجھ سے تفسیر کے متعلق سوال کرو کیونکہ میں نے قرآن کریم کو اس وقت حفظ کر لیا تھا جب میں کم عمر تھا۔ اس حدیث کی امام ابن سعید نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر تیرہ (۱۳) سال تھی اور اس سلسلہ میں انہوں نے مختلف روایات نقل کی ہیں۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۶۔ ۲۱۷، ملخصا، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بچوں کو قرآن مجید کس عمر میں پڑھانا چاہیے

شیخ محمد صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ بچوں کو کس عمر میں قرآن شریف پڑھانے کی ابتداء کی جائے، سو یہ حکم بچوں کے احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اور بعض بچے ذہین ہوتے ہیں، ان کو پانچ یا چھ یا سات سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھانے کی ابتداء کرنی چاہیے اور بعض کند ذہن ہوتے ہیں یا کھیل کود میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کو مار پیٹ کے بغیر پڑھانا ممکن نہیں ہوتا اور غالباً اس وجہ سے شریعت کی حکمت یہ ہے کہ جب انسان تھک جائے یا اکتا جائے تو اس عمل کو موقوف کر دینا چاہیے اور اپنے آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہیے حتیٰ کہ نمازوں میں اور عبادات میں بھی جب انسان اکتانے لگے تو ان کو چھوڑ دینا چاہیے اور اپنے آپ کو تھکانا نہیں چاہیے، یہ صرف نوافل اور مستحباب کا حکم ہے اور فرائض اور واجبات کو ہر صورت میں ادا کرنا چاہیے، اسی طرح قرآن مجید کی جتنی آیات کی مقدار صحت نماز کے لیے ضروری ہے وہ ہر صورت میں بچوں کو یاد کرانی چاہئیں خواہ ان کو مارنا پڑے۔
(شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۳۸۹، مکتبۃ الطبری، مصر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ کا اس حدیث کو امام بخاری کا وہم قرار دینا اور قاضی عیاض کا اس حدیث کی تاویل کرنا اور علامہ عینی کا اس پر رد کرنا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری کی اس حدیث میں ابو بشر کی یہ روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت میری عمر دس سال تھی۔ علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری کو اس روایت میں وہم ہوا ہے، قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ نے صحیح بخاری کی اس روایت کی تاویل کی ہے اور کہا ہے: اس روایت میں تقدیم اور تاخیر ہے۔ علامہ عینی ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں دو جملے ہیں کہ میری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت دس سال تھی اور میں المحکم کو پڑھ چکا تھا اور یہ دونوں جملے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سے حال ہیں، سو ان میں تقدیم اور تاخیر کیسے ہوسکتی ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کے ساتھ مناقشہ

نیز علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق ممکن ہے بایں طور کہ جب وہ بلوغت کے قریب تھے تو ان کی عمرہ تیرہ (۱۳) سال کے قریب تھی، جب وہ بالغ ہو گئے تو تیرہ سال مکمل ہو گئے، پھر عمر کے متعلق باقی روایات ہیں اور پندرہ سال کی عمر کی روایت میں دو کسروں کو پورا کر دیا ہے اور تیرہ سال کی روایت میں بعد کی کسر کو لغو قرار دیا ہے اور دس سال کی عمر کی روایت میں کسر کو اصلاً لغو قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۷)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان روایات میں تو کسر کا ذکر ہی نہیں ہے (جیسے ساڑھے دس سال یا ساڑھے بارہ سال وغیرہ) حتیٰ کہ کسر کو پورا کیا جائے یا کسر کو لغو قرار دیا جائے اور کسر کی دو قسمیں ہیں جذر اصم جو اپنا عدد نہ بتا سکے اور جذر منطق جو اپنا عدد بتا سکے اور

یہاں کسی قسم کی کسر نہیں ہے اور صحیح بات وہی ہے جو علامہ داؤدی نے کہی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۱۔۷۰ ملخصاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب، اور مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض'' میں علامہ عینی کے اعتراض کا یہ جواب لکھا ہے کہ محدثین کی اصطلاح میں کسر کو پورا کرنے اور کسر کو لغو کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو عدد مہینوں میں چھ سے زائد ہو وہ کسر ہے اور جو عدد سالوں میں دس سے زائد ہو وہ کسر ہے اور جب کہ علامہ عینی اس اصلاح پر مطلع نہیں تھے تو انہوں نے اعتراض کرنے کی محبت میں اہل حساب کی اصطلاح سے اس عبارت پر اعتراض کیا اور اگر علامہ داؤدی کے کلام کو درست مان لیا جائے کہ ''دس سال کی عمر کی روایت امام بخاری کا وہم ہے'' تو ان باقی روایات کے متعلق کیا کہا جائے گا جن میں تیرہ سال سے لے کر پندرہ سال کی عمر تک کا ذکر ہے، پس ان روایات کے متعلق اس تطبیق کے سوا اور کوئی مفر نہیں ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ پندرہ سال کی روایت میں دو کسروں کو پورا کر دیا ہے اور تیرہ سال کی عمر کی روایت میں بعد کی کسر کو لغو قرار دیا ہے اور دس سال کی عمر کی روایت میں کسر کو اصلاً لغو قرار دیا ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۲، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: جب کسی عدد کو اس کے نفس میں ضرب دی جائے تو اس کے حاصل کو مربع کہتے ہیں مثلاً چار کو چار سے ضرب دی جائے تو اس کا جواب سولہ ہے، پس سولہ اس کا مربع ہے اور چار اس کا جذر صحیح ہے اور اس کو جذر منطق کہتے ہیں کیونکہ سولہ کا عدد بتا دیتا ہے کہ اس کا جذر چار ہے اور جب کوئی مربع اپنا جذر صحیح نہ بتا سکے بلکہ کسر کے ساتھ جذر بتائے تو اس کو جذر اصم کہتے ہیں کیونکہ وہ یہ نہیں بتا سکا کہ کس عدد کو اس کے نفس میں ضرب دی گئی تو اس کا حاصل سات آیا، سو یہ ایسا مربع ہے جو اپنا بلا کسر صحیح جذر نہیں بتا سکا اس لیے اس کو جذر اصم کہتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر اور المحکم کی تعریف کے متعلق علامہ کورانی کی تحقیق

علامہ احمد بن اسماعیل کورانی حنفی متوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر تیرہ سال تھی اور اس حدیث میں المحکم سے مراد وہ ہے جو متشابہ کے خلاف ہو۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۰۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۳۶۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما جَمَعْتُ الْمُحْكَمَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ لَهُ وَمَا الْمُحْكَمُ قَالَ الْمُفَصَّلُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالبشر نے خبر دی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں المحکم کو جمع کر لیا تھا۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: المحکم کی کیا تعریف ہے؟ تو انہوں نے کہا: المفصل۔

اس حدیث پر مفصل بحث صحیح البخاری: ۵۰۳۵ کی شرح میں ابھی گزری ہے۔

۲۶۔ بَابُ: نِسْيَانِ الْقُرْآنِ وَهَلْ يَقُولُ نَسِيتُ آيَةَ كَذَا وَكَذَا

قرآن مجید کو بھولنا اور کیا کوئی یہ کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: امام بخاری نے اس پر متنبہ کیا ہے کہ حدیث میں جو اس کہنے کی ممانعت ہے کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں وہ اس صورت پر محمول ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کے بھولنے کے اسباب کو ترک کرے کیونکہ انسان قرآن مجید کی آیات کو اس وقت بھولتا ہے جب وہ ان آیات کو زیادہ یاد نہیں کرتا یا ان کا تکرار اور دور نہیں کرتا، پس حدیث میں قرآن مجید کی آیات کو بھولنے کی مذمت نہیں ہے کیونکہ بھولنا تو انسان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ حدیث میں بھولنے کے اسباب کی مذمت ہے کہ اس نے قرآن مجید کی آیات کو زیادہ یاد کیوں نہیں کیا، تکرار کیوں نہیں کیا۔ دوسری تنبیہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں قرآن مجید کی آیات کو بھولنے کی ضرورت ہے اور بعض احادیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ ''میں فلاں آیت کو بھول گیا تھا'' حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ان مختلف روایات کے محمل مختلف ہیں۔ قرآن مجید کی آیات کو بھولنے کی مذمت اس صورت میں ہے جب انسان دنیاوی امور میں زیادہ مشغول اور منہمک ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی آیات کو بھول جائے مثلاً کاروبار یا بال بچوں کی مصروفیات میں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو بعض اوقات کسی آیت کو بھول گئے تھے تو وہ عبادات میں زیادہ اشتغال اور انہماک کی وجہ سے تھا یا تعلیم یا تبلیغ دین میں زیادہ مصروفیت کی وجہ سے تھا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۸۔۲۱۷۔ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے مذکورہ دو وجہوں میں سے صرف پہلی وجہ کا ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۱)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ۝ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۔ (الاعلیٰ: ۷۔۶)

ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ۝ مگر جو اللہ چاہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاعلیٰ: ۶ میں جو لفظ ''لا'' ہے اس کے متعلق دو قول ہیں، اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ لا نافیہ ہے یعنی آپ اللہ کے پڑھائے ہوئے میں سے اس کو بھولیں گے جس کو اللہ تعالیٰ بھلانا چاہے گا اور بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ ''لا'' نہی کے لیے ہے اور اصل میں یہ لفظ لا تنس ہے، اخیر میں الف کو اشباع کے لیے بڑھا دیا ہے تا کہ تمام آیات ایک وزن پر ہو جائیں اور استثناء میں بھی اختلاف ہے۔ الفراء نے کہا: یہ استثناء تبرک کے لیے ہے اور حقیقت میں کوئی استثناء نہیں ہے اور یہی حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ بھلانا چاہے آپ بھول جائیں گے تا کہ آپ کا بھولنا سنت ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ طبائع بشریہ کے تقاضوں کے مطابق آپ بھول جاتے ہیں، لیکن ہم اس کی تفصیل بعد میں کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے: آپ اس کے ساتھ عمل کو ترک نہ کریں مگر اللہ تعالیٰ جن آیات کو منسوخ فرما دے گا تو آپ ان پر عمل کو ترک کر دیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت جلدی جلدی قرآن پڑھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ جلدی جلدی نہ پڑھا کریں کیونکہ حضرت جبریل آپ کے سامنے آیات کو مکرر پڑھیں گے حتیٰ کہ آپ ان آیات کو نہیں بھولیں گے

اور ''لا'' کے لفظ میں دو احتمال ہیں: یا نفی کے لیے ہے یا نہی کے لیے ہے اور اگر نہی کے لیے ہو تو اخیر میں الف کو اشباع کے لیے بڑھایا ہے جیسے تم اَلسَّبِیلَ کی بجائے اَلسَّبِیلَا کہو تا کہ تمام آیات ایک وزن پر ہوں اور استثناء کے متعلق الفراء نے کہا: یہ تبرک کے لیے ہے اور یہ حسن اور قتادہ کا قول ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا آپ بھول جائیں تا کہ سنت ہو جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ عمل کو ترک نہ کریں مگر جن آیات کو اللہ تعالیٰ منسوخ فرما دے گا ان پر عمل کو آپ منسوخ کر دیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲-۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۳۷۔ حَدَّثَنَا رَبِيعُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا زَائِدَةُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً مِنْ سُورَةِ كَذَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ربیع بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: نبی ﷺ نے ایک مرد کو مسجد میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اس نے مجھے فلاں فلاں آیات یاد دلا دی جس کو میں فلاں سورت سے بھولا ہوا تھا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۵۵ میں گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عِيسَى عَنْ هِشَامٍ وَقَالَ أَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُورَةِ كَذَا تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَعَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ۔

ہمیں محمد بن عبید بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ نے حدیث بیان کی از ہشام، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میں ان آیات کو فلاں سورت سے ساقط کر چکا تھا''۔ اس حدیث کی علی بن مسہر اور عبدۃ نے متابعت کی ہے از ہشام۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۶۵۵، صحیح مسلم: ۷۸۸، سنن ترمذی: ۲۹۴۲، سنن نسائی: ۹۴۳، سنن ابوداؤد: ۱۳۳۱، ۳۹۷۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۶۰، مسند ابویعلیٰ: ۴۴۹۲، صحیح ابن حبان: ۱۰۷، سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۲، شعب الایمان: ۲۶۰۵، مصنف عبد الرزاق: ۵۹۷۵، الادب المفرد: ۵۵، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۱۷۶، المستدرک ج ۴ ص ۱۵۹-۱۵۸، الاسماء والصفات للبیہقی: ۷۸۷، مسند احمد ج ۶ ص ۶۲، مسند احمد: ۲۴۳۳۵)

قرآن مجید اور احادیث صحیح میں نبی ﷺ کی طرف نسیان کی نسبت کا ثبوت

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے بندہ کی طرف نسیان کی اضافت کی ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ۝ (الاعلیٰ: ۶) ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ۝

اور اس حدیث میں بھی نبی ﷺ نے اپنی طرف نسیان کی نسبت کی ہے، اور قرآن مجید میں ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنی طرف نسیان کی نسبت کی اور دوسری مرتبہ شیطان کی طرف نسیان کی نسبت کی، اور حدیث میں ہے:

اور بے شک میں ضرور کوئی حکم بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ کوئی حکم سنت ہو جائے۔ (موطا امام مالک ج ۱ ص ۱۰۰)

اور جس نے نسیان کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نسیان کا خالق ہے بلکہ تمام افعال کا خالق

ہے اور جس نے نسیان کی نسبت اپنے نفس کی طرف کی تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ وہ اس کا فعل اور اس کا کسب ہے، نیز حدیث میں ہے:
حضرت عبدالرحمن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی اور ایک آیت چھوڑ دی، پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا: ''کیا لوگوں میں ابی بن کعب تھے؟'' انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! کیا فلاں فلاں آیت منسوخ ہوگئی ہے یا آپ اس کو بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میں اس کو بھول گیا ہوں''۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۷، صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۴۷، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۶۹)

حافظ الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کے تمام رجال صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۶۹)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی کوئی آیت بھول جاتے تھے، پھر آپ کو وہ یاد آ جاتی تھی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۴۷۔۱۴۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسیان کی دو قسمیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
الاسماعیلی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کے بھولنے کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے کہ آپ کسی آیت کو بھول جائیں، پھر عنقریب آپ کو وہ آیت یاد آ جائے اور یہ بشری تقاضے سے ہے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سجدہ سہو میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو اس طرح میں بھی بھولتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۴۰۱، صحیح مسلم: ۵۷۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۲۰، سنن نسائی: ۱۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۱۲۱۱)

اور آپ کے قرآن مجید کی کسی آیت کو بھولنے کی دوسری قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ آپ کے دل سے محو کر دے اور اس آیت کی تلاوت کو منسوخ فرما دے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىۤ ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ۔ (الاعلیٰ: ۷۔۶)
ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ○ مگر جو اللہ چاہے۔

رہی قسم اول تو اس میں نسیان عارضی ہوتا ہے اور بہت جلد زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ (الحجر: ۹)
بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ○

اور رہی قسم ثانی تو وہ اس آیت کے مطابق ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا۔ (البقرہ: ۱۰۶)
جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم ذہنوں سے محو کر دیتے ہیں۔

اس حدیث میں ان لوگوں کی دلیل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نسیان کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ نسیان امور تبلیغیہ کے ماسوا میں ہے اور امور تبلیغیہ میں نسیان کی دو شرطیں ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ تبلیغ کے بعد نسیان ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ نسیان دائمی نہ ہو اور آپ کو بعد میں یاد آ جائے از خود یا کسی کے یاد دلانے سے، اور تبلیغ سے پہلے آپ پر نسیان اصلاً جائز نہیں ہے۔

بعض صوفیاء کا یہ زعم ضعیف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل نسیان نہیں ہوا

اور بعض اصولیین نے اور بعض صوفیاء نے یہ زعم کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل نسیان نہیں ہوا اور آپ سے صورتاً نسیان ہوا ہے تا کہ کوئی حکم سنت ہو جائے۔ قاضی عیاض نے یہ کہا ہے کہ اصولیین میں سے ابوالمظفر الاسفرائینی کے سوا اور کسی نے یہ نہیں کہا اور یہ ضعیف قول ہے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کو بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا جائز ہے اور مسجد میں قرآن پڑھنا جائز ہے اور جس شخص سے کوئی خیر پہنچی ہو اس کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

قرآن مجید کو پڑھ کر بھولنا گناہ کبیرہ ہے، اس پر قرآن کریم اور احادیث اور آثار سے استدلال

قرآن مجید کے بھولنے کے حکم میں متقدمین فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء نے کہا کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ امام ابوعبید نے الضحاک بن مزاحم سے موقوفاً روایت کی ہے کہ جس شخص نے بھی قرآن مجید سیکھا، پھر اس کو بھول گیا تو اس نے ایک گناہ کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍؕ ۝ (الشوریٰ: ۳۰) اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو وہ معاف فرما دیتا ہے O

اور قرآن مجید کا بھولنا سب سے بڑی مصیبت ہے، حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد اور امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے، پس میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی مرد کو قرآن مجید کی کسی سورت کا علم دیا گیا ہو، پھر وہ اس کو بھول گیا ہو''۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

ابوالعالیہ نے موقوفاً روایت کی ہے: ہم سب سے بڑا گناہ اس کو شمار کرتے تھے کہ کوئی مرد قرآن مجید سیکھے، پھر اس کو یاد کیے بغیر سو جائے حتیٰ کہ اس کو بھول جائے۔ اس حدیث کی سند جید ہے۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے قرآن مجید پڑھا، پھر اس کو بھول گیا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ کوڑھ میں مبتلا ہو گا''۔ اس حدیث کی سند میں بھی کلام ہے۔

قرآن مجید کو پڑھ کر بھولنے کے متعلق علماء مذاہب کے اقوال

علماء شافعیہ میں سے ابوالمکارم اور الرویانی نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے اعراض کرنا اس کے بھولنے کا سبب ہے اور قرآن مجید کو بھولنا اس کی دلیل ہے کہ وہ قرآن کریم کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اس معاملہ میں سستی کرتا ہے۔

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے: جس نے پورا قرآن مجید حفظ کیا یا بعض قرآن کریم حفظ کیا اس کا مرتبہ اس سے بلند ہے جس نے قرآن مجید حفظ نہیں کیا اور جس نے اس بلند مرتبہ میں خلل ڈالا اور اس سے نیچے گر گیا تو وہ سزا کے لائق ہے، پس اگر اس نے قرآن مجید کے تکرار کو ترک کر دیا تو وہ جہل کی طرف لوٹے گا اور علم کے بعد جہل بہت بڑی مصیبت ہے۔

اور اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ کسی شخص کے لیے یہ مکروہ ہے کہ اس پر چالیس دن ایسے گزریں جن میں اس نے قرآن مجید نہ پڑھا ہو۔

امام ابوداؤد کی حدیث میں یہ گزرا ہے کہ جو قرآن مجید پڑھ کر بھول گیا وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اَجْذَم ہوگا۔
اجذم کے حسب ذیل معانی ہیں:
(۱) جس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں (۲) جس کی حجت منقطع ہو (۳) جس کے لیے خیر کا کوئی سبب نہ ہو (۴) جس کے ہاتھ خیر سے خالی ہوں (۵) جو حقیقت میں کوڑھی ہو۔
امام ابوداؤد نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت کی ہے کہ یہ نہ کہو کہ میں نے فلاں آیت کو ساقط کر دیا بلکہ یہ کہو: میں فلاں آیت سے غافل ہو گیا اور یہ کہنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۹۔۲۱۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۳۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي سُورَةٍ بِاللَّيْلِ فَقَالَ يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً كُنْتُ أُنْسِيتُهَا مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ ایک مرد رات کو قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے کہ تحقیق یہ ہے کہ اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے بھول چکا تھا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۳۷ میں گزر چکی ہے۔

۵۰۳۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ يَقُولُ نَسِيتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ هُوَ نُسِّيَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی شخص کے لیے یہ کہنا بہت برا ہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا بلکہ وہ شخص خود بھلا دیا گیا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۳۲ میں گزر چکی ہے۔

دیگر شراح بخاری کی شروح

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۳۔۷۲، بیروت، تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۵۔۱۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
بعض شارحین نے یہ کہا ہے کہ تبلیغ سے پہلے آپ کا نسیان جائز نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر تبلیغ سے پہلے ان پچاس نمازوں کو منسوخ کر دیا گیا کیونکہ نسخ اور بھلانے کا ایک معنی ہے۔
(میں کہتا ہوں کہ نسخ اور بھلانے کا معنی ایک نہیں ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر بیان کیا گیا ہے، نیز آپ نے تبلیغ تو کر دی تھی کہ مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں اور ان کو پانچ نمازیں کر دیا گیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)
اگر تم یہ سوال کرو کہ آپ پر نسیان کیونکر جائز ہوگا حالانکہ نسیان نقص ہے تو میں کہوں گا کہ نسیان میں نقص نہیں ہے کیونکہ آپ

کے نسیان سے مراد ذہول ہے یعنی حافظہ سے کوئی بات نکل جائے اور جب اس کی طرف توجہ کی جائے تو وہ یاد آجائے۔
(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۰۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے بھی فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۵۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۳۸۔ ۳۳۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مرد کا رات کے وقت مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے اگر چہ افضل یہ ہے کہ نوافل کو گھر میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ عہد رسالت میں بہ کثرت لوگوں کے گھر نہیں تھے اور وہ مسجد میں رات گزارتے تھے۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کبھی انسان کو اس کام پر بھی اجر دیا جاتا ہے جس کے کرنے کا اس نے قصد نہ کیا ہو کیونکہ اس مرد نے یہ قصد نہیں کیا تھا کہ اس کی تلاوت کے سبب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھولی ہوئی آیت یاد آجائے لیکن چونکہ اس کی تلاوت کی وجہ سے آپ کو بھولی ہوئی آیت یاد آگئی تو آپ نے اس کے حق میں رحمت کی دعا کی۔

(۳) جس انسان سے کوئی نیک فائدہ پہنچے اس کے لیے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ اس پر رحم فرمائے، کیونکہ آپ نے اس مرد کے لیے رحمت کی دعا کی تھی۔

(۴) کیا اس کے لیے یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جزاء خیر دے یا یہ کہنا چاہیے: اللہ اس پر رحم فرمائے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو افضل وہی کہنا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(۵) جس آدمی نے آپ کو کوئی آیا دولائی تو اس نے آپ کے ساتھ احسان کیا اور نیکی کی تو اس کا صلہ اس صورت میں دیں کہ اس کے حق میں رحمت کی دعا کریں۔ بعض لوگ ایسا نہیں کرتے اور یہ تکبر ہے۔

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ مجھے فلاں آیت بھول گئی بلکہ یہ کہے کہ میں اس آیت سے بھلا دیا گیا۔

(۷) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے علم کے بعد اس کو محفوظ رکھتے تھے اور اس کی تبلیغ فرماتے تھے اور یہ ناممکن ہے کہ آپ تبلیغ سے پہلے قرآن کریم کو بھول جائیں ورنہ یہ ممکن ہے کہ کوئی مدعی یوں دعویٰ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کئی آیات کی تبلیغ کو بھول گئے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۳۹۱۔ ۳۹۰، مکتبۃ الطبری، ۱۴۲۹ھ)

۲۷۔ بَابٌ: مَنْ لَمْ يَرَ بَأْسًا أَنْ يَقُولَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَسُورَةُ كَذَا وَكَذَا

جس کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ کہے کہ سورۃ البقرۃ یا فلاں فلاں سورت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے ان علماء کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ یا سورۃ النساء وغیرہ نہ کہا جائے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سے پہلے کتاب الحج میں گزر چکا ہے کہ حجاج نے کہا کہ یہ وہ سورت ہے جس میں فلاں فلاں سورت کا ذکر کیا گیا ہے، تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا رد کیا، قاضی عیاض نے کہا: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سورۃ البقرۃ وغیرہا کہنے کے جواز کی دلیل ہے۔

سورۃ البقرۃ وغیرہ کہنے کے جواز اور اس کی ممانعت میں احادیث، آثار اور اقوال علماء اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا ان کے درمیان محاکمہ

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے اسے مکروہ کہا ہے اور کہا ہے کہ سورۃ البقرۃ نہ کہا جائے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ کتاب الحج کے ''ابواب الرمی'' میں یہ گزر چکا ہے کہ ابراہیم النخعی نے حجاج کے اس قول کا انکار کیا: ''سورۃ البقرۃ نہ کہو'' اور صحیح مسلم میں ہے کہ سورۃ البقرۃ کہنا سنت ہے اور انہوں نے حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا اور سب سے قوی دلیل وہ ہے جس کی امام بخاری نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ البقرۃ اور فلاں فلاں سورت فرمایا''۔

علامہ نووی نے کتاب الاذکار میں یہ لکھا ہے کہ سورۃ البقرۃ اور سورۃ العنکبوت وغیرہ کہنا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اور بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ کہنا مکروہ ہے اور صحیح قول پہلا ہے اور وہی جمہور علماء کا قول ہے اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر احادیث مروی ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار بھی بے شمار ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: جن علماء نے سورۃ البقرۃ وغیرہا کہنے سے منع کیا ہے ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورۃ البقرۃ نہ کہو اور نہ سورۃ آل عمران اور نہ سورۃ النسآء اور اسی طرح پورے قرآن کے متعلق نہ کہو''۔

اس حدیث کی امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کی ہے، اور اس کی سند میں ایک راوی ہے: عیسیٰ بن میمون اور وہ ضعیف راوی ہے۔ امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو کتاب الموضوعات میں درج کیا ہے، اور امام احمد سے منقول ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ تالیف القرآن کے باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اس آیت کو اس سورت میں لکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر کیا گیا ہے''۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے، لیکن المصاحب اور التفاسیر میں سورۃ البقرۃ وغیرہا لکھنے کے جواز پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: ابومحمد، محمد بن ابی حاتم، الکلبی اور امام عبدالرزاق وغیرہم نے بھی اس احتیاط کو ذکر کیا ہے اور علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں حکیم ترمذی سے یہ نقل کیا ہے کہ قرآن مجید کے احترام میں سے ہے کہ یہ نہ کہا جائے کہ یہ سورۃ البقرۃ ہے یا سورۃ النحل ہے یا سورۃ النسآء ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرۃ کا اور نحل کا اور نسآء کا ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ قرطبی نے اس قول پر رد کیا ہے کہ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے معارض ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث منقول ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ البقرۃ وغیرہا کہنے سے منع فرمایا''۔ تو آپ کا یہ منع فرمانا خلاف اولیٰ پر محمول ہے۔ واللہ اعلم

امام بخاری نے اپنے عنوان کو ثابت کرنے کے لیے اپنی سند کے ساتھ تین حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایک حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، دوسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی شرح تفصیل سے گزر چکی ہے، اور تیسری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس پر اس سے پہلے باب میں تنبیہ گزر چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۰۔۲۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس عنوان سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ نہ کہا جائے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرۃ کا ذکر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۷۔ ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۴۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْآيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَ بِهِمَا فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی از علقمہ و عبدالرحمٰن بن یزید از حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں ایسی ہیں کہ جس نے ان آیتوں کو ایک رات میں پڑھ لیا تو یہ اس کو کافی ہوں گی''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۴۰۰۸ میں گزر چکی ہے۔
اس سورت میں سورۃ البقرۃ فرمانے کی تصریح ہے اور اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔

۵۰۴۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ حَدِيثِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَؤُهَا عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَانْتَظَرْتُهُ حَتَّى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هَذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ قَالَ أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ كَذَبْتَ فَوَاللهِ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَهُوَ أَقْرَأَنِي هَذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ أَقُودُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي سَمِعْتُ هَذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا وَإِنَّكَ أَقْرَأْتَنِي سُورَةَ الْفُرْقَانِ فَقَالَ يَا هِشَامُ اقْرَأْهَا فَقَرَأَهَا الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ اقْرَأْ يَا عُمَرُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی حضرت المسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رضی اللہ عنہما کی حدیث سے، ان دونوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں سورۃ الفرقان پڑھتے ہوئے سنا، پس میں ان کی قراءت کو بہ غور سننے لگا تو وہ اس سورت میں بہ کثرت ایسے حروف پڑھ رہے تھے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے تو قریب تھا کہ میں نماز میں ہی ان پر جھپٹ پڑتا، پس میں نے ان کا انتظار کیا حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیر دیا، پھر میں نے ان کو چادر سے پکڑ کر گھسیٹا، پھر میں نے پوچھا: آپ کو یہ سورت کس نے پڑھائی ہے جس کو میں نے آپ سے ابھی پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے تو میں نے ان سے کہا: آپ جھوٹ بولتے ہیں، پس اللہ کی قسم! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورت پڑھائی ہے جس کو میں نے ابھی آپ سے سنا ہے۔ پس میں ان کو ہنکاتا ہوا رسول اللہ

فَقَرَأْتُهَا الَّتِي أَقْرَأَنِيهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

ﷺ کے پاس لے گیا، پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے ان سے سورۃ الفرقان کو ان حروف کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے جن حروف کے ساتھ آپ نے مجھے یہ سورت نہیں پڑھائی حالانکہ آپ نے مجھے سورۃ الفرقان پڑھائی ہے، آپ نے فرمایا: ”اے ہشام! اس سورت کو پڑھو“۔ تو انہوں نے وہ سورت اس طرح پڑھی جس طرح میں نے سنا تھا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے“، پھر آپ نے فرمایا: ”اے عمر! تم پڑھو“، تو میں نے اس سورت کو اسی طرح پڑھا جس طرح آپ نے مجھے پڑھائی ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ سورت اس طرح نازل ہوئی ہے“ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، پس تم کو جو حرف آسان لگے اس پر پڑھو“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۹ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں سورۃ الفرقان فرمانے کی تصریح ہے اور اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔

۵۰۴۲ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ قَارِئًا يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً أَسْقَطْتُهَا مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ کوئی قرآن پڑھنے والا رات کو مسجد میں قرآن پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے! بے شک اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے ساقط کر چکا تھا“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۵۵ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں فلاں فلاں سورت کہنے کی تصریح ہے اور اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔

۲۸ - بَابُ: التَّرْتِيلِ فِي الْقِرَاءَةِ — قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنا

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ (المزمل: ۴)

اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں ۝

وَقُرْآنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے حسب موقع نازل کیا تا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو بہ تدریج نازل کیا ہے ۝

وَمَا يُكْرَهُ أَنْ يُهَذَّ كَهَذِّ الشِّعْرِ فِيهَا يُفْرَقُ يُفَصَّلُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَرَقْنَاهُ فَصَّلْنَاهُ۔

اور وہ جو مکروہ ہے کہ قرآن کریم کو شعر (مجلس میں ترنم کے ساتھ اشعار پڑھے جاتے ہیں اور یاد کرنے کے لیے جلدی جلدی پڑھے جاتے ہیں) اسی طرح قرآن مجید کو طرح جلدی جلدی پڑھا جائے، اس سورت میں جو فَرَقْنٰهُ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے کہ ہم نے اس کو کئی حصوں میں تفصیل سے نازل کیا۔

قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر اور جلدی جلدی پڑھنے میں سے ہر ایک کی فضیلت اور ان میں تطبیق اور ممانعت کا محل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے: قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنا یعنی اس کے حروف کو بیان کرنا اور ان کی ادائیگی ٹھہر ٹھہر کر کرنا تاکہ اس کا معنی سمجھ میں آسکے۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ قرآن مجید کو شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھنا مکروہ ہے۔ امام بخاری نے اس قول سے یہ اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مستحب ہے اور یہ جلدی جلدی پڑھنے کی کراہت کو مستلزم نہیں ہے۔ مکروہ صرف یہ ہے کہ قرآن کو بہت تیزی اور جلدی کے ساتھ پڑھا جائے حتیٰ کہ بعض حروف مخفی رہیں یا اپنے مخارج سے نہ نکلیں اور اس باب میں امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قرآن مجید کو شعر کی طرح جلدی جلدی نہ پڑھا جائے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کا پڑھنا آسان کر دیا گیا تھا، پس وہ اپنی سواری پر زین ڈالنے سے پہلے قرآن (زبور) پڑھ کر فارغ ہو جاتے تھے''۔ (صحیح البخاری: ۳۴۱۷)

امام بخاری نے عنوان میں بنی اسرائیل: ۱۰۶ کو ذکر کیا ہے۔

ابوحمزہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں بہت جلدی جلدی قرآن پڑھتا ہوں اور میں پورا قرآن تین دن میں پڑھ لیتا ہوں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں سورۃ البقرۃ کو ٹھہر ٹھہر کر تدبر کے ساتھ پڑھوں یہ اس سے بہتر ہے کہ میں اس طرح قرآن پڑھوں جس طرح تم کہتے ہو۔

اور امام ابن ابوداؤد نے دوسری سند کے ساتھ ابوحمزہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں تیزی سے قرآن پڑھنے والا مرد ہوں اور میں ایک رات میں پورا قرآن پڑھ لیتا ہوں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم نے ضرور تیزی سے پڑھنا ہو تو اس طرح پڑھو کہ تمہارے دونوں کان سنیں اور تمہارا دل اس کو یاد رکھے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ قرآن جلدی پڑھنے میں سے اور قرآن آہستہ پڑھنے میں سے ہر ایک کی فضیلت ہے بہ شرطیکہ جو کچھ سنا گیا ہو اس کے حروف اور حرکات وسکنات میں کوئی خلل نہ ہو، پس ان میں سے کسی ایک صورت کو دوسری پر ترجیح دی جائے تو یہ جائز ہے۔ اور جس نے ٹھہر ٹھہر کر اور تامل کر کے پڑھا یہ اس شخص کی مثل ہے جس نے ایک قیمتی جوہر کو پرکھا اور جس نے جلدی جلدی پڑھا یہ اس شخص کی مثل ہے جس نے ایسے متعدد جواہر کو پرکھا جن کی قیمت ایک جوہر کے برابر ہے، اور کبھی ایک جوہر کی قیمت متعدد جواہر کی قیمتوں سے زیادہ ہوتی ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے، پھر امام بخاری نے اس باب میں دو حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۱۔ ۲۲۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۴۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا وَاصِلٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ غَدَوْنَا عَلَى عَبْدِ اللهِ فَقَالَ رَجُلٌ قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ الْبَارِحَةَ فَقَالَ هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ إِنَّا قَدْ سَمِعْنَا الْقِرَائَةَ وَإِنِّي لَأَحْفَظُ الْقُرَنَاءَ الَّتِي كَانَ يَقْرَأُ بِهِنَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ وَسُورَتَيْنِ مِنْ آلِ حم۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مہدی بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں واصل نے حدیث بیان کی از ابی وائل از حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ، ابو وائل نے کہا کہ ہم صبح کو حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو ایک مرد نے کہا: میں نے گزشتہ رات المفصل کو پڑھا تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تم نے شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا؟ بے شک ہم نے قراءت کو سنا ہے اور بے شک مجھے ان سورتوں کی نظیریں حفظ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ اٹھارہ سورتیں المفصل میں سے اور دو سورتیں آل حم میں سے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۷۷۵، ۵۰۴۳، صحیح مسلم: ۸۲۲، سنن ترمذی: ۶۰۲، سنن نسائی: ۱۰۰۴، سنن ابوداؤد: ۱۳۹۶، مسند ابویعلیٰ: ۵۲۲۲، صحیح ابن خزیمہ: ۵۳۸، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۵۹، السنن الکبریٰ: ۱۰۷۶، المعجم الکبیر: ۹۸۶۴، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۰)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۷۵ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جارہے ہیں:

نماز اور غیر نماز میں سورتوں کو ترتیب سے پڑھنے میں اختلاف فقہاء اور مصاحف میں سورتوں کی موجودہ ترتیب کا توقیفی ہونا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی ایک رکعت سے پہلے سورۃ النساء پڑھی، پھر سورۂ آل عمران پڑھی۔ (صحیح مسلم: ۷۷۳)

امام مالک نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھی جائیں پہلے ایک سورت پڑھی جائے اور اس کے بعد اس سے پہلے والی سورت پڑھی جائے۔ مسلمانوں کا عمل اسی طریقہ سے جاری رہا ہے اور ہمارے نزدیک بعد والی سورت کو پڑھنا مستحب ہے۔ (مواہب الجلیل ج ۱ ص ۲۴۱)

اور علامہ بدرالدین عینی حنفی المتوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے: ہمارے نزدیک اس طرح پڑھنا مکروہ ہے۔
(البنایہ شرح الہدایہ ج ۲ ص ۳۶۶)

نیز علامہ عینی نے کہا: جمہور فقہاء کا بھی یہی مختار ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۱۶۹)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سورۃ البقرۃ پڑھی، پھر سورۃ النساء پڑھی، پھر سورۂ آل عمران پڑھی۔ اس میں ان فقہاء کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب مسلمانوں کے اجتہاد سے ہے جب انہوں نے سورتوں کو مصحف میں درج کیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب اور تحدید نہیں ہے اور آپ نے اس ترتیب کو امت پر چھوڑ دیا تھا اور یہی جمہور علماء کا

قول ہے اور امام مالک کا مختار یہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب نہ لکھنے میں واجب ہے نہ نماز میں اور نہ درس اور تدریس میں اور نہ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی تصریح ہے جس سے تجاوز کرنا جائز نہ ہو، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کیے ہوئے مصحف سے پہلے مصاحف کی تالیف میں اختلاف تھا، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نمازی کے لیے دوسری رکعت میں اس سورت کو پڑھنا جائز ہے جو پہلی رکعت میں پڑھی ہوئی سورت پر مقدم ہو اور ایک رکعت میں ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے یا جو شخص قرآن مجید کی تلاوت میں ایسا کرے تو یہ مکروہ ہے، یعنی پہلے ایک سورت کی تلاوت کرے اور اس کے بعد اس سے پہلی والی سورت کی تلاوت کرے اور سلف صالحین نے جو کہا ہے کہ قرآن مجید کو الٹا پڑھنا مکروہ ہے اس کا محمل یہ ہے جو قرآن مجید کی کسی سورت کی آخری آیت پڑھے اور اس کے بعد اس سے پہلی آیت پڑھے اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر سورت کی ترتیب اور ہر سورت کی آیات کی ترتیب جیسا کہ اب ہمارے مصاحف میں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی توقیف سے ہے جس سے اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو واقف کیا اور آپ نے اپنی امت کو واقف کیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۷ ص ۱۰۵۔ ۱۰۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

قرآن مجید کو تیز تیز پڑھنا مستحب نہیں ہے بلکہ مباح ہے

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: جب ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے المفصل کو پڑھا ہے تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تم نے اس طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا جس طرح شعر پڑھتے ہیں اور مجھے قرآن مجید کی ایسی سورتیں یاد ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھتے تھے، ان میں سے اٹھارہ سورتیں المفصل کی ہیں اور دو سورتیں آل حم کی ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۰۴۳)

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جلدی جلدی قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا ہے حالانکہ سلف صالحین کی ایک جماعت ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتی تھی اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب قرآن مجید کو جلدی جلدی پڑھا جائے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کے قرآن پڑھنے میں تخفیف کی گئی تھی، وہ اپنی سواری پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین ڈالی جانے سے پہلے قرآن مجید مکمل پڑھ لیتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۳۴۱۷)

اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب سرعت کے ساتھ قراءت کی جائے اور اس حدیث میں قرآن سے مراد زبور ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام ان انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔ (الانعام: ۹۰) سو آپ بھی ان نبیوں کے طریقہ کے موافق عمل کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فعل بہ طور فضیلت کے بیان فرمایا اور اگر آپ نے اس کو بہ طور فضیلت نہ بیان فرمایا ہوتا تو ان کا یہ فعل آپ کے ارشاد کی مخالف کی وجہ سے منسوخ ہو جاتا، سو اب قرآن مجید کا تیز تیز پڑھنا مستحب نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۴ ص ۱۵۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ایک رات میں المفصل کی سورتوں کو ملا کر پڑھنے والے صحابی کا نام اور حدیث مذکور کے صحیح بخاری کی دوسری حدیث سے تعارض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس مرد نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ کہا تھا کہ میں نے گزشتہ رات المفصل کو ایک رکعت میں پڑھا ہے اس مرد کا نام نہیک بن سنان ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح کی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ھذا ان کھذ الشعر۔ یعنی تم نے بغیر غور و فکر کے تیزی سے قرآن مجید کو پڑھا ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم المفصل کی اٹھارہ سورتوں کو اور آل حم کی دو سورتوں کو ملا کر پڑھتے تھے، اس سے پہلے حدیث میں گزرا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیس سورتیں ملا کر پڑھتے تھے، پہلی مفصل کی سورت تھی اور آخری الحوامیم میں سے تھیں، حم الدخان اور عم یتساءلون۔ (صحیح البخاری: ۴۹۹۶) اور اس حدیث میں اٹھارہ سورتوں کا ذکر ہے، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ اٹھارہ سورتیں المفصل کی ہیں، سورۃ الدخان اور عم یتساءلون کے بغیر اور ان سب پر المفصل کا اطلاق تغلیبا ہے، ورنہ راجح قول یہ ہے کہ سورۃ الدخان المفصل میں سے نہیں ہے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول اپنے مصحف کی ترتیب کے اعتبار سے ہو جس میں حم الدخان اور عم یتساءلون بھی المفصل میں شامل ہیں اور اس صورت میں یہ قول تغلیب پر محمول نہیں ہوگا اور آل حم سے مراد وہ سورتیں ہیں جن کے شروع میں حم کا لفظ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح کی شرح

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اور علامہ عبد الرحمن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اور علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ سب نے اسی طرح اختصار اور تفصیل سے لکھا ہے جس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۶۷، الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۰، کشف المشکل ج ۱ ص ۴۱۲، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۴، تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۷۔۱۶)

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا مغرب سے عشاء کے دوران پورے قرآن کریم کو ختم کر لینا

شیخ محمد صالح العثیمین (النجدی) المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رافضیہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مغرب اور عشاء کے دوران قرآن مجید کو ختم کر لیتے تھے اور اس چیز کو انہوں نے مولیٰ علی کے مناقب میں شمار کیا ہے۔ شیخ ابن تیمیہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ لوگ کس قدر جاہل اور احمق ہیں، کیا یہ قرآن مجید کے ساتھ کھیلنے کو حضرت علی بن ابی طالب کے مناقب میں شمار کرتے ہیں!!! یعنی حضرت علی مغرب کے فرض پڑھتے، پھر اس کے بعد سنت مؤکدہ پڑھتے اور اس کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ کے وقت میں پورا قرآن ختم کر لیتے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے یا آپ کی مذمت ہے؟ (شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۳۹۴، مکتبۃ الطبری، مصر، ۱۴۲۹ھ)

شیخ العثیمین کی شرح پر اور شیخ ابن تیمیہ کے جواب پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ ایک گھنٹہ میں پورے قرآن کریم کو ختم کر لینا عادۃً تو ممکن نہیں ہے لیکن بہ طور کرامت ممکن ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح میں نہیں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سواری پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین ڈالے جانے سے پہلے زبور کو ختم کر دیتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۳۴۱۷) اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا اور جو کام نبی علیہ السلام کا معجزہ ہو وہ ولی سے بہ طور کرامت ہو سکتا ہے، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ حضرت آصف بن برخیا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت میں ولی تھے وہ پلک جھپکنے سے پہلے تین ماہ کی مسافت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت بلقیس کو لے آئے جب کہ عفریت من الجن نے بھی یہ کہا تھا کہ میں آپ کے اس مجلس سے اٹھنے

سے پہلے اس تخت کو لاسکتا ہوں اور حضرت آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت بلقیس لا کر حاضر کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔ (النمل:۴۰)

اور جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا: میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔

سو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کا ولی تین ماہ میں کیے جانے والے کام کو پلک جھپکنے سے پہلے کر سکتا ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ولی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ تین راتوں میں ترتیل سے پڑھے جانے والے قرآن کریم کو ایک گھنٹہ میں پڑھ لیں تو یہ کب مستبعد ہو سکتا ہے اور شیخ ابن تیمیہ کا اس کو قابل مذمت کہنا بجائے خود قابل مذمت ہے کیونکہ اس سے کرامات اولیاء کا انکار لازم آتا ہے جو کہ دراصل معتزلہ کا مذہب ہے، اہل سنت کا مذہب نہیں ہے، باقی روافض (شیعوں) کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرنا اور انہیں معاذ اللہ خدا بنا کر پیش کرنا اپنی جگہ قابل مذمت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۰۴۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما فِي قَوْلِهِ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۝﴾ (القیامہ:۱۶) قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا نَزَلَ جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ بِهٖ لِسَانَهُ وَشَفَتَيْهِ فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَكَانَ يُعْرَفُ مِنْهُ فَأَنْزَلَ اللهُ الْآيَةَ الَّتِي فِي لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۝﴾ ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۝﴾ (القیامہ:۱۷) فَإِنَّ عَلَيْنَا أَنْ نَجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ ﴿فَإِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۝﴾ (القیامہ:۱۸) فَإِذَا أَنْزَلْنَاهُ فَاسْتَمِعْ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۝﴾ (القیامہ:۱۹) قَالَ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ نُبَيِّنَهُ بِلِسَانِكَ قَالَ وَكَانَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ أَطْرَقَ فَإِذَا ذَهَبَ قَرَأَهُ كَمَا وَعَدَهُ اللهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان از موسیٰ بن ابی عائشہ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۝ (القیامہ:۱۶) آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں○ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور آپ ان کے پاس اپنی زبان کو اور اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تھے تو یہ آپ پر سخت گزرتا تھا اور اس کی سختی آپ سے پہچانی جاتی تھی، تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ میں یہ آیت نازل فرمائی: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۝ (القیامہ:۱۶) اور فرمایا: اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ۝ (القیامہ:۱۷) بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے○ یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کریں۔ اس کے بعد فرمایا: فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۝ (القیامہ:۱۸) سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں○ یعنی جب ہم

قرآن مجید کو نازل کریں تو آپ غور سے سنیں، پھر فرمایا: ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾ (القیامہ:۱۹) پھر اس کا (معنی) بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کی زبان سے بیان فرمائیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آتے تو آپ سر جھکا کر بیٹھ جاتے، پھر جب وہ چلے جاتے تو آپ قرآن مجید پڑھتے جس طرح اس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض امور کی شرح کی جارہی ہے:

شیخ محمد صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المفوضہ کے اس نظریہ کا رد کہ قرآن مجید کے بعض الفاظ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم نہیں تھا چہ جائیکہ دوسروں کو ان کا علم ہو

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ قرآن مجید کا معنی بیان نہ کیا گیا ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس کا معنی بیان کیا گیا ہو لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ اس کا معنی امت کے ہر فرد کو معلوم ہو بلکہ امت کو اجتماعی طور پر اس کا معنی معلوم ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ قرآن مجید کا کوئی معنی امت سے مخفی ہو، اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کا قرآن کریم میں معنی معلوم نہیں ہے اور یہ ایسے الفاظ ہیں جیسے حروف ابجد ہیں، ان لوگوں کا یہ قول باطل ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید کے معانی کے بیان کرنے کا ذمہ لیا ہے (القیامہ:۱۸) لہٰذا قرآن کریم میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا معنی کبھی نہ معلوم ہو اور یہ لوگ جن کو المفوضۃ کہا جاتا ہے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کے معانی معلوم نہیں ہیں اور یہ امت میں کسی کو معلوم نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو بھی اس کا علم نہیں تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کرتے تھے اور آپ کو ان کا معنی معلوم نہیں تھا۔ یہ المفوضۃ کا نظریہ تھا جس کو اکثر متاخرین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سلف صالحین کا مذہب تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مذہب باطل ہے اور ہم کو یہ علم نہیں کہ کوئی شخص ایسے کلام سے بات کرے جس کا معنی اس کو معلوم نہ ہو سوا اس کے جو مجنون ہو اور جو صاحب عقل ہو وہ اسی کلام کے ساتھ بات کرے گا جس کا معنی اسے معلوم ہوگا۔

(شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۳۹۵-۳۹۴، مکتبۃ الطبری، مصر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: کہ شیخ عثیمین کی تقریر سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید میں جو حروف مقطعات ہیں جیسے الٓمّٓ وغیرہ تو ضروری ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا معنی بھی معلوم ہو، اسی طرح جو آیات متشابہات ہیں ان کا معنی بھی آپ کو معلوم ہو اور یہ کہ قرآن مجید میں قیامت کے آنے کا ذکر ہے تو ضروری ہوا کہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ قیامت کب آئے گی۔ (سعیدی غفرلہ)۔

۲۹- بَابُ: مَدِّ الْقِرَاءَةِ
قرآن کریم میں جس حرف پر مد ہو اس حرف کو کھینچ کر پڑھنا

حروف اصلیہ اور حروف زائدہ میں مد کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

قراءت کولمبا کر کے یا کھینچ کر پڑھنے کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم اشباع ہے یعنی جس حرف کے بعد الف ہو، واؤ ہو یا یاء ہو تو اس کو کھینچ کر پڑھا جائے، پھر اس کی دو قسمیں ہیں: اصلی اور غیر اصلی۔ اصلی کی مثال یہ ہے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں لفظ اللہ کی مد کو کھینچ کر پڑھا جائے اور اسی طرح رحمٰن میں الف کی مد کو کھینچ کر پڑھا جائے اور رحیم میں یاء کی مد کو کھینچ کر پڑھا جائے اور غیر اصلی وہ ہے کہ جس لفظ میں ان حروف کے بعد ہمزہ متصل اور ساکن لازم کی ملاقات ہو جیسے اُولٰٓئِكَ اور اَلْحَآقَّةُ اس میں مد کو زیادہ کر کے پڑھنا واجب ہے یا ہمزہ منفصل ہو یا سکون یعنی جزم عارضی ہو جیسے یٰٓاَیُّهَا یا اَلرَّحِیْمِ پر وقف کیا جائے تو یہ جائز ہے اور معتدل مذہب یہ ہے کہ ہر حرف کو دو ضعف (یعنی تین یا چار گنا) کے برابر کھینچ کر پڑھا جائے اور بہت کم اس پر اضافہ کیا جاتا ہے اور جو اس سے کم کھینچا جائے تو وہ مذموم ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۲، ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۶۵ ۳۔ ۶۴ ۳، الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۱)

۵۰۴۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قِرَائَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَ يَمُدُّ مَدًّا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم الازدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی قراءت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ جس لفظ پر مد ہو آپ اس کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۴۶۔ ۵۰۴۵، صحیح مسلم: ۱۰۱۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۵۳، سنن بیہقی ج ۲ ص ۵۲، سنن نسائی: ۱۰۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۱، ۱۹۲، ۲۸۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۲۰، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲، ص ۹۸، کنز العمال: ۱۸۶۸۴)

۵۰۴۶۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَائَةُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ۔
(صحیح البخاری: ۵۰۴۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ کس طرح قرآن پڑھتے تھے تو انہوں نے بیان کیا کہ آپ کھینچ کر پڑھتے تھے، پس انہوں نے پڑھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھتے (یعنی بسم اللہ میں لفظ اللہ کے الف کو کھینچ کر پڑھتے) اور الرحمٰن کو کھینچ کر پڑھتے (یعنی رحمٰن کے الف کو کھینچ کر پڑھتے) اور الرحیم کو کھینچ کر پڑھتے (یعنی الرحیم کی یاء کو کھینچ کر پڑھتے)۔

نبی ﷺ کے قرآن مجید میں مد کرنے کا سبب اور مد کرنے اور ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی کیفیت

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:
نبی ﷺ ان حروف کو کیوں کھینچ کر پڑھتے تھے اس کے سبب کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ آپ ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور یہ کہ آپ جلدی پڑھنے کے لیے زبان کو حرکت نہ دیں، سو آپ نے اپنے رب

کے حکم پر عمل کیا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھا تا کہ آپ کی امت کے لیے سنت ہو جائے کہ وہ کس طرح قرآن مجید کو پڑھیں اور وہ کس طرح قرآن مجید میں تدبر کریں اور سمجھ کر پڑھیں۔

امام ابوعبید نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی کیفیت کو بیان کرتی تھیں کہ آپ ایک ایک حرف کو تفصیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔

(فضائل القرآن ص ۱۵۶، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۶، سنن ترمذی: ۲۹۲۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۱، ج ۳ ص ۲۱۴)

نیز حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹکڑے ٹکڑے کر کے قرآن مجید پڑھتے تھے۔ (مثلاً ایک لفظ کو پڑھ کر وقف کرتے، پھر دوسرا لفظ پڑھتے)۔

اور ابراہیم نے بیان کیا کہ علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن مجید پڑھا، پس گویا کہ انہوں نے جلدی جلدی پڑھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: تم پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں! قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھو یعنی ٹھہر ٹھہر کر، اور علقمہ بہت خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے۔ (فضائل القرآن ص ۱۵۷۔۱۵۶)

قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے اور تیزی کے ساتھ پڑھنے میں لوگوں کے مختلف طریقے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم الرحمٰن الرحیم کو کھینچ کر پڑھتے تھے ان میں دوسرے حروف کی طرح مد نہیں کرتے تھے کیونکہ بسم اللہ میں ہمزہ نہیں ہے جو حروف مدہ اور حروف لین میں مد کو واجب کرتا ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کو پڑھنے کی کیفیت میں لوگوں کا اختلاف ہے، پس ماہر قرآن مجید کو جلدی جلدی بھی پڑھتا ہے اور ٹھہر ٹھہر کر بھی پڑھتا ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو ترتیل سے پڑھتے ہیں اور جب تیزی سے پڑھتے ہیں تو وقف کرتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو تیزی سے پڑھتے ہیں اور جب ترتیل سے پڑھتے ہیں تو وقف کرتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دونوں طریقوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔

جو لوگ تیزی سے قرآن پڑھ کر ایک دن میں یا ایک رکعت میں پورا قرآن مجید پڑھتے تھے

اور جو لوگوں میں سے سب سے زیادہ تیزی سے قرآن پڑھتے تھے وہ محمد بن کعب اور ابوعثمان النہدی ہیں اور امام شافعی ہر دن میں ایک قرآن کریم ختم کرتے تھے اور جب رمضان کا مہینہ آتا تو ہر روز دو قرآن کریم ختم کرتے تھے اور نمازوں میں ان کے علاوہ قرآن مجید پڑھتے تھے۔

اور ابن القاسم مالکی سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی عمر کے آخر میں رمضان کے مہینہ میں دو سو (۲۰۰) قرآن کریم ختم کرتے تھے، حتیٰ کہ جب وہ مغرب کی نماز پڑھتے تو وہ نماز پڑھتے رہتے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی۔

میں کہتا ہوں: اس روایت میں یہ اشکال ہے کہ کیا ابن القاسم عشاء کی نماز نہیں پڑھتے تھے؟ (سعیدی غفرلہ)

پھر وہ سو جاتے حتیٰ کہ سورج بلند ہو جاتا، پھر وہ عصر کی نماز پڑھتے، پھر سو جاتے حتیٰ کہ سورج غروب ہو جاتا، وہ چار مہینہ تک اسکندریہ کی سرحد پر پہرہ دیتے رہتے اور حج کے تین مہینوں میں حج کرتے اور لوگوں کو مسائل بتانے کے لیے پانچ مہینہ بیٹھتے۔

اور ابن وہب مالکی دو مہینہ سرحد پر پہرہ دیتے اور حج کے تین مہینوں میں حج کرتے اور لوگوں کو مسائل بتانے کے لیے سات مہینے بیٹھتے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کرتے اور دوسری رکعت میں قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ پڑھتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں مقام (یعنی مقام ابراہیم) کے پاس یہ عمل کرتے اور وہ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۵۵۔ ۱۵۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی کیفیت میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے مد کرنے کو بیان کیا یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ آپ سورۃ الفاتحہ سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو مد کے ساتھ پڑھتے تھے

حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ بسم اللہ میں مد کرتے، الرحمٰن میں مد کرتے اور الرحیم میں مد کرتے۔ اس سے بعض علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھتے تھے اور ان کی یہ حدیث صحیح مسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہیں پڑھتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آپ نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھتے تھے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید کو پڑھنے کی کیفیت کو ایک مثال سے بیان کیا ہے کہ آپ بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھتے اور الرحمٰن کو کھینچ کر پڑھتے اور الرحیم کو کھینچ کر پڑھتے، اور اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ متعین نہیں کیا کہ آپ سورۃ الفاتحہ کے اول میں کس طرح بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھتے تھے اور نہ یہ متعین کیا ہے کہ آپ ہر رکعت کے شروع میں سورۃ الفاتحہ کو پڑھتے تھے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

فقہاء احناف کے مذہب کی دلیل

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس شرح میں یہ تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہیں پڑھتے تھے اور یہی فقہاء احناف کا مذہب ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۃ الفاتحہ کا جز نہیں ہے اور یہ بات ایک عظیم شافعی کے قول سے ثابت ہو گئی۔ (سعیدی غفرلہ)

۳۰۔ بَابُ: التَّرۡجِیۡعِ — الترجیع یعنی جملہ کو دہرانا یا حرف کو لمبا کر کے پڑھنا

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ترجیع کا معنی ہے: قرآن پڑھتے وقت حرکت کو لمبا کرنا اور اس کا معنی ہے: آواز کو حلق میں لوٹانا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۳، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۷)

۵۰۴۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بۡنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعۡبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو إِيَاسٍ قَالَ سَمِعۡتُ عَبۡدَ اللّٰهِ بۡنَ مُغَفَّلٍ قَالَ رَأَيۡتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقۡرَأُ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ أَوۡ جَمَلِهِ وَهِيَ تَسِيرُ بِهِ وَهُوَ يَقۡرَأُ سُورَةَ الۡفَتۡحِ أَوۡ مِنۡ سُورَةِ الۡفَتۡحِ قِرَاءَةً لَيِّنَةً يَقۡرَأُ وَهُوَ يُرَجِّعُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں ہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر یا اپنے اونٹ پر سوار تھے اور وہ اس وقت آپ کو لے کر چل رہی تھی اور آپ اس وقت سورۃ الفتح پڑھ

رہے تھے یا سورۃ الفتح کی بعض آیتوں کو پڑھ رہے تھے آپ نرمی اور ملائمت سے پڑھ رہے تھے اور آواز کو حلق میں دہرا رہے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۲۸۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۲۸۱، ۴۸۳۵، ۵۰۳۴، ۵۰۴۷، ۷۵۴۰، صحیح مسلم: ۷۹۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۷)

ترجیع کی کیفیت

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح البخاری: ۷۵۴۰، میں اس اضافہ کے ساتھ گزری ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے گرد جمع ہو جائیں گے تو میں اس طرح ترجیع کے ساتھ قراءت کرتا جس طرح حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ترجیع کے ساتھ قراءت کی تھی، راوی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل نے کس طرح ترجیع کی تھی، انہوں نے کہا: وہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ کے الف کو تین الف کے برابر کھینچ کر پڑھ رہے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۵۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ترجیع کے دو معنی اور راجح یہ ہے کہ اس سے مراد اشباع ہے یعنی حروف مد کو کھینچ کر پڑھنا اور گانے کی طرز سے قرآن پڑھنے کا ممنوع ہونا اور بعض اوقات عبادت کو ظاہر کرنا اس کو چھپانے سے افضل ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عنقریب کتاب التوحید میں یہ حدیث آئے گی کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پڑھتے تھے آآآ یعنی مبینا کے الف کو تین الف کے برابر مد کر کے پڑھتے تھے۔

علماء نے کہا ہے کہ آپ کی اس ترجیع کی دو وجہیں ہیں: ایک وجہ یہ ہے کہ اونٹنی کے ہلنے کی وجہ سے آپ الف کو لمبا کر کے پڑھ رہے تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ الف میں اشباع کر رہے تھے یعنی اس کو کھینچ کر پڑھ رہے تھے اور یہ دوسری توجیہ حق کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ بعض سندوں کے ساتھ یہ روایت ہے کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ جمع ہو جائیں گے تو میں اسی طرح سریلی آواز میں پڑھتا، اور اس مقام کے علاوہ بھی ترجیع کا ثبوت ہے:

امام ترمذی نے شمائل میں اور امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام ابن داؤد نے اپنی سندوں کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن رہی تھی اور آپ اس وقت قرآن پڑھ رہے تھے اور میں اس وقت اپنے بستر پر سو رہی تھی اور آپ قرآن مجید میں ترجیع کر رہے تھے۔

اور جو چیز ظاہر ہوتی ہے کہ ترجیع میں ترتیل سے زیادہ اضافہ ہوتا ہے کیونکہ امام ابن ابوداؤد نے علقمہ سے روایت کی ہے کہ میں رات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر میں تھا، پس وہ سو گئے، پھر وہ کھڑے ہوئے، پھر وہ اپنے محلہ کی مسجد میں قرآن پڑھ رہے تھے، اپنی آواز کو زیادہ بلند نہیں کر رہے تھے اور اردگرد کے لوگوں کو سنا رہے تھے اور ترتیل سے پڑھ رہے تھے اور ترجیع نہیں کر رہے تھے۔

اور الشیخ ابو محمد الجمرۃ نے کہا ہے کہ ترجیع کا معنی ہے: تحسین کے ساتھ تلاوت کرنا، اس سے مراد گانے کی طرز نہیں ہے کیونکہ گانے کی طرز میں قرآن پڑھنا خشوع کے منافی ہے جو کہ تلاوت کا مقصود ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث میں عبادت کو ہر حال میں لازم رکھنے کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں بھی تلاوت کے ساتھ عبادت کرنے کو ترک نہیں کیا اور آپ نے جو بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کی اس میں یہ ثبوت ہے کہ بعض اوقات عبادت کو ظاہر کرنا عبادت کو چھپانے سے افضل ہوتا ہے اور یہ تعلیم کے وقت ہوتا ہے اور غافل کو بیدار کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٢٢٣، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

گانے کی طرز میں قرآن مجید کو پڑھنا حرام ہے

علامہ ابو یحییٰ زکریا انصاری مصری شافعی متوفی ۹۲۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیع میں دو احتمال ہیں: ایک یہ ہے کہ اونٹنی کی حرکت اور اس کے ہلنے کی وجہ سے آپ کی آواز میں اشباع ہو گیا یعنی آپ نے مبینا کے الف کو تین مد کے برابر کھینچ کر پڑھا، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے مبینا کے مد میں اشباع کیا اور یہ دوسرا احتمال سیاق کے زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٢٢٣)

دوسرے احتمال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں سے مزین کرو''۔

(خلق افعال العباد: ١٩٥، سنن ابوداؤد: ١٤٦٨، سنن النسائی ج ٢ ص ١٧٩، سنن ابن ماجہ: ١٣٤٢، المستدرک ج ١ ص ٥٧١، البانی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے، صحیح ابوداؤد: ١٣٢٠)

اور امام نسائی نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن رہی تھی اور آپ قرآن مجید کو ترجیع کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ (سنن نسائی ج ٢ ص ١٧٨)

علامہ زکریا انصاری کہتے ہیں کہ: یہ دونوں حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار سے ترجیع کرتے تھے اضطراراً ترجیع نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ آپ کی سنت پر عمل کریں اور اگر اونٹنی کی حرکت کی وجہ سے آپ کی آواز میں ترجیع ہوتی تو یہ ترجیع اضطراراً ہوتی نہ کہ اختیاراً اور ہر صورت میں ترجیع سے مراد ہے: مد کو اپنے محل میں لمبا کر کے پڑھنا۔ اس سے مراد گانے کی طرز نہیں ہے جس کو بعض قراء نے ایجاد کر لیا ہے کیونکہ گانے کی طرز حرام ہے اور خشیت الٰہی کے منافی ہے اور تلاوت سے مقصود خشیت الٰہی ہے۔ (منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری ج ٨ ص ٣١٤۔٣١٣، مکتبۃ الرشد، ریاض، ١٤٢٦ھ)

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (ارشاد الساری ج ١١ ص ٣٦٦۔٣٦٥، دار الفکر، بیروت، ١٤٢١ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ترجیع سے مراد ہے: اپنی جگہ پر قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا لیکن اس میں افراط کرنا ممنوع ہے جیسا کہ بعض قاری کرتے ہیں۔ (الکوثر الجاری ج ٨ ص ٣١٢، دار الفکر، بیروت، ١٤٢٩ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہا سریلی آواز اور طرز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا تو یہ مکروہ ہے، شیخ خلیل نے کہا ہے: قرآن مجید کو لحن سے پڑھنا مکروہ ہے۔ (مختصر خلیل ص ٣٧)

اور اگر قرآن مجید کو گانے کی طرز پر پڑھا جائے اور طرز بنانے کے لیے بعض حرکات کا اضافہ کیا جائے یا بعض حرکات کو نکالا

جائے یا ممدود کو قصر کیا جائے یا قصر کو ممدود کیا جائے تو یہ حرام ہے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔
(شرح النووی علی مسلم ج ۶ ص ۸۰)

اور علامہ زرقانی مالکی نے لکھا ہے کہ اس طرح قرآن مجید پڑھنے والا فاسق ہے اور اس کو سننے والا گناہ گار ہے۔
(شرح الزرقانی علی خلیل ج ۱ ص ۷۴)

علامہ زرقانی نے کہا: یہی امام مالک کا مذہب ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے، علامہ قرطبی مالکی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔
(المفہم ج ۲ ص ۴۲۱)

اور علامہ السجستانی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس طرح کی قراءت کو سننا حرام ہے اور قاری کو ڈانٹ ڈپٹ کی جائے گی اور اس کو مارا جائے گا، اور علامہ ابن الجزری نے کہا ہے: اس طرح قرآن پڑھنے والا ملعون ہے اور شیخ زکریا نے کہا ہے: اس پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور فرشتے بھی لعنت کرتے ہیں اور تمام لوگ بھی لعنت کرتے ہیں۔ (تحفۃ الباری ج ۹ ص ۳۸۴)
(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۴۳، مکتبۃ الرشد، ۱۴۳۰ھ)

علامہ عبدالرحمٰن علی بن محمد الجوزی الحنبلی التوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو اچھی آواز اور تجوید کے ساتھ تلاوت کرنا جائز ہے تا کہ سامعین کو فائدہ ہو اور یہ نہ کہا جائے کہ تجوید میں زیادتی ریاکاری ہے کیونکہ اس سے مقصود اس سے نفع حاصل کرنا ہے لیکن قرآن مجید کو گا گا کر پڑھنا جیسا کہ اس زمانہ میں قاری کرتے ہیں تو یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ گانے کا طریقہ ہے۔ (کشف المشکل ج ۲ ص ۳۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۳۱۔ بَابُ: حُسْنِ الصَّوْتِ بِالْقِرَاءَةِ لِلْقُرْآنِ — اچھی آواز سے قرآن پڑھنا

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اچھی آواز والے سے قرآن مجید سننے کے استحباب پر اجماع ہے اور امام ابن ابی داؤد نے اپنی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوش آواز نوجوان کو اس کی خوش آوازی کی وجہ سے مقدم کرتے تھے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۴۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى الْحِمَّانِيُّ حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهُ يَا أَبَا مُوسَى لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن خلف ابوبکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابویحییٰ الحمانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں برید بن عبداللہ بن ابی بردہ نے حدیث بیان از جد خود ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اے ابوموسیٰ! بے شک تمہیں مزامیر آل داؤد میں سے ایک مزمار دی گئی ہے''۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۴۸، صحیح مسلم: ۷۹۳، سنن ترمذی: ۳۸۵۵، سنن دارمی: ۳۴۹۸، مصنف عبدالرزاق: ۴۱۷۸، سنن ابوداؤد: ۱۴۹۴، سنن ترمذی: ۳۳۷۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۵۸، مسند ابوعوانہ: ۳۸۹۰، شرح مشکل الاثار: ۱۷۳، صحیح ابن حبان: ۸۹۲، کتاب الدعا للطبرانی: ۱۱۳، المستدرک ج ۱ ص ۵۰۴، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۵۸۔ ۲۵۷، شعب الایمان: ۲۶۰۴، تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۴۳۔ ۴۴۲، شرح السنۃ: ۱۲۵۹۔

۱۲۶۰، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۸۶، الادب المفرد: ۱۰۸۷۔ ۸۰۵، الطبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۳۴۵۔ ۳۴۴، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۹، رقم الحدیث: ۲۲۹۵۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آل کے معنی اور مصداق کی تحقیق

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آل داؤد سے مراد خود حضرت داؤد علیہ السلام ہیں کیونکہ کسی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آل داؤد میں سے کسی شخص کو اچھی آواز دی گئی تھی اور عرب کے نزدیک آل کا معنی شخص ہے اور علامہ خطابی نے امام ابوعبیدہ سے نقل کیا ہے: جس شخص نے آل فلاں کے لیے وصیت کی وہ شخص خود بھی اس وصیت میں داخل ہوگا اور ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ (مومن: ۴۶)　آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو O

اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو۔

کسی مرد کی آل کا معنی ہے: اس کے اہل وعیال جب کہ وہ درمیانی طبقہ سے ہو اور جو شخص رئیس ہو اس کی آل اس کے متبعین ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے آل اس کے اہل بیت ہیں۔ اعمش بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کون ہے تو انہوں نے کہا: وہ آل علی ہیں، آل جعفر ہیں اور آل عباس ہیں اور آل عقیل ہیں۔

(اعلام الحدیث ج ۳ ص ۱۹۵۳۔ ۱۹۵۱)

امام شافعی کے نزدیک آپ کی آل وہ ہے جن کو صدقہ دینا حرام ہے اور وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ پڑھتے تو یوں دعا کرتے:

اللّٰھم اجعل صَلَوٰتِكَ علی آلِ احمد کما جعلتھا علی آلِ ابراھیم انك حمید مجید O　اے اللہ! آل احمد پر اس طرح صلوات نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر صلوات نازل کی ہیں بے شک تو تعریف کیا گیا ہے اور بلند ہے O

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آل احمد سے اپنی ذات کا ارادہ کرتے تھے۔ (یہ حضرت حسن کی انفرادی رائے ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور امام ابوعبیدہ نے کہا ہے: آیت کریمہ میں ہے:

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ (البقرہ: ۴۹)　اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی۔

انہوں نے کہا: اس سے مراد اس کے دین میں پیروکار ہیں اور یہ اس رئیس میں جائز نہیں ہے جس کے باقی لوگ اس کے پیروکار نہ ہوں اور اس کی طرح آل محمد سے مراد آپ کی امت ہے اور دین میں آپ کے پیروکار ہیں، اور جب تم اس سے تجاوز کرو تو مرد کی آل سے مراد خصوصاً اس کے اہل بیت ہیں اور ابوعبیدہ کا یہ قول فقہاء کے نزدیک خطا ہے اور فقہاء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۵۸۔ ۱۵۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خوش آوازی کے متعلق متعدد احادیث اور مزمار کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوموسیٰ! بے شک تمہیں آل داؤد کی مزامیر میں سے مزمار دی

گئی ہے''۔

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم مجھے اس وقت دیکھتے جب میں گزشتہ رات تمہاری قراءت سن رہا تھا بے شک تمہیں آل داؤد کی مزامیر میں سے مزمار دی گئی ہے''۔ (صحیح مسلم: ۷۹۳)

اور امام ابو یعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ اس وقت اپنے گھر میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے، پس آپ دونوں ان کی قراءت کو سنتے رہے، پھر وہ دونوں چلے گئے، پھر جب صبح ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، پس آپ نے فرمایا: ''اے ابو موسیٰ! میں تمہارے پاس سے گزرا تھا'' الحدیث۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ میری قراءت سن رہے ہیں تو میں اور زیادہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھتا۔

(میں کہتا ہوں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانے یا سنانے کے لیے کسی عبادت کو اچھی طرح ادا کرنا ریا کاری نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور امام محمد بن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک رات کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے ان کی آواز سنی اور ان کی آواز بہت شیریں تھی تو وہ کھڑی ہو کر سننے لگیں، جب صبح ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ کو یہ بات بتائی گئی تو انہوں نے کہا: اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ میری قراءت سن رہی ہیں تو میں اور خوش آوازی سے قرآن پڑھتا۔

(ہوسکتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ کی مراد یہ ہو کہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو موسیٰ کی حسن قرأت کے بارے میں بتاتیں تو آپ خوش ہوتے اس لیے ازواج مطہرات کو سنانے کے لیے بھی اچھی آواز سے پڑھنا ریا کاری نہیں ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے اچھی طرح عبادت کرنا ریا کاری نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

نیز امام ابو یعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فرمایا: ''یہ آواز آل داؤد کی مزامیر سے ہے''۔

اور امام ابن ابوداؤد نے ابو عثمان نہدی سے روایت کی ہے کہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہوا تو میں نے کسی بربط اور کسی صنج کی آواز ان کی آواز سے حسین نہیں سنی۔ (بربط اور صنج دونوں ایک قسم کے ساز ہیں اور بربط کو اردو میں سارنگی کہتے ہیں اور صنج کو اردو میں جانجھ کہتے ہیں۔ المنجد اردو: ۶۸۹۔ ۵۷۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ مزمار سے مراد اچھی آواز ہے اور اس کی اصل موسیقی کا آلہ ہے (بانسری) اور اچھی آواز پر اس کا اطلاق خوش آوازی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۲۔ بَابُ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْمَعَ الْقُرْآنَ مِنْ غَيْرِهِ

جو شخص دوسرے سے قرآن مجید سننے کو پسند کرے

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس عنوان میں قراءت سے مراد قرآن مجید کا بعض حصہ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴)

۵۰۴۹۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از الاعمش، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی

اقْرَأْ عَلَيَّ الْقُرْآنَ قُلْتُ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي۔

از عبیدۃ از حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرے سامنے قرآن مجید پڑھو''، میں نے کہا: میں آپ کے سامنے قرآن مجید پڑھوں حالانکہ آپ پر تو خود قرآن مجید نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا: ''میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ میں کسی دوسرے سے قرآن مجید سنوں''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۸۲ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۵۸۲، ۵۰۵۰، ۵۰۵۵، ۵۰۵۶، صحیح مسلم: ۸۰۰، سنن ترمذی: ۳۰۲۴، سنن ابوداؤد: ۳۶۶۸، سنن ابن ماجہ: ۴۱۴۹، مسند احمد ج۱ ص ۳۸۰، ۴۳۳، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۱، مشکاۃ: ۲۱۹۵، حلیۃ الاولیاء: ج ۷ ص ۲۰۳، کنز العمال: ۲۸۲۶، طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲، ۱۰۴، شمائل ترمذی: ۱۵۹، ۱۶۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۲۷۱، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۷۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۶۳، ج ۱۳ ص ۲۵۴ ج ۱۴ ص ۱۱-۱۰، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۴۹۸، ۵۱۸، ۵۵۱، کتاب الزہد لابن المبارک: ۳۶)

دوسرے شخص سے قرآن مجید سننے کے فوائد اور مسائل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے لکھا ہے: ہوسکتا ہے کہ آپ نے اس لیے دوسرے سے قرآن مجید سننے کو پسند فرمایا ہوتا کہ دوسرے سے قرآن مجید کو سننا سنت ہوجائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے تاکہ آپ قرآن مجید کے معانی میں غور کریں اور تدبر کریں کیونکہ سننے والا تدبر کرنے کی زیادہ طاقت رکھتا ہے اور اس کو زیادہ شیرینی اور زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے کیونکہ پڑھنے والا تو قراءت میں مشغول ہوتا ہے۔ یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آپ نے خود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن مجید کو پڑھا، جیسا کہ یہ حدیث کتاب المناقب میں گزری ہے کیونکہ اس وقت آپ کا ارادہ یہ تھا کہ آپ حضرت ابی بن کعب کو قراءت کی ادائیگی اور مخارج حروف وغیرہ کی تعلیم دیں اور عنقریب اس حدیث کی شرح آئے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی نے بھی یہی شرح لکھی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۷۹)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے بھی یہی شرح لکھی ہے۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۸)

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سننے والا قرآن مجید میں قرآن مجید کو پڑھنے والے کی بہ نسبت زیادہ تدبر کرسکتا ہے کیونکہ قرآن مجید کے پڑھنے والے کی زیادہ توجہ الفاظ کی طرف ہوتی ہے کہ کہیں اس سے لفظ میں غلطی نہ ہوجائے لیکن قرآن مجید کو سننے والا الفاظ کی طرف توجہ سے فارغ ہوتا ہے تو وہ قرآن مجید کے معانی میں تدبر اور تامل کرتا ہے اور بعض اوقات جب انسان دوسرے سے قرآن سنتا ہے تو اس کے اوپر زیادہ خشوع طاری ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں حالانکہ آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس سوال کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ آپ کو قرآن مجید سنانے سے انکار کر رہے ہیں بلکہ ان کا مقصد یہ

تھا کہ وہ آپ سے اس کی حکمت دریافت کریں کہ آپ کیوں انہیں سنانے کا حکم دے رہے ہیں۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۹۸، مکتبۃ الطبری، ۱۴۲۹ھ)

۳۳۔ بَابُ: قَوْلِ الْمُقْرِءِ لِلْقَارِءِ حَسْبُكَ

قرآن پڑھوانے والے کا قرآن پڑھنے والے سے یہ کہنا: ”تمہیں اتنا کافی ہے“

۵۰۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ نَعَمْ فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى أَتَيْتُ إِلٰى هٰذِهِ الْآيَةِ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۝﴾ (النساء: ۴۱) قَالَ حَسْبُكَ الْآنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از عبیدۃ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: ”میرے سامنے قرآن پڑھو“ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں حالانکہ آپ پر تو خود قرآن نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ تو میں نے آپ کے سامنے سورۃ النساء پڑھی حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۝ (النساء: ۴۱) تو اس وقت کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول مکرم!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے O تو آپ نے فرمایا: ”اب تمہیں اتنا پڑھنا کافی ہے“۔ پس میں نے آپ کی طرف مڑ کر دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو رہے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۸۲ میں گزر چکی ہے۔
اس حدیث کی وہی تخریج ہے جو صحیح البخاری: ۵۰۴۹ کی تخریج ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جن کے متعلق گواہی دی ان کا مصداق اور آپ کے رونے کی توجیہات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔
اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ان سب سے مراد آپ کی امت کے کفار ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس امت سے مراد کفار قریش ہیں۔
آپ کا اس آیت کو سن کر رونا اس وجہ سے تھا کہ جس کے خلاف شہادت دی جاتی ہے اس کے خلاف جو فیصلہ کیا جاتا ہے وہ شاہد کے قول پر مبنی ہوتا ہے اور جب کہ نبی ﷺ شاہد بھی ہیں اور تقصیر کرنے والوں کے حق میں شافع بھی ہیں، اس لیے آپ رو رہے تھے۔
دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں سے اس لیے آنسو بہہ رہے تھے کہ قیامت کی ہولناکیوں پر آپ مطلع ہیں۔
تیسرا قول یہ ہے کہ یہ خوشی کے آنسو تھے کیونکہ آپ کو اس پر خوشی تھی کہ آپ کی امت کی شہادت قبول ہوگئی اور آپ نے اپنی

امت کو جو شہادت کے قابل قرار دیا وہ مقبول ہو گیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۲۲۹۔ ۲۲۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا نسیان

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث از اعمش از عمرو بن مرۃ از ابراہیم مروی ہے جو فضائل قرآن میں وضاحت سے مذکور ہے، ہم اس کی وہاں شرح کریں گے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۴۸)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فضائل قرآن میں اس حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۵۰) کی شرح کرنا بھول گئے اور وہاں اس حدیث کی بالکل شرح نہیں کی اور نہ (صحیح البخاری: ۴۵۸۲) میں اس کی شرح کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴)

سورۃ النساء کی آیت مذکور کو سننے سے آپ کے آنسو بہنے کی توجیہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس کی کیا توجیہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تمہارا اتنا پڑھنا کافی ہے'' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ اس لیے فرمایا تا کہ اس کی نصیحت کرنے پر اور اس آیت پر اعتبار کرنے پر تنبیہ ہو اور اسی وجہ سے آپ روئے اور آپ کے رونے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کے سامنے قیامت کی ہولناکیاں متمثل ہو گئی تھیں اور اس وقت کے حال کی سختی اس کی داعی تھی کہ آپ قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت فرمائیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو حشر کے دن کے طول اور اس کی سختیوں سے راحت میں رکھے اور اس وجہ سے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور آپ غمگین رہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں کچھ خاص نہیں لکھا۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۶۹، دار الفکر، بیروت، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۴۶، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں کچھ نہیں لکھا۔ (کشف المشکل ج ۶ ص ۳۴۱)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ آپ کا رونا اس غم کی وجہ سے تھا کہ اس دن آپ کی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والے اپنے گناہوں کی وجہ سے مشکل میں گرفتار ہوں گے اور چونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اس لیے آپ اپنی امت کی اس مشکل کے غم میں رو رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: اس پر غور کرنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو قیامت کی ہولناکیوں کے خوف سے رو رہے تھے، اور ہمارے آج کل کے نعت خوان اپنی نعتوں سے لوگوں کو قبر کے عذاب اور قیامت کی ہولناکیوں سے بے خوف کر رہے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۳۴۔ بَابٌ: فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ — کتنی مدت میں قرآن مجید پڑھ کر ختم کیا جائے

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۔ (المزمل: ۲۰) — پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔

امام بخاری کا اس حدیث کے عنوان سے امام اسحاق بن راہویہ اور حنابلہ کی تعیین قراءت کے رد کی طرف اشارہ کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے ان علماء کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں: ہر دن اور رات میں قرآن مجید کا کم سے کم چالیسواں حصہ پڑھنا چاہیے۔ یہ قول اسحاق بن راہویہ اور حنابلہ سے منقول ہے۔ امام بخاری نے اس تعلیق سے اس قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو (المزمل: ۲۰) اور یہ آیت ہر روز قرآن مجید کے چالیسویں حصہ سے کم پر مشتمل ہے اور جو شخص قرآن مجید پڑھنے کی مدت میں تحدید کا مدعی ہو اس پر بیان لازم ہے، اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: میں کتنی مدت میں قرآن مجید کو ختم کروں؟ تو آپ نے فرمایا: ''چالیس دن میں''، پھر آپ نے فرمایا: ''ایک مہینہ میں''۔ اور اس حدیث میں ان علماء کے قول پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کے نزدیک حنابلہ کے استدلال میں منشاء غلطی

میں کہتا ہوں کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید ختم کرنے کی کم سے کم مدت چالیس دن فرمائی اس وجہ سے ان علماء نے یہ سمجھا کہ ایک دن میں کم از کم قرآن مجید کا چالیسواں حصہ پڑھنا چاہیے لیکن ان کا منشا غلطی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم سے کم قرآن پڑھنے کی مدت ایک ماہ بھی بیان فرمائی ہے، سو یہ حدیث ان پر مخفی رہی اور المزمل: ۲۰ بھی ان سے مخفی رہی جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ (سعیدی غفرلہ)

امام اسحٰق بن راہویہ اور حنابلہ کے قول کے رد کی مزید وضاحت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان اور تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے ان علماء کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ہر روز کم از کم قرآن مجید کا چالیسواں حصہ تلاوت کرنا چاہیے کیونکہ قرآن مجید میں قرآن مجید پڑھنے کی کسی مدت کا تعین نہیں ہے نہ کم سے کم کا نہ زیادہ سے زیادہ کا، نہ تلاوت قرآن کے لیے کسی جزء معین کا ذکر ہے اور نہ محدود کا اور نہ وقت محدود کا ذکر ہے نہ معین کا، اور تلاوت قرآن کے متعلق جو احادیث اور آثار ہیں ان میں کسی مقدار اور وقت کا تعین نہیں ہے۔ فافہم (سو اس کو غور سے سمجھ لو)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے اسی طرح اس عنوان اور تعلیق کی شرح کی ہے۔ (تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۹)

۵۰۵۱۔ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ قَالَ لِی ابْنُ شُبْرُمَةَ نَظَرْتُ كَمْ یَكْفِی الرَّجُلَ مِنَ الْقُرْآنِ فَلَمْ أَجِدْ سُورَةً أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِ آیَاتٍ فَقُلْتُ لَا یَنْبَغِی لِأَحَدٍ أَنْ یَقْرَأَ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِ آیَاتٍ قَالَ عَلِیٌّ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ عَنْ إِبْرَاهِیمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یَزِیدَ أَخْبَرَهُ عَلْقَمَةُ عَنْ أَبِی مَسْعُودٍ وَلَقِیتُهُ وَهُوَ یَطُوفُ بِالْبَیْتِ فَذَكَرَ قَوْلَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ مَنْ قَرَأَ بِالْآیَتَیْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِی لَیْلَةٍ كَفَتَاهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی (بن مدینی) نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھ سے ابن شبرمہ نے کہا کہ میں نے غور کیا کہ مرد کے لیے کتنا قرآن پڑھنا کافی ہے تو مجھے تین آیات سے کم کی کوئی سورت نہیں ملی تو میں نے کہا: کسی شخص کو بھی قرآن مجید کی تین آیات سے کم نہیں پڑھنی چاہیے۔ علی (بن مدینی) نے کہا: ہمیں سفیان (بن عیینہ) نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے خبر دی از ابراہیم از عبدالرحمٰن بن یزید، ان کو علقمہ نے خبر دی از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، اور میری ان سے اس وقت ملاقات ہوئی جب وہ کعبہ

کا طواف کر رہے تھے، پس انہوں نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ جس مرد نے ایک رات میں سورۃ البقرۃ کی دو آخری آیتیں پڑھیں تو وہ اس کے لیے کافی ہیں''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۰۸ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۰۰۸، ۵۰۰۸، ۵۰۰۹، ۵۰۴۰، ۵۰۵۱، صحیح مسلم: ۸۰۷، سنن ترمذی: ۲۸۸۱، سنن ابوداؤد: ۱۳۹۷، سنن ابن ماجہ: ۱۳۶۸، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۱۔۲۰، صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۴۱، مسند حمیدی: ۴۵۲، مصنف عبدالرزاق: ۶۰۲۰، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۴۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۱۳۳، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۱)

تہجد کی نماز میں قراءت کے متعلق علماء کے اقوال اور تہجد کی نماز کی فرضیت کے متعلق حسن بصری کے قول کا رد

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غالباً ابن شرمہ کی مراد یہ ہے: جو شخص تہجد کی نماز یا مطلقاً نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو وہ کم از کم قرآن مجید کی تین آیتیں پڑھنے کا ارادہ کرے اور علامہ ابن بطال نے (المزمل: ۲۰) کی تفسیر میں کہا ہے کہ کم از کم تین آیات یا اس سے زیادہ پڑھی جائیں اور کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت میں کم از کم تین آیات ہیں، اور علامہ ابن التین نے ایک جماعت کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تہجد کی نماز میں کم از کم تین آیات پڑھنا مستحب ہے، اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز میں کم از کم دو آیتیں پڑھے وہ بھی (المزمل: ۲۰) کے عموم میں داخل ہے، اور حسن بصری اور محمد بن سیرین کا یہ عجیب قول ہے کہ تہجد کی نماز ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ اتنے وقت میں تہجد پڑھی جائے جتنے وقت میں دودھ دوہا جاتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۶۵۔۱۶۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کے رجال کا تعارف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، اس سے مراد علی بن المدینی ہیں اور سفیان کا ذکر ہے، اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں اور ابن شبرمہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ ہے اور یہ کوفہ کے قاضی ہیں۔ امام بخاری نے ان سے صرف کتاب الادب میں بہ طور شاہد روایت کی ہے اور اس سند میں جوان کا کلام ذکر ہے اس کے علاوہ ان کا اور بھی کلام ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کے عنوان کے متعلق امام بخاری پر حافظ ابن کثیر کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے: کتنی مدت میں قرآن مجید کو پڑھ کر ختم کیا جائے اور اس کے بعد جو تعلیق ذکر کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ذکر کیا ہے کہ: ''جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لو'' (المزمل: ۲۰) حالانکہ اس آیت میں اور باب کی حدیث میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اور باب میں جو حدیث ذکر کی ہے دونوں میں یہ امر مشترک ہے: جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جائے وہ پڑھ لو۔ ہاں! ابن شبرمہ کا قول اس کے مناسب نہیں ہے جس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۷۔۲۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ابن شبرمہ کا تعارف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن شبرمہ کا پورا نام ہے: عبداللہ بن شبرمہ بن الطفیل الضبی ابوشبرمہ الکوفی القاضی فقیہ اہل الکوفہ، ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے، انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے، یہ بہت پاک باز، عاقل، بہادر اور فقیہ تھے، روایت حدیث میں ثقہ تھے، شاعر تھے، بہت بلند اخلاق اور جواد تھے اور ابوجعفر علی کی طرف سے کوفہ کی مفتوحہ زمینوں پر قابض تھے، ایک سو چوالیس (۱۴۴ھ) میں ان کی وفات ہوئی۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے استشہاد کیا ہے اور کتاب الادب میں ان سے ایک حدیث کی روایت کی ہے اور امام ترمذی کے سوا باقی ائمہ ستہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۱۔۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ

اس حدیث کے عنوان میں مذکور ہے: قرآن مجید سے کتنا پڑھنا کافی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ''یعنی نماز میں''۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۵)

علامہ عینی حافظ ابن حجر پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس طرح نہیں ہے بلکہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ دن اور رات میں کتنا قرآن پڑھنا کافی ہے یعنی مطلقاً قرآن میں نہ کہ نماز میں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۱)

مصنف کا حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے درمیان محاکمہ

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر علامہ عینی کا یہ اعتراض صحیح ہے کیونکہ حافظ ابن حجر نے ''انتقاض الاعتراض'' میں اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں لکھا اور نہ علامہ قسطلانی شافعی نے حافظ ابن حجر کی طرف سے ان کی توجیہ میں کچھ لکھا، اور امام بخاری نے اپنی تعلیق میں (المزمل: ۲۰) سے جو استدلال کیا ہے وہ بھی اس پر دلیل ہے کہ یہاں دن اور رات میں مطلقاً قرآن مجید پڑھنے پر یہ استدلال کیا ہے کہ دن اور رات میں قرآن پڑھنے کے متعلق حنابلہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ دن اور رات میں قرآن مجید کا چالیسواں حصہ پڑھنا چاہیے جب کہ (المزمل: ۲۰) سے دن اور رات میں قرآن مجید پڑھنے کا عموم اور اطلاق معلوم ہوتا ہے، لہٰذا علامہ عینی کا اعتراض صحیح ہے اور حافظ ابن حجر سے اس کا جواب نہیں بن سکا۔ (سعیدی غفرلہ)

قاضی ابن شبرمہ پر علامہ زکریا انصاری شافعی کا اعتراض

علامہ ابویحییٰ زکریا الانصاری المصری الشافعی الانصاری المتوفی ۹۲۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن شرمہ نے کہا ہے کہ تین آیات سے کم قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں ہے، اگر ان کی مراد یہ ہے کہ دن اور رات میں تین آیات سے کم قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے تو ان کا یہ کلام امام بخاری کے کلام کے مطابق نہیں ہے اور نہ اس باب کی حدیث کے ساتھ مطابقت ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ تہجد کی نماز میں سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کو پڑھنا کافی ہے اس لیے ان کا یہ کلام حدیث کے مطابق نہیں ہے اور امام بخاری کے عنوان کے لیے اس لیے مطابق نہیں ہے کہ امام بخاری کی مراد عموم اور اطلاق ہے کیونکہ انہوں نے اپنی تعلیق میں (المزمل: ۲۰) سے استدلال کیا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ جتنا قرآن پڑھنا آسان لگے پڑھ لو خواہ

وہ ایک آیت ہو، دو آیات ہوں یا تین آیات ہوں۔ باقی انہوں نے جو قیاس کیا ہے کہ قرآن مجید کی چھوٹی سورت بھی تین آیات سے کم نہیں ہے تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ نماز میں یا غیر نماز میں قرآن مجید کی کسی سورت کا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔
(منحۃ الباری بشرح البخاری ج ۸ ص ۳۱۶، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح کی شرح

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۰۷، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں کچھ نہیں لکھا۔
(کشف المشکل ج ۶ ص ۳۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے بھی اس کی شرح میں لکھا ہے کہ تہجد میں ایک آیت کا پڑھنا بھی کافی ہے۔
(الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۴۶، مکتبۃ الرشد، ریاض)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
سفیان بن عیینہ نے اس حدیث میں ابن شبرمہ کا قول ان کا رد کرنے کے لیے لکھا ہے۔
(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۱۴، دار احیاء التراث العربی)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے بھی اس کی شرح میں تین آیات کی تعیین کا رد کیا ہے۔
(تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۹، مکتبۃ رشیدیہ)

شیخ محمد صالح العثیمین (النجدی) المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث سے امام بخاری کا استدلال واضح ہے کیونکہ انسان کے لیے دو یا تین آیتیں پڑھنا جائز ہے بلکہ ایک آیت طویلہ بھی پڑھنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جس نے رات میں آیۃ الکرسی پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک شیطان اس کے قریب نہیں آئے گا"۔ اور امام بخاری نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی جو حدیث پیش کی ہے کہ جس نے رات میں سورۂ بقرہ کی دو آیتیں پڑھیں تو وہ اس کے لیے کافی ہیں، ہمارا یہ استدلال امام بخاری کے اس استدلال سے زیادہ واضح ہے کیونکہ ابن شبرمہ کی طرف سے یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ نماز میں تین آیتوں سے کم پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن یہ توجیہ ضعیف ہے، کیونکہ یہاں پر مطلقاً قرآن پڑھنے کے متعلق بحث ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۳۹۹، مکتبۃ الطبری، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ)
شیخ عبد اللہ بن باز نے لکھا ہے: اگر نماز میں ایک آیت بھی پڑھ لی تو وہ کافی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے عموم مراد ہے۔
(شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۳۹۹)

نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے فرض نہ ہونے پر فقہاء احناف کی طرف سے مصنف کی دلیل

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور دیگر شراح بخاری نے تاکید سے کہا ہے کہ (المزمل: ۲۰) کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی آیت کی تحدید مراد نہیں ہے بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ نماز میں قرآن مجید کو عموم اور اطلاق سے پڑھنا مراد ہے اور کوئی تحدید اور تقیید مراد نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۵)
پھر پتا نہیں کیوں یہ شافعی، مالکی اور حنبلی علماء بھول جاتے ہیں کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ کی تعیین اور اس کا پڑھنا فرض نہیں ہے جب

کہ قرآن مجید کی (المزمل:۲۰) سے امام بخاری سمیت تمام شافعی علماء اور عثیمین اور عبداللہ بن باز حنبلی علماء بھی یہ تصریح کر رہے ہیں کہ (المزمل:۲۰) سے عموم اور اطلاق مراد ہے تو پھر نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کی تعیین اور اس کو فرض کہنا کس طرح درست ہوگا، فیاللعجب۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۰۵۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَنْكَحَنِي أَبِي امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ فَكَانَ يَتَعَاهَدُ كَنَّتَهُ فَيَسْأَلُهَا عَنْ بَعْلِهَا فَتَقُولُ نِعْمَ الرَّجُلُ مِنْ رَجُلٍ لَمْ يَطَأْ لَنَا فِرَاشًا وَلَمْ يُفَتِّشْ لَنَا كَنَفًا مُنْذُ أَتَيْنَاهُ فَلَمَّا طَالَ ذَلِكَ عَلَيْهِ ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الْقَنِي بِهِ فَلَقِيتُهُ بَعْدُ فَقَالَ كَيْفَ تَصُومُ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ وَكَيْفَ تَخْتِمُ قَالَ كُلَّ لَيْلَةٍ قَالَ صُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةً وَاقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ قَالَ قُلْتُ أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْجُمُعَةِ قُلْتُ أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ أَفْطِرْ يَوْمَيْنِ وَصُمْ يَوْمًا قَالَ قُلْتُ أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ صُمْ أَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوُدَ صِيَامَ يَوْمٍ وَإِفْطَارَ يَوْمٍ وَاقْرَأْ فِي كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً فَلَيْتَنِي قَبِلْتُ رُخْصَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَذَاكَ أَنِّي كَبِرْتُ وَضَعُفْتُ فَكَانَ يَقْرَأُ عَلَى بَعْضِ أَهْلِهِ السُّبُعَ مِنَ الْقُرْآنِ بِالنَّهَارِ وَالَّذِي يَقْرَؤُهُ يَعْرِضُهُ مِنَ النَّهَارِ لِيَكُونَ أَخَفَّ عَلَيْهِ بِاللَّيْلِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَتَقَوَّى أَفْطَرَ أَيَّامًا وَأَحْصَى وَصَامَ مِثْلَهُنَّ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتْرُكَ شَيْئًا فَارَقَ النَّبِيَّ ﷺ عَلَيْهِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ فِي ثَلَاثٍ وَفِي خَمْسٍ وَأَكْثَرُهُمْ عَلَى سَبْعٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از مغیرہ از مجاہد از حضرت عبداللہ بن عمرو، انہوں نے کہا: میرے والد نے میرا نکاح ایک معزز خاندان کی عورت سے کر دیا اور وہ اپنی بہو سے ہمیشہ اس کے حالات معلوم کرتے تھے اور بار بار اس کے شوہر (یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو) کے متعلق پوچھتے رہتے تھے، میری بیوی بتاتی کہ وہ بہت عمدہ مرد ہیں، البتہ جب سے میں ان کے نکاح میں آئی ہوں اس مدت میں انہوں نے اب تک ہمارے بستر پر قدم بھی نہیں رکھا اور نہ اس مدت میں کبھی میرے کپڑے کو کھولا، جب اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا تو انہوں نے (یعنی حضرت عمرو بن العاص نے) نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''میری اس سے (یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو سے) ملاقات کراؤ''، لہٰذا میں اس کے بعد آپ سے ملا تو آپ نے پوچھا: ''تم کس طرح روزے رکھتے ہو؟'' تو انہوں نے بتایا: ہر روز روزہ رکھتا ہوں، آپ نے پوچھا: ''اور تم قرآن مجید کتنے دنوں میں ختم کرتے ہو؟'' تو انہوں نے بتایا: ہر رات میں (ایک قرآن ختم کرتا ہوں)، تب آپ نے فرمایا: ''ہر مہینہ میں تین روزے رکھو اور قرآن مجید کو پورے مہینے میں ختم کرو''۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''تم ہر جمعہ (یعنی ہر ہفتہ میں) تین روزے رکھو''، میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''دو دن روزے نہ رکھو ایک دن روزہ رکھو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''پھر تم سب سے افضل روزہ رکھو اور وہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو یعنی روزہ نہ رکھو، اور ہر سات دنوں میں ایک مرتبہ قرآن مجید کو ختم کرو''۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص

رضی اللہ عنہما نے کہا: کاش! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی رخصت کو قبول کر لیتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور کمزور ہو گیا ہوں۔ راوی نے بتایا: حضرت عبداللہ بن عمرو دن میں اپنے گھر کے کسی فرد کو قرآن مجید کا ساتواں حصہ سنا دیا کرتے تھے اور جتنا قرآن وہ دن میں سناتے رات کو وہ اتنا نماز میں پڑھ لیتے تھے تاکہ ان کو آسانی رہے اور جب وہ (کمزوری کی وجہ سے) قوت حاصل کرنا چاہتے تو کئی کئی دن روزہ نہ رکھتے، پھر ان دنوں کو شمار کرتے اور اتنے دن مسلسل روزے رکھتے، وہ اس کو ناپسند کرتے تھے کہ اس عمل کو ترک کریں جس عمل کے ساتھ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی۔ امام ابوعبداللہ بخاری فرماتے ہیں کہ بعض راویوں نے تین دن میں ختم قرآن کا ذکر کیا ہے اور بعض نے پانچ دن میں ختم قرآن کا ذکر کیا ہے اور اکثر نے سات دن میں ختم قرآن کا ذکر کیا ہے۔ (جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۳۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۱۱۳۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۳۴۲۰، ۵۰۵۳، ۵۰۵۴، ۶۲۷۷، (یہ چند احادیث کا ذکر ہے ورنہ امام بخاری نے اس حدیث کی اٹھارہ جگہ روایت کی ہے) صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن ترمذی: ۷۷۰، سنن نسائی: ۱۶۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۶۹۶، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۸۷، صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۰۵، صحیح ابن حبان: ۳۶۴۰، مسند احمد: ۶۴۹۱، ۶۵۰۶، ۶۵۱۶ (مسند احمد میں اس کی چالیس (۴۰) جگہ روایت ہے) اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۸، رقم الحدیث: ۶۴۷۷)

ختم قرآن کی مدت کے متعلق احادیث، آثار اور اقوال تابعین

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت سے سات دن میں قرآن مجید ختم کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ اچھا ہے اور اگر میں بیس دن میں قرآن مجید ختم کروں یا دس دن میں تو وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں قرآن مجید کو سات دنوں میں ختم کروں۔ (فضائل قرآن: ۱۵۸)

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قرآن مجید کو آٹھ دن میں ختم کرتے تھے اور اسود چھ دنوں میں قرآن مجید کو ختم کرتے تھے اور علقمہ پانچ دنوں میں قرآن مجید کو ختم کرتے تھے۔ (فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۷۸۔۱۷۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم نہیں کرتے تھے۔ (فضائل القرآن ص ۱۷۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن مجید کو ختم کیا اس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا“۔ (سنن ابوداؤد، ۱۳۹۰، ۱۳۹۴، سنن ترمذی: ۲۹۴۹، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۷، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۴، ۱۶۵،

۱۸۹، ۱۹۵، صحیح ابن حبان: ۷۵۸۔ شیخ احمد شاکر نے اپنی تعلیق میں لکھا ہے کہ مسند احمد کی احادیث کی سندیں صحیح ہیں)

ایک دن میں پورا قرآن ختم کرنے کی روایات اور اس کا مکروہ ہونا

ایک جماعت پورا قرآن رات میں یا ایک رکعت میں پڑھ لیتی تھی، یہ حضرت عثمان بن عفان، حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہما اور تابعین میں علقمہ اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ وہ ایک رات میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے اور ثابت البنانی رمضان کے مہینہ میں ایک دن اور رات میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے اور سلیم ایک رات میں تین مرتبہ قرآن مجید کو ختم کر لیتے تھے۔ یہ روایات امام ابو عبید نے ذکر کیں اور انہوں نے کہا: میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ قرآن مجید کو تین دن سے کم میں ختم نہ کیا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے اس کا مکروہ ہونا منقول ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۶۷۔۱۶۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ اور مبہم جملوں کے معانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: کَنَّتَهٗ اس کا معنی ہے: اس کی بہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے: انہوں نے اب تک ہمارے بستر پر قدم نہیں رکھا اور نہ اس مدت میں کبھی میرے کپڑے کو کھولا: ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے ابھی تک ان سے جماع نہیں کیا۔

جب اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا تو حضرت عبد اللہ کے والد حضرت عمرو بن العاص نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا: یعنی پہلے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انتظار کرتے رہے کہ شاید ان کا بیٹا یعنی حضرت عبد اللہ تلافی کرلے اور جب انہوں نے تدارک نہیں کیا تو حضرت عمرو بن العاص کو یہ خیال ہوا کہ کہیں ان کی بہو کے حقوق ضائع نہ ہو جائیں، تب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بیٹے کی شکایت کی۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کی مجھ سے ملاقات کراؤ''، ہشیم کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا، پھر بعد میں ان کی اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا: تم کس طرح روزے رکھتے ہو تو انہوں نے بتایا: میں ہر دن روزہ رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''تم ایک جمعہ (یعنی ہفتہ میں) تین دن روزے رکھو''، انہوں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''ایک دن روزہ رکھو اور دو دن روزہ نہ رکھو''۔

اس کی شرح کتاب الصوم میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

قرآن مجید کو ختم کرنے کی مدت کے متعلق مختلف روایات اور ان میں مختار قول

امام دارمی نے اپنی مسند میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں کتنے دنوں میں قرآن مجید کو ختم کروں تو آپ نے فرمایا: ''تم ایک مہینہ میں قرآن مجید کو ختم کرو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''تم پچیس (۲۵) دن میں قرآن مجید ختم کرو'' میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: بیس (۲۰) دنوں میں قرآن مجید ختم کرو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''پھر پندرہ (۱۵) دنوں میں ختم کرو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''پانچ (۵) دن میں ختم کرو''

میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا: ''نہیں''۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ایک مہینے میں قرآن ختم کرو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''تم دس (۱۰) دن میں قرآن مجید کو پڑھو''۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: ''تم ہر تین دن میں قرآن مجید کو ختم کرو''۔

اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید کو پڑھا تو اس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا''۔

امام سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قرآن مجید کو سات دن میں پڑھو اور تین دن سے کم میں نہ پڑھو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو تین دن سے کم میں ختم نہیں کرتے تھے۔

یہ امام احمد، امام ابوعبید اور اسحاق بن راہویہ اور دوسروں کا مختار ہے اور بہ کثرت سلف سے منقول ہے کہ وہ تین دن سے کم میں بھی قرآن مجید کو ختم کرتے تھے۔ علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ یہ مدت مختلف اشخاص کے ساتھ مختلف ہوتی ہے، پس جو اہل فہم سے ہوں اور ان کی فکر دقیق ہو، تو ان کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اتنی کم مدت میں قرآن کریم کو ختم کریں جس سے فکر، تدبر اور استخراج معانی میں نہ خلل ہو اور جو لوگ تعلیم اور تدریس اور دیگر دین کے اہم کاموں میں اور عام کاموں کی مصلحتوں میں مصروف رہتے ہیں ان کے لیے بھی کم مدت میں قرآن مجید کو ختم کرنا جائز ہے اور جو لوگ اس طرح نہ ہوں ان کے لیے زیادہ مدت میں قرآن مجید کو ختم کرنا اولیٰ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی پر علامہ بدرالدین عینی حنفی کا اعتراض اور علامہ ابن حجر کا جواب اور مصنف کا محاکمہ

ابن شبرمہ نے ابن عیینہ سے پوچھا مرد کے لیے کتنی قراءت کافی ہے؟ حافظ ابن حجر نے اس کی شرح میں لکھا: یعنی نماز میں۔ علامہ عینی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے: بلکہ ابن شبرمہ کی مراد یہ ہے کہ مرد کے لیے دن اور رات میں کتنا قرآن پڑھنا کافی ہے، انہوں نے مطلقاً قراءت کے مطابق سوال کیا ہے نہ کہ نماز میں قراءت کے متعلق۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس کا جواب لکھا ہے کہ ابن شبرمہ نے نماز میں قرآن پڑھنے کی مقدار کے متعلق سوال کیا تھا کیونکہ اسی مقدار کی تحدید کی ضرورت تھی۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کا جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ باب اس چیز کے بیان میں ہے کہ مرد کو دن اور رات میں کتنا قرآن مجید پڑھنا چاہیے نہ کہ نماز میں قراءت کی مقدار کے متعلق ان کا سوال ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر کی باقی شرح بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

ختم قرآن کی مدت کے متعلق بعض اصحاب ظواہر کے قول کا رد اور اس مسئلہ میں مختار قول

بعض اصحاب الظواہر کا یہ غریب قول ہے کہ تین دن سے کم مدت میں قرآن مجید کو ختم کرنا حرام ہے اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ اکثر علماء کا مختار یہ ہے کہ قرآن مجید کو ختم کرنے کی کوئی مدت معین نہیں ہے۔ یہ انسان کی اپنی قوت اور اس کی تر و تازگی پر موقوف ہے، اس لیے یہ مدت اختلاف احوال اور اشخاص سے مختلف ہوتی ہے۔

تنبیہ: اس باب کی احادیث میں قرآن مجید کو پڑھنے اور اس کو ختم کرنے سے مراد ہے: پورا قرآن پڑھنا۔ اس پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ یہ قصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کافی پہلے کا ہے اور اس کے بعد قرآن مجید کی بہت آیتیں نازل ہوئیں کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ہم

اس کو مانتے ہیں لیکن اعتبار اس کا ہے کہ حدیث میں مطلقاً قرآن پڑھنے کا ذکر ہے، پس مراد یہ ہے کہ اس وقت جتنا قرآن نازل ہوا تھا حدیث میں اس کے پڑھنے کی مدت کا ذکر ہے اور اس وقت اکثر قرآن نازل ہو چکا تھا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۸۔۲۲۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۵۳۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ فِي كَمْ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از محمد بن عبدالرحمٰن از ابو سلمہ از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے پوچھا: ”تم کتنی مدت میں قرآن مجید پڑھتے ہو؟“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۳۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۰۵۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَوْلَى بَنِي زُهْرَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ وَأَحْسِبُنِي قَالَ سَمِعْتُ أَنَا مِنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ قُلْتُ إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً حَتَّى قَالَ فَاقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ وَلَا تَزِدْ عَلَى ذٰلِكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے خبر دی از شیبان از یحییٰ از محمد بن عبدالرحمٰن جو زہرہ کے آزاد کردہ غلام ہیں از ابی سلمہ، انہوں نے کہا: یحییٰ نے بتایا اور میرا یہ گمان ہے کہ میں نے یہ حدیث ابو سلمہ سے سنی ہے از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قرآن مجید کو ایک مہینہ میں ختم کرو“۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ قوت پاتا ہوں حتیٰ کہ آپ نے فرمایا: ”سات دنوں میں قرآن مجید ختم کرو اور اس سے زیادہ میں ختم نہ کرو“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۳۱ میں گزر چکی ہے۔

دیگر شراح کی شروح

علامہ احمد القسطلانی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زکریا الانصاری الشافعی المتوفی ۹۲۶ھ نے فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۷۳۔۳۷۱، منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۱۸۔۳۱۷)

علامہ محمد الفضیل الفاطمی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کی ان تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن میں کم از کم قرآن مجید کی دو آیتیں پڑھنی چاہئیں اور زیادہ سے زیادہ مدت یہ ہے کہ قرآن مجید کو پانچ دن میں یا سات دن میں یا تین دن میں ختم کیا جائے۔

اور علامہ نووی نے یہ کہا ہے کہ اکثر علماء کا مختار یہ ہے کہ قرآن مجید کو پڑھ کر ختم کرنے کی کوئی مدت معین نہیں ہے اور یہ مدت اختلاف اشخاص اور احوال سے مختلف ہوتی ہے۔ (کتاب الاذکار ص ۸۶)

بعض صالحین کا مغرب اور عشاء کے درمیان قرآن کریم ختم کر لینا ان کی کرامت ہے

اور بعض عابدین دن اور رات میں ایک مرتبہ قرآن ختم کر لیتے تھے اور بعض تین مرتبہ ختم کر لیتے تھے اور بعض پندرہ مرتبہ ختم کر لیتے تھے اور سیدی عمرو سے مروی ہے (جو بہت بڑے ولی اللہ تھے اور فقیہ اور زاہد تھے اور نو سو پینتالیس (۹۴۵) ہجری میں فوت ہوئے تھے) وہ مغرب اور عشاء کے درمیان ایک قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے اور یہ اس پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کے لیے زمانہ کو لپیٹ دیتا تھا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے یہ کرامت عطا فرماتا ہے۔

(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۴۹۔۳۴۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

میں کہتا ہوں کہ: حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا مغرب اور عشاء کے درمیان قرآن مجید کو پڑھ کر ختم کر لینا بھی اسی طرح کی کرامت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں وہی لکھا ہے جو حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۰۲۔۴۰۰، مکتبۃ الطبری، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۵۔ بَابُ: اَلْبُكَاءِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ — قرآن مجید پڑھتے وقت رونا

قرآن مجید پڑھتے وقت رونے کے متعلق آیات اور رونا نہ آئے تو رونے کا طریقہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: قرآن مجید پڑھتے وقت رونا عارفین کی صفت ہے اور صالحین کا شعار ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (مریم: ۵۸) — جب ان پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے روتے ہوئے گر پڑتے ہیں O

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل: ۱۰۹) — اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں اور قرآن ان کے خشوع اور خضوع کو اور بڑھا دیتا ہے O

اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ امام غزالی نے کہا ہے: قرآن پڑھتے وقت رونا مستحب ہے اور رونے کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں جو تہدید ہے اور عذاب کی وعید شدید ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہود ہیں ان میں غور کرے، پھر اپنی تقصیرات کے متعلق سوچے تو اس کو رونا آئے گا اور اگر اس پر یہ کیفیت حاضر نہ ہو تو پھر وہ غم گین ہو کہ وہ کیسی مصیبت میں مبتلاء ہے اور یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ قرآن پڑھتے وقت رونا عارفین کی صفت ہے اور صالحین کا شعار ہے، پھر یہی دو آیتیں لکھی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۵۵۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبِيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ يَحْيٰى بَعْضُ الْحَدِيْثِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ (ح) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے خبر دی از سفیان از سلیمان از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، یحییٰ نے کہا: بعض حدیث عمرو بن مرہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ الْأَعْمَشُ وَبَعْضُ الْحَدِيثِ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ وَعَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اقْرَأْ عَلَيَّ قَالَ قُلْتُ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أَشْتَهِي أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي قَالَ فَقَرَأْتُ النِّسَاءَ حَتَّى إِذَا بَلَغْتُ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء:۴۱) قَالَ لِي كُفَّ أَوْ أَمْسِكْ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَذْرِفَانِ۔

مجھ سے فرمایا (ح) اور ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از سفیان از الاعمش از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، الاعمش نے کہا: بعض حدیث مجھے عمرو بن مرۃ نے بیان کی ہے از ابراہیم اور از والدخود از ابی الضحیٰ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے سامنے قرآن مجید پڑھو''، میں نے عرض کیا: میں آپ کے سامنے پڑھوں حالانکہ آپ پر خود قرآن مجید نازل کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میری خواہش ہے کہ میں اپنے غیر سے قرآن کریم سنوں''۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: پھر میں نے آپ کے سامنے سورۃ النسآء پڑھی حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (النسآء:۴۱) تو اس وقت کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول مکرم!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے O آپ نے مجھ سے فرمایا: ''رک جایا ٹھہر جاؤ'' پس میں نے دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۸۵۲، ۵۰۴۹، ۵۰۵۰، ۵۰۵۶، صحیح مسلم: ۸۰۰، سنن ترمذی: ۳۰۲۴، سنن ابوداؤد: ۳۶۶۸، سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۴، اس حدیث کی بقیہ تخریج صحیح البخاری: ۵۰۴۹ کی شرح میں کردی گئی ہے)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۸۵۲ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جارہے ہیں:

النسآء: ۴۱ سن کر نبی ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے اور رونے کی توجیہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید پڑھتے وقت رونا مستحسن ہے، خود شارع علیہ السلام اور بڑے بڑے صحابہ قرآن پڑھتے وقت روئے اور شارع علیہ السلام خصوصاً اس آیت کو پڑھتے وقت اس لیے روئے کہ آپ کے ذہن مبارک میں قیامت کے دن کی ہولناکیاں اور اس دن کی شدتیں مستحضر ہوگئیں جس کا تقاضا تھا کہ آپ اپنی امت کے ایمان اور ان کی شہادت کی تصدیق کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کرنے کا سوال کریں تاکہ وہ حشر کے دن کے طول اور اس دن کی ہولناکیوں سے راحت پائیں اور یہ ایسی چیز ہے جس کے سبب بہت زیادہ گریہ اور غم ہوتا ہے۔

امام ابوعبید نے مطرف بن عبداللہ بن الشخیر سے از والد خود روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ کے رونے کی وجہ سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے ہانڈی ابل رہی ہو۔

سلف صالحین کا قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے رونا

اور اعمش سے از ابی صالح روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اہل یمن آئے اور انہوں نے قرآن سنا تو وہ رونے لگے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم بھی ایسے تھے، پھر ہمارے دل سخت ہو گئے۔

اور حسن بصری نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ ۝ (الطور: ۸۔۷)

بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہوگا O اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے O

پھر اس کے خوف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس دن بیمار رہے۔

اور عبید بن عمیر نے کہا کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز فجر پڑھائی، پس اس میں سورۂ یوسف کی تلاوت کی تو جب وہ اس آیت پر پہنچے:

وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ (یوسف: ۸۴)

اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم برداشت کرنے والے تھے O

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے، پھر قراءت منقطع کر کے رکوع کر لیا اور دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ۔ (یوسف: ۸٦)

میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

تو حضرت عمر روئے حتیٰ کہ ان کے رونے کی آواز پچھلی صفوں سے بھی سنی گئی۔

اور عبداللہ بن مبارک نے عبدالاعلیٰ التیمی سے روایت کی ہے کہ جس شخص کو علم دیا گیا اور وہ قرآن پڑھ کر نہ روئے تو اس کا علم، علم نافع نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء کی یہ صفت بیان فرمائی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۷)

بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں O

اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے سورۂ مریم پڑھی، جب وہ اس آیت پر پہنچے:

خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝ (مریم: ۵۸)

جب وہ سجدہ کرتے ہوئے روتے ہوئے گر پڑتے ہیں O

پس انہوں نے اس آیت پر سجدہ کیا تو جب انہوں نے سر اٹھایا تو کہا: یہ سجدہ تو ہو گیا رونا کہاں ہے؟

(فضائل القرآن لابی عبید ص ۱۴۰۔۱۳۵)

قرآن مجید سن کر بے ہوش ہو جانے کے متعلق سلف صالحین کا تبصرہ

سلف صالحین قرآن پڑھتے وقت بے ہوش ہونے کو مکروہ قرار دیتے تھے اور امام ابوعبید نے اپنی سند کے ساتھ ابو حازم سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عراق کے ایک مرد کے پاس سے گزرے جو بے ہوش پڑا ہوا تھا اور لوگ اس کے گرد جمع تھے۔ انہوں نے پوچھا: اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ جب اس کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے یا یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہم ضرور اللہ سے ڈرتے ہیں اور ہم نہیں گرتے، اور عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی سلف صالحین میں قرآن پڑھتے وقت بے ہوش ہو جاتا تھا؟ تو انہوں نے کہا: نہیں لیکن وہ روتے تھے۔

اور ہشام بن عصام بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ایک شخص قرآن پڑھتے وقت بے ہوش ہو جاتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قرآن مجید اس سے زیادہ مکرم ہے کہ وہ لوگوں کی عقلوں کو زائل کر دے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ (الزمر: ۲۳) اس (قرآن) سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں۔

(فضائل القرآن لابی عبید ص ۲۱۵۔ ۲۱۴) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ص ۱۷۱۔ ۱۶۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اس اشکال کا جواب کہ آپ نے اپنی امت کے جن لوگوں کو نہیں دیکھا آپ ان کے متعلق کیسے گواہی دیں گے؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

محمد بن فضالہ الظفری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنوظفر کے کچھ لوگ آئے اور ان کے پاس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ان کے اصحاب تھے تو آپ نے کسی قاری کو قرآن پڑھنے کا حکم دیا اور جب وہ اس آیت پر پہنچا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء: ۴۱) تو اس وقت کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اور (اے رسول مکرم!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے ۝

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روئے حتیٰ کہ آپ کے دونوں رخساروں پر آنسو گر گئے اور آپ نے کہا: ''اے میرے رب! یہ تو اس وقت کی بات ہے جب میں ان کے درمیان ہوں تو اس وقت کیا حال ہوگا جب میں ان کو نہیں دیکھوں گا''۔

اور امام ابن المبارک نے کتاب الزہد میں سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ ہر روز صبح اور شام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی امت پیش کی جاتی ہے اور آپ ان کو ان کی پیشانیوں اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں، اسی لیے آپ ان کے متعلق گواہی دیں گے۔

محمد بن فضالہ کی روایت سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے میرے رب! یہ تو اس وقت کی بات ہے جب میں ان کے درمیان میں ہوں تو اس وقت کیا حال ہوگا جب میں ان کو نہیں دیکھوں گا''۔

اس پر یہ اشکال تھا کہ جب آپ نے بعد والوں کو نہیں دیکھا تو آپ ان کے متعلق کیسے گواہی دیں گے؟ اور ابن مسیب کی اس مرسل روایت سے یہ اشکال اٹھ جاتا ہے کہ ہر روز صبح اور شام آپ کے سامنے آپ کی امت کو پیش کیا جاتا ہے اور آپ ان کو ان کی پیشانیوں اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں۔

النساء: ۴۱ سن کر آپ کے رونے کی توجیہ علامہ ابن بطال سے اور پھر حافظ ابن حجر سے

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت کے وقت اس لیے روئے کہ آپ کے لیے قیامت کی ہولناکیاں اور اس دن کی شدتیں متمثل کر دی گئیں جو اس بات کی محرک تھیں کہ آپ اپنی امت کی شہادت کی تصدیق کریں اور اہل محشر کی شفاعت کا سوال کریں اور اس وجہ سے آپ زیادہ دیر تک روئے۔ ابن بطال کا کلام ختم ہوا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: جو زیادہ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنی امت پر رحمت کی وجہ سے روئے کیونکہ آپ کو معلوم

تھا کہ آپ ضرور اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے اور آپ کو یہ معلوم تھا کہ آپ کی امت کے بعض لوگوں کے اعمال درست نہیں ہوں گے جن کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہوں گے، اس لیے آپ ان کے غم میں روئے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام ابن المبارک کی روایت سے علامہ عینی اور علامہ قسطلانی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر استدلال، اور شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا اس روایت کو ذکر نہ کرنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

محمد بن فضالہ کی حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے: اے میرے رب! جو میرے سامنے موجود ہیں ان کی تو میں شہادت دوں گا اور جن کو میں نے نہیں دیکھا تو ان کی شہادت کیسے دوں گا؟ اور امام ابن المبارک نے کتاب الزہد میں جو روایت کی ہے اس سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کیونکہ ابن المسیب نے بیان کیا: ہر روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی امت کو صبح و شام پیش کیا جاتا ہے اور آپ ان کی پیشانیوں کو اور ان کے اعمال کو پہچانتے ہیں، اسی وجہ سے آپ ان کے متعلق گواہی دیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن المبارک نے کتاب الزہد کے حوالہ سے سعید بن المسیب کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور بتایا ہے: چونکہ آپ پر آپ کی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اس لیے آپ ان کے متعلق گواہی دیں گے اور ''فتوح الغیب'' میں زمخشری سے منقول ہے کہ آپ کے یہ آنسو خوشی کے آنسو تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو تمام امتوں پر گواہ بنایا۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۷۵، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نوٹ: دراصل اس روایت کو حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے پیش کیا ہے اور باقی شراح نے ان کی پیروی کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی باقی شرح تو نقل کی ہے لیکن امام ابن المبارک کی جس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے اعمال کا علم تھا کیونکہ ہر روز صبح و شام ان کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں، اس وجہ سے آپ اپنی امت کی گواہی دیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فضیلت کو دیوبندی شیخ نے نہیں لکھا، دیکھیے:

(کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۱۲۰۔۱۱۹)

شیخ عثیمین کا قرآن مجید کی تلاوت کے بعد ''صدق اللہ العظیم'' کو بدعت قرار دینا

شیخ محمد بن صالح العثیمین التوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے النسآء: ۴۱ پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ''رک جاؤ'' یا فرمایا: ''بس کرو''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۵۵)

اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے قراءت ختم کر کے صدق اللہ مولانا العظیم پڑھا۔ اس کے برخلاف اس زمانہ میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے قراء نے یہ ایجاد کر لیا ہے کہ وہ قراءت کو ختم کر کے کہتے ہیں: ''صدق اللہ مولانا العظیم'' اس پڑھنے کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ کہنا بدعت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کیا تم العیاذ باللہ، اللہ کو صادق نہیں مانتے حالانکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ صَدَقَ اللّٰہُ۔ (آل عمران:۹۵) آپ کہیے کہ اللہ نے سچ فرمایا۔

اور تم صدق اللہ نہیں کہتے تو میں کہوں گا: اس آیت کا یہ منشا نہیں ہے کہ جب بھی تم قراءت ختم کرو تو صدق اللہ کہو کیونکہ یہ آیت اس طرح نہیں ہے جس طرح عام لوگ سمجھتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اللہ کے کلام کو صدق اللہ پڑھ کر کیوں ختم نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام صادق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قراءت ختم کرنے کے بعد صدق اللہ پڑھنا کسی حدیث یا اثر سے ثابت نہیں ہے اور کسی چیز کے عبادت نہ ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم کہو: اس کا حدیث اور اثر میں ثبوت نہیں ہے کیونکہ عبادت میں اصل ممانعت ہے اور صدق اللہ کہنا عبادات میں سے ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ثناء ہے اور بغیر کسی خصوصی ثبوت کے عبادت جائز نہیں ہے۔

پھر کسی آیت میں خبر کے بعد تو صدق اللہ کا ایک محمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ خبر صادق ہے لیکن کبھی قراءت امر یا نہی پر بھی ختم ہوتی ہے اور وہاں خبر نہیں ہوتی تو وہاں صدق اللہ پڑھنے کا کیا موقع ہے۔ یہاں تو سَمْعًا اور طَاعَۃً کہنا مناسب ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ قراءت کے بعد سمعًا وَ طَاعَۃً کہنے کے متعلق کون سی حدیث یا اثر ہے۔ سعیدی غفرلہ)

شیخ عثیمین نے لکھا ہے کہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سامنے سورۃ النجم پڑھی اور انہوں اس میں سجدہ نہیں کیا اور نہ اس کے آخر میں صدق اللہ العظیم پڑھا۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید کی تلاوت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں پائی گئی لیکن فقہاء نے کہا ہے کہ یہ مستحب ہے اور انہوں نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ ہر عبادت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا مستحب ہے لیکن میرا دل اس سے مطمئن نہیں ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۴۰۴۔۴۰۳، مکتبۃ الطبری، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی شرح پر مصنف کا تعاقب اور یہ تحقیق کہ جس فرض کی تحدید اور تعیین ہو اس میں اضافہ جائز نہیں اور نوافل میں اضافہ جائز ہے

میں کہتا ہوں کہ: جس عبادت کی شارع علیہ السلام نے تعیین اور تحدید کر دی ہے اس میں کوئی اضافہ کرنا بدعت ہے اور مذموم ہے اور اس سے منع کیا جائے گا لیکن جس عبادت کی شارع علیہ السلام نے کوئی تحدید اور تعیین نہیں کی ہے اس میں اضافہ کرنا جائز ہے اور اطلاقات شرعیہ میں داخل ہے مثلاً صبح کی دو رکعت اور ظہر کی چار رکعات کی شارع علیہ السلام نے تعیین اور تحدید کی ہے۔ اب اگر کوئی صبح کی نماز میں تین رکعت پڑھے یا ظہر کے فرض میں پانچ رکعت پڑھے تو یہ بدعت سیئہ ہے اور اس سے منع کیا جائے گا لیکن نوافل کی رکعات میں شارع علیہ السلام کی کوئی تعیین اور تحدید نہیں ہے تو نوافل خواہ دو رکعت، چار رکعت یا چھ رکعت پڑھے جائیں، یہ ہر طرح جائز ہے اور بدعت نہیں ہیں۔ اسی طرح تراویح کی رکعات ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنف ابن ابی شیبہ کی ضعیف روایت کے مطابق بیس رکعت تراویح پڑھی ہیں اور تین وتر پڑھے، اور مکہ مکرمہ میں معمول ہے کہ ہر چار رکعت کے بعد نمازی طواف کرتے ہیں اور پھر دو رکعت نماز طواف کے بعد پڑھتے ہیں اور مدینہ منورہ میں چونکہ طواف نہیں ہوتا اس لیے وہاں طواف کے قائم مقام دو رکعت پڑھتے ہیں، پھر دو رکعت طواف کے بعد پڑھتے ہیں، اس طرح وہ ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت پڑھتے ہیں، سو بیس (۲۰) رکعت تراویح اور سولہ رکعات اس پر زائد پڑھتے ہیں اور ان کی تراویح کی رکعات چھتیس رکعات ہیں، اور تین وتر ملا کر انتالیس رکعات ہیں، اور بعض ائمہ پانچ رکعت وتر پڑھتے ہیں اور کل اکتالیس رکعات پڑھتے ہیں۔

نوافل میں اضافہ کے جواز پر تراویح کی رکعات میں متعدد حوالوں سے مصنف کا استدلال

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ متوفی ۲۷۹ھ قیام رمضان کی حدیث: ۸۰۶ کے تحت تراویح کی رکعات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

قیام رمضان (تراویح) کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض کا اجتہاد یہ ہے کہ بہ شمول وتر اکتالیس رکعات پڑھی جائیں اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ان کے نزدیک مدینہ میں اس پر عمل ہے۔

اکثر اہل علم کے نزدیک رکعات تراویح کی تعداد وہ ہے جو حضرت عمر اور حضرت علی اور دیگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے مروی ہے یعنی بیس (۲۰) رکعات، اور یہ ثوری، ابن المبارک اور شافعی کا قول ہے (امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور امام شافعی نے کہا: ہم نے اپنے شہر مکہ میں اسی طرح لوگوں کو بیس رکعات پڑھتے ہوئے پایا، اور امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں اور انہوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

اور امام اسحاق نے کہا: بلکہ ہم اکتالیس رکعات کو اختیار کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اور ابن المبارک اور امام احمد اور اسحاق کا مختار یہ ہے کہ رمضان کے مہینہ میں امام کے ساتھ تراویح پڑھی جائے۔ (اور امام اعظم ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے لیکن امام ترمذی نے ان کا نام نہیں لیا۔ سعیدی غفرلہ)

اور امام شافعی کا مختار یہ ہے کہ جب کوئی مرد قاری ہو تو وہ تنہا نماز پڑھے۔ (سنن ترمذی ص ۵۳-۳۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

تراویح کی رکعات کے عدد کے متعین نہ ہونے کے متعلق فقہاء مذاہب اربعہ کی تصریحات

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر المالکی الاندلسی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ تراویح کی انتالیس رکعات ہیں بہ شمول وتر۔

(الاستذکار ج ۵ ص ۱۵۷، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی الاندلسی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

رمضان کی نماز یا دیگر نمازوں کے لیے کسی عدد کی تعیین نہیں ہے، عدد کی تعیین صرف فرائض کے لیے ہوتی ہے اور بعض مسلمان انتالیس رکعات بہ شمول وتر پڑھتے ہیں۔ (القبس فی شرح موطا ابن انس ج ۱ ص ۲۶۷، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

امام مالک نے کہا کہ تراویح کی چھتیس رکعات ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ اہل مدینہ کا قدیم عمل ہے، (الی قولہ) اہل مدینہ نے چھتیس رکعات اس لیے پڑھیں کیونکہ وہ اہل مکہ کے ساتھ مساوات کا ارادہ رکھتے تھے اور اہل مکہ ہر دو ترویحوں کے درمیان طواف کے سات (۷) چکر لگاتے ہیں تو اہل مدینہ نے طواف کے سات چکروں کے قائم مقام چار رکعات پڑھیں، یوں تراویح کی چھتیس (۳۶) رکعات ہو گئیں۔ (المغنی ج ۲ ص ۳۶۷-۳۶۶ ملخصاً، دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

نیز علامہ شمس الدین عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۳ھ لکھتے ہیں:

تراویح کی تعداد رکعات بیس ہیں، ثوری، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام مالک نے کہا کہ چھتیس رکعات ہیں کیونکہ صالح نے کہا: میں نے دیکھا کہ لوگ مدینہ میں اکتالیس رکعات تراویح پڑھتے ہیں بہ شمول پانچ رکعات وتر۔

(المغنی ج ۲ ص ۳۰۳-۳۰۲، دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

السائب کی روایت ہے کہ لوگ رمضان میں تیئس (۲۳) رکعات تراویح پڑھتے تھے اور اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ (۱۱) رکعات تراویح پڑھوائیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعات تراویح پڑھی تھیں، پھر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں اضافہ کر کے تیئس (۲۳) رکعات بہ شمول وتر پڑھوائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر رکعت میں سو آیات پڑھواتے تھے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہی معمول رہا، پھر لوگوں پر قیام دشوار ہوا تو انہوں نے قراءت میں تخفیف کی اور رکعات کی تعداد میں اضافہ کر دیا تو وہ انتالیس رکعات تراویح پڑھتے تھے جن میں تین رکعات وتر کی تھیں، پھر یہی معمول برقرار رہا اور اسی پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا اور یہی امام مالک کا قول ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تراویح کی احادیث میں تناقض اور اختلاف ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اختلاف زمانہ کے اختلاف سے ہوا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۳ ص ۵۵۹۔۵۵۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

محمد بن نصر نے داؤد بن قیس سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں لوگوں کا یہ معمول پایا کہ وہ چھتیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ امام مالک نے کہا: ہمارے نزدیک یہی امر قدیم ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۰۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام مالک کا مشہور مذہب چھتیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر ہے اور اس پر اہل مدینہ کا عمل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کے نزدیک چھتیس رکعت تراویح مستحب ہے، وہ اہل مکہ کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں جو ہر دو ترویحوں کے درمیان طواف کرتے ہیں اور دو رکعت طواف پڑھتے ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۳۸۱، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المصری الازہری المالکی المتوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

محمد بن نصر نے محمد بن قیس سے روایت کی ہے کہ میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں لوگوں کا یہ معمول دیکھا کہ وہ چھتیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور امام مالک نے کہا: اور ہمارے نزدیک یہی امر قدیم ہے۔ (شرح الزرقانی علی موطا امام مالک ج ۱ ص ۳۶۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ: ان کثیر مستند حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ فرائض میں تحدید اور تعیین ہوتی ہے اور ان میں کمی اور بیشی جائز نہیں ہے اور نوافل میں توسیع ہے، ان میں کمی اور بیشی جائز ہے اور قرآن مجید پڑھنے کے آخر میں صدق اللہ العظیم بہ طور نفل اور استحباب پڑھا جاتا ہے، لہٰذا اس کے ثبوت کے لیے کسی حدیث کا وارد ہونا ضروری نہیں ہے اور شیخ عثیمین کا اس کو بدعت قرار دینا قطعاً باطل ہے اور ان تمام تصریحات کے خلاف ہے۔

صحیح اور صریح حدیث سے اس پر استدلال کہ نفلی عبادت کا اپنے اجتہاد سے وقت معین کرنا جائز اور مستحب ہے اور شرعاً مطلوب ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نماز فجر کے وقت فرمایا: اے بلال! مجھے یہ بتاؤ کہ اسلام میں تمہارا وہ کون سا عمل ہے جس کو تم نے کیا اور تمہیں اس کے اجر کی سب سے زیادہ توقع ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہاری جوتیوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کے اجر کی مجھے بہت زیادہ توقع ہو سوا اس کے کہ میں جب بھی دن یا رات میں وضو کرتا ہوں تو میں اس وضو کے ساتھ اس نماز کو پڑھ لیتا ہوں جس کا پڑھنا میرے لیے مقدر کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۴۹، صحیح مسلم: ۲۴۵۸، مسند احمد: ۹۶۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۲۳۶، الجمع بین الصحیحین للحمیدی: ۳۲۸۷، المستدرک ج ۱ ص ۳۱۳)

تلاوت قرآن کے بعد صدق اللہ العظیم پڑھنے اور دیگر معمولات اہل سنت کا جواز اور استحباب

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے بعد نماز پڑھنے کی فضیلت ہے تاکہ وضو اپنے مقصود سے خالی نہ رہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ عمل اس لیے کرتے تھے کہ ان کو معلوم تھا کہ ایمان لانے کے بعد سب سے افضل عمل نماز پڑھنا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۹ ص ۱۱۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو چیز زیادہ ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے جو ان کے اس عمل کے متعلق دریافت کیا تھا جس کے اجر کی ان کو سب سے زیادہ توقع ہے اس سے مراد نفلی اعمال ہیں ورنہ فرائض سب سے زیادہ افضل عمل ہیں اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کا وقت اپنے اجتہاد سے معین کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے استنباط اور اجتہاد سے وضو کے بعد نماز پڑھنے کا وقت مقرر کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویب فرمائی۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۶۳۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین (حنبلی نجدی) متوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں دلیل ہے کہ وضو کے وقت نماز پڑھنا مستحب ہے خواہ کوئی وقت ہو دن ہو یا رات، صبح ہو یا عصر۔

شیخ ابن باز نے کہا ہے اس حدیث کی تائید اس سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ جو بندہ بھی اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر نماز پڑھتا ہے... سو یہ حدیث ممانعت کے وقت اور غیر ممانعت کے وقت دونوں کو شامل ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۹۵، مکتبۃ الطبری ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ نفلی عبادات میں اپنے اجتہاد سے اس عبادت کا وقت مقرر کرنا جائز ہے اور اس کو تمام علماء نے مستحب لکھا ہے حتیٰ کہ نجدی علماء میں سے شیخ عثیمین اور ان کے استاذ عبداللہ بن باز نے بھی اس کو مستحب لکھا ہے، پس واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے بعد صدق اللہ العظیم کہنا مستحب ہے کیونکہ یہ بھی نفلی عبادت ہے اور اسی طرح علماء اہل سنت کے دیگر معمولات بھی مستحب ہیں جیسے میلاد شریف کا انعقاد، جمعہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام عرض کرنا اور کھڑے ہو کر آپ پر صلاۃ وسلام عرض کرنا اور

اذان سے پہلے یا بعد میں صلاۃ وسلام پڑھنا اور اموات کی فاتحہ، سوئم، چہلم اور عرس وغیرہ یہ سب نفلی عبادات ہیں اور مذکور الصدر دلائل کی روشنی میں مستحب ہیں اور ان کو دیو بندی اور نجدی علماء کا بدعت کہنا قطعاً باطل اور بے اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر برقرار رکھے اور ان کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

٥٠٥٦۔ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ السَّلْمَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضى الله عنه قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قیس بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از ابراہیم از عبیدہ السلمانی از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: ''میرے سامنے قرآن پڑھو''، میں نے عرض کیا: میں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں حالانکہ آپ پر خود قرآن کریم نازل ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے علاوہ کسی اور سے قرآن مجید سنوں''۔

اس حدیث کی مفصل شرح ابھی صحیح البخاری: ٤٨٥٥ میں گزر چکی ہے۔

٣٦۔ بَابُ: إِثْمِ مَنْ رَائَى بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ تَأَكَّلَ بِهِ أَوْ فَخَرَ بِهِ

(اس شخص کی مذمت) جس نے دکھاوے کے لیے یا شکم پروری کے لیے قرآن مجید پڑھا یا جس نے اظہار فخر کے لیے قرآن مجید پڑھا

٥٠٥٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ عَلِيٌّ رضى الله عنه سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ حُدَثَاءُ الْأَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ فَإِنَّ قَتْلَهُمْ أَجْرٌ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے خبر دی از خیثمہ از سوید بن غفلہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے جو کم عمر ہوں گے، کم عقل ہوں گے وہ خیر البریہ کی حدیث بیان کریں گے (یعنی نبی ﷺ کی حدیث بیان کریں گے)، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، ان کا ایمان ان کے حلقوموں سے تجاوز نہیں کرے گا، تم ان کو جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو کیونکہ ان کا قتل کرنا قیامت کے دن اس کے لیے باعث اجر ہوگا جو ان کو قتل کر دے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٣٦١١ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۳۶۱۱، ۵۰۵۷، ۶۹۳۰، صحیح مسلم: ۱۰۶۶، سنن نسائی: ۴۱۰۲، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۷، مسند البزار: ۵۶۸، مسند ابویعلیٰ: ۲۶۱، سنن بیہقی ج ۸ ص ۱۷۰، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۴۳۰، المعجم الصغیر للطبرانی: ۱۰۴۹، شرح السنۃ: ۲۵۵۴، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۶۸، مسند احمد ج ۱ ص ۸۱، رقم الحدیث: ۶۱۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور منافق کے قرآن پڑھنے کے متعلق متعدد روایات اور ان سے قتال کرنے کی تفصیل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث (صحیح البخاری: ۳۶۱۱) کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ لوگ خیر قول البریہ کو بیان کریں گے: یعنی ان کے اقوال بہت اچھے ہوں گے اور ان کے اعمال بہت خراب ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان کو قتل کرنا اس شخص کے لیے باعث اجر ہوگا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ کفار کے خلاف جہاد سے اعراض کریں گے اور زمین میں فساد کریں گے اور مسلمانوں کی وحدت کو توڑنے کی کوشش کریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ان کا ایمان ان کے حلقوموں سے تجاوز نہیں کرے گا: کیونکہ وہ مومن نہیں ہوں گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۰ ص ۱۹۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۵۰۵۷، کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ان کا ایمان ان کے حلقوموں سے تجاوز نہیں کرے گا: یعنی ان کا ایمان اللہ تعالیٰ کی طرف بلند نہیں ہوگا اور نہ ان کو اس پر اجر دیا جائے گا، کیونکہ ان کے قرآن پڑھنے میں اخلاص نہیں ہوگا اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کے قرآن پڑھنے کو ریحان (پھول) کے ذائقہ سے تشبیہ دی ہے جس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے، اس سے کھانے والے کو لذت حاصل نہیں ہوتی جس طرح منافق اور ریاکار کو اس کی قراءت سے اجر اور ثواب نہیں ملتا کیونکہ وہ دکھاوے اور سنانے کے لیے قرآن پڑھتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: منافق سب سے زیادہ قرآن مجید پڑھتا ہے، وہ محبت سے قرآن مجید نہیں پڑھتا اور اس کی قراءت اس کے حلقوم سے متجاوز نہیں ہوتی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۰۸۷۶)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قرآن مجید پر اعراب لگاؤ کیونکہ وہ عربی ہے، پس عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو مہارت سے قرآن مجید پڑھیں گے اور وہ تم سے بہتر نہیں ہوں گے۔ (المعجم الکبیر ج ۹ ص ۱۳۹)

اور امام ابوعبید نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید سیکھو اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اس سے پہلے کہ وہ لوگ قرآن مجید کو سیکھیں جو اس کے وسیلہ سے دنیا کا سوال کریں کیونکہ تین قسم کے لوگ قرآن مجید کو سیکھتے ہیں: (۱) وہ مرد جو قرآن مجید پر فخر کرتا ہے (۲) وہ مرد جو قرآن کے ذریعہ مال کھاتا ہے (۳) وہ مرد جو قرآن مجید کو خالص اللہ کے لیے پڑھتا ہے۔

نیز امام ابوعبیدہ نے زاذان سے روایت کی ہے: جس نے قرآن مجید کو حصول مال کے لیے پڑھا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر ہڈیاں ہوں گی اور گوشت نہیں ہو گا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ قرآن کے ذریعہ سوال کریں گے، پس جب وہ تم سے سوال کریں تو تم ان کو مت دینا۔ (فضائل القرآن ص ۲۰۹-۲۰۶)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان کا ایمان ان کے حناجر سے تجاوز نہیں کرے گا: حناجر حنجرۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: حلقوم کا نچلا حصہ اور ان کا ایمان ان کے حلقوم سے اس لیے تجاوز نہیں کرے گا کیونکہ ایمان کا محل دل ہے اور دل تک ایمان نہیں پہنچے گا، اس کا مطلب ہے کہ وہ مومن نہیں ہوں گے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب تمہارا ان سے مقابلہ ہو تو ان کو قتل کردو کیونکہ ان کو قتل کرنے کا ایسا اجر ہے جیسے قیامت کے دن قتل کرنے کا اجر ہے: اس حدیث کی تاویل میں اختلاف ہے، امام مالک نے کہا: جو شخص ان کو گرفتار کرے وہ ان سے توبہ کو طلب کرے، اگر وہ توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا۔

سحنون مالکی نے کہا: جو شخص ان میں سے قرآن مجید کو پڑھے اور اپنی بدعت کی طرف دعوت دے اس سے قتال کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ اپنی بدعت سے رجوع کرے ورنہ اس کو مار دیا جائے گا، اور جو شخص ان میں سے اپنی بدعت کی دعوت نہ دے اس کو قید کر لیا جائے گا اور قید خانہ میں اس کو مارا جائے گا حتیٰ کہ وہ مر جائے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۷۴-۱۷۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدثاء الاسنان اور سفہاء الاحلام کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ حدیث صحیح البخاری: ۳۶۱۱، کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث خوارج کے متعلق ہے اور اس کی مفصل شرح باب: ''استتابۃ المرتدین'' میں آئے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ حُدَثاءُ الاسنان ہوں گے: یعنی کم عمر ہوں اور وہ سفہاء الاحلام ہوں گے: یعنی ان کی عقول ضعیف ہوں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ خیر البریہ کے قول کو بیان کریں گے: یعنی وہ قرآن مجید پڑھیں گے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: وہ قرآن پڑھیں گے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس زمانہ میں اس حدیث کا مصداق طالبان ہیں

میں کہتا ہوں کہ: اس حدیث میں کم عمر اور بے عقل لوگوں سے مراد طالبان ہیں جو اس زمانہ میں ظاہر ہوئے، یہ پاکستانی فوج اور پاکستان کی پولیس پر حملہ کرتے ہیں اور جس فوجی یا سپاہی کو گرفتار کر لیتے ہیں تو اس کا گلا دبا کر بے دردی سے کاٹتے ہیں اور گلا کاٹتے وقت اور اس کو ذبح کرتے وقت قرآن مجید کی درج ذیل آیات پڑھتے ہیں:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَآ أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۔ (محمد: ۴)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو تم ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو۔

یہ لوگ مسلمانوں پر کفار کی آیتوں کو چسپاں کرتے ہیں، سکولوں، تھانوں، اہلسنت کی مساجد، مدارس، اولیاء کرام کے مزارات اور قومی اداروں کو تباہ کرتے ہیں اور خود کش دھماکوں میں بے دریغ مسلمانوں (مفتی سرفراز نعیمی شہید اور ۱۱ اپریل ۲۰۰۶ء کو نشتر پارک میں ہونے والے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کراچی میں منعقد جلسے کے شرکاء) کو شہید کرتے ہیں، یہ لوگ

بھارت کے ایجنٹ ہیں اور پاکستان کو اور مسلمانوں کو تباہ اور برباد کرنے کے درپے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو ان سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین)

سوید بن غفلۃ کا تذکرۃ اور تعارف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ (صحیح البخاری: ۵۰۵۷) کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر سوید بن غفلہ سے مروی ہے، سوید کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ سوید بن غفلۃ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ سوید بن غفلہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نہیں سنی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور یہ بھی صحیح نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ مدینہ میں اس وقت آئے تھے جب صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے فارغ ہو گئے تھے اور ان کا خلفاء راشدین سے اور کبار صحابہ سے سماع صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اپنے مال کا صدقہ دیا تھا۔ ابونعیم نے کہا ہے کہ یہ اسی (۸۰) ھ میں فوت ہوئے تھے، اور عمرو بن علی نے کہا ہے کہ یہ ایک سو تیس ہجری میں فوت ہوئے تھے ان کی کوفہ میں رہائش تھی اور یہ وہیں فوت ہو گئے تھے۔

(فتح الباری ج ۲۴ ص ۲۳۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے علامہ ابن ملقن شافعی اور حافظ ابن حجر شافعی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

خوارج کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد اور حدیث کے عنوان کی حدیث سے مطابقت

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شرح السنۃ میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق قرار دیتے تھے اور وہ فرماتے تھے کہ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ ان آیات کا مومنین پر اطلاق کرتے ہیں اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان کا اللہ کی کتاب پر نہ ایمان ہے نہ عمل ہے۔

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خوارج اپنی گمراہی کے باوجود مسلمانوں کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے، ان سے نکاح کرنا اور ان کے ذبیحوں کو کھانا اور ان کی شہادت کو قبول کرنا جائز ہے۔

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا خوارج کفار ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ کفر سے بھاگے تھے، پھر پوچھا گیا کیا: یہ منافق ہیں؟ تو مولیٰ علی نے فرمایا: منافق اللہ تعالیٰ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں اور یہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، پوچھا گیا: پھر یہ کون ہیں؟ حضرت علی نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو آزمائش میں مبتلا ہوئے، پھر یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔

علامہ کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: اس حدیث کے عنوان کا دوسرا جزء ہے: جو قرآن کو دکھاوے کے لیے پڑھے یا اس کے ذریعہ سے کھائے تو اس حدیث میں اس جزء پر دلالت کہاں ہے؟ تو میں کہوں گا کہ جب قرآن کا پڑھنا اخلاص سے اللہ کے لیے نہ ہو تو پھر وہ دکھاوے کے لیے ہے اور حصول مال کے لیے ہے اور خوارج اخلاص سے قرآن نہیں پڑھتے تھے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۷۷۔۳۷۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

خوارج کے متعلق دیگر شراح کی شرح

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں قرآن مجید کے ذریعہ حصول رزق کی مذمت ہے اور صحیح بخاری میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے تیس (۳۰) بکریوں کے عوض ایک شخص پر سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا جس کو بچھو نے کاٹا ہوا تھا، کیا ان کا یہ فعل مذموم نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی اجرت لینے پر اس شخص کی مذمت ہے جو بلاضرورت قرآن مجید پڑھنے کی اجرت لے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو ضرورت تھی جیسا کہ اس زمانہ میں معلمین کو قرآن پڑھانے کی اجرت لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

امام الحرمین سے خوارج کی تکفیر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

(کشف المشکل ج ۶ ص ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ زرہونی مالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۵۲-۳۵۱، مکتبۃ الرشد، ۱۴۳۰ھ)

شیخ عثیمین اور شیخ سلیم اللہ کی خیر البریہ کے قول کی شرح اور اس پر مصنف کا مواخذہ

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وہ لوگ خیر البریہ کا قول بیان کریں گے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کریں گے کیونکہ آپ خیر البریہ ہیں یعنی افضل الخلق ہیں اور آپ کے اقوال احادیث ہیں۔

اس حدیث کا دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ لوگ انتہائی فصیح و بلیغ کلام کریں گے اور جب انسان ان کا کلام سنے گا تو کہے گا یہ لوگ مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں معنی صحیح نہیں ہے، صحیح معنی وہ ہے جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت کریں گے اور خیر البریہ کے قول سے مراد آپ کی تلاوت کی ہوئی آیات ہیں۔

نیز شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ: وہ لوگ حدیث رسول بیان کریں گے اور یا اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔ (کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۱۲۱، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

میں کہتا ہوں کہ: یہ شرح بھی صحیح نہیں ہے، صحیح شرح وہی ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے کہ وہ لوگ بہ کثرت قرآن مجید کی تلاوت کریں گے کیونکہ حدیث کی وہی تفسیر صحیح ہے جو صحابی نے کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ عثیمین کی شرح کے مطابق حرمت لانے والے مہینوں میں قتال کا منسوخ ہونا اور اس پر مصنف کا مواخذہ

جب تمہارا ان سے مقابلہ ہو تو تم ان کو قتل کر دو: حتیٰ کہ اگر حرمت والے مہینوں (یعنی ذی قعد، ذی الحج، محرم، رجب) میں بھی ان سے ملاقات ہو تب بھی ان کو قتل کر دو۔

میں کہتا ہوں کہ: شیخ عثیمین کی یہ شرح صحیح نہیں ہے کیونکہ حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت اب منسوخ ہو چکی ہے۔

حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت درج ذیل آیت سے منسوخ ہو گئی ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ (التوبہ: ۵) سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام مشرکین کو جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کر دو خواہ ان کو حرم میں پاؤ یا غیر حرم میں، اور ان کو حرمت والے

مکان میں قتل کرنے کا حکم اس کو مستلزم ہے کہ ان کو حرمت والے زمانہ میں بھی قتل کر دیا جائے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ طائف میں حرمت والے مہینوں میں قتال جاری رکھا تھا۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۰۳ھ لکھتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال آٹھ ہجری میں طائف پر حملہ کیا اور اٹھارہ دن تک ان کا محاصرہ کیا اور چالیس دن تک ان پر منجنیق کو نصب کیے رکھا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ا ص ۱۲۱-۱۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (المنتظم ج ۲ ص ۴۰۷، دار الفکر، بیروت)

اور حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ طائف کا محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۵۰، دار الفکر، بیروت)

اور علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں کہ: صحت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس محرم تک طائف کا محاصرہ کیا۔ (عنایت القاضی ج ۴ ص ۳۰۱، دار صادر، بیروت)

ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے مہینوں میں طائف پر حملہ جاری رکھا اور یہ اس کی ظاہر دلیل ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال کی حرمت منسوخ ہو چکی ہے، نیز اس کی ممانعت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

شیخ عثیمین نے جو لکھا ہے: ''حتیٰ کہ اگر حرمت والے مہینوں میں بھی ان سے ملاقات ہو تب بھی ان کو قتل کر دو''۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حرمت والے مہینوں میں بالعموم قتال کرنا جائز نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ عبداللہ بن باز اور شیخ عثیمین کی تصریح کہ جو لوگ اپنے عقائد کے مخالفین مسلمانوں کو جائز القتل قرار دیتے ہیں وہ خود واجب القتل ہیں

لیکن اس حدیث پر اشکال عظیم ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ظاہر پر عمل کریں اور ہم اس کے مکلف نہیں ہیں کہ ہم باطن کی کھوج کریں، پس جو لوگ خیر البریہ کے قول کو پڑھتے ہوں گے ہمیں ان کے حال پر کیسے واقفیت ہو گی کہ ہم ان کو واجب القتل قرار دیں۔

شیخ عثیمین اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ان لوگوں کی علامات ہیں اور سب سے اہم علامت یہ ہے کہ یہ مومنین کو کافر قرار دیں گے کیونکہ ان کا ایک مخصوص طریقہ ہے اور جو ان کے طریقہ کے مخالف ہو وہ اس کو کافر کہتے ہیں، سو ان لوگوں کو قتل کرنا واجب ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا عام لوگوں کے لیے ان کو قتل کرنا جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حدود کو قائم کرنا اور مرتدین کو قتل کرنا سربراہ ملک کی طرف مفوض ہے کیونکہ اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو ہر شخص مباح الدم کو قتل کر دے گا۔ اور اگر بالفرض سربراہ ملک اس حکم پر عمل نہ کرے تو عام مسلمان کے لیے بھی ان کو قتل کرنا جائز ہے بہ شرطیکہ اس کو اس سے ضرر نہ ہو۔

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی نے اس حدیث کی تعلیق میں لکھا ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں اور یہ مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور بت پرستوں کو چھوڑتے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۴۰۶-۴۰۵، مکتبۃ الطبری، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی مذکور الصدر شرح پر مصنف کا تبصرہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے کفر پر علماء عرب وعجم کا اتفاق

میں کہتا ہوں کہ: جن لوگوں کو شیخ عثیمین نے واجب القتل قرار دیا ہے ان کے اولین مصداق شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار ہیں اور ان میں شیخ عبداللہ بن باز اور شیخ عثیمین بھی داخل ہیں، دیکھیے:

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں:

و عرفت ان اقرارهم بتوحيد الربوبيّة لم يدخلهم فی الاسلام، وان قصدهم الملائكة والانبياءَ يُريدون شفاعتهم و تقرب الى الله بِذٰلِكَ، هو الذی احل دمائهم و اموالهم۔

(کشف الشبہات ص۹، مکتبۃ السلفیہ بالمدینۃ المنورۃ، ۱۳۸۹ھ)

تم جان چکے ہو کہ ان لوگوں کا توحید ربوبیت کا اقرار کرنا ان کو اسلام میں داخل نہیں کرتا، اور یہ جو ملائکہ اور انبیاء کا قصد کرتے ہیں اور ان کی شفاعت کا ارادہ کرتے ہیں اور اس سے اللہ کے تقرب کا ارادہ کرتے ہیں اس چیز نے ان کے قتل کرنے کو اور ان کے مال لوٹنے کو مباح کر دیا ہے۔

اس عبارت میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے تصریح کر دی ہے کہ جو ان کے عقیدہ کا مخالف ہے وہ جائز القتل ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بھائی صحیح العقیدہ مسلمان تھے، وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تکفیر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں تمہارا موقف اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا اور نذر و نیاز قطعاً کفر نہیں حتیٰ کہ اس کے مرتکب مسلمان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شبہات کی بنا پر حدود ساقط کر دو۔ (تاریخ بغداد ج۹ ص ۳۰۳)۔ اور حاکم نے اپنی صحیح میں اور ابوعوانہ نے البزار میں سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی شخص کی سواری کسی بے آب و گیاہ صحراء میں گم ہو جائے تو وہ تین بار کہے: اے عباد اللہ! مجھ کو اپنی حفاظت میں لے لو تو اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جو اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں''۔ (مسند البزار: ۳۱۲۸، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۵۵۸) اور طبرانی کی روایت ہے کہ ''اگر وہ شخص مدد چاہتا ہو تو یوں کہے کہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو''۔ (المعجم الکبیر: ۱۰۵۱۸) اس حدیث کو فقہاء اسلام نے کتب جلیلہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی اشاعت کی ہے اور معتمد فقہاء میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ امام نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے ''کتاب الاذکار'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (کتاب الاذکار: ۸۰۷) اور ابن القیم نے اپنی کتاب الکلم الطیب میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن مفلح نے کتاب الآداب میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (یعنی امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ) سے سنا، وہ فرماتے تھے: ''میں نے پانچ بار حج کیے ہیں، ایک بار میں پیدل جا رہا تھا اور راستہ بھول گیا، میں نے کہا: اے عباد اللہ! مجھے راستہ دکھاؤ، میں یوں ہی کہتا رہا حتیٰ کہ میں صحیح راستہ پر آ گیا''۔

اب میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص کسی غائب یا فوت شدہ بزرگ کو پکارتا ہے اور تم اسے کافر کہتے ہو بلکہ تم محض اپنے قیاس فاسد سے یہ کہتے ہو کہ اس شخص کا شرک ان مشرکین کے شرک سے بھی بڑھ کر ہے جو بحر و بر میں عبادت کی غرض سے غیر اللہ کو پکارتے تھے اور اس کے رسول کی برملا تکذیب کرتے تھے، کیا تم اس حدیث یا اس کے مقتضا پر علماء اور ائمہ کے عمل کو اس شخص کے لیے اصل نہیں قرار دیتے جو بزرگوں کو پکارتا ہے اور محض اپنے فاسد قیاس سے اس کو شرک قرار دیتے ہو۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ جب کہ شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں تو اس مضبوط اصل کی بنا پر ایسے شخص سے تکفیر کیونکر نہ ساقط نہ ہوگی۔ نیز مختصر الروضہ میں کہا ہے: جو شخص توحید اور رسالت کی گواہی دیتا ہو اس کو کسی بدعت کی بنا پر کافر نہیں کہا جائے گا۔ (الصواعق الالٰہیہ ص ۳۵-۳۴، مکتبہ ایشیق، استنبول)

شیخ حسین احمد مدنی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند متوفی ۱۳۷۷ھ، محمد بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۶ھ کے متعلق لکھتے ہیں:

صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی تیرہویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے اہل سنت والجماعت سے قتل و قتال کیا، ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکذیب دیتا رہا، ان کے اموال کو غنیمت کا مال

اور حلال سمجھا گیا، ان کے قتل کو باعث ثواب اور رحمت شمار کرتا رہا، اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً تکلیف شاقہ پہنچائیں، سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت بے ادبی اور گستاخی کے الفاظ استعمال کیے، بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کے فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم اور باغی، خونخوار، فاسق شخص تھا، اسی وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے، اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے اور نہ ہنود سے۔ (الشہاب الثاقب ص ۴۲، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز الدمشقی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جس طرح ہمارے زمانے میں محمد بن عبدالوہاب کے متبعین ہیں، جو نجد سے نکلے اور حرمین پر غالب ہو گئے اور وہ خود کو مذہب حنابلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ان کا اعتقاد ہے کہ وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد میں مخالف ہو وہ مشرک ہے اور اس وجہ سے انہوں نے اہل سنت کے قتل کو اور علماء کے قتل کو جائز قرار دیا۔ (ردالمحتار للشامی ج ۶ ص ۳۱۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

سعودی حکومت نے اپنی مملکت میں علامہ شامی کی ''ردالمحتار'' کا اس عبارت کی وجہ سے سعودی مملکت میں داخلہ ممنوع قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ: انہوں ''ردالمحتار'' کا داخلہ تو اپنی حکومت میں بند کر دیا ہے لیکن وہ اس حدیث کا کیا کریں گے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، صحابہ نے عرض کیا: اور ہمارے نجد میں؟ آپ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما، صحابہ نے عرض کیا: اور ہمارے نجد میں؟ آپ نے فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔ (صحیح البخاری: ۱۰۳۷، ۷۰۹۴، صحیح ابن حبان: ۷۳۰۱، شرح السنہ: ۴۰۰۴، مسند احمد ج ۲ ص ۵، جامع المسانید لابن الجوزی: ۳۵۱۹)

نجد کی جنوبی وادی حنیفہ کے ایک مقام عیینہ میں مسیلمہ کذاب پیدا ہوا تھا، اور اسی جگہ محمد بن عبدالوہاب نجدی پیدا ہوا، اور اس کی پھیلائی ہوئی بدعقیدگیوں سے مسلمانوں کے عقائد میں زلزلہ اور زبردست فتنہ پیدا ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ: شیخ عبداللہ بن باز متوفی ۱۴۲۰ھ اور شیخ عثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ تو دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کا معاملہ اور حساب و کتاب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن ان کے متبعین اور ان کے حامیوں کو چاہیے کہ وہ اس بحث کو بہ غور پڑھیں ہو سکتا ہے کہ وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی پیروی کو چھوڑ دیں اور مسلک اہل سنت و جماعت کو اختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر قائم رکھے اور ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین)

۵۰۵۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يَخْرُجُ فِيكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از یحییٰ بن سعید از محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی از ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں ایک ایسی قوم نکلے گی کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے اور تم اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلہ میں اور تم اپنے عمل کو ان کے عمل کے مقابلہ میں حقیر جانو گے، وہ قرآن

الرَّمِيَّةِ يَنْظُرُ فِي النَّصْلِ فَلَا يَرَى شَيْئًا وَيَنْظُرُ فِي الْقِدْحِ فَلَا يَرَى شَيْئًا وَيَنْظُرُ فِي الرِّيشِ فَلَا يَرَى شَيْئًا وَيَتَمَارَى فِي الْفُوقِ۔

مجید پڑھیں گے اور وہ ان کے حلقوموں سے تجاوز نہیں کرے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کو پار کرتے ہوئے نکل جاتا ہے، تیر کی نوک کو دیکھا جائے گا تو اس پر (خون کا اثر) نہیں ہوگا، تیر کی لکڑی کو دیکھے گا تو وہاں بھی کچھ نظر نہیں آئے گا اور تیر کے پر کو دیکھے گا تو وہاں بھی کچھ نظر نہیں آئے گا، ہاں! تیر کے منہ پر کچھ شک ہوگا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۳۳۴۴، ۳۶۱۰، ۴۳۵۱، ۴۶۶۷، ۵۰۵۸، ۶۱۶۳، ۶۹۳۱، ۶۹۳۳، ۷۴۳۲، ۷۵۶۲، صحیح مسلم: ۱۰۶۴، سنن نسائی: ۲۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۴، موطا امام مالک: ۱۴۴، مسند احمد ج ۳ ص ۶۰، خلق افعال العباد للبخاری: ۲۲، سنن ابن ماجہ: ۱۶۹، جامع الاصول: ۷۵۵۳)

مشکل الفاظ کے معانی اور خوارج کی تکفیر میں علماء کا اختلاف

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: قرآن ان کے حلقوموں سے تجاوز نہیں کرے گا۔

یعنی ان کے اعمال صالحہ کو بلند نہیں کرے گا، علامہ ابن التین اور قاضی عیاض نے کہا ہے: یعنی ان کے دل قرآن مجید کو نہیں سمجھیں گے اور نہ اس کی تلاوت سے نفع حاصل کریں گے اور منہ سے پڑھنے کے سوا نہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے: ان کا کوئی عمل صالح اوپر نہیں جائے گا اور نہ عمل صالح مقبول ہوگا اور الحنجرۃ کے معنی ہیں: حلق سے باہر۔

اس حدیث میں مذکور ہے: وہ دین سے نکل جائیں گے، دوسری روایت میں ہے: وہ اسلام سے نکل جائیں گے۔ (صحیح البخاری: ۷۴۳۲) یعنی جس طرح تیر شکار میں ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل جاتا ہے اور تیر پر خون کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح وہ دین سے نکل جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے: وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

اور خوارج نے اسی طرح کیا تھا۔

علماء کا خوارج کو کافر قرار دینے میں اختلاف ہے، علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ہمارے ائمہ میں سے بعض نے ان کو کافر قرار دیا ہے اور اکثر نے توقف کیا ہے۔ (المفہم ج ۳ ص ۱۱۰) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۳۳۰۔۳۲۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

قرآن مجید کو دکھاوے کے لیے پڑھنے اور اس کو کمائی کا ذریعہ بنانے کی ممانعت اور اس کے متعلق احادیث

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی اور اس سے پہلے والی حدیث (۵۰۵۸۔۵۰۵۷) کی عنوان کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث کا عنوان ہے: ''اس شخص کا گناہ جو ریاکاری کے لیے قرآن پڑھے یا قرآن کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنائے'' اور جو شخص قرآن مجید کو غیر اللہ کے لیے پڑھے گا تو وہ ریاکاری کے لیے ہے یا کھانے کا ذریعہ بنانے کے لیے اور اس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

امام ابوعبید نے اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کو سیکھو اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اس سے پہلے کہ ایسے لوگ آئیں جو قرآن مجید کے وسیلہ سے دنیا کا سوال کریں گے کیونکہ تین قسم کے لوگ قرآن مجید کو سیکھتے ہیں: ایک وہ مرد جو قرآن مجید کے سبب سے لوگوں کے سامنے فخر کرتا ہے، دوسرا وہ مرد جو قرآن مجید کو کمائی کا ذریعہ بناتا ہے اور تیسرا وہ مرد جو قرآن کو اللہ کے لیے پڑھتا ہے۔

اور امام احمد اور امام ابویعلیٰ نے حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور نہ اس میں کمی کرو اور نہ اس کو کمائی کا ذریعہ بناؤ۔

اور امام ابوعبید نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ قرآن مجید کے سبب سے سوال کریں گے، اگر وہ تم سے سوال کریں تو تم ان کو مت دینا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح صحیح بخاری کی شروح

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی نے اس حدیث کی شرح میں مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۷، تیسیر القاری ج ۵ ص ۲۱)

اسی طرح علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اور علامہ القسطلانی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۸، ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۷۸)

علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔ (الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۵۲)

۵۰۵۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ أَوْ خَبِيثٌ وَرِيحُهَا مُرٌّ.

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جو مومن قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے اس کی مثال سنگترہ کی ہے جس کا ذائقہ خوش گوار ہے اور خوشبو پسندیدہ ہے اور جو مومن قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا لیکن اس کے تقاضوں پر کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی طرح ہے جس کا ذائقہ خوش گوار ہے اور اس کی خوشبو نہیں ہے اور جو منافق قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال ریحان پھول کی طرح ہے جس کی خوشبو خوش گوار ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور جو منافق قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال اندرائن کی طرح ہے، اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور اس کی بد بو ناگوار ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۲۰ میں گزر چکی ہے۔

۳۷۔ بَابُ: اِقْرَءُوْا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ

قرآن مجید کی اس وقت تک تلاوت کرو جب تک اس میں تمہارا دل لگا رہے

۵۰۶۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ابی عمران الجونی از حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جب تک تم اتفاق سے قرآن پڑھتے رہو تو پڑھو اور جب تم اس میں اختلاف کرنے لگو تو اٹھ جاؤ۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۶۱، ۵۰۶۰، ۷۳۶۴، ۷۳۶۵، صحیح مسلم: ۲۶۶۷، مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۳، سنن دارمی ج ۲ ص ۴۴۱، شرح السنۃ ج ۴ ص ۵۰۰، مشکوٰۃ: ۲۱۹۰، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۸، کنز العمال: ۲۷۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۲۸، اتحاف السادۃ المتقین ج ۴ ص ۵۲۰)

۵۰۶۱۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدَبٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمن بن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلام بن ابو مطیع نے حدیث بیان کی از ابی عمران الجونی از حضرت جندب رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا کہ جب تک تم اتفاق سے قرآن پڑھتے رہو تو پڑھو، پس جب تم اس میں اختلاف کرنے لگو تو اٹھ جایا کرو۔

تَابَعَهُ الْحَارِثُ بْنُ عُبَيْدٍ وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ وَلَمْ يَرْفَعْهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَأَبَانُ وَقَالَ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا قَوْلَهُ وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ عُمَرَ قَوْلَهُ وَجُنْدَبٌ أَصَحُّ وَأَكْثَرُ۔

اس حدیث میں سلام بن ابی مطیع کی حارث بن عبید اور سعید بن زید نے متابعت کی ہے از ابی عمران اور اس حدیث کی حماد بن سلمہ اور ابان نے مرفوع روایت نہیں کی اور غندر نے کہا از ابی شعبہ از ابی عمران کہ میں نے حضرت جندب سے اس کی حدیث سنی اور ابن عون نے کہا از ابی عمران از حضرت عبداللہ بن الصامت از حضرت عمر رضی اللہ عنہ: ان کی حدیث اور حضرت جندب کی حدیث زیادہ صحیح اور زیادہ اکثر ہے۔

قرآن کریم میں کس قسم کا اختلاف ممنوع ہے اور کس قسم کا اختلاف جائز ہے

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اتفاق پر برانگیختہ کیا ہے اور دین میں تفرقہ کرنے سے منع فرمایا ہے گویا کہ آپ نے فرمایا: قرآن مجید کو پڑھو اور اس کے معانی کی دلالت پر متفق رہو اور جب تمہارا اس میں اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ یعنی جب کوئی ایسا شبہ پیدا ہو جو تفرقہ کا داعی ہو تو اٹھ جاؤ اور کسی سے محاکمہ کراؤ تاکہ اتفاق رہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید میں اختلاف قراءت کو ترک کر دو کیونکہ اختلاف قراءت مباح ہے جیسا کہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابی کا قراءت میں اختلاف ہوا تو آپ نے فرمایا: تم دونوں درست پڑھ رہے ہو، آپ نے اس اختلاف سے منع فرمایا ہے جو دین میں تفرقہ اور ہلاکت کا موجب ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۷۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

آیات متشابہات کو ترک کرنا اور آیات محکمات کو لازم کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب تمہارا کسی لفظ کے معنی کی فہم میں اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ تا کہ یہ اختلاف تمہیں کسی شر کی طرف نہ پہنچائے۔

قاضی عیاض نے کہا: ہو سکتا ہے کہ یہ ممانعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص ہو تا کہ اس اختلاف کی وجہ سے کوئی ایسی آیت نازل نہ ہو جو ان کے لیے باعث رنج ہو، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔ (المائدہ: ۱۰۱) ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ معنی ہو کہ قرآن مجید پڑھو اور اتفاق کو لازم رکھو اور جب تم کو کسی آیت متشابہ میں شبہ ہو تو پھر قرآن مجید کی آیت محکمہ کو لازم رکھو اور آیت متشابہ سے اعراض کرو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تو ان سے اجتناب کرو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی شرح کے تین محمل

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب تک تم خوش دلی سے قرآن پڑھ سکتے ہو تو پڑھو اور جب تم اکتا جاؤ تو چھوڑ دو کیونکہ قرآن کریم اس سے بہت بلند ہے کہ تم اس کو بغیر حضور قلب کے پڑھو۔ اس حدیث کی یہ تفسیر علامہ طیبی متوفی ۷۴۳ھ نے کی ہے۔

اور علامہ کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: اس وقت تک قرآن پڑھو جب تک کہ اصحاب قراءت میں اتفاق رہے اور جب ان میں اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ۔

علامہ ابن الجوزی حنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے کہا ہے کہ صحابہ کرام کا قراءات اور لغات میں اختلاف ہوتا تھا، پس ان کو یہ حکم دیا گیا کہ جب تمہارا اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ تا کہ اس اختلاف کی وجہ سے تم ایک دوسرے کی قراءت کا انکار نہ کرو جس سے قرآن مجید کا انکار لازم آئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کو تر و تازگی کے ساتھ پڑھنے کی نظیر

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی نظیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جب تک تر و تازگی کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہو پڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دینے سے نہیں اکتاتا جب تک تم عبادت کرنے سے نہ اکتاؤ۔ (صحیح البخاری: ۱۱۰۵) نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات متشابہات کے درپے ہونے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۷) (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۱۹، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۹ھ)

قرآن مجید کی تلاوت کے وقت پڑھنے والوں کا کس قسم کا اختلاف ناجائز ہے اور کس قسم کا اختلاف جائز اور مستحب ہے

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید میں جو اختلاف اٹھ جانے کا حکم دیا ہے وہ ایسے اختلاف پر محمول ہے جو نا جائز ہے جیسے کوئی قرآن مجید کے ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف کرے یا ایسے معنی میں اجتہاد کرے جس میں اجتہاد جائز نہیں یا ایسا اختلاف جو شک، شبہ، فتنہ یا خصومت یا جھگڑے کو واقع کرے، سو ایسے اختلاف کے وقت اٹھنا ضروری ہے، اور وہ اختلاف جو مسائل شرعیہ فرعیہ میں ہو یا اہل علم کا اظہار حق کے لیے مناظرہ ہو تو وہ اختلاف ممنوع نہیں ہے بلکہ مامور ہے اور اس کی فضیلت ظاہر ہے اور مسلمانوں کا عہد صحابہ سے لے کر اب تک اس کی صحت پر اجماع ہے۔ (شرح النووی علی مسلم ج ۱۶ ص ۲۱۹۔ ۲۱۸)

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تلاوت میں اختلاف اجتہاد کے وقت اٹھنے کا حکم دیا ہے اور تلاوت کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے خواہ پڑھنے والا اس کو سمجھ سکے یا نہ سمجھے۔

ایصال ثواب کے لیے اجتماعی قرآن خوانی کے جواز اور استحباب کے متعلق مالکی اور شافعی علماء کی تصریحات

(۱) جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایک جماعت کا مل کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے اور امام مالک نے ''المدونہ'' میں اس کو مکروہ کہا ہے لیکن امام مالک کے متبعین کا عمل اس کے جواز پر جاری ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جب لوگ جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں اس کا تکرار کرتے ہیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے اور جو اپنے عمل میں تاخیر کرے تو اس کا نسب اس پر سبقت نہیں کر سکتا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۲۵)

امام مازری مالکی نے لکھا ہے: اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مساجد میں قرآن خوانی کے لیے اجتماع جائز ہے اگرچہ امام مالک نے ''المدونہ'' میں اسے مکروہ کہا ہے اور شاید انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ سلف صالحین ایسا نہیں کرتے تھے حالانکہ وہ کار خیر پر بہت حریص تھے۔ (اکمال المعلم ج ۳ ص ۲۳۴)

بعض شیوخ نے کہا ہے کہ شاید یہ فعل بدعت حسنہ ہے جیسا کہ رمضان کی تراویح اور ہمارے شہروں میں اس پر عمل ہو رہا ہے۔

علامہ زرہونی لکھتے ہیں: تمام مغرب کے اسلامی ممالک میں اس پر عمل ہوتا ہے بلکہ مشرق میں بھی جس طرح ہمیں معلوم ہوا ہے اور اس کا کسی نے انکار نہیں کیا کیونکہ یہ نیکی کے کاموں میں تعاون ہے۔ (المعیار ج ۱ ص ۱۵۵)

علامہ ابو عبد اللہ الابی نے کہا ہے کہ قرآن خوانی کے لیے جو اجتماع ہوتا ہے اور افریقی ممالک میں اس کا معمول ہے تو ابن عرفہ نے اپنے لیے قرآن خوانی کی اور اپنی بیوی کے لیے بھی قرآن خوانی کی اور اس سلسلہ میں ان کا جواب مختلف ہے، کبھی انہوں نے کہا کہ اس کا ثواب پڑھنے والوں کو ہوگا اور کبھی انہوں نے کہا کہ اس کا ثواب قرآن پڑھوانے والوں کو ہوگا۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ قرآن پڑھنے والے کے لیے قرآن مجید کے ادب کی رعایت کرنا واجب ہے۔ اول یہ کہ وہ اخلاص سے پڑھے۔ ثانی یہ کہ وہ ذہن کو حاضر کر کے پڑھے کیونکہ وہ اللہ سے مناجات کر رہا ہے اور اس طرح ادب سے پڑھے جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور یہ کہ وہ باوضو قرآن پڑھے اور اگر اس نے زبانی قرآن بے وضو پڑھا تو یہ بھی اجماع مسلمین سے جائز ہے۔ (الاذکار ص ۹۰) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۵۵۔ ۳۵۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۵۰۶۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از

عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ آيَةً سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ خِلَافَهَا فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ فَاقْرَأَا أَكْبَرُ عِلْمِي قَالَ فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوا فَأُهْلِكُوا۔

عبدالملک بن میسرہ از نزال بن سبرۃ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے ایک مرد کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا جو اس قراءت کے خلاف تھا جو انہوں نے نبی ﷺ سے سنی تھی، انہوں نے کہا: میں اس کا ہاتھ پکڑ کر نبی ﷺ کے پاس لے گیا: آپ نے فرمایا: تم دونوں درست پڑھ رہے ہو، پس تم دونوں (اپنے اپنے طریقے کے مطابق) پڑھو، میرا گمانِ غالب یہ ہے کہ جو تم سے پہلے تھے انہوں نے اپنی کتابوں میں اختلاف کیا سو وہ ہلاک کیے گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۰ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۴۱۰، ۳۴۷۶، صحیح مسلم: ۲۶۶۷، سنن ابوداؤد الطیالسی: ۳۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۲۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۹۴، مسند ابویعلیٰ: ۵۲۶۳، شرح السنۃ: ۱۲۲۹، صحیح ابن حبان: ۷۴۶، المستدرک ج ۲ ص ۲۲۴۔ ۲۲۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۳، مسند احمد: ۳۷۲۴، ۳۹۸۱، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

کتاب اللہ میں جھگڑنے کی ممانعت کا محمل

یہ حدیث صحیح البخاری: ۲۴۱۰ میں گزری ہے، وہاں حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح میں یہ لکھا تھا کہ ہم اس حدیث کی مفصل شرح فضائل قرآن میں کریں گے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۷۶۰)

اور فضائل القرآن کے اس باب میں اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں اختلاف کرنے اور ناحق جھگڑنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اس کا شریہ ہے کہ کسی آیت کی دلالت کسی شخص کی رائے کے خلاف ہو اور وہ غور وفکر کر کے اس آیت کی ایسی تاویل کرے جو اس کی رائے کے موافق ہو اور اس آیت کو اپنی رائے کے موافق محمول کرے اور اس وجہ سے جھگڑا ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

کتاب فضائل القرآن کی تکمیل

کتاب فضائل القرآن میں ننانوے احادیث مرفوعہ ہیں جن میں تعلیقات اور متابعات انیس احادیث ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں اور ان میں تہتر احادیث مکررہ ہیں اور باقی خالص احادیث ہیں۔

الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے مجھ سے صحیح البخاری کی کتاب فضائل القرآن مکمل کرالی ہے اسی طرح صحیح البخاری کی باقی کتب اور ابواب کی بھی مجھ سے تکمیل کرادیں اور اس کی شرح میں مجھے صراط مستقیم پر برقرار رکھیں اور موافقین کے لیے اس کو موجب استقامت اور مخالفین کے لیے اس کو ذریعہ ہدایت بنادیں، مجھے شفا اور توانائی عطا فرمائیں، میری مغفرت فرمائیں اور مجھے، میرے معاونین اور قارئین کو اپنے فضل سے جنت الفردوس عطا فرمائیں۔ (آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

٦٧۔ کِتَابُ النِّکَاحِ

نکاح کے احکام کا بیان

نکاح کا لغوی معنی

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
لغت میں نکاح کا معنی ہے: ضم یعنی ملنا، اور ہمارے نزدیک نکاح عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے۔
(النجم الوہاج ج ۷ ص ۸۔۷)
اور امام ابوحنیفہ نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی نکاح وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے، اور ہمارے بعض اصحاب شافعیہ کا بھی یہی قول ہے۔ (کشف الاسرار ج ۱ ص ۸۶، ج ۲ ص ۴۶۔۴۵)
اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے اور دونوں میں حقیقت ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۸۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نکاح کے متعلق احادیث

علامہ حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی التوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ تم کو دین کا علم عطا فرمائے اور تم کو ایمان پر ثابت قدم رکھے، جان لو کہ نکاح مخلوق کی مصلحت اور ان کی فلاح کا ایک عظیم رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کو مخلوق کی آزمائش کے لیے مشروع فرمایا ہے اور اس کو اپنے دین کی شریعت اور منہاج بنایا ہے اور اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور روزہ چھوڑتا ہوں اور رات کو نماز پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے''۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سعید بن جبیر سے پوچھا: ''کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تو تم نکاح کرو کیونکہ اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کی زیادہ بیویاں ہوں''۔
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے جوانو! تم گھر بساؤ کیونکہ یہ نظر کو نیچے رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت رکھتا ہے، پس تم میں سے جو شخص اس کی طاقت نہ رکھے تو وہ لازماً روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کے لیے خصی ہونے کے قائم مقام ہے''۔
حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''چار چیزیں رسولوں کی سنتوں میں سے ہیں، مہندی لگانا، عطر لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا''۔ سو یہ حدیث حجاج کی روایت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

نکاح کے متعلق فقہاء مذاہب کے اقوال

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے اور یہ بہت کم لوگ ہیں اور غیر متعین ہیں، اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ نکاح کرنا

مباح ہے اور یہ امام شافعی ہیں، اور بعض فقہاء نے کہا کہ نکاح کرنا مستحب ہے اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک ہیں۔

نکاح کے مباح ہونے پر امام شافعی کی دلیل

امام شافعی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس آیت میں مدح فرمائی ہے، فرشتوں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے فرمایا:

اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (آل عمران: ۳۹)

(اے زکریا!) بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے، جو (عیسیٰ) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے O

امام شافعی نے کہا: اگر نکاح کرنا فضیلت کا کام ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح نہ فرماتا۔

امام شافعی کی دلیل کے جوابات

(۱) آپ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور آپ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گئے اور ان کا نسب آپ کے نسب سے زیادہ قریب ہے اور وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بہ نسبت آپ کے لیے زیادہ اولیٰ بالاتباع ہیں۔

(۲) آپ خود اس بات کے قائل ہیں کہ ہم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت ہماری شریعت نہیں ہے اور ان کی اقتداء نہیں کی جائے گی۔

(۳) آپ اور آپ کے موافقین نے آل عمران: ۳۹ سے جو استدلال کیا ہے تو آپ لوگ اس آیت کو امام مالک سے زیادہ سمجھنے والے نہیں ہیں جو نکاح کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔

(۴) الحصور اس شخص کو کہتے ہیں جو نکاح پر قدرت کے باوجود نکاح نہ کرے اور اپنے نفس کو روکے اور یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شریعت ہے اور ہماری شریعت کا حکم نکاح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۔ (المائدہ: ۴۸)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہِ عمل بنائی ہے۔

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل یعنی انقطاع نکاح سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور امام ابوعیسیٰ ترمذی اور امام نسائی نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تَبَتُّل سے منع فرمایا ہے اور قتادہ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۔ (الرعد: ۳۸)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے تھے اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد بھی بنائی۔

اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین مردوں کا اللہ تعالیٰ پر (اس کے کرم سے) حق ہے کہ وہ ان کو غنی کر دے: (۱) وہ مکاتب جو اپنے حصہ کتابت کو ادا کرنے کا ارادہ کرے (۲) جو شخص پاک بازی کی نیت سے نکاح کرے (۳) جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے''۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ ابن العربی لکھتے ہیں کہ: مختلف زمانوں میں لوگوں کے مختلف احوال ہوتے ہیں، کسی زمانہ میں نکاح نہ کرنا افضل ہوتا ہے اور کسی زمانہ میں نکاح کرنا افضل ہوتا ہے، ائمہ حدیث نے درج ذیل حدیث روایت کی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت سے نکاح اس کے مال اور دولت کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور اس کے خاندان کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے کیا جاتا ہے، تم دین کی وجہ سے عورت سے نکاح کرو''۔ اس حدیث کی تصدیق درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۝ (النور: ۳۲)

اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو، اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا، اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ بہت وسعت والا بہت جاننے والا ہے O

اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمہیں ایسا مرد نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو تم اس کے ساتھ نکاح کر دو اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فساد ہوگا''۔

علامہ ابن العربی مالکی فرماتے ہیں: ہم نے اس موضوع پر اپنی تفسیر (احکام القرآن) میں بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

(عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی ج ۲، جز ۴ ص ۲۴۱۔ ۲۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نکاح کا لفظ عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے یا اس کے برعکس ہے یا دونوں میں مشترک ہے اور دلائل اس پر ہیں کہ نکاح کا لفظ عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے

علامہ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی المتوفی ۱۰۵۱ھ لکھتے ہیں:

لغت میں نکاح کا معنی ہے: ملنا، عرب کہتے ہیں: تناکحت الاشجار یعنی درخت ایک دوسرے سے مل گئے۔

(القاموس المحیط ج ۱ ص ۲۵۴)

زجاج سے منقول ہے: کلام عرب میں نکاح کا معنی وطی ہے (یعنی عورت کو روندنا) اور اس کا معنی عقد بھی ہے یعنی ایجاب اور قبول، پس جب عرب کہتے ہیں کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا یا فلاں کی بیٹی سے نکاح کیا تو وہ اس سے عقد نکاح کا ارادہ کرتے ہیں اور جب وہ کہتے ہیں: اس نے اپنی بیوی سے نکاح کیا تو وہ اس سے صرف مجامعت کا ارادہ کرتے ہیں کیونکہ بیوی کے ذکر سے عقد نکاح سے استغناء ہو جاتا ہے۔

اور نکاح کا لفظ عقد نکاح میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے کیونکہ قرآن اور احادیث میں یہی مشہور ہے۔

نکاح کا لفظ درج ذیل آیت میں عقد کے معنی میں ہے:

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗؕ (البقرہ: ۲۳۰) یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

نیز حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اس عورت نے دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا، اور دوسرے خاوند کے پاس کپڑے کے پلو کی مثل تھا جس سے اس عورت کی خواہش پوری نہیں ہو سکی، پھر کچھ دنوں بعد اس دوسرے خاوند نے اس کو طلاق دے دی، پس وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! میرے خاوند نے مجھ کو طلاق دے دی اور میں نے اس کے علاوہ دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا، پس اس نے میرے ساتھ دخول کیا اور اس کے پاس صرف کپڑے کے پلو کی مثل تھا، پس وہ مجھ سے مقاربت نہیں کر سکا اور اس کی کوئی چیز میرے اندر نہیں پہنچی، کیا پس میرے لیے میرا پہلا خاوند حلال ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو حتیٰ کہ دوسرا خاوند

تمہاری مٹھاس چکھ لے اور تم اس کی مٹھاس چکھ لو''۔

(صحیح البخاری: ۵۲۶۵، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۹، سنن نسائی ج ٦ ص ١١٨، موطا امام مالک ج ٢ ص ٥٣١)

اس حدیث میں بھی نکاح کا لفظ عقد کے معنی میں ہے وطی کے معنی میں نہیں ہے، نیز کہا جاتا ہے کہ یہ نکاح ہے زنا نہیں ہے یعنی یہ عقد ہے وطی نہیں ہے اور وطی کی نفی اس کی دلیل ہے کہ وطی کا معنی مجازی ہے اور جب بھی نکاح کا لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے متبادر عقد ہوتا ہے اور اس سے واضح ہوا کہ نکاح کا معنی عقد ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح کا لفظ وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے اور قاضی نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ زیادہ مشہور یہ ہے کہ نکاح کا لفظ عقد اور وطی دونوں میں مشترک ہے۔

(کشاف القناع ج ۵ ص ۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

راجح یہ ہے کہ نکاح کا لفظ عقد اور وطی دونوں میں مشترک ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ کتاب النکاح کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکاح کا لغوی معنی ہے: ملنا اور ایک دوسرے میں داخل ہونا۔ الفراء نے کہا: اَلنُّکْحُ فرج کا نام ہے اور نکاح کے لفظ کا زیادہ استعمال وطی میں ہے اور عقد کو نکاح اس لیے کہتے ہیں کہ عقد وطی کا سبب ہے اور ابوالقاسم الزجاجی نے کہا ہے کہ نکاح کا لفظ دونوں میں حقیقت ہے اور فارسی نے کہا ہے کہ جب لوگ کہتے ہیں کہ میں نے فلاں عورت سے یا فلاں مرد کی بیٹی سے نکاح کیا تو اس سے مراد عقد نکاح ہے، اور جب وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی سے نکاح کیا تو اس سے مراد وطی ہے، اور شریعت میں نکاح کا لفظ عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے اور یہی صحیح مذہب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کتاب اور سنت میں نکاح کے لفظ کا اکثر استعمال عقد کے معنی میں ہے اور ابوالحسن بن فارس نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں نکاح کا لفظ صرف عقد کے معنی میں ہے جیسا کہ البقرہ: ۲۳۰ میں ہے سوا اس آیت کے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ (النساء: ٦)

اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔

اور شافعیہ کا دوسرا قول فقہاء احناف کی مثل ہے کہ نکاح کا لفظ وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نکاح کا لفظ دونوں میں مشترک ہے اور اسی کو الزجاج نے وثوق سے کہا ہے اور میری نظر میں یہی راجح ہے اگرچہ اس کا اکثر استعمال عقد میں ہے اور بعض علماء نے کہا کہ جماع کا لفظ عموماً کنایہ میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کی صراحت قبیح ہے، اس لیے نکاح سے جماع کا مراد ہونا بعید ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ نکاح کا لفظ عقد میں حقیقت ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ۲۳۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح کا لفظ وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نکاح کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ کتاب احکام النکاح کے بیان میں ہے، الازہری نے کہا ہے: کلام عرب میں نکاح کا لفظ وطی میں اصل ہے اور تزویج کو نکاح اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ وطی کا سبب ہے، اور المغرب میں مذکور ہے کہ نکاح کا لفظ وطی کے معنی میں مجاز ہے اور الزجاج نے کہا ہے کہ کلام عرب میں نکاح کا لفظ وطی اور عقد دونوں میں مشترک ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ نکاح کا لفظ وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس پر دلائل کہ نکاح کا لفظ حقیقت میں وطی کے لیے ہے اور اس سے عقد نکاح کا ارادہ کرنا مجاز ہے

علامہ شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

نکاح کا لفظ لغت میں وطی کے معنی میں ہے، عرب کہتے ہیں: تناکحت العری یعنی برہنہ بدن ایک دوسرے سے مل گئے اور کہتے ہیں: انکحنا العری یعنی ہم نے برہنہ افراد کو ملا دیا، اب دیکھتے ہیں کہ ان سے کیا پیدا ہوتا ہے اور حقیقت میں اس کا معنی ہے: ملنا، پھر اس لفظ کو عقد کے لیے مجازاً استعمال کیا گیا کیونکہ عقد حصول وطی کا سبب شرعی ہے اور اس لیے بھی کہ عقد نکاح میں ایجاب اور قبول ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں اور عقد کرنے والے شریعت کے مصالح کو قائم کرنے میں شخص واحد کی طرح ہو جاتے ہیں۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا زعم یہ ہے کہ نکاح کا لفظ شریعت میں صرف عقد نکاح کے لیے ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ۔ (النساء:٦) حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔

یعنی وہ بلوغت کو پہنچ جائیں کیونکہ بالغ خواب میں وطی کی صورت دیکھتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً۔ (النور:۳) زانی مرد صرف زانیہ عورت سے نکاح کرے گا۔

اور اس سے مراد وطی ہے اور جس جگہ نکاح کے لفظ کو عقد پر محمول کیا جاتا ہے وہ کسی ایسی دلیل کی بناء پر ہوتا ہے جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے، اس میں عقد کا ذکر ہوتا ہے یا اولیاء کے پیغام نکاح کا ذکر ہوتا ہے۔

احادیث اور قرآن مجید سے اس پر دلائل کہ نکاح کا لفظ حقیقت میں وطی کے لیے وضع کیا گیا ہے

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ نکاح کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نکاح کا لفظ حقیقت میں وطی کے لیے موضوع ہے، اس پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں سفاح سے پیدا نہیں ہوا''۔

(اعلام النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۱۱، المعجم الاوسط للطبری ج ۸ ص ۲۱۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۹۰، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱)

اس حدیث کا معنی ہے: میں وطی حلال سے پیدا ہوا ہوں وطی حرام سے پیدا نہیں ہوا۔

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: یہود کی عورتیں جب حائضہ ہو جاتیں تو وہ نہ ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور نہ ان کے ساتھ گھروں میں جماع کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ہر کام کرو سوا نکاح کے''۔

(صحیح مسلم: ۳۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۵۸، سنن ترمذی: ۲۹۷۷، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۲، سنن ابن ماجہ: ۶۴۴، سنن دارمی: ۱۰۴۳، صحیح ابن حبان: ۱۳۶۲، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۰۵۳، السنن بیہقی ج ۱ ص ۳۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۶)

اس حدیث میں بھی نکاح سے مراد جماع ہے کیونکہ حالت حیض میں عورت کے ساتھ صرف جماع کی ممانعت ہے اور کھانے پینے اور دیگر کاموں کی ممانعت نہیں ہے، اور قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ لَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿۲۲﴾ (النساء:۲۲)

اور ان عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے ساتھ تمہارے باپ، دادا نکاح کر چکے ہیں مگر جو گزر چکا، بے شک ایسا فعل بے حیائی اور موجب غضب ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے O

اس آیت میں نکاح سے مراد عقد نہیں ہے وطی ہے کیونکہ اس آیت سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس عورت سے کسی شخص کا باپ زنا کر چکا ہو اس عورت سے اس کے بیٹے کا نکاح کرنا حرام ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۷۷۔۱۷۵، ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

عقد نکاح کے مصالح اور فوائد

علامہ شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

عقد نکاح کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) عقد نکاح سے عورتوں کی حفاظت ہوتی ہے اور ان کے حقوق ثابت ہوتے ہیں (۲) نکاح میں مال خرچ کرنے سے انسان اپنے آپ کو زنا سے محفوظ رکھتا ہے (۳) اس سے اللہ کے بندوں کی کثرت ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ ہوتا ہے (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی کثرت پر فخر فرمایا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

سعید بن ابی ہلال بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نکاح کرو، نسل بڑھاؤ، کثیر اولاد حاصل کرو کیونکہ میں تمہاری وجہ سے قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا"۔

(علامہ العجلونی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی امام عبدالرزاق اور امام بیہقی (سنن بیہقی ج ۷ ص ۸۷) نے روایت کی ہے۔
(کشف الخفاء للعجلونی ج ۱ ص ۳۸۰)

(۵) نکاح کی وجہ سے یہ جہان قیامت تک باقی رہے گا کیونکہ نوع انسانی کی بقاء تناسل کے سبب سے ہے اور تناسل عادةً مردوں اور عورتوں کے ملاپ سے حاصل ہوتا ہے اور یہی ملاپ وطی ہے اور شریعت نے اس وطی کے حصول کے لیے نکاح کا طریقہ مقرر کر دیا ہے کیونکہ اگر مرد عورت پر غلبہ پا کر اس سے وطی کرے گا تو اس سے فساد لازم آئے گا (۶) اگر بغیر نکاح کے وطی کی جائے اور ایک عورت متعدد مردوں کا محل بنے تو اس سے نسب مشتبہ ہو جائے گا اور اس سے نسل انسانی ضائع ہو جائے گی (۷) جب کہ خواتین حصول رزق کا کسب کرنے سے اور اپنی اولاد کو پالنے کے لیے حصول مال سے عاجز ہیں تو اس لیے شریعت نے یہ مقرر کر دیا کہ جس کا بچہ ہوگا وہ اپنی بیویوں اور بچوں کا خرچ اٹھائے گا اور یہ صرف عقد نکاح سے حاصل ہو سکتا ہے، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ عالم کی بقاء نکاح پر موقوف ہے۔ (المبسوط ج ۴ ص ۲۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فقہاء مذاہب کے نزدیک نکاح کی شرعی تعریفات

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ نکاح کی تعریف میں لکھتے ہیں:

یہ وہ عقد ہے جس کو عورتوں پر وطی کی ملکیت کے قصداً حصول کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

اور اس وضع سے مراد شارع علیہ السلام کا وضع فرمانا ہے نہ کہ ایجاب وقبول کرنے والوں کا وضع کرنا مراد ہے۔
(فتح القدیر ج ۳ ص ۱۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نکاح کے متعلق لکھتے ہیں:

نکاح کی حقیقت وطی ہے اور اس کی اصل داخل کرنا ہے اور اس کا مشہور اطلاق عقد نکاح پر ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ (البقرہ: ۲۲۱) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

یعنی مشرکات سے عقد نکاح نہ کرو اور نہ ان سے وطی کرو۔ (المفہم ج ۴ ص ۸۰، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ نکاح کی تعریف میں لکھتے ہیں:

یہ معاوضہ کے بدلہ میں فرج کا عقد ہے، اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف تو زنا کی بعض صورتوں میں بھی صادق آتی ہے اس لیے یہ تعریف مانع نہیں ہے اور یہ تعریف نکاح متعہ پر بھی صادق آتی ہے، لہٰذا یہ مانع نہیں ہے اور یہ کثرت نکاح فاسد کی صورتوں پر بھی صادق آتی ہے اور یہ تعریف جامع بھی نہیں ہے کیونکہ جو نکاح صحیح ہو اور اس میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس پر نکاح کی یہ تعریف صادق نہیں آئے گی۔

اور ابن الحاجب مالکی نے کہا ہے کہ نکاح کے متعدد ارکان ہیں: (۱) ایجاب اور قبول کا صیغہ (۲) ولی (۳) شوہر اور بیوی (۴) مہر۔
علامہ ابن عبدالسلام نے کہا کہ علامہ ابن الحاجب نے نکاح کی تعریف نہیں کی کیونکہ انہوں نے نکاح کے ارکان کے ذکر پر اکتفاء کرلیا، کیونکہ حد کا صرف یہی معنی ہے کہ اس کے جمیع اجزاء کا صرف ذکر کر دیا جائے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، یہ بات صرف حد حقیقی میں درست ہے حد شرعی میں درست نہیں ہے، پھر انہوں نے خود نکاح کی حد شرعی بیان کی اور کہا:
نکاح عورت کے ساتھ ایسے متعۃ التلذذ کے عقد کا نام ہے جس کی قیمت واجب نہ ہو اور وہ عقد گواہوں کے ساتھ ہو اور اس کو حرمت متعہ کا علم نہ ہو۔

اس تعریف میں لکھا ہے: جس کی قیمت واجب نہ ہو یہ قید متعہ کو خارج کرنے کے لیے ہے۔
(اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۴ ملخصا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد الشربینی الشافعی من القرن السابع ہجری نکاح کی شرعی تعریف میں لکھتے ہیں:
یہ وہ عقد ہے جو لفظ نکاح یا تزویج کے ساتھ اباحت وطی کو متضمن ہو اور یہ مذہب صحیح کے مطابق عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے۔ (مغنی المحتاج ج ۳ ص ۱۲۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت) (تکملۃ المجموع شرح المہذب ج ۱۹ ص ۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ نکاح کی تعریف میں لکھتے ہیں:
شریعت میں نکاح تزویج کا عقد ہے اور جب لفظ نکاح مطلقاً بولا جائے تو اس سے یہی عقد مراد ہوتا ہے، اور ہمارے نزدیک نکاح عقد اور وطی دونوں میں حقیقت ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۱۱۳، دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

علامہ شمس الدین عبدالرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی المتوفی ۶۸۲ھ نے بھی یہی تعریف لکھی ہے۔
(الشرح الکبیر ج ۹ ص ۱۱۳، دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نکاح کی تعریف میں لکھتے ہیں:
نکاح عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے۔ (عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

نکاح کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مذاہب کی تصریحات، (نکاح کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ نکاح کے شرعی حکم کے متعلق لکھتے ہیں:
اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حالت توقان میں نکاح فرض ہے یعنی جب انسان پر شہوت کا شدید غلبہ ہو حتیٰ کہ وہ عورتوں سے مجامعت کے بغیر صبر نہ کر سکے اور وہ مہر ادا کرنے پر اور بیوی کا خرچ اٹھانے پر قادر ہو اور پھر وہ نکاح نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔
اور داؤد بن علی الاصفہانی الظاہری المتوفی ۲۷۰ھ اور دیگر اصحاب ظواہر نے کہا ہے کہ نکاح کرنا اسی طرح فرض عین ہے جس طرح نماز، روزہ، فروض اعیان میں سے ہیں حتیٰ کہ جو شخص وطی کرنے پر قادر ہو اور مہر اور نفقہ کو ادا کرنے پر قادر ہو اور پھر وہ نکاح نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور اصحاب شافعیہ کے نکاح کے شرعی حکم کے متعلق تین قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ نکاح کرنا خرید و فروخت کی طرح مباح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح کرنا مطلوب اور مستحب ہے اور ہمارے اصحاب حنفیہ میں سے امام کرخی کا بھی یہی مذہب ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ نکاح کرنا فرض کفایہ ہے حتیٰ کہ جب بعض مسلمان نکاح کر لیں تو باقی مسلمانوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے جیسے تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرنا اور نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے، اور بعض فقہاء شافعیہ نے کہا کہ نکاح کرنا واجب ہے، پھر بعض نے یہ کہا کہ یہ واجب کفایہ ہے جیسے سلام کا جواب دینا اور بعض نے کہا: یہ واجب عملی بر سبیل عین ہے جیسے صدقہ فطر ادا کرنا، قربانی کرنا اور وتر کی نماز پڑھنا۔

نکاح کے فرض ہونے پر اصحاب الظواہر کے دلائل

نکاح کی فرضیت پر وہ حسب ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء: ۳) تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ۔ (النور: ۳۲) اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو، اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا۔

نیز اصحاب ظواہر کا استدلال درج ذیل احادیث سے بھی ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق دینے سے رحمٰن کا عرش ہل جاتا ہے''۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۹۱، کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۶۱، الشوکانی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے، الفوائد الموضوعہ ص ۱۳۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم آپس میں نکاح کرو اور اولاد کی کثرت حاصل کرو کیونکہ میں تمہارے سبب سے قیامت کے دن دوسری امتوں کے سامنے فخر کروں گا''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۳، علامہ بوصیری نے کہا ہے: اس حدیث کی سند ضعیف ہے: الزوائد لابن ماجہ ج ۲ ص ۷۳)

یہ حدیث سنن ابوداؤد: ۲۰۵۰ میں بھی مذکور ہے اور سنن نسائی ج ۶ ص ۶۶۔۶۵ میں بھی مذکور ہے اور المستدرک ج ۲ ص ۱۶۲ میں بھی مذکور ہے اور حاکم نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی۔

نیز یہ حدیث مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۸، ۲۴۵ اور سنن سعید بن منصور: ۴۹۰، اور صحیح ابن حبان: ۱۲۲۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۸۲۔۸۱ اور حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۹ میں بھی مذکور ہے اور دیگر کتب حدیث میں بھی مذکور ہے۔

اصحاب ظواہر کی وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے نکاح کرنے کا مطلقاً حکم دیا ہے اور امر مطلق فرضیت اور وجوب کے لیے ہوتا ہے ماسوا اس کے کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ صارفہ ہو، نیز زنا سے اجتناب کرنا واجب ہے اور زنا سے اجتناب کرنا نکاح کرنے پر موقوف ہے اور جس پر واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔

نکاح کے مباح ہونے پر فقہاء شافعیہ کے دلائل اور اصحاب ظواہر کے اس قول کا رد کہ نکاح کرنا فرض یا واجب ہے

امام شافعی نے کہا: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ۔ اور ان (محرمات) کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں کہ تم

اپنے مال (مہر) کے عوض ان کو طلب کرو۔ (النساء: ۲۴)

اس آیت میں احل کا لفظ ہے کہ تمہارے لیے ان عورتوں کو حلال کیا گیا اور یہ لفظ مباحات میں استعمال ہوتا ہے اور اس لیے کہ نکاح قضاء شہوت کا سبب ہے، سو یہ مباح ہے جیسے قضاء شہوت کے لیے باندیوں کو خریدنا مباح ہے، نیز اس لیے کہ نکاح کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو نفع پہنچاتا ہے اور اپنے آپ کو نفع پہنچانا واجب نہیں ہے بلکہ مباح ہے جیسے کھانا، پینا واجب نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔

اور نکاح کے واجب نہ ہونے پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وہ سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے ۝ (آل عمران: ۳۹)

اور حصور اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو قدرت کے باوجود عورتوں سے جماع نہ کرے، اگر نکاح کرنا واجب ہوتا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نکاح کو ترک کرنے کی وجہ سے مدح کے مستحق نہ ہوتے کیونکہ واجب کے ترک پر مذمت کی جاتی ہے نہ کہ مدح۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ نکاح کرنا مباح ہے فرض یا واجب نہیں ہے تو اصحاب ظواہر کے اس قول کا رد ہو گیا کہ نکاح کرنا فرض اور واجب ہے، نیز اصحاب ظواہر نے جن احادیث سے نکاح کی فرضیت پر استدلال کیا ہے وہ سب اخبار آحاد ہیں اور اخبار احاد ظنی ہیں قطعی الثبوت نہیں ہیں اور فرضیت اس دلیل سے ثابت ہوتی ہے جو قطعی الثبوت ہو، نیز ان احادیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو نکاح کے لزوم پر دلالت کرتا ہو، لہٰذا یہ احادیث قطعی الدلالۃ بھی نہیں ہیں، پس ان احادیث سے نکاح کی فرضیت کیسے ثابت ہوگی۔

نکاح کے مطلوب اور مستحب ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرلے اور جو شخص گھر بسانے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزہ رکھے''۔

(صحیح البخاری: ۱۹۰۵، ۵۰۶۵، صحیح مسلم: ۱۴۰۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۴۶، سنن نسائی ج ۴ ص ۱۷۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۵، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۲، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷، ۴۷۷، مسند ابوداؤد والطیالسی: ۱۵۴۵، مسند ابویعلیٰ: ۵۱۱۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۷، شعب الایمان: ۵۴۷۶، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۵۶)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے کو نکاح کے قائم مقام قرار دیا اور رمضان کے روزوں کے علاوہ روزہ واجب نہیں ہے، لہٰذا نکاح بھی واجب نہیں ہے کیونکہ غیر واجب، واجب کا قائم مقام نہیں ہوتا اور اس لیے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض کی بیوی نہیں تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم تھا اور آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کرنا واجب نہیں ہے، اور نکاح کے مطلوب اور مستحب ہونے پر دلیل درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا: ''نکاح میری سنت میں سے ہے، پس جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے''۔ الحدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے''۔ (صحیح البخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱، مسند احمد: ۱۳۵۴۳)

ان حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک نکاح پر وعید فرمائی ہے اور ترک نوافل پر کوئی وعید نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کرنا مطلوب اور مستحب ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیا اور اس پر دوام رکھا اور آپ نے متعدد نکاح کیے اور ظاہر یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی ایسے افضل کام کو ترک نہیں کرتے جس کی حد معلوم ہو اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نکاح کرنا افضل ہو تو آپ کی امت کے حق میں بھی نکاح کرنا نکاح نہ کرنے سے افضل ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نکاح نہ کرنے پر مدح کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شریعت میں نکاح ترک کر کے عبادت کے لیے زیادہ وقت نکالنا افضل تھا اور ان کی شریعت ہماری شریعت سے منسوخ ہو گئی۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۳۱۷۔۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نکاح کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نکاح کے شرعی حکم کے متعلق لکھتے ہیں:

تمام علماء کے نزدیک نکاح کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے اور ہمارے علم میں داؤد بن علی ظاہری کے سوا کسی نے نکاح کو واجب نہیں کیا (الی ان قال) پس امام شافعی اور ہمارے جمہور اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کو ترک کرنا اور عبادت کے لیے فارغ ہونا افضل ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ نکاح کرنا مکروہ ہے بلکہ نکاح کرنا افضل کام کو ترک کرنا ہے اور امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ اور بعض مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کرنا افضل ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۶ ص ۳۴۸۷۔۳۴۸۶، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

نکاح کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف مالکی المتوفی ۸۹۷ھ نکاح کے شرعی حکم کے متعلق لکھتے ہیں:

جس شخص کو نکاح کی ضرورت ہو اور وہ نکاح کا خرچ اٹھا سکتا ہو اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے، اور ابن رشد مالکی نے کہا ہے کہ اگر اس کو یہ خطرہ ہو کہ اگر اس نے نکاح نہیں کیا تو پھر وہ زنا کرے گا تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے، اور اگر اس کو زنا کا خوف نہ ہو لیکن وہ وطی کرنے پر یا بیوی کا خرچ اٹھانے پر قادر نہ ہو تو پھر اس کا نکاح کرنا حرام ہے، اور اللخمی مالکی نے کہا ہے: جس کو نکاح کی خواہش نہ ہو اور وہ بانجھ ہو یا بہت بوڑھا ہو یا خصی ہو تو پھر اس کے لیے نکاح کرنا مباح ہے۔

(التاج والاکلیل لمختصر الخلیل ج ۳ ص ۴۰۳، مکتبۃ النجاح، لیبیا، طرابلس)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الطرابلسی المغربی المالکی المتوفی ۹۵۴ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکاح مباح ہونے کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ نکاح کی وجہ سے اس کی عبادت منقطع نہ ہو۔

(مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل ج ۳ ص ۴۰۳، مکتبۃ النجاح، لیبیا، طرابلس)

نکاح شرعی کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موسیٰ بن احمد الحجاوی الصالحی الحنبلی المتوفی ۹۶۰ھ نکاح کے شرعی حکم کے متعلق لکھتے ہیں:

جس شخص کو شہوت ہو اور اس کو زنا کا خطرہ نہ ہو خواہ وہ تنگ دست ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا سنت ہے اور نکاح میں مشغول ہونا عبادت کے لیے فارغ ہونے سے افضل ہے اور جس کو شہوت نہ ہو اس کے لیے نکاح کرنا مباح ہے اور جس کو زنا کا خطرہ ہو اس کے لیے نکاح کرنا واجب ہے۔ (متن الاقناع ج ۵ ص ۵۔۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نکاح میں مشغول ہونا نفلی عبادت کے لیے فارغ ہونے سے افضل ہے، اس مسئلہ میں فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل درج ذیل حدیث ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص میرے دین پر ہو اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے دین پر ہو تو وہ نکاح کرے''۔ (کنز العمال: ۴۴۴۴۶)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے میں مشغول ہوئے حتیٰ کہ آپ نے ایک سے زائد نکاح کیے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ نکاح کرنا افضل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے استدلال کرنا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حال سے استدلال کرنے سے افضل ہے، اور ہماری شریعت میں گھرداری رہبانیت سے افضل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ (کشف الخفا للعجلونی ج ۲ ص ۵۱۰) اور نکاح کرنا بہت سی مصلحتوں کا جامع ہے، پس نکاح میں مشغول ہونا نفلی عبادت میں مشغول ہونے سے افضل ہے اور یہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مختار ہے۔ عقد نکاح سے مقصود صرف قضاء شہوت نہیں ہے لیکن اس سے مقصود معیشت کی مصلحت کے اسباب ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو قضاء شہوت پر موقوف کر دیا ہے تاکہ مطیع اور عاصی دونوں نکاح کرنے میں راغب ہوں، اور نکاح کی منفعت صرف نکاح کرنے والے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی منفعت دوسروں تک بھی پہنچتی ہے۔

(المبسوط ج ۴ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کتاب النکاح کے ان ضروری مباحث کو لکھنے کے بعد اب ہم صحیح بخاری کی اس کتاب میں مذکور حدیث کو درج کر رہے ہیں اور اس کی شرح کو لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہی اس شرح میں راہ ہدایت اور اس پر استقامت مطلوب ہے۔

۱۔ بَابُ: التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ۔ (النساء: ۳)

نکاح کی طرف راغب کرنا کیونکہ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ (النساء: ۳)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں امر کا صیغہ ہے جو طلب کا تقاضا کرتا ہے، اور طلب کا کم سے کم درجہ استحباب ہے، پس اس آیت سے نکاح کی ترغیب ثابت ہوگئی اور یہی باب کا عنوان ہے۔

اور نکاح میں اختلاف ہے، پس فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ نکاح عبادت نہیں ہے اس لیے اگر کوئی شخص نکاح کی نذر مان لے تو وہ منعقد نہیں ہوگی، اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ نکاح کرنا عبادت ہے اور تحقیق یہ ہے کہ جن صورتوں میں نکاح کرنا مستحب ہے ان صورتوں میں نکاح کرنا عبادت ہے اور فی حد ذاتہ نکاح کرنا عبادت نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی شرح پر علامہ عینی کا اعتراض اور حافظ ابن حجر کا جواب

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں نکاح کی ترغیب پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس آیت میں نکاح کی اباحت کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (المائدہ: ۲) اور اس آیت میں شکار کی اباحت کو بیان فرمایا، اور حافظ ابن حجر نے جو کہا ہے کہ امر طلب کا تقاضا کرتا ہے ان کا یہ کلام اصول کے خلاف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ علامہ عینی نے اس کے بعد اپنی شرح میں لکھا ہے کہ النور: ۳۲، نکاح کی طلب اور استحباب پر دلالت کرتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۳۔۹۲) (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۸۴، مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۱۸ھ)

۵۰۶۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ الطَّوِيلُ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضي الله عنه يَقُولُ جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا فَقَالُوا وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَحَدُهُمْ أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ آخَرُ أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ وَقَالَ آخَرُ أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَيْهِمْ فَقَالَ أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید بن ابی حمید الطویل نے خبر دی، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ تین مرد نبی ﷺ کی ازواج کے گھروں میں گئے اور ان سے نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق سوال کیا، پس جب ان کو بتایا گیا تو گویا انہوں نے اتنی عبادت کو کم سمجھا، پس انہوں نے کہا: کہاں ہم کہاں نبی ﷺ؟ آپ کے تو تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کر دی گئی ہے، ان میں سے ایک نے کہا: رہا میں تو میں ہمیشہ پوری رات نماز پڑھتا رہوں گا اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھتا رہوں گا اور روزہ نہیں چھوڑوں گا اور تیسرے نے کہا: میں ہمیشہ عورتوں سے اجتناب کروں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا، پس رسول اللہ ﷺ آ گئے تو آپ نے فرمایا: تو تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا تھا؟ سنو! اللہ کی قسم! بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور بے شک میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور روزہ چھوڑتا ہوں اور نماز پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱، مسند عبد بن حمید: ۱۳۱۸، صحیح ابن حبان: ۱۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۱، مسند احمد: ۱۳۵۳۴، کنز العمال: ۵۸۱۳، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۹۵، در منثور ج ۲ ص ۲۱۰، کشف الخفاء، ج ۲ ص ۴۱۴، سنن نسائی ج ۶، ص ۶۰)

جس نے آپ کی سنت سے اعراض کرنے کی وجہ سے نکاح کو ترک کیا تو وہ مذموم ہے اور جس نے عبادت میں مدد کی وجہ سے نکاح کو ترک کیا تو اس پر ملامت نہیں ہے

علامہ علی بن خلف ابن بطال مالکی القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ "نکاح کرنا اسلام کی سنتوں میں سے ہے (سنن ترمذی: ۱۰۸۰) اور ہماری شریعت میں رہبانیت نہیں ہے اور جس نے سیدنا محمد علیہ السلام کی سنت سے اعراض کرتے ہوئے نکاح کو ترک کیا تو وہ مذموم اور مبتدع ہے اور جس نے اس وجہ سے نکاح کو ترک کیا کہ نکاح نہ کرنا اس کی عبادت میں زیادہ موافق اور مددگار ہے تو اس پر کوئی ملامت نہیں ہے کیونکہ اس نے نبی ﷺ کی سنت سے اعراض نہیں کیا اور عبادت کرنے میں ائمہ کی اقتداء ہے اور دن

اور رات میں ان کی سیرتوں اور ان کے احوال سے بحث ہے۔ ہاں! جس نے ان کی سیرتوں پر اضافہ کا ارادہ کیا تو وہ مفسد ہے کیونکہ عبادت میں متوسط طریقہ اور میانہ روی کو اختیار کرنا اولیٰ ہے حتیٰ کہ وہ کسی کام سے عاجز نہ ہو جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین عمل وہ ہے جس پر کوئی شخص دوام کرے''۔

(صحیح البخاری: ۶۴۶۴) (شرح ابن ابطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۲۷، دار الکتب علمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بعض صورتوں میں فقہاء حنبلیہ اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک نکاح کرنا واجب ہے

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اکثر علماء کے نزدیک نکاح کرنا واجب نہیں ہے۔

(احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۴۶۸۔ ۴۶۶، احکام القرآن لابن العربی ج ۳ ص ۱۳۷۷)

اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے یا باندیاں رکھنا واجب ہے جب اس کو زنا کا خطرہ ہو۔ (طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۳۲۸) اور یہ ہمارا بھی ایک قول ہے۔

(النجم الوہاج ج ۷ ص ۱۲) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ: اگر زنا کا خطرہ ہو تو فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی نکاح کرنا واجب ہے جیسا کہ ابھی باحوالہ گزر چکا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

رہط اور نفر کا فرق اور جن تین صحابہ نے ازواج مطہرات سے سوال کیا تھا ان کے اسماء اور اس سلسلہ میں دیگر روایات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ تین رہط آئے اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے: تین نفر آئے، اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ رہط کا اطلاق تین سے دس تک پر ہوتا ہے اور نفر کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوتا ہے اور یہ دونوں اسم جمع ہیں اور ان کا اس لفظ سے کوئی واحد نہیں آتا۔

سعید بن المسیب سے امام عبد الرزاق نے مرسلاً روایت کی ہے کہ جن تین مردوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ تھے: حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم۔

اسباب واحدی میں بغیر سند کے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وعظ کیا اور اللہ سے ڈرایا، پس دس صحابہ جمع ہوئے اور وہ یہ ہیں: (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت علی (۴) حضرت ابن مسعود (۵) حضرت ابوذر (۶) حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ (۷) حضرت مقداد (۸) حضرت سلمان (۹) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص (۱۰) حضرت معقل بن مقرن رضی اللہ عنہم۔ یہ تمام صحابہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہوئے اور یہ اس پر متفق ہوئے کہ یہ دن میں روزہ رکھیں گے اور رات بھر قیام کریں گے اور بستروں پر نہیں سوئیں گے اور گوشت نہیں کھائیں گے اور بیویوں سے مجامعت نہیں کریں گے اور اپنے آلات کو کاٹ دیں گے۔

اگر یہ روایت محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ جن تین مردوں کے سوال کا صحیح بخاری میں ذکر ہے ان کا ذکر ان کی خصوصیت کی وجہ سے کیا گیا ہو اور کبھی ان سب کی طرف نسبت کی گئی کیونکہ یہ سب طلب عبادت میں مشترک تھے۔

یہ لوگ تین سے زیادہ تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے سعید بن ہشام سے روایت کی ہے کہ وہ مدینہ میں آئے اور

انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنی زمینوں کو بیچ کر اللہ کی راہ میں وقف کر دیں گے اور رومیوں سے تا حیات جہاد کریں گے، پھر ان کی مدینہ میں چند صحابہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان کو اس کام سے منع کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں چھ مردوں نے اس کام کا ارادہ کیا تھا تو آپ نے انہیں اس کام سے منع فرمایا ہے، پس جب ان کو یہ حدیث معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا جس کو وہ طلاق دے چکے تھے۔

صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنہائی میں عبادت کو کم کیوں سمجھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنہائی میں زیادہ عبادت کرنے کی کیا وجہ بیان فرمائی

اس حدیث میں مذکور ہے: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا: امام مسلم نے علقمہ سے روایت کی ہے: یعنی ان کا سوال تنہائی میں آپ کی عبادت کے متعلق تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت فرمادی ہے: اس کا معنی یہ ہے: یعنی جس کو اپنی مغفرت کا علم نہ ہو اس کو بہت زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کو مغفرت حاصل ہو اور جس کو مغفرت حاصل ہو چکی ہے اس کو زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ بتایا کہ یہ لازم نہیں ہے، پس اشارہ کیا کہ آپ ان سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اور حضرت عائشہ سے جو روایت ہے اس میں مذکور ہے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں! یعنی آپ اس لیے عبادت میں زیادہ کوشش کرتے تھے کہ آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے تھے۔

حدیث مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مغفرت کلی کی نوید اور اس وجہ سے آپ کی تمام انبیاء اور مرسلین پر فضیلت

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلی مغفرت کر دی گئی ہے اور یہ آپ کی عظیم خصوصیت ہے کیونکہ حشر کے دن تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور وہ سب کہیں گے: نفسی نفسی لیکن آپ مطمئن ہوں گے اور جب آپ سے شفاعت کا سوال کیا جائے گا تو آپ کہیں گے انا لھا انا لھا میں ہی اس شفاعت کے لیے مخصوص کیا گیا ہوں۔ اگر دنیا میں پہلے ہی آپ کو یہ نوید نہ سنادی گئی ہوتی کہ آپ کی مغفرت کلی کر دی گئی ہے تو جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام سے جب شفاعت کرنے کا سوال کیا گیا تو انہوں نے نفسی نفسی کہا اور شفاعت کرنے سے گریز کیا اور آپ کو دنیا میں مطمئن نہ کر دیا ہوتا تو آپ بھی اسی طرح کہتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطمئن کر دیا اور دنیا میں آپ کی مغفرت کلی کا اعلان کر دیا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دوزانو بیٹھے ہوں گے، ہر امت اپنے اپنے نبی کے پاس جائے گی، وہ کہیں گے: اے فلاں! شفاعت کیجئے حتیٰ کہ یہ (طلب) شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر ختم ہوگئی، پس یہی وہ دن ہے جب اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ (صحیح البخاری: ۴۷۱۸)

صحیح البخاری: ۴۷۱۸ پر بعض لوگوں کا یہ اعتراض کہ یہ اسماعیل بن ابان کی روایت ہے اور وہ شیعہ ہے اس لیے یہ روایت مقبول نہیں

صحیح البخاری کی اس روایت پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث اسماعیل بن الوراق الازدی سے مروی ہے اور

اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ شخص شیعہ اور رافضی تھا اس لیے اس کی روایت مقبول نہیں ہے، اس کے متعلق حافظ یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ نے لکھا ہے کہ: ابو احمد العدی نے کہا کہ یہ کوفیوں میں سے تشیع کے عقیدے پر تھا، اور رہا صدق تو یہ روایت میں صادق تھا۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۲ ص ۱۲۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اس اعتراض کا جواب اور متشیع اور شیعہ کا فرق

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ شیعہ اور متشیع میں فرق ہے، اسماعیل بن ابان متشیع تھا، شیعہ نہیں تھا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

متقدمین کے عرف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تفضیل اور تقدم کے اعتقاد کو تشیع کہتے ہیں اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے اور ان کے مخالفین خطا پر تھے۔ اس کے باوجود یہ لوگ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی پر مقدم رکھتے ہیں اور ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں اور ان میں سے بعض یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل خلق حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور جب اس کا معتقد متقی، دین دار، صادق اور مجتہد ہو تو اس کی روایت رد نہیں کی جائے گی، خصوصاً جب کہ وہ اپنے عقیدہ کی دعوت نہ دیتا ہو اور رہا وہ تشیع جو متاخرین کے عرف میں ہے تو وہ محض رفض ہے اور رافضی غالی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۸۶۔۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک بدعت صغریٰ ہے جیسے تشیع ہو یا تشیع بلا غلو ہو اور ایسے لوگ تابعین میں بہ کثرت ہیں اور تبع تابعین میں بھی ہیں اور یہ متقین اور صادق ہیں، اگر ان لوگوں کی حدیث رد کر دی جائے تو تمام آثار نبویہ ساقط ہو جائیں گے اور یہ بہت بڑی خرابی ہے اور دوسری بدعت کبریٰ ہے جو کامل رافضی ہو اور رفض میں غلو کرتا ہو اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا مقام کم کرتا ہو، پس اس قسم کے راویوں کی روایت قبول نہیں ہوگی۔

متقدمین کے زمانہ اور ان کے عرف میں شیعی غالی وہ ہیں جو حضرت عثمان اور حضرت زبیر اور حضرت طلحہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے تھے، اور ہمارے زمانہ میں شیعی غالی وہ ہیں جو ان عظیم صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں، پس یہ لوگ گمراہ ہیں اور ابان بن تغلب حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بالکل تعرض نہیں کرتے تھے بلکہ کبھی یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۱۹۔۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اسماعیل بن ابان الورّاق کی تعدیل، ثقاہت اور اس کی روایت کے مقبول ہونے کے متعلق ائمہ رجال کی تصریحات

حافظ ابو الحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ اسماعیل بن ابان کے متعلق لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے کہا: یہ ثقہ ہے، امام بخاری نے کہا یہ بہت سچا ہے، امام نسائی نے کہا: اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔
(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۲ ص ۱۲۰۔۱۱۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اسماعیل بن ابان کے متعلق لکھتے ہیں:

اسماعیل بن ابان الازدی الکوفی الوراق امام بخاری کے شیخ ہیں اور ان سے یحییٰ اور احمد روایت کرتے ہیں، امام بخاری نے کہا کہ یہ بہت سچے ہیں اور دوسروں نے کہا: یہ تشیع کرتے تھے، اور دارقطنی نے کہا: میرے نزدیک یہ قوی نہیں ہے۔
(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اسماعیل بن ابان کے متعلق لکھتے ہیں:
امام احمد بن حنبل، امام احمد بن منصور الرمادی، امام ابوداؤد اور مطین نے کہا: یہ ثقہ ہے اور امام بخاری نے کہا: یہ بہت سچے ہیں اور امام نسائی نے کہا: ان کی روایت میں حرج نہیں اور ابن معین نے کہا: اسماعیل بن ابان الوراق ثقہ ہیں، الجوز جانی نے کہا: اسماعیل الوراق حق سے انحراف کرتے تھے اور حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے تھے، ابن عدی نے کہا: یہ کوفیوں کی طرح تشیع کرتے تھے اور روایت میں بہت صادق تھے۔ یہ دوسوسولہ (۲۱۶) ھ میں فوت ہو گئے تھے۔
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بزار نے کہا ہے: ان کا عیب تشیع میں شدت تھا، ان کے سماع میں عیب نہیں ہے، اور الدار قطنی نے کہا: یہ ثقہ مامون ہیں، امام احمد نے ان کی ثناء کی ہے اور ابن شاہین نے کہا: یہ ثقہ ہیں اور عثمان بن ابی شیبہ نے کہا: اسماعیل بن ابان الوراق ثقہ صحیح الحدیث ہیں، ان سے کہا گیا: اسماعیل بن ابان ہمارے نزدیک غیر محمود ہے، انہوں نے کہا کہ وہ دوسرا اسماعیل ہے جو الوراق نہیں الغنوی ہے اور وہ کذاب ہے اور امام حاکم نے کہا: الوراق ثقہ ہے اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن المدینی نے کہا: ان کی روایت میں حرج نہیں اور رہا غنوی تو میں نے اس کو ترک کر دیا، وہ بہت ضعیف ہے اور جعفر بن محمد نے کہا کہ اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۴۵۔ ۲۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)
نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: اسماعیل بن ابان الوراق الازدی ابو اسحاق کوفی ثقہ ہیں، ان میں تشیع کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے۔ ان سے امام بخاری نے اور امام ابوداؤد نے مراسیل میں اور امام ترمذی نے شمائل میں روایت کی ہے۔
(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۷۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

صحیح البخاری: ۴۷۱۸ کی امام احمد رضا سے تائید اور توثیق

ہم نے صحیح البخاری: ۴۷۱۸ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام لوگوں کی شفاعت کرنے سے گریز کریں گے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کی شفاعت فرمائیں گے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ بھی اسی طرح لکھتے ہیں:
اس دن آدم صفی اللہ سے عیسیٰ کلمۃ اللہ تک سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ''نفسی نفسی'' فرمائیں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ''انا لھا انا لھا'' میں ہوں شفاعت کے لیے، میں ہوں شفاعت کے لیے فرمائیں گے، انبیاء و مرسلین و ملائکۃ المقربین سب ساکت ہوں گے اور وہ متکلم، سب سر بہ گریباں وہ ساجد و قائم، سب محل خوف میں وہ امن و ناعم سب، اپنی فکر میں انہیں فکر عوالم، سب زیر حکومت وہ مالک و حاکم، بارگاہ الٰہی میں سجدہ کریں گے۔ ان کا رب انہیں فرمائے گا: یا محمد ارفع راسک وقل تسمع۔
(تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین ص ۳۵، فرید بک اسٹال، لاہور)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس افضلیت کو بیان کرنے کے بعد ہم پھر صحیح البخاری: ۵۰۶۳ کی شرح کی طرف رجوع کر رہے ہیں:
حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے: ان صحابہ میں سے ایک نے کہا: رہا میں تو میں ساری رات ہمیشہ نماز پڑھتا رہوں گا اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور تیسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور انہوں نے اس کو مؤکد نہیں کیا کیونکہ رمضان کی راتوں میں روزہ نہیں ہوتا اور ایام عید میں بھی روزہ نہیں ہوتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو یہ بتلایا کہ اعتدال سے عبادت کرنا عبادت میں شدت اور مبالغہ کرنے سے افضل ہے

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں۔

اس ارشاد میں ان صحابہ کے اس خیال کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ جس کی مغفرت کر دی گئی ہو اس کو زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کے برخلاف جس کی مغفرت کا حال معلوم نہ ہو اس کو زیادہ عبادت کرنی چاہیے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتایا کہ جو لوگ عبادت میں زیادہ شدت اور مبالغہ کرتے ہیں آپ ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ متقی ہیں کیونکہ شدت کے ساتھ عبادت کرنے کی وجہ سے کبھی انسان اکتا جاتا ہے اور تھک جاتا ہے اس کے برخلاف جو میانہ روی اور اعتدال سے عبادت کرتا ہے وہ اس طریقہ سے دائماً عبادت کر سکتا ہے اور بہترین عمل وہی ہے جس پر عمل کرنے والا دوام کرے۔

”جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ مجھ سے نہیں ہے“ اس حدیث کے دو محمل، اور آپ کی میانہ روی کی فضیلت

اس حدیث میں مذکور ہے: جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے: سنت سے مراد یہاں پر طریقہ ہے، سنت سے مراد وہ معنی نہیں ہے جو فرض کے بالمقابل ہو اور یہاں مراد یہ ہے کہ جس نے میرے طریقہ کو ترک کر دیا اور کسی اور کے طریقہ کو اختیار کیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے، اس ارشاد میں آپ نے رہبانیت کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ عیسائی راہبوں نے اپنی طرف سے دین میں شدت کی، پھر وہ دین پر قائم نہ رہ سکے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَ رَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ ۔ (الحدید: ۲۷)

اور رہبانیت کو انہوں از خود ایجاد کیا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا)، پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کا حق تھا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ الحنیفہ السمحہ ہے یعنی معتدل طریقہ ہے، آپ روزے چھوڑتے ہیں تا کہ روزے رکھنے پر طاقت حاصل ہو اور رات کو نیند کرتے ہیں تا کہ رات کے قیام پر قوت حاصل ہو، اور شہوت توڑنے کے لیے نکاح کرتے ہیں اور نفس کی پاکیزگی کے لیے اور نسل بڑھانے کے لیے۔

آپ نے فرمایا: وہ مجھ سے نہیں ہے یعنی اگر کسی نے کسی تاویل سے میرے طریقہ سے اعراض کیا تو وہ میرے طریقہ محمودہ پر نہیں ہے اور اگر اس نے میرے طریقہ کو غلط سمجھ کر اس سے اعراض کیا تو پھر وہ میری ملت پر نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد

حدیث مذکور کے درج ذیل فوائد اور مسائل ہیں:

(۱) اس حدیث میں نکاح کی فضیلت اور اس پر ترغیب ہے (۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اکابر کے احوال کی تفتیش کرنی چاہیے تا کہ ان کے افعال کی اتباع ہو سکے اور اگر مردوں سے ان کے احوال معلوم نہ ہو سکیں تو عورتوں سے معلوم کرنا چاہیے جیسے ان صحابہ نے ازواج مطہرات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی مقدار کو معلوم کیا (۳) جو شخص کسی نیک عمل کا عزم کرے اور اس کو ریا کاری کا خطرہ نہ ہو تو اسے اپنے عزم کا اظہار کرنا چاہیے جیسے ان صحابہ میں سے کسی نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کسی نے کہا: میں رات بھر نماز میں قیام کروں گا (۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو مسائل کی تعلیم دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنی چاہیے اور لوگوں کے شبہات کو زائل کرنا چاہیے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کے شبہ کو زائل فرمایا کہ میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور میں روزے رکھتا بھی ہوں اور روزے چھوڑتا بھی ہوں۔ الحدیث۔ (۵) کوئی مباح کام کبھی حسن نیت سے مستحب ہو جاتا ہے اور کبھی حسن نیت کے بغیر مکروہ ہو جاتا ہے جیسے زیادہ عبادت کرنا اگر میانہ روی سے ہو تو مستحب ہے اور اگر بہت شدت سے ہو اور تقشف کی طرف مفضی ہو تو مکروہ ہے (تقشف کا معنی ہے: اپنے نفس کو مشکل میں ڈال کر زیادہ عبادت کرنا) (۶)

امام طبری نے کہا: اس حدیث میں ان زاہدین کا رد ہے جو اچھے کھانوں اور اچھے کپڑوں سے منع کرتے ہیں اور موٹے کپڑے پہنتے ہیں اور سخت غذا کھاتے ہیں (ے) قاضی عیاض نے کہا: اس میں سلف صالحین کے احوال مختلف ہیں، بعض کا وہی نظریہ ہے جو امام طبری نے کہا ہے اور بعض نے کہا ہے: دنیا کی لذیذ چیزوں کو ترک کر دینا ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ۔ (الاحقاف: ۲۰)

اور جس دن کفار کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے دنیا کی لذیذ چیزوں کو نہیں چھوڑا ان کو آخرت میں عذاب ہوگا۔ قاضی عیاض نے کہا ہے: تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت کفار کے متعلق ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی اور سختی دونوں پر عمل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: حق یہ ہے کہ دنیاوی لذائذ پر دوام کرنا عیش و عشرت اور تکبر کی طرف لے جاتا ہے اور جو شخص ایسا ہو وہ شبہات میں واقع ہونے سے مامون نہیں ہے اور اس طرح جو شخص کبھی کبھار دنیاوی لذائذ کو استعمال کرنے سے منع کرے وہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ۔ (الاعراف: ۳۲)

(اے نبی!) آپ کہیے: اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور اس کی دی ہوئی پاک چیزوں کو۔

جیسا کہ عبادت میں شدت کو اختیار کرنا اس ملال اور اکتاہٹ کی طرف لے جاتا ہے جس سے اصل عبادت اور فرائض کے منقطع ہونے کا خطرہ ہے اور نفلی عبادات کو ترک کرنا عبادات میں تر و تازگی کے اندر سستی کو پیدا کرتا ہے اور بہترین امور وہ ہیں جو درمیانے ہوں اس لیے انسان نہ ترک لذائذ پر دوام کرے اور نہ ہمیشہ سختیاں برداشت کرے اور نہ ہمیشہ عیش و عشرت میں رہے، اس طرح نہ عبادت میں زیادہ شدت کو اختیار کر لے اور نہ صرف فرائض پر اکتفاء کرے اور نفلی عبادات کو ترک کر دے بلکہ ہر دو شعبوں میں میانہ روی اور اعتدال سے کام لے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(فتح الباری ج ٦ ص ۲۳۵۔ ۲۳۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

دیگر شراح بخاری کی شرح

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۳۔ ۹۲، تیسیر القاری ج ۵ ص ۲۵۔ ۲۴)

علامہ ابویحییٰ زکریا انصاری شافعی مصری متوفی ۹۲۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح کرنا شروط مخصوصہ کے ساتھ سنت ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ عبادات میں سے ہے یا مباحات میں سے ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ مباحات میں سے ہے، اسی لیے کافر کا نکاح صحیح ہے۔

(منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۲۶، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق سے زیادہ عبادت کرنے کی قوت عطا کی گئی تھی لیکن آپ کا مقصد شریعت سازی اور امت کی

تعلیم تھا اور عبادت کا ایسا طریقہ بتانا تھا جس سے عبادت کرنے والے کو ملال اور اکتاہٹ نہ ہو، ابن المنیر نے کہا کہ ان صحابہ نے عبادت کرنے کو عذاب کے خوف میں منحصر سمجھا اور جب ان کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغفور ہیں تو انہوں نے آپ کی عبادت کی کم مقدار کو اس پر محمول کیا کہ آپ کو زیادہ عبادت کی ضرورت نہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے جلال ذات کا خوف شدید عبادت کرنے سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ شدت عبادت پر دوام نہیں ہو سکتا اور جو عمل قلیل ہو اور دائمی ہو وہ اس کثیر عمل سے بہتر ہے جو اکتاہٹ کی وجہ سے منقطع ہو جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت بہ طور شکر کرتے ہیں اور بہ طور تعظیم کرتے ہیں، اور آپ عذاب کے خوف سے عبادت نہیں کرتے کیونکہ آپ معصوم ہیں اور عذاب سے مامون ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۸۵۔۳۸۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

نکاح کبھی واجب ہوتا ہے، کبھی مکروہ اور کبھی سنت، جو شخص نکاح کا خرچ اٹھا سکتا ہو اور اس کو زنا کا خطرہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ نکاح کرے اور جو شخص نکاح کا خرچ اٹھا سکتا ہو اور اس کو زنا کا خطرہ نہ ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا سنت ہے اور جس شخص کو زنا کا خطرہ نہ ہو لیکن وہ نکاح کا خرچ نہ اٹھا سکتا ہو یا نکاح کے حقوق ادا نہ کر سکتا ہو اس کے لیے نکاح کرنا مکروہ ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۲۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت بہ طور شکر کرتے ہیں اور اس کے جلال ذات کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں

علامہ القاضی بدر الدین الدمامینی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان صحابہ نے یہ سمجھا تھا کہ عبادت صرف عذاب کے خوف سے کی جاتی ہے اور جب کہ انہیں معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغفور ہیں اور آپ کو عذاب کا خوف نہیں ہے تو انہوں نے آپ کی عبادت کی کم مقدار کو اسی پر محمول کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف کی بہ نسبت اس کی جلال ذات کی وجہ سے عبادت کرنا زیادہ لائق ہے اور یہ بتایا کہ قلیل عبادت کو دائماً کرنا اس سے افضل ہے کہ کثیر عبادت کی جائے جو ملال کی وجہ سے منقطع ہو جائے، اور اس حدیث میں قاضی کے مذہب کی صحت پر دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کو واجب کر دے تو وہ واجب ہو جائے گا، خواہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ترک کرنے پر عذاب سے نہ ڈرایا ہو اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بہ طور شکر عبادت کرتے ہیں اور اس کے جلال ذات کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ عذاب کے خوف سے اس کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ آپ معصوم ہیں اور عذاب سے مامون ہیں۔ (مصابیح الجامع ج ۸ ص ۸۔۷، دار النوادر، دمشق، ۱۴۳۱ھ)

داؤد ظاہری کا نکاح کی فرضیت پر استدلال اور مصنف کا اس پر مواخذہ

غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی المتوفی ۱۳۰۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

داؤد ظاہری متوفی ۳۰۷ھ اور اس کے متبعین نے کہا ہے کہ نکاح کرنا اس پر فرض عین ہے جو وطی پر قادر ہو اور خرچ اٹھا سکتا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عکاف بن ہلالی سے پوچھا: کیا تمہاری بیوی ہے اے عکاف!؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تمہاری باندی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تم تندرست اور مال دار ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! والحمد للہ۔ آپ نے فرمایا: تب تم شیاطین کے بھائیوں میں سے ہو یا تم عیسائیوں کے راہبوں میں سے ہو، اور اگر تم ہم میں سے ہو تو تم اس طرح کرو جس طرح ہم کرتے ہیں کیونکہ نکاح کرنا ہماری سنتوں میں سے ہے اور تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو کنوارے ہوں اور تم میں

سے بدترین مردے وہ ہیں جو کنوارے ہوں، اے عکاف! تم پر افسوس ہے تم شادی کرو، تم نکاح کرو، پس حضرت عکاف رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! میں اس وقت تک نکاح نہیں کروں گا جب تک کہ آپ میرا نکاح کسی عورت سے نہ کر دیں جس سے آپ چاہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہارا نکاح اللہ کے نام اور اس کی برکت سے کریمہ کلثوم الحمیری سے کر دیا۔ اس حدیث کی امام ابویعلیٰ الموصلی نے اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ بقیہ سے روایت کی ہے۔

(مسند ابویعلیٰ ج ۱۲ ص ۲۶۱، الا حاد والمثانی ج ۳ ص ۹۲، سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۸۱، تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۱۶۸)

میں کہتا ہوں کہ: اس حدیث سے بالعموم نکاح کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی، یہ آپ کا صرف اس مخصوص صحابی کے لیے ارشاد ہے۔ ثانیا: یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ ثالثا: بہ کثرت احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نکاح کرنا سنت ہے، امام ترمذی کی روایت ہے کہ چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: الحیاء، التعطر، السواک اور النکاح۔

(سنن ترمذی: ۱۰۸۰، مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۱)

لہٰذا نواب صدیق حسن کا اس حدیث سے نکاح کو فرض قرار دینا ثابت نہ ہوا۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا اس حدیث کے ترجمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گناہ گار لکھنا اور مصنف کا اس پر مواخذہ

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

تین آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں کے پاس آپ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کی غرض سے آئے۔ جب گھر والوں نے انہیں صورت حال بتائی تو انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا لیکن پھر انہوں نے کہا: ہمارے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ الی آخرہ

(کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۱۳۲، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

میں کہتا ہوں کہ: شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف گناہ کی نسبت سے احتراز لازم تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں اور آپ سے کوئی گناہ نہیں ہوا نہ صغیرہ نہ کبیرہ نہ سہواً نہ عمداً نہ حقیقتاً نہ صورتاً، اور اس حدیث کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے جو سلیم اللہ خان دیوبندی نے کیا ہے بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کو معاف فرما دیا اور معاف کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے کوئی خطا ہوئی تھی جس کو معاف کر دیا کیونکہ خلاف اولیٰ کام خطا اور گناہ نہیں ہوتا اور معاف کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات کو بلند کر دیا اور دنیا میں آپ کی مغفرت کا اعلان اس لیے تھا کہ آپ قیامت کے دن تسلی اور اطمینان سے اپنی امت کی شفاعت کریں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح نفسی نفسی نہ کہیں بلکہ انا لہا انا لہا کہیں یعنی میں ہی اس شفاعت کے لیے مقرر کیا گیا ہوں۔ (سعیدی غفرلہ)

خلاف اولیٰ گناہ نہیں ہوتا، اس پر اعلیٰ حضرت کی تصریح

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ بھی ہمارے اختیار کردہ قول کراہت تحریمہ کی صراحت کرتا ہے، کیونکہ مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا، وہ صرف خلاف اولیٰ ہے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے اور گناہ میں مبتلاء کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیان جواز کا کیا معنی؟ پھر یہ اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے جیسا کہ اشربہ رد المحتار میں ابوالسعود سے منقول ہے اور گناہ اباحت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا، پھر علماء اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور گناہ

سے بڑھ کر کون سا عظیم حرج ہوگا اس لیے کہ جو کام گناہ ہو اس کا ترک کرنا واجب ہے اور جس کام کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوگا اور یہی کراہت تحریم کا معنی ہے اور اس لیے بھی کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فاعل پر بالکل گناہ نہ ہوگا جیسا کہ تلویح میں ہے، اس کے ساتھ ہی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چھوٹے سے چھوٹے جرم پر سزا دے سکتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ سات (۷) دلائل ہیں جن سے معلوم ہوا کہ بعض ابناء زمانہ نے رسالہ شرب الدخان (حقہ پینے کی حرمت پر رسالہ) میں مکروہ تنزیہی کو صغائر سے بنا کر فاحش غلطی اور عظیم خطا کی ہے، البتہ صاحب بحر نے اپنی البحر الرائق میں تصریح کر دی ہے کہ مکروہ تحریمی صغائر سے ہے، پس اس بحث کو سمجھ لو اور دیوانہ نہ بنو۔

(فتاویٰ رضویہ (جدید) ج۹ ص ۴۵۰۔۴۴۹، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، اپریل ۱۹۹۶ء)

الحمد للہ رب العالمین! کتاب النکاح کی پہلی حدیث کی شرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل ہو گئی اور اس شرح میں یہ عظیم مباحث آ گئے اور اب ہم کتاب النکاح کی دوسری حدیث کو شروع کر رہے ہیں۔ فنقول و باللہ التوفیق

۵۰۶۴۔ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝﴾ (النساء: ۳) قَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا يُرِيدُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِأَدْنَى مِنْ سُنَّةِ صَدَاقِهَا فَنُهُوا أَنْ يَنْكِحُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ فَيُكْمِلُوا الصَّدَاقَ وَأُمِرُوا بِنِكَاحِ مَنْ سِوَاهُنَّ مِنَ النِّسَاءِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے حسان بن ابراہیم سے سنا از یونس بن یزید از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ (النساء: ۳) اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو، دو دو سے تین تین سے اور چار چار سے، پھر اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کر سکو گے تو (صرف) ایک سے نکاح کرو یا اپنی مملوکہ باندیوں سے نفع اٹھاؤ، یہ اس سے زیادہ قریب (بہ صحت) ہے کہ تم کسی ایک کی طرف جھک جاؤ O حضرت عائشہ نے فرمایا: اے میرے بھانجے! یتیم لڑکی اپنے سرپرست کی گود میں ہوتی تھی، پس وہ اس کے مال و دولت میں اور اس کے حسن و جمال میں رغبت رکھتا اور یہ چاہتا کہ اس کا مہر رواج کے مطابق مہر سے کم رکھے تو ان کو اس سے منع کیا گیا کہ ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ بے انصافی نہ کریں، پس ان کو پورا پورا مہر دیں اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ ان یتیم لڑکیوں کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۹۴ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور کو بیان کیا جا رہا ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۴۹۴، ۲۷۶۳، ۲۷۶۳، ۴۵۷۴، ۴۶۰۰، ۵۰۶۴، ۵۰۹۲، ۵۰۹۸، ۵۱۲۸، ۵۱۳۱، ۶۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۸، الرقم المسلسل: ۷۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۸، سنن نسائی: ۳۳۴۳)

ضروری ہے کہ یتیم لڑکی کا مہر رواج کے مطابق مقرر کیا جائے اور امام مالک کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے النساء: ۳ کی جو تفسیر کی ہے اس سے امام مالک نے یہ فقہی مسائل مستنبط کیے ہیں کہ رواج کے مطابق مہر مقرر کرنا چاہیے اور اس میں جو کمی یا زیادتی ہو اس کو پورا کرنا چاہیے، پس واجب ہے کہ لوگوں کے عرف اور رواج میں ان کے احوال کے مطابق مہر کی مقدار مقرر کی جائے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ یتیم لڑکی کا مہر رواج کے مطابق مہر سے کم رکھا جائے اس لیے واجب ہے کہ تنکوں یا لکڑی کے گٹھر یا غیر قیمتی چیزوں کو مہر نہ بنایا جائے اور امام مالک کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار وہ ہے جس کے عوض کسی مسلمان عورت کے عضو کو مباح کیا جائے اور یہ اس سے کم نہ ہو جس کے عوض مسلمان چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور اس کی مقدار چوتھائی دینار ہے اور اس شرح کے بعد اس مسئلہ میں مذاہب علماء کو بیان کیا جائے گا (میں کہتا ہوں کہ: فقہاء احناف کے نزدیک مہر کی کم از کم رقم دس درہم ہے جو آج کی تاریخ ۵ نومبر ۲۰۱۱ء کے مطابق تین ہزار چھ سو (۳۶۰۰) پاکستانی روپے ہے۔ سعیدی غفرلہ)

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد

(۱) قرآن مجید کی تفسیر صرف اسی سے معلوم کی جائے جس کو اس آیت کا علم ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس آیت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علم تھا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں۔

(۲) جو عورت یتیم نہ ہو اس کا مہر رواج کے مہر سے کم رکھا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف یتیم لڑکی کے لیے رواج کے مطابق مہر کو لازم قرار دیا ہے اور یہ اس آیت کے مفہوم مخالف سے استدلال ہے۔

(۳) جب یتیم لڑکی کا سرپرست اس کا مہر رواج کے مطابق رکھے تو وہ خود بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

یتیم لڑکی کو ضرر پہنچانے کی ممانعت

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

النساء: ۳ اس مرد کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کے زیر پرورش یتیم لڑکی ہوتی تھی اور وہ لڑکی مال دار ہوتی تھی، پس وہ اس کے مال و دولت کی وجہ سے اس سے نکاح کر لیتا لیکن اس لڑکی کے مال کی وجہ سے اس کی اور کوئی چیز اس مرد کو پسند نہ ہوتی، پھر وہ اس کو ضرر پہنچاتا اور اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرتا۔

الواحدی نے سعید بن جبیر اور قتادہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ لوگ یتیموں کے مالوں میں حرج سمجھتے تھے، پس جب انہوں نے یتیموں کے مالوں کے متعلق سوال کیا تو (النساء: ۳) نازل ہوئی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۶ ص ۸۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

امام بخاری کے شیخ علی کا پورا نام

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس حدیث کی علی سے روایت کی اور میں نے کسی روایت میں نہیں دیکھا کہ یہ علی کس کی طرف منسوب ہے لیکن المزی نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ علی بن المدینی ہیں اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ علی بن المدینی امام بخاری کے مشائخ میں ہیں، پس جب امام بخاری نے مطلقاً علی کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کو علی بن المدینی پر محمول کر دیا لیکن حسان نے ذکر کیا ہے کہ یہ علی بن حجر ہیں اور وہ بھی امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں اور یہ حسان کرمان کے قاضی ہیں، ابن معین وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام بخاری نے ان سے صرف یہی روایت کی ہے، ابن عدی نے کہا: یہ صادق ہیں مگر بسا اوقات غلطی کرتے ہیں، امام بخاری کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی، یہ امام بخاری کی وفات سے پہلے دو سو چھ (۲۰۶) ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اس حدیث کی مفصل شرح سورۃ النساء کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

النساء: ۳ کا شان نزول

حافظ ابن حجر عسقلانی نے سورۃ النساء کی تفسیر میں اس حدیث کی حسب ذیل شرح لکھی ہے:
عروہ بیان کرتے ہیں کہ: کسی یتیم لڑکی کے کھجور کے درختوں میں کھجوروں کے خوشے ہوتے تھے تو اس کا سرپرست اس لڑکی کو اپنے پاس روکے رکھتا تھا، پس یہ آیت اس مرد کے متعلق نازل ہوئی جو یتیم لڑکی سے نکاح کرنے سے اعراض کرتا تھا اور جو یتیم لڑکی حسین و جمیل ہوتی اور مال دار ہوتی تو اس کا سرپرست اس سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اس لڑکی کو اس کے رواج کے مطابق مہر نہ دے اور اس سے نکاح کرے اور اس وجہ سے اس کو اپنے پاس روکے رکھتا تھا تو ایسے مردوں کو یہ حکم دیا گیا کہ جب تم ان یتیم لڑکیوں سے نکاح نہیں کر رہے تو تم کسی اور لڑکی کو پسند کر لو جو تم کو پسند ہو، پس ان مردوں کو حکم دیا گیا کہ جن یتیم لڑکیوں کے حسن و جمال اور مال و دولت میں تم رغبت رکھتے ہو اور ان کو رواج کے مطابق مہر نہ دینا چاہتے ہو یا جن لڑکیوں کے پاس مال کم اور حسن و جمال بھی کم ہو اور تم ان سے نکاح میں رغبت نہ رکھتے ہو تو پھر ان کا نکاح کسی اور سے کر دو۔

حدیث مذکور کے فوائد اور مسائل

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ عدل کرنا چاہیے اور ان کو رواج کے مطابق مہر دینا چاہیے اور ان کے سرپرست کے علاوہ بھی کوئی ان سے نکاح کر سکتا ہے، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکی کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ بالغہ لڑکی کو یتیمہ نہیں کہا جاتا الا یہ کہ اس پر مجازاً یتیمہ کا اطلاق کیا جائے اور اس حدیث کے بقیہ مباحث کتاب النکاح میں آئیں گے (مگر کتاب النکاح میں حافظ ابن حجر عسقلانی ان مباحث کا ذکر کرنا بھول گئے۔ سعیدی غفرلہ)
(فتح الباری ج ۵ ص ۵۳۹۔۵۳۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح بخاری کی شرح

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ زکریا انصاری شافعی متوفی ۹۲۶ھ، علامہ القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ سب نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں علی کا پورا نام نہیں ہے اور ان کا پورا نام علی بن عبداللہ المدینی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۴، منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۲۶، ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۸۵)

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ علم کی فضیلت ہے خواہ وہ مردوں میں ہو یا عورتوں میں ہو کیونکہ حضرت عروہ بن الزبیر اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قرآن مجید کی تفسیر پوچھتے تھے، اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ مرد عورت سے علم حاصل کر سکتا ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۴۱۸، مکتبۃ الطبری، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ لِأَنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَهَلْ يَتَزَوَّجُ مَنْ لَا أَرَبَ لَهُ فِي النِّكَاحِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو اسے نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح نظر نیچی رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت رکھتا ہے اور جس شخص کو نکاح کی حاجت نہ ہو آیا وہ نکاح کرے یا نہ کرے

جس شخص پر غلبہ شہوت نہ ہو اس کے نکاح کرنے متعلق علماء کا اختلاف

علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس شخص پر شہوت کا غلبہ نہ ہو اس کے نکاح کرنے کے متعلق علماء میں اختلاف ہے آیا اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے یا نہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۶، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۴)

۵۰۶۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ فَلَقِيَهُ عُثْمَانُ بِمِنًى فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً فَخَلَوَا فَقَالَ عُثْمَانُ هَلْ لَكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فِي أَنْ نُزَوِّجَكَ بِكْرًا تُذَكِّرُكَ مَا كُنْتَ تَعْهَدُ فَلَمَّا رَأَى عَبْدُ اللهِ أَنْ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى هٰذَا أَشَارَ إِلَيَّ فَقَالَ يَا عَلْقَمَةُ فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ أَمَا لَئِنْ قُلْتَ ذٰلِكَ لَقَدْ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی از علقمہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، پس ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں ملاقات کی تو کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! مجھے آپ سے کام ہے، پھر ان دونوں نے تنہائی میں باتیں کی، پس حضرت عثمان نے ان سے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! تمہاری کیا رائے ہے کہ ہم تمہارا ایک کنواری لڑکی سے نکاح کر دیں جو تمہیں گزشتہ ایام کی یاد دلائے، پس جب حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ سمجھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان سے صرف یہی کام تھا تو انہوں نے میری طرف اشارہ کیا، پس کہا: اے علقمہ! تو میں ان کی طرف پہنچا اور وہ اس وقت یہ بیان کر رہے تھے کہ اگر آپ یہ کہہ رہے ہیں (تو سنو!) ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: ''اے جوانو! کے گروہ تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے تو وہ نکاح کرے اور تم میں سے جو شخص نکاح

کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے
کیونکہ روزے رکھنا اس کے لیے خصی ہونے کے قائم مقام ہے"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۹۰۵ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جارہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۱۹۰۵، ۵۰۶۵، ۵۰۶۶، صحیح مسلم: ۱۴۰۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۴۶، سنن ترمذی: ۱۰۸۱، سنن نسائی ۳۲۰۶۔ ۳۲۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۵، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۸، مسند احمد: ۳۵۹۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۸۰، مسند الحمیدی: ۱۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۷۔ ۱۲۶، سنن کبریٰ: ۲۵۴۷، المعجم الکبیر: ۱۰۱۶۸، شرح السنہ: ۲۲۳۶، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۲، سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۹۶)

جمہور فقہاء کے نزدیک نکاح کرنا مستحب ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک نکاح کرنا فرض ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ نکاح کرنا مستحب اور مرغوب ہے اور اہل الظاہر (غیر مقلدین) کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کرنا مرد اور عورت پر فرض عین ہے بہ شرطیکہ مرد آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ باندی سے نکاح کرے اور انہوں نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اس کو وجوب پر محمول کیا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ حکم ان خاص مردوں کے متعلق ہے جن کو اپنے نفوس پر نکاح نہ کرنے کی وجہ سے زنا کا خطرہ ہو لیکن جن کو اپنے اوپر زنا کا خطرہ نہ ہو تو وہ اس حدیث کے حکم میں مراد نہیں ہیں۔

نکاح کے استحباب اور عدم فرضیت پر جمہور فقہاء کے دلائل

فقہاء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا یہ سبب بیان فرمایا ہے کہ وہ نظر نیچی رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے تو جو شخص محرمات سے اپنی نظر نیچی رکھنے پر قادر رہو اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنے پر قادر ہو تو اس پر نکاح کرنا فرض نہیں ہے اور جو شخص اس پر قادر نہ ہو اور اس کو زنا کرنے کا خطرہ ہو تو اس پر نکاح کرنا فرض ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم دیا۔ جن فقہاء نے کہا ہے: نکاح کرنا فرض نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے اور رمضان کے علاوہ روزے رکھنا واجب نہیں ہے تو اس کا بدل یعنی نکاح کرنا بھی واجب نہیں ہے، علاوہ ازیں صحابہ کی ایک جماعت نے نکاح کو ترک کر دیا حالانکہ وہ نکاح پر قادر تھے اور وہ دائماً عبادت کرتے رہے، پس اگر نکاح کرنا فرض ہوتا تو نکاح کو ترک کرنا گناہ ہوتا اور یہ جائز نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کوئی گناہ کا کام کریں خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان میں تشریف فرما تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر انکار نہیں فرمایا اور نہ بعد کے ائمہ سے اس پر انکار منقول ہوا تو معلوم ہوا کہ نکاح کرنا فرض نہیں ہے۔

نکاح کی فرضیت پر غیر مقلدین کے دلائل

اگر اہل الظاہر یہ کہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میرا نکاح کر دو تا کہ میں اللہ تعالیٰ سے بے نکاح ملاقات نہ کروں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالزوائد رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ کیوں نکاح نہیں کرتے اور آپ کو کس چیز نے نکاح سے منع کیا ہے حالانکہ آپ کو علم ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے سو اس شخص کے جو نکاح کرنے سے عاجز ہو یا فاسق ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کامل احوال میں ملاقات کریں کیونکہ نکاح کرنا بہر حال مستحب ہے اور حضرت عمر نے جو کہا

کہ نکاح واجب ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی انفرادی رائے ہو کیونکہ حضرت ابوالزوائد رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور انہوں نے نکاح نہیں کیا۔

غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات

اس پر دلیل کہ نکاح فرض نہیں ہے یہ ہے کہ نکاح سے قضاء شہوت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی مخلوق کے اوپر قضاء شہوت کو فرض نہیں کیا جس کو شہوت کے ترک سے ہلاکت کا خوف ہو، پس اگر کوئی کہے کہ غذا بھی شہوت ہے اور اللہ تعالیٰ نے غذا کے ساتھ نفوس کے زندہ رکھنے کو فرض کیا ہے تو کہا جائے گا کہ جماع کے ترک کرنے سے ہلاکت کا خوف نہیں ہے جس طرح غذا کے ترک کرنے سے ہلاکت کا خطرہ ہے، پس یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہیں۔

اور جب ترک جماع سے ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے تو جماع کو ترک کر کے صبر کرنے میں فضیلت ہے کیونکہ لذات کو ترک کرنے میں فضیلت ہے اور اس پر اجماع ہے کہ جس نے نکاح نہ کرنے پر صبر کیا اور کسی حرام کام میں نہیں پڑا تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا اور یہ ہمارے اس قول پر قوی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے کا حکم بہ طور استحباب دیا ہے بہ طور فرض نہیں دیا اور یہ امام طبری اور امام ابن القصار کا قول ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۲۹۔۱۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کے فوائد اور مسائل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے درج ذیل مسائل اور فوائد ہیں:

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان دواؤں کے ذریعے قوت مردمی کو کم یا ختم کر سکتا ہے جس طرح روزے رکھنے سے قوت مردانہ کم یا ختم ہوتی ہے۔

(۲) علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو نامرد ہونے کا اختیار ہے۔ (المفہم ج ۴ ص ۸۵)

(۳) جس شخص کو نکاح کا شوق ہو اور وہ اس کی طاقت رکھتا ہو اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے فرض نہیں ہے خواہ اس کو زنا کا خطرہ ہو۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے نکاح کو مستحب قرار دیا ہے تاکہ ان کا دین کامل ہو، ان کی نظر محرمات سے نیچی رہے اور ان کی شرم گاہوں کی حفاظت ہو اور چونکہ آپ کو یہ خطرہ تھا کہ وہ غلبہ شہوت سے زنا کا ارتکاب کریں گے تو آپ نے فرمایا کہ وہ روزے رکھیں کیونکہ روزے رکھنے سے خون کا جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور شہوت جماع کی حرکت منقطع ہو جاتی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۳ ص ۸۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۸ھ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جو کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا تھا اس کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے کہ ہم آپ کا نکاح کسی کنواری لڑکی سے کر دیں؟ تاکہ وہ آپ کو گزشتہ ایام کی یاد دلائے۔

غالباً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ اس لیے دیا تھا کہ ان کی بیوی فوت ہونے کے بعد ان کے بال پریشان تھے اور کپڑے صاف ستھرے نہیں تھے جب کہ پہلے ان کی بیوی ان کو سنوارتی تھی اور ان کا بناؤ سنگھار کرتی تھی تو انہوں

نے مشورہ دیا کہ نوجوان بیوی کی رفاقت سے آپ میں تر و تازگی اور فرحت پیدا ہوگی۔ اس کے جواب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ جو گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرے۔ الحدیث۔

نکاح کی فضیلت میں احادیث

امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ ھ لکھتے ہیں:

جس کو نکاح کے فوائد حاصل ہوں اور اس سے نکاح کی آفات منتفی ہوں تو اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے اور اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث ہیں۔

(۱) امام بیہقی نے ''المعرفۃ'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نکاح کرو اور کثیر تعداد حاصل کرو کیونکہ میں تمہاری وجہ سے قیامت کے دن دوسری امتوں کے سامنے فخر کروں گا حتیٰ کہ نا تمام بچوں کی وجہ سے بھی''۔

(۲) امام ابویعلیٰ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نکاح میری سنت ہے، پس جو میری سنت سے محبت کرتا ہے وہ میری سنت پر عمل کرے''۔

(۳) ابومنصور الدیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''جس نے تنگ دستی کے خوف سے نکاح کو ترک کر دیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے''۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور امام دارمی نے اپنی مسند میں اور امام بغوی نے اپنی معجم میں اور امام ابوداؤد نے المراسیل میں حضرت ابی نجیح رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ''جو شخص نکاح کرنے پر قادر ہو، پھر وہ نکاح نہ کرے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے'' اور حضرت ابونجیح کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

(۴) امام ابن ماجہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص مال دار ہو وہ نکاح کرے''۔

(۵) امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ''جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور امانت داری پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کر دو، اگر تم نے اس طرح نہیں کیا تو زمین میں فتنہ ہوگا اور بہت بڑا فساد ہوگا''۔ اس حدیث کو امام ابوحاتم المزنی نے بھی بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے اور امام ابوداؤد نے اس کی المراسیل میں روایت کی ہے۔

(۶) امام احمد نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اللہ کے لیے عطا کیا اور اللہ کے لیے محبت رکھی اور اللہ کے لیے بغض رکھا اور اللہ کے لیے نکاح کیا تو اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا''۔

(۷) امام ابن الجوزی نے ''العلل المتناہیہ'' میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا، پس اس کو چاہیے کہ وہ دوسرے نصف دین میں اللہ سے ڈرے''۔

(۸) امام حاکم نے ''المستدرک'' میں اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس مرد کو اللہ تعالیٰ نے نیک بیوی دی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نصف دین پر مدد فرمائی''۔ الحدیث

(۹) امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تین اعمال کے سوا ابن آدم کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے: جس علم سے نفع حاصل کیا گیا ہو، صدقہ جاریہ اور نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا ہے''۔

نکاح کی فضیلت میں آثار

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ اگر میری عمر میں صرف دس دن بھی باقی رہ جائیں تو میں نکاح کرنا پسند کروں گا تا کہ میں اللہ تعالیٰ سے بے نکاح ملاقات نہ کروں۔

(۲) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں طاعون میں فوت ہوگئیں اور وہ خود بھی طاعون میں مبتلاء تھے تو انہوں نے کہا: میرا نکاح کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے بے نکاح ملاقات کرنا، ناپسند کرتا ہوں۔

(۳) حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے تھے اور رات کو بھی آپ کی ضرورت کی وجہ سے آپ کے پاس رہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نکاح نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں فقیر ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے اور اگر میں نے نکاح کیا تو پھر میں آپ کی خدمت نہیں کر سکوں گا، پھر دوبارہ آپ نے سوال کیا تو دوبارہ انہوں نے یہی جواب دیا، پھر انہوں نے دل میں سوچا اور کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور علم ہے کہ میری دنیا اور آخرت میں کیا چیز میرے لیے مفید ہے اور اگر آپ نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو میں ضرور نکاح کرلوں گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تیسری بار فرمایا: تم نکاح کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میرا نکاح کر دیں، آپ نے فرمایا: تم بنوفلاں کی طرف جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی باندیوں کا مجھ سے نکاح کر دو، انہوں نے کہا: پھر میں نے بتایا: یا رسول اللہ! میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم اپنے بھائی کے لیے ایک گٹھلی کے برابر سونا جمع کرو، سو انہوں نے سونا جمع کیا اور وہ اس سونے کو ان لوگوں کے پاس لے گئے تو انہوں نے حضرت ربیعہ اسلمیہ کا نکاح کر دیا، پس آپ نے ان نے فرمایا: تم ولیمہ (دعوت) کرو اور اصحاب نے ان کو ولیمہ کے لیے ایک بکری لا کر دی۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(۴) گزشتہ امتوں سے حکایت ہے کہ ایک شخص اپنے زمانہ کی عبادت میں سب پر فائق تھا تو اس زمانہ کے نبی سے اس کی حسن عبادت کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اچھا مرد ہے مگر یہ سنت کا تارک ہے۔ عابد یہ سن کر مغموم ہوا تو اس نے نبی سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: تم نے نکاح کو ترک کیا ہے، اس نے کہا: میں نکاح کو حرام نہیں سمجھتا مگر میں تنگ دست ہوں تو حضرت نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنی بیٹی کا تم سے نکاح کرتا ہوں تو انہوں نے اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔

(۵) سفیان بن عیینہ نے کہا: کثیر بیویوں کا ہونا دنیا سے نہیں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سب سے زیادہ زاہد تھے اور ان کی چار بیویاں تھیں اور سترہ (۱۷) باندیاں تھیں، پس نکاح سنت ہے اور انبیاء علیہم السلام کی سیرت ہے۔

نکاح کے فوائد، محاسن اور ثمرات

نکاح کے حسب ذیل محاسن اور ثمرات ہیں:

(۱) نکاح کے ذریعے اولاد کا حصول ہوتا ہے اور اسی وجہ سے نکاح کو مشروع کیا گیا ہے اور اس سے مقصود نسل انسانی کو باقی رکھنا ہے اور تا کہ یہ جہان انسان کی جنس سے خالی نہ ہو اور جماع کے ذریعہ اولاد کے حصول سے پانچ وجوہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے: (الف) نکاح کی وجہ سے انسان فسق و فجور اور گناہوں سے بچا رہتا ہے (ب) بچوں کی پرورش کے لیے جو وہ مال کا کسب کرتا ہے اور تجارت یا ملازمت کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے (ج) کیونکہ وہ اولاد کی کثرت کو حاصل کرتا ہے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل ہوتی ہے کیونکہ آپ امت کی کثرت کی وجہ سے فخر فرماتے ہیں (د) اولاد کی وجہ سے اس کو

نیک بیٹے کی دعا حاصل ہوتی ہے (ہ) جب اس کے کم سن نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو وہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کریں گے۔

(۲) نکاح کی وجہ سے وہ شخص شہوت کے فساد سے بچا رہتا ہے، محرمات سے اس کی نظر نیچی رہتی ہے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت رہتی ہے۔

(۳) نکاح کی وجہ سے وہ اپنی بیوی سے مانوس ہوتا ہے اور اس کو دیکھنے سے اور اس کے ساتھ دل لگی کرنے سے اس کے دل کو راحت ہوتی ہے اور اس سے اس کو عبادت پر طاقت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ امام نسائی اور امام حاکم نے سند جید کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری دنیا میں سے تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے: (۱) خوشبو (۲) عورتیں (۳) اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(۴) نکاح کرنے سے دل گھر کی مصلحتوں کی تدبیر کرنے کے لیے، کھانے پکانے میں کفالت کی مشغولیت کے لیے، بستروں اور برتنوں کو صاف کرنے کے لیے اور اسباب معیشت کو حاصل کرنے کے لیے فارغ نہیں ہو سکے گا، پس نیک بیوی اس کے گھر کی مصلحتوں کو مہیا کرنے کے لیے اور اس کی عبادات میں مددگار ہے۔

امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص شکر کرنے والا دل اور ذکر کرنے والی زبان بنائے اور ایسی بیوی حاصل کرے جو آخرت میں اس کی مددگار ہو''۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ایمان باللہ کے بعد بندے کو نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں دی گئی۔

(۵) نکاح کے وجہ سے انسان خود بھی رزق حلال حاصل کرتا ہے اور اپنی بیوی بچوں کے لیے رزق حلال حاصل کرتا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی شخص کا اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا صدقہ ہے اور مرد جو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھتا ہے اس پر بھی اس کو اجر دیا جائے گا''۔

امام ابو یعلیٰ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص عمدہ طریقہ سے نماز پڑھتا ہو اور اس کے اہل و عیال زیادہ ہوں اور مال کم ہو اور وہ مسلمانوں کی غیبت نہ کرے تو وہ جنت میں میرے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح ہوگا''۔

امام ابن ماجہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس تنگ دست سے محبت کرتا ہے جو بال بچوں والا ہو اور سوال کرنے سے احتراز کرتا ہو''۔

امام ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے تین بیٹیوں کی پرورش کی اور ان کو ادب سکھایا اور ان کا نکاح کیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا، سو اس شخص کے لیے جنت ہے''۔

اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

نکاح کی آفات اور اس کے مضر اثرات

نکاح کی آفات اور اس کے مضر اثرات حسب ذیل ہیں:

(۱) نکاح کی وجہ سے انسان کو اپنے بال بچوں کو پالنے کی فکر ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝ (المنافقون:۹)

اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جس نے ایسا کیا تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O

(۲) بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے علاج معالجہ کے لیے اور ان کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے بعض اوقات انسان کی جائز آمدنی کافی نہیں ہوتی تو پھر وہ آمدنی کے ناجائز ذرائع حاصل کرتا ہے، رشوتیں لیتا ہے، امانتوں میں خیانتیں کرتا ہے، سودی لین دین کرتا ہے، قرض لیتا ہے اور پھر ادا نہیں کرتا، چوری کرتا ہے، ڈاکہ ڈالتا ہے اور لوٹ مار کرتا ہے اور جیب کاٹتا ہے، اشیاء خوردنی میں ملاوٹ کرتا ہے اور دیگر حرام کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِیْنَ وَ الْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۝ (آل عمران:۱۴)

لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کی محبت خوش نما بنا دی گئی ہے، یہ (سب) دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے O

حدیث میں ہے کہ: بندہ میزان کے پاس کھڑا کر دیا جائے گا اور اس کی نیکیاں پہاڑوں کی طرح ہوں گی، پھر اس سے سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنے زیر کفالت لوگوں کے حقوق ادا کیے اور اس نے اپنا مال کہاں سے کمایا اور کن لوگوں پر اپنے مال کو خرچ کیا حتیٰ کہ ان مطالبات کے بدلہ میں اس کے تمام نیک اعمال خرچ ہو جائیں گے اور اس کی کوئی نیکی باقی نہیں بچے گی، پھر فرشتے ندا کریں گے کہ یہ وہ شخص ہے کہ اس کے اہل وعیال اس کی نیکیوں کو دنیا میں کھا گئے اور آج اس کے نیک اعمال گروی رکھے ہوئے ہیں۔

علامہ عراقی نے کہا ہے کہ میں اس حدیث کی اصل پر مطلع نہیں ہو سکا۔

(۳) بعض اوقات انسان اپنے اہل وعیال کا خرچ نہیں اٹھا سکتا اور اس کے اہل وعیال ضائع ہو جاتے ہیں:

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مرد کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کے اہل وعیال ضائع ہو جائیں''۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے کہا: میں عورتوں سے اس لیے نکاح نہیں کرتا کہ میں ان کے حقوق ادا نہیں کر سکتا اور میں ان کا خرچ اٹھانے سے عاجز ہوں، اسی طرح بشر رحمہ اللہ نے کہا: مجھے نکاح کرنے سے قرآن کی یہ آیت منع کرتی ہے:

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (البقرہ:۲۲۸)

اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں۔

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِؕ۔ (البقرہ:۲۳۳)

اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے۔

(۴) جو شخص شادی شدہ ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نیکی پر قائم رہے اور خود بھی گناہوں سے بچے اور اپنے اہل و عیال کو بھی گناہوں سے روکے اور منع کرے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا۔ (التحریم:۶)

اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اور حدیث میں ہے:

امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق پرسش ہوگی، پس سربراہ ملک محافظ ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق پرسش ہوگی اور مرد اپنی بیوی اور بچوں کا محافظ ہے اور اس سے اس کے متعلق پرسش ہوگی۔ الحدیث

انسان کے لیے اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا مشکل ہوتا ہے اور جب اس کے اوپر اپنی بیوی اور بچوں کو بھی گناہوں سے بچانے کی ذمہ داری ہو اور بیوی اور بچوں کے گناہوں کی وجہ سے اس سے بھی مواخذہ ہو تو یہ اس کے لیے اور مشکل ہے اور یہ نکاح کی بہت بڑی آفت ہے۔

(۵) جس کی بیوی اور بچے ہوں تو وہ ان کے خرچ اٹھانے میں اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں مشغول رہے گا اور اس کے لیے تدبیر معیشت کو بہ روئے کار لائے گا اور دن رات محنت کر کے مال جمع کرے گا اور اس وجہ سے وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں بسا اوقات کوتاہی کرے گا اور نفلی عبادات کرنے سے قاصر رہے گا اور یہ مذموم طریقہ ہے اور یہ بھی نکاح کی بڑی آفت اور مصیبت ہے۔ (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۳۳-۲۲ ملخصا وموضحا ومخرجا ومزیداً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

تنبیہ: ہم نے امام غزالی کی ذکر کردہ احادیث اور آثار کی جو تخریج کی ہے وہ علامہ زین الدین ابو الفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی المتوفی ۸۰۶ھ کی کتاب المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار سے ماخوذ ہے۔

۳- بَابٌ: مَنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْبَاءَةَ فَلْيَصُمْ — جو شخص گھر بسانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو روزے رکھنے چاہئیں

۵۰۶۶- حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَارَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم شَبَابًا لَا نَجِدُ شَيْئًا فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمارۃ نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن یزید، انہوں نے کہا: میں علقمہ اور الاسود کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں نوجوان تھے اور ہمارے پاس کوئی چیز نہیں تھی تو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جوانو کے گروہ! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے اس کو نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح (محرمات سے) نظر نیچی رکھتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جو شخص گھر بسانے کی طاقت نہیں رکھتا اس کو روزے رکھنے چاہئیں کیونکہ روزہ اس کے لیے خصی کرنے کے قائم مقام ہے۔

اس حدیث کی شرح ابھی صحیح البخاری ۵۰۶۵ میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

۴۔ بَابُ: كَثْرَةِ النِّسَاءِ — بیویوں کی کثرت

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: جو شخص زیادہ بیویوں کے درمیان عدل کرسکتا ہو اس کے لیے ایک سے زائد نکاح کرنا جائز ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۰، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۷)

۵۰۶۷۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ قَالَ حَضَرْنَا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ جَنَازَةَ مَيْمُونَةَ بِسَرِفَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَذِهِ زَوْجَةُ النَّبِيِّ ﷺ فَإِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَهَا فَلَا تُزَعْزِعُوهَا وَلَا تُزَلْزِلُوهَا وَارْفُقُوا فَإِنَّهُ كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ تِسْعٌ كَانَ يَقْسِمُ لِثَمَانٍ وَلَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے عطا نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں مقام سرف میں تھے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں، جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو جنازہ کو جھٹکا نہ دینا اور نہ زور زور سے حرکت کرنا اور نرمی کے ساتھ ان کے جنازہ کو لے کر چلنا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات کے وقت) آپ کے عقد میں نو ازواج مطہرات تھیں۔ آٹھ کے لیے تو آپ نے باریاں مقرر کی ہوئی تھیں اور ایک کی باری مقرر نہیں کی تھی (اور وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں)۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۶۷، صحیح مسلم: ۱۴۶۵، سنن نسائی: ۳۱۹۶، مسند احمد: ج ۱ ص ۲۳۱، ۳۴۸، ۳۴۹، مسند الحمیدی: ۵۲۴، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۴۰، مصنف عبدالرزاق: ۱۲۴۵۲)

اس حدیث کے متن میں حضرت ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے اور اس حدیث کے متن میں حضرت ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، اس لیے ہم دونوں امہات المومنین کا تذکرہ لکھ رہے ہیں:

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن قرطبی بن مالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، ان کی والدہ کا نام ہند بنت عوف بن زہیر بن الحارث ہے، ان کی سگی بہن حضرت ام الفضل لبابہ الکبریٰ بنت الحارث ہیں جو حضرت العباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں اور ان کی دوسری بہن لبابہ صغریٰ بنت الحارث ہیں جن کا نکاح الولید بن المغیرہ المخزومی سے ہوا تھا اور یہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہنوں میں حضرت اسماء بنت عمیس ہیں جو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان سے عبداللہ، عون اور محمد پیدا ہوئے، پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کرلیا تو پھر ان سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نکاح کرلیا تو ان سے یحییٰ پیدا ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلے نام برہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل میمونہ رکھ دیا۔

امام ابوعبیدہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے فارغ ہوئے تو سات ہجری میں آپ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی سرزمین حبشہ سے مکہ مکرمہ آ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ کے ساتھ اپنا نکاح کرنے کا پیغام دیا اوران کی ماں شریک بہن حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں تھیں اور حضرت سلمہ بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں اور حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں، پس حضرت جعفر بن ابی طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول کر لیا اور انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نکاح پڑھانے کے لیے کہا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام سرف میں واپس آئے تو آپ احرام کھول چکے تھے، پھر آپ نے وہیں ان سے شب باشی کی اور حضرت میمونہ اس سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں اور حضرت میمونہ کی مقام سرف میں ہی وفات ہوئی۔ یہ پوری عبارت امام ابوعبیدہ کی ہے۔

اور موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال سات ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینہ میں عمرہ کرنے کے لیے نکلے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مشرکین نے آپ کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا، پھر جب آپ مقام سرف پر پہنچے تو آپ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو حضرت میمونہ کے ساتھ اپنے نکاح کا پیغام دیا، پھر حضرت جعفر کے کہنے سے حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت میمونہ سے کیا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مقام سرف میں اسی جگہ فوت ہوگئی تھیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ شب زفاف گزاری تھی اور یہ اکاون ہجری کا واقعہ ہے اور دوسرا قول چھیاسٹھ (۶۶) ہجری کا ہے اور تیسرا قول تریسٹھ ہجری کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے بھانجوں یزید بن الاصم اور عبداللہ بن شداد الہادی نے انہیں قبر میں اتارا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۴۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ عزالدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری الشافعی المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا اس وقت آپ محرم تھے۔

(صحیح مسلم: ۱۴۱۰)

اس وجہ سے فقہاء میں اختلاف ہوا ہے کہ محرم نکاح کر سکتا ہے یا نہیں، بعض فقہاء نے کہا: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ سے نکاح کیا اس وقت آپ احرام کھول چکے تھے اور جب آپ کے نکاح کا معاملہ ظاہر ہوا اس وقت آپ محرم تھے، پھر جب آپ نے ان کے ساتھ مقام سرف میں شب زفاف گزاری اس وقت آپ احرام کھول چکے تھے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۵)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پنیر کھانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کو چھری سے کاٹو اور بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۴)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے متعلق علامہ ابن الاثیر نے وہی اقوال لکھے ہیں جو علامہ ابن عبدالبر نے لکھے ہیں۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۷ ص ۲۶۴۔ ۲۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے چھیالیس (۴۶) احادیث مروی ہیں، جن میں سے سات احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور پانچ احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور یزید بن الاصم اور ایک جماعت نے روایت کی ہے، الزہری نے کہا: یہ وہی ہیں جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا، المزی نے کہا: یہ مقام سرف میں اکاون (۵۱) ہجری میں فوت ہوئیں۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۵۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حافظ یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت سودہ بنت زمعہ بن قیس، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عقد سے پہلے مکہ مکرمہ میں نکاح کیا، عبداللہ بن محمد بن عقیل کی روایت ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ سے عقد کے بعد ان سے نکاح کیا اور ابن شہاب سے روایت ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان سے نکاح کیا، اور آپ کے ساتھ نکاح سے پہلے یہ اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو کے عقد نکاح میں تھیں۔ یہ بہت بھاری بدن کی فربہ خاتون تھیں اور ان کا دراز قد تھا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بوڑھی ہوگئیں، آپ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو حضرت سودہ نے کہا: آپ مجھے طلاق نہ دیں اور میرے معاملہ میں آپ مختار ہیں، میں یہ چاہتی ہوں کہ میرا حشر آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ ہو اور بے شک میں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی ہے اور میں آپ سے وہ ارادہ نہیں کرتی جس کا عورتیں اپنے شوہروں سے کرتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے نکاح میں برقرار رکھا حتیٰ کہ آپ کے نکاح میں ہی فوت ہوئیں۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ (النساء: ۱۲۷)

اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خطرہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح کرنا بہتر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: مجھے سب سے زیادہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا محبوب تھیں مگر یہ کہ ان کی زبان تیز تھی، احمد بن زہیر نے کہا کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فوت ہوئیں۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۴۲۲۔۴۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ عزالدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری الشافعی المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد نے آ کر کہا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے جو حج نہیں کر سکتا؟ آپ نے فرمایا: ''یہ بتاؤ اگر تمہارے باپ پر قرض ہوتا اور تم اس کی طرف سے اس قرض کو ادا کر دیتے تو کیا وہ تمہاری طرف سے قبول ہوتا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رحیم ہے تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو''۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۹) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہوئیں۔

اس کے علاوہ علامہ ابن الاثیر نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں وہی لکھا ہے جس کو ہم حافظ ابن عبدالبر سے نقل کر چکے

ہیں۔(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۷ ص ۱۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، ان سے متعدد احادیث مروی ہیں، امام بخاری ایک حدیث کے ساتھ منفرد ہیں، ابن خیثمہ نے کہا: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئیں۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۴۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

چار تک عورتوں سے نکاح کرنا مستحب اور مطلوب ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، صحیح البخاری: ۵۰۶۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ مسلمانوں میں سے جن کی ازواج زیادہ ہوں وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں بلکہ انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ لوگوں کو نکاح کرنے پر برانگیختہ کریں اور بتائیں کہ نکاح کرنا مستحب ہے اور اسلام میں رہبانیت متروک ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرنا اور آپ کی سنت کی اتباع کرنا ہم پر واجب ہے اور آپ کی امت کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان میں سے نو عورتوں کے ساتھ نکاح کو مباح قرار دیا اور آپ کی امت کے لیے چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے فقہی مسائل

(۱) مرنے کے بعد بھی مسلمان کا اسی طرح احترام ہے جس طرح زندگی میں اس کا احترام ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی ان کی اسی طرح تعظیم اور توقیر کی جس طرح ان کی حیات میں تعظیم اور توقیر تھی اور یہ کہا کہ ان کے جنازے کو جھٹکے نہ دینا، زور زور سے نہ چلنا اور ان کا جنازہ لے کر آہستگی سے چلنا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے جن کی باری مقرر نہیں فرمائی تھی وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی، انہیں معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت فرماتے ہیں اور ان کا یہ ارادہ تھا کہ ان کا حشر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں ہو، پس وہ آپ کی ازواج میں باقی رہیں اور رات گزارنے میں ان کا حصہ نہیں تھا۔(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۱۔۱۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد اور ان کے اسماء

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، صحیح البخاری: ۵۰۶۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے اسماء یہ ہیں: (۱) حضرت خدیجہ بنت خویلد (۲) حضرت سودۃ بنت زمعۃ (۳) حضرت عائشہ بنت ابی بکر (۴) حضرت حفصہ بنت عمر (۵) حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ (۶) حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان، یہ تمام ازواج مطہرات قرشیات ہیں (۷) حضرت میمونہ الہلالیہ بنت الحارث (۸) حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ (۹) حضرت جویریہ بنت الحارث الخزاعیہ (۱۰) حضرت صفیہ بنت حیی الاسرائیلیہ (۱۱) حضرت زینب بنت خزیمہ۔

اور حضرت ریحانہ میں اختلاف ہے کہ وہ آپ کی زوجہ تھیں یا آپ کی باندی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی نو ازواج تھیں۔ یہ وہ نو ازواج ہیں جو حضرت عائشہ سے لے کر حضرت صفیہ تک ترتیب سے مذکور ہیں اور حضرت زینب بنت خزیمہ کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں ہی ہو گئی تھی۔ یہ آپ سے نکاح کے تین ماہ بعد تین ہجری میں فوت ہو گئی تھیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

عطاء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی باری کو ساقط کیا تھا اور یہ اس کا وہم ہے، دراصل آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی باری کو ساقط کیا تھا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، صحیح البخاری: ۵۰۶۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ ازواج مطہرات کے لیے باریاں مقرر فرماتے تھے اور ایک زوجہ کے لیے باری مقرر نہیں فرماتے تھے۔ مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ عطاء نے کہا: جس زوجہ کے لیے آپ باری مقرر نہیں فرماتے تھے وہ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب تھیں۔ قاضی عیاض نے کہا کہ امام طحاوی نے یہ کہا ہے کہ یہ عطاء کا وہم ہے اور درست یہ ہے کہ وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی، اور ابن جریج کو اس روایت میں عطاء سے مغالطہ ہوا ہے، اسی طرح قاضی عیاض نے کہا ہے۔

اور مفسرین نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ۔ ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں۔ (الاحزاب: ۵۱)

آپ نے حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت زینب اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن کو اپنے پاس جگہ دی اور آپ ان کے لیے باریوں کو تقسیم کرتے تھے اور حضرت سودہ، حضرت جویریہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت میمونہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن کو مؤخر کر دیا، پس آپ ان کے لیے جس طرح چاہتے باریوں کو تقسیم کرتے تھے۔

قاضی عیاض نے کہا: ہو سکتا ہے کہ ابن جریج کی روایت صحیح ہو اور یہ آپ کی آخری عمر کا واقعہ ہو جب آپ نے تمام ازواج مطہرات کو اپنے پاس جگہ دی اور حضرت صفیہ کے سوا آپ سب کے لیے باریاں تقسیم فرماتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام محمد بن سعد نے تین سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ کے لیے بھی اسی طرح باریاں تقسیم کرتے تھے جس طرح باقی ازواج کے لیے باریاں تقسیم کرتے تھے لیکن ان تین سندوں میں واقدی کی سند حجت نہیں ہے، پس راجح یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ جس زوجہ کے لیے آپ باری مقرر نہیں فرماتے تھے وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن حضرت عائشہ کے لیے مقرر کرتے تھے جو ان کی باری کا تھا اور ایک دن حضرت سودہ کا ان کی باری کے لیے مقرر فرماتے تھے جیسا کہ اس کی تصریح کتاب الطلاق سے چوبیس (۲۴) باب پہلے آئے گی، لیکن ہو سکتا ہے کہ آپ حضرت سودہ کے لیے باری مقرر کرتے ہوں لیکن رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے ہوں اور میرے نزدیک راجح وہ ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے اور شاید امام بخاری نے اس اضافہ کو عمداً ساقط کر دیا (یعنی عطاء کے قول کو)۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے سال کے متعلق متعدد اقوال اور صحیح قول کی تعیین

عطاء نے کہا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سب سے آخر میں مدینہ میں فوت ہوئی تھیں، اور امام محمد بن سعد نے بھی اس کی موافقت کی ہے اور کہا کہ ان کی وفات اکسٹھ (٦١) ہجری میں ہوئی تھی اور دوسروں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ ان کی وفات چھپن (٥٦) ہجری میں ہوئی تھی اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد زندہ تھیں اور ان کی شہادت دس محرم اکسٹھ ہجری میں ہوئی تھی، دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات انسٹھ (٥٩) ہجری میں ہوئی تھی اور یہ پہلا قول راجح ہے یعنی اکسٹھ ہجری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا قول اور یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ دونوں ایک سال میں فوت ہوئی ہوں لیکن حضرت میمونہ کی وفات مؤخر ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت میمونہ تریسٹھ (٦٣) ہجری میں فوت ہوئیں اور ایک قول ہے کہ وہ چھیاسٹھ (٦٦) ہجری میں فوت ہوئیں، اور ان اقوال کی تقدیر پر حضرت میمونہ کے سب سے آخر میں فوت ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہے اور اس میں مذکور ہے کہ وہ مدینہ میں فوت ہوئیں، اس پر قاضی عیاض نے بحث کی ہے اور کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں اور یہ کیسے درست ہوگا جب کہ حدیث کے اول میں ہے کہ حضرت میمونہ مقام سرف میں فوت ہوئیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سرف مکہ میں ہے، پس راوی کا یہ قول کہ وہ مدینہ میں فوت ہوئیں وہم ہے۔

حضرت میمونہ کی وفات مکہ میں ہوئی تھی اور جس روایت میں ہے کہ ان کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی اس روایت میں مدینہ سے مراد شہر ہے خاص مدینہ نہیں

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ مدینہ سے مراد شہر ہو اور وہ شہر مکہ ہے اور اس حدیث کے شروع میں ہے کہ صحابہ مقام سرف میں ان کے جنازے پر حاضر ہوئے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی وفات بھی سرف میں ہوئی ہو۔ ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ ان کی وفات مکہ کے اندر ہوئی ہو اور انہوں نے یہ وصیت کی ہو کہ ان کی تدفین اس جگہ کی جائے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ شب زفاف بسر کی تھی، سو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی وصیت کو نافذ کر دیا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام محمد بن سعد نے ابن جریج کی حدیث کو اس کے بعد ذکر کیا اور ابن جریج کے علاوہ دوسروں نے اس حدیث میں کہا کہ حضرت میمونہ مکہ میں فوت ہوئیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے جنازے کو اٹھا کر مقام سرف میں لے گئے اور وہاں ان کی تدفین کی۔ (فتح الباری ج ٦ ص ١٤١ ٢٢١، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ بدر الدین عینی، علامہ قسطلانی، علامہ الکورانی، علامہ زرہونی وغیرہم شارحین بخاری نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں کیا۔

٥٠٦٨۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ وَلَهُ تِسْعُ نِسْوَةٍ و قَالَ لِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس طواف کرتے تھے اور اس وقت آپ کی نو ازواج تھیں اور مجھ

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

سے خلیفہ نے کہا کہ ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہم کو نبی ﷺ سے حدیث بیان کی۔

اس حدیث کی شرح بسط وکمال کے ساتھ صحیح البخاری: ۲۶۸ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے صحیح البخاری ۲۶۷ اور ۲۶۸ کی شرح بہت تفصیل سے کی ہے اور اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) نبی ﷺ جو ایک شب میں تمام ازواج کے پاس گئے اس کی وجوہ (۲) آیا آپ کی ازواج گیارہ تھیں یا نو، اس کی تحقیق (۳) ہمارے نبی ﷺ کی قوت چار ہزار مردوں کے برابر تھی۔ (دیکھیے: نعمۃ الباری ج ۱ ص ۷۴۷۔ ۷۴۵)

نیز ہم نے صحیح البخاری: ۲۸۷ کی جو شرح کی ہے اس کے حسب ذیل عنوانات ہیں:

(۱) نبی ﷺ کی کل ازواج کی تعداد اور ان کی ترتیب اور ان کی تعداد جو آپ سے پہلے فوت ہو گئیں، اور جن کے ساتھ آپ نے دخول کیا اور جن کے ساتھ دخول نہیں کیا اور جن کو صرف نکاح کا پیغام دیا اور ان کے ساتھ نکاح نہیں کیا، اور جن خواتین نے خود کو آپ پر پیش کیا ان کے اسماء۔ (۲) ازواج مطہرات کے سنین وفات اور مقام تدفین۔ (۳) نبی ﷺ کا متعدد نکاح کرنا تبلیغ اسلام، احکام شرعیہ کی ترویج اور ان کے لیے نمونہ فراہم کرنے، دوست نوازی اور تشریعی مقاصد کے لیے تھا نہ کہ شہوت کا تقاضا پورے کرنے کے لیے۔ (دیکھیے: نعمۃ الباری ج ۱ ص ۷۷۴۔ ۷۷۱)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کا نسیان یا مغالطہ

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ کتاب الغسل میں گزر چکی ہے۔ (کشف الباری کتاب فضائل القرآن ص ۱۴۱)

میں کہتا ہوں کہ: شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے کتاب الغسل کی احادیث کی شرح نہیں کی۔ کشف الباری کی پہلی جلد ''بدء الوحی وکتاب الایمان'' میں ہے۔ دوسری جلد ''کتاب الایمان'' میں ہے اور تیسری جلد اور چوتھی جلد ''کتاب العلم'' میں ہے اور پانچویں جلد ''الجہاد والسیر'' میں ہے۔

۵۰۶۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَكَمِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ رَقَبَةَ عَنْ طَلْحَةَ الْيَامِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ هَلْ تَزَوَّجْتَ قُلْتُ لَا قَالَ فَتَزَوَّجْ فَإِنَّ خَيْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَكْثَرُهَا نِسَاءً۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الحکم انصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از رقبہ از طلحہ الیامی از سعید بن جبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں تو آپ نے فرمایا: تم نکاح کرو کیونکہ اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کی زیادہ بیویاں ہوں۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۶۹، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲۳۱۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۲، مسند احمد: ۲۱۷۹، مسند احمد: ۲۰۴۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۷، سنن سعید بن منصور: ۴۹۴)

امت کے لیے بہ یک وقت چار عورتوں سے زیادہ کی نکاح کی اجازت کا نہ ہونا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نکاح کرنے پر برانگیختہ کیا اور ان کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ جس کی زیادہ بیویاں ہوں وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہے بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ اسلام میں نکاح کی ترغیب ہے اور رہبانیت کو ترک کرنا ہے اور ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کریں اور آپ کی سنت کی پیروی کریں اور آپ کی امت کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہے اس لیے آپ نے ان میں سے نو عورتوں کے ساتھ بہ یک وقت نکاح کیا اور امت کے لیے بہ یک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۱، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ نکاح کرنا خصی ہونے سے بہتر ہے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ نکاح کرنا عورتوں میں مسائل شرعیہ کی تبلیغ کے لیے ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس امت کے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کی سب سے زیادہ بیویاں ہیں اور اس امت کی قید اس لیے لگائی ہے تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خارج ہو جائیں کیونکہ ان کی سو بیویاں تھیں (صحیح البخاری: ۲۸۱۹) اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی بھی ننانوے (۹۹) بیویاں تھیں (ص: ۲۳) اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ اس امت کے لیے خصی ہونے سے بہتر یہ ہے کہ وہ نکاح کریں اور گویا کہ انہوں نے یہ اشارہ کیا ہے کہ نکاح کو ترک کرنا مرجوح ہے کیونکہ اگر یہ راجح ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کو اختیار نہ کرتے جب کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ شریعت کو جاننے والے تھے اور تمام لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اور آپ نے صحابہ کرام کو یہ بتایا کہ زیادہ نکاح کرنے میں تبلیغ کی مصلحت ہے کیونکہ کئی احکام شرعیہ ایسے ہیں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے اس لیے آپ نے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کیا تا کہ وہ ان مسائل کی تبلیغ کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ نکاح کرنا آپ کا عظیم معجزہ ہے

اور اس میں آپ کے اس عظیم معجزہ کا اظہار ہے کیونکہ آپ اکثر پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور اگر آپ کو زیادہ کھانا مل جاتا تو آپ دوسروں کو کھلا دیتے تھے اور آپ بہت زیادہ روزے رکھتے تھے اور وصال کے روزے رکھتے تھے، اس کے باوجود آپ ایک رات میں اپنی تمام بیویوں کے پاس جا کر ان سے جماع کرتے تھے اور یہ بغیر بدن کی طاقت کے نہیں ہو سکتا اور بدن کی طاقت تو کھانے، پینے کی مقویات سے حاصل ہوتی ہے اور ایسی چیزیں آپ کے پاس بالکل نہیں تھیں یا بہت کم تھیں۔

زیادہ نکاح کرنے کی مدح کی توجیہ

بلکہ "الشفاء" میں مذکور ہے کہ عرب کثرت نکاح کی اس لیے مدح کرتے تھے کیونکہ اس سے قوت مردانگی پر دلالت ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت نکاح آپ کی اپنے رب کی عبادت میں حارج نہیں ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہوا کیونکہ آپ اپنی بیویوں کی حفاظت کرتے اور ان کے حقوق ادا کرتے اور ان کو عورتوں کے مخصوص مسائل کی تعلیم دیتے اور اہل علم نے کثرت نکاح کے بہت فوائد بیان کیے ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعدد ازواج کے فوائد، مصلحتیں اور حکمتیں

(۱) آپ نے یہ کثرت نکاح کیے تا کہ ازواج مطہرات آپ کے احوال باطنہ کا مشاہدہ کریں اور مشرکین کے اس زعم کی نفی ہو کہ آپ معاذ اللہ ساحر یا کاہن ہیں۔

(۲) کثرت نکاح کی وجہ سے متعدد قبائل کے ساتھ آپ کی رشتہ داریاں ہوئیں اور وہ آپ کے قرب سے مشرف ہوئے۔

(۳) متعدد قبائل سے رشتہ داری کی وجہ سے ان کی آپ کے ساتھ الفت ہوئی اور تبلیغ دین کی راہ میں آسانی ہوئی۔

(۴) ازواج کے ساتھ تعلق کے ساتھ ساتھ آپ تبلیغ اسلام میں مسلسل مشغول رہے اور کثرت نکاح تبلیغ دین کی راہ میں حارج نہیں ہوئی۔

(۵) نکاح کی وجہ سے آپ کے رشتہ دار زیادہ ہوئے جس کی وجہ سے جہاد کرنے میں وہ بھی شامل ہوئے۔

(۶) نکاح کی وجہ سے آپ نے ایسے احکام شرعیہ اپنی ازواج کو بیان فرمائے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے کیونکہ ازدواجی تعلقات پر مشتمل معاملات دوسروں سے مخفی رکھے جاتے ہیں۔

(۷) آپ کے اخلاق باطنہ پر صرف آپ کی ازواج مطہرات ہی مطلع ہو سکتی تھیں کیونکہ آپ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب ان کے والد حضرت ابوسفیان آپ سے عداوت رکھتے تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب غزوۂ خیبر میں ان کے والد اور ان کے چچا اور ان کے خاوند قتل کیے جا چکے تھے، پس اگر آپ تمام مخلوق سے زیادہ کامل اخلاق کے مالک نہ ہوتے تو یہ ازواج آپ سے متنفر ہوتیں بلکہ ہوا یہ کہ ان کے نزدیک آپ ان کے تمام خاندان والوں سے زیادہ محبوب تھے۔

(۸) پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ کثرت نکاح میں آپ کا عظیم معجزہ ہے کیونکہ آپ بہ کثرت جماع کرتے تھے حالانکہ آپ کا کھانا، پینا بہت کم تھا اور آپ بہت روزے رکھتے تھے اور وصال کے روزے رکھتے تھے۔

(۹) اور آپ نے یہ حکم دیا کہ جو نکاح کی مشقتوں پر قادر نہ ہو وہ روزے رکھے، اور آپ نے فرمایا: روزوں کی کثرت شہوت جماع کو توڑتی ہے، اس کے برعکس روزوں کی کثرت کے باوجود آپ کا بہ کثرت جماع کرنا خلاف عادت اور آپ کا معجزہ ہے۔

(۱۰) کثرت نکاح کی وجہ سے آپ پر ازواج کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی ضروریات کے اخراجات اٹھانا اور ان کی حفاظت کرنا آپ کے اوپر ایک الگ اور مستقل ذمہ داری تھی اور جتنی ازواج زیادہ تھیں اتنی ہی یہ ذمہ داریاں زیادہ تھیں اور آپ نے ان کو بہ حسن و کمال پورا کیا اور ان ازواج میں عدل و انصاف قائم رکھا جب کہ عام لوگ دو بیویوں میں بھی یہ ذمہ داریاں پوری کرنے سے قاصر ہوتے ہیں اور ان میں عدل و انصاف نہیں کر سکتے بلکہ بعض لوگ تو صرف ایک بیوی کے ساتھ رہتے ہیں اور دوسری بیوی کو خود سے الگ کر دیتے ہیں پس سلام ہو اس نبی پر جس نے نو بیویوں کو ساتھ رکھتے ہوئے ان کی ذمہ داریاں پوری کیں اور ان میں عدل و انصاف کو قائم رکھا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۲۴۳ ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت نکاح کی مصلحتیں اور حکمتیں

میں کہتا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر عسقلانی پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے درجات کو بے حساب بلند فرمائے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت ازواج کی بہت عمدہ مصلحتیں اور حکمتیں بیان فرمائی ہیں اور ان یہودی اور عیسائی مستشرقین کے اعتراضات کے دنداں شکن جوابات فراہم کیے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو بیویوں پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ کو غلبہ شہوت کا طعنہ

دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جن نبیوں کو وہ مانتے ہیں یعنی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام ہیں ان کی بالترتیب ننانوے اور سو بیویاں تھیں اور یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ آپ نے جو پہلی شادی کی وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کی تھی جو بیوہ خاتون تھیں اور آپ نے پچیس سال تک ان کو اپنے نکاح میں رکھا اور ان کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ اس کے بعد کے تیرہ سالوں میں آپ نے دس نکاح کیے جن میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کنواری خاتون تھیں اور باقی ازواج یا بیوہ تھیں یا مطلقہ تھیں۔ اگر آپ کا مقصود تقاضائے شہوت کو پورا کرنا ہوتا تو آپ زیادہ تر کنواری عورتوں سے نکاح فرماتے جب کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا سب نکاح بیوہ اور مطلقہ خواتین سے کیے تو معلوم ہوا کہ کثرت نکاح سے آپ کا مقصد کچھ اور تھا جن مقاصد میں سے دس کی طرف حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح میں ذکر فرمایا ہے اور ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت نکاح کی انیس (۱۹) مصلحتیں اور حکمتیں لکھی ہیں۔ دیکھیے (نعمۃ الباری ج ۱ ص ۷۷۴۔ ۷۷۲) و ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

دیگر شراح بخاری کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ صحیح البخاری: ۵۰۶۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت ابن عباس نے یہ قید لگائی ہے کہ اس امت میں سب سے افضل وہ ہوگا جس کی سب سے زیادہ بیویاں ہوں گی اور اس امت کی قید اس لیے ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ازواج تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی ایک ہزار بیویاں تھیں جن میں سے تین سو آزاد عورتیں تھیں اور سات سو باندیاں تھیں اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو صرف دو نکاح کیے تھے تو بعد میں جنہوں نے زیادہ نکاح کیے تو وہ حضرت ابوبکر سے افضل ہو جائیں گے کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اسلام میں تین سو عورتوں سے نکاح کیے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیے، لیکن اس سے ان کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اس جہت سے افضلیت لازم نہیں آتی کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے مطلقاً افضل ہیں اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کی یہ فضیلت جزوی ہے جو حضرت ابوبکر کی علی الاطلاق فضیلت کے منافی نہیں ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۲۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ زکریا انصاری شافعی متوفی ۹۲۶ھ اور علامہ القسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرھونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں صرف فتح الباری کی شرح کی چند سطریں نقل کی ہیں۔

(منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۳۹، ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۳۹۲، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۶۱)

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ نے اس حدیث پر یہ تعلیق لکھی ہے کہ: حضرت حسن بن علی اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کی بہت ازواج تھیں تاکہ وہ اپنے نفسوں کو پاک باز رکھیں اور کثرت اولاد کو حاصل کریں، ان کا مقصد عیاشی اور محض قضاء شہوت نہیں تھا۔ (شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۴۲۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۔بَابٌ:مَنْ هَاجَرَأَوْعَمِلَ خَيْرًا لِتَزْوِيجِ امْرَأَةٍ فَلَهُ مَا نَوَى

جس نے ہجرت کی یا کوئی نیک عمل کیا تا کہ کسی عورت سے نکاح کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا

۵۰۷۰۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْعَمَلُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ ﷺ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَإِلَيْهِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از محمد بن ابراہیم بن الحارث از علقمہ بن وقاص از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عمل کا مدار نیت پر ہے اور مرد کو صرف وہی اجر ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہو، پس جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو جسے وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے، پس اس کی ہجرت اسی طرف سے ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۰۷، سنن ترمذی: ۱۶۴۷، سنن ابوداؤد، ۲۲۰۱، سنن نسائی: ۳۴۳۷، سنن ابن ماجہ، ۴۲۲۷، مسند احمد: ۱۶۸)

مہاجر ام قیس کا تذکرہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

محمد بن الحسین الآجری نے کہا: جب نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ میں رہنے والے تمام مسلمانوں پر واجب ہو گیا کہ وہ مکہ سے ہجرت کریں اور اپنے گھر والوں، اپنے رشتہ داروں اور اپنے وطنوں کو چھوڑ دیں اور اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ کریں تو لوگ اس نیت سے ہجرت کر رہے تھے کہ پھر ایک مرد مکہ سے ہجرت کرتا ہوا نکلا اور اس کی نیت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا نہیں تھی۔ اس کی نیت اس عورت سے نکاح کرنا تھی جو اس سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ جا چکی تھی، سو اس مرد کو مہاجرین میں سے شمار نہیں کیا گیا اور اس کا نام مہاجر ام قیس رکھا گیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

علامہ علی ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ ھ نے اسی شرح کو نقل کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ ھ)

حضرت ابوطلحہ کے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کی تفصیل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مہاجر ام قیس کا قصہ امام طبرانی نے اپنی مسند میں اور امام آجری نے کتاب الشریعۃ میں بغیر سند کے لکھا ہے اور امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابوطلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا: اے ابوطلحہ! تم جیسے مرد کے پیغام نکاح کو مسترد نہیں کیا جاتا مگر تم کافر مرد ہو اور میں مسلمان عورت ہوں اور میرے لیے تم سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے، پس اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو یہی میرا مہر ہوگا، سو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور یہی ان کا مہر ہوا۔ الحدیث۔

امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں اس لیے ذکر کیا ہے کہ حضرت ام سلیم ابوطلحہ سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتی تھیں اور انہوں نے ان کے کفر کی وجہ سے انکار کیا اور انہوں نے اپنے نفس کو خرچ کر کے اس مطلوب کو حاصل کیا، سو انہوں نے اپنی نیت میں دو نیکیوں کو حاصل کر لیا۔

حدیث مذکور پر ایک اشکال کا جواب

بعض علماء نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مسلمان عورتوں کے کافروں کے ساتھ نکاح کی حرمت حدیبیہ کے زمانہ میں ہوئی اور یہ حرمت حضرت ام سلیم کے ابوطلحہ کے ساتھ نکاح کے کافی عرصہ بعد نازل ہوئی۔ اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کافر مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح حرمت سے پہلے ہوتا تھا اور جب حرمت کی آیت نازل ہو گئی تو پچھلے نکاحوں میں تفریق کر دی گئی اور یہ محفوظ نہیں ہے کہ ہجرت کے بعد کسی مسلمان عورت نے کسی کافر سے نکاح کیا ہو۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح بخاری کی شروح

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے: ہم اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ا میں کر چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۹)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سنن نسائی: ۳۳۴۰، میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلیم کے کافر کے ساتھ نکاح نہ کرنے کی وجہ سے ابوطلحہ اسلام لائے اور کفر ابتداءً مسلمان عورت کے ساتھ نکاح سے مانع تھا، لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ مسلمہ اور کافر کے درمیان تفریق کا حکم حدیبیہ کے بعد نازل ہوا اور ام سلیم کا نکاح صلح حدیبیہ سے کافی پہلے ہوا تھا۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۲۶، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۹ھ)

علامہ زکریا انصاری شافعی متوفی ۹۲۶ھ نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح اول کتاب میں گزر چکی ہے۔ (منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۲۹ مکتبۃ الرشد ۱۴۲۶ھ)

علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۲۶، مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۳۰ھ)

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ نے لکھا ہے: جو شخص نیت صالحہ سے شریعت کے موافق نکاح کرے یا اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کو اجر ملے گا۔ (شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۲۲۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

حدیث میں مذکور پہلے دو جملوں کا باہمی فرق اور کن کاموں میں عبادت کی نیت ضروری ہے اور کن کاموں میں عبادت کی نیت ضروری نہیں ہے

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں پہلا جملہ یہ ہے کہ اعمال کا مدار نیات پر ہے اور دوسرا جملہ یہ ہے: مرد کو اسی کام کا اجر ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہو اور پہلے جملہ میں اس پر تنبیہ ہے کہ عمل نیت کے تابع ہے اور نیت کے اعتبار سے عمل پر حکم مرتب ہوتا ہے اور دوسرے جملہ میں یہ تنبیہ ہے کہ عمل کرنے والے کو وہی چیز حاصل ہوتی ہے جس کی اس نے نیت کی ہوتی ہے۔

علامہ ابن عبدالسلام نے کہا ہے کہ پہلے جملہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کون سے اعمال معتبر ہیں اور دوسرے جملہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان اعمال پر کیا چیز مرتب ہوتی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ نیت کرنا ان عبادات میں ضروری ہے جو بنفسہا متمیز نہیں ہوتیں جیسے وضو کرنا اور غسل جنابت کرنا اور جو عبادات بنفسہا متمیز اور ممتاز ہوتی ہیں اور ان میں یہ تردد نہیں ہوتا کہ یہ کام عادتاً ہیں یا عبادۃً ہیں جیسے اذکار، دعائیں اور تلاوت قرآن وغیرہ، اسی طرح نماز ہے، ان میں عبادت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ کام فی نفسہا عبادت کے لیے معین ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ شرط اور جزا میں تغایر ہوتا ہے اور اس حدیث میں شرط اور جزا میں تغایر نہیں ہے

اس حدیث کے آخری دو جملے شرط اور جزاء پر مشتمل ہیں اور شرط اور جزاء میں تغایر ہوتا ہے اور ان میں تغایر نہیں ہے کیونکہ پہلا جملہ بہ طور شرط ہے، اس میں مذکور ہے: ''پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے''۔ اور دوسرا جو بہ طور جزاء ہے اس میں مذکور ہے: ''تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے''۔ اور ان دونوں جملوں میں تغایر نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ کا حاصل یہ ہے: کہ ''جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف قصداً اور نیۃً ہجرت کی''۔ اور دوسرے جملہ کا حاصل یہ ہے: ''تو اس کی ہجرت شرعاً اور اجراً اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے''۔ سو شرط اور جزا میں تغایر حاصل ہو گیا۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۹۴۔ ۹۳ ، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۔ بَابٌ: تَزْوِيجِ الْمُعْسِرِ الَّذِي مَعَهُ الْقُرْآنُ وَالْإِسْلَامُ

اس تنگ دست کا نکاح کرنا جس کے ساتھ قرآن اور اسلام ہو

فِيهِ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

اس باب میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے روایت ہے۔

۵۰۷۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي قَيْسٌ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ كُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْسَ لَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا نَسْتَخْصِي فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے قیس نے حدیث بیان کی از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہماری بیویاں نہیں تھیں، ہم نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم خصی نہ ہو جائیں

تو آپ نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۱۵ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۶۱۵، ۵۰۷۱، ۵۰۷۵، صحیح مسلم: ۱۴۰۴، مسند احمد: ۴۱۱۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۵۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۱، مصنف عبدالرزاق: ۱۴۰۴۸، مسند ابویعلیٰ: ۵۳۸۲، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۴)

جس تنگ دست شخص کے پاس قرآن اور اسلام ہو اس کے نکاح کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المھلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث کا عنوان ہے کہ جس تنگ دست شخص کے پاس قرآن اور اسلام ہو اس کا نکاح کرنا، اس عنوان میں یہ دلیل ہے کہ آپ نے اس تنگ دست کو تعلیم کے عوض اس عورت کا مالک نہیں بنایا کیونکہ اگر آپ اس شخص کو تعلیم کے عوض اس عورت کا مالک بناتے تو پھر وہ تنگ دست نہ ہوتا، اور امام بخاری نے اسلام کا لفظ بھی لکھا ہے، وہ اس کی دلیل ہے کہ چونکہ وہ عورت مسلمان تھی، پس وہ اس کو اسلام کی تعلیم نہیں دیتا تھا بلکہ اجرت کے عوض اسے قرآن کی تعلیم دیتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے حفظ قرآن کی حرمت کی رعایت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست کو تعلیم سے پہلے اس عورت کا مالک بنا دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تنگ دست اصحاب کو خصی ہونے سے منع فرمایا، اس میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست کا نکاح کرنا جائز ہے اور اگر صرف مال دار لوگوں کے لیے نکاح کرنا جائز ہوتا تو آپ تنگ دست مسلمانوں کو نکاح کرنے سے منع فرما دیتے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے اس تنگ دست کے نکاح کرنے کے جواز پر دلائل جس کے پاس قرآن اور اسلام ہو

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جیسا کہ علامہ المھلب مالکی نے کہا ہے کہ تنگ دست کا نکاح کرنا جائز ہے اور اس پر دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (النور: ۳۲)

تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو، اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا، اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا، بہت جاننے والا ہے O

اور امام دارقطنی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست سے فرمایا: "میں نے تمہارا اس عورت سے نکاح کر دیا اس سبب سے کہ تم اس کو قرآن پڑھاؤ اور اس کو تعلیم دو اور جب تمہیں اللہ تعالیٰ رزق دے تو تم اس کا مہر ادا کرو"۔

(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۵۰-۲۴۹)

اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست سے فرمایا: "جب کہ میں نے تمہیں اس عورت کے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے اور اس سے فرمایا: سورۃ البقرۃ اور اس سے ملی ہوئی سورتیں حفظ کرو، فرمایا: کھڑے ہو اور اس کو بیس آیتوں کی تعلیم دو اور یہ تمہاری بیوی ہے"۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۵۰۶)

امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۱۲)
اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک مرد سے سوال کیا کہ کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، میرے پاس نکاح کرنا کے لیے مال نہیں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تمہارے پاس قل ہو اللہ احد نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! حضرت انس رضی اللہ عنہ کہا: وہ چوتھائی قرآن ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۱) اور امام ترمذی کی روایت میں ہے: وہ تہائی قرآن ہے (سنن ترمذی: ۲۸۹۵) اور ابو شیخ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے پوچھا: کیا تمہارے پاس آیۃ الکرسی نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! تو انہوں نے کہا: تمہارے پاس چوتھائی قرآن ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۱)
تنگ دست شخص کا اسلام اور قرآن مجید کی سورتوں کے سبب سے جس عورت کے ساتھ نکاح کیا گیا تھا اس کا نام خولہ بنت حکیم تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام ام شریک تھا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۵۔ ۱۹۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

امام بخاری نے حضرت سہل بن سعد کی حدیث کو ذکر نہیں کیا، اس کی علامہ کرمانی نے دو توجیہیں کیں جن میں سے دوسری توجیہ کو حافظ ابن حجر نے رد کر دیا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے کہا ہے: اس میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے یعنی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ ایک عورت نے اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو کوئی جواب نہیں دیا تو ایک تنگ دست نے کہا: اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیں۔ (صحیح البخاری: ۵۰۲۹)
علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے یہاں پر حضرت سہل کی حدیث روایت نہیں کی کیونکہ وہ اس سے پہلے اس کی روایت کر چکے ہیں، اس لیے یہاں پر صرف اس کے حوالہ کو کافی قرار دیا، یا ان کے شیخ نے اس حدیث کے عنوان میں اس حدیث کی روایت نہیں کی تھی۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: علامہ کرمانی کی دوسری توجیہ بہت بعید ہے کیونکہ کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ امام بخاری اپنی صحیح کے تراجم میں اور عنوانات میں اپنے مشائخ کے تراجم اور عنوانات کی پابندی کرتے ہیں بلکہ جمہور نے یہ تصریح کی ہے کہ امام بخاری کے تراجم ان کے اپنے تصرف سے ہوتے ہیں اس لیے اس احتمال کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

امام بخاری کا لطیف استنباط اور حدیث الباب کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک جملہ نقل کیا ہے: ''ہم جہاد کرتے تھے اور ہماری بیویاں نہیں تھیں تو ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم خصی ہو جائیں تو آپ نے اس سے منع فرمایا''۔
امام بخاری نے اس حدیث سے یہ لطیف استنباط کیا ہے کہ جب وہ خصی ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس مال نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس تنگ دست کے پاس مال نہ ہو اس کا نکاح کرنا جائز ہے اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی تائید ہے کیونکہ آپ نے اس تنگ دست مرد کا ایک عورت سے نکاح کر دیا جس کے پاس قرآن اور اسلام تھا اور اسی سے ترجمۃ الباب کی مناسبت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

کفوء میں صرف اسلام کا اعتبار ہے اور خصی کرنے کی ممانعت کی تفصیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفوء میں صرف دین اور اسلام کا اعتبار ہے مال کا اعتبار نہیں کیونکہ حضرت سہل کی حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تنگ دست کا نکاح ایک عورت سے کر دیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ خصی ہونا آدمی کے لیے حرام ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو متغیر کرنا ہے اور اس میں نسل کو متغیر کرنا ہے اور جاندار کو عذاب دینا ہے۔ اسی طرح جس حیوان کا گوشت کھایا نہ جاتا ہو اس کو بھی خصی کرنا حرام ہے اور جس حیوان کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کو خصی کرنا جائز ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۰، دارالکتب، بیروت، العلمیہ ۱۴۲۱ء)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۲۹ میں گزر چکی ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۲۶، بیروت)

علامہ زکریا انصاری شافعی متوفی ۹۲۶ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۱۵ میں گزر چکی ہے۔

(منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۳۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اور اگر تنگ دست کا شادی کرنا ممنوع ہوتا جب کہ اس کا خصی ہونا بھی ممنوع ہے تو اس سے تکلیف مالایطاق لازم آتی۔

(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۲۲۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

علامہ بدرالدین الدمامینی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو خصی کرنے کی ممانعت ہے اس سے مراد خصیتین کو نکالنا نہیں ہے کیونکہ اس سے نفس کو ایذاء ہوتی ہے اور نسل منقطع ہوتی ہے اور وہ شرعاً ممنوع ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مرد ایسی دواؤں کو استعمال کرے جس سے اس کی قوت مردمی زائل ہو جائے اور وہ خصی کی طرح ہو جائے (جس طرح آج کل نس بندی کی جاتی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(مصابیح الجامع ج ۹ ص ۱۱، دارالنوادر، دمشق، ۱۴۳۱ھ)

شدید ضرورت کے بغیر مرد یا عورت کو بانجھ کر دینا جائز نہیں اور اس میں مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: عورت یا مرد کو کسی دوائی یا سرجری کے ذریعے بانجھ کر دینا جائز نہیں ہے، البتہ جب شوہر یا بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک کسی ایسے موروثی مرض میں مبتلاء ہو جو خطرناک یا متعدی ہو اور اس مرض میں مبتلاء شخص معاشرہ پر بوجھ اور موجب حرج ہو تو پھر یہ صورت مستثنیٰ ہے کیونکہ تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بعض امراض وراثت میں منتقل ہوتے ہیں جیسے ذیابیطس، اس لیے جب یہ ثابت ہو جائے کہ کوئی شخص ایسے موروثی مرض میں مبتلاء ہے جو خطرناک یا متعدی ہے تو اس کو بانجھ کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مفاد عامہ کی خاطر واجب ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ میں مفاسد کو زائل کرنا مصالح کے حصول پر مقدم ہے۔

(الفتاویٰ الاسلامیہ، مصر ج ۹ ص ۳۰۹۱۔ ۳۰۸۷ ملخصاً القاہرہ، ۱۴۰۳ھ)

بعض خواتین کے پیٹ میں بچہ آڑا ہوتا ہے جس کے سبب ولادت کے لیے سرجری ضروری ہوتی ہے اور جب اس کے پیٹ میں مزید سرجری کی گنجائش نہ رہے تو اس کو بھی سرجری کے ذریعے بانجھ کر دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی بالغ لڑکا بے عقل ہو اور خطرہ یہ ہو کہ یہ بڑا ہو کر جبراً لڑکیوں سے زنا کرے گا تو اس لڑکے کی نس بندی کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ

واجب ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرد کی جن نالیوں سے تولیدی جرثومے (Sperm) گزرتے ہیں ان نالیوں کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے،اس عمل کے بعد مرد میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔نس بندی سے مرد بانجھ ہو جاتا ہے اور مرد کا اپنے آپ کو بانجھ کرالینا جائز نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں ہے،انسان خود کو بیچ سکتا ہے نہ خود کشی کر کے خود کو ختم کر سکتا ہے،نہ اپنا کوئی عضو کسی کو کاٹ کر دے سکتا ہے اس لیے اسلام میں اعضاء کی پیوند کاری بھی جائز نہیں ہے اور صحیح البخاری کی حدیث:۵۰۷۱ میں یہ تصریح ہے کہ بعض صحابہ نے تنگ دستی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت نہیں دی۔ہاں!ہم نے جو صورت ذکر کی ہے کہ کوئی بالغ لڑکا بے عقل ہو اور یہ خطرہ ہو کہ وہ بڑا ہو کر جبراً زنا کرے گا تو اس کی ادویات کے ساتھ قوت مردانگی کو ختم کرنا ضروری ہے۔مجھ سے چند سال پہلے ایک خاتون نے سوال کیا تھا کہ ان کا بیٹا بے عقل ہے وہ برہنہ گھر سے نکل جاتا ہے اور اس کو ستر پوشی کا کوئی خیال نہیں ہوتا اور خطرہ ہے کہ وہ بڑا ہو کر جبراً زنا کرے گا تو میں نے یہ فتویٰ دیا کہ آپ اس لڑکے کی ادویات کے ساتھ قوت مردانگی ختم کرا دیں۔عورت کو بانجھ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عورت کے بیضہ دان کی نالی (Fellopian Tube) کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے،اس عمل کو نل بندی کہتے ہیں اور اس عمل کے بعد عورت کبھی بھی بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتی،یہ عمل صرف دو صورتوں میں جائز ہے:ایک اس صورت میں جب سرجری کے ذریعہ عورت سے بچہ پیدا ہوتا ہو اور مزید سرجری کی گنجائش نہ ہو اور دوسری وہ صورت جب کوئی ماہر مسلمان ڈاکٹر یہ بتائے کہ مزید بچہ پیدا ہونے سے عورت کی ہلاکت کا خطرہ ہے،سو ان صورتوں میں نل بندی صرف جائز نہیں بلکہ واجب ہے۔(سعیدی غفرلہ)

خصی بکرے کی قربانی کا استحباب

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جانور کو خصی کرنا حرام ہے اور صحیح یہ ہے کہ جب جانور کو خصی کرنے سے قطع نسل لازم نہ آئے تو خصی کرنا حلال ہے مثلاً کسی شخص کی بہت بکریاں ہوں تو وہ کسی ایک بکرے کو خصی کر دے تو یہ جائز ہے اور اس لیے کہ خصی بکرے کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے اور خصی بکرا زیادہ قوی اور جسیم ہوتا ہے اور اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے اور خصی بکرے کی قربانی کرنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصی بکروں کی قربانی کی۔(سنن ابن ماجہ:۳۱۲۲)(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۲۴،مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۷۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لِأَخِيهِ انْظُرْ أَيَّ زَوْجَتَيَّ شِئْتَ حَتَّى أَنْزِلَ لَكَ عَنْهَا رَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ

کسی مرد کا اپنے بھائی سے یہ کہنا: دیکھو تم میری جس بیوی کو چاہو حتیٰ کہ میں تمہارے لیے اس سے الگ ہو جاؤں،اس کے متعلق حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے

۵۰۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فَآخَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ وَعِنْدَ الْأَنْصَارِيِّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں:ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی از سفیان از حمید الطویل،انہوں نے کہا:میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا،وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (مدینہ میں) آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور

امْرَأَتَانِ فَعَرَضَ عَلَيْهِ أَنْ يُنَاصِفَهُ أَهْلَهُ وَمَالَهُ فَقَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلُّونِي عَلَى السُّوقِ فَأَتَى السُّوقَ فَرَبِحَ شَيْئًا مِنْ أَقِطٍ وَشَيْئًا مِنْ سَمْنٍ فَرَآهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ أَيَّامٍ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَهْيَمْ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ فَقَالَ تَزَوَّجْتُ أَنْصَارِيَّةً قَالَ فَمَا سُقْتَ إِلَيْهَا قَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

حضرت سعد بن الربیع الانصاری کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا اور اس انصاری کی دو بیویاں تھیں، اس نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو یہ پیش کش کی کہ وہ اپنی نصف بیوی اور نصف مال ان کو دے دیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی بیویوں اور اور مال میں برکت دے، آپ میری بازار کی طرف رہنمائی کریں، پس وہ بازار گئے اور پنیر اور گھی میں سے کچھ کو بیچ کر نفع حاصل کیا، چند ایام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور ان کے کپڑے پر زرد رنگ لگا ہوا تھا تو آپ نے ان سے پوچھا: اے عبدالرحمٰن! اس کا کیا سبب ہے؟ تو انہوں نے بتایا: میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے تو آپ نے پوچھا: تم نے ان کو کتنا مہر دیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا: ایک گٹھلی کے برابر سونا، آپ نے فرمایا: ''تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۹، میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۹، سنن ترمذی: ۱۰۹۴، سنن نسائی: ۳۳۵۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۷، صحیح ابن حبان: ۴۰۶۰، مسند احمد: ج ۳ ص ۱۶۵، ۱۹۰، ۲۰۵، ۲۷۱، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۴۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۴۸، ۲۳۷، ۲۵۸، ۲۳۶، ۲۷۳، ج ۹ ص ۱۱۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۲۶، ج ۶ ص ۳۱، سنن سعید بن منصور: ۶۰۹، ۶۱۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۹، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۲، مشکل الآثار ج ۴ ص ۱۴۵، شرح السنہ ج ۹ ص ۱۳۲، ۱۳۴، مسند الحمیدی: ۱۲۱۸، الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۷۷، ۸۹، تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۰۵، کنز العمال: ۴۴۶۱۸، ۱۰۴۱۱، ۱۰۴۱۰)

صحابہ کرام کا ایثار، رزق حلال کی تلاش میں جدوجہد، ولیمہ کا استحباب اور دوسرے مسائل اور فوائد حدیث

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امت کے صدر اول کے لوگ کس طرح اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث کے درج ذیل فوائد ہیں اور اس سے درج ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مرد کا اپنی بیوی کو نیک مسلمان بھائیوں پر نکاح کے لیے پیش کرنا جائز ہے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ مرد کے لیے نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا جائز ہے۔

(۳) جو شخص اس کی بیوی سے نکاح کرنے کو پسند کرے اس سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وعدہ کر لے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مرد کو یہ پیش کش کی جائے اور اس کو مال کی بھی پیش کش کی جائے تو وہ اس پیش کش سے احتراز کرے اور اپنے نفس پر سختی کو اختیار کرے اور رزق حلال کی تلاش میں تگ و دو اور جدوجہد کرے۔

(۴) تجارت اور ملازمت کے ذریعے زندگی گزارنا اس سے بہتر ہے کہ انسان دوسروں کے صدقات اور ہبات اور ہدیوں پر

گزارہ کرے۔

(۵) تجارت کے لیے بازاروں میں جانا اور کسب معاش کے لیے کوشش کرنا مستحب ہے۔

(۶) کسی مرد سے استاذ یا شیخ کا یہ سوال کرنا کہ آیا تم نے نکاح کر لیا ہے اور تم نے بیوی کا کتنا مہر رکھا ہے تاکہ لوگ ولیمہ میں اس کی مدد کریں، سو یہ سوال کرنا مستحب ہے۔

(۷) یہ سوال کرنا کہ تم نے کنواری سے نکاح کیا ہے یا بیوہ سے اور اس کو باکرہ سے نکاح پر برانگیختہ کرنا تاکہ وہ اپنی ہم عمر بیوی سے دل لگی اور خوش طبعی کرے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے اور ان شآء اللہ اس کی شرح عنقریب آئے گی۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نکاح کے بعد ولیمہ یعنی دعوت کرنا اور نکاح کے اعلان کے متعلق احادیث

علامہ امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ھ ولیمہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ولیمہ کرنا مستحب ہے اور اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا اور اس میں ستو اور جو کھلائے"۔

(۲) امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سند ضعیف کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "پہلے دن کی دعوت برحق ہے اور دوسرے دن کی دعوت سنت ہے اور تیرے دن کی دعوت سنانے کے لیے ہے اور جو سنانے کے لیے کوئی کام کرے تو اللہ بھی اس کے کام سنائے گا" (لیکن اگر کسی عذر کی بناء پر دیر سے ولیمہ کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں)۔

(۳) امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوہر کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے اور تم دونوں کو نیکی میں جمع کرے"۔

(۴) نکاح کا اظہار کرنا مستحب ہے۔ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے محمد بن حاطب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حلال اور حرام کے درمیان فرق دف اور گانے کی آواز ہے۔

(۵) امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس نکاح کا اعلان کرو اور اس نکاح کو مساجد میں کرو اور اس پر دف بجاؤ۔

(۶) امام بخاری نے حضرت الربیع بنت معوذ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب زفاف کی صبح میرے پاس آئے اور میرے بستر پر بیٹھے اور لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں۔ (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۴۱۔ ۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

بازاروں میں تجارت کے لیے جانے کی اباحت

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۲۰۴۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تجارت کو مباح کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اور افاضل صحابہ تجارت کرتے تھے اور طلب معاش کے لیے صنعت و حرفت کرتے تھے اور علماء و حکماء نے اس سے منع کیا ہے کہ مرد کا کوئی پیشہ نہ ہو اور نہ وہ کوئی تجارت کرے کیونکہ اس میں خطرہ ہے کہ پھر وہ لوگوں کا محتاج ہوگا اور وہ اس کو رسوا کریں گے اور روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے! اپنی ضرورت کے مطابق دنیا سے حصہ لو اور اپنی کمائی سے آخرت کے لیے خرچ کرو اور دنیا کو

بالکل ترک نہ کرو ورنہ تم اور تمہارے بال بچے لوگوں پر بوجھ بن جائیں گے۔

بازاروں میں جانے کی ممانعت کی توجیہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام حاکم نے عمرو بن تغلب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ فتنوں کا ظہور ہوگا اور تجارت بہت زیادہ ہوگی"۔ (المستدرک ج ۲ ص ۷)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے آپ کو بازاروں کے اجتماع اور بازاروں کے شور سے بچاؤ"۔ (المستدرک ج ۲ ص ۷، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۴۴، الاحاد والمثانی: ۱۶۶۴)

ان احادیث میں ممانعت کا محمل یہ ہے کہ جو شخص بازاروں میں جانے اور تجارت کرنے میں زیادہ مشغول ہو حتیٰ کہ وہ اس انہماک کی وجہ سے فرائض اور واجبات سے غافل ہو جائے، جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ نمازوں کے اوقات میں بھی بازاروں میں خرید و فروخت میں مشغول رہتے ہیں اور نماز کی اذان سننے کے باوجود بازاروں سے نہیں اٹھتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (الجمعہ ۱۰-۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ۝ پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو ۝

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۷-۱۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ ابو حفص ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے صحیح البخاری: ۲۰۷۵ کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۹۷-۱۹۶، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی صحیح البخاری: ۲۰۷۵ کی شرح میں علامہ ابن بطال کی شرح کی عبارت نقل کر دی ہے، تاہم انہوں نے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تجارت کے لیے سفر کرنے پر مقرر کرنا

الزبیر بن بکار نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بصرہ کی طرف تجارت کے لیے گئے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی محبت کی وجہ سے ہمیشہ لازم رہتے تھے۔ اس محبت نے بھی ان کو تجارت کے سفر سے منع نہیں کیا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تجارت کے سفر سے منع کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ تجارت کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تجارت کے ذریعے روزی حاصل کرنا ہدیوں پر گزارا کرنے سے بہتر ہے

نیز حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری ۲۰۴۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا ہے۔ اس حدیث کی مفصل شرح ان شاء

اللہ باب الولیمہ میں آئے گی۔ یہاں صحیح البخاری: ۲۰۴۸۔ ۲۰۴۹ کو درج کرنے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ تجارت میں مشغول ہوتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقرر رکھا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجارت کے لیے کسب کرنا اور روزی حاصل کرنا ہبہ اور ہدیہ پر گزارا کرنے سے بہت بہتر ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

گٹھلی کے برابر سونے کا وزن

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم نے اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۸، ۲۰۴۹ میں کر دی ہے، اور صحیح بخاری ۵۰۷۲ میں مذکور ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو گٹھلی کے برابر سونا مہر میں دیا۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ گٹھلی کے برابر سونے کا وزن پانچ درہم کے برابر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

گٹھلی کے برابر سونے کی مالیت

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گٹھلی کے برابر سونے کا وزن پانچ درہم کے برابر ہے اور اس کی مالیت بیس درہم کے برابر ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۲۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: کہ آج کی تاریخ (۱۳ اکتوبر ۲۰۱۱ھ) کے نرخ کے مطابق بیس درہم کی مالیت سات ہزار دو سو (۷۲۰۰) پاکستانی روپے ہیں۔

علامہ زکریا الانصاری الشافعی المتوفی ۹۲۶ھ نے بھی لکھا ہے کہ ایک گٹھلی کے برابر سونے کا وزن پانچ درہم ہے۔

(منحۃ الباری ج ۸ ص ۳۳۱، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ)

علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۰۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ المہلب مالکی کی شرح نقل کر دی ہے۔

(الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۳۶۴)

ولیمہ کے شرعی حکم میں فقہاء کا اختلاف

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ لکھتے ہیں: ولیمہ سنت مؤکدہ ہے۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء کے نزدیک نکاح کے بعد ولیمہ (دعوت) کرنا واجب ہے کیونکہ اس میں نکاح کا اظہار اور اعلان ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ولیمہ کرنا مستحب ہے کیونکہ بہت سے صحابہ نے نکاح کے بعد دعوت نہیں کی جیسا کہ اس تنگ دست صحابی کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور تعلیم قرآن کے سبب سے کر دیا تھا لیکن یہ حدیث حجت نہیں ہے (صحیح البخاری: ۵۰۳۰) کیونکہ وہ صحابی تنگ دست تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۲۵ ملخصاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کے نزدیک ولیمہ کا معیار

تحقیق یہ ہے کہ ولیمہ شوہر کی گنجائش کے مطابق مشروع ہوتا ہے، سو اصحاب ثروت اپنی حیثیت کے مطابق ولیمہ کریں اور متوسط لوگ اپنی گنجائش کے مطابق ولیمہ کریں اور تنگ دست لوگ اگر ہو سکے تو ایک بکری سے دعوت کر دیں ورنہ چھوڑ دیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۸۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّبَتُّلِ وَالْخِصَاءِ — تجرد اور خود کو خصی کرنے کی کراہت

تَبَتُّلُ کے معنی کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے عنوان میں تبتل کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: تجرد اور نکاح سے منقطع ہو کر اور لذات کو ترک کر کے عبادت کرنا۔ امام بخاری نے اس کو مکروہ کہا ہے اور قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۞ (المزمل:۸) — اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں O

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: یعنی اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ یہ اس کے معنی کی تفسیر ہے لیکن تَبَتُّلُ کی حقیقت یہ ہے کہ سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور حضرت مریم کو بتول کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نکاح سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی تھیں اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتول کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حسن اور شرف میں دوسری خواتین سے منقطع ہو گئی تھیں، امام بخاری نے اس باب میں چار احادیث روایت کی ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۴، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۱)

۵۰۷۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ رَدَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبَتُّلَ وَلَوْ أَذِنَ لَهُ لَاخْتَصَيْنَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے خبر دی، انہوں نے سعید بن المسیب سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے تبتل کرنے کو رد فرما دیا، اگر آپ ان کو تبتل کی اجازت دیتے تو ہم ضرور خصی ہو جاتے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۷۳، ۵۰۷۴، صحیح مسلم: ۱۴۰۲، مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۳، رقم الحدیث: ۱۵۸۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۸، سنن ترمذی: ۱۰۸۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۵۸، سنن دارمی: ۲۱۷۳)

۵۰۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ سَمِعَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ لَقَدْ رَدَّ ذٰلِكَ يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ وَلَوْ أَجَازَ لَهُ التَّبَتُّلَ لَاخْتَصَيْنَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از زہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی، انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تحقیق یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پر تبتل کو رد کر دیا تھا اور اگر آپ ان کو تبتل کی اجازت دیتے تو ہم سب خصی ہو جاتے۔

اس حدیث کی تخریج حسب سابق ہے۔

۵۰۷۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ كُنَّا نَغْزُو مَعَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از اسماعیل از

رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَيْسَ لَنَا شَيْءٌ فَقُلْنَا أَلَا نَسْتَخْصِي فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ تَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (المائدہ:۸۷)

قیس، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہماری ملکیت میں کچھ نہیں تھا تو ہم نے پوچھا: کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ تو آپ نے ہم کو اس سے منع فرمایا، پھر ہم کو رخصت دی کہ ہم کسی عورت سے ایک کپڑے کے عوض نکاح کر لیں، پھر آپ نے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (المائدہ:۸۷) اے ایمان والو: تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا O

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۶۱۵، ۵۰۷۵، صحیح مسلم: ۱۴۰۴، سنن نسائی ج ۶ ص ۵۹، مصنف عبد الرزاق: ۱۴۰۴۸، مسند الحمیدی: ۱۰۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۱۵۰، مسند ابو یعلیٰ: ۵۳۸۲، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۹، ۲۰۱، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵، رقم الحدیث: ۳۶۵۰، مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۲، رقم الحدیث ۴۱۱۳، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

۵۰۷۶۔ وَقَالَ أَصْبَغُ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي رَجُلٌ شَابٌّ وَأَنَا أَخَافُ عَلَى نَفْسِي الْعَنَتَ وَلَا أَجِدُ مَا أَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلَى ذَلِكَ أَوْ ذَرْ۔

اور اصبغ نے کہا: مجھے ابن وہب نے خبر دی از یونس بن یزید از ابن شہاب از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جوان مرد ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہے اور میں اتنا مال نہیں پاتا جس سے میں عورتوں سے نکاح کر لوں تو آپ میری بات پر خاموش ہو گئے، میں نے پھر اسی طرح عرض کیا تو آپ پھر میری بات پر خاموش ہو گئے، میں نے پھر (سہ بارہ) اسی طرح عرض کیا تو آپ پھر مجھے جواب دینے سے خاموش رہے، میں نے پھر جب اسی طرح آپ سے عرض کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے جس سے تم ملاقات کرنے والے ہو، پس تم خصی ہو یا اس کو چھوڑ دو۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۷۶، سنن نسائی: ۳۲۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۰۲، سنن ترمذی: ۱۰۸۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۵، رقم الحدیث: ۱۵۱۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۹، سنن دارمی: ۲۱۶۷، مسند البزار: ۱۰۶۹، ابن الجارود: ۶۷۴، ابن حبان: ۴۰۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۶، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۶، رقم الحدیث: ۱۵۲۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

تبتل اور ترہب کا معنی اور پاک اور لذیذ چیزوں اور نکاح کو ترک کرنے کی ممانعت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل اور ترہب سے اس لیے منع فرمایا تاکہ قیامت کے دن آپ کی امت کی کثرت ہو اور وہ دنیا میں کفار کی جماعتوں سے قتال کریں اور آخر زمانہ میں دجال سے قتال کریں اس لیے آپ نے چاہا کہ مسلمانوں کی نسل میں افزائش ہو۔

علامہ طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ جس تبتل کا حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ عورتوں کو ترک کر دیں اور لذیذ چیزوں کو کھانا چھوڑ دیں، جن پاک اور لذیذ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کر دیا ہے وہ ترہب کی وجہ سے ان کو چھوڑنا چاہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت میں یہ آیتیں نازل فرمائیں:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸۸۔۸۷)

اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا O اللہ کے دیئے ہوئے حلال پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو O

یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

موٹا اور سخت لباس پہننا اور سبزیاں اور دال کھانا اور گوشت کو ترک کرنا اور اپنے اوپر مشقت کو برداشت کرنا خلاف اولیٰ ہے

لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے حلال کر دیا ہے وہ ان کو حرام قرار دے، اور لذیذ کھانوں، قیمتی کپڑوں اور خواتین کے ساتھ نکاح کو ترک کر دے خواہ اس کو ان چیزوں کے استعمال سے زنا کا خطرہ ہو یا نہ ہو، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل اور ترہب یعنی ان چیزوں کے ترک سے منع فرما دیا، پس ثابت ہوا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کر دیا ہے اس کے ترک کرنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے، فضیلت اور نیکی صرف ان کاموں کے کرنے میں ہے جن کے کرنے کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا ہے، اس عمل کو امت کے لیے سنت قرار دیا ہے اور ائمہ راشدون نے اسی منہاج کی اتباع کی ہے کیونکہ بہترین طریقہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اور جب حق یہ ہے کہ جن لوگوں نے سوتی اور باریک کپڑوں پر موٹے اور اونی لباس کو ترجیح دی جب کہ وہ ان کو پہننے پر قادر تھے اور جن لوگوں نے لوبیا، دیگر سبزیوں اور دالوں کو گندم اور جو کی روٹی پر ترجیح دی اور گوشت اور چکنائی کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان کے کھانے سے عورتوں سے جماع کی خواہش ہوگی تو ان لوگوں کا یہ عمل خطا اور خلاف سنت ہے اور اگر کوئی گمان کرنے والا یہ کہے کہ موٹے لباس پہننے اور سبزی اور دال کھانے سے نفس پر مشقت ہوتی ہے اور ان چیزوں کی قیمت کو وہ ضرورت مندوں پر خرچ کرے تو اس کا یہ قول خطا ہے اور انسان کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرے جس سے اپنے رب کی عبادت پر مدد حاصل ہو اور ردی کھانوں سے بڑھ کر انسان کے جسم کے لیے کوئی چیز مضر نہیں ہے کیونکہ اس سے عقل فاسد ہو جاتی ہے جس کو اللہ

تعالیٰ نے اپنی عبادت کا سبب بنایا ہے۔

ہمیشہ گوشت اور مرغن اشیاء کھانا بھی انسان کے جسم کے لیے مضر ہے اس لیے سبزیاں اور دالیں بھی کھانی چاہئیں

میں کہتا ہوں کہ: مسلسل لحمیات اور چکنائی والی چیزوں کو کھانا بھی صحت کے لیے مضر ہے کیونکہ ان سے خون میں کولیسٹرول کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور اس سے بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے اور دل کے دورے پڑتے ہیں اور خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں، جس کے نتیجہ میں انجائنا ہوتا ہے اور انسان عارضہ قلب میں مبتلا ہوتا ہے اور ان چیزوں کے استعمال کے تسلسل سے دل کی شریانیں بلاک ہو جاتی ہیں جس کے لیے بائی پاس آپریشن ناگزیر ہو جاتا ہے اور بعض اوقات انسان کو فالج ہو جاتا ہے، سو اس کے تدارک کے لیے ضروری ہے کہ انسان مسلسل گوشت اور چکنائی والی چیزیں نہ کھائے بلکہ دالوں اور سبزیوں کو بھی استعمال کرے کیونکہ خیر الامور اوسطھا اس لیے میانہ روی اختیار کرے، نہ ہمیشہ گوشت اور انڈے اور مرغن اشیاء کھائے اور نہ ہمیشہ دالیں اور سبزیاں کھائے۔ (سعیدی غفرلہ)

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد (متعہ کا منسوخ ہونا اور تقدیر کا اثبات)

(۱) بنو آدم کا خصی ہونا حرام ہے کیونکہ تبتل کی ممانعت ہے اور سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ نفس پر ان چیزوں کو منع کرے جو اس کے لیے مباح ہیں، اسی طرح بعض اعضاء کو کاٹ کر نفس کو ایذاء دینا بھی بہت بڑا جرم ہے اور حرام ہے اور بغیر ضرورت کے کسی عضو کو کاٹنا جائز نہیں، ہاں! اگر کوئی عضو فاسد ہو جائے اور اس کو باقی رکھنا باقی جسم کے لیے مضر ہو تو پھر اس کو کاٹنا جائز ہے۔ (جیسے شوگر کے مریض کے جسم کے کسی عضو میں کوئی پھوڑا ہو جائے اور اس کا زہر باقی اعضاء میں پھیل رہا ہو تو باقی اعضاء کو اس کے ضرر سے بچانے کے لیے اس عضو کو کاٹنا ضروری ہے جیسے ہمارے زمانہ میں کسی شوگر کے مریض کا پیر کاٹ دیا جاتا ہے یا اس کی پنڈلی کاٹ دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین (سعیدی غفرلہ)

(۲) علامہ المہلب نے کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کپڑے کے عوض نکاح کرنے کی اجازت دی یعنی متعہ کرنے کی جو ابتداء اسلام میں حلال تھا پر عدت، میراث اور مہر کے احکام نازل ہونے کے بعد متعہ کو منسوخ کر دیا گیا کیونکہ متعہ میں یہ عوارض نہیں ہوتے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تقدیر کا ثبوت ہے اور یہ کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم نہ ہو بندہ اس کو اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۶۔۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

عورتوں کا نکاح کرنے کی فرضیت پر ابن حزم ظاہری کے قرآن اور احادیث سے دلائل

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن ملقن کی شرح کا اکثر حصہ علامہ ابن بطال کی شرح کی نقل پر مشتمل ہے، تاہم انہوں نے جو زائد امور بیان کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

شیخ ابن حزم ظاہری اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ عورتوں کا نکاح کرنا فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ۔ (النور: ۶۰)

اور وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے حجاب کے کپڑے اتار رکھیں جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار دکھانے والی نہ ہوں۔

امام ابوداؤد نے حضرت عتیک بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا: تم کس کو

شہید سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا: جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں مارے جانے کے سوا شہادت کی سات قسمیں ہیں: (۱) طاعون میں مرنے والا شہید ہے (۲) ڈوب کر مرنے والا شہید ہے (۳) نمونیہ میں مرنے والا شہید ہے (۴) پیٹ کی بیماریوں میں مرنے والا شہید ہے (۵) جل کر مرنے والا شہید ہے (۶) جو کسی چیز کے نیچے دب کر مر جائے وہ شہید ہے (۷) اور جو عورت حالت نفاس میں مر جائے وہ شہید ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۱۱۱، سنن نسائی: ۱۸۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۸۰۳)

اور جو کنواری عورت مر جائے اور اس کو حیض نہ آیا ہو۔ (المحلی ج ۹ ص ۴۴۱)

اور امام طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کے لیے شوہر اور قبر سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۲۴۰)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا (۱) جب نماز کا وقت آ جائے (۲) جب جنازہ حاضر ہو (۳) جب بے نکاح عورت کا کفو مل جائے''۔

(سنن ترمذی: ۱۰۷۵، سنن ابن ماجہ: ۱۴۸۶) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۰۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ابن حزم ظاہری کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ ابن حزم ظاہری نے النور: ۶۰ سے جو نکاح کی فرضیت پر استدلال کیا ہے وہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ آیت قطعی الثبوت تو ہے لیکن فرضیت نکاح پر قطعی الدلالۃ نہیں ہے اور ابن حزم ظاہری نے جن احادیث سے فرضیت نکاح پر استدلال کیا ہے وہ قطعی الثبوت نہیں ہیں کیونکہ وہ سب اخبار آحاد ہیں اور فرضیت اس دلیل سے ثابت ہوتی ہے جو قطعی الثبوت بھی ہو اور قطعی الدلالۃ بھی ہو۔

بعض جاہل زاہدوں کا قطع شہوت کے لیے اپنے آلہ کو کاٹ لینا مذموم ہے

علامہ علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ تم خصی ہو یا نہ ہو۔ (صحیح البخاری: ۵۰۷۶)

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم خصی ہو جاؤ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم یہ کرو یا نہ کرو لامحالہ تم پر تقدیر نافذ ہوگی اور ہم نے بعض کم سن زاہدوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنا آلہ کاٹ لیتے ہیں۔ پس سب سے پہلے ان پر یہ رد کیا جائے گا کہ تمہارے لیے اللہ عزوجل کی اجازت کے بغیر اپنے اعضاء میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس تصرف کو جائز نہیں قرار دیا بلکہ حرام فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ نسل انسانی میں اضافہ ہو اور جس نے اپنے آلہ کو کاٹا اس نے اس حکمت کے خلاف کیا، پھر اللہ تعالیٰ کی اس پر یہ نعمت ہے کہ اس نے اس کو مرد بنایا اور عورت نہیں بنایا اور جب اس نے اپنے آلہ کو کاٹا تو اس نے نقص کو اختیار کیا اور اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو دوزخ کا مستحق ہوگا اور اس نے اپنے نفس کو لذت سے اور اولاد کے حصول سے روکا اور اس کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک متصل تھا تو اس نے اس اتصال نسب کو منقطع کیا اور آلہ کو کاٹنے سے شہوت منقطع نہیں ہوتی بلکہ دل میں جماع کی خواہش اور بڑھ جاتی ہے۔ (کشف المشکل ج ۶ ص ۳۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

خصی ہونے کی ممانعت میں دیگر احادیث

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۰۷۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں ایسا مرد ہوں جس پر کنوارا

رہنا دشوار ہے تو آپ مجھے خصی ہونے کی اجازت دیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! لیکن تم روزے رکھو، اور امام طبرانی کی دوسری روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون نے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں رہبانیت کے بدلہ میں ملت حنیفیہ السمحہ عطا فرمائی ہے''۔

پھر حافظ ابن حجر نے امام طبری کے حوالہ سے المائدہ: ۸۷ کو پیش کیا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سابقین اسلام میں ہیں۔ دو ہجری میں ان کی وفات ہوئی تھی اور صحابہ میں سے وہ سب سے پہلے البقیع میں مدفون ہوئے تھے۔

خصی ہونے کی ممانعت کی حکمت

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح البخاری: ۵۰۷۴ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جو خصی ہونے کی اجازت طلب کی تھی اس سے مراد حقیقت میں خصی ہونا تھا یا اس سے مراد نکاح اور لذات کو منقطع کرنا تھا۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی مراد حقیقت میں خصی ہونا تھا کیونکہ خصی ہونے سے انسان ہلاک نہیں ہوتا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اکثر جانوروں کو خصی کیا جاتا ہے اور وہ زندہ رہتے ہیں، اور اس کو منع کرنے سے یہ مقصود ہے کہ مسلمانوں کی افزائش نسل ہو اور وہ کفار سے جہاد کریں اور اگر مسلمان خصی ہو جائیں تو مسلمانوں کی تعداد کم ہو گی اور کفار کی تعداد زیادہ ہو گی۔

جانوروں کو خصی کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح البخاری: ۵۰۷۵، کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ نے کہا ہے: بنو آدم کے علاوہ حیوانوں کو اگر خصی کرنا کسی منفعت کے حصول کے لیے ہو تو پھر جائز ہے جیسے اس کے گوشت کا لذیذ ہونا، اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: جس جانور کا گوشت کھایا نہیں جاتا اس کو خصی کرنا مطلقاً حرام ہے اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کو کم عمری میں خصی کرنا جائز ہے اور بڑی عمر میں اس کو خصی کرنا جائز نہیں ہے۔

خصی کرنے کی ممانعت دراصل تقدیر کا ثبوت ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی صحیح البخاری: ۵۰۷۶ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے جس سے تم ملاقات کرنے والے ہو یعنی لوح محفوظ میں جو تمہاری تقدیر لکھ دی گئی ہے وہ بہر حال نافذ ہو گی۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لکھنا اور اس کی لوح اور اس کی قلم کا تعلق اس علم غیب کے ساتھ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جوان مرد ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہے اور میں اتنا مال نہیں پاتا جس سے میں عورتوں سے نکاح کر سکوں تو آپ خاموش رہے، پھر میں نے اسی طرح سوال کیا تو آپ خاموش رہے، پھر میں نے اسی طرح سوال کیا تو آپ خاموش رہے، پھر میں نے چوتھی بار سوال کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! قلم اس چیز کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے جس کے ساتھ تم ملاقات کرنے والے ہو، پس اب تم خصی ہو یا اس کو چھوڑ دو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: آپ نے جو فرمایا ہے کہ تم خصی ہو یا چھوڑ دو، اس میں امر کا صیغہ طلب فعل کے لیے نہیں بلکہ یہ

دھمکانے کے لیے ہے۔ جیسے قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکہف:۲۹) اور آپ کہیے: حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم ایسا کرو یا نہ کرو تقدیر کا امر بہرحال نافذ ہوگا۔

بلکہ اس حدیث میں خصی ہونے کی ممانعت کی طرف اشارہ ہے گویا کہ آپ نے فرمایا: جب تم نے جان لیا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدر اور قضاء کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر خصی ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کنوارے ہونے کی شکایت کی، پس کہا: کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تو آپ نے فرمایا: ''جو مرد خصی ہوا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

اس حدیث میں خصی ہونے کی مذمت ہے اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب تقدیر نافذ ہو تو حیلوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

حدیث مذکور کے مسائل اور فوائد، نیز اس سوال کا جواب کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو روزہ رکھنے کا حکم کیوں نہیں دیا جس طرح دوسروں کو دیا تھا

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا شکایت کرنا جائز ہے کیونکہ ایک مرد نے آپ سے کنوارے ہونے کی شکایت کی۔

(۲) اس میں اشارہ ہے کہ جس شخص کے پاس مہر ادا کرنے کے لیے مال نہ ہو وہ نکاح نہ کرے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خصی ہونے کے لیے یہی عذر پیش کیا تھا۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کا تین بار شکایت کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین بار شکایت کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار سکوت فرمایا اور چوتھی بار ان کو خصی ہونے سے منع فرمایا۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی حاجت طلب کرنے سے پہلے اپنا عذر بیان کرے۔

(۵) علامہ ابو محمد بن ابی جمرۃ الاندلسی المتوفی ۶۹۹ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو انسان اسباب مشروعہ کے مطابق عمل کرے اور ان پر عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تاکہ اس کی حکمت کے خلاف نہ ہو، پس جب وہ اس پر توکل کرنے پر قادر نہ ہو تو برداشت کرے اور اپنے مولیٰ کی تقدیر پر راضی رہے۔

(۶) جب اسباب تقدیر کے موافق نہ ہوں تو نفع نہیں دیتے۔

(۷) اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو شہوت توڑنے کے لیے روزہ رکھنے کا حکم کیوں نہیں دیا جیسا کہ دوسروں کو حکم دیا تھا حالانکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا غالب حال یہ تھا کہ وہ روزہ رکھتے تھے کیونکہ وہ اہل صفہ میں سے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنی ہو کہ ''اے جوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ نکاح کرے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے''۔ لیکن انہوں نے یہ سوال حالت جہاد میں کیا تھا جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حالت جہاد میں کیا تھا کیونکہ یہ حضرات جہاد کے دوران روزے نہیں رکھتے تھے تاکہ لڑائی پر قادر ہوں تو پھر انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ خصی ہو کر شہوت کے مادہ کو جڑ سے کاٹ دیں جس طرح حضرت ابن مظعون رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح کی شروح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے ان احادیث کی شرح میں اس کا خلاصہ لکھا ہے جو حافظ ابن حجر نے لکھا ہے اور کوئی بات زائد نہیں لکھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۵۔۱۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دیگر شروح کی بھی یہی کیفیت ہے۔

۹۔ بَابُ: نِكَاحِ الْأَبْكَارِ

کنواری عورتوں سے نکاح کرنا۔

وَقَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِعَائِشَةَ لَمْ يَنْكِحِ النَّبِيُّ ﷺ بِكْرًا غَيْرَكِ۔

ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس حدیث کے عنوان میں الابکار کا لفظ ہے، یہ بکر کی جمع ہے۔ باکرہ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے وطی نہ کی گئی ہو اور وہ پہلی حالت پر برقرار ہو، رہی امام بخاری کی تعلیق تو اس کی تشریح کتاب التفسیر میں سورۃ النور کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

۵۰۷۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ لَوْ نَزَلْتَ وَادِيًا وَفِيهِ شَجَرَةٌ قَدْ أُكِلَ مِنْهَا وَوَجَدْتَ شَجَرًا لَمْ يُؤْكَلْ مِنْهَا فِي أَيِّهَا كُنْتَ تُرْتِعُ بَعِيرَكَ قَالَ فِي الَّذِي لَمْ يُرْتَعْ مِنْهَا تَعْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرَهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از ہشام بن عروۃ از والدخود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر آپ ایسی وادی میں اتریں جس میں ایسے درخت ہوں جن کے پتوں سے کچھ کھالیا گیا ہو اور آپ کو ایسا درخت ملے جس کے پتوں سے کچھ بھی نہ کھایا گیا ہو تو آپ اپنے اونٹ کو کون سے درخت کے پتے کھلائیں گے؟ آپ نے فرمایا: جس درخت سے اس کے پتے نہ کھائے گئے ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۷۷، ۵۲۲۸، ۶۰۶۸، صحیح مسلم: ۲۴۳۹، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۷، شرح السنۃ: ۲۳۳۸)

کنواری عورت سے نکاح کرنے کی فضیلت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۹۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المہلب المالکی التوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں کنواری عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے کنواری عورتوں سے نکاح پر برانگیختہ کیا اور فرمایا: ان کا منہ زیادہ پاکیزہ ہوتا ہے اور ان کا رحم نطفہ کو زیادہ قبول کرتا ہے اور ان کے اخلاق زیادہ عمدہ ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے اپنی سوکنوں پر فخر کرتی ہیں اور اس حدیث میں مثالوں کے بیان کرنے کا ذکر ہے اور انسانوں کی درختوں کے ساتھ تشبیہ کا ذکر ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

کنواری عورتوں سے نکاح کی فضیلت میں احادیث

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کنواری عورت سے نکاح کرنے کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم نے کنواری عورت سے نکاح کیوں نہیں کیا؟ تم اس سے خوش طبعی کرتے اور کھیلتے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۶۶)

(۲) امام ابن ماجہ نے از عتبہ بن عویم بن ساعدۃ از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم کنواری عورتوں سے نکاح لازم رکھو کیونکہ ان کے منہ زیادہ میٹھے ہوتے ہیں اور ان کے رحم نطفوں کو زیادہ قبول کرتے ہیں اور وہ کم چیز سے راضی ہو جاتی ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۲۴۴)

(۳) امام ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے رحم نطفوں کو زیادہ قبول کرتے ہیں اس کے بعد فرمایا: وہ زیادہ گرم جوشی سے استقبال کرتی ہیں اور تھوڑے عمل سے راضی ہو جاتی ہیں۔

(الطب النبوی: ۴۴۸)

(۴) امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ان کے اخلاق بہت پاکیزہ ہوتے ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق، ۱۰۳۴۲)

لفظ بکر کے مزید معانی

لفظ بکر کا معنی ہے: کم عمر اور دوسرا معنی ہے: جس کا نفس میں حصہ معلوم ہو، تیسرا معنی ہے: جس کے اعصاب میں حرارت محرکہ وافر ہو، چوتھا معنی ہے: جس کا اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے سے تعلق نہ ہو کیونکہ جس کا تعلق پہلے شوہر سے ہو اس سے انسان خوش نہیں ہوتا اور پانچواں معنی ہے: جو بچہ کی تولید کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہو اور یہ کہ خوش طبعی اور دل لگی اس کے ساتھ مناسب ہے نہ کہ بڑی عورتوں سے اور یہ کہ خوش طبعی اور دل لگی جماع پر زیادہ برانگیختہ کرتی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۱۱۔۲۱۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فصاحت اور بلاغت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "آپ اس درخت سے اپنے اونٹ کو پتے کھلاتے جس درخت سے پتے کھائے نہ گئے ہوں"۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی انتہائی فصاحت اور بلاغت ہے اور اس میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وجہ سے ان کو دوسری عورتوں کے مقابلہ میں پسند کیا۔

صحیح البخاری: ۵۰۷۸، میں امام بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ایک ریشم کے ٹکڑے میں دکھائی۔ اس حدیث کی شرح ان شاء اللہ عنقریب بیس ابواب کے بعد آئے گی۔ (فتح الباری

ج ٦ ص ٧٢٤ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٥٠٧٨ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ مَرَّتَيْنِ إِذَا رَجُلٌ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةِ حَرِيرٍ فَيَقُولُ هَذِهِ امْرَأَتُكَ فَأَكْشِفُهَا فَإِذَا هِيَ أَنْتِ فَأَقُولُ إِنْ يَكُنْ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والدخود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے خواب میں دو مرتبہ تمہاری صورت دکھائی گئی، اچانک ایک مرد تم کو ریشم کے ٹکڑے میں اٹھائے ہوئے تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں،۔ میں اس کپڑے کو کھول کر دیکھتا ہوں تو یکا یک وہ تم تھیں، پس میں کہنے لگا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نافذ کر دے گا۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ٣٨٩٥، ٥٠٧٨، ٥١٢٥، ٧٠١١، ٧٠١٢، صحیح مسلم: ٢٤٣٨، مسند اسحاق بن راہویہ: ٧٠٣، الطبقات الکبریٰ ج ٨ ص ٦٤، مسند ابو یعلیٰ: ٤٤٩٨، المعجم الکبیر ج ٢٣، رقم: ٤٣، ٤٢، ٤١، سنن بیہقی ج ٢ ص ٤١٠، ج ٧ ص ٨٥، تاریخ بغداد ج ٥ ص ٤٢٨، سنن ترمذی: ٣٨٨٠، صحیح ابن حبان: ٧٠٩٤، مسند احمد ج ٦ ص ٤١، مسند احمد: ٢٤١٤٢، ٢٤٩٧١، ٢٥٢٨٥، موسستہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ٤٤٩ھ اور علامہ ابن ملقن شافعی المتوفی ٨٠٤ھ نے اس حدیث کی شرح نہیں کی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ نے صحیح البخاری: ٣٨٩٥ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح عنقریب کتاب النکاح میں آئے گی۔ اور کتاب النکاح صحیح البخاری: ٥٠٧٨، میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح بیس ابواب کے بعد آئے گی۔ (فتح الباری ج ٥ ص ٩٧، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲٤ھ)

خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت دکھانے کے متعلق متعدد روایات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ٨٥٥ھ صحیح البخاری: ٥٠٧٨ کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کا یہ سچا خواب تھا، ان کے خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت دیکھنے کے بعد نبی ﷺ نے عقد نکاح کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ مجھے خواب میں تم کو دو مرتبہ دکھایا گیا: یہ آپ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خطاب ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: اچانک ایک مرد تم کو اٹھائے ہوئے تھا: اس مرد سے آپ کی مراد مرد کی صورت میں کوئی فرشتہ ہے اور سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ کے پاس جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت لے کر آئے وہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، اور صحیح ابن حبان میں مذکور ہے کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ٹکڑے کو لے کر آئے، پس کہا: یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں۔ امام مسلم کی روایت میں ہے: میرے پاس فرشتہ تم کو لے کر آیا اور طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے میری صورت کو ایک ریشم کے کپڑے میں لے کر آئے، ایک قول ہے کہ وہ سفید ریشم کا کپڑا تھا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نافذ کر دے'' آیا آپ کا یہ ارشاد بہ طور شک تھا یا نہیں

اس حدیث میں مذکور ہے: اس مرد نے کہا: یہ آپ کی زوجہ ہیں، سو میں اس ریشم کے ٹکڑے کو کھول کر دیکھتا ہوں تو یکا یک وہ تم

تھیں۔کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح کا پیغام دینے سے پہلے عورت کو دیکھنا جائز ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نافذ کر دے۔

علامہ ابن العربی المالکی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خواب کے متعلق شک نہیں تھا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ خواب میں آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بتایا گیا ہو یا ان کی کنیت بتائی گئی ہو۔

قاضی عیاض نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ خواب نبوت سے پہلے دیکھا ہو اور اگر آپ نے یہ خواب نبوت کے بعد دیکھا تو اس کی حسب ذیل تین توجیہات ہیں:

(۱) یہ خواب اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس خواب کی کسی تعبیر اور تفسیر کی ضرورت نہیں ہے، پس عنقریب اللہ تعالیٰ اس خواب کو پورا کر دے گا اور اس کو نافذ کر دے گا، پس شک کا محمل یہ ہے کہ یہ خواب اپنے ظاہر پر مبنی ہے یا اس کی تاویل اور تفسیر پر مبنی ہے اس لیے آپ نے فرمایا: اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نافذ کر دے۔

(۲) آپ کے اس ارشاد سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ دنیا میں آپ کی زوجہ ہیں تو اللہ اس کو نافذ کر دے اور شک کا محمل یہ ہے کہ آیا یہ دنیا میں آپ کی زوجہ ہیں یا آخرت میں۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ارشاد میں شک نہیں تھا مگر آپ نے بہ طور تحقیق خبر دی اور اس کو شک کی صورت میں ذکر کیا اور یہ بھی بلاغت کی ایک قسم ہے اور اس کا نام ہے: شک کو یقین کے ساتھ ملانا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باکرہ عورتوں سے نکاح کی ترغیب اور حضرت عائشہ اور حضرت زینب کے نکاحوں کے مرتبہ کا باہمی فرق

شیخ عبد اللہ بن باز الحنبلی المتوفی ۱۴۲۰ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث میں باکرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کی ترغیب ہے، نیز شیخ ابن باز نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسے فرمایا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو نافذ کر دے حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت آپ کو اس کا علم نہیں تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس خواب کو نافذ کر دیا۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح خواب میں بہ طریق وحی ہوا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح بیداری میں وحی قرآن سے ہوا، اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ حضرت زینب سے آپ کا نکاح اس لیے کیا گیا تاکہ عربوں کی اس بدعقیدگی کا ازالہ ہو کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح حرام ہے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے اور آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا تھا، پھر بعد میں جب حضرت زید نے ان کو طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کا نکاح آپ سے کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (الاحزاب: ۳۷) پھر جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

اس آیت کے نزول سے آپ کا نکاح حضرت زینب سے ہو گیا۔اس نکاح میں نہ کوئی گواہ تھے نہ کوئی مہر رکھا گیا تھا، پس یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت زینب بنت جحش آپ کی زوجہ ہو گئیں اور آپ ان کے پاس چلے گئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس پر فخر کرتی تھیں کہ باقی ازواج کا نکاح زمینوں پر ہوا ہے اور میرا نکاح آسمانوں پر رب عزوجل نے کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ریشم کے پکڑے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر دکھائی گئی کیونکہ ریشم انتہائی ملائم اور قیمتی لباس ہوتا ہے اور اسی وجہ سے عورتوں کے لیے وہ حلال ہے اور مردوں پر حرام ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۲۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ تَزْوِيجِ الثَّيِّبَاتِ

بیوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کا بیان

وَقَالَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ لَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم (نکاح کے لیے) مجھ پر اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو پیش نہ کرو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

ثَيِّبَة کا معنی ہے: باکرہ کی ضد یعنی بیوہ عورت۔

۵۰۷۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا سَيَّارٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَفَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ غَزْوَةٍ فَتَعَجَّلْتُ عَلَى بَعِيرٍ لِي قَطُوفٍ فَلَحِقَنِي رَاكِبٌ مِنْ خَلْفِي فَنَخَسَ بَعِيرِي بِعَنَزَةٍ كَانَتْ مَعَهُ فَانْطَلَقَ بَعِيرِي كَأَجْوَدِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ الْإِبِلِ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَا يُعْجِلُكَ قُلْتُ كُنْتُ حَدِيثَ عَهْدٍ بِعُرُسٍ قَالَ أَبِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ ثَيِّبًا قَالَ فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ قَالَ فَلَمَّا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ قَالَ أَمْهِلُوا حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلًا أَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سیار نے حدیث بیان کی از الشعبی از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ سے واپس آئے تو میں اپنے اس اونٹ پر جلدی سے روانہ ہوا جو چلنے میں سست رفتار تھا، پس ایک سوار پیچھے سے آ کر مجھ سے ملا اور اس نے میرے اونٹ کی کوکھ میں نیزہ چبھویا، پھر میرا اونٹ اس قدر تیز دوڑنے لگا جس طرح تم نے کسی تیز رفتار اونٹ کو چلتے ہوئے دیکھا ہوگا، پس نا گاہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ نے پوچھا: تمہیں جانے کی کیوں جلدی ہے؟ میں نے عرض کی: میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، آپ نے پوچھا: کیا کنواری سے شادی ہوئی ہے یا بیوہ ہے؟ میں نے کہا: بیوہ سے! آپ نے پوچھا: تم نے کم عمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا تم اس سے دل لگی کرتے وہ تم سے دل لگی کرتی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا: جب ہم گھر داخل ہونے کے لیے گئے تو آپ نے فرمایا: تم ٹھہر کر جانا حتیٰ کہ رات میں یعنی عشاء کے وقت میں داخل ہونا تا کہ تمہاری بیوی بکھرے ہوئے بالوں کو سنوار لے اور جس عورت کا شوہر موجود نہ ہو وہ اپنی شرم گاہ کے بال صاف کر لے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۴۳، ۱۸۰۱، ۲۰۹۷، ۲۳۰۹، ۲۳۸۵، ۲۳۹۴، ۲۴۰۶، ۲۴۷۰، ۲۶۰۳، ۲۶۰۴، ۲۷۱۸، ۲۸۶۱، ۲۹۶۷، ۳۰۸۷، ۳۰۸۹، ۳۰۹۰، ۴۰۵۲، ۵۰۸۰، ۵۲۴۳، ۵۲۴۴، ۵۲۴۵، ۵۲۴۶، ۵۲۴۷، ۵۳۶۷، ۶۳۸۷، صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۱۴۴، سنن دارمی: ۲۲۱۶، صحیح ابن حبان: ۲۷۱۴، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۳، مسند احمد: ۱۴۲۸۷)

جوان مردوں کا کسی مصلحت کی وجہ سے بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی التوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوجوانوں کے لیے بھی بیوہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ یہ کسی حکمت کی بناء پر ہو جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے بیوہ عورت سے نکاح کرنے کا سبب یہ تھا کہ ان کی نابالغ بہنیں تھیں جن کی تربیت کے لیے کسی معلمہ اور منتظمہ کی ضرورت تھی۔

حدیث مذکور کے مسائل شرعیہ اور اہم فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوجوانوں کا کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنا اولیٰ ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم نے کسی کم سن لڑکی سے نکاح کیوں نہیں کیا''۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر اور سربراہ کو اپنے ماتحت لوگوں کے احوال معلوم کرنے کے لیے سوال کرنے چاہئیں۔

(۳) بیوی کے ساتھ خوش طبعی اور دل لگی کرنا مستحب ہے کیونکہ اس سے زوجین کے درمیان انس اور محبت ہوتی ہے اور مرد اپنی بیوی سے جو خواہش پوری کرنا چاہتا ہے اس میں اس کو حیاء مانع نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ (الواقعہ: ۳۵۔۳۶۔۳۷) ہم نے ان کی بیویوں کو خصوصیت سے پیدا کیا ہے ○ ہم نے ان کو دوشیزہ بنایا ○ محبت کرنے والیاں ہم عمر ○

عُرُبًا عروب کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: خاوند سے محبت کرنے والی۔

(۴) اس حدیث میں مذکور ہے: ''ٹھہرو حتیٰ کہ تم رات میں داخل ہونا''۔ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ تم اس وقت اپنے گھر میں داخل ہونا جب تمہارے مدینہ پہنچنے کی خبر ان کو حاصل ہو جائے حتیٰ کہ جس عورت کا شوہر سفر پر گیا ہوا ہے اور اس کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود اور پراگندہ ہیں تو وہ بناؤ سنگھار کر کے اور زیر ناف بالوں کو صاف کر کے اپنے آپ کو اپنے شوہر سے جماع کے لیے تیار کر لے تا کہ اس کے شوہر کو اس سے بدبو نہ آئے اور اس کی ابتر حالت کو دیکھ کر وہ اس سے کراہت نہ کرے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تربیت ہے۔ (شرح ابن بطال علی البخاری ج ۷ ص ۱۳۸۔۱۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی عبارت نقل کر دی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۱۴۔۲۱۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

متعدد روایات کی روشنی میں حضرت جابر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا خلاصہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتاب المغازی میں امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے جابر! کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کنواری سے نکاح کیا ہے یا بیوہ سے؟ میں نے کہا: نہیں بلکہ بیوہ سے نکاح کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے کم عمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا! وہ تمہارے ساتھ ہنستی اور تم اس کے ساتھ ہنستے، اور امام طبرانی نے حضرت کعب بن عجرۃ سے روایت کی ہے کہ وہ تم کو دانتوں سے کاٹتی تم اس کو دانتوں سے کاٹتے۔ اس میں اس کی زبان کو چوسنے کی طرف اشارہ ہے اور اس کے ہونٹوں کے چومنے کی طرف اشارہ ہے اور ایسا بیوی کے ساتھ بوس و کنار کے وقت ہوتا

ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنا عذر بتاتے ہوئے کہا کہ میرے والد شہید ہو گئے اور انہوں نے سات یا نو بیٹیاں چھوڑیں تو میں نے بیوہ عورت سے نکاح کیا اور اس کو ناپسند کیا کہ اپنے نکاح میں ان کی ہم عمر لڑکی لے آؤں، دوسری روایت میں ہے کہ میں نے چاہا کہ میں ایسی عورت سے نکاح کروں جو ان کی تربیت کرے اور ان کو بنائے سنوارے۔ آپ نے فرمایا: تم نے درست کیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بہنوں کے ناموں سے واقف نہیں ہو سکا، لیکن امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے ذکر کیا ہے کہ ان کی زوجہ کا نام سہلہ بنت مسعود بن اوس بن مالک الانصاریہ الاوسیہ تھا۔

حدیث مذکور کا کتاب الطلاق کی ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: جب ہم مدینہ میں داخل ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: ''ٹھہرو حتیٰ کہ تم رات کے وقت گھر میں داخل ہونا''۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ''کتاب الطلاق'' میں یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس رات کے وقت نہ جائے''۔ ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ جس حدیث میں آپ نے گھر میں رات کے وقت جانے کا حکم دیا ہے یہ اس صورت پر محمول ہے کہ جب کسی مرد کے شہر میں آنے کی خبر اس کے گھر پہنچ گئی ہو تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ رات کے وقت گھر میں جائے، اور دوسری حدیث جس میں آپ نے رات کے وقت گھر جانے سے منع فرمایا ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب کوئی شخص بغیر اطلاع کے اچانک اپنے گھر پہنچے۔

حدیث مذکور کے مسائل شرعیہ اور نکات شریفہ

(۱) اس حدیث میں آپ نے کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کے معارض وہ حدیث ہے جس میں آپ کا ارشاد ہے: زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو، اور کنواری لڑکی سے کیسے معلوم ہوگا کہ وہ زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس لڑکی کی مثل دوسری شادی شدہ لڑکیوں کے احوال سے معلوم ہو جائے گا۔

(۲) اس حدیث سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنی نفسانی لذات کے حصول کے اوپر اپنی بہنوں کی تربیت اور مصلحت کو ترجیح دی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصویب فرمائی اور ان کو دعا دی، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بھی نیک کام کرے اس کو دعا دینی چاہیے۔

(۳) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ امام اور سربراہ کو اپنے ماتحتوں کے احوال کی تفتیش کرنی چاہیے اور ان کو ان کی مصلحتوں کی طرف ہدایت دینی چاہیے اور ایسے امور بھی معلوم کرنے چاہئیں جن کو بیان کرنے سے لوگ حیاء کرتے ہیں جیسے نکاح کے معاملات ہیں۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کو چاہیے کہ خاوند کی خدمت کرے اور اس کی بہنوں اور دیگر قریبی رشتہ داروں مثلاً بیٹوں اور بھائیوں کے بھی کام کرے اور اگر مرد اپنی بیوی سے اس قسم کے کام لینے کا قصد کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، ہر چند کہ بیوی پر یہ خدمات واجب نہیں ہیں لیکن اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عرف اور دستور میں یہ مقرر تھا کہ بیویاں شوہروں کی یہ خدمات انجام دیتی ہیں، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر انکار نہیں فرمایا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے زمانہ میں جو بیویاں اپنے شوہر کے بوڑھے والدین کی خدمت کرتی ہیں اور ان کو کھانا وغیرہ پکا کر دیتی ہیں اور ان کا بستر صاف کرتی ہیں یہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

(۵) اس حدیث میں تَسْتَحِدُّ کا لفظ ہے: یعنی جس عورت کا شوہر غائب ہو اور اب وہ آنے والا ہو تو وہ اپنے زیر ناف بالوں کو استرے سے صاف کر لے۔ اس حدیث میں استرے کا ذکر ہے، تاہم اگر وہ کسی اور طریقہ سے مثلاً بال صفا صابن یا بال صفا پاؤڈر یا بال صفا کریم سے اپنے زیر ناف بالوں کو صاف کرے تو وہ بھی جائز ہے۔

(۶) اس حدیث میں الشعثة کا لفظ ہے: یعنی جس عورت کے بال بکھرے ہوئے ہوں تو وہ اپنے بالوں کو سنوار لے اور اپنے آپ کو اپنے شوہر کے ساتھ جماع کے لیے تیار کر لے، اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہروں کے لیے بناؤ سنگھار کریں تا کہ شوہر ان کے ساتھ ہم بستری میں رغبت کریں اور ان کی پراگندگی اور بدبو کی وجہ سے ان سے کراہت اور نفرت نہ کریں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۹۔۲۴۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح بخاری کی شروح

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث تفصیل اور اختصار کے ساتھ کتاب البیوع، کتاب الاستقراض، کتاب الجہاد اور کتاب الشروط میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کے تمام ضروری مباحث کی شرح کی جا چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ القسطلانی الشافعی التوفی ۹۱۱ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۰۴)

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الزرہونی المالکی التوفی ۱۳۰۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الامام ابن العربی المالکی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کتنی حسین ہے اور عجمیوں کا طریقہ کتنا قبیح ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کنواری بیویوں کے ساتھ خوش طبعی اور دل لگی کی ترغیب دیتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں: تم کنواری لڑکیوں اور ان کے کھیل سے کہاں غافل رہے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۸۰)

اور جاہل لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح عورتوں سے دور رہیں گے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ لوگوں سے گوشہ نشینی اور رہبانیت کا زمانہ تھا۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۳ ص ۲۱)

اور علامہ مناوی شافعی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنواری لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنا مستحب ہے اور مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا اور اس سے پُرلطف باتیں کرنا اور اس کے ساتھ ہنسنا حسن معاشرت ہے۔
(فیض القدیر ج ۴ ص ۵۸۴) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۰۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

شیخ عبد اللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی وجہ سے بیوہ عورت سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر کنواری لڑکی سے نکاح کرنا آسانی سے میسر ہو تو یہ افضل ہے۔ (شرح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۴۲۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۸۰۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَارِبٌ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما يَقُولُ تَزَوَّجْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا تَزَوَّجْتَ فَقُلْتُ تَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا فَقَالَ مَا لَكَ وَلِلْعَذَارَى وَلِعَابِهَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ فَقَالَ عَمْرٌو

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محارب نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے نکاح کر لیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: تم نے کس

سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ۔

سے شادی کی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے بیوہ عورت سے نکاح کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کنواری بیویوں اور ان کے ساتھ کھیل کود سے کیوں غافل رہے، محارب کہتے ہیں: میں نے اس حدیث کا عمرو بن دینار سے ذکر کیا تو عمرو نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ سنا ہے کہ انہوں نے بیان کیا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے کم عمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا تم اس کے ساتھ کھیلتے وہ تمہارے ساتھ کھیلتی۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۴۳، ۱۸۰۱، ۲۰۹۷، ۲۳۰۹، ۲۳۸۵، ۲۳۹۴، ۲۴۰۶، ۲۴۷۰، ۲۶۰۳، ۲۶۰۴، ۲۷۱۸، ۲۸۶۱، ۲۹۶۸، ۳۰۸۷، ۳۰۸۹، ۳۰۹۰، ۴۰۵۲، ۵۰۷۹، ۵۰۸۰، ۵۲۴۳، ۵۲۴۴، ۵۲۴۵، ۵۲۴۶، ۵۲۴۷، ۵۳۶۷، ۶۳۸۷، صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۱۴۴، سنن دارمی: ۲۲۱۶، صحیح ابن حبان: ۲۷۱۴، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۳)

مشہور شراح بخاری کا حدیث مذکور کی شرح نہ کرنا

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ، علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ القسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ ان سب نے اس حدیث کو چھوڑ دیا ہے اور اس کی شرح نہیں کی۔

بیوہ عورت کے مقابلہ میں کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کی فضیلت اور ترجیح

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں لعاب کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: کھیل کود اور یہاں اس سے مراد لعاب دہن ہے، اس میں بیوی کی زبان چوسنے اور اس کے ہونٹوں کو بوسا دینے کی طرف اشارہ ہے اور ایسا بوس و کنار کے وقت ہوتا ہے اور یہ بعید نہیں ہے جیسا کہ علامہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''تم کنواری لڑکیوں سے نکاح کرو کیونکہ ان کے منہ زیادہ میٹھے ہوتے ہیں اور ان کے رحم زیادہ فراخ ہوتے ہیں''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۱، المعجم الکبیر: ۳۵۰، سنن بیہقی: ۱۳۲۵۱)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم نے کم عمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا تم اس سے کھلتے وہ تم سے کھیلتی''۔ یعنی کنواری لڑکی سے نکاح کرتے تو اس سے الفت تامہ حاصل ہوتی کیونکہ بیوہ عورت کا دل تو ہوسکتا ہے کہ اپنے گزشتہ خاوند کے ساتھ متعلق ہو تو اس کی محبت کامل نہیں ہوگی، اس کے برخلاف کنواری لڑکی کا دل فارغ ہوگا اور تمہیں اس کی کامل محبت حاصل ہوگی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۳۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۱- بَابُ تَزْوِيجِ الصِّغَارِ مِنَ الْكِبَارِ

کم عمر لڑکی کا بڑی عمر کے مرد سے نکاح

۵۰۸۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی

خَطَبَ عَائِشَةَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ إِنَّمَا أَنَا أَخُوكَ فَقَالَ أَنْتَ أَخِي فِي دِينِ اللهِ وَكِتَابِهِ وَهِيَ لِي حَلَالٌ۔

(صحیح البخاری:۵۰۸۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۶۱، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۳۱)

از یزید از عراک از عروہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا تو حضرت ابوبکر نے کہا: میں تو صرف آپ کا بھائی ہوں، آپ نے فرمایا: تم میرے اللہ کے دین اور اس کی کتاب کے لحاظ سے بھائی ہو اور وہ میرے لیے حلال ہے۔

کم سن نابالغہ لڑکی کے نکاح کرنے کا باپ اور دادا کو اختیار اور نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ باپ دادا کے لیے اپنی کم سن بیٹیوں کا نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ بیٹیاں ابھی پالنے یا پنگھوڑے میں ہوں مگر ان کے شوہروں کے لیے ان سے اس وقت تک وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ جسمانی طور پر وطی کے قابل نہ ہو جائیں اور مردوں کا بوجھ اٹھا سکیں اور عورتوں کے احوال اس اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تو ان کی عمر چھ سال تھی اور جب آپ نے ان کے ساتھ شب زفاف گزاری تو اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ اور امام بخاری نے اس باب کے بعد اس حدیث کا اس باب میں ذکر کیا ہے: ''مرد کا اپنے چھوٹے بچوں کا نکاح کرنا''۔

جس حدیث میں کنواری لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کے نکاح کی ممانعت ہے وہ باپ اور دادا کے کیے ہوئے نکاح کے غیر پر محمول ہے

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ وہ بالغہ ہو کر نکاح کی اجازت نہ دے دے تو یہ ممانعت باپ، دادا کے کیے ہوئے نکاح کے غیر پر محمول ہے کیونکہ سنت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ باپ اپنی اتنی کم سن لڑکی کا نکاح کسی سے کر سکتا ہے جو ابھی اجازت دینے کے قابل نہ ہو۔

جب باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے یتیمہ نابالغہ کا نکاح کسی سے کر دیا تو اس کے جواز میں فقہاء کا اختلاف

اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب باپ کے علاوہ لڑکی کا کوئی اور سرپرست نابالغہ یتیمہ کا نکاح کسی سے کر دے آیا اس کا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔

ابن ابی لیلیٰ، امام مالک، اللیث، الثوری، امام شافعی، ابن ماجشون، امام احمد اور ابوثور نے کہا ہے کہ باپ کے علاوہ اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یتیمہ نابالغہ کا نکاح کسی سے کر دے اور اگر اس نے یہ نکاح کر دیا تو یہ نکاح باطل ہے۔ اور علامہ ابن المنذر نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ نابالغہ کا نکاح اس کے سرپرست نہیں کر سکتے، جب کہ وہ شخص موجود ہو جس کے لیے وصیت کی گئی ہو، اور امام شافعی کے نزدیک جب باپ موجود نہ ہو تو دادا باپ کے قائم مقام ہے۔

جب باپ کے علاوہ کسی اور ولی نے نابالغہ کا نکاح کر دیا تو اس میں لڑکی کو خیار بلوغ ہوتا ہے، اس کے متعلق فقہاء کے اقوال

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: جب باپ کے علاوہ کسی اور سرپرست نے نابالغہ لڑکی کا نکاح کسی سے کر دیا ہو تو اس میں لڑکی کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ بالغ ہو جانے کے بعد اس نکاح کو مسترد کر دے۔ یہ قول عطاء، حسن اور طاؤس سے منقول ہے اور یہی

امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے مگر انہوں نے دادا کو بھی باپ کے قائم مقام قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے کیے ہوئے نکاح کو بھی لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد نکاح کے فسخ کرنے کا کوئی بھی اختیار نہیں ہوتا۔

اور امام ابو یوسف نے کہا ہے: لڑکی کو کسی بھی سر پرست کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ نہیں ہوتا، اور امام احمد نے کہا: میرے نزدیک ولی اور قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی لڑکی کا نکاح اس کی عمر کے نو سال پورے ہونے سے پہلے کر دے اور جب اس کی عمر نو سال ہو جائے تو جب وہ بالغ ہو جائے اور وہ اس نکاح پر راضی ہو تو اس کو خیار بلوغ نہیں ہوتا۔

اس پر دلیل کہ خیار بلوغ اس وقت ہوتا ہے جب لڑکی بالغ ہو چکی ہو

جو فقہاء ایسی لڑکی کے لیے بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کے لیے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نابالغہ سے مشورہ لینے کا حکم دیا اور مشورہ اسی سے لیا جاتا ہے جس کو سمجھ ہو اور نکاح کا شعور ہو اور اس کے لیے بالغ ہونے کے بعد نکاح کو برقرار رکھنے یا مسترد کرنے کا اختیار ہے۔

جو فقہاء کہتے ہیں کہ نابالغہ کے لیے خیار بلوغ ہوتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نابالغہ سے اس کے متعلق مشورہ لیا جائے گا''۔

اور اس سے اس وقت مشورہ لینا درست ہے جب وہ بالغ ہو چکی ہو اور عقد نکاح اس کے مشورہ کے اوپر موقوف نہیں ہے کیونکہ عقد نکاح میں خیار بلوغ کا دخل نہیں ہے۔

امام مالک کے نزدیک یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی کے جبراً کیے ہوئے نکاح کے شرعی حکم میں فرق

اور امام مالک نے یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی میں فرق کیا ہے، پس وصی کو اجازت دی ہے کہ وہ یتیم لڑکے کا نکاح بالغ ہونے سے پہلے کر دے کیونکہ یتیم لڑکا اس پر قادر ہے کہ ولی نے اس کا نکاح جو جبراً کیا ہے وہ بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو طلاق دے کر ختم کر دے اور یتیم لڑکی اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ بالغ ہونے کے بعد عقد نکاح کو فسخ کرنے پر قادر نہیں ہے کیونکہ طلاق دینا عورتوں کے اختیار میں نہیں ہے، اس لحاظ سے یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی میں فرق ہے، اور اس لیے کہ سنت یہ ہے کہ یتیم لڑکی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور اس سے مشورہ اس کے بالغ ہونے کے بعد ہی لیا جائے گا، یہ امام مالک کا قول ہے۔

حدیث مذکور کے فقہی مسائل

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ منگیتر کے ولی کو اپنے نکاح کا پیغام دے جب کہ اسے یہ معلوم ہو کہ وہ اس کے پیغام کو مسترد نہیں کرے گا جب کہ ان کے درمیان محبت کا تعلق مستحکم ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں تو صرف آپ کا بھائی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص دوستی کی وجہ سے بھائی ہو اس کی بیٹی سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتایا کہ وہ صرف اسلام اور ایمان کے رشتہ سے بھائی ہیں نسب اور ولادت کے رشتہ سے بھائی نہیں ہیں اور فرمایا: ان کی بیٹی اللہ تعالیٰ کی وحی کے سبب سے میرے لیے حلال ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کا کارندہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی بیوی چھیننا چاہتا تھا تو انہوں نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ یعنی ایمان کے رشتہ سے کیونکہ اس وقت روئے زمین پر حضرت ابراہیم اور حضرت

سارہ علیہا السلام کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۹۔ ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اپنی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی پوری عبارت من وعن نقل کر دی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۱۹۔ ۲۱۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث کے عنوان کی حدیث کے ساتھ مطابقت نہ ہونے کے اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ اس باب کا عنوان ہے کہ کم عمر لڑکی کا بڑی عمر کے لڑکے کے ساتھ نکاح کرنا۔ اور حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات بہت مشہور تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت کم تھی۔

حافظ ابن حجر کی شرح پر علامہ عینی کا اعتراض

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: یہ جواب کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ اس باب کا عنوان مطلقاً کم عمر لڑکی کا بڑی عمر والے سے نکاح کے بیان میں ہے نہ کہ خصوصیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے متعلق ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۹)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے علامہ عینی کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں لکھا، دیکھیے:

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۶، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ میں تو صرف آپ کا بھائی ہوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چچا تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی بھتیجی تھیں اور عموماً بھتیجی کی عمر چچا سے کم ہوتی ہے اس لحاظ سے حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کم عمر لڑکی کا بڑی عمر کے لڑکے سے نکاح کر دینا چاہیے، لہٰذا حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہو گئی۔

امام بخاری پر اس اعتراض کا جواب کہ حدیث مذکور مرسل ہے متصل نہیں ہے اور ارسال صحت حدیث کے منافی ہے، پھر اس حدیث کا صحیح بخاری میں درج کرنا غلط ہے

اسماعیلی نے اس حدیث کی وجہ سے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں عروہ نے یہ بیان کیا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا" اب اعتراض یہ ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا یہ پیغام دیا تھا اس وقت عروہ تو موجود نہیں تھے تو لازماً انہوں نے یہ قصہ کسی اور سے سنا ہو گا اور اس راوی کا انہوں نے ذکر نہیں کیا، سو یہ حدیث مرسل ہے اور اگر اس مرسل کو صحیح بخاری میں درج کرنا صحیح ہے تو پھر امام بخاری کو چاہیے کہ وہ تمام احادیث مرسلہ کو اپنی صحیح میں درج کرتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں: ہر چند کہ یہ حدیث صورتاً مرسل ہے لیکن عروہ نے اس حدیث کو اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہو گا اور اپنے نانا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا ہو گا یا انہوں نے اس حدیث کو اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے سنا ہو گا اور علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ جب یہ معلوم ہو کہ راوی کی اس سے ملاقات ثابت ہے جس نے اس راوی کو اس حدیث کی خبر دی ہے اور وہ راوی مدلس نہ ہو تو اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے اس سے سنا ہے جس نے

اس کو اس حدیث کی خبر دی ہے، لہٰذا یہ حدیث صورتاً مرسل ہے حقیقتاً مرسل نہیں ہے اور رہا یہ کہنا کہ پھر امام بخاری کو چاہیے کہ وہ تمام احادیث مرسلہ کو اپنی صحیح میں درج کریں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کسی حکم اصلی پر مشتمل نہیں ہے، لہٰذا اس میں اس طرح کا تساہل جائز ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاری تمام احادیث مرسلہ کو اپنی صحیح میں درج کرتے۔ ہاں! یہ حدیث جس طرح مذکور ہے اس کے اعتبار سے امام دارقطنی اور امام ابونعیم اور امام حمیدی وغیرہم نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

اس تحقیق کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح کے مسائل مستنبطہ میں وہی مسائل لکھے ہیں جو علامہ ابن بطال مالکی کی شرح میں مذکور ہیں اور اس سے زائد کوئی بات نہیں لکھی، اور انہوں نے اپنی اس شرح میں اپنے استاذ علامہ ابن ملقن شافعی کی پیروی کی ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنی شرح میں اس حدیث کے مسائل میں ہو بہو وہی لکھا ہے جو علامہ ابن بطال مالکی نے اپنی شرح میں لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۰۔ ۲۴۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی ہونا تو مدینہ میں ظاہر ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام مکہ میں دیا تھا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صاحب التلویح نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی کتاب کے اعتبار سے میرے بھائی ہو حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوستی اور محبت تو مدینہ میں حاصل ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام مکہ میں دیا تھا۔

علامہ عینی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ مکہ میں بھی حضرت ابوبکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوستی اور آپ کا قرب حاصل تھا اس لیے آپ کا انہیں دینی بھائی قرار دینا درست ہے۔ ہاں! اس کا زیادہ ظہور مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔

اس اعتراض کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نکاح کا پیغام نہیں دیا تھا بلکہ اس پیغام کے لیے حضرت خولہ کو بھیجا تھا

صاحب التلویح نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نکاح کا پیغام نہیں دیا تھا کیونکہ امام ابن عاصم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت خولہ بن حکیم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس نکاح کا پیغام دینے کے لیے بھیجا تو ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کس طرح مناسب ہے حالانکہ وہ ان کی بھتیجی ہے۔ حضرت خولہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب بتایا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم دوبارہ ابوبکر کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تم میرے اسلام میں بھائی ہو اور تمہاری بیٹی کا میرے ساتھ شرعاً نکاح ہو سکتا ہے۔ جب حضرت خولہ نے حضرت ابوبکر کو یہ بات بتائی تو حضرت ابوبکر نے ان سے کہا: جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا لاؤ، پس جب آپ آئے تو حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔

علامہ عینی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: ہو سکتا ہے بعد میں جب حضرت ابوبکر آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو خود بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا ہو۔

اس کے بعد علامہ عینی نے بھی اس حدیث کے مسائل فقہیہ میں علامہ ابن بطال مالکی کی عبارت نقل کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دیگر اہم شراح بخاری کی شروح

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ اور نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی اپنی شروح میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۰۵، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۲۰۷، عون الباری ج ۵ ص ۴۰۱)

شیخ العثیمین کی نکاح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمروں کو بیان کرنے میں غلطی

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب عورت کم سن ہو اور مرد بڑی عمر کا ہو تو ان کے نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو وہ کم سن تھیں اور آپ کی عمر زیادہ تھی۔ جب آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت آپ کی عمر ترپن (۵۳) سال تھی۔ (میں کہتا ہوں: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ عمر عقد نکاح کے تین سال بعد تھی، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شب زفاف کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا گیا تھا اور عقد نکاح کے وقت آپ کی عمر پچاس (۵۰) سال تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چھ سال تھی، سو شیخ عثیمین کی مذکور الصدر عبارت غلط ہے۔ سعیدی غفرلہ)

غیر مسلم مستشرقین کے اس زعم کا رد کہ کم عمر لڑکی کا بڑی عمر کے مرد کے ساتھ نکاح کرنا ظلم ہے

بعض مستشرقین یہ کہتے ہیں: کہ کم عمر لڑکی کا نکاح بڑی عمر کے مرد کے ساتھ کر دینا ظلم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ یہ ظلم ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکاح نہ کرتے کیونکہ ایسے نکاح میں عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کم عمر لڑکی کا باپ مال کی لالچ میں اپنی بیٹی کا نکاح بڑی عمر کی لڑکے کے ساتھ کر دیتا ہے اور یہ نکاح حرام ہوتا ہے تو کیا العیاذ باللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مال کے لالچ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا تھا۔

اس پر دلائل کہ باپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کسی اور سے کر دے

اور اس پر عقلی دلیل یہ ہے کہ جب باپ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بیٹی کی کسی معمولی چیز کو بھی اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دے تو اس کو یہ کیسے اختیار ہوگا کہ وہ خود اپنی بیٹی کو اس کی اپنی اجازت کے بغیر فروخت کر دے کیونکہ نکاح کے وقت عورت قیدی کی مثل ہوتی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: ''عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی امان اور ضمانت سے حاصل کیا ہے اور تم نے ان کی فروج کو اللہ کے کلمہ سے حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ان کو نہ آنے دیں کو تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مارو جو زیادہ ظاہر نہ ہو اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم دستور کے مطابق ان کو کھانا اور کپڑا دو''۔
(صحیح مسلم: ۱۲۱۸، سنن ابو داؤد: ۱۹۰۵، ۱۹۰۹، سنن ترمذی: ۸۶۳، سنن نسائی: ۲۷۰۸، ۲۷۳۶، ۲۷۳۹، سنن ابن ماجہ: ۳۰۷۴، مسند احمد: ۱۴۴۴۷)

لہٰذا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح ایسے مرد سے کر دے جس کو اس کی بیٹی ناپسند کرتی ہو۔

باپ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو غیر کفوء میں نکاح کرنے سے منع کرے

ہاں! اگر بالفرض بیٹی کسی ایسے مرد کے ساتھ نکاح کو پسند کرے جو اس کے باپ کا دین میں کفوء نہ ہو یا خلق میں اس کا کفوء نہ ہو تو ایسی صورت میں باپ کو یہ اختیار ہے کہ وہ بیٹی کو ایسے مرد کے ساتھ نکاح کرنے سے مصلحت کی وجہ سے منع کرے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی شخص کا کم عقل بیٹا اپنے مال میں تصرف کر کے اس مال کو فاسد کرے تو باپ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے مال میں تصرف کرنے پر پابندی لگائے۔ اسی طرح جب کسی شخص کی بیٹی غیر کفوء میں نکاح کرنا چاہتی ہو تو باپ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کو غیر کفوء میں نکاح کرنے سے منع کرے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۳۲-۴۳۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

نکاح غیر کفوء میں مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ: اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ کفوء اصل میں دین اور اسلام میں مساوات ہے، اگر خاندان اور مال و دولت اور صنعت و حرفت میں مساوات نہ ہو تب بھی اسلام میں یہ نکاح جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آزاد عورت کا نکاح فصد کاٹنے والے غلام سے کر دیا۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۶، مراسیل ابی داؤد ص ۱۲، تفسیر قرطبی ج ۱۶ ص ۳۴۱، یونان، روح المعانی ج ۲۶ ص ۶۳، بیروت)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۳۶-۱۳۷، روح المعانی ج ۲۲ ص ۲۳، بیروت تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۸۰، دار الفکر، بیروت)

نیز امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

یحییٰ بن ابی کثیر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب تمہارے پاس ایسے شخص کے نکاح کا پیغام آئے جس کی دینداری اور اخلاق تمہیں پسند ہوں تو اس سے نکاح کر دو خواہ وہ کوئی بھی شخص ہو اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں بہت زیادہ فتنہ اور فساد پھیلے گا۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۱۵۳، بیروت، جامع ترمذی ص ۱۷۵، کراچی، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۵، سنن ابن ماجہ ص ۱۴۱، کراچی، کنز العمال ج ۱۶ ص ۳۱۷)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس قرشیہ کا نکاح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کر دیا جو غلام کے بیٹے تھے، پھر اس نکاح کی خیر کی وجہ سے عرب کی عورتیں حضرت فاطمہ بنت قیس قرشیہ پر رشک کرتی تھیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۴، کراچی، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۱۲-۳۱۱، لاہور، سنن نسائی ج ۲ ص ۵۸، کراچی، سنن ترمذی ص ۱۸۳-۱۸۲، کراچی، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۴، کراچی، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۳۶، ملتان)

ہم نے جن احادیث سے غیر کفوء میں نکاح کے جواز پر استدلال کیا ہے یہ سب مستند احادیث ہیں۔ مزید تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۹۱-۹۶۴ اور شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۴۰۵-۱۰۲۳ کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۲- بَابٌ إِلَى مَنْ يَنْكِحُ وَأَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ وَمَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يَتَخَيَّرَ لِنُطَفِهِ مِنْ غَيْرِ إِيجَابٍ

کس قسم کی عورت سے نکاح کیا جائے اور کون سی عورت سے نکاح کرنا سب سے افضل ہے اور اپنی نسل چلانے کے لیے اچھی عورت کو منتخب کرنا مستحب ہے مگر یہ واجب نہیں ہے

مذکور الصدر تین عنوانوں کا ثبوت اور ان کی توجیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ عنوان تین احکام پر مشتمل ہیں: پہلا اور دوسرا عنوان اس حدیث سے واضح ہے جو نکاح کرنے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ وہ قریش کی عورتوں سے نکاح کرے کیونکہ قریش کی عورتیں سب عورتوں سے بہتر ہیں۔ رہا تیسرا عنوان تو وہ اس حدیث سے بہ طور التزام ثابت ہے کیونکہ جب ثابت ہو گیا کہ قریش کی عورتیں سب سے بہتر ہیں تو ان عورتوں کو ہی اپنی نسل کے فروغ کے لیے عقد میں لانا چاہیے، اور اس تیسرے عنوان کا ثبوت اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہے جس کو امام ابونعیم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

''اپنے نطفوں کے لیے (عمدہ عورتوں کو) اختیار کرو اور کفوء میں نکاح کرو''۔

اس حدیث کی سند میں مقال ہے، اور اس حدیث کی دو سندیں ہیں جن میں سے ایک سند دوسری سند سے قوی ہو جاتی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۸۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹوں پر سواری کریں ان میں قریش کی عورتیں سب سے زیادہ نکاح کی صلاحیت رکھتی ہیں جو اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں زیادہ شفیق ہوتی ہیں اور جو اپنے شوہر کے مال کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۳۴۳۴، ۵۰۸۲، ۵۳۶۵، صحیح مسلم: ۲۵۲۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۱۳۴، مسند ابویعلیٰ: ۶۶۷۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۹۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۵، مسند احمد: ۷۶۹۵)

دین دار اور معزز گھرانوں کی خواتین سے نکاح کی ترغیب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: صرف عرب کی عورتیں اور عرب کی عورتوں میں سے قریش کی عورتیں اونٹوں پر سواری کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ اپنی اولاد پر شفیق ہوتی ہیں اور اپنے شوہروں کے اموال کی حفاظت کرتی ہیں کیونکہ ان کے نفوس بہت کریم ہوتے ہیں اور یہ اپنے شوہروں کی وفادار ہوتی ہیں اور ان سے خیانت نہیں کرتیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد اپنی قوم کے عورتوں کے فضائل بیان کر سکتا ہے، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دین دار اور معزز گھرانوں کی عورتوں سے نکاح کیا جائے کیونکہ اس اقدام سے انسان گناہوں سے مجتنب رہتا ہے، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم نکاح کے لیے دین دار عورت کو اختیار کرو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۴۰۔۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اونٹ پر سواری کرنے کی فضیلت

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مذکور الصدر حدیث کی روایت کرنے کے بعد کہا: حضرت مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔ (صحیح مسلم: ۲۵۲۷)
یعنی حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام چونکہ عرب کی رہنے والی نہیں تھیں اس لیے وہ کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عرب کی خواتین کے علاوہ دیگر ملکوں کی خواتین میں بھی خیر ہوتی ہے مگر عرب کی خواتین میں زیادہ خیر ہوتی ہے۔
اور معمر نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ نکاح کرنے کا پیغام دیا تو انہوں نے عذر پیش کیا: یا رسول اللہ! اب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میرے بال بچے ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹوں پر سواری کرتی ہوں۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم: ۲۵۲۷، الرقم المسلسل: ۶۳۵۴)
اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ چھوٹے بچوں پر شفیق ہوتی ہیں۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ حدیث میں اَحناہ کا لفظ ہے اور یہ الحنان سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: رحمت اور اسی سے حنین الجذع ماخوذ ہے یعنی کھجور کا وہ ستون جس سے ٹیک لگا کر آپ خطبہ دیتے تھے، پس جب آپ منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینے لگے تو وہ ستون آپ کے فراق میں زور زور سے رونے لگا۔
(صحیح البخاری: ۳۵۸۳) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۵۴۸۔ ۵۴۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اپنے نطفوں کے لیے بہترین عورتوں کا انتخاب

نیز علامہ ابن ملقن حدیث صحیح البخاری: ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ترغیب دی ہے کہ نیک اور دین دار عورتوں سے نکاح کرنا چاہیے اور اونٹوں پر سوار ہونے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں تم دین دار عورت سے نکاح کرو۔ (صحیح البخاری: ۵۰۹۰، صحیح مسلم ۱۴۶۶)
اس حدیث میں مذکور ہے کہ اپنے نطفوں کے لیے بہترین عورتوں کو منتخب کرنا مستحب ہے، اور امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے نطفوں کے لیے تم بہترین عورتوں کو منتخب کرو اور تم کفوء میں نکاح کرو''۔
(سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۸، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۳) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۲۱۔ ۲۲۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

احناہ کا معنی اور احناھن نہ کہنے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۳۴۳۴ کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے: احناہ یعنی قریش کی عورتیں چھوٹے بچوں پر زیادہ شفیق ہوتی ہیں۔ الحانیہ اس عورت کو کہتے ہیں جو بچوں کے باپ کے مرنے کے بعد بچوں کی پرورش کرتی ہے اور جو عورت بچوں کے باپ کے مرنے کے بعد دوسری شادی نہ کرے۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اگر وہ عورت بعد میں دوسری شادی کر لے تو وہ الحانیہ نہیں ہے، اور حنین الجذع بھی اسی سے ماخوذ ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ لفظ احناہن ہوتا لیکن عربوں کی زبان پر احناہ جاری ہے۔

حضرت مریم بنت عمران قریش کی عورتوں کی افضلیت میں داخل نہیں ہیں کیونکہ وہ کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ”حضرت مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں“۔
اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت مریم اس افضلیت میں داخل نہیں ہیں اور اس افضلیت میں حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن داخل ہیں کیونکہ وہ تمام عورتوں سے افضل ہیں، البتہ جن علماء نے کہا ہے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں تو اگر ان کا نبیہ ہونا ثابت ہو تو شرعاً اس تفضیل سے خارج ہیں کیونکہ نبوت کے درجہ کے بعد اور کوئی درجہ نہیں ہے، اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو پھر حضرت مریم اس افضلیت میں داخل نہیں ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشارہ کیا ہے کہ حضرت مریم اس عموم میں داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ فضیلت ان عورتوں کے لیے ہے جو اونٹوں پر سواری کرتی ہوں اور حضرت مریم کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔

بعض علماء کے نزدیک حضرت مریم نبیہ ہیں اور جمہور کا قول اس کے خلاف ہے

حضرت مریم کے نبیہ ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ (آل عمران: ۴۲)

اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا اور تمہیں پاک کر دیا اور تمہیں تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی ○

اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت مریم کا سورۂ مریم میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے جس طرح نبیوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور حضرت مریم کا جو لقب صدیقہ ہے وہ ان کے نبیہ ہونے سے مانع نہیں ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا لقب بھی صدیق ہے اور وہ نبی ہیں۔
امام اشعری سے منقول ہے کہ خواتین میں نبیات بھی ہیں اور ابن حزم نے وثوق کے ساتھ چھ خواتین کو نبیہ کہا ہے: (۱) حضرت حواء (۲) حضرت سارۃ (۳) حضرت ہاجر (۴) حضرت ام موسیٰ (۵) حضرت آسیہ (۶) حضرت مریم۔
اور علامہ قرطبی نے حضرت سارہ اور حضرت ہاجر کا ذکر نہیں کیا اور اس کو علامہ السہیلی نے ”الروض الانف“ میں اکثر فقہاء سے نقل کیا ہے، اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ حضرت مریم نبیہ ہیں اور قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ جمہور اس کے مخالف ہیں، اور علامہ نووی نے ”الاذکار“ میں امام الحرمین سے نقل کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ حضرت مریم نبیہ نہیں ہیں، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ نہ عورتوں میں کوئی نبیہ تھی اور نہ جنات میں کوئی نبی ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے بقیہ مباحث کی شرح ہم کتاب النکاح میں کریں گے۔
(فتح الباری ج ۴ ص ۶۰۸۔ ۶۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت مریم بنت عمران خواہ نبیہ ہوں یا نہ ہوں وہ قریش کی تمام عورتوں سے افضل ہیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:
احادیث الانبیاء کے آخر میں یہ حدیث (صحیح البخاری: ۳۴۳۴) گزری ہے جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ حضرت مریم کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں اور ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت مریم قریش کی عورتوں کی اس افضلیت میں داخل نہیں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت مریم کی فضیلت ہے اور وہ قریش کی تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ خواہ وہ نبیہ ہوں یا نہ ہوں اور ”کتاب المناقب“ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ ”تمام عورتوں میں سے سب سے افضل حضرت مریم ہیں اور تمام عورتوں میں سب

سے افضل حضرت خدیجہ ہیں''۔اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے زمانہ میں تمام عورتوں سے افضل ہیں۔
اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس حدیث میں قرشی عورتوں کے ساتھ نکاح کی ترغیب ہے اور اس حدیث میں اس سے تعرض نہیں ہے کہ حضرت مریم مطلقاً افضل ہیں یا اپنے زمانہ کی عورتوں سے افضل ہیں۔
(فتح الباری ج ٦ ص ٢٥١، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

اس سوال کا جواب کہ قریش کی عورتیں سب سے بہترین عورتیں کیسے ہوسکتی ہیں جب کہ وہ حضرت مریم سے افضل نہیں ہیں

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اگر تم یہ سوال کرو کہ قریش کی عورتیں حضرت مریم ام عیسیٰ علیہ السلام سے کیسے افضل ہوں گی خصوصاً جب کہ ان کے متعلق نبیہ ہونے کا بھی بعض علماء کا قول ہے۔ بعض شارحین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ سب سے بہترین عورتیں وہ ہیں جو اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ جواب نفع بخش نہیں ہے اور ممکن ہے اس سوال کا یہ جواب دیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقاً قریش کی عورتوں کو افضل نہیں فرمایا بلکہ قریش کی نیک عورتوں کے متعلق فرمایا ہے اور حضرت مریم علیہا السلام قریش میں سے نہیں تھیں اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قریش کی عورتیں بہترین عورتوں میں سے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہی بہترین عورتیں ہیں، یعنی ان کے علاوہ بھی بہترین عورتیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ١١٠، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی طرف سے علامہ عینی حنفی کے اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:
علامہ بدر الدین عینی نے یہ جواب بھی حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح سے اخذ کیا کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا کہ ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ اس حدیث کو قرشیات کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب میں وارد کیا ہے اور اس حدیث میں حضرت مریم اور دیگر ان عورتوں کے ساتھ تعرض نہیں کیا گیا جو اپنے اپنے زمانہ میں گزر چکی ہیں۔
(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ٢ ص ٢٨٧، مکتبۃ الرشد، ریاض، ١٤١٨ھ)

حدیث مذکور کے مسائل

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الزرہونی المالکی المتوفی ١٣١٨ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ مناوی شافعی نے کہا ہے کہ اخلاق کی عمدگی میں نسب کی تاثیر ہوتی ہے اور قریش کے نسب میں فضیلت ہے اور اولاد پر شفقت اور مہربانی مطلوب اور مرغوب ہے اور اس حدیث میں معزز عورتوں سے نکاح کی ترغیب ہے خصوصاً قرشیات سے۔
(فیض القدیر ج ٣ ص ٦٥٦) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ١١ ص ٧١٣، مکتبۃ الرشد، ریاض، ١٤٣٠ھ)

اوصاف محمودہ کی ترغیب

شیخ عبد اللہ بن باز الحنبلی المتوفی ١٤٢٠ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں قریش کی نیک عورتوں سے نکاح کی ترغیب ہے اور اس میں قریش کی اکثر نیک عورتوں کی عظیم فضیلت ہے اور

اس حدیث میں اوصاف حمیدہ کی ترغیب ہے۔

تابعین تبع تابعین سے افضل ہوتے ہیں لیکن یہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ بعض تبع تابعین، تابعین سے افضل ہیں

شیخ محمد صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں قریش کی عورتوں کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح فرمائی ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قریش کی عورتوں کی جنس دوسری عورتوں کی جنس سے افضل ہے لیکن اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ قریش کی ہر عورت دوسری عورت سے افضل ہے تا کہ ہم فضیلت کے باب میں فرق کو پہچانیں۔ ایک جنس دوسری جنس سے افضل ہوتی ہے اور ایک فرد دوسرے فرد سے افضل ہوتا ہے، مثلاً ہم کہتے ہیں: تابعین تبع تابعین سے افضل ہوتے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تابعین کا ہر فرد تبع تابعین سے افضل ہو، کیونکہ بعض تبع تابعین، تابعین سے افضل ہیں (جیسے یزید تابعی ہے اور مکی بن ابراہیم اور امام احمد بن حنبل اور امام مالک بن انس تبع تابعین ہیں اور وہ یزید سے افضل ہیں، اسی طرح حجاج بن یوسف بھی تابعی ہے اور یہ حضرات تبع تابعی ہیں اور یہ حضرات حجاج بن یوسف سے افضل ہیں، اسی طرح میں کہتا ہوں کہ: مرد کی جنس عورت کی جنس سے افضل ہے لیکن مرد کا ہر فرد ہر عورت سے افضل نہیں ہے کیونکہ کتنا ہی پاک باز اور عابد وزاہد مرد ہو اور کامل متقی ہو اور اعلیٰ نسب کا ہو لیکن وہ حضرت مریم بنت عمران، حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن سے افضل نہیں ہو سکتا۔ سعیدی غفرلہ) (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۳۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۱۳۔ بَابُ: اِتِّخَاذِ السَّرَارِيِّ وَمَنْ أَعْتَقَ جَارِيَتَهُ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا

باندیوں کو رکھنا اور جس شخص نے اپنی باندی کو آزاد کیا، پھر اس سے نکاح کرلیا

اَلسَّرَارِی کا معنی اور باندیوں کو رکھنے کے متعلق احادیث

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان میں السراری کا لفظ ہے، یہ سُرِّیَّۃ کی جمع ہے اور کبھی اس لفظ کو سِرِّیَّۃ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ تَسَرِّی سے ماخوذ ہے اور اس کی اصل اَلسِّر ہے اور یہ جمع کے اسماء میں سے ہے۔ اس کو اِسْتِسْرار بھی کہا جاتا ہے۔ باندیوں پر سراری کا اطلاق اس وجہ سے کیا گیا ہے کیونکہ باندی کے ساتھ جو معاملات ہوتے ہیں ان کو بیوی سے مخفی رکھا جاتا ہے، اس عنوان میں اتخاذُ السَّرَارِیِّ کہا ہے یعنی باندیوں کو رکھنا۔ اس کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم باندیوں کو لازماً رکھو کیونکہ ان کے رحم برکت والے ہوتے ہیں''۔ اس حدیث کی امام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

اور امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم امہات الاولاد سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہارے سبب سے قیامت کے دن فخر کروں گا''۔ اس حدیث کی سند پہلی حدیث کی سند سے زیادہ عمدہ ہے لیکن اس میں باندیوں کے رکھنے کی تصریح نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۸۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ صَالِحٍ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا الشَّعْبِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں صالح بن صالح الہمدانی نے حدیث بیان کی

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَيُّمَا رَجُلٍ كَانَتْ عِنْدَهُ وَلِيدَةٌ فَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا وَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِي فَلَهُ أَجْرَانِ وَأَيُّمَا مَمْلُوكٍ أَدَّى حَقَّ مَوَالِيهِ وَحَقَّ رَبِّهِ فَلَهُ أَجْرَانِ قَالَ الشَّعْبِيُّ خُذْهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ قَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِيمَا دُونَهَا إِلَى الْمَدِينَةِ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَعْتَقَهَا ثُمَّ أَصْدَقَهَا۔

انہوں نے کہا: ہمیں شعبی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو بردہ نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کے پاس کوئی باندی ہو، پس اس نے اس کو اچھے طریقہ سے تعلیم دی اور اس کو اچھے طریقہ سے ادب سکھایا، پھر اس کو آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور اہل کتاب میں سے جو مرد اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر ایمان لایا تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جس غلام نے اپنے مالک کا حق ادا کیا اور اپنے رب کا حق ادا کیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں''۔ شعبی نے کہا: اس حدیث کو بغیر کسی عوض کے لو اور پہلے اس سے کم مقدار کے متن کی حدیث کے حصول کے لیے آدمی مدینہ تک کا سفر کرتا تھا، اور ابو بکر نے کہا از ابی حصین از ابی بردہ از والد خود از نبی ﷺ: ''اس نے اس کو آزاد کیا، پھر اس کا مہر دیا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۹۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۹۷، ۲۵۴۴، ۲۵۴۸، ۲۵۵۱، ۳۰۱۱، ۳۴۴۶، ۵۰۸۳، صحیح مسلم: ۱۵۴، سنن ابو داؤد: ۲۰۵۳، سنن ترمذی: ۱۱۱۶، سنن نسائی: ۳۳۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۵، مسند احمد: ۱۹۵۳۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۳۱۱۲، مسند ابو عوانہ ج ا ص ۱۰۳، مشکل الآثار: ۱۹۶۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۸، شعب الایمان: ۸۶۰۸، مسند الحمیدی: ۷۶۸، سنن سعید بن منصور: ۹۱۳، سنن دارمی: ۲۲۴۴، الادب المفرد: ۲۰۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۵۰۲، صحیح ابن حبان: ۲۲۷، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۳۱، شرح السنۃ: ۲۶، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۸۸۹، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۸، مسند ابو یعلیٰ: ۷۳۰۸، کتاب الادآب للبیہقی: ۷۱)

باندیوں کو رکھنے کے متعلق قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے دلائل

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باندیوں کو رکھنا مباح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ (المومنون: ۸۔۷)

اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ○ سوا اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے، سو بے شک ان میں وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں ○ اور جس نے ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا، سو وہی لوگ (اللہ کی حدود سے) تجاوز کرنے والے ہیں ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باندیوں کے ساتھ مباشرت کو اسی طرح حلال کیا ہے جس طرح بیویوں کے ساتھ مباشرت کو حلال کیا ہے اور نبی ﷺ نے باندیوں کو آزاد کرنے اور ان کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے: ایسے شخص کو دگنا اجر ملے گا، اور امام بخاری نے صحیح البخاری: ۵۰۸۴ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ ایک

کافر نے حضرت سارہ کو ایک باندی (حضرت ہاجر علیہا السلام) ہبہ کر دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو قبول کر لیا۔

کسی باندی کو آزاد کر کے اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دینا آیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی یا امت کے لیے بھی ایسا کرنا جائز ہے، اس مسئلہ کے متعلق فقہاء مذاہب کی آراء

فقہاء اسلام کا اس میں اختلاف ہے کہ کسی شخص نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو اس کے متعلق بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دیا تو یہ جائز ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا اور سعید بن المسیب، طاؤس، ابراہیم النخعی، الحسن البصری، الثوری، اور امام ابو یوسف، امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے اور آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو آپ نے اس طرح کیا یعنی انہیں آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ کے لیے تو یہ بھی جائز ہے کہ آپ کسی عورت سے بغیر مہر کے نکاح کر لیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین میں سے کسی کو اس کی اجازت نہیں دی۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام زفر، امام محمد اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

جن فقہاء نے کہا ہے کہ مومنین کے لیے بھی یہ جائز ہے کہ وہ باندی کو آزاد کر کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دیں وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی اسی طرح کیا جس طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا تھا۔ آپ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کر لیا اور ان کو جو آزاد کیا تھا اس کو ان کا مہر قرار دیا۔ اس حدیث کی حماد بن زید نے از ایوب از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو جو آزاد کیا تھا تو ہم نے غور کیا کہ اس کا معاملہ کس طرح تھا، پس امام ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بنو المصطلق کا مال غنیمت حاصل کیا تو حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں، پس انہوں نے اپنے آپ کو مکاتبہ قرار دیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بدل کتابت میں استعانت کے لیے آئیں تو آپ نے ان سے فرمایا: "کیا میں تم کو اس سے بہتر بات نہ بتاؤں میں تمہاری طرف سے تمہارا بدل کتابت ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر دیتا ہوں؟" انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جو کہا تھا کہ آپ نے حضرت جویریہ کا مہر ان کے آزاد کرنے کو قرار دیا تھا تو وہ دراصل بدل کتابت تھا اور یہی ان کا مہر ہو گیا تھا، پس جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا ہے تو یہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ حکم آپ کی امت کے لیے نہیں ہے۔

آیا نکاح کے انعقاد کے لیے دو مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری ہے یا صرف نکاح کا اعلان ہی انعقاد نکاح کے جواز کے لیے کافی ہے، اس مسئلہ میں فقہاء اسلام اور فقہاء مذاہب کی آراء

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مالک کے لیے یہ جائز ہے کہ جب وہ اپنی باندی کو آزاد کرے تو وہ اس سے خود نکاح کر لے اور اس کے جواز کے لیے سلطان یا ولی کا نکاح کرنا ضروری نہیں ہے اور عنقریب اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ''باب الولی'' میں ذکر کیا جائے گا۔

علامہ ابن المنذر مالکی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا جو خود سے نکاح کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ بغیر گواہوں کے نکاح کا منعقد ہونا جائز ہے جب اس کا اعلان ہو جائے، اور یہ الزہری، اہل المدینہ، امام مالک اور عبداللہ بن الحسن اور ابو الثور کا مذہب ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نکاح کیا اور ان کے نکاح میں دو گواہ حاضر نہیں تھے، اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا نکاح کیا اور اس وقت ان کے ساتھ لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا، پھر بعد میں انہوں نے نکاح کا اعلان کیا اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ دو عادل (نیک مسلمان) گواہوں کے سوا نکاح جائز نہیں ہے۔ یہ مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، النخعی، سعید بن المسیب اور الحسن البصری کا ہے، اور الثوری، الاوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا: دو گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے اور یہ جائز ہے کہ خواہ ان دو گواہوں کو حد قذف لگی ہو، یا دونوں فاسق ہوں یا دونوں نابینا ہوں اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ فاسق کی شہادت مردود ہے۔

اور یزید بن ہارون، اصحاب رائے (فقہاء احناف) پر عتاب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو خرید و فروخت کے وقت گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، پس فرمایا:

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ۔ (البقرہ: ۲۸۲) اور جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کا حکم دیا اور اس میں گواہ بنانے کا حکم نہیں دیا تو اصحاب الرائے کا یہ زعم ہے کہ خرید و فروخت جس میں اللہ تعالیٰ نے گواہ بنانے کا حکم دیا ہے وہ بغیر گواہ بنانے کے جائز ہے اور نکاح جس میں اللہ تعالیٰ نے گواہ بنانے کا حکم نہیں دیا اور وہ نکاح بغیر گواہوں کے جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن المنذر مالکی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اختلاف ہے۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح کا منعقد کرنا جائز ہے اور جس حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنا ہے۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کے اصحاب کا اس میں اختلاف ہوا تھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجہ ہیں یا آپ کی باندی ہیں اور ان کو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ آپ کی زوجہ ہیں جب آپ نے نکاح کے بعد ان کو حجاب میں رکھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے حضرت صفیہ سے نکاح کے وقت کسی کو گواہ نہیں بنایا تھا اور ان کے ساتھ نکاح کے اعلان کو کافی قرار دیا تھا اور اگر اس نکاح پر کوئی گواہ ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ نکاح مخفی نہ ہوتا اور ان کو یہ اشتباہ نہ ہوتا کہ آیا حضرت صفیہ آپ کی زوجہ ہیں یا آپ کی باندی ہیں حتیٰ کہ ان کو حجاب میں رکھنے سے انہیں معلوم ہوا کہ وہ آپ کی زوجہ ہیں۔

اور صحیح البخاری کی ''کتاب المغازی'' میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کے پیچھے ایک پردہ لٹکا دیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۴۳۔۱۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس حدیث کے راوی ابوبردہ کا تذکرہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث ابوبردہ کے والد سے مروی ہے اور ابوبردہ کا نام عامر بن ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری ہے جو کوفہ کے قاضی تھے اور ایک سو چار یا ایک سو تین (۱۰۳۔۱۰۵ھ) میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری بیالیس، تینتالیس یا چوالیس ہجری (۴۲۔۴۳۔۴۴ھ) میں فوت ہوئے تھے۔

جس نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا، اس کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

اس حدیث میں مذکور ہے: جس نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے جس نے اس کو آزاد کیا، پھر اس کا مہر ادا کیا۔ (صحیح البخاری: ۲۵۴۴)

اور اسماعیلی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ اس نے باندی کو آزاد کیا، پھر اس سے مہر جدید کے ساتھ نکاح کیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔

شیخ ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی روایت میں یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی ابوبکر سے متفرد ہے (یہ اس کا نام اور کنیت ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام شعبہ ہے اور یہ ایک سو بیس (۱۲۰) ہجری میں فوت ہو گئے تھے)۔ ابن حزم نے کہا کہ یحییٰ بہت ضعیف راوی ہے اور جو ثقہ راویوں سے حدیث مشہور ہے اس میں مہر جدید کے الفاظ نہیں ہیں۔
(المحلی ابن حزم ج۹ ص ۵۰۵۔۵۰۴)

اس حدیث میں امام شافعی اور امام مالک کی یہ دلیل ہے کہ مالک کا اپنی باندی کو آزاد کر دینا اس کا مہر نہیں ہوتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کرنے کو جو ان کا مہر قرار دیا تھا یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ (مختصر المزنی ج۳ ص ۲۶۲)

میں کہتا ہوں کہ: یہ صرف امام مالک اور امام شافعی کا مذہب نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام زفر کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۱۴۲) لیکن علامہ ابن ملقن نے تعصب کی بنا پر امام ابوحنیفہ کا اس مسئلہ میں نام ذکر نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں کہ: حضرت صفیہ کی حدیث کے ظاہر سے امام احمد بن حنبل اور اسحاق نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ جب مالک اپنی باندی کو آزاد کر دے تو وہ آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دے سکتا ہے۔ (المغنی ج۹ ص ۴۵۳)

اہل کتاب میں سے جو اسلام لے آئے اس کو دو اجر ملنے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اہل کتاب میں سے جو مرد اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر ایمان لایا اس کے لیے دو اجر ہیں۔

علامہ داؤدی المتوفی ۴۰۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس حدیث میں جو فرمایا ہے: وہ اہل کتاب سے ہو یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہو، جب کہ یہود اور نصاریٰ میں سے جو کافر ہیں وہ اس حدیث کے مصداق نہیں ہیں کیونکہ کفر پر خیر کی جزاء نہیں دی جاتی اور ان کا استدلال ان آیتوں سے ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر بھی

يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞ (القصص: ۵۲ تا ۵۴)

ایمان رکھتے ہیں ○ اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے، ہم اس سے پہلے ہی مسلمین اور اطاعت شعار ہو چکے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دگنا اجر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو اچھائی سے دور کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں ○

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۲۴۔۲۲۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

جن لوگوں کو ان کے نیک عمل پر دو اجر دیئے جائیں گے ان کے متعلق دیگر روایات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو دگنا اجر دیا جائے گا ان کی امام بخاری نے تین قسمیں لکھی ہیں: (۱) اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے والا (۲) اہل کتاب میں سے ایمان لانے والا، ان کے متعلق بحث ''کتاب العلم'' میں گزر چکی ہے (۳) وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی حق ادا کرے۔ اس پر بحث ''کتاب العتق'' میں گزر چکی ہے۔

(۱) امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار لوگوں کو دگنا اجر دیا جائے گا، ان میں سے تین تو وہی ہیں جن کا صحیح البخاری: ۵۰۸۳، میں ذکر ہے اور چوتھے کے متعلق یہ اضافہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں جن کو دگنا اجر دیا جائے گا۔

(۲) کتاب التفسیر کے باب: ''جو قرآن مجید پڑھنے کا ماہر ہو'' میں یہ حدیث گزر چکی ہے: ''جو قرآن مجید کی تلاوت کرے اور اس پر تلاوت دشوار ہو اس کو دگنا اجر دیا جائے گا''۔

(۳) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''جو عورت اپنے قریبی رشتہ دار پر صدقہ کرے اس کو دگنا اجر دیا جائے گا، ایک اجر صدقہ کا ہو گا اور دوسرا اجر صلہ رحم کا ہو گا'' یہ حدیث ''کتاب الزکاۃ'' میں گزر چکی ہے۔

(۴) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''جو حاکم صحیح فیصلہ کرے اس کو دو اجر ملتے ہیں''۔ یہ حدیث عنقریب ''کتاب الاحکام'' میں آئے گی۔

(۵) حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''جس نے اسلام میں کوئی نیا اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کو اس پر عمل کرنے کا اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اس کو ملے گا''۔ الحدیث

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''جس نے ہدایت کی دعوت دی'' اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''جس نے نیکی کی دعوت دی'' اور ان تینوں حدیثوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی ان کو دو اجر ملیں گے، اور ان تینوں حدیثوں کی امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے۔

(۷) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جس شخص نے تیمم کیا، پھر اسے پانی مل گیا، پھر اس نے نماز دہرائی تو اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا''۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے، اور اگر زیادہ تتبع کیا

جائے تو اس قسم کی اس سے زیادہ احادیث مل جائیں گی اور ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث صحیح البخاری: ۵۰۸۳، میں دگنا اجر دیئے جانے کے متعلق جن تین لوگوں کا ذکر ہے اس سے مفہوم مخالف مراد نہیں ہے بلکہ اور بھی کئی لوگوں کو ان کے عمل پر دو اجر دیئے جائیں گے۔

بعض جن لوگوں کو یہ احادیث معلوم نہیں ہوئیں انہوں نے کہا ہے کہ جس شخص نے اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا تو اس کا یہ عمل مکروہ ہے اور عطاء اور حسن بصری کہا کرتے تھے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے حالانکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اس کو دو اجر ملیں گے۔

اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے کے لیے مہر جدید ضروری ہے اور اس باندی کو آزاد کرنا اس کے مہر کے لیے کافی نہیں ہے، اور اس مسئلہ میں شیخ ابن حزم ظاہری کا رد

اس روایت میں ابو بردہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس مرد کے پاس کوئی باندی ہو، پس اس نے اس کو اچھی تعلیم دی اور اس کو اچھا ادب سکھایا، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں''۔

امام بخاری نے اس حدیث سے اس دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ''وہ مہر جدید کے ساتھ اس سے نکاح کرے اس کو آزاد کرنے کے سوا''۔ نہ اس طریقہ سے جیسا کہ آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ اس کا ذکر اس کے بعد والے باب میں آئے گا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے گا اس کو مہر دینا ہوگا کیونکہ صحیح البخاری: ۵۰۸۳، میں یہ تصریح نہیں ہے بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس باندی کو آزاد کرنا ہی اس کا مہر ہوگا، اور ہم نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تائید میں درج ذیل احادیث ہیں:

(۱) امام ابو داؤد الطیالسی نے اپنی مسند میں ابو بکر بن عیاش سے یہ حدیث روایت کی ہے: ہمیں ابو بکر الخیاط (درزی) نے حدیث بیان کی: ''جب کوئی مرد اپنی باندی کو آزاد کر دے، پھر اس کو مہر جدید دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں''۔ اور ابو بکر جو اس حدیث کے راوی ہیں کسی وقت میں درزی کا کام کرتے تھے اور وہ حدیث کے مشہور حفاظ میں سے ایک ہیں اور مشہور قراء میں سے ایک ہیں۔ امام عاصم ان سے روایت کرتے ہیں اور امام بخاری نے بھی ان کی حدیث موصول سے استدلال کیا ہے اور الحسن بن سفیان اور ابو بکر البزار نے بھی اپنی اپنی مسندوں میں ان سے حدیث روایت کی ہے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابو بکر بن عیاش کی یہ توثیق اور تعدیل اس لیے کی ہے کہ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے ابو بکر بن عیاش کی اس روایت کو یحییٰ کے تفرد کی وجہ سے مسترد کر دیا ہے اور یحییٰ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (المحلیٰ ابن حزم ج ۹ ص ۵۰۵-۵۰۴) سعیدی غفرلہ)

(۲) اسماعیلی نے حسن بصری سے یہ روایت کی ہے کہ ''کسی شخص نے اپنی باندی کو آزاد کیا، پھر مہر جدید کے ساتھ اس سے نکاح کر لیا''۔ الحدیث۔ اسی طرح اس حدیث کی یحییٰ بن عبد الحمید الحمانی نے اپنی مسند میں ابو بکر سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے اور چونکہ ابن حزم ظاہری کو صرف الحمانی کی روایت کا علم تھا اس وجہ سے اس نے مہر جدید کے اضافہ کو ضعیف قرار دیا، اور اس کا ان کو ضعیف قرار دینا درست نہیں ہے۔

امام ابو نعیم نے ذکر کیا ہے کہ ابو بکر، ابو حصین سے روایت کرنے میں متفرد ہیں اور اسماعیلی نے ذکر کیا ہے:

اس حدیث میں ابوبکر بن عیاش کی روایت میں اضطراب ہے اور یہ اضطراب متن میں ہے سند میں نہیں ہے اور انہوں نے اس پر استدلال کیا ہے کہ باندی کو آزاد کرنا ہی اس کا مہر نہیں ہوتا اور اس حدیث کی اس پر کوئی دلالت نہیں ہے اور یہ دو اجر ملنے کی شرط ہے اور اس نکاح کے جواز کی شرط نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح بخاری کی شروح

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۲۔۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ صحیح بخاری ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر یہ ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ باندیوں کو رکھنا جائز ہے۔

(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۳۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے کہ جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر باقی رہا اس کو دو اجر ملیں گے۔ رہے یہود اور اکثر نصاریٰ تو وہ اس طرح نہیں ہیں اور کفر پر خیر کا اجر نہیں دیا جاتا اور مصابیح میں کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد یہودیت پر باقی رہے ان پر یہ بات صادق نہیں آئے گی کہ وہ اپنے نبی پر ایمان لائے۔ انہوں نے کہا کہ پس یہ دونوں جماعتیں اس حدیث کی بشارت سے خارج ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۰۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنی باندی کو اچھی تعلیم دی اور اچھا ادب سکھایا''۔ الحدیث

اس سے معلوم ہوا کہ انسان سے سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنے ماتحت لوگوں کو کتنی تعلیم دی اور کتنا ادب سکھایا اور بہت لوگوں کو علم ہوتا ہے لیکن وہ علم کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے اور ادب نہیں کرتے اور بہت لوگ ادب کرتے ہیں لیکن ان کو علم نہیں ہوتا اور انسان کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب اس کو علم بھی حاصل ہو اور وہ باادب بھی ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۳۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۸۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ح حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ إِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ بَيْنَمَا إِبْرَاهِيمُ مَرَّ بِجَبَّارٍ وَمَعَهُ سَارَةُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ فَأَعْطَاهَا هَاجَرَ قَالَتْ كَفَّ اللهُ يَدَ الْكَافِرِ وَأَخْدَمَنِي آجَرَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَتِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن تلید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے جریر بن حازم نے خبر دی از ایوب از محمد از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ح) اور ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از حماد بن زید از ایوب از محمد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ کے ملک سے گزرے اور ان کے ساتھ حضرت سارہ علیہا السلام تھیں، پھر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوری حدیث ذکر کی، پس اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ علیہا السلام کو حضرت ہاجر علیہا السلام ہبہ کر دی۔ حضرت سارہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کافر کے ہاتھ کو روک دیا اور میری خدمت کے لیے آجر دے دی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تمہاری ماں ہیں اے آسمان کے پانی کے بیٹو!۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲۱۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۲۱۷، ۲۶۳۵، ۳۳۵۷، ۳۳۵۸، ۶۹۵۰، صحیح مسلم: ۲۳۷۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۴، مسند احمد: ۹۲۴۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۳۷۳، سنن ترمذی: ۳۱۶۶، سنن ابوداؤد: ۲۲۱۲، مسند ابویعلیٰ: ۶۰۳۹، صحیح ابن حبان: ۵۸۳۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۶۶، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۲۲)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ حافظ ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ صحیح البخاری: ۲۲۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں غُطَّ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: اس کا گلا گھٹ گیا اور اس کا پیر زمین میں دھنس گیا، نیز اس حدیث میں اَخْدَمَ کا لفظ ہے یعنی اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو ایک خادمہ دی جس کا نام آجَر ہے اور یہی ہاجَر ہے۔ ہاء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔

حدیث مذکورہ کے فقہی مسائل، بیوی کو ماں یا بہن کہنے سے نہ طلاق ہوتی ہے نہ ظہار

جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری بہن ہو اور ان الفاظ سے طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی، اور اگر اس نے کہا تم میری بہن کی مثل ہو اور ظہار کا ارادہ نہیں کیا تو ظہار نہیں ہوگا۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا مشرک حربی سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

(اعلام السنن فی شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

حدیث مذکور کے الفاظ کی تحقیق اور مشکل الفاظ کے معانی

قاضی بدرالدین محمد بن ابوبکر الدمامینی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت سارہ: معروف یہ ہے کہ اس میں راء پر تشدید نہیں ہے اور الزرکشی نے کہا ہے کہ اس میں راء پر تشدید ہے۔ (التنقیح ج ۲ ص ۴۹۶)

ظالم بادشاہ: اس کا نام عمرو بن امرئ القیس بن سبا تھا۔ اور یہ مصر کا حاکم تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کبت الکافر: یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کافر کو ذلیل کر دیا اور اس کو منہ کے بل گرا دیا۔

(مصابیح الجامع ج ۵ ص ۱۰۶۔۱۰۴، ملخصاً، دار النوادر دمشق ۱۴۳۱ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس بستی میں گئے تھے اس بستی کا نام اور اس ظالم بادشاہ کا نام

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۲۲۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن قتیبہ نے کہا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے ساتھ جس بستی میں داخل ہوئے تھے اس بستی کا نام الارمن تھا۔
اور اس بادشاہ کا نام صاروق تھا۔
اور حضرت ہاجر قبط کے کسی بادشاہ کی بیٹی تھی۔ (المعارف لابن قتیبہ ص ۷)
امام طبری نے لکھا ہے کہ مصر کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیوی کا نام ہاجر تھا، جب اس کو اہل عین شمس نے قتل کر دیا تھا تو وہ اس کو اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے تھے اور ان کا یہ زعم ہے کہ جس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کی بے حرمتی کا ارادہ کیا تھا اس کا نام سنان بن علوان تھا جو الضحاک کا بھائی تھا۔ (تاریخ الطبری ج ا ص ۱۴۸-۱۷۵)

حضرت سارہ علیہا السلام کا تذکرہ

علامہ السہیلی نے ''الروض الانف'' میں لکھا ہے کہ: حضرت سارہ توبیل بن ناحور کی بیٹی تھیں۔ دوسرا قول ہے کہ وہ ہاران بن ناحور کی بیٹی تھیں اور تیسرا قول ہے کہ وہ ہاران بن تارخ کی بیٹی تھیں۔ اس قول کی بنا پر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھتیجی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بہن تھیں، یہ القتبی کا قول ہے۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۳۱)
النقاش نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بھتیجی کے ساتھ نکاح حلال تھا، پھر نقاش نے اپنے اس قول کے خلاف درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ (الشوریٰ: ۱۳)

اس نے تمہارے لیے اس دین کو مشروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

نقاش نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی شریعت میں بھتیجی کے ساتھ نکاح کرنا حرام تھا۔
علامہ السہیلی المتوفی ۵۷۱ ھ نے کہا ہے کہ یہی قول برحق ہے اور جن لوگوں نے یہ وہم کیا ہے کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھتیجی تھیں اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی تھے اور وہ ہاران اصغر ہیں اور حضرت سارہ ہاران اکبر کی بیٹی تھیں اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے، تو گویا حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد بہن تھیں۔
(الروض الانف ج ا ص ۱۶)

ظالم بادشاہ کا حضرت سارہ کے ساتھ بے حرمتی کا ارادہ اور اس کا نام اور اس کا ذلیل ہونا اور حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کی تعظیم کرنا

ابو محمد عبدالملک بن ہشام نے اپنی کتاب ''التیجان'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے مدین کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ تین سو بیس (۳۲۰) مومنین تھے اور مصر کا بادشاہ اس وقت عمرو بن امری القیس بن بابلیون بن سبا تھا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ماموں تھا، پس حناط نام کے ایک شخص نے ان کو بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے ساتھ سفر کر رہے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ ابراہیم اور سارہ کو اس کے پاس لایا جائے، پس اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو الگ کر دیا اور خود حضرت سارہ کی

طرف بری نیت سے کھڑا ہوا۔ ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام محل کے باہر سے ان کو ایک شفاف بوتل میں سے دیکھ رہے تھے، انہوں نے اس ظالم بادشاہ کو اور حضرت سارہ کو دیکھا اور ان کی باتیں سنیں، پھر جب اس نے حضرت سارہ کا ارادہ کیا اور اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا تو اس کا ہاتھ شل ہو کر سوکھ گیا، پھر اس نے دوسرا ہاتھ بڑھایا تو وہ بھی شل ہو کر سوکھ گیا، پھر جب اس نے یہ معاملہ دیکھا تو کہا: اے سارہ! تم سے کس طرح مرد اپنی خواہش پوری کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں اپنے شوہر کے سوا تمام مخلوق سے روکی گئی ہوں۔ تب اس ظالم بادشاہ نے کہا: ابراہیم کو بلاؤ، پھر اس نے کہا: اے ابراہیم! تم اپنے دل میں کیا سوچ رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے بادشاہ! تمہارا پورا محل مجھے اس شفاف بوتل میں دکھائی دے رہا تھا اور تم نے جو کچھ بھی کیا وہ مجھ پر مخفی نہیں ہے۔ تب اس بادشاہ نے کہا: اے ابراہیم! تمہارا مرتبہ بہت بلند ہے۔ امام ابن ہشام نے کہا کہ حناط نے بادشاہ کو بتایا کہ حضرت سارہ چکی پیستی ہیں۔ تب بادشاہ نے کہا: چکی پیسنا ان کے لیے مناسب نہیں ہے، پھر اس نے حکم دیا کہ ان کی خدمت کے لیے ان کو ہاجر ہبہ کر دی جائے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۴ ص ۵۴۹۔۵۴۸، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہ ظاہر تین جھوٹوں کے توریہ ہونے کی تفصیل

علامہ علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ صحیح البخاری ۲۲۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظالم بادشاہ کے کارندہ سے حضرت سارہ کے متعلق کہا کہ یہ میری بہن ہے، الحدیث۔

سنو! انبیاء علیہم السلام کا کذب کسی حال میں بھی جائز نہیں، اس اصل کے مطابق اعتقاد رکھنا چاہیے اور اخبار آحاد سے اس کے خلاف عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسی بات کہی جو جھوٹ کے مشابہ تھی۔

ابوبکر بن الانباری نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام صادق تھا اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد صرف یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسی بات کہی جو بہ ظاہر جھوٹ کے مشابہ تھی اور حقیقت میں جھوٹ نہیں تھی۔ ابن عقیل حنبلی نے کہا: عقل کے نزدیک قطعی دلیل یہ ہے کہ رسول کے کلام پر اعتماد ہونا ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو خبریں لے کر آئے ہیں وہ صادق ہیں اور اگر ان کے کلام میں جھوٹ ممکن ہو تو ان کی تصدیق کیسے کی جائے گی۔ اس حدیث میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین ظاہری جھوٹ ذکر کیے گئے ہیں وہ صورتاً جھوٹ ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مجازاً جھوٹ فرمایا۔

علامہ ابن الجوزی الحنبلی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام بطور معاریض تھا، البتہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ کی مشابہت سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا: آپ ہماری شفاعت کریں تو وہ کہیں گے کہ میں (ظاہراً) جھوٹ بول چکا ہوں اور ان کا کلام جو بہ طور تعریض تھا وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْــَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۶۲۔۶۳)

انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟ O (ابراہیم نے) کہا: بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے (یعنی ابراہیم نے) ان میں کا بڑا یہ ہے، سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں O

اس کلام کے بہ طور معاریض ہونے کی تقریر یہ ہے کہ الکسائی سے منقول ہے کہ وہ بل فعلہ پر وقف کرتے ہیں یعنی حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یہ جس نے بھی کیا ہے اس نے کیا ہے، اور ابن قتیبہ نے کہا: اس کا معنی ہے: اگر یہ بول سکتے ہیں تو پوچھو ان کا بڑا یہ ہے جس نے یہ کیا ہے یعنی انہوں نے اس بڑے بت کی پرستش کو باطل کرنے کے سبب سے اس کی طرف بتوں کے توڑنے کی نسبت کی تو یہ سبب کی طرف نسبت ہے اور مجاز عقلی ہے اور حقیقتاً جھوٹ نہیں ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۝ (الصافات: ۸۸ تا ۹۰) پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی O پھر کہا: میں بے شک بیمار ہونے والا ہوں O سو وہ پیٹھ موڑ کر چلے گئے O

اس آیت میں اِنِّیْ سَقِیْمٌ کا معنی ہے: میں بیمار ہوں، حالانکہ وہ بیمار نہیں تھے تو اس میں تعریض یہ ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا کہ یہ میری بہن ہیں، اس سے مراد ان کی اسلام کی اخوت تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توریہ پر علامہ ابن جوزی کا اشکال اور پھر ان کا جواب

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: میرے دل میں ہمیشہ یہ اشکال کھٹکتا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توریہ کر کے بیوی کی بجائے بہن کہنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ یہ معلوم ہے کہ اگر وہ کہتے کہ یہ میری بیوی ہے تو اس میں زیادہ سلامتی ہوتی کیونکہ جب انہوں نے کہا: یہ میری بہن ہے تو ظالم بادشاہ یہ کہتا کہ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دو اور جب وہ یہ کہتے کہ یہ میری بیوی ہے تو وہ خاموش ہو جاتا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ بادشاہ شریعت کے موافق عمل کرتا لیکن جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ اس بادشاہ نے ظلماً حضرت سارہ کی طرف بری نیت سے ہاتھ بڑھایا تھا تو وہ بدکار اور بے دین شخص تھا، اس کو اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہوتیں یا بہن ہوتیں اور میں اس مسئلہ پر ہمیشہ علماء سے مذاکرہ اور بحث کرتا رہا لیکن کسی نے اس کا مجھے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔

ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ مجوسی تھے اور ان کے دین میں بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا اور جب کسی بیوی کا شوہر اس کا بھائی ہو تو وہ دوسروں سے زیادہ اس کا مستحق ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ اس ظالم بادشاہ سے اس کی شریعت کے مطابق یہ بتائیں کہ حضرت سارہ ان کی بہن ہیں، لیکن جب کہ وہ ظالم بادشاہ کسی دین کی رعایت نہیں کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کرم فرمایا اور کافر کے ہاتھ سے ان کی بیوی کو بچا لیا۔ میں نے اہل کتاب کے بعض علماء سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ جس شخص کی کوئی بیوی ہو تو اس سے دوسرا شخص اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اس کی بیوی کے شوہر کو قتل نہ کر دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم تھا اس لیے انہوں نے حضرت سارہ کے متعلق کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ اگر وہ بادشاہ عادل ہوا تو وہ مجھے حضرت سارہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دے گا تو میں اس کو منع کر دوں گا اور اگر وہ ظالم ہوا اور اس نے ظلماً حضرت سارہ کو چھین لیا تو میں قتل ہونے سے بچ جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ حضرت سارہ کی عصمت کی حفاظت کرے گا۔ (کشف المشکل ج ۳ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

علامہ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، صحیح البخاری: ۵۰۸۴ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مفصل شرح احادیث الانبیآء کے باب میں گزر چکی ہے۔
علامہ ابن المنیر نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس جہت سے ہے کہ حضرت ہاجر حضرت ابراہیم کی مملوکہ تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو ملکیت میں لانے کے بعد ان کو ام ولد بنا لیا تھا تو وہ آپ کی باندی تھیں۔

حافظ ابن حجر شافعی کی طرف سے علامہ عینی حنفی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ لکھا تھا کہ اگر علامہ ابن المنیر کا یہ ارادہ ہے کہ صحیح بخاری میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجر کو اپنی باندی بنایا، پھر ام ولد بنایا تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ صحیح البخاری میں صرف یہ مذکور ہے کہ حضرت سارہ حضرت ہاجر کی مالک ہو گئی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کو ام ولد بنانا صحیح البخاری میں مذکور نہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۳) علامہ عینی حنفی نے اس پر یہ اعتراض کیا تھا کہ حافظ ابن حجر کا علامہ ابن منیر پر یہ اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ علامہ ابن منیر کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجر کو اپنی ملکیت میں لانے کے بعد اپنی باندی بنایا، لہٰذا یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۳)
حافظ ابن حجر علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں: علامہ عینی کی عادت ہے کہ وہ حافظ ابن حجر پر طعن و تشنیع کرتے ہیں جبکہ حافظ ابن حجر کی شرح کا خلاصہ بھی وہی ہے جو علامہ عینی نے لکھا ہے۔
(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)
حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ہاجر حضرت سارہ کی ملکیت میں تھیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے یہ طلب کیا کہ وہ حضرت ہاجر کو انہیں ہبہ کر دیں تو حضرت سارہ نے اس شرط پر حضرت ہاجر کو ہبہ کر دیا کہ وہ حضرت ہاجر سے تنہائی میں نہ ملیں۔ حضرت ابراہیم نے اس شرط کو پورا کیا، پھر حضرت سارہ کو حضرت ہاجر پر غیرت آئی تو اس سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجر کو اور ان کے صاحبزادے کو مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا۔ اس کی کچھ تفصیل احادیث الانبیاء کے باب میں گزر چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دیگر شراح بخاری کی شروح

علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے کہ اے آسمان کے پانی کے بیٹو! اس سے مراد عرب ہیں کیونکہ عربوں کی معیشت پانی پر تھی۔
(الکوثر الجاری ج ۸ ص ۳۳۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)
علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں التوضیح اور فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۰۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)
علامہ زرہونی مالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ نے لکھا ہے: اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹوں کا ذکر ہے، یہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے تعریض اور توریہ تھے۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۷۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں فتح الباری کا خلاصہ لکھا ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۳۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۸۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلَاثًا يُبْنَى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ فَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَأُلْقِيَ فِيهَا مِنَ التَّمْرِ وَالْأَقِطِ وَالسَّمْنِ فَكَانَتْ وَلِيمَتَهُ فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ فَقَالُوا إِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ مِنْ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّى لَهَا خَلْفَهُ وَمَدَّ الْحِجَابَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن قیام کیا، آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی کے ساتھ شب زفاف گزاری، پس میں نے مسلمانوں کو آپ کے ولیمہ کی طرف بلایا، اس ولیمہ میں نہ روٹی تھی اور نہ گوشت تھا، آپ نے چمڑے کا ایک بڑا ٹکڑا منگایا اور اس میں کھجوریں، پنیر اور گھی رکھ دیا گیا، پس یہ آپ کا ولیمہ تھا تو مسلمانوں نے (آپس میں کہا:) یہ امہات المومنین میں سے ایک ہیں یا آپ کی باندی ہیں؟ پھر انہوں نے کہا: اگر آپ نے حضرت صفیہ کو حجاب میں رکھا تو یہ امہات المومنین میں سے ہیں اور اگر آپ نے ان کو حجاب میں نہیں رکھا تو پھر یہ آپ کی باندی ہیں، پھر جب آپ روانہ ہوئے تو آپ نے اپنی سواری کے پیچھے ان کے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور ان کے اور لوگوں کے درمیان حجاب ڈال دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۱ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۳۷۱، ۶۱۰، ۹۴۷، ۲۲۳۵، ۲۲۲۸، ۲۲۸۹، ۲۸۹۳، ۲۹۴۳، ۲۹۴۴، ۲۹۴۵، ۲۹۹۱، ۳۰۸۵، ۳۰۸۶، ۳۳۶۷، ۳۶۴۷، ۴۰۸۳، ۴۰۸۴، ۴۱۹۷، ۴۱۹۸، ۴۲۰۰، ۴۲۱۱، ۴۱۱۲، ۵۱۵۹، ۵۱۶۹، ۵۳۸۷، ۵۴۲۵، ۶۳۶۳، ۶۳۶۹ صحیح مسلم: ۱۸۰۲، الرقم المسلسل: ۳۵۸۴، سنن نسائی: ۳۳۸۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۹۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۳۹۹، صحیح ابن خزیمہ: ۳۹۱، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۱۲۷، صحیح ابن حبان: ۶۵۲۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۲، مسند احمد: ۱۱۹۹۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اس حدیث میں حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی کا ذکر ہے اس لیے ہم پہلے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب کا تذکرہ کر رہے ہیں:

حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کا تذکرہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے نکاح کا مفصل واقعہ

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی المالکی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

ان کا پورا نام حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب بن شعبہ بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن النضیر ہے۔ یہ بنی اسرائیل میں سے حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی نواسی تھیں اور ان کی والدہ کا نام برہ بنت سموال تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۲۰، المعارف: ۱۳۸، تہذیب الکمال: ۱۶۸۶، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۲۹، الاصابہ: ۱۱۴۷، اسد الغابہ: ۷۰۶۳)

امام ابوعبیدة نے کہا ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی پہلے سلام بن مشکم کے نکاح میں تھیں اور وہ شاعر تھے، پھر اس کے بعد ان کا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا اور وہ بھی شاعر تھے۔ غزوۂ خیبر میں ان کو قتل کر دیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہجری میں ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کے قیدیوں کو جمع کیا تو آپ کے پاس حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ آئے، پس انہوں نے کہا: مجھے قیدیوں میں سے ایک باندی دے دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور کوئی باندی لے لو تو انہوں نے حضرت صفیہ بنت حیی کو لے لیا، پس آپ کو بتایا گیا: یا رسول اللہ! یہ تو قریظہ اور نضیر کی سردار ہیں اور یہ صرف آپ کے لائق ہیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی سے فرمایا کہ جاؤ ان کے علاوہ کسی اور باندی کو لے لو۔

(صحیح البخاری: ۳۷۱، صحیح مسلم: ۱۸۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۹۸، سنن نسائی ۳۳۸۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۲)

ابن شہاب نے کہا ہے: حضرت صفیہ ان میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہ طور فئی عطا کیا تھا۔ آپ نے ان کو پردہ میں رکھا اور کھجوروں اور ستو کے ساتھ ان کا ولیمہ کیا اور ان کی باری تقسیم کی اور وہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے ایک تھیں۔

ابوعمرو نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے چن لیا تھا اور وہ آپ کے مال غنیمت میں سے تھیں، پھر آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا تھا اور اس میں اختلاف نہیں ہے اور اکثر فقہاء کے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ کا حکم امت کے باقی افراد کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور وہ اس وقت رو رہی تھیں، آپ نے ان سے پوچھا: تمہیں کیا چیز رلا رہی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے میری مذمت کی ہے اور وہ کہتی ہیں کہ ہم صفیہ سے افضل ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی بیٹیاں ہیں اور آپ کی ازواج ہیں، آپ نے ان سے فرمایا: تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ آپ مجھ سے کیسے افضل ہو سکتی ہیں حالانکہ میرے باپ ہارون ہیں اور میرے چچا موسیٰ ہیں اور میرے خاوند سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۸۹۲، المستدرک ج ۴ ص ۲۹، کنز العمال: ۳۴۳۸۷)

حضرت صفیہ کی باندی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور اس نے شکایت کی کہ حضرت صفیہ ہفتہ کے دن سے محبت رکھتیں اور یہود کے ساتھ حسن سلوک کرتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق سوال کیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رہا ہفتہ کا دن تو جب سے اسلام نے جمعہ کے دن کو ہفتہ سے بدل دیا ہے میں اس سے محبت نہیں کرتی، اور رہے یہود تو میری ان سے رشتہ داریاں ہیں تو میں ان سے صلہ رحم کرتی ہوں، پھر حضرت صفیہ نے اپنی باندی سے پوچھا: تمہیں اس شکایت پر کس نے برانگیختہ کیا؟ اس نے کہا: شیطان نے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو۔

حضرت صفیہ حلیمہ، عاقلہ اور فاضلہ تھیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رمضان پچاس (۵۰) ہجری میں ان کی وفات ہو گئی۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۴۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے فضائل، ان کی خصوصیات اور ان کی روایات

علامہ عزالدین ابن الاثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری الشافعی المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت صفیہ بنت حیی ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کو حج کروانے کے لیے لے گئے، پس جب آپ راستہ میں تھے تو ایک مرد اترا اور اس نے ازواج کی سواریوں کو تیزی کے ساتھ چلایا، پس جس وقت وہ سفر کر رہے

تھے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا حالانکہ وہ اس پر اچھی طرح سوار تھیں، پس وہ رونے لگیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی گئی تو آپ ان کے پاس آئے اور اپنے ہاتھ سے ان کے آنسو پونچھنے لگے اور وہ زیادہ رو رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو منع فرما رہے تھے، جب وہ زیادہ روئیں تو آپ نے ان کو جھڑکا اور لوگوں کو سواریوں سے اترنے کا حکم دیا، پس وہ اتر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اترنے کا ارادہ نہیں تھا اور وہ میری باری کا دن تھا، جب لوگ سواریوں سے اتر گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ پر پردہ ڈال دیا گیا تو آپ اپنے خیمہ میں گئے، حضرت صفیہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے پتا نہیں چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں جلدی قیام کیا اور مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں مجھ سے ناراضگی ہے، پس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور ان سے کہا: آپ جانتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے جس دن کو مقرر کیا ہے میں وہ دن کسی کو فروخت کرنے والی نہیں ہوں اور میں آج اپنی باری آپ کے لیے ہبہ کرتی ہوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے راضی کر دیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: ٹھیک ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دوپٹہ کو زعفران کے ساتھ رنگا اور اس کو پانی کے ساتھ دھویا تاکہ اس کی ناگوار بو زائل ہو جائے، پھر انہوں نے اپنا لباس پہنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئیں اور ان کے خیمہ کا پردہ اٹھایا۔ آپ نے پوچھا: اے عائشہ! کیا بات ہے؟ آج کا دن تو تمہاری باری کا نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کرے، پھر آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ سو گئے، پھر جب شام کا وقت ہوا تو آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے زینب! تم اپنا اونٹ اپنی بہن صفیہ کو دے دو اور حضرت زینب اس اونٹ پر بہت سواری کرتی تھیں، حضرت زینب نے کہا: میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر غضب ناک ہوئے، پھر آپ نے حضرت زینب سے ملنا چھوڑ دیا حتیٰ کہ آپ مکہ میں آئے اور سفر کے دوران منیٰ میں آئے حتیٰ کہ مدینہ کی طرف لوٹ گئے اور محرم اور صفر کا مہینہ گزر گیا اور آپ حضرت زینب کے پاس نہیں گئے اور نہ ان کی باری مقرر کی اور حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مایوس ہو گئیں، پھر جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ حضرت زینب کے پاس چلے گئے، پس حضرت زینب نے آپ کا سایا دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ کسی مرد کا سایا ہے اور میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو نہیں آرہے پھر یہ شخص کون ہے؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس داخل ہوئے تو حضرت زینب نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میرے پاس آئے ہیں (تو میں اس خوشی میں) کیا کروں اور ان کی ایک باندی تھی جس کو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپا کر رکھتی تھیں، انہوں نے وہ باندی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے تخت پر چلے گئے، پھر آپ اپنی اہلیہ سے ہم آغوش ہوئے اور ان سے راضی ہو گئے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۸)۔ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سمیہ نے روایت کی ہے۔ امام ابوداؤد اور دیگر محدثین نے ان سے روایت کی ہے اور کسی نے ان کو ضعیف نہیں کہا۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۱۔ ۳۲۰)

نیز علامہ ابن الاثیر امام احمد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے آئیں اور آپ ان سے باتیں کر رہے تھے اور اس وقت آپ مسجد میں معتکف تھے، پھر آپ مجھے رخصت کرنے کے لیے مسجد کے دروازہ پر آئے تو وہاں سے انصار کے دو مرد گزرے۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ واپس جانے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو! یہ صفیہ ہیں تو انہوں نے کہا: نعوذ باللہ! سبحان اللہ! یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ: شیطان ابن آدم کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۷)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات چھتیس (۳۶) ہجری میں ہوئی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی وفات پچاس (۵۰) ہجری میں ہوئی ہے۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۷ ص ۱۷۰۔ ۱۶۸، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب الاسرائیلیہ ام المومنین حضرت ہارون علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے ہیں۔ ان سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم ایک حدیث پر متفق ہیں۔ الواقدی نے کہا: ان کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پچاس ہجری میں ہوئی۔ (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۴۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اس اعتراض کے جوابات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو حضرت دحیہ کو ہبہ کر کے ان سے واپس لے لیا تھا حالانکہ یہ مکروہ ہے

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری ۳۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اعتراض مذکور کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ سے فرمایا تھا کہ مال غنیمت میں سے کوئی باندی لے لو، پھر بعد میں شارع علیہ السلام پر یہ ظاہر ہوا کہ حضرت صفیہ چونکہ نبوت کے گھرانے سے ہیں اور حضرت ہارون کی اولاد سے ہیں اور قریظہ اور النضیر کی سردار ہیں۔ علاوہ ازیں وہ بے حد حسین وجمیل تھیں اور حسن و جمال کثرت نکاح اور کثرت جماع کا محرک ہوتا ہے اور اولاد کے حسن و جمال کا باعث ہوتا ہے اس لیے آپ نے ان کو اپنے لیے واپس لے لیا اور آپ کا یہ اقدام شہوت نفسانیہ کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ آپ اس سے معصوم ہیں۔

(۲) حضرت دحیہ نے اپنی رضا سے حضرت صفیہ کو واپس کیا اور ان کو دوسری باندیوں میں سے کوئی باندی لینے کی اجازت دی گئی تھی۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کو یہ اجازت دی تھی کہ تم کوئی عام باندی لے لو اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم سب سے افضل باندی کو لینا، پھر جب شارع علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ حضرت صفیہ اپنے نسب، شرف اور جمال کی وجہ سے سب سے عمدہ ہیں تو آپ نے حضرت صفیہ کو اپنے ساتھ ملا لیا تا کہ ان کی وجہ سے حضرت دحیہ کا امتیاز نہ ہو اور لوگوں میں اس وجہ سے انتشار نہ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مفاسد کو منقطع کرنے کے لیے ان سے حضرت صفیہ کو واپس لے لیا اور اس کے عوض میں ان کو سات دوسری باندیاں عطا کیں تا کہ ان کی دل جوئی ہو اور وہ مطمئن ہوں اور آپ نے ان کو یہ باندیاں بہ طور انعام عطا کیں تھیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت صفیہ تو مال غنیمت میں سے تھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ حضرت صفیہ اموال فئے میں سے تھیں کیونکہ حضرت صفیہ کنانہ بن الربیع کی بیوی تھیں اور ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ آپ سے کسی خزانے کو نہیں چھپائیں گے اور اگر انہوں نے کسی خزانہ کو چھپایا تو پھر آپ پر ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ نے حیی بن اخطب سے خزانہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کو چھپا لیا اور کہا کہ وہ خرچ ہو چکا ہے، پھر آپ اس خزانہ پر مطلع ہو گئے اور ان سے معاہدہ کو توڑ دیا اور ان کو قید کر لیا تو حضرت صفیہ ان قیدیوں میں سے تھیں، سو وہ اموال فئے میں سے ہیں، ان سے خمس نہیں لیا جاتا، بلکہ ان میں تصرف کرنا امام کی رائے پر موقوف ہوتا ہے۔ یہ علامہ مازری مالکی کا قول ہے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ مال فئے میں سے خمس نہیں لیا جاتا اور ہم شافعیوں کا مذہب یہ ہے کہ مال فئے سے بھی مال غنیمت کی طرح خمس لیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۹ ص ۲۲۲۔۲۲۰، اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۶۴۲)

اس کی تحقیق کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا کوئی مہر مقرر کیا گیا تھا یا ان کے آزاد کرنے کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مہر قرار دیا تھا اور اس کے ضمن میں فقہی مسائل

شیخ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے: ثابت اور قتادہ اور عبد العزیز بن صہیب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا۔ (المحلیٰ ج ۹ ص ۵۰۲)

امام احمد، حسن بصری اور ابن المسیب نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ آزاد کرنے کے سوا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اور کوئی مہر واجب نہیں تھا اور ابن حزم ظاہری نے بھی ان کی پیروی کی ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کا آزاد کرنا ہی اس باندی کا مہر ہے اور الگ سے کوئی مہر نہیں ہے اور اس کے ساتھ نکاح صحیح ہے اور اگر اس نے اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی تو وہ آزاد ہی رہے گی اور وہ اس سے کوئی چیز واپس نہیں لے گا اور اگر وہ باندی اس کے ساتھ نکاح سے انکار کرے تو اس کو آزاد کرنا باطل ہو جائے گا، اور امام ابوحنیفہ، محمد بن الحسن، زفر، امام مالک، ابن شبرمہ اور اللیث نے کہا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ باندی کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دیا جائے اور امام ابوحنیفہ، زفر، امام محمد اور امام مالک نے کہا ہے اگر اس نے اس کو آزاد کرنے کو مہر قرار دیا تو اس کا مہر مثل واجب ہوگا اور وہ آزاد قرار دی جائے گی، پھر اس میں اختلاف ہے کہ اگر اس باندی نے نکاح کرنے سے انکار کیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے کہا ہے کہ وہ اپنی قیمت کے حصول کے لیے کوشش کرے گی اور امام مالک اور امام زفر نے کہا ہے: اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ (المحلیٰ لابن حزم ج ۹ ص ۵۰۱)

زیر بحث مسئلہ میں جمہور فقہاء کا مسلک

علامہ نووی نے جمہور سے نقل کیا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی باندی کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے گا اور اس کو آزاد کرنا اس کا مہر ہوگا اور اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس باندی سے نکاح کرے اور یہ شرط صحیح نہیں ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام محمد بن الحسن اور امام زفر کا یہی قول ہے اور جمہور کے نزدیک زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوگا اور اس باندی کے لیے مہر مثل لازم ہوگا۔ (شرح مسلم ج ۹ ص ۲۲۲۔۲۲۱)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آزاد کرنے کا ثواب تو معلوم ہے تو اس ثواب کو فوت کر کے مہر میں چند درہم اور دینار لینا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صفیہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں اور ان کے پاس بہت زیادہ مقدار میں عمدہ اموال تھے اس لیے ان کو مہر میں دراہم اور دینار کی ضرورت نہیں تھی اس لیے آپ نے ان کے آزاد کرنے کو ہی ان کا مہر قرار دیا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۴۲۔۳۴۸، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحابہ کرام کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح میں تردد کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپ نے بغیر مہر اور گواہوں کے ان سے نکاح کیا تھا اور اس مسئلہ میں علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل کے جوابات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۰۸۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت صفیہ امہات المومنین میں سے ایک ہیں یا آپ کی باندی ہیں۔

صحابہ کرام کو تردد تھا کہ آیا حضرت صفیہ آپ کی زوجہ ہیں یا آپ کی باندی ہیں۔ بعض شارحین نے کہا ہے (علامہ ابن بطال مالکی) کہ صحابہ کا تردد اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت صفیہ کو آزاد کرنا ان کا مہر نہیں تھا لیکن ان کی یہ شرح درست نہیں کیونکہ صحابہ کو

شروع میں تردد تھا، پھر بعد میں آپ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت صفیہ آپ کی زوجہ ہیں، نیز علامہ ابن بطال نے یہ استدلال کیا ہے کہ نکاح بغیر گواہوں کے صحیح ہوتا ہے کیونکہ حضرت صفیہ سے نکاح کے وقت صحابہ گواہ ہوتے تو ان پر حضرت صفیہ کا معاملہ مخفی نہ رہتا اور وہ اس میں تردد نہ کرتے کہ وہ آپ کی زوجہ ہیں یا باندی لیکن ان کی یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ جو صحابہ نکاح کے وقت گواہ ہوں وہ اور ہوں اور جن صحابہ کو حضرت صفیہ کے ساتھ نکاح میں تردد تھا وہ اور ہوں، اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ تمام صحابہ کو اس میں تردد تھا تو حضرت صفیہ سے بغیر مہر کے نکاح کرنا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی جیسا کہ بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے اور بغیر ایجاب وقبول کے نکاح کرنا آپ کی خصوصیت ہے۔ اس حدیث کے باقی امور متعلقہ کی شرح کتاب المغازی میں گزر چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

چونکہ علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے اور حضرت صفیہ کے نکاح سے اس پر استدلال کیا ہے اس لیے ہم نکاح میں گواہوں کی شرط پر تحقیق کر رہے ہیں:

نکاح میں گواہوں کی شرط کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی الاندلسی المالکی المتوفی ۵۹۵ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک اس پر متفق ہیں کہ شہادت نکاح کی شرط ہے لیکن اس میں ان کا اختلاف ہے کہ یہ صحت دخول کی شرط ہے یا صحت عقد نکاح کی شرط ہے اور اس پر ان کا اتفاق ہے کہ خفیہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ جب دو گواہ اور وصی چھپ کر شہادت دیں تو آیا یہ خفیہ نکاح ہے یا نہیں، پس امام مالک نے کہا: یہ خفیہ نکاح ہے اور اس کو فسخ کر دیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: یہ خفیہ نکاح نہیں ہے اور ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیا شہادت نکاح میں حکم شرعی ہے یا نہیں یا اس سے صرف یہ مقصود ہے کہ اگر بعد میں نکاح میں اختلاف ہو یا نکاح کا کوئی انکار کرے تو اس پر گواہ پیش کیے جاسکیں اور جن فقہاء نے کہا کہ نکاح میں گواہوں کا ہونا حکم شرعی ہے تو بعض نے کہا: یہ نکاح کی صحت کی شرط ہے اور بعض نے یہ کہا کہ یہ نکاح کے مکمل ہونے کی شرط ہے، اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو نیک گواہوں اور نیک ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے اور صحابہ میں سے کوئی اس کا مخالف نہیں تھا اور یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ امام دارقطنی نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسقوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک شہادت سے مقصود صرف اعلان ہے اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ شہادت دو چیزوں کو متضمن ہے: اعلان اور قبول۔ اسی وجہ سے اس میں گواہوں کے نیک ہونے کی شرط ہے اور رہے امام مالک تو ان کے نزدیک شہادت اعلان کو متضمن نہیں ہے کیونکہ جب دو گواہوں نے چھپ کر نکاح کی شہادت دی تو وہ صحیح ہے اور اعلان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ نکاح کا اعلان کرو اور اس کے اوپر دف کو بجاؤ۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے، اور ابوثور اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ گواہ نکاح کی شرط نہیں ہیں نہ نکاح کی صحت کی شرط ہیں اور نہ نکاح کی تکمیل کی شرط ہیں اور حضرت علی بن حسن رضی اللہ عنہما نے بغیر گواہ کے نکاح کیا اور پھر بعد میں نکاح کا اعلان کیا۔

(بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ج ۲ ص ۱۳، المکتب العلمیہ، لاہور، ۱۳۹۶ھ)

نکاح میں گواہوں کی شرط کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ ھ نکاح میں گواہوں کی شرط کے متعلق لکھتے ہیں:
نکاح صرف دو مسلمان گواہوں کے حاضر ہونے سے منعقد ہوتا ہے، وہ دونوں آزاد ہوں، عاقل ہوں، بالغ ہوں، دو مسلمان مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، وہ دونوں عادل (متقی) ہوں یا غیر عادل (فاسق) ہوں یا ان کو حد قذف لگ چکی ہو (یعنی کسی مسلمان پاک دامن شادی شدہ عورت پر زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارے جاچکے ہوں۔ سعیدی غفرلہ)
علامہ مرغینانی نے کہا کہ نکاح کے باب میں شہادت کی شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے: ''گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا'' اور یہ حدیث امام مالک کے خلاف حجت ہے جو کہتے ہیں کہ نکاح میں اعلان کی شرط ہے گواہوں کی شرط نہیں ہے اور گواہوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آزاد ہوں کیونکہ غلام کو اپنے نفس پر ولایت نہیں ہوتی اس لیے اس کی شہادت بھی نہیں ہوتی اور گواہوں کا عاقل، بالغ ہونا بھی ضروری ہے اس لیے کہ عقل اور بلوغت کے بغیر کسی کو اپنے نفس پر ولایت نہیں ہوتی اور گواہوں کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ کافر کی مسلمان کے حق میں شہادت نہیں ہوتی اور دو گواہوں کا مرد ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے (امام شافعی کے نزدیک نکاح میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور گواہوں کا عادل یعنی متقی ہونا ضروری نہیں ہے حتیٰ کہ ہمارے نزدیک دو فاسق مسلمانوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اس میں بھی امام شافعی کا اختلاف ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ شہادت کرامت کے باب سے ہے (یعنی ایک معزز چیز ہے) اور فاسق اہل اہانت سے ہے، (یعنی اس کی تعظیم کرنا منع ہے)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ فاسق اہل ولایت میں سے ہے (یعنی با اختیار ہوتا ہے)، پس وہ اہل شہادت میں سے ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اپنے نفس پر ولایت (اختیار) حرام نہیں ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے، لہٰذا اس کی غیر پر بھی ولایت حرام نہیں ہوگی کیونکہ وہ بھی اسی جنس سے ہے، نیز اس لیے کہ فاسق کو قاضی بنانا جائز ہے، لہٰذا وہ شاہد بھی بن سکتا ہے، اسی طرح جس مسلمان کو حد قذف لگ چکی ہو وہ بھی اہل ولایت سے ہے، سو وہ اہل شہادت سے بھی ہوگا اور قرآن مجید میں جو محدود فی القذف کی شہادت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:)

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں ۝

(النور: ۴)

اس آیت کا محمل یہ ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی کو پیش کرنا ممنوع ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ وہ گواہی پیش نہیں کر سکتے اور اگر وہ گواہی پیش کریں تو ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ مجلس نکاح میں ان کے بہ طور گواہ حاضر ہونے سے نکاح منعقد ہو جائے گا جیسے اندھوں کی گواہی بھی قبول نہیں ہوتی مگر نکاح میں بہ طور ان کے حاضر ہونے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور ایجاب وقبول کرنے والوں کے بیٹوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے حالانکہ کسی شخص کے بیٹے کی گواہی اس کے حق میں قبول نہیں ہوتی۔ (الہدایہ ج ۲ ص ۳۲۶، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

دو عادل گواہوں کی شرط کی حدیث کی تخریج اور تحقیق

علامہ مرغینانی نے یہ حدیث مرفوع پیش کی ہے کہ ''دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا''۔ اس حدیث کی تحقیق

کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ میں نے نہیں دیکھی، ہاں! امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے:

''بدکار ہیں وہ عورتیں جو گواہوں کے بغیر از خود اپنا نکاح کر لیتی ہیں''۔ امام ترمذی نے کہا کہ راجح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے، البتہ امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا''۔ (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ علی ہامش الہدایہ ج ۲ ص ۳۲۶)

علامہ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ اس حدیث کی تخریج اور تحقیق کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث کہ: ''گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا''۔ میں کہتا ہوں کہ: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے۔ ہاں! اس باب میں دیگر احادیث ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اور جو اس کے بغیر نکاح کیا جائے وہ باطل ہے، اگر ولی میں جھگڑا ہو تو جس کا کوئی ولی نہ ہو تو سلطان اس کا ولی ہے''۔

(۲) اور امام ابن حبان نے قسم اول کی اٹھانوے نمبر کی نوع میں یہ کہا کہ دو عادل گواہوں کا ذکر صرف تین راویوں نے کیا ہے: سعید بن یحییٰ اموی، عبد اللہ بن عبد الوہاب الحجبی اور عبد الرحمٰن بن یونس الرقی۔ ان کے علاوہ اور کسی نے دو گواہوں کا ذکر نہیں کیا۔

(۳) امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بدکار ہیں وہ عورتیں جو گواہوں کے بغیر از خود نکاح کرتی ہیں''۔ (سنن ترمذی: ۱۱۰۳)

پھر امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی کتاب التفسیر میں مرفوعاً روایت ہے اور کتاب الطلاق میں موقوفاً روایت ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور اس حدیث کی مثل حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابن عباس کی حدیث کی امام عبد الرزاق نے بھی روایت کی ہے۔

(نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ج ۳ ص ۲۱۳۔ ۲۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(میں کہتا ہوں کہ: علامہ مرغینانی نے جو حدیث لکھی ہے: ''دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا''۔ دراصل یہ روایت، روایت بالمعنیٰ ہے۔ علامہ مرغینانی نے ان تمام احادیث اور آثار کو سامنے رکھ کر حدیث کے یہ الفاظ لکھے۔ اگرچہ صراحتاً حدیث کے یہ الفاظ نہیں ہیں لیکن اس کا معنیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے ثابت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نکاح میں دو گواہوں کی شرط کے خلاف علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل اور مصنف کے جوابات

میں کہتا ہوں: اس بحث میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کے امام ابو حنیفہ پر اعتراضات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) علامہ ابن بطال نے کہا کہ امام ابو حنیفہ محدود فی القذف کے نکاح میں گواہ بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں، حالانکہ علماء کا اجماع ہے کہ فاسق کی گواہی مردود ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۱۶۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ فاسق کا گواہی کے لیے پیش کرنا تو ممنوع ہے لیکن اس کا مجلس نکاح میں بہ طور گواہ حاضر ہونا ممنوع نہیں

ہے اور ہم اسی کے قائل ہیں، جیسا کہ علامہ مرغینانی نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کا نکاح بغیر گواہوں کے کیا تھا۔ ہم کہتے ہیں: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جیسے آپ کا حضرت زینب بنت جحش سے نکاح ہوا جس میں گواہ تھے نہ ولی تھا اور نہ ایجاب وقبول ہوا تھا۔

(۳) عام خرید وفروخت بغیر گواہوں کے جائز ہے حالانکہ اس میں بھی عقد بیع ہے تو پھر عقد نکاح بغیر گواہوں کے کیوں جائز نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عام خرید وفروخت کے عقد میں اور عقد نکاح میں نمایاں فرق ہے کیونکہ عقد نکاح سے ایک عورت کی فرج کو حلال قرار دیا جاتا ہے اور اگر اس نکاح کا ثبوت نہ ہو تو فریقین پر زنا کی حد جاری ہوگی، جب کہ عام خرید وفروخت کا اگر ثبوت نہ ہو تو خریدار اور فروخت کنندہ میں سے کسی پر بھی کوئی حد یا تعزیر نہیں ہوگی، اس لیے عقد نکاح کا عقد بیع پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دو گواہوں کی شرط کا ثبوت احادیث اور آثار سے ہے، بہ ظاہر علامہ ابن بطال کی یہ دلیل بہت قوی ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی حنفی عالم نے اس کا جواب لکھا ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں فضل سے علامہ ابن بطال کی اس دلیل کا جواب میرے دل میں القاء فرمایا۔

علامہ ابن بطال کے یہ تینوں دلائل شرح ابن بطال علی صحیح البخاری: ج ۷ ص ۱۴۳ میں مذکور ہیں۔

۱۴۔ بَابٌ: مَنْ جَعَلَ عِتْقَ الْأَمَةِ صَدَاقَهَا

جس نے باندی کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دیا

۵۰۸۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ وَشُعَيْبِ بْنِ الْحَبْحَابِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ثابت و شعیب بن الحبحاب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۱ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جس کو ہم صحیح البخاری: ۵۰۸۵ کی تخریج میں لکھ چکے ہیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کو ان کا مہر قرار دینے کے متعلق فقہاء مذاہب کا اختلاف

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۸۶) کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو (اس شرط پر) آزاد کرے کہ یہ آزادی اس کا مہر ہوگی تو اکثر علماء کے نزدیک یہ ناجائز ہے۔ یہ آزادی مہر اس وقت ہوگی جب اس کا آزاد کرنا عقد سے ملا ہوا ہو، اور اگر اس کا آزاد کرنا عقد پر مقدم ہو تو پھر اس کو مہر قرار دینا صحیح نہیں ہے اور مذکورہ صورت میں آزاد کرنا عقد پر مقدم ہے اس لیے وہ مہر نہیں ہوگا۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کسی شخص نے باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس نے اس کو آزاد کیا اور اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دیا تو یہ جائز ہے اور آزاد کرنے کے سوا اس کا کوئی مہر نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے جس کی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اور یہی سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، طاؤس، حسن

بصری، ابن شہاب زہری کا مذہب ہے اور ثوری، امام ابو یوسف، احمد اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۴۵۳)

اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے آزاد کرنے کو مہر قرار دینا جائز نہیں ہے، اور حضرت صفیہ کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغیر مہر کے نکاح کرنا جائز قرار دیا ہے اور آپ کے سوا مومنین میں سے کسی کے لیے بھی اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام زفر، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۲۷۲، الاستذکار ج ۱۶ ص ۶۹۔ ۶۷)

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دینا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے

نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی اسی طرح کیا جس طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔ آپ نے ان کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ ھ لکھتے ہیں:

ہم نے غور کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا تھا تو اس کی کیا نوعیت تھی، پس امام ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو المصطلق کے اموال غنیمت حاصل کیے تو حضرت جویریہ بنت الحارث حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے اپنے نفس کو مکاتب کر لیا، پھر وہ اپنی کتابت کی ادائیگی میں مدد حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ حضرت جویریہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار ہوں جو اپنی قوم کے سردار ہیں اور میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی ہوں، پس میں نے ان سے اپنے آپ کو مکاتبہ کر لیا ہے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی کتابت کی ادائیگی میں مدد حاصل کرنے آئی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو اس سے بہتر صورت نہ بتاؤں؟ حضرت جویریہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: میں تمہارا زر کتابت ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔ حضرت جویریہ نے کہا: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ایسا کر لیا۔ حضرت جویریہ نے بتایا: پس لوگوں نے ایک دوسرے سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے نکاح کر لیا، تو مسلمانوں کے پاس بنو مصطلق کے جتنے بھی قیدی تھے، انہوں نے ان کو آزاد کر دیا اور کہا: یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سسرال کے لوگ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی عورت اپنی قوم کے لیے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ برکت والی ثابت ہوئی ہو، کیونکہ حضرت جویریہ کے سبب سے مسلمانوں نے بنو المصطلق کے سو (۱۰۰) خاندانوں کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۹۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷)

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ابوجعفر طحاوی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے اور اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی عورت کے ساتھ بغیر مہر کے بھی نکاح کر سکتے ہیں، جب کہ عام مومنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے، تو اسی طرح آپ کسی عورت کو آزاد کر کے اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دے سکتے ہیں اور عام مومنین کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۸۰۔ ۳۷۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت جویریہ کے خاندان کے آزاد کردہ قیدیوں کی تعداد

امام واقدی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا یہ مہر مقرر کیا تھا کہ آپ بنو مصطلق کے ہر قیدی کو آزاد کر دیں گے اور کہا گیا ہے کہ ان کے چالیس (۴۰) قیدی تھے۔

(مغازی الواقدی ج ۱ ص ۴۰۹) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۳۰-۲۲۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: امام ابوداؤد اور امام احمد کی روایت میں سو (۱۰۰) قیدیوں کو آزاد کرنے کا ذکر ہے اور الواقدی کی روایت میں چالیس (۴۰) قیدیوں کے آزاد کرنے کا ذکر ہے اور امام ابوداؤد اور امام احمد کی روایت واقدی کی روایت پر راجح ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت صفیہ کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دینا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث (صحیح البخاری: ۵۰۸۶) کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا۔ قدماء میں سے سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، طاؤس، زہری اور فقہاء میں سے امام ابو یوسف، امام احمد اور اسحاق نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی باندی کو اس شرط پر آزاد کیا کہ اس کا آزاد کرنا اس باندی کا مہر ہوگا تو یہ عقد اور آزاد کرنا اور یہ مہر اس ظاہر حدیث کے مطابق صحیح ہے۔

باقی فقہاء نے اس ظاہر حدیث کے درج ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱) اگر اس نے اپنی باندی کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے گا تو اس باندی پر واجب ہے کہ وہ اس شخص کو اپنی قیمت ادا کرے جب کہ اس کی قیمت معلوم ہو، پھر وہ اس باندی سے نکاح کر لے۔ اس کی تائید حسب ذیل روایت سے ہوتی ہے:

عبدالعزیز بن صہیب بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ کو قیدی بنایا اور ان کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کیا، پس ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے ان کا کتنا مہر مقرر کیا تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ ان کو آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا تھا۔ اس حدیث کی امام بخاری نے ''کتاب المغازی'' میں روایت کی ہے۔ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نفس کو آزاد کرنا ہی ان کا مہر تھا، پس پہلی تاویل میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس تاویل میں اور قواعد میں کوئی منافات نہیں ہے حتیٰ کہ اگر باندی کی قیمت مجہول ہو تو تب بھی عقد صحیح ہے، اور دوسروں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت صفیہ کو آزاد کرنا ہی ان کا مہر تھا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ علامہ الماوردی الشافعی نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

اگر کسی نے باندی کو نکاح کی شرط پر آزاد کیا اور باندی نے اس کو قبول کر لیا تو باندی پر لازم ہے کہ وہ اپنی قیمت مالک کو ادا کرے

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ جس نے اپنی باندی کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے گا، باندی نے اس شرط کو قبول کر لیا تو وہ آزاد کر دی جائے گی اور اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس مالک سے نکاح کرے لیکن اس باندی پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی قیمت مالک کو ادا کرے کیونکہ اس کا مالک بلا معاوضہ اس کو آزاد کرنے پر راضی نہیں تھا تو یہ شرط فاسد کی طرح ہے، پھر اگر وہ راضی ہو گئی اور اس مہر پر عقد کر لیا جو مقرر کیا گیا تھا تو اسے مقررہ مہر ملے گا اور اس باندی پر یہ لازم ہوگا کہ شوہر کو اپنی قیمت ادا کرے۔ امام احمد اور امام ابن حبان شافعی کا یہی قول ہے اور قیاس دوسرے فقہاء کی تائید کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۴-۲۵۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صورت مذکورہ میں فقہاء مذاہب کے اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حدیث (صحیح البخاری:۵۰۸۶) کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے آزاد کرنے کی شرط پر نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا اور اس باندی کے لیے مہر مثل واجب ہوگا، یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور اللیث بن سعد اور ابن شبرمہ اور جابر بن زید اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد اور امام زفر اور امام مالک کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ امام طحاوی نے کہا: ایسا نکاح کرنا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر کسی مرد نے ایسا کیا تو وہ باندی آزاد ہو جائے گی۔ اور اگر مرد نے اس سے نکاح کیا تو اس کے لیے مرد پر مہر مثل واجب ہوگا اور اگر اس باندی نے نکاح سے انکار کیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی قیمت کے برابر مال اپنے مالک کو کما کر دے، اور امام مالک اور امام زفر نے کہا: مالک کو ادا کرنے کے لیے باندی پر کچھ واجب نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ ملخصا)

علامہ قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ اور علامہ زرہونی مالکی نے بھی ایسے نکاح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیا ہے، اسی طرح علامہ الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ نے بھی اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۴۱۱، الفجر الساطع ج ۱۱ ص ۴۷۳، الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۳۷)

۱۵۔ بَابُ: تَزْوِيجِ الْمُعْسِرِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ (النور:۳۲)

تنگ دست کا نکاح کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ (النور:۳۲)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حال میں تنگ دستی نکاح کرنے سے مانع نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو مستقبل میں مال مل جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۸۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِي قَالَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَأْسَهُ فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا فَقَالَ وَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابوحازم نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت سہیل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا: ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دوں۔ حضرت سہل نے کہا: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا، پھر نظر اوپر اٹھائی، پھر نظر نیچے کر لی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر جھکا لیا، جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی، پھر آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس عورت کی حاجت نہیں ہے تو آپ اس

اللہ ﷺ انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي قَالَ سَهْلٌ مَا لَهُ رِدَاءٌ فَلَهَا نِصْفُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتَّى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا عَدَّدَهَا فَقَالَ تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ

عورت کے ساتھ میرا نکاح کردیں؟ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر جاؤ اور دیکھو شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے، پس وہ مرد گیا، پھر لوٹ آیا تو اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! مجھے کوئی چیز نہیں ملی، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، پس وہ شخص گیا، پھر لوٹ آیا تو اس نے کہا: نہیں: اللہ کی قسم! یارسول اللہ! لوہے کی انگوٹھی نہیں ہے، لیکن میرا یہ تہبند ہے۔ حضرت سہل نے کہا: اس کے بدن کے اوپر کوئی چادر نہیں تھی، پس اس عورت کے لیے اس کا نصف تہبند ہوگا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی، اگر تم نے وہ تہبند باندھ لیا تو اس عورت کے پاس کچھ نہیں ہوگا، اور اگر اس عورت نے وہ تہبند باندھ لیا تو تمہارے پاس کچھ نہیں ہوگا، پھر وہ مرد بیٹھ گیا، حتیٰ کہ کافی دیر بیٹھنے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے دیکھا وہ پیٹھ موڑ کر جارہا تھا تو آپ نے اس کو بلانے کا حکم دیا، جب وہ آ گیا تو آپ نے پوچھا: تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: مجھے فلاں سورت، فلاں سورت یاد ہے اور ان سورتوں کو گنوایا، آپ نے پوچھا: تم ان سورتوں کو زبانی پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ، میں نے تمہیں اس عورت کا مالک بنا دیا اس سبب سے کہ تمہیں قرآن مجید یاد ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۳۱۰، ۵۰۲۹، ۵۰۳۰، ۵۰۸۷، ۵۱۲۱، ۵۱۲۶، ۵۱۳۲، ۵۱۳۵، ۵۱۴۱، ۵۱۴۹، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، ۷۴۱۷، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، الرقم المسلسل: ۳۴۷۶، سنن ترمذی: ۱۱۱۶، سنن نسائی: ۳۳۳۶، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، صحیح ابن حبان: ۴۰۹۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۴۴، شرح السنۃ: ۲۳۰۲، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶، مسند احمد: ۲۲۸۵۰)

حدیث مذکور کے فوائد اور مسائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تنگ دست کا نکاح کرنا جائز ہے، اور کفوء کا اعتبار دین میں ہوتا ہے مال میں نہیں ہوتا، پس جب عورت یا اس کا ولی مال کم ہونے کے باوجود نکاح کی اجازت دے دے تو نکاح جائز ہے۔

حدیث میں ہے: تین قسم کے مردوں کی مدد کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے: جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے، جو گناہ

سے بچنے کے لیے نکاح کرے اور جو مکاتب بدل کتابت کو ادا کرنے کا ارادہ کرے۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کسی نیک مرد سے نکاح کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے تو یہ جائز ہے اور اس میں اس کے لیے کوئی عار نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں اپنے سرپرستوں کو اپنے نکاح کے لیے کہیں اور جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کا ولی سلطان ہوتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

حدیث مذکور کے مسائل دقیقہ اور نکات لطیفہ اور منگیتر کے چہرہ کو دیکھنے کے متعلق احادیث

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

(۱) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مرد خواہ تنگ دست ہو اس کو نکاح کرنا چاہیے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم عورتوں سے نکاح کرو وہ تمہارے پاس مال لے کر آئیں گی (یعنی مال میں برکت کا سبب بنیں گی)''۔ حاکم نے کہا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۱۶۱)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا (ازراہ کرم) تین قسم کے مردوں کی مدد کرنے کا حق ہے: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، گناہوں سے بچنے کے لیے نکاح کرنے والا اور وہ مکاتب جو بدل کتابت کو ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو'۔ (سنن ترمذی: ۱۶۵۵، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۶۔۱۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۱)

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، پھر نظر نیچے کی، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کرے اس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔

(بدایۃ المجتہد ج ۳ ص ۹۸۳، مختصر المزنی علی ہامش الام ج ۳ ص ۲۵۶، المغنی ج ۸ ص ۴۸۹)

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے لیکن علامہ ابن ملقن شافعی نے امام ابوحنیفہ سے تعصب کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی مرد کے دل میں کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ ہو تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۴، مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۳، مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۶۔۲۲۵، شرح معانی الآثار ۴۱۹۳)

حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص جب کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ وہ نکاح کا پیغام دینے کے لیے دیکھ رہا ہو، خواہ عورت کو اس کا علم نہ ہو۔

(شرح معانی الآثار ۴۱۹۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے اور وہ اس پر قادر ہو کہ وہ دیکھے کہ وہ اس کو اچھی لگتی ہے تو وہ ایسا کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۲۲، شرح معانی الآثار: ۴۱۹۵)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اس کی طرف دیکھو کیونکہ یہ تم دونوں کے درمیان دائمی رفاقت کے زیادہ لائق ہے''۔ (سنن ترمذی: ۱۰۸۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۵، مسند احمد ج ۴

ص ۲۴۴،شرح معانی الآ ثار:۴۱۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرد نے انصار کی کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کیا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ انصار کی عورتوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں"۔

(صحیح مسلم: ۱۴۲۴، سنن نسائی: ۳۲۳۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹۔ ۲۷۶، شرح معانی الآ ثار: ۴۱۹۶)

امام طحاوی اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: جو شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرے تو اس کے چہرے کی طرف اس کو دیکھنا جائز ہے اور جو اس سے نکاح کرنے کا ارادہ نہ کرے اس کا عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ (شرح معانی الآ ثار ج ۲ ص ۳۷۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور اگر کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کرے تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ اس کو شہوت کا خطرہ ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا جب انہوں نے کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کیا کہ تم اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ یہ تمہارے درمیان اصلاح اور توفیق کے زیادہ لائق ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۰۸۷، سنن النسائی: ۳۲۳۵، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۶) (ردالمحتار ج ۹ ص ۴۵۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

فقہاء احناف کی اس مسئلہ میں اس قدر تصریحات کے باوجود علامہ ابن ملقن شافعی کا فقہاء مذاہب کے بیان میں فقہاء احناف کا ذکر نہ کرنا محض تعصب نہیں تو اور کیا ہے! (سعیدی غفرلہ)

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام اجتہاد کرتے تھے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست سے یہ نہیں پوچھا کہ آیا وہ قرشی ہے یا غیر قرشی ہے، بلکہ قرآن مجید کی صرف چند سورتیں یاد ہونے کی وجہ سے اس تنگ دست مرد کا اس عورت سے نکاح کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفوء میں صرف اسلام کا اعتبار ہے اور نسب اور مال کا اعتبار نہیں ہے۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا ضروری نہیں ہے کیونکہ آپ نے بغیر خطبہ پڑھے اس مرد کا نکاح کر دیا۔

(۷) اس سے معلوم ہوا کہ جب عورت کا ولی اس کا نکاح کر دے اور وہ عورت اس پر راضی ہو تو وہ نکاح جائز ہے۔

(۸) اس سے معلوم ہوا کہ زبانی قرآن مجید پڑھنا جائز ہے کیونکہ اس تنگ دست مرد کو قرآن مجید کی چند سورتیں زبانی یاد تھیں۔

(۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح کے لیے حسین و جمیل عورت کو طلب کرنا جائز ہے۔

(۱۰) جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو سلطان یا سربراہ ملک اس کا ولی ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولایت سے اس عورت کا نکاح کر دیا۔

(۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مہر کے تقرر میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔

(۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کو پیشگی مہر دینا چاہیے کیونکہ آپ نے اس تنگ دست مرد سے فرمایا تھا: جاؤ کچھ تلاش کرو۔ خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔

(۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انعقاد نکاح کے لیے مہر دینا ضروری ہے۔ اگر اس وقت مہر میسر نہ ہو تو بعد میں مہر مثل دینا ہو گا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۴۲۔ ۲۳۶، ملخصاً وموضحاً ومخرجاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنگ دستی فی الحال نکاح سے مانع نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے اور عنقریب تیس (۳۰) ابواب کے بعد اس کی شرح آئے گی۔ امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان میں النور: ۳۲ کو ذکر کیا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ تنگ دستی فی الحال نکاح سے مانع نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں اس کو مال حاصل ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۶)

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں مدینہ کے مسلمانوں کا حال ضعیف تھا اور ان کے پاس مال بہت کم تھا۔

تین دفعہ نکاح میں ایجاب وقبول کرانے کی شرعی حیثیت

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آج کل نکاح خواں تین دفعہ ایجاب وقبول کراتے ہیں اور اس حدیث میں صرف ایک دفعہ ایجاب وقبول کا ذکر ہے، پس یہی سنت ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۳۸، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ سنت تو صرف ایک دفعہ ایجاب وقبول کرانا ہے لیکن نکاح خواں تاکید کے لیے تین دفعہ ایجاب وقبول کراتے ہیں تاکہ اگر کسی نے نہ سنا ہو یا وہ متوجہ نہ ہو تو وہ بھی توجہ کے ساتھ ایجاب وقبول سن لے۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۶۔ بَابٌ: الْأَكْفَاءِ فِي الدِّيْنِ — دین میں کفوء کا اعتبار

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا (الفرقان: ۵۴)

اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کے لیے نسب اور سسرال کا رشتہ بنایا اور آپ کا رب قدرت والا ہے○

کفوء کا معنی اور نسب اور صہر کی تعریف

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اکفاء کفوء کی جمع ہے، اس کا معنی مثل اور نظیر ہے اور دین میں کفوء کا اعتبار کرنا اتفاقی ہے، پس مسلمان عورت کا، کافر مرد سے نکاح کرنا اصلاً صحیح نہیں ہے۔ اس آیت میں نسب اور صہر کا لفظ ہے۔ نسب وہ رشتہ دار ہیں جن سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے اور صہر وہ رشتہ دار ہیں جن سے نکاح کرنا حلال ہے، پس گویا کہ مصنف نے یہ دیکھا کہ ان ہی دو قسموں میں حصر ہے، ہاں! دلیل سے کافر کو بھی مستثنیٰ کیا گیا ہے یعنی اس سے بھی نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے صہر کی یہ تعریف صحیح نہیں کی کہ ان سے نکاح حلال ہے کیونکہ مرد کی ساس صہر ہے اور اس سے دائماً نکاح حرام ہے۔ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ (النساء: ۲۳) (سعیدی غفرلہ)

کفوء میں صرف دین کا اعتبار ہے یا اس میں نسب بھی معتبر ہے، اس میں فقہاء اسلام کی آراء

امام مالک نے وثوق سے کہا ہے کہ کفوء دین کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی موقف ہے، اور تابعین میں سے محمد بن سیرین اور عمر بن عبدالعزیز کا بھی یہی مسلک ہے اور جمہور نے کفوء میں نسب کا بھی اعتبار کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ بعض قریش بعض کے کفوء ہیں اور عرب بھی اسی طرح ہیں اور عرب میں سے کوئی بھی قریش کا

نہیں ہے جیسا کہ غیر عرب میں سے کوئی عرب کا کفوء نہیں ہے۔ امام شافعی کا بھی یہ ایک قول ہے، اور صحیح یہ ہے کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب دوسروں پر مقدم ہیں، اور ان کے علاوہ ایک دوسرے کے کفوء ہیں۔

الثوری نے کہا ہے: جب مولیٰ عربی عورت سے نکاح کر دے تو وہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ امام احمد کا بھی یہی ایک قول ہے اور امام شافعی کا متوسط قول ہے، انہوں نے کہا کہ غیر کفوء میں نکاح حرام نہیں ہے، پس میں ایسے نکاح کو مسترد کروں گا۔ یہ عورت اور اس کے سرپرستوں کی تقصیر ہے، پس وہ جب غیر کفوء میں نکاح پر راضی ہو گئے اور انہوں نے اپنے حق کو ترک کر دیا تو یہ جائز ہے اور اگر عورت کے اولیاء یا سرپرستوں میں سے ایک بھی غیر کفوء میں نکاح پر راضی نہیں ہوا اور انہوں نے یہ ذکر کیا کہ نکاح میں ولی کی شرط اس لیے ہے تاکہ عورت غیر کفوء میں نکاح کر کے اپنے آپ کو ضائع نہ کرے۔

کفوء میں نسب کا اعتبار کرنے پر بعض احادیث سے استدلال اور اس استدلال کا ضعف

کفوء میں نسب کے اعتبار پر کوئی حدیث ثابت نہیں ہے اور امام بزار نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عرب ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور موالی ایک دوسرے کے کفوء ہیں“۔ سو یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے نسب کے اعتبار پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت واصلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا“۔ الحدیث۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی امام مسلم نے روایت کی ہے لیکن اس سے کفوء میں نسب کے اعتبار پر اعتراض ہے۔

علامہ البویطی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ کفوء میں دین کا اعتبار ہے۔ امام بخاری نے کفوء کے متعلق چار احادیث کی روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الفرقان: ۵۴ کا شان نزول، نسب اور صہر کی مثالیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن سیرین نے کہا کہ الفرقان: ۵۴ اس وقت نازل ہوئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی تھے تو وہ آپ کے نسب سے بھی تھے اور آپ کے صہر بھی تھے یعنی داماد، اور کفوء کا معنی مثل اور نظیر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بشر کی دو قسمیں کی ہیں: نسب اور صہر۔ نسب کی مثال ہے جیسے فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔ اور صہر وہ عورتیں ہیں جن کی وجہ سے سسرالی رشتہ قائم ہو۔ (میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے صہر کی صحیح تعریف کی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۸۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ أَبَا حُذَيْفَةَ بْنَ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ تَبَنَّى سَالِمًا وَأَنْكَحَهُ بِنْتَ أَخِيهِ هِنْدَ بِنْتَ الْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَهُوَ مَوْلًى لِامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ كَمَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از زہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ان صحابہ میں سے تھے جو غزوۂ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، انہوں نے حضرت سالم کو اپنا بیٹا بنا لیا اور ان کے ساتھ اپنی بھتیجی ہند

تَبَنَّى النَّبِيُّ ﷺ زَيْدًا وَكَانَ مَنْ تَبَنَّى رَجُلًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ دَعَاهُ النَّاسُ إِلَيْهِ وَوَرِثَ مِنْ مِيرَاثِهِ حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ ﴿ادْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الاحزاب:۵) فَرُدُّوا إِلَى آبَائِهِمْ فَمَنْ لَمْ يُعْلَمْ لَهُ أَبٌ كَانَ مَوْلًى وَأَخًا فِي الدِّينِ فَجَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلِ بْنِ عَمْرٍو الْقُرَشِيِّ ثُمَّ الْعَامِرِيِّ وَهِيَ امْرَأَةُ أَبِي حُذَيْفَةَ بْنِ عُتْبَةَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا كُنَّا نَرَى سَالِمًا وَلَدًا وَقَدْ أَنْزَلَ اللهُ فِيهِ مَا قَدْ عَلِمْتَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔

بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا اور حضرت حذیفہ انصار کی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو اپنا بیٹا بنایا تھا اور زمانہ جاہلیت میں جو شخص کسی کو اپنا بیٹا بناتا تو اس بیٹے کو اس شخص کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور لوگ اس کو اس کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور وہ اس کی میراث کا وارث ہوتا تھا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الاحزاب:۵) منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے، پس اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو تو وہ دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں اور اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن اگر تم نے عمداً کہا ہے (تو اس پر گرفت ہو گی) اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربانی کرنے والا ہے O تو ان منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں (کے ناموں) کی طرف لوٹا دیا گیا، پس جس کے حقیقی باپ کا علم نہ ہوتا تو وہ دین میں ان کا بھائی اور دوست ہوتا، پس حضرت سہلہ بنت سہیل بن عمرو القرشی، پھر العامری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور یہ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ کی بیوی تھیں، سو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم سالم کو اپنا بیٹا سمجھتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق وہ آیت نازل فرمائی ہے جو آپ کو معلوم ہے۔ پھر بقیہ حدیث بیان کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۰۰ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۰۰۰، ۵۰۸۸، صحیح مسلم: ۱۴۵۳، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۱، سنن نسائی: ۳۲۲۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۳، مسند الحمیدی: ۲۷۸، مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۱، ج ۶ ص ۲۰۱، ج ۶ ص ۲۵۵، ج ۶ ص ۲۶۹، ج ۶ ص ۲۷۰، سنن داری: ۲۲۶۲، مؤطا امام مالک ص ۳۷۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۵۶۵، المعجم الکبیر للطبرانی: ۶۳۷۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۵۹، صحیح ابن حبان: ۴۲۱۳، المستدرک ج ۳ ص ۲۲۶)

نکاح میں کفوء کا اعتبار کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ کفوء میں کون معتبر ہیں۔ امام مالک نے کہا: کفوء کا اعتبار صرف دین میں ہے اور کسی چیز میں نہیں ہے اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور یہ جائز ہے کہ عربی اور آزاد شدہ غلام قرشی عورت سے شادی کرے (المدونہ ج۲ ص ۱۴۵) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ میں کس مسلمان عورت سے اپنا نکاح کروں اور کس مسلمان سے اپنی بیٹی کا نکاح کروں۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۲۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۷۴۲۹) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور تابعین میں سے عمر بن عبدالعزیز اور ابن سیرین سے بھی یہی روایت ہے۔ (کتاب الاشراف لابن المنذر ج اص ۱۷) اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ تمام قریش ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور تمام عرب ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور کوئی عرب قریش کا کفوء نہیں ہے اور نہ کوئی آزاد کردہ غلام عرب کا کفوء ہے۔ (الہدایہ ج۲ ص ۲۱۸) اور امام شافعی نے کہا کہ غیر کفوء میں نکاح حرام نہیں ہے لیکن میں اس نکاح کو ہر حال میں مسترد کروں گا، یہ لڑکی کے اولیاء کی لڑکی کے ساتھ تقصیر ہے۔ اگر لڑکی خود غیر کفوء میں نکاح کرلے اور لڑکی اور اس کے تمام اولیاء اس نکاح پر راضی ہوں تو یہ نکاح جائز ہے کیونکہ یہ ان کا حق تھا جو انہوں نے ترک کردیا اور اگر لڑکی کے اولیاء میں سے ایک بھی اس نکاح پر راضی نہ ہو تو اسے اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار ہے۔ (کتاب الام ج۵ ص ۱۳) اور بعض نے کہا کہ اگر لڑکی اور اس کے تمام اولیاء غیر کفوء میں نکاح پر راضی ہوں تو پھر بھی یہ نکاح جائز نہیں ہے اور ثوری یہ کہتے تھے کہ جب آزاد شدہ غلام عربی عورت سے نکاح کرلے تو ان میں تفریق کردی جائے گی اور وہ اس میں سختی کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۳۰)

کفوء میں نسب اور مال کے اعتبار کرنے پر دلائل

امام شافعی وغیرہم نے کہا ہے کہ اگر نسب اور مال میں مماثلت کے بغیر نکاح کیا جائے تو یہ لڑکی کے اولیاء پر باعث عار اور غیرت کا سبب ہوگا اور کفوء کا حق لڑکی اور اس کے اولیاء سے عار کو دور کرنے کے لیے ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش ایک دوسرے کے کفوء ہیں اور موالی (آزاد شدہ غلام) ایک دوسرے کے کفوء ہیں سوائے جولاہوں اور حجاموں (فصد لگانے والوں) کے۔ (المغنی ج۹ ص ۳۸۷)

کفوء میں صرف دین کے معتبر ہونے پر دلائل

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ نے سالم کو بیٹا بنایا جو آزاد شدہ غلام تھے اور ان کا نکاح انہوں نے اپنی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ سے کردیا اور وہ قریش کی عورتوں کی سردار تھیں اور اسی طرح حضرت ضباعہ بنت الزبیر بن عبدالمطلب بنت عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے کردیا اور وہ عربی تھے اور الاسود بن عبد یغوث کے منہ بولے بیٹے تھے اور ان ہی کی طرف منسوب تھے اور یہ دونوں نکاح غیر نسب میں کیے گئے۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح البخاری کے اس باب میں مذکور ہیں، نیز اس باب کی صحیح البخاری کی تیسری حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت سے اس کے مال اور اس کے خاندان اور اس کے حسن و جمال اور اس کی دین داری کی وجہ سے اس سے نکاح کیا جاتا ہے تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں تم اس کی دین داری سے کامیابی حاصل کرو''۔ اور اس باب کی چوتھی حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان فقیر کے متعلق فرمایا: ''یہ تمام روئے زمین کی دولت سے بہتر ہے''۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ کفوء کا مدار دین داری میں مماثلت ہے اگرچہ نسب کی فضیلت ہے اور عرب زمانہ جاہلیت میں نسب کی فضیلت کے اوپر فخر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا اور صرف تقویٰ اور دین داری کا اعتبار فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ۔ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

کفوء میں اعتبار نسب کے دلائل کے جوابات

امام شافعی وغیرہ نے کہا: اگر غیر نسب میں نکاح کیا جائے تو لڑکی اور اس کے اولیاء کے لیے باعث عار ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دین داری اور نیکی اور پرہیز گاری کرنے والوں پر عار داخل نہیں ہوتا اور دین داری اور پرہیز گاری کو ہر چیز پر ترجیح ہے اور اگر نسب میں مساوات ہو اور دین داری میں مساوات نہ ہو تب یہ باعث عار ہوگا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نکاح ایک قرشیہ سے ہوا، اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا نکاح حضرت فاطمہ بنت قیس سے ہوا اور وہ بھی قرشیہ تھیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عزم کیا کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کر دیں (حالانکہ حضرت عمر قرشی تھے اور حضرت سلمان عجمی تھے، سو انہوں نے غیر کفوء میں اپنی بیٹی کے نکاح کا ارادہ کیا۔ سعیدی غفرلہ) تب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے حضرت سلمان فارسی سے کہا: آپ کے لیے امیر المومنین نے تواضع کی ہے۔ تب حضرت سلمان نے کہا: وہ میری مثل کے لیے تواضع کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں ان کی بیٹی سے کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ اگر غیر کفوء میں اور غیر نسب میں نکاح جائز نہ ہوتا تو حضرت عمر کبھی ان کے ساتھ اپنی بیٹی کے نکاح کا ارادہ نہ کرتے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اوپر اور اپنے خاندان کے اوپر کبھی عار کو گوارا نہ کرتے۔

اور حنظلہ بن ابی سفیان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں حالانکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف قرشی تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے اور یہ غیر کفو اور غیر نسب میں نکاح ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۴۹۔ ۱۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی من وعن عبارت نقل کر دی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۵۰۔ ۲۴۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی کی اس باب کے عنوان کے غیر متعلق کی ہوئی شرح

حافظ ابن حجر عسقلانی نے (صحیح البخاری: ۵۰۸۸) کا تتمہ ذکر کیا ہے کہ حضرت سہلہ بنت سہیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت سالم کے گھر میں آنے سے میں اپنے شوہر حضرت ابو حذیفہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھتی ہوں، تو آپ نے فرمایا: تم اس کو اپنا دودھ پلا دو، انہوں نے کہا: میں اس کو اپنا دودھ کیسے پلاؤں وہ تو بڑی عمر کا مرد ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ وہ بڑی عمر کا مرد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ صرف حضرت سالم کی خصوصیت تھی

ورنہ ڈھائی سال کی عمر کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔الحدیث۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس حدیث کی شرح ہم ان شاء اللہ کتاب الرضاع میں کریں گے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۸۔۲۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں کفوء کے مسئلہ پر بالکل بحث نہیں کی۔(سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی نے بھی اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر کی طرح حضرت سالم کو دودھ پلانے کا ذکر کیا ہے لیکن کفوء کے مسئلہ پر کوئی بحث نہیں کی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱۹۔۱۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نکاح غیر نسب اور غیر کفوء میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

شیخ عبد اللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ کفوء صرف دین میں معتبر ہے کیونکہ تمام لوگ واحد ہیں کیونکہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اسی وجہ سے حضرت ابوحذیفہ نے اپنی بھتیجی کا نکاح حضرت سالم سے کر دیا (ان کی بھتیجی قرشیہ تھیں اور حضرت سالم آزاد شدہ غلام تھے اور یہ غیر نسب اور غیر کفوء میں نکاح ہے۔سعیدی غفرلہ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔(حالانکہ حضرت اسامہ غلام زادہ تھے اور حضرت فاطمہ قرشیہ تھیں اور یہ نکاح بھی غیر نسب اور غیر کفوء میں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ کفوء کا اعتبار صرف دین میں ہے اور نسب کا کمال کفوء کے لیے ہے لیکن وہ نہ نکاح کی صحت کی شرط ہے اور نہ نکاح کے لزوم کی شرط ہے اور جب غیر نسب میں نکاح ہو جائے تو کسی کے لیے اس نکاح کو فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۴۰، مکتبۃ الطبری، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ کفوء میں امام احمد کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ کفوء ہونا نکاح کے لیے شرط ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ کفوء ہونا نکاح کے لیے شرط نہیں ہے اور اس قول کے متعلق علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، عمر بن عبد العزیز، عبید بن عمیر، حماد بن ابی سلیمان، ابن سیرین، ابن عون، امام مالک، امام شافعی اور فقہاء احناف کا یہی نظریہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو (الحجرات: ۱۳) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضرت حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ نے سالم کو بیٹا بنایا اور ان کے ساتھ اپنی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ قرشیہ کا نکاح کر دیا، حالانکہ حضرت سالم ایک انصاری کے آزاد شدہ غلام تھے، اس حدیث کو امام بخاری نے بیان کیا ہے، اور امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس (قرشیہ) کو حکم دیا کہ وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نکاح کریں اور حضرت زینب بنت جحش اسدیہ کا نکاح آپ نے حضرت زید بن حارثہ سے کر دیا، حالانکہ وہ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے کہا: میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم صرف مسلمان سے نکاح کرنا خواہ وہ گورا رومی ہو یا کالا حبشی ہو، نیز کفوء کی وجہ سے عورت، اس کے ولی یا دونوں کے نکاح کرنے کا حق اور اختیار ختم نہیں ہوتا، اس لیے جس طرح عیب سے بری ہونا نکاح میں شرط نہیں ہے، اسی طرح

کفو بھی نکاح میں شرط نہیں ہے۔ (المغنی ج ۷ ص ۲۶ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

۵۰۸۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ لَهَا لَعَلَّكِ أَرَدْتِ الْحَجَّ قَالَتْ وَاللهِ لَا أَجِدُنِي إِلَّا وَجِعَةً فَقَالَ لَهَا حُجِّي وَاشْتَرِطِي وَقُولِي اللَّهُمَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي وَكَانَتْ تَحْتَ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ضباعہ بنت الزبیر رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو ان سے فرمایا: شاید تم حج کا ارادہ کر رہی ہو، انہوں نے عرض: کیا اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو صرف درد میں مبتلاء پاتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم حج کرو اور شرط لگا لو، اور تم یہ کہو کہ اے اللہ! میں وہاں احرام کھول دوں گی جہاں تو مجھے (درد کی وجہ سے) حج سے روک لے گا، اور حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا حضرت مقداد بن اسود کے نکاح میں تھیں۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۹۸، صحیح مسلم: ۱۲۰۷، سنن نسائی: ۲۷۶۸، صحیح ابن حبان: ۳۷۷۳)

عذر در پیش ہونے کی وجہ سے احرام کھولنے کی شرط میں فقہاء مذاہب کا اختلاف

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا حج میں شرط لگانے کے متعلق اختلاف ہے، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کی اجازت دی ہے، اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، عروہ، عطاء، علقمہ، شریح اور عبیدہ نے اس کی اجازت دی ہے، اور محدثین میں سے امام ابن ابی شیبہ اور امام عبد الرزاق نے اس کی اجازت دی ہے اور ائمہ مجتہدین میں سے بعض اصحاب شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور امام ابو ثور نے اس کی اجازت دی ہے۔

شرط لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ حاجی احرام باندھتے وقت یہ کہے: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ بِحَجَّةٍ اور حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ لیکن اگر کوئی مانع در پیش ہوا اور میں حج یا قران کرنے پر قادر نہ ہوا تو میں وہیں احرام کھول دوں گا جہاں تو مجھے روک لے گا اور مجھ پر اس کا کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

دوسرے علماء نے اس شرط کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شرط باطل ہے۔ یہ حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور تابعین میں سے ابراہیم نخعی، الحکم، طاؤس اور سعید بن جبیر کا یہی مسلک ہے، اور ائمہ مجتہدین میں سے امام مالک، ثوری اور امام ابو حنیفہ نے کہا کہ اس شرط سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور وہ اپنے احرام پر قائم رہے حتیٰ کہ وہ اپنے احرام کو پورا کرے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس شرط کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے: کیا تم کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کافی نہیں ہے اور آپ نے حج میں کوئی شرط نہیں لگائی، پس تم میں سے کسی کو اگر کوئی چیز حج سے روک لے تو وہ بیت اللہ جا کر طواف اور صفا اور مروہ میں سعی کرے اور سر منڈائے یا بال کاٹے تو وہ ہر چیز سے حلال ہو جائے گا حتیٰ کہ وہ اگلے سال حج کرے اور قربانی کرے یا روزے رکھے اگر اس کو قربانی کی استطاعت نہ ہو۔ اور طاؤس اور سعید بن جبیر نے اس شرط کا انکار کیا ہے حالانکہ یہی دونوں اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور زہری نے بھی اس شرط کا انکار کیا ہے حالانکہ انہوں نے اس حدیث کی عروہ سے روایت کی ہے اور یہ

تمام علماء اس شرط کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۵۰۔۱۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن کا اس شرط کو احصار پر محمول کرنا

علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کی شرح میں، علامہ ابن بطال مالکی کی پوری عبارت نقل کر دی ہے، اور مزید یہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ الا احصار صرف عذر مانع کی وجہ سے واقع ہوتا ہے اور بیماری اور باقی عوارض کی وجہ سے احرام کو کھولنا جائز نہیں ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صرف دشمن کے منع کرنے کی وجہ سے احصار ہوتا ہے۔(سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۱۹)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳۵۵۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم یہ کہو کہ میں وہیں احرام کھول دوں گی جہاں تو مجھے روک دے گا''۔اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ محصر کو جس جگہ حج یا عمرہ سے روک دیا جائے وہ وہیں پر ایک اونٹ کو ذبح کر دے خواہ وہ محرم ہو یا احرام کھول چکا ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۵۴۔ ۲۵۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ: جس طرح حج یا عمرہ کرنے سے اگر دشمن مانع ہو تو وہ احصار ہے۔اسی طرح اگر حج یا عمرہ کرنے سے قرض مانع ہو تو وہ بھی احصار ہے اور اس کی دلیل حدیث مذکور ہے، اور محصر ایک اونٹ ذبح کر کے احرام کھول دے اور جب مانع زائل ہو جائے تو پھر اگلے سال حج یا عمرہ کرے۔(سعیدی غفرلہ)

غیر کفوء اور غیر نسب میں نکاح کے جواز کی ایک اور دلیل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الحج کے ابواب المحصر میں گزر چکی ہے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب عورت پر حج فرض ہو تو اس پر ضروری نہیں ہے کہ وہ شوہر سے حج کرنے کی اجازت لے اور امام بخاری نے جو اس حدیث کو یہاں وارد کیا ہے اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ حضرت ضباعہ بنت الزبیر بن عبد المطلب الہاشمیہ بنت عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھیں اور ان کا نکاح زبیر نے حضرت مقداد بن عمرو کندی سے کر دیا جو ان کے نسب سے نہیں تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ کفوء میں نسب میں مساوات ضروری نہیں ہے اور غیر نسب اور غیر کفوء میں نکاح کرنا جائز ہے۔(فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا ہے کہ حضرت مقداد بن اسود، اسود بن عبد یغوث کے حبشی غلام تھے، جن کو اسود بن عبد یغوث نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور ان سے حضرت ضباعہ ہاشمیہ کا نکاح ہوا اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ کفوء میں نسب میں مساوات ضروری نہیں اور یہ حدیث غیر نسب اور غیر کفوء میں نکاح کے جواز کی دلیل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۰، ملخصاً، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ نے بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث غیر کفوء میں نکاح کے جواز کی دلیل ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۴۱، ملخصاً مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ غیر مقلد لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نیک لوگوں کو اختیار کرنا چاہیے۔محی السنۃ نے بیان کیا ہے کہ کہ ایک مرد نے حسن بصری سے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے جس سے میں بہت محبت کرتا ہوں اور بہت لوگوں نے اس کے نکاح کا پیغام دیا ہے، آپ بتائیں میں اس کا نکاح کس کے ساتھ کروں؟ تو انہوں نے کہا: اس مرد سے نکاح کرو جو متقی ہو کیونکہ اگر وہ اس کو پسند کرے گا تو اس کی تکریم کرے گا

اور اگر وہ اس کو ناپسند کرے گا تو اس پر ظلم نہیں کرے گا۔ (عون الباری ج ۵ ص ۴۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

مسئلہ کفوء میں دیوبندی علماء کا مسلک

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ کفاءت صحتہ نکاح کے لیے شرط نہیں، عورت اور اولیاء کی رضامندی سے غیر کفوء میں اگر نکاح ہو جائے تو درست ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ایک عبارت اسی طرح ہے، اور ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ کفاءت صحتہ نکاح کے لیے شرط ہے۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۷ ص ۲۶)

امام بخاری رحمہ اللہ چونکہ صرف دین کے اندر کفاءت کو اختیار کرتے ہیں، نسب وحریت وغیرہ میں کفات کا اعتبار ان کے نزدیک درست نہیں اس لیے انہوں نے اس باب میں اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے ایسی روایات ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی لحاظ سے اونچے درجہ کی عورت کا نکاح غیر کفوء میں ہوا ہے، مثلاً پہلی حدیث میں ہے کہ ہند بنت الولید بن ربیعہ کا نکاح حضرت سالم سے ہوا جو انصاری خاتون کے آزاد کردہ غلام تھے، اور ہند بنت الولید قرشیہ تھیں۔ اسی طرح اس باب کی دوسری روایت میں ہے کہ ضباعہ بنت الزبیر حضرت مقداد بن الاسود کے نکاح میں تھیں، حضرت مقداد غیر قرشی تھے جب کہ حضرت ضباعہ قرشیہ تھیں۔ (کشف الباری، کتاب فضائل القرآن ص ۱۷۲-۱۷۱، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

غیر مقلدین کا مسئلہ کفوء میں موقف

غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مہاجرین صحابہ کا انصار کی عورتوں سے نکاح کرنا ثابت کرتا ہے کہ کفاءت صرف دین ہی میں باقی ہے۔ باقی سب کچھ اضافی ثانوی حیثیت ہے اور اگلی حدیث بھی اس بات کی مؤید ہے۔ (ترجمہ وتشریح صحیح البخاری ج ۵ ص ۵۸۴، مکتبہ قدوسیہ، لاہور)

۵۰۹۰- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن ابی سعید نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عورت کے ساتھ نکاح چار خصلتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب کی وجہ سے، اس کے جمال کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے، پس تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں تم دیندار عورت کے ساتھ کامیابیاں حاصل کرو۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۹۰، صحیح مسلم: ۱۴۶۶، سنن ابوداؤد: ۲۰۴۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۸، سنن بیہقی: ۱۳۲۴۴، صحیح ابن حبان: ۴۰۳۶)

مال دار بیوی کے مال سے شوہر کے فائدہ اٹھانے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی التوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عورت سے نکاح اس کے مال کی وجہ سے کیا جاتا ہے''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ خاوند بیوی کے مال سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور وہ اس قصد سے نکاح کر سکتا ہے۔ اگر بیوی اس کو خوشی سے اپنا مال دے تو وہ اس کے لیے حلال ہے اور اگر وہ اس کو منع کرے تو جتنی رقم اس نے اس کے مہر پر خرچ کی ہے اس کے مطابق خرچ کر سکتا ہے۔

مہر پر عورت کی ملکیت اور اس پر تصرف کے متعلق فقہاء کا اختلاف

اس میں اختلاف ہے کہ جب شوہر نے بیوی کو مہر دیا اور بیوی نے اس کو جہیز میں سے کچھ خرچ کرنے سے منع کیا۔ امام مالک نے کہا: عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مہر سے قرض ادا کرے نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جہیز میں سے نکاح کی مصلحت کے علاوہ خرچ کرے مگر یہ کہ مہر بہت زیادہ ہو تو پھر عورت اس میں سے کچھ خرچ کر سکتی ہے۔

امام ابوحنیفہ، ثوری اور امام شافعی نے کہا ہے کہ عورت کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنی خواہش کے خلاف کچھ خریدے اور مہر اس کی ملکیت ہے وہ اس میں سے جو چاہے خرچ کرے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر عورت مر جائے اور مہر اسی طرح محفوظ ہو تو اس مہر کا حکم اس عورت کے باقی اموال کی طرح ہے، پھر جب عورت کی وفات کے بعد اس کے مہر کا یہ حکم ہے تو عورت کی زندگی میں بھی اس کے مہر کا یہی حکم ہونا چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''عورت سے اس کے مال کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ مرد (عورت کی اجازت سے) عورت کے مال سے فائدہ اٹھا سکتا ہے ورنہ مال دار عورت اور تنگ دست عورت میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور مال دار عورت سے نکاح کی ترغیب کی کوئی وجہ نہیں رہے گی۔

''تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں'' اس جملہ کا معنی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں، تم دین دار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو''۔ اہل لغت کے نزدیک ان الفاظ کی حقیقت مراد نہیں ہوتی، اور کسی کے ہاتھ خاک آلودہ جب ہوتے ہیں جب وہ فقیر ہو جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف فقر کی دعا نہیں کی بلکہ اس کو برانگیختہ کرنے کے لیے فرمایا ہے، علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے، اس جملہ سے وقوع کا ارادہ نہیں کیا جاتا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۵۱۔۱۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح ہو بہو نقل کی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۵۵۔۲۵۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حسب کا لغوی اور عرفی معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: عورت سے اس کے مال اور حسب کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ حسب کا معنی ہے: عورت کا شرف اور حسب کا معنی اصل میں باپ، دادا اور رشتہ داروں کے فضائل ہیں۔ اور یہ لفظ حساب سے ماخوذ ہے کیونکہ عرب جب فخر کرتے تھے تو اپنے مناقب اور اپنے آباء و اجداد اور اپنی قوم کے فضائل بیان کرتے تھے اور ان کو گنتے تھے اور جس کے فضائل زیادہ ہوتے اس کو دوسروں پر ترجیح دی جاتی تھی۔

امام سعید بن منصور نے یحییٰ بن جعدہ سے روایت کی ہے: ''عورت سے اس کے دین، اس کے مال، اس کے حسب اور اس کے نسب کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے''۔ اور یہاں پر نسب کا ذکر بہ طور تاکید ہے اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جو مرد شریف اور عمدہ نسب کا ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ عمدہ نسب کی عورت سے نکاح کرے لیکن اگر عمدہ نسب کی عورت کی دین داری میں کمی ہو تو پھر اس کے مقابلہ میں دین دار عورت کو ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح باقی صفات کے مقابلہ میں بھی دین داری کو ترجیح ہے۔

کفوء میں مال کا اعتبار کرنے کی توجیہ

حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسب مال ہے اور کرم تقویٰ ہے''۔ اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے اور حاکم نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور جو فقہاء کفوء میں مال کی مساوات کا اعتبار کرتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور اس حدیث کی وضاحت اسی باب کی دوسری حدیث میں آرہی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: نکاح کے لیے فریقین میں مال کی مساوات مستحسن ہے اور اس حدیث کا یہی محمل ہے، لیکن مال میں مساوات صحت نکاح کی شرط نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مال دار عورتوں کا تنگ دست صحابہ سے نکاح کر دیا تھا۔ (سعیدی غفرلہ)

کفوء کے متعلق احادیث مرویہ پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تلویح میں مذکور ہے کہ بعض علماء نے کفوء کے ثبوت میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ قریش ایک دوسرے کے کفوء ہیں مگر جولاہا اور حجام (فصد لگانے والا) ان کا کفوء نہیں ہیں۔ ابن ابی حاتم نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور حدیث مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قریش ایک دوسرے کے کفوء ہیں، قبیلہ قبیلہ کا کفوء ہے اور مرد، مرد کا کفوء ہے اور موالی بھی ایک دوسرے کے کفوء ہیں۔ قبیلہ، قبیلہ کا کفوء ہے، مرد مرد کا کفوء ہے مگر جولاہا اور حجام''۔ صاحب التنقیح نے کہا: یہ حدیث منقطع ہے، حافظ ابن عبد البر نے کہا: یہ حدیث منکر موضوع ہے، امام ابن حبان نے کہا کہ یہ حدیث عمران بن ابی الفضل سے مروی ہے اور وہ موضوعات کی روایت کرتا ہے، اس کی حدیث کو کتب حدیث میں لکھنا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اعتبار کفوء کی اکثر احادیث حجت نہیں ہیں، ان میں عمدہ حدیث یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا: جب نماز کا وقت آجائے (تو نماز پڑھنے میں) اور جب جنازہ آجائے (تو نماز جنازہ پڑھنے میں) اور جب بے نکاح عورت کا کفوء مل جائے (تو اس کا نکاح کرنے میں) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے، اور حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۳۔ ۱۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عورت کے حسب، اس کے جمال اور اس کے دین کا معنی

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں عورت کے حسب کا ذکر ہے، اور حسب سے مراد یہ ہے کہ عورت اپنی قوم میں معزز ہو اور اس کا قبیلہ بھی معزز ہو اور جمال کا معنی واضح ہے اور دین سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار ہو اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ ''مومنین میں سے اس کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے زیادہ عمدہ ہوں''۔ (سنن ترمذی: ۱۱۶۲، امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحیح ابن حبان: ۴۱۷۶) (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۴۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۰۹۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ مَا تَقُولُونَ فِي هَذَا قَالُوا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ وَإِنْ قَالَ أَنْ يُسْتَمَعَ قَالَ ثُمَّ سَكَتَ فَمَرَّ رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ مَا تَقُولُونَ فِي هَذَا قَالُوا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَا يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لَا يُشَفَّعَ وَإِنْ قَالَ أَنْ لَا يُسْتَمَعَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِثْلَ هَذَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی حازم نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت سہل (بن سعد) رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک مرد گزرا، آپ نے پوچھا: تم اس مرد کے متعلق کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے کہا: یہ مرد اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے تو اس کا نکاح کر دیا جائے اور اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے اور اگر یہ کوئی بات کرے تو اس کی بات سنی جائے۔ حضرت سہل نے کہا: پھر آپ خاموش ہو گئے، پھر ایک دوسرا مرد فقراء مسلمین میں سے گزرا، تو آپ نے پوچھا: تم اس مرد کے متعلق کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے کہا: یہ مرد اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام دے تو اس کا نکاح نہ کیا جائے اور اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ قبول کی جائے اور اگر یہ کوئی بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تنہا یہ شخص تمام روئے زمین کے بھرے ہوئے مال و دولت سے بہتر ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۹۱، ۶۴۴۷، سنن ابن ماجہ: ۴۱۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۲۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۰۶، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۶۹)

ہر فقیر کا ہر غنی سے افضل نہ ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس فقیر مذکور کی غنی مذکور پر فضیلت کا ذکر ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر فقیر ہر غنی پر افضل ہے اور شاید رسول اللہ ﷺ کو اس فقیر کی افضلیت وحی سے معلوم ہو گئی تھی۔ اس حدیث کی مفصل شرح ان شاء اللہ کتاب الرقاق کے فضل الفقر کے باب میں آئے گی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۵۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح نہیں کی۔ غالباً اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی مختصر شرح کی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری کی اس حدیث کو وارد کرنے سے غرض یہ ہے کہ اگر فقیر مسلمان کسی کو نکاح کا پیغام دے تو اس کا پیغام قبول کر لینا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفوء میں صرف اسلام کا اعتبار ہے مال اور حسب و نسب کا اعتبار نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرنے والے دو مردوں کا تعارف

اس حدیث میں مذکور ہے کہ فقرآء مسلمین میں سے ایک مرد گزرا: حافظ ابو عمرو ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس مرد کا نام جعال بن سراقہ تھا اور اس کو جعیل بن سراقہ الضمیر الثعلبی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مرد فقرآء مسلمین سے تھے، یہ نیک مرد تھے اور قدیم الاسلام تھے، البتہ خوش شکل نہیں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ احد میں شریک تھے۔
علامہ کرمانی نے کہا کہ اگر پہلا شخص کافر تھا تو اس کی توجیہ ظاہر ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حال وحی سے معلوم ہوا تھا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ کرمانی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ پہلا شخص مسلمانوں کے معزز لوگوں میں سے تھا جیسا کہ کتاب الرقاق میں اس کی تفصیل آئے گی۔ (فتح الباری ج ٦ ص ۲۵۹)

علامہ عینی کا علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر سے مناقشہ

علامہ عینی ان دونوں شارحین پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ کرمانی کا کلام اس لیے غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پہلے مرد کا حال وحی سے معلوم نہیں ہوا کیونکہ وہ مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تھا اور آپ نے مشاہدہ کر کے جان لیا تھا کہ وہ مسلمان ہے اور ظاہر یہی ہے کہ وہ مسلمان تھا اور اپنی قوم میں معزز شخص تھا اور دوسرا شخص جو گزرا تھا وہ حضرت جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ تھے اور وہ آپ کے نیک اصحاب میں سے تھے اور اللہ تعالیٰ کے عباد صالحین میں سے تھے۔
اور حافظ ابن حجر نے پہلے مرد کا حال لکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کے معزز لوگوں میں سے تھے اور دوسرے مرد کا حال نہیں لکھا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۴۔ ۱۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح

بعض کم سواد اور کم فہم متعصب لوگ یہ کہتے ہیں کہ فاطمی سادات لڑکیوں کا نکاح غیر فاطمی مردوں سے کرنا ناجائز اور حرام ہے اور اس کے مرتکب کافر ہیں، اور اس کے نتیجہ میں ہونے والی اولاد، اولاد الزنا ہے۔ العیاذ باللہ۔ ہم اس قول سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور درج ذیل سطور میں مستند حوالوں کے ساتھ یہ تصریحات پیش کر رہے ہیں کہ فاطمی لڑکیوں کا نکاح غیر فاطمیہ مردوں کے ساتھ عہد صحابہ اور عہد تابعین میں ہوتا رہا ہے اور اس کے جواز اور استحسان پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ ثعلبہ ابن ابی مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی عورتوں میں کچھ چادریں تقسیم کیں، پس ایک نئی چادر بچ گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم نشینوں میں سے کسی نے کہا: یہ چادر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صاحب زادی کو دے دیں جو آپ کے نکاح میں ہیں۔ ان کی مراد حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما تھیں، تب حضرت عمر نے فرمایا: حضرت ام سلیط رضی اللہ عنہا اس کی زیادہ مستحق ہیں۔ (صحیح البخاری: ۲۸۸۱، امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں)

اس نکاح کے متعلق شارحین بخاری اور مورخین اسلام کی تصریحات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے نکاح کا پیغام دیا۔ مولیٰ علی نے فرمایا: میں اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں، اگر آپ نے اسے راضی کر لیا تو میں اس کا نکاح آپ سے کر دوں گا، پھر مولیٰ علی نے حضرت ام کلثوم کو حضرت عمر کے پاس ایک چادر دے کر بھیجا اور ان سے فرمایا: تم ان سے یہ کہنا کہ یہ وہ چادر ہے جس کے متعلق میں نے آپ سے کہا تھا۔ حضرت ام کلثوم نے حضرت عمر سے اسی طرح کہا، حضرت عمر نے ان سے کہا: آپ حضرت علی سے کہیں کہ میں راضی ہو گیا آپ سے اللہ راضی ہو تو حضرت علی نے بتایا کہ حضرت عمر تمہارے شوہر ہیں۔ (صحیح البخاری:۲۸۸۱) اس روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۳۶۔ ۲۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا تھا جن کی والدہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں، اس وجہ سے حضرت عمر کے ہم نشینوں نے کہا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ وہ آپ کی حیات میں پیدا ہوئی تھیں اور وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سب سے چھوٹی صاحب زادی تھیں۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۸۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عزالدین ابن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے نکاح کر لیا ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر نکاح اور نسب اور سسرال کا رشتہ منقطع ہو جائے گا سوا میرے نکاح، نسب اور سسرال کے رشتہ کے۔ اور میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسب اور نکاح کا رشتہ تو تھا مگر میں نے چاہا کہ میں آپ کے ساتھ سسرال کا رشتہ بھی جوڑ لوں تو مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دی، اور حضرت ام کلثوم سے حضرت عمر کا ایک بیٹا زید بن عمر اور ایک بیٹی رقیہ پیدا ہوئیں۔ (اسد الغابہ ج ۷ ص ۳۸۷۔ ۳۷۷، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

یہ قصہ درج ذیل کتب میں بھی بعض میں اختصار کے ساتھ اور بعض میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے:

(سنن ترمذی:۳۸۰۸، ۱۹۳۸، الاصابہ:۷۔ ۱۲۲۳، الاستیعاب: ۳۶۶۴، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۶۳، تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۳۶۵، الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۵۳۷)

اس نکاح کے متعلق دیگر اکابر اسلام کی تصریحات

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑی متوفی ۱۳۵۶ھ فرماتے ہیں:

ام کلثوم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں لائے، ان سے ایک صاحب زادہ زید نام کا متولد ہوا۔

(تحقیق الحق فی کلمۃ الحق (مترجم) ص ۱۵۲، گولڑا شریف، ۱۴۱۲ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے بھی اس نکاح کو بیان کیا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۹۹، مطبوعہ سنی دار الاشاعت، فیصل آباد)

حدیث، تاریخ اور اکابر علماء کرام کی ان تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی منکر اور ہٹ دھرم اس نکاح کا انکار کرتا ہے تو اس کی بات کو کون سنتا ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین اور حضرت سیدہ سکینہ بنت حسین کا غیر فاطمی جوانوں سے نکاح

امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین کا نکاح حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے ہوا، پھر ان کے بعد ان کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا۔

اور حضرت سیدہ سکینہ بنت حسین کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا، ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام سے ہوا، ان سے قرین پیدا ہوئے اور ان کی نسل چلی، پھر حضرت سکینہ کا نکاح اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے ہوا، انہوں نے دخول سے پہلے آپ کو طلاق دے دی، پھر آپ کا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا، انہوں نے سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے آپ کو طلاق دے دی اور ہشام کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوگئی۔ یہ ابوالیقظان کا قول ہے۔ اور ہیثم بن عدی نے بیان کیا ہے کہ سیدہ سکینہ کا نکاح عمرو بن حکیم بن حزام سے ہوا، اس کے بعد آپ کا نکاح عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا، اس کے بعد آپ کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا، اور ابن الکلبی نے کہا کہ حضرت سکینہ کے پہلے شوہر اصبغ بن عبدالعزیز تھے جو عمر بن عبدالعزیز کے بھائی تھے، وہ مصر میں آپ کو دیکھنے سے پہلے فوت ہو گئے، اس کے بعد آپ کا نکاح عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا، پھر اس کے بعد آپ کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا، پھر آپ کا نکاح عبداللہ بن عثمان بن حکیم بن حزام سے ہوا، ان سے عثمان پیدا ہوئے جن کو قرین کہتے ہیں اور مصعب سے آپ کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، اس کے بعد آپ کا نکاح ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے ہوا جو ابراہیم بن سعد فقیہ کے دادا تھے۔

(المعارف ص ۹۴۔ ۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں: حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا نکاح ان کے عم زاد حضرت حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے ہوا۔ ان سے عبداللہ، ابراہیم، حسن اور زینب پیدا ہوئے، پھر وہ فوت ہو گئے تو حضرت فاطمہ بنت حسین کے حکم سے ان کے صاحب زادے عبداللہ بن حسن نے ان کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہم سے کر دیا تھا اور ان سے قاسم اور محمد پیدا ہوئے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۷۳، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی ذکر کیا ہے کہ: حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا دوسرا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۴۳، دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ)

نیز امام محمد سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما سے سب سے پہلے حضرت مصعب بن زبیر نے عقد کیا، ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں، پھر وہ شہید ہو گئے تو ان کا عقد عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان سے عثمان قرین حکیم اور ربیحہ پیدا ہوئے، ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ان کی وفات کے بعد سیدہ سکینہ کا نکاح ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری سے ہوا، یہ نکاح سیدہ سکینہ نے از خود کیا تھا۔ وہ تین ماہ ان کے ساتھ رہیں، پھر ہشام بن عبدالملک نے مدینہ کے والی کو حکم دیا کہ ان میں تفریق کر دی جائے۔ (کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی) سو ان میں تفریق کر دی گئی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۷۵، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

علامہ شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ نے بھی سیدہ سکینہ بنت الحسین بن علی بن ابی طالب کے نکاحوں کی مذکورہ

الصدر تفصیل بیان کی ہے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۶۸، منشورات الشریف قم ایران)

حضرت حسن بن حسن کی صاحب زادیوں کا غیر فاطمی جوانوں سے نکاح

ان کے علاوہ حضرت حسن بن حسن کی صاحب زادیوں کا نکاح بھی غیر فاطمی جوانوں سے ہوا اور حضرت علی بن حسین بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہم کی صاحب زادیوں کا نکاح بھی غیر فاطمی جوانوں سے ہوا۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

(جمہرۃ انساب العرب ج ۴۲ ص ۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۳ھ)

فاطمی سیدات کے غیر فاطمی جوانوں کے ساتھ نکاح کو حرام کہنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ

مذکور الصدر تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت علی نے اپنی صاحب زادی سیدہ ام کلثوم کا حضرت عمر سے نکاح کیا اور حضرت سیدہ فاطمہ بنت الحسین بن علی رضی اللہ عنہم اور حضرت سیدہ سکینہ بنت الحسین بن علی رضی اللہ عنہم کا نکاح بھی غیر فاطمی جوانوں سے ہوا اور حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی چار صاحبزادیوں کا اور حضرت علی بن حسین بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہم کی پانچ صاحب زادیوں کا نکاح غیر فاطمی جوانوں سے ہوا، تو جو لوگ فاطمی سیدہ کا نکاح غیر فاطمی مرد سے ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور ان کی اولاد کو اولاد الزنا قرار دیتے ہیں وہ لوگ بتائیں کہ ان مکرم سید زادیوں کے طیب نکاحوں کو ناجائز اور حرام کہنا اور ان کی اولاد کو اولاد الزنا قرار دینا ان مقدس خواتین اور بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کس قدر بے ادبی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے اپنے اس قول سے کس قدر ایذاء پہنچائی ہے۔

سیدہ کے غیر سید سے نکاح کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا موقف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا کہ پٹھان کے لڑکے اور سید کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: سائل مظہر کی لڑکی جوان ہے اور اس کا باپ زندہ ہے، دونوں کو معلوم ہے کہ یہ پٹھان ہے اور دونوں اس عقد پر راضی ہیں، جب صورت یہ ہے تو اس نکاح کے جواز میں اصلاً کوئی شبہ نہیں کما نص فی رد المحتار وغیرہ من الاسفار۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۸۷، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد)

نیز اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ آیا عجمی عالم سیدہ کا کفوء ہے یا نہیں۔ اعلحضرت نے جواب لکھا: ہاں! دین دار عالم سیدہ کا کفوء ہے کیونکہ علم کی فضیلت نسب کی فضیلت سے زیادہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۹۱ ملخصاً، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد)

نیز اعلیٰ حضرت سے حسب ذیل سوالات کیے گئے:

(۱) ایک عورت ہے جو نسبی سیدہ ہے، اس سے کسی شخص نے جو نسباً سید نہیں ہے نکاح کیا تو اس کو لوگ کافر کہتے ہیں تو شخص مذکور کافر ہوا یا نہیں؟

جواب: حاشاللہ اسے کفر سے کیا علاقہ، کافر کہنے والوں کو تجدید اسلام چاہیے کہ بلاوجہ مسلمان کو کافر کہتے ہیں۔ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنی صاحب زادی حضرت ام کلثوم کو کہ بطن پاک حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا سے تھیں، امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں اور ان سے حضرت زید بن عمر پیدا ہوئے اور امیر المومنین حضرت عمر نسباً سادات سے نہیں۔

(۲) عورت بالغہ جو نسباً سیدہ ہے باکرہ ہو یا مطلقہ کسی شخص جو نسباً سید نہیں ہے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: سیدہ، عاقلہ، بالغہ، اگر ولی رکھتی ہے تو جس کفوء سے نکاح کرے گی ہو جائے گا اگر چہ سید نہ ہو، مثلاً شیخ، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی یا عباسی اور اگر غیر کفوء سے بے اجازت صریحہ ولی نکاح کرے گی تو نہ ہوگا جیسا کہ کسی شیخ، انصاری، مغل یا پٹھان سے مگر جب کہ وہ معزز عالم دین ہو (تو نکاح ہو جائے گا)۔

(۳) مرد غیر سید نے سیدہ عورت سے نکاح کیا اور اگر وہ نکاح جائز ہوا تو جو اولاد اس سے پیدا ہوگی تو وہ نسباً سید کہلائے گی یا نہیں؟

جواب: جب باپ سید نہ ہو تو اولاد سید نہیں ہو سکتی اگر چہ ماں سیدانی ہو۔ واللہ تعالیٰ علم۔

(فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۲۹۹، سنی دار الاشاعت، فیصل آباد)

مسئلہ کفو کی تحقیق میں حرف آخر

ہم نے شرح صحیح مسلم ج ٦ ص ١١٠٥۔ ١٠٢٣، میں مسئلہ غیر کفوء میں نکاح کے جواز کو بہت تفصیل سے لکھا ہے اور یہاں نعمۃ الباری میں اس کے ثبوت میں بہ کثرت احادیث، تاریخی روایات اور مسلم اکابر اسلام کی تصریحات ذکر کی ہیں اور ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس تحریر کو قبول فرمائے اور نفع آور بنائے اور موافقین کے لیے وجہ استقامت بنائے اور منکرین اور مانعین کو ہدایت عطا فرمائے۔ وما ذالك علی الله بعزیز۔ میں نے اس تحقیق کی تحریر میں جو قلم کی سیاہی خرچ کی ہے میرے گناہ اس سے بہت زیادہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا از راہ کرم یہی طریقہ ہے کہ گناہ اگر چہ سمندروں کے جھاگ سے بھی زیادہ ہوں وہ اپنی رحمت اور اپنے فضل سے نیکی کے ایک قطرہ سے ان تمام گناہوں کو دھو ڈالتا ہے۔ سوالہ العالمین! آپ میرے گناہوں کو معاف فرمادیں اور اپنے فضل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مجھے قبر کے عذاب، دوزخ کے عذاب، حشر کے عذاب اور قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ اور مامون رکھیں اور مجھے جنت الفردوس عطا فرمائیں اور میں اپنے والدین، اساتذہ اور احباب اور نعمۃ الباری کے معاونین اور قارئین کے لیے بھی یہی دعا کرتا ہوں۔ آمین یا رب العلمین بجاہ حبیبك سیدنا محمد وعلی آله واصحابه وازواجه وذریته وامته من المفسرین والمحدثین والفقهاء المجتهدین والمفتین والعلماء العاملین الی یوم الدین۔

١٧۔ بَابُ: الْأَكْفَاءِ فِي الْمَالِ وَتَزْوِيجِ الْمُقِلِّ الْمُثْرِيَةَ

کفوء میں مال کا اعتبار کرنا اور تنگ دست کا مال دار عورت سے نکاح کرنا

٥٠٩٢۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رضی الله عنها ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى﴾ (النساء: ٣) قَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي هٰذِهِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي جَمَالِهَا وَمَالِهَا وَيُرِيدُ أَنْ يَنْتَقِصَ صَدَاقَهَا فَنُهُوا عَنْ نِكَاحِهِنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ وَأُمِرُوا بِنِكَاحِ مَنْ سِوَاهُنَّ قَالَتْ وَاسْتَفْتَى النَّاسُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى (النساء: ٣) اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے۔ حضرت عائشہ نے کہا: اے میرے بھانجے! یہ یتیم لڑکی اپنے ولی کے زیر پرورش ہوتی تھی، وہ اس کے حسن و جمال اور مال میں رغبت رکھتا تھا اور چا

بَعْدَ ذٰلِكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ (النساء:۱۲۷) فَأَنْزَلَ اللّٰهُ لَهُمْ أَنَّ الْيَتِيمَةَ إِذَا كَانَتْ ذَاتَ جَمَالٍ وَمَالٍ رَغِبُوا فِي نِكَاحِهَا وَنَسَبِهَا وَسُنَّتِهَا فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ وَإِذَا كَانَتْ مَرْغُوبَةً عَنْهَا فِي قِلَّةِ الْمَالِ وَالْجَمَالِ تَرَكُوهَا وَأَخَذُوا غَيْرَهَا مِنَ النِّسَاءِ قَالَتْ فَكَمَا يَتْرُكُونَهَا حِينَ يَرْغَبُونَ عَنْهَا فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَنْكِحُوهَا إِذَا رَغِبُوا فِيهَا إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهَا وَيُعْطُوهَا حَقَّهَا الْأَوْفَى فِي الصَّدَاقِ۔

چاہتا تھا کہ اس کا مہر کم رکھے تو ان کو ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے کو منع کر دیا گیا سوائے اس کے کہ ان کا مکمل مہر دیں اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ ان کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کریں۔ حضرت عائشہ نے بیان کیا: اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ (النساء:۱۲۷) اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے: اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم دیتا ہے اور وہ احکام بھی جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جا رہے ہیں جن کا تم وہ حق انہیں نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ حکم نازل کیا کہ جب یتیم لڑکی خوبصورت اور مال دار ہو اور اس کے ولی اس کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھیں تو وہ اس لڑکی کا مکمل مہر دیں۔ اور جب وہ اس لڑکی کے مال میں کمی اور حسن میں کمی کی وجہ سے اس سے اعراض کریں تو وہ اس یتیم لڑکی کو چھوڑ دیں اور اس کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: جب وہ اس سے اعراض کر کے اس کو چھوڑ دیں تو پھر ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں رغبت کر کے اس سے نکاح کریں مگر اس صورت میں جب ان کے ساتھ انصاف کریں اور مہر میں ان کا پورا حق ادا کریں۔

اس حدیث کی شرح میں صحیح البخاری: ۲۴۹۴ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۴۹۴، ۵۰۹۲، ۵۰۹۸، ۵۱۲۸، ۵۱۳۱، ۶۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۸، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۸، سنن نسائی: ۳۳۴۳)

اَلْمُثْرِيَه کا معنی اور اس حدیث کی روایت سے امام بخاری کی غرض

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے عنوان میں المثریہ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: مال دار عورت۔

امام بخاری کی اس حدیث کو روایت کرنے سے غرض یہ ہے کہ ایک تنگ دست کی کوئی مال دار عورت رشتہ دار ہوتی ہے تو اگر وہ اس کا پورا مہر ادا کرے تو اس کا اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا مال میں کفوء ہونا دین میں کفوء ہونے کے تابع ہے، اور اگر یتیم لڑکی کا ولی اس سے نکاح کا ارادہ کرے اور اس کا مال یتیم لڑکی کے مال سے کم ہو اور وہ نیک مرد ہو اور وہ اس لڑکی کے ساتھ انصاف کر کے اس کو پورا مہر دے تب بھی اس ولی کا لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سلطان کی اجازت کے بغیر یتیم لڑکی کا نکاح کرنے میں فقہاء مذاہب کی آراء

حضرت عائشہ کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ یتیم لڑکی کے ولی کا اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے خواہ سلطان نے اجازت نہ دی ہو، فقہاء میں سے حسن بصری، ربیعہ، امام مالک، لیث، الاوزاعی، الثوری اور امام ابوحنیفہ، ابوالثور اور ابن حزم نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور امام زفر اور امام شافعی نے کہا ہے کہ سلطان کی اجازت کے بغیر ولی کا اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اور داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عقد کی شرط ولایت ہے، اور امام مالک کے نزدیک دخول سے پہلے اور دخول کے بعد یہ نکاح منسوخ کر دیا جائے گا۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۲۶۰۔ ۲۵۹، عیون المجالس ج ۳ ص ۱۰۶۹۔ ۱۰۶۸، المحلی ج ۹ ص ۴۷۳۔ ۴۷۴)

نابالغ لڑکی کا نکاح کرنے میں ولی کا حق

اور امام ابوحنیفہ نے النساء: ۳ اور النساء: ۱۲۷، کی تفسیر میں کہا ہے کہ یتیمہ اس لڑکی کو کہتے ہیں جو نابالغہ ہو اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اس کا ولی اس کے بالغہ ہونے سے پہلے ہی اس کا نکاح کر سکتا ہے اور امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے مگر یہ مشہور نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس کا نکاح نہیں کر سکتا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو اس کا نکاح کر سکتا ہے۔

(احکام القرآن للجصاص الحنفی ج ۲ ص ۷۸۔ ۷۷، احکام القرآن لابن العربی المالکی ج ۱ ص ۴۰۶۔ ۴۰۵، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۶۵۔ ۲۶۱ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۱ھ)

تنگ دست مرد کا مال دار عورت سے نکاح کرنے کا جواز

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفوء میں مال کا اعتبار کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ کفوء میں مال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور امام شافعی سے یہ بھی منقول ہے کہ کفوء میں، دین، مال اور نسب معتبر ہے فقہاء کی ایک جماعت نے اور الماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے، اور یہ اختلاف دیہاتی کے ساتھ مخصوص ہے جو مال کی بجائے نسب میں فرق کرتے ہیں اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست مرد مال دار عورت سے نکاح کر سکتا ہے جب وہ عورت اور اس کا ولی اس نکاح پر راضی ہوں۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ولی یتیم لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اوائل نکاح میں اس پر بحث گزر چکی ہے اور عنقریب اس کی تفصیل ذکر کی جائے گی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اسی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۴)

علامہ زرہونی مالکی متوفی ۱۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کفوء میں مال معتبر ہے یا نہیں۔ فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک زیادہ مشہور یہ ہے کہ کفوء میں مال کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور شیخ خلیل مالکی نے کہا کہ مال دار لڑکی کا باپ تنگ دست مرد سے اس کا نکاح کر سکتا ہے۔

(مختصر خلیل ج ۱۱۷) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۷۹۔ ۳۷۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

شیخ محمد صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ نے بھی لکھا ہے کہ تنگ دست مال دار عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۴۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۸- بَابُ: مَا يُتَّقَى مِنْ شُؤْمِ الْمَرْأَةِ إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

عورت کی نحوست سے بچنے کا حکم اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں۔ (التغابن: ۱۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں: شوم کا معنی ہے: منحوس اور یہ مبارک کی ضد ہے اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ بعض عورتیں نامبارک ہوتی ہیں جیسا کہ من تبعیضیہ کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۹۳- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمْزَةَ وَسَالِمٍ ابْنَيْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ الشُّؤْمُ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّارِ وَالْفَرَسِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از حمزۃ و سالم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نحوست عورت میں، گھر میں اور گھوڑے میں ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۲۰۹۹ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری ۲۰۹۹، ۵۰۹۳، ۵۰۹۴، ۵۷۵۲، ۵۷۷۲، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۲، سنن نسائی: ۳۵۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۵)

۵۰۹۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَسْقَلَانِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرُوا الشُّؤْمَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِي شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں، ہمیں محمد بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن محمد العسقلانی نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نحوست کا ذکر کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر نحوست کسی چیز میں ہے تو وہ گھر میں، عورت میں اور گھوڑے میں ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۲۰۹۹ میں گزر چکی ہے۔ اس کی تخریج حسب سابق ہے۔

۵۰۹۵- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ فَفِي الْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی چیز میں (نحوست) ہو تو وہ گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں ہے۔

اس حدیث کی شرح ۲۸۵۹ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۰۹۵، موطا امام مالک ج ۲ ص ۹۷۲، رقم: ۱۷۴۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۸، رقم: ۲۹۱۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۴)

۵۰۹۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ النَّهْدِيَّ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان التیمی، انہوں نے کہا: میں نے ابوعثمان النہدی سے سنا از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں پر عورتوں سے بڑا مضر فتنہ نہیں چھوڑا۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح بخاری: ۵۰۹۶، صحیح مسلم: ۲۷۴۱، سنن ترمذی: ۲۷۸۰، سنن نسائی: ۹۲۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۹۹۸، مسند احمد ۲۱۷۴۶، صحیح ابن حبان: ۵۹۶۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۴۱۵، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۶۰۸، مسند الحمیدی: ۵۴۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۴۰۵، مسند البزار: ۱۲۵۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۱۵۳، مسند ابو یعلیٰ: ۹۷۲، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۱، تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۳۲۹، شرح السنۃ: ۲۲۴۳، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۲۶، مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۰، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید اور احادیث سے عورت کے نقصان دہ فتنہ ہونے کا بیان

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث: ۵۰۹۶، میں مذکور ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں پر عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔

اس حدیث کی تائید درج ذیل آیات سے ہوتی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ۔ لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی محبت خوش نما بنا دی گئی ہے۔ (آل عمران: ۱۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۵۴۱)

ربیع الابرار میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بری عورتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور نیک عورتوں سے محتاط رہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ابلیس ملا۔ وہ بازار میں پانچ سرخ کپڑوں کی گٹھڑیاں لے کر پھر رہا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: میں خریدنے والی عورتوں کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ الحدیث۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''عورتوں کے اوپر پورا پورا شر ہے'' اور ان سے بہت کم استغناء ہوسکتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا: ان کا فتنہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب شام کے کپڑے اور عراق کے حلہ اور یمن کے کپڑے پہنیں جائیں اور عورتیں بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح مٹک مٹک کر چلیں تو وہ تنگ دست مردوں کو ایسی چیزیں لانے کا مکلف کرتی ہیں جو ان کے پاس نہیں ہوتیں۔ (کتاب الزہد لابن المبارک: ۸۷۵) امام ابونعیم نے اس حدیث کی حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی ہے۔

اس باب کی احادیث کے دوسری احادیث سے تعارض کا جواب

صحیح البخاری: ۵۰۹۳، ۵۰۹۴، ۵۰۹۵، میں مذکور ہے کہ عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہے۔ ان احادیث پر یہ اعتراض ہے کہ دوسری احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نحوست اور بدفالی نکالنے سے منع فرمایا ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''بدفالی نکالنا شرک ہے''۔ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے: اور ہم میں سے ہر شخص بدفالی نکالتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ بدفالی کے سبب سے توکل کو اٹھالیتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۶۱۴)

عروہ بن عامر بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کوئی ناپسندیدہ فال دیکھو تو کہو: اے اللہ! نیکیوں کو تو ہی لاتا ہے اور برائیوں کو تو ہی دفع کرتا ہے اور گناہوں سے پھرنے اور نیکیوں کو کرنے کی طاقت تیری مدد کے بغیر ممکن نہیں۔

(سنن ابوداؤد: ۳۹۲۱)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں بدفالی ہوسکتی ہے تو وہ عورت میں ہے، سواری میں ہے اور گھر میں ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۳۱۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۶۸۷) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۶۹-۲۷۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بہ کثرت احادیث سے عورت، گھر اور سواری کی نحوست کی تفصیل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی احادیث کی تفسیر درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے: امام احمد اور امام ابن حبان اور حاکم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کی سعادت تین چیزوں میں ہے: نیک بیوی، آرام دہ گھر اور آرام دہ سواری۔ اور ابن آدم کی شقاوت تین چیزوں میں ہے: بری بیوی، برا گھر اور بری سواری۔ اور حاکم کی روایت میں ہے: تین چیزوں میں شقاوت ہے: ایسی عورت جو تم کو بری دکھائی دے اور اس کی زبان دراز ہو اور ایسی سواری کہ اگر تم اس کو مارو تو وہ تم کو تھکا دے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو تو وہ تم کو تمہارے اصحاب کے ساتھ نہ ملائے (یعنی سستی سے چلے) اور ایسا گھر جو بہت تنگ ہو اور اس میں سہولت کی چیزیں نہ ہوں۔ اور امام طبرانی نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ دنیا میں مرد کی شقاوت برا گھر، بری عورت اور بری سواری ہے اور برا گھر وہ ہے جس کا صحن تنگ ہو اور اس کے پڑوسی بدکردار ہوں، اور بری سواری وہ ہے جس کی پشت پر سوار ہونا مشکل ہو اور بری عورت وہ ہے جو بانجھ ہو اور بدمزاج ہو۔

عورتوں کے نقصان دہ فتنہ کا بیان

عورتوں کا نقصان دہ فتنہ یہ ہے کہ عورت اپنے بیٹے کو زیادہ حصہ دلاتی ہے اور اپنے شوہر کے دوسرے بیٹوں کو اتنا حصہ نہیں دلاتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے والد نے اپنی بیوی کے کہنے سے اس کے بیٹے (یعنی حضرت نعمان بن بشیر) کو ایک باغ ہبہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ بنانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا''۔ اس حدیث کی امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ عورتوں کا نقصان دہ فتنہ یہ ہے کہ وہ ناقصۃ العقل والدین ہونے کے باوجود مردوں کو ایسے کاموں پر مجبور کرتی ہیں، جن کاموں میں ان کی عقل اور دین کا نقصان ہوتا ہے، مثلاً وہ مردوں کو دنیا کمانے پر برانگیختہ کرتی ہیں جس کی وجہ سے وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی سے غافل ہو جاتے ہیں اور آمدنی کے ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر

عورتوں کا فتنہ اور فساد کیا ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے جس میں ہے، عورتوں سے ڈرو کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے آیا تھا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے ان احادیث کی شرح میں اس شرح کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۶)

عورت، گھر اور گھوڑے کی نحوست

علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ باجی نے لکھا ہے کہ گھر کی نحوست یہ ہے کہ اس گھر میں رہنے والے کا مال اور اس کی اولاد کم ہو اور بیوی کی نحوست یہ ہے کہ اس سے اولاد پیدا نہ ہو۔ (المنتقی ج ۹ ص ۴۵۱)

شیخ زروق نے کہا ہے کہ عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ بدمزاج ہو اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ وہ سرکش ہو اور گھر کی نحوست یہ ہے کہ اس میں رہنے کی جگہ تنگ ہو اور اچھا بنا ہوا نہ ہو۔

(شرح زروق ج ۲ ص ۴۱۲) (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۱۱ ص ۳۸۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

احادیث مذکورہ پر ایک اعتراض کا جواب

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے ان احادیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض عورتیں اپنے خاوند کے لیے مبارک ہوتی ہیں، اس کی نیکی اور تقویٰ پر مدد کرتی ہیں اور اس کی اولاد کی اچھی تربیت کرتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: ہر عورت میں ضرور یہ نحوست موجود ہوتی ہے بلکہ ان احادیث کا محمل یہ ہے کہ بعض عورتوں، بعض گھروں اور بعض سواریوں میں یہ نحوست ہوتی ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۷۴۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۹۔ بَابُ: الْحُرَّةِ تَحْتَ الْعَبْدِ

۵۰۹۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ عَتَقَتْ فَخُيِّرَتْ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَبُرْمَةٌ عَلَى النَّارِ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ خُبْزٌ وَأُدْمٌ مِنْ أُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ أَلَمْ أَرَ الْبُرْمَةَ فَقِيلَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ وَأَنْتَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔

غلام کے نکاح میں آزاد عورت

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ربیعہ بن ابی عبدالرحمن از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا میں تین سنتیں تھیں ان کو آزاد کیا تو انہیں اپنے خاوند کے نکاح میں برقرار رہنے کا اختیار دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے۔ اس وقت دیگچی آگ پر رکھی ہوئی تھی، آپ کے پاس روٹی اور گھر کے سالن میں سے کوئی سالن لایا گیا، آپ نے فرمایا: کیا میں دیگچی کو نہیں دیکھ رہا تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ گوشت ہے جو حضرت بریرہ

پر صدقہ کیا گیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے تو آپ نے فرمایا: یہ
اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۶ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ابوداؤد ۳۹۲۹، سنن ترمذی: ۲۱۳۱، سنن نسائی: ۳۴۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۲۱، السنن الکبریٰ: ۳۴۰۳، مصنف عبدالرزاق: ۱۶۶۱۱، المعجم الاوسط: ۳۷۷۵، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۳۳۹، مسند احمد ج ۶ ص ۳۳)

حدیث مذکور کی امام بخاری کے عنوان کے ساتھ عدم مطابقت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ آزاد عورت غلام کے عقد میں آسکتی ہے جب کہ وہ عورت اس عقد پر راضی ہو اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس وجہ سے ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے۔

التلویح میں مذکور ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر غلام تھے یا آزاد تھے اور اس سلسلہ میں احادیث متعارض ہیں۔ بعض احادیث میں مذکور ہے: وہ آزاد تھے اور بعض احادیث میں مذکور ہے کہ وہ غلام تھے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ امام بخاری کے نزدیک راجح یہ ہے کہ وہ غلام تھے کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے کہ راجح یہ ہے کہ وہ آزاد تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کے عنوان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام ہوں اور دو اقوال میں سے کسی ایک قول کے اوپر ترجیح نہیں ہے اس لیے اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت نہیں ہے۔

جب باندی کو آزاد کر دیا جائے تو جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اس کو خیار عتق ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، شعبی، نخعی، ثوری، محمد بن سیرین، طاؤس، مجاہد، حماد بن ابی سلیمان اور حسن بن مسلم، ابوقلابہ، ایوب السختیانی، حسن بن صالح، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور ابوثور نے کہا ہے کہ جب کسی باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو سابق نکاح میں برقرار رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو اور اہل الظاہر کا بھی یہی مذہب ہے اور عطاء بن ابی رباح اور سعید بن المسیب اور حسن بصری، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی، زہری، لیث بن سعد، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا ہے کہ اگر اس کا خاوند غلام ہو تو اس کو نکاح سابق میں برقرار رہنے کا اختیار ہوگا اور اگر اس کا خاوند آزاد ہو تو پھر اس کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

حضرت بریرہ کے شوہر کے آزاد یا غلام ہونے کے متعلق مختلف متضاد روایات

فقہاء اور محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آیا آزاد تھے یا غلام؟ سو امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ نے از اسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ ان کا شوہر آزاد تھا اور اس طرح امام بیہقی نے روایت کی ہے۔ اور امام طحاوی، امام مسلم، امام ابوداؤد نے بھی از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ ان کا شوہر غلام تھا۔ اور امام مسلم نے بھی از عبدالرحمن بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ ان کا شوہر غلام تھا اور اسی طرح امام نسائی نے روایت کی ہے، اور امام بخاری نے کتاب الطلاق میں از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا

شوہر غلام تھا جس کا نام مغیث تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں گویا کہ میں اس کی طرف دیکھتا تھا وہ حضرت بریرہ کے پیچھے روتا ہوا گھومتا تھا اور اس کے آنسو اس کی ڈاڑھی پر بہہ رہے ہوتے تھے۔الحدیث

حدیث مذکور کی متعدد توجیہات اور صحیح توجیہ یہ ہے کہ جب باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیار عتق ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام

یہ احادیث متعارضہ ہیں اور اکثر علماء نے ان کے معانی اور اس کی تخریج میں کئی وجوہ بیان کی ہیں، امام محمد بن جریر طبری نے اس کو ایک کتاب میں لکھا ہے اور امام محمد بن خزیمہ نے بھی اس کو ایک کتاب میں لکھا ہے، اسی طرح متعدد علماء نے اس کو متعدد ابواب میں لکھا ہے اور اس سے مسائل محتملہ اور تاویلات ممکنہ نکالی ہیں، جن کی صحت قطعی نہیں ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ ان مختلف احادیث کو ایسی صورت پر محمول کیا جائے جس میں تضاد نہ ہو اور حریت غلامی کے بعد لاحق ہوتی ہے اور اس کے برعکس نہیں ہوتا یعنی پہلے کوئی شخص غلام ہوتا ہے، پھر اس کو آزاد کیا جاتا ہے اور آزاد کو غلام نہیں بنایا جاتا، پس ثابت ہوا کہ حضرت مغیث آزاد تھے، تب حضرت بریرہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ ان کے نکاح میں رہیں یا نہ رہیں اور اس سے پہلے وہ غلام تھے اور جس نے ان کے غلام ہونے کی خبر دی ہے اس کو ان کے پہلے آزاد ہونے کا علم نہیں تھا اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کو ان کے نکاح میں برقرار رہنے کا اختیار نہیں دیا کیونکہ وہ اس وقت غلام تھے اور نہ اس وقت اختیار دیا جب وہ آزاد ہو گئے تھے، حضرت بریرہ کو اس وقت اختیار دیا گیا جب حضرت بریرہ کو آزاد کر دیا گیا، سو ہر آزاد شدہ باندی کو اختیار دینا واجب ہو گیا (کیونکہ جب وہ باندی تھی تو اس کے شوہر کی ملکیت اس پر کم تھی اور اس کو صرف دو طلاقیں دینے کا حق تھا اور جب وہ آزاد کر دی گئی تو اس کے شوہر کی ملکیت اس پر بڑھ گئی تو اب اس کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے اس لیے اس باندی کو یہ اختیار دیا گیا کہ آیا وہ شوہر کے اپنے اوپر زیادہ ملکیت کو قبول کرتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ قبول نہیں کرتی تو پھر وہ اس نکاح پر برقرار نہیں رہے گی۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے آزاد ہونے کے بعد اس نکاح پر برقرار رہنے کو قبول نہیں کیا اور وہ حضرت مغیث سے الگ ہو گئیں، اس لیے حضرت مغیث ان کی یاد میں اور ان کے فراق میں ان کی محبت کی وجہ سے ان کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے گھومتے رہتے تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور بعض آثار میں یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے فرمایا کہ اب تم اپنے نفس کی مالک ہو، پس تم اس نکاح میں رہنے یا نہ رہنے کو اختیار کر لو اور اسی طرح تمہید میں ہے، پس ہر باندی اپنے نفس کو اختیار کر سکتی ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو۔

حدیث مذکور کے دیگر مسائل اور جب صدقہ ہدیہ ہو جائے تو وہ سید اور غنی کو کھلایا جا سکتا ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ میں تین سنتیں ہیں: ایک یہ کہ انہیں آزاد کیا گیا، پھر انہیں نکاح میں برقرار رہنے کا اختیار دیا گیا، دوسری سنت یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا حصہ مکاتبت یہودیوں کو ادا کر کے حضرت بریرہ کو آزاد کرا لیا تو یہودیوں نے کہا: ان کی ولاء ہمارے لیے ہوگی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا رد کر کے فرمایا: ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے، اور تیسری سنت یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے کہا کہ دیگچی میں جو گوشت ہے وہ مجھے کھلاؤ تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ گوشت تو حضرت بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا، تب آپ نے فرمایا: یہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے اور صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ قبضہ کرنے والے کی ملک ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ نہیں کھاتے تھے اور صدقہ میں صرف اجر آخرت کی توقع ہوتی ہے اور ہدیہ دوسروں کو دیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تبدیلی ملک سے تبدیل عین ہو جاتا

ہے یعنی حضرت بریرہ اپنا صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ طور ہدیہ دے سکتی تھیں، اسی طرح دینی مدارس میں طلبہ کو جو زکوٰۃ کی مد میں کھانا دیا جاتا ہے وہ ان پر صدقہ ہوتا ہے لیکن کھانا وہ کسی سید کو یا کسی غنی کو کھلا سکتے ہیں۔ (اضافہ از سعیدی غفرلہ)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۸۔ ۱۲۷، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کی بہت سرسری چند سطروں میں شرح کی ہے اس لیے ہم نے ان کی شروح کو حذف کر دیا اور علامہ عینی حنفی نے اس حدیث کی چونکہ بہت مفصل شرح کی ہے اور تمام مذاہب بیان کیے ہیں، اس لیے ان کی شرح کو اختیار کیا ہے، باقی متروکہ شروح کے حوالہ جات درج ذیل ہیں: (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۱۵۲، التوضیح ج ۲۴ ص ۲۷۴۔ ۲۷۳، فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۱)

چونکہ تبدیل ملک سے تبدیل عین ہو جاتا ہے اس لیے حرام کاروبار کرنے والے سے کوئی چیز صحیح طریقہ سے خریدنا اور اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ گوشت بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طعام کے کسب کا طریقہ مختلف ہو اس کا حکم مختلف ہو جاتا ہے، پس حضرت بریرہ نے اس طعام کو بہ طور طعام صدقہ حاصل کیا اب وہ اس طعام کی مالک تھیں اور ان کو اس طعام کے فروخت کرنے اور کسی کو ہدیہ دینے کا اختیار تھا اور جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ طعام ہدیہ کر دیا تو اب وہ صدقہ نہیں رہا، اسی وجہ سے بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ جب کسی شخص نے کسی مال کو حرام ذریعہ سے حاصل کیا ہو مثلاً سود یا رشوت سے، پھر اس مال کو دوسرا شخص صحیح شرعی طریقہ سے اس سے خرید لے تو اس کے لیے وہ مال حلال ہے کیونکہ اس نے اس مال کو صحیح طریقہ سے خریدا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہود سے طعام اور دوسری چیزیں خریدتے تھے اور ان کے ہدیوں کو قبول فرماتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ۔ (المائدہ: ۴۲) یہ جھوٹی باتیں بہت سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں (یعنی وہ سود کھاتے تھے اور رشوت لیتے تھے)۔

لذیذ چیزوں کو ترک کرنا تقویٰ نہیں ہے بلکہ مذموم ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لذیذ اور پسندیدہ کھانوں کو کھانا اور عمدہ چیزوں کو استعمال کرنا مستحب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کو طلب فرمایا اور جب بعض صحابہ نے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا تو آپ نے فرمایا: میں تو گوشت کھاتا ہوں، پس بغیر سبب شرعی کے عمدہ اور لذیذ چیزوں کو ترک کرنا تقویٰ نہیں ہے بلکہ اپنے اوپر ظلم ہے اور مذموم ہے۔ ہاں! اگر وہ دوسرے ضرورت مند مسلمانوں کے لیے ایثار کرے اور اپنی پسندیدہ چیزوں کو ان کے لیے چھوڑ دے تو یہ لائق تحسین ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۵۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۰۔ بَابٌ: لَا يَتَزَوَّجُ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعٍ — چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح نہ کرے

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ۔ (النساء: ۳) دو، دو سے نکاح کرو اور تین، تین سے نکاح کرو اور چار، چار سے۔

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ يَعْنِي مَثْنَى أَوْ ثُلَاثَ أَوْ رُبَاعَ۔

اور علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا: یعنی دو، دو عورتوں سے یا تین، تین عورتوں سے یا چار، چار عورتوں سے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُولِيٓ أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَ ۚ۔ (فاطر:۱)

جو دو، دو، تین، تین اور چار، چار پروں والے ہیں۔

بہ یک وقت چار سے زائد عورتوں سے نکاح کا عدم جواز اجماع سے، قرآن مجید سے اور امام زین العابدین کے قول سے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان اور اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہا امام بخاری کا عنوان تو وہ اجماع سے ثابت ہے کہ چار عورتوں سے زیادہ بہ یک وقت نکاح کرنا جائز نہیں ہے سوائے رافضیوں کے جو کسی شمار اور قطار میں نہیں ہیں۔

اس عنوان کا اس آیت سے استنباط ظاہر ہے اور اس کی وضاحت اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً۔ (النساء:۳)

پس اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کر سکو گے تو (صرف) ایک سے نکاح کرو۔

اور جس نے یہ کہا کہ دو، دو، تین، تین اور چار، چار کا مجموعہ مراد ہے یعنی اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرو تو اس کا یہ قول بداہۃً غلط ہے اور لغت اور عرف کے خلاف ہے۔ اور امام بخاری نے الفاطر:۱ کو بھی اسی معنی کی وضاحت کے لیے پیش کیا ہے۔ نیز امام بخاری نے حضرت علی بن حسین یعنی حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا قول اس آیت کی تفسیر میں رافضیوں کے خلاف بہ طور حجت پیش کیا ہے کہ اس آیت میں واؤ بمعنی اَوْ ہے۔ اور یہ معنی نہیں بلکہ فرمایا یہ واؤ بمعنی اَوْ ہے اور یہ معنیٰ نہیں ہے کہ دو، دو سے تین، تین سے، اور چار چار سے نکاح کرو اور ان کو نکاح میں جمع کرو کیونکہ واؤ جمع کے لیے آتی ہے بلکہ فرمایا کہ یہ واؤ بمعنی اَوْ ہے اور اَوْ تنویع اور تقسیم کے لیے ہوتا ہے یعنی یا فقط دو، دو سے نکاح کرو یا فقط تین، تین سے نکاح کرو یا فقط چار، چار سے نکاح کرو۔ اور حضرت زید العابدین کا قول امام بخاری نے اس لیے پیش کیا ہے کہ رافضی حضرت زین العابدین کو اپنا امام مانتے ہیں اور ان کی تفسیر کو برحق قرار دیتے ہیں، سو امام زین العابدین کی یہ تفسیر ان کے خلاف قوی حجت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۹۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ (النساء:۳) قَالَتِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ وَهُوَ وَلِيُّهَا فَيَتَزَوَّجُهَا عَلَى مَالِهَا وَيُسِيءُ صُحْبَتَهَا وَلَا يَعْدِلُ فِي مَالِهَا فَلْيَتَزَوَّجْ مَا طَابَ لَهُ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهَا مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں فرمایا: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ (النساء:۳) اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکوں میں انصاف نہ کر سکو گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: ایک مرد کے زیر پرورش ایک یتیم لڑکی ہوتی تھی اور وہ اس کا ولی ہوتا تھا تو وہ اس کے مال کی وجہ سے اس سے نکاح کر لیتا اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرتا اور اس کے مال میں عدل نہ کرتا تو اس کو حکم

دیا گیا کہ اس یتیم لڑکی کے سوا دوسری ان عورتوں سے نکاح کرلے
جو اسے پسند ہوں، دو، دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۹۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۴۹۴، ۵۰۶۴، ۵۰۹۲، ۵۰۹۸، ۵۱۲۸، ۵۱۳۱، ۵۱۴۰، ۶۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۸)

روافض کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواج سے چار سے زیادہ نکاح کرنے پر استدلال اور اس کا جواب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری، القرطبی، المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
بعض روافض یہ کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی نو ازواج تھیں، تو ہمیں بھی بہ یک وقت چار سے زیادہ ازواج رکھنی چاہئیں اور یہ آپ کی سنت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بہ یک وقت چار سے زیادہ ازواج رکھنا آپ کی خصوصیت تھی جس طرح آپ کی خصوصیت تھی کہ آپ بغیر مہر کے نکاح کرلیں اور بغیر گواہوں کے نکاح کرلیں اور بغیر ایجاب وقبول کے نکاح کرلیں جیسے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں ہوا، پس روافض کا قول ساقط ہو گیا۔

(شرح ابن بطال علی البخاری ج ۷ ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

روافض کے قول کے باطل ہونے پر مزید دلیل

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: غیلان بن سلمہ جب اسلام لائے تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم ان میں سے چار بیویوں کو اختیار کرلو اور باقی بیویوں سے الگ ہو جاؤ''۔

(سنن ترمذی: ۱۱۲۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳)

پس روافض کا اعتراض ساقط ہو گیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۷۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)
حافظ ابن حجر عسقلانی نے صرف اس حدیث کے عنوان اور تعلیق کی شرح کی ہے اور حدیث کی بالکل شرح نہیں کی۔
علامہ عینی نے عنوان اور تعلیق کی وہی شرح کی ہے جو حافظ ابن حجر نے کی ہے۔ اور حدیث کی شرح کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کتاب النکاح کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتاب النکاح میں درج تمام احادیث کی شرح مکمل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس شرح میں مذکور مباحث کو موافقین کے لیے استقامت کا سبب بنائے اور مخالفین کے لیے ان مباحث کو ذریعہ ہدایت بنائے اور اس کی تحریر میں مجھ سے جو فروگزاشت ہو گئی ہے اللہ تعالیٰ اس کو اور میری دیگر تمام لغزشوں کو معاف فرمائے اور اس شرح کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے اور مجھے دنیا میں صحت اور توانائی عطا فرمائے اور آخرت میں قبر کے عذاب سے، دوزخ کے عذاب سے، حشر کے عذاب سے اور قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ اور مامون فرمائے، اور اپنے فضل وکرم سے مجھے، میرے والدین کو، میری

ہمشیر کو، میرے تمام اساتذہ کو اور تمام تلامذہ کو اور میرے احباب اور قارئین کو اور نعمۃ الباری کے ناشر اور معاونین کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور اب میں اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل پر توکل کرتے ہوئے صحیح البخاری کی کتاب الرضاع کی ابتداء کر رہا ہوں۔ الہ العالمین! مجھے اس کی شرح میں استقامت پر قائم رکھنا اور غلطیوں سے محفوظ رکھنا۔ آمین، یا رب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وامتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
۱۷ ذی الحج ۱۴۳۲ھ/ ۱۴ نومبر ۲۰۱۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الرَّضَاعِ

دودھ کے رشتوں کے احکام

۲۱۔ بَابٌ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا (وہ بھی تم پر حرام ہیں)

وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔

دودھ کے رشتوں سے وہ حرام ہوتے ہیں جو نسب کے رشتوں سے حرام ہوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس عنوان کے بعد امام بخاری نے تین احادیث روایت کی ہیں۔ صحیح بخاری کی بعض شروح میں اس عنوان سے پہلے "کتاب الرضاع" لکھا ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٢٦٣، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

۵۰۹۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عِنْدَهَا وَأَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هٰذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أُرَاهُ فُلَانًا لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ لَوْ كَانَ فُلَانٌ حَيًّا لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَيَّ فَقَالَ نَعَمْ الرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن ابی بکر از عمرہ بنت عبد الرحمٰن، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف فرما تھے اور حضرت عائشہ نے کسی مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مرد آپ کے گھر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ یہ فلاں مرد ہے جو حفصہ کا رضاعی چچا ہے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: اگر فلاں مرد زندہ ہوتا جو میرا رضاعی چچا تھا تو کیا وہ میرے پاس آ سکتا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! رضاعت ان رشتوں کو حرام کر دیتی ہے جن رشتوں کو ولادت حرام کرتی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٢٦٤٦ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ٢٦٤٦، ٥٠٩٩، صحیح مسلم: ١٤٤٤، سنن نسائی: ٣٣١٣)

دودھ پینے کی وجہ سے حرمت کے رشتوں کی تفصیل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس پر اجماع ہے کہ جو رشتے ولادت سے حرام ہوتے ہیں وہ رشتے دودھ پینے کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

پس جب رضاعی ماں اور رضاعی خالہ حرام ہے تو اسی طرح ان کا شوہر بھی حرام ہے کیونکہ وہ دودھ پینے والی کا والد ہے اور اس لیے کہ دودھ ان دونوں سے حاصل ہوا ہے اور یہ حرمت ان کی اولاد تک پھیلے گی، پس دودھ پلانے والی کے شوہر کا بھائی دودھ پینے والی کا چچا ہے اور اس کا بھائی اس کا ماموں ہے، لہٰذا دودھ کے رشتہ سے پھوپھیاں اور خالائیں اور چچا اور ان کی بیٹیاں نسبی رشتوں کی طرح حرام ہیں۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جب کسی مرد کی بیوی کسی لڑکی کو دودھ پلائے تو وہ لڑکی اس مرد کے بیٹے پر اور اس کے باپ اور دادا پر اور اس کے پوتوں پر اور اس کے نواسوں پر حرام ہو جاتی ہے، اور جب دودھ پینے والا لڑکا ہو تو اس کے اوپر دودھ پلانے والے کی اولاد حرام ہو جاتی ہے اور دودھ پلانے والی عورت کے خاوند کی اولاد بھی اس لڑکے پر حرام ہو جاتی ہے، اور اس لڑکے کے لیے اس کی رضاعی پھوپھی اور رضاعی خالہ اور رضاعی بھتیجی حلال نہیں ہیں۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۷ ص ۱۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

رضاعت کی وجہ سے رضاعی ماں کو دیکھنا، اس سے خلوت میں ملنا اور دیگر امور کا حلال ہونا

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں: اس پر اجماع ہے کہ دودھ کے رشتے سے دودھ پینے والے اور دودھ پلانے والے کے درمیان حرمت رضاع ہے۔ (المحلی ج ۹ ص ۵۲۱)

دودھ پینے والا، دودھ کے رشتہ سے ولادت کے رشتہ کی طرح ہے اور اس کے اوپر دودھ پلانے والی کا نکاح دائماً حرام ہے۔ اور اس کا اپنی رضاعی ماں کو دیکھنا اور اس کے ساتھ خلوت میں رہنا اور اس کے ساتھ سفر کرنا حلال ہے اور اس پر ماں بیٹوں کے تمام احکام من کل الوجوہ جاری نہیں ہوتے، ان میں نہ تو وراثت جاری ہوتی ہے اور نہ نفقہ لازم ہوتا ہے اور نہ ملکیت کی وجہ سے آزاد کرنا لازم ہوتا ہے اور رضاعی ماں کے حق میں ان کی شہادت مردود نہیں ہوتی اور نہ اس کی دیت لازم ہوتی ہے اور اس کو قتل کرنے سے اس کا قصاص ساقط نہیں ہوتا اور ان امور میں اس کا حکم اجنبی مرد کے احکام کی طرح ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ دودھ پلانے والی اور دودھ پینے والے کی اولاد کے درمیان اور دودھ پینے والے اور دودھ پلانے والی کی اولاد کے درمیان حرمت جاری ہے۔
(الاقناع فی مسائل الاجماع ج ۳ ص ۱۱۸۵۔۱۱۸۴)

رضاعی چچا کی حرمت کا سبب

رہا وہ مرد جو دودھ کے رشتہ کی وجہ سے دودھ پینے والے کی طرف منسوب ہے تو اس کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ وہ دودھ پلانے والی کا شوہر ہے، پس علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ دودھ پلانے والی کے شوہر کے بھائی اور دودھ پینے والی کے درمیان حرمت

رضاعت کے لیے کافی ہے اور مرد کی اولاد دودھ پینے والے کے بھائی ہیں اور مرد کے بھائی دودھ پینے والے کے چچا ہیں اور اس کی بہنیں دودھ پینے والے کی پھوپھیاں ہیں اور دودھ پینے والے کی اولاد اس مرد کی اولاد کی طرح ہے۔ (الاقناع ج ۳ ص ۱۸۶)

اس مسئلہ میں سوائے اہل الظاہر یعنی غیر مقلدین کے اور کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (المحلی ج ۱۰ ص ۲)

اسی طرح علامہ خطابی اور قاضی عیاض نے لکھا ہے۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۱۵۸، اکمال المعلم ج ۴ ص ۶۲۹)

رضاعی چچا کی حرمت پر مزید دلائل

رضاعی چچا کی حرمت کے ثبوت میں وہ احادیث ہیں جو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے چچا کے متعلق وارد ہیں اور اس باب کی حدیث ہے کہ دودھ کے رشتے سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دودھ سے ان رشتوں کو حرام کر دیا جن رشتوں کو نسب سے حرام کر دیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ اہل علم صحابہ اور تابعین کا اس حدیث پر عمل ہے اور ہمارے علم میں اس بارے میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۴۶) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۸۹۔ ۲۸۴ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ ابن ملقن کی شرح کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۴۔ ۲۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کا نام بتایا گیا ہے کہ وہ افلح تھا جو ابوالقعیس کا بھائی تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ وہم ہے کیونکہ ابوالقعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی والد کا نام ہے اور رہے افلح تو وہ ان کے رضاعی چچا ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اگر وہ زندہ ہوتا'' یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ فوت ہو چکے تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۴)

علامہ عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا ایک اور بھائی بھی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ گمان کیا کہ ان کی وفات ہو گئی ہے کیونکہ ان سے ملاقات کو کافی عرصہ گزر چکا تھا، پھر اس کے بعد وہ آئے اور ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

بعض حنبلی فقہاء کا رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت کے لیے پانچ چسکیوں کی قید لگانا اور مصنف کا اس پر تعاقب

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رضاعی رشتوں کی حرمت پر اجماع ہے، پس رضاعی ماں اور رضاعی بہن دو شرطوں کے ساتھ حرام ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ دودھ پینے والے نے دودھ کی پانچ چسکیاں پی ہوں، اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ پانچ چسکیاں مدت رضاعت یعنی دو سال کے اندر پی ہوں۔ (شرح صحیح البخاری للشثیمین ج ۴ ص ۵۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: پانچ چسکیاں پینے کی شرط لگانا از روئے قرآن باطل ہے کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً دودھ پینے سے ماؤں اور بہنوں کو حرام قرار دیا ہے اور پانچ چسکیوں کی قید نہیں لگائی۔قرآن مجید میں ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ (النساء:۲۳)

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔

۵۱۰۰۔حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَا تَتَزَوَّجُ ابْنَةَ حَمْزَةَ قَالَ إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ وَقَالَ بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ قَتَادَةَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ مِثْلَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ از قتادہ از حضرت جابر بن زید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: کیا آپ حضرت حمزۃ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: یہ میری رضاعی بھتیجی ہے، اور بشر بن عمر نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے جابر بن زید سے سنا اس حدیث کی مثل۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۵ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۶۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۴۷، الرقم المسلسل: ۳۴۷۳، سنن نسائی: ۳۳۰۲، ۳۳۰۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۸، مسند احمد: ۲۴۹۱)

علامہ بدر الدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

صحیح البخاری: ۵۱۰۰، میں مذکور ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: آپ حضرت حمزہ کی بیٹی سے نکاح کیوں نہیں کرتے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس کی شرح میں لکھا کہ اس قول کے قائل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ امام مسلم نے اس کے متعلق روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ کی شرح پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: یارسول اللہ! آپ حمزہ کی بیٹی سے کہاں ہیں؟ (صحیح مسلم: ۱۴۴۸)

سو یہ کیسے متعین ہو گیا کہ اس قول کے قائل حضرت علی ہیں اور یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ اس قول کی قائلہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہوں؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی طرح قائل کو مبہم رکھا ہے اور بیان نہیں کیا کہ اس قول کا قائل کون ہے؟ اور امام مسلم نے صراحتاً حضرت علی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ قریش کی عورتوں میں

رغبت کرتے ہیں اور ہمیں چھوڑتے ہیں؟ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی رشتہ ہے؟ تو میں نے کہا: حمزہ کی بیٹی ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ میرے لیے حلال نہیں ہے، وہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۴۶) سو اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ دونوں کی روایتوں میں قائل سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ علاوہ ازیں محدثین کی جماعت نے المبہمات کی تصنیف میں اسی طرح لکھا ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۸، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب بہت ٹھوس اور واضح ہے جس سے ان کی حدیث پر بصیرت کا پتا چلتا ہے، لگتا ہے علامہ عینی نے عجلت میں یہ اعتراض کیا ہے۔

حضرت حمزہ کی بیٹی کا آپ کی رضاعی بھتیجی ہونے کی تحقیق

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے متعلق فرمایا: یہ میری رضاعی بھتیجی ہے کیونکہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ابولہب کی باندی ثویبہ نے اپنا دودھ پلایا تھا، پھر بعد میں ثویبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا، پھر اس کے بعد اس نے ابو سلمہ بن عبد الاسد کو دودھ پلایا، یہ مصعب الزبیری کا قول ہے، پس حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ آپس میں رضاعی بھائی تھے۔ امام ابن اسحاق نے کہا: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی عمر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سال زیادہ تھی۔ دوسرا قول ہے کہ ان کی عمر آپ سے چار سال زیادہ تھی۔

(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی بالکل شرح نہیں کی۔

چار قسم کی عورتوں کا نسب سے حرام ہونا اور رضاعت سے حرام نہ ہونا اور اس میں حافظ ابن حجر کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چار قسم کی عورتیں نسب میں مطلقاً حرام ہوتی ہیں اور رضاع میں وہ کبھی حرام نہیں ہوتیں:

(۱) نسبی بھائی کی ماں حرام ہے کیونکہ یا تو وہ اس کی ماں ہے یا اس کے باپ کی بیوی ہے اور رضاع میں کبھی وہ اجنبی عورت ہوتی ہے اور وہ اس کے بھائی کو دودھ پلاتی ہے اور اس کے بھائی پر کبھی حرام نہیں ہوتی۔

(۲) نواسے کی ماں نسب میں حرام ہوتی ہے کیونکہ وہ بیٹی ہے اور رضاع میں وہ کبھی اجنبی عورت ہوتی ہے اور وہ نواسہ کو دودھ پلاتی ہے اور نانا پر حرام نہیں ہوتی۔

(۳) بیٹے کی دادی نسب میں حرام ہے کیونکہ وہ اس کی ماں ہے اور رضاع میں کبھی وہ اجنبی ہوتی ہے اور وہ بیٹے کو دودھ پلاتی ہے، پس جائز ہے کہ اس کا باپ اس عورت سے نکاح کر لے۔

(۴) بیٹے کی بہن نسب میں حرام ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس کی بیٹی ہے یا ربیبہ ہے (لے پاک یا لینڈلا) اور رضاع میں کبھی وہ اجنبی ہوتی ہے، پس وہ بیٹے کو دودھ پلاتی ہے اور دوسرے بیٹے پر حرام نہیں ہوتی۔

ان چار صورتوں پر فقہاء کی ایک جماعت نے اقتصار کیا ہے اور جمہور فقہاء نے ان میں سے کسی صورت کا استثناء نہیں کیا اور تحقیق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی صورت مستثنیٰ نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں میں وہ نسب کی جہت سے حرام نہیں ہیں، بلکہ مصاہرت

(سسرال) کی جہت سے حرام ہیں۔ حضرت حمزہ کی بیٹی کے نام میں سات اقوال ہیں: امامہ، عمارہ، سلمٰی، عائشہ، فاطمہ، امۃ اللہ اور یعلیٰ۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٢٦٤، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فلانا لعم حفصه: اس حدیث میں لام، عن کے معنی میں ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے چچا سے فرمایا: میرا گمان ہے کہ یہ فلاں مرد جو حفصہ کا رضاعی چچا ہے یعنی آپ نے یہ حضرت حفصہ کے چچا سے فرمایا۔

(فتح الباری ج ٩ ص ١٤٠، دارالکتب الاسلامیہ، لاہور، ١٤٠١ھ)

فتح الباری کی مذکور الصدر عبارت پر علامہ عینی کا اعتراض

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا۔ کفار مومنوں سے کہتے ہیں۔

(مریم: ٧٣، العنکبوت: ١٢، یٰس: ٤٧، الاحقاف: ١١)

علامہ ابن الحاجب نے کہا ہے کہ اس آیت میں لام بمعنی عن ہے اور انہی کی اتباع میں حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس حدیث میں لام بمعنی عن ہے۔ (فتح الباری ج ٩ ص ١٤٠، طبع لاہور)

ابن مالک وغیرہ نے کہا کہ یہ لام تعلیل کا ہے اور اس حدیث میں بھی اسی طرح ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے چچا کی وجہ سے فرمایا جن کے نام کا آپ کو پتا نہیں تھا اس لیے آپ نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ یہ فلاں شخص ہے جو حفصہ کا رضاعی چچا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ١٣٠، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی شرح کا مفاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے رضاعی چچا سے فرمایا اور یہ غلط ہے کیونکہ اس وقت آپ کے سامنے حضرت حفصہ کے رضاعی چچا نہیں تھے اور علامہ عینی نے بتایا کہ یہاں پر لام اجل اور سبب کے معنی میں ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے چچا کی وجہ سے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ یہ حفصہ کا رضاعی چچا ہے۔ علامہ عینی کی یہ شرح بہت متین ہے اور ان کا اعتراض بہت قوی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض'' میں علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب تو درکنار اس اعتراض کا ذکر تک نہیں کیا۔

فتح الباری پر علامہ عینی کا دوسرا اعتراض اور مصنف کا محاکمہ

اس حدیث میں مذکور ہے: اگر فلاں مرد زندہ ہوتا: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ میں اس مرد کے نام پر بھی مطلع نہیں ہو سکا اور جس نے اس کی یہ تفسیر کی کہ افلح ابوالقعیس کا بھائی ہے تو یہ اس کا وہم ہے کیونکہ حضرت ابوالقعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی والد ہیں اور رہے افلح تو وہ حضرت حفصہ کے رضاعی چچا ہیں۔ (فتح الباری ج ٩ ص ١٤٠، طبع لاہور ١٤٠١ھ) اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: اور حضرت حفصہ نے جو فرمایا: ''اگر وہ زندہ ہوتا'' حضرت حفصہ کے قول میں یہ دلیل ہے کہ وہ فوت ہو چکے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت ابوالقعیس کے ایک اور بھائی ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا

گمان یہ ہو کہ وہ فوت ہو گئے ہیں کیونکہ وہ کافی عرصہ کے بعد ان کے پاس آئے تھے اور ان سے اجازت طلب کی تھی۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ: علامہ عینی نے جو کچھ لکھا ہے اس کو حافظ ابن حجر عسقلانی بھی لکھ چکے ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰، طبع لاہور، ۱۴۰۱ھ) لہٰذا علامہ عینی کا دوسرا اعتراض بے محل ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت علی کی حضرت حمزہ کی بیٹی سے نکاح کی پیش کش کی توجیہات اور ان میں علامہ عینی کا محاکمہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ قریش میں رغبت کرتے ہیں اور ہم کو نظر انداز کرتے ہیں؟ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی رشتہ ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں: آپ نے فرمایا: وہ میرے لیے حلال نہیں ہیں وہ تو میری رضاعی بھتیجی ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہ کی بیٹی کی پیش کش کیوں کی جب کہ وہ آپ کی رضاعی بھتیجی تھی۔ علامہ قرطبی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی کو یہ علم نہیں تھا کہ رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ بہت بعید ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ کا علم نہ ہو بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ آپ کی رضاعی بھتیجی ہیں، یا حضرت علی نے یہ سمجھا کہ شاید آپ کی یہ خصوصیت ہو کہ آپ کا رضاعی بھتیجی سے نکاح حلال ہے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ میرے لیے حلال نہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ عبد اللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ نے اور شیخ عثیمین حنبلی متوفی ۱۴۲۱ھ نے اس حدیث کی شرح نہیں کی۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۵۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۱۰۱۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ انْكِحْ أُخْتِي بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ فَقَالَ أَوَتُحِبِّينَ ذَلِكِ فَقُلْتُ نَعَمْ لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ وَأَحَبُّ مَنْ شَارَكَنِي فِي خَيْرٍ أُخْتِي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ ذَلِكِ لَا يَحِلُّ لِي قُلْتُ فَإِنَّا نُحَدَّثُ أَنَّكَ تُرِيدُ أَنْ تَنْكِحَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لَوْ أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حَجْرِي مَا حَلَّتْ لِي إِنَّهَا لَابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ قَالَ عُرْوَةُ وثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتِ النَّبِيَّ ﷺ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحکم بن نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ زینب بنت ابی سلمہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ میری بہن بنت ابو سفیان سے نکاح کر لیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تم اس کو پسند کرتی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! لیکن میں آپ کو چھوڑنے والی نہیں ہوں اور میں یہ چاہتی ہوں کہ اس خیر میں جو میری شریک ہو وہ میری بہن ہو۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ میرے لیے حلال نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ابو سلمہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ام سلمہ کی بیٹی؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اگر وہ میری ربیبہ نہ ہوتی جس نے میری گود میں پرورش پائی تھی پھر بھی وہ میرے لیے حلال نہیں تھی

فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حِيبَةٍ قَالَ لَهُ مَاذَا لَقِيتَ قَالَ أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سُقِيتُ فِي هَذِهِ بِعَتَاقَتِي ثُوَيْبَةَ۔

کیونکہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے مجھ کو اور ابوسلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا، لہٰذا تم مجھ پر اپنی بیٹیوں اور اپنی بہنوں کو (نکاح کے لیے) پیش نہ کرو۔ عروہ نے کہا: ثویبہ ابولہب کی باندی تھی اور ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا، پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، پس جب ابولہب مر گیا تو اس کے بعض رشتہ داروں کو اس کی بری حالت دکھائی گئی، انہوں نے اس سے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ ابولہب نے کہا: مجھے تمہارے بعد کوئی خیر نہیں ملی، البتہ میں نے اپنی اس انگلی سے اشارہ کر کے ثویبہ کو آزاد کیا تھا تو مجھے اس انگلی سے پلایا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۰۱، ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۴۹، سنن ابو داؤد: ۲۰۵۶، سنن نسائی: ۳۲۸۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۹، مسند الحمیدی: ۳۰۷، مسند ابو یعلیٰ: ۷۰۰۱، المنتقی لابن الجارود: ۶۸۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۸۹۔ ۲۸۸۔ المعجم الکبیر للطبرانی: ۹۰۴، مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۱، مسند احمد: ۲۶۴۹۳ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی تحریم کے باوجود حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ سوال کیوں کیا کہ آپ ان کی بہن سے نکاح کر لیں

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو آپ سے عرض کیا تھا: یارسول اللہ! آپ میری بہن سے نکاح کر لیں، اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے ان سے اور اپنی تمام ازواج سے فرمایا: تم اپنی بیٹیوں اور اپنی بہنوں کو نکاح کے لیے مجھ پر پیش نہ کرو کیونکہ تمہاری بیٹیاں میری ربائب ہیں (یعنی گود میں پالی ہوئی ہیں) اور ربیبہ اسی طرح حرام ہے جس طرح دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

اور آپ نے ابوسلمہ کی بیٹی کے متعلق فرمایا کہ: اگر وہ میری ربیبہ یعنی میری گود میں پالی ہوئی نہ ہوتی تب بھی وہ میرے لیے حلال نہیں تھی کیونکہ اس کے باپ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے، پس ان کی بیٹی آپ پر دو وجہ سے حرام تھی کیونکہ وہ آپ کی ربیبہ بھی تھیں اور آپ کی رضاعی بھتیجی بھی تھیں۔

بعض رضاعی رشتہ داروں سے نکاح کے جواز کے متعلق فقہاء مذاہب کی آراء

علامہ ابن المنذر مالکی نے کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد اس عورت سے نکاح کرلے جس نے اس کے بیٹے کو دودھ پلایا ہے، اسی طرح وہ اس عورت کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے جو اس کے بیٹے کی رضاعی بہن ہے، اور جس بچہ کے بھائی کو کسی عورت نے دودھ پلایا ہے وہ بچہ اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، اور جو عورت اس کے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے اس سے بھی وہ نکاح کر سکتا ہے اور جو اس عورت کا بیٹا یا اس کا پوتا ہے ان کے ساتھ دودھ پلانے والی کا نکاح حرام ہے۔ یہ امام مالک، فقہاء احناف، امام شافعی اور

امام ثور کا مذہب ہے۔

امام بخاری کا اس حدیث کی روایت میں بعض الفاظ کا ساقط کرنا

علی بن مدینی نے از عبدالرزاق از معمر از زہری روایت کی ہے کہ ابولہب نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا جس کا نام ثویبہ تھا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا، پھر مرنے کے بعد ابولہب کو اس کے بعض رشتہ داروں نے خواب میں دیکھا تو اس کے حال کے متعلق سوال کیا تو ابولہب نے بتایا: مجھے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں ملی، البتہ مجھے اس سے پلایا جاتا ہے اور اس نے اپنے انگوٹھے کے نیچے سوراخ کی طرف اشارہ کیا، کیونکہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ا ص ۱۴۹، شرح السنہ ج۹ ص ۶۶)

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: معمر کی روایت سے ظاہر ہوا کہ اس حدیث سے یہ قول ساقط ہے کہ ابولہب نے کہا: مجھے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں ملی کیونکہ اس کے بغیر امام بخاری کی حدیث مکمل نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ قول بھی ساقط ہے کہ ابولہب نے اس سوراخ کی طرف اشارہ کیا جو اس کے انگوٹھے کے نیچے تھا کیونکہ اس کے بغیر حدیث کا معنی مکمل نہیں ہوتا اور مجھے نہیں معلوم کہ کس کے وہم سے حدیث کے یہ الفاظ ساقط ہوئے۔

ابولہب کافر تھا، پھر ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف کیوں ہوئی؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کافر کو ان نیک اعمال کے عوض جزاء ملتی ہے جو نیک اعمال مومنین بہ طور عبادت کرتے ہیں کیونکہ ابولہب نے یہ خبر دی کہ اس نے ثویبہ کو جو آزاد کیا تھا اس کے عوض میں اس کے انگوٹھے کے نیچے سوراخ سے پلایا جاتا ہے اور یہ اس کے عذاب میں تخفیف تھی جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کی گئی اور وہ ٹخنوں تک عذاب میں تھا جس سے اس کا دماغ جوش سے ابل رہا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۸۸۳، صحیح مسلم: ۲۰۹، مسند احمد: ۱۱۰۵۸)

البتہ ابولہب کے عذاب کی تخفیف ابوطالب کے عذاب کی تخفیف سے کم ہے کیونکہ ابولہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا تھا تو اس کے لیے صرف اتنی تخفیف ہوئی جتنی مقدار اس نے ثویبہ کو آزاد کرنے میں کی تھی اور اس کو اس کے انگوٹھے کے نیچے کے سوراخ سے پانی پلایا جاتا تھا۔ اور ابوطالب کے عذاب میں اس سے بہت زیادہ تخفیف کی گئی کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتا تھا اور آپ کی حفاظت کرتا تھا اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافر بھی حالت شرک میں کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے کافر بندوں پر بھی اپنے فضل عظیم سے فضل فرماتا ہے۔

اس حدیث سے درج ذیل حدیث کی تاویل ہو جاتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر اپنی کتاب میں مخلوق کی تقدیر لکھی تو اس میں لکھا کہ میری رحمت میرے غضب کے اوپر غالب ہے"۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۵۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ دوزخ میں دائمی عذاب میں ہیں ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت منقطع نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ ان کے لیے ایسا عذاب پیدا کرے جس میں ان کے لیے دوسرے عذاب کی بہ نسبت تخفیف اور رحمت ہو۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب کافر اسلام لے آئے تو اس کے لیے اطاعت گزاروں کے نیک اعمال کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کافر اسلام لے آئے اور اسلام میں نیک عمل کرے تو اس کا ہر نیک عمل لکھ دیا

جاتا ہے اور اس کا ہر گناہ مٹا دیا جاتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم نے پہلے جو نیک کام کیے تھے اس کی وجہ سے تم اسلام لے آئے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۳۶، صحیح مسلم: ۱۲۳، مسند احمد: ۱۵۳۱۹) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۶۰۔۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے ابولہب کافر کے عذاب میں تخفیف

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافر کو اس کے نیک عمل سے ثواب ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ (الفرقان: ۲۳) انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان کی طرف قصد کریں گے اور ان کو فضا میں بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنا دیں گے O

میں کہتا ہوں کہ: کافر کو اس کا نیک عمل فائدہ نہیں پہنچاتا، اور اس حدیث میں خواب کا ذکر ہے اور خواب دلیل نہیں ہے، اور بر تقدیر تسلیم ہو سکتا ہے کہ جب نیک عمل کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو تو آپ کی خصوصیت کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے جیسا کہ ابو طالب کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن عمل کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔

(الکواکب الدراری شرح البخاری ج ۱۹ ص ۷۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا محض اپنے فضل سے بعض کفار کو ان کے نیک کاموں پر اجر عطا فرمانا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کبھی کافر کو بھی اس کے نیک عمل سے آخرت میں نفع ہوتا ہے لیکن یہ حدیث الفرقان: ۲۳، کے ظاہراً مخالف ہے، تاہم اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) یہ حدیث مرسل ہے اور عروۃ نے یہ بیان نہیں کیا کہ ان کو یہ حدیث کس نے بیان کی اور اگر بالفرض یہ حدیث متصل ہو تو یہ خواب کا واقعہ ہے، سو اس میں کوئی دلیل نہیں ہے، یہ خواب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قبل الاسلام دیکھا تھا، لہٰذا ان کا خواب کوئی حجت نہیں ہے۔

(۲) بہ تقدیر قبول ہو سکتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو جیسا کہ ابو طالب کے عذاب میں بھی تخفیف کی گئی تھی۔

(۳) علامہ قرطبی نے کہا ہے: یہ تخفیف ابولہب کے ساتھ خاص ہے اور جن کافروں کے متعلق حدیث میں تخفیف کا ثبوت ہے۔

(۴) بعض کفار کو ان کے نیک اعمال پر اجر عطا فرمانا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور یہ عقل کے نزدیک محال نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ابولہب کا ثویبہ کو آزاد کرنا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی نے ذکر کیا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا: جب ابولہب مر گیا تو میں نے اس کو خواب میں برے حال کے اندر دیکھا، اس نے کہا: مجھے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں ملی مگر ہر پیر کے دن میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ علامہ سہیلی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پیر کے دن ہوئی تھی اور جب ابولہب کی باندی ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی

بشارت دی تو اس نے اپنے انگوٹھے کے اشارے سے اس خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ابولہب کو اس کے انگوٹھے کے سوراخ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت کی وجہ سے دوزخ میں پانی پلانا

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

ابولہب کو اپنے انگوٹھے کے سوراخ سے دوزخ میں پانی پلایا گیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہے ورنہ ابولہب کافر اس کا کب مستحق تھا کہ اس کو دوزخ میں انگوٹھے سے پانی پلایا جاتا ہے اور اس کے عذاب میں تخفیف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۵۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

ابولہب کے عذاب میں تخفیف کا سبب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق کا ہونا ہے

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس بحث میں لکھتے ہیں:

اور اس کو خصوصیت بھی قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس واقعہ کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا جس کی وجہ سے ابولہب کے ساتھ یہ خصوصی رعایت کی گئی۔ (کشف الباری، کتاب فضائل القرآن ص ۱۹۴، مکتبہ فاروقیہ، کراچی، ۱۴۲۶ھ)

شیخ وحید الزماں غیر مقلد کا اس حدیث کی شرح میں مجلس میلاد کو بدعت قرار دینا

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزماں متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ خواب الفرقان: ۲۳ کے صریح خلاف ہے۔ مترجم کہتا ہے: اس خواب سے بعضے لوگوں نے مجلس میلاد کے جواز پر دلیل لی ہے اور کہا ہے کہ جب ابولہب کے سے سخت کافر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولادت باسعادت کے خوشی کرنے میں عذاب کی تخفیف ہوئی ہو، مومنوں کو تو آپ کی ولادت کی محفل اور اس کی خوشی کرنے میں ضرور اجر ملے گا لیکن مخالفین کہتے ہیں کہ اول تو یہ خواب ہے اور خواب کوئی شرعی حجت نہیں، دوسرے یہ روایت بھی منقطع ہے۔ عروہ نے حضرت عباس کو نہیں پایا اور مجلس میلاد ایک بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جیسے دوسری حدیث میں وارد ہے۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں: میں تو کسی بدعت میں سوائے ظلمت اور تاریکی کے مطلق نور نہیں پاتا۔ (تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۶۔۸۵، نعمانی کتب خانہ، لاہور جون ۱۹۹۰ء)

ایک اور غیر مقلد عالم نواب صدیق بن حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ کا مجلس میلاد کو بدعت قرار دینا

شیخ صدیق بن حسن بن علی المتوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

جاہلوں نے عاشوراء کے روزے کی حدیث پر قیاس کر کے محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کے جواز پر استدلال کیا ہے اور یہ قیاس اس مقام سے اجنبی ہے اور اس سے وہی شخص استدلال کرے گا جو کیفیت استدلال سے ناواقف ہو اور علم اور فہم سے بہت دور ہو۔ (السراج الوہاج فی کشف مطالب مسلم بن حجاج ج ۳ ص ۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

علماء دیوبند کا بھی مجلس میلاد کو ناجائز قرار دینا

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

انعقاد مجلس مولود بہر حال ناجائز ہے۔ تداعی امر مندوب کے واسطہ منع ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ اگر پڑھو گے حوالہ کتب معلوم ہو جائیں گے، نہ پڑھو گے تو تقلید سے عمل کرنا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۰، محمد سعید اینڈ کمپنی، کراچی)

علماء اہل سنت کا انعقاد محفل میلاد کے متعلق نظریہ

اہل سنت و جماعت کے نزدیک محفل میلاد کو منعقد کرنا بدعت سیئہ نہیں ہے بلکہ یہ بدعت حسنہ ہے جیسے تراویح کو جماعت سے پڑھنا بدعت مستحبہ ہے اور قرآن مجید کو ایک مصحف میں اور ایک جلد میں جمع کرنا بدعت مستحبہ ہے اور جیسے قرآن مجید میں حرکات، سکنات اور اعراب کو لگانا بدعت مستحبہ ہے اور جیسے قرآن مجید میں سورتوں کا نام لکھنا اور آیات کی تعداد لکھنا بدعت مستحبہ ہے اور جیسے مساجد میں وسط کے تعین کے لیے محراب کا بنانا بدعت مستحبہ ہے، اور قرآن مجید کے تیس پارے مقرر کرنا بدعت مستحبہ ہے اور اسی طرح صحیح بخاری کے تیس پارے مقرر کرنا بدعت مستحبہ ہے اور دینی خطابات اور مواعظ کے لیے مقام، دن اور تاریخ کو مقرر کرنا بدعت مستحبہ ہے۔ اسی طرح اذان کے بعد دوبارہ تثویب کرنا یعنی لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے نماز کی جماعت کا اعلان کرنا اور گھڑیوں کے حساب سے دن اور رات کی پانچ نمازوں اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں کے اوقات مقرر کرنا اور مساجد میں گھڑیوں کو لٹکانا بدعت مستحبہ ہے۔ اسی طرح ایصال ثواب کے لیے سوئم، دہم، چہلم اور برسی اور عرس کی محافل کو منعقد کرنا بدعت حسنہ ہے اور یہ تمام بدعات حسنہ مخالفین کے نزدیک بھی معقول اور مروج ہیں۔

سو اسی طرح بارہ ربیع الاول کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی منانا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بیان کرنا اور آپ کے فضائل اور کمالات اور معجزات اور آپ کی سیرت طیبہ طاہرہ کا بیان کرنا اور محفل میں وعظ اور تقریر سے پہلے نعت خوانی کرنا اور آپ کے محامد میں نعتیں پڑھنا اور اختتام مجلس پر ایصال ثواب کرنا اور تبرک تقسیم کرنا اور ان تمام نیک اعمال کا ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کرنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، یہ بھی بدعت حسنہ ہے اور صدیوں سے مسلمان میں بلا انکار رائج ہے۔

ہم نے شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن میں محفل میلاد کے انعقاد کے جواز پر بہت دلائل پیش کیے ہیں جن کے عنوانات کا ہم یہاں اجمالی ذکر کریں گے اور اس کے بعد موضوع پر مزید دلائل پیش کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

شرح صحیح مسلم میں محفل میلاد کے انعقاد کے جواز کے دلائل کے عنوانات

(۱) علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ ھ کے محفل میلاد کے جواز پر دلائل۔ (المواہب اللدنیہ ج۱ ص ۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ ھ کے دلائل۔ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۹، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

(۳) شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۴۲ ھ کے محفل میلاد کے استحباب پر دلائل۔

(مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۳، مطبع عربیہ، لاہور، طبع اول ۱۳۹۹ھ)

نوٹ: سعودی عرب سے یہ کتاب دوبارہ چھپی ہے۔ اس میں سے اس عبارت کو نکال دیا ہے۔ ہمارے پاس اس کتاب کا پہلا ایڈیشن موجود ہے اور وہ بھی غیر مقلدین کا چھاپا ہوا ہے۔

(۴) علامہ جلال الدین شافعی متوفی ۹۱۱ ھ کے دلائل۔ (الحاوی للفتاوی ج۱ ص ۱۸۷۔۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۵) علامہ ابن الحاج مالکی متوفی ۷۳۷ ھ کے دلائل اور ان کے شبہات کے جوابات اور ماہ ربیع الاول اور پیر کے دن میں آپ کی ولادت کی توجیہ۔ (المدخل ج۱ ص ۲۹۸۔۲۱۶، ملخصاً، قاہرہ، مصر)

(۶) علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ ھ کے دلائل۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج۱ ص ۴۵۳، المجلس الاعلیٰ، قاہرہ، ۱۳۹۲ھ)

(۷) علامہ برہان الدین حلبی شافعی متوفی ۱۰۴۴ ھ کے دلائل۔ (انسان العیون ج۱ ص ۱۳۷، مطبع مصطفیٰ البابی، القاہرہ، مصر)

(۸) علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ کے دلائل۔

(شرح المولد لابن حجر بحوالہ جواہر البحار ج ۳ ص ۳۴۰، مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۷۹ھ)

(۹) محفل میلاد پر ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ کے دلائل۔ (المولد الروی فی المولد النبوی ص ۱۷۔۹ ملخصا، المدینۃ المنورہ، ۱۴۰۰ھ)

ملا علی قاری حنفی نے محفل میلاد کے جواز پر بیس دلائل قائم کیے ہیں۔

(۱۰) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی متوفی ۱۳۱۷ھ کا نظریہ ان کی درج ذیل کتب میں مذکور ہے: (الف) فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۵ مدنی کتب خانہ، لاہور (ب) شمائم امدادیہ ص ۵۰، مدنی کتب خانہ، ملتان، ۱۴۰۵ھ (ج) شمائم امدادیہ ص ۴۷، مدنی کتب خانہ، ملتان (د) شمائم امدادیہ ص ۶۸، مدنی کتب خانہ، ملتان، ۱۴۰۵ھ)

(۱۱) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ کا نظریہ۔ (اقامۃ القیامہ ص ۱۹۔۱۷، نوری کتب خانہ، لاہور، ۱۳۹۹ھ)

(۱۲) محفل میلاد کی ابتداء (بحوالہ حافظ اسماعیل بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ)

(البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۱۳۷۔۱۳۶، دار الفکر، بیروت طبع اول ۱۹۶۶ء)

(ان تمام عنوانات کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۹۰۔۱۷۴، فرید بک سٹال، لاہور میں ہے)

تبیان القرآن میں محفل میلاد کے جواز کے دلائل کے عنوانات

(۱) یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عید ہونا۔

(۲) علماء دیوبند کی طرف سے عید میلاد النبی منانے کے اعلانات۔

(۳) یوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تعطیل نہ کرنے کے خلاف سپاہ صحابہ کا مظاہرہ۔

(۴) عشرہ حکیم الامت منایا جائے، مفتی نعیم۔

(ان تمام عنوانات کی تفصیل اخبارات اور کتب کے حوالوں کے ساتھ تبیان القرآن ج ۳ ص ۷۱۔۶۷ میں مذکور ہے)

عید میلاد النبی کے اجتماع کے جواز پر مزید دلائل اور اس سلسلہ میں علامہ ابن الجوزی کے رسالہ کی تلخیص

علامہ عبد الرحمن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پر ایک مبسوط رسالہ لکھا ہے جو بیشتر نظموں پر مشتمل ہے۔ ہم اس رسالہ کے منتخب اقتباسات ہدیہ قارئین کر رہے ہیں:

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ فارس کی آگ جو ایک ہزار سال سے جل رہی تھی اس رات بجھ گئی اور کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ عرب کی عادت تھی کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو دودھ پلانے والی دائیاں آتیں تو بہت ساری دائیاں آئیں لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ اس در یتیم اور نفس کریم کو صرف حلیمہ سعدیہ کو دودھ پلانے کے لیے دیا جائے، حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں: ہم بہت فقر اور تنگ دستی میں تھے، میں جس سواری پر آئی تھی وہ بہت دبلی تھی اور میرے بچے رات بھر بھوک سے روتے رہتے تھے، پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے آئے اور میں آپ کو دودھ پلا رہی تھی تو آپ نے ایک طرف سے دودھ پیا اور دوسری طرف کا دودھ میرے بچہ کے لیے چھوڑ دیا، پھر آپ کی برکت سے میری سواری تمام سواریوں سے زیادہ فربہ ہوگئی اور لوگ یہ حال دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔

(مولد العروس الشہیر بالجوزی ص ۴۰۔۳۸ ملخصا، المکتبۃ الثقافیہ، بیروت، لبنان)

اس کے بعد علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں:

حلیمہ بیان کرتی ہیں: جب آپ کی عمر شریف چار سال کی ہوگئی تو ایک دن آپ نے مجھ سے کہا کیا: وجہ ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دن میں نہیں دیکھتا تو میں نے بتایا: وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں تو انہوں نے کہا: مجھے بھی آپ ان کے ساتھ بھیج دیں۔ آپ ہر روز صبح جاتے اور شام کو آجاتے اور لوگ بتاتے کہ ہم آپ سے بہت عجیب وغریب نشانیاں دیکھتے ہیں۔ آپ سوکھی ہوئی گھاس پر چلتے ہیں تو وہ سرسبز ہو جاتی ہے۔ آپ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ آپ کو سلام کرتا ہے، حلیمہ نے بتایا کہ ایک دن آپ اور آپ کے بھائی بکریاں چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے تو آپ کے بھائی بہت خوف زدہ حالت میں آئے اور انہوں نے کہا: اے اماں جان! اور ابا جان! ہمارے قرشی بھائی کو لے آئیں کیونکہ دو مردوں نے ان کو پکڑ لیا، پھر ان کے پیٹ کو چاک کیا، حضرت حلیمہ سعدیہ نے بتایا: ہم باہر نکلے تو ہم نے آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر تھا۔ میں نے آپ سے پوچھا: اے میرے بیٹے! کیا ہوا؟ تو آپ نے بتایا: اے اماں جان! میرے پاس سفید لباس میں دو مرد آئے اور ان کے پاس سونے کا ایک طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے میرے پیٹ کو چیرا اور اس میں سے ایک سیاہ لوتھڑا نکال کر پھینک دیا اور انہوں نے کہا: اے حبیب اللہ! یہ تمہارے اندر شیطان کا حصہ تھا، پھر ان دونوں نے اس برف سے میرے دل کو دھویا اور مجھے اس کارروائی سے کوئی درد نہیں ہوا، پھر مجھ سے کہا گیا: اے حلیمہ! ان کو ان کے دادا اور ان کی ماں کے پاس چھوڑ آؤ ہمیں ان پر خطرہ ہے۔ حلیمہ نے کہا: ہم آپ کو آپ کی والدہ کے پاس چھوڑ آئے، حلیمہ نے بتایا کہ جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ الابواء میں وفات پاگئیں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی ہے، پھر آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی، پھر جب آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی وفات ہوگئی اور آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی، پھر جب آپ کی عمر دس سال کی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وقار عطا کیا اور جب آپ چلتے تو سفید بادل آپ پر سایہ کرتے اور جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

(مولد العروس الشہیر بالجوزی ص ۴۵۔ ۴۳ ملخصا، المکتبۃ الثقافیۃ، بیروت، لبنان)

میلاد النبی کے جواز کے سلسلہ میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے رسالہ ''الشمامۃ العنبریہ'' کی تلخیص

نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اس میں کیا برائی ہے کہ اگر ہر روز ذکر حضرت نہیں کر سکتے تو ہر اسبوع (ہفتہ) یا ہر ماہ میں التزام اس کا کریں، کہ کسی نہ کسی دن بیٹھ کر ذکر یا وعظ یا وعظ سیرت وسمت وولادت ووفات آنحضرت کا کریں، پھر ایام ماہ ربیع الاول کو بھی خالی نہ چھوڑیں اور ان روایات واخبار وآثار کو پڑھیں پڑھائیں جو صحیح طور پر ثابت ہیں۔ (الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ ص ۵، ۱۳۰۵ھ)

ولادت شریف مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر کے روز دوشنبہ (پیر) بارہ ربیع الاول عام فیل کو ہوئی۔ جمہور علماء کا قول یہی ہے، ابن الجوزی نے اسی پر اتفاق نقل کیا ہے۔ مختار اہل حدیث یہ ہے کہ آٹھ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور بعض نے کہا کہ بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے۔ طیبی نے کہا کہ اسی پر اتفاق ہے۔ (الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ ص ۷، ۱۳۰۵ھ)

ایک جماعت نے کہا: آمنہ کہتی ہیں: جب حضرت شکم سے جدا ہوئے آپ کے ہمراہ ایک نور نکلا جس سے مابین مشرق ومغرب چمک اٹھا۔

عرباض بن ساریہ بیان کرتے ہیں: آپ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم اپنی خاک میں لتھڑے ہوئے تھے، میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں اور انبیاء کی مائیں

اسی طرح کا خواب دیکھتی ہیں۔حضرت کی ماں نے وضع کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات نظر آئے۔اس حدیث کی امام احمد، امام بزار، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی نے روایت کی ہے۔حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی متعدد سندیں ہیں۔(الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۱۰، ۱۳۰۵ھ)

اور عبارات سابقہ سے اظہار فرح میلاد نبوی پر پایا جاتا ہے، سو جس کو حضرت کے میلاد کا حال سن کر فرحت حاصل نہ ہو اور شکر خدا کا حصول اس نعمت پر نہ کرے وہ مسلمان نہیں (الی قولہ) شق صدر شریف اور غسل قلب اطہر چار بار ہوا۔ایک بار بنو سعد میں آپ کے صغر سن میں، دوسری بار دس سال کی عمر میں صحراء میں ہوا تھا، تیسری بار وقت بعثت کے بماہ رمضان غار حرا میں، چوتھی بار شب اسراء میں (معراج میں ہوا تھا)، آپ کے دل کو آب زمزم سے طشت زر میں دھویا تھا، اس سے افضلیت ماء زمزم کی ثابت ہوتی ہے، عبدالمطلب آپ کے کفیل تھے، ایک سو بیس یا چالیس برس کے ہو کر مرے، ابو طالب کا نام عبد مناف تھا، ایک بار خشک سالی ہوئی، ابو طالب نے آپ کی پشت کعبہ سے لگا دی، آپ نے انگلی طرف آسمان کے اٹھائی، بادل کا کہیں نشان تک نہ تھا، ناگہاں ابر ادھر ادھر سے آیا اور خوب رعد و برق ہوا اور وادی بہہ نکلی اور ابو طالب نے یہ شعر پڑھا:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتمی عصمۃ للارامل

(وہ گورے رنگ والے کہ بادل جن کے وسیلہ سے بارش طلب کرتا ہے، وہ یتیموں کی پناہ گاہ ہیں اور بیواؤں کی حفاظت ہیں)

امام ابن اسحاق نے اس شعر کو اپنے طویل قصیدے میں ذکر کیا ہے اور امام ابن عبدالبر نے کہا: جب آپ کی عمر چالیس سال کی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر تمام انسانوں اور جنات کی طرف مبعوث فرمایا، آپ تیرہ سال مکہ میں ٹھہرے، پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو آپ وہاں دس سال ٹھہرے اور آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور دین کی تبلیغ فرماتے رہے، اور جب اللہ تعالیٰ کی حکمت میں آپ کی بعثت کا مقصود پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ علیین کی طرف اٹھا لیا اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہو گئی۔صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ واتباعہ واحزابہ اجمعین۔

(الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۱۲-۱۳، ۱۳۰۵ھ)

آپ کی قضاء حاجت کا اثر دیکھا نہ گیا بلکہ زمین اوس کو نگل جاتی تھی وکذالک الانبیاء علیہم السلام، رات کو بھوکے سوتے، صبح کو طاعم (کھائے ہوئے) او ٹھتے، اللہ آپ کو جنت سے کھلاتا پلاتا، قبر میں آپ کو ضغطہ (قبر کا دبانا) نہ ہوا وکذلک الانبیاء۔حالانکہ اس ضغطہ سے کوئی صالح وغیرہ سالم نہیں رہتا ہے اور نہ سباع (درندے) آپ کا جسد کھا سکتے ہیں۔وکذلک الانبیاء، اور کسی مضطر کو کھانا میتہ نبی کا جائز نہیں ہے اور آپ زندہ ہیں اپنی قبر میں اور نماز پڑھتے ہیں، اندر اوس کے آذان اور اقامت کے ساتھ وکذلک الانبیاء۔ولہذا یہ بات کہی ہے کہ آپ کی ازواج پر عدت نہیں ہے اور آپ کی قبر پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو صلاۃ مصلین آپ کو پہنچاتا ہے۔

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آلہ وبارک وسلم

اعمال امت کے آپ پر عرض کیے جاتے ہیں، آپ امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

(الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۵۱-۵۲، ۱۳۰۵ھ)

مشتاقان کمال و جمال نبوی کو لازم ہے کہ بعد دریافت فضائل میلاد شریف اس امر میں کوشش کریں کہ صورت و سیرت و ست [illegible] ساتھ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت حاصل ہو کیونکہ ترقی مدارج عقبیٰ کی اور رفعت مراتب آخرت ہر مومن، مسلم محسن کے حق میں بقدر اس موافقت و مقدار اتباع کے ہو گی مجرد ذکر ولادت شریف سن کر دم بھر ابناء دہر میں بیٹھ کر خوش ہو لینا اور پیروی کی فکر

نہ کرنا بلکہ بدعات ومنکرات میں آلودہ رہنا اور مرتکب کبائر وترک اعمال صالحہ ہونا کچھ مفید نہ ہوگا۔

(الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۱۰۴۔ ۱۳۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ ہم کو اور جملہ اہل اسلام کو ایسی توفیق خیر رفیق حال کرے کہ ہم روز کسی قدر ذکر میلاد شریف کتب معتبرہ سے خود پڑھیں یا کسی محب صادق متبع واثق سے سن لیا کریں۔ فقط کسی یوم وماہ وتاریخ معین پر قصر نہ کریں۔

(الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۱۰۵۔ ۱۳۰۵ھ)

میں کہتا ہوں: یہ درست ہے لیکن بارہ ربیع الاول کو ذکر میلاد کرنے کی ترجیح ہے۔ خود نواب صدیق حسن بھوپالی نے لکھا ہے: قتادہ انصاری کہتے ہیں کہ حضرت سے صوم دوشنبہ (پیر کے دن کا روزہ) کا سوال کیا، فرمایا: ''یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور اس دن مجھ پر نبوت نازل کی گئی''۔ اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔ (الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ ص ۵)۔ (سعیدی غفرلہ)

میلاد النبی کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نظریہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام وصال میں میرے پاس آپ کی نیاز دینے کے لیے کوئی چیز میسر نہ تھی، آخر کار کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ پر نیاز دی، ایک رات میں دیکھا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس انواع واقسام کے طعام حاضر ہیں اور ان کے درمیان وہ گڑ اور چنے بھی رکھے ہیں۔ آپ نے کمال مسرت سے توجہ فرمائی اور ان کو طلب فرمایا۔ کچھ آپ نے تناول فرمایا اور کچھ آپ نے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ (انفاس العارفین ص ۱۰۷۔ ۱۰۶، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۳۹۸ھ)

مشہور اسکالر علامہ حافظ عبدالمجید نقشبندی شرق پوری مقیم برسٹل انگلینڈ کا مصنف کو مشورہ

حافظ عبدالمجید نقشبندی نے مجھ سے سیل فون پر بات کرتے ہوئے کہا کہ آپ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز اور استحسان پر لکھ رہے ہیں تو اس موضوع پر شیخ ابن تیمیہ کی اقتضاء الصراط المستقیم کی عبارت کا ضرور حوالہ دیں، سو میں نے اقتضاء الصراط المستقیم میں اس عبارت کو تلاش کیا اور اب وہ ہدیہ قارئین ہے:

شیخ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحمید الحرانی الدمشقی المعروف بابن تیمیہ حنبلی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اور اسی طرح بعض لوگوں نے عید میلاد النبی کی بدعت نکالی ہے جو یا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد کی مشابہت کی وجہ سے ہے کیونکہ عیسائی یہ عید مناتے ہیں اور یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کی اس محبت کی وجہ سے اور اجتہاد کی وجہ سے ان کو اجر عطا فرمائے گا نہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد کے دن کو عید بنا لیا ہے جب کہ لوگوں کا آپ کی ولادت کے دن میں اختلاف ہے، کیونکہ سلف نے یہ کام نہیں کیا حالانکہ اس کا مقتضی اور محرک موجود تھا اور مانع کوئی نہیں تھا اور اگر اس کام میں خیر محض ہوتی یا یہ کام ان کے نزدیک راجح ہوتا تو سلف رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے اور آپ کی تعظیم کرنے والے تھے اور وہ نیکی کے کاموں پر بہت زیادہ حریص تھے اور آپ کی محبت اور تعظیم کا کمال صرف آپ کی اتباع میں ہے اور آپ کے احکام پر عمل کرنے میں ہے اور آپ کی سنت کو زندہ کرنے میں ہے اور آپ کے دین کی نشر و اشاعت میں ہے اور دل، زبان اور طاقت سے اس پر جہاد کرنے میں ہے اور یہی سابقین مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین بالاحسان کا طریقہ ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۲۶۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

شیخ ابن تیمیہ کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: شیخ ابن تیمیہ کا یہ لکھنا کہ یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عید بنانا عیسائیوں کی مشابہت ہے تو یہ محض ان کی بدگمانی ہے۔ اہل سنت و جماعت خصوصاً اور دیگر مسلمین عموماً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اس دن کو عید مناتے ہیں اور اس دن کی تعظیم کی وجہ سے عید میلاد النبی کے دن مساجد، عمارتوں، دکانوں اور بازاروں کو سجاتے ہیں اور چراغاں کرتے ہیں اور ہر خوشی کا دن عید کا دن ہوتا ہے اور اہل اسلام کے نزدیک سب سے زیادہ خوشی کا دن وہ دن ہے جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور تشریف آوری ہوئی اور رہا ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ سلف یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس دن کو عید نہیں قرار دیا اور اگر اس کام میں کوئی خیر ہوتی تو وہ یہ کام ضرور کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کتنے ہی کام ایسے تھے جو عہد رسالت میں نہیں تھے اور ان کو بعد میں صحابہ نے کیا اور وہ کام مسلمانوں کا شعار بن گئے جیسے ایک مصحف میں قرآن مجید کو جمع کرنا، تراویح کو با جماعت ادا کرنا، جمعہ کے دن ایک اذان کا اضافہ کرنا اور قرآن مجید پر اعراب لگانا، یہ سب کام عہد رسالت کے بعد کیے گئے اور مساجد میں محرابوں کو بنانا اور قرآن مجید میں سورتوں کے نام اور آیات کی تعداد کو لکھنا، باقاعدہ دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کو بنانا، یہ سب کام اور گھڑیوں کے حساب پر نمازیں پڑھنا یہ سب کام دور صحابہ کے بعد کیے گئے لیکن ان پر شیخ ابن تیمیہ، غیر مقلدین اور دیوبندیوں کو اعتراض نہیں ہے، صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے دن کو عید قرار دینے پر ان کو اعتراض ہے، سو اس کی وجہ بغض رسالت نہیں تو اور کیا ہے؟

محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل پر مبنی خطابات اور نعت خوانی کا استحباب اور نعت خوانوں کو نذرانے دینے کا استحسان

میں کہتا ہوں: جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا کہ میلاد النبی منانا اور بارہ ربیع الاول کے دن جلسے منعقد کرنا اور ان جلسوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور آپ کے محامد و محاسن بیان کرنا اور آپ کی سیرت طیبہ کا تذکرہ کرنا اور احکام شرعیہ کی تبلیغ کرنا اور عام مسلمانوں کو اعمال صالحہ کی تلقین کرنا اور بے عملی اور بدعملی پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا مستحب اور کار ثواب ہے اور اس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل پر مشتمل نعتیں پڑھنا اور مجلس کے آخر میں کھڑے ہو کر ادب سے آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا اور اللہ تعالیٰ سے اس مجلس کی مقبولیت کی دعا کرنا اور اپنی تمام نیک حاجات پوری ہونے کے لیے گڑگڑا کر دعا کرنا اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور عذاب آخرت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا مجلس میلاد النبی کا اہم مقصود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتیں پڑھنا صحابہ کی سنت ہے اور نعتیں سننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ سے اور حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہما سے اپنی نعتیں سنتے تھے اور مسرت کا اظہار کرتے تھے اور بسا اوقات ان کو نذرانے بھی عطا کرتے تھے۔ امام محمد بوصیری شافعی متوفی ۶۹۵ھ مفلوج ہو گئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل میں قصیدہ پڑھا۔ رات کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے ان کے مفلوج جسم پر اپنا دست شفاء پھیرا تو ان کے فالج کا اثر جاتا رہا اور آپ نے ان کو بردۃ (چادر) عطا کیا۔ شیخ ابو الرجاء الصدیق قطب زمانہ نے بتایا: جب یہ قصیدہ بارگاہ رسالت میں پڑھا جا رہا تھا تو میں اس مجلس میں حاضر تھا اور آپ اس قصیدہ کو سن کر فرط مسرت سے جھوم رہے تھے۔ جب سے ان کا یہ قصیدہ، قصیدہ بردہ کے نام سے معروف ہے اور تمام ممالک کے مسلمان آج تک اس قصیدہ کو ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ بہر حال ان سطور سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتیں پڑھنا، ان

پر خوش ہونا اور نعت خوانوں کو نذرانے دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اور آج تک اس پر مسلمان محبت سے عمل کر رہے ہیں۔

آج کل کے نعت خوانوں کا نعتوں میں شریعت سے انحراف کرنا

میری گزارش یہ ہے کہ ہر عمل میں اعتدال اور افراط و تفریط سے اجتناب ضروری ہے۔ اب ہمارے زمانے میں نعت خواں حضرات بہت بے احتیاطی کرتے ہیں۔ اول تو وہ ایسی نعتیں پڑھتے ہیں جس میں جنت الفردوس کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ بعض اشعار ملاحظہ ہوں جن کو نعت خواں حضرات ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور لوگوں سے داد و صول کرتے ہیں:

سنتا نہیں زاہد سے میں حوروں کی کہانی

بھاتی نہیں ہمدم مجھے جنت کی جوانی الفت ہے مجھے سایۂ دیوار نبی سے
تیری چاہت میری چاہت میں یہ زاہد فرق ہے کہ تجھ کو جنت چاہیے مجھ کو مدینہ چاہیے
کوئے نبی سے آ نہ سکے ہم راحت ہی کچھ ایسی تھی یاد رہی نہ جنت ہم کو جنت ہی کچھ ایسی تھی
کون کہتا ہے کہ زینت خلد کی اچھی نہیں لیکن اے دل فرقت کوئے نبی اچھی نہیں
عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ کہ سب جنتیں ہیں نثار مدینہ

اسی طرح بعض اشعار میں عذاب قبر سے بے نیاز کرتے ہیں:

ڈراتا مجھ کو تو کیوں ہے عذاب قبر سے واعظ وہاں سرکار آئیں گے خطا جانے عطا جانے

اور بعض اشعار میں عذاب آخرت سے بے خوبی کی تلقین کرتے ہیں:

قبر کا خوف ہو مجھے کیونکر واں پہ آنا میرے حضور کا ہے
غم نہ محشر کی دھوپ کا ہے واں شامیانہ میرے حضور کا ہے

غور فرمائیے: قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی تعلیم یہ ہے کہ قبر، حشر اور دوزخ کے عذاب سے مسلمان ڈرتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت برحق ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ لوگ اپنے گناہوں پر نادم نہ ہوں اور خوف آخرت کو بھول جائیں۔

اسی طرح بعض نعتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ کریں:

معنی حرفم کنی تحقیق بنگری با دیدۂ صدیق اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی از خدا محبوب تر گردد نبی

دوسرا شعر یہ ہے:

خدا جس کو پکڑے چھڑا لے محمد محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا
بجاتے تھے دنیا میں انی عبدہ کی بنسری ہر دم وہ محشر میں انی انا اللہ کہہ کر نکلیں گے

غور فرمائیے: کیا ایسی نعتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے یا ناراض ہوں گے۔

محافل نعت کا ایک المیہ

اعتدال کے ساتھ نعت خوانی قابل تحسین اور لائق تقلید ہے لیکن ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ آدھی رات سے لے کر اذان فجر تک نعت خوانی کی مجلس گرم رہتی ہے اور اختتام مجلس کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اور اکثر سامعین نماز فجر نہیں

پڑھتے۔ بتایئے کیا ایسی نعت خوانی کی مجلس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے! نعت خوانوں کو نذرانے پیش کرنا بھی سنت ہے اور لائق تحسین ہے لیکن ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ سنی حضرات نعت خوانوں کو تو بڑی بڑی رقوم پیش کرتے ہیں، لیکن دین کے دوسرے شعبوں میں اپنا مال اتنی کثرت سے خرچ نہیں کرتے اور تبلیغ، تصنیف، مدارس، مساجد اور تدریس کی حوصلہ افزائی کے لیے زیادہ مال خرچ نہیں کرتے۔ اس کے برعکس دیوبندی اور غیر مقلدین اپنا زیادہ تر مال تبلیغ، تصنیف اور تدریس کی حوصلہ افزائی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دینی مدارس ہمارے مدارس سے بہت زیادہ ہیں، ان کی تصنیفات اور ان کے کتب خانے اور ان کے طلباء ہماری تصنیفات، ہمارے کتب خانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔

مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ متوفی ۱۳۹۱ھ نے اپنے زمانہ میں یہ رباعی لکھی:

''واحسرتا''

اہل سنت بہر قوالی و عرس — دیوبندی بہر تصنیفات و درس

خرچ سنی بر قبور و خانقاہ — خرچ نجدی بر علوم و درسگاہ

میلاد النبی کے جلوس میں اصلاح کی ضرورت

ہمارے شہروں میں میلاد النبی کے بڑے بڑے جلوس نکلتے ہیں اور نمازوں کے اوقات میں بھی نماز پڑھے بغیر یہ جلوس جاری رہتے ہیں اور بعض اوقات جلوس میں مرد و زن کا اختلاط بھی ہوتا ہے اور فلیٹوں کی بال کنیوں سے لڑکیاں شرکاء جلوس پر پھلوں اور مٹھائی کی تھیلیاں پھینکتی ہیں اور بعض اوقات جلوس کے ساتھ فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ انہی خرافات کی وجہ سے دیوبندیوں کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ یہ جلوس بند کر دینے چاہیے، ہم کہتے ہیں: آج کل کے نکاح اور ولیمہ کی تقریبات میں بھی مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے اور فلمی گانوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے لیکن کوئی دیوبندی مولوی یہ نہیں کہتا کہ ان خرافات کی وجہ سے نکاح اور ولیمہ کی تقریبات کو بند کر دینا چاہیے، سو جس طرح نکاح اور ولیمہ کی تقریبات کو بند کرنے کے بجائے ان کی اصلاح کی ضرورت ہے اسی طرح عید میلاد النبی کے جلوس میں بھی اصلاح کرنی لازم ہے، اس میں مرد و زن کا اختلاط نہ ہو، نمازوں کے اوقات میں تمام شرکاء جلوس نماز پڑھیں اور جلوس کے دوران فلمی گانوں کی ریکارڈنگ کی بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور نعت خوانی کی جائے۔ میں نے ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۳ء میں برطانیہ کا دورہ کیا اور وہاں میلاد النبی کے جلوسوں میں شرکت کی اور وہاں میں نے کسی جلوس میں کوئی شریعت کے خلاف بات نہیں دیکھی۔ صبح دس (۱۰) بجے جلوس شروع ہوا اور ظہر تک جاری رہا اور جلوس کے دوران سب ذکر و اذکار کرتے رہے اور جلوس کے اختتام پر صفۃ الاسلام بریڈفورڈ برطانیہ کی مسجد میں سب شرکاء جلوس جمع ہوئے اور سب نے صاحبزادہ محمد حبیب الرحمٰن محبوبی زید حبہ وعلمہ ولطفہ کی قیادت میں نماز ظہر ادا کی، پھر اس کے بعد عصر تک علماء کی تقاریر ہوتی رہیں، پھر آخر میں صلاۃ وسلام کے بعد دعا ہوئی اور یوں یہ محفل میلاد النبی اختتام پذیر ہوئی، پھر اس کے بعد سب کو لنچ باکسز میں کھانا تقسیم کیا گیا جس کو سب نے ادب و احترام کے ساتھ تناول کیا، ضرورت ہے کہ پاکستان کے شہروں میں بھی عید میلاد النبی کے موقع پر اس طرز کے جلسے ہوں اور اس نوع کے جلوس نکالے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پاکستانی مسلمانوں کو توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم عید میلاد النبی کو ادب و احترام سے منائیں۔ آمین یا رب العلمین بجاہ حبیبك سید المرسلین علیہ وعلی آلہ و اصحابہ ازواجہ صلوٰت اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ الی یوم الدین۔

۲۲۔ بَابُ: مَنْ قَالَ لَا رَضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ جس نے کہا: دو سال کے بعد دودھ نہیں پلایا جائے گا

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط۔ (البقرہ: ۲۳۳) (اور مائیں اپنے بچوں کو) پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ (حکم) اس کیلئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے۔

دودھ پلانے کی مدت کے مکمل ہونے میں فقہاء مذاہب کا اختلاف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے فقہاء احناف کے اس قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ دودھ پلانے کی انتہائی مدت تیس (۳۰) ماہ ہے اور ان کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ط حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط۔ (الاحقاف: ۱۵) اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا، اس کی ماں نے اس کو مشقت کے ساتھ پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف جھیل کر اس کو جنا اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا۔

یعنی حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت ہر ایک کی تیس (۳۰) ماہ ہے، اور یہ ان کی بہت غریب تاویل ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ بدر الدین عینی حافظ ابن حجر کی اس شرح پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: سبحان اللہ! یہ نیند میں ڈوبے ہوئے شخص کا نتیجہ فکر ہے اور امام بخاری کے عنوان سے فقہاء احناف کے قول کی طرف اشارہ کا کیا سبب ہے؟ امام بخاری کا عنوان تو صرف ان فقہاء کے بیان کے لیے ہے جو مطلقاً کہتے ہیں کہ دو سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں ہے اور امام بخاری کا یہ عنوان اس سے عام ہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے کا جواز فقہاء احناف کا قول ہو یا کسی اور کا اور اس قول کی نسبت تمام فقہاء احناف کی طرف کرنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ امام ابو یوسف اور امام محمد جو اکابر ائمہ احناف میں سے ہیں انہوں نے یہ نہیں کہا کہ دو سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ علامہ عینی حنفی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر نے اس عبارت کے متصل یہ کہا ہے: اسی طرح ان کا قول ہے جنہوں نے دو سال کی مدت پر ایک مہینہ اور دو مہینہ کا اضافہ کیا۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کا اعتراض بہت قوی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے ان کے اعتراض کا جواب نہیں بن سکا۔

یعنی حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت ہر ایک کی تیس (۳۰) ماہ ہے، اور یہ ان کی بہت غریب تاویل ہے اور جمہور کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اس آیت میں حمل کی کم سے کم مدت بیان فرمائی ہے اور وہ چھ ماہ ہے اور دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت بیان

فرمائی ہے اور وہ دو سال ہے اور ان کا مجموعہ تیس مہینہ ہیں، جن میں سے چھ مہینہ کم از کم مدت حمل ہے اور دو سال زیادہ سے زیادہ دودھ پلانے کی مدت ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن کا بھی یہی مذہب ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ یہ نہیں کہتے کہ زیادہ سے زیادہ حمل کی مدت ڈھائی سال ہے، اور فقہاء مالکیہ کی ایک روایت فقہاء احناف کے قول کے موافق ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ دودھ پلانے کے دو سال پورے ہونے کے بعد اتنے دنوں تک بچہ کو دودھ پلانا معاف ہے جتنے دنوں میں وہ طعام کھانے کا عادی ہو جائے گا کیونکہ عادت یہ ہے کہ بچہ ایک دم طعام کھانا شروع نہیں کرتا بلکہ چند دنوں کے بعد تدریجاً طعام کھانا شروع کرتا ہے، پھر ان کا اس مدت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چھ ماہ تک اس کو دودھ پلانا معاف ہے اور دوسرا قول ہے: دو ماہ تک اس کو دودھ پلانا معاف ہے اور تیسرا قول ہے: اس کو ایک ماہ تک دودھ پلانا معاف ہے اور چوتھا قول ہے: چند دنوں تک اس کو دودھ پلانا معاف ہے اور پانچواں قول یہ ہے: دو سال تک بچہ کو دودھ پلانے کے بعد اس مدت میں اضافہ نہ کیا جائے اور یہ ابن وہب کی امام مالک سے روایت ہے اور یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے اور ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو سال پورے ہونے کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے''۔

اس حدیث کی امام دارقطنی نے روایت کی ہے اور انہوں نے کہا: اس حدیث کو صرف ابن عیینہ سے الہیثم بن جمیل کے سوا کسی نے روایت نہیں کیا اور وہ ثقہ حافظ ہے، اور امام ابن عدی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور انہوں نے بیان کیا ہے کہ الہیثم کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی یہ حضور کا ارشاد نہیں ہے اور یہی بات محفوظ ہے۔ اور ان کے نزدیک اگر دو سال پورے ہونے کے بعد ایک لحظہ بھی دودھ پلایا تو اس پر کوئی حکم بھی مرتب نہیں ہوگا۔

اور امام زفر نے کہا کہ دودھ پلانے کی مدت تین سال تک ہے۔ جب کہ بچہ کو صرف دودھ کفایت کرتا ہو اور طعام کفایت نہ کرتا ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۸۔۲۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تیس ماہ دودھ پلانے کی مدت کی وضاحت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ فقہاء احناف کے قول کی تائید اور فقہاء شافعیہ کی دلیل کو رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

پس ثابت ہوا کہ دودھ پلانے کی مدت کی تکمیل دو سال تک ہے لیکن بچہ سے ایک دم دودھ چھڑانا ممکن نہیں ہے، اس لیے ضروری ہے کہ دو سال پورے ہونے کے بعد اتنی مدت تک مزید دودھ پلایا جائے جس میں بچہ دودھ چھوڑ کر طعام کھانے کا عادی ہو جائے، پس کبھی اس کو دودھ پلانے کے ذریعہ اس کو غذا دی جائے اور کبھی اس کو طعام کھلانے کے ذریعہ غذا دی جائے حتیٰ کہ بچہ دودھ پینا بھول جائے، اور اس کی کم سے کم مدت جس میں بچہ دودھ پینے کی طرف منتقل ہو سکے چھ ماہ ہے اور اس کا قیاس حمل کی کم سے کم مدت پر ہے اور وہ بھی چھ ماہ ہے، لہٰذا دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ ہو جائے گی اور یہی فقہاء احناف کا قول ہے۔

فقہاء شافعیہ کی پیش کردہ حدیث مرفوع کا جواب

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام دارقطنی نے الہیثم بن جمیل از ابن عیینہ از عمرو بن دینار از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو سال کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے''۔ میں کہتا ہوں کہ الہیثم بن جمیل کے سوا اس حدیث کی

ابن عیینہ سے اور کسی نے روایت نہیں کی۔

امام ابن عدی نے کہا: الہیثم بن جمیل ثقات سے روایت کرنے میں غلطی کرتا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ عمداً جھوٹ نہیں بولتا اور دوسرے راویوں نے اس حدیث کو صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول قرار دیا ہے اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ الہیثم سے ابوالولید بن بردالانطا کی روایت کرتا ہے اور وہ غیر معروف ہے اور امام نسائی نے کہا کہ الہیثم بن جمیل کی امام احمد، العجلی اور متعدد ائمہ نے توثیق کی ہے اور وہ حفاظ حدیث میں سے ہے مگر اس کو اس حدیث کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں وہم ہوا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے، اور اس حدیث کی امام سعید بن منصور نے از ابن عیینہ موقوفاً روایت کی ہے اور امام عبدالرزاق نے بھی اس حدیث کی موقوفاً روایت کی ہے، اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے بھی اس کی موقوفاً روایت کی ہے۔ نیز امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کی حضرت ابن مسعود اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کی ہے، اور امام دارقطنی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی موقوفاً روایت کی ہے۔ یعنی ان تمام صحابہ نے یہ کہا کہ بچہ کو صرف دو سال تک دودھ پلانا جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ان صحابہ کا قول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۶۔۱۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

زیر بحث مسئلہ میں فقہاء احناف کی تحریر

علامہ محمد امین بن عمر عبدالعزیز عابدین الدمشقی الشافعی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے اور ان دونوں قولوں پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۲۹۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

۵۱۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَشْعَثِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَأَنَّهُ تَغَيَّرَ وَجْهُهُ كَأَنَّهُ كَرِهَ ذٰلِكَ فَقَالَتْ إِنَّهُ أَخِي فَقَالَ انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاشعث از والد خود از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور اس وقت ان کے پاس ایک مرد تھا، پس گویا کہ آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا گویا کہ آپ نے اس مرد کو (اپنے گھر میں) ناپسند کیا، تو حضرت عائشہ نے بتایا کہ بے شک یہ میرا (رضاعی) بھائی ہے آپ نے فرمایا: تم اپنے بھائیوں پر غور کیا کرو کیونکہ دودھ پلانا صرف اس وقت معتبر ہوتا ہے جب بچہ بھوک سے دودھ پیے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۷ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۶۴۷، ۵۱۰۲، صحیح مسلم: ۱۴۵۵، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۸، سنن نسائی: ۳۳۰۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۵، مسند احمد ج ۶ ص ۹۴، احمد: ۲۴۶۳۲، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۴۱۲، مسند ابن راہویہ: ۱۴۶۷، سنن دارمی: ۲۲۵۶، شرح السنۃ: ۲۲۸۵، سنن سعید بن منصور: ۹۶۴، السنن الکبریٰ للنسائی ۵۴۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۵۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

غیر مقلدین کے اس قول کا رد کہ ''بڑی عمر والے کے دودھ پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے''

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال الکبری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام شہروں کے ائمہ اس پر متفق ہیں کہ بڑی عمر والے کو دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور اللیث اور غیر مقلدین کا یہ قول شاذ ہے کہ بڑی عمر والے کو بھی دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور دودھ کا رشتہ ثابت ہو جاتا ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت ابوحذیفہ کی بیوی سے کہا کہ تم ان کو اپنا دودھ پلا دو، پھر یہ تمہارا رضاعی بیٹا ہو جائے گا، اور جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ (البقرہ: ۲۳۳)
اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ دو سال میں دودھ پلانے کی مدت مکمل ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے سے دودھ کا رشتہ ثابت نہیں ہوگا۔

رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث جو حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کے متعلق ہے تو یہ حدیث اس آیت سے منسوخ ہو چکی ہے یا پھر یہ حضرت سالم کی خصوصیت تھی، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی ازواج رضی اللہ عنہن نے کہا: یہ صرف حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے (رضاعی) بھائیوں کے متعلق غور کرو کیونکہ رضاعت سے حرمت کم عمری میں ثابت ہوتی ہے جب دودھ پینے سے بھوک مٹ جاتی ہے نہ کہ اس وقت جب کہ بڑی عمر والے کی بھوک دال روٹی کھانے سے مٹ جاتی ہے۔

حرمت کے ثبوت کے لیے دودھ پلانے کی مقدار میں اختلاف فقہاء

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: خواہ دودھ کم پلایا جائے یا زیادہ اس سے دودھ کے رشتہ کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے، اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، الحسن البصری، عطاء، مکحول، طاؤس اور الحکم کا یہی قول ہے، اور یہی امام مالک، اللیث، الاوزاعی، الثوری اور فقہاء احناف کا مذہب ہے۔

اور دوسری جماعت نے کہا: ایک چسکی یا دو چسکی پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی رضاعت صرف تین چسکی دودھ پلانے سے ثابت ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ اور حضرت ابن الزبیر سے یہی روایت ہے اور یہی امام احمد، اسحاق، ابوثور اور ابوعبید کا قول ہے۔ ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک چسکی اور دو چسکیوں کے پینے سے حرمت رضاعت نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۵۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۳، سنن ترمذی: ۱۱۵۳، سنن نسائی: ۳۳۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۲، مسند احمد: ۷-۳۳)

اور دوسری جماعت نے کہا کہ دودھ پینے سے حرمت صرف پانچ متفرق چسکیوں کے پینے سے ہوتی ہے۔ ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قرآن مجید میں عشر رضعات معلومات یحرمن (دس معلوم دودھ کی چسکیاں حرام کرتی ہیں) نازل ہوئیں، پھر یہ آیت منسوخ کر دی گئی اور یہ آیت نازل ہوئی: خمس معلومات (پانچ معلوم دودھ کی چسکیاں)، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ آیت قرآن مجید میں پڑھی جاتی تھی۔

(صحیح مسلم: ۱۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۲، سنن ترمذی: ۱۱۵۳، سنن نسائی: ۳۳۰۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۴)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ صرف سات چسکی دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں ہے: (مصنف عبدالرزاق: ۱۳۹۲۱، ۱۳۹۱۱، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۸۳)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو دس چسکیاں دودھ پلا دیں تا کہ وہ ان کے پاس داخل ہوسکیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۲۵)

اور اس قول کی مثل حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ (المؤطا ص ۳۷۳)

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام مالک اور فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ۔ (النساء: ۲۳) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دودھ پلانے کی مقدار کو کم یا زیادہ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور اس کو مطلق رکھا ہے اور علماء نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رضاع کے متعلق احادیث میں اضطراب ہے، لہٰذا ان احادیث کو ترک کرنا اور کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دس چسکیاں دودھ پلانے کا حکم دیں حالانکہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے۔ اور پانچ چسکیوں والی حدیث بھی منسوخ ہو چکی ہے اور ایک چسکی اور دو چسکی والی حدیث ثابت نہیں ہے اور حدیث میں اس قسم کا اضطراب حدیث کو ساقط کر دیتا ہے۔

اور امام طحاوی نے کہا: اور اس میں نظر کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز حرام کرتی ہے اس میں عدد کی تاثیر نہیں ہوتی اور اس کی قلیل اور کثیر مقدار حرام کر دیتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ یا اپنی باندی سے ایک مرتبہ جماع کرے تو وہ اس کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے اور اس کی ماں اور اس کی بیٹی اس مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب دودھ پلانے کی کثیر مقدار حرام کر دیتی ہے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی قلیل مقدار بھی حرام کر دے گی۔ (شرح مشکل الآثار، ج ۱۱ ص ۴۹۴، ۴۸۰، ملخصاً)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۶۳۔۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اپنی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی عبارت من وعن نقل کر دی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۹۸۔۲۹۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی دودھ پلانے کی مقدار کی روایات کو نقل کرنے کے بعد آخر میں یہی لکھا ہے کہ یہ روایات مضطرب ہیں اور یہ صریح قرآن کے معارض نہیں ہوسکتیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی بحث میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابٌ: لَبَنِ الْفَحْلِ مرد (کے سبب سے جو) دودھ (حاصل ہو)

لبن الفحل کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
الفحل کا معنی ہے: مرد اور اس کی طرف دودھ کی نسبت مجاز ہے کیونکہ مرد عورت میں دودھ اترنے کا سبب ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

لبن الفحل کی وجہ سے حرمت رضاعت میں صحابہ، تابعین، مجتہدین اور دوسرے فقہاء کا اختلاف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
مرد کے سبب سے حاصل شدہ عورت کے دودھ میں فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مرد کا دودھ حرام ہے جیسا کہ امام ترمذی نے ذکر کیا ہے اور حافظ ابن البر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی قول ہے اور تابعین میں سے عروہ بن الزبیر، طاؤس، عطاء، ابن شہاب، مجاہد، ابو الشعثاء، جابر بن زید، حسن بصری، شعبی، سالم، القاسم بن محمد، ہشام بن عروہ کا بھی یہی قول ہے اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی کا امام احمد اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور الثوری، الاوزاعی، اللیث بن سعد اور اسحاق اور ابو الثور کا بھی یہی قول ہے۔
اور بعض صحابہ نے کہا ہے کہ مرد کے سبب سے حاصل شدہ عورت کا دودھ حرام نہیں ہے، ان میں سے حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت عائشہ، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم ہیں (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں) اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، سلیمان بن یسار، ان کے بھائی عطا بن یسار، مکحول، ابراہیم نخعی، ابو قلابہ، ایاس بن معاویہ، القاسم بن محمد، سالم (ان کے بھی اس مسئلہ میں دو قول ہیں) اور شعبی اور اسی طرح حسن بصری اور ابراہیم بن علیہ۔
حافظ ابو عمر نے التمہید میں نقل کیا ہے کہ داؤد بن علی ظاہری متوفی ۲۷۰ھ کا بھی یہی موقف ہے اور معروف اس کے خلاف ہے۔
قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ائمہ مجتہدین اور اہل فتویٰ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ مرد کے دودھ کی حرمت ساقط ہے ماسوا اہل الظاہر اور ابن علیہ کے اور معروف یہ ہے کہ داؤد ظاہری نے بھی ائمہ اربعہ کی موافقت کی ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ مرد کے دودھ حرام ہونے کا معنی یہ ہے کہ مرد کے دودھ کے سبب سے اس مرد اور دودھ پینے والے کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور دودھ پینے والا اس مرد کا بیٹا ہو جاتا ہے اور دودھ پینے والے کی اولاد اس مرد کی اولاد ہوتی ہے، اور جنہوں نے کہا کہ مرد کا دودھ حرام نہیں ہے ان کا قول اس کے خلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۸۔ ۱۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۰۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا وَهُوَ عَمُّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ بَعْدَ أَنْ نَزَلَ الْحِجَابُ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي صَنَعْتُ فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عروہ بن الزبیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ افلح جو ابو القعیس کے بھائی ہیں وہ ان کے پاس آنے کی اجازت طلب کرنے کے لیے آئے اور وہ ان کے رضاعی چچا ہیں اور یہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے، پس میں نے

ان کو آنے کی اجازت دینے سے انکار کیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ کو اپنے منع کرنے کی خبر دی، پس آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کو آنے کی اجازت دوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۴ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۶۴۴، ۴۷۹۶، ۵۱۰۳، ۵۱۱۱، ۵۲۳۹، ۶۱۵۶، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن نسائی: ۳۳۱۴، سنن ترمذی: ۱۱۵۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۸)

رضاعی چچا کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اشکال کا سبب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن فقہاء نے کہا کہ مرد کے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حرمت تو عورت کی جہت سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ مرد کی جہت کے سبب سے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے رضاعی بھائی اور رضاعی بھتیجیاں آتی تھیں اور ان کے پاس ان کے رضاعی بھائی کی بیویاں نہیں آتی تھیں، اور جن فقہاء نے کہا ہے: مرد کے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ان کی دلیل حدیث مذکور ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابوالقعیس کی بیوی نے دودھ پلایا تھا جو دودھ ان کے شوہر سے حاصل ہوا تھا، پس حضرت ابوالقعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی والد ہو گئے اور حضرت ابوالقعیس کے بھائی ان کے رضاعی چچا ہو گئے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ اشکال ہوا کہ رضاعت تو حقیقت میں عورت کی جہت سے ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ (النسآء: ۲۳) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں (تم پر حرام ہیں)۔

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مرد کے سبب سے حرمت رضاعت کو نہیں جانا تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ خبر دی کہ مرد کے دودھ سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: ''وہ تمہارے چچا ہیں، پس تم ان کو آنے کی اجازت دو''۔

مرد کے دودھ سے ثبوت حرمت پر عقلی دلیل

علامہ ابن المنذر مالکی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ تمہاری رضاعی مائیں اور تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام ہیں اور ان کے ماسوا کے متعلق حدیث میں تصریح نہیں ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دودھ کا سبب عورت اور مرد دونوں کی منی ہے، پس واجب ہے کہ حرمت رضاعت ان دونوں سے ثابت ہو جیسے اولاد کی نسبت ان دونوں کی طرف ہوتی ہے اور اگر ان کا سبب مختلف ہو جیسا کہ دادا جب بیٹے کا سبب ہے تو پوتے کی تحریم بھی اس کے ساتھ متعلق ہو گی جیسا کہ اس کے بیٹے کے ساتھ متعلق ہے، اسی طرح مرد اور عورت کا حکم ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد کی دو بیویاں ہیں، پس ان میں سے ایک بیوی نے کسی لڑکے کو دودھ پلایا اور دوسری بیوی نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس لڑکے کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۴۹، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۹۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۴۲)

کیونکہ نکاح واحد ہے اور ان کی مائیں ایک ہی مرد کی بیویاں ہیں اگرچہ وہ الگ الگ ہیں کیونکہ اس لڑکے اور لڑکی کا باپ ایک

ہی ہے جو کہ ان دونوں عورتوں کے دودھ کا سبب ہے اور وہ لڑکا اور لڑکی آپس میں علاتی (باپ شریک) رضاعی بھائی بہن ہیں۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۶۴۔ ۱۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۹۹ھ کی شرح من وعن نقل کر دی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۰۰۔ ۲۹۹، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

دودھ پلانے والی کے دعویٰ اور دودھ پینے والے کی تصدیق سے رضاعت کے ثبوت پر حدیث مذکور سے استدلال

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے دودھ پلانے کا دعویٰ کیا اور دودھ پینے والے نے اس کی تصدیق کر دی تو ان دونوں کے درمیان رضاعت یعنی دودھ کا رشتہ ثابت ہو جائے گا اور اس پر کسی گواہ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حضرت افلح نے حضرت عائشہ کے رضاعی چچا ہونے کا دعویٰ کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے دعویٰ کی تصدیق کر دی، اور شارع علیہ السلام نے صرف ان کے اس دعویٰ کی بنا پر ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آنے کی اجازت دے دی لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ ہوسکتا ہے کہ شارع علیہ السلام کو حضرت افلح کے رضاعی چچا ہونے کا پہلے علم ہو بغیر اس کے کہ حضرت افلح دعویٰ کریں اور حضرت عائشہ اس کو تسلیم کریں۔

کم مقدار میں (ایک چسکی) دودھ پینے سے بھی رضاعت کے ثبوت پر حدیث مذکور سے استدلال

اور اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ کم مقدار میں دودھ پینے سے بھی رشتہ رضاعت ثابت ہو جاتا ہے اور حرمت ثابت ہو جاتی ہے جس طرح زیادہ مقدار میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت افلح کے بھائی کی بیوی سے کتنی مقدار میں دودھ پیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ دودھ پینے کی مقدار کم ہو یا زیادہ، لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ عدم ذکر عدم محض کو مستلزم نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت افلح کی بیوی کا زیادہ مقدار میں دودھ پیا ہو اور اس کا یہاں ذکر نہیں کیا۔

حدیث مذکور کے مسائل فقہیہ اور نکات لطیفہ (حضرت افلح کے رضاعی چچا ہونے کی وضاحت)

(۱) جس شخص کو کسی چیز کے حکم میں شک ہو تو وہ اس پر عمل کرنے میں توقف کرے حتیٰ کہ علماء دین سے اس چیز کا شرعی حکم معلوم کر لے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس میں شک تھا کہ حضرت افلح ان کے رضاعی چچا ہیں یا نہیں کیونکہ انہوں نے حضرت ابو القعیس کا دودھ نہیں پیا تھا بلکہ ان کی بیوی کا دودھ پیا تھا۔ حضرت افلح حضرت ابو القعیس کے رضاعی بھائی تھے اور حضرت ابو القعیس اس عورت کے شوہر تھے جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دودھ پلایا تھا، تو حضرت ابو القعیس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی والد ہوئے اور حضرت افلح، حضرت ابو القعیس کے رضاعی بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا ہوئے۔ اس وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شک تھا کہ انہوں نے حضرت ابو القعیس کا دودھ تو نہیں پیا بلکہ ان کی بیوی کا دودھ پیا تھا، پھر حضرت افلح حضرت ابو القعیس کے بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہ کے رضاعی چچا کیسے ہو گئے اور جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ابو القعیس تمہارے رضاعی چچا ہیں، ان کو گھر آنے کی اجازت دو، اور آپ کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو القعیس کی بیوی کا دودھ پیا تھا لیکن اس دودھ کا سبب تو ان کے شوہر

ابوالقعیس تھے، لہٰذا ان کے بھائی حضرت افلح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا ہو گئے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی مردوں سے عورتوں کو حجاب میں رہنا لازم ہے۔

(۳) کسی محرم کا اپنے محرم کے گھر آنے کے لیے اجازت طلب کرنا ضروری ہے جیسے حضرت افلح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آنے کے لیے ان سے اجازت طلب کی حالانکہ وہ ان کی رضاعی بھتیجی تھیں۔

(۴) عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی مرد کو اپنے گھر آنے کی اجازت نہ دے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت افلح کے گھر کے آنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی۔

افلح نام رکھنے کی تحقیق

(۵) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ افلح نام رکھنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ افلح نام رکھنا ممنوع ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بیٹے کا نام یسار (آسانی والا) اور رباح (نفع پانے والا) اور نجیح (کامیاب) اور افلح (زیادہ کامیابی والا) نہ رکھے، کیونکہ جب تم پوچھو گے: کیا گھر میں وہ ہے؟ اور وہ نہیں ہوگا تو تم کہو گے: نہیں ہے''، (پس یسار، رباح، نجیح یا افلح نہیں ہے اور اس میں بدفالی ہے اس لیے آپ نے ایسے نام رکھنے سے منع فرمایا) اور امام مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تم اپنے بیٹے کا نام نہ رباح رکھو اور نہ یسار رکھو اور نہ افلح رکھو اور نہ نافع رکھو''۔

(صحیح مسلم: ۲۱۳۶، سنن ابوداؤد: ۴۹۵۸، سنن ترمذی: ۲۸۳۶، سنن ابن ماجہ: ۳۷۳۰، سنن دارمی: ۲۶۹۶، مسند احمد ج ۵ ص ۷)

اس سلسلہ میں دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ان ناموں کے رکھنے سے منع فرمائیں یعنی یعلی، برکت، افلح، یسار، نافع اور اسی قسم کے دوسرے نام، پھر میں نے دیکھا کہ آپ نے ممانعت سے سکوت فرمایا، پھر آپ کی وفات ہو گئی اور آپ نے ان ناموں کے رکھنے سے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح مسلم: ۲۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۴۹۶۰، سنن ترمذی: ۲۸۳۶، ابن ماجہ: ۳۷۲۹)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حتمی اور قطعی طور پر افلح نام رکھنے سے منع نہیں فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کا نام جو افلح تھا آپ نے ان کے نام کو بھی تبدیل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ افلح نام رکھنا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مستفتی فتویٰ حاصل کرنے سے پہلے اپنے موقف کی کوئی علت بیان کرے تو اس پر انکار کیا جائے گا کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں! کیونکہ وہ تمہارا رضاعی چچا ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صرف یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ میں ان کو گھر آنے کی اجازت دوں اور یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ مجھے حضرت ابوالقعیس نے تو دودھ نہیں پلایا تھا ان کی بیوی نے دودھ پلایا تھا۔

فقہاء احناف کے قاعدہ کے خلاف قوی حجت

اس حدیث سے بعض علماء نے فقہاء احناف کے خلاف حجت قائم کی ہے کیونکہ فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی صحابی نبی

صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی حدیث کی روایت کرے اور وہ حدیث سنداً صحیح ہو اور اس میں صحابی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس صحابی کی روایت پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے عمل کے موافق عمل کیا جائے گا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک مرد کے دودھ کا اعتبار نہیں ہے یعنی مرد کے سبب سے جو اس کی بیوی دودھ پلائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ امام مالک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس موقف کا ذکر الموطا میں کیا ہے اور امام سعید بن منصور نے اس کا ذکر سنن سعید بن منصور میں کیا ہے اور امام ابو عبید نے اس کا ذکر کتاب النکاح میں سند حسن کے ساتھ کیا ہے، اور اس کے برخلاف جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ مرد کے سبب سے جو اس کی بیوی کا دودھ پیا جائے اس سے رضاعت کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور فقہاء احناف کا بھی یہی موقف ہے اور اس حدیث میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے وہ یہ ہے کہ مرد کے سبب سے جو اس کی بیوی کا دودھ پیا جائے اس سے رضاعت کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت افلح کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا قرار دے دیا۔ اب چونکہ فقہاء احناف کا قاعدہ یہ ہے کہ جب صحابی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو پھر ان پر یہ لازم ہوگا کہ وہ مرد کے سبب سے دودھ پینے پر حرمت رضاعت کا اعتبار نہ کریں حالانکہ وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ مرد کے سبب سے جو دودھ پیا جائے اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور یہ فقہاء احناف کے قاعدہ کے خلاف بہت قوی حجت ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۷۲۔۲۷۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی فقہاء احناف کے خلاف قوی حجت پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اگر اس قائل (حافظ ابن حجر) کو فقہاء احناف کے قواعد کا صحیح ادراک ہوتا اور اس نے ان کے قواعد کو سمجھا ہوتا تو اس سے یہ کلام صادر نہ ہوتا لیکن عدم فہم اور تعصب مرد کو اس سے بھی زیادہ خبطی بات کرنے پر ابھارتا ہے۔

فقہاء احناف کا یہ قاعدہ علی الاطلاق نہیں ہے کہ صحابی کے ہر اس عمل کا اعتبار کیا جاتا ہے جو اس کی روایت کے خلاف ہو بلکہ اس کے عمل کا اس وقت اعتبار ہوتا ہے جب اس نے اپنے عمل کے خلاف کوئی حدیث سن لی ہو یا اسے اپنے عمل کے خلاف کوئی حدیث معلوم ہوگئی ہو پھر بھی وہ اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک وہ روایت منسوخ ہو چکی ہے یا اس سے وہ روایت صحیح نہیں ہے اور اگر اس نے پہلے اپنے عمل کے خلاف کوئی حدیث نہ سنی ہو یا اس کو اپنے عمل کے خلاف کوئی حدیث نہ پہنچی ہو پھر بعد میں اس نے اپنے عمل کے خلاف کوئی حدیث سن لی یا اسے کوئی حدیث معلوم ہوگئی ہو اور اس نے اپنے سابق عمل سے رجوع کر لیا ہو اور اپنی روایت پر عمل کیا ہو تو پھر اس کی روایت ہی کا اعتبار ہوگا اور اس کے سابق عمل کا اعتبار نہیں ہوگا اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے یہ سمجھتی تھیں کہ مرد کے سبب سے جو دودھ پیا جائے اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتادیا کہ حضرت افلح ان کے رضاعی چچا ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے گھر آنے کی اجازت دے دی اور گویا اپنے سابق عمل سے رجوع کر لیا، سو یہ حدیث فقہاء احناف کے قواعد کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان کے قواعد کے موافق ہے، لہٰذا اس حدیث کو ان کے قواعد کے خلاف قوی حجت قرار دینا درست نہیں ہے، علاوہ ازیں حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مرد کے سبب سے دودھ کو حرمت رضاعت کا سبب قرار دیتی تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب اور اس پر مصنف کا تبصرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہاں نسیان کے احتمال کی گنجائش ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی

شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا یہ جواب بالکل بے کار ہے اور ان کے اس جواب میں علامہ عینی کا اعتراض نہیں اٹھ سکا اور اس جواب سے لگتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنی شکست قبول کر لی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۲۴۔ بَابُ: شَهَادَةِ الْمُرْضِعَةِ

دودھ پلانے والی کی گواہی

۵۱۰۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنْ عُقْبَةَ لَكِنِّي لِحَدِيثِ عُبَيْدٍ أَحْفَظُ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَجَاءَتْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ أَرْضَعْتُكُمَا فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ تَزَوَّجْتُ فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ فَجَاءَتْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ لِي إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا وَهِيَ كَاذِبَةٌ فَأَعْرَضَ عَنِّي فَأَتَيْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ قُلْتُ إِنَّهَا كَاذِبَةٌ قَالَ كَيْفَ بِهَا وَقَدْ زَعَمَتْ أَنَّهَا قَدْ أَرْضَعَتْكُمَا دَعْهَا عَنْكَ وَأَشَارَ إِسْمَاعِيلُ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى يَحْكِي أَيُّوبَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے خبر دی از عبداللہ بن ابی ملیکہ، انہوں نے کہا: مجھے عبید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی از حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی ملیکہ نے کہا: میں نے یہ حدیث خود عقبہ سے سنی لیکن عبید کی حدیث زیادہ محفوظ ہے، حضرت عقبہ نے کہا: میں نے ایک عورت سے نکاح کیا، پس ہمارے پاس ایک سیاہ فام عورت آئی، اس نے کہا: میں تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہوں، پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: میں نے فلانہ بنت فلاں سے نکاح کیا تھا، پس ہمارے پاس ایک سیاہ فام عورت آئی، پھر اس نے مجھ سے کہا: بے شک میں تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہوں اور وہ جھوٹی عورت ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اعراض کیا، میں نے کہا: وہ جھوٹی عورت ہے، آپ نے فرمایا: تم اپنی بیوی کو کیسے اپنے نکاح میں برقرار رکھو گے حالانکہ اس عورت کا یہ زعم ہے کہ وہ تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہے؟ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس سے چھوڑ دو، اور راوی اسماعیل نے اپنی انگشت شہادت اور انگشت وسطی دو انگلیوں سے اشارہ کیا، اس کی ایوب حکایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۸۸ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۰۴، سنن ابوداؤد: ۳۶۰۳، سنن نسائی: ۳۳۳۰، سنن ترمذی: ۱۱۵۱، سنن دارقطنی ۴۹۹، مسند احمد ج ۴ ص ۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۳)

ایک عورت کی گواہی سے رضاعت کے ثبوت میں فقہاء کا اختلاف اور امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب پر دلیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دودھ پلانے والی ایک عورت کی گواہی سے رضاعت کے ثبوت میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس سے

روایت ہے کہ ایک عورت کی گواہی جائز ہے اور اس سے اس کی گواہی پر حلف لیا جائے گا۔ زہری، اوزاعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رضاعت کے ثبوت میں صرف دو مردوں کی گواہی قبول ہوگی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی اور یہی امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے اور امام مالک نے کہا: بغیر مرد کے دو عورتوں کی گواہی بھی قبول کی جائے گی، اور عطاء، شعبی اور امام شافعی نے کہا کہ چار عورتوں سے کم کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عقبہ سے فرمایا کہ تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو تو آپ کا یہ حکم بر بنائے احتیاط اور استحباب تھا بہ طریق وجوب نہیں تھا کیونکہ ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر اس عورت کے کہنے سے رضاعت ثابت ہو جاتی تو جب حضرت عقبہ نے پہلی بار آپ کو یہ خبر دی تھی تو آپ اس وقت یہ حکم دیتے کہ تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو کیونکہ رضاعی بہن کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے اور آپ کا اعراض فرمانا اس کی دلیل ہے کہ اس سیاہ فام عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی لیکن جب حضرت عقبہ نے دوسری بار یہ خبر دی تو آپ نے ان کو اس تہمت سے بچانے کے لیے بیوی کو چھوڑنے کا حکم دیا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ حضرت عقبہ نے اپنی رضاعی بہن کو اپنے نکاح میں رکھا ہوا ہے، سو یہ حدیث امام اعظم کے مذہب کے خلاف نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۴۰۔ ۱۳۹ ملخصا وموضحا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۲۵۔ بَابُ: مَا يَحِلُّ مِنَ النِّسَاءِ وَمَا يَحْرُمُ

کون سی عورتوں سے نکاح حلال ہے اور کون سی عورتوں سے نکاح حرام ہے

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ ...الی قولہ تعالیٰ... إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (النساء: ۲۴۔ ۲۳)

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں (یہ آیت یہاں تک ہے) بے شک اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ۝

- وَقَالَ أَنَسٌ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ ذَوَاتُ الْأَزْوَاجِ الْحَرَائِرُ حَرَامٌ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ لَا يَرَى بَأْسًا أَنْ يَنْزِعَ الرَّجُلُ جَارِيَتَهُ مِنْ عَبْدِهِ وَقَالَ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ سے مراد ہے کہ تم پر شادی شدہ آزاد عورتیں حرام ہیں۔ اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک بن جاؤ (النساء: ۲۴) حضرت انس اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ اگر کسی کی باندی اس کے غلام کے نکاح میں ہو تو وہ اس کو غلام سے چھین کر (یعنی طلاق دلوا کر) خود اس سے مباشرت کر لے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ (البقرہ: ۲۲۱)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَا زَادَ عَلَى أَرْبَعٍ فَهُوَ حَرَامٌ كَأُمِّهِ

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو بیویاں چار سے زائد

وَابْنَتِهِ وَأُخْتِهِ۔

ہوں وہ بھی حرام ہیں جیسے اس کی ماں، اس کی بیٹی اور اس کی بہن حرام ہیں۔

۵۱۰۵۔ وَقَالَ لَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي حَبِيبٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَرُمَ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ وَمِنَ الصِّهْرِ سَبْعٌ ثُمَّ قَرَأَ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ الْآيَةَ

اور ہم سے امام احمد بن حنبل نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے حبیب نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: کہ نسب سے سات قسم کی عورتیں حرام ہیں اور صہر (یعنی سسرالی رشتہ) سے بھی سات قسم کی عورتیں حرام ہیں، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ الایۃ (النساء: ۲۳) تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں۔

وَجَمَعَ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ بَيْنَ ابْنَةِ عَلِيٍّ وَامْرَأَةِ عَلِيٍّ وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ لَا بَأْسَ بِهِ وَكَرِهَهُ الْحَسَنُ مَرَّةً ثُمَّ قَالَ لَا بَأْسَ بِهِ۔

اور تحقیق عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی (حضرت زینب) اور حضرت علی کی (بیوہ) بیوی (لیلیٰ بنت مسعود) کو ایک نکاح میں جمع کیا، اور ابن سیرین نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں، اور حسن بصری نے ایک مرتبہ کہا: یہ مکروہ ہے اور دوسری مرتبہ کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

وَجَمَعَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بَيْنَ ابْنَتَيْ عَمٍّ فِي لَيْلَةٍ وَكَرِهَهُ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ لِلْقَطِيعَةِ وَلَيْسَ فِيهِ تَحْرِيمٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ۔

اور حضرت الحسن بن الحسن بن علی رضی اللہ عنہم نے اپنی دو چچا کی بیٹیوں سے ایک رات میں نکاح کیا اور جابر بن زید (تابعی) نے اس کو قطع رحم (یعنی سوکنوں کے جلاپے) کی وجہ سے اس کو مکروہ قرار دیا، اور یہ حرام نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (النساء: ۲۴) اور ان کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں۔

وَقَالَ عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذَا زَنَى بِأُخْتِ امْرَأَتِهِ لَمْ تَحْرُمْ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ

اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کی بہن سے زنا کیا تو اس پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی۔

وَيُرْوَى عَنْ يَحْيَى الْكِنْدِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَأَبِي جَعْفَرٍ فِيمَنْ يَلْعَبُ بِالصَّبِيِّ إِنْ أَدْخَلَهُ فِيهِ فَلَا يَتَزَوَّجَنَّ أُمَّهُ وَيَحْيَى هٰذَا غَيْرُ مَعْرُوفٍ وَلَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهِ

اور یحییٰ الکندی سے روایت کی گئی ہے از الشعبی از ابو جعفر، انہوں نے کہا: جو شخص کسی بے ریش لڑکے سے اغلام بازی کرے اور اس کی دبر میں دخول کر دے تو اب وہ اس بے ریش لڑکے کی ماں سے نکاح نہ کرے، اور یہ راوی یحییٰ معروف نہیں ہے اور اس کی متابعت نہیں کی گئی۔

وَقَالَ عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذَا زَنَى بِهَا لَمْ تَحْرُمْ

اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے

عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ

انہوں نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا تو اس پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی۔

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي نَصْرٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَرَّمَهُ

اور ابونصر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے وہ (اس صورت میں) مرد پر اس کی بیوی کو حرام قرار دیتے ہیں۔

وَأَبُو نَصْرٍ هٰذَا لَمْ يُعْرَفْ بِسَمَاعِهِ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

اور اس ابونصر کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع معروف نہیں ہے۔

وَيُرْوَى عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَالْحَسَنِ وَبَعْضِ أَهْلِ الْعِرَاقِ تَحْرُمُ عَلَيْهِ

اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور جابر بن زید اور حسن بصری اور بعض اہل عراق سے روایت ہے کہ (اس صورت میں) اس مرد پر اس کی بیوی حرام ہوجائے گی (امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے)

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَا تَحْرُمُ حَتَّى يُلْزِقَ بِالْأَرْضِ يَعْنِي يُجَامِعَ

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس مرد پر اس کی بیوی اس وقت تک حرام نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ اپنی ساس کو زمین کے ساتھ چمٹا دے یعنی اس سے جماع کرلے۔

وَجَوَّزَهُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةُ وَالزُّهْرِيُّ

اور ابن المسیب، عروۃ اور زہری نے اس کو جائز قرار دیا ہے (یعنی اگر کوئی مرد اپنی ساس سے زنا کرلے تو اس پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی، امام بخاری ان تابعین کے اقوال سے امام اعظم ابو حنیفہ کا رد کررہے ہیں کیونکہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرد اپنی ساس سے زنا کرلے تو اس پر اس کی بیوی حرام ہوجاتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ قَالَ عَلِيٌّ لَا تَحْرُمُ وَهٰذَا مُرْسَلٌ۔

اور زہری نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس صورت میں مرد پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی مگر یہ حدیث مرسل ہے (یعنی منقطع ہے)۔

ان چودہ عورتوں کا بیان جن سے کسی مرد کا نکاح کرنا جائز نہیں

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں: سات عورتیں نسب سے حرام ہیں اور سات عورتیں سسرالی رشتہ سے حرام ہیں۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس نے جو سات نسبی عورتیں بیان کی ہیں وہ یہ ہیں: (۱) مائیں (۲) بیٹیاں (۳) بہنیں (۴) پھوپھیاں (۵) خالائیں (۶) بھتیجیاں (۷) بھانجیاں۔ اور جو سات عورتیں سسرالی رشتہ اور رضاعت سے حرام ہیں وہ یہ ہیں: (۱) رضاعی مائیں (۲) رضاعی بہنیں (۳) ساس (۴) ربائب (یعنی پہلے شوہر کی وہ بیٹیاں جن کو دوسرے شوہر نے پالا ہو) (۵) بہو (۶) دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا (۷) وہ عورتیں جن سے اس مرد کا باپ مباشرت کر چکا ہو۔

قرآن مجید سے نسبی عورتوں کی تحریم کی تفصیل

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ۔ (النساء:۲۳) اور تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں۔

اس آیت میں ماؤں سے مراد مائیں، دادیاں اور نانیاں ہیں۔

وَبَنٰتُكُمْ۔ (النساء:۲۳) اور تمہاری بیٹیاں۔

اس سے مراد اس کی پشت سے پیدا ہونے والی بیٹیاں ہیں اور اس کی پوتیاں اور اس کی پرپوتیاں اور اس کی نواسیاں اور اس کی پرنواسیاں ہیں۔

وَأَخَوٰتُكُمْ۔ (النساء:۲۳) اور تمہاری بہنیں۔

اس سے مراد اس کی سگی بہنیں ہیں اور باپ شریک نہیں اور ماں شریک نہیں ہیں۔

وَعَمّٰتُكُمْ۔ (النساء:۲۳) اور تمہاری پھوپھیاں۔

اس سے مراد اس کے باپ کی سگی بہنیں ہیں اور اس کے باپ کی باپ شریک بہنیں ہیں اور اس کی ماں کی ماں شریک بہنیں ہیں خ اسی طرح اس کی دادا کی بہنیں ہیں خواہ وہ سگی بہنیں ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی ہوں، اور اسی طرح پردادا کی بہنیں ہیں۔

وَخٰلٰتُكُمْ۔ (النساء:۲۳) اور تمہاری خالائیں۔

اس سے مراد اس کی ماؤں کی بہنیں ہیں خواہ وہ سگی بہنیں ہوں یا باپ شریک بہنیں ہوں یا ماں شریک بہنیں ہوں، اور اس طرح اس کی نانی کی بہنیں خواہ وہ سگی بہنیں ہوں یا علاتی بہنیں ہوں یا اخیافی بہنیں ہوں۔

وَبَنٰتُ الْأَخِ۔ (النساء:۲۳) اور تمہاری بھتیجیاں۔

اس سے مراد اس کے سگے بھائی کی بیٹیاں اور باپ شریک بھائی کی بیٹیاں ہیں اور ماں شریک بھائی کی بیٹیاں ہیں، اور بھائی کے بیٹوں کی بیٹیاں ہیں یعنی بھتیجوں کی بیٹیاں اور بھتیجیوں کی بیٹیوں کی بیٹیاں ہیں۔

قرآن مجید سے رشتہ رضاعت اور رشتہ صہر (سسرال) کی عورتوں کی تحریم کی تفصیل

وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ أَرْضَعْنَكُمْ۔ (النساء:۲۳) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے۔

اس سے مراد دودھ پلانے والی اور اس کی ماں ہیں اور اسی طرح اس کی نانی ہے، وہ بھی رضاعی ماں کے قائم مقام ہیں اور اسی طرح رضاعی بہنوں کی تحریم کی بھی وہی تفصیل ہے جو نسبی بہنوں کی تحریم کی تفصیل ہے۔

اور مرد کی بیوی اس کے باپ پر اور اس کے بیٹے پر حرام ہے خواہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو اور اس کی بیوی اس کے دادا پر اور اس کے پوتے پر بھی حرام ہے نہ وہ اس کے پوتوں پر حلال ہے اور نہ اس کے نواسوں پر حلال ہے۔

وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ۔ (النساء:۲۳) اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء:۲۲) اور ان عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے ساتھ تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کو مباشرت کے ساتھ مقید نہیں کیا، پس دادیاں اور بہوئیں محض عقد نکاح سے حرام ہو جائیں گی، اور باندیوں پر ملکیت کی وجہ سے حرام ہو جائیں گی، اور رشتہ رضاعت اس معاملہ میں رشتہ نسب کی مثل ہے۔

اور اس آیت میں آباء سے مراد دادا اور نانا بھی ہیں اور ان میں سے کسی کے ساتھ بھی مرد کا نکاح جائز نہیں ہے، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ اس کی اس بیوی کی ماں جس بیوی کے ساتھ اس مرد نے دخول یا مباشرت نہیں کی اس کی تحریم میں متقدمین فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب اس کی بیوی دخول سے پہلے اس سے طلاق یافتہ ہو جائے تو اب اس کی ماں اس مرد پر حرام ہو گی یا نہیں، پس جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ ماں محض بیٹی کے ساتھ عقد سے حرام ہو جاتی ہے، اور بیٹی اس وقت تک حرام نہیں ہوتی جب تک اس نے اس کی ماں کے ساتھ دخول نہ کیا ہو۔

متقدمین کی ایک جماعت نے کہا کہ ماں اور ربیبہ دونوں اس میں برابر ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی مرد پر اس وقت تک حرام نہیں ہوتی جب تک کہ اس نے دوسری کے ساتھ دخول نہ کیا ہو اور انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت کی غلط تاویل کی ہے:

وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَ رَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘۔ (النساء: ۲۳)

اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں۔

پس ان فقہاء نے اس آیت کا معنی اس طرح بیان کیا: اور تمہاری ان بیویوں کی مائیں جن بیویوں کے ساتھ تم دخول کر چکے ہو اور تمہاری ربائب جو تمہاری گودوں میں زیر پرورش ہیں اور وہ تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں ہیں جن کے ساتھ تم دخول کر چکے ہو اور ان کا زعم یہ ہے کہ دخول کی شرط ماؤں اور ربائب دونوں کی طرف راجع ہے، اس قول کی خلاس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۲۶۱)

اور یہ حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے اور یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے اور اس میں ان کا اختلاف نہیں ہے۔

اور یہ وہ قول ہے جس کا ائمہ فتویٰ میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے، اور خلاس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے اس سے حجت قائم نہیں ہوتی اس لیے کہ محدثین کے نزدیک خلاس کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت صحیح نہیں ہے اور صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ قول ہے جو جماعت کے قول کی مثل ہے۔ (تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۱۰۶)

اور سعید نے از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ (النسآء: ۲۳) ''اور تمہاری بیویوں کی مائیں'' کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت مبہم ہے۔ ساس بیٹی کے ساتھ عقد نکاح کی وجہ سے اس پر حلال نہیں ہے، اسی طرح سے امام مالک نے از یحییٰ بن سعید روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا، پھر اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس نے اس کو طلاق دے دی تو کیا اس کی بیوی کی ماں اس پر حلال ہو گی یا نہیں، تو حضرت زید بن ثابت نے کہا: نہیں کیونکہ اس آیت میں ام کا لفظ مبہم ہے اور دخول کی شرط ربائب کے متعلق ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہی روایت صحیح ہے۔ (الموطا ص ۳۳۰)

علامہ ابن المنذر نے کہا: یہی قول صحیح ہے کیونکہ تمام بیویوں کی مائیں النسآء: ۲۳ میں داخل ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ۔ (النساء:۲۳) اور اگر تم نے ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس لیے تمام بیویوں کی مائیں مطلقاً مرد پر حرام ہیں خواہ اس نے ان بیویوں سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو ان سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ استثناء ربائب سے متعلق ہے، بیویوں کی ماؤں سے متعلق نہیں ہے کیونکہ ربائب کا ذکر قریب ہے اور بیویوں کی ماؤں کا ذکر ان کی بہ نسبت بعید ہے اور استثناء قریب کی طرف راجع ہوتا ہے کیونکہ یہ آیت اس طرح ہے:

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمْ۔ (النساء:۲۳) اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

اس آیت میں بیویوں کی ماؤں کا ذکر پہلے ہے اور اس کے بعد ربائب کا ذکر ہے اور پھر استثناء ہے، لہٰذا یہ استثناء قریب کی طرف راجع ہوگا اور وہ ربائب ہے۔

عبداللہ بن جعفر کے نکاح میں حضرت علی کی بیٹی اور ان کی بیوہ کے جمع ہونے کی تحقیق اور اس میں مذاہب فقہاء

امام بخاری نے کہا ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی کی بیٹی اور حضرت علی کی (بیوہ) بیوی کو ایک نکاح میں جمع کیا۔

علامہ ابن بطال اس کی شرح میں لکھتے ہیں: عبداللہ بن جعفر نے ان دونوں کو ایک نکاح میں اس لیے جمع کیا تھا کہ حضرت علی کی وہ بیٹی اس عورت سے پیدا نہیں ہوئی تھی جس کے ساتھ انہوں نے نکاح میں ان دونوں کو جمع کیا تھا۔ اور یہ صورت امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ، الاوزاعی، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ مرد پر صرف یہ حرام ہے کہ وہ کسی عورت کو اور اس کی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرے اور اس پر یہ حرام نہیں ہے کہ وہ کسی عورت اور اس کی ربیبہ کو ایک نکاح میں جمع کرے نہ اللہ کی کتاب میں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اور ان دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا درج ذیل آیتوں کے اعتبار سے جائز ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ (النساء:۲۴) اور ان کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء:۳) تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔

اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے، اور حسن بصری اور عکرمہ نے اس نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے۔

جن دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، اس کی تحقیق اور مذاہب فقہاء

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: حسن بصری کا اس قول سے رجوع ثابت ہے اور جن لوگوں نے اس نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے یا ناجائز قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، اور کسی عورت اور اس کی ربیبہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی اسی حکم میں ہے۔

شعبی نے کہا: یہ دیکھو کہ ہر وہ دو عورتیں جن میں سے ایک عورت کو مرد فرض کر لیا جائے تو پھر دوسری عورت کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو تو پھر ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ شعبی سے پوچھا گیا کہ یہ کس کا قول ہے؟ تو انہوں نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا۔

ثوری نے کہا: اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی مرد کی بیوی اور اس کی وہ بیٹی جو اس کی بیوی سے پیدا نہیں ہوئی ہے کے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہ ہو تو وہ ان کو ایک نکاح میں جمع کر سکتا ہے یعنی بیوی اور بیوی کی ربیبہ کو ایک نکاح میں جمع کر سکتا ہے، اسی وجہ سے اکثر علماء نے اجازت دی ہے کہ ایک عورت اور اس کی ربیبہ کی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ اور طاؤس اور مجاہد نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔

امام مالک نے کہا ہے کہ چچا کی دو بیٹیوں کو (یعنی چچازاد بہنوں کو) ایک نکاح میں جمع کرنا مکروہ ہے اور ان کے نزدیک یہ حرام نہیں ہے، اور عطاء اور جابر بن زید کا بھی یہی قول ہے۔ ان دونوں نے کہا: یہ اس لیے مکروہ ہے کہ اس سے قطع رحم ہوگا اور دو بہنوں کے درمیان فساد ہوگا، اور اکثر علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا: اور میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی نے اس نکاح کو باطل قرار دیا ہے اور جن عورتوں کے ساتھ نکاح کو مباح قرار دیا گیا ہے یہ نکاح بھی ان میں داخل ہے اور کتاب، سنت اور اجماع سے اس نکاح کی تحریم ثابت نہیں ہے اور چچا اور پھوپھی کی دو بیٹیوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا بھی یہی ایک حکم ہے اور اسی طرح ماموں اور خالہ کی دو بیٹیوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا بھی یہی ایک حکم ہے۔

جس عورت سے زنا کیا ہو تو اس کی ماں یا بیٹی کے حرام ہونے میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو آیا اس شخص پر اس کی بیٹی حرام ہوگی؟ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ یا جب کسی شخص نے کسی کی بیٹی سے زنا کیا تو کیا اس شخص پر اس کی ماں حرام ہوگی؟ اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء احناف، ثوری، اوزاعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس شخص پر اس کی ماں اور بیٹی دونوں حرام ہو جائیں گی۔ یہ ابن قاسم کی امام مالک سے ''المدونۃ'' میں روایت ہے اور انہوں نے کہا: حرام کام حلال کام کو حرام کر دیتا ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا: حرام کام حلال کام کو حرام نہیں کرتا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن المسیب، عروہ، ربیعہ اور اللیث کی روایت ہے اور الموطا میں یہی امام مالک کا قول ہے اور امام شافعی اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جب زنا میں مہر، عدت کا وجوب، میراث، ولد کا لحوق اور حد کا وجوب ساقط ہو گیا تو پھر اس پر جائز نکاح کا حکم لگانا بھی ساقط ہو گیا اور اکثر علماء نے یہ اجازت دی ہے کہ جس عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس سے نکاح کر لیا جائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص کھجور کے درخت سے کھجوریں چرائے، پس ان کو کھا لے، پھر ان کھجوروں کو خرید لے اور حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ اور حضرت البراء نے کہا کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اور انہوں نے کہا: یہ دونوں مرد اور عورت جب بھی مجتمع ہوں گے تو زانی رہیں گے (تحقیق یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے۔)

تاہم اگر قاضی کے سامنے نکاح کے بعد بھی مقدمہ پیش ہو گیا اور گواہوں سے زنا ثابت بھی ہو گیا تو حد واجب ہوگی۔ (سعیدی غفرلہ)

اغلام بازی کی وجہ سے فاعل پر مفعول کی ماں کے ساتھ نکاح کے متعلق فقہاء کا اختلاف

امام مالک کے اصحاب اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہم اغلام بازی سے مفعول کی ماں کے ساتھ نکاح کو حرام نہیں قرار

دیتے۔ اور الثوری نے کہا: جب کبھی کسی مرد نے کسی بے ریش لڑکے کے ساتھ اغلام بازی کی تو اس مرد پر اس لڑکے کی ماں حرام ہو جائے گی اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے بیٹے یا اس کے باپ (سسر) یا اس کے بھائی (سالا) کے ساتھ بدکاری کی تو اس مرد پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی۔ اور اوزاعی نے کہا: جب ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے کے ساتھ لواطت (بدکاری) کی اور مفعول کے ہاں (بعد میں) بیٹی پیدا ہو گئی تو فاعل کے لیے اس بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس لڑکے کی بیٹی ہے جس کے ساتھ وہ دخول (بدکاری) کر چکا ہے، اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ص ۱۷۰۔۱۶۶، ملخصاً وموضحاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے علامہ ابن بطال مالکی کی اسی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۱۸۔ ۳۰۴، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

عبداللہ بن جعفر نے جن دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کیا تھا ان کے اسماء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا: عبداللہ بن جعفر (بن ابی طالب) نے حضرت علی کی بیٹی اور حضرت علی کی بیوی کو ایک نکاح میں جمع کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے دو رشتہ دار عورتوں کے درمیان جلاپا اور قطع رحم لازم آتا ہے خواہ اس کا رشتہ مصاہرت کا ہو اور وہ اس کو ایک نکاح میں دو بہنوں کے جمع کرنے کی تحریم پر قیاس کرتے ہیں، اور اس اثر کی امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن جعفر نے لیلیٰ بنت مسعود (حضرت علی کی بیوی) اور ام کلثوم بنت علی جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں ان کو اپنے نکاح میں جمع کیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ زینب اور لیلیٰ بنت مسعود کو نکاح میں جمع کیا اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ عبداللہ بن جعفر نے ام کلثوم کی وفات کے بعد زینب سے نکاح کیا تھا۔

کسی عورت کے ساتھ زنا کرنے کے سبب سے زانی پر اس عورت کی بیٹی یا اس کی ماں کے حرام ہونے میں اختلاف فقہاء اور فقہاء احناف کے دلائل

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جس نے کسی عورت اور اس کی بیٹی کی فرج کی طرف دیکھا۔ اور دوسری سند کے ساتھ شعبی سے روایت کی ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ زنا کیا تو اس مرد کے اوپر اس کی بیوی اور ماں دونوں حرام ہو جائیں گی اور یہی امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب کسی مرد نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا تو اس پر اس کی ماں اور بیٹی دونوں حرام ہو جائیں گی، فقہاء احناف کے علاوہ عطاء، اوزاعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام مالک سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے، اور جمہور نے اس کا انکار کیا ہے، انہوں نے کہا کہ شرع میں نکاح کا اطلاق عقد پر ہوتا ہے نہ کہ وطی پر۔ اور نیز زنا میں نہ مہر ہوتا ہے نہ عدت ہوتی ہے اور نہ میراث ہوتی ہے۔ اور حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ تمام شہروں کے اہل فتویٰ کا اس پر اجماع ہے کہ جب زانی کسی عورت سے زنا کرے تو اس پر اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام نہیں ہے تو اس عورت کی ماں اور بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا بہ طریق اولیٰ جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۷۶۔ ۲۷۴، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

جمہور کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: علامہ ابن حجر نے جو لکھا ہے کہ جمہور نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ شرع میں نکاح کا اطلاق عقد پر ہوتا ہے نہ کہ وطی پر اور زنا میں نہ مہر ہوتا ہے نہ عدت ہوتی ہے اور نہ میراث ہوتی ہے، جمہور کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ زنا میں حرمت مصاہرت کا اعتبار نہیں کرتے۔ صرف نکاح میں حرمت مصاہرت کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے خود تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد زنا میں بھی حرمت مصاہرت کا اعتبار کرتے ہیں اور صرف امام شافعی زنا میں حرمت مصاہرت کا اعتبار نہیں کرتے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے قول کے مقابلہ میں صرف امام شافعی کے قول کو جمہور سے تعبیر کرنا سراسر ناانصافی ہے اور حق وصواب سے دور ہے اور دراصل جمہور یہی ائمہ ثلاثہ ہیں یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد اور انہی کا مذہب صحیح اور برحق ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس بحث میں علامہ ابن بطال مالکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرحوں کا خلاصہ لکھا ہے اور کوئی زائد بات نہیں لکھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۴۸۔۱۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۶۔ بَابٌ: وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَ رَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (النساء: ۲۳)

اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔ (النساء: ۲۳)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الدُّخُولُ وَالْمَسِيسُ وَاللِّمَاسُ هُوَ الْجِمَاعُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دخول، مسیس اور لماس سے مراد جماع ہے۔

وَمَنْ قَالَ بَنَاتُ وَلَدِهَا مِنْ بَنَاتِهِ فِي التَّحْرِيمِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لِأُمِّ حَبِيبَةَ لَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ وَكَذٰلِكَ حَلَائِلُ وَلَدِ الْأَبْنَاءِ هُنَّ حَلَائِلُ الْأَبْنَاءِ وَهَلْ تُسَمَّى الرَّبِيبَةَ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ فِي حَجْرِهِ وَدَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَبِيبَةً لَهُ إِلَى مَنْ يَكْفُلُهَا وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ ابْنَ ابْنَتِهِ ابْنًا۔

اور جس نے کہا کہ مرد کی پوتیاں بھی تحریم میں اس کی بیٹی کے حکم میں ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "تم میرے اوپر اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ہرگز پیش نہ کرو"۔ اور اسی طرح پوتوں کی بیویاں تحریم میں بیٹوں کی بیویوں کے حکم میں ہیں اور آیا اگر کوئی لڑکی مرد کی زیر پرورش نہ ہو تو اس کو ربیبہ کہا جائے گا؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیبہ اس کے سپرد کر دی جو اس کی کفالت کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسہ کو بیٹا فرمایا۔

۵۱۰۶۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِي بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ فَأَفْعَلُ مَاذَا قُلْتُ تَنْكِحُ قَالَ أَتُحِبِّينَ قُلْتُ لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ وَأَحَبُّ مَنْ شَرِكَنِي فِيكَ أُخْتِي قَالَ إِنَّهَا لَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از زینب از حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کی ابوسفیان کی بیٹی کے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے

تَحِلُّ لِي قُلْتُ بَلَغَنِي أَنَّكَ تَخْطُبُ قَالَ ابْنَةَ أُمِّ سَلَمَةَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ لَوْ لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي مَا حَلَّتْ لِي أَرْضَعَتْنِي وَأَبَاهَا ثُوَيْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ دُرَّةُ بِنْتُ أَبِي سَلَمَةَ

پوچھا: تو میں کیا کروں؟ میں نے کہا: (اس سے) آپ نکاح کر لیں، آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتی ہو؟ میں نے کہا: میں آپ کو چھوڑنے والی نہیں ہوں اور میں یہ پسند کرتی ہوں کہ جو آپ میں میری شریک ہو وہ میری بہن ہو، آپ نے فرمایا: بے شک وہ میرے لیے حلال نہیں ہے۔ میں نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ نکاح کا پیغام دے رہے ہیں؟ آپ نے پوچھا: ام سلمہ کی بیٹی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''اگر وہ میری ربیبہ نہ ہوتی تب بھی وہ میرے لیے حلال نہیں تھی، مجھے اور اس کے باپ کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے، سو تم اپنی بیٹیوں کو اور اپنی بہنوں کو ہرگز مجھ پر پیش نہ کیا کرو''۔ اور اللیث نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی: ابو سلمہ کی بیٹی کا نام درۃ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۰۱، ۵۱۰۷، ۵۱۲۳، ۵۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۴۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۶، سنن نسائی: ۳۲۸۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۹)

ماؤں کے ساتھ دخول کے معنی میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ امام بخاری کی تعلیق مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

ماؤں کے ساتھ دخول کے اس معنی میں جس کے سبب سے ربائب کے ساتھ نکاح حرام ہو جاتا ہے، فقہاء کا اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دخول سے مراد جماع ہے اور یہی طاؤس کا قول ہے اور فقہاء میں سے کوئی ایک بھی اس کا قائل نہیں ہے اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب مرد نے اس عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا (چھوا) تو اس مرد پر اس کی ماں اور بیٹی دونوں حرام ہو جائیں گی، پھر اس عورت کو دیکھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام مالک نے کہا: جب مرد نے اس کے بالوں کی طرف یا اس کے سینے کی طرف یا اس کی زینت کی طرف لذت کے ساتھ دیکھا تو اس مرد پر اس کی ماں اور بیٹی دونوں حرام ہو جائیں گی۔ اور فقہاء احناف نے کہا: جب مرد نے اس کی فرج (اندام نہانی) کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھا تو وہ بھی شہوت کے ساتھ مس کرنے کے حکم میں ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۱۰-۳۰۹، المدونۃ ج ۲ ص ۲۰۱-۲۰۰)

اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: دیکھنے سے اس پردہ عورت حرام نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ اس عورت کو مس کرے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مس سے وہ عورت اس مرد پہ حرام نہیں ہوگی۔ (التوضیح ج ۲۴ ص ۳۲۰) (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: مسروق سے روایت کی گئی ہے کہ دیکھنے سے بھی تحریم ثابت ہو جاتی ہے اور النخعی، القاسم اور مجاہد سے روایت ہے کہ لمس اور مس سے تحریم ہو جاتی ہے۔

رَبِیبَہ کی تحریم میں غیر مقلدین کا مرد کے زیر پرورش ہونے کی قید کو قید احترازی قرار دینا اور اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار کرنا اور ان کے اس قول کا رد

غیر مقلدین نے فقہاء کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ: مرد پر ربیبہ صرف اس صورت میں حرام ہوتی ہے جب وہ اس کے زیر پرورش ہو اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۔(النساء:۲۳) اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری زیر پرورش ہیں تمہاری ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

انہوں نے کہا: ربیبہ کی تحریم کی دو شرطیں ہیں: (۱) وہ لڑکی اس مرد کی زیر پرورش ہو (۲) اس لڑکی کی ماں سے وہ مرد دخول کر چکا ہو، پس جب ان دو شرطوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو تحریم واقع نہیں ہوگی، انہوں نے کہا کہ خاوند کو ربیبہ کے لیے اس وجہ سے محرم قرار دیا گیا ہے کہ اس کو ربیبہ کو خود سے چھپانے میں مشقت ہوتی ہے اور یہ معنی اسی وقت پایا جائے گا جب وہ ربیبہ یا وہ لڑکی اس کے زیر پرورش ہو۔ (المحلی ج۹ ص ۵۳۱۔۵۲۷)

غیر مقلدین کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے: ''اگر وہ میری ربیبہ نہ ہوتی جو میرے زیر پرورش ہے۔ (صحیح البخاری:۵۱۰۱)
سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریم کے لیے اس لڑکی کے زیر پرورش ہونے کی شرط عائد کی ہے۔

اور انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس کی اجازت کی روایت کی ہے (یعنی اگر وہ لڑکی زیر پرورش نہ ہو تو پھر اس سے نکاح کرنا جائز ہے)۔

علامہ ابن المنذر اور امام طحاوی نے کہا: یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کو ابراہیم از عبید از مالک بن اوس از حضرت علی روایت کرتا ہے اور یہ ابراہیم غیر معروف ہے۔

اور اکثر اہل علم نے غیر مقلدین کے اس قول کو رد کر دیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس تم مجھ پر اپنی بیٹیوں کو اور اپنی بہنوں کو ہرگز پیش نہ کرو''۔ (صحیح البخاری:۵۱۰۷)

اس حدیث میں بیٹیوں کے ساتھ زیر پرورش کی قید نہیں ہے۔ اور اس حدیث میں آپ نے بیویوں کی بیٹیوں کو مطلقاً حرام فرمایا ہے خواہ وہ مرد کے زیر پرورش ہوں یا نہ ہوں، سو یہ حدیث زیر پرورش کی قید کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔ امام ابوعبید نے کہا: اس قید کی نفی پر یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم مجھ پر اپنی بیٹیوں کو پیش نہ کرو''۔

اس حدیث میں آپ نے بیٹیوں کو عام قرار دیا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ بیٹیاں جو میرے زیر پرورش ہیں اور آپ نے دونوں قسم کی بیٹیوں کو تحریم میں برابر قرار دیا ہے۔

النساء: ۲۳، میں زیر پرورش کی قید کا مفہوم مخالف معتبر نہ ہونا اور اس قید کا ذکر بہ طور عادت غالبہ ہونا

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ربائب کی نسبت زیر پرورش کی طرف کی ہے یعنی تمہاری بیوی کی جو بیٹیاں تمہارے زیر پرورش ہوں وہ تم پر حرام ہیں، یہ نسبت بہ طور اغلب کے ہے کیونکہ عموماً ان ہی ربائب سے نکاح حرام ہوتا ہے جو مرد کے زیر پرورش رہی ہوں اور اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ مرد کی بیوی کی بیٹی جو اس کے زیر پرورش نہ رہی ہو وہ حرام نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ - (الاحزاب:٥٠) اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے جن کا مہر آپ ادا کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مرد پر اس کی بیویوں کو صرف عقد نکاح سے حلال کیا ہے نہ کہ ان کو مہر ادا کرنے کی وجہ سے کیونکہ یہ امر معقول ہے کہ اگر کوئی مرد عقد نکاح کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس نے ان کا مہر ادا نہ کیا ہو تب بھی اس مرد کی اپنی بیوی پہ طلاق واقع ہو جائے گی جیسا کہ درج ذیل آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً - (البقرۃ:٢٣٦) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کیا ہے کہ بیویوں سے نکاح صحیح ہے خواہ ان کا مہر ادا نہ کیا ہو۔ اور اس سے ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ کے لیے صرف عقد نکاح سے حلال ہو گئی تھیں اور مہر ادا کرنے سے، لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ الاحزاب:٥٠ میں جو مہر ادا کرنے کی قید ہے وہ بہ طور عادت غالبہ کے ہے کیونکہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ لوگ اپنی بیویوں کو مہر ادا کرتے ہیں، اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی کو مہر نہ دیا ہو تو اس کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

اسی طرح النسآء:٢٣ میں جو فرمایا ہے کہ تم پر وہ تمہاری ربائب حرام ہیں جو تمہاری زیر پرورش ہیں، اس آیت میں بھی زیر پرورش کی قید بہ طور عادت غالبہ کے ہے کیونکہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ ربائب مرد کے زیر پرورش ہوتی ہیں۔

علامہ ابن القصار مالکی نے کہا: جمہور کی دلیل یہ ہے کہ ربائب کے حرام ہونے میں زیر پرورش ہونے کی قید کی کوئی تاثیر نہیں ہے اور نہ اباحت میں اس کی کوئی تاثیر ہے کیونکہ بہن اور پھوپھی اور خالہ حرام ہیں۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مرد کی وہ بہن یا پھوپھی یا خالہ اس کی زیر پرورش ہوں یا نہ ہوں۔ اور اگر مرد کے زیر پرورش ہونا تحریم میں موثر ہوتا تو جب کوئی عورت مرد کے زیر پرورش نہ ہو تو وہ حرام نہ ہوتی حالانکہ مرد کی بہن اور اس کی پھوپھی اور خالہ اس مرد کے زیر پرورش نہ ہوں پھر بھی وہ اس پر حرام ہوتی ہیں، سو اسی طرح مرد کی ربائب بھی اگر اس کے زیر پرورش نہ ہوں پھر بھی اس پر حرام ہوں گی۔ لہٰذا غیر مقلدین کا یہ کہنا غلط ہے کہ اگر مرد کی ربائب اس کے زیر پرورش نہ ہوں تو پھر وہ اس پر حرام نہیں ہیں اور ان سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے۔ اور النسآء:٣٨ میں مرد کے زیر پرورش ہونے کی قید عادت غالبہ کے اعتبار سے ہے اور یہ قید احترازی نہیں ہے اور اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ٧ ص ١٧٢۔١٧١، موضحاً و مخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ٨٠٤ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ نے امام بخاری کی اس تعلیق پر وہی دلائل لکھے ہیں جو ان سے پہلے علامہ ابن بطال مالکی متوفی ٤٤٩ھ لکھ چکے تھے۔

(التوضیح ج ٢٤ ص ٣٢٤۔٣٢٠، فتح الباری ج ٦ ص ٢٧٨۔٢٧٧، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

جماع کو دخول، مس اور لمس کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ امام بخاری کی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو دخول کرنے اور مس اور لمس کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد جماع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حیاء کرنے والا اور کریم ہے، وہ صراحتاً جماع کا لفظ ذکر نہیں کرتا بلکہ اس کو کنایہ کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے۔

ربائب کے مطلقاً حرام ہونے کی دلیل

امام بخاری نے اس تعلیق میں کہا کہ جس نے یہ کہا کہ اس کی بیوی کے بیٹے کی بیویاں تحریم میں اس کی بیوی کی بیٹیوں کی مثل ہیں۔ اور اس پر امام بخاری نے اس سے استدلال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تم مجھ پر اپنی بیٹیوں کو پیش نہ کرو''۔ اور اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ بیٹیوں کا لفظ بیٹیوں کی بیٹیوں کو بھی شامل ہے خواہ وہ مرد کے زیر پرورش نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ربائب مطلقاً حرام ہیں کیونکہ اس حدیث میں آپ نے زیر پرورش کی قید نہیں لگائی۔

جو ربائب مرد کے زیر پرورش نہ ہوں ان کے مرد پر حرام ہونے میں فقہاء کا اختلاف

اور امام بخاری نے فرمایا: کیا پھر بھی ربیبہ قرار دیا جائے گا خواہ وہ مرد کے زیر پرورش نہ ہوں۔ امام بخاری نے اس جملہ کو بہ صورت استفہام لکھا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ قرآن مجید میں جو ربائب کے ساتھ مرد کے ساتھ زیر پرورش ہونے کی قید ہے آیا یہ اس کے حرام ہونے کی شرط ہے یا نہیں؟ جمہور فقہاء کے نزدیک ربائب کے حرام ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مرد کے زیر پرورش ہوں اور النسآء: ۲۳ میں زیر پرورش کا ذکر بہ طور عادت غالبہ کے ہے اور اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ اور غیر مقلدین کے نزدیک زیر پرورش ہونا ربائب کے حرام ہونے کی شرط ہے۔ اور اگر وہ ربائب مرد کے زیر پرورش نہ ہوں تو پھر وہ ربائب پر حرام نہ ہوں گی۔

ربائب کے مرد پر حرام ہونے میں اس کے زیر پرورش ہونے کی شرط کی نفی پر امام بخاری کا استدلال

امام بخاری نے اس تعلیق میں کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ربیبہ کو اس کے سپرد کر دیا جو اس کی کفالت کرے۔

علامہ عینی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس حدیث کو اس پر استدلال کرنے کے لیے پیش کیا ہے کہ زیر پرورش ہونا ربائب کے حرام ہونے کی شرط نہیں ہے جیسا کہ غیر مقلدین کا مذہب ہے۔ اس کی توجیہ اور تفصیل یہ ہے کہ امام بزار اور حاکم نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل اشجعی کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی زینب دی اور فرمایا: ''تم صرف اس کو دودھ پلانے والی کے شوہر ہو''۔ پس نوفل اشجعی حضرت زینب بنت سلمہ رضی اللہ عنہا کو لے گئے، پھر دوبارہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ لڑکی کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنی رضائی ماں کے پاس ہیں اور میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں تا کہ آپ مجھے تعلیم دیں، پس آپ نے ان کو یہ تعلیم دی کہ سوتے وقت کون سی سورت کی تلاوت کی جائے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ کی تعلیم دی۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث سنن ابوداؤد میں مذکور ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت ام سلمہ کے متعلق فرمایا: ''اگر یہ میری ربیبہ نہ ہوتی جو میرے زیر پرورش رہی ہے پھر بھی یہ مجھ پر حلال نہیں ہے''۔ اس حدیث سے غیر مقلدین نے یہ استدلال کیا ہے کہ آپ نے اس حدیث میں حضرت زینب بنت ام سلمہ کو اپنے اوپر حرام کرنے کی شرط لگائی کہ وہ میرے زیر پرورش رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرد پر ربیبہ کے حرام ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ مرد کے زیر پرورش رہی ہو۔ تو میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ اس حدیث میں ''میرے زیر پرورش ہونے'' کی قید کی روایت صالح بن احمد نے از والد خود روایت کی ہے اور امام ابوعبید نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ اور علامہ ابن المنذر مالکی اور امام طحاوی حنفی نے کہا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے کیونکہ اس روایت کا ایک راوی ابراہیم بن عبید بن

رفاعہ ہے جو مجہول ہے اور اکثر اہل علم نے اس کو رد کر دیا ہے اور جمہور فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ "تم اپنی بیٹیوں کو اور اپنی بہنوں کو مجھ پر پیش نہ کرو"۔ اور اس حدیث میں آپ نے زیر پرورش کی قید نہیں لگائی، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ صالح بن احمد کی روایت میں بھی یہ قید نہیں ہے۔

حدیث میں نواسہ کو بیٹا فرمانے سے امام بخاری کا مقصد

امام بخاری نے اس تعلیق میں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کے بیٹے یعنی نواسہ کو بیٹا فرمایا کیونکہ "کتاب المناقب" میں یہ حدیث گزری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: "میرا یہ بیٹا سید ہے"۔ اس سے امام بخاری نے ان لوگوں کے قول پر استدلال کیا ہے جنہوں نے کہا: مرد کی پوتیاں بھی تحریم میں اس کی بیٹیوں کے حکم میں ہیں اور اس طرح پوتوں کی بیویاں تحریم میں بیٹیوں کے حکم میں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۴۸۔ ۱۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ علامہ عینی پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے امام بخاری کی اس مغلق تعلیق کو کھول دیا اور اس مشکل تعلیق کو حل کر کے اس کی آسان شرح کی، اس کے برخلاف علامہ ابن بطال، علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر نے اس تعلیق کے اوپر مزید دلائل تو فراہم کیے ہیں لیکن اس تعلیق کو نہ کھولا ہے اور نہ اس کو حل کیا ہے۔

۲۷۔ بَابُ: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ (النسآء: ۲۳)

(اور تم پر حرام کیا گیا ہے) یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو۔ (النسآء: ۲۳)

۵۱۰۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ انْكِحْ أُخْتِي بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ وَتُحِبِّينَ قُلْتُ نَعَمْ لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ وَأَحَبُّ مَنْ شَارَكَنِي فِي خَيْرٍ أُخْتِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِنَّ ذٰلِكِ لَا يَحِلُّ لِي قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فَوَاللهِ إِنَّا لَنَتَحَدَّثُ أَنَّكَ تُرِيدُ أَنْ تَنْكِحَ دُرَّةَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَوَاللهِ لَوْ لَمْ تَكُنْ فِي حَجْرِي مَا حَلَّتْ لِي إِنَّهَا لَابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب کہ عروہ بن الزبیر نے ان کو خبر دی کہ بے شک حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میری بہن بنت ابی سفیان سے نکاح کر لیں، آپ نے پوچھا: "تم پسند کرتی ہو؟" میں نے کہا: جی ہاں! (لیکن) میں آپ کو چھوڑنے والی نہیں ہوں اور میں یہ پسند کرتی ہوں جو اس خیر میں میری شریک ہو وہ میری بہن ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک وہ میرے لیے حلال نہیں ہے"۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پس اللہ کی قسم! بے شک ہم یہ باتیں کر رہے ہیں کہ آپ درہ بنت ابی سلمہ سے نکاح کا ارادہ کر رہے ہیں، آپ نے پوچھا: "ابو سلمہ کی بیٹی؟" میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: "پس اللہ کی قسم! اگر وہ میرے زیر پرورش نہ ہوتی تب بھی وہ میرے لیے حلال نہ ہوتی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ مجھے اور ابو سلمہ کو ثویبہ نے دودھ

پلایا ہے، پس تم مجھ پر اپنی بیٹیوں کو پیش نہ کرو اور نہ اپنی بہنوں کو"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۱ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری ۵۱۰۷، صحیح مسلم: ۱۴۴۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۶، سنن نسائی: ۳۲۸۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۹)

دو بہنوں کو جمع کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف اور غیر مقلدین کا شاذ قول

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو ایک عقد نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔ (النسآء: ۲۳) اور (تم پر حرام کیا گیا ہے) یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم مجھ پر اپنی بہنوں کو پیش نہ کرو"۔ کیونکہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو دو باندیاں آپس میں بہنیں ہوں ان کو وطی میں جمع کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، پس تمام فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ان کو وطی میں جمع کرنا جائز نہیں ہے اور غیر مقلدین کا یہ قول شاذ ہے کہ ان کو وطی میں جمع کرنا اس طرح جائز ہے جس طرح ان کو ملک میں جمع کرنا جائز ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ دو بہنوں کو جمع کرنے کی مخالفت صرف منکوحات میں ہے کیونکہ النسآء: ۲۳ منکوحات میں سے محرمات کے متعلق وارد ہے اور انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: وہ دو باندیاں جو بہنیں ہوں ان کو وطی میں جمع کرنا ایک آیت سے حلال ہے اور دوسری آیت سے حرام ہے۔

امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ جس آیت نے ان کو جمع کرنے کو حلال کیا وہ یہ ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ (النسآء: ۲۴) اور ان کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں۔

اور جس آیت سے ان کو وطی میں جمع کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ النسآء: ۲۳ ہے اور ائمہ فتویٰ میں سے کسی نے بھی اس قول کی طرف التفات نہیں کیا کیونکہ انہوں نے کتاب اللہ کے خلاف اس آیت کی تاویل کی ہے اور جن صحابہ نے اس تاویل کو ناجائز کہا ہے وہ حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر منصب قضا میرے پاس ہوتا تو میں ان لوگوں کو عبرت ناک سزا دیتا جو ان باندیوں کو وطی میں جمع کرتے ہیں جو بہنیں ہیں، اور یہ صحابہ کتاب اللہ کے عالم ہیں اور کلام عرب کے عارف ہیں اور جو ان کی مخالفت کرے اس کی تاویل ضعیف ہے اور وہ مومنین کے طریقہ کی مخالفت کرنے والا ہے۔

غیر مقلدین کی دلیل کا جواب

رہا غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ النسا: ۲۳ صرف منکوحات کی طرف راجع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس آیت کا اول حصہ منکوحات کے ساتھ خاص ہو اور اس آیت کا دوسرا حصہ عام ہو جو باندیوں کو بھی شامل ہو۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اس آیت کے اول حصہ میں ماؤں اور بیٹیوں کا ذکر ہے جن پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر وہ باندیاں ہوں اور اس کے بعد اس آیت میں پھوپھیوں اور خالاؤں کا ذکر ہے جن پر ملکیت ثابت ہوتی ہے (اگر وہ باندیاں ہوں) اسی طرح دو بہنوں کو نکاح اور وطی بالملک دونوں میں جمع کرنے کی ممانعت ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۱۰۷ کی علامہ ابن بطال مالکی کے علاوہ اور کسی نے شرح نہیں کی۔

۲۸- بَابُ: لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا

کسی عورت کا اس کی پھوپھی کے اوپر نکاح نہ کیا جائے

۵۱۰۸- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ سَمِعَ جَابِرًا رضی الله عنه قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا وَقَالَ دَاوُدُ وَابْنُ عَوْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم نے خبر دی از الشعبی، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت کے اوپر اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا۔ اور داؤد اور ابن عون نے کہا از الشعبی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

۵۱۰۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عورت اور اس کی پھوپھی کو (نکاح میں) جمع نہ کیا جائے اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو (نکاح میں) جمع کیا جائے“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۱۰ میں آ رہی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۰۹، ۵۱۱۰، صحیح مسلم: ۱۴۰۸، سنن نسائی: ۳۲۸۸، موطا امام مالک: ۱۱۰۸، مسند الشافعی ج ۱ ص ۲۷۳)

۵۱۱۰- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي قَبِيصَةُ بْنُ ذُؤَيْبٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَالْمَرْأَةُ وَخَالَتُهَا فَنُرَى خَالَةَ أَبِيهَا بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے قبیصہ بن ذویب نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس سے منع کیا کہ کسی عورت کا اس کی پھوپھی کے اوپر نکاح کیا جائے اور عورت کا اس کی خالہ کے اوپر نکاح کیا جائے پس ہم سمجھتے ہیں کہ عورت کے باپ کی خالہ بھی اس کی خالہ کے حکم میں ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۹ کے مطابق ہے۔

۵۱۱۱- لِأَنَّ عُرْوَةَ حَدَّثَنِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَرِّمُوا مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔

کیونکہ عروہ نے مجھ سے بیان کیا از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہوں نے کہا: رضاعت سے ان رشتوں کو حرام قرار دو جو رشتہ نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۴، میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۲۶۴۴، ۲۷۹۶، ۴۱۰۳، ۵۱۰۳، ۵۱۱۱، ۵۲۳۹، ۶۱۵۶، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن نسائی: ۳۳۱۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴۸، سنن ترمذی: ۱۱۵۱)

عورت، اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنے کے متعلق فقہاء مذاہب کی تفصیل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری، المالکی، المتوفی ۴۴۹ھ ان چاروں احادیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ عورت اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے خواہ اس کی پھوپھی اونچے درجہ کی ہو اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کیا جائے خواہ وہ اوپر کے درجہ کی ہو۔

اور عبدالملک بن حبیب نے کہا: عورت اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے اور اس کے باپ کی پھوپھی کو بھی نکاح میں جمع نہ کیا جائے اور اس کی پھوپھی کی پھوپھی کو بھی نکاح میں نہ جمع کیا جائے اور اس طرح عوت کو اور اس کی خالہ کی خالہ کو اور اس کی ماں کی خالہ کو اور اس کی ماں کی پھوپھی کو بھی نکاح میں نہ جمع کیا جائے، عبدالملک نے کہا: رہی اس کی پھوپھی کی خالہ تو ابن الماجشون نے مجھ سے کہا کہ اگر پھوپھی کی ماں اور باپ کی ماں دونوں ایک ہیں تو یہ خالہ کی مثل ہیں کیونکہ وہ اس کے باپ کی خالہ ہے اور اگر پھوپھی کی ماں اس کے باپ کی ماں کی غیر ہے تو ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ صرف اجنبی عورت ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا: اور میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو نکاح میں جمع کرنے کے متعلق اختلاف کیا گیا ہو سوائے خوارج کے ایک فرقہ کے اور جب کوئی حکم سنت سے اور اہل علم کے اجماع سے ثابت ہو تو پھر اس میں کسی کی مخالفت مضر نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت کے متعلق دیگر احادیث

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد المعروف بابن الملقن الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ ان چاروں احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شعبی سے روایت ہے کہ عورت کا اس کی پھوپھی کے اوپر نکاح نہ کیا جائے اور نہ اس کی خالہ کے اوپر اس کا نکاح کیا جائے اور نہ پھوپھی کا نکاح اس کی بھتیجی کے اوپر کیا جائے اور نہ خالہ کا نکاح اس کی بھانجی کے اوپر کیا جائے اور نہ چھوٹی کے اوپر بڑی کا نکاح کیا جائے اور نہ بڑی کے اوپر چھوٹی کا نکاح کیا جائے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۵، السنن الکبریٰ: ۵۴۳۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۶۶)

امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم ایسا کرو گے تو رحم کو قطع کرو گے''۔ (المعجم الکبیر: ۱۱۹۳۱)

امام ابوداؤد نے عیسیٰ بن طلحہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کسی عورت کا اس کے قریبی رشتہ دار کے اوپر نکاح کیا جائے تاکہ قطع رحم نہ ہو۔ (مراسیل ابوداؤد ص ۱۸۲)

امام ابن ماجہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی عورت کا اس کی پھوپھی کے اوپر نکاح نہ کیا جائے اور نہ اس کی خالہ کے اوپر نکاح کیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۰)

امام ابن ابی شیبہ نے سند جید کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں یہ فرمایا: اور ان سے دوسری روایت ہے کہ ایک شخص کو اس پر مارا گیا کہ اس نے ایک عورت کے اوپر اس کی خالہ کا نکاح کیا تھا

اوران کے درمیان تفریق کردی گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۷۶۵۔ ۱۶۷۶۳)

اور جب یہ ثابت ہو گیا تو اس پر اجماع ہے کہ عورت اور اس کی بہن کو ایک نکاح میں نہ جمع کیا جائے خواہ اوپر کے درجہ کی ہو اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کیا جائے خواہ وہ اس کے اوپر کے درجہ کی ہو اور نہ عورت کا اس کی بھتیجی کے اوپر نکاح کرنا جائز ہے اور نہ اس کی بھانجی کے اوپر نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ نچلے درجہ کی ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۳۱۔ ۳۲۷، ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

احادیث مذکورہ سے کتاب اللہ پر اضافہ اور رضاعی پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان چاروں احادیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں تو صرف دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان احادیث میں پھوپھی اور بھتیجی کو اور خالہ اور بھانجی کو بھی ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان احادیث مشہورہ میں سے ہے جن کی مثل سے ''کتاب اللہ'' پر اضافہ کرنا جائز ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ان احادیث کی وجہ سے پھوپھی، بھتیجی، خالہ اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع نہیں کیا جائے گا، اور خوارج کے ایک فرقہ نے جو اس کی مخالفت کی ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس حدیث کے حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی مرد کا رضاعی پھوپھی اور بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، اسی طرح رضاعی خالہ اور بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، کیونکہ جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان شارحین سے زائد کوئی بات نہیں لکھی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۰۔ ۲۷۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۹۔ بَابُ: الشِّغَارِ

شغار یعنی ادلہ بدلہ کے نکاح کا حکم

شغار کا معنی اور نکاح شغار کی وجہ تسمیہ

علامہ المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ شغار کا معنی بیان کرتے ہوتے ہوئے لکھتے ہیں:

شغار زمانہ جاہلیت کا نکاح ہے، اس میں یہ ہوتا تھا کہ تم مجھ سے اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کر دو اور میں اس کے بدلہ میں تم سے اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور اس نکاح میں کوئی مہر نہ ہو اور ہر عورت دوسری عورت کی فرج کے عوض میں ہو۔ شغار کا لغوی معنی ارتفاع اور اٹھانا ہے، جس طرح کتا پیشاب کرتے وقت اپنی ایک ٹانگ کو اٹھاتا ہے تو اس کو شغار کہتے ہیں اور چونکہ اس نکاح میں بھی مہر کو اٹھا دیا جاتا ہے اس لیے اس کو نکاح شغار کہتے ہیں۔ اسی طرح مرد جماع کے وقت عورت کی ٹانگیں اٹھاتے ہیں اسے بھی شغار کہتے ہیں۔ (النہایہ ج ۲ ص ۴۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

۵۱۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ ابْنَتَهُ لَيْسَ بَيْنَهُمَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا اور شغار یہ ہے کہ ایک

صَدَاقٌ۔

اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے سے کر دے اور اس کے عوض میں دوسرا اپنی بیٹی کا نکاح اس مرد سے کر دے اور ان دونوں کے درمیان کوئی مہر نہ ہو۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۱۲، ۶۹۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۰۷۴، سنن ترمذی: ۱۱۲۴، سنن نسائی: ۳۳۳۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۳، الموطا ج ۲ ص ۵۳۵، مسند الشافعی ج ۲ ص ۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۴۹۷، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۶، المنتقی: ۷۱۹، مسند ابویعلی: ۵۷۹۵، صحیح ابن حبان: ۴۱۵۲، حلیۃ الاولیاء: ج ۶ ص ۳۵۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۹۹، کتاب المعرفہ للبیہقی: ۱۴۰۷۲، شرح السنۃ: ۲۲۹۱، مسند احمد ج ۲ ص ۷، مسند احمد: ۴۵۲۶، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

نکاح شغار کے شرعی حکم کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری المالکی القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ نکاح شغار جائز نہیں ہے خواہ مرد نے عورت کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اور یہ نکاح ہمیشہ منسوخ کر دیا جائے گا، امام ابوعبیدہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام احمد، اللیث، الثوری، اسحاق اور ابوالثور کا مذہب یہ ہے کہ نکاح شغار جائز ہے اور ہر فریق پر مہر مثل لازم ہوگا، عطاء، مکحول اور الزہری کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: تیسرا قول یہ ہے کہ اگر دونوں نے عورتوں کے ساتھ دخول نہیں کیا ہے تو نکاح فسخ کر دیا جائے گا اور اگر دخول کیا ہے تو دونوں پر مہر مثل لازم ہوگا۔

نکاح شغار کے جواز پر امام ابوحنیفہ اور امام احمد کی دلیل

جن فقہاء نے کہا ہے کہ نکاح شغار کا عقد صحیح ہے اور ان پر مہر مثل لازم ہے وہ کہتے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ خمر اور خنزیر کو کسی مسلمان کے لیے مہر مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ اس طرح غرر اور مجہول کو بھی مہر مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ (غرر کی صورت یہ ہے کہ کوئی مرد کہے: اس بکری کے پیٹ میں جو ہے وہ تمہارا مہر ہے اور مجہول کی صورت یہ ہے کہ اس جال میں جتنی مچھلیاں ہیں وہ تمہارا مہر ہوگا۔ سعیدی غفرلہ)

ادلہ بدلہ کو مہر قرار دینا مہر فاسد ہے اور اس پر اجماع ہے کہ مہر فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا اور اس میں مہر مثل لازم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر مہر کے بھی نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ (البقرہ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کو مہر نہ دیا ہو۔

پس جب مرد نے طلاق واقع کر دی تو یہ اس کی دلیل ہے کہ بغیر مہر کے بھی نکاح صحیح ہے کیونکہ طلاق صرف بیویوں پر واقع ہوتی ہے اور ان کا بیویاں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر مہر کے بھی نکاح صحیح ہے۔

نکاح شغار کے عدم جواز پر امام مالک اور امام شافعی کی دلیل

جن لوگوں نے نکاح شغار کو باطل قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے اور ممانعت

تحریم اور فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جن فقہاء نے نکاح شغار کو بغیر مہر کے نکاح پر قیاس کیا ہے یہ ان کی غفلت ہے کیونکہ نکاح شغار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، لہٰذا اس کو بغیر مہر کے نکاح پر قیاس کرنا ان کی شدید غفلت ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن بطال کی فقہاء احناف کے خلاف اس دلیل کا عنقریب جواب آئے گا۔ سعیدی غفرلہ)

نکاح شغار میں مہر مقرر کرنے کی صورت میں مذاہب فقہاء

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے کہا: میں تم سے اپنی بہن کا نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم بھی اپنی بہن کا مجھ سے نکاح کر دو۔ اور اس شرط پر کہ وہ دونوں ان میں سے ہر عورت کا مہر مقرر کریں یا وہ دونوں کسی ایک عورت کا مہر مقرر کریں، امام شافعی اور ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ یہ وہ شغار نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور یہ نکاح ثابت ہے اور مہر فاسد ہے اور ان میں سے ہر عورت کے لیے مہر مثل ہوگا، اگر اس نے اس عورت کے ساتھ دخول کیا یا عورت مر گئی یا شوہر مر گیا اور عورت کے لیے نصف مہر ہو گا اگر شوہر نے اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی اور امام مالک نے اس نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے اور ان کی رائے میں یہ شغار ہے اور فقہاء احناف نے اس نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور عورت کو وہ مہر ملے گا جو مقرر کیا گیا ہے، اور امام احمد بن حنبل نے کہا: جب شغار میں مہر مقرر کیا جائے تو پھر وہ شغار نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۷۹۔۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نکاح شغار کے عدم جواز کے متعلق احادیث

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام میں شغار نہیں ہے''۔ (صحیح مسلم: ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷)

امام ابو داؤد سند جید کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ عباس بن عبد اللہ نے عبد الرحمٰن بن الحکم سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور ان سے عبد الرحمٰن نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور انہوں نے اس تبادلہ (آنٹے سانٹے) کو مہر قرار دیا۔ تب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن الحکم کو حکم دیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے اور اپنے مکتوب میں لکھا کہ یہ وہ شغار ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابو داؤد: ۲۰۷۵، مسند احمد ج ۴ ص ۹۴)

امام ترمذی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں شغار نہیں ہے''۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۲۳)

نکاح شغار کے متعلق غیر مقلدین کا موقف

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

نکاح شغار جائز نہیں ہے عام ازیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مہر مقرر کرے یا کوئی ایک مہر مقرر کرے اور دوسرا مہر مقرر نہ کرے یا دونوں میں سے کوئی بھی مہر مقرر نہ کرے یہ تمام صورتیں برابر ہیں اور یہ نکاح ہمیشہ منسوخ کیا جائے گا، اس نکاح میں نہ نفقہ ہے، نہ میراث ہے، نہ مہر ہے اور زوجیت کے احکام میں سے کوئی حکم نہیں ہے، پس اگر نکاح شغار کرنے والا عالم ہے تو اس پر پوری حد لگے گی اور اس کی اولاد کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ جاہل ہو تو اس پر حد نہیں ہوگی اور اس کی اولاد اس کے

ساتھ لاحق ہو جائے گی اور یہی حکم عورت کا بھی ہے۔ (المحلی ج ۹ ص ۵۱۴۔ ۵۱۳ ملخصا، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۹ھ)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۴۲۔ ۳۳۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی نکاح شغار کے عدم جواز میں یہی دلائل لکھے ہیں:

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۲۔ ۲۸۱ ملخصا، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نکاح شغار کے باطل ہونے پر غیر مقلدین کے دلائل

مشہور غیر مقلد شیخ محمد صدیق بن حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نکاح شغار کے باطل ہونے پر دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ نکاح شغار مہر مثل کے ساتھ جائز ہے، امام احمد بن حنبل کی بھی ایک یہی روایت ہے۔

شیخ محمد صدیق بن حسن لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ احادیث صریحہ میں نکاح شغار کی ممانعت ہے اور ممانعت تحریم میں حقیقت ہے جو فساد کا تقاضا کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں یہ صریح حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام میں شغار نہیں ہے''۔ اور شیخ شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے لکھا ہے کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ شغار حرام، باطل ہے۔

ابو ریحانہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المشاغرہ سے منع فرمایا ہے اور مشاغرۃ یہ ہے کہ کوئی شخص کہے: اس مرد کا اس عورت سے نکاح کر دو اور اس عورت کا اس مرد سے نکاح کر دو بغیر مہر کے۔ (نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۷۸)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شغار نہیں ہے''۔ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! شغار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ایک عورت کا دوسری عورت کے بدلہ میں نکاح کرنا ان دونوں میں مہر کے بغیر''۔ (المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۵۵۹) علامہ نووی نے کہا: یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس مقام کے مناسب ہے۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۹ ص ۱۸۲)

(السراج الوہاج فی کشف مطالب مسلم بن الحجاج، ج ۳ ص ۳۷۱۔ ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

شیخ محمد بن حسن بھوپالی نے شرح صحیح البخاری میں بھی ان ہی دلائل کا خلاصہ لکھا ہے۔

(عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

ایک اور غیر مقلد نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

جمہور علماء اور اہل حدیث کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے اور حنفیہ کہتے ہیں: نکاح درست ہو جائے گا، اور ہر ایک کو مہر مثل دینا ہو گا، شغار کی یہ تفسیر بعضے کہتے ہیں: حدیث میں داخل ہے، بعضے کہتے ہیں ابن عمر یا امام مالک کا قول ہے۔

(تیسیر القاری ج ۵ ص ۹۴ نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۰ء)

نکاح شغار کے جواز پر امام ابوحنیفہ کی طرف سے دلائل

شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی الحنفی التوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر فریق نے ہر عورت کی فرج کے مقابلہ میں اس چیز کو مقرر کیا ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، پس گویا کہ اس نے خمر یا خنزیر پر نکاح کیا اور کیونکہ فرج میں مہر بننے کی صلاحیت نہیں ہے تو اشتراک متحقق نہیں ہوا، پس یہ شرط فاسد ہوئی اور نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر مرد نے یہ شرط لگائی کہ وہ یہ عورت کسی اور کو ہبہ کرے گا یا اسی طرح کی کوئی باطل شرط لگائی۔ اس کے برخلاف جب عورت نے اپنا نکاح دو مردوں سے کر دیا کیونکہ وہ عورت ان میں سے ہر ایک کی منکوحہ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اب اشتراک کا معنی متحقق ہو جائے گا، اور امام شافعی (اور امام مالک) نے جو اس حدیث

سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے ان کا یہ استدلال باطل ہے کیونکہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب نکاح مہر سے خالی ہو اور اس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ مرد کسی عورت سے دوسری عورت کے بدلہ میں نکاح کرے اور اس میں کسی کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شغار کا لغت میں معنی یہ ہے کہ کتا پیشاب کرنے کے لیے اپنی ایک ٹانگ کو اٹھائے اس کو شغر الکلب کہتے ہیں اور بلدۃ شاغرۃ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شہر سلطان یا حاکم سے خالی ہو اور آپ کی مراد اس سے یہ ہے کہ کسی عورت کا نکاح مہر سے خالی نہ ہو اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر اس نے دو عورتوں میں سے ہر ایک کے لیے مہر مقرر کیا تو ان میں سے ہر ایک کو وہ مہر ملے گا جو مقرر کیا گیا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ ایک عقد دوسرے عقد کے ساتھ مشروط ہے یہاں موثر نہیں ہوگا کیونکہ یہ شرط فاسد ہے اور نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا۔

(المبسوط ج ۵ ص ۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ''کسی عورت کا عورت کے بدلہ میں نکاح کیا جائے اور ان میں سے کسی کا مہر نہ ہو''۔ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ مہر کا ذکر ترک کر دیا گیا ہے اور عین نکاح سے ممانعت نہیں ہے، پس نکاح صحیح رہے گا۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۴۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نکاح شغار کے متعلق مصنف کے دلائل

میں کہتا ہوں: علامہ کاسانی کی درج کردہ حدیث کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے، راوی کہتا ہے کہ میں نے نافع سے پوچھا: شغار کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ایک مرد اپنی بیٹی کا نکاح کرے اور دوسرا اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دے اور ایک مرد اپنی بہن کا نکاح کرے اور دوسرا اس سے اپنی بہن کا نکاح کر دے بغیر مہر کے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۹، مسند احمد: ۴۶۹۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ از عبید اللہ روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از حضرت عبد اللہ (بن عمر) رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ عبید اللہ نے کہا: میں نے نافع سے پوچھا: شغار کیا ہے؟ انہوں نے کہا: کوئی مرد کسی مرد کی بیٹی سے نکاح کرے اور وہ مرد اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے بغیر مہر کے، اور وہ کسی مرد کی بہن سے نکاح کرے اور وہ اپنی بہن کا نکاح اس سے کر دے بغیر مہر کے۔ (امام بخاری کہتے ہیں:) بعض الناس (یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ) نے کہا: اگر وہ یہ حیلہ کرے اور بر طریقہ شغار نکاح کرے تو وہ جائز ہے اور شرط باطل ہے اور المتعہ میں انہوں نے کہا کہ نکاح فاسد ہے اور شرط باطل ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ المتعہ اور الشغار جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۹۶۰)

میں کہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اس حدیث سے اس وجہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے اس صورت میں منع فرمایا ہے جب وہ مہر سے خالی ہو اور نفس نکاح کو باطل نہیں فرمایا، پس شغار میں نکاح صحیح ہوگا اور فریقین نے جو یہ شرط لگائی ہے کہ ہر عورت کی فرج دوسری عورت کی فرج کے عوض ہوگی یہ شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا اور چونکہ مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔

رہا امام بخاری کا یہ اعتراض کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ شغار جائز ہے اور شرط باطل ہے تو امام بخاری کی یہ نقل صحیح نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ اس شرط کو باطل نہیں فرماتے بلکہ اس کو شرط فاسد فرماتے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی مبسوط سرخسی ج ۵ ص ۱۰۰ کے حوالہ سے لکھا ہے، اور شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا۔ اور امام بخاری نے جو یہ نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے المتعہ میں کہا کہ نکاح فاسد ہے اور شرط باطل ہے، سو امام ابوحنیفہ نے المتعہ کو نکاح فاسد نہیں بلکہ نکاح باطل کہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تصریح درج ذیل ہے:

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

نکاح موقت جائز نہیں ہے اور یہی نکاح المتعہ ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۴۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ کاسانی اس بحث میں لکھتے ہیں:

اور نکاح الموقت نکاح متعہ ہے اور المتعہ منسوخ ہے اور یہ اس کی طرح ہو گیا جس نکاح میں اضافت کی گئی ہو اور وہ صحیح نہیں ہوتا اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ نکاح صحیح ہے اور اضافت باطل ہے کیونکہ جو نکاح مضاف ہو وہ صحیح نہیں ہوتا، اسی طرح یہ نکاح بھی صحیح نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۴۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

امام بخاری پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ان کو چاہیے تھا کہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز پر اعتراض کرنے سے پہلے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی تحقیق کر لیتے لیکن جب کسی انسان کو کسی پر اعتراض کرنے کی دھن سوار ہو تو اس سے اس قسم کی فروگزاشت ہو جاتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ شغار کے جواز کی بحث میں لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے ممانعت شغار کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے کہ جب نکاح مہر سے خالی ہو اور اس میں صرف عورتوں کی ایک دوسرے کی فرج کے ساتھ تبادلہ پر اکتفاء کیا گیا ہو اور اس میں کوئی مال بہ طور مہر واجب نہ ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا یا پھر یہ ممانعت کراہت (تنزیہی) پر محمول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے نکاح شغار کے جواز میں بہ طور دلیل علامہ عینی کی اسی عبارت کا ترجمہ کیا ہے۔

(کشف الباری، کتاب فضائل القرآن ص ۲۱۶، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

۳۰۔ بَابٌ: هَلْ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَهَبَ نَفْسَهَا لِأَحَدٍ — آیا عورت کسی کو اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے؟

اگر کوئی عورت کسی مرد کو اپنا نفس ہبہ کر دے تو اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنا نفس کسی مرد کو ہبہ کر دے بایں طور کہ وہ کہے: میں نے اپنا نفس تمہارے لیے ہبہ کر دیا اور مرد یہ کہے: میں نے قبول کر لیا اور مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو فقہاء کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ یہ باطل ہے اور ان الفاظ سے یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور المغیرہ اور ابن دینار اور ابوثور کا بھی

یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری نے یہ کہا ہے کہ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور اس عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوگا اور اسی طرح لفظ صدقہ اور لفظ بیع سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے بغیر نکاح یا تزویج کے لفظ کے اور یہ نکاح صحیح ہے اور امام شافعی کے نزدیک صرف نکاح یا تزویج کے لفظ سے ہی نکاح منعقد ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَتْ خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيمٍ مِنَ اللَّائِي وَهَبْنَ أَنْفُسَهُنَّ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَمَا تَسْتَحِي الْمَرْأَةُ أَنْ تَهَبَ نَفْسَهَا لِلرَّجُلِ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ﴾ (الاحزاب: ۵۱) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَرَى رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ رَوَاهُ أَبُو سَعِيدٍ الْمُؤَدِّبُ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ وَعَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ يَزِيدُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے کہ حضرت خولہ بنت حکیم ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے اپنے نفسوں کو نبی ﷺ کے لیے ہبہ کر دیا تھا، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا عورت اس سے حیاء نہیں کرتی کہ اپنا نفس مرد کو ہبہ کرے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ (الاحزاب: ۵۱) ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں۔ تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں صرف یہی دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے۔ اس حدیث کی ابوسعید المؤدب، محمد بن بشر اور عبدۃ نے ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے اور ان میں سے بعض دوسروں کی روایت پر اضافہ کرتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۸۸ میں گزر چکی ہے، تاہم بعض ضرور امور بیان کیے جا رہے ہیں:

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۷۸۸، ۵۱۱۳، صحیح مسلم: ۱۴۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۵۵)

لفظ ہبہ سے انعقاد نکاح میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے: جس عورت نے خود کو ہبہ کیا ہو یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ آپ کے بعد کسی عورت سے بغیر مہر کے نکاح کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ (الاحزاب: ۵۰)

اور وہ مومنہ عورت بھی (آپ کے لیے حلال ہے) جس اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں، صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے

اور اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا لفظ ہبہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے مثلاً مرد کہے: میں نے اپنی بیٹی تم کو ہبہ کر دی خواہ مہر مقرر کرے یا نہ کرے اور وہ اس لفظ سے نکاح کا ارادہ کرتا ہو، تو ابن القاسم نے کہا: میرے نزدیک یہ نکاح جائز ہے جیسے امام مالک کے نزدیک بیع جائز ہے کیونکہ جس شخص نے کہا کہ میں تم کو یہ سامان ہبہ کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے اتنی اتنی رقم دو تو یہ بیع ہے۔

ابن المواز نے کہا: امام مالک اور ان کے اصحاب کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جب کسی مرد نے بہ طور ہبہ کے نکاح کیا تو وہ نکاح دخول سے پہلے فسخ کر دیا جائے گا اور اگر اس نے دخول کر لیا تو پھر اس میں اختلاف ہے۔ ابن القاسم اور عبد الملک نے کہا کہ یہ نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا اور اس کو مہر مثل دینا ہوگا، امام ابوحنیفہ اور ثوری کا بھی یہی قول ہے اور اشہب، ابن عبد الحکم، ابن وہب اور اصبغ نے کہا ہے کہ یہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا اگرچہ اس نے دخول کر لیا ہو، اصبغ نے کہا: کیونکہ یہ اس کا فرج میں فساد ہے، اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، انہوں نے کہا کہ لفظ ہبہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، ان کے نزدیک نکاح صرف لفظ نکاح یا لفظ تزویج سے منعقد ہوتا ہے اور مغیرۃ اور ابن دینار کا بھی یہی قول ہے۔

لفظ ہبہ سے عدم انعقاد نکاح پر دلائل

جن فقہاء نے کہا ہے کہ لفظ ہبہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے جیسا کہ الاحزاب: ۵۰ سے ظاہر ہے۔ اگر کسی اور کا نکاح لفظ ہبہ کے ساتھ منعقد ہو تو پھر اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں رہے گی اور جب ان کا اجماع ہے کہ ہبہ لفظ نکاح سے منعقد نہیں ہوتا، اسی طرح نکاح بھی لفظ ہبہ سے منعقد نہیں ہوگا۔

لفظ ہبہ سے انعقاد نکاح پر دلائل

جو فقہاء کہتے ہیں کہ لفظ ہبہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنا نفس ہبہ کیا تھا اس کا یہ قصد تھا کہ وہ لفظ ہبہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ نکاح اس لفظ سے منعقد نہیں ہوتا اور رہا ان کا یہ کہنا کہ لفظ ہبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ بغیر مہر کے نکاح فرمالیں اور دوسروں کے لیے بغیر مہر کے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور رہا ان کا یہ کہنا کہ جب لفظ نکاح سے ہبہ منعقد نہیں ہوتا تو اسی طرح لفظ ہبہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے کیونکہ کوئی شخص جب یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی باندی سے نکاح کر لیا تو اس سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ اس نے اس باندی کو ہبہ کر دیا ہے اور اس لفظ سے تملیک نہیں ہوتی اور ہبہ کے لفظ سے تملیک ہو جاتی ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۴۹۔ ۳۴۷، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس مسئلہ میں فقہاء احناف کے خلاف لفظ ہبہ سے نکاح کے باطل ہونے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اس کا جواب علامہ ابن بطال مالکی کی شرح میں آ گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بغیر مہر کے نکاح کرنا ہے اور یہ کہ آپ نے عام مسلمانوں کو لفظ ہبہ کے ساتھ نکاح سے منع نہیں فرمایا۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۲۸۲ ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۳۱۔ بَابُ: نِكَاحِ الْمُحْرِمِ — محرم کا نکاح

حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک نکاح سے ممانعت کی حدیث کا صحیح نہ ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے اس پر استدلال کیا ہے کہ محرم کا نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ انہوں نے اس باب میں صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب آپ محرم تھے، اور حالت احرام میں نکاح سے ممانعت کی حدیث کو روایت نہیں کیا گویا کہ وہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔

(فتح الباری ج۶ ص ۲۸۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ محرم کا نکاح کرنا جائز ہے اور حافظ ابن حجر نے جو یہ کہا ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے اور ممانعت کی حدیث روایت نہیں کی تو یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ امام بخاری کا اس حدیث کو روایت نہ کرنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اگر بالفرض امام بخاری کے نزدیک حدیث صحیح نہ ہو تو اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ حدیث دوسرے ائمہ کے نزدیک صحیح ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ عینی حنفی کے اس قوی اعتراض کا انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۲۹۱، میں کوئی جواب نہیں لکھا اور گویا کہ انہوں نے اپنا لاجواب ہونا تسلیم کر لیا اور اپنی شکست تسلیم کر لی۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۱۱۴۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ أَنْبَأَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں جابر بن زید نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیا اور اس وقت آپ محرم تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۸۳۷، میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۱۸۳۷، ۵۱۱۴، صحیح مسلم: ۱۴۱۰، سنن ترمذی: ۸۴۵، سنن نسائی: ۳۲۶۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۵، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۹۱۹، صحیح ابن حبان: ۴۱۲۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۵، مسند احمد: ۲۲۰۰)

محرم کے نکاح کرنے کی حدیث پر فقہاء شافعیہ کے چار اعتراضات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی شافعی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں فقہاء احناف پر اعتراضات کیے ہیں، انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے

کہا ہے کہ محرم کا نکاح کرنا صحیح ہے جیسا کہ حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے، پھر انہوں نے امام ابوحنیفہ پر چار اعتراضات کیے ہیں:

(۱) خود حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو آپ حلال تھے، یعنی آپ نے احرام باندھا ہوا نہیں تھا، اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ جاننے والی تھیں۔

(صحیح مسلم:۱۴۱۱، سنن ترمذی:۸۴۱، السنن الکبریٰ للنسائی:۵۴۰۲، مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۲، صحیح ابن حبان:۴۱۳۰، سنن بیہقی ج ۵ ص ۶۶، سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۶۲، موطا امام مالک:۱۵۳۶)

(۲) اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محرم تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حرم میں تھے، اور جو شخص حرم میں ہو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ محرم ہے اگر چہ اس نے احرام باندھا ہوا نہ ہو اور وہ حلال ہو۔

(۳) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''محرم نہ خود نکاح کرے نہ اس کا نکاح کیا جائے اور نہ وہ نکاح کا پیغام دے''۔ (صحیح مسلم:۱۴۰۹، مصنف ابن ابی شیبہ:۱۲۹۵۹۔۱۲۹۵۸)

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آپ نے حضرت میمونہ سے اس وقت نکاح کیا جب آپ محرم تھے اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے محرم کو نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، سو آپ کے فعل اور آپ کے قول میں تعارض ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب آپ کے قول اور فعل میں تعارض ہو تو آپ کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور آپ کا قول یہ ہے کہ محرم کا نکاح کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا مسلم کی روایت راجح ہے۔

(۴) صحیح بخاری کی روایت اس پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت احرام میں نکاح کیا، سو یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اور صحابہ اور تابعین میں سے اہل علم نے کہا ہے کہ محرم کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث ہے:

ابان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ اس کا نکاح کیا جائے اور نہ وہ نکاح کا پیغام دے''۔

(صحیح مسلم:۱۴۰۹، سنن ابوداؤد:۱۸۴۱، سنن ترمذی:۸۴۰، سنن نسائی:۲۸۴۲، سنن ابن ماجہ:۱۹۶۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی ان اعتراضات کا ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۴۔۲۸۳ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے بھی ان چار اعتراضات کا ذکر کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۴۲۵۔۴۱۶ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

فقہاء شافعیہ کے چار مذکورہ اعتراضات کے جوابات (حالت احرام میں نکاح کے جواز کے متعلق احادیث)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان اعتراضات کے جوابات میں لکھتے ہیں:

(۱) ان لوگوں کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہے کہ حضرت میمونہ اپنے اس نکاح کے واقعہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ جاننے والی تھیں، حالانکہ حضرت میمونہ نکاح کے اس حصہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں ملی تھیں۔ علاوہ ازیں صحابہ کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے موافق روایات کی ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور آپ محرم تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۹۶۴۔۱۲۹۵۶)

اور امام دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا اور آپ اس وقت محرم تھے۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۶۲، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۷۰)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں: امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ محرم کے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ وہ محرم سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، نیز امام طحاوی نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن محمد بن ابوبکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے محرم کے نکاح کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اس نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ نکاح تو بیع کی مثل ہے۔ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اور امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے نکاح کیا اور آپ اس وقت محرم تھے۔ اور اسی طرح امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے کسی کے ساتھ نکاح کیا اور آپ اس وقت محرم تھے۔

ان احادیث کی روایت کے بعد امام طحاوی لکھتے ہیں:

جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے جس وقت نکاح کیا تو آپ محرم تھے یہ تمام صحابہ اہل علم تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اصحاب میں سے سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، طاؤس، مجاہد، عکرمہ اور جابر بن زید رحمہم اللہ ہیں اور یہ تمام فقہاء تابعین ہیں اور ان کی روایات اور ان کی آراء سے استدلال کیا جاتا ہے اور جن تبع تابعین نے ان سے روایت کی ہے وہ بھی اہل علم اور فقہاء ہیں، ان میں سے عمرو بن دینار، ایوب سختیانی اور عبداللہ بن ابی نجیح ہیں اور یہ تمام ائمہ ہیں اور ان کی روایات کی اقتداء کی جاتی ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۵۶۔ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے احرام کے بغیر نکاح کرنے کی حدیث کی سند پر جرح اور تنقید

علامہ عینی لکھتے ہیں: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے اس کی سند کا ایک راوی زید بن الاصم ہے، اس کو عمرو بن دینار نے الزہری سے خطاب کے دوران ضعیف قرار دیا ہے اور زہری نے اس پر انکار کر کے اس کو ترک کر دیا، اور اہل علم نے اس کی روایت کی اور اس کو اس وجہ سے دیہاتی اور گنوار قرار دیا کہ یہ اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرتا تھا اور اس کی روایت کیسے معتبر ہوگی حالانکہ اس کو بہت زیادہ مطعون کیا گیا ہے اور یہ شخص سنت سے جاہل تھا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ زہری نے اس کی روایت سے استدلال کیا ہے تو میں کہوں گا کہ زہری کا استدلال اس سے عمرو بن دینار کے طعن کو دور نہیں کرتا کیونکہ عمرو بن دینار فی نفسہ حجت اور ثبت ہیں اور وہ زہری سے کم نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں بعض ماہرین رجال نے عمرو بن دینار کو عطاء، مجاہد اور طاؤس پر ترجیح دی ہے۔

اور امام ترمذی نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بغیر احرام کے نکاح کرنے کی جو روایت کی ہے اس کی سند میں ایک راوی مطر الوراق ہے، اور امام طحاوی نے کہا: مطر ان کے نزدیک قابل استدلال ہے اور امام نسائی نے کہا: مطر بن طہمان الوراق قوی نہیں ہے۔ اور امام احمد نے کہا: یہ بد حافظہ تھا اور اگر بالفرض ہم اس کو معتبر تسلیم کر لیں تو اس کی توثیق اور ضبط پر اجماع نہیں ہے اور یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے پائے کی نہیں ہے جس کی امام بخاری نے روایت کی ہے اور جس میں مذکور ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا۔

(۲) علامہ نووی نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت میمونہ سے نکاح کیا تو آپ محرم تھے۔اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت آپ حرم میں تھے۔اس کا جواب یہ ہے کہ الجوہری نے اس کے خلاف کہا ہے،انہوں نے کہا کہ احرم الرجل کا معنی ہے: جب آدمی حرمت کے مہینوں میں داخل ہو۔نیز امام بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے جب حضرت میمونہ سے نکاح کیا تو آپ محرم تھے اور جب آپ نے ان کے ساتھ شب زفاف گزاری اس وقت آپ محرم نہیں تھے۔امام بخاری کی یہ روایت علامہ نووی کی اس تاویل کا رد کرتی ہے۔

(۳) علامہ نووی نے کہا تھا کہ حالت احرام میں نکاح کرنے کی حدیث میں آپ کے فعل کا بیان ہے۔اور جس حدیث میں آپ نے حالت احرام میں نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے وہ آپ کا قول ہے اور قول فعل پر راجح ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علماء اصول کے نزدیک یہ قاعدہ متفق علیہ نہیں ہے بلکہ اس میں اختلاف ہے۔علاوہ ازیں دو حدیثوں میں تعارض اس وقت ہوتا ہے جب وہ دونوں حدیثیں مساوی درجہ کی ہوں اور حضرت میمونہ سے حالت احرام میں نکاح کرنے کی روایت صحیح بخاری میں ہے اور ممانعت کی حدیث صحیح مسلم میں ہے اور یہ دونوں حدیثیں مساوی نہیں ہیں۔

(۴) علامہ نووی نے کہا کہ حالت احرام میں نکاح کرنا آپ کی خصوصیت ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض دعویٰ ہے جس پر دلیل کوئی نہیں ہے۔

حالت احرام میں نکاح سے ممانعت کی حدیث کی سند پر جرح اور تنقید اور بر تقدیر ثبوت اس کی تاویل

رہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے جس میں مذکور ہے کہ محرم نہ نکاح کرے، نہ نکاح کا پیغام دے،تو اس حدیث کی سند میں نبیہ بن وہب راوی ہے۔اور یہ نہ عمرو بن دینار کی مثل ہے اور نہ جابر بن دینار کی مثل ہے اور نہ اس کا عمرو اور جابر کی طرح کوئی علمی مقام ہے۔ابن العربی نے کہا: امام بخاری نے عثمان کی حدیث کو ضعیف قرار دیا جس میں حالت احرام میں نکاح سے ممانعت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔اور اگر امام بخاری کو یہ علم ہوتا کہ حضرت عثمان کی حدیث کے راوی حضرت ابن عباس کی حدیث کے راوی کے ہم پلہ ہیں تو وہ دونوں حدیثوں کو صحیح قرار دیتے اور اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ دونوں حدیثیں مساوی درجہ کی ہیں تو حضرت عثمان کی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ انہوں نے جو یہ کہا کہ محرم نکاح نہ کرے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ وطی اور جماع نہ کرے یا یہ ممانعت تنزیہی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ محرم کا از خود نکاح کرنا یا کسی کا نکاح کرانے کے جواز پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور یہ ایسا ہے جیسا اذان کے وقت خرید و فروخت سے ممانعت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۵۸۔۱۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی نے اس حدیث کی شرح نہیں کی اور علامہ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں فقہاء احناف پر جو اعتراض کیے ہیں ان کے جوابات علامہ عینی نے تفصیل سے لکھ دیے ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۴۔۲۸۳ ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

محرم کے نکاح میں امام احمد بن حنبل کا مسلک

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

محرم نہ خود نکاح کرے، نہ نکاح کا وکیل بنے۔یہ حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔اور

سعید بن المسیب اور سلیمان بن یسار، زہری، اوزاعی اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی اجازت دی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب آپ محرم تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۲۵۸، صحیح مسلم: ۱۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۱۸۴۴، سنن ترمذی: ۸۴۲، سنن نسائی: ۲۸۴۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۶۔۳۳۰، سنن داری: ۱۸۲۲)

اس کے بعد علامہ ابن قدامہ حنبلی نے محرم کے نکاح کی ممانعت میں وہی دلائل پیش کیے ہیں جن کو علامہ نووی شافعی، علامہ ابن ملقن شافعی اور حافظ ابن حجر شافعی نے پیش کیے ہیں، جن کے تفصیلی جوابات ہم عمدۃ القاری کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔

(المغنی ابن قدامہ ج ۴ ص ۴۶۳، دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

۳۲۔ بَابُ: نَهْيِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ آخِرًا — نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر میں نکاح المتعہ سے منع فرمانا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتعہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے مدت مقررہ تک نکاح کرے اور جب وہ مدت ختم ہو جائے تو ان کے درمیان تفریق اور جدائی ہو جائے۔امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے: ''آخر میں'' اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ پہلے المتعہ مباح تھا بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں نکاح متعہ سے منع فرما دیا۔اور امام بخاری نے اس باب میں جو احادیث وارد کی ہیں ان میں اس کی تصریح نہیں ہے، لیکن امام بخاری نے باب کے آخر میں یہ کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ المتعہ منسوخ ہو چکا ہے اور احادیث صحیحہ سے ممانعت کی تصریح ہے۔اور زیادہ قریب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب متعہ سے منع فرما دیا کیونکہ امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں متعہ سے منع فرما دیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۸۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۱۱۵۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ أَنَّهُ سَمِعَ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ وَأَخُوهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِمَا أَنَّ عَلِيًّا رضی الله عنه قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنِ الْمُتْعَةِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے الزہری سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے حسن بن محمد بن علی اور ان کے بھائی عبد اللہ بن محمد نے خبر دی ان دونوں نے اپنے والد سے خبر دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المتعہ اور پالتو گدھوں کا گوشت (کھانے سے) خیبر کے زمانے میں منع فرما دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۴۲۱۶ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۴۲۱۶، ۵۱۱۵، ۵۵۲۳، ۶۹۶۱، صحیح مسلم: ۱۴۰۷، مسند احمد ج ۱ ص ۱۴۲)

۵۱۱۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ فَرَخَّصَ فَقَالَ لَهُ مَوْلًى لَهُ إِنَّمَا ذَلِكَ فِي الْحَالِ الشَّدِيدِ وَفِي النِّسَاءِ قِلَّةٌ أَوْ نَحْوَهُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ

کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی جمرۃ، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ان سے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کی اجازت دی، پھر ان سے ان کے آزاد شدہ غلام نے کہا کہ متعہ کی اجازت تو صرف حالت شدیدہ میں تھی یا جب عورتوں کی قلت تھی یا اس کی مثل کہا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں۔

شیعہ کے اس زعم کا رد کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مطلقاً جواز المتعہ کے قائل تھے

البانی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مطلقاً المتعہ کی اباحت کے قائل نہیں تھے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی تائید میں متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ علاوہ ازیں جن احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مطلقاً المتعہ کے جواز کے قائل تھے ان کو بھی اسی قید پر محمول کیا جائے گا کہ وہ ضرورت شدیدہ یا عورتوں کی قلت کے وقت اس کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ اور یاد رکھو کہ کسی حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ منسوخ ہونے سے پہلے المتعہ مطلقاً مباح تھا بلکہ احادیث میں یہ تصریح ہے کہ المتعہ غزوات میں مباح کیا گیا تھا۔ اور ابو جمرۃ کی اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس کے بعض شاگرد حضرت ابن عباس کے جواز متعہ کے قول پر انکار کرتے تھے۔

(حاشیہ شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۴۸۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۱۱۷-۵۱۱۸- حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَا كُنَّا فِي جَيْشٍ فَأَتَانَا رَسُولُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ أُذِنَ لَكُمْ أَنْ تَسْتَمْتِعُوا فَاسْتَمْتِعُوا (تحفۃ الاشراف: ۴۵۳۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: عمرو نے کہا از الحسن بن محمد از حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہم وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک لشکر میں تھے، پس ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آیا اور اس نے کہا: ”بے شک تم کو متعہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے پس تم متعہ کو طلب کرو“۔

۵۱۱۹- وَقَالَ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنِي إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّمَا رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ تَوَافَقَا فَعِشْرَةُ مَا بَيْنَهُمَا ثَلَاثُ لَيَالٍ فَإِنْ أَحَبَّا أَنْ يَتَزَايَدَا أَوْ يَتَتَارَكَا تَتَارَكَا فَمَا أَدْرِي أَشَيْءٌ كَانَ لَنَا خَاصَّةً أَمْ لِلنَّاسِ عَامَّةً قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَبَيَّنَهُ عَلِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ مَنْسُوخٌ۔

اور ابن ابی ذئب نے کہا: مجھے ایاس بن سلمہ بن الاکوع نے حدیث بیان کی از والد خود از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جو مرد اور عورت مل جل کر رہنے پر اتفاق کرلیں تو وہ تین راتوں تک مل جل کر رہیں۔ پس اگر وہ دونوں اس مدت میں کچھ کمی یا بیشی کرنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت ہے (سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں:) مجھے یہ پتا نہیں کہ یہ اجازت ہم صحابہ کے ساتھ خاص تھی یا تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔ امام ابو عبداللہ البخاری نے کہا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ المتعہ منسوخ ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

(صحیح البخاری: ۵۱۱۷، ۵۱۱۸، صحیح مسلم: ۱۴۰۵، مصنف عبدالرزاق: ۱۴۰۲۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۶۲۳۱، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۹۲، صحیح ابن حبان: ۴۱۵۱، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۵۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۴، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۸۹، مسند احمد ج ۴ ص ۴۷، مسند احمد: ۱۶۵۰۴، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

تحریم متعہ کے متعلق احادیث صحیحہ

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ تحریم متعہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن المتعہ سے منع فرمادیا اور اس حدیث کی امام مالک نے اور معمر اور یونس نے از ابن شہاب روایت کی ہے۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۱۶، ۵۵۲۳، ۶۹۱۶، صحیح مسلم: ۱۴۰۷، سنن ترمذی: ۱۱۲۱، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۰۳، ۲۰۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۱)

اس سلسلہ میں دیگر احادیث بھی مروی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم خیبر کے علاوہ بھی المتعہ سے منع فرمادیا، پس ابوالعمیس ایاس بن سلمہ نے از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوطاس کے دن متعہ کرنے کی اجازت دی، پھر آپ نے اس سے منع فرمادیا۔ یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، اور عکرمہ بن عمار نے از سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک میں متعہ کرنے کو حرام فرمادیا۔ ان احادیث کی امام طحاوی نے روایت کی ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۸۴۔ ۳۸۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۴۔ ۹۵، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۵، صحیح مسلم: ۱۴۰۵، مسند ابویعلیٰ: ۶۶۲۵، صحیح ابن حبان: ۴۱۴۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۷)

اور عمرو نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ المتعہ صرف تین دن کے لیے عمرۃ القضاء میں حلال کیا گیا ہے اور المتعہ نہ اس سے پہلے حلال ہوا تھا اور نہ اس کے بعد حلال کیا گیا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۴۰۴۰)

اور حماد بن زید نے از ایوب از الزہری از الربیع بن سمرۃ از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے سال متعہ کرنے سے منع فرمادیا۔ (سنن سعید بن منصور: ۸۴۵۔ ۸۴۴)

اور عبدالعزیز نے از عمر بن عبدالعزیز از الربیع بن سمرۃ از والد خود روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں متعہ کو حرام فرمادیا۔ (سنن ابوداؤد، ۲۰۷۲، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۴، التمہید ج ۱۰ ص ۱۰۵)

متعہ کی اباحت کا صرف حالت جنگ اور حالت اضطرار میں ہونا، بعد میں اس کو منسوخ کر دینا

امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطلقاً عورتوں سے متعہ کرنے کی احادیث روایت کی ہیں۔ ان سب نے یہ خبر دی ہے کہ متعہ کی یہ اجازت سفر میں تھی اور پھر اسی سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا اور ان میں سے کسی نے بھی یہ خبر نہیں دی کہ متعہ کی اجازت حضر (غیر سفر) میں تھی۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہمارے پاس عورتیں نہیں تھیں تو ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم خصی نہ ہو

جائیں تو آپ نے ہم کو اس سے منع فرما دیا اور ہم کو یہ اجازت دی کہ ہم ایک کپڑے کے عوض مدت معینہ تک متعہ کر لیں۔
(صحیح البخاری:۴۶۱۵، صحیح مسلم:۱۴۰۴، مسند احمد:۴۱۱۳، شرح معانی الاثار:۴۲۱۹)

نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حالت جنگ میں متعہ کو مباح کیا۔

رہی حضرت سبرۃ کی وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے حجۃ الوداع میں متعہ کو مباح کیا تھا تو یہ اپنے تمام معانی سے خارج ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے متعہ کو ضرورت کے وقت بلکہ اضطرار کے وقت مباح کیا تھا حتیٰ کہ صحابہ نے آپ سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تھی اور حضرت سلمہ کی حدیث جو غزوۂ اوطاس سے متعلق ہے وہ بھی ضرورت کے وقت تھی، اور جنہوں نے حضرت سبرۃ کی حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حجۃ الوداع میں متعہ کو مباح کیا گیا تھا ان کا استدلال صحیح نہیں ہے، بلکہ حضرت سبرۃ سے تو اس کے خلاف ثابت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نکاح المتعہ سے منع فرما رہے تھے۔
(سنن ابوداؤد:۲۰۷۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۴، المعجم الکبیر للطبرانی:۶۵۳۲، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۴، مسند احمد:۱۵۳۳۸)

امام طحاوی روایت کرتے ہیں: حضرت سبرہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المتعہ کی اجازت دی، پس ایک مرد کسی عورت سے نکاح کرتا، پھر اس کے بعد آپ نے متعہ کو سختی کے ساتھ منع فرما دیا''۔ (شرح معانی الآثار:۴۲۲۹)

پس ان آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی، پھر بعد میں آپ نے اس کو منسوخ فرما دیا۔

حضرت ابن عباس کے جواز متعہ کے قول کی توجیہ اور حضرت عمر کی ممانعت متعہ کی تحقیق

امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ متعہ صرف رحمت تھی، اللہ تعالیٰ نے متعہ سے اس امت پر رحم فرمایا اور اگر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متعہ سے منع نہ کرتے تو سوائے بد بخت کے کوئی زنا نہ کرتا۔
(شرح معانی الآثار:۴۲۳۲)

عطاء حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ عورتوں سے متعہ کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر نے اس سے منع فرما دیا۔
(شرح معانی الاثار:۴۲۳۴)

ابو جمرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورتوں کے ساتھ متعہ کے متعلق سوال کیا تو ان کے آزاد کردہ غلام نے کہا کہ متعہ صرف جنگ میں مباح تھا اور عورتیں اس وقت کم تھیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔
(شرح معانی الآثار:۴۲۳۵، صحیح البخاری:۵۱۱۶)

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا اور کسی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر انکار نہیں کیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ تمام صحابہ متعہ کی ممانعت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کرتے تھے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا ہے کہ متعہ حالت جنگ میں مباح کیا گیا تھا اور اس وقت عورتیں بہت کم تھیں۔

رہا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ہم متعہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ ہم کو متعہ کرنے سے حضرت عمر نے منع کر دیا تو ان کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو حرام فرما دیا ہے حتیٰ کہ ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے سے اس کا

علم ہوا۔ اور اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی اجازت دی تھی، پھر بعد میں اس کو قیامت تک کے لیے منسوخ کر دیا اور حرام فرما دیا۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۸۶۔۳۸۵، ملخصا، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تحریم متعہ پر تمام فقہاء اور محدثین کا اجماع

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام شہروں کے فقہاء اور محدثین نکاح متعہ کی تحریم پر متفق ہیں، اور فقہاء میں سے امام زفر کا یہ قول شاذ ہے کہ اگر کسی مرد نے دس دن یا ایک ماہ کے لیے نکاح کیا تو نکاح ثابت ہو گا لیکن شرط باطل ہو گی۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ متعہ میں نہ میراث ہوتی ہے اور نہ اس میں طلاق ہوتی ہے اور نہ اس میں عدت ہوتی ہے اور تمام امت کے نزدیک یہ زوجیت کے حکم میں نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور قاسم بن محمد نے متعہ کے منسوخ ہونے اور اس کی تحریم پر قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۞ (المومنون: ۶۔۵)

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O سوا اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے، سو بے شک وہ ان میں ملامت کے ہوئے نہیں ہیں O

اور متعہ نہ نکاح ہے اور نہ ملک یمین ہے یعنی نہ باندیوں سے تمتع ہے اور بیویوں اور باندیوں کے سوا تمتع کرنا حرام ہے، لہٰذا متعہ حرام ہوا اور منسوخ ہو گیا۔

تحریم متعہ پر علامہ ابن بطال کے استدلال پر مصنف کا اشکال اور مصنف کی طرف سے تحریم متعہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات

میں کہتا ہوں: اس استدلال پر یہ اشکال ہے کہ سورۃ المومنون مکی ہے اور متعہ مدینہ میں بھی مباح رہا ہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ کو حرام فرما دیا، پھر اس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر تین دن کے لیے متعہ کو مباح کیا گیا، پھر اس کے بعد قیامت تک کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دے دیا، ہاں! تین مدنی سورتوں سے متعہ کا حرام ہونا ثابت ہے اور اس پر یہ اشکال نہیں ہے کیونکہ وہ مدنی سورتیں ہیں۔

تحریم متعہ کی آیات درج ذیل ہیں:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۞ (النساء: ۳)

تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، پس اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک سے نکاح کرو یا اپنی مملوکہ کنیزوں سے استمتاع کرو، یہ اس سے زیادہ قریب (بہ صحت) ہے کہ تم کسی ایک کی طرف جھک جاؤ O

سورۂ نساء مدنی ہے اور ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل استطاعت سے خطاب فرمایا اور ان کے لیے قضاء شہوت کی جائز صورتیں بیان فرما دیں کہ وہ ایک سے چار تک نکاح کر سکتے ہیں، اور اگر ان میں عدل قائم نہ رکھ سکیں تو پھر اپنی کنیزوں اور باندیوں سے نفع اندوزی کر سکتے ہیں اور بس۔

اگر متعہ بھی قضاء شہوت کی جائز شکل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ان صورتوں کے ساتھ ذکر فرما دیتا اور اس آیت میں متعہ کا بیان نہ کرنا ہی اس بات کا بیان ہے کہ وہ جائز نہیں ہے اور اسی طرح ابتداء اسلام سے لے کر فتح مکہ تک جو شکل بھی معمول اور مباح تھی اس آیت نے اس کو حرام کر دیا۔

اگر روافض اور شیعہ کو یہ شبہ ہو کہ اس آیت میں لفظ نکاح متعہ کو بھی شامل ہے، لہٰذا نکاح کے جواز کے ساتھ متعہ کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ نکاح کی حد صرف چار عورتوں تک ہے اور متعہ میں عورتوں کی تعداد کی کوئی قید نہیں ہوتی اور نکاح اور متعہ دونوں متضاد لفظ ہیں، اس لیے لفظ نکاح سے متعہ کو مراد نہیں لیا جا سکتا، اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ نکاح اور متعہ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں، نکاح میں عقد دائمی ہوتا ہے اور متعہ میں عقد عارضی ہوتا ہے، نکاح میں منکوحات کی تعداد محدود ہے اور متعہ میں ممتوعات کی تعداد کی کوئی حد نہیں، نکاح میں نفقہ، سکنیٰ، نسب اور میراث لازم ہوتے ہیں اور ایلاء، ظہار، لعان، طلاق اور عدت عارض ہوتے ہیں اور متعہ میں ان میں سے کوئی امر لازم ہوتا ہے اور نہ عارض، پس نکاح اور متعہ اپنی حقیقت، لوازم اور عوارض کے اعتبار سے دو مختلف امر ہیں۔

سورۃ النساء کی ایک اور آیت ہے:

وَ مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (الی ان قال) ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ۔ (النساء: ۲۵)

اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمان کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے) (الی ان قال) یہ حکم تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جس کو اپنے نفس پر بدچلنی کا خدشہ ہو اور تمہارے لیے صبر کرنا بہتر ہے۔

اس آیت میں غلبہ شہوت رکھنے والے نادار شخص کے لیے صرف دو صورتیں جائز قرار دی گئی ہیں: ایک یہ کہ وہ باندیوں سے نکاح کرے اور دوسرا یہ کہ وہ ضبط نفس کرے اور تجرد کی زندگی گزارے اور اگر متعہ بھی مشروع ہوتا تو کنیزوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھنے کی صورت میں اسے متعہ کی بھی ہدایت دی جاتی، پس معلوم ہوا کہ کسی شخص کے لیے متعہ کرنا جائز نہیں ہے، اسے نکاح ہی کرنا پڑے گا خواہ باندیوں ہی سے نکاح کرے اور اگر وہ ان سے بھی نکاح کی طاقت نہ رکھے تو اس کو صبر کرنا پڑے گا اور اس کے لیے متعہ کے جواز کی کوئی راہ نہیں ہے۔

ایک اور مدنی سورت کی آیت ہے:

وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (النور: ۳۳)

اور جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے وہ اپنی پاکیزگی کو برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح تصریح فرما دی ہے کہ جو لوگ نکاح نہیں کر سکتے وہ ضبط نفس کریں اور ان کے لیے جواز متعہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ورنہ نکاح کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں متعہ کی بھی اجازت دے دی جاتی اور جب اجازت متعہ کی بجائے ضبط نفس کا حکم فرمایا تو واضح ہو گیا کہ اسلام میں جواز متعہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حجۃ الوداع میں تحریم متعہ کی توجیہ

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: کیا تم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نہیں کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ کو حرام فرما دیا، پھر حضرت الربیع بن سبرۃ کی اس روایت کی کیا توجیہ ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے دن متعہ کو حرام فرمایا؟ حضرت ربیع بن سبرۃ

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے متعلق یہ گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں متعہ کرنے سے منع فرمادیا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۶، سنن ابوداؤد: ۲۰۷۲، سنن نسائی: ۳۳۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۲)

اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع سے پہلے متعہ مباح تھا، تب ہی اس کو حجۃ الوداع میں حرام فرمادیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ اہم امور کو متعدد بار مکرر بیان فرماتے تھے اور جہاں زیادہ لوگوں کا اجتماع ہوتا وہاں بیان فرماتے اور چونکہ حجۃ الوداع میں بہت زیادہ مسلمان مجتمع تھے اس لیے آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تحریم متعہ کو مکرر بیان فرمایا تاکہ جس نے اس کو نہ سنا ہو وہ بھی سن لے اور آپ نے اس کو اس لیے مؤکد فرمایا تاکہ کسی شخص کو یہ شبہ نہ ہو کہ متعہ اب بھی حلال ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۸۳۔۱۸۱، ملخصاً ومخرجاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

متعہ کی تحریم کا تعدد اور اس کی توجیہ

علامہ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی نے بیان کیا کہ متعہ کی تحریم کے وقت میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں متعہ کو حرام کیا گیا، پھر حسن بصری سے روایت ہے کہ متعہ کو عمرۃ القضاء میں حرام کیا گیا اور مشہور یہ ہے کہ متعہ کو غزوۂ فتح مکہ میں حرام کیا گیا جیسا کہ امام مسلم نے الربیع بن سبرہ کی اپنے والد سے روایت کی ہے اور ان سے دوسری روایت امام ابوداؤد نے کی ہے کہ متعہ کو حجۃ الوداع میں حرام کیا گیا۔ اور بعض راویوں نے کہا کہ متعہ کو غزوۂ اوطاس میں حرام کیا گیا اور یہ روایت ان کے موافق ہے جنہوں نے کہا: متعہ کو فتح مکہ کے سال حرام کیا گیا۔ علامہ سہیلی کی عبارت ختم ہوئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس کا حاصل یہ ہے کہ متعہ کو چھ مقامات پر حرام کیا گیا۔ (۱) خیبر (۲) عمرۃ القضاء (۳) فتح مکہ (۴) اوطاس (۵) تبوک (۶) حجۃ الوداع۔ (غزوۂ اوطاس اور غزوۂ حنین واحد ہیں اور یہ فتح مکہ کے متصل بعد ہیں)

علامہ الماوردی الشافعی نے کہا ہے کہ متعہ کی تحریم مکرر ہوئی تاکہ اس کی تحریم زیادہ ظاہر اور زیادہ شائع ہوجائے حتیٰ کہ جو اس کی تحریم کے کسی مقام پر حاضر نہیں تھا دوسرے مقام پر وہ حاضر ہوا تو اس کو اس کی تحریم کا علم ہوجائے، نیز متعہ کو کئی مرتبہ مباح کیا گیا اور آخری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ یہ قیامت تک حرام ہے۔

علامہ نووی نے کہا کہ درست بات یہ ہے کہ متعہ کی تحریم اور اباحت دو مرتبہ ہوئی ہے، پس متعہ خیبر سے پہلے مباح تھا، پھر خیبر میں اس کو حرام فرمادیا، پھر فتح مکہ کے سال متعہ کو مباح کیا گیا اور یہی غزوۂ اوطاس ہے، پھر اس کو دائماً ابداً حرام فرمادیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جواز متعہ کی روایت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ روافض کے سوا تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ متعہ حرام ہے، اور رہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو ان سے ایک روایت ہے کہ متعہ مباح ہے اور دوسری روایت ہے کہ انہوں نے متعہ سے رجوع کرلیا تھا مگر اس روایت کی اسانید ضعیف ہیں اور زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کو جائز کہتے تھے اور یہی شیعہ اور روافض کا مذہب ہے۔ امام بیہقی نے امام جعفر بن محمد سے نقل کیا ہے کہ ان سے المتعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بعینہٖ زنا ہے، پھر روافض کے سوا تمام متقدمین اور متاخرین فقہاء کا اجماع ہے کہ متعہ حرام ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۰۔۲۸۶، ملخصاً وملتقطاً، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ہم نے اس بحث میں علامہ ابن ملقن شافعی اور علامہ بدرالدین عینی حنفی کی شرحوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان سے زیادہ مفصل اور

محقق گفتگو اس بحث میں امام طحاوی حنفی، علامہ ابن بطال مالکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحریر میں ہے جس کو ہم پیش کر چکے ہیں۔

بعض مسائل میں حضرات صحابہ کا آپس میں اختلاف کے باوجود باہمی احترام کو قائم رکھنا، اس مسئلہ میں مصنف کی تحقیق

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواز متعہ کے قول میں اجماع کی مخالفت کی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے علم میں اس کی تحریم پر اجماع منعقد نہیں ہوا تھا، لہٰذا ان پر اعتراض نہیں ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے حالانکہ ان کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے، اس کا جواب بھی یہی ہے کہ ان کے علم میں المعوذتین کا تواتر سے ثبوت نہیں تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بعض فقہی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا لیکن وہ اس میں شدت نہیں کرتے تھے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع موتی اور رؤیت باری کی قائل نہیں تھیں اور جمہور صحابہ اس کے قائل تھے، اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے جواز تیمم کے قائل نہیں تھے اور جمہور صحابہ اس کے قائل تھے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمتع بالحج سے منع کرتے تھے اور جمہور صحابہ اس کے قائل تھے، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حج یا عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے غسل کے وقت بدن پر خوشبو کا لیپ کرنے سے منع کرتے تھے اور جمہور صحابہ اس کے قائل تھے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے اور دیگر اہل علم صحابہ ان حالتوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، اسی طرح قراءت خلف الامام اور آمین بالجہر کا معاملہ ہے ان مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہمی اختلاف رہا ہے لیکن وہ اپنے مخالفین کی مذمت نہیں کرتے تھے اور اپنے موقف پر قائم رہتے تھے اور دوسروں پر سختی نہیں کرتے تھے۔ اور ہمارے زمانے میں اگر کسی شخص کا دوسرے سے کسی فقہی مسئلہ کا اختلاف ہو تو وہ دوسروں کی مذمت کرتا ہے اور اس کی تضلیل اور تکفیر تک کر دیتا ہے۔ ہمیں فقہی مسائل میں اپنے موقف پر تو قائم رہنا چاہیے مگر اپنے مخالفین پر شدت کرنے اور ان کی مذمت کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

۳۳۔ بَابٌ: عَرْضِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا عَلَى الرَّجُلِ الصَّالِحِ
کسی عورت کا اپنے آپ کو نیک مرد پر پیش کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی اس عنوان کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ابن المنیر نے الحاشیہ میں لکھا ہے کہ امام بخاری کے لطائف میں سے یہ ہے کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ جس عورت نے اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اس میں آپ کی خصوصیت نہیں ہے تو انہوں نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ کوئی بھی عورت کسی نیک مرد کے لیے اپنے آپ کو پیش کر سکتی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۱۔۲۹۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۱۲۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مِهْرَانَ قَالَ سَمِعْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ أَنَسٍ وَعِنْدَهُ ابْنَةٌ لَهُ قَالَ أَنَسٌ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَعْرِضُ عَلَيْهِ نَفْسَهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَكَ بِي حَاجَةٌ فَقَالَتْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مرحوم بن عبدالعزیز بن مہران نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ثابت البنانی سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ان کے پاس ان کی صاحب زادی بھی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان

بِنْتُ أَنَسٍ مَا أَقَلَّ حَيَائَهَا وَا سَوْأَتَاهُ وَا سَوْأَتَاهُ قَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْكِ رَغِبَتْ فِي النَّبِيِّ ﷺ فَعَرَضَتْ عَلَيْهِ نَفْسَهَا۔

(صحیح البخاری: ۶۱۲۳، سنن نسائی: ۳۲۴۹، ۳۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۱)

کیا کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے اپنے آپ کو آپ پر پیش کیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ کو میری ضرورت ہے تو حضرت انس کی صاحب زادی نے کہا: وہ کیسی بے حیاء عورت ہے، ہائے بے شرمی! ہائے بے شرمی! حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ تم سے بہتر تھیں، اس نے نبی ﷺ میں رغبت کی اور اپنے آپ کو آپ پر پیش کیا۔

علامہ بدرالدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: میں اس عورت کے نام پر واقف نہیں ہو سکا اور میں نے اس کے قصہ میں دیکھا کہ اس عورت کا نام لیلیٰ بنت قیس بن الحطیم ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور یہ اس حدیث کی غیر ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، لہٰذا دونوں قصوں کے راوی مختلف ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶۱۔۱۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کے جواب میں لکھا ہے کہ راویوں کے تعدد سے صاحب قصہ کا تعدد لازم نہیں آتا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۲، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

۵۱۲۱۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ امْرَأَةً عَرَضَتْ نَفْسَهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ زَوِّجْنِيهَا فَقَالَ مَا عِنْدَكَ قَالَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ قَالَ اذْهَبْ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلٰكِنْ هٰذَا إِزَارِي وَلَهَا نِصْفُهُ قَالَ سَهْلٌ وَمَا لَهُ رِدَاءٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتّٰى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ فَرَآهُ النَّبِيُّ ﷺ فَدَعَاهُ أَوْ دُعِيَ لَهُ فَقَالَ لَهُ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ فَقَالَ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا لِسُوَرٍ يُعَدِّدُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمْلَكْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو غسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو نبی ﷺ پر پیش کیا، تب ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! اس عورت کے ساتھ میرا نکاح کر دیجئے، آپ نے پوچھا: تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا: جاؤ تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو، پس وہ گیا، پھر لوٹ آیا تو اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! مجھے کوئی چیز نہیں ملی اور نہ لوہے کی انگوٹھی ملی، لیکن میرا یہ تہبند ہے وہ آدھا میں اس کو دے دوں گا۔ حضرت سہل نے بتایا: اس کے بدن کے اوپری حصہ پر کوئی چادر نہیں تھی، تب نبی ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی؟ اگر تم نے اس کو پہن لیا تو اس کے اوپر اس تہبند میں سے کوئی چیز نہیں ہوگی اور اگر اس عورت نے اس تہبند کو باندھ لیا تو تمہارے اوپر اس تہبند میں سے کوئی چیز نہیں ہوگی پھر وہ مرد بیٹھ گیا حتیٰ کہ جب اس کو بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو گئی تو وہ کھڑا

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ابو داؤد: ۲۱۱۱، سنن نسائی: ۳۳۵۹، سنن بیہقی: ۱۴۱۳۶)

ہو گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر بلایا یا اسے بلایا گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: مجھے فلاں سورت اور فلاں سورت یاد ہے اور اس نے کئی سورتیں گنوائیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چونکہ تم کو قرآن مجید یاد ہے اس سبب سے ہم نے وہ عورت تمہاری ملک میں دے دی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

۳۴۔ بَابُ: عَرْضِ الْإِنْسَانِ ابْنَتَهُ أَوْ أُخْتَهُ عَلَى أَهْلِ الْخَيْرِ

انسان کا اپنی بیٹی یا اپنی بہن کو نیک مسلمانوں پر پیش کرنا

۵۱۲۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما يُحَدِّثُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حِينَ تَأَيَّمَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عُمَرَ مِنْ خُنَيْسِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَتُوُفِّيَ بِالْمَدِينَةِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَتَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَفْصَةَ فَقَالَ سَأَنْظُرُ فِي أَمْرِي فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ لَقِيَنِي فَقَالَ قَدْ بَدَا لِي أَنْ لَا أَتَزَوَّجَ يَوْمِي هَذَا قَالَ عُمَرُ فَلَقِيتُ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ زَوَّجْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ فَصَمَتَ أَبُو بَكْرٍ فَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا وَكُنْتُ أَوْجَدَ عَلَيْهِ مِنِّي عَلَى عُثْمَانَ فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ خَطَبَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَنْكَحْتُهَا إِيَّاهُ فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ لَعَلَّكَ وَجَدْتَ عَلَيَّ حِينَ عَرَضْتَ عَلَيَّ حَفْصَةَ فَلَمْ أَرْجِعْ إِلَيْكَ شَيْئًا قَالَ عُمَرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَإِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرْجِعَ إِلَيْكَ فِيمَا عَرَضْتَ عَلَيَّ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ ذَكَرَهَا فَلَمْ أَكُنْ لِأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَوْ تَرَكَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَبِلْتُهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح بن کیسان از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب ان کی صاحب زادی حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا جو حضرت خنیس بن حذافہ بن السہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، پس وہ مدینہ میں فوت ہو گئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان پر حفصہ کو پیش کیا تو انہوں نے کہا: میں عنقریب اپنے معاملہ میں غور کروں گا، پس میں چند راتیں ٹھہر رہا، پھر حضرت عثمان کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا: میری رائے یہ ہے کہ میں ان دنوں میں نکاح نہ کروں، حضرت عمر نے بتایا: پھر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا، پس میں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں حضرت حفصہ بنت عمر کا آپ سے نکاح کر دوں، پس حضرت ابوبکر خاموش ہو گئے اور انہوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور مجھے حضرت عثمان کی بہ نسبت حضرت ابوبکر سے زیادہ رنج پہنچا تھا، پھر میں چند راتیں ٹھہرا رہا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

(صحیح البخاری: ۵۱۲۹، سنن نسائی ج۶ ص ۷۷، صحیح ابن حبان: ۴۰۳۹، مسند ابویعلیٰ: ۲۰، المعجم الکبیر: ۳۰۲)

حفصہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا تو میں نے آپ کے ساتھ حفصہ کا نکاح کر دیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور انہوں نے مجھ سے کہا: شاید تمہیں اس وقت مجھ سے رنج پہنچا ہو گا جب تم نے میرے اوپر حضرت حفصہ کو پیش کیا تھا اور میں نے تمہیں کوئی جواب نہیں دیا تھا حضرت عمر نے بتایا: جی ہاں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا: جب تم نے مجھ پر حضرت حفصہ کو پیش کیا تھا تو مجھے تم کو جواب دینے سے صرف یہ چیز مانع تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کا ذکر کیا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ کو ترک فرما دیتے تو میں ان کو قبول کر لیتا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل دقیقہ اور نکات لطیفہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری، القرطبی، المالکی، المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) جس شخص پر کسی عورت کو پیش کیا جائے تو اس کو اس پر غور و فکر کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ بعد میں اس شخص کو اپنی رائے سے مطلع کرے جیسا کہ حضرت عثمان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں۔

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا کہ میری رائے یہ ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں اور حضرت ابوبکر نے اس طرح نہیں کہا حالانکہ وہ حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے تھے کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ترک فرما دیتے تو میں ان سے نکاح کر لیتا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی جواب نہیں دیا اثبات میں نہ نفی میں۔

(۳) اس حدیث میں اپنے دوست کو کسی بات کا جواب نہ دینے کی رخصت ہے کیونکہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ان کی پیش کش کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جواب نہ دینے سے زیادہ قلق ہوا کیونکہ ان کا حضرت عثمان کی بہ نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے زیادہ تعلق تھا۔

(۵) کسی کا راز مخفی رکھنا چاہیے کیونکہ حضرت ابوبکر کو یہ علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا تذکرہ فرمایا تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز تھا، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات نہیں بتائی، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ وہ آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ کے ساتھ ملیں گی اور یہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بہ طور راز بتایا تھا، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا یہ راز افشا نہیں کیا حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پر بھی نہیں بتایا، نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم کو میرے جواب

نہ دینے سے رنج تو پہنچا ہوگا لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا جب کسی انسان کی بات سے اس کے دوست کو رنج پہنچے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے دوست کو اس کی وجہ بیان کر دے۔

(۲) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ کو ترک فرما دیتے تو میں ان سے نکاح کر لیتا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی عورت کو نکاح کا پیغام اس وقت دینا چاہیے جب کسی دوسرے کا اس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۸۷۔۱۸۵ ملخصا دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کے گھر سے بھی نیک مرد کے گھر نکاح کا پیغام دینا جائز ہے اور اسے عار نہیں سمجھنا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن بطال مالکی نے اس حدیث کی بہت جامع شرح کی ہے، سو اس کے بعد علامہ ابن ملقن شافعی، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور علامہ بدر الدین عینی حنفی کی شروح کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۱۲۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ إِنَّا قَدْ تَحَدَّثْنَا أَنَّكَ نَاكِحٌ دُرَّةَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَعَلَى أُمِّ سَلَمَةَ لَوْ لَمْ أَنْكِحْ أُمَّ سَلَمَةَ مَا حَلَّتْ لِي إِنَّ أَبَاهَا أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۰۱، ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۵۱۲۳، ۵۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۴۹، مسند احمد: ۲۷۴۸۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب از عراک بن مالک، انہوں نے کہا کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم یہ باتیں کرتے ہیں کہ آپ حضرت درۃ بنت ابی سلمہ سے نکاح کرنے والے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ام سلمہ کے ہوتے ہوئے؟ اگر میں نے ام سلمہ سے نکاح نہ کیا ہوتا تب بھی وہ میرے لیے حلال نہیں تھی کیونکہ ان کے والد میرے رضاعی بھائی ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۱ میں گزر چکی ہے۔

۳۵۔ بَابٌ: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللهُ۔ (الی ان قال) غَفُورٌ حَلِيمٌ (البقرۃ: ۲۳۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد: اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم عدت والی عورتوں کو اشارہ، کنایہ سے نکاح کا پیغام دو یا تم اپنے دلوں میں چھپاؤ، اللہ کو علم ہے کہ (الی ان قال) بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے O (البقرۃ: ۲۳۵)

آیت مذکورہ کا چار احکام کو متضمن ہونا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ آیت مذکورہ چار احکام کو متضمن ہے جن میں سے دو مباح ہیں: (۱) کنایہ کے ساتھ عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام دینا اور (۲) اس سے نکاح کرنے کے ارادے کو دل میں مخفی رکھنا، اور ان میں سے دو ممنوع

ہیں: (۱) عدت کے دوران اس سے نکاح کرنا، اور (۲) عدت کے دوران اس سے نکاح کا وعدہ کرنا۔

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

أَوْ أَكْنَنْتُمْ أَضْمَرْتُمْ وَكُلُّ شَيْءٍ صُنْتَهُ وَأَضْمَرْتَهُ فَهُوَ مَكْنُونٌ۔

اَکْنَنْتُم کا معنی ہے: جس بات کو تم نے اپنے دلوں میں چھپایا ہے، اور ہر وہ چیز جس کو تم نے دل میں مخفی رکھا ہے یا چھپایا ہے تو وہ مکنون ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر، تعریض اور کنایہ کا فرق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جس بات کو تم نے اپنے دل میں چھپایا ہے اور زبان سے اس کا ذکر نہیں کیا اور وہ عدت کے دوران کسی عورت سے منگنی کرنے کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہ طور تعریض نکاح کا پیغام دینے سے گناہ کو اٹھا لیا ہے جب کہ وہ عورت عدت میں ہو اور تعریض یہ ہے کہ آدمی عدت گزارنے والی عورت سے کہے کہ تم تو خوبصورت ہو یا تم بہت نیک ہو اور میری غرض یہ ہے کہ میں نکاح کروں اور شاید اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نیک عورت مہیا کر دے اور اس قسم کا دوسرا کلام جس سے یہ وہم ہو کہ وہ اس عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے حتیٰ کہ اس عورت کی عدت گزر جائے بہ شرطیکہ وہ عورت اس سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتی ہو اور وہ اس سے صراحتاً نکاح کرنے کی بات نہ کرے، پس یہ نہ کہے کہ میں تم سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں یا تمہیں نکاح کا پیغام دے رہا ہوں اور تعریض اور کنایہ میں یہ فرق ہے کہ تعریض میں ایک چیز کا ذکر کیا جاتا ہے جو دوسری اس چیز پر دلالت کرے جس کا ذکر نہ کیا گیا ہو، مثلاً فقیر غنی سے یہ کہے: میں آپ کو سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں تاکہ میں آپ کے کریم چہرے کو دیکھوں اور کنایہ یہ ہے کہ کسی چیز کا اس لفظ سے ذکر کیا جائے جس کے لیے اس لفظ کو وضع نہ کیا گیا ہو، مثلاً تم کسی طویل القامت شخص سے کہو کہ تمہارے پستول کا پٹا (پرتلا) بہت طویل ہے اور مراد یہ ہو کہ تمہارا قد بہت لمبا ہے یا کسی شخص کے متعلق کہو کہ اس کے گھر کے چولہے میں راکھ بہت زیادہ ہے اور اس سے مراد یہ ہو کہ وہ بہت سخی ہے کیونکہ اس کے چولہے میں راکھ اس لیے بہت زیادہ ہے کہ چولہے پر کھانا بہت زیادہ پکتا ہے اور کھانا اس لیے زیادہ پکتا ہے کہ اس کے گھر میں مہمان زیادہ آتے ہیں اور زیادہ مہمان اس لیے آتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ سخی ہے کیونکہ بخیل کے گھر تو زیادہ مہمان نہیں آتے، پھر اللہ تعالیٰ نے بہ طور عتاب فرمایا: اللہ کو علم ہے کہ عدت کے بعد عنقریب تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن تم (عدت سے پہلے) ان سے کوئی خفیہ وعدہ نہ کرو، البتہ شریعت کے موافق ان سے بات کرو اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، سو اس سے ڈرتے ہو، اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، نہایت حلم والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۵) (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۶۶۔۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۲۴۔ وَقَالَ لِي طَلْقٌ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ يَقُولُ إِنِّي أُرِيدُ التَّزْوِيجَ وَلَوَدِدْتُ أَنَّهُ تَيَسَّرَ لِي امْرَأَةٌ صَالِحَةٌ۔

اور مجھ سے طلق بن غنام نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی از منصور از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم (عدت والی عورتوں کو) تعریضاً نکاح کا پیغام دو۔ (البقرۃ: ۲۳۵) یعنی وہ کہے کہ میں نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میں پسند کرتا ہوں کہ مجھے کوئی نیک عورت میسر ہو جائے۔

جہالت کی وجہ سے عدت کے دوران نکاح کا پیغام دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کوئی مرد کسی عورت کو اس کی عدت میں جہالت کی وجہ سے نکاح کا پیغام دے اور اس سے نکاح کا وعدہ کرے اور عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کر لے تو امام مالک اس کے متعلق کہتے ہیں کہ میرے نزدیک مستحب یہ ہے کہ وہ عورت کو طلاق دے دے اور یہ ایک طلاق بائن ہوگی، پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے اور عدت کے بعد وہ اس کو نکاح کا پیغام دے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے عدت کے دوران صراحتاً نکاح کا پیغام دیا اور عورت نے صراحتاً اس کے پیغام کو قبول کر لیا اور اس نے عدت پوری ہونے سے پہلے عقد نکاح نہیں کیا تو اس کا نکاح ثابت ہوگا اور عدت کے دوران صراحتاً نکاح کا پیغام دینا مکروہ ہے۔

عدت کے دوران نکاح کرنے اور دخول کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی مرد نے کسی عورت سے عدت کے دوران نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ دخول کر لیا تو امام مالک، اللیث اور الاوزاعی نے کہا کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ عورت اس کے کبھی بھی حلال نہیں ہوگی، (موطا امام مالک ص ۲۳۲-۲۳۱) اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا: ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، پھر جب اس کی پہلی عدت ختم ہو جائے گی تو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس پر ان کی دلیل ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس مرد پر اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اس نے عدت کے دوران کسی عورت سے وطی کر لی تو پھر عدت کے بعد اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۲۰۹-۲۰۸)

اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی مرد نے عدت کے دوران نکاح کر لیا اور دخول کر لیا تو امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ وہ پہلی عدت از سرنو گزارے گی اور پھر دوسری عدت گزارے گی۔ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کی دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی یہ عدت دونوں کی عدت ہو جائے گی خواہ اس کی عدت حیض سے ہو یا حمل سے ہو یا مہینوں سے ہو اور یہ اوزاعی، ثوری اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ مرد کسی عورت سے اس کی بقیہ عدت کے دوران نکاح نہ کرے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہی اس کی دوسری عدت بھی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی نے اپنی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی اس شرح کو ذکر کر دیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۸۵-۳۸۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح میں تعریض اور کنایہ کے فرق کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۵-۲۹۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ الْقَاسِمُ يَقُولُ إِنَّكِ عَلَيَّ كَرِيمَةٌ وَإِنِّي فِيكِ لَرَاغِبٌ وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَائِقٌ إِلَيْكِ خَيْرًا أَوْ نَحْوَ هَذَا۔

اور قاسم کہتے تھے کہ بے شک تم مجھ پر مہربان ہو اور بے شک میں تم میں رغبت رکھتا ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری طرف جلدی کوئی خیر پہنچائے گا یا اس کی مثل کوئی بات کہے۔

عدت کے دوران تعریضاً نکاح کا پیغام دینے کی مثالیں

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ امام بخاری کی اس پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور قاسم سے مراد قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق ہیں اور اس تعلیق کا حاصل یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے اس کی عدت کے دوران اس کو تعریضاً نکاح کا پیغام دے۔ امام بخاری نے کہا: یا اس کی مثل کوئی اور بات کہے یعنی یوں کہے کہ میں تمہارا ہمدرد اور خیر خواہ ہوں یا کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے کوئی نیک عورت مہیا فرمائے وغیرہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱٦۷)

وَقَالَ عَطَاءٌ يُعَرِّضُ وَلَا يَبُوحُ يَقُولُ إِنَّ لِي حَاجَةً وَأَبْشِرِي وَأَنْتِ بِحَمْدِ اللهِ نَافِقَةٌ وَتَقُولُ هِيَ قَدْ أَسْمَعُ مَا تَقُولُ وَلَا تَعِدُ شَيْئًا وَلَا يُوَاعِدُ وَلِيُّهَا بِغَيْرِ عِلْمِهَا وَإِنْ وَاعَدَتْ رَجُلًا فِي عِدَّتِهَا ثُمَّ نَكَحَهَا بَعْدُ لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا۔

اور عطاء نے کہا: وہ تعریضاً کہے اور صراحتاً یہ نہ کہے کہ مجھے نکاح کی ضرورت ہے اور تمہیں خوش خبری ہو اور تم اللہ کے فضل سے ایسی ہو جس کے ساتھ نکاح کا رواج ہے اور عورت اس کے جواب میں کہے: میں نے تمہاری بات سن لی ہے اور اس سے صراحتاً کوئی وعدہ نہ کرے، ایسی عورت کا ولی بھی اس کے علم کے بغیر کوئی وعدہ نہ کرے، اور اگر عورت نے زمانہ عدت میں کسی مرد سے نکاح کا وعدہ کر لیا اور پھر بعد میں اس سے نکاح کیا تو ان دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی۔

اگر عدت کے دوران عورت نکاح کا وعدہ کر لے یا مرد صراحتاً نکاح کا پیغام دے یا نکاح کر لے تو اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں۔ امام بخاری نے کہا: نَافِقَةٌ اس کا معنی ہے: رَائِجَةٌ یعنی تم جیسی عورت سے نکاح کا رواج ہے۔

اگر وہ عورت عدت کے دوران کسی مرد سے نکاح کا وعدہ کر لے، پھر عدت پوری ہونے کے بعد وہ مرد اس عورت سے نکاح کر لے تو ان کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ عقد صحیح ہے اور نکاح سے کوئی مانع نہیں ہے اور اگر مرد عدت کے دوران صراحتاً نکاح کا پیغام دے لیکن اس سے عقد نکاح عدت پوری ہونے کے بعد کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک یہ عقد صحیح ہے لیکن اس نے مکروہ تحریمی کا ارتکاب کیا ہے اور امام مالک نے کہا کہ وہ مرد اس عورت کو طلاق دے دے خواہ اس نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر اس نے عدت کے دوران عقد کیا ہو اور دخول کر لیا ہو تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اس میں ائمہ کا اختلاف نہیں ہے، اور امام مالک نے کہا: پھر مرد کے لیے بعد میں اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ جب اس عورت کی عدت گزر جائے اور مرد چاہے تو اس کا اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱٦۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ الْحَسَنُ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا الزِّنَا۔

اور حسن بصری نے کہا: "تم (عدت سے پہلے) ان سے کوئی وعدہ نہ کرو"۔ (البقرۃ: ۲۳۵) اَلزِّنَا۔

خفیہ وعدے کی متعدد تفاسیر اور حسن بصری کی تفسیر پر اعتراض

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حسن بصری نے اس آیت میں مذکور لفظ خفیہ کی تفسیر میں کہا کہ یہ زنا ہے اور خفیہ کا لفظ نکاح سے کنایہ ہے جس سے مراد مجامعت ہے کیونکہ وہ خفیہ طریقہ سے کی جاتی ہے، یہ زمخشری کا قول ہے اور شعبی نے کہا کہ مرد اس عورت سے یہ عہد لے کہ وہ اس کے سوا کسی اور مرد سے نکاح نہیں کرے گی، اور مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا کہ وہ عدت کے دوران اس عورت کو نکاح کا پیغام دے، اور امام شافعی نے کہا: اس سے مراد جماع ہے اور اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اس حالت میں جماع جائز نہیں ہے، اور ابراہیم نخعی اور ابوالشعثاء کا قول حسن بصری کے قول کی مثل ہے لیکن اس میں تامل ہے کیونکہ زنا کا وعدہ کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ عدہ سراً ہو یا جہراً (خفیہ ہو یا علی الاعلان)۔

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ تَنْقَضِيَ الْعِدَّةُ۔ اور حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے: ''حتیٰ کہ مدت پوری ہوجائے''۔(البقرہ:۲۳۵) یعنی عدت ختم ہوجائے۔

جس عدت کے دوران تعریضاً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے اس سے مراد آیا عدت وفات ہے یا عدت طلاق؟

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس چوتھی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو امام طبری نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے عدت کے دوران عقد نکاح کے عزم کو حرام فرما دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۔ اور جب تک عدت پوری نہ ہوجائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو۔ (البقرۃ:۲۳۵)

اور اس حکم پر اجماع ہے کہ عدت پوری ہونے سے پہلے اس عورت سے نکاح کا عزم کرنا حرام ہے اور دوران عدت تعریضاً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے، امام ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے کہ مجاہد، حسن بصری، عبیدہ السلمانی، سعید بن جبیر، شعبی اور ابوالضحیٰ نے کہا کہ تعریضاً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے، اور ابراہیم النخعی نے کہا کہ تعریض میں ہدیہ پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جس عدت کے دوران تعریضاً نکاح کی پیش کش کی اجازت دی ہے اس سے مراد عدت وفات ہے، اور میرے نزدیک طلاق بائن کی عدت میں یہ پسندیدہ نہیں ہے اور طلاق رجعی کی عدت میں تعریضاً نکاح کا پیغام دینا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶۸۔۱۶۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۶۔ بَابُ: النَّظَرِ إِلَى الْمَرْأَةِ قَبْلَ التَّزْوِيجِ نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنے کا حکم

جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو تو اس کی طرف دیکھنے کے بارے میں مذاہب فقہاء اور اس سے متعلق احادیث

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے: طاؤس، الزہری، حسن بصری، اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنے کا کسی مرد کا ارادہ ہو تو اس عورت کو دیکھنا

جائز ہے۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ امام اوزاعی نے کہا ہے کہ وہ اس عورت کی طرف دیکھے اور اس کے گوشت کی جگہوں میں غور کرے، اور امام شافعی اور امام احمد نے کہا کہ جب وہ عورت پردے میں ہو تو اس کی اجازت اور بغیر اجازت کے اس کو دیکھنا جائز ہے اور ان فقہاء کے نزدیک اس کے لیے عورت کی شرم گاہ کو دیکھنا جائز نہیں اور داؤد ظاہری سے منقول ہے کہ وہ عورت کے پورے جسم کو دیکھے حتیٰ کہ ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ اس کی فرج کی طرف دیکھنا بھی جائز ہے، اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس کی فرج کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ بہ طور لذت دیکھے یا بہ طور شہوت اور امام احمد نے کہا: وہ اس کے چہرے کی طرف بغیر لذت کے دیکھے، اور یہ جائز ہے کہ وہ اس کے محاسن میں غور کرنے کے لیے بار بار دیکھے، اور جب اس کو دیکھنا ممکن نہ ہو تو وہ اس کے پاس اپنی کسی معتمد خاتون کو بھیجے جو اس عورت کو، دیکھے اس کے متعلق بتائے۔ حدیث میں ہے:

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت سے نکاح کا ارادہ کیا تو آپ نے اس عورت کو دیکھنے کے لیے ایک عورت (حضرت ام سلیم) کو بھیجا اور فرمایا: اس کے عوارض کو سونگھو اور اس کی کونچوں (ایڑی کے اوپر کے پٹھوں) پر غور کرو۔ الحدیث (المعجم الاوسط: ۶۱۹۵)

امام بیہقی نے کہا: اسی طرح اس حدیث کی ہمارے شیخ نے ''المستدرک'' میں روایت کی ہے، اور امام ابوداؤد نے ''مراسیل'' میں اس کی اختصار سے روایت کی ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۸۷، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۶، المراسیل: ۲۱۶، مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۱)

علامہ عینی فرماتے ہیں: عوارض سے مراد دانت ہیں جو منہ کی چوڑائی میں ہوتے ہیں اور یہ سامنے کے چار دانتوں اور ڈاڑھوں کے درمیان میں ہوتے ہیں اور اس لفظ کا واحد عارض ہے۔

بعض فقہاء اور محدثین نے کہا ہے کہ اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنا مطلقاً جائز نہیں ہے سوا اس کے خاوند یا محرم کے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے علی! جنت میں تمہارا ایک خزانہ ہے، سو تم ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر معاف ہے''۔ اس حدث کی امام طحاوی اور امام بزار نے روایت کی ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھو کیونکہ تمہارا دوبارہ اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے، دوبارہ دیکھنا قصد اور اختیار سے ہوتا ہے، پس تم اجنبی عورت کو دوبارہ دیکھنے کی وجہ سے گناہ گار اور سزا کے مستحق ہو گے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۲۲۱، سنن دارمی: ۲۷۵۱، المعجم الاوسط: ۶۷۴، المستدرک ج ۳ ص ۱۲۳)

اور انہوں نے امام مسلم کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اچانک نظر پڑنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنی نظر ہٹا لوں۔ (صحیح مسلم: ۲۱۵۹، سنن ابوداؤد ۲۱۴۸، سنن ترمذی ۲۷۷۶)

ان فقہاء اور محدثین نے کہا ہے کہ جب دوبارہ اجنبی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ عورت اس کی بیوی ہو یا محرم ہو۔

ائمہ اربعہ اور دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے دل میں کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ ڈالے تو اس عورت کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۴)

علامہ بوصیری نے کہا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''جاؤ اس کی طرف دیکھو یہ تمہاری طرف دائمی رفاقت کے لائق ہے''۔ (سنن ماجہ: ۱۸۶۵)

علامہ بوصیری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ایک عورت سے منگنی کرنے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''جاؤ اس کی طرف دیکھو کیونکہ یہ تمہارے درمیان دائمی رفاقت کے لائق ہے''۔

(سنن ترمذی: ۱۰۸۹، سنن نسائی: ۳۲۳۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۶، مسند احمد: ۱۸۱۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھا، پس آپ کے پاس ایک مرد نے حاضر ہو کر بتایا کہ وہ انصار کی کسی عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''جاؤ اس عورت کی طرف دیکھو کیونکہ انصار کی عورتوں میں کوئی عیب ہوتا ہے''۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۴، الرقم المسلسل: ۳۴۷۴، سنن نسائی: ۳۲۴۱)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے منگنی کا ارادہ کرے تو اگر وہ یہ دیکھ سکتا ہو کہ کیا چیز اس سے نکاح کرنے کا باعث ہے تو وہ اس کو دیکھے''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۸۲)

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو دوسری بار نظر ڈالنے کی ممانعت ہے یہ اس شخص کے متعلق ہے جو کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھے اور وہ اس سے نکاح کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو پھر اس کی طرف دیکھنا حرام ہے، لیکن جب وہ اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو پھر یہ ممنوع نہیں ہے کیونکہ یہ دیکھنا ضرورت کی بنا پر ہے جس طرح کسی عورت کے متعلق گواہی دینے کے لیے اس کی طرف دیکھنا جائز ہے، اسی طرح کسی عورت سے منگنی کرنے کے لیے بھی اس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۶۹۔ ۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۲۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَأَيْتُكِ فِي الْمَنَامِ يَجِيءُ بِكِ الْمَلَكُ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ فَقَالَ لِي هٰذِهِ امْرَأَتُكَ فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَإِذَا أَنْتِ هِيَ فَقُلْتُ إِنْ يَكُ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ

(صحیح البخاری: ۵۰۷۸، ۷۰۱۱، ۷۰۱۲، صحیح مسلم: ۲۴۳۸، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی، از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''(نکاح سے پہلے) میں نے تم کو خواب میں دیکھ لیا تھا، ایک فرشتہ تم کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لایا اور مجھ سے کہنے لگا کہ یہ آپ کی بیوی ہے، میں نے تمہارے منہ پر سے کپڑا اٹھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تم ہو، میں نے (اپنے دل میں) کہا: اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ اس کو ضرور پورا کرے گا''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۵ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۲۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ جِئْتُ لِأَهَبَ لَكَ نَفْسِي فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَصَعَّدَ النَّظَرَ إِلَيْهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی، پس کہنے لگی: یا رسول اللہ! میں

وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَأْسَهُ فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَيْ رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا قَالَ انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي قَالَ سَهْلٌ مَا لَهُ رِدَاءٌ فَلَهَا نِصْفُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتَّى طَالَ مَجْلِسُهُ ثُمَّ قَامَ فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا عَدَّدَهَا قَالَ أَتَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۲،۵۱۳۵، ۵۱۴۱، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ابو داؤد: ۲۱۱۱، سنن نسائی: ۳۳۵۹، سنن بیہقی: ۱۴۱۳۶، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶)

آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں تا کہ میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دوں، تب رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا، پس آپ نے اس کی طرف نظر اوپر اٹھائی، پھر نیچے کر لی، پھر آپ نے اپنا سر جھکا لیا، جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی، پھر آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد اٹھا، تو اس نے کہا: اے رسول اللہ! اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں ہے تو میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیں، آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر جاؤ شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے! پھر وہ گیا اور لوٹ آیا اور اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم یا رسول اللہ! مجھے کوئی چیز نہیں ملی! آپ نے فرمایا: تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، سو وہ گیا، پھر لوٹ آیا، پس اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم یا رسول اللہ! لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے لیکن میرا یہ تہبند ہے، حضرت سہل نے بتایا: اس کے (بدن کے) اوپر کوئی چادر نہیں تھی۔ اس نے کہا: میں آدھا تہبند اس کو دے دوں گا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی؟ اگر تم اس کو پہن لو گے تو اس کے اوپر اس میں سے کوئی چیز نہیں ہوگی اور اس نے اس تہبند کو پہن لیا تو تمہارے اوپر کوئی چیز نہیں ہوگی، پھر وہ مرد بیٹھ گیا حتیٰ کہ اس کو بیٹھے ہوئے کافی دیر ہوگئی، پھر وہ کھڑا ہو گیا، پس رسول اللہ ﷺ نے دیکھا وہ پیٹھ موڑ کر جا رہا تھا، آپ کے حکم سے اسے بلایا گیا، پھر جب وہ آ گیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: مجھے فلاں سورت، فلاں سورت اور فلاں سورت یاد ہے۔ اس نے وہ سورتیں گنوائیں، آپ نے پوچھا: کیا تم ان سورتوں کو اپنے حافظہ سے پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ! تم کو جو قرآن حفظ ہے اس کے سبب سے میں نے یہ عورت تمہاری ملکیت میں (یعنی نکاح میں) دے دی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۲۹، ۵۰۳۰، ۵۰۸۷، ۵۱۲۱ میں گزر چکی ہے۔

۳۷۔ بَابُ: مَنْ قَالَ لَانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ (البقرة:۲۳۲)

جس شخص نے کہا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔ (البقرة:۲۳۲)

البقرة:۲۳۲ سے اس عنوان پر امام بخاری کے استدلال کو علامہ عینی کا بہ کثرت دلائل سے رد کر دینا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: ''ولی کے بغیر نکاح نہیں منعقد ہوتا''۔

(سنن ابوداؤد:۲۰۸۵، سنن ترمذی:۱۱۰۱، سنن ابن ماجہ:۱۸۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جس عورت نے اپنے ولیوں کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، پس اگر اس نے اس عورت کے ساتھ دخول کر لیا تو اس کے ساتھ دخول کی وجہ سے اس کو نصف مہر دینا ہوگا، پھر ولیوں میں تنازع ہو تو جس کا کوئی ولی نہیں ہے تو اس کا ولی سلطان ہے۔

(سنن ابوداؤد:۲۰۸۳۔۲۰۸۴، سنن ترمذی:۱۱۰۲، سنن ابن ماجہ:۱۸۷۹)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں تو وہ ان کے نکاح میں فوت ہو گئے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی تو پھر نجاشی نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور آپ اس وقت حبشہ میں تھیں۔ (سنن ابوداؤد:۲۰۸۶، سنن نسائی:۳۳۵۰)

امام بخاری نے اس عنوان پر البقرة:۲۳۲ سے استدلال کیا ہے اور یہ پوری آیت اس طرح ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ (البقرة:۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (ان ہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں کے ولیوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ اگر وہ اپنے پہلے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو وہ اس کو منع نہ کریں، پس اگر عقد نکاح عورتوں کی طرف مفوض نہ ہوتا تو وہ عورتیں ممنوعات نہ ہوتیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے استدلال مکمل نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر کلام یہ ہے کہ یہ خطاب ان شوہروں سے ہے جو اپنی بیویوں سے عقد نکاح کرتے ہیں، پھر عدت پوری ہونے کے بعد ان کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے اپنی غیرت اور حمیت کی وجہ سے روکتے ہیں اور یہ حمیت جاہلیہ تھی، وہ اپنی بیویوں کو اس سے روکتے تھے کہ وہ عدت کے بعد جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ آیت تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ امام بخاری کی روایت عنقریب آئے گی اور امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن تھی جس کا میں نے اپنے چچا کے بیٹے سے نکاح کر دیا تھا، پھر اس نے

اس کو طلاق رجعی دے دی، پھر اس کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہوگئی، پھر میرے چچا کا بیٹا میرے پاس دوبارہ آیا اور اس کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا اور میں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں اس کا نکاح کبھی نہیں کروں گا، تب میرے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔ (البقرہ: ۲۳۲)

(صحیح البخاری: ۴۵۲۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۷، سنن ترمذی: ۲۹۸۱)

پس جس نے یہ کہا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اس نے یہ استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان عورتوں کی ممانعت نکاح کو ترک کردو اور اس میں یہ دلیل ہے کہ عورتوں کے عقد نکاح کی ولایت ان کے ولیوں کی طرف ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث متعدد وجوہِ مختلفہ سے روایت کی گئی ہے اور اسی طرح اس کے سبب نزول میں بھی متعدد روایات ذکر کی گئی ہیں، بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں عورت کے ولیوں کو خطاب ہے اور بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں مطلقہ عورتوں کے شوہروں کو خطاب ہے، اور بعض نے کہا: اس آیت میں تمام لوگوں سے خطاب ہے، سو اس بناء پر اس آیت سے امام بخاری کا استدلال مکمل نہیں ہوگا۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے منع کیا ہو کہ وہ اپنی بہن کو مراجعت کی ترغیب دینا چاہتے ہوں، وہ مراجعت سے توقف کرتی تھیں تو انہوں نے اس توقف کو ترک کرنے کا حکم دیا۔

امام ابوبکر بن الجصاص نے حضرت معقل کی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ روایت اہل نقل کے مذہب کے مطابق ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے اور رہی حسن بصری کی حدیث تو وہ مرسل ہے اور رہی آیت تو اس میں مطلقہ عورتوں کے شوہروں سے خطاب ہے نہ کہ ان کے ولیوں سے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۱۔ ۱۷۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

فَدَخَلَ فِيهِ الثَّيِّبُ وَكَذٰلِكَ الْبِكْرُ۔ اس آیت کے حکم میں بیوہ اور اسی طرح کنواری عورتیں دونوں داخل ہیں۔

النساء کے عموم میں بیوہ اور کنواری عورتوں کا داخل ہونا

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: اس آیت میں وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فرمایا (البقرۃ: ۲۳۲) اور النساء کے عموم میں بیوہ اور کنواری عورتیں دونوں داخل ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ۔ (البقرہ: ۲۲۱) اور مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اس آیت کے حکم میں بیوہ اور اسی طرح کنواری عورتیں دونوں داخل ہیں۔

علامہ عینی کا امام بخاری پر اعتراض اور مصنف کی طرف سے جواب

علامہ عینی اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے امام بخاری کی وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے ولیوں سے خطاب فرمایا ہے اور ان کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے زیر سرپرستی یا زیر پرورش مسلمان لڑکیوں کا مشرکین سے نکاح کر دیں، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورتوں کے نکاح کا معاملہ خود ان عورتوں کی طرف نہیں بلکہ ان عورتوں کے ولیوں اور سرپرستوں کی طرف مفوض ہے

سے معلوم ہوا کہ ولی کے بغیر عورت کا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس آیت کا حکم درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ (المائدہ:۵) اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)۔

اور اس آیت میں خطاب عام ہے خواہ عورتوں کے ولیوں سے ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سے ہو، پس امام بخاری کا استدلال مکمل نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۱)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کا امام بخاری پر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے جس آیت سے استدلال کیا ہے اس میں عورتوں کے مشرک مردوں سے نکاح کرنے کو منع فرمایا ہے۔ اور علامہ عینی نے اس کے معارضہ میں جو آیت پیش کی ہے اس میں مشرک مردوں سے نکاح کے جواز کا حکم نہیں ہے بلکہ اہل کتاب مشرک عورتوں سے نکاح کے جواز کو بیان فرمایا ہے، اس لیے علامہ عینی کا امام بخاری پر اعتراض درست نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ۔ (النور:۳۲) اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو۔

امام بخاری کے استدلال پر علامہ عینی کا رد، علامہ کرمانی کی امام بخاری کی طرف سے توجیہ، اور اس پر پھر علامہ عینی کا رد

علامہ عینی اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں عورتوں کے ولیوں سے خطاب ہے۔ علامہ عینی امام بخاری پر رد فرماتے ہیں کہ اس آیت سے اس پر استدلال کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ بغیر ولی کے نکاح منعقد نہیں ہوتا کیونکہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے: اے مومنو! تمہارے آزاد مردوں اور عورتوں میں سے جو تمہارے نیک غلاموں اور باندیوں میں سے جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو۔ اور الایامی جمع کا صیغہ ہے اور یہ ایم کی جمع ہے جس کا معنی ہے: بے نکاح، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، پس یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس آیت میں عورتوں کے ولیوں سے خطاب ہے کیونکہ مردوں کا نکاح تو بالاتفاق ولی کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے۔ علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے اس آیت سے مرد بالاجماع خارج ہے، پس عورت کے ساتھ حکم بحالہ باقی رہا۔ (شرح الکرمانی ج ۱۹ ص ۹۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

علامہ عینی اس جواب کا رد فرماتے ہیں کہ یہ محض علامہ کرمانی کا دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۲۷۔ قَالَ یَحْیَی بْنُ سُلَیْمَانَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ یُوْنُسَ ح وَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ النِّکَاحَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ کَانَ عَلٰی اَرْبَعَةِ اَنْحَاءٍ فَنِکَاحٌ

..........یحییٰ بن سلیمان نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس (ح)، اور ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عنبسہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی، از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ

مِنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ يَخْطُبُ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ وَلِيَّتَهُ أَوْ ابْنَتَهُ فَيُصْدِقُهَا ثُمَّ يَنْكِحُهَا وَنِكَاحٌ آخَرُ كَانَ الرَّجُلُ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ إِذَا طَهُرَتْ مِنْ طَمْثِهَا أَرْسِلِي إِلَى فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِي مِنْهُ وَيَعْتَزِلُهَا زَوْجُهَا وَلَا يَمَسُّهَا أَبَدًا حَتَّى يَتَبَيَّنَ حَمْلُهَا مِنْ ذَلِكَ الرَّجُلِ الَّذِي تَسْتَبْضِعُ مِنْهُ فَإِذَا تَبَيَّنَ حَمْلُهَا أَصَابَهَا زَوْجُهَا إِذَا أَحَبَّ وَإِنَّمَا يَفْعَلُ ذَلِكَ رَغْبَةً فِي نَجَابَةِ الْوَلَدِ فَكَانَ هَذَا النِّكَاحُ نِكَاحَ الِاسْتِبْضَاعِ وَنِكَاحٌ آخَرُ يَجْتَمِعُ الرَّهْطُ مَا دُونَ الْعَشَرَةِ فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ كُلُّهُمْ يُصِيبُهَا فَإِذَا حَمَلَتْ وَوَضَعَتْ وَمَرَّ عَلَيْهَا لَيَالٍ بَعْدَ أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا أَرْسَلَتْ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَسْتَطِعْ رَجُلٌ مِنْهُمْ أَنْ يَمْتَنِعَ حَتَّى يَجْتَمِعُوا عِنْدَهَا تَقُولُ لَهُمْ قَدْ عَرَفْتُمُ الَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِكُمْ وَقَدْ وَلَدْتُ فَهُوَ ابْنُكَ يَا فُلَانُ تُسَمِّي مَنْ أَحَبَّتْ بِاسْمِهِ فَيَلْحَقُ بِهِ وَلَدُهَا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَمْتَنِعَ بِهِ الرَّجُلُ وَنِكَاحُ الرَّابِعِ يَجْتَمِعُ النَّاسُ الْكَثِيرُ فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ لَا تَمْتَنِعُ مِمَّنْ جَاءَهَا وَهُنَّ الْبَغَايَا كُنَّ يَنْصِبْنَ عَلَى أَبْوَابِهِنَّ رَايَاتٍ تَكُونُ عَلَمًا فَمَنْ أَرَادَهُنَّ دَخَلَ عَلَيْهِنَّ فَإِذَا حَمَلَتْ إِحْدَاهُنَّ وَوَضَعَتْ حَمْلَهَا جُمِعُوا لَهَا وَدَعَوْا لَهُمُ الْقَافَةَ ثُمَّ أَلْحَقُوا وَلَدَهَا بِالَّذِي يَرَوْنَ فَالْتَاطَ بِهِ وَدُعِيَ ابْنَهُ لَا يَمْتَنِعُ مِنْ ذَلِكَ فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ ﷺ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ إِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۷۲)

نبی ﷺ نے ان کو خبر دی کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح کی چار قسمیں تھیں: (۱) ایک قسم یہ تھی کہ جس طرح آج کل لوگ نکاح کرتے ہیں، ایک مرد دوسرے مرد کے پاس اس کے زیر پرورش لڑکی یا اس کی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجتا اور اس کا مہر ادا کر کے اس سے نکاح کرتا (۲) نکاح جاہلیت کی دوسری صورت یہ تھی کہ جب کسی مرد کی بیوی حیض سے پاک ہو جاتی تو وہ اس سے کہتا کہ تم فلاں مرد کے پاس جاؤ اور اس سے زنا کراؤ، اور اس مدت کے دوران وہ مرد اپنی بیوی سے الگ رہتا اور اس سے بالکل مجامعت نہ کرتا حتیٰ کہ اس دوسرے مرد سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا جس مرد سے اس عورت نے زنا کیا تھا، پھر وضع حمل کے بعد اگر مرد چاہتا تو اپنی بیوی سے مجامعت کرتا، وہ لوگ یہ نکاح اس لیے کرتے تھے تا کہ ان کا بچہ شریف اور عمدہ مرد سے پیدا ہو، اور اس نکاح کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا (۳) نکاح جاہلیت کی تیسری صورت یہ تھی کہ چند مرد جن کی تعداد دس سے کم ہوتی تھی وہ کسی ایک عورت کے ساتھ دخول کرتے یعنی وہ سب اس سے زنا کرتے اور جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور وضع حمل ہو جاتا یعنی وہ بچہ جن لیتی تو وضع حمل کے چند دن گزرنے کے بعد وہ عورت ان تمام مردوں کو بلاتی اور ان میں سے کوئی مرد آنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور جب اس عورت کے پاس تمام مرد جمع ہو جاتے تو وہ عورت ان مردوں سے کہتی: تم لوگوں کی جو کارروائی تھی وہ تم سب کو معلوم ہے اور اب میں نے یہ بچہ جنا ہے، پھر وہ عورت جس مرد کی طرف اس بچہ کو منسوب کرنا چاہتی تو کہتی: اے فلاں! یہ تمہارا بیٹا ہے، پھر اس بچہ کا نسب اس مرد کے ساتھ مل جاتا اور وہ مرد اس سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا (۴) نکاح جاہلیت کی چوتھی صورت یہ تھی کہ بہت سے مرد جمع ہو کر کسی عورت پر داخل ہوتے تھے اور وہ عورت اپنے پاس داخل ہونے والے کسی مرد کو نہیں روکتی تھی، یہ عورتیں طوائف ہوتی تھیں یعنی کسب زنا کرنے والیاں اور یہ طوائف اپنے گھروں کے دروازے پر جھنڈے نصب کرتی تھیں جو ان کے طوائف ہونے کی علامت ہوتے تھے، سو جو مرد بھی چاہتا ان پر داخل

جاتا، پس اس قسم کی کوئی ایک عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ جن لیتی تو (اس کے پاس آنے والے) سب مرد اس کے پاس جمع ہو جاتے اور وہ اپنے لیے کسی قیافہ شناس کو بلاتے، پھر وہ قیافہ شناس اس بچہ (کے نسب) کو اس مرد کے ساتھ ملا دیتے جس مرد کے ساتھ اس بچہ کے نقوش ملتے جلتے ہوتے اور وہ بچہ اس ہی مرد کا کہلایا جاتا اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا، پس جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دین حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کو باطل قرار دے دیا اور صرف اسی نکاح کو باقی رکھا جس کا آج کل رواج ہے۔

زمانہ جاہلیت کے دیگر نکاح

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نکاح جاہلیت کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی نکاح جاہلیت کی چند قسمیں ہیں جن کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر نہیں کیا جو درج ذیل ہیں:

(۱) نکاح الخذن، اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ۔ (النساء: ۲۵) نہ غیروں سے آشنائی کرنے والی ہوں۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ چھپ کر کسی عورت سے ملتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور جب یہ بات ظاہر ہو جاتی تو وہ اس پر ملامت کرتے تھے۔

(۲) نکاح المتعہ: (اس کی تفصیل گزر چکی ہے)

(۳) نکاح البدل: امام دارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بدل یہ تھا کہ ایک مرد دوسرے مرد سے کہتا: تم اپنی بیوی سے میری خاطر الگ ہو جاؤ اور میں اس کے بدلہ میں تمہاری خاطر اپنی بیوی سے الگ ہو جاتا ہوں اور تم کو زیادہ موقع دوں گا۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عورت کے از خود نکاح کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بغیر ولی کے نکاح جائز نہیں ہے خواہ مناسب ولی نکاح کرے یا وصی نکاح کرے یا سربراہ ملک نکاح کرے اور عورت کا از خود نکاح کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا یہی موقف ہے اور فقہاء تابعین میں سے شریح، ابن المسیب، الحسن البصری اور ابن ابی لیلیٰ کا یہی موقف ہے اور ائمہ مجتہدین میں سے امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق اور ابو عبید کا یہی مذہب ہے۔

علامہ ابن المنذر نے شعبی اور زہری سے روایت کی ہے کہ جب کسی عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کفوء میں نکاح کیا تو یہ جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: جب کوئی عورت عاقلہ، بالغہ ہو تو اس کے ولی کی ولایت اس سے زائل ہو جاتی ہے، پس اگر اس نے از خود عقد نکاح کر لیا تو جائز ہے اور اگر اس نے کسی مرد کو اپنا ولی بنایا حتیٰ کہ اس مرد نے اس کا نکاح کر دیا تب بھی یہ عقد جائز ہے اور انہوں نے جمہور فقہاء کے موافق کہا ہے کہ اگر اس نے غیر کفوء میں از خود نکاح کیا تو اس ولی کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

غیر مقلدین کا بھی یہی موقف ہے کہ بغیر ولی کے عورت کا از خود نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

(عون الباری لصدیق بن حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ ج ۵ ص ۴۱۶۔ ۴۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ) (تیسیر الباری لوحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ ج ۵ ص ۱۰۴، نعمانی کتب خانہ، لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

میں کہتا ہوں: اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے دلائل اس باب کے آخر میں پیش کیے جائیں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۱۲۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ قَالَتْ هَذَا فِي الْيَتِيمَةِ الَّتِي تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ لَعَلَّهَا أَنْ تَكُونَ شَرِيكَتَهُ فِي مَالِهِ وَهُوَ أَوْلَى بِهَا فَيَرْغَبُ عَنْهَا أَنْ يَنْكِحَهَا فَيَعْضُلَهَا لِمَالِهَا وَلَا يُنْكِحُهَا غَيْرَهُ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَشْرَكَهُ أَحَدٌ فِي مَالِهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از ہشام ابن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ درج ذیل آیت کی تفسیر میں بیان کرتی ہیں: اور (وہ احکام بھی) جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جا رہے ہیں جن کا وہ حق تم انہیں نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو (النساء: ۱۲۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: یہ آیت اس یتیم لڑکی کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کسی مرد کے زیر پرورش ہوتی ہے شاید کہ وہ لڑکی اس مرد کے مال میں شریک ہو اور وہ مرد اس لڑکی کا زیادہ حق دار ہوتا ہے، پس وہ اس لڑکی سے نکاح کرنے میں رغبت کرتا ہے، سو اس کو دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرتا ہے اور کسی دوسرے مرد کے ساتھ اس کا نکاح نہیں کرتا کیونکہ وہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ کوئی دوسرا اس لڑکی کے مال میں شریک ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۰۹۸ میں گزر چکی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم: ۳۰۱۸ میں بھی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کا امام بخاری کے مطلوب پر دلالت نہ کرنا

امام بخاری نے اس حدیث سے بھی اپنے اس موقف پر استدلال کیا ہے کہ ولی کے بغیر عورت کا از خود نکاح کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس حدیث کی امام بخاری کے مطلوب پر دلالت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۱۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں

ابْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ حِينَ تَأَيَّمَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عُمَرَ مِنَ ابْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ تُوُفِّيَ بِالْمَدِينَةِ فَقَالَ عُمَرُ لَقِيتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ فَقَالَ سَأَنْظُرُ فِي أَمْرِي فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ لَقِيَنِي فَقَالَ بَدَا لِي أَنْ لَا أَتَزَوَّجَ يَوْمِي هَذَا قَالَ عُمَرُ فَلَقِيتُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ۔

نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ جب حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ سے بیوہ ہوگئیں جو نبی ﷺ کے اصحاب میں سے تھے، اہل بدر میں سے تھے، مدینہ میں وفات پا گئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان بیان کیا کہ میری حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان پر پیش کش کی، میں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا آپ سے نکاح کر دوں تو انہوں نے کہا: میں عنقریب اپنے معاملہ میں غور کروں گا، پھر میں چند راتیں ٹھہرا رہا، پھر وہ مجھ سے ملے تو انہوں نے بتایا: مجھ پر یہ منکشف ہوا ہے کہ میں ان دنوں میں نکاح نہ کروں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر میری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے ساتھ حفصہ کا نکاح کر دوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۴۵، میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کا امام بخاری کے موقف پر دلالت نہ کرنا

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ تو مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو حضرت حفصہ کے ولی تھے وہ حضرت حفصہ کا نکاح حضرت عثمان سے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے کرنا چاہتے تھے، لیکن اس حدیث میں یہ بیان نہیں کہ عورت کا از خود نکاح کرنا باطل ہے، لہٰذا اس حدیث کی امام بخاری کے مطلوب پر دلالت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۱۳۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ قَالَ حَدَّثَنِي مَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِيهِ قَالَ زَوَّجْتُ أُخْتًا لِي مِنْ رَجُلٍ فَطَلَّقَهَا حَتَّى إِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا جَاءَ يَخْطُبُهَا فَقُلْتُ لَهُ زَوَّجْتُكَ وَفَرَشْتُكَ وَأَكْرَمْتُكَ فَطَلَّقْتَهَا ثُمَّ جِئْتَ تَخْطُبُهَا لَا وَاللّٰهِ لَا تَعُودُ إِلَيْكَ أَبَدًا وَكَانَ رَجُلًا لَا بَأْسَ بِهِ وَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تُرِيدُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ هَذِهِ الْآيَةَ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ فَقُلْتُ الْآنَ أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ فَزَوَّجَهَا إِيَّاهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم نے حدیث بیان کی از یونس از الحسن، انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا: تو انہیں ان کے (انہی پہلے) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، (البقرہ: ۲۳۲) حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں بتایا کہ مجھے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اپنی بہن کا ایک مرد کے ساتھ نکاح کر دیا تھا، سو اس مرد نے ان کی بہن کو طلاق دے دی تھی حتیٰ کہ جب ان کی بہن کی عدت پوری ہوگئی تو وہی مرد ان کی بہن کو نکاح

(صحیح البخاری: ۵۱۳۰، ۵۳۳۰، ۵۳۳۱، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۷، سنن ترمذی: ۲۹۸۱)

کا پیغام دینے کے لیے آیا تو میں نے اس سے کہا: میں نے (اپنی بہن کا) تم سے نکاح کر دیا تھا اور اس کو تمہارا بستر بنا دیا تھا اور میں نے تمہاری تکریم کی تھی، پھر تم نے اس کو طلاق دے دی اور اب پھر تم اس سے نکاح کرنے کا پیغام دینے کے لیے آئے ہو؟ نہیں اللہ کی قسم! وہ تمہاری طرف کبھی نہیں لوٹے گی اور اس مرد میں کوئی عیب نہیں تھا اور عورت (میری بہن) بھی اس کے پاس واپس جانا چاہتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: تو انہیں ان کے (انہی پہلے) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔ (البقرۃ: ۲۳۲) تب میں نے کہا: یارسول اللہ! اب میں یہ نکاح کر دوں گا، حضرت معقل نے بتایا: پس انہوں نے اپنی بہن کا اس مرد سے نکاح کر دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۲۹ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور سے امام بخاری، ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین کے مذہب کا باطل ہونا اور امام اعظم کے مذہب کا ثابت ہونا

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ولی کے بغیر بالغہ عاقلہ عورت از خود نکاح کرے تو یہ نکاح باطل ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ امام ابو یوسف، امام محمد اور غیر مقلدین کا مذہب ہے لیکن اس حدیث سے امام بخاری کا اپنے باب کے عنوان اور اپنے موقف پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق رجعی دے دی اور ان کے شوہر نے پھر ان کی بہن سے نکاح کا پیغام دیا اور حضرت معقل کی بہن نے بھی اپنے سابق شوہر سے نکاح کرنے کو پسند کیا تو حضرت معقل نے قسم کھالی کہ میری بہن تمہاری طرف کبھی نہیں لوٹے گی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: تو انہیں ان کے (انہی پہلے) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔ (البقرۃ: ۲۳۲) اس سے واضح ہوا کہ اس حدیث میں بغیر ولی کے بالغہ عورت کو از خود نکاح کرنے سے منع نہیں فرمایا، جیسا کہ امام بخاری، ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین کا مذہب ہے بلکہ اس کے برعکس اس حدیث میں امام بخاری کی دلیل نہیں ہے بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہے کہ بالغہ عورت از خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور اس کے ولی کو اس کے نکاح کرنے سے منع کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بالغہ عورت کے ولی کو از خود نکاح کرنے کی ممانعت سے منع فرمایا ہے، سو اسی وجہ سے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور کہا: یارسول اللہ! اب میں یہ نکاح کر دوں گا، یہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی للّٰہیت تھی جو انہوں نے اپنے نفس کی پیروی کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، اللہ کرے کہ ائمہ ثلاثہ کے مقلدین اور غیر مقلدین بھی ہوائے نفس کو ترک کر دیں اور یہ مان لیں کہ عاقلہ بالغہ آزاد عورت کو از خود نکاح کرنے کا اختیار ہے اور اس کے ولی کو اس سے منع کرنے کا اختیار نہیں ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق عمل کریں۔ (سعیدی غفرلہ)

ائمہ ثلاثہ کا احادیث مذکورہ سے ولی کی شرط پر استدلال اور امام ابوحنیفہ پر تعاقب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور فقہاء نے ان احادیث مذکورہ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ولی کے بغیر اگر بالغہ عورت از خود نکاح کرے تو یہ نکاح باطل ہے اور ان کی زیادہ صریح دلیل یہ ہے کہ اگر ولی کا اعتبار نہ ہوتا تو البقرۃ: ۲۳۲ کا کوئی معنی نہ ہوتا کیونکہ اگر حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو از خود نکاح کرنے کا اختیار ہوتا تو وہ نکاح کرنے میں اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتیں اور جس کو کسی کام کا اختیار ہوتا ہے تو دوسرے کو اس سے منع کرنے کا اختیار نہیں ہوتا جب کہ حضرت معقل نے اپنی بہن کو اس نکاح کے کرنے سے منع کیا تھا اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ولی کی اصلاً شرط نہیں ہے اور بالغہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ از خود نکاح کر لے خواہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کرے جب کہ وہ نکاح کفوء میں کرے اور انہوں نے نکاح کو بیع پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح بالغہ عورت خرید و فروخت میں مختار ہے اسی طرح وہ نکاح کرنے میں بھی مختار ہے، اور جن احادیث میں ولی کی شرط ہے اس کو انہوں نے نابالغہ پر محمول کیا ہے، اور اس قیاس سے انہوں نے ولی کی شرط کے عموم کو خاص کیا ہے، اور یہ عمل اصول میں جائز ہے کہ کسی عام حکم کو قیاس سے خاص کر لیا جائے، لیکن حضرت معقل کی حدیث مذکور اسی قیاس کی نفی کرتی ہے اور اس پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح میں ولی کی شرط ہے تاکہ ولی کے زیر سرپرست لڑکی اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس سے عار کو دور کیا جا سکے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کو رد کرنا اور امام اعظم رحمہ اللہ کی تائید کرنا

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت معقل کی حدیث کی صحیح شرح نہیں کی، انہوں نے یہ تو لکھا ہے کہ اگر ولی کی شرط نہ ہوتی تو حضرت معقل کی بہن نکاح کرنے میں اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتیں اور حضرت معقل کو انہیں اس نکاح سے روکنے کا اختیار نہ ہوتا، لیکن حافظ ابن حجر نے اس پر غور نہیں کیا کہ جب البقرۃ: ۲۳۲ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں کے ولیوں کو ان کے سابق شوہروں سے نکاح کرنے سے روکنے سے منع فرمایا تو حضرت معقل نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور کہا: یا رسول اللہ! میں اس کا نکاح اس کے سابق شوہر سے کر دوں گا، سورۃ البقرہ: ۲۳۲ میں یہ واضح دلیل ہے کہ عورتوں کے ولیوں کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان کو از خود نکاح کرنے سے منع کریں، سو یہ آیت حافظ ابن حجر عسقلانی اور ان کے ائمہ کی دلیل نہیں ہے بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہے اور ہماری دلیل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے مذہب کو قیاس سے ثابت کیا ہے اور نکاح کو بیع پر قیاس کیا ہے بلکہ امام ابوحنیفہ کا مذہب صحیح اور صریح احادیث پر مبنی ہے جن کو ہم ابھی ان شاء اللہ العزیز پیش کریں گے۔ فنقول و باللہ التوفیق

ائمہ ثلاثہ نے جس حدیث سے ولی کی شرط پر استدلال کیا ہے اس حدیث پر تبصرہ

جس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے ولی کی شرط پر استدلال کیا ہے وہ حدیث درج ذیل ہے:

ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے حدیث بیان کی از سلیمان بن موسیٰ از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس عورت نے اپنے ولیوں کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے''۔ الحدیث

(سنن ابوداؤد: ۲۰۸۳، سنن ترمذی: ۱۱۰۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۹)

امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الازدی المصری الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ابن جریج کی از سلیمان بن موسیٰ روایت ہے اور ابن جریج نے ذکر کیا ہے کہ ابن شہاب نے ان سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو ابن جریج نے اس حدیث کو نہیں پہچانا۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی متوفی ۲۷۹ھ اس حدیث (سنن ترمذی:۱۱۰۲) کی روایت کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور شعبہ اور ثوری نے از ابی اسحاق از ابی بردہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ ''ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا''۔ اور سفیان کے بعض اصحاب نے از سفیان از ابی اسحاق از ابی بردہ از ابی موسیٰ یہ روایت کی ہے اور یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

اس پر بحث کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں:

بعض اصحاب الحدیث نے حدیث زہری از عروہ از عائشہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کی ہے:

ابن جریج نے کہا: میں الزہری سے ملا، پس میں نے ان سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا، اس وجہ سے اصحاب الحدیث نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ حدیث کے ان الفاظ (فنکاحها باطل) کی ابن جریج سے صرف اسماعیل بن ابراہیم نے روایت کی ہے۔ اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ اسماعیل بن ابراہیم کا ابن جریج سے اس پائے کا سماع نہیں ہے اور اسماعیل بن ابراہیم نے صرف عبدالمجید کی از عبدالعزیز بن ابی رواد ان کتابوں کو پڑھا ہے جن میں انہوں نے ابن جریج سے سماع کا ذکر کیا تھا۔

اور یحییٰ بن معین نے اسماعیل بن ابراہیم کی از ابن جریج کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(سنن ترمذی ص ۳۶۲-۳۶۱، ملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۳ھ)

میں کہتا ہوں: ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی شرط امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی اس روایت کی بنیاد پر قائم کی ہے اور یہ روایت خود امام ترمذی کی تصریح کے مطابق ضعیف ہے، لہٰذا ان ائمہ کا اس ضعیف حدیث سے استدلال کرنا باطل ہے۔

ائمہ ثلاثہ نے جس حدیث سے ولی کی شرط پر استدلال کیا ہے اس کے خلاف ایک اور دلیل

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور ان کا اپنا عمل اس حدیث کے خلاف ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو یہ اس پر دلیل ہوتی ہے کہ راوی سے اس حدیث کی روایت صحیح نہیں ہے یا راوی کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل ان کی اس روایت کے خلاف ہے، اس پر دلیل یہ ہے:

امام مالک بن انس المتوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از مالک از عبدالرحمٰن بن القاسم از والد خود روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حفصہ بنت عبدالرحمٰن کا نکاح المنذر بن الزبیر سے کر دیا (حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھتیجی تھیں) اور (ان کے بھائی) حضرت عبدالرحمٰن اس وقت شام میں گئے ہوئے تھے، پس جب حضرت عبدالرحمٰن واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ مجھ جیسے شخص کے ساتھ ایسا کیا گیا؟ (یعنی ان کی بیٹی کا نکاح) اور ان سے مشورہ کے بغیر یہ نکاح کیا گیا ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے المنذر بن الزبیر سے اس کے متعلق گفتگو کی تو انہوں نے کہا: اس نکاح کا معاملہ عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں ہے، تب حضرت عبدالرحمٰن (بن ابوبکر رضی اللہ عنہما)

نے کہا: میں اس نکاح کو مسترد نہیں کر سکتا جس نکاح کا فیصلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کر دیا ہے، پھر حفصہ بنت عبدالرحمن، المنذر بن الزبیر کے نکاح میں برقرار رہیں اور یہ چیز طلاق نہیں تھی۔

(الموطا کتاب الطلاق رقم الحدیث: ۱۵ ج ۲ ص ۷۰، المکتبۃ التوفیقیہ، الاستذکار ج ۱۷ ص ۶۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت، حلب، القاہرہ، ۱۴۱۴ھ)

میں کہتا ہوں: الموطا کی اس مستند روایت اور حافظ ابن عبدالبر المالکی المتوفی ۴۶۳ھ کی اس روایت کو ان کی شرح ''الاستذکار'' میں درج کرنے سے اس کی ثقاہت مزید زیادہ ہو گئی ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی قائل تھیں کہ ولی کے بغیر بھی بالغہ عورت کا نکاح کرنا صحیح ہے کیونکہ ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمن بن ابی بکر کے ولی، ان کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر تھے اور وہ اس نکاح کے وقت موجود نہیں تھے شام میں تھے، اس کے باوجود حضرت عائشہ نے اپنی بھتیجی حفصہ کا نکاح المنذر بن الزبیر سے کر دیا اور جب حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر شام سے واپس آئے تو انہوں نے اس نکاح کو برقرار رکھا اور جب حضرت عائشہ نے ولی کے بغیر خود اپنی بھتیجی کا نکاح کر دیا تو معلوم ہو گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک بالغہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی شرط نہیں ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عائشہ سے یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ ولی کے بغیر عورت کا نکاح باطل ہے، اسی وجہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی کیونکہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے جن احادیث سے ولی کی شرط پر استدلال کیا ہے ان کی اسانید پر تبصرہ

امام ابن ماجہ از الحجاج بن ارطاۃ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا: ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اور جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔ (سنن ماجہ: ۱۸۸۰)

حافظ جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ اس حدیث کی سند پر تبصرہ کرتے ہیں:

الحجاج ضعیف ہے اور عکرمہ سے اس کے سماع پر اعتراض ہے، ''صاحب التنقیح'' نے کہا ہے: حجاج کا عکرمہ سے سماع نہیں ہے لیکن یہ حدیث داؤد بن الحصین سے روایت کی گئی ہے لیکن طبرانی نے اس کی از خالد الحذاء از عکرمہ روایت کی ہے، امام ابن الجوزی نے کہا: اس حدیث کی اور بھی اسانید ہیں اور وہ کل ضعیف ہیں۔ امام دارقطنی نے از جمیل بن حسن الجہضمی روایت کی ہے: ہمیں محمد بن مروان العقیلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن حسان نے حدیث بیان کی از محمد بن سیرین از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: کوئی عورت از خود نکاح نہ کرے کیونکہ زانیہ وہ ہے جو از خود نکاح کرتی ہے۔

(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۲۷)

امام ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں جس جمیل کا ذکر ہے وہ مجہول ہے، ابن عیینہ نے کہا از ہشام بن حسان از ابن سیرین جو احادیث مروی ہیں ان کے متعلق امام ابن الجوزی نے کہا: یہ سب احادیث واہیہ ضعیفہ ہیں۔ ہم نے ان کے ذکر سے اعراض کیا ہے۔

امام دارقطنی نے از بکر بن بکار روایت کی ہے: ہمیں عبداللہ بن محرز نے حدیث بیان کی ہے از قتادہ از الحسن از عمران بن حصین از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا''۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۲۵)

اس حدیث کی سند میں بکر بن بکار ضعیف راوی ہے۔

امام دارقطنی نے اس حدیث کو از ثابت بن زہیر از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بغیر ولی اور دو عادل گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا''۔

امام ابن عدی نے کہا: امام بخاری نے بتایا کہ ثابت بن زہیر منکر الحدیث ہے۔

(نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۳۷-۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کی طرف سے بالغہ عورتوں کے از خود نکاح کرنے کے جواز پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ۔ (البقرۃ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کی نسبت عورت کی طرف کی ہے اور اس میں ولی کی قید نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت ولی کے بغیر از خود تیسری طلاق کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے تو پھر اس دوسرے مرد کی طلاق کے بعد وہ اپنے پہلے خاوند پر حلال ہو جائے گی اور اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ بالغہ عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے لیے ولی کی شرط نہیں ہے، اور ائمہ ثلاثہ کا بالغہ عورت کے نکاح کے متعلق ولی کی شرط لگانا قرآن مجید کی اس آیت پر اضافہ ہے اور باطل ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ۔ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کر لیں۔

اس آیت میں بھی یہ تصریح ہے کہ بالغہ عورت تیسری طلاق کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اور قرآن مجید نے یہاں پر ولی کی شرط کی قید نہیں لگائی اور غیر مقلدین اور ائمہ ثلاثہ کا اس نکاح میں ولی کی شرط لگانا قرآن مجید پر اضافہ ہے اور باطل ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ۔ (البقرۃ: ۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (ان ہی پہلے) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بالغہ عورتوں کے ولیوں کو از خود نکاح کرنے سے روکنے سے منع فرما دیا ہے اور عورتوں کے لیے یہ جائز قرار دیا ہے کہ وہ از نکاح کر لیں کیونکہ یہ خاص عورتوں کا حق ہے، وہی اہل مباشرت ہیں اس لیے ان کا یہ تصرف صحیح ہے اور اس آیت میں ولی کی اجازت کی شرط نہیں ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکی (خواہ کنواری ہو یا بیوہ) ولی کی بہ نسبت اپنے نکاح کی زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵)

لہٰذا ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین کا آزاد عورتوں کے نکاح کے لیے ولی کی شرط لگانا قرآن مجید کی اس آیت پر اضافہ ہے اور قطعاً باطل ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کی طرف سے بالغہ عورتوں کے از خود نکاح کرنے کے جواز پر احادیث صحیحہ اور فقہاء تابعین کے اقوال سے دلائل

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا: ''بے نکاح عورت (خواہ کنواری ہو یا بیوہ) کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے''۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کنواری عورت کیسے اجازت دے گی؟ آپ نے فرمایا: ''وہ خاموش ہو جائے''۔

(صحیح البخاری:۵۱۳۶، صحیح مسلم:۱۴۱۹، سنن ابوداؤد:۲۰۹۲، سنن نسائی:۳۲۶۵، سنن ترمذی:۱۱۰۷، مسند احمد۹۶۱۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۴)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بیوہ عورت ولی کی بہ نسبت اپنا نکاح کرنے کی زیادہ حق دار ہے اور کنواری عورت سے اس کا باپ اجازت طلب کرے''۔ (سنن ابوداؤد:۲۰۹۹) امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث میں ''اس کے باپ'' کا لفظ محفوظ نہیں ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیوہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۱، سنن ابوداؤد:۲۱۰۰، سنن نسائی:۳۲۶۳، صحیح ابن حبان:۴۰۸۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۸، مصنف عبدالرزاق:۱۰۲۹۹، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۳۹)

(۴) حضرت خنساء بنت خدام الانصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب وہ بیوہ تھیں تو ان کا نکاح ان کے والد نے کر دیا، سو انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تو انہوں نے اس واقعہ کا آپ سے ذکر کیا، ''تو آپ نے ان کے نکاح کو مسترد کر دیا''۔ (صحیح البخاری:۵۱۳۹۔۵۱۳۸، سنن ابوداؤد:۲۱۰۱، سنن نسائی:۳۲۶۸، سنن ابن ماجہ:۱۸۷۳)

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک کنواری لڑکی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا اور وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑکی کو (نکاح مسترد کرنے کا) اختیار دیا۔

(سنن ابوداؤد:۲۰۹۶، سنن ابن ماجہ:۱۸۷۵، مسند احمد:۲۴۶۹)

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورتوں سے ان کی فروج (یعنی ان کے نکاح) کے متعلق اجازت طلب کی جائے گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! عورتیں حیاء کریں گی، آپ نے فرمایا: بے نکاح عورت اپنے نکاح کی زیادہ مستحق ہے اور کنواری عورت سے اس کی اجازت طلب کی جائے گی، سو اس کی خاموشی اس کا اقرار ہے۔

(صحیح البخاری:۶۹۴۶، صحیح مسلم:۱۴۲۰، مسند احمد:۲۴۲۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ:۱۶۲۱۷، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

(۷) ابن عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عورتوں کا نکاح کرتے تو ان سے مشورہ طلب کرتے، انہوں نے بیان کیا کہ جس عورت کے لیے نکاح کا پیغام دیا جاتا آپ اس کو پردہ کے پیچھے بیٹھا دیتے اور فرماتے کہ فلاں مرد فلاں عورت کا ذکر کر رہا ہے، پس اگر وہ پردہ کو حرکت دیتی تو آپ اس کا نکاح نہ کرتے اور اگر وہ خاموش رہتی تو آپ اس کا نکاح کر دیتے۔

(مصنف عبدالرزاق:۱۰۳۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ:۱۶۲۱۹، (مجلس علمی بیروت) سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۳، مسند احمد ج ۶ ص ۷۸، مسند ابویعلیٰ:

۴۸۸۳، ۴۸۶۳، مسند البزار: ۱۴۲۱، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۸)

(۸) الحکم بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: کوئی مرد اپنی بیٹی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کرے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۲۲۰، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

(۹) عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب اپنی بیٹیوں میں سے کسی کے نکاح کا ارادہ کرتے تو اس کے پردہ کے پیچھے بیٹھ جاتے اور فرماتے: فلاں مرد تمہارا ذکر کر رہا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۲۲۸، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

(۱۰) ابن بریدۃ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لڑکی آئی، سو اس نے کہا: میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے تا کہ وہ میری وجہ سے وہ اپنی خست کو دور کرے اور میں اس نکاح کو ناپسند کرتی ہوں تو اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے تک انتظار کرو، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے تو آپ نے اس لڑکی کے والد کو بلایا اور اس لڑکی کے نکاح کا معاملہ اس لڑکی کے سپرد کر دیا، تب اس لڑکی نے کہا: جب یہ معاملہ میرے سپرد ہے تو میں والد کے کیے ہوئے نکاح کی اجازت دیتی ہوں، میں صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ نکاح کے معاملہ میں آیا عورتوں کو اختیار ہوتا ہے یا نہیں؟ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۲۳۰، مجلس علمی، بیروت)

حدیث مذکورہ کے درج ذیل شواہد ہیں: (مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۹، سنن نسائی: ۵۳۸۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۵)

(۱۱) امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نافع بیان کرتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بیٹیوں کے نکاح میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۲) مہاجر بن عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس کے والد نے کر دیا اور وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی تھی، پس اس لڑکی کے والد اس لڑکی کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے اس لڑکی کا معاملہ اس لڑکی کے سپرد کر دیا۔
(مصنف عبدالرزاق: ۲۸۴۷، ۱۰۳۳۹، سنن دارقطنی: ۳۵۰۵)

(۱۳) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے چچا زاد سے نکاح کیا، اس کے والد نے اس کا نکاح کسی اور سے کر دیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے اس بات کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا اور اس نے کہا کہ میں اپنے چچا کے بیٹے سے نکاح کرنا چاہتی تھی اور میں کنواری رہنے کو ناپسند کرتی تھی، پس میرے والد نے میرا نکاح کسی اور سے کر دیا اور انہوں نے کسی خیر کو ترک نہیں کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے والد کو بلایا اور پوچھا: تم نے اس کا نکاح ایسے شخص سے کر دیا جس کو یہ ناپسند کرتی تھی؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ تمہارا نکاح نہیں ہوا اور لڑکی سے فرمایا: جاؤ تم جس سے چاہو نکاح کر لو۔
(مصنف عبدالرزاق: ۲۸۴۹، ۱۰۳۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۵۹۴۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۰)

(۱۴) عکرمہ بیان کرتے ہیں ایک بیوہ کا اس کے والد نے نکاح کر دیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی، اس نے کہا: میرے والد نے میرا نکاح کر دیا اور میں اس کو ناپسند کرتی ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا معاملہ اس کے سپرد کر دیا۔
(مصنف عبدالرزاق: ۲۸۵۱، ۱۰۳۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۰۹۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۷)

(۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ خذام جو ابو ودیعہ کے والد تھے انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح ایک مرد سے کر دیا، پس وہ بیٹی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے شکایت کی کہ اس کا نکاح کر دیا گیا ہے اور وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی ہے، پس

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی کو اس کے شوہر سے واپس لے لیا، پس فرمایا: اپنی بیٹیوں کا جبراً نکاح نہ کرو، اس کے بعد اس لڑکی نے حضرت ابولبابہ انصاری سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابن عباس نے بتایا کہ خنساء بنت خذام اہل قباء میں سے تھیں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۴۶،۲۸۵۴، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۴)

(۱۶) ابوبکر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک مرد کو انیس بن قتادہ کہا جاتا تھا، انہوں نے خنساء بنت خذام سے نکاح کیا، سو وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، پھر ان کے والد نے ان کا نکاح ایک مرد سے کر دیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور انہوں نے کہا: میرے والد نے میرا نکاح ایک مرد سے کر دیا ہے اور اس کی بہ نسبت میرا چچازاد مجھے زیادہ محبوب ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساء کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۴۷،۲۸۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی شرط کی بحث کا خلاصہ

الحمد للہ رب العالمین ہم نے یہ واضح کر دیا کہ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے بالغہ عورت کے از خود نکاح کو باطل قرار دیا ہے اور اس کے جواز کے لیے اس کے ولی کی شرط لگائی ہے، سو یہ شرط باطل ہے اور قرآن مجید، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین کے خلاف ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ بالغہ عورت کا از خود نکاح کرنا صحیح ہے اور یہ قرآن مجید کی آیات، احادیث، آثار اور اقوال تابعین سے ثابت ہے۔

۳۸۔ بَابٌ: إِذَا كَانَ الْوَلِيُّ هُوَ الْخَاطِبَ

جب عورت کا ولی خود اسے نکاح کا پیغام دینے والا ہو

وَخَطَبَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ امْرَأَةً هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِهَا فَأَمَرَ رَجُلًا فَزَوَّجَهُ۔

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا اور وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اس عورت کے سب سے زیادہ قریب ولی تھے، پس انہوں نے ایک مرد کو حکم دیا تو اس مرد نے ان کا نکاح اس عورت سے کر دیا۔

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ لِأُمِّ حَكِيمٍ بِنْتِ قَارِظٍ أَتَجْعَلِينَ أَمْرَكِ إِلَيَّ قَالَتْ نَعَمْ فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكِ وَقَالَ عَطَاءٌ لِيُشْهِدْ أَنِّي قَدْ نَكَحْتُكِ أَوْ لِيَأْمُرْ رَجُلًا مِنْ عَشِيرَتِهَا۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت ام حکیم بنت قارظ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آپ اپنے نکاح کا معاملہ میرے سپرد کرتی ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پس حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے خود آپ سے نکاح کر لیا۔ اور عطاء نے کہا: مرد کو چاہیے کہ وہ اس پر گواہ بنائے کہ میں نے تم سے نکاح کر لیا یا اس کے خاندان کے کسی مرد کو اس کا نکاح پڑھانے پر مقرر کر لے۔

وَقَالَ سَهْلٌ قَالَتِ امْرَأَةٌ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَهَبُ لَكَ نَفْسِي فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا۔

اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس نے کہا: میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کرتی ہوں تو ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں ہے تو اس کا نکاح آپ مجھ سے کر دیں۔

۵۱۳۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان

هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها فِي قَوْلِهِ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ قَالَتْ هِيَ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ الرَّجُلِ قَدْ شَرِكَتْهُ فِي مَالِهِ فَيَرْغَبُ عَنْهَا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَيَكْرَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا غَيْرَهُ فَيَدْخُلَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ فَيَحْبِسُهَا فَنَهَاهُمُ اللهُ عَنْ ذٰلِكَ۔

کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتی ہیں: اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق وہی سابق حکم دیتا ہے (النساء: ۱۲۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: یہ وہ یتیم لڑکی ہے جو کسی مرد کے زیر پرورش ہوتی تھی اور وہ لڑکی اس کے مال میں شریک تھی، پس وہ اس سے نکاح کرنے سے اعراض کرتا اور کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کرنے کو ناپسند کرتا کہ وہ اس کے مال میں داخل ہو جائے گا اور اس لڑکی کو روک لے گا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے منع فرما دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۲۸ میں گزر چکی ہے اور یہ حدیث صحیح مسلم: ۳۰۱۸ میں بھی مذکور ہے۔

۵۱۳۲۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم جُلُوسًا فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ تَعْرِضُ نَفْسَهَا عَلَيْهِ فَخَفَّضَ فِيهَا النَّظَرَ وَرَفَعَهُ فَلَمْ يُرِدْهَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ زَوِّجْنِيهَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَعِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ قَالَ مَا عِنْدِي مِنْ شَيْءٍ قَالَ وَلَا خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ قَالَ وَلَا خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ وَلَكِنْ أَشُقُّ بُرْدَتِي هَذِهِ فَأُعْطِيهَا النِّصْفَ وَآخُذُ النِّصْفَ قَالَ لَا هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

(صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ابو داؤد: ۲۱۱۱، سنن نسائی: ۳۳۵۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶، سنن بیہقی: ۱۴۱۳۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن المقدام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فضیل بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی جس نے اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تو آپ نے اپنی نظر نیچے کی، پھر اپنی نظر اوپر اٹھائی، پھر اس کا ارادہ نہیں کیا تو آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! اس کا آپ میرے ساتھ نکاح کر دیجئے، آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، آپ نے پوچھا: اور لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے؟ اس نے کہا: لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے لیکن میں اپنی یہ چادر پھاڑ کر آدھی اس کو دے دیتا ہوں اور آدھی خود رکھ لیتا ہوں۔ آپ نے پوچھا: کیا تمہیں قرآن مجید میں سے کچھ یاد ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جاؤ میں نے اس سبب سے تمہارا نکاح اس عورت کے ساتھ کر دیا کہ تم کو قرآن مجید یاد ہے۔

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۵۰۸۷، ۵۱۲۱، ۵۱۲۶، میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری کا اس عنوان کو مبہم رکھنا حالانکہ وہ اس حکم کے جواز کے قائل ہیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی ولی خود اپنی زیر پرورش سے نکاح کر لے یا وہ کسی اور ولی کا محتاج ہے؟ ابن المنیر نے کہا ہے کہ عنوان میں جو ذکر کیا ہے وہ جواز اور منع دونوں پر دلالت کرتا ہے تا کہ یہ معاملہ مجتہد کی نظر کے سپرد کر دیا جائے، اور انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ امام بخاری نے اس عنوان میں وثوق سے کوئی حکم نہیں لگایا لیکن ان کے طریقہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جواز کے قائل ہیں، پس جن آثار میں ولی نے دوسرے مرد کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کا اس کے زیر پرورش سے نکاح کر دیں ان میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اس کا خود اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام بخاری نے عطاء کا اثر ذکر کیا ہے جو جواز پر دلالت کرتا ہے اگر چہ امام بخاری کا موقف یہ ہے کہ کوئی شخص بھی عقد کی دونوں طرفوں کا ولی نہیں ہوسکتا، اور متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے، پس اوزاعی، ربیعہ، ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے اکثر اصحاب اور اللیث نے کہا ہے کہ ولی خود بھی نکاح کر سکتا ہے اور ابوثور نے بھی ان کی موافقت کی ہے، اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ان دونوں کا نکاح سلطان کرے یا کوئی دوسرا کرے جو ان کی مثل ہو اور امام زفر اور داؤد ظاہری نے ان کی موافقت کی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ عقد نکاح میں ولایت شرط ہے، پس جس نے نکاح کرنا ہو وہ خود اپنا نکاح نہیں کر سکتا جس طرح کوئی شخص اپنے آپ کو کوئی چیز فروخت نہیں کر سکتا۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٣٠٢، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس عنوان کی جو شرح کی ہے وہ درست نہیں ہے بلکہ اس عنوان کا مقتضاء یہ ہے کہ جب لڑکی کا ولی خود نکاح کا پیغام دینے والا ہو تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں، سو امام بخاری نے اس حکم کو مبہم رکھا لیکن امام بخاری نے اپنی تعلیقات میں جو آثار ذکر کیے ہیں وہ اس حکم کے جواز پر دلالت کرتے ہیں خصوصاً عطاء کا ذکر اس حکم کے جواز پر صراحتاً دلالت کرتا ہے اور رہے باقی آثار تو ہر چند کہ ان میں ولی نے دوسرے مرد کو اس کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیا ہے لیکن ان آثار میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ ولی از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتا۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ١٧٥، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب اور مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ بدرالدین عینی حنفی کے اس اعتراض کے جواب میں لکھا ہے کہ امام بخاری کی تفریعات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ولی کے لیے خود بھی جائز ہے کہ وہ نکاح کا پیغام دے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ٢ ص ٢٩٢، مکتبۃ الرشد، ریاض، ١٤١٨ھ)

میں کہتا ہوں: یہاں بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کی شرح کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

امام بخاری کی مذکورہ چار تعلیقات کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے پہلی تعلیق میں کہا ہے: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک عورت کے سب سے زیادہ قریب ولی تھے، پس انہوں نے ایک مرد کو حکم دیا تو اس مرد نے ان کا نکاح اس عورت سے کر دیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق میں اس مرد کا نام ذکر نہیں کیا جس کو حضرت مغیرہ نے ان کے نکاح کرنے کا حکم دیا تھا، سو اس مرد کا نام عثمان بن ابی العاص ہے۔

علامہ عینی کا امام بخاری اور علامہ کرمانی کے ساتھ مناقشہ

امام بخاری نے دوسری تعلیق میں کہا ہے: اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت ام حکیم بنت قارظ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آپ اپنے نکاح کا معاملہ میرے سپرد کرتی ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پس حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے خود آپ سے نکاح کرلیا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری کا اس صورت کو اس عنوان کے تحت داخل کرنا اس کی دلیل ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کسی وجہ سے اس عورت کے ولی تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت عبدالرحمٰن نے جو اس عورت سے کہا تھا: کیا آپ اپنا معاملہ میرے سپرد کرتی ہیں؟ تو یہ اس عورت کی طرف سے تفویض ہے اور یہ وکالت ہے اور اس سے صرف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن اس عورت کے وکیل تھے اور یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ وہ اس عورت کے ولی تھے اور امام محمد بن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ام حکیم ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پایا اور انہوں نے آپ کی ازواج مطہرات سے احادیث روایت کی ہیں۔

علامہ کرمانی کا امام بخاری پر اعتراض

امام بخاری نے اس تیسری تعلیق میں لکھا ہے: عطاء نے کہا: مرد کو چاہیے کہ وہ اس پر گواہ بنائے کہ میں نے تم سے نکاح کرلیا یا اس عورت کے خاندان کے کسی مرد کو اس کا نکاح پڑھانے پر مقرر کرلے۔

اس تعلیق میں عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں۔ ابن جریج نے عطاء سے پوچھا کہ ایک عورت کو ایک مرد نے نکاح کا پیغام دیا تو عطاء نے کہا: اس مرد کو چاہیے کہ وہ اس پر گواہ بنائے کہ میں نے تم سے نکاح کرلیا، یا اس عورت کے خاندان کے کسی مرد کو اس کا نکاح پڑھانے پر مقرر کرلے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یعنی وہ مرد کسی دور کے ولی کے سپرد نکاح کا معاملہ کردے یا اس عورت کے خاندان کے کسی مرد کو حکم بنائے۔

علامہ کرمانی نے امام بخاری پر اعتراض کیا کہ پہلی صورت میں یہ اثر ولایت سے متعلق نہیں ہے بلکہ اشہاد اور تحکیم کے مناسب ہے۔

جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ولی ہونا

امام بخاری نے چوتھی تعلیق میں صحیح البخاری: ۵۰۸۷ کو ذکر کیا ہے، اور اس باب میں اس حدیث کو داخل کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کا نکاح اس تنگ دست مرد سے کردیا اور آپ اس عورت کے ولی تھے کیونکہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے آپ ولی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۷-۱۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۹- بَابُ: إِنْكَاحِ الرَّجُلِ وَلَدَهُ الصِّغَارَ — مرد کا اپنی کم عمر اولاد کا نکاح کرنا

نابالغ اور کم عمر لڑکے اور لڑکی کے نکاح کا جواز اور جو کسی سبب سے جماع کرنے کے نا قابل ہوں ان کے نکاح کا جواز

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ (الطلاق: ۴) فَجَعَلَ عِدَّتَهَا ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ قَبْلَ الْبُلُوغِ۔

اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے) (الطلاق: ۴) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی

بلوغت سے پہلے تین ماہ عدت مقرر فرمائی ہے۔

علامہ عینی اس باب کے عنوان اور اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری نے یہ بیان کیا ہے کہ مرد اپنی کم عمر اولاد کا نکاح کر سکتا ہے خواہ اس کی وہ اولاد مذکر ہو اور اس پر امام بخاری نے الطلاق: ۴ سے استدلال کیا ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نابالغہ کی عدت تین ماہ قرار دی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ لڑکی کے بالغہ ہونے سے پہلے اس کا نکاح کرنا جائز ہے جب ہی تو طلاق کے بعد اس کی عدت تین ماہ ہو گی۔

اس عنوان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس آیت کی آباء کے ساتھ تخصیص نہیں ہے اور نہ باکرہ لڑکی کے ساتھ تخصیص ہے، پس اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فروج میں اصل تحریم ہے سوا اس کے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح ان کے بالغہ ہونے سے پہلے کر دیا تھا، پس باقی عورتوں کا حکم اپنی اصل پر برقرار رہا۔

اور علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ باپ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی اس کم عمر بیٹی کا نکاح کر دے جو ابھی وطی کے قابل نہ ہو جیسا کہ الطلاق: ۴ کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور غیر آباء کے نکاح کرنے میں اختلاف ہے اور شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ باپ کے لیے جائز ہے اور نہ کسی اور کے لیے کہ وہ نابالغ لڑکی کا نکاح کر دے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے، پس اگر اس نے ایسا کر دیا تو وہ نکاح ابداً منسوخ ہو گا۔ اور ایک قوم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ (المحلیٰ ج ۹ ص ۴۶۲)

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک اگر کسی سبب کی وجہ سے وطی کے قابل نہ ہو خواہ کم عمری کی وجہ سے یا کسی آفت یا بیماری کی وجہ سے یا جماع کی خواہش نہ ہونے کی وجہ سے پھر بھی ان کا نکاح جائز ہے کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے حسن معاشرت ہے اور کمائی کی مشقت سے کفایت ہے اور خدمت کا تحقق ہے۔ اس کے برخلاف بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جو وطی کے قابل نہ ہو اس کا نکاح جائز نہیں ہے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے اب مردوں کی خواہش نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۱۹۸) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۳۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ وَأُدْخِلَتْ عَلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ وَمَكَثَتْ عِنْدَهُ تِسْعًا۔

(صحیح البخاری: ۳۸۹۴، ۳۸۹۶، ۵۱۳۳، ۵۱۳۴، ۵۱۵۶، ۵۱۵۸، ۵۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۲۲، مسند الحمیدی: ۲۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۸، ۲۸۰، سنن دارمی: ۲۲۶۶، سنن ابو داؤد: ۲۱۲۱، سنن نسائی ج ۶ ص ۸۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب ان کی عمر چھ سال تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس اس وقت لائی گئیں جس وقت ان کی عمر نو سال تھی اور وہ آپ کے پاس نو سال رہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۴ میں گزر چکی ہے، تاہم ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

کتنی عمر میں لڑکی کو خاوند کے پاس بھیجنا چاہیے، اس مسئلہ کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عورت کو کتنی عمر میں اس کے خاوند کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جب لڑکی کی عمر نو سال کی ہو تو اس کو خاوند پر پیش کرنا چاہیے۔ یہ قول اس حدیث کے مطابق ہے اور امام احمد بن حنبل اور امام ابوعبید کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم بھی نو سال کی عمر کو اختیار کرتے ہیں، البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر لڑکی کی عمر نو سال ہو جائے اور ابھی وہ جماع کے قابل نہ ہو تو لڑکی کے گھر والوں کے لیے یہ جائز ہے کہ اس کو خاوند کے پاس بھیجنے سے منع کر دیں اور اگر ابھی اس کی عمر نو سال سے کم ہو اور وہ جماع کے قابل ہو تو پھر گھر والوں کے لیے اس کو خاوند کے پاس بھیجنے سے منع کرنا جائز نہیں ہے۔ (المبسوط ج ۵ ص ۱۸۷، البحر الرائق ج ۴ ص ۱۹۶) اور امام مالک یہ کہتے تھے کہ کم عمر لڑکی کو اس وقت تک نفقہ دینا لازم نہیں ہے جب تک کہ وہ جماع کے قابل نہ ہو، اور امام شافعی نے کہا: جب لڑکی بلوغت کے قریب ہو اور فربہ اور جسیم ہو تو وہ جماع کے قابل ہے اور اس کے خاوند کے لیے اس کے ساتھ دخول کرنا جائز ہے اور اگر وہ نا قابل جماع ہو تو اس کے گھر والوں کے لیے جائز ہے کہ اس لڑکی کو اس وقت تک خاوند کے پاس نہ بھیجیں حتیٰ کہ وہ جماع کے قابل ہو جائے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق مختلف روایتوں میں تطبیق

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد المعروف بابن الملقن الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح ہوا تو اس کے سن میں اختلاف ہے، سفیان بن سعید، علی بن مسہر، ابواسامہ، ابومعاویہ اور عباد بن عباد نے ہشام بن عروہ سے روایت کی ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۳، ۳۸۹۴، ۳۸۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۲)

اور زہری، حماد بن زید اور جعفر بن سلیمان نے ہشام بن عروہ سے روایت کی ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر سات سال تھی اور ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال اور چند ماہ تھی، سو بعض راویوں نے اس کو چھ سال قرار دیا اور چند ماہ کو ترک کر دیا اور بعض راویوں نے چند ماہ کا اعتبار کر کے اس کو پورے سات سال قرار دیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۳۱۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۰۔ بَابُ: تَزْوِيجِ الْأَبِ ابْنَتَهُ مِنَ الْإِمَامِ

باپ کا اپنی بیٹی کا نکاح مسلمانوں کے امیر سے کر دینا

وَقَالَ عُمَرُ خَطَبَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَيَّ حَفْصَةَ فَأَنْكَحْتُهُ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حفصہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، پس میں نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق صحیح البخاری: ۵۱۲۲ کا ایک حصہ ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۵۱۳۴۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّٰی بن اسد نے حدیث

هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ وَبَنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ قَالَ هِشَامٌ وَأُنْبِئْتُ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَهُ تِسْعَ سِنِينَ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۳، ۵۱۵۶، ۵۱۵۸، ۵۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۲۲)

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ بے شک نبی ﷺ نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب ان کی عمر چھ سال تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس اس وقت لائی گئیں جس وقت ان کی عمر نو سال تھی اور ہشام نے کہا: اور مجھے بتایا گیا کہ وہ آپ کے پاس نو سال رہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۴ میں گزر چکی ہے، تاہم چند ضروری امور بیان کیے جا رہے ہیں:

مسلمانوں کے امیر کی ولایت کی بہ نسبت والد کی ولایت کا زیادہ قریب ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال المالکی القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ ہر چند کہ مسلمانوں کا امیر خود ولی ہوتا ہے اور نبی ﷺ تمام ولیوں سے افضل ہیں، اس کے باوجود آپ نے از خود حضرت حفصہ سے نکاح نہیں کیا بلکہ ان کے والد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ نکاح کرنے کا پیغام دیا اور حضرت عمر نے آپ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ والد کی ولایت مسلمانوں کے امیر کی ولایت سے اعلیٰ ہے اور یہ کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی مسلمانوں کا امیر ہوتا ہے اور اس پر اجماع ہے۔

حدیث مذکور سے علامہ ابن بطال کا ولی کی شرط پر استدلال اور مصنف کا اس پر تعاقب

نیز علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء کے اس قول پر دلیل ہے کہ ولی نکاح کی شرط ہے۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نکاح کا پیغام دیا تھا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۹۹۔ ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں: نبی ﷺ نے رواج کے مطابق حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے نکاح کے لیے ان دونوں کے والد کو نکاح کا پیغام دیا تھا لیکن اس حدیث کی اس پر بالکل دلالت نہیں ہے کہ ولی نکاح کے لیے شرط ہے کیونکہ ہم بہ کثرت دلائل سے واضح کر چکے ہیں کہ بالغہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی شرط نہیں ہے، اس کا از خود بھی نکاح کرنا جائز ہے۔

۴۱۔ بَابٌ: السُّلْطَانُ وَلِيٌّ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ زَوَّجْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ

مسلمانوں کا امیر ولی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہم نے اس عورت کا تمہارے ساتھ نکاح کر دیا کیونکہ تمہیں قرآن مجید حفظ ہے''۔

۵۱۳۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ إِنِّي وَهَبْتُ مِنْ نَفْسِي فَقَامَتْ طَوِيلًا فَقَالَ رَجُلٌ زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی، سو اس نے کہا آپ کو میں نے

بِهَا حَاجَةٌ قَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْئٍ تُصْدِقُهَا قَالَ مَا عِنْدِي إِلَّا إِزَارِي فَقَالَ إِنْ أَعْطَيْتَهَا إِيَّاهُ جَلَسْتَ لَا إِزَارَ لَكَ فَالْتَمِسْ شَيْئًا فَقَالَ مَا أَجِدُ شَيْئًا فَقَالَ الْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَلَمْ يَجِدْ فَقَالَ أَمَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْئٌ قَالَ نَعَمْ سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا لِسُوَرٍ سَمَّاهَا فَقَالَ قَدْ زَوَّجْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

(صحیح مسلم: ۱۴۲۵، مسند احمد: ۲۲۹۱۳)

اپنا نفس ہبہ کر دیا، پھر وہ دیر تک کھڑی رہی، پس ایک مرد نے کہا: اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس اس کو مہر دینے کے لیے کوئی چیز ہے؟ اس نے بتایا: میرے پاس تو صرف یہ تہبند ہے، آپ نے فرمایا: اگر تم نے اس کو یہ تہبند دے دیا تو تم بغیر تہبند کے بیٹھے رہو گے، پس تم کوئی (اور) چیز تلاش کرو۔ اس نے کہا: مجھے اور کوئی چیز نہیں ملی، آپ نے فرمایا: تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، پس اس کو کوئی چیز نہیں ملی، آپ نے پوچھا: کیا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! فلاں سورت اور فلاں سورت اور اس نے کئی سورتوں کا نام لیا، آپ نے فرمایا: چونکہ تم کو قرآن مجید یاد ہے (لہٰذا) ہم نے اس عورت کا تمہارے ساتھ نکاح کر دیا۔

اس پر اجماع کہ عورت کا ولی نہ ہو تو مسلمانوں کا امیر اس کا ولی ہے اور جب کنواری لڑکی یا بیوہ عورت کا ولی اقرب غائب ہو تو اس کی ولایت میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کا ولی سلطان ہوتا ہے اور ان کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں کا امیر عورت کا اس سے نکاح کر دے جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی ہے اگر وہ کفوء میں نکاح کرنا چاہتی ہو اور اس کا ولی اس شخص سے اس کے نکاح کرنے کا انکار کرتا ہو۔

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کنواری لڑکی کا باپ موجود نہ ہو اور اس کی کوئی خبر نہ ہو اور اس کو غائب ہوئے کافی مدت گزر چکی ہو تو اس کنواری لڑکی کا نکاح کون کرے گا، سو امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: اس کنواری لڑکی کا بھائی اس کی اجازت سے اس کا نکاح کر دے گا، اور امام شافعی نے کہا: مسلمانوں کا امیر اس کنواری لڑکی کا کسی سے نکاح کرے گا اور باقی ولی اس لڑکی کا نکاح نہیں کر سکیں گے، اور اگر بیوہ عورت کا ولی اقرب غائب ہو تو اس کے نکاح کے حکم میں بھی فقہاء کا اسی طرح اختلاف ہے۔

کنواری لڑکی کے بھائی کا اپنی بہن کے نکاح کرنے کا جواز اور اس پر امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے دلائل

امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ کنواری لڑکی کا بھائی عصبہ ہے، اس کے لیے جائز ہے کہ جب اس کا باپ موجود نہ ہو یعنی فوت ہو چکا ہو تو وہ اپنی بہن کا نکاح اس کی اجازت سے کر دے کیونکہ اس سے پہلے اس کا نکاح کرنا مشکل تھا، اسی طرح جب اس کا باپ زندہ ہو اور غائب ہو تب بھی اس کے لیے اپنی بہن کا نکاح اس کی اجازت سے کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کا باپ پاگل ہو جائے یا فاسق ہو تو ان کے نزدیک اس کے لیے اپنی بہن کا نکاح اس کی اجازت سے کرنا جائز ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب باپ مر جائے تو لڑکی کا بھائی مسلمانوں کے امیر سے زیادہ اولیٰ ہے، اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کا

امیر کنواری لڑکی کے حقوق پورے پورے ادا کرتا ہے اور اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے، پس جب اس کا باپ غائب اور مفقود الخبر ہو جائے تو اب بھی وہی اس لڑکی کا نکاح کرنے کا حق دار ہوگا۔

کنواری لڑکی کے ولی کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: ولی کے متعلق بھی اختلاف ہے، امام مالک، اللیث، الثوری اور، امام شافعی نے کہا ہے کہ لڑکی کے اولیاء وہ عصبات ہیں جو وارث ہوتے ہیں اور ماموں اور اخیافی دادا اور اخیافی بھائی (ماں شریک) لڑکی کا نکاح کرنے کے لیے ولی نہیں ہیں۔ اور امام محمد بن الحسن الشیبانی التوفی ۱۸۹ھ نے ان سے اختلاف کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ ہر وہ شخص جو لڑکی کا ولی کہلاتا ہے، پس وہ عقد نکاح کا ولی ہے اور ابوثور کا بھی یہی موقف ہے۔ امام مالک اور ان کے موافقین کی دلیل یہ ہے کہ ذوی الارحام نکاح میں ولی نہیں ہیں اور اس کے اولیاء عصبات ہیں کیونکہ لڑکی کا ولی عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوتا ہے اور اس کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے اسی طرح عصبات کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام عقد نکاح کے ولی نہیں ہوں گے۔

کنواری لڑکی کے نکاح کرنے کا زیادہ مستحق ولی ہے یا وصی؟ اس میں مذاہب فقہاء

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ لڑکی کے نکاح کرنے کا زیادہ مستحق ولی ہے یا وصی ہے؟ پس ربیعہ، امام مالک، الثوری اور ابوحنیفہ نے کہا: وصی اولیٰ ہے اور امام شافعی نے کہا: ولی اولیٰ ہے کیونکہ جب لڑکی نابالغ ہو تو اس پر وصی کی ولایت نہیں ہوتی بخلاف ولی کے۔

امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے موافقین کی دلیل یہ ہے کہ اگر لڑکی کا باپ اپنی زندگی میں کسی معین شخص کو اپنی لڑکی کے نکاح کے لیے معین کر دے تو باپ کے ہوتے ہوئے لڑکی کے باقی ولیوں کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے، اسی طرح اس کی موت کے بعد بھی اسی طرح ہوگا تاہم امام مالک نے یہ کہا ہے کہ نابالغہ لڑکی کے نکاح کرنے کا وصی کو حق نہیں ہے مگر یہ کہ اس لڑکی کے والد نے اس کی طرف یہ وصیت کر دی ہو کہ وہ نابالغہ لڑکی کا کسی معین مرد سے نکاح کر دے، پھر اس کا نکاح کرنا جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۰۔۱۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں بعینہٖ یہی عبارت لکھی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۲۔ بَابٌ: لَا يُنْكِحُ الْأَبُ وَغَيْرُهُ الْبِكْرَ وَالثَّيِّبَ إِلَّا بِرِضَاهَا

کنواری لڑکی یا بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ لڑکی کا باپ کرے نہ کوئی اور کرے

۵۱۳۶۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ۔

(صحیح البخاری: ۶۹۶۸، ۵۱۳۶، صحیح مسلم: ۱۴۱۹، مسند احمد: ۹۶۱۱، سنن دارمی: ۲۱۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۰۹۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابو سلمہ، انہوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے نکاح عورت کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کا اس کی اجازت کے بغیر نہ نکاح کیا جائے، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ اجازت کیسے دے گی؟ آپ نے فرمایا: ”اس کا خاموش رہنا، اس کی اجازت ہے“۔

۵۳۱۷۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الرَّبِيعِ بْنِ طَارِقٍ قَالَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى عَائِشَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحِي قَالَ رِضَاهَا صَمْتُهَا

(صحیح البخاری: ۶۹۴۹،۵۱۳۷، ۶۹۷۱، مسند احمد ج ۶ ص ۴۵، ص ۱۶۵، ۲۰۳، صحیح مسلم: ۱۴۲۰، سنن نسائی: ۳۲۶۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن الربیع بن طارق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے خبر دی از ابن ابی ملیکہ از ابی عمرو مولیٰ عائشہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کنواری عورت تو حیاء کرتی ہے، آپ نے فرمایا: ''اس کی رضا اس کی خاموشی ہے''۔

کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کرنے کی ممانعت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ ان دونوں احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دونوں حدیثوں میں بیوہ اور کنواری لڑکی کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کی ممانعت ہے، اور بالغہ لڑکی سے اجازت طلب کی جائے گی کیونکہ نابالغہ لڑکی کا اذن معتبر نہیں ہے اور اس کا سکوت اور اس کی ناراضگی دونوں برابر ہیں۔

کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کرنے کی ممانعت کے متعلق امام ابوحنیفہ کا موقف اور ان کی دلیل

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ابوثور کا مذہب یہ ہے کہ باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دے خواہ اس کی بیٹی کنواری ہو یا بیوہ اور الایم یعنی بے نکاح عورت کبھی کنواری ہوتی ہے اور کبھی بیوہ اور اس حدیث کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر اس کا ولی نہ کرے خواہ وہ ولی ہو یا کوئی اور ہو اور یہ حکم صرف بالغہ لڑکیوں کے متعلق ہے اور نابالغہ لڑکی کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا تھا جب وہ نابالغہ تھیں۔

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب اور ان کے موافقین نے اس باب کی حدیثوں سے استدلال کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سبیل عموم فرمایا کہ کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور جو نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔

کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کرنے کی ممانعت کے متعلق امام مالک اور امام شافعی کا موقف اور ان کی دلیل

ابن ابی لیلیٰ، امام مالک، اللیث، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز ہے خواہ وہ نابالغہ ہو یا بالغہ ہو۔ اور بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ ابوقرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''کنواری لڑکی سے اس کی اجازت طلب کی جائے گی''۔ آپ کے اس ارشاد میں آیا لڑکی کا والد بھی داخل ہے یا نہیں، تو امام مالک نے کہا: نہیں۔ آپ کی اس سے مراد لڑکی کے والد کے علاوہ دوسرا ولی ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کی اپنے موقف کے خلاف حدیث مذکور کی تاویل اور فقہاء احناف کی دلیل کا جواب اور مصنف کی طرف سے علامہ ابن بطال کی تاویل کا جواب

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: والد کے لیے نابالغہ لڑکی کا نکاح کرنا جائز ہے اور اس لڑکی کے بالغہ ہونے کے بعد اس کو باپ کے کیے ہوئے نکاح کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، اور ابن حبیب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری اور بیوہ عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرنے کو برابر قرار دیا ہے، اور کنواری لڑکی اور بیوہ عورت کی اجازت میں یہ فرق کیا ہے کہ کنواری لڑکی کا خاموش رہنا ہی اس کی رضا ہے کیونکہ وہ حیاء کرتی ہے اور بیوہ عورت کی اجازت کے متعلق اس کی اجازت کو اس کے خاموش رہنے پر محمول نہیں کیا بلکہ اس کے لیے فرمایا ہے کہ وہ صراحتاً اپنی رضا کو بتائے کیونکہ بیوہ عورت میں کنواری لڑکی کی طرح حیاء نہیں ہوتی۔

جب بیوہ عورت کا نکاح کرنے کے لیے باپ پر اس سے مشورہ لینا لازم ہے تو اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ رہا فقہاء احناف کا یہ کہنا کہ ایم کا معنی ہے: بے نکاح، اور بے نکاح عورت کبھی کنواری بھی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ لغوی اعتبار سے الایم کا معنی ہے: بے نکاح خواہ وہ کنواری ہو یا بے نکاح، لیکن اس حدیث میں الایم کا مجازی معنی مراد ہے یعنی بیوہ عورت، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مالک نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ بیوہ اپنے نکاح کی ولی کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے اور اس حدیث میں ایم کی جگہ بیوہ کا لفظ ہے، پھر آپ نے فرمایا: کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کے متعلق اجازت طلب کی جائے گی۔ پس آپ نے ایم کے بعد کنواری لڑکی کا ذکر کیا۔

اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ایم سے مراد اس حدیث میں بیوہ عورت ہے۔ میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال کا اس باب کی حدیث میں تاویل کرنا صحیح نہیں ہے اور...... اصل یہ ہے کہ لفظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور صحیح بخاری میں ایم کا لفظ ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے اور صرف سنن ابوداؤد میں اس کی جگہ الثیب کا لفظ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۹۹) اور ہمارا استدلال صحیح بخاری ۵۱۲۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۱، سنن ترمذی: ۱۱۰۸، سنن نسائی: ۳۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۰ سے ہے، اس کے برخلاف صرف سنن ابوداؤد میں ایم کی جگہ الثیب کا لفظ ہے اور سنن ابوداؤد کے مقابلہ میں صحاح خمسہ کی روایت راجح ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نابالغہ بیوہ عورت کے نکاح کے متعلق فقہاء کا اختلاف

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: نابالغہ بیوہ عورت کے نکاح کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جس طرح باپ نابالغہ کنواری لڑکی کا نکاح جبراً کرسکتا ہے اسی طرح نابالغہ بیوہ عورت کا نکاح بھی اس کا باپ جبراً کرسکتا ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ نابالغہ بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، اور امام ابویوسف اور امام محمد نے بھی امام شافعی کی موافقت کی ہے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ نابالغہ لڑکی کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے منع کر دیا ہے اور اس معاملہ میں نابالغہ لڑکی عام ہے خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ ہو، سو اسی طرح کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۳۔۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۴۳۔ بَابٌ: إِذَا زَوَّجَ ابْنَتَهُ وَهِيَ كَارِهَةٌ فَنِكَاحُهُ مَرْدُودٌ

جب کوئی باپ اپنی بیٹی کا نکاح اس کی پسند کے خلاف کردے تو اس کا نکاح مردود ہے

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان میں مطلقاً بیٹی کا ذکر کیا ہے اور یہ لفظ کنواری اور بیوہ دونوں قسم کی بیٹیوں کو شامل ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ باب سابق میں یہ بیان کیا تھا کہ والد اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کر سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب کے عنوان سے یہ مراد ہے کہ اگر باپ نے اپنی بالغہ بیٹی کا نکاح اس کی پسند کے خلاف کر دیا تو اس کا نکاح مردود ہے اور باب سابق میں نابالغہ بیٹی کا حکم بیان کیا گیا تھا۔

۵۱۳۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَمُجَمِّعٍ ابْنَيْ يَزِيدَ بْنِ جَارِيَةَ عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَأَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَرَدَّ نِكَاحَهُ

(صحیح البخاری: ۵۱۳۹، ۶۹۴۵، ۶۹۶۹ سنن ابو داؤد: ۲۱۰۱، سنن نسائی: ۳۲۲۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۳، الموطا: ۲۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن القاسم از والد خود از عبدالرحمن اور مجمع جو یزید بن جاریہ کے دو بیٹے ہیں از الخنساء بنت خذام الانصاریہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ اس وقت بیوہ تھیں، سو انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے ان کے نکاح کو مسترد فرما دیا۔

۵۱۳۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ أَخْبَرَنَا يَحْيَى أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ وَمُجَمِّعَ بْنَ يَزِيدَ حَدَّثَاهُ أَنَّ رَجُلًا يُدْعَى خِذَامًا أَنْكَحَ ابْنَةً لَهُ نَحْوَهُ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۹، ۶۹۴۵، ۶۹۶۹ سنن ابو داؤد: ۲۱۰۱، سنن نسائی: ۳۲۲۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۳، الموطا: ۲۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے خبر دی کہ القاسم بن محمد نے ان کو حدیث بیان کی کہ عبدالرحمٰن بن یزید اور مجمع بن یزید ان دونوں نے ان کو حدیث بیان کی کہ ایک مرد کو خذام کہا جاتا تھا، اس نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، یہ حدیث سابق کی مثل ہے۔

بیوہ بیٹی کا اس کی مرضی کے بغیر کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام شہروں کے ائمہ فتویٰ اس پر متفق ہیں کہ جب باپ نے اپنی بیوہ بیٹی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا تو یہ نکاح جائز نہیں ہے اور اس کو مسترد کر دیا جائے گا اور انہوں نے حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے جمہور فقہاء کی مخالفت کی ہے، حسن بصری نے کہا: باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح کر دے خواہ اس کی بیٹی کنواری ہو یا بیوہ ہو، وہ اس نکاح کو پسند کرے یا نہ کرے، ابراہیم نخعی نے کہا: اگر بیٹی اس کے زیر کفالت ہے تو وہ اس سے مشورہ لیے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے اور اگر وہ اس کے زیر کفالت نہیں ہے تو پھر وہ اس سے مشورہ کرے گا۔ اور ائمہ میں سے کوئی امام بھی ان دو قولوں کی طرف مائل نہیں ہے کیونکہ یہ قول اس سنت کے خلاف ہیں جو حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث

سے ثابت ہیں، اور جو قول سنت کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔

بیوہ بیٹی کی اجازت کے بغیر کیے ہوئے نکاح میں آیا خیار بلوغ ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مذاہب فقہاء

جو فقہاء حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا، پھر بالغہ ہونے کے بعد اس نے اس نکاح کی اجازت دے دی تو اسماعیل قاضی نے کہا کہ امام مالک کے قول کے موافق یہ نکاح جائز نہیں ہے خواہ لڑکی نے بالغہ ہونے کے بعد اجازت دے دی ہو، اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جب لڑکی نے بالغہ ہونے کے بعد اجازت دے دی تو پھر یہ نکاح جائز ہے اور اگر لڑکی نے یہ نکاح باطل کر دیا تو پھر یہ نکاح باطل ہے، اور امام شافعی، امام احمد اور ابوثور نے کہا ہے کہ جب اس نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا تو یہ نکاح باطل ہے خواہ وہ لڑکی راضی ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساء کے نکاح کو مسترد کر دیا تھا اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر وہ اس نکاح کی اجازت دے دے تو پھر یہ نکاح جائز ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۴۔ ۲۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے جبری نکاح کے متعلق کتب حدیث کی روایات

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی از یحییٰ روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو ناپسند کیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو مسترد کر دیا، پھر انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر سے نکاح کر لیا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۳)

امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خنساء کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ اس وقت بیوہ تھیں۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۳۲۔۲۳۱)

نیز امام دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوہ بیٹی کا نکاح کر دیا جس نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: ''کیا تم نے اپنے باپ کو اس نکاح کو کرنے سے منع کیا تھا''؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے اس نکاح کو اس عورت کے اختیار میں کر دیا، سو اس عورت نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔ (علل الحدیث: ۱۲۴۳)

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا اور میں اس نکاح کو ناپسند کرتی تھی اور میں اس وقت کنواری تھی، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: جب یہ نکاح کو ناپسند کرتی ہے تو اس کا نکاح نہ کرو۔ (السنن الکبریٰ: ۵۳۸۲)

امام نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے اپنی کنواری بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸۳)

امام دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے ماموں کی بیٹی سے نکاح کیا اور اس لڑکی سے اس کا نکاح اس کے چچا نے کیا تھا۔ وہ لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۹)

امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک کنواری لڑکی کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو نکاح کا اختیار دے دیا۔ (سنن ابی داؤد ۲۰۹۷)

امام دارقطنی اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۳۳، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸۳)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح بعینہ نقل کردی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳۔ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۴۔ بَابُ: تَزْوِیجِ الْیَتِیمَةِ — یتیم لڑکی کا نکاح کرنا

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یتیم لڑکی کے نکاح کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۴)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء: ۳)

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔

وَاِذَا قَالَ لِلْوَلِیِّ زَوِّجْنِی فُلَانَةَ فَمَكَثَ سَاعَةً اَوْ قَالَ مَا مَعَكَ فَقَالَ مَعِی كَذَا وَكَذَا اَوْ لَبِثَا ثُمَّ قَالَ زَوَّجْتُكَهَا فَهُوَ جَائِزٌ فِیهِ سَهْلٌ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور جب کسی مرد نے (یتیم لڑکی کے) ولی سے کہا: میرا نکاح فلانہ سے کر دو، ولی ایک ساعت تک خاموش رہا یا ولی نے پوچھا: تمہارے پاس کتنا مال ہے؟ تو اس مرد نے کہا: میرے پاس اتنی اور اتنی چیزیں ہیں یا وہ دونوں کچھ دیر خاموش رہے، پھر اس کے بعد ولی نے کہا: میں نے تمہارا نکاح اس لڑکی سے کر دیا تو یہ نکاح جائز ہے اور اس کے ثبوت میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔

ایجاب اور قبول کے درمیان فصل اور وقفہ کے باوجود نکاح کا صحیح ہونا

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق میں تین صورتیں بیان کی ہیں: (۱) مرد ولی سے کہے: تم میرا نکاح فلانہ سے کر دو (۲) مرد ولی سے کہے: میرا نکاح فلانہ سے کر دو، اور ولی اس مرد سے پوچھے: تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کتنا مال ہے، پھر وہ بتائے: میرے پاس مہر میں دینے کے لیے اتنا اتنا مال ہے (۳) وہ مرد اور ولی دونوں کچھ دیر خاموش رہیں، پھر ولی اس مرد سے کہے: میں نے اس یتیم لڑکی کا نکاح تم سے کر دیا، سو یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک مجلس میں ایجاب اور قبول کے درمیان تفرقہ ہو یا فاصلہ ہو تو وہ عقد نکاح میں مضر نہیں ہے خواہ ایجاب اور قبول کے درمیان کوئی دوسرا کلام ہو اور اگر ایجاب ایک مجلس میں ہو اور قبول دوسری مجلس میں ہو تو پھر وہ عقد نکاح جائز نہیں ہے۔

امام بخاری نے بتایا کہ اس کے ثبوت میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اس مرد نے کہا: اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں ہے تو اس کا نکاح مجھ سے کر دیں''۔ یہ اس مرد کی طرف سے ایجاب ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کی طرف سے وکیل تھے اور جب آپ نے فرمایا: ''میں نے اس عورت کا نکاح تم سے کر دیا''۔ تو یہ ولی کی طرف سے قبول ہے اور اس ایجاب اور قبول کے درمیان کافی طویل وقفہ ہے اور وہ آپ کا اس مرد سے کلام فرمانا ہے اور مہر کے متعلق دریافت فرمانا ہے، پھر فرمایا: جاؤ کچھ تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ وہ مرد تلاش کرنے کے لیے گیا، پھر آ کر اس نے بتایا کہ میرے پاس تو لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے، پھر آپ نے اس سے پوچھا: تمہیں کتنا قرآن مجید یاد ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھے فلاں

اور فلاں سورت یاد ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چونکہ تم کو قرآن مجید یاد ہے اس لیے میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا اور یہ آپ کا اس عورت کی طرف سے اس مرد کے نکاح کی پیش کش کو قبول کرنا ہے اور اس ایجاب اور قبول کے درمیان کافی طویل وقفہ ہے، سو اس سے معلوم ہوا کہ اگر مجلس میں ایجاب اور قبول کے درمیان وقفہ بھی ہو پھر بھی نکاح جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۴۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَ لَهَا يَا أُمَّتَاهُ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى إِلَى قَوْلِهِ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء: ۳) قَالَتْ عَائِشَةُ يَا ابْنَ أُخْتِي هَذِهِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي جَمَالِهَا وَمَالِهَا وَيُرِيدُ أَنْ يَنْتَقِصَ مِنْ صَدَاقِهَا فَنُهُوا عَنْ نِكَاحِهِنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ وَأُمِرُوا بِنِكَاحِ مَنْ سِوَاهُنَّ مِنَ النِّسَاءِ قَالَتْ عَائِشَةُ اسْتَفْتَى النَّاسُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ ذَلِكَ فَأَنْزَلَ اللهُ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ إِلَى قَوْلِهِ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُمْ فِي هَذِهِ الْآيَةِ أَنَّ الْيَتِيمَةَ إِذَا كَانَتْ ذَاتَ مَالٍ وَجَمَالٍ رَغِبُوا فِي نِكَاحِهَا وَنَسَبِهَا وَالصَّدَاقِ وَإِذَا كَانَتْ مَرْغُوبًا عَنْهَا فِي قِلَّةِ الْمَالِ وَالْجَمَالِ تَرَكُوهَا وَأَخَذُوا غَيْرَهَا مِنَ النِّسَاءِ قَالَتْ فَكَمَا يَتْرُكُونَهَا حِينَ يَرْغَبُونَ عَنْهَا فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَنْكِحُوهَا إِذَا رَغِبُوا فِيهَا إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهَا وَيُعْطُوهَا حَقَّهَا الْأَوْفَى مِنَ الصَّدَاقِ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۴۰، ۶۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۸، السنن ابوداؤد: ۲۰۶۸، سنن نسائی: ۳۳۴۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری اور اللیث نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا، پس ان سے کہا: اے امی جان! (اور یہ آیت پڑھی:) اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے (یہ آیت یہاں تک ہے) یا اپنی مملوکہ کنیزوں سے استمتاع کرو (النساء: ۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھانجے! یہ یتیم لڑکی اپنے ولی کی زیر پرورش ہوتی تھی اور وہ اس لڑکی کے حسن و جمال اور اس کے مال و دولت کی وجہ سے اس یتیم لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا تھا اور اس یتیم لڑکی کو اتنے مہر سے کم دینا چاہتا تھا جتنا اس مہر کا رواج تھا تو لڑکی کے ولی کو اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرما دیا سوا اس صورت کے جب وہ اس یتیم لڑکی کا مکمل مہر ادا کریں، اور ان کو یہ حکم دیا کہ ان یتیم لڑکیوں کے سوا دوسری لڑکیوں سے نکاح کر لیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: اس واقعہ کے بعد پھر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: (اور مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق سوال کرتے ہیں (یہ آیت یہاں تک ہے:) اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو۔ (النساء: ۱۲۷) اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ جب یتیم لڑکی حسین اور مال دار ہوتی ہے تب تم اس کے مہر کو کم کر کے اس کے ساتھ نکاح کرنے میں اور اس کے نسب میں رغبت رکھتے ہو اور جب اس کے پاس مال اور حسن و جمال کم ہوتا ہے تو تم اس سے رغبت نہیں رکھتے اور اس کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے نکاح کر لیتے ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پس جب طرح تم اس یتیم لڑکی کے

مال دار اور حسین نہ ہونے کی صورت میں اس سے اعراض کر کے
اسے چھوڑ دیتے ہو اس طرح اس یتیم لڑکی کو اسی وقت بھی چھوڑ دو
جب وہ لڑکی حسین اور مال دار ہو اور تم اس کو پورا پورا مہر نہ دینا
چاہتے ہو اور اس سے نکاح کرنا اس وقت جائز ہے جب تم اس کا
پورا پورا مہر ادا کرو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۹۴ میں گزر چکی ہے۔

یتیمہ نابالغہ سے اس کے ولی کے نکاح کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور علامہ ابن بطال مالکی کا امام ابوحنیفہ پر تعاقب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

النساء: ۳ سے امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن الحسن نے یہ استدلال کیا ہے کہ یتیم لڑکی کے ولی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ خود اس یتیم نابالغ لڑکی سے نکاح کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکی کے ولیوں کو اس پر ملامت فرمائی ہے کہ جب یتیم لڑکی حسین اور مال دار ہوتی ہے تو وہ اس کا پورا مہر ادا نہ کر کے اس سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں، اور جب اس کا حسن و جمال کم ہوتا ہے اور مال کم ہوتا ہے تو تم اس کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے نکاح کر لیتے ہو اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ یتیم لڑکی تم کو پسند ہو تو تم اس سے اسی وقت نکاح کر سکتے ہو جب تم اس یتیم لڑکی کا پورا پورا مہر ادا کرو، سو اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ یتیم لڑکی کا ولی اس نابالغہ لڑکی سے اس شرط کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، اور امام مالک، امام شافعی اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک یتیم لڑکی کا ولی اس کے بالغہ ہونے سے پہلے اس سے خود نکاح نہیں کر سکتا اور اگر نکاح کر لیا ہے تو وہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا اور جمہور فقہاء کی امام ابوحنیفہ کے خلاف حجت یہ ہے کہ جب یتیم لڑکی کم عقل ہو تو اس کی خرید و فروخت کے افعال جائز نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکیوں کے ولیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ان سے نکاح کریں تو ان کا پورا پورا مہر ادا کریں، سو یہ آیت اس پر دلالت نہیں کرتی کہ یتیم لڑکی کے ولی کا اس نابالغہ یتیم لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا زعم ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۵۔ ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

مصنف کی طرف سے امام ابوحنیفہ کے استدلال کی وضاحت اور علامہ ابن بطال مالکی پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال اس صریح آیت سے ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکی کے ولی کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ اس کا پورا پورا مہر ادا کریں تو ان کا اس یتیم لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے اور یتیم اسی کو کہتے ہیں جو نابالغ ہو، اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اس آیت سے یہ استدلال کرنا بالکل درست ہے کہ یتیم لڑکی کے ولی کے لیے یتیمہ نابالغہ سے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ وہ اس کا پورا مہر ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور علامہ ابن بطال کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض درست نہیں اور نہ ہی اس کو کم عقل لڑکی کے تصرفات پر قیاس کرنا درست ہے اور نص صریح کے مقابلہ میں قیاس کرنا باطل ہے، ایسا قیاس تو صرف ابلیس نے کیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صراحتاً حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو اور اس نے اس نص صریح کے خلاف قیاس سے استدلال کیا اور کہا: میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے یعنی افضل کا مفضول کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن ملقن شافعی نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح بعینہ نقل کی ہے اور اس طرح امام ابوحنیفہ پر رد کیا ہے۔(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲۳۵، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی اسی حدیث کو امام شافعی کی قوی دلیل قرار دیا ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۳۰۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس حدیث کی شرح نہیں کی۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی، علامہ ابن ملقن شافعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس حدیث کی شرح میں امام ابوحنیفہ پر اعتراض کیا ہے۔ اس کا مصنف نے اس حدیث کی شرح میں مفصل جواب لکھ دیا ہے جب کہ علامہ عینی یہاں پر ان لوگوں کے اعتراض کے بعد خاموشی سے گزر گئے اور حنفیت کا دفاع کرنے کے لیے ان کے خون میں ابال نہیں آیا۔

۴۵۔ بَابٌ: إِذَا قَالَ الْخَاطِبُ لِلْوَلِيِّ زَوِّجْنِي فُلَانَةَ فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكَ بِكَذَا وَكَذَا جَازَ النِّكَاحُ وَإِنْ لَمْ يَقُلْ لِلزَّوْجِ أَرَضِيتَ أَوْ قَبِلْتَ

جب کسی مرد نے لڑکی کے ولی سے کہا: فلانہ سے میرا نکاح کر دو تو ولی نے کہا میں نے تمہارے ساتھ اس کا نکاح اتنے اتنے مہر کے عوض کر دیا تو یہ نکاح جائز ہے اگر چہ اس نے خاوند سے رضامندی یا قبولیت نہ پوچھی ہو

۵۱۴۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی الله عنه أَنَّ امْرَأَةً أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَعَرَضَتْ عَلَيْهِ نَفْسَهَا فَقَالَ مَا لِي الْيَوْمَ فِي النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ زَوِّجْنِيهَا قَالَ مَا عِنْدَكَ قَالَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ قَالَ أَعْطِهَا وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ قَالَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ قَالَ فَمَا عِنْدَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۴۱، ۵۱۴۹، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، ۷۴۱۷، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ترمذی: ۱۱۱۴، سنن نسائی: ۳۲۸۵، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ابو حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کی پاس آئی، پس اس نے خود کو نبی ﷺ پر پیش کیا تو آپ نے فرمایا: ان دنوں مجھے عورتوں کی حاجت نہیں تو ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیں، آپ نے پوچھا: تمہارے پاس کتنا مال ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، آپ نے فرمایا: اس کو کچھ عطا کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، اس مرد نے کہا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے آپ نے پوچھا تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے بتایا اتنا اور اتنا، آپ نے فرمایا: چونکہ تمہیں قرآن مجید یاد ہے اس لیے میں نے یہ عورت تمہاری ملکیت میں دے دی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری کے قائم کردہ عنوان کا قاعدہ کلیہ نہ ہونا

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ مرد کا توقف کرنا

اس کی رضا پر دلیل ہے لیکن یہ ہر نکاح کا حکم نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ مرد سے سوال کیا جائے کہ آیا وہ اس مہر یا شرط پر راضی ہے یا نہیں سوا اس کے کہ وہ مرد تنگ دست ہو اور اس نکاح میں رغبت رکھتا ہو تو پھر اس کا توقف کرنا اس کی رضا کی دلیل ہوگی جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی اور علامہ عینی حنفی نے علامہ ابن بطال مالکی کی اس شرح کو بعینہ نقل کر دیا ہے۔

(التوضیح ج ۲۴ ص ۴۳۶، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۶۔۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی طرف دیکھا اور یہی اس کی دلیل ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کو دیکھنا جائز ہے یا پھر مطلقاً آپ کی خصوصیت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ آپ کے نکاح میں دیگر ازواج مطہرات تھیں اس لیے آپ کو اس عورت سے نکاح کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۶۔ بَابٌ: لَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَدَعَ

اپنے بھائی کے پیغام نکاح کے اوپر پیغام نکاح نہ دے حتیٰ کہ وہ خود نکاح کر لے یا اس رشتہ کو چھوڑ دے

علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ خطبۃ کا معنی ہے: نکاح کا پیغام دینا یا منگنی کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۶)

۵۱۴۲۔ حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا يُحَدِّثُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما كَانَ يَقُولُ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَبِيعَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا يَخْطُبَ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ أَوْ يَأْذَنَ لَهُ الْخَاطِبُ

(صحیح البخاری: ۵۱۴۲، صحیح مسلم: ۱۴۱۲، سنن ترمذی: ۱۲۹۳، سنن نسائی: ۳۲۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۱۷۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے نافع سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کسی کی بیع کے اوپر بیع کرنے سے منع فرمایا ہے، اور کوئی مرد اپنے بھائی کی منگنی کے اوپر منگنی نہ کرے حتیٰ کہ اس سے پہلے منگنی کرنے والا چھوڑ دے یا منگنی کرنے والا اسے اجازت دے دے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۱۳۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۴۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَأْثُرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا إِخْوَانًا۔

(صحیح البخاری: ۶۰۶۴، ۶۰۶۶، ۶۷۲۴، صحیح مسلم: ۱۴۱۳، سنن ترمذی: ۱۹۸۸، سنن نسائی: ۳۲۳۹، سنن ابو داؤد: ۲۰۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از جعفر بن ربیعہ از الاعرج، انہوں نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم بدگمانی کرنے سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش نہ کرو اور کسی کی بات سننے کے لیے کان نہ لگاؤ اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۴۳ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۴۴۔ حَدَّثَنَا وَلَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَتْرُكَ۔

اور کوئی مرد اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے حتیٰ کہ وہ خود نکاح کر لے یا اپنی منگنی کو ترک کر دے۔

(صحیح البخاری: ۲۱۴۰، ۲۱۴۸، ۲۱۵۰، ۲۱۵۱، ۲۱۶۰، ۲۱۶۲، ۲۷۲۳، ۲۷۲۷، ۵۱۵۲، ۶۶۰۱، صحیح مسلم: ۱۴۱۳، سنن ابوداؤد: ۳۴۳۸، سنن ترمذی: ۱۲۲۶، سنن نسائی: ۳۲۳۶، سنن ابن ماجہ: ۲۱۷۲، مسند احمد: ۴۷۲۲، مسند احمد: ۶۰۸۸، مسند احمد: ۶۱۳۵، مسند احمد ۶۲۷۶، مسند احمد: ۱۱۶۲، مسند احمد: ۶۴۱۷)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۱۴۰ میں گزر چکی ہے۔

منگنی پر منگنی کی ممانعت آیا تحریم کے لیے ہے یا تنزیہہ کے لیے، اس میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن المنذر نے کہا کہ اس حدیث میں کسی کی منگنی پر منگنی کرنے کی ممانعت ہے اور یہ ممانعت تحریم ہے ممانعت تنزیہہ نہیں ہے کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے حتیٰ کہ اس کا بھائی وہ منگنی چھوڑ دے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۰، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۶۷، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۶، صحیح مسلم: ۱۴۱۴)

امام طبری نے کہا: اس حدیث کی تاویل میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ منگنی پر منگنی کرنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو حضرت معاویہ اور حضرت ابوالجہم نکاح کا پیغام دے چکے تھے اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کے لیے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے نکاح کا پیغام دیا۔

(سنن ترمذی: ۱۱۳۵، صحیح مسلم: ۳۶۹۶، سنن نسائی: ۳۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۸۶۹، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۱)

دوسرے فقہاء نے کہا: یہ حکم ثابت ہے، اس کو کسی چیز نے منسوخ نہیں کیا اور کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے حتیٰ کہ اس کا بھائی اس منگنی کو ترک کر دے۔

حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور ابن ہرمز کا یہی موقف ہے اور ان کا استدلال اس حدیث کے عموم سے ہے اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں منگنی پر منگنی کرنے سے منع فرمایا ہے جب کہ عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی ہو اور اس مرد کی طرف راغب ہو، اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر کسی کی منگنی پر منگنی کی اور نکاح کر دیا تو یہ نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابن المنذر نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنے مسلمان بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے۔ آپ کے اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ یہودی اور نصرانی کی منگنی پر منگنی کرنا جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۱۔ ۲۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی ان احادیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (التوضیح ج ۲۴ ص ۴۳۱۔ ۴۳۸، فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۱)

منگنی پر منگنی کرنے کی تحریم اور اباحت کا محمل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنابلہ نے کہا ہے کہ منگنی پر منگنی کی تحریم اس صورت میں ہے کہ جب وہ عورت یا اس کا ولی صراحتاً پہلے منگنی کرنے والے کو نکاح کی اجازت دے دے۔ اور اگر اس نے صراحتاً اجازت نہ دی ہو یا اس کا پیغام مسترد کر دیا ہو تو پھر منگنی پر منگنی کرنا جائز ہے اور یہی فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف کا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۷۔ بَابُ: تَفْسِيرِ تَرْكِ الْخِطْبَةِ — منگنی ترک کرنے کی تفسیر

علامہ عینی اس عنوان کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی یا تو پہلا منگنی کرنے والا صراحتاً اپنے پیغام کو ترک کر دے یا اپنے ترک کرنے کا عذر بیان کر دے۔

۵۱۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما يُحَدِّثُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حِينَ تَأَيَّمَتْ حَفْصَةُ قَالَ عُمَرُ لَقِيتُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ إِنْ شِئْتَ أَنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ فَلَبِثْتُ لَيَالِيَ ثُمَّ خَطَبَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرْجِعَ إِلَيْكَ فِيمَا عَرَضْتَ إِلَّا أَنِّي قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ ذَكَرَهَا فَلَمْ أَكُنْ لِأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَوْ تَرَكَهَا لَقَبِلْتُهَا تَابَعَهُ يُونُسُ وَمُوسَى بْنُ عُقْبَةَ وَابْنُ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ

(صحیح البخاری: ۴۰۰۵، ۵۱۲۲، ۵۲۱۹، ۵۱۴۵، سنن نسائی: ۳۲۴۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا، پس میں نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ بنت عمر کا آپ سے نکاح کر دوں، پھر میں چند راتیں ٹھہرا رہا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ سے نکاح کا پیغام دیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے، پس انہوں نے کہا: تم نے اپنی بیٹی کے ساتھ مجھے نکاح کرنے کی پیش کش کی تھی اور مجھے تمہیں اس کا جواب دینے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کا ذکر کیا تھا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو افشاء کرنے والا نہیں تھا اور اگر آپ حفصہ کو ترک کر دیتے تو میں ان کو قبول کر لیتا۔ شعیب کی متابعت یونس، موسیٰ بن عقبہ اور ابن ابی عتیق نے کی ہے از الزہری۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۰۵ میں گزر چکی ہے۔

اس سوال کا جواب کہ امام بخاری نے منگنی پر منگنی ترک کرنے کا عنوان قائم کیا ہے حالانکہ بعض فقہاء کے نزدیک منگنی پر منگنی کرنا جائز ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ امام بخاری نے اس حدیث کی تفسیر پیغام نکاح کو ترک کرنے کے ساتھ کی ہے حالانکہ اس سے پہلے

مذاہب فقہاء میں گزر چکا ہے کہ منگنی پر منگنی کرنا جائز ہے جب وہ لڑکی پہلے منگنی کرنے والے کی طرف راغب نہ ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس بات کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا علم نہیں تھا، چہ جائیکہ ان کی بیٹی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راغب ہوتیں، پس اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے جو اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے وہ صحیح ہے اور امام بخاری نے اس عنوان سے جس معنی کا قصد کیا ہے وہ بہت دقیق ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ ان کا ذہن بہت تیز تھا اور حدیث سے استنباط مسائل میں بہت راسخ تھا کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عمر کو ان کی بیٹی کے ساتھ نکاح کا پیغام دیں گے تو وہ اس پیغام سے اعراض نہیں کریں گے اور نہ اس کو مسترد کریں گے بلکہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصاہرت اور سسرالی رشتہ کا موقع عطا فرمایا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا علم اس کے قائم مقام تھا کہ حضرت عمر اور ان کی بیٹی رضی اللہ عنہا اس پیغام نکاح سے خوش ہوں گے اور اس کی طرف راغب ہوں گے، لہٰذا ہر وہ شخص جس کو یہ علم ہو کہ اس کا پیغام مسترد نہیں کیا جائے گا تو اس کے پیغام نکاح پر دوسرے کا پیغام نکاح دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ اپنے پیغام کو ترک کر دے جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام نہیں دیا کیونکہ ان کو معلوم تھا حضرت عمر اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو جب علم ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پیغام دے رہے ہیں تو وہ اس پر راضی اور خوش ہوں گے، اس لیے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو حضرت حفصہ کے رشتہ کا پیغام نہیں دیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۴۸۔ بَابُ: الْخُطْبَةِ — خطبہ کا بیان

علامہ عینی لکھتے ہیں: خطبہ سے مراد ہے: عقد نکاح سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا۔

۵۱۴۶۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ جَاءَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔

(صحیح البخاری: ۵۷۶۷، سنن ترمذی: ۲۰۲۸، سنن ابو داؤد: ۵۰۰۷، الادب المفرد: ۸۷۵، المؤطا: ص ۶۱۰، مسند احمد: ۴۶۵۱، ۵۲۴۴، ۵۲۹۱، ۵۶۸۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ مشرق سے دو مرد آئے، سو انہوں نے خطبہ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بعض بیان جادو (کے مشابہہ) ہوتے ہیں۔

خطبہ نکاح کے متعلق متن احادیث

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کے تمام جامع کلمات اور خیر کے تمام فواتح اور خواتم عطا کیے گئے تھے، سو آپ نے ہمیں نماز کے خطبہ (یعنی تشہد) اور حاجت (نکاح) کے خطبہ کی تعلیم دی۔

نماز کا خطبہ: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي و رحمة الله و بركاته، السلام علينا و على عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله۔

حاجت یعنی نکاح کا خطبہ: الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ (پھر اس کے متصل قرآن مجید کی تین آیات پڑھیں:)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۰۲) وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝ (النساء: ۱) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ (الاحزاب: ۷۱-۷۰)

(سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۸، سنن ترمذی: ۱۱۰۷، سنن نسائی: ۳۲۷۴، مسند احمد: ۳۸۷۷، ۳۹۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا: الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ اما بعد۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۳، صحیح مسلم: ۸۶۸، سنن نسائی: ۳۲۷۵، مسند احمد: ۲۷۴۹، ۳۲۷۵)

نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا آیا واجب ہے یا مستحب؟

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا کہ نکاح کے وقت خطبہ پڑھنا مستحب ہے تاکہ نکاح کرنے والے کے لیے معاملہ آسان ہو جائے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے وقت عمدہ کلام کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے اور عمدہ کلام کو سحر کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اس سے مراد سحر حلال ہے۔

جمہور علماء نے نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے، امام مالک نے کہا: یہ متقدمین کا طریقہ ہے، ابن حبیب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ پڑھنے سے ابتداء کرنا مستحب ہے اور غیر مقلدین نے کہا: نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا واجب ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو آپ نے خطبہ پڑھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

اور جمہور فقہاء نے کہا کہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا واجب نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنگ دست مرد سے فرمایا: چونکہ تمہیں قرآن مجید یاد ہے اس لیے میں نے تمہارا اس عورت سے نکاح کر دیا اور آپ نے اس سے پہلے خطبہ نہیں پڑھا، نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہر عظیم الشان کام جس کی اللہ کی حمد سے ابتداء نہ کی جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۴، سنن ابوداؤد: ۴۸۴۰، مسند احمد: ۸۷۲۰)

اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ عقد نکاح بغیر خطبہ کے ناتمام رہے گا کیونکہ آپ نے اس تنگ دست مرد سے اس عورت کا نکاح کیا اور آپ نے خطبہ نہیں پڑھا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مناسبت اور سحر کی دو قسمیں

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کی جو کتاب النکاح میں روایت کی ہے وہ نامناسب ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: بیان کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ عمدہ اور خوش نما الفاظ ذکر کیے جائیں جن کی طرف سامعین کے

دل مائل اور راغب ہوں، دوسری قسم وہ ہے جو سحر یعنی جادو کے مشابہ ہے اور جادو کی وہ قسم مذموم ہے جس سے باطل کا قصد کیا جائے اور آپ نے بیان کی سحر کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ سحر میں کسی چیز کو اس کی حقیقت سے پھیر دیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس تعریف سے اس حدیث کی کتاب النکاح کے ساتھ مناسبت معلوم ہو جاتی ہے گویا کہ امام بخاری نے اشارہ کیا ہے کہ ہر چند کہ نکاح میں خطبہ پڑھنا مشروع ہے لیکن یہ خطبہ معتدل اور متوسط ہونا چاہیے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کو نقل کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۱۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے بھی اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کو نقل کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۰۔۱۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

۴۹۔ بَابُ: ضَرْبِ الدُّفِ فِي النِّكَاحِ وَالْوَلِيمَةِ — نکاح اور ولیمہ کی تقریب میں دف بجانا

علامہ عینی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں: دف میں دال پر پیش ہے اور اس پر زبر بھی پڑھا جاتا ہے اور عقد نکاح اور ولیمہ کی تقریب میں دف بجانا مشروع ہے۔

۵۱۴۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ ذَكْوَانَ قَالَ قَالَتِ الرُّبَيِّعُ بِنْتُ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَدَخَلَ حِينَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَجْلِسِكَ مِنِّي فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ إِذْ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَالَ دَعِي هَذِهِ وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ

(صحیح البخاری: ۴۰۰۱، ۵۱۴۷، سنن ترمذی ۱۰۹۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۲۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۷، مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۰، ۳۵۹، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۷، السنن الکبریٰ ج ۱۱ ص ۱۵۸۳۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن المفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن ذکوان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: الربیع بنت معوذ بن عفراء نے بتایا: جب مجھے میرے خاوند کے پاس پیش کیا گیا اس موقع پر نبی ﷺ تشریف لائے، سو آپ میرے بستر پر بیٹھ گئے جس طرح تم میرے قریب بیٹھے ہو، اس وقت لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور غزوۂ بدر میں جو میرے آباء قتل کیے گئے تھے ان پر نوحہ کر رہی تھیں، اچانک ان میں سے ایک لڑکی نے یہ شعر پڑھا: ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جن کو آنے والے کل کا علم ہے، تو آپ نے فرمایا: یہ شعر نہ پڑھو اور جو اشعار تم پہلے پڑھ رہی تھیں وہی پڑھتی رہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۰۰۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: نکاح کا دف کے ذریعہ اعلان کرنا سنت ہے اور (خوشی کے گیت) گانا مستحب ہے تا کہ نکاح اور زنا میں فرق ہو جائے کیونکہ زنا چھپ کر کیا جاتا ہے۔ (میں کہتا ہوں: اگرچہ نوحہ کرنا ناجائز ہے لیکن ان کا مقصد

نوحہ کرنا نہیں تھا کیونکہ یہ کسی کی مرگ کا نہیں بلکہ شادی کا موقع تھا اور چونکہ ان بچیوں کو صرف یہی گیت یاد تھا، سو وہ وہی گا رہی تھیں۔سعیدی غفرلہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور سربراہ ملک کا شادی کے موقع پر آنا مشروع ہے خواہ شادی کی تقریب میں لہو ولعب ہو جب کہ وہ لہو ولعب حد مباح سے خارج نہ ہو۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مرد کے منہ پر اس کی تعریف کرنا جائز ہے اور یہ اس وقت مکروہ ہے کہ جب ان اوصاف کے ساتھ تعریف کی جائے جو موصوف میں موجود ہوں۔(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

دف بجانے کے متعلق احادیث اور ان کی فنی حیثیت

حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حلال اور حرام کے درمیان فرق دف بجانے سے ہوتا ہے''۔(سنن ترمذی: ۱۰۸۸، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۲۷، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۶، المستدرک ج ۲ ص ۱۸۴)

ابوحسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ نکاح کو ناپسند فرماتے تھے حتیٰ کہ دف بجایا جائے اور آپ فرماتے تھے:

اتیناکم اتیناکم فحیونا نحییکم۔ ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے تم ہم کو دعا دو ہم تم کو دعا دیتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۷۸۔۷۷)

حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک سیاہ فام عورت آپ کے پاس آئی، سو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اگر سلامتی کے ساتھ لوٹا دیا تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی تو آپ نے اس سے فرمایا: ''اگر تم نے یہ نذر مانی ہے تو اپنی نذر پوری کرو''۔(سنن ترمذی: ۳۶۹۰) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

علامہ ابن القطان نے کہا ہے: اس طرح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں علی بن حسن بن واقد ہے، اس کے متعلق ابوحاتم نے کہا: یہ ضعیف ہے، اور العقیلی نے کہا: یہ شخص مرجئی تھا۔(بیان الوہم والایہام ج ۵ ص ۲۵۲۔۲۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کو انصار کے ایک مرد کے پاس شب زفاف کے لیے پیش کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے ساتھ لہو نہیں ہے کیونکہ انصار لہو سے خوش ہوتے ہیں۔(صحیح البخاری: ۵۱۶۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ان کے رشتے کی ایک عورت کا انصار کے کسی مرد کے ساتھ نکاح کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے اس لڑکی کو ہدیہ دیا ہے؟ صحابہ نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والے کو بھیجا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: نہیں تو آپ نے فرمایا: انصار ایسے لوگ ہیں جن میں عشق کا ذوق ہے، پس اگر تم اس لڑکی کے ساتھ کسی گانے والے کو بھیجتے جو یہ گاتا:

اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم۔ ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے تم ہم کو دعا دو ہم کو دعا دیتے ہیں۔

امام ابن ماجہ اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔(سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۰)

علامہ البوصیری نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں ایک راوی الاجلح مختلف فیہ ہے، اور ابن عیینہ نے کہا: اس کا حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں ہے۔ (مصباح الزجاجہ ج ۲ ص ۱۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نکاح کا اعلان کرو اور اس کے اوپر دف بجاؤ''۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۵، سنن سعید بن منصور: ۶۳۵، مسند اسحاق بن راہویہ: ۹۴۵، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۶۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۹۰)

امام ابونعیم اور امام بیہقی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی ہے خالد بن الیاس وہ ضعیف ہے۔

اسود بن المطلب روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور اس کے نکاح میں طبل (ڈھول) بجایا گیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ نکاح ہے زنا نہیں ہے''۔ (اسد الغابہ ج ۶ ص ۱۳۵)

اس اشکال کا جواب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اجنبی عورت کے قریب بیٹھ گئے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت الربیع بنت معوذ بن عفراء بیان کرتی ہیں: جس رات ان کو شب زفاف کے لیے پیش کیا گیا اس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ان کے قریب بیٹھ گئے۔ اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ اجنبی عورت سے تو پردہ لازم ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کے پاس آکر کیسے بیٹھ گئے؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) علامہ کرمانی نے بیان کیا کہ یہ حدیث حجاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔

(۲) یہ آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(۳) ضرورت کے وقت اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے۔

(۴) جب اجنبی عورت کو دیکھنے سے فتنے کا خوف نہ ہو تو پھر اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: صحیح جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ سکتے ہیں اور اس کو دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ آپ حضرت ام حرام بنت ملحان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہاں سویا کرتے تھے اور وہ آپ کے سر کو سہلاتی تھیں اور وہ نہ آپ کی محرم تھیں اور نہ زوجہ۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ عینی، حافظ ابن حجر کی مذکور الصدر عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ تمام جوابات ایسی چیز کو طلب کرنے کے متعلق ہیں جس میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی، اور صحیح اور واضح جواب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے وہی جواب دیا ہے جس کو ہم تفصیل سے پہلے لکھ چکے ہیں اور اس جواب کو انہوں نے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کا شکوہ بجا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نوحہ کا معنی اور اس کا بیان کہ حضرت الربیع کے آباء بدر کی بجائے احد میں قتل کیے گئے تھے

اس حدیث میں ذکر ہے کہ لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور بدر کے دن جوان کے آباء واجداد قتل کیے گئے تھے ان پر نوحہ کر رہی تھیں۔

نوحہ کا معنی ہے: میت کے عمدہ اوصاف کو بیان کرنا۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ بدر کے دن جوان کے آباء قتل کیے گئے تھے حالانکہ وہ بدر کے دن قتل نہیں کیے گئے تھے بلکہ وہ احد کے دن قتل کیے گئے تھے اور ان لڑکیوں کے آباء بدر کے دن حاضر تھے اور وہ معوذ، معاذ اور عوف تھے اور ان میں سے ایک ان کے والد تھے اور دوسرے دو چچا تھے اور ان سب پر آباء کا اطلاق تغلیباً اور مجازاً ہے۔

مطلقاً غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غیب کی خبریں دی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے دی ہیں

وہ لڑکیاں اپنے گیت میں یہ شعر بھی پڑھ رہی تھیں:

وفینا نبی یعلم مافی غد — اور ہم میں ایسے نبی ہیں جنہیں آئندہ کل کا علم ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شعر کو چھوڑ دو اور جو اشعار تم پہلے پڑھ رہی تھیں وہی پڑھو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کو چھوڑنے کا اس لیے حکم دیا کہ اس میں آپ کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت ہے اور مطلقاً علم غیب ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ۔ (النمل: ۶۵)

آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (از خود) غیب نہیں جانتا۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ۔ (الاعراف: ۱۸۸)

آپ کہیے کہ میں اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے، اور اگر میں (از خود) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر جمع کر لیتا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی غیب کی خبریں دی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے اور اس کی تعلیم دینے سے دی ہیں نہ کہ آپ خود مستقل طور پر غیب کا علم رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (جن: ۲۷-۲۶)

وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا O ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۰۔ بَابٌ: وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النسآء: ۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔ (النسآء: ۴)

وَكَثْرَةِ الْمَهْرِ وَأَدْنَى مَا يَجُوزُ مِنَ الصَّدَاقِ وَقَوْلِهِ تَعَالَى وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً

اور مہر کا کثیر ہونا اور کم سے کم مہر کی جائز مقدار اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے تم کچھ بھی واپس نہ لو (النسآء: ۲۰) اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو (البقرۃ: ۲۳۶)

وَقَالَ سَهْلٌ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ

اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور خواہ

حَدِیدٍ۔ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو'۔

مہر کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار کا معین نہ ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب النسآء: ۴ کے معنی کے بیان میں ہے اور امام بخاری نے اس عنوان اور اس کے بعد کی تعلیقات سے یہ بیان کیا ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار معین نہیں ہے اور عنقریب اس پر تفصیلی بحث آئے گی۔

صَدُقَات صَدُقَۃ کی جمع ہے اور یہ عورت کا مہر ہے اور اس کی قراءت صَدْقات بھی کی گئی ہے (صاد پر زبر اور دال پر جزم)، نِحْلَۃ مصدر ہے اور یہ منصوب علی الحال ہے یعنی تم ان کو خوشی سے مہر ادا کرو، اور کَثْرَۃُ المھر کے لفظ سے یہ اشارہ کیا ہے کہ کثیر مقدار میں مہر کو مقرر کرنا جائز ہے جیسا کہ النسآء: ۲۰ سے ظاہر ہوتا ہے، اور قنطار کا معنی ہے: بہت بڑا مال۔

قنطرۃ کی مقدار کے متعلق متعدد اقوال

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا قنطرۃ کی مقدار معین ہے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی مقدار معین ہے، پھر اس کی تعیین میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ بارہ سو اوقیہ ہے (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے اور آج کی تاریخ ۱۶ دسمبر ۲۰۱۱ء میں ایک درہم تین سو ساٹھ پاکستانی روپے کا ہے)، یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ قنطرۃ بارہ ہزار اوقیہ ہے، یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ قنطرۃ بارہ سو دینار ہے، یہ ابن ابی طلحہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، اور چوتھا قول یہ ہے کہ قنطرہ کی مقدار ستر ہزار دینار ہے، یہ حضرت ابن عمر اور مجاہد کی روایت ہے، اور پانچواں قول یہ ہے کہ قنطرہ تیس ہزار درہم ہے، اور چھٹا قول یہ ہے کہ قنطرۃ سات ہزار دینار ہے اور آٹھواں قول یہ ہے کہ قنطرۃ آٹھ ہزار دینار ہے اور نواں قول یہ ہے کہ قنطرۃ ایک ہزار مثقال سونا یا چاندی ہے، اور دسواں قول یہ ہے کہ بیل کی کھال میں جتنا سونا بھر جائے وہ قنطرۃ ہے، اور یہ تمام اقوال ان حضرات کی آراء پر مبنی ہیں سوا اس کے جو اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: خواہ تم نے ان کو ڈھیروں سونا دے دیا ہو۔

زیادہ سے زیادہ مہر کے متعلق متعدد روایات

امام عبدالرزاق نے ابوعبدالرحمن سلمی سے روایت کی ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ عورتوں کا زیادہ مہر مقرر نہ کیا کرو، تو ایک عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کر کے کہا: اے عمر! آپ کا یہ حکم صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَیۡـًٔا۔ (النسآء: ۲۰) ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس سے میں سے تم کچھ بھی واپس نہ لو۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک عورت نے حضرت عمر سے مناظرہ کیا اور وہ عمر پر غالب آ گئی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۴۲۰)

ابوالفرج الاموی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا مہر چالیس ہزار درہم مقرر کیا (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳۸۱) اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ایک عورت سے نکاح کیا، سو اس کی طرف ایک سو باندیاں اور ایک لاکھ درہم بھیجے (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳۹۰) اور مصعب بن الزبیر نے عائشہ بنت طلحہ سے نکاح کیا اور ان کی طرف ایک ہزار درہم بھیجے۔

اور ابن عیینہ نے یحییٰ بن سعید اور محمد بن ابراہیم تیمی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں سے ہر زوجہ کا مہر ساڑھے بارہ ہزار اوقیہ مقرر فرمایا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۴۰۷، ۱۰۴۰۵، صحیح مسلم: ۱۴۲۶)

امام ابوداؤد نے الزہری سے روایت کی ہے کہ حضرت النجاشی نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چار ہزار درہم مہر پر نکاح کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ لکھ کر بھیج دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۲۰۸)

امام ترمذی ابو العجفاء السلمی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنو! عورتوں کا مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو، کیونکہ اگر زیادہ مہر میں دنیا کی بھلائی ہوتی یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں کوئی تقویٰ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے نبی تم سب سے زیادہ کثیر مہر مقرر کرنے کے لائق تھے اور میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کا مہر بارہ ہزار اوقیہ سے زیادہ مقرر کیا ہو، اسی طرح آپ نے اپنی صاحب زادیوں کا مہر بھی بارہ ہزار اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا۔
(سنن ترمذی: ۱۱۱۴)

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اوقیہ کی مقدار چالیس درہم ہے، اور بارہ اوقیہ کی مقدار چار سو اسی درہم ہے۔ (سنن ترمذی ص ۴۶۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

الحربی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو مہر میں ایک گھر دیا اور ان کو اس کا وارث بنا دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی مہر میں ایک گھر دیا جس کی قیمت پچاس درہم تھی۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۰)

علامہ البوصیری نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی عطیہ ضعیف ہے۔ (مصباح الزجاجہ ج ۲ ص ۱۰۵)

عطیہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مہر ساڑھے بارہ ہزار اوقیہ مقرر کیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۱۵)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مہر گھریلو سامان مقرر فرمایا جس کی مالیت دس درہم تھی۔
(مسند البزار، کشف الاستار: ۱۴۲۶، مسند ابو یعلیٰ: ۳۳۸۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۳ ص ۲۴۷)

امام ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں موجود تھے تو ہم اپنی ازواج کا مہر دس اوقیہ مقرر کرتے تھے۔

کم سے کم مہر کے متعلق متعدد روایات اور فقہاء مذاہب کے اقوال

مہر کی کم از کم مقدار میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) امام مالک نے کہا: میرے نزدیک عورت کا مہر چوتھائی دینار یعنی تین درہم سے کم نہ ہو اور یہ ان کے نزدیک وہ کم سے کم نصاب ہے جس کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ (المؤطا ص ۳۲۷)

(۲) فقہاء احناف نے کہا ہے: مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے کیونکہ دس درہم کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۵، طبع قدیم)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے کیونکہ امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کفوء کے سوا عورتوں کا نکاح نہ کرو، سوا ولیوں کے کوئی ان کا نکاح نہ کرے اور دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی: ۳۵۴۵، ۳۵۴۶، ۳۵۴۷، ۳۵۴۸، ۳۵۵۰)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مبشر بن عبید متروک الحدیث ہے اور امام دار قطنی نے کہا ہے کہ اس کی احادیث کی متابعت نہیں کی جاتی اور امام بیہقی نے ''کتاب المعرفہ'' میں امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ مبشر بن عبید کی روایات موضوعہ اور کذب ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی امام بیہقی نے متعدد سندوں سے وضاحت کی ہے اور علامہ نووی نے ''شرح المہذب'' میں لکھا ہے کہ جب حدیث ضعیف متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے اور وہ قابل استدلال ہوتی ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کم از کم مہر سے عورت حلال ہو جاتی ہے وہ دس درہم ہے،اس حدیث کی امام بیہقی نے ابن عبد البر سے روایت کی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۵۔ ۱۹۳،دار الکتب العلمیہ ،بیروت،۱۴۲۱ھ)

کم از کم مہر کی مقدار کے متعلق امام شافعی کے دلائل اور مصنف کی طرف سے ان کے جوابات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

کم سے کم مہر کی مقدار کی کوئی حد نہیں ہے اور فریقین جس مقدار پر راضی ہو جائیں اس کا مہر مقرر کرنا جائز ہے،اس کی سعید بن المسیب ،سالم بن عبداللہ،سلیمان بن یسار،القاسم بن محمد اور مدینہ کے باقی فقہاء تابعین سے روایت ہے اور یہی الثوری،اللیث، امام شافعی،امام احمد،اسحاق اور ابوثور کا مذہب ہے۔(الاستذکار ج۱٦ ص۷٦۔ ۷۳)

اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جو ثمن (قیمت) یا اجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۵۲)(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۲٦۴،وزارۃ الاوقاف،قطر،۱۴۲۹ھ)

ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوہے کی انگوٹھی کے عوض میں نکاح کو جائز قرار دیا جیسا کہ تنگ دست مرد کی حدیث گزری ہے۔(صحیح البخاری:۵۱۴۹)

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تنگ دست صحابی کے حال کے موافق لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ اس صحابی کے لیے خصوصیت تھی یا آپ کی خصوصیت تھی،آپ چاہتے تو بغیر مہر کے بھی اس کا نکاح کر دیتے،اور عام مسلمانوں کے لیے آپ نے یہی حکم دیا ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔(سعیدی غفرلہ)

امام شافعی کی دوسری دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو فزارۃ کی ایک عورت نے دو جوتوں کے عوض نکاح کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: کیا تم اپنے نفس اور مال سے دو جوتوں کے عوض راضی ہو؟ اس عورت نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دے دیا۔(سنن ترمذی:۱۱۱۳،سنن ابن ماجہ:۱۸۸۸)

میں کہتا ہوں: ہو سکتا ہے کہ وہ دو جوتے بہت قیمتی ہوں اور ان کی قیمت دس درہم سے بھی زائد ہو۔(سعیدی غفرلہ)

ابن ابی لبیبہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''جس نے ایک درہم کے عوض کسی عورت کو حلال کر لیا تو اس نے نکاح کو حلال کر لیا''۔(سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۳۸،مسند ابو یعلیٰ:۹۴۳،مصنف ابن ابی شیبہ:۳٦۱۵٦)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند پر درج ذیل تنقید کی گئی ہے:

امام طحاوی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ اہل روایت کے نزدیک یہ روایت قطعی نہیں ہے،اسی طرح الجواہر النقی میں مذکور ہے۔(الجواہر النقی علی ہامش البیہقی ج ۷ ص ۲۳۸)

اور حافظ ابن عبد البر نے کہا: اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔(الاستغناء ج ۱ ص ۲۰۸)

اور الذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند میں یحییٰ ضعیف راوی ہے، اور حافظ الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن عبدالرحمن بن ابی لبیبہ ہے اور وہ بہت ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۱)

۵۱۴۸۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ فَرَأَى النَّبِيُّ ﷺ بَشَاشَةَ الْعُرْسِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۴۸، ۵۱۵۳، ۵۱۶۷، ۲۰۸۲، ۶۳۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ترمذی: ۱۰۹۴، سنن نسائی: ۳۳۵۱، سنن ابو داؤد: ۲۱۰۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن صہیب از حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے گٹھلی کے وزن (کے برابر سونے) پر نکاح کیا، پھر نبی ﷺ نے ان کے اوپر نکاح کی خوشی کے آثار دیکھے تو آپ نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک عورت سے گٹھلی کے وزن (کے برابر سونے) پر نکاح کر لیا ہے۔ اور قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے گٹھلی کے وزن (کے برابر سونے) پر نکاح کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۹ پر گزر چکی ہے۔

۵۱۔ بَابُ: التَّزْوِيجِ عَلَى الْقُرْآنِ وَبِغَيْرِ صَدَاقٍ

بغیر مہر کے تقرر کے قرآن پر نکاح کرنا

علامہ عینی لکھتے ہیں: یعنی مہر کا ذکر کیے بغیر قرآن کے عوض نکاح کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۶)

۵۱۴۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ يَقُولُ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ يَقُولُ إِنِّي لَفِي الْقَوْمِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِذْ قَامَتْ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرَ فِيهَا رَأْيَكَ فَلَمْ يُجِبْهَا شَيْئًا ثُمَّ قَامَتْ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرَ فِيهَا رَأْيَكَ فَلَمْ يُجِبْهَا شَيْئًا ثُمَّ قَامَتْ الثَّالِثَةَ فَقَالَتْ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَكَ فَرَ فِيهَا رَأْيَكَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَنْكِحْنِيهَا قَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَا قَالَ اذْهَبْ فَاطْلُبْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ فَطَلَبَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ فَقَالَ هَلْ مَعَكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابو حازم سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت میں تھا، اس وقت ایک عورت کھڑی ہوئی، سو اس نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک اس عورت نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے، پس آپ اس کے متعلق اپنی رائے پر عمل کریں تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، یوں تین بار ہوا، ایک مرد کھڑا ہوا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اس عورت کا مجھ سے نکاح کر دیجئے، آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: جاؤ تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، سو وہ گیا، اس نے تلاش کیا،

مِنَ الْقُرْاٰنِ شَیْءٌ قَالَ مَعِیْ سُوْرَۃُ کَذَا وَسُوْرَۃُ کَذَا قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ أَنْكَحْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ترمذی: ۱۱۱۴، سنن نسائی: ۳۲۸۰، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹)

پھر وہ آیا، پس اس نے کہا: میں نے کوئی چیز نہیں پائی اور نہ ہی لوہے کی انگوٹھی پائی، پھر آپ نے پوچھا: کیا تمہیں قرآن مجید میں سے کچھ یاد ہے؟ اس نے کہا: مجھے فلاں سورت اور فلاں سورت یاد ہے، آپ نے فرمایا: جاؤ، پس بے شک میں نے اس عورت کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیا اس سبب سے کہ تمہیں قرآن مجید یاد ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

تعلیم قرآن کو مہر قرار دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی تاویل میں فقہاء کا اختلاف ہے، سو بعض فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی معین سورت کو مہر قرار دے کر نکاح کرنا جائز ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ اس عورت کو اس سورت کی تعلیم دے، یہ امام شافعی کا قول ہے، اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر قرار دینا جائز نہیں ہے۔ یہ امام مالک، اللیث، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور مزنی کا قول ہے مگر امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ جب کسی مرد نے تعلیم قرآن پر نکاح کر لیا تو یہ نکاح جائز ہے اور یہ اس نکاح کے حکم میں ہے جس میں بالکل مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، سو اس صورت میں اگر اس نے اس کے ساتھ دخول کر لیا تو اس پر مہر مثل لازم ہوگا اور اگر دخول نہیں کیا تو اس کو المتعہ یعنی کپڑوں کا جوڑا دینا لازم ہوگا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۵۳، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۷۷، الاستذکار ج ۱۶ ص ۸۱)

امام شافعی کی دلیل کا امام ابوجعفر طحاوی حنفی کی طرف سے جواب

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے فرمایا: ''کوئی چیز تلاش کرو''۔ پھر فرمایا: ''میں نے تمہارا اس عورت کے ساتھ اس سبب سے نکاح کر دیا کہ تمہیں قرآن کی سورتیں یاد ہیں''۔ اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم کو مہر قرار دینا جائز ہے کیونکہ تعلیم قرآن پر اجرت کا لینا جائز ہے، لہٰذا تعلیم قرآن کا مہر ہونا بھی جائز ہے کیونکہ اس مرد نے پہلے اپنے تہبند کو مہر قرار دیا، پھر لوہے کی انگوٹھی کو تلاش کیا، پھر آپ نے تعلیم قرآن کے عوض اس مرد کا اس عورت سے نکاح کر دیا۔

امام ابوجعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے امام شافعی کی اس دلیل کے جواب میں کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ میں نے تعلیم قرآن کے عوض تمہارا اس عورت سے نکاح کر دیا یہ نکاح کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لیے جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغیر مہر کے بھی نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور کسی دوسرے کو اس کی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ (الاحزاب: ۵۰)

اور وہ مومنہ عورت بھی (آپ کے لیے حلال ہے) جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں، یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جس طرح بغیر مہر کے خود نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپ

کسی مرد کا کسی عورت سے بغیر مہر کے نکاح کر دیں اور عام مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کے لیے تعلیم قرآن کے عوض نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور اس جواب کی صحت پر یہ دلیل ہے کہ اس عورت نے کہا: میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا تو ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو پھر آپ میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیں، اور اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے نفس کے متعلق مشورہ کیا اور نہ یہ مذکور ہے کہ اس عورت نے کہا کہ آپ میرا اس مرد سے نکاح کر دیں، سو اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی عورت کا کسی مرد سے بغیر مہر کے نکاح کر دیں۔

امام ابوجعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کے عوض اس تنگ دست مرد کا اس عورت کے ساتھ نکاح نہیں کیا، اس پر دلیل یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ جب مہر مجہول پر نکاح کیا جائے تو وہ مہر مجہول ثابت نہیں ہوگا اور یہ نکاح اس نکاح کے حکم میں ہوگا جس میں مہر کا بالکل ذکر نہ کیا گیا ہو۔

مہر کا معلوم ہونا ضروری ہے اور مجہول ہونا جائز نہیں جیسا کہ بیع میں ثمن کا معلوم ہونا ضروری ہے اور ثمن مجہول جائز نہیں ہے، اسی طرح اجارہ میں اجرت کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اجرت کا مجہول ہونا جائز نہیں ہے اور قاعدہ متفقہ یہ ہے کہ اگر کوئی مرد کسی مرد کو قرآن مجید کی کسی معین سورت کی تعلیم کے لیے درہم کے عوض اجرت پر رکھے اور درہم کی تعداد مقرر نہ کرے تو یہ جائز نہیں ہے، اور اسی طرح اس کو کسی معین شعر کی تعلیم کے لیے درہم کے عوض اجرت پہ رکھے تو یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اجارات دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں: یا تو اجارہ میں عمل معین ہو مثلاً کہے کہ تم اس معین کپڑے کو دھونا یا معین کپڑے کو سینا تو اس کی اتنی اجرت ہے اور یا اجارہ میں وقت کا تعین ہو اور وقت کی مقدار فریقین کو معلوم ہو اور جب کسی شخص نے کسی مرد کو قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم کے لیے اجرت پر رکھا تو اس اجارہ میں وقت معلوم ہے اور نہ عمل معلوم ہے، اس شخص نے اس مرد کو صرف اس سورت کی تعلیم کے لیے اجرت پر رکھا ہے اور کبھی کم سورتوں کی یا ایک سورت کی کم آیتوں کی تعلیم ہوتی ہے اور کبھی زیادہ سورتوں کی تعلیم ہوتی ہے اور کبھی ایک سورت کی زیادہ وقت میں ہوتی ہے، سو اس اجارہ میں عمل معین نہیں ہے اور کبھی یہ تعلیم کم وقت میں ہوتی ہے اور کبھی زیادہ وقت میں ہوتی ہے، سو اس اجارہ میں وقت بھی معین نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی مرد کو قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم کے عوض اپنا مکان فروخت کیا تو یہ بھی انہی وجوہ سے جائز نہیں ہے اور جب تعلیم قرآن کے عوض منافع کی ملکیت صحیح نہیں ہے اور نہ اعیان اور چیزوں کی ملکیت صحیح ہے تو نظر صحیح اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تعلیم قرآن کے عوض فرج کی ملکیت بھی صحیح نہ ہو۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۷۷۔۳۷۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

علامہ ابن بطال مالکی نے امام طحاوی کی اس عبارت پر اس بحث کو ختم کر دیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۹۔۲۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

”فر فیها رأیك“ کی تفصیلی تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: یارسول اللہ! بے شک اس عورت نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے:

فر فیها رایك۔ پس آپ اس میں اپنی رائے کو دیکھیں۔

اس عبارت میں فاء عطف کے لیے ہے اور ”ر“ رأی یری سے امر کا صیغہ ہے اور اس کا وزن ”ف“ ہے کیونکہ اس کا عین کلمہ اور

لام کلمہ دونوں محذوف ہیں، کیونکہ اس کی اصل اِرْاَیْ ہے اِفْعَلْ کے وزن پر، لام کلمہ پر جزم ہے کیونکہ امر مجزوم ہوتا ہے، پھر تخفیف کے لیے ''رَ'' کی حرکت ہمزہ کی طرف نقل کی، پھر ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی تو اس کو حذف کر دیا گیا، پس ''ف'' کے وزن پر ''رَ'' رہ گیا۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۔ بَابُ: الْمَهْرِ بِالْعُرُوضِ وَخَاتَمٍ مِنْ حَدِيدٍ — سامان اور لوہے کی انگوٹھی کو مہر قرار دینا

عرض کا معنی

علامہ بدرالدین عینی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

عُروض عَرض کی جمع ہے اور یہ نقد روپے اور کرنسی کے مقابلہ میں ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا سامان ہے جس میں نقد نہ ہو اور عُرض (عین پر پیش کا معنی ہے:) جانب اور عِرض (عین پر زیر) کا معنی ہے: کسی انسان کی مدح اور مذمت کی جگہ، اور عُروض پر خَاتَم من حَدِیْدٍ کا عطف ہے اور یہ خاص کا عام پر عطف ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۵۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ تَزَوَّجْ وَلَوْ بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِيدٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۸۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ترمذی: ۱۱۱۴، سنن نسائی: ۳۲۸۰، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از سفیان از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک مرد سے فرمایا: ''نکاح کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی کے عوض''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۵۱۴۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۳۔ بَابُ: الشُّرُوطِ فِي النِّكَاحِ — نکاح کی شروط

شرائط نکاح کی اقسام

علامہ عینی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقد نکاح میں کئی قسم کی شرائط ہوتی ہیں: ان میں سے بعض شرائط کو پورا کرنا واجب ہے جیسے حسن معاشرت کی شرط اور بعض شرائط وہ ہیں جن کا پورا کرنا لازم نہیں ہے مثلاً عورت یہ شرط لگائے کہ تم اپنی پہلی بیوی کو طلاق دو اور بعض وہ شرائط ہیں جن میں اختلاف ہے مثلاً عورت عقد نکاح میں یہ شرط لگائے کہ مرد اس کے بعد دوسرا نکاح نہیں کرے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۸۔۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ عُمَرُ مَقَاطِعُ الْحُقُوقِ عِنْدَ الشُّرُوطِ وَقَالَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ ذَكَرَ صِهْرًا لَهُ فَأَثْنَى عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ فَأَحْسَنَ قَالَ حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي وَوَعَدَنِي فَوَفَى لِي۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جہاں شرط پائی جاتی ہے وہاں حقوق منقطع ہو جاتے ہیں، اور حضرت المسور (بن مخرمۃ) رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے سنا، نبی ﷺ نے اپنے داماد کا ذکر کیا، پھر اس کے داماد ہونے کی تعریف اور تحسین فرمائی، آپ نے فرمایا: اس نے مجھ

سے بات کی تو سچ بولا اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا تو پورا کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت کی لگائی ہوئی شرط پوری کی جائے گی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی امام ابوعبید نے اپنی سند کے ساتھ از عبدالرحمن بن غنم روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھا، آپ نے اس مرد کے متعلق فیصلہ فرمایا جس نے عورت کے عقد نکاح میں یہ شرط لگائی تھی کہ وہ اس عورت کو اپنے گھر میں رکھے گا، پھر وہ کہیں اور جانا چاہتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ عورت کی شرط کو پورا کیا جائے گا، پس مرد نے کہا: پھر وہ مرد اس عورت کو طلاق دے دے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شرط پائی جانے سے حقوق منقطع ہو جاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ عقد نکاح میں جو شرط لگائی جائے اس کا پورا کرنا واجب ہے یعنی جب مرد نے عقد نکاح میں یہ شرط لگائی تھی کہ وہ عورت کو اپنے پاس رکھے گا تو اب وہ کہیں اور نہیں جا سکتا ورنہ اسے عورت کو طلاق دینا ہوگی۔

عقد نکاح میں عورت کی لگائی ہوئی شروط کے متعلق مذاہب فقہاء

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے اور اس میں یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ اس عورت کو اپنے گھر سے نہیں نکالے گا یا یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ اس عورت کے اوپر دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا کسی باندی کو نہیں رکھے گا یا ایسی دیگر شروط جو مباح ہیں تو اس کے متعلق فقہاء کے حسب ذیل دو قول ہیں:

(۱) اس مرد پر لازم ہے کہ وہ اس شرط کو پورا کرے، امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس نے عقد نکاح میں یہ شرط لگائی کہ وہ عورت کو اپنے گھر سے نہیں نکالے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس عورت کو اپنی شرط پوری کرانے کا حق ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۶۲۴، سنن سعید بن منصور: ۶۶۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۵۰)

اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ مرد اس عورت کی لگائی ہوئی شرطوں کو پورا کرے اور اس کی مثل طاؤس سے اور جابر بن زید سے بھی مروی ہے اور یہی امام اوزاعی، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے اور علامہ ابن التین نے اس مذہب کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور الزہری سے بھی نقل کیا ہے اور بعض متاخرین نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۶۱۲، سنن سعید بن منصور: ۶۶۴، مصنف عبدالرزاق: ۱۰۶۱۷، سنن سعید بن منصور: ۶۶۰)

(۲) شوہر کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور شروط کو پورا کرے اور شوہر کے خلاف کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا جائے، پس اگر شوہر اس پر اصرار کرے کہ وہ ضرور اس گھر کو چھوڑ کر جائے گا تو وہ دوسرے مردوں کی بہ نسبت اپنی بیوی کے ساتھ رہنے کا زیادہ حق دار ہے۔ عطاء، شعبی، سعید بن المسیب، النخعی، حسن بصری، ابن سیرین، ربیعہ، ابوالزناد اور قتادہ کا یہی مذہب ہے اور یہی امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے، اور عطاء نے کہا: جب عورت نے یہ شرط لگائی کہ تم اس کے اوپر کوئی اور نکاح نہیں کرو گے اور تم کوئی باندی نہیں رکھو گے اور تم جہاں بھی جاؤ گے اپنی بیوی کو ساتھ لے کے جاؤ گے تو یہ شرط باطل ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ابن وہب نے اپنی سند کے ساتھ ابن سباق سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور یہ شرط لگائی کہ وہ اس عورت کو اپنے گھر سے نہیں نکالے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شرط کو ساقط کر دیا اور فرمایا کہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ رہے گی تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ امام ابوعبید نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

سے اس مسئلہ میں مختلف روایات منقول ہیں اور اس مسئلہ میں تابعین اور بعد کے فقہاء کا اختلاف ہے، امام اوزاعی نے کہا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اول پر عمل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ عورت کو اپنی شرط پوری کرانے کا حق ہے، اور اللیث نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے، اور امام مالک اور سفیان بن سعید نے ان کی موافقت کی ہے۔

حضرت مسور بن مخرمۃ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ امام بخاری کی دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت مسور بن مخرمہ القرشی الزہری ابوعبدالرحمٰن ہجرت کے دو سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تھے اور آٹھ ذی الحج کو انہیں مدینہ منورہ لایا گیا۔ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنیں اور ان کو محفوظ رکھا۔ یہ مدینہ منورہ ہی میں رہے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، پھر یہ مکہ مکرمہ میں منتقل ہو گئے حتیٰ کہ الحصین بن نمیر نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے قتال کے لیے مکہ پر حملہ کیا اور مکہ کا محاصرہ کیا اور جب اس نے مکہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اس وقت منجنیق کا پتھر ان پر آ کر لگا اور اس وقت یہ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے، سو اس پتھر کی ضرب سے حضرت مسور شہید ہو گئے، یہ ربیع الاول چونسٹھ ہجری کا واقعہ ہے، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے الحجون میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

داماد رسول حضرت ابوالعاص بن ربیع کا تذکرہ

حضرت ابوالعاص بن الربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ آپ نے اپنی سب سے بڑی صاحب زادی حضرت سیدہ زینت رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کیا تھا۔ ان کے نام میں اختلاف ہے، ان کا زیادہ مشہور نام لقیط ہے اور مہشم اور ہشیم کے بھی اقوال ہیں، ابوالعاص کفار قریش کے ساتھ غزوہ بدر میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے تھے۔ یہ دوسرے قیدیوں کے ساتھ قید ہو گئے تھے، پس اہل مکہ نے فدیہ کی رقوم بھیجیں تو ان کے بھائی عمرو بن الربیع وہ مال لے کر آئے جس کو حضرت سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قید سے چھڑانے کے لیے بھیجا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رشتۂ دامادی کی تعریف اور تحسین فرمائی ہے، حضرت زینب ان کو مکہ میں چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں، پھر کچھ عرصہ بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ان کی طرف لوٹا دیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹۹۔۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۵۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَحَقُّ مَا أَوْفَيْتُمْ مِنَ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ.

(صحیح مسلم: ۱۴۱۸، سنن ترمذی: ۱۱۲۷، سنن نسائی: ۳۲۸۱، سنن ابو داؤد: ۲۱۳۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب از ابی الخیر از حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جو شروط سب سے زیادہ پوری کی جانے کی حق دار ہیں یہ وہ شروط ہیں جن کے سبب سے تم نکاح کو حلال کرتے ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۲۱ میں گزر چکی ہے۔

عقد نکاح میں عورت کی عائد کردہ شروط کو پورا کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور حدیث مذکور کا محمل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
ائمہ اربعہ اور ان کے موافقین فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ عقد نکاح کی شروط کو پورا کرنا لازم نہیں ہے، اور انہوں نے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو استحباب پر محمول کیا ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد حضرت ابو العاص بن الربیع کے متعلق فرمایا کہ جب اس نے مجھ سے بات کی تو سچ بولا اور جب مجھ سے وعدہ کیا تو وعدہ کو پورا کیا، شارحین نے بیان کیا کہ حضرت ابوالعاص بن الربیع اس وجہ سے مدح کے مستحق تھے کہ انہوں نے از خود تبرع کرتے ہوئے نکاح کی شرائط کو پورا کیا۔

عقد نکاح کی جو شرائط کتاب اللہ کے خلاف ہوں ان کا لازم نہ ہونا اور قرآن مجید کے موافق عمل کرنے کا استحباب

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ ان فقہاء کا قول زیادہ صحیح ہے جنہوں نے عقد نکاح کی شرائط کو باطل قرار دیا اور نکاح کو ثابت رکھا کیونکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہر وہ شرط باطل ہے جو کتاب اللہ میں مذکور نہ ہو خواہ ایسی سو شرطیں ہوں۔ (صحیح البخاری: ۲۷۲۹) پھر آپ نے بیع کو جائز قرار دیا اور شرط کو باطل قرار دیا، لہٰذا عقد نکاح کی جو شرائط کتاب اللہ کے خلاف ہوں تو ایسی شرائط کو باطل کر کے کتاب اللہ کے موافق عمل کرنا چاہیے۔
اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے لیے چار بیویوں تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، پس اگر کوئی عورت عقد نکاح میں یہ شرط لگائے کہ اس نکاح کے بعد دوسرا نکاح نہیں کیا جائے گا تو اس کی یہ شرط کتاب اللہ کے خلاف ہے، اسی لیے اس شرط کو باطل کرنا چاہیے اور کتاب اللہ پر عمل کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر عورت نے عقد نکاح میں شرط لگائی کہ اس کا خاوند اس گھر کو چھوڑ کر کسی اور گھر میں جا کر نہیں رہے گا اور اس پر قسم کھالی تو خاوند پر اس شرط کو پورا کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کسی اور گھر میں رہنے کو مباح کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اباحت اور اجازت کے خلاف اس عورت کی شرط باطل ہے، لہٰذا اس شرط کو پورا نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی اباحت اور اجازت پر عمل کیا جائے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۰۔۲۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۵۴۔ بَابُ: الشُّرُوطِ الَّتِي لَا تَحِلُّ فِي النِّكَاحِ
جو شرائط عقد نکاح میں جائز نہیں ہیں

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کون سی شرطیں عقد نکاح میں جائز نہیں ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لَا تَشْتَرِطِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوئی عورت اپنی بہن کو طلاق دینے کی شرط نہ لگائے۔

حدیث مذکور میں اجنبی عورت کو طلاق کی شرط سے منع فرمایا ہے یا بیوی کو

علامہ عینی امام بخاری کی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول موقوف ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی مرفوعاً بھی روایت کی ہے۔
علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ کوئی اجنبی عورت کسی مرد سے یہ سوال نہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، پھر وہ عورت اس مرد سے نکاح کر لے گی اور اس حدیث میں جو بہن کا لفظ ہے اس سے مراد عام ہے کہ وہ اس کی کوئی ہم

بہن ہو خواہ نسبی بہن ہو، خواہ رضاعی بہن ہو، خواہ دینی بہن ہو اور اس حکم میں کافرہ بھی داخل ہے اگرچہ وہ اس کی دینی بہن نہیں ہے۔
حافظ ابوعمر ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں بہن سے مراد سوکن ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے خاوند سے یہ سوال نہ کرے کہ وہ اس کی سوکن کو طلاق دے دے تا کہ وہ اپنے خاوند کی اکیلی مالک ہو جائے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۵۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ زَكَرِيَّاءَ هُوَ ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تَسْأَلُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا فَإِنَّمَا لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰۱، صحیح مسلم: ۱۰۷۶، سنن ترمذی: ۱۱۳۴، سنن نسائی: ۳۲۳۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۷، موطا امام مالک ص ۱۶۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از زکریا اور وہ ابن ابی زائدۃ ہیں از سعد بن ابراہیم از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کے لیے اپنی بہن کی طلاق کا سوال کرنا جائز نہیں ہے تا کہ وہ اس کے برتن کو فارغ کر لے اور اس کے لیے وہی ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۱۴۰ میں گزر چکی ہے۔

الصحفہ کا معنی اور وجہ تشبیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے الصحفہ کا معنی لکھا ہے: وہ برتن جو بڑے پیالہ کی مثل ہو، انہوں نے کہا: یہ مثال اس وقت بیان کی جاتی ہے جب کوئی شخص دوسرے کے حصے کو اپنے لیے خاص کر لے اور کسی پیالہ میں جو لذیذ طعام ہو اس کو اپنے لیے ترجیح دے، اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے منافع کو اپنے لیے خاص کر لے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۳۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حافظ ابن حجر شافعی کی یہ شرح غلط فاحش ہے۔ علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے: اس حدیث میں الصحفہ سے مراد ایسا بڑا پیالہ ہے جس میں سے پانچ آدمی سیر ہو کر کھا سکیں اور یہ مثال اس وقت بیان کی جاتی ہے جب کوئی شخص اس پیالہ کو اپنے لیے مخصوص کر لے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص دوسرے کے پیالہ کو پلٹ لے اور اس میں جو طعام ہے اس کو اپنے لیے مخصوص کر لے۔
(النہایہ ج ۳ ص ۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:
اس حدیث میں استعارہ تمثیلیہ ہے، نصیب اور بخت کو پیالہ اور اس میں لذیذ چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور پیالہ کے خالی کرنے کو طلاق کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، پھر مشبہ کو مشبہ بہ کی جنس میں داخل کیا گیا ہے، ذکر مشبہ یعنی پیالہ کا ہے اور مراد بھی مشبہ ہی ہے لیکن پیالہ کو خالی کرنے کے ذکر سے ذہن مشبہ بہ یعنی طلاق کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۲، دار الکتب

العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ علامہ الطیبی کی عبارت کو نقل کر رہے ہیں حالانکہ ان کی عبارت ہماری شرح کے مخالف نہیں ہے جس کو ہم نے علامہ نووی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مستعان ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: یہ درست ہے کہ علامہ عینی حنفی نے حافظ ابن حجر کی شرح سے زائد کوئی بات نہیں لکھی، تاہم علامہ عینی کی شرح میں جتنی تفصیل ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح میں اتنی تفصیل نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کہ مرد اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے گا، اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: کسی عورت کا اپنی بہن کو طلاق دینے کا سوال کرنا مکروہ ہے لیکن فقہاء کے نزدیک یہ کراہت تنزیہی ہے کراہت تحریمی نہیں ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ امام مالک، فقہاء احناف اور امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا، انہوں نے کہا ہے کہ اگر کسی مرد نے ایک ہزار روپیہ مہر پر اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا تو فقہاء احناف کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے اور اگر اس نے ایک ہزار روپیہ مہر میں دے دیا تو فبہا اور اگر نہیں دیا تو مہر مثل لازم ہوگا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۵۵۔ بَابُ: الصُّفْرَةِ لِلْمُتَزَوِّجِ نکاح کرنے والے کو ابٹن (یا زرد رنگ) لگانا

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی نکاح کرنے والے کے جسم پر زعفران یا زرد رنگ کو ملنا جائز ہے۔

وَرَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل حدیث موصول کی طرف اشارہ کیا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت سعد بن ربیع الانصاری کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا اور حضرت سعد مالدار مرد تھے، پس انہوں نے حضرت عبد الرحمن بن عوف سے کہا: میں اپنا آدھا مال آپ کو دیتا ہوں اور (اپنی کسی بیوی سے) آپ کی شادی کر دیتا ہوں، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے اہل اور مال میں برکت عطا فرمائے آپ میری بازار کی طرف رہنمائی کریں، پھر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف بازار سے لوٹے تو وہ کچھ پنیر اور گھی نفع میں حاصل کر چکے تھے، پھر وہ اس مال کو لے کر اپنے گھر آئے، پھر چند دن ٹھہرنے کے بعد یا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ اس حال میں آئے کہ ان پر ابٹن یا زعفران کا رنگ لگا ہوا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اس رنگ کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کر لیا ہے، آپ نے پوچھا: تم نے اس کو کتنا مہر دیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا: ایک گٹھلی سونا یا کہا: ایک گٹھلی کے برابر سونا، آپ نے فرمایا: "تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے کرو"۔ (صحیح البخاری: ۲۰۴۹)

۵۱۵۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَبِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ كَمْ سُقْتَ إِلَيْهَا قَالَ زِنَةَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

(صحیح البخاری:۲۰۴۹، صحیح مسلم:۱۴۲۷، مسند احمد:۱۳۳۶۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از حمید الطویل از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان پر زعفران کے رنگ کا اثر تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کر لیا ہے، آپ نے پوچھا: تم نے اس کو کتنا مہر دیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ گٹھلی کے برابر سونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے''۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے زعفران میں رنگے ہوئے کپڑے کی توجیہ، زرد رنگ کے لباس کی فضیلت اور اس سے ممانعت کا تنزیہ کے لیے ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حماد بن سلمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے جسم پر زعفران کا رنگ لگا ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے جو شادی کے موقع پر پہنے جاتے ہیں ان کے پہننے سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے جسم پر زرد رنگ لگ گیا تھا۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: ایک قول یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جو شخص نکاح کرتا تھا وہ زرد رنگ کے کپڑے پہنتا تھا، اور یہ کپڑے شادی اور خوشی کی علامت ہوتے تھے کیونکہ حماد بن سلمہ کی روایت میں مذکور ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اوپر خوشی کے آثار دیکھے تو ان سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے زرد رنگ کا لباس اس لیے پہنا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کی شادی ہو چکی ہے اور وہ ولیمہ کرنے میں ان کی مدد کریں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تمام رنگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت رنگ زرد رنگ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِينَ ۞ (البقرۃ:۶۹)

بے شک وہ چمک دار زرد رنگ کی گائے ہے دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے O

پس اللہ تعالیٰ نے خوشی کو زرد رنگ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زرد رنگ کو پسند فرماتے تھے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا گیا کہ وہ زرد رنگ کا خضاب کیوں لگاتے ہیں اور زرد رنگ کا عمامہ کیوں پہنتے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زرد رنگ کا خضاب لگاتے تھے اور زرد رنگ کا عمامہ باندھتے تھے، جب سے میں بھی زرد رنگ سے محبت کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری:۱۶۶، صحیح مسلم:۱۱۸۷، سنن ابوداؤد:۴۲۰۷، سنن نسائی:۱۱۷)

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زعفران میں رنگے ہوئے کپڑوں کو پہننے سے جو

منع فرمایا ہے وہ ممانعت تحریم کے لیے نہیں ہے بلکہ تنزیہہ کے لیے ہے۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

زعفران میں رنگے ہوئے کپڑوں کے پہننے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حافظ ابن عبدالبر نے الزہری سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام زرد رنگ لگاتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور ابن سفیان نے کہا: ہمارے اصحاب کے نزدیک کپڑوں کو زرد رنگ میں رنگنا جائز ہے اور جسم پر زرد رنگ لگانا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ مرد کا اپنے کپڑوں اور ڈاڑھی کو زعفران کے ساتھ رنگنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو زعفران کے رنگ سے منع فرمایا ہے، یہ ممانعت حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔
میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ یہ ممانعت تنزیہہ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں ہے جیسا کہ علامہ المہلب مالکی کی تحقیق ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ولیمہ کے شرعی حکم کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث سے غیر مقلدین نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر وہ مرد جو نکاح کرے اس پر ولیمہ کرنا فرض ہے خواہ وہ کم مال سے ولیمہ کرے، اور ابوسلیمان کا بھی یہی موقف ہے۔ علامہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے کہ امام شافعی کا بھی یہی ایک قول ہے اور امام مالک کا بھی مشہور مذہب یہی ہے اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے لکھا ہے کہ جو مرد نکاح کرے اس کے لیے ولیمہ کرنا مستحب ہے خواہ وہ ایک بکری سے ولیمہ کرے۔ اور انہوں نے کہا کہ اہل علم کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نکاح میں ولیمہ کرنا سنت مشروعہ ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک یہ واجب نہیں ہے اور امام شافعی کے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ ولیمہ کرنا واجب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ولیمہ کرنے کا حکم دیا اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی نے کہا کہ ولیمہ خوشی کے موقع کی دعوت ہے جو خوشی نئی نئی حاصل ہوئی ہو، پس یہ خوشی کے موقع کی دعوت باقی دعوتوں کی طرح مستحب ہے۔

ولیمہ کی مقدار میں متعدد اقوال

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خواہ ایک بکری سے ولیمہ کرو، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک بکری سے ولیمہ کرنا واجب نہیں ہے اور کم مال سے ولیمہ کرنے کی کوئی حد نہیں ہے اور نہ زیادہ مال سے ولیمہ کرنے کی کوئی حد ہے۔
علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ مختلف ولیموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مختلف ہیں اور ولیمہ کرنا خوش حال لوگوں پر ان کی وسعت کے اعتبار سے واجب ہے اور آپ نے جو حضرت عبدالرحمن سے فرمایا: خواہ ایک بکری سے ولیمہ کرو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک بکری سے کم ولیمہ کرنا جائز نہیں ہے، آپ نے ایک بکری کو کم از کم خوش حالی کی غایت قرار دیا ہے۔
دوسرا قول یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا ہو کہ جب صحابہ کرام نے ہجرت کی تھی تو وہ ہجرت کے وقت بہت تنگ دست تھے، پھر جب خیبر کی فتح اور دیگر فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں پر خوش حالی آ گئی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بہت عمدہ ولیمہ کیا۔

ولیمہ کرنے کے وقت میں متعدد اقوال

متقدمین کا اس میں اختلاف ہے کہ ولیمہ کس وقت مشروع ہے، آیا یہ عقد نکاح کے وقت ہے یا اس کے بعد ہے یا دخول کے وقت ہے یا اس کے بعد ہے یا اس میں عقد نکاح سے لے کر دخول کے وقت تک ولیمہ کرنے کی گنجائش ہے، اس سلسلہ میں متعدد اقوال ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ فقہاء مالکیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ دخول کے بعد ولیمہ کیا جائے اور فقہاء مالکیہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ عقد نکاح کے وقت ولیمہ کیا جائے اور ابن حبیب مالکی کے نزدیک عقد نکاح کے وقت ولیمہ کیا جائے اور دخول کے بعد ولیمہ کیا جائے اور دوسرے مقام پر انہوں نے کہا کہ دخول سے پہلے اور دخول کے بعد ولیمہ کرنا جائز ہے۔

علامہ الماوردی الشافعی نے کہا ہے کہ دخول کے وقت ولیمہ کیا جائے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد جب صبح کی تو آپ نے صحابہ کو کھانے کے لیے بلایا۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد مشروع ہے، اور بعض مالکیہ نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ ولیمہ شب زفاف کے وقت ہو اور لوگوں کا عمل اس پر ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۴۔ ۲۰۳ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۶۔ بَابٌ: باب

یہ باب ابواب سابقہ کے ساتھ ملحق ہے اور بمنزلہ فصل ہے۔

۵۱۵۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَوْلَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِزَيْنَبَ فَأَوْسَعَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا فَخَرَجَ كَمَا يَصْنَعُ إِذَا تَزَوَّجَ فَأَتَى حُجَرَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ يَدْعُو وَيَدْعُونَ لَهُ ثُمَّ انْصَرَفَ فَرَأَى رَجُلَيْنِ فَرَجَعَ لَا أَدْرِي آخْبَرْتُهُ أَوْ أُخْبِرَ بِخُرُوجِهِمَا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۲۱۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا اور اس میں مسلمانوں کو بہت وسعت کے ساتھ کھانا کھلایا، پھر آپ نے اس طرح کیا جس طرح آپ نکاح کے وقت کرتے تھے، پس آپ امہات المومنین کے حجروں میں گئے (اور) دعاء کی اور انہوں نے آپ کو دعا دی، پھر آپ واپس آئے تو آپ نے دیکھا (آپ کے گھر میں) دو مرد بیٹھے ہوئے ہیں، سو آپ واپس چلے گئے، حضرت انس نے کہا: مجھے پتا نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی تھی یا کسی اور نے ان دو مردوں کے گھر سے نکلنے کی خبر دی تھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی پر یہ اشکال ہے کہ اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے یعنی ''نکاح کرنے والے کو [illegible] یا زعفران لگانا''۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بخاری کے اکثر نسخوں میں لفظ باب ہے، وہ اگر چہ بغیر عنوان کے ہے لیکن وہ

بمنزلہ فصل ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کا اس حدیث میں ذکر ہے اور اس حدیث میں ابٹن یا زعفران کا ذکر نہیں ہے، اور امام بخاری نے اس باب سے یہ اشارہ کیا ہے کہ نکاح کرنے والے کے لیے ابٹن یا زعفران لگانا جائز ہے اور ہر نکاح کرنے والے کے لیے ابٹن لگانا شرط نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۸۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کی یہ عبارت بہت واہی اور ضعیف ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے: نکاح کرنے والے کے لیے ابٹن یا زعفران لگانا اور اس حدیث میں ابٹن یا زعفران کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت نہیں ہے، اس کی توجیہ یوں ہوسکتی ہے کہ حدیث سابق میں آپ نے ولیمہ کرنے کا حکم دیا تھا اور اس حدیث میں آپ کے خود ولیمہ کرنے کا ذکر ہے اور اس سے زیادہ مکمل مناسبت اور کیا ہوسکتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض میں علامہ عینی کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں لکھا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۵)

حدیث مذکور کی شرح

آپ نے حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ میں لوگوں کو روٹیاں اور گوشت کھلایا، پھر آپ اپنی عادت کے مطابق ازواج مطہرات کے حجروں میں گئے اور آپ نے ان میں سے ہر ایک کو سلام کیا، اور ان سب نے آپ کو خیر اور برکت کی دعا دی، پھر آپ ازواج مطہرات کے حجروں سے واپس اپنے گھر میں آگئے تو آپ نے دیکھا جن لوگوں کو ولیمہ میں بلایا گیا تھا وہ سب کھانا کھا کر چلے گئے اور دو مرد آپ کے گھر میں بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے، یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر ازواج مطہرات کے حجروں کی طرف چلے گئے، آپ واپس آئے تو وہ مرد ابھی بیٹھے ہوئے تھے، پھر جب انہوں نے آپ کو دوبارہ واپس آتے ہوئے دیکھا تو پھر وہ چلے گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۷۔ بَابٌ: كَيْفَ يُدْعَى لِلْمُتَزَوِّجِ

نکاح کرنے والے کو کیسے دعا دی جائے

۵۱۵۵۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ قَالَ مَا هٰذَا قَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

(صحیح البخاری: ۲۰۴۹، ۳۷۸۱، ۲۰۸۲، ۶۳۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ترمذی: ۱۰۹۴، سنن نسائی: ۳۳۵۱، سنن ابو داؤد: ۲۱۰۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی وہ ابن زید ہیں از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے اوپر زرد رنگ کا اثر دیکھا، پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے ایک عورت سے گٹھلی کے برابر سونے کے عوض نکاح کیا ہے تو آپ نے دعا دی: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۹ میں گزر چکی ہے۔

نکاح کرنے والے کے لیے دعائیہ کلمات کے متعلق احادیث

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بنو جشم کی ایک عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے دعا دی: الرفا والبنین ''یعنی تم دونوں کے درمیان اتفاق رہے اور تم کو اولاد نصیب ہو''۔ تو حضرت عقیل نے کہا: اس طرح نہ کہو لیکن اس طرح دعا دو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی تھی: ''اے اللہ! ان پر برکت نازل فرما''۔

(سنن دارمی: ۲۲۱۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۴۸، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۱۹۴۔ ۱۹۳، مصنف عبدالرزاق: ۱۰۴۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی انسان کو نکاح کی مبارک باد دیتے تو کہتے: ''اللہ تمہارے لیے برکت دے اور تم پر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں کو خیر پر جمع رکھے''۔

(سنن ترمذی: ۱۰۹۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۱، سنن دارمی: ۲۲۲۰، صحیح ابن حبان: ۴۰۵۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۸۳)

اس اعتراض کا جواب کہ اس باب کا عنوان ہے: دلہن کو تیار کرنے والی عورتوں کو دعائے خیر دینا حالانکہ اس باب کی حدیث میں ان عورتوں کے لیے دعا کا ذکر نہیں ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں: ظاہر حدیث اس باب کے عنوان کے مخالف ہے کیونکہ اس حدیث میں دلہن کو تیار کرنے والی عورتوں نے دلہن کو دعا دی ہے اور کہا ہے کہ علی الخیر والبرکۃ، نہ کہ اس حدیث میں دلہن کو تیار کرنے والی عورتوں کے لیے دعا کا ذکر ہے۔ علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ ھ نے اس اشکال کے جواب میں کہا ہے کہ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا ذکر ہے جو ان عورتوں کو ہدایت دے رہی تھیں جو حضرت عائشہ کو دلہن بنا رہی تھی، سو ان عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دعا دی اور جو ان کو دلہن بنا رہی تھیں ان کو بھی دعا دی، اور علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دعا ان عورتوں کے ساتھ مخصوص ہو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنا کر پیش کر رہی تھیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری کی مراد یہ ہے: جو عورتیں دلہن کو پیش کر رہی ہوں خواہ کم ہوں یا زیادہ ہوں اور ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ یہ دعا ان عورتوں کے لیے تھی جو گھر میں حاضر تھیں دلہن کے آنے سے پہلے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۹ ۳، ملخصا، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی اس عبارت پر یہ اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ تمام جوابات محض تکلفات ہیں اور اکثر جوابات قانون سے خارج ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۵۸۔ بَابُ: الدُّعَاءِ لِلنِّسَاءِ اللَّاتِي يَهْدِينَ الْعَرُوسَ وَلِلْعَرُوسِ

جو عورتیں دلہن کو دولہا کے گھر لے کر آئیں ان کو کس طرح دعا دی جائے اور دلہن کو کس طرح دعا دی جائے

۵۱۵۶۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها تَزَوَّجَنِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَتَتْنِي أُمِّي فَأَدْخَلَتْنِي الدَّارَ فَإِذَا نِسْوَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فِي الْبَيْتِ فَقُلْنَ عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلَى خَيْرِ طَائِرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا، پس میرے پاس میری والدہ آئیں، سو انہوں نے مجھے گھر میں داخل کیا، سو اس وقت

(صحیح البخاری: ۵۱۵۷، ۵۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۲۲، ابوداؤد: ۲۱۲۱، ابن ماجہ: ۱۸۷۶) انصار کی عورتیں گھر میں یہ دعائیہ کلمات پڑھ رہی تھیں، تم پر خیر اور برکت نازل ہو اور تمہارا نصیب نیک ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۴ میں گزر چکی ہے۔

دولہا کے لیے مبارک باد کے دعائیہ کلمات کے متعلق دیگر احادیث

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک دولہا کے پاس گئے تو آپ نے دعا دی: ''تم باہم محبت اور خیر کے ساتھ رہو، تمہارا نصیب بابرکت ہو، تمہیں رزق میں کشادگی حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے''۔
(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۹۱، مسند الشامیین: ۲۱۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۸۷)

ابن وہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے یونس بن یزید کو اپنے نکاح پر دعوت دی تو انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابن شہاب سے سنا کہ وہ اپنے صاحب کے نکاح پر دعائیہ کلمات کہہ رہے تھے: اللہ تعالیٰ تمہیں نیک بخت کرے اور تمہارا نصیب مبارک کرے۔ (الکامل لابن عدی: ۱۰۱۳)

۵۹۔ بَابُ: مَنْ أَحَبَّ الْبِنَاءَ قَبْلَ الْغَزْوِ جس نے کہا: جہاد میں روانہ ہونے سے پہلے بیوی سے مجامعت کرنا مستحب ہے

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں: جس شخص نے ابھی تک اپنی بیوی سے دخول نہ کیا ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ جہاد پر روانہ ہونے سے پہلے اپنی بیوی سے مجامعت کرے۔

۵۱۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ لَا يَتْبَعْنِي رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا وَلَمْ يَبْنِ بِهَا۔
(صحیح مسلم: ۱۷۴۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن المبارک نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے بیان فرمایا: انبیاء سابقین میں سے ایک نبی جہاد میں گئے تو انہوں نے اپنی امت سے کہا: میرے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ جائے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اور وہ اس سے مجامعت کا ارادہ رکھتا ہو اور اس نے ابھی تک اس کے ساتھ مجامعت نہ کی ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۱۲۴ میں گزر چکی ہے۔

مجاہدین کے درمیان اتفاق اور اتحاد ہونا چاہیے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث کا تکملہ یہ ہے: یا جس مرد نے کوئی مکان بنایا ہو اور ابھی تک اس میں رہائش نہ کی ہو۔

اس حدیث کے مسائل یہ ہیں کہ جہاد میں پوری بصیرت کے ساتھ روانہ ہونا چاہیے اور مجاہدین کے درمیان اتفاق اور اتحاد ہونا چاہیے کیونکہ جب ان کے درمیان اتفاق اور اتحاد ہوگا تو فتح اور نصرت حاصل ہوگی۔ اور جب ان کے درمیان اختلاف ہوگا تو شکست

کا خطرہ ہوگا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۵۔ ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

٦٠۔ بَابٌ: مَنْ بَنَى بِامْرَأَةٍ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ

جس نے بیوی کے ساتھ مجامعت کی اور اس وقت اس کی (بیوی کی) عمر نو سال تھی۔

۵۱۵۸۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ عَائِشَةَ وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ وَبَنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ وَمَكَثَتْ عِنْدَهُ تِسْعًا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۲۲، سنن ابو داؤد: ۲۱۲۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصۃ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروۃ از عروۃ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جب ان کی عمر چھ سال تھی اور ان کے ساتھ مجامعت کی جب ان کی عمر نو سال تھی اور وہ آپ کے ساتھ نو سال رہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۴ میں گزر چکی ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ اس حدیث کا اس باب میں ذکر کرنا بے فائدہ ہے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث مرسل ہے اور قریب ہی یہ حدیث اس باب میں گزر چکی ہے: ''مرد کا اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کرنا''۔

یہاں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا فائدہ یہ بتانا ہے کہ جو مرد کسی نابالغ لڑکی سے نکاح کرے تو وہ اس وقت تک اس کے ساتھ مجامعت نہ کرے جب تک کہ اس کی عمر نو سال نہ ہو جائے، اور اگر وہ اس سے کم عمر میں جماع کی طاقت رکھتی ہو تو اس کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے اور اگر نو سال کی عمر ہونے کے بعد بھی جماع کی طاقت نہ رکھے تو اس کے ساتھ جماع کرنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦١۔ بَابٌ: الْبِنَاءِ فِي السَّفَرِ

سفر میں (اپنی بیوی کے ساتھ) مجامعت کرنا

۵۱۵۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلَاثًا يُبْنَى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ فَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَأَلْقَى فِيهَا مِنَ التَّمْرِ وَالْأَقِطِ وَالسَّمْنِ فَكَانَتْ وَلِيمَتَهُ فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ فَقَالُوا إِنْ حَجَبَهَا فَهِيَ مِنْ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْهَا فَهِيَ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُهُ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّى لَهَا خَلْفَهُ وَمَدَّ الْحِجَابَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے خبر دی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ خیبر اور مدینہ کے درمیان تین دن ٹھہرے، آپ نے (وہاں) حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کے ساتھ مجامعت کی، پس میں نے صحابہ کو آپ کے ولیمہ کی دعوت دی، پس اس ولیمہ میں روٹیاں اور گوشت نہیں تھا، آپ نے چمڑے کے ٹکڑے کو بچھانے کا حکم دیا، پھر اس میں کھجوریں، پنیر اور گھی لا کر ڈالا گیا، سو یہ آپ کا ولیمہ تھا، صحابہ نے کہا: یا تو (حضرت صفیہ) امہات المومنین میں سے ایک ہیں اور یا آپ کی مملوکہ کنیز ہیں، پھر انہوں نے کہا: اگر آپ نے ان کو حجاب میں رکھا

(صحیح البخاری: ۵۱۶۹، ۵۳۸۷، ۵۴۲۵، ۵۴۲۸، ۵۹۶۸، ۶۱۸۵، ۶۳۶۳، ۶۳۶۹، ۷۳۳۳، صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی: ۱۰۹۵، سنن نسائی: ۳۳۸۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۹)

تو یہ امہات المومنین میں سے ہیں اور اگر آپ نے ان کو حجاب میں نہیں رکھا تو پھر یہ آپ کی مملوکہ کنیزوں میں سے ہیں، پھر جب آپ روانہ ہوئے تو آپ نے اپنے پیچھے حضرت صفیہ کے لیے جگہ بنائی اور ان کے اور لوگوں کے درمیان حجاب ڈال دیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل فقہیہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

(۱) سفر میں اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت کرنا جائز ہے۔

(۲) عالم اور سربراہ ملک کے ساتھ مسافروں کا دو دن یا تین دن قیام کرنا جائز ہے اور یہ امیر سلطنت کا ظلم نہیں ہے کیونکہ تین دن تک ایام سفر ہیں، اور اگر امیر سلطنت مسافروں کو اپنے کسی نجی کام کی وجہ سے تین دن سے زیادہ ٹھہرائے تو یہ اس کا ظلم ہے اور اس پر اس کو گناہ ہوگا۔

(۳) شادی شدہ عورت کے ساتھ سفر میں تین دن تک ٹھہرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۲۔ بَابُ: الْبِنَاءِ بِالنَّهَارِ بِغَيْرِ مَرْكَبٍ وَلَا نِيرَانٍ

دن میں بیوی کے ساتھ مجامعت کرنا بغیر سواری اور روشنی کے

۵۱۶۰۔ حَدَّثَنِي فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ تَزَوَّجَنِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَتَتْنِي أُمِّي فَأَدْخَلَتْنِي الدَّارَ فَلَمْ يَرُعْنِي إِلَّا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ضُحًى۔

(صحیح البخاری: ۳۸۹۴، ۵۱۳۳، ۵۱۳۴، ۵۱۵۶، ۵۱۵۸، صحیح مسلم: ۱۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۲۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا، پس میرے پاس میری والدہ آئیں، سو انہوں نے مجھے گھر میں داخل کیا، پس مجھے اس چیز نے خوف زدہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس چاشت کے وقت تشریف لائے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۹۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دن کے وقت جماع کیا ہے، اور یہی امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۰)

٦٣۔ بَابُ: الْأَنْمَاطِ وَنَحْوِهَا لِلنِّسَاءِ

دلہنوں کے لیے غالیچے وغیرہ بچھانا

۵۱٦۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَلِ اتَّخَذْتُمْ أَنْمَاطًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ وَأَنَّى لَنَا أَنْمَاطٌ قَالَ إِنَّهَا سَتَكُونُ۔

(صحیح مسلم: ۲۰۸۳، سنن ترمذی: ۲۷۷۴، سنن نسائی: ۳۳۸٦، سنن ابوداود: ۴۱۴۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن المنکدر نے حدیث بیان کی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے غالیچے بنائے ہیں؟'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے لیے غالیچے کہاں سے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ''عنقریب ہوں گے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳٦۳۱ میں گزر چکی ہے۔

انماط کا معنی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اَنْمَاط نَمَط کی جمع ہے، یہ بستر کے اوپر کی قیمتی چادر ہے، اس کو غالیچہ اور سوزنی کہا جاتا ہے، علامہ نووی نے کہا ہے: اس کو پالان پر بچھایا جاتا ہے اور کبھی اس کا پردہ لٹکایا جاتا ہے اور اس کا معنی طریقہ بھی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں نبی ﷺ کے علم غیب کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: عنقریب تمہیں غالیچے حاصل ہوں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

٦۴۔ بَابُ: النِّسْوَةِ اللَّاتِي يَهْدِينَ الْمَرْأَةَ إِلَى زَوْجِهَا

وہ عورتیں جو دلہن کو اس کے دولہا کے سامنے پیش کریں

۵۱٦۲۔ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا زَفَّتْ امْرَأَةً إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ۔

(الجمع بین الصحیحین: ۳۳۴۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الفضل بن یعقوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سابق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کو انصار کے ایک مرد کے سامنے پیش کیا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے ساتھ لہو (دف) نہیں تھا؟ کیونکہ انصار کو لہو اچھا لگتا ہے۔

شادی وغیرہ کی تقریب میں آلات موسیقی وغیرہ بجانے کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ولیمہ نکاح میں لہو کے ساتھ شغل جائز ہے اور لہو سے مراد ہے: دف یا اس کے مشابہ آلات موسیقی کو

بجانا جب تک کہ اس میں کوئی حرام چیز نہ ہو، اور ولیمہ نکاح کو اس کے ساتھ خاص کیا ہے تا کہ نکاح ظاہر ہو جائے اور مشہور ہو جائے اور اس کے حقوق سب کو معلوم ہو جائیں۔

امام مالک نے کہا ہے کہ دف اور دیگر آلات موسیقی کو ولیمہ میں بجانا جائز ہے کیونکہ میری رائے یہ ہے کہ اس میں تخفیف ہے اور اگر اس میں منہ سے بجانے والا ساز ہو یعنی مزامیر ہو تو میں اس کو مکروہ قرار دیتا ہوں۔

اصبغ نے کہا ہے: شادی کی تقریب ہو یا کوئی اور موقع ہو اس میں گیت گانا جائز نہیں ہے مگر جتنی مقدار میں انصار کی عورتوں نے گیت گایا تھا یا خفیف رجز ہو، اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ''باب ولیمہ'' میں بیان کروں گا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

٦٥ ـ بَابُ: اَلْهَدِيَّةِ لِلْعَرُوسِ — دولہا کے لیے ہدیہ بھیجنا

دولہا کے لیے ہدیہ بھیجنے کا وقت

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں: دخول کی رات کی صبح کو دولہا کے لیے ہدیہ بھیجنا تا کہ دولہا اس ہدیہ کا ولیمہ کر سکے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۲)

۵۱۶۳ ـ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ وَاسْمُهُ الْجَعْدُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَرَّ بِنَا فِي مَسْجِدِ بَنِي رِفَاعَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا مَرَّ بِجَنَبَاتِ أُمِّ سُلَيْمٍ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ عَرُوسًا بِزَيْنَبَ فَقَالَتْ لِي أُمُّ سُلَيْمٍ لَوْ أَهْدَيْنَا لِرَسُولِ اللهِ ﷺ هَدِيَّةً فَقُلْتُ لَهَا افْعَلِي فَعَمَدَتْ إِلَى تَمْرٍ وَسَمْنٍ وَأَقِطٍ فَاتَّخَذَتْ حَيْسَةً فِي بُرْمَةٍ فَأَرْسَلَتْ بِهَا مَعِي إِلَيْهِ فَانْطَلَقْتُ بِهَا إِلَيْهِ فَقَالَ لِي ضَعْهَا ثُمَّ أَمَرَنِي فَقَالَ ادْعُ لِي رِجَالًا سَمَّاهُمْ وَادْعُ لِي مَنْ لَقِيتَ قَالَ فَفَعَلْتُ الَّذِي أَمَرَنِي فَرَجَعْتُ فَإِذَا الْبَيْتُ غَاصٌّ بِأَهْلِهِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى تِلْكَ الْحَيْسَةِ وَتَكَلَّمَ بِهَا مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ جَعَلَ يَدْعُو عَشَرَةً عَشَرَةً يَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَقُولُ لَهُمُ اذْكُرُوا اسْمَ اللهِ وَلْيَأْكُلْ كُلُّ رَجُلٍ مِمَّا يَلِيهِ قَالَ حَتَّى تَصَدَّعُوا كُلُّهُمْ عَنْهَا فَخَرَجَ مِنْهُمْ مَنْ خَرَجَ وَبَقِيَ نَفَرٌ يَتَحَدَّثُونَ قَالَ وَجَعَلْتُ أَغْتَمُّ ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ نَحْوَ الْحُجُرَاتِ وَخَرَجْتُ فِي إِثْرِهِ

..........اور ابراہیم نے کہا از ابی عثمان اور ان کا نام الجعد ہے از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: (ابو عثمان الجعد نے کہا:) ہمارے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ مسجد بنو رفاعہ کے پاس سے گزرے، سو میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر کے صحن کے پاس سے گزرتے، تو آپ انہیں سلام کرتے، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی ﷺ اس وقت حضرت زینب کے دولہا تھے، پس مجھ سے حضرت ام سلیم نے کہا: اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے کوئی ہدیہ بھیجیں؟ تو میں نے ان سے کہا: آپ بھیجئے، پس انہوں نے کھجوروں اور گھی اور پنیر کو اکٹھا کیا، پس انہوں نے اس کو ایک دیگچی میں ڈال کر حلوہ بنایا، پھر اس کو میرے ساتھ نبی ﷺ کے لیے بھیجا، میں اس حلوہ کو لے کر نبی ﷺ تک پہنچا، آپ نے فرمایا: تم اس کو رکھ دو، پھر مجھے حکم دیا کہ میرے لیے لوگوں کو بلاؤ: آپ نے ان لوگوں کا نام بھی لیا اور جو لوگ بھی تم کو ملیں ان کو بلاؤ، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا، پس میں نے اس طرح کیا جس طرح آپ نے مجھے بتایا تھا، سو میں واپس آیا تو اس وقت آپ کا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا پس میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے اپنے

فَقُلْتُ إِنَّهُمْ قَدْ ذَهَبُوا فَرَجَعَ فَدَخَلَ الْبَيْتَ وَأَرْخَى السِّتْرَ وَإِنِّي لَفِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ يَقُولُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾ (احزاب:۵۳) قَالَ أَبُو عُثْمَانَ قَالَ أَنَسٌ إِنَّهُ خَدَمَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَشْرَ سِنِينَ

(صحیح البخاری:۵۱۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۸، الجمع بین الصحیحین: ۱۸۵۳)

دونوں ہاتھ اس حلوے پر رکھے اور اس پر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ نے دعائیہ کلمات پڑھے، پھر آپ دس دس صحابہ کو بلاتے تھے، پھر وہ اس حلوہ سے کھاتے تھے اور آپ ان سے فرماتے تھے: بسم اللہ پڑھو اور ہر مرد اپنے سامنے سے کھائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا حتیٰ کہ تمام لوگ متفرق ہو گئے اور ان میں سے وہ (باہر) نکل گئے جو نکل گئے اور کچھ لوگ (گھر میں) بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ حضرت انس نے بتایا: میں (ان کے نہ نکلنے کی وجہ سے) مغموم ہو گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے حجروں کی طرف نکلے اور میں بھی آپ کے پیچھے نکلا، میں نے بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں تو آپ واپس آئے اور گھر میں داخل ہو گئے اور پردہ لٹکا دیا اور ابھی میں حجرہ کے اندر تھا تو آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے، کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا۔ (الاحزاب: ۵۳) ابو عثمان نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

ابراہیم بن طہمان کی تعلیق کی شرح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق از ابراہیم بن طہمان از ابی عثمان مروی ہے اور ابراہیم بن طہمان اس تعلیق کی ابو عثمان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور مجھے اس تعلیق کی سند موصول سے روایت نہیں ملی مگر مجھ سے بعض شارحین نے ملاقات کی اور ان کا یہ زعم تھا کہ امام نسائی نے اس تعلیق کی از احمد بن حفص بن عبد اللہ بن راشد از والد خود روایت کی ہے اور میں اب تک اس روایت پر مطلع نہیں ہو سکا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۳۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کا علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: اگر حافظ ابن حجر کی ان شارحین سے مراد صاحب التلویح ہیں تو حافظ ابن حجر کی ان سے ملاقات نہیں

ہوئی کیونکہ صاحب التلویح ۷۶۲ھ میں فوت ہو چکے تھے اور حافظ ابن حجر اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اگر حافظ ابن حجر کی ان شارحین سے مراد صاحب التوضیح ہیں یعنی علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ تو وہ اپنے شیخ صاحب التلویح کے تابع ہیں اور اگر حافظ ابن حجر کی ان شارحین سے مراد علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ ہیں تو وہ مصر میں بالکل داخل نہیں ہوئے، علاوہ ازیں علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے اپنی شرح الکواکب الدراری میں یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ تعلیق امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے سند موصول سے روایت کی ہے اور حافظ ابن حجر کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں اس روایت پر مطلع نہیں ہو سکا کیونکہ ان کا اس روایت پر مطلع نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسرے بھی اس روایت پر مطلع نہ ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں علامہ عینی کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ مصر میں بالکل داخل نہیں ہوئے کیونکہ علامہ کرمانی نے اپنی شرح کے خطبہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے صحیح البخاری کا سماع الجامع الازہر القاہرہ مصر میں کیا۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۶۔ ۲۹۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا یہ جواب نہایت قوی ہے اور شاید علامہ عینی حنفی کو یہ علم نہیں تھا کہ علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ کرمان سے صحیح البخاری کے سماع کے لیے مصر آئے تھے، ورنہ وہ یہ غلط بات نہ لکھتے، تاہم علامہ عینی کا حافظ ابن حجر پر یہ قرض باقی ہے کہ علامہ کرمانی نے اپنی شرح میں یہ ذکر نہیں کیا امام نسائی نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور علامہ عینی کا یہ اعتراض بھی باقی ہے کہ حافظ ابن حجر کا امام نسائی کی روایت پر مطلع نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسرے بھی امام نسائی کی اس روایت پر مطلع نہ ہوں۔ (سعیدی غفرلہ)

حدیث مذکور کے مسائل دقیقہ اور نکات لطیفہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے درج ذیل فوائد حدیث مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) یہ حدیث دولہا کے لیے ہدیہ بھیجنے کی اصل ہے، زمانہ قدیم میں بھی دولہا کے لیے ہدایا (تحائف) بھیجنے کا رواج تھا۔

(۲) جو ہدیہ آپ کے لیے بھیجا گیا تھا اس کی مقدار کم تھی، اس سے معلوم ہوا کم مقدار میں ہدیہ بھیجنا بھی جائز ہے۔

(۳) اس حدیث میں ولیمہ کا ثبوت ہے، ابن العربی نے کہا: یہ ولیمہ دخول کے بعد تھا اور امام بیہقی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ولیمہ کے بعد دخول کیا تھا۔

(۴) لوگوں کو بغیر تکلف کے ولیمہ کی دعوت دینا اور یہی سنت ہے۔

(۵) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم معجزہ کا ذکر ہے کیونکہ وہ تھوڑا سا طعام تھا جو کثیر التعداد صحابہ کے لیے کافی ہو گیا۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم خلق اور آپ کا لطف اور آپ کی طبعی حیاء، آپ کو کھانے والوں کا زیادہ دیر بیٹھے رہنا ناگوار تھا اس لیے آپ بار بار گھر میں داخل ہوتے اور واپس آ جاتے لیکن آپ نے زبان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم لوگ چلے جاؤ۔

(۷) دوستوں کی ایذاء پر صبر کرنا کیونکہ ان کے زیادہ دیر بیٹھنے سے آپ کو تکلیف ہوئی جس پر آپ نے صبر کیا۔

(۸) کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا مستحب ہونا۔

(۹) سنت یہ ہے کہ انسان سامنے سے کھائے۔

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کیونکہ ان لوگوں کے زیادہ دیر بیٹھنے سے وہ غم گین ہوئے۔
(۱۱) جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر بیس سال تھی اور جب حضرت انس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کی عمر ایک سو دو یا ایک سو تین سال تھی اور وہ بیانوے یا تیرانوے ہجری میں فوت ہوئے تھے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۶۔ بَابُ: اسْتِعَارَةِ الثِّيَابِ لِلْعَرُوسِ وَغَيْرِهَا

دلہن کے لیے عاریۃً کپڑے وغیرہ لینا

۵۱۶۴۔ حَدَّثَنِی عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَاسًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي طَلَبِهَا فَأَدْرَكَتْهُمُ الصَّلَاةُ فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوءٍ فَلَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم شَكَوْا ذَلِكَ إِلَيْهِ فَنَزَلَتْ آيَةُ التَّيَمُّمِ فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ جَزَاكِ اللهُ خَيْرًا فَوَاللهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ قَطُّ إِلَّا جَعَلَ اللهُ لَكِ مِنْهُ مَخْرَجًا وَجُعِلَ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ بَرَكَةٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً ہار لیا، سو وہ گم ہو گیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب کو اس کی تلاش کے لیے بھیجا، پھر انہوں نے نماز کا وقت پا لیا تو انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی، پس جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، پھر تیمم کی آیت نازل ہو گئی تو اسید بن حضیر نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے، پس اللہ کی قسم: جب بھی آپ پر مصیبت آئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس مصیبت سے کشادگی کر دی اور مسلمانوں کے لیے اس مصیبت کو برکت بنا دیا گیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴ میں گزر چکی ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس حدیث سے باب کے عنوان پر معنوی استدلال کیا ہے کیونکہ جس طرح ہار زینت کے لیے پہنا جاتا ہے اسی طرح کپڑے بھی زینت کے لیے پہنے جاتے ہیں اور یہ زینت عام ہے خواہ شادی سے پہلے ہو یا شادی کے بعد ہو اور اس طرح یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مناسب ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۳۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

علامہ عینی حنفی کا علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے: دلہن کا عاریۃً کپڑے لینا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً ہار لیا تھا کپڑے نہیں لیے تھے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہار لیا تھا اس وقت وہ دلہن

نہیں تھیں اور حافظ ابن حجر نے اس کی جو توجیہ کی ہے وہ بہت بعید ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ عینی حنفی کے اس اعتراض کا انتقاض الاعتراض میں کوئی جواب نہیں دیا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۶، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

٦٧ ـ بَابٌ: مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ

جب مرد اپنی بیوی کے پاس جائے تو کیا کہے

۵۱۶۵ ـ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَا لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ يَقُولُ حِينَ يَأْتِي أَهْلَهُ بِاسْمِ اللهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنِي الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ثُمَّ قُدِّرَ بَيْنَهُمَا فِي ذَلِكَ أَوْ قُضِيَ وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱، ۳۲۸۳، ۶۳۸۸، ۷۳۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۳۴، سنن ترمذی: ۱۰۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۶۱، سنن ابن ماجہ: 1919)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از منصور از سالم بن ابی الجعد از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی مرد جب اپنی بیوی کے پاس جائے تو کہے: اللہ کے نام کی برکت سے، اے اللہ! مجھے شیطان سے محفوظ رکھ اور تو ہم کو جو اولاد عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ، پھر اس عمل کے نتیجہ میں ان کے درمیان جو مقدر کیا جائے گا یا جس اولاد کا فیصلہ کیا جائے گا اس کو شیطان کبھی بھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۱ میں گزر چکی ہے۔

مجامعت کے وقت کی دعا سے انسان کے شیطان کے ضرر سے محفوظ رہنے کی دو تفسیریں

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ دعا بلاؤں کو ٹال دیتی ہے اور دعا کی وجہ سے انسان شیطان کے گمراہ کرنے اور اس کی ایذاء سے محفوظ رہتا ہے۔

امام طبرانی نے کہا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی سے جماع کے وقت یہ دعا کرے گا اور نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کرے گا تو ہمیں امید ہے کہ زوجین کے درمیان دائمی الفت رہے گی۔

علامہ المہلب نے کہا ہے: اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس دعا کی وجہ سے شیطان کے کس ضرر سے مرد محفوظ رہتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس بچہ کی کوکھ میں انگلی چبھوتا ہے اور اس دعا کی وجہ سے بچہ شیطان کے اس ضرر سے محفوظ رہتا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس دعا کی وجہ سے اس بچہ پر مرگی کا دورہ نہیں پڑتا۔

علامہ المہلب مالکی کی باطل نکتہ آفرینی

علامہ المہلب نے کہا: اگر کوئی شخص شیطان کے ضرر سے محفوظ رہتا تو نبی ﷺ شیاطین کے ضرر سے محفوظ رہتے، حالانکہ شیطان نماز میں بھی آپ کے درپے آزار ہوا اور اس نے آپ کی قراءت میں خلل ڈالا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ المہلب مالکی کی باطل نکتہ آفرینیوں پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: علامہ المہلب مالکی کی یہ دونوں نکتہ آفرینیاں باطل ہیں۔ نماز میں جب شیطان آپ پر حملہ آور ہوا تھا تو اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوا کیونکہ آپ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ میں شیطان کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں اور تم سب صبح کو اٹھو تو شیطان کو بندھا ہوا دیکھو لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آئی:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی: اے میرے رب! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ (ص: ۳۵) (پھر میں نے اس کو چھوڑ دیا) روح نے کہا: اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ناکام اور نامراد لوٹا دیا۔ (صحیح البخاری: ۴۶۱)

سو اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ شیطان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکا، اور علامہ المہلب مالکی نے دوسری نکتہ آفرینی یہ کی ہے کہ شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت میں خلل ڈالا، سو یہ نکتہ آفرینی بھی باطل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت میں خلل ڈالنے کی حدیث کو امام بزار نے از کلبی ابوصالح از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے روایت کیا۔ (کشف الاستار ج ۳ ص ۷۲)

علامہ عینی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قاضی خان اور ابن عربی نے اس روایت کو ترک کر دیا کیونکہ اس روایت کے مطابق شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ کلمات جاری کرا دیئے: یہ مرغان بلند بانگ (یعنی کفار کے بت)، ان کی شفاعت متوقع ہے، اور یہ کلمات کفریہ ہیں اور کلمات کفریہ کے جاری ہونے سے آپ کی زبان کی عصمت، نزاہت اور براءت پر دلائل کثیرہ ہیں اور آپ کی عصمت پر امت کا اجماع ہے اور آپ اس چیز سے بری ہیں کہ آپ کے قلب اور زبان پر اس قسم کی کوئی چیز جاری ہو یا شیطان کا آپ پر تسلط ہو یا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات کی عمداً یا سہواً نسبت کریں۔ یہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے محال ہے اور اگر بالفرض ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں ہے۔ نیز اگر ایسا ہوتا تو صحابہ سے یہ امر مخفی نہ رہتا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۶۶ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت میں خلل نہیں ڈال سکا اور آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکا۔ اللہ تعالیٰ علامہ المہلب مالکی کو معاف فرمائے ان کو یہ باطل نکتہ آفرینی نہیں کرنی چاہیے تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شیطان کے ضرر سے محفوظ نہیں رہ سکے، سو یہ ان کی سنگین جرأت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۸۔ بَابُ: اَلْوَلِيمَةُ حَقٌّ — ولیمہ برحق ہے

ولیمہ کی تقریب کے متعلق احادیث

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث میں برحق کا لفظ نہیں ہے، البتہ امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "پہلے روز ولیمہ حق ہے اور دوسرے روز ولیمہ معروف ہے اور تیسرے روز ولیمہ دکھاوا ہے اور سنانا ہے"۔

(السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۶۱۔ ۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۵، سنن ابوداؤد: ۳۷۴۵)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ولیمہ حق اور سنت ہے، پس جس کو بلایا گیا اور وہ نہیں آیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، ہاں! بچہ کی ولادت کی دعوت میں اور ختنہ کی تقریب میں جانے کا تمہیں

اختیار ہے یا مکان بنانے کی تقریب میں جانے کا بھی تمہیں اختیار ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ج ۴ ص ۱۹۳، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۲)

اور حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے علی! نکاح میں ولیمہ کرنا ضروری ہے"۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۹، عمل الیوم واللیلۃ: ۲۴۹، شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۳۰۱۷، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۵۳، تاریخ دمشق ج ۳۶ ص ۴۳۷، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "سب سے برا طعام اس ولیمہ کا طعام ہے جس میں مالداروں کو دعوت دی جائے اور مساکین کو چھوڑ دیا جائے، سو جو ولیمہ کی دعوت میں نہیں آیا اس نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی"۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۷، صحیح مسلم: ۱۴۳۲، سنن ابوداؤد: ۳۷۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۳، مسند احمد: ۷۲۸۳)

ان احادیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ ولیمہ کرنا واجب ہے اور غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ولیمہ کرنا واجب ہے۔ اس کی مفصل بحث صحیح البخاری: ۵۱۵۳ کی شرح میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے"۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: اس تعلیق کے متعلق حدیث موصول صحیح البخاری: ۲۰۴۸ میں مذکور ہے۔ اور اس حدیث میں ولیمہ کرنے کا امر استحباب کے لیے ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے ہے، اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ ولیمہ واجب ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل سے مروی ہے اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۶۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضي الله عنه أَنَّهُ كَانَ ابْنَ عَشْرِ سِنِينَ مَقْدَمَ رَسُولِ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ فَكَانَ أُمَّهَاتِي يُوَاظِبْنَنِي عَلَى خِدْمَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَخَدَمْتُهُ عَشْرَ سِنِينَ وَتُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا ابْنُ عِشْرِينَ سَنَةً فَكُنْتُ أَعْلَمَ النَّاسِ بِشَأْنِ الْحِجَابِ حِينَ أُنْزِلَ وَكَانَ أَوَّلَ مَا أُنْزِلَ فِي مُبْتَنَى رَسُولِ اللهِ ﷺ بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَصْبَحَ النَّبِيُّ ﷺ بِهَا عَرُوسًا فَدَعَا الْقَوْمَ فَأَصَابُوا مِنَ الطَّعَامِ ثُمَّ خَرَجُوا وَبَقِيَ رَهْطٌ مِنْهُمْ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَطَالُوا الْمُكْثَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَخَرَجَ وَخَرَجْتُ مَعَهُ لِكَيْ يَخْرُجُوا فَمَشَى النَّبِيُّ ﷺ وَمَشَيْتُ حَتَّى جَاءَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ ثُمَّ ظَنَّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے اس وقت ان (حضرت انس) کی عمر دس سال تھی اور میری ماں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے ہمیشہ کہتی تھیں، سو میں نے دس سال آپ کی خدمت کی اور جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت میری عمر بیس سال تھی اور نزول حجاب کے متعلق مجھے تمام لوگوں سے زیادہ علم ہے اور یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ رات گزاری تھی۔ اس شب کی صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دولہا تھے، سو آپ نے لوگوں کو کھانے کے لیے بلایا، سو انہوں نے کھانا کھایا، پھر وہ لوگ چلے گئے اور ان میں سے لوگوں کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی رہی اور ان کا بیٹھنا کافی طویل ہو گیا، پس

مَعَهُ حَتَّى إِذَا دَخَلَ عَلَى زَيْنَبَ فَإِذَا هُمْ جُلُوسٌ لَمْ يَقُومُوا فَرَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتَّى إِذَا بَلَغَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَظَنَّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ فَإِذَا هُمْ قَدْ خَرَجُوا فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنِي وَبَيْنَهُ بِالسِّتْرِ وَأُنْزِلَ الْحِجَابُ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۸)

نبی ﷺ باہر نکلے اور میں بھی آپ کے ساتھ باہر نکلا تا کہ وہ لوگ بھی نکل جائیں، پس نبی ﷺ پیدل گئے اور میں بھی پیدل گیا حتیٰ کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی چوکھٹ پر آئے، پھر آپ نے گمان کیا اب وہ لوگ چلے گئے ہیں، سو آپ لوٹے اور میں بھی آپ کے ساتھ لوٹا حتیٰ کہ جب آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں پہنچے تو ابھی تک وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اٹھے نہیں تھے، پس نبی ﷺ واپس چلے گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس چلا گیا حتیٰ کہ جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی چوکھٹ پر پہنچے اور آپ نے یہ گمان کیا کہ وہ لوگ باہر نکلے گئے ہیں تو آپ واپس آ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس گیا، پس اس وقت وہ لوگ باہر نکل گئے تھے، پھر نبی ﷺ نے اپنے اور میرے درمیان حجاب ڈال دیا، اس وقت پردے کا حکم نازل ہو گیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

ولیمہ کا استحباب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولیمہ مستحب ہے اور سنت ہے اور میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے ولیمہ کو فرض قرار دیا ہو اور انسان اپنی حیثیت کے مطابق ولیمہ کرے اور صحیح البخاری: ۵۱۶۷ میں مذکور ہے کہ ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔ اور دوسری حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت زینب کے ولیمہ میں لوگوں کو پیٹ بھر کر روٹیاں اور گوشت کھلایا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۹۔ بَابُ: الْوَلِيمَةِ وَلَوْ بِشَاةٍ

ولیمہ خواہ ایک بکری سے

۵۱۶۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا رضی الله عنه قَالَ سَأَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ وَتَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ كَمْ أَصْدَقْتَهَا قَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ وَعَنْ حُمَيْدٍ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِينَةَ نَزَلَ الْمُهَاجِرُونَ عَلَى الْأَنْصَارِ فَنَزَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ عَلَى سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ فَقَالَ أُقَاسِمُكَ مَالِي

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حمید نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور وہ انصار کی ایک عورت کے ساتھ نکاح کر چکے تھے، آپ نے پوچھا: تم نے اس کو کتنا مہر دیا، انہوں نے بتایا: ایک گٹھلی کے برابر سونا، اور حمید بیان کرتے ہیں کہ

وَأَنْزِلُ لَكَ عَنْ إِحْدَى امْرَأَتَيَّ قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ فَخَرَجَ إِلَى السُّوقِ فَبَاعَ وَاشْتَرَى فَأَصَابَ شَيْئًا مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ فَتَزَوَّجَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ

(صحیح البخاری: ۲۰۸۲، ۶۳۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۷، سنن ترمذی: ۱۰۹۴، سنن نسائی: ۳۳۵۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۹)

انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب مسلمان مدینہ میں آئے تو مہاجرین انصار کے ہاں ٹھہرے، پس حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن الربیع کے گھر ٹھہرے، پس انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: میں اپنا آدھا مال تقسیم کر کے آپ کو دیتا ہوں اور آپ کی خاطر میں اپنی ایک عورت کو طلاق دیتا ہوں، حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری بیوی کو اور تمہارے مال کو برکت دے، پھر حضرت عبدالرحمٰن بازار کی طرف نکل گئے، پس انہوں نے کچھ فروخت کیا کچھ خریدا تو انہوں نے تھوڑا پنیر اور تھوڑا گھی خریدا، پھر انہوں نے نکاح کر لیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۴۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۶۸۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا أَوْلَمَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبَ أَوْلَمَ بِشَاةٍ

(صحیح البخاری: ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۸، سنن ترمذی: ۳۲۱۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں کسی کا اتنا ولیمہ نہیں کیا جتنا حضرت زینب کا ولیمہ کیا تھا، آپ نے ایک بکری سے ان کا ولیمہ کیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۶۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ شُعَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَأَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۳۸۷، ۵۴۲۵، ۵۴۲۸، ۵۹۶۸، ۶۱۸۵، ۶۳۶۳، ۶۳۶۹، ۷۳۳۳، صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی ۱۰۹۵، سنن نسائی: ۵۴۴۷، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی از شعیب از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا اور حیس (ایک قسم کا ملیدہ) کے ساتھ ان کا ولیمہ کیا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۷۰۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ بَيَانٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ بَنَى النَّبِيُّ ﷺ بِامْرَأَةٍ فَأَرْسَلَنِي فَدَعَوْتُ رِجَالًا إِلَى الطَّعَامِ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱،

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از بیان، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک عورت کے ساتھ شب زفاف گزاری

۴۴۲۱ے،صحیح مسلم:۸۶،سنن ترمذی:۳۱۲۱) پھر مجھے بھیجا تو میں نے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

مرد کی حیثیت کے مطابق ولیمہ کا مشروع ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان ولیموں میں نبی ﷺ کے افعال مختلف ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی حیثیت کے مطابق ولیمہ مشروع ہے اور آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا تھا کہ تم بکری سے ولیمہ کرو، اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ایک بکری سے کم کا ولیمہ جائز نہیں ہے۔ کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ نبی ﷺ نے حضرت صفیہ کا ولیمہ حیس سے کیا یعنی پنیر، کھجور اور گھی کے ملیدہ سے اور اس میں روٹی اور گوشت نہیں تھا اور آپ نے دوسری ازواج کا ولیمہ ایک کلوگرام جو سے کیا اور اگر آپ کو اس وقت بکری میسر ہوتی تو آپ اس پوری بکری کے ساتھ ولیمہ کرتے کیونکہ نبی ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ جواد اور کریم تھے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۰۔ بَابُ: مَنْ أَوْلَمَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ أَكْثَرَ مِنْ بَعْضٍ

جس شخص نے اپنی بعض بیویوں کا دوسری بیویوں سے زیادہ ولیمہ کیا

۵۱۷۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ ذُكِرَ تَزْوِيجُ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عِنْدَ أَنَسٍ فَقَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَوْلَمَ عَلَى أَحَدٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَيْهَا أَوْلَمَ بِشَاةٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱، صحیح مسلم:۸۶، سنن ترمذی:۳۱۱۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ثابت، انہوں نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شادی کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ میں نے نہیں دیکھا کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج میں سے کسی کا اتنا زیادہ ولیمہ کیا ہو جتنا ان کے نکاح کا ولیمہ کیا تھا، آپ نے ان کا ایک بکری کے ساتھ ولیمہ کیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری:۴۷۹۱ میں گزر چکی ہے۔

ولیمہ میں زیادہ خرچ کا اسراف نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص ولیمہ میں زیادہ خرچ کرے تو یہ افضل ہے کیونکہ یہ زیادہ اعلان ہے اور اہل اور مال میں زیادہ برکت کی دعا حاصل کرنا ہے۔ اور جو شخص صاحب حیثیت ہو اس کے لیے ولیمہ میں زیادہ مال خرچ کرنا اسراف نہیں ہے، اسراف یہ ہے کہ انسان نمود و نمائش کے لیے حد سے زیادہ خرچ کرے اور یہ صرف ولیمہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جمعہ، عیدین اور دیگر امور میں بھی نمود و نمائش کے لیے حد سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۱۔ بَابُ: مَنْ أَوْلَمَ بِأَقَلَّ مِنْ شَاةٍ
جس نے ایک بکری سے کم کا ولیمہ کیا

۵۱۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ عَنْ أُمِّهِ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ أَوْلَمَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيرٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور بن صفیہ از مادر خود صفیہ بنت شیبہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی کسی زوجہ کا ولیمہ دو مد جو سے کیا۔

(الجمع بین الصحیحین، ۳۵۶۴، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۳)

ولیمہ کی کم از کم مقدار کا معین نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ولیمہ کی مقدار کا مدار انسان کی حیثیت پر ہے اور اس سے کم مقدار کی کوئی حد نہیں ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ولیمہ فرض نہیں ہے کیونکہ فرض کی مقدار اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے معین ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کم مقدار کا ولیمہ کیا جائے پھر بھی جن کو مدعو کیا گیا ہے انہیں اس میں حاضر ہونا چاہیے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۲۔ بَابُ: حَقِّ إِجَابَةِ الْوَلِيمَةِ وَالدَّعْوَةِ وَمَنْ أَوْلَمَ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَنَحْوَهُ وَلَمْ يُوَقِّتِ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا وَلَا يَوْمَيْنِ
ولیمہ اور عام دعوت کو قبول کرنا واجب ہے اور جس نے سات دن یا اس کی مثل ولیمہ کیا اور نبی ﷺ نے ایک دن یا دو دن کا تعین نہیں کیا

ولیمہ کو قبول کرنے کے متعلق حدیث

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے ولیمہ کے بعد دعوت کا ذکر کیا ہے اور یہ عام کا عطف خاص پر ہے کیونکہ ولیمہ خاص نکاح کے کھانے کو کہتے ہیں۔ اور ولیمہ کو قبول کرنے کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو ولیمہ میں مدعو کیا جائے تو وہ وہاں پر جائے''۔ اور دوسری روایت میں ہے: ''جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو وہ قبول کرے خواہ وہ شادی کی دعوت ہو یا کوئی اور ہو''۔ (صحیح مسلم: ۱۴۲۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۴)

سات دن تک ولیمہ کرنے کے متعلق احادیث

امام بخاری نے سات دن یا اس سے زیادہ دنوں تک ولیمہ کا ذکر کیا ہے اور اس پر کسی حدیث کو پیش نہیں کیا ہے، گویا انہوں نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ تیسرے دن ولیمہ نہیں کرنا چاہیے اور امام بخاری نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے جس میں آپ نے دعوت کو قبول کرنے کا حکم دیا ہے یعنی اگر سات دن تک بھی دعوت دی جائے تو اس کو قبول کیا جائے۔

''صاحب تلویح'' نے کہا ہے کہ امام بیہقی نے سند صحیح سے یہ روایت کی ہے کہ سیرین نے مدینہ میں نکاح کیا، پس ولیمہ کیا اور

سات دن تک لوگوں کو دعوت دی۔ جن لوگوں کو انہوں نے دعوت دی تھی ان میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور وہ اس دن روزہ دار تھے اور انہوں نے ان کے لیے دعائے خیر کی اور واپس چلے گئے۔ اور معمر نے ایوب سے روایت کی ہے اس میں آٹھ دن کا ذکر ہے اور پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے بھی حفصہ بنت سیرین سے روایت کی ہے کہ جب میرے والد نے نکاح کیا تو صحابہ کو سات دن تک دعوت دی، پس جب انصار کی دعوت کا دن تھا تو انہوں نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت وغیرہما کو دعوت دی، پس میرے والد روزہ دار تھے، پس جب صحابہ نے کھانا کھالیا تو میرے والد نے دعا کی اور ان کی تحسین کی۔

ولیمہ کا ایک دن معین نہ ہونے کی تحقیق

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کے لیے ایک دن یا دو دن کو معین نہیں کیا یعنی ایک دن یا دو دن کو ولیمہ کے وجوب یا استحباب کے لیے معین نہیں فرمایا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں تصریح ہے:

بنو ثقیف کے ایک مرد نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے دن ولیمہ برحق ہے، دوسرے دن معروف ہے اور تیسرے دن دکھاوا اور سنانا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۴۵)

اور جب اس حدیث میں یہ تصریح ہے تو پھر امام بخاری کا یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کے لیے ایک دن یا دو دنوں کو معین نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ثقیف کے جس مرد سے یہ حدیث مروی ہے اس کا نام زہیر ہے، اس کے متعلق امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کا صحابی ہونا معروف نہیں ہے۔

(التاریخ الکبیر: ۱۴۱۲) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۳-۲۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۷۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضى الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی شخص کو ولیمہ پر بلایا جائے تو وہاں جائے''۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۹، صحیح مسلم: ۱۴۲۹، سنن ترمذی: ۱۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۳۷۳۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۴، مسند احمد: ۴۹۴۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۷۳ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۷۴- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فُكُّوا الْعَانِيَ وَأَجِيبُوا الدَّاعِيَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے منصور نے حدیث بیان کی از ابی وائل از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ''قیدیوں کو چھڑاؤ اور دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو اور مریض کی عیادت کرو''۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۶، ۵۳۷۳، ۵۶۴۹، ۷۱۷۳، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۵)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۰۴۶ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۷۵- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَشْعَثِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی از

الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ رضی الله عنهما أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَإِبْرَارِ الْقَسَمِ وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ وَإِفْشَائِ السَّلَامِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِي وَنَهَانَا عَنْ خَوَاتِيمِ الذَّهَبِ وَعَنْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَعَنِ الْمَيَاثِرِ وَالْقَسِّيَّةِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَالدِّيبَاجِ تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ وَالشَّيْبَانِيُّ عَنْ أَشْعَثَ فِي إِفْشَائِ السَّلَامِ

(صحیح البخاری: ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۴۹، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۲۳۵، ۶۶۵۴، صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۱۷۶۰، سنن نسائی: ۱۹۳۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۵)

الاشعث از معاویہ بن سوید، انہوں نے کہا: حضرت البرآء بن عازب رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: ہمیں نبی ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا: (۱) ہمیں مریض کی عیادت کرنے کا حکم دیا (۲) جنازہ کے پیچھے جانے کا حکم دیا (۳) چھینک لینے والے کی حمد کا جواب دینے کا حکم دیا (۴) قسم پوری کرنے کا حکم دیا (۵) مظلوم کی مدد کرنے کا حکم دیا (۶) سلام کو پھیلانے کا حکم دیا (۷) دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا (۱) اور ہم کو سونے کی انگوٹھیوں سے منع فرمایا (۲) چاندی کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا (۳) میاثر سے منع فرمایا (۴) قسیہ سے منع فرمایا (۵) استبرق سے منع فرمایا (۶) اور دیباج سے منع فرمایا۔ (یہ سب ریشم کے کپڑوں کے اسماء ہیں) ابوالاحوص کی متابعت ابوعوانہ اور شیبانی نے کی ہے از اشعث سلام کو پھیلانے میں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۲۳۹ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث میں چھ ممنوعہ چیزوں کا ذکر ہے حالانکہ حدیث میں سات ممنوعہ چیزوں کا بیان ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ساتویں چیز الحریر ہے، اس کی تصریح ''کتاب اللباس'' میں ہے اور یہ بھی ریشم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۷۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ دَعَا أَبُو أُسَيْدٍ السَّاعِدِيُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي عُرْسِهِ وَكَانَتِ امْرَأَتُهُ يَوْمَئِذٍ خَادِمَهُمْ وَهِيَ الْعَرُوسُ قَالَ سَهْلٌ تَدْرُونَ مَا سَقَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْقَعَتْ لَهُ تَمَرَاتٍ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا أَكَلَ سَقَتْهُ إِيَّاهُ

(صحیح البخاری: ۵۱۸۲، ۵۱۸۳، ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ ۱۹۱۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی حازم نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، انہوں نے بتایا کہ ابواسید الساعدی نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے نکاح میں بلایا اور ان کی بیوی اس دن مہمانوں کی خدمت کر رہی تھی حالانکہ وہ دلہن تھی، حضرت سہل نے کہا: (کیا) تم جانتے ہو کہ ان کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کو کیا پلایا تھا؟ اس نے آپ کے لیے رات کو چند کھجوریں پانی میں بھگو رکھی تھیں، جب آپ کھانا کھا چکے تو انہوں نے آپ کو وہ پانی پلایا (یعنی نبیذ تمر)۔

ولیمہ اور دوسری دعوتوں کو قبول کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ولیمہ کو قبول کرنا واجب ہے اور دوسری دعوات میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ

اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ نکاح کے ولیمہ میں جانا واجب ہے اور دوسری دعوتوں میں جانا واجب نہیں ہے، امام شافعی نے کہا ہے کہ نکاح کے ولیمہ میں جانا واجب ہے اور میں دوسری دعوتوں کو ترک کرنے کی رخصت نہیں دیتا جیسے بچہ کی ولادت کی خوشی کی دعوت ہو یا ختنہ کی تقریب ہو یا اور خوشی کی کوئی تقریب ہو، سو جس نے ان دعوتوں کو ترک کیا تو وہ گنہ گار نہیں ہوگا جس طرح ولیمہ کو ترک کرنے سے گنہ گار ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں: ولیمہ میں جانا فقہاء احناف کے نزدیک سنت ہے واجب نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

غیر مقلدین نے کہا ہے کہ ہر کھانے کی دعوت کو قبول کرنا واجب ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت البرآء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو''۔

انہوں نے کہا: یہ حکم ہر دعوت کے لیے عام ہے اور امام مالک اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ یہ حدیث ولیمہ پر محمول ہے۔

دعوت قبول کرنے کے بعد طعام کو کھانے کا ضروری نہ ہونا

جب دعوت قبول کرنے والے کا روزہ نہ ہو تو وہ کھالے اور اگر وہ روزہ دار ہے تو دعا کرے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو دعوت دی جائے تو وہ اسے قبول کرے اور اگر اس کا روزہ نہ ہو تو وہ کھانا کھالے اور اگر وہ روزہ دار ہو تو وہ دعا کرے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۳۱)

بعض علماء نے کہا ہے کہ کھانے کو ترک کرنا مباح ہے، اگر وہ روزہ دار نہ ہو تو وہ دعوت کو قبول کرلے اور کھانا نہ کھائے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۶۔۲۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۳۔ بَابٌ: مَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

جس نے دعوت کو ترک کیا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی

ولیمہ کی تقریب کا سنت ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ولیمہ حق ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس نے ولیمہ میں لوگوں کو نہیں بلایا اس نے نافرمانی کی، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ ولیمہ حق ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ ولیمہ باطل نہیں ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نکاح کا ولیمہ سنت مشروعہ ہے سنت واجبہ نہیں ہے اور احادیث میں جو ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ حکم استحباب پر محمول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۶)

۵۱۷۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح مسلم: ۱۴۳۲، سنن ابو داؤد: ۳۷۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۳، مسند احمد: ۷۲۸۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ کہتے تھے: سب سے برا طعام اس ولیمہ کا طعام ہے جس میں مال داروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے اور جس نے دعوت کو ترک کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

صحیح بخاری کی حدیث مذکور کا حکماً مرفوع ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے مگر حضرت ابوہریرہ کا یہ کہنا کہ ''اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی''۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو اور اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص اذان کے بعد مسجد سے باہر جا رہا تھا تو انہوں نے کہا: ''اس شخص نے ابوالقاسم کی نافرمانی کی''۔ اور اس قسم کی حدیث اپنی رائے سے نہیں سنائی جاتی بلکہ یہ توقیف ہے۔

ولیمہ کو قبول کرنے کے وجوب کی دلیل

یہ حدیث ولیمہ کو قبول کرنے کے وجوب کے متعلق حجت ہے اور اس کے واجب ہونے میں صحابہ اور تابعین کا کوئی اختلاف نہیں ہے مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے کہ ہم مال داروں کو دعوت دیں اور فقراء کو ترک کر دیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی دعوت میں اغنیاء اور فقراء کو بلایا، پس قریش آئے اور ان کے ساتھ مساکین بھی آئے تو حضرت ابن عمر نے مساکین سے کہا: یہاں بیٹھ جاؤ اور ان کو خراب نہ کرو ہم عنقریب تمہیں وہ کھانا کھلائیں گے جو انہیں کھلائیں گے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳ ، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ، ۱۴۲۴ھ)

عذر شرعی کی وجہ سے ولیمہ کو مسترد کرنے کا جواز

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس نے دعوت کو ترک کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کو قبول کرنا واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جس نے بلا عذر شرعی ولیمہ کو ترک کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی لیکن اگر اس کا کوئی عذر شرعی تھا مثلاً اس تقریب میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع تھا یا وہاں رقص اور موسیقی کا اہتمام تھا یا رات کو کھانا دیر سے لگنے کی وجہ سے فجر کی جماعت فوت ہونے کا خطرہ ہو اس وجہ سے اس نے اس ولیمہ کو مسترد کر دیا تو یہ صحیح ہے یا اس تقریب کا طعام اس کے ناموافق تھا مثلاً وہ شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کا مریض ہے، اسے تیزابیت اور دوسرے طبی امراض لاحق ہوں اور اس ولیمہ میں مرغن چٹ پٹے تیز مرچ والے اور میٹھے کھانے تھے، تب بھی اس کا اس ولیمہ کو مسترد کرنا صحیح ہے اور وہ اس حدیث میں مذکور وعید کا مصداق نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۴- بَابٌ: مَنْ أَجَابَ إِلَى كُرَاعٍ — جس نے کھر (پایہ) کی دعوت کو قبول کیا

الکراع کا معنی

علامہ عینی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں: الکراع (کاف پر پیش اور راء پر زبر) یہ گائے اور بکری کا پایہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مویشیوں کے پیر کا ٹخنوں سے نیچے کا حصہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۸)

۵۱۷۸- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابوحمزہ از الاعمش از ابوحازم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اگر مجھے کراع (بکری کا پچھلا پایہ) کی دعوت دی جائے تو میں اس کو ضرور قبول کروں گا اور اگر مجھے کراع

(بکری کا پچھلا پایہ) ہدیہ کیا جائے تو میں اس کو ضرور قبول کروں گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۵۶۸ میں گزر چکی ہے۔

کراع کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شراح نے یہ زعم کیا ہے کہ اس حدیث میں کراع سے مراد کراع الغمیم ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک معروف مقام ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طور مبالغہ فرمایا کہ اگر مجھے کراع الغمیم کے فاصلہ سے بھی دعوت دی جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا لیکن کسی حقیر چیز کو دعوت کو قبول کرنے میں زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس حدیث میں الکراع سے مراد بکری کا پایہ ہے یعنی اگر مجھے بکری کے پایہ کی دعوت بھی دی جائے تو میں اس دعوت کو ضرور قبول کروں گا اور یہ مبالغہ اس سے زیادہ واضح ہے کہ اگر مجھے کراع الغمیم سے بھی دعوت دی جائے تو میں اس کو قبول کروں گا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۷۳۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس عبارت کو اپنی شرح میں لفظ زعم سے لکھا ہے یعنی علامہ کرمانی نے یہ زعم کیا حالانکہ علامہ کرمانی نے یہ نہیں کہا بلکہ انہوں نے اس قول کو نقل کیا ہے، لہٰذا حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ بعض شراح یعنی علامہ کرمانی نے یہ زعم کیا ہے، سو حافظ ابن حجر کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ بعد شراح نے اس طرح اور اس طرح نقل کیا ہے یعنی زعم کی بجائے نقل کہنا چاہیے تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر کی مراد یہ ہے کہ علامہ کرمانی نے شارحین سے یہ نقل کیا ہے، ان کا یہ زعم ہے یعنی زَعَمَ بَعْضُ الشُّرَّاحِ سے مراد ہے زَعَمَ مَنْ نَقَلَ عَنْهُ الکرمانی پس علامہ عینی کا اعتراض ساقط ہو جائے گا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۲۹۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کا اعتراض اس پر مبنی ہے کہ حافظ ابن حجر کی بعض شراح سے مراد علامہ الکرمانی ہیں اور بخاری کے شارحین تو سینکڑوں ہیں تو یہ کیسے معین ہوگا کہ بعض شراح سے حافظ ابن حجر کی مراد علامہ کرمانی ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکسار

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور ترک تکبر کا بیان ہے کہ آپ تھوڑے سے ہدیہ کو بھی قبول فرما لیتے تھے اور اس کی دعوت کو قبول فرما لیتے تھے کیونکہ ہدیہ محبت کو مؤکد کرتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ اور دعوت کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۵۔ بَابُ إِجَابَةِ الدَّاعِي فِي الْعُرْسِ وَغَيْرِهِ

نکاح وغیرہ کی دعوت کو قبول کرنا

نکاح کے علاوہ دوسری خوشی کی تقریبات میں شرکت کا حکم

علامہ عینی اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی نکاح کے علاوہ ختنہ کی تقریب یا کسی مسافر کے گھر آنے کی تقریب یا کسی اور خوشی کی تقریب (مثلاً سالگرہ، امتحان میں پاس ہونے کی تقریب یا ملازمت میں ترقی کی تقریب، اسی طرح میلاد شریف کی تقریب)۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کو نکاح یا اس کی مثل کی تقریب میں بلایا گیا تو وہ اس کو قبول کرلے''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۹۔۲۲۸)

۵۱۷۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَجِيبُوا هَذِهِ الدَّعْوَةَ إِذَا دُعِيتُمْ لَهَا قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَأْتِي الدَّعْوَةَ فِي الْعُرْسِ وَغَيْرِ الْعُرْسِ وَهُوَ صَائِمٌ

(صحیح مسلم: ۱۴۲۹، سنن ترمذی: ۱۰۹۸، سنن ابو داؤد: ۳۷۳۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحجاج بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ ابن جریج نے کہا: مجھے موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی از نافع، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں دعوت دی جائے تو اس دعوت کو قبول کرو، انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ نکاح اور غیر نکاح کی دعوت پر جاتے تھے اور وہ روزہ دار ہوتے تھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۷۳ میں گزر چکی ہے۔

غیر ولیمہ کی دعوت کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث ان فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ شادی اور غیر شادی کی دعوت کو قبول کرنا فرض ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک غیر نکاح کی دعوت کو قبول کرنا مستحب ہے۔ اور امام مالک سے ختنہ کی تقریب کی دعوت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس دعوت کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

روزہ دار کے لیے ولیمہ میں جانے کا فائدہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: جب روزہ دار ولیمہ میں جائے گا اور کھانا نہیں کھائے گا تو پھر اس کے جانے کا کیا فائدہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے جانے سے میزبان کی دل جوئی ہوگی اور وہ اس کے لیے دعاء خیر کرے گا اور تبرک حاصل کرے گا اور وہاں خوب صورت کپڑے پہن کر جائے گا۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ کسی کا روزہ دار ہونا ولیمہ کو ترک کرنے کا عذر نہیں ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ اپنے روزہ پر برقرار رہے یا اس کے لیے روزہ توڑ کر طعام کھانا مستحب ہے۔ الرویانی نے کہا ہے کہ اس کے لیے روزہ توڑ کر طعام کھانا

مستحب ہے اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ مرد کو چاہیے کہ وہ ولیمہ کو قبول کرے۔ اگر وہ قبول نہیں کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔ اگر وہ روزہ دار ہو تو وہ ولیمہ کو قبول کرے اور دعاء خیر کرے اور اگر غیر روزہ دار ہے تو پھر طعام کھائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ولیمہ کے انعقاد کا سنت ہونا اور اس میں شرکت کا واجب ہونا

میں کہتا ہوں: پہلے علامہ عینی نے لکھا تھا کہ ولیمہ کرنا سنت ہے واجب نہیں ہے اور یہاں لکھا ہے کہ اگر وہ ولیمہ میں نہیں گیا تو گنہ گار ہوگا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ ولیمہ کی تقریب منعقد کرنا سنت ہے اور ولیمہ میں جانا واجب ہے بہ شرطیکہ اس کو کوئی شرعی عذر نہ ہو۔

۷۶- بَابٌ: ذَهَابِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ إِلَى الْعُرُسِ — عورتوں اور بچوں کا نکاح کی تقریب میں جانا

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورتوں اور بچوں کا نکاح کی تقریب میں جانا جائز ہے۔ اور امام بخاری نے یہ عنوان یہ بتانے کے لیے قائم کیا ہے کہ یہ امر جائز ہے اس لیے اس کے عدم جواز کا وہم نہ کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۹)

۵۱۸۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ أَبْصَرَ النَّبِيُّ ﷺ نِسَاءً وَصِبْيَانًا مُقْبِلِينَ مِنْ عُرْسٍ فَقَامَ مُمْتَنًّا فَقَالَ اللّٰهُمَّ أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ۔

(صحیح مسلم: ۵۱۸۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد الرحمٰن بن المبارک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن صہیب نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے دیکھا چند عورتیں اور بچے نکاح کی تقریب سے آ رہے تھے تو نبی ﷺ فرط مسرت سے کھڑے ہو گئے، پھر آپ نے کہا: "اے اللہ! تم لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو"۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۸۵ میں گزر چکی ہے۔

نکاح کی تقریب میں عورتوں اور بچوں کے جانے کا جواز اور لفظ ممتناً کی تحقیق

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ عورتوں اور بچوں کا شادی بیاہ کے موقع پر حاضر ہونا جائز ہے کیونکہ اس سے ان کی نکاح پر شہادت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ نکاح کا اعلان میں مبالغہ ہوتا ہے۔

علامہ ابو الحسن بن القابسی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ لفظ ہے: ممتنا اس کا معنی ہے: اس پر فضل کرتے ہوئے کیونکہ انصار آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ ہم پر اپنی محبت سے فضل فرماتے تھے اور ہم کو مخصوص رکھتے تھے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ عینی نے کہا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ امتنان سے ماخوذ ہے یعنی نبی ﷺ ان کی تکریم کر کے ان پر احسان کرتے ہوئے کھڑے ہوئے کیونکہ جس کے لیے نبی ﷺ قیام فرمائیں اور اس کی تکریم فرمائیں اس کے حق میں اس سے بڑا کوئی احسان نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس لفظ کو مُمْثِلًا بھی پڑھا گیا ہے یعنی آپ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ، نبی ﷺ نے یہ لفظ بہ طور تبرک کہا یعنی آپ نے اپنے اس قول پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۰، دار الکتب

العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۷۔ بَابُ: هَلْ يَرْجِعُ إِذَا رَأَى مُنْكَرًا فِي الدَّعْوَةِ
جب دعوت کی تقریب میں کسی نا جائز کام کو دیکھے تو آیا وہ واپس چلا جائے؟

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس عنوان کو سوالیہ نشان کے ساتھ ذکر کیا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اور امام بخاری نے باب میں اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے، باب میں صرف یہ ذکر کیا ہے کہ جب وہ دعوت کی تقریب میں کوئی نا جائز کام دیکھے تو کیا واپس جا سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص دعوت کی تقریب میں کوئی خلاف شرع چیز دیکھے تو اس کا دعوت میں شریک نہ ہونے کا جواز

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے: دعوت کو قبول کرنا سنت ہے، پس اگر دعوت کی تقریب میں کوئی بدعت وغیرہ ہو تو اس کی وجہ سے دعوت کو ترک نہ کرے، یعنی سنت کو اس وجہ سے ترک نہ کرے کہ اس کے ساتھ کوئی حرام کام ملا ہوا ہے جیسے نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے خواہ جنازے کے ساتھ لوگ (میت پر) نوحہ کر رہے ہوں تو ان کے نوحہ کرنے کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھنے کو ترک نہیں کیا جائے گا، پس اگر وہ ان کو حرام کام سے منع کرنے پر قادر ہو تو منع کرے یعنی لوگوں پر اگر اس کا اثر اور دبدبہ ہو یا لوگوں کے نزدیک وہ معزز ہو یا وہ ایسا عالم ہو جس کی پیروی کی جاتی ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس حرام کام سے منع کرے اور اگر وہ اس حرام کام سے منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو صبر کرے اور دعوت کی تقریب سے نہ نکلے اور اگر وہ نا جائز کام دستر خوان پر ہو رہا ہو تو پھر وہ ان کے ساتھ کھانے کے لیے نہ بیٹھے اور یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب وہ تقریب نکاح میں حاضر ہونے کے بعد نا جائز کام پر مطلع ہو اور اگر تقریب نکاح میں حاضر ہونے سے پہلے اس کو علم ہو کہ اس تقریب میں نا جائز کام ہوں گے تو پھر وہ اس تقریب میں حاضر نہ ہو کیونکہ دعوت کو قبول کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ دعوت سنت کے مطابق ہو۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۰)

وَرَأَى أَبُو مَسْعُودٍ صُورَةً فِي الْبَيْتِ فَرَجَعَ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک گھر میں (مجسم) تصویر دیکھی تو واپس چلے گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا امام بخاری پر یہ اعتراض کہ اس تعلیق میں تصحیف ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
المستملی، الاصیلی، القابسی اور عبدوس کی روایت میں اسی طرح ہے (یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے) اور دوسروں کی روایت حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور پہلی روایت میں تصحیف (غلطی) ہے جیسا کہ میرا گمان ہے کیونکہ میں نے اس اثر کی روایت صرف حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے دیکھی ہے اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کھانا تیار کیا، پس اس سے کھانے پر دعوت دی تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا اس گھر میں کوئی (مجسم) تصویر ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے اس گھر میں داخل ہونے سے انکار کیا حتیٰ کہ اس مجسمہ کو توڑ دیا جائے۔ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے اور خالد بن سعد حضرت ابو مسعود، عقبہ بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام ہیں اور میرے علم میں ان کی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت نہیں ہے (گویا کہ امام بخاری نے اس روایت کی جو حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی ہے وہ تصحیف اور غلط ہے) ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت منقول ہو لیکن میں اس روایت پر واقف نہیں ہوں۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٣٥٠، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ عینی کا امام بخاری کی طرف سے جواب اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ گمان ہے کہ امام بخاری نے جو اس روایت کی حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت کی ہے وہ تصحیف اور غلط ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس اثر کی روایت صرف حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو سے منقول ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے اور حافظ ابن حجر نے جو اس اثر کی روایت صرف حضرت ابومسعود سے دیکھی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول نہ ہو حالانکہ اس قائل نے خود یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت منقول ہو اور جب یہ احتمال موجود ہے تو پھر اس شخص نے محض اپنے گمان سے امام بخاری کی طرف تصحیف اور غلط کی نسبت کیسے کر دی۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٢٣١۔ ٢٣٠، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کا اعتراض تو لکھا ہے لیکن انتقاض الاعتراض ج ٢ ص ٢٩٩ میں اس کا کوئی جواب نہیں لکھا یعنی وہ لاجواب ہو گئے۔

دعوت کی تقریب میں خلاف شرع کام کو دیکھ کر شرکت نہ کرنا

وَدَعَا ابْنُ عُمَرَ أَبَا أَيُّوبَ فَرَأَى فِي الْبَيْتِ سِتْرًا عَلَى الْجِدَارِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ غَلَبَنَا عَلَيْهِ النِّسَاءُ فَقَالَ مَنْ كُنْتُ أَخْشَى عَلَيْهِ فَلَمْ أَكُنْ أَخْشَى عَلَيْكَ وَاللّٰهِ لَا أَطْعَمُ لَكُمْ طَعَامًا فَرَجَعَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو دعوت دی تو انہوں نے گھر میں دیوار پر ایک پردہ لٹکا ہوا دیکھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (معذرۃً) کہا: (اس پردہ کو لٹکانے میں) ہم پر عورتیں غالب آ گئی ہیں، تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یہ تو ڈر تھا کہ کوئی اور ایسا کام کرے گا مگر مجھے تم سے یہ ڈر نہ تھا، اور اللہ کی قسم! میں تمہارے یہاں کھانا نہیں کھاؤں گا، پھر وہ واپس چلے گئے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا خلاف شرع کام دیکھ کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ملامت کرنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں کہا تھا: جب کوئی شخص دعوت میں کوئی خلاف شرع چیز دیکھے تو کیا واپس چلا جائے؟ اور اس تعلیق میں اس کا اثبات کیا ہے کہ جب کوئی شخص دعوت کی تقریب میں کوئی خلاف شرع بات دیکھے تو وہ واپس چلا جائے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے سالم بن عبداللہ بن عمر کے نکاح کی تقریب میں دعوت دی تھی، پس جب حضرت ابوایوب، حضرت عبداللہ کے گھر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ دیوار کو ایک پردہ سے چھپایا ہوا ہے (اور یہ کام خلاف شرع تھا) تو حضرت ابوایوب نے حضرت عبداللہ بن عمر پر اعتراض کیا کہ یہ خلاف شرع کام کیوں کیا گیا ہے؟ انہوں نے معذرت کی کہ یہ کام عورتوں نے کیا ہے اور وہ ہم پر غالب آ گئی ہیں، تو حضرت ابوایوب نے کہا اگر کوئی اور یہ کام کرتا تو

مجھے اس کا ڈر نہیں تھا لیکن تم سے ایسے کام کی مجھے توقع نہیں تھی۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے اور کھانا نہیں کھایا۔

امام طبرانی نے اس اثر کی سالم بن عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میری شادی میں میرے والد نے لوگوں کو بلایا۔ ان لوگوں میں حضرت ابو ایوب انصاری بھی تھے، انہوں نے دیکھا کہ گھر کی دیوار کو سبز چادر سے چھپایا ہوا ہے تو حضرت ابو ایوب نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے کہا: کیا تم دیوار کو چادر سے چھپاتے ہو؟ تو میرے والد نے شرمندہ ہو کر کہا: ہم پر عورتیں غالب آ گئیں اے ابو ایوب! پس حضرت ابو ایوب نے کہا کہ مجھے کسی اور کے متعلق تو یہ ڈر تھا کہ اس پر عورتیں غالب آ جائیں گی مگر اے ابن عمر! مجھے تمہارے متعلق تو یہ ڈر نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

دیواروں کو کپڑوں سے چھپانے اور ڈھانپنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

گھروں اور دیواروں کو چادروں سے چھپانے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور شافعیہ اس کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ فعل حرام ہوتا تو صحابہ کرام اس تقریب میں نہ بیٹھتے اور نہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کام کرتے اور حضرت ابو ایوب انصاری نے جو اس سے منع کیا تھا وہ ممانعت تنزیہہ اور کراہت تنزیہہ پر محمول ہے تاکہ حضرت ابن عمر کے فعل اور حضرت ابو ایوب کی ممانعت میں تطبیق ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ایوب کے نزدیک یہ فعل مکروہ تحریمی ہو اور جو صحابہ اس مجلس میں بیٹھے تھے اور انہوں نے اس پر انکار نہیں کیا تھا وہ اس فعل کو مباح سمجھتے تھے اور شیخ ابو نصر المقدسی الشافعی نے اس فعل کے مکروہ تحریمی ہونے کی تصریح کی ہے کیونکہ امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور مٹی پر چادر ڈالیں لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا اور حکم نہ دینا ممانعت کو مستلزم نہیں ہے۔ ہاں! سنن ابو داؤد میں یہ حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دیواروں کو نہ چھپاؤ''۔

(سنن ابو داؤد: ۱۴۸۵، سنن ابن ماجہ ۳۸۶۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۷۲)، (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۵۲۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ایک اور روایت میں ہے کہ دیواروں کو کپڑوں سے نہ چھپاؤ۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۶۲)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: اگر زینت کے قصد سے دیوار پر پردہ لٹکایا جائے تو مکروہ تنزیہی ہے ورنہ نہیں۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۹ ص ۴۳۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

جس تقریب میں غیر شرعی امور ہوں اس میں شرکت کے متعلق فقہاء شافعیہ اور فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس دعوت کی تقریب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے خلاف امور ہوں اس تقریب میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، لہٰذا منکر اور معاصی کی مجلس میں حاضر ہونا نہیں چاہیے اور نہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا چاہیے کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا ان کاموں پر راضی ہونے کی دلیل ہے اور جو شخص جن لوگوں کی جماعت میں ہو اس کا ان ہی لوگوں میں شمار ہوتا ہے اور جو لوگ ایسے کام کریں وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب اور اس کی لعنت سے مامون نہیں ہیں، ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کو ایسے ولیمہ کی دعوت دی گئی جس میں شراب نوشی تھی آیا وہ اس دعوت کو قبول

کرے، تو امام مالک نے کہا: نہیں کیونکہ اس دعوت میں برے کاموں کا اظہار ہے اور امام شافعی نے کہا: جب ولیمہ کی تقریب میں شراب ہو یا دیگر منکرات ہوں تو انسان کو چاہیے کہ وہ ان کاموں سے منع کرے ورنہ اس تقریب سے واپس چلا جائے۔

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر ولیمہ میں لہو ولعب ہو مثلاً اس میں مزامیر ہوں، ستار ہوں اور دیگر آلات موسیقی ہوں، اللیث نے کہا: ایسے ولیمہ میں حاضر ہونا نہیں چاہیے اور امام مالک نے کہا کہ جب وہ لوگوں کو آلات موسیقی میں مشغول دیکھے تو اس تقریب سے نکل جائے۔

ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ باوقار لوگوں کے لیے لہو ولعب کی مجلس میں حاضر ہونا ناپسندیدہ ہے، ان سے پوچھا گیا کہ اگر کسی مجلس میں آلات موسیقی کو بجایا جارہا ہو، اور لوگ ان کو سن کر لذت حاصل کر رہے ہوں اور تم کسی راستہ میں ہو یا مجلس میں ہو تو کیا کیا جائے؟ امام مالک نے کہا: وہ اس مجلس سے اٹھ جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ولیمہ میں موسیقی کو سنا تو اس تقریب سے واپس چلے گئے اور انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی قوم کی کثرت میں اضافہ کرے اس کا شمار اسی قوم سے ہوتا ہے۔ (المطالب العالیہ: ۱۶۶۰، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۱۔ ۴۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک چرواہے کے پاس سے گزرے جو بانسری بجارہا تھا تو انہوں نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور وہ چلتے رہے اور وہ نافع سے پوچھتے رہے: کیا تم کوئی آواز سن رہے ہو؟ جب اس نے کہا: نہیں تو انہوں نے کانوں سے اپنی انگلیاں نکال لیں۔

پھر حضرت ابن عمر نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو آپ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔ (صحیح ابن حبان: ۱۹۳، امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے۔ سنن ابوداؤد: ۴۹۲۴)

جس تقریب میں غیر شرعی امور ہوں اس میں شرکت کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: جب کوئی شخص ولیمہ میں حاضر ہو اور اس تقریب میں لہو ولعب ہو تو اس کے وہاں بیٹھنے میں اور کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور روایت ہے کہ حسن بصری اور ابن سیرین ایک جنازہ میں تھے اور اس جنازے میں میت پر نوحہ ہو رہا تھا تو ابن سیرین واپس چلے گئے، جب حسن بصری سے یہ بات کہی گئی تو انہوں نے کہا: بے شک ہم نے جو دیکھا وہ باطل تھا، اس کو ہمارا ترک کرنا برحق ہے۔

اور فقہاء احناف نے مجلس لہو ولعب میں حاضر ہونے کی اجازت پر اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا اور اسے دیکھنے کے لیے آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے وہ کھیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دکھایا۔

(صحیح البخاری: ۹۵۰، صحیح مسلم: ۸۹۲، مسند احمد: ۲۶۳۸۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عید کے دن دف بجایا گیا اور گیت گایا گیا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا، بلکہ حضرت ابوبکر نے جب اس سے منع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے''۔

(صحیح البخاری: ۹۵۲۔ ۹۴۹)

علامہ ابن بطال کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں داخل نہیں ہوئے جس گھر میں تصویر تھی اور آپ نے اس سے منع فرمایا ہے، اس حکم میں وہ مجلس ہے جس میں کوئی غیر شرعی کام ہو رہا ہو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۴۱۔ ۲۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

جولہو مختلف فیہ ہو اور جس لہو کی حرمت منصوص ہو ان دونوں کی مجلس میں شرکت کے متعلق مذاہب فقہاء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
علماء نے اس مسئلہ کی تفصیل بیان کی ہے، انہوں نے کہا ہے: اگر مجلس میں ایسا لہو ہو جس کے جواز میں اختلاف ہے تو اس مجلس میں حاضر ہونا جائز ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس مجلس کو ترک کر دیا جائے۔ اور اگر مجلس میں ایسا لہو ہو جو حرام ہے مثلاً شراب پینا تو یہ دیکھا جائے کہ اگر مدعو ایسا شخص ہو کہ اس کے آنے سے شراب اٹھالی جائے تو پھر وہ حاضر ہو اور اگر وہ ایسا نہ ہو تو پھر اس میں فقہاء شافعیہ کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ اس مجلس میں حاضر ہو اور شراب نوشی پر حسب قدرت انکار کرے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ وہ حاضر نہ ہو۔ امام بیہقی نے کہا: امام شافعی کی تصریح کے مطابق یہی قول ظاہر ہے اور فقہاء عراق کا بھی یہی موقف ہے۔

اور فقہاء احناف میں سے صاحب ہدایہ نے یہ کہا ہے کہ اگر مدعو شخص لوگوں کے نزدیک مقتدیٰ نہیں ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ایسی مجلس میں حاضر ہو اور کھانا کھائے اور اگر وہ لوگوں کے نزدیک مقتدیٰ ہے اور وہ لوگوں کو حرام کام سے روکنے پر قادر نہیں ہے تو پھر وہ اس مجلس سے نکل جائے کیونکہ اس مجلس میں بیٹھنا معصیت کے دروازہ کو کھولنا ہے اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ وہ ایسی مجلس میں بیٹھے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب وہ مقتدیٰ نہیں تھے۔ صاحب ہدایہ نے کہا: یہ تمام بحث اس صورت میں ہے جب وہ مجلس حرام میں حاضر ہو چکا ہو اور اگر اس کو حاضر ہونے سے پہلے علم ہو کہ اس مجلس میں حرام کام ہوگا تو پھر وہ اس مجلس کی دعوت میں نہ جائے۔ اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا ایسی مجلس میں حاضر ہونا حرام ہے کیونکہ اس کا ایسی مجلس میں حاضر ہونا حرام کام پر راضی ہونے کے مترادف ہے۔

فقہاء حنبلیہ کا بھی یہی قول ہے، اسی طرح فقہاء مالکیہ نے کہا کہ ولیمہ کو قبول کرنا اس وقت واجب ہے جب اس کو یہ علم ہو کہ وہاں کوئی غیر شرعی کام نہیں ہے اور اگر غیر شرعی کام ہوں تو ایسی مجلس میں حاضر ہونے کی ممانعت کی متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کے طعام کو قبول کرنے سے منع فرمایا ہے''۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر خمر (انگور کی شراب) گردش کر رہی ہو''۔ اس حدیث کی سند جید ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

غیر مقلدین کی معمولات اہل سنت کے خلاف ہرزہ سرائی اور افتراء پردازی

غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
مترجم کہتا ہے: اگر ابو ایوب انصاری اس زمانہ کے بدعات کو دیکھتے تو یقیناً نہ ایسے بدعقیدوں سے ملتے نہ ان کا کھانا کھاتے، اب تو سارے مکان کو چھت سے لے کر دیواروں تک کپڑے سے منڈھتے ہیں، اس پر نقش و نگار کرتے ہیں، قبروں پر چادریں وہ بھی کار چوبی کی عمدہ عمدہ ڈالتے ہیں اور بے چارے زندہ مسلمان سردی کھاتے پھرتے ہیں، ان کو کوئی ایک تر کہاری (کپڑے) کا ٹکڑا بھی نہیں دیتا مگر اجالا شاہ کے قبر پر صبح کا اجالا ہوتے ہی کم خواب کی نئی چادر چڑھائی جاتی ہے، اس پر مٹھائی کی ٹوکری اور صندل سے ان کی قبر لیپی جاتی ہے، اجالا شاہ کو تو ایک بزرگ سمجھ کر ایسا کرتے ہیں مگر عموماً یہ رواج کر لیا ہے کہ سوم (تیجایا سوئم) کو ہر ایک قبر پر چادر چڑھاتے ہیں، پھول ڈالتے ہیں، مولود خوانوں کی جماعتیں آتی ہیں جو چلا چلا کر مردے کا ناک میں دم کرتی ہیں، رات کو

وہاں چراغ جلائے جاتے ہیں، جب کوئی مرتا ہے تو اس کے جنازے پر شامیانہ تانتے ہیں، قبر میں دفنانے کے بعد پیر صاحب کا شجرہ بھی اس میں رکھ دیتے ہیں کہ شاید فرشتے پیر صاحب کی خاطر سے عذاب نہ کریں۔ معاذ اللہ! اگر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ان باتوں کو دیکھتے تو کس طرح ناراض ہوتے، مجھے یقین ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو مسلمان ہی نہ سمجھے۔ ۱۲ منہ۔

(تیسیر الباری ج ۵ ص ۱۴۰۔۱۳۹ نعمانی کتب خانہ، لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

ہر مسلمان کے سوئم میں اس کی قبر پر چادر نہیں چڑھائی جاتی

میں کہتا ہوں: شیخ وحید الزمان نے یہ غلط اور خلاف واقع لکھا ہے کہ ہر مسلمان کے سوئم میں اس کی قبر پر چادر چڑھائی جاتی ہے۔ روزہ مرہ کا عام مشاہدہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہاں! اولیاء اللہ اور مقبولان بارگاہ کے مزارات پر چادر چڑھائی جاتی ہے۔ اس کے جواز کے متعلق علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض فقہاء نے صالحین اور اولیاء اللہ کی قبروں پر پردوں، عمامہ اور کپڑوں کے رکھنے کو مکروہ کہا ہے۔ ''فتاوی الحجۃ'' میں مذکور ہے کہ قبروں پر پردے لٹکانا مکرہ ہے، اھ۔ لیکن ہم اب یہ کہتے ہیں کہ جب اس سے مقصود عام لوگوں کی نگاہوں میں تعظیم ہوتا کہ لوگ صاحب قبر کو حقیر نہ جانیں اور غافل زائرین میں ادب اور خشوع کو واقع کرنے کے لیے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ اعمال کا مدار نیات پر ہے ہر چند کہ یہ فعل بدعت (حسنہ) ہے جیسے فقہاء کہتے ہیں کہ طواف وداع کے بعد حجاج الٹے پیر لوٹیں حتیٰ کہ مسجد حرام سے نکل جائیں اور ان کا یہ الٹے پیر لوٹنا بیت اللہ کی تعظیم اور اجلال کے لیے ہے حتیٰ کہ ''منہاج السالکین'' میں مذکور ہے کہ اس فعل میں کوئی سنت مرویہ نہیں ہے اور نہ کوئی اثر منقول ہے لیکن ہمارے اصحاب نے اس فعل کو اختیار کیا ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار ج ۹ ص ۴۴۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

بزرگوں کی قبروں پر صندل سے لپائی کا افتراء ہونا

شیخ وحید الزمان نے یہ بھی غلط اور خلاف واقع لکھا ہے کہ بزرگوں کی قبروں کی صندل سے لپائی ہوتی ہے اور انہوں نے قبروں کے پاس مٹھائی کی ٹوکری رکھنے پر بھی طعن کیا ہے، اس طعن کا جواب یہ ہے کہ قبروں کے پاس مٹھائی یا کوئی اور کھانے پینے کی چیز رکھنے سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کو صاحب مزار کھائیں گے بلکہ یہ کھانے پینے کی چیزیں زائرین اور فقراء کو کھلانے پلانے کے لیے ہوتی ہیں اور ان چیزوں کا ثواب صاحب مزار کو پہنچایا جاتا ہے۔ اور اس کے جواز کے متعلق ایصال ثواب کے وہ دلائل ہیں جو ہم اپنی اس کتاب میں اور اپنی دیگر تصانیف میں لکھ چکے ہیں۔

نعت خوانی سے بیزاری پر تبصرہ

نیز شیخ وحید الزمان نے لکھا ہے: مولود خانوں کی جماعتیں آتی ہیں جو چلا چلا کر مردے کا ناک میں دم کرتی ہیں۔

میں کہتا ہوں: شیخ وحید الزمان نے اس عبارت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی کا نہایت تضحیک سے اور توہین آمیز انداز میں ذکر کیا ہے، مولود خوان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کی مدح میں نعتیں پڑھتے ہیں اور اس نعت خوانی سے وہی شخص بیزار ہوگا اور وہی اس کا مذاق اڑائے گا جس کا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی اور محروم ہو اور ہم ایسے شخص کے متعلق مومن ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے، نیز اس عبارت میں بھی شیخ وحید الزمان کا دروغ بے فروغ ہے کیونکہ ہر قبر پر مولود خوان نعتیں نہیں پڑھتے اور نہ وہ اس صاحب قبر کو سنانے کے لیے نعتیں پڑھتے ہیں بلکہ اکابر اولیاء اللہ کے مزارات پر زائرین کے مجمع میں نعتیں پڑھی جاتی ہیں اور وہ نعتیں زائرین سنتے ہیں اور چونکہ اللہ کے نیک بندے بھی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، سو وہ بھی وہ نعتیں سنتے ہیں اور خوش ہوتے

ہیں اور وجد میں آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں سننے سے وہی شخص بیزار ہوتا ہے جس کا دل حلاوت حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم ہو۔

قبر پر پھول ڈالنے اور چراغ جلانے پر تبصرہ

نیز شیخ وحید الزمان نے قبروں پر پھول ڈالنے کو بھی نشانہ تضحیک بنایا ہے، سو ہم نے نعمۃ الباری ج ا ص ۶۵۶۔۶۵۵، شرح صحیح مسلم ج ا ص ۹۷۹ میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ شیخ وحید الزمان کے اس طعن کے جواب میں وہ بحث وہاں دیکھ لی جائے۔

نیز شیخ وحید الزمان نے قبروں پر چراغ جلانے پر بھی طعن کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قبروں پر کوئی چراغ نہیں جلاتا۔ البتہ قبروں کے قریب زائرین کی سہولت کے لیے روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے تاکہ زائرین اولیاء اللہ کے مزارت کے پاس بیٹھ کر سہولت سے قرآن مجید کی تلاوت کر سکیں اور اس سے منع کرنا اور اس پر طعن کرنا گویا قرآن مجید کی تلاوت پر طعن کرنا ہے اور ایسا کوئی مومن نہیں کر سکتا اور پہلے روشنی کے لیے چراغ جلایا جاتا تھا اور اب بلب اور انرجی سیور اور ٹیوب لائٹس جلائی جاتی ہیں۔

قبر میں عہد نامہ رکھنے کا ثبوت

نیز شیخ وحید الزماں نے لکھا ہے: قبر میں دفنانے کے بعد پیر صاحب کا شجرہ بھی اس میں رکھ دیتے ہیں کہ شاید فرشتے پیر صاحب کی خاطر سے عذاب نہ کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں پیر صاحب کا شجرہ رکھنے کے متعلق تو کسی مستند سنی عالم دین نے نہیں کہا۔ ہاں! قبر میں عہد نامہ رکھنے کا ضرور ثبوت ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام الصفار نے ذکر کیا ہے کہ اگر میت کی پیشانی پر، اس کے عمامہ پر، اس کے کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میت کی مغفرت فرما دے گا اور اسے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۴۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام بخاری کی دوسری تعلیق پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد اب ہم پھر صحیح بخاری کی حدیث لکھ رہے ہیں۔

۵۱۸۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ فَلَمَّا رَآهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتُوبُ إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ مَاذَا أَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا بَالُ هَذِهِ النُّمْرُقَةِ قَالَتْ فَقُلْتُ اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے ایک ایسی چادر خریدی جس میں تصاویر تھیں، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تصاویر کو دیکھا تو آپ دروازے پر کھڑے رہے اور گھر میں داخل نہیں ہوئے، سو میں نے آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار کو پہچان لیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں، میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کیسا پردہ ہے؟ حضرت عائشہ کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: میں نے اس کو آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک

(صحیح البخاری: ۵۹۰۷، ۵۹۶۱، ۷۵۵۷، صحیح مسلم: ۲۱۰۷)

لگا ئیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: جن چیزوں کی تم نے تخلیق کی ہے ان میں جان ڈالو۔ اور فرمایا: جن گھروں میں یہ تصویریں ہوتی ہیں ان گھروں میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۱۰۵ میں گزر چکی ہے۔

ترجمۃ الباب سے عدم مطابقت کے اعتراض کا جواب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے کیونکہ باب کا عنوان یہ ہے کہ جب دعوت کی تقریب میں کوئی غیر شرعی چیز ہو تو اس دعوت میں نہ جائے، اور اس حدیث میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے پردوں پر تصویریں دیکھ کر گھر میں داخل نہیں ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گھر کے پردوں پر تصویروں کا ہونا بھی ایک غیر شرعی کام ہے جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل نہیں ہوئے تو پھر گھر کے پردوں پر تصویروں کا ہونا کسی تقریب میں داخل نہ ہونے کا قوی سبب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر کھڑے رہے اور حضرت عائشہ کے حجرہ میں داخل نہیں ہوئے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس سے حدیث کی باب کی ساتھ مطابقت نہیں ہوئی لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب کہ تصویر بھی منکرات میں سے ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس جگہ کوئی خلاف شرع کام ہو تو اس دعوت میں نہ جایا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ علامہ عینی نے پہلے جس چیز کا انکار کیا تھا پھر اسی کو تسلیم کر لیا اور انہیں اس کا پتا بھی نہیں چلا۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۰۰۔۲۹۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ جواب درست ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۸۔ بَابُ: قِيَامِ الْمَرْأَةِ عَلَى الرِّجَالِ فِي الْعُرْسِ وَخِدْمَتِهِمْ بِالنَّفْسِ

شادی میں عورتوں کا مردوں کی از خود خدمت کرنا

۵۱۸۲۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ لَمَّا عَرَّسَ أَبُو أُسَيْدٍ السَّاعِدِيُّ دَعَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابَهُ فَمَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں ابو غسان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل

صَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا وَلَا قَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ إِلَّا امْرَأَتُهُ أُمُّ أُسَيْدٍ بَلَّتْ تَمَرَاتٍ فِي تَوْرٍ مِنْ حِجَارَةٍ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا فَرَغَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الطَّعَامِ أَمَاثَتْهُ لَهُ فَسَقَتْهُ تُتْحِفُهُ بِذَلِكَ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۸۳، ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۲)

رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا تو انہوں نے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کو دعوت دی اور انہوں نے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کے لیے جو کھانا تیار کیا تھا اور جو ان کی ضیافت کی تھی اس کو ان کی دلہن حضرت ام اسید رضی اللہ عنہا نے تیار کیا تھا، انہوں نے رات کو پتھر کے ایک پیالہ میں چند کھجوریں بھگو دی تھیں، جب نبی ﷺ کھانے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے وہ نبیذ آپ کو پیش کیا اور بہ طور تحفہ آپ کو پلایا جس میں کھجوروں کو پانی میں گھول دیا گیا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۷۶ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے فقہی مسائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے حسب ذیل فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) دلہن کی اپنے شوہر اور اس کے اصحاب کی اپنی شادی کی تقریب میں خدمت کرنا۔

(۲) اگر کوئی مرد اپنی بیوی سے اپنے نیک دوستوں کی خدمت لے یعنی وہ ان کو کھانا وغیرہ کھلائے تو یہ امر جائز ہے، بہ شرطیکہ انہیں فتنہ کا خوف نہ ہو۔

(۳) کھجوروں کے غیر نشہ آور نبیذ کو شادی کی تقریب میں پلانا جائز ہے اور یہ امر ان کے ہاں شروع سے مروج تھا۔

(۴) اس حدیث میں مذکور ہے: اماثتہ اس کا مادہ میث ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو پانی میں گھول دینا، اسی طرح امام خلیل بن احمد نے کتاب العین میں اس کا معنی بیان کیا ہے، اس حدیث میں یہ مراد ہے کہ حضرت ام اسید نے کھجوروں کو پانی میں گھول دیا تھا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۹۔ بَابُ: النَّقِيعِ وَالشَّرَابِ الَّذِي لَا يُسْكِرُ فِي الْعُرْسِ

کھجوروں کی نبیذ یا کسی اور غیر نشہ آور مشروب کو تقریب نکاح میں پلانا

۵۱۸۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيُّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ أَنَّ أَبَا أُسَيْدٍ السَّاعِدِيَّ دَعَا النَّبِيَّ ﷺ لِعُرْسِهِ فَكَانَتِ امْرَأَتُهُ خَادِمَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَهِيَ الْعَرُوسُ فَقَالَتْ أَوْ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا أَنْقَعْتُ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنْقَعْتُ لَهُ تَمَرَاتٍ مِنَ اللَّيْلِ فِي تَوْرٍ

(صحیح البخاری: ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ:

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبدالرحمن القاری نے حدیث بیان کی از ابی حازم، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریب نکاح میں نبی ﷺ کو دعوت دی، پس ان کی بیوی اس دن ان کی خدمت کر رہی تھیں اور وہ دلہن تھیں، پس ان کی بیوی نے کہا یا خود حضرت ابو اسید نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ

(۱۹۱۴) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ان کی بیوی نے کس چیز کا نبیذ بنایا تھا؟ انہوں نے رات کو برتن میں چند کھجوریں بھگو دی تھیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۱۷۶ میں گزر چکی ہے۔

۸۰۔ بَابُ: اَلْمُدَارَاةِ مَعَ النِّسَاءِ — عورتوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ پیش آنا

علامہ بدرالدین عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مداراۃ کا لغوی معنی ہے: الفت اور دلوں کو مائل کرنا کیونکہ لوگوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کے ساتھ مدارات (خوش خلقی) کے ساتھ پیش آنا صدقہ ہے''۔

(صحیح ابن حبان: ۴۷۱، شعب الایمان: ۸۴۴۵، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۴۶، الکامل لابن عدی: ۱۸۸، المعجم الاوسط: ۴۶۳، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۷)

وَقَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّمَا الْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ۔ — اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد: عورت صرف پسلی کی مثل ہے۔

حضرت حواء کا حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہونا

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کے موافق حدیث موصول اس باب کی حدیث: ۵۱۸۴، میں مذکور ہے، آپ نے فرمایا: عورت پسلی کی مثل ہے کیونکہ پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے اور عورت کے مزاج اور طبیعت میں بھی کجی ہے، علامہ داؤدی نے کہا ہے: کیونکہ حضرت حواء کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے تو ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو پیدا کیا گیا، فرشتہ نے آکر ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو نکالا اور جب حضرت آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو وہ ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۸۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ إِنْ أَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورت پسلی کی مثل ہے اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر تم اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود اس سے نفع حاصل کرو گے تو اس سے نفع حاصل کرتے رہو گے۔

(صحیح البخاری: ۵۱۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۶۸، سنن ترمذی: ۱۱۸۸)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۳۱ میں گزر چکی ہے۔

عورتوں کی کج خلقی پر صبر کرنا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی غلطیوں کو معاف کر دینا چاہیے اور ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنا چاہیے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۱۔ بَابُ: اَلْوَصَاةِ بِالنِّسَاءِ — عورتوں کی خیر خواہی کرنا

علامہ عینی نے لکھا ہے: اس باب کا معنی ہے عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور ان کی بدسلوکی کو صبر کے ساتھ برداشت کرنا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۱۸۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ مَيْسَرَةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ۔
(صحیح البخاری: ۵۱۸۵، ۶۰۱۸، ۶۱۳۶، ۶۱۳۸، ۶۴۷۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں الحسین الجعفی نے حدیث بیان کی از زائدہ از میسرۃ از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ پر یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے۔

پڑوسی سے بیوی کا مراد ہونا

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ اس باب کا عنوان ہے ''عورتوں کی خیر خواہی کرنا'' اور حدیث میں پڑوسی کو ایذاء نہ دینے کا ذکر ہے، سو یہ حدیث بہ ظاہر عنوان کے مطابق نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پڑوسی سے مراد بیوی ہے کیونکہ وہ بھی شوہر کی پڑوسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ۔ (النساء: ۳۶)

اور قرابت دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور مجلس کے ساتھی کے ساتھ نیکی کرو۔

بہ کثرت مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں قرابت دار پڑوسی سے مراد بیوی ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۵۴۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۸ھ)

۵۱۸۶۔ وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا۔ (صحیح البخاری: ۵۱۸۴، سنن ترمذی ۱۱۸۸)

اور عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو کیونکہ ان کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور سب سے اوپر والی پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ پھر اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگے تو تم اس کو توڑ دو گے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، سو تم عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۳۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۸۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنهما قَالَ كُنَّا نَتَّقِي الْكَلَامَ وَالِانْبِسَاطَ إِلٰى نِسَائِنَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ هَيْبَةَ أَنْ يَنْزِلَ فِينَا شَيْءٌ فَلَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ تَكَلَّمْنَا وَانْبَسَطْنَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی عورتوں سے زیادہ باتیں کرنے سے اور ان کے ساتھ بے تکلفی کرنے سے احتراز کرتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں ہمارے اوپر

(سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۲، مسند احمد: ۵۲۸۴)

کوئی حکم نازل نہ ہو جائے، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو پھر ہم ان سے زیادہ باتیں کرتے تھے اور بے تکلفی سے رہتے تھے۔

بیوی کے ساتھ خوش طبعی اور بے تکلفی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ عورتوں سے اسی وقت فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جب تم ان کی بدسلوکی پر صبر کرو، سو میں تم کو عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کی وصیت کرتا ہوں، لہٰذا تم میری وصیت کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو۔

امام غزالی نے کہا ہے: عورت کو چاہیے کہ اپنے خاوند کے ساتھ معروف طریقہ سے گزر کر لے اور مرد کو چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے اور عورت کے ساتھ حسن خلق یہ ہے کہ وہ عورت کے غصہ اور اس کی ایذاء کو برداشت کرلے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور اتباع کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات آپ کو پلٹ کر جواب دیتی تھیں اور رات تک آپ کو چھوڑے رکھتی تھیں، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ خوش طبعی کرتے تھے۔ روایت ہے: عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دوڑنے میں مقابلہ کیا، پس میں آپ سے آگے نکل گئی۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۹، مسند احمد: ۲۴۱۷۳)

علامہ بوصیری نے کہا: اس حدیث کی سند امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۵۳۰، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۲۔ بَابٌ: قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم: ٦)

اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ (التحریم: ٦)

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی تم اپنے گھر والوں کو نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو اور ان کو ادب سکھاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۱۸۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ۔

(صحیح البخاری: ۸۹۳، ۵۲۰۰، ۷۱۳۸، صحیح مسلم ۱۸۲۹، سنن ترمذی: ۱۷۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا محافظ ہے اور تم میں سے ہر شخص جواب دہ ہے، پس امام محافظ ہے اور وہ جواب دہ ہے، اور مرد اپنی بیوی کا محافظ ہے اور وہ جواب دہ ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی محافظ ہے اور وہ جواب دہ ہے اور نوکر اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور وہ جواب دہ ہے، سنو! تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص جواب دہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹۳ میں گزر چکی ہے۔

اپنے متعلقین اور ماتحتوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے بیان کیا کہ جب التحریم:٦ نازل ہوئی تو صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم اپنے آپ کو تو دوزخ کی آگ سے بچاتے ہیں، پس ہم اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے کیسے بچائیں، آپ نے فرمایا: تم ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا حکم دو اور تم ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے روکو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۳۔ بَابٌ: حُسْنِ الْمُعَاشَرَةِ مَعَ الْأَهْلِ

بیویوں کے ساتھ نیک سلوک

۵۱۸۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَلَسَ إِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً فَتَعَاهَدْنَ وَتَعَاقَدْنَ أَنْ لَا يَكْتُمْنَ مِنْ أَخْبَارِ أَزْوَاجِهِنَّ شَيْئًا قَالَتِ الْأُولَى زَوْجِي لَحْمُ جَمَلٍ غَثٍّ عَلَى رَأْسِ جَبَلٍ لَا سَهْلٍ فَيُرْتَقَى وَلَا سَمِينٍ فَيُنْتَقَلُ قَالَتِ الثَّانِيَةُ زَوْجِي لَا أَبُثُّ خَبَرَهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَذَرَهُ إِنْ أَذْكُرْهُ أَذْكُرْ عُجَرَهُ وَبُجَرَهُ قَالَتِ الثَّالِثَةُ زَوْجِي الْعَشَنَّقُ إِنْ أَنْطِقْ أُطَلَّقْ وَإِنْ أَسْكُتْ أُعَلَّقْ قَالَتِ الرَّابِعَةُ زَوْجِي كَلَيْلِ تِهَامَةَ لَا حَرٌّ وَلَا قُرٌّ وَلَا مَخَافَةَ وَلَا سَآمَةَ قَالَتِ الْخَامِسَةُ زَوْجِي إِنْ دَخَلَ فَهِدَ وَإِنْ خَرَجَ أَسِدَ وَلَا يَسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ قَالَتِ السَّادِسَةُ زَوْجِي إِنْ أَكَلَ لَفَّ وَإِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ وَإِنِ اضْطَجَعَ الْتَفَّ وَلَا يُولِجُ الْكَفَّ لِيَعْلَمَ الْبَثَّ قَالَتِ السَّابِعَةُ زَوْجِي غَيَايَاءُ أَوْ عَيَايَاءُ طَبَاقَاءُ كُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ شَجَّكِ أَوْ فَلَّكِ أَوْ جَمَعَ كُلًّا لَكِ قَالَتِ الثَّامِنَةُ زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ وَالرِّيحُ رِيحُ زَرْنَبٍ قَالَتِ التَّاسِعَةُ زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ طَوِيلُ النِّجَادِ عَظِيمُ الرَّمَادِ قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ قَالَتِ الْعَاشِرَةُ زَوْجِي مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكِ لَهُ إِبِلٌ كَثِيرَاتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن عبدالرحمٰن اور علی بن حجر نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن عروہ از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ گیارہ عورتیں بیٹھیں اور انہوں نے آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ اپنے شوہروں کی خبروں میں سے کوئی خبر نہیں چھپائیں گی، پس پہلی عورت نے کہا: میرے خاوند کی مثال ایسے ہے جیسے دبلے اونٹ کا گوشت اور وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا ہو، نہ اس کا راستہ آسان ہو کہ کوئی اس پہاڑ پر چڑھ کر اسے لا سکے اور نہ ہی وہ گوشت اتنا فربہ ہو کہ کوئی اس کو وہاں سے منتقل کر دے۔ دوسری عورت نے کہا: میں اپنے خاوند کی خبر کو منتشر نہیں کرتی کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ میں اس کا ذکر کروں تو کسی بات کو نہیں چھوڑوں گی اور اگر پھر بھی بیان کروں تو اس کے ظاہر اور پوشیدہ سب عیوب بیان کر دوں گی۔ تیسری عورت نے کہا کہ میرا خاوند بہت لمبا ہے، اگر میں کچھ بیان کروں تو مجھے طلاق دی جائے گی اور اگر میں خاموش رہوں تو میں معلق رہوں گی۔ چوتھی عورت نے کہا: میرا خاوند تو تہامہ کی رات کی طرح ہے نہ گرم اور نہ سرد، نہ ڈر اور نہ غم۔ پانچویں عورت نے کہا: میرا خاوند اگر گھر میں داخل ہو تو چیتا ہے اور گھر سے باہر نکلے تو شیر ہے، جو گھر میں وہ چھوڑ گیا اسے پوچھتا ہی نہیں۔ چھٹی عورت نے کہا کہ میرا خاوند اگر کھانا کھانے بیٹھے تو سب چٹ کر جائے اور اگر پانی پئے تو سارا کا سارا

الْمَبَارِكِ قَلِيلَاتُ الْمَسَارِحِ وَإِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ أَيْقَنَّ أَنَّهُنَّ هَوَالِكُ قَالَتِ الْحَادِيَةَ عَشْرَةَ زَوْجِي أَبُو زَرْعٍ وَمَا أَبُو زَرْعٍ أَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَيَّ وَمَلَأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ وَبَجَّحَنِي فَبَجِحَتْ إِلَيَّ نَفْسِي وَجَدَنِي فِي أَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشِقٍّ فَجَعَلَنِي فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَأَطِيطٍ وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلَا أُقَبَّحُ وَأَرْقُدُ فَأَتَصَبَّحُ وَأَشْرَبُ فَأَتَقَنَّحُ أُمُّ أَبِي زَرْعٍ فَمَا أُمُّ أَبِي زَرْعٍ عُكُومُهَا رَدَاحٌ وَبَيْتُهَا فَسَاحٌ ابْنُ أَبِي زَرْعٍ فَمَا ابْنُ أَبِي زَرْعٍ مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ وَيُشْبِعُهُ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ فَمَا بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ طَوْعُ أَبِيهَا وَطَوْعُ أُمِّهَا وَمِلْءُ كِسَائِهَا وَغَيْظُ جَارَتِهَا جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ فَمَا جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ لَا تَبُثُّ حَدِيثَنَا تَبْثِيثًا وَلَا تُنَقِّثُ مِيرَتَنَا تَنْقِيثًا وَلَا تَمْلَأُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا قَالَتْ خَرَجَ أَبُو زَرْعٍ وَالْأَوْطَابُ تُمْخَضُ فَلَقِيَ امْرَأَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا كَالْفَهْدَيْنِ يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ فَطَلَّقَنِي وَنَكَحَهَا فَنَكَحْتُ بَعْدَهُ رَجُلًا سَرِيًّا رَكِبَ شَرِيًّا وَأَخَذَ خَطِّيًّا وَأَرَاحَ عَلَيَّ نَعَمًا ثَرِيًّا وَأَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا وَقَالَ كُلِي أُمَّ زَرْعٍ وَمِيرِي أَهْلَكِ قَالَتْ فَلَوْ جَمَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ أَعْطَانِيهِ مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آنِيَةِ أَبِي زَرْعٍ قَالَتْ عَائِشَةُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ قَالَ سَعِيدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ هِشَامٍ وَلَا تُعَشِّشُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ فَأَتَقَمَّحُ بِالْمِيمِ وَهَذَا أَصَحُّ۔

(صحیح مسلم: ۲۴۴۸، تحفۃ الاشراف: ۱۶۳۵۴)

پانی پی لے اور اگر وہ چت لیٹے تو الگ پڑا رہتا ہے اور میرے کپڑوں پر ہاتھ بھی نہیں ڈالتا اور کبھی میری پریشانی کو معلوم نہیں کرتا۔ ساتویں عورت نے کہا: میرا خاوند تو جاہل ہے یا کاہل، نامرد ہے، اس میں لوگوں کی ہر بیماری اور عیب ہے، اس کا سر پھٹا ہوا ہے یا زخمی ہے۔ آٹھویں عورت نے کہا: میرے زوج کو مس کرنا خرگوش کی طرح اور اس کی خوشبو زعفران کی طرح ہے۔ نویں عورت نے کہا: میرا خاوند اونچے گھر والا ہے، لمبے پر تلے والا ہے، اس کا گھر راکھ کے ڈھیر والا ہے، اس کا گھر آگ کے چولہے کے قریب ہے۔ دسویں عورت نے کہا: میرا خاوند مالک ہے کیسا بڑا مالک ہے وہ بہت اچھا مالک ہے، اس کے پاس بہت زیادہ اونٹ ہیں جو اس کے باڑے میں بیٹھے رہتے ہیں، چراگاہوں میں چرنے کم جاتے ہیں اور جب وہ مزامیر کی آواز سنتے ہیں تو وہ یقین کر لیتے ہیں کہ انہیں ذبح کیا جائے گا۔ گیارہویں عورت نے کہا: میرا خاوند ابوزرع ہے، پس ابوزرع کا کیا کہنا! اس نے میرے کانوں کو زیورات سے جھکا دیا اور میرے دونوں بازوؤں کو چربی سے پھیلا دیا اور مجھے خوب کھلا پلا کر فربہ کر دیا اور بے شک میں (شادی) سے پہلے بکریوں والوں میں گزر بسر کرتی تھی اور تنگی سے رہتی تھی، ابوزرع نے مجھے گھوڑوں، اونٹوں، کھیتوں اور پرندوں کا مالک بنا دیا، (اس کے باوجود) میں اسے کوئی (ناگوار) بات کہوں تو وہ برا نہیں مانتا، صبح تک سوتی رہوں تو مجھے کوئی نہیں جگاتا، پانی پیوں تو خوب سیر ہو کر پیوں، ابوزرع کی ماں تو ابوزرع کی ماں کیسی اچھی ہے! اس کی کوٹھریاں بھری ہوئی ہیں اور ان کا گھر کشادہ ہے، ابوزرع کا بیٹا تو ابوزرع کا بیٹا کیسا اچھا ہے! اس کا بستر گویا کہ وہ ایسی تلوار ہے جو نیام سے باہر نکلی ہوئی ہو، وہ دنبہ کا ایک پایہ کھا کر سیر ہو جاتا ہے، وہ کم خوراک ہے۔ ابوزرع کی بیٹی تو ابوزرع کی بیٹی کیسی عمدہ ہے! اپنے باپ کی فرماں بردار اور اپنی ماں کی اطاعت شعار ہے، وہ کپڑوں میں بھری ہوئی موٹی تازی ہے، وہ اپنی سوکن کا جلاپا ہے، ابوزرع کی باندی تو ابوزرع کی باندی کیسی اچھی ہے! وہ

ہمارے گھر کی باتوں کو پھیلاتی نہیں ہے اور ہمارے گھر کی چیزوں کو چراتی نہیں ہے اور ہمارے گھر کو کوڑے کرکٹ سے بھرا نہیں رکھتی، اس نے کہا: ایک دن ابوزرع صبح صبح گھر سے نکلا جب لوگ مکھن نکالنے کے لیے دودھ بلو (متھ) رہے تھے، وہ ایک عورت سے ملا، اس کے دو بچے دو چیتوں کی طرح اس کی کمر کے نیچے اس کے دو اناروں سے کھیل رہے تھے، ابوزرع نے مجھے طلاق دے کر اس عورت سے نکاح کر لیا، پھر اس کے بعد میں نے ایک اور سردار مرد سے نکاح کیا جو عمدہ شہ سوار تھا اور نیزے باز تھا، اس نے مجھے بہت سے مویشی دیئے اور ہر قسم کے سامان میں سے مجھے ایک ایک جوڑا دیا، اس نے کہا اے ام زرع! تم خود کھاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔ ام زرع نے بتایا: اگر میں ان تمام چیزوں کو جمع کر لوں جو اس نے مجھے عطا کی تھیں تو وہ ابوزرع کے دیئے ہوئے ایک چھوٹے سے برتن کے بھی برابر نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے ابوزرع، ام زرع کے لیے تھا، امام ابوعبداللہ بخاری نے کہا: سعید بن سلمہ نے اس حدیث کی از ہشام روایت کی ہے (اس میں یہ الفاظ ہیں) وَلَا تُعَشِّشُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا۔ ابوعبداللہ بخاری نے کہا: اور بعض راویوں نے کہا فَأَتَقَمَّحُ (میم کے ساتھ) اور یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔

اس حدیث میں مذکور گیارہ عورتوں کا تذکرہ، وہ گیارہ عورتیں کس زمانہ اور کس قبیلہ کی تھیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الہیثم کی روایت میں ہے کہ یہ گیارہ عورتیں مکہ میں تھیں اور قاضی عیاض نے کہا کہ یہ عورتیں قبیلہ خثعم سے تھیں اور ابن ابی اویس نے از والد خود روایت کی ہے کہ یہ عورتیں زمانہ جاہلیت میں تھیں۔ اسی طرح امام نسائی کی ایک روایت میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ان گیارہ عورتوں نے آپس میں عہد و پیمان کیا: یعنی انہوں نے یہ عہد کیا کہ وہ سچ بولیں گی اور اپنے دل کی کوئی بات نہیں چھپائیں گی اور امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ عہد کیا کہ وہ اپنے شوہروں کی صفات بیان کریں گی اور اس میں سچ بولیں گی اور ابن الزبیر کی روایت ہے کہ انہوں نے اس پر بیعت کی۔

پہلی عورت نے جو اپنے خاوند کی صفت بیان کی، غث کا معنی اور خاوند کی مذمت

پہلی عورت نے کہا: علامہ عینی فرماتے ہیں: میں اس کے نام پر مطلع نہیں ہو سکا۔

غَثّ: اس کا معنی ہے: دبلا پتلا، اس کو موٹے کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے، اور جس حدیث کے الفاظ مختلط ہوجائیں اس کو کہتے ہیں: اَلْغَثُّ وَالسَّمِیْنُ اور جو کھانا خراب ہوجائے اس کو بھی اَلْغَثُّ کہتے ہیں۔

اور وہ گوشت پہاڑ کی ایک چوٹی پر رکھا ہوا ہو: علامہ ابوعبیدہ نے کہا: اس جملہ سے وہ عورت اپنے شوہر میں خیر کی کمی کو بیان کر رہی ہے جیسے پہاڑ کی چوٹی پر کوئی چیز رکھی ہو تو اس کو بغیر سخت مشقت کے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری عورت نے جو اپنے خاوند کی صفت بیان کی

دوسری عورت نے کہا: اس عورت کا نام عمرۃ بنت عمرو تمیمی ہے۔

اس عورت کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں اپنے خاوند کا پورا قصہ بیان کروں گی تو وہ مجھے طلاق دے دے گا، لہٰذا میں اس کا تذکرہ چھوڑتی ہوں۔

تیسری عورت نے اپنے خاوند کی صفت بیان کی، اَلْعَشَنَّق کا معنی اور خاوند کی مذمت

تیسری عورت نے کہا: اس عورت کا نام حیی بنت کعب الیمانی ہے۔

العشنق: اس کا معنی ہے: بہت لمبا، یہ ابوعبیدۃ کا قول ہے، اور الثعالبی نے کہا: جس کی لمبائی مذموم ہو، اور الخلیل نے کہا: جس کی گردن لمبی ہو، الاصمعی نے کہا: اس عورت کا ارادہ یہ تھا کہ اس کے خاوند کے لمبے قد میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔

چوتھی عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، تہامہ کے ساتھ وجہ تشبیہ اور مشکل الفاظ کے معانی

چوتھی عورت نے کہا: اس عورت کا نام مہدد ہے اور کہا جاتا ہے: اس کا نام مہرۃ بنت ابی ہرومہ ہے۔

میرا خاوند تو تہامہ کی رات کی طرح ہے: اس عورت نے اپنے خاوند کو تہامہ کی رات کے ساتھ تشبیہ دی ہے، وہ اس کی مدح کرتی ہے کہ اس کا خاوند ایسا ہے جیسے امن کے زمانہ میں اہل مکہ کی رات تھی یعنی وہ معتدل ہے، نہ وہ سرد مزاج ہے نہ گرم مزاج اور غصہ ور ہے۔ اس میں کوئی ایذاء رسانی نہیں ہے بلکہ اس میں راحت اور لذت ہے جیسے تہامہ کی رات لذیذ اور معتدل ہوتی ہے، نہ اس میں سخت گرمی ہوتی ہے اور نہ اس میں سخت ٹھنڈک ہوتی ہے۔

تہامہ: ہر اس شہر کا نام ہے جو نجد کے نشیب میں ہو اور وہ حجاز کے شہروں میں سے ہے۔

التہم: اس کا معنی ہے: جس جگہ کی آب و ہوا متغیر ہو۔

قر: اس کا معنی ہے: ٹھنڈک۔

سآمہ: اس کا معنی ہے: ملال۔

ابن الانباری نے بتایا کہ اس عورت کی مراد یہ تھی کہ اہل تہامہ موسمی تغیرات سے نہیں گھبراتے کیونکہ پہاڑوں نے ان کی حفاظت کی ہوئی ہے، یا اس نے یہ ارادہ کیا کہ اس کا خاوند اپنے گھر یا اپنے پڑوسیوں کا محافظ ہے اور جو ان کی پناہ میں آئے اس کو کوئی خوف نہیں ہوتا۔

پانچویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، چیتا اور شیر کے ساتھ وجہ تشبیہ

پانچویں عورت نے کہا: اس عورت کا نام کبشہ ہے۔

میرا خاوند اگر گھر میں داخل ہو تو چیتا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ جب میرا خاوند گھر میں داخل ہوتا ہے تو وہ چیتے کی طرح مجھ پر

اچھلتا کودتا ہے، اس کی مراد یہ ہے کہ وہ گھر میں داخل ہوتے ہی میرے ساتھ جماع کرتا ہے۔

اور اگر گھر سے باہر نکلے تو شیر ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو بہادری کے ساتھ شیر کی طرح لوگوں سے لڑتا ہے۔

جو گھر میں وہ چھوڑ گیا اسے پوچھتا ہی نہیں: یعنی اگر گھر کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ اس کے متعلق تفتیش نہیں کرتا اور گھر کے عیوب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

چھٹی عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، شروع میں اپنے خاوند کی مذمت کی اور آخر میں اس کی مدح کی

چھٹی عورت نے کہا: اس عورت کا نام ہند ہے۔

اگر میرا خاوند کھانا کھانے بیٹھے تو سب چٹ کر جائے۔ یعنی وہ ہر قسم کے کھانوں کو پورا پورا کھالے اور ان میں سے کچھ بھی نہ بچائے۔

اور اگر پانی پیئے تو سارا کا سارا پانی پی لے۔ اِشْتَفَّ کا معنی ہے کہ وہ برتن میں سے سارا پانی پی لے اور برتن کو شفاف چھوڑ دے۔

اور اگر وہ چت لیٹے تو الگ پڑا رہتا ہے اور میرے کپڑوں پر ہاتھ بھی نہیں ڈالتا: یعنی جب وہ سوتا ہے تو اپنے کپڑوں میں ایک طرف سکڑ کر لیٹ جاتا ہے، اور ابو عبید نے کہا: گویا اس عورت کے جسم میں کوئی عیب تھا یا بیماری تھی جس سے اس کا شوہر غمگین ہوتا تھا اور اس لیے وہ اس کے کپڑوں میں ہاتھ نہیں ڈالتا تھا تا کہ وہ عورت افسردہ نہ ہو اور یہ اس کے اخلاق کریمانہ کا اظہار ہے اور ابن قتیبہ نے ان پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کلام کے شروع میں تو عورت نے اس کی مذمت کی تھی تو کلام کے آخر میں اس کی مدح کیسے کرے گی اور ابن الانباری نے کہا کہ یہ رد مردود ہے کیونکہ عورتوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اپنے خاوندوں کی کوئی بات نہیں چھپائیں گی، اور ان کا ہر وصف بیان کریں گی خواہ وہ لائق مدح ہو یا قابل مذمت ہو اور جن کے شوہروں میں اوصاف مختلط ہوں ان کو بھی بیان کریں گی۔

ساتویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، اس عورت نے اپنے خاوند کی مذمت میں کہا: اس میں تمام مصائب جمع ہیں

ساتویں عورت نے کہا: اس عورت کا نام حی بنت علقمہ ہے۔

میرا خاوند تو جاہل ہے یا کاہل نامرد ہے: حدیث کے الفاظ ہیں:

غیایاء او عیایاء طباقاء: راوی کو شک ہے کہ یہ بلفظ غیایاء تھا یا عیایاء تھا۔ غیایاء کا معنی ہے: جو کسی راستہ کی ہدایت نہ پائے اور وہ گھٹا ٹوپ اندھیرے کی طرح ہو جس میں کوئی روشنی نہ ہو یا وہ شر میں منہمک ہو۔ طباقاء کا معنی ہے: جو کامل احمق ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ جو کلام کرنے سے عاجز ہو، تیسرا قول یہ ہے کہ جس مرد کا سینہ بہت بھاری ہو اور وہ اپنے سینے کو عورت کے سینہ پر منطبق کرنے کی طاقت نہ رکھے، اور اس عورت نے کہا:

اس میں لوگوں کی ہر بیماری اور عیب ہے: یعنی اس میں تمام عیوب مجتمع ہیں۔

اس کا سر پھٹا ہوا ہے یا زخمی ہے: یعنی جب وہ گھر کے باہر لوگوں سے لڑتا ہے تو اس کا سر پھٹ جاتا ہے یا زخمی ہو جاتا ہے۔ وہ عورت اپنے خاوند کی معاشرت کی برائی بیان کر رہی ہے کہ وہ گھر کے اخراجات ادا نہیں کر سکتا اور جب وہ اپنے خاوند سے اس کی شکایت کرتی ہے تو وہ اس کو مارتا ہے حتیٰ کہ اس کا سر پھاڑ دیتا ہے یا اس کو زخمی کر دیتا ہے۔

آٹھویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، اس عورت نے اپنے خاوند کی مدح کی اور بتایا کہ وہ بہت بلند اخلاق ہے

آٹھویں عورت نے کہا: اور اس عورت کا نام یاسر بنت اوس بن عبد ہے۔
میرے زوج کو مس کرنا خرگوش کی طرح اور اس کی خوشبو زعفران کی طرح ہے: یعنی اس کے شوہر کے اخلاق بہت حسین ہیں جیسے جب تم خرگوش پر ہاتھ پھیرو تو اس کا جسم بہت نرم اور ملائم ہوتا ہے اور زرنب ارنب کے وزن پر ہے اور یہ ایک خوشبو دار گھاس ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شام میں جبل لبنان پر بہت بڑا درخت ہے جس پر پھل نہیں لگتا لیکن اس کے پتے بہت بڑے ہوتے ہیں، تیسرا قول ہے کہ زرنب کا معنی زعفران ہے، اور چوتھا قول ہے کہ اس کا معنی مشک ہے۔

نویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، وہ عورت اپنے شوہر کی سخاوت بیان کرتی ہے

نویں عورت نے کہا: اس عورت کا نام کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔
میرا خاوند اونچے گھر والا ہے: عماد اصل میں گھر کے ستون کو کہتے ہیں، اس عورت کی مراد یہ تھی کہ اس کے خاوند کا گھر گھروں میں سب سے اونچا ہے تاکہ ضرورت مندوں کو وہ گھر دور سے نظر آئے اور وہ اس کے گھر آ کر سوال کریں اور وہ اس کی حاجت کو پورا کرے۔
لمبے پرتلے والا ہے: نجاد کا معنی ہے: تلوار کی حمائل، اس کو اردو میں پرتلہ کہتے ہیں اور لمبے پرتلہ والے سے لمبے قد کا کنایہ ہے۔
اس کا گھر راکھ کے ڈھیر والا ہے: یعنی اس کے گھر میں راکھ کا ڈھیر ہے کیونکہ اس کے گھر میں آگ زیادہ جلتی ہے، آگ اس لیے زیادہ جلتی ہے کہ وہاں کھانا زیادہ پکتا ہے اور کھانا اس لیے زیادہ پکتا ہے کہ وہاں مہمان بہت زیادہ آتے ہیں، اور مہمان اس لیے زیادہ آتے ہیں کہ وہ سخی ہے۔ اس کا گھر آگ کے چولہے کے قریب ہے! کیونکہ وہاں ہر وقت کھانا پکتا رہتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ عورت کنایہ کے الفاظ سے اپنے شوہر کی سخاوت کو بیان کر رہی ہے۔

دسویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، اس عورت نے بھی اپنے خاوند کی سخاوت بیان کی

دسویں عورت نے کہا: اس عورت کا نام بھی پانچویں عورت کی طرح کبشہ ہے۔
میرا خاوند مالک ہے کیسا بڑا مالک ہے۔ وہ بہت اچھا مالک ہے: یہ فعل تعجب ہے، اس میں استفہام اور تہویل ہے یعنی تم اس کے اوصاف کی عظمتوں کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتے۔
اس کے پاس بہت زیادہ اونٹ ہیں جو اس کے باڑے میں بیٹھے رہتے ہیں، چراگاہوں میں کم جاتے ہیں: اس کے باوجود وہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے پاس جاتا ہے اور مال و دولت سے ان کی امداد کرتا ہے اور اونٹوں کو ذبح کر کے ان کی دعوتیں کرتا ہے۔

گیارہویں عورت نے اپنے خاوند کی صفت میں بیان کیا، ام زرع کا اپنے خاوند کی ماں، بیٹے، بیٹی اور خادم کا ذکر کرنا

گیارہویں عورت نے کہا: اس عورت کا نام ام زرع بنت اکیمل بن ساعدہ الیمینۃ ہے اور یہ ام زرع کے نام سے مشہور ہیں۔
میرا خاوند ابوزرع ہے، پس ابوزرع کا کیا کہنا: اس عورت نے اظہار تعجب کے لیے کہا کہ ابوزرع کا کیا کہنا۔

اس نے میرے کانوں کو زیورت سے جھکا دیا: عربی میں یہاں اناس کا لفظ ہے، یہ نوس سے فعل ماضی ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو حرکت دینا یعنی اس نے میرے کانوں کو زیورات سے لاد دیا۔

اور میرے دونوں بازوؤں کو چربی سے پھلا دیا: ابو عبید نے کہا: اس سے مراد صرف بازو نہیں بلکہ اس کا پورا جسم ہے۔

اور مجھے خوب کھلا پلا کر فربہ کر دیا: حدیث میں الفاظ ہیں: وَ بَجَّحَنِي فَبَجِحَتْ اِلَیَّ نَفْسِیْ یعنی اس نے مجھے خوب فربہ کر دیا۔ یہ جملہ پہلے جملہ کی تائید ہے۔

اور بے شک میں (شادی) سے پہلے بکریوں والوں میں گزر بسر کرتی تھی اور تنگی سے رہتی تھی: حدیث میں شق کا لفظ ہے۔ محدثین اسے شِق پڑھتے ہیں اور ابو عبید نے کہا: یہ لفظ شَق ہے اور یہ ایک جگہ کا نام ہے، اور ابن ابی اویس نے کہا: اس سے مراد پہاڑ کا کنارہ ہے کیونکہ ان کی بکریاں بہت کم تھیں۔

ابوزرع نے مجھے گھوڑوں، اونٹوں، کھیتوں اور پرندوں کا مالک بنا دیا: صہیل کا معنی ہے: گھوڑوں کی آوازیں، اطیط کا معنی ہے: اونٹوں کی آوازیں یعنی ابوزرع نا اس کو اپنے گھر لے گیا اور وہ مال دار لوگ تھے کیونکہ مال دار لوگ ہی گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتے ہیں، دائس کا معنی ہے: گاہنا، یعنی بیلوں کو گندم کے ڈھیر پر چلا کر اور گندم کو روند کر گندم کے دانہ سے بھوسہ کو الگ کرنا۔

(اس کے باوجود) میں اسے کوئی (ناگوار) بات کہوں تو وہ برا نہیں مانتا: یعنی اگر میں کوئی ناگوار بات کہوں تو وہ ناراض نہیں ہوتا بلکہ میری بات کو قبول کر لیتا ہے۔

میں صبح تک سوتی رہوں تو مجھے کوئی بیدار نہیں کرتا: کیونکہ اس کی بہت باندیاں ہیں جو میری جگہ اس کی خدمت کرتی ہیں۔

پانی پیوں تو خوب سیر ہو کر پیوں: یعنی میں اتنا زیادہ پانی پی لیتی ہوں کہ اس کے بعد مجھے مزید پانی پینے کی خواہش نہیں رہتی۔

ابوزرع کی ماں تو ابوزرع کی ماں کیسی اچھی ہے: اس کی شرح اسی طرح ہے جس طرح ابوزرع کی شرح میں گزر چکی ہے۔

اس کی کوٹھڑیاں بھری ہوئی ہے اور اس کا گھر کشادہ ہے: عُکُومُھا رِدَاحٌ، عُکُوم عکم کی جمع ہے جیسے جلد کی جمع جلود ہے۔ اس کا معنی ایسی کوٹھڑی ہے جس میں فالتو سامان رکھتے ہیں۔ رِدَاح یہ رَادِح کی جمع ہے، جو عورت بہت جسیم ہو اس کو رداح کہتے ہیں۔

ابوزرع کا بیٹا تو ابوزرع کا بیٹا کیسا اچھا ہے! اس کا بستر گویا کہ وہ ایسی تلوار ہے جو نیام سے باہر نکلی ہوئی ہو: مسل شطبۃ کا معنی ہے: جو تلوار نیام سے باہر نکال کر سونتی ہوئی ہو، اور ابو عبید نے کہا اس کا معنی ہے: کھجور کے درخت کو چھیل کر اس سے دو شاخیں بنائی جائیں۔

وہ دنبہ کا ایک پایہ کھا کر سیر ہو جاتا ہے یعنی وہ کم خوراک ہے: اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ بہت کم کھاتا ہے۔

ابوزرع کی بیٹی تو ابوزرع کی بیٹی کیسی عمدہ ہے! اپنے باپ کی فرماں بردار اور اپنی ماں کی اطاعت شعار ہے، وہ کپڑوں میں ابھری ہوئی موٹی تازی ہے، وہ اپنی سوکن کی جلاپا ہے: مِلْئُ کِسَائِھَا یہ اس کے جسم کی فربہی سے کنایہ ہے، وَغَیظُ جَارَتِھَا یعنی وہ اس قدر حسین وجمیل ہے کہ اس کی سوکنیں اس سے جلتی ہیں اور اس سے حسد کرتی ہیں۔

ابوزرع کی باندی تو ابوزرع کی باندی کیسی اچھی ہے! وہ ہمارے گھر کی باتوں کو پھیلاتی نہیں ہے اور ہمارے گھر کی چیزوں کو چراتی نہیں ہے: تبثیث کا معنی ہے: راز کو افشا کرنا اور بات کو پھیلانا اور تنقیث کا معنی ہے: خیانت کرنا، اور ہمارے گھر کو کوڑے کرکٹ سے بھرا نہیں رکھتی: تعشیش کا معنی ہے: کوڑا کرکٹ۔

اس نے کہا: ایک دن ابوزرع صبح صبح گھر سے نکلا جب لوگ مکھن نکالنے کے لیے دودھ بلو (متھ) رہے تھے: اَوْ طَاب وَطْبٌ کی جمع ہے اور یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ فعل کی جمع افعال کے وزن پر نہیں آتی، تَمْخَض کا معنی ہے: دودھ بلو کر مکھن نکالنا۔

وہ ایک عورت سے ملا، اس کے دو بچے دو چیتوں کی طرح اس کی کمر کے نیچے اس کے دو اناروں سے کھیل رہے تھے:
دو اناروں سے مراد اس عورت کے دو پستان ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عورت کی قمیص کے نیچے دو پستان تھے۔ ام زرع نے یہ واقعہ اس لیے بیان کیا ہے تا کہ معلوم ہو کہ ابو زرع نے جو ام زرع کو طلاق دے کر اس دوسری عورت سے نکاح کیا تھا اس کا کیا سبب تھا کیونکہ مرد اس میں راغب ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد ایسی حسین وجمیل عورت سے پیدا ہو جس کے اخلاق عمدہ ہوں۔
ابو زرع نے مجھے طلاق دے کر اس عورت سے نکاح کر لیا، پھر اس کے بعد میں نے ایک اور سردار مرد سے نکاح کر لیا جو عمدہ شہ سوار تھا: سَرِیًّا اس کا معنی ہے: جو سردار شریف اور مال دار ہو اور شَرِیًّا کا معنی ہے: جو گھوڑے پر عمدہ سواری کرتا ہو۔
اور نیزے باز تھا: خَطِیًّا کا معنی ہے: ایسا نیزہ جو زمین پر لکیر ڈالنے والا تھا۔
اس نے مجھے بہت سے مویشی دیئے اور ہر قسم کے سامان میں سے مجھے ایک ایک جوڑا دیا: اَرَاحَ کا معنی ہے: زوال کے بعد گھر کی طرف روانہ ہونا اور نَعَمًا ثَرِیًّا اس کا معنی ہے: بہت زیادہ مویشی، رَائِحَۃٌ کا معنی ہے: ہر قسم کی بو اور طبرانی کی روایت میں رائحۃ کی جگہ سائمۃ ہے یعنی قدرتی گھاس چرنے والے مویشی۔
اس نے کہا: اے ام زرع! تم خود کھاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ، میری اھلک کا معنیٰ ہے: اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو ابو زرع کے مشابہ قرار دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لیے اس طرح ہوں جس طرح ابو زرع، ام زرع کے لیے تھا۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خوش کرنے کے لیے اس طرح فرمایا اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا، پھر اس سے ناپسندیدہ امر کا استثناء فرمایا کیونکہ ابو زرع نے ام زرع کو طلاق دے دی تھی اور میں تم کو طلاق نہیں دوں گا، یہ آپ نے ان کو تسلی دینے کے لیے فرمایا اور یہ بتایا کہ آپ کی ابو زرع کے ساتھ تمام امور میں مشابہت نہیں ہے، کیونکہ ابو زرع کی سیرت میں صرف یہی چیز ناگوار تھی کہ اس نے ام زرع کو طلاق دے دی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں! آپ میرے لیے ابو زرع سے بہت بہتر ہیں۔
(السنن الکبریٰ: ۹۱۳۹ بغیۃ الرائد ص ۲۰۔ ۱۸)

مردوں کے سامنے اجنبی عورتوں کے محاسن بیان کرنا، مسجع مقفّٰی کلام کرنا، المھلب مالکی کی نکتہ آفرینی کا رد، اپنے خاوند کی نیکیوں کے شکر کا وجوب اور مرد کے منہ پر اس کی مدح کرنے کا جواز

(۱) غیر معین عورتوں کے محاسن کا مردوں کے سامنے بیان کرنا جائز ہے اور معین عورتوں کے محاسن کا مردوں کے سامنے بیان کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، آپ کا ارشاد ہے: کوئی عورت اپنے خاوند کے سامنے دوسری عورت کے محاسن اس طرح بیان نہ کرے گویا کہ مرد نے اس عورت کو دیکھ لیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۴۰)
(۲) مرد کا اپنی بیوی سے محبت کو اس کے سامنے بیان کرنا جائز ہے جب اسے فتنہ کا خوف نہ ہو۔
(۳) فصیح وبلیغ اور مسجع مقفّٰی عربی کلام کرنے کا جواز جب کہ وہ بلا تکلف ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔
(۴) علامہ المھلب مالکی نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ ہر امت کے نیک لوگوں کی اتباع کرنا جائز ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابوزرع کی حسن سیرت کی اتباع کی۔ قاضی عیاض نے کہا: میرے نزدیک یہ نکتہ درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوزرع کی اقتداء نہیں کی بلکہ یہ خبر دی ہے کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ابوزرع کی مثل ہیں، اور علامہ المہلب کا یہ کہنا درست ہے کہ ہر امت کے نیک لوگوں کی اتباع کرنا جائز ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے نیک افعال ہماری شریعت سے متصادم نہ ہوں۔

(۵) عورت کو چاہیے کہ اپنے خاوند کی نیکیوں کا شکر ادا کرے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنے خاوند کا شکر ادا نہیں کرتی۔ (السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۳۵۴)

(۶) کسی مرد کے منہ پر اس کی مدح کرنا جائز ہے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے منہ پر آپ کی تعریف کی جب یہ معلوم ہو کہ اس مدح سے اس کے اخلاق اور اعمال میں فساد اور تغیر نہیں ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر مدح اور ہر ثناء کے مستحق ہیں اور جو شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے کلام سے مدح وثناء کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے، علامہ بوصیری فرماتے ہیں:

دع ما ادعته النصاری فی نبیهم و احکم بما شئت مدحا فیه واحتکم

''عیسائیوں نے اپنے نبی کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کو چھوڑ دو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جو چاہتے ہو وہ کہو''۔

فمبلغ العلم فیه انه بشر وانه خیر خلق الله کلهم

''آپ کے متعلق انتہائی علم یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور بے شک آپ اللہ کی تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں''۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف مکافی سے اپنی ثناء کو قبول فرماتے تھے۔

(الشمائل للترمذی: ۳۵۲، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۱۵۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۲۹۱، شعب الایمان ج ۲ ص ۱۵۸)

القتیبی نے مکافی کا معنی اس طرح بیان کیا ہے: آپ صرف اس شخص کی مدح وثناء کو قبول فرماتے تھے جس پر آپ نے انعام فرمایا ہو، پھر دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں یا اس کے جواب میں آپ کی مدح وثناء کرے۔

ابن الانباری نے اس معنی کو غلط قرار دیا ہے اور اس کا رد کیا ہے اور کہا کہ کوئی شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انعام سے خالی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا ہے، پس تمام لوگوں پر آپ کی نعمت ہے اور تمام لوگوں پر آپ کی مدح وثناء کرنا فرض ہے اور آپ کی مدح وثناء کے بغیر اسلام مکمل نہیں ہوتا، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ صرف اس شخص سے مدح وثناء کو قبول فرماتے تھے جس کے متعلق آپ کو یہ علم ہوتا تھا کہ وہ حقیقی مسلمان ہے اور منافق نہیں ہے۔

اور اس حدیث کے معنی میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو اور اعتدال کے ساتھ میری تعریف کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۴۴۵)

مزاح کی تحقیق

(۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات مزاح کرنا جائز ہے اور بیوی کے ساتھ خوش طبعی کرنا اور بے تکلفی سے باتیں کرنا جائز ہے اور تمام لوگوں کے ساتھ نرم اور میٹھی باتیں کرنی چاہئیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزاح فرماتے تھے اور آپ مزاح میں بھی صرف حق بات کہتے تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''میں

حق کے سوا اور کوئی بات نہیں کہتا"۔ (سنن ترمذی:۱۹۹۵) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک شخص بہت ہنستا رہتا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم کیوں تعجب کرتے ہو وہ ضرور جنت میں بھی ہنستا ہوا داخل ہوگا"۔

(موسوعہ ابن ابی الدنیا، باب مدارۃ الناس رقم الحدیث:۶۹)

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزاح سے منع فرمایا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

عکرمہ اپنے آزاد شدہ غلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے بھائی سے نہ جھگڑو اور نہ مذاق کرو"۔ (سنن ترمذی:۱۹۹۵)

عبداللہ بن سائب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا سامان نہ سنجیدگی سے لے اور نہ مذاق سے"۔ (سنن ابوداؤد:۵۰۰۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ جو مزاح محمود اور مباح ہے یہ وہ ہے جس میں کسی دوسرے شخص کو ضرر نہ ہو اور جس مزاح سے دوسرے شخص کو ضرر ہو وہ جائز نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس مزاح سے منع فرمایا ہے وہ اسی پر محمول ہے۔

طلاق بالکنایہ میں طلاق کی نیت کا ضروری ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسا کہ ابو زرع ام زرع کے لیے تھا، تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طلاق ہو گئی؟ کیونکہ ابو زرع نے تو ام زرع کو طلاق دے دی تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ابو زرع کے مشابہ ہونے سے طلاق نہیں ہوگی کیونکہ مشابہت کے ساتھ طلاق بالکنایہ ہوتی ہے اور طلاق بالکنایہ میں نیت ضروری ہے، علاوہ ازیں آپ نے خود فرما دیا: "سوا اس کے کہ میں نے تم کو طلاق نہیں دی"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۵۲-۲۳۹، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۶۰۸-۶۰۳، ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۱۹۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ الْحَبَشُ يَلْعَبُونَ بِحِرَابِهِمْ فَسَتَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَنَا أَنْظُرُ فَمَا زِلْتُ أَنْظُرُ حَتّٰى كُنْتُ أَنَا أَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ تَسْمَعُ اللَّهْوَ

(صحیح البخاری:۵۲۳۶، صحیح مسلم:۸۹۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حبشی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے چھپایا اور میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی اور پھر میں مسلسل ان کی طرف دیکھتی رہی حتیٰ کہ میں از خود وہاں سے مڑ گئی، پس تم ایک کم سن لڑکی کے شوق کا اندازہ کرو جو لہو کو سنتی ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۴ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے حکم کا منسوخ ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لہو سے محبت کرتی تھیں اور لہو ولعب دیکھنے کا بہت زیادہ شوق رکھتی تھیں اور ان کو اسے دیکھنے کے لیے جب تک وہ ٹھہر سکیں ٹھہرنے کی حرص تھی اور اسے دیکھنے سے اکتاتی نہیں تھیں مگر جب بہت زیادہ دیر ہو جائے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال یا اس سے زیادہ تھی۔ اور بعض علماء نے کہا: اس حدیث کا حکم قرآن مجید اور سنت سے منسوخ ہے اور قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ (النور: ۳۶)

جن گھروں (مساجد) کے بلند کیے جانے اور ان میں اس کا نام کا ذکر کیے جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں صبح اور شام اس کی تسبیح کرتے ہیں ۝

یعنی مساجد میں صبح اور شام صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کے نام کی تسبیح ہونی چاہیے اور مساجد میں لہو ولعب نہیں ہونا چاہیے۔ اور حدیث مذکور میں مسجد میں حبشیوں کے نیزوں کے ساتھ لہو کا ذکر ہے، سو اس حدیث کا حکم اس آیت سے منسوخ ہے اور اسی طرح درج ذیل حدیث سے بھی اس حدیث کا حکم منسوخ ہے:

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے اور برے لوگوں سے اور خرید وفروخت سے اور جھگڑوں سے اور اپنی آوازیں بلند کرنے سے اور اپنی حدود کو قائم کرنے سے اور اپنی تلواروں کو سونتنے سے محفوظ رکھو اور مسجدوں کے دروازوں پر وضو کی جگہیں بناؤ اور جمعہ کے ایام میں مسجدوں میں لوبان کی دھونی دو۔ (سنن ابن ماجہ: ۷۵۰) علامہ البوصیری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی الحارث بن نبہان ہے جس کے ضعف پر اتفاق ہے۔

اور بعض علماء نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث اس وجہ سے منسوخ ہو کر کہ عورتوں کا مردوں کی طرف اور ان کے کھیل کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۵۳، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۶۰۹)

مسجد میں حبشیوں کے کھیل کی توجیہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کا کھیل دکھانے کی توجیہ

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ عید کا دن تھا اور حبشی عید کے دن مسجد میں نیزہ بازی کی مشق کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں نیزہ بازی کی مشق کی اجازت دی تھی حالانکہ مساجد کو اس لیے نہیں بنایا جاتا۔

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مساجد میں نیزہ بازی کی مشق کی اجازت دی تھی کیونکہ یہ تربیت جہاد کا ایک حصہ ہے اور جس طرح نماز عظیم عبادت ہے اسی طرح جہاد بھی عظیم عبادت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

شیخ عثیمین لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورت پر یہ واجب ہے کہ وہ مردوں سے حجاب میں رہے اور عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنا جائز ہے کیونکہ عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنا اس وقت حرام ہے جب وہ مردوں کی طرف حصول لذت اور شہوت کی وجہ سے دیکھیں، اس کے برخلاف مردوں کا عورتوں کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جب مرد عورتوں کی طرف دیکھتے ہیں تو بسا اوقات ان کے دلوں میں عورتوں کی طلب ہوتی ہے جب کہ عورتوں کے دیکھنے میں اس طرح معاملہ نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن خلق اور اپنی اہلیہ کے ساتھ حسن معاشرت کا ذکر ہے کیونکہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ موقع دیا کہ وہ حبشیوں کے کھیل کو دیکھیں اور آپ نے اس وقت تک ان کو وہاں سے نہیں ہٹایا جب تک کہ وہ از خود وہاں سے نہیں ہٹیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اندازہ کرو کہ کم عمر لڑکی کس قدر لہو کو سنتی ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کم عمر لڑکیوں کے لیے اتنی رخصت ہے جو بڑی عمر کی لڑکیوں کے لیے رخصت نہیں ہے کیونکہ کم عمر کی فطرت میں لہو ولعب ہے، پس مناسب یہ ہے کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں بلکہ ان کو قدرے کشادگی مہیا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کو نیزہ بازی کے لہو کی جو اجازت دی تھی وہ اس لیے تھی کہ ان کے دل اسلام کی طرف راغب ہوں اور یہ محض لہو ولعب کی وجہ سے اجازت نہیں تھی، سو بڑوں کا لہو ولعب حرام ہے اور کم عمر لڑکوں اور لڑکیوں کا لہو ولعب ایام عید میں جائز ہے۔ شیخ ابن تیمیہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

شیخ عبداللہ بن باز متوفی ۱۴۲۰ھ لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مردوں کی طرف عموماً دیکھنا جائز ہے اور شہوت کے ساتھ دیکھنا ممنوع ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دیکھنے کو برقرار رکھا۔

(شرح صحیح البخاری للعثیمین ج ۴ ص ۵۶۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، مصر، ۱۴۲۹ھ)

۸۴۔ بَابٌ: مَوْعِظَةِ الرَّجُلِ ابْنَتَهُ لِحَالِ زَوْجِهَا

مرد کا اپنی بیٹی کو اس کے خاوند کے حال کے متعلق نصیحت کرنا

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب کے عنوان میں موعظۃ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وعظ اور نصیحت اور انجام سے ڈرانا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۵۴)

۵۱۹۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ لَمْ أَزَلْ حَرِيصًا عَلَى أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اللَّتَيْنِ قَالَ اللهُ تَعَالَى إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا حَتَّى حَجَّ وَحَجَجْتُ مَعَهُ وَعَدَلَ وَعَدَلْتُ مَعَهُ بِإِدَاوَةٍ فَتَبَرَّزَ ثُمَّ جَاءَ فَسَكَبْتُ عَلَى يَدَيْهِ مِنْهَا فَتَوَضَّأَ فَقُلْتُ لَهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنِ الْمَرْأَتَانِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اللَّتَانِ قَالَ اللهُ تَعَالَى إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا قَالَ وَاعَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ هُمَا عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ عُمَرُ الْحَدِيثَ يَسُوقُهُ قَالَ كُنْتُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ثور نے خبر دی از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: مجھے ہمیشہ سے اس بات کی حرص تھی کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے ان دو عورتوں کے متعلق سوال کروں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں، (التحریم: ۴) حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ حج کیا اور وہ راستہ سے ایک طرف مڑ گئے اور میں بھی ان کے ساتھ پانی کا مشکیزہ لے کر مڑ گیا، پس حضرت عمر نے قضائے حاجت کی، پھر وہ آئے تو میں نے اس مشکیزہ سے ان کے

أَنَا وَجَارٌ لِي مِنَ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهُمْ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَيَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزِلُ يَوْمًا فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِمَا حَدَثَ مِنْ خَبَرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ أَوْ غَيْرِهِ وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى الْأَنْصَارِ إِذَا قَوْمٌ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ فَطَفِقَ نِسَاؤُنَا يَأْخُذْنَ مِنْ أَدَبِ نِسَاءِ الْأَنْصَارِ فَصَخِبْتُ عَلَى امْرَأَتِي فَرَاجَعَتْنِي فَأَنْكَرْتُ أَنْ تُرَاجِعَنِي قَالَتْ وَلِمَ تُنْكِرُ أَنْ أُرَاجِعَكَ فَوَاللَّهِ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ لَيُرَاجِعْنَهُ وَإِنَّ إِحْدَاهُنَّ لَتَهْجُرُهُ الْيَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ فَأَفْزَعَنِي ذَلِكَ وَقُلْتُ لَهَا قَدْ خَابَ مَنْ فَعَلَ ذَلِكِ مِنْهُنَّ ثُمَّ جَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي فَنَزَلْتُ فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَقُلْتُ لَهَا أَيْ حَفْصَةُ أَتُغَاضِبُ إِحْدَاكُنَّ النَّبِيَّ ﷺ الْيَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ قَدْ خِبْتِ وَخَسِرْتِ أَفَتَأْمَنِينَ أَنْ يَغْضَبَ اللَّهُ لِغَضَبِ رَسُولِهِ ﷺ فَتَهْلِكِي لَا تَسْتَكْثِرِي النَّبِيَّ ﷺ وَلَا تُرَاجِعِيهِ فِي شَيْءٍ وَلَا تَهْجُرِيهِ وَسَلِينِي مَا بَدَا لَكِ وَلَا يَغُرَّنَّكِ أَنْ كَانَتْ جَارَتُكِ أَوْضَأَ مِنْكِ وَأَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ عَائِشَةَ قَالَ عُمَرُ وَكُنَّا قَدْ تَحَدَّثْنَا أَنَّ غَسَّانَ تُنْعِلُ الْخَيْلَ لِغَزْوِنَا فَنَزَلَ صَاحِبِي الْأَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوْبَتِهِ فَرَجَعَ إِلَيْنَا عِشَاءً فَضَرَبَ بَابِي ضَرْبًا شَدِيدًا وَقَالَ أَثَمَّ هُوَ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ حَدَثَ الْيَوْمَ أَمْرٌ عَظِيمٌ قُلْتُ مَا هُوَ أَجَاءَ غَسَّانُ قَالَ لَا بَلْ أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ وَأَهْوَلُ طَلَّقَ النَّبِيُّ ﷺ نِسَاءَهُ وَقَالَ عُبَيْدُ بْنُ حُنَيْنٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ فَقَالَ اعْتَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ أَزْوَاجَهُ فَقُلْتُ خَابَتْ حَفْصَةُ وَخَسِرَتْ قَدْ كُنْتُ أَظُنُّ هَذَا يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ فَجَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي فَصَلَّيْتُ صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ

ہاتھوں پر پانی ڈالا، پس حضرت عمر نے وضو کیا، پھر میں نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! نبی ﷺ کی ازواج میں سے وہ کون سی دو عورتیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔ (التحریم: ۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن عباس! تم پر تعجب ہے وہ دو عورتیں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شروع سے یہ واقعہ بیان کرنے لگے، انہوں نے بتایا: میں تھا اور ایک میرا پڑوسی تھا جو انصار کے ایک قبیلہ بنو امیہ بن زید سے تھا اور یہ لوگ مدینہ منورہ کے بالائی علاقہ میں رہتے تھے اور ہم باری باری نبی ﷺ کے پاس جاتے تھے، ایک دن وہ جاتا تھا اور ایک دن میں جاتا تھا، پس جب میں جاتا تو میں اس کے پاس اس دن کی خبریں لے کر آتا کہ اس دن کیا وحی نازل ہوئی ہے اور کیا احکام بتائے گئے ہیں اور جب وہ جاتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا تھا اور ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، پھر جب ہم انصار کے پاس آئے اور وہ ایسے لوگ تھے جن پر ان کی عورتیں غالب رہتی تھیں، پس ہماری عورتوں نے بھی انصار کی عورتوں کے طریقہ گفتگو کو اپنا لیا، پھر ایک دن میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا تھا تو اس نے میری کسی بات کا پلٹ کر جواب دیا، مجھے بہت ناگوار گزرا کہ وہ مجھے پلٹ کر جواب دے رہی ہے۔ اس نے کہا: میرا جواب دینا تمہیں کیوں ناگوار گزر رہا ہے، پس اللہ کی قسم! بے شک نبی ﷺ کی ازواج بھی آپ کو پلٹ کر جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک زوجہ نبی ﷺ کو پورے دن چھوڑے رکھتی ہے حتیٰ کہ رات تک، پس اس خبر نے مجھ کو ڈرا دیا اور میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ ازواج مطہرات میں سے جس نے بھی ایسا کیا وہ ناکام اور نامراد ہو گی، پھر میں نے اپنے کپڑے اکٹھے کیے پس میں اس بالائی علاقہ سے اترا اور حفصہ کے پاس گیا، میں نے اس سے کہا: اے حفصہ! کیا تم میں سے کوئی ایک نبی ﷺ سے سارا دن ناراض رہتی ہے حتیٰ کہ رات تک؟ حفصہ نے کہا: جی ہاں! میں نے

فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَشْرُبَةً لَهُ فَاعْتَزَلَ فِيهَا وَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَإِذَا هِيَ تَبْكِي فَقُلْتُ مَا يُبْكِيكِ أَلَمْ أَكُنْ حَذَّرْتُكِ هَذَا أَطَلَّقَكُنَّ النَّبِيُّ ﷺ قَالَتْ لَا أَدْرِي هَا هُوَ ذَا مُعْتَزِلٌ فِي الْمَشْرُبَةِ فَخَرَجْتُ فَجِئْتُ إِلَى الْمِنْبَرِ فَإِذَا حَوْلَهُ رَهْطٌ يَبْكِي بَعْضُهُمْ فَجَلَسْتُ مَعَهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ فَجِئْتُ الْمَشْرُبَةَ الَّتِي فِيهَا النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ لِغُلَامٍ لَهُ أَسْوَدَ اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ فَدَخَلَ الْغُلَامُ فَكَلَّمَ النَّبِيَّ ﷺ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ كَلَّمْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَذَكَرْتُكَ لَهُ فَصَمَتَ فَانْصَرَفْتُ حَتَّى جَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِينَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ فَجِئْتُ فَقُلْتُ لِلْغُلَامِ اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ فَدَخَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ قَدْ ذَكَرْتُكَ لَهُ فَصَمَتَ فَرَجَعْتُ فَجَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِينَ عِنْدَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَجِدُ فَجِئْتُ الْغُلَامَ فَقُلْتُ اسْتَأْذِنْ لِعُمَرَ فَدَخَلَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيَّ فَقَالَ قَدْ ذَكَرْتُكَ لَهُ فَصَمَتَ فَلَمَّا وَلَّيْتُ مُنْصَرِفًا قَالَ إِذَا الْغُلَامُ يَدْعُونِي فَقَالَ قَدْ أَذِنَ لَكَ النَّبِيُّ ﷺ فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى رِمَالِ حَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ أَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهِ مُتَّكِئًا عَلَى وِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ فَرَفَعَ إِلَيَّ بَصَرَهُ فَقَالَ لَا فَقُلْتُ اللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ قُلْتُ وَأَنَا قَائِمٌ أَسْتَأْنِسُ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ رَأَيْتَنِي وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ إِذَا قَوْمٌ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ رَأَيْتَنِي وَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَقُلْتُ لَهَا لَا يَغُرَّنَّكِ أَنْ كَانَتْ جَارَتُكِ أَوْضَأَ مِنْكِ وَأَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ عَائِشَةَ فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ تَبَسُّمَةً أُخْرَى

نے کہا: پھر تو تم نامراد اور نقصان زدہ ہوگئی، کیا تم اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے رسول ﷺ کے غضب سے بے خوف ہوگئی ہو؟ (اگر ایسا ہے تو) تم ہلاک ہو جاؤ گی، تم نبی ﷺ سے زیادہ چیزیں نہ طلب کرو نہ آپ کی کسی بات کا جواب دو اور نہ آپ کو چھوڑے رکھو، تم کو جو چیز چاہیے اس کا مجھ سے سوال کرو اور تم کو یہ چیز دھوکہ نے میں نہ ڈالے کہ تمہاری سوکن تم سے زیادہ خوب صورت ہیں اور نبی ﷺ کو زیادہ محبوب ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر نے یہ بیان کیا کہ ہم آپس میں یہ باتیں کرتے تھے کہ بادشاہ غسان ہم سے جنگ کرنے کے لیے اپنے گھوڑوں کو نعل پہنا رہا ہے، پھر ایک دن میرا انصاری ساتھی اپنی باری کے دن گیا، پھر ہمارے پاس عشاء کے وقت لوٹا اور اس نے بہت زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس نے کہا: کیا وہ یہاں پر ہے؟ پس میں گھبرا گیا اور اس کی طرف باہر نکلا، اس نے کہا: میں آج تمہارے پاس بہت سنگین خبر لے کر آیا ہوں، میں نے پوچھا: وہ کیا خبر ہے؟ کیا غسان آ گیا ہے؟ میرے ساتھی نے کہا: نہیں بلکہ اس سے زیادہ سنگین اور ہولناک خبر ہے، نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے، اور عبید بن حنین نے کہا: انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (میرے ساتھی نے) کہا: نبی ﷺ اپنی ازواج الگ ہو گئے تو میں نے کہا: حفصہ ناکام اور مراد ہوگئی، مجھے اس بات کا (پہلے سے) گمان تھا کہ یہ بات ہونے والی ہے، پھر میں نے اپنے کپڑے اکٹھے کیے میں نے فجر کی نماز نبی ﷺ کے ساتھ ادا کی، پس نبی ﷺ اپنے مچان (بالاخانہ) میں داخل ہو گئے، سو آپ اس میں (ازواج) سے الگ رہ رہے تھے اور میں حفصہ کے پاس چلا گیا، سو وہ اس وقت رو رہی تھی، میں نے پوچھا: تمہیں کیا چیز رلا رہی ہے؟ کیا میں نے تم کو اس بات سے نہیں ڈرایا تھا؟ کیا تم سب کو نبی ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ حفصہ نے کہا: میں نہیں جانتی، آپ وہاں مچان میں الگ رہ رہے ہیں، پس میں وہاں سے نکلا،

فَجَلَسْتُ حِينَ رَأَيْتُهُ تَبَسَّمَ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فِي بَيْتِهِ فَوَاللهِ مَا رَأَيْتُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا يَرُدُّ الْبَصَرَ غَيْرَ أَهَبَةٍ ثَلَاثَةٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلَى أُمَّتِكَ فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّومَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَأُعْطُوا الدُّنْيَا وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللهَ فَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ أَوَفِي هَذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنَّ أُولَئِكَ قَوْمٌ عُجِّلُوا طَيِّبَاتِهِمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ اسْتَغْفِرْ لِي فَاعْتَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ نِسَائَهُ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ الْحَدِيثِ حِينَ أَفْشَتْهُ حَفْصَةُ إِلَى عَائِشَةَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَكَانَ قَالَ مَا أَنَا بِدَاخِلٍ عَلَيْهِنَّ شَهْرًا مِنْ شِدَّةِ مَوْجِدَتِهِ عَلَيْهِنَّ حِينَ عَاتَبَهُ اللهُ فَلَمَّا مَضَتْ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ لَيْلَةً دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ فَبَدَأَ بِهَا فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ كُنْتَ قَدْ أَقْسَمْتَ أَنْ لَا تَدْخُلَ عَلَيْنَا شَهْرًا وَإِنَّمَا أَصْبَحْتَ مِنْ تِسْعٍ وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَعُدُّهَا عَدًّا فَقَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ لَيْلَةً فَكَانَ ذَلِكَ الشَّهْرُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً قَالَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى آيَةَ التَّخَيُّرِ فَبَدَأَ بِي أَوَّلَ امْرَأَةٍ مِنْ نِسَائِهِ فَاخْتَرْتُهُ ثُمَّ خَيَّرَ نِسَائَهُ كُلَّهُنَّ فَقُلْنَ مِثْلَ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ۔

(صحیح البخاری: ۵۲۱۸۔ ۵۸۴۳، ۷۲۵۶، ۷۲۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۷۹، سنن ابو داؤد: ۵۲۰۱، سنن ترمذی: ۲۶۹۱، ۳۳۱۸، سنن نسائی: ۲۱۳۰، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۳، صحیح ابن خزیمہ: ۱۹۲۱، ۲۱۷۸، الادب المفرد: ۸۳۵، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳، مسند احمد: ۲۲۲، سنن دارمی: ۲۶۲۹)

پھر میں منبر کی طرف آیا، سو وہاں صحابہ کی ایک جماعت تھی جن میں سے بعض رو رہے تھے، پس میں تھوڑی دیر ان کے ساتھ بیٹھا پھر میرے دل کی کیفیت مجھ پر غالب آئی، پس میں اس مچان کے پاس گیا جس میں نبی ﷺ تشریف فرما تھے، میں نے ایک سیاہ فام لڑکے سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو، سو وہ لڑکا مچان میں داخل ہوا، پس اس نے نبی ﷺ سے کچھ بات کی، پھر لوٹ آیا، اس نے بتایا کہ میں نے نبی ﷺ سے بات کی اور آپ کا ذکر کیا تو آپ خاموش رہے، پس میں واپس آ گیا حتیٰ کہ میں ان صحابہ کے ساتھ بیٹھ گیا جو منبر کے پاس تھے، پھر میرے دل کی کیفیت مجھ پر غالب آئی، پس میں آیا، پھر میں نے اس سیاہ فام لڑکے سے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو، پس وہ لڑکا مچان میں داخل ہوا، پھر لوٹ آیا تو اس نے بتایا: میں نے نبی ﷺ سے آپ کا ذکر کیا تو آپ خاموش رہے، میں پھر لوٹ آیا اور میں ان صحابہ کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا جو منبر کے پاس تھے، پھر میری دلی کیفیت مجھ پر غالب آئی تو میں اس لڑکے کے پاس آیا تو میں نے کہا: عمر کے لیے اجازت طلب کرو، پس وہ لڑکا مچان میں داخل ہوا، پھر میرے پاس لوٹ آیا، پس اس نے بتایا کہ میں نے نبی ﷺ سے آپ کا ذکر کیا تھا تو آپ خاموش ہو گئے، پھر جب میں پیٹھ موڑ کر واپس جا رہا تھا تو اچانک وہ لڑکا مجھے بلا رہا تھا، پس اس نے کہا: آپ کے لیے نبی ﷺ نے اجازت دے دی ہے، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس داخل ہوا، اس وقت آپ ایک بنی ہوئی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہیں تھا اور چٹائی کی بنائی آپ کے پہلو میں نقش ہو گئی تھی، آپ چمڑے کے ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، میں نے آپ کو سلام کیا، پھر میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے، آپ نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا، پھر فرمایا کہ نہیں، پس میں نے کہا: اللہ اکبر، پھر میں نے کھڑے کھڑے رسول اللہ ﷺ کا انس طلب کرنے کے لیے

عرض کیا: یارسول اللہ! کاش! آپ مجھے دیکھتے ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، پھر جب ہم مدینہ منورہ میں آگئے تو یہاں کے لوگوں پر ان کی عورتیں غالب رہتی تھیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش! آپ مجھے دیکھتے جب میں حفصہ کے پاس گیا، میں نے اس سے کہا: تم کو یہ چیز دھوکہ میں نہ رکھے کہ بے شک تمہاری سوکن تم سے زیادہ خوب صورت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے، ان کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ مسکرائے، جب میں نے آپ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو پھر میں بیٹھ گیا اور میں نے نظر اٹھا کر گھر میں دیکھا، پس اللہ کی قسم! میں نے آپ کے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو میری نظر کو لوٹاتی سوائے تین کچی کھالوں کے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر کشادگی کر دے کیونکہ فارس اور روم پر بہت کشادگی کی گئی ہے اور ان کو دنیا عطا کی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا اے ابن الخطاب! کیا تم ایسے سوچتے ہو؟ بے شک یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی عمدہ چیزیں عجلت سے دنیا کی زندگی میں دے دی گئی ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں پس، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے اس بات کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے تھے جب حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو افشاء کر دیا تھا، آپ انتیس (۲۹) راتیں ازواج مطہرات سے علیحدہ رہے، آپ نے یہ فرمایا تھا کہ میں ایک مہینہ تک ان کے پاس نہیں آؤں گا کیونکہ آپ کو ازواج مطہرات سے شدید رنج پہنچا تھا جب اللہ عزوجل نے آپ پر عتاب فرمایا تھا، پس جب انتیس (۲۹) راتیں گزر گئیں تو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، سو ان سے ابتداء کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ہمارے پاس ایک مہینہ تک نہیں آئیں گے اور آپ تو صرف

انتیس (۲۹) راتوں کے بعد آ گئے ہیں اور میں تو ایک ایک رات گن رہی تھی، آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس (۲۹) راتوں کا بھی ہوتا ہے اور وہ مہینہ انتیس (۲۹) راتوں کا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر اللہ نے آیت تخییر نازل فرمائی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے مجھ سے ابتداء کی تو میں نے آپ کو اختیار کر لیا، پھر آپ نے تمام ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

بیوی کو مارنے کی ممانعت اور اس کے متعلق احادیث

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری نے کہا ہے: اس حدیث میں اس پر واضح دلیل ہے کہ مرد کے لیے زیادہ مناسب اور بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کی ایذاء رسانی پر صبر کرے اور چشم پوشی کرے اور اس کی ناگوار باتوں سے درگزر کرے بہ شرطیکہ اس کی یہ ایذاء رسانی مرد کی ذات سے متعلق ہو نہ کہ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہو اور یہ منقول نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی ایذاء رسانی پر انہیں کوئی سزا دی ہو بلکہ منقول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے ان کو نصیحت کی تھی نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم ہے اور امت کو بھی چاہیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوۃ اور نمونہ پر عمل کرے۔

(تہذیب الآثار للطبری، مسند عمر بن الخطاب ج ۱ ص ۴۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی اہلیہ کے لیے بہترین ہو اور میں اپنی اہلیہ کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں''۔

(سنن ترمذی: ۳۸۹۵، سنن دارمی: ۲۲۰۶، تہذیب الآثار للطبری: ۶۷۹، صحیح ابن حبان: ۴۱۷۷، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۳۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۸، شعب الایمان: ۸۷۱۸، ۱۱۰۱۴، مسند البزار (کشف الاستار) ۱۴۷۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۱۴۵)

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص کیوں اپنی بیوی کو اس طرح کوڑے مارنے کا ارادہ کرتا ہے جس طرح غلام کو کوڑے مارے جاتے ہیں اور شاید وہ اسی دن اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرے گا۔

(صحیح البخاری: ۴۹۴۲، ۵۲۰۴، ۶۰۴۲، صحیح مسلم: ۲۸۵۵، مسند احمد ج ۴ ص ۱۷)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی بیوی کے معاملہ میں تخفیف کرو اور اس کے اوپر اپنی لاٹھی کو نہ اٹھاؤ''۔

(تہذیب الآثار للطبری: ۶۸۵، کتاب الدعآء للطبرانی: ۱۶۴۹، الارواء: ۲۰۲۶)

بیوی کو مارنے کے ثبوت کے متعلق بعض تابعین کے آثار

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا: ان احادیث سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں اور افضل یہ ہے کہ اپنی بیوی کی ناگوار باتوں پر صبر کیا جائے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح کا

عمل ثابت ہے، اور دوسرے علماء نے کہا: یہ احادیث صحیح ہیں اور ان کے معنی میں اختلاف ہے، پس بعض نے کہا: جب مرد اپنی بیوی کی کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے اور جس چیز میں اس کی اطاعت واجب ہے اس میں اس کی اطاعت نہ کرے تو وہ اپنی بیوی کو مارے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور فقہاء تابعین اسی طرح کرتے تھے۔

جریر نے ام موسیٰ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیٹی عبد اللہ بن ابی سفیان بن الحارث بن عبد المطلب کے نکاح میں تھیں، بسا اوقات وہ ان کو مارتے تھے تو وہ حضرت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر شکایت کرتی تھیں اس حال میں ان کی ریشمی قمیص مار کے اثر سے ان کے جسم کے ساتھ چپکی ہوئی ہوتی تھی تو حضرت حسن بن علی نے انہیں قسم دے کر کہا کہ تم ضرور اپنے خاوند کے گھر جاؤ۔

ابو اسامہ نے از ہشام بن عروہ از فاطمہ بنت المنذر از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں الزبیر کے نکاح میں چوتھی بیوی تھی، پس جب وہ ہم میں سے کسی ایک پر ناراض ہوتے تو کھونٹی سے لاٹھی اتار کر اتنا مارتے کہ لاٹھی ٹوٹ جاتی۔

شعبہ نے از عمارہ روایت کی ہے کہ میں ابومجلز کے پاس گیا۔ ان کے اور ان کی بیوی کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تو انہوں نے لاٹھی اٹھائی اور آدھی پور کے برابر اپنی بیوی کا سر پھاڑ دیا۔

بیوی، نوکر اور کم عمر اولاد کو بغیر جرم کے مارنے کی ممانعت

دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ خاوند کے لیے صرف یہ جائز ہے کہ اگر وہ بیوی کی کسی بات سے ناراض ہو تو اس کو اپنے بستر پر نہ سلائے اور خاوند کے لیے بیوی کو مارنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ اس پر حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر جرم کے مومنین اور مومنات کو مارنے سے منع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ (الاحزاب: ۵۸)	اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بغیر خطا یا جرم کے ایذاء پہنچاتے ہیں تو بے شک انہوں نے بہتان کا اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا O

خواہ کسی عورت کو مارا جائے اور مارنے والا اس کا خاوند ہو یا نوکر کو مارا جائے اور مارنے والا اس کا مالک ہو یا کم عمر ہو اور مارنے والا اس کا والد ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے ان کی بہتری کے لیے مارنے کی اجازت دی ہے۔

حدیث مذکور سے مستنبط فقہی مسائل اور نکات لطیفہ

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کو یہ نصیحت کرنے کے لیے گئے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ رہیں، وہ سواری میں سوار ہو کر مدینے پہنچے، پھر چل کر ان کے گھر گئے، اس میں یہ دلیل ہے کہ بیٹی کی خیر خواہی اور بھلائی کے لیے مال کو خرچ کرنا جائز ہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ سمجھایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پلٹ کر جواب نہ دیا کریں، اس سے معلوم ہوا کہ خاوند سے زبان درازی کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ عالم سے اس کے بعض نجی معاملات کے متعلق سوال کرنا جائز ہے۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیاہ فام لڑکے سے کہا: جاؤ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ عمر حاضر ہونا چاہتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ

سلطان اور سربراہ ملک کے لیے اپنے گھر پر دربار کو رکھنا جائز ہے اور اس حدیث سے پرسنل سیکرٹری رکھنے کا جواز بھی نکلتا ہے۔

(۵) بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر کوئی دربان نہیں تھا، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ گھر کے باہر مچان کی سیڑھیوں پر سیاہ فام لڑکا بہ طور دربان بیٹھا ہوا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ جن اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلتے تھے ان اوقات میں کوئی دربان نہیں تھا اور جن اوقات میں آپ تخلیہ فرماتے تھے ان اوقات میں دربان رکھا ہوا تھا۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک مچان میں رہے اور گھر کے اندر نہیں گئے، اس سے معلوم ہوا کہ عالم اور سلطان کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی وقت یا چند دن تخلیہ میں رہے حتیٰ کہ اپنے قریبی گھر والوں کے پاس بھی نہ جائے۔

(۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربان کے ذریعہ تین مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے سکوت فرمایا، اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب معلوم کرنا چاہتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کی بیٹی سے ناراضگی ہو تو اس شخص کے سامنے اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے اس کی دل آزاری ہوگی، اور بعض اوقات سکوت کرنا کلام کرنے سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

(۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کوئی زیب و زینت، آرام اور آسائش کا سامان نہیں تھا، اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کے انعامات کے حصول کے لیے دنیا کے عیش و آرام کو ترک کرنا افضل ہے اور دنیا کی تنگی پر صبر کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، تاہم اگر انسان دنیا کی نعمتوں کو حاصل کرے اور ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے تو اس میں بھی فضیلت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں تنگی کے ساتھ وقت گزارا اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہوئے آپ ان نعمتوں سے بھی بہرہ اندوز ہوئے۔

(۹) اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر اور ان کا پڑوسی باری باری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ایک دن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کا علم حاصل کرتے اور ایک دن اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کام دھندے پر چلے جاتے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو دین اور دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہیے۔

(۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے تب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو بیویوں کے متعلق دریافت کیا جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت نہیں کی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ قضائے حاجت کے اوقات میں بھی عالم دین سے دینی مسائل کو دریافت کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اگرچہ قرآن کا بہت زیادہ علم رکھتے تھے اس کے باوجود انہوں نے یہ مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، اس سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کو سب سے زیادہ قرآن اور سنت کا علم تھا۔

(۱۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ وہ ایک ماہ ازواج مطہرات کے پاس نہیں جائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بیوی کی کوئی بات ناگوار ہو تو کچھ عرصہ کے لیے اس سے مقاطعہ کرنا جائز ہے۔

(۱۲) ایلاء شرعی یہ ہے کہ خاوند قسم کھائے کہ وہ چار ماہ تک بیوی سے جماع نہیں کرے گا، اگر وہ چار ماہ تک بیوی کے پاس نہیں گیا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور اس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی، اور اگر اس نے چار ماہ سے پہلے بیوی سے صحبت کر لی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس کو قسم کا کفارہ دینا ہوگا، اور اگر اس نے چار ماہ سے کم بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ ایلاء لغوی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلاء لغوی تھا۔

(۱۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتیس (۲۹) دن کے بعد گھر آ گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ابھی تو انتیس دن گزرے ہیں اور آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہ تھیں اور وہ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ آپ کی قسم ٹوٹ جائے۔

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں تو ایک ایک رات گن گن کر گزار رہی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت شدید محبت کرتی تھیں اور وہ بے چینی سے ایک ماہ پورا ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔

(۱۵) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو آپ کے پاس رہیں اور وہ چاہیں تو انہیں مال و دولت کی کثرت دے دی جائے تو انہوں نے مال و دولت کی کثرت کو ترک کر کے تنگ دستی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو اختیار کیا اور باقی ازواج مطہرات نے بھی ایسا ہی کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت شدید محبت رکھتی تھیں اور چونکہ اس اختیار میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہل کی تھی تو اس سے ازواج مطہرات کے درمیان ان کی افضیلت کا علم ہوتا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۵۵۔۲۵۱، ملخصا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۵۔ بَابٌ: صَوْمِ الْمَرْأَةِ بِإِذْنِ زَوْجِهَا تَطَوُّعًا

خاوند کی اجازت کے بغیر عورت کا نفلی روزہ رکھنا

۵۱۹۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَا تَصُومُ الْمَرْأَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ (صحیح البخاری: ۵۱۹۵۔۵۳۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۴۵۸، مسند احمد: ۸۱۹۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ”کوئی عورت اس دن روزہ نہ رکھے جس دن اس کا شوہر موجود ہو البتہ اس کی اجازت سے روزہ رکھ سکتی ہے“۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۶۶ میں گزر چکی ہے۔

خاوند کی اجازت کے بغیر نفل روزہ کا مکروہ تنزیہی ہونا اور نفلی روزہ کو توڑنے سے قضاء کے وجوب میں اختلاف فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنے سے جو منع فرمایا ہے اس سے مراد نفلی روزہ ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ خاوند کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بیوی کو اس کے فرائض لازمہ کی ادائیگی سے منع کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزے سے منع فرمایا ہے، یہ ممانعت تنزیہہ کے لیے ہے اور شوہر اور بیوی کے درمیان حسن معاشرت کے لیے ہے اور اس میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی یہ دلیل ہے کہ اگر کسی نے عمداً نفلی روزہ کو توڑ دیا تو اس پر اس کی قضاء واجب ہے کیونکہ اگر نفلی روزہ کو توڑنا مباح ہوتا تو بیوی کو نفلی روزہ رکھنے کے لیے خاوند کی اجازت کی ضرورت نہ ہوتی اور امام شافعی اور امام احمد یہ کہتے ہیں کہ نفلی روزہ کو توڑنے سے قضاء واجب نہیں ہوتی۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نفلی عبادات ادا کرنے کی بہ نسبت خاوند کے حقوق کو ادا کرنا زیادہ مؤکد ہے۔ (شرح ابن بطال علی

صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۶۔ بَابُ: إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ مُهَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا

جب بیوی اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارے

۵۱۹۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ أَنْ تَجِيءَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ۔

(صحیح البخاری: ۵۱۹۴، صحیح مسلم: ۱۴۳۶، سنن ابوداؤد: ۲۱۴۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از شعبہ از سلیمان از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ''جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۳۷ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۹۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ مُهَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تَرْجِعَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از زرارہ از حضرت ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب بیوی اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ (خاوند کے پاس) لوٹ آئے۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اس کی ناراضگی کا سبب ہونا اور مصداق لعنت ہونا، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا فرشتوں کی دعا کا سبب ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے بدن اور مال میں اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں ان کو پورا کرنا واجب ہے اور ان حقوق کو پورا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے، نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان کوئی ناجائز کام کرے اس پر لعنت کرنا جائز ہے تاہم اس کو لعنت کرنے کی بجائے اس کے لیے ہدایت اور توفیق توبہ کی دعا کی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مومن جب تک کسی گناہ میں مشغول رہتا ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول ہوتا ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۷۔ بَابُ: لَا تَأْذَنِ الْمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا لِأَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ

عورت اپنے خاوند کے گھر میں کسی کو خاوند کی اجازت کے بغیر آنے نہ دے

۵۱۹۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان

الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلَا تَأْذَنَ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَمَا أَنْفَقَتْ مِنْ نَفَقَةٍ عَنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَإِنَّهُ يُؤَدِّى إِلَيْهِ شَطْرُهُ وَرَوَاهُ أَبُو الزِّنَادِ أَيْضًا عَنْ مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي الصَّوْمِ۔

(صحیح البخاری: ۵۳۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۲۶، سنن ابو داؤد: ۱۶۸۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۶)

کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسی عورت کا خاوند موجود ہو تو اس کی اجازت کے بغیر اس کا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اور وہ اپنے خاوند کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کو آنے کی اجازت نہ دے اور اس نے اس کی اجازت کے بغیر جو خرچ کیا تو اس (صدقہ) کا نصف اجر اس کے خاوند کو دیا جائے گا۔ اور اس حدیث کی ابوالزناد نے بھی از موسیٰ از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روزہ کے متعلق روایت کی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۰۶۶ میں گزر چکی ہے۔

خاوند کی کمائی سے بیوی کے خرچ کرنے کے جواز کے متعلق دیگر احادیث

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر میں کسی کو اس کی اجازت کے بغیر آنے نہ دے'' یعنی جس کے آنے کو اس کا خاوند ناپسند کرتا ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو کیونکہ یہ بدگمانی کا باعث ہے اور یہ غیرت اور حمیت کا موجب ہے جو قطع رحم کا سبب ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''عورت مرد کی کمائی سے اس کی اجازت کے بغیر جو صدقہ کرتی ہے اس کا آدھا اجر اس کے خاوند کو ملتا ہے''۔

اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب عورت اپنے خاوند کی کمائی سے اس کے حکم کے بغیر خرچ کرے تو اس کا نصف اجر اس کے خاوند کو ملتا ہے''۔ (صحیح البخاری: ۲۰۶۶) اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو خیر پر رہنمائی کرے وہ خیر کے فاعل کی مثل ہے''۔ (سنن ترمذی: ۲۶۷۰) اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''خازن کے لیے بھی خرچ کرنے پر اجر ہے اور بیوی کے لیے بھی خرچ کرنے پر اجر ہے''۔

(صحیح البخاری: ۱۴۲۵) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۸۔ بَابٌ: باب

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس باب کا کوئی عنوان قائم نہیں کیا اور یہ باب ابواب سابقہ کے لیے بہ منزلہ فصل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۶۴)

۵۱۹۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ أَخْبَرَنَا التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قُمْتُ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةَ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِينَ وَأَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوسُونَ غَيْرَ أَنَّ أَصْحَابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں التیمی نے خبر دی از ابی عثمان از حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ''میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو جنت میں داخل ہونے والے بالعموم مساکین تھے اور محنت کرنے

بَابِ النَّارِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ۔
(صحیح البخاری: ۶۵۴۷، صحیح مسلم: ۲۷۳۶، مسند احمد: ۲۱۸۸۴)

والے لوگوں کو روکا ہوا تھا اس کے سوا کہ اصحاب نار کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا اور میں دوزخ کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو اس میں بالعموم داخل ہونے والی عورتیں تھیں''۔

فقیر کی غنی پر فضیلت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جنت میں دخول کا سب سے قریب سبب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے توکل کرنا ہے اور جنت سے دور رہنے کا سبب مال وغیرہ سے تکبر کرنا ہے اور محنت کرنے والے لوگوں کو جنت میں دخول سے اس لیے روکا جائے گا کہ ان کے اموال میں فقراء کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق واجب تھے وہ ان کو ادا نہیں کرتے تھے اس لیے ان کو حساب کے لیے روک لیا گیا اور جن لوگوں نے اپنے اموال میں سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کر دیا تو ان کو جنت کے دخول سے نہیں روکا جائے گا اور اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ فقیر کو غنی پر فضیلت حاصل ہے۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

فقیر صابر اور غنی شاکر کے درمیان مصنف کا محاکمہ

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیر کو غنی پر فضیلت ہے کیونکہ فقیر مال نہ ملنے پر صبر کرتا ہے اور غنی مال ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور صبر کا اجر بہت زیادہ ہے، قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۝ (الزمر: ۱۰)

صرف صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا O

اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فقراء آئے، انہوں نے کہا: مال دار لوگ تو بڑے بڑے درجات اور دائمی جنت کو لے گئے، وہ ہماری طرح نمازیں پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور ان کو مال کی فضیلت حاصل ہے وہ اس مال سے حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو ایسے عمل کی خبر نہ دوں کہ اگر تم نے وہ عمل کیا تو تم سابقین کے درجات کو پالو گے اور کوئی اور اس درجہ کو نہیں پا سکے گا سوا اس کے جو تمہاری طرح عمل کرے تم سبحان اللہ کہو اور تم الحمد للہ کہو اور اللہ اکبر کہو ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ۔ (صحیح البخاری: ۸۴۳)

امام مسلم کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے: ابو صالح نے کہا: فقراء مہاجرین دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: ہمارے مال دار بھائیوں نے اس حدیث کو سنا تو وہ بھی نماز کے بعد یہ تسبیحات پڑھنے لگے (یعنی ان کا اجر پھر زیادہ ہو گیا)، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا کرتا ہے''۔ (صحیح مسلم: ۵۹۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال داروں کو فقراء پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ مال کی وجہ سے حج، عمرہ، جہاد اور صدقات کرتے ہیں جو فقراء نہیں کر سکتے۔

بعض عارفین نے کہا: فقیر کا صبر کرنا کوئی باعث کمال نہیں کیونکہ وہ صبر نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا اور غنی کا شکر ادا کرنا بھی کوئی باعث حیرت نہیں کیونکہ جس کے پاس مال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا، کمال اس کا ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور وہ پھر

بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، سو نہ فقیر صابر افضل ہے نہ غنی شاکر افضل ہے بلکہ افضل تو فقیر شاکر ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۸۹- بَابُ: كُفْرَانِ الْعَشِيرِ وَهُوَ الزَّوْجُ وَهُوَ الْخَلِيطُ مِنَ الْمُعَاشَرَةِ

عشیر کی نافرمانی اور اس سے مراد خاوند ہے اور عشیر اس کو کہتے ہیں جو معاشرت میں شریک ہو

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت اپنے خاوند کا کفر کرے تو اس کا کیا حکم ہے اور اس باب میں کفر سے مراد شکر کی ضد ہے یعنی نعمت اور احسان کا انکار کرنا اور اس کا شکر ادا نہ کرنا اور اس سے مراد وہ کفر نہیں ہے جس کی وجہ سے بندہ اصل ایمان سے نکل جاتا ہے اور کفران کا لفظ کفر کا مصدر ہے۔

عشیر سے مراد ہے: خاوند۔ العشیر کا لفظ فعیل کے وزن پر ہے، اس کا معنی ہے: معاشر یعنی جو معاشرت میں شریک ہو اور ساتھی ہو اور خاوند خلیط ہوتا ہے کیونکہ خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاط ہوتا ہے اور عنوان میں جو معاشرت کا ذکر ہے اس سے مراد ہے: مصاحبت۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۶۵)

فِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

اور اس معنی میں حضرت ابوسعید بن مالک الخدری کی نبی ﷺ سے روایت ہے۔

امام بخاری کی تعلیق مذکور کی حدیث میں مصنف کا تتبع

میں کہتا ہوں کہ: امام بخاری نے اس تعلیق سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی کس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، میں نے یہ جاننے کے لیے صحیح بخاری کی دستیاب تمام شروح میں اس کو تلاش کیا لیکن علامہ ابن بطال، علامہ ابن ملقن، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، علامہ الکورانی اور شیخ عثیمین نے اس کی تعلیق کی شرح میں کچھ نہیں لکھا، میں نے سوچا کہ آخر میری شرح میں تو اس حدیث کی نشاندہی ہونی چاہیے، پھر اچانک میرے ذہن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علام الغیوب کی طرف متوجہ کیا اور علام الغیوب نے فیض آفرینی کی اور جیسے میرے ذہن میں چراغ روشن ہوئے اور اس کی روشنی میں مجھے یہ حدیث مل گئی جس کی طرف امام بخاری نے اس تعلیق میں اشارہ کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ میں یا عید الفطر میں عیدگاہ کی طرف گئے، سو آپ عورتوں کے پاس سے گزرے، پس آپ نے فرمایا: ''اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ تم میں سے اکثر اہل دوزخ ہیں، عورتوں نے پوچھا: یارسول اللہ! کس سبب سے؟ آپ نے فرمایا: تم لعنت بہت کرتی ہو اور تم خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے کسی ناقص عقل اور ناقص دین کو نہیں دیکھا جو تم سے زیادہ کسی ہوشیار مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ہو، انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! ہمارے دین کا کیا نقصان ہے اور ہماری عقل کا کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کا نصف ہے۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ ان کی عقل کا نقصان ہے (اور) کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے، انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ ان کے دین کا نقصان ہے''۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴، ۱۴۶۲، ۱۹۵۱، ۲۶۵۸، صحیح مسلم: ۸۰، ۷۹، سنن ابوداؤد: ۱۲۸۸، سنن نسائی: ۱۵۷۸، ۱۵۷۵، مسند احمد: ۵۴۴۳)

٥١٩٧- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ مَعَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَاذْكُرُوا اللهَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ هَذَا ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ أَوْ أُرِيتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ قَالُوا لِمَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيلَ يَكْفُرْنَ بِاللهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔

(صحیح مسلم: ۹۰۷، سنن نسائی: ۱۴۹۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے اس میں بہت طویل قیام کیا جو تقریباً سورۃ البقرہ (کی تلاوت) کے برابر تھا، پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا، پس آپ نے بہت طویل قیام کیا اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے سجدہ کیا، پھر آپ نے قیام کیا پس بہت طویل قیام کیا اور یہ پہلے قیام سے کم تھا، پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا اور یہ پہلے رکوع سے کم تھا، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا پھر آپ نے طویل قیام کیا، پھر سجدہ کیا، پھر آپ (لوگوں کی طرف) مڑ گئے اور اس وقت سورج کھل چکا تھا (یعنی روشن ہو چکا تھا) پس آپ نے فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے اور نہ کسی کی حیات کی وجہ سے، پس جب تم یہ (گہن) دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جگہ سے کسی چیز کو پکڑا ہے، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے، آپ نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا یا فرمایا: مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے اس میں سے ایک خوشہ کو پکڑا اور اگر میں اس کو لے لیتا تو تم اس سے اس وقت تک کھاتے رہتے جب تک یہ دنیا باقی ہے اور میں نے دوزخ کو دیکھا، پس میں نے آج کی مثل کبھی کوئی منظر نہیں دیکھا اور میں نے دیکھا کہ دوزخ میں اکثر عورتیں ہیں۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس سبب سے؟ آپ نے فرمایا: ان کے کفر کے سبب سے، پوچھا گیا: کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ خاوند کا کفر کرتی ہیں اور اس کی نیکی کا انکار کرتی ہیں اور اگر تم ان کے ساتھ قیامت تک بھی نیکی کرتے رہو، پھر وہ تم

سے تھوڑی سی کمی دیکھیں تو کہیں گی میں نے تم سے کبھی کوئی اچھائی نہیں دیکھی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۹۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ تَابَعَهُ أَيُّوبُ وَسَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۱، ۶۴۴۹، ۶۵۴۶، صحیح مسلم: ۲۷۳۸، سنن ترمذی: ۲۶۰۳، مسند احمد: ۳۳۸۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن الہیثم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از ابی رجآء از حضرت عمران رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: ''میں جنت پر مطلع ہوا تو میں نے دیکھا کہ اکثر اہل جنت فقراء ہیں اور میں دوزخ پر مطلع ہوا تو میں نے دیکھا کہ اکثر اہل دوزخ عورتیں ہیں''۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی ایوب اور سلم بن زریر نے متابعت کی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۴۱ میں گزر چکی ہے۔

مردوں کی عورتوں پر فضیلت اور عورتوں پر مردوں کی اطاعت اور تعظیم کا واجب ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: عورتیں دوزخ کی مستحق اس لیے ہیں کہ وہ اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں، اس حدیث میں عورت کے اوپر مرد کے عظیم حق کی تصریح ہے اور عورت پر واجب ہے کہ مرد کا شکر ادا کرے اور اس کی فضیلت کا اعتراف کرے کیونکہ وہ اس کا ستر کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کمائی کی مشقت کو برداشت کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ (النسآء: ۳۴)

مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لیے (بھی) کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (البقرۃ: ۲۲۸)

اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے: جس شخص کے پاس کوئی نعمت پہنچی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کرے تو شوہر کی نعمتوں کا کیا اندازہ ہوگا کہ کوئی عورت اس کی نعمتوں سے خالی نہیں ہوتی اور نعمت دینے والے کا شکر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس کوئی نعمت پہنچی ہو وہ اس کا شکر ادا کرے۔ (شعب الایمان: ۳۷۶)

منعم کے شکر کی ادائیگی کا فرض ہونا

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ انعام کا شکر ادا کرنا فرض ہے اور اس پر درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ (لقمان:۱۴) (اور یہ کہ تو) میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا۔

اللہ تعالیٰ نے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر ذکر کیا ہے، پس اس طرح دوسروں کی نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے، نعمت کا شکر یہ ہے کہ منعم کا زبان سے شکر ادا کیا جائے یا اعضاء سے اس کی تعظیم کی جائے یا دل میں اس کے متعلق نیک گمان رکھے اور شکر کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ نعمت کا اقرار کرے اور بہ قدر ضرورت نعمت کا اعتراف کرے۔

ان احادیث میں سورج گہن اور دیگر آسمانی نشانیوں کا ذکر ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ (بنی اسرائیل:۵۹) اور ہم صرف ڈرانے کے لیے اپنی نشانیاں بھیجتے ہیں O

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے غضب کی نشانیاں دکھائی دیں تو پھر نماز کی پناہ میں آنا چاہیے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دور کرتی ہے اور نماز کی وجہ سے بندہ آزمائشوں سے بچتا ہے کیونکہ نماز افضل عمل ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۰۔۲۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۰۔ بَابٌ: لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ

تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے

قَالَهُ أَبُو جُحَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

اس حدیث کی حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت صحیح البخاری: ۱۹۶۸ میں مذکور ہے۔

۵۱۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَا عَبْدَ اللهِ أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔

(صحیح البخاری: ۶۱۳۴، ۶۲۷۷، صحیح مسلم: ۱۱۵۹، سنن ترمذی: ۷۷۰، سنن نسائی: ۱۶۳۰، سنن ابو داؤد: ۱۳۸۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۴۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن ابی کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، اُنہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی ہے کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات میں نماز میں قیام کرتے ہو؟ میں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: پس تم ایسا نہ کرو، تم روزہ رکھو اور (کبھی) روزہ چھوڑو اور نماز میں قیام کرو اور سوؤ کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۱۳۱ میں گزر چکی ہے۔

بیوی کے حق جماع کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس مرد کے متعلق اختلاف ہے جو اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے کی بجائے عبادت میں مشغول رہتا ہے، امام مالک نے کہا کہ جب کوئی مرد بغیر کسی ضرورت کے اپنی بیوی سے جماع نہیں کرتا تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ اپنی بیوی سے جماع کرے یا اسے طلاق دے دے کیونکہ وہ ترک جماع سے اپنی بیوی کو ضرر پہنچا رہا ہے، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس رات گزارے اور روزہ نہ رکھے اور امام شافعی نے کہا: اس کے اوپر جماع کرنا فرض نہیں ہے، اس پر فرض یہ ہے کہ وہ بیوی کو کھانے کا خرچ دے اور اس کے کپڑے بنائے اور اس کو رہائش مہیا کرے اور اس کے پاس رہے۔

امام عبدالرزاق نے از شعبی روایت کی ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، اس نے کہا: اے امیر المومنین! میرا خاوند لوگوں میں سب سے بہتر ہے، وہ دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس عورت نے اپنے خاوند کی تعریف اور توصیف کی ہے تو حضرت کعب بن سوار نے کہا: اس عورت نے تو اپنے خاوند کی شکایت کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تم اپنی بات کی وضاحت کرو تو انہوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ جب کسی آدمی کی چار بیویاں ہوں تو وہ تین دن اور تین رات تین بیویوں کے پاس رہے گا اور ایک دن اور ایک رات ایک بیوی کے پاس رہے گا۔ اور ابن عیینہ نے از شعبی روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب بن سوار رضی اللہ عنہ سے کہا: جب تم نے اس معاملہ کو سمجھ لیا ہے تو ان دونوں کے ساتھ فیصلہ کرو تو انہوں نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے دو دو تین تین اور چار چار عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے، پس عورت کے لیے چار دنوں میں سے ایک دن ہے جس میں وہ (خاوند) روزہ نہ رکھے اور عورت کے پاس رہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاوند کو اس کے مطابق حکم دیا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۱۵۰-۱۴۸) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۱-۲۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۱- بَابُ: الْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا

بیوی اپنے خاوند کے گھر کی محافظہ ہے

۵۲۰۰- حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْأَمِيرُ رَاعٍ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

(صحیح البخاری: ۸۹۳، صحیح مسلم: ۱۸۲۹، سنن ترمذی: ۱۷۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص (اپنے ماتحت لوگوں کا) محافظ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا اور سربراہ ملک محافظ ہے اور مرد اپنے گھر والوں کا محافظ ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی محافظہ ہے، سو تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹۳ میں گزر چکی ہے۔

ماتحت لوگوں کی خیر خواہی کا واجب ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے جس مرد کو دوسرے لوگوں پر امین بنایا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ ان کی خیر خواہی کرے اور ان کی حفاظت کرے اور ان کی رعایت میں اپنی پوری توانائی کو خرچ کرے، ان کو برے کاموں سے روکے اور ان کو نیک کاموں کا حکم دے، اس

کی زیادہ شرح ان شاء اللہ ''کتاب الاحکام'' میں کی جائے گی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۲۔ بَابٌ: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (الی قولہ) اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (النسآء: ۳۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے (یہ آیت یہاں تک ہے) بے شک اللہ نہایت بلند بہت بڑا ہے O (النسآء: ۳۴)

۵۰۲۱۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ آلَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا وَقَعَدَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ فَنَزَلَ لِتِسْعٍ وَعِشْرِينَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ آلَيْتَ عَلَى شَهْرٍ قَالَ إِنَّ الشَّهْرَ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ

(صحیح البخاری: ۵۲۸۹، ۶۶۸۴، صحیح مسلم: ۱۱۴، سنن ترمذی: ۳۶۱، سنن نسائی: ۳۴۷، سنن ابوداؤد: ۱۰۶، سنن ابن ماجہ: ۸۷۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حمید نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ وہ ایک ماہ تک اپنی ازواج مطہرات کے قریب نہیں جائیں گے اور اپنے مچان میں جا کر بیٹھ گئے، پھر آپ انتیس راتوں کے بعد مچان سے اتر آئے، سو آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی تو آپ نے فرمایا: بے شک مہینہ انتیس راتوں کا بھی ہوتا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۸ میں گزر چکی ہے۔

النسآء: ۳۴ کی تفسیر اور جن ازواج نے آپ کی نافرمانی کی تھی ان کا بیان اور نافرمانی کی تفسیر میں متعدد اقوال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: مفسرین نے النسآء: ۳۴ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ نشوز کا معنی ہے: شوہروں کی نافرمانی کرنا اور نشوز کا لغوی معنی ہے: الارتفاع اور بلند ہونا اور عورت جب اپنے خاوند کی نافرمانی کرتی ہے تو وہ اس کے اوپر جو شوہر کا حق ہے اس سے بلند ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ ایک ماہ تک بیوی کے قریب نہ جائے۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتادیا (اور وہ راز یہ تھا کہ میرے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلیفہ ہوں گے) اور حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے اس معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے حجرہ میں ان کی باری کے دن حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جماع کیا اور آپ نے حضرت حفصہ سے فرمایا تھا کہ تم اس بات کو مخفی رکھنا لیکن انہوں نے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتادی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد پیا تھا جس پر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو ناگواری ہوئی تو آپ نے ان کی دل جوئی کے لیے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ آپ ایک ماہ تک ازواج مطہرات کے قریب نہیں جائیں گے اور یہ ایلاء شرعی نہیں ہے جس میں چار ماہ تک بیوی کے ساتھ جماع نہ کرنے کی قسم کھائی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ پہلے بیویوں کو نصیحت کی جائے،

ان سے جماع کو ترک کیا جائے اگر بیوی پھر بھی اپنی روش سے باز نہ آئے تو اس کو مارا جائے لیکن وہ ایسی مار نہ ہو جس کے نشان ظاہر ہوں۔ (النساء: ۳۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے''۔ یعنی مردوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت دی ہے کہ اس کو حصول رزق کے لیے کمانے کی قوت عطا کی ہے اور اس کو اتنے وسائل دیئے ہیں کہ وہ عورتوں کا خرچ اٹھا سکتا ہے اور ان کا مہر ادا کر سکتا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۲۶۲۔۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۳۔ بَابُ: هِجْرَةِ النَّبِيِّ ﷺ نِسَائَهُ فِي غَيْرِ بُيُوتِهِنَّ

نبی ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کو اس طرح چھوڑنا کہ ان کے گھروں میں نہیں گئے

وَيُذْكَرُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ رَفْعُهُ غَيْرَ أَنْ لَا تُهْجَرَ إِلَّا فِي الْبَيْتِ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ۔

اور حضرت معاویہ بن حیدۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ ''بیوی کو صرف اس کے گھر میں چھوڑا جائے'' اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

حضرت معاویہ بن حیدۃ کا تذکرہ اور بیوی کو اکیلا گھر میں چھوڑنے کے متعلق حدیث

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ بن حیدۃ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، ان کا اہل بصرہ میں شمار ہوتا ہے، یہ خراسان میں جہاد کے لیے گئے تھے اور وہیں فوت ہو گئے تھے۔

حضرت معاویہ کی روایت میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ بیوی کو صرف گھر میں چھوڑا جائے، اور امام بخاری نے اپنے عنوان میں ذکر کیا ہے کہ بیوی کو اس طرح چھوڑا جائے کہ شوہر اس کے گھر میں نہ جائے اور امام بخاری نے اس قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حکیم بن معاویہ القشیری اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بیوی کا ہم میں سے کسی ایک پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم اس کو وہ کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور اس قسم کا لباس پہناؤ جس قسم کا لباس تم پہنتے ہو اور اس کے چہرہ پر نہ مارو اور یہ نہ کہو کہ اللہ تمہیں قبیح کر دے (یعنی بد شکل کر دے) اور اس کو نہ چھوڑو مگر گھر میں''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۰)

یعنی آپ نے بیوی کو گھر میں چھوڑنے کا حکم دیا ہے اور امام بخاری نے اس کو ترجیح دی ہے کہ شوہر بیوی کے گھر میں نہ جائے اور یہ تعارض ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۱۔۲۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ کرمانی کے ساتھ مناقشہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیوی کو صرف گھر میں چھوڑا جائے''۔ (الکواکب الدراری جز ۱۹ ص ۱۵۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ) اور جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ بیوی کو شوہر اپنے گھروں کے علاوہ چھوڑے، اس کی سند زیادہ صحیح ہے اور علامہ کرمانی نے جو لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بیوی کو صرف گھر میں چھوڑا جائے یہ محض غلط ہے کیونکہ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت نہیں کی کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج کو چھوڑ دیا تھا اور یہ واقعہ المسانید اور الاجزاء میں سے کسی میں مذکور نہیں ہے اور

علامہ کرمانی نے جو ذکر کیا ہے وہ امام بخاری کی مراد نہیں ہے، امام بخاری کی مراد وہ ہے جس کی امام ابوداؤد نے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

حکیم بن معاویہ القشیری اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بیوی کا ہم میں سے کسی ایک پر کیا حق ہے، آپ نے فرمایا: "تم اس کو وہ کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور اس قسم کا لباس پہناؤ جس قسم کا لباس تم پہنتے ہو اور اس کے چہرہ پر نہ مارو اور یہ نہ کہو کہ اللہ تمہیں قبیح کردے (یعنی بدشکل کردے) اور اس کو نہ چھوڑو مگر گھر میں"۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۴۲)

پس علامہ کرمانی نے یہ گمان کیا کہ یہ حدیث میں جو استثناء ہے کہ "بیوی کو نہ چھوڑا جائے مگر گھر میں" یہ استثناء امام بخاری کے تصرف میں سے ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے بلکہ امام بخاری نے ان الفاظ کو نقل کیا ہے جو سنن ابوداؤد کی حدیث میں ہیں۔ واللہ اعلم (فتح الباری ج ٦ ص ۳۹۱، دارالمعرفہ، بیروت)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ اور علامہ کرمانی کا دفاع

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ کرمانی کی طرف جو غلط محض کی نسبت کی ہے وہ بجائے خود غلط محض ہے اور اس میں ترک ادب بھی ہے کیونکہ علامہ کرمانی نے اس حدیث میں کوئی تصرف نہیں کیا مگر وہ جو ان دو مختلف روایتوں کا تقاضا ہے جن کو حافظ ابن حجر نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کے باوجود یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے وہ قصہ روایت کیا جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو ان کے گھروں میں چھوڑ دیا تھا کیونکہ روایت کے باب میں بہت وسعت ہے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ بن حیدہ نے یہ قصہ ذکر نہیں کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو چھوڑ دیا تھا اور یہ المسانید اور الاجزاء میں سے کسی میں بھی مذکور نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ۳۹۱) یہ محض دعویٰ بلا برہان ہے اور کاش! میری عقل ان کے پاس موجود ہوتی، وہ یہ دعویٰ کیسے کر رہے ہیں جب کہ انہوں نے تمام مسانید اور اجزاء کا احاطہ نہیں کیا اور علامہ کرمانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جن روایات پر مطلع ہیں حافظ ابن حجر ان میں سے سو میں سے ایک پر بھی مطلع نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں علامہ کرمانی کا کلام اثبات میں ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو ان کے گھروں میں چھوڑ دیا تھا اور حافظ ابن حجر کا کلام نفی میں ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو ان کے گھروں میں نہیں چھوڑا تھا اور اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ اثبات میں کسی موجود چیز کی خبر دی جاتی ہے اور نفی میں کسی معدوم چیز کی خبر دی جاتی ہے۔

امام حافظ علاؤ الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی التوفی ۷٦۲ھ نے "التلویح فی الجامع الصحیح" میں لکھا ہے (یہ شرح ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ سعیدی غفرلہ) امام بخاری نے اس باب میں یہ تعلیق درج کی ہے:

اور حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ "بیوی کو صرف اس کے گھر میں چھوڑا جائے"۔ اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے (یعنی ازواج کو ان کے گھروں کے علاوہ کسی گھر میں چھوڑا جائے)۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے امام ابوداؤد کی درج ذیل روایت کی طرف اشارہ کیا ہے:

حکیم بن معاویہ القشیری اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بیوی کا ہم میں سے کسی ایک پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: "تم اس کو وہ کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور اس قسم کا لباس پہناؤ جس قسم کا

لباس تم خود پہنتے ہو اور اس کے چہرہ پر نہ مارو اور یہ نہ کہو کہ اللہ تمہیں قبیح کر دے (یعنی بدشکل کر دے) اور اس کو نہ چھوڑو مگر گھر میں''۔(سنن ابوداؤد:۲۱۴۲)

بیویوں کو گھروں میں چھوڑنے کی دو روایتوں کے متعلق علامہ ابن بطال مالکی کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کے باب میں یہ اشارہ کیا ہے کہ بیویوں کو صرف ان کے گھروں کے علاوہ میں چھوڑا جائے کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو چھوڑا تو آپ ان سے علیحدہ ہو کر مچان میں چلے گئے تھے اور اپنی ازواج مطہرات کے گھروں سے علیحدہ ہو گئے تھے اور گویا کہ امام بخاری نے یہ ارادہ کیا کہ لوگ بھی اپنی بیویوں کو چھوڑنے کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کریں کیونکہ اس میں ان کی بیویوں کے ساتھ زیادہ نرمی ہے کیونکہ اگر شوہر بیویوں کے گھروں میں رہے گا اور ان سے ترک تعلق رکھے گا اور ان سے باتیں نہیں کرے گا تو اس سے ان کے دلوں میں زیادہ تکلیف ہوگی اور زیادہ رنج ہوگا کیونکہ وہ دیکھیں گی کہ ان کے شوہر کے چہرہ پر ہر وقت عتاب اور غضب ہے اور وہ ان سے اعراض کر رہا ہے اور جب شوہر ان کی نظروں سے غائب ہوگا اور وہ اس کے چہرہ پر آثار غضب نہیں دیکھیں گی تو بیویوں کو اس سے زیادہ رنج نہیں ہوگا۔

اور جس کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے یہ واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ بیویوں کو ان کے بستروں میں چھوڑ دیا جائے چہ جائیکہ ان کو ان کے گھروں میں چھوڑ دیا جائے۔

امام بخاری کے علاوہ دوسرے شارحین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو ان کے گھروں کے علاوہ میں چھوڑا یعنی آپ ان کے گھروں میں نہیں رہے بلکہ مچان پر رہے کیونکہ آپ کا ان کے گھروں کو چھوڑ کر مچان پر رہنا ان کے لیے زیادہ سخت سزا تھی اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اپنی کسی بیوی پر ناراض ہوتے تو وہ اس کی باری میں اس کے گھر آتے اور اسی کے گھر میں سوتے اور اس کے گھر کے علاوہ کسی اور گھر میں رات نہیں گزارتے اور وہ اس کے گھر میں بستر بچھاتے اور وہیں رات گزارتے اور ان کی بیوی وہیں گھر میں ہوتی۔ ابن وہب نے کہا: میں نے امام مالک سے پوچھا: کیا اس کی گنجائش ہے؟ تو امام مالک نے کہا: ہاں! کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مذکور ہے:

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ۔(النساء:۳۴) اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیویوں کو بستروں پر چھوڑنے کا معنی یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک بستر میں لیٹیں اور مرد، عورت کے ساتھ جماع نہ کرے۔(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۶۳۔۲۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بیویوں کو گھروں میں چھوڑنے کی دو روایتوں کے متعلق علامہ بدرالدین عینی حنفی کی تحقیق

امام بخاری نے یہ روایت کی ہے کہ شوہر بیویوں کے گھروں کے علاوہ میں رہے (جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مچان پر رہے تھے) اور حضرت معاویہ بن حیدہ سے روایت ہے کہ شوہر بیویوں کے گھر میں رہے اور ان سے ترک تعلق رکھے اور ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ یہ چیز اختلاف احوال سے مختلف ہوتی ہے، بعض اوقات شوہر کا بیوی کو اس کے گھروں میں چھوڑ کر دوسری جگہ رہنا اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے (جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو ان کے گھروں میں چھوڑ کر مچان پر رہے تھے) اور بعض اوقات شوہر بیوی کے ساتھ گھر میں رہے اور اس کو اس کے بستر پر تنہا چھوڑ دے تو یہ اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے بلکہ غالب یہ ہے کہ شوہر بیوی کو اس کے گھر میں چھوڑ کر دوسری جگہ رہے تو یہ اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہے۔(میں کہتا ہوں: ظاہر قرآن

(النسآء: ۳۴) سے علامہ کرمانی کی تائید ہوتی ہے اور ظاہر حدیث ۵۲۰۲ سے امام بخاری کی تائید ہوتی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۰۔ ۲۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی پر علامہ عینی کے اعتراض کا خلاصہ اور حافظ ابن حجر کا لا جواب ہونا

علامہ عینی حنفی کے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی پر اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے علامہ کرمانی کی از حضرت معاویہ بن حیدہ کی روایت کے متعلق لکھا ہے کہ اس روایت کا مسانید اور اجزاء میں سے کسی میں ذکر نہیں ہے تو حافظ ابن حجر کا یہ لکھنا غلط ہے اور ان کا علم تمام مسانید اور الاجزاء کو محیط نہیں ہے اور علامہ کرمانی کو روایات کا جتنا علم ہے اس کے سو میں سے ایک کا بھی حافظ ابن حجر کو علم نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۴۰۰ میں علامہ عینی کے اعتراض کا خلاصہ تو لکھا ہے مگر اس کا جواب نہیں لکھا۔

۵۲۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ أَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ عَلَى بَعْضِ أَهْلِهِ شَهْرًا فَلَمَّا مَضَى تِسْعَةٌ وَعِشْرُونَ يَوْمًا غَدَا عَلَيْهِنَّ أَوْ رَاحَ فَقِيلَ لَهُ يَا نَبِيَّ اللهِ حَلَفْتَ أَنْ لَا تَدْخُلَ عَلَيْهِنَّ شَهْرًا قَالَ إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ يَوْمًا۔

(صحیح مسلم: ۱۰۸۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۱، مسند احمد: ۲۶۷۴۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج، (ح) اور مجھے محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن عبد اللہ بن صیفی نے خبر دی کہ بے شک عکرمہ بن عبد الرحمٰن بن الحارث نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ آپ اپنی کسی زوجہ کے پاس ایک ماہ تک نہیں جائیں گے، پس جب انتیس دن گزر گئے تو آپ صبح یا شام کو ان کے پاس چلے گئے تو آپ کو بتایا گیا: اے اللہ کے نبی! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ آپ ان کے پاس ایک ماہ تک نہیں جائیں گے تو آپ نے فرمایا: ''مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے''۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۹۱۰ میں گزر چکی ہے۔

۵۲۰۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا أَبُو يَعْفُورٍ قَالَ تَذَاكَرْنَا عِنْدَ أَبِي الضُّحَى فَقَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ أَصْبَحْنَا يَوْمًا وَنِسَاءُ النَّبِيِّ ﷺ يَبْكِينَ عِنْدَ كُلِّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ أَهْلُهَا فَخَرَجْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا هُوَ مَلْآنُ مِنَ النَّاسِ فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَصَعِدَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي غُرْفَةٍ لَهُ فَسَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ فَنَادَاهُ فَدَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَطَلَّقْتَ نِسَائَكَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مروان بن معاویہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو یعفور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم ابو الضحیٰ کے پاس بیٹھے بحث کر رہے تھے، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ ہم ایک دن صبح کو اٹھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رو رہی تھیں اور ان میں سے ہر زوجہ کے پاس ان کے گھر والے بھی تھے، پس میں مسجد کی طرف نکلا تو وہ لوگوں سے بھری ہوئی تھی، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آئے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

فَقَالَ لَا وَلٰکِنْ آلَیْتُ مِنْهُنَّ شَهْرًا فَمَکَثَ تِسْعًا وَعِشْرِیْنَ ثُمَّ دَخَلَ عَلٰی نِسَائِهٖ
(صحیح مسلم:۲۹۷، سنن نسائی:۳۴۵۵)

چڑھنے لگے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے ایک مچان میں تھے، پھر حضرت عمر نے سلام کیا تو ان کو کسی نے جواب نہیں دیا، انہوں نے پھر سلام کیا تو پھر ان کو کسی نے جواب نہیں دیا، انہوں نے پھر سلام کیا تو ان کو پھر کسی نے جواب نہیں دیا، پھر ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، پس انہوں نے پوچھا: کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں ایک مہینہ تک ان کے قریب نہیں جاؤں گا، پس آپ انتیس دن تک ٹھہرے رہے، اس کے بعد آپ اپنی ازواج مطہرات کے پاس گئے۔

بیوی کو اکیلا اس کے گھر میں چھوڑے اور خود دوسرے گھر میں رہے یا بیوی کو اپنے گھر میں رکھے اور اپنے بستر پر نہ رکھے، ان دونوں صورتوں کا فرق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے: امام بخاری نے اس عنوان میں یہ اشارہ کیا ہے کہ بیوی کو اس طرح چھوڑا جائے کہ شوہر اس کے گھر نہ جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے الگ ہوئے تو آپ اپنے ایک مچان میں رہے اور آپ کی ازواج مطہرات اپنے اپنے حجروں میں تھیں اور آپ ان کے حجروں سے الگ رہے، امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ لوگ آپ کی سنت پر عمل کریں اور لوگ جب اپنی بیوی سے ناراض ہوں تو کسی الگ جگہ میں رہیں ان کے حجروں میں نہ رہیں کیونکہ اس طریقہ میں عورتوں کے ساتھ نرمی ہے اور جب مرد بیویوں کے ساتھ ان کے حجروں میں رہے گا اور ان کے قریب نہیں جائے گا تو یہ امر بیویوں پر سخت اور دشوار ہوگا کیونکہ وہ دیکھیں گی کہ مرد گھر میں آ اور جا رہا ہے اور اس کے چہرے پر عتاب اور غضب کے آثار ہیں اور وہ ان سے اعراض کر رہا ہے، اور جب مرد ان کی نظروں سے اوجھل ہوگا تو پھر مرد کا ان کو چھوڑنا اس پر زیادہ سخت اور دشوار نہیں ہوگا کیونکہ مرد ان کے سامنے نہیں ہوگا تو وہ نہ اس کی ناراضگی کو دیکھیں گی اور نہ ان کو ملال ہوگا۔

امام بخاری نے اپنے عنوان میں جو اشارہ کیا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو کسی دوسرے گھر میں چھوڑے رکھے تاکہ بیوی اس کے آثار غضب کو نہ دیکھے، سو یہ واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ۔ (النساء:۳۴)

اور تم کو جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو اور انہیں مارو۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو ان کے بستروں پر چھوڑا جائے اور ان کو ان کے گھروں میں چھوڑنے سے منع نہیں فرمایا۔ اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی ازواج کو چھوڑ کر دوسری جگہ اپنی مچان پر رہے تھے یہ ان کے لیے زیادہ سزا اور عتاب کا موجب ہے۔

اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ عمر بن عبد العزیز کی ازواج تھیں، وہ ان میں سے کسی زوجہ پر ناراض ہوتے تو پھر جب اس زوجہ کی باری ہوتی تو اس زوجہ کے گھر رات گزارتے اور کسی دوسری زوجہ

کے گھر رات نہیں گزارتے تھے اور وہ اس کے حجرے میں فرش پر بستر بچھاتے اور اس میں رات کو سوتے اور ان کی زوجہ اپنے گھر میں رات کو سوتی، میں نے امام مالک سے پوچھا: کیا اس کی گنجائش ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! کیونکہ اللہ کی کتاب میں ہے: انہیں ان کے بستروں میں اکیلا چھوڑ دو (النساء: ۳۴) یعنی ان کے گھروں میں تو رہو لیکن ان کے بستروں میں ان کے ساتھ نہ سوؤ، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے گھروں میں نہیں رہے تھے بلکہ اپنے مچان پر چلے گئے تھے۔

بیوی کو اکیلا چھوڑنے کا ایک اور محمل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مرد اپنی بیوی کو ایک بستر میں چھوڑے اور اس سے جماع نہ کرے، اور السدی نے کہا: اس کو بستر میں چھوڑنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ سوئے اور اس کی طرف پیٹھ موڑے رکھے اور اس سے جماع کرے اور اس سے کوئی بات نہ کرے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی کی مثل کہا ہے، اور کہا ہے کہ اس کے ساتھ نرم لہجے میں بات نہ کرے اور اس سے سختی کے ساتھ بات کرے اور اس سے جماع کو ترک نہ کرے۔ اس تفسیر کو امام طبری نے ذکر کیا ہے۔ اس تقدیر پر اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا: تم ان کو ان کے بستروں میں علیحدہ چھوڑ دو اور ان سے درشت لہجے میں بات کرو۔ میں کہتا ہوں: یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ جب شوہر بیوی سے جماع کرے گا تو بیوی کو بستر پر اکیلا چھوڑنے کا معنی کس طرح ثابت ہوگا، سو یہ تفسیر ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ (سعیدی غفرلہ) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۳۔ ۲۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۴۔ بَابٌ: مَا يُكْرَهُ مِنْ ضَرْبِ النِّسَاءِ وَقَوْلِ اللهِ وَاضْرِبُوهُنَّ (النساء: ۳۴) أَيْ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ

عورتوں کو مارنے کا مکروہ ہونا، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ان کو (تادیباً) مارو (النساء: ۳۴) یعنی ایسی مار جس کا نشان ظاہر نہ ہو

۵۲۰۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَمْعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ

(صحیح البخاری: ۶۰۴۲، صحیح مسلم: ۲۸۵۵، سنن ترمذی: ۳۳۴۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۳، مسند الحمیدی: ۵۶۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۷، ج ۶ ص ۲۱۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۲۹۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح کوڑے نہ مارے جس طرح غلام کو کوڑے مارتا ہے، پھر اس دن کے آخری حصہ میں اس کے ساتھ جماع کرے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۷۰ میں گزر چکی ہے۔

بیوی کو اعتدال کے ساتھ مارنے کا حکم

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض اہل عراق نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ بیویوں کو ان کے بستروں پر چھوڑ دیا جائے اور ان کو مارا جائے تا کہ ان کو شوہر کی ایذاء رسانی کی سزا ملے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہیں صراحتاً عورتوں کو مارنے کا حکم نہیں دیا سوا اس آیت کے اور سوا حدود کے، پس عورتوں کا اپنے شوہروں کی نافرمانی کرنا اہل کبائر کی معصیت کے مساوی ہے اور ان کو مارنے کا معاملہ ان کے

شوہروں کے سپرد کیا ہے نہ کہ سربراہ ملک اور قاضیوں کے۔
علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ عورتوں کو مارنے میں حد سے تجاوز کرنا اور اسراف کرنا مکروہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں کو غلام کی طرح نہ مارا جائے''۔ کیونکہ عورتوں کو مارنا اس لیے مباح کیا ہے کہ وہ شوہروں کو مجامعت کا موقع نہیں دیتیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کو شوہر اپنی بیوی کو مارے اور شام کو پھر اس سے جماع کرے یہ بہت قبیح بات ہے''۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیوی کو اس طرح نہ مارے جس سے اس کے جسم پر نشانات پڑ جائیں''۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۵۔ ۲۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۵۔ بَابٌ: لَا تُطِيعُ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا فِي مَعْصِيَةٍ

بیوی معصیت میں خاوند کی اطاعت نہ کرے

۵۲۰۵۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ الْحَسَنِ هُوَ ابْنُ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ زَوَّجَتْ ابْنَتَهَا فَتَمَعَّطَ شَعَرُ رَأْسِهَا فَجَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَتْ إِنَّ زَوْجَهَا أَمَرَنِي أَنْ أَصِلَ فِي شَعَرِهَا فَقَالَ لَا إِنَّهُ قَدْ لُعِنَ الْمُوصِلَاتُ۔
(صحیح البخاری: ۵۹۳۴، صحیح مسلم: ۲۱۲۳، سنن نسائی: ۵۰۹۷، مسند احمد: ج ۶ ص ۱۱۱، ج ۶ ص ۲۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن نافع نے حدیث بیان کی از الحسن وہ ابن مسلم ہیں از صفیہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، اس کی بیٹی کے سر کے بال جھڑ گئے، سو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے اس بات کا ذکر کیا، سو اس نے کہا: بے شک اس کے خاوند نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کے بالوں کے ساتھ کسی دوسری عورت کے بال ملاؤں تو آپ نے فرمایا: نہیں بے شک اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملانے والیوں پر لعنت کی گئی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۲۰۵ میں گزر چکی ہے۔

خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت کا جائز نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
عورت پر واجب ہے کہ وہ گناہ کے کام میں اپنے خاوند کی اطاعت نہ کرے، اسی طرح جس شخص کی اطاعت اس پر واجب ہو تو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے، اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:
حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو لشکر کا امیر بنایا اور لوگوں کو اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا، پھر لشکر کا امیر کسی بات پر لوگوں سے ناراض ہوا اور لوگوں کو آگ جلانے کا حکم دیا، پھر لوگوں سے کہا کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ تو بعض لوگوں نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور دوسرے لوگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا: ہم آگ سے بھاگ کر ہی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوئے ہیں، سو وہ اپنے انکار پر قائم رہے حتیٰ کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر یہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس آگ سے نکل نہیں سکتے

تھے، اطاعت صرف نیکی میں کی جاتی ہے"۔ (صحیح البخاری: ۴۳۴۰، صحیح مسلم: ۱۸۴۰، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۱، ج ۵ ص ۶۶)

علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے"۔

(صحیح البخاری: ۷۲۵۸) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بالوں کو ملانے کا عدم جواز اور چہرے کی چھائیوں کو دوائی سے زائل کرنے کا جواز

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے کہ علاج کی غرض سے کوئی عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نے الموصلات پر لعنت فرمائی ہے"۔ یعنی ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بال ملاتی ہیں، پھر اس تحریم کی علت یا تو فاجرہ عورتوں کے بال ملانا ہے، یا تدلیس ہے یعنی لوگوں کو اس دھوکہ میں ڈالنا کہ اس کے بال بہت لمبے ہیں، یا پھر اللہ عزوجل کی تخلیق میں تغیر کرنا ہے۔

اگر کسی عورت کے چہرہ پر چھائیاں ہوں یا اس پر منیالا پن چھا گیا ہو تو اس کو دوائیوں سے زائل کرنا جائز ہے تا کہ وہ اپنے شوہر کو حسین معلوم ہو۔

ابوعبید نے فقہاء سے نقل کیا ہے کہ بالوں کو لمبا کرنے کے لیے ہر چیز کو بالوں کے ساتھ ملانا جائز ہے سوائے بالوں کے یعنی دھاگے یا ریشم کے پراندوں اور چٹلوں کو بالوں کے ساتھ ملا کر بالوں کو لمبا کرنا جائز ہے لیکن اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بال ملا کر ان کو لمبا کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الموصلات پر لعنت فرمائی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۴۔ ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اعضاء کی پیوندکاری کا عدم جواز

اس حدیث میں بیماری کے عذر کی وجہ سے بھی بالوں کے ساتھ بالوں کو پیوند کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کو حرام قرار دیا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ اعضاء کی پیوندکاری جائز نہیں ہے۔ اس پر مفصل بحث تبیان القرآن ج ۹ ص ۱۶۹۔ ۱۵۸ میں الروم: ۳۰ کی تفسیر میں کر دی گئی ہے۔

۹۶۔ بَابٌ: وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا۔ (النسآء: ۱۲۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خدشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں۔ (النسآء: ۱۲۸)

۵۲۰۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا قَالَتْ هِيَ الْمَرْاَةُ تَكُوْنُ عِنْدَ الرَّجُلِ لَا يَسْتَكْثِرُ مِنْهَا فَيُرِيدُ طَلَاقَهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابومعاویہ نے خبر دی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خدشہ ہو

وَيَتَزَوَّجُ غَيْرَهَا تَقُولُ لَهُ أَمْسِكْنِي وَلَا تُطَلِّقْنِي ثُمَّ تَزَوَّجْ غَيْرِي فَأَنْتَ فِي حِلٍّ مِنَ النَّفَقَةِ عَلَيَّ وَالْقِسْمَةِ لِي فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَصَّالَحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۹۴، ۴۶۰۱، صحیح مسلم: ۳۰۲۱، سنن ابو داؤد: ۲۱۳۵)

(النساء: ۱۲۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا: اس آیت میں ایسی عورت کا بیان ہے جو کسی مرد کے نکاح میں ہو اور وہ اس کو اپنے پاس زیادہ نہ بلاتا ہو بلکہ اس کو طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کے بجائے دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو وہ عورت اپنے خاوند سے کہے: تم مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو اور مجھ کو طلاق نہ دو، پھر تم میرے علاوہ دوسری عورت سے نکاح کر سکتے ہو اور تم میرے خرچ سے بھی آزاد ہو اور تم پر میری باری کی بھی کوئی پابندی نہیں ہے تو اس کا ذکر اس آیت میں ہے: تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح کرنا بہت بہتر ہے۔ (النساء: ۱۲۸)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۵۰ میں گزر چکی ہے۔

عورت کا اپنے خاوند کے نکاح میں برقرار رہنے کے لیے اپنے بعض حقوق کو ترک کر دینے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اس طرح کی صلح کرنا جائز ہے اور اس طرح ام المومنین حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا جب انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو طلب کرتی تھیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا کو یہ خطرہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دے دیں گے تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں اور میری باری بھی مقرر نہ کریں، تب (البقرہ: ۱۲۸) نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی: ۳۰۴۰) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اور مجاہد نے کہا کہ یہ آیت ابوالسنابل بن بعکک کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اگر عورت صلح کی کسی شرط کی خلاف ورزی کرے تو اس میں فقہاء کا اختلاف

کیا یہ صلح ٹوٹ سکتی ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوعبیدۃ نے کہا: وہ دونوں اپنی صلح پر قائم رہیں، پس اگر عورت اپنی صلح کی خلاف ورزی کرے تو مرد کے لیے اس صلح کو توڑنا یا اس کو طلاق دینا جائز ہے، یہ ہی النخعی اور مجاہد کا قول ہے اور یہ ہی ثوری، امام شافعی اور امام محمد کا قول ہے اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اس صورت میں بھی صلح قائم رکھنا جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۶۔۲۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۷۔ بَابُ: الْعَزْلِ — العزل

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس باب میں عزل کا حکم بیان کیا گیا ہے، عزل کی تعریف یہ ہے: جماع کے وقت جب مرد کا انزال قریب ہو تو وہ اپنے آلہ کو فرج سے باہر نکال لے اور فرج کے باہر انزال کرے تاکہ عورت حاملہ نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۷۵۔۲۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۰۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ۔

(صحیح البخاری: ۵۲۰۸۔ ۵۲۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۴۰، سنن ترمذی: ۱۱۳۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از ابن جریج از عطاء از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے۔

۵۲۰۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ سَمِعَ جَابِرًا رضی الله عنه قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ۔

(صحیح البخاری: ۵۲۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۴۰، سنن ترمذی: ۱۱۳۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، عمرو نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں ہم عزل کرتے تھے اور قرآن مجید نازل ہو رہا تھا۔

۵۲۰۹۔ وَعَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ۔

اور عمرو نے از عطاء از جابر، بیان کیا: ہم نبی ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے اور قرآن کریم نازل ہو رہا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۲۰۷ میں گزر چکی ہے۔ اس کی تخریج حسب سابق ہے۔

۵۲۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أَصَبْنَا سَبْيًا فَكُنَّا نَعْزِلُ فَسَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَوَإِنَّكُمْ لَتَفْعَلُونَ قَالَهَا ثَلَاثًا مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا هِيَ كَائِنَةٌ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۰۳، ۷۴۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۳۸، سنن ترمذی: ۱۱۳۸، سنن نسائی: ۳۳۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد بن اسماء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از مالک بن انس از الزہری ان ابن محیریز از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، انہوں نے یہ بیان کیا کہ ہمیں کچھ قیدی عورتیں مل گئیں اور ہم عزل کرتے تھے، پس ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے پوچھا: کیا تم یہ عمل کرتے ہو؟ آپ نے یہ تین دفعہ فرمایا (پھر فرمایا): قیامت تک جو روح بھی پیدا ہونے والی ہے وہ (ضرور) پیدا ہونے والی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۲۲۹ میں گزر چکی ہے۔

عزل کے متعلق صحابہ، فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کا مذہب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین کا عزل میں اختلاف ہے، امام مالک نے الموطا میں حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوایوب الانصاری از حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم روایت کی ہے کہ وہ عزل کرتے تھے اور حضرت علی بن ابی طالب، حضرت خباب بن الارت اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے۔ فقہاء تابعین کی ایک جماعت سے بھی مروی ہے، ان میں سے ابن المسیب اور طاؤس ہیں، امام مالک، فقہاء احناف، شوافع اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔

بعض صحابہ نے عزل کو مکروہ قرار دیا ہے، یہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔
(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۲۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

عزل کی اباحت پر دلائل اور عزل کے وادِ خفی ہونے کے جوابات

امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الازدی المصری الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میری ایک باندی ہے اور میں اس سے عزل کرتا ہوں اور میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو اور میں اس سے وہی ارادہ کرتا ہوں جو مرد عورتوں سے ارادہ کرتے ہیں اور بے شک یہود یہ کہتے ہیں کہ عزل کرنا پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے، آپ نے فرمایا: یہود جھوٹ بولتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنا چاہے تو تم اس کے ارادہ کو پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۷۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳، ۵۱، ۵۳، شرح معانی الآثار: ۴۲۵۹)

نیز عزل کی اباحت درج ذیل آثار سے بھی ثابت ہوتی ہے:

عبداللہ بن عدی بن خیار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صحابہ عزل کے متعلق بحث کر رہے تھے، سو انہوں نے اس کے جواز اور عدم جواز کے متعلق سوال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اس مسئلہ میں اختلاف کر رہے ہو حالانکہ تم اہل بدر ہو اور سب سے بہتر ہو اور تمہارے بعد کے لوگوں کا کیا حال ہوگا! اس وقت دو مرد آپس میں سرگوشی کر رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا سرگوشی کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہود کا یہ زعم ہے کہ عزل کرنا پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔ تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی بچہ کو زندہ درگور کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس کے اوپر یہ سات مراحل نہ گزر جائیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ (المومنون: ۱۴-۱۲)

بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا O پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ جگہ رکھ دیا O پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا، پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا، پھر ہم نے گوشت کو ہڈیاں بنا دیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت پہنا دیا، پھر اس کے بعد دوسری تخلیق میں انسان کو پیدا کر دیا پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے O

اس آیت میں انسان کی تخلیق کے سات مراحل بیان کیے ہیں: (۱) مٹی کا جوہر (۲) نطفہ (۳) جما ہوا خون (۴) گوشت کا لوتھڑا (۵) ہڈیاں (۶) ہڈیوں پر گوشت (۷) اس میں روح کا ہونا۔

انسان روح ڈالے جانے کے بعد زندہ ہوتا ہے اور زندگی سے پہلے چھ مراحل ہیں، لہٰذا جب انسان نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے تو اس میں زندگی نہیں ہوتی، پس نطفہ کو عزل کے ذریعہ فرج سے باہر نکالنا زندہ درگور کرنا کیسے ہو سکتا ہے، وہ نطفہ تو چھ مرحلوں کے بعد زندہ ہوگا، لہٰذا یہود کا عزل کو پوشیدہ طور پر زندہ درگور قرار دینا باطل ہے۔ (شرح معانی الآثار: ۴۲۶۳)

عبید بن رفاعہ الانصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے عزل کے متعلق بحث کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ کوئی چیز زندہ درگور تو اس وقت ہوگی جب اس کے اندر روح پھونکی جائے اور جس میں ابھی تک روح نہ پھونکی گئی ہو وہ مردہ ہے زندہ درگور نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ (شرح معانی

الآ ثار: ۴۲۶۴)

ابوالوراق بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عزل کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی مثل جواب دیا۔ (شرح معانی الآ ثار: ۴۲۶۵)

امام طحاوی فرماتے ہیں: پس حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم دونوں اس پر متفق ہیں کہ عزل کرنا پوشیدہ طور پر زندہ در گور کرنا نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جواب سے خوش ہوئے اور یہ گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے سامنے ہوئی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ عزل کرنا مکروہ نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بنو مصطلق میں گئے، پس ہم نے عرب کی عمدہ عورتوں کو قید میں کر لیا تھا، پس ہمارا عورتوں سے دور رہنا بہت طویل ہو چکا تھا اور ہم نے جماع میں رغبت کی، سو ہم نے ارادہ کیا کہ ہم باندیوں سے تمتع کریں اور عزل کر لیں تو ہم نے سوچا کہ ہم عزل کر رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، پس آپ نے فرمایا: تم پر عزل نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک جس روح کے پیدا کرنے کو مقدر کر دیا ہے وہ ضرور پیدا ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۵۲۱۰، صحیح مسلم: ۱۴۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۲، مسند احمد: ۱۱۸۳۹، شرح معانی الآ ثار: ۴۲۶۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انصار کا ایک شخص آیا، اس نے سوال کیا: یا رسول اللہ! ہمیں کچھ قیدی عورتیں ملتی ہیں اور ہم مال کو پسند کرتے ہیں تو عزل کرنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تم ایسا کرتے ہو؟ تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ایسا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس روح کے نکلنے کو لکھ لیا ہے وہ ضرور نکلے گی۔ (صحیح البخاری: ۶۶۰۳، مسند احمد ج ۳ ص ۸۸، شرح معانی الآ ثار: ۴۲۷۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عزل کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص عزل کیوں کرتا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص عزل نہ کرے کیونکہ جو نفس بھی پیدا کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۴۳۸، الرقم المسلسل: ۳۴۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۰، سنن ترمذی: ۱۱۳۸، شرح معانی الآ ثار: ۴۲۷۲)

امام طحاوی فرماتے ہیں: ان آثار میں بھی یہ دلیل ہے کہ عزل کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب صحابہ نے یہ خبر دی کہ وہ عزل کرتے ہیں تو آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ان کو عزل کرنے سے منع کیا اور فرمایا: ''تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم عزل نہ کرو کیونکہ اس کا تعلق تقدیر سے ہے''۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ اولاد کو مقدر فرمائے گا تو اولاد ہو جائے گی اور عزل اولاد کی پیدائش سے مانع ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اور چیز کیونکہ عزل کے باوجود قلیل مقدار میں منی رحم میں پہنچ جاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اولاد کو پیدا کر دیتا ہے، بہر حال جس طرح کوئی چیز تقدیر میں مقدر ہو اسی طرح ہوتا ہے، اور عزل کی اباحت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میری ایک باندی ہے جو میرے اونٹ پر پانی لے کر آتی ہے اور میں اس سے جماع کرتا ہوں، کیا میں اس سے عزل کر لوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں تم اس سے عزل کر لو، پھر کچھ دنوں کے بعد وہ مرد آیا، سو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اس باندی سے عزل کیا تھا پھر بھی وہ حاملہ ہو گئی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس نفس کی تخلیق کو مقدر کر دیا ہے اس کی تخلیق ضرور ہوگی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۲، شرح معانی الآ ثار: ۴۲۷۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (شرح معانی الآثار: ۴۲۸۱)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۵۲۰۹) امام طحاوی فرماتے ہیں: ان احادیث سے ثابت ہوا کہ عزل کرنا مباح ہے اور جو عزل کی شرائط کے مطابق عزل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مذہب ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۹۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

عزل کی شرائط

امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے حضرت جذامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عزل کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ وأدِ خفی ہے''۔ یعنی پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔
(صحیح مسلم: ۱۴۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۸۸۲، سنن ترمذی: ۲۰۸۳، مسند احمد: ۲۷۱۰۲، شرح معانی الآثار: ۴۲۵۴)

امام ابوجعفر طحاوی نے بیان کیا کہ بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر عزل کرنے کو مکروہ کہا ہے اور دوسرے علماء نے ان کی مخالفت کی، انہوں نے کہا: جب آزاد عورت اپنے خاوند کو عزل کرنے کی اجازت دے تو پھر عزل کرنا جائز ہے، اور دوسرے علماء نے ان کی مخالفت کی اور کہا کہ مرد کے لیے اپنی بیوی سے عزل کرنا جائز ہے خواہ اس کی بیوی اجازت دے یا منع کرے اور ہمارے نزدیک ان دونوں قولوں میں سے پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خاوند کے لیے بیوی سے جماع کرنا جائز ہے خواہ وہ اس کو ناپسند کرے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بیوی کے رحم میں منی پہنچائے اور عزل نہ کرے، اس طرح بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ خاوند سے بغیر عزل کے جماع کرائے اور اس میں دونوں کا ایک دوسرے پر حق برابر ہے، پس نظر کا تقاضا یہ ہے کہ بیوی کا حق یہ ہے کہ خاوند اس سے بغیر عزل کے جماع کرے خواہ مرد اس کو پسند کرے یا نہ کرے اس وجہ سے آزاد عورت کی اجازت سے اس کے ساتھ عزل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔
اور مولیٰ (مالک) کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے اور اس سے اجازت نہ لے اور اگر کسی مرد کے نکاح میں کسی شخص کی باندی ہو تو وہ اس باندی کے مالک کی اجازت سے عزل کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔
(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۹۰۔۳۸۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

خاندانی منصوبہ بندی کی تحقیق

خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ جبراً تمام مسلمانوں پر لاگو کر دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اول تو اس کی اباحت تمام مکاتب فقہ کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے، شیخ ابن حزم اور علامہ رویانی عزل کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور بعض فقہاء کراہت کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں اور جو فقہاء اس کی بلا کراہت اجازت دیتے ہیں وہ اس کو بیوی کی اجازت کے ساتھ مشروط کرتے ہیں اس لیے خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ ہر شخص پر لازم کر دینا ہے شرعاً جائز نہیں ہے اور انفرادی طور پر بھی دو صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی اصلاً جائز نہیں ہے۔

ضبط تولید کے عدم جواز کی دو صورتیں

(۱) تنگی رزق کے خوف کی بناء پر ضبط تولید کا عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِیَّاكُمْؕ ۔(بنی اسرائیل:۳۱) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔

اگرچہ خاندانی منصوبہ بندی کے طریقہ پر عمل کے وقت اولاد کا تحقق نہیں ہوتا اس لیے اس عمل سے قتل اولاد کا ارتکاب تو لازم نہیں آتا لیکن اس کی ممانعت کی علت مفلسی اور تنگی رزق کا ڈر ہے اور وہ خاندانی منصوبہ بندی کے طریقہ میں بھی موجود ہے، لہٰذا تنگی رزق کے ڈر کی وجہ سے بھی خاندانی منصوبہ بندی کے طریقہ پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص اس وجہ سے ضبط تولید کرے کہ اس کے ہاں بار بار لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں اور لڑکیوں کا وجود باپ کے لیے باعث عار اور مشقت ہوتا ہے تو یہ بھی ناجائز ہے، قرآن مجید میں اس کی بہت مذمت کی گئی ہے:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ۝ (النحل:۵۸) اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سارا دن سیاہ رہتا ہے اور وہ غم زدہ رہتا ہے O

یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ بیٹی کی پیدائش پر غمگین ہوتے تھے اور قرآن مجید نے اس کی مذمت فرمائی ہے، لہٰذا بیٹیوں کی پیدائش سے بچنے کے لیے ضبط تولید کرنا حرام ہے۔

ضبط تولید کی جائز صورتیں

(۱) باندیوں سے ضبط تولید کرنا تا کہ اولاد مزید باندی اور غلام بننے سے محفوظ رہے، ہر چند کہ اب باندیوں اور غلاموں کا رواج نہیں ہے لیکن اسلام کے احکام دائمی اور کلی ہیں، اگر کسی زمانہ میں باندیوں کا رواج ہو جائے تو باندیوں کے ساتھ ضبط تولید کا عمل جائز ہوگا۔

(۲) اگر بچوں کی پیدائش کے عمل کو قائم رکھنے سے بیوی کے سخت بیمار رہنے کا خطرہ ہو تو پھر ضبط تولید جائز ہے۔

(۳) اگر بچوں کی مسلسل پیدائش سے بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں حرج کا خطرہ ہو تو وقفہ وقفہ سے پیدائش کے لیے ضبط تولید کرنا جائز ہے کیونکہ جب گھر میں صرف ایک بیوی ہو اور نو، دس ماہ بعد دوسرا بچہ پیدا ہو جائے تو بیوی کے لیے دونوں بچوں کو سنبھالنا مشکل ہوگا۔

(۴) حمل اور وضع حمل کے وقفوں کے درمیان بعض صورتوں میں انسان اپنی جنس خواہش پوری نہیں کر سکتا اس لیے زیادہ عرصہ تک بیوی سے جنسی خواہش پوری کرنے کی نیت سے ضبط تولید کرنا جائز ہے۔

(۵) عام طور پر بچوں کی پیدائش سے عورت کا حسن و جمال کم یا ختم ہو جاتا ہے اس لیے اگر وہ عورت کے حسن و جمال کو قائم رکھنے کے لیے ضبط تولید کا عمل کرے تو صحیح ہے۔ امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے بھی اس وجہ سے عزل کو جائز قرار دیا ہے۔ (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۵۲، دار المعرفہ، بیروت)

(۶) زیادہ بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے انسان کو زیادہ آمدنی کے حصول کے لیے معمول سے زیادہ محنت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ انسان دہری، تہری، نوکریاں اور اوور ٹائم (OVER TIME) کرتا ہے اور بعض اوقات ناجائز وسائل کو بھی اختیار کرتا ہے اس لیے اپنے آپ کو اس محنت اور مشقت سے بچانے اور بار معیشت کو کم کرنے کے لیے ضبط تولید کا عمل جائز ہے کیونکہ جس قدر آمدنی کے لیے مشقت کم ہوگی وہ اتنا ہی عبادت کے لیے فارغ ہوگا، امام غزالی نے بھی اس وجہ سے عزل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ (احیاء العلوم ج ۲ ص ۵۲)

(۷) بعض اوقات سرجری کے ذریعہ بچہ پیدا ہوتا ہے، سو بیوی کو سرجری کی تکلیف اور جان کے خطرہ سے بچانے کے لیے ضبط تولید کا عمل جائز ہے۔

ضبط تولید کا وجوب

(۱) جب پیٹ میں مزید سرجری کی گنجائش نہ رہے تو پھر ضبط تولید کا ایسا طریقہ اختیار کرنا (یعنی نل بندی) واجب ہے جس سے سلسلہ تولید بالکلیہ بند ہو جائے۔

(۲) اگر کوئی ماہر مسلمان ڈاکٹر یہ کہے کہ مزید بچہ پیدا ہونے سے عورت کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی تب بھی سلسلہ تولید کو بند کرنا واجب ہے۔

ضبط تولید کی ناجائز صورت

ضبط تولید کا ممنوع طریقہ یہ ہے کہ مرد کی نس بندی (VASEC TOME) کی جائے۔ اس عمل کے ذریعہ مرد کی جن نالیوں سے تولیدی جرثومے (SPERM) گزرتے ہیں ان نالیوں کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے۔ اس عمل کے بعد مرد میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔

نس بندی سے مرد بانجھ ہو جاتا ہے اور مرد کا اپنے آپ کو بانجھ کرالینا جائز نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں ہے، انسان خود کو بیچ سکتا ہے نہ خودکشی کر کے خود کو ختم کر سکتا ہے نہ اپنا کوئی عضو کاٹ کر کسی کو دے سکتا ہے اس لیے اسلام میں اعضاء کی پیوند کاری بھی جائز نہیں ہے، بناء بریں نس بندی بھی جائز نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ ضبط تولید کا عمل اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر توکل کے خلاف ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے۔ (ہود:٦)

اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ لے لیا ہے اس کے باوجود لوگ حصول رزق کے لیے کاروبار کرتے ہیں اور نوکریاں کرتے ہیں اور مستقبل کے لیے رقم پس انداز کرتے ہیں اور ان کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر توکل کے خلاف نہیں ہے، سو اس طرح بارِ معیشت کو کم کرنے کے لیے اور دیگر طبی وجوہ کی بناء پر ضبط تولید کا عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ ضبط تولید کا عمل تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے

لوگ اپنے مصائب اور پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مصائب کو دور کرنے کے لیے اور بیماریوں میں شفاء کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ مصائب کا دور ہونا اور شفایاب ہونا بھی پہلے سے تقدیر میں مقرر ہے، سو جس طرح دعا کرنا تقدیر کے خلاف نہیں ہے اور علاج کرنا تقدیر کے خلاف نہیں ہے، سو اسی طرح بارِ معیشت کو کم کرنے کے لیے اور بعض طبی وجوہ کی بناء پر ضبط تولید کا عمل کرنا بھی جائز ہے۔

اسقاط حمل کی تحقیق

استقرارِ حمل کے چار ماہ میں پیٹ کے بچہ میں روح پھونک دی جاتی ہے اور اب وہ ایک جاندار بچہ کے حکم میں ہوتا ہے اور اس

وقت حمل ضائع کرنا پیٹ کے بچہ کو قتل کرنا ہے اور یہ قتل انسان کے حکم میں ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ استقرار حمل کے چار ماہ میں بچہ میں روح پھونک دی جاتی ہے، اس پر دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور آپ بہت سچے ہیں: تمہارا نطفہ اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس (۴۰) دن رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو جما ہوا خون بنا دیتا ہے، پھر چالیس دن بعد اللہ تعالیٰ اس کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیتا ہے، پھر چالیس (۴۰) دن بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو حکم دیتا ہے کہ اس کا عمل، اس کا رزق، اس کی موت اور اس کا برا یا نیک ہونا لکھ دو، پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۰۸، صحیح مسلم: ۲۶۴۳، مسند احمد: ۳۶۲۴)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ استقرار حمل کے چار ماہ بعد اسقاط حمل کرنا، ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے اور چار ماہ سے پہلے اسقاط حکم کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی عادی بدکار عورت جو حمل کو اپنے زنا کے کاروبار کے راستہ میں رکاوٹ سمجھتی ہے اور زنا کو جاری رکھنے کے لیے اسقاط کراتی ہے تو یہ ناجائز اور گناہ ہے اور اگر ڈاکٹر کو اس کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ اس کا حمل ساقط کرے تو وہ بھی گناہ گار ہوگا، قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ: ۲) اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اور اگر کسی عورت سے کوئی گناہ ہو گیا اور اب اگر وہ اپنی غلطی پر نادم اور تائب ہو تو ایسی عورت کا اسقاط حمل کرانا جائز ہے (بہ شرطیکہ استقرار حمل کے بعد چار ماہ نہ گزرے ہوں) اور ڈاکٹر کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ ایسی عورت کا حمل ساقط کر دے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو مصیبت کے وقت بے یار و مددگار چھوڑے، جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے، جو شخص کسی مسلمان کی دنیاوی پریشانی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی پریشانی دور کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۴۲، صحیح مسلم: ۲۵۸۰، سنن ابوداؤد: ۴۸۹۳، سنن ترمذی: ۱۴۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۲۹۱، مسند احمد: ۲۷۴۸۶)

اگر مدت حمل کے چار ماہ گزر گئے ہوں لیکن حمل برقرار رہنے کی وجہ سے عورت کی موت اور اس کی ہلاکت یقینی ہو جس کی مسلمان ماہر ڈاکٹروں نے تصدیق کر دی ہو تو چار ماہ کے بعد بھی اسقاط حمل جائز ہے بلکہ عورت کی جان بچانے کے لیے یہ اسقاط ضروری ہے کیونکہ اسقاط نہ کرنے کی تقدیر پر بچہ اور ماں دونوں کی ہلاکت کا خطرہ ہے اور پیٹ کے بچہ کا جاندار اور زندہ ہونا ظنی ہے، اس کی بہ نسبت ماں کی جان جو یقینی اور مشاہد ہے وہ زیادہ اہم ہے اس لیے اس صورت میں اسقاط کرنا واجب ہے۔

اسقاط حمل کے متعلق مصری علماء کی تحقیق

مصری علماء کے مرتب کردہ فتاویٰ میں مذکور ہے:

روح پھونکے جانے کے بعد پیٹ کے بچہ کو ساقط کرنا جرم بھی ہے اور گناہ بھی ہے کیونکہ اس نے ایک ایسے انسان کو قتل کیا ہے جس میں انسانی روح آ چکی تھی جس کی دینی سزا گناہ اور کفارہ ہے اور دنیاوی سزا جرمانہ ہے، اس کو فقہاء غرۃ سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دیت کا بیسواں حصہ ہے یعنی پانچ سو درہم، لیکن جب اسقاط کی شدید ضرورت ہو مثلاً کسی عورت کے ہاں بہت مشکل سے بچہ پیدا ہوتا ہو اور مسلمان ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ اس وقت حمل کا باقی رہنا عورت کی زندگی کے لیے خطرہ ہے اس وقت اسقاط حمل جائز ہے بلکہ اگر اسقاط

پرعورت کی جان کا بچنا موقوف ہوتو اسقاط حمل واجب ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے: ''جن دو چیزوں میں سے ایک میں ضرر کم ہو اس پر عمل کیا جاتا ہے''۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پیٹ کے بچہ کی موت اور ماں کی موت کے درمیان امر دائر ہوتو ماں کو بچانا زیادہ اہم ہے کیونکہ ماں بچہ کی اصل ہے اور اس کی حیات ثابت اور مستقل ہے اور بچہ کی حیات غیر مستقل اور غیر ثابت ہے اس وجہ سے بچہ کی حیات کے لیے ماں کی حیات کی قربانی نہ دی جائے۔ (الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۹ ص ۳۰۹۹، القاہرہ، ۱۴۰۳ھ)

اسقاط حمل کے جواز یا عدم جواز کے متعلق مذاہب ائمہ اربعہ

علامہ حسن بن منصور اوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

جب تک حمل نطفہ ہو یا جما ہوا خون ہو یا گوشت کا لوتھڑا ہو تو فقہاء نے عورت کو استبراء رحم کی اجازت دی ہے اور انہوں نے چار ماہ تک اس مدت کا اندازہ کیا ہے، فقہاء نے اس مدت میں اسقاط حمل کی اجازت اس لیے دی ہے کہ اس مدت میں نطفہ آدمی نہیں بنتا۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۴۱۰، مطبع کبریٰ امیریہ، مصر، ۱۳۱۰ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ذخیرۃ میں مذکور ہے: اگر رحم میں نطفہ پہنچنے کے بعد عورت اس کے اسقاط کا ارادہ کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اگر اتنی مدت گزر گئی ہے جس میں روح پھونک دی جاتی ہے تو پھر اسقاط جائز نہیں ہے اور اس مدت سے پہلے اسقاط کرانے میں مشائخ کا اختلاف ہے، اور حدیث کے مطابق یہ مدت چار ماہ ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۹، مطبع عثمانیہ، استنبول، ۱۳۲۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

روح پھونکے جانے سے پہلے عورت نطفہ کے اسقاط کے لیے جو علاج کراتی ہے اس کے حکم کو عزل پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جو فقہاء عزل کو منع کرتے ہیں وہ اس کو بہ طریق اولیٰ منع کریں گے اور جو فقہاء عزل کو جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک اسقاط حمل بھی جائز قرار پائے گا اور یہ فرق بھی کیا جاسکتا ہے کہ عزل میں کسی خارجی سبب کا دخل نہیں ہے اور اسقاط کرانے میں خارجی اسباب (یعنی دواء وغیرہ) کا دخل ہے اور جو عورتیں سرے سے حمل ساقط کرادیتی ہیں اس کو بھی اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے، بعض متاخرین شافعی علماء نے اسقاط کو ناجائز کہا ہے لیکن جب وہ عزل کو مطلقاً جائز کہتے ہیں تو اسقاط کو ناجائز قرار دینا مشکل ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۹۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ منصور بن یونس بہوتی حنبلی متوفی ۱۰۵۱ھ لکھتے ہیں:

چالیس دن سے پہلے کسی جائز دواء سے نطفہ کو گرادینا جائز ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں کسی جائز دوائی سے اسقاط کرانا بھی جائز ہے۔ (الروض المربع باب العدد ص ۴۴۷، بحوالہ فتاویٰ اسلامیہ ج ۹ ص ۳۰۹۶، القاہرہ، ۱۴۰۳ھ)

علامہ محمد بن احمد بن عرفہ الدسوقی المالکی المتوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

رحم میں منی کے استقرار کے بعد اس کو نکالنا جائز نہیں ہے خواہ چالیس دن سے پہلے نکالا جائے اور جب اس میں روح پھونک دی جائے تو اجماعاً حرام ہے، ایک قول یہ ہے کہ چالیس دن سے پہلے منی کو رحم سے نکالنا مکروہ ہے۔

(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ج ۲ ص ۲۶۶، بحوالہ فتاویٰ اسلامیہ ج ۹ ص ۳۰۹۵، قاہرہ، ۱۴۰۳ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک اسقاط حمل جائز نہیں ہے۔

۹۸۔ بَابُ: الْقُرْعَةِ بَيْنَ النِّسَاءِ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا

جب خاوند سفر کا ارادہ کرے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرے

۵۲۱۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا خَرَجَ أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ فَطَارَتِ الْقُرْعَةُ لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ بِاللَّيْلِ سَارَ مَعَ عَائِشَةَ يَتَحَدَّثُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ أَلَا تَرْكَبِينَ اللَّيْلَةَ بَعِيرِي وَأَرْكَبُ بَعِيرَكِ تَنْظُرِينَ وَأَنْظُرُ فَقَالَتْ بَلَى فَرَكِبَتْ فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى جَمَلِ عَائِشَةَ وَعَلَيْهِ حَفْصَةُ فَسَلَّمَ عَلَيْهَا ثُمَّ سَارَ حَتَّى نَزَلُوا وَافْتَقَدَتْهُ عَائِشَةُ فَلَمَّا نَزَلُوا جَعَلَتْ رِجْلَيْهَا بَيْنَ الْإِذْخِرِ وَتَقُولُ يَا رَبِّ سَلِّطْ عَلَيَّ عَقْرَبًا أَوْ حَيَّةً تَلْدَغُنِي وَلَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقُولَ لَهُ شَيْئًا

(صحیح مسلم: ۲۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۰، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۴، سنن داری: ۲۴۲۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۷۴۶۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد بن ایمن نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ جب (سفر کے لیے) نکلتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، پس حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا قرعہ نکل آیا اور نبی ﷺ جب رات کو چلتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ باتیں کرتے، تب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہا: کیا آج رات آپ میرے اونٹ پر سوار نہیں ہوتیں اور میں آپ کے اونٹ سوار ہوتی ہوں آپ بھی دیکھتی رہیں اور میں بھی دیکھتی رہوں (یعنی جو چیزیں آپ نے پہلے نہیں دیکھیں وہ آپ دیکھ لیں اور جو چیزیں میں نے پہلے نہیں دیکھیں ان کو میں دیکھ لوں)، حضرت عائشہ نے کہا: کیوں نہیں، پس حضرت عائشہ (حضرت حفصہ کے اونٹ پر) سوار ہوگئیں، پھر نبی ﷺ حضرت عائشہ کے اونٹ کی طرف آئے تو اس کے اوپر حضرت حفصہ سوار تھیں، آپ نے ان کو سلام کیا، پھر چلے گئے، پھر جب اپنی منزل پر پہنچے تو حضرت عائشہ نے آپ کو چلنے کی حالت میں گم پایا، تب حضرت عائشہ نے اپنے پیروں کو اذخر گھاس میں ڈال دیا اور دعا کرنے لگیں: اے میرے رب! مجھ پر کوئی بچھو یا سانپ مسلط کردے جو مجھ کو ڈس لے اور میں یہ نہیں طاقت نہیں رکھتی کہ میں نبی ﷺ سے کوئی بات کہوں۔

حدیث مذکور کے مشکل جملوں کی تسہیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آج رات آپ میرے اونٹ پر سوار نہیں ہوتیں اور میں آپ کے اونٹ پر سوار ہوں، آپ بھی دیکھیں اور میں بھی دیکھوں: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات کہنے پر غیرت اور رقابت نے برانگیختہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے اونٹ ساتھ ساتھ نہیں تھے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ ایک جانب تھا اور

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ دوسری جانب تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی: اے میرے رب! مجھ پر کوئی بچھو یا سانپ مسلط کر دے جو مجھ کو ڈس لے:

المہلب نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی انسان تنگی یا مشکل کے وقت اپنے خلاف دعا کرے تو وہ غالباً معاف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ (یونس:۱۱)

اور اگر اللہ لوگوں (کی بد اعمالیوں کی سزا میں ان) کو نقصان پہنچانے میں بھی اتنی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ (دنیا کے) نفع کی طلب میں کرتے ہیں تو انہیں (کب کی) موت آ چکی ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۸۰۔۲۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنے نفس کے خلاف دعا کی توجیہ

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خلاف غیرت سے دعا کی، انہیں اس پر رنج تھا کہ حضرت حفصہ نے انہیں کس طرح فریب دیا اور انہیں کس طرح فریب دکھایا اور وہ کس طرح اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کا شرف حاصل نہیں کر سکیں، اسی غم و غصہ میں انہوں نے اپنے پیر گھاس پر مارے اور اپنے خلاف دعا کی: اے اللہ! مجھے کوئی بچھو ڈس لے یا کوئی سانپ ڈس لے کیونکہ غم و غصہ کی شدت میں انسان کے منہ سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جن کا وہ ارادہ نہیں کرتا، بعض اوقات ماں اپنے بیٹے کو بد دعا دیتی ہے: اللہ کرے وہ اندھا ہو جائے، تجھے فالج ہو جائے، تو مر جائے حالانکہ یہ اس کا ارادہ نہیں ہوتا اور اللہ رحیم و کریم ہے، وہ انسان کی ایسی دعاؤں کو اکثر قبول نہیں فرماتا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۵۹۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

سفر میں کسی ایک بیوی کو اپنے ساتھ لے جانے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن القصار نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی کسی ایک بیوی کے ساتھ سفر کا ارادہ کرے تو اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک نے کہا کہ اس کے لیے بغیر قرعہ اندازی کے کسی ایک بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا جائز نہیں ہے، یہی امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ انسان بغیر قرعہ اندازی کے اپنی جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے، امام مالک کے پہلے قول کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر جانے کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے سو جس کے نام کا بھی قرعہ نکل آتا اس کو اپنے ساتھ سفر پر لے جاتے۔ (صحیح البخاری:۲۶۶۱)

پس معلوم ہوا کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ اپنی کسی ایک بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جس سے عدول کرنا جائز نہیں ہے، اس وجہ سے امام مالک نے کہا کہ بغیر قرعہ اندازی کے کسی ایک بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا جائز نہیں ہے۔

امام مالک کا دوسرا قول یہ ہے کہ بغیر قرعہ اندازی کے بھی کسی ایک بیوی کو سفر میں ساتھ لے جانا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ

سفر میں بیوی کی ضرورت حضر سے زیادہ شدید ہوتی ہے، لہٰذا انسان کو اس بیوی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی ضروریات سے واقف ہو اور اس کے معاملات میں اس کی مدد کر سکے، سو اس ضرورت کی وجہ سے بغیر قرعہ اندازی کے بھی کسی ایک بیوی کو سفر میں اپنے ساتھ لے جانا جائز ہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حیلہ پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ناراض نہ ہونے کی توجیہ

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حیلہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اونٹ پر سوار کرا کے دوسری جانب بھیج دیا اور خود ان کے اونٹ پر سوار ہو گئیں تا کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قرب اور آپ سے باتیں کرنے کا شرف حاصل ہو، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کی اس کارروائی کا علم بعد میں ہوا لیکن آپ نے حضرت حفصہ پر کسی ناراضگی یا عتاب کا اظہار نہیں فرمایا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ عورتوں کی فطرت میں غیرت اور رقابت ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۹۔۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۹۔ بَابُ: الْمَرْأَةِ تَهَبُ يَوْمَهَا مِنْ زَوْجِهَا لِضَرَّتِهَا وَكَيْفَ يَقْسِمُ ذٰلِكَ

عورت اپنے خاوند سے اپنی باری اپنی سوکن کو ہبہ کر دے اور خاوند اس کی تقسیم کس طرح کرے؟

۵۲۱۲۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ بِيَوْمِهَا وَيَوْمِ سَوْدَةَ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۶۲، ۲۶۷۹، ۳۷۶۹، ۵۰۰۰، ۷۵۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن ابو داؤد: ۲۱۳۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۰)

امام بخاری روایت کرتے ہیں ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عائشہ کے لیے ایک دن ان کی باری کی تقسیم کرتے اور ایک دن ان کے لیے حضرت سودہ کی باری کی تقسیم کرتے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۵۹۳، میں گزر چکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ازواج کی باریوں کی تقسیم کا واجب نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ازواج کے لیے باریوں کی تقسیم واجب نہیں تھی اور آپ نے ان کے لیے باریوں کی تقسیم جو مقرر فرمائی تھی، یہ آپ کا ان پر فضل تھا، قرآن مجید میں ہے:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ (الاحزاب: ۵۱)

ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں۔

یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خاص کر لیا ہے اور کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۰۔۲۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

١٠٠۔ بَابُ: الْعَدْلِ بَيْنَ النِّسَاءِ — عورتوں کے درمیان عدل کرنا

متعدد ازواج کے درمیان عدل کرنے کا طریقہ

علامہ عینی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی جب ایک مرد کی دو، تین یا چار بیویاں ہوں تو اس پر واجب ہے کہ ان کے درمیان باریوں کی تقسیم میں عدل کرے ماسوا اس کے کہ جب بیویاں از خود اپنی باری کسی دوسری بیوی کو دینے پر راضی ہو جائیں اور مرد پر واجب ہے کہ ان کے ساتھ معاشرت میں عدل کرے تا کہ وہ ایک دوسرے سے حسد اور عداوت نہ رکھیں اور عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے خرچ، ان کے لباس اور ان کو عطیات دینے میں مساوات کرے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٢٨٢، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء:١٢٩)

اور تم ہرگز اپنی بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل نہیں کر سکتے خواہ تم اس پر حریص بھی ہو، سو (جس سے تم کو رغبت نہ ہو) اس بیوی سے بالکل اعراض نہ کرو کہ اس کو اس طرح چھوڑ دو کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو اور اگر تم اصلاح کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے O

متعدد ازواج کے درمیان دلی محبت میں مساوات کا واجب نہ ہونا

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ٤٤٩ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اے مردو! تم اپنی بیوی کے درمیان دلی محبت میں مساوات کی طاقت نہیں رکھتے کیونکہ دلی محبت پر تمہارا اختیار نہیں ہے یعنی اگر تمہیں یہ حرص ہو کہ تم ان کے درمیان دلی محبت میں مساوات کرو گے، پھر بھی نہیں کر سکتے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی اگر ان کے درمیان شہوت میں مساوات کرنا چاہو پھر بھی نہیں کر سکتے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بیویوں کے درمیان محبت میں مساوات واجب نہیں ہے۔

حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواج میں باریوں کی تقسیم کرتے تھے، پس ان کے درمیان عدل کرتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! یہ اس چیز میں میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں، سو جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں، اس میں تو مجھ کو ملامت نہ کرنا۔

(سنن ابو داؤد: ٢١٣٤، سنن ترمذی: ١١٤٠، سنن نسائی ج ٧ ص ٦٤۔ ٦٣، سنن ابن ماجہ: ١٩٧١، صحیح ابن حبان: ٤٢٠٥، المستدرک ج ٢ ص ١٨٧)

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: (ایسا نہ ہو کہ تم) اس کو اس طرح چھوڑ دو کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور اس کا جھکاؤ ان میں سے کسی ایک کی طرف ہو تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی ایک جانب جھکی ہوئی ہوگی''۔

(سنن ابو داؤد: ٢١٣٣، سنن ترمذی: ١١٤١، سنن نسائی ج ٧ ص ٦٣، سنن ابن ماجہ: ١٩٦٩، صحیح ابن حبان: ٤٢٠٧، المستدرک ج ٢ ص ١٨٦)

امام ابو جعفر طحاوی حنفی متوفی ٣٢١ھ نے کہا ہے: ہمارے نزدیک اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ کسی ایک بیوی کی اجازت کے بغیر کسی دوسری بیوی کی طرف جھکاؤ نہ کرے لیکن اگر ایک بیوی دوسری بیوی کی طرف جھکاؤ کی اجازت دے دے تو پھر اس کے لیے

اس دوسری بیوی کی طرف جھکاؤ جائز ہے جیسے حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باقی ازواج مطہرات کے لیے ایک ایک دن کی باری مقرر فرماتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے دو دن کی باری مقرر فرماتے تھے، سو جب کوئی بیوی بہ طیب خاطر اور اپنی خوشی سے اپنا حق چھوڑ دے تو یہ اس آیت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

ہمارے زمانہ میں دو بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے کا افسوس ناک اور الم ناک طریقہ

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں ایک آدمی ایک بیوی کے بعد دوسری بیوی سے نکاح کر لیتا ہے اور نئی بیوی کے ساتھ رہتا ہے اور پرانی بیوی کو لٹکا ہوا چھوڑ دیتا ہے اور اس کے پاس کوئی رات نہیں گزارتا اور بعض اوقات پرانی بیوی کو خرچ اور رہائش بھی مہیا نہیں کرتا نہ اس کو طلاق دیتا ہے کہ وہ عدت کے بعد کسی اور مرد سے نکاح کر لے اور نہ اس کو آباد کرتا ہے اور اس کو درمیان میں لٹکا ہوا چھوڑ دیتا ہے اور بعض اوقات ایک بیوی کو مثلاً پاکستان میں چھوڑ جاتا ہے اور دوسری بیوی کو اپنے ساتھ انگلینڈ یا امریکا لے جاتا ہے اور پرانی بیوی کی پلٹ کر خبر نہیں لیتا، اور وہ یوں ہی لٹکی رہتی ہے، ہمارے زمانہ میں عام حال یہ ہی ہے حتیٰ کہ علماء اور مشائخ بھی پرانی بیوی کو معلقہ بنا کر چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی خبر نہیں لیتے اور نئی بیوی کے ساتھ عیش وعشرت کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمارے ایک ماموں غزالی تھے، میں نے اپنی زندگی میں صرف ان کو دیکھا ہے، ان کی کوٹھی کی دو منزلیں تھیں، ایک منزل میں پرانی بیوی رہتی تھی اور دوسری منزل میں نئی بیوی رہتی تھی، وہ ایک دن ایک منزل میں پرانی بیوی کے ساتھ رہتے اور دوسرے دن دوسری منزل میں نئی بیوی کے ساتھ رہتے، انہوں نے تاحیات اس معمول کے مطابق زندگی گزاری، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اس دور میں جو لوگ دوسری شادی کر لیتے ہیں ان کو توفیق دے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل کریں اور پرانی بیوی کو لٹکی ہوئی نہ چھوڑیں۔ آمین

۱۰۱- بَابُ: إِذَا تَزَوَّجَ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ

جب مرد بیوہ پر کنواری عورت کو نکاح کر کے لائے

۵۲۱۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه وَلَوْ شِئْتُ أَنْ أَقُولَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَلَكِنْ قَالَ السُّنَّةُ إِذَا تَزَوَّجَ الْبِكْرَ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا۔

(صحیح مسلم: ۱۴۶۱، سنن ترمذی: ۱۱۳۹، سنن ابوداؤد: ۲۱۲۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۶، مسند احمد: ۱۲۹۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از ابی قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: اور اگر میں چاہوں تو یوں کہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: لیکن حضرت انس نے کہا: سنت یہ ہے کہ جب مرد کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات راتیں رہے اور جب بیوہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین راتیں رہے۔

جس مرد کی پہلی بیوی ہو اس کے بعد وہ دوسری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن یا سات دن رہنا آیا واجب ہے یا مستحب ہے؟

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن عبد الحکم نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ جس مرد کی کوئی بیوی نہ ہو پھر وہ نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن یا تین دن رہے بلکہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ جس مرد کے نکاح میں ایک عورت ہو پھر وہ اس کے اوپر دوسری عورت

سے نکاح کر لے، پس بعض علماء نے کہا: اس حدیث سے مراد عموم ہے اور کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن رہے اور اگر بیوہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن رہے اور یہ اس مرد پر واجب ہے خواہ اس کی پہلی بیوی ہو یا نہ ہو، کیونکہ سنت نے اس حکم کی اس کے ساتھ تخصیص نہیں کی کہ جس کی پہلی بیوی ہو۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور اس باب میں اس حدیث کے بعد یہ حدیث ہے کہ سنت یہ ہے کہ جب بیوہ کے اوپر کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن رہے اور جب بیوہ کے اوپر بیوہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن رہے، پھر اس کے بعد ہر ایک کے پاس ایک ایک دن رہے۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس مرد کی پہلی بیوی ہو، پھر وہ اس کے اوپر کسی اور عورت سے نکاح کرلے تو امام مالک سے روایت ہے کہ وہ کنواری عورت کے پاس سات دن رہے اور بیوہ کے پاس تین دن رہے جب اس کے پاس دوسری بیوی ہو اور یہ واجب ہے، اور ابن عبدالحکم نے امام مالک سے یہ روایت کی ہے کہ یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

جب مرد کے اوپر واجب ہے کہ وہ نئی بیوی کے پاس تین دن یا سات دن رہے تو اس دوران وہ نمازوں اور اپنی دیگر ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

علامہ ابن حبیب نے کہا کہ مرد اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اور نماز پڑھنے کے لیے باہر نکلے خواہ اس کی بیوی کنواری ہو یا بیوہ ہو خواہ اس کے پاس دوسری بیوی ہو یا نہ ہو، اور ابن ابی اویس نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی شب میں اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا آیا وہ جمعہ کو چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟ امام مالک نے کہا: نہیں، امیر المومنین المہدی نے مدینہ میں نکاح کیا، پھر نماز فجر اور دوسری نمازوں کو پڑھنے کے لیے وہ گھر سے نکلے اور علامہ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ دولہا نماز جمعہ اور دیگر نمازوں کے لیے گھر سے باہر نہ نکلے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ اور علامہ سحنون مالکی نے بیان کیا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ نہ نکلے اور یہ اس عورت کا اس پر حق ہے جو سنت سے ثابت ہے۔ علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: یہ تفصیل ان فقہاء کے قول کے مطابق ہے جو کنواری اور بیوہ کے لیے بہ طور عموم قیام کا کہتے ہیں اور جن کی رائے یہ ہے کہ وہ نمازوں کے لیے گھر سے باہر نکلے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہے وہ تین دن تک دوسری ازواج کے پاس جانے کے لیے گھر سے باہر نہ نکلے اور یہ نماز پڑھنے کے لیے گھر سے نکلنے سے مانع نہیں ہے اور اس کے لیے جماعت کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۰-۲۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۲- بَابٌ: إِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى الْبِكْرِ

جب مرد کنواری بیوی پر بیوہ عورت سے نکاح کرے

۵۲۱۴- حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ رَاشِدٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَخَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى الْبِكْرِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ إِنَّ أَنَسًا رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن راشد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب اور خالد نے حدیث بیان کی از ابی قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جب مرد بیوہ بیوی پر کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن ٹھہرے اور پھر باریوں کو تقسیم

وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ وَخَالِدٍ قَالَ خَالِدٌ وَلَوْ شِئْتُ قُلْتُ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کرے اور جب مرد کنواری بیوی کے اوپر بیوہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن رہے اور پھر باریوں کو تقسیم کرے، ابوقلابہ نے کہا: اور اگر میں چاہوں تو یہ کہوں گا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس حدیث کو مرفوع کیا ہے۔ اور امام عبدالرزاق نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از ایوب و خالد، خالد نے کہا: اگر میں چاہوں تو کہوں کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۲۱۳ میں گزر چکی ہے۔

کنواری بیوی پر بیوہ عورت سے نکاح کرنے پر مدت قیام میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوجعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے اس حدیث کی دس صحیح سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، پھر کہا: ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ مرد جب بیوہ سے نکاح کرے تو اس کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو سات دن اس کے پاس رہے اور سات دن دوسری بیویوں کے پاس رہے اور اگر وہ چاہے تو اس کے پاس تین دن رہے اور باقی ازواج کے پاس ایک ایک دن اور ایک ایک رات رہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: امام طحاوی کی اس قوم سے مراد یہ فقہاء ہیں:

ابراہیم النخعی، عامر الشعبی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوثور اور ابوعبید۔

پھر امام طحاوی نے کہا: اور دوسرے فقہاء نے ان کی مخالفت کی، انہوں نے کہا: اگر وہ تین دن اس بیوہ بیوی کے پاس رہے تو تین دن ان باقی ازواج کے پاس رہے جیسا کہ وہ سات دن ان باقی ازواج کے پاس رہتا ہے تو سات دن باقی ازواج کے پاس رہے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام طحاوی کی اس عبارت میں قوم سے مراد یہ فقہاء ہیں:

حماد بن ابی سلیمان، حکم بن عتبہ اور امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو ان کے پاس تین دن ٹھہرے اور فرمایا: بے شک تمہارے گھر والوں کے اوپر کوئی تنگی نہیں ہے، اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن ٹھہروں اور اگر میں تمہارے پاس سات دن ٹھہروں گا تو سات دن اپنی باقی ازواج کے پاس بھی ٹھہروں گا۔

(صحیح مسلم: ۱۴۶۰، سنن ابوداؤد: ۲۱۲۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۷، مسند احمد: ۲۶۵۶۶)

فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ صحیح بخاری کی اس باب کی حدیث فقہاء احناف کے خلاف دلیل ہے کیونکہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں ہے کہ جب مرد کنواری کے اوپر بیوہ سے نکاح کرے تو بیوہ کے پاس تین دن رہے، پھر باریوں کو تقسیم کرے اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ وہ سات دن بیوہ کے پاس رہے اور سات دن اپنی باقی ازواج کے پاس رہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس صحیح حدیث کے موافق ہے جس کو ابھی ہم نے امام مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور مسند احمد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۸۵۔ ۲۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۰۳۔ بَابُ: مَنْ طَافَ عَلَى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ

جو مرد اپنی تمام بیویوں کے پاس ایک غسل میں گیا

۵۲۱۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۶۸، صحیح مسلم: ۳۰۹، سنن ترمذی: ۱۴۰، سنن نسائی: ۲۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۱۸، سنن ابن ماجہ: ۵۸۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالاعلیٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاتے تھے اور اس وقت آپ کی نو ازواج مطہرات تھیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۸ میں گزر چکی ہے۔

اس اشکال کے متعدد جوابات کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات میں تمام ازواج کے پاس کیسے گئے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نو ازواج مطہرات کی باریاں مقرر کی ہوئی تھیں اور آپ ہر رات میں صرف ایک زوجہ کے پاس جاتے تھے، پھر ایک رات میں آپ تمام ازواج مطہرات کے پاس کیسے گئے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے یہ اس وقت کیا ہو جب آپ کسی سفر سے واپس آئے ہوں کیونکہ اس وقت آپ پر باریوں کی تقسیم لازم نہیں تھی کیونکہ اس وقت کوئی زوجہ دوسری زوجہ پر راجح نہیں تھی اور جب ان تمام ازواج کے حقوق مساوی تھے تو آپ ان سب کے پاس ایک رات میں گئے، پھر اس کے بعد آپ نے دوبارہ شروع سے باریوں کی تقسیم کی، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس رات جس زوجہ کی باری تھی آپ نے اس سے تمام ازواج کے پاس جانے کی اجازت لے لی ہو اور آپ ان کی اجازت اور ان کی خوشی سے اس رات میں تمام ازواج کے پاس گئے جیسے آپ نے بیماری کے ایام میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے لی تھی کہ آپ یہ تمام ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزاریں اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ وہ دن ہو جس میں آپ نے کسی زوجہ کے پاس جانے کی قرعہ اندازی کی ہو اور اس دن تمام ازواج کے نام کا قرعہ نکل آیا ہو، اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ازواج کی باریوں کی تقسیم واجب نہیں تھی اور آپ نے محض اپنے فضل اور احسان سے ان کے لیے باریاں مقرر کی تھیں۔

ایک بیوی کے ساتھ جماع کرنے کے بعد دوسری بیوی کے ساتھ جماع کرنا اور جماع کے وقت دوسری بیوی یا کسی بچے یا کسی جانور کا موجود ہونا

ابن حبیب نے کہا ہے کہ جب مرد اپنی دو بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کی باری کے دن میں جماع کرے، پھر اس دن غسل کرنے سے پہلے اپنی دوسری بیوی سے جماع کرنے کا ارادہ کرے اور جس بیوی کی اس دن باری تھی اس نے اس کی اجازت دے دی ہو تو پھر اس دن اس دوسری بیوی کے ساتھ غسل سے پہلے جماع کرنا جائز ہے۔

اور مرد کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ اپنی دو بیویوں کو ایک بستر پر جمع کرے خواہ وہ دونوں اس پر راضی ہوں لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک بیوی کے ساتھ جماع کرے اور دوسری بیوی اس کے ساتھ گھر میں موجود ہو۔ علامہ ابن الماجشون نے کہا

ہے: اگر جماع کے وقت اس کے ساتھ گھر میں کوئی جانور یا چوپایہ ہو تو یہ مکروہ ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب جماع کرتے تو گھر سے سب کو نکال دیتے حتیٰ کہ سمجھدار بچے کو بھی گھر سے نکال دیتے۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۵۔ ۲۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۴۔ بَابُ: دُخُولِ الرَّجُلِ عَلَى نِسَائِهِ فِي الْيَوْمِ

مرد کا اپنی بیویوں کے پاس دن میں جانا

۵۲۱۶۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الْعَصْرِ دَخَلَ عَلَى نِسَائِهِ فَيَدْنُو مِنْ إِحْدَاهُنَّ فَدَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ فَاحْتَبَسَ أَكْثَرَ مِمَّا كَانَ يَحْتَبِسُ۔

(صحیح البخاری: ۴۹۱۲، ۵۴۳۱، ۵۵۹۹، ۵۶۱۴، ۵۶۸۲، ۶۶۹۱، ۶۹۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن نسائی: ۳۴۲۱، سنن ابو داؤد: ۳۷۱۴، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳، مسند احمد ج ۶ ص ۵۹، مسند عبد بن حمید: ۱۴۸۹، شمائل ترمذی: ۱۶۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۶۹۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں فروہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب عصر کی نماز سے فارغ ہوتے تو اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے، پس ان میں سے کسی ایک کے قریب بیٹھتے، پس آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس خلاف معمول زیادہ دیر تک بیٹھے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۱۲ میں گزر چکی ہے۔

ازواج کی باریوں کی تقسیم کا آپ پر واجب ہونا

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کبھی کبھی اس طرح کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس کو مباح کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۖ (الاحزاب: ۵۱)

ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں۔

تو آپ کبھی کبھی یہ فعل کرتے تھے تاکہ یہ واضح ہو کہ باریوں کی تقسیم کرنا آپ کا فضل اور احسان ہے اور باریوں کی تقسیم آپ پر واجب نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۵۔ بَابُ: إِذَا اسْتَأْذَنَ الرَّجُلُ نِسَائَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِ بَعْضِهِنَّ فَأَذِنَّ لَهُ

مرد کا اپنی بیویوں سے اس کی اجازت طلب کرنا کہ وہ اپنی بیماری کے ایام کسی ایک بیوی کے پاس گزارے اور اس کی بیویاں اس کو اس کی اجازت دیں

۵۲۱۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان

بِلَالٍ قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَيْنَ أَنَا غَدًا أَيْنَ أَنَا غَدًا يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَأَذِنَ لَهُ أَزْوَاجُهُ يَكُونُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ حَتَّى مَاتَ عِنْدَهَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَاتَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي كَانَ يَدُورُ عَلَيَّ فِيهِ فِي بَيْتِي فَقَبَضَهُ اللهُ وَإِنَّ رَأْسَهُ لَبَيْنَ نَحْرِي وَسَحْرِي وَخَالَطَ رِيقُهُ رِيقِي

(صحیح البخاری: ۶۵۱۰، صحیح مسلم: ۲۱۹۲، سنن ترمذی: ۳۴۹۶، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۰)

کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی، ہشام بن عروہ نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جس بیماری میں فوت ہو گئے تھے اس میں آپ سوال کرتے تھے کہ میں کل کہاں ہوں گا؟ میں کل کہاں ہوں گا؟ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا ارادہ کرتے تھے، سو آپ کی ازواج نے آپ کو اجازت دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں، سو آپ اپنی وفات تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: سو آپ اس دن میں وصال فرما گئے جس دن آپ میرے گھر میں میری باری کے دن تھے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمالی اس وقت آپ کا سر اقدس میرے سینہ اور میرے پہلو کے درمیان میں تھا اور آپ کا لعاب دہن میرے لعاب دہن کے ساتھ مل چکا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹۰ میں گزر چکی ہے۔

کسی ایک بیوی کے ساتھ زیادہ محبت کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کا کسی ایک بیوی کے ساتھ دوسری بیویوں سے زیادہ محبت کرنا جائز ہے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باریوں کی تقسیم بیویوں کا حق ہے، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ایام علالت گزارنے کے لیے دوسری ازواج مطہرات سے اجازت طلب کی کیونکہ بیمار آدمی کو اس سے مشکل ہوتی ہے کہ وہ ہر روز دوسری زوجہ کے گھر جائے (تاہم میں یہ کہتا ہوں نبی ﷺ کا دوسری ازواج سے اجازت طلب کرنا ان کی دل جوئی کے لیے تھا نہ اس لیے کہ باریوں کی تقسیم آپ پر واجب تھی۔ سعیدی غفرلہ)

جب بیوی شدید بیمار ہو تو اس کے ساتھ مدت قیام میں فقہاء کا اختلاف

اس پر اتفاق ہے کہ جب بیوی بیمار ہو جائے تو اس کی باری کے وہی دن ہوں گے جو اس کی صحت کے دنوں میں ہوتے تھے اور جب اس کا مرض شدید ہو جائے تو پھر اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس کے پاس ہی رہے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے یا مر جائے، پھر بعد میں باقی ازواج کی باریاں پوری کرلے اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ بیماری کے ایام میں اس نے جو دن اس بیوی کے پاس گزارے ان کا شمار نہیں ہوگا اور اس کی صحت یا موت کے بعد از سر نو دوسری بیویوں کی باریوں کی تقسیم شروع ہوگی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۷۶۔۲۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۶۔ بَابُ: حُبِّ الرَّجُلِ بَعْضَ نِسَائِهِ أَفْضَلَ مِنْ بَعْضٍ

مرد کا کسی ایک بیوی سے زیادہ محبت کرنا اور اس کو دوسری بیویوں پر فضیلت دینا

۵۲۱۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ دَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ فَقَالَ يَا بُنَيَّةِ لَا يَغُرَّنَّكِ هَذِهِ الَّتِي أَعْجَبَهَا حُسْنُهَا حُبُّ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِيَّاهَا يُرِيدُ عَائِشَةَ فَقَصَصْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَتَبَسَّمَ

(صحیح البخاری: ۵۱۴۳۔۵۲۵۶، ۷۲۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۷۹، سنن ترمذی: ۳۳۱۸، سنن نسائی: ۲۱۳۲، مسند احمد: ۲۲۲، ۳۳۹، الادب المفرد: ۸۳۵، صحیح ابن خزیمہ: ۱۹۲۱، ۲۱۷۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عبید بن حنین، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا از حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا: اے بیٹی! تم اس عورت سے دھوکے میں نہ رہنا جو آپ کی تمام ازواج سے زیادہ حسین و جمیل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ہیں، ان کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ قصہ بیان کیا تو آپ مسکرائے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

کسی ایک بیوی کو اس کے حسن و جمال کی وجہ سے دوسری بیوی پر ترجیح دینا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس مرد کی متعدد بیویاں ہوں تو وہ کسی ایک بیوی کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کو دوسری بیویوں پر ترجیح دے جب کہ وہ ان کے درمیان باریوں کی تقسیم میں مساوات رکھے، حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باریوں کی تقسیم میں عدل فرماتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے: ”اے اللہ! یہ اس چیز میں میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں، سو تو اس چیز میں مجھ پر ملامت نہ کرنا جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں“۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۳۴، سنن ترمذی: ۱۱۴۰، سنن نسائی: ۳۹۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۱)

امام ابوداؤد نے کہا: یعنی دلی محبت کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں۔

دلی محبت کے علاوہ باقی امور میں بیویوں کے ساتھ مساوات کرنا

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: جب کہ انسان دل کا مالک نہیں ہے اور دل کے معاملات میں عدل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے حرج کو دور کر دیا اور ارشاد فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۔ (البقرہ: ۲۸۶) اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

تاہم مرد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان خوراک میں کھانے پینے کی دیگر چیزوں میں اپنی حیثیت کے مطابق مساوات رکھے اور ان کے لیے باریوں کی تقسیم کرے اور ان کے پاس رات گزارے خواہ وہ حائض ہوں یا طاہرہ ہوں، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ کسی ایک بیوی کے اوپر دوسری بیویوں سے زیادہ مال خرچ کرے۔

باپ کو اپنی شادی شدہ بیٹی کو ڈانٹنے کا جواز

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو اس کی اپنے خاوند پر غیرت کرنے کے سلسلہ میں ڈانٹے اور اس کو خاوند کی سرکشی سے باز رکھے تاکہ اس کا نتیجہ طلاق کی صورت میں نہ ظاہر ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری)

ج ۷ ص ۲۷۹ ـ ۲۷۸ ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ، ۱۴۲۴ ھ)

۱۰۷ ـ بَابُ: اَلْمُتَشَبِّعِ بِمَا لَمْ يَنَلْ وَمَا يُنْهَى مِنْ اِفْتِخَارِ الضَّرَّةِ

اس کی ممانعت کہ کوئی عورت اپنی سوکن کو جلانے اور اس پر فخر ظاہر کرنے کے لیے یہ کہے کہ مجھے فلاں چیز مل گئی حالانکہ وہ چیز اس کو نہ ملی ہو

۵۲۱۹ ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ عَنْ أَسْمَاءَ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ لِي ضَرَّةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ إِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَ الَّذِي يُعْطِينِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ

(صحیح مسلم: ۲۱۳۰ ، سنن ابوداؤد: ۴۹۹۷ ، مسند احمد: ۲۶۹۸۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی ، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ہشام از فاطمہ از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا از نبی ﷺ (ح) اور مجھے محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی ، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام ، انہوں نے کہا مجھے فاطمہ نے حدیث بیان کی از حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہ ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک سوکن ہے ، کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا اگر میں شیخی بگھار کے کہوں کہ میرا شوہر مجھے چیزیں دیتا ہے حالانکہ وہ مجھے نہ دیتا ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی چیز نہ دی گئی ہو اور وہ ڈینگ مار کر یہ کہے کہ مجھے وہ چیز دی گئی ہے تو وہ اس کی طرح ہے جس نے جھوٹے کپڑے پہنے ہوں۔

اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ کے معنی کی تحقیق اور اس باب کی حدیث کی شرح

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوعبیدہ نے کہا کہ اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ کا معنی ہے کہ انسان اس سے زیادہ اپنے آپ کو مزین کرے جو اس کے پاس ہے اور جھوٹ اور باطل سے خود کو مزین کرے جیسے کسی عورت کی کوئی سوکن ہو اور وہ اس کے سامنے یہ کہے کہ اس کے شوہر نے اس کو بہت چیزیں دی ہیں حالانکہ اس کے شوہر نے اس کو وہ چیزیں نہ دی ہوں ، وہ محض اپنی سوکن کو جلانے کے لیے ایسا کہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ جو چیزیں انسان کے پاس نہ ہوں وہ اپنے آپ کو ان سے مزین کرے تو یہ مذموم ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی آدمی جھوٹے کپڑے پہنے ، ایک قول یہ ہے کہ ایک آدمی ایک قمیص پہنے اور اس کے اوپر دوسری قمیص کی آستینیں چڑھا لے اور یہ ظاہر کرے کہ اس نے دو قمیصیں پہنی ہوئی ہیں۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ کا معنی ہے کہ ایک آدمی بھوکا ہو اور وہ یہ ظاہر کرے کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے اور وہ سیر ہے جیسے کوئی شخص جھوٹ اور باطل کے ساتھ اپنے آپ کو مزین کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور وہ یہ ظاہر کرے کہ اس کو وہ چیز دی گئی ہے وہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے دو جھوٹ کے کپڑے پہنے ہوں۔

علامہ الخطابی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس حدیث کی دو تاویلیں ہیں: ایک یہ ہے کہ کپڑا ایک مثال ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی مرد کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ عیوب سے بری ہے اور اس کی صفت میں کہا جائے کہ اس کے کپڑے طاہر ہیں۔ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ اس حدیث میں کپڑے ہی مراد ہیں یعنی قبیلہ میں ایک شخص کا خوب صورت کوٹ ہو، پس جب لوگوں کو جھوٹی گواہی کی ضرورت ہو تو وہ ان کے حق میں گواہی دے اور اس کے خوب صورت لباس کی وجہ سے اس کی گواہی کو قبول کر لیا جائے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کوئی عورت امانت میں رکھے ہوئے کپڑے پہنے یا عاریۃً لیا ہوا لباس پہنے تا کہ لوگ یہ گمان کریں کہ یہ اس عورت کا اپنا لباس ہے اور یہ لباس اس کے پاس ہمیشہ تو نہیں رہے گا، پھر جن کا لباس ہے وہ اس سے واپس لے لیں گے تو وہ شرمندہ اور رسوا ہو گی۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ اس لیے مکروہ ہے کہ اس وجہ سے اس کی سوکن اور اس کے شوہر کے درمیان بغض پیدا ہو گا جس کا نتیجہ طلاق ہو گی اور یہ اس جادو کی مثل ہے جس کی وجہ سے شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان مفارقت ہو جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۰۔۲۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

متشبعین کے متعلق وعید

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتشبع بمالم یعط کا معنی یہ ہے کہ آدمی لوگوں کے لیے یہ ظاہر کرے کہ وہ غنی ہے اور واقع میں وہ غنی نہ ہو، اسی طرح باقی صفات ہیں مثلاً وہ یہ ظاہر کرے کہ وہ ذہین ہے حالانکہ وہ کند ذہن ہو اور وہ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ وہ عالم ہے حالانکہ وہ جاہل ہو اور وہ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ وہ عبادت گزار ہے حالانکہ وہ غیر عبادت گزار ہو اور فاسق ہو۔ (اسی طرح کوئی شخص دوسروں کی تحقیق کو پڑھ کر یا ان سے سن کر لوگوں کے سامنے اس طرح بیان کرے جیسے وہ خود اس کی اپنی تحقیق ہے، یا کسی کی تقریر کے نکات سن کر یا اس کی کتاب کو پڑھ کر لوگوں کے سامنے اس طرح بیان کرے جیسے وہ اس کے سینہ زاد نکات ہیں، سو یہ مذموم ہے)۔ قرآن مجید میں اس پر وعید ہے:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (آل عمران: ۱۸۸)

ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور جو یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے ان لوگوں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

پس جو انسان لوگوں کے سامنے ایسے وصف کو ظاہر کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے در اصل وہ انسان شیخی خورہ ہے اور وہ اس طرح ہے جیسے اس نے جھوٹے کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۶۰۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کا منتحلین سے شکوہ

ایک مجلس میں علامہ سیوطی نے علامہ قسطلانی سے کہا: آپ نے ''المواہب اللدنیہ'' میں حدیث کی جن کتابوں کے حوالے دیے ہیں آپ نے وہ حوالے میری کتابوں سے لیے ہیں۔ اگر آپ کا یہ زعم ہے کہ یہ آپ کی اپنی تحقیق ہے تو آپ دکھائیں کہ آپ کے پاس حدیث کی وہ کتابیں ہیں؟ بعد میں علامہ قسطلانی، علامہ سیوطی سے ملنے ان کے گھر گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، علامہ سیوطی نے پوچھا: کون ہے؟ علامہ قسطلانی نے کہا: احمد قسطلانی، علامہ سیوطی نے پوچھا: کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا: برہنہ پا اور برہنہ سر

کے دروازے پر کھڑا ہوں تا کہ آپ کے دل سے کدورت دور ہو جائے اور آپ راضی ہو جائیں۔ یہ سن کر شیخ جلال الدین سیوطی نے اندر ہی سے کہا کہ میں نے دل سے کدورت کا ازالہ کر دیا لیکن نہ دروازہ کھولا اور نہ ان سے ملاقات کی۔

(بستان المحدثین ص ۳۲۰۔۳۱۹، مطبع سعید کمپنی، لاہور)

سوچیے! علامہ قسطلانی نے علامہ سیوطی کی کتابوں کو ان کے حوالہ کے بغیر ذکر کر دیا تو اس پر علامہ سیوطی اس قدر رنجیدہ اور ناراض ہوئے، ادھر اس مصنف ناکارہ کا یہ حال ہے کہ اس کی تصانیف کے صفحات لوگ اس کا حوالہ دیئے بغیر اپنی کتابوں میں درج کر دیتے ہیں اور اس کی تحقیقات کو اپنی تحقیقات ظاہر کر کے بیان کرتے ہیں تو اس ناکارہ کو اس پر کتنا رنج ہوتا ہوگا، لیکن میں اس پر صبر کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی معاف فرمائے اور ان لوگوں کو بھی معاف فرمائے۔ آمین۔

۱۰۸۔ بَابُ: الْغَيْرَةِ — الغیرۃ (غیرت کا بیان)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ "غیرت" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صاحب المشارق نے کہا ہے: شوہر اور بیوی کی ایک دوسرے کے ساتھ جو خصوصیت ہے اس میں کسی دوسرے کی شرکت کی وجہ سے خون کا کھولنا اور جوش میں آنا اور ایک دوسرے کو دفع کرنا غیرت ہے۔

صاحب النہایہ نے کہا ہے: غیرت کا معنی حمیت ہے یعنی نفرت، عار اور ناپسندیدگی۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ کسی کی خصوصیت میں جب دوسرا شریک ہو جائے اس کی وجہ سے اس کے دل میں جو تغیر ہوتا ہے اور غصہ جوش میں آتا ہے اس کو غیرت کہتے ہیں، اور سب سے شدید غیرت اس وقت ہوتی ہے جب شوہر اور بیوی کی خصوصیت میں کوئی دوسرا شریک ہو، یہ آدمیوں کے حق میں غیرت کا معنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں غیرت کا معنی عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ وَرَّادٌ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ وَاللهُ أَغْيَرُ مِنِّي۔

(صحیح البخاری: ۷۴۱۶)

اور وراد نے بیان کیا از مغیرہ، انہوں نے کہا: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو میں اس کو تلوار (کی دھار) سے ماروں گا نہ کہ اس کی چوڑائی کی طرف سے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم کو سعد کی غیرت پر تعجب ہوتا ہے؟ میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔

غیرت کا معنی، اللہ تعالیٰ اور بندوں کی غیرت کا فرق اور غیرت کے متعلق مزید احادیث

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے غیرت مند ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن بے حیائی کے کاموں سے منع فرمایا ہے ان کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ بندوں پر ناراض ہوتا ہے اور ان پر عذاب کی وعید سناتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ مومن ان کاموں کو نہ کرے جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۲۳)

حضرت سعد کے قول کا معنی یہ ہے کہ میں حرام کاموں کے ارتکاب پر ناراض ہوتا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ حرام کاموں کے ارتکاب پر ناراض ہوتا ہے۔ اور غیرت کی دو قسمیں ہیں، ایک محمود ہے اور دوسری مذموم ہے، حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غیرت کی بعض قسمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں اور بعض قسمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہیں، رہی غیرت کی وہ قسمیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں یہ وہ ہیں جن میں کسی شک کی وجہ سے غیرت ہو اور رہی غیرت کی وہ قسمیں جو شک کی وجہ سے نہ ہوں بلکہ بلا وجہ ہوں تو وہ محبوب نہیں ہیں۔

(سنن ابن ماجہ:۱۹۹۶)(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۲۔۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت سعد نے جو کہا تھا: اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھوں تو میں اس کو تلوار کی دھار سے قتل کر دوں گا اور انہوں نے چار گواہ لانے تک صبر نہیں کیا، اس کی شرح کتاب الدیات میں آئے گی۔

نیز حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غیرت کی بعض قسمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں اور غیرت کی بعض قسمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۱۷۷۰۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "غیرت ایمان سے ہے اور فحش کلامی نفاق سے ہے"۔ (کشف الاستار:۱۴۹۰، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۷)، حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو مرحوم ہے، اس کی امام نسائی وغیرہ نے توثیق کی ہے اور ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں اور حافظ ابن حبان نے ابو مرحوم کا شمار ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ (کتاب الثقات لابن حبان ج ۷ ص ۱۳۳)

ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا: "بے شک میں بہت زیادہ غیرت والا ہوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بہت غیرت والے تھے اور جس مرد میں غیرت نہ ہو اس کا دل اوندھا ہوتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۱۷۷۰۷)

۵۲۲۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ وَمَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللهِ۔

(صحیح البخاری: ۷۴۰۳، صحیح مسلم ۲۷۶۰، سنن ترمذی: ۳۵۳۰، مسند احمد: ۳۶۱۶، سنن دارمی: ۲۲۲۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از شقیق از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت والا نہیں ہے اس وجہ سے اللہ عزوجل نے بے حیائی کے کاموں کو حرام کر دیا اور کسی کو بھی اللہ عزوجل سے زیادہ مدح پسند نہیں ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۶۳۴ میں گزر چکی ہے۔

۵۲۲۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا أَحَدٌ أَغْيَرَ مِنَ اللهِ أَنْ يَرَى عَبْدَهُ أَوْ أَمَتَهُ تَزْنِي يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴، صحیح مسلم: ۹۰۱، سنن ترمذی: ۵۶۱، سنن نسائی: ۱۴۷۰، سنن ابوداؤد: ۱۱۷۷، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے امت محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اس بات پر غیرت کرنے والا نہیں ہے کہ وہ اپنے بندے یا اپنی بندی کو زنا کرتے ہوئے دیکھے، اے امت محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴ ۱۰ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور میں مونث کا صیغہ تزنی بہ ظاہر درست نہیں ہے، اس کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: تزنی اور اس کا فاعل ہے عبدہ اور وہ مذکر ہے اور یہ بہ ظاہر صحیح نہیں ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ یہ صحیح بخاری کے نسخہ کو نقل کرنے والے کی غلطی ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ۴۰۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ حافظ ابن حجر پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث میں جو تزنی کا لفظ مذکور ہے یہاں پر مذکر اور مونث دونوں صیغے جائز ہیں، مذکر کا صیغہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ لفظ العبد کی خبر ہے اور مونث کا صیغہ اس اعتبار سے کہ یہ لفظ الامۃ کی خبر ہے اور جب اس حدیث میں مذکر اور مونث دونوں صیغوں کا ذکر کرنا جائز ہے تو پھر حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ صحیح البخاری کے نسخہ کو نقل کرنے والے نے غلطی سے تزنی لکھ دیا ورنہ یزنی ہونا چاہیے تھا، صحیح نہیں ہے اور صحیح البخاری کے ناقل کی طرف غلطی کی نسبت کرنا بلا وجہ اور بلا سبب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

حافظ ابن حجر عسلانی شافعی نے علامہ عینی کے اس اعتراض کا انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۲۹۸ میں کوئی جواب نہیں لکھا۔

میں کہتا ہوں: ہر چند کہ علم حدیث میں اور روایات کی تحقیق میں حافظ ابن حجر عسقلانی قدم راسخ رکھتے ہیں لیکن صرف اور نحو میں وہ کمزور ہیں، اس لیے علامہ عینی جگہ جگہ ان کی صرفی اور نحوی غلطیاں نکالتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۲۲۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ عَنْ أُمِّهِ أَسْمَاءَ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَا شَيْءَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ وَعَنْ يَحْيَى أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ۔

(سنن ترمذی: ۱۱۶۸، مسند احمد ج ٦ ص ۳۴۸، ۳۵۱، ۳۵۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ، انہوں نے کہا کہ عروہ بن زبیر نے ان کو حدیث بیان کی از مادر خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''کوئی چیز اللہ عزوجل سے زیادہ غیرت والی نہیں ہے''۔ اور یحییٰ سے روایت ہے کہ ابو سلمہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ حضرت ابو ہریرہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سنا۔

۵۲۲۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللهَ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللهِ أَنْ يَأْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللهُ۔

(صحیح مسلم: ۲۷٦۱، ۲۷٦۲، مسند احمد: ۹۰۳۸، سنن ترمذی:

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابو سلمہ، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ غیرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس پر غیرت آتی ہے کہ مومن وہ کام کرے جس

کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔

(١١٦٨

٥٢٢٤۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضي الله عنهما قَالَتْ تَزَوَّجَنِي الزُّبَيْرُ وَمَا لَهُ فِي الْأَرْضِ مِنْ مَالٍ وَلَا مَمْلُوكٍ وَلَا شَيْءٍ غَيْرَ نَاضِحٍ وَغَيْرَ فَرَسِهِ فَكُنْتُ أَعْلِفُ فَرَسَهُ وَأَسْتَقِي الْمَاءَ وَأَخْرِزُ غَرْبَهُ وَأَعْجِنُ وَلَمْ أَكُنْ أُحْسِنُ أَخْبِزُ وَكَانَ يَخْبِزُ جَارَاتٌ لِي مِنَ الْأَنْصَارِ وَكُنَّ نِسْوَةَ صِدْقٍ وَكُنْتُ أَنْقُلُ النَّوَى مِنْ أَرْضِ الزُّبَيْرِ الَّتِي أَقْطَعَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى رَأْسِي وَهِيَ مِنِّي عَلَى ثُلُثَيْ فَرْسَخٍ فَجِئْتُ يَوْمًا وَالنَّوَى عَلَى رَأْسِي فَلَقِيتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَدَعَانِي ثُمَّ قَالَ إِخْ إِخْ لِيَحْمِلَنِي خَلْفَهُ فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسِيرَ مَعَ الرِّجَالِ وَذَكَرْتُ الزُّبَيْرَ وَغَيْرَتَهُ وَكَانَ أَغْيَرَ النَّاسِ فَعَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنِّي قَدِ اسْتَحْيَيْتُ فَمَضَى فَجِئْتُ الزُّبَيْرَ فَقُلْتُ لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعَلَى رَأْسِي النَّوَى وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَأَنَاخَ لِأَرْكَبَ فَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ وَعَرَفْتُ غَيْرَتَكَ فَقَالَ وَاللهِ لَحَمْلُكِ النَّوَى كَانَ أَشَدَّ عَلَيَّ مِنْ رُكُوبِكِ مَعَهُ قَالَتْ حَتَّى أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَ ذَلِكَ بِخَادِمٍ تَكْفِينِي سِيَاسَةَ الْفَرَسِ فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَنِي۔

(صحیح مسلم: ٢١٨٢، مسند احمد: ٢٧٢٠٣)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتی ہیں مجھ سے حضرت زبیر نے نکاح کیا اور ان کا زمین کے اوپر کوئی مال تھا نہ کوئی غلام تھا اور نہ کوئی اور چیز تھی سوا ایک پانی لانے والے اونٹ اور ایک گھوڑے کے، سو میں ان کے گھوڑے کے لیے چارا ڈالتی اور پانی پلاتی اور ان کے ڈول کو سیتی اور آٹا گوندھتی اور مجھے اچھی طرح روٹی پکانی نہیں آتی تھی اور انصار کی چند لڑکیاں میرے لیے روٹی پکاتی تھیں اور وہ بہت سچی عورتیں تھیں اور میں حضرت زبیر کی اس زمین سے گٹھلیاں چن کر لاتی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے انہیں عطا فرمائی تھی، سو میں ایک دن گٹھلیوں کو اپنے سر پر رکھ کر لا رہی تھی، وہ زمین میرے گھر سے دو میل کے فاصلے پر تھی، تو میں رسول اللہ ﷺ سے ملی، اس وقت آپ کے ساتھ انصار کے چند آدمی تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا (پھر اونٹ کو بٹھانے کے لیے) فرمایا: اخ اخ تا کہ آپ مجھے اپنے پیچھے بٹھائیں، پس مجھے اس سے حیاء آئی کہ میں (اجنبی) مردوں کے ساتھ چلوں اور مجھے حضرت زبیر کا خیال آیا اور ان کی غیرت یاد آئی اور وہ تمام لوگوں سے زیادہ غیرت والے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے جان لیا کہ مجھے حیاء آ رہی ہے تو آپ آگے بڑھ گئے، سو میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو میں نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے ملے اور میرے سر پر گٹھلیاں تھیں اور آپ کے ساتھ آپ کے چند اصحاب تھے، سو آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا تا کہ میں سوار ہوں، سو مجھے اس سے حیاء آئی اور میں نے آپ کی غیرت کو یاد کیا تو حضرت زبیر نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارا گٹھلیوں کو اٹھا کر لانا میرے نزدیک اس سے زیادہ سخت تھا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار ہو کر آتیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بتایا حتیٰ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد ایک خادم کو مجھ

جو گھوڑے کے انتظامات میں مجھ سے کفایت کرتا تھا، پس گویا کہ اس نے مجھے (گھوڑے کی دیکھ بھال کی مشقت سے) آزاد کر دیا۔

۵۲۲۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِصَحْفَةٍ فِيهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِي النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيهَا الطَّعَامَ الَّذِي كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُولُ غَارَتْ أُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتَّى أُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيحَةَ إِلَى الَّتِي كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَأَمْسَكَ الْمَكْسُورَةَ فِي بَيْتِ الَّتِي كَسَرَتْ

(سنن ترمذی: ۱۳۵۹، سنن نسائی: ۳۹۵۵، سنن ابوداؤد: ۳۵۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۳۳۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن علیہ نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ مطہرہ کے پاس تھے، پس امہات المومنین میں سے کسی نے طعام سے بھرا ہوا پیالہ بھیجا، سو جن کے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ پر ضرب لگائی تو پیالہ گر کر کئی ٹکڑے ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ٹکڑوں کو اکٹھا کیا، پھر اس میں اس طعام کو بھرا جو اس پیالہ میں تھا، پھر آپ فرما رہے تھے: تمہاری ماں کو غیرت آ گئی، پھر آپ نے خادم کو ٹھہرایا، پھر جن کے گھر میں آپ تھے ان کے پاس سے پیالہ لائے، پھر آپ نے ایک صحیح سالم پیالہ ان کے لیے عطا فرمایا جن کا پیالہ توڑ دیا گیا تھا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر میں رکھ لیا جنہوں نے پیالہ توڑا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۸۱ میں گزر چکی ہے۔

۵۲۲۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ أَوْ أَتَيْتُ الْجَنَّةَ فَأَبْصَرْتُ قَصْرًا فَقُلْتُ لِمَنْ هَذَا قَالُوا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَهُ فَلَمْ يَمْنَعْنِي إِلَّا عِلْمِي بِغَيْرَتِكَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا نَبِيَّ اللهِ أَوَعَلَيْكَ أَغَارُ۔

(صحیح البخاری: ۷۰۲۴، صحیح مسلم: ۲۳۹۴، مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۲، ۳۹۸، فضائل الصحابہ للنسائی: ۲۳، ۱۳۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابوبکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی از عبیداللہ از محمد بن المنکدر از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا یا فرمایا: میں جنت میں آیا تو میں نے ایک محل دیکھا، میں نے پوچھا: یہ کس کا محل ہے؟ (فرشتوں نے) بتایا، یہ حضرت عمر بن الخطاب کا محل ہے، سو میں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، پھر مجھے اس میں داخل ہونے سے صرف اس چیز نے روکا کہ مجھے تمہاری غیرت کا علم تھا۔ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ آپ پر فدا ہو اور میری ماں! اے اللہ کے نبی! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۶۷۹ میں گزر چکی ہے۔

۵۲۲۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ جُلُوسٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی از یونس از زہری، انہوں نے کہا: مجھے ابن المسیب نے خبر دی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ،

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ فَقُلْتُ لِمَنْ هَذَا قَالُوا هَذَا لِعُمَرَ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا فَبَكَى عُمَرُ وَهُوَ فِي الْمَجْلِسِ ثُمَّ قَالَ أَوَعَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ أَغَارُ۔

(صحیح البخاری: ۷۰۲۳، ۷۰۲۵، صحیح مسلم: ۲۳۹۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۹، فضائل الصحابہ: ۲۷)

انہوں نے کہا: جس وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس اثناء میں میں سویا ہوا تھا اس وقت میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا، وہاں محل کی ایک جانب ایک عورت وضو کر رہی تھی، میں نے اس سے پوچھا: یہ کس کا محل ہے؟ (فرشتہ نے) کہا، یہ عمر کا محل ہے، پھر مجھے تمہاری غیرت یاد آئی، پھر میں پیٹھ موڑ کر مڑا تو حضرت عمر روئے اور وہ اس وقت اس مجلس میں تھے، پھر انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا؟

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۲۴۲ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معنی اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا مخلوق کی غیرت کے مشابہ نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث میں اللہ تعالیٰ کی جس غیرت کا ذکر ہے یہ مخلوق کی غیرت کی مثل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے نقص کی صفات جائز نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کے مشابہ نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفت میں غیرت کا معنی ہے: بے حیائی کے کاموں سے منع کرنا اور ان پر ڈانٹنا اور ان کو حرام قرار دینا، کیونکہ غیور وہ ہوتا ہے جو ان کاموں سے منع کرے جن پر غیرت آتی ہے اور نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ مومن وہ کام نہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، یہی اللہ تعالیٰ کی غیرت ہے (صحیح البخاری: ۵۲۲۳) اور حضرت سعد کی روایت میں ہے کہ میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ (صحیح البخاری: ۷۴۱۶)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ سعد محارم (حرام کاموں) سے بہت زیادہ منع کرنے والے ہیں اور میں سعد سے زیادہ محارم سے منع کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں سے زیادہ منع کرنے والا ہے جن کا کرنا حلال نہیں ہے، اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری ماں کو غیرت آ گئی''۔ (صحیح البخاری: ۵۲۲۵) یعنی تمہاری ماں کو اس پر غیرت آئی کہ ان کی سوکن نے ان کی باری کے دن اپنا ہدیہ بھیجا اس لیے انہوں نے ان کے ہدیہ کے پیالہ کو ہاتھ مار کر توڑ ڈالا۔

بیوی پر مرد کے گھریلو پُر مشقت کاموں کا لازم نہ ہونا اور تبرعاً اور احساناً کرنے کا جواز

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: علامہ نووی نے یہ نقل کیا ہے کہ عورت کا گھوڑے کی دیکھ بھال کرنا اور چمڑے کے ڈول کو سینا اور اس قسم کے گھریلو کام کرنا عورت کے ذمہ لازم نہیں ہیں سوا اس کے کہ عورت تبرعاً اور استحساناً یہ خدمات انجام دے جیسے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ گھریلو خدمات انجام دیتی تھیں۔

علامہ ابن حبیب نے کہا ہے: اسی طرح مرد کے لیے کپڑے بننا اور سلائی کڑھائی کرنا بیوی پر کسی حال میں بھی لازم نہیں ہے سوا اس کے کہ عورت استحساناً یہ خدمات انجام دے اور مرد جب تنگ دست ہو تب بھی اس پر بیوی سے خدمت لینا جائز نہیں ہے۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جب کوئی معزز عورت اپنے خاوند کی خدمت کرے اور اس کے لیے کھجور کی گٹھلیاں سر پر رکھ کر لائے اور اس کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرے تو اس کے باپ کے لیے اور

سلطان کے لیے ان کاموں سے منع کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ المہلب کا عورتوں کے پردے کے حکم کو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ساتھ مخصوص کرنا اور اس پر مصنف کا تعاقب

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی اجنبی مرد کا کسی عورت کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھانا جائز ہے جب کہ دوسرے اجنبی لوگ بھی ہوں، اور اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پردہ کیا تھا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پردہ کرنے کا حکم دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ پردہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر فرض ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ (الاحزاب: ۳۳-۳۲)

اے نبی کی بیویو! تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی (بھی) مثل نہیں ہو، بہ شرطیکہ تم اللہ سے ڈرتی رہو، سو کسی سے لچک دار لہجہ میں بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ کوئی (غلط) امید لگا بیٹھے اور دستور کے مطابق بات کرنا O اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرنا۔

میں کہتا ہوں: علامہ المہلب مالکی نے یہ درست نہیں لکھا کہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر پردہ فرض ہے بلکہ تمام مسلمان عورتوں پر فرض ہے کہ وہ اجنبی مردوں سے پردہ کریں اور حجاب میں رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیے کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (اپنے منہ پر) لٹکا لیا کریں، یہ اس کے بہت قریب ہے کہ ان کو پہچان لیا جائے (کہ یہ آزاد عورتیں ہیں) تو ان کو ایذا نہ دی جائے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا

اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود بہ خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں، یا اپنے باپ دادا پر، یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر، یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی مملوکہ باندیوں (نوکرانیوں) پر یا اپنے نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان

يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوْٓا إِلَى اللهِ جَمِيْعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (النور:۳۱)

لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں اور (عورتیں) اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کے پاؤں کی زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں، اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ○

الاحزاب:۵۹ اور النور:۳۱، میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو صراحتاً پردہ کرنے کا حکم دیا ہے، پھر حیرت ہے کہ علامہ المہلب مالکی ان واضح نصوص سے بے خبر رہے اور انہوں نے یہ غلط بات کہی کہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو پردہ کرنے کا حکم ہے اور مسلمان عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں ہے جب کہ ان دو آیتوں میں واضح طور پر مسلمان عورتوں کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے۔

بیوی کا مرد کے گھریلو کام کرنے کا جواز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مرد کی بیوی پر خدمت کرنا دشوار ہو خصوصاً جب کہ وہ معزز خاندان کی ہو تو اس پر مرد کو غیرت آتی ہے اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حضرت اسماء کا پر مشقت کام کرنا اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنا اور ان کا چارہ اٹھا کر لانا ناگوار ہوا لیکن آپ نے اس بات پر حضرت زبیر کو ملامت نہیں کی کیونکہ آپ کو علم تھا کہ حضرت اسماء خوشی سے یہ پر مشقت کام کرتی تھیں۔

بیویوں کی کج روی پر صبر کرنے کی تلقین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی نے اپنی سوکن کا جو پیالہ توڑ دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ بیویوں کی بداخلاقی اور ان کی کج روی پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملامت نہیں کی اور نہ ان کو ڈانٹا اور اس کے سوا اور کچھ نہیں فرمایا کہ تمہاری ماں کو غیرت آ گئی ہے اور ہم اس سے پہلے ''کتاب المظالم'' اور ''کتاب الغصب'' میں اس حدیث کی شرح میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ ایسی صورت میں پیالہ توڑنے والی پر آیا تاوان لازم آتا ہے یا نہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۸۵۔۲۸۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

۱۰۹۔ بَابُ: غَيْرَةِ النِّسَاءِ وَوَجْدِهِنَّ

عورتوں کا غم و غصہ اور ان کی ناراضگی

۵۲۲۸۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنِّي لَأَعْلَمُ إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً وَإِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبَى قَالَتْ فَقُلْتُ مِنْ أَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ أَمَّا إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً فَإِنَّكِ تَقُولِينَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَإِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبَى قُلْتِ لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ قَالَتْ قُلْتُ أَجَلْ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَكَ

(صحیح البخاری:۶۰۷۸، صحیح مسلم:۲۴۳۹، مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۰، ص ۶۱، ص ۲۱۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے علم ہو جاتا ہے کہ تم کب مجھ سے راضی ہوتی ہو اور کب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو''، میں نے عرض کیا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو: رب محمد کی قسم! اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: رب ابراہیم کی قسم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: یہ ٹھیک ہے اور اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں صرف آپ کے اسم کو ترک کرتی ہوں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۵۲۲۸ میں گزر چکی ہے۔

۵۲۲۹۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ كَمَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ لِكَثْرَةِ ذِكْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِيَّاهَا وَثَنَائِهِ عَلَيْهَا وَقَدْ أُوحِيَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ لَهَا فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ

(صحیح البخاری: ۶۰۰۴، ۷۴۸۴، صحیح مسلم: ۲۴۳۵، سنن ترمذی: ۲۰۱۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۷، مسند احمد ج ۶ ص ۵۸، ۲۰۲، ۲۷۸، فضائل الصحابہ للنسائی: ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن ابی رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ کی کسی زوجہ پر اتنی غیرت نہیں آئی جتنی غیرت مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کا بہت زیادہ ذکر کرتے تھے اور ان کی بہت تعریف اور تحسین کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ وحی کی گئی کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ان کے لیے موتیوں کے گھر کی خوش خبری دیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۸۱۶ میں گزر چکی ہے۔

بیویوں کی جفا پر صبر کرنا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بیویوں کی جفا اور غیرت پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ یہ چیز ان کی فطرت میں داخل ہے اور وہ اپنے آپ کو اس سے باز رکھنے پر قادر نہیں ہیں اس لیے آپ نے ان کی جفا پر صبر کیا اور ان کو اس میں معذور قرار دیا۔

مخلوق کے اسم کا مسمیٰ کا غیر ہونا اور اللہ عزوجل کے اسم کا مسمیٰ کا عین ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! میں صرف آپ کے اسم کو چھوڑتی ہوں یعنی آپ کی ذات کو نہیں چھوڑتی، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مخلوق میں اسم مسمیٰ کا غیر ہوتا ہے لیکن اللہ عزوجل کا اسم مسمی کا عین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ (الشوریٰ: ۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ (الاخلاص: ۴) اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے ۝

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ضد نہیں ہے کیونکہ ایک ضد کا حکم دوسری ضد کے حکم سے معلوم ہوجاتا ہے، پس جب اللہ تعالیٰ کی کوئی مثال ہے اور نہ اس کی کوئی ضد ہے جس سے اس کے اسم پر استدلال کیا جائے اور اس کا اسم مسمیٰ کا غیر ہے تو ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اسم مسمیٰ کا غیر ہے بلکہ اس کا اسم اس کی ذات کا عین ہے کیونکہ اہلسنت و جماعت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ بھی موجود ہے اور انسان بھی موجود ہے حالانکہ دونوں کے وجود میں زمین اور آسمان سے زیادہ فرق ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۸۸۔۲۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

١١٠- بَابُ: ذَبِّ الرَّجُلِ عَنِ ابْنَتِهِ فِي الْغَيْرَةِ وَالْإِنْصَافِ

مرد کا اپنی بیٹی سے غیرت کو دور کرنا اور اس کے لیے انصاف مہیا کرنا

٥٢٣٠- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ إِنَّ بَنِي هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ اسْتَأْذَنُوا فِي أَنْ يُنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَلَا آذَنُ ثُمَّ لَا آذَنُ ثُمَّ لَا آذَنُ إِلَّا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ أَنْ يُطَلِّقَ ابْنَتِي وَيَنْكِحَ ابْنَتَهُمْ فَإِنَّمَا هِيَ بَضْعَةٌ مِنِّي يُرِيبُنِي مَا أَرَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا.

(صحیح البخاری: ٥٢٧٨، صحیح مسلم: ٢٤٤٩، سنن ابوداؤد: ٢٠٦٩، سنن ابن ماجہ: ١٩٩٨) .

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ از حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک بنو ہشام بن المغیرۃ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا علی بن ابی طالب سے نکاح کر دیں، سو میں اجازت نہیں دیتا، پھر میں اجازت نہیں دیتا، پھر میں اجازت نہیں دیتا سوا اس کے کہ ابو طالب کا بیٹا میری بیٹی کو طلاق دے دے اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لے، پس وہ صرف میرے جسم کا ٹکڑا ہے مجھے وہ چیز بری لگتی ہے جو اس کو بری لگتی ہے اور مجھے وہ چیز تکلیف دیتی ہے جو اس کو تکلیف دیتی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٩٢٦ میں گزر چکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام نافذ کرنے کا اختیار

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ٤٤٩ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ٤٣٥ ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ان چیزوں کا حکم فرماتے تھے جن کی تحریم آپ پر نازل نہیں ہوئی تھی اور جو چیز حلال ہوتی تھی آپ اس سے بھی منع فرما دیتے تھے کیونکہ اس سے مستقبل میں کسی ضرر کا اندیشہ ہوتا تھا۔

ابوجہل کی بیٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے ساتھ نکاح میں جمع نہ کرنے کی حکمت

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ابوجہل کی بیٹی اگرچہ مسلمان تھی لیکن اس کا باپ اللہ کا دشمن تھا، اس سبب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی کے مرتبہ کو کم قرار دیا کہ وہ آپ کی بیٹی کے مرتبہ میں ہو۔

جب دو عورتیں مساوی نہ ہوں تو اعلیٰ کی اجازت کے بغیر ادنیٰ کو اس کی سوکن بنانے کی ممانعت

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ باندی اور آزاد عورت کو ایک مرد کے نکاح میں جمع نہ کیا جائے سوا اس کے کہ آزاد عورت اس نکاح پر راضی ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دشمن کی بیٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا کفو قرار نہیں دیا، اسی طرح جب دو عورتوں میں سے ایک باندی ہو اور دوسری آزاد ہو تو وہ بھی ایک دوسری کی کفو نہیں ہوں گی اور آزاد عورت کی رضا کے بغیر ان کو نکاح میں جمع نہیں کیا جائے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوجہل کی بیٹی کو اپنی سوکن بنانے پر راضی ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے منع نہ فرماتے کیونکہ آپ نے فرمایا: ”مجھے وہ چیز تکلیف دیتی ہے جو اسے تکلیف دیتی ہے اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ اس نکاح

سے اس کا دین آزمائش میں پڑے گا''۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۸۹۔۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۱۔ بَابٌ: يَقِلُّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرُ النِّسَاءُ

مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت

وَقَالَ أَبُو مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَتَرَى الرَّجُلَ الْوَاحِدَ يَتْبَعُهُ أَرْبَعُونَ امْرَأَةً يَلُذْنَ بِهِ مِنْ قِلَّةِ الرِّجَالِ وَكَثْرَةِ النِّسَاءِ۔

اور حضرت ابوموسیٰ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور تم دیکھو گے کہ چالیس عورتیں ایک مرد کی اتباع کریں گی اور اس کی پناہ میں رہیں گی کیونکہ مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان چالیس عورتوں سے مراد ان کی بیویاں ہیں اور باندیاں ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس کی بیٹیاں اور بہنیں ہیں اور فتنوں اور جنگوں کی کثرت کی وجہ سے مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی۔

۵۲۳۱۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ الْحَوْضِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَا يُحَدِّثُكُمْ بِهِ أَحَدٌ غَيْرِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَكْثُرَ الْجَهْلُ وَيَكْثُرَ الزِّنَا وَيَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ۔

(صحیح البخاری: ۸۱، ۵۵۷۷، ۶۸۰۸، صحیح مسلم: ۲۶۷۱، سنن ترمذی: ۲۲۰۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر الحوضی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: میں تمہیں ضرور ایک حدیث بیان کروں گا جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے میرے سوا کوئی اور شخص تمہیں وہ حدیث بیان نہیں کرے گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور جہل زیادہ ہو گا اور کثرت سے زنا کیا جائے گا اور کثرت سے انگوری شراب پی جائے گی اور مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی حتیٰ کہ پچاس (۵۰) عورتوں کا ایک مرد منتظم ہو گا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۰ میں گزر چکی ہے۔

عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت کا زمانہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب فتنہ عام ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کو اور اولیاء کو جدا کر لے گا حتیٰ کہ زمین منافقین اور فتنہ پرور لوگوں سے بھر جائے گی حتیٰ کہ اس دن ایک مرد کی پناہ میں پچاس عورتیں ہوں گی، ایک کہے گی: اے اللہ کے بندے! مجھے پردے میں رکھو اور دوسری کہے گی: اے اللہ کے بندے! مجھے اپنی پناہ میں رکھو۔

(تہذیب الکمال: ۳۱۳۸) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۲۔ بَابٌ: لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا ذُو مَحْرَمٍ وَالدُّخُولُ عَلَى الْمُغِيبَةِ

محرم کے سوا مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہے اور غائبہ عورت پر داخل ہونے کا حکم

۵۲۳۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث

يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔

(صحیح مسلم: ۲۱۷۲، سنن ترمذی: ۱۱۷۱، مسند احمد: ۱۷۳۵۲)

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب از ابی الخیر از حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم (اجنبی) عورتوں کے پاس جانے سے بچو، انصار کے ایک مرد نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ بتایئے دیور کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''دیور موت ہے''۔

۵۲۳۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ امْرَأَتِي خَرَجَتْ حَاجَّةً وَاكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا قَالَ ارْجِعْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ

(صحیح مسلم: ۱۳۴۱، سنن ابن ماجہ: ۲۹۰۰، مسند الحمیدی: ۴۶۸، مسند احمد: ۱۹۳۴، صحیح ابن خزیمہ: ۲۵۲۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی از ابو معبد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: محرم کے سوا کوئی مرد ہرگز (اجنبی) عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، پس انصار کے ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! میری بیوی حج کرنے گئی ہے اور میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے، آپ نے فرمایا: واپس آجاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

اس حدیث کی شرح: ۱۸۶۲ میں گزر چکی ہے۔

اَلْحَمْوُ الموت کا معنی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دیور موت ہے''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس عورت کا شوہر غائب ہو اس کے پاس اس کا کوئی سسرالی رشتہ دار بھی نہ آئے کیونکہ دیور غیر محرم ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے ساتھ تنہائی میں صرف محارم کے ملنے کی اجازت دی ہے۔

امام طبری نے کہا ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے اسی طرح کہا ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جن عورتوں کے خاوند غائب ہوں ان کے پاس آنے سے پرہیز کرو، سنو! اللہ کی قسم! جب کوئی مرد دوسری عورت پر داخل ہوتا ہے تو اس کا آسمان سے زمین پر گر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے، پس شیطان مسلسل ان کو وسوسہ میں ڈالتا رہتا ہے حتیٰ کہ ان کو ایک بستر پر جمع کر دیتا ہے۔

امام طبری نے کہا: عرب کے نزدیک الحمو اس کو کہتے ہیں جو شوہر کی طرف سے اس کا بھائی ہو یا باپ ہو یا چچا ہو۔ یہ سب الاحماء ہیں۔ ثعلب نے کہا: میں نے ابن الاعرابی سے پوچھا کہ الحمو الموت کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ کلمہ ایسا ہے جیسے عرب کہتے ہیں: اَلْاَسَدُ الموتُ یعنی شیر سے ملنا موت ہے اور جیسے کہتے ہیں: اَلسُّلْطَانُ نَارٌ یعنی سلطان آگ کی مثل ہے۔

جہاد سے زیادہ بیوی کو حج کرانا اہم ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے کہ جہاد کو چھوڑ کر بیوی کو حج کرائے کیونکہ اس پر بیوی کو پردہ میں رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا فرض ہے کیونکہ جہاد تو اس کے علاوہ دوسرے مسلمان بھی کر سکتے تھے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو یہ حکم دیا کہ وہ جہاد کو چھوڑ کر بیوی کو حج کرائے، کیونکہ اس کی بیوی کے علاوہ اس کے لیے سفر میں اور رات کے وقت اس کے پردہ اور اس کی حفاظت کرنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۳۔۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۳۔ بَابُ: مَا يَجُوزُ أَنْ يَخْلُوَ الرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ عِنْدَ النَّاسِ

لوگوں کے سامنے عورت سے تنہائی میں ملنے کا جواز

۵۲۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَخَلَا بِهَا فَقَالَ وَاللهِ إِنَّكُنَّ لَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ

(صحیح البخاری: ۶۶۴۵، صحیح مسلم: ۲۵۰۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ایک طرف ہو کر تنہائی میں اس سے بات کی، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک تم لوگ (یعنی انصار) مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۷۸۶ میں گزر چکی ہے۔

عالم دین کا تنہائی میں اجنبی عورت سے بات کرنے کا جواز

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ عالم اور نیک مرد کے لیے لوگوں کے سامنے لوگوں سے ایک طرف ہو کر تنہائی میں کسی اجنبی عورت سے باتیں کرنا جائز ہے تا کہ وہ عالم سے دینی مسائل پوچھے اور اپنے خوانگی معاملات کے متعلق سوالات کرے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے اس عورت سے بات کی۔ اس کا محمل یہ ہے کہ لوگوں سے ایک طرف ہٹ کر آپ نے تنہائی میں اس عورت سے بات کی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۴۔ بَابُ: مَا يُنْهَى مِنْ دُخُولِ الْمُتَشَبِّهِينَ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْمَرْأَةِ

جو ہیجڑے عورتوں کے مشابہ ہوں ان کے عورتوں کے پاس آنے کی ممانعت

۵۲۳۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ عِنْدَهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از زینب بنت ام سلمہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ

وَفِي الْبَيْتِ مُخَنَّثٌ فَقَالَ الْمُخَنَّثُ لِأَخِي أُمِّ سَلَمَةَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ إِنْ فَتَحَ اللَّهُ لَكُمُ الطَّائِفَ غَدًا أَدُلُّكَ عَلَى بِنْتِ غَيْلَانَ فَإِنَّهَا تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَدْخُلَنَّ هَذَا عَلَيْكُمْ۔

(صحیح البخاری: ۵۸۸۷، صحیح مسلم: ۲۱۸۰، سنن ابوداؤد: ۴۹۲۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۲، مسند الحمیدی: ۲۹۷، مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۰، السنن الکبری للنسائی: ۱۸۲۶۳)

بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ان کے پاس موجود تھے، ان وقت گھر میں ایک ہیجڑا تھا، اس ہیجڑے نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کل طائف کو فتح کر دیا تو میں غیلان کی بیٹی کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں گا، وہ جب سامنے آتی ہے تو (موٹاپے کی وجہ سے) اس کی چار سلوٹیں پڑ جاتی ہیں اور جب وہ پیچھے جاتی ہے تو آٹھ سلوٹیں ہو جاتی ہیں، پھر نبی ﷺ نے (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: یہ تمہارے پاس نہ آیا کرے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۳۲۴ میں گزر چکی ہے۔

ہیجڑہ کو عورتوں کے پاس آنے سے ممانعت کی توجیہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اصل نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ''کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ مباشرت نہ کرے، پھر وہ اپنے خاوند کے سامنے اس کو بیان کرے گویا کہ خاوند نے اس کو دیکھ لیا ہو''۔ پھر جب نبی ﷺ نے سنا کہ وہ ہیجڑا طائف کی عورت کے اوصاف بیان کر رہا ہے تو آپ نے اس کو ازواج کے سامنے آنے سے منع فرما دیا۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۵۔ بَابُ: نَظَرِ الْمَرْأَةِ إِلَى الْحَبَشِ وَنَحْوِهِمْ مِنْ غَيْرِ رِيبَةٍ

جب فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو عورتوں کا حبشیوں وغیرہ کی طرف دیکھنا

۵۲۳۶۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ عَنْ عِيسَى عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّتِي أَسْأَمُ فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ الْحَرِيصَةِ عَلَى اللَّهْوِ

(صحیح مسلم: ۸۹۲، سنن نسائی: ۱۵۹۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے حدیث بیان کی از عیسیٰ از الاوزاعی از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے اور میں حبشیوں کی طرف دیکھ رہی تھی جو مسجد میں کھیل رہے تھے (یعنی نیزوں سے جہاد کی مشق کر رہے تھے) حتیٰ کہ میں اکتا گئی، پس تم اندازہ کرو کہ کم عمر لڑکی کھیل کود دیکھنے کی کس قدر شوقین ہوتی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۵۴ میں گزر چکی ہے۔

علامہ ابن بطال کی تحقیق کے مطابق عورتوں کا اجنبی مردوں کے لہو و لعب کی طرف دیکھنے کا جواز اور اس کے خلاف ابن شہاب کی روایت کا رد

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا لہو ولعب کی طرف دیکھنا جائز ہے خصوصاً جب کہ وہ عورتیں کم عمر ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی کم عمری کی وجہ سے اجنبی مردوں کے کھیل کی طرف دیکھنے سے معذور قرار دیا۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے کیونکہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ شہادت دینے کے لیے عورتوں کا اجنبی مردوں کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ اور امام بخاری نے اس حدیث سے ابن شہاب کی درج ذیل روایت کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے:

از ابن شہاب از نبہان مولیٰ ام سلمہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، اس اثناء میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی اور وہ نابینا تھے تو آپ نے ہم دونوں سے فرمایا: ''تم حجاب میں چلی جاؤ''۔ تو ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ یہ ہم کو نہیں دیکھ رہے ہیں، آپ نے پوچھا: ''کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟''۔ (سنن ابوداؤد: ۴۱۱۲، سنن ترمذی: ۲۷۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۲۴۱، صحیح ابن حبان: ۵۵۷۵)

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ نبہان ائمہ رجال کے نزدیک معروف نہیں ہے اور اس سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں، ایک یہ حدیث ہے اور دوسری حدیث یہ ہے کہ مکاتب کو اس کی مالکہ سے پردہ میں رہنا چاہیے، لہٰذا نبہان کی روایت احادیث صحیحہ ثابتہ کے معارض نہیں ہو سکتی اور نہ اجماع علماء کے معارض ہو سکتی ہے۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن کی تحقیق کے مطابق عورتوں کا اجنبی مردوں کے لہو ولعب کی طرف دیکھنے کا عدم جواز اور علامہ ابن بطال کی تحقیق کا سنن کی روایت سے رد اور حضرت عائشہ کے مردوں کے لہو ولعب دیکھنے کی متعدد توجیہات

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد المعروف بابن ملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: ان احادیث میں تعارض نہیں ہے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس پر محمول ہے کہ وہ اس وقت کم عمر تھیں اس لیے ان کے حبشیوں کے کھیل کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں تھا، یا اس وجہ سے کہ عید کے تہوار کے دن اتنی رخصت دی جاتی ہے جو اور دنوں میں رخصت نہیں دی جاتی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا ابن شہاب کی روایت سے منسوخ ہونا بعید ہے اگرچہ وہ حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے جیسا کہ امام ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اوائل ہجرت سے متعلق ہے یا اس کا محمل یہ ہے کہ وہ حبشی اس وقت بچے تھے یا یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت تھی۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۱۴۲-۱۴۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کی تحقیق کے مطابق عورتوں کا اجنبی مردوں کے لہو ولعب کے دیکھنے کا جواز اور علامہ ابن ملقن کی پیش کردہ سنن کی روایت کا صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح اور مسند احمد کی احادیث سے رد بلیغ اور صحیح بخاری کی روایت کی تائید

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن بطال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم عبداللہ ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزار سکتی ہو، وہ نابینا ہے تم کو نہیں دیکھ سکے گا، اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کی اول الذکر روایت مرجوح ہے، اس کی تفصیل درج ذیل حدیث میں ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے بتایا

کہ حضرت ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق مغلظہ دے دی اور وہ اس وقت غائب تھیں، پھر انہوں نے حضرت فاطمہ بن قیس کی طرف اپنے وکیل کو جو دے کر بھیجا، پس حضرت فاطمہ اس پر ناراض ہوئیں تو ان کے شوہر نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے لیے ہم پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، پھر حضرت فاطمہ بنت قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارا ان پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے، پھر آپ نے ان کو حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا، پھر آپ نے فرمایا: اس خاتون کا گھر تو میرے اصحاب سے بھرا رہتا ہے، تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو وہ نابینا مرد ہے، تم اپنے کپڑے اتار کر رکھ سکتی ہو، پھر جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے مطلع کرنا، حضرت فاطمہ نے بتایا: جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے اور حضرت ابوجہم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے ابوجہم تو وہ اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتا اور رہے معاویہ تو وہ مفلس ہیں ان کے پاس مال نہیں، سو تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو، میں نے انہیں ناپسند کیا تو آپ نے پھر فرمایا: تم اسامہ سے نکاح کر لو، سو میں نے ان سے نکاح کر لیا، سو اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں خیر رکھی اور مجھ پر رشک کیا گیا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸۰، سنن ابوداؤد: ۲۲۸۴، سنن ترمذی: ۱۱۳۵، سنن نسائی: ۳۲۴۲، مسند احمد: ۲۷۳۹۶)

۱۱۶۔ بَابُ: خُرُوجِ النِّسَاءِ لِحَوَائِجِهِنَّ

خواتین کا اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلنا

۵۲۳۷۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ لَيْلًا فَرَآهَا عُمَرُ فَعَرَفَهَا فَقَالَ إِنَّكِ وَاللهِ يَا سَوْدَةُ مَا تَخْفَيْنَ عَلَيْنَا فَرَجَعَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ وَهُوَ فِي حُجْرَتِي يَتَعَشّٰى وَإِنَّ فِي يَدِهٖ لَعَرْقًا فَأَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ فَرُفِعَ عَنْهُ وَهُوَ يَقُولُ قَدْ أَذِنَ اللهُ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ

(صحیح البخاری: ۴۷۹۵، صحیح مسلم: ۲۱۷۰، مسند احمد ج ۶ ص ۵۶، ۲۷۱،۲۲۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں فروۃ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات حضرت سودۃ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا گھر سے باہر نکلیں تو ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر پہچان لیا، پس کہا: بے شک آپ اللہ کی قسم! ہم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں، حضرت سودہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئیں اور آپ سے اس کا ذکر کیا اور اس وقت آپ میرے حجرہ میں رات کا کھانا کھا رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی، پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی، جب وحی نازل ہو چکی تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہڈی پھینک دی اور آپ فرما رہے تھے: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ضروریات میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۱۴۶ میں گزر چکی ہے۔

عورت کے گھر سے باہر نکلنے کی جائز صورتیں

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورت کے لیے (باپردہ ہو کر) اپنی تمام ضروریات میں گھر سے باہر جانا جائز ہے مثلاً اس اپنے ماں باپ کی زیارت کرنی ہو یا محارم یا دیگر رشتہ داروں سے ملنا ہو یا مساجد میں نماز کے لیے جانا ہو یا حج اور عمرہ کے لیے جانا

یا ضرورت کے وقت جہاد کے لیے جانا ہو تو اس کے لیے ان تمام امور میں گھر سے باہر جانا جائز ہے۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ حج، عمرہ اور جہاد میں سفر شرعی کی وجہ سے محرم کا ساتھ ہونا فرض ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۱۷۔ بَابُ: اسْتِئْذَانِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا فِي الْخُرُوجِ إِلَى الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ

عورت کا اپنے خاوند سے مسجد وغیرہ جانے کی اجازت طلب کرنا

۵۲۳۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا اسْتَأْذَنَتْ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا۔

(صحیح مسلم: ۴۴۲، سنن ترمذی: ۵۷۰، سنن نسائی: ۷۰۶، سنن ابو داؤد: ۵۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از سالم از والد خود از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اس کو منع نہ کرے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۸۶۵ میں گزر چکی ہے۔

امام اعظم کا عورتوں کے مساجد میں جانے کے متعلق نظریہ اور مصنف کے اس پر دلائل

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف بوڑھی عورتوں کا فجر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھنے کے لیے مسجد میں جانا جائز ہے کیونکہ فجر کے وقت اوباش لوگ ابھی سو کر نہیں اٹھتے اور مغرب کے وقت وہ کھانے پینے میں مشغول ہوتے ہیں اور عشاء سے پہلے سو جاتے ہیں، اس لیے ان اوقات میں بوڑھی عورتوں کو مسجد میں جانے میں کوئی خطرہ نہیں ہے اور ظہر اور عصر کے وقت اوباش لوگ گلیوں اور بازاروں گھومتے پھرتے رہتے ہیں، لہٰذا ان کے اوقات میں ان کا گھر سے باہر نکلنا خطرہ سے خالی نہیں، اس لیے بوڑھی عورتوں کو دن میں گھر سے باہر نکلنے سے امام ابوحنیفہ نے منع فرمایا ہے، اور جوان عورتوں کو فجر، مغرب اور عشاء میں بھی مسجد میں جانے کی اجازت نہیں کیونکہ اگر اوباش لوگوں کو پتا چل جائے کہ ان اوقات میں جوان عورتیں گھر سے نکلتی ہیں تو وہ جوان عورتوں کو چھیڑنے اور بدمعاشی کرنے کی خاطر کھانا، پینا اور سونا بھی چھوڑ دیں گے، اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جوان عورتوں کو مسجد میں جانے سے مطلقاً منع فرما دیا اور بوڑھی عورتوں کو فجر، مغرب اور عشاء میں مسجد میں جانے کی اجازت دی، ہر چند کہ باجماعت نماز کے لیے مسجد میں جانا سنت مؤکدہ ہے لیکن عورت کے لیے اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت کرنا سب سے اہم فرض ہے اور جب سنت اور فرض کے درمیان کوئی امر دائر ہو تو فرض کی ادائیگی کو سنت پر ترجیح دی جائے گی اور اگر سنت پر عمل کرنے سے حرام کے وقوع کا خطرہ ہو تو پھر سنت کو ترک کر دیا جائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو اس کا خاوند اسے منع نہ کرے تو امام اعظم ابوحنیفہ کا اس حدیث کے خلاف عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کرنا کس طرح درست ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے ایجاد کردہ بناؤ سنگھار کو دیکھ لیتے تو ان کو مسجد میں آنے سے اس طرح منع فرما دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔
(صحیح البخاری: ۸۶۹، صحیح مسلم: ۴۴۵، مسند احمد: ۲۶۰۳۱)

یہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے زمانہ کے بناؤ سنگھار کا ذکر کیا ہے اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ کی عورتوں کے بناؤ سنگھار کو دیکھ لیتیں جو برقع اتار چکی ہیں اور دوپٹہ کو اسکارف کی طرح گلے میں ڈالتی ہیں، بغیر آستینوں کی قمیصیں پہنتی ہیں اور ان کا لباس تنگ، چست اور نیم عریاں ہوتا ہے، سر کے بال کٹے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ بازاروں اور مارکیٹوں میں گھومتی پھرتی ہیں اور اپنے حسن و جمال اور بدن کے نشیب و فراز کی نمائش کرتی ہیں، ان کا لباس کپڑے کی صنعت کے خلاف اعلان جنگ ہوتا ہے، سو ایسی عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے، ان کا مساجد میں جانا دوسرے پاک باز اور متقی نمازیوں کے لیے باعث فتنہ اور آزمائش ہوگا، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں ان کی دور رس نگاہوں اور ژرف بین نظروں نے اب سے بہت پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی روشنی میں ان خطرات کو بھانپ لیا تھا، اس لیے انہوں نے جوان عورتوں کو مطلقاً مساجد میں جانے سے منع کر دیا اور بوڑھی عورتوں کو صرف فجر، مغرب اور عشاء میں نماز کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت دی۔

١١٨۔ بَابُ: مَا يَحِلُّ مِنَ الدُّخُولِ وَالنَّظَرِ إِلَى النِّسَاءِ فِي الرَّضَاعِ

دودھ کے رشتوں سے جن لوگوں کا عورتوں کے پاس آنا اور ان کو دیکھنا جائز ہے

٥٢٣٩۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّهَا قَالَتْ جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّهُ عَمُّكِ فَأْذَنِي لَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ قَالَتْ عَائِشَةُ وَذَلِكَ بَعْدَ أَنْ ضُرِبَ عَلَيْنَا الْحِجَابُ قَالَتْ عَائِشَةُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ۔

(صحیح البخاری: ۲۱۵۶، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، سنن ترمذی: ۱۱۴۸، سنن نسائی: ۳۳۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۵۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی تھیں کہ میرے دودھ شریک چچا آئے، انہوں نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو میں نے ان کو اجازت دینے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر لوں، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: بے شک وہ تمہارے چچا ہیں تم ان کو اجازت دو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے تو صرف عورت نے دودھ پلایا تھا اور مجھے مرد نے دودھ نہیں پلایا تھا، حضرت عائشہ نے بتایا کہ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک وہ تمہارے چچا ہیں، پس وہ تمہارے پاس آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ہم پر حجاب کے احکام نازل ہو چکے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو رشتے ولادت سے حرام ہوتے ہیں وہ رشتے

رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۶۴۴ میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کے سبب سے عورت میں جو دودھ اترتا ہے اس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۵۱۰۳، ۵۱۱۱ میں گزر چکی ہے۔

۱۱۹۔ بَابٌ: لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا

کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ برہنہ نہ چپکے یا چمٹے، پھر وہ اپنے خاوند سے اس کی صفت بیان کرے

۵۲۴۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۴۱، سنن ترمذی: ۲۷۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۵۰، مسند احمد: ۳۶۰۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ برہنہ نہ چمٹے، پھر اپنے خاوند سے اس کی صفت اس طرح بیان کرے گویا وہ اس کو دیکھ رہا ہو۔

خاوند کے سامنے دوسری عورت کی شکل وصورت بیان کرنے کی ممانعت اور حکمت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابوالحسن بن القابسی نے کہا ہے: یہ حدیث ارتکاب حرام کے ذرائع کے سد باب میں بہت زیادہ واضح ہے کیونکہ جب کوئی عورت اپنے شوہر کے سامنے دوسری عورت کے حسن و جمال کو بیان کرے گی تو اس میں فتنہ کا خطرہ ہے اور یہ اس عورت کی طلاق کا سبب ہوگا اور اگر وہ دوسری عورت بے نکاح ہو تو یہ اس سے نکاح کا سبب ہوگا اور اگر وہ دوسری عورت شادی شدہ ہو تو وہ اس کے شوہر سے بغض کا سبب ہوگا اور اگر اس کی بیوی نے دوسری عورت کی بدصورتی بیان کی تو یہ غیبت ہوگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو بھی مرد کے ساتھ برہنہ چمٹنے سے منع فرمایا ہے۔

عورت کی عورت اور مرد کی مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں ایک دوسرے کے ساتھ برہنہ چمٹنے کی ممانعت اور مصافحہ کے جواز کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو مرد کے ساتھ برہنہ چمٹنے سے منع فرمایا اور اسی طرح عورت کو عورت کے ساتھ برہنہ چمٹنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۴، صحیح ابن حبان: ۵۵۸۲، المستدرک ج ۴ ص ۲۸۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ کپڑے میں چمٹے اور عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں چمٹے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۶)

اس کا معنی یہ ہے کہ ایک کا جسم دوسرے کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہو لیکن اگر جسم کا ایک حصہ دوسرے کے جسم کے کسی حصے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو تو یہ جائز ہے جیسا کہ مصافحہ میں ہوتا ہے۔

حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مصافحہ

کرتے ہیں تو ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں''۔ (سنن ابوداؤد: ۵۲۱۲، سنن ترمذی: ۲۷۲۷، سنن ابن ماجہ: ۳۷۰۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری آپس میں تحیت اور تعظیم مصافحہ ہے''۔

(سنن ترمذی: ۲۷۳۱، مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۸۵۴) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۸۔۲۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۵۲۴۱۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ نہ چمٹے اور پھر اپنے خاوند کے سامنے اس کی صفت اس طرح بیان کرے جیسا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہو۔

اس حدیث کی تشریح کے لیے حدیث سابق کا مطالعہ کریں۔

۱۲۰۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى نِسَائِي

مرد کا یہ کہنا کہ آج رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاؤں گا

۵۲۴۲۔ حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ بِمِائَةِ امْرَأَةٍ تَلِدُ كُلُّ امْرَأَةٍ غُلَامًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ قُلْ إِنْ شَاءَ اللهُ فَلَمْ يَقُلْ وَنَسِيَ فَأَطَافَ بِهِنَّ وَلَمْ تَلِدْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ نِصْفَ إِنْسَانٍ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ لَمْ يَحْنَثْ وَكَانَ أَرْجَى لِحَاجَتِهِ۔

(صحیح البخاری: ۶۶۳۹، ۶۷۲۰، ۷۴۶۹، صحیح مسلم: ۱۶۵۴، سنن ترمذی: ۱۵۳۲، سنن نسائی: ۳۸۳۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ابن طاؤس از والدخود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے کہا: میں آج رات سو عورتوں کے پاس جاؤں گا اور ان میں سے ہر ایک سے ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا، ان سے فرشتہ نے کہا: آپ ان شاء اللہ کہیے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان شاء اللہ نہ کہا اور بھول گئے۔ وہ اپنی تمام عورتوں کے پاس گئے اور ان میں سے صرف ایک عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ بھی آدھا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو حانث نہ ہوتے اور ان کی خواہش ضروری پوری ہوتی۔

اس حدیث کی شرح صحیح بخاری: ۲۸۱۹ میں گزر چکی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں ایک رات میں تمام بیویوں کے ساتھ جماع کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام ازواج کے ساتھ ایک رات میں جماع کرنا اس وقت جائز ہے جب ازواج کی باریوں کی ابتداء نہ کی ہو یا پھر باقی ازواج سے اجازت لے لی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں یہ جائز ہو اور ہماری شریعت میں یہ ممنوع ہے الا یہ کہ باقی ازواج سے یہ اجازت لے لی ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

۱۲۱- بَابٌ: لَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلًا إِذَا أَطَالَ الْغَيْبَةَ مَخَافَةَ أَنْ يُخَوِّنَهُمْ أَوْ يَلْتَمِسَ عَثَرَاتِهِمْ

کوئی مرد سفر سے رات کے وقت اپنے گھر نہ آئے یعنی جب اس کی دوری گھر سے بہت لمبی ہو چکی ہو، مبادا اس سے اس کے گھر والوں پر تہمت کا موقع پیدا ہو یا وہ اپنے گھر والوں کی لغزشوں کو طلب کرے

۵۲۴۳- حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَكْرَهُ أَنْ يَأْتِيَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ طُرُوقًا

(صحیح البخاری: ۵۲۴۴، ۵۲۴۵، ۵۲۴۶، ۵۲۴۷، ۵۲۶۷، ۶۳۸۷، صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ترمذی: ۱۱۰۰، سنن نسائی: ۴۵۹۰، سنن ابوداؤد: ۲۷۷۴، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۹، ۳۹۷، سنن دارمی: ۲۷۸۵، سنن ترمذی: ۱۱۷۲)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳ گزر چکی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محارب بن دثار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی مرد رات کے وقت (سفر سے) اپنے گھر آئے۔

۵۲۴۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عَاصِمُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ الشَّعْبِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ أَهْلَهُ لَيْلًا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم بن سلیمان نے خبر دی از شعبی، انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: جب تم میں سے کسی کی غیبت (مدت سفر) طویل ہو جائے تو وہ رات کے وقت اپنے گھر نہ آئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳ میں گزر چکی ہے۔

سفر سے واپسی پر اچانک رات کو گھر آنے کی ممانعت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مرد کا لمبے سفر کے بعد رات کے وقت گھر آنا گھر والوں پر تہمت کا سبب کیسے ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے

کہ جب وہ رات کے وقت گھر آئے گا اور اس وقت میں لوگ تنہائی کو غنیمت جان کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں اور جب وہ اچانک گھر آئے گا تو لوگوں کو دوسروں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر ہوسکتا ہے کہ وہ ان پر کوئی تہمت لگائے۔

اور دوسری حدیث کی شرح یہ ہے کہ: جب وہ رات کو اچانک گھر آئے تو ہوسکتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے استقبال کے لیے تیار نہ ہو، اس کے کپڑے میلے کچیلے ہوں، اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور اس نے اپنے زیر ناف بال صاف نہ کیے ہوئے ہوں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس دور میں یہ ممکن ہے کہ جب شوہر لمبے سفر میں ہو اور اسے رات کے وقت گھر پہنچنا ہو تو وہ ٹیلی فون یا سیل فون کے ذریعہ بیوی کو اپنی آمد کی اطلاع دے دے تاکہ وہ اس کے استقبال کے لیے تیار ہوسکے۔

۱۲۲۔ بَابُ: طَلَبِ الْوَلَدِ

اولاد کو طلب کرنا

۵۲۴۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ هُشَيْمٍ عَنْ سَيَّارٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا تَعَجَّلْتُ عَلَى بَعِيرٍ قَطُوفٍ فَلَحِقَنِي رَاكِبٌ مِنْ خَلْفِي فَالْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ مَا يُعْجِلُكَ قُلْتُ إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ فَبِكْرًا تَزَوَّجْتَ أَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ بَلْ ثَيِّبًا قَالَ فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَمْهِلُوا حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلًا أَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ قَالَ وَحَدَّثَنِي الثِّقَةُ أَنَّهُ قَالَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ الْكَيْسَ الْكَيْسَ يَا جَابِرُ يَعْنِي الْوَلَدَ

(صحیح البخاری: ۵۲۴۶، ۵۲۴۷، ۵۳۶۷، ۶۳۸۷، صحیح مسلم: ۷۱۴، سنن ابو داؤد: ۲۷۷۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۱۳، سنن ترمذی: ۳۱۶، سنن ابن ماجہ: ۷۲۹، السنن الکبری للنسائی: ۸۰۹، مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از ہشیم از سیار از الشعبی از حضرت جابر رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، پس جب ہم واپس ہوئے تو میں جلدی سے اپنے سست رفتار اونٹ پر بیٹھا تو پیچھے سے مجھے کوئی سوار آ کر ملا، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ نے پوچھا: تمہیں کیوں جلدی ہے؟ میں نے بتایا کہ میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، آپ نے پوچھا: کنواری سے تم نے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟ میں نے بتایا بلکہ بیوہ سے۔ آپ نے فرمایا: تم نے کسی کنواری سے شادی کیوں نہیں کی تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی، حضرت جابر نے بتایا: جب ہم مدینہ آئے تو ہم گھر میں داخل ہونے لگے، پس آپ نے فرمایا: ٹھہرو، حتیٰ کہ تم رات میں عشاء کے وقت داخل ہونا تاکہ بیوی کے جو بال گرد آلود ہیں وہ ان میں کنگھی کرلے اور جس عورت کا خاوند غائب ہو وہ موئے زہار صاف کرلے۔ ہشیم نے کہا: مجھے ثقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے اس حدیث میں کہا: اے جابر! جب تم اپنے گھر داخل ہو تو تم اولاد کے حصول کی کوشش کرنا، اولاد کے حصول کی کوشش کرنا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳ میں گزر چکی ہے۔

کثرت اولاد کے حصول کی ترغیب اور فضیلت میں احادیث

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اولاد کو طلب کرنا مستحب ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: مجھے ایک عورت ملی ہے جو شریف خاندان کی ہے اور خوب صورت ہے اور اس سے اولاد نہیں ہوتی، کیا میں اس عورت سے نکاح کرلوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، وہ دوبارہ آیا تو آپ نے پھر اس کو منع کیا، پھر وہ تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا: ''تم محبت کرنے والی اور بچہ جننے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کے سبب سے دوسری امتوں کے سامنے فخر کروں گا''۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۵۰، سنن نسائی: ۳۲۲۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۴۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس مسلمان کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہوگئے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان بچوں پر رحمت کی وجہ سے جنت میں داخل کردے گا۔ (صحیح البخاری: ۱۲۴۸) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس مسلمان کے بھی تین بچے فوت ہوجائیں تو وہ صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ میں داخل ہوگا''۔ امام بخاری نے کہا: قسم کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔ (مریم: ۷۱) اور بے شک تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد (داخل) ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۱۲۵۱، صحیح مسلم: ۲۶۳۲، مسند احمد: ۷۲۶۹)

۵۲۴۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَيَّارٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا دَخَلْتَ لَيْلًا فَلَا تَدْخُلْ عَلَى أَهْلِكَ حَتَّى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَعَلَيْكَ بِالْكَيْسِ الْكَيْسِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سیار از شعبی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم رات کو شہر میں داخل ہوتو اپنے گھر میں نہ جاؤ حتیٰ کہ جس عورت کا شوہر غائب ہوتو وہ اپنے موئے زہار کو صاف کرلے اور اپنے بکھرے ہوئے بالوں میں کنگھی کرلے، پھر انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر لازم ہے کہ تم اولاد کا حصول کرو، تم پر لازم ہے کہ تم اولاد کا حصول کرو۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳ میں گزر چکی ہے۔

تَابَعَهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ وَهْبٍ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْكَيْسِ۔

اس حدیث کی متابعت عبیداللہ نے کی ہے از وہب از جابر از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اَلْکَیْس کے لفظ میں۔

اس حدیث کی شرح اور تخریج حسب سابق ہے۔

۱۲۳۔ بَابٌ: تَسْتَحِدُّ الْمُغِيبَةُ وَتَمْتَشِطُ الشَّعِثَةُ

جس عورت کا خاوند غائب ہو وہ زیر ناف بال صاف کرلے اور بکھرے ہوئے بالوں میں کنگھی کرلے

۵۲۴۷۔ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا كُنَّا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سیار نے خبر دی از الشعبی از حضرت جابر بن

قَرِيبًا مِنَ الْمَدِينَةِ تَعَجَّلْتُ عَلَى بَعِيرٍ لِي قَطُوفٍ فَلَحِقَنِي رَاكِبٌ مِنْ خَلْفِي فَنَخَسَ بَعِيرِي بِعَنَزَةٍ كَانَتْ مَعَهُ فَسَارَ بَعِيرِي كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ الْإِبِلِ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ أَتَزَوَّجْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَبِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا قَالَ قُلْتُ بَلْ ثَيِّبًا قَالَ فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَمْهِلُوا حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلًا أَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ

(صحیح البخاری: ۲۰۹۷، ۵۳۶۷، ۶۳۸۷، صحیح مسلم: ۷۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۰۴۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۶۰، سنن ترمذی: ۱۱۰۰، سنن ابن ماجہ: ۷۲۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۹۰، مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۵)

عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، پس جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو میں جلدی سے اپنے سست رفتار اونٹ پر بیٹھا، پس میرے پیچھے سے ایک سوار مجھ سے آملا، اس نے میرے اونٹ پر اس نیزہ کو چبھویا جو اس کے پاس تھا، پس میرا اونٹ اس قدر تیز چلنے لگا کہ تم نے کسی اونٹ کو اتنا تیز چلتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا، سو میں نے مڑ کر دیکھا تو اچانک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، آپ نے پوچھا: کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا کنواری سے نکاح کیا ہے یا بیوہ سے؟ انہوں نے کہا: میں نے بتایا: بلکہ بیوہ سے، آپ نے فرمایا: تم نے کنواری سے نکاح کیوں نہ کیا تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی؟ حضرت جابر نے بتایا: پس جب ہم مدینہ میں داخل ہونے لگے تو آپ نے فرمایا: ٹھہرو حتیٰ کہ تم رات میں عشاء کے وقت داخل ہو تا کہ جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں وہ کنگھی کر لے اور جس عورت کا خاوند غائب ہو وہ زیر ناف بال صاف کر لے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۴۳ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کا حدیث سابق سے تعارض کا جواب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں فرمایا کہ تم عشاء کے وقت اپنے گھر میں داخل ہونا اور اس سے پہلے حدیث میں یہ ارشاد تھا کہ تم رات کے وقت میں داخل ہونا اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ عشاء کا وقت بھی رات میں ہی ہوتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۲۴- بَاب: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ (الی قوله) لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ (النور: ۳۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں۔۔۔۔ یا ان لوگوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں۔ (النور: ۳۱)

۵۲۴۸- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ اخْتَلَفَ النَّاسُ بِأَيِّ شَيْءٍ دُووِيَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی

جُرْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ فَسَأَلُوا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَكَانَ مِنْ آخِرِ مَنْ بَقِيَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ فَقَالَ وَمَا بَقِيَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي كَانَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَغْسِلُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ وَعَلِيٌّ يَأْتِي بِالْمَاءِ عَلَى تُرْسِهِ فَأُخِذَ حَصِيرٌ فَحُرِّقَ فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ۔

(صحیح البخاری: ۲۴۲، صحیح مسلم: ۱۷۹۰، سنن ترمذی: ۲۰۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۴)

حازم، وہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کا اس میں اختلاف ہوا کہ غزوۂ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا تھا؟ سو انہوں نے اس کے متعلق حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور وہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے آخری تھے، سو انہوں نے کہا: اب ان لوگوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہے جو اس بات کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو اور حضرت فاطمہ علیہا السلام آپ کے چہرہ سے خون کو دھوتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لا رہے تھے، پھر ایک چٹائی کو جلا کر اس کی راکھ آپ کے زخم میں بھر دی گئی۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۴۳ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس باب میں ارشاد ہے کہ عورتیں اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہر یا اپنے آباء کے سامنے ظاہر کر سکتی ہیں اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے چہرۂ انور کو خون سے دھوتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے، سو معلوم ہوا کہ بیٹی اپنے باپ کے سامنے اپنی زیبائش کو ظاہر کر سکتی ہے اور یہی باب کا عنوان ہے۔

باب میں مذکور آیت کی تفسیر

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں مذکور ہے کہ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ یعنی عورتیں اپنی زینت کو غیر پر ظاہر نہ کریں۔

زینت سے مراد زیورات، سرمہ یا خضاب ہیں اور بعض زینتیں ظاہر ہوتی ہیں جیسے لباس اور چادریں ہیں، ان کو اجنبی مردوں کے سامنے ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بعض زینتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جیسے پازیب، کنگن، کانوں کی بالیاں اور ہار وغیرہ۔

بُعُوْلَتِهِنَّ یہ لفظ بَعْلٌ کی جمع ہے اور اس سے مراد شوہر ہے۔

اس آیت میں ارشاد ہے: ''صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں، یا باپ دادا پر، یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر، یا اپنے بیٹوں پر، یا اپنے شوہروں پر، یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر، یا اپنے بھتیجوں پر، یا اپنے بھانجوں پر، یا اپنی خواتین پر''۔

علامہ زمخشری نے کہا ہے: اپنی خواتین سے مراد مؤمن عورتیں ہیں کیونکہ کسی مومن عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مشرکہ یا کسی کتابیہ کے سامنے اپنے کپڑے اتارے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: نوکروں سے مراد ایسے نوکر ہیں جو لوگوں کے گھروں میں ان کے ساتھ رہتے ہوں یا جوان ہی میں چلے

بڑھے ہوں۔ اور جو لڑکے عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں، اس سے مراد ایسے لڑکے ہیں جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ احمق لڑکے ہیں جن کو عورتوں کی خواہش نہ ہو اور جن پر مردوں کو غیرت نہ آئے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نامرد ہیں، چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بہت بوڑھا مرد ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مرد ہے جس کا آلہ کٹا ہوا ہو، چھٹا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایسے لڑکے ہیں جن کو یہ پتا نہ ہو کہ شرم گاہ کیا چیز ہے یا اس سے مراد وہ لڑکے ہیں جو وطی پر قادر نہ ہوں۔

مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت احکام حجاب کے بعد نازل ہوئی ہے اور زینت سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد کہنیوں سمیت ہاتھ ہیں۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس آیت میں عورتوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنی زینت کو ان کے سامنے ظاہر کریں جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

شعبی اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ نوکر اپنی مالکہ کے بالوں کی طرف دیکھے اور یہی عطاء اور مجاہد کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ جائز ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں ماموں اور چچا کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چچا باپ کے حکم میں ہے اور ماموں ماں کے حکم میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۱۷۔۳۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علاج کی مشروعیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اور نورانیت

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ علاج کرنا سنت ہے، اس زمانہ میں زخم کا علاج اسی طرح ہوتا تھا کہ زخم کو بھر کر اس میں راکھ بھر دی جائے۔ اور اب اس ترقی یافتہ دور میں زخم کے علاج کے لیے جو جدید طبی طریقہ علاج ہے اس کو استعمال کرنا چاہیے، نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشری عوارض سے مبرا نہیں تھے اس لیے آپ کے چہرہ مبارک سے خون نکلا اور اس میں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (طٰہٰ: ۱۱۰) کا ظہور ہے اور تین یا پانچ مرتبہ آپ کا شق صدر کیا گیا اور آپ کے جسم سے خون نکلا نہ آپ کو درد ہوا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۸، حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی عبد اللہ بن احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ مسند عبد اللہ بن احمد ج ۵ ص ۱۳۹، الصحیحہ للالبانی: ۱۵۴۵، امام ابن حبان نے اس کے راویوں کی توثیق کی ہے، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱۶۶، الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۹۴، فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۵۔ ۲۰۴، عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۳۱۔۳۰)

اور تین یا پانچ بار شق صدر کے موقع پر آپ کے سینہ کو چیرنے کے باوجود آپ کے جسم سے خون کا نہ نکلنا اس میں قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (المائدہ: ۱۵) کا ظہور ہے۔ گویا آپ کے جسم سے خون کا نکلنا آپ کی بشریت کا تقاضا ہے اور آپ کے جسم سے خون کا نہ نکلنا آپ کی نورانیت کا تقاضا ہے، کبھی آپ کے جسم میں بشریت کی جلوہ گری ہوتی ہے اور کبھی آپ کے جسم میں نورانیت کی تجلی ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۱۲۵۔ باب: وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ (النور: ۵۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور نابالغ لڑکوں کو (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) تین اوقات میں اجازت طلب کرنی چاہیے۔ (النور: ۵۸)

۵۲۴۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما سَأَلَهُ رَجُلٌ شَهِدْتَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْعِيدَ أَضْحًى أَوْ فِطْرًا قَالَ نَعَمْ وَلَوْلَا مَكَانِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ يَعْنِي مِنْ صِغَرِهِ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَذَانًا وَلَا إِقَامَةً ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَأَيْتُهُنَّ يَهْوِينَ إِلَى آذَانِهِنَّ وَحُلُوقِهِنَّ يَدْفَعْنَ إِلَى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلَى بَيْتِهِ۔

(صحیح البخاری: ۵۸۸۰، ۵۸۸۱، ۵۸۸۳، ۷۳۲۵، صحیح مسلم: ۸۸۴، سنن نسائی: ۱۵۶۹، سنن ابو داؤد: ۱۱۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از عبدالرحمٰن بن عابس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ان سے ایک شخص نے سوال کیا: کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے موقع پر حاضر تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور اگر میری عمر اس وقت اتنی نہ ہوتی یعنی وہ کم عمر نہ ہوتے تو میں آپ کے ساتھ حاضر نہ ہوتا، انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے، پس آپ نے نماز عید پڑھائی، پھر آپ نے خطبہ دیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اذان اور اقامت کا ذکر نہیں کیا، پھر آپ خواتین کے پاس آئے، سو ان کو وعظ اور نصیحت کی، پھر آپ نے ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، پھر میں نے عورتوں کو دیکھا وہ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھیں (اور کانوں کی بالیاں اور گلوں کے ہار اتار کر) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دے رہی تھیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال اپنے گھر کی طرف چڑھ کر چلے گئے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۹۸ میں گزر چکی ہے۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں حاضر ہوتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میری عمر اتنی نہ ہوتی یعنی وہ کم عمر نہ ہوتے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا کہ اس حدیث میں التفات ہے یعنی متکلم کے لفظ کے بجائے غائب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور السرخسی کی روایت میں من صغوی کے الفاظ ہیں جو اصل کے مطابق ہیں یعنی میرے کم عمر ہونے کی وجہ سے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: یعنی من صغرہ حضرت ابن عباس کا کلام نہیں ہے بلکہ راوی کا کلام ہے، لہٰذا اس کی تاویل کر کے اس کو التفات پر محمول کرنا بلا ضرورت ہے اور السرخسی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا کلام ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۱۷ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۲۹۸ میں علامہ عینی کے اعتراض کو لکھا ہے لیکن اس کا کوئی جواب ذکر نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کی شرح سے ان کی باریک بینی کا پتا چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے کثرت طرق پر مطلع ہونا اور چیز ہے اور حدیث کی فہم اور چیز ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ان تین اوقات میں نابالغ لڑکوں کو اجازت لے کر گھر میں داخل ہونے کی توجیہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہیں تھے اسی وجہ سے انہوں نے کہا: اگر میں کم عمر نہ ہوتا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عورتوں کے پاس نہ جاتا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بالغ مردوں میں سے تھے۔ اور اس آیت میں ان تین اوقات میں نابالغ کو اجازت لے کر گھروں میں آنے کا حکم دیا ہے کیونکہ صحابہ ان اوقات میں اپنی ازواج کے ساتھ جماع کرتے تھے اس لیے نوکروں اور نابالغ لڑکوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ان اوقات میں گھروں کے اندر بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۴۷۹۶) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۲۶۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهِ هَلْ أَعْرَسْتُمُ اللَّيْلَةَ وَطَعْنِ الرَّجُلِ ابْنَتَهُ فِي الْخَاصِرَةِ عِنْدَ الْعِتَابِ

مرد کا اپنے صاحب سے یہ پوچھنا: کیا تم نے آج رات اپنی بیوی سے مباشرت کی؟ اور مرد کا غصہ سے اپنی بیٹی کی کوکھ میں چٹکی لینا

۵۲۵۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ عَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي فَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي۔

(صحیح البخاری: ۵۸۸۲، ۶۸۴۴، صحیح مسلم: ۳۶۷، سنن نسائی: ۳۱۰، سنن ابوداؤد: ۳۱۷، سنن ابن ماجہ: ۵۶۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبدالرحمن بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ پر عتاب کیا اور وہ میری کوکھ میں اپنے ہاتھ سے چٹکیاں لیتے رہے، پس مجھے ہلنے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و مرتبہ میرے پیش نظر تھا اور آپ کا سر اقدس میرے زانو پر تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۳۳۴ میں گزر چکی ہے۔

کسی مرد کا اپنے بے تکلف دوست سے یہ پوچھنے کا جواز کہ کیا تم نے گزشتہ رات اپنی بیوی سے جماع کیا ہے؟

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید محبت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کے عنوان کے دو جز ہیں: پہلا جز یہ ہے کہ کوئی مرد اپنے صاحب سے یہ پوچھے: کیا تم نے آج رات اپنی بیوی سے مباشرت کی ہے؟ امام بخاری نے اس باب میں اس عنوان کے متعلق حدیث ذکر نہیں لیکن ''کتاب العقیقہ'' میں اس عنوان کے متعلق حدیث ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے، پھر وہ بچہ فوت ہو گیا، پھر جب حضرت ابوطلحہ واپس آئے تو پوچھا: میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ وہ پہلے سے پرسکون ہے، پھر ان کے سامنے رات کا کھانا رکھا، سو انہوں نے کھانا کھایا، پھر اپنی بیوی سے جماع کیا، پھر جب وہ جماع

سے فارغ ہو گئے تو ان کی بیوی نے کہا، جائیں اپنے بچے کو دفن کر دیں، پس جب صبح ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے پوچھا: کیا تم نے گزشتہ رات اپنی بیوی سے جماع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان دونوں کی اس رات میں برکت عطا فرما، پھر اس کی بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا، مجھ سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس بچہ کو حفاظت سے رکھو حتیٰ کہ ہم اس بچے کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں، پھر وہ اس بچہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور حضرت ام سلیم نے ان کے ساتھ چند کھجوریں بھیجیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کو پکڑا اور پوچھا کیا: اس کے ساتھ کوئی چیز ہے؟ صحابہ نے کہا: ہاں چند کھجوریں ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو لیا اور اپنے منہ میں چبایا، پھر ان چبائی ہوئی کھجوروں کو بچہ کے منہ میں رکھا اور ان چبائی ہوئی کھجوروں سے اس بچہ کو گھٹی دی۔ (صحیح البخاری: ۱۳۰۱، ۵۴۷۰، صحیح مسلم: ۲۱۴۴)

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ کوئی فاضل مرد اپنے قریبی دوست سے (ضرورتاً) یہ سوال کرے کہ کیا تم نے گزشتہ رات اپنی بیوی سے مجامعت کی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ باپ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو اس کے شوہر کے سامنے ڈانٹے، ڈرائے اور دھمکائے اور مارے اور یہ اس کے لیے مباح ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی شدید محبت تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی کوکھ میں چٹکیاں لیتے رہے اور وہ ہلی تک نہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۰۶۔ ۳۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

کتاب النکاح کا اختتام

کتاب النکاح میں دوسو اٹھائیس (۲۲۸) احادیث مرفوعہ ہیں، جن میں سے پینتالیس (۴۵) تعلیقات اور متابعات ہیں اور ایک سو باسٹھ (۱۶۲) احادیث مکررہ ہیں اور خالص احادیث چھیاسٹھ (۶۶) ہیں۔

الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے اپنے فضل و کرم سے صحیح البخاری کی کتاب النکاح کی تکمیل کرا دی ہے اسی طرح اپنے لطف خاص سے میرے ہاتھوں سے صحیح بخاری کی باقی کتب، ابواب اور احادیث کی بھی تکمیل کرا دیں اور میری شرح کو اغلاط سے محفوظ رکھیں، موافقین کے لیے اس شرح کو موجب استقامت بنا دیں اور مخالفین کے لیے اس کتاب کو ذریعہ ہدایت بنا دیں اور میری، میرے والدین کی اور میری ہمشیر کی مغفرت فرمائیں، ہمیں گناہوں سے بچائے رکھیں، بڑھاپے کی سختیوں، بیماریوں، لاچاریوں اور کمزوریوں سے مامون رکھیں اور جملہ امراض میں شفاء عطا فرمائیں، ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائیں، سکرات الموت کو آسان فرمائیں، قبر کے عذاب سے، قیامت کی ہولناکیوں سے اور حشر کی سختیوں سے محفوظ رکھیں، اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیں، دنیا میں اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنا دیں اور قبر میں آپ کی زیارت نصیب فرمائیں، میدان حشر میں اپنا دیدار عطا فرمائیں اور اپنے خاص فضل سے جنت الفردوس عطا فرمائیں، اس کتاب کو قبول فرمائیں اور تمام مسلمانوں کے نزدیک اس کو مقبول اور فیض آفرین بنا دیں۔ امین یا رب العالمین! بجاہ النبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریتہ صلوت و تسلیمات و علی امتہ من المحدثین والمفسرین والفقہاء والمجتہدین اجمعین یا ارحم الراحمین۔

ان شاء اللہ کتاب النکاح کے بعد کتاب الطلاق شروع کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

٦٨۔ كِتَابُ الطَّلَاقِ

طلاق کے احکام کا بیان

کتاب الطلاق اور کتاب النکاح میں مناسبت اور طلاق کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب طلاق کے احکام اور اس کی اقسام کے بیان میں ہے، اس سے پہلے کتاب النکاح کا ذکر تھا اور نکاح اور طلاق میں مناسبت واضح ہے، لغت میں طلاق کا معنی ہے: مطلقاً قید کو اٹھانا، جب کسی اونٹ کی رسی کھول دی جائے تو کہا جاتا ہے: اطلق المعیرُ اور اصطلاح شرع میں طلاق کا معنی ہے: نکاح کی قید کو اٹھالینا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے: اس کا معنی ہے: نکاح کی گرہ کو کھول دینا۔

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۳۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۱۔ بَابُ: قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالَى يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ (الطلاق:۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔ (الطلاق:۱)

أَحْصَيْنَاهُ حَفِظْنَاهُ وَعَدَدْنَاهُ

احصیناہ کا معنی ہے: ہم نے اس کی حفاظت کی اور اس کا شمار کرلیا۔

الطلاق:۱، کے شان نزول میں مفسرین کے متعدد اقوال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ الطلاق:۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا ہے: تم اپنی بیویوں کو عدت کے وقت میں طلاق دو، اس سے مراد یہ ہے کہ بیویوں کو اس طہر میں طلاق دی جائے جس میں ان کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، پھر ان کو چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہو جائے، یہ احسن الطلاق ہے اور اس کو امام بخاری نے ''کتاب السنت'' میں داخل کیا ہے۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ امام واحدی نے لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ کی طرف یہ وحی فرمائی کہ ان کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کرلیں کیونکہ یہ روزے رکھنے والی ہیں اور نمازوں میں قیام کرنے والی ہیں اور یہ آپ کی ان ازواج مطہرات میں سے ایک ہیں جو آپ کے ساتھ جنت میں ہوں گی، اور السدی نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا، اور مقاتل نے کہا: یہ آیت حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عقبہ بن عمرو المازنی، حضرت طفیل بن الحارث بن عبد المطلب اور حضرت عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور مہاجرین صحابہ کی ایک جماعت بغیر عدت کے طلاق دیتی تھی اور بغیر گواہوں کے رجوع کرتی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حالت حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرلیں، پھر اس کو اپنے پاس رکھیں حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائیں، پھر ان کو دوبارہ حیض آئے، پھر وہ اس حیض سے پاک ہو جائیں، پھر اگر وہ چاہیں تو ان کے بعد ان کو اپنے پاس رکھیں اور اگر چاہیں تو اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس کو طلاق دے دیں، سو یہ وہ وقت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اس وقت میں اپنی بیویوں کو طلاق دی جائے''۔

(صحیح البخاری: ۴۹۰۸، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۸۵)

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا مذہب اسی حدیث کے مطابق ہے۔

فقہاء احناف نے کہا ہے: اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو طہر میں جماع سے پہلے طلاق دی، پھر ہر حیض کے بعد ایک طلاق دی تو یہ بھی طلاق سنت ہے اور اگر اس نے حالت حیض میں طلاق دی یا جماع کے بعد طلاق دی تو یہ طلاق حرام ہے (مگر واقع ہو جائے گی)۔

تین مجموعی طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق شیخ ابن حزم ظاہری کے دلائل

مشہور غیر مقلد شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جو اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں ان کو ایک طلاق قرار دیا جاتا ہے، انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے اس کام میں جلدی کر لی جس کام میں ان کے لیے تاخیر تھی، پس اگر ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں۔

(صحیح مسلم: ۱۴۷۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۳۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۹، سنن نسائی: ۳۴۰۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبد یزید رکانہ اور اس کے بھائیوں کے والد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کرلو''۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں تو اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں، آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم اس کو تین طلاقیں دے چکے ہو تم اس سے رجوع کرلو اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔ (الطلاق: ۱)

(سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

امام ابوداؤد نے کہا: نافع بن عجیر اور عبید اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود جو روایت ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا یہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ کسی مرد کا بیٹا اور اس کی بیوی اس کے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کو ایک طلاق قرار دیا۔ (المحلیٰ بالآثار ج ۹ ص ۳۸۹-۳۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

تین مجموعی طلاقوں کے تین طلاقیں ہونے پر جمہور فقہاء کے قرآن مجید سے دلائل

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌ ۢبِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ ۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ ......فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ ۔(البقرہ: ۲۳۰۔۲۲۹)

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے، یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے...... پس اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

البقرہ: ۲۳۰ کے شروع میں فرمایا ہے: فَاِنۡ طَلَّقَهَا اس کے شروع میں حرف فاء ہے جو تعقیب بلا مہلت کے لیے آتا ہے اور اب قواعد عربیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد اگر خاوند نے فوراً تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ کر لے، اس آیت میں اگر حرف ثُمَّ ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا ہے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق دی جائے گی اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے گی لیکن قرآن میں ثُمَّ کی بجائے فاء کا ذکر کیا گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اگر خاوند نے دو طلاقیں دینے کے بعد فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی۔

قرآن مجید میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فرمایا ہے یعنی دو مرتبہ طلاق اور دو مرتبہ طلاق دینا اس سے عام ہے کہ ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی جائے یا دو طہروں میں دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد اگر فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین بار تین طلاقیں دیں اور کہا: میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔

تین مجموعی طلاقوں کے تین طلاقیں ہونے پر جمہور فقہاء کے احادیث صحیحہ سے دلائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، سوان سے کہا: اے عاصم! اگر تم کسی مرد کو دیکھو کہ اس کی بیوی کسی دوسرے مرد کے ساتھ ہے تو کیا تم اس کو قتل کر دو گے یا پھر وہ شخص کیا کرے؟ اے عاصم! تم میری خاطر اس کا سوال کرنا، پس حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کو ناپسند کیا اور اس کی مذمت کی حتیٰ کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ پر یہ بات، بہت سخت گزری جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، پھر جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اپنے گھر گئے تو ان کے پاس حضرت عویمر رضی اللہ عنہ آئے، پس انہوں نے پوچھا: اے عاصم! تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ تو حضرت عاصم نے جواب دیا: میں تمہارے پاس کوئی اچھی خبر نہیں لایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوال کیا تھا تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا، تب حضرت عویمر نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں رکوں گا حتیٰ کہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کروں، پس حضرت عویمر اس وقت آئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ دوسرے مرد کو دیکھے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے تو آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرما دیا ہے پس تم جاؤ اور اپنی بیوی کو لے آؤ۔ حضرت سہل نے کہا: پس ہم نے ایک دوسرے پر لعان کیا،

میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا: اگر میں نے اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں گا، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ (صحیح البخاری: ۵۳۰۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے بیوی اسی وقت حرام ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اگر ایک مجلس میں تین طلاقوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول عبث ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ فرماتے کہ بیک وقت تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم سے علیحدہ نہیں ہوئی۔ نیز اس حدیث کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰)

اس حدیث میں یہ واضح تصریح ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اس میں رجوع کا اختیار نہیں ہوتا۔

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خثعمیہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسن سے کہا کہ آپ کو خلافت مبارک ہو تو حضرت حسن نے کہا: تم حضرت علی کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو جاؤ میں نے تم کو تین طلاقیں دیں، اس نے اپنے کپڑے اٹھائے اور بیٹھ گئی حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو گئی، حضرت حسن نے اس کی طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار درہم صدقہ بھیجا تو اس نے کہا: مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے، جب حضرت حسن تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے آب دیدہ ہو کر فرمایا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ آپ نے فرمایا: جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں یا بہ یک وقت تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کر لے (اگر آپ کا یہ ارشاد نہ ہوتا) تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۳۶ نشر السنہ، ملتان، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۳۱۔۳۰ نشر السنہ، ملتان، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کی امام طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اس کے متعلق حافظ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں: ان دونوں حدیثوں کی امام طبرانی نے روایت کی ہے اور پہلی حدیث کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث میں انتہائی وضاحت کے ساتھ یہ تصریح ہے کہ بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں خواہ وہ تین طلاقیں مجموعی طور پر دی جائیں یا متفرق طور پر۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ میں کھڑے ہو کر فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، پھر ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کر دوں! (سنن نسائی: ۳۳۹۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوتی ہیں کیونکہ اگر اکٹھی تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اس طلاق سے رجوع کر لو اور اس پر ناراض نہ ہوتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا ناجائز اور گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حد سے تجاوز کرنا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، پھر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقیں دینے کے بعد تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تمہارا اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶، بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ نور الدین علی بن بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ اس حدیث کی امام طبرانی نے روایت کی ہے، اس میں ایک راوی علی بن سعید ہے، امام دارقطنی نے کہا: وہ قوی نہیں ہے اور دوسروں نے کہا: وہ بہت عظیم راوی ہے، اور اس حدیث کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق آثار صحابہ اور اقوال تابعین

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سالم نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ نافذ ہو جائیں گی اور اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۹۵، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۳ھ، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۳۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا: اے ابو عباس! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، حضرت ابن عباس نے (طنزاً) فرمایا: یا ابا عباس! پھر فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت سے تین طلاقیں دیتا ہے: پھر کہتا ہے: اے ابو عباس! تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۹۷، ۱۱۳۹۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

واقع بن سحبان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں؟ حضرت عمران بن حصین نے کہا: اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۸۷، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو دردناک مار، مارتے اور ان کے درمیان تفریق کر دیتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۸۹، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ وہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے تھے ورنہ وہ تین طلاقیں دینے والے کو دردناک طریقہ سے نہ مارتے اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور وہ جو صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا اس کے بالتفصیل جوابات ان شاء اللہ عنقریب ہدیہ قارئین ہوں گے۔

زہری نے اس شخص کے متعلق کہا جس نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دے دیں انہوں نے کہا: اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے الگ ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۹۲، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دے

دیں، حضرت ابن مسعود نے جواب دیا کہ تین طلاقوں سے اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہوگئی اور باقی ستانوے (۹۷) طلاقیں حد سے تجاوز ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۹۷، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حبیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں تو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہوگئی باقی طلاقیں دوسری بیویوں میں تقسیم کر دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۱، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

معاویہ بن ابی یحییٰ بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: یا امیر المومنین! میں نے اپنی بیوی کو سو (۱۰۰) طلاقیں دی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۴، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کسی مرد نے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک سو (۱۰۰) طلاقیں دے دی ہیں، حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جواب دیا: تین طلاقوں نے اس کی بیوی کو اس پر حرام کر دیا اور ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۔ ۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۵، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

شعبی بیان کرتے ہیں کہ قاضی شریح سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دے دی ہیں، انہوں نے کہا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی علیحدہ ہوگئی اور باقی طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۷، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حسن بصری کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دی ہیں تو انہوں نے کہا: تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۸، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک دوسرا شخص اس کے ساتھ دخول نہ کر لے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۵۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ان سب نے جواب دیا: اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک اس کی بیوی کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۵۹، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کسی شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے اور اگر اس نے اپنی بیوی کو الگ الگ تین طلاقیں دیں تو اس کی بیوی پہلی طلاق کے ساتھ اس سے علیحدہ ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۷۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

البقرۃ: ۲۳۰۔ ۲۲۹ سے واضح ہوگیا کہ تین طلاقیں دینے کے بعد بغیر شرعی حلالہ کے عورت مرد پر حلال نہیں ہوتی خواہ وہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں یا الگ الگ، اسی طرح احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے بھی واضح ہوگیا کہ اگر ایک مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو مرد پر اس کی بیوی حرام ہو کر اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع

کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور شیخ ابن حزم، شیخ شوکانی اور دیگر غیر مقلدین نے صحیح مسلم کی از طاؤس از حضرت ابن عباس روایت سے جو استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تین طلاقوں کو تین طلاق ہی قرار دے دیا، سو اب ہم اس روایت کے مفصل جوابات پیش کر رہے ہیں: فنقول و باللہ التوفیق

اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے ثبوت میں شیخ ابن حزم کی پیش کردہ روایت کے مفصل اور متعدد جوابات

صحیح مسلم کی یہ روایت، شاذ، معلل، مردود ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ طاؤس نے اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اور اگر اس لیے وہ طلاقیں متفرق دی ہیں تو اس کی بیوی پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۷۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کریں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیں، اس لیے یہ روایت شاذ ہے اور حضرت ابن عباس کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے میں طاؤس کو وہم ہوا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کی وضاحت امام بیہقی کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی التوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن میں امام بخاری اور امام مسلم کا اختلاف ہے، امام مسلم نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو ترک کر دیا اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی باقی روایات کے خلاف ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلے انسان تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر لیتا تھا، پھر البقرہ: ۲۲۹، اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ نے اس کو منسوخ کر دیا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اس پر حرام ہو گئی۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں، حضرت ابن عباس نے جواب دیا: تم تین طلاقیں لے لو اور ستانوے طلاقوں کو چھوڑ دو۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے اپنی بیوی کی نافرمانی کی، سو تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی، تم نے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کیا، سو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں رکھا۔

طاؤس کے علاوہ عطاء، عمرو بن دینار اور مالک بن حارث وغیرہم جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ ہیں ان سب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے کہ بہ یک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں، ان کے برخلاف صرف طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابوبکر میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا

تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۷۲ ۱۴، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۹، سنن نسائی: ۳۴۰۶)
سو یہ روایت طاؤس کا وہم ہے اور شاذ اور معلل ہے، صحیح نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۷ نشر السنہ، ملتان)
قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:
امام احمد بن حنبل نے فرمایا: حضرت ابن عباس کے تمام شاگردوں نے حضرت ابن عباس سے طاؤس کے خلاف روایت کی ہے، سعید بن جبیر، مجاہد اور نافع نے حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔
(نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۲، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، قاہرہ، ۱۳۹۸ھ)

طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ ہونے پر مزید دلائل

خود طاؤس کا فتویٰ بھی اپنی روایت کے خلاف تھا، طاؤس یہ کہتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو وہ ایک طلاق شمار ہوگی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۶، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)
طاؤس کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً تین طلاقوں کو ایک طلاق نہیں قرار دیتے تھے بلکہ جب کوئی مرد دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو پھر اس کی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوگی۔
علامہ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی متوفی ۸۴۵ھ لکھتے ہیں:
حافظ ابن عبدالبر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے لکھا ہے کہ طاؤس کی یہ روایت وہم اور غلط ہے، علماء میں سے کسی ایک نے بھی اس روایت کو قبول نہیں کیا کیونکہ ثقہ راویوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔
(الجوہر النقی علی ہامش البیہقی ج ۷ ص ۳۳۸۔ ۳۳۷ نشر السنہ، ملتان)

طاؤس کی روایت کا صحیح محمل

جمہور محدثین اور فقہاء اسلام نے اس حدیث کو اس کے فنی سقم کی وجہ سے مسترد کر دیا ہے، تاہم بر سبیل تنزل اس حدیث سے یہ تاویل کی کہ عہد رسالت اور دور صحابہ میں مسلمان تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض مسلمانوں نے تین طلاق دینے کی نیت سے تین بار طلاق دینا شروع کر دیا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نیات کے اعتبار سے ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو نہیں بدلا بلکہ اس چیز کو نافذ کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے، حدیث میں ہے:
امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
عبداللہ بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس میں نے عرض کیا یا: رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی ہے، آپ نے دریافت فرمایا: تم نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا، میں نے عرض کیا: میں نے اس سے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، آپ نے پوچھا: اللہ کی قسم! میں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے فرمایا: پس یہ وہی طلاق ہے جس کا تم نے ارادہ کیا تھا۔ (سنن ترمذی: ۱۱۷۷)
اس حدیث کی امام ابوداؤد نے تین سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۰۶، ۲۲۰۷، ۲۲۰۸)
اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقوں کا ارادہ کرنا جائز ہے کیونکہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے یہ استفسار نہ فرماتے کہ تم نے طلاق البتہ سے کیا مراد لیا ہے اور ان کی مراد پر قسم طلب نہ فرماتے

بلکہ صاف فرما دیتے کہ ایک مجلس میں ایک لفظ سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت رکانہ سے ان کی طلاق کی تعداد کو دریافت کرنا اور ان کی مراد پر قسم لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مجلس واحد میں لفظ واحد میں دی ہوئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس حدیث کے مطابق ہے اور جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ بھی اسی حدیث کے مطابق ہے۔

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق دینے کے ثبوت میں سنن ابوداؤد کی روایت کا جواب

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یزید ابو رکانہ سے فرمایا: تم اپنی بیوی کو طلاق دو، سو انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر آپ نے فرمایا: تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کر لو، انہوں نے کہا: میں تو اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم اس سے رجوع کر لو۔ الحدیث۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد بھی رجوع کرنا صحیح ہے کیونکہ ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان تین طلاقوں سے رجوع کرنے کا حکم دیا۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد حدیث: ۲۱۹۶ کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ابوداؤد نے کہا: نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کی طرف واپس کر دی، امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ کسی مرد کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو صرف طلاق البتہ دی تھی، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طلاق قرار دیا۔

امام ابوداؤد نے اپنی جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ درج ذیل ہے:

از نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ روایت ہے کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دی، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا؟ تو حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کی طرف واپس کر دی، پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دی۔

(سنن ابوداؤد: ۲۲۰۶، سنن ترمذی: ۱۱۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۱)

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے ثبوت میں مسند احمد کی روایت کا مفصل اور محقق جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر وہ اس پر بہت زیادہ غم گین ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی تھی؟ انہوں نے بتایا: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں۔ آپ نے پوچھا: ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ تین طلاقیں ایک طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو اس طلاق سے رجوع کر لو۔ حضرت ابن عباس نے بتایا کہ پھر حضرت رکانہ نے اس طلاق سے رجوع کر لیا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۵، مسند احمد: ۲۳۸۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

شیخ شعیب الارنؤوط اور دیگر محققین اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں داؤد بن الحصین کی عکرمہ سے روایت ہے، علی بن المدینی نے کہا کہ داؤد بن الحصین نے عکرمہ سے جو حدیث روایت کی ہے وہ منکر ہے۔ اور امام ابوداؤد نے کہا کہ عکرمہ سے اس کی روایات مناکیر ہیں اور علامہ ذہبی نے اپنی کتاب میں کہا کہ اس کی روایات غرائب مستنکرہ ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تقریب التہذیب'' میں کہا ہے کہ یہ عکرمہ کے سوا دوسری روایات میں ثقہ ہے۔

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے حجت قائم نہیں ہوتی جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آٹھ (۸) شاگرد اس روایت کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں، علاوہ ازیں حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق دی تھی۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹)

امام ابویعلیٰ اور امام عبدالرزاق اور امام ابوداؤد نے از ابن جریج از بعض بنی ابورافع از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ ابورکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم اپنی بیوی سے رجوع کرلو''۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہے تم ان سے رجوع کرلو''۔

(مسند ابویعلیٰ: ۲۵۰۰، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

علامہ حمد بن محمد خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند پر اعتراض ہے کیونکہ ابن جریج نے اس حدیث کی ابورافع کے بعض بیٹوں سے روایت کی ہے اور ان کا نام ذکر نہیں کیا اور سند مجہول حجت نہیں ہوتی۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۲۳۶)

نیز علامہ خطابی نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل اس حدیث کی تمام سندوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے حضرت رکانہ کی اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کو ترک کر دیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۱۰ ص ۳۶۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں نہیں دی تھیں بلکہ طلاق البتہ دی تھی۔ امام ابوداؤد نے اس کو ترجیح دی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳، طبع لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ) (حاشیہ مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۷۔۲۱۵، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اکٹھی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی مبحث کا خلاصہ

شیخ ابن حزم اور دیگر غیر مقلدین ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور محدثین ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیتے ہیں، ہم نے اس مبحث میں پہلے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے یہ بیان کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں، تین طلاقیں ہی ہوتی ہیں ایک طلاق نہیں ہوتی۔ اس کے بعد شیخ ابن حزم اور غیر مقلدین نے جن احادیث سے اپنے اس موقف پر استدلال کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے اس کا تفصیلی دلائل سے رد کیا ہے اور حق کو واضح تر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے اور میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔ آمین یارب العالمین۔

وَطَلَاقُ السُّنَّةِ أَنْ يُطَلِّقَهَا طَاهِرًا مِنْ غَيْرِ جِمَاعٍ وَيُشْهِدَ شَاهِدَيْنِ۔

اور طلاق سنت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو حالت طہر میں بغیر جماع کے طلاق دے اور اس پر دو گواہ بنالے۔

طلاق سنت کی تعریف میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا اختلاف اور فقہاء احناف کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی الطلاق السنی یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دے کہ وہ حیض سے طاہر ہو اور مرد نے اپنی بیوی سے اس طہر میں جماع نہ کیا ہو اور وہ اس طلاق کے اوپر دو گواہ بنالے، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی یا اس طہر میں طلاق دی جس میں وہ وطی کر چکا تھا یا اس نے طلاق پر دو گواہ نہیں بنائے تو پھر یہ طلاق بدعی ہوگی۔

طلاق سنت میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک نے کہا کہ طلاق سنت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں ایک طلاق دے جس طہر میں اس نے جماع نہ کیا ہو، پھر ایک طلاق دینے کے بعد اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ تیسرے حیض میں خون کا پہلا قطرہ دیکھنے کے بعد اس کی عدت پوری ہو جائے، اور اللیث اور الاوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ طلاق حسن ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب اس کا ارادہ تین طلاقیں دینے کا ہو تو وہ ہر طہر میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دے جب کہ اس طہر میں اس نے جماع نہ کیا ہو اور الثوری اور اشہب کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ نے کہا ہے: اصحاب ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق کی تین قسمیں ہیں: حسن، احسن اور بدعی، سو احسن طلاق یہ ہے، کہ وہ اپنی مدخول بہا بیوی کو اس طہر میں ایک طلاق دے جس طہر میں اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور طلاق حسن یہ ہے کہ وہ اپنی مدخول بہا بیوی کو تین اطہار میں تین طلاقیں دے اور یہ ہی طلاق سنت بھی ہے اور طلاق بدعی یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دے یا ایک طہر میں تین طلاقیں دے، سو جب اس نے ایسا کیا تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ گناہ گار ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۵۱ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ ثُمَّ تَطْهُرَ ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی، از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دے دی جب وہ حائضہ تھیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا واقعہ ہے، پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کو حکم دو کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلے، پھر وہ اس کو اپنے پاس روکے رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کو دوبارہ حیض آئے، پھر وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اگر وہ چاہے تو اس کو اپنے پاس روک لے اور اگر چاہے تو جماع کرنے سے پہلے اس کو طلاق دے دے پس یہ وہ مدت ہے

جس میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں کو طلاق دینے کا حکم فرمایا ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۹۰۸ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

صحیح البخاری: ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۵۸، ۵۲۶۴، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۷۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۹، سنن نسائی: ۳۳۸۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۹، سنن دارمی: ۲۲۶۷، ۲۲۶۸، الموطا: ۳۵۶، مسند احمد ج ۲ ص ۵۴، مسند احمد: ۱۵۶۴)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے بیوی کو طلاق دینے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ (الطلاق: ۱)

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا جماع) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کو مباح فرما دیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: اگر وہ چاہے تو اپنے پاس روکے رکھے اور اگر چاہے تو طلاق دے دے اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تھی، پھر آپ نے اس سے رجوع فرما لیا تھا۔

اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دی جس میں اس نے جماع نہیں کیا تھا تو وہ سنت کے مطابق طلاق دینے والا ہے اور اس مدت میں طلاق دینے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم دیا تھا اور اگر اس کی بیوی مدخول بہا ہو تو اس کے لیے عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع ہونا جائز ہے اور جب اس کی بیوی کی عدت پوری ہو جائے تو پھر وہ کسی سے منگنی کرنے کے لیے آزاد ہے۔

حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کے بعد ایک طہر گزارنا کافی ہے یا دو طہر گزارنا ضروری ہے، اس میں مذاہب فقہاء

امام مالک، امام ابو یوسف اور امام شافعی کا وہ مذہب ہے جس کی نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی وہ اس طلاق سے رجوع کرے، پھر اس کو اپنے پاس رکھے حتیٰ کہ وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کو دوبارہ حیض آئے، پھر وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اگر وہ چاہے تو وہ اس طہر میں جماع کرنے سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا پھر چاہے تو اس کو اپنے پاس رکھ لے۔

امام ابوحنیفہ اور اکثر اہل عراق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے مطابق کہا ہے کہ وہ اسی طلاق سے رجوع کر لے، پھر جب وہ اس حیض سے پاک ہو جائے تو اگر چاہے تو اس کو طلاق دے دے اور فقہاء شافعیہ میں سے المزنی کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان فقہاء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض میں طلاق دینے والے کو اسی طلاق میں رجوع کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس نے اس طلاق میں سنت سے خطاء کی ہے، سو اس کو حکم دیا گیا کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرے تا کہ خطاء کے اسباب سے نکل

جائے، پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اگر چاہے تو اس کو صحیح طلاق دے دے اور اس کے بعد دوسرا حیض گزارنے کا کوئی معنی یا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور امام مالک، امام ابو یوسف اور امام شافعی نے کہا کہ دوسرے طہر اور دوسرے حیض کے صحیح معانی ہیں کیونکہ جب اس نے اس وقت طلاق دی جس وقت میں اس کو طلاق دینے سے منع کیا گیا تھا تو اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا، انہوں نے کہا کہ دوسرا طہر اس طلاق کی اصلاح کے لیے ہے اور پہلے طہر میں وطی کی اصلاح ہے اور رجوع کی صحت کا صرف وطی سے علم ہوگا۔

حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم آیا وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے ہے، اس میں مذاہب فقہاء

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا حیض میں طلاق دینے والے کو اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا یا نہیں؟

امام مالک اور ان کے اکثر اصحاب نے کہا ہے کہ اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: عبداللہ بن عمر سے کہو کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۵۱) اس میں امر کا صیغہ ہے اور امر کا تقاضا فرضیت ہے۔

اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اوزاعی، اسحاق اور ابو ثور نے کہا ہے کہ اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں جو امر کا صیغہ ہے وہ استحباب کے لیے ہے تا کہ اس کی طلاق سنت کے مطابق ہو جائے اور اس پر اتفاق ہے کہ جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو اس کو رجوع کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس میں یہ دلیل ہے کہ رجوع کرنے کا حکم استحباب کے لیے ہے۔

طلاق سنت اور طلاق بدعت کی تعریف میں مذاہب فقہاء اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ کے مذہب پر دلائل

امام مالک نے کہا کہ طلاق سنت کی تعریف یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو، پھر اس کو چھوڑے رکھے حتیٰ کہ تیسرے حیض میں خون کا پہلا قطرہ دیکھنے سے اس کی عدت پوری ہو جائے اور یہی اللیث اور اوزاعی کا قول ہے اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ یہ طلاق حسن ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کا ارادہ کرے تو وہ اس کو ہر ایسے طہر میں طلاق دے دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو اور یہی الثوری اور اشہب مالکی کا قول ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہی طلاق سنت ہے۔

علامہ نخعی نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ وہ اس کو مستحب قرار دیتے تھے کہ مرد اپنی بیوی کو ایک طلاق سے زیادہ طلاق نہ دے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔

امام شافعی، امام احمد اور ابو ثور نے کہا ہے کہ طلاق میں کوئی عدد سنت ہے نہ واجب ہے، سنت تو صرف طلاق کے وقت میں ہے، سنت صرف یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو، سو جس نے اپنی بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دی خواہ ایک طلاق دی ہو یا دو طلاقیں دی ہوں یا تین طلاقیں دی ہوں تو وہ سنت کے مطابق طلاقیں دینے والا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا جماع) میں ان کو طلاق دو اور عدت کو شمار رکھو (الطلاق: ۱)

اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک طلاق یا دو طلاق یا تین طلاق کی تخصیص نہیں کی۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ حکم دیا گیا کہ دوسرے طہر میں طلاق دیں اور یہ تخصیص نہیں کی کہ وہ ایک طلاق دیں، دو طلاق دیں یا تین طلاق دیں۔

اور امام شافعی کے قول کو رد کرنے کے لیے یہ کہا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عمر کی طلاق دینے کی وجہ سے مذمت نہیں کی بلکہ حالت حیض میں طلاق دینے کی وجہ سے ان کی مذمت کی ہے اور ان کو یہ بتایا کہ اس طہر میں طلاق دیں جس میں انہوں نے جماع نہ کیا ہو، اور امام شافعی اس مسئلہ کو حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ جاننے والے نہیں ہیں، سو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں طلاق دینا طلاق بدعی ہے اور حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جس نے اکٹھی تین طلاقیں دیں اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی سو اکٹھی تین طلاقیں دینا بھی طلاق بدعی ہے اور حالت حیض میں طلاق دینا بھی طلاق بدعی ہے اور یہی امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

علامہ ابن القصار نے کہا ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو موسیٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اس شخص کی شدید مذمت کی ہے جس نے ایک مرتبہ اکٹھی تین طلاقیں دیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مرد کو دردناک مار مارتے تھے جو ایک لفظ سے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا اور ان کے درمیان تفریق کر دیتے تھے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۱۵۔۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس اثر سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہم کے نزدیک لفظ واحد سے تین طلاقوں کا ارادہ کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر کسی نے اپنی بیوی کو لفظ واحد سے تین طلاقیں دے دیں تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی جیسا کہ ہم اس پر قرآن مجید، احادیث اور آثار سے استدلال کر چکے ہیں، لہٰذا ابن حزم اور غیر مقلدین کا تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا باطل اور مردود ہے۔

۲۔ بَابُ: إِذَا طُلِّقَتِ الْحَائِضُ تَعْتَدُّ بِذٰلِكَ الطَّلَاقِ

جب حائض کو طلاق دی جائے تو اس کی اس طلاق کا شمار کیا جائے گا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب کسی عورت کو طلاق دی جائے اور وہ اس وقت حائض ہو تو اس طلاق کا اعتبار کیا جائے گا، اس پر تمام ائمہ فتویٰ، صحابہ، تابعین وغیرہم متفق ہیں اور ظاہریہ (غیر مقلدین) اور خوارج اور رفضہ نے کہا ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۵۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ قَالَ طَلَّقَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لِيُرَاجِعْهَا قُلْتُ تُحْتَسَبُ قَالَ فَمَهْ

(صحیح مسلم: ۳۶۶۵۔۳۶۶۶)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از انس بن سیرین، انہوں نے کہا: میں نے سنا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دی، پھر حضرت عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اس کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے، میں نے پوچھا: کیا اس طلاق کا شمار کیا جائے گا تو آپ نے ان کو ڈانٹا یعنی اس طلاق کو

کیوں شمار نہیں کیا جائے گا۔

وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ يُونُسَ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا قُلْتُ تُحْتَسَبُ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ۔

اور از قتادہ از یونس بن جبیر از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عبداللہ بن عمر کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرلیں، میں نے پوچھا: کیا طلاق کا شمار کیا جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ عاجز ہو یا حماقت کا ارتکاب کرے تو کیا ہوگا؟

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد: ''اگر وہ عاجز ہو یا حماقت کا ارتکاب کرے تو کیا ہوگا'' کے متعدد معانی

علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ کیا طلاق دینے والے کا عجز اور اس کی حماقت طلاق دینے والے کے اس حکم کو ساقط کر دے گا جو اس نے حالت حیض میں طلاق دی ہے؟ یعنی حکم ساقط نہیں ہوگا۔

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں: اس ارشاد کا معنی یہ ہے: کیا عجز اور حماقت کی وجہ سے طلاق کا حکم ساقط ہو جائے گا؟ اور یہ استفہام انکاری ہے اور اصل عبارت اس طرح ہوگی کہ ہاں! طلاق کا شمار کیا جائے گا اور اس کا عجز اور اس کی حماقت طلاق کو شمار کرنے سے مانع نہیں ہے۔

اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے کیا ہوا کہ میں اس طلاق کو شمار نہ کروں خواہ میں عاجز ہوں یا حماقت کا ارتکاب کروں؟ (صحیح مسلم: ۱۴۷۱، الرقم المسلسل: ۳۵۵۶، صحیح البخاری: ۵۲۵۲)

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ طلاق سے رجوع کرنے سے عاجز ہو اور کسی احمق آدمی کا فعل کرے۔

اور علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں اِنْ کا لفظ نافیہ ہو یعنی ابن عمر نہ عاجز ہے اور نہ احمق ہے یعنی وہ بچہ اور مجنون نہیں ہے حتیٰ کہ اس کی طلاق واقع نہ ہو اور عجز بچہ کو لازم ہے اور حماقت مجنون کو لازم ہے یعنی اس حدیث میں لازم کا اطلاق کیا ہے اور اس سے ملزوم کا ارادہ کیا ہے اور یہ لفظ اِنْ، اِنَّ ثقیلہ کا مخففہ ہے۔

اور ابن الخشاب نے کہا ہے کہ استحمق میں تاء مفتوحہ ہے اور اس کا معنی ہے: اس نے ایسا فعل کیا جیسا فعل احمق اور عاجز کرتا ہے، پس اس کا عجز اور اس کی حماقت کیا طلاق کے حکم کو ساقط کر دے گا؟ اور باب استفعال کا خاصہ ہے، تکلف یعنی اس نے تکلف سے حماقت کا ارتکاب کیا اور حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

اور علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: اس کو حالت حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو اگر وہ کسی عجز کی وجہ سے رجوع نہیں کر سکا تو رجوع کا حکم ساقط نہیں ہوگا یا وہ مجنون ہوگا تب بھی رجوع کا حکم ساقط نہیں ہوگا یعنی اگر اس نے رجوع نہیں کیا تو کیا اس کی عورت معلق رہے گی، نہ وہ خاوند والی ہوگی اور نہ مطلقہ شمار ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے بیوی کو معلق رکھنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ اگر بالفرض وہ اللہ تعالیٰ کے کسی اور فرض کو بجا نہ لائے اور اس سے عاجز ہو یا بے عقلی کی وجہ سے وہ کسی فرض کو بجا نہ لائے تو کیا اس سے وہ فرض ساقط ہو جائے گا؟

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۴۔ ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۲۵۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حُسِبَتْ عَلَيَّ بِتَطْلِيقَةٍ۔

امام بخاری روایت بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ میری بیوی کی مجھ پر ایک طلاق شمار کی گئی۔

(صحیح مسلم: ۱۴۷۱، الرقم المسلسل: ۳۵۴۸، سنن ترمذی: ۱۱۷۶، سنن نسائی: ۳۳۹۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۰۲۳، مسند احمد: ۶۰۸۴، موطا امام مالک، ۱۲۲۰، سنن داری: ۲۲۶۳)

جب عہد رسالت میں کوئی صحابی یہ کہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا تو یہ حکماً حدیث مرفوع ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو اختصار سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا، تب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کہا۔

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ان کی بیوی کے اوپر کسی نے ایک طلاق کو شمار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر اس مسئلہ میں کسی کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ صحابی کے اس قول کی مثل ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں یہ حکم دیا جاتا تھا، لہٰذا یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم قرار دیا جائے گا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قصہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دینے والے تھے اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ جب کوئی صحابی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں یہ کہے کہ ہمیں فلاں چیز کا حکم دیا گیا ہے تو یہ حدیث مرفوع ہوگی اور اس قصہ میں یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی رائے سے یہ کہا کہ ان کی بیوی پر ایک طلاق شمار کی گئی، علاوہ ازیں امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ سنن دارقطنی میں یہ حدیث روایت کی ہے: از نافع از ابن عمر از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۵۔ ۳۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: مَنْ طَلَّقَ وَهَلْ يُوَاجِهُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ بِالطَّلَاقِ

جس نے طلاق دی، کیا طلاق دیتے وقت بیوی کو بالمشافہ طلاق دے

اس باب کے عنوان کے دو جز ہیں: (۱) جس نے طلاق دی (۲) اور جس نے بیوی کو بالمشافہ طلاق دی۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے عنوان کے پہلے جز کو حذف کر دیا ہے گویا کہ ان پر اس کی توجیہ منکشف نہیں ہوئی اور میرا گمان یہ ہے کہ امام بخاری نے عنوان کے اس جز سے یہ قصد کیا ہے کہ طلاق دینے کا جواز مشروع ہے اور جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ''جو حلال کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہے وہ طلاق ہے'' اس کا محمل یہ ہے کہ جس نے بغیر کسی سبب کے اپنی بیوی کو طلاق دی اور یہ وہ حدیث ہے جس کی امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۸) (فتح الباری ج ۶ ص ۴۳۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث کے عنوان کے اس جز کی توجیہ یہ ہے کہ یہ باب اس چیز کے بیان میں ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی آیا اس کا طلاق دینا جائز ہے؟ امام بخاری نے اس کا جواب نہیں لکھا اور اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں کسی شخص کا اپنی بیوی کو طلاق دینا جائز ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح نکاح کو مشروع فرمایا ہے اسی طرح طلاق کو بھی مشروع فرمایا ہے۔

اس عنوان کا دوسرا جز یہ ہے: کیا طلاق دیتے وقت بیوی کو بالمشافہ طلاق دے؟

امام بخاری نے اس کا جواب بھی نہیں لکھا کیونکہ اس کا جواب اس باب کی حدیث سے سمجھ آرہا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر نے انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۴۰۱ میں اس کا کوئی جواب نہیں لکھا، گویا وہ اس اعتراض کے جواب سے عاجز تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۲۵۴۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ سَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ أَيُّ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ اسْتَعَاذَتْ مِنْهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ ابْنَةَ الْجَوْنِ لَمَّا أُدْخِلَتْ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَدَنَا مِنْهَا قَالَتْ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ فَقَالَ لَهَا لَقَدْ عُذْتِ بِعَظِيمٍ الْحَقِي بِأَهْلِكِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، میں نے الزہری سے پوچھا: نبی ﷺ کی ازواج میں سے کس نے آپ سے پناہ چاہی تھی؟ انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ حضرت ابنۃ الجون کو جب رسول اللہ ﷺ کے پاس داخل کیا گیا اور آپ ان کے قریب ہوئے تو انہوں نے کہا: میں آپ سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں، تب آپ نے ان سے فرمایا "تم نے بہت عظیم (ذات) سے پناہ طلب کی ہے، تم اپنے گھر والوں کے ساتھ مل جاؤ"۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ رَوَاهُ حَجَّاجُ بْنُ أَبِي مَنِيعٍ عَنْ جَدِّهِ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ عُرْوَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ۔

امام ابو عبد اللہ (البخاری) نے کہا: اس حدیث کی حجاج بن ابی منیع نے از جد خود روایت کی ہے از الزہری کہ عروہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا.......

(سنن نسائی: ۳۴۱۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۰، المستدرک: ۶۸۰۸، تحفۃ الاشراف: ۱۶۵۱۲)

بیوی کو طلاق دینے کے دو طریقے

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۰۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کا اپنی بیوی کو بالمشافہ طلاق دینا جائز ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے اور حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس عورت کو لباس مہیا کریں اور اس کو اس کے گھر والوں کے ساتھ ملا دیں اور اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے اس عورت کو بالمشافہ طلاق دی اور بیوی کو ان دونوں طریقوں سے طلاق دینا جائز ہے خواہ اس کو بالمشافہ طلاق دی جائے یا پس پشت طلاق دی جائے اور اس دوسرے طریقہ سے طلاق دینے

میں عورت کے ساتھ زیادہ لطف اور نرمی ہے اور اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی کے درمیان جو الفت، محبت اور رحمت رکھی ہے یہ طریقہ اس کے زیادہ قریب ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا (الجون میں جیم پر زبر ہے) کا تذکرہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابنۃ الجون کا نام امیمہ ہے۔ امام ابونعیم نے کتاب الصحابہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرہ بنت الجون کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی تھی، لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبید بن القاسم ہے اور وہ متروک ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام اسماء بنت کندا الجونیہ ہے، اس کی روایت یونس نے از ابن اسحاق کی ہے۔

اور حافظ ابن عبد البر نے کہا کہ اس پر اجماع ہے کہ آپ نے حضرت اسماء بنت النعمان بن ابی الجون بن شراحیل سے نکاح کیا تھا اور پانچواں قول یہ ہے کہ ان کا نام اسماء بنت الاسود بن الحارث بن النعمان الکندیہ ہے۔

حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے سبب کے متعلق علماء کا اختلاف

ایک قول یہ ہے کہ جب وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس داخل کی گئی تو آپ نے اس کو بلایا، اس عورت نے کہا: آپ خود آئیں اور آپ کے بلانے پر آنے سے انکار کر دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی تھی، سو آپ نے ان کو طلاق دے دی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے جسم پر برص کے سفید داغ تھے، سو آپ نے ان کو طلاق دے دی۔

چوتھا قول یہ ہے کہ جس عورت نے آپ سے پناہ طلب کی تھی یہ مکہ کے راستہ میں ایک جگہ کی رہنے والی تھیں اور یہ بہت خوب صورت خاتون تھیں تو آپ کی دوسری ازواج مطہرات کو یہ خطرہ ہوا کہ یہ ان پر غلبہ پالیں گی تو انہوں نے ان سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند ہے کہ آپ سے یہ کہا جائے کہ میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں۔ پانچواں قول یہ ہے کہ علامہ ابن عقیل نے کہا کہ یہ عورت قبیلۂ کندہ سے تھیں اور انہوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ ان کو ان کے گھر والوں کی طرف لوٹا دیں۔ سو آپ نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ان کو ان کے گھر والوں کی طرف بھیج دیا، پھر ان سے المہاجر بن ابو امیہ نے نکاح کر لیا اور ان کے بعد قیس بن مکشوح نے ان سے نکاح کر لیا۔

حافظ ابن عبد البر مالکی نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرۃ بنت یزید الکلابیہ سے نکاح کیا، پھر آپ کو یہ خبر ملی کہ ان کے جسم پر برص کے سفید داغ ہیں، سو آپ نے ان کو طلاق دے دی اور ایک قول یہ ہے کہ یہی وہ عورت ہیں جنہوں نے آپ سے اللہ عزوجل کی پناہ طلب کی تھی۔

علامہ الرشاطی نے ذکر کیا ہے کہ اس عورت کے باپ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس عورت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ یہ عورت کبھی بیمار نہیں ہوگی، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سن کر فرمایا کہ جو عورت کبھی بیمار نہ ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں کوئی خیر نہیں ہے تو آپ نے ان کو طلاق دے دی اور ان کے ساتھ شب زفاف نہیں گزاری اور ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کو اس عورت کے پاس نکاح کا پیغام دینے کے لیے بھیجا اور ان کا نام ہند بنت یزید بن البرصاء

تھا۔ حضرت ابو اسید ان کو آپ کے پاس لے کر آئے، آپ نے ان کو پہلے نہیں دیکھا تھا۔ جب آپ شب زفاف کے لیے ان کے پاس گئے تو آپ نے دیکھا کہ ان کے جسم پر برص کے داغ ہیں، سو آپ نے ان کو طلاق دے دی۔

اور الشہر ستانی نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت الضحاک الکلابیہ سے نکاح کیا، پھر جب آپ کی ازواج مطہرات نے آپ سے عمدہ کپڑوں اور اچھی خوراک اور رہائش کا مطالبہ کیا تو آپ نے اپنی ازواج کو اختیار دیا اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۲۹۔۲۸)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں O اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے O

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو یہ اختیار دیا تو باقی ازواج مطہرات نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آخرت کو اختیار کیا اور حضرت فاطمہ بنت الضحاک الکلابیہ نے اپنی قوم کے پاس جانے کو اختیار کر لیا، پھر بعد میں وہ اونٹ کی مینگنیاں چنتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میں بد بخت ہوں۔

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: ''تم اپنے گھر چلی جاؤ'' تو اس سے طلاق بائن کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ بیوی سے یہ کہنا کہ تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ! آیا یہ کنایات طلاق میں سے ہے یا نہیں۔

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر اس نے اس قول سے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور اگر اس نے اس سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو پھر کچھ نہیں ہوگا۔ یہ سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس نے اپنے اس قول سے ایک طلاق کا یا تین طلاقوں کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی پر ایک طلاق یا تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور اگر اس نے دو طلاقوں کا ارادہ کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

اور امام مالک نے کہا کہ اگر اس نے اس قول سے طلاق کا ارادہ کیا تو اگر اس نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تو ایک طلاق پڑے گی اور اگر دو طلاقوں کا ارادہ کیا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر اس نے تین طلاقوں کا ارادہ کیا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر اس نے اپنے اس قول سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اور حسن بصری اور شعبی نے کہا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ یا کہا: تمہارے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے یا کہا: تمہارا راستہ کھلا ہوا ہے تو اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۵۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ غَسِيلٍ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ رضی اللہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمٰن بن غسیل نے حدیث بیان کی

عنه قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ حَتَّى انْطَلَقْنَا إِلَى حَائِطٍ يُقَالُ لَهُ الشَّوْطُ حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى حَائِطَيْنِ فَجَلَسْنَا بَيْنَهُمَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اجْلِسُوا هَا هُنَا وَدَخَلَ وَقَدْ أُتِيَ بِالْجَوْنِيَّةِ فَأُنْزِلَتْ فِي بَيْتٍ فِي نَخْلٍ فِي بَيْتِ أُمَيْمَةَ بِنْتِ النُّعْمَانِ بْنِ شَرَاحِيلَ وَمَعَهَا دَايَتُهَا حَاضِنَةٌ لَهَا فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ قَالَ هَبِي نَفْسَكِ لِي قَالَتْ وَهَلْ تَهَبُ الْمَلِكَةُ نَفْسَهَا لِلسُّوقَةِ قَالَ فَأَهْوَى بِيَدِهِ يَضَعُ يَدَهُ عَلَيْهَا لِتَسْكُنَ فَقَالَتْ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ فَقَالَ قَدْ عُذْتِ بِمَعَاذٍ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ يَا أَبَا أُسَيْدٍ اكْسُهَا رَازِقِيَّتَيْنِ وَأَلْحِقْهَا بِأَهْلِهَا

(صحیح البخاری:۵۲۵۷،صحیح مسلم:۲۰۰۷،مسند احمد:۱۵۶۳۱)

حمزہ بن ابی اسید از حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ باہر نکلے حتیٰ کہ ہم ایک باغ کی طرف چل پڑے جس کو "الشوط" کہا جاتا تھا حتیٰ کہ ہم دو باغوں کے پاس پہنچے، سو ہم ان دو باغوں کے درمیان بیٹھ گئے، تب نبی ﷺ نے فرمایا: یہاں بیٹھ جاؤ اور آپ خود باغ میں داخل ہو گئے اور نبی ﷺ کے سامنے حضرت الجونیہ کو لایا گیا، اس عورت کو کھجوروں کے باغ میں ایک گھر میں ٹھہرایا گیا جو امیمہ بنت نعمان بن شراحیل کا گھر تھا، ان کے ساتھ ان کی دائی (انا) بھی تھیں جو ان کی پرورش کرنے والی تھی، جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے ان سے فرمایا: تم اپنا نفس مجھے ہبہ کر دو، انہوں نے کہا: کیا بادشاہ زادی بھی اپنا نفس کسی بازاری کو ہبہ کرتی ہے! آپ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا، آپ اپنا ہاتھ ان کے اوپر رکھ رہے تھے تاکہ وہ پرسکون ہوں، انہوں نے کہا: میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں، آپ نے فرمایا: تم نے اس ذات سے پناہ طلب کی ہے جو پناہ دینے کے لائق ہے، پھر آپ ہماری طرف باہر آ گئے، آپ نے فرمایا: اے ابواسید ان کو ایک جوڑا کپڑا دے دو اور انہیں ان کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔

اس اعتراض کا جواب کہ یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب پر کس طرح دلالت ہوگی کیونکہ اس حدیث میں طلاق کا ذکر نہیں ہے اور نہ اس سے پہلے اس عورت کے ساتھ عقد نکاح ہوا تھا کیونکہ اس عورت نے آپ کو اپنا نفس ہبہ نہیں کیا تھا، اور نہ آپ نے اس کو بالمشافہ طلاق بائن دی کیونکہ آپ نے اس باغ سے نکلنے کے بعد حضرت ابواسید سے فرمایا تھا کہ اس عورت کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ نبی ﷺ کے لیے یہ جائز تھا کہ آپ اس عورت یا اس کے ولی کی اجازت کے بغیر از خود اس سے نکاح کر لیں اور نبی ﷺ نے شروع میں جو اس عورت سے فرمایا تھا کہ تم اپنا نفس مجھے ہبہ کر دو تو یہ اس کی دل جوئی کے لیے فرمایا تھا اور رہا بالمشافہ طلاق دینے کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ۔ اور نبی ﷺ نے جو حضرت ابواسید سے فرمایا تھا کہ اس کو اس کے گھر پہنچا دو تو یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کا مؤید ہے۔ (شرح الکرمانی جز۱۹ص۱۸۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

علامہ عینی کا علامہ کرمانی کے ساتھ مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ کرمانی کی یہ شرح بیکار اور بے سود ہے کیونکہ علامہ کرمانی نے یہ جو سوال قائم کیا ہے کہ یہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں طلاق کا ذکر نہیں ہے اور اس حدیث کے عنوان میں طلاق کا ذکر ہے، علامہ کرمانی نے اس سوال کے جواب میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ عورت یا اس کے ولی کی اجازت کے بغیر اس سے نکاح کر سکتے ہیں اور آپ کی اس خصوصیت کا سب کو علم ہے تو پھر علامہ کرمانی کے قائم کردہ سوال کی کوئی وجہ نہیں ہے، پھر علامہ کرمانی نے یہ سوال قائم کیا کہ اس باب کے عنوان میں بیوی کو بالمشافہ طلاق دینے کا ذکر ہے، پھر اس کا یہ جواب دیا کہ اس سے پہلی حدیث میں حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا کو بالمشافہ طلاق دینے کا ذکر ہے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ پہلی حدیث میں بالمشافہ طلاق دینے کا ثبوت اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس دوسری حدیث میں بھی طلاق بالمشافہ کا ذکر ہو، پس اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت کس طرح ثابت ہو گی؟ نیز اس دوسری حدیث میں آپ نے حضرت ابنۃ الجون کو گھر جانے کا حکم نہیں دیا بلکہ صرف حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا کہ اس عورت کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔
ہمارے اس قول کی تائید علامہ ابن بطال کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں بیوی کو بالمشافہ طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۳۲۸۔۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا کے کلام کی توجیہ اور اس کے ساتھ نکاح کا مختصر تذکرہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: "تم اپنا نفس مجھے ہبہ کر دو"۔ تو اس عورت نے جواب میں کہا: کیا کوئی شہزادی اپنا نفس کسی بازاری کو ہبہ کرتی ہے؟
علامہ ابن المنیر نے کہا: اس عورت سے یہ کلام اس لیے صادر ہوا کہ اس عورت میں زمانہ جاہلیت کی صفت تھی اور بازاری ان کے نزدیک اس شخص کو کہتے ہیں جو بادشاہ نہ ہو خواہ وہ کوئی بھی ہو، گویا کہ اس عورت نے اس کو بہت بعید سمجھا کہ شہزادی کسی عام شخص سے نکاح کرے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو بادشاہ اور نبی ہوں اور آپ نے اس کو اختیار کیا کہ وہ اللہ کے بندے اور نبی ہوں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے رب کے سامنے تواضع تھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے اس کلام پر اس کے خلاف مواخذہ نہیں فرمایا تھا کیونکہ وہ عورت زمانہ جاہلیت کے قریب تھی اس لیے آپ نے اس کو معذور قرار دیا۔
اور دوسرے علماء نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت ابنۃ الجون نے آپ کو پہچانا نہیں تھا اس لیے انہوں نے آپ سے اس طرح گفتگو کی۔
(حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:) یہ قصہ جن متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے ان سے یہ شرح ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں! "کتاب الاشربۃ" کے اواخر میں از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی ایک عورت کا ذکر فرمایا اور حضرت ابواسید ساعدی کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کو بلا کر لائیں، سو وہ عورت آئی اور بنو ساعدہ کے قلعوں میں ٹھہری، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل کر آئے حتیٰ کہ اس کے پاس پہنچے اور اس عورت کے پاس داخل ہوئے، اس وقت وہ عورت اپنا

سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی، پس جب آپ نے اس سے بات کی تو اس نے کہا: میں آپ سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں آپ نے فرمایا: میں نے تم کو اپنے پاس سے اللہ کی پناہ میں دیا تو صحابہ نے اس عورت سے کہا کیا: تم جانتی ہو یہ کون ہیں؟ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو تم کو نکاح کا پیغام دینے کے لیے تشریف لائے ہیں، اس عورت نے کہا: پھر تو میں بہت بدنصیب ہوں۔

(صحیح البخاری: ۵۶۳۷، صحیح مسلم: ۲۰۰۷، مسند احمد: ۱۵۶۳۱)

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اگر یہ قصہ واحد ہو تو اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ آپ نے حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کو اس کے گھر پہنچا دو اور جو اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے اس عورت سے فرمایا: تم اپنے گھر چلی جاؤ تو ان دونوں حدیثوں میں آپ کا یہ ارشاد اس عورت کو طلاق نہیں ہے اور یہ متعین ہے کہ اس عورت نے آپ کو پہچانا نہیں تھا اور اگر یہ قصہ متعدد ہو تو اس سے کوئی مانع بھی نہیں ہے تو یہ عورت کلابیہ ہے جس کے نام میں اضطراب ہے۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے ایک سند سے روایت کی ہے جس میں العزرمی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج میں ایک زوجہ سنا بنت سفیان بن عوف بن کعب بن ابی بکر بن کلاب تھیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ کو بنو عامر کی ایک عورت کے پاس نکاح کا پیغام دینے کے لیے بھیجا۔ اس عورت کا نام عمرۃ بنت یزید بن عبید بن رواس بن کلاب بن ربیعہ بن عامر تھا، امام ابن سعد نے کہا: کلابیہ کے نام میں اختلاف ہے، ایک قول ہے: اس کا نام فاطمہ بنت ضحاک بن سفیان ہے، دوسرا قول ہے: اس کا نام عمرۃ بنت یزید بن عبید ہے اور تیسرا قول ہے کہ اس کا نام سنا بنت سفیان بنت عوف ہے اور چوتھا قول ہے کہ اس کا نام العالیہ بنت ظمان بن عمرو بن عوف ہے، پس بعض علماء نے کہا: یہ تمام عورتیں ایک ہیں اور ان کے ناموں میں اختلاف ہے اور بعض نے کہا: بلکہ یہ ان خواتین کی جماعت ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کا ایک قصہ ہے جو دوسری خاتون کا قصہ نہیں ہے، پھر انہوں نے حضرت الجونیہ کا تذکرہ کیا ہے، سو کہا: ان کا نام اسماء بنت النعمان ہے، پھر انہوں نے عبد الواحد بن ابی عون کی سند سے روایت کی اور یہ بیان کیا کہ النعمان بن ابی الجون الکندی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر مسلمان ہوا، پھر کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کا نکاح ایسی عورت کے ساتھ نہ کر دوں جو عرب کی حسین ترین بیوہ عورت ہے، وہ پہلے اپنے چچا زاد بھائی کے نکاح میں تھی، سو اس کی وفات ہو گئی اور وہ آپ کے ساتھ نکاح میں رغبت رکھتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: میں کسی مرد کے ساتھ اس کو آپ کی طرف بھیجوں گا، پس اس نے حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اسے آپ کے پاس بھیجا۔ حضرت ابو اسید نے بتایا: میں تین دن ٹھہرا، پھر وہ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوئی، سو میں اس کو لے کر مدینہ آیا اور میں نے اس کو بنو ساعدہ کے ہاں ٹھہرایا اور میں رسول اللہ ﷺ کی طرف گیا، اس وقت آپ بنو عمرو بن عوف کے محلہ میں تھے، سو میں نے آپ کو اس کی خبر دی۔ الحدیث۔

ابن ابی عون نے کہا: یہ ربیع الاول نو ہجری کا واقعہ ہے، پھر انہوں نے دوسری سند کے ساتھ از عمر بن الحکم از ابی اسید روایت کی اور حضرت ابو اسید نے بیان کیا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت الجونیہ کی طرف بھیجا، سو میں نے ان کو سوار کیا حتیٰ کہ میں نے ان کو بنو ساعدہ کے مکانوں میں ٹھہرایا: پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اس کی خبر دی، پس آپ پیدل روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپ حضرت الجونیہ کے پاس پہنچ گئے۔ الحدیث

اور سعید بن عبد الرحمن بن ابزیٰ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت الجونیہ کا نام اسماء بنت النعمان بن ابی الجون ہے۔ ان سے کہا گیا کہ نبی ﷺ سے پناہ طلب کرنا، اس بات سے تمہارے لیے ان کے دل میں زیادہ جگہ ہو گی، ان کے حسن و

جمال کی وجہ سے ان کو دھوکا دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ کس خاتون نے ان کو یہ بات کہنے کی ترغیب دی تھی تو آپ نے فرمایا: یہ عورتیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہیں اور ان کی طرح مکر وفریب کرتی ہیں، سو ان کا یہ قصہ ہے جو از ابی حازم از سہل بن سعد رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

اور رہا وہ قصہ جو اس باب کی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مذکور ہے، سو اس قصہ کو بھی اس قصہ پر محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے آپ سے پناہ طلب کی تھی اور رہا وہ قصہ جو حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں کئی امور اس قصہ کے خلاف مذکور ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ متعدد قصے ہیں اور اس سے یہ بات قوی ہوتی ہے کہ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کے قصہ میں جس عورت کا ذکر ہے اس کا نام امیمہ ہے اور جس عورت کا ذکر حضرت سہل کی حدیث میں ہے اس کا نام اسماء ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابنۃ الجون کے اس قول کی توجیہ کہ وہ شہزادی ہیں اور شہزادی بازاری سے نکاح نہیں کرتی

اس حدیث میں مذکور ہے: آپ نے اس عورت کی طرف ہاتھ بڑھایا یعنی اس کو اپنی طرف جھکایا، اور امام محمد بن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ اس کو بوسا دینے کے لیے اس کی طرف بڑھے اور آپ نے خلوت میں اس کو بٹھایا اور اس کو بوسا دیا اور محمد بن سعد کی روایت میں ہے کہ عورتوں میں سے کوئی عورت ان کے پاس آئی اور وہ سب سے حسین عورت تھی، اس نے کہا: تم تو بادشاہوں میں سے ہو، پس اگر تم یہ چاہتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تمہاری زیادہ جگہ ہو تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آئیں تو تم ان سے پناہ طلب کرنا اور از ہشام بن محمد از عبد الرحمٰن ابن الغسیل اس باب کی حدیث کی سند کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس عورت کے پاس آئیں اور انہوں نے اس کے بال سنوارے، ان میں کنگھی کی اور خضاب لگایا اور ان میں سے کسی ایک نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت سے خوش ہوتے ہیں کہ جب آپ اس عورت کے پاس آئیں تو وہ کہے کہ میں آپ سے پناہ طلب کرتی ہوں۔

آپ نے فرمایا: تم نے پناہ دینے والے سے پناہ طلب کی ہے۔ یہ لفظ معاذ ہے اور یہ اسم ظرف ہے یا مصدر میمی ہے اور اس میں تنوین تعظیم کے لیے ہے، اور امام محمد بن سعد کی روایت میں ہے: آپ نے اپنی آستین اپنے چہرے پر رکھ کر تین بار فرمایا: تم نے پناہ دینے والے سے پناہ طلب کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیا حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا یا نہیں اور ان کو طلاق دینے کی توجیہ اور حضرت ابنۃ الجون کے دھوکا کھانے کا بیان

پھر آپ ہمارے پاس آئے اور فرمایا: اے ابو اسید! اس کو دو سوتی کپڑے دے دو۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ سفید رنگ کے لمبے کپڑے ہیں اور دوسروں نے کہا: یہ سفید کپڑے تھے جس میں نیلی دھاریاں تھیں، علامہ ابن التین نے کہا: آپ نے ان کو یہ دو کپڑے بہ طور متاع (برتنے کے لیے) عطا فرمائے تھے۔ علامہ ابن بطال نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کے عنوان میں بالمشافہ طلاق دینے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں طلاق کا ذکر نہیں ہے، علامہ ابن المنیر نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس باب کی پہلی حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ اور یہ طلاق بائن ہے، پھر جب آپ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

ان کو ان کے گھر پہنچا دو اور ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ پہلی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے طلاق کا قصد کیا تھا اور دوسری حدیث میں مذکور ہے: آپ نے حقیقت لفظ کا ارادہ کیا کہ اس کو اس کے گھر والوں کی طرف واپس کر دو کیونکہ حضرت ابو اسید ہی حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اور امام محمد بن سعد نے حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے مجھے حکم دیا اور میں نے ان کو ان کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیا۔ اور امام محمد بن سعد کی دوسری روایت میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا اپنے گھر پہنچیں تو ان لوگوں نے چیخ کر کہا: تم نامبارک ہو، تم پر یہ مصیبت کیسے آئی؟ انہوں نے بتایا کہ مجھے دھوکا دیا گیا تھا، امام محمد بن سعد نے کہا: پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئیں۔ اور امام محمد بن سعد نے الکلبی کی روایت میں بیان کیا ہے کہ المہاجر بن ابی امیہ نے ان سے نکاح کر لیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا (کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سے نکاح کر لیا اور یہ ممنوع ہے (تب حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھ پر پردہ نہیں ڈالا گیا اور نہ میرا نام ام المومنین رکھا گیا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ المہاجر بن ابی امیہ کو سزا دینے سے رک گئے۔

امام محمد بن سعد نے از عروہ بن زبیر روایت کی ہے کہ ولید بن عبد الملک نے عروہ کی طرف خط لکھ کر اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کندیہ سے نکاح نہیں کیا، سوا بنو الجون کی بہن کے، پس جب وہ مدینہ آئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور ان کو طلاق دے دی اور ان کے ساتھ شب زفاف نہیں گزاری۔ اس روایت میں جو طلاق دینے کا ذکر ہے اس سے مراد وہی طلاق بائن ہے جس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ذکر ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان اس طرح لکھا ہے: جس نے طلاق دی۔ کیا طلاق دیتے وقت بیوی کو بالمشافہ طلاق دے، اور حتمی طور پر یہ نہیں لکھا کہ اس نے بالمشافہ طلاق دی کیونکہ پہلی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنے گھر چلی جاؤ، اور ان الفاظ سے طلاق بائن کا ارادہ فرمایا اور دوسری حدیث میں طلاق کا مطلقاً ذکر نہیں ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا سے نکاح نہیں کیا تھا کیونکہ کسی حدیث میں ان کے پاس عقد نکاح کی صورت کا ذکر نہیں ہے اور حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا نے اپنا نفس آپ کو ہبہ نہیں کیا تھا تو آپ ان کو کیسے طلاق دیتے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیں خواہ اس عورت نے آپ کو نکاح کی اجازت دی ہو اور نہ اس کے ولی نے نکاح کی اجازت دی ہو اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، پس صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابنۃ الجون کو بلانا اور ان کا آپ کے پاس حاضر ہونا اور آپ کا ان میں رغبت کرنا ان کے ساتھ آپ کے نکاح کے لیے کافی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابنۃ الجون سے فرمایا تھا کہ تم اپنا نفس ہبہ کر دو، آپ کا یہ ارشاد ان کی دل جوئی کے لیے تھا اور اس کی تائید امام محمد بن سعد کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ آپ نے حضرت ابنۃ الجون رضی اللہ عنہا کے والد کے ساتھ مہر کی مقدار پر اتفاق کر لیا تھا اور ان کے والد نے آپ سے یہ کہا تھا کہ وہ آپ کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتی ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۳۹۔ ۴۳۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ وحید الزمان کی بے ادبی کیونکہ انہوں نے صحابیہ رسول کو از خود کمبخت اور بدنصیب لکھا

شیخ وحید الزمان (غیر مقلد) متوفی ۱۳۲۸ھ نے صحیح بخاری کے ترجمہ میں لکھا ہے:

آپ نے فرمایا: اپنی جان مجھ کو بخش دے اس (کمبخت) نے زبان سے کیا نکالا کہیں بادشاہ زادیاں بھی جان بازاریوں کو بخشا کرتی ہیں...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا، جب وہ اس کے پاس لائی گئیں تو آپ نے اس پر ہاتھ رکھا تو

اس کمبخت بدنصیب کو برا لگا۔(تیسیر القاری ج ۵ ص ۱۹۳، نعمانی کتب خانہ، لاہور)

۵۲۵۷، ۵۲۵۶۔ وَقَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ الْوَلِيدِ النَّيْسَابُورِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ عَنْ أَبِيهِ وَأَبِي أُسَيْدٍ قَالَا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ أُمَيْمَةَ بِنْتَ شَرَاحِيلَ فَلَمَّا أُدْخِلَتْ عَلَيْهِ بَسَطَ يَدَهُ إِلَيْهَا فَكَأَنَّهَا كَرِهَتْ ذَلِكَ فَأَمَرَ أَبَا أُسَيْدٍ أَنْ يُجَهِّزَهَا وَيَكْسُوَهَا ثَوْبَيْنِ رَازِقِيَّيْنِ

(مسند احمد: ۱۶۰۶۱، صحیح مسلم: ۵۲۳۶)

اور الحسین بن الولید النیشاپوری نے کہا از عبدالرحمن از عباس بن سہل از والد خود اور از حضرت ابو اسید، ان دونوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا، پس جب وہ آپ کے پاس داخل کی گئیں تو آپ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا، پس گویا کہ حضرت امیمہ کو یہ ناگوار گزرا، پھر آپ نے حضرت ابو اسید کو حکم دیا کہ وہ ان کو رخصت کریں اور ان کو دو سفید سوتی کپڑے دے دیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ حَمْزَةَ عَنْ أَبِيهِ وَعَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ بِهَذَا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۵۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں ابراہیم بن وزیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں عبدالرحمن نے حدیث بیان کی از حمزۃ از والد خود از عباس بن سہل بن سعد از والد خود اسی طرح۔

الحسین بن الولید النیشاپوری کے نام کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی امام ابونعیم نے المستخرج میں سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور ان کی سند ہے: از ابو احمد الفراء از الحسین۔ اور امام بخاری کی اس سے مراد یہ ہے کہ الحسین بن الولید اس حدیث کی روایت میں عبدالرحمن ابن الغسیل کے ساتھ شریک ہیں لیکن عبدالرحمن کے شیخ میں دونوں کا اختلاف ہے، پس ابونعیم نے کہا: ان کے شیخ کا نام حمزۃ ہے اور الحسین نے کہا: ان کے شیخ کا نام عباس بن سہل ہے، پھر انہوں نے اس کی تیسری سند از عبدالرحمن ذکر کی ہے، پس انہوں نے بیان کیا کہ عبدالرحمن کی روایت دو سندوں کے ساتھ ہے اور امام بخاری کے پاس اس حدیث کی صرف یہی سند ہے اور امام احمد نے بھی اس سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت کی ہے۔

قاضی عیاض نے صحیح مسلم کی کتاب الجہاد کی شرح میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے "تاریخ کبیر" میں لکھا ہے کہ الحسین بن الولید بن علی نیشاپوری القرشی دو سو تین (۲۰۳) ہجری میں فوت ہو گئے تھے اور امام بخاری نے کسی باب میں الحسن بن الولید نہیں لکھا اور صحیح البخاری کی "کتاب الطلاق" میں ان کا نام الحسین بن الولید لکھا ہے۔(فتح الباری ج ۶ ص ۴۳۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۲۵۸۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي غَلَّابٍ يُونُسَ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَجُلٌ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ تَعْرِفُ ابْنَ عُمَرَ إِنَّ ابْنَ عُمَرَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَأَتَى عُمَرُ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا فَإِذَا طَهُرَتْ فَأَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا قُلْتُ فَهَلْ عَدَّ ذَلِكَ طَلَاقًا قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، از قتادہ از ابی غلاب یونس بن جبیر، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی کہ وہ حائض تھی، انہوں نے کہا: تم ابن عمر کو پہچانتے ہو؟ بے شک ابن عمر نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی تھی کہ وہ حائض تھیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس

وَاسْتَحْمَقَ۔

آئے، پس آپ نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے ابن عمر کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا کہ جب وہ عورت اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر وہ اس کو طلاق دینا چاہیں تو اس کو طلاق دے دیں۔ یونس نے کہا: میں نے پوچھا: کیا انہوں نے اس کو طلاق شمار کیا تھا صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت ابن عمر نے کہا: یہ بتاؤ اگر ابن عمر (صحیح طریقہ کے مطابق طلاق دینے سے) عاجز ہو گیا اور اس نے (حالت حیض میں طلاق دے کر) حماقت کا ارتکاب کر لیا تو کیا طلاق واقع نہیں ہوگی؟ (ظاہر ہے طلاق واقع ہو جائے گی)۔

اس اعتراض کا جواب کہ حدیث مذکور ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث کو درج کرنے کا مقام اس سے پہلے باب میں ہے جس میں حالت حیض میں طلاق دینے کا شرعی حکم بیان کیا گیا ہے اور بہ ظاہر اس باب میں اس حدیث کو درج کرنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے، البتہ اس میں یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ اس باب کا یہ عنوان ہے کہ ''مرد کا بیوی کو بالمشافہ طلاق دینا'' اور چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں بالمشافہ طلاق دی تھی اس لیے امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کر دیا۔

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے اور یہ ابن یحییٰ بن دینار بصری ہیں اور اس کی سند میں ابوغلاب کا ذکر ہے اور یہ یونس بن جبیر کی کنیت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۱۔۳۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابُ: مَنْ أَجَازَ طَلَاقَ الثَّلَاثِ — جس نے تین طلاق دینے کو جائز قرار دیا

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ (البقرہ: ۲۲۹)

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فِي مَرِيضٍ طَلَّقَ لَا أَرَى أَنْ تَرِثَ مَبْتُوتَتُهُ۔ (مسند الشافعی: ۱۴۰۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۲۹۱۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۶۲)

اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر کسی بیمار شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی تو وہ اپنے خاوند کی وارث نہ ہوگی۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ تَرِثُهُ وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ تَزَوَّجُ إِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ مَاتَ الزَّوْجُ الْآخَرُ فَرَجَعَ عَنْ ذَلِكَ۔ (سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۴۳)

اور الشعبی نے کہا: وہ وارث ہوگی، (کوفہ کے قاضی) ابن شبرمہ نے کہا: کیا وہ عورت عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے، شعبی نے کہا: ہاں! ابن شبرمہ نے پھر سوال کیا: اگر اس کا دوسرا خاوند بھی مر جائے (تو کیا وہ عورت دونوں کی وارث ہوگی؟) اس پر

شعبی نے اپنے فتویٰ سے رجوع کرلیا۔

لفظ واحد سے تین طلاقیں دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ ایک لفظ سے تین طلاقیں دیں تو یہ بھی جائز ہے، امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ متقدمین میں سے بعض علماء تین طلاقوں کے وقوع کو جائز قرار نہیں دیتے تھے اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، سوطاؤس، محمد بن اسحاق، الحجاج بن ارطاۃ، ابراہیم نخعی، ابن مقاتل اور ظاہریہ (غیر مقلدین) کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی پر صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور انہوں نے اپنے موقف پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: طاؤس نے کہا کہ ابوالصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امارت میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۰، سنن نسائی: ۳۴۰۳)

لفظ واحد سے تین طلاقیں دینے کے متعلق جمہور فقہاء کا مذہب

جمہور فقہاء، تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد کے فقہاء جن میں الاوزاعی، النخعی، الثوری، امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام مالک اور ان کے اصحاب اور امام شافعی اور ان کے اصحاب اور امام احمد اور ان کے اصحاب اور اسحاق اور ابوثور اور امام ابوعبید اور دوسرے بہت سے فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو وہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی لیکن وہ مرد تین طلاقیں اکٹھی دینے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور فقہاء نے کہا ہے: جن لوگوں نے جمہور کے اس مذہب کی مخالفت کی ہے ان کا مذہب شاذ ہے اور اہلسنت و جماعت کے مخالف ہے اور یہ اہل بدعت کا قول ہے اور شاذ ہونے کی وجہ سے اس کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں نے کتاب اور سنت میں تحریف کی ہے۔

لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقوں کے نفوذ کے متعلق جمہور فقہاء کے دلائل اور غیر مقلدین کے شبہات کا رد

اور امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے غیر مقلدین کی اس دلیل مذکور کے جواب میں کہا ہے کہ طاؤس کی یہ روایت منسوخ ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا تو انہوں نے کہا: اے لوگو! تمہارے لیے طلاق دینے میں تاخیر تھی اور جس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تاخیر میں جلدی کی تو ہم اس پر اس طلاق کو لازم کردیں گے۔ امام طحاوی نے اس کی سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے سامنے یہ خطاب کیا جو اچھی طرح جانتے تھے کہ اس سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں طلاق دینے کا کیا طریقہ تھا اور جمہور صحابہ میں سے کسی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خطاب سے اختلاف نہیں کیا اور نہ ان کے قول کو مسترد کیا اور یہ طاؤس کی روایت کے منسوخ ہونے پر بہت قوی دلیل ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۱۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کئی امور تھے اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب نے ان کے خلاف پر اتفاق کیا اور ان کا اتفاق پہلے زمانہ کے حکم کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے کی حد معین نہیں تھی اور بعد کے صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا کہ شراب پینے کی حد اسی کوڑے ہیں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے والے پر درخت کی چند شاخیں ماری جاتی تھیں یا چند جوتے مارے تھے اور جب حضرت عمر نے اس کی حد کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شرابی نشہ میں آ کر لوگوں پر تہمت لگاتا ہے اور تہمت کی حد اسی کوڑے ہیں، لہٰذا اگر آزاد مرد شراب پیئے تو اس کو اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اگر غلام شراب پیئے تو اس کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے اور اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اس اجماع سے عہد رسالت کا وہ حکم منسوخ ہو گیا جس کے مطابق شرابی کو غیر معین ڈنڈے مارے جاتے تھے یا جوتے مارے جاتے تھے۔ اسی طرح عہد رسالت میں احکام شرعیہ کو مدون نہیں کیا گیا تھا اور بعد میں احکام شرعیہ کی تدوین کی گئی، اسی طرح ام ولد کی بیع کو بعد میں ممنوع قرار دیا گیا حالانکہ عہد رسالت میں ام ولد کی بیع کی جاتی تھی۔

اور چونکہ ان مسائل پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور اجماع صحابہ نصوص کی طرح علم یقین کا موجب ہے اور اجماع کا حجت ہونا حدیث مشہور سے زیادہ قوی ہے، پس جب حدیث مشہور کی وجہ سے نص قرآن پر اضافہ کرنا جائز ہے تو اجماع صحابہ سے طاؤس کی روایت کو منسوخ کرنا بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔

علاوہ ازیں امام طحاوی نے ایسی احادیث پیش کی ہیں جو طاؤس کی حضرت ابن عباس سے روایت کے منسوخ ہونے پر شاہد ہیں، ان میں سے بعض روایات یہ ہیں:

الاعمش از مالک بن الحارث روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے سوال کیا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دی ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک تمہارے چچا نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور شیطان کی اطاعت کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے لیے کوئی مخرج (راستہ) نہیں بتایا، پس میں نے پوچھا کہ جو شخص تین طلاقوں کو حلال قرار دے آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو انہوں نے کہا: جو شخص اللہ تعالیٰ کو فریب دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے فریب کی سزا دے گا۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۲۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حق کے قریب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک حکم کا علم تھا، پھر بعد میں ان کو یہ علم ہوا کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حکم کی روایت کریں، پھر اس کے خلاف فتویٰ دیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پہلی حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا اس بیوی کے ساتھ متعلق ہو جو غیر مدخولہ ہو۔

زیر بحث مسئلہ پر امام ابوبکر جصاص کے دلائل

امام ابوبکر جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث منکر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ (البقرہ:۲۲۹) دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

یہ آیت عام ہے اور یہ اکٹھی تین طلاقیں دینے کو بھی شامل ہے، امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ ابو رزین سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، سو اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! قرآن مجید کی البقرہ: ۲۲۹، میں دو طلاقوں کا ذکر ہے (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ) تو تیسری طلاق کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ تیسری طلاق ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن یہ حدیث مرسل ہے، اور امام ابن مردویہ نے سند متصل کے ساتھ قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد نے آ کر پوچھا: اللہ تعالیٰ نے دو بار طلاق دینے کا ذکر فرمایا ہے (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ) سو تیسری طلاق کہاں ہے؟ تو آپ نے

فرمایا: فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۲۔۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح مسلم: ۱۴۷۲ کے شاذ اور غیر صحیح ہونے کے مزید دلائل

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ واضح تصریح ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے اور بغیر شرعی حلالہ کے عورت کے سابق خاوند کا اس سے دوبارہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ البقرہ: ۲۲۹ میں یہ تصریح ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت اپنے خاوند پر حلال نہیں ہے تاوقتیکہ وہ عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، پھر دوسرا شوہر اس کو طلاق دے اور اس طلاق کی عدت گزرنے کے بعد وہ پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے اور تین طلاقوں کا یہ حکم عام ہے خواہ تین طلاقیں یکے بعد دیگرے دی جائیں یا لفظ واحد سے تین طلاقیں دی جائیں کیونکہ قرآن مجید نے مطلقاً تین طلاقوں کا حکم بیان کیا ہے اور اس کو کسی ایسے لفظ سے مقید نہیں کیا کہ وہ تین طلاقیں الگ الگ دی جائیں یا اکٹھی دی جائیں۔

غیر مقلدین صحیح مسلم: ۱۴۷۲ سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ روایت شاذ، معلل اور غیر صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دس شاگرد تھے اور ان میں سے صرف طاؤس نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت کی ہے اور ان کے کسی اور شاگرد نے ان کی موافقت نہیں کی، جب کہ خود طاؤس کی روایت بھی اس حدیث کے خلاف ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے اس کو مفصل با حوالہ بیان کر چکے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فِي مَرِيضٍ طَلَّقَ لَا أَرَى أَنْ تَرِثَ مَبْتُوتَتُهُ۔ (مسند الشافعی: ۱۴۰۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۲۱۹۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۶۲)

اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر کسی بیمار شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی تو وہ اپنے خاوند کی وارث نہ ہوگی۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ طلاق البتہ سے مراد طلاق بائن ہے یا تین طلاقیں ہیں؟

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عبد اللہ بن الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس مریض نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی تو میری رائے یہ ہے کہ وہ عورت اپنے خاوند کے ترکہ کی وارث نہیں ہوگی۔

حضرت ابن الزبیر نے مبتوتہ کا لفظ کہا ہے اور اس کا معنی ہے: طلاق البتہ، اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی اس کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

پس علامہ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایک طلاق ہے اور اگر اس نے تین طلاقوں کا ارادہ کیا تو یہ تین طلاقیں ہیں اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا کہ طلاق البتہ تین طلاقیں ہیں اور یہ حضرت علی، حضرت ابن عمر اور ابن المسیب، عروہ، زہری اور ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے اور یہی امام مالک، اوزاعی اور امام ابو عبید کا مذہب ہے۔ اور اس تعلیق کی امام ابو عبید القاسم نے اپنی سند کے ساتھ از ابن ابی ملیکہ روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا کہ اگر کوئی بیمار مرد اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دے تو اس کا کیا حکم ہے تو انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے الاصبغ کی بیٹی الکلبیہ کو طلاق البتہ دی، پھر ان کی وفات ہوگئی اور وہ اپنی عدت میں تھیں تو ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمن کا وارث قرار دیا، تب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ وارث نہیں ہوتی۔

شعبی کا اپنے قول پر آثار صحابہ سے استدلال

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ تَرِثُهُ.

اور الشعبی نے کہا: وہ عورت وارث ہوگی۔

علامہ عینی اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی عامر بن شراحیل الشعبی نے کہا کہ اس صورت میں جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو وہ وارث ہوگی۔ اور اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ از ابراہیم اور الشعبی روایت کیا ہے کہ جس مرد نے اپنی بیماری میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ان دونوں نے کہا کہ وہ عورت اپنے شوہر کی عدت وفات گزارے گی اور جب تک وہ عدت میں ہو تو وہ اپنے شوہر کے ترکہ کی وارث ہوگی۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو اپنی بیماری میں تین طلاقیں دے دیں تو جب تک وہ اپنی عدت میں ہو تو وہ اس کی وارث ہوگی اور مرد اس کا وارث نہیں ہوگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریب الموت تھے اور انہوں نے اپنی بیوی ام البنین کو طلاق دے دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی کو حضرت عثمان کا وارث قرار دیا اور ابراہیم نے کہا کہ جب تک وہ عورت عدت میں ہو تو وہ اپنے شوہر کی وارث ہوگی اور طاؤس اور عروہ بن الزبیر اور ابن سیرین اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا یہ سب کہتے تھے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب سے بھاگے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا، اور عکرمہ نے کہا: اگر اس کی عدت پوری ہونے میں صرف ایک دن رہتا ہو اور اس کا شوہر مرجائے تو وہ اپنے شوہر کی وارث ہوگی اور پھر وہ دوبارہ از سر نو اپنے شوہر کی عدت وفات گزارے گی۔

وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ تَزَوَّجُ إِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ مَاتَ الزَّوْجُ الْآخَرُ فَرَجَعَ عَنْ ذٰلِكَ.

(سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۴۳)

(کوفہ کے قاضی) ابن شبرمہ نے کہا: کیا وہ عورت عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے، شعبی نے کہا: ہاں! ابن شبرمہ نے پھر سوال کیا: اگر اس کا دوسرا خاوند بھی مرجائے (تو کیا وہ عورت دونوں کی وارث ہوگی؟) اس پر شعبی نے اپنے فتویٰ سے رجوع کرلیا۔

ابن شبرمہ کے اعتراض کے بعد شعبی کا رجوع کرنا

علامہ عینی اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی عبداللہ بن شبرمہ الضبی قاضی الکوفہ تابعی نے الشعبی سے کہا: کیا یہ عورت عدت کے بعد شادی کرسکتی ہے اور پہلے شوہر کی وفات سے پہلے شادی کرسکتی ہے یا نہیں؟ شعبی نے کہا: ہاں وہ شادی کرسکتی ہے، پھر ابن شبرمہ نے شعبی سے کہا: یہ بتایئے کہ اگر دوسرا شوہر جب مرجائے تو آیا یہ اس کی بھی وارث ہوگی؟ اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ دو شوہروں سے حالت واحدہ میں وارث ہو، تب شعبی نے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا اور کہا کہ وہ پہلے شوہر کی اسی وقت وارث ہوگی جب وہ عدت میں ہو اور امام بخاری نے شبرمہ اور شعبی کے اس مذاکرہ کی روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۳۔ ۳۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۵۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُوَيْمِرًا الْعَجْلَانِيَّ جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ لَهُ يَا عَاصِمُ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ، حضرت عاصم بن عدی انصاری کے پاس

امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَأَلَ عَاصِمٌ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا حَتَّى كَبُرَ عَلَى عَاصِمٍ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلَى أَهْلِهِ جَاءَ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ يَا عَاصِمُ مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ عَاصِمٌ لَمْ تَأْتِنِي بِخَيْرٍ قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَسْأَلَةَ الَّتِي سَأَلْتُهُ عَنْهَا قَالَ عُوَيْمِرٌ وَاللهِ لَا أَنْتَهِي حَتَّى أَسْأَلَهُ عَنْهَا فَأَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ حَتَّى أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ وَسْطَ النَّاسِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ أَنْزَلَ اللهُ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَكَانَتْ تِلْكَ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ

(صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹، مسند احمد: ۲۲۸۵۱)

آئے تو ان سے کہا: اے عاصم! یہ بتاؤ کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پائے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے، پس تم اس کو قتل کر دو گے یا وہ کیا کرے؟ اے عاصم! تم میری خاطر رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کو دریافت کرو، سو حضرت عاصم نے اس مسئلہ کو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ کو ناپسند کیا اور اس کی مذمت کی حتیٰ کہ حضرت عاصم نے رسول اللہ ﷺ سے جو سنا تھا وہ اس پر سخت رنجیدہ ہوئے، پھر جب حضرت عاصم اپنے گھر پہنچے تو ان کے پاس حضرت عویمر رضی اللہ عنہ آئے، پس انہوں نے پوچھا: اے عاصم! تم سے رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا؟ حضرت عاصم نے کہا: میں آپ کے پاس کوئی اچھی خبر نہیں لایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے جب مسئلہ کو دریافت کیا تھا تو وہ آپ کو ناگوار گزرا، حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کا حل دریافت کروں، پھر حضرت عویمر گئے حتیٰ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لوگوں کے درمیان میں پہنچے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے پاس دوسرے مرد کو پائے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے تو آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرما دیا، پس تم جاؤ اور اپنی بیوی کو لے کر آؤ۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس ان دونوں نے لعان کیا اور میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، پس جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اگر اب میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں اس پر بہتان باندھنے والا ہوں گا، پھر حضرت عویمر نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ فرمانے سے پہلے اس عورت کو تین طلاقیں دے دیں، ابن شہاب نے کہا: سو یہ ایک دوسرے پر لعان (لعنت) کرنے کا طریقہ ہے۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۴۲۳ میں گزر چکی ہے۔

لعان کا سبب اور لعان کی کیفیت

شیخ محمد بن صالح العثیمین حنبلی متوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لعان کی صورت یہ ہے کہ العیاذ باللہ! ایک مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اب اس پر کیا حکم واجب ہوگا؟ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ مرد سے کہا جائے گا: یا تو تم اس پر گواہ قائم کرو کہ تمہاری بیوی نے زنا کیا ہے یا عورت زنا کا اعتراف کر لے ورنہ وہ ایک دوسرے پر لعان کریں گے اور گواہ چار ہونے چاہئیں اور چار گواہ یہ گواہی دیں کہ انہوں نے اس عورت کی فرج میں مرد کے آلہ کو دیکھا ہے اور یہ کافی نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ ہم نے مرد کو اس عورت پر چڑھے ہوئے دیکھا ہے یا یہ کہیں کہ ہم نے بہت برا منظر دیکھا ہے۔

اور لعان کی صورت یہ ہے کہ وہ دونوں قاضی کے سامنے پیش ہوں اور مرد یہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میری اس بیوی نے زنا کیا ہے اور یہ بات وہ چار مرتبہ کہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، پھر اگر اس کے بعد عورت خاموش رہے تو اس کے اوپر حد قائم ہوگی اور جب عورت لعان کرے تو وہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے اور مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر یہ مرد سچوں میں سے ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اور غضب لعنت سے زیادہ شدید ہے۔

تین طلاقوں کے ناپسندیدہ ہونے کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا تین طلاقیں دینا جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تین طلاقوں کو صرف اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ انسان اللہ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں دینے والوں پر ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تاخیر کے ساتھ تین طلاقیں دینے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے تین طلاقیں دینے میں جلدی کر دی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱، مکتبۃ الطبری للنشر والتوزیع، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کی طرف سے امام بخاری پر اس اعتراض کا جواب کہ امام بخاری نے تین طلاقیں دینے کو جائز کہا ہے حالانکہ یہ گناہ ہے

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں لکھا ہے کہ ''جس نے تین طلاق دینے کو جائز قرار دیا''، اس عنوان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تین طلاقیں دینا کوئی اچھی بات ہے کیونکہ سنن ابوداؤد کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق دینا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۷۸) لہٰذا فی نفسہ ایک طلاق دینا بھی ناپسندیدہ ہے اور سوائے ناگزیر صورت کے طلاق دینے کی اجازت نہیں ہے، پھر طلاق دینے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ جس طہر میں مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو اس طہر میں ایک طلاق دے اور پھر ٹھہر جائے اور یہ قید اس لیے مقرر فرمائی ہے کہ اگر اس کی عورت حائضہ ہو یا وہ اس طہر میں اپنی بیوی سے جماع کر چکا ہو تو پھر وہ طلاق دینے کے لیے دوسرے طہر کا انتظار کرے اور اس مدت میں اسے غور و فکر اور سوچ و بچار کا موقع ملے گا اور اگر شوہر کسی بات پر بیوی سے ناراض ہوا ہو تو بیوی کو معذرت کرنے اور معافی مانگنے کا وقت ملے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس وقفہ میں دونوں کے درمیان ہم آہنگی اور صلح ہو جائے اور طلاق کی نوبت نہ آئے، اور اگر اس مدت میں بھی شوہر اپنے موقف پر قائم رہے تو دوسرے طہر میں شوہر اس کو صرف ایک طلاق دے اور طلاق دینے کے بعد ایک حیض گزر جائے تو پھر اس کو دوسری طلاق دے اور اتنے عرصہ میں ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ان کے درمیان صلح ہو جائے اور تیسری طلاق

دینے کی نوبت نہ آئے اور اگر عورت نے کوئی ایسی شدید نافرمانی کی ہو جس کو ٹالنا ناگزیر ہو تو پھر شوہر اس کو تیسری بار طلاق دے دے پھر جب تیسری طلاق کے بعد ایک حیض گزر جائے تو اب تیسری طلاق مکمل ہوگئی اور اب وہ عورت اس مرد پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے اور وہ اس سے جماع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے بغیر کسی پیشگی شرط کے اس کو طلاق دے دے، پھر وہ اس کی عدت گزارنے کے بعد دوبارہ پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے، سو اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کی یہ حدود قائم کی ہیں اور یہ طریقہ مقرر کیا ہے اور جس مرد نے اپنی بیوی کو لفظ واحد کے ساتھ ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو اس کی دی ہوئی تین طلاقیں فوراً نافذ ہو جائیں گی اور وہ عورت اس پر فوراً حرام ہو جائے گی لیکن مرد کا یہ اقدام اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز ہے اور سخت گناہ ہے۔ یہ اس وقت ہے جب بیوی کی بدچلنی یا اس کے زنا کا ثبوت نہ ہو یا اور کسی دنیاوی معاملہ میں شوہر اور بیوی کے درمیان ناراضگی ہو لیکن اگر بیوی بدچلن ہو اور زانیہ ہو اور وہ اپنے جرم کا اعتراف نہ کرے اور شوہر کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو پھر ایسی صورت میں بہ یک وقت تین طلاقوں کا دینا جائز ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اسی مجلس لعان میں تین طلاقیں دے دیں اور سنن ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا تھا (سنن ابو داؤد: ۲۲۵۰) لہٰذا حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہیں تھا اور نہ ہی گناہ تھا اور ایسی ناگزیر صورت میں مجلس واحد میں تین طلاقیں دینا جائز ہے، لہٰذا امام بخاری پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ جب لفظ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقیں دینا اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز ہے اور گناہ ہے تو پھر امام بخاری نے تین طلاقیں دینے کو کیوں جائز قرار دیا کیونکہ امام بخاری نے مطلقاً تین طلاقیں دینے کو جائز نہیں قرار دیا بلکہ ایسی صورت میں تین طلاقیں دینے کو جائز قرار دیا ہے جیسی صورت حال حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو پیش آئی تھی۔

اس حدیث کی شراح سابقین میں سے کسی نے شرح نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس حدیث کی ایسی جامع اور کامل شرح کرنے میں، میں منفرد ہوں اور یہ انفراد میرا کمال نہیں ہے میرے مولا کا احسان ہے۔

۵۲۶۰۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ امْرَأَةَ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلَاقِي وَإِنِّي نَكَحْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزُّبَيْرِ الْقُرَظِيَّ وَإِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ الْهُدْبَةِ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ لَا حَتّٰى يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۳۹، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی: ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۲، مسند احمد: ۲۳۵۷۸، سنن دارمی: ۲۲۶۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، سو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک رفاعہ نے مجھے قطعی طلاق دے دی ہے (یعنی تین طلاقیں) اور بے شک میں نے ان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر القرظی رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کے مثل ہے (یعنی وہ نامرد ہیں)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تم رفاعہ کی طرف لوٹنا چاہتی ہو؟ نہیں، حتیٰ کہ وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لیں اور تم ان کا تھوڑا سا شہد چکھ لو۔

۵۲۶۱۔ حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا یَحْیَى عَنْ عُبَیْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِی الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ قَالَ لَا حَتَّى یَذُوقَ عُسَیْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے القاسم بن محمد نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پس اس نے (دوسرا) نکاح کر لیا، پھر اس نے اس کو بھی طلاق دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، کیا یہ اب پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! حتیٰ کہ وہ اس کا اس طرح تھوڑا سا شہد چکھ لے جس طرح پہلے خاوند نے اس کا تھوڑا سا شہد چکھا تھا۔

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۲۷۳۹ میں گزر چکی ہے۔

لفظ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقوں کے وقوع کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام ائمہ فتویٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ لفظ واحد سے جب تین طلاقیں دی جائیں وہ لازماً واقع ہو جاتی ہیں، ان کے نزدیک اس طرح طلاق دینا خلاف سنت ہے اور یہی جمہور سلف کا مذہب ہے اور اس کے خلاف جن کا قول ہے وہ شاذ ہے اور یہ اہل بدعت کا قول ہے جن کی طرف فقہاء کی جماعت نے التفات نہیں کیا کیونکہ یہ قول کتاب اور سنت کی تحریف پر مبنی ہے اور یہ قول الحجاج بن ارطاۃ اور محمد بن اسحاق سے منقول ہے۔

تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے پر غیر مقلدین کے دلائل

امام ابو یوسف القاضی نے کہا: الحجاج بن ارطاۃ یہ کہتا تھا کہ تین طلاقیں کچھ نہیں ہیں اور ابن اسحاق یہ کہتا تھا کہ تین طلاقوں کا حکم ایک طلاق ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

از ابن اسحاق از داؤد بن الحصین از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں پھر وہ اس پر بہت زیادہ غمگین ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: تم نے ان کو کیسے طلاق دی تھی؟ تو انہوں نے کہا: میں نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں، آپ نے فرمایا: ''یہ (تین طلاقیں) ایک طلاق ہے، سو تم چاہو تو اپنی بیوی سے رجوع کر لو، سو انہوں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

امام ابوداؤد نے حدیث: ۲۱۹۷ کے بعد تعلیق میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب کسی شخص نے لفظ واحد سے اپنے منہ سے تین طلاقیں دیں تو وہ ایک طلاق ہے۔ (جامع الاصول ۵۷۴۱، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۳۲ھ)

اور ابن جریج نے از ابن طاؤس از والد خود (یعنی طاؤس) روایت کی ہے کہ ابوالصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا آپ کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں تین طلاقوں کو ایک طلاق کی طرف لوٹایا جاتا تھا تو انہوں نے کہا: ہاں! (صحیح مسلم: الرقم المسلسل: ۳۵۶۴)

تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے پر غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: امام طحاوی نے کہا: یہ دونوں حدیثیں منکر ہیں، ان حدیثوں کی ان سے زیادہ قوی راویوں نے مخالفت کی ہے:

سعید بن جبیر، مجاہد، مالک بن الحارث، محمد بن ایاس البکیر اور نعمان بن ابی عیاش یہ سب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے بائنہ ہوگئی اور وہ اب اس سے صرف اس وقت نکاح کر سکتا ہے جب کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کر لے، یہ حدیث حضرت عمر، حضرت مولا علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے اور امام طحاوی نے ان تمام احادیث کی ان کی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور سوال کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں یا کہا: ایک سو طلاقیں دی ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تمہاری بیوی تین طلاقوں کے سبب سے تم سے بائنہ ہوگئی ہے اور باقی طلاقیں دے کر تم نے اللہ تعالیٰ سے مذاق کیا ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۷۹۸)

اور ائمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے وہ جماعت کے موافق ہے اور وہ طاؤس کی روایت کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ کی مخالفت کر کے اپنی ذاتی رائے کے مطابق روایت کرنے والے نہ تھے اور اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

از معمر از ابن طاؤس از طاؤس روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب اس مرد کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جواب دیتے: اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دیتا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۴۶)

طاؤس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ابن جریج کی از ابن طاؤس از طاؤس روایت کے خلاف ہے کیونکہ جس شخص کے لیے تین طلاقوں کی مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہو تو اس کی دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، لہٰذا ابن جریج کی روایت ساقط ہوگئی اور نیز ابو الصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو تین طلاقوں کے متعلق سوال کیا تھا اس کا جواب حضرت ابن عباس کے دیگر شاگردوں کی روایت کے خلاف ہے، پس لفظ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقوں کے نفوذ اور وقوع پر اجماع ہو گیا اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے جو یہ روایت کی ہے کہ تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے یہ روایت منکر اور خطا ہے۔

حضرت رکانہ کی حدیث سے غیر مقلدین کے استدلال کا جواب

اور رہا یہ کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اور وہ تین طلاقیں تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے جو حضرت رکانہ سے روایت کی ہے اس میں تین طلاقوں کا ذکر نہیں ہے۔

امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ از نافع بن عجیر از عبد اللہ بن یزید بن رکانہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دی، سو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس طلاق البتہ سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا، پھر حضرت رکانہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

زمانہ میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو تیسری طلاق دی۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۰۶)

اس حدیث کی روایت کے بعد امام ابوداؤد نے کہا: حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی طلاق البتہ کے متعلق جو احادیث روایت کی گئی ہیں یہ ان میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔ (یہ تعلیق سنن ابوداؤد: ۲۲۰۸ کے بعد مذکور ہے)

لفظ واحد سے مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقوں کے وقوع اور نفوذ کے متعلق جمہور فقہاء کے دلائل

لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقوں کے وقوع کے متعلق جمہور فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اگر یہ ممنوع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس سے منع فرما دیتے اور آپ نے یہ خبر دی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام اور معصیت ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس پر برقرار نہ رکھتے۔

(صحیح البخاری: ۵۲۵۹، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، مؤطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹، مسند احمد: ۲۲۸۵۱)

نیز حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰)

حضرت رفاعۃ کی حدیث مذکورہ کی باب مذکورہ کے ساتھ مناسبت

رہا حضرت رفاعۃ کی حدیث کا اس باب کے ساتھ تعلق، سو وہ یہ ہے کہ حضرت رفاعہ کی بیوی نے یہ کہا کہ حضرت رفاعہ نے مجھے قطعی طلاق دے دی ہے تو امام بخاری نے اس طلاق کو اس پر محمول کیا کہ حضرت رفاعہ نے ایک لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رفاعہ نے اپنی بیوی کو قطعی طلاق دے دی، پھر ان کی بیوی نے ان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا، سو ان کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، پس کہا: یا رسول اللہ! پہلے وہ رفاعہ کے نکاح میں تھیں تو حضرت رفاعہ نے ان کو آخری تین طلاقیں دے دیں، (اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت رفاعۃ کی قطعی طلاق سے مراد تین طلاقیں تھیں) پھر ان کی بیوی نے اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا، اور بے شک اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! ان کے پاس تو (ان کا آلہ) صرف کپڑے کے اس پلو کی طرح تھا، انہوں نے اپنی چادر سے کپڑے کا پلو بنا کر دکھایا۔ راوی نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور سعید بن عاص کے بیٹے حجرے کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت خالد بن سعید بن العاص جواب کے منتظر بیٹھے تھے تو حضرت خالد نے حضرت ابوبکر کو ندا کرتے ہوئے کہا: اے ابوبکر! آپ اس عورت کو اس پر کیوں نہیں ڈانٹتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی بے شرمی کی باتیں کر رہی ہے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر صرف مسکرائے، پھر آپ نے اس عورت سے فرمایا: شاید کہ تم رفاعۃ کی طرف لوٹ کر جانا چاہتی ہو؟ نہیں! حتیٰ کہ تم عبدالرحمٰن بن الزبیر کا تھوڑا سا شہد چکھ لو اور وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لیں۔

(صحیح البخاری: ۲۶۳۹، ۶۰۸۴، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی: ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۲، مسند احمد: ۲۳۵۷۸، سنن دارمی: ۲۲۶۷) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۲۴۔ ۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے مسئلہ میں غیر مقلدین کے موقف کو بار بار رد کرنے کی توجیہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس مبحث میں لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق بار بار دلائل پیش کیے گئے ہیں اور غیر مقلدین کا رد کیا گیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسا بہ کثرت ہوتا ہے کہ کوئی حنفی اور سنی مسلمان جوش غضب میں اپنی بیوی کو لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں تین طلاقیں دے دیتا ہے، پھر جب شوہر کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور حالات معمول پر آ جاتے ہیں تو پھر میاں بیوی دونوں پشیمان ہوتے ہیں، پھر وہ اہل سنت و جماعت کے مفتی حضرات کے پاس دوڑ کر جاتے ہیں اور سنی اور حنفی مفتی انہیں بتاتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر تمہارے لیے اپنی بیوی سے رجوع کرنے کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے، پھر انہیں کوئی بتانے والا بتاتا ہے کہ غیر مقلد مفتیوں کے پاس تمہاری مشکل کا حل ہے اور وہ انہیں یہ فتویٰ لکھ کر دیتے ہیں کہ لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق ہوتی ہے اور اس کے ثبوت میں وہ صحیح مسلم کے حوالہ سے از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اور سنن ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت رکانہ کی حدیث لکھ کر پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا ہے اور چونکہ عوام اہل سنت اپنے دلائل سے ناواقف اور ناآشنا ہوتے ہیں اس لیے وہ غیر مقلد مفتیوں کے فتاویٰ سے متاثر ہو جاتے ہیں اور اس لیے طلاق مغلظہ دینے کے باوجود مطلقہ بیوی کو شرعی حلالہ کے بغیر اپنے گھر میں آباد کر لیتے ہیں اور ساری عمر زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور علماء اہل سنت سے بدگمان ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ

اندریں حالات ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم اس بحث کو تفصیل سے لکھیں اور غیر مقلدین کے رد اور اہل سنت و جماعت کے دلائل کو بار بار پیش کریں تاکہ قارئین کے ذہنوں میں یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور ان دلائل کو بار بار ذکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ ہر اہم بات کو بار بار ذکر کرنا چاہیے تاکہ وہ اچھی طرح مؤکد ہو جائے۔

دیکھیے نماز پڑھنے کا حکم بہت مؤکد ہے اور قرآن مجید میں وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کی آیت چھیاسٹھ (۶۶) مرتبہ مذکور ہے۔
(المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ۵۲۴)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا بھی بہت اہم اور ضروری ہے، سو قرآن مجید میں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (الرحمٰن: ۱۳) اکتیس (۳۱) مرتبہ مذکور ہے۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ۷۶۲)

اسی طرح عقیدۂ توحید بھی نہایت اہم اور بہت ضروری ہے، اس لیے قرآن مجید میں پچیس (۲۵) مرتبہ ان آیات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا ذکر ہے۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ۹۱۳)

اسی طرح شرک کی نفی بھی بہت اہم اور ضروری ہے، سو "ولا اشرک بہ" کو قرآن مجید میں پانچ مرتبہ ذکر کیا گیا، اور "وانی بریٔ مما تشرکون" کو سات (۷) مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ۴۸۱)

اور فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۹۰) اس مضمون کی آیتوں کو بیس (۲۰) مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔
(المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ۴۸۲)

اسی طرح اطاعت رسول کا حکم بھی بہت ضروری ہے، سو قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ (آل عمران: ۳۲) اس مضمون کی آیتوں کو قرآن مجید میں انیس مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص ۵۴۵)

ان شواہد سے واضح ہو گیا کہ جو حکم بہت اہم اور ضروری ہو اس کو بار بار ذکر کرنا چاہیے اور موجودہ زمانہ میں غیر مقلدین ناواقف

سنی مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور مطلقہ مغلظہ کو گھر میں رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں کوئی مسلمان مرد ساری عمر زنا کاری میں مبتلا رہتا ہے اور یہ غیر مقلدین نام نہاد مفتی دراصل اس حدیث کے مصداق ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ بندوں کے سینوں میں سے علم کو نہیں نکالے گا لیکن علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھالے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، سوان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے جواب دیں گے، سووہ خود بھی گمراہ ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے''۔(صحیح مسلم:۱۰۰،صحیح مسلم:۲۶۷۳،سنن ترمذی:۲۶۵۲،سنن ابن ماجہ:۵۲،مسند احمد:۶۴۷۵،سنن دارمی:۲۳۹)

سو اس صورت حال کے پیش نظر ہم نے غیر مقلدین کے رد کو بار بار پیش کیا اور اس مسئلہ میں اہل سنت و جماعت کے موقف کو مزید مؤکد کیا۔ اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو مشکور فرمائے اور اس کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین، یا رب العالمین، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

متفرق طور پر یا مجموعی طور پر تین طلاقیں دینے اور حلالہ کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے فتاویٰ جات

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان قدس سرہ العزیز فاضل بریلوی اس مسئلہ کے تحت لکھتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کے دروازے پر جا کر باآواز بلند اپنی زوجہ کے متعلق کہا کہ میں نے فلانے کی بیٹی فلانہ کو طلاق دی۔ اب شوہر کہتا ہے کہ میں نے یہ لفظ ایک دفعہ محض خوف دلانے کے لیے غصے کی حالت میں کہا تھا اور گھر میں زوجہ کے دو بھائی اور والدہ اور نانی اور دروازہ پر ایک ملازم کا بیان ہے کہ ہم نے طلاق دی، دی، دی، کا لفظ تین دفعہ سنا اور دروازے کے باہر دو شخصوں نے بھی اسی آواز کو سنا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دی کا لفظ ایک دفعہ سنا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں تین طلاقیں ہوئیں یا ایک طلاق رجعی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کے دو بھائی اور ملازم ان تینوں شخصوں میں اگر دو ثقہ، عادل قابل قبول شرع ہیں تو تین طلاقیں ہوگئیں، عورت بے حلالہ نکاح میں نہیں آسکتی بشرطیکہ بھائیوں نے اسے آنکھ سے دیکھا ہو اور اس کے قول مذکور کو کان سے سنا اور اگر وہ گھر ہی میں رہے اور یہ باہر ہی رہا تو محض شناخت آواز پر شہادت نہیں، ایک طلاق سے زائد ثابت نہ ہوگی، پھر اگر واقع میں تین بار، دی کا لفظ کہا تو اس پر فرض ہے کہ اسے چھوڑ دے اور بے حلالہ ہاتھ نہ لگائے، اگر خلاف کرے گا مبتلائے زنا ہوگا اور مستحق عذاب شدید۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۳۳۳۔۳۳۲، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۱۴۱۸ھ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو منکوحہ ہیں ہندہ، زینب۔ ہندہ نے چاہا کہ زینب کو طلاق ہو جائے، زید کو اہل دہ نے بہت ڈرایا، دھمکایا مگر زید نے ہرگز نہ مانا اور زینب کو طلاق نہ دی، اہل دیہات کے کہنے سے گاؤں کے ہندو پٹواری نے اس سے کہا: تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم اپنی عورت زینب کو طلاق دے دو اور زید سے کہا: کہو کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی، زید نے پٹواری سے خوف زدہ ہو کر کہا: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، تین مرتبہ اس کلمہ کا اعادہ کیا اور کرایا مگر اس لفظ طلاق سے یہ ثابت نہ ہوا کہ کون سی بی بی کو زید سے اس ہندو پٹواری نے طلاق دلوائی، بعد تھوڑی دیر کے جب کہ جلسہ منتشر ہو گیا پٹواری نے زید سے دریافت کیا: تم نے اپنی کون سی بی بی کو طلاق دی، زید نے کسی کا کچھ نام بھی نہیں لیا اور کسی عورت کی طرف اشارہ نہ کیا، اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں اور زید شوہر اور زینب زوجہ کو با ہم کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: جب کہ زید نے تین بار جدا جدا اپنی زبان سے یہ لفظ کہے کہ ''میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی'' اگرچہ ڈرانے دھمکانے

جبر واکراہ سے، اگرچہ وہ کہلوانے والا ہندو یا کوئی تھا اس پر تین عدد طلاق ضرور لازم آئی اگر اس کی مراد زینب تھی تو زینب پر تین طلاق ہوگئیں اور اگر ہندہ مراد تھی تو ہندہ کو تین طلاقیں ہوگئیں، اور اگر دھمکانے سے وہ الفاظ زبان سے ادا کر دیئے اور نیت نہ زینب کی تھی نہ ہندہ کی تو اب اس کے اختیار میں ہے جس کی طرف چاہے ڈال دے اگر زینب کو کہے گا تو اس پر تین طلاق ہوجائیں گی اور اگر ہندہ کو کہے گا تو اس پر۔

اور جب کہ وہ خالی الذہن تھا کسی لفظ سے کسی عورت کی نیت نہ تھی مگر یہ الفاظ خالی نہیں جاتے مگر شرع میں انہیں تعیین کا اختیار دیتے ہیں تو ظاہر اس پر لازم نہیں کہ تینوں طلاقیں ایک ہی عورت پر ڈالے بلکہ ایک پر ایک اور ایک پر دو ڈال سکتا ہے اور دونوں پر طلاق رجعی ہونی چاہیے، پھر اگر وہ دونوں کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو عدت کے اندر رجعت کر لے، دونوں بدستور اس کی بی بی رہیں گی، ہاں! آئندہ کبھی اگر دو والی کو ایک یا ایک والی کو دو طلاقیں دے گا تو تین طلاقیں ہوجائیں گی اور پھر بے حلالہ اس سے نکاح نہ کر سکے گا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۴۳۴۔ ۴۳۳ ملخصا، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

سوال: زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دی اور عدت میں رجوع کر لیا اور دو سال گزارنے کے بعد پھر ایک طلاق رجعی دی اور عدت میں رجوع کر لیا، تین سال گھر رکھنے کے بعد پھر ایک طلاق دی، اب زید مذکورہ بیوی کو نئے شخص سے نکاح اور حلالہ کے بغیر نکاح میں دوبارہ لا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: دوسرے شخص سے نکاح اور پھر جماع کے بعد طلاق ہو یا دوسرا شخص فوت ہوجائے اور اس کی عدت پوری ہوجانے کے بغیر زید کا مذکورہ بیوی سے نکاح حرام ہے۔ یہ حرمت نص قرآن اور اجماع سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دو طلاقیں دی ہیں تو بیوی کو بھلائی کرتے ہوئے روک لے یا احسان کرتے ہوئے چھوڑ دے (الی قولہ) پھر اگر تیسری طلاق دی تو مطلقہ بیوی اس کے بعد حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے، پس اگر اس نے طلاق دے دی تو دونوں پر رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۰۔ ۲۲۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورت! تو پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ تو دوسرے خاوند کا اور وہ تیرا تھوڑا سا شہد نہ چکھ لے۔ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۹۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۴۰۶۔ ۴۰۵ ملخصا، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

سوال: حلالہ کا اسلام میں کیا ثبوت ہے اور اس پر کیا دلائل ہیں؟

الجواب: شریعت کا حکم یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دی ہوں ایک دفعہ میں خواہ برسوں میں، پھر کبھی ایک دی اور رجعت کر لی، پھر دوسری دی اور رجعت کر لی، اب تیسری دی، دونوں صورتوں میں عورت اس پر بغیر حلالہ حرام ہے۔ حلالہ کے یہ معنی ہیں کہ اس طلاق کے بعد عورت اگر حیض والی ہے تو اسے تین حیض شروع ہو کر ختم ہوجائیں اور اگر حیض والی نہیں مثلاً نو برس سے کم عمر کی لڑکی ہے یا پچپن برس سے زائد عمر کی لڑکی ہے تو اس طلاق کے بعد تین مہینے کامل گزر جائیں، یہ اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہو لے اس وقت اس طلاق کی عدت سے نکلے گی، اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح بروجہ صحیح کرے یعنی وہ شوہر ثانی اس کا کفوء ہو کہ مذہب، نسب، چال چلن، پیشہ کسی میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس عورت کا نکاح عورت کے اولیاء کے لیے باعث بدنامی ہو یا اگر ایسا کم ہے تو عورت کا ولی نکاح ہونے سے پہلے اس کو یہ جان کر کہ یہ کفوء نہیں ہے اس کے ساتھ نکاح کی بالتصریح اجازت دے دے، یا یہ ہو کہ عورت بالغہ کا کوئی ولی ہی نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کر لے اور ولی نے اسے غیر کفوء جان کر نکاح سے پہلے صریح اجازت نہ دی ہو تو نکاح ہی نہ ہوگا۔ یونہی لڑکی اگر نابالغہ ہے اور اس کا نہ باپ ہے نہ دادا، بھائی، چچا وغیرہ ولی ہیں

لوگوں نے کسی غیر کفوء سے اس کا نکاح کر دیا جب بھی نکاح نہ ہوگا، غرض جب شوہر ثانی سے نکاح صحیح طور پر واقع ہوا اور وہ اس سے ہمبستری بھی کر لے اور اس کے بعد وہ طلاق دے اور طلاق کی عدت اسی طرح گزر رے کہ تین حیض ہوں اور حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے اور حمل رہ جائے تو بچہ پیدا ہونے کے بعد پہلا شوہر اس سے نکاح کر سکتا ہے، ان میں سے ایک بات بھی کم ہوگی تو نکاح نہ ہوگا زنا ہو گا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۴۰۸۔۴۰۷، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حلالہ مع شرطیکہ یعنی اس قصد سے بعض چند روز کے طلاق دے دے تا کہ زوج سابق کے واسطے بعد عدت گزرنے کے حلال ہو جائے جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شرائط اور چیز ہے اور قصد اور چیز ہے، شرط تو یہ ہے کہ عقد نکاح میں یہ شرط لگا لے یہ ناجائز و گناہ ہے اور حدیث میں ایسے حلالہ کرنے والے پر لعنت آئی ہے اور قصد یہ کہ دل میں اس کا ارادہ ہو مگر شرط نہ کی جائے تو یہ جائز ہے بلکہ اس پر اجر کی امید ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: حلالہ کی شرط پر نکاح کہ میں اس شرط پر تجھ سے نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق کر کے حلال کر دوں گا دوسرے شخص کا یہ نکاح مکروہ تحریمی ہے لیکن دونوں نے دل میں حلالہ کی نیت کی تو مکروہ نہیں، اس صورت میں دوسرا شخص اصلاح کی غرض سے نکاح کرنے پر اجر کا مستحق ہوگا۔ (درمختار ج ۱ ص ۲۴۱، مطبع مجتبائی، دہلی)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۴۰۹، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

سوال: تین طلاقیں مجموعی طور پر دینے کا اسلام میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایک بار تین طلاق دینے سے نہ صرف نزد حنفیہ بلکہ اجماع مذاہب اربعہ تین طلاقیں مغلظہ واقع ہو جاتی ہیں، امام شافعی، امام مالک، امام محمد رضی اللہ عنہم، ائمہ متبوعین میں سے کوئی امام اس باب میں اصلاً مخالف نہیں، ایسی صورت میں بیوی پر تین طلاقیں ہو گئیں، ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہے، زید گناہ گار ہوا اور عورت اس کے نکاح سے ایسی خارج ہوئی کہ اب بے حلالہ ہرگز اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، اگر یوں ہی رجوع کر لیا بلا حلالہ نکاح جدید باہم کر لیا تو دونوں مبتلاء حرام کاری ہوں گے اور عمر بھر حرام کاری کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۞ (الطلاق: ۲) جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے راہ نکال دیتا ہے۞

اس نے تقویٰ نہ کیا بلکہ خلاف خدا اور رسول تین طلاقیں لگا تار دینے کا مرتکب ہوا، اللہ عزوجل نے اس کے لیے مخرج نہ رکھا، اب حلالہ اس کے لیے سخت تعزیانے سے بالکل مفر نہیں۔ یہاں تک کہ ائمہ دین نے فرمایا: اگر قاضی شرع، حاکم اسلام ایسے مسئلہ میں ایک طلاق پڑنے کا حکم دے تو وہ حکم باطل اور مردود ہے، وہابیہ، غیر مقلدین اب اس مسئلہ میں خلاف اٹھا رہے ہیں، وہ گمراہ بد دین ہیں ان کی تقلید حلال نہیں۔

فتح القدیر میں مذکور ہے: جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے مسلمانوں کے ائمہ کرام کا مسلک ہے: بیک وقت تین طلاقیں تین ہوں گی، امام مجاہد سے، سنن ابوداؤد میں مروی ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا تو ایک شخص آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کچھ دیر خاموش رہے تو میں نے یہ خیال کہ شاید ابن عباس سائل کو بیوی واپس کر دیں گے، تو کچھ دیر بعد آپ نے فرمایا: تم میں سے بعض لوگ بی بی کو طلاق دیتے ہوئے حماقت سے کام لیتے ہیں تو اے ابن عباس! اے ابن عباس! کہتے ہیں تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی سبیل پیدا فرما دیتا ہے، جب کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور تیری بیوی تجھ سے لاتعلق ہو

چکی ہے۔ اس کے بعد علامہ ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۴ ھ نے اس پر دلائل ذکر کیے اور مؤطا امام مالک کے حوالہ سے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت ذکر کی جیسا کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایات جمع کی ہیں، اسی طرح کی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کی اور کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور انہوں نے کہا کہ امام عبدالرزاق نے از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور از وکیع از امیر المومنین علی و امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کی سند ذکر کی اور اس سے پہلے علامہ ابن ہمام نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی اور انہوں نے امام ابن ابی شیبہ اور امام دارقطنی کی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سند سے ذکر کی، اور امام عبدالرزاق نے از حضرت عبادہ بن الصامت از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی یہاں تک کہ ہم نے اکثر ائمہ سے تین طلاقوں کا نافذ ہونا صراحتاً ثابت کیا اور ان حضرات کا کوئی بھی مخالف ظاہر نہ ہوا تو اس حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہو سکتا ہے، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی حاکم نے بہ یک زبان تین طلاقوں کو ایک طلاق کا حکم دیا تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اور یہ خلاف حق ہے، اس کو اختلاف کہنا صحیح نہیں۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۰ ملخصاً، نوریہ رضویہ، سکھر)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۴۱۲۔ ۴۱۰، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

حلالہ شرعیہ کا مطلقہ عورت کے ساتھ دوسرے خاوند کی مجامعت پر توقف

صحیح البخاری: ۵۲۶۱، میں از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پس اس نے (دوسرا) نکاح کر لیا، پھر اس نے بھی اس کو طلاق دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، کیا یہ اب پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ وہ اس سے اس طرح تھوڑا سا شہد چکھ لے جس طرح پہلے خاوند نے اس کا تھوڑا سا شہد چکھا تھا۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں الْعُسَيْلَه کا لفظ جماع سے کنایہ ہے اور العسل (شہد) بعض اوقات بعض لغات میں مونث کا لفظ ہے اور اس کی تصغیر عُسَيْلَةٌ ہے (تھوڑا سا شہد)۔

امام احمد روایت کرتے ہیں: ہمیں مروان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عبدالملک المکی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: العسیلة (تھوڑا سا شہد) سے مراد جماع ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۶۲، مسند احمد: ۲۴۳۳۱، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا ایک راوی ابو عبدالملک المکی ضعیف ہے، علامہ الزیلعی نے لکھا ہے کہ المکی مجہول ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۳۸) حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے روایت کی ہے اور اس کی سند میں ابو عبدالملک المکی ہے اور میں اس راوی کو اس حدیث کے بغیر نہیں پہچانتا اور اس حدیث کے باقی راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۴۱) (سعیدی غفرلہ)۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث کی امام الدارقطنی نے بھی روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ المکی مجہول ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۵۲)

التلویح میں مذکور ہے کہ تمام قرآن عظیم میں جہاں بھی نکاح کا لفظ ہے اس سے مراد عقد نکاح ہے وطی نہیں ہے سوا اس آیت کے:

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ (البقرۃ: ۲۳۰) یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

کیونکہ اس آیت میں لفظ نکاح سے مراد عقد اور وطی دونوں ہیں اور اس کی دلیل حدیث الْعُسَيْلَةَ ہے کیونکہ العسیلہ سے

یہاں پر مراد وطی ہے (یعنی جماع)۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: صاحب التلویح کی یہ شرح صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں لفظ نکاح کا اسناد عورت کی طرف ہے، پس اگر اس آیت میں نکاح سے وطی مراد ہو تو اس کا معنی یوں ہوگا: ''حتیٰ کہ وہ عورت کسی اور خاوند سے وطی کر لے'' اور یہ معنی فاسد ہے کیونکہ عورت موطوءہ ہے واطئہ نہیں ہے۔ واطی تو صرف مرد ہوتا ہے بلکہ اس آیت میں بھی نکاح کا معنی عقد ہے وطی نہیں ہے اور وطی کا وجوب حدیث العسیلہ سے ثابت ہے کیونکہ یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے نص قرآن پر اضافہ کرنا جائز اور صحیح ہے۔ اور اس میں سعید بن المسیب کے علاوہ اور کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ انہوں نے کہا: عقد نکاح صحیح ہے اور کافی ہے اور اس عقد سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اور خوارج کی ایک جماعت کے سوا اور کسی نے سعید بن المسیب کی موافقت نہیں کی۔
اور ابو الرجاء مختار بن محمود الزاہدی نے ''کتاب القنیہ شرح المنیہ'' میں لکھا ہے کہ سعید بن المسیب نے اپنے اس مذہب سے رجوع کر لیا تھا اور اگر کسی قاضی نے سعید بن المسیب کے قول کے مطابق فیصلہ کیا تو اس کی قضاء نافذ نہیں ہوگی اور اگر کسی مفتی نے سعید بن المسیب کے قول پر فتویٰ دیا تو اس مفتی کو تعزیر لگائی جائے گی۔
الحسن البصری نے کہا ہے کہ شرعی حلالہ کے لیے دوسرے مرد سے نکاح کے بعد جماع سے انزال شرط ہے اور عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے وطی نہ کرلے اور اس کو انزال نہ ہو جائے اور ان کا یہ زعم ہے کہ اُلْعُسَیْلَه کا معنی انزال ہے اور باقی تمام فقہاء نے حسن بصری کی مخالفت کی ہے، پس کہا ہے کہ التقاؤ الختنین (یعنی دو شرم گاہوں کے ملنے) سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اور التقاء الختنین سے ہی روزہ اور حج فاسد ہو جاتا ہے اور اسی سے حد واجب ہو جاتی ہے اور غسل واجب ہو جاتا ہے اور اسی سے مہر واجب ہو جاتا ہے اور شوہر اور بیوی محصن ہو جاتے ہیں اور مہر مکمل ہو جاتا ہے۔
علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اگر عورت سوئی ہوئی ہو یا بے ہوش ہو اور اس حالت میں مرد اس سے وطی کر لے اور عورت کو پتا نہ چلے تو پھر وہ عورت اس پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ وہ مرد اور عورت دونوں تھوڑا سا شہد چکھ لیں اور یہ قول بھی درست نہیں ہے کیونکہ تھوڑا سا شہد چکھنے میں دونوں کی مساوات جائز نہیں ہے بلکہ ان میں سے کوئی ایک تھوڑا سا شہد چکھ لے تو عورت اپنے پہلے خاوند سے نکاح کرنے کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

حلالہ کے متعلق اختلاف فقہاء

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ مُحَلِّل (حلالہ کرنے والا) کے عقد نکاح میں فقہاء کا اختلاف ہے، سو امام مالک نے کہا ہے: وہ اس وقت مطلقہ کو سابق شوہر کے لیے حلال کرے گا جب وہ اپنی رغبت سے نکاح کرے، پس اگر اس نے حلالہ کے قصد سے نکاح کیا تو وہ عورت سابق شوہر پر حلال نہیں ہوگی خواہ زوجین (شوہر اور بیوی) کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور دخول سے پہلے اور دخول کے بعد یہ نکاح فسخ ہو جائے گا اور اللیث، سفیان بن سعید، الاوزاعی اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔
اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ یہ نکاح جائز ہے اور مُحَلِّل کے لیے جائز ہے کہ وہ اس نکاح پر برقرار رہے یا نہ رہے اور عطاء اور الحکم کا بھی یہی قول ہے۔
اور القاسم، سالم، عروہ اور الشعبی نے کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس عورت کو سابق شوہر کے لیے حلال کرنے کی خاطر اس سے نکاح کر لے جب کہ سابق شوہر اور اس کی بیوی کو اس کا علم نہ ہو اور اس کو اس کار خیر پر اجر ملے گا اور ربیعہ اور یحییٰ بن

سعید کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام شافعی اور ابوثور کا یہ مذہب ہے کہ جو نکاح وہ حلال کرنے کے قصد سے کرے اس نیت کے ساتھ کہ وہ نکاح کر کے عورت کو سابق شوہر پر حلال کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دے گا تو یہ نکاح فاسد ہے اور جس نے بعد میں طلاق دینے کی شرط نہیں لگائی تو پھر یہ عقد نکاح صحیح ہے۔ اور بشر بن الولید نے از ابو یوسف از ابوحنیفہ اسی کی مثل روایت کی ہے اور امام محمد نے از امام ابو یوسف از امام ابوحنیفہ یہ روایت کی ہے کہ جب دوسرے شوہر نے پہلے شوہر کے لیے عورت کو حلال کرنے کی نیت کی تو وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی اور یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔ اور حسن بن زیاد نے از زفر از امام ابوحنیفہ یہ روایت کی ہے کہ اگر مُحَلِّل نے نفس عقد میں یہ شرط عائد کی کہ وہ صرف اس لیے نکاح کر رہا ہے تا کہ وہ اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے تو یہ نکاح صحیح ہے اور اس کی شرط باطل ہوگی اور مُحَلِّل کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت کو اپنے نکاح میں برقرار رکھے۔

حلالہ کی صحت کی بعض شرائط

اور ''القنیہ شرح المنیہ'' میں علامہ زاہدی حنفی نے لکھا ہے: جب محلل یعنی زوج ثانی اس عورت کی دبر میں دخول کرے تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی اور اگر اس نے اس عورت کی فرج میں دخول کیا تو پھر وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی اور موت اور خلوت صحیحہ تحلیل کے حق میں دخول کے قائم مقام نہیں ہیں۔

حلالہ کرنے کی ممانعت اور مذمت کے متعلق احادیث اور آثار

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام ترمذی اور امام نسائی نے متعدد سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ (یعنی حلالہ کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے) دونوں پر لعنت کی گئی ہے''۔ اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۵۱، مسند احمد: ۴۳۰۸، مسند ابو یعلیٰ: ۵۲۰۶۔ ۵۰۵۴، شرح السنۃ: ۲۲۹۳، مسند البزار: ۴۸۸، سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۴۱، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۰، سنن ابوداؤد: ۸۲۶، سنن ترمذی: ۳۱۲، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰، صحیح ابن حبان: ۱۸۴۹)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرمائی ہے''۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳، مسند احمد: ۸۲۸۷، مسند البزار: ۱۴۴۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۸)، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے یہ بھی روایت ہے، (مسند احمد: ۶۳۵، ۴۲۸۳)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی یہ روایت ہے۔ (سنن ترمذی: 1119)، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۸)، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ روایت ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۴)

اور امام عبدالرزاق نے از ثوری از عبداللہ بن شریک العامری روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کر رہے تھے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر وہ اس پر نادم ہوا، پھر کسی اور مرد نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اس مطلقہ سے نکاح کر لے تا کہ وہ اس عورت کو اپنے سابق شوہر کے لیے حلال کر دے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ دونوں زانی ہیں خواہ وہ بیس سال تک اس نکاح پر قائم رہیں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰۸۲۰، دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ/ ج ۲ ص ۲۶۵، مکتبہ اسلامیہ، بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قبیصہ بن جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس جب بھی کسی محلل اور محلل لہ کو لایا گیا تو میں اس کو سنگسار کروں گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۶۳، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۸۰، دارالوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

عبدالملک بن المغیرہ بن نوفل بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ کوئی مرد کسی عورت کو اس کے شوہر کے لیے حلال کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ یہ زنا ہے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی شخص یہ کام کرتا تو وہ اس کو عبرت ناک سزا دیتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۶۵، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۸۰، دارالوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرمائی ہے"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۳۴۳، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۱۹۰، دارالوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرماتا ہے"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۳۴۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۱۹۰، دارالوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرماتا ہے"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۳۴۵، مجلس علمی بیروت: ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۱۹۰، دارالوطن بیروت: ۱۴۱۸ھ)

حلالہ کی ممانعت اور مذمت کے متعلق احادیث کی تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ تمام احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جس نکاح میں حلالہ کی شرط لگائی گئی ہو وہ نکاح مکروہ ہے اور ان احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ حلالہ کرنا حرام ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ لفظ مُحَلِّل نکاح کی صحت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ مُحَلِّل وہ شخص ہے جو کسی حلال کام کو ثابت کرنے والا ہو اور اگر حلالہ فاسد ہوتا تو پھر حلالہ کرنے والے کا نام مُحَلِّل نہ رکھا جاتا اور ان میں سے کوئی شخص بھی لعنت کا مصداق نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ حرام کو حلال کرنے کا قصد کرے، رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کو امام ابوداؤد نے اس طرح روایت کیا ہے:

ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اسماعیل نے حدیث بیان کی از الحارث از حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، اسماعیل نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ حضرت علی نے اس حدیث کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرماتا ہے"۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۷۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، سنن ترمذی: ۱۱۱۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اس حدیث کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مشکوک ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے کہا: اسماعیل نے بیان کیا کہ میرا یہ گمان ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، نیز یہ حدیث معلول ہے کیونکہ اس کی سند میں الحارث ہے اور وہ بہت شدید ضعیف راوی ہے۔

رہا وہ اثر جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ دونوں زانی ہیں) جس کی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے تو امام طحاوی نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ تشدید اور تغلیظ (سختی) پر محمول ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے متعلق فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (صحیح مسلم: ۶۵۱، سنن ابوداؤد: ۵۴۸، سنن ترمذی: ۲۱۷، سنن نسائی: ۸۴۸، سنن ابن ماجہ: ۷۹۱) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حلالہ شرعیہ کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ ان سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پس دوسرا مرد اس بستی کے لوگوں میں سے آیا اور اس کا علم نہ طلاق دینے والے مرد کو تھا اور نہ اس کی بیوی کو سو اس نے اپنے مال میں سے کچھ نکالا اور اس مطلقہ عورت سے نکاح اس قصد سے کر لیا تا کہ وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے تو عمرو بن دینار نے کہا: یہ جائز نہیں، پھر بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: "یہ جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ مرد صرف اپنی رغبت سے اس عورت سے نکاح کرے (آپ نے یہ جملہ دو بار فرمایا)، سو جب اس نے اس طرح کر لیا تو وہ مطلقہ عورت اپنے سابق شوہر کے لیے اس وقت حلال ہوگی جب دوسرا شوہر اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لے"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۷۳، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۹۰، دار الوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کے حاشیہ میں علامہ محمد عوامہ لکھتے ہیں:

یہ حدیث عمرو بن دینار کی مراسیل میں سے ہے، امام حاکم نے بھی اس کی تائید میں روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۱۹۹)

شعبہ بیان کرتے ہیں: میں نے حکم اور حماد سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس نے کسی مطلقہ عورت سے اس لیے نکاح کیا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کے اوپر حلال ہو جائے تو حکم نے جواب دیا: وہ اس عورت کو اپنے پاس رکھے اور حماد نے جواب دیا کہ مستحب یہ ہے کہ وہ اس کو طلاق دے کر الگ کر دے (تا کہ وہ اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر سکے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۳۶۸، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۷۰۸۵، دار الوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

معمر از ہشام بن عروہ از والد خود وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک عروہ حلالہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے بہ شرطیکہ مطلقہ عورت اور اس کے خاوند کو اس کا علم نہ ہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ / مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۲۶۶، مکتبہ اسلامی، بیروت)۔

اس حدیث کی ابن حزم ظاہری نے بھی امام عبد الرزاق سے روایت کی ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۸۲)

معمر از ہشام بن عروہ از والد خود از جابر از شعبی انہوں نے (یعنی شعبی نے) کہا: حلالہ کرنے میں اس وقت کوئی حرج نہیں ہے جب مطلقہ عورت کے خاوند نے اس کا حکم نہ دیا ہو۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۰۸۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ / مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۲۶۸، مکتبہ اسلامی، بیروت)

میں کہتا ہوں کہ جن احادیث میں حلالہ سے منع کیا ہے اور اس کی مذمت کی ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ جب مطلقہ عورت کا خاوند کسی کو حلالہ کرنے کے لیے کہے اور اگر مطلقہ عورت کا خاوند کسی کو حلالہ کرنے کے لیے نہ کہے اور کوئی مرد از خود اپنی رغبت سے اس مطلقہ عورت سے نکاح کر لے تو پھر یہ حلال شرعیہ ہے اور جائز ہے اور جب دوسرا خاوند اس مطلقہ عورت سے جماع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے دے گا تو وہ پہلے شوہر کے لیے بلا کراہت حلال ہو جائے گی۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۔ بَابُ: مَنْ خَيَّرَ نِسَاءَهُ — جس نے اپنی ازواج کو اختیار دیا

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ (الاحزاب:۲۸)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں O

۵۲۶۲۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَاخْتَرْنَا اللهَ وَرَسُولَهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذٰلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا

(صحیح مسلم: ۱۴۷۷، سنن ترمذی: ۱۱۷۹، سنن نسائی: ۳۴۴۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۲، مسند احمد: ۲۳۶۶۱، سنن دارمی: ۲۲۶۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں (دنیا اور آخرت کے درمیان) اختیار دیا پس ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اختیار کر لیا، پس اس کو ہمارے اوپر کچھ شمار نہیں کیا گیا۔

حدیث مذکور کے رجال

(۱) عمر بن حفص: یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں، (۲) الاعمش: یہ سلیمان ہیں، (۳) مسلم: یہ ابن صبیح ہیں اور یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور ان کی کنیت ابوالضحیٰ ہے، اور کرمانی نے کہا ہے کہ مسلم اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ ابوالضحیٰ بن صبیح ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مسلم بن البطین ابن ابی عمران ہوں کیونکہ یہ دونوں مسروق سے روایت کرتے ہیں اور الاعمش ان دونوں سے روایت کرتے ہیں، (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ کتاب ''رجال الصحیحین'' میں مذکور ہے کہ مسلم البطین نے مسروق سے سماع کیا ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو دنیا اور آخرت کے درمیان جو اختیار دیا تھا تو آپ کا یہ اختیار دینا طلاق نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۶۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَامِرٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْخِيَرَةِ فَقَالَتْ خَيَّرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَفَكَانَ طَلَاقًا قَالَ مَسْرُوقٌ لَا أُبَالِي أَخَيَّرْتُهَا وَاحِدَةً أَوْ مِائَةً بَعْدَ أَنْ تَخْتَارَنِي۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل، انہوں نے کہا: ہمیں عامر نے حدیث بیان کی از مسروق، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اختیار کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تھا تو کیا یہ طلاق تھی؟ مسروق نے کہا: جب میری بیوی مجھے اختیار کر لے تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں نے اس کو ایک اختیار دیا ہو یا سو مرتبہ اختیار دیا ہو۔

اس حدیث کی تخریج حدیث سابق صحیح البخاری: ۵۲۶۲ کی مثل ہے۔

بیوی کو اختیار دینے سے طلاق کا واقع نہ ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے عطاء، سلیمان بن یسار، ربیعہ اور ابن شہاب ان سب کا قول مسروق کے قول کی مثل ہے کہ جب مرد اپنی بیوی کو اختیار دے اور وہ اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو یہ کچھ نہیں ہے یعنی اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور ائمہ فتویٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر بیوی اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو اس سے ایک طلاق واقع ہوگی اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مطابق ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ تخییر کی تعریف یہ ہے کہ عورت کو طلاق دینے کا اختیار دیا جائے، پس اگر اس نے اپنے اختیار سے اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کی تو پھر اس تخییر سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور یہ ایسا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دینے کا معاملہ کسی دوسرے مرد کے سپرد کر دے اور وہ اپنے اختیار کو استعمال نہ کرے تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

اگر بیوی اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس سے طلاق کے وقوع کے متعلق مذاہب فقہاء

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب مرد عورت کو اختیار دے یعنی اس کو یہ اختیار دے کہ وہ اس کے نکاح میں رہے یا نہ رہے اور عورت اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس مسئلہ میں حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے اور ابن ابی لیلیٰ، ثوری اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ بیوی اگر اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ اگر بیوی اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس پر تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ یہ قول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حسن بصری سے مروی ہے اور یہی امام مالک اور اللیث کا مذہب ہے اور تخییر اور تملیک میں امام مالک کے نزدیک یہ فرق ہے کہ مرد جب اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تم کو مالک بنا دیا یعنی تم کو اس کا مالک بنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ایک، دو یا تین طلاقوں کا مالک بنایا تھا، سو میں نے تم کو اس کا مالک بنا دیا اور تخییر کا معنی ہے کہ جب عورت اپنے نفس کو اختیار کر لے اور وہ مدخول بہا ہو تو پھر یہ طلاق ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۲۸۔۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۔ بَابُ إِذَا قَالَ فَارَقْتُكِ أَوْ سَرَّحْتُكِ أَوِ الْخَلِيَّةُ أَوِ الْبَرِيَّةُ أَوْ مَا عُنِيَ بِهِ الطَّلَاقُ فَهُوَ عَلَى نِيَّتِهِ

جب مرد (اپنی بیوی سے) کہے: میں تم سے الگ ہو گیا یا کہے: میں نے تم کو رخصت کر دیا یا کہے: تم اب خالی ہو یا الگ ہو یا کوئی ایسا لفظ کہے جس سے طلاق کا ارادہ کیا جا سکے تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا

کنایات طلاق کی تفصیل اور تحقیق میں فقہاء کا اختلاف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب مرد کے اس قول کے حکم کے بیان میں ہے جب وہ اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں تم سے الگ ہو گیا یا میں نے تم کو رخصت کر دیا یا تم خالی ہو یا تم الگ ہو تو ان الفاظ کا حکم لاگو کرنے میں اس مرد کی نیت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ یہ الفاظ کنایات طلاق میں

سے ہیں، پس اگر اس نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ کوئی چیز واقع نہیں ہو گی۔ اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ صریح طلاق صرف لفظ طلاق سے یا لفظ طلاق کے مشتقات سے واقع ہوتی ہے جیسے انت طالق، انت مُطَلَّقَةٌ اور امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ طلاق صریح لفظ طلاق سے بھی واقع ہوتی ہے اور لفظ فراق سے بھی واقع ہوتی ہے جس کا معنی جدا ہونا ہے اور لفظ سراح سے بھی واقع ہوتی ہے جس کا معنی رخصت کرنا ہے کیونکہ یہ لفظ قرآن مجید میں مذکور ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ (الاحزاب:۲۸)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کردوں O

اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تم سے جدا ہو گیا یا میں نے تم سے خلع کرلیا یا میں نے تمہارا راستہ خالی کردیا یا کہا: میری تم پر کوئی ملکیت نہیں ہے تو اس سے مراد تین طلاقیں ہیں اور اگر اس نے کہا کہ تم خالی ہو یا تم مجھ سے بری ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ تین طلاقیں ہیں اور الحسن البصری کا بھی یہی قول ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مدخول بہا کے حق میں یہ تین طلاقیں ہیں۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور اگر بیوی غیر مدخول بہا ہو تو اس سے قسم لے کر پوچھا جائے گا کہ اس نے اس سے مراد ایک طلاق لی تھی یا تین طلاقیں لی تھیں؟

اور ثوری اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اس میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، پس اگر اس نے ان الفاظ سے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک طلاق واقع ہو گی اور اگر اس نے ان الفاظ سے دو طلاقوں کی نیت کی ہو، پھر بھی ایک طلاق واقع ہو گی اور ابوثور نے کہا: یہ طلاق رجعی ہے اور اس کے متعلق اس کی نیت کا سوال نہیں کیا جائے گا۔

اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ لفظ طلاق اور اس کے مشتقات سے طلاق صریح واقع ہوتی ہے۔

لیکن امام ابوعبید نے غریب الحدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت درج کی ہے کہ ایک مرد نے ان سے کہا کہ میری بیوی نے مجھ سے کہا: مجھے تشبیہ دو تو اس نے کہا: گویا کہ تم ہرنی ہو، عورت نے کہا: نہیں۔ مرد نے کہا: گویا کہ تم کبوتری ہو، عورت نے کہا: نہیں میں راضی نہیں ہوں گی حتیٰ کہ تم: کہو تم خالی ہو، تم مطلقہ ہو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرد سے کہا، تم اس عورت کا ہاتھ پکڑے رکھو وہ تمہاری بیوی ہے، امام ابوعبید نے کہا خَلِيَّةٌ مُطَلَّقَةٌ کا معنی ہے: ایسی اونٹنی جو بندھی ہوئی ہو، پھر اس کی رسی کھول کر اسے چھوڑ دیا جائے اور وہ کھلی ہوئی آزاد ہو تو کہا جاتا ہے: وہ خَلِيَّه ہے کیونکہ اس کو رسی سے خالی کردیا گیا اور اس کو طَالِقٌ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی رسی کھول دی گئی، پس مرد کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنی بیوی کو اس اونٹنی سے مشابہ کہے جس کی رسی کھول دی گئی ہو اور اس نے اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ اپنے سے جدا کرنے کا ارادہ کیا تھا بلکہ اس لفظ سے کسی اور لفظ کا ارادہ کیا تھا، اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرد کے اس قول سے طلاق کو ساقط کردیا۔ اور امام ابوعبید نے کہا کہ یہ قاعدہ ہے کہ ہر مرد جب ایسے الفاظ بولے جو الفاظ طلاق کا کنایہ ہوں اور وہ ان الفاظ سے بیوی کو جدا کرنے کا ارادہ نہ کرے بلکہ کسی اور معنی کا ارادہ کرے تو اس مرد سے قسم لے کر اس کی نیت معلوم کی جائے اور اس کی نیت کے اوپر حکم لگایا جائے گا۔

اور المحیط میں مذکور ہے: اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: انت طَالِقٌ اور کہا: میری مراد یہ ہے کہ تم قید سے کھلی ہوئی ہو تو قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے کہا: انت طالقٌ من وثاقٍ یعنی تم قید سے کھلی ہوئی ہو تو قضاءً بھی طلاق واقع نہیں ہو گی اور اگر اس نے یہ کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ تم عمل سے آزاد ہو تو دیانۃً اس کی تصدیق نہیں کی

جائے گی۔ اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کی دیانۃً تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے کہا: انت طالق من ھذا العمل یعنی تم اس کام میں بندھی ہوئی نہیں ہو آزاد ہو تو قضاءً اس میں توقف کیا جائے گا اور اگر اس نے کہا: انت طالق من ھذا القید یعنی تم اس قید سے کھلی ہوئی ہو تو پھر ان الفاظ سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ ۔(البقرہ:۲۲۹) دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جب کوئی مرد اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دے تو پھر تیسری طلاق دینے کے متعلق اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے، پس اس کے لیے جائز ہے کہ وہ دستور کے مطابق اپنی بیوی کو حسن معاشرت کے ساتھ روک لے یا اس کو عمدہ طریقہ سے رخصت کر دے اور اس پر کوئی ظلم نہ کرے اور اس کی کوئی حق تلفی نہ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۰-۳۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَتْ عَائِشَةُ قَدْ عَلِمَ النَّبِيُّ ﷺ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ بے شک نبی ﷺ کو خوب علم تھا کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدا ہونے کا حکم نہیں دیں گے۔

یہ تعلیق حدیث تخییر کی ایک طرف ہے جس کا تذکرہ سورۃ الاحزاب کی تفسیر کے اوائل میں ہو چکا ہے، دیکھیے: (صحیح البخاری: ۴۷۸۵)

۷۔ بَابُ: مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے

وَقَالَ الْحَسَنُ نِيَّتُهُ. (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۵۱) اور حسن بصری نے کہا اس میں اس کی نیت معتبر ہے۔

جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: "تم مجھ پر حرام ہو" تو اس قول کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حسن بصری نے یہ کہا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو اس قول سے طلاق کے وقوع میں اس کی نیت معتبر ہوگی۔

امام عبد الرزاق نے اس تعلیق کو از معمر اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب کسی مرد نے اس سے طلاق کی نیت کی تو وہ طلاق ہے ورنہ وہ قسم ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور یہی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اس کے موافق ابراہیم نخعی اور طاؤس کا قول ہے۔

التوضیح میں مذکور ہے: اس صورت کے متعلق چودہ (۱۴) مذاہب ہیں۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی مالکی نے اس صورت کے متعلق اٹھارہ (۱۸) اقوال نقل کیے ہیں اور دوسروں نے اس سے بھی زیادہ اقوال نقل کیے ہیں اور علامہ ابن بطال نے ان میں سے آٹھ اقوال نقل کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: یہ تین طلاقیں ہیں اور اس کے متعلق اس کی نیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا، یہ قول حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حسن بصری، حکم بن عتیبہ، ابن ابی لیلیٰ اور امام مالک سے منقول ہے، اور امام مالک کے اکثر اصحاب سے یہ منقول ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر حرام ہو تو یہ تین طلاقیں ہیں سوا اس صورت کے کہ وہ کہے کہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی ہے۔ اور عبد العزیز بن ابی سلمہ نے کہا: یہ ایک

طلاق ہے سوا اس صورت کے کہ وہ کہے: میں نے اس سے تین طلاقوں کا ارادہ کیا تھا اور عبد الملک نے کہا: اس سے اس کی نیت کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور یہ ہر حال میں تین طلاقیں ہیں۔

(۲) سفیان نے کہا: اگر اس نے اس قول سے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو یہ تین طلاقیں ہیں اور اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو یہ ایک طلاق بائن ہے اور اگر اس نے اس قول سے قسم کی نیت کی ہو تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا اور اگر اس نے اس قول سے علیحدگی کی نیت کی ہو تو یہ قسم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا اور اگر اس نے اس قول سے علیحدگی کی نیت کی، نہ قسم کی نیت کی تو اس کا یہ قول جھوٹ ہے۔

(۳) امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول بھی سفیان کے قول کی مثل ہے لیکن انہوں نے یہ کہا کہ اگر اس نے اس قول سے دو طلاقوں کی نیت کی تو اس سے ایک طلاق واقع ہو گی اور اگر اس نے کسی طلاق کی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے۔

(۴) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی تو یہ طلاق ہے اور اگر اس نے طلاق کی نیت نہیں کی تو یہ قسم ہے جس کا کفارہ اس پر لازم ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے اور یہی ابراہیم النخعی اور طاؤس کا قول ہے۔

(۵) امام شافعی نے کہا: اگر مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر حرام ہو جب تک وہ اس قول سے طلاق کی نیت نہ کرے تو طلاق نہیں ہو گی، پھر اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت کے موافق طلاق ہو گی اور اگر اس نے کہا کہ میں نے اس سے تحریم کی نیت کی تھی تو یہ قسم ہے اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے تو اس پر کفارہ ظہار لازم ہے اور یہی ابوقلابہ اور سعید بن جبیر کا قول ہے اور یہی امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول پر درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۔ (التحریم:۱) اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس قسم پر سب سے غلیظ کفارہ قسم لازم ہو گا اور وہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ (میں کہتا ہوں: چونکہ ہمارے زمانہ میں غلامی کا رواج نہیں ہے اس لیے وہ تین دن کے روزے رکھے یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے یا انہیں دو وقت کا کھانا کھلائے۔ سعیدی غفرلہ)

(۷) مرد کا یہ قول اس کی بیوی کو حرام قرار دیتا ہے اور یہ قسم ہے اور اس پر کفارہ قسم لازم ہے جس کا وہ کفارہ دے گا۔ یہ قول حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، عطاء، طاؤس اور ایک جماعت کا قول ہے اور الاوزاعی اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے، اور ابوثور کی دلیل یہ ہے کہ حرام کا لفظ طلاق کے الفاظ سے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۔ (التحریم:۱) اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر اپنی کنیز حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس قول سے طلاق واجب

نہیں فرمائی۔

(۸) مرد کا اپنی بیوی کو حرام کہنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنے اوپر پانی کو حرام کہہ دے اور اس میں کوئی کفارہ ہے نہ طلاق، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (المائدہ:۸۷) (اے ایمان والو!) تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔

الشعبی، مسروق، ابوسلمہ کا یہی قول ہے۔ مسروق نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں اپنی بیوی کو حرام کہوں یا ثرید (شوربہ میں بھگوئی ہوئی روٹی) کو حرام کہوں اور الشعبی نے کہا کہ بیوی کو یہ کہنا کہ تم مجھ پر حرام ہو جوتی کو حرام کہنے سے زیادہ آسان ہے اور ابوسلمہ نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں بیوی کو حرام کہوں یا دریائے فرات کو حرام کہوں، یہ قول شاذ ہے۔ اور امام بخاری نے اس کے موافق باب کا عنوان قائم کیا ہے۔

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے: جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر حرام ہو تو یہ تین طلاقیں ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے، سو جب تین طلاقوں سے بیوی حرام ہو جاتی ہے تو بیوی کو حرام کہنے سے بھی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (میں کہتا ہوں: یہ ابن حزم ظاہری کا قیاس معکوس ہے حالانکہ وہ مردود قیاس کا منکر ہے اسی لیے اس کو ظاہری کہا جاتا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور اسی دلیل کی طرف امام بخاری نے حضرت رفاعہ کی حدیث میں اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی، پھر ان کے لیے ان کی بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہوئی جب تک کہ ان کی بیوی نے دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر لیا اور تین طلاقیں دینے سے ان کا اپنی بیوی کی طرف رجوع کرنا حرام ہو گیا، سو اسی طرح جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو یہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں۔

اور امام طحاوی نے یہ کہا ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو یہ ظہار ہے اور اس پر کفارہ ظہار اپنی ترتیب سے لازم ہے، وہ غلام کو آزاد کرے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ ظہار نہیں ہے خواہ اس نے اس کا ارادہ کیا ہو بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرد نے اس قول سے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو یہ تین طلاقیں ہیں اور اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی ہے تو یہ ایک طلاق بائن ہے اور اگر اس نے قسم کی نیت کی ہے تو یہ قسم ہے جس پر کفارہ قسم لازم ہے اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی ہے تو یہ محض جھوٹ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۱۔ ۳۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(میں کہتا ہوں: علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ کی یہ پوری عبارت شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۳۲۔ ۳۳۰ پر مذکور ہے۔ سعیدی غفرلہ)

ہمارے زمانہ میں مرد کے اس قول کے متعلق فتویٰ

میں کہتا ہوں: علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں فتویٰ یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر حرام ہو تو اس قول سے اس کی بیوی پر اس کی نیت کے بغیر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اس پر اس کی بیوی بغیر نیت کے حرام ہو جائے گی۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۵ ص ۶۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

وَقَالَ أَهْلُ الْعِلْمِ إِذَا طَلَّقَ ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ فَسَمَّوْهُ حَرَامًا بِالطَّلَاقِ وَالْفِرَاقِ وَلَيْسَ هَذَا كَالَّذِي يُحَرِّمُ الطَّعَامَ لِأَنَّهُ لَا يُقَالُ لِطَعَامِ الْحِلِّ حَرَامٌ وَيُقَالُ لِلْمُطَلَّقَةِ حَرَامٌ وَقَالَ فِي الطَّلَاقِ ثَلَاثًا لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔

اور اہل علم نے کہا: جب مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو اس پر اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے اور انہوں نے اس کا نام حرام بِالطَّلَاقِ وَالْفِرَاقِ لکھا ہے اور یہ اس طرح نہیں ہے جیسے کوئی شخص طعام کو حرام قرار دیتا ہے کیونکہ حلال طعام کو حرام نہیں کہا جاتا اور مطلقہ کو حرام کہا جاتا ہے اور تین طلاقوں کے بعد حکم یہ ہے کہ اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے۔

امام بخاری کی تعلیق مذکور کا خلاصہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کہ امام بخاری نے اس باب کا عنوان یہ قائم کیا ''جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر حرام ہو'' اور اس کا جواب ذکر نہیں کیا تو انہوں نے اس تعلیق میں اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اہل علم نے کہا ہے کہ اس قول سے اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور انہوں نے اس کا نام حرام بالطلاق رکھا ہے اور اس کا یہ قول اس طرح نہیں ہے جیسے کوئی شخص اپنے طعام کو حرام کرتا ہے کیونکہ حلال طعام کو حرام نہیں کہا جاتا اور مطلقہ کو حرام کہا جاتا ہے اور تین طلاقوں کے متعلق فرمایا ہے کہ مرد کی بیوی اس پر حلال نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اس قول سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جنہوں نے کہا کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو اور جس نے کہا کہ یہ طعام مجھ پر حرام ہے تو ان دونوں قولوں میں کوئی فرق نہیں ہے حتیٰ کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں آئے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: مرد کے اس قول سے اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی خواہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو جیسا کہ ہم ابھی علامہ شامی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔

۵۲۶۴۔ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا سُئِلَ عَمَّنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا قَالَ لَوْ طَلَّقْتَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَنِي بِهَذَا فَإِنْ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا حَرُمَتْ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ

(صحیح البخاری: ۴۹۰۸، صحیح مسلم: ۳۶۵۳، مسند احمد: ۶۰۶۱)

اور اللیث نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو انہوں نے کہا: کاش! تم ایک مرتبہ طلاق دیتے یا دو مرتبہ طلاق دیتے کیونکہ نبی ﷺ نے مجھے اسی کا حکم دیا ہے، پس اگر تم نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دی تو وہ تم پر حرام ہو گئی حتیٰ کہ وہ تمہارے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے۔ (مسلم: ۱۴۷۱)

اس پر دلیل کہ تین طلاقوں کے بعد بغیر شرعی حلالہ کے رجوع کرنا جائز نہیں

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق کو اپنی سابق تعلیق کی تائید میں ذکر کیا ہے جس کو انہوں نے شروع میں یہ کہہ کر ذکر کیا ہے: اور اہل علم نے کہا: جب مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو اس پر اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ الی آخرہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش! تم ایک بار طلاق دیتے یا دو بار طلاق دیتے، پھر اس کا جواب ذکر نہیں کیا۔

علامہ کرمانی نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ "تو بہتر تھا" اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ "پھر تم رجوع کر سکتے تھے"۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے وہی جواب لکھا ہے جو علامہ کرمانی نے لکھا تھا، پھر اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ حافظ ابن حجر نے علامہ کرمانی کے جواب کو رد کیا گویا کہ انہوں نے خود اپنے جواب کو رد کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۲۔۳۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کے اس اعتراض کو انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۰۲ میں تحریر کیا ہے لیکن اس کا جواب نہیں لکھا، گویا وہ لاجواب ہو گئے۔ (سعیدی غفرلہ) نیز علامہ ابو العباس البوصیری المتوفی ۸۴۰ھ نے بھی لکھا ہے: میں نے حافظ ابن حجر اور علامہ کرمانی کی عبارات کو بہ غور پڑھا اور ان میں کوئی فرق نہیں تھا، حاشیہ۔

(انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۰۲، مکتبۃ الرشد، ۱۴۱۸ھ)

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ "اگر تم ایک بار طلاق دیتے یا دو بار طلاق دیتے تو تمہیں حیض گزرنے کے بعد رجوع کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور جب تم نے تین طلاقیں دے دیں تو پھر تمہارا مرضی سے رجوع کرنے کا حق فوت ہو گیا الایہ کہ وہ عدت گزرنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرے، پھر وہ اپنی بغیر کسی پیشگی شرط کہ اسے طلاق دے دے تو پھر تم اس سے نکاح کر سکتے ہو"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۲۔۳۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۶۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ فَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ فَطَلَّقَهَا وَكَانَتْ مَعَهُ مِثْلُ الْهُدْبَةِ فَلَمْ تَصِلْ مِنْهُ إِلَى شَيْءٍ تُرِيدُهُ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ طَلَّقَهَا فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ زَوْجِي طَلَّقَنِي وَإِنِّي تَزَوَّجْتُ زَوْجًا غَيْرَهُ فَدَخَلَ بِي وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ إِلَّا مِثْلُ الْهُدْبَةِ فَلَمْ يَقْرَبْنِي إِلَّا هَنَةً وَاحِدَةً لَمْ يَصِلْ مِنِّي إِلَى شَيْءٍ فَأَحِلُّ لِزَوْجِي الْأَوَّلِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَحِلِّينَ لِزَوْجِكِ الْأَوَّلِ حَتَّى يَذُوقَ الْآخَرُ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروۃ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر اس نے پہلے شوہر کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کر لیا، پھر اس دوسرے شوہر نے اس کو طلاق دے دی اور اس دوسرے شوہر کے پاس تو کپڑے کے پلو کی مثل تھا، اس مرد سے اس کی وہ خواہش پوری نہیں ہوئی جو وہ چاہتی تھی پس وہ چند دن ٹھہری یہاں تک کہ اس دوسرے شوہر نے اسے طلاق دے دی، پھر وہ نبی ﷺ کے پاس آ کر یہ کہنے لگی: یا رسول اللہ! بے شک میرے شوہر نے مجھ کو طلاق دے دی تھی اور میں نے اس کے علاوہ دوسرے مرد سے نکاح کر لیا، سو اس نے میرے ساتھ دخول کیا اور اس کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کی مثل تھا، اس نے

(صحیح البخاری: ۵۳۱۷، ۵۷۹۲، ۵۸۲۵، ۶۰۸۴، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی: ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۲، مسند احمد: ۲۳۵۷۸، سنن داری: ۲۲۶۷)

صرف ایک مرتبہ میرے ساتھ مباشرت کی اور اس کی کوئی چیز مجھ تک نہیں پہنچی، کیا اب میں اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس وقت تک اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو حتیٰ کہ دوسرا وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور تم اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لو۔

حدیث عسیلہ کے متعلق مشہور غیر مقلد شیخ صدیق حسن بھوپالی کا نظریہ

شیخ صدیق بن حسن بھوپالی (غیر مقلد) المتوفی ۱۳۰۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام اور فقہاء تابعین وغیرہم کا اس حدیث کے موافق عمل ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور دوسرا مرد اس سے جماع نہ کر لے۔

یہ حدیث باب کے اس طرح موافق ہے کہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ''بے شک میرے شوہر نے مجھے طلاق البتہ دی'' (صحیح البخاری: ۵۲۶۰) طلاق البتہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو تین اکٹھی طلاقیں دی ہوں یا تین متفرق طلاقیں دی ہوں۔

ایک جماعت (غیر مقلدین) نے کہا ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دیں تو اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور یہ محمد بن اسحاق ''صاحب المغازی'' کا قول ہے اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں، پھر وہ اس پر سخت غمگین ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو کس طرح طلاق دی تھی؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے اس کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں، آپ نے فرمایا: یہ صرف ایک طلاق ہے تم اس طلاق سے رجوع کر لو۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اس حدیث کی امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے بھی روایت کی ہے اور محمد بن اسحاق کی سند سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق انیق

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶) کی امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے بھی روایت کی ہے اور محمد بن اسحاق کی سند سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہ حدیث اس مسئلہ میں ایسی صریح ہے جو اس تاویل کو قبول نہیں کرتی جو دوسری روایات میں ہو سکتی ہے اور علماء نے اس حدیث کے چار جواز ذکر کیے ہیں:

(۱) محمد بن اسحاق اور اس کے شیخ میں اختلاف ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کئی احکام میں اس کی روایت سے استدلال کیا گیا ہے اور ہر وہ حدیث جس کی سند میں اختلاف ہو وہ مردود نہیں ہوتی۔

(۲) یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے خلاف ہے جس کی مجاہد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث روایت کر رہے ہیں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دے رہے ہیں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ راوی کی روایت کا اعتبار ہوتا ہے اس کی رائے کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس روایت کو بھول گیا ہو اور ایک مجتہد کا قول دوسرے مجتہد پر حجت نہیں ہوتا۔

(۳) امام ابوداؤد نے اس کو ترجیح دی ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اور یہ بہت قوی دلیل ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض راویوں نے طلاق البتہ کو تین طلاقوں پر محمول کر کے یہ کہا ہو کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں اور اس نکتہ کی بناء پر (سنن ابوداؤد:۲۱۹۶) سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔

(۴) (تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا) شاذ مذہب ہے، لہٰذا اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ مذہب، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت الزبیر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور عطاء، طاؤس اور عمرو بن دینار سے بھی یہی مذہب مروی ہے۔ اور علامہ ابن التین پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں تین طلاقوں کے لازم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابن اسحاق کی حدیث مذکور کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام مسلم نے از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر لوگوں نے اس کام میں عجلت کی جس میں ان کے لیے مہلت اور تاخیر تھی، پس کیوں نہ ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ نیز امام مسلم نے امام عبدالرزاق کی سند سے از طاؤس یہ روایت کی ہے کہ ابو الصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے عہد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا تو انہوں نے کہا: جی ہاں! اور حماد بن زید نے از طاؤس روایت کی ہے کہ ابو الصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی تھی؟ تو انہوں نے کہا: ہاں! ہوتی تھی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں طلاقوں کو نافذ کر دیا اور اس سند کے ساتھ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا ہے وہ اس عورت کے متعلق کہا ہے جو غیر مدخولہ ہو اور یہ ان جوابوں میں سے ایک ہے جو اس حدیث کا جواب دیا گیا ہے اور یہی امام اسحاق بن راہویہ اور ایک جماعت کا جواب ہے اور علامہ زکریا الساجی شافعی نے بھی اسی جواب کو وثوق سے لکھا ہے اور انہوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ غیر مدخول بہا سے جب اس کے شوہر نے کہا: تم کو طلاق ہے، پھر جب اس کے بعد اس نے تین طلاقیں دیں تو وہ تین طلاقیں لغو ہو جائیں گی کیونکہ پہلی طلاق سے اس کی بیوی بائن ہو جائے گی اور بعد کی طلاقیں نہیں پڑیں گی۔

امام بیہقی نے کہا ہے کہ طاؤس کی روایت شاذ ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ تین طلاقیں لازم ہیں۔

علامہ ابن المنذر نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث روایت کریں اور پھر اسی روایت کے خلاف فتویٰ دیں۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ (سنن ابوداؤد:۲۱۹۶) کی صحت میں اختلاف ہے، سو اس کو اجماع کے اوپر کیسے مقدم کیا جا سکتا ہے، انہوں نے کہا: سنن ابوداود کی روایت کے معارض یہ حدیث ہے جس کو امام نسائی نے محمود بن لبید سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسترد نہیں کیا بلکہ ان کو نافذ کر دیا۔

امام بیہقی نے امام شافعی سے یہ نقل کیا ہے کہ مشابہ بالحق بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک چیز کا علم تھا، پھر وہ چیز منسوخ ہو گئی، امام بیہقی نے کہا: اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے جس کی امام ابوداؤد نے از یزید نحوی از عکرمہ از حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ ایک مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا، پھر وہ اس طلاق سے رجوع کرنے کا حق رکھتا تھا خواہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ علامہ المازری المالکی نے نسخ کے دعوے کا انکار کیا ہے، پس کہا کہ بعض علماء کا یہ زعم ہے کہ یہ حکم (یعنی تین طلاقوں کو ایک طلاق دینے کا حکم) منسوخ ہو چکا ہے اور یہ غلط ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی حکم کو منسوخ نہیں کر سکتے اور اگر وہ اس حکم کو منسوخ کرتے حالانکہ وہ اس سے بری ہیں تو ضرور تمام صحابہ اس کا انکار کرتے اور اگر اس قائل کا یہ ارادہ ہے کہ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منسوخ ہو گیا تھا تو اس کی گنجائش ہے لیکن یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر راوی کے لیے یہ کہنا جائز نہیں تھا کہ یہ حکم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک باقی تھا۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ کبھی صحابہ کسی حکم کے منسوخ ہونے پر اجماع کر لیتے ہیں اور ان کا یہ اجماع قبول کیا جاتا ہے تو ہم کہیں گے کہ ان کا وہ اجماع اس لیے قبول کیا جاتا ہے کیونکہ ان کے اجماع سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اس حکم کا کوئی ناسخ موجود تھا ار رہا یہ کہ وہ از خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو منسوخ کر دیں، سو معاذ اللہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے ایک خطاء پر اجماع کر لیا اور صحابہ خطاء پر مجتمع ہونے سے معصوم ہیں۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ناسخ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ظاہر ہوا ہو تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خطاء پر اجماع ہو گیا تھا۔

دیگر علماء کی طرف سے سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶، کے جوابات

(۱) جن علماء نے سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶ کے حکم کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو منسوخ کیا تھا حتیٰ کہ ان کے اوپر وہ اعتراضات لازم آئیں جن کا ذکر کیا گیا تھا بلکہ امام شافعی نے تو یہ کہا ہے کہ حق کے مشابہ بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کو ایک حکم کا علم تھا، پھر وہ حکم منسوخ ہو گیا یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حکم کے ناسخ پر مطلع ہو گئے جس حکم کی انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی تھی، لہٰذا انہوں نے اس حکم کے خلاف فتویٰ دیا اور بے شک علامہ المازری المالکی نے بھی اپنے کلام میں یہ تسلیم کیا ہے کہ صحابہ کرام کا تین طلاقوں کے نفوذ پر اجماع اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حکم کا کوئی ناسخ موجود تھا اور جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶ سے ثابت حکم منسوخ ہو گیا ہے اس کی بھی یہی مراد ہے۔

(۲) سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶ ایک خاص صورت پر محمول ہے اور وہ یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسلمان اپنی بیویوں کو تین طلاقیں دیتے تھے۔ انت طالق، انت طالق، انت طالق۔ اور وہ ایک بار انت طالق کہنے کے بعد دو بار انت طالق تاکید کے ارادے سے کہتے تھے: پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمان بہت زیادہ ہو گئے اور ان میں فریب کاری اور دھوکہ دہی بہت زیادہ ہو گئی تو پھر ان کی تاکید کے ارادے کا دعویٰ مردود ہو گیا اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سد باب کے لیے تین بار دی ہوئی طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دے دیا تاکہ کوئی تاکید کی نیت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے، علامہ قرطبی مالکی نے اس جواب کو بہت پسند کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تقویت کی ہے کہ جس کام میں لوگوں کے لیے تاخیر اور مہلت تھی وہ اس کام میں جلدی کرنے لگے، علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ تمام جوابات میں یہ جواب صحیح ترین ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا اس کا محمل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمان ایک طلاق دیتے تھے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو لوگ تین طلاقیں دینے لگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تین طلاقیں دیتے تھے اور اس سے پہلے ایک طلاق دیتے تھے کیونکہ وہ تین

طلاقیں بالکل نہیں دیتے تھے یا بہت کم تین طلاقیں دیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقوں کا بہ کثرت استعمال ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی دی ہوئی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ علامہ ابن عربی مالکی نے اس تاویل کو ترجیح دی ہے اور اس تاویل کی امام ابوزرعہ الرازی کی طرف نسبت کی ہے، اسی طرح امام بیہقی نے اس کی سند صحیح کے ساتھ ابوزرعہ سے روایت کی ہے۔

(۴) علامہ القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ نے کہا ہے کہ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک مجلس میں لفظ واحد سے تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو اس کی بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور مجموعی طور پر تین طلاقیں دینے میں اور متفرق طور پر تین طلاقیں دینے میں کوئی فرق نہیں ہے لغۃً نہ شرعاً، مثلاً اگر لڑکی کا ولی تین مردوں سے یہ کہے کہ میں نے اپنی تین بیٹیوں کا نکاح تم تین مردوں سے کر دیا یا یوں کہے کہ میں نے اس بیٹی کا نکاح تم سے کر دیا اور میں نے اس بیٹی کا نکاح تم سے کر دیا اور میں نے اس بیٹی کا نکاح تم سے کر دیا تو دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا اس کی ان تین بیٹیوں کا نکاح ان تین مردوں سے ہو جائے گا یا وہ کہے کہ میں نے اپنے تین غلاموں کو آزاد کر دیا یا کہے: میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس غلام کو آزاد کر دیا تو دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہر صورت میں تین غلام آزاد ہو جائیں گے۔ اسی طرح کوئی شخص تین مردوں کے سامنے اقرار کرے کہ میں نے تم تینوں کے ایک ایک ہزار روپے دینے ہیں یا کہے کہ میں نے اس مرد کے ایک ہزار روپے دینے ہیں اور اس مرد کے ایک ہزار روپے دینے ہیں اور اس مرد کے ایک ہزار روپے دینے ہیں تو ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہر صورت میں اس کے اقرار سے اس پر ہر ایک کے لیے ایک ایک ہزار روپیہ دینا لازم ہوگا، اس سے واضح ہو گیا کہ لغت اور شرع میں مجموعی طور پر تین کا ذکر کرنے میں اور متفرق طور پر تین کا ذکر کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (میں کہتا ہوں: عرف میں بھی اسی طرح ہے مثلاً کوئی شخص کسی کو پچاس روپے کا ایک نوٹ دے دے یا دس دس کے پانچ نوٹ دے دے تو ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ دس دس کے پانچ نوٹ دیئے جائیں تب تو یہ پچاس روپے ہیں اور پچاس کا ایک نوٹ دیا جائے تو پھر یہ صرف دس روپے ہیں پچاس روپے نہیں ہیں تو لوگ اس کو فاتر العقل اور مجنون قرار دیں گے۔ اسی طرح اگر یوں کہا جائے کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں یا تین بار کہا جائے: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہر صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی اور جو یہ کہے کہ اگر مجموعی طور پر لفظ واحد سے اس نے تین طلاقیں دیں تو ایک طلاق واقع ہو گی اور اگر اس نے الگ الگ مجلسوں میں تین طلاقیں دیں تو پھر تین طلاقیں واقع ہوں گی تو وہ شخص بھی اسی طرح فاتر العقل اور مجنون ہے لغت، شرع اور عرف میں اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ (سعیدی غفرلہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶ کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث کہ پہلے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا اور حضرت عمر نے ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دے دیا، اس کی نظیر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں متعہ کیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہم کو متعہ کرنے سے منع کر دیا تو ہم رک گئے، پس ان دونوں حدیثوں کا راجح محمل یہ ہے کہ متعہ حرام ہے۔

اس طرح لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقیں بھی نافذ ہو جاتی ہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس پر تمام صحابہ اور تابعین کا اجماع ہو گیا اور یہ محفوظ نہیں ہے کہ کسی ایک بھی صحابی اور تابعی نے ان دونوں مسئلوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہو

اور تمام صحابہ اور تابعین کا اجماع اس پر دلیل ہے کہ متعہ کے جواز کا ناسخ تھا اور اس طرح تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کا بھی ناسخ تھا اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے پہلے یہ ناسخ بعض مسلمانوں سے مخفی رہا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام صحابہ اور تابعین کا اس پر اجماع ہو گیا کہ متعہ کا جواز بھی منسوخ ہو چکا ہے اور لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا بھی منسوخ ہو چکا ہے اور جو شخص اس اجماع کے بعد اس حکم کی مخالفت کرے گا اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ اس آیت کا مصداق ہے:

وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾ (النساء: ۱۱۵)

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے، اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے O

اور جن بعض غیر مقلدین نے اس اجماع کی مخالفت کی ہے اور وہ اب بھی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں تو جمہور نے ان کی اس مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔ میں نے اس مسئلہ کی اس لیے چھان بین اور تحقیق کی ہے کہ بعض علماء نے مجھ سے اس کی درخواست کی تھی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۴۳۔ ۴۴۰، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی تحقیق پر مصنف کا تبصرہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے دوسرے علماء کے آٹھ (۸) جوابات لکھے ہیں جن میں سے ہم نے چار کا ذکر کیا ہے اور باقی چار کو اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا ہے، پھر اس کے بعد انہوں نے آخری جواب ذکر کیا ہے اور ان کے جواب کی خوبی اور اس کی عمدگی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر عسقلانی پر اپنی بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے انہوں نے اس مسئلہ کو واضح تر کر دیا اور آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا کہ لفظ واحد سے دی ہوئی تین طلاقیں، تین طلاقیں ہی ہوتی ہیں ایک طلاق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ غیر مقلدین کو سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے ا مین

تاہم میں یہ کہتا ہوں: یہ تمام تقریر اس تقدیر پر ہے کہ صحیح مسلم میں مذکور از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو صحیح مان لیا جائے لیکن جیسا کہ میں پہلے دلائل سے واضح کر چکا ہوں کہ یہ حدیث شاذ اور معلل ہے اور صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس کے شاگردوں میں سے صرف طاؤس نے اس کی روایت کی ہے اور حضرت ابن عباس کے دیگر شاگردوں نے اس حدیث کے خلاف روایت کی ہے بلکہ خود طاؤس کی روایت بھی اس حدیث کے خلاف ہے جیسا کہ ہم شروع میں باحوالہ دلائل کے ساتھ اس کو بیان کر چکے ہیں، لہٰذا غیر مقلدین کا اس حدیث سے یہ استدلال قطعاً باطل اور مردود ہے کہ لفظ واحد سے دی ہوئی مجلس واحد میں تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غیر مقلدین کو ہدایت عطا فرمائے اور وہ حرام کو حلال کرنے سے باز آ جائیں اور اپنے باطل فتویٰ سے لوگوں کو گمراہ اور جمہور کے موقف سے بدگمان نہ کریں ا مین

۸۔ بَابٌ: يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: (اے نبی مکرم!) آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے

٥٢٦٦ـ حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ سَمِعَ الرَّبِيعَ بْنَ نَافِعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِذَا حَرَّمَ امْرَأَتَهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَقَالَ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا﴾

(الاحزاب:٢١)

(صحیح مسلم:١٤٧٣، سنن ابن ماجہ:٢٠٧٣، مسند احمد:١٩٧٧)

امام بخاری روایت کرتے ہیں، مجھے الحسن بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: انہوں نے الربیع بن نافع سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی کثیر از یعلیٰ بن حکیم از سعید بن جبیر، بے شک انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر دے تو یہ کچھ نہیں ہے اور انہوں نے یہ آیت پڑھی: بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو ۝ (الاحزاب:٢١)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال

(١) الحسن بن صباح البزار: یہ بغداد میں آکر مقیم ہو گئے تھے، جمہور نے ان کی توثیق کی ہے، امام نسائی نے ان کو قدرے ضعیف قرار دیا ہے، اس حدیث کے علاوہ بھی امام بخاری نے ان سے احادیث روایت کی ہیں لیکن بہت زیادہ احادیث روایت نہیں کیں، بائیس ربیع الثانی دوسوانچاس ہجری (٢٤٩ھ) پیر کے دن ان کی وفات ہوگئی تھی۔ ان کے ہم نام امام بخاری کے ایک اور شیخ ہیں جن کو حسن بن الصباح الزعفرانی کہا جاتا ہے اور وہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں یعنی حسن بن محمد بن الصباح، ان ہی سے امام بخاری نے اس باب میں دوسری حدیث روایت کی ہے۔ اور امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے بھی ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

(٢) الربیع بن نافع الحلبی ابوثوبہ: یہ طرسوس میں رہائش پذیر تھے۔

(٣) معاویہ بن سلام (٤) یحییٰ بن ابی کثیر اور (٥) یعلیٰ بن حکیم اور (٦) سعید بن جبیر یہ تمام تابعین ہیں اور ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٣٤٣، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حدیث مذکور کے معانی

جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر دے: یعنی جب کوئی مرد اپنی بیوی سے یہ کہے: تم مجھ پر حرام ہو۔

تو یہ کچھ نہیں ہے: یعنی مرد کے اس قول کے اوپر کوئی شرعی حکم مترتب نہیں ہوتا۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے: اس آیت میں أُسْوَةٌ حسنة کا لفظ ہے، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: الاسوۃ کا معنی ہے: اَلْقُدْوَۃ یعنی پیشوا۔ اور لغت کی کتاب المغرب میں مذکور ہے کہ اسوہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کی اقتداء اور اتباع کی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول سے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کی خاطر ان کو اپنے نفس پر حرام کر لیا تھا اور یہ تحریم طلاق نہیں تھی، سو اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو اس سے طلاق نہیں ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٣٤٣، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

۵۲۶۷۔ حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ زَعَمَ عَطَاءٌ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَيَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلًا فَتَوَاصَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ أَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَلْتَقُلْ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ فَدَخَلَ عَلَى إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ فَقَالَ لَا بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَلَنْ أَعُودَ لَهُ فَنَزَلَتْ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ إِلَى إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ لِقَوْلِهِ بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۶۸، ۵۴۳۱، ۵۵۹۹، ۵۶۱۴، ۵۶۸۲، ۶۶۹۱، ۶۹۷۲، مسلم: ۱۴۷۴، سنن نسائی: ۲۷۹۵، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۴، مسند احمد: ۲۵۳۲۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے حسن بن محمد بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا کہ عطاء کا یہ زعم ہے کہ انہوں نے عبید بن عمیر سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرتے تھے اور ان کے پاس شہد پیتے تھے، سو میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی نبی ﷺ تشریف لائیں تو وہ یہ کہے: مجھے آپ سے مغافیر (کیکر کے درخت کا گوند جس کی بو نا گوار ہوتی ہے) کی بو آتی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ پھر نبی ﷺ ان ازواج میں سے کسی ایک کے پاس گئے تو انہوں نے اسی طرح کہا: آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے تو زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں آئندہ اس کو کبھی نہیں پیوں گا، تب یہ آیت نازل ہوگئی: اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے (یہ آیت یہاں تک ہے) اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو یہ اچھا ہے۔ (التحریم: ۴۔۱) یہ آیت حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے متعلق ہے۔ اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی (التحریم: ۳) کیونکہ آپ نے فرمایا: بلکہ میں نے شہد پیا ہے۔

حدیث مذکور کے رجال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

(۱) حسن بن محمد بن صباح: یہ الزعفرانی ہیں اور حدیث سابق کی شرح میں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۲) حجاج: یہ ابن محمد الاعور ہیں (۳) ابن جریج: یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں (۴) عطاء: یہ ابن ابی رباح ہیں۔ اہل حجاز ان کا نام مطلقاً ذکر کرتے ہیں اور ہشام بن یوسف کی روایت ہے: از ابن جریج از عطاء (۵) عبید بن عمیر: یہ ابو عاصم اللیثی المکی ہیں، ابن جریج، عطاء اور عبید یہ تینوں مسلسل مکی راوی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی، علامہ عینی کا حافظ ابن حجر سے مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

فَتَوَاصَيْتُ: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ المواصاۃ سے ماخوذ ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ غلط ہے بلکہ یہ لفظ اَلتَّوَاصِی (باب تفاعل) سے ماخوذ ہے اور جو شخص باب تفاعل اور باب مفاعلہ میں فرق نہیں کر سکتا وہ کیسے صحیح البخاری کی شرح لکھنے کے لیے میدان میں اتر آیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۴۰۳ میں علامہ عینی کا یہ اعتراض لکھا ہے مگر اس کا کوئی جواب نہیں لکھا، گویا کہ حافظ ابن حجر لاجواب ہو گئے۔

میں کہتا ہوں: باب المفاعلہ کا خاصہ ہے کہ ہر ایک فعل میں مشترک ہو، اس تقدیر پر المواصاۃ کا معنی ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا، یہ حافظ ابن حجر کی شرح ہے۔ نیز اگر یہ لفظ باب مفاعلہ سے ہوتا اور المواصاۃ ہوتا تو پھر یہ صیغہ وَاصَیْتُ ہوتا جب کہ حدیث میں یہ لفظ تواصیت ہے جو کہ باب تفاعل سے ماخوذ ہے اور باب تفاعل کا خاصہ ہے کہ دو فریق فعل میں مشترک ہوں اور اس تقدیر پر تواصیت کا معنی ہوگا کہ میں نے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں نے یہ مشورہ کیا اور یہ علامہ عینی حنفی کی شرح ہے اور یہی صحیح ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز حافظ ابن حجر لفظ فتواطیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہشام کی روایت میں ہے: فتواطیت طاء کے ساتھ ہے اور یہ المواطاۃ سے ماخوذ ہے، اس کے آخر میں ہمزہ ہے جس میں تسہیل کی گئی ہے اور وہ یاء ہو گیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۶)

(علامہ عینی لکھتے ہیں:) یہ بھی غلط ہے بلکہ یہ لفظ التواطؤ سے ماخوذ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۴)

میں کہتا ہوں: التواطؤ کا معنی موافقت ہے یعنی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں نے اس مشورہ میں موافقت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جائے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اگر یہ لفظ المواطاۃ سے ماخوذ ہوتا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے تو اول تو یہ لفظ وَاطَیْتُ ہوتا جب کہ حدیث میں یہ لفظ تَوَاطَیْتُ مذکور ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ باب تفاعل سے ہو، اس لیے علامہ عینی نے جو لکھا ہے وہی صحیح ہے۔ صیغہ کی تحقیق میں علامہ عینی نے اس شرح میں متعدد مقامات پر حافظ ابن حجر کی غلطی نکالی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر چند کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کو علم حدیث اور علم رجال میں بہت عبور تھا اور ان کا بہت وسیع مطالعہ تھا اور وہ بہت متبحر محدث تھے لیکن بہر حال وہ علم صرف میں ماہر نہیں تھے اور اس میدان میں علامہ عینی کا پلہ ہمیشہ ان سے بھاری رہا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر نے علامہ عینی کے اس اعتراض کو انتقاض الاعتراض میں نقل بھی نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

اَیَّ اَیَّتُنَا: یعنی ہم میں سے جس کے پاس بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ایک روایت ہے: اَیَّ اُوْتِیْنَا: علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ روایت میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

مَغَافِیْر: صحیح البخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے اور صحیح مسلم کے بعض نسخوں میں یہ لفظ ''مَغَافِرْ'' مذکور ہے۔ علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے: المغفور میٹھا گوند ہے جس کی بو نا گوار ہوتی ہے اور یہ اس درخت سے لگتا ہے جس کے پتوں کو اونٹ کھاتے ہیں: اس کے پتے کڑوے ہوتے ہیں اور اس کے گوند میں مٹھاس ہوتی ہے۔ ابو زید الانصاری نے کہا ہے: یہ گوند بیری اور کیلے کے درختوں پر لگتا ہے۔ (میرا گمان یہ ہے کہ یہ گوند کیکر کے درخت پر لگتا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے تو زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں آئندہ اس کو کبھی نہیں پیوں گا، تب (التحریم: ۴-۱) نازل ہوئیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۵-۳۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

التحریم: ۱، کی متعدد تفاسیر

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المصری المتوفی ۳۲۱ھ نے التحریم: ۱ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دوبارہ شہد نہیں پیوں گا اور قسم کا ذکر نہیں فرمایا، پس آپ کا یہ قول ہی کفارہ کا موجب ہے مگر یہ کہ یہاں ہر قسم کا لفظ مقدر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ (التحریم: ۲)　(اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے۔

سو یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے شہد کو حرام کرنے کے ساتھ قسم بھی کھائی تھی اور زید بن اسلم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ آپ اپنی کنیز حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جماع نہیں کریں گے اور وہ آپ کی ام ولد تھیں، پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا: وہ حرام ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا، سو آپ نے کفارہ دیا، پس یہ آپ کی قسم کا کفارہ تھا اور شہد یا حضرت ماریہ قبطیہ کو حرام قرار دینے کا کفارہ نہیں تھا۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ زیادہ روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس پر شہد پینے کو حرام قرار دیا تھا اور اس پر قسم کھائی تھی اور آپ کی قسم کی وجہ سے آپ پر کفارہ لازم آیا تھا نہ کہ شہد کو حرام قرار دینے کی وجہ سے، سو ان علماء کی اس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ بیوی کو حرام قرار دینے کی وجہ سے کفارہ قسم لازم آتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے التحریم: ۱، کی تفسیر میں کہا ہے: اس آیت کا تعلق کھانے، پینے کی چیزوں اور باندیوں کے ساتھ متعلق ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا ہے اور ان کو حرام قرار دینے اور ان کو استعمال نہ کرنے کی قسم کھانے کی وجہ سے کفارہ قسم کا لزوم ہے، اور رہا ازواج کا معاملہ تو ان میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کو تحریم اور دیگر الفاظ کے ساتھ مشروع فرمایا ہے مثلاً ظہار وغیرہ اور رہی کھانے پینے کی چیزیں اور باندیاں وغیرہ ان میں تحریم مشروع نہیں ہے بلکہ ان کو حرام قرار دینا ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے نبی مکرم!) آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دے دیا ہے۔ (التحریم: ۱) اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے اوپر انعام فرمایا ہے، برخلاف دیگر ادیان کے۔

کیا مسلمانوں کو یہ نہیں معلوم کہ حضرت اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے اپنے نفس پر چند اشیاء کو حرام قرار دے دیا اور قرآن مجید میں تصریح ہے کہ جو شخص اپنے اوپر کسی حلال چیز کو حرام کر دے تو اس کی تحریم اس پر لازم ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت اسرائیل علیہ السلام کی اولاد کے اوپر اونٹ کے گوشت کی تحریم لازم ہو گئی اور ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہے کہ ہم کسی حلال چیز کو حرام کر لیں اور اس پر قسم کھا لیں تو کفارہ قسم ادا کرنے سے وہ چیز ہم پر حلال ہو جاتی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد کی تحریم کے معاملہ میں ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے التحریم: ۱، کے آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ : اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝ (التحریم: ۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے شہد کے حرام کرنے کو معاف فرما دیا۔

حدیث مذکور سے مستنبط متعدد فقہی مسائل

(۱) بیوی اپنے شوہر کا جوراز افشاء کرے وہ گناہ اور معصیت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنا یہ راز بتایا تھا کہ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے اور حضرت حفصہ کی دل جوئی کے لیے فرمایا تھا کہ میرے بعد (حضرت) ابوبکر اور (حضرت) عمر خلیفہ ہوں گے، حضرت حفصہ نے آپ کا یہ راز افشاء کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتا دی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ (التحریم:۴) اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں اس گناہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کریں اور اس سے توبہ کریں کہ وہ غیرت میں آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد نہ کریں اور ایک دوسرے سے مشورہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پینے سے منع نہ کریں جیسا کہ انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے تا کہ آپ شہد نہ پئیں۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں میں سے دنیاوی اغراض کی بنا پر اپنے آپ کو روک لینا اور ان سے نفع نہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۳۳۴۔۳۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

مصنف کے نزدیک التحریم:۱، کی تفسیر

میں کہتا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: (اے نبی مکرم!) آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دے دیا ہے۔ (التحریم:۱) اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو شرعاً حرام کرلیا تھا کیونکہ حلال شرعی کو حرام شرعی قرار دینا کفر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے اور کفر سے منزہ ہیں اور جو شخص یہ کہے کہ آپ نے شہد کو شرعاً حرام کرلیا تھا تو وہ العیاذ باللہ آپ کی طرف کفر کی نسبت کرلے گا اور وہ آپ کی طرف کفر کی نسبت کرنے سے خود کافر ہو جائے گا، لہٰذا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ ان چیزوں سے اپنے آپ کو کیوں روک رہے ہیں اور آپ ان چیزوں سے نفع کیوں نہیں اٹھا رہے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں! یعنی آپ کی یہ شان نہیں ہے کہ آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کریں بلکہ آپ کا مرتبہ اور مقام تو یہ ہے کہ خود رب کائنات آپ کی رضا طلب فرماتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیات اس پر شاہد ہیں:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا۔ (البقرۃ:۱۴۴) بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ (طٰہٰ:۱۳۰) اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے رہیے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے بعض اوقات میں اور دن کے بعض حصوں میں بھی تسبیح پڑھیے تا کہ آپ راضی ہو جائیں ۝

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝ (الضحیٰ:۵) اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے O

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب الاحزاب:۵۱، نازل ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

ما اری ربك الا یسارع فی هواك۔ میں صرف یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری:۴۷۸۸، صحیح مسلم:۱۴۶۴، سنن نسائی:۳۱۹۹، سنن ابن ماجہ:۲۰۰۰، مسند احمد:۲۴۷۲۳)

ان آیات اور حدیث مذکور سے یہ واضح ہو گیا کہ خود رب کائنات آپ کی رضا طلب فرماتا ہے اور قیامت کے دن جب تمام انبیاء اللہ عزوجل کے جلال اور ہیبت کی وجہ سے اس کے حضور لوگوں کی شفاعت کرنے سے گریز کریں گے اور سب نفسی نفسی کہیں گے تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور سر سجدہ میں ڈال دیں گے تو آپ کا رب مولیٰ عزوجل فرمائے گا:

یا محمد ارفع راسك و قل یسمع لك وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ (صحیح البخاری: ۷۵۱۰، صحیح مسلم: ۱۹۳، ۴۷۹، مسند احمد:۱۲۱۵۳) اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور کہیے آپ کو سنا جائے گا اور سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

اللہ! اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام اور یہ مرتبہ ہے اور آپ کی یہ شان ہے کہ اللہ عزوجل رب عرش عظیم آپ کو راضی فرماتا ہے اور جب کسی کی نہیں سنتا تو آپ کی سنتا ہے اور آپ کی رضا طلب فرماتا ہے، سو آپ کو یہ زیبا نہیں کہ آپ اپنی ازواج کی رضا طلب کریں اور ان کی رضا کی خاطر اپنے پسندیدہ شہد کو پینا چھوڑ دیں اور اس سے نفع نہ اٹھائیں، یہ تو ان ازواج کو چاہیے کہ وہ آپ کی رضا طلب کریں اور آپ کو راضی کریں اور آپ کے راز کو افشاء کرنے سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو:

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ۝ عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ (التحریم:۴-۵) اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں O اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب انہیں تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو فرمانبردار، ایمان دار، عبادت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی O

ہماری اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ التحریم:۱، کا یہ معنی نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال شرعی کو حرام فرما دیا تھا کیونکہ یہ کفر ہے اور آپ اس سے پاک ہیں بلکہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ آپ ان چیزوں سے نفع کیوں نہیں اٹھا رہے جن سے نفع اٹھانا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس آیت کی تفسیر میں جو یہ لکھا ہے:

یہ دراصل استفہام نہیں ہے بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہے یعنی مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرنا نہیں ہے کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا ہے بلکہ آپ کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا جو فعل آپ سے صادر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ الی قولہ، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس فعل پر گرفت فرمائی اور آپ کو اس تحریم سے باز رہنے کا حکم

دیا۔ (تفہیم القرآن ج ٦ ص ١٥)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جس طرح بار بار حلال کو حرام کرنے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے اور آپ کے اس فعل کی جس طرح تصویر کھینچی ہے وہ اہل ایمان کے لیے یقیناً دل آزار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام نہیں کیا تھا بلکہ اپنے آپ کو اس کے استعمال سے روک لیا تھا جیسا کہ ہماری تقریر سے ظاہر ہو چکا ہے اور حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''لَنْ اعودَلہ'' میں دوبارہ ہرگز شہد نہیں پیوؤں گا اور جن چیزوں کا کھانا، پینا اللہ تعالیٰ نے مباح کر دیا ہے ان کو کھانا اور نہ کھانا دونوں جائز ہے، آپ کے لیے جس طرح شہد کو پینا جائز تھا اسی طرح اس کو نہ پینا بھی جائز تھا تو پھر ایک مباح کام کا نہ کرنا کس طرح ناپسندیدہ ہو سکتا ہے۔

ہر مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ کھانے پینے کی کسی چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے کر اس سے نفع حاصل کرنا چھوڑ دے مثلاً وہ قسم کھالے کہ میں آئندہ دودھ نہیں پیوں گا یا گوشت نہیں کھاؤں گا تو اس کا یہ فعل ناجائز اور ناپسندیدہ نہیں ہے تو اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھالیں کہ آپ آئندہ شہد نہیں پئیں گے اور اس سے نفع نہیں اٹھائیں گے تو آپ کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور آپ سے محبت اور حلاوت ایمان سے محروم ہو۔

دراصل اس آیت میں آپ کے کسی فعل کے ناپسندیدہ فعل پر تنبیہ کرنا مقصود ہے اور نہ آپ کے کسی فعل پر گرفت کی گئی ہے بلکہ آپ کی تعظیم اور توقیر اور مقام نبوت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ آپ ازواج کو راضی کرنے کے لیے شہد کو کیوں ترک کر رہے ہیں، آپ کا یہ مقام نہیں کہ آپ ازواج کو راضی کریں، آپ کا مقام تو یہ ہے کہ ازواج آپ کو راضی کریں۔ جن کی رضا خود خالق کائنات کو مطلوب ہے انہیں مخلوق میں سے کسی کو راضی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

٥٢٦٨۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُحِبُّ الْعَسَلَ وَالْحَلْوَاءَ وَكَانَ إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الْعَصْرِ دَخَلَ عَلَى نِسَائِهِ فَيَدْنُو مِنْ إِحْدَاهُنَّ فَدَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ فَاحْتَبَسَ أَكْثَرَ مَا كَانَ يَحْتَبِسُ فَغِرْتُ فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ فَقِيلَ لِي أَهْدَتْ لَهَا امْرَأَةٌ مِنْ قَوْمِهَا عُكَّةً مِنْ عَسَلٍ فَسَقَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْهُ شَرْبَةً فَقُلْتُ أَمَا وَاللهِ لَنَحْتَالَنَّ لَهُ فَقُلْتُ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ إِنَّهُ سَيَدْنُو مِنْكِ فَإِذَا دَنَا مِنْكِ فَقُولِي أَكَلْتَ مَغَافِيرَ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ لَكِ لَا فَقُولِي لَهُ مَا هَذِهِ الرِّيحُ الَّتِي أَجِدُ مِنْكَ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ لَكِ سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ فَقُولِي لَهُ جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں، ہمیں فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروۃ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو اور الحلوٰی (شیرینی) کو پسند فرماتے تھے اور جب آپ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی ازواج کے پاس جاتے، پس ان میں سے کسی ایک کے قریب ہوتے، سو ایک دن آپ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، سو انہوں نے آپ کو معمول سے زیادہ دیر ٹھہرایا تو مجھے غیرت آئی، سو میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو مجھے بتایا گیا کہ ان کے قبیلہ کی ایک عورت نے ان کو شہد کا ایک مشکیزہ بہ طور تحفہ بھیجا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے شہد پلایا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:) سو میں نے دل میں سوچا اللہ کی قسم! ہم ضرور بہ ضرور اس کی کوئی تدبیر کریں گی تو میں نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے کہا

وَسَأَقُولُ ذَٰلِكِ وَقُولِي أَنْتِ يَا صَفِيَّةُ ذَاكِ قَالَتْ تَقُولُ سَوْدَةُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَأَرَدْتُ أَنْ أُبَادِيَهُ بِمَا أَمَرْتِنِي بِهِ فَرَقًا مِنْكِ فَلَمَّا دَنَا مِنْهَا قَالَتْ لَهُ سَوْدَةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ قَالَ لَا قَالَتْ فَمَا هَذِهِ الرِّيحُ الَّتِي أَجِدُ مِنْكَ قَالَ سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ فَقَالَتْ جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ فَلَمَّا دَارَ إِلَيَّ قُلْتُ لَهُ نَحْوَ ذَٰلِكَ فَلَمَّا دَارَ إِلَى صَفِيَّةَ قَالَتْ لَهُ مِثْلَ ذَٰلِكَ فَلَمَّا دَارَ إِلَى حَفْصَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَا أَسْقِيكَ مِنْهُ قَالَ لَا حَاجَةَ لِي فِيهِ قَالَتْ تَقُولُ سَوْدَةُ وَاللّٰهِ لَقَدْ حَرَمْنَاهُ قُلْتُ لَهَا اسْكُتِي

(صحیح مسلم:۱۴۷۴، ۳۶۷۹، مسند احمد:۲۴۳۱۶)

کہ عنقریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قریب آئیں گے، سو جب وہ آپ کے قریب آئیں تو آپ ان سے پوچھیں: کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے کہیں گے: نہیں! تو آپ ان سے یوں کہیں کہ یہ ناگوار بو آپ سے کس وجہ سے آ رہی ہے؟ تو وہ آپ سے کہیں گے کہ مجھے حفصہ نے شہد کے چند گھونٹ پلائے تھے تو آپ ان سے کہیں کہ شہد کی کسی مکھی نے درخت عرفط کا رس چوسا ہوگا اور عنقریب میں بھی اسی طرح کہوں گی اور اے صفیہ! تم بھی اسی طرح کہنا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت سودہ بیان کرتی ہیں: پس اللہ کی قسم! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر کھڑے ہوئے تو میں نے ارادہ کیا کہ میں آپ کو آواز دے کر وہ بات کہوں جس کا حضرت عائشہ نے مجھے حکم دیا تھا کیونکہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ڈر لگتا تھا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ کے قریب پہنچے تو آپ سے حضرت سودہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! حضرت سودہ نے کہا: پھر مجھے آپ سے یہ ناگوار بو کس وجہ سے آ رہی ہے؟ آپ نے فرمایا: حفصہ نے مجھے شہد کا ایک گھونٹ پلایا تھا، حضرت سودہ نے کہا: کسی شہد کی مکھی نے درخت عرفط (کے پتوں) کا رس چوس لیا ہوگا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے تو میں نے بھی اسی کے نحو کہا یعنی اسی طرح کہا، پھر جب آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی طرف گئے تو انہوں نے بھی اسی کی مثل کہا، پھر جب آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کو کچھ شہد نہ پلاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، حضرت عائشہ نے بتایا کہ حضرت سودہ کہتی تھیں: اللہ کی قسم! ہم نے آپ کو اس شہد سے محروم کر دیا تو میں نے کہا: چپ کرو۔

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں التحریم: ۱ کا ذکر ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو شہد کا گھونٹ پینے سے

روک لیا اور التحریم: ۱ میں بھی یہی ذکر ہے کہ اے نبی! صلی اللہ علیک وسلم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے۔

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ اس آیت کے سبب نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ آیت شہد کے قصہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور زید بن اسلم نے بتایا کہ یہ آیت حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دینے کے متعلق نازل ہوئی ہے جب آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ آئندہ ان کے ساتھ جماع نہیں کریں گے اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت شہد کے متعلق نازل ہوئی ہے اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے جماع کی تحریم کے متعلق نازل نہیں ہوئی کیونکہ یہ قصہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں مذکور نہیں ہے اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے جماع کی تحریم کا قصہ کسی سند صحیح سے منقول نہیں ہے۔

امام نسائی نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شہد کے قصہ کے متعلق حدیث انتہائی درجہ کی صحیح ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ اور مشکل عبارات کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو اور الحلواء کو پسند فرماتے تھے اور الحلواء کا بیان عنقریب ''کتاب الاطعمہ'' اور ''کتاب الاشربہ'' میں تفصیل سے آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الحلواء، شہد اور کھجور وغیرہ سے تیار کر کے ایک قسم کی شیرینی تیار کی جاتی ہے، علامہ نووی نے کہا ہے کہ الحلواء میں ہر میٹھی چیز داخل کی جاتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا علامہ کرمانی شافعی سے مناقشہ اور الحلواء اور العسل کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العسل (شہد) اور الحلواء (میٹھی چیز) کو پسند فرماتے تھے۔ الحدیث

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الحلواء کا معنی ہے: ہر میٹھی چیز اور العسل کے بعد الحلواء کا ذکر کرنا شہد کے شرف پر متنبہ کرنے کے لیے ہے اور اس حدیث میں عام کا عطف خاص پر کیا گیا ہے۔ (الکواکب الدراری ج ۱۹ ص ۱۸۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں بھی مذکور ہے اور اس میں الحلواء کا لفظ اَلْعَسَل پر مقدم ہے اور ان دونوں لفظوں میں سے ہر ایک کی تقدیم کی ایک وجہ ہے، پس العسل کو اس کے شرف کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے اور اس لیے کہ اَلْعَسَل یعنی شہد الحلواء یعنی مٹھاس کے اصول میں سے ایک اہم اصل ہے اور اس لیے بھی کہ العسل مفرد ہے اور الحلواء مرکب ہے (جیسے مٹھائی چند چیزوں سے مرکب ہوتی ہے، مثلاً لڈو، بیسن، چینی اور گھی سے مرکب ہوتے ہیں، اور جلیبی اور امرتی، میدہ، چینی اور گھی سے مرکب ہوتے ہیں اور بالوشاہی، ماش کی دال، چینی اور گھی سے مرکب ہوتی ہے اور گلاب جامن، کھویا، چینی اور گھی سے مرکب ہوتی ہے وغیرہ) اور حلواء کو کتاب الاطعمہ میں اس لیے مقدم کیا ہے کہ یہ شہد کو بھی شامل ہے اور اس کی اور بھی اقسام ہیں کیونکہ الحلواء شہد اور چینی وغیرہ سے بنایا جاتا ہے اور یہ عام کا عطف خاص پر نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین (علامہ کرمانی) نے گمان کیا ہے کیونکہ عام وہ ہوتا ہے جس میں تمام انواع داخل ہوں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر شافعی سے مناقشہ اور علامہ کرمانی کا دفاع

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے کہ الحلواء کے بعد العسل کا ذکر عام کے بعد خاص کا ذکر ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے: یہ عام کا عطف خاص پر نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین نے گمان کیا ہے اور عام تو صرف وہ ہوتا ہے جس میں تمام داخل ہوں۔ علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کی علامہ کرمانی پر طعن و تشنیع پر کوئی وجہ نہیں ہے اور انہوں نے جو کہا ہے کہ عام میں اس کی تمام انواع داخل ہوتی ہیں اس سے انہوں نے اپنے کلام کا خود رد کیا ہے کیونکہ حلواء میں ہر میٹھی چیز داخل ہے جیسا کہ علامہ نووی نے ذکر کیا ہے، پس ابن حجر نے یہ کیسے کہا کہ یہ عام کا خاص پر عطف نہیں ہے اور یہ محض ابن حجر کا تکبر ہے کیونکہ علامہ نووی نے تصریح کی ہے کہ یہ خاص کا عام پر عطف ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ۔ (القدر:۴) (اس رات) فرشتے اور (حضرت) جبریل نازل ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۴۰۳، میں علامہ عینی کا یہ اعتراض تو لکھا ہے مگر اس کا کوئی جواب نہیں لکھا، گویا کہ وہ اس بار پھر لاجواب ہو گئے۔ (سعیدی غفرلہ)

اس فرق کی توجیہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے متعلق لفظ نحو کہا اور حضرت صفیہ نے اپنے متعلق لفظ مثل کہا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے تو میں نے اس کی نحو کہا (یعنی میں نے کہا: آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے) اور جب آپ حضرت صفیہ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی اس کی مثل کہا (یعنی آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے)۔ اسی طرح اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اس قول کی نسبت ہے تو (صحیح البخاری: ۵۲۶۸) میں لفظ نحو ہے اور جب حضرت صفیہ کی طرف اس قول کی نسبت ہے تو حدیث میں لفظ مثل ہے اور شاید اس فرق میں نکتہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی اس قول کو بنانے والی تھیں، سو انہوں نے جس لفظ کو اچھا سمجھا اس کے ساتھ اپنے قول کو تعبیر کیا، اسی لیے انہوں نے لفظ نحو کہا اور لفظ مثل نہیں کہا اور رہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہنے کا حکم دیا گیا تھا تو ان کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں تصرف کرنا جائز نہیں تھا کیونکہ اگر وہ تصرف کرتیں تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غضب سے ڈرتی تھیں جو ان کو یہ حکم دینے والی تھیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات اس طرح کہنا اس لیے جب ان کی طرف اس قول کی نسبت ہوئی تو (صحیح البخاری: ۵۲۶۸) میں لفظ مثل آیا اور حدیث میں لفظ نحو اور مثل کی جو وجہ میں نے لکھی ہے یہ پہلے میرے ذہن میں آئی تھی، پھر میں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو دیکھا تو اس میں دونوں جگہ لفظ مثل ہے تو میرا ظن غالب ہو گیا کہ صحیح البخاری: ۵۲۶۸ میں لفظ نحو اور مثل کا فرق راوی عروہ کے تصرف اور تغیر کی وجہ سے ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے ایسا جواب نہیں لکھا جس سے کسی بیمار کو شفا ہو یا کوئی پیاسا سیراب ہو اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ

لغت میں نحو کا معنی ہے: قصد اور ارادہ، کہا جاتا ہے: نَحوتُ نَحوَکَ یعنی قصدتُ قَصْدَکَ اور مثل کا معنی مشابہت اور مماثلت ہے، پھر اہل عرب نحو کے لفظ کو مثل کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، جب کہ مماثلت کے بیان میں ان کا قصد کلی ہوتا ہے، اس کے برخلاف لفظ مثل کو محض مماثلت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور دوسری کسی چیز کی طرف التفات نہیں کیا جاتا اور جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قصد کلی تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچا دی جائے کہ شہد کی مکھی نے درخت العرفط کے پتوں کا رس چوس لیا ہے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس کی مثل کہا، اس کے برخلاف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس کا بالکل قصد نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حکم کے امتثال یعنی ان کے حکم پر عمل کرنے کے لیے اس طرح کہا تو اس لیے صحیح البخاری: ۵۲۶۸ میں جب اس قول کی نسبت حضرت صفیہ کی طرف کی تو صحیح البخاری: ۵۲۶۸ میں لفظ مثل ذکر کیا ہے اور حدیث کے راوی عروہ کے متعلق یہ گمان کرنا کہ انہوں نے حدیث میں تصرف اور تغیر کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے یہ محض ظن فاسد ہے، پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب حضرت عائشہ کی طرف اس قول کی نسبت ہے تو لفظ نحو ہے اور حدیث میں جب حضرت صفیہ کی طرف اس قول کی نسبت ہے تو لفظ مثل ہے، سو یہ تفنن کلام کی وجہ سے ہے اور دونوں کے ساتھ لفظ مثل کو بار بار نہیں لایا گیا تا کہ پڑھنے والا اکتا نہ جائے۔ اس لیے تفنن کلام کی وجہ سے حضرت عائشہ کے ساتھ حدیث میں لفظ نحو ہے اور حضرت صفیہ کے ساتھ حدیث میں لفظ مثل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی طرف سے جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

میں نے جو کہا تھا کہ میرا ظن غالب ہے کہ حدیث میں لفظ نحو اور مثل کا فرق راوی کے تصرف اور تغیر کی وجہ سے ہے اس سے میری مراد یہ ہے کہ راوی نے ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دیا ہے جب کہ اس کا گمان یہ ہے کہ دونوں لفظوں کا معنی واحد ہے، اس پر علامہ عینی نے اپنے اعتراض میں جو یہ کہا ہے کہ یہ ظن فاسد ہے تو یہ ان کی بے ادبی ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جب وہ کسی بات کا انکار کرتے ہیں تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور یہاں پر کوئی ظن فاسد نہیں ہے بلکہ ظن غالب ہے کیونکہ حضرت صفیہ نے مثل کا لفظ کہا اور نحو اور مثل کے دو لفظوں کو جمع نہیں کیا اور انہوں نے جو ایک لفظ پر اختصار کیا ہے تو راوی نے اس عبارت میں تغیر کر کے اس کے مفہوم کو اپنے لحاظ سے بیان کیا ہے اور اس معترض نے حد سے بڑھ کر جو بکواس کی ہے وہ ہم پر وارد نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے۔ (انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۰۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی حنفی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: اگر علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کے ظن کو ظن فاسد لکھا تھا تو حافظ ابن حجر نے ضرورت سے زیادہ اس کا بدلا لیا ہے کیونکہ انہوں نے علامہ عینی کے اعتراض کو ہذیان لکھا ہے جس کے معنی ہیں: بکواس، فضول بک بک، بے سروپا، بے ربط اور اول فول باتیں، اور حافظ ابن حجر کی یہ عبارت علامہ عینی کی عبارت کی بہ نسبت زیادہ سخت اور شدید ہے اور اس سے قطع نظر علامہ عینی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اس قول کی نسبت کے ساتھ لفظ نحو اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی طرف اس قول کی نسبت کے ساتھ لفظ مثل کی جو توجیہ بیان کی ہے وہ حافظ ابن حجر کی شرح سے کئی گنا بہتر ہے کیونکہ حافظ ابن حجر کی شرح سے یہ لازم آتا ہے کہ راوی عروہ نے اس حدیث میں تغیر کر کے دونوں جگہ لفظ مثل لکھنے کی بجائے حضرت عائشہ کے ساتھ لفظ نحو اور حضرت صفیہ کے ساتھ لفظ مثل لکھ دیا

ہے اور یہ صحیح البخاری: ۵۲۶۸ کے متن کو بدلنا ہے اور عروہ پر بھی اعتراض ہے جب کہ علامہ عینی کی شرح سے صحیح البخاری: ۵۲۶۸ کا متن بھی برقرار رہتا ہے اور عروہ پر بھی اعتراض نہیں ہوتا۔ (سعیدی غفرلہ)

عصر کے بعد ازواج کے پاس جانے کے متعلق دو روایتوں کا تعارض اور ان کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے: جب آپ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی ازواج کے پاس جاتے: امام عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے مصلیٰ پر بیٹھ جاتے اور صحابہ آپ کے ارد گرد بیٹھ جاتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا، پھر آپ باری باری اپنی ازواج مطہرات کے پاس جاتے، آپ ان کو سلام کرتے اور ان کے لیے دعا کرتے۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحیح بخاری کی روایت میں عصر کے بعد ازواج کے پاس جانے کا ذکر ہے اور امام عبد بن حمید کی روایت میں صبح کی نماز کے بعد ازواج کے پاس جانے کا ذکر ہے، سوان دونوں روایتوں میں کس طرح مطابقت ہوگی؟ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عصر کے متعلق جو روایت ہے وہ محفوظ ہے اور امام عبد بن حمید نے جو حماد کی روایت ذکر کی ہے وہ شاذ ہے اور اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ امام عبد بن حمید کی روایت میں صرف اتنا ذکر ہے کہ آپ صبح کی نماز میں ازواج مطہرات کے پاس جاتے، ان کو سلام کرتے اور ان کو دعا دیتے اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ازواج مطہرات کے پاس عصر کے بعد جاتے اور سلام وغیرہ کے بعد ان کے پاس بیٹھتے اور باتیں کرتے۔

اس حدیث میں عکۃ من عسل کا ذکر ہے۔ عکۃ کا معنی ہے: مشکیزہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حیلہ کیا تھا اس پر ایک اشکال کا جواب

علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ ھ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کہنا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا اور انہوں نے یہ صرف اس لیے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس زیادہ دیر ٹھہرنے سے روک دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو خلاف واقع یہ بات کہی تھی اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے سوکنوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو طبعی تعصب اور غیرت ہوتی ہے یہ اس کا تقاضا تھا اور یہ گناہ صغیرہ تھا جو ان کی دوسری نیکیوں کی وجہ سے معاف کر دیا جائے گا۔

(شرح الکرمانی ج ۱۹ ص ۱۹۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ ھ)

عُرْفُط کا معنی

امام اللغت خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ ھ نے لکھا ہے:

عرفط ایک کانٹے دار درخت ہے، اس کے پتوں میں ایک خوشبو دار بو ہوتی ہے اور اس کے پتے بہت چوڑے ہوتے ہیں جو زمین پر پھیل جاتے ہیں۔ اس میں روئی کی طرح سفید رنگ کا پھل لگتا ہے، اس کی بو بہت ناگوار ہوتی ہے، شہد کی مکھی اس پھل کو چاٹتی ہے اور اس سے شہد حاصل ہوتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ درخت ہے جس میں گوند لگتا ہے جس کو مغافیر کہتے ہیں۔ (کتاب العین ج ۲ ص ۱۱۸۰، مزیداً)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے حضرت حفصہ سے کہا: آپ خاموش رہیں: گویا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خطرہ

تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر زیادہ دیر ٹھہرنے سے روکنے کی جو تدبیر کی تھی اس کا راز فاش ہو جائے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) عورتوں کی طبیعت میں اور ان کی فطرت میں غیرت مرکوز ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایسی خفیہ تدبیر کرتی ہیں جس سے ان کی سوکنوں کو ضرر ہو۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بہت بلند مرتبہ تھا حتیٰ کہ دوسری ازواج مطہرات ان سے ڈرتی تھیں اور ان کے ہر حکم کی اطاعت کرتی تھیں جس طرح حضرت سودہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما نے ان کے خوف سے ان کی خفیہ تدبیر پر عمل کیا۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کے بعض اوقات میں باری باری اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔

(۴) جن چیزوں کے صراحتاً ذکر سے حیاء مانع ہو ان کا بہ طور کنایہ ذکر کرنا چاہیے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ کے قریب ہوتے تھے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس کا بوسا لیتے تھے اور اس سے بغل گیر ہوتے تھے لیکن چونکہ اس کا صراحتاً ذکر ادب کے خلاف تھا اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بہ طور کنایہ فرمایا: آپ اس کے قریب ہوتے تھے۔

(۵) اس حدیث سے شہد اور الحلواء کی فضیلت معلوم ہوئی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو کھانے سے محبت کرتے تھے اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ شہد کا استعمال کیا کریں کیونکہ اس میں ہر بیماری کی شفاء ہے۔ (میں ذیابیطس کا مریض ہوں اور Diabetes کے لیے شہد کا استعمال ممنوع ہے لیکن میں اس حدیث کے پیش نظر ہر روز نہار منہ شہد اور دودھ سے بنی ہوئی چائے پیتا ہوں اور انسولین کی مقدار بڑھا لیتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے شوگر کی آفات سے محفوظ رکھے اور شہد کی شفاء اور منافع عطا فرمائے، امین۔ سعیدی غفرلہ)

(۶) اس حدیث سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی اس خفیہ تدبیر پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کوئی فہمائش نہیں کی، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پناہ صبر آپ کا انتہائی حلم اور آپ کا وسیع کرم ظاہر ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۹۔۳۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ، علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کی اتنی شرح نہیں کی جتنی بھرپور اور جامع شرح علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے کی ہے، لہٰذا ہم نے اس حدیث کی شرح میں صرف ان سے استفادہ کیا ہے۔

۹۔ بَابُ: لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ وقول الله تعالى يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ

نکاح سے پہلے طلاق کا اعتبار نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اے ایمان والو جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے جس کا تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر

سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ (الاحزاب:۴۹)

حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو ۝ (الاحزاب:۴۹)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ جَعَلَ اللّٰهُ الطَّلَاقَ بَعْدَ النِّكَاحِ وَيُرْوَى فِي ذٰلِكَ عَنْ عَلِيٍّ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ وَأَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ وَشُرَيْحٍ وَسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَالْقَاسِمِ وَسَالِمٍ وَطَاوُسٍ وَالْحَسَنِ وَعِكْرِمَةَ وَعَطَاءٍ وَعَامِرِ بْنِ سَعْدٍ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَنَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَمْرِو بْنِ هَرِمٍ وَالشَّعْبِيِّ أَنَّهَا لَا تَطْلُقُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعد طلاق کو مشروع فرمایا ہے، اس سلسلہ میں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابان بن عثمان، علی بن حسین، شریح، سعید بن جبیر، القاسم، سالم، طاؤس، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، عامر بن سعد، جابر بن زید، نافع بن جبیر، محمد بن کعب، سلیمان بن یسار، مجاہد، القاسم بن عبدالرحمٰن، عمرو بن ہرم اور شعبی سے مروی ہے کہ نکاح سے پہلے کسی عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔

تعلیق مذکور کی تخریج

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۴۸، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعد طلاق کو مشروع فرمایا ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت علی کی روایت: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۵۴، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۰)

سعید بن المسیب کی روایت: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۰، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

عروہ بن الزبیر کی روایت: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی روایت: (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

ابان بن عثمان کی روایت: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا ہے کہ اب تک میں اس روایت کے ماخذ پر مطلع نہیں ہو سکا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۳، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علی بن حسین کی روایت: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۴، مسند ابن الجعد: ۲۴۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

شریح کی روایت: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

سعید بن جبیر اور القاسم کی روایت: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

سالم کی روایت: حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے: (التعلیق ج ۴ ص ۴۴۵)

طاؤس کی روایت: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

حسن بصری کی روایت: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۶، ۱۱۴۶۵، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۴)

عکرمہ کی روایت: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)

عطاء کی روایت: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

عامر بن سعد کی روایت: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ میں اس روایت کے ماخذ پر مطلع نہیں ہو سکا۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵، طبع لاہور، ۱۴۰۱ھ)

جابر بن زید کی روایت: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳)
نافع بن جبیر اور محمد بن کعب کی روایت: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۵)
سلیمان بن یسار کی روایت: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۶)
مجاہد کی روایت: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)
القاسم بن عبدالرحمٰن کی روایت: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)
عمرو بن ہرم کی روایت: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا کہ میں اس روایت کے ماخذ پر مطلع نہیں ہوسکا۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵، دار الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)
الشعبی کی روایت: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۷۳، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان تمام فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو طلاق نہیں دی جاتی۔

نکاح سے پہلے طلاق کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کا عنوان ہے: نکاح سے پہلے طلاق کا وجود نہیں ہوتا۔
علامہ محمد یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے: فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق دینا صحیح ہے، سو امام بخاری نے ان کا رد کرنے کے لیے یہ عنوان قائم کیا۔ (شرح الکرمانی جز ۱۹ ص ۱۹۲۔۱۹۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)
(علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں: مجھے علامہ کرمانی اور ان کے موافقین پر تعجب ہے کہ ان سے یہ کلام کیسے صادر ہوا، پھر وہ متعدد وجوہ سے فقہاء احناف کا رد کرتے ہیں اور انہوں نے اس مسئلہ کو مسئلہ تعلیق سے مستنبط کیا ہے کہ جب کوئی مرد کسی اجنبی عورت سے یہ کہے کہ جب میں تم سے نکاح کروں گا تو تم کو طلاق ہے، پس جب اس مرد نے اس عورت سے نکاح کیا تو فقہاء احناف کے نزدیک اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور ان کا استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر فقہاء تابعین کے اس قول سے ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی جیسا کہ عنقریب امام بخاری کی تعلیق میں اس کا ذکر آئے گا، نیز ان کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:
امام ابوداؤد نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''معصیت میں نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے اور نہ اس چیز کو پورا کرنا لازم ہے جس کا ابن آدم مالک نہ ہو''۔ (سنن ابوداؤد: ۳۳۱۶)
امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''معصیت کے کام میں نذر ماننا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر ماننا جائز ہے جس کا ابن آدم مالک نہ ہو''۔
(سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۴، سنن ابوداؤد: ۳۳۱۶)
از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس چیز کا ابن آدم مالک نہ ہو اس کی نذر ماننا جائز نہیں اور جس غلام کا ابن آدم مالک نہیں اس کو آزاد کرنا جائز نہیں اور جس عورت کا ابن آدم مالک نہ ہو اس کو طلاق دینا جائز نہیں ہے اور جس چیز کا ابن آدم مالک نہ ہو اس کی قسم کھانا جائز نہیں ہے''۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۰، مسند احمد: ۶۷۸۰)
اس سند کے ساتھ دوسری روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مرد جس عورت کا مالک نہ ہو اس کو طلاق دینا جائز نہیں ہے اور

جس غلام کا مالک نہ ہو اس کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور جس چیز کا وہ مالک نہ ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے''۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۹۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۸، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۸۸، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۵۶، سنن سعید بن منصور: ۱۰۲۰، سنن ترمذی: ۱۱۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۷، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۵، المستدرک ج ۲ ص ۲۰۵۔ ۲۰۴، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۲۶۵)

نکاح سے پہلے طلاق کے وقوع کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

فقہاء احناف یہ کہتے ہیں: یہ طلاق معلق بالشرط ہے اور یہ قسم ہے، لہٰذا اس کی صحت محل کی ملکیت پر موقوف نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور جب شرط متحقق ہوگی تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور یہ وجود نکاح کے بعد طلاق ہوگی مثلاً کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے کہے: اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے، پس اس کے متعلق یہ کس طرح کہا جائے گا کہ یہ نکاح سے پہلے طلاق دی گئی ہے اور نکاح سے پہلے طلاق دینے کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے کہے: انت طالق (تم کو طلاق ہے)، سو یہ کلام لغو ہے اور اس کی مثل میں یہ کہا جائے گا کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی اور اس سلسلہ میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس کے متعلق امام احمد نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے: ان احادیث کی صحت کی کوئی اصل نہیں ہے، پس تم ان کے ساتھ مشغول نہ ہو اور اگر بالفرض یہ صحیح ہوں تو یہ تخییر پر محمول ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جو مرد کسی عورت کا مالک نہ ہو اس پر طلاق کے وقوع کی حدیث کی تحقیق

امام ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتب صحیحہ میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ ''المصنفات'' اور ''المسانید'' میں ائمہ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس کی متعدد اسانید ہیں جن کو امام الدارقطنی نے وارد کیا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا: میں نے امام محمد بن اسماعیل البخاری سے سوال کیا کہ اس باب میں زیادہ صحیح حدیث کون سی ہے تو انہوں نے کہا: وہ حدیث جو عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود مروی ہے۔ اور ہشام بن سعد کی حدیث از زہری از حضرت عائشہ جو مروی ہے اس میں امام ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ''جس نے کسی گناہ پر قسم کھائی تو اس کی قسم معتبر نہیں ہے اور جس نے قطع رحم کی قسم کھائی تو اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور نذر صرف اس چیز میں منعقد ہوتی ہے جس میں اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ کیا گیا ہو''۔ علاوہ اس کے امام بخاری نے عمرو بن شعیب کی حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے ہر چند کہ انہوں نے اس کو اپنی صحیح میں درج نہیں کیا کیونکہ اس کی سند ان کی شرط کے مطابق نہیں تھی لیکن انہوں نے اس حدیث کی حضرت مولیٰ علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور تقریباً تیئس (۲۳) تابعین سے روایت کی ہے کہ جو شخص کسی عورت کا مالک نہ ہو اس پر اس کی طلاق لازم نہیں آتی اور ان میں سات (۷) فقہاء مدینہ بھی ہیں۔ (ان آثار اور اقوال فقہاء تابعین کی تخریج اور تحقیق ان شاء اللہ عنقریب نعمۃ الباری میں آرہی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

جو مرد کسی عورت کا مالک نہ ہو اس پر طلاق کے وقوع کے متعلق مذاہب فقہاء

اس مسئلہ میں فقہاء کے درج ذیل اقوال ہیں:

(۱) مرد جس عورت کا مالک نہ ہو اس پر اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہ امام شافعی اور دوسرے فقہاء کا قول ہے۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اگر کسی مرد نے کسی اجنبی عورت کو طلاق معلق دی بایں طور کہ اس نے کہا کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے تو اگر اس مرد نے اس عورت سے نکاح کیا تو نکاح کے فوراً بعد اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۳) امام مالک رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اگر مرد نے کسی عورت کی کسی قوم یا جگہ یا قبیلہ کی طرف نسبت کی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے کسی اجنبی عورت سے مطلقاً کہا کہ تم کو طلاق ہے تو پھر اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی، اور فقہاء اہل مدینہ کا بھی یہی قول ہے۔

(۴) امام احمد بن حنبل نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی اجنبی مرد سے یہ کہا کہ تم آزاد ہو تو اس پر لازم ہوگا کہ اگر وہ مرد غلام ہو تو اس کو وہ آزاد کرے اور اگر اس نے کسی اجنبی عورت سے کہا کہ تم کو طلاق ہے تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور سعید بن المسیب سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: بارش سے پہلے سیلاب نہیں آتا۔ (یعنی نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی۔ سعیدی غفرلہ)

وقوع طلاق کا قاعدہ

اور طلاق دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ طلاق اس عورت پر واقع ہوتی ہے جو نکاح کی قید کے ساتھ مقید ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٤٩﴾ (الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو۔

پس قرآن مجید کی اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ طلاق صرف منکوحہ عورت پر واقع ہوتی ہے اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ پر طلاق ہے تو جب وہ گھر میں داخل ہوگی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی لیکن جب کوئی عورت اس کی منکوحہ نہ ہو تو وہ اس پر کسی چیز کا مالک نہیں ہے اور اس کا اس پر کوئی تصرف نہیں ہے، لہٰذا اگر وہ کسی اجنبی عورت سے کہے کہ تم پر طلاق ہے تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی، ہاں! اگر وہ یہ کہہ دے کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے، سو جب وہ اس عورت سے نکاح کرے گا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

(۵) بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت سے کہا: اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے تو یہ ایک عقد ہے جس کو اس نے اپنی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے، پس اگر یہ شرط پائی گئی تو اس کا قول نافذ ہو جائے گا اور اگر موت یا فراق کی وجہ سے یہ شرط نہیں پائی گئی تو اس قول کا حکم ساقط ہو جائے گا اور یہ کسی مانع کی وجہ سے نہیں ہے، حتیٰ کہ جب اس کا محل پایا جائے گا تو یہ حکم نافذ ہو جائے گا۔ اسی طرح جب اس نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اسے طلاق ہے تو واجب ہے کہ یہ قول منعقد ہو اور نیت کے ساتھ اس پر لازم ہو اور یہ عقد موقوف ہوگا حتیٰ کہ اپنے محل میں متحقق ہوگا کیونکہ یہ قول صحیح ہے جو محل صحیح کی طرف مضاف ہے اور کسی مدت صحیحہ پر معلق ہے، سو یہ اس طرح جائز ہے جیسا کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے۔ ان فقہاء نے کہا کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب کسی مرد نے کسی اجنبی عورت کو طلاق دی یا اس غلام کو آزاد کیا جو اس کا مملوک نہیں ہے یا اس چیز کی نذر مانی جو اس کی ملک میں نہیں ہے (تو اس قول پر اس کا کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا) کیونکہ روایت ہے: ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر آئی، پھر اس نے کہا: میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر یہ اونٹنی مجھے آپ کے پاس لے کر آ گئی تو میں اس کو نحر (ذبح) کر دوں گی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "تم نے بہت برا کام کیا، ابن آدم جس چیز کا مالک نہ ہو اس کے متعلق اس کی نذر منعقد نہیں ہوتی، لہٰذا یہ حدیث اس قسم کی نظائر پر محمول ہے۔

قاعدہ مذکورہ پر فقہاء کے اقوال کی تفریع

اسی قاعدہ کے اوپر فقہاء کے اقوال متفرع ہیں۔ رہے امام احمد بن حنبل تو ان کا یہ نظریہ ہے کہ غلام کو آزاد کرنا عبادت مقربہ ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ نذر مرد کے ذمہ میں مطلقاً منعقد ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر اس نے کسی ایسے غلام کو آزاد کرنے کی نذر مان لی جو اس کا مملوک نہیں ہے جب وہ غلام اس کی ملکیت میں آئے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر اس نے کہا کہ اللہ ہی کے لیے مجھ پر طلاق کی نذر ہے تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

رہے امام مالک تو مشہور قول کے مطابق ان کا نظریہ یہ ہے کہ جس نے بالعموم کہا کہ اس کی ہر بیوی کو طلاق ہے تو اس نے اپنے اوپر نکاح کا دروازہ بند کر دیا اور اصل یہ ہے کہ اس کا نکاح کرنا جائز ہوگا اور اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

(عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی جز ۵ ص ۱۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ (الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو ۝

امام بخاری کی اس تعلیق پر علامہ عینی اور دیگر شارحین کا اعتراض

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس آیت سے اس باب کے عنوان پر یہ استدلال کیا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی اور اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اس صورت کی خبر دی گئی ہے جس صورت میں نکاح کے بعد طلاق دی گئی ہو اور اس آیت میں کوئی حصر نہیں ہے اور نہ اس آیت کے سیاق و سباق میں اس کا کوئی تقاضا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۰۔۳۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اعتراض مذکور کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ تعلیق مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع کیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر مروی ہے اور سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابوبکر بن عبد الرحمٰن، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، ابان بن عثمان، علی بن حسین، شریح، سعید بن جبیر، القاسم، سالم، طاؤس، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، عامر بن سعد، جابر بن زید، نافع بن جبیر، محمد بن کعب، سلیمان بن یسار، مجاہد، القاسم بن عبد الرحمٰن، عمرو بن ہرم اور الشعبی کا بھی یہی قول ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو طلاق نہیں دی جائے گی۔

(اس اثر اور ان اقوال تابعین کی تخریج و تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب نعمۃ الباری میں آرہی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن التین نے کہا ہے: امام بخاری نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن اس آیت میں امام بخاری کے موقف پر کوئی دلیل نہیں ہے، (حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کے موقف پر

دلیل حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے اور ان کے اس اثر کی امام احمد بن حنبل نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ سند جید ہے۔ اور امام حاکم نے اس اثر کی حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے تو اس کا یہ قول اس کی لغزش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ۔ (الاحزاب:۴۹) اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم ان کو طلاق دے دو۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر تم ان سے نکاح کرو۔

اور امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے اپنی سندوں کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد یہ کہتا ہے کہ جب میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے تو مرد کے اس قول کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا یہ قول کچھ بھی نہیں ہے یعنی لغو ہے، طلاق صرف اس عورت پر واقع ہوتی ہے جس کا وہ مالک ہو۔ فقہاء نے کہا ہے: پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے یہ کہا کہ جب میں اس عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا اس عورت پر اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک وہ اس مرد سے نکاح نہ کرلے اور کوئی غلام اس وقت تک آزاد نہیں ہوگا جب تک وہ غلام آزاد کرنے والے کی ملک میں نہ آجائے۔ اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کہا: ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ جواب دیا کہ اس کا قول کچھ بھی نہیں ہے یعنی لغو ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ۔ (الاحزاب:۴۹) اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم ان کو طلاق دے دو۔

ابو اسحاق بن ابی ثابت نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ ایوب بن سلیمان نے کہا: میں نے ایک سو تیرہ (۱۱۳) ھ میں حج کیا، پھر میں عطاء کے پاس داخل ہوا اور ان سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس کے پاس ایک عورت آئی تا کہ وہ اس سے نکاح کرلے تو اس مرد نے کہا: میں نے جس دن اس سے نکاح کیا تو اسے طلاق البتہ ہوگی تو عطاء نے جواب دیا کہ جو عورت اس کے عقد نکاح میں نہ ہو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی، اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے استدلال کیا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی، تاہم اس اثر کی سند میں بعض مجہول راوی ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ جَعَلَ اللّٰهُ الطَّلَاقَ بَعْدَ النِّكَاحِ وَيُرْوٰى فِي ذٰلِكَ عَنْ عَلِيٍّ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ وَأَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ وَشُرَيْحٍ وَسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَالْقَاسِمِ وَسَالِمٍ وَطَاوُسٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع فرمایا ہے، اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابوبکر بن عبد الرحمٰن، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، ابان بن عثمان، علی بن حسین، شریح، سعید بن جبیر، القاسم، سالم، طاؤس، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، عامر بن سعد، جابر

وَالْحَسَنِ وَعِكْرِمَةَ وَعَطَاءٍ وَعَامِرِبْنِ سَعْدٍ وَجَابِرِبْنِ زَيْدٍ وَنَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَمْرِو بْنِ هَرِمٍ وَالشَّعْبِيِّ أَنَّهَا لَا تَطْلُقُ

بن زید، نافع بن جبیر، محمد بن کعب، سلیمان بن یسار، مجاہد، القاسم بن عبدالرحمٰن، عمرو بن ہرم کی روایات ہیں اور الشعبی کا بھی یہی قول ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو طلاق نہیں دی جائے گی۔

تعلیق مذکور کی تخریج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع کیا ہے:

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۴۸، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۰)

اور اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اثر مروی ہے:

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۵۴، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۰)

سعید بن المسیب: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۰، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

عروہ بن الزبیر: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ: (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

ابان بن عثمان: حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ کہا ہے کہ میں اب تک اس ماخذ کے اثر پر مطلع نہیں ہوسکا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۳، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علی بن حسین: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۴، مسند ابن الجعد: ۲۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

شریح: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

سعید بن جبیر اور القاسم: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

سالم: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے: (تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۴۵، مکتبۃ اسلامی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

طاؤس: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

حسن بصری: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۶، ۱۱۴۶۵، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۴)

عکرمہ: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)

عطاء: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

عامر بن سعد: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ مجھے اس اثر کا ماخذ نہیں مل سکا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵)

جابر بن زید: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳)

نافع بن جبیر اور محمد بن کعب: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۵)

سلیمان بن یسار: (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۶)

مجاہد: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

القاسم بن عبدالرحمٰن: (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

عمرو بن ہرم: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ میں اس اثر کے ماخذ پر واقف نہیں ہوسکا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵، طبع لاہور)

الشعبی: (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۷۳، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان تمام فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ نکاح سے پہلے عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

نکاح سے پہلے وقوع طلاق کے متعلق مذاہب فقہاء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے العلل میں بیان کیا ہے کہ سفیان بن وکیع نے حدیث بیان کی کہ مجھے چالیس (۴۰) سال سے یہ حدیث محفوظ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے نکاح سے پہلے وقوع طلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اور علی بن حسین اور ابن مسیب اور تیئس (۲۳) تابعین سے روایت ہے کہ وہ نکاح سے پہلے وقوع طلاق میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا: میں نے اپنے والد سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: ہاں! میں نے یہ حدیث بیان کی ہے، میں نے کہا کہ امام بخاری نے اکثر تابعین سے یہ روایت کی ہے کہ نکاح سے پہلے مطلقاً طلاق واقع نہیں ہوتی اس کے باوجود کہ ان میں سے بعض نے اس مسئلہ کی تفصیل کی ہے اور بعض نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان صحابہ اور تابعین سے اس قول کی صیغۂ تمریض (یعنی قیل) سے روایت کی گئی ہے اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے اور اس میں اہل علم کے متعدد مذاہب ہیں، سو بعض نے کہا: نکاح سے پہلے مطلقاً طلاق واقع ہو جاتی ہے اور بعض نے کہا: نکاح سے پہلے مطلقاً طلاق واقع نہیں ہوتی اور بعض نے بہ طور خصوص کہا اور بعض نے بہ طور عموم کہا اور بعض نے توقف کیا۔

اور جمہور کا مختار یہ ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی، اور یہی امام شافعی، ابن مہدی، امام احمد بن حنبل، اسحاق اور داؤد ظاہری اور ان کے متبعین کا مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ نکاح سے پہلے مطلقاً طلاق واقع ہو جاتی ہے اور ربیعہ، الثوری، اللیث، الاوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ نے اس میں تفصیل کی ہے۔ حضرت ابن مسعود اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور جمہور فقہاء مالکیہ نے تفصیل کی ہے کہ اگر اس نے کسی عورت کا نام لیا یا کسی طائفہ، قبیلہ یا کسی معین جگہ یا معین زمانہ کا نام لیا تو اس کے قول کے موافق طلاق بھی ہوگی اور غلام آزاد بھی ہوگا۔

لیکن جب اس نے کہا: اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے تو جب وہ اس عورت سے نکاح کرے گا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن سعید بن المسیب وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور اس سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ احادیث اور آثار اپنے ظاہر پر محمول ہیں۔

نکاح سے پہلے وقوع طلاق کے ثبوت میں دلائل

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع ہو جاتی ہے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:
يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۔ (المائدہ: ۱) اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو۔
انہوں نے کہا: جب کسی شخص نے کسی عورت سے کہا کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے۔ اب اس شخص نے اس عورت پر طلاق معلق واقع کی ہے اور شرط کے پائے جانے پر اس کو طلاق دینے کا التزام کیا ہے، اور اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی

جس چیز کو اپنے اوپر لازم کر لے تو اس کو پورا کرے۔

اور دوسرے فقہاء نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ (الدہر: ۷) وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی مطلقاً تحسین فرمائی ہے جو اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں، سو جس شخص نے ایسے غلام کو آزاد کرنے کی نذر مانی جو اس کی ملکیت میں نہیں تھا تو وہ بھی اس آیت کی تحسین میں داخل ہے۔

اور بعض فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ طلاق معلق واقع کرنا صحیح ہے کیونکہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے، پھر جب اس کی بیوی گھر میں داخل ہوئی تو اس کو طلاق واقع ہو جائے گی، اسی قیاس پر ان فقہاء نے کہا کہ جس شخص نے کسی اجنبی عورت سے کہا کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے، لہٰذا اگر اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو اس کو طلاق ہو جائے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: طلاق دینا شوہر کا حق ملکیت ہے، سو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو طلاق معجل دے یا طلاق مؤجل دے یا اس کو معلق طلاق دے یا اس کی طلاق کا معاملہ کسی اور کے سپرد کر دے۔ اس کے برخلاف جو شخص شوہر نہیں ہے اور اس کی کسی اجنبی عورت پر ملکیت نہیں ہے تو اس پر طلاق معلق واقع کرنے کا کیا جواز ہے؟ جب کہ احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ جو عورت مرد کی ملکیت نہ ہو تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۶۰۔۴۵۶ ملخصاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کی طرف سے حافظ ابن حجر عسقلانی کی دلیل کا جواب

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس دلیل کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اولاً تو وہ احادیث سند صحیح سے مروی نہیں ہیں جیسا کہ امام ابوبکر ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ نے اس کی تصریح کی ہے۔ ثانیاً امام احمد بن حنبل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود اور تیئس (۲۳) فقہاء تابعین سے روایت کی ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جس کا خود حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ ثالثاً جن احادیث میں ممانعت ہے وہ طلاق تنجیز یعنی طلاق غیر معلق پر محمول ہیں، اور فقہاء احناف نکاح سے پہلے جس طلاق کے وقوع کے قائل ہیں وہ طلاق معلق ہے یعنی مرد کسی اجنبی عورت سے یہ کہے کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے، سو اگر مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو اس کے نکاح کرتے ہی اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری نے باب کے عنوان "نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی" کے ثبوت میں الاحزاب: ۴۹ لکھی ہے جب کہ اس آیت کی باب کے عنوان کے ثبوت پر کوئی دلالت نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کی طرف سے توجیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور فقہاء تابعین کے اثر کو لکھ دیا۔ علامہ

عینی فرماتے ہیں: یہ اس قائل کا جواب سے عاجز ہونا ہے اور علامہ ابن التین اور علامہ ابن المنیر کے اعتراض سے بھاگنا ہے اور فرار ہونا ہے اور اپنے مذہب کی عصبیت کو مقرر کرنا ہے اور امام بخاری کی جانب داری ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۰۔۳۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس کے اثر ''اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع کیا ہے'' اس اثر کی شرح میں علامہ عینی حنفی کا فقہاء احناف کے مذہب کو ثابت کرنا اور فقہاء شافعیہ کے مذہب کو رد کرنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع فرمایا ہے۔
اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: طلاق صرف نکاح کے بعد مشروع ہے اور آزاد کرنا صرف ملکیت کے بعد مشروع ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۳)
اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد مشروع فرمایا ہے اور فقہاء احناف اس کے قائل ہیں اور فقہاء احناف اس حدیث کو طلاق معلق پر محمول کرتے ہیں، لہٰذا فقہاء شافعیہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس اثر سے فقہاء احناف کے خلاف مسئلہ تعلیق میں حجت قائم کریں کیونکہ طلاق کو معلق کرنا اور چیز ہے اور طلاق دینا اور چیز ہے اور طلاق معلق فی الحال طلاق نہیں ہوتی، لہٰذا طلاق معلق کی صحت کے لیے اس کے محل کے قیام کی ضرورت نہیں ہے۔
امام ابوبکر رازی نے اس اثر میں زہری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ کسی مرد سے یہ کہا جائے کہ تم فلاں عورت سے نکاح کرو، سو وہ کہے: اس کو طلاق ہے تو اس کا یہ کلام لغو ہے لیکن جس شخص نے یہ کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے تو اس کو صرف اس وقت طلاق دی جائے گی جب وہ اس عورت سے نکاح کرے گا اور امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ الزہری سے روایت کی ہے کہ جس مرد نے کہا: ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں گا اس کو طلاق ہے اور ہر وہ باندی جس کو وہ خریدے گا وہ آزاد ہے تو معمر نے کہا: کیا یہ حدیث نہیں ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی اور ملکیت کے بغیر غلام یا باندی آزاد نہیں ہوتی، تو زہری نے کہا: یہ صرف اس وقت ہے جب مرد یہ کہے کہ فلاں کی عورت کو طلاق ہے یا کہے کہ فلاں کا غلام آزاد ہے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۵۱۹)

اور بعض فقہاء نے اس اثر سے استدلال کیا ہے جس کو امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ یہ کلام لغو ہے کیونکہ مرد کی طلاق اس عورت پر واقع ہوتی ہے جو اس کی ملکیت میں ہو، اس پر لوگوں نے کہا کہ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کیا جواب ہوگا کہ جب کسی مرد نے طلاق کا کوئی وقت مقرر کیا تو اس وقت کا اعتبار کیا جائے گا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا:

اِذَا طَلَّقْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ نَكَحْتُمُوْهُنَّ۔ جب تم مومن عورتوں کو طلاق دو، پھر ان سے نکاح کرو۔

ان لوگوں نے کہا: الاحزاب: ۴۹، تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب نکاح ہو جائے، پھر جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو اس مطلقہ کی کوئی عدت نہیں ہے اور اس آیت میں محل نزاع سے کوئی تعرض نہیں ہے۔

امام طحاوی نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: حبس الاصل و سبل الثمرۃ (درخت کو اور پھل کے راستوں کو محبوس کرلیا گیا) سو یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ مرد عقد کے وقت جس کا مالک نہ ہو اس کا عقد کرنا جائز ہے بلکہ وہ از سر نو مالک ہوگا اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو اس وصیت کا موت کے وقت اعتبار کیا جائے گا نہ کہ وصیت کے وقت (یعنی جس شخص نے اپنی زندگی میں اپنے مال تہائی کی وصیت کر دی تو اس وقت اس کی وصیت نافذ نہیں ہوگی بلکہ اس کی موت کے وقت وصیت نافذ ہوگی، سو اسی طرح جس نے کسی اجنبی عورت کو یہ کہہ کر طلاق دے دی کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے تو اس وقت یہ طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ جب وہ مرد اس عورت سے نکاح کرے گا تب طلاق واقع ہوگی۔ سعیدی غفرلہ)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۝ (التوبہ: ۷۵)

اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے O

یہ آیت اس مسئلہ کی نظیر ہے کہ کسی مرد نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے کیونکہ جس طرح اس آیت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ان پر اس وقت صدقہ کرنا لازم ہوگا بلکہ اگر ان کو اللہ تعالیٰ مال دے گا تو ان پر صدقہ کرنا لازم ہوگا اسی طرح جب اس نے کہا کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے، اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ اس عورت کو اسی وقت طلاق ہوگی بلکہ جب وہ مرد اس سے نکاح کرے گا تب اس پر طلاق واقع ہوگی۔

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے الاستذکار میں لکھا ہے کہ امام مالک سے اس مسئلہ میں مختلف روایات نہیں ہیں کہ اگر اس نے بالعموم طلاق دی ہے تو وہ اس کو لازم نہیں ہوگی اور اگر اس نے کسی عورت کا نام لے کر کہا کہ اگر میں نے اس عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے تو پھر طلاق لازم ہوگی۔ ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح، نخعی، شعبی، اوزاعی اور اللیث کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ قاسم اور سالم اور عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ معین عورت کو نکاح سے پہلے طلاق دینا جائز ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ عمر بن حمزہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے القاسم بن محمد اور سالم اور ابوبکر بن عبد الرحمٰن اور ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سے سوال کیا کہ ایک مرد نے کہا کہ میں جس دن فلاں عورت سے نکاح کروں گا اس کو طلاق البتہ ہوگی تو ان سب نے کہا کہ وہ اس سے نکاح نہ کرے اور امام ابن ابی شیبہ نے کہا کہ ہمیں حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن عمر، انہوں نے کہا: میں نے القاسم سے سوال کیا کہ ایک مرد نے کہا: جس دن میں فلاں عورت سے نکاح کروں گا تو اس کو طلاق ہوگی تو قاسم نے کہا کہ اس کو طلاق ہو جائے گی۔

عَنْ عَلِیٍّ وَسَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ وَأَبِیْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ وَأَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَعَلِیِّ بْنِ حُسَیْنٍ وَشُرَیْحٍ وَسَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ وَالْقَاسِمِ وَسَالِمٍ وَطَاوُسٍ وَالْحَسَنِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، ابوبکر بن عبد الرحمٰن، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، ابان بن عثمان، علی بن حسین، شریح، سعید بن جبیر، القاسم، سالم، طاؤس، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، عامر بن سعد، جابر بن زید، نافع بن جبیر، محمد بن

وَعِكْرِمَةَ وَعَطَاءٍ وَعَامِرِ بْنِ سَعْدٍ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَنَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَمُجَاهِدٍ وَالْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَمْرِو بْنِ هَرِمٍ وَالشَّعْبِيِّ أَنَّهَا لَا تَطْلُقُ۔

کعب، سلیمان بن یسار، مجاہد، القاسم بن عبدالرحمٰن، عمرو بن ہرم اور الشعبی نے بھی اس مسئلہ میں یہ روایت کی ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو طلاق نہیں دی جائے گی۔

مذکورہ الصدر تعلیق کی سندوں کے متون اور ان کی تخریجات

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ مذکور الصدر تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق کی صیغہ مجہول کے ساتھ روایت کی ہے جو صیغہ تمریض ہے اور اگر امام بخاری کے پاس اس مسئلہ کے ثبوت میں اور ترجمۃ الباب کی تائید میں کوئی حدیث صحیح مرفوع ہوتی تو وہ اس کو ضرور ذکر کرتے اور یہ مذکور الصدر چوبیس (۲۴) فقہاء ہیں جن کا یہ مذہب ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی، یہ سب تابعین ہیں، مگر ان میں سے پہلے مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابی ہیں اور رہے ابن ہرم تو وہ اتباع التابعین میں سے ہیں۔

رہا حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اثر تو اس کی امام ابن ابی شیبہ نے از نزال روایت کی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۵۴) (مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث ہمیں نہیں ملی، البتہ یہ حدیث مصنف عبدالرزاق میں مذکور ہے)

رہی وہ تعلیق جس کی امام بخاری نے عروہ سے روایت کی ہے اس کی ثقفی نے بھی عروہ سے روایت کی ہے۔
(سنن سعید بن منصور ج ا ص ۲۵۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

رہی وہ تعلیق جس کی امام بخاری نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے روایت کی ہے، سو اس کی روایت یعقوب بن سفیان اور امام بیہقی نے بھی اپنی سند کے ساتھ علی بن ابی الحکم سے کی ہے کہ ان کے بھتیجے نے اپنے چچا کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دیا، پھر ان کا بعض معاملات میں تنازع ہو گیا تو اس نوجوان نے کہا کہ اگر میں نے اس عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے حتیٰ کہ میں الغضیض کو (کھجور کے نر درخت کا شگوفہ) کھاؤں، پھر وہ لوگ اپنی گزشتہ باتوں پر نادم ہوئے تو المنذر نے کہا: میں تمہارے پاس اس مسئلہ کا حل نکال کر لاتا ہوں، سو المنذر، سعید بن المسیب کے پاس گئے اور ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو ابن المسیب نے کہا: یہ کچھ نہیں ہے یعنی اس کا کلام لغو ہے، اس نے اس عورت کو طلاق دی ہے جس کا وہ مالک نہیں تھا، پھر ابوالحکم کے بھتیجے نے کہا کہ میں نے اس مسئلہ کے متعلق عروہ بن زبیر سے پوچھا تھا تو انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا تھا، پھر میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے سوال کیا تو انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا، پھر میں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ہشام سے سوال کیا تو انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا، پھر میں نے عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود سے سوال کیا تو انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا، پھر میں نے عمر بن عبدالعزیز سے سوال کیا تو انہوں نے پوچھا: کیا تم نے اس مسئلہ کے متعلق کسی سے سوال کیا تھا؟ پس میں نے بتایا: جی ہاں! پھر انہوں نے ان تمام حضرات کے نام لیے، انہوں نے کہا کہ پھر میں اپنی قوم کے پاس گیا، سو میں نے ان کو اس بات کی خبر دی۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

رہی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی تعلیق تو یہ وہی ہے جس کا ابھی یعقوب بن سفیان نے ذکر کیا ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

اور رہی ابان بن عثمان کی تعلیق تو اس کا شارحین میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا۔ (میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا ہے کہ میں اب تک اس ماخذ کے اثر پر مطلع نہیں ہو سکا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ) (سعیدی غفرلہ)

رہی علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم کی تعلیق جو زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں تو یہ الغیلانیات میں ہے از شعبہ از الحکم یعنی ابن

عتیبہ کی سند سے مذکور ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے سنا، وہ کہتے تھے کہ طلاق صرف نکاح کے بعد دی جاتی ہے۔ (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۴، مسند ابن الجعد: ۲۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

رہی شریح القاضی کی تعلیق تو اس کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی۔ (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

رہی سعید بن جبیر کی تعلیق تو اس کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے، انہوں نے اس مرد کے متعلق کہا جس نے کہا تھا کہ میں جس دن فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق، پس سعید بن جبیر نے کہا: یہ کچھ نہیں ہے یعنی یہ کلام لغو ہے طلاق تو صرف نکاح کے بعد واقع ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

رہی القاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعلیق تو اس کی امام ابوعبید نے اپنی کتاب النکاح میں ہشیم بن ہارون سے روایت کی ہے اور وہ دونوں یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ القاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ بن عمر اور عمر بن عبدالعزیز نکاح سے پہلے طلاق کی مشروعیت کا نظریہ نہیں رکھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

رہی سالم بن عبداللہ کی تعلیق تو یہ وہی ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ (تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۴۵، مکتبۃ اسلامی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

رہی طاؤس کی تعلیق تو اس کی بھی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ عطاء اور طاؤس سے روایت کی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

اور رہی حسن بصری کی تعلیق تو اس کی امام عبدالرزاق نے حسن بصری اور قتادہ سے روایت کی ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ نکاح سے پہلے طلاق مشروع ہے نہ ملکیت سے پہلے آزاد کرنا مشروع ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۶، ۱۱۴۶۵، سنن سعید منصور ج ۱ ص ۲۵۴)

رہی عکرمہ کی تعلیق تو اس کی امام ابوبکر الاثرم نے از الفضل بن دکین از سوید بن نجیح روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے عکرمہ سے سوال کیا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، میں نے کہا کہ ایک مرد سے لوگوں نے کہا کہ تم فلاں عورت سے نکاح کر لو انہوں نے کہا کہ میں جس دن اس سے نکاح کروں تو اسے اتنی اور اتنی طلاق ہے تو عکرمہ نے جواب دیا کہ طلاق نکاح کے بعد مشروع ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)

رہی عطاء کی تعلیق تو اس کا ذکر طاؤس کی روایت کے ساتھ ہو چکا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۶۹، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

اور رہی عامر بن سعد کی تعلیق تو کہا گیا ہے کہ یہ البجلی الکوفی ہیں جو کبار تابعین میں سے ہیں، سو میں ان کے اثر پر مطلع نہیں ہو سکا۔ (میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی بھی اس اثر پر مطلع نہیں ہو سکے۔ فتح الباری ج ۹ ص ۳۸۵، سعیدی غفرلہ) علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ عامر بن سعد بن ابی وقاص ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ اس پر اعتراض ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: جنہوں نے "رجال الصحیحین" نامی کتاب لکھی ہے، انہوں نے اس عامر بن سعد البجلی کا ذکر نہیں کیا ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ عامر بن سعد بن ابی وقاص ہیں کیونکہ وہ بھی کبار تابعین میں سے ہیں۔

اور رہی جابر بن زید کی تعلیق اور وہ ابوالشعثاء البصری ہیں، سو امام سعید بن منصور نے ان کے اثر کی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۳)

اور رہی نافع بن جبیر بن مطعم اور محمد بن کعب القرظی کی تعلیق تو اس کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ از اسامہ بن زید

روایت کی ہے اوران دونوں نے کہا: طلاق صرف نکاح کے بعد مشروع ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۵)

رہی سلیمان بن یسار کی تعلیق تو اس کی امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ سلیمان بن یسار سے روایت کی ہے، انہوں نے ایک عورت کے متعلق قسم کھائی کہ اگر انہوں نے اس سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے، پھر اس سے نکاح کر لیا، پھر عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی اور وہ اس وقت مدینہ کے گورنر تھے تو انہوں نے سلیمان بن یسار کی طرف پیغام بھیجا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم نے اس طرح قسم کھائی تھی؟ سلیمان بن یسار نے کہا: جی ہاں! عمر بن عبدالعزیز نے کہا: کیا تم اس عورت کو کسی اور سے نکاح کرنے کے لیے نہیں چھوڑتے؟ سلیمان بن یسار نے کہا: نہیں، پھر عمر بن عبدالعزیز نے اس معاملہ کو ترک کر دیا اور سلیمان بن یسار اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی۔(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۶)

اور رہی مجاہد کی تعلیق تو اس کی امام ابن ابی شیبہ نے از الحسین بن الرماح روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سعید بن المسیب، مجاہد اور عطاء سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس نے کہا: جس دن میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے تو ان سب نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے یعنی اس کا کلام لغو ہے اور امام سعید نے کہا: کیا بارش سے پہلے سیلاب آتا ہے (یعنی جس طرح بارش سے پہلے سیلاب نہیں آتا اسی طرح نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی)۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۱)

اور رہی القاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود کی تعلیق تو امام ابن ابی شیبہ نے از وکیع از معروف بن واصل روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے القاسم بن عبدالرحمٰن سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: طلاق صرف نکاح کے بعد مشروع ہوتی ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۴)

اور رہی عمرو بن ہرم الازدی کی تعلیق تو وہ اتباع التابعین میں سے ہیں، سو اس کی امام ابو عبید نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔(میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا ہے کہ میں اس اثر پر مطلع نہیں ہو سکا۔(فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۵، طبع لاہور) سعیدی غفرلہ)

اور رہی عامر الشعبی کی تعلیق تو اس کی وکیع نے اپنی سند کے ساتھ از الشعبی روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ جس نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں تو اسے طلاق ہے تو اس کا یہ قول کچھ بھی نہیں ہے یعنی لغو ہے اور جب وہ اس کا وقت مقرر کرے گا تو اس کو طلاق لازم ہوگی۔(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۷۳، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۵۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶)

امام شافعی، امام بخاری و دیگر محدثین نے نکاح سے پہلے طلاق کے عدم وقوع پر جن آثار سے استدلال کیا ہے ان آثار کی اسانید کی تحقیق

علامہ عینی حنفی تعلیقات مذکورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تم دیکھتے ہو کہ امام بخاری نے ان تعلیقات مذکورہ کی صیغۂ تمریض کے ساتھ روایت کی ہے اور ان سب کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ یہ سب اس کے قائل ہیں کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی اور ان بعض تعلیقات کی سندوں میں بحث ہے جس کی طرف اب ہم اشارہ کریں گے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اثر کی امام عبدالرزاق نے حسن بصری سے روایت کی ہے اور حسن بصری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔

اور رہی وہ روایت جس کی امام ابن ابی شیبہ نے از عبدالملک بن میسرۃ روایت کی ہے اس کو یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا

ہے۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابن ماجہ نے از جویر از ضحاک از نزار بن سبرۃ از حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: نکاح سے پہلے طلاق مشروع نہیں ہے تو میں کہوں گا کہ جویر بن سعید البلخی ضعیف ہے، پس اگر تم کہو کہ امام ترمذی نے روایت کی ہے: ہمیں احمد بن منیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں عامر الاحول نے حدیث بیان کی از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس چیز کا ابن آدم مالک نہ ہو اس میں اس کی نذر جائز نہیں اور جس غلام کا وہ مالک نہ ہو اس کو آزاد کرنا جائز نہیں۔ اور امام ترمذی نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث حسن صحیح ہے اور وہ اس باب میں سب سے عمدہ حدیث ہے تو میں کہوں گا: اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اور حضرت عمرو بن شعیب کی اس حدیث پر بہت محدثین نے جرح کی ہے، امام احمد نے کہا کہ حضرت عمرو بن شعیب کی روایت میں اکثر مناکیر ہیں، ان کی حدیث صرف لکھی جاتی ہے اور اس کا اعتبار کیا جاتا ہے اور رہا یہ کہ وہ حدیث حجت ہو تو یہ بات نہیں ہے اور ابو عبید الآجری نے کہا: امام ابوداؤد سے عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود کی روایت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ حجت نہیں ہے بلکہ یہ نصف حجت بھی نہیں ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، امام ابوعبید اور ہمارے عام اصحاب کو دیکھا، وہ حدیث عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود سے استدلال کرتے ہیں اور مسلمانوں میں سے کسی نے بھی ان کی روایت کو ترک نہیں کیا۔

(علامہ عینی فرماتے ہیں:) ہمارے فقہاء احناف نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کرنے کے بعد یہ جواب دیا ہے کہ ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ نکاح سے پہلے طلاق کا وقوع مشروع نہیں ہے لیکن یہ حدیث طلاق تنجیز کے متعلق ہے جو غیر معلق ہوتی ہے۔ رہی طلاق معلق تو وہ نکاح سے پہلے بھی مشروع ہے جیسا کہ ہم اس باب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس باب میں حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل، حضرت جابر، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔ رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی سند کے متعلق ہم بحث کر چکے ہیں اور رہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی امام دارقطنی نے از عبدالحمید از رواد از ابن جریج از عمرو بن شعیب از طاؤس از معاذ بن جبل روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح سے پہلے طلاق مشروع نہیں ہے اور جو چیز ملکیت میں نہ ہو اس کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: طاؤس کی از حضرت معاذ بن جبل روایت منقطع ہے اور یہ حدیث از یزید بن عیاض از الزہری از سعید بن المسیب از حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی مروی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام دارقطنی نے کہا کہ یزید بن عیاض ضعیف راوی ہے اور ہمارے شیخ نے کہا کہ ابن المسیب کی حضرت معاذ سے روایت مرسل ہے۔ اور امام ابن عدی نے ''الکامل فی الضعفاء'' میں اس حدیث کی عمر بن عمرو کی سند سے روایت کی ہے اور عمر بن عمرو موضوعات کی روایت کرتا ہے۔ رہی جابر بن زید کی حدیث، سو اس کی الحاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اس حدیث کی روایت نہیں کی۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) ہمارے شیخ نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں علی بن ابی ذئب ہے، اس سے ابومجلز الحنفی نے اسی طرح روایت کی ہے اور وکیع نے اس کی مخالفت کی ہے، پس اس کی از محمد بن المنکدر از حضرت جابر از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث کی امام دارقطنی نے سلیمان بن ابی سلیمان از یحییٰ بن ابی کثیر از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے جس میں مذکور ہے کہ مرد جس عورت کا مالک نہ ہو اس کو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں کہ امام عبدالحق نے

اپنی کتاب ''الاحکام'' میں امام دارقطنی کے حوالہ سے یہ کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور علامہ ابن القطان نے کہا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں سلیمان بن ابی سلیمان ہے جو بوڑھا آدمی ضعیف الحدیث ہے۔ اور ''صاحب التنقیح'' نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ سلیمان بن ابی سلیمان بن داؤد الیمانی کے ضعف پر اتفاق ہے۔ ابن معین نے کہا: یہ کچھ بھی نہیں ہے اور امام بخاری نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے اور امام ابن عدی نے کہا: اس کی عام روایات کا کوئی متابع نہیں ہے۔ رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تو امام دارقطنی نے اس کی از الولید بن سلمہ الازدی از یونس از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب کو بھیجا اور اس سے یہ عہد لیا کہ کوئی مرد اس وقت تک کسی عورت کو طلاق نہیں دے گا جب تک کہ اس سے نکاح نہ کرے اور کسی غلام کو اس وقت تک آزاد نہیں کرے گا جب تک وہ اس کی ملک میں نہ ہو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ صاحب التنقیح نے کہا ہے کہ الولید بن سلمہ الازدی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ حدیث وضع کرتا تھا یعنی گھڑتا تھا۔

شافعی محدثین نے جن احادیث سے نکاح سے پہلے طلاق کے عدم وقوع پر استدلال کیا ہے ان احادیث کی تحقیق

پس اگر تم سوال کرو کہ اس باب میں حضرت المسور بن مخرمہ، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث روایت کی گئی ہیں۔

رہی حضرت المسور کی حدیث تو اس کی امام ابن ماجہ نے از ہشام بن سعد المخزومی از زہری از عروہ از حضرت المسور بن مخرمہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: ''نکاح سے پہلے کوئی طلاق مشروع نہیں ہے اور ملکیت سے پہلے کسی غلام کو آزاد کرنا مشروع نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ:۲۰۴۸)

(علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام عبداللہ بن عدی الجرجانی الشافعی التوفی ۳۶۵ھ نے ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' میں ہشام بن سعد کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ حدیث ایک بار مرفوعاً مروی ہے اور ایک بار عروہ سے مرسلاً مروی ہے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۸ ص ۳۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

رہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث تو اس کی امام الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ نے از ابوخالد الواسطی از ابوہاشم الرمانی از سعید بن جبیر از ابن عمر رضی اللہ عنہما از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کہا کہ میں جس دن فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اس عورت کو طلاق دی ہے جس کا یہ مالک نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی، ۳۸۷۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

صاحب التنقیح نے کہا ہے کہ یہ روایت باطل ہے اور ابوخالد الواسطی کا نام عمرو بن خالد ہے اور یہ وضاع الحدیث ہے یعنی احادیث گھڑنے والا ہے۔ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے کہا: یہ کذاب ہے۔

رہی حضرت ابوثعلبہ الخشنی کی حدیث تو اس کی امام الدارقطنی نے از علی بن قرین از بقیہ از ثور بن یزید از خالد بن معدان از حضرت ابوثعلبہ الخشنی روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا نے کہا کہ تم میرا ایک کام کرو حتیٰ کہ میں تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں تو میں نے کہا: اگر میں نے اس سے نکاح کیا تو اس کو تین طلاقیں ہیں، پھر مجھے یہ خیال آیا کہ میں اس سے نکاح کر لوں، سو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تم اس سے نکاح کر لو کیونکہ طلاق

صرف نکاح کے بعد واقع ہوتی ہے، سو میں نے اس سے نکاح کر لیا، پھر اس سے سعد اور سعید نام کے میرے دو بیٹے پیدا ہوئے۔
(سنن دارقطنی: ۳۹۲۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

میں کہتا ہوں کہ صاحب التنقیح نے کہا کہ یہ روایت بھی باطل ہے، علی بن قرین کو یحییٰ بن معین وغیرہ نے کاذب قرار دیا ہے اور امام ابن عدی الجرجانی الشافعی المتوفی ۳۶۵ھ نے کہا ہے: یہ حدیث کا سرقہ کرتا تھا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶ ص ۳۶۶ دارالکتب العلمیہ، بیروت) (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوثعلبہ الخشنی کے نام میں اور ان کے والد کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام جرہم ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام جرثوم ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام ابن ناشب ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ ان کا نام ابن ناشم ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ ان کا نام عمرو بن جرثوم ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں اور ان کے صحابی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حافظ ابوعمر ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ انہوں نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی، پھر وہ ملک شام چلے گئے اور وہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی وفات ہو گئی۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نکاح سے پہلے طلاق کے وقوع پر علامہ ابن بطال مالکی کے دلائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

المائدہ: ۱، الدہر: ۷ اور التوبہ: ۷۵، سے یہ ثابت ہے کہ انسان اپنے نفس کے اوپر جو چیز لازم کر لے وہ اس پر لازم ہو جاتی ہے خواہ وہ اس کی ملکیت میں نہ ہو، اسی طرح عورت پر ملکیت سے پہلے بھی عقد طلاق لازم ہو جاتا ہے لیکن جب اس نے نکاح سے پہلے تمام عورتوں کو بالعموم طلاق دی تو یہ گناہ ہے کیونکہ اس نے اپنے نفس کو نکاح سے روکا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مباح کر دیا تھا، لہٰذا اس کا عقد طلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسا نیا کام نکالا جس کی اصل ہمارے دین میں نہیں ہے تو اس کا وہ کام مردود ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۷۱۸، سنن ابوداؤد: ۴۶۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۴، مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۰)

امام مالک کے نزدیک نکاح سے پہلے اگر کسی معین عورت کو طلاق معلق دی تو وہ واقع ہو جائے گی لیکن اگر اس نے نکاح سے پہلے بالعموم طلاق دی تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۳۶۔۳۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نکاح سے پہلے طلاق کے عدم وقوع پر دیگر شراح کے دلائل اور اس پر مصنف کا تبصرہ

امام بخاری کی اس تعلیق کی شرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۰۔۴۵۶)

اور حافظ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ نے بھی اس تعلیق کی شرح کی ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۲۶۸۔۲۵۲، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس تعلیق کی شرح کی ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۳۶۔۳۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

لیکن ان سب سے جامع اور کامل شرح علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۴۔۳۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تاہم علامہ عینی نے جن احادیث کے حوالے دیئے ہیں ان کی تخریج نہیں کی ہے اور ہم نے قوسین میں ان تمام احادیث اور آثار کی تخریج کر دی ہے اور مشکل الفاظ کے معانی بیان کر دیئے ہیں اور مغلق عبارات کو کھول دیا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ

العزیز کے موقف کو واضح تر بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور سب مسلمانوں کو فقہ حنفی پر عمل کرنے کی توفیق دے اور کاش! فقہاء شافعیہ بھی اپنے موقف پر نظر ثانی کریں اور امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کے موقف کی طرف رجوع کر لیں کیونکہ یہی مذہب قوی دلائل، احادیث صحیحہ اور آثار قویہ سے ثابت ہے۔ امین۔ یا رب العالمین

۱۰۔ بَابٌ: إِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ وَهُوَ مُكْرَهٌ هٰذِهِ أُخْتِي فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ

جب ایک مرد نے اپنی بیوی کے متعلق کہا اور وہ اس وقت مجبور تھا: ''یہ میری بہن ہے'' تو اس پر کوئی حکم نہیں ہے (یعنی اس سے طلاق نہیں ہوگی)

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِسَارَةَ هٰذِهِ أُخْتِي وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

اور نبی ﷺ نے بیان فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارۃ کے متعلق فرمایا: ''یہ میری بہن ہے''۔ اور ان کا یہ ارشاد اللہ عزوجل کی ذات کے سبب سے تھا۔

تعلیق مذکور کے ثبوت میں صحیح البخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد کی حدیث

اس تعلیق کی حدیث موصول حسب ذیل ہے:

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے، ان میں سے دو تو اللہ عزوجل کی ذات کے سبب تھے، ایک ان کا یہ قول تھا:

إِنِّي سَقِيمٌ ﴿۸۹﴾ (الصافات:۸۹)

بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں O

اور دوسرا قول یہ تھا:

قَالُوٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ (الانبیاء: ۶۳۔۶۲)

انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے؟ O (ابراہیم نے کہا:) بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے ان میں کا بڑا یہ ہے سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہوں O

اور نبی ﷺ نے بیان فرمایا: ایک دن حضرت ابراہیم اور حضرت سارۃ ظالم بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ (فرعون مصر) کے علاقہ میں آئے تو اس ظالم بادشاہ کو بتایا گیا کہ بے شک یہاں پر ایک مرد آیا ہے اور اس کے ساتھ حسین ترین عورت ہے تو اس ظالم بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوایا اور اس حسین ترین عورت کے متعلق سوال کیا، سو پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یہ میری بہن ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے پاس گئے اور ان سے فرمایا: اے سارہ! اس وقت پوری روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے اور اس ظالم بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق سوال کیا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری بہن ہو، سو تم میری تکذیب نہ کرنا، سو اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوایا، پس جب وہ اس کے پاس داخل ہوئیں تو اس نے (برے ارادہ سے) ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ پکڑ لیا گیا (یعنی شل ہو گیا) تو اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ سے کہا: آپ میرے حق میں دعا کیجئے اور میں آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کے ہاتھ کو چھوڑ دیا گیا، اس نے پھر دوسری بار ان کی طرف ہاتھ بڑھایا، پھر اسی طرح یا اس سے زیادہ سختی کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ لیا گیا، تب اس نے کہا: آپ اللہ سے میرے لیے دعا کیجئے اور میں آپ کو ضرر نہیں پہنچاؤں گا تو حضرت سارہ نے دعا کی تو

اسے چھوڑ دیا گیا، پس اس ظالم بادشاہ نے اپنے دربانوں کو بلایا اور کہا: بے شک تم کسی انسان کو میرے پاس نہیں لائے بے شک تم تو میرے پاس جنیہ عورت کو لائے ہو، پھر اس نے حضرت سارہ کو خدمت کے لیے حضرت ہاجر دے دیں، پھر حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئیں اور وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا: کیا ہوا؟ حضرت سارہ نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے اس کافر یا فاجر کے مکر اور اس کی سازش کو اسی کی طرف لوٹا دیا اور اس نے حضرت ہاجر خدمت کے لیے دے دیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ یعنی حضرت ہاجر تمہاری ماں ہیں اے بارش کے بیٹو!

(صحیح البخاری: ۵۸ ۳۳، صحیح مسلم: ۲۱۴۵، مسند احمد: ۹۲۴۱)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت سارہ کا تذکرہ اور ان کے قصۂ مذکورہ کی تفصیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ جو کہ حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہاران کی بیٹی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بہن تھیں تو حضرت ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق کہا کہ "یہ میری بہن ہیں" اور اس کا قصہ یہ ہے کہ ملک شام میں قحط واقع ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے اور اس وقت وہاں کا بادشاہ فرعون تھا اور وہ فراعنہ میں سے سب سے پہلا فرعون تھا جو بہت طویل عرصے تک زندہ رہا تھا۔ اور حضرت سارہ اس زمانہ کی سب سے حسین خاتون تھیں، سو فرعون کے پاس ایک مرد گیا اور اس نے بتایا کہ اس شہر میں ایک مرد آیا ہے اور اس کے ساتھ حسین ترین عورت ہے تو فرعون نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلوایا اور ان سے پوچھا: اس عورت کا تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ یہ میری بہن ہے، حضرت ابراہیم کو یہ خطرہ تھا کہ اگر انہوں نے یہ کہا کہ وہ میری بیوی ہے تو فرعون حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قتل کر دے گا، پس حضرت سارہ فرعون کے پاس گئیں تو اس نے بری نیت سے حضرت سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ سوکھ کر اس کے سینہ کی طرف لٹک گیا۔ تب اس نے حضرت سارہ سے کہا: تم اپنے معبود سے یہ دعا کرو کہ وہ مجھے چھوڑ دے، پس حضرت سارہ نے دعا کی: اے اللہ! اگر یہ سچا ہے تو تو اس کے ہاتھ کو چھوڑ دے، پس اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ کو چھوڑ دیا۔ کہا گیا ہے کہ اس نے یہ فعل کئی مرتبہ کیا، پس جب فرعون نے حضرت سارہ کے مقام اور مرتبہ کو پہچان لیا تو فرعون نے حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹا دیا اور حضرت سارہ کو حضرت ہاجر ہبہ کر دیں اور یہ کنواری قبطیہ تھیں۔

اور یہ ظاہری جھوٹ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سبب سے تھا یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو حضرت سارہ کے متعلق فرمایا کہ یہی میری بہن ہے تو ان کا یہ قول اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تھا کیونکہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دینی بہن تھیں اور اس وقت روئے زمین پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت سارہ اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۵-۳۵۴)

دینی بہن کی تاویل کے بغیر اپنی بیوی کو بہن کہنے کی ممانعت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے متعلق یہ نہ کہے کہ یہی میری بہن ہے کیونکہ امام عبدالرزاق بن ہمام شیعی متوفی ۲۱۱ ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوتیمہ الہجیمی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مرد کے پاس سے گزرے جو اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا: یا اخیہ! (اے میری منی سی بہن!) آپ نے اس قول کو ناپسند کرتے ہوئے اس کو ڈانٹا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۴۶، ج ۷ ص ۱۵۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۱۱)

اور اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ڈرایا جو اپنی بیوی سے کہے: اے میری بہن! یا کہے: تو میری بہن ہے، یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ تو میرے اوپر میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا میری بہن کی پشت کی طرح ہے اور اس کو حرام کرنے کے قصد سے یہ کہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ ہدایت دی کہ وہ ایسے مشتبہ الفاظ کہنے سے اجتناب کرے جن سے حلال عورتوں کو حرام قرار دینے کی راہ نکلتی ہے اور یہ حدیث اس کے منافی نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیوی کے متعلق کہا تھا کہ یہ میری بہن ہیں کیونکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ دین اور ایمان کے رشتہ سے آپ کی بہن ہیں اور جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اے میری بہن! اور اس کی نیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیت کی طرح تھی کہ وہ دین اور ایمان کے رشتہ سے میری بہن ہیں تو جماعت فقہاء کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس کی توجیہ کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سارۃ کو عالم مجبوری میں بہن کہا تھا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان کو اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کے متعلق مجبوری کے عالم میں کہا کہ وہ میری بہن ہے تو اس قول سے اسے ضرر نہیں ہوگا۔

بعض شارحین نے اس قید پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ انہوں نے مجبوری کے عالم میں حضرت سارہ کے متعلق یہ کہا تھا کہ وہ میری بہن ہیں اور حدیث میں اسی طرح ہے لیکن امام بخاری پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جس مرد نے مجبوری کے عالم میں اپنی بیوی کے متعلق یہ کہا کہ وہ میری بہن ہے تو اس سے اس کو کوئی ضرر نہیں ہوگا اور انہوں نے اس قید کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ پر قیاس کیا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خطرہ تھا کہ وہ ظالم بادشاہ زبردستی ان کی بیوی کو ان سے چھین لے گا اور فرعونیوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ کسی کنواری عورت سے بغیر پیغام نکاح اور اس کی رضا کے اس سے مقاربت نہیں کرتے تھے، اس کے برخلاف جو عورت شادی شدہ ہو تو جب وہ چاہتے وہ اس کو ظلماً اس کے شوہر سے چھین لیتے تھے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خطرہ تھا کہ وہ لوگ حضرت سارہ کو زبردستی ان سے چھین لیں گے اس لیے انہوں نے حضرت سارہ کو بچانے کی خاطر عالم مجبوری میں یہ کہا کہ وہ ان کی بہن ہے اور اس کی تاویل انہوں نے یہ کی کہ وہ دین اور ایمان کے رشتہ سے ان کی بہن ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۱۔ ۴۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ اور حافظ ابن حجر کی توجیہ کو رد کرنا اور اپنی توجیہ بیان کرنا

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خطرہ نہیں تھا کہ فرعون کے کارندے حضرت سارۃ کو زبردستی ان سے چھین کر لے جائیں گے، اس لیے انہوں نے عالم مجبوری میں حضرت سارہ کے متعلق کہا کہ یہ میری بہن ہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خطرہ تھا کہ فرعون اس شخص کو قتل کر دیتا ہے جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اور ایسی صورت حال میں وہ مجبور شخص کی مثل تھے اور یہ توجیہ زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ فرعون اپنے کفر اور اپنے ظلم کی شدت میں اور اپنے مخالفین کو شدید عذاب دینے میں بہت مشہور تھا تو

اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مجبوری کے عالم میں حضرت سارہ کے متعلق یہ کہا کہ یہ میری بہن ہیں اور اس کی یہ تاویل کی کہ وہ دین اور ایمان کے رشتہ سے میری بہن ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے علامہ عینی کے اس اعتراض کے جواب میں لکھا ہے کہ علامہ عینی کی بیان کردہ توجیہ کا بھی وہی خلاصہ ہے جو میں نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے کوئی قابل ذکر اعتراض نہیں کیا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۴۰۵۔ ۴۰۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے امام بخاری کے عنوان کی قید کی جو توجیہ ذکر کی ہے وہ بہر حال حافظ ابن حجر عسقلانی کی بیان کردہ توجیہ سے کہیں بہتر ہے، جس کی ہر منصف مزاج شخص تائید کرے گا۔ (سعیدی غفرلہ)

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں، بہن کہنے سے طلاق واقع نہ ہونے کے دلائل

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق فرمایا: ''یہ میری بہن ہیں''۔

(صحیح البخاری: ۳۳۵۸، ۲۲۱۷، صحیح مسلم: ۲۳۷۱، سنن ترمذی: ۳۱۶۶، مسند احمد: ۹۲۳۰)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے بغیر کسی نیت کے اپنی بیوی کے متعلق کہا: ''یہ میری بہن ہے'' تو اس کا یہ کہنا طلاق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی بیوی سے یہ کہتے ہوئے سنا: اے میری بہن! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا اور اس کو اس طرح کہنے سے منع فرمایا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۱۱، ۲۲۱۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ قول ظہار نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے کراہت اور ممانعت کے اس کا کوئی اور حکم بیان نہیں فرمایا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اے بیٹی! کہے (میں کہتا ہوں: یا وہ اپنی بیوی کو اے میری بہن! کہے۔ سعیدی غفرلہ) تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۱۰۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح بیوی کو میری ماں کہنے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ یہ قول واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے، اس پر صرف توبہ کرنا واجب ہے۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں، بہن کہے تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

علامہ حسن بن منصور اوز جندی المعروف بہ قاضی خان متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے فلاں کام کیا تو، تو میری ماں ہے اور اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس قول سے اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی تو اس کا یہ قول باطل ہے اور اس قول سے اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا (یعنی اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی) (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۹، مطبعہ کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

قاضی خان کی اس عبارت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو اپنی ماں یا بہن کہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا کہا: تو میری بہن کی مثل ہے اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی وہی حکم لاگو ہوگا اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا یعنی طلاق کی نیت سے کہا: تو میری ماں ہے تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے تشبیہ دیئے بغیر کہا کہ تو میری ماں ہے (یا کہا کہ تو میری بہن ہے) تو اس کا یہ قول باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۹۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ نے لکھا ہے:

اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو اگر اس نے اپنی بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے اس قول سے ظہار کی نیت کی تو یہ ظہار ہوگا یا طلاق کی نیت کی تو یہ طلاق بائن ہوگی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو اس قول سے کوئی حکم لازم نہیں ہوگا۔ (ملتقی الابحر مع مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ عبد الرحمن بن محمد الکلیبولی الحنفی المتوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں:

اور اگر اس نے تشبیہ کو ذکر نہیں کیا اور بیوی سے کہا کہ تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے تب بھی یہ کلام لغو ہوگا۔

(مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ الکلیبولی نے لکھا ہے: ظہار کی تعریف میں تشبیہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر تشبیہ دیئے اپنی بیوی سے کہا: تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے یا بیٹی ہے تو یہ ظہار نہیں ہے، اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو میری ماں ہے اور اس کی بیوی نے وہ کام کر لیا تو اس کا یہ قول باطل ہوگا خواہ اس نے اس قول سے بیوی کے حرام ہونے کی نیت کی ہو۔

(مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

زوجہ کو ماں بہن کہنا خواہ یوں کہے کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے یا یوں کہے کہ تو میری ماں بہن ہے تو سخت گناہ اور ناجائز ہے مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۶۳۱-۶۳۰، مطبوعہ سنی دار الاشاعت، فیصل آباد)

۱۱- بَابُ: الطَّلَاقِ فِي الْإِغْلَاقِ وَالْكُرْهِ وَالسَّكْرَانِ وَالْمَجْنُونِ وَأَمْرِهِمَا وَالْغَلَطِ وَالنِّسْيَانِ فِي الطَّلَاقِ وَالشِّرْكِ وَغَيْرِهِ

زبردستی اور جبراً طلاق دینے کا حکم اور جو نشہ میں طلاق دے اور جو دیوانہ طلاق دے ان کے احکام اور جو غلطی سے اور بھولے سے طلاق دے ان کا حکم اور جو غلطی سے شرکیہ لفظ بولے اس کا حکم

اغلاق اور اکراہ کے معانی کی تحقیق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ بات اغلاق کے حکم کے بیان میں ہے، اغلاق سے مراد ہے: اکراہ یعنی جبر کیونکہ جو مکرہ ہو اس کے منہ پر تالا یا قفل لگا دیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: گویا کہ اس کے اوپر اختیار کا دروازہ بند کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ طلاق دے، اور کہا گیا ہے کہ وہ اکٹھی تین طلاقیں نہ دے حتیٰ کہ اس کے پاس کسی اور طلاق کو دینے کا اختیار باقی نہ رہے لیکن وہ سنت کے مطابق طلاق دے یعنی جس طہر میں اس نے جماع نہ کیا ہو اس میں صرف ایک طلاق دے۔

لغت کی کتاب ''المحکم'' میں مذکور ہے: اغلاق کا معنی ہے: جس شخص کے تیزی سے بولنے کے اوپر پنجے گاڑ دیئے جائیں۔ اور ''الجامع'' میں مذکور ہے: جب کوئی شخص شدید غضب میں ہو تو کہا جاتا ہے: غَلَقَ۔ اور علامہ الفارسی نے اپنی کتاب ''مجمع الغرائب'' میں لکھا ہے: جس نے کہا: الاغلاق کا معنی اَلْغَضَب ہے اس نے غلط کہا کیونکہ اکثر لوگ حالت غضب میں ہی طلاق دیتے ہیں اور اغلاق کا معنی صرف اکراہ ہے یعنی جبراً اور حالت مجبوری میں طلاق دینا۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی التوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''حالت اغلاق میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ غلام آزاد ہوتا ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۶)

امام ابوداؤد نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ الاغلاق کا معنی ہے: حالت غضب۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام ابوداؤد نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے: حالت غیظ میں طلاق دینا۔

(سنن ابوداؤد ص ۴۰۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور امام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی التوفی ۲۷۵ھ نے اس حدیث کو ''کتاب المکرہ'' کے باب میں درج کیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۷۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث مذکور کو حالت غیظ میں طلاق دینے کے باب میں بھی درج کیا گیا ہے اور حالت مجبوری میں طلاق دینے کے باب میں بھی درج کیا گیا ہے۔

علامہ ابن المرابط نے کہا ہے کہ الاغلاق کا معنی ہے: نفس کی تنگی یا گلا گھٹنا، اور اس حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی گویا کہ اس مرد کی عقل اس سے مفارق ہوگئی حتیٰ کہ وہ دیوانہ ہوگیا، سو وہ یہ دعویٰ کرے گا کہ اس نے دیوانگی کی حالت میں طلاق دی ہے اور اس مرد کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اگر یہ جائز ہو تو ہر شخص یہ دعویٰ کرے گا کہ اس نے تنگی اور جبر کی حالت میں طلاق دی ہے، اور اگر اس حالت میں وہ شخص مجنون ہو تو پھر اس سے حدود بھی ساقط ہو جائیں گی اور پھر حدود تنگی کی حالت میں واقع نہیں ہوں گی حالانکہ حدود عام ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۵)

نشہ میں مدہوش مرد اور مجنون کی طلاق کے حکم میں امام مالک اور دیگر فقہاء کا مذہب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیوانگی اور حالت نشہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص نشہ میں ہو اور جس پر جبر کیا گیا ہو اس کی طلاق جائز نہیں ہے اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: جس شخص کو بہت وسوسے ہوتے ہوں اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور عطاء نے کہا: جب وہ طلاق دے تو اس کی شرط کا اعتبار ہوگا۔ نافع نے کہا کہ مرد نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تو وہ اس کے نکاح سے نکل گئی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اس نے طلاق البتہ دی تو عورت

اس پر حرام ہوگئی اور الزہری نے کہا کہ جس مرد نے یہ کہا کہ اگر میں نے اس طرح اور اس طرح کام نہ کیا تو میری بیوی کو تین طلاقیں تو اس شخص سے اس کے قول کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ جب اس نے یہ قسم کھائی تھی تو اس کی کیا مراد تھی، اگر اس نے قسم کھا کر یہ کہا کہ اس کی مراد تین طلاقیں تھیں تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

اور ابراہیم النخعی نے کہا: جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (یعنی اگر اس نے کہا کہ اس قول سے میری مراد طلاق بائن تھی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی) اور اگر وہ یہ کہے کہ میری مراد یہ تھی کہ مجھے تمہاری خدمت کی ضرورت نہیں ہے تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ ہر مرد کی دی ہوئی طلاق کے الفاظ میں اس علاقہ کی زبان کا اعتبار ہوگا، مثلاً عربی میں کہے گا: (طلقتك) یعنی میں نے تم کو طلاق دے دی اور اردو میں کہے گا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا۔

قتادہ نے کہا: جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: جب تو حاملہ ہوگئی تو تجھ پر تین طلاقیں واقع ہوں گی، تو اس عورت پر طہر میں ایک طلاق واقع ہوگی، اور اگر وہ عورت حاملہ ہوگئی تو اس پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اور حسن بصری نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور الزہری نے کہا کہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری بیوی نہیں ہو تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اور اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی ہے تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگی۔

حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ تین مردوں سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا ہے (یعنی وہ مکلف نہیں ہیں): (۱) مجنون اور دیوانہ سے حتیٰ کہ وہ صحت مند ہو جائے (۲) بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے (۳) سوئے ہوئے آدمی سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت مولیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سوا کم عقل کے ہر مرد کی تمام طلاق جائز ہے۔ اور قتادہ نے کہا: جب مرد نے اپنے دل میں طلاق دی تو یہ لغو ہے یعنی اس سے کچھ لازم نہیں آئے گا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

طلاق مکرہ کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

شعبی کا یہ نظریہ تھا کہ مکرہ کی طلاق جائز ہے، اسی طرح ابراہیم نخعی، قلابہ، ابن المسیب اور شریح نے کہا ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۳۴۳)

شیخ علی بن احمد بن بن حزم اندلسی (غیر مقلد) متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

صحیح سند کے ساتھ زہری اور قتادہ اور سعید بن جبیر سے روایت ہے، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔
(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۴۶۴۔ ۴۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

اور الفرج بن فضالہ نے عمرو بن شراحیل سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر پر زبردستی کر کے اس کو طلاق دینے پر مجبور کیا تو اس کے شوہر نے اس عورت کو طلاق دے دی، پھر یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس طلاق کو نافذ کر دیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی مثل مروی ہے، اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔
(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۴۶۳)

اور جن علماء کے نزدیک طلاق مکرہ بالکل واقع نہیں ہوتی، سو وہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم ہیں اور عمر بن عبد العزیز، عطاء، حسن بن ابی الحسن، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ضحاک ہیں۔

شیخ علی بن احمد ابن حزم اندلسی (غیر مقلد) متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے:

اور نیز سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے از طاؤس اور جابر بن زید انہوں نے کہا کہ طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی اور یہی امام مالک کا قول ہے اور الاوزاعی، الحسن بن حی، امام شافعی، ابوسلیمان اور ان کے اصحاب کا قول ہے، ان سب نے کہا کہ اگر مکرہ نے روایت کی تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر اس نے روایت نہیں کی تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی۔

(المحلیٰ بالآثار ج ۹ ص ۴۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

امام ابوبکر عبد اللہ محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

اور الشعبی نے کہا کہ اگر کسی مرد کو چوروں نے طلاق دینے پر مجبور کیا یا کسی کو آزاد کرنے پر مجبور کیا تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس کو سلطان (سربراہ ملک) نے مجبور کیا تو پھر اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۳۵۰)

اس باب کے عنوان میں لفظ الاغلاق پر الکرہ اور السکران وغیرہ کے عطف کی توجیہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس کتاب کے عنوان میں الاغلاق کے بعد الکرہ کا لفظ لکھا ہے اور اس کا عطف الاغلاق پر ہے اور یہ عطف درست نہیں ہے کیونکہ عطف کا تقاضا تغایر ہے اور ان دونوں لفظوں میں تغایر نہیں ہے کیونکہ الاغلاق کا معنی بھی جبر ہے اور الکرہ کا معنی بھی جبر ہے، ہاں! اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ الاغلاق کی تفسیر حالت غضب کے ساتھ کی جائے جیسا کہ امام ابوداؤد نے اس کا معنی لکھا ہے اور الکرہ کی تفسیر حالت جبر کے ساتھ یا حالت مجبوری کے ساتھ کی جائے۔ اور امام بخاری نے الاغلاق کے اوپر السکران اور المجنون کا عطف کیا ہے اور السکران کا معنی ہے: جو نشہ میں مدہوش ہو اور المجنون کا معنی ہے: جو دیوانہ ہو، یعنی کوئی مرد حالت غضب میں طلاق دے یا حالت جبر میں طلاق دے یا نشہ میں مدہوش ہو کر طلاق دے تو ان کی دی ہوئی ان طلاقوں کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری نے ان کی دی ہوئی طلاقوں کا حکم بیان نہیں کیا کیونکہ ان کی دی ہوئی طلاقوں کا حکم ان احادیث سے معلوم ہو جاتا ہے جن کو انہوں نے اسی باب کی تعلیقات میں ذکر کیا ہے۔

حالت غضب میں دی ہوئی طلاق کے حکم میں مذاہب فقہاء

حالت غضب میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور فقہاء حنبلیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ حالت غضب میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

بعض شارحین نے کہا ہے کہ امام بخاری کی اس باب کے عنوان سے مراد ان فقہاء کے مذہب کو رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ حالت غضب میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

رہا حالت جبر میں دی ہوئی طلاق کا حکم تو اس کا بیان گزر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور بہ کثرت صحابہ اور فقہاء تابعین کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے۔

نشہ میں مدہوش مرد کی طلاق کے حکم میں مذاہب فقہاء

اور رہا اس مرد کی طلاق کا حکم جو نشہ میں مدہوش ہو کر طلاق دے آیا یہ طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس بعض فقہاء نے یہ کہا کہ نشہ میں مدہوش شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی، حضرت عثمان بن عثمان رضی اللہ عنہ، جابر بن زید، عطاء، طاؤس، عکرمہ، القاسم اور عمر بن عبدالعزیز کا موقف یہ ہے کہ نشہ میں مدہوش شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس کا امام ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۲۷۵، ۱۸۲۷۶، ۱۸۲۷۷)

اور علامہ ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ربیعہ، اللیث، اسحاق اور المزنی سے روایت کی ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (الاوسط ج ۹ ص ۲۵۰، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

اور امام طحاوی کا بھی یہی مختار ہے۔

اور مجاہد کا مذہب یہ ہے کہ سکران (جو نشہ میں مدہوش ہو) کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اسی طرح محمد بن سیرین، الحسن البصری، سعید بن المسیب، ابراہیم بن یزید النخعی، میمون بن مہران، حمید بن عبدالرحمٰن، سلیمان بن یسار، الزہری، الشعبی، سالم بن عبداللہ، الاوزاعی نے اور الثوری نے کہا ہے اور یہی امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہا اللہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، ان کا ایک قول یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور امام مالک نے ان کے خلاف یہ حجت پیش کی ہے کہ اگر سکران یعنی نشہ میں مدہوش کسی شخص کو زخمی کر دے یا اس کے ہاتھ پیر توڑ دے تو امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اس سے قصاص لیا جائے گا، اسی طرح اگر وہ کسی کو قتل کر دے تب بھی اس سے قصاص لیا جائے گا لیکن اگر سکران نکاح کر لے تو وہ منعقد نہیں ہوگا اور اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ طلاق نافذ نہیں ہوگی، اور امام شافعی کے یہ دونوں قول متناقض ہیں۔ اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ سکران یعنی نشہ میں مدہوش شخص کے اقوال اور اس کی خرید و فروخت کے تمام عقود ثابت ہیں جیسا کہ اس شخص کے اقوال اور عقود لازم ہوتے ہیں جو صاحی ہو یعنی سکران نہ ہو، اس کا نشہ اتر چکا ہو اور افاقہ ہو، ہاں! اگر نشہ میں مدہوش شخص مرتد ہو جائے تو استحساناً اس کی بیوی اس سے بائنہ نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسف نے کہا: اگر اس نے حالت نشہ میں کلمات کفریہ کہے تو وہ اس وقت مرتد ہو جائے گا اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے مگر ہم اس کو حالت نشہ میں قتل نہیں کریں گے اور نہ اس کی بیوی کو بائنہ قرار دیں گے۔

مجنون اور سرسام والے کی طلاق کے حکم میں مذاہب فقہاء

اور رہا مجنون یعنی فاتر العقل اور دیوانہ تو اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ مجنون اور معتوہ (کم عقل اور بے وقوف) کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور امام مالک نے کہا کہ اسی طرح وہ مجنون ہے جس کو کبھی کبھی افاقہ ہو جاتا ہے تو اس کی طلاق بھی حالت جنون میں واقع ہو جاتی ہے۔ رہا اَلْمُبَرْسَم (جس کو برسام کی بیماری ہو یعنی جس کو نمونیہ ہو اور اس کے سینہ میں درد ہو، اور ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ سرسام ہو، سرسام اس شخص کو کہتے ہیں جس کو تیز بخار ہو اور بیماری کے غلبہ کی وجہ سے اس کے دماغ پر اثر ہو اور وہ بہکی بہکی باتیں کرے اور بے تکی باتیں اور بک بک کرے جس کو ہذیان کہتے ہیں۔ لسان العرب ج ۲ ص ۶۲، طبعہ جدیدۃ، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء۔ سعیدی غفرلہ) سو اس سے قلم تکلیف کو اٹھا لیا گیا ہے یعنی وہ مرفوع القلم ہے اور مکلف نہیں ہے، کیونکہ غالب علم یہ ہے کہ وہ فاسد المقاصد ہے۔

غلطی سے یا بھول کر طلاق دینے والے کے حکم میں مذاہب فقہاء

رہا وہ مرد جس نے غلطی سے طلاق دی ہو یا بھول کر طلاق دی ہو تو اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، یہ عطاء کا قول ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور اسحاق، امام مالک، الثوری، ابن ابی لیلیٰ، الاوزاعی اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور حسن بصری سے ایک روایت یہ ہے کہ جس نے بھولے سے طلاق دی ہو وہ عمداً طلاق دینے والے کی مثل ہے سوا اس کے کہ اس نے نسیان کی شرط لگائی ہو۔

خطاءً طلاق دینے والے کے حکم میں مذاہب فقہاء

رہا وہ شخص جس نے خطاء سے طلاق دی ہو تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اور فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کوئی اور بات کہنے کا ارادہ کیا اور اس کے منہ سے یہ نکل گیا کہ تجھے طلاق ہے تو اس کو طلاق لازم ہو جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷۔۳۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کے اس نسخہ میں آیا شرک کا لفظ ہے یا شک کا لفظ؟

امام بخاری نے اس باب کے عنوان کے آخر میں کہا ہے: والشرك۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی شرک کے بیان میں، اگر مکلف کے منہ سے ایسے الفاظ نکلیں جو شرک کا تقاضا کرتے ہوں، عام ازیں کہ یہ شرکیہ الفاظ اس کے منہ سے غلطی سے نکلیں یا بھولے سے تو آیا اس کے اوپر شرک کا حکم لگایا جائے گا یا نہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷)

اگر طلاق کے عدد میں شک ہو کہ آیا اس نے دو طلاقیں دی ہیں یا تین طلاقیں دی ہیں تو اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں مذکور ہے: والنسیان فی الطلاق والشرك یعنی جو مرد بھولے سے طلاق دے یا بھولے سے کوئی شرکیہ لفظ کہے، یہ نسخہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ شرک کی بجائے شک کا لفظ ہے یعنی جو مرد اپنی بیوی کو شک کے ساتھ طلاق دے۔

شک کے ساتھ طلاق دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک نے اس طلاق کو واجب قرار دیا ہے اور ربیعہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے بعد کے فقہاء نے کہا ہے کہ جس نے شک کے ساتھ طلاق دی یعنی مرد کو شک ہے کہ اس نے ایک طلاق دی ہے، دو طلاقیں دی ہیں یا تین طلاقیں دی ہیں تو اس صورت میں کم سے کم طلاقوں کا حکم لگایا جائے گا حتیٰ کہ اس کو کسی عدد پر وثوق ہو جائے اور ان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کہ شک کی صورت میں اس کے نکاح کو مرتفع کر دیا جائے اور امام بخاری نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۹۳، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

مشرک کی دی ہوئی طلاق میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہا مشرک کی طلاق دینے کا حکم تو حسن بصری، قتادہ اور ربیعہ سے منقول ہے کہ اگر مشرک اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور یہ قول امام مالک اور داؤد ظاہری کی طرف منسوب ہے اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ مشرک اگر اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی جیسے مشرک کا نکاح کرنا صحیح ہے اور اس کا غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے اور اسی طرح اس کے باقی احکام بھی صحیح

ہیں، لہٰذا اگر مشرک اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ بھی واقع ہو جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شرک سے کم درجہ کے الفاظ کہنے کا شرعی حکم

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے: و غیر الشرک یعنی شرک کے علاوہ، اس کا معنی ہے کہ مرد نے ایسے الفاظ کہے ہوں جو شرک سے کم درجہ کے ہوں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی شرح کو رد کرنا اور امام بخاری کی عبارت میں غیر الشرک کا صحیح محمل بیان کرنا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: غیر الشرک کا وہ معنی نہیں ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بیان کیا ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے: جو اشیاء مذکورہ بیان کی گئی ہیں مثلاً جس نے خطاءً طلاق دی وہ کہنا کچھ اور چاہتا تھا اور اس کے منہ سے اپنی بیوی کے لیے یہ نکل گیا کہ تجھ کو طلاق ہے اور جس نے مذاق میں طلاق دی ہو، تو ان کے علاوہ دیگر الفاظ کا کیا حکم ہے اور ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ جو خطاءً طلاق دے اس کا کیا حکم ہے؟ اور جس نے مذاق سے طلاق دی یا جس نے مذاق سے نکاح کیا یا جس نے مذاق سے طلاق میں رجوع کر لیا تو ان تمام الفاظ کے تقاضوں پر عمل کیا جائے گا اور اگر یہ کہے کہ میں نے تو مذاق میں طلاق دی تھی تو اس کے اس قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین چیزوں میں سنجیدگی کا حکم بھی سنجیدگی ہے اور مذاق کا حکم بھی سنجیدگی ہے: (۱) النکاح (۲) الطلاق اور (۳) طلاق سے رجوع''۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۹۴، سنن ترمذی: ۱۱۸۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۹، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۸)

امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا کہ اہل علم، صحابہ اور فقہاء تابعین کا اس حدیث پر عمل ہے۔

علامہ عینی نے فرمایا: امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں غضب، اکراہ، سکران، مجنون اور غلطی اور بھولے سے اور شک سے طلاق دینے کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ ان مردوں کی دی ہوئی طلاق کا حکم کیا ہے، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی دی ہوئی طلاق کا حکم ان احادیث میں آ رہا ہے جن کا امام بخاری نے اس باب کی تعلیقات میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ عینی کے اعتراض مذکور کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی طرف سے جواب اور مصنف کی طرف سے محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: میں نے جو کہا ہے کہ جو شرک سے کم درجہ کا ہو یعنی جب مکلف کے منہ سے ایسا لفظ نکلے جو شرک کا تقاضا کرتا ہو یا اس کے علاوہ غلطی یا نسیان سے کوئی اور الفاظ نکلیں، پھر میں نے علامہ ابن ملقن شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بعض نسخوں میں شرک کی بجائے سکر کا لفظ ہے اور وہی صحیح ہے اور علامہ الزرکشی نے بھی اس کی پیروی کی ہے اور کہا ہے کہ وہی زیادہ لائق ہے، پس اگر یہ ثابت ہو کہ شرک کا عطف نسیان پر ہے نہ کہ طلاق پر اور اس وقت اصل عبارت یوں ہو گی کہ جو الفاظ اس کی زبان سے نکل جائیں۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۰۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن شافعی نے سکر کا لفظ نہیں لکھا بلکہ شک کا لفظ لکھا ہے اور ہوسکتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے جو سکر کا لفظ لکھا ہے اس سے مراد شک ہی ہو، تاہم حافظ ابن حجر نے اپنے جواب میں علامہ عینی کی توجیہ کی طرف ہی رجوع کرلیا ہے۔ فافہم وتدبر۔ (سعیدی غفرلہ)

طلاق مکرہ کے متعلق مذاہب اربعہ اور متاخرین فقہاء احناف کی عبارات

میں کہتا ہوں: ہر چند کہ علامہ عینی حنفی نے حالت اکراہ یعنی زبردستی کی طلاق اور حالت غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق فقہاء احناف کا موقف بیان کیا ہے تاہم اس کی مزید تحقیق کے لیے ہم مذاہب اربعہ اور متاخرین فقہاء احناف کی عبارات کو پیش کر رہے ہیں:

بعض فقہاء کا یہ موقف ہے کہ مُکْرَہ (جس کو قتل کی دھمکی دے کر یا اس کا کوئی عضو کاٹنے کی دھمکی دے کر اس سے زبردستی کچھ کہلوایا جائے) کی طلاق واقع نہیں ہوتی، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت سے خطاء نسیان اور جن کاموں پر اس کو مجبور کیا جائے ان کو اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے معاف فرمادیا ہے اور ان کا حکم ساقط کردیا ہے''۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۵، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۹۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۳۳، صحیح ابن حبان، موارد الظمآن: ۱۴۹۸، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۱۷۰، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۹۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۵۶)

قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

یہ وہ مسائل ہیں جن میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۳ ص ۱۵۵ دارالفکر، بیروت)

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ طلاق مکرہ کے متعلق لکھتے ہیں:

طلاق مکرہ صحیح ہے اور اگر کسی مرد نے کسی دوسرے مرد کو طلاق دینے کا وکیل بنادیا اور اس وکیل نے حالت اکراہ میں بہ مجبوری طلاق دے دی تو اس کی طلاق بھی صحیح ہے۔ (البحر الرائق)

البحر الرائق کے محشی علامہ خیر الدین الرملی نے لکھا ہے کہ حالت اکراہ میں غلام کو آزاد کرنا بھی صحیح ہے اور اس کی آزادی نافذ ہو جائے گی۔ رہا یہ کہ مرد کے وکیل نے حالت اکراہ میں اس کی بیوی کو طلاق دے دی تو میں نے اس کے متعلق فقہاء احناف کی تصریح نہیں دیکھی اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں بھی فقہاء احناف نے مخالفت نہیں کی کیونکہ فقہاء احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر مکرہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو یہ بھی استحساناً صحیح ہے۔

علامہ زیلعی نے مسئلہ طلاق میں لکھا ہے کہ اگر وکیل مکرہ ہو تو اس کا طلاق دینا بھی استحساناً صحیح ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ وکالت صحیح نہ ہو کیونکہ مذاق کے ساتھ وکالت باطل ہو جاتی ہے، اسی طرح اکراہ کے ساتھ بھی وکالت باطل ہو جائے گی کیونکہ خرید و فروخت وغیرہ کی وکالت اکراہ کے ساتھ بالاتفاق باطل ہو جاتی ہے۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اکراہ، خرید و فروخت کے عقد کے منعقد ہونے کے مانع نہیں ہے لیکن اس کے فساد کو واجب کرتا ہے، اسی طرح طلاق کا وکیل بنانا بھی اکراہ کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے اور شروط فاسدہ وکالت میں موثر نہیں ہوتیں اور جب یہ وکالت فاسد نہیں ہوتی تو اس میں وکیل کا تصرف نافذ ہو جائے گا، پس طلاق میں استحسان کی علت میں غور کرو تو تم نکاح میں بھی یہی علت پاؤ گے، للہذا ان دونوں کا حکم واحد ہے۔ علامہ خیر الدین رملی کا کلام ختم ہوا۔

(علامہ شامی فرماتے ہیں:) عنقریب اس کی تمام بحث کتاب الاکراہ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

علامہ الحصکفی الحنفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے کہا ہے: ''مکرہ کی طلاق تو صحیح ہے لیکن اس کا اقرار طلاق صحیح نہیں ہے''۔
مُکرَہ (ر پر زبر) کی طلاق صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بحث اس میں ہے ورنہ مکرہ کا اقرار طلاق کے بغیر بھی صحیح نہیں ہے جیسے مُکرَہ (ر پر زبر) نے غلام کو آزاد کرنے کا اقرار کیا یا نکاح کا اقرار کیا یا طلاق سے رجوع کرنے کا اقرار کیا یا قصاص کو معاف کرنے کا اقرار کیا یا کسی غلام کے متعلق یہ اقرار کیا کہ وہ اس کا بیٹا ہے یا کسی باندی کے متعلق یہ اقرار کیا کہ وہ اس کی ام ولد ہے تو اس کے یہ تمام اقرار صحیح نہیں ہیں، جس طرح امام محمد بن محمد الشہیر بالحاکم الشہید الحنفی التوفی ۳۴۴ھ نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔
البحر الرائق میں مذکور ہے کہ اکراہ بالطلاق سے مراد ہے: طلاق کے الفاظ کا تلفظ کرنا اور بولنا، پس اگر مُکرِہ (ر کے نیچے زیر) نے اس کو اس پر مجبور کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق لکھے، سو مکرہ نے طلاق لکھ دی تو اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ لکھنا ضرورت کے وقت تلفظ کے قائم مقام ہے اور یہاں پر کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مکرہ کو طلاق دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی وہ تو مکرہ کے جبر کی وجہ سے طلاق لکھ رہا تھا۔ فتاویٰ قاضی خان میں بھی اسی طرح مذکور ہے اور اگر اس نے طلاق کا جھوٹا اقرار کیا یا مذاق میں طلاق کا اقرار کیا تو قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی دیانتاً طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۴۲۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)
امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی الحنفی التوفی ۵۹۲ھ طلاق مکرہ کے متعلق لکھتے ہیں:
ایک مرد کو ضرب کے ساتھ یا قید کرنے کے ساتھ اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو طلاق لکھ دے، سو اس نے لکھ دیا کہ اس کی بیوی فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو طلاق ہے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ ضرورت کی وجہ سے لکھنے کو تلفظ کے قائم مقام کیا گیا ہے اور یہاں کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ طلاق دینا نہیں چاہتا تھا۔
(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۴۷۲، المطبع الکبری الامیریہ، بولاق، مصر المحمیہ، ۱۳۱۰ھ)

حالت غضب میں طلاق دینے کے متعلق فقہاء احناف کی تحقیق

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ حالت غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق لکھتے ہیں:
میں کہتا ہوں: حافظ ابن قیم حنبلی نے طلاق الغضبان کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے جس میں یہ بیان کیا ہے کہ حالت غضب کی تین قسمیں ہیں:
(۱) اس شخص کے غضب کی ابتداء ہو اور اس کی عقل متغیر نہ ہو اور اس کو معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا ارادہ کر رہا ہے؟ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی۔
(۲) اس کا غیظ و غضب انتہاء کو پہنچا ہوا ہو اور اس کو علم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کس چیز کا ارادہ کر رہا ہے؟ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے اقوال میں سے کوئی چیز نافذ نہیں ہوگی۔
(۳) وہ شخص ان دونوں درجوں کے درمیان متوسط ہو اس حیثیت سے کہ وہ مجنون کی مثل نہ ہو تو یہ قسم محل نظر ہے، اور دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس شخص کے اقوال بھی نافذ نہیں ہوں گے یعنی ان دونوں موخر الذکر صورتوں میں غصہ میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ الی آخرہ۔ ملخصا من شرح الغایۃ الحنبلیہ۔
لیکن صاحب الغایۃ الحنبلیہ نے تیسری صورت کی مخالفت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ اس تیسری صورت میں غصہ میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ ابن القیم حنبلی کے قول کے خلاف ہے۔ (علامہ شامی لکھتے ہیں:) صاحب الغایۃ

الحنبلیہ کا یہ قول ہمارے مذہب کے موافق ہے کیونکہ ہمارے نزدیک بھی تیسری صورت میں غصہ میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہم المعتوہ (کم عقل) کے اقوال کا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ معتوہ کو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ایسی حالت کو پہنچ جائے جس میں اس کو یہ علم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کس چیز کا ارادہ کر رہا ہے؟ اس اعتراض کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ المعتوہ وہ شخص ہے جو ہمیشہ ایک حالت پر برقرار رہے اور اس کے تحقق کے لیے صرف اس کی عقل کی کمی کافی ہے، اس کے برخلاف غیظ وغضب بعض حالات میں عارض ہوتا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مدہوش بھی اسی طرح ہے۔

اور جو نکتہ مجھ پر منکشف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مدہوش اور غضبان دونوں میں یہ لازم نہیں ہے کہ وہ دونوں ایسی حالت میں ہوں کہ انہیں یہ علم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں بلکہ ان کے تحقق کے لیے یہ کافی ہے کہ ان پر بے ربط کلام اور ہذیان کا غلبہ ہو یا ان کی گفتگو سنجیدگی اور مذاق کے ساتھ مختلط ہو جیسا کہ سکران کے تحقق کے لیے بھی یہی فتویٰ دیا گیا ہے اور اس کے یہ منافی نہیں ہے کہ مدہوش کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ اس کی عقل جا چکی ہو کیونکہ جنون کی کئی قسمیں ہیں، اس لیے علامہ زین الدین ابن نجیم الحنفی المتوفی ۹۷۰ھ نے البحر الرائق میں یہ کہا ہے کہ مدہوش وہ شخص ہے کہ جس کی عقل میں خلل ہو اور انہوں نے مدہوش کی تعریف میں البرسام اور سرسام زدہ کو داخل کیا ہے اور بے ہوش کو بھی داخل کیا ہے اور ہمارے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ العاقل وہ شخص ہے جس کے اقوال اور افعال اکثر صحیح اور درست ہوں اور کبھی کبھی ان میں خلل ہو اور مجنون اس کی ضد ہے یعنی اس کے اقوال اور افعال اکثر صحیح نہیں ہوتے اور کبھی کبھی صحیح ہوتے ہیں، نیز بعض مجنون ایسے ہوتے ہیں جن کو یہ علم ہوتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کس چیز کا ارادہ کر رہے ہیں اور جو شخص اس کے احوال سے ناواقف ہو وہ اس کو عاقل سمجھتا ہے، پھر اس کی مجلس میں ایسے اقوال اور افعال ظاہر ہوتے ہیں جو عقل کے منافی ہوتے ہیں، پس جب مجنون کو بعض اوقات اپنے افعال اور اقوال کا علم ہوتا ہے تو غیر مجنون کو یعنی جو مدہوش اور غضبان ہو اس کو تو بہ طریق اولیٰ اپنے افعال اور اقوال کا علم ہوگا۔

پس مدہوش کی جس تعریف پر اعتماد کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ جس کے اقوال اور افعال اس کی عادت سے خارج ہوں اور ان میں اکثر خلل ہو، اسی طرح بڑھاپے کی وجہ سے جس کی عقل میں خلل ہو جائے یا کسی بیماری کی وجہ سے اس کی عقل میں خلل ہو جائے یا کسی آفت کی وجہ سے اس کی عقل میں خلل ہو جائے، پس جب تک اس کے اقوال اور افعال میں اکثر خلل ہو تو اس کے اقوال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا ہر چند کہ اس کو اپنے اقوال کا علم ہو اور اس کو علم ہو کہ وہ کس چیز کا ارادہ کر رہا ہے۔ (یعنی اس حالت میں دی ہوئی طلاق نافذ نہیں ہوگی) کیونکہ جو معرفت اور ارادہ ادراک صحیح سے حاصل نہ ہو وہ معتبر نہیں ہوتا۔ جس طرح جو بچہ عقل مند ہو اس کے بھی اقوال اور افعال کا اعتبار نہیں ہوتا، ہاں! اس پر یہ اشکال ہوگا جو عنقریب البحر الرائق کے حاشیہ میں آئے گا اور فتح القدیر اور فتاویٰ قاضی خان اور دوسری کتب فقہ میں بھی اس کی تصریح ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے سامنے دو مردوں نے گواہی دی کہ تم نے ان شآء اللہ کہا تھا اور اس کو یہ یاد نہیں ہے تو اگر وہ غیظ وغضب کی ایسی حالت میں ہو کہ اس کو یاد نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس کے لیے ان کی شہادت پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر اس کے غیظ وغضب کی یہ حالت نہ ہو تو پھر اس کے لیے ان کی شہادت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، الی آخرہ۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو مرد اتنے غصہ میں ہو کہ وہ نہ جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ ان دو مردوں کی گواہی پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ عبادت بہت مشکل ہے، مگر اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے شدید غضب کی وجہ سے یاد نہیں رکھتا اور بھول جاتا ہے کہ اس نے کیا کہا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے ہیں جن کو وہ نہیں سمجھتا یا ان کا ارادہ نہیں کرتا، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ

اس وقت وہ جنون کے اعلیٰ مراتب پر ہوگا اور اس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس کو علم ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے اور وہ طلاق کا ارادہ کر رہا ہے لیکن شدت غضب کی وجہ سے اس کو یاد نہیں ہے کہ وہ طلاق دے چکا ہے۔ یہ وہ تحقیق ہے جو اس مسئلہ کی تحقیق میں مجھ پر منکشف ہوئی ہے۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۴۴۴۔۴۴۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حالت غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق صدر الشریعہ کا فتویٰ

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

سرسام و برسام یا کسی اور بیماری میں جس میں عقل جاتی رہے یا غشی کی حالت میں یا سوتے میں طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ یوں ہی اگر غصہ اس حد کا ہو کہ عقل جاتی رہے تو واقع نہ ہوگی۔ (درمختار، ردالمحتار)

آج کل اکثر لوگ طلاق دے بیٹھتے ہیں، بعد کو افسوس کرتے ہیں اور طرح طرح کے حیلہ سے یہ فتویٰ لینا چاہتے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہو۔ ایک عذر اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ غصہ میں طلاق دی تھی، مفتی کو چاہیے کہ یہ امر ملحوظ رکھے کہ مطلقاً غصہ کا اعتبار نہیں، معمولی غصے میں طلاق ہو جاتی ہے، وہ صورت کہ عقل غصہ سے جاتی رہے بہت نادر ہے، لہٰذا جب تک اس کا ثبوت نہ ہو محض سائل کے کہہ دینے پر اعتماد نہ کرے۔ (بہار شریعت حصہ ہشتم ص ۸، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۶ھ)

حالت غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ جات

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

سوال: زید نے غصہ کی حالت میں کہا کہ میں اس کو طلاق دے چکا یا یہ کہا کہ میں تو اس کو طلاق دے چکا، اسی طرح تین چار مرتبہ یہی الفاظ کہے، اس سے قبل اپنی زوجہ سے لفظ طلاق کبھی نہ کہے تھے، کیا اس صورت میں منکوحہ پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: جب کہ زید اپنی زوجہ کی نسبت سمجھا اور اسے تین بار کہا: میں اس کو یا میں تو اس کو طلاق دے چکا، تین طلاقیں ہوگئیں، زید گناہ گار ہوا اور عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی:

قال الله تعالیٰ: فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ۔ (البقرہ: ۲۳۰) تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کے لیے دوبارہ حلال نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے۔

اور غصہ کا عذر بے کار ہے، طلاق اکثر غصہ میں ہی ہوتی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۳۷۱، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۸ھ)

سوال: محمد مظفر کا اپنی والدہ سے جھگڑا ہو رہا تھا، اس کی والدہ نے کہا کہ اگر اپنی بی بی کو نہ چھوڑو گے تو تم سور کھاؤ، اسی طرح تین مرتبہ بولی، مظفر نے کہا: طلاق دیتے ہیں، پھر اس نے بلا قصد غصہ کے ساتھ اپنی والدہ کے سامنے کہا: طلاق، طلاق، طلاق بغیر مخاطب کرنے کسی کو، اب شرعاً صورت مسئولہ میں مظفر کی بی بی پر طلاق پڑے گی یا نہیں؟

الجواب: تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۱۹۰، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

سوال: زید نے بحالت غضب اپنی زوجہ ہندہ کو یہ کہا کہ تجھ کو میں نے طلاق دی تو اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب: ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، غضب مانع طلاق نہیں بلکہ غالباً (اکثر) طلاق بحال غضب ہی ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ

ج ۵ ص ۲۳، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص درمیان فساد باہمی حالت غیظ وغضب اپنی بیوی سے تین بار یوں کہے کہ میں نے تجھے طلاق دیا، میں نے تجھے طلاق دیا اور بروقت دینے کے یہ بھی اپنے دل میں ارادہ کرلیا ہو کہ میں ٹھیک اور صحیح عقل سے کہتا ہوں باوجودیکہ درمیان جھگڑے باہمی کے غصہ میں یہ سب باتیں وقوع میں آئیں تو اس حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں اور اگر طلاق ہوگئی تو پھر چند ساعت کے بعد غصہ فرو ہوگیا اور میاں اپنے ان افعال قبیحہ پر منفعل ہوکر بی بی کو رجعت کرنا چاہے اور بی بی بھی رجعت پر آمادہ ہو تو کس صورت سے بی بی میاں پر حلال ہے۔ فقط بینوا توجروا

الجواب: صورت مذکورہ میں تین طلاقیں ہوگئیں عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی یعنی اس کی عدت گزرے، پھر عورت دوسرے شخص سے نکاح کرے اور اس سے ہمبستر بھی ہو، پھر اسے طلاق دے یا مرجائے اور عدت گزر جائے، اس کے بعد اس شخص کو عورت سے نکاح جائز ہوگا۔

قال الله تعالٰی: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (البقرہ: ۲۳۰)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر مرد نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دی تو وہ اس پر حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔

و قال رسول الله ﷺ لا حتی تذوق عسیلته ویذوق عسیلتك (صحیح البخاری: ۵۲۶۰)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ تم اس دوسرے خاوند کا تھوڑا سا شہد چکھ لو اور وہ مرد تھوڑا سا تمہارا شہد چکھ لے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۸، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

سوال: شمس العلماء، رئیس الفضلاء خانخاناں جناب احمد رضا خاں دام لطفہ، السلام علیکم! اگر غضب کثرت سے ہو کہ ایسا غصہ ہو کہ کامل عقل نہ ہو اس حالت میں اگر طلاق صریح وغیرہ دیوے تو واقع ہوگی یا نہ؟

الجواب: غضب اگر واقعی اس درجہ شدت پر ہو کہ حد جنون تک پہنچادے تو طلاق نہ ہوگی اور یہ کہ غضب اس شدت پر تھا یا تو گواہان عادل سے ثابت ہوگیا یا وہ اس کا دعویٰ کرے اور اس کی یہ عادت معہود اور معروف ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیں گے ورنہ مجرد دعویٰ معتبر نہیں، یوں تو ہر شخص اس کا ادعاء کرے اور غصہ کی طلاق واقع ہی نہ ہو حالانکہ غالباً (اکثر) طلاق نہیں ہوتی مگر بحالت غضب۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۹، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت زینب سے حالت غصہ میں کہا: زینب طلاق، طلاق، طلاق، طلاق یعنی بے شمار طلاق جس کا اندازہ معلوم نہیں اور زید کہتا ہے کہ مجھ کو حالت غصہ میں خبر نہیں کہ میں نے کتنی دفعہ طلاق دیا ہے بحضور شاہدین اور زینب کے خویش واقارب کہتے ہیں کہ زید نے تین طلاقیں شرعاً دی ہیں اور اب زید اپنی عورت زینب سے رجعت کرنا چاہتا ہے اور عورت کے وارث انکار کرتے ہیں اور یہ آدمی نمازی ہے اور غریب ہے، یہاں علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ رجوع صحیح ہے مگر وہ لوگ نہیں مانتے۔ اب حق آپ کی جانب ہے جیسا کہ حکم شریعت ہو، اگر آپ جواب نہ دوگے تو غریب کا حق مارا جائے گا اور دوسرا کوئی ہندوستان میں آپ جیسا عالم نہیں، آپ کا فتویٰ اطراف میں جاری ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: جب کہ زید ان الفاظ سے طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے گنتی میں سہو بتاتا ہے، اگر ثابت ہو کہ یہ لفظ تین بار کہے تو تین طلاقیں ہوگئیں رجعت ناممکن ہے بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا۔ قال الله تعالٰی: فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۰۔۲۹، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

سوال: عمرو کو عشق ہو گیا تھا اور ہر وقت خیال معشوق رہتا تھا اور فکر مند دل چاہتا تھا اور خلش بہت تھی، عمرو نے گھبراہٹ میں طلاق دے دی، اس کلمہ کو بار بار جنون کی حالت میں بیان کرتا تھا؟

الجواب: فقط گھبراہٹ یا دماغ پر گرمی کا نام جنون نہیں، اگر واقعی مجنون نہ تھا تو طلاق ہو گئی، اگر تین بار کہی تو تین بار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۴۲، مکتبہ رضویہ، پاکستان)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ میں لڑائی ہوئی، زید نے حالت غیظ وغضب میں ہندہ کو طلاق نامہ لکھ دیا اور اپنے مکان سے نکال دیا، اسے مدت گزری یہاں تک کہ عدت گزر گئی، اب زید کہتا ہے کہ مجھے طلاق منظور نہ تھی، میں نے شدت غضب میں وہ طلاق نامہ لکھا تھا اور زبان سے کوئی لفظ نہ کہا تھا، پس اس صورت میں زید کا یہ عذر قابل سماعت ہے یا نہیں؟ ہندہ پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی تو زید اس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں اور ہندہ کا مہر زید پر واجب الاداء ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: غصہ مانع وقوع طلاق نہیں بلکہ اکثر وہی طلاق پر حامل ہوتا ہے تو اسے مانع قرار دینا گویا حکم طلاق کا راسا ابطال ہے، ہاں! اگر شدت غیظ اور جوش غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہو جائے خبر نہ رہے کہ کیا کہتا ہوں، زبان سے کیا نکلتا ہے تو بے شک ایسی حالت کی طلاق ہرگز واقع نہ ہوگی، پس صورت مستفسرہ میں اگر زید اس حالت تک نہ پہنچا تھا تو صرف غصہ ہونا اسے مفید نہیں، اور طلاق جس طرح قول سے واقع ہوتی ہے یونہی تحریر سے بھی واقع ہوتی ہے، پس وہ طلاق واقع ہو گئی اور بہ سبب مرور عدت کے اب رجوع بھی نہیں کر سکتا، ہاں! اگر تین طلاقیں نہ تھیں تو نکاح جدید بے حلالے کے کر سکتا ہے ورنہ حلالہ کی ضرورت ہے۔ کما ھو الحکم المعروف۔ اور مہر ہندہ اس صورت میں بے شک زید پر واجب الاداء ہے، اور اگر وہ دعوے کرے کہ اس تحریر کے وقت میرا غصہ ایسی ہی حالت کو پہنچا ہوا تھا کہ میری عقل بالکل ہی زائل ہو چکی تھی اور مجھے نہ معلوم تھا کہ میں کیا کہتا ہوں کہ میرے منہ سے نکلتا ہے تو اطمینان ہندہ کے لیے اس کا ثبوت گواہان عادل سے، اوکی عدت تین مہینہ ہے۔ اور اگر ابھی خلوت کی نوبت نہ آئی تو ایک طلاق ہوئی اور عورت پر عدت نہیں اوسی وقت جس سے چاہے نکاح ممکن ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۳۔ ۳۲، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

حالت اکراہ اور حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق کے متعلق اعلیٰ حضرت کا فتویٰ

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

سوال: کسی نے کوئی شخص کو جبراً نشہ پلایا، وہ حالت بیہوشی میں اگر عورت کو طلاق دے دے تو کیا طلاق واقع ہو گئی؟

الجواب: لوگ کسی کے اصرار کو بھی جبر کہتے ہیں، یہ جبر نہیں، اگر ایسے جبر سے نشہ کی چیز پی لی اور اوس نشہ میں طلاق دی بلاشبہ بالاتفاق ہو گی۔ ہاں! اگر جبر واکراہ شرعی ہو مثلاً قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے جس کے نفاذ پر یہ اوسے قادر جانتا ہو یا یوں کہ کسی نے ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ چیر کر حلق میں شراب ڈال دی تو یہ صورت ضرور جبر کی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اگر طلاق دے، نہ پڑے گی۔ ردالمحتار میں ہے: علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس صورت میں طلاق نہ ہوگی اور النہر الفائق میں لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۴، مکتبہ رضویہ، کراچی، پاکستان)

فقہاء احناف کے نزدیک خطا اور نسیان سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کے خلاف امام بخاری کا اپنی تعلیقات میں احادیث صحیحہ کو وارد کرنا

لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَلِكُلِّ امْرِءٍ مَا کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: اعمال کا مدار نیات پر ہے اور ہر

ہوگی۔ (صحیح البخاری: ۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، مرد کو اس کے عمل پر وہی ثمر ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہو۔
۶۶۸۹، ۶۹۵۳، مسند احمد: ۱۶۸، صحیح مسلم: ۴۹۲۷)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے اس حدیث صحیح کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی انہوں نے صحیح البخاری کے اول میں روایت کی ہے کیونکہ دراصل حکم اس شخص کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو عاقل ہو، مختار ہو، عمداً کلام کرتا ہو اور اس کا ذہن بیدار ہو، اس کے برخلاف جو مکرہ ہو وہ غیر مختار ہوتا ہے اور جو سکران ہو وہ نشے میں مدہوش ہونے کی وجہ سے غیر عاقل ہوتا ہے اور اسی طرح مجنون بھی حالت جنون میں غیر عاقل ہوتا ہے اور جن کے منہ سے غلط الفاظ نکل جاتے ہیں یا بھولے سے الفاظ نکل جاتے ہیں ان کا ذہن بیدار نہیں ہوتا۔
(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نوٹ: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس تعلیق کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کی شرح کی ہے۔

وَتَلَا الشَّعْبِیُّ: اور الشعبی نے اس آیت کی تلاوت کی:

لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (البقرہ: ۲۸۶) (اے ہمارے رب!) اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کرنا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب عامر بن شراحیل الشعبی سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس کے منہ سے نسیان سے طلاق کا لفظ نکلا یا جس نے غلطی سے طلاق کا لفظ بولا تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو شعبی نے اس آیت کو پڑھا اور اس سے یہ استدلال کیا کہ جو بھولے سے یا غلطی سے طلاق دے اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی مذکور الصدر شرح پر مصنف کا تبصرہ اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات

میں کہتا ہوں: فقہاء احناف کے نزدیک جو شخص غلطی سے یا بھول کر اپنی بیوی کو طلاق دے، اس کی بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے۔ علامہ عینی چونکہ حنفی ہیں اس لیے ان کو چاہیے تھا کہ وہ عامر الشعبی کی اس دلیل کا جواب لکھتے لیکن انہوں نے نہ جانے کیوں اس کا جواب نہیں لکھا۔ بہرحال عامر الشعبی کی قائم کردہ دلیل صحیح نہیں ہے اور اس آیت سے ان کا اس صورت مسئولہ پر استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ اس آیت کا تعلق امور آخرت کے ساتھ ہے یعنی اگر دنیا میں ہم سے غلطی سے یا بھولے سے کوئی گناہ ہو جائے تو اے ہمارے رب! تو آخرت میں ہم سے ہماری گرفت نہ فرمانا، اور یہاں پر بحث دنیاوی احکام میں ہے یعنی اگر کسی شخص نے غلطی سے یا بھولے سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو آیا دنیا میں اس کی بیوی کو طلاق ہوگی یا نہیں؟ سو اس آیت کا تعلق امور آخرت سے ہے اور صورت مسئولہ کا تعلق دنیا سے ہے، لہٰذا سائل کے سوال اور عامر الشعبی کے جواب میں مطابقت نہیں ہے اور اس سے فقہاء احناف کے نظریہ پر کوئی زد نہیں پڑتی، فافہم وتشکر۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح سے فقہاء احناف کے موقف کی تائید

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

شعبی کے آزاد کردہ غلام سلیم، شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا کہ جس نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ بالکل طعام نہیں کھائے گا، سو اس نے بھول کر طعام کھا لیا تو عامر الشعبی نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ بھول پر گرفت نہیں

فرماتا۔ (تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۵۳، دارالکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو شرح کی ہے وہ بھی فقہاء احناف کے موقف کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس شرح کے مطابق بھی عامر الشعبی کے جواب کا مفاد یہ ہے کہ جس شخص نے بھول کر اپنی قسم کو توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس پر کوئی گرفت نہیں فرمائے گا لیکن دنیا میں تو بہر حال اس کو قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا علی ہذا القیاس جس نے بھول کر اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو دنیا میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، سو یہ تعلیق فقہاء احناف کے موقف کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

خطا اور نسیان سے طلاق کے ذکر میں فقہاء کا اختلاف

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اہل علم کا خطاء اور نسیان میں اختلاف ہے:

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جس مرد نے کسی کام کی قسم کھائی کہ وہ اس کام کو نہیں کرے گا مثلاً یہ قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے گا، پھر اس نے بھولے سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو وہ حانث نہیں ہوگا یعنی اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی، اسی طرح عطاء، عمرو بن دینار اور ابن ابی نجیح نے کہا ہے اور اسحاق نے کہا: مجھے امید ہے کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی الشیعی المتوفی ۲۱۱ھ نے شعبی اور حکم سے روایت کی ہے کہ جس مرد نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر اس کی زبان سے اس کی قسم کے خلاف الفاظ نکل گئے تو الشعبی نے کہا: اس میں اس کی نیت معتبر ہوگی اور اسی طرح طاؤس نے کہا۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۲۹۹)

اور حکم نے کہا: اس نے جو کلام کیا ہے اس پر اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ (یعنی اگر اس نے طلاق نہ دینے کی قسم کھائی تھی، پھر اس نے بھولے سے طلاق دے دی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور یہی امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کا موقف ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور امام احمد بن حنبل نے اس صورت میں کہا کہ مجھے امید ہے کہ اس معاملہ میں اس کے لیے گنجائش ہے۔ اسحاق نے کہا: یہ اس کے ارادے پر محمول ہے، اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ (یعنی اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی)

امام عبدالرزاق نے کہا: یہ زہری اور قتادہ کا قول ہے اور عمر بن عبدالعزیز سے بھی اسی طرح مروی ہے اور یہی ربیعہ کا قول ہے اور مکحول سے بھی یہی روایت ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۴۰۶۔ ۴۰۵)

اور یہی امام مالک کا قول ہے اور یہی النعمان اور ان کے صاحبوں کا قول ہے (یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا بھی یہ قول ہے) اور الاوزاعی، ابن ابی لیلیٰ اور سفیان الثوری کا بھی یہی قول ہے۔

امام مالک نے کہا ہے: جس مرد نے کسی کام پر طلاق دینے کی قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کیا یا اس نے قسم کھائی کہ وہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا، پھر اس نے بھولے سے طلاق دے دی یا بھولے سے فلاں کام کر لیا تو وہ حانث ہو جائے گا (یعنی اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی)۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۸۰)

اور امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے: بیوی کو طلاق دینے اور غلام کو آزاد کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ (یعنی اگر اس نے بھولے سے بیوی کو طلاق دے دی یا بھولے سے غلام کو آزاد کر دیا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اس کا غلام آزاد ہو جائے گا) اور اگر ان کے علاوہ اس نے کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر بھولے سے وہ کام کر لیا تو وہ حانث نہیں ہوگا یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور امام ابوعبید نے کہا: اگر اس

نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے مقروض سے جدا نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اس سے اپنا حق وصول کرلے، پھر اس نے اپنے مقروض کے دیئے ہوئے دیناروں کو سونے کی بجائے رانگ، سیسہ یا پیتل کا پایا تو ان فقہاء کے قول کے مطابق وہ حانث ہوجائے گا جو قسم میں خطاء اور نسیان کا اعتبار نہیں کرتے اور ان فقہاء کے قول کے مطابق حانث نہیں ہوگا جو قسم میں خطاء اور نسیان کا اعتبار کرتے ہیں۔

اور امام احمد بن حنبل بھولے سے طلاق دینے والے کو حانث قرار دیتے ہیں یعنی اس کی طلاق کو واقع کردیتے ہیں (اور یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کا مذہب ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور باقی امور میں قسم کھانے کے بعد بھولے سے اس کے خلاف کرلے تو اس کو حانث قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج۹ ص ۲۵۷۔۲۵۶، موضحاً و مخرجاً، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

وَمَا لَا یَجُوزُ مِنْ إِقْرَارِ الْمُوَسْوِسِ۔ اور جس شخص کو وسوسہ پڑتا ہو اس کا اقرار جائز نہیں ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کے قول: ''موسوس کا اقرار جائز نہیں ہے''۔ اس کا عطف الطلاق فی الاغلاق پر ہے۔ یعنی حالت غضب میں طلاق دینا یا حالت اکراہ میں طلاق دینا اور وسوسہ اس کو کہتے ہیں جو دل میں خیال آئے اور اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس تعلیق کی شرح نہیں کی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۳ ۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ہم تحقیق سے باحوالہ پہلے بیان کرچکے ہیں کہ حالت غضب یا حالت اکراہ میں دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

صاحب وسوسہ کی دی ہوئی طلاق کا شرعی حکم

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہمارے علم کے مطابق تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مجنون (بے عقل) اور المعتوہ (کم عقل) کی طلاق جائز نہیں ہے۔

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے کہا کہ المعتوہ کے سوا ہر مرد کی طلاق جائز ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۲۷۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۵، سنن سعید بن منصور: ۱۱۱۳۔۱۱۱۲، سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۵۹)

اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ المعتوہ کی طلاق جائز نہیں ہے وہ الشعبی، الزہری، قتادہ، ابوقلابہ، الحسن البصری، ابراہیم النخعی، سعید بن المسیب، جابر بن زید اور یحییٰ بن سعید الانصاری ہیں۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (المدونہ الکبریٰ ج ۲ ص ۷۹)

اور سفیان الثوری، ابوثور اور امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۶۵۔۲۶۴)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے۔

(المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۲۰۲، باب الخلع، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر نے کہا: اور ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں اور ہمارے اس قول پر اجماع ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں سے قلم تکلیف کو اٹھالیا گیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں سے قلم تکلیف کو اٹھالیا گیا ہے: (۱) سوئے شخص سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہوجائے (۲) بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہوجائے (۳) مجنون سے حتیٰ کہ وہ صاحب عقل ہوجائے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۹۵ سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۱، مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۱، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۶، سنن دارمی: ۲۲۹۶ صحیح ابن حبان: ۱۴۲، سنن بیہقی: ج ۶ ص ۸۴) یہ تمام احادیث حماد بن سلمہ سے منقول ہیں۔

میں کہتا ہوں: ان احادیث کی سند ضعیف ہے اور اس کی آفت حماد بن سلمہ ہے لیکن یہ حدیث چونکہ متعدد سندوں سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔(سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن المنذر نے کہا: ہمارے علم کے مطابق تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جس مرد نے نیند میں طلاق دی، اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۲۴۸۔ ۲۴۷، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اسی پر صاحب وسوسہ کی طلاق کو بھی قیاس کیا ہے۔(سعیدی غفرلہ)

وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِلَّذِي أَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ أَبِكَ جُنُونٌ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے فرمایا جس نے اپنے نفس پر زنا کا اقرار کیا: کیا تم کو جنون ہے؟

مجنون پر طلاق واقع نہ ہونے پر دلیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ اس چوتھی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے اس پر استدلال کیا ہے کہ مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور یہ تعلیق اس مفصل حدیث کا ایک قطعہ (ٹکڑا) ہے جس کو امام بخاری نے "کتاب المحاربین" میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہ حدیث درج ذیل ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قبیلہ اسلم کا ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، سو اس نے کہا کہ وہ زنا کر چکا ہے۔ آپ نے اس سے منہ موڑ لیا، وہ آپ کی اس جانب آیا جس جانب آپ نے منہ موڑا تھا، پھر اس نے چار مرتبہ اپنے نفس کے خلاف گواہی دی، آپ نے اس کو بلا کر فرمایا: کیا تم کو جنون ہے؟ کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے اس کو عیدگاہ میں سنگسار کرنے کا حکم دیا، جب اس پر پتھروں کی مار پڑنے لگی تو وہ بھاگا لیکن لوگوں نے اس کو حرہ (مدینہ کے باہر سیاہ پتھروں والی زمین) میں پکڑ لیا، پھر اس کو پتھروں سے مار ڈالا گیا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۶۸۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

علامہ عینی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ کیونکہ اگر آپ کے نزدیک یہ ثابت ہوتا کہ وہ مجنون ہے تو آپ اس سے "حد" کو ساقط فرما دیتے۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۸، مفصلاً مخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں اس حدیث کا ایک قطعہ ذکر کیا ہے جس کی انہوں نے "کتاب الحدود" میں روایت کی اور اس کی شرح ان شاء اللہ تعالیٰ وہیں پر آئے گی۔(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نشہ میں طلاق کے وقوع کے متعلق امام بخاری کی تعلیقات

وَقَالَ عَلِيٌّ بَقَرَ حَمْزَةُ خَوَاصِرَ شَارِفَيَّ فَطَفِقَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَلُومُ حَمْزَةَ فَإِذَا حَمْزَةُ قَدْ ثَمِلَ مُحْمَرَّةٌ عَيْنَاهُ ثُمَّ قَالَ حَمْزَةُ هَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِأَبِي فَعَرَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَدْ ثَمِلَ فَخَرَجَ وَخَرَجْنَا مَعَهُ۔

اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے میری دو اونٹنیوں کی کوکھیں کاٹ ڈالیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ملامت کرنے لگے، اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نشہ میں تھے اور ان کی دونوں آنکھیں سرخ تھیں، پھر حضرت حمزہ

رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگ تو صرف میرے باپ کے غلام ہو، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پہچان لیا کہ یہ نشہ میں ہیں، سو آپ باہر نکلے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ باہر نکل گئے۔

حالت نشہ میں جو کلمات صادر ہوں ان پر مواخذہ نہیں کیا جاتا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس پانچویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے اس دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو شخص نشہ میں ہو تو حالت نشہ میں اس سے جو کلمات صادر ہوں ان کلمات پر اس سے مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ یہ حدیث اس طویل حدیث کا ایک قطعہ ہے جس کی امام بخاری نے باب ''شهود الملائكة بدرا'' میں تفصیل کے ساتھ بہت طویل روایت کی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اونٹنی ملی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے مجھے دوسری اونٹنی عطا فرمائی، سو میں نے ان دونوں اونٹنیوں کو ایک دن انصار کے ایک مرد کے گھر کے دروازے کے پاس بٹھایا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ میں ان اونٹنیوں پر اذخر (گھاس) کو لاد کر لاؤں گا تا کہ میں اس گھاس کو فروخت کروں اور میرے ساتھ بنو قینقاع کا سنار تھا تا کہ میں اس گھاس کی قیمت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ پر مدد حاصل کروں اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اس گھر میں ایک گانے والی کے ساتھ شراب پی رہے تھے۔ اس گانے والی نے یہ مصرع پڑھا: اٹھو! اے حمزہ! فربہ جوان اونٹنیوں کی طرف۔ تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر جوش میں ان اونٹنیوں کی طرف بڑھے اور ان کے کوہانوں پر وار کر کے ان کی کوکھوں کو چیر ڈالا، پھر ان کی کلیجیوں کو نکال لیا۔ ابن جریج نے کہا: میں نے ابن شہاب سے پوچھا: کیا ان کا کوہان بھی کاٹ لیا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ ان کے دونوں کوہان کاٹ لیے اور ان کو لے گئے۔ ابن شہاب نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ منظر دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا: اس وقت آپ کی مجلس میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، میں نے آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آپ وہاں سے نکلے اور آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ بھی تھے، میں آپ کے ساتھ گیا، آپ حضرت حمزہ کے پاس گئے، آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت حمزہ نے آپ کی طرف نظر اٹھا کر کہا: تم سب میرے باپ، دادا کے غلام ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے الٹے پاؤں واپس آ گئے۔ یہ واقعہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۷۵، صحیح مسلم: ۱۹۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۸۶، مسند احمد: ۱۲۰۴)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کے پاس گئے اور آپ نے ان سے اظہار ناراضگی فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص نشہ میں ہو، اگر اس کو ملامت کا شعور ہو تو اس کو ملامت کرنی چاہیے۔

حضرت حمزہ نے حضرت علی کی دو اونٹنیاں کاٹ کر تلف کر دی تھیں، ان اونٹنیوں کا تاوان حضرت حمزہ پر آتا تھا لیکن حضرت علی نے حضرت حمزہ سے قرابت کی بناء پر تاوان نہیں لیا حالانکہ حضرت علی کو اس وقت رقم کی ضرورت تھی کیونکہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح کا ولیمہ کرنا تھا، یہ ان کے عمدہ اخلاق اور کریمانہ خصائل کا ثمرہ تھا۔ (میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا اپنے بزرگوں سے ادب کا ثبوت ہے۔ سعیدی غفرلہ) اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام نے غزوۂ احد کے دن صبح کو شراب پی اور اسی دن شہید ہو گئے اور اس حدیث کی وجہ سے یہ ثابت ہے کہ غزوۂ احد کے بعد شراب کو حرام قرار دیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس تعلیق سے حافظ ابن حجر کا یہ استدلال کہ حالت نشہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی، اس پر علامہ المہلب مالکی کا اعتراض اور حافظ ابن حجر کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس پر نہایت قوی دلیل ہے کہ جو شخص نشہ میں ہو تو حالت نشہ میں اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس وقت شراب کا پینا مباح تھا، انہوں نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب کے نشہ میں مرد جو کچھ کہے اس کا حکم ساقط ہو جاتا ہے، انہوں نے کہا کہ اس قصہ کے سبب سے شراب نوشی کو حرام کر دیا گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں کہ علامہ المہلب مالکی کے قول پر یہ اعتراض ہے کہ اس قصہ سے صرف اس وجہ سے استدلال ہے کہ شرابی سے حالت نشہ میں جو کلمات صادر ہوں ان سے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس وقت شراب کا پینا مباح ہو یا نہ ہو اور علامہ المہلب مالکی کے قول پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ان کا یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کہ ان شراب پینے والوں کی وجہ سے شراب کو حرام قرار دیا گیا کیونکہ ان شراب پینے والوں کا قصہ بالاتفاق غزوۂ احد سے پہلے کا ہے کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے اور یہ واقعہ غزوہ بدر اور غزوۂ احد کے درمیانی عرصہ کا ہے جب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح کیا تھا اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے غزوۂ احد کے دن صبح کو شراب پی اور پھر وہ اسی دن شہید ہو گئے۔ سو اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ غزوۂ احد کے بعد شراب کو حرام کیا گیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مجنون میں بھی عقل ہوتی ہے الا یہ کہ یہ ثابت ہو کہ نشہ سے اس کی عقل زائل ہو چکی ہے

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم کو جنون ہے؟"

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے: کیا تم پر بعض اوقات میں جنون طاری ہوتا ہے؟ اور اگر آپ کی مراد یہ ہوتی کہ تم پر ہمیشہ جنون ہوتا ہے تو آپ کے اس ارشاد پر وثوق نہ ہوتا کہ اس پر جنون ہے، اس ارشاد کا صرف یہ معنی ہے کہ کیا تم پر اس وقت کے علاوہ میں جنون ہوتا ہے، لہٰذا تم نے جو کہا ہے کہ میں نے زنا کیا ہے تو یہ جنون کے وقت میں کہا ہے اور آپ نے ایسے شبہ کو طلب کیا جس سے حد ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ مجنون کے معاملہ کو اس کی عقل نہ ہونے کے وقت میں اور جنون کے وقت فساد مقاصد کی صورت میں محمول کیا جاتا ہے اور سکران یعنی نشہ میں مبتلا شخص میں اصل یہ ہے کہ اس میں عقل ہو اور نشہ صرف اس کی عقل پر طاری ہوتا ہے، پس ایسے شخص سے جو کلام صادر ہو اس کو اس کی اصل عقل پر محمول کیا جائے گا حتیٰ کہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس وقت اس کی عقل نہیں تھی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

سکران کی طلاق واقع ہونے کے متعلق امام بخاری کی تعلیقات میں مذکور احادیث

وَقَالَ عُثْمَانُ لَيْسَ لِمَجْنُونٍ وَلَا لِسَكْرَانَ طَلَاقٌ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہ مجنون کی طلاق ہوتی ہے اور نہ سکران (نشہ میں مدہوش) کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۵۹)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس چھٹی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی اصل مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: امام ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ الزہری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو حالت نشہ میں طلاق دے دی، پس عمر بن عبدالعزیز کی رائے ہماری رائے کے موافق تھی کہ اس شرابی پر کوڑے لگائے جائیں اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کردی جائے حتیٰ کہ ان کو ابان بن عثمان نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجنون پر طلاق نہیں ہوتی اور نہ نشہ میں مدہوش پر طلاق ہوتی ہے، تب عمر بن عبدالعزیز نے اپنے علماء سے کہا کہ تم مجھے اس کی بیوی کے درمیان تفریق کا حکم دیتے ہو اور یہ یعنی ابان بن عثمان مجھے اس کے خلاف حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہیں، پھر انہوں نے اس شرابی کی بیوی اس کی طرف واپس کردی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۲۷۵)

امام بخاری نے یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر بیان کیا ہے۔ (فتح الباری، ج ۶ ص ۶۶۳ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَلَاقُ السَّكْرَانِ وَالْمُسْتَكْرَهِ لَيْسَ بِجَائِزٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سکران اور مکرہ کی طلاق جائز نہیں ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۰۸، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۸۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۵۸)

سکران (جو نشہ میں مدہوش ہو) کی طلاق کا واقع نہ ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس ساتویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تعلیق کو اس حدیث کی تائید اور تقویت میں لکھا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حالت نشہ میں ان سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلمات کہے تھے اور ان دونوں حدیثوں سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ حالت نشہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

نیز ابوالشعثاء، عطاء، طاؤس، عکرمہ، القاسم اور عمر بن عبدالعزیز کا بھی یہی موقف ہے کہ نشہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ امام ابن ابی شیبہ نے ان فقہاء تابعین کے اقوال کی اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۲۷۶۔۱۸۲۷۷)

سکران کی طلاق کے عدم وقوع کے متعلق فقہاء تابعین کے اقوال

اور ربیعہ، اللیث، اسحاق اور المزنی کا بھی یہی قول ہے اور امام الطحاوی کا بھی یہی مختار ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ المعتوہ (کم عقل) کی طلاق واقع نہیں ہوتی، امام طحاوی نے کہا کہ سکران بھی اپنے نشہ کی وجہ سے المعتوہ (کم عقل) ہے۔

سکران کی طلاق کے وقوع کے متعلق فقہاء تابعین کے اقوال

سکران کی طلاق کے وقوع کے متعلق کثیر فقہاء تابعین کا قول ہے مثلاً سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم النخعی، الزہری اور

الشعبی، امام اوزاعی اور الثوری اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں: ان دونوں میں صحیح قول یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اس میں امام احمد بن حنبل کا قول مخالف ہے لیکن اس کی ترجیح بالعکس ہے۔

سکران کی حد نشہ

علامہ ابن المرابط نے کہا ہے کہ جب ہم کو یہ یقین ہو کہ سکران کی عقل زائل ہو چکی ہے تو اس کی دی ہوئی طلاق لازم نہیں ہوگی ورنہ لازم ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے نشہ کی جس حد سے نماز کو باطل فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حالت نشہ میں اس کو علم نہ ہو کہ اس نے کیا کہا ہے۔ اور یہ تفصیل ان فقہاء کے خلاف نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ شرابی کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

جن فقہاء کے نزدیک سکران کی طلاق واقع ہو جاتی ہے ان کی دلیل

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ سکران کی طلاق مطلقاً واقع ہو جاتی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ شرابی شراب پینے کی وجہ سے گناہ گار ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا خطاب زائل نہیں ہوا اور نہ اس سے گناہ زائل ہوا کیونکہ اس نے نشہ کی حالت میں جو نمازیں پڑھی ہیں اسے ان کی قضا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، اسی طرح ان عبادات کی قضاء کا حکم دیا جاتا ہے جو اس پر حالت نشہ سے پہلے یا حالت نشہ میں واجب ہوئی تھیں۔

دلیل مذکور کا امام طحاوی کی طرف سے جواب

اور امام طحاوی نے یہ جواب دیا ہے کہ جو بے عقل ہو اس کے احکام مختلف نہیں ہوتے خواہ اس کی عقل کا نہ ہونا اس کی اپنی وجہ سے ہو یا کسی اور کی وجہ سے ہو کیونکہ جو شخص نماز میں قیام سے عاجز ہو تو اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس کا عجز اللہ کی جانب سے ہو یا اس کی اپنی طرف سے ہو مثلاً کوئی شخص اپنی ٹانگ خود توڑ دے تو اس سے قیام کا فرض ساقط ہو جائے گا، اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قیام کا بدل قعود ہے، سو دونوں صورتوں میں فرق ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ جو مرد سویا ہوا ہو اور اس سے نماز رہ جائے تو اس پر نماز کی قضا کرنی واجب ہے اور سوئے ہوئے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی، پس ان دونوں صورتوں میں فرق ہے اور علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ جو شخص نشہ کی وجہ سے بے عقل ہو اور جس شخص کی عقل کے اوپر نشہ طاری ہو جب بھی اس مرد سے ایسا کلام صادر ہو جس کا کوئی مفہوم ہو تو وہ اصل پر محمول ہوگا یعنی اس کے کلام کا اعتبار کیا جائے گا حتیٰ کہ اس کی عقل کا زائل ہونا ثابت ہو جائے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۴۔ ۴۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کی طرف سے ساتویں تعلیق کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ از ہشیم از عبداللہ بن طلحہ الخزاعی از ابی یزید المدینی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ سکران کی اور مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۸۲) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سکران کی طلاق کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ سکران کی تعلیق کے متعلق فقہاء احناف کا موقف بیان کرتے ہیں:

اور رہا سکران تو جب وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو اگر اس کا نشہ کسی حرام سبب سے ہو بایں طور کہ اس نے خمر (انگور کی شراب) کو پیا ہو یا خوشی سے نبیذ کو پیا ہو حتیٰ کہ اس کو نشہ آ گیا اور اس کی عقل زائل ہو گئی تو جمہور فقہاء اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس کی طلاق واقع ہو جائے گی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہو گی، امام طحاوی اور امام کرخی نے اسی روایت سے استدلال کیا ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ان کے قول کی دلیل یہ ہے کہ سکران کی عقل زائل ہو گئی اور تصرف کی اہلیت کی شرائط میں سے عقل ہے، یہی وجہ ہے کہ مجنون اور نا سمجھ بچے کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اور جس کی عقل بھنگ یا کسی دواء سے زائل ہوئی ہو تو اس کا بھی یہ حکم ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں کا مرتد ہونا صحیح نہیں ہے، پس ان کی طلاق بہ طریق اولیٰ صحیح نہیں ہو گی۔

سکران کی طلاق کے وقوع پر فقہاء احناف کا قرآن مجید سے استدلال

اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ ۔ (البقرۃ: ۲۳۰۔۲۲۹)

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے، یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، اور تمہارے لیے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم ان کو دے چکے ہو، مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں، سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں○ پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً یہ فرمایا ہے کہ جو مرد اپنی بیوی کو دو یا تین طلاقیں دے گا تو اس کی دی ہوئی طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس قید کے ساتھ مقید نہیں فرمایا کہ وہ حالت عقل میں طلاق دے گا تو اس کی طلاق واقع ہو گی اور اگر اس نے حالت نشہ میں طلاق دی تو اس کی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

سکران کی طلاق کے وقوع پر فقہاء احناف کا احادیث سے استدلال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر طلاق جائز ہے سوائے معتوہ کی طلاق کے جس کی عقل مغلوب ہو''۔ (سنن ترمذی: ۱۱۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

اس حدیث کی روایت کے بعد امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ فرماتے ہیں: اس حدیث پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل علم اصحاب اور دیگر کا عمل ہے کہ معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی مگر یہ کہ جب اس کو افاقہ ہو اور وہ حالت افاقہ میں طلاق دے تو اس کی طلاق

واقع ہوجاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا ہے، (۱) سوئے ہوئے شخص سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہوجائے (۲) بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہوجائے (۳) مجنون سے حتیٰ کہ وہ صاحب عقل ہوجائے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۹۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۱، مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۱، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۶، سنن داری: ۲۲۹۶، صحیح ابن حبان: ۱۴۲، سنن بیہقی ج ۶ ص ۸۴)

ان احادیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف المعتوہ (مغلوب العقل) بچے، سوئے ہوئے شخص اور مجنون کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اگر شرابی اور نشہ میں مدہوش شخص کی طلاق بھی واقع نہ ہوتی تو آپ اس کا حکم بھی بیان فرما دیتے، سو ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر شرابی حالت نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

شرابی کی حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق کے وقوع پر عقلی دلیل

نشے میں مدہوش شخص کی عقل جس سبب سے زائل ہوئی ہے وہ معصیت اور گناہ ہے، لہٰذا زجراً اس کی بیوی پر طلاق واقع کردی جائے گی اور یہ اس کے ارتکاب معصیت کی سزا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ حالت نشہ میں کسی شریف انسان پر زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی یا اگر وہ حالت نشہ میں کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس پر حد زنا لگائی جائے گی اور شراب پینے پر اسے اسی کوڑے کی حد لگائی جائے گی اور اگر وہ حالت نشہ میں کسی کو قتل کردے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور حد اور قصاص غیر عاقل پر واجب نہیں ہوتیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ شرابی کی عقل قائم ہے اور جب کسی معصیت کی وجہ سے عقل زائل ہوجائے تو اس کو عاقل کے قائم مقام کیا جاتا ہے مثلاً کوئی شخص اپنے مورث کو قتل کردے تو اس کو مورث کی وراثت سے محروم کردیا جائے گا اور یہ حکم زجر و توبیخ کی بنا پر ہے، اس کے برخلاف جب اس کی عقل بھنگ پینے سے یا کسی دواء سے زائل ہوجائے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس کی عقل کسی معصیت کے سبب سے زائل نہیں ہوئی ہے۔ ہاں! سکران کا مرتد ہونا استحساناً صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی عقل تقدیراً باقی ہے اور اس کو زجر و توبیخ کی حاجت نہیں ہے اور ارتداد کا وجود عام نہیں ہے اس لیے اس کی عقل کو تقدیراً باقی رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اس لیے کہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اگر کافر کو جبراً مسلمان کیا جائے تو اس کے اسلام کا حکم کیا جائے اور اگر مسلمان سے جبراً کلمہ کفر کہلوایا جائے اور اس کی زبان سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا جب کہ اس کا دل ایمان اور اسلام پر مطمئن ہو۔

کسی مباح چیز کے کھانے کی وجہ سے حالت نشہ کا حکم

جب سکران کا نشہ کسی مباح چیز کے سبب سے ہو لیکن اس سے اس کو لذت حاصل ہوئی ہو تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کی طلاق بھی واقع ہوجائے گی کیونکہ اس کی عقل لذت کے سبب سے زائل ہوئی ہے۔

شراب کے علاوہ دیگر چیزوں کے کھانے یا پینے سے نشہ میں دی ہوئی طلاق کا حکم

امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے: جس شخص نے بھنگ پی اور اس کی عقل زائل نہیں ہوئی لیکن اس کے سر میں درد ہوگیا اور سر درد کی وجہ سے اسی کی عقل زائل ہوگئی تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس کی عقل نہ کسی معصیت کی وجہ سے زائل ہوئی ہے نہ لذت کی وجہ سے۔ اسی طرح جب کسی شخص نے بھنگ پی یا نشہ آور دواء پی جس سے اس کی عقل زائل ہوگئی (مثلاً چرس پی، افیون کھائی، مین پوری کھائی، جیم (J-M) کھائی، ماوا کھایا، گٹکا کھایا یا ونٹوون کھایا یا راج گرو کھایا یا سٹی کھائی یا اسی طرح کی دیگر اس دور کی مروجہ

نشہ آور چیزیں کھائیں) تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ اس کی عقل زائل ہو جائے۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۴ ص ۲۱۴۔ ۲۱۳، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ) میں کہتا ہوں کہ نسوار اور تمبا کو والے پان سے بھی شروع استعمال میں چکر آتے ہیں اور سر میں بھی درد ہوتا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

خمر (انگور کی شراب) کے نشہ سے وقوع طلاق کے متعلق فقہاء احناف کے مذہب کی تفصیل

علامہ برہان الدین ابوالمعالی محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۶ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ ابوالحسین احمد بن محمد القدوری البغدادی الحنفی المتوفی ۴۲۸ھ نے لکھا ہے: سکران جب خمر یا نبیذ پی کر حالت نشہ میں طلاق دے تو اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہی ہمارے اصحاب رحمہم اللہ کا مذہب ہے، اور ابوالحسن الکرخی کا مختار یہ ہے کہ سکران کی طلاق نہیں ہوتی اور یہی امام طحاوی کا موقف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اور اگر کسی مرد کو ضرورت کے وقت شراب پینے پر مجبور کیا گیا، سو اس کی عقل چلی گئی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی، ہشام نے از امام محمد رحمہ اللہ اس کی روایت کی ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کی عقل صرف لذت کی وجہ سے گئی ہے، امام محمد نے کہا: اگر اس کی عقل کسی ایسی دواء کے استعمال سے گئی جس میں لذت نہیں تھی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، اسی طرح اگر اس نے بھنگ پی اور اس کی عقل چلی گئی سو اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

عبدالعزیز الترمذی نے بیان کیا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس نے بھنگ پی اور وہ بھنگ اس کے دماغ تک چڑھ گئی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو امام ابو حنیفہ نے کہا: اگر بھنگ پیتے وقت اس کو علم تھا کہ وہ کون ہے تو اس کی بیوی کو طلاق ہوگی اور اگر بھنگ پیتے وقت اس کو علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے تو اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی، اور اگر اس نے نبیذ کو پیا اور اس سے اس کی عقل زائل نہیں ہوئی لیکن بھنگ اس کے موافق نہیں آئی، سو اس کے سر میں درد ہو گیا اور سر درد کی وجہ سے اگر اس نے کسی ایسی شراب کو پیا جو دانوں سے (یعنی گندم، جو یا جوار سے) یا شہد سے بنائی گئی ہو، سو اس کو نشہ آ گیا اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

مصنف کے نزدیک موجودہ دور کی شرابوں سے حالت نشہ میں بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی

کیونکہ یہ شرابیں خمر نہیں ہیں جو کہ انگور کے شیرہ سے بنائی جاتی ہے اور صرف خمر ہی مطلقاً حرام ہے اور باقی شرابیں مطلقاً حرام نہیں ہیں۔ یہ شرابیں اس وقت حرام ہیں جب ان کو اتنی مقدار میں پیا جائے جس سے نشہ ہو جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حتی الامکان احتیاط سے کام لیتے ہیں اور طلاق واقع کرنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض چیز طلاق ہے، اس زمانہ میں جو شرابیں بنائی جاتی ہیں وہ الکوحل سے تیار کی جاتی ہیں اور الکوحل، شہد، شیرہ، مختلف دانوں، جو، اناناس، گندم، ادرک اور دیگر نشاستہ دار اجزا سے تیار کی جاتی ہے۔ اس نشاستہ میں پانی شامل کر کے اسے جوش دیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ رقیق کرتے ہیں، پھر اس میں مختلف کیمیکلز شامل کرتے ہیں جس کے بعد یہ مرکب ایک مرتبہ میں الکوحل بن جاتا ہے اور اس کی ایک خاص مقدار نشہ آور ہوتی ہے، اسی طرح اسپرٹ بھی ایک مقدار میں نشہ دیتی ہے اور قلیل مقدار میں الکوحل نشہ دیتی ہے نہ اسپرٹ۔ اس کے بر خلاف امام محمد کے نزدیک خمر کے علاوہ جس شراب کے پینے سے بھی نشہ ہو اور وہ حالت نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی طلاق

واقع ہو جاتی ہے۔(میں کہتا ہوں: امام محمد کا قول حرمت شراب میں احتیاط پر مبنی ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول عورت کو طلاق سے بچانے پر محمول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے، نیز امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ان ظاہر احادیث اور آثار کے بھی موافق ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور اسی کے مطابق امام طحاوی اور امام کرخی کا فتویٰ ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور اس زمانہ کی شرابیں خمر نہیں ہیں، اسی لیے مصنف کی تحقیق یہی ہے کہ اس دور میں جو شخص شراب کے نشے میں اپنی بیوی کو طلاق دے گا تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔سعیدی غفرلہ)

(المحیط البرہانی ج ۴ ص ۳۹۲۔۳۹۱، المجلس العلمی، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حالت نشہ میں وقوع طلاق کے متعلق صدر الشریعہ کا فتویٰ

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی متوفی ۱۳۶۷ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

نشہ والے نے طلاق دی تو واقع ہو جائے گی کہ یہ عاقل کے حکم میں ہے اور نشہ خواہ شراب پینے سے ہو یا بھنگ وغیرہ کسی اور چیز، افیون کی پینک میں طلاق دے دی جب بھی واقع ہو جائے گی۔(الدر المختار ج ۴ ص ۴۳۸۔۴۳۷)

کسی نے مجبور کر کے اسے نشہ پلا دیا یا حالت اضطرار میں مثلاً پیاس سے مر رہا تھا اور پانی نہ تھا اور نشہ میں طلاق دے دی تو صحیح یہ ہے کہ واقع نہ ہوگی۔(الدر المختار ج ۴ ص ۴۳۳)(بہار شریعت حصہ ۸ ص ۷، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۶ھ، مجلس مدینۃ العلمیہ، ۱۴۳۰ھ)

حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق کے متعلق اعلیٰ حضرت کا فتویٰ

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

نشہ کی طلاق واقع ہے اگرچہ ایقاع کو عقل ضرور اور نشہ اس کا مزیل مگر دانستہ اس کا ارتکاب خود اس کا قصور۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۲۲۸، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۱۴۱۸ھ)

موسوس کی طلاق کے متعلق امام بخاری کی تعلیق

وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ لَا يَجُوزُ طَلَاقُ الْمُوَسْوِسِ۔

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: الموسوس کی طلاق جائز نہیں ہے۔

(اس تعلیق کی تخریج پر ہم مطلع نہیں ہو سکے۔سعیدی غفرلہ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس آٹھویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی صاحب وسوسہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ وسوسہ حدیث النفس ہے اور دل میں جو خیال آتا ہے یا جو بات آتی ہے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔(فتح الباری ج ۶ ص ۹۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا ترجمہ اور تذکرہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر بن عبس الجہنی، یہ جہینہ ابن زید بن سود بن اسلم بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر نے مصر میں رہائش اختیار کر لی تھی اور وہ مصر کے گورنر مقرر کیے گئے تھے اور انہوں نے وہاں پر گھر بنا لیا تھا اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں وفات پا گئے

تھے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں:) ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چوالیس (۴۴) ہجری میں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، پھر ان کو معزول کر کے مسلمہ بن مخلد کو ان کی جگہ گورنر مقرر کر دیا اور ان کا دمشق میں بھی گھر تھا، اور خلیفہ بن خیاط نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی کو جنگ نہروان میں قتل کر کے شہید کر دیا اور یہ اڑتیس (۳۸) ہجری کا واقعہ ہے۔ حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ خلیفہ بن خیاط کا یہ قول غلط ہے۔

علامہ الواقدی المتوفی ۲۰۷ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصر منتقل ہو گئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہو گئے اور ان کو المقطم میں دفن کیا گیا۔

علامہ الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی معزز صحابی ہیں۔ وہ بہت فصیح اللسان تھے اور انہوں نے دمشق کی فتح کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچائی تھی۔ وہ سات دنوں میں مدینہ پہنچ گئے اور وہاں سے ڈھائی دنوں میں شام پہنچ گئے۔

حضرت عقبہ بن عامر نے یہ کہا کہ موسوس کی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ وسوسہ حدیث نفس ہے اور دل میں جو بات آتی ہے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ حضرت عقبہ بن عامر کے متعلق لکھتے ہیں:

ان سے پچپن (۵۵) احادیث مروی ہیں جن میں سے سات (۷) احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور نو (۹) احادیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ ان سے حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں اور قیس بن ابی حازم اور بہت لوگ روایت کرتے ہیں۔ یہ حضرت امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر کیے گئے تھے اور انہی کی طرف سے جنگ صفین میں حاضر ہوئے تھے اور اٹھاون (۵۸) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۲ ص ۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ) (تہذیب الکمال ج ۲۰ ص ۲۰۲، تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۴۲، تقریب التہذیب: ۴۶۵۷)

طلاق میں شرط کے متعلق امام بخاری کی تعلیق میں حدیث

وَقَالَ عَطَاءٌ إِذَا بَدَا بِالطَّلَاقِ فَلَهُ شَرْطُهُ۔ اور عطاء نے کہا: جب مرد نے طلاق دینے کی ابتداء کی تو اس کی شرط معتبر ہوگی۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۱۲۷۵، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۸۱)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس نویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی شرح تفصیل کے ساتھ "باب الشروط فی الطلاق" میں گزر چکی ہے۔ اور عطاء، سعید بن المسیب اور الحسن البصری کی تعلیقات بھی گزر چکی ہیں اور میں ان کی احادیث موصولہ بھی بیان کر چکا ہوں اور یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ اس مسئلہ میں کس نے ان کی مخالفت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس نویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں اور اس تعلیق کا معنی یہ ہے کہ جب کسی مرد نے ابتداءً طلاق دی تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس طلاق کو کسی شرط کے اوپر معلق کر دے اور یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی شرط کو مقدم ذکر کرے بلکہ اس کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ تم کو طلاق ہے، اگر تم گھر میں داخل ہوئی، اسی طرح اس کا یہ کہنا بھی جائز ہے کہ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے۔ (عمدۃ القاری

ج ۲۰ ص ۳۵۹،دارالکتب العلمیہ ،بیروت،۱۴۲۱ھ)

ان بعض فقہاء کے قول کا بیان جنہوں نے عطاء بن ابی رباح کی مخالفت کی

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب مرد نے یہ کہا: جب سورج غروج ہوا تو میری بیوی کو طلاق ہے،تو جب تک سورج غروب نہیں ہوگا تب تک اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی،لیکن جب اس نے کہا کہ میری بیوی کو طلاق ہے جب سورج غروب ہوگیا،سو بعض علماء نے یہ کہا کہ اس کی بیوی کو اسی وقت طلاق ہو جائے گی اور غروب شمس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور صحیح وہ بات ہے جو عطاء بن ابی رباح نے کہی ہے کہ ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وضو،نماز اور طلاق میں وسوسہ کا حکم

مسئلہ: طہارت میں وسوسہ کا حکم واضح ہے لیکن طلاق میں وسوسہ کا حکم غیر واضح ہے یعنی اس کا معنی غیر مفہوم ہے۔

الجواب: نماز میں وسوسہ بھی غیر واضح ہے کیونکہ اس میں وسوسہ اس طرح ہے کہ آیا اس نے تکبیر تحریمہ کہی ہے یا نہیں کہی؟ حتیٰ کہ طلاق میں یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں دی۔اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی،حتیٰ کہ طہارت میں بھی کہا جاتا ہے کہ شیطان اس کو وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس نے وضو نہیں کیا،تو ہم کہیں گے کہ تم نماز پڑھو،اگر تم کو یہ خیال ہو کہ تم بغیر وضو کے نماز پڑھو گے تو تم اس وسوسہ کو چھوڑ دو اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کہہ کر نماز پڑھو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۳۰،مکتبۃ الطبری القاہرہ،مصر،۱۴۲۹ھ)

تعلیق سابق کے موافق امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَقَالَ نَافِعٌ طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ إِنْ خَرَجَتْ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ إِنْ خَرَجَتْ فَقَدْ بُتَّتْ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ تَخْرُجْ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ۔

اور نافع نے کہا: جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی اگر وہ گھر سے نکلی،تو اس کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر وہ گھر سے نکلی تو اس کو طلاق بائن ہو جائے گی اور گھر سے نہیں نکلی تو اس کا یہ کلام لغو ہے۔

لفظ البتہ کی تحقیق اور حضرت ابن عمر کے اثر کی عطاء بن ابی رباح کے اثر کے ساتھ مناسبت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ دسویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظ اَلْبَتَّہ مفعول مطلق ہے،علامہ کرمانی نے کہا کہ لفظ البتہ میں ہمزہ قطعی ہے،علماء نحو نے کہا: یہ چیز قیاس سے معزول ہے۔ الی آخرہ۔(حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:) یہ کہنا کہ لفظ البتہ کے ہمزہ کا قطعی ہونا خلاف قیاس ہے درست نہیں کیونکہ لفظ اَلْبَتَّہ کا ہمزہ قطعی ہے اور اہل لغت نے کہا کہ البتہ کا معنی ہے: اَلْقَطْعُ اور البتہ کے ساتھ طلاق کے مسائل کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور جمہور نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کی موافقت کی ہے کہ شرط کو خواہ طلاق سے پہلے ذکر کیا جائے یا طلاق کے بعد ذکر کیا جائے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔اسی سے معلوم ہو گیا کہ یہ تعلیق یعنی حضرت ابن عمر کا اثر عطاء کے اثر کے مناسب ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۴،دارالمعرفہ،بیروت،۱۴۲۶ھ)

تعلیق مذکور کی تسہیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس دسویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام نافع نے حضرت ابن عمر سے پوچھا: جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ یعنی طلاق بائن دی کہ اگر تم گھر سے نکلی تو تم کو طلاق البتہ ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے جواب میں فرمایا: اگر اس کی بیوی گھر سے نکلی تو اس پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر وہ گھر سے نہیں نکلی تو اس پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ طلاق شرط پر معلق ہے اور یہ اس وقت نافذ ہوگی جب شرط پائی جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيمَنْ قَالَ إِنْ لَمْ أَفْعَلْ كَذَا وَكَذَا فَامْرَأَتِي طَالِقٌ ثَلَاثًا يُسْأَلُ عَمَّا قَالَ وَعَقَدَ عَلَيْهِ قَلْبُهُ حِينَ حَلَفَ بِتِلْكَ الْيَمِينِ فَإِنْ سَمَّى أَجَلًا أَرَادَهُ وَعَقَدَ عَلَيْهِ قَلْبُهُ حِينَ حَلَفَ جُعِلَ ذٰلِكَ فِي دِينِهِ وَأَمَانَتِهِ۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۲۶۴)

اور الزہری نے اس مرد کے متعلق کہا جس نے کہا: اگر میں نے فلاں فلاں کام نہیں کیا تو میری بیوی کو تین طلاقیں تو مرد سے اس کے قول کے متعلق سوال کیا جائے گا اور جس وقت اس نے طلاق کی قسم کھائی تھی تو اس کے دل میں کیا تھا، اگر اس مرد نے بیان کر دیا کہ اس کی مراد اتنی مدت تھی جس کا اس نے ارادہ کیا تھا اور اس وقت اس کے دل میں بھی یہی تھا تو اس قول کو اس کے دین اور اس کی امانت پر محمول کیا جائے گا۔

جب کسی مرد نے کسی کام کے کرنے پر اپنی بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھائی اور اس کام کا بیان نہیں کیا تو اس کام میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس گیارہویں تعلیق کے متعلق لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ دو مردوں نے کسی کام پر اپنی بیوی کو طلاق دینے اور اپنے غلام کو آزاد کرنے کی قسم کھائی اور اس کام میں دونوں کا اختلاف ہے اور ان دونوں میں سے کسی نے بھی اس کام کے اوپر گواہ قائم نہیں کیے تو پھر ان دونوں سے اس کام کے متعلق پوچھا جائے گا اور انہوں نے جو بھی جواب دیا اس کو ان کے دین اور ان کی امانت پر محمول کر دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۲۰ ص ۴۶۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس گیارہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی محمد بن مسلم الزہری نے کہا: اور مسئلہ کی صورت ظاہر ہے کیونکہ یہ وہ تعلیق ہے جو شرط کے پائے جانے پر نافذ ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنْ قَالَ لَا حَاجَةَ لِي فِيكِ نِيَّتُهُ۔

ابراہیم نے کہا: اگر مرد نے کہا: مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں ہے تو اس قول میں اس کی نیت معتبر ہوگی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۲۲۱، ۱۱۲۱۴، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۸۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۷۸)

جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: مجھے تمہاری حاجت نہیں ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس بارہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر مرد نے اس قول سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور اگر اس نے طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تو طلاق نہیں ہوگی۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں ہے تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۷۸)

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس بارہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے اس تعلیق کی وہی شرح کی ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی بیان کر چکے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَطَلَاقُ كُلِّ قَوْمٍ بِلِسَانِهِمْ۔ ہر قوم کی طلاق کے الفاظ میں ان کی نیت معتبر ہوگی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۵)

غیر عربی زبان میں طلاق کا حکم

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تیرہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ عجمی کی طلاق اس کی اپنی زبان میں جائز ہے اور سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ جب مرد نے فارسی زبان میں طلاق دی تو اس کو لازم ہوگی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

فارسی اور ترکی زبان میں طلاق کے الفاظ کا حکم

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تیرہویں تعلق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی ابراہیم نخعی نے کہا کہ ہر قوم خواہ عربی ہو یا عجمی ہو ان کا اپنی زبانوں میں طلاق دینا جائز ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے از مغیرہ از ابراہیم روایت کی ہے کہ عجمی کا اپنی زبان میں طلاق دینا جائز ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۵)

صاحب المحیط نے کہا ہے: فارسی میں طلاق کے چار الفاظ متعارف ہیں: (۱) اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: ہشتم ترا یا ہشتم ترا از زنی"۔ ابن رستم نے اپنی نوادر میں امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ بغیر نیت کے یہ الفاظ طلاق نہیں ہیں، کیونکہ ان کا معنی اس طرح ہے کہ میں نے تم کو خالی کر دیا اور اس لفظ سے بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی (۲) اگر اس نے کہا: "بلہ کردم"، (۳) اگر اس نے کہا: "پای کشادہ کردم" تو ان الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق رجعی واقع ہوگی (۴) اگر اس نے کہا: "دست باز داشتم" تو ایک قول یہ ہے کہ اس سے طلاق رجعی ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے طلاق بائن ہوگی اور اگر اس نے کہا: "چہار راہ برتو کشادہ است"۔ تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔ اور اگر اس نے ترکی زبان میں کہا: "بوشادم سنی بر طلاق"، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر اس نے کہا: "ایکی طلاق" تو اس سے دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر اس نے کہا: اوج طلاق تو اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اردو زبان میں طلاق کے الفاظ کے متعلق صدر الشریعہ کا فتویٰ

مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی سنی حنفی المتوفی ۱۳۶۷ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

مسئلہ: طلاغ، تلاغ، طلاک، تلاک، تلاکھ، تلاکھ، تلاخ، طلاخ، تلاق، طلاق، بلکہ تو تلے کی زبان سے تلات، یہ سب صریح کے الفاظ ہیں۔ ان سب سے ایک طلاق رجعی ہوگی اگر چہ نیت نہ ہو یا اگر چہ نیت کچھ اور ہو۔ (الدرالمختار ج ۴ ص ۴۴۴)

مسئلہ: اردو میں یہ لفظ کہ میں نے تجھے چھوڑا صریح ہے، اس سے ایک طلاق رجعی ہوگی، کچھ نیت ہو یا نہ ہو، یوہیں یہ لفظ کہ میں نے فارغ خطی یا فارکھتی دی صریح ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۵۶۰۔۵۵۹)

مسئلہ: لفظ طلاق غلط طور پر ادا کرنے میں عالم اور جاہل برابر ہیں بہر حال ادا ہو جائے گی اگر چہ وہ کہے کہ میں نے دھمکانے کے لیے غلط طور پر ادا کیا طلاق مقصود نہ تھی ورنہ صحیح طور پر بولتا۔ ہاں! اگر لوگوں سے پہلے کہہ دیا تھا کہ دھمکانے کے لیے غلط طور پر ادا کیا تو طلاق مقصود نہ ہوگی، اب اس کا کہا مان لیا جائے گا۔ (الدرالمختار ج ۴ ص ۴۴۶)

مسئلہ: عورت کو طلاق نہیں دی مگر لوگوں سے کہتا ہے کہ میں طلاق دے آیا تو قضاءً ہو جائے گی اور دیانۃً نہیں اور اگر ایک طلاق دی ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ تین دی ہیں تو دیانۃً ایک ہوگی اور قضاءً تین، اگر چہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا تھا۔ (فتاویٰ خیریہ ص ۳۸)

مسئلہ: عورت سے کہا: اے مطلقہ! اے طلاق دی گئی! اے طلاقن! اے طلاق شدہ! اے طلاق یافتہ! اے طلاق کردہ! طلاق ہو گئی اگر چہ کہے: میرا مقصود گالی دینا تھا طلاق دینا نہ تھا۔ اور اگر یہ کہے کہ میرا مقصود یہ تھا کہ وہ پہلے شوہر کی مطلقہ ہے اور حقیقت میں وہ ایسی ہی ہے یعنی شوہر اول کی مطلقہ ہے تو دیانۃً اس کا قول مان لیا جائے گا اور اگر وہ عورت پہلے کسی کی منکوحہ تھی ہی نہیں یا تھی مگر اس نے طلاق نہ دی تھی بلکہ مر گیا ہو تو یہ تاویل نہیں مانی جائے گی۔ یوہیں اگر کہا کہ تیرے شوہر نے تجھے طلاق دی تو بھی یہی حکم ہے۔
(ردالمحتار ج ۴ ص ۴۴۹)

مسئلہ: عورت سے کہا: تجھے طلاق دیتا ہوں یا کہا کہ تو مطلقہ ہو جا تو طلاق ہو گئی۔ (ردالمحتار) مگر یہ لفظ کہ طلاق دیتا ہوں یا چھوڑتا ہوں اس کے یہ معنی لیے کہ طلاق دینا چاہتا ہوں یا چھوڑنا چاہتا ہوں تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی قضاءً ہو جائے گی اور اگر یہ لفظ کہا کہ چھوڑے دیتا ہوں تو طلاق نہ ہوئی کہ یہ لفظ قصد وارادہ کے لیے ہے۔

مسئلہ: تجھ پر طلاق، تجھے طلاق، تو طلاق ہے تو طلاق ہو گئی، طلاق ہو جا، طلاق لے، باہر جاتی تھی کہا: طلاق لے جا، اپنی طلاق اوڑھ اور روانہ ہو، میں نے تیری طلاق تیرے آنچل میں باندھ دی، جا تجھ پر طلاق۔ ان سب میں ایک طلاق رجعی ہوگی اور اگر فقط جا بہ نیت طلاق کہتا تو بائن ہوتی۔ (خانیہ، عالمگیری وغیرہما و الفتاوی الخانیہ ج ۲ ص ۶۰۷)

مسئلہ: عورت کو کہا: میں نے تجھے چھوڑا اور کہتا ہے: میرا مقصود یہ تھا کہ بندھی ہوئی تھی، اس کی بندش کھول دی یا مقید تھی اب چھوڑ دی تو یہ تاویل سنی نہ جائے گی۔ ہاں! اگر تصریح کر دی کہ تجھے قید یا بندش سے چھوڑا تو قول مان لیا جائے گا۔ (الدرالمختار ج ۴ ص ۴۴۹)

مسئلہ: اپنی عورت سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو ایک بائن طلاق ہوگی اگر چہ نیت نہ کی ہو اور اگر وہ اس کی عورت نہ ہو تو یمین (قسم) ہے۔ حانث ہونے پر کفارہ واجب ہے۔ یوہیں اگر یہ کہا: میں تجھ پر حرام ہوں اور طلاق کی نیت کی تو واقع ہو گئی، اور اگر صرف یہ کہا کہ میں حرام ہوں تو واقع نہ ہوگی۔ (الدرالمختار ج ۴ ص ۴۵۲۔۴۵۰)

(بہار شریعت حصہ ۸ ص ۱۰۔۹، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۶ھ، مجلس المدینۃ العلمیہ، ۱۴۳۰ھ)

اردو زبان میں طلاق کے الفاظ کے متعلق اعلیٰ حضرت کا فتویٰ

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

دارالاسلام میں جہل عذر نہیں، اور یہیں سے واضح ہوا کہ اگر ہمارے بلاد میں کوئی جاہل سا جاہل اپنی غیر مدخولہ عورت سے کہے: تجھ پر طلاق ہے، عورت فوراً نکاح سے باہر ہو جائے گی اور بے حاجت عدت اسے اختیار ہوگا کہ جس سے چاہے نکاح کر لے اور اس کا یہ مسئلہ نہ جاننا کہ غیر مدخولہ مطلقاً ہر طلاق سے بائن ہو جاتی ہے اسے مفید نہ ہوگا، کسی ناخواندہ ہندی یا بنگالی کو سکھائے کہ اپنی عورت سے کہہ: ترا انزنی بهشتم (تجھ کو زوجیت سے نکال دیا) یا طلقتك فالحقي باهلك (میں نے تجھے طلاق دے دی ہے تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا) اور وہ نہ جانے کہ یہ کلمات طلاق کے ہیں عند اللہ طلاق نہ ہوگی کہ یہ جہل بالحکم، جہل باللسان سے ناشی ہوا اور جہل باللسان تقصیر نہیں، فارسی سیکھنا اصلاً اور عربی سیکھنا ہر شخص پر فرض نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ کمال الدین محقق ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ نے تحریر فرمایا: یہ ضروری ہے کہ جب مرد لفظ طلاق کے ساتھ خطاب کرے تو وہ اس کے معنی کو جانتا ہو۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۱، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ علاؤ الدین محمد بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: مرد نے طلاق کا لفظ کہا اور وہ اس کا معنی نہیں جانتا تھا یا غفلت سے یا بھول کر طلاق کے الفاظ غلط طور پر ادا کیے تو قضاءً طلاق ہو جائے گی، اس کے برخلاف اگر اس نے مذاق سے یا مشغلہ کے طور پر طلاق کے الفاظ کہے تو قضاءً اور دیانۃً طلاق ہو جائے گی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق میں بھی طلاق کو سنجیدگی کے مساوی قرار دیا ہے۔ (الدر المختار ج ۱ ص ۲۱۷، مطبع مجتبائی، دہلی)

حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز الکردری الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

کسی عورت کو عربی میں یہ کہلایا گیا: زوجت نفسی من فلان (میں نے اپنے نفس کا فلاں شخص سے نکاح کر دیا) جب کہ عورت کو ان الفاظ کا معنی معلوم نہیں تھا۔ اس کے بعد اس فلاں شخص نے جواب میں کہا: قبلت (میں نے قبول کیا) تو نکاح صحیح ہوگا خواہ گواہوں کو ان الفاظ کا معنی معلوم ہو یا نہ ہو، اسی پر فتویٰ ہے۔ اور مسئلہ طلاق کا بھی یہی حکم ہے اور شمس الاسلام اوزجندی نے فرمایا: طلاق نہ ہوگی کیونکہ صورت مذکورہ میں مرد طوطے کی مثل ہے۔ (فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۴ ص ۱۰۹، المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ بولاق، مصر المحمیہ، ۱۳۱۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر دو گواہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ عقد نکاح ہے تو مطلقاً نکاح نہ ہوا اگرچہ زن و مرد خوب سمجھتے ہوں اور انشاء نکاح کا ہی قصد رکھتے ہوں اور اگر دو گواہ اس قدر سمجھ لیے اگرچہ تفسیر الفاظ نہ جانتے ہوں تو اگر عاقدین بھی اتنا جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے تو بالاجماع نکاح ہو جائے گا اگرچہ اس زبان سے دونوں، وہ اور گواہ سب ناآشنا ہوں اور اگر عاقدین میں دونوں یا ایک کو معلوم نہ تھا کہ یہ الفاظ نکاح ہیں تو جہاں احکام اسلام کا چرچا نہیں وہاں یہ جہل عذر ہے اور جہاں چرچا ہے اور وہ الفاظ کسی غیر زبان کے نہ تھے جس سے اسے آگاہی نہ ہو تو نکاح ہو جائے گا اور یہ عذر مسموع نہیں اور اگر غیر زبان کے تھے اور فی الواقع اس نے اسے عقد نہ سمجھا تو عند اللہ نکاح نہ ہوگا، رہا قاضی تو اسے نظر کامل چاہیے، اگر ظاہر ہو کہ واقعی فریب کیا گیا اور دھوکا دیا گیا تو بطلان نکاح کا حکم دے ورنہ صحت کا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۲۳۵-۲۲۹ ملخصاً وملتقطاً ومخرجاً، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۱۴۱۸ھ)

وَقَالَ قَتَادَةُ إِذَا قَالَ إِذَا حَمَلْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا يَغْشَاهَا عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ مَرَّةً فَإِنِ اسْتَبَانَ حَمْلُهَا فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۳)

اور قتادہ نے بیان کیا: جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا: جب تو حاملہ ہوگئی تو تجھ کو تین طلاقیں ہوں گی اور وہ ہر طہر میں ایک مرتبہ اس سے جماع کرتا ہے، پس اگر اس کا حمل ظاہر ہو گیا تو اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی۔

جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو حاملہ ہوئی تو تجھے طلاق ہے، اس مسئلہ میں اختلاف فقہاء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس چودہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ وہ ہر طہر میں اس سے ایک مرتبہ جماع کرتا ہے، پھر دوسرے طہر تک رکا رہتا ہے۔
محمد بن سیرین نے کہا ہے: وہ اس سے جماع کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ حاملہ ہو جاتی ہے، جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالک کی روایت مختلف ہے، ابن القاسم کی روایت میں مذکور ہے کہ اگر اس نے طلاق معلق کرنے کے بعد ایک مرتبہ اس سے جماع کیا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی خواہ اس کا حمل ظاہر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اور اگر اس نے اپنی بیوی سے اس طہر میں جماع کیا جس میں اس نے وطی کے بعد یہ کہا تھا تو اس پر اسی وقت طلاق واقع ہو جائے گی، امام طحاوی نے اس پر تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس صورت میں اس وقت طلاق واقع ہوگی جب شرط متحقق ہوگی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تعلیق مذکور کی تسہیل

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس چودہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی قتادہ بن دعامہ نے بیان کیا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: جب تو حاملہ ہوگی تو تجھ کو تین طلاقیں ہوں گی اور وہ ہر طہر میں اپنی بیوی سے صرف ایک مرتبہ جماع کرتا ہے نہ کہ دو مرتبہ، اس احتمال کی وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے جماع سے ہی حاملہ ہو گئی ہو، پس اس سے اس پر طلاق ہو جائے گی اور محمد بن سیرین نے کہا: وہ اس سے جماع کرتا رہے حتیٰ کہ وہ حاملہ ہو جائے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۱-۳۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ الْحَسَنُ إِذَا قَالَ الْحَقِي بِأَهْلِكِ نِيَّتُهُ۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۸۷)

اور حسن بصری نے بیان کیا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے گھر والوں کے ساتھ جا ملو، سو اس قول میں اس کی نیت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

کنایات طلاق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس پندرہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس تعلیق کی امام عبد الرزاق نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور اس کا خلاصہ یہی ہے کہ اس قول میں اس کی نیت پر عمل کیا جائے گا اور دوسری سند کے ساتھ امام ابن ابی شیبہ نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی سے کہا: نکل جا اپنے رحم کو صاف کر، چلی جا مجھے تیری کوئی حاجت نہیں ہے تو اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)
علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس پندرہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی حسن بصری نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تو اپنے گھر والوں کے ساتھ مل جا تو اس قول میں اس کی نیت پر عمل کیا جائے گا۔ یہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں، اگر ان الفاظ سے اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کنایات طلاق کے متعلق صدر الشریعہ کی تحقیق

صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی حنفی بریلوی متوفی ۱۳۶۷ھ کنایات طلاق کے متعلق لکھتے ہیں:

کنایہ طلاق وہ الفاظ ہیں جن سے طلاق مراد ہونا ظاہر نہ ہو، طلاق کے علاوہ اور معنوں میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہو۔

مسئلہ: کنایہ سے طلاق واقع ہونے میں یہ شرط ہے کہ نیت طلاق ہو یا حالت بتاتی ہو کہ طلاق مراد ہے یعنی پیشتر طلاق کا ذکر تھا یا غصہ میں کہا۔ کنایہ کے الفاظ تین طرح کے ہیں: بعض میں سوال رد کرنے کا احتمال ہے، بعض میں گالی کا احتمال ہے اور بعض میں نہ یہ ہے نہ وہ ہے بلکہ جواب کے لیے متعین ہے، اگر رد کا احتمال ہے تو مطلقاً ہر حال میں نیت کی حاجت ہے بغیر نیت طلاق نہیں ہوگی اور جن میں گالی کا احتمال ہے ان سے طلاق ہونا خوشی اور غضب میں نیت پر موقوف ہے اور طلاق کا ذکر تھا تو نیت کی ضرورت نہیں اور تیسری صورت یعنی جو فقط جواب ہو تو خوشی میں نیت ضروری ہے اور غضب و مذاکرہ کے وقت بغیر نیت بھی طلاق واقع ہے۔
(الدر المختار ج ۴ ص ۵۱۶)

کنایہ کے بعض الفاظ

(۱) جا (۲) نکل جا (۳) چل (۴) روانہ ہو (۵) اٹھ (۶) کھڑی ہو (۷) پردہ کر (۸) دوپٹہ اوڑھ (۹) نقاب ڈال (۱۰) ہٹ سرک (۱۱) جگہ چھوڑ (۱۲) گھر خالی کر (۱۳) دور ہو (۱۴) چل دور (۱۵) اے خالی (۱۶) اے بری (۱۷) اے جدا (۱۸) تو جدا ہے (۱۹) تو مجھ سے جدا ہے (۲۰) میں نے تجھے بے خوف کیا (۲۱) میں نے تجھ سے مفارقت کی (۲۲) رستہ ناپ (۲۳) اپنی راہ لے (۲۴) کالا منہ کر (۲۵) چال دکھا (۲۶) چلتی بن (۲۷) چلتی نظر آ (۲۸) دفع ہو (۲۹) دال، فے، عین ہو (۳۰) رفو چکر ہو (۳۱) پنجرا خالی کر (۳۲) ہٹ کے سڑ (۳۳) اپنی صورت گھما (۳۴) بستر اٹھا (۳۵) اپنا سوجھتا دیکھ (۳۶) اپنی گٹھڑی باندھ (۳۷) اپنی نجاست الگ پھیلا (۳۸) تشریف لے جائیے (۳۹) تشریف کا ٹوکرا لے جائیے (۴۰) جہاں سینگ سمائے جا (۴۱) اپنا مانگ کھا (۴۲) بہت ہو چکی اب مہربانی فرمائیے (۴۳) اے بے علاقہ (۴۴) منہ چھپا (۴۵) جہنم میں جا (۴۶) چولہے میں جا (۴۷) بھاڑ میں پڑ (الی قولہ) (۵۰) میں نے نکاح فسخ کیا (۵۱) تو مجھ پر مثل مردار (۵۲) یا سور (۵۳) یا شراب کے ہے (نہ مثل بھنگ یا افیون یا مال فلاں یا زوجہ فلاں کے ہے)۔

(۵۴) تو مثل میری ماں، بہن یا بیٹی کے ہے (اور یوں کہا کہ تو ماں، بہن، بیٹی ہے تو گناہ کے سوا کچھ نہیں) (۵۵) تو خلاص ہے (۵۶) تو گلو خلاصی میں ہے الی قولہ (۶۰) یا ہر حال مجھ پر حرام (۶۱) تو میرے ساتھ حرام ہے الی قولہ ((۶۲) میرے مطلب کی نہیں (۶۳) میرے مصرف کی نہیں۔ الی قولہ (۶۴) میں نے تیری راہ خالی کر دی (۶۵) تو میری ملک سے نکل گئی ہے (۶۶) میں نے تجھ سے خلع کیا (۶۷) اپنے میکے بیٹھ (۶۸) تیری باگ ڈھیلی کی (۶۹) تیری رسی ڈھیلی کی الی قولہ (۷۰) خاوند تلاش کر (۷۱) تو مختار ہے (۷۲) تو آزاد ہے (۷۳) مجھ میں تجھ میں نکاح نہیں (۷۴) مجھ میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا (۷۵) میں تیرے نکاح سے بیزار ہوں (۷۶) بری ہوں (۷۷) مجھ سے دور ہو (۷۸) تو نے مجھ سے نجات پائی (۷۹) میں نے تیرا پاؤں کھول دیا (۸۰) میں نے تجھ کو آزاد کیا (۸۱) اپنا نکاح کر (۸۲) جس سے چاہے نکاح کرے (۸۳) میں نے تیرا نکاح فسخ کیا (۸۴) میں تجھ سے دستبردار ہوں (۸۵) میں نے تجھے، تیرے گھر والوں یا باپ یا ماں کو واپس کر دیا (۸۶) تو قیامت تک یا عمر بھر میرے لائق نہیں۔

کنایہ کے چند ایسے الفاظ جن سے نیت کے باوجود طلاق نہیں ہوتی

مسئلہ: ان الفاظ سے طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کرے: مجھے تیری حاجت نہیں، مجھے تجھ سے سروکار نہیں، تجھ سے کام نہیں، غرض نہیں، مطلب نہیں، تو مجھے درکار نہیں، تجھ سے مجھے رغبت نہیں، میں تجھے نہیں چاہتا۔ (فتاویٰ رضویہ)

(بہار شریعت حصہ ۸ ص ۱۶۔ ۱۴، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۶ھ و مجلس مدینۃ العلمیہ، ۱۴۳۰ھ)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الطَّلَاقُ عَنْ وَطَرٍ وَالْعَتَاقُ مَا أُرِيدَ بِهِ وَجْهُ اللهِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا طلاق کسی ضرورت کی وجہ سے دی جاتی ہے اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے غلام کو آزاد کیا جاتا ہے۔

(ہم اس تعلیق کے ماخذ پر مطلع نہیں ہو سکے)

بلاوجہ طلاق کا ناپسندیدہ ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس سولہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی مرد کو کسی ضرورت کے بغیر اپنی بیوی کو طلاق نہیں دینی چاہیے مثلاً بیوی اس کی نافرمانی کرتی ہو، جب کہ غلام کو آزاد کرنا ہمیشہ مطلوب ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۵۔ ۳۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس سولہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ بغیر ضرورت کے اپنی بیوی کو طلاق نہ دے یعنی بغیر ضرورت کے بیوی کو طلاق نہیں دینی چاہیے اور اللہ کی رضا کے لیے غلام کو آزاد کرنا ہمیشہ مطلوب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ إِنْ قَالَ مَا أَنْتِ بِامْرَأَتِي نِيَّتُهُ وَإِنْ نَوَى طَلَاقًا فَهُوَ مَا نَوَى۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۰) الزہری نے بیان کیا: مرد نے کہا: تو میری بیوی نہیں ہے، اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہے تو پھر طلاق واقع ہوگی۔

مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تو میری بیوی نہیں ہے، اس قول کے متعلق مذاہب ائمہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس سترہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے اس اثر کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور قتادہ کی سند سے روایت کی ہے کہ جب اس نے بیوی کے منہ پر کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے اور اس نے اس سے طلاق کا ارادہ کیا تو ایک طلاق پڑ جائے گی۔ ابراہیم النخعی نے کہا: اگر اس نے بار بار کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے تو اس سے اس کی طلاق کا ارادہ ہے اور سعید بن المسیب نے اس میں توقف کیا اور اللیث نے کہا کہ اس کا کلام جھوٹ ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس سترہویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی محمد بن مسلم الزہری نے بیان کیا کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے تو اس قول میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر اس نے اس قول سے طلاق کی نیت کی ہے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی۔ اور امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: یہ طلاق نہیں ہے اور اللیث نے کہا: یہ جھوٹ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ عَلِيٌّ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ الْقَلَمَ رُفِعَ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيقَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يُدْرِكَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم کو نہیں معلوم کہ تین آدمیوں سے قلم تکلیف کو اٹھالیا گیا ہے: (۱) مجنون سے حتیٰ کہ وہ صحت یاب ہو جائے (۲) بچہ سے حتیٰ کہ اسے علم اور ادراک ہوجائے (۳) سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہوجائے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۳۴۵)

تعلیق مذکور کی تخریج اور لڑکے کے بالغ ہونے کے متعلق فقہاء کے اقوال

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس اٹھارویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوالقاسم عبداللہ بن محمد البغوی المتوفی ۳۱۷ھ نے اس حدیث کی سند موصول کے ساتھ ''الجعدیات'' میں از علی بن الجعد از شعبہ از الاعمش از ابی ظبیان از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دیوانی عورت کو لایا گیا جس نے زنا کیا تھا اور وہ حاملہ ہو چکی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ قلم تکلیف تین آدمیوں سے اٹھالیا گیا ہے، پھر انہوں نے اس مذکور الصدر حدیث کا ذکر کیا۔ (مسند ابن ابی الجعد: ۷۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ) اس حدیث کی الاعمش سے متعدد متابعات ہیں۔ اور جریر بن حازم نے اعمش سے جو روایت کی ہے اس میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، اس کی امام ابوداؤد اور امام ابن حبان نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور امام نسائی نے دو سندوں کے ساتھ اس حدیث کی موقوفاً اور مرفوعاً روایت کی ہے۔ اور جمہور فقہاء نے اس حدیث کے مقتضیٰ پر عمل کیا ہے لیکن بچہ کی طلاق واقع کرنے میں ان کا اختلاف ہے، پس ابن المسیب اور حسن بصری کا قول یہ ہے کہ جب بچہ صاحب تمیز ہو تو اس کی دی ہوئی طلاق لازم ہو جاتی ہے اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کی حد یہ ہے کہ جب بچہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور باقاعدہ نمازیں پڑھتا ہو اور عطاء کے نزدیک اس کی حد یہ ہے کہ جب بچہ کی عمر بارہ سال ہو جائے اور امام مالک سے یہ روایت ہے کہ جب بچہ احتلام کے قریب پہنچ جائے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تعلیق مذکور کی مکمل تخریج اور لڑکے کی بلوغت کے متعلق اقوال فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس اٹھارویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ اس وقت فرمایا جب ان کے پاس ایک دیوانی عورت کو لایا گیا جو زنا سے حاملہ ہوگئی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا ارادہ کیا، پس مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین آدمیوں سے قلم تکلیف کو اٹھالیا گیا ہے۔ الحدیث۔ امام بخاری نے اس کی صیغۂ معروف کے ساتھ روایت کی ہے کیونکہ یہ حدیث ثابت ہے، علامہ ابن المنذر شافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے قلم تکلیف کو اٹھالیا گیا ہے۔

امام ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے صحیح ابن حبان میں اس حدیث کی اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو یہ یاد نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے قلم تکلیف اٹھالیا گیا ہے: (۱) مجنون سے جس کی عقل مغلوب ہو (۲) سوئے ہوئے آدمی سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہوجائے (۳) بچے سے حتیٰ کہ اسے

احتلام ہو جائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ آپ نے سچ فرمایا۔

اور اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے از ابن جریج از القاسم بن یزید از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کم عمر سے، مجنون سے اور سوئے ہوئے سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۱)

یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں مذکور ہے:

(صحیح ابن حبان: ۱۴۳-۱۴۲، مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۱-۱۰۰، سنن الدارمی ج ۲ ص ۱۷۱، سنن ابوداؤد: ۴۳۹۸، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۶، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۱، المنتقیٰ: ۱۴۸، المستدرک ج ۲ ص ۵۹، صحیح ابن خزیمہ: ۳۰۴۸، ۱۰۰۳، الدارقطنی ج ۳ ص ۱۳۹-۱۳۸، سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۶۴، مسند ابوداؤد طیالسی: ۹۰، التحفہ ج ۷ ص ۳۶۰)

بچے کی طلاق میں فقہاء کا اختلاف ہے، ابن المسیب اور حسن بصری سے منقول ہے کہ جب بچہ عقل مند اور صاحب تمیز ہو تو اس کی طلاق لازم ہو جاتی ہے اور امام احمد کے نزدیک اس کی حد یہ ہے کہ وہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور نمازیں پڑھتا ہو اور عطاء سے روایت ہے کہ جب اس کی عمر بارہ سال ہو جائے اور امام مالک سے روایت ہے کہ جب وہ احتلام کے قریب ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۲-۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے اعتراف زنا پر اس کو رجم کرنے کا حکم دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس عورت پر رجم کرنے کی دلیل تو آپ کے پاس ہے لیکن اس کے پیٹ کے بچے کو کس دلیل سے ہلاک کیا جائے گا؟ اس توجہ دلانے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا حکم مؤخر کر دیا اور فرمایا: عجزت النسآئ ان تلد مثل علی بن ابی طالب لولا علی لهلك عمر، عورتیں علی بن ابی طالب کی مثل جننے سے عاجز آ گئیں، اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

(مختصر کتاب الموافقہ لابن السمان ص ۱۵۲، الاستیعاب لابن عبد البر ج ۳ ص ۲۰۶، العواصم من القواصم لابن العربی ص ۱۳۱، المرتضیٰ للندوی ص ۱۲۹، الریاض النضرہ ج ۴ ص ۱۳۹، ذخائر العقبیٰ ص ۹۹، تذکرۃ الخواص لسبط ابن الجوزی ص ۱۲)

لڑکے اور لڑکی دونوں کی بلوغت کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تفصیل

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

مسئلہ: از پٹنہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ نابالغوں کے لیے حد بلوغ کیا ہے؟ مرد ہوں یا عورت۔

الجواب: لڑکا بارہ (۱۲) سال اور لڑکی نو (۹) برس سے کم عمر تک ہرگز بالغ و بالغہ نہ ہوں گے اور لڑکا اور لڑکی دونوں پندرہ برس کامل کی عمر میں ضرور شرعاً بالغ و بالغہ ہیں، اگرچہ آثار بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں، ان عمروں کے اندر اگر آثار پائے جائیں یعنی خواہ لڑکے خواہ لڑکی کو سوتے خواہ جاگتے میں انزال ہو یا لڑکی کو حیض آئے یا جماع سے لڑکا حاملہ کر دے یا لڑکی کو حمل رہ جائے تو یقیناً بالغ و بالغہ ہیں، اور اگر آثار نہ ہوں مگر وہ خود کہیں کہ ہم بالغ و بالغہ ہیں، اور ظاہر حال ان کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو تو بھی بالغ و بالغہ سمجھے جائیں گے اور تمام احکام بلوغ کے نفاذ پائیں گے، لڑکے کی ڈاڑھی مونچھ نکلنا یا لڑکی کے پستان میں ابھار پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں۔

علامہ محمد بن علی بن احمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

لڑکے کا بلوغ احتلام یا بیوی کو حاملہ کرنا یا انزال سے معلوم ہوگا اور لڑکی کا بلوغ حاملہ ہونے، حیض اور احتلام سے ظاہر ہوگا۔ اگر دونوں میں کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق دونوں کی عمر پندرہ سال ہو جانے پر اور کم از کم مدت بلوغ لڑکے میں بارہ

(۱۲) سال اور لڑکی میں نو ۹) سال ہے۔ (الدرالمختار ج ۲ ص ۱۹۶، مطبع مجتبائی، دہلی)

نیز علامہ الحصکفی الحنفی لکھتے ہیں: دونوں مراہق تھے، سوانہوں نے کہہ دیا کہ ہم بالغ ہیں تو تسلیم کیا جائے گا بہ شرطیکہ ان کا ظاہر حال ان کو جھوٹا نہ قرار دے، ان کے اقرار کے صحیح ہونے کے لیے ان جیسوں کا بالغ ہونا ممکن ہو، ورنہ ان کی بات قبول نہ ہوگی۔ (شرح وہبانیہ) پس اقرار کے بعد وہ حکماً بالغ ہوں گے، لہٰذا اب ان کا انکار قابل قبول نہ ہوگا بہ شرطیکہ حال موافق ہو۔

(الدرالمختار ج ۲ ص ۱۹۹، مطبع مجتبائی، دہلی)

فتاویٰ عالمگیری میں موجود ہے: لڑکے میں بارہ سال سے کم اور لڑکی میں نو سال سے کم میں بالغ ہونے کا حکم نہ دیا جائے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۶۱ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

علامہ سید محمد امین بن عبد العزیز دمشقی شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

زیر ناف بالوں اور ڈاڑھی کا اعتبار نہیں ہے اور رہا لڑکی کے پستانوں کا ابھرنا تو اس کے متعلق الحموی نے کہا کہ ظاہر الروایہ میں مذکور ہے: اس کی وجہ سے بالغ ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور یوں ہی آواز کا بھاری ہونا بھی معتبر نہیں ہے، اسی طرح پنڈلی، بغل اور مونچھوں کے بالوں کا نکلنا بھی معتبر نہیں ہے۔ (ردالمحتار شرح درالمختار ج ۴ ص ۹۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ) (فتاویٰ رضویہ ج ۱۹ ص ۶۳۱۔ ۶۳۰، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۱۴۲۱ھ)

وَقَالَ عَلِيٌّ وَكُلُّ الطَّلَاقِ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: المعتوہ کی طلاق کے سوا ہر طلاق جائز ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۱۵، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۲۱۷، مسند ابوالجعد: ۲۴۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۵۹)

المعتوہ (کم عقل) کی طلاق کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس انیسویں تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوالقاسم عبد اللہ بن محمد البغوی المتوفی ۳۱۷ھ نے اس تعلیق کی ''الجعدیات'' میں سند موصول کے ساتھ از علی بن الجعد از شعبہ از الاعمش از ابراہیم النخعی از عابس بن ربیعہ روایت کی ہے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہر طلاق سوائے المعتوہ کی طلاق کے جائز ہے۔ (مسند ابن الجعد: ۲۴۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ) اسی طرح اس حدیث کی امام سعید بن منصور المتوفی ۲۲۷ھ سے ان کی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۱۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت) اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے اور اس کے آخر میں المغلوب علی عقلہ یعنی اس کی عقل مغلوب ہو، کا اضافہ ہے اور یہ حدیث عطاء بن عجلان سے مروی ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔ المعتوہ سے مراد وہ شخص ہے جس کی عقل کم ہو اور اس کے عموم میں بچہ، مجنون اور سکران یعنی نشہ میں مبتلا بھی داخل ہے اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس سے جو کلام صادر ہو اس کا اعتبار نہیں ہے، اور اس میں فقہاء کا قدیم اختلاف ہے، امام ابن ابی شیبہ نے از نافع روایت کی ہے کہ المجبر بن عبد الرحمٰن نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ معتوہ یعنی کم عقل تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عدت گزارنے کا حکم دیا، پس ان کو بتایا کہ یہ معتوہ ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے معتوہ اور غیر معتوہ کی طلاق کا استثناء فرمایا ہو، اور امام ابن ابی شیبہ نے شعبی، ابراہیم اور متعدد تابعین سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی مثل روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری کی تعلیق مذکور عطاء بن عجلان سے مروی ہے اور اس کے ضعف کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس انیسویں (۱۹) تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امام بخاری نے اس تعلیق کو صیغہ معروف سے یعنی جزم اور وثوق کے ساتھ بیان کیا کیونکہ یہ اثر ثابت ہے کیونکہ امام البغوی المتوفی ۳۱۷ھ ''الجعدیات'' میں اس کی سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے۔

(مسند ابن الجعد: ۲۴۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

المعتوہ وہ شخص ہے جو کم عقل ہو، سو اس میں بچہ اور مجنون اور نشہ میں مدہوش بھی داخل ہیں۔

امام ترمذی نے از محمد بن عبدالاعلی از مروان بن ابی معاویہ الفزاری از عطاء بن عجلان از عکرمہ بن خالد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر طلاق جائز ہے سوائے المعتوہ اور مغلوب العقل کی طلاق کے''۔ (سنن ترمذی: ۱۱۹۱)

اس حدیث کی روایت کے بعد امام ترمذی نے لکھا: ہم اس حدیث کو بہ طور مرفوع سوائے عطاء بن عجلان کے نہیں پہچانتے اور عطاء بن عجلان ضعیف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل علم اصحاب اور دیگر کا اس حدیث پر عمل ہے کہ المعتوہ، المغلوب علی العقل کی طلاق جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ ایسا معتوہ ہو جو بعض اوقات میں صحت مند ہو اور عقل سے کام لیتا ہو اور وہ صحت اور عقل وادراک کی حالت میں طلاق دے تو اس کی طلاق نافذ ہو جائے گی۔ (سنن ترمذی ص ۴۰۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا کہ امام ترمذی اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں اور امام ترمذی نے عطاء بن عجلان کی صرف یہی ایک روایت سنن ترمذی میں درج کی ہے اور صحاح ستہ کی باقی کتب میں عطاء بن عجلان کی اور کوئی روایت نہیں ہے۔

عطاء بن عجلان حنفی اور بصری ہیں، ان کی کنیت ابومحمد ہے اور وہ العطار کے نام سے معروف ہیں اور ان کے ضعف پر تمام ماہرین رجال متفق ہیں۔ ابن معین الفلاس نے کہا: وہ کذاب ہے، امام ابوحاتم اور امام بخاری نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے اور امام ابوحاتم نے یہ اضافہ کیا کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کی انیسویں (۱۹) تعلیق میں مذکور حدیث کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: امام بخاری کی تعلیق مذکور ہر چند کہ ضعیف ہے لیکن امام بخاری نے اس کی وثوق کے ساتھ روایت کی ہے اور اہل علم صحابہ اور تابعین کا اس حدیث پر عمل ہے اور ضعیف السند حدیث اہل علم کے عمل سے قوی ہو جاتی ہے اور چونکہ یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے اور اس سے استدلال صحیح ہے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا جائز ہے۔

المعتوہ (کم عقل) کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تحقیق

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری حنفی فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ: ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا جب کہ حواس صحیح نہ ہوں اس کی بیع غبن فاحش ہے یا نہیں اور اس کو ایسی بیع کا اختیار ہے یا نہیں؟ اور اگر کر لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: جو شخص کم سمجھ ہو، تدبیر ٹھیک نہ ہو کبھی عاقلوں کی سی بات کرے، کبھی مدہوشوں کی سی، اگر جنون کی حد تک نہ پہنچا ہو، لوگوں کو بے سبب مارتا، گالیاں دیتا نہ ہو وہ معتوہ کہلاتا ہے، شرعاً اس کا حکم سمجھ والے بچہ کی مثل ہے، اگر برابر بلکہ دونی قیمت کو بیچے وہ بھی بے اجازت ولی مال نافذ نہیں، اگر یہ ولی رد کر دے بیع باطل ہو جائے گی اور غبن فاحش کے ساتھ بیع باطل محض ہے کہ ولی کی

اجازت سے بھی نافذ نہیں ہو سکتی، اگر خود معتوہ بعد صحت اسے جائز کر دے تو جائز نہ ہوگی۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

معتوہ کا حکم صاحب تمیز کی طرح ہے۔ (الدرالمختار ج ۲ ص ۱۹۸، مطبع مجتبائی، دہلی)

علامہ سید محمد امین بن عبد العزیز الدمشقی الشامی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

معتوہ کی بہترین تعریف یہ ہے کہ وہ قلیل الفہم، خلط ملط کلام کرنے والا اور فاسد تدبیر والا ہو، مگر وہ ضرب وشتم یعنی مار پیٹ اور گالی گلوچ نہیں کرتا جیسے مجنون کرتا ہے۔ (درر) (ردالمحتار ج ۵ ص ۹۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ علاؤ الدین الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

وہ تصرف جو محض نافع ہو تو وہ ولی کی اجازت کے بغیر بھی صحیح ہے مثلاً اسلام قبول کرنا اور ہبہ قبول کرنا اور ایسا تصرف جس میں نفع اور ضرر دونوں محتمل ہوں تو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا جیسے خرید وفروخت۔ (الدرالمختار ج ۲ ص ۲۰۳، مطبع مجتبائی، دہلی)

جامع الصغار میں ہے:

اگر بچے نے طلاق دی یا ہبہ کیا یا صدقہ کیا یا سستا فروخت کیا یا زیادہ قیمت پر خریدا جو بازار کی کمی بیشی سے زائد ہو وغیرہ تو یہ امور بچے کے لیے ولی اس کی نابالغی میں کرے تو جائز نہ ہوں گے، لہٰذا خود بچے نے کیے تو باطل ہوں گے اور ولی کی اجازت پر موقوف نہ ہوں اور اگر خود بھی بالغ ہونے کے بعد جائز کرنا چاہیں تو جائز نہ ہوں گے۔

(جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین فی مسائل البیوع ج ۱ ص ۱۸۵، اسلامی کتب خانہ، کراچی)

ہاں! اگر معتوہ یا نابالغ کو اس کے ولی مال یعنی باپ نے اور اگر وہ نہ ہو تو باپ کے وصی اور اگر وہ نہ ہو تو دادا اور وہ نہ ہو تو اس کے وصی اور وہ نہ ہو تو حاکم وقاضی نے تجارت کا حکم دے دیا ہے تو اس کی بیع جائز ہے اگرچہ غبن فاحش سے زائد ہو۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۹ ص ۶۳۷۔۶۳۵، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، پاکستان، ۱۴۲۱ھ)

نیز اس مسئلہ کے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

صبی ہرگز اہل طلاق نہیں ہے، نہ اس کے دیئے طلاق واقع ہو نہ اس کی طرف سے اس کا ولی خواہ کوئی طلاق دے سکے، اگر دے تو ہرگز واقع نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۹ ص ۶۳۶، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان ۱۴۲۱ھ)

بچہ، المعتوہ اور سکران کے متعلق تحقیق وتفصیل

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم الحنفی المتوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہو تو وہ جنین ہے اور جب ماں کے پیٹ سے نکل آئے تو وہ صبی ہے اور اس کو بلوغت کے بعد مرد کہا جاتا ہے اور انیس سال کی عمر تک وہ غلام کہلاتا ہے اور چونتیس (۳۴) سال کی عمر تک وہ شاب (جوان) کہلاتا ہے اور اکیاون (۵۱) سال کی عمر تک کہول کہلاتا ہے یعنی ادھیڑ عمر، اور آخر عمر تک وہ شیخ کہلاتا ہے یہ تصریحات لغت کے مطابق ہیں۔

اور اصطلاح شرع میں بالغ ہونے تک اس کو غلام (لڑکا) کہا جاتا ہے اور اس کے بعد شاب (نوجوان) کہلاتا ہے اور تیس (۳۰) سال کی عمر تک فتیٰ (جوان) کہلاتا ہے اور پچاس (۵۰) سال کی عمر تک کہول (ادھیڑ عمر) کہلاتا ہے۔ اس کے بعد آخر عمر تک شیخ کہلاتا ہے، اس کی پوری تفصیل الفتاوی البزازیہ کی ''کتاب الایمان'' میں مذکور ہے۔

سو بچہ ہمارے نزدیک کسی عبادت کا مکلف نہیں ہے حتیٰ کہ زکوٰۃ کا بھی اور نہ کسی ممنوع شرعی کا مکلف ہے اور نہ اس پر کوئی حد

واجب ہے اور نہ قصاص اور اس کا قتل عمد، قتل خطاء کے حکم میں ہے۔
رہا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا تو اس کے متعلق "التحریر" میں مذکور ہے کہ فخر الاسلام نے عبادات میں اس کے ایمان کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور عقل مند بچہ کے متعلق ایمان باللہ کے اصل وجوب کو ثابت کیا ہے اور ادائے وجوب کو ثابت نہیں کیا کیونکہ عالم حادث ہے۔
• فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ بچے کے مال میں سے اس پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے یا نہیں؟ تو معتمد قول یہ ہے کہ واجب ہے اور بچہ کی طرف سے اس کا ولی صدقہ فطر ادا کرے گا اور قربانی کرے گا۔
بچہ اگر نماز میں باتیں کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر روزے میں کھائے گا اور پیئے گا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر دوران حج، وقوف عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرے گا تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا لیکن اگر اس نے ممنوعات احرام میں سے کسی ممنوع کا ارتکاب کر لیا تو اس پر دم واجب نہیں ہوگا اور اگر اس نے نماز میں قہقہہ لگایا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا اگر چہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی، ہر چند کہ اس پر عبادات واجب نہیں ہیں لیکن وہ عبادت کو ادا کرے گا تو اس کی عبادت صحیح ہے، بچہ کے ثواب میں فقہاء کا اختلاف ہے، معتمد قول یہ ہے کہ اس کو بھی ثواب ملے گا اور اس کے معلم کو تعلیم کا ثواب ہوگا اور اس کے تمام نیک کاموں کا یہی حکم ہے، اس کی امامت صحیح نہیں ہے، تراویح میں اس کی امامت کی صحت کے متعلق اختلاف ہے اور معتمد قول یہ ہے کہ تراویح میں اس کی امامت صحیح نہیں ہے، اگر بچہ سے کوئی آیت سجدہ کی تلاوت سن لے تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے اور اگر وہ ایک شخص کے ساتھ بھی نماز پڑھے گا تو اسے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی سوائے نماز جمعہ کے، کیونکہ نماز جمعہ میں تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، بچہ اہل الولایات میں سے نہیں ہے، پس وہ نکاح کرنے کا ولی ہے نہ قضاء کا اور نہ شہادت کا، وضو ٹوٹنے کے مسائل میں بچہ بالغ کے حکم میں ہے اور بچہ کی اذان مکروہ تنزیہی ہے لیکن السراج الوہاج میں مذکور ہے کہ جو بچہ عقل مند ہو اس کی اذان میں کوئی کراہت نہیں ہے، اسی طرح ظاہر الروایہ میں ہے، بچے کو قرآن مجید کے چھونے سے منع کیا جائے گا، اسی طرح بچی کو بھی، اگر بچہ مطلقہ ثلثہ کے لیے اپنی بیوی سے وطی کرے تو تحلیل شرعی حاصل ہو جائے گی جب کہ وہ بچہ مراہق ہو اور اس کا آلہ حرکت کرتا ہو اور اس کو عورتوں کی شہوت ہو، اور اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے اور اس کا اسلام لانا صحیح ہے اور اس کا مرتد ہونا بھی صحیح ہے اور اگر اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کا ذبیحہ حلال ہے بہ شرطیکہ اس کو شرائط ذبح کا علم ہو، اسی طرح الکافی میں مذکور ہے۔
بچہ اجنبی عورت کو دیکھنے میں بالغ کی مثل نہیں ہے اور اس کا اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت میں ملنا صحیح ہے اور پندرہ سال کی عمر تک اس کا عورتوں کے پاس داخل ہونا صحیح ہے۔ اور اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ اس کا غلام کو آزاد کرنا نافذ ہوگا۔
اور بچے کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور اگر بچہ ماذون ہو اس نے کوئی چیز فروخت کی، پھر خریدار اس کے عیب پر مطلع ہوا تو وہ بچہ کو حلف نہیں دے گا اور بچہ کو تادیباً تعزیر دی جائے گی اور جو عقود نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہوں وہ اس کے ولی کی اجازت کے اوپر موقوف ہیں اور اگر کسی نے اس کو کوئی چیز ہبہ کی تو بچہ کا اس پر قبضہ کرنا صحیح ہے۔
وہ بچی جس پر شہوت نہیں آتی اس کے ساتھ غیر محرم کا سفر کرنا جائز ہے۔ اور اگر بچہ نے کوئی چیز غصب کر لی خواہ کسی بچہ سے غصب کی ہو پھر وہ چیز بچہ کے پاس سے غائب ہو گئی تو بچہ اس چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔
نو (۹) سال کا بچہ چھت سے گر گیا یا پانی میں ڈوب گیا تو اس کے والدین پر کوئی جرمانہ نہیں ہے اور اگر بچہ نا سمجھ ہو تو والدین پر لازم ہے کہ وہ اس کی حفاظت نہ کرنے پر استغفار کریں۔ اور ولی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بچے کو ریشم کے کپڑے اور سونے کے

زیور پہنائے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ بچہ کو خمر یعنی انگور کی شراب پلائے اور نہ اس کو کعبہ کی طرف منہ کر کے یا پیٹھ کر کے بول و براز کے لیے بٹھائے اور نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ بچے کے ہاتھ اور پیر کو مہندی کے ساتھ رنگے۔
(الاشباہ والنظائر فی الفقہ الحنفی ص ۳۰۴۔۳۰۰ ملخصا، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

معتوہ (کم عقل) اور سکران (نشہ میں مدہوش) کے احکام

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

المعتوہ کے وہی احکام ہیں جو عقل مند بچے کے احکام ہیں، اس کی ادا کی ہوئی تمام عبادات صحیح ہیں اور اس پر کوئی عبادت واجب نہیں ہے۔ (الاشباہ والنظائر فی الفقہ الحنفی ص ۳۱۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مزید لکھتے ہیں:

سکران کی تعریف میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ جو شخص آسمان اور زمین کے درمیان تمیز نہ کر سکے اور ایک قول یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان تمیز نہ کر سکے، امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی قول ہے، دوسری تعریف یہ ہے کہ جس کے کلام میں صحیح اور غلط اور ہذیان (فضول بک بک) مختلط ہو اور یہ امام ابو یوسف، امام محمد اور اکثر مشائخ کا قول ہے اور فتویٰ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے۔

جب کسی شخص کو ان شرابوں کے پینے سے نشہ ہو جائے جو گندم، جو اور جوار اور شہد وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں تو پھر اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ اگر اس کو حرام چیز کے پینے سے نشہ ہو (مثلاً خمر یا انگور سے بنی ہوئی شراب کے پینے سے نشہ ہوا) تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس کی عقل بھنگ پینے سے زائل ہوئی تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔
(الاشباہ والنظائر فی الفقہ الحنفی ص ۳۰۵۔۳۰۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

۵۲۶۹۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ قَالَ قَتَادَةُ إِذَا طَلَّقَ فِي نَفْسِهِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ۔

(صحیح البخاری: ۲۵۲۸، صحیح مسلم: ۱۲۷، سنن ترمذی: ۱۱۸۳، سنن نسائی: ۳۴۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۰، مسند احمد: ۸۸۶۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از زرارہ بن اوفی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان باتوں کے متعلق درگزر فرمایا جو ان کے دلوں میں آتی ہیں جب تک وہ ان پر عمل نہ کرے یا ان کے متعلق کلام نہ کرے اور قتادہ نے کہا کہ جب کوئی شخص اپنے دل میں طلاق دے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے (یعنی لغو ہے)۔

خطاءً غلام کو آزاد کرنے اور خطاءً بیوی کو طلاق دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خطاء اور نسیان اس وقت ہوتا ہے جب کوئی مرد کسی غلام کو آزاد کرنے کی یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کی یا کسی اور کام کے کرنے کی قسم کھائے اور پھر اس کام کے خلاف کرے تو علماء کا اختلاف ہے کہ جس نے بھولے سے قسم کھائی کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی کو طلاق، پھر اس نے وہ کام کر لیا تو آیا اس کی بیوی کو طلاق ہوگی یا نہیں؟ اس میں فقہاء کے دو قول ہیں: (۱) جس نے بھولے سے کسی کام کو نہ کرنے کی قسم کھائی، پھر اس کام کو کر لیا تو عطاء نے کہا: اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔ امام شافعی کا بھی ایک

قول یہی ہے اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے (۲) شعبی اور طاؤس نے کہا ہے: جس نے خطاءً طلاق دی تو اس میں اس کی نیت معتبر ہے۔

اور یہاں تیسرا قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کہنا کچھ اور چاہتا تھا اور اس کے منہ سے طلاق کے الفاظ نکل گئے تو اس صورت میں طلاق ہو جائے گی، امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام ابن بطال نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۱۔۴۰)

میں کہتا ہوں: امام اعظم قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۰ھ کا بھی یہی مذہب ہے، لیکن علامہ ابن ملقن شافعی نے اس کو ذکر نہیں کیا۔

ان فقہاء کے دلائل جن کے نزدیک خطاءً طلاق واقع نہیں ہوتی

جو فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کسی کے منہ سے خطاءً طلاق کے الفاظ نکل گئے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝

اور اگر تم نے اپنی غلطی سے بلا ارادہ کہا تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن اگر تم نے عمداً کہا ہو (تو اس پر گرفت ہوگی) اور اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے ۝ (الاحزاب: ۵)

اور اس باب کی ظاہر حدیث کا بھی یہی تقاضا ہے کہ خطاءً طلاق واقع نہیں ہوتی اور امام مالک اور فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ خطاءً طلاق کے الفاظ بولنے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ان فقہاء کے دلائل جن کے نزدیک خطاءً طلاق واقع ہو جاتی ہے

امام ابو بکر جصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک خطاءً طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۴۲۰، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۱۷ھ)

امام ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک خطاءً طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (الکافی ص ۱۹۶)

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا زیادہ مشہور مذہب بھی یہی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کے اصحاب سے بھی یہی روایت ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اور عنقریب صحیح البخاری کی ''کتاب الایمان والنذور'' میں بھول کر قسم کے خلاف کرنے کے متعلق اختلاف فقہاء کا بیان آئے گا۔

ابن القاسم مالکی اور اشہب مالکی سے روایت ہے کہ جس شخص نے خطاءً غلام کو آزاد کر دیا یا خطاءً اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۷۔۳۷۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

مطرف اور ابن الماجشون سے روایت ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دینے کا ارادہ کیا، پس اس کی زبان نے خطا کی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی تو اس کی بیوی پر طلاق البتہ واقع ہو جائے گی اور اس نے جو ارادہ کیا تھا اس سے اس کو کچھ فائدہ

نہیں ہوگا۔ اور اس میں ان کی کوئی نیت نہیں تھی اور یہ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے، انہوں نے کہا کہ لوگ طلاق کے جو الفاظ بولتے ہیں وہی طلاق واقع ہوتی ہے اور ان کی نیت مفید نہیں ہوتی۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور اصبغ نے ابن القاسم مالکی سے روایت کی ہے: اس قول کی بناء پر حدیث ''الاعمال بالنیات'' یعنی اعمال کا مدار نیات پر ہے (صحیح البخاری: ۱) میں تاویل کر کے یہ کہا جائے گا کہ اس سے مراد خاص اعمال ہیں اور ہر عمل مراد نہیں ہے گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام کو آزاد کرنے اور بیوی کو طلاق دینے کے سوا ہر عمل کا مدار نیت پر ہے کیونکہ ان میں اعمال، اقوال اور نیات سے ہوتے ہیں، سو جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کی زبان سے خطأ غلام کو آزاد کرنے یا بیوی کو طلاق دینے کے الفاظ نکل گئے تو وہ گناہ گار ہوگا اور اس کا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور امام مالک کے قول میں یہ احتیاط ہے کہ جب اس نے خطأ بیوی کو طلاق دے دی تو اگر چہ بعض فقہاء کے نزدیک اس صورت میں طلاق نہیں ہوتی لیکن چونکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک اس صورت میں طلاق ہو جاتی ہے تو بہر حال اس کی بیوی پر وقوع طلاق میں شک ہو گیا، سو اگر اس صورت میں وقوع طلاق کو نہ مانا جائے تو شک کی صورت میں بیوی کے ساتھ جماع کرنا لازم آئے گا اور فروج کی اس سے حفاظت کرنا لازم ہے، سو احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس صورت میں طلاق کو واقع کیا جائے۔ اور ابن نافع اور زیاد بن عبد الرحمٰن نے امام مالک سے یہ روایت کی ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا اور اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے کہ میری بیوی کو طلاق البتہ ہے تو اس کی نیت سے اس کو نفع ہوگا اور اس کی بیوی پر صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔

اور الحسن البصری سے روایت ہے کہ ایک مرد اپنی بیوی سے کسی معاملہ میں بات کر رہا تھا اور غلطی سے اس کے منہ سے نکل گیا تجھ کو طلاق ہے، حسن بصری نے جواب دیا: اللہ کے نزدیک اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور امام مالک کا معتمد مذہب یہی ہے کہ اگر غلطی سے اس نے اپنی بیوی سے یہ کہہ دیا کہ تجھ کو طلاق ہے تو اس کی بیوی پر طلاق پڑ جائے گی اور امام مالک کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۲۔ ۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس باب کی حدیث سے امام بخاری کا مقصود ہے: خطأ طلاق کے وقوع میں امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرنا

امام بخاری کا اس باب کی روایت سے قصد یہ ہے کہ اس پر متنبہ کیا جائے کہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ خطأ طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہی ظاہر احادیث کا تقاضا ہے کیونکہ جو شخص بھول کر کوئی بات کہے اور اس نے سہواً بیوی کو طلاق دے دی یا اپنے غلام کو آزاد کر دیا تو اس کے اس کلام کے تقاضے پر عمل نہیں کیا جائے گا اور امام بخاری نے اس باب کی حدیث سے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کے مذہب کے رد کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں:

جس مرد نے کہا کہ میرا غلام اللہ کے لیے آزاد ہے یا شیطان کے لیے آزاد ہے یا بت کے لیے آزاد ہے تو اس کا یہ کلام نافذ ہو جائے گا اور اس کے غلام کو آزاد کر دیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع للکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ، ج ۴ ص ۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ) (تبیین الحقائق لعثمان بن علی زیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ، ج ۳ ص ۷۱، ایچ، ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوحنیفہ کے مذہب کے رد میں دیگر دلائل

امام بخاری نے صحیح البخاری کے شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اعمال کا مدار صرف نیات پر ہے۔ (صحیح البخاری: ۱) اس سے بھی امام بخاری کا مقصود، امام ابوحنیفہ کے اس قول کو رد کرنا ہے:

جو شخص حالت نشہ میں غلام کو آزاد کردے یا جس شخص کو غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔
(تبیین الحقائق ج ۳ ص ۷۰، ایچ، ایم، سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۲۱ھ)

نیز امام بخاری کی تائید میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین امور میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: (۱) النکاح (۲) الطلاق (۳) الرجوع۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۴، سنن ترمذی: ۱۱۸۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۹، الارواء: ۱۸۲۶)

شیخ علی بن احمد ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث جابر سے مروی ہے اور وہ جھوٹا آدمی ہے۔
(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۲۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نیز ابن حزم اندلسی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تب بھی اس میں ان کی دلیل نہیں ہے کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ مذاق سے کہنا بھی سنجیدگی ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس سے جبراً غلام آزاد کرایا گیا تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا حالانکہ مذاق میں جبر کہاں ہوتا ہے؟ اور یہ لوگ مکرہ کی بیع اور اس کے اقرار اور اس کے ہبہ کو جائز قرار نہیں دیتے اور مکرہ کی طلاق کو اور اس کے اعتاق کو جائز قرار دیتے ہیں، اور یہ ان کے اقوال میں تناقض ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۹ ص ۲۰۸۔ ۲۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

خطاء اور نسیان کے متعلق حدیث کی تحقیق

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں خطاء اور نسیان کا ذکر کیا ہے اور اس باب کی حدیث میں خطاء اور نسیان کا صراحتاً ذکر نہیں ہے اور اگر امام بخاری اپنے مقصود کو ثابت کرنے کے لیے درج ذیل حدیث ذکر کر دیتے ہیں تو یہ زیادہ بہتر تھا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خطاء اور نسیان اور جبر کے حکم کو اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اٹھالیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۵، صحیح ابن حبان: ۷۲۱۹، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۸)

شیخ ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۴ ص ۱۹۳)

امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی الشافعی المتوفی ۳۲۲ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند جید ہے۔
(کتاب الضعفاء الکبیر ج ۴ ص ۱۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

عبداللہ بن احمد نے اپنے والد امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو امام احمد نے جواب دیا: اس حدیث کی ان کے شیخ نے از الولید بن مسلم از الاوزاعی و مالک روایت کی ہے امام مالک نے کہا از نافع از ابن عمر اور اس کی مرفوع روایت کی ہے اور الاوزاعی نے کہا از عطاء از ابن عباس۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا: یہ روایت جھوٹ اور باطل ہے اور عطاء صرف از الحسن البصری از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتا ہے۔ (العلل ومعرفۃ الرجال: ۱۳۴۰)

شیخ علی بن احمد اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے صرف اس روایت کو جھوٹ قرار دیا ہے جو از مالک از نافع از ابن عمر مروی ہے اور از الولید از الاوزاعی از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے اور جس نے سند کو تبدیل کر دیا اس نے خطاء کی اور اگر اس نے عمداً خطا کی تو اس نے جھوٹ بولا۔ (المحلی بالآثار ج ۸ ص ۳۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے ''الرغائب'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر کا اثر حدیث غریب ہے، نیز امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی متوفی ۵۷۱ھ نے اس حدیث کی از ابن لہیعہ از موسیٰ بن وردان از عقبہ بن عامر روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی المتوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو درگزر فرمایا ہے اور ان کاموں کو درگزر فرمایا ہے جن پر اسے مجبور کیا جائے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۳)

علامہ احمد بن ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن اسماعیل الکنانی البوصیری القاہری الشافعی المتوفی ۸۴۰ھ اس حدیث کی سند کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

امام ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ نے اس حدیث کی از ابوبکر الہذلی از شہر بن حوشب از حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اصحاب کتب ستہ نے اس حدیث کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما تک اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ محدثین کا ابوبکر الہذلی کے ضعف پر اتفاق ہے۔

(زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ ص ۲۸۸۔۲۸۷۔دار الکتب بالعلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن شافعی نے اس حدیث کو شہر بن حوشب کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ (التوضیح ج ۱۶ ص ۱۶۵) لیکن ابن ملقن کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

شہر بن حوشب بہت سچا ہے کثیر الارسال والاوہام ہے۔ (تقریب التہذیب: ۲۸۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

البتہ یہ حدیث ابوبکر الہذلی کی وجہ سے ضعیف ہے جیسا کہ علامہ البوصیری الشافعی متوفی ۸۴۰ھ نے اس حدیث کی تصریح کی ہے لیکن علامہ ابن ملقن المتوفی ۸۰۴ھ کو اس حدیث کی وجہ ضعف سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔

اس حدیث کی درج ذیل حدیث سے تقویت ہوتی ہے:

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۸۴)

اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا تم اس کو چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، سو جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے اوپر یہ آیت بہت شدید گزری، سو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پھر انہوں نے بیٹھ کر کہا: اے رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمیں نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ کرنے کے اعمال کا مکلف کیا گیا ہے جن کی ہم طاقت رکھتے ہیں اور آپ کے اوپر یہ آیت نازل کی گئی ہے اور ہم اس کے حکم پر عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اس طرح کہو جس طرح تم سے پہلے تورات اور انجیل والوں نے کہا تھا

سمعنا وعصینا (ہم نے سنا اور نافرمانی کی) بلکہ تم یوں کہو:

سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۚ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ (البقرہ:۲۸۵)

(انہوں نے کہا:) ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے O

صحابہ نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے، جب صحابہ نے اس آیت کو پڑھا تو ان کی زبانیں جھک گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۤ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ (البقرہ:۲۸۵)

(ہمارے) رسول اس (کلام) پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور مومن (بھی ایمان لائے) اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر سب (یہ کہتے ہوئے) ایمان لائے کہ ہم (ایمان لانے میں) ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور (انہوں نے کہا): ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور (ہمیں) تیری ہی طرف لوٹنا ہے O

جب صحابہ کرام نے اس طرح کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرمادیا، پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ۔ (البقرہ:۲۸۶)

اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا، جو اس (شخص) نے نیک کام کیے ہیں ان کا نفع (بھی) اس کے لیے ہے اور جو اس نے برے کام کیے ہیں ان کا نقصان (بھی) اس کے لیے ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے غلطی ہوجائے تو ہماری گرفت نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں!

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ۔ (البقرہ:۲۸۶)

اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں!

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ۔ (البقرہ:۲۸۶)

اے ہمارے رب ہم پر ان احکام کا بوجھ نہ ڈالنا جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں!

وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ:۲۸۶)

اور ہمیں معاف فرما، اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہمارا مالک ہے، پس تو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما O

(صحیح مسلم:۱۲۵، الرقم المسلسل:۳۲۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ، سنن ترمذی:۳۰۰۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

حدیث نفس ''ھم'' اور عزم کے معانی اور ان کا شرعی حکم

پس حدیث النفس (دل میں آئی ہوئی بات) اور وسواس بندے کی طاقت میں داخل نہیں ہے (یعنی اگر بندہ چاہے کہ اس کے دل میں کوئی بات نہ آئے یا اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہ آئے تو یہ اس کی طاقت میں داخل نہیں ہے) بندے کی قدرت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات آئے یا وسوسہ آئے تو وہ اس سے اعراض کرے اور اگر اس کے دل میں کسی گناہ کو کرنے کی ترغیب آئے تو اس پر اس بندے پر مواخذہ نہیں ہوگا اور جب وہ اس گناہ کو کرنے کا عزم کر لے گا تو وہ اب حدیث نفس سے نکل جائے گا اور یہ اس کے دل کا عمل ہو جائے گا، پھر اگر اس نے اس گناہ کو کرنے کی نیت کر لی تو اب وہ اس گناہ کو کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور نیت اور عزم کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر اس کے دل میں یہ بات آئے کہ وہ نماز کو منقطع کرے تو نماز منقطع نہیں ہوگی اور جب وہ نماز کو قطع کرنے کا عزم کر لے گا تو اب اس پر حکم شرعی لاگو ہوگا۔ اور سفیان ثوری سے پوچھا گیا کہ کیا انسان سے ''ھم'' (اچانک دل میں آنے والے خیال) پر مواخذہ ہوگا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جب وہ اس کا عزم کر لے گا تو پھر اس کا مواخذہ ہوگا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ٦ ص ٣٠٧، لابی نعیم المتوفی ٤٣٠ھ، دار الکتب العربی، ١٤٠٧ھ)

اور سفیان ثوری نے کہا: جب بندہ دل سے کسی نیکی کی نیت کرے تو فرشتے اس کی چوتھائی نیکی کو پا لیتے ہیں اور جب بندہ کسی گناہ کی نیت کرے تو فرشتے اس کی چوتھائی برائی کو پاتے ہیں۔

(حلیۃ الاولیاس لابی نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی متوفی ٤٣٠ھ ج ٣ ص ١٥ دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٠٧ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ٥٤٤ھ لکھتے ہیں:

جو بات انسان کی فکر میں گزرے اور وہ اس کے ذہن میں جگہ نہ پکڑے تو اس کو ''ھم'' کہتے ہیں اور اگر وہ اس کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے تو اس کو عزم کہتے ہیں، پھر اگر نیکی کا عزم ہو تو اس پر وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر گناہ کا عزم ہو تو وہ اس پر عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ١ ص ٤٢٥، دار الوفاء، بیروت، ١٤١٩ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عباس القرطبی المالکی المتوفی ٦٥٦ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے جو ''ھم'' کی تعریف لکھی ہے یہ عام متقدمین، علماء، فقہاء، محدثین اور متکلمین کا مختار ہے اور جن لوگوں نے اس تعریف کی مخالفت کی کہ انسان کے دل میں جو اچانک خیال آئے تو اگر وہ خیال اس کے دل میں جم نہ جائے تو اس پر گرفت نہیں ہوتی ورنہ اس پر گرفت ہوتی ہے اور اس پر انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ (یوسف: ٢٤)

اس عورت نے ان (سے گناہ) کا قصد کر لیا اور انہوں نے (اس سے بچنے کا) قصد کیا اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے (تو گناہ میں مبتلا ہو جاتے)۔

اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں سے درگزر فرما لیا ہے جو اس کے دل میں آتی ہیں جب تک وہ ان باتوں پر عمل نہ کرے یا ان باتوں کے موافق کلام نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ٥٢٦٩، صحیح مسلم: ١٢٧، سنن ابوداؤد: ٢٢٠٩، سنن ترمذی: ١١٨٦، سنن نسائی: ٣٤٣١، سنن ابن ماجہ: ٢٠٤٠، مسند احمد: ٩٥٠٣)

اور جو شخص اپنے عزم کے موافق عمل نہ کرے اور نہ اس کے موافق کلام کرے تو اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

رہی یوسف: ۲۴، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض ''ھم'' ایسے ہوتے ہیں جن پر گرفت کی جاتی ہے اور یہ وہ ''ھم'' ہوتا ہے جو دل و دماغ میں راسخ ہو جائے اور جگہ پکڑ لے اور دل میں آئی ہوئی بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو راسخ نہیں ہوتیں اور دل و دماغ میں جگہ نہیں پکڑتیں، اور انہی باتوں کے متعلق حدیث مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے مواخذہ نہیں فرماتا، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب میرے بندے کے دل میں یہ آیا کہ وہ کوئی نیک کام کرے تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں جب تک وہ اس کے موافق عمل نہ کرے، پس جب وہ اس کے موافق عمل کر لے تو میں اس کی دس نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور جب اس کے دل میں آیا کہ وہ کوئی گناہ کرے تو میں اس کو بخش دیتا ہوں جب تک وہ اس کے موافق عمل نہ کرے، پھر جب وہ اس کے موافق گناہ کا عمل کر لے تو میں اس کا ایک گناہ لکھ دیتا ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے کہتے ہیں: اے رب! آپ کا یہ بندہ گناہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کام کی خوب بصیرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انتظار کرو اگر وہ اس گناہ کا عمل کر لے تو اس کے لیے ایک گناہ لکھ دو اور اگر وہ اس گناہ کا عمل ترک کر دے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو، اس بندے نے صرف میرے خوف کی وجہ سے اس گناہ کو ترک کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اسلام میں نیک عمل کرتا ہے تو وہ جس نیکی کا عمل کرتا ہے، پس اس کے لیے دس سے لے کر سات سو (۷۰۰) نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں بلکہ چودہ سو (۱۴۰۰) نیکیاں تک لکھی جاتی ہیں اور وہ جس گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر لے۔ (صحیح مسلم: ۱۲۹، الرقم المسلسل: ۲۳۵، مسند احمد: ۸۲۲۴)

امام طبری متوفی ۳۱۰ھ نے یہ زعم کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کراماً کاتبین دل کے اعمال لکھتے ہیں، اور بعض علماء نے اس کے برخلاف یہ کہا ہے کہ کراماً کاتبین دل کے اعمال نہیں لکھتے صرف اعضاء ظاہرہ کے اعمال لکھتے ہیں۔

(المفہم ج ۱ ص ۳۴۲۔۳۴۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام بخاری کے نزدیک خطا اور نسیان سے طلاق کا واقع نہ ہونا

امام بخاری نے کہا ہے کہ بھولنے والے اور خطاء کرنے والے کی کوئی نیت نہیں ہوتی۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ تھا کہ امام بخاری پہلے خطاء کرنے والے کا ذکر کرتے، پھر بھولنے کا ذکر کرتے کیونکہ خطاء کرنے والا وہ ہے جو عمداً گناہ کرتا ہے اور بھولنے والا وہ ہے جو عمداً گناہ نہیں کرتا۔

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے لکھا ہے: طلاق اور غلام کو آزاد کرنے میں خطاء کی تعریف یہ ہے کہ انسان کوئی اور بات کہنے کا ارادہ کرے اور اس کے منہ سے اپنی بیوی کے لیے یہ الفاظ نکل جائیں کہ میں نے تم کو طلاق دی یا اپنے غلام کے لیے یہ الفاظ نکل جائیں کہ میں نے تم کو آزاد کیا، اور جب اس طرح ہو اور یہ بات کہتے وقت اس کی کوئی نیت نہ ہو تو وہ اپنے اس قول پر نادم اور شرمندہ نہیں ہوگا اور اس کے اس قول پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا اور اس کا یہ کلام لغو ہوگا اور اس کے اس قول سے نہ اس کی بیوی کو طلاق ہوگی نہ اس کا غلام آزاد ہوگا، اور اس سے یہ قسم لی جائے گی کہ اس نے بھولے سے یا خطاء سے طلاق دی ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ کی یہ شرح امام مالک کے مذہب پر ہے، بلکہ امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (سعیدی غفرلہ) اور شاید کہ امام بخاری نے اپنے مذہب کی بناء امام شافعی کے مذہب پر رکھی ہے کہ جو شخص سہواً اپنی بیوی کو طلاق دے اس کی طلاق نافذ نہیں ہوتی کیونکہ جو شخص سہواً کوئی بات کہے اس کی نیت نہیں ہوتی، لہٰذا جو شخص سہو اور نسیان سے یا خطاء

سے اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۶ ص ۱۶۸-۱۶۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

مصنف کی طرف سے امام بخاری کے دلائل کا جواب

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ (الی قولہ تعالیٰ) فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ۔ (البقرہ: ۲۳۰-۲۲۹)

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے (اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک) پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب دو طلاقیں دی جائیں یا تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہو جاتی ہیں اور یہ قید نہیں لگائی کہ وہ طلاقیں عمداً دی جاتی ہیں بلکہ اس آیت کو اس کے عموم پر برقرار رکھا ہے خواہ وہ طلاقیں عمداً دی جائیں یا خطاءً دی جائیں یا نسیاناً دی جائیں، اور علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ نے امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ کی طرف سے اس آیت کے خلاف جو احادیث اور آثار پیش کیے ہیں وہ اس آیت کے مزاحم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے، سو امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب اس آیت سے ثابت ہے اور اس کے برخلاف علامہ ابن ملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے جو کچھ لکھا ہے وہ حجت نہیں ہے۔

وسوسہ، خطاء اور نسیان سے طلاق کے عدم وقوع پر دلائل اور فریقین کی بحث ونظر

علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسماعیلی نے از عبدالرحمن بن مہدی روایت کی ہے کہ قتادہ کے نزدیک اس حدیث (صحیح البخاری: ۵۲۶۹) سے بہتر کوئی حدیث نہیں ہے اور یہ حدیث اس مسئلہ پر دلیل ہے کہ موسوس کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور معتوہ اور مجنون کی طلاق کا واقع نہ ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔

امام طحاوی نے اس حدیث سے جمہور کے اس موقف پر استدلال کیا ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا تم کو طلاق ہے اور دل میں تین طلاقوں کی نیت کی تو اس کے اس قول سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی، اس مسئلہ میں امام شافعی اور ان کے موافقین کا اختلاف ہے، امام طحاوی نے کہا کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے صرف دل سے طلاق دی اور الفاظ نہیں بولے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جس نے لفظ طلاق کو بولا اور مکمل تفریق کی نیت کی تو یہ ایسی نیت ہے کہ جس کے ساتھ الفاظ بھی ہوں اور انہوں نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اے فلانہ! اور اس سے طلاق کی نیت کی تو اس سے طلاق نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ میں امام مالک اور دوسرے فقہاء کا اختلاف ہے کیونکہ طلاق صرف نیت کے ساتھ بغیر الفاظ کے واقع نہیں ہوتی اور اس مرد نے طلاق کا کوئی لفظ صراحۃً بولا ہے اور نہ ہی کنایۃً، اور اس پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے طلاق لکھی تو اس کی عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس نے اپنے دل سے طلاق کا عزم کر لیا اور اپنے ہاتھ سے طلاق کو لکھا، اور امام مالک نے اس مسئلہ میں گواہ بنانے کی شرط عائد کی ہے۔

ابن سیرین اور زہری نے یہ کہا ہے کہ جب کسی مرد نے دل میں طلاق دی تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ علامہ ابن العربی نے اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ جس نے اپنے دل سے کفر کا اعتقاد کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے اپنے دل میں معصیت پر

اصرار کیا تو وہ گناہ گار ہوگا اور اسی طرح جس نے اپنے دل میں کسی مسلمان پر زنا کی تہمت لگائی تو وہ بھی گناہ گار ہوگا اور یہ تمام صورتیں صرف دل کے فعل کی ہیں اور اس میں زبان کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اس دلیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دل میں آئی ہوئی باتوں کی معافی اس امت کے فضائل سے ہے اور جو کفر پر اصرار کرتا ہو وہ اس امت (امت اجابت) سے نہیں ہے، اور جو معصیت پر اصرار کرنے والا ہو وہ گناہ گار ہوگا جب کہ اس سے پہلے اس نے کوئی معصیت کی ہو نہ کہ وہ شخص جس نے اس سے پہلے کوئی معصیت نہیں کی۔

علامہ خطابی نے یہ دلیل قائم کی ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جس نے ظہار کا عزم کیا تو وہ مظاہر نہیں ہوگا، اسی طرح جس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا عزم کیا تو صرف عزم سے طلاق نہیں ہوگی، اسی طرح جس نے اپنے دل میں کسی نیک مسلمان پر زنا کی تہمت لگائی تو اسے قاذف نہیں قرار دیا جائے گا اور اگر دل میں آئی ہوئی باتیں موثر ہوتیں تو ان باتوں سے نماز باطل ہو جاتی، حالانکہ حدیث صحیح میں یہ دلیل ہے کہ دل کی باتوں سے اجتناب کرنا مستحب ہے۔ اور اگر دل میں کوئی بات آ جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، اور "کتاب الصلاۃ" میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں لشکر کی صفوں کو ترتیب دیتا رہتا ہوں حالانکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔ (صحیح البخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب: ۱۸ ص ۲۶۶، مکتبۃ دار العلم الحدیث ۱۴۲۶ھ) (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۸۶، اس حدیث کی سند صحیح ہے) (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۶۔ ۴۶۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث نفس پر عدم مواخذہ کا اس امت کی خصوصیت ہونا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی التوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے: فقہاء نے کہا ہے: جس نے کسی واجب کے ترک کرنے کا عزم کیا یا کسی حرام کام کو کرنے کا عزم کیا خواہ بیس (۲۰) سال بعد تو وہ اس وقت معصیت کا مرتکب ہو جائے گا، اور انہوں نے یہ جواب دیا کہ حدیث نفس سے مراد یہ ہے کہ جب اس کے دل میں آئی ہوئی بات حد وثوق کو نہ پہنچی ہو اور اس کے دل میں جمی نہ ہو لیکن جب وہ بات اس کے دل میں جم جائے اور وہ اس پر وثوق کر لے تو اس پر اس وثوق کی وجہ سے گرفت ہوگی اور اگر اس کے دل میں باتیں آتی رہیں اور اس نے ان باتوں پر وثوق نہیں کیا تو اس پر ان باتوں کی وجہ سے گرفت نہیں ہوگی بلکہ اس پر ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ چیز اس امت کے خصائص میں سے ہے، اور گزشتہ امتوں کی حدیث نفس پر گرفت ہوتی تھی اور اس میں بھی اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا اسلام کی ابتداء میں حدیث نفس پر مواخذہ کیا جاتا تھا اور بعد میں اسے منسوخ کر کے اس امت پر تخفیف کر دی گئی۔

طلاق کے عزم سے طلاق کے عدم وقوع پر دلائل اور اس میں اختلاف فقہاء

اس حدیث میں ارشاد ہے: جب تک بندہ اس حدیث نفس کے اوپر عمل نہ کرے یعنی عمل سے متعلق باتوں میں یا جب تک حدیث نفس کے متعلق کلام نہ کرے، اگر اس حدیث نفس کا تعلق کلام سے ہو یعنی اس کے دل میں یہ بات آئے کہ وہ ایسا کہے گا۔

اس حدیث میں کلام سے مراد زبان سے کلام کرنا ہے کیونکہ وہی حقیقتاً کلام ہے اور علامہ ابن العربی نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد کلام نفسی ہے اور کلام حقیقی وہی ہوتا ہے جو دل میں موجود رہتا ہے اور علم کے موافق ہوتا ہے۔

علامہ ابن العربی کا یہ قول رد کیا گیا ہے اور ان کا یہ قول تعصب پر مبنی ہے کیونکہ ان کا یہ مذہب بیان کیا گیا ہے کہ عزم سے طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ الفاظ نہ کہے ہوں۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ جب کسی مرد نے اپنے دل سے طلاق کی نیت کی اور

زبان سے کچھ نہیں کہا تو اس کی کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی الا یہ کہ علامہ الخطابی التوفی ۳۸۸ھ نے الزہری سے اور امام مالک سے یہ نقل کیا ہے کہ طلاق عزم سے بھی واقع ہو جاتی ہے اور علامہ ابن العربی نے اس کی از اشہب از امام مالک روایت کی ہے کہ عزم سے بیوی کو طلاق بھی ہو جاتی ہے اور غلام بھی آزاد ہو جاتا ہے اور نذر بھی منعقد ہو جاتی ہے اور ان چیزوں میں اس کا عزم اور اس کا جزم اس کے کلام نفسی سے کافی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ نقل انتہائی بعید ہے اور علامہ الخطابی نے اس کلام کے برخلاف یہ کہا ہے کہ جو دل سے اپنی بیوی کے ظہار کی نیت کرے تو وہ مظاہر نہیں ہوتا اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے ظہار کا عزم کیا تو اس کو ظہار اس وقت تک لازم نہیں ہوگا جب تک کہ وہ ظہار کے الفاظ نہ بولے اور اگر وہ اپنے دل میں کسی کو قذف کرے تو قاذف نہیں ہوگا اور اگر وہ نماز میں اپنے دل سے کوئی بات کرے تو اس پر اس نماز کا اعادہ نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں کلام کو حرام فرما دیا ہے، سو اگر دل میں آئی ہوئی باتیں یعنی حدیث نفس کلام ہوتیں تو اس کی نماز باطل ہو جاتی حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں لشکر کی صفیں ترتیب دیتا رہتا ہوں حالانکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۸۶)

حدیث نفس سے طلاق کے عدم وقوع کے قائلین

عطاء بن ابی رباح، ابن سیرین، حسن بصری، سعید بن جبیر، الشعبی، جابر بن زید، قتادہ، الثوری اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرد کے دل میں یہ بات آئی کہ اس کی بیوی کو طلاق ہو تو محض اس خیال سے اس کی بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لکھنے سے طلاق کے وقوع کی تفصیل

اور ایک جماعت نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب اس نے طلاق کو لکھا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ لکھنا عمل ہے اور یہ امام محمد بن حسن التوفی ۱۸۹ھ اور امام احمد بن حنبل التوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے، اور امام مالک نے اس میں یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ لکھنے پر گواہ بنالیں اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے لکھنے سے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ المحیط البرہانی میں مذکور ہے کہ جب کسی مرد نے کسی کتاب میں اپنی بیوی کی طلاق لکھی یا کسی تختی پر لکھی یا کسی حوض پر لکھی یا زمین پر لکھی اور لکھائی کے الفاظ واضح تھے اور اس نے اس کتابت سے طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس کی لکھائی کے الفاظ واضح نہ ہوں یا اس نے ہوا میں لکھا ہو یا پانی پر لکھا ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ اس نے لکھا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قَالَ قَتَادَةُ إِذَا طَلَّقَ فِي نَفْسِهِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ۔ قتادہ نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو دل میں طلاق دی تو یہ کچھ نہیں ہے یعنی لغو ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۳۱)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے اور وہ یہ ہے:

از معمر از قتادہ والحسن البصری ان دونوں نے کہا ہے: جس نے اپنے دل میں چپکے سے طلاق دی تو اس کی یہ طلاق کچھ بھی نہیں ہے یعنی لغو ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۴۔ ۳۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٥٢٧٠ـ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ زَنَى فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَتَنَحَّى لِشِقِّهِ الَّذِي أَعْرَضَ فَشَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَدَعَاهُ فَقَالَ هَلْ بِكَ جُنُونٌ هَلْ أَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ أَنْ يُرْجَمَ بِالْمُصَلَّى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ جَمَزَ حَتَّى أُدْرِكَ بِالْحَرَّةِ فَقُتِلَ

(صحیح البخاری: ٥٢٧٢، ٦٨١٤، ٦٨١٦، ٦٨٢٠، ٦٨٢٦، ٧١٦٨، صحیح مسلم: ١٦٩١، سنن ترمذی: ١٤٢٩، سنن نسائی: ١٩٥٦، سنن ابوداؤد: ٤٤٣٠، مسند احمد: ١٤٠٥٣، سنن دارمی: ٢٣١٥)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے خبر دی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی از حضرت جابر (بن عبداللہ) رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک مرد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ مسجد میں تھے، اس مرد نے کہا: اس نے زنا کیا ہے، آپ نے اس سے اعراض کیا تو جس جانب آپ نے منہ موڑا تھا وہ اسی جانب آ گیا، پھر اس نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی، سو آپ نے اس کو بلا کر پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے اس کو عیدگاہ میں رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا، پس جب اس پر پتھر برسنے لگے تو وہ بھاگا حتیٰ کہ وہ الحرہ (سیاہ پتھروں والی زمین) میں پکڑ لیا، گیا پس اس کو مار ڈالا گیا۔

اذلقته الحجارة کا معنی اور اس لفظ پر مشتمل دیگر احادیث

اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: اذلقته الحجارة۔

علامہ خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ١٧٥ھ لکھتے ہیں:

ازلاق کا معنی ہے: تیزی کے ساتھ پتھر مارنا۔ (کتاب العین ج١ ص٦٢٧، المطبع باقری قم، ایران، ١٤١٤ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں روزہ رکھ رہی تھیں حتیٰ اذلقھا السموم یعنی گرم ہواؤں نے ان کو مشقت میں ڈال دیا اور کمزور کر دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج٢ ص٢٨١، رقم الحدیث: ٨٩٨٠، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٦ھ)

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ٣٨٨ھ لکھتے ہیں:

اذلقته الحجارة کا معنی ہے: پتھروں کی دھار نے اس کو اذیت اور مشقت میں ڈالا۔ (اعلام الحدیث ج٣ ص٢٠٣٥)

اور ابن فارس نے کہا: الاذلاق کا معنی ہے: تیزی سے پتھروں کا برسنا۔ (المجمل ج١ ص٣٦٠)

الحرہ کا معنی ہے: سیاہ پتھروں والی زمین اور جمز کا معنی ہے: تیزی سے بھاگنا۔

امام مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

اذلقته الحجارة جمز کا معنی ہے: حتیٰ کہ وہ بے چین اور بے قرار ہو کر بھاگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ لفظ ہے کہ وہ سفر میں روزہ رکھتی تھیں حَتّٰی اَذْلَقَهَا الصَّوْمُ۔ یعنی روزوں نے ان کو مشقت میں ڈالا اور ان کو کمزور کر دیا۔

علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ٥٨٢ھ نے لکھا ہے:

اس کو اتنے پتھر مارے گئے کہ وہ الحرہ میں ساقط ہو گیا۔ (الفائق ج١ ص٤٠٢، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٧ھ)

نیز علامہ ابن اثیر متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں: ذلق کے معنی میں یہ حدیث بھی ہے:

انہ ذلق یوم احد من العطش۔ یعنی پیاس نے ان کو اتنی مشقت میں ڈالا حتیٰ کہ ان کی زبان باہر نکل آئی۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی مناجات میں کہا: اذلقنی البلاء یعنی بیماری نے مجھے تھکا دیا۔

اور حدیث الحدیبیہ میں ہے:

یکسعھا بقائم السیف حتی اذلقہ۔ یعنی ان کو تلوار کے ذریعہ باہر دھکیلا حتیٰ کہ ان کو بے چین اور پریشان کر دیا۔

اور اسی لفظ کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: فکسرت حجراً و حسرته فانذلق (صحیح مسلم کتاب الزہد، رقم الحدیث: ۴۷) یعنی میں نے پتھر کو اس طرح توڑا کہ وہ پتھر دھار والا ہو گا۔ اور ذلق کل شئ کا معنی ہے: ہر چیز کی دھار (میں کہتا ہوں: ایسے ہی دھار والے پتھروں سے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا تھا۔ سعیدی غفرلہ)

(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ج ۲ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کے متعلق دیگر احادیث

میں کہتا ہوں: حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کے متعلق درج ذیل اطراف الحدیث ہیں:

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ہزال کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا اور انہوں نے پتھروں کی چوٹ کو پایا تو وہ بے قرار اور بے چین ہو گئے اور تیزی سے نکل کر بھاگے تو حضرت عبد اللہ بن انیس نے اونٹ کی ہڈی کھینچ کر ان کو ماری اور ان کو ہلاک کر دیا، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: "تم نے اس کو کیوں نہ چھوڑا تحقیق وہ توبہ کرتے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا"۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب ہم نے حضرت ماعز کو مار ڈالا، پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: تم نے ان کو کیوں نہ چھوڑ دیا اور کیوں نہ ان کو میرے پاس لے کر آئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے توبہ کراتے۔ (صحیح البخاری: ۶۸۲۶، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن ابوداؤد: ۴۴۸۲)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کر دیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا آپ کے صحابہ میں سے دو مرد ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: اس کی طرف دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ رکھا تھا اور اس نے اپنے نفس کو نہیں چھوڑا حتیٰ کہ اس کو کتے کی طرح رجم کر دیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے، پھر اس کے کچھ دیر بعد آپ ایک مردار گدھے کے پاس سے گزرے اور آپ نے ان دونوں کو بلایا، پس فرمایا: تم اس مردار گدھے کو کھاؤ، ان دونوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس مردار گدھے کو کون کھائے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں جو ابھی اپنے بھائی کی غیبت کر رہے تھے وہ اس مردار گدھے کے گوشت کو کھانے سے بدتر تھی، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک ماعز اس وقت جنت کے دریاؤں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۸)

شیخ امین احسن اصلاحی کی تقصیر واجب التعزیر

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک ماعز اس وقت جنت کے دریاؤں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۸)

ایسی عظیم بشارت کے حامل حضرت ماعز اسلمی کے متعلق شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

ایک یہ کہ ماعز نے بھلے مانسوں کی طرح خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے قبیلے والوں کے اصرار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس توقع پر آیا کہ خود حاضر ہو جانے سے غالباً وہ کسی بڑی سزا سے بچ جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے جرم کی اطلاع بہت پہلے سے مل چکی تھی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوچھ گچھ کے نتیجے میں اقرار جرم کیا۔

دوسرے یہ کہ اس کا کردار ایک نہایت بدخصلت گنڈے (غنڈے) کا کردار تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ جنس زدہ بدمعاشوں کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا۔

تیسرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مغفرت کی دعا کی نہ اس کا جنازہ پڑھا، یہ اس بات کی شہادت ہے کہ اس کو کٹر منافق قرار دیا گیا۔ (تدبر قرآن ج ۵ ص ۳۰۷، فاران فاؤنڈیشن لاہور، پاکستان ۱۴۰۹ھ)

میں سمجھتا ہوں کہ امین احسن اصلاحی نے جو حضرت ماعز اسلمی کے خلاف یہ غیر اصلاحی زہر آفرینی کی ہے اور صحابی کی شان میں جو گستاخی کی ہے اور جو تبراء بازی کی ہے، اس میں وہ رافضیوں کو بھی بہت پیچھے چھوڑ گئے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس ظالم شخص کی ہلاکت آفرینیوں سے اور گمراہ کن عبارتوں کے شر سے محفوظ و مامون رکھے اور اللہ تعالیٰ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا دنیا و آخرت میں منہ کالا کرے۔

نابالغ بچہ کی دی ہوئی طلاق کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بچہ کی طلاق میں اختلاف ہے اور اکثر فقہاء اس پر متفق ہیں کہ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے۔

امام مالک نے یہ کہا ہے کہ جو بچہ بلوغت کے قریب ہو، سو اس نے کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے، پھر اس نے اس سے نکاح کر لیا تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ ابن المسیب اور حسن بصری سے روایت کی ہے کہ نابالغ کی طلاق لازم ہوتی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۷، رقم الحدیث: ۱۷۹۳۱، دارالوطن، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا کہ جب نابالغ بچہ رمضان کے مہینہ کے روزوں کی طاقت رکھتا ہو اور پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہو تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ (مسائل احمد و اسحاق ص ۱۹۳)

اور امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ جب نابالغ بچہ عورتوں سے جماع کی طاقت رکھتا ہو تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۴، رقم الحدیث: ۱۲۳۱۱، مکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۹۰ھ)

عطاء کا یہ قول مسائل احمد و اسحاق ص ۱۹۳ پر بھی مذکور ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ جب بچے کی عمر بارہ سال ہو جائے تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

زانی کو رجم کرنے کے لیے اس کے اقرار زنا کی تعداد کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی۔

امام ابن ابی لیلیٰ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کہتے ہیں کہ زانی کا اقرار معتبر ہے خواہ وہ ایک مجلس میں چار مرتبہ اقرار کرے

یا وہ متعدد مجالس میں زنا کا اقرار کرے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اس حدیث میں مذکور چار مرتبہ اقرار کو متعدد مجالس کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ اور امام شافعی اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ زانی کو رجم کرنے کے لیے اس کا ایک مرتبہ بھی اقرار کرنا کافی ہے، جیسا کہ حسب ذیل حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے انیس! صبح کو اس عورت کے پاس جانا اگر وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرلے تو اسے رجم کردینا''۔ (صحیح البخاری: ۲۳۱۵، ۲۳۱۴، صحیح مسلم: ۴۴۳۵، مسند احمد: ۱۷۰۳۸)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: ہم نے زانی کو رجم کرنے کے لیے اس کے اقرار کے متعلق متعدد مذاہب لکھے ہیں، اس کی تفصیل درج ذیل کتب میں ہے: (مختصر اختلاف العلماء للجصاص ج ۳ ص ۲۸۳، المدونہ للسحنون مالکی التوفی ۲۵۶ھ ج ۴ ص ۳۸۳، کتاب الام للامام الشافعی التوفی ۲۰۴ھ ج ۶ ص ۱۱۹، المغنی لابن قدامہ حنبلی التوفی ۶۲۰ھ، ج ۱۲ ص ۳۵۴)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ماعز محصن تھے یعنی وہ صحیح نکاح کر کے اپنی بیوی سے جماع کر چکے تھے، اس کے بعد انہوں نے زنا کیا تھا۔

محصن اور محصنہ کا معنی

ثعلب نے کہا ہے: ہر پاک دامن عورت محصنہ ہے اور ہر شادی شدہ عورت محصنہ ہے۔ (المجمل ج ۱ ص ۲۳۷)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ۔ (المائدہ: ۵) درآں حالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو نہ علانیہ بدکاری کرنے والے۔

محصنین کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ نکاح کرنے والے ہوں اور زنا کرنے والے نہ ہوں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۰۱۔۳۰۰، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ اس کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الحدود میں آئے گی۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا تم کو جنون ہے؟''۔

آپ کے اس استفہام کا تقاضا یہ ہے کہ اگر حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو جنون ہوتا تو ان کے اقرار پر عمل نہ کیا جاتا۔ اور آپ کے اس استفہام کا معنی یہ ہے کہ کیا تم کو دائمی جنون رہتا ہے یا کبھی تم کو جنون ہوتا ہے اور پھر تم ٹھیک ہوجاتے ہو۔ اور جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کر رہے تھے اس وقت وہ ٹھیک تھے اور ہوش و حواس میں تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے جو دریافت فرمایا تھا: کیا تم کو جنون ہے؟ یہ اس لیے تھا تاکہ حاضرین کو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا حال اور ان کی کیفیت معلوم ہوجائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اذلقتہ الحجارۃ یعنی جب ان کو دھار والے پتھر آکر لگے۔ اس کے بعد مذکور ہے جمز اس کا معنی ہے: وہ گھبرا کر تیزی سے بھاگے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں امام بخاری نے مجنون کا ذکر کیا ہے اور حدیث مذکور (صحیح البخاری: ۵۲۷۰) میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم کو جنون ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث کے پہلے راوی ہیں: اصبغ، ان کا پورا نام ہے: اصبغ بن الفرج اور یہ عبداللہ بن وہب مصری سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس سند کے دوسرے راوی ہیں اور عبداللہ بن وہب یونس بن یزید الدیلمی سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس سند کے تیسرے راوی ہیں۔ اور ابن وہب اس حدیث کو محمد بن مسلم بن شہاب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس سند کے چوتھے راوی ہیں اور محمد بن مسلم اس حدیث کو ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس سند کے پانچویں راوی ہیں۔ اور ابوسلمہ اس حدیث کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا تعارف

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری مشہور صحابی ہیں۔ ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث مروی ہیں، جن میں سے اٹھاون (۵۸) احادیث پر امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ متفق ہیں۔ اور امام بخاری چھبیس (۲۶) احادیث کے ساتھ منفرد ہیں اور امام مسلم ایک سو چھبیس (۱۲۶) احادیث کے ساتھ منفرد ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ عقبہ اولیٰ میں حاضر ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انیس (۱۹) غزوات میں شریک رہے اور ان سے ان کے بیٹے اور طاؤس، الشعبی، عطاء اور بہت لوگ حدیث روایت کرتے ہیں۔ ان کی احادیث تمام صحاح ستہ میں مذکور ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: جس رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اونٹ واپس کرنے گیا تھا اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے پچیس مرتبہ مغفرت کی دعا کی۔

الفلاس نے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اٹھہتر (۷۸) سال کی عمر گزاری اور چوہتر ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (خلاصۃ تذہیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱ ص ۱۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۲ھ) دیکھیے! (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۴۴۳، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۲، تقریب التہذیب: ۸۷۳)

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے چار مرتبہ اقرار زنا اور ان کی توبہ کے متعلق دیگر احادیث

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی، اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے چار مرتبہ اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی الشافعی المتوفی ۳۵۴ھ اپنی صحیح میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ

انہوں نے زنا کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے تمہیں کیا معلوم زنا کیا چیز ہے؟ پھر آپ نے ان کو وہاں سے نکلنے کا حکم دیا، سو ان کو نکال دیا گیا، پھر وہ دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر اسی طرح کہا کہ انہوں نے زنا کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے نکال دو، سو انہیں مجلس سے نکال دیا گیا، وہ پھر تیسری مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہیں پھر آپ کی مجلس سے نکال دیا گیا، پھر وہ چوتھی بار آئے، پھر انہوں نے اسی طرح کہا، آپ نے پوچھا: تم نے اپنے آلہ کو داخل کیا اور نکالا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۲۴۶، الرقم المسلسل: ۴۴۰۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہم عنقریب اس مسئلہ میں ائمہ کے اختلاف کا ذکر کریں گے، نیز اس مسئلہ میں دیگر احادیث درج ذیل ہیں:

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ہزال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ماعز بن مالک اپنے باپ کے زیر پرورش تھے۔ انہوں نے قبیلہ کی ایک عورت سے زنا کیا تو ان سے میرے والد نے کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپ کو بتاؤ کہ تم نے کیا کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے استغفار کریں اور انہوں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے لیے نجات کی کوئی صورت نکل آئے، پس حضرت ماعز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں زنا کر چکا ہوں، سو آپ مجھ پر کتاب اللہ کے موافق حد قائم کیجئے، آپ نے اس سے منہ موڑ لیا، وہ پھر لوٹ کر آئے اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں زنا کر چکا ہوں آپ مجھ پر کتاب اللہ کے موافق حد قائم کیجئے، سو آپ نے ان سے منہ موڑ لیا، وہ پھر آپ کی خدمت میں تیسری مرتبہ آئے اور کہا: یا رسول اللہ! میں زنا کر چکا ہوں، سو آپ مجھ پر کتاب اللہ کے موافق حد قائم کیجئے۔ آپ نے پھر ان سے منہ موڑ لیا، وہ آپ کے پاس چوتھی بار آئے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں زنا کر چکا ہوں، سو آپ مجھ پر کتاب اللہ کے موافق حد قائم کیجئے حتیٰ کہ انہوں نے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے یہ بات چار مرتبہ کہی ہے (لہٰذا اب بتاؤ) تم نے کس کے ساتھ زنا کیا تھا؟ انہوں نے بتایا فلانہ کے ساتھ، آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کو اپنے ساتھ لٹایا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کے ساتھ جماع کیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! ہزال نے کہا: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، ان کو الحرہ (سیاہ پتھروں والی زمین) کی طرف لے جایا گیا، پھر جب ان کو رجم کیا گیا اور ان کو پتھر لگے تو وہ بے چین ہو کر گھبرا کر تیزی سے بھاگے۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے اصحاب تو ان کو نہیں پکڑ سکے تھے لیکن حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے ان کو پکڑ لیا اور انہوں نے اونٹ کی ایک ہڈی کھینچ کر ماری، سو ان کو ہلاک کر دیا، پھر حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، صحیح البخاری: ۶۸۲۶، صحیح مسلم: ۱۶۹۱)

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں نے زنا کیا ہے اور بے شک میری یہ خواہش ہے کہ آپ مجھے گناہوں سے پاک کر دیں۔ آپ نے انہیں واپس لوٹا دیا، دوسرے دن وہ پھر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، آپ نے ان کو واپس کر دیا، پھر آپ نے کسی شخص کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور فرمایا: کیا تمہارے خیال میں اس کی عقل میں فتور ہے اور یہ بے ربط باتیں کرتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمارے خیال میں ان کی عقل ہم سب سے اچھی

ہے، حضرت ماعز آپ کے پاس تیسری بار آئے، آپ نے پھر ان کی قوم کی طرف کسی کو بھیج کر ان کے متعلق پوچھا اور انہوں نے یہ خبر دی کہ انہیں کوئی بیماری ہے نہ ان کی عقل میں کوئی فتور ہے۔ جب وہ چوتھی بار آئے تو آپ نے ان کے لیے ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا، پھر آپ کے حکم سے ان کو رجم کر دیا گیا، اس کے بعد غامدیہ آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے مجھے پاک کر دیجئے، آپ نے اس کو واپس کر دیا، دوسرے دن آ کر اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے آپ نے کیوں واپس کر دیا؟ شاید آپ مجھے ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں، خدا کی قسم! میں زنا سے حاملہ ہوں، آپ نے فرمایا: اچھا تو نہیں ٹلتی تو بچہ ہونے کے بعد آنا، بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ ایک بچہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لائی اور کہا: لیجئے یہ میرا بچہ پیدا ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا: جا، جا کر اس کو دودھ پلا حتیٰ کہ یہ روٹی وغیرہ کھانے لگے، جب بچہ کا دودھ چھوٹ گیا تو وہ اس کو لے کر آئی اور اس بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور کہنے لگی: لیجئے اے نبی اللہ! اس کا دودھ چھوٹ چکا ہے اور اب یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ آپ نے وہ بچہ ایک مسلمان شخص کے حوالے کیا اور یہ حکم دیا کہ سینہ تک اس کے لیے ایک گڑھا کھودا جائے اور لوگوں کو اسے رجم کرنے کا حکم دیا، حضرت خالد بن ولید نے اس کے سر پر ایک پتھر مارا، حضرت خالد کا منہ اس کے خون سے لتھڑ گیا، حضرت خالد نے اس کو کوئی برا کلمہ کہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کلمہ کہتے ہوئے سن لیا، آپ نے فرمایا: اے خالد! ایسا نہ کہو اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر (ظلماً) ٹیکس لینے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اس کو بخش دیا جاتا، پھر آپ کے حکم سے اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور اس کو دفن کیا گیا۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۵، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۲)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ہشام نے کہا: مجھے یزید بن نعیم نے حدیث بیان کی از والد خود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا: اے ہزال! اگر تم اسے اپنے کپڑوں میں چھپا لیتے تو یہ اس سے بہتر ہوتا جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۷، الرقم المسلسل: ۲۲۲۳۸۔ ۲۲۲۳، ۲۱۸۹۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۲۔ ۷۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۲۷۵، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۳۴۲، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۵۳۱، التمہید لابن عبدالبر ج ۲۳ ص ۱۲۵)

حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم کو جنون ہے؟ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے یہ اس لیے پوچھا تا کہ ان کا حال محقق ہو جائے، کیونکہ عموماً انسان اپنے آپ کو ضرر نہیں پہنچاتا اور ایسا کوئی اقدام نہیں کرتا جو اس کے قتل کا سبب بنے جب کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے لیے توبہ کا راستہ کھلا ہوا تھا، وہ اپنے اس فعل پر توبہ کر لیتے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا اور ان پر حد جاری نہ ہوتی۔ اس حدیث میں عیدگاہ کا ذکر ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھاتے تھے اور نماز جنازہ پڑھاتے تھے۔

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ ھ نے لکھا ہے کہ یہ جگہ بقیع الغرقد میں ہے۔ (الکواکب الدراری شرح البخاری جز ۱۹ ص ۱۹۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ۔ عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۵۔ ۳۶۴، مفصلاً ومخرجاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ حدیث مذکور کے مسائل فقہیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت ہے کیونکہ انہوں نے اپنے زنا کے اقرار سے رجوع

نہیں کیا حتیٰ کہ ان کو رجم کر دیا گیا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ کے پاس ایک مرد آیا اور کہا: اَبْعَد (جو سعادت سے زیادہ دور تھا) نے زنا کیا ہے، سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، اس نے پھر مزید تین مرتبہ آ کر یہی کہا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ ٹھہرے اور آپ نے ہم کو ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا، پھر ان کو رجم کر دیا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے واپس آئے اور آپ بہت غم گین اور افسردہ تھے، پھر ہم روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم ایک منزل پر ٹھہرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افسردگی اور غم کے آثار دور ہو گئے اور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے اپنے صاحب کی طرف نہیں دیکھا کہ اس کی مغفرت کر دی گئی اور اس کو جنت میں داخل کر دیا گیا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۷۹، مسند احمد: ۲۱۵۵۴، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۴۲)

نیز امام مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ کو امت پر تقسیم کیا جائے تو وہ ان کے لیے کافی ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۵)

زانی پر حد جاری کرنے کے لیے اس کا چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے یا اس کا ایک بار بھی اقرار کرنا کافی ہے، اس مسئلہ کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک زانی کے اوپر حد لگانا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے نفس پر چار مرتبہ اقرار زنا نہ کر لے۔

سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، الحکم بن عتیبہ، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام احمد بن حنبل (ان کا زیادہ صحیح قول یہی ہے) اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ زانی کا چار مرتبہ اقرار زنا ضروری ہے اور ان فقہاء کا استدلال اس حدیث سے ہے (صحیح البخاری: ۵۲۷۰) جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ماعز اسلمی نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی۔

حماد بن ابی سلیمان، عثمان البتی، الحسن بن حی، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد (امام احمد بن حنبل کی دوسری روایت) اور ابوثور کا مذہب یہ ہے کہ جب زانی نے ایک مرتبہ اقرار زنا کر لیا تو اس پر حد واجب ہو جائے گی، اور دو یا دو سے زیادہ مرتبہ اقرار کی ضرورت نہیں ہے، اور اس مسئلہ میں انہوں نے الغامدیہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جب اس عورت نے زنا کا اعتراف کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انیس سے فرمایا: اے انیس! اس عورت کو صبح رجم کر دینا حالانکہ اس عورت نے صرف ایک مرتبہ اقرار زنا کیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۲۳۱۵)

ائمہ ثلاثہ کا ایک حدیث سے استدلال اور امام طحاوی اور علامہ عینی کے مفصل جوابات

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں:

کبھی راوی حدیث کی مختصر روایت کرتا ہے اور تفصیل کو چھوڑ دیتا ہے حالانکہ اس کو حدیث مستحضر ہوتی ہے اور اس کی کسی تفصیل کو ذکر نہ کرنے سے اس تفصیل کا عدم وقوع لازم نہیں آتا، علاوہ ازیں حضرت الغامدیہ کی بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چار مرتبہ واپس کر دیا تھا۔

میں کہتا ہوں: اس سلسلہ میں امام مسلم نے حسب ذیل حدیث کو روایت کیا ہے:
امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ الغامدیہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں زنا کر چکی ہوں، سو آپ مجھے پاک کر دیجئے، آپ نے اسے واپس کر دیا، دوسرے دن صبح کو وہ پھر آئی اور اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے مجھے کیوں واپس کر دیا شاید کہ آپ مجھے ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں، پس اللہ کی قسم! بے شک میں حاملہ ہو چکی ہوں، آپ نے فرمایا: ابھی نہیں حتیٰ کہ تمہارے ہاں بچہ ہو جائے، پس جب اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تو وہ بچہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر تیسری بار آئی اور کہنے لگی: یہ اب میرا بچہ ہو چکا ہے، آپ نے فرمایا: تم جاؤ اس کو دودھ پلاؤ حتیٰ کہ اس کا دودھ چھڑالو اور وہ روٹی کھانے لگے، پھر جب اس کا بچہ روٹی کھانے لگا تو وہ چوتھی بار بچہ کو لے کر آئی اور بچہ کے پاس روٹی کا ٹکڑا تھا، سو وہ کہنے لگی: اے اللہ کے نبی! میں اس بچہ کا دودھ چھڑا چکی ہوں اور اب یہ کھانا کھاتا ہے، آپ نے بچہ ایک مسلمان مرد کے حوالہ کر دیا، پھر ان کے لیے ان کے سینہ تک گڑھا کھودا گیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان کو رجم کریں، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے اور ان کے سر پر مارا سو حضرت خالد بن ولید کے چہرے کے اوپر ان کے خون کی چھینٹیں پڑیں، پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو برا کلمہ کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس برے کلمہ کو سن لیا، آپ نے فرمایا: اے خالد! رکو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ظلماً ٹیکس لینے والا بھی توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو لانے کا حکم دیا اور اس کی تدفین کر دی گئی۔
(صحیح مسلم: ۱۶۹۵، الرقم المسلسل: ۴۳۲۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ شرع میں اقرار اس لیے حجت ہے تا کہ صدق کی جانب کو کذب کی جانب پر ترجیح دی جائے اور یہ معنی عام ہے خواہ اقرار ایک مرتبہ کیا جائے یا کئی بار کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس ہے لیکن ہم نے اس قیاس کو احادیث صحیحہ کی بناء پر ترک کر دیا ہے کیونکہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو اور حضرت غامدیہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار مرتبہ لوٹا دیا تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کیوں جائز نہیں کہ آپ نے حضرت ماعز کو چار مرتبہ اس لیے لوٹا دیا تھا کیونکہ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ زنا کیا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث صحیح سے اس احتمال کی نفی ہوتی ہے، وہ حدیث درج ذیل ہے:

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری الشافعی المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اپنی جان پر ظلم کر لیا ہے اور زنا کر لیا ہے اور اب میں ارادہ کرتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو واپس کر دیا، دوسرے دن صبح کو وہ پھر آئے اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں نے زنا کر لیا ہے، آپ نے اسے دوسری بار واپس کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبیلہ کے لوگوں کو بلوایا اور دریافت فرمایا: کیا تم ان کی عقل میں کوئی کمی یا کوئی ناگوار بات محسوس کرتے ہو تو ان کے قبیلہ کے لوگوں نے کہا کہ ہماری رائے میں تو وہ سب سے اچھی عقل کے مالک ہیں، پھر حضرت ماعز آپ کے پاس تیسری بار آئے تو آپ نے پھر ان کے قبیلہ کے لوگوں کو بلوا کر ان سے حضرت ماعز کی عقل کے متعلق سوال کیا تو ان کے قبیلہ کے لوگوں نے بتایا کہ ان کی عقل میں کوئی کمی نہیں ہے۔ جب حضرت ماعز چوتھی بار آئے تو آپ نے ان کے لیے ایک گڑھا کھدوایا۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۵، الرقم المسلسل: ۴۳۲۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ محمد بن یوسف الکرمانی التوفی ۷۸۶ھ اس حدیث سے غافل رہے حتیٰ کہ انہوں نے کہا: چار بار اقرار کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اے انیس! صبح کو اس عورت کے پاس جانا اور اگر وہ زنا کا اعتراف کرلے تو اسے رجم کردینا، اور اس حدیث میں عدد کی شرط نہیں ہے۔ (الکواکب الدراری جز ۱۹ ص ۱۹۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت انیس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب گزر چکا ہے اور عدد کی شرط کس طرح نہیں ہوگی، حالانکہ حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے فرمایا: تم چار مرتبہ اقرار کرچکے ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ تم نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی اور امام ابن ابی شیبہ التوفی ۲۳۵ھ کی روایت میں ہے: کیا تم نے یہ چار مرتبہ نہیں کہا۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کو چار مرتبہ کے اقرار پر مرتب فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

احصان کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کی تحقیق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رجم کرنے کی شرط مرد کا محصن ہونا ہے یعنی وہ شادی شدہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: کیا تم محصن ہو؟ اور احصان کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک احصان رجم ہے (۲) دوسرا احصان قذف ہے، رہا احصان الرجم تو اصطلاح شرع میں اس کے اندر سات شرائط کا اعتبار کیا گیا ہے: (۱) العقل (۲) البلوغ (۳) الحریہ (۴) الاسلام (۵) نکاح (۶) وہ مرد تندرست ہو (۷) اس نے نکاح کے بعد دخول کیا ہو۔

اور رہا احصان القذف تو اس کی پانچ شرائط ہیں: (۱) عقل (۲) بلوغ (۳) الحریہ (۴) اسلام (۵) اس مرد کا زنا سے پاک دامن ہونا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ متوفی ۱۵۰ھ نے احصان میں اسلام کی شرط عائد کی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مرد نے شرک کیا وہ محصن نہیں ہے، اور امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے شرک کیا وہ محصن نہیں ہے۔

اور امام ابو یوسف حنفی متوفی ۱۸۳ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مذہب یہ ہے کہ احصان میں اسلام کی شرط نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یہودیوں کو رجم کیا تھا۔

ہم کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم تورات کی موافقت سے کہا تھا اور اس وقت زنا کی حد کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً مدینہ میں تشریف لائے تھے، لہٰذا یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ پہلے زنا کی حد کے متعلق سو کوڑے مارنے کا حکم نازل ہوا، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم نازل ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

زانی کو پہلے کوڑے مارنے اور پھر رجم کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

نیز علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو سو کوڑے مارنے اور رجم کرنے کی دو سزائیں نہیں دیں، جیسا کہ حضرت ماعز کی احادیث میں اس کی تصریح ہے۔ اس کے برخلاف الشعبی، الحسن البصری، اسحاق، داؤد ظاہری اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے بھی ایک روایت میں کہا ہے کہ شادی شدہ زانی کو پہلے کوڑے مارے جائیں گے، پھر رجم کیا جائے گا۔

امام ترمذی نے کہا: یہ صحابہ کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ ان میں سے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابی بن کعب، حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ ہیں۔ ان کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے کہ ایک مرد نے زنا کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے کوڑے لگائے گئے، پھر آپ کو یہ خبر دی گئی کہ یہ شادی شدہ ہے تو پھر آپ کے حکم سے اسے رجم کیا گیا۔
(سنن ابوداؤد: ۴۴۳۸۔۴۴۳۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور ابراہیم النخعی، الزہری، الثوری، الاوزاعی، عبداللہ بن مبارک، ابن ابی لیلیٰ، الحسن بن صالح، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد (کی زیادہ صحیح روایت کے مطابق) کا مذہب یہ ہے کہ شادی شدہ زانی کی حد صرف اس کو رجم کرنا ہے جیسا کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ زانی کی حد یہ ہے کہ اسے کوڑے مارے جائیں، پھر اسے رجم کیا جائے۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے حکم لو، مجھ سے حکم لو، اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے والوں کی سزا بیان فرمادی، اگر کنوارا مرد کنواری عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو (۱۰۰) کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو اور اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو (۱۰۰) کوڑے مارو اور رجم کرو''۔
(صحیح مسلم: ۱۶۹۰، الرقم المسلسل: ۴۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۴۴۱۶۔۴۴۱۷، سنن ترمذی: ۱۴۳۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۵۰، مسند احمد: ۲۲۷۲۹)

علامہ عینی فرماتے ہیں: حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی مذکور الصدر حدیث درج ذیل حدیث سے منسوخ ہے:

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما دونوں بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک مرد نے آ کر کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان صرف اللہ کی کتاب سے فیصلہ کریں، پھر اس کا مخالف کھڑا ہوا اور وہ اس سے زیادہ سمجھ دار تھا، اس نے کہا: آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کریں اور مجھے بیان کرنے کی اجازت دیجئے، آپ نے فرمایا: بیان کرو، اس نے کہا: بے شک میرا بیٹا اس مرد کے پاس مزدوری کرتا تھا، اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا، سو میں نے اس کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک غلام فدیہ میں دے دیا، پھر میں نے علماء سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں تمہارے درمیان اللہ عزوجل کی کتاب کے موافق عمل کروں گا، لہٰذا بکریاں اور غلام تم کو واپس دیئے جائیں گے اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور اے انیس! تم صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ، اگر وہ زنا کا اعتراف کر لے تو تم اس کو رجم کر دینا، پس حضرت انیس رضی اللہ عنہ صبح کو اس عورت کے پاس گئے اس نے زنا کا اعتراف کر لیا تو حضرت انیس نے اس کو رجم کر دیا۔
(صحیح البخاری: ۶۸۲۷۔۶۸۲۸، صحیح مسلم: ۴۳۵۵، مسند احمد: ۱۷۰۴۲)

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ مستند ہے کیونکہ وہ صرف امام مسلم کی روایت ہے۔ اور یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور مسند احمد سب میں مذکور ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ اس زانیہ عورت کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رجم کرنے کا حکم دیا اور اسے کوڑے مارنے کا حکم نہیں دیا، نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بعد اسلام لائے تھے اور انہوں نے اپنی روایت میں رجم کے ساتھ کوڑے مارنے کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زنا کی حد میں کوڑے مارنے اور رجم کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ اور اصولیین نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ کتاب کے حکم کی

سنت کے ساتھ تخصیص کرنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو زنا کرنے پر صرف رجم کیا تھا اور کوڑے نہیں مارے تھے اور قرآن مجید کی جس آیت میں یہ حکم دیا گیا:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۔ (النور:۲) زانیہ عورت اور زانی مردان میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) کوڑے مارو۔

یہ آیت شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کو شامل ہے، مگر حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ صرف کنوارے کو کوڑے مارے جائیں گے اور شادی شدہ کو صرف رجم کیا جائے گا اور حدیث سے اس آیت میں تخصیص کر دی گئی ہے۔

کیفیت زنا سے متعلق سوال کرنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص زنا کا اقرار کرے اس سے دریافت کرنا چاہیے کہ آیا وہ زنا کے معنی و مفہوم کو جانتا ہے یا صرف اجنبی عورت سے بغل گیر ہونے اور بوس و کنار ہونے کو وہ زنا سمجھتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: کیا تم نے اس کو لٹایا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر فرمایا: کیا تم نے اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تھا، انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر فرمایا: کیا تم نے اس میں دخول کیا تھا؟ (سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز امام ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے: آپ نے حضرت ماعز سے پوچھا: کیا تمہارے جسم کا عضو اس اجنبی عورت کے عضو میں غائب ہو گیا تھا، انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: جس طرح سلائی سرمہ دانی میں یا جس طرح رسی ڈول میں غائب ہو جاتی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: شاید تم نے اجنبی عورت کو بوسہ دیا ہو گا یا اس سے چھیڑ چھاڑ کی ہو گی یا اس کی طرف شہوت سے دیکھا ہو گا۔ انہوں نے کہا: نہیں، آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس میں داخل کر دیا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر اس وقت آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۶۸۲۴، سنن ابوداؤد: ۴۴۲۷)

زنا کے جرم کو افشاء کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس پر پردہ رکھا جائے

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

یزید بن نعیم اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا: اے ہزال! اگر تم اسے اپنے کپڑوں میں چھپا لیتے تو یہ اس سے بہتر تھا جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۷، مسند احمد: ۲۱۸۹۰، ۲۲۲۳۷، ۲۲۲۳۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۷۲۔۷۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۲۷۹، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۳۴۲، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۱۳۵، التمہید لابن عبدالبر ج ۲۳ ص ۱۲۵)

امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے عزت کرے اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے میں مشغول رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرماتا ہے اور جو مسلمان کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں میں سے کسی سختی کو دور فرما دے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا''۔ (صحیح البخاری: ۲۴۴۲، صحیح مسلم: ۵۰۸۰، سنن

ترمذی:۱۴۲۶، سنن ابوداؤد:۴۸۹۳، مسند احمد:۵۶۱۴)

امام پر لازم ہے کہ وہ اجراء حد سے پہلے زانی سے چار مرتبہ اقرار زنا کرائے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام پر لازم ہے کہ وہ زانی پر اجراء حد کو مؤخر کر دے یہاں تک کہ وہ چار مرتبہ اپنے زنا کا اقرار کرے، نیز امام پر لازم ہے کہ وہ زانی سے کہے: شاید تم نے زنا نہ کیا ہو تم نے صرف چھیڑ چھاڑ کی ہو یا صرف بوس و کنار کیا ہو حتیٰ کہ وہ اپنے زنا کرنے کا اقرار کر لے جیسا کہ (صحیح البخاری:۲۴۴۲، صحیح مسلم:۵۰۸۰) کے حوالوں سے گزر چکا ہے۔

جس کو رجم کیا گیا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، سو اس نے زنا کرنے کا اقرار کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ موڑ لیا حتیٰ کہ اس نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا اور عیدگاہ میں اسے رجم کیا گیا، جب اس کو پتھر لگے تو وہ بھاگا، پس اس کو پکڑ لیا گیا، پھر اسے رجم کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق کلمات خیر فرمائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (صحیح البخاری:۶۸۲۰، صحیح مسلم:۴۴۳۳، مسند احمد:۱۴۴۶۲)

امام ابوعبداللہ بخاری سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ آپ نے ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی تھی؟ انہوں نے کہا کہ اس کی معمر نے روایت کی ہے، پھر امام بخاری سے پوچھا گیا: کیا معمر کے علاوہ کسی اور نے اس کی روایت کی ہے؟ امام بخاری نے کہا: نہیں۔ (صحیح البخاری ص ۱۱۷۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

ان بعض روایات کی توجیہ جن کے مطابق آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی

بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث المتوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بتایا کہ وہ زنا کر چکے ہیں، آپ نے ان سے منہ موڑ لیا، انہوں نے کئی مرتبہ اپنی بات کو دہرایا تو آپ نے ان سے منہ پھیر لیا، پھر آپ نے ان کے قبیلہ کے لوگوں سے پوچھا: کیا یہ مجنون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ان کو کوئی بیماری نہیں ہے، آپ نے حضرت ماعز سے پوچھا: کیا تم نے یہ کام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پس آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، سو ان کو لے جا کر رجم کر دیا گیا اور آپ نے ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ (سنن ابوداؤد:۴۴۲۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، سو اس نے اپنے زنا کرنے کا اعتراف کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، اس نے پھر اعتراف کیا، آپ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا حتیٰ کہ اس نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ تو اس نے کہا: نہیں، آپ نے

پوچھا: کیا تم محصن ہو یعنی شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر آپ کے حکم سے اسے عیدگاہ میں رجم کر دیا گیا، پھر جب اس کو پتھر لگے تو وہ بھاگا، پھر اسے پکڑ لیا گیا، پھر اس کو رجم کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق کلمات خیر فرمائے اور اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ (سنن ترمذی: ۱۴۲۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح البخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی پر مقدم ہیں، علاوہ ازیں صحیح البخاری، صحیح مسلم اور مسند احمد میں اثبات کی روایت ہے یعنی آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی اور سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں نفی کی روایت ہے اور خبر میں اثبات کی روایت نفی کی روایت پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا راجح یہ ہے کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔

حضرت ماعز کی نماز جنازہ پڑھنے کے ثبوت میں احادیث

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ماعز کو رجم کر دیا گیا تو صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اب ہم ان کے ساتھ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ''تم ان کے ساتھ وہی کرو جو تم اپنے دوسرے وفات شدہ لوگوں کے ساتھ کرتے ہو، ان کو غسل دو، ان کو کفن پہناؤ، ان کو خوشبو لگاؤ اور ان کی نماز جنازہ پڑھو''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱۱۲۴، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

نیز امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۵۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک کو رجم کر دیا گیا تو صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم ان کے ساتھ کیا کریں تو آپ نے فرمایا: ''تم ان کے ساتھ وہی کرو جو تم اپنے دوسرے وفات شدہ لوگوں کے ساتھ کرتے ہو، ان کو غسل دو، ان کو کفن پہناؤ، ان کو خوشبو لگاؤ اور ان کی نماز جنازہ پڑھو۔ (مسند الامام ابی حنیفہ ص ۱۴۵، مکتبۃ الکوثر، ریاض، ۱۴۱۵ھ)

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری المتوفی ۱۸۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از ابوحنیفہ از علقمہ بن مرثد از ابن بریدہ از والد خود از نبی ﷺ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے عرض کیا: جو سعادت سے دور ہے اس نے (اس سے مراد خود ان کی ذات ہے) نے زنا کیا ہے، آپ نے ان کو واپس کر دیا، وہ پھر دوبارہ آئے، آپ نے ان کو پھر واپس کر دیا، وہ تیسری بار آئے، آپ نے پھر ان کو واپس کر دیا، وہ پھر چوتھی بار آئے، تب آپ نے ان کے متعلق ان کے اہل قبیلہ سے سوال کیا اور فرمایا: کیا تم ان کی عقل میں کوئی کمی دیکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، پھر آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، پھر ان کو ایسی زمین پر لایا گیا جس پر پتھر بہت کم تھے، پھر جب ان کے مرنے میں دیر ہو گئی تو پھر ان کو ایسی زمین میں لے جایا گیا جہاں بہت زیادہ پتھر تھے، پھر سب لوگ ان کو پتھر مارنے لگے حتیٰ کہ ان کو مار ڈالا، پھر نبی ﷺ کو جب اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: ''تم نے اس کے نکلنے کے لیے راستہ کیوں نہ چھوڑا''۔ بعض اہل مدینہ نے کہا کہ ماعز ہلاک ہو گیا اور ہلاک کر دیا گیا اور بعض اہل مدینہ نے کہا کہ ہمیں ان کی توبہ کی توقع ہے، پس نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر لوگوں کی بڑی جماعتیں ایسی توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہو جائے گی، پھر لوگوں نے نبی ﷺ سے ان کے جسم کے متعلق پوچھا، تو آپ نے فرمایا: ''تم ان کے ساتھ اسی طرح کرو جس طرح تم اپنے دوسرے وفات شدہ لوگوں کے ساتھ کرتے ہو یعنی انہیں کفن دو اور ان کی نماز جنازہ پڑھو''۔

(کتاب الآثار لامام ابی یوسف: ۱۹۰۷، ص ۱۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۵۵ھ) جامع المسانید للخوارزمی ج ۲ ص ۱۹۵۔ ۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)(شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۴۳۲۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

امام ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن حنیف الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا تھا اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی اور ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں بہت لمبا قیام کیا حتیٰ کہ قریب تھا کہ لوگ اتنے لمبے قیام سے عاجز آ جاتے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ماعز اسلمی کو رجم کرنے کا حکم دیا، سو ان کو رجم کیا گیا، وہ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے حتیٰ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو اونٹ کی دو ہڈیاں کھینچ کر ماریں جوان کے سر پر لگیں جس سے وہ فوت ہو گئے، اس وقت ایک مرد نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا: تم ہلاک ہو گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کیا آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، پھر دوسرے دن آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی اور پہلے دن کی طرح ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں لمبا قیام کیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''پس تم اپنے صاحب (یعنی حضرت ماعز) پر نماز جنازہ پڑھو''، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۳۱۷۹، الرقم المسلسل: ۱۳۴۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ / مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۲۰، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۰ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے حضرت ماعز کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی وہ اس پر محمول ہے کہ آپ نے پہلے دن ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور دوسرے دن آپ نے اور صحابہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

رجم کے وقت مرجوم کے لیے گڑھا کھودنے یا گڑھا نہ کھودنے کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کا حکم دیا تو ہم ان کو البقیع کی طرف لے گئے، پس اللہ کی قسم! ہم نے ان کو باندھا نہ ان کے لیے گڑھا کھودا لیکن وہ ہمارے لیے کھڑے رہے، ابو کامل نے کہا: پھر ہم نے ان پر ہڈیاں، پتھر اور ٹھیکرے مارے، سو وہ بھاگے، پس ہم بھی ان کے پیچھے بھاگے حتیٰ کہ وہ الحرہ کے ارض میں پہنچ گئے، پھر ہم نے ان پر الحرہ کے بڑے بڑے پتھر مارے حتیٰ کہ وہ ساکت ہو گئے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۴۳۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، صحیح مسلم: ۱۶۹۴، الرقم المسلسل: ۴۳۱۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا جو مرد سعادت سے دور تھا اس نے زنا کیا، آپ نے اس سے منہ پھیر لیا، اس نے پھر دوسری بار پھر تیسری بار پھر چوتھی بار کہا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ ٹھہرے، پس جب اس نے چوتھی بار اقرار کیا تو آپ نے ہمیں گڑھا کھودنے کا حکم دیا، سو ہم نے اس کے لیے گڑھا کھودا وہ گڑھا بہت لمبا نہیں تھا، سو اس کو رجم کیا گیا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور آپ بہت افسردہ اور غمگین تھے، پس ہم رات کو چلے حتیٰ کہ ہم ایک جگہ ٹھہرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے غم کے آثار دور کر دیئے گئے، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے اپنے صاحب کی طرف نہیں دیکھا ان کو بخش دیا گیا اور ان کو جنت میں داخل کر دیا گیا۔

(مسند احمد: ۲۱۵۵۴، مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۹، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۴۲، صحیح مسلم: ۱۶۹۵ الرقم المسلسل: ۴۳۴۴، مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

رجم کے وقت مرجوم کے لیے گڑھا کھودنے یا گڑھا نہ کھودنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ نے لکھا ہے: رہا مرجوم اور مرجومہ کے لیے گڑھا کھودنا تو اس میں فقہاء کے متعدد مذاہب ہیں:

امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا مشہور قول یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی گڑھا نہ کھودا جائے گا اور قتادہ، ابو ثور، امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ دونوں کے لیے گڑھا کھودا جائے گا اور بعض فقہاء مالکیہ اور ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ مرد کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے خواہ اس کا زنا گواہوں سے ثابت ہو یا اقرار سے، اور رہی عورت تو اس کے متعلق ہمارے اصحاب کے تین اقوال ہیں:

(۱) اس کے سینہ تک گڑھا کھودنا مستحب ہے تا کہ وہ اس کے لیے زیادہ ستر کا باعث ہو۔

(۲) گڑھا کھودنا نہ مستحب ہے نہ مکروہ بلکہ یہ امام اور سربراہ کی صواب دید پر موقوف ہے۔

(۳) اگر عورت کا زنا گواہی سے ثابت ہو تو اس کے لیے گڑھا کھودنا مستحب ہے اور اگر اس کا زنا اس کے اقرار سے ثابت ہو تو اس صورت میں اس کے لیے گڑھا کھودنا مستحب نہیں ہے کیونکہ اب رجم کے وقت اس کے بھاگنے کا خطرہ نہیں ہے۔

صحیح مسلم: ۱۶۹۴ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے حضرت ماعز کے لیے نہ گڑھا کھودا نہ ان کو باندھا، اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ ہم نے ان کے لیے بہت بڑا گڑھا نہیں کھودا کیونکہ صحیح مسلم: ۱۶۹۵ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے لیے گڑھا کھودا تھا۔

جب زنا کا معترف رجم کے وقت بھاگے تو اس سے حد کو ساقط کرنے کا استحباب

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ انہوں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے ان سے منہ پھیر لیا، وہ پھر دوسری جانب سے آئے اور کہا: یا رسول اللہ! انہوں نے زنا کیا ہے، سو آپ نے ان سے منہ پھیر لیا، پھر وہ دوسری طرف سے آئے اور کہا: یا رسول اللہ! انہوں نے زنا کر لیا ہے، پھر جب انہوں نے چوتھی مرتبہ اقرار کیا تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا، سو ان کو الحرہ کی طرف نکالا گیا، پھر ان کو رجم کیا گیا، پھر جب انہوں نے پتھروں کا درد محسوس کیا تو وہ بھاگے حتیٰ کہ ایک صحابی کے پاس اونٹ کی ہڈی تھی، اس نے وہ کھینچ کر ان کو ماری اور لوگوں نے بھی ان کو پتھر مارے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے، پھر صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ جب انہوں نے پتھروں کا درد محسوس کیا اور ان کو موت کا خطرہ ہوا تو وہ بھاگے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے اس کو چھوڑا کیوں نہیں"۔

(سنن ترمذی: ۱۴۲۸ دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸٦، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی نے اس باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ جب زنا کا اعتراف کرنے والا رجم کے وقت بھاگے تو اس سے حد کو ساقط کر دیا جائے۔

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے۔

دیگر مجرموں کی نماز جنازہ کے متعلق اختلاف فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

جس کو رجم کیا گیا ہو اور جو کسی دوسری حد میں قتل کیا گیا ہو یا جو ڈکیتی میں قتل کیا گیا ہو اور دوسرے مجرموں کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور الزہری نے کہا ہے: نہ مرجوم کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ خودکشی کرنے والے کی۔ اور امام ابو یوسف متوفی ۱۸۳ھ کہتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور قتادہ نے کہا: ولد الحرام کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

بعض فقہاء مالکیہ نے یہ کہا ہے کہ امام یعنی سربراہ ملک اور ارباب فضیلت، مرجوم کی نماز جنازہ پڑھیں جس طرح وہ دوسروں کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور دوسرے فقہاء مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شبہات سے حدود ساقط کرنے کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: "جب تک تم سے ہو سکے تو مسلمانوں سے حدود کو ساقط کر دو، اگر اس کے لیے کوئی سزا سے نکلنے کا راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ امام اگر معاف کرنے میں خطا کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں خطا کرے"۔ (سنن ترمذی: ۱۴۲۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے اور مرفوع نہیں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

امام مجدالدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "التقریب" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مرفوع بھی مروی ہے اور موقوف بھی مروی ہے اور اس باب میں حدیث موقوف زیادہ صحیح ہے جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے اور زیادہ صحیح حدیث موقوف وہ ہے جس کو ابو وائل نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "حدود کو شبہات سے ساقط کر دو اور جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے قتل کو ساقط کر دو"۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "التلخیص" میں کہا ہے کہ اس حدیث کی شیخ ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ نے کتاب الاتصال میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کرنے میں خطا کروں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں شبہات کی وجہ سے حدود کو قائم کروں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۵، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ) (جامع الاصول فی احادیث الرسول ج ۲ ص ۶۲۴، دار ابن کثیر، ۱۴۳۲ھ)

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم آپس میں حدود کو درگزر کرو، سو مجھ تک جب حد پہنچے گی تو واجب ہو جائے گی"۔ (سنن نسائی: ۴۸۸۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی امام ابوداؤد السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ نے بھی روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۷۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود کو معاف کرنے کا حکم دیا ہے یعنی اس کے جرم سے درگزر کرو اور آپس میں حدود کو ساقط کر دو اور میرے پاس اس جرم کا مقدمہ نہ پیش کرو، کیونکہ جب مجھے اس جرم کا علم ہو گا تو میں اس پر حد قائم کروں گا۔

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کاش! تم ماعز کو اپنے کپڑوں میں چھپا لیتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا''۔ (مؤطا امام مالک ج ۲ ص ۸۲۱، رقم الحدیث: ۱۵۵۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اس حدیث کی امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ نے بھی روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۷۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز اس حدیث کی امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے:

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۷، رقم الحدیث: ۲۱۳۸۳، مکتب اسلامیہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

شبہات سے حدود ساقط کرنے کے متعلق آثار

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں شبہات کے سبب سے حدود کو معطل کر دوں تو یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں شبہات کے سبب سے حدود کو قائم کروں''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۵، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

از عمرو بن شعیب از والد خود مروی ہے کہ حضرت معاذ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اگر تم پر حد مشتبہ ہو جائے تو اس سے حد کو ساقط کر دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے زنا کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا گمان ہے یہ عورت رات کو اٹھ کر نماز پڑھتی تھی اور خوف خدا سے رکوع اور سجود کرتی تھی، پھر کوئی سرکش آدمی آیا اور اس نے اس کو بہکایا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو بلوایا تو اس عورت نے اسی طرح بیان کیا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۸۷، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

ابراہیم سے روایت ہے کہ صحابہ یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اللہ کے بندوں سے حدود کو ساقط کر دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۸، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

الزہری سے روایت ہے کہ ہر شبہ کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۸۹، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

ابووائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا، جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے قتل اور کوڑوں کی سزا کو ساقط کر دو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۰۹۰، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

۵۲۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَى رَجُلٌ مِنْ أَسْلَمَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمن اور سعید بن المسیب نے خبر دی کہ

رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الْأَخِرَ قَدْ زَنَى يَعْنِي نَفْسَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَتَنَحَّى لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِي أَعْرَضَ قِبَلَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الْأَخِرَ قَدْ زَنَى فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَتَنَحَّى لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِي أَعْرَضَ قِبَلَهُ فَقَالَ لَهُ ذٰلِكَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَتَنَحَّى لَهُ الرَّابِعَةَ فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ بِكَ جُنُونٌ قَالَ لَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ وَكَانَ قَدْ أُحْصِنَ۔

(صحیح البخاری: ۶۸۱۵، ۶۸۲۵، ۷۱۶۷، صحیح مسلم: ۴۴۸۲، مسند احمد: ۹۸۴۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قبیلۂ اسلم کا ایک مرد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، اس نے آپ کو پکار کر کہا: یا رسول اللہ! بے شک متاخر نے (یعنی جو سعادت سے متاخر ہے) اس نے زنا کیا یعنی خود انہوں نے تو آپ نے اس سے منہ پھیر لیا تو وہ اسی جانب آ گیا جس جانب آپ نے منہ پھیرا تھا، پس کہا: یا رسول اللہ! متاخر نے زنا کیا ہے، آپ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا تو وہ پھر اس جانب آیا جس جانب آپ نے منہ پھیرا تھا، اس نے پھر اسی طرح کہا: آپ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا، پھر اس نے چوتھی مرتبہ کہا: سو جب اس نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دے دی تو آپ نے اس کو بلا کر پوچھا: کیا تم کو جنون ہے؟ اس نے کہا: نہیں، تب نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس کو لے جاؤ اور اس کو رجم کر دو اور وہ مرد شادی شدہ تھا''۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ایک مرد آیا، یہ مرد حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: متاخر نے کہا: یعنی اس نے کہا جو سعادت سے متاخر ہے اور مدبر اور منحوس یعنی بے برکت ہے۔

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۷۲۔ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ كُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمُصَلَّى بِالْمَدِينَةِ فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ جَمَزَ حَتَّى أَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ حَتَّى مَاتَ۔

(صحیح مسلم: ۴۴۲۷، مسند احمد: ۹۸۴۵)

اور الزہری سے مروی ہے، انہوں نے کہا: مجھے اس نے خبر دی جس نے حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں بھی ان صحابہ میں سے تھا جنہوں نے حضرت ماعز کو رجم کیا تھا تو ہم نے ان کو مدینہ کی عید گاہ میں رجم کیا، پس جب ان کو پتھروں سے درد محسوس ہوا تو وہ بھاگے، ہم نے ان کو سیاہ پتھروں والی زمین میں پکڑ لیا، پھر ہم نے ان کو رجم کیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے۔

الزہری کے دوسرے شیخ کا بیان

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الزہری نے اس حدیث میں یہ نہیں بیان کیا کہ انہوں نے یہ حدیث کس سے سنی تھی اور اس سے پہلی حدیث (صحیح البخاری: ۵۲۷۱) میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن اور سعید بن المسیب سے سنی تھی اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ الزہری کا ابو سلمہ کے علاوہ ایک اور شیخ ہے اور سعید بن المسیب نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ (عمدة القاری

ج ۲۰ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کتاب الطلاق: ۱۱، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ والسکران والمجنون وامرھما والغلط والنسیان فی الطلاق والشرک وغیرہ۔ میں درج احادیث اور تعلیقات کی شرح بحمد للہ تعالیٰ مکمل ہوگئی اور اس کی شرح پورے بسط وکمال کے ساتھ اختتام پذیر ہوگئی اور اس کے بعد کتاب الطلاق: ۱۲، باب الخلع و کیف الطلاق فیہ شروع ہوگی جس کو ہم ان شاء اللہ الرحمٰن نعمۃ الباری کی دسویں جلد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے تحریر کریں گے۔

کتاب الطلاق: ۱۱ کے مضامین کا خلاصہ

ہم نے کتاب الطلاق: ۱۱ کی بہت زیادہ تفصیل کی ہے اور اس میں جبراً طلاق دلوانے کے تمام متعلقہ مسائل بیان کیے ہیں خواہ جبراً طلاق زبان سے کہلوائی جائے یا لکھوائی جائے۔ اس سلسلہ میں علامہ امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلی متوفی ۱۳۴۰ھ کے فتاویٰ بھی دیگر فقہاء احناف کی عبارات کے ساتھ پیش کیے ہیں۔ اسی طرح نشہ میں مدہوش شخص کی طلاق کے وقوع کے متعلق بھی تفصیل سے لکھا ہے اور کم عقل اور بے عقل اور بچہ اور مجنون کی دی ہوئی طلاقوں کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے اور ان تمام مسائل میں مذاہب اربعہ کو پیش کیا ہے اور فقہاء احناف کی تصریحات کو ان کے حوالہ جات کے ساتھ لکھا ہے اور اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ قدس سرہما العزیز کے فتاویٰ سے بھی اس بحث کو مزین کیا ہے اور طلاق رجعی کے لیے اردو زبان میں جن الفاظ کا استعمال رائج ہے ان کو بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے اور اسی طرح طلاق بائن کے لیے اردو زبان میں جو الفاظ مستعمل ہیں ان کو بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے اور اس کو بھی حضرت صدر الشریعہ کے فتاویٰ سے مزین کیا ہے۔ خطاء اور نسیان سے جو طلاق دی جاتی ہے وہ امام شافعی کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے اور فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک واقع نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ میں بھی ہم نے طرفین کے دلائل نقل کر کے انصاف سے محاکمہ کیا ہے۔ اور آخر میں حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کی حدیث کو اس کی تمام اسانید کے ساتھ درج کیا ہے اور زانی کے اقرار کی تعداد کے متعلق اختلاف فقہاء کو بیان کیا ہے اور فقہاء احناف کے موقف کو احادیث صحیحہ سے واضح کیا ہے اور اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراضات کے مفصل جوابات لکھے ہیں، احصان کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کی ہیں جن احادیث میں زانی کو کوڑے مارنے اور رجم کرنے کی دونوں سزاؤں کا ذکر ہے ان کی تحقیق کرنے کے بعد جس کو رجم کیا گیا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق احادیث بیان کی ہیں اور جن احادیث میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی ان کا محمل بیان کیا ہے اور حضرت ماعز کی نماز جنازہ پڑھنے کے ثبوت میں بہت احادیث پیش کی ہیں خصوصاً امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۰ھ اور قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۹۳ھ کی روایات ان کی مسانید کے مفصل حوالہ جات کے ساتھ پیش کی ہیں اور اسی ضمن میں دیگر مجرموں کی نماز جنازہ کا حکم بھی بیان کیا ہے اور آخر میں شبہات سے حدود ساقط کرنے کے متعلق بہت تفصیل سے احادیث اور آثار پیش کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں: الٰہ العالمین! جیسا کہ تو جانتا ہے میں نے یہ تمام مباحث تیری رضا کے لیے اخلاص کے ساتھ لکھے ہیں تو ان کو عامۃ المسلمین کے لیے نفع آور بنا اور میری اس پوری کتاب کو فیض آفرین بنا دے، اس کی تحریر کو موثر کر دے۔

میں نے نعمۃ الباری کی اس نویں (۹) جلد میں بہت محنت کی ہے اور اس کے تمام مباحث کو نہایت جانفشانی سے لکھا ہے اور جتنی

تحقیق نعمۃ الباری کی اس نویں (۹) جلد میں کی گئی ہے اس سے پہلے نعمۃ الباری کی کسی جلد میں اتنی محنت نہیں کی گئی۔ اس جلد میں ۱۲۹۴ احادیث اور بہت زیادہ تعلیقات کی شرح شامل ہے۔

حضرت محترم صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب دامت الطافہم اس نویں جلد کو بہت سرعت کے ساتھ شایان شان شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے تمام عزائم کو مستجاب اور مشکور فرمائے اور میرے ساتھ ان کی محبت اور اخلاص کو قائم و دائم رکھے اور نعمۃ الباری اور میری دیگر تمام تصانیف کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے اور موافقین کے لیے میری تمام تصانیف کو موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنادے آمین یارب العالمین

انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری

میں نے جب نعمۃ الباری کو لکھنے کی ابتداء کی اس وقت میں نے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کے احوال جو مختلف کتابوں میں پڑھے اس سے معلوم ہوا کہ علامہ عینی نے اپنی شرح عمدۃ القاری میں جگہ جگہ حافظ ابن حجر کی شرح فتح الباری پر اعتراضات کیے ہیں، میں اپنی شرح نعمۃ الباری میں ان مقامات پر ان اعتراضات کو لکھتا رہا، پھر مجھے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے، اس میں علامہ عینی کے ان اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے، تقریباً دو سال پہلے مجھے معلوم ہوا کہ یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے، پھر میں نے اس کے حصول کی جدوجہد کی تو معلوم ہوا کہ مکتبۃ الرشد، ریاض نے یہ کتاب شائع کر دی ہے لیکن یہ کتاب وہیں سے ملتی ہے، مکتبۃ الرشد والے یہ کتاب پاکستان نہیں بھیجتے، پھر میرے محب اور مکرم دوست ۱۴۳۲ھ میں دوسری بار حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو حج کی سعادت عطا فرمائی اور ان کو یہ سعادت بھی عطا فرمائی کہ انہوں نے اپنے والد گرامی سید اویس الحسن البرنی اور اپنی اہلیہ کو بھی حج کرانے کے لیے ساتھ لے لیا، اللہ تعالیٰ مولیٰ عزوجل ان سب کے حج کو حج مبرور بنادے اور ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے میری اور ان سب کی مغفرت فرمادے اور ہم سب کو قبر کے عذاب، قیامت کی ہولناکیوں، میدان حشر کی سختیوں اور دوزخ کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ (آمین)

سید عمیر الحسن البرنی زید حبہ ولطفہ نے دوران حج عزیزیہ مکہ مکرمہ میں جس قدر کتب خانے ہیں ان میں انتقاض الاعتراض کو تلاش کیا لیکن مکتبۃ الرشد عزیزیہ مکہ مکرمہ والوں نے کہا: ہمارا ہیڈ آفس تبوک اور ریاض میں ہے، سو یہ کتاب وہیں سے مل سکتی ہے اور قارئین کو معلوم ہے کہ حج کرنے والے کو دوران حج حرمین شریف سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی، سو سرتوڑ کوشش کے باوجود سید عمیر الحسن میرے لیے یہ کتاب نہ لا سکے۔

میری شدید خواہش تھی کہ میں نعمۃ الباری کی نویں جلد میں ''انتقاض الاعتراض'' سے استفادہ کرتا لیکن جب یہ کتاب بسیار کوشش کے باوجود نہ مل سکی تو پھر میں مایوس ہو گیا، اسی دوران حضرت مولانا محمد جان نعیمی مہتمم مجددیہ نعیمیہ ملیر، کراچی مجھ سے ملاقات کے لیے میرے پاس تشریف لائے دوران گفتگو ''انتقاض الاعتراض'' کا ذکر چھڑ گیا، ان کو جب میری پیاس کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ میرے کتب خانہ میں یہ کتاب موجود ہے (ان کی لائبریری دینی مدارس میں کتابوں کی سب سے بڑی لائبریری ہے) میں نے

عرض کیا: آپ عاریۃً یہ کتاب مجھے دیں دیں میں آپ کو اس کتاب کی رسید لکھ کر دوں گا کہ اگر میں دوران تصنیف قضاء الٰہی سے مر گیا تو آپ یہ رسید دکھا کر دار العلوم نعیمیہ کے مہتم حضرت مفتی پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن دامت الطافہم العالیہ سے اپنی یہ کتاب واپس لے لیں، انہوں نے کرم فرمایا اور دوسرے دن از خود وہ کتاب مجھے بھجوادی۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾ (الشوریٰ:۲۸) وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی مددگار ہے بہت حمد کیا ہواO

میں نویں جلد کو تقریباً مکمل کر چکا تھا لیکن میں نے نویں جلد کے شروع سے اس کا جائزہ لیا اور جہاں جہاں علامہ عینی حنفی نے حافظ ابن حجر شافعی کی شرح پر اعتراض کیے ہیں وہاں ''انتقاض الاعتراض'' میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے جوابات کو تلاش کر کے نکالا اور ان کے جوابات کا نعم الباری کی نویں جلد میں اضافہ کیا، پھر میں نے علامہ عینی کے اعتراض اور حافظ ابن حجر کے جوابات کے درمیان محاکمہ کیا، زیادہ تر میں نے علامہ عینی کے اعتراضات کو قوی پایا اور حافظ ابن حجر عسقلانی کو ان کے اعتراض کے جواب سے عاجز پایا، سو میں نے اس تفصیل کا نویں جلد میں اضافہ کر دیا اور برسوں کی خواہش اور تمنا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں فضل و کرم سے پورا کر دیا۔ فالحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

نعم الباری جلد تاسع (نو) کی تکمیل اور کلمات حمد و ثناء

نعم الباری جلد تاسع (۹) انتہائی برق رفتاری سے لکھی گئی ہے۔ ۱۱ شوال ۱۴۳۲ھ/ ۱۰ ستمبر ۲۰۱۱ء سے لے کر ۱۷ مارچ ۲۰۱۲ء/ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ کو نعم الباری جلد تاسع مکمل ہو گئی اور اس کی تکمیل میں چھ ماہ اور سات دن کا وقت لگا، نعم الباری کی تمام مجلدات میں سے اس جلد میں سب سے کم وقت لگا اور اس جلد میں پچھلی تمام جلدوں سے زیادہ تحقیق اور تدقیق کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم میں مشکور فرمائے اور اس کتاب کو رہتی دنیا تک قبول عام عطا فرمائے اور میرے ہاتھوں صحیح البخاری کی شرح کو مکمل کرادے اور اس شرح کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنادے۔ امین یا رب العالمین بجاہ حبیبک خاتم النبیین سید المرسلین شفیع المذنبین علیہ الف الف صلوٰتٍ و تسلیمات و علی آلہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریتہ و امتہ اجمعین من المفسرین والمحدثین والفقہاء المجتہدین و سائر المسلمین۔

آخر میں اپنے تمام معاونین اور کرم فرماؤں کے لیے دعا کرتا ہوں خصوصاً مفتیٔ پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زید حبہم ودام الطافہم اور محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب دامت الطافہم العالیہ اور سید عمیر الحسن البرنی زید حبہم اور مولانا اسماعیل نورانی زید علمہم اور حافظ ندیم زید حبہم و مولانا مختار احمد زید علمہ، بیرون ملک کرم فرماؤں میں سے مولانا حافظ عبد المجید برسٹل انگلینڈ شکر اللہ تبلیغہم اور ثمینہ بہن برسٹل انگلینڈ اطال اللہ عمرہا و شفاہا اور مولانا حامد قیوم ناروے دام لطفہم اور حافظ اختر حبیب اختر اور حافظ محمد اکرم (لیکچرر شعبہ عربی، گورنمنٹ دیال سنگھ کالج، لاہور) شکر اللہ مساعیہم اور اپنے تمام محبین، معاونین اور قارئین کے لیے دعا کرتا ہوں اور اپنی بڑی بہن کے لیے صحت اور توانائی کی دعا کرتا ہوں اور اپنے لیے بھی شفاء اور قوت کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا ایمان پر خاتمہ

فرمائے اور ہمیں دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنادے اور آخرت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے اور آخرت کے مراحل کو ہمارے لیے آسان فرمادے، قبر کے عذاب، دوزخ کے عذاب، قیامت کی ہولناکیوں اور میدان حشر کی سختیوں سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے بے پایاں فضل سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی

بلاک نمبر ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ/ ۱۷ مارچ ۲۰۱۲ء

و اخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین والآخرین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ و ذریتہ اجمعین۔

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد تاسع (۹) کی ڈائری

افتتاح: ۱۱ شوال ۱۴۳۲ھ/ ۱۰ ستمبر ۲۰۱۱ء، بروز ہفتہ

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	تعداد حدیث
۱۰، ستمبر ۲۰۱۱ء	۱۱، شوال ۱۴۳۲ھ	ہفتہ			
یکم اکتوبر ۲۰۱۱ء	۳ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ	ہفتہ	۱۱۸	۱۱۸	۵۰۱۴
یکم نومبر ۲۰۱۱ء	۴ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ	منگل	۱۷۸	۲۹۶	۵۰۷۵
یکم دسمبر ۲۰۱۱ء	۶ محرم ۱۴۳۳ھ	جمعہ	۱۳۶	۴۳۲	۵۱۱۹
یکم جنوری ۲۰۱۲ء	۶ صفر ۱۴۳۳ھ	اتوار	۱۱۵	۵۴۷	۵۱۹۸
یکم فروری ۲۰۱۲ء	۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ	بدھ	۱۰۷	۶۵۴	۵۲۶۵
۱۷ مارچ ۲۰۱۲ء	۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ	اتوار	۱۲۸	۷۷۲	۵۲۷۲

اختتام: ۱۷، مارچ ۲۰۱۲ء/ ۲۳، ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ، بروز ہفتہ

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی 150 ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179 ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، 1409 ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دار المعرفہ، بیروت، 1420 ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181 ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183 ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189 ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189 ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407 ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204 ھ، المسند، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1400 ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204 ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425 ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207 ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت 1404 ھ

۱۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211 ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1390، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421 ھ

۱۵۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219 ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۶۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227 ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۷۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235 ھ، المصنف، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1406 ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416 ھ

۱۸۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235 ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416 ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت، 1427ھ
۲۰۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالۃ، بیروت 1420ھ، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۲۱۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دارالکتاب العربی 1407ھ، دارالمعرفۃ، بیروت 1420ھ
۲۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دارارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دارالفکر، بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالۃ 1431ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1425ھ، دارالعلم الحدیث 1426ھ
۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1412
۲۴۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دارالفکر، بیروت 1424ھ
۲۵۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 263ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1415ھ، دارالجیل، بیروت، دارالفکر، بیروت 1421ھ
۲۶۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی شافعی، متوفی 275ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دارالفکر، بیروت 1421ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1422ھ
۲۷۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی شافعی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۲۸۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1422ھ، دارالجیل، بیروت 1998ء، دارالمعرفہ، بیروت 1423ھ
۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ
۳۰۔ امام علی بن عمر دارقطنی شافعی، متوفی 285ھ، سنن دارقطنی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1422ھ
۳۱۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دارالرایہ، ریاض، 1411ھ
۳۲۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ، بیروت
۳۳۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1412ھ، دارالفکر، بیروت 1421ھ
۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۵۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ، موسسۃ الرسالہ 1421ھ

۳۶۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۷۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابویعلی موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت 1404ھ

۳۸۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307، المنتقی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۹۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ

۴۰۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ

۴۱۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض، 1420ھ

۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ

۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور 1404ھ، قدیمی کتب خانہ، کراچی،

۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ، بیروت 1427ھ

۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ

۴۶۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۴۷۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1407ھ

۴۸۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1425ھ

۴۹۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ

۵۰۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ

۵۱۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبہ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر، بیروت 1420ھ

۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ

۵۴۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن محمد اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیل، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ 1408ھ

۵۵۔ امام عبداللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ،

بیروت 1418ھ

۵۶۔ امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفّٰی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۷۔ امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفّٰی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۵۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفّٰی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ، دارالمعرفہ، بیروت 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۵۹۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی شافعی، متوفّٰی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۰۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفّٰی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دارالکتاب العربی 1407ھ

۶۱۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفّٰی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارالنفائس، بیروت

۶۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفّٰی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشرالسنہ، ملتان

۶۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفّٰی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۶۴۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفّٰی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفّٰی 458ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1423ھ

۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفّٰی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفّٰی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المنارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفّٰی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1401ھ

۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفّٰی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفّٰی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۷۱۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی مالکی، متوفّٰی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۷۲۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفّٰی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دارابن حزم 1423ھ

۷۳۔ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفّٰی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۴۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفّٰی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۷۵۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفّٰی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۷۶۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفّٰی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ

۷۷۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

۷۸۔ امام مجدالدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دارابن کثیر، بیروت 1432ھ

۷۹۔ امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1407ھ، دارابن کثیر، بیروت 1414ھ

۸۰۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امورالآخرہ، مطبوعہ: دارالبخاری، مدینہ منورہ

۸۱۔ امام محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سیدالابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۸۲۔ امام محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۸۳۔ امام ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دارخضر، بیروت 1419ھ

۸۴۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دارارقم، بیروت، دارابن حزم 1423ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۸۵۔ امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرالمعارف النظامیہ، بحیدرآباد، دکن

۸۶۔ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی محمد خیرالانام، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دارالطباعۃ المحمدیہ 1388ھ

۸۷۔ حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۸۸۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، اہوال القبور واحوال اہلہا الی النشور، دارالکتاب العربی، بیروت 1418ھ

۸۹۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دارالفکر، بیروت 1414ھ

۹۰۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807، کشف الاستار، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ

۹۱۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی، 807، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۹۲۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیریۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ

۹۳۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۹۴۔ حافظ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوھر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان
۹۵۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ
۹۶۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۹۷۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر 1421ھ
۹۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ
۹۹۔ امام زین الدین ابو العباس احمد بن عبد اللطیف الزبیدی حنفی، متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، 1430ھ
۱۰۰۔ امام عبد الرحمٰن بن عبد السلام بن عبد الرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ
۱۰۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ
۱۰۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ
۱۰۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ جمع الجوامع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۱۰۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دار ابن حزم، بیرت 1414
۱۰۶۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۱۰۷۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۱۰۸۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974، الصواعق المحرقہ فی الرد علی اھل البدع والزندقہ، مطبوعہ: مکتبہ القاہرہ، مصر 1385ھ
۱۰۹۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت
۱۱۰۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۱۱۱۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر

1418ھ
۱۱۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1412ھ
۱۱۳۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1996ء
۱۱۴۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دارالوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ
۱۱۵۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۱۶ امام ابوزکریا یحیٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت
۱۱۷۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1409ھ، دارالفکر، بیروت
۱۱۸۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ
۱۱۹۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۱۲۰۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، المتوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ
۱۲۱ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمّٰی لطائف الاسرار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۲۲۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۲۳ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دارالوطن، ریاض 1418ھ
۱۲۴ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ
۱۲۵۔ امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۱۲۶ امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دارالکتب والوثاق، بغداد عراق 1990ء
۱۲۷۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1415ھ
۱۲۸۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دارفراش للنشر والتوزیع مصر

۱۲۹۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دارالکتب العربیہ، پشاور
۱۳۰۔ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت
۱۳۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۳۲۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۱۳۳۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1421ھ
۱۳۴۔ علامہ السید عبداللہ سبّر، متوفی 1242ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دارالاسوۃ للطباعۃ والنشر 1421ھ
۱۳۵۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت، دارالفکر، بیروت 1417ھ
۱۳۶ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۳۷۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۳۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی، لاہور
۱۳۹۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ، خزائن العرفان
۱۴۰۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، گجرات
۱۴۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
۱۴۲۔ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء
۱۴۳۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری بریلوی، متوفی 1998ء، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۱۴۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ
۱۴۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1431ھ
۱۴۶۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ و تحقیق و تخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
۱۴۷۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۴۸۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی 318ھ الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دارالفلاح، 1430ھ
۱۴۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۱۵۰۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388، اعلام السنن، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ
۱۵۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض

1420ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۵۲۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت 1413ھ

۱۵۳۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبہ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۵۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی، متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا ابن انس، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۵۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دارالوفاء، بیروت 1419ھ

۱۵۶۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علیٰ صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۵۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ الاندلسی المالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۵۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت

۱۵۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۶۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۶۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دارالکتب العلمیہ بیروت 1428ھ

۱۶۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۶۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1429ھ

۱۶۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۶۶۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۶۷۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن ملقن، التوفی ۸۰۴ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ

۱۶۸۔ امام قاضی بدرالدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دارالنور 1431ھ

۱۶۹۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۷۰۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ تغلیق التعلیق علیٰ صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت، 1420ھ

۱۷۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور

1401ھ، دارالفکر، بیروت 1420ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1426ھ

۱۷۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی 852ھ انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری مکتبہ الرشد، ریاض، 1418ھ

۱۷۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت

۱۷۴۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر 1348ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۷۵۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۷۶۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۷۷۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ، مصر 1306ھ

۱۷۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۷۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ

۱۸۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ

۱۸۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ

۱۸۲۔ علامہ ابو یحیٰی زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ

۱۸۳۔ علامہ ابو یحیٰی زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ

۱۸۴۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۸۵۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۸۶۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۸۷۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۸۸۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۸۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ

۱۹۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۹۱۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی، مصر 1350ھ

۱۹۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۱۹۳۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۱۹۴۔ شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
۱۹۵۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ
۱۹۶۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۱۹۷۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1318ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ
۱۹۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی
۱۹۹۔ شیخ عبدالرحمن مبارکپوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۰۰۔ شیخ وحیدالزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ء
۲۰۱۔ امام احمد رضاخان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث، مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ
۲۰۲۔ شیخ انورشاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ
۲۰۳۔ شیخ شبیراحمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی
۲۰۴۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکلم الطیب، بیروت 1430ھ
۲۰۵۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبہ الطبری 1429ھ
۲۰۶۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۰۷۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء
۲۰۸۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی
۲۰۸۔ ابومحمد عبداللہ بن مانع الرؤقی، الحلل الابریزیۃ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دارالتدمریہ، ریاض 1428ھ

کتب اصول حدیث

۲۱۰۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الھمدانی المتوفی 584ھ کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبہ الرشد، ریاض 1428ھ
۲۱۱۔ علامہ یحیٰی بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۱۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۱۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۱۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۱۵۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ
۲۱۶۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۱۷۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ
۲۱۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۱۹۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۲۰۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۲۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ تقریب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۲۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۲۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۲۴۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422
۲۲۵۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ
۲۲۶۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی الشافعی، متوفی 963، تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ المطبوعہ
۲۲۷۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1401ھ
۲۲۸۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی، دہلی
۲۲۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دارالباز للنشر والتوزیع 1405
۲۳۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۳۱۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق
۲۳۲۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1415ھ

۲۳۳۔ یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی، معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۳۴۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفّٰی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
۲۳۵۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی، متوفّٰی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۲۳۶۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفّٰی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ
۲۳۷۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفّٰی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دارالعلم، بیروت 1404ھ
۲۳۸۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفّٰی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ
۲۳۹۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفّٰی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۴۰۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفّٰی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۲۴۱۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفّٰی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۴۲۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفّٰی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۴۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفّٰی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۴۴۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفّٰی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دارصادر، بیروت 2003ء
۲۴۵۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفّٰی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
۲۴۶۔ علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفّٰی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
۲۴۷۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفّٰی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ 1415ھ
۲۴۸۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفّٰی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۴۹۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد، مطبوعہ: مطبوعۃ المطبع الکاثولیکہ، بیروت 1927ء
۲۵۰۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی
۲۵۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء
۲۵۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ھ
۲۵۳۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۲۵۴۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ: مطبع فیروز سنز لمیٹڈ

۲۵۵۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلا حا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
۲۵۶۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985ء، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ، لاہور 1984ء
۲۵۷۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۵۸۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۵۹۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۲۶۰۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دار صادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۶۱۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دارالقلم، بیروت
۲۶۲۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی مؤسسۃ السعودیہ، 1411ھ
۲۶۳۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ
۲۶۴۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دارالبشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
۲۶۵۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۶۶۔ امام محی السنہ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426
۲۶۷۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دارالفکر، بیروت 1415ھ
۲۶۸۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۶۹۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۷۰۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت
۲۷۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر بیروت
۲۷۲۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۳۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی،

ایران
۲۷۴۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1417ھ
۲۷۵۔ شیخ ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1419ھ
۲۷۶۔ حافظ علاؤ الدین ابو عبداللہ مغلطائی بن قلیح، متوفی 762ھ، الاشارہ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دار القلم، دمشق 1416ھ
۲۷۷۔ علامہ تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۷۸۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ء
۲۷۹۔ حافظ شہاب احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۰۔ شیخ عبدالرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
۲۸۱۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفا، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۲۸۱۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۸۳۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۸۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوت، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ
۲۸۵۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1393ھ
۲۸۶۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوھاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۲۸۷۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
۲۸۸۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۸۹۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی، ہند 1291ھ
۲۹۰۔ امام محمد بن محمد الشہیر الحاکم الشہید البلخی الحنفی المتوفی 344ھ الکافی، دار الکتب العلمیہ بیروت 1421ھ
۲۹۱۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ
۲۹۲۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ، دار المعرفہ، بیروت 1398ھ
۲۹۳۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ
۲۹۴۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۹۵۔ الامام الاکمل الفقیہہ الامجد طاہر بن عبدالرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۲۹۶۔ الوزیر عون الدین ابوالمظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۹۷۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۹۸۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ
۲۹۹۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ
۳۰۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان
۳۰۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس و المزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ
۳۰۲۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ
۳۰۳۔ علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرہ، مطبوعہ: المکتبۃ الامدادیہ 1417ھ
۳۰۴۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دارفراش للنشر والتوزیع
۳۰۵۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421
۳۰۶۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۳۰۷۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1411ھ
۳۰۸۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1411ھ
۳۰۹۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۳۱۰۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ
۳۱۱۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان
۳۱۲۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ
۳۱۳۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۱۴۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی
۳۱۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ
۳۱۶۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ
۳۱۷۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق، مصر 1310ھ
۳۱۸۔ علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ العصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات

الارواح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ ۳۱۹۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۲۰۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۲۱۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۲۲۔ علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390

۳۲۳۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۲۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مطبع علمیہ، مصر 1311ھ

۳۲۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ: دارالاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۲۶۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۲۷۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، ردالمحتار، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۲۸۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۲۹۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۳۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۳۱۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور 1427ھ

۳۳۲۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر، لاہور 1418ھ

۳۳۳۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1416

۳۳۴۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۳۵۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم، کراچی 1395ھ

۳۳۶۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹر، لاہور 1983ء

۳۳۷۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء

۳۳۸۔ مولانا محمد عبد اللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1982ء، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ

۳۳۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء

۳۴۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1407ھ

۳۴۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۴۲۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الام، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1403ھ

۳۴۳۔ علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۳۴۴۔ علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1393ھ
۳۴۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1423ھ
۳۴۶۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۳۴۷۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۴۸۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
۳۴۹۔ امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ
۳۵۰۔ قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
۳۵۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا
۳۵۲۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دارصادر، بیروت
۳۵۳۔ علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی، متوفی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
۳۵۴۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۵۵۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1425ھ
۳۵۶۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۳۵۷۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دارالجیل، بیروت 1418ھ
۳۵۸۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1424ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۳۵۹۔ علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مفلح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
۳۶۰۔ علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ
۳۶۱۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۶۲۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۶۳۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۳۶۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ مصر 1398ھ، دارالوفاء 1421ھ
۳۶۵۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی مکتبہ ثنائیہ سرگودھا

۳۶۶۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ء، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ
۳۶۷۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ء، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: ادارہ احیاء السنہ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۳۶۸۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ
۳۶۹۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۳۷۰۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت
۳۷۱۔ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق، مصر 1294ھ
۳۷۲۔ علامہ علاؤالدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ
۳۷۳۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۳۷۴۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ تحریر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ
۳۷۵۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1403ھ
۳۷۶۔ بحر العلوم عبدالعلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۳۷۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۳۷۸۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۳۷۹۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۸۰۔ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۳۸۱۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ 1400ھ
۳۸۲۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1405ھ
۳۸۳۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۳۸۴۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۳۸۵۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۳۸۶۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۳۸۷۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۳۸۸۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران
۳۸۹۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز
۳۹۰۔ شیخ عزالدین عبدالحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ایران
۳۹۱۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحارالانوار، مطبوعۃ المطبعہ الاسلامیہ، تہران 1392ھ
۳۹۲۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ
۳۹۳۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور
۳۹۴۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور
۳۹۵۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب عقائد و کلام

۳۹۶۔ علامہ محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ: ہیئۃ الاوقاف، لاہور 1405ھ
۳۹۷۔ علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی حنفی، متوفی 791ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی
۳۹۸۔ علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی حنفی، متوفی 791، شرح المقاصد، مطبوعہ: دارالمعارف النعمانیہ، لاہور 1401ھ
۳۹۹۔ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی، متوفی 816ھ، شرح مواقف، مطبوعہ: مطبع منشی لکھنو
۴۰۰۔ علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی حنفی، متوفی 870ھ، حاشیۃ الخیالی، مطبوعہ: عبدالحکیم اینڈ سنز، پشاور
۴۰۱۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، الیواقیت والجواہر، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی، مصر 1378ھ
۴۰۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی، مصر 1375ھ
۴۰۳۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی حنفی، نبراس، مطبوعہ: مکتبہ قادریہ، لاہور 1397ھ

کتب متفرقات

۴۰۴۔ ابوالمعالی عبدالملک الجوینی الشہید بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ
۴۰۵۔ امام ابوالفتح ظہیرالدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۴۰۶۔ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ 1410ھ
۴۰۷۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دارالمامون للتراث 1415ھ
۴۰۸۔ میر عبدالواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ
۴۰۹۔ ملاباقر مجلسی شیعی، متوفی 1110، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ
۴۱۰۔ شیخ محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون، لاہور
۴۱۱۔ مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۱۲۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1413ھ
۴۱۳۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی
۴۱۴۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ
۴۱۵۔ شیخ محمود حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ
۴۱۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۱۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1401ھ
۴۱۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء
۴۱۹۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ
۴۲۰۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلية ان المکروہ تنزيها ليس بمعصية، صدیقی پبلیشرز 2009ء
۴۲۱۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: مؤسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۲۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، مؤسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۲۳۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ
۴۲۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ
۴۲۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر لمیٹڈ، لاہور 1406ھ
۴۲۶۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ
۴۲۷۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر، لاہور 1406ھ
۴۲۸۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر 1415ھ
۴۲۹۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ ما بین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل، لاہور 1399ھ
۴۳۰۔ مولانا فیض احمد فیض حنفی، مہر منیر، انٹرنیشنل پرنٹر، لاہور
۴۳۱۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی
۴۳۲۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق
۴۳۳۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء، مکتبہ اسلامیہ بلال گنج، لاہور
۴۳۴۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ
۴۳۵۔ مولانا محمد عبد اللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ

۴۳۶۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 1998ء
۴۳۷۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
۴۳۸۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دواسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
۴۳۹۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء
۴۴۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور
۴۴۱۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۴۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز
۴۴۳۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان
۴۴۴۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی، متوفی 1346ھ، المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ،
۴۴۵۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دارالاشاعت، کراچی
۴۴۶۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی
۴۴۷۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ
۴۴۸۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ
۴۴۹۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفہ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء
۴۵۰۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ
۴۵۱۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء
۴۵۲۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء
۴۵۳۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات
۴۵۴۔ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالات مفتیٔ اعظم، مطبوعہ: بزم رضا، لاہور 1428ھ
۴۵۵۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوت فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ
۴۵۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیات استاذ العلماء، مطبوعہ: دارالاسلام، لاہور 1433ھ
۴۵۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ
۴۵۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
۴۵۹۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1426ھ
۴۶۰۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالات سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

۴۶۱۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقامِ ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1426ھ
۴۶۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء
۴۶۳۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال، لاہور 1425ھ
۴۶۴۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی غفرلہ، سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شرح صحیح البخاری کے نام ''**نِعم الباری**'' کی توجیہ

میں نے 18 رجنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب ''المسند الصحیح الجامع المعروف بہ صحیح البخاری'' کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010ء کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے ''**نِعم الباری**'' رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شرعی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام ''**نِعم الباری**'' رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء العاشر

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

جلد عاشر (۱۰)

الاحادیث: ۵۳۵۰ ـــــ ۵۲۷۳

کتاب الخلع، کتاب العدت

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد عاشر (۱۰)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	باراول نومبر 2012ء باردوم ستمبر 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS23

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
ziaulquranpublications@gmail.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (جلد عاشر)

افتتاحیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله ربّ العالمين، الّذی جعلنا من المسلمين، ووصفنا بخير امّة من الأمم الماضين، و انعم علينا بتنزيل القرآن الكريم و هدانا به الى الصراط المستقيم، و الصلوٰة والسّلام على اشرف الانبياء والمرسلين قائد الغرّ المحجّلين، الذى شرح الفرقان باحاديثه و بيانه القويم، و كشف عن اسراره و غوامضه لهداية الناس اجمعين، و انقذنا بحسن سيرته من الظلمات والضلال المبين، و على اله الطيبين واصحابه الطاهرين الذين قاموا باشاعة الدين المتين مع كمال الخلوص والجهد العظيم، و على ازواجه الطّاهرات امهات المؤمنين، و على جميع الائمة التابعين من المفسرين والمحدثين المخلصين الكاملين الى يوم الدّين۔

و بعد فيقول العبد الفقير الى مولاه القدير غلام رسول السعيدى دائم الاحتياج الى كرم ربه السرمدى انّى بعد الفراغ من التفسير قد شرعت فى شرح الصحيح للامام البخارى (عليه نعمة البارى) توكّلا على رحمة الله و فضله العميم۔ ولا يكون تحريره و تقريره و تكميله الّا نعمته العظمىٰ۔ فلذا سمّيته بنعمة البارى فى شرح الصحيح للبخارى۔ (تقبّله الله بلطفه و تغمدنى بغفرانه بمحض فضله)

اشهد ان لا اله الّا الله وحده لا شريك له و اشهد انّ سيّدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسى و من سيئات اعمالى۔ من يهده الله فلا مضلّ له و من يّضلله فلا هادى له۔ اللهم ارنى الحق حقاً وارزقنى اتباعه۔ اللهم ارنى الباطل باطلاً وارزقنى اجتنابه۔ اللهم اجعلنى فى تصنيف هذا الكتاب على صراط مستقيم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار و الحاسدين۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك الكريم و مقبولاً عندك وعند رسولك الرؤف الرحيم واجعله شائعاً و مستفيضاً و مفيضاً و مرغوباً فى اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ولجميع من انتسب الى من المسلمين صدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبى الكريم ﷺ فى الدنيا و شفاعته فى الاخرة واحينى على الاسلام بالسلامة و امتنى على الايمان بالكرامة۔ اللهم انت ربّى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت۔ اعوذ بك من شرّ ما صنعت ابوء لك بنعمتك علىّ وابوء لك بذنبى فاغفرلى فانه لا يغفر الذنوب الا انت۔ ربّ اوزعنى ان اشكر نعمتك التى انعمت علىّ و على والدىّ وان اعمل صالحاً ترضٰه۔ آمين يا ربّ العالمين بجاه سيد المرسلين ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگارا! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

۱۲۔ بَابُ: الْخُلْعِ وَكَيْفَ الطَّلَاقُ فِيْهِ وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (البقرۃ:۲۲۹)

خلع کا بیان اور خلع میں طلاق کس طرح ہوگی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہارے لیے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں جو تم ان کو دے چکے ہو، مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ (البقرۃ:۲۲۹)

خلع کا لغوی اور شرعی معنی اور عرب میں پہلے خلع کا ذکر

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظ الخُلع میں خاء پر پیش ہے اور لام پر جزم ہے، لغت میں اس کا معنی ہے: مال کے عوض بیوی کو چھوڑ دینا اور یہ خَلَعَ الثوب سے ماخوذ ہے، کیونکہ بیوی مرد کا معناً لباس ہے اور اس سے شوہر اور بیوی کے درمیان حسی اور معنوی تفرقہ ہو جاتا ہے۔

ابوبکر بن ورید نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ دنیا میں پہلا خلع جو ہوا تھا وہ یہ تھا کہ عامر بن ظرب نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے عامر بن الحارث بن الظرب سے کر دیا، پس جب اس کی بیوی اس کے پاس داخل ہوئی تو وہ اس سے متنفر ہوئی اور اس نے اپنے باپ سے عامر بن الحارث کی شکایت کی، سو اس کے باپ نے عامر بن الحارث سے کہا: میں تم پر تمہارے اہل اور مال کے فراق کو جمع نہیں کروں گا اور میں تم سے اس مال کے عوض جو تم نے مجھے دیا ہے خلع کرتا ہوں، ابوبکر بن ورید نے کہا کہ پس علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ پہلا خلع تھا، جو عرب میں واقع ہوا۔

اور رہا اسلام میں پہلا خلع تو اس کا ذکر عنقریب آئے گا (پس یہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کا خلع تھا)۔

(سعیدی غفرلہ)

اور اس کا نام فدیہ اور افتداء بھی رکھا گیا ہے، علماء کا خلع کی مشروعیت پر اجماع ہے مگر بکر بن عبد اللہ المزنی التابعی المشہور نے کہا ہے کہ مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑنے کے عوض کوئی رقم یا مال لے اور ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

علامہ مزنی شافعی کا خلع کے عدم جواز پر قرآن مجید سے استدلال

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لو گے O اور تم وہ مال کیسے لو گے جب کہ تم ایک

(النساء: ۲۰-۲۱) دوسرے کے ساتھ (خلوت میں) مل چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں O

جمہور علماء کا خلع کے جواز پر قرآن مجید سے استدلال اور علامہ مزنی کی دلیل کا جواب

جمہور علماء نے خلع کے جواز پر درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ: ۲۲۹) اور تمہارے لئے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم اس کو دے چکے ہو مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدلِ خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور جمہور فقہاء کا یہ دعویٰ ہے کہ البقرہ: ۲۲۹ سے النساء: ۲۰ منسوخ ہوگئی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اور دیگر محدثین نے کہا ہے کہ النساء: ۲۰، البقرہ: ۲۲۹ سے منسوخ ہو چکی ہے لیکن امام ابن ابی شیبہ کی یہ روایت شاذ ہے، تاہم درج ذیل آیات بھی النساء: ۲۰ کے خلاف ہیں:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ (النساء: ۴) اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو، پھر اگر وہ خوشی سے اس (مہر) میں سے کچھ تم کو دیں تو اس کو مزے مزے سے کھاؤ O

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ (النساء: ۱۲۸) اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خدشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح کرنا بہتر ہے۔

جمہور کا استدلال ان آیات سے بھی ہے اور خلع سے متعلق احادیث سے بھی ہے اور گویا کہ علامہ مزنی کے نزدیک یہ آیات ثابت نہیں تھیں اور جواز خلع کی احادیث ان تک نہیں پہنچی تھیں اور ان کے بعد خلع کے جواز پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ کہ النساء: ۲۰، البقرہ: ۲۲۹ سے منسوخ ہو چکی ہے اور سورۃ النساء کی مؤخر الذکر دو آیتوں سے بھی سورۃ النساء: ۲۰، کا منسوخ ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔

الخلع کا شرعی ضابطہ

الخلع کا شرعی ضابطہ یہ ہے کہ مرد عورت سے کچھ معاوضہ لے کر عورت کو چھوڑ دے اور خلع عام حالات میں مکروہ ہے اور صرف اس حالت میں جائز ہے جب شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے اور اس سے مرد اور عورت کے درمیان حُسنِ معاشرت ناپسندیدہ ہوگی یا اس وجہ سے کہ مرد کی صورت عورت کے نزدیک ناپسندیدہ ہو یا اس کے اخلاق عورت کے نزدیک ناپسندیدہ ہوں، اسی طرح اس وقت بھی الخلع میں کراہیت نہیں ہوگی جب شوہر اور بیوی دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۶، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری نے اس عنوان میں یہ لکھا ہے: اور خلع میں طلاق کس طرح واقع ہوگی؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی کیا محض شوہر کے بیوی کو اتنا کہنے سے کہ میں نے تم سے خلع کر لیا طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ یا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صراحتاً طلاق کا لفظ کہے، ''خواہ نیت کے ساتھ کہے'' اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب اس نے صرف خلع کا لفظ کہا اور تین طلاق کی نیت کی، اس مسئلہ میں امام شافعی کے کئی اقوال ہیں۔

لفظ خلع سے طلاق کے وقوع یا عدم وقوع کے متعلق امام شافعی اور جمہور فقہاء کا موقف

(۱) امام شافعی کی اکثر کتب جدیدہ میں یہ مذکور ہے کہ لفظ خلع طلاق ہے اور یہی جمہور فقہاء کا قول ہے، پس جب شوہر نے لفظ خلع کہا اور اس میں عدد کی مقدار کا کوئی ذکر نہیں کیا اور اسی طرح جب اس نے لفظاً الخلع نہیں کہا اور اس کی طلاق کی نیت تھی، اور امام شافعی نے ''الاملاء'' میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ صریح طلاق ہے اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ خلع خواہ کم مال کے عوض ہو یا زیادہ مال کے عوض ہو وہ جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خلع طلاق ہے۔

(۲) اور یہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قدیم قول ہے جس کو انہوں نے احکام القرآن میں ذکر کیا ہے اور قولِ جدید یہ ہے کہ خلع فسخِ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے جس کی امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے روایت کی ہے اور یہ قول حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے بھی ثابت ہے اور یہ قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے بھی مروی ہے اور عکرمہ سے اور طاؤس سے بھی مروی ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور میں عنقریب اس باب کی حدیث کی شرح میں ان چیزوں کا ذکر کروں گا جن سے اس قول کی تقویت ہوگی۔

علامہ اسماعیل القاضی نے اس قول پر یہ اشکال وارد کیا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ جس مرد نے عورت کے نکاح کا معاملہ اس کے ہاتھ اور اختیار میں دے دیا اور طلاق کی نیت کی اور عورت نے اپنے نفس پر طلاق واقع کر دی تو اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی، اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ محل اختلاف یہ ہے کہ جب خلع میں نہ طلاق کا لفظ بولا جائے اور نہ طلاق کی نیت ہو اور صرف لفظ خلع یا اس کا قائم مقام صراحتاً نیت طلاق کے ساتھ ہو، پس اس صورت میں خلع فسخ نکاح نہیں ہوگا جس سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق ہو اور نہ اس سے طلاق واقع ہوگی، اور فقہاء شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ جب وہ لفظ خلع سے طلاق کی نیت کرے، اور ہم نے اس پر یہ متفرع کیا ہے کہ یہ فسخ نکاح ہے اور کیا اس سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ خلع کے باب میں صریح ہے یا جو خلع کے قائم مقام الفاظ نیت کے ساتھ ہیں تو یہ خلع ایسا فسخ نکاح نہیں ہوگا جس سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق واقع ہو جائے اور طلاق واقع نہ ہو۔

جب شوہر لفظ خلع کہے اور اس سے طلاق کی نیت کرے تو آیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

فقہاء شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ جب مرد نے خلع کیا اور اس سے طلاق کی نیت کی اور ہم نے یہ تفریع کی ہے کہ یہ فسخ نکاح ہے تو آیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور امام شافعی نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ لفظ خلع کے باب میں صریح ہے اور یہ اپنے محل میں نافذ ہے، پس یہ نیت کی وجہ سے غیر خلع کی طرف راجح نہیں ہوگا اور علامہ ابو حامد نے یہ تصریح کی ہے کہ اکثر کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی اور علامہ الخوارزمی نے امام شافعی کی نص قدیم نقل کی ہے کہ یہ فسخ نکاح ہے، اس میں طلاق کا عدد کم نہیں ہوگا، سوا اس کے کہ وہ طلاق کی نیت کرے اور امام الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ جب مرد نے خلع کیا اور اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب اس نے طلاق کی تصریح نہ کی ہو اور نہ طلاق کی نیت کی ہو۔

شوہر اگر لفظ خلع سے طلاق کی نیت نہ کرے تو اس کے متعلق امام شافعی کا آخری قول

(۳) جب شوہر نے لفظ خلع سے طلاق کی نیت نہ کی ہو تو اس سے اصلاً تفریق نہیں ہوگی، امام شافعی نے ''کتاب الام'' میں اس کی تصریح کی ہے اور متاخرین شافعیہ میں سے علامہ تاج الدین السبکی الشافعی المتوفی ۷۷۱ھ نے اس کو تقویت پہنچائی اور علامہ محمد بن نصر المروزی نے ''کتاب اختلاف العلماء'' میں لکھا ہے کہ یہ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کے دو قولوں میں سے آخری قول ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ کی صحیح البخاری، کتاب الطلاق کے باب: ۱۲ کے عنوان کا پہلا جز

الخلع کا لغوی معنی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ''باب الخلع وکیف الطلاق فیه'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب الخُلع کے بیان میں ہے (خا پر پیش اور لام پر جزم) یہ لفظ خلع الثوب والنعل (اس نے کپڑا اتارا اور جوتی اتاری) سے ماخوذ ہے کیونکہ عورت مرد کے لیے لباس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ (البقرہ: ۱۸۷) وہ بیویاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

الخُلع میں لفظ خا پر پیش ہے تا کہ جسمانی خلع اور معنوی خلع میں فرق ہو، جسمانی خلع زبر کے ساتھ ہے یعنی خَلَعَ، کہا جاتا ہے: خَلَعَ ثوبه ونعله خَلعًا، یعنی اس نے اپنا کپڑا اور جوتا اتارا، اور معنوی خلع میں کہا جاتا ہے: خَلَعَ امراته خُلعاً وَخُلعَةً یعنی اس نے اپنی بیوی سے علیحدگی کر لی اور خلع کر لیا۔

الخُلع کا شرعی معنی

اصطلاح شرع میں الخلع کا معنی ہے: معاوضہ وصول کر کے مرد کا اپنی بیوی سے فراق اور علیحدہ ہونا، اسی طرح ہمارے شیخ زین الدین نے شرح ترمذی میں لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ اور اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ خلع کی تعریف ہے: مال کے عوض مرد کی اپنی بیوی سے مفارقت اور یہ تعریف عمدہ نہیں ہے، کیونکہ خلع کے معاوضہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مال ہو بلکہ مرد نے اپنی بیوی

سے قرض کے عوض خلع کیا یا قصاص کے عوض خلع کیا (یعنی مرد نے بیوی کا قرض دینا تھا تو بیوی یہ کہے کہ تم مجھ سے خلع کرلو تو میں تم کو قرض معاف کردوں گی یا بیوی نے اپنے شوہر سے قصاص لینا تھا تو بیوی یہ کہے کہ تم مجھے خلع دے دو تو میں تم سے قصاص نہیں لوں گی) تب بھی یہ خلع صحیح ہے خواہ شوہر بیوی سے کوئی چیز نہ لے، اسی لئے خلع کی تعریف میں وصول کرنے کا لفظ ہے لینے کا لفظ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے کہ خلع کی تعریف ہے: مال کے عوض زوجیت کو زائل کرنا۔

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ نے کہا ہے کہ خلع کی تعریف ہے: خلع کے لفظ کے ساتھ مال لے کر نکاح سے منفصل ہونا اور اس کی وہی شرط ہے جو طلاق کی شرط ہے اور اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس سے طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے اور یہ ایک جہت سے قسم ہے اور دوسری جہت سے معاوضہ ہے۔

خُلع پر اجماع اور بکر بن عبد اللہ کے قول کا بطلان

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خلع جائز اور مشروع ہے مگر بکر بن عبد اللہ المزنی التابعی نے کہا کہ خُلع جائز نہیں ہے، اس قول کی حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے التمہید میں روایت کی ہے، عقبہ بن ابی الصہباء نے کہا کہ میں نے بکر بن عبد اللہ سے اس مرد کے متعلق پوچھا کہ وہ اپنی بیوی سے الگ ہونا چاہتا ہے تو انہوں نے کہا: اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اس کا کوئی معاوضہ لے، میں نے پوچھا: تو آپ اس آیت کا کیا جواب دیں گے؟

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ:۲۲۹)

سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تو بکر بن عبد اللہ المزنی نے یہ جواب دیا کہ یہ آیت منسوخ ہے، میں نے پوچھا کہ اس آیت کی ناسخ کون سی آیت ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۝ وَ كَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝ (النساء:۲۰-۲۱)

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لو گے ۝ اور تم وہ مال کیونکر لو گے جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ (خلوت میں) مل چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں ۝

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ بکر بن عبد اللہ المزنی کا یہ قول اس سنت ثابتہ کے خلاف ہے جو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ متوفی ۱۲ھ اور ان کی بیوی حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا کے قصہ سے ثابت ہے، کیونکہ حضرت حبیبہ بنت سہل نے اپنے باغ کے عوض حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے خُلع کرلیا تھا اور یہ اسلام میں پہلا خلع تھا۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۳، سنن ابوداؤد: ۲۲۲۷، سنن نسائی: ۳۴۶۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۴)

اور بکر بن عبداللہ نے حجاز، عراق اور شام کے علماء کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے۔

علامہ ابوقلابہ کے اس قول کا بطلان کہ خُلع صرف بیوی کی بے حیائی کے ارتکاب کی صورت میں جائز ہے

علامہ محمد بن سیرین اور علامہ ابوقلابہ نے کہا ہے کہ خلع اس وقت جائز ہے جب بیوی کسی فاحشہ کا ارتکاب کرے یعنی زنا کا، سو وہ دونوں کہتے ہیں کہ شوہر کے لئے بیوی سے خلع اور مفارقت جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ تنہائی میں بیوی کے پاس کسی اجنبی مرد کو پائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَاللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ (الطلاق:۱)

تم اپنی بیویوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ از خود نکلیں، سوا اس صورت کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

ابوقلابہ نے کہا: جب بیوی کھلی بے حیائی یعنی زنا کا ارتکاب کرے تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ اس کو ضرر پہنچائے اور اس پر سختی کرے حتیٰ کہ وہ اس سے خلع لے لے۔

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: ابوقلابہ کی یہ دلیل لغو ہے کیونکہ شوہر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایسی بیوی کو طلاق دے دے یا اس سے لعان کرے، رہا یہ کہ وہ اس سے مال وصول کرنے کے لیے اس کو ضرر پہنچائے تا کہ وہ عورت اس سے خلع کرلے تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوعبداللہ بخاری متوفی ۲۵۶ھ کے باب مذکور کا دوسرا جز اور خلع میں کس طرح طلاق ہوگی

لفظ خلع سے طلاق کے وقوع یا عدم وقوع اور طلاق کے وقوع کی تقدیر پر اس کی صفت کے متعلق اختلاف فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ باب مذکور کے دوسرے جز کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی آیا صرف لفظ خلع سے طلاق واقع ہو جائے گی یا طلاق واقع نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ لفظوں میں طلاق کا ذکر کرے گا یا دل میں طلاق کی نیت کرے گا، اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے، سو ہمارے اصحاب احناف کا مذہب یہ ہے کہ لفظ خلع سے طلاق واقع ہو جائے گی اور مال کے عوض جو طلاق واقع ہوگی وہ طلاق بائن ہوگی اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے، اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول مروی ہے کہ حتیٰ کہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے متعدد مرتبہ خلع کیا تو ان کے درمیان نکاح فسخ ہو جائے گا اور اس کے لیے دوسرے مرد سے نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی اور یہی امام احمد کا بھی قول ہے اور امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ خُلع طلاق رجعی ہے اور ان کا دوسرا جدید قول یہ ہے اور وہی زیادہ صحیح قول ہے کہ خلع طلاق بائن ہے جس طرح ہمارے اصحاب احناف کا مذہب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ از مغیرہ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی نے کہا کہ الخلع طلاق بائن ہے اور الخلع سر کے جوڑے کو باندھنے کے دھاگہ سے کم میں بھی ہو جاتا ہے اور عورت اپنے مال کے بعض حصہ سے الخلع کر سکتی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۷۶۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۱-۱۲۳)

نیز امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ طلحہ بن مُصَرِّف سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صرف خُلع یا ایلاء کو طلاق بائن قرار دیتے تھے۔(مصنف عبدالرزاق:۱۱۷۹۷،دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہ قول مروی ہے۔

اورامام شافعی کی ''الاملاء'' میں یہ تصریح کی ہے کہ لفظ خلع صریح طلاقوں میں سے ہے۔

لفظ الخلع سے طلاق بائن کے وقوع میں اختلاف فقہاء

نیز علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے ''کتاب التوضیح'' میں لکھا ہے:

فقہاء کے لفظ خلع سے طلاق بائن کے وقوع کے متعلق دوقول ہیں:

(۱) الخلع طلاق بائن ہے، یہ قول حضرت عثمان متوفی ۳۵ھ، حضرت علی متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود متوفی ۳۲ھ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، سوا اس صورت کے کہ عورت نے تین طلاقوں کا نام لیا ہو، پھر یہ تین طلاقیں ہیں، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، الثوری، الاوزاعی، فقہاء کوفہ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی ایک یہی قول ہے۔

(۲) خلع فسخ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے سوا اس صورت کے کہ مرد طلاق کی نیت کرے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، اسحاق اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا دوسرا قول ہے (علامہ ابن ملقن شافعی کی عبارت ختم ہوئی) علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: جس حدیث سے ہمارے اصحاب احناف نے استدلال کیا ہے اس حدیث کا محدثین شافعیہ نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی امام علی بن عمر دارقطنی شافعی متوفی ۲۸۵ھ اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''الخلع کو طلاق بائن قرار دیا''۔

(سنن دارقطنی:۳۹۵۸، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

میں (سعیدی غفرلہ) کہتا ہوں: یہ روایات درج ذیل ہیں:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خلع کو طلاق بائن قرار دیا''۔(سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۶، نشر السنہ ملتان)

امام عبداللہ بن عدی الجرجانی الشافعی المتوفی ۳۶۵ھ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۵ ص ۵۴۱، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اور اس حدیث کو عباد بن کثیر الثقفی کی وجہ سے معلل قرار دیا ہے اور امام بخاری نے کہا کہ محدثین نے اس حدیث کو ترک کر دیا اور امام نسائی نے عباد بن کثیر کو متروک الحدیث قرار دیا اور شعبہ نے کہا کہ اس کی روایت سے احتراز کرو اور امام الدارقطنی نے اس کی حدیث سے سکوت کیا مگر انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی حدیث کی روایت کی ہے اور طاؤس نے اس کی روایت کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ الخلع تفریق ہے اور طلاق نہیں ہے اور امام عبدالرزاق الصنعانی متوفی ۲۱۱ھ نے المصنف:۱۱۷۹۶، ۱۱۷۹۷، میں سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الخلع کو طلاق قرار دیا اور اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے

المصنف ج ۴ ص ۱۲۱-۱۲۳ میں یہی روایت کی ہے۔

اس عنوان کے بعد امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے درج ذیل آیت کا ذکر کیا ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ:۲۲۹)

اور تمہارے لئے اس (مہریا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم اس کو دے چکے ہو مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدلِ خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں O

البقرہ:۲۲۹ کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس آیت کو ذکر کیا ہے کیونکہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ متوفی ۱۲ھ کی بیوی حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا کے قصہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، جنہوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے خلع لیا تھا اور یہ اسلام میں پہلا خلع تھا اور اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خلع میں کیا کرنا چاہیے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا۔۔ (الآیہ) یعنی تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم ان پر معیشت اور معاشرت کو تنگ اور سخت کر دو تا کہ تم ان کو جو کچھ مہر میں دے چکے ہو یا اس کا کچھ حصہ وہ تم کو واپس کر دیں۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی متوفی ۵۳۸ھ نے کہا ہے: اگر تم یہ کہو کہ اس آیت میں بیوی کے شوہر سے خطاب ہے تو پھر یہ آیت اس کے موافق نہیں ہوگی:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ (الآیہ)

سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے۔

اور اگر تم کہو کہ آیت کے اس حصہ میں ائمہ اور حکام سے خطاب ہے تو وہ لوگ بدلِ خلع کو لینے والے نہیں ہیں، پھر علامہ زمخشری نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ دونوں امر جائز ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں بیویوں کے شوہروں سے خطاب ہو اور اس آیت کے دوسرے حصہ میں ائمہ اور حکام سے خطاب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس پوری آیت میں ائمہ اور حکام سے خطاب ہو کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو جھگڑے کے وقت شوہروں سے خلع وصول کرنے اور اسے بیویوں کو ادا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، پس گویا کہ ائمہ اور حکام ہی بدل خلع وصول کرنے والے ہیں اور وہی ادا کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا: کہ جب تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے یعنی جب بیوی بدمزاج ہو اور شوہر

کی نافرمانی کرے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کریں، اس کے بعد فرمایا:

تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں: یعنی عورت کے بدل خلع دینے اور مرد کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب عورت کا کوئی عذر نہ ہو اور وہ مرد سے خُلع کا مطالبہ کرے تو وہ اس وعید میں داخل ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس عورت نے بغیر عذر کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کیا تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے''۔ (سنن ترمذی: ۱۱۸۷، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷، مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۷۱-۳۷۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس تفسیر میں حضرت ثابت بن قیس کا ذکر ہے، ان کا تذکرہ درج ذیل ہے:

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ثابت بن قیس بن شمّاس الانصاری الخزرجی الخطیب یہ کبار صحابہ میں سے ہیں اور صحیح مسلم میں ان کے متعلق بشارت ہے کہ یہ اہل جنت میں سے ہیں۔ (میں کہتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ''جہیر الصوت'' تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بھی اونچی آواز سے باتیں کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ میرے عمل ضائع ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے لئے یہ عظیم بشارت دی اور فرمایا: جاؤ اور ان سے جا کر کہو کہ تم اہل دوزخ سے نہیں ہو بلکہ تم اہل جنت سے ہو۔ (صحیح البخاری: ۴۸۴۶، صحیح مسلم: ۳۱۴، مسند احمد: ۱۲۳۹۹)۔۔۔۔ سعیدی غفرلہ)

امام بخاری نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ثابت بن قیس غزوہ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر ہوئے اور ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱ ص ۱۶۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ، تہذیب الکمال ج ۴ ص ۳۶۸، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۲، تقریب التہذیب ج ۲ ص ۱۲)

باب مذکور میں امام بخاری کی پہلی تعلیق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلطان یا حاکم کے بغیر بھی خلع دینے کی اجازت دی ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۱۸۱۰، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۳۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۰)

حاکم یا قاضی کی اجازت کے بغیر خلع کرنے کا جواز

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی سلطان اور حاکم کی اجازت کے بغیر بھی شوہر کو اپنی بیوی کو خلع دینے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دی ہے، حدیث میں ہے: امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

خیثمہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں: بشر بن مروان کے پاس ایک مرد اور عورت کے درمیان خلع کا مقدمہ لایا گیا تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی متوفی ۲۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں یونس نے خبر دی از الحسن البصری، انہوں نے کہا کہ سلطان یا حاکم کے بغیر شوہر کا بیوی کو خلع دینا جائز نہیں ہے (سنن سعید بن منصور: ۱۴۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اور حماد بن زید نے کہا از یحییٰ بن عتیق از محمد بن سیرین، انہوں نے کہا کہ وہ کہتے تھے، پس اس حدیث کی مثل ذکر کی اور امام ابو عبید نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اور درج ذیل آیات سے استدلال کیا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ: ۲۲۹)

سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ (النساء: ۳۵)

اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو۔

پس امام ابو عبید الہروی المتوفی ۲۲۴ھ نے اس خوف کی نسبت شوہر اور بیوی کے علاوہ دیگر مسلمانوں کی طرف کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر شوہر اور بیوی کو خوف ہو بلکہ یہ فرمایا ہے: اے مسلمانو! اگر تم کو یہ خوف ہو، اور مسلمانوں سے مراد ہے: حکمران یعنی سلطان اور قاضی۔

اور علامہ النحاس نے امام ابو عبید کی اس تفسیر کو رد کر دیا ہے، کیونکہ یہ تفسیر نہ قرآن کے اعراب کے موافق ہے نہ قرآن کے الفاظ و معانی کے موافق ہے، اور امام ابو جعفر طحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے بھی اس تفسیر کو مسترد کر دیا ہے کیونکہ یہ تفسیر شاذ ہے اور علماء کے جم غفیر کے مخالف ہے، اور عقلی طور پر بھی اس تفسیر کو مسترد کر دیا ہے، کیونکہ حاکم کے بغیر طلاق دینا جائز ہے، سو اسی طرح حاکم کی اجازت کے بغیر خلع کرنا جائز ہے۔

پھر امام ابو عبید متوفی ۲۲۴ھ کا مذہب اس پر مبنی ہے کہ خلع کے تحقق میں خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاف اور جھگڑا ضروری ہے، اور جمہور کا قول اس کے خلاف ہے، اور جمہور فقہاء نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہ آیت اکثر اور غالب واقعات پر مبنی ہے کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان جھگڑا ہو تو وہ اس مقدمہ کو حاکم کے پاس لے جاتے ہیں اور حسن بصری نے جو کہا ہے کہ سلطان یا قاضی کی اجازت کے بغیر خلع کرنا جائز نہیں ہے تو قتادہ نے حسن بصری کے اس قول کو رد کیا ہے اور امام سعید بن ابو عروبہ نے کتاب النکاح میں از قتادہ از حسن بصری اس روایت کا ذکر کیا ہے، پس کہا ہے: قتادہ نے کہا کہ حسن بصری نے اس کی روایت صرف زیاد سے کی ہے، یعنی جب زیاد بن ابو سفیان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متوفی ۶۰ھ کی طرف سے عراق کے گورنر مقرر تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ زیاد بن ابو سفیان اس لائق نہیں تھا کہ اس کی اقتداء کی جاتی۔ (فتح الباری ج ۶

ص ۴۶۸، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حاکم کی اجازت کے بغیر خلع کرنے کے جواز پر متعدد احادیث سے استدلال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ باب مذکور کی اس پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سلطان یا حاکم کے سامنے حاضر ہونے کے بغیر بھی خلع کرنے کو جائز قرار دیا ہے، امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے از وکیع از شعبہ از الحکم از خیثمہ روایت کی ہے کہ بشر بن مروان کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کے خلع کا مقدمہ لایا گیا تو انہوں نے اس کی اجازت نہیں دی تو بشر بن مروان سے عبداللہ بن شہاب نے کہا کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے پاس حاضر تھا، ان کے پاس ایک مرد اور اس کی بیوی کے خلع کا مقدمہ لایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۰)

نیز امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کی از ابن سیرین، از الشعبی، از محمد بن شہاب اور از یحییٰ بن سعید بھی روایت کی ہے اور الحسن البصری نے کہا ہے کہ سلطان کی اجازت کے بغیر خلع نہیں ہوتا، اس حدیث کی امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے از ہشیم از یونس روایت کی ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۱۴، دارالکتب العلمیہ بیروت)، (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۷۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی دوسری تعلیق

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر بیوی اپنے تمام مال کو بدلِ خلع کر دے اور صرف بالوں کا جوڑا باندھنے کا دھاگا رہنے دے تب بھی خلع کرنا صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۱۵ نشر السنہ ملتان)

ایک دھاگہ کے عوض خلع کرنے کا جواز

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں "العقاص" کا لفظ ہے، یہ لفظ "العقیصہ" کی جمع ہے اور یہ اس دھاگہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سر کے بالوں کا جوڑا بنا کر باندھا جاتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکور الصدر "اثر" "امالی ابی القاسم بن بشران" میں سندِ موصول کے ساتھ از شریک از عبداللہ بن محمد بن عقیل از الرُّبیّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں میں نے اپنے سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ کے عوض اپنے شوہر کے ساتھ خلع کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو جائز قرار دیا۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۵)

اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے از روح بن القاسم از ابن عقیل ایک طویل روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ میں نے اپنے شوہر کو اپنا تمام مال دے دیا سوائے اپنے سر کے بالوں کے جوڑے یا گچھے کے دھاگہ کے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں لفظ دون کا معنیٰ "کم" نہیں ہے بلکہ "سوائے" ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۸)

اور امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی متوفی ۲۲۷ھ از ہشام از مغیرہ از ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ سے کم مالیت کی چیز کے عوض بھی خلع کرنا جائز ہے اور از سفیان از ابن ابی نجیح از مجاہد روایت کی ہے کہ شوہر خلع

کرنے والی عورت سے اس کے سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ کے سوا بدل خلع میں اس کا تمام مال واپس لے سکتا ہے۔اور ازقبیصہ بن ذویب روایت کی ہے کہ جب شوہر بیوی سے خلع کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس نے بیوی کو جتنا مال دیا ہے اس سے زیادہ بدلِ خلع میں لے لے، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ (البقرہ:۲۲۹) سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو عورت نے جو بدلِ خلع لیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۸، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے بدلِ خلع کے متعلق متضاد اور متعارض روایات نقل کی ہیں، سنن بیہقی: ج ۷ ص ۳۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر بدلِ خلع میں سر کے جوڑے کو باندھنے کے دھاگہ سے زیادہ مال نہیں لے سکتا اور اس کے بعد جو روایات نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر نے بیوی کو مہر میں جتنا مال دیا ہے بدلِ خلع میں وہ سارا مال بیوی سے واپس لے سکتا ہے۔

بدلِ خلع میں سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ سے کم لینے کے متعلق روایات

(۱) ازہشیم ازمغیرہ ازابراہیم روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ کہا جاتا تھا کہ سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ سے کم میں بھی خلع لیا جا سکتا ہے۔(سنن سعید بن منصور: ۱۴۲۴)

(۲) اور امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ از الثوری ازمغیرہ روایت کرتے ہیں کہ عورت اپنا بعض مال بدلِ خلع کے طور پر دیتی تھی۔(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۱۶، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

(۳) امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے ازسفیان از ابن ابی نجیح ازمجاہد روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ شوہر خلع کرنے والی عورت سے اس کا سارا مال لے سکتا ہے حتیٰ کہ اس کے سر کے بالوں کے جوڑے کو باندھنے کا دھاگہ بھی۔(سنن سعید بن منصور: ۱۴۲۵)

امام عبدالرزاق بن ہمام نے اس اثر کی از ابن عیینہ از ابن ابی نجیح روایت کی ہے۔(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۱)

بدل خلع میں بیوی کو دیئے ہوئے مال سے زیادہ مال لینے کے متعلق روایات

(۴) امام سعید بن منصور نے ازہشیم ازیونس ازحسن بصری روایت کی ہے، وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ مرد بدلِ خلع میں بیوی سے اس سے زیادہ مال لے لے جو اس نے بیوی کو دیا ہے۔(سنن سعید بن منصور: ۱۴۲۶)

(۵) امام سعید بن منصور نے ازہشیم ازحمید الطویل از جابر بن حیوۃ ازقبیصہ بن ذویب روایت کی ہے، وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ شوہر بدلِ خلع میں بیوی سے اس سے زیادہ مال لے لے جتنا اس نے بیوی کو عطا کیا ہے اور وہ اس آیت کی تلاوت کرتے تھے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ (البقرہ:۲۹۹) سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدلِ خلع لیا ہے اس میں کوئی

حرج نہیں ہے۔

(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۳۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز میں کہتا ہوں: امام سعید بن منصور الخراسانی المتوفی ۲۲۷ھ نے ان آثار کے مخالف آثار کی بھی روایات کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

بدلِ خلع میں شوہر کے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لینے اور زیادہ نہ لینے کے متعلق روایات

(۱) امام سعید بن منصور از سفیان از ابن ابی نجیح از عطاء روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شوہر خلع کرنے والی عورت سے اس سے زیادہ مال نہ لے جتنا اس نے اپنی بیوی کو عطا کیا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۲۸)

شیخ علی بن احمد بن حزم الاندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے اس اثر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا ساقط الاعتبار ہے۔ (المحلیٰ ج ۱۰ ص ۲۴۱)

(۲) امام سعید بن منصور از سفیان از ایک مرد از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ المختلعہ (خلع لینے والی عورت) سے بدلِ خلع میں اس سے زیادہ نہ لے جتنا اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۲۹)

شیخ ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے اس اثر کی از وکیع از امام ابوحنیفہ از عمار بن عمران از والدِ خود روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ شوہر بیوی سے بدل خلع میں اس سے زیادہ لے جتنا اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ (المحلیٰ ج ۱۰ ص ۲۴۰)

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ھ کا یہی مذہب ہے کیونکہ فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری) میں غایۃ البیان سے منقول ہے کہ اگر بیوی نے نافرمانی کی ہو تو ہمارے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ شوہر بیوی سے بدلِ خلع میں اس سے زیادہ لے جتنا وہ مہر میں بیوی کو ادا کر چکا ہے، لیکن اس کے باوجود اگر قاضی مہر کی رقم سے زیادہ بدلِ خلع میں لینے کا فیصلہ کر دے تو پھر یہ جائز ہے۔

(حاشیہ سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۳) امام سعید بن منصور خراسانی از ہشیم از یحییٰ بن سعید از عمرہ بنت عبد الرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ متوفی ۱۲ھ کے نکاح میں تھیں، ان کو حضرت ثابت بن قیس کے اخلاق پسند نہیں تھے، سو وہ منہ اندھیرے صبح کے وقت آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھ گئیں، انہوں نے کہا کہ میں ثابت بن قیس کے ساتھ نہیں رہوں گی، آپ نے حضرت ثابت بن قیس کی مدح وثنا کی تو ان کی بیوی حبیبہ بنت سہل نے کہا ٹھیک ہے وہ ایسے ہی ہیں، لیکن میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اتنے میں حضرت ثابت بن قیس بھی آ گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی سے فرمایا: یہ تمہارا باغ لے لے گا، ان کی بیوی نے کہا: لے لے، اور وہ باغ حضرت ثابت بن قیس نے اپنی بیوی کو ان کے مہر میں دیا تھا، سو انہوں نے اپنا باغ واپس لے لیا اور ان کی بیوی حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۱)

(یہ حدیث سنن ابوداؤد: ۲۲۲۷، سنن نسائی: ۳۴۶۲، میں بھی مذکور ہے، نیز امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اس روایت کو تین سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۴، نشر السنہ ملتان)

(۴) امام سعید بن منصور خراسانی از سفیان از یحییٰ بن سعید از عمرہ بنت عبد الرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا جو

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے ساتھ نہیں رہوں گی اور انہوں نے حضرت ثابت کی کچھ شکایات کیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت سے فرمایا: تم اس سے اپنا باغ لے لو تو حضرت ثابت نے اپنی بیوی کو مہر میں دیا ہوا باغ ان سے واپس لے لیا اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۱)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اس حدیث کی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۷ ص ۳۱۳ نشر السنہ ملتان)

(۵) امام سعید بن منصور خراسانی از ہشیم از ایوب بن ابی مسکین از الحکم بن عتیبہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی جس نے اپنے خاوند کی نافرمانی کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو نصیحت کی اور اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے، اس عورت نے کہا: اگر آپ نے مجھے اس کی طرف لوٹا دیا تو میں خودکشی کرلوں گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو جانوروں کے اصطبل میں قید کردو، وہ عورت تین دن اس اصطبل میں رہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلوایا اور پوچھا کہ جس جگہ میں تم رہی تھیں، اس کو تم نے کیسا پایا؟ اس عورت نے کہا: میں نے جو دن اس اصطبل میں گزارے ان دنوں میں، میں نے اپنے خاوند کے پاس گزارے ہوئے ایام کی بہ نسبت زیادہ راحت پائی، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خاوند سے فرمایا: تم اس عورت کو خلع دے دو اور اس کے سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ کے سوا سب کچھ لے لو، چونکہ اس جوڑے کے دھاگہ میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۲، نیز اس روایت کو امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔ سنن بیہقی: ج ۷ ص ۳۱۵ نشر السنہ ملتان)

(۶) امام سعید بن منصور خراسانی از ہشیم از جویبر از الضحاک روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگی کہ میرے اور میرے خاوند کے درمیان تفریق کر دیجئے، حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے تم کو اپنا مال دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے تم کو حلال کیا ہے، اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! آپ ضرور میرے اور اس کے درمیان تفریق کردیں ورنہ میں اس کو قتل کردوں گی، حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا سے ڈر، اس عورت نے کہا: میں خدا سے ڈرتی ہوں، مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا سے ڈر، اس عورت نے کہا: میں خدا سے ڈرتی ہوں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے خاوند سے فرمایا: اس عورت کو خلع دے دو اور اس کے سر کے بالوں کے جوڑے کے باندھنے کے دھاگہ کے سوا اس کا سارا مال لے لو، کیونکہ اس دھاگہ میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے، جویبر نے کہا: میں نے الضحاک سے پوچھا: کیا خاوند اس عورت سے اس سے زیادہ لے سکتا ہے، جتنا اس نے اس عورت کو مہر میں دیا تھا؟ ضحاک نے کہا: ہاں! خواہ اس کے خاوند نے اس کو ایک لاکھ درہم دیے ہوں، کیونکہ اس عورت نے خود اپنے نفس کو خریدا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۳)

امام سعید بن منصور خراسانی از سعید از ہشیم از اسماعیل بن سالم از الشعبی روایت کرتے ہیں کہ شعبی اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ خاوند بیوی سے بدلِ خلع میں اس سے زیادہ لے جو اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۴)

امام سعید بن منصور خراسانی از سعید از عبد الملک از عطاء روایت کرتے ہیں کہ عطاء اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ خاوند بیوی سے بدلِ خلع میں اس سے زیادہ مال لے جو اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۵)

امام سعید بن منصور اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ الشعبی یہ کہتے تھے کہ جب خاوند کی طرف سے مخالفت ہو اور وہ بیوی سے بدلِ خلع میں کوئی چیز لے تو یہ مردار خون اور خنزیر کے گوشت کی مثل ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۷) امام سعید بن منصور از یونس بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری نے کہا کہ جب بیوی خاوند کی نافرمانی کرے تو خاوند اس کو نصیحت کرے، اگر بیوی خاوند کی بات مان لے تو فبہا اور اگر نہ مانے تو بستر میں اس کے ساتھ نہ سوئے، پھر اگر وہ رجوع کرلے تو فبہا اور اگر رجوع نہ کرے تو اس کو اس طرح مارے کہ مار کے نشان ظاہر نہ ہوں اور اگر وہ رجوع کرلے تو فبہا ورنہ اس کے لیے جائز ہے کہ بیوی سے اپنا دیا ہوا سامان واپس لے لے اور اس کا راستہ چھوڑ دے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۴۲) (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ کی طویل روایت

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے امام بیہقی کی از روح از عبد اللہ محمد بن عقیل ایک روایت کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ پوری روایت نقل نہیں کی اور اس کا صرف آخری جملہ نقل کیا ہے، ہم سنن بیہقی سے یہ پوری روایت ذکر کر رہے ہیں:

امام بخاری از روح از عبد اللہ بن محمد بن عقیل از حضرت الربیع بنت معوذ بن عفراء روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے اپنے عم زاد سے نکاح کیا، اس نے میرے ساتھ بدسلوکی کی اور میں نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی، اس نے مجھ سے الگ ہونے کا ارادہ کیا اور میں نے بھی اس سے الگ ہونے کا ارادہ کیا اور میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش کیا کہ میں نے اس پر ظلم کی نسبت کی ہے اور اس نے میری طرف ظلم کی نسبت کی ہے اور اس نے میری طرف زیادتی کی نسبت کی ہے اور میں نے بھی اس کی طرف زیادتی کی نسبت کی ہے اور میں اس سے الگ ہونے پر اپنے تمام مال کو فدیہ میں دیتی ہوں، اس نے کہا: میں نے اس مال کو قبول کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مرد سے فرمایا: اس سے وہ مال لے لو، حضرت الربیع بنت معوذ نے کہا: پس میں گئی اور اس کو اپنا تمام متاع دے دیا، سوا اپنے کپڑوں کے اور اپنے بستر کے اور میرے عم زاد نے مجھ سے کہا کہ میں راضی نہیں ہوں، اور اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، پس جب ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو میرے عم زاد نے کہا: اے امیر المومنین! شرط کو پورا کرنا ضروری ہے، حضرت عثمان نے کہا: کیوں نہیں، سو تم اس کا کل متاع لے لو حتیٰ کہ اس کے سر کے بالوں کے جوڑے کو باندھنے کا دھاگہ بھی لے لو، حضرت الربیع بنت معوذ نے بیان کیا: پس میں گئی اور میں نے اپنے عم زاد کو ہر چیز دے دی حتیٰ کہ میں نے اس کو اپنے دروازے سے دور کر دیا۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۵، نشر السنہ ملتان)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکور الصدر شرح کا تتمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر دوسرے الفاظ کے ساتھ پایا جس کی امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے حضرت الربیع بنت معوذ کے تذکرہ میں طبقات النساء میں روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا از یحییٰ بن عباد از فلیح بن سلیمان از عبد اللہ بن محمد بن عقیل از حضرت الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میرے اور میرے عم زاد کے درمیان کچھ جھگڑا تھا اور وہ ان کے خاوند تھے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے خاوند سے کہا: تم میرا مال لے لو اور مجھ کو چھوڑ دو، میرے خاوند نے کہا کہ میں نے ایسا کر لیا، سو اللہ کی قسم! اس نے ہر چیز لے لی حتیٰ کہ میرا بستر بھی لے لیا، پھر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور وہ اس وقت اپنے مکان میں

محصور تھے، حضرت عثمان نے فرمایا: شرط کو پورا کرنا زیادہ ضروری ہے، اور میرے خاوند سے فرمایا: تم اس کی ہر چیز لے لو حتیٰ کہ اس کے سر کے بالوں کے جوڑا باندھنے کا دھاگہ بھی لے لو۔

(میں کہتا ہوں: امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے اس روایت کو الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۴۷-۴۴۸، دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ میں ذکر کیا ہے، اور الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۳۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، میں بھی مذکور ہے، نیز یہ روایت اسد الغابہ: ۶۹۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، میں بھی مذکور ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن بطال متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ بدلِ خلع میں بیوی سے اس سے زیادہ مال لے لے، جتنا مال اس نے بیوی کو دیا تھا اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ میں نے کسی ایسے فقیہ کو نہیں دیکھا جس کی اقتداء کی جاتی ہو اور وہ اس سے منع کرتا ہو لیکن بدل خلع میں بیوی سے اس سے زیادہ مال لینا جتنا بیوی کو دیا ہے، یہ مکارم اخلاق میں سے نہیں ہے اور عنقریب ان فقہاء کے دلائل کا ذکر آئے گا جو کہتے ہیں کہ اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

بدلِ خلع کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ کا فیصلہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عورت کے سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ سے کم مالیت میں بھی خلع کرنے کی اجازت دی ہے، ''العقاص''، ''العقصه'' یا ''انعقیصه'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: سر کے بالوں کی مینڈھی، دوسرا قول یہ ہے کہ ''العقیصه'' اس دھاگہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مینڈھیوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔

علامہ ابن اثیر الجزری التوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے کہ پہلا معنی راجح ہے۔

''عقیصة'' کے معنی کی تحقیق اور ''العقیصه'' سے متعلق احادیث

میں کہتا ہوں: علامہ المبارک بن محمد الجزری التوفی ۶۰۶ھ ''العقیصه'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''العقیصه'' بالوں کی مینڈھیوں کے جوڑے کو کہتے ہیں، ''اَلعَقْص'' کا معنی ہے: لپیٹنا اور بالوں کے سروں کو ان کی جڑوں میں داخل کرنا اور اس لفظ کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) حضرت ضمام کی حدیث میں ہے: اگر دو عقیصوں والوں نے سچ کہا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۰)

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: جس نے اپنے بالوں کو گوند سے چپکایا یا عقیصہ (بالوں کا جوڑا) بنایا تو اس پر سر کو مونڈنا لازم ہے۔ (الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۸۷۰، دار الفکر بیروت)، یعنی حج کے دوران جس نے سر کے بالوں کو گوند سے چپکایا یا سر کے بالوں کا جوڑا بنایا تو اس پر سر کا مونڈنا لازم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حاجی کے حال کے مناسب یہ ہے کہ اس کے سر کے بال بکھرے رہیں، پس جب وہ اپنے بالوں کی حفاظت کا ارادہ کرے گا اور ان کو گوند سے چپکائے گا تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ سر کے بالوں کو مونڈائے۔

(۳) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی حدیث میں ہے کہ اس عورت نے اپنے عقاص سے مکتوب نکالا، یعنی اپنی مینڈھیوں سے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۰۷، صحیح مسلم: ۲۴۰۱، مسند احمد: ۶۰۰) عقاص کا لفظ عقیصہ یا عقصہ کی جمع ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ عقیصہ وہ

دھاگا ہے جس سے مینڈھیوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے اور پہلا معنی یعنی مینڈھیاں راجح ہے۔

(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ج ۳ ص ۲۴۹-۲۵۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

صاحب التلویح یعنی امام الحافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ نے لکھا ہے:

یہ عبارت یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ''عورت کے سر کے بالوں کے جوڑے کو باندھنے کے دھاگہ سے کم مالیت میں خلع کرنے کی اجازت دی'' میں نے یہ روایت صرف حضرت امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی دیکھی ہے۔ حدیث میں ہے:

ابوبکر، عفان سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مطر نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت عبداللہ بن رباح، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس عورت سے عقاص کم میں خلع کرلو اور دوسری روایت میں مذکور ہے کہ اس عورت سے خلع کرلو خواہ اس کے کانوں کی بالی کے عوض خلع کرو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حتیٰ کہ اس کے عقاص کے عوض خلع کرلو یعنی سر کے بالوں کے جوڑے کو باندھنے کے دھاگہ کے عوض اس سے خلع کرلو۔

اور صاحب التلویح یعنی علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے کہا:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکور الصدر اثر مجھے مستحضر نہیں ہے، ہاں! امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اس اثر کی از عفان روایت کی ہے جس طرح صاحب التلویح یعنی علامہ علاؤ الدین مغلطائی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ نے کہا ہے۔

(میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان دونوں کے استاذ علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ ہیں اور علامہ ابن ملقن شافعی کے استاذ علامہ علاء الدین مغلطائی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس تعلیق کی شرح میں لکھا ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکور الصدر اثر ''امالی ابی القاسم بن بشران'' میں سند موصول کے ساتھ از شریک از عبداللہ بن محمد بن عقیل از الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں، میں نے اپنے سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ کے عوض اپنے شوہر کے ساتھ خلع کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو جائز قرار دیا۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۵)

اور امام ابوبکر محمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے از روح بن القاسم از ابن عقیل ایک طویل روایت کی ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے شوہر کو اپنا تمام مال دے دیا، سوائے اپنے سر کے بالوں کے جوڑے یا گچھے کے دھاگہ کے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں لفظ ''دون'' کا معنی ''کم'' نہیں بلکہ ''سوائے'' ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی مذکور الصدر عبارت پر علامہ عینی حنفی کا اعتراض

علامہ عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ قول جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مرد بدل خلع میں اپنی بیوی کے سر کے بالوں کا عقاص لے لے، اور یہ وہ دھاگہ ہے جس سے مینڈھوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

اور علامہ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بیوی کی ملکیت کے تمام مال کو لے لے،

خواہ وہ مال قلیل ہو یا کثیر ہو اور عورت کے لئے سوائے اس کے بالوں کے عقاص کے اور کوئی چیز نہ چھوڑے، مجاہد اور ابراہیم کا بھی یہی قول ہے، اور علامہ ابن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ کا بھی یہی قول ہے، اور اسی کی مثل حضرت ابن عمر اور حضرت عثمان بن عفان، ضحاک اور عکرمہ کا قول ہے اور یہی امام شافعی اور داؤد ظاہری کا مذہب ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الحکم بن عتبہ نے بیان کیا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مرد بیوی سے بدل خلع میں اس سے زیادہ نہ لے جتنا مرد نے اس کو عطا کیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۸۸، مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۸۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ علی بن احمد اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں اللیث ہے، اور اس کی وجہ سے یہ منقطع ہے، اس حدیث کا ذکر امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے از عطاء، طاؤس، عکرمہ، الحسن البصری، محمد بن شہاب الزہری، عمرو بن شعیب، الحکم، حماد اور قبیصہ بن ذوئیب نے کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا علامہ عینی حنفی کے اس اعتراض سے لاجواب ہونا

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ عینی حنفی کے اس اعتراض کا اپنی کتاب انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۰۶، میں ذکر کیا ہے لیکن اس کا کوئی جواب نہیں لکھا۔

بدل خلع میں بیوی سے معاوضہ لینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ تعلیق مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ امام مالک، اللیث، امام شافعی اور ابوثور کا مذہب ہے اور امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کا بھی یہی مختار ہے اور امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ اگر بیوی کو ضرر پہنچانا خاوند کی طرف سے ہو تو خاوند کے لئے بدل خلع میں بیوی سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے، اور اگر اس نے لے لیا تو قاضی کے فیصلہ سے یہ جائز ہوگا۔

علامہ علاؤالدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ صاحب التلویح نے لکھا ہے:

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۰ھ نے فرمایا: اگر خاوند نے بدل خلع میں اس سے زیادہ لیا جتنا اس نے بیوی کو دیا تھا تو وہ اس زیادہ رقم کا صدقہ کرے، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام ابوعبید اور اسحاق نے کہا: خاوند کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بدل خلع میں اپنی دی ہوئی رقم سے زیادہ وصول کرے اور میمون بن مہران نے کہا: اگر اس نے اپنی دی ہوئی رقم سے زیادہ وصول کی ہے تو اس نے اپنی بیوی کو حسن سلوک کے ساتھ رخصت نہیں کیا اور "تسریح باحسان" پر عمل نہیں کیا اور عبدالملک الجزری نے کہا ہے کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنی ہر دی ہوئی چیز کو بدل خلع میں بیوی سے واپس لے لے حتیٰ کہ بیوی کے لئے صرف اتنی مقدار چھوڑے جس سے وہ بہ مشکل گزارا کر سکے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۲-۳۰۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ کی تیسری تعلیق

اور طاؤس نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ:۲۲۹)

سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

زوجین میں سے ہر ایک کے دوسرے کے اوپر جو معاشرت اور رہن سہن میں حقوق ہیں، ان کے متعلق جو احکام فرض ہیں، ان کے بیان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور جاہلوں کا یہ قول نقل نہیں کیا جو کہتے ہیں کہ یہ عورت مجھ پر حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ یہ کہے: ''میں تیرے لئے غسل جنابت نہیں کروں گی''۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۱۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۶)

جب شوہر اور بیوی دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض ادا نہیں کر سکیں گے تو ان کے خلع کرنے کا جواز

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق کی اختصار سے روایت کی ہے، اس حدیث کی امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے ابن جُریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابن طاؤس نے خبر دی اور میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد بدلِ خلع کے متعلق کیا کہتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ وہی کہتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ:۲۲۹)

سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور وہ جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہتے تھے کہ بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہو گی حتیٰ کہ بیوی یہ کہے کہ میں تمہارے لئے غسل جنابت نہیں کروں گی لیکن وہ یہ کہتے تھے کہ اگر وہ دونوں میاں بیوی کو یہ خطرہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے معاشرت میں ان میں سے ہر ایک کے اوپر جو دوسرے کے حقوق فرض کئے ہیں، وہ ان حقوق کو ادا نہیں کر سکیں گے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۱۷، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام بخاری کے ظاہر کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ ''طاؤس نے یہ نہیں کہا'' امام بخاری نے یہ کلام ابن جریج سے نقل کیا ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ یہ چیز ابن جُریج پر منکشف ہوئی ہو۔

امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ نے از ھشیم از اسماعیل بن ابی خالد از الشعبی روایت کی ہے کہ ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ میں تمہاری اطاعت نہیں کروں گی اور نہ تمہاری قسم کو پورا کروں گی اور نہ میں تمہارے لئے غسل جنابت کروں گی، الشعبی نے کہا: جب عورت اس کو ناپسند کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ خاوند سے معاوضہ لے اور خاوند کو چاہیے کہ وہ اس عورت کو خود سے علیحدہ کر لے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)، (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۸-۴۶۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مطالبۂ خلع کی مذمت میں احادیث

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر النیشاپوری اپنی سند کے ساتھ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے خاوند سے بغیر خطرۂ ضرر کے طلاق کا سوال کیا تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

(سنن ابو داؤد: ۲۲۲۱، سنن ترمذی: ۱۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۵، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷، ۲۸۳، صحیح ابن حبان: ۴۱۸۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۶، الاوسط: ۷۷۸۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلع کرنے والی عورتیں اور نکاح کو فسخ کرانے والی عورتیں منافقات ہیں۔ (سنن نسائی: ۵۶۵۵، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۴، الاوسط: ۷۷۸۸)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۳۱۵، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۵۲۷۳۔ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ جَمِيلٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ لَا يُتَابَعُ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

(سنن نسائی: ۳۴۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۳، الاوسط: ۷۷۲۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ازہر بن جمیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب ثقفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں، سو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے اخلاق اور ان کی دین داری کے متعلق کوئی عیب نہیں لگاتی، لیکن میں اسلام کے بعد کفر میں داخل ہونے کو ناپسند کرتی ہوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم ان کے دیئے ہوئے باغ کو واپس کر دو گی؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ثابت بن قیس سے) فرمایا: ''تم اس باغ کو قبول کر لو اور اس کو ایک طلاق دے دو''۔ امام ابو عبد اللہ البخاری نے کہا اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کوئی متابع نہیں ہے۔

۵۲۷۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ أُخْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ بِهٰذَا وَقَالَ تَرُدِّينَ حَدِيقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ فَرَدَّتْهَا وَأَمَرَهُ يُطَلِّقْهَا وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَطَلِّقْهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق الواسطی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از خالد الحذاء از عکرمہ کہ عبد اللہ بن اُبی کی بہن نے اس حدیث کی روایت کی، اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا تم اس کے دیئے ہوئے باغ کو واپس کرو گی''؟، (حضرت ثابت بن

قیس کی بیوی نے کہا: جی ہاں!) پس ان کی بیوی نے حضرت ثابت کو وہ باغ واپس کر دیا اور آپ نے حضرت ثابت کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں اور ابراہیم بن طہمان نے کہا از خالد از عکرمہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم: اور اسے طلاق دے دو۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۲۷۳، کی تخریج ہے۔

۵۲۷۵۔ وَعَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةُ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي لَا أَعْتِبُ عَلَى ثَابِتٍ فِي دِينٍ وَلَا خُلُقٍ وَلَكِنِّي لَا أُطِيقُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور از ایوب بن ابی تمیمہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، سو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کی دین داری اور ان کے اخلاق پر کوئی تہمت نہیں لگاتی لیکن میں اس کے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا تم ان کے دیئے ہوئے باغ کو واپس کر دو گی''؟ انہوں نے کہا: جی ہاں!

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۲۷۳ کی تخریج ہے۔

۵۲۷۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ الْمُخَرِّمِيُّ حَدَّثَنَا قُرَادٌ أَبُو نُوحٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةُ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَنْقِمُ عَلَى ثَابِتٍ فِي دِينٍ وَلَا خُلُقٍ إِلَّا أَنِّي أَخَافُ الْكُفْرَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ فَقَالَتْ نَعَمْ فَرَدَّتْ عَلَيْهِ وَأَمَرَهُ فَفَارَقَهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد اللہ بن المبارک المخرمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قراد ابو نوح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے حدیث بیان کی، از ایوب از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، سو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ثابت کی دین داری اور اس کے اخلاق پر کوئی تہمت نہیں لگاتی مگر میں کفر سے ڈرتی ہوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا تم اس کے دیئے ہوئے باغ کو واپس کر دو گی''؟ انہوں نے کہا: جی ہاں!، پھر انہوں نے حضرت ثابت کا دیا ہوا باغ واپس کر دیا، اور آپ نے حضرت ثابت کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں، سو انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۲۷۳ کی تخریج ہے۔

۵۲۷۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ جَمِيلَةَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، از ایوب از عکرمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا (نے خلع کو طلب کیا تھا) پس عکرمہ نے پوری حدیث بیان کی۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۲۷۳ کی تخریج ہے۔

بدلِ خُلع میں بیوی سے مال لینے کی ممانعت کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن منذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام اہل علم نے خاوند کو بدلِ خلع میں بیوی کے مال میں سے کوئی چیز لینے سے منع کیا ہے، سوا اس صورت کے کہ بیوی کی طرف سے کوئی نافرمانی ہو۔ درج ذیل کُتب احادیث میں بھی اس کی مثل مذکور ہے:

(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۷۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۴۸۰، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ، المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۲۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، مجاہد، شعبی، النخعی، ابن سیرین، القاسم بن محمد، عمرو بن دینار، عمرو بن شعیب، عروہ بن الزبیر، الزہری، حمید بن عبد الرحمٰن، قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے، اور سفیان الثوری کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (المدونۃ ج ۲ ص ۲۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت) اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ (مسائل احمد واسحاق: ۱۳۴۷) اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ ابن منذر کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو رد کرنا کہ بدل خلع میں شوہر کا بیوی سے مال لینا جائز ہے

امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ:

جب ظلم اور نافرمانی شوہر کی جانب سے ہو پھر بیوی شوہر سے خلع کا مطالبہ کرے تو یہ جائز ہے اور خلع نافذ ہوگا اور اس کا شوہر گناہ گار ہوگا اور شوہر نے جو کچھ کیا ہے وہ جائز نہیں ہے اور شوہر نے بدل خلع میں جو کچھ لیا ہے اس کے واپس کرنے پر اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (المبسوط ج ۶ ص ۲۰۰)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول کتاب اللہ کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت احادیث کے بھی خلاف ہے اور تمام اہل علم کے اجماع کے بھی خلاف ہے، قرآن مجید میں تصریح ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا (البقرہ: ۲۲۹)

اور تمہارے لئے (اس مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم ان کو دے چکے ہو۔

پس اللہ تعالیٰ نے خاوند پر اس چیز کو حرام فرما دیا ہے کہ اس نے بیوی کو جو کچھ دیا تھا اس میں سے کچھ بھی واپس لے اور کسی کہنے والے نے یہ کہا کہ جب شوہر کے لئے یہ جائز ہے کہ بیوی اس کو اپنی خوشی سے جو مال دے بغیر طلاق کے معاوضہ کے تو وہ اس کو لے سکتا ہے تو پھر اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ بیوی اس کو طلاق کے معاوضہ کے طور پر جو مال دے وہ اس کو بھی لے سکتا ہے، سو یہ اس قائل کی بہت بڑی غلطی ہے اور اس استدلال میں بہت شدید غفلت ہے کیونکہ اس نے ابواب معاوضات کو ان ابواب عطایا اور ہدایا پر قیاس کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مباح فرما دیا ہے، اور یہ قائل اس سے حیاء نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے سود اور زنا وغیرہ کو جو اپنی کتاب میں حرام فرمایا ہے وہ ان کو بھی عطایا اور ہدایا پر قیاس کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے مباح فرما دیا ہے، سو وہ یہ کہے کہ جب بغیر معاوضہ کے مال کو عطا کرنا اور ہبہ کرنا جائز ہے تو پھر سود کو بھی بہ طور معاوضہ کے لینا جائز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا (النساء:۴)

تو پھر اگر وہ خوشی سے اس (مہر) میں سے تم کو کچھ دے دیں تو تم ان کو مزے مزے سے کھاؤO

اور یہ قائل اس آیت پر اس کو قیاس کر رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں حرام فرما دیا ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ (البقرہ:۲۲۹)

اور تمہارے لیے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم اس کو دے چکے ہو مگر جب دونوں فریقوں کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔

اور یہ وہ حکم ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں اور اگر کوئی قائل یہ کہے کہ اگر شوہر اور بیوی دونوں اس پر راضی ہوں کہ شوہر بیوی سے بہ طور بدلِ خلع کے اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے تو پھر یہ النساء:۴ کی روشنی میں جائز ہونا چاہیے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حرام فرما دیا ہے کہ شوہر بیوی سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے جیسا کہ البقرہ:۲۲۹، میں اس کی تصریح ہے، تو اگر بیوی اپنی خوشی سے بدلِ خلع میں شوہر کا دیا ہوا مال واپس کر دے تو پھر اس کو جائز قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ کوئی شخص اپنی خوشی سے سود لے یا کوئی شخص اپنی خوشی سے زنا کی اجرت دے تو یہ جائز ہے اور جب یہ جائز نہیں ہے تو اگر بیوی اپنی خوشی سے بدلِ خلع میں شوہر کا دیا ہوا مال شوہر کو واپس کر دے تو پھر شوہر کے لئے اس کو لینا بھی حرام ہونا چاہیے کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سود اور زنا کی اجرت کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شوہر پر بیوی کو دیئے ہوئے مال کو واپس لینا بھی حرام قرار دیا ہے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۹ ص ۳۱۷-۳۱۹، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

امام ابوحنیفہ پر علامہ ابن المنذر کے اعتراض کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: علامہ ابن المنذر شافعی متوفی ۳۱۸ھ نے امام ابوحنیفہ پر رد کرنے کے جوش میں البقرہ:۲۲۹ میں مذکور استثناء کی طرف توجہ نہیں کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شوہر پر دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس لینے کو مطلقاً حرام قرار نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جب شوہر اور بیوی دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر شوہر اور بیوی دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت بدلِ خلع میں شوہر کا دیا ہوا مال واپس کر دے، علامہ ابن المنذر نے اپنے استدلال میں البقرہ:۲۲۹ کا وہ حصہ ذکر کیا ہے جو استثناء سے پہلے مذکور ہے اور اس آیت کا وہ حصہ چھوڑ دیا ہے جو البقرہ:۲۲۹ میں استثناء کے بعد مذکور ہے، پوری آیت درج ذیل ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ:۲۲۹)

اور تمہارے لئے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے) جو تم اس کو دے چکے ہو، مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس علامہ ابن المنذر شافعی کا امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز پر یہ طعن کرنا کہ طلاق کے معاوضہ میں شوہر کا اپنے دیئے ہوئے مال کو بیوی کی خوشی سے واپس لینا ایسا ہے جیسے کوئی مرد اپنی خوشی سے زنا کی اجرت دے یا جیسے کوئی شخص اپنی خوشی سے کسی کو سود کی رقم ادا کرے، سو علامہ ابن المنذر کا یہ طعن امام اعظم ابوحنیفہ کے خلاف تعصب اور عناد کے سوا کچھ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود کو اور زنا کی اجرت کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے کہ اگر سود کا لین دین کرنے والے یا زنا کرنے والوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر ان کے لئے سود کا لین دین جائز ہے اور اجرت زنا لینا جائز ہے، اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے شوہر پر مطلقاً حرام قرار نہیں دیا کہ وہ بیوی کو دیئے ہوئے مال سے واپس لے لیکن جب شوہر اور بیوی دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر شوہر اور بیوی پر اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے کہ شوہر طلاق دینے کے عوض بیوی کو دیئے ہوئے مال میں سے سب یا کچھ واپس لے لے، حیرت ہے کہ علامہ ابن المنذر شافعی نے البقرہ:۲۲۹، میں مذکورہ استثناء سے پہلے حصہ سے استدلال کیا ہے اور استثناء کے بعد آیت میں مذکور حصہ کو ترک کر دیا:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرہ:۸۵)

کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کا کفر کرتے ہو؟ سو تم میں سے جو لوگ یہ کام کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوگی کہ وہ دنیا کی زندگی میں رسوا ہوں اور قیامت کے دن وہ زیادہ شدید عذاب کی طرف لوٹائے جائیں اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے O

علامہ ابن المنذر شافعی متوفی ۳۱۸ھ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر رد کرنے کے لئے البقرہ:۲۲۹، میں استثناء سے پہلے مذکور حصہ سے استدلال کیا ہے اور استثناء کے بعد مذکور حصہ کو چھوڑ دیا، اس کی نظیر وہ بھی ہے جو درج ذیل حدیث میں مذکور ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: ''جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟''، انہوں نے کہا: ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں، اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں، پھر ان کا چکر لگایا جاتا ہے، آپ نے فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ'' وہ تورات لے کر آئے اور پیچھے سے پڑھا اور جب وہ رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا، حضرت

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے، جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔

(صحیح مسلم :۱۶۹۹، الرقم المسلسل :۴۳۵۷، صحیح البخاری :۶۸۴۱، ۳۶۳۵، سنن ابوداؤد :۴۴۴۶، سنن ترمذی :۱۴۳۶، صحیح ابن حبان :۴۴۳۵، مصنف عبدالرزاق :۱۳۳۳۲، ۱۳۳۳۱، سنن دارمی :۲۳۲۱، شرح السنہ للبغوی :۲۵۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۱۴)

بے شک ہم نے علامہ ابن المنذر شافعی المتوفی ۳۱۸ھ پر جو رد کیا ہے وہ کافی سخت ہے لیکن اس سے زیادہ سخت نہیں ہے کہ انہوں نے بدلِ خلع میں امام ابوحنیفہ کے استدلال کو سود اور اُجرتِ زنا کو حلال کرنے کی مثل قرار دیا ہے۔

خلع کے جواز کے متعلق احادیث اور جوازِ خلع کے متعلق امام مالک کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

البقرہ :۲۲۹، کے موافق وہ حدیث ہے جس کی قتادہ نے از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ثابت بن قیس کی بیوی تھیں، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے دین اور اس کے اخلاق پر کوئی تہمت نہیں لگا سکتی، لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں اور میں بغض کی وجہ سے اس کے ساتھ رہنے کو ناپسند کرتی ہوں۔

از معتمر بن سلیمان از فضیل از ابن جریر از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ عبداللہ بن اُبی کی بہن نے اسلام میں سب سے پہلا خلع کیا تھا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہا: یارسول اللہ! میرا سر اس کے سر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، میں نے خیمہ کی ایک جانب کو اٹھایا، میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آ رہا تھا، سو وہ سب سے زیادہ کالا تھا اور اس کا سب سے چھوٹا قد تھا اور سب سے زیادہ بدشکل تھا، آپ نے پوچھا: کیا تم اس کا دیا ہوا باغ واپس کر دو گی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! اور اگر وہ چاہے تو میں اس کو اس باغ سے زیادہ بھی دوں گی، سو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی۔

یہ حدیث جوازُ الخلع کی اصل ہے اور یہی جمہور فقہاء کا مسلک ہے، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: میں ہمیشہ اہل علم سے جواز خلع کو سنتا رہا ہوں اور ہمارے نزدیک اس پر اجماع ہے کہ جب مرد عورت کو ضرر نہ پہنچائے اور نہ اس کے ساتھ بدسلوکی کرے اور عورت اس سے علیحدگی کو پسند کرتی ہو تو مرد کے لئے جائز ہے کہ عورت طلاق کے معاوضہ میں اس کو جو کچھ دے، وہ اس سے لے لے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں فیصلہ فرمایا اور اگر مرد کی جانب سے اللہ کے حکم کی نافرمانی ہو، بایں طور کہ وہ اپنی بیوی کو ضرر پہنچائے اور اس پر معیشت کو تنگ کر دے تو اس صورت میں اس نے بیوی سے جو کچھ لیا ہے وہ اس کو واپس کر دے۔ یہ حکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عام متقدمین سے منقول ہے، الثوری، اسحاق اور ابوثور کا قول بھی یہی ہے۔

اس پر دلائل کہ اگر مرد کی جانب سے زیادتی ہو تو اس کے لئے خلع کے عوض بیوی سے مال لینا جائز نہیں ہے

امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ اگر مرد کی جانب سے نافرمانی ہو تو مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اس مال کو واپس لے جو وہ اپنی بیوی کو عطا کر چکا ہے اور اگر اس نے اپنی بیوی سے مال لے لیا ہے تو بہ طور قضاء یہ جائز ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے بھی اس قول کی مثل روایت کی ہے، اور یہ قول کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی کے قصہ کے بھی خلاف ہے، جو حدیث (۵۲۷۳) میں مذکور ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ جو بیوی اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہو

، یا شوہر کو ناپسند کرتی ہو تو وہ شوہر کے دیئے ہوئے مال کو واپس کر دے لیکن اگر مرد کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہو تو پھر مرد کے لئے بدلِ خلع میں بیوی سے کچھ بھی مال لینا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء:۲۰)

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لو گے O

مرد کے لئے بدلِ خلع لینے کا جواز

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ان لوگوں کی دلیل ہے جنہوں نے یہ کہا کہ مرد کے لئے بیوی سے بدلِ خلع لینا جائز نہیں ہے، ان کا یہ قول فاسد ہے۔

علامہ طبری نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت کرتی ہوئی آئیں، انہوں نے کہا کہ میں اور ثابت بن قیس ایک ساتھ نہیں رہ سکتے ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تم ثابت بن قیس کا دیا ہوا باغ واپس کر دو گی؟ اور حضرت ثابت سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا تم بھی اپنی بیوی کو اسی طرح ناپسند کرتے ہو جس طرح وہ تم کو ناپسند کرتی ہے؟ اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ (البقرہ:۲۲۹) اس پر دلالت کرتی ہے کہ خاوند کے لئے بدل خلع کو لینا جائز ہے جب زوجین کو یہ خطرہ ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس آیت میں تمام مومنین سے خطاب ہے اور یہ معلوم ہے کہ جب عورت اپنے خاوند سے بغض کو ظاہر کرے اور اسے یہ خطرہ ہو کہ خاوند اس کے حقوق میں کمی کرے گا اور جب اس طرح ہو گا تو خاوند بھی اس سے مامون نہیں ہو گا کہ اس کی بیوی اس کے حقوق میں کمی کرے گی اور ابن سیرین نے کہا ہے کہ مرد کے لئے بیوی سے اس وقت تک خلع کرنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ تنہائی میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھے۔

بدل خلع میں اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لینے میں فقہاء کا اختلاف

خاوند بدلِ خلع میں اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے:

عطاء اور طاؤس نے کہا ہے کہ خاوند نے بیوی کو مہر میں جتنا مال دیا ہے اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے اور ابن المسیب اور الشعبی اور حکم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ قضاۃ بیوی کو دیئے ہوئے مال سے زیادہ مال کو لینے کو بدلِ خلع میں جائز قرار نہیں دیتے، امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے، انہوں نے کہا: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ ان کی بیوی نے ان کو فقط ان کا دیا ہوا باغ واپس کیا تھا۔

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، قبیصہ اور النخعی کا مذہب یہ ہے کہ خاوند بدلِ خلع میں اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لے سکتا ہے، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ابوثور کا یہی قول ہے۔ اور امام مالک نے کہا کہ خاوند کے لئے بدلِ خلع میں اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لینا جائز ہے لیکن یہ مکارمِ اخلاق سے نہیں ہے اور جن ائمہ کی اقتداء کی جاتی ہے میں نے نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی نے اس کو مکروہ کہا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ:۲۲۹) تو عورت نے جو بدلِ خلع دیا ہے اس میں ان پر کوئی حرج نہیں۔

یعنی اگر عورت نے بدلِ خلع میں اس سے زیادہ مال دیا جتنا اس کے خاوند نے اس کو دیا تھا۔

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس باب کی تعلیق میں کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اجازت دی ہے کہ عورت بدلِ خلع میں اپنے سر کے بالوں کے جوڑے کو باندھنے کے دھاگہ سے کم مالیت کو بھی دے سکتی ہے۔

یعنی عورت کا خاوند خلع کے عوض اپنی بیوی کے سر کے بالوں کو کھول دے اور اس کی مینڈھیوں کے باندھنے کا دھاگہ بھی لے لے تو یہ اس کے لئے جائز ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنی بیوی سے خلع کرلو خواہ اس کے کانوں کی بالیوں کے عوض۔

فقہاء کا اس کے متعلق اختلاف کہ آیا خلع طلاق ہے یا نہیں

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے کہا کہ ''باب الخلع اور خلع میں طلاق کیسے ہوگی''۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ خلع کے ذریعہ علیحدگی کی کیا کیفیت ہے؟ حضرت عثمان متوفی ۳۵ھ، حضرت علی متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود متوفی ۳۲ھ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ خلع طلاق بائن ہے مگر یہ کہ مرد تین طلاقوں کا نام لے تو پھر یہ تین طلاقیں ہوں گی اور یہ امام مالک، الثوری، فقہاء احناف اور اوزاعی کا مذہب ہے اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس اور عکرمہ نے یہ کہا کہ خلع فسخ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے الا یہ کہ خاوند لفظ خلع سے طلاق کی نیت کرے، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ خلع طلاق بائن نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ خلع میں عدت پوری ہونے سے پہلے عقد ثانی کرنے کی اجازت ہے جب کہ طلاق میں عدت پوری ہونے سے پہلے عقد ثانی کرنے کی اجازت نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔ (البقرہ:۲۲۸)

اور جن فقہاء نے کہا ہے کہ خلع طلاق بائن ہے، اُن کی دلیل صحیح البخاری کی ان احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نے حضرت ثابت کا دیا ہوا باغ واپس کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی سے الگ ہو جائیں، اس سے واضح ہو گیا کہ خلع سے علیحدگی طلاق ہے۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ حضرت عمر متوفی ۲۴ھ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما متوفی ۴۰ھ نے فرمایا ہے کہ خلع طلاق ہے اور حضرت عثمان متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم متوفی ۶۸ھ نے کہا ہے کہ خلع طلاق نہیں ہے، امام طحاوی نے کہا کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی مرد نے لفظ خلع سے طلاق کی نیت کی تو یہ طلاق ہوگی اور جب کہ بغیر نیت کے لفظِ خلع سے علیحدگی نہیں ہوتی تو اس سے معلوم ہوا کہ خلع کنایاتِ طلاق میں سے نہیں ہے جس میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خلع طلاق ہے۔

قاضی یا سلطان کی اجازت کے بغیر خلع کرنے کا جواز

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے سلطان اور قاضی کی اجازت کے بغیر بھی خلع کرنے کی اجازت دی ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اور اس میں حسن بصری اور ابن سیرین کا اختلاف ہے ان دونوں نے کہا کہ سلطان یا قاضی کی اجازت کے بغیر خلع کرنا جائز نہیں ہے۔

امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت عبداللہ بن عمر متوفی ۷۳ھ رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ سلطان اور قاضی کی اجازت کے بغیر بھی خلع کرنا جائز ہے کیونکہ جس طرح سلطان اور قاضی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا اور طلاق دینا جائز ہے، اسی طرح سلطان یا قاضی کی اجازت کے بغیر خلع کرنا بھی جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۴۳-۴۴۸، ملخصا، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کے نام کے متعلق تین روایات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری کی حدیث: ۵۲۷۳، تا ۵۲۷۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام جمیلہ لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان کا نام حبیبہ ہے اور ان کے نام کے متعلق تیسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام سھلہ بنت حبیب ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے کہا ہے کہ جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبی ابن سلول حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اور جب حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ان کے بعد ان سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور ان سے محمد نام کے بیٹے پیدا ہوئے جن کو جنگ حرّہ میں شہید کر دیا گیا تھا اور امام محمد بن سعد نے کہا کہ جمیلہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی کی سگی بہن تھیں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۳۸۲، دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ)

پھر امام محمد بن سعد نے ذکر کیا کہ حضرت حبیبہ بنت سہل النجاریہ یہی وہ خاتون ہیں جنہوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے خلع لیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا اور یہ اس وقت کنواری لڑکی تھیں، پھر آپ کو انصار کی غیرت یاد آئی تو آپ نے انصار کو رنجیدہ کرنا پسند نہیں کیا، پھر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا اور حضرت ثابت نے ان کو تکلیف پہنچائی تو وہ منہ اندھیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ثابت کی شکایت کرنے کے لیے پہنچیں۔۔الحدیث۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۴۵-۴۴۶، دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ)

حافظ ابوعمر یوسف بن عبدالبر مالکی قرطبی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

بصریوں کی روایت ہے کہ جس خاتون نے خلع کیا تھا ان کا نام جمیلہ بنت اُبی ہے اور اہلِ مدینہ کی روایت ہے کہ ان کا نام حبیبہ بنت سہل بن ثعلبہ الانصاری ہے اور ہو سکتا ہے کہ حبیبہ اور جمیلہ دونوں عبداللہ بن ابی کی بیٹیاں ہوں جنہوں نے حضرت ثابت سے نکاح کیا تھا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۳۶۴-۳۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن مندہ نے ذکر کیا کہ جب جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبی کے خاوند حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو ان

سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور ان کے بعد ان سے حضرت مالک بن الدخشم نے نکاح کیا اور جنہوں نے خلع کیا تھا وہ حضرت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی تھیں۔ امام ابونعیم الحافظ متوفی ۴۳۰ھ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

(معرفۃ الصحابہ ج۶ ص ۸۶-۳۲۰۲، الرقم: ۳۸۱۴)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

جس خاتون نے خلع کیا تھا وہ ابی کی بیٹی تھی نہ کہ عبداللہ کی بیٹی تھی اور یہی صحیح ہے۔

(اسد الغابہ ج۷ ص ۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ الدمیاطی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام جمیلہ بنت عبداللہ ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ عبداللہ بن عبداللہ کی بہن ہیں جیسا کہ صحیح البخاری میں ہے لیکن حافظ الدمیاطی کا یہ قول صحیح نہیں ہے، پس صحیح یہ ہے کہ یہ عبداللہ بن عبداللہ کی بہن اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کی بیٹی ہیں، کیونکہ سنن نسائی میں مذکور ہے کہ حضرت جمیلہ کے بھائی حضرت عبداللہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ (سنن نسائی ج۶ ص۱۸۶)

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جمیلہ بنت سلول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔۔۔ الحدیث۔۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ نے بیان کیا کہ خلع کرنے والی کی عدت ایک حیض ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ بنت سلول کے متعلق اس کا فیصلہ کیا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۴۷۵، دار الکتب العلمیہ بیروت: ۱۴۱۶ھ)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

(المعجم الکبیر: ۱۱۸۳۴، دار احیاء التراث العربی بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کے نام کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) جمیلہ بنت سلول (۲) حبیبہ بنت سہل (۳) سہلہ بنت حبیب

بیوی سے بدل خلع لینے کے متعلق مذہب فقہاء

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

جب یہ مقرر ہو گیا تو رب (جل جلالہ) نے خاوند پر بدلِ خلع میں اس مال کو لینا حرام کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی کو عطا کیا، مگر صرف اس صورت میں بیوی سے بدلِ خلع لینے کو جائز قرار دیا ہے جب شوہر اور بیوی کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے سخت وعید کے ساتھ اس کو مؤکد کر کے فرمایا:

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا (البقرہ: ۲۲۹) یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔

اور اس معنی کے موافق حضرت جمیلہ مذکورہ کی حدیث ہے:

از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس سے بغض کی وجہ سے ان کے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۶، المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۲۱۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۳)

امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا کہ میں نے ہمیشہ اہل علم سے سنا ہے اور اسی پر اجماع ہے کہ جب خاوند بیوی کو ضرر نہ پہنچائے اور نہ اس کے ساتھ بُرا سلوک کرے اور بیوی اس سے علیحدگی کو پسند کرے تو پھر خاوند کے لئے جائز ہے کہ وہ بیوی سے فدیہ لے کر اس کو طلاق دے دے، جیسا کہ شارع علیہ السلام نے حضرت جمیلہ کے معاملہ میں فیصلہ کیا تھا اور اگر خاوند کی جانب سے نافرمانی اور زیادتی ہو بایں طور کہ وہ بیوی کو مارے اور اس پر معیشت کو تنگ کردے تو اس نے بدلِ خلع میں جو کچھ بیوی سے لیا ہے وہ اس کو واپس کردے۔ (مؤطا امام مالک ص ۳۴۹)، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عام متقدمین کا یہی مذہب ہے اور الثوری، اسحٰق اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ اگر نافرمانی اور زیادتی شوہر کی جانب سے ہو تو شوہر کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بیوی سے بدلِ خلع میں وہ مال لے جو مال وہ اس کو دے چکا ہے اور اگر اس نے قاضی کی قضاء سے وہ مال لے لیا تو پھر وہ مال جائز ہے۔ (مختصر الطحاوی ص ۱۹۱)

ابن القاسم نے بھی امام مالک سے اسی قسم کی روایت کی ہے۔ (الاستذکار ج ۱۷ ص ۱۸۰، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

یہ قول کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۳۰۶-۳۱۰، ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض اور مصنف کا جواب

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن نے امام ابوحنیفہ پر اسی اعتراض کو نقل کیا ہے جو در اصل علامہ ابن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض ہے، جس کا ہم تفصیل سے جواب لکھ چکے ہیں کہ خاوند کا بیوی سے بدلِ خلع لینا مطلقاً ممنوع نہیں ہے بلکہ جب شوہر اور بیوی کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر بیوی، شوہر سے طلاق لینے کے لئے جو مال بہ طور فدیہ دے وہ جائز ہے اور البقرہ: ۲۲۹ میں یہ استثناء مذکور ہے جس کو علامہ ابن المنذر الشافعی نے اور پھر ان کی اتباع میں علامہ ابن الملقن شافعی نے محض امام ابوحنیفہ سے تعصب کے سبب نظر انداز کردیا تھا۔

اس کے بعد علامہ ابن ملقن شافعی نے ان احادیث کی شرح میں علامہ ابن بطال کی پوری عبارت نقل کردی ہے، جس کو ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے نام کے متعلق مزید تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری کی احادیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے متعلق دو مزید قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام حضرت مریم المغالیہ ہے، حدیث میں ہے:

امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے کہ مجھے عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت نے حدیث بیان کی از الربیع بنت معوذ، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے خاوند سے خلع لیا، پھر انہوں نے قصہ ذکر کیا

جس میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کی اتباع کی جو آپ نے حضرت مریم المغالیہ کے متعلق فیصلہ کیا تھا، اور یہ حضرت ثابت بن قیس کے نکاح میں تھیں، پھر انہوں نے حضرت ثابت سے خلع لیا۔ اس حدیث کی سند جید ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی التوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے نام کے متعلق حدیث میں اضطراب ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ثابت سے متعدد بار خلع کیا گیا ہو، امام بیہقی کی عبارت ختم ہوئی۔ حضرت ثابت بن قیس شماس کی بیوی کا نام جو مریم ہے، اس کو پہلے نام کی طرف لوٹانا ممکن ہے، کیونکہ مُغالیہ میں مُغالہ کی طرف نسبت ہے اور یہ قبیلہ خزرج کی ایک عورت تھی جن سے عمرو بن مالک بن نجار کی اولاد ہوئیں اور ان کا بیٹا عدی تھا، پس عدی بن النجار کے تمام بیٹے بنومغالہ کے نام سے معروف تھے اور ان ہی میں سے عبداللہ بن اُبَی، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور خزرج کی ایک جماعت تھی، پس جب کہ عبداللہ بن ابی کی آل بنومغالہ میں سے تھی تو حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کے نام میں وہم ہوگیا یا پھر مریم ان کا تیسرا نام ہے، یا یہ نام ان کا لقب ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے نام کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام حبیبہ بنت سہل ہے:

امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے الموطا میں از یحیٰی بن سعید الانصاری از عمرو بن عبدالرحمٰن از حبیبہ بنت سہل روایت کی ہے کہ وہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت گھر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ حضرت حبیبہ منہ اندھیرے آپ کے گھر کے دروازے پر تھیں اور آپ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' تو انہوں نے کہا کہ میں حبیبہ بنت سہل ہوں، تو انہوں نے کہا کہ میں ثابت بن قیس کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اس حدیث کی اصحاب سنن ثلاثہ (امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی) نے روایت کی ہے اور امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابوداؤد نے از عبداللہ بن ابی بکر بن حزم از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ حضرت حبیبہ بنت سہل حضرت ثابت کے نکاح میں تھیں۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی التوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے نام میں اختلاف ہے، پس بصریوں نے ذکر کیا کہ ان کا نام جمیلہ بنتِ اُبَی ہے اور مدنیوں نے ان کا نام ذکر کیا کہ ان کا نام حبیبہ بنت سہل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں: جو چیز مجھ پر منکشف ہوئی ہے، یہ دو قصے ہیں جو دو مختلف عورتوں کے متعلق ہیں، کیونکہ ان کی خبر مشہور ہے اور ان کی سند صحیح ہے اور اختلاف صرف ان کے نام میں ہے، اور اس تعدد کی تقدیر کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت ثابت نے حضرت جمیلہ کے ساتھ نکاح سے پہلے حضرت حبیبہ سے نکاح کیا تھا۔

تنبیہ!

علامہ عبدالرحمٰن بن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے اپنی تنقیح میں لکھا ہے کہ ان کا نام سہلہ بنت حبیب ہے، پس میرا یہی گمان ہے کہ انہوں نے الٹ گمان کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان کا نام حبیبہ بنت سہل ہے، اور امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اور حضرت ثابت بن قیس بہت تیز مزاج تھے اور امام محمد بن

سعد نے اس کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ارادہ کیا تھا، پھر آپ کو انصار کی غیرت یاد آئی تو آپ نے اس کو ناپسند کیا کہ آپ انصار کو تکلیف پہنچائیں اور آپ نے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۹-۴۷۰، ملخصاً دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کے ناموں میں زینب نام کی تحقیق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہا یہ کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام زینب ہو تو یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں حافظ ابو عمر بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے مریم نام کا ذکر نہیں کیا، اس کا ذکر حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے کیا ہے: انہوں نے کہا کہ مریم الانصاریہ المغالیہ بنو مغالہ کے قبیلہ سے تھیں، وہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، پھر انہوں نے حضرت الربیع کی حدیث کا ذکر کیا اور حضرت ثابت بن قیس بن شماس بن مالک بن امرؤ القیس الخزرجی، انصار کے خطیب تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطیب کہا جاتا تھا، جس طرح حضرت حسان بن ثابت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاعر کہا جاتا تھا، یہ غزوہ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر رہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۷۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کے خلع لینے کا سبب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

معمر نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نے کہا: یا رسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں کتنی حسین و جمیل عورت ہوں، اور ثابت بدشکل مرد ہے اور معتمر بن سلیمان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اسلام میں پہلا خلع وہ تھا جو حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نے کیا تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، پس کہا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا سر اور ثابت کا سر کبھی بھی جمع نہیں ہوگا، میں نے خیمہ کی ایک طرف کو اٹھایا تو ثابت بن قیس چند لوگوں کے ساتھ آ رہے تھے اور وہ ان میں سب سے زیادہ سیاہ رنگ کے تھے اور ان کا قد ان سب میں سب سے چھوٹا تھا، اور ان کا چہرہ سب سے زیادہ بدشکل تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم ان کا دیا ہوا باغ واپس کر دو گی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے کہا: اگر وہ چاہیں تو اور زیادہ دوں گی، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۸۰۳)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے کلام میں کفر کی توجیہ

حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نے کہا: میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ (صحیح البخاری: ۵۲۷۳)

اس جگہ یہ اشکال ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کا حضرت ثابت بن قیس کی شکل کو ناپسند کرنا کفر تو نہیں ہے، پھر انہوں نے یہ کیوں کہا کہ میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں؟

علامہ شرف الدین حسین محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ نے اس کے جواب میں لکھا ہے:

ان کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ میں اسلام میں ایسی چیز کو ناپسند کرتی ہوں جو اسلام کے حکم کے منافی ہو کہ میں اپنے خاوند کی نافرمانی کروں، اس کی اطاعت نہ کروں، اس کی خدمت اور تیمارداری نہ کروں، کیونکہ کسی حسین عورت کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ کسی بدصورت مرد کی اطاعت اور خدمت کرے، سو انہوں نے اسلام کے تقاضے کے منافی چیز پر کفر کا اطلاق کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے کلام میں کچھ عبارت مقدر ہو یعنی میں کفر کے لوازم کو ناپسند کرتی ہوں، کہ میں اپنے خاوند سے عداوت رکھوں اور ان سے جھگڑا کرتی رہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو جو طلاق دینے کا حکم دیا تھا، یہ وجوبی حکم نہیں تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ثابت بن قیس سے) فرمایا: ''تم اس باغ کو قبول کرلو اور اس کو ایک طلاق دے دو''، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بہ طور ارشاد اور اصلاح تھا، بہ طور فرض اور وجوب نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو طلاق دے دو'' یعنی اس باغ کے عوض اس کو طلاق دے دو، امام ابوداؤد اور امام ترمذی کی روایات میں مذکور ہے کہ یہ خلع تھا۔

صحیح البخاری: ۵۲۷۳، کے مسائل مستنبطہ، نکات شریفہ اور فوائد کثیرہ کے مباحث

(۱) جب فقط بیوی کی طرف سے جھگڑا ہو پھر بھی بدل خلع لینے کا جواز

جب شوہر اور بیوی کے درمیان جھگڑا صرف بیوی کی طرف سے ہو تو پھر خلع لینا اور فدیہ دینا جائز ہے اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ دونوں کی طرف سے جھگڑا ہو، اور خلع اس وقت مشروع ہے جب عورت مرد کے ساتھ زندگی گزارنے کو ناپسند کرتی ہو خواہ ایسی چیز معلوم نہ ہو جو ان کے درمیان فراق کا تقاضا کرتی ہو اور ابوقلابہ اور محمد بن سیرین نے کہا: مرد کے لئے عورت سے فدیہ لینا جائز نہیں ہے، سوا اس صورت کے کہ وہ عورت کے پاس علیحدگی میں کسی اجنبی مرد کو دیکھے، اس حدیث کی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے اور گویا کہ ابوقلابہ اور محمد بن سیرین کو صحیح البخاری: ۵۲۷۳ نہیں پہنچی، کیونکہ اس حدیث میں اس کے بغیر خلع کا ذکر ہے۔ محمد بن سیرین نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ (النساء:۱۹)	اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ تم ان کو اس لیے روکو کہ تم ان کو دیئے ہوئے (مہر) میں سے کچھ واپس لو، سوا اس صورت کے کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کریں اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اور ان کے اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ البقرہ: ۲۲۹، نے اس آیت کی تفسیر کردی ہے اور اس سے معلوم ہوگیا کہ بغیر اس کے کہ بیوی بے حیائی کا ارتکاب کرے پھر بھی مرد کا بیوی سے بدل خلع لینا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: پھر مجھ پر محمد بن سیرین کے کلام کی توجیہ منکشف ہوئی اور وہ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ناپسند کرتا ہو اور اس کی بیوی اس کو ناپسند نہ کرتی ہو تو مرد بیوی کو بستر میں چھوڑے رکھے اور اس پر تنگی کرے تا کہ اس کی بیوی اس کو

بدل خلع دے کر اپنی جان چھڑا لے، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ جب تک مرد بیوی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ خلوت میں بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہوئے نہ دیکھے اور جب تک اس پر کوئی گواہ نہ پائے اور وہ اس کو رسوا کرنا بھی نہ چاہتا ہو تو اس وقت اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی سے بدل خلع لے کر اس کو چھوڑ دے اور جس قدر مال پر وہ دونوں راضی ہو جائیں اس قدر مال لے کر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس توجیہ کی صورت میں محمد بن سیرین کے کلام کی صحیح البخاری: ۵۲۷۳ سے مخالفت نہیں ہو گی کیونکہ یہ حدیث اس مسئلہ میں وارد ہے جب فقط بیوی اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو۔ اور امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے:

مختار یہ ہے کہ اس وقت تک خلع جائز نہیں ہے جب تک کہ شوہر اور بیوی دونوں کے درمیان جھگڑا نہ ہو اور اگر ان میں سے کسی ایک کے درمیان جھگڑا ہو تو پھر نکاح ساقط نہیں ہو گا اور ان کا یہ قول قوی ہے جو النساء: ۱۹ اور النساء: ۲۲۹ دونوں آیتوں کے ظاہر کے موافق ہے اور صحیح البخاری: ۵۲۷۳ کے بھی مخالف نہیں ہے اور طاؤس اور شعبی اور تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی کے موافق کہا ہے۔

امام محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ اور دوسرے مفسرین نے اس ظاہر آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب عورت خاوند کے ان حقوق کو ادا نہ کرے جن کی ادائیگی کا انہیں حکم دیا گیا ہے تو یہ بالعموم شوہر کی اپنی بیوی سے نفرت کا سبب ہوتا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے بغض رکھے اور انہوں نے صحیح البخاری: ۵۲۷۳ کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت نہیں فرمایا: ''تم بھی اپنی بیوی کو اسی طرح ناپسند کرتے ہو، جس طرح وہ تمہیں ناپسند کرتی ہے؟''۔

(۲) فقہاء کا اس میں اختلاف کہ آیا خلع طلاق ہے یا نہیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بیوی اپنے شوہر سے مال کے عوض طلاق کا سوال کرے، سو وہ اس کو طلاق دے دے، تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر شوہر اس کو صراحتاً طلاق نہ دے اور نہ وہ طلاق کی نیت کرے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس قصے میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزاریں۔

امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ اور امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے حضرت الربیع بنت معوذ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کو حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزاریں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلہ کی اتباع کی ہے جو آپ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے متعلق فیصلہ کیا تھا۔

امام احمد بن شعیب النسائی المتوفی ۳۰۳ھ اور امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو مارا، پھر اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے ان کو ناپسند کیا اور پورا قصہ ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اس کا باغ لے لو اور اس کا راستہ چھوڑ دو، انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے ان کی بیوی کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزاریں اور اپنے گھر والوں کے پاس چلی جائیں۔ علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث میں ان فقہاء کی قوی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ خلع فسخِ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے، کیونکہ اگر خلع طلاق ہوتا تو اس میں ایک حیض عدت کے لیے کافی نہ ہوتا (الی آخرہ)۔

اور یہی امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ خلع فسخِ نکاح ہے اور انہوں نے دوسری روایت میں کہا ہے کہ جس عورت نے خلع کیا ہے وہ دوسرے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ تین حیض عدت نہ گزارے۔

(۳) بدلِ خلع میں کسی معین چیز کے لینے کا جواز اور اس میں فقہاء کا اختلاف کہ خاوند مہر سے زیادہ بدل خلع لے سکتا ہے یا نہیں؟

اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ بدلِ خلع کوئی معین چیز ہونی چاہیے یا اس کے مطابق قیمت ہونی چاہیے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی سے فرمایا: کیا تم اس کا باغ اسے واپس کردو گی؟ اور سنن ابن ماجہ اور سنن بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ثابت بن قیس سے فرمایا کہ تم وہ باغ اپنی بیوی سے واپس لے لو اور اس سے زیادہ کوئی چیز نہ لینا، اور مصنف عبد الرزاق میں حضرت علی کی روایت سے مذکور ہے کہ تم نے جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے زیادہ نہ لینا اور عطاء، طاؤس اور زہری سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مذہب ہے اور اسماعیل بن اسحاق نے میمون بن مہران سے روایت کی ہے جس نے بدلِ خلع میں اپنی بیوی سے اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لیا، اس نے اپنی بیوی کو نیکی کے ساتھ رخصت نہیں کیا اور اس کے مقابلہ میں امام عبد الرزاق نے سندِ صحیح کے ساتھ سعید بن المسیب سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ خاوند بیوی کو دیا ہوا تمام مال لے لے اور اس کے لئے کوئی معمولی چیز چھوڑ دے۔

اور امام مالک نے کہا ہے کہ بدلِ خلع میں مہر اور اس سے زیادہ لینا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ (البقرہ: ۲۲۹) تو عورت نے جو بدلِ خلع میں دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس جب عورت کی طرف سے نافرمانی ہو تو خاوند کے لیے جائز ہے کہ بیوی سے اس کی مرضی کے مطابق بدلِ خلع وصول کر لے اور اگر نافرمانی خاوند کی طرف سے ہو تو پھر اس کے لئے بدلِ خلع میں کوئی چیز لینا جائز نہیں ہے اور جو کچھ اس نے لیا ہے وہ اس کو واپس کردے اور ان کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی۔

اور امام شافعی نے کہا ہے: جب بیوی شوہر کا حق ادا نہ کر رہی ہو اور شوہر کو ناپسند کرتی ہو تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ بدلِ خلع وصول کر لے، کیونکہ اگر اس کی بیوی اس کو بغیر کسی سبب کے اپنی خوشی سے اپنا مال دے تو شوہر کے لیے اس مال کو لینا جائز ہے تو جب وہ کسی سبب کی وجہ سے اس کو اپنا مال دے تو پھر شوہر کے لیے اس مال کو لینا بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔

(۴) حالتِ حیض میں خلع کا جواز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی کی حالتِ حیض میں بھی خلع جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی سے یہ نہیں پوچھا کہ آیا وہ حائض ہیں یا نہیں، لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے ان سے اس لیے یہ سوال نہ کیا ہو، کیونکہ آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ وہ حائضہ نہیں ہیں، لہٰذا اس حدیث میں ان فقہاء کی کوئی دلیل نہیں ہے جو خلع کو حالتِ طہر کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور

یہ تفریع اس تقدیر پر ہے کہ خلع طلاق ہو۔

(۵) طلاق کے مطالبہ پر وعید اس پر محمول ہے جب وہ مطالبہ بلا سبب ہو

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جن احادیث میں عورتوں کو طلاق کے مطالبہ سے ڈرایا گیا ہے، وہ احادیث اسی صورت پر محمول ہیں کہ جب عورتوں کا مطالبہ طلاق کسی سبب کے بغیر ہو کیونکہ حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ، امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ، امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ، اور امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی التوفی ۳۵۴ھ نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے خاوند سے طلاق کا سوال کیا، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے جس نے بغیر کسی خطرہ کے طلاق کا سوال کیا۔ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورتیں نکاح کو سلب کرنے والی ہیں اور خلع کرنے والی ہیں وہ منافقات ہیں، تاہم اس حدیث کی سند کی صحت پر اعتراض ہے کیونکہ یہ حدیث حسن بصری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کی ہے اور اکثر محدثین کے نزدیک حسن بصری کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

(۶) جب صحابی کا فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہو تو آیا اس کے فتویٰ کا اعتبار ہوگا یا اس کی روایت کا؟

جب صحابی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو اس کی روایت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے اجتہاد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے قصہ کی روایت کی ہے جس میں یہ دلیل ہے کہ خلع طلاق ہے اور خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فتویٰ دیتے تھے کہ خلع طلاق نہیں ہے لیکن حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فتوے کی روایت شاذ ہے، کیونکہ طاؤس کے سوا کسی نے بھی حضرت ابن عباس سے یہ نقل نہیں کیا کہ خلع فسخِ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے لیکن حافظ ابن عبد البر مالکی کے اس دعوے پر اعتراض ہے، کیونکہ طاؤس ثقہ، حافظ اور فقیہ ہیں، لہٰذا ان کا تفرد ان کی روایت میں مضر نہیں ہے اور بہت علماء نے اس روایت کو قبول کیا ہے اور میرے علم کے مطابق جنہوں نے بھی اس مسئلہ میں فقہاء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے، انہوں نے وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خلع کو فسخِ نکاح قرار دیتے تھے، ہاں! اسماعیل قاضی نے سند صحیح کے ساتھ ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے کہ جب طاؤس نے کہا کہ خلع طلاق نہیں ہے تو اس پر تمام اہل مکہ نے انکار کیا، اس وقت طاؤس نے یہ عذر پیش کیا کہ میں اپنی رائے سے یہ نہیں کہتا بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ بیان کر رہا ہوں، اسماعیل قاضی نے کہا کہ ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ طاؤس کے علاوہ کسی اور نے یہ کہا ہو کہ خلع فسخ نکاح ہے، تاہم تحقیق یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے قصہ میں اس پر صریح دلیل ہے کہ خلع طلاق ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۹-۴۷۳، ملخصاً، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

خُلع کی تعریف اور اس میں فقہاء کا اختلاف کہ آیا خُلع طلاق ہے یا نہیں؟

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلع کی تعریف یہ ہے کہ خاوند کوئی معاوضہ لے کر بیوی سے الگ ہو جائے خواہ وہ معاوضہ کوئی معین چیز ہو یا منفعت ہو اور اس معاوضہ کو خواہ بیوی ادا کرے یا اس کا ولی ادا کرے یا اس کا کوئی دوست ادا کرے۔

آیا خلع طلاق ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، بعض فقہاء نے کہا کہ خلع کسی حال میں بھی طلاق نہیں ہے اور بعض فقہاء نے کہا کہ خلع ہر حال میں طلاق ہے اور بعض فقہاء نے تفصیل کی کہ اگر خلع لفظ طلاق کے ساتھ ہو تو وہ طلاق ہے ورنہ وہ فسخ نکاح ہے۔

آیا خاوند کا بیوی کو طلاق دینا بیوی پر ظلم ہے یا نہیں؟

مسئلہ: جب بیوی خاوند کے حقوق ادا نہ کر سکے تو کیا شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو طلاق دے اور کیا یہ خاوند کا بیوی پر ظلم ہوگا خصوصاً جب کہ خاوند تنگ دست ہو اور وہ دوسرا نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے۔

الجواب: جب خاوند اور بیوی کے درمیان جھگڑا اس نوبت پر پہنچ جائے کہ ان کے درمیان نکاح کو قائم رکھنا ممکن نہ ہو تو اب خاوند پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے، تاہم اگر ان کے درمیان اصلاح ممکن ہو خواہ مال خرچ کرنے سے، تو پھر ان کے درمیان اصلاح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹-۴۶ ملخصاً مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

خلع کی تعریف اور حدیقہ کا معنی

الشیخ محمد علی الصابونی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلع کی تعریف یہ ہے کہ بیوی شوہر کو مال دے کر اس سے اپنا نفس چھڑا لے تا کہ وہ اس کو طلاق دے دے اور اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ:۲۲۹) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدلِ خلع دیا ہے اس میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی جمیلہ نے حضرت ثابت بن قیس سے جو خلع لیا تھا یہ زمانہ اسلام میں سب سے پہلا خلع تھا۔ صحیح البخاری: ۵۲۷۳، میں حدیقہ کا لفظ ہے، آپ نے حضرت جمیلہ سے فرمایا: کیا تم ثابت بن قیس کا دیا ہوا حدیقہ واپس کرو گی؟ حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس میں کھجوروں کے درخت ہوں اور دیگر پھلوں کے درخت ہوں۔

صحیح البخاری: ۵۲۷۳، کے فوائد

(۱) جب زوجین کے درمیان مخالفت ہو اور ان کے درمیان تفریق مستحکم ہو جائے تو پھر طلاق اور فراق جائز ہے تا کہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہو جس کی سختی کی بیوی طاقت نہ رکھے۔

(۲) خلع مال کے عوض ہے یا خاوند کے دیئے ہوئے مہر کے عوض ہے، کیونکہ خلع کا مطالبہ بیوی کی طرف سے ہوتا ہے، سو اسلام نے جانبین کے حقوق کی رعایت کی ہے، پس اگر طلاق کا سبب شوہر ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ مکمل مسئولیت کو برداشت کرے اور بیوی کے تمام حقوق مالیہ اور اس کے اخراجات کو ادا کرے اور اگر طلاق کا سبب بیوی کی شوہر سے کراہیت اور بغض ہو تو پھر اس پر لازم

ہے کہ وہ شوہر کا دیا ہوا مہر واپس کر دے۔

(۳) خلع سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور اس طلاق کے بعد وہ بغیر نکاح جدید کے عورت سے رجوع نہیں کر سکتا۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۲۶-۱۲۷، المکتبۃ العصریہ، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

خلع کے لغوی معنی کی شرعی معنی کے ساتھ مناسبت

مشہور غیر مقلد عالم شیخ صدیق حسن خان بھوپالی المتوفی ۱۳۰۷ھ صحیح البخاری: ۵۲۷۳، کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلع کا لغوی معنی ہے: مال لے کر بیوی سے علیحدہ ہونا اور یہ لفظ خلع الثوب سے ماخوذ ہے، یعنی کپڑا اتارنا، کیونکہ بیوی خاوند کا لباس ہے اور جب خاوند نے بیوی سے خلع کر لیا تو گویا اپنا لباس اتار لیا اور بکر بن عبداللہ المزنی کے سوا تمام علماء کا خلع کے جواز پر اجماع ہے اور اسلام میں پہلا خلع وہ ہے جس کا اس باب کی حدیث میں مذکور ہے۔

(عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۵۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۹ھ)

خلع کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تحقیق

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

فتح القدیر میں ہے اور پھر ردالمحتار میں کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ تو مجھے ان تمام حقوق سے بری کر دے جو بیوی کے لئے خاوند کے ذمہ ہوتے ہیں اور بیوی نے ایسا کر دیا تو اس کے ساتھ متصل فوراً خاوند نے کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، بیوی اگر مدخولہ ہو تو یہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے اور ذخیرہ، خانیہ وغیرہما اور ردالمحتار میں بھی ان دونوں سے منقول ہے کہ یہ طلاق بائنہ ہوگی، کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے اور حقوق سے بری کرنا دلالۃً معاوضہ ہے۔

(ردالمحتار بہ حوالہ فتح القدیر ج ۵ ص ۷۳، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۲۶۴، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

نیز اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

خلع شرع میں اسے کہتے ہیں کہ شوہر بہ رضاء خود مہر وغیرہ مال کے عوض عورت کو نکاح سے جدا کر دے تنہا زوجہ کے کئے نہیں ہوسکتا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۲۶۴، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

نیز اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

اور یہ کہ طلاق بہ طریق خلع واقع ہوئی تھی، بائنہ تھی تو زید پر لازم ہے کہ عدت پوری ہونے تک اپنے ہی مکان میں جگہ دے، تا زوال نکاح اس سے پردہ کرے اور اگر زید ظلماً اپنے گھر میں نہ رہنے دے تو کوئی اور مکان بتائے جس میں وہ عدت پوری کرے اور اگر وہ مکان کرائے کا ہو تو اختتام عدت تک کرایہ زید کے ذمہ ہے اور جب زید اپنے مکان میں رہنے دے یا دوسرا مکان اس کے لئے بنائے تو ہندہ پر لازم ہے کہ وہ فوراً اس مکان میں چلی جائے اور ختم عدت تک ہرگز اس سے باہر نہ آئے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۳۱۱، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

خلع کے مسائل کے متعلق صدر الشریعہ مولانا امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقۃ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ ۱: مال کے بدلے میں نکاح زائل کرنے کو خلع کہتے ہیں، عورت کا قبول کرنا شرط ہے، بغیر اس کے قبول کیے خلع نہیں ہوسکتا اور اس کے الفاظ معین ہیں ان کے علاوہ اور لفظوں سے نہ ہوگا۔

مسئلہ ۲: اگر زوج وزوجہ میں نااتفاقی رہتی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ احکامِ شرعیہ کی پابندی نہ کرسکیں تو خلع میں مضائقہ نہیں اور جب خلع کرلیں تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور جو مال ٹھہرا ہے عورت پر اس کا دینا لازم ہے۔ (الہدایہ، کتاب الطلاق باب الخلع ج ۲ ص ۲۶۱)

مسئلہ ۳: اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو خلع پر مطلقاً عوض لینا مکروہ ہے اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی ہو تو جتنا مہر میں دیا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ پھر بھی اگر زیادہ لے لے گا تو قضاءً جائز ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ الفصل الاول ج ۱ ص ۴۸۸)

مسئلہ ۴: جو چیز مہر ہوسکتی ہے وہ بدلِ خلع بھی ہوسکتی ہے اور جو چیز مہر نہیں ہوسکتی وہ بھی بدلِ خلع ہوسکتی ہے مثلاً دس درہم سے کم کو بدلِ خلع کرسکتے ہیں مگر مہر نہیں کرسکتے۔ (الدر المختار کتاب الطلاق باب الخلع ج ۵ ص ۸۹)

مسئلہ ۵: خلع شوہر کے حق میں طلاق کو عورت کے قبول کرنے پر معلق کرنا ہے کہ عورت نے اگر مال دینا قبول کرلیا تو طلاقِ بائن ہو جائے گی، لہٰذا اگر شوہر نے خلع کے الفاظ کہے اور عورت نے ابھی قبول نہیں کیا تو شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں نہ شوہر کو شرط خیار حاصل اور نہ شوہر کی مجلس بدلنے سے خلع باطل۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب الطلاق باب الخلع ج ۱ ص ۲۵۶)

مسئلہ ۶: خلع عورت کی جانب میں اپنے نفس کو مال کے بدلے میں چھڑانا ہے تو اگر عورت کی جانب سے ابتداء ہوگی مگر ابھی شوہر نے قبول نہیں کیا تو عورت قبول کرسکتی ہے اور اپنے لیے اختیار بھی لے سکتی ہے اور یہاں تین دن سے زیادہ کا بھی اختیار لے سکتی ہے۔ (الفتاوی الخانیہ کتاب الطلاق باب الخلع ج ۱ ص ۲۵۶)

مسئلہ ۷: خلع چونکہ معاوضہ ہے، لہٰذا یہ شرط ہے کہ عورت کا قبول اس لفظ کا معنی سمجھ کر ہو بغیر معنی سمجھے محض لفظ بول دے گی تو خلع نہ ہوگا۔ (الدر المختار کتاب الطلاق باب الخلع ج ۵ ص ۹۱)

مسئلہ ۸: چونکہ شوہر کی جانب سے خلع طلاق ہے، لہٰذا شوہر کا عاقل، بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ یا مجنون خلع نہیں کرسکتا کہ اہلِ طلاق نہیں اور یہ بھی شرط نہیں کہ عورت محل طلاق ہو، لہٰذا اگر عورت کو طلاقِ بائن دے دی تو اگرچہ عدت میں ہو اس سے خلع نہیں ہوسکتا، یوں ہی اگر نکاحِ فاسد ہوا ہے یا عورت مرتدہ ہوگئی جب بھی خلع نہیں ہوسکتا کہ نکاح ہی نہیں ہے خلع کس چیز کا ہوگا اور رجعی کی عدت میں ہے تو خلع ہوسکتا ہے۔ (الدر المختار ورد المحتار کتاب الطلاق باب الخلع ج ۵ ص ۸۵-۸۹)

مسئلہ ۹: شوہر نے کہا کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اور مال کا ذکر نہیں کیا تو یہ خلع نہیں بلکہ طلاق ہے اور عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں۔ (بدائع الصنائع کتاب الطلاق فصل رکن الخلع ج ۳ ص ۲۲۹)

مسئلہ ۱۰: شوہر نے کہا: میں نے تجھ سے اتنے پر خلع کیا، عورت نے جواب میں کہا: ہاں، تو اس سے کچھ نہیں ہوگا جب تک یہ نہ کہے کہ میں راضی ہوئی یا جائز کہا، یہ کہا تو صحیح ہوگا، یوں ہی اگر عورت نے کہا: مجھے ہزار روپیہ کے بدلے میں طلاق دے دے، شوہر نے

کہا: ہاں! تو یہ بھی کچھ نہیں اور اگر عورت نے کہا کہ مجھ کو ہزار روپیہ کے بدلے میں طلاق ہے شوہر نے کہا: ہاں تو طلاق ہوگی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ، الفصل الاول ج ۱ ص ۴۸۸)

مسئلہ ۱۲: خلع کسی مقدار معین پر ہوا اور عورت مدخولہ ہے اور مہر پر عورت نے قبضہ کر لیا ہے جو ٹھہرا ہے شوہر کو دے اور اس کے علاوہ شوہر کچھ نہیں لے سکتا، اور مہر عورت کو نہیں ملا ہے تو اب عورت مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور جو ٹھہرا ہے شوہر کو دے۔

(الفتاوی الہندیہ کتاب الطلاق الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ، الفصل الاول ج ۱ ص ۴۸۸-۴۹۰)

مسئلہ ۱۴: جو مہر عورت کا شوہر پر ہے اس کے بدلے میں خلع ہوا یا طلاق اور شوہر کو معلوم ہے کہ اس کا مجھ پر کچھ نہیں تو اس سے کچھ نہیں لے سکتا، خلع کی صورت میں طلاق بائن ہوگی اور طلاق کی صورت میں رجعی۔

(الفتاوی الخانیہ کتاب الطلاق، باب الخلع ج ۱ ص ۲۵۷)

مسئلہ ۱۵: یوں خلع ہوا کہ جو کچھ شوہر سے لیا ہے واپس کرے اور عورت نے جو کچھ لیا تھا فروخت کر ڈالا یا ہبہ کر کے قبضہ دلا دیا کہ وہ چیز شوہر کو واپس نہیں کر سکتی تو وہ چیز اگر قیمتی ہے تو وہ چیز دے گی اور اگر مثلی ہے تو اس کی مثل۔

(الفتاوی الخانیہ کتاب الطلاق، باب الخلع ج ۱ ص ۲۵۸)

مسئلہ ۱۹: شراب و خنزیر و مردار وغیرہ ایسی چیز پر خلع ہوا جو مال نہیں تو طلاق بائن پڑ گئی اور عورت پر کچھ واجب نہیں اور اگر ان چیزوں کے بدلے میں طلاق دی تو رجعی واقع ہوگی۔ (الدر المختار کتاب الطلاق باب الخلع ج ۵ ص ۹۶)

مسئلہ ۲۲: کوئی جانور، گھوڑا، خچر، بیل وغیرہ بدل خلع قرار دیا اور اس کی صفت بھی بیان کر دی تو اوسط درجہ کا دینا واجب آئے گا اور عورت کو بھی یہ اختیار ہے کہ اس کی قیمت دے دے اور جانور کی صفت بیان نہ کی ہو تو جو کچھ مہر میں لے چکی ہے وہ واپس کرے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ الفصل الثانی ج ۱ ص ۴۹۵)

مسئلہ ۲۳: عورت سے کہا: میں نے تجھ سے خلع کیا، عورت نے کہا: میں نے قبول کیا تو اگر وہ لفظ شوہر نے بہ نیت طلاق کہا تھا طلاقِ بائن واقع ہوگئی اور مہر ساقط نہ ہوگا، بلکہ اگر عورت نے قبول نہ کیا ہو جب بھی یہی حکم ہے اور اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے نہ کیا تھا تو طلاق واقع نہ ہوگی جب تک عورت قبول نہ کرے اور اگر یہ کہا تھا کہ فلاں چیز کے بدلے میں نے، تجھ سے خلع کیا تو جب تک عورت قبول نہ کرے گی طلاق واقع نہ ہوگی اور عورت کے قبول کرنے کے بعد اگر شوہر کہے: میری مراد طلاق نہ تھی تو اس کی بات نہ مانی جائے گی۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب الطلاق باب الخلع ج ۱ ص ۲۵۷)

مسئلہ ۲۶: عورت کہتی ہے: میں نے سو روپے میں طلاق دینے کو کہا تھا، شوہر کہتا ہے: نہیں، بلکہ ہزار کے بدلے تو عورت کا قول معتبر ہے اور دونوں نے گواہ پیش کیے تو شوہر کے گواہ قبول کیے جائیں، یوں ہی اگر عورت کہتی ہے: بغیر کسی بدلے کے خلع ہوا اور شوہر کہتا ہے: نہیں، بلکہ ہزار روپے کے بدلہ میں تو عورت کا قول معتبر ہے اور گواہ شوہر کے مقبول۔

(الفتاوی الہندیہ کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ، الفصل الثالث ج ۱ ص ۴۴۹)

مسئلہ ۵۷: نابالغہ نے اپنا خلع خود کرایا اور سمجھ والی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی مگر مال واجب نہ ہوگا اور اگر مال کے بدلے طلاق دلوائی تو طلاق رجعی ہوگی۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ ج ۱ ص ۵۰۴)

مسئلہ ۵۸: نابالغ لڑکا نہ خود خلع کر سکتا ہے اور نہ اس کی طرف سے اس کا باپ۔

(ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الخلع مطلب فی خلع الصغیرۃ، ج ۵ ص ۱۱۳)

(بہارِ شریعت حصہ ۸ ص ۱۹۴-۲۰۵، مکتبۃ المدینہ، ۱۴۳۰ھ)

۱۳۔ بَابُ: الشِّقَاقِ وَهَلْ يُشِيرُ بِالْخُلْعِ عِنْدَ الضَّرُورَةِ

شوہر اور بیوی کے درمیان نا اتفاقی کا بیان، اور کیا ضرورت کے وقت خلع کی طرف اشارہ کرے؟

باب کے عنوان کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب شوہر اور بیوی کے درمیان نا اتفاقی ہو اور اختلاف ہو یا جھگڑا ہو اور کوئی قرینۂ حالیہ یا مقالیہ اس نزاع پر دلالت کرتا ہو تو اس وقت شوہر اور بیوی میں سے کوئی ایک یا ان کا ولی حاکم کے سامنے ان کا مقدمہ پیش کرے، پھر اگر ضرورت ہو یا بیوی کو شوہر سے ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو تو کیا بیوی کے لئے جائز ہے کہ وہ شوہر سے خلع حاصل کر لے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا (النساء: ۳۵)

اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں زن و شوہر کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا، بے شک اللہ بے حد جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے O

آیتِ مذکورہ کی تفصیل

اس آیت میں حکام سے خطاب ہے اور دو منصفوں میں سے ایک منصف مرد کی طرف سے ہوگا یعنی شوہر کی طرف سے اور دوسرا منصف بیوی کی طرف سے ہوگا اور اگر ان دونوں منصفوں کا کسی فیصلہ پر اتفاق ہو تو ان کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور اگر ان کا فیصلہ میں اختلاف ہو تو پھر ان کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

منصفوں کے فیصلہ کے نفاذ کے متعلق مذاہبِ فقہاء

علامہ عینی فرماتے ہیں:

جب دونوں منصف اس پر اتفاق کر لیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے تو اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور الاوزاعی اور اسحاق نے کہا ہے کہ کسی وکیل کے اور زوجین کی اجازت کے بغیر ان کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا، اور فقہاءِ احناف اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ اس فیصلہ کے نفاذ میں اجازت کی ضرورت ہے کیونکہ نکاح کی گرہ خاوند کے ہاتھ میں ہے، پس اگر خاوند نے طلاق کی اجازت دے دی تو فبہا ورنہ حاکم طلاق نافذ کر دے گا۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: دو منصفوں کے

سبب سے اللہ تعالیٰ شوہر اور بیوی کو جمع کرتا ہے اور ان ہی کے سبب سے ان کے درمیان تفریق کرتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۱۸۹۹۹)

اور الشعبی نے کہا: دو منصف جو فیصلہ کریں وہ جائز ہے، اور ابو سلمہ نے کہا: دو منصف اگر چاہیں تو شوہر اور بیوی کو جمع کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو ان کے درمیان تفریق کر دیں، اور مجاہد نے بھی اس کی مثل کہا ہے اور حسن بصری سے روایت ہے کہ جب دو منصفوں کا باہم اختلاف ہو تو وہ اس کا فیصلہ کسی اور کے حوالہ کر دیں اور اگر ان کے درمیان اتفاق ہو تو ان کا فیصلہ جائز ہے۔

عامر سے سوال کیا گیا کہ ایک شوہر اور اس کی بیوی نے کسی مرد کو منصف بنایا، پھر ان کی رائے یہ ہوئی کہ وہ اس سے رجوع کر لیں تو عامر نے کہا: یہ ان کے اختیار میں ہے جب تک کہ وہ منصف کلام نہ کریں اور جب انہوں نے کلام کر لیا تو ان کے لئے اس منصف سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا کہ جب دو منصف شوہر اور بیوی کے درمیان تین طلاقیں واقع کر دیں تو انہوں نے کہا: یہ تین طلاقیں نافذ نہیں ہوں گی اور منصفوں کو ایک طلاقِ بائن سے زیادہ طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔

اور ابن القاسم مالکی نے کہا کہ اگر دونوں منصف تین طلاق پر متفق ہو جائیں تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور المغیرہ، اشعب، ابن الماجشون اور اصبغ نے بیان کیا کہ ابن المواز نے کہا ہے کہ اگر ایک منصف ایک طلاق کا فیصلہ کرے اور دوسرا منصف تین طلاقوں کا فیصلہ کرے تو یہ ایک طلاق ہو گی اور ابن حبیب نے اصبغ سے روایت کی ہے کہ یہ فیصلہ کچھ بھی نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں: یہ سب مالکی فقہاء ہیں۔ سعیدی غفرلہ) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۷۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

دو منصف مقرر کرنے کے ثبوت میں احادیث، آثار اور اقوالِ فقہاء

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم المنذر الشافعی النیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ دو منصفوں کے متعلق لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ امام یا سربراہِ ملک زوجین کے درمیان اختلاف کی صورت میں ایک منصف بیوی کی طرف سے مقرر کرے اور ایک منصف شوہر کی طرف سے مقرر کرے، پھر فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا کہ اس کا فیصلہ دو منصفوں کی طرف مفوض ہے، اگر ان دونوں کی رائے یہ ہو کہ ان کو اکٹھا کر دیا جائے تو زوجین کو اکٹھا کر دیا جائے گا اور اگر ان کی رائے یہ ہو کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ان کے پاس ایک مرد اور اس کی بیوی آئی اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی جماعت تھی تو حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک منصف شوہر کی طرف سے مقرر کریں اور ایک منصف بیوی کی طرف سے مقرر کریں، سو انہوں نے ایسا کر لیا، پھر حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں منصفوں کو بلا کر فرمایا: کیا تم کو معلوم ہے کہ تم پر کیا ذمہ داری ہے؟ اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ ان کے درمیان صلح کرانے کے بعد ان کو اکٹھا کر دیا جائے تو ان کو اکٹھا کر دو، اور اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے تو تم ان کے درمیان تفریق کر دو، بیوی نے کہا: میں اللہ عزوجل کی کتاب کے فیصلہ پر راضی ہوں خواہ وہ فیصلہ میرے حق میں ہو یا میرے خلاف ہو، پس شوہر نے کہا: رہی تفریق تو میں اس پر راضی نہیں، تب حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا حتیٰ کہ تم اس پر راضی ہو جاؤ جس پر تمہاری بیوی راضی ہوئی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۸۳، مسند الشافعی ج ۲ ص ۴۰۰، تفسیر طبری ج ۴ ص ۴۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۰۵، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۰۵)

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: مجھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم متوفی ۶۰ھ کو منصف مقرر کیا گیا، پس ہم سے یہ کہا گیا کہ اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ شوہر اور بیوی کو صلح کرانے کے بعد اکٹھا کر دیا جائے تو ان کو اکٹھا کر دو اور اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے تو تم ان کے درمیان تفریق کر دو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دو منصف جو بھی فیصلہ کریں وہ جائز ہے۔

اور اسی طرح الشعبی نے کہا اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، اور سعید بن جبیر نے بیان کیا ابراہیم النخعی نے کہا کہ دو منصف خواہ ایک طلاق واقع کریں یا دو طلاق واقع کریں یا تین طلاق واقع کریں تو یہ جائز ہے۔

اور امام مالک نے کہا: بہترین بات وہ ہے جو میں نے اہل علم سے سنی کہ دو منصف خواہ شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کا فیصلہ کریں یا اجتماع کا فیصلہ کریں تو ان کا فیصلہ جائز ہے اور انہوں نے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی مذکور الصدر حدیث سے استدلال کیا ہے۔

(شرح الزرقانی علی موطا امام مالک، للامام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المصری المتوفی ۱۱۲۲ھ ج ۳ ص ۲۷۵، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام الاوزاعی نے کہا کہ شوہر اور بیوی پر ان کے اختلاف کی صورت میں منصفوں کا فیصلہ جائز ہے، اس فیصلہ کو حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جائز قرار دیا ہے اور یہی اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔ (مسائل احمد واسحاق: ۱۰۱۳)

علامہ ابن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ فرماتے ہیں: ہم بھی یہی کہتے ہیں، کیونکہ یہ قول قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کے موافق ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ (النساء: ۳۵)

اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں (زن وشوہر) کے درمیان اتفاق پیدا کردے گا، بیشک اللہ بے حد جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے ۝

سو اس آیت میں حکام سے خطاب فرمایا ہے اور جب یہ مقدمہ حکام کی طرف مفوض ہے تو اس میں یہ دلیل کہ زن وشوہر کے درمیان تفریق کرنا بھی ان کی رائے کی طرف مفوض ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان منصفوں کے تقرر کا کوئی فائدہ نہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کی حدیث اس قول کی صحت پر دلیل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ علم قرآن کے بہت بڑے عالم ہیں اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ دو منصف شوہر اور بیوی کے درمیان اس وقت تک تفریق نہ کریں جب تک کہ ان کو تفریق کا اختیار نہ دیا جائے، عطاء نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

اور الحسن البصری نے کہا ہے کہ دو منصفوں کو اس لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ وہ ظالم کے ظلم کی شہادت دیں، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر دو منصف ان کے درمیان تفریق نہ کریں۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۲۷۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۳۴۱-۳۴۳، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس عنوان کی شرح میں وہی کچھ لکھا ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ ابن المنذر التوفی ۳۱۸ھ کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔

۵۲۷۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ بَنِي الْمُغِيرَةِ اسْتَأْذَنُوا فِي أَنْ يَنْكِحَ عَلِيٌّ ابْنَتَهُمْ فَلَا آذَنُ۔

(صحیح البخاری: ۵۲۳۰، صحیح مسلم: ۲۴۴۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۷۱، سنن ابن ماجہ ۱۹۹۸، مسند احمد: ۱۸۴۴۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ از حضرت المسور بن مخرمہ الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک بنی المغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ علی ان کی بیٹی سے نکاح کرلیں، پس میں اجازت نہیں دیتا۔

یہ حدیث زیادہ تفصیل کے ساتھ درج ذیل ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ متوفی ۶۴ھ بیان کرتے ہیں: میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر فرما رہے تھے کہ بنی ہشام بن المغیرہ نے اس بات کی اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دیں، میں اجازت نہیں دیتا، پھر میں اجازت نہیں دیتا، پھر میں اجازت نہیں دیتا سوا اس کے کہ ابو طالب کا بیٹا میری بیٹی کو طلاق دے دے اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لے، کیونکہ میری بیٹی میرے جسم کا حصہ ہے، جو چیز اس کو رنج پہنچاتی ہے وہ مجھے رنج پہنچاتی ہے اور مجھے وہ چیز ایذاء پہنچاتی ہے جو اس کو ایذاء پہنچاتی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۳۰)

علامہ ابن بطال مالکی کا امام بخاری پر اعتراض

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی التوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری نے حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ متوفی ۶۴ھ کی حدیث کو اس باب میں داخل کرنے سے یہ ارادہ کیا ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "میں علی کو ان کی بیٹی سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتا"، اس ارشاد کو خلع قرار دیا گیا ہے اور امام بخاری کا یہ استدلال قوی نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا اس حدیث میں ارشاد ہے کہ میں اس صورت میں اجازت دوں گا جب ابو طالب کا بیٹا میری بیٹی کو طلاق دے دے۔ پس یہ حدیث طلاق پر دلیل ہے نہ کہ خلع پر اور اگر امام بخاری کا یہ ارادہ ہو کہ وہ طلاق کی دلیل سے خلع پر استدلال کریں تو یہ ایک دلیل سے دوسری دلیل پر استدلال ہے اور یہ استدلال ضعیف ہے۔ اس حدیث سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان نزاع ہو اور اس نزاع کے خوف

کی وجہ سے طلاق کی طرف اشارہ ہے اور اس حدیث میں قطع ذرائع سے حکم لگانا ہے کیونکہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان اختلاف زیادہ ہو جائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے طلاق دینا ناگزیر ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی کے درمیان اختلاف کی صورت میں دو منصفوں کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ (النساء:۳۵)

اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں زن و شوہر کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا، بیشک اللہ بے حد جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے O

اور ان دو منصفوں میں سے ایک منصف مرد کے اہل کی طرف سے ہوگا اور دوسرا منصف عورت کے اہل کی طرف سے ہوگا اور جب ان کا فیصلہ میں اختلاف ہو تو ان کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور ان کا فیصلہ اسی وقت نافذ ہوگا جب ان کا فیصلہ میں اتفاق ہو۔

منصفوں کے دائرہ اختیار کے متعلق مذاہب فقہاء

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب منصف تفریق کا فیصلہ کریں تو آیا زوجین کی طرف سے کسی کو وکیل بنا کر بھیجنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ سو امام مالک، الاوزاعی اور اسحاق نے کہا کہ خواہ منصف تفریق کا فیصلہ کریں یا اجتماع کا فیصلہ کریں تو اس میں زوجین کی طرف سے کسی کو وکیل بنانے کی ضرورت نہیں ہے نہ ان کی اجازت کی ضرورت ہے۔ حضرت عثمان متوفی ۳۵ھ حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم متوفی ۶۸ھ سے اسی طرح روایت ہے، اور الشعبی اور النخعی سے بھی اسی طرح روایت ہے اور فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ منصفوں کے لئے تفریق کا فیصلہ کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ خاوند منصفوں کو تفریق کا اختیار نہ دے دے اور عطاء، الحسن البصری اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے قول سے شوہر کے لئے استدلال کیا ہے کہ زوجین کے درمیان زوج کی مرضی کے بغیر تفریق نہ کی جائے، انہوں نے کہا کہ متفقہ قاعدہ یہ ہے کہ طلاق دینا شوہر کے اختیار میں ہے۔ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ دو منصف تین طلاقیں دیں تو ایک طلاق واقع ہوگی اور ان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ایک طلاق بائن سے زیادہ طلاقیں دیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۸-۳۴۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال مالکی کے اعتراض کا علامہ ابن المنیر کی طرف سے جواب

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۵۲۷۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو وارد کر کے اس پر استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث بھی خلع کے باب سے ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح البخاری:

۵۲۳۰، میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں علی بن ابی طالب کو بنی مغیرہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دیتا، الا یہ کہ وہ میری بیٹی کو طلاق دے دیں" اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں طلاق پر دلالت ہے نہ کہ خلع پر۔

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: میں بنو مغیرہ کو اجازت نہیں دیتا" اس سے آپ نے یہ اشارہ فرمایا کہ حضرت مولیٰ علی بنو مغیرہ کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتے اور آپ نے مولا علی رضی اللہ عنہ کو یہ اجازت اس لئے نہیں دی تاکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں جو طبعی غیرت ہے اس کی حفاظت کی جائے اور جب یہ ثابت ہو گیا تو معلوم ہوا کہ مصلحت کی وجہ سے نکاح کو منقطع کیا جا سکتا ہے اور یہی خلع کا معنی ہے۔ (التواری ص ۲۹۳-۲۹۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۲۷، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن بطال مالکی کے اعتراض کا علامہ کرمانی کی طرف سے جواب اور حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۲۷۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں منصفوں کے دائرہ اختیار کے بارے میں لکھا ہے جس کو ہم مختلف حوالوں سے بیان کر چکے ہیں، پھر علامہ ابن بطال کے امام بخاری پر اعتراض اور علامہ ابن المنیر کے جواب کو لکھا ہے، پھر اس کے بعد لکھا ہے:

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ علامہ ابن بطال مالکی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حیثیت سے ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنو مغیرہ کی بیٹی سے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے نکاح پر راضی نہیں تھیں، اس وجہ سے حضرت مولیٰ علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان نزاع اور شقاق کا خطرہ تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نزاع اور شقاق کو دور کرنے کا ارادہ کیا بایں طور کہ حضرت مولیٰ علی کو بنو مغیرہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرما دیا اور یہ مناسبت جیدہ ہے۔ (الکواکب الدراری جز ۱۹ ص ۲۰۰، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۱ھ)

اور النساء: ۳۵ اور صحیح البخاری ۵۲۷۸ سے یہ معلوم ہوا کہ سدِ ذرائع پر عمل کرنا چاہیے یعنی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا بنو مغیرہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا ان کے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان نزاع اور شقاق کا سبب تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نزاع اور شقاق کو روکنے کے لیے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو بنو مغیرہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرما دیا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو منصفوں کو مقرر کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ شوہر اور بیوی کے درمیان جھگڑے سے پہلے اس کا سدِ باب ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے: اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو۔ (النساء: ۳۵) اس خوف اور خطرہ سے مراد نزاع اور شقاق کی علامات ہیں جن کی وجہ شوہر اور بیوی کے درمیان بدمزگی ہو اور وہ ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کریں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۲۷۸، حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس لیے ہم ان کا تعارف اور تذکرہ پیش کر رہے ہیں:

حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا تعارف اور تذکرہ

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت المسور بن مخرمہ بن نوفل القرشی ابو عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہما، ہجرت کے دو سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے اور ان کے والدان کو

ذی الحجہ ۸ھ میں مدینہ منورہ لے کر آئے، یہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے چار ماہ چھوٹے تھے اور جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت حضرت مسور کی عمر آٹھ (۸) سال تھی، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کو سنا اور ان کو یاد رکھا اور انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔ یہ فقیہ تھے، صاحب فضیلت تھے اور متقی اور پرہیزگار تھے اور یہ ہمیشہ اپنے ماموں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشورہ میں شریک رہتے تھے اور یہ مدینہ میں ہی رہے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا، پھر یہ مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک مکہ میں رہے حتیٰ کہ جب یزید نے الحصین بن نمیر کو مکہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کے خلاف قتال کے لیے روانہ کیا اور یہ واقعہ محرم کے آخر یا صفر کے شروع کا ہے، اس نے مکہ کا محاصرہ کر لیا، اس محاصرے اور جنگ کے درمیان حضرت المسور بن مخرمہ کو المنجنیق سے مارے ہوئے پتھر آ کر لگے، اس وقت حضرت المسور حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے اور ان پتھروں نے ان کو شہید کر دیا، یہ یکم ربیع الاول چونسٹھ (۶۴) ھ کا واقعہ ہے، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مقام الحجون میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی، جس وقت ان کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر بہتر (۷۲) سال تھی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۳ ص ۴۵۵-۴۵۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کی والدہ کا نام الشفاء ہے جو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، ان سے بائیس (۲۲) احادیث کی روایت کی گئی جن میں سے دو حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم دونوں متفق ہیں اور چار (۴) حدیثوں کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں، حضرت المسور بن مخرمہ سے حضرت علی بن حسین اور عروہ اور ایک جماعت نے احادیث کی روایت کی ہے، جس وقت حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا گیا تھا تو اس وقت یہ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے تو منجنیق سے پھینکے گئے پتھر آ کر ان پر لگے اور یہ پانچ دن کے بعد چونسٹھ (۶۴) ہجری میں وفات پا گئے۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۹۸-۹۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ، تہذیب الکمال ج ۲۷ ص ۸۵، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۵۱)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے لکھا ہے کہ حضرت المسور اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۶۶۹۴)

۱۴۔ بَابٌ: لَا يَكُونُ بَيْعُ الْأَمَةِ طَلَاقًا
اس کا بیان کہ باندی کو فروخت کرنا اس کی طلاق نہیں ہے

۵۲۷۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ إِحْدَى السُّنَنِ أَنَّهَا أُعْتِقَتْ فَخُيِّرَتْ فِي زَوْجِهَا وَقَالَ رَسُولُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ربیعہ بن ابو عبد الرحمٰن از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا میں تین خصلتیں تھیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ان کو آزاد

اللهِ ﷺ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالْبُرْمَةُ تَفُورُ بِلَحْمٍ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ خُبْزٌ وَأُدُمٌ مِنْ أُدُمِ الْبَيْتِ فَقَالَ أَلَمْ أَرَ الْبُرْمَةَ فِيهَا لَحْمٌ قَالُوا بَلَى وَلَكِنْ ذَلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ وَأَنْتَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۹۷، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹، مسند احمد: ۲۴۵۲۲)

کیا گیا تو انہیں ان کے خاوند کے متعلق اختیار دیا گیا (کہ وہ ان کے نکاح میں برقرار رہیں یا نہ رہیں) دوسری خصلت یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے اور تیسری خصلت یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے، اس وقت دیگچی میں گوشت ابل رہا تھا، پس آپ کے پاس روٹی اور گھر کے سالنوں میں سے کوئی سالن پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا میں نہیں دیکھ رہا کہ دیگچی میں گوشت پک رہا ہے، گھر والوں نے کہا: کیوں نہیں لیکن اس گوشت کو بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے، آپ نے فرمایا: یہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

حدیث مذکور کے باب کے عنوان کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ شادی شدہ باندی کو فروخت کرنا اس کی طلاق نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ متوفی ۳۱ھ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ اور تمام فقہاء کا یہی مذہب ہے اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ باندی کو فروخت کرنا اس کی طلاق ہے اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ یا ۳۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور ابن المسیب، حسن بصری اور مجاہد کا مذہب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ کا مختار یہ ہے کہ اس شادی شدہ باندی کو خیار عتق دیا جاتا ہے جس کا خاوند غلام ہو۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان میں ان فقہاء کے قول کو ترجیح دی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے اور امام بخاری نے اوائل نکاح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کی روایت سے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ اس عنوان سے بیان کیا ہے "باب الحرۃ تحت العبد" یعنی جو آزاد عورت غلام کے نکاح میں ہو، اور اس عنوان میں بھی امام بخاری نے اس پر وثوق کیا ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے اور اس کی تفصیل اس باب میں آئے گی جو اس کے بعد آ رہا ہے۔

علامہ ابن المنیر نے یہاں پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس باب کی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے اور حضرت بریرہ کو خیار عتق دینا اس پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ مخالف کا یہ دعویٰ ہے کہ باندی کو خیار عتق دینے میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو اور اس کا یہ جواب کہ امام بخاری کا یہ عنوان ان کی عادت کے مطابق جاری ہے

کہ وہ اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ان کی وارد کی ہوئی بعض احادیث میں مذکور ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ متعدد نہیں ہے اور امام بخاری کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے اسی لیے انہوں نے اس عنوان میں لکھا ''اس باندی کو اختیار دینا جو غلام کے نکاح میں ہو'' اور اس باب کے عنوان کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جب باندی آزاد مرد کے نکاح میں ہو پھر اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس کے لئے خیارِ عتق نہیں ہوگا اور فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے متعلق محدثین کا اختلاف کہ آیا وہ آزاد مرد تھے یا غلام تھے؟

جمہور محدثین کا یہی موقف ہے کہ باندی کو خیارِ عتق دیا جاتا ہے (یعنی آزاد ہونے کے بعد باندی کو اختیار ہے کہ وہ سابق شوہر کے نکاح کو برقرار رکھے یا اس کو مسترد کر دے) اور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جس باندی کو آزاد کر دیا جائے اس کو خیارِ عتق دیا جاتا ہے خواہ وہ اس سے پہلے کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو یا کسی غلام کے نکاح میں ہو، ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت الاسود بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ نے بتایا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے (اس حدیث کے راوی میں اختلاف ہے آیا یہ حضرت اسود کا قول ہے یا حضرت عائشہ کا قول ہے یا کسی اور کا قول ہے جیسا کہ عنقریب میں بیان کروں گا) ابراہیم بن ابی طالب نے کہا جو حفاظ حدیث میں سے ایک ہیں اور وہ امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ کے معاصر ہیں جیسا کہ امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے ان سے روایت کی ہے کہ حضرت اسود نے حضرت بریرہ کے خاوند کے متعلق لوگوں کی مخالفت کی ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد مرد تھے جیسا کہ فقط اسود سے روایت ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کی جو روایت ہے وہ اس درجہ کی نہیں ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے اور دوسروں سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے اور اس کی علماء مدینہ نے روایت کی ہے اور جب علماء مدینہ کسی حدیث کی روایت کریں اور اس کے موافق عمل کریں تو وہ صحیح ترین حدیث ہوتی ہے۔

اور جب اس باندی کو آزاد کیا جائے جو کسی غلام کے نکاح میں ہو تو اس کا وہ عقد جس کی صحت پر اتفاق ہو کسی ایسے امر سے فسخ نہیں کیا جائے گا جس میں اختلاف ہو اور دو ابواب کے بعد اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

دو مختلف روایتوں میں تطبیق دینے کا ضابطہ

بعض فقہاء احناف نے ان کی روایت کو ترجیح دینے کا ارادہ کیا جس میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد مرد تھے، انہوں نے اس روایت کو ان کی روایت پر ترجیح دی ہے کہ جس میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام مرد تھے، پس انہوں نے کہا کہ غلام کو آزاد کیا جاتا ہے نہ کہ آزاد کو غلام بنایا جاتا ہے اور ان کا قول درست ہے لیکن احادیث میں اس وقت تطبیق دی جاتی ہے جب وہ احادیث قوت میں مساوی درجہ کی ہوں لیکن جب ایک حدیث قوی ہو اور دوسری حدیث منفرد اور شاذ ہو تو شاذ روایت مردود ہوتی ہے، اسی وجہ سے حضرت بریرہ کے خاوند کے آزاد اور غلام ہونے کی دو مختلف روایتوں کے درمیان جمہور نے تطبیق نہیں دی حالانکہ وہ کہتے ہیں: جب دو مختلف روایتوں میں تطبیق ممکن ہو تو ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح نہیں دی جاتی۔

اور محققین کے کلام کا خلاصہ یہ ہے جس کو امام شافعی اور ان کے متبعین نے بھی اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ دو مختلف روایتوں کو اس وقت جمع کیا جاتا ہے جب ان میں سے کوئی ایک روایت غلط نہ ہو اور بعض نے یہ کہا ہے کہ جب دو مختلف روایتیں قوت میں مساوی ہوں تو ان میں تطبیق دی جاتی ہے۔

اس روایت کو ترجیح جس میں مذکور ہے کہ شادی شدہ باندی جب غلام کے نکاح میں ہو تو آزاد ہونے کے بعد اس کو خیارِ عتق حاصل ہوگا اور اس کا نکاح سابق کو مسترد کرنا آیا طلاق ہے یا فسخِ نکاح؟

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے کہا ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب شادی شدہ باندی جو کسی غلام کے نکاح میں ہو پھر اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق دیا جاتا ہے تو وہ چاہے تو اپنے سابق شوہر کے نکاح میں رہے اور چاہے تو نہ رہے اور اس کا معنی ظاہر ہے کیونکہ غلام اکثر احکام میں آزاد عورت کا کفو نہیں ہے، پس جب شادی شدہ باندی آزاد کی جائے گی تو اس کے لیے خیارِ عتق ثابت ہوگا، پس وہ چاہے تو اس غلام کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو اس نکاح کو مسترد کر دے کیونکہ وہ باندی عقدِ نکاح کے وقت اہلِ اختیار میں سے نہیں تھی، اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ باندی کے لئے خیارِ عتق ہوتا ہے خواہ وہ آزاد مرد کے نکاح میں ہو کیونکہ عقدِ تزویج کے وقت اس باندی کی رائے کا اعتبار نہیں تھا اس لئے کہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ باندی کے مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کر دے، پس جب اس باندی کو آزاد کر دیا گیا تو اب اس کو وہ صفت حاصل ہو گئی جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی اور دوسرے فقہاء نے اس پر معارضہ کیا ہے کہ اگر یہ چیز موثر ہو تو آزاد نابالغہ کنواری لڑکی کے لئے بھی موثر ہوگی کیونکہ جب کنواری نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے والد نے کر دیا پھر وہ بالغہ ہو گئی تو پھر اس کو بھی خیار بلوغ ملنا چاہیے کہ اگر وہ چاہے تو بالغہ ہونے کے بعد اپنے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو مسترد کر دے، پس اسی طرح وہ باندی جو کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہے تو اس کو آزاد کر دینے سے ایسی صفت حاصل نہیں ہوگی کہ وہ آزاد مرد سے کئے ہوئے نکاح کو مسترد کر دے، سو وہ باندی اس کتابیہ عورت کی طرح ہوگی جو مسلمان ہو جائے اور کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور اس میں اختلاف ہے کہ جب شادی شدہ باندی اپنے شوہر سے علیحدگی کو اختیار کر لے تو آیا اس علیحدگی کو طلاق قرار دیا جائے گا یا فسخِ نکاح قرار دیا جائے گا، سو امام مالک، الاوزاعی اور اللیث نے کہا ہے کہ یہ علیحدگی طلاقِ بائنہ ہے اور الحسن البصری اور محمد بن سیرین کا قول بھی اس کی مثل ہے، امام ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ ھ نے اس کے موافق حدیث ذکر کی ہے اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ یہ علیحدگی فسخِ نکاح ہے طلاق نہیں ہے۔

شادی شدہ باندی کو فروخت کرنا یا اس کو آزاد کرنا آیا اس کو طلاق ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ صحیح البخاری: ۵۲۷۹، کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا باندی کو فروخت کرنا اور اس کو آزاد کرنا اس کو طلاق دینا ہے یا نہیں؟

سو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ متوفی ۳۱ ھ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ ھ سے روایت ہے کہ یہ اس کو طلاق نہیں ہے اور یہی تمام فقہاء کا مذہب ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۶)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ ھ اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، الحسن البصری اور مجاہد کا قول یہ ہے کہ شادی شدہ باندی کو فروخت کرنا اور اس کو آزاد کرنا اس کو

طلاق ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۵-۱۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ) اوران کا استدلال قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ (النساء:۲۴) اورتم پروہ عورتیں حرام کی گئی ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں سوا کافروں کی ان عورتوں کے جن کے تم مالک بن جاؤ، یعنی جو تمہاری باندیاں ہوں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر شادی شدہ عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام کر دیا ہے، مگر جو عورتیں ہماری باندیاں ہوں، وہ ہمارے لئے حلال ہیں، کیونکہ ان کو فروخت کرنا ان میں ایک نئی ملکیت کو ایجاد کرنا ہے، سو واجب ہے کہ ان سے نکاح کی حرمت کا حکم مرتفع ہو جائے اور ان کی یہ دلیل اس قیدی باندی سے باطل ہو جاتی ہے جو خاوند والی ہو۔

اور جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ شادی شدہ باندی کو فروخت کرنا اس کو طلاق نہیں ہے کیونکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا، پھر ان کو ان کے شوہر کے متعلق اختیار دیا گیا، پس اگر شادی شدہ باندی کو فروخت کرنا اس کو طلاق ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آزاد کرنے کے بعد ان کو خیارِ عتق نہ دیتے اور ان سے یہ نہ فرماتے کہ تم چاہو تو اپنے خاوند کے نکاح میں رہو اور نیز یہ منفعت پر عقد ہے، سو واجب ہے کہ گردن کو فروخت کرنا اس عقد کو باطل نہ کرے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب بیع سے اجارہ باطل نہیں ہوتا تو اسی طرح بیع سے نکاح بھی باطل نہیں ہوگا، کیونکہ نکاح بھی اجارہ کی مثل ہے۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہ ایک دوسرے کو کھانے، پینے کی چیزوں کا ہدیہ پیش کرتے تھے اور معمولی چیز کا بھی ہدیہ پیش کرتے تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے بکری کے اگلے پائے یا پچھلے پائے کی دعوت کی جائے تو میں ضرور اس کو قبول کروں گا۔(صحیح البخاری: ۲۵۶۸، مسند احمد: ۱۰۲۱۲)

اسی وجہ سے جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے گوشت کا ہدیہ کیا گیا تو اس پر کسی نے انکار نہیں کیا اور نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قبول کرنے پر کسی نے انکار کیا۔

(۲) جس شخص کو کوئی ہدیہ پیش کیا جائے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو تو وہ اس ہدیہ کو مسترد نہ کرے، پس اگر وہ اس ہدیہ کے بدلہ میں کوئی ہدیہ پیش کر سکتا ہو تو وہ پیش کرے اور اگر وہ اس کے جواب میں ہدیہ نہ پیش کر سکتا ہو تو ہدیہ دینے والے کی تحسین کرے اور اس کا شکریہ ادا کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح مروی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو قبول فرماتے تھے اور اس کے جواب میں ہدیہ دیتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۸۵، مسند احمد: ۲۴۵۹۱، سنن ابوداؤد: ۳۵۳۶، سنن ترمذی: ۱۹۵۳، سنن نسائی: ۳۹۵۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۵۳ ۱۰، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۱۷۹، صحیح ابن حبان: ۹۹۳) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۰-۳۵۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی

متوفی ۴۴۹ھ کی شرح کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۳۰-۳۳۲، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

شادی شدہ باندی کی عدت کے متعلق مختلف روایات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۲۷۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ سے روایت کی ہے:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا گیا کہ وہ تین حیض عدت گزاریں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت ہے کہ وہ آزاد عورت کی عدت گزاریں، اور امام ابویعلیٰ شافعی متوفی ۳۰۷ھ اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی عدت مطلقہ کی عدت قرار دی ہے اور امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اسانید صحیحہ کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ سے روایت کی ہے اور دوسروں نے کہا ہے کہ جو باندی کسی غلام کے نکاح میں ہو جب اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس کی طلاق وہ ہے جو غلام کی طلاق ہوتی ہے اور اس کی عدت وہ ہے جو آزاد عورت کی عدت ہوتی ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر گوشت کے صدقہ کے متعلق متعدد روایات

نیز صحیح البخاری: ۵۲۷۹، میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے''۔
یہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی دوسری خصلت ہے، اس کے سبب کا بیان ''کتاب العتق'' اور ''کتاب الشروط'' میں گزر چکا ہے، نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ گوشت بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے''۔ اور یہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی تیسری خصلت ہے اور ان کی وجہ سے یہ تیسرا مسئلہ معلوم ہوا کہ ملک بدلنے سے عین بدل جاتا ہے۔

''کتاب الزکوٰۃ'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو گھر والوں نے کہا کہ اس گوشت کا بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے، اسی طرح ''کتاب الھبہ'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گوشت کے متعلق پوچھا تو آپ کو یہ بتایا گیا۔

اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ لوگ حضرت بریرہ پر صدقہ کرتے تھے اور وہ اس صدقہ کو ہم پر بہ طور ہدیہ پیش کرتی تھیں۔

بعض شروح میں مذکور ہے کہ یہ گائے کا گوشت تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: اس شرح پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ منقول ہے کہ وہ فرماتی ہیں: میری ایک باندی پر بکری کو صدقہ کیا گیا تھا، سو اس روایت کو قبول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۴-۴۷۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا تعارف اور تذکرہ

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما متوفاۃ ۵۷ھ کی باندی تھیں، یہ پہلے بنو ہلال کی باندی تھیں، انہوں

ان کو مکاتب کر دیا یعنی اگر تم نے اتنی رقم ادا کر دی تو تم آزاد ہو جاؤ گی، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ کو ان سے خرید لیا اور ان کے متعلق صحیح البخاری: ۵۲۷۹ میں مذکور ہے کہ ''ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرے''، ولاء کا معنی یہ ہے کہ اگر غلام کو آزاد کر دیا جائے اور وہ آزاد ہونے کے بعد مال کمائے تو اس کے مرنے کے بعد وہ مال اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر وہ مال اس کے آزاد کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔ جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا تو وہ ایک مرد کے نکاح میں تھیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیارِ عتق دیا یعنی اگر وہ چاہیں تو اپنے نکاح سابق کو برقرار رکھیں اور اگر چاہیں تو اس نکاح کو مسترد کر دیں، پس حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے خیارِ عتق کی سنت ثابت ہوئی، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا یہ غلام تھے یا آزاد تھے؟ سو اہل مدینہ کی روایت ہے کہ ان کے خاوند غلام تھے اور ان کا نام مغیث تھا اور اہلِ عراق کی روایت ہے کہ ان کے خاوند آزاد مرد تھے اور ہم نے ''کتاب التمہید'' میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۳۵۷-۳۵۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں ان سے صرف ایک حدیث مروی ہے جس کی عروہ نے ان سے روایت کی ہے۔ (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۲ھ)

نوٹ: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا سن وفات اسماء الرجال کی کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔

۱۵- بَابُ: خِيَارِ الْأَمَةِ تَحْتَ الْعَبْدِ

اس بیان میں کہ جب باندی کسی غلام کے نکاح میں ہو تو اس کو آزاد کرنے کے بعد اسے یہ اختیار دیا جائے کہ وہ نکاحِ سابق میں رہے یا نہ رہے

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے غلام ہونے کی تحقیق اور بحث ونظر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ جب کوئی باندی کسی غلام کے نکاح میں ہو اور اس کو آزاد کر دیا جائے، یہ عنوان اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک ان فقہاء کا قول راجح ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس باب میں یہ حدیث مذکور نہیں ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی حدیث کی اس روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کو امام بخاری وارد کرتے ہیں اور حضرت بریرہ کا قصہ متعدد نہیں ہے، پس امام بخاری کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند سیاہ فام غلام تھے۔

امام مسلم کے علاوہ باقی محدثین نے روایت کی ہے از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند سیاہ فام غلام تھے، سو امام بخاری نے اس باب میں اس حدیث کی اپنی سند سے روایت کی ہے اور امام ابو داؤد نے ''کتاب الطلاق'' میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور امام ترمذی نے ''کتاب الرضاع'' میں ایوب، قتادہ اور عکرمہ سے اس

کی روایت کی ہے اور امام نسائی نے ''کتاب القضاء'' میں خالد الحذاء سے اس کی روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے ''کتاب الطلاق'' میں از خالد الحذاء اس کی روایت کی ہے اور امام دارقطنی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو یہ حکم دیا کہ وہ آزاد عورت کی عدت گزاریں اور اسی طرح امام عبدالحق نے اپنی کتاب ''کتاب الاحکام'' میں امام دارقطنی سے اس اضافہ کی روایت کی ہے اور میں نے اس اضافہ کو نہیں پایا، سو اس کی تحقیق کرنی چاہیے لیکن سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ہے کہ آپ نے حضرت بریرہ کو یہ حکم دیا کہ وہ تین حیض عدت گزاریں، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، حسن بصری، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی، زہری، اللیث بن سعد، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے امام مسلم اور امام ابوداؤد کی درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بیان کرتی ہیں کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کو خیارِ عتق دیا تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا اور اگر ان کے خاوند آزاد مرد ہوتے تو آپ حضرت بریرہ کو خیارِ عتق نہ دیتے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۳۳، صحیح البخاری: ۲۵۶۳، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۱۵۴، سنن نسائی: ۳۴۴۸)

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کا آخری جملہ قطعی طور پر عُروہ کا کلام ہے اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم (الرقم المسلسل: ۳۶۷۱) میں یہ روایت قال کے لفظ کے ساتھ مروی ہے اور قال مذکر کا صیغہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا فاعل عُروہ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام نسائی کی روایت میں یہ تصریح ہے ''قال عُروۃ ولو کان حرا ما خیرھا'' عُروہ نے کہا: اگر بریرہ کے خاوند آزاد مرد ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ کو خیارِ عتق نہ دیتے۔ (سنن نسائی: ۳۴۴۸، دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور اسی طرح امام ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے اپنی صحیح میں سنن نسائی کے الفاظ سے روایت کی ہے۔

امام ابوجعفر الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آخری جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آخری جملہ عُروہ کا قول ہو، سو پہلے احتمال کی بناء پر اس سے قطعی دلیل قائم نہیں ہوگی اور اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت متعارض ہے، کیونکہ اسود نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد مرد تھے، پس اگر تم یہ کہو کہ اسود کی روایت ان کی روایت کے معارض ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس زیادہ اٹھنے بیٹھنے والے تھے، کیونکہ القاسم بن محمد اور العروہ بن زبیر دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ کا خاوند غلام تھا اور اسود کوفی ہیں، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پردے کے پیچھے سے حدیث کو سنا اور عروہ اور قاسم دونوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو بلا حجاب سنا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عروہ کی خالہ ہیں اور قاسم کی پھوپھی ہیں، پس وہ اسود کی بہ نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس زیادہ بیٹھنے والے تھے۔

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دونوں سندوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس عُروہ کی زیادہ نشست و برخاست کا ہونا تعارض کے منافی نہیں ہے۔

اور دوسری جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد مرد تھے کیونکہ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد مرد تھے، جب ان کو آزاد کر دیا گیا اور ان کو اختیار دیا گیا اور اسی طرح امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ کی روایت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد مرد تھے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۴، سنن نسائی: ۳۴۴۷، مسند احمد ج ۶ ص ۴۲)

میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ اسود نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کی ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد مرد تھے اور عُروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کی ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے، علامہ عینی حنفی نے یہ فرمایا ہے: عروہ کی روایت کو ترجیح ہے کیونکہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پردہ کی اوٹ سے یہ حدیث سنی تھی، اس لیے عروہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس روایت کو ترجیح ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں:

اور محدثین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے آزاد ہونے کی روایت وَھم ہے، الشعبی، النخعی، الثوری، محمد بن سیرین، طاؤس، مجاہد، ابوثور اور امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد اور دیگر محدثین نے بھی یہی کہا ہے لیکن انہوں نے کہا ہے کہ باندی کو جب آزاد کیا جائے تو اس کے لیے خیار عتق فی نفسھا ثابت ہوتا ہے خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو، غیر مقلدین کا بھی یہی مذہب ہے اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر باندی کا خاوند غلام ہو تو اس کے لیے خیارِ عتق ثابت ہوگا اور اگر اس کا خاوند آزاد ہو تو اس کے لیے خیارِ عتق ثابت نہیں ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۷۹-۳۸۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۸۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَهَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُهُ عَبْدًا يَعْنِي زَوْجَ بَرِيرَةَ۔

(سنن ترمذی: ۱۱۵۶، سنن نسائی: ۵۴۱۷، سنن ابو داؤد: ۲۲۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۵، مسند احمد: ۲۵۳۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ اور ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کو دیکھا وہ غلام تھا یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند۔

۵۲۸۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ذَاكَ مُغِيثٌ عَبْدُ بَنِي فُلَانٍ يَعْنِي زَوْجَ بَرِيرَةَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَتْبَعُهَا فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ يَبْكِي عَلَيْهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد الاعلیٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مُغیث تھا جو بنو فلاں کا غلام تھا یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا خاوند، گویا کہ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں پھر رہا تھا اور ان کے فراق میں رو رہا تھا۔

اس کی تخریج وہی ہے جو: ۵۲۸۰ کی ہے۔

۵۲۸۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ عَبْدًا أَسْوَدَ يُقَالُ لَهُ مُغِيثٌ عَبْدًا لِبَنِي فُلَانٍ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَطُوفُ وَرَاءَهَا فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی از ایوب از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند سیاہ فام غلام تھے، ان کو مغیث کہا جاتا تھا، وہ بنی فلاں کے غلام تھے گویا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں چکر لگا رہے تھے۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو: ۵۲۸۰ کی تخریج ہے۔

اس پر دلائل کہ جب باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق ہوتا ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو باندی کسی غلام کے نکاح میں ہو، جب اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق ہوتا ہے، خواہ وہ اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھے یا اس کو مسترد کر دے اور غلام جب کہ اپنی حرمت اور حدود میں اور تمام احکام میں آزاد عورت کا کفو نہیں ہے تو واجب ہے کہ جب اس کی بیوی آزاد کر دی جائے تو اس کو نکاح کو قائم رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار دیا جائے، کیونکہ جس وقت اس کا نکاح ہوا تھا، اس وقت اسے اپنے نفس پر اختیار نہیں تھا اور اب جب وہ آزاد کر دی گئی ہے تو اس کو اس کے نفس کے متعلق اختیار دیا گیا ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس اصول کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے:

وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ (النساء: ۲۵)

اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمان کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے (نکاح کر لے) اور اللہ تمہارے ایمان کو بہت زیادہ جاننے والا ہے، تم باہم ایک دوسرے کی جنس سے ہو تم ان (باندیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، درآں حالیکہ وہ (باندیاں) قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والیاں ہوں بدکار نہ ہوں اور نہ غیروں سے آشنائی کرنے والی ہوں۔

سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آزاد مردوں کے باندیوں کے ساتھ نکاح کی یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ رکھیں، لہٰذا اس کی مثل غلام میں بھی واجب ہے کہ وہ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی طاقت نہ رکھے تب وہ باندیوں سے نکاح کر سکتا ہے جب کہ آزاد عورت اپنی مرضی سے کسی آزاد مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔

جب باندی کو مسئلہ کا علم نہ ہو تو اس کے خیارِ عتق کے متعلق فقہاء کا اختلاف

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب باندی کو آزاد کرنے کے بعد خیارِ عتق دیا جائے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے، پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور ان کی ہم شیر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۴۱ھ سے روایت ہے:

جب تک اس کے خاوند نے اس سے مقاربت نہ کی ہو اس کے لیے خیارِ عتق ہوتا ہے اور یہی امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے، خواہ اس باندی کو اس مسئلہ کا علم ہو یا نہ ہو۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اگر باندی مسئلہ سے جہالت کا دعویٰ کرے تو اس کو خیارِ عتق ہوگا۔

باندی کے خیارِ عتق کا مجلس پر موقوف نہ ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باندی کا خیارِ عتق مجلس پر موقوف نہیں ہوتا کیونکہ حضرت بریرہ کے مدینہ میں پھرنے سے ان کا خیارِ عتق باطل نہیں ہوا، اور قتادہ اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور دیکھ رہا تھا کہ حضرت بریرہ کے خاوند مدینہ کی گلیوں میں پھر رہے تھے اور ان کے آنسوان کی ڈاڑھی پر گر رہے تھے اور وہ حضرت بریرہ کے پیچھے جا رہے تھے اور ان کو راضی کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ ان کو اختیار کر لیں۔

اور حضرت بریرہ کی حدیث میں ان فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ جب کوئی باندی کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو اور اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق نہیں ہوتا کیونکہ اس کو خیارِ عتق شوہر کے غلام ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور اہلِ عراق نے از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد مرد تھے۔

(سنن ترمذی: ۱۱۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۴، سنن نسائی: ۳۴۴۷، مسند احمد: ج ۶ ص ۴۲)

جب باندی کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو تو اس کو خیارِ عتق ہوگا یا نہیں؟

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب باندی کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو اور اس کو آزاد کر دیا جائے تو آیا اس کو خیارِ عتق ہوتا ہے یا نہیں، سو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اس کے لئے خیارِ عتق نہیں ہوتا اور عطاء، سعید بن المسیب حسن بصری، اور ابن ابی لیلیٰ کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک، الاوزاعی، اللیث، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ باندی کے لئے خیارِ عتق ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، الشعبی، النخعی، ابن سیرین سے اسی طرح روایت ہے اور یہی الثوری، فقہاء احناف اور ابوثور کا قول ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

الاسود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ کے شوہر آزاد مرد تھے اور انہوں نے کہا کہ باندی کی اپنے مولیٰ کے نکاح کرنے میں کوئی رائے نہیں ہوتی کیونکہ اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ باندی کا مولیٰ اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے، پس جب باندی کو آزاد کر دیا جائے گا تو اس کو وہ اختیار مل جائے گا جو اس کو اس کی غلامی کی حالت میں نہیں تھا۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے آزاد مرد ہونے پر بحث و نظر

اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب باندی آزاد مرد کے نکاح میں ہو تو اس کے لیے خیارِ عتق نہیں ہوتا، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس

باندی کے اوپر ایسا حال نہیں آیا کہ جس حال کی وجہ سے وہ آزاد مرد سے مفارقت کرے، پس گویا کہ وہ باندی اور اس کا شوہر دونوں آزاد ہیں اور اس کے خاوند کا حال اس کی بیوی سے کم نہیں ہے اور نہ اس کے خاوند میں کوئی عیب ہے، تو اس کی بیوی جب آزاد ہو چکی ہے تو اس کے لیے شوہر سے مفارقت کا کوئی اختیار نہیں ہوگا اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ نامرد کی بیوی کے لئے اس وقت مفارقت کا کوئی اختیار نہیں ہوتا جب اس کے شوہر سے نامردی کی بیماری دور ہو جائے اور رہی الاسود کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت تو اس کے معارض ان کی روایت ہے جو الاسود کی بہ نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زیادہ قریب تھے اور وہ القاسم بن محمد اور عُروہ بن زبیر ہیں اور وہ دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ کے شوہر غلام تھے اور الاسود کوفی ہیں، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجاب کی اوٹ سے حدیث سنی ہے اور عروہ اور القاسم دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بلا حجاب حدیث کا سماع کرتے تھے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عروہ کی خالہ ہیں اور القاسم بن محمد کی پھوپھی ہیں، پس یہ دونوں الاسود کی بہ نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں زیادہ حاضر ہونے والے تھے۔

اور علامہ ابن المنذر شافعی نے کہا ہے کہ دو کی روایتیں ایک کی روایت کی بہ نسبت راجح ہوتی ہیں کیونکہ القاسم اور العروہ سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے اور صرف اسود کی روایت ہے کہ ان کے خاوند آزاد تھے اور سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غلام تھے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۱-۳۵۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابو الحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۳۳-۳۳۶، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے ان احادیث کی شرح میں وہی کچھ لکھا ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۶-۴۷۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کے متعلق ان کے غلام اور آزاد ہونے کی دو مختلف روایتوں میں محاکمہ اور امام ابو حنیفہ کے اس قول پر دلائل کہ جب کسی باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، اور باقی تمام شارحین کا رد

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا کہ میں نے حضرت بریرہ کے شوہر کو دیکھا کہ وہ غلام تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۲۸۰)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جس وقت حضرت بریرہ کو آزاد کیا گیا اس وقت ان کے شوہر غلام تھے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ خبر دے رہے ہیں کہ ان کے شوہر پہلے غلام تھے، لہٰذا اس حدیث سے استدلال

کامل نہیں ہے۔

اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر کے متعلق ایسی دو صفتوں میں اختلاف ہے جو ایک حالت میں جمع نہیں ہوسکتیں، لہٰذا ہم ان دو صفتوں کو مختلف دو حالتوں پر محمول کرتے ہیں، بایں طور کہ وہ ایک حالت میں غلام تھے اور دوسری حالت میں آزاد تھے، پس بالبداہت ایک حالت دوسری حالت سے متاخر ہوگی اور یہ بات معلوم ہے کہ غلامی کے بعد آزادی حاصل ہوتی ہے اور آزادی کے بعد غلامی طاری نہیں ہوتی اور اس چیز میں کسی کا نزاع نہیں ہے، پس جب اس طرح ہے تو ہم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی غلامی کی صفت کو مقدم قرار دیا اور آزادی کی صفت کو مؤخر قرار دیا، سو اس طریقہ سے معلوم ہوگیا کہ جس وقت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا، اس وقت وہ آزاد تھے اور اس سے پہلے وہ غلام تھے، سو جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ غلام تھے تو وہ ان کی پہلی حالت پر محمول ہیں اور جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ آزاد تھے تو وہ ان کی بعد کی حالت پر محمول ہیں۔ پس اب ان دو حدیثوں میں تعارض نہیں رہے گا اور ان فقہاء اور محدثین کا قول ثابت ہوگا کہ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے، لہٰذا خیار عتق کا حکم اس پر معلق ہوگا۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ تمام روایات میں یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر غلام تھے تو ان احادیث میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ جب باندی کا شوہر آزاد ہو پھر اس باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیار عتق نہیں ہوتا کیونکہ ان روایات میں اس کی تصریح نہیں اور اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیث مروی نہیں ہے جس میں آپ نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے بریرہ کو اس لئے خیار عتق دیا کہ ان کے خاوند غلام تھے اور یہ چیز اصلاً احادیث اور آثار میں موجود نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس لئے اختیار دیا کہ ان کو آزاد کیا گیا تھا، پس جب کسی باندی کو آزاد کیا جائے تو اس کو خیار عتق نہیں دیا جائے گا خواہ اس کا شوہر پہلے آزاد ہو یا غلام۔ اور ہماری اس تقریر سے علامہ ابن ملقن شافعی صاحب التوضیح کی اس شرح کا رد ہوگیا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس لئے خیار عتق دیا گیا تھا کیونکہ ان کے شوہر غلام تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۳۵، قطر)

اور اگر علامہ ابن ملقن شافعی ہماری اس تحقیق پر مطلع ہوتے تو وہ یہ غلط شرح نہ کرتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۰-۳۸۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کا تعارف اور تذکرہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حضرت مغیث کے تعارف میں لکھتے ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت مغیث کو حضرت ابن عبدالبر المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے صحابہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بعض بنی مطیع کے غلام تھے اور امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے یہ روایت کی ہے کہ وہ ابن المغیرہ کے سیاہ فام غلام تھے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

حضرت بریرہ کے شوہر بنو مغیرہ کے سیاہ فام غلام تھے، جس دن حضرت بریرہ کو آزاد کیا گیا اور اللہ کی قسم! گویا کہ میں ان کو مدینہ کی گلیوں اور اس کے اطراف میں دیکھ رہا ہوں اور ان کے آنسو ان کی ڈاڑھی پر بہہ رہے تھے، وہ حضرت بریرہ کو راضی کر رہے تھے کہ وہ ان کو اختیار کرلیں لیکن حضرت بریرہ نے ایسا نہیں کیا۔ (سنن ترمذی: ۱۱۵۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۱ ص

۲۱۵، مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

اور امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے ہشیم سے روایت کی ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر بنو مخزون سے آل بنی مغیرہ کے غلام تھے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۲۵۷، ج ۱ ص ۲۹۹، دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور ابن مندہ نے کتاب المعرفہ میں لکھا ہے کہ حضرت مغیث بن احمد بن جحش کے آزاد کردہ غلام تھے اور امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ کی روایت میں ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر آلِ ابی احمد کے غلام تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۳۶)

ابن مندہ نے کہا ہے کہ مغیث ابن احمد کے غلام تھے اور امام ابوداؤد نے کہا ہے کہ وہ آلِ ابواحمد کے غلام تھے، علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: ان دو مختلف روایتوں میں تطبیق دینا بعید ہے سوا اس کے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت مغیث ان دونوں کے مشترک غلام تھے۔

اس حدیث میں ''سِکَکُ المدینه'' کا ذکر ہے، سِکّہ اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کھجور کے درختوں کی صفیں ہوں، اس وجہ سے گلیوں اور کوچوں کو بھی سکک کہا جاتا ہے کیونکہ گلیوں اور کوچوں میں گھروں کی صفیں ہوتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۱، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کا نام مغیث ہے، وہ بعض بنی مطیع کے غلام تھے، ان کے نکاح میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیارِ عتق دیا، سو انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو جس وقت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا اور ان کو خیار عتق دیا گیا اس دن وہ حجازیہ کے قول کے مطابق غلام تھے اور کوفیین کے قول کے مطابق وہ اس دن آزاد تھے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۵، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ، الاصابہ: رقم: ۸۱۹۰، اسد الغابہ: ۵۰۶۲، المؤتلف والمختلف ص ۱۱۹، المؤتلف للدارقطنی ص ۲۰۶۹)

خیارِ عتق کی بحث کا تتمہ اور فقہاءِ احناف کے مذہب کی تائید میں مزید احادیث

امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ، امام ابویوسف متوفی ۱۸۳ھ، امام محمد بن حسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ کا مذہب یہ ہے کہ جب باندی کو آزاد کیا جائے تو اس کو خیار عتق دیا جاتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از سعید از ہشیم از مغیرہ از ابراہیم، انہوں نے کہا کہ باندی کے لئے خیار عتق ہوگا خواہ اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو، ہشیم نے کہا کہ یہی قول معتمد ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۲۵۳، ج ۱ ص ۲۹۸، دارالکتب العلمیہ بیروت)

از سعید از ہشیم از عبداللہ بن شبرمہ الہمدانی، انہوں نے کہا کہ میں نے شعبی سے سنا، وہ کہتے تھے کہ باندی کے لئے خیارِ عتق ہوگا، خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۲۵۴، ج ۱ ص ۲۹۸، دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ جب باندی کو آزاد کر دیا جائے اور اس کا خاوند آزاد ہو تو اس کے لئے خیار عتق نہیں ہوتا اور

ہمارے نزدیک اس کے لئے خیارِ عتق ہوتا ہے۔

(الجامع الکبیر ص ۹۹-۹۸، ۱۰۴، المبسوط: ج ۵ ص ۹۹، البنایہ ج ۴ ص ۲۹۲، مغنی المحتاج ج ۳ ص ۲۱۰، کتاب الام ج ۵ ص ۱۲۲)

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خیارِ عتق دیا، جس وقت ان کو آزاد کیا گیا تھا اور اس وقت ان کے خاوند آزاد تھے اور اس لئے کہ خیارِ عتق اس لئے ثابت ہوتا ہے تاکہ باندی کے آزاد ہونے کے سبب سے اس پر سے زیادہ ملکیت کو دور کیا جاسکے اور یہ وجہ اس صورت میں بھی موجود ہے، اس وجہ سے اس کے لئے خیارِ عتق ثابت ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۶۷۵۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۳۵، سنن نسائی: ۳۴۴۶، ۳۴۴۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۴، مسند احمد: ۲۴۲۰۵، سنن ترمذی: ۱۱۵۵)

(فتاویٰ ابی اللیث السمرقندی ج ۲ ص ۹۳۳-۹۳۴، مکتبہ محمدیہ کراچی، ۱۴۳۲ھ)

۱۶۔ بَابُ: شَفَاعَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي زَوْجِ بَرِيرَةَ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی شفاعت فرمانا

حاکم کا کسی ایک فریق کی دوسرے فریق کے متعلق شفاعت کرنے کا جواز

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے ان کے خاوند کی شکایت کی تاکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ان سے رجوع کرلیں اور اس حدیث کے عنوان سے یہ ثابت ہوا کہ حاکم کی کسی مقدمہ میں اس کے کسی فریق کی شفاعت کرنا جائز ہے تاکہ وہ فریق اپنا حق ترک کردے یا اپنے حق کو کم کردے یا اپنے دعویٰ کو چھوڑ دے اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت بریرہ اور ان کے خاوند دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس مقدمہ کو پیش کیا تھا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا ''کاش! تم اس سے رجوع کرلیتیں'' اور یہ ارشاد اسی وقت متصور ہوسکتا ہے جب دونوں نے اپنا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۱-۳۸۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۸۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ زَوْجَ بَرِيرَةَ كَانَ عَبْدًا يُقَالُ لَهُ مُغِيثٌ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَطُوفُ خَلْفَهَا يَبْكِي وَدُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى لِحْيَتِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِعَبَّاسٍ يَا عَبَّاسُ أَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَوْ رَاجَعْتِهِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ تَأْمُرُنِي قَالَ إِنَّمَا أَنَا أَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِي فِيهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے جن کو مغیث کہا جاتا تھا گویا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے گھوم رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عباس! کیا تم کو مغیث کی بریرہ سے محبت پر اور بریرہ کے مغیث سے بغض پر

تعجب نہیں ہوتا؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا
: کاش! تم اس سے رجوع کرلیتیں، تو حضرت بریرہ نے پوچھا: یا
رسول اللہ! کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تو
صرف سفارش کر رہا ہوں، حضرت بریرہ نے کہا: مجھے اس کی کوئی
ضرورت نہیں ہے۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۲۰۸ کی تخریج ہے۔

عالم اور سربراہ ملک کا لوگوں کی ضروریات میں سفارش کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ عالم اور سربراہ کے لئے لوگوں کی ضروریات مین سفارش کرنا اور لوگوں کو ان کی بیویوں کی طرف رغبت دلانا اور سائل کی مراد پوری کرنے کے لئے سفارش کرنا جائز ہے اور مکارمِ اخلاق میں سے ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ سے کوئی حاجت طلب کی جاتی تو آپ فرماتے: ''تم (اس کی) سفارش کرو تم اجر پاؤ گے'' اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہتا ہے وہ فیصلہ فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۳۲، صحیح مسلم: ۲۶۲۷، سنن نسائی: ۲۵۵۶، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۱، مسند احمد: ۱۹۰۸۷)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ خواہ سائل کی حاجت پوری نہ ہو مگر اس سلسلہ میں کوشش کرنے والے کو اجر ملے گا۔

حاکم کا حق دار سے دوسرے کے لئے تخفیف کی سفارش کرنے کا جواز

نیز اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ سربراہِ ملک اور حاکم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جب اس کے پاس دو فریق اپنے حق کو ثابت کرنے کے لئے مقدمہ پیش کریں اور ان میں سے کسی ایک کا حق ثابت ہو تو حاکم اس سے سوال کرے۔ جس کا حق ثابت ہو چکا ہے کہ وہ اپنے حق کو وصول کرنے کو مؤخر کردے یا اس کو معاف کردے اور وہ اس کے متعلق صاحب حق سے سفارش کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے سفارش کی جب کہ آپ ان کو خیارِ عتق دے چکے تھے اور ان کو بتا چکے تھے اور ان کو خیارِ عتق حاصل ہے، سو آپ نے فرمایا: ''کاش! تم اس سے رجوع کرلیتیں''۔

کسی معزز شخص کی سفارش کو اگر مسترد کر دیا جائے تو اس کے ملول خاطر نہ ہونے کا استحباب

نیز اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جس شخص سے کسی ایسے کام کا سوال کیا گیا جس کا کرنا اس پر واجب نہیں ہے تو اس شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ سائل کے سوال کو مسترد کردے اور اس کی حاجت پوری کرنے سے انکار کردے، خواہ سفارش کرنے والا سربراہ ہو یا عالم ہو یا کوئی معزز شخص ہو کیونکہ جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کو مسترد کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر رنجیدہ نہیں ہوئے اور مخلوق میں سے کسی شخص کا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا مرتبہ نہیں ہے، یعنی آپ کے علاوہ جس شخص کی سفارش کو اس کا کوئی چھوٹا

مسترد کردے تو اس کو کوئی ملول خاطر نہیں ہونا چاہیے۔

کسی خوب صورت عورت کے لئے بد شکل خاوند کو پسند کرنے کا جواز

اور اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ کسی مسلمان مرد کا دوسرے مسلمان مرد کے قُرب کو ناپسند کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، جب کہ وہ اس سے دشمنی نہ رکھتا ہو، کیونکہ وہ اس مسلمان مرد سے دوری کو اس کی بد خلقی اور ناپسندیدہ معاشرت کی وجہ سے اور اس کے ظلم کی وجہ سے یا کسی ایسی وجہ سے جس سے لوگ ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ اس سے پہلے صحیح البخاری: ۵۲۷۵، میں گزر چکا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی جمیلہ ان کے بدصورت ہونے کی وجہ سے ان کو ناپسند کرتی تھیں اور انہوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے خلع کو طلب کیا تھا جب کہ ان کی بیوی ان کے تقویٰ اور پرہیز گاری کا اعتراف کرتی تھیں لیکن وہ ان کے بدصورت اور بدمزاج ہونے کی وجہ سے ان سے خلع طلب کرتی تھیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی، اور حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا کے اس فعل کو ناجائز اور گناہ قرار نہیں دیا بلکہ ان کو معذور قرار دیا اور ان کے لیے اپنے شوہر حضرت ثابت بن قیس سے نجات کی راہ نکال دی اور حضرت جمیلہ کے اپنے شوہر سے بُغض کی وجہ سے ان کی مذمت نہیں کی کیونکہ یہ عورتوں کی فطرت ہے اور کوئی خوبصورت عورت کسی بدشکل مرد کو پسند نہیں کرتی، سو اس طرح حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کیا۔

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کی طرف دیکھنے کا جواز

اور اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جو مرد کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس میں رغبت کے اظہار کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کا اس عورت کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کی اس پر مذمت نہیں کی کہ وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے کیوں گھومتے تھے اور ان کے فراق میں کیوں روتے تھے حالانکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا خیارِ عتق کو استعمال کر کے ان سے بائنہ ہو چکی تھیں اور اب وہ ان کی زوجہ نہیں رہی تھیں۔

خیارِ عتق کو استعمال کرنے کے بعد بغیر نکاحِ جدید کے پہلے شوہر کی طرف رجوع کا عدم جواز

مسلمانوں کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جب باندی کو آزاد کر دیا جائے اور وہ کسی شوہر کے نکاح میں ہو پھر وہ اپنے نفس کو اختیار کر لے اور اس سے بائنہ ہو جائے تو اب اس کا پہلے شوہر کی طرف بغیر نکاحِ جدید کے رجوع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''کاش! تم اس سے رجوع کر لیتیں'' اور اگر بغیر نکاحِ جدید کے ان کا پہلے شوہر کی طرف رجوع کرنا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے رجوع کرنے کی سفارش نہ فرماتے۔

جو عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو چکی ہو تو اس کے سابق شوہر کا اسے عدت کے اندر پیغام نکاح دینے کا جواز

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس مرد کی بیوی خلع کر کے یا کسی اور سبب سے اس سے بائنہ ہو چکی ہو تو عدت کے اندر شوہر کا اس عورت کو پیغامِ نکاح دینا جائز ہے اور اس عورت کا عدت کے اندر اس پیغامِ نکاح کو قبول کرنا بھی جائز ہے کیونکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جو اپنے شوہر مغیث سے بائنہ ہو چکی تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حضرت مغیث کے نکاح کا پیغام دیا اور فرمایا: ''کاش! تم اس سے رجوع کر لیتیں'' اور اگر پیغام دینے والا ان کے سابق شوہر کے علاوہ کوئی اور مرد ہوتا تو پھر اس کے لئے عدت کے اندر نکاح کا پیغام دینا جائز نہ ہوتا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۳ ۴-۵۴ ۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابو الحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی عبارت من وعن نقل کر دی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۳۳-۴۴۰، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خیار عتق کے قصہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے قصہ سے متاخر ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عباس! کیا تم کو تعجب نہیں ہوتا؟ اور اس حدیث کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کے والد گرامی ہیں۔

سو اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا یہ قصہ نو (۹) ہجری یا دس (۱۰) ہجری کا ہے کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس قصہ کا مشاہدہ کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ غزوۂ طائف سے رجوع کرنے کے بعد آٹھ (۸) ہجری کے اواخر میں مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوئے تھے، نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس قصہ کا مشاہدہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور وہ اپنے والدین کے ساتھ مدینہ میں آئے تھے۔ اس کے برخلاف بعض علماء کا یہ گمان ہے کہ یہ قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگنے سے پہلے کا ہے کیونکہ اس زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن تھیں، پس ان امور کا اس دور میں واقع ہونا بہت بعید ہے، نیز جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ عرض کیا کہ وہ بدل کتابت ادا کرنے میں ان کی مدد کریں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر تمہارے مالکوں کو یہ منظور ہو تو میں تم سے یہ وعدہ کر لیتی ہوں، کیونکہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عام مسلمانوں پر تنگی کا زمانہ تھا، پھر فتح مکہ کے بعد ان پر کشادگی ہوئی اور ان تمام دلائل سے ان علماء کا رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا خیار عتق کا قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تہمت لگنے سے پہلے کا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۷۷-۷۷۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح کو جمع کر دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۲-۳۸۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''لو راجعتہ'' یعنی کاش! تم اس سے رجوع کرلیتیں''، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا کہ سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے ''لو راجعتیہ'' (اس میں یا کا اضافہ ہے)۔
(سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: یہ لغتِ ضعیفہ ہے اور سنن ابن ماجہ میں یہ اضافہ ہے کہ مغیث تمہارے بیٹے کا باپ ہے، اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے بیٹا بھی ہو چکا تھا۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی پر اعتراض

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: اگر سنن ابن ماجہ میں یہ ثابت ہے کہ راوی نے یہ الفاظ ادا کیے ہیں ''لو راجعتیہ'' تو یہ لغتِ ضعیفہ نہیں ہے بلکہ لغتِ فصیحہ ہے کیونکہ اس حدیث کا راوی تمام مخلوق سے زیادہ فصیح ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

یہ روایت صحیح نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ سنن ابن ماجہ کی روایت کو دوسری احادیثِ صحیحہ پر ترجیح دی جائے۔
(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۰۷، مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۱۸ھ)

مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۵ کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور ان کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا یہ گمان درست نہیں کہ انہوں نے لغتِ ضعیفہ کو نقل کیا ہو اس لئے علامہ عینی کا یہ کہنا درست ہے کہ یہ لغتِ ضعیفہ نہیں بلکہ لغتِ فصیحہ ہے باقی رہا یہ کہ دوسری کتبِ صحاح میں لو راجعتہ بغیر یاء کے مذکور ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ سنن ابن ماجہ کی روایت دیگر احادیث صحیحہ پر راجح ہو تو حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ جواب درست نہیں ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ لو راجعتہ بغیر یاء کے اور لو راجعتیہ یاء کے ساتھ دونوں لغتِ فصیحہ ہوں۔

زوجین کے درمیان حاکم کی صلح کرانے اور کسی ایک فریق کی شفاعت کرنے کا جواز

شیخ الاسلام ابو یحییٰ زکریا الانصاری المصری الشافعی المتوفی ۹۲۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن جماعہ نے لکھا ہے: اس حدیث سے یہ مقصود ہے کہ حاکم زوجین کے درمیان صلح کے لئے شفاعت کرے یا ایک فریق کے حق میں دوسرے سے شفاعت کرے تو یہ جائز ہے اور اس کو حاکم کی جانب سے کسی ایک کی طرف میلان قرار نہیں دیا جائے گا۔
(منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۶۴، مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۲۶ھ)

فقہاءِ حنبلیہ کے نزدیک باندی کے لئے خیارِ عتق اس وقت ہوگا جب اس کا شوہر غلام ہو

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن باز الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں:

جس باندی کا خاوند غلام ہو اور اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس باندی کو آزاد ہونے کے بعد خیارِ عتق ہوتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک باندی کو خریدا جس کو بریرہ کہا جاتا تھا اور انہوں نے اس باندی کو آزاد کر دیا اور اس باندی کا شوہر غلام تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی کو خیارِ عتق دیا۔ (صحیح البخاری: ۲۷۲۹، صحیح مسلم: ۱۵۰۴)

(مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ ج ۲۰ ص ۲۶۴، مکتبۃ المورد، ریاض، ۱۴۲۷ھ)

فقہاءِ احناف کے نزدیک باندی کے لئے خیارِ عتق ثابت ہوگا خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام

قاضی القضاۃ ابوالحسن علی بن حسین بن محمد السعدی الحنفی المتوفی ۴۶۱ھ لکھتے ہیں:

رہا خیارِ عتق تو جب باندی کا مالک اس کا نکاح کسی آزاد مرد سے کر دے یا کسی غلام سے کر دے پھر وہ اس باندی کو آزاد کر دے تو اس باندی کے لئے خیارِ عتق ثابت ہوگا، اگر باندی شوہر کے بجائے اپنے نفس کو اختیار کرے تو ان کے درمیان حاکم کی تفریق کے بغیر فرقت ہو جائے گی اور اگر باندی کو اس مسئلہ کا علم نہ ہو کہ اس کے لئے خیارِ عتق ہوتا ہے تو جب بھی اس کو اس مسئلہ کا علم ہوگا اس کے لئے خیارِ عتق ثابت ہو جائے گا، اس پر سب کا اتفاق ہے اور امام شافعی کے نزدیک اگر اس کا خاوند آزاد ہو تو اس کے لیے خیارِ عتق ثابت نہیں ہوگا۔ (النتف فی الفتاویٰ ص ۱۹۷، مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ)

۱۷۔ بَابٌ:

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کا ذکر بغیر کسی عنوان کے کیا ہے کیونکہ یہ اس سے پہلے عنوان کے لئے بہ منزلہ فصل ہے اور یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ جس طرح فقہاء کتاب یا باب کے بعد فصل کو لکھتے ہیں تو امام بخاری بلا عنوان باب کو لکھ دیتے ہیں اور وہ بہ منزلہ فصل ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۵۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۸۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عَائِشَةَ أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَأَبَى مَوَالِيهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطُوا الْوَلَاءَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اشْتَرِيهَا وَأَعْتِقِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَأُتِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِلَحْمٍ فَقِيلَ إِنَّ هٰذَا مَا تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَزَادَ فَخُيِّرَتْ مِنْ زَوْجِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از الحکم از ابراہیم از الاسود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا، سو ان کے مالکوں نے اس کے بغیر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا کہ الولاء ان کے لیے ہوگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''آپ ان کو خرید کر آزاد کر دیں کیونکہ ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو غلام کو آزاد کرتا ہے''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو آپ کو بتایا گیا کہ اس گوشت کا حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا ہے، تو آپ نے فرمایا: ''یہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے''،
ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے یہ اضافہ کیا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر سے اختیار دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۰۷۹، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰؛ صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

کتاب الزکوٰۃ میں اس تعلیق کو ذکر نہ کرنے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

آدم نے شعبہ سے روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند سے اختیار دیا گیا، امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب الزکوٰۃ میں روایت کی ہے لیکن وہاں پر یہ اضافہ مذکور نہیں ہے اور امام بیہقی نے ایک اور سند کے ساتھ اس حدیث کی امام بخاری کے شیخ آدم بن ابی ایاس سے روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ حَکم نے بتایا کہ ابراہیم نے کہا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد تھے تو ان کو ان کے خاوند سے اختیار دیا گیا، پس معلوم ہوا کہ یہ اضافہ مُدرَج ہے اس لئے امام بخاری نے اس کو کتاب الزکوٰۃ میں ذکر نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر کے نزدیک تعلیق مذکور کا مُدرج ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ از عبداللہ بن رجاء از شعبہ از الحکم بن عتیبہ از ابراہیم النخعی از الاسود بن یزید از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا اور یہاں اس قصہ کو اختصار کے ساتھ صورت ارسال میں ذکر کیا ہے، لیکن انہوں نے اس حدیث کو کفارات الایمان میں اختصار کے ساتھ از سلیمان بن الحرب از شعبہ روایت کیا ہے، اس میں یہ روایت از الاسود از عائشہ رضی اللہ عنہا مذکور ہے اور اسی طرح انہوں نے اس حدیث کو الفرائض میں از حفص بن عمر از شعبہ روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حکم نے بیان کیا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد مرد تھے، پھر اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کو از منصور از ابراہیم از الاسود روایت کیا ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا گیا تو انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا اور کہا: اگر مجھے اتنا اور مال دیا جائے تب بھی میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی، اسود نے کہا: اور ان کے خاوند آزاد تھے، امام بخاری نے کہا کہ اسود کا یہ قول منقطع ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو غلام دیکھا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ

صحیح ہے، امام بخاری نے عبداللہ بن رجاء کی اس روایت کے بعد از آدم از شعبہ تعلیق ذکر کی ہے، امام بخاری نے اس تعلیق کو کتاب الزکوٰۃ میں ذکر نہیں کیا لیکن امام بیہقی نے امام بخاری کے شیخ آدم سے اس تعلیق کو ذکر کیا ہے اور اس میں مذکور ہے کہ حکم نے بتایا کہ ابراہیم نے کہا کہ ان کے خاوند آزاد تھے اور حضرت بریرہ کو اپنے خاوند سے اختیار دیا گیا، پس معلوم ہوا کہ یہ اضافہ مدرجہ ہے اس لئے امام بخاری نے اس اضافہ کو کتاب الزکوٰۃ میں پیش نہیں کیا (الی اخرہ) (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کے نزدیک امام بخاری کی اس روایت کو مدرج قرار دینے اور کتاب الزکوٰۃ میں ذکر نہ کرنے کا سبب

میں کہتا ہوں: جس روایت میں اسود کا اور حکم کا یہ قول مذکور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد مرد تھے اور یہ روایت امام بخاری اور شوافع کے نظریہ کے خلاف ہے، اس لئے امام بخاری نے اس تعلیق کو کتاب الزکوٰۃ میں ذکر نہیں کیا اور اس اضافہ کو مدرج قرار دیا لیکن فقہاء احناف کے نزدیک یہ تعلیق اور یہ اضافہ صحیح ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جب باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق دیا جاتا ہے، خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

۱۸۔ بابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ (البقرہ: ۲۲۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں، اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ تم کو اچھی لگتی ہو۔ (البقرہ: ۲۲۱)

مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کا ناجائز ہونا اور اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کا جائز ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس آیت کریمہ: البقرہ: ۲۲۱، کو اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ یہ آیت ان احادیث کی تمہید ہو جن کو امام بخاری نے اس باب میں ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد دو بابوں میں ان حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔

امام بخاری نے اس باب کا کوئی عنوان قائم کر کے اپنے مقصود پر متنبہ نہیں کیا کیونکہ مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں صحابہ اور بعد کے فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مکروہ قرار دیتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہ طریق عموم فرمایا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (البقرہ: ۲۲۱) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اور امام بخاری نے اس باب میں ایک اور حدیث کو وارد کر کے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ: ۵) اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)

اس لئے البقرہ: ۲۲۱، میں جو بالعموم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح سے منع فرمایا ہے، اس کا عموم المائدہ: ۵، سے منسوخ ہے

کیونکہ المائدہ:۵، میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، حالانکہ وہ بھی مشرکات ہیں کیونکہ وہ عورتیں یہودی ہیں، تو وہ اس لئے مشرک ہیں کہ وہ حضرت عزیر کو ابن اللہ مانتی ہیں اور وہ عورتیں عیسائی ہیں تو وہ اس لئے مشرک ہیں کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ مانتی ہیں، جیسا کہ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ:۳۰) اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

جمہور صحابہ اور تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی مخالفت کی ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی متوفی ۳۲۷ھ، البقرہ:۲۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا اور صحابہ کی ایک جماعت نے نصرانی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا اور انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی المتوفی ۲۲۴ھ لکھتے ہیں:

اس کے موافق آثار وارد ہیں اور صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے اہل علم سے مروی ہے کہ کتابیات کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے اور یہی امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، اور الاوزاعی، الثوری، فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب ہے اور یہی عامۃ الفقہاء کا قول ہے۔

اور دوسروں نے کہا: اس میں صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا اختلاف ہے، اور ان کا قول صحابہ اور تابعین کی جماعت کے خلاف ہے اور شاذ ہے اور وہ یہودیہ اور نصرانیہ کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے اور انہوں نے اس آیت کی مخالفت کی ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:۵) اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)۔

اور فقہاء میں سے کسی نے بھی ان کے قول کی طرف التفات نہیں کیا۔

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کے ثبوت میں آثار صحابہ

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ نے نائلہ بنت الفرافصہ الکلبیہ سے نکاح کیا اور وہ نصرانی عورت تھی، انہوں نے اپنی ازواج کے اوپر اس سے نکاح کیا، اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ متوفی ۳۷ھ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۶ھ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا اور اس وقت ان کے نکاح میں دو مسلمان عورتیں تھیں اور حضرت حذیفہ سے مجوسی عورت کے ساتھ نکاح کا جواز بھی منقول ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ (البقرہ:۲۲۱) اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجوسی عورت کے ساتھ نکاح کو حرام قرار نہیں دیا اور ان کی دوسری تاویل یہ تھی کہ مجوس بھی اہل کتاب ہیں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ التوفی ۲۳۵ھ نے از عبداللہ بن ادریس الصلت بن شقیق سلمہ روایت کی ہے کہ حضرت حذیفہ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تھا۔

اور امام ابن ابی شیبہ سے دوسری روایت ہے کہ حضرت حذیفہ کے نکاح میں دو عربی مسلمان عورتیں تھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ تم اس یہودی عورت کا راستہ چھوڑ دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۱۵۷، ۱۶۱۶۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کی طرف مکتوب لکھ کر پوچھا: کیا یہودی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے؟ تو حضرت رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف جواب لکھا: نہیں! لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ ان میں سے زانیہ عورتیں مسلمان پاک دامن عورتوں کے ساتھ گھل مل کر رہیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۱۵۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اور امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی التوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے: کہ اب مسلمان اس پر متفق ہیں کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی رخصت ہے اور ان کی رائے یہ ہے کہ المائدہ: ۵ کی تحلیل، البقرہ: ۲۲۱ کی تحریم کے لئے ناسخ ہے، یعنی

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (المائدہ: ۵) اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)۔

اس آیت نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال قرار دیا ہے اور البقرہ: ۲۲۱ میں ارشاد ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ (البقرہ: ۲۲۱) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

پس اس آیت میں جو بالعموم مشرکات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے، سو اس آیت کا عمومی حکم المائدہ: ۵ سے منسوخ ہو گیا اور صرف ان مشرکات کے ساتھ نکاح حرام ہے جو کتابیہ نہ ہوں۔

البقرہ: ۲۲۱، میں مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت کے دو محمل

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: آیت البقرہ: ۲۲۱، آیت المائدہ: ۵ سے منسوخ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ البقرہ: ۲۲۱، میں مشرکات سے مراد بت پرست عورتیں ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے المائدہ: ۵ میں اَلْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں جو باندیاں نہ ہوں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ المحصنٰت سے مراد وہ عورتیں ہیں جو زنا سے باز رہنے والیاں ہوں، جیسا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ (النساء: ۲۵) وہ قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والیاں بدکار نہ ہوں اور نہ غیروں سے آشنائی کرنے والیاں ہوں۔

پھر مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا المائدہ:۵ کی رخصت ہر کتابیہ پاک دامن عورت کو شامل ہے، عام ازیں کہ وہ آزاد ہو یا باندی ہو، پس ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد آزاد پاک دامن عورتیں ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر پاک دامن عورت ہے خواہ وہ آزاد عورت ہو یا باندی ہو اور ایک قول یہ ہے کہ اہل کتاب سے یہاں مراد اسرائیلیات ہیں اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ذمی عورتیں ہیں نہ کہ حربی عورتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۳-۳۸۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر حافظ ابن حجر کا تبصرہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ البقرہ:۲۲۱ میں مشرکات سے نکاح کی ممانعت اپنے عموم پر ہے اور المائدہ:۵ سے اس عموم کی تخصیص کی گئی ہے اور اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی رخصت دی گئی ہے۔

علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ بعض متقدمین سے منقول ہے کہ البقرہ:۲۲۱ میں جن مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت ہے اس سے مراد بت پرست عورتیں ہیں اور مجوس کی عورتیں ہیں۔

امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اہل کتاب کی عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ان کے رب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے تھے اور میرے نزدیک اس سے بڑا اور کوئی شرک نہیں ہے کہ کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا رب مانے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۸۵)، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک البقرہ:۲۲۱، میں مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت اپنے عموم پر باقی ہے اور حضرت ابن عمر متوفی ۷۳ھ کی رائے یہ تھی کہ المائدہ:۵ میں جو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی رخصت دی گئی ہے وہ البقرہ:۲۲۱ سے منسوخ ہے، النحاس نے حضرت ابن عمر کے اس قول کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی یہ تفسیر ان کے تقویٰ پر محمول ہے۔

اور جمہور صحابہ اور فقہاء تابعین کا مذہب یہ ہے کہ البقرہ:۲۲۱، میں جو بالعموم مشرک عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے اس کا عموم المائدہ:۵ سے مخصوص ہے یعنی اہل کتاب کی عورتوں کے سوا باقی مشرک عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، پس باقی مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اپنی اصل کے مطابق حرام ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ مطلقاً فرماتے تھے کہ البقرہ:۲۲۱، المائدہ:۵ سے منسوخ ہے، جس میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی رخصت دی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی شاذ ہے۔

علامہ ابو بکر بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ:

متقدمین میں سے کسی کا بھی یہ قول محفوظ نہیں ہے کہ جس نے یہ کہا ہو کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے لیکن امام ابن ابی شیبہ نے سند حسن کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ عطاء یہودیات اور نصرانیات کے ساتھ نکاح کو مکروہ قرار دیتے تھے، انہوں نے کہا کہ اس وقت مسلمان عورتیں بہت کم تھیں اور اس سے معلوم ہوا کہ ایک حالت میں اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح جائز تھا اور دوسری حالت میں ناجائز تھا۔

امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی التوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے:

اب مسلمانوں کا عمل اس پر ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی رخصت ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے روایت ہے کہ وہ یہ حکم دیتے تھے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے اجتناب کیا جائے لیکن وہ اس کے ساتھ نکاح کو حرام نہیں قرار دیتے تھے اور ابن المرابط نے النحاس کی متابعت میں یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیتے تھے، ان کی بھی یہی مراد ہے لیکن یہ ظاہر سیاق کے خلاف ہے۔

اور حضرت حذیفہ بن یمان متوفی ۳۶ھ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک مجوسی عورت کو اپنی باندی بنالیا تھا، لیکن قرآن مجید سے ظاہر یہ ہے کہ مجوس اہل کتاب سے نہیں ہیں لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس پر جزیہ مقرر کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ اہل کتاب ہیں تو پھر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر بھی اہل کتاب کے احکام جاری کیے جائیں لیکن اس دلیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مجوس سے جزیہ لینا اس وجہ سے ہے کہ اس کے متعلق حدیث وارد ہے اور اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۴، ۴۸۳، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اہل کتاب کی مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق فقہاء کے نظریات

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر النیشاپوری الشافعی التوفی ۳۱۸ھ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق لکھتے ہیں:

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام فرمادیا ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ (البقرہ:۲۲۱)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھی لگتی ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں اہل کتاب کی مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:۵)

اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں۔

المروزی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ:

انہوں نے البقرہ:۲۲۱ کی تفسیر میں فرمایا: اس آیت کو المائدہ:۵ نے منسوخ کردیا ہے، سو اہل کتاب کی مشرک عورتیں مسلمانوں کے لئے حلال ہوگئیں۔ (السنہ: ۳۲۷، جامع البیان: ۴۲۱۵، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، الاوسط ج ۸ ص ۴۰۷، دارالفلاح ۱۴۳۰ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے اور نہ دوسری منسوخ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ البقرہ:۲۲۱ میں اہل کتاب کی مشرک عورتوں کے سوا باقی تمام مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے اور سعید بن جبیر نے کہا، البقرہ:۲۲۱ میں بت پرستوں اور مجوس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا

ہے۔(جامع البیان ج ۲ ص ۴۷۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ کی تفسیر

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اہل کتاب کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض مفسرین نے کہا کہ ہر مشرک مرد اور ہر مشرک عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو یا غیر اہل کتاب میں سے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۟ (البقرہ:۲۲۱)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھی لگتی ہو اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان غلام (آزاد) مشرک مرد سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھا لگتا ہو، یہ (مشرکین) دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں O

پھر اللہ تعالیٰ نے البقرہ:۲۲۱ کے عموم کو درج ذیل آیت سے منسوخ فرمادیا:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:۵)

اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔

سو مشرکہ باندیوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت البقرہ:۲۲۱ کے عموم سے قائم رہی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کو مستثنیٰ فرمایا ہے نہ کہ مشرکہ باندیوں کے ساتھ نکاح کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔

عکرمہ اور حسن بصری سے بھی اسی طرح منقول ہے (جامع البیان:۴۲۱۶) اور مجاہد سے بھی اسی طرح منقول ہے (جامع البیان: ۴۲۱۷، ۴۲۱۸) اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے۔(الدرالمنثور ج ۱ ص ۴۵۸)

علامہ ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ البقرہ:۲۲۱ سے صرف مشرکات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے نہ کہ کتابیات کے ساتھ نکاح کا جواز المائدہ:۵ سے مستثنیٰ ہے خواہ وہ آزاد عورتیں ہوں یا باندیاں، اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء:۲۴)

اور تم پر وہ عورتیں حرام کی گئی ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک بن جاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکہ باندیوں کے ساتھ نکاح کی حرمت کو شادی شدہ مسلمان عورتوں کے ساتھ نکاح کی تحریم کو مستثنیٰ فرمادیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی نکاح کے جواز کے حکم میں داخل ہیں، نیز اس پر اجماع ہے کہ مشرکہ قیدی عورتیں ہمارے لئے حلال ہیں، پس جب ہمارے لیے مشرکہ قیدی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال کردیا ہے تو وہ بھی آزاد عورتوں کی مثل

ہیں، پس اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب کی مشرکہ باندیوں کے ساتھ بھی نکاح حلال ہے اوران کا قول باطل ہو گیا جنہوں نے اہل کتاب کی مشرکہ باندیوں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے اور صرف اہل کتاب کی آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت کو مخصوص قرار دیا ہے۔ (تاویلات اھل السنہ ج ۲ ص ۱۲۲-۱۲۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر

علامہ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ البقرہ: ۲۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک روز حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸ھ نے کسی خطاء پر اپنی باندی کو طمانچہ مارا، پھر خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال دریافت فرمایا، عرض کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتی ہے اور رمضان کے روزے بھی رکھتی ہے، خوب وضوء کرتی ہے اور نماز پڑھتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مومنہ ہے، انہوں نے عرض کیا: اس کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا! میں اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کروں گا اور انہوں نے ایسا ہی کیا، اس پر لوگوں نے طعنہ دیا کہ آپ نے ایک سیاہ فام باندی کے ساتھ نکاح کیا ہے حالانکہ فلاں مشرکہ آزاد عورت آپ کے لئے حاضر ہے وہ حسین بھی ہے اور مال دار بھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **ولامة مومنة**، یعنی مسلمان باندی مشرکہ سے بہتر ہے خواہ مشرکہ آزاد ہو اور حسن و جمال کی وجہ سے اچھی معلوم ہوتی ہو۔ (خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۴۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۹۸ء البقرہ: ۲۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان کفار سے رشتہ لیا بھی کرتے تھے اور دیا بھی کرتے تھے لیکن اب انہیں اس بات سے روک دیا گیا کہ مانا کوئی مشرک عورت اپنے مال و دولت، حسن و جمال، فضل و کمال میں بڑھی ہوئی ہے لیکن اس کے شرک کے عیب نے اس کے تمام حسن و کمال کو بدنما بنا کر رکھ دیا ہے اور مومنہ پر ایمان کے نور کا جو ہالہ ہے اس نے اس کی دوسری جملہ خامیوں کی کسر نکال دی ہے اور یہی فرق مومن مرد اور مشرک مرد کا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب میاں اور بیوی کے عقائد بالکل متضاد ہوں گے، ایک اللہ وحدہ لاشریک کا بندہ اور دوسرا ہزاروں بتوں کا پرستار ہوگا تو ان کی کب نبھ سکے گی، لامحالہ آج نہیں تو کل یہ کشتی کسی چٹان سے ٹکرائے گی اور پاش پاش ہو جائے گی، نیز وہ دو قومیں جو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں، ان کے افراد کو ایک دوسرے پر کب اعتماد ہوگا اور وہ شادی جہاں باہمی اعتماد نہ ہو جذبات اور امنگیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہوں، وہ زیادہ دیر پا نہیں ہو سکتی، اس لئے تم جذبات کی رو میں نہ بہہ جاؤ اور اپنے مستقبل کو برباد نہ کرو۔

سابقہ حکم کی حکمت بیان کی جارہی ہے یعنی اگر مشرک عورت سے شادی رچائی تو وہ اپنی پوری کوشش کرے گی کہ وہ تمہیں اسلام سے روگرداں کردے اور عورت کے دام فریب میں تو بڑے بڑے سورماؤں کو پھڑکتے دیکھا ہے اور اگر تم نے اپنی بیٹی کسی مشرک سے بیاہ دی تو ممکن ہے اس کی ہیبت کا کوئی جھونکا تمہاری بیٹی کے ایمان کی شمع بجھا دے تم خود سوچو یہ کتنا نا قابل اعتبار خسارہ ہے۔

(ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۵۱-۱۵۲، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۱ء)

نیز پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۹۸ء المائدہ: ۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

محصنٰت کا معنی ہے: پاک دامن، یہاں مسلمانوں کو ترغیب دلائی جارہی ہے کہ اگر تم شادی کرنا چاہتے ہو تو حسن و دولت کی وجہ سے شادی نہ کرو بلکہ عفت اور پاک دامنی کی وجہ سے جو مزین ہو اس کے ساتھ شادی کرو، یہی ایک ایسی محکم بنیاد ہے جس پر گھر کی جو عمارت اٹھائی جائے گی وہ زندگی میں پیش آنے والے سارے حادثات اور طوفانوں کا مقابلہ کر سکے گی۔

پہلے یہ بتایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے، اب یہ بتایا جارہا ہے کہ ان کی نیک عورتوں سے بھی تم شادی کر سکتے ہو، بعض علماء کے نزدیک صرف ان کتابی عورتوں سے شادی کی اجازت ہے جو مملکتِ اسلامیہ کی رعایا ہوں، دارالحرب میں رہنے والی کتابی عورتوں سے اجازت نہیں، احناف کے نزدیک حرام تو نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے، لیکن بعض علماء نے ہر کتابی عورت سے نکاح کی اجازت دی، خواہ وہ مملکتِ اسلامیہ کی رعایا ہو یا دارالحرب کی باشندہ ہو، یہاں یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جو حلال فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کا صرف یہودی یا نصرانی ہونا اس کی حرمت کا باعث نہیں لیکن اگر اس کی وجہ سے اور خرابیاں رونپذیر ہوتی ہوں تو پھر یہ حرمت لغیرہ ثابت ہو جائے گی۔ یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے ایسی عورتوں سے شادی کی ان کے گھروں میں وہی طرز معاشرت داخل ہوگئی، وہی بے پردگی، وہی غیر مردوں سے عام اختلاط، اسلامی عبادات سے بے رغبتی اور اخلاق و آداب سے بے رُخی اور پھر یہی اثر ان کی اولاد میں بھی چلا جاتا ہے۔

تاریخ میں ایسی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں کہ یہودی اور نصرانی عورتوں نے مسلمانوں کے ایسے ایسے راز اپنی قوم تک پہنچائے جس سے مسلمانوں کو سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، اس لئے ان وجوہات کے باعث ایسی عورتوں سے نکاح کرنے پر پابندی لگادی جائے تو عین حکمت ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۴۴۲-۴۴۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء)

مصنف کی تفسیر

مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کا عدم جواز

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ مخالطت کا جواز بیان فرمایا تھا، جس کا تقاضا یہ تھا کہ یتیم کے مال کے ساتھ اپنا مال بھی مخلوط کرنا جائز ہے اور یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی کے ساتھ اپنا یا اپنی اولاد کا نکاح کرنا بھی جائز ہے، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعض مسائل بیان فرمائے کہ مشرک مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا اور مشرک عورتوں کے ساتھ مسلمان مردوں کا نکاح جائز نہیں ہے، کیونکہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی کے ساتھ جو جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے اس سے دونوں ایک دوسرے کے عقائد نظریات، افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں، اس لئے یہ خدشہ ہے کہ مشرک شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا مشرک عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر ہو جائے، لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو تو نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے، اس لئے اسلام نے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کا معاملہ کلیۃً منقطع کر دیا، یہاں شرک سے مراد کفر ہے، اس لئے ملحد، مجوسی، بت پرست اور کسی قسم کے بھی کافر سے نکاح جائز نہیں ہے مسلمان مرد کا نہ مسلمان عورت کا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو مرثد غنوی کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ عناق نامی ایک مشرکہ عورت سے نکاح کر لیں جو نہایت حسین و جمیل عورت تھی

اور حضرت ابومرثد مسلمان ہو چکے تھے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! وہ عورت مجھے بہت اچھی لگتی ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ الآیہ۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۶، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ آزاد مشرک کی بہ نسبت مسلمان غلام بہتر ہے اور کسی آزاد مسلمان عورت کا نکاح مسلمان غلام سے کر دینا اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ اس کا نکاح آزاد مشرک سے کیا جائے، حالانکہ غلام آزاد کا کفو نہیں ہے، سو غیر کفو میں نکاح کے جواز کے لئے یہ آیت صریح جزیہ ہے۔

مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود اہل کتاب سے نکاح کے جواز کی توجیہ

اسلام میں یہ جائز ہے کہ اہل کتاب عورتوں کے ساتھ مسلمان مرد نکاح کرلیں لیکن اہل کتاب مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے، قرآن مجید نے مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود کتابیہ یعنی یہودی یا عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے:

وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۗ (المائدہ:۵)

اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے اور (تمہاری) آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم ان سے نکاح کر کے ان کا مہر ادا کرو، نہ ان سے ظاہر آبدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

اب یہ سوال ہے کہ جب اللہ عزوجل نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی تھی تو پھر کتابیہ سے نکاح کی اجازت کیوں دی، جب کہ اہل کتاب یہودی اور عیسائی بھی مشرک ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۗ (التوبہ:۳۰)

اور یہود نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا: مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہود و نصاریٰ دونوں مشرک ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ اس نے بت پرستوں پر مشرکین کا اطلاق کیا ہے اور یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا، قرآن مجید میں ہے:

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ (البقرہ:۱۰۵)

کافروں میں سے اہل کتاب اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ (البینہ:۱)

کافر اہل کتاب اور مشرکین بغیر واضح دلیل کے اپنے دین کو چھوڑنے والے نہ تھے ○

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ مشرک عورتوں میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مشرکات کے عموم سے اہل کتاب عورتوں کو مستثنیٰ فرما لیا، اور یہ اصطلاح میں عام مخصوص عنہ البعض ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم، اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ'' (البقرہ:۲۲۱) کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ کر لیا ہے اور دلیل استثناء یہ آیت ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (تمہارے لئے حلال ہیں)۔ (المائدہ:۵)

(الدر المنثور ج۱ ص۲۵۶، مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران)

باقی رہی یہ بحث کہ خالص مشرک عورتوں اور اہل کتاب میں نکاح کے جواز کا فرق کرنے کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرک نہ خدا کو مانتا ہے نہ کتاب کو، نہ رسول کو نہ قیامت کو اور جزاء اور سزاء کو، نہ حلال اور حرام کا قائل ہوتا ہے، اس کے برعکس اہل کتاب ان تمام امور کو مانتے ہیں، ان کے کفر کی صرف یہ وجہ ہے کہ انہوں نے غلو محبت میں اپنے اپنے رسول کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں کا اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے، اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب مردوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیا، اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عائلی اور گھریلو زندگی میں مرد حاکم ہوتا ہے اور اس کا گھر میں قبضہ اور اقتدار ہوتا ہے اور عورت فطرتاً منفعل مزاج اور گھر میں محکوم ہوتی ہے، اگر کسی یہودی یا عیسائی مرد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ مسلمان عورت اپنے کافر شوہر کے معتقدات اور خیالات سے متاثر ہو جاتی اور اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتی، اس کے برعکس جب شوہر مسلمان ہو اور بیوی یہودی یا عیسائی ہو تو چونکہ گھر میں حاکم اور مقتدر شوہر ہوتا ہے، اس لئے گھر میں اسلامی ماحول اور لٹریچر فراہم ہوگا اور مسلمان خاندان سے میل جول اور ربط وضبط کی وجہ سے اس کے اسلام قبول کرنے کے بہت ذرائع میسر ہوں گے اور وہ جلد یا بہ دیر مسلمان ہو جائے گی، اور اگر بالفرض وہ مسلمان نہ بھی ہو تو بچے بہرحال باپ کے تابع رہیں گے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تمام مواقع دار الاسلام میں ہی میسر ہوتے ہیں، اس لئے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ دار الحرب میں اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہاں کفر کا غلبہ ہوتا ہے اور جس حکمت کی وجہ سے اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے، اس کے پورے ہونے کے مواقع میسر نہیں ہیں۔

(تبیان القرآن ج۱ ص۸۴۷، ۸۲۷، فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۳۰ھ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دینا

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ زید بن وہب الجہنی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۳ھ نے ہماری طرف مکتوب لکھا کہ مسلمان مرد کا نصرانی عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور نصرانی مرد کا مسلمان عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج۷ ص۱۷۲ نشر السنہ ملتان، مصنف عبد الرزاق:۱۰۰۵۸، بیروت)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ نے نائلہ بنت الفرافصہ سے نکاح کیا جب کہ وہ نصرانی تھیں۔ (السنن الکبریٰ ج۷ ص۱۷۲ نشر السنہ ملتان)

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ خیرہ بنت مریم سے روایت کرتے ہیں:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ متوفی ۳۶ھ، نے یہودی عورت سے نکاح کیا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۰۶۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ ابوالزبیر سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ سے سوال کیا گیا کہ آیا مسلمان مرد یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کرسکتا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے فتح مکہ کے زمانہ میں ان کے ساتھ کوفہ میں نکاح کیا اور ہمارے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ بھی تھے اور اس وقت ہمیں مسلمان عورتیں زیادہ دستیاب نہیں تھیں، پس جب ہم واپس لوٹے تو ہم نے ان کو طلاق دے دی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اہل کتاب کی عورتیں ہمارے لئے حلال ہیں اور ہماری عورتیں ان پر حرام ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۷۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فقہاء تابعین، ائمہ مجتہدین اور دیگر کا اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو کراہت کے ساتھ جائز قرار دینا

جن فقہاء تابعین وغیرہم نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے ان کی روایات درج ذیل ہیں:

(۱) عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۶۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۲) طاؤس متوفی ۱۰۶، (مصنف عبدالرزاق: ۱۷۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۳) سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷)

(۴) الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ، (سنن سعید بن منصور: ۷۱۹، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۵) محمد بن مسلم بن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ھ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۷۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۸، بیروت)

(۶) الثوری متوفی ۱۶۱ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ (کتاب الام ج ۵ ص ۸، دارالفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

(۷) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ: (مسائل احمد و اسحاق: ۸۸۶)

(۸) عام اہل مدینہ: (المدونہ ج ۲ ص ۲۱۸، داراحیاء التراث العربی بیروت)

(۹) عام فقہاء احناف: (المبسوط ج ۵ ص ۴۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۰) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ علی بن حسن متوفی ۶۷ھ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۶ھ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ وہ اس سے الگ ہو جائیں، اور فرمایا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم مسلمان عورتوں کو چھوڑ دو گے اور فاحشہ عورتوں سے نکاح کرو گے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۷۲ نشر السنہ بیروت)

(۱۱) امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ نافع سے روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جائے اور وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسلمان عورتیں زیادہ تعداد میں پیدا کی ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

بعض صحابہ کے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو مکروہ قرار دینے کی توجیہ

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشا پوری التوفی ۳۱۸ھ، اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۪ وَ طَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۪ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ الآیہ (المائدہ:۵)

آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کردی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔

علامہ ابوبکر ابن المنذر التوفی ۳۱۸ھ نے کہا: سو اس آیت مبارکہ کے ظاہر سے اہل کتاب کی عورتیں مباح ہیں، رہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ التوفی ۲۴ھ کا ان کے ساتھ نکاح کا ناپسند فرمانا تو یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیتے تھے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس چیز کو ناپسند فرماتے تھے کہ مسلمان عورتوں کو چھوڑ کر فاحشہ عورتوں سے نکاح کیا جائے جیسا کہ ابھی سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۷۲ کے حوالہ سے گزر چکا ہے، اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسلمان عورتیں بہت زیادہ پیدا کی ہیں، کیونکہ اگر ان کے نزدیک اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہوتا تو وہ ہر حال میں حرام ہوتا، خواہ مسلمان عورتوں کی تعداد کم ہو یا زیادہ۔

دار الحرب میں اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز میں فقہاء کا اختلاف

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا دار الحرب میں اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

سو بعض فقہاء نے ان کے ساتھ نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے اور جنہوں نے ان کے ساتھ نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے ان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، مجاہد اور ابو عیاض ہیں۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۲۷۲۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کرتے ہیں: کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: جب مسلمان دار الحرب میں کافروں کے ساتھ برسر جنگ ہوں تو پھر اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

حکم نے کہا: میں نے ابراہیم نخعی کو یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کو بہت پسند کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کہتے تھے کہ جب مسلمان دار الحرب میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کریں اور ان مسلمانوں کو یہ اجازت ہو کہ وہ اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کو سرزمین اسلام کی طرف لے جائیں تو پھر اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر انہیں یہ خطرہ ہو کہ وہ ان کی بیویوں اور بچوں کو سرزمین اسلام کی طرف نہیں جانے دیں گے تو پھر مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیویوں اور بچوں کو سرزمین کفر میں چھوڑے

رکھیں۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۸، داراحیاء التراث العربی بیروت)

مجوس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اہل علم کا مجوس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز میں اختلاف ہے۔

حافظ ابوعمر یوسف بن عبدالبر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے لکھا ہے:

اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ مجوسیات کے ساتھ مسلمانوں کا نکاح کرنا حرام ہے۔ (التمہید ج ۲ ص ۱۲۸)

الحسن البصری، الزہری، الاوزاعی، اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ مسلمان مرد مجوسیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے۔

(المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۴، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور اہل مدینہ، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے موافقین نے بھی مسلمان مرد کے مجوسی عورتوں کے ساتھ نکاح کو ناجائز کہا ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۵ ص ۲۴۴، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے بھی مسلمان مرد کے مجوسیہ کے ساتھ نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۲۴۴، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

امام اسحاق بن راہویہ نے بھی مجوسیہ کے ساتھ نکاح کو ناجائز کہا ہے۔ (مسائل احمد واسحاق: ۸۸۶)

امام شافعی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۶ھ کی بیوی مجوسیہ تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے ان سے کہا کہ اس کو طلاق دے دو، تو حضرت حذیفہ نے کہا: کیا مجوس اہل کتاب نہیں ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے کہا کہ تم اس کو طلاق دے دو۔ (المحلی بالآثار لابن حزم ج ۹ ص ۴۴۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس اثر کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۹۲)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ ابن ابزیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجوس اہل کتاب ہیں، سو ان میں وہ احکام جاری کرو جو تم اہل کتاب کے متعلق احکام جاری کرتے ہو۔

(جامع البیان للطبری ج ۳۰ ص ۱۳۲، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے بھی اس اثر کی روایت کی ہے۔

(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۴۴۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۱)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۸ ص ۲۷۶-۲۷۷، دارالفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۵۲۸۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ نِكَاحِ النَّصْرَانِيَّةِ وَالْيَهُودِيَّةِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الْمُشْرِكَاتِ عَلَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نصرانی عورت اور

الْمُؤْمِنِينَ وَلَا أَعْلَمُ مِنَ الْإِشْرَاكِ شَيْئًا أَكْبَرَ مِنْ أَنْ تَقُولَ الْمَرْأَةُ رَبُّهَا عِيسَى وَهُوَ عَبْدٌ مِنْ عِبَادِ اللهِ۔

(تحفۃ الاشراف:٥٣٠٥)

یہودی عورت کے ساتھ نکاح کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ فرماتے: بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام فرمادیا ہے اور میرے علم میں اس سے بڑا کوئی شرک نہیں ہے کہ کوئی عورت یہ کہے کہ میرا رب عیسیٰ ہے، حالانکہ وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں۔

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز کے متعلق صحابہ کرام، فقہاء تابعین، ائمہ مجتہدین اور جمہور مسلمین کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ٤٤٩ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام فرمادیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ (البقرہ:٢٢١) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو ان مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا استثناء فرمادیا، پس درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نکاح کو حلال فرمادیا:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:٥) اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لئے حلال ہیں)۔

اور باقی تمام مشرک عورتیں اصل تحریم پر باقی رہیں۔

امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی المتوفی ٢٢٤ھ لکھتے ہیں:

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ٦٨ھ سے مروی ہے اور دیگر صحابہ اور تابعین کے آثار بھی مروی ہیں اور ان کے بعد اہل علم کا بھی یہی مختار ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے اور امام مالک متوفی ١٧٩ھ، الاوزاعی، الثوری اور فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ٢٠٤ھ اور عامۃ الفقہاء کا یہی مذہب ہے، اور سوائے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ٧٣ھ کے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اور ان کا قول جماعت صحابہ اور فقہاء تابعین کے مقابلہ میں شاذ ہے، انہوں نے یہودی اور نصرانی عورت کے ساتھ نکاح کو جائز قرار نہیں دیا اور المائدہ:٥ کی مخالفت کی اور فقہاء میں سے کسی نے ان کے قول کی طرف التفات نہیں کیا۔

امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی المتوفی ٢٢٤ھ نے کہا ہے: اس دور میں تمام مسلمان اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی رخصت دیتے ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ المائدہ:٥ کی تحلیل البقرہ:٢٢١ کی تحریم کے لئے ناسخ ہے، کیونکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ٣٥ھ نے نائلہ بنت الفرافصہ الکلبیہ کے ساتھ نکاح کیا تھا اور وہ نصرانی خاتون تھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی مسلمان بیویوں کے باوجود ان سے نکاح کیا تھا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ متوفی ٣٧ھ نے ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ متوفی ٣٦ھ نے بھی ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا تھا اور اس وقت ان کے نکاح میں دو مسلمان

آزاد عورتیں موجود تھیں اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح سے اجتناب کا حکم دیتے تھے لیکن وہ اس نکاح کو حرام نہیں کہتے تھے۔

اور ابوثور نے جماعت فقہاء کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ مجوس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۵-۳۵۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ نے اس باب اور اس حدیث کی شرح میں وہی لکھا ہے جس کو ہم علامہ ابن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کے حوالوں سے نقل کر چکے ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۴۲-۳۴۶، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

عیسائیوں کے اس عقیدہ کا بُطلان کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب ہیں اور تین میں کے تیسرے ہیں

کیونکہ رب عزوجل اور خدا کیلئے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو، کیونکہ جو ممکن اور حادث ہو وہ رب اور خدا نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جو ممکن اور حادث ہو وہ اپنے وجود میں کسی موجد اور محدث کا محتاج ہوگا اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہوگا، سو ضروری ہوا کہ رب اور خدا وہی ہوگا جو واجب اور قدیم ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے اور پیدا ہونے سے پہلے وہ موجود نہیں تھے، سو وہ حادث اور ممکن قرار پائے اور جو حادث اور ممکن ہو وہ رب اور خدا نہیں ہوسکتا، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے مہد اور پنگوڑہ میں نومولود بچہ تھے، پھر وہ بالغ ہوئے، پھر جوان ہوئے، پھر وہ ادھیڑ عمر کو پہنچے یعنی کھول ہوئے، پھر جب یہود نے ان کو اپنے عقیدے کے مطابق صلیب پر چڑھایا تو یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق ان کو قتل کر دیا گیا، سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ تغیرات عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق وارد ہوئے اور جس پر تغیرات وارد ہوں وہ ممکن اور حادث ہوتا ہے اور جو ممکن اور حادث ہو وہ رب اور خدا نہیں ہوسکتا، سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب اور خدا نہیں ہیں۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ (الزخرف: ۵۹)

ابن مریم محض ہمارے (مقدس) بندے ہیں، ہم نے ان پر انعام فرمایا اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لئے اپنی قدرت کی نشانی بنایا ہے O

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میرے متعلق ایسا غلو نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے متعلق غلو کیا، سو میں صرف اللہ کا بندہ ہوں، پس تم میرے متعلق کہو کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ (صحیح البخاری: ۳۴۴۵، مسند احمد: ۱۵۵، سنن دارمی: ۲۷۸۴)

اور نصرانیہ عورت یہ کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے رب ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ نصرانی عورت کے ساتھ نکاح اس وقت حلال ہے کہ جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی دین کے اوپر قائم ہو جس میں شرک نہیں تھا، پس دین مسیحی

ہے جس میں شرک بالکل نہ ہو۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ:۱۷) بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا: یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (التوبہ:۳۰) اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ محض ان کے منہ سے کہی ہوئی (بے سروپا) باتیں ہیں، یہ اپنے سے پہلے کافروں کی کہی ہوئی باتوں کی مشابہت کرتے ہیں، ان پر اللہ کی پھٹکار یہ کہاں اوندھے جارہے ہیں ۝

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدہ:۷۳) بے شک وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا: بلاشبہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔

تاہم صحیح مذہب جمہور فقہاء کا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۵۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اگرچہ مکروہ تنزیہی ہے، جو عورت کسی نبی مرسل پر ایمان رکھتی ہو اور کسی نازل شدہ کتاب کا اقرار کرتی ہو، اگرچہ ان لوگوں کا یہ اعتقاد ہو کہ حضرت مسیح معبود ہیں اور اسی طرح ہمارے مذہب کے مطابق ان کا ذبیحہ کھانا بھی جائز ہے (البحر الرائق) اور معتزلہ کی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی جائز ہے، کیونکہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۴ ص ۱۰۱-۱۰۲، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الشامی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فتح القدیر میں مذکور ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ یہ نکاح نہ کیا جائے اور بغیر ضرورت کے ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور اہل کتاب کی جو عورت دار الحرب میں ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا اجماعاً مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے اور اپنی اولاد کو کفار کے اخلاق کے ساتھ متخلق کرنے کا سبب ہے۔

جو شخص کسی آسمانی دین کا اعتقاد رکھتا ہو اور اس کے پاس کوئی نازل شدہ کتاب ہو جیسے صحائف ابراہیم اور صحائف شیث اور زبور داؤد، سو وہ اہل کتاب میں سے ہیں تو ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے اور شیخ الاسلام کی مبسوط میں مذکور ہے کہ جب وہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا اعتقاد رکھیں یا حضرت عزیر علیہ السلام کی الوہیت کا اعتقاد رکھیں تو پھر واجب ہے کہ ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور نہ ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جائے، ایک قول یہ ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لیکن دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جائے۔

البحر الرائق میں مذکور ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا مطلقاً حلال ہے کیونکہ شمس الائمہ سرخسی نے المبسوط میں ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے خواہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام تین میں کے تیسرے ہیں، کیونکہ قرآن مجید نے ان عورتوں کے ساتھ نکاح کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔

(ردالمحتار ج ۴ ص ۱۰۱-۱۰۲، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اہل کتاب کی خواتین کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تحقیق

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

نصاریٰ باعتبار حقیقت لغویہ از انجا کہ قیام مبدء مستلزم صدق مشتق ہے، بلاشبہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث و بنوت ہیں، اسی طرح وہ یہود جو الوہیت وابنیت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل تھے، مگر کلام اس میں ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے کتب آسمانی کا اجلال فرما کر یہود ونصاریٰ کے احکام کو احکام مشرکین سے جدا کیا اور ان کا نام اہل کتاب رکھا اور ان کے نساء اور ذبائح کو حلال ومباح ٹھہرایا، آیا نصاریٰ زمانہ بھی کہ الوہیت عبداللہ مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی علی الاعلان تصریح اور وہ یہود جو مثل بعض طوائف ماضیہ الوہیت بندۂ خدا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہوں انہیں میں داخل اور اس تفرقہ کے مستحق ہیں یا ان پر شرعاً بھی احکام مشرکین جاری ہوں گے اور ان کی نساء سے تزوج اور ذبائح کا تناول ناروا ہوگا۔ کلمات علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم اس بارے میں مختلف، بہت مشائخ نے قول اخیر کی طرف میل فرمایا، بعض علماء نے تصریح کی کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

مستصفے میں ہے: علماء نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ تب حلال ہوگا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ نہ مانتے ہوں، لیکن اگر وہ ان کو الٰہ مانتے ہوں تو پھر حلال نہ ہوگا اور شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اس صورت میں نہ کھائیں جب وہ مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہوں اور اندریں صورت ان کی عورتوں سے بھی نکاح نہ کریں۔ اسی پر فتویٰ کہا گیا ہے۔

(فتح القدیر بحوالہ المستصفی ج ۳ ص ۱۳۵، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

ان علماء کا استدلال درج ذیل آیت کریمہ سے ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ (التوبہ: ۳۰) یہود نے کہا: عزیر ابن اللہ ہیں اور نصاریٰ نے کہا مسیح ابن اللہ ہیں۔

اس کے آخر میں ارشاد فرمایا:

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبہ: ۳۱) وہ پاک ذات ہے اور جو انہوں نے اس کا شریک بنایا اللہ تعالیٰ اس سے بلند وبالا ہے ۝

دیکھو اول ان کے اقوال خبیثہ یاد فرما کر آخر ان کے شرک سے اپنی نزاہت وتبری بیان فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ قائلین بنوت مشرکین ہیں مگر ظاہر الروایہ میں ان پر علی الاطلاق حکم کتابیت دیا اور ان کے ذبائح ونساء کو حلال ٹھہرایا۔

دُرمختار میں ہے: کتابیہ عورت سے نکاح صحیح ہے اگرچہ مکروہ تنزیہی ہے بہ شرطیکہ وہ عورت کسی مرسل نبی پر ایمان رکھتی ہو اور کسی منزل من اللہ کتاب کا اقرار کرتی ہو اگرچہ عمومی طور پر وہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہوں، یونہی ان کا ذبیحہ بھی مذہب میں حلال

ہے۔(درمختار ج ۱ ص ۱۸۹، مطبع مجتبائی دہلی)

نیز ردالمحتار میں البحر الرائق سے منقول ہے: حاصل یہ ہے کہ مذہب میں اطلاق ہے، کیونکہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے خواہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ثالث ثلثہ کا قول کریں یا نہ کریں، کیونکہ کتاب اللہ کا یہاں اطلاق ہے اور یہی دلیل ہے، اس کو فتح القدیر میں ترجیح ہے۔(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۸۹، دراحیاء التراث العربی بیروت)

مستصفیٰ میں عبارت مذکورہ کے بعد مبسوط سے منقول ہے: لیکن دلائل کو دیکھتے ہوئے یہی مناسب قول ہے کہ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔(فتح القدیر بہ حوالہ المستصفیٰ ج ۳ ص ۱۳۵، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

فتاویٰ حامدیہ میں ہے: دلائل کا مقتضیٰ یہی ہے کہ جائز ہے جیسا کہ اسے تمرتاشی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے۔

(العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ ج ۲ ص ۲۳۲، ارگ بازار قندھار افغانستان)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۱۳۶-۱۱۷، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، ۱۴۱۹ھ)

اہل کتاب کی خواتین کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کے متعلق صدر الشریعہ کے ذکر کردہ احکام

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ: مسلمان کا نکاح مجوسیہ، بت پرست، آفتاب پرست، ستارہ پرست، عورت سے نہیں ہوسکتا خواہ یہ عورتیں حرہ ہوں یا باندیاں ہوں، غرض کتابیہ کے سوا کسی کافرہ عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا۔(فتح القدیر ج ۳ ص ۱۳۶-۱۳۸، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات)

مسئلہ: یہودیہ اور نصرانیہ سے مسلمان کا نکاح ہوسکتا ہے مگر چاہئے نہیں کہ اس سے بہت زیادہ مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے۔

(عالمگیری وغیرہ)(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۱، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات)

مگر یہ جواز اسی وقت تک ہے جب کہ اپنے اسی مذہب یہودیت یا نصرانیت پر ہوں اور اگر صرف نام کی یہودی، نصرانی ہوں اور حقیقۃً نیچری اور دہریہ مذہب رکھتی ہو، جیسے آج کل کے عموماً نصاریٰ کا کوئی مذہب ہی نہیں تو ان سے نکاح نہیں ہوسکتا، نہ ان کا ذبیحہ جائز بلکہ ان کے یہاں تو ذبیحہ ہوتا بھی نہیں۔

مسئلہ: کتابیہ سے دارالحرب میں نکاح کر کے دارالاسلام میں لایا تو نکاح باقی رہے گا اور خود چلا آیا اسے وہیں چھوڑ دیا تو نکاح ٹوٹ گیا۔(عالمگیری)(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۱، کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان المحرمات)

مسئلہ: مسلمان نے کتابیہ سے نکاح کیا تھا، پھر وہ مجوسیہ ہوگئی تو نکاح فسخ ہوگیا اور مرد پر حرام ہوگئی اور اگر یہودیہ تھی اب نصرانیہ ہوگئی یا نصرانیہ تھی یہودیہ ہوگئی تو نکاح باطل نہ ہوا۔(عالمگیری)(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۱، کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان المحرمات)

مسئلہ: مسلمان عورت کا نکاح مسلمان مرد کے سوا کسی مذہب والے سے نہیں ہوسکتا اور مسلمان کے نکاح میں کتابیہ ہے، اس کے بعد مسلمان عورت سے نکاح کیا یا مسلمان عورت نکاح میں تھی اس کے ہوتے ہوئے کتابیہ سے نکاح صحیح ہے۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۲، کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم الثامن)

(بہار شریعت حصہ ہفتم (۷) ص ۳۱-۳۲، مکتبۃ المدینہ، کراچی ۱۴۳۰ھ)

۱۹۔ بَابُ: نِكَاحِ مَنْ أَسْلَمَ مِنَ الْمُشْرِكَاتِ وَعِدَّتِهِنَّ

مشرک عورتوں میں سے جو اسلام قبول کرلیں ان کے ساتھ نکاح اور ان کی عدت کا بیان

فقہاء اسلام کا اس میں اختلاف کہ مشرکہ عورت کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس پر عدت واجب ہے یا صرف استبراء رحم واجب ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی مشرک عورت اسلام قبول کر لے اور مسلمانوں کی طرف ہجرت کر لے تو اس عورت کے اسلام کے سبب سے اس کے پہلے کافر خاوند اور اس کے درمیان تفریق ہو جائے گی، یہ فقہاء کی ایک جماعت کا موقف ہے، اور تین حیض کے ساتھ اس کا استبراء رحم کرنا واجب ہے (تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں ہے) پھر وہ دیگر شوہروں کے لئے حلال ہو جائے گی اور یہ امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، اللیث، الاوزاعی اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ کا مذہب ہے۔ اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے، اس مشرکہ عورت پر اسلام اور ہجرت کے بعد کوئی عدت نہیں ہے، اس پر صرف ایک حیض کے ساتھ استبراء رحم کرنا واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت صرف طلاق سے واقع ہوتی ہے اور مشرکہ عورت کے اسلام قبول کرنے سے اس کا نکاح سابق فسخ ہوتا ہے اور وہ اس کی طلاق نہیں ہے، لہٰذا اس پر عدت بھی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور کا موقف یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد مشرکہ عورت پر آزاد عورت کی عدت واجب ہے اور امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ اس کے لئے ایک حیض سے استبراء رحم کرنا کافی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اسلام اور ہجرت کے بعد مشرکہ کے استبراء رحم کی مدت میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کوئی مشرک عورت اسلام قبول کرے اور مسلمانوں کی طرف ہجرت کر لے تو فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک اس کے اسلام کے سبب سے اس کے درمیان اور اس کے کافر خاوند کے درمیان تفریق ہو جائے گی اور تین حیض کے ساتھ استبراء کرنا واجب ہے، پھر وہ دیگر شوہروں کے لئے حلال ہو جائے گی، یہ امام انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۹، اللیث، الاوزاعی، امام ابو یوسف متوفی ۱۸۳ھ، امام محمد متوفی ۱۸۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے درمیان استبراء رحم کی مدت میں اختلاف اور طرفین کے دلائل

اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے: جب کوئی حربی عورت اسلام قبول کر کے ہماری طرف ہجرت کرے اور دار الحرب میں اس کا کافر خاوند موجود ہو تو ان دونوں کے درمیان تفریق واقع ہو گئی اور اس پر عدت واجب نہیں ہے، اس پر

صرف ایک حیض کے ساتھ استبراء رحم واجب ہے، امام ابوحنیفہ نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ عدت صرف طلاق سے ہوتی ہے اور مشرکہ کے اسلام قبول کرنے سے اس کا نکاح سابق فسخ ہوتا ہے اور یہ طلاق نہیں ہے، انہوں نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کی حدیث میں مذکور ہے کہ جب کوئی عورت دار الحرب سے ہجرت کرے تو اس کو اس وقت تک نکاح کا پیغام نہیں دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کا ایک حیض گزر جائے اور وہ پاک ہو جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے مراد استبراء رحم ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور ان کے موافقین نے جو کہا ہے: اس پر تین حیض کے ساتھ استبراء کرنا واجب ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جب اس نے ہجرت کر لی تو وہ عورت آزاد مسلمان عورتوں کے حکم میں داخل ہو گئی اور کسی آزاد عورت کا استبراء تین حیض سے کم میں نہیں ہوتا اور اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ جب مشرکہ عورت کا خاوند اس کی عدت گزرنے سے پہلے اسلام قبول کر کے ہجرت کرے تو وہ اپنی بیوی سے نکاح کرنے کا زیادہ حق دار ہے اور عنقریب اس باب میں ان کے اختلاف کا ذکر آئے گا اور اس پر اتفاق ہے کہ جب کسی باندی کو قید کر کے دار الاسلام میں لایا جائے تو اس کا استبراء رحم ایک حیض سے ہو جاتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۶-۳۵۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ صرف ہجرت کرنے سے کوئی مشرک عورت مسلمان عورت کے حکم میں نہیں ہوتی اس لئے جس مشرک عورت نے صرف ہجرت کی ہے اور اسلام قبول نہیں کیا تو وہ مسلمان عورت کے حکم میں نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ اسلام قبول نہ کر لے، نیز اگر وہ اسلام قبول بھی کر لے تب بھی اس کی کافر خاوند سے تفریق کو طلاق قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ طلاق نکاح کی فرع ہے، اور صرف ہجرت اور اسلام سے اس کا نکاح ثابت نہیں ہوا اور طلاق تو نکاح کی فرع ہے اور تین حیض کی مدت صرف طلاق کی عدت ہے، لہٰذا جب اس مشرکہ عورت کے اسلام اور ہجرت کے بعد کسی مسلمان مرد سے نکاح نہیں ہوا تو اس کی طلاق کیسے واقع ہوگی اور تین حیض کی مدت تو صرف طلاق کی عدت ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کا یہ قول درست ہے کہ ایسی عورت کا استبراء رحم صرف ایک حیض سے ہوگا نہ کہ تین حیض سے، نیز استبراء رحم سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ عورت سابق خاوند سے حاملہ تو نہیں ہے اور جب اس کو ایک حیض آ گیا تو یہ مقصود پورا ہو گیا۔

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے اس باب کی شرح میں من وعن وہی لکھا ہے جس کو ان سے پہلے علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھ چکے ہیں، جس کو ہم نے ان کے حوالہ سے ابھی لکھ دیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۴۹-۳۵۰، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۲۸۶۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از ابن جریج۔

۵۲۸۷۔ وَقَالَ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الْمُشْرِكُونَ عَلَى مَنْزِلَتَيْنِ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ

اور عطاء نے کہا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے دور میں مشرکین کی دو قسمیں تھیں، مشرکین کی ایک قسم

وَالْمُؤْمِنِينَ كَانُوا مُشْرِكِي أَهْلِ حَرْبٍ يُقَاتِلُهُمْ وَيُقَاتِلُونَهُ وَمُشْرِكِي أَهْلِ عَهْدٍ لَا يُقَاتِلُهُمْ وَلَا يُقَاتِلُونَهُ وَكَانَ إِذَا هَاجَرَتْ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ لَمْ تُخْطَبْ حَتَّى تَحِيضَ وَتَطْهُرَ فَإِذَا طَهُرَتْ حَلَّ لَهَا النِّكَاحُ فَإِنْ هَاجَرَ زَوْجُهَا قَبْلَ أَنْ تَنْكِحَ رُدَّتْ إِلَيْهِ وَإِنْ هَاجَرَ عَبْدٌ مِنْهُمْ أَوْ أَمَةٌ فَهُمَا حُرَّانِ وَلَهُمَا مَا لِلْمُهَاجِرِينَ ثُمَّ ذَكَرَ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ مِثْلَ حَدِيثِ مُجَاهِدٍ وَإِنْ هَاجَرَ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ لِلْمُشْرِكِينَ أَهْلِ الْعَهْدِ لَمْ يُرَدُّوا وَرُدَّتْ أَثْمَانُهُمْ وَقَالَ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَتْ قَرِيبَةُ بِنْتُ أَبِي أُمَيَّةَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَطَلَّقَهَا فَتَزَوَّجَهَا مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ وَكَانَتْ أُمُّ الْحَكَمِ بِنْتُ أَبِي سُفْيَانَ تَحْتَ عِيَاضِ بْنِ غَنْمٍ الْفِهْرِيِّ فَطَلَّقَهَا فَتَزَوَّجَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ الثَّقَفِيُّ۔

وہ تھی جو اہل حرب تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قتال کرتے تھے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کرتے تھے اور مشرکین کی دوسری قسم وہ تھی جن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا، نہ آپ ان سے قتال کرتے تھے اور نہ وہ آپ سے قتال کرتے تھے، اور جب اہل حرب کی کوئی عورت ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس آ جاتی تو اس کو اس وقت تک نکاح کا پیغام نہ دیا جاتا حتیٰ کہ وہ ایک حیض گزرنے کے بعد پاک ہو جاتی، پس جب اس کا ایک حیض گزر جاتا تو اس سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا، پس اگر اس کا سابق خاوند اس کے نکاح کرنے سے پہلے ہجرت کر لیتا تو وہ عورت اس کو واپس کر دی جاتی اور اگر اہل حرب میں سے کوئی غلام ہجرت کرتا یا کوئی باندی ہجرت کرتی تو وہ دونوں آزاد قرار دیئے جاتے اور ان کے لئے وہی حقوق ہوتے جو مہاجرین کے حقوق ہیں۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے معاہدین کا ذکر کیا جو مجاہد کی حدیث کی مثل ہے، اگر ان مشرکین کا کوئی غلام یا ان کی کوئی باندی ہجرت کرتی جس سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا تو اس غلام اور باندی کو ان مشرکین کی طرف واپس نہیں کیا جاتا اور ان کی قیمت واپس کر دی جاتی۔

اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قریبہ بنت ابی امیہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی، پھر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے ان سے نکاح کر لیا اور ام الحکم بنت ابو سفیان حضرت عیاض بن الغنم الفہری رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، پس انہوں نے اس کو طلاق دے دی، پھر اس سے حضرت عبداللہ بن عثمان الثقفی رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔

(تحفۃ الاشراف: ۵۹۲۴، الجمع بین الصحیحین للحمیدی متوفی ۴۸۸ھ، ج ۲ ص ۸۴، رقم الحدیث: ۱۱۰۷، دار ابن حزم ۱۴۲۳ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی کا امام بخاری پر اعتراض

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں، صحاح ستہ کے باقی مؤلفین نے اس حدیث کی

روایت نہیں کی۔

ابومسعود دمشقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام ابن جریج کی تفسیر میں از عطاء الخراسانی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مذکور ہے اور امام بخاری نے اس عطاء کے متعلق یہ گمان کیا کہ یہ عطاء بن ابی رباح ہے۔ (کیونکہ امام بخاری نے بیان کیا کہ عطاء نے کہا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صرف عطاء بن ابی رباح روایت کرتے ہیں نہ کہ عطاء خراسانی، اس لئے امام بخاری کا یہ گمان ہے کہ اس عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں۔ سعیدی غفرلہ) اور امام ابن جریج نے عطاء خراسانی سے تفسیر نہیں سنی، عطاء خراسانی کے بیٹے نے امام ابن جریج کی تفسیر لی اور اس کو دیکھا، اور علی بن عبداللہ المدینی نے کہا: میں نے ہشام بن یونس سے سنا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن جُریج نے بیان کیا کہ میں نے عطاء سے سورۃ البقرہ سے لے کر سورہ آلِ عمران کی تفسیر تک کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: مجھے اس سے معاف کردو۔

ہشام نے اس کے بعد بتایا کہ جب عطاء کہتا ہے از ابن عباس رضی اللہ عنہما تو وہ عطاء خراسانی ہے۔ پس ہشام نے کہا: ہم نے لکھا جو لکھا، پھر ہم لکھتے لکھتے اُکتا گئے، ابن المدینی نے کہا: یعنی ہم نے جو لکھا سو لکھا کہ یہ عطاء الخراسانی ہیں، پھر ہم لکھتے لکھتے اُکتا گئے ، ابن المدینی نے کہا: یعنی ہم نے جو لکھا سو لکھا کہ یہ عطاء الخراسانی ہیں، پھر ہم لکھتے لکھتے اُکتا گئے یا تھک گئے تو عطاء خراسانی کی بجائے صرف عطاء لکھنے لگے اور بعد میں ان لوگوں نے یہ گمان کیا کہ اس عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں، سو اسی طرح امام بخاری نے بھی عطاء سے عطاء بن ابی رباح کو مراد لیا ہے اور لکھا ہے کہ عطاء نے کہا: از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حالانکہ عطاء بن ابی رباح کی امام ابن جُریج سے کوئی روایت نہیں ہے اور امام ابن جُریج نے یہ روایت صرف عطاء خراسانی سے لی ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۲۰ ص ۱۱۷،۱۱۵، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی لکھتے ہیں:

اس عطاء سے کون سا عطاء مراد ہے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ سمجھا ہے کہ اس سے عطاء بن ابی رباح مراد ہے، لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ اس سے عطاء خراسانی مراد ہے، اور ابن جریج نے عطاء خراسانی سے براہِ راست سماع نہیں کیا، اس لئے یہ سند ضعیف اور امام بخاری کی ان سندوں میں سے ہے جن پر تنقید کی گئی ہے، کتاب التفسیر میں سورۂ نوح کے تحت ''تنبیہ'' کے عنوان سے اس پر بحث گزر چکی ہے۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۴۹۱، مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی کراچی، ۱۴۲۶ھ)

قریبہ بنت ابی اُمیہ کا تعارف اور تذکرہ

صحیح البخاری: ۵۲۸۷، میں قریبہ بنت ابی امیہ کا ذکر ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں (اور وہ اس وقت مشرکہ تھیں)۔

علامہ ابن الملقن شافعی نے لکھا ہے کہ یہ لفظ قُریبہ ہے (یعنی قاف پر پیش اور راء پر زبر) اور حافظ الدمیاطی نے لکھا ہے کہ یہ لفظ قَرِیبہ ہے (یعنی قاف پر زبر اور راء کے نیچے زیر)، اور حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے کہا ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے یہ کہا ہو کہ لفظ قُریبہ پیش کے ساتھ ہے اور القاموس میں مذکور ہے کہ یہ لفظ پیش کے ساتھ جُہینہ کی طرح ہے اور کبھی اس پر زبر بھی پڑھی جاتی ہے۔ (القاموس المحیط للفیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ ص ۱۲۳، داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اور قریبہ، حضرت ام المومنین ام سلمہ بنت ابی امیہ بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، میں نے ان کا صحابیات میں ذکر کیا اور میں نے ام الحکم کا بھی صحابیات میں ذکر کیا اور یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائی تھیں، اور یہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۴۴ھ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما متوفی ۶۰ھ کی باپ شریک بہن تھیں۔ (ان کا باقی تعارف اور تذکرہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح میں عنقریب آئے گا۔ سعیدی غفرلہ) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۳۴۸-۳۴۹، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

جب کوئی غلام یا باندی ہجرت کر کے دار الاسلام میں آ جائے تو اس کا شرعی حکم

نیز علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے یہ فرمایا: اور اگر اہل حرب میں سے کوئی غلام ہجرت کر کے آ جائے یا کوئی باندی ہجرت کر کے آ جائے تو وہ دونوں آزاد ہوں گے اور رہے اہل عہد تو ان کی طرف اس غلام یا باندی کی قیمت کو اس غلام یا باندی کے عوض لوٹا دیا جائے گا کیونکہ مشرکین کے لئے مسلمانوں کا مالک بننا جائز نہیں ہے اور ان کو قیمت دینا ایسا ہے جیسے مسلمان قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑایا جاتا ہے۔

اور جب کوئی غلام یا باندی مسلمان ہو کر ہجرت کر لے تو ان کو غلام بنانا اس لئے جائز نہیں ہے کیونکہ صرف کافروں کو غلام بنایا جاتا ہے، پس جب وہ گرفتار اور مغلوب ہونے سے پہلے اسلام قبول کر کے ہمارے پاس آ گئے تو ان کا حکم ان لوگوں کے حکم کی مثل ہو گا جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور وہ اسلام اور حریت پر برقرار رہے۔

جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے دار الاسلام میں آ جائیں اور ان کے شوہر ان کے بعد آئیں تو ان مسلمان عورتوں کو ان کے خاوندوں کی طرف لوٹانے کی تفصیل

علامہ ابن المرابط نے کہا ہے کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور ان کے شوہر ان کی عدت کے درمیان اسلام قبول کر لیں تو ان مسلمان مہاجر عورتوں کو ان کے شوہروں کی طرف لوٹا دیا جائے گا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۸ھ کو ان کے خاوند حضرت ابو العاص بن الربیع متوفی ۱۲ھ کی طرف ان کے نکاحِ اول کے سبب سے لوٹا دیا تھا اور ان کا نیا مہر مقرر نہیں کیا تھا، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور اہل علم کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نکاح منعقد ہونے کے بعد ختم نہیں ہوتا سوا اس صورت کے کہ کتاب، سنت یا اجماع سے اس نکاح کا فسخ ہونا ثابت ہو جائے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ مشرکین کا باہم نکاح منعقد ہوتا ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر مشرک شوہر اور اس کی بیوی اکٹھے اسلام قبول کر لیں تو ان کو ان کے نکاحِ سابق پر برقرار رکھا جائے گا۔ (التمہید لابن عبد البر ج ۱۲ ص ۲۳)

اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب مرد، عورت میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو آیا ان کا نکاح برقرار رہے گا یا نہیں؟ ابو العاص بن الربیع المتوفی ۱۲ھ کا حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۸ھ سے اس وقت نکاح ہوا تھا جب وہ مشرک تھے اور یہ نکاح اس وقت ہوا جب مشرک مردوں سے مسلمان خاتون کے نکاح کی ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ قتادہ نے بیان کیا ہے کہ یہ نکاح سورۃ البراءۃ (سورۃ التوبہ) کے

نزول سے پہلے ہوا تھا، اس سورت میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان کئے ہوئے معاہدے کو منسوخ کرنے کا حکم نازل ہوا تھا۔
(شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۶۰)

اور عمرو بن شعیب نے از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۸ھ کو حضرت ابوالعاص بن الربیع المتوفی ۱۲ھ کی طرف نکاحِ جدید سے لوٹایا تھا یعنی دوبارہ نکاح کروایا۔

(سنن ترمذی: ۱۱۴۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۰)

امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں مقال ہے۔ اور اسی طرح امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب کسی عورت کی عدت پوری ہو جائے تو اسے اس کے پہلے خاوند کی طرف نکاحِ جدید کے سوا لوٹانا جائز نہیں ہے۔

سو اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوالعاص بن الربیع کی طرف نکاح اول کے سبب سے لوٹایا تھا تو اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس روایت کی توجیہ یہ ہے کہ اس روایت میں نکاحِ اول سے مراد ہے مہر اول، یعنی جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مکہ سے مدینۃ المنورہ آ گئیں اور حضرت ابوالعاص بن الربیع نے بعد میں ہجرت کی اور اسلام قبول کیا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا حضرت ابوالعاص سے دوبارہ نکاح اسی مہر کے ساتھ کیا جو پہلے نکاح کے وقت مقرر ہوا تھا یعنی اگر حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح ہے تو اس روایت میں نکاحِ اول سے مراد مہر اول ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۴۰، سنن ترمذی: ۱۱۴۳)

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ کی وہ روایت صحیح ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاحِ جدید کے ساتھ یعنی دوبارہ نکاح کر کے حضرت ابوالعاص بن الربیع کی طرف دوبارہ لوٹایا تھا۔ اور محمد بن عمرو نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹایا تھا اور حسن بصری نے کہا ہے کہ آپ نے ان کو دو سال کے بعد حضرت ابوالعاص کی طرف لوٹایا تھا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۴۰)

امام حاکم اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو عمرو بن شعیب کی روایت پر ترجیح دی ہے۔
(المستدرک ج ۳ ص ۶۳۹)

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کے مذہب کی تائید

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جب کوئی عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس کا کسی سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ سو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ھ کے مذہب پر دلیل ہے کہ مطلقہ عورت کی عدت حیض ہے نہ کہ طہر۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۵۰-۳۵۲، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن ملقن کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۲۸۷، میں جو سند مذکور ہے اس سند میں وہ علت خفیہ قادحہ ہے جس کا ذکر سورۂ نوح کی تفسیر میں کیا جا چکا ہے اور

میں اس کا جواب بھی لکھ چکا ہوں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو مسعود دمشقی اور ان کے تبعین نے وثوق سے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں امام بخاری نے جس عطاء کا ذکر کیا ہے وہ عطاء خراسانی ہے اور ابن جُریج نے عطاء خراسانی سے تفسیر کو نہیں سنا، انہوں نے ان کے والد عثمان سے اس تفسیر کو سنا ہے اور عثمان ضعیف ہے اور عطاء خراسانی نے خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ سے سماع نہیں کیا (یعنی امام بخاری کی سند سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے)۔

اس اعتراض کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث ابن جُریج کے پاس دو سندوں سے مروی ہو، ایک سند وہ ہے جس کا معترض نے ذکر کیا ہے کہ عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور دوسری سند وہ ہے جس کا امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کیونکہ عطاء خراسانی کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں ہے، اس بناء پر یہ حدیث متصل نہیں رہے گی اور منقطع ہوجائے گی اور امام بخاری پر یہ چیز مخفی نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ اتصال کی شرط میں بہت متشدد ہیں، علاوہ ازیں اس علت خفیہ پر امام بخاری کے مشہور شیخ علی بن مدینی نے متنبہ کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

اس اعتراض کا علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۴۸، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ ھ)

حافظ ابن حجر نے یہاں پر اسی اعتراض کا جواب لکھا ہے اور علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ نے بھی اس اعتراض اور جواب کو نقل کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کو علامہ عینی کا مسترد کرنا

میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے سورۂ نوح کی تفسیر میں حافظ ابن حجر کے اس جواب کو مسترد کر دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ امام بخاری کا اتصال کی شرط میں تشدد اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ان پر یہ مخفی نہ رہا ہو کہ عطاء خراسانی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نہیں ہے، پس سبحان ہے وہ ذات جس پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی اور عطاء خراسانی سے روایت کرنے میں صرف امام مسلم منفرد ہیں اور امام بخاری کی عطاء خراسانی سے روایت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

قریبہ کے تذکرہ کا تتمہ اور یہ بیان کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریبہ سے اس وقت نکاح کیا جب وہ مشرکہ تھی، پھر الممتحنہ: ۱۰ کے نزول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی اور ان کے اسلام لانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کرلیا۔

حضرت قریبہ ابنۃ ابی امیہ یعنی ابن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم، حضرت ام سلمہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن ہیں اور حضرت قریبہ نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا اور یہ عمرۂ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ کا واقعہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس پر اعتراض ہے، کیونکہ امام نسائی متوفی ۳۰۳ ھ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس قصہ کی روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی بیٹی زینب کو دودھ پلاتی تھیں، پس حضرت عمار آئے اور زینب کو پکڑ کر لے گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ

نے پوچھا: زینب کہاں ہے، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ قریبہ بنت ابی امیہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو ان کو حضرت عمار پکڑ کر لے گئے، الحدیث۔

پس اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت قریبہ نے زمانہ قدیم میں ہجرت کی تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے غزوہ احد کے بعد اور غزوہ حدیبیہ سے تین سال پہلے نکاح کیا تھا، لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے مدینہ آئی ہوں تاکہ اپنی بہن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کریں یا وہ اپنے خاوند حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مقیم ہوں اور اپنے دین پر قائم ہوں اور اس وقت تک سورۃ البقرہ: ۲۲۱ نازل نہ ہوئی ہو، جس میں مشرکات کے ساتھ نکاح کی ممانعت ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت حضرت قریبہ اپنی بہن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھیں، یہ اسی وقت اسلام لائیں۔

لیکن اس احتمال کو یہ چیز رد کرتی ہے کہ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ نے از معمر از الزہری روایت کی ہے کہ درج ذیل آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کرلو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کرلیں، یہ اللہ کا حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے O

پھر امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے اس قصہ کا ذکر کیا اور اس قصہ میں مذکور ہے کہ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے اپنی ان دو بیویوں کو طلاق دے دی جو مکہ میں تھیں، سو اس قصہ سے اس بات کا رد ہو جاتا ہے کہ حضرت قریبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مقیم تھیں اور اس کا رد نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بہن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لئے آئی تھیں۔

اور ہوسکتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دو بہنیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک کا نام قریبہ ہو اور ان میں سے کسی ایک کا اسلام مقدم ہو اور یہ وہی تھیں جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت حاضر تھیں اور دوسری قریبہ کا اسلام لانا، موخر ہو اور یہ وہی ہیں جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت نکاح کیا تھا جب وہ مشرکہ تھیں۔

اور اس میں دوسرے احتمال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں یہ بیان کیا ہے کہ قُریبہ الصغریٰ بنت ابی امیہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں جن سے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما متوفی ۵۳ھ نے نکاح کیا تھا، سو ان سے عبد اللہ، حفصہ اور ام حکیم پیدا ہوئے اور امام محمد بن سعد نے سند صحیح کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت قریبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ متوفی ۵۳ھ سے کہا اور حضرت عبد الرحمٰن کے مزاج میں شدت اور تیزی تھی، انہوں نے حضرت عبد الرحمٰن سے کہا کہ مجھے لوگوں نے آپ کے ساتھ رہنے سے ڈرایا ہے تو حضرت عبد الرحمٰن نے کہا کہ تمہارے نکاح کا معاملہ تمہارے اختیار میں ہے، تو حضرت قریبہ نے کہا: میں صدیق کے بیٹے پر کسی اور کو ترجیح نہیں دوں گی، سو حضرت عبد الرحمٰن نے حضرت قریبہ کو اپنے نکاح میں برقرار رکھا۔

اور ''کتاب الشروط'' میں ایک اور سند کے ساتھ اس قصہ کے آخر میں از زہری از عروہ از مروان والمسور یہ حدیث مذکور ہے جس میں ہے کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ان دو بیویوں کو طلاق دی جو مشرکہ تھیں، ان میں سے ایک قریبہ تھیں اور دوسری ابنۃ ابی جرول تھیں، پھر قریبہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متوفی ۶۰ ھ نے نکاح کر لیا اور دوسری سے حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور یہ اس قصہ کے مطابق ہے جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اور اس قصہ پر زائد ہے، اور اس سے پہلے ایک اور سند کے ساتھ بھی اس کی مثل منقول ہے لیکن اس میں یہ مذکور ہے کہ دوسری سے حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ المتوفی ۴۲ ھ نے نکاح کیا تھا پس ان دو روایتوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ دوسرے سے پہلے ابوجہم نے نکاح کیا ہو اور بعد میں صفوان نے نکاح کیا ہو یا اس کے برعکس ہو۔ رہی بنت ابی جرول تو امام ابن اسحاق کی ''المغازی الکبریٰ'' میں مذکور ہے از زہری از عروہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ام کلثوم بنت عمرو بن جرول ہیں، پس گویا کہ ان کے والد نے ان کی کنیت اپنے والد کے نام پر رکھی۔

اور امام عبدالرحمٰن بن ادریس الشافعی متوفی ۳۲۷ ھ نے اپنی تفسیر میں سند حسن کے ساتھ از موسیٰ بن طلحہ از والد خود یہ روایت کی ہے کہ جب المتحنہ: ۱۰ نازل ہوئی:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (المتحنہ: ۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے O

تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ متوفی ۳۶ ھ نے اپنی بیوی اروی بنت ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کو طلاق دے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۳ ھ نے اپنی بیوی قریبہ اور ام کلثوم بنت جرول کو طلاق دے دی۔

اور امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ ھ نے از محمد بن اسحاق روایت کی ہے کہ الزہری نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریبہ اور ام کلثوم کو طلاق دے دی اور حضرت طلحہ نے اروی بنت ربیعہ کو طلاق دے دی، سو اسلام نے ان کے درمیان تفریق کر دی حتیٰ کہ: وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (المتحنہ: ۱۰) نازل ہو گئی، پھر قریبہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ ھ نے ان سے نکاح کیا۔

اس کی توجیہ کہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں یہ شق موجود تھی کہ مشرکین کی طرف سے جو ہجرت کر کے مسلمانوں کی طرف جائے گا تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس کو مشرکین کی طرف واپس کر دیں، پھر جن عورتوں نے مسلمان ہو کر مسلمانوں کی طرف ہجرت کی ان کو مشرکین کی طرف واپس کیوں نہیں بھیجا گیا

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان اس پر صلح ہوئی تھی کہ مشرکین میں سے جو شخص مسلمانوں کی طرف آئے گا مسلمان اس کو مشرکین کی طرف واپس کر دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکین کی طرف جائے گا تو وہ لوگ اسے مسلمانوں

کی طرف واپس نہیں کریں گے، اس کے باوجود مسلمانوں کی طرف آنے والی عورتوں کو اہل مکہ کی طرف واپس نہیں کیا گیا تو اس کے سبب میں علماء کا اختلاف ہے، آیا ان عورتوں کے متعلق معاہدہ کی یہ شق منسوخ ہوگئی تھی، سو مسلمانوں نے ان کے پاس آنے والی عورتوں کو مشرکین کی طرف واپس نہیں کیا یا عورتوں کو واپس کرنے کی شق اصل معاہدہ صلح میں داخل نہیں تھی یا یہ شق عام تھی اور اس سے بالخصوص عورتوں کو واپس نہ کرنے کا ارادہ کیا گیا اور اس آیت کے نزول نے اس کو بیان کر دیا۔

اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ ان عورتوں کو واپس کرنے کی شق اصل معاہدہ میں داخل نہیں تھی، انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ بعض سندوں کے ساتھ معاہدہ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ کے پاس ہماری طرف سے جو مرد آئے گا'' آپ کو اسے لازم واپس کرنا ہوگا'' اس روایت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ عورتوں کو واپس کرنے کا حکم اس معاہدہ میں داخل نہیں ہے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے: مقاتل بن حیان روایت کرتے ہیں کہ مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہماری عورتوں میں سے جو آپ کی طرف ہجرت کر کے آئی ہیں، آپ انہیں ہماری طرف واپس کر دیں، کیونکہ ہماری شرط یہ تھی کہ ہماری طرف سے جو بھی آپ کی طرف آئے گا آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے تو آپ نے فرمایا: یہ شرط مردوں کے متعلق تھی اور عورتوں کے متعلق نہیں تھی، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اگر یہ حدیث ثابت ہو تو پھر اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف اور نزاع ختم ہو جاتا ہے، لیکن پہلے اور تیسرے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا نے جب ہجرت کی تو ان کے گھر والے آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا کہ آپ ان کو واپس کر دیں، اور آپ نے ان کو واپس نہیں کیا کیونکہ یہ آیت نازل ہو چکی تھی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ (الممتحنہ:۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں، اور نہ وہ کفار مومنات کے لیے حلال ہیں۔

اور ابن طلاع نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سبیعہ الاسلمیہ رضی اللہ عنہا نے مسلمانوں کی طرف ہجرت کی تو ان کا شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا مطالبہ کرنے کے لیے آیا تو (الممتحنہ:۱۰) نازل ہوگئی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشرک خاوند کو ان کا مہر واپس کر دیا، کیونکہ الممتحنہ میں ارشاد ہے:

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ (الممتحنہ:۱۰)

اور تم کافروں کو وہ مال دے دو، جو انہوں نے مومنات پر خرچ کیا ہے اور ان مومنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو۔

ایک اشکال کا جواب

یہاں پر یہ اشکال ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷ھ جو کہ

بدری صحابی تھے، حجۃ الوداع کے سال فوت ہو گئے، اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت سُبیعہ اور ان کے خاوند دونوں کی ہجرت مقدم ہے اور اس میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سبیعہ اسلمیہ سے ان کی ہجرت کے بعد نکاح کیا تھا اور ان کے وہ خاوند جو ان کی طلب میں آئے تھے اور جن کی طرف حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا کو واپس نہیں کیا گیا تھا وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور میں نے ''کتاب الشروط'' کے اول میں ان متعدد کفار کی بیویوں کے ناموں کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے ہجرت کر لی تھی۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٤٨٦، ٤٨٥، دار المعرفہ بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی کی شرح میں قُریبہ، اُم الحکم اور عیاض بن غنم الفہری کا تذکرہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ قریبہ بنت ابی امیہ کے تذکرہ اور تعارف میں لکھتے ہیں:

الکشمینی کی روایت میں مذکور ہے کہ قریبہ بنت ابی امیہ حضرت ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں اور حضرت ام سلمہ کا نام ہند ہے اور قریبہ کا ذکر صحابیات میں کیا گیا ہے، اس کا ذکر امام ذہبی متوفی ٧٤٨ھ نے بھی صحابیات میں کیا ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی بہن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا تو یہ اس موقع پر حاضر تھیں، اور ام الحکم فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائی تھیں (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے لکھا ہے کہ جب الممتحنہ: ١٠، نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ٢٤ھ نے قریبہ کو طلاق دے دی کیونکہ وہ اس وقت مشرکہ تھی، یہ سات (٧) ہجری کا واقعہ ہے، اس کے بعد وہ مسلمان ہوئیں، پھر ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متوفی ٦٠ھ نے نکاح کر لیا۔ سعیدی غفرلہ)

اور ام الحکم حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی باپ شریک بہن تھیں۔

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ٤٦٣ھ نے لکھا ہے کہ جس وقت الممتحنہ: ١٠، نازل ہوئی اس وقت ام الحکم عیاض بن غنم الفہری رضی اللہ عنہ متوفی ٢٠ھ کے نکاح میں تھیں، سو انہوں نے ام الحکم کو طلاق دے دی، پھر ان سے عبد اللہ بن عثمان الثقفی نے نکاح کر لیا۔

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر مالکی متوفی ٤٦٣ھ نے لکھا ہے: میرے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عیاض بن غنم الفہری ہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے عامہ بلاد جزیرہ کو اور رقہ کو فتح کیا تھا اور وہاں کے باشندوں سے صلح کی تھی اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے روم کی طرف سفر کیا تھا اور وہ اپنی قوم میں سردار تھے۔ بیس (٢٠) ہجری میں ان کی شام میں وفات ہوئی اور اس وقت ان کی عمر ساٹھ (٦٠) سال تھی۔ (الاستیعاب ج ٣ ص ٣٠٣) (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٣٨٦، دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤٢١ھ)

٢٠۔ بَابٌ: إِذَا أَسْلَمَتِ الْمُشْرِكَةُ أَوِ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الذِّمِّيِّ أَوِ الْحَرْبِيِّ

اس امر کا بیان کہ جب مشرکہ یا نصرانیہ کسی ذمی یا حربی کے نکاح میں ہو، پس وہ اسلام قبول کر لے (تو پھر کیا حکم ہے؟) اور اس باب کے عنوان میں صرف نصرانیہ کے ذکر کا قید احترازی نہ ہونا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی مشرکہ یا نصرانیہ اسلام قبول کر لے تو پھر اس کا کیا شرعی حکم ہے؟

علامہ عینی کا امام بخاری پر اعتراض

امام بخاری نے اس عنوان میں صرف نصرانیہ کے ذکر پر اقتصار کیا ہے اور یہ قید احترازی نہیں ہے، کیونکہ یہودی عورت بھی اسی کی مثل ہے اور اگر امام بخاری کہتے کہ جب مشرکہ یا ذمیہ اسلام قبول کر لیں تو زیادہ بہتر ہے اور زیادہ شامل ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۶-۳۸۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عنوان میں صرف نصرانیہ کا ذکر کرنے اور کتابیہ کا ذکر نہ کرنے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں صرف نصرانیہ کے ذکر پر اقتصار کیا ہے اور انہوں نے نصرانیہ کا بہ طور مثال ذکر کیا ہے، ورنہ یہودیہ کا حکم بھی اسی طرح ہے اور اگر امام بخاری نصرانیہ کی بجائے کتابیہ کا لفظ لکھتے تو یہ زیادہ شامل ہوتا اور گویا کہ امام بخاری نے اس عبارت میں اس اثر کی رعایت کی ہے جو اس مسئلہ میں منقول ہے اور امام بخاری نے وثوق کے ساتھ اس کا حکم نہیں بیان کیا کیونکہ اس میں اشکال ہے بلکہ عنوان کو فقط سوال کی صورت میں ذکر کیا ہے اور امام بخاری کی عادت ہے کہ جب کسی حکم کی دلیل میں کوئی احتمال ہو تو وہ وثوق کے ساتھ اس کا حکم بیان نہیں کرتے اور اس عنوان سے مراد یہ ہے کہ آیا جو عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو کیا فقط اس عورت کے اسلام کی وجہ سے اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کر دی جائے گی یا اس عورت کے لیے نکاح کو برقرار رکھنے کا اختیار ہوگا یا اس کی عدت میں توقف کیا جائے گا، اگر عدت کے اندر اس کا شوہر مسلمان ہو گیا تو نکاح برقرار رہے گا ورنہ ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی؟ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے اور اس کی کافی مفصل شرح ہے اور امام بخاری کا رجحان اس طرف ہے کہ فقط اس عورت کے اسلام قبول کرنے سے اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کی بیان کردہ توجیہ درست نہیں ہے، کیونکہ جب امام بخاری کے نزدیک اس مسئلہ کا حکم مشکل تھا تو پھر اس کا عنوان قائم کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ بلکہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ اکثر ابواب کے تراجم مطلقاً ذکر کرتے ہیں اور اس ترجمہ میں اس مسئلہ کا حکم بیان نہیں کرتے، کیونکہ ان کے نزدیک اس مسئلہ کا حکم اس باب میں مذکور احادیث سے معلوم ہو جائے گا، اس لئے امام بخاری اس باب میں مذکور احادیث پر اکتفاء کر لیتے ہیں، اور از خود اس مسئلہ یا اس عنوان کا حکم بیان نہیں کرتے، اور امام بخاری نے جو عنوان قائم کیا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر سے پہلے اسلام قبول کر لے تو آیا فقط اس کے اسلام قبول کرنے سے ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی یا عورت کے لئے نکاح کو برقرار رکھنے کا اختیار ثابت ہوگا یا اس کی عدت میں توقف کیا جائے گا؟ پھر اگر اس کا شوہر مسلمان ہو گیا تو ان کا نکاح برقرار ہوگا ورنہ اس عورت اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اعتراضِ مذکور کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:
میں نے اس عبارت کے متصل یہ کہا ہے کہ امام بخاری کی یہ عادت ہے کہ جب حکم کی دلیل میں کوئی احتمال ہو تو پھر امام بخاری وثوق کے ساتھ اس مسئلہ کا حکم بیان نہیں کرتے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۰۷، مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی حنفی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب سے علامہ عینی کا اعتراض ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ علامہ عینی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کے حکم بیان نہ کرنے کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس مسئلہ کا حکم مشکل ہے، سو علامہ عینی نے فرمایا: اگر اس مسئلہ کا حکم مشکل تھا تو پھر اس مسئلہ کو باب کے عنوان میں ذکر کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ جب حکم کی دلیل میں کوئی احتمال ہو تو پھر امام بخاری اس حکم کو بیان نہیں کرتے، اسی لئے امام بخاری نے اس عنوان میں مذکور مسئلہ کا حکم بیان نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں: اس کی صحیح توجیہ وہی ہے جس کو علامہ عینی نے بیان کیا ہے چونکہ وہ حکم بعد میں مذکور احادیث سے معلوم ہو جاتا ہے اس لئے امام بخاری نے اس عنوان میں یہ مسئلہ تو ذکر کیا لیکن اس کا حکم بیان نہیں کیا۔

اگر نصرانی عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا شوہر اسلام کو قبول نہ کرے تو ان کے نکاح کے متعلق اختلاف فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کا نکاح منسوخ ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہ طور عموم فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ (الممتحنہ: ۱۰) نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لیے حلال ہیں۔

لہٰذا جب نصرانی عورت مسلمان ہو گئی تو پھر وہ اپنے نصرانی شوہر کے لیے حلال نہیں ہو گی اور اس آیت میں وقت عدت کی تخصیص نہیں ہے، اور اس کی مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور یہی طاؤس بن کیسان الیمانی المتوفی ۱۰۶ھ اور ابوثور کا قول ہے۔
اور فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب شوہر عدت میں اسلام کو قبول کر لے تو پھر وہ اس عورت سے نکاح کر لے، اور مجاہد اور قتادہ کا یہی قول ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام اوزاعی، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوعبید القاسم بن سلام الھروی متوفی ۲۲۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔
اور فقہاء کی ایک دوسری جماعت نے کہا ہے کہ جب نصرانی عورت اور اس کا شوہر دونوں دارالاسلام میں ہوں اور نصرانی عورت اسلام قبول کر لے تو اس کے شوہر پر اسلام کو پیش کیا جائے گا اور اگر اس نے اسلام کو قبول کر لیا تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے اور اگر اس کا شوہر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور یہی ثوری اور امام

ابوحنیفہ رحمہ اللہ متوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے، اور جب نصرانی عورت اور اس کا خاوند دونوں دار الحرب میں ہوں، پھر جب نصرانی عورت اسلام کو قبول کرلے اور ہماری طرف یعنی دار الاسلام میں آجائے تو پھر وہ عورت اپنے نصرانی شوہر سے اختلاف دارین کی وجہ سے بائنہ ہوجائے گی، اور اس مسئلہ میں ایک اور قول بھی ہے جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ جب کوئی نصرانی عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا شوہر بدستور نصرانی رہے تو پھر اس عورت کو اختیار دیا جائے گا، تو اگر وہ چاہے تو اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرلے اور اگر چاہے تو اس کے نکاح میں برقرار رہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے علامہ ابن بطال کی مکمل عبارت ذکر نہیں کی، اب ہم علامہ ابن بطال مالکی کی مکمل عبارت ذکر کر رہے ہیں:

اس مسئلہ کا بیان کہ کسی نصرانی عورت نے اسلام قبول کرلیا اور اس کے شوہر نے اسلام قبول نہیں کیا تو ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا ہے کہ جس نصرانی عورت نے اسلام کو قبول کرلیا اور اس کے شوہر نے اسلام کو قبول نہیں کیا تو جب اس کے شوہر نے عدت کے دوران اسلام قبول کرلیا تو وہ اس صورت میں عورت سے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ (الممتحنہ:۱۰)

نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لیے حلال ہیں۔

اور الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ اور قتادہ نے مجوسی شوہر اور بیوی کے متعلق کہا ہے کہ جب وہ دونوں بہ یک وقت مسلمان ہوگئے تو وہ دونوں اپنے نکاحِ سابق پر برقرار رہیں گے اور جب ان میں سے کسی ایک نے دوسرے سے پہلے اسلام کو قبول کیا اور دوسرے نے انکار کردیا تو وہ عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہوجائے گی اور اس کے شوہر کی اس عورت کے اوپر کوئی راہ نہیں ہوگی، اور ابن جُریج نے بیان کیا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے پوچھا کہ مشرکین کی طرف سے ایک عورت مسلمانوں کی طرف آئی تو کیا اس عورت کے شوہر کو اس عورت کے مہر کا معاوضہ ادا کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنفَقُوا ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (الممتحنہ:۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کرلو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے، وہ تم سے طلب کرلیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے ۝

عطاء نے جواب دیا: نہیں! یہ حکم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان تھا، جن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا تھا، اور مجاہد نے کہا: یہ تمام احکام نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان قریش کے درمیان ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا تھا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی پہلی تعلیق

وَقَالَ عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذَا أَسْلَمَتِ النَّصْرَانِيَّةُ قَبْلَ زَوْجِهَا بِسَاعَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ۔

اور عبد الوارث نے کہا از خالد از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جب نصرانی عورت اپنے شوہر سے ایک ساعت پہلے اسلام قبول کرلے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔

(ہم کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کے اس قول کا حوالہ نہیں مل سکا)۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۶)

صحیح البخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

اس تعلیق کی سند یہ ہے: از خالد الحذاء از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ حدیث مجھ کو سند موصول کے ساتھ از عبد الوارث نہیں ملی، لیکن امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اس حدیث کی از عباد بن العوام از خالد الحذاء اس کی مثل روایت کی ہے۔

زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرنے سے تفریق کا وقوع

جب نصرانی عورت اپنے خاوند سے ایک ساعت پہلے اسلام قبول کرلے تو وہ اپنے خاوند پر حرام ہو جائے گی: اس تعلیق میں نصرانی عورت سے مراد عام ہے وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو، لیکن اس تعلیق میں جو کہا ہے کہ وہ اپنے خاوند پر حرام ہو جائے گی اس کی مراد کی صراحت نہیں ہے، اور امام ابن ابی شیبہ کی روایت میں مذکور ہے کہ وہ اپنے نفس کی زیادہ مختار ہے۔

اور امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ جو یہودی عورت یا نصرانی عورت، یہودی یا نصرانی مرد کے نکاح میں ہو پھر وہ اسلام قبول کرلے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسلام ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا، اسلام غالب ہوتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ

اس تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، اس تعلیق میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول مذکور ہے، اس کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں اور اس تعلیق میں جس نصرانی عورت کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس سے عام ہے کہ وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَقَالَ دَاوُدُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الصَّائِغِ سُئِلَ عَطَاءٌ عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ أَسْلَمَتْ ثُمَّ أَسْلَمَ زَوْجُهَا فِي الْعِدَّةِ أَهِيَ امْرَأَتُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَشَاءَ هِيَ بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ وَصَدَاقٍ۔

اور داؤد نے کہا از ابراہیم الصائغ عطاء سے اہل العہد کی اس عورت کے متعلق سوال کیا گیا کہ جس نے اسلام قبول کرلیا، پھر اس کے خاوند نے عدت کے دوران اسلام قبول کرلیا تو کیا وہ عورت اس کی بیوی رہے گی یا نہیں؟ پس عطاء نے کہا: نہیں! مگر وہ عورت چاہے

تو نکاحِ جدید اور مہرِ جدید کے ساتھ اس سے رجوع کر لے گی۔

ہمیں اس تعلیق کا حوالہ نہیں مل سکا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۶)

صحیح البخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ

اور داؤد نے کہا: یہ ابن ابی الفرات ہے، اور ابو الفرات کا نام عمرو بن الفرات ہے، انہوں نے از ابراہیم الصائغ روایت کی ہے اور یہ ابن میمون ہیں۔

عطاء سے سوال کیا گیا: یہ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ ہیں۔

زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام سے بغیر انتظارِ عدت کے طلاق کا وقوع

عطاء سے اہل العہد (ذمیین) کی عورت کے متعلق سوال کیا گیا کہ جس کے خاوند نے عدت کے دوران اسلام قبول کر لیا تو کیا وہ عورت اس کی بیوی رہے گی یا نہیں؟ پس عطاء نے کہا: نہیں، مگر وہ عورت چاہے تو نکاحِ جدید اور مہرِ جدید کے ساتھ اس سے رجوع کر لے گی۔ اس حدیث کی امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے ایک اور سند کے ساتھ عطاء سے اسی کی مثل روایت کی ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام سے ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور عدت کے مکمل ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، ۴۸۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ

اس تعلیق کی داؤد بن ابی الفرات نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور ان کا نام عمرو بن الفرات ہے، از ابراہیم بن میمون الصائغ المروزی، ان کو ایک سو اکتیس (۱۳۱) ھ میں شہید کر دیا گیا تھا اور عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں۔

اهل العهد: اس سے مراد اہل ذمہ ہیں، امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے از عبادہ بن العوام از حجاج از عطاء روایت کی ہے کہ جو نصرانی عورت اپنے خاوند کے نکاح میں ہو پھر وہ مسلمان ہو جائے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

غیر مقلدین کے نزدیک زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے سے عدت پوری ہونے تک نکاح فسخ نہ ہوگا

غیر مقلد عالم شیخ وحید الزماں متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

یعنی مجرد اسلام سے نکاح فسخ ہو جائے گا، اگرچہ ایک گھڑی کا تقدم اور تاخر ہو، امام ابوحنیفہ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے اور امام بخاری کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے لیکن اہلِ حدیث کا قول یہ ہے کہ عدت پوری ہونے تک نکاح فسخ نہ ہوگا۔ اگر عدت کے اندر خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا، امام مالک اور امام شافعی اور ہمارے امام احمد بن حنبل نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی قول صحیح ہے، اس لئے کہ بہت صحابہ کی عورتیں ان سے پہلے مسلمان ہو گئیں، جیسے حضرت حکیم بن حزام اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ لیکن آپ نے ان کو نئے سرے سے نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا اور ایک جماعت اہل حدیث اور ابراہیم نخعی اور حماد بن ابی سلیمان کا جو امام ابوحنیفہ کے استاد تھے یہ قول ہے کہ جب تک وہ عورت دوسرا نکاح نہ کر لے اپنے اگلے خاوند کی عورت رہے گی

خواہ عدت گزر گئی ہو اور دلیل ان کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رکھا حالانکہ وہ اپنے خاوند سے چھ یا تین یا دو برس پہلے مسلمان ہو گئی تھیں۔ مخالفین یہ جواب دیتے ہیں کہ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے نکاح اور نیا مہر مقرر کر کے ان کو ابوالعاص کی زوجیت میں دیا، مگر یہ حدیث ضعیف ہے، بعضوں نے یوں جواب دیا ہے کہ شاید حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت اس وقت تک نہ گزری ہو کیونکہ کبھی حیض رک جاتا ہے مگر یہ عادت کے خلاف ہے اور بعید از قیاس ہے۔ (تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۱۹، ۲۱۸، نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۰ء)

غیر مقلدین کا رد اور شیخ وحید الزماں کے شبہات کا جواب اور شیخ وحید الزماں کا امام بخاری اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے قول کو مرجوح قرار دینا

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء احناف کا مذہب صحیح البخاری کی ان احادیث کے مطابق ہے جس کو امام بخاری نے اس دوسری تعلیق میں ذکر کیا ہے کہ جیسے ہی کوئی کتابیہ عورت مسلمان ہو اسی وقت اس کی اپنے شوہر سے تفریق ہو جائے گی، خواہ پوری عدت گزرے یا نہ گزرے اور ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے جو اس مسئلہ کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ ''اگر عدت کے اندر خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا اور عدت پوری ہونے تک نکاح فسخ نہ ہوگا'' یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ اور شیخ وحید الزمان نے جو حضرت حکیم بن حزام اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہما کے آثار نقل کیے ہیں، ان کی روایات امام بخاری کی صحیح حدیث کے پایہ کی نہیں ہیں۔

ویسے تو غیر مقلدین صحیح البخاری کو آسمانِ عقیدت پر بٹھاتے ہیں لیکن اس مسئلہ میں امام بخاری کی روایت ان کے قول کے خلاف تھی تو انہوں نے امام بخاری کو ترک کر دیا اور دوسری مبہم اور مجہول روایات کے آثار کو امام بخاری کی روایت کے مقابلہ میں راجح قرار دیا۔

وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی — جو ان کی زلف میں پہنچی تو حُسن کہلائی

جس طرح غیر مقلدین امام بخاری کے پرستار ہیں، اسی طرح وہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے بھی بہت مداح ہیں اور ان کو صحیح البخاری کے تمام شارحین پر فوقیت دیتے ہیں اور ہم حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے سے نکاح فسخ ہو جائے گا اور عدت پوری ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۴۸۶-۴۸۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اور شیخ وحید الزمان نے اس مسئلہ میں امام بخاری اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں کی مخالفت کی ہے

خرد کو جنوں کہہ دیا اور جنوں کو خرد — جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

باب مذکور میں امام بخاری کی تیسری تعلیق

وَقَالَ مُجَاهِدٌ إِذَا أَسْلَمَ فِي الْعِدَّةِ يَتَزَوَّجُهَا

اور مجاہد نے کہا جب کوئی مرد دورانِ عدت اسلام قبول کر لے تو وہ اس عورت سے نکاح قبول کر سکتا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے مجاہد کے اس قول کی ابن ابی نجیح کی سند سے روایت کی ہے۔

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ط (الممتحنہ:۱۰) اور اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفاران مومنات کے لئے حلال ہیں۔

امام بخاری کا عطاء کے اس قول سے استدلال کرنا کہ جب کوئی نصرانی عورت اسلام قبول کر لے تو وہ اسی وقت بائنہ ہوجائے گی اور دورانِ عدت اس کے شوہر کے قبول اسلام کا انتظار نہیں کیا جائے گا

صحیح البخاری کی تیسری تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

اس تعلیق سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے الممتحنہ: ۱۰ کو ذکر کر کے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ نصرانی عورت اسلام قبول کرتے ہی اپنے خاوند سے بائنہ ہوگی لیکن یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کی اس روایت کے معارض ہے جو اس سے پہلے باب میں مذکور ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد ہے کہ اس عورت کو نکاح کا پیغام نہ دیا جائے حتیٰ کہ اس کو ایک حیض آئے اور وہ پاک ہوجائے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۸۷)

اور ان میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ فرمایا کہ اس نصرانی عورت کو نکاح کا پیغام نہ دیا جائے حتیٰ کہ اسے حیض آئے اور وہ حیض سے پاک ہوجائے، اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ اس عورت کے خاوند کے اسلام قبول کرنے کا انتظار کیا جائے جب تک کہ وہ عدت میں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پیغام نکاح کو اس لئے موخر کیا جائے کہ کسی عورت کو اس وقت تک نکاح کا پیغام نہیں دیا جاتا جب تک کہ وہ عدت میں ہو، اور اس دوسری تطبیق کی صورت میں ان دو حدیثوں کے درمیان تعارض نہیں رہے گا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ظاہر قول کے مطابق عطاء بن ابی رباح، طاؤس، ثوری اور فقہاء کوفہ کا مذہب ہے اور ابوثور نے بھی ان کی موافقت کی ہے اور علامہ ابوبکر بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے اور امام بخاری کا بھی اسی طرف میلان ہے۔

فقہاء احناف اور ان کے موافقین نے یہ شرط عائد کی ہے کہ اس عورت کے خاوند کے اوپر اس کی عدت میں اسلام کو پیش کیا جائے۔

ائمہ ثلاثہ وغیرہم کا مجاہد کے قول سے استدلال کہ اس صورت میں اگر اس کے شوہر نے دورانِ عدت اسلام قبول کر لیا تو اس کی بیوی اس کو واپس کر دی جائے گی

اور مجاہد کے قول کے مطابق یعنی جب نصرانی عورت کا خاوند دورانِ عدت اسلام قبول کر لے تو وہ اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، سو اس قول کے مطابق قتادہ، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۲۴ھ کا مذہب ہے۔

اور امام شافعی نے اس مذہب پر اس سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت ابوسفیان نے فتح مکہ کے سال مرالظہران میں اس رات کو اسلام قبول کیا جس رات مسلمان مکہ پر حملہ آور ہوئے تھے، پس حضرت ابوسفیان مکہ میں داخل ہوئے تو ان کی بیوی ہند

بنت عتبہ نے ان کی ڈاڑھی کو پکڑ لیا اور ان کے اسلام پر انکار کیا تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کی تو وہ بعد میں اسلام لائیں اور ان کے درمیان تفریق نہیں کی گئی اور نہ یہ ذکر ہے کہ ان کا عقدِ جدید کیا گیا، اسی طرح کا واقعہ متعدد صحابہ کرام کے ساتھ ہوا ہے جن کی بیویاں ان سے پہلے مسلمان ہوگئیں، جیسے حکیم بن حزام اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرھما اور یہ منقول نہیں ہے کہ ان کے نکاح کا عقدِ جدید کیا گیا اور یہ واقعات اہل مغازی کے نزدیک مشہور ہیں اور ان کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اکثر کے نزدیک یہ اس پر محمول ہے کہ مرد کا اسلام قبول کرنا عورت کی عدت کے ختم ہونے سے پہلے واقع ہوا تھا۔

امام مالک نے الموطا میں زہری سے یہ روایت کی ہے کہ امام مالک نے کہا کہ ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی عورت نے ہجرت کی ہو اور اس کا خاوند دار الحرب میں مقیم ہو تو اس کی ہجرت سے اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق ہو جائے گی۔ اور حماد بن سلمہ اور امام عبد الرزاق نے اپنی اپنی مصنف میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن یزید الخطمی الانصاری سے روایت کی ہے کہ ایک نصرانی کی بیوی نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے شوہر کے ساتھ رہے اور اگر چاہے تو اس سے الگ ہو جائے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٤٨٧، دار المعرفہ بیروت، ١٤٢٦ھ)

جب کوئی نصرانی عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا شوہر بھی دورانِ عدت اسلام قبول کر لے تو وہ عورت نکاح جدید اور مہرِ جدید کے ساتھ اپنے خاوند کی طرف لوٹائی جائے گی

صحیح البخاری کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ

امام بخاری نے اس تعلیق کی بھی مجاہد سے روایت کی ہے کہ جب کوئی ذمی اپنی عورت کی عدت میں اسلام قبول کر لے یعنی اس کی بیوی نے اسلام قبول کر لیا پھر اس نے عدت کے دوران اسلام قبول کر لیا تو وہ اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، اس تعلیق کو امام طبری نے سندِ موصول کے ساتھ ابن ابی نجیح سے روایت کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۗ (الممتحنہ: ١٠) نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لئے حلال ہیں۔

امام بخاری نے اس آیت کو عطاء بن ابی رباح متوفی ١١٤ھ کے مذکور الصدر قول کی تقویت پر استدلال کے لئے پیش کیا ہے اور امام بخاری نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ نصرانیہ جب اسلام قبول کر لے پھر اس کے خاوند نے بھی عدت کے دوران اسلام قبول کر لیا تو وہ عورت اپنے خاوند کے لئے بغیر نکاح جدید اور بغیر مہر جدید کے حلال نہیں ہوگی۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ اس باب سے پہلے باب میں عطاء بن ابی رباح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ جب کوئی عورت اہل حرب سے ہجرت کر لے تو اس کو پیغامِ نکاح نہ دیا جائے حتیٰ کہ اس کا ایک حیض گزر جائے اور وہ پاک ہو جائے، پس جب وہ پاک ہو جائے گی تو اس کے ساتھ نکاح حلال ہو جائے گا، پس اگر اس کے خاوند نے اس عورت کے نکاح کرنے سے پہلے مسلمانوں کی طرف ہجرت کر لی تو اس عورت کو اس کے خاوند کے حوالہ کر دیا جائے گا تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ حضرت ابن عباس نے جو کہا کہ اس عورت کو اس وقت تک پیغام نکاح نہ دیا جائے حتیٰ کہ اس کا ایک حیض گزر جائے اور وہ پاک ہو جائے تو

ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کی اس قول سے مراد یہ ہو کہ جب تک وہ عورت عدت میں ہے تو اس کے خاوند کے اسلام قبول کرنے کا انتظار کیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ اس عورت کو پیغام نکاح نہ دیا جائے کیونکہ جب تک کوئی عورت عدت کے اندر ہو تو اس کو نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷-۳۸۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی چوتھی تعلیق

وَقَالَ الْحَسَنُ وَقَتَادَةُ فِي مَجُوسِيَّيْنِ أَسْلَمَا هُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا وَإِذَا سَبَقَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ وَأَبَى الْآخَرُ بَانَتْ لَا سَبِيلَ لَهُ عَلَيْهَا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حسن بصری اور قتادہ نے کہا: مجوسی مرد اور مجوسی عورت اسلام قبول کر لیں تو وہ اپنے نکاح پر باقی رہیں گے اور جب ان میں سے کسی ایک کا اسلام اپنے صاحب پر سابق ہو اور دوسرا اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو وہ مسلمان عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی اور شوہر کی اس کے اوپر کوئی راہ نہیں ہوگی۔

جب مجوسی مرد اور عورت میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کے درمیان جو نکاح تھا وہ منقطع ہو جائے گا۔

صحیح البخاری کی چوتھی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

رہا حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا اثر تو اس کی امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے سند صحیح کے ساتھ اس عبارت سے روایت کی ہے:

''اگر شوہر اور بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کے درمیان جو نکاح تھا وہ منقطع ہو گیا''۔

اور دوسری تعلیق کے سند صحیح کے ساتھ یہ الفاظ ہیں کہ وہ عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی اور رہا قتادہ کا اثر تو اس کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ اس عبارت کے ساتھ روایت کی ہے: پس جب شوہر اور بیوی میں سے کسی ایک کا اسلام اپنے صاحب پر سابق ہو تو شوہر کی اپنی بیوی پر کوئی راہ نہیں ہے، سوا اس کے کہ وہ اس کو نکاح کا پیغام دے اور امام ابن ابی شیبہ نے از عکرمہ عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ھ کا مکتوب اس کی مثل بیان کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی پانچویں تعلیق

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ امْرَأَةٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ جَاءَتْ إِلَى الْمُسْلِمِينَ أَيُعَاوَضُ زَوْجُهَا مِنْهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا (الممتحنہ: ۱۰) قَالَ لَا إِنَّمَا كَانَ ذَاكَ بَيْنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَبَيْنَ أَهْلِ الْعَهْدِ

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۷۰۷)

اور ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے پوچھا کہ مشرکین کی طرف سے ایک عورت مسلمانوں کی طرف آئی تو کیا اس کے شوہر کو اس عورت کے مہر کا معاوضہ دیا جائے گا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور انہیں دو جو انہوں نے خرچ کیا۔

تو عطاء بن ابی رباح نے کہا: یہ حکم اس وقت تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان معاہدہ تھا۔

الممتحنہ: ۱۰ میں مذکور مشرک شوہر کو معاوضہ دینے کے حکم کا منسوخ ہونا

صحیح البخاری کی پانچویں تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ ابن جریج سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے پوچھا: یہ بتایئے کہ اب مشرکین کی طرف سے کوئی عورت مسلمانوں کی طرف آجائے تو کیا اس کے شوہر کو اس کے مہر کا معاوضہ دیا جائے گا، تو عطاء نے جواب دیا کہ فتحِ مکہ کے دن یہ حکم منسوخ ہو گیا، اب اس کے شوہر کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری کی پانچویں تعلیق کی شرح از علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ

یعنی عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج نے یہ بیان کیا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے پوچھا کہ جب مشرکین کی طرف سے کوئی عورت مسلمانوں کی طرف آجائے تو کیا اس کے مشرک خاوند کو اس کے مہر کا کوئی معاوضہ دیا جائے گا؟ تو عطاء بن ابی رباح نے جواب دیا کہ اب اس کے مشرک شوہر کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ الممتحنہ: ۱۰، میں ان کے مشرک شوہروں کو معاوضہ دینے کا حکم ہے، یہ حکم اس وقت تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان معاہدہ تھا اور ان کے درمیان اس شرط پر صلح ہوئی تھی لیکن اب اگر کوئی عورت مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کی طرف آجائے تو اس کے مشرک شوہر کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا جیسا کہ امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ اب اس کے مشرک شوہر کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی چھٹی تعلیق

وَقَالَ مُجَاهِدٌ هٰذَا كُلُّهُ فِي صُلْحٍ بَيْنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَبَيْنَ قُرَيْشٍ۔ (جامع البیان للطبری متوفی ۳۱۰ھ ج ۱۲ ص ۷۰)

اور مجاہد نے کہا: یہ کل حکم اس وقت تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان معاہدہ تھا۔

اس مسئلہ کا بیان کہ جب مسلمانوں کی بیویاں کافروں کی طرف چلی جائیں، پھر بعد میں مسلمان ان کافروں پر غلبہ پا کر مالِ غنیمت حاصل کریں تو اس مالِ غنیمت میں سے ان مسلمانوں کو دیا جائے جن کی بیویاں کافروں کے پاس چلی گئی تھیں

صحیح البخاری کی چھٹی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ (الممتحنہ: ۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ

کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ مسلمانوں کی جو بیویاں کفار کی طرف چلی جائیں تو چاہیے کہ کفار ان عورتوں کو ان کے مہر کا معاوضہ دیں اور ان عورتوں کو اپنے پاس رکھیں اور کتاب الشروط کے اخیر میں یہ اضافہ ہے کہ الزہری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ کفار جب اس معاوضہ کو دینے سے انکار کریں یعنی الممتحنہ:۱۰، میں جو حکم مذکور ہے اس پر عمل کرنے سے انکار کریں اور وہ حکم یہ ہے کہ جب مشرکین کی طرف سے کوئی عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں کی طرف آئے تو مسلمان اس عورت کو اس کے مشرک خاوند کی طرف واپس نہ کریں بلکہ اس مشرک خاوند نے اس عورت پر جو مہر کو خرچ کیا ہے، وہ اس کو واپس کر دیں، اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ (الممتحنہ:۱۱)

اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے، پھر (تم کفار سے) مالِ غنیمت حاصل کر لو تو (مالِ غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کافروں کی طرف چلی گئی ہیں، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لا چکے ہو O

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الممتحنہ:۱۱ کی تفسیر از علامہ ابومنصور محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ

اگر کوئی مسلمان عورت دار الحرب جا کر کافروں سے مل جائے اور تمہارا ان کافروں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ ہو تو تم نے اس مسلمان عورت پر جو خرچ کیا ہے، پس جب ان کفار پر فتح پانے کے بعد ان سے مالِ غنیمت حاصل کرو تو اس مالِ غنیمت میں سے اس مسلمان کو اتنی رقم دے دو جتنی رقم اس نے اپنی بیوی پر خرچ کی تھی جو اس کو چھوڑ کر کافروں کے پاس دار الحرب میں چلی گئی تھی۔

زہری بیان کرتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں سے یہ ہے کہ مسلمان کفار سے یہ سوال کریں کہ جو مسلمان عورت ان کی طرف دار الحرب میں چلی گئی ہے تو وہ اس عورت کا مہر مسلمانوں کو ادا کریں اور مشرکین کی جو عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آ گئی ہے تو مسلمان اس عورت کا مہر مشرکین کو ادا کریں۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ تم نے جو اپنی بیویوں پر خرچ کیا ہے وہ تم کو نہیں ملا، پھر تمہارا دشمنوں پر تسلط اور غلبہ ہوا اور تم نے مالِ غنیمت حاصل کر لیا، پس اب جن مسلمانوں کی بیویاں کفار کی طرف چلی گئی تھیں تو تم مالِ غنیمت میں سے ان مسلمانوں کو رقم ادا کرو جن کی بیویاں مسلمانوں کو چھوڑ کر دار الحرب میں چلی گئی تھیں۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۹ ص ۶۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الممتحنہ:۱۱ کی تفسیر از پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۹۹۸ء

پہلے فرمایا تھا: جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے دار الاسلام میں چلی جائیں ان کے کافر خاوندوں کو مہر ادا کر دیا جائے، اب فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری بیویاں جو دار الکفر میں رہ گئیں تم نے ان کو جو مہر دیا تھا اس کا مطالبہ تم ان سے کر سکتے ہو، یہ اللہ کا حکم ہے جو

علیم اور حکیم ہے اور حال و مستقبل پر نظر رکھتا ہے، اس کا ہر فرمان حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام لا کر ہجرت کر جائے اور اس کی بیوی کفر کی حالت میں وہیں رہ جائے تو قاعدہ کے مطابق ان کفار کو چاہیے کہ وہ اس عورت کا مہر اس کے مسلمان خاوند کو واپس کر دیں کیونکہ اب ان کے درمیان رشتہ ازدواج منقطع ہو گیا ہے، لیکن اگر کفار ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ مالِ غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اس مسلمان خاوند کو مہر کی رقم ادا کریں۔ اس کے بعد بقیہ مالِ غنیمت حسب قانون تقسیم کریں۔ بعض علماء کے نزدیک یہ مہر مالِ فئے سے بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مسلمان ہو کر آنے والی مہاجر عورتوں کا مہر جو مسلمانوں کے ذمہ ہے اسے کفار کی طرف نہ لوٹایا جائے بلکہ اس طرح جو رقم جمع ہو اس سے ایسے لوگوں کو ان کی بیویوں کا مہر ادا کیا جائے جو دارالحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۰۳ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء)

الممتحنہ: ۱۱ کی تفسیر از مصنف

الممتحنہ: ۱۱ میں فرمایا: اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے پھر (تم کفار سے) مالِ غنیمت حاصل کر لو تو (مالِ غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کفار کی طرف چلی گئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ چھ مسلم اور مہاجر خواتین کفار کے پاس چلی گئی تھیں:

(۱) ام الحکم بنت ابو سفیان، یہ حضرت عیاض بن غنم الفہری کے نکاح میں تھی (۲) فاطمہ بنت ابی امیہ، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی (۳) بروع بنت عقبہ، یہ حضرت شماس بن عثمان کے نکاح میں تھی (۴) عزہ بنت العزیز، یہ حضرت عمرو بن عبدود کے نکاح میں تھی (۵) ہند بنت ابی جہل، یہ حضرت ہشام بن العاص بن وائل کے نکاح میں تھی (۶) ام کلثوم بنت جرول، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۷۵، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۹ ص ۶۲)

یہ سب عورتیں اس وقت تک اسلام نہیں لائی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسلمان شوہروں کو مالِ غنیمت سے ان عورتوں کے مہر پر خرچ ہونے والی رقوم ادا کر دی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں کے سابق شوہروں کو ان کے مہر کی رقم واپس کرنا اب بھی واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا کہ اب یہ حکم واجب نہیں ہے، منسوخ ہو چکا ہے اور بعض علماء نے کہا کہ یہ حکم غیر منسوخ ہے اور اب بھی واجب العمل ہے۔ امام ابوبکر رازی حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے اور اس حکم کی ناسخ یہ آیت ہے:

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ: ۱۸۸) اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق ذریعہ سے نہ کھاؤ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اس کے لئے ناسخ ہے: کسی مسلمان شخص کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔

(مسند احمد: ۲۳۶۰۵، مسند احمد: ۲۴۲۴۸، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۴۴۱، سہیل اکیڈمی لاہور، معالم التنزیل ج ۵ ص ۷۲-۷۵، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۸۵۵، فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۷ھ)

۵۲۸۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل

حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي يُونُسُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَتِ الْمُؤْمِنَاتُ إِذَا هَاجَرْنَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَمْتَحِنُهُنَّ بِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ الآيَة﴾ (الممتحنہ:۱۰) قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ فَقَدْ أَقَرَّ بِالْمِحْنَةِ فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَقْرَرْنَ بِذَلِكَ مِنْ قَوْلِهِنَّ قَالَ لَهُنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ انْطَلِقْنَ فَقَدْ بَايَعْتُكُنَّ لَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلَامِ وَاللهِ مَا أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى النِّسَاءِ إِلَّا بِمَا أَمَرَهُ اللهُ يَقُولُ لَهُنَّ إِذَا أَخَذَ عَلَيْهِنَّ قَدْ بَايَعْتُكُنَّ كَلَامًا

از ابن شہاب ح اور ابراہیم بن المنذر نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ابن شہاب نے بیان کیا کہ مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ مسلمان عورتیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے ان کا امتحان لیتے تھے: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزمالیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس مسلمان عورتوں میں سے جو عورت اس شرط کا اقرار کرتی تو وہ آزمائش کا اقرار کر لیتی، پھر جب مسلمان عورتیں اپنے قول سے اس کا اقرار کر لیتیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اب تم جاؤ میں نے تم کو بیعت کر لیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا) اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، البتہ آپ ان سے اپنے کلام کے ساتھ بیعت کرتے اور اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے صرف اسی طرح بیعت کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا اور آپ جب ان عورتوں سے عہد لیتے تو فرماتے ''میں نے تم کو اپنے کلام سے بیعت کر لیا''۔

(صحیح البخاری: ۲۷۱۳، ۲۷۳۳، ۴۱۸۲، ۴۸۹۱، ۵۲۸۸، ۷۲۱۴، صحیح مسلم: ۱۸۶۶، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۱، سنن ابن ماجہ: ۲۸۷۵، مسند احمد: ۲۵۷۹۴)

الممتحنہ: ۱۰ میں مذکور عورتوں کی آزمائش کی تفسیر از علامہ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ

اس آیت میں مومنات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو خود کو مومنات کہتی ہوں۔

- علامہ ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک اس آیت میں المومنات کا معنی یہ ہے کہ جب تمہارے پاس ایسی عورتیں آئیں جو زبان سے یہ کہتی ہوں کہ ہم مسلمان عورتیں ہیں تو تم ان کی آزمائش کر لیا کرو، کیونکہ اگر مومنات سے مراد یہ ہو کہ وہ حقیقت میں مومن عورتیں ہیں تو پھر ان کے ایمان کی آزمائش کا کوئی معنی نہ ہوتا، اس کی نظیر یہ آیت کریمہ ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل:۱۰۶)

جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

اس آیت میں بھی کفر سے مراد حقیقتِ کفر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس مرد کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا مثلاً اس سے کہا گیا کہ تم کہو: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے (یا اس سے کہا گیا کہ تم کہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی اللہ کا سچا نبی ہے ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے یا اس سے کہا گیا کہ تم کہو کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کافر تھے ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ سعیدی غفرلہ) اور اس نے مجبوری کی حالت میں جان بچانے کے یہ کلماتِ کفر کہے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا تو وہ اس آیت میں مذکور وعید کا مصداق نہیں ہوگا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النحل:۱۰۶)

ہاں وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

امتحان کی کیفیت

مفسرین نے ان مسلمان عورتوں کے امتحان کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ عورتیں اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ انہوں نے اپنے شوہروں سے بغض کی وجہ سے دارالحرب سے ہجرت نہیں کی یا وہ قسم کھا کر یہ کہیں کہ وہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں صرف اس لئے ہجرت کر کے آئی ہیں کہ ان کا مطلوب اسلام ہے، علامہ ماتریدی فرماتے ہیں: یہ تاویل فاسد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو اس پر دین کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے کافر خاوند سے بغض رکھے، جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ (الممتحنہ:۴)

تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے بے زار ہیں اور ان سے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، ہم نے تم سب کا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا حتیٰ کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ مگر ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ سے یہ کہنا میں تمہارے لئے ضرور مغفرت طلب کروں گا اور میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر ہی توکل کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے O

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کافر رشتہ داروں سے بغض رکھا جائے، پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کے امتحان کی یہ صفت ہو کہ انہوں نے اپنے کافر خاوند سے بغض کی وجہ سے ہجرت نہیں کی، اس لئے ہم نے کہا کہ جن مفسرین نے ان کے امتحان کی یہ صفت بیان کی ہے، وہ فاسد ہے۔

اور یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے امتحان کی تاویل دو طرح سے ہو:

(۱) ان سے ایمان کی صفت پوچھی جائے کہ ایمان کس کو کہتے ہیں اور جب وہ ایمان کی تعریف کر دیں تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ حقیقتاً مومن ہے (اور ایمان کی تعریف یہ ہے: اللہ وحدہ لاشریک ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں اور قرآن مجید اللہ کا برحق کلام ہے، اور تمام رسول برحق ہیں اور تمام فرشتے برحق ہیں، اور تقدیر برحق ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے اور قیامت برحق ہے اور حساب و کتاب برحق ہے اور جنت و دوزخ برحق ہے)۔

(۲) یا امتحان سے مراد وہ ہے جو درج ذیل آیت میں مذکور ہے:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الممتحنہ:۱۲)

اے نبی (مکرم!) جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی، اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں، اور آپ ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مومنین کو اس کا مکلف کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے ایمان کی آزمائش کریں، کیونکہ وہ عورتوں کے صرف ظاہری ایمان کو جانتے ہیں اور ان کے ایمان کی حقیقت کو صرف اللہ رب العالمین ہی جانتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ علم کی دو قسمیں ہیں (۱) علم العمل (۲) علم الشھادات، پس علم العمل وہ ہے جس کے موافق لوگ ظاہر میں عمل کرتے ہیں اور علم الشھادۃ وہ ہے جس کی وجہ سے کسی کے متعلق یہ شہادت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ (الممتحنہ:۱۰)

پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال مشرکین اہل مکہ سے اس پر صلح کی کہ اہل مکہ میں سے جو مرد ان کے پاس آئے گا تو مسلمان اس کو واپس بھیج دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جو مکہ جائے گا تو وہ مشرکین کے پاس رہے گا اور حدیبیہ میں یہ معاہدہ لکھ دیا گیا تھا، معاہدہ سے فراغت کے بعد اہل مکہ میں سے حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا حالتِ اسلام میں مسلمانوں کے پاس آئیں، پھر ان کا مشرک خاوند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میری بیوی مجھے واپس کر دیں اور آپ یہ شرط مان چکے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس کے آخر میں ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ (الممتحنہ:۱۰)

نہ وہ مومنات کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لئے حلال ہیں۔

سو ایسی عورتوں کو ان کے کافر خاوندوں کی طرف واپس نہیں کیا گیا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۹ ص ۶۱۷، ۶۱۶، دار الکتب العلمیہ

بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الممتحنہ: ۱۰ میں مذکور عورتوں کی آزمائش کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء لکھتے ہیں:

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور دھڑا دھڑ لوگ حضور کی بیعت کر کے مشرف با سلام ہونے لگے تو مکہ کی عورتیں بھی بیعت کے لئے حاضر ہوئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عورتوں کی بیعت لینے پر مقرر فرمایا اور جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر عمل کرنے کا ان سے پختہ وعدہ لیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی، لیکن کسی عورت سے بیعت لیتے وقت مصافحہ نہیں کیا، کبھی تو زبانی ان امور کی پابندی کا وعدہ لیا، کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا دستِ مبارک ڈالا اور اس کے بعد بیعت کرنے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ رکھنے کا حکم دیا، کبھی کپڑا دست مبارک میں لے کر عورتوں سے بیعت لی۔

جن امور میں بیعت لی گئی ان میں سرفہرست یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی، دوسری بات یہ ہے کہ وہ چوری نہیں کریں گی، تیسری بات یہ ہے کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی، چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کیونکہ عرب معاشرہ میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دینا وجہ عزت وفخر تھا، نیز کئی لوگ بھوک سے تنگ آ کر بھی اپنی اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اسی میں اسقاط حمل بھی داخل ہے، جب اس میں جان پڑ چکی ہو، جائز اور ناجائز دونوں حملوں کے اسقاط کا ایک ہی حکم ہے، شریعت مطہرہ میں اس کو قتل شمار کیا جاتا ہے، پانچویں چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی الزام اور بہتان تراشی نہ کریں۔

اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

کسی کے نوزائد بچے کو اچک کر اپنی گود میں ڈال لینا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ میرا بچہ ہے، اسی طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا، نیز کسی دوسری عورت پر بدفعلی کا الزام لگانا یہ تمام صورتیں اس آیت میں داخل ہیں، اور اسلام نے ان تمام مذموم حرکتوں سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے، چھٹی بات یہ ہے کہ جس کی پابندی کا ان سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ہر نیک کام جس کا حضور حکم دیں گے وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

فقہاء اسلام نے فی معروف کی قید سے یہ قانون اخذ کیا ہے کہ حاکم وقت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف کسی قانون کے خلاف کوئی حکم صادر کرے، اسی طرح کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی حاکم کی فرمانبرداری میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو، وہ فرماتے ہیں کہ فی معروف کی قید یہاں اس لئے ذکر نہیں کی گئی کہ حضور غیر معروف کا بھی حکم دے سکتے ہیں، حضور کا تو جو ارشاد ہوگا وہ حق ہوگا، وہ سچ ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہوگا، یہ ممکن ہی نہیں کہ حضور کسی غیر معروف کا حکم دیں۔ یہ قید اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ جب اللہ کے رسول کی اطاعت کے لئے معروف شرط ہے جہاں غیر معروف کا احتمال ہی نہیں تو اور کون ہے جس کو یہ حق پہنچے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف غیر معروف قانون سازی کرے اور اس پر عمل کرنے کا لوگوں کو حکم دے۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کا نبی مکرم معروف کے بغیر کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتا، لیکن یہاں

معروف کی شرط اس لئے لگائی تا کہ کوئی شخص بادشاہوں کے ان احکام کی اطاعت کا جواز بھی نہ نکال لے جن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہے۔ (کتاب الاحکام)

جب افضل البشر کی اطاعت کے لئے معروف شرط ہے تو اور کون اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔

نیز اس سے یہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون کی بالادستی ہوگی، ہر چھوٹے اور بڑے کو قانون کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہوگا، کسی بڑے سے بڑے حاکم کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دھاندلیاں کرتا رہے اور پھر قانون سازی سے ان کے لئے وجہ جواز مہیا کرتا رہے۔

اسی مقام پر مفسرین نے ہندہ زوجہ ابوسفیان کا دلچسپ واقعہ لکھا ہے، آپ بھی سماعت فرمائیے کہ جب عورتیں بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئیں تو ہندہ بھی بھیس بدل کر منہ کو چھپائے حاضر ہوئی، اسے یہ خوف تھا کہ حضور اسے پہچان نہ لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے فرمایا: میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گی، ہندہ چپ نہ رہ سکی۔ کہنے لگی: جس شرط کے بغیر مردوں کی بیعت قبول نہیں، اس کے بغیر ہماری بیعت کیسے قبول ہو سکتی ہے، یعنی شرک سے اجتناب کی شرط واضح اور بین ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسری شرط یہ ہے کہ تم چوری نہیں کرو گی، ہندہ پھر بولی: میں ابوسفیان کے مال سے کچھ لے لیا کرتی تھی، معلوم نہیں وہ میرے لئے حلال ہے یا نہیں؟ ابوسفیان پاس کھڑے تھے، انہوں نے کہا: آج تک تم نے جو لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ہنس پڑے اور اس کو پہچان لیا، فرمایا: تو ہندہ دختر عتبہ ہے؟ کہنے لگی: نعم فاعف عما سلف یا نبی اللہ عفی اللہ عنك، میں ہندہ ہی ہوں جو گزر چکا ہے اے اللہ کے نبی! اسے معاف کر دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ سے درگزر فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیسری شرط یہ ہے کہ تم زنا نہیں کرو گی، ہندہ بولی: کیا آزاد عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوتھی شرط یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی، ہندہ کی رگ ظرافت پھر پھڑ کی، کہنے لگی کہ ان کے باپوں کو تو آپ نے قتل کر دیا، اب ان کے بچوں کے لئے آپ ہم کو نصیحت کر رہے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے اور حضور کے لب مبارک بھی تبسم آشنا ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچویں بات یہ ہے کہ تم کسی پر جھوٹا بہتان نہیں باندھو گی، اس نے کہا: بے شک بہتان تراشی قبیح چیز ہے، اور اللہ تعالیٰ ہدایت اور مکارم اخلاق کے بغیر اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وعدہ کرو کہ جس نیک کام کا میں حکم دوں گا تم اس کو بجا لاؤ گی، ہندہ بولی، ہم آپ کے قدموں میں حاضر بیٹھی ہیں اور ہمارے دل میں قطعاً یہ خیال نہیں کہ ہم حضور کے کسی حکم کی سرتابی کریں گی، یہ واقعہ لکھنے کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں: کہ ہندہ کے کلام میں یہ شوخی اس وجہ سے تھی کہ وہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھی، نیز اس کی ساری زندگی جہالت کی گود میں گزری تھی، ابھی ابھی اس نے اسلام قبول کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دیتے ہیں جو عورتیں ان شرائط کو قبول کرلیں اور ان باتوں کی پابندی پر آمادہ ہو جائیں تو آپ ان کو بیعت فرمالیں اور انہیں بیعت فرمانے کے بعد ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، جب آپ کے ہاتھ اٹھیں گے تو انہیں خالی نہیں لوٹایا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ان کے عمر بھر کے گناہوں کو جن میں کفر و شرک سرفہرست ہیں بخش دے گا اور ان کے لیے ہی اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

آخر میں پھر اسی حکم کا اعادہ کر دیا: ارشاد فرمایا، اے ایمان والو! وہ لوگ جو اسلام کی عداوت میں پیش پیش ہیں، جنہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے اور ان کی پیہم سرکشی کے باعث ان پر خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے ان کو اپنا دوست مت بناؤ، آخرت میں انہیں کسی ثواب اور کسی خیر کی امید نہیں، وہ بالکل مایوس ہو چکے ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کفار اپنی بخشش سے مایوس اور ناامید ہیں۔ (ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۰۴-۲۰۶، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء)

نوٹ: حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ہند متوفی ۱۴ھ کے جس مکالمہ کا ذکر کیا ہے اس کو حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے امام ابن مردویہ کی تفسیر سے نقل کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۱۲۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الممتحنہ: ۱۰ میں مذکور عورتوں کی آزمائش کی تفسیر از مصنف

صلح حدیبیہ کے تقاضے سے صرف مہاجر مسلمانوں کا کفار کی طرف واپس کرنا واجب تھا۔۔۔۔نہ کہ مہاجر خواتین کا بھی

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مروان اور مسور بن مخرمہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ سہیل بن عمرو نے حدیبیہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح نامہ میں یہ شرط لکھوائی تھی کہ جو شخص بھی مشرکین میں سے آپ کے پاس آئے گا، خواہ وہ آپ کے دین پر ہو اسے آپ کو ہماری طرف واپس کرنا ہوگا، اسی شرط کے مطابق اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو ان کے باپ سہیل بن عمرو کی طرف واپس کر دیا اور مومنات بھی ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی ان خواتین میں سے تھیں جو ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں، تب ان کے گھر والے آپ کے پاس گئے اور آپ سے سوال کیا کہ آپ حضرت ام کلثوم کو ان کی طرف واپس کر دیں، آپ نے حضرت ام کلثوم کو ان کی طرف واپس نہیں کیا، کیونکہ یہ آیت نازل ہو چکی تھی کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ الآیہ (الممتحنہ: ۱۰)

اس جگہ پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے، کیونکہ معاہدہ میں یہ مذکور نہیں تھا کہ آپ کے پاس مکہ سے جو بھی آئے گا خواہ مرد ہو یا عورت آپ کو اسے واپس کرنا ہے بلکہ معاہدہ میں مردوں کی واپسی کی شرط تھی، عورتوں کی واپسی کی شرط نہیں تھی، معاہدہ کے الفاظ یہ تھے:

فقال سهيل وعلى انه لاياتيك منا رجل وان كان على دينك الا رددته الينا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۲)	سہیل نے کہا: اور شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس ہمارا جو بھی مرد آئے خواہ وہ آپ کے دین پر ہو، آپ کو اسے ہمیں واپس کرنا ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے جا رہے تھے، جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ سے اس پر صلح کر لی کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے پاس آیا، آپ اس کو واپس کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جو ان کے پاس جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے، اس پر صلح نامہ لکھا جا چکا تھا، لکھنے کے بعد حضرت سبیعہ

بنت الحارث الاسلمیہ، مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں، پھر ان کے خاوند مسافر بن مخزوم (یا صیفی یا ابن الراہب) آئے اور ان کو طلب کیا اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میری بیوی کو واپس کر دو، کیونکہ تم یہ شرط مان چکے ہو کہ ہمارے پاس سے جو بھی تمہارے پاس آئے گا تم اس کو واپس کر دو گے اور ابھی تو اس صلح نامہ کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی ہے، تب اللہ عز وجل نے یہ آیت (الممتحنہ:۱۰) نازل فرمائی۔ یعنی یہ شرط مردوں کے متعلق تھی خواتین اس میں داخل نہیں ہیں، لہٰذا پوری مدتِ معاہدہ میں مسلمان ہو کر آنے والے مردوں کو تو مشرکین کی طرف واپس کر دیا گیا مگر جو خواتین مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں ان کو آپ نے واپس نہیں فرمایا۔

مہاجر خواتین سے امتحان لینے کی کیفیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آزمانے کی کیفیت یہ تھی کہ جو مسلمان خاتون مسلمان ہو کر آپ کے پاس آتی تھی، آپ اس سے اس پر حلف لیتے کہ وہ اپنے خاوند سے بغض کی وجہ سے نہیں آئی ہے یا مدینہ کے کسی مسلمان کے ساتھ عشق اور محبت کی وجہ سے نہیں آئی ہے اور نہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف منتقل ہونے اور آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے آئی ہے اور نہ کسی آفت اور مصیبت کی وجہ سے آئی ہے اور نہ دنیا کی طلب میں آئی ہے، بلکہ وہ صرف اسلام کی طرف رغبت کی وجہ سے آئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی وجہ سے آپ کے پاس آئی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سبیعہ بنت الحارث سے اس پر حلف لیا اور جب انہوں نے اس پر حلف اٹھا لیا تو پھر آپ نے ان کو واپس نہیں کیا، اور ان کے مشرک خاوند کو اس کا دیا ہوا مہر جو اس کا ان پر خرچ کیا ہوا تھا وہ دے دیا، پھر ان سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور مکہ سے جو مرد آپ کے پاس آتے تھے آپ ان کو واپس کر دیتے تھے اور جو خواتین آتی تھیں، ان کا امتحان لینے کے بعد ان کو روک لیتے تھے اور ان کے کافر شوہر کو ان کا دیا ہوا مہر واپس کر دیتے تھے۔

مسلم خواتین ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں یا مدینہ سے مسلم عورتیں مرتد ہو کر کفار کی طرف جائیں، اختلاف دارین سے نکاح سابق منقطع ہو جائے گا

نیز اس آیت میں فرمایا: اور ان مومنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر انہیں ادا کر دو۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ہجرت کرنے والی مسلمان خواتین سے تمہارا نکاح مباح کر دیا ہے، خواہ ان کے سابقہ شوہر دار الکفر میں ہوں، کیونکہ اسلام نے ان کے اور ان کے کافر شوہروں کے درمیان تفریق کر دی۔

اس کے بعد فرمایا: ''ولا تمسکوا بعصم الکوافر''، ''ولا تمسکوا'' مت روکو اور ''العصم، العصمت'' کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: جو عقدِ نکاح یا نسب کے رشتہ کی وجہ سے محفوظ ہو اور ''الکوافر، کافرۃ'' کی جمع ہے اور اس جملہ کا معنی ہے: اور تم نکاح شدہ کافر عورتوں کو مت روکے رکھو اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا کہ وہ کافرہ کے ساتھ نکاح پر قائم رہیں، یعنی جس مسلمان کا مکہ میں کسی کافرہ کے ساتھ نکاح تھا اور وہ مسلمان اب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ چکا ہے، تو اس مسلمان کا نکاح بھی اس کافرہ سے اختلافِ دارین کی وجہ سے اسی طرح منقطع ہو گیا جس طرح مسلمہ مہاجرہ کا نکاح مکہ میں رہنے والے کافر سے منقطع ہو گیا۔

(تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۵۳-۵۴-۵۳، فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۲۷ھ)

جب مرد اور عورت مشرک (غیر کتابی) ہوں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کرلے تو ان کے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب کوئی عورت اسلام قبول کرلے تو اس کے خاوند پر اسلام کو پیش کیا جائے گا، اگر اس کے خاوند نے اسلام قبول کرلیا تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے اور اگر اس کے خاوند نے اسلام کو قبول کرنے سے انکار کیا تو سربراہِ ملک ان دونوں کے درمیان تفریق کردے گا، یہ الزہری اور الثوری کا قول ہے اور اسی کے موافق امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب وہ دارالاسلام میں ہوں لیکن جب وہ دونوں دارالحرب میں ہوں، پھر عورت اسلام قبول کرلے پھر وہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کرلے تو وہ اپنے خاوند سے افتراق الدارین کی وجہ سے بائنہ ہو جائے گی۔

اور اس مسئلہ میں ایک دوسرا قول بھی ہے جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے منقول ہے کہ ایک نصرانی عورت نے اسلام قبول کرلیا اور اس کا خاوند نصرانی تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ نصرانی عورت چاہے تو وہ اپنے نصرانی شوہر سے الگ ہو جائے اور اگر چاہے تو اس کے ساتھ رہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: میرے نزدیک پہلا قول تمام اقوال کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ فرماتے ہیں: امام بخاری نے بھی اسی قول کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ (الممتحنہ: ۱۰) نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لئے حلال ہیں

جب مرد اور عورت نصرانی ہوں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کرلے تو ان کے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے:

عام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ دو نصرانیوں میں سے جب خاوند اپنی بیویوں سے پہلے اسلام کو قبول کرلے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے، کیونکہ یہ جائز ہے کہ کوئی مسلمان ابتداءً نصرانیہ عورت سے نکاح کرے اور اسی طرح اس پر اجماع ہے کہ اگر وہ دونوں بہ یک وقت اسلام قبول کرلیں تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے۔

اور رہا حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور قتادہ کا یہ قول کہ دو بت پرست جب دونوں بہ یک وقت اسلام کو قبول کریں تو وہ دونوں بہ یک وقت اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے۔ اس پر بھی علماء کا اجماع ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ جب ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام کو قبول کرلے تو فقہاء کی ایک جماعت

نے کہا ہے کہ ان دونوں میں سے جس نے اسلام قبول کرلیا تو اس کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی، اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کے علاوہ قتادہ، عکرمہ، طاؤس، عطاء اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔

الزہری، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہو یہ نے کہا ہے کہ جس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اس نے عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے اسلام قبول کرلیا تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے، انہوں نے ایک فریق کی اسلام میں سبقت کا اعتبار نہیں کیا جب کہ عدت میں ان دونوں کا اسلام مجتمع ہوگیا کیونکہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ متوفی ۴۲ھ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ اپنی بیویوں کے زیادہ حق دار قرار پائے جب ان دونوں نے اپنی بیویوں کی عدت میں اسلام قبول کرلیا۔

اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ متوفی ۳۳ھ نے اپنی بیوی ہند رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۱۴ھ سے پہلے اسلام قبول کیا، اور حضرت ابوسفیان نے مرالظہر ان میں اسلام قبول کیا تھا پھر وہ مکہ کی طرف لوٹ آئے اور ہند اس وقت کافرہ تھی، پھر کئی دنوں کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا، پس ان دونوں کو ان کے زمانہ شرک میں کئے ہوئے نکاح پر برقرار رکھا گیا کیونکہ حضرت ہند متوفاۃ ۱۴ھ کی عدت اس وقت تک پوری نہیں ہوئی تھی اور اسی طرح حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ نے اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، پھر ان کی بیوی نے ان کے بعد اسلام کو قبول کیا تھا، پس ان دونوں کو ان کے نکاح پر برقرار رکھا گیا۔

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ جب ان دونوں میں سے مرد اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کرلے اور بیوی پر اسلام کو پیش کیا جائے اور وہ اسلام کو قبول نہ کرے تو ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔

مجوسیہ کے ساتھ نکاح کے عدم جواز کے متعلق امام مالک کے دلائل

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۚ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ:۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کرلو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کرلیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے ۝

اس لئے مجوسیہ کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کافر عورتوں سے اہل کتاب کی عورتوں کا ارادہ نہیں فرمایا، کیونکہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، پس جب کہ مجوسی عورت کے ساتھ ابتداءً نکاح کرنا جائز نہیں ہے، سو اسی طرح اس کو نکاح میں روکے رکھنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ جس کے ساتھ ابتداءً عقد نکاح جائز نہ ہو تو اس کو نکاح میں روکے رکھنا بھی جائز نہیں ہے اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب بت پرست عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کرلے پھر اس کا خاوند اس کی عدت کے دوران اسلام قبول کرلے تو وہ اپنی بیوی کے ساتھ نکاح کرنے کا زیادہ حق دار ہے اور فقہاءِ احناف

کے نزدیک اسی وقت اس کے خاوند پر اسلام کو پیش کیا جائے گا، جب اس کی عورت نے اسلام قبول کیا ہو اور وہ یعنی فقہاء احناف اس عورت کی عدت گزرنے کی رعایت نہیں کرتے۔

اگر عورت نے اسلام قبول کر لیا اور مرد نے اسلام قبول نہیں کیا، پھر عدت کے دوران مرد نے اسلام قبول کر لیا تو امام مالک کے نزدیک ان کا نکاح برقرار رہے گا

اور امام مالک جو کہتے ہیں کہ جب عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو اس عورت کی عدت کا اعتبار کیا جائے گا کہ اگر عدت کے اندر اس کا خاوند اسلام قبول کر لے تو وہ اپنی بیوی کا زیادہ حق دار ہوگا، ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

امام مالک المؤطا میں ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا: ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ جس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی اور اس کا خاوند کافر تھا اور دار الحرب میں مقیم تھا مگر اس کی ہجرت نے اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کر دی، سوا اس صورت کے کہ اس کا خاوند اپنی بیوی کی عدت پوری ہونے سے پہلے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آجائے۔
(الموطا ج ۲ ص ۶۴، المکتبۃ التوفیقیہ)

مصنف کی طرف سے امام مالک کے موقف پر دلائل

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال نے امام مالک بن انس کی مکمل روایات اور پوری عبارت نقل نہیں کی جس سے ان کے موقف پر ان کی دلیل واضح ہوتی ہے، ہم امام مالک کی مکمل روایات اور پوری عبارت نقل کر رہے ہیں:

امام مالک از ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ ان کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں چند عورتوں نے اپنے علاقہ میں اسلام کو قبول کر لیا تھا اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور جس وقت انہوں نے اسلام کو قبول کیا تو ان کے خاوند کافر تھے، ان عورتوں میں سے الولید بن المغیرہ کی بیٹی تھی جو صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھی، فتح مکہ کے دن اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا خاوند صفوان بن امیہ اسلام قبول کرنے سے بھاگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پیچھے اس کے عم زاد وہب بن عمیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر دے کر بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ وہ آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اگر صفوان اس پر راضی ہو تو اس بات کو قبول کرنا ورنہ اس کو دو ماہ کی مہلت دینا، پس جب صفوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ کی چادر لے کر آئے تو صفوان نے لوگوں کے سامنے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ وہب بن عمیر میرے پاس آپ کی چادر لے کر آیا ہے اور یہ کہتا ہے کہ آپ نے مجھے اپنے پاس آنے کی دعوت دی ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر میں آپ کی بات مان لوں تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو دو ماہ کی مہلت دینا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو وہب! تم یہاں ٹھہرو، تو صفوان نے کہا: میں اس وقت تک نہیں ٹھہروں گا حتیٰ کہ آپ اس مدت میں توسیع کریں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلکہ تمہیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھوازن پر حملہ کرنے کے لئے حنین کی طرف نکلے، پھر آپ نے صفوان بن امیہ سے عاریۃً ہتھیار طلب کئے تو صفوان نے پوچھا: آپ مجھ سے یہ ہتھیار بہ طور خوشی طلب کر رہے ہیں یا جبراً؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلکہ خوشی سے طلب کر رہا ہوں، پھر صفوان کے پاس جو آلات حرب اور ہتھیار تھے وہ اس نے آپ کو عاریۃً دیئے اور اس وقت صفوان کافر تھے، پھر صفوان حنین اور طائف میں آپ کے ساتھ حاضر رہے اور وہ اس وقت بھی کافر تھے اور ان کی بیوی مسلمان تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان اور

اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی حتیٰ کہ صفوان نے اسلام قبول کرلیا اور ان کی بیوی اسی نکاح کے ساتھ ان کے پاس رہی۔

(موطا امام مالک، رقم: ۴۴)

(علامہ ابن عبدالبر المالکی نے کہا ہے کہ میرے علم میں اس حدیث کی کوئی سند صحیح نہیں ہے، لیکن یہ حدیث مشہور ہے اور اہل سیر کے نزدیک معروف ہے اور اس حدیث کی شہرت اس کی سند کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے۔)

اور امام مالک نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ صفوان کے اسلام اور ان کی بیوی کے اسلام کے درمیان دو ماہ کی مدت تھی، ابن شہاب نے کہا کہ ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسی عورت نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی ہو اور اس کا خاوند کافر ہو اور دارالحرب میں مقیم ہو مگر اس عورت کی ہجرت نے اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کردی، سوا اس صورت کے کہ اس عورت کا خاوند اپنی بیوی کی عدت پوری ہونے سے پہلے ہجرت کرلے۔ (الموطا: ۴۵)

امام مالک از ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ ام حکیم بنت الحارث بن ہشام عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھی، سو انہوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کرلیا اور ان کے خاوند عکرمہ بن ابی جہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے تو ام حکیم سفر کرکے ان کے پاس یمن پہنچی اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور فتح مکہ کے سال عکرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو آپ بہت زیادہ خوش ہوئے اور اس وقت آپ کے اوپر چادر نہیں تھی، سو وہ دونوں اپنے اسی نکاح پر باقی رہے۔ (الموطا: رقم: ۴۶)

اس حدیث کی روایت میں امام مالک منفرد ہیں۔

(الموطا امام مالک ج ۲ ص ۶۴-۶۵، المکتبۃ التوفیقیہ، عراق، الموطا ج ۲ ص ۹۳-۹۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں: ان احادیث میں اس پر واضح دلیل ہے کہ اگر کوئی عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا شوہر اسلام قبول نہ کرے اور عدت کے دوران اس کا شوہر اسلام قبول کرلے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

امام مالک کے موقف پر قیاس سے استدلال

علامہ ابن بطال مالکی فرماتے ہیں: قیاس کی جہت سے دلیل یہ ہے کہ شوہر کا اسلام قبول کرنا اس طرح ہے جیسے شوہر طلاق دے کر اس سے رجوع کرلے، کیونکہ رجوع کرنا بھی ایک فعل ہے اور اسلام کو قبول کرنا بھی ایک فعل ہے، سو جس طرح رجوع کرنے سے عورت اس کے نکاح میں واپس آجاتی ہے، اسی طرح سے اسلام قبول کرنے سے بھی عورت اس کے نکاح میں واپس آجائے گی۔

اور فقہاء احناف کے نزدیک عدت میں اسلام قبول کرنے کی رعایت واجب نہیں ہے، کیونکہ عدت صرف طلاق میں ہوتی ہے۔ کفر نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی تھی اور ان دونوں کے نکاح کو فسخ کردیا تھا اور ان کا خاوند مرتد کی مثل تھا اور فقہاء احناف کو ان آثار کا علم نہیں جو اہل مدینہ کے نزدیک عدت کے اعتبار میں ثابت ہیں۔

فقہاء احناف کے دلائل

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک جب اسلام قبول کرلے تو ان کا نکاح فسخ ہوجاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ؀ (الممتحنہ:۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کرلو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کرلیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے O

انہوں نے کہا ہے کہ ہر وہ عورت جس کا مسلمان کے ساتھ ابتداءً نکاح جائز نہیں ہے تو اس عورت کو اس نکاح کے ساتھ رکھنا بھی جائز نہ ہوگا اور مرد نکاح جدید کے بغیر اس عورت کی طرف رجوع نہیں کرے گا خواہ عدت میں یا غیر عدت میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر مسلمان عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام کر دیا ہے اور مسلمانوں کو مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح سے منع فرما دیا ہے، سو جب یہ ابتداءً ناجائز ہے تو بعد میں بھی ناجائز ہوگا۔

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور مجاہد کا قول یہ ہے کہ جب مشرکین کی طرف سے کوئی عورت مسلمانوں کی طرف آجائے تو اس کے مشرک خاوند کو اس عورت کے مہر کا معاوضہ نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ اس وقت تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان معاہدہ تھا اور الشعبی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۹-۳۶۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

جب نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کے نکاح کی بقاء کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا مذہب یہ ہے کہ جب نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بالعموم فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ (الممتحنہ:۱۰)

نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لئے حلال ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تخصیص نہیں کی کہ اگر خاوند عدت کے دوران اسلام قبول کر لے تو اس پر اس کی بیوی حلال ہو جائے گی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا ہے: اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا اور نصرانی مسلمان عورت پر غالب نہیں ہوسکتا۔ (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۵۷، مصنف عبدالرزاق: ۱۰۰۸۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور فقہاء کی ایک دوسری جماعت نے کہا ہے کہ جب شوہر عدت کے دوران اسلام قبول کر لے تو وہ اپنی بیوی سے نکاح کر لے گا اور یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، الاوزاعی، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۲۴ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کی ایک اور جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب عورت نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے خاوند کے اوپر اسلام کو پیش کیا جائے گا، پس اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے اور اگر اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

یہ ثوری اور زہری کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے کہ جب مرد اور عورت دونوں دارالاسلام میں ہوں لیکن جب وہ دونوں دارالحرب میں ہوں، پس عورت اسلام قبول کر لے اور ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں آجائے تو اب اختلاف دارین کی وجہ سے عورت مرد سے بائنہ ہو جائے گا اور یہاں پر ایک اور قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نصرانی عورت نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا خاوند نصرانی تھا تو اگر وہ عورت چاہے تو اپنے خاوند سے الگ ہو جائے اور اگر چاہے تو اس کے ساتھ رہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۰۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۳۵-۳۳۸، المغنی ج ۱۰ ص ۸)

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جب نصرانی اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کر لے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے، کیونکہ مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کتابیہ سے نکاح کر لے اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر وہ دونوں بہ یک وقت اسلام قبول کرلیں تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے۔ (الاشراف: ج ۱ ص ۱۸۷)

جب بت پرست عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کے نکاح کی بقاء کے متعلق مذاہب فقہاء

رہا حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور قتادہ کا یہ قول کہ دو بت پرست جب بہ یک وقت اسلام قبول کریں تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے تو اس پر علماء کا اجماع ہے اور جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ قتادہ، عکرمہ، طاؤس اور مجاہد نے یہ کہا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرنے سے ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۸)

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب زوجین میں سے دوسرا بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے، یہ ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہو یہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے۔ (الاستذکار ج ۱۶ ص ۳۲۳، کتاب الام ج ۵ ص ۳۹، المغنی ج ۱۰ ص ۸)

ان فقہاء نے اس کی رعایت نہیں کی کہ کون پہلے اسلام لایا جب کہ عدت کے دوران دونوں اسلام پر مجتمع ہوں جیسا کہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ متوفی ۴۲ھ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ ان کو اپنی بیویوں کے ساتھ نکاح پر برقرار رکھا گیا جب کہ انہوں نے اپنی بیوی کی عدت میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوسفیان بن حرب متوفی ۳۳ھ نے اپنی بیوی حضرت ہند رضی اللہ عنہا متوفی ۱۴ھ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، یہ مرالظہران میں اسلام لائے تھے پھر یہ مکہ کی طرف واپس گئے اور ہند کافرہ تھیں پھر انہوں نے چند دنوں بعد اسلام قبول کیا تو ان دونوں کو ان کے زمانہ شرک پر کیے گئے نکاح پر برقرار رکھا گیا، اور اسی طرح حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ نے بھی اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور ان کی بیوی نے کافی عرصہ کے بعد اسلام کو قبول کیا، پس ان دونوں کو ان کے نکاح پر برقرار رکھا گیا۔ (کتاب الام للامام الشافعی ج ۵ ص ۳۹، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جب دونوں میں سے مرد اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کر لے

اور بیوی پر اسلام پیش کیا جائے اور وہ اسلام کو قبول نہ کرے تو اسی وقت ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور امام مالک نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ:۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے O

لہٰذا مجوسی عورت کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کفار سے اہل کتاب کی عورتوں کو مراد نہیں لیا، کیونکہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور جب مجوسیہ کے ساتھ ابتداءً عقد نکاح جائز نہیں ہے تو اس کو بعد میں بھی اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے، اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب بت پرست عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے اور اس کا شوہر اس کی عدت گزرنے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو وہ اپنی بیوی کا زیادہ حق دار ہے۔

(الاستذکار ج ۱۶ ص ۳۲۳، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اور فقہاء احناف کے نزدیک اس صورت میں اس وقت خاوند پر اسلام پیش کیا جائے گا جب اس کی بیوی نے اسلام قبول کیا ہو اور انہوں نے اس عورت کی عدت ختم ہونے کی رعایت نہیں کی۔

(مختصر اختلاف العلماء للجصاص المتوفی ۳۷۰ھ ج ۲ ص ۳۳۵-۳۳۶، ۱۴۱۷ھ)

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اس صورت میں عورت کی عدت پوری ہونے کا اعتبار کرتے ہیں جب عورت نے اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کیا ہو کیونکہ ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جس عورت نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی ہو اور اس کا خاوند کافر ہو اور دار الحرب میں مقیم ہو مگر اس کی ہجرت ان کے درمیان نکاح کو منقطع کر دیتی ہے سوا اس صورت کے کہ اس کا خاوند اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے ہجرت کر لے۔ (المؤطا ج ۲ ص ۶۴، المکتبۃ التوفیقیہ)

فقہاء احناف کے نزدیک جب عورت خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو خاوند کے نکاح کو باقی رکھنے کے لیے عدت کا اعتبار نہ کرنے پر دلیل

اور فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرنے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ:۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ

کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ
بہت علم والا، حکمت والا ہے O

پس ہر وہ عورت جس کے ساتھ مسلمان کے لئے ابتداءً عقدِ نکاح جائز نہیں ہے تو اس عورت کو اس نکاح کے ساتھ رکھنا بھی جائز نہیں ہے اور وہ عورت خاوند کی طرف رجوع نہیں کرے گی خواہ عدت کے اندر ہو یا عدت کے بغیر سوا اس صورت کے کہ اس عورت کے ساتھ دوبارہ عقدِ نکاح کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مشرکین پر مسلمان عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح مسلمان مردوں پر مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۶ ۳-۶۰ ۳، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

جب کوئی حربی عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا خاوند دار الحرب میں اپنے کفر پر قائم ہو تو ان کے نکاح کی بقاء کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ ان مسائل کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت التوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ جو حربی عورت اسلام قبول کر کے ہماری طرف دار الاسلام میں آ جائے اور اس کا خاوند دار الحرب میں اپنے کفر پر قائم ہو تو اس عورت کی کوئی عدت نہیں ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ نے کہا ہے کہ اس عورت پر عدت لازم ہے، پھر اگر اس کا خاوند اسلام قبول کر لے تو بغیر مستقل نکاح کے وہ عورت اپنے خاوند پر حلال نہیں ہوگی اور الثوری کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور الاوزاعی، اللیث، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ جب خاوند اس عورت کے تین حیض گزرنے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو وہ عورت اس کی بیوی رہے گی اور اگر اس کا خاوند اسلام قبول نہ کرے حتیٰ کہ اس عورت کے تین حیض گزر جائیں تو پھر ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

اور امام شافعی کے نزدیک دار الحرب اور دار الاسلام کے درمیان اس صورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

امام مالک نے الزہری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ جب کوئی عورت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرے اور اس کا خاوند دار الحرب میں اپنے کفر پر مقیم ہو تو اس عورت کی ہجرت اس کے خاوند کے ساتھ نکاح کو منقطع کر دیتی ہے، مگر جب اس کا خاوند اپنی بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے ہجرت کر لے تو پھر ان کا نکاح باقی رہے گا۔ (الموطا ج ۲ ص ۶۴)

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی التوفی ۳۲۱ھ نے امام مالک کی اس دلیل کے جواب کے متعلق کہا ہے:

اس حدیث کی سند منقطع ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے اور عدت ارتفاع نکاح کے بعد واجب ہوتی ہے اور نکاح کی بقاء کے ساتھ عدت واجب نہیں ہوتی۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۳۵، ۳۳۴، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

جب شوہر اور بیوی دونوں ذمی ہوں اور عورت اسلام قبول کر لے تو ان کے نکاح کی بقاء کے متعلق مذاہب فقہاء

ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ جب شوہر اور بیوی دونوں ذمی ہوں اور عورت اسلام کو قبول کر لے تو اس کے خاوند پر اسلام کو

پیش کیا جائے گا، پس اگر اس نے اسلام کو قبول کر لیا تو فبہا ورنہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور اگر دونوں حربی ہوں تو وہ اس کی بیوی رہے گی حتیٰ کہ تین حیض گزر جائیں، لہٰذا اگر وہ اسلام کو قبول نہ کرے تو تفریق کر دی جائے گی۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ جب عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا خاوند کافر ہو پھر اس کا خاوند بھی اسلام قبول کر لے تو وہ خاوند دورانِ عدت اپنی بیوی کا زیادہ حق دار ہے اور اگر اس کی بیوی کی عدت پوری ہو جائے تو پھر خاوند کی اس عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے اور یہ تفریق طلاق نہیں ہے۔

اور امام مالک نے کہا ہے کہ جو نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام کو قبول کر لے اور اس کا خاوند نصرانی ہو اور عدت پوری ہونے سے پہلے وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی طلاق اس عورت پر واقع نہیں ہو گی۔

اور امام مالک نے کہا کہ جب شوہر اور بیوی اہل کتاب سے نہ ہوں اور شوہر بیوی سے پہلے اسلام قبول کر لے تو اس کی بیوی پر اسلام کو پیش کیا جائے گا اور اس کی بیوی اسلام کو قبول نہ کرے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

جب نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء اور حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے قصہ سے معارضہ کا جواب

اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ جب نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے اور اس کا خاوند نصرانی ہو تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، انہوں نے کہا کہ اسلام غالب ہوتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۸۳، ج ۷ ص ۱۷۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۰، سنن ترمذی: ۱۱۴۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۹)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا (بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) متوفاة ۸ھ کو ان کے خاوند ابوالعاص بن ربیع متوفی ۱۲ھ کو اسی نکاح اول کے ساتھ تین سال بعد واپس کر دیا تھا۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

لہٰذا ابوالعاص بن الربیع نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واقعہ بدر کے بعد بھیجا تھا اور واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے (۲ھ) سال ہوا تھا اور حضرت ابوالعاص بن الربیع فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے تھے، یعنی ۸ ہجری کی ابتداء میں تو گویا حضرت زینب سے مفارقت کے چھ (۶) سال بعد، حضرت زینب کو حضرت ابوالعاص کی طرف لوٹایا گیا۔

(اسد الغابہ ج ۶ ص ۱۸۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوالعاص کا قصہ منسوخ ہے کیونکہ قتادہ نے روایت کی ہے کہ یہ واقعہ سورۂ توبہ کے نزول سے پہلے کا ہے اور الزہری نے کہا ہے کہ یہ واقعہ فرائض کے نزول سے پہلے کا ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ واقعہ درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ

کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ
بہت علم والا، حکمت والا ہے O

اور یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نکاح کی بقاء میں عورت کی عدت پوری ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔

اور عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۸ ھ کو حضرت ابوالعاص بن الربیع متوفی ۱۲ ھ کی طرف دوبارہ نکاح کر کے لوٹایا تھا۔ (سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۰، سنن ترمذی: ۱۱۴۴)

امام ترمذی نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ کی حدیث کی سند بہت جید ہے اور عمل عمرو بن شعیب کی روایت پر ہے۔

سفیان بن حسین نے از الزہری متوفی ۱۵۲ ھ روایت کی ہے کہ حضرت ابوالعاص بن الربیع کو غزوہ بدر میں قید کر لیا گیا تھا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی طرف لوٹا دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب آپ نے حضرت زینب کو انکی طرف لوٹایا تو اس وقت وہ کافر تھے کیونکہ حضرت ابوالعاص ۸ ھ کی ابتداء میں اسلام لائے تھے۔

اور شعبہ نے از حماد وغیرہ از ابراہیم روایت کی ہے کہ جس نصرانی کے نکاح میں نصرانیہ عورت ہو پس نصرانی عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا خاوند اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو ابراہیم نخعی نے کہا کہ وہ عورت اس نصرانی مرد کے نکاح میں برقرار رہے گی اور ابراہیم نخعی سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور یہ تفریق ان کے درمیان طلاقِ بائنہ ہوگی۔
(الموطا للامام محمد متوفی ۱۸۹ ھ ص ۲۰۵، المحلی ج ۷ ص ۳۱۳)

امام ابو جعفر الطحاوی متوفی ۳۲۱ ھ نے کہا کہ یہ قول شاذ ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس قول کی کسی نے موافقت نہیں کی۔
(مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۳۵-۳۳۸، دار بشائر الاسلامیہ بیروت ۱۴۱۷ ھ)

"مُهٰجِرات" کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ (الممتحنہ: ۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزمالیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹانا۔

اس آیت میں مُهٰجِرٰتٍ کا لفظ ہے اور یہ لفظ ہجرت سے ماخوذ ہے، الازہری نے کہا ہے کہ ہجرت کا لغوی معنی ہے: دیہاتی کا گاؤں سے نکل کر شہر کی طرف جانا اور شہر میں مقیم ہونا اور اس آیت میں مراد ہے کہ مکہ کی عورتوں کا اسلام قبول کر کے مدینہ کی طرف جانا۔

ہجرت کرنے والی عورتوں کے امتحان کی کیفیت

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ سے روایت کی ہے کہ ان عورتوں سے

اس طرح امتحان لیا گیا کہ وہ یہ شہادت دیتی تھیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور بے شک (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اور امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ ان عورتوں سے اس طرح امتحان لیتے تھے کہ وہ قسم کھا کر کہتیں: اللہ کی قسم! میں اپنے خاوند سے بغض کی وجہ سے نہیں نکلی اور اللہ کی قسم! میں ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف جانے کی رغبت سے نہیں نکلی اور اللہ کی قسم! میں دنیا کی طلب میں نہیں نکلی اور اللہ کی قسم! میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے نکلی ہوں۔

اور امام ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی ہے: پس ان عورتوں سے سوال کیا جاتا کہ تم اپنے خاوندوں کی طرف لوٹ جاؤ، اور قتادہ نے روایت کی ہے کہ ان کا امتحان یہ تھا کہ وہ حلف اٹھا کر بتاتیں کہ وہ اپنے خاوند کی نافرمانی کی وجہ سے نہیں نکلیں، وہ صرف اسلام کی محبت کی وجہ سے نکلی ہیں، اگر وہ اس طرح کہتیں تو ان کا قول قبول کر لیا جاتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان عورتوں کو بیعت کرنے کی کیفیت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان عورتوں سے صرف کلام کے ساتھ بیعت کی یعنی معروف طریقہ یہ ہے کہ بیعت کے وقت اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ پر مارا جائے جیسا کہ مردوں کو بیعت کیا جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔

اس میں اختلاف ہے کہ آیا مہاجر (ہجرت کرنے والی) عورتوں سے امتحان لینے کا حکم اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ اور صحیح یہ ہے کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ اب یہ حکم منسوخ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۹-۴۹۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الممتحنہ: ۱۰ کی تفسیر، تشریح اور اس آیت میں مذکور مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومنات جب ہجرت کرتیں: یعنی فتح مکہ کے سال جب مومن عورتوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا امتحان لیتے تھے: یعنی اگرچہ ان عورتوں کا ظاہر حال یہ تھا کہ وہ مومنات ہیں لیکن ان کے دلوں کی کیفیت پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہے، جیسا کہ الممتحنہ: ۱۰، میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے ایمان کو بہت زیادہ جاننے والا ہے۔

والمومنٰت: اس آیت میں ان عورتوں کو مومنات فرمایا ہے، کیونکہ وہ اپنی زبان سے توحید اور رسالت کی تصدیق کرتی تھیں اور اس کی گواہی دیتی تھیں اور اس کے منافی کوئی بات ان سے ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

سو تم ان کا امتحان لو: یعنی ان سے حلف طلب کرو اور ان علامات میں غور و فکر کرو جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ عورتیں اپنے دعویٰ ایمان میں صادق ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت ہے کہ ان عورتوں سے یہ حلف لیا جاتا تھا کہ انہوں نے اپنے شوہروں سے بغض کی وجہ سے ہجرت نہیں کی اور نہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف جانے کی رغبت کی وجہ سے ہجرت کی ہے اور انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے ہجرت کی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے ایمان کو خوب جاننے والا ہے: یعنی تمہارے پاس ایسا علم نہیں ہے جس سے تمہارے دل ان کے ایمان کے متعلق مطمئن ہو سکیں، خواہ تم ان سے حلف لے لو اور اللہ تعالیٰ کے پاس حقیقتِ علم ہے، پس اگر تم کو یقین ہو جائے کہ یہ مومنات ہیں اور یہ یقین ان کے حلف لینے سے ظنِ غالب کی بناء پر ہوگا تو پھر تم ان عورتوں کو ان کے کافر خاوندوں کی طرف واپس نہ کرو، نہ یہ عورتیں ان خاوندوں پر حلال ہیں، نہ ان کے خاوندان پر حلال ہیں، یعنی مومنہ عورت مشرک مرد پر حلال نہیں ہے اور ان کے کافر خاوندوں کو وہ مہر ادا کر دو جو انہوں نے ان عورتوں کو دیا ہے اور جب تم ان عورتوں کا مہر ادا کر دو پھر تم ان عورتوں سے نکاح کر دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، خواہ ان عورتوں کے کافر خاوند دار الحرب میں مقیم ہوں، کیونکہ اسلام نے ان کے درمیان تفریق کر دی ہے۔

اور تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکو! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی تم کافر عورتوں کے ساتھ عقدِ نکاح نہ کرو، پس جس شخص کی کافر بیوی مکہ میں ہو تو وہ اس کو نکاح میں برقرار نہ رکھے کیونکہ اس مرد اور اس کی کافرہ بیوی کے درمیان عصمتِ نکاح منقطع ہو چکی ہے اور وہ اب اس کی بیوی نہیں ہے اور اگر اہل مکہ میں سے کوئی عورت مسلمانوں کی طرف آئے اور مکہ میں اس کا کوئی کافر خاوند ہو تو وہ بھی اس نکاح کا شمار نہ کرے کیونکہ اس عورت کی اپنے کافر خاوند سے عصمتِ نکاح منقطع ہو چکی ہے۔

اور عِصَم کا لفظ عصمة کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ حفاظت ہے جو عقد نکاح سے حاصل ہوتی ہے۔

''وسئلوا ما انفقتم'': یعنی اے وہ مومنو! جن کی بیویاں دار الاسلام سے نکل کر مشرکین کے ساتھ مل گئیں، تم ان مشرکین سے اس کا سوال کرو جو تم ان بیویوں کے مہر کے اوپر خرچ کر چکے ہو۔

''ولیسئلوا ما انفقوا'': یعنی جن مشرکین کی بیویاں اسلام قبول کر کے تمہارے ساتھ دار الاسلام میں آ کر مل گئی ہیں ان مشرکین نے ان بیویوں پر جو مہر خرچ کیا تھا اس کا وہ مسلمانوں سے سوال کریں۔

''ذٰلکم'': اس میں ان تمام احکام کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں ذکر کئے گئے ہیں۔

(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۳۸۹-۳۹۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح از شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ مومن عورتیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کر کے آتی تھیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم الممتحنہ: ۱۰ کی بناء پر ان سے امتحان لیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مومن عورتوں میں سے جو اس کا اقرار کر لیتیں تو وہ اس آزمائش میں پوری سمجھی جاتیں، جب وہ عورتیں اس کا اپنے قول سے اقرار کر لیتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: جاؤ، میں تم لوگوں سے بیعت لے چکا، حدیث کی مناسبت ترجمة الباب ''اذا اسلمت المشرکة'' سے واضح ہے۔

(کشف الباری، کتاب الطلاق ص ۴۹۶، مکتبہ فاروقیہ کراچی، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کا شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح کو رد کرنا

میں کہتا ہوں: اس باب کا عنوان ہے ''جب کوئی مشرکہ یا نصرانیہ جو کسی ذمی یا حربی کے نکاح میں ہو وہ اسلام قبول کر لے'' اور امام بخاری نے اس باب میں جو حدیث: ۵۲۸۸، ذکر کی ہے اس میں کسی مشرکہ یا ذمیہ کے اسلام قبول کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ

اسلام قبول کرنے کے بعد دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہے اور امام بخاری نے اس حدیث میں الممتحنہ: ۱۰ کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ جب مسلمان عورتیں دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کریں تو پھر ان کا امتحان لیا کرو تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ صرف زبانی، کلامی ایمان کا دعویٰ کرنے والی نہیں ہیں بلکہ حقیقتِ اسلام کو جانتی ہیں، اور جب وہ اس امتحان میں پوری اتر گئیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے کلام سے بیعت فرما لیا، ہماری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث کی اس باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

ایلاء کے مباحث

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ (البقرہ: ۲۲۶-۲۲۸)

جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے، اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے O اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے O اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد) ثانی سے روکے رکھیں۔

ایلاء کا لغوی معنی

لغت میں ایلاء کا معنی ہے: مطلقاً قسم کھانا، خواہ اپنی بیوی سے ترکِ جماع پر قسم کھائی جائے یا کسی اور چیز پر قسم کھائی جائے، یہ لفظ ''آلیٰ علی کذا، یولی ایلاء الیة'' سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی مرد کسی کام کو کرنے یا اس کو ترک کرنے کی قسم کھائے۔

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مرد اپنی بیوی سے ناراض ہوتا تو یہ قسم کھاتا کہ وہ اس سے ایک سال یا دو سال تک جماع نہیں کرے گا یا کبھی جماع نہیں کرے گا اور اس کی بیوی تمام عمر المعلقہ کی طرح گزارتی، یعنی وہ اس کی بیوی ہوتی اور نہ حقوقِ زوجیت کو حاصل کرتی اور نہ وہ مطلقہ ہوتی اور کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتی، پھر جب اسلام آیا تو اس نے عورت کے ساتھ انصاف کیا اور ایلاء کے احکام مقرر کئے اور عورت کے ضرر میں تخفیف کی اور ایلاء کرنے والے مرد کے لئے چار مہینے کی حد مقرر کی اور مرد پر لازم کیا کہ وہ بیوی کے ساتھ حُسنِ معاشرت کرتے ہوئے اس قسم سے رجوع کر لے یا پھر اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔

(لسان العرب لابن منظور افریقی المتوفی ۷۱۱ھ ج ۱ ص ۱۴۲، دار صادر بیروت الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۳ء، القاموس المحیط لمحمد بن یعقوب الفیر وزآبادی المتوفی ۸۱۷ھ ص ۱۲۶۱، موسسۃ الرسالہ بیروت، النہایہ لابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ ج ۱ ص ۶۳-۶۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، الصحاح للجوہری المتوفی ۳۹۸ھ، ج ۶ ص ۲۲۷۱، ۲۲۷۰، دار العلم للملایین ۱۴۰۴ھ، تاج العروس للزبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، ج ۱۰ ص ۲۰، المطبعۃ الخیریہ مصر، المفردات للاصفہانی ج ۱ ص ۲۷، مکتبہ نزار مصطفی الباز ۱۴۱۸ھ، مجمع بحار الانوار للطاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ ج ۱ ص ۹۵ مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

ائمہ اربعہ کے نزدیک ایلاء کا اصطلاحی معنی

فقہاء احناف کے نزدیک ایلاء کا معنی یہ ہے کہ مرد اللہ تعالیٰ کی یا اس کی کسی صفت کی قسم کھا کر کہے کہ وہ چار ماہ یا اس سے زیادہ

مدت تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا یا اپنی بیوی سے کہے کہ اگر میں نے تم سے جماع کیا تو مجھ پر ایک ماہ کے روزے لازم ہیں یا حج کرنا لازم ہے یا بیس (۲۰) مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے۔

فقہاء مالکیہ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے اپنے قولِ جدید میں اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے ایک روایت میں فقہاء احناف کی موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ ایلاء صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے سے ہوگا اور عبادات کو معلق کرنے سے ہوگا اور انہوں نے کہا کہ اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں نے تم سے جماع کیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں تم کو طلاق دوں یا میں غلام آزاد کروں تو اس سے ایلاء نہیں ہوگا۔

(بدائع الصنائع للکاسانی الحنفی ج ۳ ص ۱۷۱، حاشیۃ الدسوقی لمحمد بن عرفہ الدسوقی المالکی المتوفی ۱۲۱۹ھ ج ۲ ص ۴۲۷، مغنی المحتاج للشربینی الشافعی ج ۳ ص ۳۴۴، المغنی لابن قدامہ الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ ج ۷ ص ۲۹۸)

ایلاء کی حکمت

بیوی سے جماع کو ترک کرنا کبھی بیوی کو سزا دینے کے لئے اور اس کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے، مثلاً جب کبھی بیوی گھر کے انتظامی معاملہ میں ناروا کام کرے یا شوہر کے حقوق ادا نہ کرے اور سمجھانے سے اپنی روش کو ترک نہ کرے تو ان صورتوں میں اس کی اصلاح یا تادیب کی ضرورت ہوتی ہے کہ مرد اپنی بیوی کی اصلاح کے لئے اس سے ترک جماع کا عزم کرلے اور اس سے مقصود بیوی کی اصلاح ہو تو ایسی صورتوں میں اسلام نے ایلاء کو جائز قرار دیا ہے۔

آیۃ الایلاء کی تفسیر از علامہ ماتریدی

علامہ ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۲۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ بات معلوم ہے کہ ایلاء کا لغوی معنی قسم ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے ایلاء کی تفسیر میں فرمایا: جو لوگ اپنی بیویوں کے متعلق قسم کھاتے ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق: سنن سعید بن منصور بحوالہ الدر المنثور ج ۱ ص ۶۱۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

پھر ایلاء کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حسبِ ذیل اختلافات ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے کہا ہے: ایلاء فقط ایک دن کا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں قسم کی مدت ذکر نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ترک جماع کی قسم کھاتے ہیں، وہ چار مہینے انتظار کریں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: ایلاء دائماً ترکِ جماع کی قسم ہے۔

(۳) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے ایک مرد نے سوال کیا کہ اس نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ دو سال تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا تو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایلاء ہے اور جب چار ماہ گزر جائیں گے تو اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی، اس مرد نے کہا: میں نے تو یہ قسم اس لئے کھائی تھی تاکہ میرے مزید بچے نہ ہوں، تب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر یہ ایلاء نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ایلاء اس وقت ہوتا ہے جب مرد عورت کی نافرمانی کی وجہ سے ترکِ جماع کی قسم کھائے۔

(۴) ہمارے اصحاب احناف رحمہم اللہ نے کہا ہے: جب چار ماہ کی عدت گزر جائے گی تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد توقف کیا جائے گا، یا تو مرد اپنی قسم سے رجوع کر لے یا پھر اپنی بیوی کو طلاق دے دے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے فرمایا ہے کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو ایلاء کرنے والا اپنی قسم سے رجوع کر لے، یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔

اور ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک جب چار ماہ کی عدت گزر جائے گی تو اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی، کیونکہ سات (۷) یا آٹھ (۸) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے، انہوں نے کہا ہے کہ جب چار ماہ گزر جائیں گے تو اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی ان سب صحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ شامل ہیں۔ (از مصنف عبد الرزاق، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، سنن بیہقی بہ حوالہ الدر المنثور ج ۱ ص ۴۸۶)

پھر طلاق کی کیفیت میں اختلاف ہے، اہل مدینہ نے کہا کہ یہ طلاق رجعی ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما متوفی ۲۲ھ سے منقول ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اس عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۲ ص ۱۴۶-۱۵۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

آیۃ الایلاء کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء لکھتے ہیں:

بعض لوگ اپنی عورتوں کو ستانے کے لیے قسم اٹھالیا کرتے تھے کہ ہم ان سے ہم بستری نہ کریں گے، اسی طرح عورت نکاح میں بھی رہتی اور حقوقِ زوجیت سے بھی محروم ہو جاتی، قرآن نے اس ظلم کا بھی خاتمہ کر دیا اور فرمایا: اگر چار ماہ کے اندر تم نے اپنی یہ قسم توڑ دی تو عورت تمہارے نکاح میں رہے گی اور تمہیں صرف کفارہ ادا کرنا ہوگا اور اگر تم نے چار ماہ گزرنے پر بھی اپنی قسم نہ توڑی تو نکاح ٹوٹ جائے گا اور عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم عورت کو اپنے نکاح میں بھی جکڑ بند رکھو اور اس کے حقوقِ زوجیت بھی ادا نہ کرو، ہاں اگر وہ خوشی سے اس خاوند سے نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں۔
(ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۵۵، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

آیۃ الایلاء کی تفسیر از مصنف

ایلاء کا لغوی معنی ہے: قسم کھانا، اور فقہاء احناف کے نزدیک اس کا شرعی معنی ہے: مدت مخصوصہ تک اپنی منکوحہ سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانا اور زیادہ صحیح تعریف یہ ہے کہ چار مہینے تک اپنی منکوحہ سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانا۔

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: اللہ کی قسم! میں تم سے مقاربت نہیں کروں گا، یا کہے: اللہ کی قسم! میں تم سے چار مہینے تک مقاربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے: جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھالیتے

ہیں،ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے،اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کرلیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے،اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کرلیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا،خوب جاننے والا ہے۔(البقرہ:۲۲۶-۲۲۷)

اور اگر اس نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کرلی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہوجائے گا اور اگر اس نے چار مہینے اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر ازخود طلاقِ بائنہ واقع ہوجائے گی۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ قاضی کی تفریق کرنے سے طلاق بائنہ واقع ہوگی جیسا کہ مقطوع الذکر اور نامرد کے مسئلہ میں قاضی کی تفریق سے طلاقِ بائنہ واقع ہوتی ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد نے عورت کے حق کو اس سے سلب کر کے اس پر ظلم کیا ہے،اس لئے شریعت نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس مدت کے پوری ہونے پر نکاح کی نعمت اس سے زائل ہوجائے گی ،حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ ،حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ،حضرت عبداللہ بن مسعود متوفی ۳۲ھ ،حضرت عبداللہ بن عمر متوفی ۷۳ھ ،حضرت عبداللہ بن عباس متوفی ۶۸ھ اور حضرت زید بن ثابت متوفی ۴۵ھ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے اور ان کی اقتداء کرنی ہمارے لئے کافی ہے اور اس لئے کہ زمانہ جاہلیت میں قسم کھاتے ہی فوراً طلاق واقع ہوجاتی تھی اور شریعت اسلامیہ نے وقوعِ طلاق کے لئے مدت پوری ہونے کی حد مقرر کردی۔

اگر اس نے چار ماہ تک مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی تو چار ماہ کے بعد قسم ساقط ہوجائے گی اور اگر اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں کبھی بھی اس سے مقاربت نہ کروں گا تو چار ماہ بعد اس کی بیوی کو طلاق بائنہ ہوجائے گی اور قسم باقی رہے گی، پھر اگر اس نے اس سے دوبارہ نکاح کرلیا اور اس کے بعد مقاربت کرلی تو فبہا اور اسے اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا اور اگر اس نے پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر دوبارہ طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اگر اس نے اس سے پھر تیسری بار نکاح کرلیا تو پھر اسی طرح ہوگا یعنی اگر اس نے مقاربت کرلی تو فبہا ورنہ چار ماہ بعد پھر اس کی بیوی پر طلاقِ بائنہ پڑ جائے گی اور اس کے بعد حلالہ شرعیہ کے بغیر وہ اس سے چوتھی بار نکاح نہیں کرسکتا اور چوتھی بار نکاح کرنے کے بعد پھر اسی طرح ہوگا۔

اور اگر اس نے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی ہے تو یہ ایلاء نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے، کیونکہ جس شخص نے ایک ماہ مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو بقیہ تین ماہ کے عرصہ میں اس نے بغیر قسم کے مقاربت نہیں کی اور جو بغیر قسم کے تین ماہ بلکہ اس سے زائد عرصہ تک مقاربت نہ کرے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔(ہدایہ اولین ص ۴۰۳-۴۰۲،مطبوعہ شرکہ علمیہ، ملتان)

علامہ المرغینانی نے امام شافعی کا جو یہ مذہب نقل کیا ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد قاضی کی تفریق سے طلاق بائن ہوگی، یہ نقل صحیح نہیں ہے، بلکہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مدت گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے، چاہے تو رجوع کرلے اور چاہے تو طلاق دے دے۔

ایلاء کے بعد وقوعِ طلاق میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور دلائل اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

چار ماہ گزرنے کے بعد وقوعِ طلاق کے متعلق دو قول ہیں ،حضرت عثمان ،حضرت علی ،حضرت ابن زید ،حضرت زید بن ثابت ،

حضرت ابن مسعود متوفی ۳۲ھ، حضرت ابن عمر متوفی ۷۴ھ، اور حضرت ابن عباس متوفی ۶۸ھ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے، اور حضرت عمر متوفی ۲۴ھ اور حضرت علی متوفی ۴۰ھ کا دوسرا قول اور ایک روایت میں حضرت عثمان متوفی ۳۵ھ کا دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے خواہ رجوع کر لے، خواہ طلاق دے دے، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۸۹-۲۹۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے موخر الذکر قول نقل کیا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں:

ابو صالح نے بیان کیا کہ بارہ صحابہ سے یہی (موخر الذکر) قول منقول ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ کا یہی مذہب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد از خود طلاق واقع ہو جائے گی، اور یہ طلاق بائن ہوگی، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت قبیصہ بن ذوئیب رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

قاضی ابو بکر ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ (البقرہ: ۲۲۷) ''پس اگر وہ طلاق کا ارادہ کریں''، اس میں یہ دلیل ہے کہ عدت گزرنے سے از خود طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ طلاق اس وقت واقع ہوگی جب شوہر طلاق دینے کا قصد کرے گا، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ چار ماہ تک اس کا رجوع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا عزم طلاق ہے، ہمارے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چار ماہ تک رجوع نہ کرنا اس کا ماضی ہے اور ماضی پر عزم کرنا محال ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اگر وہ طلاق کا عزم کریں، اس سے معلوم ہوا کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہوگی۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۴۷، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

قاضی ابو بکر بن العربی کا یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: اگر وہ طلاق کا عزم کریں، یہ نہیں فرمایا کہ وہ زبان سے طلاق دیں، جب کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب ہے کہ شوہر جب زبان سے طلاق دے گا تو طلاق واقع ہوگی اور قرآن مجید میں زبان سے طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے بلکہ طلاق کے عزم کا ذکر ہے اور اس کا چار ماہ تک رجوع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا عزم طلاق دینا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس اگر وہ طلاق کا عزم کریں، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس مدت کے بعد وہ عزم کریں بلکہ اس کا معنی ہے: اگر وہ طلاق کے عزم پر مستمر اور برقرار رہیں تو اللہ خوب سننے والا ہے، بہت جاننے والا ہے، یعنی ان کے دل کی بات کو سننے والا ہے اور ان کی نیت کو جاننے والا ہے، سننے کا تعلق صرف کلام لفظی سے نہیں ہوتا بلکہ کلام نفسی سے بھی ہوتا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۱ ص ۷۹۵-۷۹۷، فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۲۰ھ)

ایلاء کے متعلق آثار صحابہ اور اقوال فقہاء تابعین

امام سعید بن منصور بن شعبہ الخراسانی المکی المتوفی ۲۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

منصور بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا، پس چار ماہ گزر گئے اور وہ عورت اس سے الگ ہو گئی پھر اس مرد نے اپنی بیوی سے اس کی عدت کے دوران نکاح کر لیا پھر دخول سے پہلے اس کو طلاق دے دی تو

ابراہیم نخعی نے کہا: اس کی بیوی کے لئے پورا مہر ہوگا اور وہ عدت دوبارہ گزارے گی اور وہ اپنی بقیہ عدت کو پورا کرے گی، حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے منصور سے پوچھا کہ ابراہیم نخعی اور حسن اور عامران دونوں کے اقوال میں سے تمہیں کس کا قول پسند ہے تو انہوں نے بتایا کہ مجھے حسن اور عامر کا قول زیادہ پسند ہے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۴۵۸، ج ۱ ص ۳۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، سنن بیہقی: ج ۷ ص ۳۴۰ نشر السنہ ملتان)

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ کا بھی یہی قول ہے۔

الفتاویٰ الہندیہ میں مذکور ہے:

جب کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول کیا، پھر اس مرد نے اس عورت کو طلاق بائن دے دی، پھر اس سے دوبارہ عدت میں نکاح کر لیا پھر نکاحِ ثانی میں دخول سے پہلے اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس پر نکاحِ اول کے سبب سے مہر واجب ہوگا اور نکاحِ ثانی کے سبب سے پورا مہر واجب ہوگا، یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور اس عورت پر از سر نو عدت لازم ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۳۲۵، الفصل الثالث العشر فی تکرار المہر مطبعۃ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے بھی اسی کی مثل کہا ہے۔ (المحلیٰ بالآثار ج ۱۰ ص ۲۶۲)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطاء الخراسانی المتوفی ۱۵۳ھ از ابوسلمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ دونوں نے ایلاء کے متعلق کہا کہ جب چار ماہ کی عدت گزر جائے تو اس عورت پر طلاق بائن واقع ہوگی اور اس کی بیوی کو اپنے نفس پر زیادہ اختیار ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۶۲، مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے فرمایا: جب چار ماہ کی مدت گزر جائے گی تو عورت پر طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۶۳، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، ان دونوں نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے ترکِ جماع کی قسم کھائی پھر رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ چار ماہ کی مدت گزر گئی تو یہ طلاق بائن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۶۵، مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے فرمایا: جب چار ماہ کی مدت گزر گئی تو یہ طلاق بائن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۶۸، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

قبیصہ نے کہا: جب چار ماہ کی مدت گزر گئی تو یہ طلاق بائن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۶۹، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابراہیم النخعی نے کہا جب چار ماہ کی مدت گزر گئی تو یہ طلاق بائن ہے اور اس عورت کو اپنے نفس پر اختیار ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۱، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

مسروق نے کہا: کہ جب ایلاء میں چار ماہ کی مدت گزر جائے تو یہ طلاق بائن ہے، شریح کا بھی یہی قول ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۲، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

حسن بصری اور ابن سیرین نے کہا کہ جب چار ماہ گزر گئے تو یہ طلاق بائن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۳، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۰)

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ نے کہا: جب چار ماہ کی مدت گزر گئی تو یہ طلاق بائن ہے اور اس کا خاوند اس کو عدت کے دوران پیغام نکاح دے سکتا ہے اور دوسرا شخص اس کو عدت کے دوران پیغام نکاح نہیں دے سکتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۸، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

میں کہتا ہوں: یہ تمام آثار صحابہ اور اقوال فقہاء تابعین امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کے مذہب کی تائید میں ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

ایلاء کے بعد توقف کرنے کے متعلق آثار صحابہ

امام ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد توقف کرتے تھے حتیٰ کہ اس کا خاوند رجوع کرلے یا طلاق واقع کردے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۹، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اہل مدینہ کے قول کے موافق توقف کرنے کا حکم دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۸۳، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

سلیمان بن یسار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سے زائد اصحاب سے روایت کی ہے جو اس صورت میں توقف کرنے کا حکم دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۸۴، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ نے فرمایا: ایلاء کرنے والے کو توقف کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۹۰، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے القاسم بن محمد سے سنا اور ان سے ایلاء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں توقف کیا جائے گا اور ایلاء کرنے والے سے سوال کیا جائے گا: کیا تم نے طلاق دی ہے؟ اس نے کہا: نہیں لیکن امام اس سے کہے گا کہ تم اپنی قسم سے رجوع کرو اور یا پھر اس عورت کو طلاق دے دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۹۶، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ آثار اور اقوال تابعین امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کے مذہب کے موافق ہیں۔

ایلاء سے متعلق طلاق رجعی واقع ہونے کے متعلق آثار

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب اور عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام ان دونوں نے کہا کہ جب ایلاء میں چار ماہ کی مدت گزر جائے تو یہ طلاق ہے اور مرد اس طلاق سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۴، مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی

شیبہ ج ۵ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

مکحول نے کہا جب چار مہینے کی مدت گزر جائے تو پھر مرد کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا اختیار ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۵، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے ان آثار کے متعلق یہ کہا ہے کہ ایلاء سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

جس نے چار ماہ سے کم کی مدت میں ترک جماع کی قسم کھائی تو وہ ایلاء نہیں ہے۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا: جس مرد نے اپنی بیوی سے ایک ماہ یا دو ماہ یا تین ماہ تک ترکِ جماع کی قسم کھائی تو وہ ایلاء نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۰۸، مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ نے کہا: جس نے چار ماہ سے کم مدت کے لیے ترک جماع سے قسم کھائی تو وہ ایلاء نہیں ہے، ایلاء تب ہوگا جب وہ چار ماہ کی مدت تک ترکِ جماع کی قسم کھائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۰۹، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۶)

محمد بن زید اور سعید بن جبیر نے کہا کہ جب کسی مرد نے چار ماہ سے کم مدت کے لئے ترک جماع کی قسم کھائی تو وہ ایلاء نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۱۰، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۶ھ)

ایلاء کے لئے قسم کا ضروری ہونا

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: بغیر حلف کے ایلاء منعقد نہیں ہوتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۵۲، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ نے کہا: ترکِ جماع کی قسم کھائے بغیر ایلاء نہیں ہوتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۵۳، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابی حرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے سوال کیا کہ ایک مرد نے سات ماہ تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا تو انہوں نے کہا: یہ بہت لمبی مدت ہے، میں نے پوچھا: کیا یہ ایلاء ہے؟ انہوں نے پوچھا: کیا اس نے قسم کھائی تھی؟ میں نے کہا: نہیں، تو انہوں نے کہا کہ بغیر قسم کے ایلاء نہیں ہوتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۵۴، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابراہیم نخعی نے کہا کہ ایلاء اس وقت ہوگا کہ جب مرد ترکِ جماع کی قسم کھائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۵۵، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایلاء سے رجوع کرنے کی متعدد صورتیں

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی المتوفی ۲۳۵ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی نے کہا: جب کوئی مرد اپنی بیوی سے ترکِ جماع کی قسم کھائے، پھر وہ کسی مرض کی وجہ سے جماع نہ کر سکے یا کسی شغل یا عذر کی وجہ سے جماع نہ کر سکے اور وہ اپنے رجوع کرنے پر گواہ قائم کر لے تو یہ اس کے رجوع کے لیے کافی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۱۸، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابی قلابہ نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی زبان کے ساتھ ایلاء سے رجوع کر لیا تو یہ اس کا رجوع ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۱۹، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

الزہری نے کہا: جب ایلاء کرنے والا بیمار ہو یا مسافر ہو یا اس کی بیوی حائض ہو تو وہ اپنے رجوع پر گواہ قائم کر لے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۲۰، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے فرمایا: جب چار ماہ پورے ہو جائیں تو طلاق واقع ہو جائے گی اور رجوع صرف جماع سے ہوتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۲۴، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے کہا کہ ایلاء سے رجوع صرف جماع سے ہوتا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ بڑھاپے کی وجہ سے جماع نہ کر سکے یا مرض کی وجہ سے جماع نہ کر سکے یا قید کی وجہ سے جماع نہ کر سکے تو اس کا رجوع یہ ہے کہ وہ دل سے اور زبان سے رجوع کر لے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۳۰، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایلاء شرعی کی مدت کے تعین میں مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ جب مرد اپنی بیوی سے ایلاء کرے اور چار ماہ یا اس سے کم مدت کے لئے ترکِ جماع کی قسم کھائے تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ اس وقت تک ایلاء نہیں ہوگا جب تک کہ وہ یہ قسم نہ کھائے کہ وہ کبھی بھی اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۰۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ امام مالک متوفی ۱۷۹ ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ نے کہا ہے کہ ایلاء اس وقت ہوگا جب وہ چار ماہ کی مدت سے زیادہ تک ترکِ جماع کی قسم کھائے۔

(المدونہ ج ۲ ص ۳۳۶، کتاب الام ج ۵ ص ۳۸۴، مسائل احمد: ۱۳۳۶)

اور تیسرا قول یہ ہے کہ ایلاء اس وقت ہوگا جب وہ چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک ترکِ جماع کی قسم کھائے، یہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ کا قول ہے۔ (المبسوط ج ۷ ص ۲۱)

امام مالک متوفی ۱۷۹ ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ نے کہا کہ چار ماہ سے کم مدت کے لئے ترکِ جماع کی قسم ایلاء نہیں ہے۔

(المدونہ ج ۲ ص ۳۳۶، کتاب الام ج ۵ ص ۳۸۴، مسائل احمد واسحاق: ۱۰۰۳، المبسوط ج ۷ ص ۲۱، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۳۴۵-۳۴۷، دار الفلاح، ریاض ۱۴۳۰ھ)

حالتِ غضب یا حالت رضا میں ایلاء کا انعقاد

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی مرد غیر حالتِ غضب میں اپنی بیوی سے ترکِ جماع کی قسم کھائے تو آیا وہ ایلاء ہے یا نہیں؟

حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے فرمایا: اگر کوئی مرد اصلاح کی غرض سے اپنی بیوی کے ساتھ ترکِ جماع کرے تو یہ ایلاء نہیں ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: ایلاء صرف غضب میں ہوتا ہے۔ (المحلیٰ ج ۱۰ ص ۴۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے فرمایا: کہ غضب اور رضا دونوں حالتوں میں ایلاء ہوتا ہے، جس طرح غضب اور رضا دونوں حالتوں میں قسم ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۴)

فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۷۲)، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۳۸۶) امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔ (مسائل احمد: ۱۰۰۲)

امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایلاء کا مطلقاً ذکر فرمایا ہے اور اس کو حالت غضب یا رضا کے ساتھ مقید نہیں فرمایا، علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر النیشاپوری نے کہا: ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۳۴۸، ۳۴۷، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

حالتِ عذر میں رجوع کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۲۶) اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے ۝

یعنی جس مرد نے اپنی بیوی سے چار مہینے تک ترک جماع کی قسم کھائی، پھر اس نے چار ماہ گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا اور کفارہ قسم ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی سے جماع کر لے، اسی طرح حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا قول ہے اور فقہاء تابعین میں سے مسروق، الشعبی، سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، ابراہیم نخعی، الاوزاعی، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ابوعبید متوفی ۲۲۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۷۴، سنن سعید بن منصور: ۱۸۹۴، ۱۸۹۵)

فقہاء احناف نے بھی کہا ہے کہ اگر مرد کو کوئی عذر نہ ہو تو اس کا ایلاء سے رجوع تب ہو گا جب وہ چار ماہ کی عدت گزرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کر لے۔ (المبسوط للسرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ، ج ۷ ص ۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جو مرد جماع پر قادر نہ ہو تو اس کا رجوع کس طرح ہو گا؟

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: جب اس نے اپنی زبان اور دل سے رجوع کر لیا تو اس کا رجوع محقق ہو گیا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے فرمایا کہ رجوع جماع سے ہو گا، پس اگر وہ بوڑھا ہو یا بیمار ہو یا قید میں ہو تو وہ زبان یا دل سے رجوع کر لے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ جب اس نے اپنے رجوع کرنے پر کوئی گواہ بنا لیا تو اس کا رجوع ہو گیا اور علقمہ، الاسود اور حضرت ابن مسعود کے اصحاب نے کہا کہ جو مرد جماع پر قادر نہ ہو، وہ شخص اپنے رجوع پر کسی کو گواہ بنا لے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۴۶۲-۴۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۲، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۵۳، جامع البیان للطبری المتوفی ۳۱۰ھ ج ۲ ص ۴۳۶)

امام ابو حنیفہ النعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ جو مرد کسی عذر کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو تو اس کا رجوع یہ ہے کہ وہ رجوع پر راضی ہو، وہ یوں کہے کہ میں نے اپنی بیوی کی طرف رجوع کر لیا اور اگر اسی حال میں چار ماہ گزر گئے تو یہ رجوع ثابت ہو گا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ چار ماہ کے اندر جماع پر قادر تھا اور اس نے جماع نہیں کیا تو پھر اس کا رجوع باطل ہو جائے گا۔

(المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۳۰ (باب الایلاء)، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ رجوع صرف جماع سے ہوتا ہے خواہ عذر ہو یا نہ ہو، خواہ وہ سفر میں ہو یا قید خانہ میں۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۷۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۳۵۵-۳۵۷، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک ایلا کا معنی، اس کی تعریف، اس کی شرائط اور اس کے احکام

علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ ایلاء کی بحث میں لکھتے ہیں:

لغت میں ایلاء کا معنی ہے: حلف اور قسم۔ (لسان العرب ج ۱۴ ص ۴۰)

حدیث میں المتالی کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: قسم کھانے والا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر بلند آواز سے لوگوں کے لڑنے کی آواز سنی، ان میں سے ایک شخص دوسرے سے قرض میں کمی کرنے کے لئے اور نرمی کرنے کے لئے کہہ رہا تھا اور دوسرا شخص کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور آپ نے فرمایا:

این المتالی علی اللہ لایفعل المعروف؟ وہ شخص کہاں ہے جو اللہ کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ میں نیکی نہیں کروں گا۔

تب اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ! یہ میں ہوں اور میرا خصم (فریق) جتنی تخفیف چاہے میں کر دوں گا۔ (صحیح البخاری: ۲۷۰۵، صحیح

مسلم:۳۹۸۳)

اور ایلاء کا شرعی معنی یہ ہے کہ مرد یہ قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی سے جماع کو ترک کردے گا اور اس کی اصل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ (البقرہ:۲۲۶) جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھالیتے ہیں، ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ ''یولون'' کی تفسیر میں فرماتے تھے: یقسمون، یعنی جو لوگ قسمیں کھاتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ ج ۲ ص ۹۱۰)

۱۲۹۸۔ مسئلہ: ایلاء کرنے والا اللہ عزوجل کی قسم کھائے کہ وہ چار ماہ سے زیادہ مدت تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا۔

ایلاء کی چار شرائط ہیں:

ایلاء کی پہلی شرط

ایلاء کی پہلی شرط یہ ہے کہ ایلاء کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی کسی صفت کی قسم کھائے لیکن اگر اس نے اس کی ذات وصفات کے بغیر کسی چیز کی قسم کھائی مثلاً اس نے یہ قسم کھائی کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا تو اس کی بیوی کو طلاق یا قسم کھائی کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا تو اس کا غلام آزاد یا اس نے قسم کھائی کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا تو اس پر صدقہ کرنا لازم ہے تو اس صورت میں امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے دو روایات منقول ہیں:

(۱) وہ اس صورت میں ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی قدیم قول یہی ہے۔

(۲) وہ اس صورت میں ایلاء کرنے والا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: ہر وہ قسم جو بیوی کے ساتھ جماع سے منع کرے تو وہ ایلاء ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۱)

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۲۴ھ وغیرہم کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ یہ ایسی قسم ہے جو بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے منع کرتی ہے، لہٰذا یہ ایلاء ہے، سو یہ ایسا ہے جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم کھا کر کہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہیں کرے گا۔

ایلاء کی دوسری شرط

ایلاء کی دوسری شرط یہ ہے کہ مرد یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ سے زیادہ مدت تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، طاؤس، سعید بن جبیر، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، الاوزاعی، امام شافعی متوفی ۱۷۹ھ، ابوثور اور امام ابوعبید کا یہی قول ہے اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، الثوری اور فقہاء احناف نے کہا کہ جب مرد نے چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک ترک جماع کی قسم کھائی تو یہ ایلاء ہے، قاضی ابوالحسین نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ وہ اس قسم کی وجہ سے جماع سے چار مہینے تک ممتنع ہو گیا، لہٰذا یہ ایلاء ہے، اور ابراہیم نخعی، قتادہ، حماد، ابن ابی لیلیٰ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے یہ کہا ہے کہ جس مرد نے یہ قسم کھائی کہ وہ قلیل وقت میں یا کثیر وقت میں جماع نہیں کرے گا اور اس نے

چار ماہ تک جماع نہیں کیا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ (البقرہ:۲۲۶)

ایلاء کی تیسری شرط

ایلاء کی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ یہ قسم کھائے کہ وہ بیوی کی فرج میں دخول نہیں کرے گا اور اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ وہ بیوی کی دُبر میں دخول نہیں کرے گا تو پھر یہ ایلاء نہیں ہے۔

ایلاء کی چوتھی شرط

ایلاء کی چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ چار ماہ کی مدت تک جماع نہیں کرے گا اور اگر اس نے کسی اجنبی عورت سے چار ماہ تک ترکِ جماع کی قسم کھائی تو یہ ایلاء نہیں ہے۔

ایلاء کے متعدد مسائل

مرد کا اس کی ہر بیوی سے ایلاء صحیح ہے، خواہ اس کی بیوی مسلمان ہو یا ذمیہ ہو یا آزاد ہو یا باندی ہو کیونکہ البقرہ:۲۲۶، میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے: جو لوگ اپنی بیویوں سے ترکِ جماع کی قسم کھاتے ہیں۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ وغیرہم کا یہی قول ہے، ہر وہ خاوند جو مکلف ہو اور جماع پر قادر ہو اس کا ایلاء کرنا صحیح ہے، رہا بچہ اور مجنون تو ان کا ایلاء صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں مرفوع القلم ہیں اور غیر مکلف ہیں۔ اور جو مرد جماع سے عاجز ہو اگر اس کا سبب کوئی ایسا مرض ہو جس کا ازالہ متوقع ہو تو اس کا ایلاء صحیح ہے اور اگر اس کا ازالہ متوقع نہ ہو مثلاً وہ مقطوع الذکر ہو یا اس کو فالج ہو تو پھر اس کا ایلاء صحیح نہیں ہے۔

ذمی کا ایلاء کرنا صحیح ہے، یہ امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے، اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: اگر ذمی نے اسلام قبول کر لیا تو اس کی قسم کا حکم ساقط ہو جائے گا اور امام ابویوسف متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد متوفی ۱۸۹ھ نے کہا: اگر ذمی نے اللہ کی قسم کھا کر ایلاء کیا تو اس کا ایلاء صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہے اور اگر اس نے کہا کہ اگر میں نے جماع کیا تو میری بیوی کو طلاق یا میرا غلام آزاد تو پھر اس کا ایلاء صحیح ہے، ایلاء میں یہ شرط نہیں ہے کہ مرد بیوی پر ناراضگی کی وجہ سے ترکِ جماع کی قسم کھالے اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ بیوی کو تنگ کرنے کی وجہ سے ترکِ جماع کی قسم کھائے، کیونکہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے فرمایا کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کی اصلاح کی غرض سے ترکِ جماع کی قسم کھائے تو وہ ایلاء نہیں ہے۔

(سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۱-۳۸۲، سنن سعید بن منصور: ۱۸۷۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: ایلاء صرف ناراضگی کی صورت میں ہوتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ البقرہ:۲۲۶ میں مطلقاً ایلاء کا ذکر فرمایا ہے اور اس کو رضا یا غضب کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور اس لئے کہ طلاق، ظہار، اور تمام قسمیں منعقد ہو جاتی ہیں، خواہ ان امور کو حالتِ غضب میں واقع کیا جائے یا حالتِ رضا میں۔ (المغنی و شرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۹۴، ملخصاً مخرجاً، دارالحدیث قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

۲۱۔ بَابٌ: قَوْلِ اللهِ تَعَالَى لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ:۲۲۶-۲۲۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھالیتے ہیں، ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے، اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کرلیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے O اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کرلیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے O

(البقرہ:۲۲۶-۲۲۷)

ایلاء کا لغوی معنی اور البقرہ:۲۲۷-۲۲۶ کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''الایلاء'' کا بیان ہے، ایلاء کا لغوی معنی ہے: حلف اٹھانا اور قسم کھانا، کہا جاتا ہے: آلی یولی ایلاء، یعنی اس نے حلف اٹھایا۔

للذین یولون: یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ جماع کو ترک کرنے کی قسم کھاتے ہیں، وہ حلف کے وقت سے چار (۴) ماہ انتظار کریں، اور ان سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم سے رجوع کرلیں یا پھر اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فان فاء وا''، یعنی انہوں نے جو ترک جماع کی قسم کھائی تھی، اس سے رجوع کرلیں، امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس تفسیر کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، الشعبی، سعید بن جبیر اور متعدد تابعین سے نقل کیا ہے۔

''فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝'' (البقرہ:۲۲۶): یعنی ان ایلاء کرنے والوں نے اپنی بیویوں سے ترکِ جماع کرنے کی جو قسم کھائی ہے اور اپنی بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں تقصیر کی ہے، سو اگر وہ اپنی اس قسم سے رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بہت بخشنے والا، بے حد مہربان ہے۔

اس مقام پر چھ (۶) مباحث ہیں:

ایلاء کی تعریف

البقرہ:۲۲۶، میں جس ایلاء کا ذکر کیا گیا ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ مرد قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ چار مہینہ یا اس سے زیادہ تک جماع نہیں کرے گا، مثلاً مرد اپنی بیوی سے کہے کہ میں تجھ سے مقاربت نہیں کروں گا، یہ ثوری اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب کا قول ہے، اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے بھی اسی طرح روایت ہے، علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا موقف یہ ہے کہ ایلاء چار ماہ سے کم مدت کا نہیں ہوتا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا ہے کہ اہل جاہلیت ایک سال اور دو سال اور اس سے زیادہ کا ایلاء کرتے تھے، پھر مسلمانوں کے لئے چار ماہ کی مدت

مقرر کردی گئی اور جس چیز کا ایلاء چار ماہ سے کم ہوگا تو وہ ایلاء شرعی نہیں ہوگا اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب کسی مرد نے حلف اٹھایا کہ وہ اپنی بیوی سے ایک ماہ سے زائد مقاربت نہیں کرے گا یا چار ماہ سے کم مدت تک مقاربت نہیں کرے گا، تو یہ ایلاء شرعی نہیں ہے۔

اور فقہاء کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ جب مرد نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی سے ایک دن مقاربت نہیں کرے گا یا ایک دن سے کم یا ایک دن سے زیادہ مقاربت نہیں کرے گا، پھر اس نے چار ماہ تک اپنی بیوی کے ساتھ مقاربت نہیں کی تو ایلاء کی وجہ سے اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی، یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ، ابراہیم النخعی، ابن ابی لیلیٰ اور حکم کا موقف ہے اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور ابو ثور کا مذہب یہ ہے کہ ایلاء کی تعریف یہ ہے کہ مرد یہ قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ چار مہینہ سے زیادہ تک جماع نہیں کرے گا، پس اگر اس نے چار مہینہ تک یا اس سے کم مدت تک جماع نہ کرنے کی قسم کھائی تو پھر یہ شرعی ایلاء نہیں ہے اور یہ ان کے نزدیک محض ایک قسم ہے اور اگر اس نے اس قسم کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو پھر اس پر کفارہ قسم لازم ہوگا اور اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا حتیٰ کہ قسم کی مدت پوری ہو گئی تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا جیسا کہ تمام قسموں میں ہوتا ہے، اور علامہ ابن المنذر شافعی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مرد اس وقت تک ایلاء شرعی کا مصداق نہیں ہوگا جب تک کہ وہ یہ قسم نہ کھائے کہ وہ اپنی بیوی سے کبھی بھی جماع نہیں کرے گا۔

ایلاء کا شرعی حکم

ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر نے چار مہینوں کے اندر اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو وہ کفارہ قسم ادا کرے گا، کیونکہ وہ اپنی قسم میں حانث ہو گیا (یعنی اس نے اپنی قسم توڑ لی) اور اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا حتیٰ کہ چار مہینہ گزر گئے تو اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی اور اس پر ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کا قول ہے اور فقہاء تابعین میں سے ابن سیرین، مسروق، القاسم، القاضی، سالم، الحسن البصری، قتادہ، شریح القاضی، قبیصہ بن ذویب اور الحسن بن صالح کا قول ہے۔

اور یہی امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔

اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ، مکحول، ربیعہ، محمد بن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ھ، اور مروان بن الحکم کے نزدیک اس صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی۔

اور امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایلاء کرنے والے پر توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ طلاق دے دے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: ہمارے نزدیک بھی یہی حکم ہے، اللیث، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابو ثور نے کہا ہے کہ اگر اس نے طلاق دی تو یہ ایک طلاق رجعی ہوگی مگر امام مالک نے یہ کہا ہے کہ اس کا رجوع کرنا صحیح نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ عدت کے اندر جماع کر

لے اور امام مالک کے علاوہ اور کسی نے یہ نہیں کہا۔

ایلاء میں قسم کھانے کا طریقہ اور اس کے متعلق مذاہب اربعہ

ایلاء میں جو قسم کھائی جاتی ہے، وہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ صحیح ہوگی یا اس اسم کے ساتھ صحیح ہوگی جس سے قسم متحقق ہوتی ہے، مثلاً وہ قسم کھا کر اپنی بیوی سے کہے کہ اگر میں تم سے جماع کروں تو مجھ پر حج کرنا لازم ہے یا کہے کہ اگر میں تم سے جماع کروں تو مجھ پر ایک ماہ کے روزے رکھنا لازم ہے یا کہے: اگر میں تم سے جماع کروں تو مجھ پر غلام کو آزاد کرنا لازم ہے یا کہے: اگر میں تم سے جماع کروں تو مجھ پر (۱۰۰) دینار کو صدقہ کرنا لازم ہے، سو جب اس نے اس طرح قسم کھالی تو وہ امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ کے نزدیک وہ ایلاء کرنے والا ہوگا، اس کے برخلاف اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ اگر میں نے تم سے جماع کیا تو مجھ پر نماز پڑھنا لازم ہے یا جہاد کرنا لازم ہے تو اس صورت میں ایلاء نہیں ہوگا اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کے نزدیک اس صورت میں بھی ایلاء ہوگا کیونکہ نماز اور جہاد بھی عبادت ہے امام ابو یوسف کا بھی پہلے یہی قول تھا۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں نے تم سے جماع کیا تو تم کو طلاق یا میرا غلام آزاد یا مجھ پر روزے یا مجھ پر صدقہ ہے تو یہ ایلاء نہیں ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کتاب الروضہ میں لکھا ہے کہ آیا ایلاء اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات کی قسم کے ساتھ مخصوص ہے؟ اس مسئلہ میں امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے دو قول ہیں، قولِ قدیم یہ ہے کہ ہاں اور قولِ جدید یہ ہے کہ نہیں، اور یہ زیادہ ظاہر ہے بلکہ جب اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر میں نے تم سے جماع کیا تو مجھ پر روزہ رکھنا لازم ہوگا یا نماز پڑھنا لازم ہے یا مجھ پر حج کرنا لازم ہے یا میرا غلام آزاد ہے یا کہا: اگر میں نے تم سے جماع کیا تو تم کو طلاق یا تمہاری سوکن کو طلاق یا اس طرح کی کوئی اور بات کہی تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا۔

اور فقہاء مالکیہ نے کتاب الجواہر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی جائے گی یا اللہ تعالیٰ کی صفات نفسیہ معنویہ میں سے کسی صفت کی قسم کھائی جائے گی یا وہ قسم کھا کر کسی عبادت کا التزام کرے، مثلاً وہ غلام آزاد کرے گا یا کہے: اگر میں نے تم سے جماع کیا تو تم کو طلاق یا مجھ پر صدقہ لازم ہے یا روزہ لازم ہے تو ان تمام صورتوں میں ایلاء ہوگا۔

اور فقہاء حنبلیہ نے الحاوی میں لکھا ہے کہ ایلاء اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم سے ہوگا یا اس کی صفت کی قسم سے ہوگا، پس اگر اس نے غلام کو آزاد کرنے کی قسم کھائی یا طلاق دینے کی قسم کھائی یا نذر مانی یا ظہار کی قسم کھائی یا کسی مباح کام کو حرام کرنے کی قسم کھائی تو امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے اس میں دو قول ہیں اور ان سے یہ روایت ہے کہ جب تک وہ ایسی قسم نہ کھائے جس میں کفارہ لازم ہوتا ہے اس وقت تک ایلاء نہیں ہوگا۔

ذمیین کے ایلاء کے متعلق مذاہب فقہاء

چونکہ مملکتِ پاکستان میں رہنے والے غیر مسلموں کی جان، مال اور عزت وآبرو کی حفاظت حکومت پاکستان نے لی ہوئی ہے، اور وہ بھی حکومت کو ٹیکس ادا کرتے ہیں اور ان پر عام شہریوں کے قوانین کا اطلاق ہوتا ہے اور اگر وہ کسی کو ناحق قتل کر دیں تو انہیں قصاص ادا کرنا ہوگا اور اگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کی توہین کریں تو ان کو سزائے موت دی جائے گی اور دیگر جرائم کی ان کو سزا دی

جائے گی، اور اگر کوئی ان کے حقوق کو تلف کرے تو عدالت سے ان کے حقوق دلوائے جائیں گے اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے گی اور ان کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی ہے اور اپنے مذہبی تہوار منانے کی آزادی ہے اور اگر وہ دیگر جرائم کریں تو ان کو پاکستان کے قانون کے مطابق سزا دی جائے گی اور وہ اپنے مذہب کے مطابق نکاح کریں گے اور طلاق دیں گے، سو پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم لوگ ذمیوں کے حکم میں ہیں، فقہاء اسلام نے ذمیوں کے ایلاء کے بھی مسائل بیان کئے ہیں جن کو ہم سطور ذیل میں تحریر کر رہے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۰ھ کے نزدیک ذمی کا ایلاء منعقد ہو جاتا ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ کا اس مسئلہ میں امام اعظم سے اختلاف ہے، اسی طرح امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا بھی اختلاف ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ غلام اور کافر وغیرہ کا ایلاء کرنا صحیح ہے اور کافر کے اسلام قبول کرنے سے اس کا ایلاء ختم نہیں ہوتا، جب دو ذمی ہمارے پاس مقدمہ پیش کریں اور مرد نے ایلاء کیا ہو تو ہم پر اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے اور حاکم ذمی مرد کو ایلاء سے رجوع کرنے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کرے گا اور نہ اس پر خود طلاق واقع کرے گا بلکہ طلاق میں اس کی رضا ضروری ہے۔

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے الخلال نے یہ حکایت کی ہے اور امام ابن شہاب الزہری المتوفی ۱۵۲ھ نے یہ روایت کی ہے:

غلام کا ایلاء دو مہینے کے لئے ہوتا ہے یعنی غلام یہ قسم کھائے گا کہ وہ دو ماہ تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا۔

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے صحیح روایت ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر غلام کا ایلاء کرنا صحیح نہیں ہے اور اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے۔

اور الاوزاعی، اللیث، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا بھی یہی قول ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اگر غلام کی بیوی باندی ہو تو اس کا خاوند خواہ آزاد ہو یا غلام ہو اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے، ابراہیم نخعی، قتادہ، حسن بصری، الحکم، الشعبی، الضحاک، الثوری، اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب کا یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ غلام اور آزاد خواہ ان کی بیوی آزاد عورت ہو یا باندی ہو ان کے ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اور یہی محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، ابوثور، ابوسلیمان اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔

جس عورت سے ایلاء کیا گیا اس کی عدت کے متعلق مذاہب فقہاء

مسروق، شریح اور عطاء بن ابی رباح نے کہا ہے کہ جس عورت سے ایلاء کیا گیا اور اس پر طلاق واقع ہو گئی تو وہ تین حیض عدت گزارے گی۔

حافظ ابوعمر یوسف بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ میرے علم کے مطابق تمام فقہاء یہ کہتے ہیں کہ وہ عورت طلاق کے بعد المطلقہ کی عدت گزارے گی، سوائے جابر بن زید کے، وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ عدت نہیں گزارے گی یعنی جب

چار مہینوں میں اس کو تین حیض آ گئے تو وہ عدت نہیں گزارے گی، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی قدیم قول یہی تھا، پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا۔

جو مرد کسی سبب سے جماع سے عاجز ہو تو اس کے ایلاء سے رجوع کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

ہمارے اصحاب احناف نے یہ کہا ہے کہ اگر ایلاء کرنے والا مرد اپنے مرض کے سبب سے یا اپنی بیوی کے مرض کے سبب سے جماع کرنے سے عاجز ہو تو اس کا ایلاء سے رجوع اس طرح ہوگا کہ وہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے ایلاء سے رجوع کر لیا۔ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اس کا زبان سے رجوع کرنا اصلاً صحیح نہیں ہے، امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی المتوفی ۳۲۱ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مذہب بھی یہی ہے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ اگر مرد کا جماع سے مانع طبعی ہو مثلاً وہ بیمار ہو تو پھر وہ زبان سے ایلاء سے رجوع کر لے اور قسم کا کفارہ دے اور اگر اس کا جماع سے مانع شرعی ہو مثلاً اس نے روزے رکھے ہوں یا حج کا احرام باندھا ہو تو عورت کو اس سے جماع کے مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۰-۳۹۳، ملخصاً و مخرجاً، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

"الایلاء" اور "الفیء" کی متعدد تعریفات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ کتاب الایلاء کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا: "فَاِنْ فَآءُوْا: رَجَعُوا" یعنی اگر ایلاء کرنے والے ترکِ جماع کی قسم سے رجوع کر لیں، امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ "الفیء" کا معنی ہے: زبان سے رُجوع کرنا، اور سعید بن المسیب، حسن بصری اور عکرمہ نے کہا ہے: جو شخص جماع نہ کر سکے وہ دل اور زبان سے ترکِ جماع کی قسم سے رجوع کر لے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا ہے: "الفیء" سے مراد جماع کرنا ہے اور مسروق اور سعید بن جُبیر اور شعبی سے بھی اس کی مثل مروی ہے، اور ان تمام روایات کی اسانید قوی ہیں، امام طبری نے کہا ہے: ان کا "الفیء" کی تفسیر میں اختلاف ایلاء کی تعریف میں اختلاف پر مبنی ہے، پس جنہوں نے کہا کہ ایلاء کی تعریف ہے: ترکِ جماع کی قسم کھانا تو انہوں نے کہا: "الفیء" یعنی ایلاء سے رجوع صرف جماع کرنے سے ہوگا اور جنہوں نے کہا کہ ایلاء سے مراد ہے: بیوی سے ترکِ کلام کی قسم کھانا تو انہوں نے کہا: ایلاء سے رجوع میں جماع کی شرط نہیں لگائی۔

حضرت علی متوفی ۴۰ھ، حضرت ابن عباس متوفی ۶۸ھ، رضی اللہ عنہم اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے مروی ہے کہ ایلاء صرف بیوی پر غضب کی صورت میں ہوتا ہے، پس اگر اس نے اس وجہ سے ترک جماع کی قسم کھائی کہ اس کا بچہ دودھ پی رہا ہے اور اس نے اس حالت میں اگر بیوی سے جماع کیا تو اس کے بچہ کو نقصان ہوگا تو یہ ایلاء نہیں ہے، اور شعبی نے کہا: ہر وہ قسم جو جماع سے مانع ہو، وہ ایلاء ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۰-۴۹۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ایلاء کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تحقیق

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا خان قادری بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ درج ذیل سوال کے جواب

میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایلاء کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے اور اس سے طلاق مغلظہ پڑتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: ایلاء کے یہ معنی کہ (۱) مرد اپنی عورت سے ترک جماع کی قسم کھالے یا تعلیق کرے یعنی یوں کہے کہ اس سے جماع کروں تو مجھ پر یہ جزا لازم ہے اور (۲) یہ قسم و تعلیق یا تو مطلق ہوگی مثلاً واللہ! میں تجھ سے جماع نہ کروں گا، یا تجھ سے جماع کروں تو مجھ پر روزہ لازم ہے یا موبد یعنی صراحۃ ہمیشہ کے لئے ہوں مثلاً خدا کی قسم! میں تجھ سے کبھی صحبت نہ کروں گا یا تجھ سے کبھی صحبت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو یا کسی خاص مدت کے لئے ہوں تو وہ مدت چار مہینہ سے کم نہ ہو مثلاً مجھے قسم ہے! چار مہینے تک تیرے پاس نہ جاؤں گا یا پانچ مہینے تک تجھ سے وطی کروں تو مجھ پر سو (۱۰۰) رکعت نماز لازم اور (۳) تعلیق کی صورت میں بھی ضرور کہ وہ امر جس کا لازم آنا کہے اس میں مشقت ہو جیسے امثلہ مذکورہ یا یہ کہ میرا غلام آزاد ہے یا تجھ پر طلاق ہے یا میرا مال خیرات ہے یا مجھ پر قسم کا کفارہ ہو وغیر ذالک اور (۴) وہ شرعاً تعلیق کہے سے بھی لازم آ سکتا ہو، جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ، اعتکاف، عمرہ، عتق، طلاق، کفارہ وغیرہا نہ مثلِ وضوء و غسل و تلاوت قرآن و سجدہ تلاوت و اتباع جنازہ وغیرہ کہ یہ چیزیں نذر و تعلیق سے لازم نہیں ہو جاتیں اور (۵) یہ قسم تعلیق ایسے طور پر واقع ہو کہ بے کسی چیز کے لازم آئے اصلاً مفر نہ رہے، ایسی صورت نہ نکل سکے کہ یہ اس عورت سے جماع کرے اور کچھ لازم نہ آئے، جب یہ پانچوں باتیں جمع ہوں گی تو ایلاء ہوگا اور ایک بھی کم ہوئی تو نہیں مثلاً نہ قسم کھائی نہ تعلیق خالی عہد کرلیا کہ عمر بھر تیرے پاس نہ جاؤں گا یہ کچھ بھی نہیں کہ خالی عہد سے کچھ نہیں ہوتا، یا قسم و تعلیق تو ذکر کی مگر مدت چار مہینے سے کم رکھی اگرچہ ایک ہی ساعت کم، یہ ایلاء نہ ہوا، جتنی مدت کی قید لگائی ہے اس کے اندر جماع کیا تو بصورت قسم خاص کفارہ اور بصورت تعلیق روزہ وغیرہ جو کچھ لازم آنا کہا تھا خواہ مثل قسم کفارہ لازم آئے گا کہ یہ حکم تو اس قسم و تعلیق کا ہے، مگر مدت بے جماع گزر گئی تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی جو خاص حکمِ ایلاء ہے، یونہی اگر تعلیق میں دو رکعت نماز لازم آنی کہی تو ایلاء نہیں کہ دو رکعت میں کچھ مشقت نہیں، اگر مدت کے اندر پاس گیا تو دو رکعتیں پڑھنی ہوں گی اور مدت خالی گزر گئی تو کچھ نہیں اور اگر تعلیق میں قرآن وغیرہ اشیائے غیر لازمہ ذکر کیں تو محض مہمل، نہ مدت گزرنے پر طلاق پڑی نہ مدت کے اندر صحبت کرنے سے کچھ لازم، اسی طرح اگر یوں کہا کہ واللہ! میں اس گھر میں تجھ سے وطی نہ کروں گا یا اس شہر میں تجھے کبھی ہاتھ لگاؤں تو مجھ پر سو (۱۰۰) حج لازم، یہ بھی ایلاء نہیں کہ جب اس گھر یا شہر کی تخصیص ہے تو بغیر کچھ لازم آئے مفر موجود ہے، جب چاہے اس گھر یا شہر سے باہر لے جا کر جماع کر سکتا ہے کچھ بھی لازم نہ آئے گا، بس بے جماع چار مہینے نہیں کتنی ہی مدت گزر جائے طلاق نہ ہوگی، ہاں! وہ قسم یا طلاق جھوٹی کی تو اس کا جرمانہ اسی طرح دینا ہوگا کہ قسم میں خاص کفارہ اور تعلیق میں اختیار چاہے وہ چیز بجالائے تو لازم مانی تھی چاہے قسم کی مثل دے لے۔ علی ہذا القیاس، جس جس صورت میں بغیر کچھ لازم آئے مفر ملتی ہو ایلاء نہیں، ان سب قیود و احکام کی تصریح و تفصیل درمختار اور ردالمحتار میں ہے: من شآء فلیراجعهما (جس کا جی چاہے ان کی طرف رجوع کرے) پھر جب ایلاء متحقق ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ چار مہینے کے اندر اس عورت سے جماع کیا تو بتفصیل معلوم قسم کا کفارہ یا وہی امر شاق جس کا لازم آنا کہا تھا لازم آئے گا اور چار مہینے گزر گئے کہ اس سے جماع نہ کیا یا جماع بوجہ مرض یا حبس یا دوری مسافت کہ مدت کے اندر عورت کی طرف رجوع کی یا اپنے اس کہنے سے

پھر گیا یا میں نے ایلاء باطل کر دیا تو اس صورت میں عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی، جس سے وہ خود مختار ہو جائے گی۔
دُر میں ہے کہ ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم پر قائم رہا اور وطی نہ کی تو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور جماع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا یا اگر کسی چیز کو معلق کیا تھا تو جماع کرنے پر وہ جزا لازم ہوگی۔ (درمختار ج ا ص ۲۴۲، باب الایلاء، مطبع مجتبائی دہلی)
ردالمحتار میں اس پر فرمایا کہ ماتن کا قول ''ولم یطا'' (اور وطی نہ کی) عطف تفسیری ہے اور وطی سے حقیقی جماع مراد ہے اگر قدرت ہو، اگر قدرت نہ ہو تو جماع کے قائم مقام مثلاً یہ کہنا کہ میں نے بیوی سے رجوع کر لیا، کہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی قسم پر قائم نہ رہے اور قسم کو پورا نہ کرے تو کفارہ لازم آئے گا۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۵۴۶، باب الایلاء دار احیاء التراث العربی بیروت)
اور دُر میں ہے: ''عاجز ہو جائے'' سے مراد حقیقی عجز ہے حکمی عجز نہیں، جیسا کہ احرام کی حالت میں ہونا عجز حکمی ہے کیونکہ یہ عجز اختیاری ہے، بیوی سے وطی کے عجز کا مطلب یہ ہے کہ خاوند یا بیوی کو مرض لاحق ہو یا بیوی صغیرہ ہو یا خاوند نامرد یا آلہ سے محروم ہو یا اتنی دور مسافت ہے کہ قسم کی مدت میں اس کو طے کرنا، قدرت میں نہیں ہے یا ناحق قید میں ہے تو ان صورتوں میں بیوی سے رجوع زبانی کر لے اور یوں کہے کہ میں نے بیوی سے رجوع کر لیا ہے یا میں نے ایلاء یعنی قسم کو باطل کر دیا ہے یا کہے کہ میں نے جو قسم کھائی، اس سے میں نے رجوع کر لیا ہے یا اس کی مثل الفاظ کہہ دے۔ (درمختار ج ا ص ۲۴۳، باب الایلاء، مطبع مجتبائی دہلی)
مگر ایلاء طلاق مغلظ نہیں کہ حلالہ کی ضرورت ہو، عدت میں خواہ بعد عدت جب چاہیں باہم نکاح کر سکتے ہیں، ہاں اس سے پہلے کبھی دو طلاقیں دے چکا تھا تو آپ ہی حلالہ درکار ہوگا کہ اب یہ تیسری مل کر تین طلاقیں ہو گئیں، یہ جدا بات ہے، یا اگر (مدت) کی قید نہ تھی بلکہ مطلق یا صراحۃً موبد تھا اور چار مہینے بے رجوع گزر گئے کہ ایک طلاق بائن پڑی پھر اس سے نکاح کر لیا اور پھر چار مہینے خالی گزر گئے تو دوسری پڑے گی پھر نکاح کر لیا اور یونہی چار مہینے گزر گئے تو تین طلاقیں ہو جائیں گی، اور اب بے حلالہ نکاح میں نہ لا سکے گا۔

تنویر میں ہے: ایلاء میں اگر اللہ کی قسم کہا تو اس سے رجوع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا اور اگر کوئی شرط رکھی تھی تو وہ جزاء لازم آئے گی اور ایلاء ساقط ہو جائے گا ورنہ قسم کو پورا کرنے پر بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور حلف مقررہ وقت کے لئے ہو تو ختم ہو جائے گا اور اگر حلف ابدی ہو تو ختم نہ ہوگا، لہٰذا دوبارہ اور سہ بارہ نکاح کرنے پر ایلاء کی مدت پورا ہونے اور رجوع نہ کرنے پر دوسری اور تیسری طلاق سے بائنہ ہوتی رہے گی اور قسم کی عدت کا اعتبار نکاح کے وقت سے ہوگا، لہٰذا اگر بیوی حلالہ کے بعد واپس اس کے نکاح میں آئے تو طلاق نہ ہوگی تاہم وطی کرنے پر کفارہ ضرور لازم ہوگا کیونکہ قسم ابدی ہونے کی وجہ سے باقی ہے۔
(درمختار ج ا ص ۲۴۳۔ ۲۴۲، باب الایلاء، مطبع مجتبائی دہلی)

نیز اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا:
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے کتاب میں دیکھا ہے کوئی شخص حنفی مذہب کے موافق اپنی عورت سے کسی معاملہ میں ان بن ہو گئی اور چہار حیض تک کچھ تعلق نہ رہا تو ایک طلاق واقع ہوگی، پھر اس ایک اور حیض گزرنے سے دوسری طلاق ہوگی پھر ایک اور حیض گزرنے سے تیسری طلاق ہوگی، یہ صحیح ہے یا نہیں؟
الجواب: یہ محض بے اصل ہے، اس کا پتا نہ مذہب حنفی میں ہے نہ کسی مذہب میں، اصل حکم جو ہے کہ یہ شخص اپنی عورت سے قربت کی

قسم کھائے، رب عزوجل نے اسے چار مہینے کی مہلت دی ہے، اگر چار مہینے کے اندر قربت کرے گا تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی اور کفارہ دینا ہوگا اور اگر چار مہینے کامل گزر جائیں گے تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی، عورت نکاح سے نکل جائے گی، پھر دوسرے یا تیسرے مہینے کوئی طلاق نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِنْ فَآءُو فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾ (البقرہ: ۲۲۶-۲۲۷)

وہ لوگ جو بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں، ان کی قسم کی مدت چار ماہ ہے، اگر اس دوران رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے O اور اگر وہ (رجوع نہ کرکے) طلاق کا عزم کئے ہوں تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے O

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۲۵۷-۲۶۱، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، ۱۴۱۸ھ)

ایلاء کے متعلق صدر الشریعہ کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ ایلاء کے مسائل کے متعلق لکھتے ہیں:

مسئلہ (۱): ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ شوہر نے یہ قسم کھائی کہ عورت سے قربت نہ کرے گا یا چار مہینے قربت نہ کرے گا، عورت باندی ہے تو اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۶، کتاب الطلاق، الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۲): قسم کی دو صورت ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے ان صفات کی قسم کھائی جن کی قسم کھائی جاتی ہے مثلاً اس کی عظمت وجلال کی قسم، اس کی کبریائی کی قسم، قرآن کی قسم، کلام اللہ کی قسم، دوسری تعلیق مثلاً یہ کہ اگر اس سے وطی کروں تو میرا غلام آزاد ہے یا میری عورت کو طلاق ہے یا مجھ پر اتنے دنوں کا روزہ یا حج ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۶، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۳): ایلاء دو قسم کا ہے، ایک موقت یعنی چار مہینے کا، دوسرا موبد یعنی چار مہینے کی قید اس میں نہ ہو، بہر حال اگر عورت سے چار ماہ کے اندر جماع کیا تو قسم ٹوٹ گئی، اگرچہ مجنون ہو اور کفارہ لازم جب کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے ان صفات کی قسم کھائی ہو اور جماع سے پہلے کفارہ دے چکا ہے تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ پھر کفارہ دے۔ اور اگر تعلیق تھی تو جس بات پر تھی وہ ہو جائے گی مثلاً یہ کہا کہ اگر اس سے صحبت کروں تو غلام آزاد ہے اور چار مہینے کے اندر جماع کیا تو غلام آزاد ہو گیا اور قربت نہ کی یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو طلاق بائن ہوگی۔ پھر اگر ایلاء موقت تھا یعنی چار ماہ کا تو یمین ساقط ہو گئی، یعنی اگر اس عورت سے پھر نکاح کیا تو اس کا کچھ اثر نہیں، اور اگر موبد تھا یعنی ہمیشہ اس میں قید تھی مثلاً خدا کی قسم! تجھ سے کبھی قربت نہ کروں گا یا اس میں کچھ قید نہ تھی مثلاً خدا کی قسم! تجھ سے قربت نہ کروں گا تو ان صورتوں میں ایک طلاق بائن پڑ گئی، پھر بھی قسم بدستور باقی ہے یعنی اگر اس عورت سے پھر نکاح کیا تو پھر ایلاء بدستور آ گیا، اگر وقت نکاح سے چار ماہ کے اندر جماع کر لیا تو قسم کا کفارہ دے اور تعلیق تھی تو جزا واقع ہو جائے گی اور اگر چار مہینے گزرے اور قربت نہ کی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی مگر یمین بدستور باقی ہے، سہ بارہ نکاح کیا تو پھر ایلاء آ گیا اب بھی جماع نہ کرے تو چار ماہ گزرنے پر تیسری طلاق پڑ جائے گی اور اب بے حلالہ نکاح نہیں کر سکتا، اگر حلالہ کے بعد پھر نکاح کیا تو اب ایلاء نہیں یعنی چار مہینے بغیر قربت گزرنے پر طلاق نہ ہوگی مگر قسم باقی ہے اگر جماع کرے گا، کفارہ واجب ہوگا اور اگر پہلی یا دوسری طلاق کے بعد عورت نے کسی اور سے نکاح کیا اس کے بعد پھر اس سے نکاح کیا تو مستقل طور پر اب سے تین طلاق کا مالک ہوگا مگر

ایلاء رہے گا یعنی قربت نہ کرنے پر طلاق ہو جائے گی، پھر نکاح کیا پھر وہی حکم ہے پھر ایک یا دو طلاق کے بعد کسی سے نکاح کیا پھر اس سے نکاح کیا پھر وہی حکم ہے یعنی جب تک تین طلاق کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے ایلاء بدستور باقی رہے گا۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۶، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۴): ذمی نے ذات وصفات کی قسم کے ساتھ ایلاء کیا یا طلاق وعتاق پر تعلیق کی تو ایلاء ہے اور حج وروزہ و دیگر عبادات پر تعلیق کی تو ایلاء نہ ہوا اور جہاں ایلا صحیح ہے وہاں مسلمان کے حکم میں ہے، مگر صحبت کرنے پر کفارہ واجب نہیں۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۶، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۵): یوں ایلاء کیا کہ اگر میں قربت کروں تو میرا فلاں غلام آزاد، اس کے بعد غلام مر گیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا یونہی اگر اس غلام کو بیچ ڈالا جب بھی ساقط ہے مگر وہ غلام اگر قربت سے پہلے پھر اس کی ملک میں آ گیا تو ایلاء کا حکم لوٹ آئے گا۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۶۲، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۶): ایلا صرف منکوحہ سے ہوتا ہے یا مطلقہ رجعی سے کہ وہ بھی منکوحہ ہی کے حکم میں ہے، اجنبیہ سے اور جسے بائن طلاق دی ہے اس سے ابتداءً نہیں ہو سکتا، یونہی اپنی لونڈی سے بھی نہیں ہو سکتا ہاں دوسرے کی کنیز اس کے نکاح میں ہے، تو ایلاء کر سکتا ہے، یونہی اجنبیہ کا ایلاء اگر نکاح پر معلق کیا تو ہو جائے گا مثلاً اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو خدا کی قسم تجھ سے قربت نہ کروں گا۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۶۲، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۷): ایلاء کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ شوہر اہل طلاق ہو یعنی وہ طلاق دے سکتا ہو لہٰذا مجنون و نابالغ کا ایلاء صحیح نہیں ہے کہ یہ اہل طلاق نہیں۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۶۲، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۸): غلام نے اگر قسم کے ساتھ ایلاء کیا مثلاً خدا کی قسم! میں تجھ سے قربت نہ کروں گا یا ایسی چیز پر معلق کیا جسے مال سے تعلق نہیں مثلاً اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر اتنے دنوں کا روزہ ہے یا حج یا عمرہ ہے یا میری عورت کو طلاق ہے تو ایلاء صحیح ہے اور اگر مال سے تعلق ہے تو صحیح نہیں ہے، مثلاً مجھ پر ایک غلام آزاد کرنا یا اتنا صدقہ دینا لازم ہے تو ایلاء نہ ہوا کہ وہ مال کا ہی مالک نہ ہوا۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۶۲، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۹): یہ بھی شرط ہے کہ چار مہینے کی مدت سے کم نہ ہو اور زوجہ کنیز ہے تو دو ماہ سے کم کی نہ ہو اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، اور زوجہ کنیز تھی، اس کے شوہر نے ایلاء کیا تھا اور مدت پوری نہ ہوئی تھی کہ آزاد ہو گئی تو اب اس کی مدت آزاد عورتوں کی ہے، اور یہ بھی شرط ہے کہ جگہ معین نہ کرے اگر جگہ معین کی مثلاً واللہ فلاں جگہ تجھ سے قربت نہ کروں گا اور یہ کہ بعض مدت کا استثناء نہ ہو مثلاً چار مہینے تجھ سے قربت نہ کروں گا مگر ایک دن اور یہ کہ قربت کے ساتھ کسی اور چیز کو نہ ملائے، مثلاً اگر میں تجھ سے قربت کروں یا تجھے اپنے بچھونے پر بلاؤں تو تجھ کو طلاق ہے تو یہ ایلاء نہیں۔ (الفتاویٰ الخانیہ ج ۱ ص ۲۶۶-۲۶۵، الدر المختار ورد المحتار ج ۵ ص ۶۴)

مسئلہ (۱۰): اس کے الفاظ بعض صریح ہے بعض کنایہ، صریح وہ الفاظ ہیں جن سے ذہن معنی جماع کی طرف سبقت کرتا ہو اس معنی میں بکثرت استعمال کیا جاتا ہو، اس میں نیت درکار نہیں، بغیر نیت بھی ایلاء ہے اور اگر صریح لفظ میں یہ کہے کہ میں نے معنی جماع کا ارادہ نہ کیا تھا تو قضاءً اس کا قول معتبر نہیں دیانۃً معتبر ہے۔ کنایہ وہ ہے جس سے معنی جماع متبادر نہ ہو، دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو،

اس میں بغیر نیت ایلا نہیں اور دوسرے معنی مراد ہونا بتاتا ہے تو قضاءً بھی اس کا قول مان لیا جائے گا۔
(ردالمحتار ج ۵ ص ۶۵، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ(۱۱): صریح کے بعض الفاظ یہ ہیں، واللہ میں تجھ سے جماع نہ کروں گا، قربت نہ کروں گا، صحبت نہ کروں گا، وطی نہ کروں گا اور اردو میں بعض اور الفاظ بھی ہیں جو خاص جماع ہی کے لئے بولے جاتے ہیں ان کے ذکر کی حاجت نہیں، ہر شخص اردو داں جانتا ہے، علامہ شامی نے اس لفظ کو کہ میں تیرے ساتھ نہ سوؤں گا، صریح کہا ہے اور اصل یہ ہے کہ مدار عرف پر ہے، عرفاً جس لفظ سے معنی جماع متبادر ہو، صریح ہے: اگرچہ یہ معنی مجازی ہوں، کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں تیرے بچھونے کے قریب نہ جاؤں گا، تیرے ساتھ نہ لیٹوں گا، تیرے بدن سے میرا بدن نہ ملے گا، تیرے پاس نہ رہوں گا، وغیرہا۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۶۵-۶۷، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ(۱۲): ایسی بات کی قسم کھائی کہ بغیر جماع کئے قسم ٹوٹ جائے تو ایلاء نہیں مثلاً اگر میں تجھ کو چھوؤں تو ایسا ہے کہ محض بدن پر ہاتھ رکھتے ہی قسم ٹوٹ جائے گی۔ (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص ۴۷۷، کتاب الطلاق، الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ(۱۳): اگر کہا: میں نے تجھ سے ایلاء کیا ہے اب کہتا ہے کہ میں نے ایک جھوٹی خبر دی تھی تو قضاءً ایلا ہے اور دیانۃً اس کا قول مان لیا جائے گا اور اگر یہ کہے کہ اس لفظ سے ایلاء کرنا مقصود تھا تو قضاءً و دیانۃً ہر طرح ایلاء ہے۔
(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۷، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ(۱۴): یہ کہا کہ واللہ تجھ سے قربت نہ کروں گا جب تک تو یہ کام نہ کرے اور وہ کام چار مہینے کے اندر کر سکتی ہے تو ایلاء نہ ہوا اگرچہ چار مہینے سے زیادہ کرے۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۶۶، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ(۱۵): ایلاء اگر تعلیق ہے تو ضرور ہے کہ جماع پر کسی ایسے فعل کو معلق کرے جس میں مشقت ہو، لہٰذا اگر یہ کہا کہ اگر میں قربت کروں تو مجھ پر دو رکعت نفل ہے تو ایلاء نہ ہوا اور اگر کہا کہ مجھ پر سو رکعتیں نفل کی ہیں تو ایلاء ہو گیا اور اگر وہ چیز ایسی ہے جس کی منت نہیں جب بھی ایلاء نہ ہوا مثلاً تلاوت قرآن، نماز جنازہ، تکفین میت، سجدہ تلاوت، بیت المقدس میں نماز۔
(الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۶۷، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ(۱۶): اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر فلاں مہینے کا روزہ ہے، اگر وہ مہینہ چار مہینے پورے ہونے سے پہلے پورا ہو جائے تو ایلاء نہیں، ورنہ ہے۔ (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص ۴۷۸، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ(۱۷): اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر ایک مسکین کا کھانا ہے یا ایک دن کا روزہ تو ایلاء ہو گیا یا کہا: خدا کی قسم! تجھ سے قربت نہ کروں گا جب تک اپنے غلام کو آزاد نہ کروں یا اپنی فلاں عورت کو طلاق نہ دوں یا ایک مہینے کا روزہ نہ رکھ لوں تو ان سب صورتوں میں ایلاء ہے۔ (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص ۴۷۸، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ(۱۸): تو مجھ پر ویسی ہے جیسے فلاں کی عورت اور اس نے ایلاء کیا ہے اور اس نے بھی ایلاء کی نیت کی ہے تو ایلاء ہے ورنہ نہیں، یہ کہا کہ اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر حرام ہے اور نیت ایلا کی ہے تو ہو گیا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۸، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ(۱۹): ایک عورت سے ایلاء کیا پھر دوسری سے کہا: تجھے میں نے اس کے ساتھ شریک کر دیا تو دوسری سے ایلاء نہ ہوا۔
(الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۸، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ(۲۰): دو عورتوں سے کہا: واللہ! میں تم دونوں سے قربت نہ کروں گا تو دونوں سے ایلاء ہو گیا اب اگر چار مہینے گزر گئے اور دونوں سے قربت نہ کی تو دونوں بائن ہو گئیں، اور اگر ایک سے چار مہینے کے اندر جماع کر لیا تو اس کا ایلاء باطل ہو گیا اور دوسری کا باقی ہے، مگر کفارہ واجب نہیں اور اگر مدت کے اندر ایک مر گئی تو دونوں کا ایلاء باطل ہے اور کفارہ نہیں اور اگر ایک کو طلاق دی تو ایلاء باطل نہیں اور اگر مدت میں دونوں سے جماع کیا تو دونوں کا ایلاء باطل ہو گیا اور ایک کا کفارہ واجب ہے۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷۹، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ(۲۱): اپنی چار عورتوں سے کہا: خدا کی قسم! میں تم سے قربت نہ کروں گا مگر فلانی یا فلانی سے تو ان دونوں سے ایلاء نہ ہوا۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷۹، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ(۲۲): اپنی دو عورتوں کو مخاطب کر کے کہا: خدا کی قسم! تم میں سے ایک سے قربت نہ کروں گا تو ایک سے ایلاء ہوا پھر اگر ایک سے وطی کر لی ایلاء باطل ہو گیا اور کفارہ واجب ہے اور اگر ایک مر گئی یا مرتدہ ہو گئی یا اس کو تین طلاقیں دے دیں تو دوسری ایلاء کے لئے معین ہے اور اگر کسی سے وطی نہ کی یہاں تک کہ مدت گزر گئی تو ایک کو طلاق بائن پڑ گئی اسے اختیار ہے جسے چاہے اس کے لئے معین کر دے، اور اگر چار مہینے کے اندر ایک کو معین کرنا چاہتا ہے تو اس کا اسے اختیار نہیں اگر معین کر بھی دے جب بھی معین نہ ہوئی، مدت کے بعد معین کرنے کا اسے اختیار ہے، اگر ایک سے جماع نہ کیا اور چار مہینے اور گزر گئے تو دونوں بائن ہو گئے، اس کے بعد اگر پھر دونوں سے نکاح کیا ایک ساتھ یا آگے پیچھے تو پھر ایک سے ایلاء ہے مگر غیر معین اور دونوں مدتیں گزرنے پر دونوں بائن ہو جائیں گی۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷۹، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ(۲۳): اگر کہا: تم دونوں میں سے کسی سے قربت نہ کروں گا تو دونوں سے ایلاء ہے، چار مہینے گزر گئے اور کسی سے قربت نہ کی تو دونوں کو طلاق بائن ہو گئی اور ایک سے وطی کر لی تو ایلاء باطل ہے اور کفارہ واجب۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷۹، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ(۲۴): اپنی عورت اور باندی سے کہا: تم میں سے ایک سے قربت نہ کروں گا تو ایلاء نہیں، ہاں اگر عورت مراد ہے تو ہے اور ان میں سے ایک سے وطی کی تو قسم ٹوٹ گئی، کفارہ دے، پھر اگر لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا جب بھی ایلاء نہیں اور اگر دو زوجہ ہوں تو ایک حرہ، دوسری باندی اور کہا: تم دونوں سے قربت نہ کروں گا تو دونوں سے ایلاء ہے دو مہینے گزر گئے اور کسی سے قربت نہ کی تو باندی کو طلاق بائن ہو گئی اس کے بعد دو مہینے اور گزر گئے تو حرہ بھی بائن۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷۹، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ(۲۵): اپنی دو عورتوں سے کہا کہ اگر تم میں ایک سے قربت کروں تو دوسری کو طلاق ہے اور چار مہینے گزر گئے مگر کسی سے وطی نہ کی تو ایک بائن ہو گئی اور شوہر کو اختیار ہے جس کو چاہے طلاق کے لیے معین کرے اور اب دوسری سے ایلاء ہے، اگر پھر چار مہینے گزر گئے اور ہنوز پہلی عدت میں ہے تو دوسری بھی بائن ہو گئی ورنہ نہیں اور اگر معین نہ کیا یہاں تک کہ اور چار مہینے گزر گئے تو دونوں بائن ہو گئیں۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۸۰، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ(۲۶): جس عورت کو طلاق بائن دی ہے اس سے ایلاء نہیں ہو سکتا اور رجعی دی ہے تو عدت میں ہو سکتا ہے مگر وقت ایلاء سے چار مہینے پورے نہ ہوئے تھے کہ عدت ختم ہو گئی تو ایلاء ساقط ہو گیا اور اگر ایلاء کرنے کے بعد طلاق بائن دی تو طلاق ہو گئی اور وقت

ایلاء سے چار مہینے گزرے اور ہنوز طلاق کی عدت پوری نہ ہوئی تو دوسری طلاق پھر پڑی اور اگر عدت پوری ہونے پر ایلاء کی مدت پوری ہوئی تو اب ایلاء کی وجہ سے طلاق نہ پڑے گی، اور اگر ایلاء کے بعد طلاق دی اور عدت کے اندر اس سے پھر نکاح کر لیا تو ایلاء بدستور باقی ہے یعنی وقت ایلاء سے چار مہینے گزرنے پر طلاق واقع ہو جائے گی اور عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کیا جب بھی ایلاء ہے مگر وقت نکاح ثانی سے چار ماہ گزرنے پر طلاق ہوگی۔ (الفتاوی الخانیہ ج ا ص ۳۶۶-۳۶۷، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۲۷): یہ کہا: خدا کی قسم! تجھ سے قربت نہ کروں گا دو مہینے اور دو مہینے تو ایلاء ہو گیا، اور اگر یہ کہا: واللہ! دو مہینے تجھ سے قربت نہ کروں گا پھر ایک دن بعد بلکہ تھوڑی دیر بعد کہا: واللہ! ان دو مہینوں کے بعد دو مہینے قربت نہ کروں گا تو ایلاء نہ ہوا مگر اسی مدت میں جماع کرے گا تو قسم کا کفارہ لازم ہے، اور اگر کہا: قسم خدا کی! تجھ سے چار مہینے تک قربت نہ کروں گا مگر ایک دن پھر فوراً کہا: واللہ! اس دن بھی قربت نہ کروں گا تو ایلاء ہو گیا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۴۸۱-۴۸۲، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۲۸): اگر عورت سے کہا: تجھ کو طلاق ہے قبل اس کے کہ تجھ سے قربت کروں تو ایلاء ہو گیا اگر قربت کی تو فوراً طلاق ہو گئی اور چار مہینے تک نہ کی تو ایلاء کی وجہ سے بائن ہو گئی۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۴۸۲، کتاب الطلاق باب فی الایلاء)

مسئلہ (۲۹): یہ کہا کہ اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر اپنے لڑکے کو قربانی کر دینا واجب ہے تو ایلاء ہو گیا۔

(الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۴۸۲، کتاب الطلاق باب فی الایلاء)

مسئلہ (۳۰): یہ کہا کہ اگر میں تجھ سے قربت کروں تو میرا یہ غلام آزاد ہے، چار مہینے گزر گئے اب عورت نے قاضی کے یہاں دعویٰ کیا، قاضی نے تفریق کر دی پھر اس غلام نے دعویٰ کیا کہ میں غلام نہیں بلکہ اصلی آزاد ہوں اور گواہ بھی پیش کر دیے، قاضی فیصلہ کرے گا کہ وہ آزاد ہے اور ایلاء باطل ہو جائے گا اور عورت واپس ملے گی کہ ایلاء تھا ہی نہیں۔

(الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۴۸۲، کتاب الطلاق باب فی الایلاء)

مسئلہ (۳۱): اپنی عورت سے کہا: خدا کی قسم! تجھ سے قربت نہ کروں گا ایک دن پھر یہی کہا ایک دن اور گزرا پھر یہی کہا تو یہ تین ایلاء ہوئے اور تین قسمیں، چار مہینے گزرنے پر ایک طلاق بائن پڑی، پھر ایک دن اور گزرا تو ایک اور پڑی اور تیسرے دن پھر ایک اور پڑی، اب بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، حلالہ کے بعد اگر نکاح اور قربت کی تو تین کفارے ادا کرے اور اگر ایک ہی مجلس میں یہ لفظ تین بار کہے اور نیت تاکید کی ہے تو ایک ہی ایلاء ہے اور ایک ہی قسم! اور اگر کچھ نیت نہ ہو یا بار بار قسم کھانا تشدد کی نیت سے ہو تو ایلاء ایک ہے مگر قسم تین، لہٰذا اگر قربت نہ کرے تو مدت گزرنے پر ایک طلاق واقع ہوگی۔

(الدر المختار ج ۵ ص ۷۰، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۳۲): خدا کی قسم! میں تجھ سے ایک سال تک قربت نہ کروں گا مگر ایک دن یا ایک گھنٹا تو فی الحال ایلاء نہیں مگر جب کہ سال میں کسی دن جماع کر لیا اور ابھی سال پورا ہونے میں چار ماہ یا زیادہ باقی ہیں تو اب ایلا ہو گیا اور اگر جماع کرنے کے بعد سال میں چار مہینے سے کم باقی ہے یا اس سال قربت ہی نہ کی تو اب بھی ایلاء نہ ہوا اور اگر صورت مذکورہ میں ایک دن کی جگہ ایک بار کہا: جب بھی یہی حکم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اگر ایک دن کہا ہے تو جس دن جماع کیا ہے اس دن آفتاب ڈوبنے کے بعد سے اگر چار مہینے باقی ہیں تو ایلاء ہے ورنہ نہیں، اگرچہ وقت جماع سے چار مہینے ہوں اور اگر ایک بار کا لفظ کہا تو جماع سے فارغ ہونے سے چار ماہ

باقی ہیں تو ایلاء ہو گیا اور اگر یوں کہا کہ میں ایک سال تک جماع نہ کروں گا مگر ایک دن یعنی سال کا لفظ نہ کہا تو جب کبھی جماع کرے گا اس وقت سے ایلاء ہے۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۷۰، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۳۳): عورت دوسرے شہر یا دوسرے گاؤں میں ہے، شوہر نے قسم کھائی کہ میں وہاں نہیں جاؤں گا تو ایلاء نہ ہوا اگرچہ وہاں تک چار مہینے یا زیادہ کی راہ ہو۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۵ ص ۷۰، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۳۴): جماع کرنے کو ایسی چیز پر موقوف کیا جس کی نسبت یہ امید نہیں ہے کہ چار مہینے کے اندر ہو جائے تو ایلاء ہو گیا مثلاً رجب کے مہینے میں کہے: واللہ! میں تجھ سے قربت نہ کروں گا جب تک محرم کا روزہ نہ رکھ لوں یا میں تجھ سے جماع نہ کروں گا مگر فلاں جگہ اور وہاں تک چار مہینے سے کم میں نہیں پہنچ سکتا یا جب تک بچہ کے دودھ چھڑانے کا وقت نہ آئے اور ابھی دو برس پورے ہونے میں چار ماہ یا زیادہ باقی ہے تو ان سب صورتوں میں ایلاء ہے، یونہی اگر وہ کام مدت کے اندر تو ہو سکتا ہے مگر یوں کہے: نکاح نہ رہے گا جب بھی ایلاء ہے مثلاً قربت نہ کروں گا یہاں تک کہ تو مر جائے یا میں مر جاؤں یا تو قتل کی جائے یا میں مار ڈالا جاؤں یا تو مجھے مار ڈالے یا میں تجھے مار ڈالوں یا میں تجھے تین طلاقیں دے دوں۔ (الجوہرۃ النیرہ الجزء الثانی ص ۷۱، کتاب الایلاء)

مسئلہ (۳۵): یہ کہا کہ تجھ سے قیامت تک قربت نہ کروں گا یہاں تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع کرے یا دجال لعین کا خروج ہو یا دابۃ الارض ظاہر ہو یا اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے چلا جائے یہ سب ایلاء موبد ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۷۱ وغیرہا کتاب الایلاء)

مسئلہ (۳۶): عورت نابالغہ ہے۔ اس سے قسم کھا کر کہا کہ تجھ سے قربت نہ کروں گا جب تک تجھے حیض نہ آ جائے، اگر معلوم ہے کہ چار مہینے تک نہ آئے گا تو ایلاء ہے، یونہی اگر آئسہ ہے اس سے کہا: جب بھی ایلاء ہے۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۵، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۳۷): قسم کھا کر کہا: تجھ سے قربت نہ کروں گا، جب تک تو میری عورت ہے، پھر اسے بائن طلاق دے کر نکاح کیا تو ایلاء نہیں اور اب قربت کرے گا تو کفارہ بھی نہیں۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۵)

مسئلہ (۳۹): صحت کی حالت میں ایلاء کیا تھا اور مدت کے اندر وطی کی مگر اس وقت مجنون ہے تو قسم ٹوٹ گئی اور ایلاء ساقط۔

(فتح القدیر ج ۴ ص ۵۷، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۴۰): ایلاء کیا اور مدت کے اندر قسم توڑنا چاہتا ہے مگر وطی کرنے سے عاجز ہے کہ وہ خود بیمار ہے یا عورت بیمار ہے یا عورت صغیرسن ہے یا عورت کا مقام بند ہے کہ وطی ہو نہیں سکتی یا یہ نامرد ہے یا اس کا عضو کاٹ ڈالا گیا ہے یا عورت اتنے فاصلہ پر ہے کہ چار مہینے میں وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، یا خود قید ہے اور قید خانہ میں وطی نہیں کر سکتا اور قید بھی ظلماً ہو یا عورت جماع نہیں کرنے دیتی یا کہیں ایسی جگہ ہے کہ اس کا پتا نہیں تو ایسی صورتوں میں زبان سے رجوع کے الفاظ کہہ لے مثلاً میں نے تجھ سے رجوع کر لیا یا ایلاء باطل کر دیا یا میں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا یا واپس لیا تو ایلاء جاتا رہے گا یعنی مدت پوری ہونے پر طلاق واقع نہ ہوگی اور احتیاط یہ ہے کہ گواہوں کے سامنے کہے مگر قسم اگر مطلق ہے یا موبد تو وہ بحالہ باقی ہے جب وطی کرے گا کفارہ لازم آئے گا اور اگر چار مہینے کی تھی اور چار مہینے کے بعد وطی کی تو کفارہ نہیں مگر زبان سے رجوع کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ مدت کے اندر یہ عجز قائم رہے اور اگر مدت کے اندر زبانی رجوع کے بعد وطی پر قادر ہو گیا تو زبانی رجوع ناکافی ہے، وطی ضروری ہے۔ (الدر المختار ج ۵ ص

۴۷-۶۷، کتاب الطلاق، باب الایلاء، الجوہرۃ النیرہ، جز ثانی ص ۷۵)

مسئلہ (۴۱): اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے وطی نہیں کرسکتا مثلاً خود یا عورت نے حج کا احرام باندھا ہے اور ابھی حج پورے ہونے میں چار مہینے کا عرصہ ہے تو زبان سے رجوع نہیں کرسکتا، یونہی اگر کسی کے حق کی وجہ سے قید ہے تو زبانی رجوع کافی نہیں کہ یہ عاجز نہیں ہے کہ حق ادا کر کے قید سے رہائی پاسکتا ہے اور اگر جہاں عورت ہے وہاں تک چار مہینے سے کم میں پہنچے گا مگر دشمن یا بادشاہ جانے نہیں دیتا تو یہ عذر نہیں۔ (الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۷۴، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۴۲): وطی سے عاجز نے دل سے رجوع کرلیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا تو رجوع نہیں۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۷۵، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۴۳): جس وقت ایلاء کیا تھا اس وقت عاجز نہ تھا، پھر عاجز ہو گیا تو زبانی رجوع کافی نہیں مثلاً تندرست نے ایلاء کیا پھر بیمار ہو گیا تو اب رجوع کے لئے وطی ضروری ہے، مگر جب ایلاء کرتے ہی بیمار ہو گیا اتنا وقت نہ ملا کہ وطی کرتا تو زبان سے کہہ لینا کافی ہے اور اگر مریض نے ایلاء کیا تھا اور ابھی اچھا نہ ہوا تھا کہ عورت بیمار ہو گئی، اب یہ اچھا ہو گیا تو زبانی رجوع کرنا ناکافی ہے۔

(الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۷۶-۷۷، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۴۴): زبان سے رجوع کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وقت رجوع نکاح باقی ہو اور اگر بائن طلاق دے دی تو رجوع نہیں کرسکتا، یہاں تک کہ اگر مدت کے اندر نکاح کرلیا، پھر مدت پوری ہوئی تو طلاق بائن واقع ہوگی۔

(الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۷۶-۷۷، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۴۵): شہوت کے ساتھ بوسہ لینا یا چھونا یا اس کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنا یا آگے کے مقام کے علاوہ کسی اور جگہ وطی کرنا رجوع نہیں ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۵، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۴۶): اگر حیض میں جماع کرلیا تو اگرچہ یہ بہت سخت حرام ہے مگر ایلاء جاتا رہا۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۶، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۴۷): اگر ایلاء کسی شرط پر معلق تھا اور جس وقت شرط پائی گئی اس وقت عاجز ہے تو زبانی رجوع کافی ہے ورنہ تعلیق کے وقت کا لحاظ نہیں۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۶، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۴۸): کسی مریض نے ایلاء کیا پھر دس دن کے بعد دوبارہ ایلاء کے الفاظ کہے تو دو ایلاء ہیں، اور دو قسمیں اور دونوں کی دو مدتیں، اگر دونوں مدتیں پوری ہونے سے پہلے زبانی رجوع کرلیا اور دونوں مدتیں پوری ہونے تک بیمار رہا تو زبانی رجوع صحیح ہے، دونوں ایلاء جاتے رہے اور اگر پہلی مدت پوری ہونے سے پہلے اچھا ہو گیا تو وہ رجوع کرنا بیکار گیا اور اگر زبانی رجوع نہ کیا تھا تو دونوں مدتیں پوری ہونے پر دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر جماع کرلے گا تو دونوں قسمیں ٹوٹ جائیں گی اور دو کفارے لازم اور اگر پہلی مدت پوری ہونے سے پہلے زبانی رجوع کیا اور مدت پوری ہونے پر اچھا ہو گیا تو اب دوسرے کے لئے وہ کافی نہیں بلکہ جماع ضرور ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۵، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۴۹): مدت میں اگر زوج وزوجہ کا اختلاف ہو تو شوہر کا قول معتبر ہے، مگر عورت کو جب اس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو تو اسے

اجازت نہیں کہ اس کے ساتھ رہے جس طرح ہو سکے مال وغیرہ دے کر اس سے علیحدہ ہو جائے اور اگر مدت کے اندر جماع کرنا بتاتا ہو تو شوہر کا قول معتبر ہے اور پوری ہونے کے بعد کہتا ہے کہ اثناء مدت میں جماع کیا ہے تو جب تک عورت اس کی تصدیق نہ کرے اس کا قول نہ مانیں۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۷، الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۷۵)

مسئلہ (۵۰): عورت سے کہا: اگر تو چاہے تو خدا کی قسم! تجھ سے قربت نہ کروں گا، اسی مجلس میں عورت نے کہا: میں نے چاہا تو ایلاء ہو گیا، یونہی اگر اور کسی کے چاہنے پر ایلاء معلق کیا تو مجلس میں اس کے چاہنے سے ایلاء ہو جائے گا۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۷، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۵۱): عورت سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے، اس لفظ سے ایلاء کی نیت کی تو ایلاء ہے اور ظہار کی، تو ظہار، ورنہ طلاق بائن اور تین کی نیت کی تو تین اور اگر عورت نے کہا کہ میں تجھ پر حرام ہوں تو یمین ہے، شوہر نے زبردستی یا اس کی خوشی سے جماع کیا تو عورت پر کفارہ لازم ہے۔ (الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۷۷-۸۱، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۵۲): اگر شوہر نے کہا تو مجھ پر مثل مردار یا گوشتِ خنزیر یا خون یا شراب کے ہے اگر اس سے جھوٹ مقصود ہے تو جھوٹ ہے اور حرام کرنا مقصود ہے تو ایلاء ہے اور طلاق کی نیت ہے تو طلاق۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۷۶، کتاب الایلاء)

مسئلہ (۵۳): عورت کو کہا: تو میری ماں ہے اور نیت تحریم کی ہے تو حرام نہ ہو گی بلکہ یہ جھوٹ ہے۔

(الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۷۶، کتاب الایلاء)

مسئلہ (۵۴): اپنی دو عورتوں سے کہا: تم دونوں مجھ پر حرام ہو اور ایک میں طلاق کی نیت کی ہے اور دوسری میں ایلاء کی، یا ایک میں طلاق کی نیت کی اور دوسری میں تین کی تو جیسی نیت کی، اس کے موافق حکم دیا جائے گا۔

(الدرالمختار ج ۵ ص ۸۵، کتاب الطلاق، باب الایلاء، الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۷، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

(بہار شریعت حصہ ۸ ص ۱۸۲-۱۹۳، مکتبۃ المدینہ، کراچی ۱۴۳۰ھ)

۵۲۸۹- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ أَخِيهِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ آلَى رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ وَكَانَتْ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ آلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابی اویس نے حدیث بیان کی، از برادرِ خود از سلیمان از حمید الطویل، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کیا (یعنی ترکِ جماع کی قسم کھائی) پھر آپ کی پنڈلی میں چوٹ لگ گئی یا آپ کے پیر میں موچ آ گئی تو آپ اپنے مچان میں انتیس (۲۹) راتوں تک قیام پذیر رہے، پھر آپ مچان سے اتر آئے، پس لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی، پس آپ نے فرمایا: ''مہینہ انتیس (۲۹) دن کا بھی ہوتا ہے''۔

(صحیح البخاری: ۳۷۸، ۶۸۹، ۷۳۲، ۷۳۳، ۸۰۵، ۱۱۱۴، ۱۹۱۱، ۲۴۶۹، ۵۲۰۱، ۵۲۸۹، ۶۶۸۴، صحیح مسلم: ۴۱۱، سنن ترمذی: ۳۶۱، سنن

نسائی: ۳۴۹۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۱، سنن ابن ماجہ: ۳۸ ۱۲۳، مسند احمد: ۱۲۶۵۸، موطا امام مالک: ۲۰۶ ۳، سنن دارمی: ۱۲۵۶)

ایلاء کے متعلق متعدد احادیث

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلا کیا یعنی ترک جماع کی قسم کھائی، پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کے پاس داخل ہوئے، سوانہوں نے کہا کہ آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی ،پس آپ نے فرمایا: (بعض مرتبہ) جب مہینے کے انتیس دن گزر جائیں تو وہ مہینہ پورا ہو جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۷۷)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ نے کہا: جب ایلا کے بعد چار ماہ گزر جائیں تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۳۶)

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔

(الاستذکار (شرح الموطا) ج ۱۷ص ۸۶، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ ایلاء کیا (یعنی ان کے ساتھ ترکِ جماع کی قسم کھائی) اوران کے ساتھ جماع کرنے سے رک گئے پھر آپ نے ان کے ساتھ قسم کو حلال کرنے کا معاملہ کیا اور قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (سنن ترمذی: ۱۲۰۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کی روایت کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں: ایلاء کا معنی یہ ہے کہ مرد یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ یا اس سے زیادہ تک اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا۔

ایلاء کی مدت میں اہل علم کا اختلاف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اہل علم اور بعد کے فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو توقف کیا جائے گا، پس مرد یا تو اپنی قسم سے رجوع کر لے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بعض اہل علم اور دیگر کا قول یہ ہے کہ جب قسم کھانے کے بعد چار ماہ گزر جائیں تو یہ طلاق بائن ہے اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ یعنی فقہاء احناف کا قول ہے۔ (سنن ترمذی: ص ۸۰۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ)

نیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لئے ایلاء کیا پس جب انتیس دن گزر گئے تو آپ صبح یا شام ان کے پاس گئے، آپ کو بتایا گیا: یا رسول اللہ! ابھی تو صرف انتیس دن گزرے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس (۲۹) دن کا بھی ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۹۱۰، صحیح مسلم: ۱۰۸۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۱، مسند احمد: ۲۶۶۴۵)

چار ماہ سے کم مدت کے لئے ترک جماع کی قسم کا ایلاء شرعی نہ ہونا

حافظ ابوعمر یوسف بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

جب کسی مرد نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایک دن یا زیادہ دنوں تک مقاربت نہیں کرے گا اور اس نے چار ماہ تک

اپنی بیوی کے ساتھ مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا قول ہے اور فقہاء تابعین میں سے ابراہیم نخعی، ابن ابی لیلیٰ، الحکم اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے۔

(الاستذکار ج ۱۷ ص ۱۰۴-۱۰۵، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اکثر اہل علم نے اس قول کا انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ چار ماہ سے کم مدت میں ترک جماع کی قسم کھانے سے ایلاء نہیں ہوتا۔ (الاشراف ج ۱ ص ۲۰۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں ایلاء ایک سال، دو سال اور زیادہ مدت تک ہوتا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے چار ماہ کی مدت مقرر فرما دی، پس جو چار ماہ سے کم ترکِ جماع کی قسم کھائے تو وہ ایلاء نہیں ہے۔

(سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۲۰۷، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۵۸-۱۵۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۱)

اور سفیان ثوری نے کہا ہے: جب ایلاء کرنے والے کا عذر ہو اور وہ جماع کرنے پر قادر نہ ہو مثلاً وہ بیمار یا بہت بوڑھا ہو یا قید میں ہو یا اس کی بیوی حائض ہو یا نفساء (نفاس والی) ہو تو اس کا رجوع زبان سے ہوگا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۷۷، ۳۶۳ ملخصا وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ماہ تک ترک جماع کی قسم کھانا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۲۸۹، کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لئے ایلاء کیا یعنی ترکِ جماع کی قسم کھائی اور اس کا قصہ مشہور ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑی سے گر گئے تھے اور آپ نے اپنے اصحاب کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور اس کی شرح بھی گزر چکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ماہ تک جماع کی قسم کھانے کا سبب

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ درج ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑی پر سوار ہوئے، سو آپ اس سے گر گئے، پس آپ کی پنڈلی یا آپ کا کندھا چھل گیا، اور آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے ایک ماہ کے لئے ایلاء کیا یعنی ایک ماہ تک ترکِ جماع کی قسم کھائی، پھر آپ اپنے مچان میں جا کر بیٹھ گئے جس کی سیڑھیاں کھجور کے تنے کی بنی ہوئی تھیں، پس آپ کے اصحاب آپ کی عیادت کرنے کے لئے آتے اور آپ ان کو بیٹھ کر نماز پڑھاتے، اور وہ کھڑے ہوتے تھے، پس جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: امام صرف اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتیس (۲۹) دن کے بعد مچان سے اتر کر آ گئے، صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایک ماہ کی قسم کھائی تھی؟ تو آپ نے فرمایا: "مہینہ انتیس (۲۹) دن کا بھی ہوتا ہے"۔

(صحیح البخاری: ۳۷۸، صحیح مسلم: ۴۱۱، سنن ترمذی: ۳۶۱، سنن نسائی: ۷۹۴، سنن ابوداؤد: ۶۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۲۳۸، مسند احمد: ۱۲۶۵۸)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر امام کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، شیخ ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ اور غیر مقلدین کا یہی موقف ہے کہ اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نمازیں پڑھیں، خواہ ان کو کوئی عذر نہ ہو اور امام مالک نے کہا ہے کہ جو شخص قیام پر قادر ہو وہ بیٹھنے والے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کھڑے ہو کر نہ بیٹھ کر، اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور جمہور سلف نے یہ کہا ہے کہ جو شخص قیام پر قادر ہو، وہ بیٹھنے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھے گا، اس میں فرض اور نفل دونوں برابر ہیں، کیونکہ قیام فرض ہے، امام سے یہ فرض اس کے عذر کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور مقتدی کے لئے بغیر عذر کے فرض کو ترک کرنا جائز نہیں ہے اور باب مذکور کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ:

یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے صحابہ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے افعال کی خبر دے رہے تھے۔

امام ابوعبداللہ (بخاری) نے بیان کیا: الحمیدی نے کہا کہ آپ نے جو فرمایا ہے: جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، یہ آپ نے اپنے پہلے مرض میں فرمایا تھا، پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور جو آخری فعل ہو اس پر عمل کیا جاتا ہے اور آخری فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو آپ نے مقرر رکھا۔

(صحیح البخاری: ۶۸۹، جامع المسانید: ۴۵۹، مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۲۶ھ)

ایک ماہ تک ترک جماع کی قسم کے ایلاء ہونے یا نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ایلاء کی تعریف یہ ہے کہ چار ماہ سے زیادہ مدت تک ترکِ جماع کی قسم کھائے، پس اگر اس نے چار ماہ سے کم مدت تک ترک جماع کی قسم کھائی تو وہ ایلاء شرعی نہیں ہے، ایلاء لغوی ہے اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ وہ ایک دن یا اس سے زیادہ تک ترک جماع کرے گا حتیٰ کہ چار ماہ گزر گئے تو یہ ایلاء شرعی ہے اور بعض فقہاء تابعین سے اس کی مثل منقول ہے اور اکثر فقہاء تابعین نے اس کا انکار کیا ہے اور امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ پھر امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کی جو ایلاء کے باب میں ذکر کیا ہے، وہ امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کے قول کی موافقت کا تقاضا کرتا ہے، اور ان ائمہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ (البقرہ: ۲۲۶) "یعنی ترک جماع کی قسم کھانے والے چار ماہ تک اپنے آپ کو جماع سے روکیں" سے استدلال کیا ہے، انہوں نے اس کو ایلاء کی مدت پر محمول کیا ہے جو ایلاء کرنے والے کے لئے مقرر کی جاتی ہے، پس اگر اس مدت کے بعد اس نے جماع کر کے رجوع کر لیا تو ٹھیک ورنہ اس پر طلاق بائن لازم کر دی جائے گی۔

ایک ماہ تک ترک جماع کی قسم نہ ہونے کے متعلق متعدد روایات

اور امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے روایت کی ہے کہ جب کسی مرد نے یہ قسم کھائی کہ وہ

اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا خواہ اس نے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو، پس اگر چار ماہ گزر گئے تو اس پر ایلاء کا حکم لازم کر دیا جائے گا۔

اور امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے روایت کی ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے متعلق کہا: اللہ کی قسم! میں آج رات اس سے جماع نہیں کروں گا، پھر اس نے اپنی اس قسم کی وجہ سے چار ماہ تک اس سے جماع نہیں کیا تو یہ ایلاء شرعی ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک سال یا دو سال تک ترک جماع کی قسم کھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے چار ماہ کی مدت مقرر کر دی، پس جس نے چار ماہ سے کم مدت تک ترکِ جماع کی قسم کھائی تو یہ ایلاء شرعی نہیں ہے، ایلاء لغوی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۱-۴۹۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری پر یہ اعتراض کہ ایلاء کرنا تو حرام ہے، پھر امام بخاری نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایلاء کو اس باب میں کیوں ذکر کیا؟ اس اعتراض کا علامہ عینی حنفی کی طرف سے جواب

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، صحیح البخاری: ۵۲۸۹، کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ایلاء کرنا حرام ہے اور ایلاء کرنے والا گناہ گار ہو گا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایلاء کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ایلا کیا یعنی اپنی ازواج کے ساتھ جماع کو حرام کر دیا، پھر آپ نے اس حرام کو حلال کر دیا، پھر قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (سنن ترمذی: ۱۲۱۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۲)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہمارے شیخ زین الدین نے شرح ترمذی میں اس اشکال کا یہ جواب لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو حدیث عائشہ میں مذکور ہے کہ آپ نے جماع کو حرام کر دیا، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے جماع نہ کرنے کی قسم کھائی کیونکہ کسی مباح کام کو حرام کرنا قسم ہے، پھر حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے حرام کو حلال کیا یعنی آپ نے قسم سے رجوع کر کے اس کا کفارہ دیا، اور یہ ایلاء شرعی نہیں ہے جس کا البقرہ: ۲۲۶ میں ذکر ہے، بلکہ یہ ایلاء لغوی ہے اور امام بخاری نے جو اس حدیث کو باب الایلاء میں ذکر کیا ہے تو اس سے مراد بھی ایلاء لغوی ہے کیونکہ لغوی معنی شرعی معنی سے الگ نہیں ہوتا۔ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ایلاء کیا تھا وہ ایلاء لغوی تھا اور وہ گناہ نہیں ہے، گناہ تو ایلاء شرعی ہے)۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۳-۳۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ سلیم اللہ خان کی شرح پر مصنف کا تعاقب

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی لکھتے ہیں: البتہ سعید بن المسیب کے نزدیک یہ شرعی ایلاء ہے کیونکہ ان کے نزدیک شرعی ایلاء کے لیے چار ماہ کی قید نہیں ہے۔ (کشف الباری، کتاب الطلاق ص ۴۹۹، مکتبہ فاروقیہ کراچی ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے غلط لکھا ہے، دراصل یہ امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا مذہب ہے، انہوں نے کہا اگر کسی مرد نے یہ قسم کھائی کہ وہ ایک دن یا اس سے زیادہ تک جماع نہیں کرے گا حتیٰ کہ چار ماہ گزر گئے تو یہ ایلاء ہے اور بعض فقہاء تابعین نے بھی اس کی مثل کہا ہے اور اکثر فقہاء تابعین نے اس قول کا انکار کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ) (فتح الباری ج ۶ ص

۴۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۲۹۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما كَانَ يَقُولُ فِي الْإِيلَاءِ الَّذِي سَمَّى اللهُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدَ الْأَجَلِ إِلَّا أَنْ يُمْسِكَ بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يَعْزِمَ بِالطَّلَاقِ كَمَا أَمَرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ۔

(الموطا:۱۱۸۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس ایلاء کی تفسیر میں فرماتے تھے، جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے کہ اس مدت گزرنے کے بعد کسی مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے، مگر صرف یہ کہ یا تو وہ دستور کے مطابق اپنی بیوی کو رکھ لے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

اس باب کی حدیث کے موافق چار ماہ کے بعد بھی رجوع کی گنجائش اور اس حدیث سے فقہاء احناف کا رد کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور کا قول یہ ہے کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو قسم کھانے والے کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنی قسم سے رجوع کر لے اور یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔

فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرد نے چار ماہ کی مدت گزرنے سے پہلے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کر کے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا تو اس کی بیوی بہ دستور اس کے نکاح میں رہے گی اور اگر چار ماہ کی مدت گزر گئی تو مدت گزرتے ہی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ اس مدت کے گزرنے کے بعد عورت کو مزید روکنا مشروع نہیں ہے جیسا کہ عدت میں ہوتا ہے اور اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ ظاہر قرآن میں ایلاء کے بعد چار ماہ تک اپنے آپ کو روکنے کا حکم ہے یا اس ایلاء سے رجوع کرنے کا ذکر ہے اور فقہاء احناف نے جو چار ماہ ٹھہرنے کی مدت کو عدت پر قیاس کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عدت مطلقہ کے لئے مشروع کی گئی ہے یا بیوہ کے لئے، اور دوسرا یہ کہ عدت اس لئے مقرر کی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ رحم نطفہ سے بری ہوا ہے یا نہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور دوسری معتبر سند کے ساتھ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے روایت کی ہے کہ اگر چار ماہ کی مدت گزر گئی اور مرد نے اپنی قسم سے رجوع نہیں کیا تو اس کی بیوی پر طلاقِ بائنہ واقع ہو جائے گی اور دوسری سندِ حسن کے ساتھ حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما متوفی ۴۵ھ سے اس کی مثل روایت کی ہے اور تابعین مثلاً ابن الحنفیہ اور قبیصہ بن ذویب اور عطاء اور حسن بصری اور ابن سیرین سے بھی اس کی مثل مروی ہے، اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ربیعہ، مکحول اور زہری متوفی ۱۵۲ھ اور الاوزاعی سے روایت ہے کہ اس صورت میں طلاقِ رجعی ہوگی۔

امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے حضرت جابر بن زید سے روایت کی ہے کہ جب ایک مرد نے ایلاء کیا، پھر چار ماہ گزر گئے تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اس کی کوئی عدت نہیں ہے، اور اسماعیل القاضی نے احکام القرآن میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے اس کی مثل روایت ہے۔

امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ نے مسروق سے روایت کی ہے کہ جب چار ماہ گزر گئے تو عورت پر طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی، اور وہ عورت تین حیض عدت گزارے گی، اور اسماعیل نے دوسری سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے اس کی مثل روایت کی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے سند صحیح کے ساتھ ابو قلابہ سے روایت کی ہے کہ حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما متوفی ۶۴ھ نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے فرمایا: جب چار ماہ گزر جائیں گے تو تمہاری بیوی ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہوجائے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۲، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد قسم سے رجوع کرنے کا عدم جواز اور فقہاء احناف کے مذہب کی تائید میں احادیث

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور فقہاء کی ایک جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو ایلاء کرنے والے کو اختیار دیا جاتا ہے یا تو وہ اپنی قسم سے رجوع کرلے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور ہمارے اصحاب احناف نے یہ کہا ہے کہ اگر ایلاء کرنے والے نے چار ماہ کی مدت گزرنے سے پہلے اپنی قسم سے رجوع کرلیا تو اس کی بیوی بہ دستور اس کے نکاح میں رہے گی اور اگر چار ماہ کی مدت گزر گئی تو اس مدت کے گزرتے ہی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی، اور ہمارا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

امام عبد الرزاق الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ از معمر از عطاء الخراسانی از ابو سلمہ بن عبد الرحمن روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ دونوں ایلاء کے متعلق کہتے تھے کہ جب چار ماہ کی عدت گزر جائے گی تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور اسے اس کے نفس پر اختیار دیا جائے گا اور وہ مطلقہ کی عدت گزارے گی۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۸۲، مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۴۵۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام عبد الرزاق نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از قتادہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ ان سب نے کہا ہے کہ جب چار ماہ کی عدت گزر جائے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی اور وہ اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے اور وہ مطلقہ کی عدت گزارے گی۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۸۵، ۱۱۶۸۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس کے خلاف حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کی یہ روایت ہے:

امام مالک از جعفر بن محمد از والد خود از حضرت مولیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: وہ فرماتے تھے: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، پس اگر چار ماہ گزر گئے تو توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے یا اپنی قسم سے رجوع کرلے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۵۳، ۱۸۵۵۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے بھی اس باب کی حدیث کے خلاف حدیث روایت کی ہے جو کہ درج

ذیل ہے:

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہمیں ابو معاویہ نے حدیث بیان کی از الاعمش از حبیب از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم ان دونوں نے کہا کہ جب کسی مرد نے ایلاء کیا اور اپنی قسم سے رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ چار ماہ گزر گئے تو اس کی بیوی پر طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ ھ)، (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

مصنف کا امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ ھ کے مذہب کو دلائل سے راجح قرار دینا

میں کہتا ہوں: امام بخاری متوفی ۲۵۶ ھ نے اس باب میں جو حدیث روایت کی ہے اس سے یہ ثابت ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد بھی ایلاء کرنے والا اپنی قسم سے رجوع کر سکتا ہے، اور یہی امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا مذہب ہے جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے بیان کیا ہے، اور امام عبد الرزاق نے جو متعدد صحابہ کرام سے روایات کی ہیں اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت کی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ چار ماہ مدت گزرنے کے بعد لامحالہ طلاق واقع ہو جائے گی اور رجوع کرنے کی گنجائش صرف چار ماہ سے پہلے ہے اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ ھ کا مذہب ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک روایت سے کسی کام کی اباحت ثابت ہو اور دوسری روایت سے اس کام کی تحریم ثابت ہو تو تحریم کی روایت کو اباحت کی روایت پر ترجیح دی جاتی ہے، سو امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے اباحت کی روایت پر عمل کیا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریم کی روایت پر عمل کیا ہے اور اصول اور قاعدہ کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو ترجیح ہے۔

امام بخاری کی پہلی تعلیق

۵۲۹۱۔ وَقَالَ لِي إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ يُوقَفُ حَتَّى يُطَلِّقَ وَلَا يَقَعُ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ حَتَّى يُطَلِّقَ۔

اور مجھ سے اسماعیل نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے فرمایا: جب چار ماہ گزر جائیں تو توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ خود طلاق دے دے۔ اور اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ طلاق دے۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَيُذْكَرُ ذَلِكَ عَنْ عُثْمَانَ

یہ قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(مسند الشافعی: ۱۲۲۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۶۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۷۷)

امام بخاری کی تیسری تعلیق

وَعَلِيٍّ

یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(موطا امام مالک ج ۲ الرقم المسلسل: ۵۵۶، مسند الشافعی: ۱۲۲۰، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۵۷، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۳۱، مسند ابن الجعد: ۲۴۶۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۷۷)

امام بخاری کی چوتھی تعلیق

وَأَبِي الدَّرْدَاءِ — یہ قول حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۵۸، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۴۳، تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۴۴۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۷۸)

امام بخاری کی پانچویں تعلیق

وَعَائِشَةَ — یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۵۸، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۳۲)

امام بخاری کی چھٹی تعلیق

وَاثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم — یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ (۱۲) اصحاب سے مروی ہے۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ج ۲ ص ۱۶۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۷۶)

مذکور الصدر فقہاء کے قول کی ترجیح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی الاسماعیلی نے از معن بن عیسیٰ از امام مالک روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا، پس جب چار ماہ گزر جائیں تو توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ طلاق دیں یا اپنی قسم سے رجوع کرلیں اور اس پر طلاق واقع نہیں کی جائے گی، اسی طرح امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی ہے اور یہ البقرہ: ۲۲۶ کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کی تفسیر ہے اور صحابہ کی تفسیر حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔ اسی طرح امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے لکھا ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ صحابہ کا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا اس تعلیق سے ان فقہاء کے قول کی ترجیح ہوگی جنہوں نے کہا ہے کہ ایلاء میں چار ماہ کے بعد توقف کیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ کی تعلیق پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۲ھ ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب ایلاء کرنے والا چار ماہ کی عدت پوری ہونے کے بعد از خود طلاق نہ دے اور قسم سے رجوع بھی نہ کرے تو اس کو قید کرلیا جائے گا حتیٰ کہ وہ خود طلاق دے۔

امام بخاری نے صیغہ تمریض کے ساتھ لکھا ہے "وَيُذْكَر" یعنی حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابوالدرداء، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور بارہ (۱۲) اصحاب سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے اور یہ صیغہ مجہول ہے اور صیغۂ مجہول سے روایت ضعیف ہوتی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف جو روایت منسوب ہے اس کو امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ از طاؤس از عثمان روایت کیا ہے، امام ابوحاتم رازی نے کہا کہ طاؤس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا تھا۔

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ سے اس قول کے خلاف مروی ہے اور ہم نے اس کا

ذکر بھی امام عبدالرزاق کے حوالہ سے کیا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ دونوں ایلاء کے متعلق کہتے تھے کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے گی تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور اسے اس کے نفس پر اختیار دیا جائے گا اور وہ مطلقہ کی عدت گزارے گی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۸۲، مصنف عبدالرزاق ج ٦ ص ۴۵۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور امام ابوحاتم رازی نے جو کہا ہے کہ طاؤس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس قول کو سنا بھی ہو۔

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کی تعلیق پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کی اس تعلیق کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ٦٨ھ ان سب نے کہا ہے کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے اور مطلقہ کی عدت گزارے گی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۸۵، ۱۱۶۸۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کی تعلیق پر علامہ عینی کا تبصرہ

اس تعلیق کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ چار ماہ گزرنے کے بعد ایلاء میں توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ طلاق دے یا اپنی قسم سے رجوع کر لے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵٦٨، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱٦ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے سماع ثابت نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کی تعلیق پر علامہ عینی کا تبصرہ

اس روایت کی سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایلاء کا اعتبار نہیں فرماتی تھیں حتیٰ کہ اس میں توقف کیا جائے۔

بارہ (۱۲) اصحاب کی تعلیق پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اپنی سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ صحابہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ ایلاء طلاق نہیں ہے حتیٰ کہ توقف کیا جائے اور امام شافعی نے بھی اپنی مسند میں اس سند کے ساتھ روایت کی ہے اور اس میں کہا کہ دس (۱۰) سے زیادہ اصحاب نے کہا۔

اور اسماعیل قاضی نے اپنی سند کے ساتھ سلیمان بن یسار سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دس (۱۰) سے زائد مردوں سے سناوہ کہتے تھے کہ ایلاء طلاق نہیں ہے حتیٰ کہ توقف کیا جائے۔

امام الدارقطنی متوفی ۲۸۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ ابو صالح سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے صحابہ میں سے بارہ

مردوں کو پایا ان سے اس مرد کے متعلق پوچھا گیا جس نے ایلاء کیا تھا تو انہوں نے کہا کہ اس کا ایلاء لغو ہے، حتیٰ کہ چار ماہ گزر جائیں پھر توقف کیا جائے، پس اگر اس نے رجوع کر لیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (سنن الدارقطنی ج ۳ ص ۳۰۲، دارالمعرفہ بیروت)

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: مُعیّن صحابہ کی جماعت سے اس قول کے خلاف ثابت ہے اور یہ ان بارہ (۱۲) صحابہ کے اجمالاً ذکر سے زیادہ قوی ہے اور ان صحابہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ، حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ شامل ہیں اور ہم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سوا ان تمام صحابہ کی روایات کا ذکر کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۸۲، میں ہے اور حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت بھی مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۸۵، ۱۱۶۸۹، میں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۳۹، میں ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۸۲ میں ہے، اور رہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ تو ان کے قول کی روایت ہم اب ذکر کر رہے ہیں:

امام دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ سعید بن المسیب اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۵-۳۹۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کی تعلیقات اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے امام بخاری کی ان تمام تعلیقات کو رد کر دیا ہے جن کو انہوں نے اس بات کے ثبوت میں پیش کیا تھا کہ ایلاء میں مدت گزرنے کے بعد عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی، اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی اس شرح کا بھی رد ہو گیا جس میں انہوں نے کہا کہ ان تعلیقات سے ان فقہاء کے قول کی ترجیح ہوتی ہے کہ جنہوں نے کہا کہ ایلاء کی مدت گزرنے کے بعد توقف کیا جائے گا اور عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

دراصل ان سب لوگوں نے تعصب کی بناء پر امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے اور علامہ عینی نے ان سب کا رد کر دیا ہے۔

۲۲۔ بَابُ: حُكْمِ الْمَفْقُودِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ جس عورت کا خاوند لاپتا ہو اور اس کی کوئی خبر معلوم نہ ہو تو اس کی بیوی اور اس کے مال کا شرعی حکم کیا ہے؟

علامہ بدرالدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری نے اس عورت کا شرعی حکم بیان کیا ہے جس کا شوہر ''مفقود الخبر'' ہو، یعنی لاپتا ہو اور اس کی کوئی خبر نہ ہو، اس مسئلہ کا ''ابواب الطلاق'' سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن امام بخاری نے اس کو یہاں پر تبعاً ذکر کیا ہے، پھر امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ''مفقود الخبر'' کی بیوی کا شرعی حکم بیان نہیں کیا کیونکہ امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ عنوان کے حکم کو مذکور احادیث اور آثار کی طرف مُفوض کر دیتے ہیں، سو یہاں پر بھی امام بخاری نے اسی طرح بیان کیا ہے، امام بخاری نے اس باب میں چار (۴)

تعلیقات کوذکر کیا ہے اور ایک (۱) حدیث کی روایت کی ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ إِذَا فُقِدَ فِي الصَّفِّ عِنْدَ الْقِتَالِ تَرَبَّصُ امْرَأَتُهُ سَنَةً۔

اور ابن المسیب متوفی ۹۰ ھ نے کہا: جب کوئی مرد میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے کسی صف میں گم ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال تک اپنے نکاح میں ٹھہری رہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ نے ابن المسیب کا مکمل قول ذکر نہیں کیا، ان کا مکمل قول حسب ذیل ہے:

امام عبد الرزاق از ثوری از داؤد از ابن المسیب روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا کہ جب کوئی مرد قتال کی صف میں گم ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے اور جب اس کا مرد قتال کی صف کے علاوہ مفقود الخبر ہو جائے تو پھر اس کی بیوی چار سال تک اس کے نکاح میں ٹھہری رہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۲۳۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ ھ، مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۸۸، مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۰ ھ)

امام بخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور مفقود الخبر کے متعلق امام مالک کا مذہب

امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ ھ نے اس اثر کو امام بخاری متوفی ۲۵۶ ھ کی بہ نسبت زیادہ مکمل بیان کیا ہے، سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ نے کہا کہ جب کوئی مرد قتال کی صف میں گم ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال تک اس کے نکاح میں ٹھہرے اور جب اس کے علاوہ مفقود الخبر ہو تو وہ چار سال تک اس کے نکاح میں ٹھہرے اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ کے قول کے مطابق امام مالک کا مذہب ہے لیکن انہوں نے تفصیل کی کہ وہ دار الحرب کے قتال میں مفقود الخبر ہو یا دار الاسلام کے قتال میں مفقود الخبر ہو۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

امام بخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی اور مفقود الخبر کے متعلق مذاہب فقہاء

یعنی اس کی بیوی ایک سال کی مدت تک اس کا انتظار کرے اور اشہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اس کی بیوی کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کی جائے گی خواہ اس کا خاوند مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے صف میں گم ہوا ہو یا مشرکین کے خلاف صف میں لڑتے ہوئے گم ہوا ہو۔

اور عیسیٰ نے از ابن القاسم از امام مالک روایت کی ہے کہ جب کوئی مرد میدان جنگ میں مفقود الخبر ہو جائے یا مسلمانوں کی آپس کی جنگ میں مفقود الخبر ہو جائے تو اس کا اتنی دیر انتظار کیا جائے جتنی مدت میں ایک لشکر شکست کھا جائے، پھر اس کی بیوی عدت گزارے گی اور اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

اور ابن القاسم نے از امام مالک متوفی ۱۷۹ ھ روایت کی ہے کہ جو مرد مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں مفقود الخبر ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے پھر وہ عقد ثانی کر لے۔

اور فقہاء احناف کثر ہم اللہ نے کہا ہے کہ جو مرد قتال کی دو صفوں کے درمیان گم ہو جائے اس کا وہی حکم ہے جو مفقود الخبر کا حکم ہے اور ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ اس کے گم

ہونے کے بعد اتنی مدت گزر جائے جتنی مدت میں اس مرد کی مثل کوئی زندہ نہ رہا ہو اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا ہے کہ اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ اس مرد کی موت کا یقین ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَاشْتَرَى ابْنُ مَسْعُودٍ جَارِيَةً وَالْتَمَسَ صَاحِبَهَا سَنَةً فَلَمْ يَجِدْهُ وَفُقِدَ فَأَخَذَ يُعْطِي الدِّرْهَمَ وَالدِّرْهَمَيْنِ وَقَالَ اللَّهُمَّ عَنْ فُلَانٍ فَإِنْ أَتَى فُلَانٌ فَلِي وَعَلَيَّ وَقَالَ هٰكَذَا فَافْعَلُوا بِاللُّقَطَةِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ نے ایک باندی کو خریدا اور اس کے مالک کو ایک سال تک تلاش کیا، پس اس کے مالک کو نہ پایا اور وہ مفقود الخبر ہو گیا تو وہ اس کے مالک کی طرف سے ایک ایک درہم اور دو دو درہم صدقہ کرتے رہے اور یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! یہ فلاں کی طرف سے قبول فرما ''وعلیّ'' (جو مجھ پر ہے) اور انہوں نے کہا کہ لقطہ کے متعلق بھی اسی طرح کیا کرو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا۔

میں کہتا ہوں کہ لقطہ کے متعلق درج ذیل حدیث ہے:

حضرت زید بن خالد الجہنی المتوفی ۶۸ ھ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لقطہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''تم ایک سال تک اس کا اعلان کرو، پھر اس ظرف اور اس کے مادہ کو یاد رکھو، پھر تم اس کو اپنے اوپر خرچ کر لو، پس اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ اس کی طرف ادا کر دو''۔

(صحیح البخاری: ۲۴۲۹، صحیح مسلم: ۱۷۲۲، سنن ابوداؤد: ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۸، سنن ترمذی: ۱۳۷۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۰۴، مسند احمد: ۱۷۰۴۹)

امام بخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور ان کا مفقود الخبر کو لقطہ پر قیاس کرنا

اس حدیث کو امام سعید بن منصور الخراسانی المتوفی ۲۲۷ ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ نے ایک باندی سات سو (۷۰۰) درہم میں خریدی، پھر اس کا مالک غائب ہو گیا یا اس نے اس باندی کو چھوڑ دیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک سال تک یہ اعلان کیا کہ اس کا مالک آ کر اپنے سات سو (۷۰۰) درہم لے لے مگر وہ نہیں آیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے دروازے پر مسکینوں کو وہ درہم دیتے رہے اور یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! یہ درہم اس باندی کے مالک کی طرف سے ہیں، پھر اگر وہ آ گیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کو اس باندی کی قیمت ادا کروں گا، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لقطہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا، امام طبرانی نے بھی اس قصہ کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے حضرت ابن مسعود کے اس قصہ کی پوری سند بیان کی ہے۔

(تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۶۹، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۲۰ ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کی تحقیق از مصنف

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس طرح روایت کی ہے:

ابووائل شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے ایک باندی چھ سو (۶۰۰) یا نوسو (۹۰۰) درہم میں خریدی، پھر ایک سال تک اس کے مالک کا انتظار کرتے رہے، سو اس کو نہ پایا پھر وہ اس کی قیمت کو لے کر اپنے دروازے پر آئے اور اس کے مالک کی طرف سے ایک ایک درہم اور دو دو درہم صدقہ کرتے رہے، پھر اگر اس کا مالک آ گیا تو وہ اس کو اختیار دیتے، اگر وہ چاہتا تو اس کو اس کی قیمت دے دیتے ورنہ اس صدقہ کے اجر کو اختیار کرتے تھے، ابن مسعود نے فرمایا: لُقطہ کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ کیا کرو۔ (المعجم الکبیر للطبرانی رقم المسلسل: ۹۷۲۱، داراحیاء التراث العربی بیروت)

حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کی امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے المعجم الکبیر میں روایت کی ہے، اور اس حدیث کی سند کے ایک راوی عامر بن شقیق ہیں، امام ابن حبان اور امام نسائی نے اس کی توثیق کی ہے اور ابن معین وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۴ ص ۱۶۸، دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

نیز اس حدیث کی امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۹۳۱۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۱۳۸-۱۳۹، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ) نیز یہ حدیث مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۳-۱۸۰ میں بھی مذکور ہے، اور سنن ابوداؤد: ۱۷۰۷، سنن نسائی: ۵۲۲۶، المستدرک ج ۴ ص ۳۸۱، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو سنن سعید بن منصور کے حوالہ سے لکھا ہے لیکن سنن سعید بن منصور میں ہمیں یہ روایت نہیں ملی۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

اس تعلیق کی سفیان بن عیینہ نے اپنی جامع میں سند موصول سے روایت کی ہے، نیز امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ نے بھی سند جید کے ساتھ اس کی روایت کی ہے اور امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے بھی سند صحیح کے ساتھ شقیق بن ابی وائل سے روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اس باندی کے مالک کو تلاش کرتے رہے تا کہ اس باندی کی قیمت اسے ادا کریں تو وہ مالک نہیں ملا، پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود اس باندی کی قیمت میں سے ایک ایک درہم اور دو دو درہم صدقہ کرتے رہے اور وہ کہتے تھے کہ اگر اس کا مالک صدقہ کرنے کے بعد آ گیا اور اس نے اس باندی کی قیمت کو طلب کیا تو وہ اس کو ادا کر دیں گے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! فلاں کی طرف سے یعنی اس باندی کے مالک کی طرف سے اس کو قبول فرما، پس اگر وہ آ گیا تو انہوں نے کہا "فلی وعلی" یعنی اس صدقہ کا ثواب میرے لئے ہوگا اور اس کی قیمت کا تاوان میں اس کے مالک کو ادا کر دوں گا، یعنی جب وہ میرے صدقہ کرنے کے بعد آ گیا اور اس نے اپنی باندی کی قیمت کو طلب کیا تو میں اس کی قیمت کو ادا کر دوں گا۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ اگر اس باندی کا مالک انکار کرے تو ثواب اور عذاب دونوں میرے ساتھ متلبس ہوں گے یا ثواب میرے لئے ہوگا یا مجھ پر اس کی قیمت کا قرض ہوگا۔

(الکواکب الدراری، ج ۱۸ ص ۲۰۸، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لقطہ کے ساتھ بھی اسی طرح معاملہ کرو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۶-۳۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی سے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا مناقشہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے کہ "لقطہ میں بھی اسی طرح کا معاملہ کرو" اس قول سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ اشارہ کیا کہ ان کے اس فعل سے لُقطہ کا حکم معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جو کوئی گری پڑی چیز مل جائے وہ اس کا ایک سال تک اعلان کرے اور وہ ایک سال کے بعد اس چیز میں تصرف کرے، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو وہ اس تاوان میں اس جیسی چیز کو یا اس کی قیمت کو دے دے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اس نے اس چیز میں جو تصرف کیا ہے اس کو صدقہ کر دے، پھر اگر اس کا مالک آکر اس صدقہ کو جائز قرار دے دے تو اس کے مالک کو اس کا اجر ملے گا اور اگر وہ اس کو جائز قرار نہ دے تو صدقہ کرنے والے کو اس کا اجر ملے گا اور وہ مالک کو اس چیز کا تاوان ادا کرے گا۔ اور اسی کی طرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے: فلی وعلی، یعنی وہ چیز میرے لئے ہوگی یا اس کا تاوان مجھ پر ہوگا یعنی اس چیز کا ثواب میرے لئے ہوگا یا اس کی قیمت کا تاوان مجھ پر ہوگا اور بعض شارحین اس نکتہ سے غافل رہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول فلی وعلی، کا یہ معنی ہے پس انہوں نے کہا: میرے لئے اس کا ثواب ہے یا مجھ پر اس کا عذاب ہے، یعنی اس کا ثواب اور عذاب ان کے اپنے کسب سے ہے اور جو میں نے بیان کیا ہے وہ اولیٰ ہے کیونکہ ابن عُیینہ نے اس حدیث کی تفسیر میں اسی طرح کہا ہے اور باب کی روایت میں انہوں نے کہا ہے کہ "فَلِی" کا معنی ہے کہ اس صدقہ کا ثواب میرے لئے ہے اور انہوں نے اس کو حذف کر دیا کیونکہ یہ سب کو معلوم ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا اعتراض

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: غافل ابن حجر ہیں نہ کہ علامہ کرمانی، کیونکہ علامہ کرمانی نے جو تفسیر کی ہے وہ ابن عیینہ کی تفسیر کے مخالف نہیں ہے بلکہ ابن حجر کی تفسیر سے زیادہ دقیق ہے جو غور و فکر اور تامل سے معلوم ہوتی ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا: اس طرح "لقطہ کے ساتھ معاملہ کرو" اور لُقطہ کا حکم اپنے مقام پر فروع میں مذکور ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فعل سے لُقطہ کا حکم معلوم ہوگیا کہ کسی کو جب کوئی گری پڑی چیز مل جائے تو وہ ایک سال تک اس کا اعلان کرے اور اس میں تصرف کرے پھر اگر اس کا مالک آجائے تو وہ اس چیز کا تاوان ادا کرے، پس

حضرت ابن مسعود نے اس سے یہ مستنبط کیا کہ اس کا یہ تصرف کرنا صدقہ ہے، اگر بعد میں اس کے مالک نے اس تصرف کو جائز قرار دیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور اگر اس کے مالک نے جائز قرار نہ دیا تو اس کا اجر صدقہ کرنے والے کے لئے ہوگا اور اس پر لازم ہوگا کہ اس کی قیمت بہ طور تاوان اس کے مالک کو ادا کرے اور اسی کی طرف حضرت ابن مسعود نے اپنے قول "فلی وعلی" سے اشارہ کیا ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ۴۹۴، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: کیونکہ لقطہ کا حکم ان کو معلوم تھا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قصہ ان کو معلوم نہیں تھا اس لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لقطہ کے ساتھ بھی اسی کی مثل کرو، یعنی میرے اس معاملہ کی مثل جب تمہارے ساتھ پیش آئے تو تم اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرو جو تم لقطہ میں کرتے ہو، یعنی ایک سال تک اس چیز کا اعلان کرو اور پھر اس میں تصرف کرو جس طرح لقطہ کے باب میں کتب فقہ میں لکھا ہوا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب اور مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر نے اس بحث میں اپنی اور علامہ عینی کی عبارت نقل کی ہے اور علامہ عینی کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں لکھا کہ غفلت علامہ کرمانی سے نہیں ہوئی بلکہ حافظ ابن حجر سے ہوئی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر اس بحث میں لاجواب ہو گئے ہیں۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۰۸، مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۱۸ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی تیسری تعلیق

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي الْأَسِيرِ يُعْلَمُ مَكَانُهُ لَا تَتَزَوَّجُ امْرَأَتُهُ وَلَا يُقْسَمُ مَالُهُ فَإِذَا انْقَطَعَ خَبَرُهُ فَسُنَّتُهُ سُنَّةُ الْمَفْقُودِ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ٦ ص ۴۴۸)

اور الزہری (المتوفی ۱۵۲ھ) نے اس قیدی کے متعلق کہا جس کی (قید کی) جگہ معلوم ہو: اس کی بیوی نکاح نہ کرے، نہ اس کا مال تقسیم کیا جائے، پس جب اس کی خبر منقطع ہو جائے تو اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو مفقود الخبر کے معاملہ میں کیا جاتا ہے۔

امام بخاری کی تیسری تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی اور مفقود الخبر کی بیوی کے انتظار کی مدت میں صحابہ اور فقہاء کے متعدد اقوال اور اس کے متعلق احادیث

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ نے اس اثر کو سند موصول کے ساتھ اوزاعی سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے اس قیدی کے متعلق سوال کیا جو دشمن کی زمین میں ہو کہ اس کی بیوی کب نکاح کرے گی؟ تو انہوں نے جواب دیا: جب تک یہ معلوم ہو کہ وہ قیدی زندہ ہے تو اس کی بیوی نکاح نہیں کرے گی۔

پھر ابن شہاب زہری نے دوسری سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ قیدی کے مال اور اس کی بیوی کے متعلق توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ دار الاسلام میں واپس آ جائیں یا مر جائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۸۱۸، ۳۲۸۱۷، ج ٦ ص ۴۵۱-۴۵۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱٦ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۴۹۹، ۳۳۴۹۸، ج ۱۷ ص ۴٦۱، المجلس العلمی بیروت، ۱۴۲۷ھ)

رہا الزہری کا یہ قول کہ اس قیدی کے ساتھ مفقود الخبر کا معاملہ کیا جائے گا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق الزہری کا یہ مذہب ہے کہ وہ چار سال تک انتظار کرے گی اور امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ اور امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ اور امام ابوبکر ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اپنی اپنی اسانید صحیحہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، ان روایات میں سے امام عبد الرزاق نے الزہری از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اسی طرح فیصلہ کیا۔

اور امام سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ ان دونوں نے کہا کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال تک انتظار کرے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے بھی اسی طرح ثابت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ فقہاء تابعین کی ایک جماعت مثلاً ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، الزہری متوفی ۱۵۲ھ، مکحول اور الشعبی اور ان میں سے اکثر اس پر متفق ہیں کہ انتظار کرنے کی مدت اس وقت شروع ہوگی جب وہ عورت اپنا مقدمہ حاکم کے پاس پیش کرے گی اور اس پر متفق ہیں کہ وہ عورت چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد عدت وفات گزارے گی، نیز ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر اس نے چار ماہ کے گزرنے اور عدت وفات گزرنے کے بعد نکاح کر لیا پھر اس کا پہلا خاوند واپس آ گیا تو پھر اس کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اپنی بیوی کو واپس لے لے یا اس کو دیا ہوا مہر واپس لے لے اور ان میں سے اکثر نے یہ کہا ہے کہ جب پہلا خاوند مہر کو اختیار کرے تو اس کا دوسرا خاوند اس مہر کا تاوان ادا کرے۔

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے یہ فرق کیا ہے کہ جو مسلمان دار الحرب میں مفقود ہو جائے تو اس کی بیوی چار سال کی عدت گزارے گی اور جو شخص دار الحرب کے علاوہ کسی اور جگہ مفقود ہو جائے تو اس کی بیوی چار سال (۴) تک انتظار کی مدت نہیں گزارے گی بلکہ وہ اپنے شوہر کی عمر کا انتظار کرے گی حتیٰ کہ اس کو ظن غالب ہو جائے کہ اتنی مدت سے زیادہ وہ زندہ نہیں رہے گا۔

اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ جو مرد اپنی بیوی سے غائب ہو اور اس کی خبر معلوم نہ ہو تو اس کی بیوی کے انتظار کی کوئی مدت نہیں ہے، مدت صرف اس کیلئے مقرر کی جاتی ہے جو دار الحرب میں مفقود الخبر ہو یا سمندری سفر میں مفقود الخبر ہو یا اس کی مثل میں مفقود الخبر ہو۔

اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے کہا ہے: جب کسی عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو جائے تو وہ نکاح نہ کرے حتیٰ کہ اس کا خاوند آ جائے یا مر جائے؛ اس حدیث کی امام ابوعبید ھروی متوفی ۲۲۴ھ نے کتاب النکاح میں روایت کی ہے۔

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی متوفی ۲۱۱ھ نے کہا: مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی موافقت کی ہے کہ اس کی بیوی ہمیشہ انتظار کرے گی اور امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۲۴ھ نے بھی سند حسن کے ساتھ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اگر اس کی بیوی نے نکاح کر لیا تو وہ پہلے خاوند کی بیوی قرار پائے گی خواہ دوسرے خاوند نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور امام سعید بن منصور الخراسانی المتوفی ۲۲۷ھ نے روایت کی ہے کہ جب مفقود الخبر کی بیوی نے نکاح کر لیا اور اس کا پہلا خاوند آ گیا تو اس عورت اور اس کے دوسرے خاوند کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ اس کی عدت گزارے گی، پس اگر پہلا خاوند مر گیا تو اس کی عدت بھی گزارے گی اور اس کی وارثہ ہوگی۔

اور ابراہیم النخعی کی سند سے روایت کی ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی نکاح نہ کرے حتیٰ کہ اس کے خاوند کا معاملہ منکشف ہو جائے اور فقہاء احناف اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا اور بعض محدثین کا یہی قول ہے۔ اور علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ کا بھی یہی مختار ہے، کیونکہ پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ واللہ اعلم (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۴-۴۹۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

امام مالک کے نزدیک مفقود الخبر کی بیوی دوسرے نکاح کیلئے چار سال تک انتظار کرے گی اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک مفقود الخبر کی بیوی اس وقت تک انتظار کرے گی جب تک اس کے خاوند کی موت کا یقین نہ ہو جائے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق امام زہری متوفی ۱۵۲ھ کا قول یہ ہے کہ وہ چار سال تک انتظار کرے گی اور علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ قیدی کی بیوی نکاح نہیں کرے گی حتیٰ کہ اس کے خاوند کی موت کا یقین ہو جائے جب تک کہ وہ اسلام پر قائم ہو، اور یہی ابراہیم النخعی، الزہری، مکحول اور یحییٰ الانصاری کا قول ہے اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور ابوثور اور امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۲۴ھ کا قول ہے اور یہی ہمارا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے انتظار کی مدت میں فقہاء کا اختلاف اور ان کے دلائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا مفقود الخبر کے متعلق اختلاف ہے، جب اس کی جگہ معلوم نہ ہو اور اس کی خبر معلوم نہ ہو تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جب کوئی اپنے گھر سے نکل جائے اور اس کی خبر معلوم نہ ہو تو اس کی بیوی کبھی بھی نکاح نہیں کرے گی اور مفقود الخبر اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ اس کی موت کا یقین ہو جائے اور اس کی عمر کے تمام لوگ مر جائیں اور جو اس کی بیوی کا حکم ہے وہی اس کے مال کا حکم ہے، حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا یہی مذہب ہے اور امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ امام بخاری نے باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے کہ جو اپنے اہل اور مال میں مفقود ہو اور اس باب میں اللقطہ اور گمشدہ کی حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس سے وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کوئی گم شدہ چیز پائی جائے اور اس کے مالک کا علم نہ ہو تو وہ گم شدہ چیز مفقود الخبر کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے، وہ کہاں ہے، اور اس کی جگہ اور ملکیت سے ناواقفیت اور جہالت قائم رہتی ہے اور وہ چیز اس کے حق میں محبوس رہتی ہے، پس اسی طرح واجب ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق اس کے خاوند کی ملکیت قائم رہے اور اس کی بیوی کے لئے کسی دوسرے سے نکاح کرنا حلال نہ ہو حتیٰ کہ اس کی موت کا یقین ہو جائے یا اس کی عمر کے سب لوگ مر جائیں اور اس کی بیوی کا اپنے شوہر سے نکاح کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے اور اس کا کسی اور سے نکاح کرنا اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک کہ ایسے ہی دلائل سے اس کا جواز ثابت نہ ہو جائے۔

ان فقہاء کے دلائل جو کہتے ہیں کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال تک انتظار کرے، پھر دوسرا نکاح کر سکتی ہے

فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال انتظار کرے، پھر وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے، پھر اس کا نکاح کرنا جائز ہوگا، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ، حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور فقہاء تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا یہی موقف ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے ان صحابہ اور فقہاء تابعین کے موقف پر یہ استدلال کیا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ اصحاب ہیں اور ان کی اتباع اولیٰ ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے ان کے قول کے خلاف جو روایات حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں ان کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ان روایات کے راوی امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی متوفی ۳۱۶ھ ہیں اور ان کا کوئی متابع نہیں ہے، پس جس طرح عنین (نامرد) کی مدت کی تعیین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کی تقلید واجب ہے، پس اسی طرح مفقود الخبر کی بیوی کی مدت میں ان صحابہ کی تقلید کرنا واجب ہے، کیونکہ ان میں سے چار خلفاء راشدین ہیں اور حدیث میں ہے:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے اور ہم کو بہت بلیغ نصیحت فرمائی جس سے ہمارے دل خوف زدہ ہو گئے اور ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پس عرض کیا گیا: آپ نے ہم کو ایسی نصیحت کی ہے جیسے آپ ہم سے الوداع ہو رہے ہوں، تو آپ ہم سے عہد لیجئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کے ڈر کو لازم کر لو اور حاکم کے حکم کو سننے اور اس کی اطاعت کو لازم کر لو، خواہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہو اور تم عنقریب میرے بعد شدید اختلاف دیکھو گے، سو تم پر میری سنت پر عمل کرنا لازم ہے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے تم اس سنت کو داڑھوں کے ساتھ پکڑ لو اور تم اپنے آپ کو نئی نئی بدعات (سیئہ) سے بچاؤ کیونکہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۲، دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ، مسند احمد: ۱۷۱۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۹ھ)

نیز امام ابن ماجہ کی دوسری روایت ہے:

پس تم پر لازم ہے کہ تم اس پر عمل کرو جس کو تم میری سنت سے جانتے ہو اور خلفاء راشدین مھدیین کی سنت سے جانتے ہو، (الحدیث) (سنن ابوداؤد: ۴۶۰۷، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ، سنن ترمذی: ۲۶۸۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ، سنن ابن ماجہ: ۴۳، دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ، مسند احمد: ۱۷۱۴۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۹ھ)

جب کوئی مرد میدان جنگ میں مفقود الخبر ہو جائے تو اس کی بیوی کے انتظار کی مدت میں اقوال فقہاء

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی مرد قتال کی صف میں مفقود الخبر ہو جائے تو اس کے متعلق ابن المسیب متوفی ۹۰ھ نے کہا ہے کہ اس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے گی، اشہب مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اس کی بیوی کے لئے اس کے مقدمہ کو پیش کرنے کے بعد ایک سال کی مدت مقرر کی جائے گی اور یہ مدت اس دن سے شمار نہیں ہوگی جس دن سے اس کا خاوند

مفقود الخبر ہوا تھا، خواہ وہ مسلمانوں کی صف میں لڑتے ہوئے ہوا ہو یا مشرکین سے قتال کرتے ہوئے مفقود الخبر ہوا ہو اور ابن القاسم نے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی ہے کہ جب وہ میدان جنگ میں مفقود الخبر ہوا ہو یا مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں مفقود الخبر ہوا ہو تو وہ اتنی مدت انتظار کرے گی جتنی مدت میں ایک فریق کو شکست ہوئی ہو، پھر اس کے بعد اس کی عدت گزارے گی اور اس کا ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔

اور ابن القاسم مالکی نے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی ہے کہ جو مرد مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں مفقود الخبر ہوا ہو تو اس کی بیوی ایک سال تک اس کا انتظار کرے گی، پھر وہ نکاح کر سکتی ہے اور المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے اس قول پر لقطہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں گم شدہ چیز کے لئے ایک سال تک انتظار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اور فقہاء احناف، الثوری اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے لکھا ہے کہ جو دو صفوں کے درمیان مفقود ہو جائے تو اس کا وہی حکم ہے جو مفقود الخبر کا حکم ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور امام مالک بن انس، فقہاء احناف اور امام شافعی نے اس قیدی کے متعلق لکھا ہے کہ جس کی موت معلوم نہ ہو کہ اس کے درمیان اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، اور اس کے مال کی تقسیم میں توقف کیا جائے گا اور اس کے مال سے اس کی بیوی پر خرچ کیا جائے گا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۶۴-۳۶۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری، الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے اس بحث میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۸۶-۳۸۷، وزارۃ الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے تاحیات انتظار کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از محمد بن عبد اللہ العرزمی از الحکم بن عتیبہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنے شوہر کی بیوی ہی رہے گی، اس کو چاہیے کہ وہ انتظار کرے حتیٰ کہ اس کے پاس اس کے شوہر کی موت کی خبر آجائے یا اس کے طلاق دینے کی خبر آجائے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۷۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۹، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از الثوری از منصور بن الحکم از حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، انہوں نے فرمایا: مفقود الخبر کی بیوی انتظار کرے حتیٰ کہ اسے معلوم ہو جائے کہ آیا اس کا خاوند زندہ ہے یا مر گیا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۷۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۹، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از معمر از ابن ابی لیلیٰ از الحکم، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے فرمایا کہ مفقود الخبر کی بیوی کو صبر کرنا چاہیے حتیٰ کہ اس کے پاس اس کے خاوند کی موت کی خبر آجائے یا اس کو طلاق دینے کی خبر آجائے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۸۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۹، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از ابن جریج، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی

۲۰۴ھ کی اس فیصلہ میں موافقت کی ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی دائماً انتظار کرے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۸۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۹۰، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ از حماد از ابراہیم نخعی، انہوں نے کہا کہ مفقود الخبر کی بیوی کو چاہیے کہ صبر کرے حتیٰ کہ اس کے پاس اس کے خاوند کی موت کی خبر آ جائے یا اس کے طلاق دینے کی خبر آ جائے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۸۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۹۰، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از الثوری از مغیرہ از ابراہیم نخعی، انہوں نے کہا کہ مفقود الخبر کی بیوی انتظار کرے حتیٰ کہ اس کو یقین ہو جائے کہ آیا اس کا خاوند زندہ ہے یا مر چکا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۹۰، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

امام سعید بن منصور بن شعبہ الخراسانی المکی التوفی ۲۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از سعید از ابوعوانہ از منصور از المنہال بن عمرو، از عباد از حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، آپ نے مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق فرمایا کہ وہ اسی کی بیوی قرار پائے گی۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۷، ج ۱ ص ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

از سعید بن جریر از عبدالحمید از منصور الحکم، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مفقود الخبر کی بیوی انتظار کرے حتیٰ کہ اس کے خاوند کا معاملہ منکشف ہو جائے کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر گیا۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۸، ج ۱ ص ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

از سعید از ہشیم از مغیرہ از ابراہیم، انہوں نے کہا کہ مفقود الخبر کی بیوی صبر کرے حتیٰ کہ اس کو کسی یقینی بات کا علم ہو جائے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۷۶۰، ج ۱ ص ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

مفقود الخبر کی بیوی کے چار سال تک انتظار کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجھے یحییٰ نے حدیث بیان کی از مالک از یحییٰ بن سعید از سعید بن المسیب کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو گیا، پس اس عورت کو پتا نہیں چلا کہ اس کا خاوند کہاں ہے؟ پھر وہ چار سال انتظار کرے گی، پھر وہ چار ماہ دس دن تک عدت گزارے گی، پھر اس کے لئے دوسرا نکاح حلال ہوگا۔

(موطا امام مالک: ۱۲۴۹، ج ۲ ص ۱۱۹-۱۲۰، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(امام مالک اس روایت کے ساتھ منفرد ہیں)۔

امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی التوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از معمر از الزہری از ابن المسیب وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ دونوں نے مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس کی بیوی چار سال انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن انتظار کرے پھر اگر اس کا پہلا خاوند واپس آ جائے تو اسے اختیار دیا جائے گا خواہ وہ اپنی بیوی کو دیا ہوا مہر وصول کرلے یا اپنی بیوی کو واپس لے لے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۶۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۴، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عطاء خراسانی متوفی ۱۵۳ھ نے خبر دی کہ ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ، ان دونوں نے مفقود الخبر کی میراث اور اس کی بیوی کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ وہ چار سال انتظار کرے گی، پھر دوبارہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۶۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۵، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از الثوری از یونس بن خباب از مجاہد از الفقید، انہوں نے بیان کیا کہ میں کسی گھاٹی میں داخل ہوا، پس جنات مجھے بھگا کر لے گئے تو میری بیوی نے چار سال انتظار کیا، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ چار سال اس وقت سے انتظار کرے جب اس نے اپنا مقدمہ حضرت عمر کو پیش کیا تھا، پھر آپ نے اس کے ولی کو بلایا، سو آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے، الفقید نے کہا: پھر اس کے بعد میں اس وقت آیا جب میری بیوی دوسری جگہ نکاح کر چکی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے اختیار دیا، خواہ میں اپنی بیوی واپس لے لوں یا اپنا دیا ہوا مال اس سے وصول کرلوں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۶۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۸۵، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از معمر از ثابت البنانی از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو گیا، سو وہ چار سال تک ٹھہری رہیں، پھر اس نے اپنا مقدمہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا، تو حضرت عمر بن الخطاب نے اس کو حکم دیا کہ جب اس نے ان کے پاس مقدمہ پیش کیا تھا اس کے بعد مزید چار سال انتظار کرے، پھر اگر اس کا خاوند آ گیا تو فبہا ورنہ وہ نکاح کرلے، پھر اس نے چار سال کے بعد نکاح کرلیا اور اس نے اپنے خاوند کی کوئی خبر نہیں سنی، پھر اس کے بعد اچانک اس کا خاوند آ گیا اور اس نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کو کسی نے بتایا کہ تمہاری بیوی نے تمہارے بعد دوسرا نکاح کرلیا ہے تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، پس اس نے بتایا کہ جس نے میری بیوی کو چھین لیا ہے، اس سے میری بیوی کو واپس دلایئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر گھبرا گئے اور پوچھا: یہ کون ہے؟ اس نے پوچھا: آپ امیر المومنین ہیں؟ حضرت عمر نے پوچھا: کیا ہوا؟ اس نے کہا: مجھے جنات اٹھا کر لے گئے، اس کے بعد جب میں وطن پہنچا تو میری بیوی نکاح کر کے جا چکی تھی اور مجھے لوگوں نے بتایا کہ آپ نے اسے نکاح کرنے کا حکم دیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا: اگر تم چاہو تو ہم تمہاری بیوی تمہاری طرف واپس لوٹا دیں اور اگر تم چاہو تو ہم تمہارا کسی اور عورت سے نکاح کر دیں، اس نے کہا: بلکہ آپ میرا کسی اور عورت سے نکاح کر دیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے جنات کے متعلق سوال کرتے رہے اور وہ ان کو جواب دیتا رہا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۶۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۶، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے داؤد بن ابی ہند نے خبر دی از ایک مرد از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک مرد اپنی قوم کی مسجد کی طرف عشاء کی نماز پڑھنے گیا تو اس کو جنات اٹھا کر لے گئے، تب اس کی بیوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی قوم کو بلایا اور اس سے اس واقعہ کے متعلق سوال کیا اور انہوں نے اس عورت کی تصدیق کی تو آپ نے اس عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ چار سال تک انتظار کرے

، پھر وہ چار سال پورے ہونے کے بعد آئی تو آپ نے اس کو نکاح کرنے کا حکم دیا، سو اس نے نکاح کر لیا، پھر اس کا خاوند واپس آ گیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، میری بیوی! نہ میں مرا ہوں اور نہ ہی میں نے اسے طلاق دی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ مرد ہیں جن کے ساتھ ایسا ایسا ہوا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرد کو یہ اختیار دیا کہ خواہ وہ اپنی بیوی کو واپس لے لے یا اس سے اپنا مہر وصول کر لے، پھر اس مرد سے سوال کیا: تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا، تو اس نے بتایا کہ مجھے کفار جن اٹھا کر لے گئے تھے اور میں ان کے درمیان میں رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمہارا ان کے ہاں کھانا کیسا ہوتا تھا؟ اس نے کہا: جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جاتا، اس کو وہ کھاتے تھے حتیٰ کہ مسلمان جنات نے ان کے خلاف جہاد کیا، پس ان کو شکست دے دی اور انہوں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو ہمارے پاس رہیں اور اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو آپ کی قوم کی طرف لوٹا دیں، تو میں نے کہا کہ مجھے میری قوم کی طرف لوٹا دیں تو انہوں نے میرے ساتھ اپنی ایک جماعت کو بھیجا، اور رات کو وہ مجھ سے باتیں کرتے اور میں ان سے باتیں کرتا اور ان کے اندر آندھیاں چلتیں حتیٰ کہ میں آپ کے پاس پہنچ گیا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۷، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از معمر از ایوب، وہ بیان کرتے ہیں کہ ولید نے حجاج کی طرف مکتوب لکھا کہ آپ اپنے سے پہلے لوگوں سے مفقود الخبر کے متعلق سوال کریں جب وہ آ جائے اور اس کی بیوی نکاح کر چکی ہو تو حجاج نے ابو ملیح بن اسامہ سے سوال کیا تو ابو ملیح نے کہا: مجھے حضرت سُہیمہ بنت عمیر شیبانیہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کسی غزوہ میں جہاد کیا تھا، جس میں ان کے خاوند مفقود الخبر ہو گئے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ شہید ہو گئے یا نہیں، پس میں نے چار سال تک انتظار کیا، پھر میں نے نکاح کر لیا، پھر میرا پہلا خاوند آ گیا، حالانکہ میں نکاح کر چکی تھی، ابو ملیح نے بیان کیا کہ حضرت سہیمہ کا پہلا خاوند اور دوسرا خاوند دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ کے پاس سوار ہو کر گئے، اس وقت باغیوں نے ان کو محصور کیا ہوا تھا، اور دونوں نے سوال کئے اور دونوں نے اپنا اپنا واقعہ ذکر کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ پہلے خاوند کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ چاہے تو اپنی بیوی کو قبول کر لے یا چاہے تو اس سے اپنا مہر وصول کر لے۔ ابو ملیح نے کہا: پھر تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ کو شہید کر دیا گیا، پھر وہ دونوں سوار ہو کر حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کے پاس کوفہ میں گئے اور ان دونوں نے آپ سے سوال کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا یہی صورت واقعہ ہے؟ تو ان دونوں نے کہا کہ آپ خود دیکھ رہے ہیں اور اس میں آپ کا فتویٰ ضروری ہے اور ان دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی خبر دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے بھی وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تھا تو پہلے خاوند نے مہر کو اختیار کر لیا، تو حضرت سُہیمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے اپنے دوسرے خاوند کی دو ہزار (۲۰۰۰) درہم کے ساتھ مدد کی اور کل مہر چار ہزار (۴۰۰۰) درہم تھا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۰۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۸، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از ثوری از داؤد بن ابی ہند از ابن المسیب، بیان کرتے ہیں کہ جب کسی عورت کا خاوند لڑائی کی صف میں مفقود الخبر ہو جائے تو ایک سال انتظار کرے اور جب لڑائی کی صف کے علاوہ مفقود الخبر ہو تو پھر چار سال تک انتظار کرے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۰۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۸، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

امام سعید بن منصور الخراسانی التوفی ۲۲۷ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از سعید از ہشیم از یحییٰ بن سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ از حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ، انہوں نے فرمایا: مفقود الخبر کی بیوی چار سال انتظار کرے گی، پھر اپنے خاوند کی عدت وفات گزارے گی، پھر اگر وہ چاہے تو نکاح کر سکتی ہے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۳، ج ۱ ص ۴۰۰، دارالکتب العلمیہ بیروت)

از سعید از سفیان از عمرو بن دینار از یحییٰ بن جعدہ کہ ایک مرد کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنات اٹھا کر لے گئے، پس جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ وہاں ٹھہرا رہا، پھر اس کی بیوی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ چار سال تک انتظار کرے، پھر جب وہ نہیں آیا تو آپ نے اس کے خاوند کے ولی کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کو طلاق دے دے، پھر اس عورت کو حکم دیا کہ وہ عدت گزارے، پھر جب اس کی عدت گزر گئی اور اس کا خاوند آ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خاوند کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو اپنی بیوی کو قبول کر لے اور اگر چاہے تو اپنا مہر وصول کر لے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۴، ج ۱ ص ۴۰۱، دارالکتب العلمیہ بیروت)

از سعید از ابی عوانہ از ابی بشر از عمرو بن ہرم از جابر بن زید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ اور از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ، ان دونوں نے بیان کیا کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال انتظار کرے گی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان چار سالوں میں خاوند کے مال سے خرچ کیا جائے گا، کیونکہ اس عورت نے اپنے نفس کو اپنے خاوند کے لئے روکے رکھا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب اس سے وارثوں کو نقصان ہو تو وہ عورت قرض حاصل کرے گی اگر اس کا خاوند آ گیا تو وہ اس کے مال سے وصول کرے گی اور اگر وہ غائب رہا تو وہ میراث میں سے اپنا حصہ وصول کرے گی، اور ان دونوں نے کہا کہ چار ماہ دس دن تک اس کے جمیع مال سے اس عورت پر خرچ کیا جائے گا۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۶، ج ۱ ص ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ بیروت)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رُکے رہنے کی مدت کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن علی بن ابی سہیل السرخسی الحنفی التوفی ۴۸۳ ھ لکھتے ہیں:

شریعت میں مفقود الخبر کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے حق میں زندہ ہے حتیٰ کہ اس کے وارثوں کے درمیان اس کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا اور دوسروں کے حق میں وہ مردہ ہے حتیٰ کہ اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ اس کی حیات کا ثبوت استصحاب حال سے ہے (اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح وہ پہلے زندہ تھا، اسی طرح اس کو اب بھی زندہ فرض کیا جائے گا) کیونکہ استصحاب حال سے اس کی حیات معلوم ہے تو جب تک اس کی موت کا ثبوت نہ ہو تو اس کو زندہ ہی فرض کیا جائے گا، اسی وجہ سے اس کی بیوی ہمارے نزدیک نکاح نہیں کرے گی اور یہی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ کا مذہب ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ وہ عورت آزمائش میں مبتلاء ہے، سو اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے حتیٰ کہ اس کے خاوند کی موت ظاہر ہو جائے یا اس کی طلاق ظاہر ہو جائے اور ابراہیم نخعی بھی اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔

اور ہم نے سنا ہے کہ اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے اور یہ قول غلط ہے اور چار سال انتظار کرنے کا قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ کا ابتداء میں تھا، پھر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے قول پر عمل کرتے ہیں، پس وہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ چار سال کی مدت کے بعد اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کا علم ہو جاتا اور جس چیز کا علم نہ ہو اس کو ظاہر پر مبنی کرنا واجب ہے، خصوصاً ضرورت کے وقت تا کہ اس کی بیوی سے ضرر کو دور کیا جا سکے اور اس کی بیوی سے ضرر کو دور کرنا ضروری ہے تا کہ وہ معلقہ نہ رہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عنین (نامرد) اور اس کی بیوی کے درمیان ایک سال کی مدت کے بعد تفریق کر دی جاتی ہے تا کہ عنین کی بیوی سے ضرر کو دور کیا جا سکے اور ایلاء کرنے والے اور اس کی بیوی کے درمیان چار ماہ کی مدت کے بعد تفریق کر دی جاتی ہے تا کہ اس کی بیوی سے ضرر کو دور کیا جا سکے، لیکن مفقود الخبر کا عذر ایلاء کرنے والے مرد اور نامرد کے عذر سے زیادہ ظاہر ہے، لہٰذا مفقود الخبر کی بیوی کے حق میں انتظار کرنے کی دونوں مدتوں کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ اس طرح ہوگا کہ مہینوں کو سالوں کے قائم مقام قرار دیا جائے، لہٰذا مفقود الخبر کی بیوی کو چار سال کی مدت تک انتظار کا حکم دیا جائے گا۔

ہم امام مالک کے اس قول پر عمل نہیں کرتے، کیونکہ مفقود الخبر کا نکاح اس کے حق میں قائم ہے اور وہ زندہ ہے اور اگر ہم اس کی بیوی کو نکاح کرنے کی اجازت دے دیں تو اس مفقود الخبر کو مردہ قرار دیا جائے گا کیونکہ ایک عورت ایک حالت میں دو مردوں کے لئے حلال نہیں ہوتی، پھر اس کے مال کی تقسیم بھی واجب ہوگی اور اس کے مال کی تقسیم کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کی موت کے اوپر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

اور ایلاء کرنے والے اور عنین (نامرد) کے حق میں مدت کا اندازہ اس کی بیوی سے معلقہ ہونے کے ظلم کو دور کرنے کے لئے ہے اور مفقود الخبر کی بیوی کے حق میں ظلم کا معنی ثابت نہیں ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ وہ اس کی بیوی ہے جو آزمائش میں مبتلاء ہو گئی ہے کہ اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کو اس سے بڑی مصیبت میں مبتلاء فرما دیتا۔

پس جب مفقود الخبر کی کوئی یقینی اطلاع معلوم نہ ہو تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ جب اس کے معاصرین میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں رہے گا تو پھر اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے گا کیونکہ شریعت میں طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کی معرفت حاصل نہ ہو تو اس کے امثال کی معرفت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جیسے جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا جائے تو اس کی مثل عورتوں کے مہر کی طرف رجوع کیا جاتا ہے یا جیسے مُحرِم کسی جانور کا شکار کر لے تو اس جانور کی مثل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے یا جیسے کوئی شخص کسی کی کوئی معین چیز ضائع کر دے تو اس کے تاوان میں اس معین چیز کی مثل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور جب مفقود الخبر کے تمام معاصرین مر جائیں تو پھر اس کا زندہ رہنا بہت نادر ہے اور احکام شرعیہ ظاہر پر مبنی ہوتے ہیں نادر پر مبنی نہیں ہوتے۔

اور حسن بن زیاد رحمہ اللہ علیہ یہ کہتے تھے کہ جب مفقود الخبر کی پیدائش کے بعد ایک سو بیس (۱۲۰) سال مکمل ہو جائیں تو پھر اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے گا اور یہ قول نجومیوں اور فلسفیوں کے قول پر مبنی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایک سو بیس (۱۲۰) سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتا لیکن ان کا یہ قول غلط ہے کیونکہ اس سے زیادہ لمبی عمر کا نصوص صریحہ سے ثبوت ہے، جیسے حضرت سیدنا نوح صلاۃ اللہ وسلامہ کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال سے زیادہ تھی اور اسی طرح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال سے زیادہ تھی۔

امام ابو یوسف کا مذہب اور مولود کی ولادت سے لے کر موت تک کے مراحل

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے:
جب مفقود الخبر کی پیدائش سے لے کر ایک سو سال گزر جائیں تو اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے گا، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں کوئی شخص ایک سو (۱۰۰) سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتا۔
اور حکایت ہے کہ جب امام ابو یوسف سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں تم کو محسوس طریقہ سے بتاتا ہوں، کیونکہ جب بچہ دس (۱۰) سال کا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے ماں باپ کے گرد گھومتا رہتا ہے اور انہوں نے دس کا عقد بنایا اور جب وہ بیس (۲۰) سال کا ہو جاتا ہے تو وہ بچپن اور جوانی کے درمیان ہوتا ہے اور انہوں نے بیس کا عقد بنایا، اور جب وہ تیس (۳۰) سال کا ہو جاتا ہے تو وہ اس طرح مستوی ہو جاتا ہے پھر انہوں نے تیس (۳۰) کا عقد بنایا، اور جب وہ چالیس (۴۰) سال کا ہو جاتا ہے تو اس پر ذمہ داریوں کا بوجھ لا دا جاتا ہے اور انہوں نے چالیس کا عقد بنایا، اور جب وہ پچاس (۵۰) سال کا ہو جاتا ہے تو کاموں اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے اس کی کمر ٹیڑھی ہو جاتی ہے، پھر انہوں نے پچاس کا عقد بنایا اور جب وہ ساٹھ (۶۰) سال کا ہو جاتا ہے تو اس کا جسم بڑھاپے کی وجہ سے سکڑنے لگتا ہے اور انہوں نے ساٹھ کا عقد بنایا، پھر جب وہ ستر (۷۰) سال کا ہو جاتا ہے تو پھر وہ لاٹھی ٹیک کر چلتا ہے، پھر انہوں نے ستر (۷۰) کا عقد بنایا، پھر جب وہ اسی (۸۰) سال کا ہو جاتا ہے تو پھر وہ بستر پر اس طرح لیٹ جاتا ہے جس طرح لاٹھی انہوں نے بستر پر ڈال دی، پھر انہوں نے اسی کا عقد بنایا، پھر جب وہ نوے (۹۰) سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی انتڑیاں آپس میں مل جاتی ہیں، پھر انہوں نے نوے کا عقد بنایا، پھر جب وہ سو سال کا ہو جاتا ہے تو وہ دنیا سے عقبیٰ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ حساب دائیں سے بائیں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔
اور محمد بن سلمہ مفقود الخبر کے متعلق امام ابو یوسف متوفی ۱۸۳ھ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے حتیٰ کہ ان پر امام ابو یوسف کے قول کی خطاء منکشف ہوئی کیونکہ وہ ایک سو سات سال (۱۰۷) تک زندہ رہے، پس زیادہ مناسب یہ ہے کہ مفقود الخبر کی عمر کے متعلق کوئی اندازہ نہ کیا جائے کیونکہ یہ تمام اندازے آراء پر مبنی ہیں اور ان کے متعلق کوئی نص صریح نہیں ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مفقود الخبر کے معاصرین میں سے ایک آدمی بھی زندہ نہیں رہے گا تو اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے گا۔

جنات کے بنو آدم پر تصرف کرنے کے متعلق احادیث اور آثار سے دلائل

اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے ذکر کیا ہے کہ میری خود ایک مفقود الخبر سے ملاقات ہوئی، اس نے بتایا کہ میں گھر سے باہر نکلا تو مجھے جنات کے گروہ نے پکڑ لیا، سو میں ان کے ساتھ ایک مدت تک رہا، سو ان کو مجھے آزاد کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے مجھے آزاد کر دیا، پھر وہ جنات مجھے ایک شہر کے قریب لائے اور کہا: کیا تم ان کھجوروں کے باغ کو پہچانتے ہو؟ پھر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا، ادھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے چار سال کے بعد میری بیوی پر طلاق بائنہ واقع کر دی تھی اور وہ حائضہ ہو گئی اور اس کی عدت پوری ہو گئی اور اس نے نکاح کر لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو وہ میری بیوی مجھے واپس لوٹا دیں اور اگر میں چاہوں تو اس کا مہر قبول کر لوں۔ (نصب الرایہ للزیلعی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ ج ۳ ص ۴۷۱-۴۷۲ ، مجلس علمی سورۃ ہند ۱۳۵۷ھ)
اور اس حدیث میں اہل السنہ والجماعہ کے اس مذہب پر یہ دلیل ہے کہ جنات بنو آدم پر تسلط اور تصرف کرتے ہیں اور مبتدعین

اس کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جنات کا آدمی میں دخول محال ہے، کیونکہ ایک شخص میں دو روحوں کا جمع ہونا ثابت نہیں ہے اور جنات کا بنو آدم میں تصرف اس کے بغیر ہوتا ہے کہ جنات بنو آدم کے اجسام میں داخل ہوں اور بعض منکرین یہ کہتے ہیں کہ جنات اجسام لطیفہ ہیں اور یہ متصور نہیں ہوسکتا کہ وہ جسم کثیف کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جائیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کے اس نظریہ کے خلاف احادیث وارد ہیں۔

حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان بنو آدم کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے''۔

(صحیح البخاری: ۲۰۳۹، سنن ابوداؤد: ۲۴۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۷۷۹، سنن دارمی: ۲۷۸۲، مسند احمد: ۱۲۵۹۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان کے سر میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے سر کے پیچھے گدی پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک دیتا ہے کہ رات لمبی ہے تو سوتا رہ، پھر اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وہ تہجد کی نماز پڑھ لے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے، پھر جب وہ صبح کو اٹھے تو اس کا نفس پاکیزہ اور شاداب ہوتا ہے ورنہ جب وہ صبح کو اٹھتا ہے تو خبیث النفس ہوتا ہے اور سستی کا مارا ہوا ہوتا ہے (منحوس ہوتا ہے)۔

(صحیح البخاری: ۱۱۴۲، صحیح مسلم: ۷۷۶، سنن نسائی: ۱۶۰۷، سنن ابوداؤد: ۱۳۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۳۲۹، مسند احمد: ۷۲۶۶، موطا امام مالک: ۴۲۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس مرد کا ذکر کیا گیا جو رات بھر سوتا رہتا ہے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے اور وہ نماز پڑھنے کے لئے نہیں اٹھتا، آپ نے فرمایا: ''شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے''۔

(صحیح البخاری: ۱۱۴۴، صحیح مسلم: ۷۷۴، سنن نسائی: ۱۶۰۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۲۰، مسند احمد: ۴۰۴۹)

ان احادیث میں ہماری یہ دلیل ہے کہ شیطان انسان کے جسم کے اوپر تصرف کرتا ہے اور ہم اس کی کیفیت کے بیان میں مشغول نہیں ہوتے۔ (تاہم تحقیق یہ ہے کہ جنات کا بنو آدم کے اعضاء اور حواس کو معطل کر کے پھر ان پر تصرف کرنا محال ہے مثلاً زبان آدمی کی ہو اور کلام جن کرے یا ہاتھ آدمی کا ہو اور اس سے ضرب جن لگائے۔ اس کی تحقیق سورۂ ابراہیم: ۲۲ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ سعیدی غفرلہٗ)، (تبیان القرآن ج ۶ ص ۱۷۵-۱۷۷، فرید بک سٹال، لاہور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو چار سال انتظار کے بعد مفقود الخبر کو نکاح کی اجازت دی تھی اس سے ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ ترجیح

رہا مفقود الخبر کو یہ اختیار دینا کہ وہ چاہے تو اس کی بیوی کو اس کی طرف لوٹا دیا جائے اور چاہے تو اس کو مہر واپس دیا جائے تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے مذہب پر مبنی ہے کہ جس عورت کو اس کے مفقود الخبر خاوند کی موت کی خبر دی جائے، پھر وہ اس کی عدت گزار کر نکاح کرے اور پھر وہ پہلا خاوند زندہ آ جائے تو اس پہلے خاوند یعنی مفقود الخبر کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ چاہے تو اس کو اس کی بیوی دے دی جائے اور چاہے تو اس کو اس کا مہر دے دیا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے اس قول سے رجوع کر کے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کے قول کو اختیار کرنا دلائل صحیحہ سے ثابت ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ پہلے خاوند یعنی مفقود الخبر کو اس کی بیوی کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس عورت اور اس کے دوسرے خاوند کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور دوسرے شوہر نے اس

عورت کی فرج کے ساتھ جو حلال کا معاملہ کیا ہے اس کے معاوضہ میں اس عورت کو مہر ادا کیا جائے گا اور اس کا پہلا خاوند یعنی مفقود الخبر اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا حتیٰ کہ دوسرے شوہر کی عدت پوری ہو جائے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی پر عمل کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ کا قول میرے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ کے قول سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(علامہ سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ ھ فرماتے ہیں:) ہم بھی اسی پر عمل کرتے ہیں کیونکہ یہ واضح ہو گیا کہ جب مفقود الخبر کی بیوی نے دوسرے مرد سے نکاح کیا تو اس وقت وہ مفقود الخبر کی منکوحہ تھی اور منکوحۃ الغیر دوسرے مرد کے لئے حلال نہیں ہے بلکہ وہ تمام لوگوں کے لئے محرمات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء: ۲۴) اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہیں۔

پس مفقود الخبر کی بیوی کا دوسرے شوہر سے نکاح کرنا کیونکر جائز ہوگا! (المبسوط ج ۱۱ ص ۳۶-۴۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کی مدت کے متعلق فقہاء شافعیہ کی تصریحات

امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مفقود الخبر جس طرح بھی غائب ہو اس کی عورت عدت نہیں گزارے گی اور وہ کبھی بھی نکاح نہیں کرے گی حتیٰ کہ اس کے خاوند کی موت کی یقینی خبر آ جائے۔

علامہ الماوردی نے کہا ہے کہ یہ قول صحیح ہے اور مرد کے اپنی بیوی سے غائب ہونے کی درج ذیل دو صورتیں ہیں:

(۱) متصل خبروں سے معلوم ہو کہ وہ مرد زندہ ہے تو اس کی بیوی کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا محال ہے، اگرچہ اس کے غائب ہونے کی مدت طویل ہو خواہ اس نے اپنی بیوی کے خرچ کے لئے مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو تو اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) اس مرد کے متعلق خبریں منقطع ہوں اور ان کا زندہ ہونا نامعلوم ہو تو اس کا حکم اس کے مختلف احوال پر مبنی ہے، آیا اس نے ایک سفر کیا ہے یا وہ ایک شہر میں ٹھہرا اور وہاں سے دوسرے شہر میں چلا گیا اور آیا اس کا سفر خشکی میں تھا یا سمندر میں تھا خواہ اس کی کشتی سلامت رہی یا ٹوٹ گئی یا وہ جنگ کی صفوں کے درمیان گم ہو گیا تو وہ ان تمام صورتوں میں مفقود الخبر ہے اور اس کا مال موقوف ہے جس میں اس کے وکلاء تصرف کریں گے اور اس کے وارثوں میں اس کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا اور جب اس کو غائب ہوئے کافی مدت گزر جائے اور اس کی خبر نامعلوم ہو تو اس کے متعلق درج ذیل دو قول ہیں:

مفقود الخبر کی بیوی کے انتظار کی مدت کے متعلق دیگر فقہاء کے اقوال

(۱) مفقود الخبر کی بیوی حاکم کے حکم سے چار سال انتظار کرے گی، پھر حاکم مفقود الخبر کی بیوی کے حق میں مفقود الخبر کی موت کا فیصلہ کر دے گا، پھر مفقود الخبر کی بیوی چار مہینہ دس دن عدت وفات گزارے گی، پھر جب اس کی عدت پوری ہو جائے گی تو اس کا نکاح کرنا جائز ہوگا، یہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا قدیم قول ہے اور اسی قول کے مطابق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ ھ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ، اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ نے فیصلہ کیا ہے، اور فقہاء تابعین میں امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ کا

نظریہ ہے، مگر امام مالک نے مفقود الخبر کے رات میں نکلنے اور دن میں نکلنے کے متعلق فرق کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ رات میں نکلا ہے تو پھر وہ مفقود الخبر ہے اور اگر دن میں نکلا ہے تو پھر مفقود الخبر نہیں ہے، ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ (البقرہ: ۲۳۱) اور ان کی بیویوں کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ روکے رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو۔

اور اس حال میں مفقود الخبر کی بیوی کو اس کے نکاح میں روکے رکھنا اس پر ضرر اور عدوان ہے۔

(میں کہتا ہوں: اگر اس کی بیوی کا خاوند دن میں غائب ہو گیا ہو اور اس کی خبر کا مدت تک پتا نہ ہو تو پھر وہ مفقود الخبر کیوں نہ ہوگا اور اس کی بیوی کو اس کے نکاح میں دائماً روکے رکھنا اس پر ظلم اور عدوان کیوں نہ ہوگا؟ میرے نزدیک علامہ الماوردی متوفی ۴۵۰ھ کی امام مالک متوفی ۱۷۹ھ سے یہ نقل صحیح نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

مفقود الخبر کو جنات کا اٹھا کر لے جانا

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے پاس آئی، سو اس نے کہا کہ اس کا خاوند اپنے محلہ کی مسجد کی طرف نکلا اور غائب ہو گیا اور اس کی خبر نہیں آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ عورت چار سال تک انتظار کرے، سو اس عورت نے چار سال تک انتظار کیا۔ اس کے بعد وہ پھر آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ تم اس کی چار ماہ دس دن عدت وفات گزارو، سو اس عورت نے وہ عدت گزار لی، پھر وہ لوٹ آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تمہارا نکاح کرنا جائز ہے اور حلال ہے، سو اس نے نکاح کر لیا، پھر اس کا خاوند لوٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ اس کی بیوی نے نکاح کر لیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس کا سبب کیا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میں چار سال غائب رہا تو آپ نے میری بیوی کا نکاح کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم بغیر کسی جہاد کے اور بغیر کسی تجارت کے چار سال تک غائب رہے، پھر تم میرے پاس آ کر کہتے ہو کہ آپ نے میری بیوی کا نکاح کر دیا؟ تو اس نے بتایا کہ میں اپنے محلہ کی مسجد کی طرف گیا تو جنات مجھے چھین کر لے گئے اور میں ان کے پاس رہا، پھر مسلمان جنات نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ میں ان کے پاس قید ہوں، انہوں نے پوچھا: تمہارا دین کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میرا دین اسلام ہے، تو انہوں نے مجھے یہ اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو ان کے پاس رہوں اور اگر چاہوں تو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤں، تو میں نے اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے کو اختیار کر لیا، تو انہوں نے مجھے ایسی قوم کے سپرد کیا کہ میں رات کو مردوں کا کلام سنتا تھا اور دن میں غبار کی مثل دیکھتا تھا، پھر میں ان کے پیچھے چلتا رہا حتیٰ کہ میں آپ لوگوں کے پاس پہنچ گیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو اپنی بیوی کو اختیار کر لوں اور اگر چاہوں تو اپنا دیا ہوا مہر واپس لے لوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے (سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۶) اور امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ نے بھی اس اثر کی اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۵)

یہ قصہ صحابہ کرام کے درمیان مشہور ہو گیا اور صحابہ کرام نے اس کے مطابق فیصلہ کیا تو یہ حجت ہو گیا اور اس لیے بھی کہ کسی عورت کا شوہر نامرد ہو تو اس کا نکاح فسخ کر دیا جاتا ہے، اور اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو خرچ دینے سے عاجز ہو تو تب بھی نکاح فسخ کر دیا جاتا

ہے تو جب کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو اور وہ اپنی بیوی سے جماع کرنے سے بھی قاصر ہو اور اس کا خرچ دینے سے بھی قاصر ہو تو اس عورت کا نکاح فسخ کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔

مفقود الخبر کی موت کی یقینی خبر کے بغیر اس کی بیوی کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کا جائز نہ ہونا

(۲) مفقود الخبر کی بیوی اس کے نکاح پر باقی رہے گی اور جب تک اس کا خاوند نہیں آتا وہ اس کے نکاح میں مقید رہے گی، خواہ اس کے غائب رہنے کی مدت طویل ہو جائے، جب تک کہ اس کے خاوند کے موت کی یقینی خبر نہ آجائے اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا جدید قول ہے اور یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ کے قول کے مطابق ہے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ کا قول ہے اور فقہاء عراق کا قول ہے اور اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

سوار بن مصعب از محمد بن شرحبیل از حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ مفقود الخبر کی بیوی اسی کی بیوی رہے گی حتیٰ کہ اس کی بیوی کے پاس کوئی یقینی خبر آجائے۔

اس حدیث کی امام بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ نے ج ۷ ص ۴۴۵ میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا راوی سوار بن مصعب ضعیف ہے، اور امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۲۸۵ ھ نے اس حدیث کی سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳۱۲ میں روایت کی ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور اگر یہ حدیث ثابت ہو تو یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مذہب پر نص صریح ہے اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جس کی موت نامعلوم ہو تو اس کی موت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور اس لئے بھی کہ اگر کسی کی بیوی غائب ہو جائے حتیٰ کہ اس کی خبر نہ ملے تو اس کی موت کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے تاکہ اس کا خاوند اپنی بیوی کی بہن سے نکاح نہ کرلے یا اس کے سوا دیگر چار عورتوں سے نکاح نہ کرلے۔ رہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث تو یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے اس فیصلہ سے رجوع کرلیا تھا، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ ھ نے بھی اپنے اپنے فیصلوں سے رجوع کرلیا تھا، تو ان کے اختلاف کے بعد اس پر اجماع ہو گیا تھا اور نامرد اور شوہر کے خرچ نہ دینے کی عورت میں نکاح کی تفریق پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ نامرد کی خلقت میں نقص ہے اور شوہر کا خرچ نہ دینا اس پر ظلم ہے اور مفقود الخبر میں یہ دونوں علتیں موجود نہیں ہیں، کیونکہ اس کی خلقت کامل ہے اور وہ اپنی بیوی کو خرچ دینے کا ضامن ہے جو اس کے مال سے اس کی بیوی کو دیا جائے گا۔ (الحاوی الکبیر ج ۱۴ ص ۳۶۵-۳۶۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ ھ)

فقہاء شافعیہ کے موقف پر امام ابواسحاق شیرازی کے دلائل

امام ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الشیرازی متوفی ۴۵۵ ھ نے کہا ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند غائب ہو جائے تو اس کے متعلق دو قول ہیں، امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ اس عورت کے لئے اپنے نکاح کو فسخ کرا کر دوسرا نکاح کرلینا جائز ہے اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے اور یہی قول صحیح ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کے لئے اپنے نکاح کو فسخ کرانا جائز نہیں ہے، کیونکہ جب مفقود الخبر کے مال کی تقسیم کے لئے مفقود الخبر کی موت کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے تو اس کی بیوی کے نکاح کے لئے بھی اس کی موت کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے معارض حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے، انہوں نے فرمایا کہ مفقود الخبر کی بیوی کو انتظار کرنا چاہیے حتیٰ کہ اس کی بیوی کو اس کی موت کا یقینی علم ہو جائے۔ (المہذب فی فقہ الامام الشافعی ج ۲ ص ۱۴۶)

الشیخ عادل احمد عبدالموجود اور دیگر علماء شافعیہ المہذب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام کے قول کی روایت امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے مسند الشافعی: ۲۰۷ میں کی ہے اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: مفقود الخبر کی بیوی نکاح نہیں کرے گی۔

(سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۴ نشر السنہ ملتان)، (تکملۃ المجموع شرح المہذب ج ۲۱ ص ۸۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کی مدت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کی تصریحات

امام موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

جب کوئی مرد اپنی بیوی سے غائب ہو جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کسی عورت کا خاوند غائب ہو جائے اور اس کی خبر معلوم ہو اور اس کا خط بیوی کے پاس آتا ہو تو اس عورت کے لئے نکاح جائز نہیں ہے۔ یہ تمام فقہاء کا قول ہے جن میں امام ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ ھ، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۲۴ ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ اور دیگر فقہاء شامل ہیں۔

(۲) کوئی مرد غائب ہو جائے اور اس کی خبر منقطع ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس جگہ ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

(پہلی صورت) اس کا غائب ہونا کسی سلامتی کے سفر میں ہو مثلاً وہ تجارت کے سفر میں گیا ہو جس میں ہلاکت نہیں ہوتی یا طلب علم کے لئے گیا ہو یا سیر و سیاحت کے لئے گیا ہو، اس صورت میں اس کی بیوی کا اس کے ساتھ نکاح قائم رہے گا حتیٰ کہ اس کی موت کا ثبوت ہو جائے، یہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ کی روایت ہے اور اسی کے موافق امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا قول جدید ہے اور امام مالک اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے گی اور پھر چار ماہ دس دن تک عدت گزارے گی، اس کے بعد اس کا نکاح کرنا جائز ہوگا۔

(دوسری صورت) کوئی مرد ایسی صورت میں غائب ہو جس میں بہ ظاہر مرد ہلاک ہو جاتا ہے مثلاً وہ صبح نماز پڑھنے کے لئے گیا اور واپس نہیں آیا یا کسی کام سے قریبی جگہ پر گیا اور واپس نہیں آیا یا جنگ کی صفوں میں سے وہ غائب ہو گیا یا سمندری سفر میں اس کی کشتی یا جہاز غرق ہو گیا یا اور پھر اس کی خبر نہیں آئی، اس صورت میں امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس کی بیوی چار سال یا زیادہ مدت تک انتظار کرے گی اور اس کے بعد حاکم اس کی موت کا فیصلہ کر دے گا، پھر اس کی بیوی عدت وفات گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

(المغنی ج ۱۱ ص ۶۵-۶۷، ملخصاً، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۲۵ ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق شیخ عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمن ابن باز حنبلی المتوفی ۱۴۲۰ ھ، اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

رہا مفقود تو یہ وہ مرد ہے جس کی خبر مخفی ہے اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا، وہ کسی کی قید میں تھا یا سفر میں تھا، سو اس کی دو حالتیں ہیں، ایک حالت یہ ہے جس میں ظن غالب یہ ہوتا ہے کہ وہ سلامت رہے گا مثلاً وہ تجارت کے سفر میں گیا یا سیر و سیاحت کے لئے گیا تو اس کی بیوی اس وقت تک انتظار کرے گی جب تک اس کی ولادت سے لے کر ننانوے (۹۹) سال نہ گزر جائیں، دوسری حالت یہ ہے کہ جس میں ظن غالب یہ ہو کہ وہ مر گیا ہو مثلاً اس نے جس بحری جہاز میں سفر کیا تھا وہ غرق ہو گیا، جس میں بعض لوگ تو بچ

کر نکل گئے اور بعض لوگ مفقود ہو گئے تو اس صورت میں اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے گی، پھر اس کے بعد اس کا مال اس کے زندہ وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ (مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ ج ۲۰ ص ۱۷۱-۱۷۲، ملخصاً، مکتبۃ المورد، الطبع الرابع ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۶ء)

شیخ عثیمین حنبلی کا فتویٰ

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کیونکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر ہم کسی مرد کو ایک ماہ تک غائب پائیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ مرد موجود ہے، کیونکہ وہ مرد مشہور اور معروف ہوگا اور اگر وہ مرد مخفی ہو اور وہ دس سال یا زیادہ سالوں تک مخفی رہے اور لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے تو اگر اس کے غائب ہونے کی مدت سال دو سال ہو تو ہم اس پر موت کا حکم نہیں لگاتے اور اگر اس کے غائب ہونے کی مدت بہت طویل ہو تو ہم اس پر موت کا حکم لگا دیتے ہیں، اور جب حاکم مفقود الخبر کی موت کا حکم لگا دے تو پھر اس کی بیوی عدت وفات گزارنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۶۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کی مدت کے متعلق فقہاء مالکیہ کی تصریحات

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجھے یحییٰ نے حدیث بیان کی از مالک از یحییٰ بن سعید از سعید بن المسیب کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو گیا، پس اس عورت کو پتا نہیں چلا کہ اس کا خاوند کہاں ہے؟ تو وہ چار سال تک انتظار کرے گی، پھر وہ چار ماہ دس دن تک عدت گزارے گی، پھر اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا حلال ہوگا۔

(موطا امام مالک: ۱۲۴۹، ج ۲ ص ۱۱۹-۱۲۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(امام مالک اس روایت میں منفرد ہیں)۔

مسئلہ (۱): امام مالک نے کہا کہ اگر مفقود الخبر کی بیوی نے عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کر لیا تو پھر اس کے دوسرے خاوند نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو تو پہلے خاوند کی اس کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔

مسئلہ (۲): امام مالک نے کہا: ہمارے نزدیک بھی یہی حکم ہے اگر مفقود الخبر کی بیوی کو اس کے پہلے خاوند نے اس کے نکاح کرنے سے پہلے پا لیا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

مسئلہ (۳): امام مالک نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب مفقود الخبر کی بیوی کا پہلا خاوند آ جائے تو اس کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو وہ اپنی بیوی کو دیا ہوا مہر وصول کر لے اور چاہے تو اپنی بیوی کو واپس لے لے۔

(موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۲۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر الاندلسی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ موطا امام مالک کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ مفقود الخبر کے متعلق یہ فرماتے تھے کہ اس کی بیوی سلطان سے شکایت کرنے کے بعد چار سال تک انتظار کرے گی، پھر چار مہینہ دس دن عدت وفات گزارے گی، پھر اگر چاہے تو وہ نکاح کر سکتی ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۴)

امام مالک کا مذہب حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے قول پر مبنی ہے۔

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے بھی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے قول کی مثل مروی ہے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکثر روایات اس کے خلاف ہیں اور وہ یہ ہیں کہ مفقود الخبر کی بیوی نکاح نہیں کرسکتی، حتیٰ کہ اس کے شوہر کی موت کا یقین ہو جائے۔

(سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۴، معرفۃ السنن والآثار: ۱۵۳۶۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول پر امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب مبنی ہے۔

(الاستذکار ج ۱۷ ص ۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کی مدت کے متعلق شیوخ غیر مقلدین کا موقف

شیخ سید نذیر حسین غیر مقلد متوفی ۱۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین ابقاہم اللہ الی یوم الدین اس صورت میں کہ اس زمانہ میں ابتلائے عام ہے کہ اکثر آدمی اپنی عورتوں کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور مفقود الخبر ہو جاتے ہیں اور خرچ بھی نہیں بھیجتے اور قرض کا ملنا بھی دشوار ہے، اس سبب سے خوف ارتکاب فحش اور بدکاری کا ہے، عورات کے حق میں اور نیز گزارہ عورتوں کا بدون دینے نان ونفقہ زوج وغیرہ کے بھی نہایت دشوار ہے، تو اگر قاضی بوجہ ان ضرورتوں کے موافق مذہب امام مالک یا امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے عمل کرے اور اجازت نکاح کے واسطے زوجہ مفقود کے دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

الجواب: درصورت مرقومہ زن مفقود بعد انتظار چار برس بروقت ضرورت کے نکاح دوسرا بعد گزرنے اونے عدت چار مہینے دس دن کے کسی شخص سے کرلے موافق مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے، کیونکہ مذہب امام ممدوح کا یہ ہے کہ زن مفقود کی بعد گزرنے چار برس اور چار مہینے دس دن عدت موت کے گزار کر نکاح دوسرا بلا ریب کرلے مطابق فتوے حضرت عمر فاروق وعثمان وعبد اللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کے، چنانچہ فتح الباری اور تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الامام الرافعی وغیرہ میں بوجہ بسط وتفصیل مذکور ہے، اسی نظر سے جامع الرموز شرح مختصر الوقایہ، اور طحطاوی اور رد المحتار حواشی درمختار اور فتاویٰ حسب المفتین حنفی مذہب میں بھی بروقت ضرورت کے دوسرا نکاح کرنے کا زن مفقود کے واسطے فتویٰ دیا ہے اور قول امام مالک کا معمول بہ لکھا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا تھا، ایلاء میں چونکہ عورت کے حقوق پورے نہیں ہوتے، لہٰذا ان میں تفریق کردی جاتی ہے اور یہاں غیبت کی وجہ سے اس کے حقوق پورے نہیں ہو رہے ہیں اور نامرد کو ایک سال کی مدت دی گئی ہے، اس کے بعد تفریق ہے، کیونکہ اس میں بھی عورت کے حقوق پورے نہیں ہوتے، اگر ضرورت کے مقام پر ایسا فتویٰ دیا جائے تو جائز ہے۔ سعید بن المسیب نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر وعثمان نے یہی فیصلہ کیا تھا، عبد الرزاق نے زہری کے طریق سے اسے روایت کیا ہے، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ مفقود کی عورت چار سال تک انتظار کرے، ایک روایت میں ابن مسعود سے بھی یہی منقول ہے، تابعین میں سے نخعی، زہری، مکحول، عطاء، شعبی اسی کے قائل ہیں۔ تلخیص میں ہے کہ عمر، عثمان، ابن عباس کہتے ہیں: مفقود کی بیوی چار سال تک انتظار کرے، پھر وفات کی عدت گزارے، پھر نکاح کرے۔ شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ سے سوال کیا گیا کہ باپ نے چھوٹی لڑکی کا نکاح چھوٹے لڑکے سے کیا، اور لڑکے کے باپ نے اس کو قبول کرلیا، پھر بچے بڑے ہوگئے اور ایک دوسرے سے غائب رہے اور نکاح

فاسقوں کے شہادت سے ہوا، کیا قاضی ایسے نکاح کے مقدمہ کو شافعی المذہب کے پاس نکاح باطل کرنے کے لئے بھیج دے؟ اس نے کہا ہاں، اور حنفی قاضی بھی اس مسلک کو اختیار کر کے نکاح فسخ کر دے، اگرچہ اس کا اپنا مذہب ایسا نہ ہو، بحر میں ہے کہ اگر مقلد اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کر دے، تو وہ نافذ ہوگا، اور نہایہ میں ہے: اگر قاضی مجتہد نہ ہو اور اپنے مذہب کے خلاف فتویٰ پر فیصلہ کر دے، تو کوئی دوسرا قاضی اس کے فیصلے کو توڑ نہیں سکتا۔

ہماری دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ مفقود کی بیوی اسی کی عورت ہے، جب تک اسے صحیح اطلاع نہ ملے اور حضرت علی کا قول وہ ایک عورت ہے جو آزمائش میں پڑ گئی ہے وہ صبر کرے جب تک کہ اسے خاوند کی موت کی اطلاع نہ ملے یا طلاق نہ ہو۔

ان میں سے جو حدیث مرفوع بیان کی گئی ہے، وہ ضعیف ہے، اس کی سند میں محمد بن شرحبیل متروک الحدیث ہے، وہ مغیرہ سے منکر اور باطل روایتیں بیان کرتا ہے، ابن قطان نے کہا: اس کا راوی سوار بن مصعب مشہور متروک ہے، اس کے بعد صالح بن مالک ہے، وہ مجہول ہے اور اس کے بعد محمد بن فضل ہے، اس کا حال بھی معلوم نہیں ہے۔

حضرت علی کے قول کے معارض میں حضرت عمر، عثمان، ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر تو ان سب کے مقابلہ میں حضرت علی کے قول کو کیسے ترجیح ہو سکتی ہے؟ اور اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی یہ حنفی مذہب کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ امام صاحب نوے سال انتظار کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ابو یوسف سو سال کا اور امام حسن ایک سو بیس سال کا اور ظاہر روایت میں ہے کہ اس کے شہر کے تمام ہم عمر فوت ہو جائیں اور اگر ان سب اقوال کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی یقینی طور پر اس کی موت تو معلوم نہ ہوگی، پھر اس اندازہ کا کیا فائدہ۔

عامی کا مذہب اپنے مفتی کا فتویٰ ہے بغیر کسی مذہب کی تقیید کے۔

مفقود کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو وہ مر چکا ہے، اس صورت میں اس کی عورت پر عدت وفات ہے، اور یا پھر وہ زندہ ہوگا جس نے اپنی عورت کو بھلے طریقہ سے نہیں رکھا تو اس کے لئے تفریق لازم ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کو اچھے طریقہ سے رکھو، اگر واجب کے ادا کرنے میں کوتاہی ہو تو قاضی اس کی طرف سے نائب ہو کر فیصلہ کر سکتا ہے تو ایسی صورت میں ہم نے اس پر دو عدتیں واجب کی ہیں اور مطلقہ کے لئے جو شریعت میں سب سے زیادہ دور کی عدت تھی، وہ اس کے لئے مقرر کر دی، اور بقول شافعی رحمۃ اللہ علیہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے، اس کے بعد ہم نے وفات کی عدت مقرر کی اور چار سال کی مدت کو ہم نے بمنزلہ حکم تفریق کے مقرر کیا، اور قیاس مذکور کا جواب یہ ہے کہ نکاح اور دیگر معاملات میں بڑا فرق ہے، تنگ دست یا نامرد یا عیب دار کی بیوی کو علیحدگی کا اختیار ہے، لیکن لونڈیوں، امہات الاولاد کو اختیار نہیں ہے اور وارث مورث سے میراث کا مطالبہ نہیں کر سکتے کیونکہ میراث تو مورث کے بعد ایک اضطراری ملک ہے اور بیوی خرچ، رہائش اور مجامعت کا مرد سے مطالبہ کر سکتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں فرق صاف واضح ہے۔ (المسویٰ شرح الموطا للشاہ ولی اللہ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کی مدت کے متعلق شیوخ دیوبند کا موقف

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی لکھتے ہیں:

مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جو لاپتہ ہو جائے اور اس کے بارے میں کسی کو کوئی علم نہ ہو، اس کے اہل اور مال کے حکم میں ائمہ کا

اختلاف ہے۔

(۱) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک اس کے اہل اور مال دونوں میں اس وقت تک تصرف موقوف رہے گا جب تک اس کی وفات کا علم نہ ہو جائے یا یہ کہ اس کے ہم عمر اور اقران مر جائیں، اس کے بعد تصرف کی اجازت دی جائے گی، جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی، انتظار کرتی رہے گی۔

(مختصر اختلاف العلماء للطحاوی ج ۲ ص ۳۳۰-۳۲۹)

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل اور مال میں تفصیل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی مفقود ہو جائے اس کے معاملے کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا، حاکم اس کی تلاش کرائے گا اور نہ ملنے کی صورت میں اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے گی، چار سال کے بعد عورت کے لیے متوفی عنہا زوجہا ہونے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، چنانچہ عورت چار سال کے بعد عدت وفات یعنی چار ماہ دس دن گزار کر کسی دوسرے سے شادی کر سکتی ہے، البتہ یہ چار سال عدالت میں مقدمہ پیش ہونے کے بعد سے شمار کیے جائیں گے اور مال کی صورت میں مالکیہ فرماتے ہیں کہ اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی تا آنکہ اتنی مدت نہ گزر جائے جس میں مفقود کے مرجانے کا یقین ہو جائے، یہ مدت کتنی ہونی چاہیے؟ اس میں ستر سال، اسی سال، نوے سال، سو سال کے مختلف اقوال ہیں۔

(مالکیہ کے مذہب کی مذکورہ تشریح کے لئے دیکھیے: بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۶-۴۵)

(۳) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک میدان جنگ اور سمندری سفر میں گم ہونے والے کے لیے مدت مقرر کی جائے گی (مثلاً مالکیہ کی طرح چار سال) لیکن اس کے علاوہ عام مفقود کے لیے مدت مقرر نہیں کی جائے گی، اور اس کے اہل و مال میں اس وقت تصرف نہیں ہوگا جب تک اس کی وفات کا یقین نہ ہو جائے۔ (الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۱)

شوافع اور حنفیہ کا مسلک چونکہ اس سلسلے میں بہت سخت ہے، اس لیے فقہائے احناف مالکیہ کے مسلک پر فتویٰ دیتے ہیں اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں مستقل ایک رسالہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے نام سے تصنیف کرایا ہے، اس میں علمائے مالکیہ کے فتاویٰ اور اس مسئلے کے متعلق ان کے مذہب میں شرائط اور تفصیلات کو جمع کیا ہے۔

باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن مسیب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس اور امام زہری کے مختلف آثار نقل کیے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص صف قتال میں جہاد کے موقع پر گم ہو جاتا ہے تو اس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے گی، تربص امراتہ سنۃ، اصل میں تتربص ہے، ایک تاء کو تخفیفاً حذف کر دیا، اس تعلیق کو عبدالرزاق نے موصولاً نقل کیا ہے اور وہ زیادہ مکمل اور تام ہے ''اذا فقد فی الصف تربصت امراتہ سنۃ، واذا فقد فی غیر الصف فاربع سنین''۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۳۷)

دوسری تعلیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے، انہوں نے ایک باندی خریدی، ابھی اس کی قیمت ادا نہیں کی تھی کہ باندی کا مالک غائب ہو گیا، ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملا تو انہوں نے باندی کے ثمن کو ایک ایک درہم اور دو دو درہم کر کے صدقہ کرنا شروع کیا، صدقہ کرتے ہوئے فرماتے: اللهم عن فلان، فان اتى فلان فلى وعلى،

یعنی اے اللہ! یہ فلاں شخص کی طرف سے صدقہ ہے، اگر وہ شخص آ گیا تو یہ صدقہ میری طرف سے ہوگا میرے لیے اس کا ثواب ہوگا اور اس کا ثمن میرے ذمہ ہوگا۔ (فلی وعلی) ای فلی الثواب۔۔۔ وعلی الغرامہ۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لقطہ (گم شدہ چیز) کے بارے میں بھی اسی طرح کر لیا کرو (کہ ایک سال تک اس کا تعارف اور تشہیر کرو اور سال کے بعد اس کو صدقہ کر دو، صدقہ کے بعد اگر مالک آ گیا تو اس کا تاوان ادا کر دینا، صدقہ کا ثواب تمہیں ملے گا)۔

سعید بن منصور نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج۹ ص ۵۳۷)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کا اثر منقول ہے، ان کے اثر کو بھی سعید بن منصور نے موصولاً نقل کیا ہے۔

(فتح الباری ج۹ ص ۵۳۷)

چوتھی تعلیق حضرت زہری کی ہے، انہوں نے اس قیدی کے بارے میں جس کی جگہ معلوم ہو فرمایا کہ اس کی بیوی شادی نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس کا مال تقسیم کیا جائے گا، ہاں جب اس کی خبر منقطع ہو جائے اور اس کے متعلق کچھ پتہ نہ چلے تب اس قیدی کے ساتھ مفقود والا معاملہ اختیار کیا جائے" (مفقود کے بارے میں امام زہری کا مذہب یہاں بیان نہیں کیا گیا، ان کا مذہب یہ ہے کہ اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے گی اور پھر اس کو شادی کی اجازت ہوگی)۔ (فتح الباری ج۹ ص ۵۳۸)

ابن ابی شیبہ نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج۹ ص ۵۳۸)

(کشف الباری، کتاب الطلاق ص ۵۰۰-۵۰۲، مکتبہ فاروقیہ کراچی ۱۴۲۶ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کے متعلق علماء اہل سنت کا موقف

امام اہل سنت، مجدد دین وملت احمد رضا خان قادری بریلوی حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو اور مرد و عورت ہر دو حنفی مذہب کے ہیں تو عورت دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا کس قدر مدت تک انتظار کرے؟ علماء مذہب حنفیہ کے اس میں کیا حکم دیتے ہیں؟

الجواب: اتنی مدت کہ مرد کی عمر سے ستر (۷۰) برس گزر جائیں، یعنی اگر اب تک زندہ ہو تو ستر (۷۰) برس کا ہو، مثلاً تیس (۳۰) سال کی عمر میں مفقود ہوا تو عورت چالیس (۴۰) برس انتظار کرے، اس مدت گزرنے پر قاضی اس کی موت کا حکم کرے، بعد حکم عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے، عدت گزار کر جس سے چاہے نکاح کر لے، فتح القدیر میں ہے:

عندی الاحسن سبعون لقوله علیه الصلوٰة والسلام اعمار امتی مابین الستین الی السبعین فكانت المنتهی غالبا۔	میرے نزدیک ستر (۷۰) بہتر ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "میری امت کی عمر ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے" تو آخری حد غالباً معتبر ہے۔

(فتح القدیر ج۵ ص ۲۷۴، کتاب المفقود، نوریہ رضویہ سکھر)

جواہر اخلاطی میں ہے: انه احوط واقیس (یہی احتیاط اور قیاس کے زیادہ موافق ہے) اسی میں ہے، وعلیه الفتویٰ (اسی پر فتویٰ ہے۔ (جواہر اخلاطی، ص ۱۲۲، قلمی نسخہ ہے)

درمختار میں ہے:

فی واقعات المفتین لقدروی افندی معزیا للقنیة انه انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل فما لم ینضم الیه القضاء لا یکون حجة۔

واقعات المفتین میں ہے کہ قنیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے آفندی نے کہا کہ موت کا حکم قاضی کے ذریعہ ہوگا، کیونکہ احتمالی معاملہ ہے تو جب تک قاضی کا فیصلہ نہ مل جائے اس وقت تک محض مدت کا گزارنا حجت نہ ہوگا۔

(درمختار ج ۱ ص ۳۶۹، کتاب المفقود، مطبع مجتبائی، دہلی)

تنویر میں ہے:

بعده یحکم بموته فتعتد عرسه للموت (ملخصا)

مدت گزرنے کے بعد خاوند کی موت کا حکم دیا جائے گا، لہٰذا یہ عورت موت والی عدت پوری کرے گی۔ ملخصاً

(درمختار شرح تنویر الابصار ج ۱ ص ۳۶۹ کتاب المفقود، مطبع مجتبائی، دہلی)

ردالمحتار میں ہے: ای عدة الوفاة (یعنی وفات والی عدت مراد ہے)، بہت سن رسیدہ مرد نوعمر عورتوں سے نکاح کرتے ہیں وہاں ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں کہ مرد ستر (۷۰) برس کا اور عورت جوان ہو، مثلاً پچاس پچپن برس کی عمر میں پندرہ برس کی عورت سے نکاح کیا اور مفقود ہو گیا تو جب اس کی عمر سے ستر برس گزریں گے عورت تیس پینتیس برس کی ہوگی، اسی عمر کی عورت بیشک نکاح کے قابل ہے اور نہ ہو تو حکم شرع کے لیے ہے نہ کہ اپنی خواہشِ نفس کے لیے، قرآن عظیم صاف فرما رہا ہے: ''وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء: ۲۴) شادی شدہ عورتوں میں سے''، پھر اس کے خلاف کی طرف راہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۳۳۱-۳۳۲، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

مسئلہ (۲۴۳): زید نہایت بدچلن تھا، اب وہ مفقود الخبر ہے اور زید کی عورت کو گزر اوقات کرنا دشوار ہے اور زید کے باپ نے اس عورت کو نظرِ بد سے دیکھا اور زنا کیا، اس صورت میں وہ اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے تا کہ اپنی گزر اوقات کرے اور حرام سے بچے، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: معاذ اللہ اگر یہ زنا ثابت ہو اور اس کا ثابت ہونا بہت دشوار ہے تو عورت اپنے شوہر پر ضرور ہمیشہ ہمیشہ حرام ہوگئی مگر نکاح سے نہ نکلی جب تک شوہر اپنی زبان سے اسے چھوڑنے کا کوئی لفظ نہ کہے۔ درمختار میں ہے:

بحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها التزوج الا بعد المتارکة وانقضاء العدة والوطء بها لا یکون زنا۔

حرمتِ مصاہرت سے نکاح ختم نہیں ہوتا اور عورت دوسرے کو اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک متارکہ اور اس کی عدت پوری نہ ہو جائے، اس دوران وطی کو زنا نہیں قرار دیا جائے گا۔

(درمختار ج ۱ ص ۱۸۸، باب فی المحرمات، مطبع مجتبائی دہلی)

اسی میں ہے:

تجب العدة بعد الوطء لا الخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکة الزوج وان لم تعلم المرأة بالمتارکة فی الاصح۔

نکاح فاسد میں وقتِ تفریق یا متارکہ سے عورت پر وطی سے طلاق والی عدت ہوگی محض خلوت سے یہ عدت واجب نہ ہوگی اور نہ ہی خاوند کی موت سے موت کی عدت ہوگی۔ عورت کو متارکہ کا علم نہ بھی ہو تب بھی خاوند کے متارکہ سے عدت لازم ہوگی۔

(درمختار ج ۱ ص ۲۰۱، مطبع مجتبائی دہلی)

قال الشامی خص الشارح المتارکة بالزوج کما فعل الزیلعی لان ظاهرکلمهم انها لاتکون من المراة اصلا مع ان فسخ هذا النکاح یصح من کل منهما بمحضر الاخر اتفاقا والفرق بین المتارکة والفسخ بعید کذا فی البحر وفرق فی النهر بان المتارکة فی معنی الطلاق فیختص به الزوج اما الفسخ فرفع العقد فلا یختص به وان کان فی معنی المتارکة ورده الخیر الرملی بان الطلاق لایتحقق فی الفاسد فکیف یقال ان المتارکة فی معنی الطلاق فالحق عدم الفرق ولذا جزم به المقدسی فی شرح نظم الکنز الخ وتمامه فیما علقناه علی البحر۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۳۵۲، داراحیاء التراث العربی بیروت)

ذکر فیه استناد الرملی بما لیس له بل علیه کمابینه فی منحة الخالق وبالجملة فلا یثبت من کلامهم الا اختصاص الزوج بالمتارکة ثم لا یشم خلافه اصلا اقول وقول النهران المتارکة فی معنی الطلاق معناه ان المتارکة فی الفاسد فی معنی الطلاق فی الصحیح فلا یمسه ما ذکر الرملی وایده الشامی واما الاستشکال بقولهم کمافی الدریثبت لکل واحد منهمافسخه ولو بغیر محضر من صاحبه دخل بها اولافی الاصح خروجا عن المعصیة فلا ینافی وجوبه بل یجب علی القاضی التفریق بینهما۔ (درمختار ج ا ص ۲۰۱ مجتبائی دہلی)

شامی نے کہا کہ شارح نے متارکہ کو خاوند کے ساتھ مختص کیا جیسا کہ امام زیلعی نے کیا ہے کیونکہ ظاہر کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ متارکہ کا حق عورت کو نہیں ہے، حالانکہ اس نکاح کا فسخ مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی میں بالاتفاق جائز ہے اور متارکہ اور فسخ میں فرق بعید ہے۔ بحر میں یوں ہی ہے جب کہ نہر میں فرق بتایا گیا ہے کہ متارکہ طلاق کی طرح ہے اس لیے طلاق کی طرح خاوند ہی متارکہ کر سکتا ہے اور فسخ نکاح کو کالعدم قرار دینے کا نام ہے اس لیے یہ خاوند سے مختص نہ ہوگا اگرچہ متارکہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس کو خیر الدین رملی نے رد کر دیا اور کہا کہ فاسد نکاح میں طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی تو وہاں متارکہ، طلاق کے معنیٰ میں کیسے کہا جا سکتا ہے، لہٰذا حق یہی ہے کہ متارکہ اور فسخ میں کوئی فرق نہیں اسی لیے مقدسی نے نظم الکنز کی شرح میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے۔ اور یہ تمام بحث بحر پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔

وہاں شامی نے خیر الدین رملی کی جو دلیل ذکر کی وہ ان کے حق میں نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے، جیسا کہ انہوں نے منحۃ الخالق میں اس کو ذکر کیا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ فقہاء کرام کے کلام سے متارکہ کا خاوند کے ساتھ خاص ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، اور اس کے خلاف کی بو تک محسوس نہیں ہوتی۔

اقول۔ نہر کے قول میں کہ متارکہ، طلاق کے معنی میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسد نکاح میں متارکہ طلاق کے قائم مقام ہے، صحیح قول میں، لہٰذا رملی کا اعتراض بے جا ہے، اس کی تائید علامہ شامی نے کی ہے۔ باقی رہا وہ اشکال جو فقہاء کی اس عبارت سے پیدا ہوتا ہے جس کو در میں اختیار کیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو فسخ کا اختیار ہے اگرچہ ایک دوسرے کی غیر حاضری میں ہو، دخول ہوا ہو یا نہ، تا کہ گناہ سے اجتناب ہو سکے، اور یہ آپس کا متارکہ قاضی پر تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے بلکہ قاضی دونوں میں تفریق کا حکم دے گا۔

فاقول یترای لی واللہ تعالیٰ اعلم ان ھذا فیما اذا وقع فاسد کما اذا انکحھا بلا شھود او بعد ما مس امھا وذالک لانہ لم یثبت لہ الید الشرعیۃ علیھا اصلا وکان لکل منھما فسخہ ازالۃ للمعصیۃ وما ذکروا ھھنا من تخصیص المتارکۃ بالزوج فھو فیما اذا طرء الفساد فح لاتتفرد بالفسخ لانہ لیس دفعا بل رفع لید شرعیۃ ثبتت للزوج فلابد من متارکتہ

فاقول واللہ تعالیٰ اعلم۔ مجھے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ مرد اور عورت دونوں کو بہر صورت فسخ کا اختیار اس صورت میں ہے جب کہ نکاح ابتداءً ہی فاسد منعقد ہوا ہو، جیسے بغیر گواہوں کے نکاح یا منکوحہ کی ماں کو پہلے شہوت سے چھو چکا ہو، کیونکہ اس صورت میں خاوند کا بیوی پر شرعی حق ثابت ہی نہیں ہوتا اس لیے دونوں کو ایک دوسرے سے متارکہ کا حق ہے تاکہ گناہ کا ازالہ ہو جائے اور فقہاء کرام نے جو یہ کہا ہے کہ متارکہ خاوند کا ہی حق ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ ابتداءً نکاح صحیح ہوا ہو اور بعد میں فساد اس پر طاری ہوا ہو، تو اس صورت میں اکیلی عورت کو فسخ کا حق نہیں کیونکہ یہ گناہ کا دفاع نہیں بلکہ ثابت شدہ شرعی حق کا خاتمہ ہے اس لیے خاوند کی طرف سے متارکہ ضروری ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر اس صورت میں عورت کو مستقل طور پر فسخ کا حق دیا جائے تو فتنہ برپا ہوگا کہ جب بھی عورت اپنے خاوند سے علیحدگی چاہے تو وہ مثلاً خاوند کے بیٹے کا شہوت سے بوسہ لے لے اور خود نکاح کو فاسد کر کے جہاں چاہے نکاح کرتی پھرے، تو اس فتنہ کا سدِ باب ضروری ہے۔

یہاں کہ شوہر مفقود ہے اور حرمت موجود ہے، عورت پر لازم کہ حاکمِ شرع کے حضور مرافعہ کرے اور وہ ثبوت لے، اگر دو گواہانِ عادل سے پدرِ زید کا زوجۂ زید کے ساتھ فعلِ بد کا ارتکاب ثابت ہو "لان ھذا ھو نصاب ثبوت حرمۃ المصاھرۃ وان لم یثبت بہ الزنا فی حق الحد (کیونکہ یہ حرمتِ مصاہرہ کے ثبوت کے لیے نصاب ہے اگرچہ اس سے حد کے معیار پر زنا ثابت نہیں ہوتا۔ تو ان دونوں مرد وزن میں تفریق کر دے، روزِ تفریق سے عورت تین حیض کی عدت کرے اس کے بعد نکاح ثانی جائز ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۴۴۸-۴۵۱، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق سید دیدار علی شاہ کا فتویٰ

مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری متوفی ۱۳۵۴ھ لکھتے ہیں:

دس برس سے خاوند مفقود ہے اور عورت جوان عمر ہے۔ کوئی صورتِ گزارہ نہیں۔ احتمالِ زنا بھی ہے، لہٰذا وہ شرعاً نکاح کر سکتی ہے؟

سائل: پابند شریعت مسماۃ عرب بیگم بنت میر علی، (پانی جو کی آگرہ، ۱۴ اپریل ۱۹۱۶ء)

الجواب ھوالمصوب: ایسی صورت میں جب کہ مجبوری انتہا درجہ کی ہو تو حنفیہ کو بتقلیدِ شافعی و مالکی بعد اس قدر مدت مدید کے نکاح جائز ہے۔ جامع الرموز میں ہے:

قال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فینکح عرسہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چار سال تک

بعده كما في النظم لفوافتي به في موضع الضرورة ينبغي ان لا باس به على ما نحن۔ (جامع الرموز)

خاوند کو تلاش کیا جائے، اس کے بعد اس کی بیوی نکاح کرے، جیسا کہ النظم میں ہے اگر کوئی مفتی ضرورت کے مقام پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دے تو ہمارے موقف کے مطابق اس میں کوئی حرج نہ ہونا چاہئے۔

ردالمحتار میں ہے:

لوافتى به في موضع الضرورة لاباس به على ما اظن۔ (ردالمحتار جلد ۳ ص ۳۶۲ مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اگر ضرورت کے موقع پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دے تو میرا خیال یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مگر بدرجۂ احتیاط حاکم کو بھی اطلاع کر دی جائے۔ فقط

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ

نوٹ: فقہاء شافعیہ کا مذہب وہی ہے جو فقہاء احناف کا مذہب ہے (سعیدی غفرلہ)

مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی کا فتویٰ

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زوجہ مفقود الخبر کے نکاح ثانی کرنے کے بارے میں خلاصۃ المسائل میں جو مسئلہ خبر میں ہے کہ زوجۂ مفقود الخبر کی بعد انتظاری چار سال مہینہ کے نکاح ثانی کرسکتی ہے جس کے صحیح ہونے میں تقریباً تیس مولویوں کے دستخط درج ہیں تو ہمارے حنفی المذہب کے علماء کی کیا رائے ہے حنفی مذہب کے سب علماء اس مسئلہ میں متفق ہیں یا مختلف اور یہ مسئلہ کس مذہب کا ہے، حنفی اس مسئلہ پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں، مفصل تحریر فرمائیں، بینوا وتوجروا

المستفتی ارشاد حسین۔ رامپور۔ ۵ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ

الجواب بعون الملك الوهاب: مفقود الخبر کی زوجہ اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ قاضی اس کی موت کا حکم نہ کرے اور وہ موت کی عدت نہ گزارے، عینی شرح کنز میں ہے: ''وتعتد امراة وورث منه اى من المفقود حينئذ اى حين حكم بموته لايكون حجة''، اب رہی یہ بات کہ قاضی کب حکم کرے، ظاہر الروایۃ میں یہ ہے کہ اس کی موت کا اندازہ اس کے ہم وطن اقران کی موت سے کیا جائے گا، جب وہاں اس کے ہم عمر مر چکیں تو قاضی اس کی موت کا حکم کر سکتا ہے۔ علامہ شیخ مصطفیٰ شرح کنز میں فرماتے ہیں: ''وفي ظاهر الرواية بقدر يموت اقرانه من اهل بلدة على المذهب''، قرآن کی موت کتنے عرصہ میں ہوتی ہے، اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، ایک قول تو یہ ہے کہ نوے سال کی عمر ہونے تک ایک سو تیس برس (۱۳۰) ہونے تک متاخرین نے ساٹھ برس اختیار کئے۔ امام ابن ہمام نے ستر برس (۷۰) کو مختار فرمایا۔ تو علمائے حنفیہ کا مسلک ہے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار سال گزرنے پر قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے اور عورت کی عدت گزار کر چاہے تو نکاح کرلے۔ عینی شرح کنز میں ہے:

''قال مالك اذا مضى اربع سنين يفرق بينهما وتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج ان شاءت''۔ اگر ضرورت شدیدہ ہو اور

تفریق نہ کرنے سے کسی فتنہ قویہ کا اندیشہ ہو تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے پر عمل کیا جائے۔ رد المحتار میں ہے: لکن قد منا ان الکلام عند تحقق الضرورۃ حیث لم یوجد مالکی یحکم بہ واللہ سبحٰنہ اعلم

کتبہ المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین

۱۵ جمادی الآخر، ۱۳۴۷

(فتاویٰ صدر الافاضل ص ۵۱۹-۵۲۰، مکتبہ غوثیہ کراچی)

مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق صدر الشریعہ کا فتویٰ

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

مفقود اسے کہتے ہیں جس کا کوئی پتا نہ ہو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا۔ (الدر المختار ج ۶ ص ۴۴۸)

مسئلہ (۱): مفقود خود اپنے حق میں زندہ قرار پائے گا، لہٰذا اس کا مال تقسیم نہ کیا جائے اور اس کی عورت نکاح نہیں کر سکتی اور اس کا اجارہ فسخ نہ ہوگا اور قاضی کسی شخص کو وکیل مقرر کر دے گا کہ اس کے اموال کی حفاظت کرے اور اس کی جائداد کی آمدنی وصول کرے اور جن دیون کا قرضداروں نے خود اقرار کیا ہے انہیں وصول کرے اور اگر وہ شخص اپنی موجودگی میں کسی شخص کو ان امور کے لیے مقرر کر گیا ہے تو یہی وکیل سب کچھ کرے گا قاضی کو بلا ضرورت دوسرا وکیل مقرر کرنے کی حاجت نہیں۔

(الدر المختار ج ۶ ص ۴۴۸، کتاب المفقود)

مسئلہ (۲): قاضی نے جسے وکیل کیا ہے اس کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ قبض کرے اور حفاظت میں رکھے مقدمات کی پیروی نہیں کر سکتا، یعنی اگر مفقود پر کسی نے دَین یا ودیعت کا دعویٰ کیا یا اس کی کسی چیز میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ وکیل جوابدہی نہیں کر سکتا اور نہ خود کسی پر دعویٰ کر سکتا ہے، ہاں اگر ایسا دَین ہو جو اس کے عقد سے لازم ہوا ہو تو اس کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

(الدر المختار ج ۶ ص ۴۵۰، الہدایہ ج ۱ ص ۴۲۳، کتاب المفقود)

مسئلہ (۳): مفقود کا مال جس کے پاس امانت ہے یا جس پر دَین ہے یہ دونوں خود بغیر حکم قاضی ادا نہیں کر سکتے، اگر امین نے خود دے دیا تو تاوان دینا پڑے گا اور مدیون نے دیا تو دَین سے بری نہ ہوا بلکہ پھر دینا پڑے گا۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۷۴-۲۷۶)

مسئلہ (۴): مفقود پر جن لوگوں کا نفقہ واجب ہے یعنی اس کی زوجہ اور اصول و فروع ان کو نفقہ اس کے مال سے دیا جائے گا یعنی روپیہ اور اشرفی یا سونا یا چاندی جو کچھ گھر میں ہے یا کسی کے پاس امانت یا دَین ہے ان سے نفقہ دیا جائے اور نفقہ کے لیے جائداد منقولہ یا غیر منقولہ بیچی نہ جائے، ہاں اگر کوئی ایسی چیز ہے جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو قاضی اسے بیچ کر ثمن محفوظ رکھے گا اور اب اس میں سے نفقہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ (الفتاویٰ الھندیہ ج ۲ ص ۳۰۰، الدر المختار و رد المحتار ج ۶ ص ۴۵۱)

مسئلہ (۵): مفقود اور اس کی زوجہ میں تفریق اس وقت کی جائے گی کہ جب ظن غالب یہ ہو جائے کہ وہ مر گیا ہوگا اور اس کی مقدار یہ ہے کہ اس کی عمر سے (۷۰) ستر برس گزر جائیں، اب قاضی اس کی موت کا حکم دے گا اور عورت عدتِ وفات گزار کر اگر نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے اور جو کچھ املاک ہیں ان لوگوں پر تقسیم ہوں گے جو اس وقت موجود ہیں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۷۴، کتاب المفقود)

مسئلہ(۶): دوسروں کے حق میں مفقود مردہ ہے یعنی اس زمانہ میں کسی کا وارث نہیں ہوگا مثلاً ایک شخص کی دولڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا اوراس کے بھی بیٹے اور بیٹیاں ہیں لڑکا مفقود ہو گیا۔اس کے بعد وہ شخص مرا تو آدھا مال لڑکیوں کو دیا جائے اور آدھا محفوظ رکھا جائے، اگر مفقود آجائے تو یہ نصف اس کا ہے ورنہ حکم موت کے بعد اس نصف کی ایک تہائی مفقود کی بہنوں کو دیں اور دو تہائیاں مفقود کی اولاد پر تقسیم کریں۔(فتح القدیر ج ۵ ص ۳۷۴، کتاب المفقود)

یعنی دوسروں کے اموال لینے کے لیے مفقود مردہ تصور کیا جائے، مورث کی موت کے وقت جولوگ زندہ تھے وہی وارث ہوں گے،مفقود کو وارث قرار دے کر اس کے ورثہ کو وہ اموال نہیں ملیں گے۔(الدرالمختار ج ۶ ص ۴۵۶) یہ اس وقت ہے کہ جب سے گم ہوا ہے،اس کا اب تک کوئی پتہ نہ چلا ہو اور اگر درمیان میں کبھی اس کی زندگی کا علم ہوا ہے تو اس وقت سے پہلے جولوگ مرے ہیں ان کا وارث ہے بعد میں جو مریں گے ان کا وارث نہیں ہوگا۔(بحرالرائق ج ۵ ص ۲۷۸)

مسئلہ(۷): مفقود کے لیے کوئی شخص وصیت کر کے مر گیا تو مالِ وصیت محفوظ رکھا جائے اگر آ گیا تو اسے دے دیں ورنہ موصی کے ورثہ کو دیں گے اس کے وارث کو نہیں ملے گا۔(بحرالرائق ج ۶ ص ۴۵۳)

مسئلہ(۸): مفقود اگر کسی وارث کا حاجب ہو تو اس محجوب کو کچھ نہ دیں گے بلکہ محفوظ رکھیں گے مثلاً مفقود کا باپ مرا تو مفقود کے بیٹے محجوب ہیں اور اگر مفقود کی وجہ سے کسی کے حصہ میں کمی ہوتی ہے تو مفقود کو زندہ فرض کر کے سہام نکالیں پھر مردہ فرض کر کے نکالیں، دونوں میں جو کم ہو وہ موجود کو دیا جائے اور باقی محفوظ رکھا جائے۔(الدرالمختار ج ۶ ص ۴۵۶)

(بہار شریعت حصہ ۱۰ ص ۴۸۵-۴۸۷، مکتبۃ المدینہ کراچی ۱۴۳۰ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

چار سال یا ایک سال بعد مفقود کو مردہ قرار دینے کے ثبوت میں آثار صحابہ وتابعین

حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان قالا فی امراۃ المفقود تربص اربع سنین وتعتد اربعۃ اشهر وعشرا۔

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا: مفقود کی عورت چار سال ٹھہرے اور اس کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزارے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۱۱-۱۶۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

عن سعید بن المسیب فی الفقید بین الصفین تربص امراته سنة۔

جو شخص صفوں کے درمیان گم ہو جائے اس کی بیوی کو سعید بن المسیب ایک سال ٹھہرنے کا حکم دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۱۵-۱۶۷، دارالکتب العلمیہ بیروت)

هولاء حكما من الناس وهولاء حكما فقال على للحكمين: اتدريان ما عليكما؟ ان رايتما ان

ایک فریق نے اپنا حکم (منصف) مقرر کیا اور دوسرے فریق نے بھی اپنا حکم مقرر کیا، حضرت علی نے دونوں حکموں سے کہا: اگر

تفرقا فرقتما وان رایتما ان تجمعا جمعتما، فقال الزوج: اما الفرقة فلا فقال علی کذبت، والله لاتبرح حتی ترضی بکتاب الله لك وعلیك فقالت المرأة رضیت بکتاب الله لی وعلی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۱۲، ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

تمہاری رائے میں ان کی علیحدگی درست ہو تو ان کو علیحدہ کر دینا اور اگر تمہاری رائے میں ان کا ساتھ رہنا درست ہو تو ان کو ساتھ رہنے کا حکم دینا، خاوند نے کہا: علیحدگی کا فیصلہ مت کرنا! حضرت علی نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو بخدا تم اس وقت تک نہیں جا سکتے جب تک کہ کتاب اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جاؤ خواہ وہ تمہارے حق میں ہو یا خلاف! عورت نے کہا: میں کتاب اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں، خواہ میرے حق میں ہو یا خلاف!

عن ابن عباس قال: بعثت انا ومعاویة حکمین فقیل لنا: ان رایتما ان تجمعا جمعتما وان رایتما ان تفرقا فرقتما قال معمر وبلغنی ان الذی بعثهما عثمان .

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۱۶، ادارۃ القرآن ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم بنا کر بھیجا گیا اور ہمیں یہ ہدایت دی گئی کہ اگر تمہاری رائے میں ان کا اجتماع درست ہو تو ان کو مجتمع کر دو اور اگر تمہاری رائے میں ان کی تفریق درست ہو تو ان میں تفریق کر دو، معمر کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ انکو بھیجنے والے حضرت عثمان تھے۔

عن الشعبی قال: ان شآء الحکمان فرقا وان شاء اجمعا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۱۱)

شعبی بیان کرتے ہیں کہ دونوں حکم اگر چاہیں تو جمع کریں اور اگر چاہیں تو تفریق کر دیں۔

عن ابی سلمة ان شاء الحکمان ان یفرقا فرقا وان شاء ان یجمع جمعا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۱۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن ۱۴۰۶ھ)

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ اگر دونوں حکم تفریق کرنا چاہیں تو تفریق کر دیں اور اگر جمع کرنا چاہیں تو جمع کر دیں۔

مفتی المالکیہ شیخ الجامع الازہر نے عدم نفقہ، مفقود، ظلم وضرر کی دس صورتوں میں مذہب مالکیہ کے مطابق قاضی کے طلاق نافذ کرنے اور حکمین کی تفریق کا جو جواز بیان کیا تھا ہم نے اس کے ثبوت میں قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ وتابعین سے متعدد حوالے بیان کر دیے تاکہ کسی شخص کو یہ خیال نہ ہو کہ ان صورتوں میں صرف امام مالک کے اقوال پر فسخ ہے۔

علاوہ ازیں ائمہ احناف نے ضرورت کے مواقع پر دوسرے ائمہ کے اقوال اور خصوصاً امام مالک کے قول پر فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے بارے میں ہم یہاں فقہاء احناف کی آراء نقل کر دیں۔

مذہب غیر پر افتاء اور قضاء کے بارے میں فقہاء احناف کی آراء

مذہب غیر پر فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے علامہ محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ان الحکم ثلاثة انواع منه مالا یصح اصلا وان نفذه الف قاض وهو ما خالف کتابا اوسنة مشهورا او اجماعا ومنه ما ثبت فیه الخلاف قبل الحکم ویرتفع بالحکم حتی لو رفع الی قاض اخر لا یراه امضاه ومنه ما ثبت الخلاف بعد الحکم ای وقع الخلاف فی صحة الحکم به فهذا ان رفع الی قاض اخر فان کان لایراه ابطله وان کان یراه امضاه۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

قاضی کے حکم کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم وہ ہے جس میں اس کا حکم بالکل صحیح نہیں ہے خواہ ہزار قاضی اس حکم کی توثیق کر دیں، یہ وہ حکم ہے جو کتاب اللہ، سنت مشہورہ یا اجماع کے خلاف ہو، دوسری قسم وہ ہے جس میں قاضی کے حکم سے پہلے مجتہدین کا اختلاف ہو، ایسا حکم جب دوسرے قاضی کے پاس جائے تو وہ اس کو نافذ کر دے خواہ اس دوسرے قاضی کے نزدیک (یعنی اس کے مذہب میں) وہ حکم صحیح نہ ہو، تیسری قسم وہ ہے جس میں قاضی کے حکم کے بعد اختلاف پیدا ہوا ہو ایسا حکم جب دوسرے قاضی کے پاس جائے تو اگر وہ اس کو جائز سمجھتا ہو تو نافذ کر دے اور اگر ناجائز سمجھتا ہو تو اس حکم کو باطل کر دے۔

علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ شامی نے دوسری قسم کی ایک اور جگہ اسی بحث میں یہ مثال دی ہے کہ ایک شافعی قاضی توبہ کے بعد محدودین کی شہادت پر فیصلہ کر دے اور یہ فیصلہ حنفی قاضی کے پاس آئے تو وہ اس کو نافذ کر دے ہر چند کہ یہ فیصلہ حنفی قاضی کے مذہب کے خلاف ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

مذہب غیر پر قضاء کی دوسری شکل یہ ہے کہ قاضی مجتہد ہو اور دوسرے امام اور مجتہد کی رائے اس کے اجتہاد کے موافق ہو اور اس کا اجتہاد اپنے مذہب کے خلاف ہو۔ اس صورت میں اگر وہ دوسرے امام کے مذہب کے مطابق فیصلہ کر دے تو اس کا فیصلہ صحیح ہے اور نافذ ہو جائے گا یہ اس سے عام ہے کہ اس مسئلہ میں ضرورت ہو یا نہ ہو۔

علامہ محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

یشترط لصحة القضاء ان یکون موافقا لرایه ای لمذهبه مجتهدا کان او مقلدا فلو قضی بخلافه لا ینفذ لکن فی البدائع انه اذا کان مجتهدا ینبغی ان یصح ویحمل علی انه اجتهد فاراه اجتهاده الی مذهب الغیر ویؤیده ما قدمناه رسالة العلامة قاسم مستدلا بما فی السیر الکبیر۔

(ردالمحتار ج ۴ ص ۴۶۴، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

قاضی کے فیصلہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ فیصلہ اس کے مذہب کے موافق ہو، اگر وہ فیصلہ اس کے مذہب کے خلاف ہے تو نافذ نہیں ہوگا، خواہ قاضی مجتہد ہو یا مقلد، لیکن بدائع الصنائع میں یہ ہے کہ اگر قاضی مجتہد ہو تو اس کا یہ فیصلہ صحیح ہوگا اور اس پر محمول ہوگا کہ اس کا اجتہاد مذہب غیر کے موافق ہوا ہے، اس کی تائید علامہ قاسم کے اس رسالہ سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے اس مسئلہ پر سیر کبیر سے استدلال کیا ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

مذہب غیر پر قضاء اور افتاء کی تیسری صورت یہ ہے کہ قاضی اور مفتی کے نزدیک پیش آمدہ مسئلہ میں ہر چند کہ صحیح مذہب وہی ہو جو اس کے امام کا ہے لیکن اس کے امام کے قول پر مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس وجہ سے بربناء مصلحت وضرورت وہ دوسرے امام کے قول

پر فتویٰ دیتا ہے یا قضاء کرتا ہے تو اس ضرورت اور مصلحت کی وجہ سے اس کی قضاء اور فتویٰ صحیح ہے۔

ائمہ احناف کے نزدیک جو شخص غائب ہو اس کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک غائب کے بارے میں فیصلہ کرنا جائز ہے۔

علامہ محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

لوبرهن على الغائب وغلب على ظن القاضى انه حق لاتزوير ولاحيلة فيه فينبغى ان يحكم عليه وله وكذا للمفتى ان يفتى بجوازه دفعا للحرج والضرورات وصيانة للحقوق عن الضياع مع انه مجتهد فيه ذهب اليه الائمة الثلاثة وفيه روايتان عن اصحابنا وينبغى ان ينصب عن الغائب وكيل يعرف انه يراعى جانب الغائب ولا يفرط فى حقه واقره فى نور العين قلت يؤيده ما ياتى قريبا فى المسخر وكذا مافى الفتح من باب المفقود لايجوز القضاء على الغائب الا اذا راى القاضى مصلحة فى الحكم له وعليه فانه ينفذ لانه مجتهد فيه قلت وظاهره ولو كان القاضى حنفيا ولو فى زماننا ولاينافى ما مر لان تجويز هذا للمصلحة والضرورة۔

(ردالمحتار ج ۴ ص ۷۰-۷۱ ۴، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

اگر غائب کے خلاف دلیل قائم کر دی گئی اور قاضی کا گمان غالب یہ ہے کہ یہ حق ہے جھوٹ نہیں ہے، اور نہ اس میں کوئی حیلہ ہے تو غائب کے خلاف یا اس کے حق میں فیصلہ کر دینا چاہیے، اسی طرح مفتی بھی یہ فتویٰ دے سکتا ہے تاکہ حرج نہ ہو اور لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور اس میں ضرورت ہے، علاوہ اس کے یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے اور ہمارے اصحاب کے بھی اس میں دو قول ہیں۔ اور مناسب یہ ہے کہ غائب کی طرف سے ایک وکیل کر لیا جائے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ غائب کی رعایت کرے گا اور اس کے حق میں کمی نہیں کرے گا، نور العین میں اس کو برقرار رکھا ہے، اور عنقریب مسخر میں اس کا ذکر ہوگا، اس طرح فتح القدیر میں مفقود کی بحث میں ہے، جب قاضی غائب کے خلاف یا اس کے حق میں کوئی مصلحت دیکھے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے اور اس کا حکم نافذ ہو جائے گا کیونکہ وہ مجتہد فیہ ہے۔ (علامہ شامی کہتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ خواہ قاضی حنفی ہو اور خواہ ہمارے زمانہ میں ہو اور یہ قاعدہ پہلے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس قاعدہ کو ضرورت اور مصلحت کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے۔

بلاضرورت مذہب غیر پر قضاء صحیح نہ ہونے کی وجہ

علامہ شامی بدائع الصنائع کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ اگر قاضی کا اجتہاد مذہب غیر کے موافق ہو تو مذہب غیر کے مطابق اس کا فیصلہ صحیح ہے، پھر اس کا کیا سبب ہے کہ وہ جگہ جگہ یہ قید لگاتے ہیں کہ ضرورت اور مصلحت کے وقت مذہب غیر پر قاضی کا فیصلہ صحیح ہے ورنہ نہیں، اس کی وجہ علامہ شامی نے یہ بیان کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں سلطان اس شرط پر کسی شخص کو قاضی مقرر کرتا ہے کہ وہ ہمارے مذہب صحیح کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

بخلاف الحنفى فانه وان صح حكمه بغير مذهبه على احد القولين لكنه فى زماننا لا يصح اتفاقا

ہر چند کہ ایک قول کے مطابق حنفی قاضی کا مذہب غیر پر فیصلہ کرنا صحیح ہے، لیکن ہمارے زمانہ میں یہ بالاتفاق صحیح نہیں ہے، کیونکہ اب

لتقييد السلطان قضاته بالحكم بالصحيح من مذهبنا فلا ينفذ حكمه بالضعيف فضلا عن مذهب الغير فافهم۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۷۷، مطبوعہ استنبول)

سلطان اس شرط پر قاضی کا تقرر کرتا ہے کہ وہ ہمارے مذہب کے صحیح قول کے مطابق فیصلہ کرے گا، اس لیے اگر اس نے قول ضعیف پر بھی فیصلہ کیا تو وہ بالاتفاق نافذ نہیں ہوگا چہ جائیکہ اس کا فیصلہ مذہب غیر پر ہو، فافہم۔

یہ علامہ شامی اپنے زمانہ کے عرف کی بات کر رہے ہیں اور ہمارے زمانہ کا عرف یہ ہے کہ قاضی کے تقرر کے وقت یہ شرط نہیں لگائی جاتی اس لیے اب حنفی قاضی کا فیصلہ مذہب غیر پر مطلقاً صحیح ہوگا اور ضرورت اور مصلحت کے وقت بطریق اولیٰ صحیح ہوگا۔

بالخصوص امام مالک کے اقوال پر افتاء اور قضاء کے بارے میں تصریحات

ضرورت اور مصلحت کی بناء پر مذہب غیر پر افتاء اور قضاء کی بحث میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

لقول القهستاني لو افتى به في موضع الضرورة لا باس به على ما اظن قلت ونظير هذه المسئلة عدة ممتدة الطهر التي بلغت برؤية الدم ثلثة ايام ثم امتد طهرها فانها تبقى في العدة الى ان تحيض ثلاث حيض وعند مالك تنقضي عدتها بتسعة اشهر وقد قال في البزازيه الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدي كان اصحابنا يفتون به للضرورة واعترضه في النهر بانه لا داعي الى الافتاء بمذهب الغير لا مكان الترافع الى مالكي يحكم بمذهبه وعلى ذالك ذهب ابن وهبان في منظومته هناك لكن قدمناه ان الكلام عند تحقق الضرورة حيث لم يوجد مالكي يحكم به

(ردالمحتار ج ۳ ص ۴۵۶)

علامہ قہستانی نے کہا ہے کہ اگر ضرورت کی بناء پر امام مالک کے قول پر فتویٰ دیا تو جائز ہے (علامہ شامی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں: اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ جو عورت تین دن کے حیض سے بالغ ہوئی ہو اور پھر اس کا طہر ہمیشہ جاری رہے تو احناف کے نزدیک اس کی عدت تین حیض ہی ہے اور امام مالک کے نزدیک اس کی عدت نو ماہ ہے اور فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام مالک کے قول پر ہے اور فقیہ زاہدی نے لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب ضرورت کی بناء پر امام مالک کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں، اس پر نہر میں یہ اعتراض ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی کیا ضرورت ہے، کسی مالکی عالم سے فتویٰ لیا جائے جو اپنے مذہب کے مطابق فتویٰ دے، ابن وہبان نے بھی اپنے منظومہ میں اسی کے موافق کہا ہے، (علامہ شامی کہتے ہیں:) لیکن ہم اس مسئلہ سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کا جواز ضرورت کی بناء پر ہے اور ضرورت اس جگہ ہوگی جہاں مالکی عالم موجود نہ ہو۔

علامہ شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی المتوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

قال مالك والاوزاعي الى اربع سنين فينكح عرسه بعدها كما في النظم فلو افتى به في موضع الضرورة ينبغي ان لا باس به على ما ظن۔

امام مالک اور اوزاعی نے کہا کہ مفقود کی عورت چار سال تک ٹھہرے، اس کے بعد اس کا نکاح کر دیا جائے جیسا کہ نظم میں ہے، پس اگر ضرورت کی وجہ سے اس قول پر فتویٰ دیا جائے تو کوئی

(جامع الرموز ج ۳ ص ۲۶۹ ،مطبوعہ منشی نولکشور ۱۲۱۹) حرج نہیں ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

نعم مذهب مالك والقديم من مذهب الشافعي تقديره باربع سنين لكن في حق عرسه لاغير فتنكح بعدها كما في النظم فلو افتى به في موضع الضرورة ينبغي ان لاباس به كذافي القهستاني

(الدرالمنتقی علی ملتقی الابحر ج ۱ ص ۷۱۳-۷۱۴ ،مطبوعہ داراحیاء التراث العربی)

ہاں امام مالک کا مذہب اور امام شافعی کا قدیم مذہب یہ ہے کہ مفقود کو چار سال بعد مردہ قرار دیا جائے گا لیکن یہ صرف اس کی بیوی کے معاملہ میں ہے، پس چار سال بعد اس کا نکاح کیا جاسکتا ہے جیسا کہ نظم میں ہے اور اگر ضرورت کے مواقع پر اس قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔قہستانی میں اسی طرح ہے۔

علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ نے بھی ضرورت کی وجہ سے امام مالک کے قول پر فتویٰ کو جائز قرار دیا ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار ج ۲ ص ۵۰۹ ،مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۳۹۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی المتوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

لانه كالتلميذ لابي حنيفة ولذا مال اصحابنا الى بعض اقواله ضرورة كما في ديباجة المصفى

(جامع الرموز (شرح وقایۃ الروایۃ) ج ۲ ص ۲۳۶ ،مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنو ۱۲۹۱ھ)

امام مالک، امام ابوحنیفہ کے بمنزلہ شاگرد ہیں، مصفٰی کے دیباچہ میں لکھا ہے: اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے ضرورت کے وقت امام مالک کے اقوال کی طرف میلان کیا ہے۔

علامہ شامی، علامہ قہستانی کے حوالے سے اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفي حاشية الفتال وذكر الفقيه ابوالليث في تاسيس النظائر انه اذا لم يوجد في مذهب الامام قول في مسئلة يرجع الى مذاهب مالك لانه اقرب المذاهب اليه

(ردالمحتار ج ۲ ص ۴۰ ،مطبوعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

حاشیۃ الفتال میں لکھا ہے کہ فقیہ ابواللیث سمرقندی نے تاسیس النظائر میں کہا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں امام اعظم کا قول نہ ملے تو امام مالک کے مذہب کی طرف رجوع کیا جائے، کیونکہ وہ باقی مذاہب کی بہ نسبت امام اعظم کے زیادہ قریب ہیں۔

ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کے مطابق فتویٰ دینے یا قضاء پر بحث ونظر

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ چار برس کی مہلت کے بعد مفقود کی بیوی کو نکاح کی اجازت دینا صرف امام مالک کا مذہب ہے اور جمہور ائمہ اس کے مخالف ہیں، نیز قرآن مجید نے منکوحہ غیر کو صاف حرام کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ، ''منکوحہ غیر تم پر حرام ہے''۔ اور منکوحہ غیر کا مفقود کے نکاح میں ہونا یقیناً معلوم ہے اور چار برس کے بعد اس کی موت مشکوک بلکہ موہوم ہے اور تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور چار برس کی مہلت صرف حضرت عمر کی تقلید ہے، اس پر کوئی فقہی دلیل نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چار برس کی مہلت کے بعد نکاح کی اجازت دینا جمہور کا مسلک ہے، صرف امام اعظم ابوحنیفہ کا اس میں اختلاف ہے، امام مالک کے علاوہ امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے اور فقہاء شافعیہ اسی پر فتویٰ دیتے ہیں اور امام احمد کا موقف بھی یہی ہے اور اس پر فتویٰ ہے اور" وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ "، آیت کریمہ اس پر محمول ہے کہ جب منکوحہ غیر کا کسی شرعی دلیل سے نکاح فسخ نہ کر دیا گیا ہو، تو وہ غیر پر حرام ہے ورنہ عنین کی صورت میں جب ایک سال کی مہلت کے بعد قاضی منکوحہ غیر کا نکاح فسخ کر دیتا ہے تو اس کا غیر سے نکاح کس طرح جائز ہو جاتا ہے؟ حالانکہ وہ بھی منکوحہ غیر ہے، جس طرح یہاں قاضی کی تفریق" وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ " کے معارض نہیں ہے، اسی طرح مسئلہ مفقود میں بھی قاضی کا فیصلہ" وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ " کے معارض نہیں ہے۔

بعض فقہاء نے عنین اور مفقود میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مفقود میں خاوند کے مل جانے کی امید ہے اور عنین میں اس کے ٹھیک ہونے کی امید نہیں ہے، لیکن یہ فرق باطل ہے کیونکہ ایک سال علاج کی مہلت کے بعد اگر عنین ٹھیک نہ ہو تو قاضی تفریق کر دیتا ہے حالانکہ ایک سال کے بعد اس کے ٹھیک نہ ہونے کی کوئی وحی نہیں اتری بلکہ اس کے بعد بھی ٹھیک ہونے کی امید ہے۔

اسی طرح لعان میں بھی احناف کے نزدیک قاضی کی تفریق کے بعد عورت غیر سے نکاح کر سکتی ہے اور جمہور کے نزدیک نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور دونوں صورتوں میں بغیر شوہر کی طلاق کے عورت غیر سے نکاح کر سکتی ہے اور یہ" وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ " کے خلاف ہے، باقی رہا یہ کہنا کہ نکاح یقینی تھا اور موت کا شک ہے اور شک یقین سے زائل نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ مفقود کی بیوی کو نکاح کی اجازت موت کے شک کی بناء پر نہیں دی گئی، قاضی کے فیصلہ کی بناء پر دی گئی ہے، جیسا کہ لعان، ایلاء اور عنین کے مسائل میں ہے۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں صرف حضرت عمر کی تقلید کی گئی ہے۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان نے تمام صحابہ کے سامنے یہ فیصلہ کیا تھا اور کسی صحابی نے ان سے اختلاف نہیں کیا، اس لیے یہ مسئلہ اجماع صحابہ سے ثابت ہے اور اس کے خلاف جو دارقطنی کی روایت پیش کی جاتی ہے، اس کی سند ضعیف ہے جس کو ہم اس سے پہلے علامہ ابن ہمام کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

(حضرت عمر کے رجوع کی حکایت صحیح نہیں ہے۔)

نان نفقہ، کپڑے اور رہائش وغیرہ میسر نہ ہونے کی صورت میں ہم نے جو ضرورت کی بناء پر امام مالک یا دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دینے کا ذکر کیا ہے، اس میں وجہ ضرورت پر گفتگو کرتے ہوئے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ: رہا دعویٰ ضرورت، اس کا حال یوں کھلتا ہے کہ ہندوستان کی نوجوان عورتیں جو بیوہ ہو جاتی ہیں، باآنکہ انہیں شرعاً نکاح ثانیہ کی اجازت ہے، اپنی ایک جھوٹی رسم کی پیروی سے عمر بھر بیٹھی رہتی ہیں، اس وقت نہ انہیں ضرورت سوجھتی ہے نہ یہی خیال آتا ہے کہ جوانی کیونکر کٹے گی نہ یہ کہ نان ونفقہ کہاں سے ملے گا، مگر خاوند مفقود ہو تو یہ سب دعویٰ ہجوم کرتے ہیں، اگر ضرورت کا دعویٰ سچا ہے تو وہاں کیونکر صبر ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام بیوہ عورتوں کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ جھوٹی رسم کی خاطر عمر بھر نکاح نہیں کرتیں۔ ہو سکتا ہے کہ جن بعض عورتوں نے نکاح نہ کیا ہو ان کے لیے نان ونفقہ کے دوسرے ذرائع موجود ہوں، یا وہ عمر رسیدہ خواتین ہوں، اور ان کو اپنی عزت اور عصمت پر کسی اسیر پنجہ ہوس کے حملہ کا خطرہ نہ ہو، لیکن اگر مفقود کی ایک نوجوان عورت کے پاس نان ونفقہ کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اور وہ اس پر فتن دور میں اپنی عصمت کو محفوظ رکھتے ہوئے کسب معاش نہیں کر سکتی اور وہ

آپ سے پوچھتی ہے کہ اسلام میں اس کے اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ تو کیا آپ اس کو یہ بتلائیں گے کہ نوے سال تک تم بے سایہ دیوار بھوکی پیاسی بیٹھی رہو اور نوے سال گزرنے کے بعد جب تم بوڑھی فرتوت ہو جاؤ تو کسی مرد سے شادی کر لینا۔۔!

قرآن مجید کے مطالعہ سے اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کا نظریہ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چار بیویوں کی اجازت دینے کے ساتھ ہی یہ حکم دیا ہے: فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء:۱۲۹) ''ایک بیوی کی طرف بالکل اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیوی کو معلق چھوڑ دو'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی بیوی کو معلق چھوڑ دینا از روئے قرآن ممنوع ہے، اور جب شوہر کی موجودگی میں عورت کو معلق چھوڑ دینے سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے تو شوہر کے مفقود ہونے کی صورت میں عورت کو معلق چھوڑ دینا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کب پسندیدہ ہو سکتا ہے!

نیز اللہ تعالیٰ نے ایلاء میں زیادہ سے زیادہ چار ماہ مدت مقرر کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ '' (البقرہ:۲۲۶) ''جو لوگ اپنی عورتوں سے دور رہنے کی قسم کھالیں، وہ چار ماہ تک ٹھہر سکتے ہیں''۔ چنانچہ فقہاء احناف اس آیت کی روشنی میں کہتے ہیں کہ اگر ایلاء کرنے والے نے چار ماہ کے اندر رجوع نہیں کیا تو چار ماہ پورے ہونے کے بعد عورت پر از خود طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ غور کیجئے! خاوند موجود ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو چار ماہ سے زیادہ بیوی سے دور رہنے کے التزام کی اجازت نہیں دیتا کہ اتنے عرصہ عورت اپنے شوہر کی مقاربت سے محروم ہونے کی وجہ سے ضرر میں مبتلا ہو جائے یا کہیں وہ عورت حدود اللہ سے تجاوز کے خطرہ میں نہ پڑ جائے، تو خاوند کے مفقود ہونے کی شکل میں اسے نوے سال یا مدت العمر تک بغیر خاوند کے رکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کب جائز ہوگا، نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (بقرہ:۲۳۱) ''جس کا منشاء صاف طور پر یہ ہے کہ رشتہ ازدواج میں ضرار نہیں ہونا چاہیے، اور ظاہر ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کو نوے سال یا مدت العمر تک انتظار کا حکم دینے میں انتہا درجہ کا ضرار ہے، نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (البقرہ:۱۲۹)

اگر بیوی اور شوہر کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، پس اگر عورت خلع کر کے علیحدہ ہو جائے تو دونوں پر کچھ حرج نہیں''۔

اس آیت میں حدود اللہ کی حفاظت کو رشتہ ازدواج کے قیام پر مقدم رکھا گیا ہے اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جس عورت کا شوہر برسوں سے مفقود ہو اس کے لیے حدود اللہ پر قائم رہنا نہایت دشوار ہے، ان تمام آیات میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں، ان کے مقاصد پر غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کو نوے سال یا ایک غیر معلوم مدت تک انتظار کرنے کا حکم دینا ایک ناعاقبت اندیشانہ اقدام ہے اور یہ احکام قرآن کی رو سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور اس مسئلہ میں صحیح حکم وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا مسلک ہے اور یہی حضرت امام شافعی کا قدیم قول ہے اور اکثر فقہاء شافعیہ اور فقہائے حنفیہ کا مختار بھی ہے۔

ضرورت کی بناء پر دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فسخ نکاح کی صورتوں کا خلاصہ

ضرورت کی بناء پر ہم نے خاوند اور بیوی کے درمیان تفریق کی صورتیں بیان کی ہیں، ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) اگر کوئی شخص افلاس کی بناء پر بیوی کو نفقہ نہیں دے رہا اور اس کو طلاق بھی نہیں دیتا تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے اور قاضی تفریق کر سکتا ہے۔

(۲) اگر کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا تو وہ قاضی کے ہاں مقدمہ کرے اور قاضی اس کے مفقود الخبر ہونے کا اطمینان کرنے کے بعد اسے چار سال انتظار کا حکم دے، پھر عدت وفات کے بعد وہ دوبارہ نکاح کر سکتی ہے، امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے، اسی پر فقہائے شافعیہ کا فتویٰ ہے۔

(۳) اگر شوہر مفقود الخبر ہو اور عورت کے گزارنے کے لیے بالکل خرچ نہ ہو تو عورت کے مطالبہ پر امام مالک کے نزدیک قاضی فی الفور تفریق کر دے گا، امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔

(۴) اگر شادی کے بعد خاوند کسی طویل المیعاد بیماری میں مبتلاء ہو گیا اور عورت کے لیے خرچ کی کوئی سبیل نہیں تو عورت کے مطالبہ پر قاضی فی الفور تفریق کر دے گا، یہ بھی امام مالک کا مذہب ہے۔

(۵) اگر خاوند کو لمبی مدت کے لیے سزا ہو گئی اور عورت کے لیے خرچ کی کوئی سبیل نہیں ہے تب بھی امام مالک کے نزدیک عورت کے مطالبہ پر قاضی فی الفور طلاق نافذ کر دے گا۔

(۶) خاوند غائب ہو، اس کا پتا معلوم ہو اور اس سے ڈاک کا رابطہ بھی ہو اور وہ خوشحال بھی لیکن تنگ کرنے کے لیے عورت کا خرچ نہ دے اور نہ اس کو طلاق دے، تو امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قاضی اس پر طلاق نافذ کر سکتا ہے، امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

(۷) خاوند حاضر اور موجود ہو، اور وہ مالدار بھی ہو لیکن عورت کو نفقہ نہ دیتا ہو، نہ طلاق دیتا ہو تو امام مالک کے نزدیک عورت کے مطالبہ پر قاضی طلاق نافذ کر دے گا۔

(۸) عورت یہ ثابت کر دے کہ خاوند اس پر ظلم کرتا ہے مثلاً بلا وجہ مار پیٹ یا گالم گلوچ کرتا ہے تو عورت کے مطالبہ پر امام مالک کے مذہب میں قاضی تفریق کر سکتا ہے۔

(۹) ناچاقی کی صورت میں جب صلح کا امکان نہ رہے تو امام مالک کے نزدیک دو حکم مقرر کئے جائیں، اور وہ اپنی صواب دید سے زوجین میں تفریق کر سکتے ہیں۔

(۱۰) مفقود الخبر جنگی صفوں کے درمیان سے غائب ہوا ہے، تو امام مالک کے نزدیک حاکم اس کو ایک سال بعد نکاح کی اجازت دے دے گا، اس میں عدت وفات نہیں ہے۔

ان تمام صورتوں کا ہم نے ائمہ مذاہب کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور قرآن مجید، احادیث اور آثار صحابہ و تابعین سے اس پر دلائل قائم کیے ہیں۔

مذہب غیر پر عدالت کی طلاق کا حکم

امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے مذاہب پر ہم نے جن دس صورتوں میں عورت کے مطالبہ پر قاضی کے طلاق دینے اور نکاح فسخ کرنے کا حق بیان کیا ہے، ان صورتوں میں اگر پاکستان یا کسی اور اسلامی ملک کی عدالتوں میں سے کسی عدالت نے طلاق نافذ کر دی یا نکاح فسخ کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے۔

ملک العلماء علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

فاما اذا کان من اهل الاجتهاد ینبغی ان یصح قضاءہ فی الحکم بالاجماع ولا یکون لقاضی اخر ان یبطله لانه لا یصدق علی النسیان بل یحمل علی انه اجتهد فادی اجتهادہ الی مذهب خصمه فقضی به فیکون قضاءہ باجتهادہ فیصح فی حادثة وهی محل الاجتهاد برایه (الی قوله) لاتفاق اهل الاجتهاد علی ان للقاضی ان یقضی فی محل الاجتهاد بما یودی الیه اجتهادہ فکان هذا متفقا علی صحته۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۵، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۰ھ)

جب قاضی مجتہد ہو اور وہ اپنے امام کے علاوہ کسی اور امام کے مذہب کے مطابق کسی مقدمہ میں فیصلہ کردے تو اس کا یہ فیصلہ بالاجماع صحیح ہے اور دوسرے قاضی کو اس فیصلہ کے مسترد کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے بھول کر یہ فیصلہ کیا ہے بلکہ قاضی نے اس مسئلہ میں اجتہاد (غور وفکر) کیا اور اس کا اجتہاد، دوسرے امام کے مذہب کے مطابق ہو گیا اور اس نے اپنے اجتہاد سے یہ فیصلہ کیا، لہٰذا جو مسائل محل اجتہاد ہیں، ان میں اس کا یہ فیصلہ صحیح ہے، کیونکہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ قاضی محل اجتہاد میں اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے، لہٰذا اس فیصلہ کی صحت پر اتفاق ہے۔

خاوند کے پیش نہ ہونے پر عدالت کی طلاق کا حکم

اگر ان دس صورتوں میں سے کسی صورت میں عورت قاضی کے ہاں فسخ نکاح کا دعویٰ کرے اور خاوند عدالت میں پیش نہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ خاوند کی طرف سے وکیل کر لیا جائے اور اگر وکیل نہیں کیا گیا اور عدالت نے عورت کے حق میں فیصلہ کر کے طلاق نافذ کر دی یا طلاق دے دی تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ قضاء للغائب صحیح ہے اس لیے نکاح فسخ ہو جائے گا اور چونکہ فقہاء احناف کے نزدیک ضرورت کی بناء پر مذہب غیر پر عمل جائز ہے اور ان دس صورتوں کا تعلق ضرورت سے ہی ہے اس لیے احناف کے نزدیک بھی یہ طلاق واقع ہو جائے گی، اور نکاح فسخ ہو جائے گا۔

علامہ کمال الدین بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اذا رای القاضی المصلحة فی الحکم للغائب وعلیه فحکمه ینفذ لانه مجتهد فیه۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۳۶۸-۳۶۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

جب قاضی غائب کے حق میں یا غائب کے خلاف فیصلہ کرنے میں مصلحت دیکھے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا، کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔

میں نے اس مسئلہ میں کافی تفصیل سے گفتگو کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں ان مسائل میں جو عورتیں اور ان کے متعلقین پریشان پھرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بتلائیے جب خاوند عورت کو نہ آباد کرے نہ طلاق دے تو وہ کیا کرے؟ اسلام میں اس کا کیا حل ہے، یا ایک جوان عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا ہو یا پاگل ہو گیا یا کسی اور لاعلاج مرض میں مبتلا ہو گیا یا کسی جرم کی وجہ سے اس کو عمر قید کی سزا ہو گئی اور اس کی بیوی کے خرچ کی کوئی سبیل نہیں، شوہر طلاق دینے کا اہل نہیں یا دیتا نہیں، اور اس پرفتن دور میں وہ عورت عزت و آبرو کے ساتھ کسب معاش نہیں کر سکتی، بتلائیے وہ عورت کیا کرے؟ اسلام میں اس کا کیا حل ہے؟ تو ہمارے زمانے کے مفتی یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ اسی شوہر کے نکاح میں بیٹھی رہے جب تک وہ طلاق نہیں دیتا وہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی،

فقہ حنفی کا یہی حکم ہے اور اگر وہ عورت عدالت میں چلی جائے اور شوہر پیش نہ ہو اور عدالت طلاق دے دے تو ہمارے زمانے کے فقہاء اس کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ غیر اسلامی طلاق ہے، اس وجہ سے میرے دل میں مدت سے یہ تڑپ تھی کہ میں اس مسئلہ کا حل پیش کروں، صحیح مسلم میں نان ونفقہ سے متعلق حدیث کے تحت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے اقوال میں بے شک اس مسئلہ کا حل نہیں ہے لیکن امام اعظم کے اقوال سے ہی فقہاء حنفیہ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینا، قضاء کرنا اور عمل کرنا جائز ہے، سو اس قاعدہ کی روشنی میں میں نے ائمہ ثلاثہ خصوصاً امام مالک اور امام احمد کے اقوال کے مطابق ان مسائل کا حل بیان کیا ہے، اور میں نے صرف ان اقوال پر اکتفاء نہیں کی بلکہ قرآن مجید، احادیثِ مبارکہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے ان مسائل کو ثابت کیا ہے، میری یہ کاوش صرف اس لیے ہے کہ کوئی شخص اسلام کو ناقابل عمل دین نہ سمجھے بلکہ یہ یقین رکھے کہ اسلام میں ہر پیش آمدہ مشکل کا حل موجود ہے، اگر ہم اس حل کو تلاش نہیں کر سکے تو یہ ہماری فہم اور مطالعہ کی کمی ہے، اسلام میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اے اللہ! اس مقالہ کو نافع بنا، اسے قبول عام عطا فرما، اس کے مصنف، قاری اور معاون کی خطاؤں سے درگزر کر اور ان کے لیے دارین کی خیر اور سعادت کو مقدر کر دے۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خاتم النبیین سید المرسلین قائد غر المحجلین وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماءِ ملتہ اجمعین۔ (شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۱۱۰-۱۱۲۱، مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات، ۱۴۲۳ھ)

عدالت کے فسخ نکاح پر اعتراضات کے جوابات

کسی مظلوم اور نان ونفقہ سے محروم عورت کے حق میں جب عدالت فسخ نکاح کر دیتی ہے اور اس کو دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دے دیتی ہے تو اس پر بعض علماء کرام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر عدالت کے فیصلہ کی بناء پر اس نکاح کے جواز کا دروازہ کھول دیا جائے تو جو عورت بھی اپنے خاوند سے نجات حاصل کرنا چاہے گی، وہ عدالت میں جھوٹا دعویٰ دائر کر کے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے گی۔ اس اعتراض کے جواب میں پہلے یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کے دروازہ پر کچھ لوگوں کے جھگڑنے کی آواز سنی، آپ ان کے پاس باہر گئے اور فرمایا: میں صرف بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) میرے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے کر آتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا موقف زیادہ وضاحت سے پیش کرے اور میں اس کو سچا گمان کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، سو (بہ فرض محال) اگر میں کسی شخص کو کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ صرف آگ کا ٹکڑا ہے وہ اس کو لے یا ترک کر دے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۴۵۸، ۷۱۸۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۳)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی میں (از خود) غیب اور مخفی امور کو نہیں جانتا جیسا کہ حالت بشریہ کا تقاضا ہے اور آپ صرف ظاہر کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے اور مخفی چیزیں اللہ کی ولایت میں تھیں، اور اگر اللہ چاہتا تو آپ کو مخفی امور پر مطلع فرما دیتا حتیٰ کہ آپ (صورت واقعیہ کے مطابق) یقین کے ساتھ فیصلہ فرماتے لیکن اللہ نے آپ کی امت کو آپ کی اقتداء کا حکم دیا اس لئے آپ نے ظاہر صورت حال کے

مطابق فیصلہ فرمایا تا کہ امت کو آپ کی اتباع کرنے میں آسانی اور اطمینان ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۵)

اسی طرح حافظ ابن حجر شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۷۵)

اس حدیث اور اس کی شرح سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت خاوند کے خلاف جھوٹے گواہ پیش کر کے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیتی ہے تو عدالت تو بہر حال ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ کرے گی لیکن اس جھوٹ کا وبال اس عورت کے سر پر ہوگا۔ ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ کرنے کے متعلق ایک اور حدیث یہ ہے: جو لوگ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے اور آپ نے واپس آ کر ان سے باز پرس کی تو اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ لوگ (منافقین) آئے، انہوں نے مختلف بہانے کیے اور قسمیں کھائیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کردہ بہانوں کو قبول کر لیا اور ان سے بیعت لی اور ان کے لئے استغفار کیا اور ان کے باطنی امور کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۴۱۸)

دوسرا جواب یہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک صرف حجت ظاہر یہ کا اعتبار ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جھوٹے گواہوں کے ساتھ ظاہراً و باطناً عقود اور فسوخ میں قضا نافذ ہو جاتی ہے، بہ شرطیکہ قضا کے محل میں اس قضا کی صلاحیت ہو اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو۔ (درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۴ ص ۳۳۳)

علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فسوخ سے مراد ایسا فیصلہ ہے جو عقد کے حکم کو فسخ کر دے، لہٰذا یہ طلاق کو بھی شامل ہے اور اس کی فروع میں سے یہ ہے کہ ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور خاوند اس کا منکر ہو اور اس عورت نے اپنے دعویٰ پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے ان میں علیحدگی کا فیصلہ کر دیا، اس عورت نے عدت کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کر لیا، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا اس عورت سے مباشرت کرنا جائز ہے خواہ اس کو حقیقتِ حال کا علم ہو اور ان دو گواہوں میں سے بھی اگر کوئی اس عورت سے نکاح کرے تو عدت کے بعد اس عورت سے نکاح اور مباشرت کرنا جائز ہے اور اس کے پہلے خاوند کا اس عورت سے مباشرت کرنا جائز نہیں ہے اور اس عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو وطی کرنے کا موقع دے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۴ ص ۳۳۳، داراحیاء التراث العربی بیروت)

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس عورت پر اس کا خاوند ظلم کرے اس کو نہ گھر میں رکھے اور نہ کھانے پینے اور کپڑوں کا خرچ دے اور نہ اس کو طلاق دے اور وہ عورت جوان ہو وہ اپنے معاش کے حصول کے لیے محنت مزدوری یا ملازمت کرے تو اس کو اپنی عزت اور عفت کے لٹ جانے کا بھی خطرہ ہو (اور ایسے واقعات ہمارے ہاں ہوتے رہتے ہیں) تو ایسی صورت حال کے مطابق اگر عدالت اس کے فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے تو یہ ائمہ ثلاثہ کے مطابق ایک جائز عمل ہے، اب اگر کوئی عورت اس قانون سے فائدہ اٹھا کر جھوٹے گواہوں کے ذریعہ شوہر کو آباد نہ کرنے کی فرضی داستان سنا کر اپنے حق میں فسخ نکاح کا فیصلہ کرا لے تو اس کا وبال اس عورت کے سر ہوگا اور اس کے اس جھوٹ کی وجہ سے اس جائز طریقہ کو ترک نہیں کیا جائے گا، اس کی نظیر یہ ہے:

علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ زیارت قبور کو اس لئے ترک نہیں کیا جائے گا کہ زیارت قبور میں بہت سے منکرات اور فاسد (ناجائز اور برے کام) مثلاً مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور دوسرے امور (مثلاً قبروں پر سجدہ کرنا) داخل ہو گئے ہیں، کیونکہ عبادات کو ان کاموں کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا بلکہ انسان پر لازم ہے کہ ان عبادات کو بجالائے اور ان غلط کاموں کا رد کرے اور حسب استطاعت ان بدعات کو زائل کر دے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۰۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ثانیاً یہ کہ جھوٹے گواہ پیش کر کے اپنے حق میں عدالت سے فیصلہ کرانا صرف فسخ نکاح کے عقد کے ساتھ تو مخصوص نہیں ہے۔ ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات میں پیشہ ور جھوٹے گواہ عدالت کے باہر مل جاتے ہیں، اور ان کی بناء پر بہت سے مقدمات میں ظاہری شہادت کی بناء پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے، تو اب اگر کسی مقدمہ میں ظاہری شہادت کی بناء پر عدالت کے فیصلہ کو اس لئے معتبر نہ مانا جائے کہ یہ شہادت فی الواقع جھوٹی تھی تو پھر عدالت کا کوئی بھی فیصلہ معتبر نہیں رہے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ فیصلہ جھوٹی گواہی کی بناء پر ہو اور اس کا حل یہی ہے کہ عدالت کا کام ظاہری شہادت کی بناء پر فیصلہ کرنا ہے، اگر کسی فریق نے جھوٹے شواہد پیش کئے ہیں تو اس کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور حقیقت کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔

''قضاء علی الغائب'' کے متعلق مذاہب ائمہ

قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک غائب کے خلاف فیصلہ کرنا جائز ہے، انہوں نے کہا: جو دور دراز غائب ہو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ غائب کے خلاف مطلقاً فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف الدین نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جس طرح حاضر کے خلاف ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح غائب کے خلاف بھی ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ (روضۃ الطالبین ج ۸ ص ۱۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

امام ابواسحٰق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر ایک شخص قاضی کے سامنے پیش ہو اور شہر سے غائب شخص کے خلاف دعویٰ کرے یا شہر میں حاضر ہو لیکن بھاگ جائے یا شہر میں حاضر ہو اور چھپ جائے اور اس کو حاضر کرنا مشکل ہو تو اگر مدعی کے پاس اس غائب کے خلاف گواہ نہ ہوں تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، کیونکہ اس کا دعویٰ سننا غیر مفید ہے، اور اگر مدعی کے پاس اس غائب کے خلاف گواہ ہوں تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کے گواہوں کو بھی سنا جائے گا کیونکہ اگر ہم اس کے دعویٰ کو نہ سنیں تو اس مدعیٰ علیہ کا غائب ہونا یا شہر میں چھپ جانا لوگوں کے حقوق ساقط کرنے کا سبب ہوگا جب کہ ان حقوق کی حفاظت کے لئے حاکم کو نصب کیا جاتا ہے۔

(المہذب ج ۲ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، شرح المہذب ج ۲۰ ص ۱۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

جس غائب شخص کے خلاف کوئی حق ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا (الی قولہ) غائب کے خلاف صرف

آدمیوں کے حقوق میں فیصلہ کیا جائے گا، البتہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدود میں اسقاط کی گنجائش ہے، اگر کسی غائب شخص کے چوری کرنے پر گواہ قائم ہوں تو اس سے مال واپس لینے کا حکم دیا جائے گا اور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۱۳۸ ،مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص مجلس عدالت سے غائب ہو یا اس شہر سے غائب ہو اور اس کے خلاف گواہ قائم ہوں تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا خواہ اس مقدمہ کا تعلق آدمیوں کے حقوق سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی حدود سے۔ (محلی ابن حزم ج ۹ ص ۳۶۶)

''قضاء علی الغائب'' کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہند نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان ایک کم خرچ کرنے والے انسان ہیں اور مجھے ان کے مال سے خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے مال سے اتنی مقدار لے لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کے لئے دستور کے مطابق کافی ہو۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۱۸۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۱۴)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس مجلس سے غائب تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فیصلہ فرمایا، امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے: باب القضاء علی الغائب۔ اس حدیث میں مالی معاملات میں غائب کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے فسخ نکاح میں غائب کے خلاف فیصلہ کیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مفقود (لاپتہ) شخص کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس کی بیوی چار سال انتظار کرے اور اس کے بعد چار ماہ دس دن (عدت وفات گزارے) پھر اگر اس کا پہلا خاوند آجائے تو اس کو اپنے دیئے ہوئے مہر اور بیوی کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ (المصنف، رقم الحدیث: ۱۲۳۱۷)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے اور اس کو معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو وہ چار سال انتظار کرے، پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے، پھر وہ حلال ہو جائے گی۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جب اس نے عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا تو پہلے خاوند کا اس پر کوئی حق نہیں رہا۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی اور وہ غائب ہو گیا اور اس حال میں اس نے اس طلاق سے رجوع کر لیا، عورت کو طلاق کی خبر پہنچی اور اس کے رجوع کی خبر نہیں پہنچی اور اس نے دوسری جگہ شادی کر لی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا: جب اس عورت نے نکاح کر لیا تو اب پہلے خاوند کا اس پر کوئی حق نہیں رہا، خواہ دوسرے خاوند نے اس سے دخول کیا ہو یا نہیں۔ (موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۱۲۱۹)

ان دو حدیثوں میں فسخ نکاح اور طلاق کے معاملہ میں قضاء علی الغائب کا ثبوت ہے۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے لیکن فقہاء احناف نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر ضرورت کی بناء پر کوئی حنفی قاضی یا مفتی ائمہ ثلاثہ کے اس قول پر فتویٰ دے تو یہ جائز ہے اور جس عورت کو اس کا خاوند تنگ کرنے کے لئے نہ خرچ دیتا ہو نہ طلاق دیتا ہو اور اپنی عزت اور عصمت کی حفاظت کے ساتھ ملازمت کر کے اس کے لئے روٹی کمانا مشکل اور دشوار ہو اور اندریں صورت وہ عدالت میں اپنا کیس پیش کرے، خاوند حاضر نہ ہو اور عدالت خاوند کے خلاف یک طرفہ ڈگری دے کر خلع کر دے (یعنی نکاح فسخ کر دے) تو یہ فیصلہ صحیح ہے اور عدت کے بعد اس عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا صحیح ہے۔

٥٢٩٢ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ فَقَالَ خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ وَسُئِلَ عَنْ ضَالَّةِ الْإِبِلِ فَغَضِبَ وَاحْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ وَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا الْحِذَاءُ وَالسِّقَاءُ تَشْرَبُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا وَعَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ مَنْ يَعْرِفُهَا وَإِلَّا فَاخْلِطْهَا بِمَالِكَ قَالَ سُفْيَانُ فَلَقِيتُ رَبِيعَةَ بْنَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ سُفْيَانُ وَلَمْ أَحْفَظْ عَنْهُ شَيْئًا غَيْرَ هَذَا فَقُلْتُ أَرَأَيْتَ حَدِيثَ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ فِي أَمْرِ الضَّالَّةِ هُوَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَحْيَى وَيَقُولُ رَبِيعَةُ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سُفْيَانُ فَلَقِيتُ رَبِيعَةَ فَقُلْتُ لَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از یزید مولی المنبعث، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے گم شدہ بکری کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کو پکڑ لو، وہ تمہارے لئے ہے یا تمہارے بھائی کے لئے ہے، یا بھیڑیے کے لیے ہے، اور آپ سے گم شدہ اونٹ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ناراض ہو گئے اور آپ کے دونوں رخسار سرخ ہو گئے اور آپ نے فرمایا: تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے اور اس کے ساتھ اس کی جوتیاں ہیں اور اس کے پانی کی مشک ہے، وہ پانی پیئے گا اور درخت کے پتے کھائے گا حتیٰ کہ اس کا مالک اس سے ملاقات کرلے گا اور آپ سے لُقطہ (گری پڑی چیز) کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے ظرف کو پہچان کر یاد رکھو اور اس کے ظرف کے مادہ کو یاد رکھو اور ایک سال تک اس کا اعلان کرو، پس اگر وہ مرد آ جائے جو اس کو پہچانتا ہو تو فبہا ورنہ تم اس چیز کو اپنے مال کے ساتھ ملا لو، سفیان نے کہا: میری ربیعہ بن عبد الرحمٰن سے ملاقات ہوئی، سفیان نے کہا: مجھے اس کے سوا اس حدیث کی اور کوئی چیز یاد نہیں۔ (علی بن عبد اللہ نے کہا:) میں نے پوچھا: آپ یہ بتائیں کہ یزید مولی المنبعث کی حدیث گم شدہ چیز کے متعلق ہے آیا وہ زید بن خالد سے روایت ہے؟ سفیان نے کہا: ہاں! یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ از یزید مولی المنبعث از زید بن خالد روایت کرتے ہیں کہ میری ربیعہ

سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا۔

(صحیح البخاری:۹۱، صحیح مسلم:۱۷۲۲، سنن ترمذی:۱۳۷۲، سنن ابوداؤد:۱۷۰۴، سنن ابن ماجہ:۲۵۰۴، مسند احمد:۱۶۵۸۹، موطا امام مالک:۱۴۸۲)

اس باب کی حدیث میں مذکور تعلیق کا خلاصہ اور تفصیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے آخر میں جو تعلیق مذکور ہے اس کی شرح میں لکھتے ہیں:
خلاصہ یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید انصاری نے اس حدیث کی یزید سے روایت کی ہے، لیکن یہ حدیث مرسلاً روایت کی ہے موصولاً روایت نہیں کی، یزید تابعی ہیں، ان کی سند میں یزید کے بعد حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ کا واسطہ نہیں ہے، یحییٰ بن سعید نے اپنے شاگرد سفیان سے پوچھا: کیا آپ اس حدیث کو موصولاً نقل کرتے ہیں یعنی از یزید از حضرت زید بن خالد الجھنی روایت کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں!

حدیث میں مذکور مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اونٹ کے ساتھ اس کے جوتے ہیں: اس سے مراد ہے کہ اونٹ اپنے کھر یا اپنے پاؤں کے ساتھ چلتا ہے اور الحذاء کا معنی جوتا ہے۔
لُقطہ: اصطلاحِ فقہ میں لُقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو مالک کی غفلت کی وجہ سے اس سے گر گئی ہو، سو کوئی شخص اس کو اٹھا لے۔
الوکاء: یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ تھیلی کے منہ کو باندھا جاتا ہے یعنی دھاگا۔
العفاص: یہ وہ چیز ہے جس میں خرچ کی چیزیں ہوتی ہیں۔
سو تم اس کو اپنے مال کے ساتھ ملا لو: داؤد ظاہری متوفی ۲۷۰ھ نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے کہ لقطہ کو پانے والا اس لقطہ کا مالک ہو جائے گا اور تمام شہروں کے فقہاء نے اس کی مخالفت کی اور اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ تم اس لُقطہ کو اپنے مال کے ساتھ اس اعتبار سے ملا لو کہ تم اس کے ضامن ہو گے کیونکہ دوسری روایت میں یہ تصریح ہے کہ اگر کسی دن اس لقطہ کا مالک آیا تو تم اس کو وہ ادا کر دینا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور میں بھیڑیے کا ذکر بہ طور تمثیل ہونا

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ بکری یا تمہارے لئے ہوگی یا بھیڑیے کے لیے ہوگی، اس حدیث میں بھیڑیے کا لفظ بہ طور مثال ہے، بہ طور حصر نہیں ہے، کیونکہ بکری کو کبھی شیر کھا جاتا ہے اور کبھی گیدڑ کھا جاتا ہے۔

حدیث مذکور سے مستنبط مسائل

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عالم کا حالتِ غضب میں بھی فتویٰ دینا جائز ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور شدتِ غضب سے آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے اس کے باوجود آپ نے سائل کے سوال کا جواب دیا یعنی اگر تم اونٹ کو جنگل میں پاؤ تو تم اس کو نہیں پکڑو گے بلکہ چھوڑ دو گے کیونکہ اس کے پاؤں ہیں جس سے وہ چلتا رہے گا

اس کو تھکاوٹ نہیں ہوگی نہ اس کو کانٹے چبھیں گے نہ اس کو کنکر چبھیں گے اور وہ چلتے چلتے پانی کے گھاٹ پر پہنچ جائے گا اور کئی کئی دن کے لئے اپنے پیٹ میں پانی بھر لے گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ اپنی خود حفاظت کر لیتا ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ گدھا بکریوں کی جنس سے ہے، اس لئے کہ وہ خود بھیڑیئے سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اس لئے گم شدہ گدھے کو بھی بکری کی طرح پکڑ لیا جائے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۶۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی کتاب المفقود کے ساتھ مناسبت

امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب المفقود میں روایت کی ہے، کیونکہ جس طرح لُقطہ یعنی گم شدہ چیز سے اس کے مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، اسی طرح مفقود الخبر سے اس کی بیوی کا نکاح زائل نہیں ہوتا اور جب تک مفقود الخبر کی موت کی یقینی خبر نہ آجائے اس وقت تک اس کی بیوی کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

عالم یا استاذ کا غضب میں آکر سائل یا بچوں کو مارنے اور زدوکوب کرنے کی ممانعت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سائل نے نامناسب سوال کیا کہ بکری کا کیا حکم ہے تو آپ اس لیے ناراض ہوئے کہ بکری کوئی گری پڑی چیز نہیں ہے، جو لقطہ ہو اس کو تم پکڑ کر لے جاؤ گے یا بھیڑیا پکڑ کر لے جائے گا، لیکن آپ نے اس نامناسب سوال کے باوجود اس کو نہ ڈانٹا اور نہ اس کو مارا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر شاگرد کوئی نامناسب بات کرے یا نامناسب حرکت کرے تو اس کو ڈانٹنا یا مارنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت اور آپ کی سیرت کے خلاف ہے۔

ہمارے زمانہ میں قاری اور حافظ جو بچوں کو حفظ قرآن کی تعلیم دیتے ہیں وہ ان کو سبق یاد نہ ہونے پر نہایت سفاکی اور بے دردی سے ڈنڈوں سے مارتے ہیں اور کئی کئی گھنٹے تک کان پکڑوا کر ان کو مرغا بنا دیتے ہیں اور ہم نے دیکھا ہے کہ ایک حافظ غضب میں آکر بچہ کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیتا تھا اور بعض حافظ بچوں کو اتنا مارتے تھے کہ مسجد میں ان کا پیشاب اور پاخانہ خطا ہو جاتا تھا اور بچوں کو زنجیر سے باندھ کر بھی رکھا جاتا ہے، بچوں کو اتنا زیادہ مارنا ظلم ہے، ناجائز ہے اور گناہ کبیرہ ہے، اور قیامت کے دن ان لوگوں سے قصاص لیا جائے گا اور ان مضروب اور مظلوم بچوں سے کہا جائے گا کہ تم بھی اس کو اتنا زیادہ مارو جتنا یہ تمہیں دنیا میں مارتا تھا۔

بچوں کو زیادہ مارنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہو نہ سامان ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن، نمازیں، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، سو اس کو قیامت کے دن بٹھایا جائے گا اور اس سے بدلہ لیا جائے گا اور اس کی نیکیاں مضروب اور مظلوم کو دی جائیں گی، پس اگر اس کی نیکیاں اس کے قصاص سے پہلے ختم ہو جائیں تو مضروب اور مظلوم کے گناہ اس ضارب اور ظالم کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۴۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اپنے بھائی کی عزت یا اس کے مال پر کوئی ظلم کیا ہو، پھر وہ بندہ اس مظلوم کے پاس جائے اس دن سے پہلے کہ جب نہ کوئی دینار ہوگا نہ درہم ہوگا، پس اگر اس کی نیکیاں ہوں گی تو اس کی نیکیاں اس مظلوم کو دی جائیں گی، اور اگر اس ظالم کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس مظلوم کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

(سنن ترمذی: ۲۴۱۹، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۵، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقوق ضرور اصحابِ حقوق کو ادا کئے جائیں گے، حتیٰ کہ سینگ والی بکری سے اس بکری کا قصاص لیا جائے گا جس کے سینگ نہ تھے۔

(سنن ترمذی: ۲۴۲۰، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۵، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

غور فرمایئے! بکریاں غیر مکلف ہیں، لیکن اگر ایک بکری بھی دوسری بکری کو ظلماً سینگ مارے تو قیامت کے دن اس سے قصاص لیا جائے گا، تو ان قراء اور حفاظ کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا جو ظلم اور بے دردی سے کم عمر بچوں کو سبق یاد نہ کرنے پر ڈنڈوں کے ساتھ مارتے ہیں، اور گھٹنوں کان پکڑواتے ہیں، اور اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں، انہیں یوم الحساب اور یوم القصاص سے ڈرنا چاہیے، اور اپنے دل میں خوف خدا رکھنا چاہیے کہ جب قیامت کے دن انہی بچوں سے ان کو پٹوایا جائے گا، اور ان حفاظ اور قراء کی نیکیاں ان بچوں کے نامہ اعمال میں ڈالی جائیں گی اور ان بچوں کے گناہ ان حفاظ اور قراء کے نامہ اعمال میں ڈالے جائیں گے اور پھر ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، میں کہتا ہوں کہ سبق یاد نہ کرنے پر بچوں کو مارنے کی کیا ضرورت ہے، آپ اس کو تنبیہ کریں، ڈرائیں، اگر وہ آج یاد نہیں کرے گا تو کل یاد کرلے گا اس کو بے دردی سے مارنے کی کیا ضرورت ہے۔

بعض جاہل حفاظ کی من گھڑت احادیث پر تبصرہ

بعض جاہل حفاظ اور قراء نے یہ حدیث گھڑی ہے کہ استاد کی مار سے دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے اور جس جگہ استاد کی مار پڑے گی اس جگہ کو دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی۔ یہ حدیث جھوٹی اور من گھڑت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اور جو بات آپ نے نہ فرمائی ہو اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا گناہ کبیرہ ہے، ان جھوٹوں سے پوچھا جائے کہ یہ روایت حدیث کی کس کتاب میں مذکور ہے؟ اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث مروی ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ نہ باندھو، کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے۔ (صحیح البخاری: ۱۰۶، سنن ترمذی: ۲۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۳۱، مسند احمد: ۶۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ متوفی ۹۳ھ بیان کرتے ہیں کہ مجھے تمہیں زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، سوا اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا تو وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ میں بنالے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۸، سنن ترمذی: ۲۲۶۱، سنن ابن ماجہ: ۳۲، مسند احمد ۱: ۱۵۳، سنن داری: ۲۳۸)

یزید بن ابوعبید از سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس

نے میرے متعلق وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ میں بنالے۔ (صحیح البخاری:۱۰۹، مسند احمد:۱۶۰۸۹)

امام مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی مرد کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات کو آگے نقل کردے۔ (صحیح مسلم:۷، دارالفکر بیروت ۱۴۲۴ھ، سنن ابوداؤد:۴۹۹۲، دارالفکر بیروت،۱۴۲۱ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے بھی اسی کی مثل حدیث مروی ہے۔ (صحیح مسلم:۹، دارالفکر بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجال اور کذاب آئیں گے، جو تمہیں ایسی احادیث بیان کریں گے جن کو پہلے تم نے نہ سنا ہوگا نہ تمہارے آباء واجداد نے سنا ہوگا، تم ان سے دور رہو وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کریں، تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (صحیح مسلم:۱۶، دارالفکر بیروت،۱۴۲۴ھ)

سائل اور شاگرد کی کسی غلطی پر سرزنش کرنے میں سختی کی ممانعت کے متعلق احادیث

سائل اور شاگرد کو اس کی کسی غلط بات پر سرزنش کرنے میں سختی نہ کرنے کے متعلق ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس وقت کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اچانک لوگوں میں سے کسی کو چھینک آئی تو میں نے کہا: "یرحمك الله" (اللہ تجھ پر رحم فرمائے) تو لوگوں نے مجھے اپنی آنکھوں سے گھور کر دیکھا، میں نے کہا: تمہاری ماں تم پر روئے کیا وجہ ہے کہ تم مجھے گھور گھور کر دیکھ رہے ہو؟ تو نمازی اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ لوگ مجھ کو خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہوگیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمالی تو آپ پر میرے باپ اور ماں فداء ہوں، میں نے آپ سے بہتر معلم نہ اس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ اس واقع کے بعد دیکھا، جو آپ سے عمدہ طریقہ کے ساتھ تعلیم دیتا ہو، پس اللہ کی قسم! آپ نے نہ تو مجھ کو ڈانٹا اور نہ مارا نہ کوئی سخت بات کہی، آپ نے فرمایا: بے شک اس نماز کے اندر لوگوں کے ساتھ بات کرنا جائز نہیں ہے، یہ نماز تو صرف تسبیح ہے اور تکبیر ہے یا قرآن مجید کی تلاوت ہے یا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ الحدیث (صحیح مسلم:۵۳۷، سنن ابوداؤد:۹۳۰، ۳۲۸۲، ۳۹۰۹، سنن نسائی:۱۲۱۴، مسند احمد:۲۳۸۲۳)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور اس سے مستنبط مسئلہ

اس حدیث میں مذکور ہے:

ولا كهرني:

امام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی البستی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کا معنی ہے: آپ نے مجھ کو ڈانٹا نہیں اور نہ مجھ سے کوئی سخت اور درشت بات کہی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: آپ نے تیوری اور ماتھے پر بل نہیں ڈالے یعنی ناراضگی اور غضب کا اظہار نہیں فرمایا۔

(معالم السنن، شرح سنن ابی داؤد ج۱ ص ۱۹۲، دارالکتب العلمیہ بیروت،۱۴۲۶ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی المالکی المتوفی ۵۴۴ھ، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ بن الحکم نے کہا: میرے ماں باپ اور میری ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں، میں نے ان سے اچھا معلم نہ ان سے پہلے دیکھا ہے اور نہ ان کے بعد دیکھا، اس حدیث میں تعلیم کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان ہے اور جو شخص مسئلہ سے ناواقف ہو اس کو نرمی سے سمجھانے کا ذکر ہے اور اس پر غیظ وغضب کو ترک کرنے کا ذکر ہے اور حضرت معاویہ نے کہا: ''فواللہ ما کھرنی''، اس کا معنی بیان کرتے ہوئے امام ابوعبید ابوالقاسم بن سلام الہروی الشافعی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا: الکھر کا معنی ہے: جھڑکنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الکھر کا معنی ہے: ماتھے پر بل ڈالنا اور تیوری چڑھانا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۴۶۲، دارالوفاء ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم خلق کا بیان ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ (القلم: ۴) اور بے شک آپ ضرور عظیم اخلاق پر فائز ہیں ○

اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو شخص مسئلہ سے ناواقف ہو اس کو ملائمت اور نرمی سے مسئلہ بتانا چاہیے اور آپ اپنی امت پر رؤف اور رحیم تھے اور ان پر شفیق تھے اور اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے متخلق ہونا چاہیے اور آپ کے اوصاف سے متصف ہونا چاہیے اور نہایت عمدہ طریقہ اور نرمی سے تعلیم دینی چاہیے۔

(شرح صحیح مسلم بشرح النووی جز ۳ ص ۱۸۰۳، مکتبہ نزار مصطفی مکہ المکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے اخلاق حسنہ کا بیان ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جب جاہل کو تعلیم دی جائے تو بہت نرمی کرنی چاہیے اور اس کو ڈانٹنا نہیں چاہیے، اور نہ اس کے سوال پر تیوری چڑھانی چاہیے اور نہ ماتھے پر بل ڈالنا چاہیے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۴۳۵، ۴۳۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسنی المالکی المتوفی ۸۹۵ھ نے بھی مذکور الصدر شرح کو نقل کر دیا ہے۔

(مکمل اکمال المعلم ج ۲ ص ۴۳۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

شیخ محمد صدیق خان بن حسن بن علی بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی کو تعلیم دینے کے لیے نرمی برتنی چاہیے اور احسن طریقہ سے اور لطیف پیرائے میں تعلیم دینی چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے اخلاق کو اپنانا چاہیے، اور شاگرد پر نرمی اور شفقت کرنی چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم سے متصف ہونا چاہیے۔ (السراج الوہاج فی کشف مطالب مسلم بن الحجاج ج ۲ ص ۷۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ھ)

چہرے پر مارنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی

سے لڑے تو اس کے چہرے پر ہرگز ہرگز تھپڑ نہ مارے''۔
(صحیح مسلم: ۲۶۱۲، الرقم المسلسل: ۶۵۴۶، مسند احمد: ۸۱۳۱، ۸۴۴۹، ۸۵۸۱، ۹۸۰۹، ۹۹۶۹، ۱۰۷۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے چہرے پر ہرگز ہرگز تھپڑ نہ مارے''۔ (صحیح مسلم: ۶۵۴۹، الرقم المسلسل: ۲۶۱۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے چہرے پر مارنے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۶۱۲، الرقم المسلسل: ۶۵۵۰)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے تھے۔
(صحیح مسلم: ۲۶۱۳، الرقم المسلسل: ۶۵۵۲، سنن ابوداؤد: ۳۰۴۵، مسند احمد: ۱۵۸۴۶)

علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے: ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ چہرے پر مارنا شرعاً ممنوع ہے کیونکہ انسان کا چہرہ لطیف ہے، وہ اس کے تمام محاسن کا جامع ہے اور اس کے اعضاء بھی لطیف اور نفیس ہیں اور کبھی چہرے پر مارنے سے چہرہ متغیر ہو جاتا ہے اور چہرے کو بدنما کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اور اس ممانعت میں بیوی کے چہرے پر مارنا، یا بیٹے کے چہرے پر مارنا، یا نوکر کے چہرے پر مارنا یا شاگرد کے چہرے پر مارنا داخل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا: سو چہرے پر مارنا گویا آدم کے چہرے پر مارنا ہے۔
(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۰ ص ۶۶۴۵، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ المکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے، علامہ خطابی متوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اخوت سے مراد اخوت آدمیہ ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں فرمایا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے، یعنی جس کو مارا گیا ہے اس کی صورت اللہ کی صورت ہے گویا کہ مارنے والے نے اپنے باپ آدم علیہ السلام کی صورت پر مارا اور اس وجہ سے کافر کے چہرے پر مارنا بھی شرعاً ممنوع ہے خواہ میدان جہاد میں، کیونکہ شریعت نے چہرے کو ہمارے باپ کے عضو کے قائم مقام قرار دیا ہے، اور کسی کا کسی دوسرے شخص کے منہ پر تھپڑ مارنا بہت قبیح ہے، اور گویا کہ اس نے اپنے باپ کے منہ پر تھپڑ مارا ہے، اور قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے اس کی شرح میں لکھا ہے:

چہرے پر مارنے سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا ہے، کیونکہ چہرے کی تعظیم ہے اور چہرے پر مارنے سے اس کے نشانات اور آثار بہت جلد ظاہر ہوتے ہیں، اور چہرے میں انسان کے محاسن ہیں اور چہرے ہی کی وجہ سے ایک انسان دوسرے انسان سے ممتاز ہوتا ہے، اور چہرے کی وجہ سے انسان کو دوسری مخلوقات پر فضیلت دی گئی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (التین: ۴) بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے ۝

چہرے کی تعظیم کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث اور چہرے پر تھپڑ مارنے کے متعلق سخت وعیدیں اور اس کا سنگین گناہ ہونا اور اس حدیث میں چہرے پر نہ مارنے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے اور جس شخص نے کسی کے چہرے پر تھپڑ مارا تو گویا کہ اس نے اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے چہرے پر تھپڑ مارا، اور یہ حدیث میں جو حضرت آدم کی صورت کو اپنی صورت فرمایا ہے تو یہ حضرت آدم کی تشریف اور تعظیم کے لئے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ (الشمس: ۱۳) اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اللہ کی اونٹنی فرمایا ہے اور یہ اضافت بھی تعظیم اور تشریف کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو اونٹنی رکھنے سے پاک اور منزہ ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ (آل عمران: ۹۶) بے شک سب سے پہلا گھر جو (اللہ کی عبادت کے واسطے) لوگوں کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے اور برکت والا اور تمام جہان والوں کی ہدایت کا سبب ہے O

کعبہ کو بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر قرار دیا گیا ہے۔

دنیا کے بت کدوں میں وہ پہلا گھر خدا کا ☆ ہم پاسباں ہیں اس کے وہ پاسباں ہمارا

سو کعبۃ اللہ کو جو بیت اللہ قرار دیا گیا ہے وہ بھی کعبہ کی تعظیم اور تشریف کی وجہ سے ہے، اسی طرح اس حدیث میں آدم کی صورت کو جو اللہ کی صورت فرمایا ہے، وہ بھی صورت کی تعظیم، توقیر اور تشریف کی وجہ سے فرمایا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خود اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا ہے:

قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ (ص: ۷۵) (اللہ نے) فرمایا: اے ابلیس تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا؟

اور اس حدیث میں چہرے کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ چہرے میں آنکھیں ہیں، جس سے انسان جہان کو اور عجائب عالم کو دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور چہرے میں کان ہیں جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنتا ہے اور علوم شرعیہ کو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کو اور ان علوم کی معرفت کو حاصل کرتا ہے اور چہرے میں زبان ہے جس سے انسان کلام کرتا ہے اور ناطق کہلاتا ہے اور اسی وجہ سے انسان کو باقی مخلوقات کے اوپر شرف اور فضیلت دی گئی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آدم کی صورت جو اللہ کی صورت پر ہے یعنی اللہ کی صفت پر ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام صفات کمال کے ساتھ مخصوص ہیں، انہیں نطق عطا کیا گیا ہے اور نبوت عطا کی گئی ہے اور ان کے بہت فضائل ہیں جن کی وجہ سے ان کی صفت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قرار دیا ہے اور فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی صورت حضرت حضرت آدم علیہ السلام کی صورت کی مثل ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو صورتِ رحمٰن پر پیدا کیا۔ امام بخاری نے باب السلام میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو حکم دیا کہ آپ فرشتوں کو سلام کریں، اگرچہ اللہ تعالیٰ صورت جسمانیہ سے پاک اور منزہ ہے لیکن ہم اس حدیث میں تاویل نہیں کرتے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کی

طرف مفوض کرتے ہیں اور یہی متقدمین کا طریقہ ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۸ ص ۵۷۸-۵۸۱، ملخصاً، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہمارے زمانے میں اکثر اساتذہ اور والدین خصوصاً قراء اور حفاظ بچوں کے چہرے پر تھپڑ مارتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ کتنے عظیم گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں کیونکہ آدمی کا چہرہ حضرت آدم کا چہرہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کا مظہر ہے اور چہرے پر تھپڑ مارنا گویا اپنے باپ آدم کے چہرے پر تھپڑ مارنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پامال کرنا ہے، جو لوگ جوشِ غضب میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو فراموش کر دیتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور یوم الحساب کو یاد رکھنا چاہیے، جب انہیں ایک طرف تو چہرے پر تھپڑ مارنے کا قصاص دینا ہوگا اور دوسری طرف اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے چہرے کی توہین کرنے کی سزا بھگتنی ہوگی، اور جس چہرے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا چہرہ قرار دیا ہے اس چہرے کو پامال کرنے کا عذاب بھگتنا ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ

اب ہم اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء کو نقل کر رہے ہیں۔

بچوں کو زیادہ مارنے سے قیامت کے دن عذاب ہوگا

فتاویٰ عالمگیری میں علماء وفقہاء کا ارشاد:

''والخامس ان لا یضرب الصبیان ضربا مبرحا ولا یجاوز الحد فانه یحاسب یوم القیامة''

''یعنی معلم کے لئے پانچویں احتیاط یہ ہے کہ بچوں کو اس طرح نہ مارے کہ ان پر نشان پڑ جائیں اور نہ ہی حد سے تجاوز کرے، کیونکہ قیامت کے دن اس سے حساب لیا جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۷۹)

فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا کا ارشاد:

''ضرورت پیش آنے پر بقدرِ حاجت تنبیہ، اصلاح اور نصیحت کے لئے بلاتفریق اجرت وعدم اجرت استاد کا بدنی سزا دینا اور سرزنش سے کام لینا جائز ہے، مگر یہ سزا لکڑی ڈنڈے وغیرہ سے نہیں بلکہ ہاتھ سے ہونی چاہیے اور ایک وقت میں تین مرتبہ سے زائد پٹائی نہ ہونے پائے۔ (الیٰ قولہ) قال صلی اللہ علیہ وسلم لمرداس المعلم ایاك ان تضرب فوق الثلاث فانك اذا ضربت فوق الثلث اقتص الله منك'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرداس رضی اللہ عنہ جو کہ معلم تھے ان سے فرمایا: تین مرتبہ سے زائد ضربیں لگانے سے پرہیز کرو، کیونکہ اگر تم نے تین مرتبہ سے زیادہ سزا دی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم سے بدلہ لے گا''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۶۵۳)

بہارِ شریعت میں صدر الشریعہ کا ارشاد:

اساتذہ بھی بچوں کو نہ پڑھنے یا شرارت کرنے پر سزائیں دے سکتے ہیں، مگر وہ کلیہ (اصول) ان کے پیشِ نظر بھی ہونا چاہیے کہ اپنا بچہ ہوتا تو اسے بھی اتنی ہی سزا دیتے، بلکہ ظاہر تو یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے بچہ کی تربیت وتعلیم کا جتنا خیال ہوتا ہے دوسرے کا اتنا خیال نہیں ہوتا، تو اگر اس کام پر اپنے بچہ کو نہ مارا یا کم مارا اور دوسرے بچہ کو زیادہ مارا تو معلوم ہوا کہ یہ مارنا محض غصہ اتارنے کے لئے ہے، سدھارنا مقصود نہیں ہے، ورنہ اپنے بچے کے سدھارنے کا زیادہ خیال ہوتا۔ بحث کے آخر میں ''فتاویٰ عالمگیری'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''بچوں کو زیادہ نہ مارے، مارنے میں حد سے تجاوز کرے گا تو قیامت کے روز محاسبہ دینا پڑے گا''۔

(بہارِ شریعت حصہ ۱۶، ص ۱۴۲-۱۴۴، مطبوعہ ضیاء القرآن)

ظہار کے مباحث

ظہار کا لغوی معنی

امام اللغۃ خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

الظھارۃ: مرد کا اپنی بیوی سے ظہار کرنا جب وہ کہے کہ یہ مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے یا کہے: یہ مجھ پر میرے کسی ذو رحم محرم کی پشت کی مثل ہے۔ (کتاب العین ج ۲ ص ۱۱۱۹-۱۱۲۰، مطبوعہ باقری قم ایران ۱۴۱۴ھ)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

ظہار یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے، اور الظھارۃ اس کا معنی ہے: باطن کی نقیض۔

(الصحاح ج ۲ ص ۷۳۲، دار العلم للملایین بیروت ۱۳۹۹ھ)

علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المتوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الظھار من النساء: مرد کا اپنی بیوی سے ظہار کرنا، اسی سے ماخوذ ہے: مظاہرۃ وظہارۃ، جب کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے: یہ مجھ پر میرے محرم کی پشت کی مثل ہے، قرآن مجید میں ہے: ''وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ'' اس کا معنی ہے: مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہو اور عرب زمانہ جاہلیت میں اپنی بیوی کو اس لفظ کے ساتھ طلاق دیتے تھے، پس جب اسلام آ گیا تو ان کو اس سے منع کر دیا گیا اور جس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اس کے اوپر کفارہ کو واجب کر دیا اور ظہار کے لفظ کی اصل ظہر ہے، یعنی پشت اور پشت کو خاص کیا گیا ہے نہ کہ پیٹ، ران اور فرج کو اور پشت تحریم کے لیے اولیٰ ہے، کیونکہ پشت سواری کی جگہ ہے اور عورت سواری ہے جب مرد اس کو ڈھانپ لے، پس جب مرد نے یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے تو اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ میرا تجھ پر جماع کے لئے سواری کرنا حرام ہے جیسے میرا اپنی ماں پر جماع کے لئے سواری کرنا حرام ہے، پس پشت کو سواری کے قائم مقام کیا گیا ہے اور یہ کنایہ کے لیے انتہائی لطیف استعارہ ہے۔ (لسان العرب ج ۹ ص ۲۰۳، دار صادر بیروت ۲۰۰۳ء)

امام ابو القاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے: ''وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ'' (المجادلہ: ۳) ظہار کی اصل ہے ''ان یحصل شیئی علی ظھر الارض فلا یخفی'' یعنی کوئی چیز زمین پر ظاہر ہو اور پوشیدہ نہ رہے۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۴۱۴، مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض ۱۴۱۸ھ)

امام مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ظہر کے لفظ سے اللہ عزوجل کا اسم ماخوذ ہے: ''الظاھر'' یعنی وہ ذات جو ہر چیز کے اوپر فائق ہے اور غالب ہے اور اسی سے ''صلوٰۃ الظھر'' کا لفظ ماخوذ ہے، اور یہ ''نصف النھار'' کا اسم ہے، جب سورج استواء سے زائل ہو جاتا ہے اور ظہار کا لفظ متعدد مقامات پر مذکور ہے، کہا جاتا ہے کہ مرد نے اپنی بیوی سے ظہار کیا، جب کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے، اور زمانہ جاہلیت میں اس لفظ کو طلاق قرار دیا جاتا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی مثل ہے، یعنی میری ماں کے ساتھ جماع کی مثل ہے، پھر انہوں نے پشت کے لفظ سے پیٹ کا کنایہ کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیوی

کے پاس اس طرح جانا کہ اس کی پشت آسماں کی طرف ہو اور یہ ان کے نزدیک حرام تھا اور اہل مدینہ کہتے تھے کہ جب مرد عورت کے ساتھ اس کیفیت سے جماع کرے کہ عورت کا چہرہ زمین کی طرف ہو تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔

ظہار کا لفظ درج ذیل کتب حدیث میں مذکور ہے: (سنن نسائی: الطلاق: ۳۳، سنن ابن ماجہ: الطلاق: ۲۵، سنن دارمی: الطلاق ۹)

اور نماز ظہر کے لیے یہ لفظ درج ذیل کتب حدیث میں ہے:

(صحیح البخاری: المواقیت، ۱۳، سنن ابن ماجہ: المواقیت، ٦، سنن نسائی: المواقیت، ۸)

ظهر کا لفظ قوت والے مال سے صدقہ کرنے کے لئے بھی وارد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو ظہر غنی سے دیا جائے، یعنی اس وقت دیا جائے جب کہ اس کے پاس قوی مال ہو اور اس کا ذکر درج ذیل کتب حدیث میں ہے:

(صحیح مسلم: الزکاۃ، ۹۵، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۷۸)

ظہر کا لفظ دل سے قرآن پڑھنے کے لیے بھی آتا ہے، حدیث میں ہے:

من قرء القرآن فاستظهره، یعنی جس نے قرآن کو پڑھ کر حفظ کرلیا اور دل سے قرآن پڑھا، یعنی بن دیکھے قرآن پڑھا، اس کا ذکر درج ذیل کتب حدیث میں ہے: (سنن ترمذی: باب ثواب القرآن، ۱۳، مسند احمد: ج ۱ ص ۱۴۹-۱۴۸)

ظہر کا لفظ ظاہر الفاظ کے لئے آتا ہے اور بطن کا لفظ اس کے معنی کے لیے آتا ہے، اور ظہر سے مراد ہے: جس لفظ کی تاویل ظاہر ہو اور اس کا معنی معروف اور معلوم ہو اور بطن سے مراد ہے: جس کی تفسیر مخفی ہو، حدیث میں ہے: ما نزل من القرآن آیة الا لها ظهر وبطن، یعنی قرآن کی جو بھی آیت نازل ہوئی اس کا ایک ظہر ہوتا ہے اور ایک بطن ہوتا ہے اور اس کی تفسیر وہ ہے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ظہر سے مراد احادیث ہی ہیں، یعنی آیت کے متعلق احادیث اور بطن سے مراد ہے: عبرتیں، تنبیہات اور تحذیرات، ایک قول یہ ہے کہ ظہر سے مراد ہے: تلاوت اور بطن سے مراد ہے: قرآن کی آیت کو سمجھنا اور ان کی تعظیم کرنا، اسی کا ذکر مذکور الصدر احادیث میں ہے۔ (النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، ج ۳ ص ۱۴۹-۱۵۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ لغوی مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی المتوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

''الظهارة'' یہ ''البطانة'' کی نقیض ہے، یعنی مخفی چیز کی ضد ہے اور ظہار کا معنی ہے: مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے۔ (القاموس المحیط ص ۴۳۴، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

الامام اللغوی السید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی الحنفی المصری المتوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

الظهار کا لفظ الکتاب کی طرح ہے، اس کا معنی ہے: مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے یا کہے کہ تو مجھ پر میرے محرم کی پشت کی مثل ہے اور عرب اس لفظ سے اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور زمانہ جاہلیت میں اس کو طلاق شمار کیا جاتا تھا، پھر جب اسلام آ گیا تو ان کو ظہار سے منع کر دیا گیا اور جو مرد اپنی بیوی سے ظہار کرے اس پر کفارہ واجب کر دیا گیا، پیٹ، ران اور فرج کی بجائے ظہر یعنی پشت کے لفظ کو خاص کیا گیا کیونکہ پشت کا لفظ ان الفاظ کی بہ نسبت تحریم کے زیادہ لائق ہے، کیونکہ پشت سواری کی جگہ ہے اور جب عورت کو ڈھانپا جاتا ہے تو وہ سواری ہوتی ہے، پس گویا کہ اس نے یوں کہا کہ میرا تیری پشت پر سوار ہونا یعنی تجھ سے جماع کرنا میری ماں کی پشت پر سواری کی مثل ہے، یعنی ماں سے جماع کرنے کی مثل ہے، اس کے بعد علامہ

زبیدی نے لسان العرب اور نہایہ کی عبارات نقل کر دی ہیں۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۴۷۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ظہار کا شرعی معنی

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق شمار کیا جاتا تھا، شریعت نے اس کی اصل کو مقرر رکھا اور اس کے حکم کو کفارہ کے ساتھ تعلیم موقت کی طرف منتقل کر دیا بغیر اس کے کہ ظہار سے نکاح کا زوال ہو۔ (المبسوط ج ۶ ص ۲۶۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ظہار کا رکن ایسا لفظ بولنا ہے جو ظہار پر دلالت کرے اور اس کی اصل یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تیری پشت مجھ پر میری ماں کی مثل ہے، اور اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی لاحق ہیں کہ مرد یہ کہے کہ تیرا پیٹ میری ماں کے پیٹ کی مثل ہے یا کہے کہ تیری ران میری ماں کی ران کی مثل ہے یا کہے کہ تیری فرج میری ماں کی فرج کی مثل ہے، کیونکہ ظہار کا معنی ہے: حلال کو حرام کے ساتھ تشبیہ دینا

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیر وزآبادی الشیر ازی الشافعی المتوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے کہا کہ میری دادی یا نانی کی پشت میری بیوی کی پشت کی طرح ہے، تو یہ بھی ظہار ہوگا، کیونکہ دادی اور نانی کی پشت بھی اسی حکم میں ہیں اور اگر اس نے کہا کہ تو میرے اوپر اس طرح ہے جیسے میرے باپ کی پشت ہو تو یہ ظہار نہیں ہے کیونکہ باپ کی پشت جماع کے لئے حلال نہیں ہے، لہٰذا وہ ان الفاظ کے کہنے کی وجہ سے مظاہر نہیں ہوا۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی ج ۲ ص ۱۱۲، دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ)

علماء شافعیہ کی ایک جماعت نے ظہار کی تحقیق میں لکھا ہے کہ:

فقہاء شافعیہ کے نزدیک ظہار کی تعریف یہ ہے کہ مرد کی جو بیوی غیر بائن ہو اس کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دے جو اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

بیوی کی قید سے اجنبی اور باندی نکل گئی کیونکہ فقہاء شافعیہ کے نزدیک ان سے ظہار صحیح نہیں ہے، اور غیر بائن کی قید سے وہ بیوی نکل گئی جو بائنہ ہو، کیونکہ اب اس کے ساتھ نکاح منقطع ہو چکا ہے۔ اور یہ قید جو لگائی ہے کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہو، یعنی وہ اس پر دائماً حرام ہو خواہ نسب سے، رضاع سے یا مصاہرت سے اور فقہاء احناف کی تعریف یہ ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو اس کے ساتھ تشبیہ دے جو اس پر دائماً حرام ہو خواہ نسب سے خواہ رضاع سے خواہ مصاہرت سے، اور شوہر نے اپنی بیوی کا مطلقاً ذکر کیا اور یہ اس مرد کو بھی شامل ہے جو نشہ میں ہو یا اس پر جبر کیا گیا ہو تو ان تمام صورتوں میں احناف کے نزدیک ظہار ہے۔

(المجموع شرح المہذب ج ۲۱ ص ۱۱۷-۱۱۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ)

ظہار کے متعلق قرآن مجید کی آیات مبارکہ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْٓ اِلَی   بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق

اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۖ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔىْ وَلَدْنَهُمْ ۖ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۖ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۖ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المجادلہ ۴-۱)

بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے O تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں حقیقت میں ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے O اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیں، پھر عمل زوجیت کے لئے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، یہ وہ چیز ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عمل زوجیت سے پہلے دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لئے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے O

حالتِ ظہار کی تفصیل از علامہ ماتریدی اور آیات ظہار کے شان نزول کے متعلق متعدد روایات

علامہ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اہل تفسیر کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ المتوفی ۳۴ھ کے بھائی تھے اور ان کی بیوی کے متعلق نازل ہوئی ہے، تاہم ان کی بیوی کے نام میں اختلاف ہے،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: ان کی بیوی کا نام حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا تھا۔ (تفسیر ابن جریر: ۲۳۷۱۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ بیان کرتی ہیں کہ ان کا نام حضرت جمیلہ تھا۔ (تفسیر ابن جریر: ۲۳۷۲۹)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری روایت ہے کہ ان کا نام خویلہ تھا۔ (تفسیر ابن جریر: ۲۳۷۱۴)

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلایا اور ان کی بیوی اس حالت میں تھی جس حالت میں شوہر کا بیوی سے جماع جائز نہیں ہوتا تو انہوں نے انکار کیا اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ گھر سے نکل جائیں تو حضرت اوس نے کہا: اگر تم گھر سے نکلیں تو تم میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، سو وہ نکل گئیں، پس جب صبح ہوئی تو ان سے حضرت اوس نے کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ اب تم مجھ پر حرام ہو چکی ہو تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! تم نے مجھے طلاق تو نہیں دی، پھر

حضرت اوس نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور اس معاملہ کے متعلق سوال کرو، کیونکہ مجھے حیاء آتی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ کے متعلق سوال کروں، سو ان کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور آپ سے اس معاملہ کے متعلق استفسار کیا تو مذکور الصدر آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے جن سے ظہار کیا گیا وہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور محمد بن کعب القرظی نے بیان کیا ہے کہ حضرت اوس میں لمم تھا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر لمم سے مراد عقل کا فتور اور جنون ہے تو مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی، چہ جائیکہ اس کا ظہار کرنا ظہار قرار دیا جائے، اور لمم کی تاویل یہ کی جاسکتی ہے کہ حضرت اوس میں غصہ اور غضب بہت شدید تھا گویا کہ ان میں حلم اور بردباری نہیں تھی۔

محمد بن کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت اوس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ اوس جو میرے بچوں کے باپ ہیں اور میرے چچا زاد ہیں اور مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں انہوں نے ایک سخت بات کہی ہے، اور اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے! انہوں نے طلاق کا ذکر نہیں کیا لیکن انہوں نے یہ کہا ہے کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تم اس کے اوپر حرام ہو چکی ہو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت اوس نے مجھ کو طلاق نہیں دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: کہ میرے نزدیک تم ان پر حرام ہو چکی ہو، حضرت اوس کی بیوی نے بار بار اپنا سوال دہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار ان کو یہی جواب دیا، تب حضرت اوس کی بیوی نے کہا: اے اللہ! میں اپنے شدت رنج کی تجھ سے شکایت کرتی ہوں اور حضرت اوس کی جدائی جو مجھ پر شاق اور دشوار ہے اس کی شکایت بھی میں تجھ سے کرتی ہوں، اے اللہ! میرے متعلق اپنے نبی پر حکم نازل فرما تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ کی مذکور الصدر آیات نازل فرمائیں۔

کلبی روایت کرتے ہیں کہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، سو انہوں نے کہا کہ میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ نکاح کیا، سو جس دن انہوں نے مجھ سے نکاح کیا اس وقت میں نوجوان تھی اور میرا خاندان بھی بڑا تھا اور میں مالدار تھی، وہ میری جوانی کھا گئے حتیٰ کہ میں ان کے پاس بڑھاپے کو پہنچ گئی اور میرے گھر والے فوت ہو گئے اور میرا مال بکھر گیا اور میں کمزور ہو گئی، اب وہ کہتے ہیں کہ تم اب میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہو، پھر انہوں نے مجھے بغیر معاوضہ کے چھوڑ دیا اور اب وہ نادم ہیں اور میں بھی نادم ہوں تو اب کیا کوئی ایسی صورت ہے جس کی وجہ سے میں اور وہ ایک بار پھر جمع ہو جائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا انہوں نے تم کو طلاق دی ہے، انہوں نے کہا: نہیں تو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تک تمہارے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا، جب کوئی حکم نازل ہوگا تو میں تم کو بتاؤں گا، تب حضرت اوس کی بیوی نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کی اور گڑگڑائیں کہ اے اللہ تعالیٰ! میرے متعلق کوئی حکم نازل کر دے تب حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۃ المجادلہ کی مذکور الصدر آیات کو لے کر نازل ہوئے۔ (تفسیر البغوی ج ۴ ص ۳۰۴)

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، پس انہوں نے کہا کہ حضرت اوس نے مجھ سے اس وقت نکاح کیا جب میں نوجوان تھی، اور مال دار تھی اور میرے گھر والے تھے حتیٰ کہ انہوں نے میرا مال کھا لیا اور میری جوانی کو فنا کر دیا حتیٰ کہ میں عمر رسیدہ ہو گئی اور میری ہڈی کمزور ہو گئی اور میرے گھر والے منتشر ہو گئے اور اب یہ کہتے ہیں

کہ تم میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت اور میرے ان سے بچے ہیں اور اگر میں نے اپنے بچوں کو ان کے سپرد کیا تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر میں نے اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھا تو وہ بھوکے مرجائیں گے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جاؤ! شاید تم نے اپنے شوہر پر ظلم کیا ہو، حضرت اوس کی بیوی نے کہا: اے اللہ کی زمین پر اللہ کے امین! بے شک میرا شوہر مجھ پر ظلم کرنے والا تھا، آپ نے فرمایا: تم جاؤ تم میں ضعف اور عجز ہے، سو حضرت اوس کی بیوی آپ سے جھگڑتی رہیں اور آپ سے بحث کرتی رہیں، پھر جب حضرت اوس کی بیوی نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نجات کی کوئی صورت نہیں نکال رہے تو وہ باہر نکلیں اور انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اپنے شوہر کی شکایت کی اور کہا: اے اللہ! میں زمین میں تیرے سب سے بڑے امین کے پاس گئی تھی لیکن انہوں نے میرے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا، سو تو میری حاجت کو پورا فرما اور میری ضعیفی پر اور میرے وسائل کی قلت پر رحم فرما، سو ابھی وہ اپنے گھر سے نہیں پہنچی تھیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے اور سورۃ المجادلہ کی مذکور الصدر آیات نازل فرمائی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ تم نے خولہ کے ساتھ جو معاملہ کیا اس کا کیا سبب تھا؟ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق وہ آیات نازل فرمائی ہیں جو نازل فرمائی ہیں، تب حضرت اوس نے حضرت خولہ کو بلایا اور ان کو مرحبا کہا اور بتایا کہ یا رسول اللہ! یہ شیطانی عمل تھا تو اب کوئی ایسی صورت ہے جو اس کو اور مجھے دوبارہ زندہ کردے، پھر آپ نے کفارہ کی آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر البغوی ج ۴ ص ۳۰۴)

مذکور الصدر روایات کا اختلاف اور ان میں تطبیق

ان روایات میں اختلاف ہے، ایک روایت میں ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو اور دوسری روایت میں ذکر ہے آپ نے فرمایا: تمہارے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا، لیکن ان دونوں حدیثوں میں یہ توفیق ہو سکتی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: میرے نزدیک تم اس پر حرام ہو چکی ہو، یہ آپ نے زمانہ جاہلیت کے معمول کے مطابق فرمایا جب تک آپ کے اوپر اس مسئلہ کے متعلق وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اسی لیے آپ نے دوسرا ارشاد فرمایا: مجھ پر تمہارے معاملہ میں وحی نازل نہیں ہوئی، پھر جب آپ پر وحی نازل ہوگئی تو پھر آپ نے سورۃ المجادلہ کی مذکور الصدر آیات تلاوت فرمائیں۔

آیات ظہار کے نزول سے پہلے ظہار کے حکم میں فقہاء کا اختلاف

پھر ان آیات کے نزول سے پہلے ظہار کے حکم میں بعض فقہاء کا درج ذیل اختلاف ہے:

عکرمہ متوفی ۱۰۵ھ بیان کرتے ہیں کہ ظہار سے عورتوں کو مردوں پر حرام کر دیا جاتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ کی آیات نازل فرمائیں اور ان آیات کے نزول سے پہلے ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ظہار ہی قرار دیا۔

ابو قلابہ وغیرہ نے کہا ہے: زمانہ جاہلیت میں ایلاء اور ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ نے کہا ہے کہ اہل جاہلیت ظہار کو طلاق قرار دیتے تھے اور اس امت کے لئے ظہار سے عورت حرام ہو جاتی ہے حتیٰ کہ کفارہ ادا کرنے کے بعد اسے حلال قرار دیا ہے۔

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا کہ ظہار سب سے شدید طلاق ہے اور سب سے زیادہ حرام ہے اور جب کوئی مرد اپنی بیوی سے کہہ دے کہ تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے تو اس کی بیوی اس پر تمام حرام ہو جاتی ہے، علامہ ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ

فرماتے ہیں: حق کے مشابہ بات یہ ہے کہ زمانہ اسلام میں ظہار طلاق نہیں ہے، ہاں زمانہ جاہلیت میں اس کو طلاق قرار دیا جاتا تھا کیونکہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب ان کے خاوند نے ان سے ظہار کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میرے نزدیک تم ان پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ انہوں نے مجھ کو طلاق نہیں دی اور اگر ظہار طلاق ہوتی تو حضرت خولہ جان لیتیں کہ ان کے شوہر حضرت اوس بن الصامت نے ان کو طلاق دے دی ہے اور اسی طرح جب حضرت خولہ نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: میرے نزدیک تم اس پر حرام ہو چکی ہو۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۶۴-۲۶۷)

''المجادلہ'' کا معنی

''المجادلہ'' کا معنی ہے: المقاسمہ، یعنی ایک دوسرے سے جھگڑنا، اور حضرت خولہ کا حضرت اوس بن الصامت سے جھگڑا یہ تھا کہ وہ کہتی تھیں اللہ کی قسم! تم نے تو مجھے طلاق نہیں دی، جب کہ ان کے خاوند ان سے یہ کہہ چکے تھے کہ اگر تم گھر سے نکلیں تو تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تم اس پر حرام ہو چکی ہو حتیٰ کہ سورۃ المجادلہ کی آیت نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے لئے ناسخ ہے۔

ظہار کے حکم کے متعلق متعدد روایات

ظہار کے حکم میں درج ذیل روایات ہیں: جب سورۃ المجادلہ کی مذکور الصدر آیات نازل ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ کے خاوند حضرت اوس بن الصامت کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کرو، تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس غلام نہیں ہے، آپ نے فرمایا: دو ماہ کے روزے رکھو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، میں تو ایک روزہ بھی رکھوں تو مجھ پر سخت دشوار ہوتا ہے تو میں دو ماہ کے مسلسل روزے کیسے رکھوں گا؟ تب آپ نے فرمایا: پھر تم ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے کہا: جی ہاں! میں یہ کروں گا، پھر انہوں نے ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلایا، پھر انہوں نے حضرت خولہ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ (تفسیر ابن جریر: ۱۸/ ۳۳، ۱۶/ ۳۳، ۱۵/ ۳۳، سنن ابو داؤد: ۲۲۱۳، سنن ترمذی: ۱۱۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۲)

نیز ان احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: وہ فلاں جگہ ابو زریغ کے پاس جائیں اور ان سے ایک وسق کھجوریں لے لیں (۱۴۴۰ کلوگرام) اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے ان کو ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو طعام کھلانے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا الّا یہ کہ آپ میری مدد فرمائیں، تو پھر ہو سکتا ہے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ تم ابو زریغ کے پاس جاؤ تو وہ تمہاری ساٹھ (۶۰) صاع کھجوروں سے مدد کرے گا، ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کفارۂ ظہار میں مساکین کو کھانا کھلانا لازم ہو تو گندم سے ہر مسکین کو نصف صاع دیا جائے گا، اور نصف صاع گندم روزے کا فدیہ ہے، اور نصف صاع دو کلوگرام کے برابر ہے۔

''الظہار'' کا معنی

''الظہار'' کا لفظ الظہر سے ماخوذ ہے اور مسلمانوں میں یہ متعارف ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم میرے لیے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، اسی وجہ سے امام محمد بن حسن شیبانی التوفی ۱۸۹ھ نے کہا ہے کہ ظہار اسی وقت ہو گا کہ جب کوئی شخص

اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ ظہار اسی وقت ہوگا جب کوئی مرد یہ الفاظ کہہ کر تحریم کا ارادہ کرے۔

اس اشکال کا جواب کہ ظہار تو ترک جماع کی قسم ہے، پھر اس کو جھوٹ کیوں فرمایا؟ نیز اس اشکال کا جواب کہ نبی کی ازواج کو بھی مومنین کی مائیں فرمایا ہے، پھر اس آیت میں یہ کیوں فرمایا کہ مائیں صرف وہ ہوتی ہیں جن سے بچے پیدا ہوں؟

اس مقام پر یہ اشکال ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ (المجادلہ:۲) اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

تو یہ کون سا برا قول اور جھوٹ ہے جب کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے کی وجہ سے یہ الفاظ کہتا ہے۔

اور اس آیت پر دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا:

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ (المجادلہ:۲) وہ عورتیں حقیقت میں ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (الاحزاب:٦) اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ مومنین نبی کی بیویوں سے تو پیدا نہیں ہوئے، نیز قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىْٓ اَرْضَعْنَكُمْ (النساء:۲۳) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا۔

اور ظاہر ہے کہ دوسروں کے بچے دودھ پلانے والی عورتوں سے پیدا نہیں ہوتے۔

رہا پہلا اشکال تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو حرام کرنے کے لئے یہ کہا کہ تم میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے قول کو برا اور جھوٹ فرمایا ہے، یعنی یہ کلمات بہ ظاہر جھوٹ ہیں، کیونکہ ان کی مائیں تو درحقیقت وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، تو اگرچہ اس نے تشبیہاً یہ کلمات کہے ہیں، حقیقتاً اس کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس کی بیوی اس کی ماں کی طرح ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی جھوٹ قرار دیا۔ بہ ظاہر یہ بہت قوی اشکال ہے کیونکہ اگر کوئی شخص یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ اس کی حقیقتاً ماں ہے بلکہ اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر رہا ہے تو اس کا اپنی بیوی سے جماع کرنا ایسا ہے جیسا کہ وہ اپنی ماں سے جماع کرے اور ماں سے جماع کرنا حرام ہے اس لئے اس کا اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے تو یہ کیسے برا قول ہوا اور جھوٹ ہوا اور یہ بہت قوی اشکال ہے (جس کا علامہ ماتریدی سے کوئی واضح اور ٹھوس جواب نہیں بن سکا)۔

(میرے نزدیک اس کا یہ جواب ہے کہ اگر اس نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنا تھا تو صاف طریقہ سے کہتا کہ تم مجھ پر حرام ہو اور جب اس نے کہا کہ تم میری ماں کی پشت کی مثل ہو تو یہ بری بات ہے اور جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

رہا دوسرا اشکال کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی بیویوں کو مسلمانوں کی مائیں قرار دیا ہے، حالانکہ وہ ان سے پیدا نہیں ہوئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی بیویوں کو مجازاً ماں فرمایا ہے اور اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور تشریف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی ازواج سے مسلمانوں کا نکاح کرنا ایسا حرام ہے جیسا کہ اپنی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے، رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دودھ پلانے والیوں کو بھی ماں قرار دیا ہے حالانکہ دودھ پینے والا ان سے پیدا نہیں ہوا تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرار دیا ہے کہ (اکثر امور میں) دودھ پلانے والیوں کے حقوق اور احکام اسی طرح ہیں جس طرح حقیقی ماؤں کے حقوق اور احکام ہوتے ہیں۔

ظہار کے بعد عورت کی طرف عود کرنے سے لزوم کفارہ کے متعلق مذاہب فقہاء

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا (المجادلہ: ۳)

(اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں) پھر عمل زوجیت کے لئے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے۔

سو اس آیت میں عود کا لفظ جو مذکور ہے اس کی تفسیر میں بھی طاؤس کے دو قول ہیں:

(۱) اس سے مراد جماع ہے یعنی جب مرد نے قسم کھالی اور اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیا، پھر اس سے جماع کر لیا تو اب اس پر کفارہ لازم ہے لیکن یہ تاویل بعید ہے اور نص قرآن کے مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا یعنی جماع کرنے سے پہلے ان پر کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

اور طاؤس نے کہا ہے کہ جماع کرنے کے بعد کفارہ ادا کرے، طاؤس نے جو کہا ہے وہ ایلاء کا حکم ہے، کیونکہ ایلاء میں جماع کرنے کے بعد کفارہ لازم ہوتا ہے اور ظہار میں جماع کرنے سے پہلے کفارہ لازم ہوتا ہے۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے روایت ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی عورت سے ظہار کیا پھر اس نے یہ عزم کر لیا کہ وہ اپنی بیوی کو رکھے گا اور اس سے جماع کرے گا تو اس پر کفارہ لازم ہے حتیٰ کہ جب اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی یا اس کی بیوی اس عزم کے بعد مر گئی تو اس پر کفارہ کا وجوب باقی رہے گا اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا ہے کہ عود سے مراد ہے: جماع کا عزم کرے حتیٰ کہ جب اس نے جماع کا عزم کر لیا تو اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: عود سے مراد بیوی کو اپنے پاس رکھنا ہے اور بیوی کو اپنے پاس رکھنے سے کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور ظہار کا حکم یہ ہے کہ جماع حرام ہو حتیٰ کہ جب وہ ظہار کے بعد طلاق دینے کا ارادہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر اس نے اسے ایک ساعت کے لئے جماع کرنے کے ارادہ سے رکھا تو اس پر کفارہ واجب ہو جائے گا، خواہ بعد میں اس کی بیوی زندہ رہے یا مر جائے اور جب اس کی بیوی زندہ ہو تو اسے طلاق دے یا نہ دے، طلاق سے رجوع کرے یا نہ کرے اس پر کفارہ واجب ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے کلمات ظہار کہنے کے فوراً بعد طلاق دے دی تو اس کا ظہار باطل ہو جائے گا۔

اور ہمارے فقہاء احناف کے نزدیک ظہار کا حکم یہ ہے کہ ظہار میں بیوی سے جماع کرنا حرام ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ کفارۂ ظہار ادا نہ کرے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے تو اب اس کی بیوی بغیر کفارہ ادا کئے اس کے اوپر حلال نہیں ہوگی۔ اور ہمارے نزدیک نفس ظہار سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، ظہار سے تو صرف حرمت واجب ہوتی ہے، کفارہ صرف اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ ظہار کے بعد اپنی بیوی سے جماع کا عزم کرلے حتیٰ کہ

اگر اس کی بیوی مرجائے تو کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۹ ص ۵۴۴-۵۵۴، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

ظہار کی تفصیل از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

تعارف سورۃ المجادلہ

نام: اس کے دو نام ہیں ''المجادَلہ'' جو باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے ''بحث وتکرار'' اور دوسرا نام ''المُجادِلہ'' جو اس باب کا اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے ''بحث وتکرار کرنے والی'' اس میں تین رکوع، بائیس آیتیں، چار سو تہتر کلمے اور سترہ سو بانوے حروف ہیں۔

زمانہ نزول: یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور اغلب خیال یہ ہے کہ اس کا نزول غزوۂ احزاب (شوال ۵ ھ) کے بعد ہوا، سورۂ احزاب میں جو اس غزوہ کے بعد نازل ہوئی، ظہار کے مسئلہ کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے اور اس سورۃ میں اسی مسئلہ کو وضاحت اور پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت سورۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔

شانِ نزول: حضرت خولہ بنت ثعلبہ اپنے چچازاد اوس بن صامت کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں، حضرت اوس جب بوڑھے ہوگئے تو ان کے مزاج میں چڑچڑا پن آ گیا، بات بات پر وہ لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے۔ ایک روز جھگڑتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا ''انتِ علی کظهر امی'' (تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ)، زمانہ جاہلیت میں یہ طلاق کے الفاظ تھے، خولہ یہ سن کر از حد پریشان ہوئیں، بڑھاپے میں اپنے گھر کے اجڑنے کا غم اور اپنے ننھے بچے بچیوں کے فکر نے انہیں بے چین کر دیا۔ بارگاہِ رسالت میں آکر اپنے بارے میں دریافت کیا، حضور نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارے میں ابھی مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ وہ بار بار عرض کرتیں: میں اس پیرانہ سالی میں کہاں جاؤں گی، میرے بچوں کا کیا بنے گا، میرا بنا بنایا گھر اجڑ جائے گا، حضور یہی جواب فرماتے رہے یہاں تک کہ حضور پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی اور اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی احکام نازل ہوئے۔

قرآن کریم میں ان کا تذکرہ آنے کے باعث صحابہ کی نگاہوں میں ان کی قدر ومنزلت بہت بڑھ گئی، سب ان کا احترام کیا کرتے۔ ایک روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں کہیں جا رہے تھے، آپ کے ساتھ دوسرے بہت سے لوگ بھی تھے، ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور آپ کو رکنے کے لئے کہا۔ آپ فوراً رک گئے اور اس کے قریب تشریف لے گئے، اس کی باتیں سننے کے لئے اس کی طرف اپنا سر جھکا دیا اور اپنے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیے یہاں تک کہ وہ اپنی پوری داستان ختم کر کے واپس چلی گئیں، ایک شخص نے عرض کیا:

''امیر المومنین! آپ نے ایک بڑھیا کے لیے اتنے قریش کو منتظر رکھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے کم فہم! تم جانتے ہو یہ کون ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ وہ عورت ہے جس کے شکوہ کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سن لیا، یہ خولہ بنتِ ثعلبہ ہیں۔ اگر یہ رات تک کھڑی رہتیں تو میں یوں ہی کھڑا رہتا''۔

مضامین: ابتدائی چار آیتوں میں ظہار کے مسئلہ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے، پانچویں اور چھٹی آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں آیت میں منافقین جو خفیہ منصوبے بناتے اور چھپ چھپ کر مشورے کرتے اور اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے، انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ جہاں بھی سر جوڑ کر تم بیٹھتے ہو اور

سرگوشیاں کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، تمہاری باتوں کو سن رہا ہوتا ہے، اور تمہاری حرکتوں سے خوب واقف ہوتا ہے، وہ یقین رکھیں کہ اپنی ان ناپاک کوششوں سے وہ اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے، البتہ اس کی پاداش میں انہیں جہنم کا ایندھن بنادیا جائے گا اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو نصیحت فرمائی جارہی ہے کہ تمہاری سرگوشیاں اور مشورے اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کیلئے نہیں ہونے چاہئیں بلکہ تمہیں اپنی مجلسوں میں ایسی تدابیر پر غور وفکر کرنا چاہیے جن سے نیکی کو فروغ حاصل ہو اور خدا کے دین کا بول بالا ہو۔

آیات ۱۱، ۱۲، ۱۳ میں مجلسی آداب کی تعلیم دی جارہی ہے کہ جب تم کسی محفل میں بیٹھے ہو اور باہر سے کوئی آدمی آجائے تو سکڑ جاؤ اور اس کو اپنے پہلو میں جگہ دو، ایسا نہ ہو کہ اسے دہلیز پر بیٹھنا پڑے یا وہ کھڑا رہنے پر مجبور ہو یا وہ محروم واپس چلا جائے، نیز تمہیں یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جس شخص کی ملاقات کے لیے تم آئے ہو، اس کی اپنی مصروفیتیں بھی ہیں، اس لیے ضرورت کے مطابق بیٹھو اور اس کے بعد خود بخود اجازت لے کر چلے جاؤ۔ اگر اس نے تمہیں اپنی محفل سے اٹھنے کے لیے کہا تو تمہاری دل شکنی ہوگی، اس طرح کی کئی اور رسمیں جو عہد جاہلیت میں ان کی زندگی کا حصہ بن چکی تھیں، ان کو ترک کرنے کا حکم دیا۔

آخری رکوع میں بتادیا کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں، ایک حزب الشیطان ہے اور دوسرے گروہ کا نام حزب اللہ ہے، دونوں گروہوں کے حالات اور ان کی خصوصیات بھی بیان کردیں تا کہ ہر شخص اپنے بارے میں فیصلہ کر سکے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ (المجادلہ: ۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کیے جاتی تھی اللہ سے (اپنے رنج وغم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو، بیشک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے ۝

اسلام سے پہلے عرب میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا کہ ''انتِ علی کظھر امی''، تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پشت، تو اس قول سے وہ نکاح ٹوٹ جاتا اور وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی، رجوع کا دروازہ بھی بند ہو جاتا، اس کو وہ اپنی اصطلاح میں ظہار کہا کرتے۔

اسلام میں سب سے پہلے ظہار کا جو واقعہ پیش آیا، اس کے بارے میں اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں ظہار کے متعلق قرآنی احکام کو وضاحت سے بیان کر دیا گیا۔

ہوا یوں کہ ایک روز حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس ابن صامت رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ پر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے، بڑھاپے کی وجہ سے ان کا مزاج بڑا چڑچڑا ہو گیا تھا، غصہ سے کہہ دیا ''انتِ علی کظھر امی''، زبان سے تو یہ کہہ بیٹھے، لیکن لگے پچھتانے، خولہ کو پاس بلانے کی کوشش کی۔ اس نیک بندی نے جواب دیا: اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں خولہ کی جان

ہے! جب تک اللہ اور اس کا رسول ہمارے بارے میں فیصلہ نہ فرمائیں تم میرے نزدیک نہیں آسکتے۔ خولہ اٹھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا: اے اللہ کے پیارے رسول! اوس نے جب میرے ساتھ شادی کی تھی اس وقت میں جوان تھی، صاحبِ مال تھی، میرے گھر والے بھی موجود تھے۔ اب میرا شباب رخصت ہو چکا، میں بوڑھی ہوگئی، میرے گھر والے بھی نہ رہے، مال بھی خرچ ہوگیا، اب اوس نے مجھے یہ الفاظ کہے ہیں۔ حضور کیا ہمارے لیے کوئی گنجائش ہے کہ ہم ایک ساتھ رہ سکیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تیرے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا، اس نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے طلاق کا لفظ تو نہیں کہا، وہ بار بار یہ کہتی رہی اور حضور وہی جواب دیتے رہے، ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی فریاد کرتی رہی کہ الٰہی میں اپنی تنہائی اور اپنے خاوند سے جدائی کا شکوہ تجھ سے کرتی ہوں۔ ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ درج ہیں: ''اپنے فاقہ اور خستہ حالی کا شکوہ میں اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر میں انہیں ان کے باپ کے سپرد کرتی ہوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور ان کو اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکوں مریں گے، بار بار وہ آسمان کی طرف منہ اٹھاتیں اور فریاد کرتیں، بحث و تکرار کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی غم زدہ اور پریشان حال بندی کی فریاد سن لی اور جبریل امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یا خولۃ ابشری، اے خولہ! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرمادیا، جاؤ اپنے خاوند کو بلاؤ، اوس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غلام آزاد کرو، عرض کیا: میرے پاس تو کوئی غلام نہیں، فرمایا: پھر دو ماہ کے متواتر روزے رکھو، عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں دن میں تین مرتبہ نہ کھاؤں تو میری بینائی جواب دینے لگتی ہے، میں اتنی مدت کیسے روزے رکھ سکتا ہوں، ارشاد ہوا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، عرض کرنے لگے: آقا! میں بہت غریب و نادار ہوں، حضور میری مدد فرمائیں تو میں کھانا کھلا سکتا ہوں، اس غریب پرور آقا نے انہیں پندرہ صاع اپنے پاس سے عطا فرمائے۔ انہوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا، اس طرح حضرت خولہ پھر اپنے گھر میں آباد ہوگئیں، قد سمع اللہ کی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس خصوصیت کی وجہ سے صحابہ کرام ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں حضرت خولہ کے پاس سے گزرے، آپ دراز گوش پر سوار تھے، لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ تھا، حضرت خولہ نے ان کو روک لیا اور نصیحت کرنی لگیں، کہا: اے عمر! وہ دن تجھے یاد ہیں جب تمہیں عُمیر کہا جاتا تھا، پھر تمہیں عمر کہا جانے لگا اور اب تمہیں لوگ امیر المومنین کہنے لگے ہیں۔ پس اے عمر! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، جو شخص موت پر یقین رکھتا ہے اسے اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی ضروری چیز رہ نہ جائے۔ جسے حساب کا یقین ہوتا ہے وہ عذاب سے ڈرتا رہتا ہے۔ آپ بڑے صبر و تحمل سے کھڑے ان کی نصیحت کو سنتے رہے۔ جب کافی وقت گزر گیا تو لوگوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! اس بڑھیا کے لیے آپ اتنی دیر کھڑے رہیں گے، آپ نے فرمایا: بخدا! اگر یہ مجھے صبح سے شام تک روکے رکھے تو میں کھڑا رہوں گا، صرف نماز کے اوقات میں رخصت لوں گا، کیا تم نہیں جانتے یہ بوڑھی کون ہے، یہ خولہ بنتِ ثعلبہ ہے جس کی فریاد کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنا، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ رب العالمین تو اس کی بات سنے اور عمر نہ سنے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًاؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۝ (المجادلہ:۲)

جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے، وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے، بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بُری بات اور جھوٹ، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا، بہت بخشنے والا ہے O

اس آیت میں اس طریقۂ کار کی مذمت کی جارہی ہے کہ یہ کتنی بے ہودہ اور بری حرکت ہے کہ انسان اپنی بیوی کو اپنی ماں کہنا شروع کردے، کیا اس کے اس طرح کہنے سے وہ اس کی ماں بن سکتی ہے، ماں تو وہ ہوتی ہے جس نے اس کو جنا۔ ایک عورت جس نے اس کو جنا نہیں بلکہ عرصہ سے اس کی بیوی بنی ہوئی ہے اور اس کے بطن سے اس کے کئی بچے اور بچیاں جنم لے چکے ہیں، اب اگر اس عورت کو یہ اپنی ماں کہنے لگے تو اس سے بے ہودہ اور لغو بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ فرمایا: ایسی بات ایک تو فی نفسہٖ بڑی لغو، ناشائستہ اور غیر پسندیدہ ہے، دوسرا یہ سراسر جھوٹ ہے، جو اس کی ماں نہیں اس کو وہ اپنی ماں کہہ رہا ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اسے اس ہرزہ سرائی پر سخت سزا دی جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا، اپنے بندوں کے قصوروں کو بخشنے والا ہے، اس لیے اس کریم نے عفوو درگزر سے کام لیا اور جرم جتنا سنگین تھا اس کے مطابق سزا اتنی سخت مقرر نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّاؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۝ (المجادلہ:۳)

جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے، پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (خاوند) غلام آزاد کرے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جو تم کررہے ہو، (اس سے) آگاہ ہے O

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ظہار اصطلاح میں اس کو کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے ''انتِ علی کظھر امی''، ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ بیوی سے قربت سے پہلے کفارہ ادا کرے، اس ضمن میں ظہار کے چند ضروری فقہی احکام لکھے جاتے ہیں، تفصیلات کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمایئے:

(۱) اگر کسی شخص نے ماں کی پشت کے علاوہ کسی ایسے عضو کا ذکر کیا جس کو دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو بھی ظہار پایا جائے گا اور اس پر کفارۂ ظہار لازم ہوگا۔

(۲) اگر اس نے اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت کی پیٹھ یا اس کے اعضاء سے جن کو دیکھنا حرام ہے، تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے ابتداءً حرام ہیں، مثلاً دادی، نانی، پھوپھی، خالہ، بہن، بیٹی تو یہ بھی ظہار ہوگا۔

(۳) اسی طرح ایسی عورتوں سے تشبیہ دینا جو ابتداءً تو حرام نہیں لیکن بعد میں کسی وجہ سے ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی ہیں، تو یہ بھی ظہار ہوگا، مثلاً رضاعی ماں، باپ کی دوسری بیوی وغیرہ۔

(۴) مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں بیویوں سے ظہار درست ہے۔

(۵) اگر ایک سے زائد بیویاں تھیں اور سب سے ظہار کیا تو جتنی بیویاں ہوں گی اتنے کفارے دینے ہوں گے۔

(۶) عورت کو ظہار کرنے کا حق نہیں ہے، یعنی اگر عورت اپنے خاوند کو کہے کہ تو مجھ پر ایسا ہے جیسے میرے باپ کی پشت یا میں تجھ پر ایسی ہوں جیسے تیری ماں کی پشت، تو یہ ظہار نہیں ہوگا، کیونکہ ظہار کا حق اسے ہی ہے جسے طلاق کا حق حاصل ہے، البتہ عورت کا یہ قول قسم ہوگی۔ گویا اس نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ مخالفت نہیں کرے گی، اس لیے اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

(۷) اگر کسی عورت نے نکاح سے پہلے کسی مرد کے بارے میں ظہار کے الفاظ استعمال کیے تو اس وقت یہ ظہار ہوگا اور نکاح کے بعد عورت پر لازم ہوگا کہ وہ کفارۂ ظہار ادا کرے، اس کی تائید کے لیے ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔ حضرت طلحہ کی صاحبزادی عائشہ کے متعلق حضرت مصعب بن زبیر نے نکاح کا پیغام بھیجا، انہوں نے اس پیغام کو رد کر دیا، اور کہا کہ اگر میں مصعب سے نکاح کروں تو "ھو علی کظھر ابی، وہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میرے باپ کی پشت، لیکن بعد میں وہ اس شادی پر رضامند ہوگئیں، مدینہ طیبہ کے فقہاء سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ عائشہ پر کفارۂ ظہار لازم آتا ہے، کیونکہ اس نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب اسے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا، اگر نکاح کے بعد وہ ایسا کہتیں تو ظہار نہ ہوتا بلکہ یمین ہوتی اور انہیں کفارۂ یمین ادا کرنا پڑتا۔

(۸) جن الفاظ سے ظہار ثابت ہوتا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ، صریح تو یہ ہیں کہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت یا کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو یہ صراحتاً ظہار ہے، اسی طرح اپنی بیوی کو ان عورتوں کی پشت یا ان کے ایسے اعضاء سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا حلال نہیں جو ابتداءً یا بعد میں کسی وجہ سے مؤبداً حرام ہیں تو یہ بھی صراحتاً ظہار ہے، اس میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔ وہ ہزار کہے کہ میرا مقصد ظہار کا نہ تھا تو قابل تسلیم نہ ہوگا۔

اور اگر اپنی بیوی کے متعلق یہ کہے کہ یہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح یہ عورتیں جو مذکور ہوئیں اور ان کے کسی عضو کا نام نہ لے تو اس صورت میں یہ کنایہ ہوگا، اس کا معنی متعین کرنے میں اس کی نیت کو دخل ہوگا، اگر وہ کہے کہ میں نے عزت وتکریم کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے تو مان لیا جائے گا اور اگر ظہار کی نیت سے کہا ہوگا تو ظہار ہوگا، اور اگر اس نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو جائے گی۔

یعنی ایک مرتبہ تو خاوند نے ایسی بات زبان سے نکال لی ہے جس سے اپنی بیوی سے مقاربت اس کے لئے جائز نہیں رہی لیکن اگر وہ اس کہی ہوئی بات سے واپس لوٹنا چاہے یعنی اپنی بیوی کو پہلے کی طرح اپنے لیے حلال کرنا چاہے تو اس وقت اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر وہ کفارہ ادا نہ کرے تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے اور عدالت اس خاوند کو حکم دے گی کہ وہ کفارہ ادا کرے اور اس طرح حرمت کی اس دیوار کو درمیان سے ہٹا دے جو اس نے اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان قائم کر دی تھی۔ اگر وہ شخص اس کے باوجود کفارہ ادا نہ کرے تو عدالت اسے دُرّے لگانے یا قید کرنے یا دونوں سزائیں دے سکتی ہے۔

اگر کوئی شخص کفارہ ادا کیے بغیر عورت کے ساتھ مقاربت کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا، اسے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے لیکن کفارہ ایک ہی اسے ادا کرنا پڑے گا، ثم یعودون لما قالوا کا ایک اور مفہوم بھی علمائے ظاہر نے بتایا ہے وہ یہ کہ اگر ایک مرتبہ اس نے ایسے الفاظ کہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ دوبارہ ان الفاظ کو دہرائے تب ان پر کفارہ لازم آئے گا، یہ قول بالاتفاق مردود ہے۔

فتحریر رقبۃ: یہاں سے کفارہ ظہار کا تفصیلی بیان شروع ہو رہا ہے، اس پر سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ رقبہ آزاد کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، قبل ان یتماسا: سے یہ بات بیان کر دی کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے وہ اس کو ہاتھ بھی نہیں

لگا سکتا۔ گویا مقاربت اور اس کے دواعی سب حرام ہیں۔ آیت میں توعظون بہ کا معنی علامہ قرطبی نے تومرون بہ کیا ہے یعنی تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے، اور علامہ آلوسی نے اس کا معنی تزجرون بہ کیا ہے یعنی اس کفارہ کے ذریعے تمہیں زجر و توبیخ کی جارہی ہے کہ تم پھر ایسی حرکت نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المجادلہ: ۴)

پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے، اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو وہ کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو، یہ اس لیے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں، اور منکرین کے لیے دردناک عذاب ہے ۝

لیکن اگر غلام دستیاب نہیں یا اس کے پاس کوئی غلام نہیں اور اس میں غلام خریدنے کی طاقت بھی نہیں تو وہ لگاتار دو ماہ روزے رکھے، اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ اسے چھونے سے پہلے یہ روزے مکمل کرے، اگر اس نے درمیان میں مقاربت کی تو اس کو نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے، روزہ رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ ایسے وقت میں روزے شروع کرے کہ اس مدت میں ماہِ رمضان، عید الفطر اور ایامِ تشریق نہ آئیں تاکہ وہ مسلسل روزے رکھ سکے۔

اگر کسی شخص نے روزے رکھنے شروع کیے، اور وہ بیمار ہو گیا یا اسے سفر پر جانا پڑا اور وہ روزے نہ رکھ سکا تو احناف کے نزدیک از سرِ نو روزے شروع کرے۔

لیکن اگر وہ روزہ رکھنے پر قادر بھی نہ ہو تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ قادر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جسمانی صحت اس کی متحمل نہ ہو یا وہ بوڑھا ہو، اور اتنا عرصہ لگاتار روزے رکھنا اس کے لیے دشوار ہو یا اسے اندیشہ ہو کہ وہ مسلسل دو ماہ تک عورت سے احتراز نہیں کر سکتا۔ درمیان میں اس سے پھر بے احتیاطی ہو جائے گی۔

یہاں سے ''لتؤمنوا'' سے مراد ''لتصدقوا'' یعنی تم پر لازم ہے کہ تم اس کی تصدیق کرو کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے، اس کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے ''ای ذالک لتکونوا مطیعین للہ واقفین عند حدودہ لا تتعدوھا۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو جاؤ، اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور ان کو پامال مت کرو۔

یہاں کفار سے مراد وہ لوگ نہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید یا حضور کی رسالت کا انکار کرتے ہیں، بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کی قائم کی ہوئی حدود کو پھاند کر آگے نکل جاتے ہیں۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں:

الذین لا یقبلون احکام اللہ تعالیٰ ولا یمتنعون عن المحرمات ویتجاوزون عن حدودہ۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

الذین یتعدونھا ولا یعملون بھا واطلق الکافر علی متعدی الحدود تغلیظا بزجرہ ونظیر ذالک قولہ تعالیٰ ومن

کفر فان اللہ غنی عن العالمین۔ (روح المعانی)

یعنی جولوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں، اوران پر عمل نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو کافر اس لیے کہا گیا ہے تاکہ ان کو سختی سے باز رکھا جائے جس طرح ومن کفر میں کفر سے مراد حقیقی کفر نہیں بلکہ زجر وتوبیخ کے لیے انکار کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۳۵-۱۴۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

ظہار کی تفصیل از مصنف

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المجادلہ ہے اور ''المجادلہ'' کا معنی ہے: بحث اور تکرار کرنے والی عورت اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے، وہ آیت یہ ہے:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝۱ (المجادلہ:۱)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی، اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے O

یہ خاتون حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا (یعنی ان سے کہہ دیا تھا کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)، زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا، اب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں، اس وقت تک ظہار کے متعلق کوئی شرعی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تاکہ اس مسئلہ کا حل معلوم کریں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں کافی بحث اور تکرار کی، اس لیے ان خاتون کو مجادِلہ کہا گیا ہے اور ان ہی کی مناسبت سے اس سورت کا نام المجادلہ رکھا گیا۔

سورۃ المجادلہ کے متعلق احادیث

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس کی سماعت تمہاری تمام آوازوں کو محیط ہے، پس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا (المجادلہ:۱)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:۱۸۸۔ ۲۰۶۳، سنن نسائی رقم الحدیث:۳۴۵۷)

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت ہر چیز کو محیط ہے، میں حضرت خولہ بنت ثعلبہ کی بات پوری طرح نہیں سن رہی تھی اور ان کی کچھ باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں: یا رسول اللہ! میرا شوہر میری جوانی کھا گیا اور میرا پیٹ (اس کی اولاد کی

کثرت سے) پھیل گیا، لیکن اب جب میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور مجھ سے اولاد ہونا منقطع ہوگیا تو اس نے مجھ سے ظہار کرلیا، اے اللہ! میں تیری طرف شکایت کرتی ہوں، وہ اس طرح کہتی رہیں، حتیٰ کہ حضرت جبریل یہ آیات لے کر نازل ہوئے: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ (المجادلہ:۱)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۶۳ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۴۲، رقم الحدیث:۱۸۸۴۰، المستدرک ج ۲ ص ۴۸۱ طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث:۳۷۹۱ طبع جدید، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۲۰، رقم الحدیث:۱۶۱۲)

سورۃ المجادلہ کا زمانۂ نزول

علامہ ابن عطیہ نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مدنی ہے (المحرر الوجیز ج ۱۵ ص ۴۳۴) اور بعض تفاسیر میں ہے کہ اس کی پہلی دس آیتیں مدنی ہیں اور باقی آیات مکی ہیں۔

ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۸ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۵ ہے، سورۃ المجادلہ، سورۃ المنافقین کے بعد اور سورۃ التحریم سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سورۃ المجادلہ سورۃ الاحزاب کے بعد نازل ہوئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الاحزاب میں فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ (الاحزاب:۴) اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو (یہ کہتے ہو کہ ان کی پشت ان کی ماں کی پشت کی مثل ہے)، ان کو اللہ نے حقیقت میں تمہاری ماں نہیں بنایا۔

اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ظہار کرنے سے بیوی شوہر کے نکاح سے نہیں نکلتی اور نہ وہ اس کی ماں ہوجاتی ہے، یہ صرف زمانۂ جاہلیت کا مفروضہ تھا، کیونکہ سورۃ الاحزاب کی اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ نے ظہار کی وجہ سے تمہاری بیویوں کو تمہاری حقیقی مائیں نہیں بنایا اور ان کو تم پر حرام نہیں کیا، یہ اجمالی حکم ہے اور اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ میں بیان فرمائی ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سورۃ الاحزاب کا ترتیبِ نزول کے اعتبار سے نمبر ۹۰ ہے اور سورۃ المجادلہ کا ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۰۵ ہے، اور چونکہ غزوۃ الاحزاب شوال پانچ (۵ھ) میں ہوا تھا تو اس سے یہ متعین ہوجاتا ہے کہ سورۃ المجادلہ بھی اسی دور میں یا اس کے کچھ ہی عرصہ بعد نازل ہوئی ہے۔

سورۃ المجادلہ کے مشمولات

☆ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے تو وہ اس پر حرام ہوجاتی ہے، یہ دستور باطل ہے۔

☆ اور اس سورت میں آدابِ مجلس بتائے ہیں کہ مجلس میں ایل پھیل کر نہیں بیٹھنا چاہیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی گنجائش نکالنی چاہیے۔

☆ اور مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے۔

☆ علماء دین کے مرتبہ اور مقام کو واضح کیا ہے اور ان کی مدح فرمائی ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو تو مسلمانوں کو اس سے پہلے کچھ صدقہ دینا چاہیے، بعد میں اس حکم کو اٹھا لیا۔

☆ منافقین کو سرزنش کی ہے جو مسلمانوں کے منصوبے اور ان کے راز کی باتیں کفار کو جا کر بتا دیتے تھے، اور پھر جھوٹی قسمیں کھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے تھے، لیکن ان کا انجام ذلت اور رسوائی تھا۔

☆ اس سورت کو اس پر ختم کیا ہے کہ مسلمان کفار سے محبت نہ رکھیں، اور ان سے مل جل کر نہ رہیں۔

☆ سورۃ المجادلہ کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور امداد پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الہ العالمین! مجھے حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ آمین۔۔ غلام رسول سعیدی غفرلہ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (المجادلہ: ۱-۴)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ○ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے ○ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیں، پھر عمل زوجیت کے لیے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں، تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، یہ وہ چیز ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○ پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عملِ زوجیت سے پہلے دو ماہ لگاتار روزے رکھنا ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو، اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ○ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے

ہیں، (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے O (المجادلہ ۲-۱)

المجادلہ ا: حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کا جسم بہت حسین تھا اور ان کے شوہر بہت شہوت اور بہت غصے والے تھے، انہوں نے ان کو اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے بلایا، حضرت خولہ نے انکار کیا، انہوں نے کہا: تمہاری پشت مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے، پھر وہ اپنے قول پر نادم ہوئے اور زمانہ جاہلیت میں ایلاء اور ظہار طلاق شمار ہوتا تھا، حضرت اوس نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ تم مجھ پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ طلاق نہیں ہے، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سر کی ایک جانب دھو رہی تھیں، حضرت خولہ نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت نے مجھ سے شادی کی تھی، اس وقت میں جوان، مال دار، خوش حال اور رشتہ داروں والی تھی، حتیٰ کہ جب حضرت اوس نے میرا مال کھالیا اور میری جوانی ختم کر دی اور میرے رشتہ دار بکھر گئے اور میری عمر زیادہ ہوگئی تو انہوں نے مجھ سے ظہار کر لیا اور اب وہ نادم ہیں، کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ وہ اور میں پھر سے جمع ہو جائیں اور وہ مجھ سے اپنی خواہش پوری کر سکیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے! اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا، اور وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا: پھر میں اللہ سے اپنے فقر و فاقہ اور تنہائی کا ذکر کرتی ہوں، انہوں نے میرے ساتھ بہت وقت گزارا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: میرا یہی گمان ہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو اور تمہارے معاملہ میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا، وہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا مدعا عرض کرتی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے یہی فرماتے رہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو، اس نے کہا: میں اللہ سے اپنے فاقہ اور اپنی پریشان حالی کی شکایت کرتی ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر میں یہ بچے حضرت اوس کو دے دوں تو یہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر میں ان بچوں کو اپنے پاس رکھوں تو یہ بھوکے رہیں گے، پھر حضرت خولہ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگیں: اے اللہ! میں تجھ سے شکایت کرتی ہوں، اے اللہ! تو اپنے نبی کی زبان پر میری کشادگی کا حکم نازل فرما، اور یہ اسلام میں پہلا ظہار کا واقعہ تھا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہو کر اپنے سر کی دوسری جانب دھونے لگیں، حضرت خولہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرے معاملہ میں غور فرمائیں، اللہ مجھے آپ پر فدا کرے، حضرت عائشہ نے کہا: اپنی بات مختصر کرو اور زیادہ بحث نہ کرو، کیا تم دیکھ نہیں رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی کیا کیفیت ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، جب آپ پر وحی نازل ہو چکی تو آپ نے اس سے فرمایا: اپنے خاوند کو بلاؤ، جب وہ اس کو بلا لائی تو آپ نے اس کے سامنے ''قد سمع اللہ قول التی تجادلک'' الآیات۔ پڑھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت تمام آوازوں پر محیط ہے، بے شک وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کر رہی تھی اور میں گھر کی ایک جانب ان کی کچھ باتیں سن رہی تھی اور بعض باتیں مجھ سے مخفی رہیں۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۹-۳۸، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۷۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۸۔ ۲۰۶۳، تفسیر عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۱۱۸، المستدرک ج ۲ ص ۴۸۱)

ظہار کو زمانۂ جاہلیت میں سب سے شدید طلاق قرار دیا جاتا تھا کیونکہ اس میں بیوی کی پشت کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دی جاتی تھی اور عربوں میں نکاح اور طلاق کے جو احکام تھے، وہ اسلام میں اس وقت تک معتبر رہتے تھے جب تک اسلام میں ان احکام کو منسوخ نہیں کر دیا جاتا تھا اور اسلام میں ظہار کا یہ پہلا واقعہ تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے عرف کے موافق ابتداءً اس کو برقرار رکھا، پھر جب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا اس مسئلہ سے دوچار ہوئیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں بہت بحث اور تکرار کی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کی اس رسم کو منسوخ فرما دیا اور ظہار کی مذمت میں المجادلہ: ۲ نازل ہوئی، اور اس کے بعد کی آیات میں یہ بتایا گیا کہ جب کوئی شخص ظہار کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو پھر اس کا کیا طریقہ ہے۔

ظہار کی تعریف اور اس کا حکم

المجادلہ ۲: میں فرمایا: جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا، اور بہت بخشنے والا ہے O

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۷۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے، تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے، اور اب اس سے عمل زوجیت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کو چھونا اور اس کو بوسہ دینا جائز ہے حتیٰ کہ وہ اس ظہار کا کفارہ ادا کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے المجادلہ: ۳ میں فرمایا ہے۔

اور ظہار زمانۂ جاہلیت کی طلاق تھی، شریعت نے اس کی اصل کو برقرار رکھا اور اس کے حکم کو وقت مقرر کی تحریم کی طرف کفارہ کے ساتھ منتقل کر دیا اور ظہار نکاح کو زائل کرنے والا نہیں ہے، اس لیے کہ یہ جھوٹ بولنے اور بری بات کہنے کا جرم ہے، اسی لیے اس کے مناسب یہ سزا ہے کہ ظہار کرنے والے پر اس کی بیوی کے ساتھ جماع کو حرام قرار دیا جائے اور کفارہ ادا کرنے سے یہ حرمت ساقط ہو جائے، پھر جب اس سے عمل زوجیت کیا گیا تو اس کے دواعی اور محرکات کو بھی حرام کر دیا گیا۔ اس کے برخلاف حائض اور روزہ دار کے ساتھ جماع کے محرکات کو حرام نہیں کیا گیا، کیونکہ حیض اور روزہ کا اکثر وقوع ہوتا ہے، کیونکہ اگر ان میں عملِ زوجیت کے محرکات کو حرام قرار دیا جاتا تو اس سے حرج لازم آتا، اس کے برخلاف ظہار کا اتنا وقوع نہیں ہوتا، اس میں عمل زوجیت کے دواعی اور محرکات کو حرام قرار دینے سے حرج لازم نہیں آئے گا۔ (الہدایہ مع نصب الرایہ ج ۳ ص ۵۴-۵۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

ظہار کے الفاظ اور اس کی دیگر تفاصیل

اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسی میری ماں کی پشت ہے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں، ظہار کی تعریف یہ ہے کہ بیوی یا اس کے کسی عضو کو اپنی ماں یا کسی اور محرم کی پشت یا کسی اور عضو

سے تشبیہ دینا، اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر بیوی سے جماع اور بوس و کنار وغیرہ حرام ہو جاتا ہے جب تک وہ کفارۂ ظہار نہ ادا کرے اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کا پیٹ یا اس کی ران ہے تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے ماں کے علاوہ اپنی بہن یا اپنی پھوپھی یا رضاعی ماں یا کسی اور محرم کی پشت سے اپنی بیوی کو تشبیہ دی تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے اپنی بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں سے تشبیہ دی، مثلاً اپنی بیوی سے کہا: تمہارا سر میری ماں کی پشت کی طرح ہے، یا تمہاری شرم گاہ یا تمہارا چہرہ یا تمہاری گردن، یا تمہارا نصف یا تمہارا ثلث میری ماں کی طرح ہے تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے کہا: تم میری ماں کی مثل ہو تو اس کا حکم اس کی نیت پر موقوف ہے، اگر اس کی نیت یہ تھی کہ تم میری ماں کی طرح معزز ہو تو طلاق یا ظہار کچھ نہیں ہے اور اگر اس نے کہا: میری نیت ظہار کی تھی تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے کہا: میری نیت طلاق کی تھی تو اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

(ہدایہ اولین ص ۴۱۰-۴۰۹، ملخصاً وموضحاً، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں، بہن کہنا آیا یہ ظہار یا طلاق ہے یا نہیں؟

میں ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۵ء تک جامعہ نعیمیہ لاہور میں پڑھاتا رہا ہوں اور استاذِ مکرم حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں افتاء کا کام کرتا رہا ہوں، اس وقت میری یہی تحقیق تھی کہ اگر کوئی شخص طلاق کی نیت سے اپنی بیوی کو ماں بہن کہہ دے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور میں اسی کے موافق فتویٰ دیتا رہا، لیکن جب میں نے ۱۹۸۶ء میں ''شرح صحیح مسلم'' لکھنی شروع کی تو بعض متاخرین فقہاء کی عبارات سے میں نے یہ سمجھا کہ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، چنانچہ ''شرح صحیح مسلم'' ج ۳ ص ۱۰۰۴ اور ''تبیان القرآن'' ج ۱ ص ۵۰۲، اور ص ۸۵۱ میں یہ مسئلہ اسی طرح لکھا، اس کے بعد ''تبیان القرآن'' کی نویں جلد میں ص ۳۷۳ میں سورۃ الاحزاب میں جب ظہار کی بحث آئی تو میں نے اس مسئلہ پر از سر نو غور کیا اور مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی جیسا کہ میرا پہلا نظریہ تھا، سو میں نے نویں جلد میں اسی کے موافق لکھا اور ''شرح صحیح مسلم'' ج ۳ ص ۱۰۰۴، اور تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۰۲ اور ص ۸۵۱ میں اسی کے موافق اصلاح کر دی، سو بعد کے ایڈیشن اسی کے موافق چھپ چکے ہیں، یہ سطور اس لیے لکھ دی ہیں کہ میرے مسلسل مطالعہ کرنے، میرے رجوع کرنے اور اخلاص اور للّٰہیت کی سند رہیں، اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ حق پر قائم رکھے اور نفسانیت اور انانیت کے شر سے محفوظ رکھے۔

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہنے سے طلاق واقع نہ ہونے کے دلائل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق فرمایا: یہ میری بہن ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸، ۲۲۱۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۲۳۰، عالم الکتب)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے بغیر کسی نیت کے اپنی بیوی کے متعلق کہا: یہ میری بہن ہے تو اس کا یہ کہنا طلاق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۴۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی بیوی سے یہ کہتے ہوئے سنا ''اے میری بہن!'' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا اور اس کو یہ کہنے سے منع فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۱۔ ۲۲۱۰، بیروت)

علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ قول ظہار نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے کراہت اور ممانعت کے اس کا کوئی اور حکم نہیں بیان فرمایا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اے بیٹی! کہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(ردالمحتار ج ۴ ص ۱۰۵، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، بیوی کو میری ماں کہنے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند اس لیے فرمایا کہ یہ واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے، اس پر صرف توبہ کرنا واجب ہے۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہے تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

علامہ حسن بن منصور اوزجندی المعروف قاضی خاں متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

ولو قال لامراته ان فعلت كذا فانت امی ونوی به التحريم فهو باطل لا يلزمه شیء۔

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیہ ج ۱ ص ۵۱۹)

اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے فلاں کام کیا تو، تو میری ماں ہے، اور اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی تو اس کا یہ قول باطل ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا، یعنی اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی۔

قاضی خاں کی اس عبارت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنی ماں یا بہن کہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے، یا کہا: تو میری ماں کی مثل ہے، اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی، یا ظہار کی نیت کی یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی وہی حکم لاگو ہوگا اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

(الدرالمختار مع ردالمحتار ج ۵ ص ۱۰۳، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اور علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

انت امی بلا تشبيه فانه باطل وان نوی

(ردالمحتار ج ۵ ص ۹۸، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

کسی شخص نے اپنی بیوی سے بغیر تشبیہ دیئے کہا: تو میری ماں ہے تو اس کا یہ قول باطل ہے، خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

اسی طرح علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ نے لکھا ہے:

اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو اگر اس نے اپنی بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے اس قول سے ظہار کی نیت کی ہے تو یہ ظہار ہوگا یا طلاق کی نیت کی ہے تو یہ طلاق بائن ہوگی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو پھر اس قول سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا۔

(ملتقی الابحر مع مجمع الانھر ج ۲ ص ۱۱۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الکلیبو لی الحنفی المتوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں:

اور اگر اس نے تشبیہ کو ذکر نہیں کیا (اور بیوی سے کہا: تو میری ماں ہے) تب بھی یہ کلام لغو ہوگا جیسا گزر چکا ہے۔

(مجمع الانھر ج ۲ ص ۱۱۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ الکلیبو لی نے لکھا ہے:

ظہار کی تعریف میں تشبیہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر تشبیہ دیے اپنی بیوی سے کہا: تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے یا بیٹی ہے تو یہ ظہار نہیں ہے، اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو میری ماں ہے، اور اس کی بیوی نے وہ کام کر لیا تو اس کا یہ قول باطل ہوگا، خواہ اس نے اس قول سے بیوی کے حرام ہونے کی نیت کی ہو۔ (مجمع الانھر ج ۲ ص ۱۱۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بہ حالت غصہ اپنی زوجہ کو ماں بہن کہہ دیا، مگر نان نفقہ دیتا رہا، عورت اس کے نکاح میں رہی یا بہ حکم شرع شریف جاتی رہی؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: زوجہ کو ماں بہن کہنا خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے یا یوں کہے: تو میری ماں بہن ہے سخت گناہ و ناجائز ہے، مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو، درمختار میں ہے:

او لا ینو شیئا او حذف الکاف لغا و تعین الادنی ای البر یعنی الکرامة ویکرہ قوله انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ۔

اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی، یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا تو ادنیٰ درجہ کا حکم متعین ہوگا یعنی عزت اور کرامت کا، اور اس کا اپنی بیوی کو یہ کہنا مکروہ ہے کہ تو میری ماں ہے، یا یہ کہنا: اے میری بیٹی اور اے میری بہن اور اس کی مثل۔

(درمختار علی ھامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ شامی نے اس پر لکھا ہے:

حذف الکاف، بان قال انت امی ومن بعض افطن جعله من باب زید اسد منتقی عن القھستانی قلت ویدل علیه مانذ کرہ عن الفتح من انه لابد من التصریح من الاداۃ، اسی میں ہے: انت امی بلا تشبیه باطل وان نوی۔

اگر اس نے تشبیہ کا ذکر نہیں کیا اور بایں طور اپنی بیوی سے کہا کہ تو میری ماں ہے، بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ یہ قول ایسا ہے جیسے کوئی کہے زید شیر ہے، میں کہتا ہوں اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم "فتح القدیر" سے نقل کریں گے کہ تشبیہ کے کاف کا ذکر کرنا ضروری ہے، نیز علامہ شامی نے کہا: بغیر تشبیہ کے بیوی کو یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے، باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۹۸، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا ماں بہن کی جگہ ہے، تو اگر بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہوگئی، اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہوگیا، اب جب تک کفارہ نہ دے لے، عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بہ نظر شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا، یا بہ نگاہِ شہوت اس کی شرمگاہ دیکھنا، سب حرام ہوگیا، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے، اس کی طاقت نہ ہو تو لگا تار دو مہینہ کے روزے

رکھے، اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اور اگر ان میں کوئی نیت نہ تھی تو یہ لفظ بھی لغو و مہمل ہوگا، جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا، درمختار میں ہے:

ان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی (خانیہ) برا او ظہارا او طلاقا صحت نیتہ ووقع ما نواہ وان لم ینو شیئا او حذف الکاف لغا۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس نے بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا کہا: تو میری ماں کی مثل ہے اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی، یا ظہار کی نیت کی، یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی ہے وہی حکم لاگو ہوگا، اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا: تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

''ہندیہ'' میں ''خانیہ'' سے ہے: اگر اس نے اپنے قول سے تحریم کی نیت کی تو اس میں اختلاف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب کے نزدیک ظہار ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۱۳۱ ۔ ۶۳۰، ۶۳ مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد)

اعلیٰ حضرت نے ''درمختار'' کی آخری عبارت جو نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں، بہن کہا تو یہ کلام لغو ہے اور اس سے طلاق نہیں ہوگی۔ اسی طرح علامہ شامی کی عبارت بھی گزر چکی ہے کہ اگر اس نے بیوی کو خواہ طلاق کی نیت سے کہا: تو میری ماں ہے تو یہ قول باطل ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۹۸)، یعنی اس سے طلاق نہیں ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ، فتاویٰ قاضی خاں، الدر المختار، رد المحتار، ملتقی الابحر، مجمع الانہر اور فتاویٰ رضویہ کی عبارات سے یہ واضح ہوگیا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو میری ماں، بہن ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، خواہ اس نے یہ قول طلاق دینے کی نیت سے کہا ہو یا بیوی کو اپنے نفس پر حرام قرار دینے کی نیت سے کہا ہو، اس شخص کا یہ قول واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ اس جھوٹ سے توبہ کرے، ہم نے اس قدر تفصیل اس لیے کی ہے کہ یہ مسئلہ علامۃ الوقوع ہے، لوگ غصہ میں بیوی کو ماں بہن کہہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے طلاق ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیں، پھر عمل زوجیت کے لیے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں، تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، یہ وہ چیز ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○ پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عملِ زوجیت سے پہلے دو ماہ لگاتار روزے رکھنا ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو، اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (المجادلہ: ۳-۴)

کفارۂ ظہار کے متعلق احادیث

حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے ظہار کرلیا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بات کی شکایت کرنے کے لیے گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے تکرار کرتے رہے اور فرماتے رہے:

تم اللہ سے ڈرو، وہ تمہارا عم زاد ہے، میں اسی طرح بحث کرتی رہی، حتیٰ کہ قرآن مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں: ''قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا'' (المجادلہ: ۱۔۴) تب آپ نے فرمایا: اس سے کہو: وہ ایک غلام کو آزاد کرے، حضرت خولہ نے کہا: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: پھر مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے، حضرت خولہ نے کہا: وہ بہت بوڑھا ہے روزوں کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، حضرت خولہ نے کہا: اس کے پاس تو صدقہ کرنے کے لیے بالکل مال نہیں ہے، حضرت خولہ نے کہا: پھر آپ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا، میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی ایک اور ٹوکرے سے مدد کروں گی، آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا، جاؤ! اس ٹوکرے سے اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ، اور پھر اپنے عم زاد کی طرف لوٹ جاؤ، امام ابوداؤد نے کہا: اس ٹوکرے میں ساٹھ صاع (دو سو چالیس کلوگرام) کھجوریں تھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۴)

امام ابوداؤد نے ایک اور حدیث روایت کی ہے، اس میں حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کا اسی قسم کا واقعہ ہے، انہوں نے بھی کفارۂ ظہار ادا کرنا تھا، اور ان کے پاس بھی مال تھا، نہ وہ روزوں کی طاقت رکھتے تھے، آپ نے ان سے فرمایا: بنوزریق سے صدقہ کا مال لے کر ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کیا، انہوں نے اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، سو انہوں نے کہا: جب میں بوڑھی ہوگئی اور میری ہڈی کمزور ہوگئی تو انہوں نے مجھ سے ظہار کرلیا، تب اللہ تعالیٰ نے آیتِ ظہار نازل فرمائی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس سے کہا: تم ایک غلام آزاد کرو، انہوں نے کہا: میرے پاس اس کی طاقت نہیں، آپ نے فرمایا: پھر تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو، انہوں نے کہا: جس دن میں دو مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری بصارت کمزور ہو جاتی ہے، آپ نے فرمایا: پھر تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے کہا: میرے پاس اتنا طعام نہیں ہے، البتہ آپ مدد فرمائیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ صاع کے ساتھ ان کی مدد فرمائی اور اللہ تعالیٰ رحیم ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے (مزید) پندرہ صاع جمع کر دیئے اور یوں ساٹھ مسکینوں کا طعام ہوگیا۔

(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳۱۵ طبع قدیم، رقم الحدیث: ۳۷۹۳ طبع جدید، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ)

ظہار میں فقہاءِ احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اور کفارۂ ظہار، ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، پس اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے کیونکہ کفارہ میں اسی ترتیب سے نص وارد ہے اور یہ کفارے عمل زوجیت سے پہلے ادا کیے جائیں اور یہ غلام آزاد کرنے میں اور روزے رکھنے میں تو ظاہر ہے کیونکہ قرآن مجید میں اسی طرح ہے، اور کھانا کھلانے میں بھی اسی طرح ہے، کیونکہ کھانا کھلانے میں جماع سے منع کیا گیا ہے، اس حرمت کی وجہ سے جو ظہار سے ثابت ہے، اس لیے کفارہ کو عمل زوجیت پر مقدم کرنا ضروری ہے، تاکہ عمل زوجیت حلال طریقہ سے ہو۔ (الہدایہ مع البنایہ ج ۵ ص ۴۳۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ)

علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الحنفی الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ظہار کرنے والے کے متعلق اختلاف ہے، کیا وہ کھانا کھلانے سے پہلے جماع کرسکتا ہے؟ پس ہمارے اصحاب (احناف) اور

امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے: اس وقت تک جماع نہ کرے حتیٰ کہ کھانا کھلا دے، جب کہ اس پر کھانا کھلانا فرض ہو اور جو ظہار کرنے والا روزہ رکھنے سے عاجز ہو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک وہ کفارہ نہ دے جماع نہ کرے۔
(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۲۷-۴۲۶، سہیل اکیڈمی، لاہور)

تاہم علامہ المرغینانی الحنفی نے لکھا ہے کہ کھانا کھلانے سے پہلے تو مظاہر جماع نہیں کرسکتا لیکن کھانا کھلانے کے درمیان جماع کرسکتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اگر مظاہر مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ رہا ہو اور دو ماہ کے درمیان اس نے اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو وہ از سر نو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا، اور جب دو ماہ کے مسلسل روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا اور ہر مسکین کو نصف صاع (دو کلو) گندم یا ایک صاع (چار کلو) کھجور یا ایک صاع جو یا ان کی قیمت ادا کرے گا، اور اگر اس نے ایک مسکین کو ساٹھ دن کھلایا تو اس کے لیے کافی ہوگا اور اگر اس نے ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مسکینوں کا طعام دے دیا تو یہ صرف ایک مسکین کا کفارہ ہوگا اور اگر مظاہر نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو اس کو یہ کفارہ دہرانا نہیں پڑے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے اور ساٹھ مسلسل روزوں میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ کفارہ جماع کرنے سے پہلے ادا کریں اور کھانا کھلانے میں یہ قید نہیں لگائی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں اس لیے یہ کفارہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور کھانا کھلانے کے درمیان وہ جماع کرسکتا ہے۔
(ہدایہ مع نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۹-۳۵۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، المحیط البرہانی ج ۵ ص ۱۹۲-۱۹۳، ادارۃ القرآن، ۱۴۲۴ھ)

ظہار میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

کھانا کھلانے میں تسلسل ضروری نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تسلسل کی قید نہیں لگائی، پس اگر مظاہر نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو اس پر از سر نو کھانا کھلانا واجب نہیں ہوگا۔ (المغنی مع الشرح الکبیر ج ۸ ص ۶۰۷، دار الفکر بیروت)

ظہار میں فقہاء مالکیہ کا موقف

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں:

جس شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا، پس ایک ماہ کے روزے رکھے، پھر رات کو اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو وہ از سر نو روزے رکھے گا اور پچھلے روزوں پر بناء نہیں کرے، اسی طرح کھانا کھلانے والے کا حکم ہے، اگر ساٹھ مسکینوں میں سے ایک مسکین بھی رہتا ہو اور وہ اپنی بیوی سے جماع کرلے تو اس کو از سر نو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۳ ص ۸۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی سے جماع کرلیا ہے تو آپ نے ان کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا، اور یہ صاف تصریح ہے، خواہ غلام آزاد کرنے کا کفارہ ہو یا روزہ رکھنے کا یا کھانا کھلانے کا، اور امام ابو حنیفہ نے کہا: اگر اس کا کفارہ کھانا کھلانا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ جماع کرے پھر کھانا کھلائے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۲۵۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح نقل نہیں کیا، امام اعظم کے نزدیک کھانا کھلانے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرنا حلال نہیں ہے، جیسا کہ ہدایہ اور محیط برہانی کے حوالوں سے گزر چکا ہے، البتہ ان کے نزدیک کھانا کھلانے کے درمیان اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے اور روزوں کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ جماع کرنے سے پہلے یہ کفارہ ادا کرے اور کھانا کھلانے کے ساتھ کفارہ کو مطلق رکھا ہے، اس کے ساتھ یہ قید نہیں لگائی۔

ظہار میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے پہلے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح غلام آزاد کرنے اور ساٹھ روزے رکھنے سے پہلے جماع کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ تینوں کفارۂ ظہار ہیں اور جب مطلق، مقید کی جنس سے ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جاتا ہے جیسے شہادت میں ہے، انتہی کلامہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: ۲) تم اپنوں میں دو نیک آدمیوں کو گواہ بناؤ۔

اس آیت میں گواہ بنانے کو نیک آدمیوں کے ساتھ مقید کیا ہے اور دوسری آیت میں گواہ بنانے کو مطلق رکھا ہے۔ فرمایا:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (البقرہ: ۲۸۲) تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ۔

امام فخر الدین رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ، علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ، اور محمد بن علی بن محمد شوکانی ظاہری نے کہا: البقرہ: ۲۸۲ میں مطلق گواہوں سے مراد عادل گواہ ہیں، جیسا کہ الطلاق: ۲ میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵، الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۳۵۴، روح المعانی جز ۳ ص ۹۴، فتح القدیر ج ۱ ص ۵۰۸)

علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں:

اور اس لیے کہ جب ایک مقید پر مطلق کو محمول کرنا واجب ہے تو دو مقیدوں پر مطلق کو محمول کرنا بہ طریق اولیٰ واجب ہوگا اور زیادہ مؤکد ہوگا اور کفارۂ ظہار میں یہ قید ہے کہ جماع کرنے سے پہلے غلام آزاد کیا جائے اور دو ماہ کے روزوں کا زمانہ طویل ہے، پھر بھی یہ قید ہے کہ جماع کرنے سے پہلے دو ماہ کے روزے رکھے جائیں، تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے میں بھی یہ قید ملحوظ ہوگی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے اور جب کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا زمانہ ساٹھ روزوں سے بہت کم ہے تو اس میں قید کے اعتبار کرنے کا زیادہ حق ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۱۳ ص ۴۴۷-۴۴۶، دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ ھ، تکملہ مجموع شرح المہذب ج ۲۱ ص ۲۸۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ ھ)

فقہاء شافعیہ کی دلیل کا جواب

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ ھ اس دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں:

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ مطلق مقید کی جنس سے ہو اور دونوں کا تعلق ایک واقعہ سے ہو، جیسے یہاں پر غلام آزاد کرنا اور ساٹھ روزے رکھنا، دونوں اس قید سے مقید ہیں کہ ان سے پہلے جماع نہ کیا جائے اور اس کے بعد ساٹھ مسکینوں کو

کھانا کھلانے کا ذکر ہے، اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ اس سے پہلے جماع نہ کیا جائے اور یہ مطلق ہے اور یہ بھی مقید کی جنس سے ہے یعنی کفارۂ ظہار ہے لیکن مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں کا حکم بھی ایک ہو جیسا کہ اس صورت میں ہے۔

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا ضابطہ

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ (المائدہ:۸۹) پس جو شخص (کفارۂ قسم میں غلام آزاد کرنے کی) طاقت نہ رکھے تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں ''ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ'' کے بعد ''متتابعات'' کی بھی قید ہے، یعنی تین دن کے مسلسل روزے رکھے اور المائدہ:۸۹ میں مطلقاً تین دن روزے رکھنے کا حکم ہے اور حضرت ابن مسعود کی قراءت میں چونکہ تسلسل کی قید ہے، اس لیے اس مطلق کو مقید کیا جائے گا، اور یہی امام ابوحنیفہ اور ثوری کا قول ہے اور امام شافعی کا ایک قول یہی ہے اور یہی مزنی کا مختار ہے، انہوں نے کفارۂ قسم کے روزوں کو کفارۂ ظہار کے روزوں پر قیاس کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت سے استدلال کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۲۱۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب قراءت کرتے تھے: ''فصیام ثلاثة ایام متتابعات'' پھر مسلسل تین دن کے روزے رکھے، اور مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں تھا: ''فصیام ثلاثة ایام متتابعات''۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۹۷۵۰، ۹۷۵۱، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

عطاء، اعمش اور طاؤس کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابن مسعود کی قرات اس طرح پہنچی ہے: ''فصیام ثلاثة ایام متتابعات''۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۴۴۳، ۴۴۴، رقم الحدیث: ۱۶۳۸۲ تا ۱۶۳۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، جدید ۱۴۲۱ھ)

ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی قراءت کرتے تھے: ''فصیام ثلاثة ایام متتابعات''

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۳۶۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۔ ۴ ص ۳۳، ادارۃ القرآن، کراچی)

حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما قراءت کرتے تھے: ''فصیام ثلاثة ایام متتابعات''۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۶۰، ملتان، معرفة السنن والآثار للبیہقی ج ۷ ص ۳۲۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں: اس صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی چیز کو مطلقاً بھی وجود میں داخل کرنا مقصود ہو اور اسی چیز کو مقیداً بھی وجود میں داخل کرنا مطلوب ہو، کیونکہ کفارہ قسم کے تین روزوں کو بغیر کسی قید کے مطلقاً بھی رکھنے کا حکم ہے اور تسلسل کی قید کے ساتھ بھی رکھنے کا حکم ہے اور یہاں پر ایک ہی واقعہ ہے اور ایک ہی حکم ہے اس لیے یہاں پر مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے، قرآن مجید کی قراءت متواترہ میں مطلقاً تین روزے رکھنے کا حکم ہے اور قراءت مشہورہ میں تتابع اور تسلسل کی قید ہے، اور قراءت مشہورہ سے قرآن مجید پر زیادتی جائز ہے۔

(فتح القدیر ج ۴ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ظہار میں غیر مقلدین کا موقف

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور مفسرین نے ''ثم یعودون لما قالوا'' کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ مظاہر جماع کے لیے لوٹنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ تین کفاروں میں سے کوئی ایک کفارہ دے، اور فرقہ ظاہریہ (غیر مقلدین) علماء نے یہ کہا ہے کہ ''ثم یعودون لما قالوا'' کا معنی یہ ہے کہ وہ ایک بار اپنی بیوی سے یہ کہنے کے بعد کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے دوبارہ یہی بات کہے کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے تو اس پر کفارۂ ظہار واجب ہوگا۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے، اس پر کچھ واجب نہیں ہے، نہ اس کی بیوی سے جماع کرنا اس پر حرام ہے حتیٰ کہ وہ اسی بات کو دوبارہ کہے اور جب وہ دوبارہ اسی بات کو کہے گا تو اس پر کفارۂ ظہار واجب ہو جائے گا۔

(المحلیٰ بالآثار ج۹ ص۱۸۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ھ)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ (مشہور غیر مقلد عالم) لکھتے ہیں:

فرقہ ظاہریہ کا یہی مسلک ہے۔ (فتح البیان ج۷ ص۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

۲۳۔ بَابُ: الظِّهَارِ

ظہار کا بیان

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (المجادلہ: ۱-۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی بات سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے O تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے O اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں، پھر عمل زوجیت کے لیے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں، تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے، یہ وہ چیز ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عمل زوجیت سے پہلے دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا

ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لئے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے O (المجادلہ:۱-۴)

باب مذکور کی پہلی تعلیق

وَقَالَ لِي إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ ظِهَارِ الْعَبْدِ فَقَالَ نَحْوَ ظِهَارِ الْحُرِّ قَالَ مَالِكٌ وَصِيَامُ الْعَبْدِ شَهْرَانِ۔

اور مجھ سے اسماعیل نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ابن شہاب نے غلام کے ظہار کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کا ظہار آزاد کے ظہار کے مثل ہے اور امام مالک نے کہا کہ غلام دو ماہ کے روزے رکھے۔

(اس تعلیق کی اصل معلوم نہیں ہو سکی)۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق

وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ الْحُرِّ ظِهَارُ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ مِنَ الْحُرَّةِ وَالْأَمَةِ سَوَاءٌ

اور الحسن بن الحر نے کہا کہ آزاد اور غلام کا ظہار آزاد عورت اور غلام عورت سے برابر ہے۔

(اس تعلیق کی بھی اصل معلوم نہیں ہو سکی)۔

باب مذکور کی تیسری تعلیق

وَقَالَ عِكْرِمَةُ إِنْ ظَاهَرَ مِنْ أَمَتِهِ فَلَيْسَ بِشَيْئٍ إِنَّمَا الظِّهَارُ مِنَ النِّسَاءِ۔

اور عکرمہ نے کہا: اگر کسی مرد نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ کچھ بھی نہیں ہے، یعنی لغو ہے، ظہار تو صرف بیویوں سے ہوتا ہے۔

(اس تعلیق کی اسماعیل قاضی نے ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے، جس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

باب مذکور کی چوتھی تعلیق

وَفِي الْعَرَبِيَّةِ لِمَا قَالُوا أَيْ فِيمَا قَالُوا وَفِي بَعْضِ مَا قَالُوا وَهَذَا أَوْلَى لِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَدُلَّ عَلَى الْمُنْكَرِ وَقَوْلِ الزُّورِ۔

اور عربی عورت کے متعلق انہوں نے المجادلہ:۳ کی تفسیر میں کہا اور ان کے بعض اقوال میں ہے، جن صورتوں میں انہوں نے کہا اور جن بعض صورتوں میں انہوں نے کہا اور یہ زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بری بات اور جھوٹی بات قرار نہیں دیا۔

ظہار کا لغوی معنی اور ظہار کے لغوی معنی کی اصطلاحی معنی کے ساتھ مناسبت اور ظہار کی تعریف میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب ظہار کے احکام میں ہے، علامہ خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ نے کہا ہے کہ ظہار کا معنی ہے: کوئی مرد اپنی

بیوی سے یہ کہے کہ تم مجھ پر میرے ذو رحم محرم کی پشت کی مثل ہو، اسی طرح المحکم میں مذکور ہے اور المطرزی نے الجامع میں یہ اضافہ کیا ہے اور القزاز کی جامع میں ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی سے ظہار کیا، جب اس نے کہا: تم میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے اور متعدد ارباب لغت نے اس کی پیروی کی ہے اور حافظ الدین علامہ النسفی الحنفی التوفی ۱۰۷ھ نے کہا ہے کہ ظہار کی تعریف یہ ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دے جس کے ساتھ اس کا نکاح کرنا دائماً حرام ہے مثلاً ماں کے ساتھ، بیٹی کے ساتھ یا بہن کے ساتھ، جن کے ساتھ اس کا جماع کرنا اور جماع کے محرکات حرام ہیں، بایں طور کہ وہ ان سے کہے: تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے حتیٰ کہ وہ اس کا کفارہ ادا کرے، ظہار میں لفظ ظہر ہے یعنی پشت کو مخصوص کیا گیا ہے نہ کہ باقی اعضاء کو، کیونکہ پشت عموماً سوار ہونے کا محل ہوتی ہے، اسی وجہ سے سواری کو ظور کہتے ہیں، کیونکہ بیوی شوہر کے لیے بہ منزلہ سواری ہوتی ہے، اور اگر اس نے کہا: تم میرے لئے میری ماں کے پیٹ کی مثل ہو یا ران کی مثل ہو یا فرج کی مثل ہو تب بھی ظہار ہوگا، اس کے برخلاف جب اس نے کہا کہ تم میری ماں کے ہاتھ کی مثل ہو تب ظہار نہیں ہوگا، اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول قدیم یہ ہے کہ اگر مرد نے کہا کہ تم میرے لئے میری بہن کی پشت کی مثل ہو تو جمہور کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

ظہار کے شان نزول کے متعلق متعدد روایات

ظہار کے شان نزول کے متعلق روایات کو ہم اس سے پہلے علامہ ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں، تاہم علامہ عینی کی ذکر کردہ روایات میں سے ہم ایک روایت کا ذکر کر رہے ہیں:

حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا، بہت جسیم خاتون تھیں، ان کے شوہر نے دیکھا کہ وہ نماز ظہر پڑھ رہی تھیں، حالتِ نماز میں ان کی نظر ان کے کولہوں پر پڑی، جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان کے شوہر نے ان سے جماع کا ارادہ کیا، حضرت خولہ نے انکار کیا، ان کے شوہر کو غصہ آیا، کیونکہ وہ مغلوب الغضب تھے، پس انہوں نے حضرت خولہ سے کہا: تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، پھر وہ اپنی بات پر نادم ہوئے اور زمانہ جاہلیت میں ایلاء اور ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا، تو ان کے خاوند نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ اب تم مجھ پر حرام ہو چکی ہو، تب ان کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا اور کہا: یا رسول اللہ! بے شک میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اس وقت مجھ سے نکاح کیا تھا جب میں نوجوان تھی، دولت مند تھی، میرے خاندان والے تھے حتیٰ کہ میرے شوہر نے میرا مال بھی کھا لیا، اور میری جوانی کو بھی کھا لیا اور میرے خاندان والے منتشر ہو چکے ہیں تو اب اس نے مجھ سے ظہار کر لیا اور اب وہ اپنے فعل پر نادم ہے تو کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ میں اور وہ پھر جمع ہو جائیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے خاوند پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا: یا رسول اللہ! جس ذات نے آپ کے اوپر اپنی کتاب کو نازل کیا ہے اس کی قسم! حضرت اوس بن الصامت نے کسی طلاق کا ذکر نہیں کیا اور بے شک وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور وہ بے شک مجھے تمام لوگوں سے زیادہ عزیز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا کہ میں اپنے فاقہ اور اپنی تنہائی کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کروں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تو تم اس پر حرام ہو چکی ہو اور تمہارے متعلق تو مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے، وہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بات دہراتی رہیں، تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ کی مذکور

الصدر آیات نازل فرمائیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے شوہر کو بلاؤ، جب ان کے شوہر آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ان آیات کی تلاوت فرمائی، پھر آپ نے ان کے شوہر سے پوچھا: کیا تم ایک غلام کو آزاد کرنے کی طاقت رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ میرا غلام تو بہت مہنگا ہے، اگر میں نے اس کو آزاد کر دیا تو میرے پاس کچھ نہیں رہے گا، اور میں تو بہت تنگ دست ہوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟ تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! اگر میں تین مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری بصارت کمزور ہو جاتی ہے، اور مجھ پر غشی طاری ہو جاتی ہے، آپ نے پوچھا: کیا تم ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہو، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! نہیں، سوا اس کے کہ آپ اس معاملہ میں میری مدد فرمائیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پندرہ (۱۵) صاع سے تمہاری مدد کروں گا، یعنی ساٹھ (۶۰) صاع کلوگرام سے۔

ظہار کی دو قسمیں: صراحتاً اور کنایتاً

جن الفاظ کے ساتھ ظہار ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ صراحتاً ظہار ہو اور وہ یہ ہے کہ مرد یہ کہے: تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی مثل ہو یا کہے: تم میرے نزدیک میری ماں کی پشت کی مثل ہو اور دوسری قسم وہ ہے جس میں کنایۃً ظہار ہو مثلاً وہ کہے کہ تم میرے لیے میری ماں کی مثل ہو، اس میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر وہ اس میں ظہار کا ارادہ کرے تو ظہار ہوگا اور اگر ظہار کی نیت نہ کرے تو ظہار نہیں ہوگا، اور امام محمد بن حسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی ظہار ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ نے کہا ہے کہ اگر مرد نے حالتِ غضب میں کہا کہ تم میری ماں کی پشت کی مثل ہو تو یہ ظہار ہے اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ایلاء ہے اور اگر ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن ہوگی۔

ظہار کے وقوع کی صورتیں

ظہار صرف اس صورت میں ہوگا جب مرد اپنی بیوی کو کسی مَحرم کے ساتھ تشبیہ دے اور اگر اس نے مَحرم کے سوا کسی کے ساتھ تشبیہ دی تو پھر ظہار نہیں ہوگا، حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور الشعبی کا بھی یہی قول ہے، اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا بھی یہی قول ہے اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی ایک قول یہی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے اور یہی ان کا زیادہ مشہور قول ہے کہ جس مرد نے کسی ایسی عورت کے ساتھ ظہار کیا کہ جس کے ساتھ اس کا نکاح کرنا حلال تھا تو یہ ظہار نہیں ہے اور جس نے کسی ایسی عورت کے ساتھ ظہار کیا کہ جس کے ساتھ اس کا نکاح کرنا کبھی حلال نہ تھا تو یہ ظہار ہے، اور امام مالک نے کہا: جس نے کسی مُحرم کے ساتھ ظہار کیا یا اجنبی عورت کے ساتھ ظہار کیا تو دونوں صورتوں میں ظہار ہے اور شعبی سے روایت ہے کہ ظہار صرف ماں یا دادی کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ بھی امام شافعی کا قول ہے اور ظاہر یہ کا بھی یہی قول ہے۔

اگر مرد نے کسی اجنبی عورت سے کلمات ظہار کہے تو اس کے ظہار ہونے یا نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کسی مرد نے کسی اجنبی عورت سے ظہار کیا، پھر اس سے نکاح کر لیا تو اس کے متعلق القاسم بن محمد نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے یہ روایت کی ہے کہ جب کسی مرد نے ایسی عورت سے نکاح کر لیا تو اس سے مقاربت نہ کرے حتیٰ کہ کفارہ دے دے اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عروہ

کا بھی یہی قول ہے اور شیخ علی بن احمد بن حزم متوفی ۴۵۶ ھ نے کہا کہ ان حضرات سے اسی قول کی صحیح روایت ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر ابن حزم کی صحت سے مراد یہ ہے کہ یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک منقطع ہے کیونکہ قاسم بن محمد تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیدا ہوئے تھے اور اگر ان کی مراد باقی لوگوں کی صحت ہے تو پھر یہ ممکن ہے۔

حافظ علاؤالدین مغلطائی ابن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ ھ نے اپنی شرح التلویح علی البخاری میں لکھا ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ نے بیان کیا کہ ابن ابی لیلیٰ، اور الحسن بن حَی نے بتایا: اگر کسی مرد نے یہ کہا کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں وہ میرے لئے ایسی ہے جیسے میں اپنی ماں سے نکاح کروں یا اس نے کسی رشتہ دار کا نام لیا یا قبیلہ کا نام لیا تو ظہار لازم ہو جائے گا اور الثوری نے بیان کیا کہ جس مرد نے کسی عورت سے کہا کہ اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے یا کہا: اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت ہے اور اللہ کی قسم! میں چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تیرے قریب نہیں جاؤں گا، پھر اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور ظہار اور ایلاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس نے طلاق سے ابتداء کی تھی۔

جن مردوں کا ظہار کرنا صحیح ہے اور جن مردوں کا ظہار کرنا صحیح نہیں ہے، اس کے متعلق مذاہب فقہاء

ہر وہ شوہر جس کی طلاق دینا صحیح ہے اس کا ظہار کرنا بھی صحیح ہے، عام ازیں کہ وہ آزاد ہو غلام ہو مسلمان ہو یا ذمی ہو، اس نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، یا وہ جماع پر قادر ہو یا نہ ہو، اور اسی طرح ہر وہ بیوی خواہ وہ کم عمر ہو یا بڑی ہو، عاقلہ ہو یا مجنونہ ہو یا اس کی فرج اور دبر ملی ہوئی ہو یا وہ درست ہو، محرمہ ہو یا غیر محرمہ ہو، ذمیہ ہو یا مسلمان ہو، اس سے ظہار کرنا صحیح ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ نے فرمایا کہ ذمی کا ظہار کرنا صحیح نہیں ہے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ نے کہا کہ جو عورت عدت میں ہو، اس سے ظہار کرنا صحیح نہیں ہے، اور بعض علماء نے کہا: غیر مدخول بہا سے ظہار کرنا صحیح نہیں ہے، اور المزنی الشافعی نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس سے ظہار کیا تو اس کا یہ ظہار صحیح نہیں ہے، باندی اور ام الولد سے ظہار کرنے میں اختلاف ہے، فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا کہ ان سے ظہار کرنا صحیح نہیں ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ، ثوری، الاوزاعی اور اللیث نے کہا کہ اپنی باندی سے ظہار کرنا صحیح نہیں ہے اور فقہاء احناف نے جس آیت سے استدلال کیا ہے، وہ درج ذیل ہے:

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ (المجادلہ: ۳) اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں۔

اور باندی ہماری بیویوں میں سے نہیں ہے۔

کفارۂ ظہار میں مذاہب فقہاء

کفارۂ ظہار میں مجامعت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، خواہ وہ غلام مرد ہو یا عورت ہو، کم عمر ہو یا بوڑھا ہو، مسلمان ہو یا کافر ہو کیونکہ نص قرآن مطلق ہے۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا: کافر کو آزاد کر کے کفارہ دینا صحیح نہیں ہے، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی مذہب ہے

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا: مومن اور کافر اور سالم اور عیب دار اور مرد اور عورت کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا کہ عیب دار غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح نہیں ہے۔

اور شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا کہ ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ اور شعبی سے روایت ہے کہ نابینا کو آزاد کرنا کفایت کرے گا اور ابن جُریج نے کہا کہ جو مفلوج ہو اس کو آزاد کرنا بھی کفایت کرے گا اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مجنون کو آزاد کرنا درست نہیں ہے۔

کفارہ کی اقسام

الاول: کفارہ کی پہلی قسم غلام کو آزاد کرنا ہے، پس اگر وہ غلام کو آزاد کرنے سے عاجز ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، ان دو مہینوں میں رمضان کا مہینہ شامل نہیں ہے اور نہ وہ ایام شامل ہیں جن میں روزہ رکھنا شرعاً ممنوع ہے، اور وہ دو عید کے دن ہیں اور تین دن ایام تشریق کے ہیں، پس اگر اس نے ان دو مہینوں کے درمیان رات میں یا دن میں بھول کر یا عمداً اپنی بیوی سے مجامعت کر لی تو پھر وہ از سرنو روزے رکھنا شروع کرے گا۔

اور شیخ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی ہے کہ مرد نے جس بیوی سے ظہار کیا تو دو مہینے پورے ہونے سے پہلے ایک رات میں جماع کر لیا تو وہ پھر روزہ رکھنے کی قضاء کرے گا۔ اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اس صورت میں اگلے دن روزہ رکھ کر قضاء کرے گا اور ہمارے اصحاب احناف نے کہا کہ اگر اس نے ان دو مہینوں کے درمیان رات میں عمداً جماع کیا یا دن میں بھولے سے جماع کیا یا ان دنوں میں کوئی روزہ چھوڑ دیا تو وہ از سرنو روزے رکھے گا خواہ اس کا عذر ہو یا نہ ہو، اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم المتوفی ۱۸۳ھ نے کہا کہ وہ صرف اس صورت میں از سرنو روزے شروع کرے گا جب اس نے درمیان میں سے کوئی روزہ چھوڑ دیا ہو، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ اگر اسے عذر پیش ہو تو وہ از سرنو روزے شروع نہیں کرے گا اور غلام کے لئے کفارہ میں صرف روزے رکھنا مشروع ہے۔

اور اگر ظہار کرنے والا روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا اور ہر مسکین کو دو کلو گندم یا چار کلو کھجوریں یا چار کلو جو دے گا یا ان کی قیمت دے گا۔

اور امام شافعی نے کہا: ہر مسکین کو اپنے شہر کی غالب خوراک میں سے ایک کلو دے گا، اور امام احمد کے نزدیک ایک کلو گندم دے گا اور دو کلو کھجور یا دو کلو جو دے گا، اور اگر اس نے تیس مسکینوں کو کھانا کھلایا اور پھر درمیان میں مجامعت کر لی تو امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ وہ کھانا کھلانے کی تعداد کو پورا کرے، جیسا کہ اس نے کھانا کھلانے سے پہلے مجامعت کی ہو اور اس پر صرف ایک ہی مرتبہ کھانا کھلانا ہے، اور اللیث اور الاوزاعی اور امام مالک نے کہا کہ

اس صورت میں وہ از سر نو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا شروع کرے گا۔

متعدد مرتبہ ظہار کرنے والے کا شرعی حکم

اگر کسی نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ ظہار کر لیا تو اس کے اوپر صرف ایک کفارہ ہے، پھر اگر اس نے چوتھی مرتبہ کلمہ ظہار کہا تو اس پر دوسرا کفارہ ہے، یہ شیخ علی بن احمد بن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ کا قول ہے۔

اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے منقول ہے کہ جب کسی مرد نے ایک مجلس میں متعدد بار ظہار کیا تو اس پر ایک کفارہ لازم ہے اور اگر اس نے متعدد مجالس میں ظہار کیا یعنی کلمات ظہار کہے تو اس پر متعدد ظہار لازم ہوں گے، اور اسی طرح قسم کا حکم ہے اور قتادہ متوفی ۱۱۷ھ اور عمرو بن دینار کا بھی یہی قول ہے، اور شیخ علی بن احمد بن حزم متوفی ۴۵۶ھ نے کہا کہ ان دونوں سے اس کی روایت صحیح ہے اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس صورت میں صرف ایک کفارہ لازم ہے۔

اور شیخ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے: ہم نے طاؤس متوفی ۱۰۶ھ، عطاء متوفی ۱۱۴ھ اور شعبی سے اس قول کی روایت کی ہے، ان سب نے کہا کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے پچاس (۵۰) مرتبہ ظہار کیا تو اس پر صرف ایک کفارہ لازم ہوگا، حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، نے بھی کہا ہے کہ جب مرد نے متعدد مرتبہ ظہار کیا، خواہ وہ مختلف مجالس میں ظہار کیا ہو، اس پر ایک کفارہ لازم ہوگا۔

معمر نے کہا اور یہی الزہری کا قول ہے اور یہی امام مالک بن انس کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اگر اس نے ایک مجلس میں متعدد مرتبہ ظہار کیا اور تکرار کی نیت کی تو اس پر ایک مرتبہ کفارہ ظہار لازم ہے اور اگر اس نے نیت نہیں کی تو ہر ظہار سے اس پر کفارہ لازم ہوگا، عام ازیں کہ ظہار کا یہ تکرار ایک مجلس میں ہو یا متعدد مجالس میں ہو۔

ظہار کرنے والے کے لئے اپنی بیوی کے ساتھ بعض معاملات کا جواز اور بعض کی حرمت

مرد نے اپنی جس بیوی سے ظہار کیا ہے، کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے بوس و کنار کرنا جائز ہے اور فرج کے علاوہ اس کے باقی جسم کو اپنے جسم کے ساتھ لپٹانا بھی جائز ہے، اور یہ الثوری، الحسن البصری، عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار، قتادہ اور فقہاء شافعیہ کا مذہب ہے اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ سے یہ روایت بھی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ وہ بوس و کنار اور جسمانی تلذذ سے احتراز کرے۔

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا کہ بوس و کنار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام مالک نے اس سے انکار کیا ہے، اسی طرح دو ماہ کے مسلسل روزوں کا حکم ہے، اور امام الاوزاعی نے کہا کہ تہبند کے اوپر سے اس سے لذت حاصل کرے اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جس طرح کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے جماع کرنا حرام ہے، اسی طرح کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس پر جماع کے اسباب اور محرکات بھی حرام ہیں۔

کفارہ ظہار کا ساقط نہ ہونا

مرد کی موت سے یا عورت کی موت سے کفارہ ظہار ساقط نہیں ہوتا، اور ان کے ترکہ سے ان کی موت کے بعد اس کفارہ کو ادا کیا جائے گا، خواہ انہوں نے اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، یہ امام شافعی کا مذہب ہے اور ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک قرضہ جات کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم حقوق اللہ ہے، اور دوسری قسم حقوق العباد ہے، پس حقوق اللہ کی ادائیگی کی اس نے وصیت نہ

کی ہو، تو وہ ساقط ہو جاتے ہیں، خواہ وہ نماز ہو یا زکوٰۃ ہو اور وہ شخص ان حقوق کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے گناہگار ہوگا اور اس سے ان حقوق کا آخرت میں مطالبہ کیا جائے گا، اور اگر اس نے وصیت کی تھی کہ اس کے ترکہ سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا کفارۂ ظہار ادا کیا جائے گا تو اس کے ترکہ کے تیسرے حصہ میں سے اس وصیت کو پورا کیا جائے گا، پس وارث پر لازم ہے کہ وہ ہر نماز کے فدیہ کے لئے دو کلو گندم صدقہ کرے جیسا کہ روزے کے فدیہ میں ہوتا ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر کا بھی فدیہ ادا کیا جائے گا۔

اور اگر مرنے والے پر روزے ہوں تو ہر روزے کے فدیہ میں دو کلو گندم ادا کیا جائے گا، اور اگر مرنے والے پر حج ہو تو وارث پر لازم ہے کہ اس کا ترکہ تہائی مال سے زیادہ ہو تو حج کرائے، اسی طرح نذور اور کفارات کا حکم ہے، اور اگر مرنے والے کے ذمہ حقوق العباد ہوں مثلاً کسی کا قرض ادا کرنا ہو یا کسی کا مال چھینا ہو اور اس کا تاوان ادا کرنا ہو تو ان حقوق کو ہر حال میں ادا کیا جائے گا۔

غلام کے ظہار کا شرعی حکم

مؤطا امام مالک میں مذکور ہے کہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے غلام کے ظہار کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا: اس کا حکم بھی آزاد کے ظہار کی مثل ہے اور امام مالک نے کہا: غلام ظہار میں دو ماہ کے روزے رکھے گا اور حافظ ابوعمر بن عبدالبر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا: اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غلام کا ظہار لازم ہے اور اس پر اجماع ہے کہ اس کا کفارہ بھی روزے ہیں اور انہوں نے کہا کہ غلام کے کفارہ میں غلام کو آزاد کرنے اور کھانا کھلانے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، پس ابوثور اور داؤد ظاہری متوفی ۲۷۰ھ نے غلام کے لئے غلام آزاد کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اگر اس کا مالک اس کو آزاد کرنے کے لئے غلام عطا کرے، اور باقی تمام علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور علامہ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اگر غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے کھانا کھلایا تو جائز ہے اور اگر اس نے اپنے مالک کی اجازت کے بغیر غلام آزاد کر دیا تو جائز نہیں ہے اور ہمارے نزدیک مستحب یہ ہے کہ غلام کفارہ ادا کرنے میں روزے رکھے، اور امام مالک نے کہا کہ غلام کا کھانا کھلانا آزاد کے کھانا کھلانے کی طرح ہے کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ظہار کے بعد عملِ زوجیت کے لئے لوٹنے کا شرعی حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ (المجادلہ: ۳) پھر عمل زوجیت کے لئے لوٹنا چاہیں۔

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: وہ لوٹنا جو کفارے کا موجب ہے، وہ یہ ہے کہ ظہار کے بعد وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے سے مدت گزرنے تک رُک جائے جس مدت میں اس کے لئے طلاق دینا ممکن ہو، پھر وہ اس کو طلاق نہ دے۔

اور قتادہ متوفی ۱۱۷ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ وہ بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کے بعد اس سے جماع کرے اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کا عزم کیا اور یہ نیت کی کہ اس سے جماع کرنے کے لئے لوٹے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا اور اگر اس نے جماع کا عزم نہیں کیا تو یہ عود اور لوٹنا نہیں ہے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: اگر اس نے ظہار کے بعد جماع کر لیا تو پھر یہ عود اور لوٹنا ہے اور اگر جماع نہیں کیا تو پھر یہ عود اور لوٹنا نہیں ہے۔

اور اصحاب الظاہر (غیر مقلدین) نے کہا ہے: اگر اس نے لفظ کو مکرر کیا تو یہ عود ہے ورنہ یہ عود نہیں ہے اور یہی ابوالعالیہ کا قول ہے۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ امام مالک کے نزدیک عود یہ ہے کہ وہ جماع کا عزم کرے اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ عود یہ ہے کہ وہ کلمات ظہار کہنے کے بعد پھر اپنی بیوی سے جماع کرے لیکن اس سے پہلے کفارے کو مقدم کرے اور یہی ابن القاسم مالکی کا قول ہے جس کا موطا امام مالک میں اشارہ ہے کہ عود یہ ہے کہ بیوی کو اپنے پاس رکھنے کا عزم کرے اور امام مالک کے اکثر اصحاب کا یہی موقف ہے۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ ظہار کرنے والے کلمات کا ظہار کہنے کے بعد اپنی بیوی سے جماع کرنا عود ہے اور یہی امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور طاؤس متوفی ۱۰۶ھ اور زہری متوفی ۱۵۲ھ کا مذہب یہ ہے کہ بیوی سے مجامعت کرنا ہی عود ہے اور امام ابوجعفر احمد بن محمد متوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس وقت عود جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ اس سے پہلے کفارہ ادا نہ کرے۔

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کے متعلق علامہ ابن المنذر کی مذکور نقل صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جماع کرنا عود نہیں ہے بلکہ جماع کا عزم کرنا عود ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور علامہ علاؤ الدین مغلطائی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ نے التلویح شرح الجامع الصحیح میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ عود کا معنی یہ ہے کہ ظہار ایسی تحریم کو واجب کرتا ہے کہ وہ تحریم کفارہ کے بغیر واجب نہیں ہوتی مگر یہ کہ اگر اس نے مدت طویلہ تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا حتیٰ کہ وہ مر گئی تو پھر اس پر کفارہ نہیں ہے، عام ازیں کہ اس نے اس مدت کے درمیان اپنی بیوی سے جماع کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، پھر اگر اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا، پھر اگر اس نے اس کے بعد دوسری بیوی سے نکاح کر لیا تو اس کے اوپر ظہار کا حکم لوٹ آئے گا اور وہ جب تک کفارہ ادا نہ کرے اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ظہار ایسا قول ہے جس کو وہ زمانہ جاہلیت میں کہتے تھے، پھر ان کو اس سے منع کر دیا گیا، پس جس نے بھی کلمات ظہار کہے تو اس کا ظہار ثابت ہو گیا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے علاوہ اور کسی سے یہ قول منقول نہیں ہے اور امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ سے روایت ہے کہ کلماتِ ظہار کہنے والے نے اپنی بیوی سے جماع کیا، پھر ان میں سے کوئی ایک مر گیا تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا اور نہ جماع کے بعد کفارہ ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۹-۴۰۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی پہلی تعلیق

اور مجھ سے اسماعیل نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ابن شہاب نے غلام کے ظہار کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اس کا ظہار آزاد کے ظہار کی مثل ہے اور امام مالک نے کہا کہ غلام دو ماہ کے روزے رکھے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

یعنی امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے کہا کہ مجھ سے اسماعیل بن ابی اویس نے کہا اور یہ تعلیق حکماً موصول ہے اور اس کو ان مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے جب کہ امام اپنے شیوخ سے بہ طریق مذاکرہ حاصل کرے، امام بخاری نے کہا کہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ھ نے امام مالک سے سوال کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۳-۴۰۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعلیق مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

ہوسکتا ہے کہ ابن شہاب نے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے یہ نقل کیا ہو کہ غلام کا ظہار آزاد کے ظہار کی مثل ہے، گویا کہ غلام کو تمام احکام میں آزاد کے احکام کی مثل قرار دیا جائے گا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہو کہ غلام کا ظہار اس طرح صحیح ہے جس طرح آزاد کا ظہار صحیح ہوتا ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غلام تمام احکام میں آزاد کی مثل ہو، لیکن ابن بطال نے یہ نقل کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جب غلام ظہار کرے تو اس کا وہ ظہار لازم ہے اور اس کا کفارہ دو ماہ کے روزے ہیں، جیسا کہ آزاد کا کفارہ دو ماہ کے روزے ہیں، ہاں کھانا کھلانے میں اور غلام آزاد کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ غلام کے کفارۂ ظہار میں صرف روزے کفایت کریں گے اور ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ اگر غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلایا تو وہ اس کو کفایت کرے گا اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے جو اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ مردود ہے کیونکہ الشیخ موفق الدین بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے المغنی میں بعض فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ غلام کا ظہار صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فتحریر رقبۃ، یعنی ظہار کرنے والا کفارہ ظہار میں غلام آزاد کرے اور غلام غلاموں کا مالک نہیں ہوتا، پھر اس پر یہ اعتراض ہے کہ غلام کو آزاد کرنے کا حکم اس کے لیے ہے جس کو غلام میسر ہو، پس گویا کہ وہ تنگ دست کی مثل ہے، سو اس کا فرض روزے رکھنا ہے اور امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ از ابراہیم روایت کی ہے کہ اگر غلام نے ایک ماہ کے روزے رکھ لیے تو وہ کافی ہوں گے اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا ہے کہ وہ دو ماہ کے روزے رکھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۷، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری کی دوسری تعلیق

اور الحسن بن الحر نے کہا کہ آزاد مرد اور آزاد غلام کا ظہار اور آزاد عورت اور غلام عورت کا ظہار برابر ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی حنفی

حسن بن الحر النخعی الکوفی الدمشقی المتوفی ۱۳۳ھ، امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان کا ذکر صرف اس جگہ کیا ہے۔

امام محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ یہ لفظ الحسن بن حی الہمدانی ہے جو فقیہ ہیں، ان کی وفات ۱۶۹ھ میں ہوئی ہے اور ان کی نسبت ان کے دادا کی طرف ہے جس کا نام الحسن بن صالح بن حی ہے، یہ فقیہ، ثقہ اور عابد ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اکثرین کی روایت یہ ہے کہ ان کا نام الحسن بن الحر ہے اور ابوذر نے المستملی سے روایت کی ہے کہ ان کا نام الحسن بن الحی ہے اور ان کا نام الحسن بھی ذکر کیا جاتا ہے اور امام احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے

اپنی کتاب اختلاف العلماء میں ان کا نام الحسن بن الحی ذکر کیا ہے اور ابراہیم النخعی سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعلیق مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

ابن الاعرابی نے اپنی معجم میں از ہمام روایت کی ہے کہ قتادہ سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو انہوں نے کہا: حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور سلیمان بن یسار نے کہا کہ باندی سے ظہار آزاد عورت کے ظہار کی مثل ہے اور یہی سات (۷) فقہاء کا قول ہے اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور ربیعہ اور ثوری اور اللیث کا قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ حلال فرج ہے، پس یہ تحریم سے حرام ہو جائے گی اور امام سعید بن منصور الخراسانی المتوفی ۲۲۷ھ نے سند صحیح کے ساتھ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے روایت کی ہے کہ اگر مرد نے اس باندی سے وطی کی ہے تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے وطی نہیں کی تو پھر ظہار نہیں ہے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۷، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

باب مذکور کی تیسری تعلیق

اور عکرمہ نے کہا: اگر کسی مرد نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ کچھ بھی نہیں ہے یعنی لغو ہے، ظہار تو صرف بیویوں سے ہوتا ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی حنفی

اس تعلیق میں عکرمہ متوفی ۱۰۵ھ کا ذکر ہے اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کے آزاد کردہ غلام ہیں، اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ظہار صرف بیویوں سے ہوتا ہے۔

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے:

یعنی ظہار ان بیویوں سے ہوتا ہے جو آزاد ہوں۔

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں کہ لفظ ''النساء'' (یعنی بیویاں) آزاد اور باندیاں دونوں کو شامل ہے، اسی لئے علامہ کرمانی نے یہ تفسیر کی ہے کہ وہ بیویاں جو آزاد ہوں۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا بھی یہی مذہب ہے، مگر امام احمد متوفی ۲۴۱ھ نے کہا: اگر اس نے اپنی مملوکہ باندی سے ظہار کیا تو اس میں کفارہ ہے اور عکرمہ البربری المتوفی ۱۰۵ھ کا قول اس کے خلاف ہے۔

امام عبد الرزاق نے از ابن جریج از الحکم بن ابان از عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ وہ باندی سے ظہار کرنے میں آزاد عورت کے کفارے کی مثل ادا کرے گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عکرمہ کے اس قول میں باندی سے مراد وہ ہے جو اس کی بیوی ہو پھر ان دونوں قولوں میں اختلاف نہیں رہے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعلیق مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ ھ نے داؤد بن ابی ہند سے روایت کی ہے کہ میں نے مجاہد متوفی ۱۰۴ ھ سے باندی کے ظہار کے متعلق سوال کیا تو گویا کہ انہوں نے اس کو لغو قرار دیا، میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ (المجادلہ: ۲) یعنی جو اپنی عورتوں سے ظہار کریں، تو کیا باندی عورتوں میں سے نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (البقرہ: ۲۸۲) اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنالو۔

انہوں نے کہا: کیا غلام مردوں میں سے نہیں ہیں؟ تو کیا غلام کی شہادت جائز ہے اور عکرمہ البربری التوفی ۱۰۵ ھ سے اس قول کے خلاف مروی ہے، امام عبدالرزاق التوفی ۲۱۱ ھ نے عکرمہ البربری التوفی ۱۰۵ سے روایت کی ہے کہ مرد باندی کے ظہار سے بھی آزاد عورت کے کفارے کی مثل ادا کرے گا، اور عکرمہ البربری التوفی ۱۰۵ ھ کے پہلے قول کے مطابق فقہاء احناف، امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ، اور جمہور کا مذہب ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ (یعنی اپنی بیویوں سے ظہار کریں) اور باندی بیویوں میں سے نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

باب مذکور کی چوتھی تعلیق

اور عربی عورت کے متعلق انہوں نے المجادلہ: ۳ کی تفسیر میں کہا اور ان کے بعض اقوال میں یہ ہے: اور یہ زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بری بات اور جھوٹی بات قرار نہیں دیا۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی حنفی

یعنی کلام عرب میں لفظ عَادَلَهٗ، عَادَ فِيْهِ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے یعنی اس کو توڑ دیا اور اس کو باطل کر دیا۔

اور محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ ھ نے ثم یعودون لما قالوا، کی تفسیر میں کہا ہے: وہ اپنے قول سابق کا تدارک کرتے ہیں، اس کی تلافی کرتے ہیں، کیونکہ جو کسی امر کا تدارک کرتا ہے وہ اس کا کفارہ ادا کر کے اس کی اصلاح کرتا ہے۔

امام بخاری نے کہا: ''وفی نقض ما قالوا'' پھر امام بخاری نے کہا: یہ زیادہ اولیٰ ہے یعنی یعودون لما قالوا، کا معنی ہے: انہوں نے جو پہلے کہا تھا اس کو نقض کرتے ہیں اور توڑتے ہیں، اور امام بخاری کی اس سے غرض داؤد ظاہری متوفی ۲۰۷ ھ کا رد کرنا ہے، کیونکہ اس نے کہا: عود کا معنی ہے: کلمہ ظہار کو مکرر کہنا۔

(میں کہتا ہوں: علامہ عینی کی یہ شرح صحیح نہیں ہے کیونکہ ابو سلیمان داؤد بن علی ظاہری متوفی ۲۰۷ ھ، امام بخاری متوفی ۲۵۶ ھ سے کافی مؤخر ہے، سو امام بخاری داؤد ظاہری کا رد کیسے کر سکتے ہیں؟ سو یہاں پر علامہ عینی کو تسامح ہوا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

امام بخاری نے کہا: لان اللہ تعالٰی لم یدل علی المنکر وقول الزور: امام بخاری نے اس عبارت سے وجہ اولویت بیان کی ہے کیونکہ اگر اس کا معنی ایسا ہوتا جیسا کہ داؤد ظاہری کا زعم ہے تو اللہ تعالیٰ برے قول اور جھوٹی بات پر دلالت کرتا اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

الفراء اور الاخفش نے کہا کہ اس کے معنی میں تقدیر اور تاخیر ہے یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر وہ اپنے قول

کی طرف رجوع کرتے ہیں، توان پر ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا کہ یہ بہت عمدہ تفصیل ہے۔

علامہ ابن المرابط نے کہا ہے کہ ایک فرقہ نے یہ کہا ہے: ثم یعودون لما قالوا کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ ایک بار ظہار کرنے کے بعد دوسری مرتبہ ظہار کرتے ہیں اور یہی وہ معنی ہے جس کا امام بخاری نے انکار کیا ہے۔

اس کی توجیہ کہ امام بخاری نے مسئلہ ظہار کے متعلق احادیث کی روایت نہیں کی

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بخاری نے صرف سورۃ المجادلہ: ۱-۴، کے ذکر کرنے پر اختصار کیا ہے اور بعض آثار کے ذکر پر اختصار کیا ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں احادیث بھی وارد ہیں اور وہ یہ ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سلمہ بن صخر الانصاری البیاضی رضی اللہ عنہ اور حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس مسئلہ کے متعلق احادیث مروی ہیں اور امام بخاری نے ان کی احادیث میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ ان میں سے کوئی حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے،، اسی وجہ سے امام بخاری نے ان میں سے کسی حدیث کی روایت نہیں کی، البتہ کتاب التوحید کے اوائل میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے، اور حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ جو حضرت خولہ کے شوہر تھے، ان کی حدیث کی بھی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور ہم نے اختصار کی وجہ سے صرف اتنی مقدار کے ذکر پر اقتصار کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۴-۴۰۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعلیق مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا عود میں فعل شرط ہے حتیٰ کہ جس بیوی سے ظہار کیا ہے اس سے جماع کرنا بغیر کفارہ ادا کرنے کے جائز نہیں ہے، یا عود کے لئے جماع کا عزم کرنا کافی ہے یا یہ عزم کافی ہے کہ وہ بیوی کو اپنے پاس رکھے گا اور اس سے علیحدگی کو ترک کردے گا، پہلا قول اللیث کا ہے اور دوسرا قول فقہاء احناف اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا ہے اور تیسرا قول امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ان کے متبعین کا ہے۔

وھذا اولی لان اللہ لم یدل علی المنکر وقول الزور: امام بخاری نے اس عبارت سے ان لوگوں کا رد کیا ہے کہ جن کا یہ زعم ہے کہ عود کی شرط یہ ہے کہ وہ لفظ ظہار کا تکرار کرے، پس امام بخاری نے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے اور وثوق سے کہا ہے کہ یہ قول مرجوح ہے اگرچہ ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ اہل الظاہر کا قول ہے اور امام ابوالعالیہ اور بکیر بن الاشج یہ فقہاء تابعین میں سے ہیں، ان سے بھی اسی طرح مروی ہے اور الفراء النحوی کا بھی یہی قول ہے۔

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی الاندلسی المتوفی ۵۴۳ھ نے اس کے انکار میں بہت مبالغہ کیا ہے، اور اس کے قائل کو جاہل قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظہار کو برا قول اور جھوٹ قرار دیا ہے، پس یہ کیسے کہا جائے گا کہ جب اس نے اس حرام قول کا

اعادہ کیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ کفارہ ادا کرے، پھر اس کے لئے اس کی بیوی حلال ہوگی؟ انتھی۔ اور امام بخاری نے اسی کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منکر یعنی برے قول یعنی جھوٹ پر دلالت نہیں کی ہے۔

اور اسماعیل قاضی نے کہا ہے کہ جب ظہار کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ عود کرتے ہیں تو ان پر ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اس کی ضد ہے، جو مظاہر سے صادر ہوا ہے کیونکہ اگر میں یہ کہتا کہ جب میرا یہ ارادہ ہو کہ میں اپنی بیوی سے جماع کروں تو میں غلام کو آزاد کروں گا، اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے تو اس کا یہ کلام صحیح ہوتا، اس کے برخلاف اگر وہ یہ کہتا: جب میرا ارادہ جماع کرنے کا نہ ہو تو میں جماع کرنے سے پہلے ایک غلام کو آزاد کروں گا۔

ابو العباس بن شُریح اور محمد بن داؤد الظاہری المتوفی ۳۰۷ھ کے درمیان اس مسئلہ میں بحث ہوئی تو ابن جریج نے اجماع سے داؤد ظاہری المتوفی ۳۰۷ھ کے خلاف استدلال کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۷-۴۹۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ظہار کے متعلق اعلیٰ حضرت کا موقوف

امام اہلسنت، مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

باب الظہار (ظہار کا بیان)

مسئلہ (۴۰): از بہیڑی پنجم محرم الحرام ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت پر غصہ ہو کر زوجہ سے یہ لفظ کہے کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں گا، میں تجھے بجائے ماں، بہن کے سمجھتا ہوں، اگر تجھ سے کلام کروں تو اپنی بہن سے کلام کروں، اس صورت میں عورت اس کے نکاح سے خارج ہوگئی یا نہیں؟ تو اس کی نسبت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: پہلا لفظ کہ ''میں تجھے طلاق دے دوں گا'' محض نامعتبر ہے کہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا، یونہی پچھلا لفظ کہ ''میں تجھ سے کلام کروں تو اپنی ماں بہن سے کلام کروں'' کوئی چیز نہیں، اگرچہ کلام کرنے سے ہمبستری ہی کرنا مراد لیا ہو:

فی الھندیۃ لو قال ان وطئتك وطئت امی فلا شئی علیہ کذا فی غایۃ السروجی۔	ہندیہ میں ہے کہ اگر خاوند نے کہا: اگر میں تجھ سے وطی کروں تو اپنی ماں سے وطی کروں، تو خاوند پر کچھ لازم نہیں، غایۃ السروجی میں یونہی مذکور ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۵۰۷، نورانی کتب خانہ پشاور)

رہا بیچ کا لفظ، اس کی نسبت سائل مظہر کہ میری مراد اس کہنے سے یہ تھی کہ تجھے مثل اپنی ماں بہن کے اپنے اوپر حرام سمجھتا ہوں، طلاق دینا میری نیت میں نہ تھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو صورت ظہار کی ہے۔

عالمگیری میں ہے:

فی العلمگیریہ لو قال لھا انت علی مثل امی ان نوی التحریم اختلف الروایات فیہ والصحیح انہ یکون ظھارا عند الکل کذا فی فتاویٰ قاضی خاں۔	اگر خاوند نے کہا: ''تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے'' اگر اس سے حرام کرنے کی نیت کی ہو تو اس میں روایات کا اختلاف ہے، اور صحیح روایت یہ ہے کہ یہ ظہار ہوگا سب کے نزدیک، جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۵۰۷ ملخصا)

وفی رد المحتار عن البحر منی وعندی ومعی کعلی
(ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اور ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے: کہ ''اگر تو مجھ پر'' کی بجائے ''مجھ سے، میرے ہاں، میرے ساتھ'' کے الفاظ کہے تو وہ بھی ''مجھ پر'' کے حکم میں ہوں گے۔

اقول وانت تعلم ان سمجھتا ھوں بلساننا یودی مودی عندی بلسان العرب۔

میں کہتا ہوں: ہماری زبان میں ''میں سمجھتا ہوں'' کا لفظ عربی زبان میں ''عندی'' کے قائم مقام ہے۔

پس صورتِ مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ عورت نکاح سے نہ نکلی مگر اسے اس کے ساتھ صحبت کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا شہوت سے اس کے بدن کو ہاتھ لگانا یا اسی طور پر اس کی شرمگاہ دیکھنا یہ سب باتیں حرام ہو گئیں اور ہمیشہ حرام رہیں گی، جب تک کفارہ ادا نہ کر لے۔

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار یصیر بہ مظاھرا فیحرم وطؤھا علیہ ودواعیہ من القبلۃ والمس والنظر الی فرجھا بشھوۃ اما المس بغیر شھوۃ فخارج بالاجماع نھر، وکذا یحرم علیھا تمکینہ ولا یحرم النظر الی ظھرھا وبطنھا ولا الی الشعر والصدر بحر ای ولو بشھوۃ بخلاف النظر الی الفرج بشھوۃ، وعن محمد لو قدم من سفر لہ تقبیلھا للشفقۃ، حتی یکفر غایۃ لقولہ فیحرم۔
(ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۵-۵۷۶ ملخصا داراحیاء التراث العربی بیروت)

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ان الفاظ سے وہ شخص ظہار کرنے والا قرار پائے گا، لہٰذا بیوی سے وطی اور وطی کے دواعی اس پر حرام ہو جائیں گے، وطی کے دواعی بوس و کنار اور شہوت سے بیوی کی شرمگاہ پر نظر ڈالنا وغیرہ ہیں، لیکن بغیر شہوت چھونا اس حکم سے بالاجماع خارج ہے، نہر، اور یونہی بیوی پر خاوند کو جماع کا موقع دینا حرام ہے، اور بیوی کی پشت، پیٹ، چھاتی اور بالوں کو دیکھنا حرام ہے، بحر یعنی اگرچہ شہوت سے ہو، اس کے برخلاف بیوی کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اگر سفر سے آئے اور بیوی کو شفقت سے بوسہ دے لے تو جائز ہے حتیٰ یکفر (کفارہ دینے تک) یہ ماتن کے قول فیحرم (پس حرام ہے) کی غایت ہے۔

اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دو مہینے کے روزے لگاتار رکھے۔ ان دنوں کے بیچ میں نہ کوئی روزہ چھوٹے نہ دن کو یا رات کو کسی وقت عورت سے صحبت کرے، ورنہ پھر سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے، اور جو ایسا بیمار یا اتنا بوڑھا ہے کہ روزوں کی طاقت نہیں رکھتا وہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ساٹھ مسکینوں کو گیہوں دے فی مسکین بریلی کی تول سے پونے دو سیر آٹھ آنے بھر زائد یا اس قدر کی قیمت ادا کرے، جب تک اس کفارہ سے فارغ نہ ہو ہرگز عورت کو ہاتھ نہ لگائے۔

درمختار میں ہے:

ھی تحریر رقبۃ فان لم یجد ما یعتق، صام شھرین ولو ثمانیۃ وخمسین یوما بالھلال والا فستین یوما

کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر یہ نہ ہو سکے تو جماع سے قبل دو ماہ کے روزے رکھے، اگرچہ چاند کے حساب سے یہ کل روزے

متتابعین قبل المسیس، فان افطر بعذر اوبغیرہ او وطئها فی الشهرین مطلقا لیلا اونهارا عامدا اوناسیا استانف الصوم، لا الطعام فان عجز عن الصوم لمرض لا یرجی برؤہ او کبر اطعم ستین مسکینا ولو حکما کالفطرۃ او قیمۃ ذٰلک، وان غداهم وعشاهم واشبعهم جازا کما لو اطعم واحدا ستین یوما لتجدد الحاجۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (درمختار ج ا ص ۲۵۰-۲۵۱، مطبع مجتبائی دہلی)

اٹھاون نہیں، ورنہ دنوں کے حساب سے ساٹھ روزے مسلسل پورے کرے، پھر اگر درمیان میں کوئی روزہ چھوڑ دیا عذر کی بناء پر خواہ بغیر عذر کے، یا ان دو ماہ میں بیوی سے جماع کرلیا، دن یا رات میں، قصداً یا بھول کر، جیسے بھی ہو تو پھر نئے حساب سے ساٹھ روزے رکھے، اگر طعام کی صورت میں کفارہ ادا کرے اور کھانا کھلانے کے دوران بیوی سے جماع کرلیا تو نئے سرے سے کھانا کھلانا لازم نہیں آئے گا، پھر اگر کسی ایسے مرض کی وجہ سے جس سے براءت کی امید نہیں، روزہ نہ رکھ سکے، یا بڑھاپے کی وجہ سے روزے پر قدرت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، اگرچہ کھلانا حکمی ہو یعنی غلہ بمقدار فطرانہ دے دے یا اس کی قیمت دے دے، اور اگر صبح وشام دو وقت کھانے سے مسکینوں کو سیر کردیا تو یہ جائز ہوجائے گا، جس طرح ایک ہی مسکین کو ساٹھ روز صبح وشام سیر کر کے کھلا دیا تو بھی جائز ہے، کیونکہ ایک مسکین کو بھی روزانہ نئی حاجت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۱): از متھرا محلہ کیشو پورہ، مرسلہ سید مددعلی صاحب رئیس، ۱۹ شعبان ۱۳۰۷ھ

چه فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متیں دریں مسئله که زید از هنده الفتے گیرد ودر خلوت اظهار محبت گرداند هنده بگوید که تومراچرادوست پنداری که حمرازوجۂ خود بداری زید در جواب او مکرروسه کرر از هنده وپیش همچشمان خود بگوید که من درمحبت تو حمرازوجۂ خود را بجائے مادروهمشیره خود میدانم وترا دوست می انگارم وزید دیگر بارهم عند الاستفسار درمجمع بیان کند که وقتے که هنده از من پرسیده بودمن واقعی نسبت حمرا زوجۂ خود طلاق مادر وهمشیره کرده ام دریں صورت حمرا در نکاح زید مانده

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید ہندہ سے محبت کرتا ہے اور خلوت میں اس سے اظہار محبت کرتے ہوئے، ہندہ کے اس سوال کے جواب میں کہ تو مجھ سے محبت کیوں کرتا ہے، جب کہ حمرا تیری بیوی موجود ہے، دوبار بلکہ تین بار ہندہ اور دوسرے حاضرین کے سامنے زید نے کہا کہ میں تیری محبت میں اپنی بیوی حمراء کو اپنی ماں بہن کی جگہ سمجھتا ہوں اور تجھے پسند کرتا ہوں اور پھر زید ایک بار مجلس میں پوچھنے پر بیان کرتا ہے کہ جب ہندہ نے مجھ سے پوچھا تھا تو واقعی میں نے حمرا کی بابت یہ بات کہی تھی کہ وہ میری ماں بہن ہے، تو کیا اس صورت میں حمرا زید کے نکاح میں باقی رہی یا نہ؟ اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ براہِ نوازش تحقیق وتدقیق کے ساتھ فتویٰ ارشاد فرمائیں۔ بینوا وتوجروا

است یا نہ، وحکم شرع دریں مسئلہ چیست براہ نوازش مربیانہ فتویٰ بہ تدقیق وتحقیق ارشادشود۔ بینوتوجروا

الجواب:

در صورت مستفسرہ زید باطلاق ہمچو کلمات فساق آثم وبزہ کارست، قال اللہ تعالیٰ "مَا هُنَّ أُمَّهٰتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهٰتُهُمْ إِلَّا الّٰٓـِٔي وَلَدْنَهُمْ ۖ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ۚ" (المجادلہ:۲) ہمخوابہ امادراں ایشاں نیند، ہم مادراں شاں ہم آناں اند کہ ایناں را زائیدہ وبدرستی ہمچناں ست کہ ایشاں ہرزہ می لافند ودروغ مے بافند، باز اگر زید بایں کلمہ ارادۂ طلاق حمرا داشت ودل براخراجش از قید نکاح گماشت حمرا بیک طلاق بائن مطلقہ شد اگرچہ نوبت تکلم بایں کلمہ بسہ رسیدہ باشد طلاق مغلظ نشود لان البائن لا یلحق البائن کما صرحوا بہ فی عامۃ الکتب، پس برضائے حمرابے حاجت تحلیل حمراء را بسلک نکاح خود میتواں کشید، واگر بقصد ظہار گفت مظاہر گشت کہ حمرا ہمچناں درنکاح است اما جماع حمرا وبوسہ شہوت ودست بخواہش بہ تنش سودن ونگاہ مہ ہا بروحرام شد وتن باینہا دادن برحمرا حرام، تاآنکہ زید کفارۂ ظہار ادا نماید واو بندہ آزاد کردن ست کہ رغبت بفرجش نمودن ہفائت جنسے از اجناس منفعت نیست ہمچو سمع بصر وعقل وغیرہا پس نابینا وناشنوا ومجنون وبیہوش وہردودست یاہردوپایایک دست

مسئولہ صورت میں زید اپنے ان کلمات کی وجہ سے فاسق، گنہگار اور جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ (بیویاں) مائیں نہیں ہیں، مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے، اور بے شک یہ بری بات اور جھوٹی بات کہتے ہیں، پھر اگر زید نے ان کلمات سے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا اور دل میں بیوی حمرا کو نکاح سے خارج کردینے کا ارادہ کر رکھا تھا تو حمرا کو ایک بائنہ طلاق ہوگئی، اگرچہ کلمات تین بار کہے ہوں ایک ہی طلاق ہوگی، تین طلاقوں سے مغلظہ نہ ہوں گی، کیونکہ بائنہ کے بعد بائنہ طلاق نہیں ہوتی، جیسا کہ عام کتب میں اس کی تصریح ہے، لہٰذا زید دوبارہ حمرا سے بغیر حلالہ حمرا کی رضامندی سے نکاح کرسکتا ہے، اور اگر زید نے یہ کلمات ظہار کی نیت سے کہے ہوں تو ظہار ہوگا، لہٰذا اس صورت میں حمرا سے جماع یا بوس وکنار، شہوت کے ساتھ چھونا، شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کو دیکھنا، یہ تمام چیزیں زید پر حرام ہیں، اور بیوی پر خاوند کو جماع کا موقع دینا حرام ہے، تاوقتیکہ زید کفارۂ ظہار ادا نہ کردے، اور کفارہ ظہار یہ ہے کہ غلام ایسا آزاد کرے جو کسی عیب سے متصف نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی کوئی جسمانی منفعت ختم ہوگئی ہو۔ مثلاً سمع، بصر عقل وغیرہ منفعت ختم نہ ہو، لہٰذا نابینا، بہرا، مجنون، بے ہوش، دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا ایک ہی جانب کا ایک ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا، اور اس قسم کے دیگر عیب والا غلام کفارہ کی ادائیگی میں کارآمد نہ ہوگا، اور اگر غلام نہ ملے تو پھر پے در پے مسلسل بغیر ناغہ دو ماہ کے روزے اپنی بیوی کے ساتھ جماع سے قبل رکھے گا، اگر اس دو ماہ کے روزوں میں بیوی سے دن یا رات کو بھول کر یا قصداً جماع کرلیا تو نئے سرے سے

ویا از یک جانب بریده وامثال اینها در کفاره بکار نیایند، واگر بنده نیابد دوماه پے در پے بے فصل روزے پیش از جماع آں زوجه روزه دارد اگر در مدت صیام بآں زن نزدیکے نمودا گرچه شبانه اگرچه بسهو تا روزها از سر گیرد واگر نهایت پیرانه سالی یا مرضے قوی بے امید بهی طاقت روزهائے پیهم برده است شصت مسکین را طعامے همچو صدقۂ فطر رساند یعنی بهر مسکین صاعے از جو یانیم صاع گندم یا قیمت اینها تملیک کند یا شصت مسکین را که خوراک معتاد انسان جوان خوردن توانند شام وپگاه شکم سیر خوراند چوں ایں چنیں کند حمرا برو حلال شود واگر مراوزید بایں کلمات مجرد حرمت حمرا برخود بود بے قصد طلاق وظهار یعنی اورا در محبت تو برخود چناں حرام میدانم تاهم ظهار خواهد شد وهماں احکام کفاره در کار، واگر هیچ نیت نه داشت همیں سخنے بود که بے قصد معنی برزبان راند آنگاه هیچ لازم نیاید حمرا بدستور در نکاح وجماع ودواعی جملگی مباح همچناں اگر کلام مذکور بایں قصد گفت که زن خود دربر وکرامت بجائے مدروخواهر خویش میدانم تاهم چیزے لازم نیست: در تنویر الابصار و در مختار وردالمحتار فرموده اند ان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی "خانية" برا او ظهارا او طلاقا صحت نیته ووقع ما نواه لانه کنایة قال فی

پھر دو ماہ کے روزے مسلسل رکھنے پڑیں گے، اور اگر نہایت بڑھاپے یا کسی قوی مرض جس کے ختم ہونے کی امید نہ ہواور روزہ رکھنے کی طاقت بحال ہونے کی امید بھی نہ ہوتو پھر ایسا شخص ساٹھ (٦٠) مسکینوں کو صدقۂ فطر کی مقدار کھانا دے یعنی ہر مسکین کو ایک صاع جَو یا نصف صاع گندم یا ان کی قیمت کا مالک بنائے، یا ساٹھ مسکینوں کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، جب یہ کام کرلے تو اس کی بیوی حمرا اس کے لئے حلال ہوجائے گی اور اگر زید نے ان کلمات سے صرف حمراء کا حرام ہونا مراد لیا ہو، اور طلاق یا ظہار کی نیت نہ کی ہو یعنی یوں کہا: تیری محبت میں اس کو میں اپنے اوپر حرام جانتا ہوں تو بھی ظہار ہی ہوگا اور کفارہ لازم ہوگا، اور اگر اس نے ان کلمات سے طلاق، ظہار یا حرام ہونا کچھ مراد نہ لیا اور صرف زبان پر یہ کلمات بغیر نیت جاری ہو گئے تو پھر زید کے ذمہ کچھ نہ ہوگا، اور حمراء بدستور اس کی بیوی ہوگی، اس سے جماع اور دواعی جماع سب مباح ہوں گے، اور اگر زید نے ان کلمات سے یہ نیت کی ہو کہ حمراء میرے لئے ماں اور بہن کی طرح کرامت والی ہے تو بھی کچھ لازم نہ آئے گا۔

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں فرمایا ہے اگر بیوی کو یوں کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا میری ماں کی طرح ہے اور یوں ہی اگر "علی" (مجھ پر) کا لفظ حذف کردے، خانیہ۔ ان الفاظ سے اگر تعظیم زوجہ یا طلاق یا ظہار کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور

البحر و اذا نوی به الطلاق کان بائنا، وقال خیر الرملی و کذا لو نوی الحرمة المجردة ینبغی ان یکون ظهارا وینبغی ان لا یصدق قضاء فی ارادة البر، اذا کان فی حال المشاجرة وذکر الطلاق، والا ینو شیئا لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامة انتهت ملخصات۔

(درمختار ج ۱ ص ۲۴۹ مطبع مجتبائی دہلی، رد المحتار ج ۲ ص ۵۷۷-۵۷۶)

وفیهما یصیر به مظاهرا فیحرم وطؤها علیه ودواعیه (من القبلة والمس والنظر الی فرجها بشهوة اما المس بغیر شهوة فخارج بالاجماع نهر) وکذا یحرم علیها تمکینه ولا یحرم النظر (ای الی ظهرها وبطنها ولا الی الشعر والصدر بحرای ولو بشهوة بخلاف النظر الی الفرج بشهوة) وعن محمد لو قدم من سفر له تقبیلها للشفقة (افادان التقبیل لا یحرم الا اذا کان عن شهوة) حتی یکفر، انتهت تلخیصا

(در مختار ج ۱ ص ۲۴۹ مطبع مجتبائی دہلی، رد المحتار ج ۲ ص ۵۷۵-۵۷۶، داراحیاء التراث العربی بیروت)

وفیهما الکفارة تحریر رقبة ولو صغیرا رضیعا او اصم ان صیح به یسمع، والا لا، لا فائت جنس المنفعة (ای البصر والسمع والنطق والبطش والسعی والعقل قهستانی۔

والمراد فوت منفعة بتمامها کالاعمی ومجنون الذی لا یعقل والمقطوع یداه اور رجلاه اویدورجل من جانب فان لم هجد ما یعتق صام

نیت کے مطابق حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے، بحر میں فرمایا: خاوند نے جب طلاق کی نیت کی تو طلاق بائنہ ہوگی۔ اور خیر الدین رملی نے فرمایا: یوں ہی اگر صرف حرام ہونے کی نیت کی تو ظہار ہوگا اور جھگڑے و مذاکرہ طلاق میں اگر یہ بات کہی ہو اور خاوند کہے کہ میں نے اس سے ماں کی طرح عزت وکرامت والی مراد لی ہے، تو قاضی کو چاہیے کہ وہ اس کی تصدیق نہ کرے اور اگر یہ بات کرتے وقت کوئی نیت نہ تھی تو کلام لغو ہوگا اور ادنیٰ احتمال یعنی کرامت والا متعین ہوگا۔ عبارات کی تلخیص ختم ہوئی۔

درمختار ورد المحتار میں ہے: ان الفاظ سے وہ شخص ظہار کرنے والا قرار پائے گا، لہٰذا خاوند پر بیوی سے وطی اور اس کے دواعی یعنی بوس وکنار، شہوت سے شرمگاہ کو دیکھنا وغیرہ حرام ہوں گے، تاہم بغیر شہوت چھونا بالاجماع حرام ہونے سے خارج ہے، نہر۔ یونہی بیوی پر حرام ہے کہ وہ خاوند کو جماع کا موقع دے، اور ظہار میں خاوند کو بیوی کی پیٹھ، پیٹ، بال اور چھاتی کو دیکھنا حرام نہیں ہے، بحر۔ یعنی دیکھنا اگرچہ شہوت سے ہو، اس کے برخلاف شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اگر خاوند سفر سے واپس آئے اور از راہِ شفقت بیوی کو بوسہ دے دے تو جائز ہے (اس سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینا صرف شہوت سے حرام ہے) یہ حرمت کفارہ کی ادائیگی تک ہوگی، تلخیصاً

درمختار ورد المحتار میں ہے کہ کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے اگرچہ غلام دودھ پینے والا بچہ یا ایسا بہرا جو بلند آواز کو سن سکے اور جو کوئی آواز نہ سن سکے تو وہ جائز نہیں اور بدنی منفعت مثلاً دیکھنا، سننا، بولنا، پکڑنا اور چلنا اور عقل سے کلیۃً محروم جائز نہیں، قہستانی

اور بدنی منفعت فوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کلیۃً فوت ہو، جیسے نابینا، مجنون بے عقل، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں یا ایک ہی جانب سے ایک ہاتھ اور پاؤں کٹا ہو، اور اگر غلام نہ پائے تو دو ماہ

شهرين متتابعين قبل المسيس فان وطئها ای المظاهر منها فيهما ای الشهرين ليلا اونهارا عامدا او ناسيا استانف الصوم فان عجز لمرض لا يرجى بروه اوكبر اطعم ای ملک ستين مسكينا كالفطرة قدرا ومصرفا اوقيمه ذالک وان اراد الاباحة غداهم وعشاهم جاز (ولو كان فيمن اطعمهم صبی فطيم لم يجزه لانه لا يستوفی کاملا، المراد بالفطيم من ليستوفی فی الطعام المعتاد۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۹، درمختار ج ۱ ص ۲۵۰)

کے روزے پے در پے جماع سے قبل رکھے، اور اگر ظہار والے نے ان دو ماہ کے دوران دن یا رات کو، بھول کر یا قصداً جماع کرلیا تو پھر نئے سرے سے دوبارہ دو ماہ کے روزے رکھے، پھر اگر وہ مظاہر کسی ختم نہ ہونے والی مرض یا نہایت بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا ملک کرے اور یہ کھانا صدقہ فطر کی مقدار ہے اور مصرف بھی صدقہ فطر والا ہوگا یا اتنی مقدار غلہ کی قیمت دے دے اور اگر کفارہ کی مقدار کو مسکینوں کی ملکیت کی بجائے دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دے تو جائز ہے (اگر مسکینوں میں کوئی شیر خواری سے فارغ بچہ ہو تو اس کو شمار نہ کرے کیونکہ وہ پوری خوراک نہیں کھا سکتا، اور شیر خواری سے فارغ بچے سے مراد یہ ہے کہ وہ پوری عادی خوراک نہ کھا سکے۔

ایں ست تفصيل صور ایں قول منكر زيد بارادۂ كه داشت نيكو دانا ست وخدائے او داناتر ازو، از خدائے ترسد وبهر ارادۂ كه ایں سخن گفته باشد حكمش ازیں تفصيل بر آرد بر اں كاربند واينها حكم ديانت بود فاما قضاء در مسئله دائره صورت آخره را گنجائش نيست طرز كلام وسياق وسباق وحال آں وقت همه گواه عدل ست كه زيد آں هنگام از اراده برو كرامت حمرا بمراحل دور بود وضابطۂ كليه شرع ست كه از محتملات سخن هرچه خلاف ظاهر باشد زنهار قضاء پذير انيفتد خاصة كه دراں تخفيفے باشد مرمدعی را ودر نظر تحقيق سقوط ایں احتمال موجب سقوط احتمال چهارم نيز ست زيرا كه هم از ضوابط شرع ست كه تاتوانند

یہ زید کے ناپسندیدہ قول کی تفصیل ہے اور وہ اپنی نیت کے متعلق بہتر جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے، اس لئے نیت کے بیان میں وہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرے، اس نے جو بات کی ہے اور جس ارادہ سے کی، اس تفصیلی حکم کے مطابق اس پر عمل کرے، یہ تمام بحث دیانۃً حکم کی تفصیل ہے، لیکن قضاء اس کی بات میں آخری احتمال یعنی ماں جیسی عزت و کرامت والی، مراد لینا جائز نہ ہوگا، اس کی گنجائش اندازِ کلام اور اس کے سیاق و سباق اور حال کی وجہ سے نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ تمام امور اس بات کی شہادت ہیں کہ یہاں وہ حمراء بیوی کو ماں جیسی عزت و کرامت دینے کے درپے نہیں ہے بلکہ یہ احتمال بعید تر ہے، اور شریعت کا ضابطہ کلیہ ہے کہ کلام میں وہ احتمال ساقط قرار پائے گا جو ظاہر کے خلاف ہوگا، خصوصاً جب کہ وہ احتمال قائل کے لئے تخفیف کا باعث بھی ہو اور تحقیقی نظر میں اس احتمال کا یہاں ساقط قرار پانا احتمال چہارم یعنی نیت نہ ہونے پر لغو ہونا، کو بھی ساقط کردے گا، کیونکہ یہ بھی شرعی

کلام عاقل بالغ را مهمل نگزارند لما فيه من الحاقة بالبهائم وقد عقد لذلک فی الاشباه والنظائر قاعدة مستقلة آخر ندیدی که در درمختار بحالت عدم نيت چون کلام را لغو بمعنی غير مثمر هکم کردند همچناں مهمل وبیمعنی نه گزاشتند بلکه بر ادنی محتملات يعنی معنی بر و کرامت فرودآوردند حیث قال والا ینوی شيئا لغا ویتعین الادنی ای البر این جا چون معنی بر را بار نیست چنانکه شنیدی لاجرم بر ادنی البواقی که ظهار وتحریم ست تنزیل کرده آید،

(در مختار ج ۱ ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دهلی) وخود چه گونه گوارائے عقل سلیم باشد که زید بکرات ومرات درجواب هنده وبخطاب مرد ماں این کلام گوید وهیچ گاه اراده هیچ معنی بدل ندارد بلکه همچناں بے قصد معنی در رنگ هذیان برزبان آرد هیچ احتمالے بعید تر ازین احتمال نمی شناسی باز هنگام استفسار سپید وآشکار اقرار مے کند که واقعی همخوابۀ خود رابرابر مادر وخواهر نهاده ام ونه می گوید که بفضولے سخنے بیمعنے بے نيت وقصدے بر داده ام، لاجرم قضاءً ازاں پنج صور همیں سه صورت پیشین را مساغ ست پس اگر زید اعتراف به نیت یکے ازانها کند حکمش پیدا ست ورنه انکارش قضاء نامسموع وحمل بر یکے ازانها لازم فاما طلاق

ضابطہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عاقل بالغ کے کلام کو مہمل ہونے سے بچایا جائے، کیونکہ اس کی بات کو مہمل قرار دینا گویا اس کو حیوان قرار دینا ہے، الاشباہ والنظائر میں اس کے لئے مستقل قاعدہ بیان کیا گیا ہے کیا آپ نے درمختار کو نہیں دیکھا کہ اس کلام میں کوئی بھی نیت نہ ہونے کو لغو بمعنی غیر ثمر آور قرار دیتے ہوئے یونہی مہمل اور بے معنی قرار نہ دیا بلکہ اس کو ادنیٰ احتمال قرار دے کر عزت وکرامت کے معنیٰ پر محمول کیا۔۔اور یوں کہا اگر کوئی نیت نہ کی تو لغو ہو کر ادنیٰ معنیٰ متعین قرار پائے گا، یعنی عزت وکرامت مراد ہوگا، جب یہاں عزت وکرامت والا معنی نہیں بن سکتا جیسا کہ آپ سن چکے ہیں تو باقی پہلے تین احتمالات میں ادنیٰ معنیٰ مراد ہوگا جو کہ ظہار یا تحریم ہے۔

زید چونکہ کئی مرتبہ ہندہ کے جواب میں اور لوگوں سے خطاب میں یہ بات کہہ چکا ہے تو عقل سلیم کیسے یہ گوارا کر لے کہ اس نے یہ بات بغیر نیت اور کوئی معنیٰ مراد لیے بغیر بطور ہذیان زبان سے کہہ دی ہے، تو اس احتمال سے بعید اور کوئی احتمال نہیں ہوسکتا، پھر زید نے استفسار کرنے پر واضح طور پر اقرار کیا ہے کہ واقعی میں نے اپنی بیوی کو ماں اور بہن کے برابر قرار دیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ میں نے فضول اور بے معنی بات کی ہے، تو لازمی طور پر قضاءً پانچ مذکورہ صورتوں میں سے پہلی تین صورتوں کو ہی متعین کیا جائے، لہٰذا اگر زید ان تین میں سے کسی ایک کے ارادہ کرنے کا اعتراف کرے تو وہ حکم اس پر نافذ ہوجائے گا، ورنہ ان سب سے انکار قضاءً قابل قبول نہ ہوگا، بلکہ کسی ایک احتمال پر محمول کرنا ضروری ہوگا، ان میں طلاق کا احتمال تو آخری بات ہے اور بعید ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے تو ظہار یا تحریم جن دونوں کا حاصل ایک ہی ہے باقی رہ جاتے ہیں، اور قاضی اگر بہتر سمجھے تو عوام کے حال کو ملاحظہ کرتے ہوئے تحریم والا معنیٰ متعین قرار دے گا کیونکہ غور کرنے سے معلوم

که اعلیٰ وابعدست وهیچ دلیلے بر اں نے از میاں رود, وظهار یا مجرد تحریم که حاصل هردو یکیست باقی ماند, واگر نیکوبنگری ملاحظۂ حال عوام همیں معنی تحریم رامتعین میکند اگر تفتیش همانابینی که جزیں معنی ایں کلام رادرذهن ایشاں کمتر محملے بوده باشدبالجمله زید اگر اطلاق نیت طلاق کند طلاق بود ورنه بهر حال در چشم قاضی ظهارباشد ودیگر هیچ وزن دریں کار بمشابه قاضی است لاشتراکهما کسائر الخلق فی قصر النظر علی الظهار والله سبحنه یتولی السرائر پس حمرا اگر بگوشِ خود شنید یا مرد عادل وثقه اور اخبر رسانید که شوهرش ایں چنیں چانه زده است ناچار خویشتن رازن مظاهر داند وتن بجماع در ندهد وزید را بشهوت بوسه چیدن ودربرکشیدن ودست رسانیدن وشرمگاه دیدن نگزار دفامادرنظر برفرج بے شهوت یابر غیرفرج اگرچه سینه وشکم اگرچه بشهوت باکے نیست کما مر عن رد المحتار پس اگر زید کفاره ندهد وحمرا را از قصد جماع ودواعی جماع معاف نه دارد وحمرا هر چوں که تواند خویشتن را از دست او یعنی بعوض مهر خواه ببدل مال دیگر طلاق از دستاند اگر بیند که طلاق هم نمی دهد بپائے که دارد از خانه گریز وبحاکم رجوع آرد تا اورا بالخبر بحبس وضرب بر یکے از دوکار دارد فامساك بمعروف او تسريح باحسان (البقرہ:۲۲۹)

ہو جائے گا، عوام اس لفظ سے تحریم سے کم معنیٰ مراد نہیں لیتے اور کم از کم یہی مراد ہوتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ، زید اگر طلاق کا اقرار کرلے تو طلاق ہے ورنہ بہر حال قاضی کی نگاہ میں ظہار ہے اور کوئی بھی خواہ بیوی ہو وہ قاضی کی موافقت کرے گا۔

کیونکہ وہ سب عام لوگوں کی طرح ظہار ہی سمجھیں گے، اور اللہ تعالیٰ ہی باطنی امور کا مالک ہے، پھر اگر حمرا نے اپنے کانوں سے سنا یا کسی عادل اور ثقہ آدمی نے اس کو اطلاع دی کہ اس کے خاوند نے یوں بات کی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ظہار کی ہوئی سمجھے اور اپنے آپ کو زید سے جماع اور شہوت کے ساتھ اس کو بنظرِ شہوت دیکھنے سے محفوظ رکھے، لیکن بغیر شہوت شرمگاہ یا کسی عضو کو مثلاً چھاتی، پیٹ اگرچہ شہوت سے چھوئے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ ردالمحتار کے حوالہ سے بیان سے گزرا ہے، پس اگر زید کفارہ نہ دے اور اس دوران حمرا سے جماع یا دواعی جماع کے متعلق باز نہ آئے تو پھر خود حمرا کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اس کے قبضہ سے کسی مال کے عوض خواہ مہر کے بدلے طلاق حاصل کرے اور اگر طلاق نہ دے تو پھر جس طرح ممکن ہو اس کے گھر سے جدا رہے اور حاکم وقت سے شکایت کرے تا کہ وہ جبراً اس کو باز رکھنے کے لئے قید کرے یا سزا دے اور دو کاموں میں سے ایک پر اس کو مجبور کرے کہ رکھنا ہو تو شریعت کے مطابق رکھے ورنہ اس کو آزاد کردے، یعنی کفارے یا طلاق پر مجبور کرے ان دو صورتوں کے بغیر کہ اس کو معلق چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

کفاره دهد یا طلاق وقد حرم علیه ربه ان یذرها کالمعلقة

در ردالمحتار فرمود المرأة کالقاضی اذا سمعته اواخبرها عدل لا یحل لها تمکینه والفتویٰ علی انه لیس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدی نفسها بمال اوتهرب، وفی البزازیة عن الاوزجندی انها ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینة لها فالاثم علیه، قلت اذا لم تقدر علی الفداء اوالهرب ولا علی منعه عنها فلا ینافی ماقبله۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۲، داراحیاء التراث العربی بیروت)

ردالمحتار میں ہے: جب عورت خود سن لے یا ثقہ عادل شخص اس کو مطلع کر دے تو پھر عورت کو حلال نہیں کہ وہ خاوند کو جماع کا موقع دے اور اس معاملہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ عورت کو مرد کا قتل کرنا یا خودکشی کرنا جائز نہیں، بلکہ عورت مال کے بدلے اپنے آپ کو آزاد کرائے یا اس کے گھر سے دور ہو جائے، اس معاملہ میں عورت خود فیصلہ کرنے میں قاضی کا حکم رکھتی ہے، اور بزازیہ میں اوزجندی سے منقول ہے کہ بیوی اپنے معاملہ کو قاضی کے ہاں پیش کرے، پھر عورت کے گواہ نہ ہونے کی صورت میں اگر خاوند قسم دے دے تو پھر گناہ خاوند پر ہے، میں کہتا ہوں یہ جب ہے کہ عورت خود کو فدیہ دے کر یا بھاگ کر نہ بچا سکے اور نہ ہی اپنے آپ کو خاوند سے روک سکے، لہٰذا بزازیہ کا بیان پہلے کلام کے منافی نہ ہوگا، اختصاراً۔

در درمختار است للمراة ان تطالبه بالوطی لتعلق حقها به، وعلیها ان تمنعه من الاستمتاع حتی یکفر، وعلی القاضی الزامه به بالتکفیر دفعا للضرر عنها بحبس اوضرب الی ان یکفر او یطلق۔

(درمختار ج ا ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دھلی)

درمختار میں ہے: عورت کو وطی کے مطالبہ کا حق ہے کیونکہ عورت کا حق وطی کے ساتھ متعلق ہے اور اس کے ساتھ عورت پر لازم ہے کہ وہ کفارہ کے بغیر خاوند کو جماع سے باز رکھے، اور قاضی پر لازم ہے کہ مرد کو کفارہ دے کر عورت کے حقوق کی ادائیگی پر مجبور کرے تا کہ عورت کا ضرر ختم ہو سکے، وہ یوں کہ قاضی اس کو قید کر کے یا سزا دے کر طلاق یا کفارہ پر مجبور کر سکتا ہے۔

آری اگر زید خبر دهد که من کفارها ادا کردم وپیشتر ازیں معروف بکذب ودروغ گوئی نبوده باشد آنگاه حمزا را می رسد که سخنش باور کرده بااوبهم آید واز جماع وغیره اباننماید اگر در واقع زید به نیت ظهار آں سخن گفته وهنوز کفاره نه داده بغلط اظهار نموده است تا گناه برگردن اوست حمرا از جرم یکسو ست فی الدر المختار فان قال کفرت

ہاں! اگر زید قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے ظہار کا کفارہ دے دیا ہے جبکہ زید قبل ازیں دروغ گوئی اور جھوٹ بولنے میں معروف ومشہور نہیں ہے تو اس صورت میں حمرا کو جائز ہے کہ وہ زید کی بات کو تسلیم کر کے جماع وغیرہ کا موقع دے دے اور انکار نہ کرے، اور اگر فی الواقع زید نے ظہار کی نیت سے وہ کلام کیا تھا اور ابھی تک کفارہ ادا نہ کیا ہو اور غلط بیانی کرتا ہو کہ میں نے کفارہ ادا کر دیا ہے تو پھر گناہ زید پر ہوگا، حمرا اس گناہ سے بری ہوگی، درمختار میں ہے: اگر خاوند کہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے تو اس کی بات تسلیم کی

صدق مالم یعرف بالکذب

جائے گی بشرطیکہ وہ اس سے قبل جھوٹ بولنے میں معروف نہ ہو۔

(درمختار ج ۱ ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی)

فقیر گویم آں چناں کہ ایں بدترین تدبیرے است مرکسے را کہ در واقع اظہار کردہ و کفارہ نداده غلط اخبار، همچناں نیکو بلدترے ست مرکسے راکه معروف بکذب نیست وسخن مذکور بے نیت طلاق و ظهار و تحریم بر زبانش آمد وبوجه دلالت حالے چنانکه ایں جاست، قضاءِ دعوىٰ ارادۂ بر مقبول نیفتاد که اگر کفاره ندهد زن بجماع تن نه دهد و اگر راضی شود آثمه گردد واگر این کس کفاره دهد مالے بے سبب از دست مے رودیا مشقت روزه دو ماه برسر آید زیرا که دیانۃً بوجه عدم موجب کفاره بر ولازم نبوده است پس باید که بسوئے مولٰی سبحنه وتعالٰی از شناعت آں قول منکر توبه آرد ایں توبه کفاره اش خواهش شد باز زن را گوید من کفاره ادا کردم او کفارۂ معلومه ظهار پندارد ورضابجماع دادن بر او را روا گردد ایں ست تنقیح حکم بروجه کافی، واللہ تعالٰی اعلم

میں فقیر کہتا ہوں کہ یہ بہت بری تدبیر ہے کہ فی الواقع کوئی شخص ظہار کر کے کفارہ نہ دے کر غلط خبر دے، اس سے زیادہ برا وہ شخص ہے جو معروف بکذب نہ ہو اور کہے کہ میں نے ظہار، طلاق اور تحریم کی نیت کے بغیر وہ کلام کی ہے دلالت حال کی بناء پر جس طرح کہ اس مسئولہ صورت میں ہے تو قاضی اس کے اس دعویٰ پر کو قبول نہ کرے گا اور اگر کفارہ نہ دیا ہو تو عورت کو لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے جماع سے دور رکھے، اور اگر وہ اس پر راضی ہوئی تو گنہگار ہوگی، اور اگر فی الواقع وہ شخص سچا ہے تو اس کفارہ میں مال دینا یا دو ماہ کے روزوں کی مشقت برداشت کرنا بے مقصد ہے کیونکہ دیانۃً اس پر کفارہ دینا واجب نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس لغو بات پر توبہ کرے اور بخشش طلب کرے یہ توبہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے تو اس کے بعد بیوی کو کہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے اور بیوی اس کو کفارہ ظہار سمجھتے ہوئے جماع پر راضی ہو جائے تو جائز ہوگا، یہ اس مسئلہ کی تنقیح ہے جو کافی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۲): کیا فرماتے ہیں علمائے دیندار و مشائخ باوقار اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بحالتِ غصہ ماں بہن کہہ دیا مگر نان نفقہ دیتا رہا، عورت اس کے نکاح میں رہی یا بحکمِ شرع شریف جاتی رہی؟

الجواب: زوجہ کو ماں بہن کہنا (خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے)، یا یوں کہے کہ تو میری ماں بہن ہے، سخت گناہ و ناجائز ہے۔

قال اللہ تعالٰی مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ (سورۃ المجادلہ: ۲)

جورو ئیں (بیویاں) ان کی مائیں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے اور وہ بے شک بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو، درمختار میں ہے:

الاینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر

اگر کوئی نیت نہ کی یا حرف تشبیہ (کاف) کو ذکر نہ کیا ہو تو یہ بات لغو

يعنى الكرامة ويكره قوله انت امى ويا ابنتى ويا اختى ونحوه۔ (درمختار ج ا ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دہلی)

ہے اور احتمالات میں سے ادنیٰ احتمال یعنی عزت وکرامت متعین ہوگا اور یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے یا میری بیٹی ہے یا میری بہن ہے یا اس کی مثل الفاظ مکروہ ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

قوله حذف الكاف بان قال انت امى ومن بعض الظن جعله من باب زيد اسد در منتقى عن القهستانى۔

قولہ: کاف تشبیہ کو حذف کرنا مثلاً یوں کہتا ہے: تو میری ماں ہے نہ کہ جیسے بعض نے گمان کیا کہ زیدٌ اسدٌ کی طرح حرفِ تشبیہ کو محذوف مانا جائے، اور تشبیہ بلیغ ہے جیسا کہ در منتقیٰ میں قہستانی سے منقول ہے۔

قلت ويدل عليه ما نذكره عن الفتح من انه لابد من التصريح بالاداة۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۵۷۷، داراحیاء التراث العربی بیروت)

قلت: میں کہتا ہوں کہ حرف تشبیہ کے بغیر ہونے پر دلیل وہ ہے جو ہم عنقریب فتح سے نقل کریں گے کہ ظہار کے لئے حرف تشبیہ کا ذکر ضروری ہے۔

اسی میں ہے:

انت امى بلا تشبيه فانه باطل وان نوى

(ردالمحتار ج ۳ ص ۵۷۴، داراحیاء التراث العربی بیروت)

حرف تشبیہ کے بغیر ''تو میری ماں ہے'' کہنا اگرچہ طلاق کی نیت سے کہا ہو باطل ہے۔

ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا بجائے ماں بہن کے ہے تو اگر بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہوگیا، اب جب تک کفارہ نہ دے لے عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بنظرِ شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا یا بنگاہِ شہوت اس کی شرمگاہ دیکھنا سب حرام ہوگیا، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے، اس کی طاقت نہ ہو تو لگاتار دو مہینہ کے روزے رکھے، اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے: كما امره المولى سبحنه وتعالى فى القرآن العظيم (جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا ہے) اور اگر ان میں سے کوئی نیت نہ تھی تو یہ لفظ بھی لغو ومہمل ہوگا جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا، درمختار میں ہے:

ان نوى بانت على مثل امى وكامى وكذا لو حذف ''على'' خانية، برا او ظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع مانواه لانه كناية والا لغا۔

(درمختار ج ا ص ۲۴۹ مطبع مجتبائی دہلی)

اگر (طلاق کی) نیت کرے گا تو بیوی بائنہ ہوجائے گی، جب یوں کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا ماں کی طرح ہے، یا حرف علیٰ (مجھ پر) کو حذف کر کے کہے، خانیہ۔ ان الفاظ سے کرامت زوجہ یا ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہوگی، جو بھی نیت کرے وہی حکم ہوگا، کیونکہ یہ کنایہ ہے اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو تو یہ بات لغو ہوگی۔

ہندیہ میں خانیہ سے ہے:

ان نوی التحریم اختلفت الروایات فیه والصحیح انه یکون ظهارا عند الکل، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔ (فتاویٰ ہندیہ، ج ا ص ۵۰۷، نورانی کتب خانہ پشاور)

اگر اس سے صرف تحریم کی نیت کی تو اس میں روایات مختلف ہیں، صحیح یہ ہے کہ سب کے نزدیک ظہار ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۳): از کلکتہ امام باغ لین نمبر ۱۴، مسجد مرسلہ حافظ عزیز الرحمٰن صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص طلاق کے معنی ومطالب سے آگاہ نہ ہو اور وہ بالعوض طلاق بائن کے اپنی زوجہ سے یوں کہے کہ تو ماں ہے میری، اور اس کو مطلقہ لوگوں میں مشہور کرے اور اپنے اوپر حرام سمجھے تو آیا اس شخص کی زوجہ مطلقہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: عورت کو یوں کہنے سے کہ تو اس شخص کی ماں بہن یا بیٹی ہے طلاق نہیں ہوتی اگر چہ بہ نیت کہے، ردالمحتار میں ہے:

انت امی بلا تشبیه فانه باطل وان نوی۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اگر تشبیہ کے بغیر "تو میری ماں ہے" کہا تو یہ باطل ہے اگر چہ طلاق کی نیت سے کہے۔

لوگوں میں اسے مشہور کرنا اور اپنے اوپر حرام سمجھنا اگر انہیں لفظوں کی بناء پر تھا تو عنداللہ یہ بھی محض باطل کہ بربنائے غلط فہمی تھا۔ اسی طرح اگر اس کے بیان سے ظاہر تھا کہ یہ اقرار طلاق انہیں الفاظ کی بناء پر ہے تو عندالناس بھی طلاق نہ ہوئی، ہاں اگر بیان وقرائن سے یہ امر ظاہر نہ ہو تو مطلقہ مشہور کرنے سے عندالناس اس پر طلاق مانی جائے گی اپنے اقرار پر ماخوذ ہوگا۔ فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے:

رجل طلق امرأته وهو صاحب برسام فلما صح قد طلقت امراتی، ثم قال انی کنت اظن ان الطلاق فی تلك الحالة کان واقعا، قال مشائخنا رحمهم اللہ تعالٰی حین ما اقربالطلاق ان رده الی حالة البرسام وقال قد طلقت امراتی فی حالة البرسام فالطلاق غیر واقع وان لم یرد الی حالة البرسام فهو ماخوذ بذالك قضاء۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۳)

کسی نے مرضِ برسام کی حالت میں بیوی کو طلاق دی تو جب تندرست ہوا تو اس نے طلاق کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میرا گمان تھا کہ اس مرض کی وجہ سے طلاق ہوجاتی ہے، تو ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اقرارِ طلاق کے وقت اگر اس نے طلاق کو مرضِ برسام کی طرف منسوب کیا اور کہا: میں نے اپنی عورت کو برسام کی حالت میں طلاق دی ہے تو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس وقت اس نے طلاق کو مرضِ برسام کی طرف منسوب نہ کیا، تو قضاءً طلاق ہوجائے گی۔

اسی میں ہے:

صبی قال ان شربت فکل امراة تزوجها فهی طالق فشرب وهو صبی، فتزوج وهو بالغ وظن صهره ان الطلاق واقع، فقال هذا البالغ آرے حرام است

ایک نابالغ بچے نے کہا: اگر میں نوش کروں تو جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے، اس کے بعد اس نے نابالغی میں نوش کرلیا پھر اس نے بالغ ہونے پر نکاح کیا اور اس کے سسرال

برمن قالوا هذا اقرار منه بالحرمة فتحرم امراته ابتداء، وقال بعضهم لا تحرم امراته وهو الصحيح لانه ما اقر بالحرمة ابتداء وانما اقر بالسبب الذی تصادقا علیه وذلك السبب باطل، انتهی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ قاضی خان، ج ۲ ص ۲۳۵ نولکشور لکھنو)

نے گمان کیا کہ اس کہنے پر طلاق ہو گئی، اس پر اس لڑکے بالغ نے کہا: ہاں بیوی مجھ پر حرام ہے، تو فقہاء نے فرمایا: چونکہ لڑکے نے حرام ہونے کا اقرار کیا ہے، لہٰذا اس کی بیوی اس پر ابتداءً حرام ہو گئی اور بعض نے فرمایا کہ حرام نہ ہو گی اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس نے ابتداءً حرام ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ سسرال کی بات پر اس نے یہ کہا ہے، اور سسرال والوں کے کہنے کا سبب بچپن کی بات ہے جو کہ باطل ہے، کیونکہ نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ انتہیٰ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۴): از پیلی بھیت محلہ اشرف خاں، مرسلہ عزیز الرحمٰن خاں ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی ماں سے یہ بات کہی کہ تیری لڑکی کو تاحیات تیری، مثل اپنی بہن کے سمجھتا ہوں، تو اس میں کیا حکمِ شرع ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: اگر ان لفظوں سے اس کی مراد ظہار یا تحریم تھی یعنی تیری حیات تک اپنی زوجہ سے ظہار کرتا ہوں یا تیری حیات تک اسے حرام سمجھتا ہوں، جب تو ظہار ہو گیا یعنی نکاح بدستور باقی ہے، مگر حیاتِ خوشدامن تک بے کفارہ دیئے عورت کے پاس جانا بلکہ شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا بھی حرام ہو گیا، کفارہ ایک غلام آزاد کرنا، اور اس کی قدرت نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار روزے، اس کی طاقت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کے مثل اناج یا اس کی قیمت دینا یا دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا، جب تک ساس زندہ ہے بغیر کفارہ دیئے عورت کو ہاتھ لگائے گا تو گنہگار ہو گا، توبہ کرے، اور پھر نزدیک نہ ہو جب تک کفارہ نہ ادا کر لے، ہاں بعد انتقال خوش دامن ظہار جاتا رہے گا، اور بے کفارہ عورت سے جماع حلال ہو جائے گا، پھر اگر ساس زندہ ہے اور یہ شخص کفارہ نہیں دیتا جس کے سبب عورت حلال ہو جائے تو منکوحہ اس پر دعویٰ کر سکتی ہے کہ یا تو کفارہ دے کر جماع کرے یا طلاق دے کہ عورت پر سے ضرر دفع ہو۔

فی تنویر الابصار فیحرم وطؤها علیه ودواعیه حتی یکفر فان وطئی قبله استغفر وکفر للظهار فقط ولا یعود قبلها الخ

(درمختار شرح تنویر الابصار ج ا ص ۲۴۹ مطبع مجتبائی دہلی)

تنویر الابصار میں ہے: ظہار کرنے والے پر بیوی سے وطی اور اس کے دواعی حرام ہو جاتے ہیں تاوقتیکہ وہ کفارہ دے، اگر اس نے کفارہ سے قبل وطی کر لی تو توبہ کر کے صرف ظہار کا کفارہ دے اور پھر کفارہ سے قبل ایسا نہ کرے الخ

وفیه الکفارة تحریر رقبة فان لم یجد صام شهرین متتابعین قبل المسیس، فان عجز اطعم ستین مسکینا کالفطرة اوقیمة ذلك وان غداهم وعشاهم جاز، ملخصا

(درمختار شرح تنویر الابصار ج ا ص ۲۵۰-۲۵۱ مطبع مجتبائی دہلی)

اور اسی میں ہے: ظہار میں کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر وطی سے قبل دو ماہ کے روزے مسلسل پورے کرے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے بلکہ عاجز ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے، ہر مسکین کو صدقۂ فطر کی مقدار دے یا اس کی قیمت دے، اگر صبح وشام دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دے تو جائز ہے۔ ملخصا

وفی رد المحتار فلو اراد قربانها داخل الوقت لا یجوز بلا کفارۃ بحر۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۶، داراحیاء التراث العربی بیروت)

اور ردالمحتار میں ہے: اگر ظہار کو کسی مقررہ وقت کے ساتھ مقید کیا ہو تو اس وقت کے گزر جانے پر ظہار ختم ہو جائے گا۔ اور اس پر درمختار میں ہے کہ اگر اس مقررہ وقت کے اندر جماع کرنا چاہے تو کفارہ دیئے بغیر جائز نہیں، بحر۔

وفی الدر للمراۃ ان تطالبه بالوطی وعلی القاضی الزامه به بالتکفیر دفعا للضرر عنها بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق، ملخصا

(درمختار ج ۱ ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دہلی)

اور درمختار میں ہے کہ ظہار میں بیوی کو جماع کے مطالبے کا حق ہے لہٰذا قاضی خاوند کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے تاکہ بیوی کے ضرر کا ازالہ ہو سکے، یوں کہ قاضی اس کو قید کرے یا سزا دے یہاں تک کہ خاوند کفارہ ادا کرے یا عورت کو طلاق دے۔ ملخصا

ظاہر ان لفظوں سے یہی نیت تحریم وظہار ہوتی ہے خصوصاً جب کہ ایک وقت تک اسے محدود کر دیا کہ تیری حیات تک ایسا سمجھتا ہوں، اس کا حکم تو وہ تھا اور شاید اگر اس نے یہ الفاظ بارادۂ طلاق کہے تھے تو ظاہراً ایک طلاق بائن ہو کر عورت نکاح سے نکل گئی کسی حد تک محدود کر کے طلاق دینا بھی طلاق دائم ہے اور وہ حد نا معتبر ہے۔

واما ''الحسبان'' ففی مثل الکلام انما یراد به التحقیق للتشبیه لا نفیه عن نفس الامر کمن اراد الامتناع عن تناول شیء یقول احسبه علی کالخنزیر فانما یرید انه محرم علیه کمثله، بخلاف ما اذا قیل له اطلقت امراتك فقال عدها او احسبها مطلقة حیث لا یقع وان نوی وکذا احسبی انك طالق کما فی الخانیة

(فتاوی قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۰، نولکشور لکھنو)

فانه ظاهر فی نفی الطلاق فی نفس الامر والفرق بینهما لا یخفی علی من عرف العرف فافهم واعلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

''سمجھنا اور خیال کرنا'' اگر ایسے کلام میں ہو تو اس سے تشبیہ کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اور واقع سے اس کا انتفاء مراد نہیں ہوتا، جس طرح کوئی شخص کسی چیز کو لینے سے انکار کرتے ہوئے کہے کہ اس کو میں اپنے لئے خنزیر سمجھتا ہوں تو اس سے اس چیز کا اس پر قطعاً حرام ہونا مراد ہوتا ہے، جس طرح خنزیر حرام ہے، اس کے برخلاف طلاق کے معاملہ میں جب کوئی پوچھے: کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، تو جواب میں یوں کہے: ''تو طلاق شمار کر لے، یا کہے تو اس کو مطلقہ خیال کر لے'' تو یہاں طلاق نہ ہوگی اگرچہ وہ طلاق کی نیت سے کہے اور یوں ہی حکم ہے، اگر بیوی کو کہے کہ تو اپنے آپ کو طلاق والی سمجھ لے، جیسا کہ خانیہ میں مذکور ہے، کیونکہ یہاں یہ الفاظ ظاہری طور پر طلاق کے وقوع میں نفی پر دلالت کرتے ہیں اور دونوں مقاموں میں ان الفاظ کا فرق عرف کو جاننے والے پر مخفی نہیں ہے، سمجھو اور غور کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اگر کچھ نیت نہ تھی یا اعزاز و اکرام خواہ الفت و محبت کی نیت تھی، یعنی اپنی بہن کے برابر عزیز یا پیاری جانتا ہوں تو یہ الفاظ لغو و فضول ہیں، عورت بدستور عورت اور کفارہ وغیرہ کچھ دینا نہیں، مگر اس وقت کی گفتگو و حالت شاہد ہو کہ یہ الفاظ اس نے بلا نیت یا بہ نیت اعزاز و محبت نہ کہے تھے تو حاکم اس دعوے کو نہ مانے گا تو عورت اسے قبول کر سکتی ہے۔

فان المرأة کالقاضی کما فی الفتح وغیرہ۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۴۶۸، داراحیاء التراث العربی بیروت)

کیونکہ عورت اس معاملہ میں قاضی کا حکم رکھتی ہے، جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے۔

وفی الدر المختار ان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لوحذف ''علیّ'' خانیة، برا او ظهارا او طلاقا صحت نیته ووقع ما نواه لانه کنایة والا ینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنیٰ ای البر یعنی الکرامة۔

(درمختار ج ۱ ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دہلی)

اور درمختار میں ہے: اگر بیوی کو یوں کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا میری ماں کی طرح ہے اور یونہی اگر ''علیّ'' (مجھ پر) کا لفظ حذف کر کے کہا ہو، خانیہ، ان الفاظ سے اگر تعظیمِ زوجہ یا طلاق یا ظہار کی نیت کی ہو تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور نیت کے مطابق حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے (لہٰذا اگر خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق بائنہ ہوگی) اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو یا حرف تشبیہ کو ترک کر دیا ہو تو یہ کلام لغو ہو کر احتمالات میں سے ادنیٰ احتمال یعنی عزت وکرامت متعین قرار پائے گا۔

وفی الهندیة عن الخانیة وان نوی التحریم اختلفت الروایات فیه والصحیح انه یکون ظهارا عند الکل (فتاویٰ ہندیہ ص ۵۰۷، نورانی کتب خانہ پشاور) وفی رد المحتار عن العلامة خیر الدین الرملی وینبغی ان لا یصدق قضاء فی ارادة البر اذا کان فی حالة المشاجرة وذکر الطلاق۔ والله تعالیٰ اعلم

(ردالمحتار ج ۲ ص ۵۶۷، دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ اگر حرام کرنا مراد ہو تو اس میں روایات مختلف ہیں اور صحیح یہی ہے کہ سب کے ہاں ظہار ہوگا۔ رد المحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے منقول ہے: مناسب ہوگا کہ اس صورت میں کرامت وعزت والا احتمال مراد لینے کی قضاءً تصدیق نہ کی جائے جب کہ لڑائی جھگڑے اور طلاق کے مذاکرہ کے وقت یہ الفاظ کہے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۵): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر شوہر عاداتِ زوجہ کو عاداتِ محارم سے تشبیہ دے یا عورت اپنے اعضاء خواہ عادات کو محارم شوہر کے اعضاء وعادات سے تشبیہ دے تو ان صورتوں میں کفارہ لازم اور اس کی ادا تک عورت حرام ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب: تاوقتیکہ مرد اپنی زوجہ یا اس کے ان اعضاء کو جن سے کل جسم تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً عربی میں راس، ورقبہ، وظہر، وفرج، یا اس کے ایک جزو شائع مثل نصف، وربع، وثلث کو کسی محرم ابدی سے تشبیہ نہ دے، ظہار نہیں ہوتا، پس تشبیہ عاداتِ زوجہ بعاداتِ محارم موجب حرمت وکفارہ نہیں۔

فی الدر المختار هو تشبیه زوجته او ما یعبر به عنها من اعضاها او تشبیه جزء شائع منها بمحرم علیه تابیدا۔ (درمختار ج ۱ ص ۲۴۸، مطبع مجتبائی دہلی)

درمختار میں ہے کہ بیوی کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے اس کی ذات کو تعبیر کیا جاسکتا ہو یا غیر معین حصہ مثلاً نصف وغیرہ کو ابدی محرمات کے ساتھ تشبیہ دینے کو ظہار کہتے ہیں۔

اور عورت تو اگر اعضائے شوہر کو بھی اپنے محارم کے اعضاء سے تشبیہ دے تو شوہر اس پر حرام نہیں ہو جاتا۔

كما في الدر المختار وظهارها منه لغو فلا حرمة۔ جیسا کہ درمختار میں ہے کہ عورت کا خاوند کو اپنے محرمات کے ساتھ تشبیہ دینا لغو کلام ہے، اس سے حرمت نہ ہوگی۔

(درمختار ج ا ص ۲۴۸ مطبع مجتبائی دہلی)

پس جب کہ اس کا قول خود اپنے حق میں موثر نہ ہوا تو حق شوہر میں کیا تاثیر کرے گا اور اپنے اعضاو عادات محارم شوہر سے تشبیہ دے گی تو کیونکر اس پر حرام ہو جائے گی اور سبب کفارہ ظہار ہے، جب ظہار نہ پایا گیا تو کفارہ کہاں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۶): از گودھوا ضلع پلاموں مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب سوداگر چرم ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص اہل اسلام نے اپنے گھر میں میاں بی بی سے جھگڑا کیا اور غصہ کی حالت میں یہاں تک بیتاب ہو گیا کہ اپنی بی بی کو ماں کہہ بیٹھا اور اس کا سینہ منہ میں رکھ لیا اور بی بی نے بھی غصہ کی حالت میں کہا کہ اگر تو مجھ کو ماں کہتا ہے تو میں بھی تجھ کو بیٹا کہتی ہوں، بعد اس جھگڑے کے جب ان دونوں کا غصہ رفع ہوا تو اپنے اس کلام اور اس فعل سے نہایت نادم وشرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے مواخذہ میں ہم دونوں گنہ گار ہوں، اور اسی وقت کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا سب علیحدہ کر دیا، اب وہ اس بات کے خواہش مند ہیں کہ اس بارے میں مطابق حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء دین کیا فتویٰ دیتے ہیں، آیا میاں بی بی ہیں یا نہیں؟ اور یہ بھی دریافت کیا گیا ہے کہ بی بی کا دودھ شوہر کے منہ میں نہیں آیا تو بی بی نکاح کے اندر ہے یا باہر؟ طلاق ہوا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مذکورہ میں وہ اسے ماں اور یہ اسے بیٹا کہنے سے دونوں گنہگار ہوئے۔

قال الله تعالىٰ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا (المجادلہ: ۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک لوگوں کا (بیوی کو ماں بہن کہنا) بری بات اور جھوٹ ہے۔

مگر نکاح میں کچھ فرق نہ آیا، اور پستان منہ میں لینا تو کوئی چیز نہیں، اگر دودھ پی بھی لیتا تو وہ پینا حرام ہوتا، مگر نکاح میں اس سے خلل نہ آتا کہ ڈھائی برس کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضا نہیں ہوتی اور دونوں کو جدا رہنے کی کوئی حاجت نہیں، وہ بدستور زوج وزوجہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۷): از درو ضلع نینی تال، مرسلہ عبدالعزیز خاں، ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

زید کی عورت نے بحالتِ غصہ زید سے کہا کہ تمہارے نزدیک میری، ایک بار زیر ناف کے برابر بھی قدر نہیں، اس پر زید نے از راہِ تمسخر اس سے یہ کہا کہ میں تجھ کو اپنے باپ اور دادا سے زیادہ سمجھتا ہوں، ایسی حالت میں زید پر ظہار کا حکم لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ لغو و مہمل الفاظ ہیں، انہیں ظہار یا کفارے سے کوئی تعلق نہیں، فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے:

التشبيه بالرجل اى رجل كان لايكون ظهارا۔ عورت کو کسی بھی مرد سے تشبیہ دینا ظہار نہیں ہوتا۔

(فتاویٰ قاضی خان)

بدائع ونہر میں ہے:

من شرائط الظهار كون المظاهر به من جنس النساء۔ واللہ تعالیٰ اعلم ظہار کی شرائط میں سے یہ ہے کہ ظہار میں جس سے تشبیہ دی جائے وہ عورت کی جنس سے ہو۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۳۳، ایچ، ایم، سعید کمپنی کراچی)

مسئلہ (۴۸): از لکھنؤ امین الدولہ پارک مرسلہ محمد ابراہیم ایس اینڈ سی سنگر کمپنی ۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے رات کے وقت اپنی زوجہ کو واسطے صحبت کے بلایا، تو بیوی کے انکار کرنے پر زید نے یہ قسم کھائی کہ اب میں تم سے صحبت کروں تو اپنی ماں سے زنا کروں، بعدہٗ زید بہت شرمندہ ہوا اور توبہ واستغفار کیا، اس معاملہ میں زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بالفرض اگر زید نے اسی شب بعد استغفار صحبت بھی کی تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: اس نے برا کیا برا کیا، توبہ واستغفار کے سوا اور کچھ لازم اس پر نہیں، صحبت کی تو کچھ حرج نہ ہوا، نہ اس سے نکاح پر کچھ حرف آیا، کما یظھر بمراجعۃ الفتح والدر وغیرھما (جیسا کہ فتح اور درر وغیرہ کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۹): خاوند نے ماں، بہن کہا، طلاق نہیں دی، یہ صورت مسئلہ ہے، لہٰذا عند الشرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مذکورہ میں طلاق ثابت نہیں، نہ یہ ظہار، صرف برا کہا اور گنہگار ہوا، توبہ کرے وبس:

قال اللہ تعالٰی وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ (المجادلہ: ۲) واللہ تعالیٰ اعلم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے ۝ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۰): از شہر بریلی گڑھی، مسئولہ عبدالکریم صاحب، ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکان پر جب کہ اس کی بیوی اپنے میکہ گئی ہوئی تھی، اپنے بھائی وغیرہ کے روبرو کہا کہ میں اپنی بیوی کو اس وقت سے ماں، بہن کے برابر جانتا ہوں اس کو خبر کردو کہ وہ اپنا ٹھکانا دوسری جگہ کرلے، اور یہ بات اس وقت اس نے کہی تھی کہ جب اس کی دوسرے شخص سے لڑائی ہوئی تھی اور لوگوں نے اس کو جھوٹی خبر دی تھی کہ تم کو تمہارے سسر نے پٹوایا ہے، یہ حالت سخت غصہ کی تھی، آیا اس کو اب نکاح کرنا چاہیے یا نکاحِ سابق جائز رہا؟

الجواب: یہ لفظ کہ "اس کو خبر کردو کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوسری جگہ کرلے" اگر بہ نیتِ طلاق نہ کہے جب تو طلاق نہ ہوئی اور اس کا قسم کھا کر کہہ دینا مان لیا جائے گا کہ اس کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اگر بہ نیتِ طلاق کہے تو طلاق ہوگئی، نکاح جاتا رہا، نئے سرے سے اس کی مرضی سے اس سے نکاح کرسکتا ہے اگر پہلے کبھی دو طلاقیں نہ دے چکا ہو حلالہ کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۲۶۷-۲۹۰، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

ظہار کے متعلق صدر الشریعہ کا موقف

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

ظہار کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا

جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں (انہیں ماں کی مثل کہہ دیتے) وہ ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن

مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ (المجادلہ:۲) سے پیدا ہوئے اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹی بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ (عزوجل) ضرور معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے O

ظہار کے متعلق مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: ظہار کے یہ معنی ہیں کہ اپنی زوجہ یا اس کے کسی جزوِ شائع یا ایسے جز کو جو کل سے تعبیر کیا جاتا ہو ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو یا اس کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہو مثلاً کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا تیرا سر یا تیری گردن یا تیرا نصف میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے۔ (الدر المختار و رد المحتار ج ۵ ص ۱۲۵-۱۲۹)

مسئلہ ۲: ظہار کے لیے اسلام و عقل و بلوغ شرط ہے، کافر نے اگر کہا تو ظہار نہ ہوا یعنی اگر کہنے کے بعد مشرف با سلام ہوا تو اس پر کفارہ نہیں، یوہیں نابالغ و مجنون یا بوہرے یا مدہوش یا سرسام و برسام کے بیمار نے یا بیہوش یا سونے والے نے ظہار کیا تو ظہار نہ ہوا اور ہنسی مذاق میں یا نشہ میں یا مجبور کیا گیا اس حالت میں یا زبان سے غلطی میں ظہار کا لفظ نکل گیا تو ظہار ہے۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۸، الدر المختار ج ۵ ص ۱۲۶)

مسئلہ ۳: زوجہ کی جانب سے کوئی شرط نہیں، آزاد ہو یا باندی، مدبرہ یا مکاتبہ یا ام ولد، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، مسلمہ ہو یا کتابیہ، نابالغہ ہو یا بالغہ، بلکہ اگر عورت غیر کتابیہ ہے اور اس کا شوہر اسلام لایا مگر ابھی عورت پر اسلام پیش نہیں کیا گیا تھا کہ شوہر نے ظہار کیا تو ظہار ہو گیا، عورت مسلمان ہوئی تو شوہر پر کفارہ دینا ہوگا۔ (الفتاوی الہندیہ، ج ۱ ص ۵۰۵، رد المحتار ج ۵ ص ۱۲۶)

مسئلہ ۴: اپنی باندی سے ظہار نہیں ہو سکتا موطوءہ ہو یا غیر موطوءہ، یوہیں اگر کسی عورت سے بغیر اذن لیے نکاح کیا اور ظہار کیا پھر عورت نے نکاح کو جائز کر دیا تو ظہار نہ ہوا کہ وقتِ ظہار وہ زوجہ نہ تھی، یوہیں جس عورت کو طلاق بائن دے چکا ہے یا ظہار کو کسی شرط پر معلق کیا اور وہ شرط اس وقت پائی گئی کہ عورت کو بائن طلاق دے دی تو ان صورتوں میں ظہار نہیں۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۲۶)

مسئلہ ۵: جس عورت سے تشبیہ دی اگر اس کی حرمت عارضی ہے ہمیشہ کے لیے نہیں تو ظہار نہیں مثلاً زوجہ کی بہن یا جس کو تین طلاقیں دی ہیں یا مجوسی یا بُت پرست عورت کہ یہ مسلمان یا کتابیہ ہو سکتی ہے اور ان کی حرمت دائمی نہ ہونا ظاہر۔ (در مختار ج ۵ ص ۱۲۷)

مسئلہ ۶: اجنبیہ سے کہا کہ اگر تو میری عورت ہو یا میں تجھ سے نکاح کروں تو تو ایسی ہے تو ظہار ہو جائے گا کہ ملک یا سببِ ملک کی طرف اضافت ہوئی اور یہ کافی ہے۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۲۸)

مسئلہ ۷: عورت مرد سے ظہار کے الفاظ کہے تو ظہار نہیں بلکہ لغو ہیں۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۳)

مسئلہ ۸: عورت کے سر یا چہرہ یا گردن یا شرمگاہ کو محارم سے تشبیہ دی تو ظہار ہے اور اگر عورت کی پیٹھ یا پیٹ یا ہاتھ یا پاؤں یا ران کو تشبیہ دی تو نہیں، یوہیں اگر محارم کے ایسے عضو سے تشبیہ دی جس کی طرف نظر کرنا حرام نہ ہو مثلاً سر یا چہرہ یا ہاتھ یا پاؤں یا بال تو ظہار نہیں اور گھٹنے سے تشبیہ دی تو ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۳)

مسئلہ ۹: محارم سے مراد عام ہے نسبی ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ سے، لہٰذا ماں بہن پھوپھی لڑکی اور رضاعی ماں اور بہن وغیرہا اور زوجہ کی ماں اور لڑکی جب کہ زوجہ مدخولہ ہو اور مدخولہ نہ ہو تو اس کی لڑکی سے تشبیہ دینے میں ظہار نہیں کہ وہ محارم میں نہیں۔ یوہیں جس عورت سے اس کے باپ یا بیٹے نے معاذ اللہ زنا کیا ہے اس سے تشبیہ دی یا جس عورت سے اس نے زنا کیا ہے اس کی ماں یا لڑکی

سے تشبیہ دی تو ظہار ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۰۵-۵۰۶)

مسئلہ ۱۰: محارم کی پیٹھ یا پیٹ یا ران سے تشبیہ دی یا کہا: میں نے تجھ سے ظہار کیا تو یہ الفاظ صریح ہیں ان میں نیت کی کچھ حاجت نہیں، کچھ بھی نیت نہ ہو یا طلاق کی نیت ہو یا اکرام کی نیت ہو، ہر حالت میں ظہار ہی ہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ مقصود جھوٹی خبر دینا تھا یا زمانہ گزشتہ کی خبر دینا ہے تو قضاءً تصدیق نہ کریں گے اور عورت بھی تصدیق نہیں کر سکتی۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۲۹، الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۰۷)

مسئلہ ۱۱: عورت کو ماں یا بیٹی یا بہن کہا تو ظہار نہیں، مگر ایسا کہنا مکروہ ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۰۷)

مسئلہ ۱۲: عورت سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو نیت دریافت کی جائے، اگر اس کے اعزاز کے لیے کہا تو کچھ نہیں اور طلاق کی نیت ہے تو بائن طلاق واقع ہوگی اور ظہار کی نیت ہے تو ظہار ہے اور تحریم کی نیت ہے تو ایلاء ہے اور کچھ نیت نہ ہو تو کچھ نہیں۔

(الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۴)

مسئلہ ۱۳: اپنی چند عورتوں کو ایک مجلس یا متعدد مجالس میں محارم کے ساتھ تشبیہ دی تو سب سے ظہار ہو گیا، ہر ایک کے لیے الگ الگ کفارہ دینا ہوگا۔ (الجوہرۃ النیرہ الجزء الثانی ص ۸۵)

مسئلہ ۱۴: کسی نے اپنی عورت سے ظہار کیا تھا دوسرے نے اپنی عورت سے کہا: تو مجھ پر ویسی ہے جیسی فلاں کی عورت تو یہ بھی ظہار ہو گیا یا ایک عورت سے ظہار کیا تھا دوسری سے کہا: تو مجھ پر اس کی کی مثل ہے یا کہا: میں نے تجھے اس کے ساتھ شریک کر دیا تو دوسری سے بھی ظہار ہو گیا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۰۹)

مسئلہ ۱۵: ظہار کی تعلیق بھی ہو سکتی ہے مثلاً اگر فلاں کے گھر گئی تو ایسی ہے تو ظہار ہو جائے گا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۰۹)

مسئلہ ۱۶: ظہار کا حکم یہ ہے کہ جب تک کفارہ نہ دے دے اس وقت تک اس عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا اس کو چھونا یا اس کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنا حرام ہے اور بغیر شہوت چھونے یا بوسہ لینے میں حرج نہیں، مگر لب کا بوسہ بغیر شہوت بھی جائز نہیں، کفارہ سے پہلے جماع کر لیا تو توبہ کرے اور اس کے لیے کوئی دوسرا کفارہ واجب نہ ہوا مگر خبردار پھر ایسا نہ کرے اور عورت کو بھی یہ جائز نہیں کہ شوہر کو قربت کرنے دے۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۲، الدر المختار ج ۵ ص ۱۳۰)

مسئلہ ۱۷: ظہار کے بعد عورت کو طلاق دی، پھر اس سے نکاح کیا تو اب بھی وہ چیزیں حرام ہیں اگر چہ دوسرے شوہر کے بعد اس کے نکاح میں آئی بلکہ اگر چہ اسے تین طلاقیں دی ہوں۔ یوہیں اگر زوجہ کسی کی کنیز تھی، ظہار کے بعد خرید لی اور اب نکاح باطل ہو گیا مگر بغیر کفارہ وطی وغیرہ نہیں کر سکتا، یوہیں اگر عورت مرتدہ ہوگئی اور دار الحرب کو چلی گئی، پھر قید کر کے لائی گئی اور شوہر نے خرید ی یا شوہر مرتد ہو گیا غرض کسی طرح کفارہ سے بچاؤ نہیں۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۰۶)

مسئلہ ۱۸: اگر ظہار کسی خاص وقت تک کے لیے مثلاً ایک ماہ یا ایک سال اور اس مدت کے اندر جماع کرنا چاہے تو کفارہ دے اور اگر مدت گزر گئی اور قربت نہ کی تو کفارہ ساقط اور ظہار باطل۔ (الجوھرۃ النیرہ الجزء الثانی ص ۸۲)

مسئلہ ۱۹: شوہر کفارہ نہیں دیتا تو عورت کو یہ حق ہے کہ قاضی کے پاس دعویٰ کرے قاضی مجبور کرے گا کہ یا کفارہ دے کر قربت کرے یا عورت کو طلاق دے اور اگر کہتا ہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے تو اس کا کہنا مان لیں جب کہ اس کا جھوٹا ہونا معروف نہ ہو۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۰۷)

مسئلہ ۲۰: ایک عورت سے چند بار ظہار کیا تو اتنے ہی کفارے دے اگرچہ ایک ہی مجلس میں متعدد بار الفاظ ظہار کہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ بار بار لفظ بولنے سے متعدد ظہار مقصود نہ تھے بلکہ تاکید مقصود تھی تو اگر ایک ہی مجلس میں ایسا ہوا مان لیں گے ورنہ نہیں۔
(الدرالمختار ج ۵ ص ۱۳۴)

مسئلہ ۲۱: پورے رجب اور پورے رمضان کے لیے ظہار کیا تو ایک ہی کفارہ واجب ہوگا خواہ رجب میں کفارہ دے یا رمضان میں، شعبان میں نہیں دے سکتا کہ شعبان میں ظہار ہی نہیں، یوہیں اگر ظہار کیا اور کسی دن کا استثناء کیا تو اس دن کفارہ نہیں دے سکتا اس کے علاوہ جس دن چاہے دے سکتا ہے۔ (الدرالمختار ج ۵ ص ۱۳۴)

کفارہ کا بیان

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المجادلہ ۴-۳)

جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کریں، پھر وہی کرنا چاہیں جس پر یہ بات کہہ چکے تو ان پر جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضرور ہے یہ وہ بات ہے جس کی تمہیں نصیحت دی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے خبر دار ہے ○ پھر جو غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو لگا تار دو مہینے کے روزے جماع سے پہلے رکھے، پھر جو اس کی بھی استطاعت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ اس لیے کہ تم اللہ (عزوجل) ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھو اور یہ اللہ (عزوجل) کی حدیں ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے ○

حدیث ۱: ترمذی وابوداؤد وابن ماجہ نے روایت کی کہ سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے رمضان گزرنے تک کے لیے ظہار کیا تھا اور آدھا رمضان گزرا کہ شب میں انہوں نے جماع کر لیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، ارشاد فرمایا: ''ایک غلام آزاد کرو'' عرض کی: مجھے میسر نہیں۔ ارشاد فرمایا: ''تو دو ماہ کے لگا تار روزے رکھو'' عرض کی: اس کی بھی طاقت نہیں، ارشاد فرمایا: ''تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ'' عرض کی! میرے پاس اتنا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فروہ بن عمرو سے فرمایا: کہ ''وہ زنبیل دے دو کہ مساکین کو کھلائے''۔ (الترمذی: ۱۲۰۴، ج ۲ ص ۴۰۸)

مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: ظہار کرنے والا جماع کا ارادہ کرے تو واجب ہے اور اگر یہ چاہے کہ وطی نہ کرے اور عورت اس پر حرام ہی رہے تو کفارہ واجب نہیں اور اگر ارادۂ جماع تھا مگر زوجہ مر گئی تو واجب نہ رہا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۹)

مسئلہ ۲: ظہار کا کفارہ غلام یا کنیز آزاد کرنا ہے مسلمان ہو یا کافر، بالغ ہو یا نابالغ یہاں تک کہ اگر دودھ پیتے بچہ کو آزاد کیا کفارہ ادا ہو گیا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۹)

مسئلہ ۳: پہلے نصف غلام کو آزاد کیا اور جماع سے پہلے پھر نصف باقی کو آزاد کیا تو کفارہ ادا ہو گیا اور اگر درمیان میں جماع کر لیا تو ادا نہ ہوا اور اگر غلام مشترک ہے اور اس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو ادا نہ ہوا، اگر چہ یہ مالدار ہو یعنی جب غلام مشترک کو آزاد کرے اور مالدار ہو تو حکم یہ ہے کہ اپنے شریک کو اس کے حصہ کی قدر دے اور کل غلام اس کی طرف سے آزاد ہو گا مگر کفارہ ادا نہ ہو گا۔ یوہیں دو غلاموں میں آدھے آدھے کا مالک ہے اور دونوں کے نصف نصف کو آزاد کیا تو کفارہ ادا نہ ہوا۔

(الجوہرة النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۵، الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۰)

مسئلہ ۴: آدھا غلام آزاد کیا اور ایک مہینے کے روزے رکھ لیے یا تیس مسکین کو کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا۔

(الجوہرة النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۵)

مسئلہ ۵: غلام آزاد کرنے میں شرط یہ ہے کہ کفارہ کی نیت سے آزاد کیا ہو، بغیر نیت کفارہ آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہ ہو گا اگر چہ آزاد کرنے کی نیت کیا کرے۔ (الجوہرة النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۵)

مسئلہ ۶: اس کا قریبی رشتہ دار یعنی وہ کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہوتا دوسرا عورت تو نکاح باہم حرام ہوتا مثلاً اس کا بھائی یا باپ یا بیٹا یا چچا یا بھتیجا ایسے رشتہ دار کا جب مالک ہو گا تو آزاد ہو جائے گا خواہ کسی طرح مالک ہو مثلاً اس نے خرید لیا یا کسی نے ہبہ یا تصدق کیا یا وراثت میں ملا پھر ایسا غلام اگر بلا اختیار اس کی ملک میں آیا مثلاً وراثت میں ملا اور آزاد ہو گیا تو اگر چہ اس نے کفارہ کی نیت کی ادا نہ ہوا، اور اگر باختیار خود اپنی ملک میں لایا (مثلاً خریدا) اور جس عمل کے ذریعہ سے ملک میں آیا اس کے پائے جانے کے وقت (مثلاً خریدتے وقت) کفارہ کی نیت کی تو کفارہ ادا ہو گیا۔ (الجوہرة النیرہ الجزء الثانی ص ۸۵)

مسئلہ ۷: جو غلام گروی یا مدیون ہے اسے آزاد کیا تو کفارہ ادا ہو گیا، یوہیں اگر بھاگا ہوا ہے اور یہ معلوم ہے کہ زندہ ہے تو آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر بالکل اس کا پتا نہ معلوم ہو، نہ یہ معلوم کہ زندہ ہے یا مر گیا تو نہ ہو گا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۰-۵۱۱)

مسئلہ ۸: اگر غلام میں کسی قسم کا عیب ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ عیب اس قسم کا ہو جس سے جنس منفعت فوت ہوتی ہے یعنی دیکھنے، سننے، بولنے، پکڑنے، چلنے کی اس کو قدرت نہ ہو یا عاقل نہ ہو تو کفارہ ادا نہ ہو گا اور دوسرے یہ کہ اس حد کا نقصان نہیں تو ہو جائے گا، لہٰذا اتنا بہرا کہ چیخنے سے بھی نہ سنے یا گونگا یا اندھا یا مجنون کہ کسی وقت اس کو افاقہ نہ ہوتا ہو یا بوہرا یا وہ بیمار جس کے اچھے ہونے کی امید نہ ہو یا جس کے سب دانت گر گئے ہوں اور کھانے سے بالکل عاجز ہو یا جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں یا ہاتھ کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوں یا علاوہ انگوٹھے کے ہر ہاتھ کی تین تین انگلیاں یا دونوں پاؤں یا ایک جانب کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں نہ ہو یا نجھا یا فالج کا مارا ہو یا دونوں ہاتھ بیکار ہوں تو ان سب کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوا۔

(الدر المختار ج ۵ ص ۱۳۸، الجوہرة النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۵)

مسئلہ ۹: اگر ایسا بہرا ہے کہ چیخنے سے سن لیتا ہے یا مجنون ہے مگر کبھی افاقہ بھی ہوتا ہے اور اسی حالت افاقہ میں آزاد کیا یا اس کا ایک ہاتھ یا ایک پاؤں یا ایک ہاتھ ایک پاؤں خلاف سے کٹا ہو یعنی ایک دہنا دوسرا بایاں یا ایک ہاتھ کا انگوٹھا یا پاؤں کے دونوں انگوٹھے یا ہر ہاتھ کی دو دو انگلیاں یا دونوں ہونٹ یا دونوں کان یا ناک کٹی ہو یا انثیین یا عضو تناسل کٹ گیا ہو یا لونڈی کے آگے کا مقام بند ہو یا بھوں یا داڑھی یا سر کے بال نہ ہوں یا کانا یا چندھا ہو یا ایسا بیمار ہو جس کے اچھے ہونے کی امید ہے اگر چہ موت کا خوف ہو یا سپید داغ کی

بیماری ہو یا نامرد ہو تو ان کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۳۷-۱۳۹، الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۰)

مسئلہ ۱۰: لونڈی کے شکم میں بچہ ہے اس کو کفارہ میں آزاد کیا تو نہ ہوا؛ اس کے غلام کو کسی نے غصب کیا، اس مالک نے آزاد کر دیا تو ہو گیا اور ام ولد و مدبر و مکاتب جس نے بدل کتابت کچھ ادا نہ کیا ہو یا کچھ ادا کیا مگر پورا ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تو اسے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو گیا۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۳۷-۱۳۹)

مسئلہ ۱۱: اپنا غلام دوسرے کے کفارہ میں آزاد کر دیا اگر اس کے بغیر حکم ہے تو ادا نہ ہوا اور اگر اس کے کہنے سے مثلاً اس نے کہا: اپنا غلام میری طرف سے آزاد کر دے اور کوئی عوض ذکر نہ کیا جب بھی ادا نہ ہوا اور اگر عوض کا ذکر ہے مثلاً اپنا غلام میری طرف سے اتنے پر آزاد کر دے تو ہو جائے گا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۱)

مسئلہ ۱۲: ظہار کے دو کفارے اس کے ذمہ تھے، اس نے دو غلام آزاد کیے اور یہ نیت نہ کی کہ فلاں غلام فلاں کفارہ میں آزاد کیا تو دونوں ادا ہو گئے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۱)

مسئلہ ۱۳: کسی غلام کو کہا: اگر میں تجھے خریدوں تو تو آزاد ہے، پھر اسے کفارہ ظہار کی نیت سے خریدا تو آزاد ہو گا مگر کفارہ ادا نہ ہوا اور اگر پہلے کہہ دیا تھا کہ اگر تجھے خریدوں تو میرے ظہار کے کفارہ میں آزاد ہے تو ہو جائے گا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۱)

مسئلہ ۱۴: جب غلام پر قدرت ہے اگرچہ وہ خدمت کا غلام ہو تو کفارہ آزاد کرنے ہی سے ہو گا اور اگر غلام کی استطاعت نہ ہو خواہ ملتا نہیں یا اس کے پاس دام نہیں تو کفارہ میں پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے اور اگر اس کے پاس خدمت کا غلام ہے یا مدیون ہے اور دین ادا کرنے کے لیے غلام کے سوا کچھ نہیں تو ان صورتوں میں بھی روزے وغیرہ سے کفارہ ادا نہیں کر سکتا بلکہ غلام ہی آزاد کرنا ہو گا۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۳۹)

مسئلہ ۱۵: روزے سے کفارہ ادا کرنے میں یہ شرط ہے کہ نہ اس مدت کے اندر ماہِ رمضان ہو نہ عید الفطر، نہ عید الاضحیٰ نہ ایام تشریق، ہاں اگر مسافر ہے تو ماہِ رمضان میں کفارہ کی نیت سے روزہ رکھ سکتا ہے، مگر ایام منہیہ میں اسے بھی اجازت نہیں۔

(الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۷۸، الدر المختار ج ۵ ص ۱۴۱)

مسئلہ ۱۶: روزے اگر پہلی تاریخ سے رکھے تو دوسرے مہینہ کے ختم پر کفارہ ادا ہو گیا اگرچہ دونوں مہینے ۲۹ کے ہوں اور اگر پہلی تاریخ سے نہ رکھے ہوں تو ساٹھ پورے رکھنے ہوں گے اور اگر پندرہ روزے رکھنے کے بعد چاند ہوا پھر اس مہینے کے روزے رکھ لیے اور یہ ۲۹ دن کا مہینہ ہوا اس کے بعد پندرہ دن اور رکھ لیے کہ ۵۹ دن ہوئے جب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔ (الدر المختار و رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۱)

مسئلہ ۱۷: روزوں سے کفارہ ادا ہونے میں شرط یہ ہے کہ پچھلے روزے کے ختم تک غلام آزاد کرنے پر قدرت نہ ہو یہاں تک کہ پچھلے روزے کی آخری ساعت میں بھی اگر قدرت پائی گئی تو روزے ناکافی ہیں بلکہ غلام آزاد کرنا ہو گا اور اب یہ روزہ نفل ہوا اس کا پورا کرنا مستحب رہے گا اگر فوراً توڑ دے گا تو اس کی قضا نہیں البتہ اگر کچھ دیر بعد توڑے گا تو قضا لازم ہے۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۴۱)

مسئلہ ۱۸: کفارہ کا روزہ توڑ دیا خواہ سفر وغیرہ کسی عذر سے توڑا یا بغیر عذر یا ظہار کرنے والے نے جس عورت سے ظہار کیا ان دو مہینوں کے اندر دن یا رات میں اس سے وطی کی قصداً کی ہو یا بھول کر تو سرے سے روزے رکھے کہ شرط یہ ہے کہ جماع سے پہلے دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے اور ان صورتوں میں یہ شرط پائی نہ گئی۔ (الدر المختار و رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۲)

مسئلہ ۱۹: یہ احکام جو کفارہ کے متعلق بیان کیے گئے یعنی غلام آزاد کرتے اور روزے رکھنے کے متعلق یہ ظہار کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر کفارہ کے یہی احکام ہیں، مثلاً قتل کا کفارہ یا روزۂ رمضان توڑنے کا کفارہ، قسم کا کفارہ مگر قسم کے کفارہ میں تین روزے ہیں۔ اور یہ حکم کہ روزہ توڑ دیا تو سرے سے رکھنے ہوں گے کفارہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں پے در پے کی شرط ہو مثلاً پے در پے روزوں کی منت مانی تو یہاں بھی یہی حکم ہے، البتہ اگر عورت نے رمضان کا روزہ توڑ دیا اور کفارہ میں روزے رکھ رہی تھی اور حیض آ گیا تو سرے سے رکھنے کا حکم نہیں بلکہ جتنے باقی ہیں ان کا رکھنا کافی ہے۔ ہاں اگر اس حیض کے بعد آئسہ ہوگئی یعنی اب ایسی عمر ہوگئی کہ حیض نہ آئے گا تو سرے سے روزے رکھنے کا حکم دیا جائے گا کہ اب وہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھ سکتی ہے اور اگر اثنائے کفارہ میں عورت کے بچہ ہوا تو سرے سے روزے رکھے۔ ظہار و غیر ظہار کے کفاروں میں ایک اور فرق ہے، وہ یہ کہ غیر ظہار کے کفارے میں اگر رات میں وطی کی یا دن میں بھول کر کی تو سرے سے روزے رکھنے کی حاجت نہیں۔ یوہیں ظہار کے روزوں میں اگر بھول کر کھالیا یا دوسری عورت سے بھول کر جماع کیا یا رات میں قصداً جماع کیا تو سرے سے رکھنے کی حاجت نہیں۔

(الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۱۴۲)

مسئلہ ۲۰: غلام نے اگر اپنی عورت سے ظہار کیا اگرچہ مکاتب ہو یا اس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا باقی کے لیے سعایت کرتا ہو یا آزاد نے ظہار کیا مگر بوجہ کم عقلی کے اس کے تصرفات روک دیے گئے ہوں تو ان سب کے لیے کفارے میں روزے رکھنا معین ہے، ان کے لیے غلام آزاد کرنا یا کھانا کھلانا نہیں، لہٰذا اگر غلام کے آقا نے اس کی طرف سے غلام آزاد کر دیا یا کھانا کھلا دیا تو یہ کافی نہیں اگرچہ غلام کی اجازت سے ہوا اور کفارہ کے روزوں سے اس کا آقا منع نہیں کر سکتا اور اگر غلام نے کفارہ کے روزے اب تک نہیں رکھے اور اب آزاد ہو گیا تو اگر غلام آزاد کرنے پر قدرت ہو تو آزاد کرے ورنہ روزے رکھے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۲-۵۱۳)

مسئلہ ۲۱: روزے رکھنے پر بھی اگر قدرت نہ ہو کہ بیمار ہے اور اچھے ہونے کی امید نہیں یا بہت بوڑھا ہے تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور یہ اختیار ہے کہ ایک دم سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے یا متفرق طور پر، مگر شرط یہ ہے کہ اس اثناء میں روزے پر قدرت حاصل نہ ہو ورنہ کھلانا صدقۂ نفل ہوگا اور کفارہ میں روزے رکھنے ہوں گے۔ اور اگر ایک وقت ساٹھ کو کھلایا دوسرے وقت ان کے سوا دوسرے ساٹھ کو کھلایا تو ادا نہ ہوا بلکہ ضرور ہے کہ پہلوں یا پچھلوں کو پھر ایک وقت کھلائے۔

(الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۱۴۴، الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۳)

مسئلہ ۲۲: شرط یہ ہے کہ جن مسکینوں کو کھانا کھلایا ہو ان میں کوئی نابالغ غیر مراہق نہ ہو، ہاں اگر ایک جوان کی پوری خوراک کا اسے مالک کر دیا تو کافی ہے۔ (الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۱۴۴)

مسئلہ ۲۳: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مسکین کو بقدر صدقۂ فطر یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ان کی قیمت کا مالک کر دیا جائے مگر اباحت کافی نہیں اور انہیں لوگوں کو دے سکتے ہیں جنہیں صدقۂ فطر دے سکتے ہیں جن کی تفصیل صدقۂ فطر کے بیان میں مذکور ہوئی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صبح کو کھلا دے اور شام کے لیے قیمت دے دے یا شام کو کھلا دے اور صبح کے کھانے کی قیمت دے دے یا دو دن صبح کو یا شام کو کھلا دے یا تیس کو کھلائے اور تیس کو دے دے، غرض یہ کہ ساٹھ کی تعداد جس طرح چاہے پوری کرے اس کا اختیار ہے یا پاؤ صاع گیہوں اور نصف صاع جو دے دے یا کچھ گیہوں یا جو دے باقی کی قیمت ہر طرح اختیار ہے۔

(الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۱۴۴-۱۴۶)

مسئلہ ۲۴: کھلانے میں پیٹ بھر کر کھلانا شرط ہے اگرچہ تھوڑے ہی کھانے میں آسودہ ہو جائیں، اور اگر پہلے ہی سے کوئی آسودہ تھا تو اس کا کھانا کافی نہیں اور بہتر یہ ہے کہ گیہوں کی روٹی اور سالن کھلائے اور اس سے اچھا کھانا ہو تو اور بہتر اور جو کی روٹی ہو تو سالن ضروری ہے۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۵ ص ۱۴۶)

مسئلہ ۲۵: ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلایا، ہر روز بقدر صدقۂ فطر اسے دے دیا جب بھی ادا ہو گیا اور اگر ایک ہی دن میں ایک مسکین کو سب دے دیا ایک دفعہ میں یا ساٹھ دفعہ کر کے یا اس کو سب بطور اباحت دیا تو صرف اس ایک دن کا ادا ہوا۔ یوہیں اگر تیس مساکین کو ایک ایک صاع گیہوں دیے یا دو دو صاع جَو تو صرف تیس کو دینا قرار پائے گا یعنی تیس مساکین کو پھر دینا پڑے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ ایک دن میں دیے ہوں اور دو دنوں میں دیے تو جائز ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۳)

مسئلہ ۲۶: ساٹھ مساکین کو پاؤ پاؤ صاع گیہوں دیے تو ضرور ہے کہ ان میں ہر ایک کو اور پاؤ پاؤ صاع دے اور اگر ان کی عوض میں اور ساٹھ مساکین کو پاؤ پاؤ صاع دیے تو کفارہ ادا نہ ہوا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۳)

مسئلہ ۲۷: ایک سو بیس مساکین کو ایک وقت کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا بلکہ ضرور ہے کہ ان میں سے ساٹھ کو پھر ایک وقت کھلائے خواہ اسی دن یا کسی دوسرے دن اور اگر وہ نہ ملیں تو دوسرے ساٹھ مساکین کو دو وقت کھلائے۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۵۰)

مسئلہ ۲۸: اس کے ذمہ دو ظہار تھے خواہ ایک ہی عورت سے دونوں ظہار کیے یا دو عورتوں سے اور دونوں کے کفارہ میں ساٹھ مسکین کو ایک ایک صاع گیہوں دے دیے تو صرف ایک کفارہ ادا ہوا اور اگر پہلے نصف صاع ایک کفارہ میں دیے پھر انہیں کو نصف نصف صاع دوسرے کفارہ میں دیے تو دونوں ادا ہو گئے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۴)

مسئلہ ۲۹: دو ظہار کے کفاروں میں دو غلام آزاد کر دیے یا چار مہینے کے روزے رکھ لیے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو دونوں کفارے ادا ہو گئے اگرچہ معین نہ کیا ہو کہ یہ فلاں کا کفارہ ہے اور یہ فلاں کا۔ اور اگر دونوں قسم کے کفارے ہوں تو کوئی ادا نہ ہوا مگر جب کہ یہ نیت ہو کہ ایک کفارہ میں یہ اور ایک میں وہ اگرچہ معین نہ کیا ہو کہ کون سے کفارہ میں یہ اور کس میں وہ۔ اور اگر دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو ایک ادا ہوا اور اسے اختیار ہے کہ جس کے لیے چاہے معین کرے اور اگر دونوں کفارے دو قسم کے ہیں مثلاً ایک ظہار کا ہے دوسرا قتل کا تو کوئی کفارہ ادا نہ ہوا مگر جب کہ کافر کو آزاد کیا ہو تو یہ ظہار کے لیے متعین ہے کہ قتل کے کفارہ میں مسلمان کا آزاد کرنا شرط ہے۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۴۸)

مسئلہ ۳۰: دو قسم کے کفارے ہیں اور ساٹھ مسکین کو ایک ایک صاع گیہوں دونوں کفاروں میں دے دیے تو دونوں ادا ہو گئے اگرچہ پورا پورا صاع ایک مرتبہ دیا ہو۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۴۸)

مسئلہ ۳۱: نصف غلام آزاد کیا اور ایک مہینے کے روزے رکھے یا تیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو کفارہ ادا نہ ہوا۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۴)

مسئلہ ۳۲: ظہار میں یہ ضروری ہے کہ قربت سے پہلے ساٹھ مساکین کو کھلا دے اور اگر ابھی پورے ساٹھ مساکین کو کھلا نہیں چکا ہے اور درمیان میں وطی کر لی تو اگرچہ یہ حرام ہے مگر جتنوں کو کھلا چکا ہے وہ باطل نہ ہوا، باقیوں کو کھلا دے، سرے سے پھر ساٹھ کو کھلانا ضرور نہیں۔ (الجوہرۃ النیرۃ الجزء الثانی ص ۸۹)

مسئلہ ۳۳: دوسرے نے بغیر اس کے حکم کے کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا اور اس کے حکم سے ہے تو صحیح ہے مگر جو صرف ہوا ہے وہ اس سے نہیں لے سکتا، ہاں اگر اس نے حکم کرتے وقت یہ کہہ دیا ہو کہ جو صرف ہوگا میں دوں گا تو لے سکتا ہے۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۴۸)

مسئلہ ۳۴: جس کے ذمہ کفارہ تھا اس کا انتقال ہو گیا وارث نے اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا یا قسم کے کفارہ میں کپڑے پہنا دیے تو ہو جائے گا اور غلام آزاد کیا تو نہیں۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۱۴۷) (بہار شریعت حصہ ۸ ص ۲۰۵-۲۱۷، مکتبۃ المدینہ کراچی ۱۴۳۰ھ)

۲۴۔ بَابُ: الْإِشَارَةِ فِي الطَّلَاقِ وَالْأُمُورِ — اشارہ سے طلاق دینا اور دیگر امور کا اشارہ کرنا

امام بخاری کی پہلی تعلیق

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُعَذِّبُ اللهُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا فَأَشَارَ إِلَى لِسَانِهِ۔ (صحیح بخاری: ۱۳۰۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا لیکن اس کی وجہ سے عذاب دے گا پھر نبی ﷺ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔ (یعنی اگر غم کی وجہ سے آنکھ سے آنسو نکل آئیں تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا لیکن اگر بے صبری سے چیخ و پکار کرے گا تو اس پر مواخذہ ہوگا)۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ أَشَارَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيَّ أَيْ خُذِ النِّصْفَ۔ (صحیح البخاری: ۲۴۲۴)

اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے میری طرف اشارہ کیا یعنی تم نصف لے لو۔

امام بخاری کی تیسری تعلیق

وَقَالَتْ أَسْمَاءُ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي الْكُسُوفِ فَقُلْتُ لِعَائِشَةَ مَا شَأْنُ النَّاسِ وَهِيَ تُصَلِّي فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى الشَّمْسِ فَقُلْتُ آيَةٌ فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ نَعَمْ۔ (صحیح البخاری: ۸۶)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھائی تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: لوگوں کو کیا ہوا؟ اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نماز پڑھ رہی تھیں تو انہوں نے اپنے سر سے سورج کی طرف اشارہ کیا یعنی سورج کو گہن لگ چکا ہے۔ میں نے پوچھا: (کیا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی) نشانی ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سر سے اشارہ کیا: ہاں۔

امام بخاری کی چوتھی تعلیق

وَقَالَ أَنَسٌ أَوْمَأَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ۔ (صحیح البخاری: ۶۸۱)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ (مصلیٰ پر) آگے بڑھیں۔

امام بخاری کی پانچویں تعلیق

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَوْمَأَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ لَا حَرَجَ۔ (صحیح البخاری:۸۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

امام بخاری کی چھٹی تعلیق

وَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ آحَدٌ مِنْكُمْ أَمَرَهُ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا قَالُوا لَا قَالَ فَكُلُوا۔ (صحیح البخاری:۱۸۲۴)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے مُحرم کے شکار کے متعلق فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے ان کے حکم کی وجہ سے شکار پر حملہ کیا تھا یا شکار کی طرف اشارہ کیا تھا؟ تو صحابہ نے کہا: نہیں، پس آپ نے فرمایا: پھر تم کھاؤ۔

اشارہ کے تقاضا پر حکم لگانے کی حدیث صحیح سے دلیل

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب طلاق کا اشارہ کرنے کے حکم کے بیان میں ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا: امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اشارہ سے بھی طلاق سمجھ میں آتی ہے، خواہ تندرست آدمی اشارہ کرے یا گونگا آدمی اشارہ کرے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: جب اشارہ سے بات سمجھ میں آجائے تو اس سے حکم لگا دیا جائے گا اور اس کی تاکید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک سیاہ فام باندی سے نبی ﷺ نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اس باندی کو آزاد کر دو کیونکہ یہ مومنہ ہے۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۲۰۳، المکتبۃ التوفیقیہ، عراق)

لہٰذا نبی ﷺ نے اس باندی کے آسمان کی طرف اشارہ کرنے کی وجہ سے اس کو مسلمان اور مومنہ قرار دیا، پس اس سے معلوم ہوا کہ تمام امور کے اندر اشارہ معتبر ہے اور یہ عامۃ الفقہاء کا قول ہے۔

گونگے کی اشارہ سے طلاق دینے اور رجوع کرنے کے متعلق اختلاف فقہاء

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ جب گونگا اشارہ سے طلاق دے تو اس کی طلاق لازم ہوگی اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے جو مرد بیمار ہو اور اس کی زبان میں خلل ہو تو وہ طلاق دینے میں اور رجوع کرنے میں گونگے کی مثل ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے: اگر اس کا اشارہ طلاق میں اور نکاح میں اور بیع میں متعارف ہو تو پھر اس کے اشارہ پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر اس کے اشارہ کے مفہوم میں شک ہو تو پھر اس کے اشارہ پر عمل کرنا باطل ہے، اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: یہ قیاس نہیں ہے بلکہ یہ استحسان ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام امور میں اس کے اشارہ پر عمل کرنا باطل ہو کیونکہ وہ کلام نہیں کر رہا اور اس کے اشارہ کا مفہوم متعین نہیں ہے۔

علامہ ابن المنذر شافعی کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے امام ابوحنیفہ پر اعتراض کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے اس قول میں یہ اقرار کیا ہے کہ انہوں نے باطل پر حکم لگایا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک قیاس برحق ہے، پس جب انہوں نے قیاس کی ضد پر حکم لگایا جو کہ استحسان ہے تو انہوں نے حق کی ضد کے اوپر حکم لگایا اور انہوں نے استحسان کے حکم کو غالب رکھا جو کہ قیاس کی ضد ہے اور انہوں نے اس قیاس کی ضد کے مطابق حکم لگایا جو قیاس ان کے نزدیک برحق ہے۔

علامہ عینی کی طرف سے علامہ ابن المنذر شافعی کے امام ابوحنیفہ پر اعتراض کا جواب

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ کلام اس شخص کا ہے جو احکام کی باریکیوں کو نہیں سمجھتا اور ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے، اور امام اعظم جو خیر القرون کے مرد عظیم ہیں ان پر جہالت سے اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں جو قیاس کو ترک کر دیا ہے یعنی قیاس جلی کو ترک کر دیا ہے اور استحسان پر عمل کیا جو کہ قیاس خفی ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے تمام قیاسات کو ترک کر دیا ہے اور ان کو باطل قرار دیا ہے اور استحسان قیاس کی ضد نہیں ہے بلکہ وہ بھی قیاس کی ایک قسم ہے، کیونکہ قیاس کی دو قسمیں ہیں: ایک قیاس جلی ہے اور دوسرا قیاس خفی ہے اور استحسان قیاس خفی ہے اور جس شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں وہ کیسے امام ابوحنیفہ پر ناحق افتراء کرتا ہے اور جہالت سے ان پر اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہے اور اسی طرح علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ کے متعلق زبان درازی کی اور باطل کلام کے ساتھ یہ کہا کہ امام بخاری نے اس باب سے امام ابوحنیفہ پر رد کرنے کا ارادہ کیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا ہے اور امام بخاری نے اس باب کی احادیث سے امام ابوحنیفہ پر رد کرنے کا ارادہ کیا ہے، پھر علامہ ابن بطال نے علامہ ابن المنذر کے کلام کو نقل کیا، پھر کہا: امام ابوحنیفہ کو اس استحسان پر کسی چیز نے برانگیختہ کیا کیونکہ امام ابوحنیفہ کو ان احادیث کا علم نہیں ہے جن سے مختلف احکام میں اشارہ کے تقاضا پر عمل کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۵-۴۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی اصل اور مکمل عبارت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: جب اشارہ کا مطلب سمجھ آ جائے اور اس سے اشکال دور ہو جائے تو اس اشارہ کے مقتضاء پر عمل کیا جاتا ہے اور امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس باب میں مختلف اشارات کے متعلق مختلف احادیث روایت کی ہیں جو اس بات پر شاہد ہیں کہ اشارہ کے مقتضاء پر عمل کرنا جائز ہے اور سب سے مؤکد اشارہ کے تقاضا پر عمل کے متعلق درج ذیل حدیث ہے:

امام مالک بن انس اصبحی المتوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از ہلال بن اسامہ از عطاء بن یسار از عمر بن الحکم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، سو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک باندی ہے جو میری بکریوں کو چراتی ہے، میں اس کے پاس گیا اور اس وقت بکریوں میں

سے ایک بکری گم تھی، میں نے اپنی باندی سے اس بکری کے متعلق سوال کیا تو اس نے بتایا کہ اس بکری کو بھیڑیا کھا گیا ہے، سو مجھے اس پر بہت افسوس ہوا اور میں بھی بنو آدم میں سے ہوں، پس میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور مجھ پر ایک غلام کو آزاد کرنا تھا، کیا میں اس باندی کو آزاد کردوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے کہا: آسمان میں، آپ نے دریافت فرمایا: میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا کہ آپ رسول اللہ ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کردو۔

اس کے بعد امام مالک بن انس نے دوسری حدیث روایت کی ہے:

از ابن شہاب از عبداللہ بن عبداللہ بن عقبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک سیاہ فام باندی کو لے کر آیا، پس کہا: یا رسول اللہ! مجھ پر ایک مومن غلام کو آزاد کرنے کی نذر ہے، پس اگر آپ اس باندی کو مومنہ قرار دیں تو میں اس کو آزاد کردوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: کیا تم اس بات کی گواہی دیتی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم گواہی دیتی ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر یقین ہے، اس نے کہا: جی ہاں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کردو۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۲۰۳-۲۰۴، رقم الحدیث: ۹،۸، المکتبۃ التوفیقیہ، عراق)

(الموطاج ۲ ص ۲۹۲، رقم الحدیث: ۱۵۳۵، ۱۵۳۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام مالک ان روایات کے ساتھ منفرد ہیں۔

علامہ المہلب المالکی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کے سبب سے اس باندی کے اسلام سے متعلق فیصلہ فرمادیا اور یہ اشارہ کے حجت ہونے کی اصل ہے جس کی وجہ سے انسان کی جان اور اس کے مال کی حفاظت کی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے انسان جنت کا مستحق ہوتا ہے اور دوزخ سے نجات پاتا ہے اور آپ نے اس باندی کے ایمان کا فیصلہ فرمایا جس طرح کوئی شخص زبان سے توحید و رسالت کی گواہی دے تو اس کے ایمان اور اسلام کا فیصلہ کیا جاتا ہے، پس واجب ہے کہ اشارہ کے متعلق تمام دینی احکام میں عمل کیا جائے اور عامۃ الفقہاء کا یہی قول ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ گونگا جب اشارہ سے طلاق دے تو اس کی طلاق لازم ہوگی اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا کہ جو مرد بیمار ہو اور اس کی زبان میں خلل ہو تو وہ اس گونگے کی مثل ہے جو اشارہ سے رجوع کرتا ہے اور طلاق دیتا ہے اور جب گونگا ایسا اشارہ کرے جس کا مفہوم سمجھ آئے یا وہ لکھ دے تو اس کی دی ہوئی طلاق لازم ہوگی۔

اور ابو ثور نے گونگے کے اشارہ کے متعلق کہا کہ جب اس کے اشارہ کا مطلب سمجھ آ جائے تو اس کے تقاضا پر عمل کرنا جائز ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا اگر اس کے طلاق دینے اور نکاح کرنے اور اس کے خرید و فروخت کرنے میں اس کے اشارہ سے اس کا مطلب سمجھ میں آ جائے اور یہ بات لوگوں کو معلوم ہے تو اس کے اشارہ کے مطابق عمل کرنا ہے اور اگر اس کے اشارہ کے مفہوم میں شک ہو تو پھر اس کے اشارہ کے مقتضاء پر عمل کرنا باطل ہے، اور یہ قیاس نہیں ہے بلکہ یہ استحسان ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں عمل کرنا باطل ہے، کیونکہ گونگا کلام نہیں کرسکتا اور اس کے اشارہ کا مفہوم متعین نہیں ہوتا۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ نے کہا: پس امام ابوحنیفہ کا یہ زعم ہے کہ اس مسئلہ میں قیاس پر عمل کرنا

باطل ہے اور ان کے اس قول میں ان کی طرف سے یہ اقرار ہے کہ انہوں نے باطل چیز پر حکم لگایا ہے کیونکہ ان کے نزدیک قیاس برحق ہے، پس جب انہوں نے قیاس کی ضد کے مطابق فیصلہ کیا جو کہ استحسان ہے تو انہوں نے حق کی ضد پر حکم لگایا اور انہوں نے اس مسئلہ میں استحسان کے قول کو غالب قرار دیا جو کہ قیاس کی ضد ہے، انہوں نے استحسان سے قیاس کو رد کر دیا ہے جو کہ ان کے نزدیک برحق ہے۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۲۸۶، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں: اور میرا گمان یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں امام ابوحنیفہ کے رد کا ارادہ کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ کے مقتضاء پر عمل کیا اور اشارہ کے مقتضاء پر عمل کرنے کو اپنی امت پر مشروع قرار دیا ہے، اور معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز میں ایسا حکم دیں جو اس شریعت کے خلاف ہو جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو امین بنایا ہے اور قرآن مجید نے شہادت دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احکام شرعیہ کی اپنی امت کو تبلیغ کر دی ہے اور دین کو آپ نے کامل کر دیا ہے اور امام ابوحنیفہ نے ان امور میں جو اشارہ کے مقتضاء پر عمل نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کو ان احادیث کا علم نہیں ہے جن سے مختلف دینی احکام میں اشارہ کے مقتضاء پر عمل کا جواز ثابت ہوتا ہے اور ان احادیث میں آپ نے اشارہ کو نطق کے قائم مقام قرار دیا ہے، سو جس مرد کے لئے کلام کرنا ممکن نہ ہو اس کے اشارہ کے مطابق عمل کرنا بہ طریق اولیٰ جائز اور موکد ہے کیونکہ اس کے اشارہ کے بغیر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اور اس باب کی احادیث میں اس یہودی کا قصہ بھی ہے جس نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر توڑ دیا تھا اور اس کے زیورات اتار لئے تھے۔

(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۰۳-۴۰۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال کی ذکر کردہ حدیث کی مصنف کی طرف سے تخریج اور تحقیق

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال نے جس حدیث کی طرف اجمالاً اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہشام بن زید بن انس اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک لڑکی جس کے اوپر زیورات تھے وہ مدینہ میں نکلی تو ایک یہودی نے اس پر پتھر مارا، حضرت انس نے بتایا کہ اس لڑکی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور ابھی اس میں کچھ رمق حیات تھی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تم کو فلاں نے قتل کیا ہے؟ تو اس لڑکی نے سر اٹھا کر نفی کی، پھر آپ نے سوال دہرایا کہ کیا تم کو فلاں نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے سر اٹھا کر نفی کی، پھر آپ نے تیسری بار پوچھا کہ کیا تم کو فلاں نے قتل کیا ہے تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو بلایا اور اس کے سر کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر قتل کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۶۸۷۷)

امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی سے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ فلاں نے یہ کاروائی کی ہے حتیٰ کہ اس یہودی کے بارے میں پوچھا تو اس نے سر سے اشارہ کیا، پھر اس یہودی کو پکڑا گیا اور اس نے قتل کا اعتراف کر لیا، پھر اس یہودی کے سر کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۳، صحیح مسلم: ۱۶۷۲، سنن ترمذی: ۱۳۹۴، سنن نسائی: ۴۷۴۲، سنن ابو داؤد: ۴۵۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۵، مسند احمد:

۱۲۵۹۴، سنن داری: ۲۳۵۵)

سو اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے ایک لڑکی کے اشارہ کے مقتضاء پر عمل کر کے اس لڑکی کا قصاص لیا اور اس یہودی کے قتل کر دیا، سو اس سے واضح ہوا کہ احکامِ شرعیہ میں اشارہ کے مقتضیٰ پر عمل کرنا جائز اور ثابت ہے۔

علامہ عینی کے جواب کا تتمہ

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی التوفی ۳۱۸ھ اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے جو کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو ان احادیث اور سنن کا علم نہیں تھا جن میں نبی ﷺ نے اشارہ کے مقتضیٰ پر عمل کو جائز قرار دیا ہے، سو یہ ان لوگوں کی سخت بے ادبی ہے اور جہالت ہے اور ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ہمارے اصحاب احناف کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اشارہ کے مقتضیٰ پر عمل کرنا جائز ہے، جیسا کہ ہم نے ان میں سے بعض پر تنبیہ کی ہے۔

ہمارے اصحاب احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ گونگے کا اشارہ کرنا اور اس کا لکھنا اس کے بیان اور اس کی زبان کی مثل ہے، پس اس کے اشارہ اور لکھنے سے اس کے تمام احکام ثابت ہوں گے، حتیٰ کہ اشارہ سے اس کا نکاح کرنا، اس کا طلاق دینا، اس کا آزاد کرنا، اور اس کا خرید و فروخت کرنا تمام احکامِ شرعیہ ثابت ہیں، اس کے برخلاف جس مرد کی زبان میں خلل ہو یا سُقم ہو تو اس کا اشارہ غیر معتبر ہے کیونکہ اشارہ مراد کی خبر دیتا ہے مگر جب کسی مرد کا مرض طویل ہو جائے اور وہ معروف ہو جائے جیسے گونگا ہو تو اس کا حکم مختلف ہے، اور علامہ ابو محمد ظہیر الدین احمد بن ابی ثابت اسماعیل تمرتاشی الحنفی التوفی ۶۰۰ھ نے امام ابوحنیفہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب کسی شخص کی زبان کی بیماری اس کی موت تک دائم رہے تو اشارہ سے اس کا اقرار جائز ہے اور اس کا اشارہ سے گواہی دینا بھی جائز ہے اور ہمارے فقہاء نے کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور المحیط میں مذکور ہے کہ اگر ایک مرد نے اپنے ہاتھ سے ایک عورت کی طرف اشارہ کیا اور کہا زینب تجھے طلاق ہے اور وہ عورت زینب نہیں عمرہ تھی تو عمرہ کو طلاق دے دی جائے گی کیونکہ اس نے اشارہ بھی کیا اور نام بھی لیا، کیونکہ اعتبار اشارہ کا ہوتا ہے نام کا نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۵-۴۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو کے سبب سے عذاب نہیں دے گا۔ (صحیح البخاری: ۱۳۰۴)

اس تعلیق کی باب کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس میں آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اشارہ بھی نطق کے قائم مقام ہے، اس حدیث کی امام بخاری نے کتاب الجنائز کے اندر اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کی تعلیق مذکور میں مفصل حدیث

میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے جس مکمل حدیث کا اجمالاً ذکر کیا ہے اس حدیث کی مکمل تفصیل درج ذیل ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۵ھ بیمار ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ متوفی ۳۱ھ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ بھی تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس داخل ہوئے تو ان کو ان کے گھر میں بے ہوشی کے عالم میں پایا۔ آپ نے پوچھا: کیا یہ فوت ہو گئے، گھر والوں نے کہا: نہیں یارسول اللہ! پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے تو جب لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے، آپ نے فرمایا: کیا تم سن نہیں رہے بے شک اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا اور نہ دل کے غم کی وجہ سے عذاب دے گا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے عذاب دے گا، آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا یا رحم فرمائے گا۔
(صحیح البخاری: ۱۳۰۴، صحیح مسلم: ۹۲۴، الرقم المسلسل: ۲۰۲۱)

امام بخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری کی اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ھ کی طرف اسناد ہے کہ ان کا حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۱ھ کے اوپر قرض تھا، پس ان کی حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، سو وہ دونوں باتیں کرنے لگے حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، پس فرمایا: اے کعب! اور اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا: گویا کہ آپ نے اشارہ فرمایا: النصف، تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی رقم میں سے نصف لے لی اور نصف چھوڑ دی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعلیق مذکور کی حدیث کی مزید تفصیل اور مکمل تخریج

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اس حدیث کی اوائلِ صحیح بخاری میں بھی روایت کی ہے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک نے حضرت ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا تقاضا کیا جو ان کے ذمہ تھا اور وہ تقاضا مسجد میں کیا حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آوازوں کو اپنے گھر میں سنا، آپ ان دونوں کی طرف نکلے حتیٰ کہ آپ نے اپنے حجرہ کا پردہ کھولا، آپ نے فرمایا: اے کعب! انہوں نے کہا: لبیک یارسول اللہ! تم اپنے اس قرض سے کم کر لو اور ان کی طرف اشارہ کیا یعنی نصف، حضرت کعب نے کہا: یارسول اللہ! میں نے کر دیا، آپ نے ابن ابی حدرد سے کہا کہ تم اٹھو، پس اس قرض کو ادا کر دو۔
(صحیح البخاری: ۴۵۷، صحیح مسلم: ۱۵۵۸، سنن نسائی: ۵۴۰۸، سنن ابوداؤد: ۳۵۹۵، سنن ابن ماجہ: ۲۴۲۹، مسند احمد: ۱۵۳۶۴، سنن دارمی: ۲۵۸۷)

امام بخاری کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما متوفاۃ ۷۳ھ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ سے کہا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نماز پڑھ رہی

تھیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سر سے سورج کی طرف اشارہ کیا، میں نے پوچھا: کیا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی نشانی ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ (صحیح البخاری:۸۶)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ تعلیق پوری سند کے ساتھ الکسوف میں گزر چکی ہے اور وہ باب ہے: عورتوں کا مردوں کے ساتھ نماز کسوف پڑھنا اور اس میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی جب سورج کو گرہن لگا ہوا تھا اور اس وقت لوگ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نماز پڑھ رہی تھیں، میں نے پوچھا: لوگوں کو کیا ہوا؟ تو حضرت عائشہ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: سبحان اللہ! میں نے پوچھا: کیا یہ کوئی نشانی ہے؟ حضرت عائشہ نے اشارہ کیا: ہاں! (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس تعلیق میں مذکور حدیث کی مکمل تفصیل اور تخریج

میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے اس حدیث کی مکمل تفصیل کے ساتھ روایت نہیں کی، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں، میں نے پوچھا: لوگوں کو کیا ہوا؟ تو انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، پس اس وقت لوگ نماز کے قیام میں تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سبحان اللہ! میں نے پوچھا: کیا یہ کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا: ہاں! پھر میں بھی کھڑی ہوگئی اور مجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی تو میں اپنے سر کے اوپر پانی ڈال رہی تھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کی حمد وثنا کی، پھر آپ نے فرمایا: میں نے جس چیز کو بھی پہلے نہیں دیکھا تھا، اس چیز کو اب میں نے اس جگہ دیکھ لیا ہے، حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا ہے، پھر میری طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قبروں میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور وہ آزمائش المسیح الدجال کے فتنہ کی مثل ہوگی، پوچھا جائے گا کہ اس مرد کے متعلق تمہارا کیا علم ہے؟ پس مومن یا موقن کہے گا: یہ (سیدنا) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ ہمارے پاس معجزات اور ہدایت لے کر آئے، سو ہم نے ان کو لبیک کہا اور ہم نے ان کی اتباع کی اور تین مرتبہ کہا: یہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، تو اس قبر والے سے کہا جائے گا: تم چین سے سو جاؤ بے شک ہمیں معلوم تھا کہ تم ان پر ایمان رکھنے والے ہو اور رہا منافق تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا، لوگ کچھ کہتے تھے، سو میں نے بھی کہہ دیا۔

(صحیح البخاری: ۸۶، ۱۸۴، ۹۲۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۶۱، ۲۲۳۵، ۱۳۷۳، ۲۵۱۹، ۲۵۲۰، ۷۲۸۷، صحیح مسلم: ۹۰۵، سنن نسائی: ۲۰۶۲، مسند احمد: ۲۶۳۸۵، موطا امام مالک: ۴۴۷)

امام بخاری کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں مذکور ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ کی طرف اشارہ کیا کہ آپ (مصلیٰ پر) آگے بڑھیں۔ (صحیح البخاری: ۶۸۱)

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں:

یہ تعلیق کتاب الصلوٰۃ کے اس باب میں گزر چکی ہے "باب اهل العلم والفضل احق بالامامة"، اس میں مذکور ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن تک گھر سے باہر نہیں نکلے اور نماز قائم کی گئی اور اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ آگے بڑھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے اس حدیث کی پوری تفصیل اور تخریج نہیں کی، اس حدیث کی پوری تفصیل اور تخریج درج ذیل ہے:

امام بخاری کی چوتھی تعلیق میں مذکور حدیث کی مکمل تفصیل اور تخریج

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے روایت کرتے ہیں:

انہوں نے بتایا کہ مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبع، آپ کے خادم اور آپ کے صحابی تھے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو ان ایام میں نماز پڑھاتے تھے جن ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درد تھا اور آپ بیمار تھے اور اس بیماری میں آپ کی وفات ہوگئی حتیٰ کہ جب پیر کا دن آیا اور مسلمان صفیں باندھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا، اس وقت آپ ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور آپ کھڑے ہوئے تھے اور آپ کا چہرہ مبارک قرآن کے ورق کی طرح تھا، پھر آپ ہنستے ہوئے مسکرائے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے سے ہمیں اس قدر خوشی ہوئی کہ ہم نے ارادہ کیا کہ ہم مارے خوشی کے نماز توڑ ڈالیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گئے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صف میں مل جائیں، انہوں نے گمان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے باہر تشریف لائیں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ تم اپنی نماز پوری پڑھ لو اور آپ نے حجرہ کا پردہ لٹکا دیا، پھر اسی دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۶۸۰، ۶۸۱، ۷۵۴، ۱۲۰۵، ۴۴۴۸، صحیح مسلم: ۴۱۹، سنن نسائی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۴، مسند احمد: ۲۶۱۶)

اس کے بعد امام بخاری نے دوسری روایت کی ہے جو حسب ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے تین دن تک گھر سے باہر تشریف نہیں لائے، سو نماز قائم کی گئی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مصلی پر آگے بڑھ کر نماز پڑھانے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور ظاہر ہوا تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک سے زیادہ حسین منظر اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ آپ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ کا پردہ لٹکا دیا، پھر آپ نماز پڑھانے پر قادر نہیں ہوئے حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ (صحیح البخاری: ۶۸۱)

امام بخاری کی پانچویں تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۸۴)

کتاب الحج میں یہ تعلیق پوری سند کے ساتھ گزر چکی ہے۔

علامہ علاؤ الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ کی التلویح علی البخاری میں یہ حدیث مذکور ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ حدیث اس عبارت کے ساتھ کتاب العلم میں گزر چکی ہے ''باب الفتیا باشارۃ الید والراس'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حج کے متعلق سوال کیا گیا تو سائل نے کہا کہ میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی تفصیل اور تخریج درج ذیل ہے:

پانچویں تعلیق میں مذکور حدیث کی تفصیل اور تخریج

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے اپنے حج کے متعلق سوال کیا، اس نے کہا: میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا یعنی کوئی حرج نہیں، ایک اور شخص نے پوچھا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے حلق کرلیا یعنی سر مونڈ لیا، تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

(صحیح البخاری: ۸۴، ۱۷۲۱، ۱۷۲۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۲، ۶۶۶۶، صحیح مسلم: ۱۳۰۷، سنن نسائی: ۲۰۶۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۰، مسند احمد: ۱۶۸۰)

امام بخاری کی چھٹی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مُحرم کے شکار کے متعلق پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے ان کے حکم سے شکار پر حملہ کیا تھا یا شکار کی طرف اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا: سو تم اس کو کھاؤ۔
(صحیح البخاری: ۱۸۲۴)

یہ تعلیق بھی کتاب الحج کے اس باب میں گزر چکی ہے ''لا یشیر المحرم الی الصید'' حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کرنے کے لئے نکلے الحدیث۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہم نے ایک جنگلی گدھا دیکھا، اس پر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم اس کا باقی گوشت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے تو آپ نے پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے ان کو حکم دیا تھا کہ اس جنگلی گدھے پر حملہ کرو یا کسی نے اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے عرض کیا: نہیں تو آپ نے فرمایا: تم اس کا گوشت کھاؤ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی تفصیل اور تخریج حسب ذیل ہے:

چھٹی تعلیق میں مذکور حدیث کی تفصیل اور تخریج

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن ابی قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لئے تشریف لے گئے، صحابہ بھی آپ کے ساتھ تھے،

پھر صحابہ میں سے ایک جماعت دوسری طرف نکل گئی اور ان میں حضرت ابوقتادہ بھی تھے، حضرت ابوقتادہ نے کہا کہ ساحلِ سمندر کی طرف چلو حتیٰ کہ ہم کو کوئی شکار ملے، پس وہ ساحل سمندر کی طرف گئے، جب واپس لوٹے تو حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کے سوا سب نے احرام باندھا ہوا تھا، حضرت ابوقتادہ انصاری مُحرم نہیں تھے، پس جس اثناء میں وہ جا رہے تھے تو انہوں نے اچانک ایک جنگلی گدھی دیکھی، حضرت ابوقتادہ نے اس جنگلی گدھی پر حملہ کیا پھر اس کا گوشت کاٹا، پھر ہمارے پاس وہ گوشت لے کر آئے، ہم نے ایک جگہ قیام کیا اور اس گوشت کو کھایا اور صحابہ نے کہا کیا ہم شکار کا گوشت کھا رہے ہیں، حالانکہ ہم سب احرام باندھے ہوئے ہیں؟ تو ہم نے اس جنگلی گدھے کے باقی گوشت کو اٹھایا، جب صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم سب مُحرم تھے اور حضرت ابوقتادہ نے احرام باندھا ہوا نہیں تھا، پس ہم نے ایک جنگلی گدھی کو دیکھا تو حضرت ابوقتادہ نے اس جنگلی گدھی پر حملہ کیا اور اس کا گوشت کاٹا، پھر ہم نے ایک جگہ قیام کر کے اس کا گوشت کھایا، پھر ہم نے کہا کہ ہم شکار کا گوشت کھا رہے ہیں، حالانکہ ہم مُحرم ہیں، پھر ہم اس کا باقی گوشت اٹھا کر آپ کے پاس لائے تو آپ نے پوچھا: کیا تم میں سے کسی ایک نے ابوقتادہ کو جنگلی گدھی پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا: پھر تم اس کا باقی ماندہ گوشت کھا لو۔ (صحیح البخاری: ۱۸۲۴، صحیح مسلم: ۱۱۹۶)

۵۲۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى بَعِيرِهِ وَكَانَ كُلَّمَا أَتَى عَلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ وَكَبَّرَ وَقَالَتْ زَيْنَبُ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فُتِحَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ وَعَقَدَ تِسْعِينَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عامر عبد الملک بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی، از خالد از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا اور آپ جب بھی رکن یعنی حجر اسود کے پاس سے گزرتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے اور اللہ اکبر پڑھتے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یاجوج اور ماجوج کی سد (یعنی ان کی رکاوٹ) سے اتنی اور اتنی کھل گئی اور آپ نے نوے (۹۰) کا عقد بنایا۔

یہ حدیث صحیح البخاری ۱۶۰۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ عینی، بعض رجال بخاری پر تبصرہ اور تعارف

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کتاب الحج کے درج ذیل باب میں گزر چکی ہے:

"باب من اشار الی الرکن اذا اتی علیہ"

اس حدیث کی سند میں ابو عامر عبد الملک العقدی اور ابراہیم کا ذکر ہے، علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا کہ یہ ابن طہمان ہیں اور حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ نے بھی اس کی توثیق کی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ

یہ ابواسحاق الفزاری ہیں۔

اور رہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا تو وہ حضرت زینب بنت جحش ام المومنین رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۲۰ ھ ہیں، اور ان کی حدیث موصول احادیث الانبیاء علیہم السلام کے باب علامات النبوۃ میں گزر چکی ہے، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھبرائے ہوئے داخل ہوئے اور آپ پڑھ رہے تھے: لا الہ الا اللہ اور فرمار ہے تھے: عرب کے لئے اس شر سے حفاظت ہو جو قریب آ پہنچا ہے، آج یاجوج اور ماجوج کی سد یعنی رکاوٹ سے اتنی کھل گئی اور آپ نے اپنی انگلی اور اس کے قریب والی انگلی سے حلقہ بنایا۔ الحدیث

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اشارہ نہیں ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ عقد بنانا بھی اشارہ کی ایک قسم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی تفصیل اور تخریج حسب ذیل ہے:

حدیث مذکور کی تفصیل اور تخریج

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۲۰ھ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھبرائے ہوئے آئے اور آپ پڑھ رہے تھے ''لا الہ الا اللہ'' اور عرب کے لئے ہلاکت ہو اس شر سے جو قریب آ پہنچا ہے، آج کے دن یاجوج اور ماجوج کی سد اتنی کھول دی گئی ہے اور آپ نے اپنے انگوٹھے اور اس کے قریب والی انگلی سے حلقہ بنایا، پس حضرت زینب بنت جحش ام المومنین نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے جب کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں جب کہ ان میں بدکار لوگ زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۶، ۳۵۹۸، ۷۰۵۹، ۷۱۳۵، صحیح مسلم: ۲۸۸۰، سنن ترمذی: ۲۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۳، مسند احمد: ۲۶۸۷۰)

۵۲۹۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ عَلْقَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُصَلِّي فَسَأَلَ اللهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ وَقَالَ بِيَدِهِ وَوَضَعَ أُنْمُلَتَهُ عَلَى بَطْنِ الْوُسْطَى وَالْخِنْصِرِ قُلْنَا يُزَهِّدُهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مُسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن المفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ بن علقمہ نے حدیث بیان کی، از محمد بن سیرین از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت ہوتی ہے جس ساعت میں کوئی مسلمان بندہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو پھر وہ اللہ تعالیٰ سے کسی خیر کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے وہ خیر عطا فرماتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اپنے ہاتھ کی پور کو درمیانی انگلی اور چھنگلی پر رکھا، ہم نے کہا کہ آپ اس ساعت کی کمی کو بیان فرما رہے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۹۳۵، ۵۲۹۴، ۶۴۰۰، صحیح مسلم: ۸۵۲، سنن ترمذی: ۴۹۱، سنن نسائی: ۱۴۳۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۱۱۳۷، مسند احمد:

۵۹۲۹، موطا امام مالک: ۲۴۲، سنن دارمی: ۱۵۶۹)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انگلی کے پور کے اشارہ سے ساعت جمعہ کی کم مقدار کو بیان فرمانا

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: "قال بیدہ" اس کا معنی ہے: آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور حدیث کے اس جملہ سے اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ہوتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی پور درمیانی انگلی پر رکھی، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ ساعت دن کے وسط میں ہوتی ہے اور اپنی پور چھنگلی پر رکھی اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ ساعت دن کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔

یہ حدیث کتاب الجمعہ کے باب "الساعة التی فی یوم الجمعة" میں گزر چکی ہے۔

ساعتِ جمعہ کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

ساعت جمعہ کے متعلق متعدد اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس کو لیلۃ القدر کی طرح مخفی رکھا گیا ہے اور اس کو مخفی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ اس کو تلاش کرنے کے لئے محنت اور جد و جہد کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں۔ ساعت جمعہ کے متعلق چالیس (۴۰) اقوال ہیں: ابو جعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری المتوفی ۶۹۴ھ نے کہا ہے کہ ان میں سے سب سے زیادہ صحیح حدیث حضرت ابو موسیٰ الاشعری عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ متوفی ۵۲ھ کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ساعت امام کے بیٹھنے سے لے کر اختتامِ نماز تک ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۵۳، الرقم المسلسل: ۱۹۴۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۴۹)

ان احادیث میں سب سے زیادہ مشہور حدیث حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ متوفی ۴۳ھ کی ہے جو کہ درج ذیل ہے:

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کتاب اللہ (تورات) میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ہے کہ جو بندۂ مومن اس ساعت میں نماز پڑھے اور اس ساعت میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا ہے، حضرت عبد اللہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اشارہ سے بتایا کہ وہ ساعت بہت کم ہے، میں نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، میں نے پوچھا: وہ کون سی ساعت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دن کی آخری ساعت ہے، میں نے عرض کیا: وہ نماز کا وقت تو نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! بے شک جب بندہ مومن نماز پڑھتا ہے، پھر بیٹھ جاتا ہے اور پھر وہ نماز ہی کے انتظار میں ہوتا ہے تو اس کا شمار نماز میں ہی ہوتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۱۳۹، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال ثقات ہیں)

۵۲۹۵ - وَقَالَ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ شُعْبَةَ بْنِ الْحَجَّاجِ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ عَدَا يَهُودِيٌّ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى جَارِيَةٍ فَأَخَذَ أَوْضَاحًا كَانَتْ عَلَيْهَا وَرَضَخَ رَأْسَهَا فَأَتَى بِهَا أَهْلُهَا رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهِيَ فِي

اور الاویسی نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از شعبہ بن الحجاج از ہشام بن زید از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر حملہ کر کے اس کے ان زیورات کو اتار لیا جو اس لڑکی کے اوپر تھے اور اس کا سر پتھر سے کچل دیا، اس لڑکی کے گھر والے

آخِرِ رَمَقٍ وَقَدْ أُصْمِتَتْ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ قَتَلَكِ فُلَانٌ لِغَيْرِ الَّذِي قَتَلَهَا فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا قَالَ فَقَالَ لِرَجُلٍ آخَرَ غَيْرِ الَّذِي قَتَلَهَا فَأَشَارَتْ أَنْ لَا فَقَالَ فَفُلَانٌ لِقَاتِلِهَا فَأَشَارَتْ أَنْ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرُضِخَ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ۔

اس لڑکی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اس وقت اس لڑکی میں آخری رمقِ حیات تھی اور وہ خاموش تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: تم کو کس نے قتل کیا ہے؟ فلاں نے؟ آپ نے اس کا نام لیا جس نے اس کو قتل نہیں کیا تھا تو لڑکی نے سر کے اشارہ سے کہا: نہیں، حضرت انس نے بتایا کہ آپ نے پھر کسی اور مرد کا نام لیا جس نے اسے قتل نہیں کیا تھا تو لڑکی نے سر کے اشارہ سے کہا: نہیں، پھر آپ نے فرمایا: کیا فلاں شخص نے؟ اور وہی شخص اس کو قتل کرنے والا تھا، تو لڑکی نے سر کے اشارہ سے کہا: جی ہاں! تب رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلوایا اور اس کے سر کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۳، ۲۷۴۶، ۵۲۹۵، ۶۸۷۶، ۶۸۷۷، ۶۸۷۹، ۶۸۸۴، ۶۸۸۵، صحیح مسلم: ۱۶۷۲، سنن ترمذی: ۱۳۹۴، سنن نسائی: ۴۷۴۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۵، مسند احمد: ۲۵۹۴، سنن دارمی: ۲۳۵۵)

حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اور الاویسی کا تعارف

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ اس لڑکی نے اشارہ سے اپنے قاتل کی نشاندہی کی، اس حدیث کی سند میں الاویسی کا ذکر ہے۔ ان کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحییٰ بن عمرو بن اویس العامر المدینی ہے، یہ امام بخاری کے مشائخ میں سے ایک ہیں، کتاب العلم میں ان کی روایت گزر چکی ہے۔ ان کو اویسی جو کہا جاتا ہے یہ ان کے اجداد میں سے کسی ایک جد کی طرف نسبت ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''عدا یہودی'' اس کا معنی ہے کہ یہودی نے تعدی اور تجاوز کیا اور اس سے مراد ہے کہ اس نے لڑکی پر حملہ کیا۔

فاخذ اوضاحا: اوضاح وَضَح کی جمع ہے اور یہ زیور کی قسم ہے جو چاندی سے بنایا جاتا ہے اور اس کی سفیدی اور اس کی چمک کی وجہ سے اس کو وَضَح کہا جاتا ہے یعنی بہت واضح۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ ''الاوضاح'' یہ وہ زیور ہیں جو دراہم صحیحہ سے بنائے جاتے ہیں، ان کی سفیدی اور صفائی کی وجہ سے ان کو وضوح کہا جاتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایام البیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) کے روزوں کو ''صیام الاواضح'' فرمایا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''صوموا من وضح الی وضح'' (المعجم الطبرانی ج ۱ ص ۱۵۷، الصحیحہ للالبانی ج ۸ ص ۱۹۱) یعنی ایک ضوح سے دوسری ضوح تک روزہ رکھو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ہلال سے دوسرے ہلال تک روزہ رکھو اور یہ

زیادہ واضح ہے کیونکہ اس حدیث میں اوضاح کا لفظ ہے: جب تم پر چاند مشتبہ ہو جائے تو تیس (۳۰) دن کی گنتی پوری کرو۔

اور اسی لفظ سے یہ حدیث ماخوذ ہے: ''غیروا الوضح''، یعنی سفید بالوں کو متغیر کرو یعنی ان کو رنگو۔

(میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے لفظ وَضَحٌ سے متعلق جو احادیث ذکر کی ہیں یہ سب علامہ المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ کی کتاب ''النہایہ فی غریب الحدیث والاثر'' ج ۵ ص ۱۷۰، میں مذکور ہیں)۔

و رَضَخ: رَضْخٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو توڑنا اور کوٹنا اور یہ سر کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

فی آخر رمق: یعنی اس میں بقیہ روح تھی۔

وَقَد أُصمتت: یعنی جب کسی کی زبان میں گرہ پڑ جائے اور وہ بولنے سے عاجز ہو۔

حدیث مذکور کی روایت کے مختلف الفاظ

اس حدیث کے الفاظ مختلف ہیں، بعض احادیث میں ''رض راسه بین حجرین'' کے الفاظ ہیں یعنی اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر پھاڑ دیا گیا، یہ صحیح مسلم: ۱۶۷۲ میں ہے۔

اور سنن ابوداؤد: ۴۵۲۷ میں مذکور ہے کہ ایک یہودی نے انصار کی ایک لڑکی کو قتل کر دیا جس پر زیورات تھے، پھر اس لڑکی کو کنوئیں میں ڈال دیا اور اس کا سر پتھروں سے کچل دیا، پھر اس یہودی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس یہودی کو پتھروں سے رجم کیا جائے حتیٰ کہ وہ مر جائے، سو اس کو رجم یعنی سنگسار کیا گیا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔

حدیث مذکور سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال کہ جس کیفیت سے قاتل نے کسی کو قتل کیا ہے اسی کیفیت سے اس سے قصاص لیا جائے گا

اس حدیث سے عمر بن عبد العزیز متوفی ۱۰۱ھ اور قتادہ متوفی ۱۱۷ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، ابن سیرین اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ اور علامہ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ اور علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ اور غیر مقلدین کی ایک جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ قاتل نے مقتول کو جس کیفیت سے قتل کیا ہو قصاص میں قاتل کو اسی کیفیت سے قتل کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ کا موقف کہ قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا اور اس کے ثبوت میں احادیث

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا مذہب یہ ہے کہ جس مرد پر قصاص واجب ہے، اس کا قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف'' یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۷)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف'' یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۸)

اگر چہ ان حدیثوں کی سند میں جعفر الجعفی اور مبارک بن الفضالہ پر جرح کی گئی ہے لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اس لیے یہ حسن لغیرہ ہے، اس لئے اس سے استدلال صحیح ہے، علاوہ ازیں اس حدیث سے متعدد اہل علم نے استدلال کیا ہے اور اہل علم کے استدلال سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کا حدیث ''لاقود الا بالسیف'' سے استدلال

عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ، ابراہیم النخعی التوفی ۹۶ھ، حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ جس پر قصاص واجب ہو اس کو صرف تلوار سے قتل کیا جائے گا۔

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ یہ ابوسلیمان کا قول ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف'' یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا، یہ حدیث پانچ (۵) صحابہ سے مروی ہے: (۱) حضرت ابوبکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ متوفی ۵۱ھ، (۲) حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما متوفی ۶۴ھ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ (۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ (۵) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ۔

حدیث ''لاقود الا بالسیف'' کی تخریج اور تحقیق

رہی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کو امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے از الحسن از ابوبکرہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے: آپ نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف''۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۸، دار الفکر بیروت، سنن دارقطنی: ۳۱۳۵، ج ۱۰ ص ۳۲، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

رہی حدیث حضرت النعمان بن بشیر کی تو کی بھی امام ابن ماجہ نے از جعفر الجعفی از ابی عازب از حضرت النعمان بن بشیر روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف''۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۱، دار الفکر بیروت، سنن دارقطنی: ۳۱۳۶، ج ۱۰ ص ۳۲، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ)

رہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی التوفی ۳۶۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہے: از ابراہیم از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف''۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۰۴۴، ج ۱۰ ص ۸۹، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۶ھ، مجمع الزوائد، ج ۶ ص ۲۹۱، سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۳)

رہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی امام علی بن عمر الدارقطنی التوفی ۳۸۵ھ نے از الزہری از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف''۔

(سنن دارقطنی: ۳۰۷۳، ج ۳ ص ۱۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ، سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۳، العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۷۹۲، الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۲۳۲)

رہی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی بھی امام الدارقطنی التوفی ۳۸۵ھ نے از ابی اسحاق از عاصم بن فہرہ از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بحدیدۃ'' یعنی لوہے کے ہتھیار کے بغیر قصاص نہیں لیا جائے

گا۔ (سنن دار قطنی: ۳۰۷۴، ج ۳ ص ۱۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ، سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۳)

نیز امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ نے از ابراہیم از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بسلاح'' کہ قصاص صرف لوہے کے ہتھیار سے لیا جائے گا۔

(سنن دار قطنی: ۳۰۷۶، ج ۳ ص ۱۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ، المعجم الکبیر: ۱۰۰۴۴، ج ۱۰ ص ۱۰۹، سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۳، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۹۴، التلخیص الحبیر للحافظ ابن حجر ج ۴ ص ۳۸-۳۹)

امام ابوحنیفہ کی مستدل بہا روایات پر فقہاء شافعیہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات

امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار الشافعی التوفی ۲۹۲ھ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس حدیث کی حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے مُرسلاً روایت کی ہے۔ علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: اس حدیث کی متابعت الولید بن صالح بن محمد الایلی نے از مبارک بن فضالہ از الحسن از ابوبکرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی التوفی ۸۰۷ھ نے امام بزار کی سند سے از جابر از ابی عازب از النعمان بن بشیر از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف'' حافظ الہیثمی نے کہا کہ امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ ''لا قود الا بالسیف فقط'' امام البزار شافعی متوفی ۲۹۲ھ نے کہا ہے کہ ہمارے علم کے مطابق اس حدیث کی روایت صرف النعمان سے ہے اور ان سے اس کی روایت ابو عازب نے کی ہے اور ان سے اس کی روایت صرف جابر نے کی ہے۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۲ ص ۲۰۵، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۴ھ، سعیدی غفرلہ)

امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی الشافعی التوفی ۳۶۵ھ نے الکامل فی ضعفاء الرجال میں اس حدیث کی روایت کی ہے، اور اس کو الولید کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ الولید کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔

اور امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی التوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے کہ المبارک بن فضالہ کی احادیث سے استدلال نہیں کیا جاتا، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ المبارک بن فضالہ کی احادیث کی امام ابو حاتم محمد بن حبان شافعی متوفی ۳۵۴ھ نے اپنی صحیح میں روایات کی ہیں اور امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے المستدرک میں ان کی روایات کی ہیں اور ان کی توثیق کی ہے۔

میں کہتا ہوں: امام عبد اللہ بن علی بن جرجانی التوفی ۳۶۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ از الزہری از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف''۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۴ ص ۲۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۵۴)

نیز امام عبد اللہ بن علی بن جرجانی التوفی ۳۶۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ از ابراہیم از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف''۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ ص ۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

جس حدیث کو امام بزار شافعی متوفی ۲۹۲ھ نے مرسل قرار دیا ہے اس کی امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اپنی سند میں مرسلاً

روایت کی ہے از ہشیم از اشعث از عبدالملک از حسن بصری از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا: ''لا قود الا بحدیدۃ''۔

(میں کہتا ہوں: ہمارے پاس مسند احمد بن حنبل کے جو دستیاب نسخے ہیں، مثلاً موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۲۰ھ، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۹ھ اور مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ، ان میں یہ حدیث درج نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کے پاس مسند احمد کا کوئی ایسا نسخہ ہو جس میں یہ حدیث مندرج ہو، واللہ اعلم بالصواب۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اسی طرح اس حدیث میں امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اس سند کے ساتھ روایت کی ہے: عیسیٰ بن یونس از اشعث و عمرو از الحسن البصری از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف''۔

(میں کہتا ہوں: یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۲۹۵ مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ اور ج ۹ ص ۳۵۴، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ میں موجود ہے)

نیز یہ حدیث از ابوالاحوص مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۷۳۱۱، اور از وکیع: مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۲۵۴، میں مذکور ہے اور یہ دونوں حدیثیں از سفیان از جعفر الجعفی از ابی عازب از حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما مروی ہیں، مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ، سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث از جعفر الجعفی ضعیف ہے، علامہ عبدالرحمٰن بن الجوزی التوفی ۵۹۷ھ نے کہا ہے کہ اس کے ضعف پر اتفاق ہے، یہ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی التوفی ۷۹۴ھ صاحب التنقیح کا قول ہے، علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ صاحب التنقیح پر تعجب ہے کیونکہ انہوں نے اس مقام کے علاوہ دوسری جگہ پر لکھا ہے کہ جعفر الجعفی کی الثوری اور شعبہ نے توثیق کی ہے اور تمہارے لئے ان کی توثیق کافی ہے، پس صاحب تنقیح نے یہ قول بھی کہا اور پھر یہ بھی نقل کیا کہ جعفر الجعفی کے ضعف پر اتفاق ہے اور یہ واضح تناقض ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ابوعازب کا نام مسلم بن عمرو ہے، اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند میں عبدالکریم بن ابی المخارق ہے اور وہ ضعیف راوی ہے تو میں کہوں گا کہ ان کی حدیث دیگر راویوں سے تقویت پا گئی ہے۔

پس اگر تم اعتراض کرو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۸ھ کی سند میں معلّٰی بن ہلال ہے اور وہ بھی متروک راوی ہے، تو میں کہوں گا کہ متروک کا لفظ کبھی مقبول کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس سے سقوط کیا جاتا ہے کیونکہ مقصود اس کے بغیر بھی حاصل ہوجاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان احادیث میں بعض سندیں دوسری احادیث کے لئے شاہد ہیں اور ان احادیث کا کم سے کم احوال یہ ہے کہ وہ حسن لغیرہ ہیں، لہٰذا ان احادیث سے استدلال صحیح ہے۔

علامہ کرمانی اور علامہ ابن ملقن کے تعصب پر علامہ عینی کا رد

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی التوفی ۷۸۶ھ پر تعجب ہے کہ انہوں نے کہا کہ امام بخاری کے اس باب کی حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ قصاص بالمثل لینا جائز ہے اور اس میں فقہاء احناف کا اختلاف ہے، پس علامہ کرمانی نے یہ کیوں نہیں کہا کہ جن احادیث میں ''لا قود الا بالسیف'' مذکور ہے ان کی فقہاء شافعیہ نے مخالفت کی ہے اور اس سے بھی زیادہ تعجب علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ صاحب التوضیح پر ہے کیونکہ انہوں نے کہا: یہ حدیث امام ابوحنیفہ پر حجت ہے جو کہتے ہیں کہ صرف تلوار سے قصاص لیا جائے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۲۰، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن شافعی نے صرف امام ابوحنیفہ پر طعن کیا ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ اپنے اس قول میں منفرد نہیں ہیں کہ قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا بلکہ فقہاء کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، جیسے عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ، الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ، ابراہیم النخعی المتوفی ۹۶ھ اور سفیان الثوری المتوفی ۱۶۱ھ ہیں اور یہ وہ ائمہ ہیں جو امور دین کے ستون ہیں لیکن علماء شافعیہ نے امام ابوحنیفہ کے خلاف تعصب کی وجہ سے ''لاقود الا بالسیف'' پر عمل کرنے میں صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی تخصیص کی ہے۔

صحیح البخاری کے باب مذکور کی حدیث سے ائمہ ثلاثہ کے قصاص بالمثل پر استدلال کے فقہاء احناف کی طرف سے جوابات

فقہاء احناف نے صحیح البخاری: ۵۲۹۵، کے متعدد جوابات دیئے ہیں، اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب ایک یہودی نے ایک لڑکی کا پتھر سے سر کچل کر اس کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اس یہودی کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ قصاص بالمثل ہونا چاہیے، سو اس حدیث کے درج ذیل جوابات ہیں:

(۱) یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے جب قاتل کو صرف مقتول کے قول سے قتل کر دیا جاتا تھا اور جس طرح اس نے قتل کیا تھا اسی طرح قاتل کو قتل کیا جاتا تھا اور نہ صرف مقتول کا قول قصاص کے لئے کافی نہیں ہے، جب تک کہ دو مسلمان مرد اس پر گواہی نہ دیں کہ اس قاتل نے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور ائمہ ثلاثہ بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کیونکہ مقتول کا قول تو صرف اس کا دعویٰ ہے، اور کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے مقبول نہیں ہوتا۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی کو صرف اس کے اعتراف کی وجہ سے قتل کیا تھا اور امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ اور امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ کی روایت میں لفظ اعتراف مذکور ہے اور صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ اس یہودی کو پکڑا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی سے علم ہو گیا تھا کہ وہ یہودی اس لڑکی کا قاتل ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کے ثبوت میں نہ گواہوں کو طلب کیا اور نہ اس سے اقرار کرایا۔

(۴) امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ اللہ کے لئے اس یہودی کو قتل کرنا واجب ہے، کیونکہ اس یہودی نے اس لڑکی سے زیورات چھیننے کے لئے اس کو قتل کیا تھا اور جو شخص ڈاکو ہو اس کو اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لئے قتل کرنا واجب ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو تلوار سے قتل کیا جائے بلکہ اس کو قتل کرنا امام کی رائے کی طرف مفوض ہے، وہ جس طرح چاہے اس کو قتل کر دے۔

(۵) اس یہودی کے سر کو جو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچلا گیا تو یہ اس زمانہ کی بات ہے جب مُثلہ کرنا مباح تھا جیسا کہ عُرینیین کی حدیث میں مذکور ہے کیونکہ ان کی آنکھوں میں بھی گرم سلائیاں پھیری گئی تھیں، پھر جب مُثلہ کرنے کا حکم منسوخ ہوا تو اس طرح قتل کرنا بھی منسوخ ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۸-۴۱۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ علامہ عینی کے درجات اور مراتب کو بلند فرمائے انہوں نے تن تنہا امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کے خلاف ائمہ ثلاثہ اور فقہاء شافعیہ کے تمام اعتراضات کے مسکت اور مدلل جوابات تحریر فرمائے اور امام ابوحنیفہ کے موقف کو بہ کثرت احادیث صحیحہ اور

آثار تو یہ سے ظاہر فرمایا۔ فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء

٥٢٩٦۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ الْفِتْنَةُ مِنْ هَا هُنَا وَأَشَارَ إِلَى الْمَشْرِقِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ فتنہ یہاں سے نکلے گا اور آپ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

(صحیح البخاری: ٣١٠٤، ٣٢٧٩، ٣٥١١، ٥٢٩٦، ٧٠٩٣، صحیح مسلم: ٢٩٠٥، سنن ترمذی: ٢٢٦٨، مسند احمد: ٥٠٨٨، موطا امام مالک: ١٨٢٤)

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا اور قبیصہ یہ ابن عقبہ الکوفی ہیں اور سفیان سے مراد سفیان ثوری متوفی ١٦١ھ ہیں اور سفیان ثوری اس روایت میں منفرد ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٤١٠، دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤٢١ھ)

حدیث مذکور کے موافق دیگر احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت آپ کا مشرق کی طرف منہ تھا، آپ نے فرمایا: فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا، فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا، فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا، جہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہوگا۔

(صحیح مسلم: ٢٩٠٥، الرقم المسلسل: ٧١٨٨، مسند احمد: ٤٩٨٠، ٥٤٢٩، ٦٣١٠)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ کے گھر سے باہر آئے، پس آپ نے فرمایا: کفر کا سر اس طرف ہے جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا یعنی مشرق۔ (صحیح مسلم: ٢٩٠٥، الرقم المسلسل: ٧١٨٩، مسند احمد: ٤٧٥١)

٥٢٩٧۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ لِرَجُلٍ انْزِلْ فَاجْدَحْ لِي قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ أَمْسَيْتَ ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَاجْدَحْ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ أَمْسَيْتَ إِنَّ عَلَيْكَ نَهَارًا ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَاجْدَحْ فَنَزَلَ فَجَدَحَ لَهُ فِي الثَّالِثَةِ فَشَرِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ أَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى الْمَشْرِقِ فَقَالَ إِذَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں جریر بن عبدالحمید نے حدیث بیان کی از ابواسحاق شیبانی از عبداللہ بن ابی اوفی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، پس جب سورج غروب ہوگیا تو آپ نے ایک مرد سے فرمایا: سواری سے اترو، اور میرے لئے ستو پانی میں گھولو، اس مرد نے کہا یا رسول اللہ! اگر آپ شام کرلیں، آپ نے فرمایا: اترو، پس میرے لئے ستو گھولو، اس نے کہا: یارسول اللہ اگر آپ شام کرلیں کیونکہ

رَأَيْتُمُ اللَّيْلَ قَدْ أَقْبَلَ مِنْ هَا هُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ۔

ابھی آپ کے اوپر دن ہے، آپ پھر اترے اور فرمایا: اترو پس میرے لیے ستو گھولو، وہ مرد اترا اور تیسری بار کہنے پر ستو پانی میں گھولے، پھر آپ نے ستو پیے اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ جب تم دیکھو کہ رات یہاں سے آ گئی ہے تو اس وقت روزے دار کا روزہ افطار ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۱۹۴۱، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، ۱۹۵۸، ۵۲۹۷، صحیح مسلم: ۱۱۰۱، سنن ابوداؤد: ۲۳۵۲، مسند احمد: ۱۸۹۰۵)

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت اور بعض رجال کا تعارف اور حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

علی بن عبداللہ ابن المدینی ہیں اور ابواسحاق شیبانی سلیمان بن ابوسلیمان ہیں اور ان کا نام فیروز الکوفی ہے اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ابن اوفیٰ ہیں، سو یہ صحیح نہیں ہے اور ابواوفیٰ کا نام علقمہ اسلمی ہے، علامہ الواقدی نے کہا کہ ان کی وفات ۸۶ھ میں ہوئی اور یہ کوفہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں، ان سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاجدح": اس کا معنی ہے: ستو کو پانی میں گھولنا اور اس حدیث میں ہے "فقد افطر الصائم": اس کا معنی ہے یعنی افطار کا وقت داخل ہو گیا جیسے "احصد الزرع" یعنی فصل کاٹنے کا وقت آ گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۹۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدًا مِنْكُمْ نِدَاءُ بِلَالٍ أَوْ قَالَ أَذَانُهُ مِنْ سَحُورِهِ فَإِنَّمَا يُنَادِي أَوْ قَالَ يُؤَذِّنُ لِيَرْجِعَ قَائِمُكُمْ وَلَيْسَ أَنْ يَقُولَ كَأَنَّهُ يَعْنِي الصُّبْحَ أَوِ الْفَجْرَ وَأَظْهَرَ يَزِيدُ يَدَيْهِ ثُمَّ مَدَّ إِحْدَاهُمَا مِنَ الْأُخْرَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، از سلیمان التیمی از ابی عثمان از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی ایک کو بلال کی اذان کھانے پینے سے منع نہ کرے یا فرمایا: اس کی اذان سحری کھانے سے منع نہ کرے، کیونکہ وہ رات میں اذان دیتے ہیں تاکہ تم میں سے تہجد کی طرف قیام کرنے والا رجوع کرلے اور وہ صبح یا فجر کے وقت اذان نہیں دیتے، پھر راوی یزید نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ظاہر کیا پھر ان میں سے ایک کو دوسرے کے اوپر کھینچا۔

امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے:

نبی ﷺ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اور انگلیوں کو اوپر کی جانب بلند کیا اور نیچے کی جانب لٹکایا حتیٰ کہ آپ نے اس طرح فرمایا، راوی ظہیر نے کہا کہ آپ نے ایک انگلی کو دوسری انگلی پر رکھا، پھر اس کو دائیں اور بائیں جانب کھینچا۔

(صحیح البخاری: ۶۲۱، ۵۲۹۸، ۷۲۴۷، صحیح مسلم: ۱۰۹۳، سنن نسائی: ۲۱۷۰، سنن ابوداؤد: ۲۳۴۷، سنن ابن ماجہ: ۱۶۹۶، مسند احمد: ۳۷۰۹)

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت اور بعض رجال کا تذکرہ اور حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس سے سمجھ میں آتی ہے کہ راوی یزید نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ظاہر کیا، پھر ان دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو دوسرے کی طرف کھینچا اور صحیح البخاری: ۶۲۱، میں ہے کہ آپ نے اپنی انگلیوں کو اوپر کی جانب اٹھایا اور پھر نیچے کی جانب اس طرح جھکایا اور اس سے اشارہ کی مراد ظاہر ہوتی ہے۔

عبداللہ بن مَسلمہ: اس میں میم پر زبر ہے اور یزید کا لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے اور یہ ابن زُریع ہیں اور سلیمان التیمی وہ سلیمان بن طرخان ہیں اور ابوعثمان کا نام عبدالرحمٰن بن مل النہدی ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم میں سے کسی کو بلال کی اذان اس کے سحور سے نہ روکے یعنی سحری کھانے سے، نیز اس حدیث میں مذکور ہے: تاکہ تمہارا قائم رجوع کرلے یعنی جو تہجد پڑھ رہا ہو تو وہ آرام کی طرف رجوع کرلے بایں طور کہ فجر طلوع ہونے سے پہلے تھوڑی دیر آرام کرلے۔

اور وہ صبح اور فجر کے وقت اذان نہیں دیتے: اس سے مراد یہ ہے کہ جو روشنی اوپر سے نیچے کی طرف جاتی ہے وہ صبح کاذب ہے اور جو روشنی دائیں سے بائیں جانب پھیلتی ہے وہ صبح صادق ہے۔ راوی نے اپنے دو ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا اور اس کو کھینچا: خلاصہ یہ ہے کہ یزید نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر ظاہر کرکے صبح کاذب کی طرف اشارہ کیا اور پھر دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو کھینچ کر صبح صادق کی طرف اشارہ کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۱-۴۱۲، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۲۹۹ـ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُنْفِقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ مِنْ لَدُنْ ثُدَيَّيْهِمَا إِلَى تَرَاقِيهِمَا فَأَمَّا الْمُنْفِقُ فَلَا يُنْفِقُ شَيْئًا إِلَّا مَادَّتْ عَلَى جِلْدِهِ حَتّٰى تُجِنَّ بَنَانَهُ وَتَعْفُوَ أَثَرَهُ وَأَمَّا الْبَخِيلُ فَلَا يُرِيدُ يُنْفِقُ إِلَّا لَزِمَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَوْضِعَهَا فَهُوَ يُوسِعُهَا فَلَا تَتَّسِعُ وَيُشِيرُ بِإِصْبَعِهِ إِلَى حَلْقِهِ۔

(صحیح البخاری: ۱۴۴۳، ۲۹۱۷، ۵۲۹۹، ۵۷۹۷)

اور اللیث نے کہا: مجھے جعفر بن ربیعہ نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن ہرمز، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخیل اور خرچ کرنے والوں کی مثال ان دو مردوں کی مثل ہے جن پر لوہے کے دو کوٹ، ان کے پستانوں سے لے کر ان کی ہنسلیوں تک ہوں، پس رہا خرچ کرنے والا تو وہ جب بھی کوئی چیز خرچ کرتا ہے تو اس کی کھال کے اوپر وہ کوٹ دراز ہو جاتا ہے اور اتنا کشادہ ہو جاتا ہے کہ پاؤں کی انگلیوں تک کو ڈھانپ لیتا ہے اور راستہ چلنے میں اس کے قدم کے نشان مٹاتا جاتا ہے، یعنی اتنا نیچا ہو جاتا ہے اور بخیل جب کچھ خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے کوٹ کا ہر حلقہ اپنی جگہ سمٹ کر تنگ ہو جاتا اور وہ اسے ڈھیلا کرنا چاہتا ہے مگر وہ ڈھیلا نہیں ہوتا، آخر وہ اپنی انگلی سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مناسبت اور حدیث کے مشکل الفاظ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ اس جملہ میں مطابقت ہے کہ بخیل اپنی انگلی سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور امام بخاری نے اس حدیث کی روایت اپنے شیخ اللیث بن سعد سے کی ہے۔

تراقیھما: یہ لفظ ترقوۃ کی جمع ہے، یہ اس بڑی ہڈی کو کہتے ہیں، جو اس کی ہنسلی سے لے کر کندھوں تک ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۵۔ بَابُ: اللِّعَانِ — لعان کا بیان

لعان کا لغوی معنی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب لعان کے احکام کے بیان میں ہے، لفظ لعان مصدر ہے اور یہ باب لاعن یلاعن ملاعنة ولعانا کا مصدر ہے اور یہ لفظ ''اللعن'' سے ماخوذ ہے اور لعن کا معنی ہے: دھتکارنا اور دور کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا یا ہر ایک کو اپنے سے دور کرنا اور لعان کرنے والے کبھی ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔

اللعان اور الالتعان اور الملاعنه تینوں لفظوں کا ایک معنی ہے، کہا جاتا ہے: تلاعن والتلعن، لاعن عن الحکم بینهما اور مرد ملاعن ہے اور عورت ملاعنہ ہے، ان کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے نفس پر پانچویں مرتبہ لعنت کرتا ہے اور یہ کل کا نام جز کے نام پر رکھنا ہے جیسے صلاۃ کا نام رکوع اور سجود بھی رکھا جاتا ہے۔

لعان کا شرعی معنی

لعان کا شرعی معنی ہے: ایسی مؤکد شہادت دینا اور قسم کھانا جو شہادت کے ساتھ مقرون ہو یعنی ملی ہوئی ہو، اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: یہ ایسی قسمیں ہیں جو لفظِ شہادت کے ساتھ مؤکد ہوں، پس ان کے نزدیک اس میں قسم کی اہلیت شرط ہے تو یہ مسلمان اور اس کی کافر بیوی کے درمیان قسم ہوتی ہے اور کافر مرد اور کافرہ عورت کے درمیان یہ قسم منعقد ہوتی ہے اور غلام اور اس کی بیوی کے درمیان یہ قسم منعقد ہوتی ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور ہمارے نزدیک لعان میں شہادت کی صلاحیت اور اہلیت شرط ہے، لہٰذا لعان صرف دو آزاد عاقل بالغ مسلمانوں کے درمیان منعقد ہوگا جن پر حدِ قذف لگی ہوئی نہ ہو، قرآن مجید کی آیت میں لفظ لعن اور غضب دونوں مذکور ہیں، لیکن لعان کے لفظ کو اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ لفظ آیت میں پہلے مذکور ہے اور اس لئے کہ مرد کی جانب عورت سے زیادہ قوی ہے اور اس لئے کہ وہ لعان کی ابتداء کرنے پر قادر ہے نہ کہ عورت اور اس لئے کہ مرد اپنے لعان سے رجوع کر سکتا ہے نہ کہ عورت، اور عورت کے لعان میں لفظ غضب کا خصوصیت سے ذکر ہے کیونکہ مرد کی بہ نسبت اس کا گناہ زیادہ ہے، کیونکہ اگر مرد جھوٹا ہو تو اس کا گناہ تہمت لگانے سے زیادہ نہیں ہوگا اور اگر عورت جھوٹی ہو تو اس کا گناہ مرد سے زیادہ ہوگا کیونکہ وہ شوہر کے بستر پر اجنبی مرد کو جگہ دیتی ہے، لعان کو اس لئے جائز قرار دیا ہے تاکہ نسب محفوظ رہے اور مرد سے عار دور ہو سکے اور علماء کا لعان کی مشروعیت پر اجماع ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۲-۴۱۳، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

لعان کے متعلق قرآن مجید کی آیات (النور ۹-۶)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ۞ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞

(النور:۶-۹)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو O اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند) سچوں میں سے ہو O

آیات لعان کی تفسیر از علامہ ماتریدی

امام ابومنصور محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ آیات لعان کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں ''والذین یرمون المحصنٰت''، فرمایا یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور پھر یہ بتایا کہ لعان کی وجہ کیا ہے، سو وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور پھر زنا کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کرتے، کیونکہ زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی گواہی مشروط ہے اور اس کے علاوہ اور کسی جرم کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کی شرط نہیں ہے۔

المحصنٰت: کا معنی ہے: آزاد عورتیں، اور اس جگہ اس سے مراد پاک دامن عورتیں نہیں ہیں اور آزاد عورتوں کی قید اس لئے ہے کیونکہ جو باندی پر زنا کی تہمت لگائے اس پر حد قذف نہیں ہے، بلکہ تعزیر لازم ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

(النساء:۲۵)

پھر (اگر) وہ عورتیں بے حیائی کا کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری) عورت کی آدھی سزا ملے گی (باندیوں سے نکاح کا) یہ حکم تم میں سے اس شخص کے لئے ہے جس کو اپنے نفس پر بدچلنی کا خدشہ ہو اور تمہارے لئے صبر کرنا بہتر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے باندیوں کی سزا آزاد عورتوں کی نصف رکھی ہے اور اس لئے کہ اگر ہم مُحصنٰت سے پاک دامن عورتیں مراد لیتے نہ کہ آزاد عورتیں تو پھر ہم گواہوں کی شہادت کو ساقط کر دیتے کیونکہ ان عورتوں کی پاکیزگی شہادت کی تکذیب کرتی۔

اسی طرح اس آیت میں الغٰفلٰتِ المومنٰت، کا لفظ پاکیزہ عورتوں پر دلالت کرتا ہے، پس اس میں یہ دلیل ہے کہ محصنٰت سے مراد آزاد عورتیں ہیں، پھر محسنین کو اس آیت میں تہمت لگانے اور حد قذف میں داخل کیا گیا ہے اگرچہ ان کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔

زنا کی سزا میں تغلیظ اور تشدید کی توجیہ

پھر اللہ تعالیٰ نے زنا کے حکم میں اتنی تغلیظ اور تشدید کی جتنی تغلیظ اور تشدید کسی اور جرم میں نہیں کی ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حدزنا کو معطل کرنے اور اس میں تخفیف کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (النور:۲)

زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے ○

(۲) شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے جس طرح کتے کو پتھر مار مار کر بھگایا جاتا ہے اور شادی شدہ زانی کو پتھر مار مار کر قتل کردیا جاتا ہے۔

(۳) تہمت لگانے والا جب چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اس کے اوپر حد قذف لگانے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ اسی (۸۰) کوڑے ہیں۔

(۴) عقل کے نزدیک اور شریعت میں اور انسان کی طبیعت میں زنا بہت قبیح فعل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد زنا سے متنفر ہوتا ہے اور عقل بھی اس کو برا جانتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب عقل اور طبع کے نزدیک زنا سے نفرت کی جاتی ہے تو کوئی شخص زنا کا ارتکاب نہ کرے اور زنا نہ کرے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

عقل اور طبع اس فعل سے متنفر ہوتی ہے مگر انسان میں جو شہوت رکھی ہے وہ اس پر غالب ہو جاتی ہے اور اس سے نفرت کرنے سے منع کرتی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر انسان زنا کی مثل کا اپنی ماں اور بیٹی اور تمام محارم کے متعلق غور وفکر کرے تو وہ اس کو برداشت نہیں کرے گا، حدیث میں ہے:

حضرت امامہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجئے تو آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر تمہاری ماں یا تمہاری بیٹی کے ساتھ زنا کیا جائے تو کیا تم اس کو ناپسند کرو گے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم دوسروں کے لئے بھی اس چیز کو ناپسند کرو جس چیز کو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۵۶-۲۵۷، مکتبہ اسلامی بیروت، المعجم الکبیر للطبرانی بہ حوالہ کنز العمال: ۴۶۱۱۰)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ زنا کا فعل عقل اور طبع دونوں کے نزدیک قبیح ہے مگر شہوت اس کے ساتھ تنفر سے منع کرتی ہے۔

زنا کے سبب سے علوم اور معارف ضائع ہو جاتے ہیں جن کو مخلوق کے درمیان بنایا گیا ہے، حتیٰ کہ کوئی شخص کسی معلم کی طرف ہدایت نہیں پائے گا جو اس کو حکمت، آداب، معالم السنن، اور احکامِ شرعیہ کی ہدایت دے اور اس سے صلہ رحم اور حقوق کی حفاظت مرتفع ہو جائے گی، جو ایک دوسرے کے لئے حقوق ثابت ہوتے ہیں، اور جو ایک دوسرے کے لئے شفقت ہوتی ہے وہ بھی ساقط ہو جائے گی، اور بچوں کی تربیت ساقط ہو جائے گی اور محارم کے حقوق ساقط ہو جائیں گے اور یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں

کہ زنا عقلاً اور طبعاً قبیح ہے اور انتہائی بے حیائی اور برائی کا کام ہے حتیٰ کہ جو شخص اس کو جاننے والا ہو وہ اس کو انتہائی قبیح اور انتہائی بے حیائی کا فعل قرار دے گا اور اس کی بے حیائی اور برائی کو صرف وہ عالم روحانی ہی جان سکتا ہے جس میں شہوت (غالب) نہیں ہوتی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے زنا کے جرم کی وہ انتہائی سزا رکھی ہے جو کسی اور جرم کی سزا نہیں رکھی۔

فساق کی شہادت سے حد قذف (اسی (۸۰) کوڑے) نہ مارنے کی تحقیق

جب چار فساق قاذف کی طرف سے شہادت دیں تو قاذف (تہمت لگانے والے) سے حد ساقط ہو جائے گی اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نیک مسلمانوں کی شہادت کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ نیک مسلمان اس واقعہ کی شہادت نہیں دیتے اور نہ اس کی طرف دیکھتے ہیں، اس واقعہ کی فساق شہادت دیتے ہیں اور فساق ہی اس کے حق دار ہیں کہ ان کی وجہ سے حد قذف کو ساقط کر دیا جائے اور یہ حد زنا کی شہادت کو قائم کرنے کی مثل نہیں ہے اور اس لئے کہ وہ اس کی شہادت صرف اس وجہ سے دیتے ہیں کہ ان سے توبہ کا ثبوت ہو اور اس لئے کہ فساق بھی اہل شہادت سے ہیں اور کافروں اور غلاموں کی طرح نہیں ہیں، اور اس لئے کہ اگرچہ فساق کی شہادت قبول نہیں ہوتی لیکن وہ اہل شہادت میں سے ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس نے کسی فاسق پر تہمت لگائی خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، پھر اس کے خاوند نے اس عورت پر تہمت لگائی اور وہ فاسق ہو تو ہم فاسق پر تہمت لگانے والے پر حد قذف لگائیں گے اور خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کا فیصلہ کریں گے۔

اور اگر کسی مسلمان نے کافر پر تہمت لگائی یا کسی آزاد مرد نے کسی غلام پر تہمت لگائی تو اس پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی اور اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو ان کے درمیان لعان کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، سو جس نے اس لعان میں ہماری مخالفت کی ہے وہ ہماری اس میں مخالفت نہیں کرتا کہ جب آزاد مرد غلام پر تہمت لگائے۔

اور مسلمان جب کافر پر زنا کی تہمت لگائے تو ان میں سے کسی ایک پر بھی حد قذف نہیں لگائی جائے گی، سو یہ تمام تفسیر اس کی دلیل ہے کہ فساق اہل شہادت سے ہیں، اور کافر اور غلام اور جس پر حد قذف لگائی گئی ہو وہ اہل شہادت میں سے نہیں ہیں، اگرچہ ان کی شہادت کسی دوسرے معاملہ میں قبول نہیں کی جاتی، پس یہ چیز شبہ کو واجب کرتی ہے اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں، اسی وجہ سے شبہ کی بناء پر حد ساقط کر دی جاتی ہیں۔

جب گواہ الگ الگ زنا کی شہادت دیں تو ان تمام گواہوں پر حد قذف لگانے کی تفصیل

پھر دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب زنا کی شہادت دینے والے الگ الگ آ کر زنا کی شہادت دیں تو ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی اور ہمارے نزدیک قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر حد قذف قائم نہ کی جائے، کیونکہ یہ گواہ ثواب کی نیت سے شہادت دیتے ہیں ان کا مقصد زانی پر تہمت لگانا نہیں ہوتا اور نہ ان کو گالی دینا اور مذمت کرنا مقصد ہوتا ہے، رہا تہمت لگانے والا تو وہ اپنی تہمت سے گالی دینے اور مذمت کرنے کا قصد کرتا ہے اور اس لئے کہ گواہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو یہ کام کرتے ہوئے دیکھا اور تہمت لگانے والا یہ کہتا ہے کہ تو اس طرح ہے یعنی زانی ہے، سو یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے اس کو کفر کرتے ہوئے دیکھا تو اس قول کی وجہ سے اس گواہ کو سزا نہیں دی جائے گی اور اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا: یا کافر! تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی کیونکہ اس کا یہ قول گالی کے قائم مقام ہے اور پہلا قول گالی کے قائم مقام نہیں ہے لیکن جب گواہ الگ الگ آ کر گواہی دیں تو ان

پر حد قذف لگائی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زنا کی شہادت کو دو چیزوں کے ساتھ مؤکد فرمایا ہے:

(۱) ایک یہ ہے کہ چار مردوں سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور اس وقت تک گواہی قبول نہیں ہو گی حتیٰ کہ وہ یہ کہیں کہ فلاں مرد نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہ گواہی نکاح کی گواہی سے زیادہ مؤکد ہے، پس زنا کی شہادت میں اس کی ضرورت ہے کہ گواہ ایک جگہ کے متعلق گواہی دیں اور فقہاء کہتے ہیں کہ اگر دو گواہ الگ الگ عقدِ نکاح کی گواہی دیں تو ان کی گواہی سے عقدِ نکاح کا ثبوت نہیں ہوگا تو زنا جس کا معاملہ زیادہ مؤکد ہے وہ الگ الگ گواہوں کی گواہی سے کیسے ثابت ہوگا؟!

(۲) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس مسئلہ میں پانچ (۵) تعلیقات ذکر کی ہیں:

امام بخاری کی پہلی تعلیق

فَإِذَا قَذَفَ الْأَخْرَسُ امْرَأَتَهُ بِكِتَابَةٍ أَوْ إِشَارَةٍ أَوْ بِإِيمَاءٍ مَعْرُوفٍ فَهُوَ كَالْمُتَكَلِّمِ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ أَجَازَ الْإِشَارَةَ فِي الْفَرَائِضِ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا وَقَالَ الضَّحَّاكُ إِلَّا رَمْزًا إِلَّا إِشَارَةً۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے حضرت ابوبکرہ نُفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ متوفی ۵۱ھ کو حد قذف کے کوڑے مارے اور شبل بن معبد کو حد قذف کے کوڑے مارے، اور نافع متوفی ۱۱۷ھ کو کوڑے مارے، جنہوں نے حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ھ زنا کی تہمت لگائی تھی پھر حضرت عمر نے ان سب سے توبہ طلب کی اور فرمایا: جس نے توبہ قبول کر لی اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۳۵۶۴ تفسیر ابن جریر: ج ۹ ص ۲۶۵، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۲، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۶۲ ص ۲۱۵-۲۱۶)

امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ ثُمَّ زَعَمَ أَنَّ الطَّلَاقَ بِكِتَابٍ أَوْ إِشَارَةٍ أَوْ إِيمَاءٍ جَائِزٌ وَلَيْسَ بَيْنَ الطَّلَاقِ وَالْقَذْفِ فَرْقٌ فَإِنْ قَالَ الْقَذْفُ لَا يَكُونُ إِلَّا بِكَلَامٍ قِيلَ لَهُ كَذَلِكَ الطَّلَاقُ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِكَلَامٍ وَإِلَّا بَطَلَ الطَّلَاقُ وَالْقَذْفُ وَكَذَلِكَ الْعِتْقُ وَكَذَلِكَ الْأَصَمُّ يُلَاعِنُ وَقَالَ الشَّعْبِيُّ وَقَتَادَةُ إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ فَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ تَبِينُ مِنْهُ بِإِشَارَتِهِ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ الْأَخْرَسُ إِذَا كَتَبَ الطَّلَاقَ بِيَدِهِ لَزِمَهُ وَقَالَ حَمَّادٌ الْأَخْرَسُ وَالْأَصَمُّ إِنْ قَالَ بِرَأْسِهِ جَازَ

بعض لوگ کہتے ہیں: اشارہ سے نہ حد ثابت ہوتی ہے نہ لعان۔ پھر کہتے ہیں: لکھنے یا ہاتھ کے اشارہ سے یا سر کے اشارہ سے طلاق جائز ہے حالانکہ طلاق اور قذف کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر وہ کہے: قذف صرف کلام کے ساتھ جائز ہے ورنہ طلاق اور قذف دونوں باطل ہونے چاہئیں' اسی طرح آزاد کرنا ہے (یعنی اشارہ سے نافذ ہوجاتا ہے) اسی طرح بہرے کا حکم ہے لعان کرنے میں، امام شعبی اور قتادہ نے کہا: جب کوئی اپنی بیوی سے کہے: تجھے طلاق پھر اپنی انگلیوں سے نکلنے کا اشارہ کرے تو اشارہ سے وہ بائنہ ہوجائے گی۔ ابراہیم نے کہا: گونگا جب اپنے ہاتھ سے طلاق لکھے تو طلاق لازم ہوجائے گی اور حماد نے کہا: گونگا' بہرہ اگر سر سے اشارہ کرے گا تو جائز ہوگا۔

اور عبداللہ بن عتبہ متوفی ۷۰ھ محدود فی القذف کی شہادت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۶۵)
اور عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ھ نے بھی اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۳۵۶۰ تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۶۵)
اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ نے بھی اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن جریر بہ حوالہ تغلیق التعلیق ج ۳ ص ۳۷۹)
اور طاؤس متوفی ۱۰۶ھ اور مجاہد متوفی ۱۰۴ھ نے بھی اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔
(کتاب الام للامام الشافعی ج ۷ ص ۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۲۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۳)
اور عامر بن شراحیل متوفی ۱۰۳ھ نے بھی اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ (مسند ابن الجعد: ۱۸۸ تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۵۶)
اور عکرمہ البربری المتوفی ۱۰۵ھ نے بھی اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ (مسند ابن الجعد: ۱۳۲۲)
اور ابن شہاب زہری المتوفی ۱۵۲ھ نے بھی ان کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے
(موطا امام مالک ج ۲ ص ۷۲۱، تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۶۵)
اور محارب بن دثار متوفی ۱۱۶ھ اور شریح بن ہانی متوفی ۷۸ھ اور معاویہ بن قرہ متوفی ۱۱۳ھ نے بھی ان کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ میں نے ان تینوں میں سے کسی ایک کی بھی یہ تصریح نہیں دیکھی۔
(فتح الباری ج ۵ ص ۲۵۷، دار الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علامہ ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ، شبل بن معبد اور نافع ان تینوں کو صحابہ کی جماعت کے سامنے حد قذف لگائی اور کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا، پس گویا کہ اس پر اجماع ہو گیا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوبکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ متوفی ۵۱ھ نے اس کے بعد کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں (کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ھ نے ایک باندی سے زنا کیا ہے) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے فرمایا: اگر آپ ان کو کوڑے مارتے ہیں تو ان کے باقی ساتھیوں کو بھی کوڑے ماریں، پس مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو کوڑے مارنے پر انکار نہیں کیا جب کہ چار گواہوں کا نصاب پورا نہیں ہوا تھا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۴۴۹-۴۴۸، سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۳۵-۲۳۴)

اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جب تہمت لگانے والے متفرق طور پر آئیں تو وہ سب تہمت لگانے والے قرار پائیں گے اور یہ انتظار نہیں کیا جائے گا کہ کوئی اور آ کر بھی ان کے ساتھ گواہی دے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتظار نہیں کیا تھا۔

تہمت لگانے والے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَ اَصۡلَحُوۡا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۞ (النور: ۵)

سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ قبول کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۝

علامہ ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک تہمت لگانے والے کی توبہ ظاہر نہیں ہے کیونکہ اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کی پردہ دری نہیں کرے گا یا یہ دعویٰ کرے کہ وہ کبھی بھی اس شخص پر تہمت نہیں لگائے گا جو

تہمت سے بری ہے، پس جو وجہ بھی ہو تو تہمت لگانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فاسق قرار دیا ہے اور ان کی توبہ لوگوں کے نزدیک ظاہر نہیں ہے، اسی وجہ سے وہ مقبول نہیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے فرمایا: تہمت لگانے والے کی توبہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے جب وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اور جھوٹ کو معاف فرما دے گا اور متعدد سلف صالحین کا یہی قول ہے جیسے الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ ھ (الدرالمنثور ج ۵ ص ۴۲) اور جیسے ابراہیم النخعی المتوفی ۹۶ ھ (الدرالمنثور ج ۵ ص ۴۲) اور ان کے امثال۔

تہمت لگانے والے کی توبہ کا دائماً نامقبول ہونا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ (النور: ۴)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں O

سو جب قاضی کے پاس تہمت لگانے والے کسی معاملہ میں گواہی دیں تو ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی خواہ ان کو کوڑے لگا دیے گئے ہوں، اور ہر وہ گواہی جو تہمت کی وجہ سے رد کر دی جائے وہ کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی، اور امام شافعی کا یہ دعویٰ ہے کہ تہمت لگانے والے کا حال حد قذف لگائے جانے سے پہلے اور حد قذف لگائے جانے کے بعد برابر ہے اور یہ قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے النور: ۴ کے بعد فرمایا ہے:

لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (النور: ۱۳)

(تہمت لگانے والے) اس (تہمت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے! پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں O

سو اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والوں کو کاذب قرار دیا جب وہ اپنی تہمت پر چار گواہ لانے سے عاجز ہوں اور اس سے پہلے ان کا معاملہ موقوف تھا، پس واجب ہے کہ ان کو اس وقت کاذب قرار دیا جائے جب وہ اپنی تہمت پر چار گواہ لانے سے عاجز ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا یہ قول غلط ہے کہ محدود فی القذف کا حال حد قذف لگائے جانے سے پہلے اور حد قذف لگائے جانے کے بعد دونوں صورتوں میں برابر ہے۔

اور دونوں حالتوں کے اختلاف پر ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرہ پر حد قذف لگا دی تو ان سے فرمایا: اگر آپ توبہ کر لیں تو آپ کی شہادت مقبول ہوگی اور ان پر حد قذف لگانے سے پہلے ان کی شہادت کو رد نہیں کیا گیا تھا۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ توبہ سے تہمت لگانے والے کا فسق زائل ہو جاتا ہے لیکن اس کی شہادت زائل ہو جاتی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ تہمت لگانے والا خواہ توبہ کر لے اس کی شہادت باطل ہے، حدیث میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمان عدول

ہیں، سوا اس کے جس پر حد قذف لگائی گئی ہو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱، ص ۲۰۴، ص ۲۰۸، ص ۲۲۵، سنن ابن ماجہ: ۲۳۶۶، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۴۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً۔ (النور: ۴)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفصیل میں ایک طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے: پھر مسلمان تھوڑا عرصہ ٹھہرے تھے حتیٰ کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ آ گئے (یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی پر شریک بن السحماء کے متعلق تہمت لگائی تھی اور جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے):

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (التوبہ: ۱۱۸)

اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔

حضرت ہلال بن امیہ نے کہا: یارسول اللہ! بے شک میں نے فلاں شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ہلال! تم کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! یارسول اللہ! میں نے اس کو دیکھا ہے اور میرے کانوں نے اس کی بات سنی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی یہ بات ناگوار گزری، پھر انہوں نے پوچھا: کیا ہلال بن امیہ کو کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کی شہادت مسلمانوں کے حق میں باطل ہو جائے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات زیادہ ناگوار گزری اور آپ بار بار یہ فرما رہے تھے کہ کیا ہلال کو کوڑے مارے جائیں گے؟ اور ان کی شہادت مسلمانوں کے حق میں باطل قرار دی جائے گی؟ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۶، باب اللعان، ابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ بحوالہ الدر المنثور ج ۵ ص ۴۳)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد: ہلال بن امیہ کو کوڑے مارے جائیں گے؟ اور مسلمانوں کے حق میں ان کی شہادت باطل ہو جائے گی؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر غم و غصہ کا اظہار فرمایا، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محدود فی القذف کی شہادت اس کی توبہ کے بعد قبول نہیں کی جاتی کیونکہ اگر اس کی توبہ قبول کر لی گئی تو ان تمام کاموں کی مثل ہو گی جن پر توبہ قبول کی جاتی ہے تو پھر ان کی شہادت قبول کی جاتی اور اگر ایسا ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ ان کی شہادت مسلمانوں کے حق میں باطل ہو گئی، سوا اس کے کہ وہ توبہ کر لیں اور ایک دلیل یہ ہے کہ جب تہمت لگانے والا یہ کہتا ہے کہ فلاں مرد زانی ہے تو اس کی شہادت باطل نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ مدعی ہے لیکن جب وہ چار گواہ قائم کرنے سے عاجز ہو گیا اور اس پر قاضی نے حد قذف جاری کر دی تو اگر حاکم یہ فیصلہ کر دے کہ اس کی شہادت کسی چیز میں جائز ہے تو وہ جائز ہو گی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس بناء پر تم پر یہ لازم ہوگا کہ تم کہو کہ جب حاکم یہ کہے کہ اس کی شہادت ہر چیز میں جائز ہے تو اس کی شہادت ہر چیز میں جائز ہو جائے گی کیونکہ حاکم نے جو اپنے پہلے فیصلہ سے اس کی شہادت کو باطل قرار دیا تھا تو اب وہ فیصلہ منسوخ

ہو گیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

حاکم یہ کہے کہ میں نے اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے تو یہ فیصلہ نہیں ہے بلکہ فتویٰ ہے، کیونکہ فیصلہ گواہی سے ہوتا ہے یا اقرار سے، نیز ہم کہتے ہیں: تہمت لگانے والے کی توبہ اس کے اور رب کے درمیان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آیا وہ اپنے آپ کو جھوٹا قرار دینے میں کاذب ہے یا صادق اور ہم کو اس کا علم نہیں ہے اور ہمارے لئے ظاہر پر اس میں کوئی دلیل نہیں ہے، لہٰذا ہم اس کی توبہ کو قضاءً توبہ قرار نہیں دیتے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ہمیں تہمت لگانے والے کا جھوٹ اس آیت سے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَأُولَٰٓئِكَ عِندَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْكَٰذِبُونَ ۝ (النور: ۱۳) یعنی جب تہمت لگانے والا چار گواہ نہیں پیش کر سکا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا ہے، پس جب تہمت لگانے والے نے کہا: میں نے اپنی تہمت میں جھوٹ بولا تھا تو ہم اس سے کہیں گے کہ تم نے جو اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا تھا اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، لہٰذا تم اس وقت بھی اسی طرح جھوٹے ہو جس طرح تم پہلے وقت میں جھوٹے تھے، ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ تم جھوٹے ہو اور تمہاری شہادت میں تمہارا حال اسی طرح ہے جس طرح تمہارا پہلے حال تھا۔

تہمت لگانے والے کو اسی (۸۰) کوڑے مارنے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَٱجْلِدُوهُمْ ثَمَٰنِينَ جَلْدَةً (النور: ۴) — تو تم ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو۔

جلد کا لفظ جُلود سے ماخوذ ہے، پس جائز ہے کہ اس کو اس طرح مارا جائے کہ اس کو درد نہ ہو اور اس مار سے اس کی کھال نہ پھٹے اور نہ اس کی کھال زخمی ہو اور ہم اس سے استنباط کرتے ہیں کہ اس کے اعضاء میں ایک ہی جگہ نہ مارا جائے کیونکہ اگر ایک ہی جگہ مارا جائے گا تو اس کی کھال پھٹ جائے گی اور زخمی ہو جائے گی تو اس کے اعضاء میں متفرق جگہوں میں مارا جائے، اس کے سر، چہرے اور شرمگاہ کے سوا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے جو فرمایا تھا کہ تمہاری شہادت قبول ہوگی اگر تم نے توبہ کر لی تو اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ تم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرو گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو واقعات بیان کرو گے ان کو قبول کیا جائے گا لیکن حد قذف جاری ہونے کے بعد کسی معاملہ میں تمہاری شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

کافر مرد اور کافرہ عورت کی تہمت کا حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَرْمُونَ ٱلْمُحْصَنَٰتِ ٱلْغَٰفِلَٰتِ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ لُعِنُوا۟ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (النور: ۲۳) — بے شک جو لوگ پاک دامن، ایمان والی عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

لہٰذا کافر اور کافرہ کی تہمت لگانے سے ان کی حد ساقط ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حد جاری کرنے کے لئے ایمان اور احصان اور العفۃ کی شرط لگائی ہے، پس جب ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہیں پائی جائے گی تو پھر حد نہیں قائم کی جائے گی۔

اوراس لئے کہ اگر ہم کافر یا کافرہ کی تہمت سے اس پر حد واجب کر دیں تو اللہ کے دشمن کی تہمت سے حد لگائی جائے گی اور یہ جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان پر اللہ کے دشمن کی تہمت سے حد لگائی جائے۔

زوجین کے درمیان لعان کے متعلق حدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ٦٨ھ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیات نازل ہوئیں:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:٦-٩)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو O اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند) سچوں میں سے ہو O

پس حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ التوفی ٤٥ھ نے کہا: ہم میں سے ایک مرد ان کے گھر میں داخل ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ مرد ان کی بیوی کے پیٹ کے اوپر ہے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ جا کر چار مرد گواہ لے کر آئیں تا کہ وہ اس واقعہ کی شہادت دیں، انہوں نے کہا: اتنی دیر میں تو وہ مرد اپنی حاجت پوری کر چکا ہو گا اور گھر سے نکل چکا ہو گا اور اگر انہوں نے عجلت کی اور اسے قتل کر دیا تو انہیں بھی قصاص میں قتل کر دیا جائے گا اور اگر انہوں نے اس پر سکوت کیا تو وہ اپنے غم و غصہ پر سکوت کریں گے، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اس واقعہ کی خبر دی کہ میں نے فلاں شخص کو اپنی بیوی کے پیٹ پر پایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیوی کو بلایا اور اس مرد کو بلایا، پھر ان دونوں کو حضرت عاصم کے سامنے جمع کیا، پھر آپ نے ان کی بیوی سے فرمایا: تم پر افسوس ہے کہ تمہارا مرد کیا کہہ رہا ہے؟ ان کی بیوی نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ جھوٹا ہے، اس نے کوئی چیز نہیں دیکھی لیکن یہ بہت زیادہ غیرمند ہے اور اس کی شدت غیرت نے اس کلام پر برانگیختہ کیا ہے، یہ شخص جو اس کا مہمان ہے اور اس کے سامنے وہ میرے پاس گھر میں آتا اور جاتا ہے اور اس کو اس کا علم بھی ہے اور اس نے کبھی بھی دن میں یا رات میں اس کو داخل ہونے سے مجھ کو منع نہیں کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق دریافت کیا اور فرمایا: تم اپنی بیوی کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور حق کے سوا کوئی بات نہ کہو تو حضرت عاصم نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے حق کے سوا کوئی بات نہیں کہی، میں نے اس مرد کو دیکھا اس نے میری بیوی کے پیٹ کو ڈھانپا ہوا ہے اور اب یہ حاملہ ہے اور میں نے اتنے اتنے عرصہ سے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عاصم اور ان کی بیوی دونوں کو لعان کرنے کا حکم دیا، آپ نے فرمایا: اے عاصم! تم کھڑے ہو اور چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہو کہ تم اپنے قول میں صادق ہو اور پانچویں بار یہ کہو کہ تم پر اللہ کی لعنت ہو اگر تم جھوٹوں میں سے ہو، تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اس طرح قسمیں کھا لیں، پھر آپ نے ان کی بیوی سے بھی اس کی مثل فرمایا، اس نے بھی چار مرتبہ قسم کھا کر

کہا کہ ان کا شوہر ان پر جھوٹ باندھ رہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہا کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر اس کا شوہر سچوں میں سے ہو، پھر جب وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لعان کرنے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی، پھر آپ نے ان کی بیوی سے فرمایا: جب تمہارے ہاں ولادت ہو تو تم اس کو دودھ نہ پلانا حتیٰ کہ تم اس بچہ کو میرے پاس لے آؤ، پھر جب لوگ چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کی بیوی نے سرخ رنگ کا بچہ جنا تو وہ اپنے باپ کے مشابہ ہوگا جس کی اس نے نفی کی ہے، اور اگر اس نے سیاہ رنگ کا گنگھر یالے بال والے بچہ کو جنا تو پھر وہ اس مرد کے مشابہ ہوگا جس پر عاصم نے تہمت لگائی تھی، پھر جب وہ بچہ کو لے کر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا کہ وہ سیاہ رنگ کا گھنگریالے بالوں والا بچہ تھا، اور وہ اس مرد کے مشابہ تھا جس پر حضرت عاصم نے تہمت لگائی تھی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لعان اور وہ قسمیں نہ ہوتیں جو گزر چکی ہیں تو اس میں میری رائے پر فیصلہ ہوتا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۰ (کتاب الطلاق)، صحیح مسلم: ۱۱۳۴ (کتاب اللعان)، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۷۴ (کتاب الطلاق)، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۰ (کتاب الحدود)، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۶-۳۳۵، ۳۵۷، ۳۶۵)

اور بعض احادیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جمع کر لیا تو ان کے لعان کرنے کے بعد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ اور آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ شدید ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۷ (کتاب التفسیر)، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۷۳، سنن ابو داؤد: ۲۲۵۴ (باب اللعان)، سنن ترمذی: ۳۱۷۹، (تفسیر سورۃ النور)، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۷۳)

اس پر دلائل کہ کافر مرد اور کافرہ عورت کے درمیان لعان نہیں ہوتا

ان آیات اور اس حدیث میں خاوند کی بیوی پر تہمت کا ذکر ہے اور اس میں قسموں کا ذکر ہے، پس ان آیات کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ خاوند اور بیوی کافر ہوں یا مسلمان، غلام ہوں یا آزاد، خواہ جس طرح بھی ہوں تو ان کے درمیان لعان ہوگا، پس ہمارے نزدیک ان میں سے جب کوئی ایک آزاد ہو، دوسرا غلام ہو تو ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا، سوا اس کے کہ وہ اہل شہادت میں سے ہو، اور ان کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرار دیا ہے کہ جب کوئی اجنبی آزاد مرد کسی اجنبی آزاد عورت پر تہمت لگائے تو اس کی حد اسی کوڑے ہیں اور خاوند کی حد یہ مقرر کی ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور وہ دونوں مسلمان ہوں تو وہ آپس میں لعان کریں گے، پھر ہم نے ذکر کیا ہے کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ آزاد مرد جب باندی پر یا یہودیہ پر زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف نہیں ہے، پس جب کہ آزاد تہمت لگانے والا باندی پر تہمت لگائے تو اس پر وہ حد قذف نہیں ہے جو آزاد عورت پر تہمت لگانے کی حد ہوتی ہے تو باندی کے خاوند پر بھی وہ لعان نہیں ہوگا جو آزاد عورت کے خاوند پر لعان ہوتا ہے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجنبی آزاد پاک دامن مسلمان عورت کو تہمت لگانے پر قسم کھانے کا ذکر کیا ہے اور تہمت لگانے والے کو قسم سے بری کر دیا اور یہ حکم دیا ہے کہ جب تہمت لگانے والا چار گواہوں کو قائم کرنے سے عاجز ہو تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی، پھر اس سے زوجین کی شہادت کو مستثنیٰ فرما دیا ہے، لہٰذا فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (النور:٦)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O

پس جب اس شہادت اور قسم میں دونوں غلام یا دونوں کافر یا ان میں سے کوئی ایک غلام یا کافر داخل نہیں ہے تو وہ لعان سے خارج ہیں، اور کافرہ سے لعان کے باطل ہونے پر مزید دلیل یہ ہے کہ عورت پانچویں بار یہ کہتی ہے کہ اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو حالانکہ کافرہ پر تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے، خواہ اس کا شوہر صادق ہو یا نہ ہو۔ بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: تمہارا حساب اللہ کے ذمہ ہے تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے اور تمہاری اس کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۱۱۱ (باب صداق الملاعنة)، صحیح مسلم: ۱۱۳۲، ۱۱۳۱ (کتاب اللعان)، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱، مسند الحمیدی: ۶۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۷ (باب اللعان)، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۷۷ (کتاب الطلاق)۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۷ ص ۵۱۲-۵۲۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

آیات لعان کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء لعان کی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب سابقہ آیت نازل ہوئی تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اھکذا انزلت۔ کیا یہ آیت یوں ہی نازل ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انصار! سنتے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟ سعد بولے: یارسول اللہ! خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے لیکن میں یہ خیال کر کے حیران ہو رہا ہوں کہ اگر میں کسی بد بخت کو اپنی بیوی پر سوار دیکھوں تو جب تک میں چار گواہ تلاش کر کے نہ لاؤں اس کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا اور اگر گواہوں کو بلانے جاؤں گا تو وہ اپنا کام تمام کر کے رفو چکر ہو چکا ہوگا۔ اس گفتگو کو قلیل عرصہ ہی گزرا تھا کہ ایک رات ہلال بن اُمیہ اپنے کھیتوں سے جب گھر آئے تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک آدمی دیکھا۔ انہوں نے سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ صبح بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی۔ صحابہ آپس میں کہنے لگے کہ ابھی ہلال پر حدِ قذف لگائی جائے گی۔ ہلال نے کہا: میرے دوستو! گھبراتے کیوں ہو، اللہ تعالیٰ ضرور کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔ اسی اثناء میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزولِ وحی کے آثار نمودار ہوئے اور سب خاموش ہو گئے۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور نے فرمایا: اے ہلال! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری نجات کی صورت پیدا فرما دی ہے۔ پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی، اور اس کی بیوی کو بلا بھیجا۔ وہ آئی تو یہ آیت اسے بھی پڑھ کر سنائی۔ پھر دونوں کو تنبیہ کی کہ دنیا کے عذاب سے قیامت کا عذاب بہت سخت ہے۔ ہلال نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے جو عرض کی ہے بخدا وہ سچ ہے۔ عورت نے کہا: یہ جھوٹ بولتا ہے۔ چنانچہ پہلے ہلال نے چار مرتبہ قسم اٹھا کر کہا کہ میں سچا ہوں۔ پانچویں مرتبہ کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ پھر عورت کو کہا گیا کہ اسی طرح تو چار مرتبہ حلف کے ساتھ گواہی دے کہ وہ جھوٹا ہے جب وہ کہہ چکی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈر، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے

اگر تو نے پانچویں بار بھی کہہ دیا تو عذابِ آخرت تجھ پر لازم ہو جائے گا۔ چنانچہ کچھ دیر وہ خاموش رہی۔ اس نے اپنے قصور کے اعتراف کا ارادہ کیا۔ پھر کہنے لگی، میں اپنی قوم کو رسوا کرنا نہیں چاہتی۔ چنانچہ پانچویں دفعہ بھی اس نے کہہ دیا ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصادقین کہ اگر ہلال سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔ چنانچہ اس طرح قسم اٹھانے سے ہلال حدِ قذف سے بچ گئے اور وہ عورت حدِ زنا سے بچ گئی۔ لیکن ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی کر دی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کی نسبت ہلال کی طرف نہ کی جائے بلکہ اس کی ماں کی طرف کی جائے اور ساتھ ہی ایک اور حکم بھی دیا کہ اگر اس کے بعد کسی نے اس عورت کو زنا سے متہم کیا یا اس کے بچے کو حرامی کہا تو اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی۔ اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ جس کو شریعت کسی الزام سے بری کر دے پھر اس پر کسی کو زباں درازی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس طریقہ کار کو ''لعان'' کہتے ہیں۔ لعان کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ عورت زندگی بھر اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

اگر مرد اس طرح قسم کھالے اور عورت خاموش ہو جائے تو اس پر زنا کی حد لگے گی لیکن اگر عورت بھی اس طرح قسم کھالے تو وہ بھی زنا کی حد سے بچ جائے گی۔

یعنی اگر حدِ قذف کے حکم کے بعد لعان کا قانون جاری نہ کیا جاتا اور مرد اپنی بیوی کو ناشائستہ حالت میں دیکھتا اور خاموش رہتا تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہتا اور اگر اظہار کرتا تو اسّی کوڑے کھاتا۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اسنے ان پیچیدگیوں سے نجات کا راستہ تمہارے لیے بنا دیا ہے۔

لعان کی تحقیق از مصنف

لعان کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر العجلانی حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے عاصم! یہ بتاؤ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو پائے تو کیا کرے، آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ پھر تم اس شخص کو قتل کر دو گے؟ یا پھر وہ شخص کیا کرے؟ اے عاصم! تم میری خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کا حل دریافت کرو،، پھر حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا، آپ نے اس سوال کو مکروہ جانا اور اس کی مذمت کی، حتیٰ کہ حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جواب سنا اس سے انہیں بہت رنج ہوا، جب حضرت عاصم اپنے گھر پہنچے تو حضرت عویمر ان کے پاس آ گئے اور ان سے پوچھا: اے عاصم! تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ حضرت عاصم نے حضرت عویمر سے کہا: میں کوئی اچھی خبر نہیں لایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوال کیا تھا، آپ نے اس کو ناپسند فرمایا۔ حضرت عویمر نے کہا: اللہ کی قسم! جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ پوچھ لوں اس وقت تک میں خاموش نہیں رہوں گا، پھر حضرت عویمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور لوگوں کے درمیان جا کر بیٹھ گئے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پائے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ پھر آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے تو پھر وہ شخص کیا کرے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق اللہ کا حکم نازل ہو گیا ہے جاؤ اس کو لے کر آؤ۔ سہل نے کہا: پھر ان دونوں نے ایک دوسرے پر لعان کیا (لعنت کی)، میں بھی اس وقت لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا، جب وہ ایک دوسرے

سے لعنت کر کے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا: یارسول اللہ! اگر اب میں نے اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھا تب تو پھر میں جھوٹا ہوں گا، پھر انہوں نے اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے تین طلاقیں دے دیں، ابن شہاب زہری نے کہا: لعان (ایک دوسرے پر لعنت کرنے) کا یہی طریقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۴۷، ۲۲۴۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۴۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۴۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جمعہ کی شب مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ انصار میں سے ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو پائے اور اس کے متعلق بات کرے تو تم اس پر کوڑے (حد قذف) لگاؤ گے، یا وہ اس کو قتل کر دے تو تم اس کو قتل کر دو گے اور اگر وہ خاموش رہے تو وہ اپنے غصہ اور غضب میں خاموش رہے گا، وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں ضرور اس کا حل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں گا، دوسرے دن وہ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو پائے، پھر اس واقعہ کی خبر دے تو آپ اس کو کوڑے ماریں گے (حد قذف لگائیں گے) یا وہ اس کو قتل کر دے تو آپ اس کو قصاص میں قتل کر دیں گے یا وہ خاموش رہے تو وہ غیظ و غضب میں خاموش رہے گا، تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کا حل منکشف کر دے، پھر آپ مسلسل دعا کرتے رہے، پھر آیت لعان نازل ہوگئی کہ جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو...... پھر وہ شخص لوگوں کے سامنے اس لعان میں مبتلا ہوا، وہ اپنی بیوی سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی، مرد نے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دی کہ وہ سچوں میں سے ہے، پھر پانچویں بار اس نے خود پر یہ کہہ کر لعنت کی کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو، پھر وہ عورت لعنت کرنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: رک جا! اس نے انکار کیا اور لعنت کی، جب وہ دونوں چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید اس کا بچہ پیدا ہوگا جو سیاہ رنگ کا گھونگھریالے بالوں والا ہوگا، پھر اس کے ہاں سیاہ رنگ کا گھونگھریالے بالوں والا بچہ ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۸)

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ (النور: ۶) حضرت سعد نے کہا: یارسول اللہ! میں جانتا ہوں کہ یہ آیت برحق ہے اور اللہ کی طرف سے ہے لیکن مجھے اس پر تعجب ہے کہ اگر میں کسی شخص کو اس حال میں پاؤں کہ میری بیوی کی رانیں کسی شخص پر ہوں تو میرے لئے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ میں ان کو باز رکھنے کے لئے چار گواہ اکٹھا کروں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا: کیا تم نے نہیں سنا تمہارے سردار نے کیا کہا ہے! انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس کو ملامت نہ کریں، کیونکہ اس سے بڑھ کر ہم میں کوئی غیرت دار نہیں، اس نے جب بھی نکاح کیا تو کنواری عورت سے کیا اور اس نے اپنی جس بیوی کو طلاق دی تو کسی نے اس سے نکاح کی خواہش نہیں کی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اس کو اتنے گواہ پیش کرنے ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، پھر ان کے عم زاد ہلال بن امیہ اس سانحہ میں مبتلا ہو گئے، انہوں نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پایا، تب اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی ۶-۹ آیتیں نازل فرمائیں، جب مرد نے اپنی بیوی کے خلاف چار مرتبہ شہادت دے

دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رک جاؤ یہ شہادت واجب ہے، پھر اس سے فرمایا: اگر تم جھوٹے ہو تو توبہ کرلو، اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! میں سچا ہوں، پھر اس نے پانچویں قسم بھی کھالی، پھر اس کی بیوی نے اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دی کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رک جاؤ، یہ شہادت واجب ہے، پھر اس سے فرمایا: اگر تو جھوٹی ہے تو توبہ کرلے، وہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر اس نے کہا: میں تمام دن اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی، پھر اس نے پانچویں بار قسم بھی کھالی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کا ایسا ایسا بچہ ہوا تو وہ فلاں کا ہے، پھر اس کے ہاں ویسا ہی بچہ ہوگیا۔

(اس حدیث کی سند صحیح ہے، حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۳۱، دار الحدیث قاہرہ، طبع جدید، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸، طبع قدیم، حافظ الہیثمی نے بھی کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد، ج ۵ ص ۱۱-۱۲)

لعان کا لغوی اور اصطلاحی معنی

لعان کا لفظ لعن سے ماخوذ ہے، علامہ سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں کہ لعن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اس کا معنی ہے: دھتکارنا اور خیر سے دور کرنا، اور جب اس کی نسبت مخلوق کی طرف ہو تو یہ بددعا کا کلمہ ہے، اور لکھتے ہیں کہ لعان کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے تو امام اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرائے، اور مرد سے ابتداء کرے، مرد چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ اس نے فلاں مرد کے ساتھ زنا کیا ہے اور میں اپنی اس تہمت میں صادق ہوں، جب وہ چار بار یہ قسم کھالے تو پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ زنا کی اس تہمت لگانے میں جھوٹا ہو، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، پھر عورت کو کھڑا کیا جائے اور وہ چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتی ہوں کہ اس شخص نے جو مجھ پر تہمت لگائی ہے یہ اس تہمت میں جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر یہ سچوں میں سے ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو، لعان کے بعد وہ عورت اس شخص سے بائنہ ہوجائے گی اور کبھی اس شخص کے لیے حلال نہیں ہوگی، اگر وہ حاملہ ہو تو بچہ اس عورت کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۳۳۴-۳۳۵) (تبیان القرآن ج ۸ ص ۷۳-۷۵، فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۵ھ)

اس کی تحقیق کہ اسلام میں سب سے پہلے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے والے حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ تھے

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور: ۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ○

یہ آیات شعبان نو (۹) ہجری میں حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئیں، جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آئے یا حضرت ہلال بن امیہ بن سعد بن امیہ کے متعلق نازل ہوئیں اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے۔

اور علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ تہمت لگانے والے حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ تھے، اور حضرت ہلال بن امیہ سعد بن امیہ کا ذکر کرنا خطا ہے، اور ابو القاسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ حضرت

عویمر العجلانی نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ نے روایت کی ہے اور میرا گمان ہے کہ یہ غلط ہے اور جو چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ قصہ واحدہ ہے کہ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف فرمایا تھا حتیٰ کہ مذکور الصدر آیت کریمہ نازل ہوگئی۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے التہذیب میں کہا ہے کہ اس حدیث میں ہلال بن امیہ کا ذکر کرنا غلط ہے، تہمت لگانے والے صرف حضرت عویمر العجلانی بن الحارث بن زید بن الجد بن عجلان رضی اللہ عنہ تھے۔

علامہ مغلطائی متوفی ۷۶۲ھ نے التلویح شرح صحیح البخاری میں کہا ہے: امام محمد بن جعفر نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ قصہ ہلال بن امیہ کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی پر شریک کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی اور یہ قصہ صحیح البخاری میں دو جگہ مذکور ہے، کتاب الشہادات (صحیح البخاری: ۲۶۷۱) میں اور کتاب التفسیر (صحیح البخاری: ۴۷۴۷) میں، اور صحیح مسلم میں ہشام بن محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور میری رائے یہ تھی کہ ان کے پاس اس کا علم ہے تو انہوں نے کہا کہ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی اور وہ حضرت البراء بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۲۰ھ کے اخیافی بھائی تھے اور حضرت ہلال بن امیہ اسلام میں وہ پہلے مرد تھے جنہوں نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور پھر ان دونوں نے لعان کیا۔

باب مذکور میں امام بخاری کی پہلی تعلیق

جب گونگے نے اپنی بیوی پر لکھ کر یا اشارہ سے یا کسی معروف اشارہ سے زنا کی تہمت لگائی تو وہ متکلم کی طرح ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض میں اشارہ کو جائز قرار دیا ہے اور یہی بعض اہل حجاز کا اور اہل علم کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ‌ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا ۝ (مریم:۲۹)

مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے کہا: ہم گود کے بچہ سے کیسے بات کریں ۝

قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً‌ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا‌ؕ (آل عمران:۴۱)

(زکریا نے) کہا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی علامت مقرر کر دیجئے، فرمایا: تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے کوئی بات نہ کرسکو گے

الضحاک نے ''الا رمزا'' کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد اشارہ ہے۔

(تفسیر الثوری ص ۷۷، تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۲۵۹، تاریخ دمشق لابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، ج ۱۹ ص ۵۲)

اور بعض الناس (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے کہ گونگے پر نہ حد ہے اور نہ لعان ہے، پھر انہوں نے یہ زعم کیا کہ اگر گونگا لکھ کر طلاق دے یا اشارے سے یا ایسے اشارے سے جو لوگوں میں معروف ہے تو اس کی طلاق جائز ہے، حالانکہ طلاق میں اور القذف یعنی تہمت لگانے میں کوئی فرق نہیں ہے، پس اگر انہوں نے یہ کہا کہ تہمت صرف کلام سے لگائی جاتی ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ طلاق دینا بھی بغیر کلام کے جائز نہیں ہے، ورنہ طلاق اور قذف دونوں باطل ہیں، اور اسی طرح العتق یعنی گونگے کے غلام آزاد کرنے کا حکم ہے اور اسی طرح بہرہ بھی لعان کرے گا۔

باب مذکور میں امام بخاری کی دوسری تعلیق

الشعبی نے کہا اور قتادہ متوفی ۱۱۷ھ نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تمہیں طلاق اور اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو اس کے اشارہ کرنے سے اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۱)

باب مذکور میں امام بخاری کی تیسری تعلیق

اور ابراہیم النخعی التوفی ۹۶ھ نے کہا کہ گونگے نے جب اپنے ہاتھ سے طلاق لکھی تو اس کی طلاق لازم ہو جائے گی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۳۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۷۹)

باب مذکور میں امام بخاری کی چوتھی تعلیق

اور حماد نے کہا کہ گونگے اور بہرے نے اگر سر سے اشارہ کیا تو یہ جائز ہے۔

(جامع سفیان الثوری بہ حوالہ تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۷۵)

تعلیقات مذکورہ کی شرح از علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اپنے اس تمام بیان سے یہ ارادہ کیا ہے کہ اہلِ حجاز اور فقہاء کوفہ کے درمیان اس اختلاف کو بیان کریں جو گونگے کے لعان اور حد کے درمیان ہے، اسی لئے انہوں نے وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ (النور: ۶) کے بعد یہ ذکر کیا کہ جب گونگا اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے الی آخرہ۔ اور امام بخاری نے لفظ یرمون کے عموم سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب گونگا اپنی بیوی پر لکھ کر زنا کی تہمت لگائے یا اشارہ سے زنا کی تہمت لگائے ایسا اشارہ جس سے بات سمجھ میں آتی ہو اور امام بخاری نے یہ قید لگائی ہے کہ وہ اشارہ معروف ہو، اس لئے کہ جب یہ اشارہ معروف نہیں ہوگا تو اس کے اوپر کسی حکم کو مبنی نہیں کیا جائے گا، اور اشارہ اور ایماء میں فرق یہ ہے کہ لفظ اشارہ سے ذہن میں متبادر یہ ہوتا ہے کہ اشارہ ہاتھ سے ہوتا ہے اور لفظ ایماء سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ یہ سر سے ہوتا ہے یا پلکوں سے ہوتا ہے، پھر امام بخاری نے کہا کہ ان لوگوں کے اشارہ کا حکم یہ ہے کہ جو متکلم کا حکم ہوتا ہے یعنی ناطق کا حکم ہوتا ہے، ان تمام صورتوں کا حکم یہ ہے کہ جب لکھنے سے یا اشارہ سے یا ایماء سے کوئی مفہوم سمجھ میں نہ آئے تو اس پر کسی حکم کی بناء نہیں کی جائے گی، پھر جب گونگا ان امور میں متکلم اور ناطق کی طرح ہے تو اس کا ان اشیاء میں تہمت لگانا معتبر ہوگا اور اس کے اوپر لعان اور اس کا حکم مترتب ہوگا، پھر امام بخاری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض میں اشارہ کو جائز قرار دیا ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امور مفروضہ میں اشارہ کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ نماز میں، کیونکہ جو شخص رکوع اور سجود سے عاجز ہو تو وہ اشارہ سے رکوع اور سجود کرتا ہے۔

پھر امام بخاری نے کہا کہ یہ بعض اہل حجاز کا قول ہے یعنی امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ گونگا اشارے سے طلاق دے تو وہ واقع ہو جاتی ہے، سو یہ بعض اہل حجاز کا قول ہے اور اس سے امام بخاری کی مراد امام مالک اور ان کے متبعین ہیں۔

اور امام بخاری نے کہا اور اہل علم کا قول ہے یعنی بعض اہل علم نے جو غیر اہل حجاز ہیں اور اس سے ان کی مراد ابوالثور ہیں کیونکہ ان کا بھی وہی مذہب ہے جو امام مالک کا قول ہے۔

پھر امام بخاری نے مریم: ۲۹ سے استدلال کیا یعنی حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا، یہ بھی بعض اہل حجاز کا قول ہے کہ حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا، جس وقت وہ اپنے پنگوڑے میں تھے، جس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا جب لوگوں نے حضرت مریم پر تہمت لگائی تھی:

قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ﴿٢٧﴾ (مریم:۲۷) تو انہوں نے کہا: اے مریم! تم نے تو بہت سنگین کام کیا ہے O

یعنی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پنگوڑے میں کلام کریں:

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ۗ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿٢٩﴾ (مریم:۲۹) سو مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے کہا: ہم گود کے بچہ سے کیسے بات کریں O

تو لوگوں نے حضرت مریم کے اشارہ سے اس چیز کو جان لیا جس کو وہ کلام اور نطق سے جانتے تھے۔

امام بخاری نے کہا: اور الضحاک نے ''الا رمزا'' کی تفسیر میں لکھا کہ رمز سے مراد اشارہ ہے، یہ امام بخاری کا ایک اور استدلال ہے، جو اس آیت سے ہے:

قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۗ (آل عمران:۴۱) تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے بات نہ کر سکو گے O

یہ امام بخاری کا اس پر ایک اور استدلال ہے کہ گونگے کے اشارہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور لعان بھی واقع ہو جاتا ہے۔

اور امام بخاری نے کہا کہ الضحاک بن مزاحم نے بھی کہا کہ الا رمزا سے مراد اشارہ ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اسی طرح ابن مزاحم نے کہا ہے۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٥٠٢، دار المعرفہ)

اور علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸٦ھ نے کہا ہے کہ اس سے مراد ضحاک بن شراحیل الہمدانی التابعی ہیں، جو مفسر ہیں۔
(تحقیق الکواب الدراری شرح البخاری ج ۱۹ ص ۲۱٦، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ)

الضحاک بن مزاحم کا تعارف

(علامہ عینی فرماتے ہیں:) الضحاک بن مزاحم ابو القاسم الہلالی الخراسانی ہیں جو سمرقند، بلخ اور نیشاپور میں تھے، انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے روایت کی ہے، جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ٦٨ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ متوفی ٦٨ھ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ شامل ہیں، اور ان کا ان میں سے کسی سے سماع ثابت نہیں ہے اور یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور ابو زرعہ نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں، کوفی ہیں اور (۱۵۰) ہجری میں ان کی وفات ہوئی اور امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے ان سے روایت کی ہے اور انہوں نے ان کے قول الا رمزاً کی تفسیر الا اشارۃ کے ساتھ کی ہے، اور اگر ان کے اشارہ سے ان کا کلام مفہوم نہ ہوتا تو اللہ عزوجل یہ نہ فرماتا: لا تکلمھم الا رمزاً: یعنی آپ ان سے صرف اشارہ سے بات کر سکیں گے، اور یہ آیت حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں ہے۔ (میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے جس طرح آیت ذکر کی ہے، اس طرح سے قرآن مجید کی آیت نہیں ہے، بلکہ آیت اس طرح سے ہے):

قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۗ تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں

(آل عمران:۴۱) سے بات نہ کرسکو گے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ یَحْیٰی لا لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَیْـًٔا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ۝ (مریم:۷-۱۱)

اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں اس کا نام یحییٰ ہوگا، ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا O زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری اہلیہ بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو چکا ہوں O فرمایا: اسی طرح ہوگا آپ کے رب نے فرمایا: یہ میرے لیے آسان ہے اور میں اس سے پہلے تم کو پیدا کرچکا ہوں، جب تم کچھ بھی نہ تھے O زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادے، فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم تندرست ہونے کے باوجود تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کرسکو گے O پھر زکریا اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارے سے کہا کہ تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔

امام بخاری کے امام ابوحنیفہ اور فقہاء احناف پر اعتراضات اور علامہ عینی حنفی کی طرف سے ان کے جوابات

امام بخاری نے کہا: "وقال بعض الناس" اس سے امام بخاری کی مراد ہیں فقہاء کوفہ، کیونکہ جب امام بخاری اہل حجاز کے کلام پر استدلال کرنے سے فارغ ہوئے تو پھر فقہاء کوفہ کے اس کلام کا رد کرنا شروع ہو گئے کہ گونگے کے اوپر نہ حد ہے نہ لعان، پھر فقہاء احناف نے یہ زعم کیا کہ لکھنے سے یا اشارہ سے یا ایماء سے طلاق دینا جائز ہے حالانکہ طلاق یا قذف میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری نے جو بعض الناس کہا ہے اس سے ان کی مراد فقہاء احناف ہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہے: گونگے کے اوپر کوئی حد نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے تہمت لگانے اور اس پر لعان کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اور علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ گونگے کی تہمت لگانے کے ساتھ لعان کا تعلق نہیں ہوتا کیونکہ لعان کا تعلق صریح الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ حد القذف میں ہوتا ہے، پھر صاحب الہدایہ نے کہا کہ تہمت لگانے میں اشارہ معتبر نہیں ہے کیونکہ اس میں صراحتاً تہمت نہیں ہوتی، پھر انہوں نے کہا کہ گونگے کی طلاق اشارہ کے ساتھ واقع ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا اشارہ معروف ہے، پس وہ صریح عبارت کے قائم مقام کیا گیا ہے تاکہ ضرورت مندفع ہو۔

امام بخاری نے کہا: "ثم زعم" یعنی پھر بعض الناس نے یہ زعم کیا کہ گونگے کی طلاق، لکھنے سے، اشارے سے یا ایماء سے جائز ہے حالانکہ طلاق اور قذف کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

امام بخاری کی اس عبارت سے مراد بھی فقہاءِ احناف ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ثم زعم کا فاعل ہیں امام ابو حنیفہ، کیونکہ امام بخاری جب بعض الناس کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد امام ابو حنیفہ ہوتی ہے، اور اس عبارت سے فقہاءِ احناف نے جو کچھ کہا ہے وہ محض ان کی رائے ہے کہ گونگے کی تہمت لگانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس کے باوجود انہوں نے گونگے کی طلاق کا اعتبار کیا ہے اور یہ ایسا فرق ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے، اور یہ ایسی تخصیص ہے جو بلا اختصاص ہے اور ترجیح بلا مرجح ہے۔

اور فقہاءِ احناف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ تہمت لگانے کی صحت کا تعلق زنا کی صراحت کے ساتھ ہے نہ کہ اس کے معنی کے ساتھ، اور یہ بات گونگے سے حاصل نہیں ہو سکتی، لہٰذا گونگا اگر اشارہ سے کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو وہ قاذف نہیں قرار دیا جائے گا اور حدود، شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ (کیونکہ گونگا اشارے سے کس طرح بتائے گا کہ فلاں مرد نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے)۔

اور امام بخاری نے کہا: حالانکہ طلاق میں اور تہمت لگانے میں کوئی فرق نہیں ہے، اور امام بخاری کا ان کے درمیان عدمِ فرق کا دعویٰ کرنا ممنوع ہے کیونکہ لفظِ طلاق اپنے معنی کی ادائیگی میں صحیح ہے، بہ خلاف تہمت لگانے کے کیونکہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ فلاں مرد نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے، لہٰذا اس کے اوپر کوئی چیز مرتب نہیں ہوگی اور ان دونوں کے درمیان لفظاً اور معنیً فرق ظاہر ہے اور اس دقیق نکتہ پر امام بخاری مطلع نہیں ہو سکے۔

پھر امام بخاری نے کہا کہ اگر بعض الناس یہ کہیں کہ تہمت لگانا بغیر کلام کے متحقق نہیں ہوتا تو ان سے کہا جائے گا کہ طلاق دینا بھی بغیر کلام کے متحقق نہیں ہوتا۔

امام بخاری نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اسی طرح طلاق دینا بھی بغیر کلام کے متحقق نہیں ہوتا، امام بخاری کا یہ جواب انتہائی ضعیف ہے کیونکہ دونوں کلاموں کے درمیان بہت عظیم اور بہت دقیق فرق ہے۔ اس کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے وقتِ نظر اور باریک بینی عطا کی ہو، اس کے برخلاف گونگا جو کلام کرنے پر قادر نہیں ہے، جو صرف اشارہ کرتا ہے اور اشارہ دو چیزوں کو متضمن ہوتا ہے، لہٰذا اس کے اشارے سے حد کو واجب کرنا جائز نہیں ہے، جیسے لکھنے سے اور تعریض سے حد واجب نہیں ہوتی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس شخص نے دوسرے سے کہا کہ تم نے وطی حرام کی ہے تو یہ قذف نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ایسی وطی کی ہو جس میں شبہ ہو اور قائل نے یہ اعتقاد کیا ہو کہ یہ وطی حرام ہے، اور اشارہ سے ان دونوں معنوں کی تفصیل واضح نہیں ہوتی، اسی لئے تعریض کے ساتھ حد واجب نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے امام بخاری کی تائید

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ علامہ ابن القصار مالکی نے اس کے جواب میں فقہاءِ احناف پر یہ نقض وارد کیا ہے کہ اگر کوئی شخص زبانِ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں کسی پر تہمت لگائے تو اس کا اعتبار کیا جاتا ہے لیکن یہ جواب ضعیف ہے اور دوسروں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ قتل کی ایک قسم قتل عمد، قتل شبہ عمد اور قتل خطا ہے اور یہ اشارہ سے متمیز ہو جاتا ہے اور یہ قوی اعتراض ہے اور انہوں نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ لعان شہادت ہے اور گونگے کی شہادت بالاجماع مردود ہے اور اجماع کا دعویٰ مردود ہے کیونکہ امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ گونگے کی شہادت مقبول ہے، لہٰذا اس پر اجماع نہیں ہے، اور بایں طور کہ لعان اکثر علماء کے نزدیک یمین ہے یعنی قسم ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری کے تمام اعتراضات کے جوابات

(علامہ عینی فرماتے ہیں:) یہ تمام اعتراضات فقہاء احناف کے مذہب پر وارد نہیں ہوتے، پہلا اعتراض اس لیے وارد نہیں ہوتا کہ قذف میں یہ شرط ہے کہ زنا کی تہمت کی تصریح ہو جیسا کہ غیر لسان العرب میں یہ تصریح ہوتی ہے اور دوسرا اعتراض اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ اس قائل نے یہ کہا ہے کہ وہ قوی اعتراض ہے، حالانکہ یہ اعتراض پہلے سے زیادہ ضعیف ہے کیونکہ قتل کی تین قسمیں ہیں، قتل عمد، شبہ عمد اور قتل خطاء، اور جاری مجری خطاء اور قتل بالسبب اور گونگے سے ان کے درمیان تمیز اور امتیاز بہت مشکل ہے اور تیسرا اعتراض اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ گونگے کی شہادت مردود ہے اور لعان ہمارے نزدیک ایسی شہادت ہے جو قسم کے ساتھ موکد ہوتی ہے، لہٰذا اس میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کی شہادت بالا جماع مقبول ہے کیونکہ اس کی شہادت ہمارے نزدیک مردود ہے اور چوتھا اعتراض اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ لعان شہادت ہے اور اصطلاح میں کوئی تنگی اور مانع نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ طلاق اور قذف دونوں زبان سے ہوتے ہیں، پھر اگر قذف میں اشارہ کا اعتبار نہیں ہے تو پھر طلاق میں بھی اشارہ کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے۔

امام بخاری نے کہا کہ طلاق اور قذف میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر فقہاء احناف یہ کہیں کہ قذف صرف زبان سے ہوتا ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ طلاق بھی صرف زبان سے ہوتی ہے ورنہ طلاق اور قذف دونوں باطل ہو جائیں گے، یعنی اگر وہ ان کے درمیان فرق کا قول نہ کریں تو پھر ضروری ہے کہ طلاق اور قذف دونوں کو باطل قرار دیا جائے اور اسی طرح غلام کو آزاد کرنے کا حکم ہے، فقہاء احناف کہتے ہیں کہ گونگے کا اشارہ سے غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے اور اسی طرح گونگے کا لعان کرنا بھی صحیح ہے، المھلب مالکی نے کہا ہے کہ یہ اشکال بہت قوی ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق میں اور غلام کو آزاد کرنے میں اور لعان میں متعدد بار اشارہ کرنے سے مراد واضح ہو جاتی ہے اس کے برخلاف قذف میں اس طرح نہیں ہوتا کیونکہ قذف میں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں مرد نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے اور یہ بات اشارہ سے نہیں سمجھی جاتی۔

شعبی کے قول سے استدلال کا جواب

اور شعبی نے کہا اور ان کا نام عامر بن شراحیل متوفی ۱۰۳ھ ہے اور قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۷ھ جب انہوں نے کہا کہ گونگے نے اپنی بیوی سے کہا: تجھے طلاق ہے اور اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا جس اشارہ کی بناء اس پر ہو کہ وہ ایک طلاق دے رہا ہے یا دو طلاق دے رہا ہے یا تین طلاق دے رہا ہے یعنی وہ اس اشارہ سے ایک، دو یا تین طلاقیں دے رہا ہو تو اس کی مراد واضح ہو جاتی ہے اور قذف میں اس طرح مراد واضح نہیں ہوتی۔

ابراہیم نخعی کے قول سے استدلال کا جواب

اور ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ نے کہا: جب گونگے نے اپنے ہاتھ سے طلاق لکھی تو اس کی طلاق لازم ہے اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب ہے۔

اور فقہاء احناف نے کہا: جب کوئی مرد کئی دنوں تک چپ رہا، پھر اس نے لکھا تو اس کے لکھنے سے کوئی چیز واقع نہیں ہوگی اور

امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا کہ گونگا پن اس خاموشی کے برخلاف ہے جو کسی وجہ سے اختیار کی جائے، جیسا کہ جو شخص کسی عارضہ کی وجہ سے ایک دن یا دو دن جماع سے عاجز ہو تو وہ اس کے خلاف ہے جو مستقل جماع نہ کر سکتا ہو، اسی طرح جو شخص چند دن کسی وجہ سے چپ رہے تو وہ گونگے کی طرح نہیں ہے۔

حماد بن ابی سلیمان کے قول سے استدلال کا جواب

حماد بن ابی سلیمان متوفی ۱۲۰ھ، یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۵۰ھ کے شیخ اور استاذ ہیں، انہوں نے کہا کہ گونگا اور بہرہ جب سر سے اشارہ کردے تو جائز ہے یعنی جب گونگے اور بہرے سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے اور وہ سر سے اشارہ کردے تو یہ جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کے مناقشہ کا جواب

اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا ہے کہ گویا کہ امام بخاری نے فقہاء کوفہ پر ان کے شیخ کے قول سے الزام دینے کا ارادہ کیا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس قائل کو یہ معلوم نہیں کہ شیخ کی اس قول سے کیا مراد ہے، اگر وہ اس مراد کو جان لیتا تو یہ الزام نہ دیتا حالانکہ شیخ کی مراد اس سے یہ ہے کہ گونگے کا اشارہ معروف ہوتا ہے، اس لئے وہ عبارت کے قائم مقام ہوتا ہے اور فقہاء کوفہ اس بات کے قائل ہیں پھر ان پر یہ الزام کس طرح وارد ہوگا؟ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۳-۴۱۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراضِ مذکور کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے ان تمام جوابات میں سے صرف حماد بن ابی سلیمان (شیخ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلق یہ لکھا ہے کہ گونگا، بہرہ جب سر سے اشارہ کرے تو جائز ہے اور اس عبارت سے امام بخاری نے فقہاء کوفہ پر الزام دیا ہے۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۳)

علامہ عینی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ فقہاء کوفہ اس کے قائل ہیں، لہٰذا اس پر امام بخاری کا الزام وارد نہیں ہوتا لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کے جواب پر کوئی کلام یا تبصرہ نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ اس مسئلہ میں علامہ عینی کے اعتراض سے لاجواب ہو گئے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۴۰۶، مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۱۸ھ)

گونگے کے لعان کے متعلق اختلافِ فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:
گونگے کے لعان کے متعلق فقہاء احناف کا اختلاف ہے، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے اور ابوثور نے کہا ہے کہ گونگے کا جب اشارہ معروف ہو اور لکھنا سمجھ میں آجائے اور معلوم ہو جائے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس کے لعان کا اعتبار کیا جائے گا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۷۴، المدونہ ج ۲ ص ۳۴۳)

گونگے کے لعان اور قذف کے غیر معتبر ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ گونگے کا زنا کی تہمت لگانا صحیح نہیں ہے اور نہ اس کا لعان صحیح ہے، پس جب گونگے نے اشارے سے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی اور نہ اس کو لعان کیا جائے گا، اسی طرح اگر گونگے نے لکھ کر

زنا کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۰۸)

اسی کی مثل عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ سے منقول ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۵۸، المغنی ج ۱۱ ص ۱۲۷)

اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسئلہ ان کی ایک اصل پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ قذف کی صحت کا تعلق صریح زنا کے ساتھ ہے نہ کہ اس کے معنی کے ساتھ، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے زنا کی تہمت لگائی، پس کہا کہ تم نے وطی حرام کی ہے یا کہا کہ تم نے وطی بلا شبہ کی ہے تو پھر وہ قاذف قرار نہیں پائے گا اور اگر اس نے زنا کے معنی کا ذکر کیا تو وہ قاذف قرار پائے گا، پس معلوم ہوا کہ اس باب میں صریح لفظ زنا کا اعتبار ہے اور یہ معنی گونگے سے حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا گونگا قاذف نہیں ہوگا، کیونکہ گونگا اشارہ سے یہ متمیز نہیں کر سکتا کہ یہ زنا وطی حلال سے ہے یا یہ زنا وطی شبہ سے ہے، نیز جب اس کا اشارہ دو صورتوں کو متحمل ہے تو اس سے حد کا ایجاب ثابت نہیں ہوگا، جس طرح لکھنے سے اور تعریض سے حد کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

نیز فقہاء احناف نے کہا کہ لعان ہمارے نزدیک شہادت ہے اور گونگے کی شہادت ہمارے نزدیک بالاجماع غیر مقبول ہے، اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ عربی زبان کے علاوہ باقی زبانوں میں قذف کرنا صحیح ہے، اسی طرح گونگے کا اشارہ کرنا بھی صحیح ہے۔

امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ کی طرف سے فقہاء احناف کے دلائل کے جوابات

اور فقہاء احناف نے جو کہا ہے کہ وطی حلال سے زنا اور وطی بالشبہ سے زنا متمیز نہیں ہوتا، یہ باطل ہے کیونکہ جب گونگا قتل عمد کا اقرار کرے تو اس کا اشارہ مقبول ہوتا ہے اور اس کی صورت قتل خطا کی صورت کے مغایر ہے اور جو انہوں نے کہا ہے کہ اس کی شہادت پر اجماع ہے یہ غلط ہے۔

امام مالک نے تصریح کی ہے کہ جب گونگے کا اشارہ سمجھ آجائے تو اس کی شہادت مقبول ہوتی ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۵۸، المغنی لابن قدامہ ج ۱۱ ص ۱۲۷)

اور اس کا اشارہ شہادت میں تلفظ کے قائم مقام ہے لیکن جب وہ بولنے پر قادر ہو تو سوائے تلفظ کے اس کا اشارہ مقبول نہیں ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ فقہاء نابینا کے لعان کو صحیح قرار دیتے ہیں اور اس کی شہادت کی اجازت نہیں دیتے، سو انہوں نے لعان اور شہادت میں فرق کیا ہے اور اس لئے کہ ضرورت کے مواقع پر اشارہ کو کلام کے قائم مقام کیا گیا ہے جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے۔ (آل عمران: ۴۱)

نیز صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تکبیر تحریمہ پڑھی، پھر آپ کو یاد آیا کہ آپ نے غسل نہیں کیا تو آپ نے نمازیوں کی طرف اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو، اسی طرح آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف نماز میں اشارہ کیا اور احادیث اس باب میں شمار سے باہر ہیں۔

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب اشارہ مفہمہ ہو تو وہ نطق کے قائم مقام ہوتا ہے، اور کئی مرتبہ اشارہ نطق سے زیادہ قوی ہوتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی مثل بھیجا گیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۹۳۴)

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ فقہاء احناف پر یہ الزام دیا جائے گا کہ گونگے کی طلاق اور گونگے کی بیع

اور اس کے باقی احکام درست ہوتے ہیں، پس چاہیے کہ قذف بھی اس کی مثل ہو۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا اس پر اتفاق ہے کہ گونگا جب اپنے ہاتھ سے طلاق لکھ دے تو اس کی وہ طلاق لازم ہو جاتی ہے۔

اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جب کوئی مرد چند دنوں تک خاموش رہے، پھر لکھ دے تو اس کی لکھی ہوئی کوئی چیز نافذ نہیں ہوگی۔

(مختصر اختلاف العلماء، ج ۲ ص ۴۵۱، المدونہ ج ۲ ص ۱۲۷)

امام احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ گونگے کا حکم خاموش رہنے والے کے حکم کے خلاف ہے جیسا کہ جو شخص ایک یا دو دن بیماری کی وجہ سے جماع کرنے سے عاجز ہو تو یہ اس آدمی کے عجز کے مخالف ہے جو جماع کرنے سے مایوس ہو چکا ہو، جیسے مجنون ہوتا ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۴۵۱)

علامہ المہلب مالکی کی شرح

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ بہرے کے بعض معاملات میں اشکال ہے لیکن جب اس کے اشارہ کا مفہوم کسی دلیل سے متعین ہو جائے تو پھر اس کا اشارہ معتبر ہوتا ہے، اور رہا وہ شخص جو کلام پر قادر ہو تو جب وہ اپنے ہاتھ سے طلاق کو لکھ دے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں نے یہ طلاق اس لئے لکھی تھی تا کہ میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کروں کہ آیا میرا یہ طلاق لکھنا میرے حق میں مناسب ہے یا نہیں اور گونگے کے پاس اشارہ کرنے کے سوا کوئی ذریعۂ گفتگو نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے بھی اسی طرح شرح کی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۲۵-۴۲۸، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل مذکورہ پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن بطال اور علامہ ابن ملقن نے امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ کی طرف سے جو فقہاء احناف کے دلائل کے جوابات ذکر کئے ہیں، اس میں کوئی جواب بھی مُسکت اور شافی نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ گونگا اپنی بیوی کو طلاق دے اور اشارہ سے یہ بتا دے کہ وہ ایک طلاق دے رہا ہے یا دو طلاق دے رہا ہے یا تین طلاق دے رہا ہے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ گونگا اشارہ سے یہ بتا دے کہ فلاں مرد نے یا اس کا نام متعین کر کے کہے: اس نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے اور اس کا نام متعین کرے کیونکہ گونگے کا اشارے سے یہ متعین کرنا قطعاً خلاف بداہت ہے اور حیرت ہے کہ امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ اتنے عظیم علم اور اتنی زبردست فقاہت کے باوجود یہ فرق سمجھ نہیں سکے اور فقہاء احناف کی نکتہ شناسی اور ژرف نگاہی اور دقتِ نظری پر صد ہزار آفریں ہے کہ انہوں نے اس فرق کو سمجھا اور بتایا کہ گونگے کا طلاق دینا تو صحیح ہے لیکن گونگے کا اشارہ سے کسی معین مرد اور معین عورت پر زنا کی تہمت لگانا غیر معقول اور قطعاً باطل ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے اشارے کے جواز پر چند احادیث روایت کی ہیں، ان میں سے بعض ازاں یہ ہیں:

۵۳۰۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ دُورِ الْأَنْصَارِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ بَنُو النَّجَّارِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بَنُو عَبْدِ الْأَشْهَلِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بَنُو الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بَنُو سَاعِدَةَ ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ فَقَبَضَ أَصَابِعَهُ ثُمَّ بَسَطَهُنَّ كَالرَّامِي بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ وَفِي كُلِّ دُورِ الْأَنْصَارِ خَيْرٌ

(صحیح البخاری: ۲۵۱۱، سنن ترمذی: ۳۹۱۰، مسند احمد: ۱۱۶۱۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، از یحییٰ بن سعید الانصاری، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں انصار کے بہترین گروہ کی خبر نہ دوں؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: انصار کے بہترین گھر بنو النجار ہیں، پھر وہ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر بنو عبد الاشہل ہیں، پھر وہ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر بنو الحارث بن الخزرج ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر بنو ساعدہ ہیں، پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو بند کر لیا، پھر انگلیوں سے اس طرح اشارہ کیا جیسے کوئی تیر مار رہا ہو، پھر فرمایا: انصار کے تمام گھروں میں خیر ہے۔

حدیث مذکور کی مناسبت پر ایک اعتراض کا جواب اور اس جواب کو رد کر کے علامہ عینی کا اپنا جواب

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث کا اور اس کے بعد والی احادیث کا لعان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جس کے لئے یہ باب منعقد کیا گیا ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دراصل یہ احادیث اس باب سے پہلے امام بخاری نے روایت کی تھیں لیکن صحیح بخاری کے نقل کرنے والوں نے ان احادیث کو اس باب کے عنوان کے بعد مندرج کر دیا، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ جواب بالکل بے سود ہے اور اصل جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں اشارہ کرنے کا ثبوت ہے، اور اس کے بعد چار احادیث ہیں، ان میں بھی اشارہ کرنے کا تحقیقاً ذکر ہے اور امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر لعان میں بھی اشارہ کیا جائے تو اس کو بھی معتبر ہونا چاہیے، اور صحیح البخاری: ۵۳۰۰، اس سے پہلے مناقب انصار میں ''باب فضل دور الانصار'' میں گزر چکی ہے، اور اس میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ نے از ابو اُسید از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے گویا کہ آپ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا، پھر ان کو منتشر کیا، پھر وہ منتشر ہو گئیں، جیسے آپ کسی چیز کو پھینک رہے ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۶-۴۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ أَبُو حَازِمٍ سَمِعْتُهُ مِنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ صَاحِبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهٰذِهِ مِنْ هٰذِهِ أَوْ كَهَاتَيْنِ وَقَرَنَ بَيْنَ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، پھر ابو حازم نے کہا کہ میں نے یہ حدیث حضرت سہل بن سعد الساعدی سے سنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور قیامت کو ایک ساتھ بھیجا گیا ہے، جیسے اس انگلی کا فاصلہ

دوسری انگلی سے ہے یا فرمایا: جیسے یہ دو انگلیاں ہیں اور آپ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے درمیان کشادگی کی۔

(صحیح البخاری: ۴۹۳۶، ۵۳۰۱، ۶۵۰۳، صحیح مسلم: ۲۹۹۵، سنن ترمذی: ۲۲۱۴، سنن نسائی: ۱۵۷۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۰، مسند احمد: ۱۲۸۷۴، سنن دارمی: ۲۷۵۹)

بعض رجال کا تذکرہ، قرب قیامت کی وضاحت اور علامہ کرمانی کا تعارف

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علی بن عبد اللہ سے مراد ابن المدینی ہیں، اور سفیان سے مراد ابن عیینہ ہیں اور ابو حازم سے مراد سلمہ بن دینار الاعرج ہیں۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ کے نام کے ساتھ یہ تصریح کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں حالانکہ یہ بات سب کو معلوم ہے، اس کی وجہ عالم کی تعظیم ہے اور جاہل کو مطلع کرنا ہے۔

فھذہ من ھذہ: یعنی جیسا کہ انگشت شہادت انگشت وسطی کے ساتھ متصل ہے، تو اسی طرح میں بھی قیامت کے ساتھ متصل ہوں۔

کھاتین یہ راوی کا شک ہے۔

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر آج تک سات سو اسی (۷۸۰) سال گزر چکے ہیں، تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ قیامت کا آنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ متصل ہے، پھر علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں علامہ حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ کا جواب نقل کیا، کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ آپ کے درمیان اور قیامت کے درمیان مستقبل میں اتنا زمانہ ہے، جو درمیانی انگلی کے شہادت کی انگلی کی زیادتی کے برابر ہے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے علاوہ کسی اور معنی کا ارادہ کرتے تو آپ کی بعثت کے بعد قیامت کا قائم ہونا ایک طویل زمانہ میں ہوتا۔ علامہ خطابی کا کلام ختم ہوا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس حدیث سے مراد یہ کنایہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد قیامت کا واقع ہونا بہت قریب آ چکا ہے اور علامہ کرمانی کا یہ کہنا کہ آج تک سات سو اسی (۷۸۰) سال گزر چکے ہیں جب کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ علیہ حجاز کے راستے میں مکۃ المشرفہ سے واپس ہوتے ہوئے ایک باغ میں فوت ہو گئے تھے، پھر ان کے جسم کو بغداد کی طرف منتقل کر دیا گیا اور یہ پندرہ (۱۵) محرم سات سو چھیاسی (۷۸۶) کا دن تھا اور وہ شیخ امام شمس الدین محمد بن یوسف بن علی السعیدی الکرمانی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا جَبَلَةُ بْنُ سُحَيْمٍ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا يَعْنِي ثَلَاثِينَ ثُمَّ قَالَ وَهَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا يَعْنِي تِسْعًا وَعِشْرِينَ يَقُولُ مَرَّةً ثَلَاثِينَ وَمَرَّةً تِسْعًا وَعِشْرِينَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جبلہ بن سحیم نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ مہینہ اسی طرح ہے اور اسی طرح ہے یعنی تیس (۳۰) دن کا

ہے، پھر فرمایا: اس طرح ہے اور اس طرح ہے یعنی انتیس (۲۹) دن ہے، آپ نے ایک مرتبہ تیس دن فرمایا اور دوسری مرتبہ انتیس دن فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۱۹۰۸، ۱۹۱۳، ۵۳۰۲، صحیح مسلم: ۱۰۸۰، سنن نسائی: ۲۱۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۳۲۹، مسند احمد: ۴۸۰۰)

بعض تراجم رجال کا تذکرہ

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی پہلی حدیث کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہ حدیث آدم بن ابی ایاس سے مروی ہے اور جبلہ بن سُحیم کوفی سے مروی ہے اور یہ حدیث کتاب الصوم کے اس باب میں گزر چکی ہے: ''باب قول النبی ﷺ انا لانکتب ولانحسب''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ وَأَشَارَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ نَحْوَ الْيَمَنِ الْإِيمَانُ هَاهُنَا مَرَّتَيْنِ أَلَا وَإِنَّ الْقَسْوَةَ وَغِلَظَ الْقُلُوبِ فِي الْفَدَّادِينَ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ رَبِيعَةَ وَمُضَرَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، از اسماعیل از قیس از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کیا اور دو مرتبہ فرمایا: ایمان یہاں ہوگا اور فرمایا: سنو! شقاوت اور دلوں کی سختی ہل چلانے والوں میں ہے، جہاں شیطان کے دو سینگ طلوع ہوں گے ربیع اور مُضر۔

(صحیح البخاری: ۳۳۰۲، ۳۴۹۸، ۴۳۸۷، ۵۳۰۳، صحیح مسلم: ۹۱، مسند احمد: ۲۱۸۳۸)

بعض رجال کا تذکرہ اور حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے وہ القطان ہیں اور اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن ابی خالد اور قیس کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حازم ہیں اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور وہ حضرت عقبہ بن عمرو البدری رضی اللہ عنہ متوفی ۴۱ھ ہیں جو کہ صحابی ہیں اور یہ حدیث کتاب بدء الخلق کے باب الجن میں گزر چکی ہے جس میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح ہے اور اس کی سند اس طرح ہے:

''حدثنی قیس عن عقبہ بن عمرو ابو مسعود رضی اللہ عنہ''۔

الایمان ھٰھنا: یہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: جس وقت آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ایمان یمن میں ہے، کیونکہ ایمان کی ابتداء مکہ سے ہوئی ہے اور مکہ تہامہ ہے اور تہامہ ارض یمن سے ہے، اس لئے کعبہ کو کہا جاتا ہے: کعبہ یمانیہ، اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے یہ قول اس وقت فرمایا جب آپ تبوک میں تھے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھا اور اس وقت مدینہ اور یمن کے درمیان آپ تھے تو آپ نے یمن کی جانب اشارہ فرمایا جب کہ آپ مکہ اور مدینہ کا ارادہ فرما رہے

تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ آپ نے اس قول کے ساتھ انصار کا ارادہ کیا کیونکہ وہ یمن کے رہنے والے تھے اور انہوں نے ایمان کی اور مومنین کی نصرت کی تھی اور ان کو مدینہ میں جگہ دی تھی اور ایمان کی ان کی طرف نسبت فرمائی۔

غِلَظُ القلوب فی الفدادین: یہ لفظ فداد کی جمع ہے اور یہ سخت آواز والے کو کہا جاتا ہے، اور فداد کھیتی باڑی کا آلہ ہے اور کھیتی باڑی کے آلات رکھنے والوں کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ وہ دین کے کاموں کے کرنے سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور دنیاداری میں مشغول رہتے ہیں اس وجہ سے ان کے دلوں میں سختی رہتی ہے۔

قرنا الشیطٰن: یعنی سر کی دو جانبیں کیونکہ ان کی سیدھ میں سورج طلوع ہوتا ہے اور جب وہاں سورج طلوع ہوتا ہے تو سورج کے پجاری سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔

ربیعہ، مضر: یہ فدادین سے بدل ہے، اور یہ دو مشہور قبیلے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۴۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔

(سنن ترمذی: ۱۹۱۸، سنن ابوداؤد: ۵۱۵۰، مسند احمد: ۲۲۳۱۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن زرارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی حازم نے خبر دی از والد خود از حضرت سہل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح داخل ہوں گے اور آپ نے انگشت شہادت اور انگشت وسطٰی سے اشارہ فرمایا اور ان کے درمیان تھوڑی کشادگی رکھی۔

بعض رجال کا تبصرہ اور حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں عمرو بن زرارہ کا ذکر ہے، یہ نیشاپوری ہیں اور حضرت سھل بن سعد کا ذکر ہے جن کی ۸۸ھ میں وفات ہوئی۔

کافل الیتیم: یعنی جو یتیم کی پرورش کرنے والا ہو اور اس کی مصلحتوں کا منتظم ہو۔

سَبَّابَه: آپ نے انگشت شہادت اور انگشت وسطٰی کے درمیان تھوڑا سا اشارہ کیا جس میں درجات الانبیاء کی طرف اشارہ ہے اور امت کے افراد کی طرف اشارہ ہے اور سبابہ سے مراد وہ انگلی ہے جس سے تسبیح پڑھی جاتی ہے، پہلے اس انگلی کو سبابہ اس لئے کہتے تھے کہ کسی کو گالی دیتے وقت اس انگلی سے اشارہ کر کے گالی دیتے تھے اور جب اسلام آیا تو اس انگلی سے مسلمان تسبیح کرتے تھے تو اس کو مُسبِحہ کہنے لگے، تو اس انگلی کے لئے سبابہ کا لفظ بھی آتا ہے اور مُسَبِّحَه کا لفظ بھی آتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۶۔ بَابٌ: إِذَا عَرَّضَ بِنَفْيِ الْوَلَدِ — جب کوئی مرد تعریضاً یہ کہے کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے

تعریض اور کنایہ کی تعریف

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے کہا ہے کہ تعریض کا معنی یہ ہے کہ کسی مذکور چیز کا ذکر کیا جائے جو غیر مذکور پر دلالت کرے (مثلاً

ساس، بہو سے کہے کہ میری بیٹی سالن میں نمک زیادہ ڈالتی ہے اور مراد یہ ہو کہ بہو سالن میں نمک زیادہ ڈالتی ہے، ذکر بیٹی کا کرتی ہے اور مراد اس کی بہو ہوتی ہے) اور کنایہ کا معنی یہ ہے کہ تم ایسی چیز کا ذکر کرو جس کے لئے اس لفظ کو وضع نہ کیا گیا ہو یعنی کوئی مرد اشارہ اور کنایہ سے کہے کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ (الکشاف ج ۱ ص ۳۱۱، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعریض کے معنی پر دیگر علماء کی عبارات سے استشہادات

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ (البقرہ:۲۳۵)

اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم (عدت والی عورتوں کو) اشارہ، کنایہ سے نکاح کا پیغام دو، یا تم اپنے دلوں میں چھپاؤ، اللہ کو علم ہے کہ (عدت کے بعد) عنقریب تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے، لیکن تم (عدت سے پہلے) ان سے خفیہ وعدہ نہ کرو، البتہ شریعت کے موافق ان سے بات کرو۔

علامہ ابومحمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی المالکی المتوفی ۵۴۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تعریض کا معنی ایسا کلام ہے جس میں اپنے مقصد اور مراد کی تصریح نہ ہو گویا کہ متکلم اپنے منشاء کو اشارۃً بیان کرتا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ کوئی مرد صراحتاً کسی عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام نہ دے بلکہ یوں کہے کہ تم بہت اچھی ہو، تم سے نکاح کرنے کی لوگ رغبت کرتے ہیں اور میں بھی تم سے نکاح کرنے کی امید کرتا ہوں، اگر میرے لئے یہ ممکن ہو۔ یہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے تعریض کی مثال دی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مرد معتدہ کے سامنے اپنی تعریف کرے اور اس میں تعریضاً اس سے نکاح کا ارادہ کرے، اور ابوجعفر محمد بن علی بن حسین نے اسی طرح کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسی طرح کیا تھا اور معتدہ کو ہدیہ پیش کرنا بھی جائز ہے اور یہ بھی تعریض ہے، یہ علامہ سحنون مالکی اور بہ کثرت علماء کا قول ہے۔ (المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ص ۲۰۹، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۲۳ھ)

الامام ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تعریض کا معنی ہے: ''الایمان والتلویح من غیر کشف''، سو یہ اس کلام کی طرف اشارہ ہے جس کا کلام میں ذکر نہ ہو، مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا کہ کوئی مرد کسی عدت گزارنے والی عورت سے کہے کہ تم بہت حسین و جمیل ہو اور تم بہت نیر یہ ہو اور صراحتہً یہ نہ کہے کہ تم مجھ سے نکاح کر لو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، اور عامر بن شراحیل شعبی المتوفی ۱۰۳ھ اور مجاہد متوفی ۱۰۴ھ اور ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ اور قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۷ھ نے کہا کہ تعریض یہ ہے کہ وہ عدت گزارنے والی عورت کے ولی سے کہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا ہے۔

اور امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا کہ وہ عدت گزارنے والی عورت کے ولی سے کہے کہ تم مجھ سے پہلے اس عورت کا کسی سے نکاح نہ کر دینا حتیٰ کہ تم مجھے اس کی خبر دو، خلاصہ یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عدت گزارنے والی عورت کو

صراحتاً نکاح کا پیغام نہ دے بلکہ تعریضاً نکاح کا پیغام دے۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ص ۱۴۵، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۲۳ھ)

۵۳۰۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ وُلِدَ لِي غُلَامٌ أَسْوَدُ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ مَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَنَّى ذَلِكَ قَالَ لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ قَالَ فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از سعید بن المسیب، از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرے ہاں سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے، آپ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے اس سے پوچھا: وہ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا کہ وہ سرخ رنگ کے ہیں، آپ نے پوچھا: کیا ان میں کوئی خاکستری رنگ کا اونٹ بھی ہے؟ اس نے: کہا جی ہاں! آپ نے پوچھا وہ خاکستری رنگ کا اونٹ کہاں سے آیا، اس نے بتایا شاید اس نے اپنے کسی باپ کی رگ کھینچی ہو (یعنی اس کا رنگ اس میں آ گیا ہو) آپ نے فرمایا: شاید تمہارے بیٹے نے بھی کسی کی رگ کھینچ لی ہو۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۷، ۷۳۱۴، صحیح مسلم: ۱۵۰۰، سنن نسائی: ۳۴۷۹، سنن ابو داؤد: ۲۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۲، مسند احمد: ۷۱۴۹، مسند الحمیدی: ۱۰۸۴)

حدیث مذکور کی مختلف روایات میں مختلف الفاظ اور اورق اور عرق کے معانی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت اس جملہ میں ہے کہ اس مرد نے کہا: میرے ہاں سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے، اس میں یہ تعریض ہے کہ اس نے لڑکے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کی ہے یعنی میں سفید رنگ کا ہوں اور یہ لڑکا سیاہ رنگ کا ہے تو یہ لڑکا میرا بیٹا کیسے ہوگا؟

ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا: ابو مصعب کی روایت میں ہے کہ ایک اعرابی آیا اور اسی طرح عنقریب کتاب الحدود میں یہ حدیث آئے گی از اسماعیل بن ابی حمید از امام مالک، اور امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے روایت کی ہے کہ دیہاتیوں میں سے ایک مرد آیا، اسی طرح امام علی بن محمد الدارقطنی التوفی ۳۸۵ھ نے از الاشہب از امام مالک روایت کی ہے اور امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ نے روایت کی ہے کہ بنو فزارہ سے ایک اعرابی آیا ہے، اور امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری التوفی ۲۶۱ھ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے اور اس اعرابی کا نام ضَمْضَم بن قتادہ ہے۔

حُمراً: امام الدارقطنی نے از محمد بن مصعب از امام مالک یہ روایت کی ہے کہ اس میں رُمك کا لفظ ہے جو أَرْمَك کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: وہ سفید رنگ جو سُرخی کی طرف مائل ہو۔

اورق: یہ وہ اونٹ ہے جس کا رنگ سفید مائل بہ سیاہی ہو، اور کہا جاتا ہے: الاورق اس رنگ کا اونٹ ہے جو غبار آلود ہو اور اس کے اندر سیاہی اور سفیدی ہو اور خاص سفیدی نہ ہو اور اس کا رنگ راکھ کی طرح ہو اور اسی سے ماخوذ ہے الحمامۃ الورقاء، یعنی خاکستری رنگ کا کبوتر۔

فان ذٰلك: یعنی تمہارے سرخ اونٹوں میں یہ خاکستری اونٹ کہاں سے آیا؟

لعلہٗ نزعہ عرق: یعنی سرخ رنگ کے اونٹ نے خاکستری رنگ کو اپنی طرف کھینچ لیا ہو اور اس پر اس کا رنگ غالب آ گیا ہو، یعنی اس کے مشابہ ہو گیا ہو اور العرق کا معنی ہے: نسب۔

فلعل ابنك هذا نزعه: یعنی شاید تمہارے بیٹے نے سیاہ رنگ اپنے کسی باپ دادا کے رنگ سے کھینچ لیا ہو، علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں لعل تحقیق کے معنی میں ہے۔

تعریض کے سبب سے حد اور لعان کے وجوب میں مذاہب فقہاء اور بدگمانی کرنے سے ممانعت

اس حدیث میں فقہاء احناف اور فقہاء شافعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تعریض میں کوئی حد نہیں ہے اور نہ تعریض میں لعان ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر کوئی حد واجب نہیں کی جس نے تعریضاً اپنی بیوی کی طرف زنا کی نسبت کی تھی، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے تعریض کی وجہ سے حد واجب کی ہے اور لعان کو بھی واجب کیا ہے، جبکہ تعریض سے بھی وہ معنی مفہوم ہو جو تصریح سے معنی مفہوم ہوتا ہے۔

قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی المتوفی ۵۴۳ھ نے لکھا ہے:

اس حدیث میں صحت قیاس پر قطعی دلیل ہے اور ایک چیز کی اس کی نظیر پر اعتبار کرنے کی قوی دلیل ہے اور وہ شبہ خلقی کا اعتبار کرنا ہے اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ بیٹے کو اس کے باپ کے ساتھ ملا دیا جائے گا خواہ ان دونوں کے رنگ مختلف ہوں اور باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ محض بیٹے کے رنگ کے اختلاف کی وجہ سے اپنے نسب کی نفی کرے۔

اور اس حدیث میں بدگمانی کرنے سے زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعریضاً ولد کی نفی کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں فقہاء احناف اور فقہاء شافعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تعریض میں حد نہیں ہے اور نہ تعریض میں لعان ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر حد واجب نہیں کی جس نے تعریضاً اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور امام مالک نے تعریض میں حد اور لعان کو واجب کیا ہے، کیونکہ تعریض سے بھی وہ تہمت مفہوم ہوتی ہے جو تصریح سے تہمت مفہوم ہوتی ہے، اور امام مالک کے اصحاب نے اس حدیث کی فقہاء کوفہ کے حق میں تاویل کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اس میں تمہاری کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس مرد نے اپنی تعریض سے قذف کا ارادہ نہیں کیا بلکہ وہ سوال کرنے کے لیے اور مشورہ کرنے کے لیے آیا تھا کہ میں تو سفید رنگ کا ہوں تو میرا بیٹا کالے رنگ کا کیسے ہو گیا؟ اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کے لئے مثال بیان کی اور آپ نے سکوت فرمایا۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ تعریض یہ تھی کہ جب اس شخص کا بیٹا اس کی شکل پر نہیں تھا تو اس نے بہ طور سوال کہا اور وہ شکلوں کے اختلاف سے ناواقف تھا تو اس کے اوپر کوئی حد واجب نہیں ہوئی اور امام مالک کے نزدیک تعریض میں حد واجب نہیں ہوتی مگر یہ کہ مرد بہ طور سب وشتم کہے کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے اور امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی المتوفی ۲۲۴ھ نے الاصمعی سے روایت کی ہے کہ جب اونٹ سیاہ رنگ کا ہو اور اس میں سفید رنگ کی آمیزش ہو جیسے دھواں دھار ہو تو اس کو الورقہ کہتے ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۶۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تعریضاً نفی نسب کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے فقہاء احناف اور شوافع نے یہ استدلال کیا ہے کہ تعریض سے نہ حد واجب ہوتی ہے اور نہ لعان واجب ہوتا ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۳۱۱، دار البشائر الاسلامیہ ۱۴۱۷ھ)

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کے اوپر کوئی حد واجب نہیں کی تھی، جس نے اپنی بیوی کے اوپر تعریضاً زنا کی تہمت لگائی تھی اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے تعریض کے سبب سے حد کو اور لعان کو واجب کیا ہے جب کہ تعریض سے بھی اسی طرح تہمت سمجھ میں آئے جس طرح صریح لفظ سے تہمت سمجھ میں آتی ہے۔

اور حضرت عُویمر رضی اللہ عنہ پر بھی حد قذف واجب نہیں کی جب انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ بتایئے جب ایک مرد اپنی بیوی کو دوسرے اجنبی مرد کے ساتھ پائے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ الحدیث۔

اور امام مالک کے اصحاب نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے تہمت نہیں لگائی تھی بلکہ انہوں نے سوال کیا تھا اور مشورہ طلب کیا تھا۔ (المدونہ ج ۴ ص ۳۹۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: جب کہ تعریض سب وشتم کے طور پر نہ ہو بلکہ مسئلہ سے جہالت کی بناء پر سوال کے لئے ہو تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اس پر حد واجب کی جائے تو پیش آمدہ مسائل میں سوال کرنے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے اس شخص پر اسی (۸۰) کوڑے مارے جس نے کہا کہ نہ میں زنا کرنے والا ہوں اور نہ میری ماں زنا کرنے والی ہے (یعنی اس نے تعریض کی) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیا تو بعض لوگوں نے کہا: اس نے اپنے ماں، باپ کی مدح کی ہے اور بعض لوگوں نے کہا: یہ مدح نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر احتیاطاً حد قذف لگائی۔ (الموطا امام مالک ص ۵۱۸)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک چیز کو اس کی نظیر کے ساتھ لاحق کرنا جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُرخ رنگ کے اونٹ کا بچہ اگر خاکستری رنگ کا ہو تو اس پر اس کو قیاس کیا کہ تمہارا سفید رنگ ہے تو اگر تمہارا کالا بیٹا ہو جائے تو یہ بھی ان اونٹوں کی مثل ہے۔

(۲) اگر کسی شخص کا بیٹا اس کے رنگ کی مثل نہ ہو تو اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے نسب کی نفی کرے۔

(۳) اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جس کے بستر پر بچہ پیدا ہوا ہے وہ اسی کا بچہ شمار ہوگا خواہ رنگ مختلف ہو۔

(۴) اس حدیث میں بدگمانی سے ممانعت ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۳۳-۴۳۴، وزارۃ الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

تعریض اور کنایہ کا فرق اور امام بخاری پر علامہ ابن المنیر کے اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تعریض کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز کا ذکر کیا جائے جس سے دوسری غیر مذکور چیز سمجھ آجائے، اور تعریض اور کنایہ میں فرق یہ ہے کہ کنایہ میں لازم کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ملزوم ہوتا ہے اور ملزوم کے لوازم اور مناسبات کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے ملزوم کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: موت نے اپنے پنجے گاڑھ دیئے، اب یہاں پر موت کو درندے کے ساتھ تشبیہ دی ہے، ذکر بھی موت کا ہے اور مراد بھی موت ہے لیکن پنجوں اور گاڑنے کے الفاظ سے ذہن درندے کی طرف منتقل ہوگا، سو یہاں پر موت کا ذکر درندے سے کنایہ ہے۔

ابن المنیر نے یہاں امام بخاری پر اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری نے اشارہ کے باب میں تعریض کا باب قائم کیا ہے کیونکہ تعریض بھی اشارہ کے ساتھ مشترک ہے کیونکہ دونوں میں مقصود کی تفہیم ہوتی ہے، لیکن امام بخاری کا یہ باب تعریض کے حکم کو لغو قرار دے رہا ہے کیونکہ جس مرد نے تعریضاً اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی کہ میں تو سفید ہوں میرا بچہ کالا کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ امام بخاری نے اس سے پہلے ابواب کی احادیث میں اشارہ سے حکم کو ثابت قرار دیا ہے اور اس باب میں تعریض سے زنا کی تہمت کی نفی کی ہے، لہٰذا یہ باب، باب سابق سے متناقض ہے۔

علامہ ابن المنیر کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو اشارہ معتبر ہوتا ہے اس سے صرف وہی معنی سمجھا جاتا ہے جو مقصود ہوتا ہے، اس کے برخلاف تعریض میں کبھی تو احتمال راجح ہوتا ہے اور کبھی احتمال مساوی ہوتا ہے، لہٰذا اشارہ اور تعریض میں فرق ہے۔

امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کتاب الام میں یہ لکھا ہے کہ اس اعرابی کے قول کا ظاہر یہ ہے کہ اس نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی لیکن جب کہ اس کے قول میں تہمت کی صراحت نہیں تھی بلکہ اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا تھا کہ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ جب وہ سفید رنگ کا ہے تو اس کے یہاں کالے رنگ کا بیٹا کیسے پیدا ہوگیا، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قذف کا حکم نہیں لگایا اور اس پر حد قذف جاری نہیں کی۔

اور اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تعریض سے حد جاری نہیں ہوتی اور اس پر دلیل کہ تعریض کا حکم تصریح کے حکم کے مغایر ہے، وہ یہ ہے کہ جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کو کوئی اجنبی مرد صراحت کے ساتھ نکاح کا پیغام نہیں دے سکتا البتہ تعریضاً نکاح کا پیغام دے سکتا ہے مثلاً یوں کہے: تم جیسی عورت سے تو بہت لوگ نکاح کی خواہش رکھتے ہوں گے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس کے بعد حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں وہی امور اپنے مخصوص گنجلک طریقہ سے لکھے ہیں جو اس سے پہلے ہم وضاحت کے ساتھ، علامہ بدر الدین عینی حنفی اور علامہ ابن بطال مالکی اور علامہ ابن الملقن شافعی کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ کی تعلیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تحسین طریقہ اور حدیث مذکور کی وضاحت اور شیخ عثیمین کا یہ استنباط کہ جب یہ معلوم ہوجائے کہ کسی مرد نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی ہے، پھر بھی وہ اس کے ساتھ عمل زوجیت کرتا رہے

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی انسان تعریض کے ساتھ اپنے بیٹے کے نسب کی نفی کرے تو اس کو قذف نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ اگر یہ قذف ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مرد کو کوڑے مارنے کا حکم دیتے یا حکم دیتے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ لعان کرے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت حسین طریقہ سے اور حکمت کے ساتھ تعلیم دیتے تھے، کیونکہ آپ نے اس مرد سے ایسا خطاب کیا جس سے وہ لاجواب ہو گیا، آپ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: وہ اونٹ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا: سُرخ رنگ کے ہیں، آپ نے پوچھا: کیا ان میں خاکستری رنگ والا اونٹ بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: سرخ اونٹوں میں یہ خاکستری رنگ کا اونٹ کیسے آ گیا؟ اس نے بتایا کہ شاید اس نے کسی اور اونٹ کا رنگ کھینچ لیا ہوگا، تو آپ نے فرمایا: سو اسی طرح تمہارے بیٹے نے بھی کسی اور کا رنگ کھینچ لیا ہوگا یعنی اس کے دادا یا نانا یا اس کی ماں میں کوئی سیاہ رنگ کا ہوگا اور تمہارا بیٹا ان ہی میں سے کسی کے رنگ پر گیا ہوگا تو جب کوئی مرد سفید رنگ کا ہو اور اس کے ہاں کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہو جائے یا اس کے برعکس معاملہ ہو تو شبہ تو پیدا ہوتا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح مثال کے ساتھ اس شبہ کو زائل کیا اور اس مرد کو مطمئن کر دیا۔

نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ بچہ اسی کے نسب سے شمار ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوتا ہے اور زانی کے لیے کنکر اور پتھر ہیں اور اسی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر العیاذ باللہ کسی مرد نے اپنی بیوی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا ہو یا خود عورت نے اس کا اقرار کر لیا ہو تو اس کے شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے ساتھ فوراً مجامعت کرے اور استبراء رحم کا یا عدت گزرنے کا انتظار نہ کرے کیونکہ بچہ اسی کا شمار ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو حتیٰ کہ بالفرض بچہ پیدا ہونے کے بعد زانی نزاع کرے اور یہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہے اور شوہر یہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو وہ بچہ شوہر کا قرار دیا جائے گا اور زانی کے لئے کنکر اور پتھر ہیں اور جب بچہ شوہر کا قرار دیا جاتا ہے تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی سے فوراً جماع کرے اور یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ انتظار کرے، کیونکہ ہوسکتا ہے بعد میں بچہ کا اس زانی مرد سے تعلق یا مشابہت ظاہر ہو اور معاملہ مشکل میں پڑ جائے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کے استنباط پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: شیخ عثیمین حنبلی کی شرح کا یہ موخر الذکر حصہ ناقابلِ فہم ہے، کیونکہ یہ شرعاً اور عقلاً مردود ہے، کوئی غیور مسلمان یہ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی بیوی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ بدکاری میں ملوث پائے، پھر بدستور اس کے ساتھ عملِ زوجیت کرتا رہے، جب کہ شریعت نے اس کے لیے یہ طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ لعان کرے یا پھر اس کو طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر لے اور جب وہ دیکھ چکا ہے کہ دوسرا مرد اس کے ساتھ بدکاری کر رہا ہے پھر بھی وہ اس کے ساتھ عملِ زوجیت کرتا رہے تو یہ بے غیرتی کے علاوہ نسب میں اختلاط اور اشتباہ کا بھی سبب ہے بلکہ شریعت میں ایسے شخص کو جو اپنی بیوی پر غیرت نہ کرے دیوث کہا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کو دیوث پر حرام کر دیا گیا ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۱۳۶، مطبوعہ عباس احمد الباز مکۃ المکرمہ، سعیدی غفرلہ)

۲۷۔ بَابٌ: إِحْلَافِ الْمُلَاعِنِ
لعان کرنے والے کو قسمیں دینا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی اس باب میں لعان کرنے والے کو قسمیں دینے کا بیان ہے اور اس سے مراد ہے: لعان کے کلمات معروفہ کو زبان سے کہنا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَذَفَ امْرَأَتَهُ فَأَحْلَفَهُمَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از عبداللہ کہ انصار کے ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، نبی ﷺ نے ان دونوں کو قسم کھانے کو فرمایا، پھر ان کے درمیان تفریق کر دی۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۸، ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ترمذی: ۱۲۰۲، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسند احمد: ۶۰۶۳، موطا امام مالک: ۱۲۰۲)

حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت، حضرت جویریہ کا تذکرہ اور حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، اس حدیث کی سند میں جویریہ کا لفظ ہے، یہ جاریہ کی تصغیر ہے، ان کا نام ابن اسماء ہے اور یہ نام مردوں اور عورتوں میں مشترک ہے۔
امام بخاری نے یہاں اس حدیث کی اختصار سے روایت کی ہے اور چھ ابواب کے بعد اس کی تفصیل از عبیداللہ بن عمرو از نافع کی سند سے آگے آئے گی اور اس کی تفسیر سورۃ النور میں دوسرے الفاظ کے ساتھ گزر چکی ہے، اس کے الفاظ ہیں: ایک مرد اور عورت کے درمیان لعان ہوا۔
فاحلفهما النبی ﷺ: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ لعان میں معروف قسمیں دی جاتی ہیں کیونکہ مرد نے جب اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف لازم تھی جب کہ وہ اپنے دعویٰ پر چار گواہ نہیں پیش کر سکا، جو اس کی تصدیق کرتا، پس جب اس (العجلانی) نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ (النور: ۶-۷)

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ○ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی

لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو O

آیتِ لعان کی تفسیر از علامہ زمخشری

علامہ ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی التوفی ۵۳۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی جب کہ وہ مسلمان ہو، آزاد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، اور غیر محدود فی القذف ہو اور عورت کی بھی یہی صفت ہو اور وہ پاک دامن ہو تو ان کے درمیان لعان کرنا صحیح ہے جب کہ وہ اپنی بیوی پر صریح زنا کی تہمت لگائے اور وہ یہ کہے "یا زانیہ" یا کہے "تو نے زنا کیا ہے" یا کہے "میں نے تجھ کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے" اور جب اس کا شوہر غلام ہو یا محدود فی القذف ہو اور عورت پاک دامن ہو تو اس مرد کو اسی طرح قذف لگائی جائے گی جس طرح وہ کسی اجنبی عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور جب تک یہ مقدمہ حاکم کے سامنے پیش نہ کیا جائے تو لعان واجب نہیں ہوگا اور لعان کی صورت یہ ہے کہ مرد ابتداءً کہے اور چار مرتبہ یہ کہے: جس چیز کی اس نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس تہمت میں وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ زنا کی تہمت میں جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور عورت چار مرتبہ یہ قسم کھائے کہ اس کے خاوند نے جو اس پر تہمت لگائی ہے وہ اس میں جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کے شوہر نے اس پر جو زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں وہ سچا ہے تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔

اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ لعان مکہ میں ہوگا، مقامِ ابراہیم اور بیت اللہ کے درمیان اور مدینہ منورہ میں ہوگا، منبر پر اور بیت المقدس میں ہوگا، مسجد میں، اور مشرک کا لعان گرجا میں ہوگا یا اس جگہ ہوگا جو اس کے نزدیک تعظیم کا مقام ہے اور اگر اس کا کوئی دین نہ ہو پھر اس کا لعان مسجد حرام کے سوا ہماری باقی مساجد میں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ (التوبہ:۲۸) مشرک محض نجس ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔

پھر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے اور قاضی کی تفریق کے بغیر امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے نزدیک تفریق نہیں ہوگی، سوا امام زفر متوفی ۱۵۸ھ کے، کیونکہ ان کے نزدیک لعان سے تفریق ہو جاتی ہے۔

اور عثمان البتی سے روایت ہے کہ ان کے نزدیک بالکل تفریق نہیں ہوتی۔

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ متوفی ۲۰۴ھ کے نزدیک خاوند کے لعان کرنے سے تفریق ہو جاتی ہے اور یہ تفریق امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد متوفی ۱۸۹ھ رضی اللہ عنہما کے نزدیک طلاق بائن ہوتی ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام زفر متوفی ۱۵۸ھ اور امام حسن بن زیاد اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کے نزدیک بغیر طلاق کے تفریق ہو جاتی ہے، ایسی تفریق جو دائمی تحریم ہے اور ان دونوں کے نزدیک اس کے بعد کسی طریقہ سے بھی جمع ہونا جائز نہیں ہے۔

اور روایت ہے کہ آیت قذف نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منبر پر پڑھا تو حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ کھڑے ہوئے، پس انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے اجنبی مرد کو پائے اور اس کی خبر دے تو اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کی شہادت ہمیشہ کے لئے رد کر دی جائے گی اور اس کو

فاسق قرار دیا جائے گا اور اگر وہ غضب میں آ کر اپنی بیوی کو قتل کر دے تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا اور اگر وہ خاموش رہے تو وہ اپنے غیض و غضب کے اوپر خاموش رہے گا اور اگر وہ چار مرد ڈھونڈنے نکلے تو اتنی دیر میں وہ مرد اپنی حاجت پوری کر چکا ہوگا، پھر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ چلے گئے اور دعا کی اے اللہ! ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے، پھر اس کے بعد حضرت ہلال بن امیہ یا حضرت عویمر رضی اللہ عنہما آئے اور انہوں نے کہا کہ میں نے بہت برا کام دیکھا ہے، میں نے اپنی بیوی خولہ اور وہ بنت عاصم شریک بن سحماء ہیں، کے بستر پر ایسے اور ایسے پایا، اور انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میرا ابھی یہی سوال ہے اور میں جس چیز میں مبتلا ہوا ہوں، میں اس میں جلدی نہیں کر رہا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا: میں نہیں جانتی اگر میرا خاوند بہت غیرت والا ہے اور یہ طعن پر بخیل ہے اور شریک ان کے گھر میں آتا جاتا تھا اور ہلال بن امیہ نے کہا کہ میں نے ایک مرد کو اپنی بیوی کے پیٹ پر دیکھا۔ تب آیت لعان نازل ہوئی اور جب ان دونوں نے کہا کہ ان پر اللہ کی لعنت نازل ہو اور عورت نے کہا کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اور صحابہ نے کہا آمین، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: اگر تم کسی گناہ میں مبتلا ہوگئی ہو تو تم اس کا اعتراف کر لو، اگر تم کو رجم کر دیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے زیادہ آسان ہے اور جس پر اللہ کا غضب ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا۔ اگر تم کہو کہ عورت پر لعان میں پانچویں مرتبہ یہ کہا گیا ہے کہ اس کا شوہر سچا ہے تو اس تخصیص کی کیا وجہ ہے تو میں کہوں گا کہ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وہ عورت اس فجور کی اصل ہے، اسی وجہ سے کوڑے مارنے کے حکم کی آیت میں عورت کا ذکر مقدم کیا گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خولہ سے فرمایا: رجم کی سزا اللہ کے غضب سے آسان ہے۔

(تفسیر الکشاف ص ۷۲۰-۷۲۱، دار المعرفہ بیروت لبنان، ۱۴۳۰ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس آیت کو لکھنے کے بعد کہا ہے کہ اس آیت کے عموم سے زوج کو خارج کر دیا گیا ہے اور اس کی چار قسموں کو پانچویں قسم کے ساتھ چار گواہوں کے قائم مقام کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے نفس کو حد سے دور کر دے جیسا کہ تمام لوگوں سے چار گواہوں کو پیش کرنے کے بعد حد قذف کو دور کر دیا جاتا ہے، پس اگر مرد یہ قسم کھا لے تو عورت پر حد لازم ہو جائے گی اگر وہ لعان نہ کرے اور اگر وہ لعان کرے اور قسم کھا لے تو اس کے نفس سے بھی حد دور کر دی جائے گی، جیسا کہ اس کے خاوند سے لعان کے بعد حد کو دور کر دیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آیتِ لعان میں مرد کے ذکر کی تصریح نہ کرنے کی توجیہ

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ'' (النور: ٦) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے عموم سے خاوند کے ذکر کو خارج کر دیا اور خاوند کی چار قسموں کو پانچویں قسم کے ساتھ چار گواہوں کے قائم مقام کیا ہے جن کی وجہ سے وہ اپنے نفس کو حد سے دور کرتا ہے جیسا کہ باقی لوگ بھی چار گواہ پیش کر کے اپنے نفسوں سے حد کو دور کرتے ہیں، پس جب مرد یہ قسم کھا لیں اور عورت اگر قسمیں نہ کھائے تو اس پر زنا کی حد لازم ہو جائے گی اور اگر عورت قسم کھا لے اور لعان کرے تو اس کی قسموں کی وجہ سے اس سے حد ساقط ہو جائے گی، جیسا کہ مرد کی قسموں کی وجہ سے اس سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۳۵)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن الملقن شافعی نے اپنی اس شرح میں بعینہ علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کو نقل کر دیا ہے۔

لعان آیا قسم ہے یا شہادت، اس میں فقہاء کا اختلاف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم دلانے سے مراد یہ ہے کہ زبان سے کلمات لعان کہے جائیں اور اس حدیث سے امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور جمہور فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ لعان قسم ہے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ لعان شہادت ہے اور یہ بھی فقہاء شافعیہ کا ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایسی شہادت ہے جس میں قسم کا شائبہ ہے اور ایک قول اس کے برعکس ہے اور اسی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ لعان نہ قسم ہے نہ شہادت ہے اور اختلاف کا مبنیٰ یہ ہے کہ لعان ہر دو زوجین کے درمیان شروع ہے خواہ وہ مسلمان ہوں، کافر ہوں، غلام ہوں، آزاد ہوں، نیک ہوں یا وہ دونوں فاسق ہوں یہ اس بناء پر ہے کہ لعان قسم ہے، پس جس کی قسم جائز ہے تو اس کا لعان جائز ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ لعان صرف ان دو زوجین سے جائز ہے کہ وہ دونوں آزاد ہوں اور مسلمان ہوں کیونکہ لعان شہادت ہے اور محدود فی القذف کی شہادت جائز نہیں ہے اور یہ حدیث اولین کی دلیل ہے کیونکہ راوی نے لعان اور حلف کے درمیان مساوات کی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یمین نہ فعل کے وجود پر دلالت کرتی ہے نہ فعل کی ممانعت کرتی ہے نہ خبر کے تحقق پر دلالت کرتی ہے اور یہاں پر اسی طرح ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض سندوں سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم کھاؤ کہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہو کہ میں اپنی تہمت لگانے میں سچا ہوں اور یہ قسم چار مرتبہ کھاؤ۔ اس حدیث کی امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۵-۵۰۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۸- بَابٌ: يَبْدَأُ الرَّجُلُ بِالتَّلَاعُنِ — لعان کی ابتداء مرد سے کی جائے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مرد اور عورت کے درمیان لعان کیا جائے تو مرد سے لعان کی ابتداء کی جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۷- حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ فَجَاءَ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِنَّ اللهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی، از ہشام بن حسان انہوں نے کہا: ہمیں عکرمہ نے حدیث بیان کی، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، پس وہ آئے اور انہوں نے گواہی دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ پس وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے قسم کھائی۔

(صحیح البخاری: ۲۶۷۱، ۴۷۴۷، ۵۳۰۷، سنن ترمذی: ۳۱۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۷)

حدیث مذکور کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اور سند کے بعض رجال کا تعارف

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس طرح ہے کہ یہ حدیث لعان کو متضمن ہے اور لعان کی ابتداء مرد کرے گا، اس حدیث کی سند میں ابن ابی عدی کا ذکر ہے اور ان کا نام محمد ہے اور ابوعدی کا نام ابراہیم ابوعمرو البصری ہے اور ہلال بن امیہ کا ذکر ہے، یہ ان تین صحابہ میں سے ایک ہیں جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

یہ حدیث اس طویل حدیث کی مختصر ہے جس کو امام بخاری نے سورۃ النور کی تفسیر میں بعینہ اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہاں اس حدیث کی مفصل شرح گزر چکی ہے۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم میں سے کوئی ایک کاذب ہے، اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باہمی لعان کے بعد یہ ارشاد فرمایا: کیونکہ اس وقت ان میں سے کسی ایک کا کذب متحقق ہوگا اور اس پر توبہ واجب ہوگی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے لعان کرنے سے پہلے تھا نہ کہ ان کے لعان کرنے کے بعد اور یہ آپ نے ان کو ڈرانے کے لئے اور نصیحت کرنے کے لئے ارشاد فرمایا تا کہ وہ ایک دوسرے پر جھوٹ باندھنے سے احتراز کریں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی اصل عبارت اس طرح ہے:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام اس وقت فرمایا جس وقت زوجین آپس میں لعان کر رہے تھے۔ اس کے برخلاف بعض شارحین کا یہ زعم ہے کہ آپ نے ان کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد یہ فرمایا اور سورۃ النور کی تفسیر میں اسی سند کے ساتھ یہ اضافہ ہے کہ اس عورت نے قسم کھائی، پس جب وہ پانچویں بار قسم کھانے لگی تو صحابہ نے اس کو روکا اور کہا: اب یہ قسم تم پر حکم کو واجب کردے گی، اور سنن نسائی کی روایت میں اس قصہ کے اندر یہ اضافہ ہے کہ آپ نے مرد کو حکم دیا کہ وہ پانچویں بار قسم کھاتے وقت اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے، پھر فرمایا: یہ پانچویں بار قسم حکم کو واجب کردے گی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا کہ وہ عورت لڑکھڑائی اور مڑی حتیٰ کہ ہم نے کہا اب یہ اپنی قسم سے رجوع کرلے گی، پھر اس عورت نے کہا: میں پورا دن اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی، پس وہ اپنے بیان پر جاری رہی۔

اور اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ دیکھو اگر یہ ایسا بچہ لے کر آئی (الحدیث) اور میں اس کی مفصل شرح ''باب التلاعن فی المسجد'' میں کروں گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۷، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: اگرچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے اس روایت کے متعدد فقروں کو متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے لیکن کسی حدیث کے فقرہ میں یہ تصریح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زوجین کے باہمی لعان سے پہلے یہ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے"۔ اس لئے صحیح اور قرینہ قیاس یہی بات ہے جو علامہ عینی نے فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے باہمی لعان کے بعد فرمایا: کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ لہٰذا صحیح شرح وہی ہے جو علامہ عینی نے کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری" (ج ۲ ص ۶۰۶) میں علامہ عینی کے اس اعتراض کو مطلقاً ذکر نہیں کیا، جس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اس مسئلہ میں علامہ عینی کے اعتراض سے بالکل لاجواب ہو گئے۔

لعان ہو یا کوئی اور مجلس قضاء ہو اس میں جس سے حلف لیا جائے اس کو کھڑا کر کے اس سے حلف لینا چاہیے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ لعان میں عورت سے پہلے مرد سے ابتداء کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کا پہلے ذکر کیا ہے اور اگر عورت مرد سے پہلے لعان کرے تو یہ اس کے لئے کافی نہیں ہے اور اس عورت سے اس کے بعد قسمیں لی جائیں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لعان کو ترتیب سے بیان فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس کی تفصیل فرمائی ہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مرد اور عورت دونوں کھڑے ہو کر ایک دوسرے پر لعان کریں گے۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو کھڑا کر کے ایک دوسرے کے خلاف لعان کرایا، اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ مسلمانوں کے حکام میں سے ہر حاکم پر یہ لازم ہے کہ جب وہ کسی عظیم کام کے اوپر کسی فریق کو قسم دے تو اس کو مجلس قضاء میں کھڑا کر کے اس سے قسم لے کیونکہ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد احادیث مروی ہیں۔

جو فریقین لعان میں ایک دوسرے کی تکذیب کریں ان کے خلاف حد قائم نہیں کی جائے گی

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قسم کھائیں اور ان میں سے کوئی ایک حق پر ہو اور دوسرا اپنے دعویٰ میں باطل پر ہو تو ان میں سے کسی فریق کو بھی دوسرے فریق کی تکذیب پر سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدود میں لعان کرنے والوں کو معذور قرار دیا ہے اور کسی ایک فریق پر بھی جھوٹی قسم کھانے کی وجہ سے حد قائم نہیں فرمائی۔

اپنی بیوی پر تہمت لگانے والے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ تھے نہ کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

ابوعبداللہ بن ابی صفرہ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی وہ حضرت عویمر تھے اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا تہمت لگانے میں ذکر کرنا خطا ہے۔

اور القاسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ سے روایت کی ہے کہ حضرت العجلانی نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ ھ سے روایت ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ ہشام بن حسان کو مغالطہ ہوا ہے جو انہوں نے کہا کہ حضرت ہلال بن امیہ نے بھی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، کیونکہ یہ قصہ واحد ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قصہ میں کوئی فیصلہ فرمانے سے پہلے توقف فرمایا تھا اور اگر یہ دو قصے ہوتے یعنی اگر ایک قصہ حضرت عویمر کا ہوتا اور دوسرا قصہ حضرت ہلال بن امیہ کا ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلہ فرمانے میں توقف نہ فرماتے اور دوسرے قصہ میں وہی فیصلہ فرماتے جو پہلے قصہ میں آپ پر حکم نازل ہوا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے کہا ہے کہ حدیث میں جو حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اس پر یہ اعتراض ہے کہ تہمت لگانے والے تو حضرت عویمر بن الحارث بن زید بن الجد بن العجلانی رضی اللہ عنہ تھے جو غزوہ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، انہوں نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت عاصم شریک بن السمحاء پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور سمحاء ان کی ماں ہیں اور ان کو ان کے سیاہ چہرہ کی وجہ سے سمحاء کہا گیا تھا اور وہ شریک بن عبدہ بن الجد العجلانی ہیں، اسی طرح اہل اخبار کا قول ہے اور یہ قصہ شعبان نو ہجری میں ہوا ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ کی طرف واپس ہوئے تھے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۷۸-۴۷۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال مالکی، علامہ عبداللہ بن ابی صفرہ اور امام ابوجعفر طبری پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: یہ تمام بزرگ علماء صحیح بخاری کی ان احادیث سے غافل رہے جن میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور انہوں نے اپنے مطالعہ کی کمی اور ناواقفیت کی بناء پر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے اپنی بیوی پر تہمت لگانے کا انکار کیا جب کہ امام بخاری اپنی صحیح میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت خولہ بنت عاصم شریک بن سمحاء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا تو تم گواہ پیش کرو یا، پھر تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے، پھر حضرت ہلال بن امیہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی مرد اپنی بیوی کے اوپر کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈنے جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ تم اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے، پھر انہوں نے لعان کی حدیث کو ذکر کیا۔ (صحیح البخاری: ۲۶۷۱، ۴۷۴۷، ۵۳۰۷، سنن ترمذی: ۳۱۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۷)

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ ان صریح احادیث صحیحہ سے کیونکر غافل رہے اور انہوں نے یہ کیسے خلاف واقع یہ دعویٰ کر دیا کہ تہمت لگانے والے صرف حضرت عویمر العجلانی تھے نہ کہ حضرت ہلال بن امیہ اور انہوں نے انکل پچو اور بے تکی باتوں سے ان احادیث صحیحہ کے خلاف اپنے موقف کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور ان بزرگ شارحین کو بھی معاف فرمائے، جنہوں نے اپنی کم علمی اور مطالعہ کے نقص کی وجہ سے احادیث صحیحہ، صریحہ کے خلاف اپنی رائے مسلط کرنے کی سعی لاحاصل کی، اور سچ یہ ہے کہ جہالت کی وجہ سے انسان اس سے بھی بڑی بڑی خطاؤں میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں از عکرمہ البربری المتوفی ۱۰۵ھ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، پھر وہ آئے اور انہوں نے شہادت دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پھر وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت دی۔
(صحیح البخاری: ۵۳۰۷، ۲۶۷۱)

اس پر اجماع قائم ہے کہ لعان میں عورت سے پہلے مرد سے ابتداء کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد سے ابتداء کی ہے، پس اگر عورت نے مرد سے پہلے ابتداء کی تو وہ کافی نہیں ہے بلکہ اس لعان کا اعادہ کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ترتیب سے بیان کیا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۶۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن التین نے از القاسم مالکی اور از امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ روایت کی ہے کہ عورت کا لعان میں ابتداء کرنا بھی صحیح ہے حالانکہ یہ سنت کے خلاف ہے اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ عورت کا لعان میں ابتداء کرنا جائز ہے لیکن اگر اس نے ابتداء کی تو اس کو دہرایا جائے گا۔ (النوادر والزیادات ج ۵ ص ۳۴۰، کتاب الام ج ۵ ص ۲۷۷)

علامہ ابن ملقن شافعی کے امام ابوحنیفہ پر اعتراض کا جواب

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے لعان کا قصہ واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے ترتیب کے لئے نہیں آتی، جیسے قرآن مجید میں ہے:

یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ۝ (آل عمران: ۴۳)
اے مریم! اپنے رب کی فرمانبرداری کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو O

حالانکہ بالاجماع رکوع پہلے ہے اور سجدہ بعد میں، اصل تو یہی ہے کہ پہلے رکوع کیا جائے، پھر سجدہ کیا جائے اور قرآن مجید میں سجدہ اور رکوع کو واؤ کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ مطلقاً جمع کے لیے آتا ہے۔

اسی طرح اعضاء وضو میں قرآن مجید میں پہلے چہرہ دھونے کا ذکر ہے، پھر ہاتھوں کو دھونے کا حکم ہے، پھر مسح کرنے کا ذکر ہے، پھر پیروں کو دھونے کا ذکر ہے اور یہ بھی واؤ کے ساتھ ہے فاء کے ساتھ نہیں ہے، اور فقہاء احناف کے نزدیک ان میں ترتیب واجب نہیں ہے، اگر کسی نے ہاتھوں کو چہرہ سے پہلے دھولیا یا پیروں کو سر پر مسح کرنے سے پہلے دھولیا تب بھی اس کا وضوء صحیح ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء کو دھونے کا حکم واؤ کے ساتھ کیا ہے فاء کے ساتھ نہیں کیا ہے جو ترتیب کا تقاضا کرتیں، اصل میں یہی ہے کہ قرآن مجید میں ذکر کردہ ترتیب کے ساتھ اعضاء وضو کو دھویا جائے گا لیکن اگر کسی نے اس کے برعکس اعضاء وضو کو دھولیا تو ان کا وضو کرنا صحیح ہوگا، اسی طرح لعان میں بھی اصل یہی ہے کہ پہلے مرد لعان کرے پھر عورت لعان کرے لیکن اگر کسی صورت میں عورت نے لعان کرلیا تب بھی لعان کا تقاضا پورا ہوجائے گا کیونکہ منشاء ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر تکذیب کریں اور دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں، اسی لئے یہاں بھی اگر عورت نے پہلے لعان کرلیا تب بھی لعان صحیح ہوگا۔

نیز قصہ میں تو واؤ کا ذکر ہے، فاء کا ذکر نہیں ہے لیکن اگر فاء کا ذکر بھی ہو تو اس سے بھی ترتیب واجب نہیں ہوتی، جیسے قرآن مجید

میں ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ⊙ (النحل:٩٨) پس (اے رسول مکرم!) جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں O

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے بعد ''اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم'' کو پڑھا جائے حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ پہلے ''اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم'' پڑھا جائے، پھر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، حالانکہ اس آیت میں فاء کا ذکر ہے جو ترتیب کا تقاضا کرتی ہے اور یہاں ترتیب واجب نہیں ہے، تو قصہ لعان میں جہاں فاء کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے لعان کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے تو جب فاء کا ذکر بھی ترتیب کو واجب نہیں کرتا تو واؤ کا ذکر ترتیب کو کیسے واجب کرے گا، اس لئے امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ اصل تو یہی ہے کہ پہلے مرد لعان کرے پھر عورت لعان کرے، لیکن کسی صورت میں اگر عورت نے پہلے لعان کر لیا تو تب بھی لعان کا تقاضا پورا ہو جائے گا اور یہ لعان صحیح ہوگا، امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کی قواعد عربیہ پر نظر تھی اور ان کی فکر دقیق تھی اس لئے انہوں نے کہا کہ اگر عورت بھی پہلے لعان کرلے تب بھی لعان صحیح ہوگا اور علامہ ابن التین اور علامہ ابن الملقن چونکہ قواعدِ عربیہ اور اسلوبِ قرآن سے نابلد تھے اس لئے انہوں نے اپنی علمی بے مائیگی سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض کر دیا۔ والی اللہ المشتکی!، نیز یہ بھی یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ نے یہ نہیں کہا کہ ضرور عورت پہلے لعان کرے بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ بالفرض عورت نے پہلے لعان کر لیا تو بھی لعان کا تقاضا پورا ہو جائے گا کیونکہ لعان کا معنی ہے: ایک دوسرے پر لعنت کرنا خواہ کوئی پہلے لعنت کرے، تاہم چونکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں پہلے مرد کے لعان کا ذکر ہے اسی لیے اولیٰ یہی ہے پہلے مرد لعان کرے کیونکہ وہی عورت پر زنا کی تہمت لگانے والا ہے اور عورت اس کی تہمت کا رد کرنے والی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)۔

اسی طرح اس کی نظیر ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ⊙ (البقرہ:۴۳) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرے O

لیکن اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لازماً پہلے نماز پڑھی جائے پھر زکوٰۃ ادا کی جائے اور اگر کسی نے پہلے زکوۃ ادا کردی پھر نماز پڑھ لی تب بھی اس کا اس آیت پر عمل صحیح ہوگا اور علامہ ابن التین اور علامہ ابن الملقن بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتے، کاش! ان لوگوں کو فقہاء احناف کی طرح فہم قرآن حاصل ہوتا تو یہ امام ابوحنیفہ پر اعتراض کرنے میں عجلت نہ کرتے۔

علامہ ابن التین شافعی کی شرح میں ایک اور غلطی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے''۔

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں: اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد اور عورت دونوں کے لعان کے بعد یہ فرمایا کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے کیونکہ اسی وقت کذب متحقق ہوگا اور توبہ واجب ہوگی۔ اور بعض شارحین نے یہ کہا ہے کہ آپ نے یہ ارشاد لعان سے پہلے فرمایا تھا نہ کہ لعان کے بعد تا کہ لعان کرنے والوں کو ڈرایا جائے اور ان کو نصیحت کی جائے اور یہ دونوں شرحیں ایک دوسرے کے قریب ہیں اور پہلی شرح کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو عنقریب ''صداق

الملاعنہ'' کے باب میں آئے گی۔

میں کہتا ہوں: علامہ ابن الملقن کا ان دونوں شرحوں کو متقارب قرار دینا بھی غلط ہے کیونکہ صحیح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لعان کے بعد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے''، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لعان کرنے سے پہلے یہ کیسے فرما سکتے تھے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، خود ابن الملقن کا یہ اعتراف ہے کہ پہلی شرح کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہو رہی ہے۔ (سعیدی غفرلہ) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۳۶-۴۳۷، وزارۃ الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ان کے متبعین اور اشہب مالکی اور علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی التوفی ۵۴۳ھ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ پہلے مرد لعان کرے، اور ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ اگر عورت لعان کرے تب بھی صحیح ہے، اور اس کا اعتبار کیا جائے گا اور یہی امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے، اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ لعان کے قصہ میں واؤ عاطفہ کا ذکر ہے اور واؤ عاطفہ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی اور امام شافعی وغیرھم کی دلیل یہ ہے کہ لعان اس لیے مشروع کیا گیا ہے تاکہ مرد سے حد قذف کو دور کیا جا سکے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اپنی تہمت پر گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں گے، پس اگر عورت سے لعان کی ابتداء کی گئی تو اس سے اس چیز کی مدافعت کی جائے گی جو ابھی ثابت نہیں ہوئی اور اس لئے بھی کہ مرد اس پر قادر ہے کہ وہ لعان کرنے کے بعد اپنی تہمت سے رجوع کرلے تو پھر عورت سے لعان مندفع ہو جائے گا، اس کے برخلاف اگر عورت نے لعان کی ابتداء کی تو پھر یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

مصنف کی طرف سے حافظ ابن حجر کے اعتراض کا جواب

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کوئی نئی بات نہیں کہی، بلکہ علامہ ابن التین اور علامہ ابن الملقن کے اعتراض کو دہرایا ہے، اور ان لوگوں کا امام ابوحنیفہ پر یہ اعتراض تب وارد ہوتا جب امام ابوحنیفہ یہ فرماتے کہ عورت کا لعان کی ابتداء کرنا واجب ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اصل یہی ہے کہ لعان کی ابتداء مرد سے کی جائے لیکن اگر کسی صورت میں عورت نے مرد سے پہلے لعان کرلیا تب بھی لعان کا تقاضا پورا ہو جائے گا، کیونکہ لعان کا مقصد ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر لعان کریں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو امام ابوحنیفہ کی اس دلیل پر طعن کیا ہے کہ واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے، ترتیب کو واجب نہیں کرتی، اس لئے پہلے مرد کا لعان ہونا چاہیے، پھر عورت کا لعان ہونا چاہیے تو وہ اس آیت کے متعلق کیا کہیں گے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ (البقرۃ:۱۹۶) اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے حج کیا جائے، پھر عمرہ کیا جائے کیونکہ پہلے حج کا ذکر ہے پھر عمرہ کا ذکر ہے، حالانکہ بالاجماع حج تمتع اور حج قران میں پہلے عمرہ کیا جاتا ہے پھر حج کیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی ہے کہ پہلے آپ نے عمرہ کیا پھر حج کیا اور اسی طرح تمام صحابہ کی بھی یہی سنت ہے اور آج تک تمام مسلمانوں کا بھی یہی معمول ہے کہ وہ پہلے عمرہ کرتے ہیں پھر حج کرتے ہیں، لہٰذا اس پر طعن کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں پر طعن کرنا ہے۔

سچ ہے کہ کسی کی محبت آدمی کو حقائق سے بے بہرہ اور بصیرت سے اندھا کر دیتی ہے، یہ لوگ امام شافعی کی محبت اور امام ابوحنیفہ سے بغض میں اندھے ہو چکے، جب ہی اس قاعدہ پر طعن کر رہے ہیں کہ واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے اور انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ پھر عمرہ کا حج پر مقدم کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجِ قران پر صحابہ کے حج تمتع پر اور قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے حج پر طعن کا موجب ہوگا کیونکہ سب سے پہلے عمرہ کرتے ہیں، پھر حج کرتے ہیں جب کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ'' پہلے حج کا ذکر ہے پھر عمرہ کا اس لئے لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ اگرچہ پہلے قرآن مجید میں حج کا ذکر ہے اور بعد میں عمرہ کا، لیکن واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی، سو اسی طرح قرآن میں پہلے مرد کے لعان کا ذکر ہے پھر عورت کے لعان کا ذکر ہے اور اگر عورت نے پہلے لعان کر لیا اور امام ابوحنیفہ نے اس کو صحیح قرار دیا تو پھر امام ابوحنیفہ پر ان لوگوں کے طعن کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس کی تحقیق کہ حضرت ابن السحماء یہودی تھے، پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا یا پھر وہ ابتداءً مسلمان تھے

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شریک بن سحماء رضی اللہ عنہ جو حضرت البراء بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۲۰ ھ کے اخیافی بھائی تھے اور اس میں اشکال ہے کیونکہ حضرت البراء بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ یہی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں اور ان کا نام حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ہے اور ان کا نام سحماء نہیں تھا، پس شاید کہ شریک ان کے رضاعی بھائی تھے یعنی اخیافی بھائی نہیں تھے۔

اور امام بیہقی نے اپنی کتاب الخلافیات میں محمد بن سیرین سے یہ مرسل روایت کی ہے کہ شریک حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ٹھہرتے تھے اور تفسیر مقاتل میں مذکور ہے کہ شریک کی والدہ کو سحماء کہا جاتا تھا اور یہ حبشی عورت تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ یمانی عورت تھیں اور امام حاکم نے ابن سیرین سے مرسل روایت کی ہے کہ شریک کی ماں حبشیہ تھیں اور شریک کے والد کا نام عبدۃ بن مغیث بن الجد بن العجلان تھا، اور عبدالغنی بن سعید نے اور امام ابونعیم نے صحابہ سے یہ نقل کیا ہے کہ لفظ شریک صفت ہے، اسم نہیں ہے، اور شریک یہودی تھا اور اس یہودی کو ابن السحماء کہا جاتا تھا اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ نے معرفۃ الصحابہ والآثار میں امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ سے یہ نقل کیا ہے کہ شریک بن السحماء یہودی تھا، اور قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ نے اس قول کے بطلان کی طرف اشارہ کیا ہے اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ نے ان کی اتباع میں وثوق سے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے حضرت ابن السحماء پہلے یہودی ہوں پھر بعد میں اسلام لائے ہوں اور اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ ابن الکلبی نے نقل کی ہے کہ حضرت ابن السحماء غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور اسی طرح متعدد مؤرخین کا قول ہے کہ ان کے والد غزوۂ بدر میں حاضر تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۶-۵۰۷، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

لعان کی مسنون جگہ کا مسجد میں ہونا اور لفظ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقوں کے وقوع کی دلیل

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ ھ مسئلہ لعان کے متعلق لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ ھ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ ایک اجنبی مرد کو پائے، سو وہ اس کو قتل کر دے تو آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے تو وہ کیا کرے؟ تو اللہ تعالیٰ نے لعان کرنے والوں کے متعلق حکم بیان

فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیویوں کے متعلق فیصلہ فرمادیا تو ان دونوں نے مسجد میں ایک دوسرے پر لعان کیا، جب ہم فارغ ہوگئے تو اس انصاری نے کہا: یارسول اللہ! اگر میں نے اب اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا قرار پاؤں گا، تو انہوں نے اسی وقت تین طلاقیں دے دیں، اس سے پہلے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو حکم دیتے جب وہ ایک دوسرے سے لعان سے فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان کی بیوی سے الگ کردیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر دو لعان کرنے والوں کے درمیان اسی طرح تفریق ہوگی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۴۴۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، صحیح البخاری: ۵۳۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۹۲)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں غیر مقلدین کے خلاف جمہور علماء اہلسنت کی یہ دلیل ہے کہ ایک مجلس میں ایک لفظ سے تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہوجاتی ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انصاری جو حضرت عویمر العجلانی تھے، ان کی دی ہوئی تین طلاقوں کو برقرار رکھا اور مزید یہ فرمایا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کا یہی طریقہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج۹ ص ۴۴۴، دارالفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

لعان کرنے والوں کو کھڑا کر کے لعان کرانے کا ثبوت

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت عاصم شریک بن السمحاء پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے زنا کی تہمت لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر (چار) گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم میں سے جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اجنبی مرد کے ساتھ دیکھے تو کیا وہ گواہ تلاش کرنے جائے گا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم گواہ پیش کرو، ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں گے، تب حضرت ہلال نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! بے شک میں ضرور سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے متعلق ضرور ایسی آیات نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو کوڑوں سے بری کردیں گی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورۃ النور کی آیات ۶ تا ۹ نازل ہوئیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو بلایا، وہ دونوں آئے اور حضرت ہلال بن امیہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پھر وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے قسمیں کھائیں، جب اس نے پانچویں قسم کھائی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو روکو کیونکہ یہ پانچویں قسم اس پر اخروی سزا کو واجب کردے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ عورت لڑکھڑائی اور مڑی حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ رجوع کرلے گی، بالآخر اس نے کہا کہ میں اپنی قوم کو تمام دن کے لیے رسوا نہیں کروں گی، پھر چلی گئی۔ (صحیح البخاری: ۴۷۴۷)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج۹ ص ۴۴۵، دارالفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

مصنف کا ابن بطال مالکی، امام ابوجعفر طبری، حافظ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر پر رد اور ابطال

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ واضح ہوگیا کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور ان

میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کے اس قول کا بطلان ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور نہ ان کی بیوی پر لعان کیا گیا تھا اور اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لعان کرنے کے بعد یہ فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے اور کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں حافظ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ اور ان کے شاگرد حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد بلیغ ہے جنہوں نے صریح حدیث کے برخلاف اپنی رائے سے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لعان کرنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ تم دونوں میں سے ضرور کوئی جھوٹا ہے، اور کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ حالانکہ ان دونوں بزرگوں کی حدیث پر ہم سے زیادہ نظر ہے، اس کے باوجود انہوں نے اس صریح حدیث کے خلاف اپنی رائے سے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لعان کرنے سے پہلے ان کو ڈرانے اور ان کو وعظ کرنے کے لیے یہ فرمایا تھا، حیرت اس پر ہوتی ہے کہ یہ لوگ ہم احناف کو اہل الرائے کہتے ہیں اور اصحاب الرائے کہتے ہیں، اصحاب القیاس کہتے ہیں اور بانگ دہل یہ کہتے ہیں کہ احناف احادیث صریحہ کے خلاف اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ اس حدیث میں یہ واضح تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لعان کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی جھوٹا ہے اور تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے اور ایک مرتبہ حضرت ہلال کی بیوی لڑکھڑائی اور مڑی جس سے لوگوں نے سمجھا کہ اب یہ توبہ کرے گی مگر ان پر اپنے علاقہ کے لوگوں کی عصبیت غالب آئی اور انہوں نے کہا کہ میں اپنے علاقہ کے لوگوں کو رسوا نہیں کروں گی، علاوہ ازیں اس حدیث میں یہ بھی ثبوت ہے جس کے لئے علامہ ابن المنذر نے باب قائم کیا ہے کہ لعان کرنے والوں کو کھڑا کر کے لعان کرانا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہ)

عصر کی نماز کے بعد لعان کا ثبوت

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد الساعدی متوفی ۸۸ھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کے پاس ایک اجنبی مرد کو پایا، وہ اس کو قتل کر دے تو تم اس کو قتل کر دو گے، تو وہ کیا کرے؟ تو حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کو مکروہ قرار دیا، پھر حضرت عویمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ایک مرد نے اپنی بیوی کے پاس ایک اجنبی مرد کو دیکھا آیا وہ اسے قتل کر دے تو آپ لوگ اسے قتل کر دیں گے تو آیا وہ کیا کرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق فیصلہ نازل فرما دیا، سو تم جلدی کرو، حضرت سہل نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو عصر کی نماز کے بعد مسجد میں بلایا اور میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا، سو ان دونوں نے لعان کیا، پس جب وہ لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں اب اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو یہ میرا اس پر ظلم ہوگا، تو اس پر قطعی طلاق ہے یعنی طلاق مغلظہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۵۹، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۶۸۸)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۴۶، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

غیر مقلدین کے اس قول کا رد کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق ہوتی ہے

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں بھی یہ دلیل ہے کہ ایک مجلس میں لفظ واحد کے ساتھ طلاق مغلظہ دینا جائز ہے کیونکہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اور اس سے پہلی حدیث (صحیح البخاری: ۵۳۰۹، اور صحیح مسلم: ۱۴۹۲، اور الاوسط: ۱۷۷۵۱)، میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جب حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو مجلس واحد میں لفظ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دے دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو لعان کرنے والوں کے ساتھ تفریق کا یہی طریقہ ہے اور اس میں علماء ظاہر یہ اور غیر مقلدین کے خلاف جمہور علماءِ اہلسنت اور ائمہ اربعہ کی یہ دلیل ہے کہ جب مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہو جاتی ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

عورت سے پہلے مرد سے لعان کرانا

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشا پوری المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت مصعب کے زمانہ میں لعان کرنے والوں کی کیفیت کے متعلق سوال کیا گیا تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں کیا جواب دوں، تو میں حضرت ابن عمر متوفی ۷۳ھ کے پاس گیا تو میں نے پوچھا: کیا لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! سب سے پہلے اس مسئلہ کے متعلق مجھ سے فلاں شخص نے پوچھا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا: یہ بتائیے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھے، اگر وہ بات کرے تو بہت سنگین بات ہوگی اور اگر وہ خاموش رہے تو کیا کوئی ایسی بات پر خاموش رہ سکتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے اور پھر وہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آپ مجھے اس معاملہ کے متعلق بتائیے، جس کے متعلق میں نے سوال کیا تھا، میں اس معاملہ میں مبتلا ہو چکا ہوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سامنے آیت لعان کی تلاوت فرمائی اور اس کو نصیحت کی کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت زیادہ آسان ہے، اس مرد نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے جھوٹ نہیں بولا، پھر آپ نے اس عورت کو بلایا اور اس کو نصیحت کی کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت زیادہ آسان ہے، پھر اس عورت نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! یہ مرد ضرور جھوٹا ہے، پھر آپ نے مرد سے ابتداء کی اور اس نے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھائی کہ وہ ضرور سچوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ قسم کھائی کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی ضرور لعنت ہو پھر آپ عورت کے پاس گئے اور اس نے بھی چار مرتبہ اللہ کی قسم کھائی اور پانچویں مرتبہ اس نے قسم کھائی کہ اس کا خاوند جھوٹوں میں سے ہے، اگر وہ سچوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ (صحیح مسلم: ۱۴۹۳)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن منذر النیشا پوری لکھتے ہیں: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ لعان کی ابتداء مرد سے کی جائے گی۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۴۶-۴۴۷، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ لعان کی ابتداء مرد سے کرنی چاہیے، تاہم اگر کسی معاملہ میں عورت نے پہلے لعان کر لیا تب بھی لعان کا تقاضا پورا ہو جائے گا، اور یہ لعان صحیح ہے، کیونکہ اس قصہ کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی۔ (سعیدی غفرلہ)

۲۹۔ بَابُ: اللِّعَانِ وَمَنْ طَلَّقَ بَعْدَ اللِّعَانِ

لعان کا بیان اور جس نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دی

فقہاء کا اس میں اختلاف کہ نفس لعان سے تفریق ہوگی یا حاکم کے فیصلہ سے تفریق ہوگی یا خاوند کے طلاق دینے سے تفریق ہوگی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جو باب لعان کے احکام کے متعلق ہے، اور اس باب میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی پر تہمت لگانے اور اس پر لعنت کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دی، تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری نے یہ عنوان قائم کر کے اس مسئلہ میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیا صرف لعان کرنے کے بعد مرد اور عورت کے درمیان تفریق واقع ہو جائے گی یا ضروری ہے کہ لعان سے فارغ ہونے کے درمیان حاکم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے یا یہ ضروری ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔

سو امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ان کے متبعین کا مذہب یہ ہے کہ نفسِ لعان کرنے سے ان دونوں کے درمیان تفریق واقع ہو جائے گی اور امام مالک اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ جب عورت لعنت کرنے سے فارغ ہو جائے گی، تو ان کے درمیان طلاق واقع ہو جائے گی، اور امام مالک اور امام شافعی اور ان کے متبعین اور سحنون مالکی نے کہا کہ جب خاوند لعنت کرنے سے فارغ ہو جائے گا تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

اور ثوری اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ اس وقت تک زوجین کے درمیان تفریق نہیں ہوگی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ کر دے، اور امام احمد بن حنبل سے اس مسئلہ کے متعلق دو روایتیں ہیں، اور عثمان البتی کا مذہب یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق واقع نہیں ہوگی، حتیٰ کہ خاوند تفریق واقع کر دے اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے بھی اس کی مثل از ابوالاشعث از جابر بن زید روایت کی ہے اور ابوعبید الھروی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو اسی وقت ان کے درمیان تفریق ہو جائے گی خواہ ان کے درمیان لعان واقع نہ ہوا ہو اور گویا کہ جو مسئلہ لعان کے وجوب کے اوپر متفرع ہے کہ جب عورت نے لعان کر لیا اور اس کے اوپر حلال ہو گیا تو اس کے اوپر تغلیظ اور سختی کے لیے تفریق کا حکم لگایا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُوَيْمِرًا الْعَجْلَانِيَّ جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ لَهُ يَا عَاصِمُ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ عَنْ ذَٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلَ عَاصِمٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی، از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی نے ان کو خبر دی کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پس ان سے کہا: اے عاصم! یہ بتاؤ کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھے تو آیا اس کو قتل

رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ
ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا حَتّٰى كَبُرَ عَلٰى عَاصِمٍ مَا
سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلٰى
أَهْلِهِ جَائَهُ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ يَا عَاصِمُ مَاذَا قَالَ لَكَ
رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ عَاصِمٌ لِعُوَيْمِرٍ لَمْ تَأْتِنِي
بِخَيْرٍ قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَسْأَلَةَ الَّتِي
سَأَلْتُهُ عَنْهَا فَقَالَ عُوَيْمِرٌ وَاللهِ لَا أَنْتَهِي حَتّٰى أَسْأَلَهُ
عَنْهَا فَأَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ حَتّٰى جَائَ رَسُولَ اللهِ ﷺ
وَسَطَ النَّاسِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ
مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ
فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ فِيكَ وَفِي
صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا وَأَنَا
مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ
تَلَاعُنِهِمَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ
أَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ
ﷺ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَكَانَتْ سُنَّةَ
الْمُتَلَاعِنَيْنِ۔

کر دے تو تم اس کو قصاص میں قتل کر دو، یا پھر وہ کیا کرے؟ اے
عاصم! تم میرے لیے اس مسئلہ کو رسول اللہ ﷺ سے دریافت
کرو، پس حضرت عاصم نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کو
دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سوالات کو ناپسند کیا اور ان
کی مذمت کی حتیٰ کہ یہ بات حضرت عاصم کو بہت شاق گزری، جو
انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، پس جب حضرت عاصم
اپنے گھر واپس گئے تو ان کے پاس حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ
آئے اور پوچھا: اے عاصم! تم کو رسول اللہ ﷺ نے کیا جواب
دیا؟ تو حضرت عاصم نے حضرت عویمر سے کہا آپ کوئی اچھی خبر
لے کر نہیں آئے، پھر انہوں نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ
ﷺ سے اس مسئلہ کو دریافت کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے
تمہارے سوال کو ناپسند فرمایا تھا، تب حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا
کہ اللہ کی قسم! میں خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر
ہو کر یہ سوال کروں گا، پس حضرت عویمر گئے حتیٰ کہ جب رسول
اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان تھے تو حضرت عویمر نے رسول اللہ
ﷺ سے سوال کیا، پس کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ ایک مرد
اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے؟
آپ لوگ اس کو قصاص میں قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے؟
پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور
تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرما دیا، سو تم جاؤ اور اپنی بیوی کو
لے کر آؤ، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پھر ان دونوں نے
ایک دوسرے پر لعنت کی اور میں ان لوگوں کے ساتھ رسول اللہ
ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، پس جب وہ دونوں ایک
دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا
یا رسول اللہ! اگر میں اس عورت کو اب اپنے ساتھ رکھوں تو میں
جھوٹا قرار پاؤں، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ
فرمانے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، ابن شہاب

زہری نے کہا کہ پس یہی لعان کرنے والوں کا طریقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۲۳، ۴۷۴۵، ۴۷۴۶، ۵۲۵۹، ۵۳۰۸، ۵۳۰۹، ۶۸۵۴، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۳۰۴، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹)

حدیث مذکور کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب کے جز اول کے ساتھ ہے جس میں مذکور ہے کہ ان دونوں نے لعان کیا اور جز ثانی کے ساتھ مناسبت ہے جس میں مذکور ہے کہ جس نے لعان کے بعد طلاق دے دی کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ فرمانے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس لئے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے لعان کرنے کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں اختصار سے روایت کیا ہے اور سورۃ النور کی تفسیر میں اس کو النور: ۶ کی تفسیر میں روایت کیا ہے اور وہاں ہم نے تفصیل سے اس حدیث کی شرح لکھ دی ہے جس کے اعادہ کرنے کی اب ضرورت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۱-۴۲۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقوں کے وقوع کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ جمہور علماء اہلسنت اور فقہاء اربعہ کی یہ دلیل ہے کہ مجلس واحد میں لفظ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ طلاق ہو جاتی ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت عویمر نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں لفظِ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طلاقوں کو نافذ فرما دیا اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا، سو اس سے واضح ہو گیا کہ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ لفظِ واحد سے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں گی تو وہ ایک طلاق واقع ہو گی، باطل ہے۔

مشہور غیر مقلد نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے اس حدیث کی شرح میں کچھ نہیں لکھا اور خاموشی سے گزر گئے۔

(عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۱۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۹ھ)

البتہ دوسرے غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں متوفی ۱۳۲۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں لب کشائی کی ہے، سو وہ لکھتے ہیں:

حضرت عویمر لعان کے بعد جدا ہونے لگے، حنفیہ نے جو اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ لعان سے جدائی نہیں ہوتی، وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ عویمر نے اپنی ناسمجھی سے اس کو تین طلاق دے دیئے، کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دے۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۳۵، نعمانی کتب خانہ لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

نواب وحید الزماں کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز صحابی تو ناسمجھ ہیں اور یہ چودہویں صدی کا جاہل ملا سمجھ دار ہے، باقی رہا اس کا یہ کہنا کہ حضرت عویمر نے از خود تین طلاقیں دی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس غلط کام پر ٹوکا کیوں نہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی ناجائز کام کیا جائے اور آپ اس پر رد نہ فرمائیں اور اس کو برقرار

رکھیں، تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ کام صحیح ہے اور اس کو اصطلاح میں حدیث تقریری کہتے ہیں، مگر فقہاء احناف کے خلاف تعصب نے نواب وحید الزماں کی آنکھوں پر جہالت کی پٹی باندھ دی، بجائے اس کے کہ وہ حق کی طرف رجوع کرتا، اس نے صحابی رسول کو نا سمجھ قرار دیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے تمام صحابہ آسمان ہدایت کے ستارے ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

(مشکوٰۃ المصابیح: ۶۰۱۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ، میزان الاعتدال: ۱۵۱۱، ۲۲۹۹، لسان المیزان ج ۲ ص ۴۸۸، ۵۹۴، کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۴۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۲۲۳، تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۱۹۰، کشاف ص ۹۴،)

(موسوعہ اطراف الحدیث النبوی الشریف ج ۱ ص ۵۵۳، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

نواب وحید الزماں نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو تو نا سمجھ قرار دیا، لیکن امام شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کو کیا کہیں گے جو علمِ اصولِ حدیث کے بانی ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو آج کسی کو اصولِ حدیث کی اصطلاحات کا پتا نہ ہوتا اور انہوں نے اس حدیث کی روایت کرنے کے بعد یہ کہا ہے: پس یہی لعان کرنے والوں کا طریقہ ہے، یعنی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو لفظِ واحد کے ساتھ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا صحیح ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ تقریری حضرت عویمر رضی اللہ عنہ پر مجلس واحد میں تین طلاقیں دینا اور ابن شہاب زہری کا اس کو لعان کرنے والوں کی سنت قرار دینا ان تمام حقائق نے نواب وحید الزماں کی آنکھوں سے تعصب اور جہالت کی پٹی نہیں اتاری تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من یضللہ فلا ھادی لہ'' یعنی جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، برسہا برس سے جمہور علماء اہلسنت قرآن مجید کی تصریحات، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ، اقوالِ تابعین، اور اجماعِ امت سے لفظِ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقوں کے وقوع پر بہ کثرت دلائل پیش کر چکے ہیں لیکن ہنوز ان منکرین، معاندین، متعصبین اور مخالفین کی آنکھوں سے ضد، ہٹ دھرمی، اور عناد کی پٹی نہیں اتری اور یہ بہ دستور قرآن اور حدیث کی مخالفت میں سرگرم ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جو شیطان کی پیروی میں اندھا دھند بھاگ رہا ہو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

تین طلاقوں کو ایک طلاق دینے کے متعلق شیوخ غیر مقلدین کے فتاویٰ

غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی متوفی ۱۳۲۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

نکاح زید حنفی کا بعد طلاق مغلظہ کے نزدیک امام اعظم وصاحبین کے صحیح نہ ہوگا مگر بعد حلالہ کے الیٰ آخرہ۔۔۔نکاح زید حنفی را ناجائز نوشتہ و گفتہ کہ کذا یفھم من الکنز و غیرہ۔۔بلکہ اشباہ و النظائر ایں صورت مستفسرہ بر جواز ھمچو نکاح مذکور بحکم قاضی شافعی المذھب بلکہ بحکم قاضی حنفی المذھب۔

(فتاویٰ نذیریہ ج دوم ص ۵۴۹-۵۵۰، مکتبہ ثنائی گوجرانوالہ پاکستان، ۱۴۰۹ھ)

اہلحدیث کے شیخ الاسلام ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری متوفی ۱۳۶۷ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

تین طلاقوں کے بعد وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے اپنی خوشی سے ہمیشہ کے لیے نکاح کرے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۸۵،

مکتبہ ثنائیہ سرگودھا)

غیر مقلدین کے مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اگر تین کی تعداد ایک مجلس میں یا متفرق طور پر پوری ہوگئی تو ائمہ اربعہ کے نزدیک وہ عورت حرام ہو چکی ہے جب تک دوسری جگہ نکاح پڑھ کر دوسرا خاوند ہمبستری نہ کرے، پہلے کے لیے حلال نہیں ہے، ہاں! بعض اہل حدیث اس طرف گئے ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں اکٹھی دے تو یہ ایک ہی طلاق ہے، تین حیض کے اندر رجوع ہو سکتا ہے، تین حیض کے بعد برضامندی فریقین نکاح ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۴۹۵، ادارہ احیاء السنۃ النبویہ، سرگودھا، ۱۴۰۴ھ)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق غیر مقلدین کے دلائل

شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

صحاح ستہ میں سوائے سنن ترمذی کے سب میں یہ حدیث مذکور ہے کہ جب حضرت عویمر رضی اللہ عنہ لعان سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر میں نے اب اس کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں گا، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ فرمانے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، سو یہ لعان کرنے والوں کی سنت ہوگئی، اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد شیخ شوکانی لکھتے ہیں: اس حدیث کو یہاں وارد کرنے کی غرض یہ ہے کہ تین طلاقیں جب ایک مجلس میں دی جائیں تو وہ کل واقع ہو جاتی ہیں اور عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جاتی ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف ایک طلاق ہوتی ہے، وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا: کیونکہ لعان سے بنفسہ عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد حضرت عویمر نے طلاق دی وہ اب اس طلاق کا محل نہیں تھا گویا کہ حضرت عویمر نے ایک اجنبی عورت کو طلاق دی ہے اور اس کی مثل پر انکار کرنا واجب نہیں ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے اوپر سکوت فرمانا حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے فعل کی تقریر اور اثبات نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۵، دار الوفاء، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ شوکانی کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: شریعت کے عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ شیخ شوکانی اور احکام شرعیہ کو کھول کھول بیان کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب رسالت ہے، اگر بہ قول شیخ شوکانی لعان کے بعد حضرت عویمر کی بیوی اجنبی عورت کے حکم میں ہوگئی تھی اور اس کا ان کو تین طلاقیں دینا فضول تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم تھا کہ وہ حضرت عویمر کو ان کی غلطی پر متنبہ کرتے اور بتاتے کہ یہ عورت لعان کے بعد بائنہ ہو چکی ہے، تمہاری بیوی نہیں رہی اور اجنبی عورت ہے اور تمہاری دی ہوئی طلاقیں اس پر واقع نہیں ہوں گی، کیونکہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ (آل عمران: ۱۶۴)	بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول کو بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ آپ کے سامنے کوئی شخص غلط کام کرے اور آپ اسے نہ ٹوکیں، اور اس کی اصلاح نہ

کریں بلکہ منصب رسالت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ غلط بات اور غلط کام پر فوراً ٹوکیں اور اس کی اصلاح کریں، کتب احادیث میں اس کی متعدد نظائر ہیں، بعض ازاں یہ ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمازیوں کی غلطیوں پر سکوت نہ فرمانا اور ان کی اصلاح فرمانا اور اس کی دس مثالیں

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ایک سفر میں میں جنبی ہو گیا تھا، مجھے پانی نہیں ملا تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن الخطاب سے کہا کہ آپ کو یاد نہیں کہ ہم اور آپ ایک سفر میں تھے، ہم دونوں جنبی ہو گئے، آپ نے تو نماز نہیں پڑھی اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا (یعنی پورے جسم کا تیمم کرلیا) اور میں نے نماز پڑھ لی، پھر بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لئے یہ کافی تھا کہ تم دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارتے، پھر ان پر پھونک مارتے، پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر اور ہاتھوں پر مسح کر لیتے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، صحیح مسلم: ۳۶۸، سنن نسائی: ۳۱۲، سنن ابوداؤد: ۳۲۲، سنن ابن ماجہ: ۵۶۹، مسند احمد: ۱۸۴۰۳)

دیکھئے! جب حضرت عمار بن یاسر نے غلط طریقہ سے تیمم کیا اور مٹی پر پورے جسم کا تیمم کرلیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر خاموش نہیں رہے بلکہ ان کی اصلاح فرمائی کہ تمہارے لیے اپنے ہاتھوں اور چہرہ پر تیمم کر لینا کافی تھا۔ اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب ہے کہ آپ کسی غلط کام پر سکوت نہ فرمائیں بلکہ اس غلط کام کو سن کر فوراً اس کی اصلاح کر دیں۔

(۲) نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو ایک مرد داخل ہوا، اس نے نماز پڑھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا واپس جاؤ، پھر نماز پڑھو گویا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی اور وہ واپس گیا، اس نے نماز پڑھی جیسے پہلے نماز پڑھی تھی، پھر آیا، سلام کیا، آپ نے فرمایا: واپس جاؤ، پھر نماز پڑھو گویا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، اس مرد نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے! میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا، سو آپ مجھے نماز کی تعلیم دیں تو آپ نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے قیام کرو تو اللہ اکبر کہو! پھر تم کو جتنا قرآن یاد ہے قرآن پڑھو، پھر رکوع کرو حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرلو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، اور اپنی پوری نماز اس طریقہ سے پڑھو۔

(صحیح البخاری: ۷۵۷، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۶۶۷، صحیح مسلم: ۳۹۷، سنن ترمذی: ۳۰۳، سنن نسائی: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۰، مسند احمد: ۹۳۵۲)

غور فرمایئے! اس اعرابی نے جلدی جلدی غلط طریقہ سے نماز پڑھی نہ نماز میں قراءت کی، نہ اعتدال سے رکوع و سجدہ کیا، نہ اعتدال سے قومہ اور جلسہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اس غلط طریقہ سے نماز پڑھنے پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ بار بار اسے نماز دوبارہ، سہ بارہ پڑھنے کا حکم دیا اور جب اس نے ہر بار اسی طرح غلط طریقہ سے نماز پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت نہیں فرمایا بلکہ اس کی اصلاح فرمائی اور اس کو صحیح طریقہ سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا اور یہی منصب رسالت ہے۔

(۳) نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: جس وقت ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے چلنے کی آوازیں سنی، جب آپ نے نماز پڑھا دی تو آپ نے فرمایا: تم لوگوں کو کیا ہوا تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہم نماز میں شریک ہونے کے لیے جلدی جلدی چل کر آ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو بلکہ تم نماز کے لیے آؤ تو تم پر لازم ہے کہ تم سکون اور اطمینان کے ساتھ چلتے ہوئے آؤ، جتنی نماز تم کو مل جائے اس میں شامل ہو جاؤ اور جتنی نماز تم سے رہ جائے اس کو پورا کر لو۔ (صحیح البخاری: ۶۳۵ صحیح مسلم: ۶۰۲، مسند احمد: ۲۲۱۰۲، سنن دارمی: ۱۲۸۳)

دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا: تم نماز میں شامل ہونے کے لیے دوڑتے ہوئے نہ آؤ، جتنی نماز تم کو مل جائے تم پڑھ لو اور جتنی رہ جائے اس کو بعد میں مکمل کر لو۔

(صحیح البخاری: ۶۳۶، ۹۰۸، صحیح مسلم: ۶۰۲، سنن ترمذی: ۳۲۷، سنن نسائی: ۶۸۱، سنن ابوداؤد: ۵۷۲، سنن ابن ماجہ: ۷۷۵، مسند احمد: ۱۰۵۱۲، موطا امام مالک: ۱۵۲، سنن دارمی: ۱۲۸۲)

دیکھیے! صحابہ نماز میں جلدی شامل ہونے کے شوق میں مسجد کی طرف آتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ ان کو مسجد میں آنے کے لیے صحیح طریقہ کی تعلیم دی کہ تم دوڑتے ہوئے نماز کے لیے نہ آیا کرو بلکہ اطمینان سے چلتے ہوئے نماز کے لیے آؤ۔

(۴) نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحسینہ رضی اللہ عنہ سے ایک سند سے روایت کرتے ہیں، پھر دوسری سند کے ساتھ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا کہ جماعت قائم ہو چکی تھی اور وہ شخص فجر کی دو رکعت سنتیں پڑھ رہا تھا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ کا احاطہ کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا: کیا صبح کی نماز چار رکعتیں ہیں، پھر پوچھا: کیا صبح کی نماز چار رکعتیں ہیں؟ (یعنی جب، جماعت کھڑی ہو جائے تو سوا فرض کے اور کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے) امام بخاری نے اس حدیث کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو سوا فرض کے اور کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۶۳، صحیح مسلم: ۷۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۱۵۳، مسند احمد: ۲۲۴۱۳، سنن دارمی: ۱۴۴۹)

دیکھیے! جو شخص غلط طریقہ سے صبح کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنتِ فجر پڑھ رہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا: کیا صبح کی نماز چار رکعت ہے؟ کیا صبح کی نماز چار رکعت ہے؟ اور یہی منصب رسالت ہے کہ کسی شخص کے غلط کام اور غلط بات پر سکوت نہ کیا جائے بلکہ اس کی اصلاح کی جائے اور اس کو صحیح طریقہ بتایا جائے۔

(۵) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جماعت میں شامل ہونے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پہنچے تو وہ صف تک واصل ہونے سے پہلے رکوع میں چلے گئے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نماز میں تمہاری حرص کو زیادہ کرے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

(صحیح البخاری: ۷۸۳، صحیح مسلم: ۱۷۸، سنن ابوداؤد: ۶۸۲، مسند احمد: ۱۹۸۹۲)

(۶) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں رات گزاری اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہیں پر قیام فرما تھے۔ آپ نے وضو فرمایا، پھر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے پکڑ کر دائیں جانب کھڑا کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۱۱۷، ۱۳۸، ۱۸۳، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۲۶، ۷۲۸، ۷۵۹، ۹۹۲، ۱۱۹۸، ۴۵۶۹، ۴۵۷۰، ۴۵۷۱، ۴۵۷۲، ۵۹۱۹، ۶۲۱۵، ۶۳۱۶، ۷۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۳۵۷، مسند احمد: ۳۱۵۹، سنن دارمی: ۱۲۵۵)

غور فرمائیے! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما غلط طریقہ سے نماز میں شامل ہوئے اور امام کی دائیں طرف کھڑے ہونے کی بجائے بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس غلط طریقہ پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ حالتِ نماز میں ان کی اصلاح فرمائی اور ان کو اپنے پیچھے سے لا کر بائیں جانب کھڑا کر دیا اور یہی منصبِ رسالت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غلط کام پر سکوت نہیں فرماتے بلکہ فوراً اس کی اصلاح فرما دیتے ہیں۔

(۷) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی آدمی اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ امام سے پہلے اپنا سر اٹھائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سر بنا دے، یا اس کی صورت گدھے کی بنا دے۔

(صحیح البخاری: ۶۹۱، صحیح مسلم: ۴۲۷، سنن ترمذی: ۵۸۲، سنن نسائی: ۸۲۸، سنن ابوداؤد: ۶۲۳، سنن ابن ماجہ: ۹۶۱، مسند احمد: ۱۰۱۶۸، سنن دارمی: ۱۳۱۶)

دیکھئے! جو نمازی نماز میں امام پر رکوع اور سجود میں سبقت کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ نماز میں امام پر سبقت کرنے والوں کے متعلق سخت وعید فرمائی اور یہی منصبِ رسالت ہے کہ کسی غلط کام پر سکوت نہ کیا جائے بلکہ اس کی اصلاح کی جائے۔

(۸) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میں فجر کی نماز مؤخر کر دیتا ہوں کیونکہ ہمارا امام بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنے غضب میں کبھی نہیں دیکھا جتنے غضب میں اس دن آپ تھے، آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ نمازیوں کو متنفر کرتے ہیں، پس تم میں سے جو شخص لوگوں کا امام بنے تو وہ اختصار کے ساتھ نماز پڑھائے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور بھی ہوتے ہیں، بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور کام کاج والے بھی ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۷۰۲، صحیح مسلم: ۴۶۷، سنن ترمذی: ۲۳۶، سنن نسائی: ۸۲۳، سنن ابوداؤد: ۷۹۴، مسند احمد: ۴۴۰، موطا امام مالک: ۳۰۳)

غور فرمائیے! جو ائمہ نمازیوں کو لمبی نمازیں پڑھاتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس غلط روش پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ ان کو ملامت کی اور ان کی اصلاح فرمائی، اور یہی منصبِ رسالت ہے اور فرائضِ نبوت میں سے ہے۔

(۹) امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میں کسی شخص کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر وہ لکڑیاں جمع کرے، پھر میں نماز کا حکم دوں، پس نماز کے لیے اذان دی جائے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں ان لوگوں کا پیچھا کروں (جو جماعت میں شریک نہیں ہوئے) تو میں ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دوں! اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر ان لوگوں کو یہ پتا چل جائے کہ ان کو گوشت سے بھری ہوئی ایک ہڈی یا بکری کے دو پائے مل جائیں گے تو وہ ضرور عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے حاضر ہو گا۔

(صحیح البخاری: ۶۴۴، ۶۵۷، ۲۴۲۰، ۷۲۲۴، صحیح مسلم: ۶۵۱، سنن ترمذی: ۲۱۷، سنن نسائی: ۸۴۸، سنن ابوداؤد: ۵۴۸، سنن ابن ماجہ: ۷۹۱، مسند

احمد ۷۳۸۶، موطا امام مالک: ۲۹۲، سنن دارمی: ۱۲۷۴)

غور فرمایئے! جو لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں سستی کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس غلط روش پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ ان کو سختی کے ساتھ سرزنش فرمائی اور یہی فریضۂ نبوت اور منصب رسالت ہے اور یہی اللہ عزوجل کے حکم پر عمل اور اس کی اطاعت ہے۔

ایک اور سند کے ساتھ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ منافقین پر اور کوئی نماز بھاری نہیں ہے، اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ ان نمازوں میں کتنا اجر ہے تو یہ ان نمازوں کو پڑھنے کے لیے ضرور آئیں گے خواہ گھسٹتے ہوئے آئیں اور بے شک میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں مؤذن کو نماز کی اقامت پڑھنے کا حکم دوں، پھر آگ کا ایک شعلہ لے کر ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دوں جو ابھی تک نماز پڑھنے نہیں آئے۔ (صحیح البخاری: ۶۵۷)

(۱۰) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ کا مرض بہت شدید ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ابوبکر بہت نرم دل ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو: وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر اپنی بات دہرائی، تو آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس بے شک تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد آیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں نمازیں پڑھائیں۔ (صحیح البخاری: ۶۷۸، ۲۳۸۵، صحیح مسلم: ۴۲۰، مسند احمد: ۱۹۲۰۱)

غور فرمایئے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نرم دلی کے پیش نظر یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ حضرت ابوبکر کی جگہ کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم دے دیں، لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک یہ مشورہ صحیح نہیں تھا، اس لیے آپ نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک جو بات درست نہیں ہوتی تھی، آپ اس کو مسترد فرما دیتے تھے خواہ وہ بات کسی نے بھی کہی ہو اور یہی فریضۂ نبوت و منصبِ رسالت ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بے محل طلاق دی ہو اور وہ طلاق ان کی بیوی پر واقع نہ ہوئی ہو، اور رسول اللہ ﷺ نے اس غلط اقدام پر سکوت فرما لیا ہو، اور اس غلط بات کو مقرر اور ثابت رکھا ہو، لہٰذا شیخ شوکانی کا اپنے باطل مذہب کو ثابت کرنے کے لیے نبی ﷺ کے مبارک عمل کو منصب رسالت کے منافی قرار دینا قطعاً باطل اور مردود ہے۔ فالی اللہ المشتکی

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ محمد صدیق حسن خان غیر مقلد کے دلائل

شیخ محمد صدیق خان بن حسن بھوپالی غیر مقلد متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم کو تین طلاقیں ہیں، تو امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، سلف اور خلف میں سے

جمہور علماء نے کہا ہے کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ اور طاؤس بن کیسان الیمانی المتوفی ۱۰۶ھ اور بعض اہل ظاہر (غیر مقلدین) نے کہا ہے کہ ان تین طلاقوں میں سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور الحجاج بن ارطاۃ اور محمد بن اسحاق متوفی ۲۳۸ھ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور ابن مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

(السراج الوہاج فی کشف مطالب مسلم بن الحجاج ج ۳ ص ۴۳۷، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۴۲۵ھ)

شیخ صدیق حسن خان بھوپالی کے استدلال کا مدار طاؤس کی روایت پر ہے اور ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کے دس شاگردوں میں سے صرف طاؤس بن کیسان اس روایت میں منفرد ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے باقی شاگردوں نے طاؤس کی مخالفت کی ہے بلکہ خود طاؤس کی ایک روایت بھی اس کے خلاف ہے، طاؤس کی اس روایت پر شیخ ابن حزم ظاہری نے جو تبصرہ کیا ہے ہم اس کو سطور ذیل میں پیش کررہے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق

طاؤس کی روایت پر شیخ ابن حزم ظاہری کا تبصرہ

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

رہی طاؤس کی حدیث، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ تین طلاقیں ایک طلاق کی طرف لوٹائی جاتی ہیں، سو یہ روایت کچھ بھی نہیں، یعنی بالکل لغو ہے اور یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا ہو، اور نہ یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت کو مقرر رکھا ہے اور حجت اور دلیل صرف اس سے ہوتی ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہو یا آپ کا فعل ہو، یا آپ کو کسی چیز کا علم ہو اور آپ نے اس کا انکار نہ فرمایا ہو۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ متوفی ۳۴ھ بیان کرتے ہیں کہ میرے دادا نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں، تو میرے والد نے اس مسئلہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ میرے باپ نے میری ماں کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ کیا ان کے لیے اس سے نجات کی کوئی صورت ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہارے دادا کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں تھا؟ اس نے جو تین طلاقیں دی ہیں وہ واقع ہوگئیں، رہیں ۹۹۷ طلاقیں تو وہ ظلم اور زیادتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان پر عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو اس کو معاف کردے گا۔ (المحلی بالآثار ج ۹ ص ۳۹۲-۳۹۱، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ)

شیخ ابن حزم ظاہری کی مذکور الصدر عبارت سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ طاؤس کی روایت باطل ہے جس پر غیر مقلدین کے مذہب کا مدار ہے، اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور یہی جمہور علماء اہلسنت کا مذہب مہذب ہے۔

عوام میں غیر مقلدین کا تین طلاقوں کے پیش آمدہ مسائل میں قرآن وسنت کو چھوڑ کر اپنے مولویوں کے فتووں پر عمل کرنا

عوام غیر مقلدین جب غصہ میں آکر اپنی بیویوں کو تین طلاقیں دے دیتے ہیں، پھر وہ اپنے غیر مقلد مفتیوں کے پاس جاکر اس مسئلہ کا حل معلوم کرتے ہیں حالانکہ ان کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقوں کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہوتی، اور قرآن وسنت کے واضح ارشادات پر ان کو وثوق ہوتا ہے، علماء اہلسنت ان کو قرآن مجید کی صریح آیات اور احادیث سے ہدایات دیتے ہیں، لیکن

وہ اپنے غیر مقلد مفتیوں کے فتاویٰ کو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی نصوص صریحہ پر ترجیح دیتے ہیں اور اس آیت کریمہ کا مصداق قرار پاتے ہیں:

اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پیروں کو خدا بنالیا ہے۔ (التوبہ:۳۱)

ابو محمد عبد الحق بن عطیہ الاندلسی المالکی المتوفی ۵۴۱ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ متوفی ۶۷ ھ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی، آپ نے فرمایا: اے عدی! اس صلیب کو اپنے گلے سے اتار کر پھینک دو، پھر میں نے سنا کہ آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پیروں کو خدا بنالیا ہے۔ (التوبہ:۳۱)

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے، ہم ان علماء اور پیروں کی عبادت تو نہیں کرتے؟ آپ نے پوچھا: کیا ایسا نہیں ہے کہ جس کام کو تمہارے علماء حلال کہتے ہیں تم اس کام کو حلال قرار دیتے ہو، اور جس کام کو تمہارے علماء حرام کہتے ہیں تم اس کام کو حرام قرار دیتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: سو یہی اس آیت کا مصداق ہے۔

(المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ص ۸۳۹، دار ابن حزم بیروت، لبنان ۱۴۲۳ ھ)

الامام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ لوگ (اہل کتاب) اپنے علماء کی عبادت تو نہیں کرتے لیکن جب ان کے علماء (اپنی ذاتی خواہش سے) کسی کام کو حلال کہیں تو یہ اس کو حلال قرار دیتے ہیں اور جب ان کے علماء (اپنی ذاتی خواہش سے) کسی کام کو حرام کہیں تو یہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں، اس اعتبار سے انہوں نے اپنے علماء کو اپنے رب کی مثل قرار دے دیا ہے اگرچہ وہ ان کو زبان سے اپنا رب نہیں کہتے۔

(زاد المسیر فی علم التفسیر ص ۵۷۸، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۲۳ ھ تفسیر الطبری ج ۱۴ ص ۲۰۲، الدر المنثور ج ۴ ص ۲۲۹، سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۳۶)

ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی الحنفی المتوفی ۵۳۸ ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے علماء کی اطاعت کرتے ہیں اور جس کام کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو یہ حلال قرار دیتے ہیں، اور جس کام کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے اس کو یہ حرام قرار دیتے ہیں، دراصل یہ لوگ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کی پیروی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ ۚ (سبا:۴۱) بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے ہیں۔

نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا:

يٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ اے میرے (عرفی) باپ آپ شیطان کی پیروی نہ کریں، بے

عَصِیًّا ﴿۴۴﴾ (مریم: ۴۴) شک شیطان، رحمٰن کا نافرمان ہے O

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ متوفی ۶۷ ھ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی، تو آپ نے فرمایا: کیا یہ لوگ ان کاموں کو حرام نہیں کرتے جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے؟ سو تم بھی ان کاموں کو حلال کرتے ہو، کیا یہ لوگ ان کاموں کو حلال نہیں کرتے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے؟ سو تم بھی ان کاموں کو حلال کرتے ہو، میں نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: یہی ان لوگوں کی عبادت کرنا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب التفسیر: ۳۰۹۵)

حضرت فضیل بن النعمان انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۰ ھ بیان کرتے ہیں کہ میں اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ میں معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کروں، یا غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھوں، اور رہے حضرت مسیح علیہ السلام، تو جب لوگوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا، تو لوگوں نے ان کی عبادت کو حلال قرار دیا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ (الزخرف: ۸۱) آپ کہیے کہ اگر رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا O

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ (التوبہ: ۳۱) حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں

اور انجیل میں یہ تصریح ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا، تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرمادے گا، اس کے بعد فرمایا: سبحانہ عما یشرکون، اور وہ ان کے خود ساختہ خدا سے پاک ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جو لوگ اپنے علماء اور اپنے پیروں کو اپنا رب قرار دیتے ہیں ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا رب نہ مانیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، کیونکہ یہ لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کو باطل کہتے ہیں، اور وہ نورِ عظیم جو تمام آفاق میں پھیلا ہوا ہے اس کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس نور کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے اور روشن کرنے کا ارادہ فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ (التوبہ: ۳۲-۳۳)

وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، اور اللہ اپنے نور کو مکمل کیے بغیر راضی نہیں ہوگا خواہ کافروں کو ناگوار ہو O وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو ہر دین پر غالب کردے خواہ وہ مشرکین کو ناگوار ہو O

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لائے ہوئے دین کو تمام ادیان سابقہ پر غالب فرمادے۔

(تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل ص ۴۳۱-۴۳۰، دار المعرفہ بیروت، لبنان ۱۴۳۰ھ)

۳۰- بَابُ: التَّلَاعُنِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں میاں بیوی کا ایک دوسرے پر لعنت کرنا

باب مذکور کے عنوان کی شرح

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد میں (کسی خاص وجہ سے) میاں بیوی کا ایک دوسرے پر لعنت کرنا جائز ہے۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر شافعی سے مناقشہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس باب سے فقہاء احناف کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ لعان کا مسجد میں ہونا متعین نہیں ہے، بلکہ لعان امام اور سربراہ ملک کے سامنے ہونا چاہیے، خواہ وہ کہیں پر بھی ہو۔
(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۲، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ باب فقط اس لیے قائم کیا ہے کہ لعان صرف مسجد میں ہونا چاہیے، حالانکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ اس باب میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد میں لعان کیا گیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسجد لعان کے لیے متعین ہو، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاذ ابو حفص عمر بن علی الشافعی متوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ تلاعن جامع مسجد میں ہوا، اور امام بخاری نے یہی اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ لعان عصر کے بعد ہونا چاہیے خواہ کسی وقت ہو، اور جامع مسجد میں ہونا زیادہ بہتر ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲ ص ۴۶۷، قطر) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض میں، فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۷ میں مذکور اپنی عبارت کو دہرادیا ہے اور اس کے بعد علامہ عینی کا اعتراض ذکر کیا ہے مگر اس کا کوئی جواب نہیں لکھا۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی ج ۲ ص ۳۰۹، شرکۃ الریاض، ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے باہمی مناقشہ میں مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض کے نام سے دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے اپنی دانست کے مطابق علامہ عینی کے اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں، لیکن میں نے جس قدر اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے، تو اکثر مقامات پر انہوں نے علامہ عینی کے اعتراضات نقل تو کیے ہیں مگر ہر جگہ علامہ عینی کے اعتراضات کا جواب نہیں لکھا، اس کے باوجود انہوں نے درشت کلامی سے بھی کام لیا ہے اور علامہ عینی کو علمِ حدیث سے نابلد قرار دیا ہے، حالانکہ وہ بعض مقامات پر خود علم صرف، علم نحو اور علم لغت میں علامہ عینی سے پیچھے نظر آتے ہیں، اور علامہ عینی کے اعتراضات کے جواب میں عاجز اور بے بس دکھائی دیتے ہیں۔

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، صحیح البخاری: ۵۳۰۹، کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن شہاب الزہری المتوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ حضرت عویمر اور ان کی بیوی کے باہمی لعان کے بعد لعان کرنے والوں کے درمیان یہ طریقہ مقرر ہو گیا کہ جو عورت حاملہ ہو تو اس کی اولاد کی اس عورت کی طرف نسبت کی جائے گی، پھر اس کی وراثت میں یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ وہ عورت اپنی اولاد کی وارثہ ہو گی، اور وہ اولاد اس عورت کی وارث ہو گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام مقرر فرمائے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ ھ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس عورت کے ہاں سرخ رنگ کا پستہ قد لڑکا پیدا ہوا تو میرا گمان ہے کہ یہ عورت سچی ہے، اور اس کے خاوند نے اس پر جھوٹی تہمت باندھی ہے اور اگر اس کے ہاں سیاہ آنکھوں والا، بھاری سرین والا لڑکا پیدا ہوا تو اس کا خاوند سچا ہے، پھر اس عورت کے ہاں اسی مکروہ صفت کا لڑکا پیدا ہوا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر النیشا پوری الشافعی متوفی ۳۱۸ ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہمیں الربیع نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ نے خبر دی، از نافع مولی ابن عمر متوفی ۱۱۷ ھ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مرد نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور اس کے بیٹے کی اپنی ذات سے نفی کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور اس لڑکے کو اس کی بیوی کے ساتھ ملا دیا۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۴۹۴)

نیز وہ لکھتے ہیں کہ: ہمیں الربیع نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں امام شافعی نے خبر دی، انہوں نے کہا میں نے سفیان بن عیینہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ ہمیں عمرو بن دینار نے خبر دی، از سعید بن جبیر متوفی ۹۵ ھ، از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: تم دونوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، تمہارے لیے اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے، اس مرد نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے مال کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تمہارے لیے کوئی مال نہیں ہے، اگر تم سچے ہو تو تم نے اس عورت کے فرج کو جو حلال کیا تھا وہی مال اس کے عوض ہے، اور اگر تم نے اس پر جھوٹ باندھا ہے تو تم اس سے بہت دور رہو۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۲، صحیح مسلم: ۱۴۹۳)

۳۱- بَابُ: التَّلَاعُنِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں میاں بیوی کا ایک دوسرے پر لعان کرنا

۵۳۰۹- حَدَّثَنَا يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنِ الْمُلَاعَنَةِ وَعَنِ السُّنَّةِ فِيهَا عَنْ حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَخِي بَنِي سَاعِدَةَ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَأَنْزَلَ اللهُ فِي شَأْنِهِ مَا ذُكِرَ فِي الْقُرْآنِ مِنْ أَمْرِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ قَضَى اللهُ فِيكَ وَفِي امْرَأَتِكَ قَالَ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَأَنَا شَاهِدٌ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حِينَ فَرَغَا

ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے ملاعنہ کے متعلق خبر دی۔ اور اس میں جو سنت ہے اس کے متعلق خبر دی از حدیث حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ جو بنو ساعدہ کے بھائی ہیں، کہ انصار کے ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ؟ مجھے یہ بتایئے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے آیا وہ اس کو قتل کر دے یا پھر وہ کیا کرے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اس کا ذکر کیا جو قرآن مجید میں ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے متعلق حکم آیا ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل

مِنَ التَّلَاعُنِ فَفَارَقَهَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ ذَاكَ تَفْرِيقٌ بَيْنَ كُلِّ مُتَلَاعِنَيْنِ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَكَانَتِ السُّنَّةُ بَعْدَهُمَا أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَكَانَتْ حَامِلًا وَكَانَ ابْنُهَا يُدْعَى لِأُمِّهِ قَالَ ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ فِي مِيرَاثِهَا أَنَّهَا تَرِثُهُ وَيَرِثُ مِنْهَا مَا فَرَضَ اللهُ لَهُ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنْ جَاءَتْ بِهِ أَحْمَرَ قَصِيرًا كَأَنَّهُ وَحَرَةٌ فَلَا أُرَاهَا إِلَّا قَدْ صَدَقَتْ وَكَذَبَ عَلَيْهَا وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَسْوَدَ أَعْيَنَ ذَا أَلْيَتَيْنِ فَلَا أُرَاهُ إِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى الْمَكْرُوهِ مِنْ ذَلِكَ۔

فرمایا: حضرت سہل نے بیان کیا: پھر ان دونوں نے مسجد میں ایک دوسرے پر لعنت کی اور میں اس کا گواہ ہوں، جب وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو مرد نے کہا: یا رسول اللہ؟ اگر اب میں نے اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو پھر تو میں اس پر جھوٹ باندھنے والا ہوں گا، سو اس مرد نے رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے پہلے اس کو تین طلاقیں دے دیں، جب وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو اس مرد نے عورت سے نبی ﷺ کے سامنے علیحدگی اختیار کر لی، پس کہا: اب دو لعنت کرنے والوں کے درمیان یہی طریقہ ہے اور سنت ہے، ابن جریج نے کہا: ابن شہاب نے کہا: پس یہی سنت ہے ان دونوں کے بعد کہ ایک دوسرے پر لعنت کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے اور وہ عورت حاملہ تھی، اور اس کے بیٹے کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جاتی تھی، پھر عورت کی وراثت کے متعلق یہ سنت جاری ہو گئی کہ وہ عورت اس بیٹے کی وارث ہو گی اور وہ بیٹا اس عورت کا وارث ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وراثت کے احکام فرض کیے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: از ابن شہاب از سہل بن سعد الساعدی، انہوں نے کہا: اس حدیث میں یہ خبر ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر اس کا بیٹا سرخ رنگ کا کوتاہ قد آیا گویا کہ وہ چھپکلی کی قامت کی طرح ہے، سخت غصے والا، کھوٹا، کینہ پرور ہے، پر اگر ایسا بیٹا پیدا ہوا تو میرا گمان ہے کہ یہ عورت اپنے دعوے میں سچی ہے اور مرد نے اس پر جھوٹ بولا اور بہتان باندھا، اور اگر اس کا بیٹا سیاہ آنکھوں والا آیا، موٹی سرین والا، تو میرا گمان یہ ہے کہ مرد اس کے متعلق سچا ہے، پھر جب وہ بیٹا پیدا ہوا تو وہ اسی صفت پر تھا جو نبی ﷺ نے اس کے بیٹے کی سیاہ آنکھوں والی صفت بیان فرمائی تھی۔

صحیح البخاری: ۴۲۳۵، ۴۷۴۶، ۵۲۵۹، ۵۳۰۸، ۵۳۰۹، ۶۸۵۴، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۳۰۴، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹۔

صحیح البخاری: ۵۳۰۰ اس باب کے عنوان کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد میں شوہر اور اس کی بیوی کا ایک دوسرے پر لعنت کرنا جائز ہے، جس کو اصلاحِ شرح میں لعان اور ملاعنہ کہتے ہیں۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابنِ حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ سے علمی مناقشہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس باب سے فقہائے احناف کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ لعان کا مسجد میں ہونا متعین نہیں ہے بلکہ لعان امام اور سربراہِ ملک کے سامنے ہونا چاہیے، خواہ وہ لعان کسی جگہ پر ہو، مسجد میں ہو یا کہیں اور ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۲، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر شافعی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ باب صرف اس لیے قائم کیا ہے کہ لعان صرف مسجد میں ہونا چاہیے حالانکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے، اس باب میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد میں لعان کیا گیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسجد لعان کے لیے متعین ہو، اس وجہ سے حافظ ابنِ حجر عسقلانی کا اپنے استاذ ابوحفص عمر بن علی الشافعی متوفی ۸۰۴ھ کی تقلید میں یہ کہنا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ تلاعن جامع مسجد میں ہوا اور امام بخاری نے اس حدیث کا یہی عنوان قائم کیا ہے اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ لعان عصر کے بعد ہونا چاہیے، خواہ کسی وقت ہو، تاہم جامع مسجد میں لعان کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۶۷، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ عینی کا مناقشہ ختم ہوا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۲، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ، میں مذکور اپنی عبارت کو دہرایا ہے، پھر علامہ عینی کے اس اعتراض کو جو عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۲ پر مذکور ہے، اس اعتراض کا ذکر کیا ہے اور کوئی جواب نہیں لکھا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی ج ۲ ص ۳۰۹، شرکۃ الریاض، ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کے مناقشہ کے درمیان مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض کے نام سے دوجلدوں پر مشتمل یہ کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے اپنی دانست کے مطابق علامہ عینی کے اعتراضات کے جوابات لکھ دیے ہیں، لیکن میں نے جس قدر اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے، اکثر مقامات پر تو حافظ ابن حجر نے علامہ عینی کے اعتراضات کو من وعن نقل کر دیا ہے اور جواب نہیں لکھا۔ اور بعض جگہ انہوں نے علامہ عینی کے اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں تاہم ان کے جوابات علامہ عینی کے اعتراضات کو دور نہیں کر سکے، اس کے باوجود حافظ ابن حجر

بے درشت کلامی سے کام لیا اور علامہ عینی کو علم حدیث سے نابلد قرار دیا، حالانکہ حافظ ابن حجر خود علم صرف، علم نحو اور علم لغت میں علامہ عینی کے علوم فاضلہ کے مقابلے میں بالکل کورے اور نابلد ہیں اور علامہ عینی کے اعتراضات کے جواب میں وہ بالکل عاجز اور بے بس دکھائی دیتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ

لعان کے سبب سے بچے کے نسب کی شوہر سے نفی کرنا اور بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کرنا اور ملانا

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

ہمیں الربیع بن سلیمان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے خبر دی (مسند شافعی ص ۲۵)، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) نے خبر دی (المؤطا: ص ۴۴۵)، از نافع مولی ابن عمر متوفی ۱۱۷ھ، نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے روایت کی کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں اپنی بیوی سے لعان کیا، اور اپنی بیوی کے بیٹے کی اپنے نسب سے نفی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور بچے کو اس کی بیوی کے ساتھ لاحق کر دیا یعنی ملا دیا۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۴۹۴)

۷۷۶۰۔ ہمیں الربیع نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے خبر دی (مسند شافعی ۲۵۸)، اور انہوں نے کہا کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے سنا، انہوں نے کہا ہمیں عمرو بن دینار نے خبر دی، از سعید بن جبیر (متوفی ۹۵ھ) از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (متوفی ۷۳ھ) انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دوسرے پر لعنت کرنے والوں کے متعلق فرمایا: تمہارا حساب اللہ کے ذمہ ہے، تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے اور مرد کی عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے، اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میرے مال کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا تمہارے لیے کوئی مال نہیں ہے، اگر تم سچے ہو تو تم نے نکاح کے ذریعے جو اس کی فرج کو حلال کیا ہے تو وہ مال اس کا معاوضہ ہے، اور اگر تم جھوٹے ہو پھر تو تمہارا حق اس سے بھی بہت دور ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۲، صحیح مسلم: ۱۴۹۳)

۷۷۶۱۔ ہمیں یحییٰ بن محمد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھے مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن شہاب الزہری (متوفی ۱۵۲ھ) از حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۸ھ) انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک میں دو لعنت کرنے والوں کے سامنے حاضر تھا اور اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جب انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی۔ (صحیح البخاری: ۶۸۵۴)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ لعان کرنے والی کا شوہر اپنی بیوی سے مہر واپس نہیں لے سکتا، خواہ اس نے زنا کا اقرار کیا ہو اور اس پر گواہ قائم ہو چکا ہو کہ اس نے زنا کیا ہے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر تو نے اس کے متعلق سچ کہا ہے تو تیرا مال اس چیز کا عوض ہے کہ تو نے اس کی فرج کو حلال کیا، اور اگر تو نے اس پر جھوٹ باندھا ہے تو پھر تو، تو اس سے دور ہے۔

اور اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: کہ اگر تو نے اس کے متعلق سچ کہا ہے تو تیرا مال اس کی فرج کو حلال کرنے کے معاوضے میں ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ مہر صرف جماع سے واجب ہوتا ہے خلوت صحیحہ سے واجب نہیں ہوتا۔

علامہ ابوبکر ابن المنذر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ دولعان کرنے والوں کے درمیان تفریق واجب ہوجاتی ہے۔

اور اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ کس وقت میں اس کی بیوی کا بستر اس سے زائل ہوگا اور ان دونوں کے درمیان تفریق واقع ہوجائے گی۔

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ان کے درمیان تفریق اس وقت ہوجائے گی جب ان دونوں کا لعان مکمل ہوا، یعنی ان دونوں نے ایک دوسرے پر لعنت کر دی۔ یعنی مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں اور جب اس طرح ہوجائے گا تو ان کے درمیان تفریق واقع ہوجائے گی اور عورت مرد کے نکاح سے نکل بھی جائے گی۔

اور یہ امام مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) کا قول ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۳۶۱، کتاب اللعان)

اور ابوعبید الخراسانی التوفی ۲۲۷ھ اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے بھی یہی روایت ہے اور ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن، اور الاوزاعی، اور عبیداللہ بن الحسن کا بھی یہی قول ہے۔

۶۲۷۷۔ ہمیں موسیٰ بن ہارون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ابوحمید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں ابنِ مبارک متوفی ۱۸۱ھ نے حدیث بیان کی از ابومودود، از زید مولیٰ قیس الہذ ی از عکرمہ البربری مولی ابن عباس التوفی ۱۰۵ھ، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ انہوں نے کہا جب کوئی مرد پانچ مرتبہ اپنی بیوی پر لعنت کرے اور عورت بھی اس پر لعنت کرے تو ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب سے بری ہوگیا۔

اور اس مسئلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ تفریق اس وقت واقع ہوتی ہے کہ جب خاوند لعان کو مکمل کرلے، اس سے پہلے کہ اس کی بیوی لعان کرے اور اسی لعان کے ساتھ بیوی کا بستر اس کے خاوند سے زائل ہوجائے گا، اور اگر ان میں سے کوئی ایک مرگیا اور خاوند لعان مکمل کرچکا تھا تو وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے۔ (کتاب الام، ج ۵ ص ۲۱۷)

اور اس مسئلے میں تیسرا قول یہ ہے کہ اگر لعان اس طرح مکمل ہوجائے، پھر مرد مرجائے یا اس کی بیوی مرجائے، اس سے پہلے کہ قاضی یا حاکم ان کے درمیان تفریق کردے تو ان کے درمیان وراثت تقسیم کی جائے گی۔ اور یہ مذہب فقہاءِ احناف کا ہے۔
(المبسوط للسرخسی، ج ۷ ص ۴۶، باب اللعان)

علامہ ابوبکر ابن المنذر نیشاپوری نے کہا: میں امام مالک اور ان کے موافقین کے مذہب کے مطابق کہتا ہوں۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دولعنت کرنے والے میاں بیوی کے درمیان تفریق کردی، اس کا کیا معنیٰ ہے؟

فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے بعد حاکم یہ فیصلہ کرے کہ میں نے تم دونوں کے درمیان تفریق کردی ہے اور یہ تاویل بعض اہلِ عراق کی ہے جن کا تعلق اصحاب ابوحنیفہ سے ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی، اس کا

مطلب یہ ہے کہ لعان ہی تفریق ہے، اور اس مرد کے متعلق یہ گواہی قائم ہوگئی ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دے دی اور حاکم نے ان طلاقوں کو نافذ کر دیا، پس یہ جائز ہے کہ کہا جائے کہ حاکم نے ان کے درمیان تفریق کی، اور اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ وہ دونوں اپنے نکاح پر قائم ہیں حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے اور اگر ایسا ہوتا تو یہ ضروری ہوتا کہ تفریق کیلئے انہیں حاکم کے پاس ایک دن یا ایک ماہ یا ایک ہفتہ کے بعد لایا جاتا حتیٰ کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مر جاتا تو دوسرا اس کا وارث نہ ہوتا، اسی طرح لعان میں حاکم کے علیحدہ کرنے سے تفریق واقع ہوتی ہے۔

اور ہم اس کے باقی دلائل اس کتاب میں پہلے لکھ چکے ہیں۔

علامہ ابوبکر ابن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں اور فقہاء کا اس پر ذمہ ہے کہ لعان کرنے والے کی زوجہ اپنے خاوند پر لعان کے بعد حلال نہیں ہوتی جب کہ خاوند اپنے نفس کی تکذیب نہ کرے اور اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ اگر نکاح لعان سے فسخ نہ ہوتا تو العجلانی کی طلاق اس پر واقع ہو جاتی، اور وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے بعد اس کے اوپر حلال ہو جاتی۔

۷۶۳۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے از نافع البربری متوفی ۱۰۵ھ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی اور بچے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا۔ (المؤطا ص ۴۴۵)

اس میں ہمارے قول پر دلیل ہے، کیونکہ جب فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ بچہ ماں کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے خواہ حاکم اس کا فیصلہ نہ کرے تو اسی طرح واجب ہے کہ دو لعنت کرنے والوں کے درمیان تفریق واقع ہو جائے خواہ حاکم اس کا فیصلہ نہ کرے۔ کیونکہ حدیث میں ان دونوں کا ذکر واحد ہے اور چونکہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ ان میں سے ایک حکم واجب ہے، سو دوسرا حکم بھی اسی طرح واجب ہوگا۔

اور اس مسئلہ میں ایک تیسرا قول ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ بچہ اس کا شمار ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، پس جب آپ نے یہ خبر دی کہ بچہ لعان کے سبب سے باپ کے بستر سے اس کا نسب منتفی ہو گیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ باپ کا بستر اس سے زائل ہو گیا اور بچے کا نسب بھی زائل ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس پر دلیل ہے کہ تمہارے لیے اس عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ ان میں تفریق ہوگئی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مرد کو یہ خبر دی کہ تمہارے لیے اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے اور حاکم پر لازم ہے کہ وہ عورت اور مرد دونوں کو بتلائے کہ جب انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کر دی تو اب کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع نہیں ہوں گے جب کہ وہ دونوں اس مسئلہ سے جاہل ہوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بتایا کہ تمہاری اپنی بیوی کے اوپر اب کوئی سبیل نہیں ہے۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۹ ص ۴۵۱-۴۵۵، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

مسجد میں شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر لعنت کرنے کی حدیث کے تحت فقہاء مذاہب کی آراء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، لکھتے ہیں:

ابن شہاب الزہری المتوفی ۱۵۲ھ نے بیان کیا کہ اس کے بعد دو لعنت کرنے والوں کے درمیان یہ سنت مقرر ہوگئی کہ اگر عورت حاملہ ہو اور اس عورت کا بیٹا اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا ہو، انہوں نے کہا: پھر اس پر سنت قائم ہوگئی کہ اس عورت کی میراث اپنے

بیٹے سے ثابت ہوگی اور اس بیٹے کی وراثت اپنی ماں سے ثابت ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام مقرر فرمائے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ، از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر اس کا بچہ چھوٹے قد کا سرخ رنگ کا پیدا ہوا گویا کہ وہ دیوار پر چلنے والی چھپکلی کی طرح دبلا پتلا تھا تو میرا گمان یہ ہے کہ وہ عورت صادق ہے اور اس مرد نے اس کے اوپر زنا کی جھوٹی تہمت لگائی ہے اور اگر اس عورت کے ہاں بچہ سیاہ آنکھوں والا اور موٹی سرین والا ہو تو میرا گمان یہ ہے کہ مرد اس پر زنا کی تہمت لگانے میں سچا ہے اور پھر بعد میں اس عورت کے ہاں ایسا ہی بچہ پیدا ہوا جیسا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مکروہ صفت بیان فرمائی تھی۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا کہ لعان میں سنت یہ ہے کہ وہ مسجد میں ہونا چاہیے۔

علامہ محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ دو لعان کرنے والے مسجد میں لعان کریں، اس میں یہ دلیل ہے کہ ہر حاکم کے لیے مناسب یہ ہے جو مسلمانوں کے حکام میں سے ہو اور وہ ان میں سے کسی سے حلف لینے کا ارادہ کرے تو وہ ایک عظیم امر کے اوپر حلف لے جیسا کہ قسامت علی الدم پر حلف لیا جاتا ہے (یعنی پچاس مرد یہ قسم کھائیں کہ ہم نے اس مقتول کو قتل کیا ہے نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں، جب پچاس مرد یہ قسم کھالیں تو وہ قصاص سے بری ہو جاتے ہیں اور دیت سے بری ہو جاتے ہیں اس کو قسامت کہتے ہیں) اور ہر اس مال پر جو زیادہ مرتبہ کا ہو اور زیادہ عظیم ہو تو ان تمام چیزوں پر جو قسم لی جاتی ہے وہ بڑی بڑی مساجد میں قسم لی جاتی ہے۔ اور اگر یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس قسم لی جائے گی اور اگر یہ لعان کا واقعہ مکہ مکرمہ میں ہو تو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم لی جائے گی اور اگر لعان کا یہ واقعہ بیت المقدس کے اندر ہو تو اس کی مسجد میں قسم لی جائے گی، پھر الصخرہ میں قسم لی جائے گی، اور اگر کسی اور شہر کے اندر لعان کا واقعہ ہو تو پھر اس شہر کی جامع مسجد میں قسم لی جائے گی اور ہر اس جگہ قسم لی جائے گی جو لوگوں کے درمیان معظم سمجھی جاتی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں مرد اور عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ کی مسجد میں لعان کریں، کیونکہ آپ کو یہ علم تھا کہ مرد اور عورت دونوں کے درمیان یہ جگہ بہت عظیم ہے تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان سے ایسی جگہ پر لعان کرایا جائے جو ان کے نزدیک بہت عظیم ہو تا کہ جو جھوٹ بول رہا ہے وہ ایسی عظیم جگہ پر جھوٹ بولنے سے باز آجائے اور جھوٹی قسموں کے کھانے سے باز آجائے اور اسی طرح نیز مرد اور عورت ایک دوسرے پر عصر کی نماز کے بعد لعان کریں، کیونکہ عصر کی نماز کے بعد جھوٹی قسم کھانے پر اللہ تعالیٰ نے سخت وعید فرمائی ہے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی ۲۰۴ھ نے کہا: مسجد میں لعان کرایا جائے گا سوائے اس کے کہ عورت حائضہ ہو تو پھر وہ عورت مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر لعان کرے گی۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: میں یہ نہیں کہتا کہ اگر انہوں نے کسی ایسی مجلس میں لعان کیا جو ناپسندیدہ ہو یا ایسی جگہ لعان کیا جو مکروہ ہو یا کسی اور وقت میں لعان کیا تو ان کا فرض زائل ہو جائے گا یا ان کا کیا ہوا لعان فاسد ہو جائے گا، ایسا نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ وہ عورت حاملہ تھی، اس مرد کے متعلق اختلاف ہے جو اپنی بیوی کے حمل کی نفی کرتا ہے، پس فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جب وہ لعان کرے تو وہ یہ کہے کہ یہ بچہ میرے نسب سے نہیں ہے، اور میں اس حمل سے پہلے اس عورت کو بری کر چکا تھا اور اس کے بچے کا نسب اس مرد سے ساقط ہو جائے گا اور یہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: حمل کی نفی کرنے سے لعان جائز ہے اور یہی امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے اور انہوں نے استبراء کی رعایت نہیں کی اور ان کا یہ زعم ہے کہ عورت خون دیکھنے کے ساتھ ہی حاملہ ہو جاتی ہے اور استبراء کے باوجود اس کی اولاد ثابت ہو جاتی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، ثوری اور امام زفر بن ھذیل متوفی ۱۵۸ھ نے کہا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ حمل مجھ سے ثابت نہیں ہے خواہ اس نے اس عورت سے استبراء کیا ہو یا نہ کیا ہو تو وہ اس عورت پر قذف یعنی تہمت لگانے والا نہیں ہے۔ اور علامہ ابن الماجیشور کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام ابو یوسف یعقوب ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن الشیبانی متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے: اگر وہ عورت مرد کی نفی کرنے کے چھ ماہ بعد بچے کو لے آئی تو ان کے درمیان لعان کیا جائے گا اور اگر چھ ماہ کی مدت سے زیادہ کے بعد وہ بچے کو لے کر آئی تو پھر لعان نہیں کیا جائے گا اور جو فقہاء لعان کو واجب نہیں کرتے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے حمل کی نفی کی ہے اور اس کے قول کی صحت کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے اور لعان بغیر یقین کے ثابت نہیں ہوتا۔

اور ابن القصار مالکی نے کہا کہ امام مالک اور ان کے موافقین کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت العجلانی رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان لعان کرایا اور حضرت عجلانی کی بیوی بھی حاملہ تھیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے فرمایا: اگر یہ ایسا بچہ لے کر آئی جس کا رنگ سرخ ہو اور اس کا قد چھوٹا ہو تو میرا گمان یہ ہے کہ وہ عورت صادق ہے اور مرد کاذب ہے اور اگر اس کا بچہ سیاہ آنکھوں والا ہو تو میرا گمان یہ ہے کہ مرد صادق ہے، عورت جھوٹی ہے، پھر وہ بچہ اس صفت پر پیدا ہوا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدہ صفت بیان فرمائی تھی، فقہاء کوفہ کا قول اس حدیث کے خلاف ہے، لہٰذا ان کے قول کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا۔

اور عقلی طور پر ان کا قول اس لیے فاسد ہے کہ لعان کو اس لیے خاوند کے درمیان اس معنیٰ کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے کہ مرد کے ساتھ ایسا بچہ نہ ملا دیا جائے جو اس کے نسب سے نہیں ہے، پس ضرورت اس بات کی داعی ہے کہ لعان ان احوال میں ثابت ہو گا اور لعان کسی مرد سے اس کے عار کو دور کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے جو مرد پر اس کی بیوی کی وجہ سے عار ثابت ہوتا ہے تو اس لیے لعان کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا زعم یہ ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی باندی کو خرید لیا، پھر اس کو حاملہ پایا تو یہ اس باندی کے اندر عیب ہے اور اس عیب کی وجہ سے وہ اس باندی کو مسترد کر سکتا ہے، پس اگر خاوند پر واقفیت حاصل نہ ہو اور اس کا علم نہ ہو تو واجب ہے کہ اس حاملہ باندی کے خریدار کے اوپر اس کو واقف کرنا جائز نہ ہو کیونکہ اس بات کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ باندی خریدتے وقت حاملہ تھی یا نہیں تھی (اگرچہ اس زمانے میں الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے یہ چیز معلوم ہو سکتی ہے) اور اگر اس حمل کے جاننے کا کوئی ذریعہ ہو تو پھر اس حاملہ باندی کو واپس کرنا جائز ہو گا اور اسی طرح لعان کا مسئلہ ہے، اس میں بھی یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ مرد جو اپنی بیوی کے حمل کا انکار کرتا ہے تو آیا وہ اپنے اس انکار میں سچا ہے یا نہیں ہے (اگرچہ اب بھی بعض طب جدید کے طریقوں سے مرد اور عورت کی منی کے اجزاء لے کر یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس عورت کو جو حمل ٹھہرا ہوا ہے وہ اس مرد کی منی کے اجزاء سے ہے یا نہیں ہے جس کو جدید طب میں D.N.A کہتے ہیں، لیکن

ظاہر ہے علامہ طبری اور دوسرے فقہاء کے زمانہ میں طب اور سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، اس لیے انہوں نے اس مسئلہ میں توقف کیا)۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر وہ عورت سرخ رنگ کا کوتاہ قد کا بچہ لے کر آئی تو میرا گمان صرف یہ ہے کہ وہ عورت سچی ہے اور مرد اس پر زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور اگر وہ عورت ایسا بچہ لے کر آئی جو سیاہ آنکھوں والا ہے تو پھر میرا گمان یہ ہے کہ مرد سچا ہے اور وہ عورت اسی صفتِ مکروہ کے موافق بچہ کو لے کر آئی۔

اس حدیث میں یہ واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ اپنے گمان کے مطابق کوئی فیصلہ کریں، اور ان پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ دلائلِ ظاہرہ کی بناء پر فیصلہ کریں اور مخفی دلائل کی بناء پر کوئی فیصلہ نہ کریں جو چیز ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔ اس لیے جو امور پوشیدہ ہوں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دینا چاہیے اور اگر قاضی یا سلطان یا کسی اور حاکم کے پاس کوئی مقدمہ آئے تو وہ ظاہر دلیل کے بغیر فیصلہ نہ کرے کیونکہ اگر ظاہر دلیل کے بغیر فیصلہ کرنا جائز ہوتا تو اس فیصلہ کرنے کے سب سے زیادہ لائق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، کیونکہ آپ کو لوگوں کے بہ کثرت مخفی امور کا علم تھا، اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر ظاہری دلیل کے کوئی فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے جب منافقین نے غزوہ تبوک میں نہ جانے کے متعلق اپنے ظاہری عذر پیش کیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اعذار کو قبول فرمالیا، حالانکہ آپ کو علم تھا کہ یہ جھوٹے ہیں، لیکن آپ نے اپنے اس علم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا، اور آپ نے یہی فرمایا کہ ہم تو ظاہر دلیل کے مطابق فیصلہ کریں گے اور ظاہر دلیل یہ تھی کہ انہوں نے قسمیں کھالیں اور اپنے جھوٹے عذر پیش کیے کہ وہ غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتے۔ اسی طرح سے جو شخص اپنے ایمان اور تصدیق پر قسم کھالے تو اللہ کے حکم کے مطابق اس کے نکاح کو برقرار رکھا جائے، اس کی وراثت برقرار رکھی جائے گی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، اسی طرح اور دوسرے معاملات ہیں، لہٰذا ہر حاکم پر واجب ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نمونہ کے مطابق عمل کرے اور ظاہر دلیل کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے گمان کے مطابق فیصلہ نہ کرے، اگرچہ اس کے نزدیک وہ آدمی اپنی قسم میں جھوٹا ہو اور اپنے فعل میں جھوٹا ہو۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ حاکم جب صریح گواہوں کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرے، پھر اس پر کسی دلیل سے منکشف ہو کہ یہ گواہی صحیح نہیں ہے تو وہ اپنے فیصلہ کو تبدیل نہیں کرے گا، کیونکہ جو چیز نص سے ثابت ہو رہی ہے اس کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب وہ عورت اس بچے کو صفتِ مکروہ پر لے کر آئی تو اس کے اوپر حد نہیں لگائی گئی، اسی طرح زمعہ کی باندی سے جو بچہ پیدا ہوا وہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا، اور ظاہر دلیل کا تقاضا ہے کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، مگر بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے کہ وہ بچہ عتبہ بن ابی وقاص کے چہرے کے مشابہ تھا اور عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ کو یہ وصیت کی تھی کہ یہ جو زمعہ کی باندی سے بچہ پیدا ہوا ہے یہ میرے زنا سے پیدا ہوا ہے، لہٰذا یہ میرا بیٹا ہے اور تمہارا بھتیجا ہے، تم بعد میں اس کے اوپر قبضہ کر لینا، تو فتح مکہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے، میرے بھائی نے جو زمعہ کی باندی سے زنا کیا تھا، یہ اس کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، تو چونکہ یہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا ہے، لہٰذا یہ زمعہ کا بیٹا قرار پائے گا، تو اس ظاہری دلیل سے ثابت ہو گیا کہ زمعہ کے بیٹے کا نسب عتبہ بن ابی وقاص سے ثابت نہیں ہے، یہ دلیلِ ظاہری کا تقاضا تھا لیکن بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ لڑکا جو تھا اس میں عتبہ بن ابی وقاص کے چہرے کی جھلک تھی اور مشابہت تھی تو یہ شک ہو گیا کہ یہ زمعہ کا بیٹا

نہیں ہے، اگر چہ ظاہری دلیل کا تقاضا یہی تھا کہ الولد للفراش، کہ بچہ صاحب بستر کا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ حضرت ام المومنین سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ اگر چہ یہ تمہارا بھائی ہے یعنی زمعہ کا بیٹا ہے لیکن اس میں جھلک عتبہ بن ابی وقاص کی پائی جاتی ہے، لہٰذا اشتباہ واقع ہو گیا تو تم اس سے پردہ کیا کرو، تو آپ نے حضرت سودہ کو پردہ کرنے کا حکم دیا لیکن نسب کی نفی نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری دلیل اور نص کے مقابلے میں شک اور شبہ کی رعایت سے فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ اور اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال چھین لیا تو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے گا اور اس پر ناراض ہو گا جیسا کہ حدیث میں ہے، لیکن اس سے وہ مال واپس نہیں لیا جائے گا کیونکہ وہ قسم کھا چکا ہے خواہ وہ جھوٹی ہے، تو کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب اس پر دلیل قائم ہو گئی کہ وہ عورت جھوٹی ہے اس نے قسم کھائی تھی کہ اس نے زنا نہیں کیا اور اس کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو اس کے دعوے کی نفی کرتا تھا، صفت مکروہ پر تھا تو اس میں یہ دلیل ہے کہ شک اور شبہ کی بنیاد کے اوپر ظاہری دلیل کے خلاف عمل نہیں کیا جائے گا اور اگر کوئی عورت اپنی جھوٹی قسم پر قائم رہی تو آخرت میں شدید عذاب کا اس کو سامنا کرنا پڑے گا۔

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ وہ بچہ گویا کہ ''وحرۃ'' ہے، ''وحرۃ'' اس چھپکلی کی طرح کے جانور کو کہتے ہیں جو دیواروں سے چپک کر چلتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا بچہ سرخ رنگ کا ہو اور وحرہ ہو یعنی چھپکلی کی طرح دبلا پتلا ہو تو پھر وہ عورت اپنے دعوے میں سچی قرار پائے گی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۲-۳۸۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

ہر حاکم پر لازم ہے کہ وہ کسی عظیم مسجد میں لعان کرائے

علامہ ابوحفص عمر بن علی الاحمد الانصاری الشافعی المعروف ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۳۰۹ کا عنوان ہے کہ لعان میں سنت یہ ہے کہ وہ مسجد میں کیا جائے جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں بھی مذکور ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کے حاکموں میں سے ہر حاکم پر یہ لازم ہے کہ جس شخص سے کسی اہم اور سنگین کام پر قسم لینے کا ارادہ کرے جیسے دین میں القسامت ہے یا کسی بہت بڑے مال پر قسم لینی ہے یا کسی بہت عظیم اور سنگین کام پر قسم لینی ہے یا کسی اور کام پر قسم لینی ہو تو یہ قسم بڑی بڑی مساجد میں لینی چاہیے، اور اگر مدینہ منورہ میں قسم لی جائے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس قسم لی جائے اور اگر مکہ مکرمہ میں قسم لی جائے تو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم لی جائے اور اگر بیت المقدس میں قسم لی جائے تو وہاں کی مسجد میں الصخرہ کی جگہ پر قسم لی جائے اور اگر کوئی اور شہر ہو تو اس شہر کی عظیم جامع مسجد میں قسم لی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد اور عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ کی مسجد میں لعان کریں، کیونکہ آپ کو یہ علم تھا کہ یہ دونوں آپ کی مسجد کی تعظیم کو جانتے ہیں تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ ان میں سے اگر کوئی باطل پر ہو تو وہ اپنے موقف سے حق کی طرف رجوع کرلے اور جھوٹی قسم کھانے سے احتراز کرے اور اسی طرح یہ لعان عصر کی نماز کے بعد ہونا چاہیے کیونکہ اس وقت میں جھوٹی قسم کھانے کا بہت سخت گناہ ہوتا ہے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ مسجد میں لعان کرنا چاہیے، سوائے اس صورت کے کہ وہ عورت حائض ہو تو پھر مسجد کے دروازے پر لعان کرنا چاہیے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۷۶-۲۷۷)

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اگر مرد عورت کے درمیان کسی مجلس میں لعان کیا گیا یا کسی بھی وقت میں لعان کیا گیا تو میں یہ نہیں کہتا کہ وہ لعان کا فرق ضائع ہو جائے گا یا ان کا لعان فاسد ہو جائے گا۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۶۹)

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ اس مجلس کے علاوہ بھی لعان کرنا جائز ہے اور عبد الملک نے کہا ہے کہ لعان امام کے سامنے ہونا چاہیے۔

مصنف کہتا ہے کہ علامہ ابن ملقن نے یہ تمام عبارت علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ سے نقل کی ہے جس کا بیشتر حصہ ہم اس سے پہلے باحوالہ لکھ چکے ہیں۔

ظاہر اور صریح حکم کے مقابلے میں کسی پوشیدہ چیز کے متعلق فیصلہ دینا جائز نہیں ہے

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر اس عورت کا بیٹا سرخ رنگ کا وحرۃ الخ

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ بندوں کو اپنے ظنون اور گمانوں کے مطابق فیصلہ نہیں کرنا چاہیے اور کسی تہمت کے متعلق فیصلہ نہیں کرنا چاہیے اور احکام ظاہر امور پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ باطنی امور پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وہ حکم جو لوگوں کے خفیہ معاملات پر موقوف ہو یا جو معاملہ تمام لوگوں پر ظاہر نہ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تمام امور میں فیصلہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا اور اگر کسی بادشاہ کیلئے یا کسی اور حاکم کیلئے ظاہر چیز کے خلاف فیصلہ کرنا جائز ہوتا تو سب سے زیادہ اس فیصلہ کرنے کے لائق سید الانبیاء علیہم السلام تھے، کیونکہ آپ کو بہ کثرت لوگوں کے پوشیدہ حالات کا علم تھا اور لوگوں کے ایمان اور نفاق پر بھی مطلع تھے لیکن آپ کسی شخص سے اس وقت تک مواخذہ نہیں فرماتے تھے جب تک کہ اس کا معاملہ ظاہر نہ ہو جاتا اور لوگوں پر عیاں اور بیاں نہ ہو جاتا۔ اسی طرح جب غزوہ تبوک میں منافقین نے اپنے جھوٹے عذر پیش کیے اور اپنے جھوٹے اعذار پر قسمیں کھالیں، حالانکہ آپ کو علم تھا کہ یہ جھوٹے ہیں تو آپ نے ان کے خلاف اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کیا اور جو حجتِ ظاہرہ تھیں وہ ان کی قسمیں تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کے مطابق فیصلہ کیا جو انہوں نے اپنے کو ظاہر کیا اور انہوں نے اپنی تصدیق اور ایمان کو ظاہر کیا، اسی طرح باوجود اس کے کہ آپ کو علم تھا کہ منافق جھوٹے ہیں، جیسا کہ قرآن میں ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون، آیت: ۱)

(اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں O

اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو علم ہو گیا تھا کہ منافق جھوٹے ہیں لیکن جب منافقین نے کلمہ پڑھا اور اپنے ایمان اور اسلام کو ظاہر کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم کے تقاضا پر عمل نہیں کیا بلکہ ظاہر پر عمل کیا اور ان کے ایمان اور اسلام کو قبول فرمالیا اور ان کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کو جائز قرار دیا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی وراثت کو جائز قرار دیا اور جب وہ مر گئے تو ان کی نمازِ جنازہ آپ نے پڑھائی اور اسی طرح دیگر اسلامی شعائر کے اوپر آپ نے ظاہری دلیل کے اوپر عمل فرمایا۔ اور اسی طرح ہر مقتدر بادشاہ اور قاضی پر واجب ہے کہ وہ اپنی رعایا کے متعلق اسی طرح عمل کرے جس طرح شارع علیہ السلام نے عمل کیا ہے۔ تو جو شخص اپنے ظاہر قول

اور فعل سے جس کو ظاہر کرے اسی پر عمل کرنا لازم ہے اور حاکم یا بادشاہ پر اپنے گمان کے مطابق یا ان پر لگائی ہوئی تہمت کے مطابق فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا گمان غلط ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا گمان باطل ہو۔

جھوٹی قسم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص نے کسی مسلمان کے حقوق کو جھوٹی قسم کھا کر سلب کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس جھوٹی قسم کھانے والے پر ناراض ہو گا اور اس پر لعنت فرمائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب لعان کرنے والی عورت کی جھوٹی قسم پر دلیل قائم ہو گئی کیونکہ اس کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہو گیا جو اس کے جھوٹی ہونے پر دلالت کرتا تھا اور اس سے اس عورت کا پردہ چاک ہو گیا اور وہ دنیا میں اپنی قوم کے سامنے رسوا ہو گئی اور بھاگ گئی، یہ دنیا میں اس کی سزا تھی تو آخرت میں اس کی سزا کا کیا حال ہو گا۔

''وحرۃ'' کے لغوی معنی

اس حدیث میں ''وحرۃ'' کا لفظ ہے اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سرخ چھپکلی ہوتی ہے جو دیواروں پر چڑھتی ہے جیسے سام ابرص ہوتا ہے جو زمین کے اوپر چپکا ہوا چلتا ہے۔ علامہ ابن فارس نے کہا کہ یہ وہ جانور ہے جو گوشت پر چڑھتا ہے اور گوشت کو خراب کر دیتا ہے یعنی اس کو بدبودار کر دیتا ہے اور وہ گوشت سڑ جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے ''وحر الصدر'' کا معنی ہے: اس کے دل میں کینہ اور حسد ہے، اس کو اس چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو زمین پر وحرۃ کی طرح چلتا ہے۔

(مجمل اللغت ج ۲ ص ۹۱۸، تاج العروس، ج ۷ ص ۵۸۶)۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۷۴، ۴۷۱ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۳۰۹ سے متعلق فوائد اور مسائل

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ علامتوں اور نشانیوں پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا تھا کہ ایک عورت کا بچہ اس صفت پر ہوا تو وہ سچی ہے اور اگر اس صفت پر ہوا تو وہ جھوٹی ہے اور اس میں علامتوں پر عمل کرنے کی دلیل ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی حکم ثابت ہو جائے تو اس حکم کو ان نشانیوں کی وجہ سے نہیں توڑا جائے گا جو نشانیاں اس حکم کے جھوٹے ہونے پر دلالت کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لعان کو نہیں توڑا، کیونکہ اگر آپ اس لعان کو توڑتے تو اس عورت کے اوپر زنا کی حد لگائی جاتی، بلکہ آپ نے اس عورت کو اس کے حال پر باقی رکھا اور دوسری حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر کتاب اللہ کا حکم نہ ہوتا تو میرے لیے اس عورت کے متعلق ایک سنگین فیصلہ ہوتا۔ (صحیح البخاری: ۴۷۴۷)

اور اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اگر حاکم کے فیصلہ کے بعد مال کے گواہ اپنی گواہی سے رجوع کر لیں تو حاکم کا فیصلہ بدلا نہیں جائے گا لیکن ان گواہوں کے اوپر تاوان لازم ہو گا، کیونکہ انہوں نے اپنی جھوٹی گواہی سے صاحب حق کا حق ضائع کر دیا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

مباحث مذکورہ میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ صحیح البخاری ۵۳۰۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو عورت حاملہ ہو تو اس پر بھی لعان کرانا جائز ہے، ابن ابی لیلیٰ، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام ابوعبید الہروی التوفی ۲۲۷ھ، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ کا یہی مذہب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ان فقہاء نے کہا کہ جس مرد نے اپنی بیوی کے حمل کی اپنے نسب کی نفی کی تو اس شخص اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی لعان کرے گا اور اس کے بچے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دے گا۔ اور سفیان بن سعید بن مسروق ثوری متوفی ۱۶۱ھ، اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، کا مذہب اور اسی طرح ابن الماجشون المالکی کا مذہب اور امام زفر بن الہذیل التوفی ۱۵۸ھ نے یہ کہا ہے کہ کسی عورت کے حمل کی وجہ سے اس سے لعان نہیں کرایا جائے گا اور انہوں نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ لعان اس وجہ سے تھا کہ اس عورت کے خاوند نے اس پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور یہ لعان اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ عورت حاملہ تھی اور مرد نے اس عورت کے حمل سے اپنی نفی کی تھی۔

جس عورت کے اوپر لعان کیا گیا ہو تو اس کے متعلق علماء کا اجماع ہے کہ اس عورت اور اس کے بچے کے درمیان وراثت جاری ہوگی اور اس بچے کی ماں کی طرف سے جو اصحاب الفروض ہیں وہ ان کا وارث ہوگا اور وہ اس کے اخیافی بھائی ہیں اور اخیافی بہنیں ہیں اور اخیافی نانی اور دادی ہیں۔ پھر بچے کی ماں کی طرف جب اس کا فرض حصہ جو بنتا ہے وہ دے دیا جائے گا اور دیگر اصحاب الفروض کو بھی دے دیا جائے گا اور پھر بھی اس کے ترکہ سے کچھ مال بچ جائے تو وہ اس کی ماں کے آزاد شدہ غلام کو ملے گا، اگر اس کی ولاء ثابت ہو اور اگر اس عورت کا آزاد شدہ غلام نہ ہو تو پھر اس عورت کے ذوی الارحام کو اس کا ترکہ دیا جائے گا۔

جس تہمت زدہ عورت کے بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا گیا تو اس عورت کی اپنے بیٹے کے ترکہ سے وراثت کی تقسیم میں فقہاء مذاہب کی آراء

اس عورت کو تہائی حصہ دیا جائے گا اگر اس کی اولاد نہ ہو اور نہ اس کے بیٹے کی اولاد ہو اور نہ اس کے اخیافی بہن بھائی میں سے کوئی موجود ہوں اور اگر ان میں سے کوئی موجود ہوں تو ان کو تہائی حصہ دیا جائے گا اور پھر بھی اگر ان میں سے کوئی چیز بچ جائے تو اس کو اصحاب الفروض کی طرف رد کر دیا جائے گا اور پھر بھی کچھ بچ جائے تو بیت المال میں جمع کرایا جائے گا۔ یہ ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا مذہب ہے، اور حکم اور حماد بن ابی سلیمان (امام ابوحنیفہ کے استاذ) متوفی ۱۲۰ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت اپنے بیٹے کی وارث ہوگی اور اس عورت کی ماں بھی اس بیٹے کی وارث ہوگی، اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس بیٹے کے عصبات اس کی ماں کے عصبات ہیں اور یہ قول حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے منقول ہے، امام احمد بن حنبل نے کہا: اگر اس بیٹے کی ماں تنہا ہو اور کوئی وارث نہ ہو تو وہ اپنے بیٹے کے تمام مال کو لے لی گی اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ جب وہ عورت تنہا ہو تو وہ تمام مال کا تیسرا حصہ لے گی اور باقی قاعدہ کے مطابق ذوی الفروض کے اوپر رد کر دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۳ ملخصا دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیثِ مذکور کی شرح شیوخِ دیو بند سے

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لعان مسجد میں کیا جائے گا البتہ اگر عورت حالتِ حیض میں ہو تو مسجد کے دروازے کے پاس کیا جائے گا۔

حنفیہ فرماتے ہیں: مسجد لعان کے لیے متعین نہیں ہے، جہاں حاکم ہو وہاں لعان کیا جائے گا چاہے وہ جگہ مسجد ہو یا کوئی دوسری جگہ۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے مسلکِ حنفیہ کے ساتھ اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے لیے مسجد متعین نہیں ہے۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد لعان کے لیے مسجد کو متعین کرنا نہیں بلکہ ان کا مقصد مسجد میں لعان کے جواز اور وقوع کو بتلانا ہے اور جواز حنفیہ کے نزدیک بھی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ امام بخاری مسلک حنفیہ کے ساتھ اختلاف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، درست نہیں۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق ص ۵۳۵-۵۳۶)

شیخ سلیم اللہ دیو بندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی اپنی جماعت کے بہت بڑے شیخ الحدیث کہلاتے ہیں، مفتی رفیع عثمانی، مفتی تقی عثمانی اور شیخ شامزئی اور دیگر بڑے بڑے اکابر علماءِ دیو بند کے استاذ ہیں اور ان کی یہ شرح علماءِ دیو بند کے حلقہ میں بہت مشہور اور بہت مقبول ہے جس کو عمدۃ القاری اور فتح الباری کی شرح کی ٹکر کی شرح قرار دیا جاتا ہے لیکن آپ نے دیکھا کہ انہوں نے اس حدیث کی شرح میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں لکھی، صرف حافظ ابن حجر عسقلانی کے اعتراض اور علامہ عینی کے جواب کو نقل کر دیا، باقی اس حدیث کے جس قدر مباحث ہیں جو ہم نے دیگر عظیم شراح سے نقل کیے ہیں ان کو انہوں نے مس تک نہیں کیا اور یہ "نام بڑے اور درشن چھوٹے" کا مصداق ہیں، جیسی انہوں نے شرح کی ہے یہ کوئی عام طالب علم بھی لکھ سکتا ہے جس کو عمدۃ القاری اور فتح الباری پر عبور ہو، پھر انہوں نے عمدۃ القاری اور فتح الباری کے تمام مباحث کو نہیں لکھا صرف ایک غیر اہم اور چھوٹی سی بات لکھ دی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

النور: ۶ کی تفسیر از امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ

حافظ احمد بن علی الحجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری ۵۳۰۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ مجھے ابن شہاب نے الملاعنہ کی خبر دی اور الملاعنہ میں جو سنت طریقہ ہے اس کی خبر دی، جو حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ جو کہ بنو ساعدہ کے بھائی ہیں، ان سے منقول ہے اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے سورۂ نور کی آیت مبارکہ: ۶ کی تفسیر میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور: ۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ

ضرور سچوں میں سے ہے O

یہ آیت ہلال بن امیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور امام ابو جعفر نے اس کا مختصر تذکرہ کیا ہے، ابن جریج نے کہا: مجھے ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے خبر دی، پس گویا کہ ابن جریج نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس آیت کے متعلق نازل ہوا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۵۱۲، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں وہی مباحث لکھے ہیں جن کو ہم اس سے پہلے علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ، علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور علامہ ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ اور علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ عثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ اور شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی عبارت سے نقل کر چکے ہیں، اس سے زائد حافظ ابن حجر عسقلانی نے کوئی بات نہیں لکھی جو نقل کرنے کے لائق ہوتی، ہم نے ان کی باقی شرح کو اختصاراً حذف کر دیا۔

النور: ٦ کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۹۹۸ء

جب النور: ٦ نازل ہوئی تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۵ھ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے؟ حضور نے فرمایا: اے انصار! سنتے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے، حضرت سعد بولے: یا رسول اللہ! خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے لیکن میں یہ خیال کر کے حیران ہو رہا ہوں کہ اگر میں کسی بدبخت کو اپنی بیوی پر سوار دیکھوں تو جب تک میں چار گواہ تلاش کر کے نہ لاؤں اس کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا، اور اگر گواہوں کو بلانے جاؤں گا تو وہ اپنا کام کر کے رفو چکر ہو چکا ہوگا، اس گفتگو کو قلیل عرصہ ہی گزرا تھا کہ ایک رات ہلال بن امیہ اپنے کھیتوں سے جب گھر آئے تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک آدمی دیکھا، انہوں نے سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا، صبح بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی، صحابہ آپس میں کہنے لگے کہ ابھی ہلال پر حدِ قذف لگائی جائے گی، ہلال نے کہا: میرے دوستو! گھبراتے کیوں ہو، اللہ تعالیٰ ضرور کوئی صورت پیدا فرمائے گا، اسی اثناء میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول وحی کے آثار نمودار ہوئے اور سب خاموش ہو گئے، جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ہلال! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری نجات کی صورت پیدا فرما دی ہے، پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور اس کی بیوی کو بلا بھیجا، وہ آئی تو یہ آیت اسے بھی پڑھ کر سنائی، پھر دونوں کو تنبیہ کی کہ دنیا کے عذاب سے قیامت کا عذاب بہت سخت ہے، ہلال نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے جو عرض کی ہے بخدا! وہ سچ ہے، عورت نے کہا: یہ جھوٹ بولتا ہے، چنانچہ ہلال نے چار مرتبہ قسم اٹھا کر کہا کہ میں سچا ہوں، پانچویں مرتبہ کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، پھر عورت کو کہا گیا کہ اسی طرح تو چار مرتبہ حلف کے ساتھ گواہی دے کہ وہ جھوٹا ہے، جب وہ کہہ چکی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈر، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے، اگر تو نے پانچویں بار بھی کہہ دیا تو عذابِ آخرت تجھ پر لازم ہو جائے گا، چنانچہ وہ کچھ دیر خاموش رہی، اس نے اپنے قصور کے اعتراف کا ارادہ کیا، پھر کہنے لگی: میں اپنی قوم کو رسوا کرنا نہیں چاہتی، چنانچہ پانچویں دفعہ بھی اس نے کہہ دیا، کہ اگر ہلال سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو، چنانچہ اس طرح قسم اٹھانے سے ہلال حدِ قذف سے بچ گئے اور وہ عورت حدِ زنا سے بچ گئی، لیکن ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی کر دی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کی نسبت ہلال کی طرف نہ کی جائے بلکہ اس کی ماں

کی طرف کی جائے اور ساتھ ہی ایک اور حکم بھی دیا کہ اگر اس کے بعد کسی نے اس عورت کو زنا سے متہم کیا یا اس کے بچے کو حرامی کہا تو اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی، اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ جس کو شریعت کسی الزام سے بری کر دے پھر اس پر کسی کو زبان درازی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس طریقۂ کار کو ''لعان'' کہتے ہیں۔ لعان کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ عورت زندگی بھر اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۲۹۵-۲۹۴ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی پاکستان)

النور: ۶ کی تفسیر از مصنف

زنا کا لغوی معنی

زنا کا لغوی معنی ہے: پہاڑ پر چڑھنا، سائے کا سکڑنا، پیشاب کو روک لینا، حدیث میں ہے:

لا یصلی احد کم وھو زناء تم میں سے کوئی شخص پیشاب روکنے کی حالت میں نماز نہ پڑھے۔

(مسند الربیع بن حبیب، ج ۱ ص ۶۰، مکتبۃ الثقافۃ العربیہ بیروت)

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۷۲، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۹۵، تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۵۲۶، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۷۶۶، ۱۷۶۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کھانا آجائے تو نماز (کامل) نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب نمازی پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۹، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۸۰۲، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۳۴ ص ۱۶۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ زنا کا معنی ہے: کسی عورت کے ساتھ بغیر عقدِ شرعی کے وطی (مباشرت) کرنا۔

(مختار الصحاح ص ۱۷۰، النہایہ ج ۲ ص ۲۸۴، المفردات ج ۱ ص ۲۸۴)

قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

الزنا: اس اندام نہانی میں وطی (مباشرت، جماع) کرنا جو وطی کرنے والے کی ملکیت یا ملکیت کے شبہ سے خالی ہو۔

(دستور العلماء ج ۲ ص ۱۱۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سید مرتضیٰ حسین زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

لغت میں زنا کا معنی کسی چیز پر چڑھنا ہے اور اس کا شرعی معنی ہے: کسی ایسی شہوت انگیز اندام نہانی میں حشفہ (آلہ تناسل کے سر) کو داخل کرنا جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۶۵، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس شخص کے زانی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو کسی ایسی عورت کی قبل (اندام نہانی) میں وطی کرے جو حرام ہو اور وطی کسی شبہ سے نہ ہو اور دُبر (سرین) میں وطی کرنا بھی اس کی مثل زنا ہے کیونکہ یہ بھی اس عورت کی فرج (شرمگاہ) میں وطی کرنا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے اور نہ ملکیت کا شبہ ہے، لہٰذا یہ قبل (اندام نہانی) میں وطی کی طرح ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ (النساء:۱۵) اور تمہاری وہ عورتیں جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں۔

اور دبر میں وطی کرنا بھی بے حیائی کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط کے متعلق فرمایا:

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ (الاعراف:۸۰) کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو؟

یعنی مرد، مردوں کی دُبر میں وطی کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے قومِ لوط کے لوگ عورتوں کی دبر میں وطی کرتے تھے، پھر مردوں کی دُبر میں وطی کرنے لگے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص مردہ عورت سے وطی کرے تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد ہے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے، کیونکہ اس نے آدم زاد کی فرج میں وطی کی ہے، پس یہ زندہ عورت سے وطی کے مشابہ ہے، نیز اس لیے کہ یہ بہت عظیم گناہ ہے کیونکہ اس میں بے حیائی کے ارتکاب کے علاوہ مردہ کی عزت کو بھی پامال کرنا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے اور یہ حسن کا قول ہے۔ ابوبکر نے کہا: میرا بھی یہی قول ہے مردہ سے وطی کرنا وطی نہ کرنے کی مثل ہے، کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی اور لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے ہیں، اس لیے اس سے زجر کو مشروع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور حد کو زجر کے لیے مشروع کیا گیا ہے...... اور نابالغ لڑکی سے زنا کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے وطی کرنا ممکن ہو تو اس سے وطی کرنا زنا ہے اور اس سے وطی کرنے پر بالغہ سے وطی کی طرح حد واجب ہوگی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے محرم سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح بالاجماع باطل ہے، اور اگر اس سے وطی کر لی تو اکثر اہل علم کے قول کے مطابق پر اس پر حد واجب ہے۔ حسن، جابر بن زید، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، اسحاق، ابوایوب، ابن ابی خشیمہ کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ثوری کا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسی وطی ہے جس (کے جواز) میں شبہ پیدا ہو گیا اس لیے وطی سے حد واجب نہیں ہوگی، جیسے کوئی شخص اپنی رضاعی بہن کو خرید کر اس سے وطی کر لے۔ اور شبہ کا بیان یہ ہے کہ اس نے محرم سے نکاح کر لیا اور نکاح اباحت وطی کا سبب ہے (اور حضرت آدم کی شریعت میں محارم مثلاً بہن سے نکاح جائز تھا) اس شبہ کی وجہ سے اس پر حد لازم نہیں ہوگی۔ (لیکن ایسے شخص کو تعزیراً قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ ایک شخص نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ (یعنی اس پر حد جاری نہیں کی) نیز حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو۔

(جامع ترمذی ص ۲۳۱ مطبوعہ نور محمد کراچی، اور یہی امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں کہ امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہے، کیونکہ اس نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کی ہے جس کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور اس میں ملکیت کا کوئی شبہ نہیں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے جیسا کہ جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت براء کہتے ہیں: میری اپنے

سے ملاقات ہوئی درآں حالیکہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ میں نے کہا: کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ایک شخص نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی گردن مارنے اور اس کا مال ضبط کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو''۔ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ امام احمد کا یہ قول راجح ہے کیونکہ یہ حدیث کے مطابق ہے۔ نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جو شخص بغیر نکاح کے محرم سے زنا کرے اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو نکاح کے بعد وطی کرنے میں اختلاف ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۹ ص ۵۳-۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

مرد اپنے حشفہ (سپاری) کو کسی ایسی فرج (اندام نہانی) میں داخل کر دے جو طبعاً مشتہیٰ ہو اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس وطی پر حد واجب ہوتی ہے۔ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کی حد رجم ہے اور اس کے ساتھ اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، اور اگر غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہو تو اس کی حد کوڑے اور شہر بدر کرنا ہے، اس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

محصن ہونے کی تین شرطیں ہیں: پہلی شرط مکلف ہونا ہے، اس لیے بچہ اور مجنون پر حد نہیں لگے گی لیکن ان کو زجر و توبیخ کی جائے گی، دوسری شرط ہے حریت، پس غلام، مکاتب، ام ولد اور جس کا بعض حصہ غلام ہو محصن نہیں ہیں، اور تیسری شرط ہے نکاح صحیح ہونا۔ (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۸۶، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حاجب مالکی نے زنا کی یہ تعریف کی ہے: ''کسی ایسے فرد کی فرج میں عمداً وطی کرے جو اس کی ملک میں بالاتفاق نہ ہو''۔ فرج کی قید سے وہ وطی خارج ہو گئی جو غیر فرج میں ہو، اور آدمی کی قید سے وہ وطی خارج ہو گئی جو جانور کے ساتھ وطی ہو، کیونکہ جانور کے ساتھ وطی کرنے میں حد نہیں، تعزیر ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۴۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع قدیم)

فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جو شخص دار العدل میں احکام اسلام کا التزام کرنے کے بعد اپنے اختیار سے زندہ مشتہاۃ عورت کی قُبل (اندام نہانی) میں وطی کرے درآں حالیکہ وہ قُبل حقیقتاً ملکیت اور ملکیت کے شبہ اور حق ملک اور حقیقتاً نکاح اور شبہ نکاح اور ملک کے موضع اشتباہ کے شبہ سے خالی ہو۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳) علامہ ابن ہمام نے بھی یہی تعریف کی ہے۔ (فتح القدیر ج ۷ ص ۳۳ سکھر)

اس تعریف کی قیود کی وضاحت حسب ذیل ہے:

وطی: عورت کی اندام نہانی میں بقدر سپاری آلہ تناسل کو داخل کرنا، پس جس وطی سے حد واجب ہو گی اس میں بقدر سپاری داخل ہونا ضروری ہے اور اس سے کم میں حد واجب نہیں ہو گی۔

حرام: کسی مکلف شخص نے اجنبی عورت سے وطی کی ہو تو اس کو حرام کہا جائے گا، اگرچہ بچہ یا مجنون نے وطی کی تو اس پر حرام کا حکم نہیں لگے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: تین شخصوں سے قلم تکلیف اٹھالیا گیا، بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے، سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ اس حدیث کو امام ترمذی (رقم: ۱۴۲۳) اور امام ابوداؤد (رقم: ۴۴۰۱) نے روایت کیا ہے۔

قُبُل: عورت کی اندام نہانی کو کہتے ہیں، اس قید کی وجہ سے مرد یا عورت کی دُبر (سُرین) میں وطی امام ابوحنیفہ کے نزدیک زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی، اس کے برخلاف امام ابویوسف، امام محمد اور فقہاء شافعیہ، فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنبلیہ عورت کی دُبر میں وطی کو بھی زنا قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دُبر میں وطی کو لواطت کہتے ہیں اور اس کی حد میں صحابہ کا اختلاف تھا۔ اگر یہ زنا ہوتا تو اختلاف نہ ہوتا، نیز زنا اس لیے حرام ہے کہ اس سے نسب مشتبہ ہوتا ہے اور بچہ ضائع ہوتا ہے اور لواطت میں صرف نطفہ ضائع ہوتا ہے جیسا کہ عزل میں ہے۔

عورت: اس قید کی وجہ سے جانور کے ساتھ وطی، زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی، کیونکہ یہ ایک نادر چیز ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

زندہ: اس قید کی وجہ سے مردہ کے ساتھ وطی، زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی، کیونکہ یہ بھی ایک نادر امر ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

مشتہاۃ: یعنی اس عورت سے وطی کی جائے جس پر شہوت آتی ہو، اتنی چھوٹی لڑکی جس پر شہوت نہ آتی ہو اس سے وطی کرنا زنا نہیں ہے۔ (ہرچند کہ اتنی چھوٹی لڑکی سے وطی کرنے والے پر تعزیر ہوگی)۔

حالتِ اختیار: یعنی وطی کرنے والے کو اختیار ہو، اسی طرح حد کے وجوب کے لیے وطی کرانے والی عورت کا مختار ہونا بھی ضروری ہے، اس لیے مکرہ (جس پر جبر کیا گیا ہو) پر حد نہیں ہے، کیونکہ حافظ الہیثمی نے امام طبرانی کی متعدد اسانید کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عمران بن حصین، حضرت ثوبان، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطاء، نسیان اور جس کام پر جبر کیا گیا ہو (کے گناہ کو) اٹھالیا گیا۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۰، دارالکتاب العربی)

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت پر جبر کر کے اس کے ساتھ وطی کی جائے تو اس پر حد نہیں ہے، لیکن مرد میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور محققین مالکیہ کے نزدیک اگر مرد پر جبر کر کے اس سے وطی کرائی جائے تو اس پر حد ہے نہ تعزیر۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد لگائی جائے گی کیونکہ اس کے آلہ کا منتشر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اکراہ نہیں ہے۔ اور وہ اپنے اختیار سے وطی کر رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد پر بھی حد نہیں ہے کیونکہ انتشار اس کے مرد ہونے کی دلیل ہے، اختیار کی دلیل نہیں ہے۔ امام ابویوسف اور امام محمد کا بھی یہی نظریہ ہے۔

دارالعدل: دارالعدل سے مراد دارالاسلام ہے، کیونکہ دارالحرب اور دارالکفر میں قاضی کو حد جاری کرنے کی قدرت نہیں ہے یعنی اگر کوئی شخص دارالحرب میں یا دارالکفر میں زنا کرے گا تو بھی اسلامی سزا سو کوڑوں یا رجم کا مستحق ہے، لیکن چونکہ قاضی اسلام

دارالکفر یا دارالحرب میں اسلامی سزائیں نافذ کرنے پر قادر نہیں ہے اس لیے اس پر حد جاری نہیں ہوگی، دارالکفر میں بھی زانی سزا کا مستحق ہے اور اس کا یہ فعل گناہ ہے جیسا کہ سود، چوری، ڈاکہ، قتل اور دیگر جرائم دارالکفر اور دارالحرب میں ناجائز اور گناہ ہیں، اسی طرح زنا بھی وہاں ناجائز اور گناہ ہے۔

احکام اسلام کا التزام: اس قید کی وجہ سے حربی مستامن خارج ہے، کیونکہ اس نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا، مسلمان او ذمی اگر زنا کریں گے تو ان پر حد جاری کی جائے گی۔

حقیقت ملک سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے ایسی باندی سے وطی کرلی جو مشترکہ ہے اس کی اور کسی کی ملکیت میں ہے، یا اس نے ایسی باندی سے وطی کی جو اس کی محرم تھی تو چونکہ وہ حقیقتاً اس کی ملکیت میں تھی اس لیے اس کا یہ فعل ہرچند کہ ناجائز ہے لیکن زنا نہیں ہے اور اس پر حد نہیں ہے۔

حقیقتِ نکاح سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے حالتِ حیض یا نفاس میں وطی کرلی یا روزہ دار یا مُحرمہ بیوی سے وطی کرلی یا ایلاء یا ظہار کے بعد وطی کرلی تو ہرچند کہ یہ فعل گناہ ہے لیکن زنا نہیں ہے، کیونکہ عورت حقیقتاً اس کے نکاح میں موجود ہے۔

شبہ ملک سے خالی ہونا: جب مِلک یا نکاح میں شبہ ہو جائے تو حد نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادرء وا الحدود بالشبهات — شبہات کی بناء پر حدود ساقط کردو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۴)

مثلاً اگر کسی شخص نے بیٹے کی باندی سے وطی کرلی تو اس پر حد نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کو یہ شبہ ہوا ہو کہ بیٹے کے مال کا مالک ہوں۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ! میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی ہے اور میرا باپ میرا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انت ومالك لابيك (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۱) تو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملکیت ہے۔

اسی طرح مکاتب کی باندی سے وطی کرنا بھی زنا نہیں ہے، کیونکہ مکاتب جب تک پوری رقم ادا نہ کرے مالک کا غلام ہے، سو اس کی باندی بھی اس کی ملکیت ہے۔

اسی طرح مکاتب کی باندی سے وطی کرنا بھی زنا نہیں ہے، کیونکہ مکاتب جب تک پوری رقم ادا نہ کرے مالک کا غلام ہے، سو اس کی باندی بھی اس کی ملکیت ہے۔

شبہ نکاح سے خالی ہونا

یعنی عقد نکاح میں شبہ نہ ہو، مثلاً کسی شخص نے بغیر ولی یا بغیر گواہ کے نکاح کر کے وطی کرلی یا نکاح متعہ کر کے وطی کرلی تو اس کا یہ فعل زنا نہیں ہے خواہ وہ اس نکاح کے عدم جواز کا اعتقاد رکھتا ہو کیونکہ اس نکاح کے جواز اور عدم جواز میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے اس نکاح میں شبہ آگیا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نسبی، رضاعی یا سسرال کے رشتہ سے کسی محرم سے نکاح کرلیا یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرلیا یا کسی عورت سے اس کی عدت میں نکاح کرلیا اور اس عقد نکاح کی وجہ سے وطی کرلی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہوگی، خواہ اس کو نکاح کی حرمت کا علم ہو، کیونکہ اس وطی میں اس کو شبہ لاحق ہو گیا ہے، لہٰذا یہ وطی زنا نہیں ہے، البتہ اس پر تعزیر ہے۔

فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ، فقہاء حنبلیہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ جو وطی ابداً حرام ہو اس سے حد لازم آتی ہے اور یہ نکاح باطل ہے اور اس کے شبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ البتہ جو وطی ابداً حرام نہ ہو جیسے بیوی کی بہن یا جس نکاح میں اختلاف ہو جیسے بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح، اس وطی کی وجہ سے حد لازم نہیں آتی۔

امام ابو حنیفہ اور جمہور فقہاء کے درمیان منشاء اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب نکاح کا اہل شخص اس محل میں نکاح کرے جو مقاصد نکاح کے قابل ہو تو وہ نکاح وجوب حد سے مانع ہے، خواہ وہ نکاح حلال ہو یا حرام اور خواہ وہ تحریم متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ اور خواہ اس کو حرمت کا علم ہو یا نہ ہو، جمہور فقہاء اور صاحبین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس عورت سے نکاح کرے جس پر نکاح کرنا ابداً حرام ہو یا اس کی تحریم پر اتفاق ہو تو اس نکاح سے وطی پر حد لازم آتی ہے اور اگر وہ نکاح ابداً حرام نہ ہو یا اس کی حرمت میں اختلاف ہو تو پھر اس نکاح سے وطی پر حد لازم نہیں آتی۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۵، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۱۴۵، المہذب ج ۲ ص ۲۶۸، المیزان الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۷، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۴ ص ۲۵۱، المغنی ج ۸ ص ۱۸۲، رحمۃ الامۃ ج ۲ ص ۱۳۶)

حدزنا کی شرائط

حدزنا جاری کرنے کے لیے جن شرائط پر فقہاء کا اتفاق ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) زنا کرنے والا بالغ ہو، نابالغ پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

(۲) زنا کرنے والا عاقل ہو، پاگل اور مجنون پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

(۳) جمہور فقہاء کے نزدیک زانی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے، شادی شدہ کافر پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک حد جاری نہیں ہوتی، البتہ اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زنا اور شراب خوری کی کافر پر کوئی حد نہیں ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس نے حقوقِ الٰہیہ کا التزام نہیں کیا، فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر کافر نے کافرہ کے ساتھ زنا کیا تو اس پر حد نہیں ہے، البتہ تادیباً اس کو سزا دی جائے گی اور اگر اس نے مسلمان عورت سے جبراً زنا کیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر باہمی رضامندی سے زنا کیا تو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

(۴) زانی مختار ہو، اگر اس پر جبر کیا گیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد ہے اور اگر عورت پر جبر کیا گیا تو اس پر بالاتفاق حد نہیں ہے۔

(۵) عورت سے زنا کرے، اگر جانور سے وطی کی ہے تو مذاہب اربعہ میں بالاتفاق اس پر حد نہیں ہے، البتہ تعزیر ہے اور جمہور کے نزدیک جانور کو بالاتفاق قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کو کھانا جائز ہے۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔

(۶) ایسی لڑکی سے زنا کیا ہو جس کے ساتھ عادتاً وطی ہو سکتی ہو، اگر بہت چھوٹی لڑکی سے زنا کیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے، نابالغ لڑکی پر حد نہیں ہوتی۔

(۷) زنا کرنے میں کوئی شبہ نہ ہو، اگر اس نے کسی اجنبی عورت کو یہ گمان کیا کہ وہ اس کی بیوی یا باندی ہے، اور زنا کر لیا تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر حد ہے، جس عقد نکاح کے جواز یا عدم جواز میں

اختلاف ہو اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے، مثلاً بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح ہو، اور جو نکاح بالاتفاق ناجائز ہے جیسے محارم سے نکاح یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک حد ہے۔

(۸) اس کو نکاح کی حرمت کا علم ہو، اگر وہ جہل کا دعویٰ کرے اور اس سے جہل متصور ہو تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

(۹) عورت غیر حربی ہو، اگر وہ حربیہ ہے تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

(۱۰) عورت زندہ ہو، اگر وہ مردہ ہے تو اس سے وطی کرنے پر جمہور کے نزدیک حد نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس پر حد ہے۔

(۱۱) مرد کا حشفہ (آلہ تناسل کا سر) عورت کی قُبل (اندام نہانی) میں غائب ہو جائے، اگر عورت کی دُبر میں وطی کر لے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے، اسی طرح لواطت (اغلام) پر بھی حد نہیں ہے، اگر اجنبی عورت کے پیٹ یا رانوں سے لذت حاصل کی تو اس پر بھی تعزیر ہے۔

(۱۲) زنا دار الاسلام میں کیا جائے، دار الکفر یا دار الحرب میں زنا کرنے پر حد نہیں ہے، کیونکہ قاضی اسلام کو وہاں حد جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ (الفقہ الاسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

احصان کی تحقیق

فقہاء اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور اگر وہ غیر محصن ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے، اس لیے احصان کا معنی سمجھنا ضروری ہے۔

سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

احصان کا اصل معنی ہے: منع کرنا، عورت اسلام، پاکدامنی، حریت اور نکاح سے محصنہ ہوتی ہے، جوہری نے ثعلب سے نقل کیا ہے: ہر پاک دامن عورت محصنہ ہے اور ہر شادی شدہ عورت محصنہ ہے۔ حاملہ عورت کو بھی محصنہ کہتے ہیں کیونکہ حمل نے اس کو دخول سے ممنوع کر دیا۔ مرد جب شادی شدہ ہو تو محصن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے ''فاذا احصن فان اتین بفاحشة'' کی تفسیر میں کہا: باندی کا احصان اس کا مسلمان ہونا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: باندی کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا ہے۔ زجاج نے محصنین غیر مسافحین کی تفسیر میں کہا: مرد کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا اور پاک دامن (غیر زانی) ہونا ہے اور فرج کا احصان، زنا سے رُکنا ہے اور احصنت فرجها کا معنی پاک دامن رہنا اور زنا سے باز رہنا ہے اور وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ کا معنی شادی شدہ خواتین ہے۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۱۷۹، ۱۳۰۶ھ)

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جو احصان رجم میں معتبر ہے اس کی سات شرائط ہیں:

(۱) عقل (۲) بلوغ (۳) حریت (۴) اسلام (۵) نکاح صحیح (۶) خاوند اور بیوی دونوں کا ان صفات پر ہونا (۷) نکاح صحیح کے بعد خاوند کا بیوی سے وطی کرنا، لہٰذا بچہ، مجنون، غلام، کافر نکاح فاسد، عدم وطی اور زوجین کے ان صفات پر نہ ہونے سے احصان ثابت نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۸-۳۷، مطبوعہ کراچی ۱۴۰۰ھ)

زنا کی ممانعت، اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۲)

اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ، بے شک وہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے O

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور: ۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو، اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو، اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے O

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ (الفرقان: ۶۸-۶۹)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے، اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سخت عذاب کا سامنا کرے گا O قیامت کے دن اس کے عذاب کو دُگنا کر دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ذلت والے عذاب میں رہے گا O

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۲)

اے نبی! جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں ان چیزوں پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جس کو وہ خود اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی حکم عدولی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیں اور ان کے لیے استغفار کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

زنا کی ممانعت، مذمت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث اور آثار

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہل برقرار رہے گا، شراب پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۰۴۵، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۹۹۰)

(۲) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہے تا کہ لوگوں کو اس کی خوشبو آئے وہ عورت زانیہ ہے۔ (یعنی وہ عورت لوگوں کے دلوں میں زنا کی تحریک پیدا کرتی ہے)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۵۵۷، مسند البزار رقم

الحدیث: ۱۵۵۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۲۴، المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۴۶)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ (سردار یا حاکم) اور متکبر فقیر۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۳۱۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۰۵)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے، جن تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں: ایک شخص لوگوں کے پاس جا کر سوال کرے، اس کا سوال ان کے ساتھ کسی رشتہ داری کی بناء پر نہ ہو، اور وہ لوگ اس کو منع کر دیں، پھر ایک شخص ان کے پیچھے سے جائے اور چپکے سے اس کو دے دے، اور اس کے عطیہ کو اللہ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو، یا وہ شخص جس کو اس نے عطیہ دیا تھا اور وہ لوگ جو رات کو سفر کریں حتیٰ کہ نیند ان کو بہت زیادہ مرغوب ہو جائے، پھر وہ ٹھہر جائیں اور اپنے سر رکھ کر سو جائیں، پھر ان میں سے ایک شخص بیدار ہو کر نماز میں قیام کرے اور میری حمد و ثنا کرے اور میری آیات کی تلاوت کرے، اور وہ شخص جو کسی لشکر میں ہو، اس کا دشمن سے مقابلہ ہو، وہ لشکر شکست کھا جائے اور وہ شخص آگے بڑھ کر حملہ کرے حتیٰ کہ وہ شخص شہید ہو جائے یا فتح یاب ہو، اور جن تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: بوڑھا زانی، متکبر فقیر اور مالدار ظالم۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۲۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۸۹، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۵۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴۹، المستدرک ج ۲ ص ۱۱۳)

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا...... اس موقع پر آپ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے۔ پس جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، اللہ اکبر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو، پھر فرمایا: اے امتِ محمد! اللہ کی قسم! کسی شخص کو اللہ سے زیادہ اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے۔ اے امتِ محمد! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ضرور کم ہنسو اور تم ضرور زیادہ روؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۷۰، ۱۴۷۱)

(۶) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے: کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے، پھر کوئی شخص جو اللہ چاہتا وہ خواب بیان کرتا۔ ایک دن صبح کے وقت آپ نے فرمایا: بے شک آج رات (خواب میں) دو فرشتے آئے اور وہ مجھے اٹھا کر لے گئے، انہوں نے مجھ سے کہا: آپ چلئے، میں ان کے ساتھ چلتا رہا...... میں نے دیکھا کہ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ایک تنور کی مثل میں تھے، اس کا بالائی حصہ تنگ تھا اور نچلا حصہ کشادہ تھا اور اس کے نیچے سے آگ جل رہی تھی، جب آگ کے شعلے بھڑکتے تو وہ لوگ اوپر اٹھ جاتے اور جب آگ کم ہوتی تو وہ نیچے گر جاتے .... فرشتوں نے بتایا: وہ زانی مرد اور زانی عورتیں تھیں۔ الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷، ۱۳۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۸)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ اس سے ایمان کو نکال

لیتا ہے جیسے انسان اپنے سر سے قمیص کو اتارتا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۲۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۶، الکبائر للذہبی ص ۸۲-۸۳، الترغیب والترہیب للمنذری ج ۳ ص ۲۵۲، دارالحدیث قاہرہ)

(۸) حضرت ام المؤمنین میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت اس وقت تک اچھے حال میں رہے گی جب تک ان کی اولاد زنا کی کثرت سے نہ ہو اور جب ان کی اولاد زنا کی کثرت سے ہوگی تو عنقریب اللہ ان میں عام عذاب نازل فرمائے گا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۰۹۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۷)

(۹) امام طبرانی نے حضرت شریک، ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص زنا کرتا ہے اس سے ایمان نکل جاتا ہے، پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۲۲۴، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۶، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۱، الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۳۵۲۹، حافظ عسقلانی نے کہا: اس کی سند جید ہے، ج ۱۲ ص ۶۱، الاصابہ ج ۳ ص ۳۴۹، قدیم)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی لٹیرا کسی شریف آدمی کو لوٹتا ہے اور لوگ اس کو نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۳۶، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۳، تاریخ دمشق الکبیر جز ۵۶ ص ۸۶،۸۵، رقم الحدیث: ۱۲۲۴۱، ۱۲۲۴۰، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت کا ظہور ہوتا ہے اس قوم کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے اور جس قوم میں زنا بہ کثرت ہوتا ہے ان میں موت بہ کثرت ہوتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے ان سے رزق منقطع ہو جاتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلے کرتی ہے ان میں خون ریزی زیادہ ہوتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے ان پر اللہ دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، الموطا رقم الحدیث: ۱۰۲۰، الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۱۰-۲۱۱، رقم الحدیث: ۲۰۰۹۰)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ کا شریک بناؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے، اس نے پوچھا: پھر کون سا ہے؟ فرمایا: تم کھانے کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دو، اس نے پوچھا: پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو، پھر اللہ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ (الفرقان: ۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہو اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو عذاب کا سامنا ہوگا O

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۰، سنن النسائی رقم

الحدیث: ۱۳۴۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷)

(۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم زنا سے بچتے رہو، کیونکہ اس میں چار خصلتیں ہیں:

(۱) اس سے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے۔

(۲) رزق منقطع ہو جاتا ہے۔

(۳) رحمٰن ناراض ہوتا ہے۔

(۴) اور دوزخ میں خلود ہوتا ہے (یعنی بہت دیر تک رہنا)۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۰۹۲، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۴، اس کی سند میں رو بن جمیع متروک ہے)

(۱۴) حضرت عبد اللہ بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عرب کی ہلاک ہونے والی عورتو! مجھے سب سے زیادہ تم پر زنا کا اور شہوت خفیہ (ریاکاری) کا خوف ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۲۲)

(۱۵) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے، بوڑھا زانی، امام کذاب اور متکبر فقیر۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۳۰۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۴، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمنوں کی حکومت ہو جائے گی اور جب کثرت کے ساتھ زنا کیا جائے گا تو لوگ بہ کثرت قید ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل کثرت سے کیا جائے گا تو اللہ مخلوق کے اوپر سے اپنا ہاتھ اٹھائے گا، پھر یہ پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتے ہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۷۵۲، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں عبد الخالق بن زید بن واقد ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی طرف نہیں دیکھے گا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۳۹۶، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۵)، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی ہے: موسیٰ بن سہل، اس کو میں نہیں جانتا اور اس کے باقی راوی ثقات ہیں

(۱۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ معمر زانی اور متکبر فقیر کی طرف نہیں دیکھے گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۹۵، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کا ایک راوی ابن لہیعہ ہے، اس کی حدیث حسن بھی ہوتی ہے اور ضعیف بھی، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۹) حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: متکبر مسکین، بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۶، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کے ایک راوی الصباح بن خالد کو میں نہیں جانتا اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)۔

(۲۰) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سات آسمان اور سات زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور زانیوں کی فروج کی بدبو سے اہل دوزخ کو بھی ایذا ہوگی۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵۴۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۷، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۲۱) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدھی رات کو آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، پھر ایک منادی نداء کرتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہو تو اس کی دعا قبول کی جائے، کوئی سائل ہو تو اس کو عطا کیا جائے، کوئی مصیبت زدہ ہو تو اس کی مصیبت دور کردی جائے، پس ہر دعا کرنے والے مسلمان کی دعا قبول کرلی جائے گی سوا اس عورت کے جو پیسے لے کر زنا کراتی ہے اور سوا اس شخص کے جو ظالمانہ ٹیکس لیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۷۹۰، حافظ منذری نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، الترغیب والترہیب ج ا رقم الحدیث: ۱۱۶۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸۸)

(۲۲) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زانیوں کے چہروں میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔

(الترغیب والترہیب ج ۳ رقم الحدیث: ۳۵۲۴، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵، اس کی سند پر اعتراض ہے)

(۲۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زنا فقر پیدا کرتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۱۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۲۵)

(۲۴) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں سویا ہوا تھا۔ میرے پاس دو شخص آئے، ان دونوں نے مجھے میری بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا اور مجھے ایک سخت چڑھائی والے پہاڑ پر لے گئے، اور مجھ سے کہا: اس پر چڑھیے، میں نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، انہوں نے کہا: ہم آپ کے لیے چڑھنا آسان کردیں گے، پھر میں چڑھا حتیٰ کہ میں اس پہاڑ کے وسط میں پہنچ گیا، ناگاہ میں نے بہت زور کی آوازیں سنیں۔ میں نے پوچھا: یہ کیسی آوازیں ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ دوزخ کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہیں، (الی قولہ) ہم چلتے رہے حتیٰ کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آرہی تھی، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ مقتولین کفار ہیں، وہ پھر مجھے آگے لے گئے۔ وہاں ایسے لوگ تھے جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آرہی تھی گویا کہ وہ پاخانے کی بدبو تھی، میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورتیں ہیں۔ الحدیث

(صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۹۸۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۸، المستدرک ج ا ص ۴۳۰، الترغیب والترہیب ج ۲ رقم الحدیث: ۱۴۸۵)

(۲۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے گویا کہ وہ اس کے اوپر سائبان ہو اور جب وہ اس سے توبہ کرتا ہے تو اس کا ایمان لوٹ آتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲۷، المستدرک ج ا ص ۲۲، سنن بیہقی ج ۱ ص ۵۳۶۶)

(۲۶) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور ہم اکٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور رشتہ داروں سے ملاپ رکھو، رشتہ داروں سے میل جول سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی ثواب نہیں ہے، اور بغاوت سے (یا زنا سے) بچو کیونکہ اس سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی عذاب نہیں ہے، اور تم ماں باپ کی نافرمانی سے بچو کیونکہ ایک ہزار سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو آتی ہے اور ماں باپ کا نافرمان، رشتہ منقطع کرنے والا، بوڑھا زانی اور تکبر سے تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اس کی خوشبو کو نہیں پائے گا، کبریائی صرف اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔ (الترغیب

والترہیب ج ۳رقم الحدیث: ۳۰۱۹،مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۵)

(۲۷) راشد بن سعد المقرائی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جن کی کھال آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھی، میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے مزین ہوتے تھے، پھر میں ایک کنویں کے پاس سے گزرا جس سے سخت بدبو آرہی تھی، میں نے پوچھا: اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کرانے کے لیے خود کو مزین کرتی تھیں اور وہ کام کرتی تھیں جوان کے لیے جائز نہ تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۶۷۵،الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۰)

(۲۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عادتاً زنا کرنے والا بت پرست کی مثل ہے۔

(مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۴۷۷،الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۱،تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر جز ۲۳ ص ۱۷۳، رقم الحدیث: ۴۹۳۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ منذری نے کہا: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ عادی شرابی بت پرست کی طرح اللہ سے ملاقات کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ زنا شراب نوشی سے بڑا گناہ ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۸، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

(۲۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بستی میں زنا اور سود کا ظہور ہوا انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کرلیا۔ (یہ حدیث صحیح ہے)۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۷،الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۳،شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۱۷)

(۳۰) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں زنا اور سود کا ظہور ہوا انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کرلیا۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۸۱،الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۴، ۲۷۷۰،مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱۸)

(۳۱) حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ تم زنا کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ حرام ہے، اس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔ یہ قیامت تک کے لیے حرام ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اگر کوئی شخص دس عورتوں سے زنا کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے (یعنی ان کی سزا اس سے کم ہے) کہ وہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۸،اس کے راوی ثقات ہیں،الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۷)

(۳۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے گا، اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا اور نہ اس کو پاک کرے گا اور فرمائے گا: دوزخ میں دوزخیوں کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔

(مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۴۸۵،مسند الفردوس الدیلمی رقم الحدیث: ۳۳۱۷،الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۸)

(۳۳) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر غائب ہو، قیامت کے دن اللہ ایک اژدھے کو اس کے اوپر قادر کردے گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۲۷۸،المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۳۷،الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۹،مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۸)

(۳۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھتا ہے جس کا شوہر غائب ہو اس کی مثال

اس شخص کی طرح ہے جس کو قیامت کے اژدھوں میں سے کوئی سیاہ اژدھا بھنبھوڑ رہا ہو۔
(الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۵۰، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقات ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۸)

(۳۵) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجاہدین کی بیویوں کی حرمت، جہاد پر نہ جانے والوں کے لیے ان ماؤں کی مثل ہے اور مجاہد جس شخص کے اوپر اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر جائے اور وہ اس میں خیانت کرے تو اس کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کی نیکیوں میں سے جس قدر چاہے گا، لے لے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اس کی کوئی نیکی چھوڑ دے گا؟ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۶، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۸۹)

(۳۶) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ساٹھ سال اپنے گرجے میں اللہ کی عبادت کی، پھر بارش ہوئی اور زمین سرسبز ہوگئی۔ راہب نے اپنے گرجے سے باہر جھانکا اور سوچا کہ میں گرجے سے باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں اور زیادہ نیکی حاصل کروں۔ وہ گرجے سے اترا، اس کے ہاتھ میں ایک روٹی یا دو روٹیاں بھی تھیں، جس وقت وہ باہر کھڑا تھا تو ایک عورت آ کر اس سے ملی، وہ دونوں ایک دوسرے سے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ اس عابد نے اس سے اپنی خواہش پوری کرلی، پھر اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر وہ ایک گرم تالاب میں نہایا، اس کے بعد ایک سائل آیا تو اس نے ان دو روٹیوں کی طرف اشارہ کیا، پھر اس کی ساٹھ سال کی عبادت کا زنا کے گناہ کے ساتھ وزن کیا گیا تو گناہ کا پلڑہ بھاری نکلا، پھر ان دو روٹیوں کی نیکی کا وزن کیا گیا تو نیکیوں کا پلڑہ بھاری نکلا، سو اس کو بخش دیا گیا۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان ہے، ساٹھ سال کی عبادت ایک زنا کے گناہ سے ضائع کردی اور دو روٹیوں کو صدقہ کرنے کی نیکی سے اس کے گناہ کو بخش دیا، وہ جس گناہ پر چاہے پکڑ لیتا ہے اور جس نیکی کو چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔
(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۹، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۱، ۱۳۸۷، ۱۲۹۹)

(۳۷) شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم (سنگسار) کیا تو کہا: میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رجم کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۲)

(۳۸) شیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم (سنگسار) کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے پوچھا: سورۂ نور کے نزول سے پہلے یا اس کے بعد؟ انہوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔
(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۲)

اس سوال کا منشاء یہ ہے کہ اگر رجم سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے ہوا ہے تو ہوسکتا ہے کہ سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد وہ منسوخ ہوگیا ہو کیونکہ سورۂ نور میں زانیوں کو کوڑے مارنے کا حکم ہے اور اگر سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سو کوڑے مارنے کا حکم رجم کرنے کے منافی نہیں ہے، یعنی کنوارے اگر زنا کریں تو ان کو سو کوڑے مارے جائیں اور اگر شادی شدہ زنا کریں تو ان کو رجم (سنگسار) کیا جائے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ سورۂ نور کے نزول کے بعد رجم کیا گیا ہے کیونکہ سورۂ نور کے نزول کے متعلق ہم بیان کرچکے ہیں کہ تین قول ہیں، ۴ ہجری، ۵ ہجری، اور ۶ ہجری، اور صحیح یہ ہے

کہ سورۂ نور شعبان ۵ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور رجم اس کے بعد کیا گیا ہے کیونکہ رجم کے موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور وہ ۷ ہجری میں اسلام لائے تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ کے ساتھ ۹ ہجری میں مدینہ آئے تھے۔ (فتح الباری ج ۱۴ ص ۹۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۳۹) حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ وہ زنا کر چکا ہے اور اس نے چار مرتبہ قسم کھا کر اپنے متعلق زنا کرنے کا اقرار کیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم (پتھر مار مار کر ہلاک) کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۴، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۵۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۱۵۵، عالم الکتب بیروت)

(۴۰) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے حکم لو، مجھ سے حکم لو، اللہ نے زنا کرنے والیوں کی سزا کی راہ بیان فرما دی اگر کنواری کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مارو، اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو، اور اگر شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو ان کو رجم (سنگسار) کر دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۶، ۴۴۱۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۴، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۹۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے زانیہ عورتوں کے متعلق فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی سزا کی سبیل بیان فرمائے گا، اس حدیث میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کی راہ بیان کر دی ہے اور اپنا وعدہ پورا فرما دیا ہے، سورۃ النساء کی وہ آیت یہ ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ (النساء: ۱۵)

تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان کے خلاف تم اپنوں میں سے چار گواہ طلب کرو، پس اگر وہ شہادت دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو حتیٰ کہ موت ان کی زندگیاں پوری کر دے یا اللہ ان کی کوئی اور سزا مقرر فرما دے ۝

سو جس سزا کے مقرر کرنے کا سورہ نساء میں ذکر کیا گیا تھا وہ کنواری عورت کو کوڑے مارنے اور شادی شدہ کو رجم کرنے کا حکم ہے۔ کوڑے مارنے کا حکم سورہ نور میں ہے اور رجم کرنے کا ذکر ان احادیث میں ہے، ہم نے رجم کے ثبوت میں ۱۵۳ احادیث مرفوعہ، ۴۰ آثار صحابہ اور ۵ فتاویٰ تابعین ذکر کیے ہیں، ان کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۰۴-۸۱۶ میں مذکور ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ اور یہ اس قدر کثیر احادیث اور آثار ہیں کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ رجم کا حکم تواتر سے ثابت ہے۔

میں نے یہاں پر زنا کی ممانعت اور اس کی دنیاوی اور اخروی سزا کے متعلق چالیس احادیث ذکر کی ہیں، احادیث تو ان کے علاوہ اور بھی ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس احادیث کی تبلیغ کرنے پر جو نوید سنائی ہے، میں نے اس کے حصول کی امید میں چالیس احادیث ذکر کی ہیں، وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق

چالیس حدیثیں پہنچائیں، اللہ اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۲۶-۱۷۲۵، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴ ص ۱۱۱، ۹۹، رقم الحدیث: ۱۱۸۲۸، ۱۱۸۳۸، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۷۶، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۶۳۷، حافظ سیوطی نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی رمز کی ہے، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۱۸۵۸، مشکوۃ رقم الحدیث: ۲۵۸)

یہ چالیس احادیث میں نے زنا سے ترہیب اور تخویف کی ذکر کی ہیں، آخر میں میں زنا سے بچنے کی ترغیب کے سلسلہ میں بھی ایک حدیث درج کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کی نظر کسی عورت کے حسن کی طرف (بلاقصد) پڑ جائے، پھر وہ اپنی نظر پھیر لے اللہ اس کے دل میں اس کی عبادت میں حلاوت اور لذت پیدا کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۳۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

زنا کی حد میں عورت کے ذکر کو مقدم کرنے کی توجیہ

قرآن مجید میں احکام بیان کرنے کا عام اسلوب یہ ہے کہ صرف مردوں پر کسی حکم کو فرض کیا جاتا ہے اور عورتیں اس حکم میں بالتبع داخل ہو جاتی ہیں لیکن اس آیت میں زنا کرنے والی عورتوں اور مردوں دونوں کا ذکر کیا گیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ عورتوں کے ذکر کو مقدم کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں زنا کا سبب اور اس کا محرک عورت ہوتی ہے، عورت سے جنسی لذت حاصل کرنے کے لیے مرد فعل زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدۃ: ۳۸) چور مرد اور چور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔

اس آیت میں چور مرد کا ذکر چور عورت سے پہلے فرمایا کیونکہ اکثر و بیشتر اس فعل کا صدور مرد سے ہوتا ہے۔

کوڑے مارنے کے مسائل اور فقہی احکام

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کے ساتھ کوڑے لگائے جائیں گے، وہ چابک ہو یا درخت کی شاخ اور وہ چابک یا شاخ متوسط ہو نہ بہت سخت ہو، نہ بہت نرم ہو۔ حدیث میں ہے:

امام مالک، زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد میں ایک شخص نے اپنے اوپر زنا کا اعتراف کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو مارنے کے لیے ایک چابک منگوایا تو ایک ٹوٹا ہوا چابک لایا گیا، آپ نے فرمایا: اس سے سخت لاؤ تو درخت کی ایک نئی شاخ لائی گئی جس کے پھل بھی نہیں اتارے گئے تھے، آپ نے فرمایا: اس سے ذرا کم لاؤ، پھر ایک استعمال شدہ اور نرم شاخ لائی گئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا، پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! اب وقت آ گیا ہے کہ تم اللہ کی حدود کے ارتکاب سے باز آ جاؤ اور جس شخص نے ان ناپاک کاموں میں سے کوئی کام کر لیا اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کے ستر کے ساتھ اپنا پردہ رکھے، کیونکہ جس کا جرم ہم پر ظاہر ہو گیا، ہم اس کے اوپر اللہ کی کتاب کو جاری کر دیں گے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۸۸، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص پر کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اتارے جائیں یا نہیں، امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا کہ اس کے اور عورت کے کپڑے نہ اتارے جائیں، البتہ وہ کپڑے اتار دیئے جائیں جو ضرب سے بچاتے ہوں۔ امام اوزاعی نے کہا: مرد کے کپڑے اتروانے میں امام کو اختیار ہے چاہے اس کے کپڑے اتروائے چاہے نہیں۔ شعبی اور نخعی نے کپڑے اتارنے سے منع کیا ہے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس امت میں کسی کے کپڑے اتارنا جائز نہیں ہے۔ ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے جو کہا ہے کہ اس کے کپڑے اتارے جائیں غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ مرد کے ستر کے علاوہ اس کے کپڑے اتار دیئے جائیں۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ حد جاری کرتے وقت انسان کے کن اعضاء پر کوڑے مارے جائیں؟ امام مالک نے کہا کہ حدود اور تعزیرات میں صرف پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا کہ چہرے اور نازک اعضاء کے سوا تمام جسم پر کوڑے مارے جائیں، سر پر مارنے میں اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا کہ سر کو بچایا جائے اور امام ابو یوسف نے کہا کہ سر پر ضرب لگائی جائے، حضرت عمر اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ سر پر ضرب لگائی جائے، امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی خولہ بنت عاصم پر شریک بن السحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس کو پیش کیا، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف کے کوڑے لگائے جائیں گے، اس نے کہا: یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے اوپر کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ گواہوں کو تلاش کرنے جائے گا؟ آپ نے پھر یہی فرمایا کہ تم گواہوں کو پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف لگائی جائے گی، پھر لعان کے احکام نازل ہوئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۷۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۴۷، مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۲۸۲۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۵۱)

کوڑوں کے ساتھ ایسی ضرب لگائی جائے، جس سے چوٹ لگے، درد ہو لیکن زخم نہ آئے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ تمام قسم کی حدود میں ضرب مساوی ہو اس سے کوئی زخم نہ پڑے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے کہ تعزیر میں سخت ضرب لگائی چاہیے، زنا کی ضرب شراب نوشی کی ضرب سے زیادہ شدید ہے اور شراب نوشی کی ضرب قذف (تہمت) کی ضرب سے زیادہ شدید ہے۔

پہلے شراب نوشی کی حد میں اختلاف تھا، عبدالرحمٰن بن ازہر بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے، آپ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جو نشہ میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے کہا جو آپ کے پاس تھے تمہارے ہاتھ میں جو چیز آئے اس سے اس کو مارو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹی اٹھا کر اس پر ماری، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جو نشہ میں تھا، انہوں نے اس کو چالیس کوڑے مارے۔

ابن وبرہ کلبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں

نے کہا: حضرت خالد بن ولید نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ لوگ اب بہت شراب پینے لگے ہیں اور اس کی سزا کو معمولی سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا: یہ کبار اصحاب تمہارے سامنے بیٹھے ہیں ان سے پوچھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہماری رائے یہ ہے کہ جب آدمی نشہ میں ہوتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو لوگوں پر تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے والے کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہیں۔ حضرت عمر نے مجھ سے کہا: حضرت علی نے جو کہا ہے وہ حضرت خالد کو پہنچا دو، پھر انہوں نے اسی (۸۰) کوڑے مارے اور حضرت عمر نے بھی اسی (۸۰) کوڑے مارے۔

زانی کو کوڑے مارنے کے بعد شہر بدر کرنے میں مذاہب فقہاء

اگر زانی مرد یا زانیہ عورت محصن نہ ہو تو قرآن مجید میں اس کی سزا سو کوڑے مارنا بیان فرمائی ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ (النور: ۲)
زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

بعض احادیث میں سو کوڑے مارنے کے علاوہ ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کا بھی حکم ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۴۳۰۱ میں ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا غیر شادی شدہ کے زنا کی حد میں سو کوڑوں کے علاوہ شہر بدر کرنا بھی داخل ہے یا نہیں؟

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کے زنا کرنے کی حد میں جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے شہر بدر بھی کیا جائے۔ خلفاء راشدین سے بھی یہی مروی ہے، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے، فقہاء تابعین میں سے عطاء، طاؤس، ثوری ابن ابی لیلیٰ اور ابو ثور کا بھی یہی نظریہ ہے، امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی امام احمد کا مذہب ہے، اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد بن حسن یہ کہتے ہیں کہ شہر بدر کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان دونوں کو شہر بدر کرنا انہیں فتنہ میں ڈالنے کے لیے کافی ہے، اور ابن المسیب سے یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب نوشی کی بناء پر خیبر میں جلاوطن کر دیا۔ وہ ہرقل کے پاس جا کر نصرانی ہو گیا۔ تب حضرت عمر نے فرمایا: اس کے بعد میں کبھی کسی کو شہر بدر نہیں کروں گا۔ نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف کوڑے لگانے کا حکم دیا ہے، اگر شہر بدر کرنے کو واجب قرار دیا جائے تو نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی۔ (المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۳۰، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ)

زانی اور زانیہ کو شہر بدر کرنے میں فقہاء احناف کا موقف اور دلائل

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: غیر شادی شدہ کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا، امام شافعی حد میں ان دونوں سزاؤں کو جمع کرتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

البکر بالبکر جلد مائۃ و تغریب عام۔ (صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی)
کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو۔

نیز اس سے زنا کا دروازہ بند ہو جائے گا، کیونکہ دوسرے شہر میں ان کے جان پہچان والے کم ہوں گے۔

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فاجلدوا، پس کوڑے مارو، اللہ تعالیٰ نے کل

سو کوڑے بیان کی ہے اور اس کے علاوہ کنوارے شخص کی اور کوئی سزا بیان نہیں کی (پس اگر ایک سال شہر بدر کرنے کو زنا کی حد کا جز قرار دیا جائے تو اخبار آحاد سے نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں ہے، اس کے برخلاف شادی شدہ کو رجم کرنا اخبار آحاد سے نہیں بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے قرآن مجید کے عام کو خاص کرنا جائز ہے، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ قرآن مجید میں الزانی سے مراد کنوارہ زانی ہے اور کوڑے مارنے کا حکم کنواروں کے بارے میں ہے اور شادی شدہ زانی کی سزا یعنی اس کو رجم کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے جیسا کہ عنقریب اس کی وضاحت کی جائے گی۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: زانی کو شہر بدر کرنا زنا کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے کیونکہ اپنے شہر میں تو خاندان والوں سے حیاء آئے گی اور دوسرے شہر میں اس کو زنا کرنے سے کوئی حجاب نہیں ہوگا۔ نیز دوسرے شہر میں اس کے کھانے، پینے، رہائش، کپڑوں اور علاج معالجہ کی ضروریات کا کوئی کفیل نہیں ہوگا، اس وجہ سے یہ خطرہ ہے کہ شہر بدر کی ہوئی عورتیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زنا کو کسب معاش بنالیں اور یہ زنا کی بدترین قسم ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے شہر بدر کرنا کافی ہے۔ اور جس حدیث میں کنوارے کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع کیا ہے وہ اسی طرح منسوخ ہے جس طرح اس حدیث کا وہ حصہ منسوخ ہے جس میں شادی شدہ کی حد میں رجم اور کوڑوں کو جمع کیا گیا ہے، کیونکہ پوری حدیث اس طرح ہے کنوارہ، کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کردو اور شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور پتھروں سے رجم کردو۔ (صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد)

علامہ ابوالحسن کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا حکم ہے، اسی حدیث میں رجم کے ساتھ کوڑے مارنے کا بھی ذکر ہے اور جب جمہور فقہاء باوجود اس حدیث کے رجم کی سزا کے ساتھ کوڑے مارنے کا اضافہ نہیں کرتے تو کنوارے کی سزا میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا اضافہ کیوں کرتے ہیں۔ یہ صراحتاً ترجیح بلا مرجح ہے بلکہ ترجیح بالمرجوح ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی ذکر کردہ حد پر زیادتی لازم آتی ہے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی زیر بحث حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: شادی شدہ کی حد میں رجم کے ساتھ کوڑوں کو جمع کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا: ان کو جمع کرنا واجب ہے، پہلے کوڑے لگائے جائیں، پھر رجم کیا جائے۔ حضرت علی، حسن بصری، اسحاق بن راہویہ، داؤد، اہل ظاہر اور بعض اصحاب شافعی کا یہی قول ہے، اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ صرف رجم کرنا واجب ہے۔ قاضی عیاض نے بعض محدثین سے نقل کیا ہے کہ جب شادی شدہ زانی بوڑھا ہو تو کوڑے لگا کر رجم کیا جائے اور اگر جوان ہو تو صرف رجم کیا جائے۔ یہ مذہب باطل اور بے اصل ہے۔ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ احادیث کثیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ کو صرف رجم کرنے پر اقتصار کیا جیسا کہ حضرت ماعز اور غامدیہ کے قصہ سے ظاہر ہے (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵، مطبوعہ نور محمد) نیز احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ کو صرف کوڑے مارے اور شہر بدر نہیں کیا اور کثیر آثار صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب واضح کریں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: ہاں! اگر امام کے نزدیک شہر بدر کرنے میں مصلحت ہو تو وہ جس قدر عرصہ مناسب سمجھے شہر بدر کرسکتا ہے، یہ تعزیر اور سیاست ہے کیونکہ بعض اوقات اس کا فائدہ ہوتا ہے اس لیے یہ امر امام کی رائے پر

موقوف ہے اور بعض صحابہ سے جو شہر بدر کرنے کی روایت ہے وہ بھی تعزیر اور سیاست پر محمول ہے۔
(ہدایہ اولین ص ۴۹۲-۴۹۳ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات اور فقہاء احناف کے دلائل

ائمہ ثلاثہ نے شہر بدر کرنے کی جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ صرف تین صحابہ کی روایات ہیں، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم، اور جو روایت صرف تین صحابہ سے مروی ہو وہ خبر متواتر یا خبر مشہور نہیں ہے صرف خبر واحد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ احادیث خبر مشہور ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیر شادی شدہ زانی کو شہر بدر کیا یا شہر بدر کرنے کا حکم دیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل بطور حد کیا ہو بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ فعل بطور تعزیر کیا ہو، لہٰذا ان احادیث سے شہر بدر کرنے کا حد ہونا ثابت نہیں ہوا۔

غیر شادی شدہ زانی کو صرف کوڑے مارنے کے ثبوت میں احادیث

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے جس کا اس نے نام بھی لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے پاس کسی شخص کو بھیج کر اس سے اس کے متعلق پوچھا: اس عورت نے زنا کرنے سے انکار کیا تو آپ نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس عورت کو چھوڑ دیا۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۴۶۶، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو بکر بن لیث کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے چار بار یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت سے زنا کیا ہے، آپ نے اس کو سو کوڑے لگائے، پھر آپ نے فرمایا: اس عورت کے خلاف گواہ لاؤ، عورت نے کہا: خدا کی قسم! یا رسول اللہ! یہ شخص جھوٹا ہے، پھر آپ نے اس کو اسی کوڑے حد قذف لگائی۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۴۶۷)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ اگر غیر شادی شدہ باندی زنا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: جب وہ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو، اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو، پھر اس کو بیچ دو خواہ رسی کے ایک ٹکڑے کے عوض بیچنا پڑے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۸۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۰۴، سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۴۶۹، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۳۳)

ان دونوں حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر محصن کو حد میں سو کوڑے مارے یا سو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا نہ شہر بدر کرنے کا حکم دیا، اس لیے جن احادیث میں شہر بدر کرنے کا حکم ہے وہ سیاست پر محمول ہیں۔

رجم کی تحقیق

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ مسلمان مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی حد رجم ہے اور فقہاء اسلام میں سے کسی مستند شخص نے اس اجماع کی مخالفت نہیں کی۔ بعض خارجیوں نے اس اجماع کی اگر مخالفت کی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں

پڑتا، البتہ ہمارے زمانے میں منکرینِ حدیث کی ایک جماعت پیدا ہوئی جنہوں نے سنت کی حجیت کا انکار کیا اور مستشرقین نے اسلام کے خلاف جو کچھ زہر اُگلا اس کو انہوں نے قبول کرلیا۔ ان لوگوں نے جہاں اسلام کے اور بہت سے اجماعی اور مسلمہ عقائد کا انکار کیا ہے ان میں سے ایک رجم کا مسئلہ ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں زانی کی سزا صرف کوڑے مارنا ہے اور جن احادیث میں رجم کا ذکر ہے وہ اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد سے قرآن مجید کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے۔

منکرین سنت کا یہ قول قطعاً باطل اور مردود ہے، اول تو یہ غلط ہے کہ قرآن مجید میں رجم کا اصلاً ذکر نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں اشارتاً رجم کا ذکر موجود ہے جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب ہم واضح کریں گے اور ثانیاً یہ مفروضہ بھی غلط ہے کہ رجم کا حکم اخبار آحاد سے ثابت ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رجم کا حکم پچاس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہے اور یہ احادیث معناً اخبار متواترہ ہیں جیسا کہ ہم ان شاء اللہ اس پر تفصیلاً گفتگو کریں گے اور اخیر میں ہم منکرین سنت کے مشہور اور اہم اعتراضات کے جوابات ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

قرآن مجید سے رجم کا ثبوت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ۔ (المائدہ: ۴۳)

اور وہ کیسے آپ کو منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے!

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے (جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر: ۴۳۲۵ میں ہے) کہ یہود زنا کرنے والوں سے یہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ، اگر وہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کا حکم دیں تو اس پر عمل کرنا اور اگر رجم کا حکم دیں تو ان سے دور رہنا۔ علامہ ابن کثیر نے ان آیات کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ سنن ابوداؤد میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کا مقدمہ لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، آپ نے فرمایا: تم اپنے مذہب کے دو سب سے بڑے عالموں کو لاؤ، وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لائے، آپ نے ان کو قسم دے کر پوچھا: ان زنا کرنے والوں کا حکم تورات میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے کہا: تورات میں ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے ان کو اس طرح زنا کرتے دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں جاتی ہے تو ان کو رجم کردیا جائے، آپ نے فرمایا: تم ان کو رجم کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: ہماری حکومت چلی گئی اور ہم قتل کو ناپسند کرتے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو بلایا اور چار آدمیوں نے آکر یہ گواہی دی کہ انہوں نے اس طرح دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے حکم کے مطابق انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۸-۶۹، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المراد هذا الامر الخاص وهو الرجم لانهم طلبوا الرخصة بالتحكيم۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۶۲)

اس آیت میں حکم اللہ سے مراد بالخصوص رجم ہے کیونکہ یہودیوں نے رخصت حاصل کرنے کیلئے آپ کو حکم بنایا تھا۔

قرآن مجید اور احادیث میں جو یہ ذکر ہے کہ تورات میں حکم اللہ یعنی رجم موجود ہے، اس کی تفصیل تورات میں حسب ذیل ہے:
پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے O تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ بن گئی۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا O (استثناء:۲۱-۲۲)
اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں O لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنی ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا O (استثناء:۲۳-۲۴)
یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ تورات میں آج تک یہ آیت موجود ہے حالانکہ ہر دور میں تورات میں تحریف ہوتی رہی، بلکہ قدرت خداوندی دیکھئے کہ یہ آیت انجیل میں بھی موجود ہے، یوحنا کی انجیل میں ہے:
اور فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا O اے استاد! یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے۔ توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں۔ پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ O انہوں نے اسے آزمانے کے لیے یہ کہا تا کہ اس پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکالیں مگر یسوع جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا O جب وہ اس سے سوال کرتے ہی رہے تو اس نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کو پتھر مارے O (یوحنا: باب ۸ آیت ۳-۸)
تورات اور انجیل کے ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم پچھلی آسمانی کتابوں میں موجود تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اس وقت (نزول قرآن کے وقت) کی موجودہ کتابوں کا جو مصداق قرار دیا ہے وہ اسی حکم کے اعتبار سے ہے اور اللہ کی قدرت ہے کہ ہزارہا تحریفات کے باوجود رجم کا یہ حکم تورات اور انجیل میں آج بھی موجود ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زانی یہودیوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے متعلق سورۂ مائدہ میں جو آیات نازل ہوئی تھیں، اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ (المائدہ:۴۸)

اور ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے، درآں حالیکہ یہ ان آسمانی کتابوں کی مصدق اور نگہبان ہے جو اس کے سامنے ہیں، سو آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے، اس سے دور ہو کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آسمانی کتابیں تورات اور انجیل موجود تھیں اور خود قرآن مجید ناطق اور شاہد ہے کہ ان کتابوں میں تحریف کی جا چکی ہے، ان کے باوجود قرآن مجید فرماتا ہے کہ قرآن ان کا مصداق اور نگہبان ہے اور جس چیز کا قرآن مجید مصدق ہے وہ رجم کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ قرار دیا ہے اور اسی کا قرآن مجید نگہبان ہے اور یہی وجہ ہے کہ آئے دن کی تحریفات کے

باوجود تورات اور انجیل میں رجم کا حکم آج بھی موجود ہے اور یہ قرآن مجید کا معجزہ اور اس کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

رجم کی منسوخ التلاوت آیت

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

عن زر بن حبیش قال قال لی ابی بن کعب رضی الله عنه کاین تعد او کاین تقرء سورة الاحزاب قلت ثلث وسبعین آیة قال اقط لقد رایتها وانها لتعدل سورة البقرة وان فیها الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم○ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱)

زر بن حبیش کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سورہ احزاب میں کتنی آیات شمار کرتے ہو؟ میں نے کہا: تہتر (۷۳) آیتیں! حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس یہی؟ حالانکہ ہم دیکھتے تھے کہ یہ سورہ، سورۃ البقرہ کے برابر تھی اور اس میں یہ آیت تھی (ترجمہ) جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کردو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے○

''سورۂ احزاب ابتداءً سورۃ البقرہ کے برابر تھی''، اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں اس کی بعض آیات کی تلاوت کو منسوخ کردیا گیا، قرآن مجید میں ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ:۱۰۶)

جس آیت کو ہم منسوخ کردیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں ان سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

جیسا کہ آیت رجم کو منسوخ کردیا گیا، بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں قرآن مجید کی آیات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام تفسیر بھی لکھ لیتے تھے جس کو بعد میں حذف کردیا۔

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

کثیر بن صلت کہتے ہیں کہ ہم مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے، حضرت زید نے کہا: یہ آیت ہم پڑھتے تھے: جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو، مروان نے کہا: ہم اس آیت کو قرآن مجید میں کیوں نہ داخل کردیں؟ حضرت زید نے فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ شادی شدہ جوان آدمیوں کو بھی رجم کیا جاتا ہے۔ حضرت زید نے کہا کہ صحابہ اس پر بحث کررہے تھے اور اس وقت ہم میں حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے۔ انہوں نے کہا: اس مسئلہ میں، میں تمہاری تسلی کروں گا اور کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں گا اور جب آپ رجم کا ذکر کریں گے تو میں کہوں گا: یارسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے، حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا، جب آپ نے آیت رجم کا ذکر کیا تو میں نے کہا: یارسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے، آپ نے فرمایا: مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ آیت رجم کا حکم ثابت ہے اور اس کی تلاوت منسوخ ہے اور میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱، ملتان)

امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے رجم کا انکار کیا اس نے قرآن کا انکار کیا، حالانکہ اس کو گمان بھی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے رسول آ چکے ہیں اور وہ ان بہت سی باتوں کو بیان کرتے ہیں جن کو تم چھپاتے تھے'' اور رجم کو بھی یہود چھپاتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو بیان نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۳۵۹، مکہ مکرمہ)

کثیر بن صلت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما قرآن مجید کے نسخے لکھ رہے تھے، جب اس آیت پر پہنچے تو حضرت زید نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے کہ جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو۔ حضرت عمرو نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر عرض کیا: اس آیت کو لکھ دیجئے تو آپ نے اس بات کو ناپسند کیا، حضرت عمرو نے کہا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں اور رجم بھی کیا جاتا ہے، اور جب غیر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو صرف کوڑے لگائے جاتے ہیں اور جب شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کو رجم کیا جاتا ہے، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۳۶۰، مکہ مکرمہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد طرق اور اسانید سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کے منسوخ التلاوت ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے، بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:

بما قضیا من اللذۃ۔ انہوں نے جو لذت حاصل کی ہے (اس وجہ سے رجم کرو)

نیز اس آیت کے الفاظ کے عموم پر عمل نہیں ہوتا کیونکہ مطلقاً بوڑھے شخص کو رجم نہیں کیا جاتا بلکہ اس بوڑھے شخص کو رجم کیا جاتا ہے جو شادی شدہ ہو اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۴۳، لاہور)

اس آیت کے منسوخ التلاوت ہونے پر ایک دفعہ ایک فاضل شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ حدیث میں ہے:

کلامی لا ینسخ کلام اللہ۔ (مشکوۃ ص ۳۲) میرا کلام، کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرتا۔

پھر حدیث سے یہ آیت کیسے منسوخ ہو گئی؟ میں نے اس کے جواب میں کہا: کلام اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کے الفاظ منضبط ہیں اور وہ الفاظ تواتر سے ثابت ہیں اور اس آیت کے الفاظ غیر منضبط ہیں اور ان الفاظ کا ثبوت تواتر سے نہیں ہے، اس لیے یہ الفاظ قرآن مجید نہیں ہیں، لہٰذا ان کے منسوخ التلاوت ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

آیت رجم کی بحث

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا: لوگو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کا کہنا میرے لیے مقدر کر دیا گیا ہے، میں نہیں جانتا شاید میری موت میرے سامنے ہو، جو شخص میری بات کو سمجھ کر اسے یاد رکھے، اسے چاہیے کہ جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہو وہاں تک میری بات لوگوں کو بتا دے اور جسے خوف ہو کہ اس بات کو نہ سمجھ سکے گا تو میں اسے اپنے اوپر

جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا، وہ بات یہ ہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اوران پر کتاب نازل فرمائی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی تھی، ہم نے وہ آیت پڑھی اوراسے سمجھا اوراسے یاد رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور حضور کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے خوف ہے کہ طویل زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہہ دے کہ خدا کی قسم! اللہ کی کتاب میں ہم رجم کی آیت نہیں پاتے تو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں۔ اللہ کی کتاب میں رجم برحق ہے، ہراس آزاد مرد اور عورت پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا، بشرطیکہ شرعی گواہ قائم ہو جائیں یا (عورت کا) حمل ظاہر ہو جائے یا اقرار ہو۔ (بخاری شریف جلد ثانی ص ۱۰۰۹، صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵، مؤطا امام مالک ص ۶۸۵)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کی آیت الزانیۃ والزانی میں سو کوڑوں کی سزا کا ذکر آزاد غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے ہی ہے اور رجم کی سزا کا تعلق غیر شادی شدہ سے نہیں بلکہ وہ شادی شدہ کیلئے مخصوص ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ غیر شادی شدہ کی سزا قرآن پاک کے الفاظ میں صراحتاً مذکور ہے اور شادی شدہ کی سزا صراحتاً حدیث اور سنت نبوی میں وارد ہے اور ہم بارہا بتا چکے ہیں کہ وہ احادیث جن میں رجم کی سزا مذکور ہے وہ متواتر المعنی ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہیں، جس طرح قرآن کی آیات وحی الٰہی ہیں اسی طرح سنت اور حدیث نبوی بھی وحی الٰہی ہے اور اسی بناء پر اس کا دلیل شرعی ہونا ہم قرآن مجید سے ثابت کر چکے ہیں، جو چیز قرآن سے ثابت ہو، اس سے جس حکم کا ثبوت ہو جائے وہ عین قرآن کے مطابق ہے، اسے خلافِ قرآن کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

دیکھیے قبلہ اولیٰ کے قبلہ ہونے کا حکم قرآن میں وارد نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح پانچ نمازیں، ان کی تعداد رکعات اورادا کرنے کی ترتیب مثلاً نماز میں رکوع، سجود، قیام اور قعود اوران سب ارکان کی ترتیب سب سنت نبوی سے ثابت ہے، اگر سنت اور حدیث کو نظر انداز کر کے صرف اقیموا الصلوٰۃ اور اٰتوا الزکوٰۃ کو سامنے رکھ لیا جائے تو نہ اقامت صلوٰۃ کے حکم پر عمل ہو سکتا ہے نہ ہی ایتاء زکوٰۃ کے فریضہ سے سبکدوش ہونا ممکن ہے، اس لیے سنت اور حدیث کو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا تاکہ قرآن کے معنی سمجھ میں آجائیں اور مرادِ الٰہی کے مطابق احکامِ قرآنیہ پر عمل کرنا ممکن ہو۔

آیت رجم کا نزول اوراس کا منسوخ التلاوۃ ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے، اس کے باوجود ہم نزول الفاظ اور نسخِ تلاوت کے قطعی اور متواتر ہونے کا قول نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ رجم کے معنی تواتر اور قطعیت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ۔ اور وہ کیسے آپ کو منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے! (المائدہ: ۴۳)

(مقالات کاظمی ج ۳ ص ۳۹۹-۴۰۰ مکتبہ فریدیہ ساہیوال، ۱۴۰۷ھ)

رجم کی احادیثِ متواترہ

رجم کی صحیح مرفوع متصل احادیث ترپن (۵۳) صحابہ سے مروی ہیں جن کو مسلم اور مستند جلیل القدر محدثین نے اپنی تصانیف

میں متعدد اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ان کے علاوہ ثقہ تابعین کی چودہ (۱۴) مرسل روایات ہیں، چودہ (۱۴) آثار صحابہ اور پانچ (۵) فتاویٰ تابعین ہیں جن کو کبار محدثین نے اسانید کثیرہ کے ساتھ اپنی مصنفات میں درج کیا ہے، یہ کل چھیاسی (۸۶) احادیث ہیں۔ ہم نے جن اعداد وشمار کا ذکر کیا ہے، یہ ان کتب احادیث سے حاصل کیے گئے ہیں جو ہمارے پاس موجود اور دستیاب ہیں۔ان کے علاوہ بے شمار کتب احادیث ہیں جو ہماری دسترس سے باہر ہیں، اس لیے حتمی اور قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ رجم کے سلسلہ میں کتنی احادیث مرفوعہ، مرسلہ، آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین موجود ہیں۔ بہر حال ہم نے جو اعداد وشمار تتبع اور تلاش سے حاصل کیے ہیں ان کی بناء پر یہ اطمینان اور یقین ہو جاتا ہے کہ رجم کا ثبوت جن احادیث سے ہے وہ معناً متواتر ہیں اور اس عدد سے اس بات پر شرح صدر ہو جاتا ہے کہ یہ احادیث اس قوت میں ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی وضاحت کی جاسکتی ہے اور ان احادیث متواترہ کی بناء پر یہ قول صحیح اور برحق ہے کہ قرآن مجید میں جس زانیہ اور زانی کی سزا سو کوڑے مارنا بیان کی ہے اس سے آزاد اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) زانی اور زانیہ مراد ہیں، رہے آزاد اور محصن (شادی شدہ) زانیہ اور زانی تو ان کی حد رجم کرنا ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

منکرین رجم یہ شبہ وارد کرتے ہیں کہ سنت سے قرآن مجید کے عموم قطعی کی تخصیص کیسے کی جاسکتی ہے؟اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ الزانیۃ والزانی میں عموم قطعی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں باندیوں کے زنا کی سزا کے متعلق ہے:

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ یعنی باندیوں کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہے

(النساء:۲۵)

یعنی باندیوں کی سزا پچاس کوڑے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آیت نور میں جو زانیوں کی سزا سو کوڑے بیان کی گئی ہے اس سے ہر زانی اور زانیہ مراد نہیں ہے بلکہ آزاد زانیہ اور زانی مراد ہے کیونکہ باندیوں کی سزا سورۂ نساء میں اس کی نصف بیان کی گئی ہے اور جب اس آیت میں خود قرآن مجید سے تخصیص ہوگئی تو اس کا عموم قطعی نہ رہا اور یہ ہر زانیہ اور زانی کو شامل نہیں ہے، اس لیے اگر سنت متواترہ سے اس میں تخصیص کی جائے اور اس بناء پر اس کو غیر شادی شدہ زانیوں کے ساتھ مختص قرار دیا جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے!

رہے آزاد اور شادی شدہ زانی تو ان کی سزا رجم ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

ہم نے شرح صحیح مسلم میں رجم کی ۵۳ احادیث مرفوع بیان کی ہیں، ۱۴ مرسل روایات بیان کی ہیں، ۱۴ آثار صحابہ اور ۵ فتاویٰ تابعین کا ذکر کیا ہے۔(شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۰۴-۸۱۶)

حد زنا کے دیگر مباحث شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۱۶-۸۴۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مؤمنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا O (النور:۳)

زانیہ کے لیے صرف زانی سے نکاح کی اجازت کی احادیث

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ام مہزول نامی ایک عورت سے نکاح کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، وہ عورت زنا کرتی تھی اور اس پر اجرت لیتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے

سامنے یہ آیت پڑھی: وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ (النور: ۳)

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۴۸۰، ۷۰۹۹، ۷۰۱۰، شیخ احمد محمد شاکر نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس کے راویوں کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ حاشیہ مسند احمد ج ٦ ص ۳-۳۴-۵، دارالحدیث قاہرہ، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۸۱۹، حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۴۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۵۳، المستدرک ج ۲ ص ۳۹٦)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مرثد بن ابی مرثد ایک ایسا شخص تھا جو مکہ سے قیدیوں کو لا کر انہیں مدینہ پہنچاتا تھا، مکہ میں ایک زانیہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا، وہ مرثد کی دوست تھی، اس نے مکہ کے کسی قیدی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو مدینہ پہنچائے گا، اس نے کہا میں مکہ گیا حتیٰ کہ ایک چاندنی رات میں، میں مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے سائے میں پہنچا، پس عناق آ گئی۔ میں نے دیوار کے ساتھ کسی شخص کا سایا دیکھا تھا، میں جب وہاں پہنچا تو میں نے اس کو پہچان لیا، اس نے کہا: مرثد ہے؟ میں نے کہا: مرثد ہوں، اس نے کہا: خوش آمدید، میرے پاس آؤ، میں اس رات اس کے پاس ٹھہرا۔ میں نے اس سے کہا: اے عناق! اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے، اس عورت نے (مکہ کے لوگوں سے) کہا: اے خیمے والو! یہ شخص تمہارے قیدیوں کو چھڑا کر لے جاتا ہے، سو آٹھ آدمیوں نے میرا پیچھا کیا، میں الخندمہ (مکہ کا ایک پہاڑ) کی طرف گیا اور کسی غار میں گھس گیا، وہ غار کے سر پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے وہاں پیشاب کیا اور ان کا پیشاب میرے سر پر پڑا، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھ سے اندھا کر دیا، میں اپنے اس (قیدی) ساتھی کے پاس پلٹا، وہ بہت بھاری جسم کا تھا حتیٰ کہ میں اذخر گھاس کے پاس پہنچا اور میں نے اس کی بیڑیاں کھولیں، پھر میں اس کو اٹھا کر لے گیا اور وہ بھی میری مدد کرتا رہا، حتیٰ کہ میں اسے لے کر مدینہ پہنچ گیا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟ میں نے یہ سوال دو مرتبہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مؤمنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا O (النور: ۳)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۸، المستدرک ج ۲ ص ۱٦٦، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۵۳)

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کی توجیہات

سورۃ النور: ۳ اور مذکور الصدر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان مرد زانیہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان عورت زانی مرد سے نکاح نہیں کر سکتی، اس مسئلہ میں فقہاء کے مسالک حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ ممانعت عام نہیں ہے بلکہ ام مہزول اور عناق کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ ابھی احادیث کے حوالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۲) ابو صالح نے کہا: یہ ممانعت اہل الصفہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا: یہ ممانعت ہر زانی اور ہر زانیہ کے لیے عام نہیں ہے بلکہ اس زانی اور زانیہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو حد میں کوڑے لگ چکے ہوں: اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زانی کو کوڑے مارے جا چکے ہوں، وہ صرف

اپنی مثل کے ساتھ نکاح کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۲، المستدرک ج ۲ ص ۲۶۶، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۶۹۷)

(۴) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اکثر اور غالب زنا کرنے والے اپنی مثل زانیہ سے ہی نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔ کرخی نے کہا ہے کہ فاسق خبیث جو زنا کرتا ہے وہ کسی نیک خاتون سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتا، وہ اپنی مثل فاسقہ یا مشرکہ سے نکاح کرنے کو پسند کرتا ہے، اسی طرح فاسقہ خبیثہ عورت کسی نیک باشرع اور متقی مرد سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتی بلکہ اس سے متنفر ہوتی ہے (جیسا کہ اس دور میں آزاد اور فیشن ایبل الٹرا ماڈرن لڑکیاں کسی نمازی ڈاڑھی رکھنے والے شخص سے نکاح کرنے سے نفرت کرتی ہیں) بلکہ وہ اپنے جیسے فاسق (آزاد فیشن زدہ) مرد سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہیں اور یہ حکم عام، اکثر اور غالب افراد کے اعتبار سے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نیک کام تو صرف پرہیز گار لوگ کرتے ہیں حالانکہ بعض اوقات فاسق لوگ بھی نیک کام کر لیتے ہیں، اسی طرح اس آیت کا محمل یہ ہے کہ زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت صرف اپنے جیسے شخص سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کا منسوخ ہونا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

سورۃ النور: ۳، سورۃ النور: ۳۲ سے منسوخ ہے اور منسوخ کرنے والی آیت یہ ہے:

وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَ الصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَ اِمَآئِکُمۡ ؕ (النور: ۳۲) تم میں سے جو مرد اور عورت بے نکاح ہوں، ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا بھی۔

اس آیت میں مطلقاً بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں اور جن سے ان کا نکاح کیا جائے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں۔

ابوجعفر النحاس نے کہا: یہ اکثر فقہاء اور اہل فتویٰ کا قول ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہو اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے علاوہ دوسرے شخص کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عمر، سالم، جابر بن زید، طاؤس، عطا، امام مالک بن انس اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی نے کہا: سعید بن المسیب کا قول صحیح ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا اور دونوں کو سو سو کوڑے مارے، پھر ان کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کر دیا اور ان کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا۔ حضرت عمر، ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا اول زنا ہے اور اس کا آخر نکاح ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے باغ سے پھل چوری کرے، پھر اس کے مالک سے اس باغ کے پھل خرید لے، اس نے جو چوری کی تھی وہ حرام ہے اور جو مال خریدا ہے وہ حلال ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اسی اثر سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۱۵۶-۱۵۷، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم

ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں O سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں۔ تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد مہربان ہے O (النور: ۴-۵)

قذف کا لغوی معنی

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ قذف کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف بالحجارۃ کا معنی ہے: پتھر پھینکنا، اور قذف المحصنہ کا معنی ہے پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا اور یہ مجاز ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ قذف کا معنی ہے: گالی دینا اور حدیث میں ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک کے ساتھ تہمت لگائی، اصل میں قذف کا معنی ہے: پھینکنا، پھر یہ لفظ گالی دینے اور زنا کی تہمت میں استعمال ہوا۔ (تاج العروس ج ۶ ص ۲۱۷، مصر)

قذف کا شرعی معنی

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ قذف کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف کا شرعی معنی ہے: کسی محصن (مسلمان پاک دامن) کو زنا کی تہمت لگانا اور فتح القدیر میں ہے: اس پر اجماع ہے کہ حد کا تعلق اس کے ساتھ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ''جو لوگ محصنات (مسلمان اور پاک دامن) عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور پھر اس پر چار مرد گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو'' اسی آیت میں لفظ رمی سے زنا کی تہمت مراد ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو دیگر گناہوں کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف واجب نہیں ہوگی بلکہ تعزیر واجب ہوگی اور اس آیت میں جو چار گواہ نہ لانے کی شرط لگائی ہے، اس سے زنا کی تہمت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ صرف زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ ہر چند کہ اس آیت میں محصنات کا لفظ ہے جو مؤنث کا صیغہ ہے لیکن یہ حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ صرف عورت کو زنا کی تہمت لگانے سے حد قذف واجب ہوتی ہے بلکہ مسلمان اور پاک دامن عورت یا مرد جس کو بھی زنا کی تہمت لگائی گئی اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائے جا سکیں تو تہمت لگانے والے پر حد قذف واجب ہوگی۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۹-۳۰، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھ)

قرآن مجید کی روشنی میں قذف کا حکم

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ (النور: ۴)

اور جو لوگ مسلمان پاک دامن عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں، پھر چار مرد گواہ نہ لائیں ان کو اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کو کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں O

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۙ (النور: ۲۳)

بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر، مسلمان عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے O

احادیث کی روشنی میں قذف کا حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس شخص کے قتل کو حق کے سوا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ موڑنا اور پاک دامن مسلمان بے خبر عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۷۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۶۱)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میری براءت نازل ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کی اور منبر سے اترنے کے بعد آپ نے دو مردوں اور ایک عورت پر حد لگانے کا حکم دیا، سو ان کو حد لگائی گئی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۶۷)

عن محمد بن اسحاق بهذا الحديث قال فامر برجلين وامرأة ممن تكلم بالفاحشة حسان بن ثابت ومسطح بن اثاثه قال النفيلي ويقولون والمرأة حمنة بنت جحش۔

محمد بن اسحاق نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور کہا: جن دو مردوں اور ایک عورت نے تہمت لگائی تھی آپ نے ان کو حد قذف لگانے کا حکم دیا، حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ اور عورت حمنہ بنت جحش تھیں۔ (رضی اللہ عنہم)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۵)

احصان کی شرائط میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی مکلف شخص محصن کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف واجب ہوتی ہے اور احصان کی پانچ شرائط ہیں:

(۱) عقل (۲) حریت (۳) اسلام (۴) زنا سے پاک دامن ہونا (۵) وہ شخص اتنا بڑا ہو کہ جماع کر سکتا ہو یا اس سے جماع کیا جا سکتا ہو۔

تمام متقدمین اور متاخرین علماء نے احصان میں ان شرائط کا اعتبار کیا ہے، البتہ داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ غلام کو تہمت لگانے سے بھی حد واجب ہوگی۔ امام احمد سے بلوغ کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ شرط ہے، امام شافعی، ابوثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے کیونکہ بلوغ مکلف ہونے کی ایک شرط ہے اس لیے عقل کے مشابہ ہے اور اس لیے کہ بچہ کے زنا سے حد واجب نہیں ہوتی اس لیے اگر بچہ کسی کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد بھی نہیں ہونی چاہیے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بلوغ کی شرط نہیں ہے کیونکہ وہ آزاد، صاحب عقل اور پاک دامن ہے اور اس تہمت سے اس کو عار لاحق ہوتا ہے اور اس قول کا صدق ممکن ہے اس لیے وہ بڑے شخص کے مشابہ ہے، یہ امام مالک اور اسحاق کا قول ہے، اس روایت کی بناء پر اس کو کم از کم اتنا بڑا ہونا چاہیے جو جماع کر سکتا ہو اور لڑکا کم از کم دس سال کا اور لڑکی نو سال کی ہو۔ (المغنی مع شرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۹۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ)

احصان کی شرائط میں مذہب احناف

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

احصان یہ ہے کہ جس شخص کو تہمت لگائی گئی ہے وہ (۱) آزاد (۲) عاقل (۳) بالغ (۴) مسلمان اور (۵) زنا کے فعل سے پاک دامن ہو۔ آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ قرآن مجید میں آزاد پر احصان کا اطلاق ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ ان لونڈیوں کی سزا آزاد عورتوں کی نصف ہے۔

(النساء:۲۵)

اور عقل و بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ اور مجنون کو زنا کی تہمت سے عار لاحق نہیں ہوتا کیونکہ ان سے فعل زنا کا تحقق نہیں ہوتا اور اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اشرك بالله فليس بمحصن۔ (سنن دارقطنی) جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہے۔

اور زنا سے پاک دامن ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ جو پاک دامن نہ ہو اس کو عار لاحق نہیں ہوگا اور تہمت لگانے والا اس تہمت میں سچا ہوگا۔

کوڑے مارنے کے احکام

علامہ المرغینانی لکھتے ہیں: امام کو ایسے کوڑے کے ساتھ مارنے کا حکم دینا چاہیے جس میں گرہ یا پھل نہ ہوں (یعنی درخت کی ایسی شاخ سے مارا جائے جس میں گرہ نہ ہو اور نہ پھل ہوں) اور متوسط ضرب کے ساتھ مارنا چاہیے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوڑے مارنے لگے تو انہوں نے درخت کی شاخ سے پھل کاٹ دیے، اور متوسط ضرب وہ ہوتی ہے کہ نہ تو اس سے چوٹ کا نشان پڑے اور نہ ایسی ضرب ہو جس سے بالکل تکلیف نہ ہو، کیونکہ پہلی صورت میں ہلاکت کا خدشہ ہے اور دوسری صورت میں کوڑے لگانے کا مقصد فوت ہو جائے گا، مجرم جس کے کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اتار لیے جائیں اور صرف چادر (تہبند) باقی رہے اور اس کے جسم کے متفرق اعضاء پر کوڑے مارے جائیں کیونکہ ایک جگہ کوڑے مارنے سے اس کی ہلاکت کا خدشہ ہے اور اس کے سر، چہرہ اور شرمگاہ پر کوڑے نہ مارے جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد لگانے والے سے فرمایا: مردوں کو کھڑا کر کے کوڑے ماریں، کوڑے مارتے وقت کوڑے مارنے والا کوڑے کو اپنے سر سے اوپر نہ اٹھائے۔ کوڑے مارے جانے میں مرد اور عورت کے مساوی احکام ہیں۔ البتہ عورت کے صرف فالتو کپڑے اتارے جائیں گے سارے کپڑے اتار کر یا صرف تہبند میں حد نہیں لگائی جائے گی اور اس کو بٹھا کر حد لگائی جائے گی۔ (ہدایہ اولین ۴۸۹-۴۹۰، ملتان)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ کوڑے مارنے کے لیے درخت کی ایسی شاخ لی جائے جس میں کوئی گرہ ہو نہ کوئی پھل ہو، نہ وہ سوکھی ہوئی خشک شاخ ہو، اگر وہ خشک شاخ ہو تو اس کو چھیل کر نرم کر لیا جائے، کیونکہ امام ابن شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم کیا جاتا تھا کہ درخت کی شاخ سے پھل کاٹ لیے جائیں، پھر اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کے کوٹ کر نرم کیا جائے، پھر اس سے کوڑے لگائے جاتے۔ علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ ایسی شاخ سے ضرب نہ لگائی جائے جس کی کوئی جانب خشک اور سوکھی ہوئی ہو کیونکہ اس سے زخم لگے گا یا نشان پڑ جائے گا اور

نہ اس شاخ میں کوئی گرہ یا پھل ہو، کیونکہ امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے لائق حد جرم کیا ہے مجھ پر حد جاری کیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑا منگوایا تو ایک سخت ٹہنی لائی گئی جس میں پھل تھے، آپ نے فرمایا: اس سے کم لاؤ، پھر ایک نرم شاخ لائی گئی، آپ نے فرمایا اس سے کچھ زیادہ لاؤ، پھر ایک درمیانی شاخ لائی گئی، آپ نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے، پھر آپ نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ متوسط شاخ سے کوڑے لگائے جائیں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۱۵-۱۶، سکھر)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان اور پاک دامن مرد یا عورت پر کسی مکلف نے زنا کی تہمت لگائی اور اس پر چار گواہ نہیں پیش کیے تو اس پر اسی (۸۰) کوڑے حد لازم ہوگی۔

جس پر حد قذف لگ چکی ہو اس کی شہادت قبول کرنے میں اختلاف فقہاء

جو شخص کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے، پھر اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکے اس کے متعلق تین حکم بیان فرمائے: ایک یہ کہ اس کو اسی (۸۰) کوڑے مارو، دوسرا یہ کہ ان کی شہادت کو کبھی قبول نہ کرو اور تیسرا یہ کہ وہی فاسق ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا تعلق کوڑے مارنے کی سزا کے ساتھ نہیں ہے یعنی اگر کسی شخص نے تہمت لگانے کے بعد اس تہمت سے رجوع کر لیا اور یہ کہا کہ میں نے جھوٹ بولا تھا تو اس کو پھر بھی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے۔ البتہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس توبہ کے بعد اس کی شہادت قبول کی جائے گی یا نہیں۔ قاضی شریح، ابراہیم نخعی، حسن بصری، سفیان ثوری اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی توبہ اب بھی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی شہادت کو کبھی قبول نہ کرو اور اس سے استثناء کا تعلق فسق سے ہے، یعنی توبہ کرنے کے بعد وہ فاسق نہیں ہیں۔

اور ائمہ ثلاثہ نے یہ کہا ہے کہ اس استثناء کا تعلق توبہ قبول نہ کرنے کے ساتھ ہے یعنی تہمت لگانے کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو پھر اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۱۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ائمہ ثلاثہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ صحیح بخاری میں ہے:

حضرت ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع نے حضرت مغیرہ بن شعبہ پر زنا کی تہمت لگائی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کو اسی، اسی (۸۰،۸۰) کوڑے مارے کیونکہ یہ چار گواہ نہیں پیش کر سکے تھے۔ پھر فرمایا کہ جو ان میں سے توبہ کرے گا اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ شبل اور نافع نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے قول پر قائم ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الشہادات)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرہ، نافع اور شبل نے حضرت مغیرہ کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیاد بن ابو سفیان نے ان کی شہادت کے خلاف شہادت دی، حضرت عمر نے ان تینوں کو کوڑے مارے اور فرمایا: تم میں سے جس نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ حضرت ابوبکرہ نے اپنی شہادت سے رجوع کرنے سے انکار کر دیا۔ ان چاروں نے حضرت مغیرہ کو الرقطاء ام جمیل بنت عمرو الہلالیہ کے پیٹ کے اوپر دیکھا، انہوں نے جا کر حضرت عمر سے

شکایت کی، حضرت عمر نے حضرت مغیرہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ کو بصرہ کا گورنر بنا دیا، اور حضرت مغیرہ کو حاضر کیا گیا، اول الذکر تینوں نے ان کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیاد بن ابوسفیان نے قطعی شہادت نہیں دی اور کہا: میں نے بہت قبیح منظر دیکھا تھا اور میں نہیں جانتا کہ انہوں نے یہ فعل کیا تھا یا نہیں، تب حضرت عمر نے ان تینوں پر حد قذف جاری کی۔ حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے کہ زیاد نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو ایک لحاف میں دیکھا، میں نے ان کا زور زور سے سانس سنا اور اس کے بعد کیا ہوا اس کا مجھے پتہ نہیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۵۳-۸۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ) (تبیان القرآن ج ۸ ص ۴۳-۴۴، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۲۵ھ)

۳۱- بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ

نبی ﷺ کا ارشاد: اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے سنگسار کرتا

۵۳۱۰- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ ذُكِرَ التَّلَاعُنُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَدِيٍّ فِي ذَلِكَ قَوْلًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ يَشْكُو إِلَيْهِ أَنَّهُ قَدْ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَقَالَ عَاصِمٌ مَا ابْتُلِيتُ بِهَذَا الْأَمْرِ إِلَّا لِقَوْلِي فَذَهَبَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي وَجَدَ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ وَكَانَ ذَلِكَ الرَّجُلُ مُصْفَرًّا قَلِيلَ اللَّحْمِ سَبْطَ الشَّعَرِ وَكَانَ الَّذِي ادَّعَى عَلَيْهِ أَنَّهُ وَجَدَهُ عِنْدَ أَهْلِهِ خَدْلًا آدَمَ كَثِيرَ اللَّحْمِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اللَّهُمَّ بَيِّنْ فَجَاءَتْ شَبِيهًا بِالرَّجُلِ الَّذِي ذَكَرَ زَوْجُهَا أَنَّهُ وَجَدَهُ فَلَاعَنَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمَا قَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْمَجْلِسِ هِيَ الَّتِي قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ رَجَمْتُ أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ رَجَمْتُ هَذِهِ فَقَالَ لَا تِلْكَ امْرَأَةٌ كَانَتْ تُظْهِرُ فِي الْإِسْلَامِ السُّوءَ قَالَ أَبُو صَالِحٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ آدَمَ خَدِلًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، از یحییٰ بن سعید از عبدالرحمٰن بن القاسم از القاسم بن محمد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے لعان کرایا، تو عاصم بن عدی نے اس کے متعلق کوئی بات کہی، پھر وہ واپس چلے گئے، تو ان کی قوم سے ایک مرد آیا اور اس نے یہ شکایت کی کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پایا، تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس معاملے میں صرف اپنی بات کی وجہ سے مبتلا ہوا ہوں، پھر وہ اس مرد کو نبی ﷺ کے پاس لے گئے اور آپ کو بتایا کہ اس مرد نے اپنی بیوی کے پاس ایک مرد کو پایا، اور وہ مرد زرد رو تھا، اس کے جسم پر گوشت کم تھا، اس کے بال سیدھے تھے، اور وہ مرد جس کے خلاف یہ دعویٰ کیا تھا کہ اسے اپنی بیوی کے ساتھ دیکھا ہے وہ موٹی پنڈلیوں والا، گندم گوں اور پُر گوشت تھا تو نبی ﷺ نے (اللہ کے حضور) عرض کیا: اے اللہ! اس کا فیصلہ فرما دے، پھر اس مرد کی بیوی کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو اس مرد کے مشابہ تھا، جس کے متعلق اس کے خاوند نے کہا کہ اس نے اس مرد کو اپنی بیوی کے پاس پایا، تو نبی ﷺ نے ان کے درمیان لعان کرایا، یعنی انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرد نے اس مجلس میں

پوچھا گیا: یہ وہی عورت ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر میں بغیر کسی گواہ کے کسی کو رجم کرتا یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتا تو میں اس عورت کو رجم کر دیتا؟ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہیں، یہ وہ عورت تھی جس نے اسلام کا اظہار کیا اور مسلمان ہونے کے بعد برے کام کرتی تھی، ابو صالح اور عبداللہ بن یوسف نے کہا: آدم خدلا، یعنی وہ گندمی چہرے والا موٹی پنڈلیوں والا شخص تھا۔

(صحیح بخاری: ۵۳۱۶، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۷۲۳۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۷، نسائی: ۳۴۷۰، ابن ماجہ: ۲۵۶۰، احمد: ۲۰۹۶)

بغیر گواہی اور ثبوت کے کسی کو رجم کرنے کا عدم جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المھلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے بیان کیا: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کبھی انسان اپنی بات کی وجہ سے کسی آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے، کیونکہ حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے تو وہ طیش میں آ کر اس کو تلوار سے قتل کر دے گا، حتیٰ کہ پھر اس کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عُویمر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت عاصم بن عدی کی قوم کے ایک مرد تھے، اس معاملہ میں مبتلا کر دیا تاکہ اللہ تعالیٰ دکھائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں کس طرح فیصلہ کرتے ہیں اور تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کے خون پر دوسرے کو محض اس کے دعویٰ سے مسلط نہیں کیا جاتا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہوتا ہے تاکہ زمانہ جاہلیت کی رسم منقطع ہو جائے۔

رہا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے سنگسار کرتا'' تو آپ کا یہ ارشاد اس عورت کے متعلق تھا جو برے کام کرتی تھی، یعنی اگر میں اللہ تعالیٰ کے حق سے اور اس کے حکم سے تجاوز کرتا اور بغیر دلیل کے کسی کو رجم کر دیتا تو میں اس عورت کو رجم کر دیتا، کیونکہ اس کے خلاف دلائل قائم ہو چکے ہیں لیکن کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح کی ہے کہ اس کی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ اس کے بندوں کے جرائم پر ستر کیا جائے اور ان کی پردہ پوشی کی جائے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اس معاملہ کا فیصلہ فرما دے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی حرص تھی کہ آپ کو بھی کسی مسئلہ کے باطن اور مخفی امر کا علم ہو جائے جس سے آپ حقیقتِ حال کے اوپر واقف ہو جائیں، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم یہ دیا ہے کہ آپ ظاہر کے مطابق فیصلہ فرمائیں، اور تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ شریعت رہی ہے کہ وہ ظاہر دلائل کی بناء پر فیصلہ کرتے ہیں تاکہ ان انبیاء علیہم السلام کے بعد یہ سنت قائم ہو جائے کہ ان کی امت تو وحی پر مطلع نہیں ہو سکتی جس سے ان کو بواطنِ امور پر اطلاع ہو جائے۔

''خدل'' کا لغوی معنی

علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس حدیث میں ''خدل'' کا لفظ ہے اور خدل کا معنی ہے: جس کی موٹی موٹی پنڈلیاں ہوں اور یہ پتلی پنڈلیوں والے کی ضد ہے، کہا جاتا ہے: ''رجل همش الساقين'' جب کسی شخص کی پنڈلیاں پتلی ہوں، اور خدل کہا جاتا ہے: جب کسی شخص کی پنڈلیاں موٹی ہوں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا باطنی امور پر مطلع ہونے کے لیے حریص ہونا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: ''اللهم بين''، یعنی اے اللہ! تو اس مخفی معاملے کو مجھ پر منکشف فرمادے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی انسان اپنے قول کی وجہ سے کسی آزمائش کی وجہ سے مبتلا ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہا کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے اور طیش میں آ کر اس کو قتل کر دے، تو وہ اپنے اس قول کی وجہ سے اپنی قوم کے ایک مرد یعنی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں مبتلا ہو گئے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو دکھائے کہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کیا حکم فرماتا ہے اور تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ محض کسی کے دعوے کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور کسی کو قتل کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے جائز ہوتا ہے تاکہ زمانہ جاہلیت کی رسم کا خاتمہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے کا عدم جواز

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے: ''اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے رجم کر دیتا''۔

یہ آپ نے اس عورت کے متعلق فرمایا جو علی الاعلان برے کام کرتی تھی، یعنی اگر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کرتا اور اس عورت کو رجم کر دیتا کیونکہ اس عورت کے فسق کے اوپر دلائل قائم تھے لیکن کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر گواہ اور ثبوت کے کسی کو رجم کرے اور سنگسار کرے اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے۔ اور رب جل جلالہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ بندوں کے جرائم کی پردہ پوشی کی جائے۔

باطنی امور پر مطلع ہونے کی حرص

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: ''اللهم بين'' اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو یہ حرص تھی کہ آپ کو کسی مسئلہ کے باطن پر مطلع کیا جائے تاکہ آپ اس کی حقیقت سے واقف ہو جائیں، اگرچہ آپ کی محکم شریعت یہ ہے کہ ظاہر کی بناء پر فیصلہ کیا جائے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی یہی شریعت ہے کہ وہ ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، تاکہ ان انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کی امتوں میں یہ سنت ہو جائے، کہ وہ بھی ظاہر کے مطابق فیصلہ کریں کیونکہ امتیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحی پر مطلع ہونے پر کوئی سبیل اور کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ بواطن امور کو جان سکیں۔

حدیث مذکور میں بعض مشکل الفاظ کے لغوی معانی

''الخدل'' (خا پر زبر ہے اور دال پر جزم)، اس کا معنی ہے: جس کی پنڈلیاں بہت بھری بھری اور موٹی ہوں۔ اور یہ

انہوں نے نبی ﷺ سے اس چیز کے متعلق سوال کیا جو حضرت عُویمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ آپ نبی ﷺ سے اس کے متعلق حکم معلوم کریں، اور میں نے اس کو صرف اس لیے وثوق سے کہا ہے کہ مجھ پر یہ منکشف ہوگیا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے القاسم بن محمد سے جو روایت کی ہے وہ قصۂ واحدہ ہے، اس کے برخلاف جو عکرمہ البربری التوفی ۱۰۵ ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے، وہ ایک دوسرا قصہ ہے جیسا کہ سورۂ نور کی تفسیر میں اس کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، حافظ ابن عبدالبر مالکی التوفی ۴۶۳ ھ نے بیان کیا ہے کہ قاسم بن محمد نے لعان کا قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی روایت کی ہے، اور اس میں یہ تغیر کردیا کہ لعان کرنے والے حضرت عُویمر رضی اللہ عنہ ہیں اور میں نے سورۂ نور میں اس کی توجیہ ذکر کردی ہے۔ اس بناء پر حضرت عاصم کا جو مبہم قول قاسم بن محمد کی روایت میں ہے وہ یہ ہے کہ'' آپ یہ بتائیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے تو کیا وہ اس کو قتل کردے، تو آپ اس کو قصاص میں قتل کردیں گے؟''۔ اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان دونوں قصوں کی معاً روایت کی ہے اور ان احادیث کے تعدد کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ان حدیثوں کا سیاق مختلف ہے، اور ایک حدیث میں اس چیز کا ذکر نہیں ہے جو دوسری حدیث میں ہے۔

مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کے معانی

''پس حضرت عاصم بن عدی کی قوم میں سے ایک مرد آیا'': وہ حضرت عُویمر العجلانی رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور اس مرد کی تفسیر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت عاصم بن عدی کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے، کیونکہ ہلال بن امیہ بن عامر بن عبدالقیس کا تعلق بنو واقف سے ہے، اور وہ مالک بن امرء القیس بن مالک بن العوف ہیں۔ لہٰذا وہ بنو عمر بن عوف کے ساتھ مجتمع نہیں ہے جن کی طرف حضرت عاصم بن عدی کا حلف پہنچتا ہے، سوا حضرت مالک بن العوس کے، کیونکہ حضرت عمرو بن عوف وہ ابن مالک ہیں۔

''پس حضرت عاصم بن عدی نے کہا: میں اس آزمائش میں صرف اپنی بات کی وجہ سے مبتلا ہوا ہوں'': اس کی مراد پہلے واضح ہوچکی ہے، کیونکہ حضرت عُویمر بن عمرو کے نکاح میں حضرت عاصم بن عدی کی صاحبزادی تھیں یا ان کی بھتیجی تھیں، اسی وجہ سے حضرت عاصم بن عدی نے اس قصے کی اپنی ذات کی طرف اضافت کی ہے، کیونکہ انہوں نے کہا کہ'' میں اس آزمائش میں صرف اپنی بات کرنے کی وجہ سے مبتلا ہوا ہوں''۔ یعنی میں نے اس چیز کا سوال کیا جو واقع نہیں ہوئی تھی، گویا کہ انہوں نے کہا کہ اس وجہ سے مجھے میرے اہلِ بیت کے متعلق سزا دی گئی۔

صحیح بخاری کے ایک شارح علامہ الداؤدی متوفی ۴۰۲ ھ نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مثلاً اگر میں کسی شخص کو اس حال میں پاتا کہ وہ میری بیوی کے ساتھ ناجائز کام میں مشغول ہوتا تو میں اس کو قتل کردیتا، یا انہوں نے اس کو کسی اور الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا اور وہ اس آزمائش کے ساتھ مبتلا ہوگئے۔ علامہ داؤدی کی یہ شرح بھی واقع سے بہت دور ہے، کیونکہ مقاتل بن حیان سے امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۵ ھ نے روایت کی ہے کہ حضرت عاصم نے کہا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون هذا'' اللہ کی قسم میرا یہ سوال اس لیے تھا کہ لوگوں کے درمیان اس قسم کا معاملہ پیش آسکتا ہے جس میں، میں مبتلا ہوا تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری

جان ہے، اگر میں اس مرد کو اس حالت میں پاتا تو میں تلوار سے اس کا سر قلم کر دیتا اور یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۵ھ تھے! جس طرح ان کا واقعہ باب الغیرت میں مذکور ہے۔

حضرت عاصم بن عدی کے قصہ کا تعدد

اور امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے از ایوب از عکرمہ مرسلاً روایت کی ہے جس کو امام ابن مردویہ نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے، کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (النور: ۴) اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں دیکھتا کہ ''کوئی مرد میری بیوی کے ساتھ بدکاری کر رہا ہے''۔ پھر انہوں نے اس قصہ کا ذکر کیا اور اس میں یہ مذکور ہے: سو اللہ کی قسم! ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے اس قصے کا ذکر کیا اور یہ قصہ سنن ابوداؤد کے اندر از عباد بن منصور از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مذکور ہے۔ پس اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ حضرت عاصم بن عدی کا یہ قول حضرت عُویمر العجلانی رضی اللہ عنہ کے قصہ کے متعلق ہے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا قصہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے قصہ کے متعلق ہے، سو یہ دونوں حدیثیں مختلف ہیں۔ اور جس چیز سے اس قصے کا تعدد ظاہر ہوتا ہے اور اس تعدد کی تائید اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے آخر میں امام حاکم نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا کہ مدینہ میں اس قصہ کے متعلق بہت شور و شغف تھا اور امام ابوداؤد کی سنن اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ نے بیان کیا جو اس کے بعد اہلِ مصر پر گورنر تھے اور جن کو ان کے باپ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، پس یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ملاعنہ کے بعد جو بیٹا پیدا ہوا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک زمانہ تک زندہ رہا اور عکرمہ کی روایت میں جو مذکور ہے کہ وہ مصر پر امیر تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاص مصر کے گورنر نہیں تھے بلکہ شہروں میں سے کسی شہر کے گورنر تھے، اور ہمارے بعض مشائخ نے یہ گمان کیا کہ ان کی مراد مصر کا مشہور شہر ہے، پس انہوں نے کہا: اس پر اعتراض ہے، کیونکہ مصر کے حکام معروف ہیں اور ان کا شمار کیا گیا ہے اور یہ عکرمہ بربری ان میں سے نہیں ہیں۔

اور امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے الطبقات الکبریٰ میں عبد اللہ بن جعفر سے یہ روایت کی ہے کہ ملاعنہ کے نتیجہ میں جو بیٹا پیدا ہوا، وہ اس کے بعد دو سال تک زندہ رہا اور مر گیا اور یہ روایت بھی اس کی تقویت کرتی ہے کہ یہ قصہ متعدد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مصفرا کا معنی: میم پر پیش ہے اور صاد پر جزم ہے اور را پر تشدید ہے، یعنی مُصْفَرًّا، اور اس کا معنی ہے کہ اس کا سخت زرد رنگ تھا اور یہ تفسیر حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ کی تفسیر کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ حضرت سہل بن سعد کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ سرخ رنگ کا تھا، یا زیادہ سرخ رنگ تھا، کیونکہ یہ اس شخص کا اصلی رنگ تھا اور بعد میں زردی اس کے سرخ رنگ پر غالب ہو گئی، اور اس حدیث میں مذکور ہے: وہ قلیل اللحم تھا، یعنی اس کا جسم نحیف اور لاغر تھا اور اس حدیث میں ہے: سبط الشعر، یعنی اس کے بال سیدھے تھے، گھنگریالے نہیں تھے۔

خدلا کا معنی: خا پر زبر ہے اور دال ساکن ہے اور لام پر تشدید ہے، یعنی خَدْلًا، اس کا معنی ہے: اس کی پنڈلیاں بھری بھری تھیں، اور ابوالحسین بن فارس نے کہا: ''ممتلئ الاعضاء'' یعنی اس کے تمام اعضاء بھرے بھرے تھے، گداز تھے، اور امام ابوجعفر طبری متوفی

۳۱۰ھ نے کہا ہے یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب اس کی ہڈیاں چوڑی ہوں اور گوشت کے ساتھ بھری ہوئی ہوں۔

کثیر اللحم کا معنی: یعنی اس کا تمام جسم گوشت سے پُر تھا، یہ ہوسکتا ہے کہ یہ خدلاً صفت مبینہ ہو، کیونکہ خدل کا معنی ہے: جس کا بدن بھرا بھرا ہو، اور جس نے یہ کہا کہ اس کی پنڈلیاں بھری بھری تھیں، تو ہوسکتا ہے اس میں تخصیص کے بعد تعمیم ہو، اور سلیمان بن بلال کی روایت جو آنے والی ہے اس میں مذکور ہے کہ اس کے بال سخت گھنگھریالے تھے، اور اس کی تفسیر حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں گزر چکی ہے، اور یہ صفت اس صفت کے موافق ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ اس کی سرین بڑی بڑی تھی اور اس کی پنڈلیاں بھری بھری تھیں الخ۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! اس کی حقیقت بیان فرمادے'': اس کی شرح چار ابواب کے بعد عنقریب آئے گی۔

''فجاءت'' سلیمان بن بلال کی روایت میں ہے کہ اس عورت کا حمل وضع ہو گیا یعنی اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا'': اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان لعان مؤخر ہو گیا حتیٰ کہ اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، پس جس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے ان کے درمیان لعان کرایا تو یہ اس کے بعد کا واقعہ ہے، یعنی اس عورت کے ہاں بچہ ہونے کے بعد آپ نے لعان کرایا، پس وہ مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور اس نے آپ کو بتایا کہ اس نے اپنی بیوی کے پاس ایک مرد کو پایا اور اس کے ہاں ویسا ہی بچہ پیدا ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا، اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ وہی مرد تھا اور اس کی شکایت کی وجہ یہ تھی جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس پر دلائل قائم ہیں جیسا کہ قاسم کی روایت میں ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا محمل کہ اگر میں کسی کو بغیر گواہ اور ثبوت کے رجم کرتا تو اس عورت کو میں رجم کر دیتا

بعض فقہاء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی عورت لعان کرنے سے انکار کرے تو اس کے اوپر حد واجب نہیں ہوتی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں بغیر ثبوت کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا، گویا آپ نے اس عورت سے حد کو ساقط کر دیا اور یہ الاوزاعی کا قول ہے اور فقہاء احناف کا قول ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ حدود لعان سے انکار کرنے سے ساقط نہیں ہوتیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ اگر میں کسی کو بغیر ثبوت کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا تو یہ صرف لعان کے سبب سے آپ کا ارشاد نہیں ہے۔ یعنی کسی بھی معاملے میں بغیر کسی ثبوت اور گواہی کے کسی کو رجم نہیں کیا جائے گا اور کسی پر حد جاری نہیں کی جائے گی، اور اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا کہ جب کوئی عورت لعان سے انکار کرے تو اس کو قید کر لیا جائے اور اس کو دھمکایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اگر تم نے لعان نہیں کیا تو تم کو رجم کر دیا جائے گا کیونکہ اگر وہ صراحتاً زنا کا اقرار کر لیتی اور پھر اس اقرار سے رجوع کر لیتی تو اس کو رجم نہ کیا جاتا، تو اس کو کیسے رجم کیا جائے گا کہ جب اس نے لعان کرنے سے انکار کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک مرد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مجلس میں کہا: عنقریب اس کی شرح اس باب میں آئے گی کہ جس میں امام نے کہا: اللھم بینه، اے اللہ مجھ پر حقیقتِ حال کو واضح فرمادے۔

خدلاً کا معنی اور تعلیق مذکور کی تحقیق:

خدل کے لفظ میں دال پر جزم ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خاء اور دال دونوں پر زبر ہے اور اہل اللغت نے جزم کا بھی ذکر کیا ہے اور اس حدیث کی تعلیق میں جو ابو صالح کا ذکر ہے اس سے مراد عبد اللہ بن صالح ہے، جو لیث کے منشی ہیں، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ متوفی ۳۱ھ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ہم سے ابو صالح نے کہا اور عبد اللہ بن یوسف کی روایت میں ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب الحدود میں سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۳-۵۱۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۰ کی سند کے بعض رجال کا تعارف

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کی سعید بن عُفیر سے روایت کی، اور ان کا نام سعید بن کثیر بن عُفیر ہے (عین پر پیش ہے اور فا پر زبر ہے) یہ الانصار المصری کے آزاد شدہ غلام ہیں، اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ الانصاری ہیں، جو القاسم بن محمد سے روایت کر رہے ہیں، اور عبد الرحمٰن بن القاسم اپنے والد القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور امام احمد بن شعیب النخعی متوفی ۳۰۳ھ کی سنن میں ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کی تخریج

امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب المحاربین میں از عبد اللہ بن یوسف روایت کی ہے اور کتاب الطلاق میں از اسماعیل بن ابی اویس روایت کی ہے، اور امام مسلم نے اس حدیث کی کتاب اللعان میں از محمد بن رمح سے روایت کی ہے اور امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ نے اس حدیث کی کتاب الطلاق میں اور کتاب الرجم میں عیسیٰ بن حماد سے روایت کی ہے اور کتاب الطلاق میں انہوں نے اس حدیث کی روایت یحییٰ بن محمد سے کی ہے۔

حدیث مذکور کی مشکل عبارات اور مبہم الفاظ کے معانی

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعان کا ذکر کیا گیا'': یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس بات کا ذکر کیا اور ان الفاظ کو حذف کر دیا اور اس کی تصریح سلیمان کی روایت میں ہے جو عنقریب آئے گی۔

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعان کا ذکر کیا گیا'': یہ مجہول کا صیغہ ہے، یعنی لعان کی نسبت کی گئی، یعنی اس مرد کے حکم کا بیان کیا گیا جس نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، پھر اس تہمت کو تلاعن یا لعان کے ساتھ تعبیر کیا کیونکہ اس تہمت لگانے کا مآل اور مرجع لعان تھا جو لعان سے متعلق آیت کے نازل ہونے کے بعد ہوا، اور سلیمان کی روایت میں دونوں لعان کرنے والوں کا ذکر ہے۔

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا تعارف اور تذکرہ

''پس عاصم بن عدی نے کہا'': اس سے مراد ہے العجلان بن حارثہ بن ربیعہ العجلانی البدری کے دادا کا بیٹا ہے، اور وہی حضرت عُویمر العجلانی کے صاحب تھے جنہوں نے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ الانصاری سے کہا تھا کہ اے عاصم! تم میرے لیے رسول

اللہ ﷺ سے حدیثِ لعان کے متعلق سوال کرو اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں حاضر تھے اور غزوہ احد میں حاضر تھے اور غزوہ خندق میں حاضر تھے اور تمام مشاہد میں حاضر تھے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ خود غزوہ بدر میں حاضر نہیں تھے کیونکہ نبی ﷺ نے ان کو خلیفہ بنایا تھا جب آپ بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے، کیونکہ نبی ﷺ نے ان کو اہلِ قباء پر خلیفہ بنایا تھا جب آپ غزوہ بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے اور آپ نے ان کو اہل عالیہ پر بھی خلیفہ بنایا تھا اور وہ خود غزوہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے لیکن چونکہ وہ غزوہ بدر میں حاضر ہونے کے لیے تیار ہو کر آئے تھے تو گویا کہ وہ بھی غزوہ بدر میں حاضر ہونے والے صحابہ میں سے تھے اور ان کا شمار ان ہی میں ہوتا تھا اور حضرت عاصم بن عدی کی وفات ۴۵ھ میں ہوئی تھی اور اس وقت ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔

محض کسی کے دعویٰ کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا صریح حکم نہ آجائے

فی ذالك: یعنی حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ نے ایک بات کہی اور یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہی کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے تو وہ اس پر تلوار مار کر اس کو قتل کردے گا، پس حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ جو حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کی قوم کے ایک مرد تھے وہ اس معاملہ میں مبتلا ہوئے، تاکہ اللہ تعالیٰ یہ دکھائے کہ اس معاملہ میں کس طرح فیصلہ کیا جاتا ہے اور تاکہ نبی ﷺ پر وہ فیصلہ منکشف ہو جائے اور آپ یہ جان لیں کہ محض کسی کے دعوے سے کسی کا خون بہانا جائز نہیں ہے اور خون بہانا صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے جائز ہوتا ہے، تاکہ زمانہ جاہلیت کی رسم منقطع ہو جائے۔

علامہ عینی کا علامہ کرمانی کی شرح پر رد کرنا

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عاصم بن عدی نے جو بات کہی وہ ایسی بات تھی کہ اس بات کا کرنا نامناسب ہے کیونکہ وہ بات نفس کے تکبر پر اور فخر پر اور غیرت پر دلالت کرتی ہے اور وہ بات کسی دلیل کے بغیر ہے۔ (الکواکب الدراری ج۱۹ ص ۲۲۳-۲۲۴، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ علامہ کرمانی کا یہ کلام حقائق اور واقعات سے بہت دور ہے، پھر ابن حجر نے بہت طویل کلام کیا ہے۔ (فتح الباری ج۶ ص ۵۱۳، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ کرمانی کی عبارت میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو حقیقت اور واقع سے دور ہو، لیکن علامہ کرمانی نے اس میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ حضرت عاصم بن عدی نے اپنے قول میں یہ نہیں بتایا کہ اگر وہ اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پاتے تو تلوار سے اس کو مار ڈالتے اور انہوں نے اس عبارت کا ذکر مقتضائے نفس سے کیا، کہ وہ ایسا فعل کرتے کہ جس شخص میں کوئی غیرت ہوتی اور جس کو اپنے نسب پر فخر ہوتا تو وہ ایسی صورت میں اس عورت کو قتل کردے، رہا یہ کہ انہوں نے اس بات کی نسبت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فیصلہ کی طرف نہیں کی تو یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عاصم بن عدی کو یہ علم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں کیا فیصلہ کیا ہے حتیٰ

کہ وہ اس آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے مناقشہ کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کے اس اعتراض کا اپنی کتاب انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح بخاری میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ (ج ۲ ص ۳۰۹، شرکۃ الریاض، ۱۴۱۸ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ بدرالدین عینی حنفی نے جو علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ کا دفاع کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے اعتراض کو ان سے اٹھایا ہے، اس کا جواب دینے سے حافظ ابن حجر عسقلانی عاجز ہو گئے، لہٰذا انہوں نے انتقاض الاعتراض میں علامہ عینی کے اس اعتراض اور علامہ کرمانی کی طرف سے جو انہوں نے دفاع کیا ہے، اس کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ اور یہ ان کی کتاب انتقاض الاعتراض میں کوئی پہلا موقع نہیں ہے بلکہ اکثر مقامات پر جہاں وہ علامہ عینی کے اعتراضات کے جوابات سے عاجز ہو جاتے ہیں تو وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے ایک اور مناقشہ

حضرت عاصم بن عدی نے کہا کہ میں صرف اپنے اس قول کی وجہ سے مبتلا ہو گیا اور ان کا وہ قول یہ تھا کہ اگر میں کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ پاؤں تو میں تلوار سے اس کی گردن ماردوں گا، یا اگر کوئی شخص ان کو عار دلاتا تو وہ اس میں مبتلا ہو جاتے، اسی طرح اس حدیث کی شرح صحیح بخاری کے ایک شارح علامہ داؤدی متوفی ۴۰۴ھ نے کی ہے اور اس شرح پر حافظ ابن حجر عسقلانی نے رد کیا اور کہا ہے کہ یہ شرح بھی حقائق اور واقعات سے بہت دور ہے کیونکہ مقاتل بن حیان سے امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے روایت کی ہے کہ حضرت عاصم نے کہا ''اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ'' اللہ کی قسم! میں نے تو یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم ہو جائے اور میں خود اس میں مبتلا ہو گیا، اور جو یہ انہوں نے کہا کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھتا تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دیتا تو یہ حضرت عاصم بن عدی نہیں تھے بلکہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر کا یہ قول غلط ہے، کیونکہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا قول حضرت بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے متعلق ہے اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا قول حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے، پس یہ دونوں حدیثیں مختلف ہیں۔

اور ابن سیرین نے ذکر کیا ہے کہ ایک مرد نے ایک شخص کے اوپر ایک پیسہ کی تہمت لگائی، پھر وہ اس پر نادم ہوئے اور سزا کا چالیس سال تک انتظار کرتے رہے، پھر انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۵۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مُصفرًا کا معنی:

مُصفرًا کے لفظ میں را پر تشدید ہے یعنی ان کا سخت زرد رنگ تھا، اور یہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ان کا رنگ بہت سرخ تھا یا بہت گہرا رنگ تھا کیونکہ سرخ رنگ ان کا اصلی تھا اور خوف کی بناء پر ان کا رنگ

ظاہر ہو گیا اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ قلیل اللحم تھے یعنی ان کا جسم بہت لاغر اور نحیف تھا۔

سبط الشعر کا معنی

سین پر زبر ہے اور با کے نیچے زیر ہے اور با پر جزم بھی ہے اور سبط الشعر کا معنی ہے: جس کے بال سیدھے ہوں، یعنی گھنگریالے بال نہ ہوں۔

خدلاً کا معنی

خدلاً میں خا پر زبر ہے اور دال پر جزم ہے اور اس کا معنی ہے کہ جس کی پنڈلی بھری بھری اور گداز ہو، اور ابن الفارس نے کہا: اس کے اعضاء بھرے بھرے ہوں اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا: یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی ہڈیاں چوڑی چکلی ہوں اور ان پر گوشت بھرا ہوا ہو، بخاری کے ایک اور شارح علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ بعض کتابوں میں یہ لفظ اس طرح منضبط ہے کہ دال کے نیچے زیر ہے اور لام پر جزم ہے اور بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ لام پر تشدید ہے اور بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ دال ساکن ہے، اسی طریقہ سے کتب لغت میں مذکور ہے اور ابو صالح اور ابن یونس نے بھی اس لفظ کو اسی طرح منضبط کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے: اے اللہ! مجھے حقیقتِ حال پر مطلع فرما دے، یعنی اس مسئلہ کا حکم بیان فرما دے، اس کی شرح میں یہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو اس پر حرص تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مسئلہ کے باطن پر مطلع فرما دے جس سے آپ اس واقعہ کی حقیقت پر واقف ہو جائیں، ہر چند کہ آپ کی شریعت میں یہ مقرر تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ ظاہری دلائل کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں میں یہ مقرر ہے کہ وہ ظاہری دلائل کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں تاکہ یہ ان کے بعد ان کی امتوں میں نمونہ بن جائے کہ ان کی امت وحی کے حصول کی طرف کوئی سبیل نہیں پاتی، کس وحی سے ان کو بواطنِ امور پر اطلاع ہو جائے۔

آیا اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے سے پہلے لعان ہوا تھا یا بچہ پیدا ہونے کے بعد لعان ہوا تھا

سلیمان بن بلال کی روایت میں ہے کہ اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان لعان کرایا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ لعان بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہوا تھا جیسا کہ عطف کا تقاضا ہے فلاعن اور اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے لعان کے تقاضہ کے مطابق حکم دیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس مرد اور عورت کے درمیان لعان کو مؤخر کر دیا گیا حتیٰ کہ اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا اور حدیث میں جو مذکور ہے فلاعن (آپ نے لعان کرایا) تو یہ اس کے بعد ہے کہ حضرت عویمر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کے پاس ایک مرد کو پایا۔

اور یہ مرد وہی تھا جس کا امام بخاری نے کتاب المحاربین میں ذکر کیا ہے اور اس کا نام عبد اللہ بن شداد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا محمل کہ اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کر دیتا

اس عورت سے مراد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں، یعنی آپ نے اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان لعان کرایا اور اس

عورت کو رجم نہیں کیا کیونکہ اس میں شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ آیا اس عورت نے فی الواقع زنا کیا ہے یا نہیں، کیونکہ رجم بغیر گواہی اور ثبوت کے نہیں کیا جاتا۔

یہ وہی عورت تھی: اس میں حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کی طرف اشارہ ہے، اور آپ نے فرمایا کہ وہ برے کام کرتی تھی یعنی بے حیائی کے کام کرتی تھی۔

بخاری کے ایک شارح علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو آدمی علی الاعلان برے کام کرے اس کی غیبت کرنا جائز ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو آدمی علی الاعلان برائی کرتا ہو اس کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ میں اس حدیث کی مفصل تحقیق علامہ ابن الملقن کی شرح کے اندر بیان کر چکا ہوں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

خدلاً کی تحقیق اور علامہ عینی کا علامہ کرمانی سے مناقشہ

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ وہ شخص گندمی رنگ کا ہے اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ پُر گوشت تھا؟ علامہ عینی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے کتاب المحاربین میں اس حدیث کی عبد اللہ بن یوسف سے روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اس مرد کو اس کے گھر والوں نے گندمی رنگ کا پایا، وہ خدل تھا یعنی پُر گوشت تھا، پس علامہ کرمانی نے جو کہا ہے وہ اس روایت کے خلاف ہے اور علامہ کرمانی کا یہ قول محض ظن اور تخمیل کی بنا پر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کی روایت میں خدِل کا لفظ ہے جس میں دال کے نیچے زیر ہے اور اس سے پہلی روایت میں خدْل کا لفظ ہے جس میں دال ساکن ہے، فافہم۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۴-۴۲۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدود احتمال اور قرائن سے ثابت نہیں ہوتے، حدود کے ثبوت کے لیے گواہی اور دلائل ضروری ہیں

محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ صحیح البخاری: ۵۳۱۰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو بغیر گواہی کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا"۔

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حدود احتمال اور قرائن سے ثابت نہیں ہوتے، بلکہ حدود کے ثبوت کیلئے گواہوں اور دلائل کی ضرورت ہے، پس یہ عورت جس کے ہاں بچہ ناپسندیدہ وصف کے ساتھ پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم نہیں کیا کیونکہ اس کا فیصلہ لعان سے ہو چکا تھا لیکن ایک دوسری عورت اسلام لانے کے بعد برے کام کرتی تھی اور اس کے حال میں یہ چیز دلالت کرتی تھی کہ وہ برے کام کرنے والی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو رجم کرنے سے رُک گئے اور فرمایا کہ میں بغیر گواہوں کے رجم نہیں کروں گا، پس اگر ہم کسی عورت کو دیکھیں کہ اس کے پاس اجنبی مرد آتے ہیں اور اس کے گرد اس طرح طواف کرتے ہیں جس سے شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ شاید وہ برے کام کرتی ہے تو بے شک ہم اس کو رجم نہیں کریں گے خواہ ہم کو یہ ظن غالب ہو کہ وہ عورت زنا کرتی ہے، پھر بھی ہم اس کو رجم نہیں کریں گے، اس لیے کہ رجم کے لیے گواہوں کی ضرورت ہے اور یہاں پر کوئی گواہ نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اپنی شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۴، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ شیخ عثیمین نے اس حدیث کی شرح میں کوئی نیا نقطہ نہیں بیان کیا صرف حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کے ایک حصہ کا خلاصہ بیان کر دیا۔

شیوخ دیوبند سے حدیث مذکور کی شرح

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر میں بغیر کسی بینہ اور گواہ کے کسی کو رجم کرتا تو اس عورت کو کرتا، یہ جملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بدکار اور زانیہ عورت کے متعلق فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی مشہور بالشر ہو تو صرف شہرت کی وجہ سے اس پر حد جاری نہیں کی جاتی جب تک کہ گواہ نہ ہوں یا اقرار نہ پایا جائے۔

(کشف الباری عما فی صحیح البخاری: کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق ص ۵۳۷-۵۳۸، مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی، ۱۴۲۶ھ)

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ اپنے حلقہ میں شیخ سلیم اللہ خان کی بہت شہرت ہے مگر انہوں نے اس حدیث کی نہایت ناتمام شرح لکھی ہے، کیونکہ شارحین نے بیان کیا ہے کہ کن کن صورتوں میں پس پشت برائی کرنا غیبت نہیں ہے، ان میں سے بعض ازاں یہ ہیں کہ کوئی مظلوم اپنے ظلم کی فریاد حاکم کے سامنے بیان کرے اور اپنی مظلومیت کا قصہ بیان کرے تو اس کا یہ قول غیبت نہیں ہے یا کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو ضرر سے بچانے کے لیے اس کا عیب بیان کرے تو یہ بھی غیبت نہیں ہے مثلاً کوئی شخص لوگوں سے پیسے قرض لیتا ہو اور اس کو واپس نہ دیتا ہو اور اس کا کوئی خیر خواہ اس سے کہے کہ بھائی! اس کو قرض نہ دینا یہ قرض واپس نہیں کرتا تو اس کا یہ عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے، اسی طرح کوئی درزی کسی کے کپڑے سیے اور اس کے کپڑے میں سے کپڑا چرا لے اور اس کا کوئی دوست اس کو بتائے کہ بھائی اس کو کپڑا نہ دینا یہ کپڑا چرا لیتا ہے تو یہ غیبت نہیں ہے، اسی طرح حضرت فاطمہ بنت قیس جب ایام عدت کے اندر تھیں اور لوگ ان کو منگنی کا پیغام دے رہے تھے اور حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق مشورہ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوجہم کے رشتہ نکاح کو قبول نہ کرنا کیونکہ یہ تو اپنے کاندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رہے معاویہ تو وہ مفلس آدمی ہیں، وہ تو اپنا پیٹ نہیں پال سکتے تمہارا پیٹ کیسے پالیں گے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجہم کا بھی عیب بیان فرمایا اور حضرت معاویہ کا بھی عیب بیان فرمایا، اور یہ غیبت نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً کسی کا پس پشت عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہوتا اور شیخ سلیم اللہ خان کا اس کی تعریف میں صرف یہ لکھنا کہ جو شخص مشہور بالشر ہو اس کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے، کافی نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۳۲۔ بَابُ: صَدَاقِ الْمُلَاعَنَةِ — جس عورت سے لعان کیا گیا ہو اس کے مہر کا شرعی حکم

۵۳۱۱۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن زرارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے خبر

رَجُلٌ قَذَفَ امْرَأَتَهُ فَقَالَ فَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ أَخَوَيْ بَنِي الْعَجْلَانِ وَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ فَأَبَيَا وَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ فَأَبَيَا فَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ فَأَبَيَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا قَالَ أَيُّوبُ فَقَالَ لِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ إِنَّ فِي الْحَدِيثِ شَيْئًا لَا أَرَاكَ تُحَدِّثُهُ قَالَ قَالَ الرَّجُلُ مَالِي قَالَ قِيلَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَقَدْ دَخَلْتَ بِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَهُوَ أَبْعَدُ مِنْكَ

دی از ایوب از سعید بن جبیر، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے بنو عجلان کے دو فریقوں کے درمیان تفریق کر دی تھی اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ تو ان دونوں نے انکار کیا اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ سو ان دونوں نے انکار کیا، آپ نے پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے، سو ان دونوں نے انکار کیا، پس آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی، ایوب نے کہا: مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا: اس حدیث میں ایک اور بات بھی تھی جس کو میرے خیال میں تم نے نقل نہیں کیا، انہوں نے کہا کہ اس مرد نے پوچھا: میرے مال کا کیا ہوگا (یعنی میں اس عورت کو جو مہر دے چکا ہوں، اس کا کیا بنے گا)، تو اس مرد نے کہا: تو اس سے کہا گیا: تیرے لیے کوئی مال نہیں، اگر تو سچا ہے تو تو نے اس عورت کے ساتھ دخول کر لیا تو تو نے اپنا مہر وصول کر لیا اور اگر تو جھوٹا ہے تو پھر تو بہت بعید ہے کہ تو اس سے مہر وصول کرے۔

(صحیح بخاری: ۵۳۱۲، ۵۳۴۹، ۵۳۵۰، مسلم: ۱۴۹۳، نسائی: ۳۴۷۵، ابوداؤد: ۲۲۵۸، احمد: ۴۴۶۳۔)

جب کوئی مرد لعان کے بعد اپنے نفس کی تکذیب کر دے تو اس کے شرعی حکم میں فقہاء مذاہب کی آراء

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "تمہارے لیے اس عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے"۔ اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ وہ عورت کسی وجہ سے بھی اپنے شوہر پر حلال نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ اس پر حلال ہوتی تو کسی وجہ سے اس کے شوہر کی اس پر کوئی سبیل ہوتی اور اس کو نبی ﷺ کے اس ارشاد سے مستثنیٰ کر لیا جاتا کہ تمہارے لیے اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے مگر فلاں صورت میں، مگر آپ نے فرمایا تمہاری اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم اپنے آپ کو جھوٹا قرار دو، پس جب آپ نے مطلقاً فرمایا کہ تمہاری اس پر کوئی سبیل نہیں ہے تو اب اس میں کوئی استثناء نہیں کر سکتا اور حدیث کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح اپنی عقل سے

حدیث میں کوئی استثناء کرنا جائز نہیں ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس کے اوپر حدِ قذف لگائی جائے گی خواہ وہ شخص نکاح کا پیغام دینے والوں میں سے کوئی ایک ہو اور یہ سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور امام ابوحنیفہ النعمان بن الثابت المتوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۴۷ باب الریان)، انہوں نے کہا جب کسی شخص نے اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا تو اس کی بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور اس پر حدِ قذف لاگو ہو گی اور یہی امام محمد بن الحسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ کا قول ہے۔

اور اس مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا تو اس کے اوپر کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کی بیوی اس کی طرف واپس کر دی جائے گی جب تک کہ اس کی بیوی عدت میں ہو، اور یہ قول سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ سے منقول ہے (سنن سعید بن منصور: ۱۵۸۵) اور عبید اللہ بن الحسن کی رائے یہ تھی کہ دو لعنت کرنے والوں کے درمیان تفریق طلاقِ بائنہ ہوتی ہے اور ان کی رائے یہ تھی کہ مرد اس عورت سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، کہا گیا ہے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے پر لعان کیا، پھر وہ دونوں چلے گئے، حاکم کی تفریق سے پہلے ان کی رائے یہ تھی کہ یہ ان کے درمیان تفریق ہے، اور انہوں نے کہا کہ جو عورت اپنے خاوند سے لعان کرتی ہے پھر اس کا خاوند اس سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ اس کے اوپر اب دو طلاقوں کا مالک ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ جب کوئی مرد لعان کے بعد اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی، اسی طرح عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا قول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۱۱۰، ۱۱۲) اور انہوں نے کہا کہ وہ دونوں متفرق ہو گئے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ لوٹ گئے اور شعبی سے منقول ہے، انہوں نے کہا کہ جب کسی مرد نے لعنت کرنے کے بعد اپنے نفس کی تکذیب کی تو اس کے اوپر دو حدیں جمع نہیں ہوں گی۔

اور العارف العقلی نے کہا اس پر حد نہیں ہے، اس کی حد گزر چکی ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۵۷۸)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۹۰-۴۹۱، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

جس عورت سے لعان کیا گیا ہو اس کے مہر کی ادائیگی کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ لعان یافتہ عورت کا مہر واجب ہوتا ہے اور اس کا خاوند اس کو دیا ہوا مہر واپس نہیں لے گا خواہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تمہارے دیے ہوئے مہر کا معاوضہ وہ ہے جو تم نے اس کی شرمگاہ کو حلال کر لیا تھا، اور اگر تم نے اس پر جھوٹ باندھا ہے تو پھر تمہارا مہر اس سے وصول کرنا زیادہ بعید ہے''۔

مہر صرف جماع سے واجب ہوتا ہے نہ کہ خلوتِ صحیحہ سے

علامہ ابن المنذر نیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ نے کہا: اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مہر صرف جماع سے واجب ہوتا ہے نہ کہ خلوتِ صحیحہ سے تو اس کو یہ کہنے کی گنجائش ہے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دخول سے مہر واجب ہو جاتا ہے۔

عورت کے ساتھ دخول کو جماع سے تعبیر کیا جاتا ہے

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگر تم سچے ہو تو تم اس کے ساتھ دخول کر چکے ہو''۔
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورت کے ساتھ جو دخول کیا جاتا ہے وہ جماع سے کنایہ ہے اور اس میں جماع کے وجوب پر دلیلیں ہیں، اگر چہ بعض اوقات دخول کے ساتھ جماع نہیں تھا لیکن کیونکہ اکثر دخول کے ساتھ جماع ہوتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماع کو دخول سے تعبیر کیا اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں عورتوں کی شہوت کو پیدا کر دیا ہے اور عنقریب اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف باب المہر میں دخول علیھا میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام اور سربراہِ ملک کو چاہیے کہ لعان شروع کرانے سے پہلے فریقین کو نصیحت کرے اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے کہ اگر انہوں نے جھوٹی قسم کھائی تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟''۔
اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جب امام یا سربراہِ ملک لعان کرانے کا ارادہ کرے تو اس سے پہلے ان کو نصیحت کرے اور ان کو وعظ کرے اور ان کو اس سے ڈرائے کہ وہ جھوٹی قسم کھائیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O

تاکہ لعان کے وقت جس فریق کا موقف باطل ہو وہ جھوٹی قسم کھانے سے باز آئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہر فریق کو پانچویں قسم کھانے کے وقت یہ فرماتے تھے: اللہ سے ڈر، کیونکہ اب جو تم قسم کھاؤ گے یہ تم پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو واجب کر دے گی اگر تمہاری قسم جھوٹی ہے اور بے شک دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے آسان ہے۔
علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نیشاپوری نے کہا: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قسم کھانے سے پہلے امام کو چاہیے کہ وہ فریقین کو نصیحت کرے اور عورت کے قسم کھانے سے پہلے خاوند کو نصیحت کرے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

لعان کرنے والی عورت سے مہر وصول کرنے کا عدم جواز

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس باب میں سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ کی روایت ذکر کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر

رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے سوال کیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو العجلان کے دو فریقوں کے درمیان تفریق کر دی تھی اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ضرور کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ تو ان دونوں نے انکار کیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ سو ان دونوں نے انکار کیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ تو ان دونوں نے انکار کیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی، تو عمرو بن دینار نے کہا کہ اس حدیث میں کوئی چیز ہے میرا گمان ہے کہ تم نے اس کو بیان نہیں کیا، اس مرد نے کہا: میرے مال یعنی مہر کا کیا ہوگا، تو آپ نے فرمایا تیرا کوئی مال اس پر واجب نہیں، اگر تو سچا ہے تو، تو اپنی بیوی کے ساتھ دخول کر چکا ہے اور اگر تو جھوٹا ہے تو پھر تو مہر وصول کرنے سے زیادہ بعید ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۷۹، وزارۃ الاوقات والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

بیوی کو مہر کی ادائیگی کے متعلق مفصل احکام

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں لعان کرنے والی عورت کے مہر کے حکم کو بیان کیا گیا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہے کہ جس عورت کے ساتھ دخول کیا گیا ہو، وہ پورے مہر کی مستحق ہوتی ہے اور جو غیر مدخول بہا ہو اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، سو جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس کو نصف مہر ادا کیا جائے گا جیسا کہ دیگر مطلقات کو دخول سے پہلے نصف مہر ادا کیا جاتا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ بلکہ اس کو مکمل مہر ادا کیا جائے گا۔ یہ ابو زناد، حکم اور حماد بن ابو سلیمان متوفی ۱۲۰ھ کا قول ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس کو بالکل مہر نہیں دیا جائے گا اور یہ ابن شہاب زہری متوفی ۱۲۵ھ کا قول ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ سے بھی یہی روایت ہے۔

امام بخاری کی روایت مذکورہ کی امام مسلم سے روایت

امام مسلم بن الحجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ نے سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ سے روایت کی ہے اور اس کے اول میں یہ اضافہ ہے کہ المصعب یعنی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق نہیں کی، یعنی جس وقت حضرت مصعب بن زبیر عراق کے گورنر تھے، سعد نے کہا: میں نے یہ بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یاد دلائی اور دوسری سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کی گورنری کے زمانہ میں سوال کیا گیا کہ جن دو فریقوں کے درمیان لعان کیا گیا ہے، آیا ان دونوں میں تفریق کی جائے گی یا نہیں، تو مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ میں جواب میں کیا کہوں تو میں مکہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر پہنچا۔ الحدیث اور اس میں یہ مذکور ہے میں نے کہا: اے ابو عبد الرحمٰن! کیا دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی؟ تو انہوں نے کہا: سبحان اللہ! ہاں، سب سے پہلے اس مسئلہ کا سوال فلاں بن فلاں نے کیا تھا اور ان کا قول مکہ میں مشہور ہے اور اس سے پہلے جو روایت ہے اس میں کچھ عبارت محذوف ہے، اصل عبارت یہ ہے: پھر میں نے مکہ کی طرف سفر کیا اور میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس مسئلہ کے متعلق ذکر کیا، اور امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے از معمر از ایوب از سعید بن جبیر روایت کی ہے کہ ہم کوفہ میں تھے اور ہمارا لعان کرنے والی عورت کے مسئلہ میں اختلاف تھا، ہم میں سے بعض

یہ کہتے تھے کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور ہم میں سے دوسرے یہ کہتے تھے کہ ان میں تفریق نہیں کی جائے گی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں یہ اختلاف قدیم ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ تک اس مسئلہ میں فقہاء بصرہ کے درمیان یہ اختلاف برقرار رہا کہ لعان زوجین کے درمیان تفریق کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ اس کی تصریح گزر چکی ہے اور گویا کہ حضرت عثمان کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نہیں پہنچی تھی۔

بنو العجلان کے دو فریقوں کے اسماء

اس کے اوپر بحث ایک باب کے بعد آئے گی اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان کے اسماء کا بیان ہو چکا ہے، اور ابو احمد الجرجانی کی روایت میں ہے کہ بنوحدلان کے درمیان میں سے کوئی ایک تھا اور یہ غلط ہے، یہ لفظ بنوعجلان ہے بنوحدلان نہیں ہے۔

عمرو بن دینار کی روایت کا مفصل تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایوب نے کہا: مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا کہ اس حدیث میں کوئی ایسی چیز ہے میرا خیال ہے کہ تم نے اس کا ذکر نہیں کیا، انہوں نے بتایا کہ وہ چیز یہ ہے کہ اس مرد نے کہا: میرے مال کا کیا ہوگا، یعنی میں نے اس عورت کو جو مہر دیا ہے اس مہر کا کیا ہوگا، تو انہوں نے کہا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تمہارا کوئی مال اس کے ذمہ نہیں ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمرو بن دینار اور ایوب دونوں نے اس حدیث کو سعید بن جبیر سے سنا اور عمرو بن دینار کو اس حدیث کا وہ حصہ محفوظ تھا جو ایوب کو محفوظ نہیں تھا اور سفیان بن عیینہ نے اس کا بیان کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو ان دونوں سے روایت کیا ہے۔ اس کا ذکر باب کے بعد والی حدیث میں آئے گا۔

آپ نے جو فرمایا کہ "تمہارا کوئی مال اس کے ذمہ نہیں ہے"، اس کا معنی یہ ہے کہ اس مال کے اوپر تمہاری کوئی سبیل نہیں ہے۔ اور تم اب اس مال کے اوپر مسلط نہیں، گویا کہ اس مرد نے یہ پوچھا تھا: کیا میرا مال ضائع ہو جائے گا اور اس سے مراد مہر ہے۔

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے القبس فی شرح مؤطا ابن انس میں لکھا ہے:

اس شخص نے جو کہا تھا: میرا مال، تو اس کی مراد یہ تھی کہ میرا مہر جو میں اس کو ادا کر چکا ہوں، اب اس کی واپسی کی کیا صورت ہوگی؟ تو اس کو یہ جواب دیا گیا کہ تم نے جو اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا تھا تو اس کے عوض تم اپنے اس مہر کو حاصل کر چکے ہو اور اس عورت نے جو اپنا نفس تمہارے سپرد کر دیا تھا، اس کے معاوضہ میں تم اس کو مہر دے چکے ہو، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو زیادہ مفصل طریقے سے بیان فرمایا کہ اگر تم اپنے دعوے میں اور قسم میں سچے ہو تو تم نے جو اس کو مہر ادا کیا تھا تو اس کا حق تم اس عورت سے وصول کر چکے ہو اور اگر تم نے اس عورت پر جھوٹ باندھا ہے اور جھوٹی قسم کھائی ہے تو پھر تم اس کا مطالبہ کرنے سے بہت زیادہ بعید ہو تا کہ تم پر دو ظلم جمع نہ ہوں، ایک ظلم تو یہ کہ تم اس کی عزت کو پامال کر رہے ہو اور دوسرا ظلم یہ ہے کہ جو مال تم وصول کر چکے ہو، اس پر قبضہ کر چکے ہو، اب تم اس کا سوال کر رہے ہو؟ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو بہ طور تاکید کے مقرر فرمایا۔

(فتح الباری ج ٦ ص ٥١٥-٥١٦، دار المعرفہ بیروت، ١٤٢٦ھ)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوعجلان کے بھائیوں کے درمیان تفریق کردی، اس حدیث میں بھائیوں کے لفظ کی وضاحت

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی متوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کے اوپر زنا کی تہمت لگائی تو آپ نے بنوعجلان کے بھائیوں کے درمیان تفریق کردی، بہ ظاہر یہ بنوعجلان کے بھائی نہیں تھے اور اس کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی قبیلہ عجلان سے تھے، اور آپ نے یہ فرمایا ہے کہ بنوعجلان کے بھائیوں کے درمیان تفریق کردی، یہ باب تغریب سے ہے کیونکہ بہن کو بھی بھائی کے منزلہ میں قرار دیا گیا اور اخوت کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ تمام مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اور عرب اخ یعنی بھائی کا اطلاق واحد پر بھی کرتے ہیں جیسے یا اخا بنی تمیم ہے اور اس سے مراد ان میں سے کوئی ایک شخص ہوتا ہے، اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ (الشعراء:۱۰۶) جب ان کے ہم قبیلہ نوح نے ان سے کہا۔

اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کا بھائی فرمایا، حالانکہ وہ ان کے نسبی بھائی نہیں تھے لیکن چونکہ وہ ان کی قوم کے ایک فرد تھے اس لیے ان کو بھائی فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں اور احادیث میں اور محاوراتِ عرب میں جب بھائی کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد نسبی بھائی نہیں ہوتا، کبھی اس سے مراد ایمانی بھائی ہوتا ہے اور کبھی اس سے مراد ان کی قوم کا ایک فرد ہوتا ہے، اسی طرح سے اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ بنوعجلان کے بھائیوں کے درمیان تفریق کردی، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بنوعجلان کے نسبی بھائیوں کے درمیان آپ نے تفریق کردی تھی، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بنوعجلان کے دو فریقوں کے درمیان آپ نے تفریق کردی، ایک فریق مرد تھا اور ایک فریق عورت تھی، اور دونوں کو بھائی اس لیے فرمایا کہ وہ دونوں قبیلہ بنوعجلان سے تعلق رکھتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فریقین کو توبہ کی تلقین کی تھی، آیا یہ تلقین لعان سے پہلے فرمائی تھی یا لعان کے بعد فرمائی تھی

آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آپ نے لعان سے پہلے فرمایا ہوتا کہ ان دونوں کو جھوٹی قسم کھانے سے ڈرایا جائے اور ان کو جھوٹے قسم کھانے کے ترک پر ترغیب دی جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آپ نے ان کے لعان کرنے کے بعد فرمایا ہوتا کہ یہ معلوم ہوسکے کہ ان پر توبہ لازم ہے اور المستملی کی روایت میں مذکور ہے، "ان احد کما لکذب" تم میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے، بہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آپ نے ان کے لعان کے شروع ہونے سے پہلے فرمایا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ ھ)

بیوی کو مہر کی ادائیگی کے متعلق مفصل احکام

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس مرد نے اس عورت کو دیے ہوئے مہر کا مطالبہ کیا جو اس سے لعان کرچکی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مطالبہ کو رد فرما دیا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر تم سچے ہو تو تم اس کے ساتھ دخول کرچکے ہو"۔

اور جب کوئی اپنی بیوی کے ساتھ دخول کرتا ہے تو اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مہر جماع سے مؤکد ہوتا

ہے اور خلوت سے مؤکد ہوتا ہے اور موت سے مؤکد ہوتا ہے، جب شوہر بیوی سے پہلے مر جائے اور اس پر اس کا مکمل مہر واجب ہو جاتا ہے، اور اسی طرح جب مرد کے کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جائے تب بھی راجح قول یہ ہے کہ اس عورت کا مکمل مہر اس پر واجب ہوتا ہے کیونکہ یہی وہ شخص ہے جس نے اس عورت کو دھوکہ میں رکھا اور جب اس نے اس کے ساتھ دخول کیا تو اس کا مہر ساقط ہو گیا اور مرد کو اب مہر واپس نہیں ملے گا۔

قیاس کی صحت پر دلیل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اگر تم سچے ہو تو تم جماع کے بعد اپنا حق وصول کر چکے ہو اور اگر تم جھوٹے ہو تو تمہارا مطالبہ زیادہ بعید ہے''۔ تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طور قیاس کے فرمایا، تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیاس سے بھی احکام بیان فرماتے تھے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی شرح شیوخ دیو بند سے

شیخ سلیم اللہ خاں دیو بندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ملاعنہ:

وہ عورت جس کے ساتھ لعان کا واقعہ پیش آیا ہو اگر وہ مدخول بہا ہے تو بالا جماع اس کو پورا مہر ملے گا اور اگر غیر مدخول بہا ہے تو جمہور علماء امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی کے نزدیک اسے نصف ملے گا، ابوزناد، حکم بن عیینہ، اور حماد بن ابی سلیمان کے نزدیک اس کو پورا مہر ملے گا، امام زہری کے نزدیک اس کو کچھ نہیں ملے گا، امام مالک کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۰، فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عجلان کے دو بھائیوں کے درمیان تفریق کر دی:

بنو عجلان کے بھائیوں سے مراد قبیلہ بنو عجلان سے تعلق رکھنے والے میاں بیوی ہیں، میاں بیوی کو بھائی دینی اعتبار سے فرمایا ہے، قرآن مجید میں ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات:۱۰) بے شک سب مومن آپس میں بھائی ہیں۔

اخوی، اخ کا تثنیہ ہے، اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ حذف کر دیا گیا، عورت پر اخ مذکر کا اطلاق درست نہیں، اس کے لیے اخت کا لفظ آتا ہے، یہاں تغلیباً اخت کو اخ کے تابع کر کے اخوی فرمایا ہے، اس سے مراد حضرت عویمر اور ان کی بیوی خولہ ہیں، ان دونوں کا تعلق قبیلہ بنو عجلان سے تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۰، ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۸۷)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی'':

اس ارشاد سے فقہاء احناف کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ نفس لعان سے فرقت واقع نہیں ہو گی، بلکہ قاضی ان کے درمیان تفریق کرے گا۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۸۷)، (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، ص ۵۴۰-۵۴۱)

شیخ سلیم اللہ خاں دیو بندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی نے اس حدیث کی شرح میں کوئی نقطہ افروز بات یا کسی نئی تحقیق کا ذکر نہیں کیا بلکہ فتح الباری، عمدۃ

القاری اور ارشاد الساری میں جو مباحث مذکور ہیں ان کا خلاصہ ذکر کر دیا ہے، اور جو بات لکھنی چاہیے تھی وہ یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فریقین کو توبہ کی تلقین کی تھی آیا یہ لعان سے پہلے کی تھی یا لعان کے بعد کی تھی، اور یہ کہ آپ نے یہ تلقین کس وجہ سے کی تھی تا کہ وہ جھوٹی قسم کھانے سے باز آجائیں اور دنیا کے عذاب کو آخرت کے ساتھ عذاب کے مقابلہ میں قبول کر لیں، لیکن اس اہم بات کو شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اپنی شرح میں ذکر نہیں کیا اور نہ اس کی وجہ بیان کی کہ اس مرد کا لعان کرنے والی عورت کے اوپر اب کوئی حق نہیں ہے، وہ اس کو دیا ہوا مہر اب وصول نہیں کر سکتا اور اس مسئلہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس سے بیان کیا جو قیاس کی صحت پر دلیل ہے جیسا کہ شیخ عثیمین نے بیان کیا ہے، یہ وہ ضروری مباحث تھے جو اس شرح میں سلیم اللہ خان کو بیان کرنے چاہئیں تھے لیکن انہوں نے غالباً کثرتِ مشاغل کی وجہ سے ان پر توجہ نہیں کی اور اس حدیث کی شرح میں از خود غور و فکر نہیں کیا بلکہ اپنے پیش رو شارحین نے جو کچھ لکھا تھا اس کو اختصار کے ساتھ نقل کرنے پر اکتفاء کر لیا۔ سعیدی غفرلہ

۳۳۔ بَابُ: قَوْلِ الْإِمَامِ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ إِنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ

امام کا لعان کرنے والے کو یہ کہنا کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے۔

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھا ہے کہ امام کے اس قول میں مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیا ہے؛ کیونکہ فرمایا ہے: ان احد کما کاذب، حالانکہ بیان کرنے والے نے مرد اور عورت دونوں سے بیان کیا ہے اور احد کما کا صیغہ مرد کیلئے ہے، تو گویا مرد کو مؤنث پر غلبہ دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس قسم کے جملہ میں یہ نہیں کہا جاتا کہ اس میں مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیا ہے، کیونکہ جب تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ خطاب کیا جائے تو اس میں مذکر اور مؤنث مساوی ہوتا ہے۔

اور قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ احد کما کے الفاظ میں ان نحویوں کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ لفظ احد صرف نفی میں مستعمل ہوتا ہے اور ان نحویوں کا بھی رد ہے جنہوں نے کہا ہے کہ احد کا لفظ صرف وصف میں استعمال ہوتا ہے؛ اور احد کا لفظ واحد کی جگہ پر نہیں رکھا جاتا اور واحد کے مقام پر احد کا لفظ واقع نہیں ہوتا، حالانکہ اس حدیث میں احد کا لفظ بغیر وصف کے استعمال ہوا ہے اور بغیر نفی کے استعمال ہوا ہے اور زمانہ واحد میں استعمال ہوا ہے۔ اور قاضی عیاض پر یہ رد کیا گیا ہے کہ نحویوں نے جو کہا ہے یہ اس احد کے متعلق کہا ہے جو عموم کیلئے ہے، جیسے مافی الدار من احد، یعنی گھر میں کوئی ایک بھی نہیں ہے، اور وما جاءنی من احد، یعنی میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا اور رہا وہ احد جو واحد کے معنی میں ہو تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کا استعمال کلامِ مثبت میں بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (الاخلاص: ۱) آپ کہیے: وہ اللہ ایک ہے ۝

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ (النور:٦) تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی۔

اور اسی طرح اس حدیث میں یہ ارشاد ہے:

احدکما کاذب۔ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

فھل منکما تائب۔ یعنی کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ان کو ہدایت دینے کیلئے فرمایا ہو، کیونکہ ابھی تک ان دونوں میں سے یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے اپنے قصور کا اعتراف حاصل نہیں ہوا، اور اس لیے کہ خاوند جب اپنے نفس کی تکذیب کر دے تو یہ اس کی طرف سے توبہ ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۱۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنْ حَدِيثِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ حِسَابُكُمَا عَلَى اللهِ أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ مَالِي قَالَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ قَالَ سُفْيَانُ حَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرٍو وَقَالَ أَيُّوبُ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَجُلٌ لَاعَنَ امْرَأَتَهُ فَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ وَفَرَّقَ سُفْيَانُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى فَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ أَخَوَيْ بَنِي الْعَجْلَانِ وَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ إِنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ سُفْيَانُ حَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرٍو وَأَيُّوبَ كَمَا أَخْبَرْتُكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، عمرو نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے لعان کرنے والوں کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ تمہارا حساب اللہ کے ذمہ ہے، تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، اور تمہارے لیے اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے، اس مرد نے کہا: میرے دیے ہوئے مال کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تمہارا اس کے اوپر کوئی مال نہیں ہے، اگر تم سچے ہو تو تم اس سے اپنا حق وصول کر چکے ہو، ورنہ تمہارا مطالبہ تو بہت زیادہ بعید ہے۔ سفیان نے کہا: میں نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے یاد رکھا اور ایوب نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ایک مرد نے اپنی عورت سے لعان کیا، تو حضرت ابن عمر نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا اور سفیان نے اپنی انگلیوں کو متفرق کیا، ایک انگشت شہادت تھی اور دوسری درمیانی انگلی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عجلان کے دو فریقوں کے درمیان تفریق کر دی اور فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ

کرنے والا ہے؟ آپ نے یہ کلام تین مرتبہ فرمایا،سفیان نے کہا:
میں نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے یاد رکھا اور ایوب سے جیسا
کہ میں نے تمہیں اس حدیث کی خبر دی ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۲، ۵۳۴۹، ۵۳۵۰، صحیح مسلم: ۱۴۹۳، سنن نسائی: ۳۴۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۸، مسند احمد: ۴۴۶۳)

جس عورت سے لعان کیا گیا ہو، اس کے لیے مہر کا وجوب

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سفیان راوی نے از عمرو بن دینار از سعید بن جبیر روایت کی ہے کہ میں نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے یاد رکھا ہے اور ایوب نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے پوچھا کہ ایک مرد نے اپنی عورت سے لعان کیا تو انہوں نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا اور سفیان نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو متفرق کیا اور بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عجلان کے فریقوں کے درمیان تفریق کر دی تھی اور آپ نے فرمایا کہ اللہ کو خوب علم ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ آپ نے یہ کلام تین بار فرمایا، سفیان نے کہا: میں نے اس حدیث کو اپنے چچا اور ایوب سے محفوظ رکھا جیسا کہ میں نے تمہیں یہ حدیث سنائی۔

اور اجماع اس پر قائم ہے کہ جس عورت سے لعان کیا گیا ہو، اس کا مہر واجب ہوتا ہے، کیونکہ ان دونوں کا نکاح لعان سے پہلے صحیح تھا اور ہر وہ مرد جو کسی شبہ کی بناء پر کسی عورت سے مجامعت کرے تو اس کا مہر واجب ہوتا ہے تو جب شبہ کی بناء پر مہر واجب ہو جاتا ہے تو نکاح صحیح کے اندر مہر کس طرح واجب نہیں ہوگا اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ دخول کے بعد مہر واجب ہو جاتا ہے۔

علامہ ابراہیم بن منذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مہر واجب ہو جاتا ہے اور خاوند اس کو مہر ادا کرے گا خواہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو نے اس کے متعلق سچ بولا ہے تو تو دخول کے بعد اس سے اپنا مہر وصول کر چکا ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن ملقن کی شرح میں وہی عبارت مذکور ہے جو اس سے پہلے علامہ ابن بطال کی عبارت میں گزر چکی ہے۔

شریعت میں دلیل ظاہر کا اعتبار ہوتا ہے

امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے:

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قصد فرمایا کہ آپ یہ بیان کریں کہ حکم کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے، اور باطن کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور اس میں امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کے اس قول کا رد ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جاتی اور اس کو قتل کر دیا جائے گا، امام مالک بن انس کا یہ قول اس لیے غلط ہے کہ جب ظاہر میں زندیق نے توبہ کر لی اور دلیلِ ظاہر کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

اور امام مالک کے قول کی تاویل میں یہ کہا جاتا ہے کہ ظاہر پر اس وقت عمل کیا جاتا ہے جب اس کے خلاف اس کے باطن پر کوئی قرینہ نہ ہو، اور جب لعان کرنے والے نے توبہ کر لی تو معلوم ہو گیا کہ اب اس کا اعتقاد پہلے اعتقاد کے خلاف ہے، اور زندیق

کے متعلق یہ معلوم نہیں ہے کہ اب اس کی توبہ کرنا اس کے پہلے قول کے خلاف ہے یا نہیں، اس لیے زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور جو ایک دوسرے پر لعان کرنے والے ہیں ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی، کیونکہ جب انہوں نے اپنے نفس کی تکذیب کر لی تو ان کی توبہ صحیح ہوگی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۸۰-۴۸۲ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

اس کی تحقیق کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعان کرنے والوں کو جو توبہ کی تلقین کی تھی یہ لعان سے پہلے تلقین کی تھی یا لعان کے بعد کی تھی

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد ان دونوں فریقوں کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد تھا اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کسی گناہ گار کے اوپر اجمالاً توبہ کو پیش کرنا چاہیے، اور جب وہ اپنے نفس کو جھوٹا قرار دے دے گا تو اس سے اس کی توبہ لازم ہو جائے گی۔

اور علامہ داؤدی متوفی ۴۰۴ھ نے کہا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد لعان سے پہلے تھا تا کہ فریقین کو اس سے ڈرایا جائے کہ وہ جھوٹی قسم کھانے سے باز رہیں اور پہلا احتمال سیاقِ کلام کے ساتھ زیادہ ظاہر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ داؤدی نے جو شرح کی ہے وہ ایک اور جہت سے زیادہ اولیٰ ہے، اور وہ یہ ہے کہ گناہ میں مبتلا ہونے سے پہلے وعظ کرنا جائز ہے بلکہ وہ گناہ کرنے کے بعد وعظ کرنے کی بہ نسبت زیادہ مؤثر ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا: جریر بن حازم کی روایت از ایوب از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما جو امام طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اور امام حاکم متوفی ۴۰۴ھ نے اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے حضرت ہلال بن امیہ کے قصہ میں بیان کی ہے، اس میں مذکور ہے: آپ نے ان دونوں کو بلایا، جب لعان کی آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ تو حضرت ہلال نے کہا: اللہ کی قسم! میں سچا ہوں، میں ضرور سچا ہوں۔ الحدیث۔ اور میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت عکرمہ سے ہے وہ ایک دوسرا قصہ ہے جو حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں مذکور ہے، پس یہ دونوں باتیں تعدد روایت کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۶-۵۱۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی شرح شیوخ دیوبند سے

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ قاضی اور امام کو چاہیے کہ لعان کرنے والوں سے کہہ دے کہ تم دونوں میں سے ضرور کوئی ایک جھوٹا ہے، تو کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنی بات سے توبہ کرنے والا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لعان کرنے والوں سے یہ جملہ فرمایا تھا جیسا کہ روایت باب میں آ رہا ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ کلمات لعان سے پہلے کہے جائیں گے یا لعان کے

بعد۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات توبہ کی ترغیب دینے کے لیے لعان کے بعد کہے تھے، لہٰذا لعان کے بعد کہنا چاہیے۔
داؤدی کے نزدیک آپ نے لعان سے پہلے ڈرانے کیلئے یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے، لہٰذا لعان سے پہلے کہنا چاہیے، روایت میں دونوں احتمال ہیں، حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ پہلے کہنا زیادہ مناسب ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۳، طبع لاہور)
بہتر یہ ہے کہ لعان سے پہلے کہے جائیں تا کہ جھوٹا آدمی پہل نہ کرے اور لعان کے بعد بھی کہے جائیں تا کہ جھوٹ بولنے والا توبہ پر متوجہ ہو۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق ص ۵۴۲-۵۴۳)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے درمیان اس باب کی عنوان کی شرح کے متعلق جو علمی مناقشہ تھا اس کا اس شرح میں ذکر کرنا نہایت ضروری تھا، کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا تھا کہ ان احد کما کاذب تو لعان کرنے والے تو مرد اور عورت دونوں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احد کما فرمایا اور یہ مذکر کا صیغہ ہے تو گویا حضور نے مذکر کو مونث کے اوپر غلبہ دیا اور ان احد کما فرمایا، علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ کیا اور یہ بتایا کہ اس قسم کے جملہ میں یہ نہیں کہا جاتا کہ اس میں مذکر کو مونث پر غلبہ دیا ہے کیونکہ تثنیہ کا صیغہ جب خطاب کے لیے ہو تو اس میں مذکر و مونث دونوں مساوی ہوتے ہیں۔
پھر اس کے بعد علامہ عینی نے قاضی عیاض کے اس کلام کو نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحویوں کے قواعد کا رد فرمایا، پھر علامہ عینی نے اس کی توجیہات بیان کیں، یہ بہت ضروری اور علمی مباحث تھے، جس کو ہم نے علامہ عینی کی شرح کے ضمن میں بیان کر دیا ہے، لیکن شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اس حدیث کی شرح میں جو امور بالکل ظاہر تھے ان کا تو ذکر کر دیا اور جو امور مشکل اور دقیق تھے ان کو چھوڑ دیا، حالانکہ اپنے حلقہ میں وہ جس پائے کے محدث مشہور ہیں، اس کا تقاضا تھا کہ وہ علمی اور دقیق امور کا بھی اپنی شرح میں ذکر کرتے حالانکہ انہوں نے بہت سطحی اور عامیانہ باتوں کا اپنی شرح میں ذکر کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۳۴- بَابُ: التَّفْرِيقِ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ — لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کرنا

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب شوہر اور بیوی دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور یہ عنوان المستملی کی روایت میں ثابت ہے، اور نسفی کی روایت میں فقط لفظ باب لکھا ہوا ہے اور کوئی عنوان ذکر نہیں ہے۔

۵۳۱۳- حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَرَّقَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ قَذَفَهَا وَأَحْلَفَهُمَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن عیاض رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از عبیداللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی جس پر اس کے خاوند نے تہمت لگائی تھی اور آپ نے ان دونوں سے حلف لیا۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۸، ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابو داؤد:

۲۲۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسند احمد: ۶۰۶۳، مؤطا امام مالک: ۱۲۰۲)

لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کا ذکر

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی التوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے لعان کرنے والے مرد کے متعلق فرمایا: تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے، اور یہ ثابت ہو گیا کہ آپ نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی، اور یہ اس کی تفسیر ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی اور ہم نے کتاب اللعان کے شروع میں اس حدیث کی اسانید کو ذکر کر دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے یہ احادیث مروی ہیں کہ دو لعان کرنے والے کبھی بھی جمع نہیں ہوں گے، یہ قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے مروی ہے اور حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا بھی یہی قول ہے۔

۲۷۷۳: ہمیں علی بن الحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی عبد اللہ نے از سفیان، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی الاعمش نے از ابراہیم کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ کبھی بھی مجتمع نہیں ہوں گے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۲۴۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳، ۴۲۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۱۰)

۲۷۷۴: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از عبد الرزاق (المصنف: ۱۲۴۳۶)، از قیس بن الربیع از عاصم بن ابی النجود، از زر بن حبیش، از حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ، آپ نے فرمایا کہ لعان کرنے والے کبھی بھی مجتمع نہیں ہوں گے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳ ص: ۴۲۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۱۰)

۲۷۷۵: اور ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از امام عبد الرزاق (المصنف: ۱۲۴۳۴)، از قیس بن الربیع، از عاصم بن ابی النجود، از شقیق بن سلمہ، از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ نے فرمایا کہ لعان کرنے والے کبھی بھی مجتمع نہیں ہوں گے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۹۶۶۱، سنن بیہقی: ج ۷ ص ۴۱۰)

لعان کے بعد تفریق کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء اور اقوال

ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ، حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، اور ابن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ھ کے بھی یہی اقوال ہیں۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ، کا بھی یہی قول ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۳۵۵)

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی قول ہے (کتاب الام ج ۵ ص ۱۸۹ کتاب النفقات) اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (مسائل احمد و اسحاق روایت الکوسج ۹۸۹)

اور اسحاق بن ابراہیم بن مخلد ابن راہویہ متوفی ۲۳۷ھ کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام ابو عبید الہروی متوفی ۲۲۷ھ کا بھی یہی قول ہے، اور اوزاعی، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ کا بھی یہی

قول ہے۔

حدیث مذکور سے فقہاء کا استدلال

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد سے فرمایا کہ تمہارے لیے اپنی بیوی پر کوئی سبیل نہیں ہے تو اس میں یہ دلیل ہے کہ اس کی بیوی اس کے اوپر کسی وجہ سے بھی حلال نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ اس کے لیے حلال ہوتی تو اس کے لیے اپنی بیوی پر کسی وجہ سے کوئی سبیل ہوتی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا استثناء فرماتے مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے الا یہ کہ تم اپنے نفس کو جھوٹا قرار دو، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقاً یہ فرما دیا تو اب کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس حدیث میں اپنی رائے سے کوئی استثناء کرے اور احادیث کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے، پس اسی طریقہ سے حدیث کے اندر اپنی رائے سے استثناء کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا: جب کسی مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس کے اوپر حدِ قذف کے کوڑے لگائے جائیں گے، اور یہ سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا مذہب ہے۔

(المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۴۷، باب اللعان)

انہوں نے کہا کہ جب کسی مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو یہ طلاقِ بائنہ ہے اور اس پر حدِ قذف کے کوڑے لگائے جائیں گے اور یہی امام محمد بن الحسن الشیبانی الحنفی المتوفی ۱۸۹ھ کا قول ہے۔

اور اس مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ جب کسی مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی اور اس کو کوڑے مارے گئے تو اس کی بیوی کو اس کی طرف لوٹا دیا جائے گا جب تک کہ وہ عورت عدت کے اندر ہو اور یہ قول سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ سے منقول ہے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۵۸۵)

اور عبید اللہ بن الحسن کی رائے یہ تھی کہ لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق طلاق بائنہ ہے اور ان کی رائے یہ تھی کہ وہ اس کے ساتھ دوبارہ عقدِ نکاح کر سکتے ہیں، کہا گیا کہ وہ تو دونوں لعان کر کے چلے گئے حاکم کی تفریق کرنے سے پہلے تو انہوں نے کہا کہ یہ ان کے درمیان تفریق ہے اور انہوں نے کہا کہ جس عورت سے اس کا مرد لعان کر لے پھر اس سے نکاح کرے تو وہ دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔

اور بعض فقہاء نے کہا: جب کسی مرد نے لعان کرنے کے بعد اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا تو اس کو حد نہیں لگائی جائے گی، اسی طرح عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا قول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۱۱۰-۱۱۲)

اور عطاء نے کہا: وہ دونوں متفرق ہو گئے اور وہ مرد اللہ تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ لوٹ گیا اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ سے منقول ہے کہ جب لعان کرنے والے نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا تو اس کے اوپر دو حدیں جمع نہیں ہوں گی۔

اور الحارث العکلی نے کہا کہ اس کے اوپر کوئی حد نہیں ہے۔ (کتاب الام للشافعی ج ۵ ص ۴۱۹، بحث ما یکون قذفا و مالا یکون)

جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے بچے کی اپنے نسب سے نفی کر دی تو اس کے متعلق فقہاء کی آراء اور اقوال

امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ یہ کہتے تھے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے بچے کے متعلق یہ کہا: لم تلدیه، تم نے اس بچے کو نہیں پیدا کیا، تو اس مرد سے اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ چار عورتیں یہ گواہی دیں کہ اس عورت کے

ہاں یہ بچہ ہوا ہے اور یہ عورت اس کی بیوی ہے اور اگر وہاں چار عورتیں نہ ہوں اور اس عورت نے مرد سے اس کی قسم کا سوال کیا تو ہم اس مرد کے اوپر قسم دیں گے۔ اگر مرد نے قسم کھالی تو وہ مرد بری ہو جائے گا اور اگر اس نے حلف نہیں اٹھایا تو ہم اس کو جبراً حلف دیں گے۔ (کتاب الام للامام الشافعی ج ۵ ص ۴۱۹)

اور اگر اس عورت نے حلف اٹھالیا تو مرد پر اس بچے کا نسب لازم ہوگا اور اگر اس عورت نے حلف نہیں اٹھایا تو اس کو لازم نہیں ہوگا۔

سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ نے کہا: بچے کے متعلق عورتوں کے دعوے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، کہ اس نے وہ بچہ اپنے خاوند کے گھر میں پیدا کیا ہے جب تک کہ اس پر گواہ نہ ہوں۔ اور فقہاء احناف نے کہا کہ جب خاوند نے اس بچے کے متعلق کہا جو اس عورت کے ساتھ تھا کہ تم نے یہ بچہ پیدا نہیں کیا ہے تو اس کا نسب کسی سے ثابت نہیں ہوگا اور خاوند پر حد نہیں ہوگی اور نہ ان کے درمیان لعان ہوگا اور اگر اس کی بیوی بچے کی ولادت پر گواہ پیش کر دے تو اس بچے کا نسب میاں بیوی دونوں سے ثابت ہو جائے گا۔ اور جب عورت نے گواہ پیش کیے اور مرد نے اس کی نفی کر دی تو پھر مرد کے اوپر لعان ہے اور بچہ اپنی ماں کے ساتھ لازم رہے گا۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۵۷، باب اللعان)

علامہ ابوبکر ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اگر خاوند نے یہ اقرار کیا کہ اس کی بیوی نے بچہ جنا ہے اور وہ عورت اس کی بیوی ہے اور بچہ اس وقت میں پیدا ہوا جس وقت میں بچے پیدا ہونا ممکن ہے تو وہ بچہ اس کو لازم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الولد للفراش، بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، اور اس کے خاوند کے اس قول کو قبول نہیں کیا جائے گا کہ اس بچے کا نسب اس سے نہیں ہے۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۸۹-۴۹۲، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

حدیث ''الولد للفراش'' کی تحقیق اور تخریج

جب حضرت سعد بن ابی وقاص نے فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ عبد بن زمعہ میرا بھائی ہے، اور میرے باپ (عتبہ بن ابی وقاص) کی باندی کا بیٹا ہے، جس سے عتبہ بن ابی وقاص نے زنا کیا تھا اور اس کے نتیجے میں عبد بن زمعہ پیدا ہوا تھا، وہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابی وقاص سے فرمایا: وہ تمہارا بھائی ہے اے عبد بن زمعہ! پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، اور زانی کے لیے پتھر ہیں یعنی اس کو سنگسار کیا جائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے سودہ! تم عبد بن زمعہ سے پردہ میں رہا کرو، کیونکہ آپ نے عبد بن زمعہ میں عتبہ بن ابی وقاص کی مشابہت دیکھی تھی، تو حضرت سودہ نے اپنے بھائی عبد بن زمعہ کو کبھی نہیں دیکھا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۳ (مختصراً)، صحیح البخاری: ۲۲۱۸، ۲۴۲۱، ۲۵۳۳، ۲۷۴۵، ۴۳۰۳، ۶۷۴۹، ۶۷۶۵، ۶۸۱۷، ۷۱۸۲،)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حکم ثابت ہے کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، اور تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔ (الاغناء: ۲۴۴۲)

۷۷۵۷: ہمیں یحییٰ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از زہری از سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۴۵۸، از سند سفیان)

۷۷۵۸: ہمیں حامد بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں اسحاق رازی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں

مالک بن انس نے حدیث بیان کی (الموطا ص ۵۶۷)، از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ (صحیح البخاری: ۲۲۱۸، صحیح مسلم: ۱۴۵۷ از سند زہری)

مسئلہ مذکورہ میں فقہاء کی آراء اور اقوال

علامہ ابوبکر ابراہیم بن منذر النیشا پوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا: جب کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح صحیح کیا، پھر وہ عقدِ نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت یا اس سے زیادہ مدت کے اندر بچے کو لے کر آئی تو بچہ اس مرد کے ساتھ لاحق ہوگا جب کہ ممکن ہو کہ وہ مرد اپنی بیوی کی طرف پہنچ سکا ہو اور اس کا شوہر ان لوگوں میں سے ہو جو مجامعت کر سکتے ہوں، پس جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنی بیوی کی طرف نہیں پہنچا ہے اور یہ اس صورت میں ہوگا کہ جب شوہر اور بیوی ایسے دو شہروں کے درمیان رہتے ہوں جن کے درمیان اتنی مسافت ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ ان کے نکاح کے بعد ملاقات نہیں ہوئی، اسی طرح اگر خاوند بچہ ہو اور اس جیسا بچہ وطی نہ کر سکتا ہو پھر اس کی بیوی بچہ جنے تو بچے کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح اگر اس عورت کا خاوند مقطوع الذکر اور خصیتین ہو تب بھی اس بچے کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا۔

امام ابوبکر ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی مرد اپنی بیوی سے کئی سال تک غائب رہا ہو، پھر اس کی بیوی کو اس کے شوہر کی وفات کی خبر پہنچ گئی ہو، پھر اس نے عدت گزار لی ہو اور پھر کسی اور مرد سے نکاحِ صحیح کر لیا ہو جو اس کے ولی نے کیا ہو اور اس نکاح کے گواہ بھی موجود ہوں اور دوسرے شوہر نے اس عورت سے دخول کر لیا ہو اور اس سے اس کی کئی اولادیں ہو چکی ہوں، پھر اس کا پہلا شوہر آ جائے تو دوسرا نکاح منسوخ ہو جائے گا اور وہ عورت اپنی عدت گزارے گی اور پہلے شوہر کی طرف واپس کر دی جائے گی اور اس عورت کے لیے دوسرے شوہر کے اوپر مروجہ دستور کے مطابق مہر مثل لازم ہوگا اور اولاد دوسرے شوہر کے ساتھ لاحق ہوگی، کیونکہ وہ اولاد دوسرے شوہر کے بستر پر پیدا ہوئی ہے اور یہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور فقہاءِ عراق کا قول ہے اور ابنِ ابی لیلیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے (المدونہ ج ۶ ص ۱۱۱) اور اہلِ حجاز کا قول ہے اور محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ کا اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۳۴۷، بحث امراۃ المفقود)

اور اسی طرح امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ کا قول ہے، اور تمام اہلِ علم جن کے اقوال محفوظ ہیں ان کا یہی قول ہے سوائے امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ کے قول کے (بدائع الصنائع ج ۳ ص 215) کیونکہ امام ابوحنیفہ کا زعم یہ ہے کہ اولاد پہلے خاوند کی قرار دی جائے گی کیونکہ وہی صاحب فراش ہے۔ (الاقناع: ۲۵۵۹)

اور ہم حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے اس صورت میں یہ فیصلہ کیا کہ اولاد دوسرے شوہر کی قرار پائے گی۔

۷۷۵۹: ہمیں حدیث بیان کی از اسحاق بن راہویہ، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی وکیع نے، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی اسرائیل نے از ابراہیم بن عبدالاعلیٰ از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت مولا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت

میں حاضر تھا اور ان کے پاس عکرمہ بن خنبص نے اس عورت کے متعلق مقدمہ پیش کیا جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تھا تو حضرت مولیٰ علی نے اس بچے کو اس کے پہلے خاوند کے ساتھ لاحق کر دیا، جب کہ اس کی اولاد دوسرے خاوند سے ہوئی تھی اور حضرت علی نے اولاد کو دوسرے خاوند کی اولاد قرار دیا۔

ابراہیم بن منذر کے مسودہ میں یہ لفظ ''حبیص'' لکھا ہوا ہے اور یہ غلط ہے اور صحیح لفظ عکرمہ بن خنبص ہے، امام بخاری نے اس کو اسی طرح لکھا ہے۔ (التاریخ الکبیر ج ۷ ص ۵۰)

اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے (الجرح والتعدیل: ج ۷ ص ۱۰)، انہوں نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے سنا، ان سے ابراہیم بن عبدالاعلیٰ الکوفی نے روایت کی اور امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کو اسی طرح بیان کیا (ج ۵ ص ۲۳۲) اور کہا کہ شیخ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو متقی لوگوں کی حفاظت میں دیا حتیٰ کہ اس کا ایک حیض گزر جائے، پھر حیض گزر جانے کے بعد اس عورت کو اس کے خاوند کی طرف لوٹا دیا۔ (سنن سعید بن منصور: ۹ ۵۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۱۳-۴۱۴)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۴۹-۴۵۱، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

مسئلہ مذکورہ میں فقہاء اسلام کے اقوال

اس میں اختلاف ہے کہ ایک عورت کے ہاں دو بچے ایک پیٹ سے پیدا ہوئے، پس شوہر نے ان میں سے ایک بچے کا تو اقرار کیا اور دوسرے بچے کی نفی کی، تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جب اس نے ایک بچے کا اقرار کر لیا تو دوسرے بچے کا نسب بھی اس سے ثابت ہو جائے گا خواہ وہ پہلے بچے کا اقرار کرے خواہ دوسرے بچے کا اقرار کرے اور یہی امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے۔ (کتاب الام، ج ۵ ص ۴۲۰، بحث ما یکون قذفا و مالا یکون)

اور ابوثور اور ابن القاسم کا بھی یہی قول ہے (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۵۷، بحث کتاب اللعان)

اور فقہاء احناف نے کہا ہے: جب شوہر نے پہلے بچہ کی نفی کی اور دوسرے کا اقرار کیا تو اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور لعان نہیں کیا جائے گا اور دونوں بچوں کا نسب ثابت ہوگا۔ اور اگر اس نے پہلے بچے کا اقرار کیا اور دوسرے کی نفی کی تو اس پر لعان کا حکم لگایا جائے گا اور دونوں بچوں کا نسب اس سے ثابت ہوگا۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۴۹، بحث باب اللعان)

اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ھ نے کہا کہ ایک مرد کی تین اولادیں ہیں، اس نے پہلے بچے کا تو اقرار کیا اور دوسرے کی نفی کی اور تیسری کا اقرار کر لیا تو انہوں نے کہا: اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا جس طرح اس مرد نے کہا ہے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۹۳-۴۹۲، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کرنے کا حکم اور اس مسئلہ میں فقہاء اسلام کے اقوال اور ان کی آراء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب لعان سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق ہو گئی تو علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ لعان کے پورا ہونے سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق

واقع ہو جائے گی خواہ حاکم نے تفریق نہ کی ہو اور یہی قول ربیعہ کا اور امام مالک بن انس کا اور اللیث کا اور الاوزاعی کا اور امام زفر بن ہزیل المتوفی ۱۵۸ھ کا ہے اور ابوثور کا ہے۔

اور سفیان بن سعید بن مسروق ثوری المتوفی ۱۶۱ھ نے کہا اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے دونوں صاحبوں نے کہا کہ لعان کے پورا ہونے سے تفریق واقع نہیں ہوگی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے اور یہی امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے، اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ جب خاوند نے لعان کو مکمل کر دیا تو شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق واقع ہوگئی اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور اگر تفریق مکمل نہ ہو اور خاوند مر جائے تو اس کا بیٹا اس کا وارث ہوگا۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ جب خاوند کا لعان اس سے حد کو ساقط کر دیتا ہے اور بچے کے نسب کی اس سے نفی کر دیتا ہے تو عصمت منقطع ہو جاتی ہے اور الولد للفراش کا حکم ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ عورت کا فراق میں اور عصمت کے منقطع ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے اور عورت کے لعان کا کوئی معنی نہیں ہے سوائے اس کے کہ عورت کے لعان کی وجہ سے اس سے حدِ زنا ساقط ہو جائے گی۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرآن مجید کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:٦)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O

اور امام شافعی کے قول کی بناء پر لائق ہے کہ عورت سے لعان نہ کیا جائے اور یہ عورت اس کی بیوی کی غیر ہے اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کو بائنہ کر دیا، پھر اس پر اس نے زنا کی تہمت لگائی تو عورت سے لعان نہیں کرایا جائے گا، کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے اور قرآن مجید میں بیویوں پر تہمت لگانے کے متعلق لعان کا حکم دیا اور اگر عورت خاوند کے لعان کرنے کی وجہ سے اس سے بائنہ ہوگئی تو پھر عورت کا لعان کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں فقہاء احناف کی دلیل

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ خاوند اور بیوی کے درمیان نفس لعان سے تفریق واقع نہیں ہوتی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کرے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی، تو حدیث میں تفریق کرنے کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے نہ کہ لعان کی طرف۔ تو فقہاء احناف نے کہا: اس سے معلوم ہوا کہ لعان حاکم کے حاضر ہونے کی طرف محتاج ہے تو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق بھی حاکم کی طرف محتاج ہوگی۔ اس کے برخلاف طلاق کا حکم ہے جس کا عنین یعنی نامرد پر قیاس کیا جاتا ہے کیونکہ عنین یعنی نامرد اور اس کی بیوی کے درمیان

تفریق نہیں کی جاتی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کرے یعنی شوہر کے محض نامرد ہونے کی وجہ سے اس کی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں ہوگی جب تک کہ حاکم ان کے درمیان تفریق نہ کردے، سو اسی طرح نفسِ لعان سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق نہیں ہوگی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کردے۔

مسئلہ مذکورہ میں امام مالک کی دلیل

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور ان کے موافقین کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کردی، جب ان دونوں کا لعان ثابت ہوگیا تو اس سے معلوم ہوا کہ نفسِ لعان سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق واجب ہوجاتی ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت فیصلہ کیا جب کہ شوہر اور بیوی لعان سے فارغ ہوگئے تو آپ نے فرمایا: اب تمہارا اس عورت پر کوئی حق نہیں رہا اور آپ نے اپنے اس ارشاد سے یہ خبر دی ہے کہ لعان میں شوہر کی بیوی کے اوپر سبیل کے اوپر مرتفع کردیا اور یہ تفریق ان کے درمیان حاکم کے نئے حکم کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی اور یہ تفریق صرف لعان کی وجہ سے واجب ہوئی ہے جس کا معنی ہے: دونوں کو ایک دوسرے سے دور کرنا، اور یہی لعان کا لغوی معنی ہے۔

فقہاء احناف کے دلائل کے جوابات

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ لاعن کا لفظ باب مفاعلہ کا صیغہ ہے جس کا تقاضا ہے کہ طرفین ایک دوسرے پر لعان کریں اور اگر ان کے درمیان نکاح باقی رہے حتیٰ کہ حاکم اس نکاح کی تفریق کرے تو اس سے لازم آئے گا کہ زوجین کے درمیان صحیح نکاح کی تفریق ہوجائے بغیر کسی فاسد امر کے اور بغیر کسی ایسے سبب کے جس کا تقاضا یہ ہو کہ اس نکاح کو فاسد کرلیا جائے اور اگر اس کے مطابق کہا گیا تو یہ قول تمام امت کے اقوال سے خارج ہوجائے گا اور حاکم کے لیے جائز ہوگا کہ وہ جب چاہے شوہر اور بیوی کے درمیان نکاح کی تفریق کردے بغیر کسی ایسے سبب کے جس کا تقاضا یہ ہو کہ ان کے نکاح کو باطل کردیا جائے اور فقہاء احناف کا عنین اور نامرد پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ نامرد کے ساتھ نکاح پہ راضی رہے اور جس عورت نے اپنے خاوند سے لعان کرلیا اس کے لیے اس سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا یہ دونوں مسئلے الگ الگ ہوگئے اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاء احناف کے رد پر تائید مزید

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ لعان کرنے والے کی بیوی اپنے شوہر پر حلال نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا شوہر اپنے آپ کو جھوٹا نہ قرار دے، اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ اگر لعان سے نکاح فسخ نہ ہوتا تو العجلانی کی طلاق ان کی بیوی پر واقع ہوجاتی اور وہ دوسرا نکاح کرنے کے بعد العجلانی کیلئے حلال ہوجاتی اور جمہور علماء نے ذکر کیا ہے کہ دو لعنت کرنے والے میاں بیوی کبھی بھی ایک دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتے اور جب اس مرد نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے دیا تو اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور بچے کا نسب اس کے ساتھ لگا دیا جائے گا اور اس کی بیوی اس کے پاس کبھی بھی لوٹ نہیں سکے گی۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے: اس سنت میں کوئی شک نہیں ہے اور نہ کوئی اختلاف ہے اور علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے از عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ روایت کی ہے کہ لعنت کرنے والے نے جب لعان کرنے کے بعد اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا تو اس پر حدِ قذف نہیں لگائی جائے گی اور انہوں نے کہا: وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی لعنت سے الگ الگ ہوگئے۔

فقہاء احناف کی طرف سے دلیل مذکور کا جواب

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے کہا: جب کسی مرد نے اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا اور اس پر حدِ قذف لگ گئی اور بچہ اس کے نسب کے ساتھ لاحق ہو گیا تو وہ جس کو چاہے نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور یہی سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ کا قول ہے اور ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع قائم ہے کہ جب لعان کرنے والے مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی اور اس پر حدِ قذف لاگو ہو گئی اور بچہ اس کے نسب کے ساتھ لاحق ہو گیا تو انہوں نے کہا تو پھر اس کا نکاح بدستور حلال ہو جائے گا اور بچہ اس کی طرف لوٹ آئے گا کیونکہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

جمہور فقہاء کی طرف سے فقہاء احناف کے جواب پر تبصرہ

جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ لعان کرنے والے مرد اور عورت کبھی بھی مجتمع نہیں ہوتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے مرد اور عورت کے درمیان تفریق کر دی اور آپ نے مرد سے فرمایا کہ ”تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر اب کوئی سبیل نہیں ہے“۔ اور آپ نے اس سے یہ نہیں فرمایا: سوائے اس کے کہ تم اپنے نفس کی تکذیب کرو تو گویا یہ دائمی تحریم ہے جیسا کہ امہات کے متعلق دائمی تحریم ہے، اور یہ ہر اس تحریم کی شان ہے جس میں مطلقاً دائمی تحریم ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو اس کی بیوی اس پر دائماً حرام نہیں ہوتی اور جب وہ دوسرے شوہر سے نکاح کر لے تو پھر اس کا پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے، اور اگر آپ فرماتے کہ اگر اس نے اس کو طلاق دے دی تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو گی تو یہ تحریم مطلق ہوتی اور کبھی اس کے لیے حلال نہ ہوتی، حالانکہ مطلقہ ثلاثہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً تحریم نہیں فرمایا اور لعان کرنے والے مرد اور عورت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً تحریم فرمائی ہے اور اس کو کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا، سو یہ دائمی تحریم ہے، پس اگر مرد نے اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا تو بچے کا نسب اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا، کیونکہ یہ وہ حق ہے جس کا اس نے پہلے انکار کیا اور پھر دوبارہ اقرار کر کے اس کی طرف رجوع کر لیا اور نکاح میں اس طرح نہیں ہے کیونکہ یہ وہ حق ہے جو اس کے اوپر ثابت تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے“ تو اب مرد کے لیے اس کو باطل کرنا جائز نہیں ہو گا اور امام اسحاق بن ابراہیم بن مخلد راہویہ المتوفی ۲۴۳ھ نے اور فقہاء کی جماعت میں ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے روایت کی ہے کہ اس معاملہ پر سنت جاری ہو گئی کہ جب فریقین ایک دوسرے پر لعان کریں گے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکیں گے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۳۸۶-۳۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

لعان پر متفرع ہونے والی تفریق کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ، صحیح البخاری: ۵۳۱۳، ۵۳۱۴ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں نافع البربری متوفی ۱۱۷ھ کی از حضرت ابن عمر متوفی ۷۳ھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن

رضی اللہ عنہما نے یہ خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی جس مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور ان دونوں سے آپ نے حلف لیا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد اور ایک عورت جو انصار سے تھیں ان کے درمیان آپ نے لعان کرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔

علامہ ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ لعان کے ساتھ تفریق کب واقع ہوگی اور علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۲ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ جیسے ہی لعان پورا ہوگا تو تفریق واقع ہو جائے گی خواہ حاکم تفریق نہ کرے اور یہ ربیعہ، امام مالک بن انس، اور لیث اور اوزاعی اور امام زفر بن ہزیل متوفی ۱۵۸ھ کا قول ہے۔ اور ثوری نے کہا اور امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا کہ جب تک حاکم تفریق نہ کر دے اس وقت تک صرف لعان سے تفریق نہیں ہوگی۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۰۶)

اور امام شافعی نے کہا کہ جب زوج نے لعان کو مکمل کر دیا تو ان کے درمیان تفریق ہو گئی اور وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور اگر تفریق مکمل نہ ہوتی اور وہ مرد مر جاتا تو اس کا بیٹا اس کا وارث ہوتا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۸۰-۲۸۱)

اور امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب خاوند کے لعان کرنے سے اس سے حدِ قذف ساقط ہو جاتی ہے اور بچے کے نسب کی نفی ہو جاتی ہے تو ان کے درمیان عصمت منقطع ہو جاتی ہے اور الولد للفراش کا حکم مرتفع ہو جاتا ہے کیونکہ عورت کا فراق میں اور عصمت کے منقطع ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے، اور عورت جو لعان کرتی ہے اس کا صرف یہ معنی ہے کہ اس سے حدِ زنا ساقط ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ۝

اور یہ آیت ان کے قول کے خلاف ہے، اور اس کے بھی خلاف ہے کہ انہوں نے کہا: لائق ہے کہ عورت لعان نہ کرے جب کہ وہ اس کی بیوی نہ ہو، اور اس پر اتفاق ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس نے اس کو خود سے جدا کر دیا پھر اس کے اوپر اس نے زنا کی تہمت لگائی تو اب لعان نہیں کرایا جائے گا کیونکہ اب وہ اس کی بیوی نہیں رہی، اسی طرح جب اس کی بیوی لعان کرنے کی وجہ سے بائن ہو گئی تو اب اس کا لعان کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۰۵-۵۰۶)

الثوری اور ان کے موافقین کی اس باب کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفریق کی اضافت مرد کی طرف کی ہے، لعان کی طرف نہیں کی، انہوں نے کہا: جب کہ اس میں مرد کے حاضر ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے تو اسی طرح اس کی تفریق میں بھی اس کے حاضر ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف عنین یعنی نامرد کی طلاق پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ عنین اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق صرف حاکم کرتا ہے۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور ان کے موافقین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جب ان دونوں کا لعان مکمل ہو گیا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ لعان سے تفریق واجب ہو جاتی ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد فیصلہ فرمایا اور آپ نے مرد سے فرمایا: تمہارے لیے اب اس عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے اور اس میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ لعان نے مرد کی عورت کے اوپر سبیل کو مرتفع کر دیا اور یہ تفریق ان کے درمیان نیا حکم نہیں ہے، یہ تفریق ان کے لعان کی وجہ سے از روئے لغت واجب ہو گئی۔ (الاستذکار، ج ۱۷، ص ۲۲۴-۲۲۶ ملخصاً)

لعان باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کا خاصہ ہے: فاعل میں اشتراک، اگر ان کا نکاح ان کے درمیان باقی رہتا حتیٰ کہ حاکم تفریق کرتا تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حاکم کسی بھی صحیح نکاح کو اپنی رائے سے بغیر کسی سبب صحیح یا سبب فاسد کے فسخ کر سکتا ہے جب کہ کوئی ایسا سبب درپیش نہ ہو جس کا تقاضا اس نکاح کو فاسد کرنا ہو، اور جس نے یہ قول کیا تو اس کا قول تمام امت کے اجماع سے خارج ہو گا اور پھر حاکم کے لیے جائز ہو گا کہ میاں بیوی میں سے جس کے نکاح کی تفریق کرنا چاہے وہ تفریق کر دے، بغیر کسی ایسے سبب کے جس کا یہ تقاضا ہو کہ ان کا نکاح باطل کر دیا جائے اور فقہاء احناف کا اس پر نامرد کے معاملہ پر قیاس کرنا خطاء ہے کیونکہ بیوی کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر وہ عنین اور نامرد کے ساتھ زندگی گزارنے پر راضی ہو تو وہ اس کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے اور لعان کرنے والی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لعان کرنے والے مرد سے رجوع کر لے، لہٰذا ان دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ لعان کرنے والے کی بیوی لعان کے بعد اپنے شوہر پر حلال نہیں ہوتی جب اس نے اپنے نفس کی تکذیب نہ کی ہو، اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ ان کا نکاح لعان سے فسخ نہیں ہوا اور حضرتِ عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ کی طلاق اپنی بیوی پر واقع ہو گئی اور وہ نکاح کے بعد ان کے لیے حلال تھی۔

اور جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ دو لعان کرنے والے مرد اور عورت کبھی بھی ایک دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتے خواہ مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی ہو اور اس پر کوڑے مار دیے گئے ہوں اور اس کا بچہ اس پر لاحق ہو گیا ہو اور اس کی بیوی اس پر کبھی بھی رجوع نہیں کرے گی۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: یہ وہ سنتیں ہیں جن میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کوئی اختلاف ہے۔ (المؤطا امام مالک ص ۳۵۱)

اور علامہ ابراہیم بن منذر النیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ نے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے روایت کی ہے کہ لعان کرنے والے نے لعان کے بعد جب اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا تو اس پر حدِ قذف نہیں لگائی جائے گی اور کہا: یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی لعنت سے متفرق ہو گئے۔

فقہاء احناف کی طرف سے دلائل مذکورہ کے جواب

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ جب لعان کرنے والے مرد نے لعان کے بعد اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس کو حد قذف لگائی جائے گی اور اس کا بچہ اس کے ساتھ لاحق ہو جائے گا اور وہ جس کو چاہے نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور یہ سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ اور سعید بن جبیر متوفی ۱۷ھ

کا مذہب ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۰۶، الاستذکار ج ۱۷ ص ۲۳۱-۲۳۶ ملخصا)

بخاری کے ایک شارح علامہ ابن التین نے اس عبارت کو نقل کیا ہے اور اس پر انہوں نے حسن بصری کا ذکر نہیں کیا اور محمد بن حسن الشیبانی متوفی ۱۷۹ھ کا اضافہ کیا ہے کہ جب لعان کرنے والے مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو پھر تحریم مرتفع ہو گئی، پھر اس کی بیوی جب تک عدت میں ہو تو وہ اس مرد کی طرف لوٹ سکتی ہے، اور جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع قائم ہے کہ اگر مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی اور اس پر حدِ قذف لاگو کر دی گئی تو بچہ اس کے نسب کے ساتھ لاحق ہو جائے گا، انہوں نے کہا: پھر یہ نکاح حلال ہو کر لوٹ آئے گا جیسا کہ بچہ اپنے نسب کی طرف لوٹ آیا ہے کیونکہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ لعان کرنے والے مرد اور عورت کبھی بھی مجتمع نہیں ہوتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور آپ نے مرد سے فرمایا: تمہارے لیے اس بیوی کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا: سوائے اس صورت کے کہ تم اپنے نفس کی تکذیب کر دو تو گویا کہ یہ دائمی تحریم ہے جیسا کہ امہات کی تحریم ہوتی ہے اور یہ ہر اس تحریم کی شان ہے جس میں دائمی طور پر تحریم کی گئی ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ان کی تحریم دائمی نہیں ہے اور اس میں یہ شرط ہے کہ جب تین طلاق دینے والے کی بیوی نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا تو اس کا پہلے خاوند کی طرف نکاح جدید سے رجوع کرنا جائز ہے اور اگر آپ یوں فرماتے کہ اگر اس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ اس کے لیے بالکل حلال نہیں ہوتی تو پھر یہ تحریم مطلق ہوتی اور وہ عورت اس کے لیے کبھی حلال نہ ہوتی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان میں تحریم کو مطلقاً قرار دیا ہے اور اس کو کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو لعان سے جو تحریم ثابت ہوتی ہے وہ دائمی ہے، پس اگر مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس کا بیٹا اس کے ساتھ لاحق ہو جائے گا کیونکہ یہ وہ حق ہے جو اس کے خلاف ثابت ہو چکا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے، لہٰذا مرد کیلئے اس کو باطل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (الاستذکار ج ۱۷ ص ۲۳۴-۲۳۷ ملخصا)

اور امام اسحاق بن ابراہیم الحنظلی راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابن شہاب زہری کی ایک جماعت نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اس چیز کے اوپر سنت جاری ہو چکی ہے کہ جب مرد اور عورت نے ایک دوسرے پر لعنت کر لی تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۸۳-۴۸۶، وزارۃ الاوقات والشؤون الاسلامیہ، القطر ۱۴۲۹ھ)

لعان پر متفرع ہونے والی تفریق کی حدیث کی تحقیق

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری ۵۳۱۳، ۵۳۱۴ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ عنوان یعنی دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق المستملی کی عبارت سے ثابت ہے اور اس کو اسماعیلی نے ذکر کیا ہے اور علامہ نسفی نے اس باب کو بغیر کسی عنوان کے ذکر کیا ہے اور پہلا طریقہ زیادہ مناسب ہے، اس باب میں یہ حدیث ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے دو سندوں سے یہ حدیث روایت کی ہے اور پہلی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے حلف لیا، اور دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان

لعان کیا گیا تو آپ نے ان دونوں سے حلف لیا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ یحییٰ بن نعیم نے اور دوسروں نے مطلقاً اس روایت کو غلط قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ آپ نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی، اس سے مراد وہ ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ ھ کی حدیث میں مذکور ہے جس کو امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ نے روایت کیا ہے از سفیان بن عیینہ از زہری انہی الفاظ کے ساتھ اور اس کے بعد کہا ہے: ابن عیینہ کی اس حدیث میں کسی نے متابعت نہیں کی، پھر عیینہ کی سند سے از عمر بن دینار از سعید بن جبیر از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عجلان کے دو فریقوں کے درمیان تفریق کر دی۔

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ ھ نے کہا ہے کہ شاید کہ ابن عیینہ نے اس حدیث کے اندر دوسری حدیث کی مداخلت کر دی اور امام ابن ابی خیثمہ نے ذکر کیا ہے کہ یحییٰ بن معین سے اس حدیث سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ غلط ہے۔

حافظ ابن عبد البر مالکی نے کہا کہ اگر ان کا ارادہ یہ ہے کہ حضرت سہل بن سعد ساعدی کی حدیث ہے تو معاملہ سہل ہے ورنہ یحییٰ بن معین کا قول مردود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس سے پہلے حضرت سہل کی حدیث میں ابن جریر کی سند سے یہ گزر چکا ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان یہ سنت جاری ہوگئی کہ وہ کبھی بھی مجتمع نہیں ہوں گی لیکن ابن شہاب زہری کی عبارت کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا یہ قول مرسل ہے، اور میں بیان کر چکا ہوں کہ اس قول کو کس نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور کس نے اس کو باب اللعان میں مرسلاً روایت کیا ہے۔ اور ہر تقدیر پر یہ واضح ہو گیا کہ دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق نفسِ لعان سے نہیں ہوتی حتیٰ کہ حاکم اس تفریق کو واقع کرے اور ابن جریج کی روایتِ مذکورہ اس بات کی تائید کرتی ہے کہ تفریق نفس لعان سے واقع ہو جاتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ابن شہاب زہری کی یہ حدیث مرسل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام دار قطنی متوفی ۳۸۶ ھ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ کے حکم سے تفریق واقع نہیں ہوتی اور انہوں نے امام دار قطنی کی ایک دوسری روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آپ نے مرد سے فرمایا کہ تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر اب کوئی سبیل نہیں ہے اور اس جواب پر یہ تعاقب کیا گیا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد مرد کے اس سوال کے جواب میں تھا جو اس نے کہا تھا کہ میں نے جو مال اس پر خرچ کیا ہے اس کا کیا ہوگا اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اعتبار عمومی الفاظ سے ہوتا ہے اور یہ الفاظ نکرہ ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اب مرد اپنی بیوی کے مال پر یا بدن پر کسی وجہ سے تصرف نہیں کر سکتا۔

اس پر بحث کہ آیا نفسِ لعان سے خاوند اور بیوی کے درمیان دائمی تفریق ہو جاتی ہے یا اس کے لیے حاکم کے حکم کی ضرورت ہے

اور امام ابوداؤد متوفی ۲۷۶ ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ کی حدیث کے اخیر میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اس مرد کے اوپر اس بیوی کا نہ کوئی خرچ ہے اور نہ رہائش ہے، اس وجہ سے وہ دونوں بغیر طلاق کے علیحدہ ہوئے اور نہ خاوند کی وفات ہوئی، اور یہ حدیث اس بات میں ظاہر ہے کہ فرقت یا تفریق لعان کرنے والوں کے درمیان نفس لعان سے

واقع ہوئی اور اس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو حدیث حضرت سہل سے مروی ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عویمر العجلانی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے درمیان علیحدگی کا حکم دیتے اور بے شک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی، اس سے پہلے کہ یہ معلوم ہو کہ تفریقِ نفسِ لعان سے واقع ہوئی ہے، انہوں نے اپنی اس بیوی سے شدید نفرت کی بناء پر اس کو طلاق دینے میں جلدی کی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہ ارشاد ہے کہ یہ اب کبھی بھی جمع نہیں ہوں گی، اس سے بھی یہ استدلال کیا گیا ہے کہ لعان کی تفریق دائمی طور پر ہوتی ہے اور بے شک لعان کرنے والا اگر اپنے نفس کو جھوٹا قرار دے دے تب بھی اس کے لیے بعد میں اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے نکاح کر لے اور لعان سے صرف ایک طلاقِ بائنہ واقع ہوتی ہے اور یہ قول حماد بن ابی سلیمان متوفی ۱۲۰ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا ہے اور امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ کا ہے۔ اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ جب لعنت کرنے والے نے اپنے نفس کے ساتھ تکذیب کر دی تو جس کو چاہے نکاح کا پیغام دے سکتا ہے، اور شعبی اور زہاب سے مروی ہے کہ جب اس نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس کی بیوی کو واپس لوٹایا جائے گا۔

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا میرے نزدیک یہ تیسرا قول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: میں کہتا ہوں ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اس کی بیوی اس کے ساتھ نکاح جدید کے ساتھ لوٹا دی جائے گی، تو یہ قول پہلے قول کے موافق ہو جائے گا۔

علامہ ابن سمعانی الشافعی متوفی ۴۸۹ھ نے کہا: میں اس مسئلہ کی دلیل پر واقف نہیں ہوا، کیونکہ نظر کا تقاضا یہ ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان دائمی تفریق ہو جاتی ہے اور اس مسئلہ میں صرف نص صریح کی اتباع کی جائے گی۔

اور حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا: ہمارے بعض اصحاب نے اس کی تائید کی ہے کہ ایک ملعون دوسرے ملعون کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتا کیونکہ ہر فریق نے دوسرے فریق پر لعنت کر دی تو ایک ملعون دوسرے ملعون کے ساتھ کیسے جمع ہوگا کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی ایک یقیناً ملعون ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب ایک عورت اس کے ساتھ نکاح کر لے کہ جس کے ساتھ اس نے لعان نہیں کیا تھا تو اب اس پر لعنت متحقق نہیں ہے اور اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ اگر ایسا ہوتا کہ ان دونوں کیلئے نکاح کرنا ممتنع ہوتا کیونکہ یہ متحقق ہو گیا کہ ان میں سے کوئی ایک ملعون ہے۔

اور علامہ ابن السمعانی نے کہا ہے کہ بعض فقہاء احناف نے یہ اعتراض کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: دو لعنت کرنے والے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ دائمی تفریق اس کے ساتھ مشروط ہے کہ زوجین یعنی میاں بیوی کے درمیان تلاعن اور ایک دوسرے پر لعنت کرنا واقع ہو۔

اور فقہاء شافعیہ اس پر اکتفاء کرتے ہیں کہ شوہر کے لعان کرنے سے دائمی تحریم واقع ہو جاتی ہے اور انہوں نے جواب دیا کہ جب شوہر کا لعان کرنا عورت کے لعان کرنے کے سبب سے تھا اور صریح لفظ لعنت مرد کی جانب سے تھا نہ کہ عورت کی جانب سے تو

اس کو ملاعنہ کا نام دیا گیا، اور نیز اس لیے کہ لعان میں عورت کے اوپر زنا کا اثبات ہے تو یہ اس کو مسلم ہے کہ بیٹے کے نسب کی نفی مرد سے ہو جائے تو پھر الولد للفراش کا حکم منتفی ہو جائے گا اور جب فراش منتفی ہو گیا تو نکاح بھی منقطع ہو گیا۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ جب لعنت کرنے والے نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس سے ملاعنہ کا حکماً ارتفاع لازم آئے گا۔ اور جب ملاعنہ مرتفع ہو گیا تو مرد کی بیوی کے ساتھ اس مرد کا استمتاع کرنا جائز ہو گیا، ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ لعان تمہارے نزدیک شہادت ہے اور شاہد جب حکم کے بعد رجوع کر لے تو حکم مرتفع نہیں ہوتا یعنی جب فیصلہ کرنے کے بعد شاہد اپنی گواہی سے رجوع کر لے تو اس سے حاکم کا حکم زائل نہیں ہوتا اور ہمارے نزدیک لعان یمین ہے، یعنی قسم ہے اور وہ حجت ہے اور حکم اس یمین اور قسم کے ساتھ متعلق ہے اور یہ حکم مرتفع نہیں ہو گا تو جب لعنت کرنے والے نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس نے یہ زعم کیا کہ اس سے وہ چیز صادر نہیں ہوئی جو حد کو ساقط کر دے، لہٰذا اس پر حد واجب ہو گی اور لعان کا تقاضا مرتفع نہیں ہو گا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۷-۵۱۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۳۱۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَاعَنَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا مجھے نافع نے خبر دی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک مرد اور ایک عورت جن کا تعلق انصار سے تھا ان کے درمیان لعان کرایا اور نبی ﷺ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۸، ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۳، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابو داؤد: ۲۲۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسند احمد: ۶۰۶۳، موطا امام مالک: ۱۲۰۲)

حدیث کے مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کے معانی اور ان کی تسہیل اور فقہاء احناف کا اپنے موقف پر استدلال

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ صحیح البخاری: ۵۳۱۳، ۵۳۱۴ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ انصار کے ایک مرد اور عورت کے درمیان آپ نے لعان کرایا: اس مرد سے مراد حضرت ہلال بن امیہ الانصاری ہیں۔ اور یہی وہ مرد ہیں جنہوں نے اپنی بیوی پر شریک بن السحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی اور وہ شریک بن عبد بن مغیث ہیں جو انصار کے حلیف تھے اور سحماء ان کی ماں کا نام ہے۔

اور حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا کہ جریر بن حازم نے از ایوب از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ جب حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو ان سے کہا گیا: تم پر رسول اللہ ﷺ ۸۰ کوڑے ماریں گے یعنی حدِ قذف، تو حضرت ہلال بن امیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ زیادہ عدل کرنے والا ہے اور بے شک میں نے اس واقعہ کو دیکھا ہے تو پھر ملاعنہ کی آیت نازل ہو گئی۔

اور بخاری کے ایک شارح علامہ ابن التین نے کہا: زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ہلال بن امیہ نے حضرت عویمر العجلانی سے

پہلے لعان کیا تھا۔

علامہ ابوالحسین علی بن حبیب الماوردی الشافعی متوفی ۴۵۰ھ نے الحاوی الکبیر میں لکھا ہے کہ اکثر فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ کا قصہ حضرت عُویمر العجلانی کے قصہ پر مقدم ہے۔

اور ابن الصباغ نے اپنی کتاب الشامل میں لکھا ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ کا قصہ یہ خبر دیتا ہے کہ یہ آیت کریمہ پہلے نازل ہوئی اور وہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت عُویمر سے کہا گیا کہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرت ہلال بن امیہ کے متعلق آیت نازل ہوئی تھی کیونکہ یہ حکم تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ قول علماءِ اصول کے اس قاعدے کے مطابق ہے کہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے خصوصیتِ سبب کا نہیں ہوتا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ پہلی روایت (صحیح البخاری: ۵۳۱۳) میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے مرد کے درمیان اور اس عورت کے درمیان جس پر مرد نے زنا کی تہمت لگائی تھی تفریق کردی اور ان دونوں سے حلف لیا اور اس دوسری روایت (یعنی صحیح البخاری ۵۳۱۴) میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا الیٰ آخرہ۔۔۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق فرمادی تو میں کہوں گا: ان دونوں حدیثوں میں معنیٰ کے اعتبار سے حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ لعان کے اندر یہ ضروری ہے اور حاکم کا تفریق کرنا یہ فقہاءِ احناف کی حجت تو یہ ہے کہ لعان صرف حاکم کی تفریق سے واقع ہوتا ہے اور ہم اس سے پہلے اس مسئلہ کے اندر اختلاف کا ذکر کر چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

نوٹ: شیخ محمد بن صالح العثیمین نے ان دونوں حدیثوں کی شرح میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۱)

صحیح البخاری: ۵۳۱۴ کے فوائد علمیہ

شیخ محمد علی صابونی اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کے درج ذیل فوائد ہیں:

(۱) لعان چار گواہوں کے قائم مقام ہو، اس وجہ سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو شخص لعان کرے تو وہ چار مرتبہ یہ گواہی دے کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے جو اپنی بیوی پر تہمت لگائی ہے میں اس میں سچا ہوں۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب لعان مکمل ہو جائے گا تو شوہر اور بیوی کے درمیان دائمی تفریق کردی جائے گی اور وہ بیوی شوہر کے اوپر کسی حال میں بھی حلال نہیں ہوگی۔

(۳) لعان شوہر اور بیوی کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا اگر کوئی اجنبی مرد کسی اجنبی عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو پھر ان کے درمیان لعان نہیں کیا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں لعان کو بیویوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:٦)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور

سچوں میں سے ہے O

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ واجب ہے کہ لعان حاکم کے سامنے ہونا چاہیے یا جو حاکم کا نائب ہو، کیونکہ حد کا قائم کرنا حکام کے خصائص میں سے ہے۔

(۵) جب شوہر قسم کھانے سے انکار کر دے یا لعان سے انکار کر دے تو اس کے اوپر حدِ قذف لاگو ہوگی جو ۸۰ کوڑے ہیں۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۳۳-۱۳۴، المکتبۃ العصریہ لبنان، ۱۴۳۲ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۳، ۵۳۱۴ سے امام ابوحنیفہ کے موقف کی تائید

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ لعان کے بعد متلاعنین کے درمیان حاکم تفریق کر دے گا اور انہیں ایک ساتھ نہیں رہنے دیا جائے گا، اس ترجمہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ لعان سے فرقت واقع نہیں ہوتی بلکہ حاکم جب تفریق کرے گا تب فرقت واقع ہوگی جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ تفریق کے بعد لعان کرنے والے میاں بیوی کے درمیان دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اگر زوج اپنے آپ کو جھٹلا دے تو لعان طلاقِ بائن کے درجہ میں ہے اور دوبارہ اس عورت سے شادی کر سکتا ہے۔

امام شافعی، امام مالک، امام ابو یوسف اور امام زفر کے نزدیک لعان کے بعد لعان کرنے والے کسی بھی صورت میں دوبارہ میاں بیوی کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے، اس سے حرمتِ مؤبدہ ثابت ہوتی ہے (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۰۶)

کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا لا سبیل لک علیھا، تمہارے لیے اپنی بیوی پر کوئی سبیل نہیں ہے، اور ایک روایت میں ہے: المتلاعنان اذا تفرقا لا یجتمعان ابدا، یعنی جب ایک دوسرے پر لعنت کرنے والے متفرق ہو جائیں تو وہ پھر کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۷۶، رقم: ۱۱۶، باب المہر)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ متلاعنین جمع نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے لعان پر قائم رہیں لیکن اگر زوج نے اپنے آپ کو جھٹلا دیا تو اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور لعان ختم ہو جائے گا، ہاں اگر وہ اپنے لعان پر قائم رہے تو پھر بے شک وہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے اور آپس میں ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۱۶، بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۴۵، کتاب اللعان)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے پھر اس مسئلہ میں فقہاءِ اسلام کے نظریات اور ان کے اقوال بیان کیے ہیں وہ درست ہیں لیکن ایک ضروری امر ان سے رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ وہ یہ بیان کرتے کہ صحیح البخاری کی ان دونوں حدیثوں میں کیا تطبیق ہے اور امام بخاری نے ان دو حدیثوں کو مختلف الفاظ کے ساتھ کیوں وارد کیا ہے، نیز انہوں نے اس چیز کو بھی نظر انداز کر دیا کہ اس حدیث کی تحقیق میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو بہت زیادہ عالمانہ بحث کی ہے اس کا کچھ معمولی سا اشارہ ہی کر دیتے۔ سعیدی غفرلہ

۳۵- بَابٌ: يُلْحَقُ الْوَلَدُ بِالْمُلَاعِنَةِ — بچے کو لعان کرنے والی کے ساتھ ملا دیا جائے گا

باب مذکور کی شرح

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لعان کرنے والی عورت کے ہاں بچہ ہو اور اس کا خاوند بچہ ہونے سے پہلے اس بچے کی اپنے نسب سے نفی کردے یا بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کے نسب کی نفی کرے تو پھر اس بچے کو اس عورت کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۱۵- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَاعَنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَتِهِ فَانْتَفَى مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا، اس مرد نے اس بچے کی اپنی ذات سے نفی کی، تو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی، اور بچے کو اس عورت کے ساتھ لاحق کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۸، ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن النسائی: ۳۴۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسند احمد: ۲۰۶۳، موطا امام مالک: ۱۲۰۲)

اس وقت کا بیان جس وقت میں بچے کے نسب کی نفی کرنا جائز ہے

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ کس وقت میں شوہر کیلئے جائز ہے کہ وہ بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کرے۔

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مرد کیلئے جائز ہے کہ وہ کسی بھی وقت میں بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کردے، یہ قول حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ اور ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی الخذ ومی متوفی ۱۰۴ھ کا ہے۔ اس کی امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۴ھ نے حکایت کی ہے اور الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ نے کہا: جب مرد نے پہلے بچے کے نسب کا اقرار کیا، پھر انکار کیا تو ان کے درمیان لعان کرایا جائے گا جب تک کہ وہ ماں اس مرد کے پاس ہے تو بچہ اس ماں کے پاس رہے گا، اسی طرح قتادہ بن دعامہ بن عزیز البصری المتوفی ۱۱۷ھ کا قول ہے۔

اور فقہاء کی ایک دوسری جماعت نے کہا کہ جب مرد نے ایک مرتبہ بچے کے نسب کا اقرار کرلیا تو پھر اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے نسب کا اپنی ذات سے انکار کرے، یہ قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ کا ہے۔ اور عمر بن عبدالعزیز خلیفۃ المسلمین

متوفی ۱۰۱ھ کا بھی یہی قول ہے۔اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا قول ہے۔(المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۴۹، باب اللعان)

۷۷۷۶: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از امام عبد الرزاق (المصنف: ۱۲۳۴۷) از الثوری از مجالد، از الشعبی از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، آپ نے فرمایا: جب مرد نے ایک ساعت کے لیے بچے کے نسب کا اقرار کیا، پھر انکار کر دیا تو بچے کا نسب اس کے ساتھ لاحق ہوگا۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۵۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۱۱-۴۱۲، اخبار القضاۃ للوکیع ج ۴ ص ۱۹۱)

۷۷۷۷: اور انہوں نے ہمیں حدیث بیان کی از یحییٰ بن یحییٰ، انہوں نے کہا: ہمیں حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، از مجالد، از عامر، از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، از مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، از شریح، انہوں نے کہا کہ جب مرد نے بچے کے نسب کا اقرار کر لیا تو پھر اس کے لیے اس کے نسب کی نفی کرنا جائز نہیں ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۵۰)

اسی طرح ابوثور کا قول ہے اور یہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے۔(المدونہ ج ۲ ص ۳۵۷، کتاب اللعان)

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے۔(کتاب الام ج ۵ ص ۴۱۹، الوقت فی نفی الولد)

اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت کا بھی یہی قول ہے کہ خاوند کے اوپر بچے کا نسب لازم ہوگا جب اسے بچے کی پیدائش کا علم ہوا اور اس کے نسب کی نفی نہ کرے بایں طور کہ وہ حاکم کے پاس جائے اور اس کے لیے حاکم کے پاس جانا اور حاکم کے سامنے بچے کے نسب کی نفی کرنا ممکن ہو۔(المبسوط ج ۷ ص ۵۵، باب اللعان)

اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ نے کہا: اس کا وقت نفاس ہے، جب اس نے بچے کے نسب کی نفی نفاس میں کر دی تو لعان کرایا جائے گا اور بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لازم کر دیا جائے گا اور جب اس نے نفاس کے بعد بچے کے نسب کی نفی کی تو لعان کرایا جائے گا اور بچہ اس کے باپ کے ساتھ لازم کر دیا جائے گا اور یہ قول امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ سے بھی منقول ہے اور نفاس کا وقت ان کے نزدیک چالیس (۴۰) ایام ہیں اور امام محمد بن حسن شیبانی نے امام ابوحنیفہ النعمان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس قول کو مستحسن قرار دیا کہ جب اس نے بچے کی نفی کی، جب وہ بچہ پیدا ہوا یا بچہ پیدا ہونے کے ایک دن یا دو دن بعد پیدا ہوا اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے کہا: نفاس کا وقت چالیس دن ہیں۔اور امام ابوعبید الہروی متوفی ۲۲۷ھ نے حکایت کی ہے کہ بعض اہلِ عراق نے کہا کہ اس میں وقت تین دن ہیں یا اس کی مثل ایام ہیں ولادت کے بعد، اور امام ابوعبید نے ذکر کیا کہ اہلِ حجاز کا مذہب یہ ہے کہ اس میں کوئی وقت مقرر نہیں ہے مگر جب خاوند کو بچے کی ولادت کا علم ہو، پس اگر تو اس کے لیے یہ انکار کرنا جائز ہے اور وہ اس عورت کے ساتھ لعان کرے گا، پھر اس کا نسب اس مرد سے زائل ہو جائے گا اور اگر اس نے اس کے بعد نسب کا انکار کیا تو پھر اس کو نسب لازم ہوگا اور وہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے لعان کرے گا اور امام ابوعبید کا قول اسی طرح ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا کہ ہم نے اپنے زمانے میں جن اہلِ علم کو پایا ان میں سے اکثر کا قول اسی کے مطابق ہے اور یہی امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا آخری قول ہے۔(کتاب الام ج ۵ ص ۴۱۹، الوقف فی نفی الولد)

اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے الولد للفراش،

یعنی بچہ اس کا شمار ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، پس بچہ ثابت النسب ہے اور جس کے بستر پر پیدا ہوا اس کے لیے لازم ہے اور اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کرے سوائے اس کے کہ اس کا ثبوت کتاب سے ہو یا سنت سے ہو یا اجماع سے ہو، پس جب کسی عورت کے ہاں کسی مرد کا بچہ پیدا ہوا اور اس نے اسی وقت اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دی اور لعان کیا تو اس پر اجماع ہے کہ اس بچے کا نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور اس میں جو بعد میں اختلاف کیا گیا ہے وہ مردود ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بچہ اس کا شمار ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دی پھر بچہ مر گیا اور اس نے مال چھوڑا اور پھر وہ مرد اس مال کا دعویٰ کرتا ہے۔

تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ بچے کا نسب ثابت ہوگا اور مرد اس کا وارث ہوگا، اسی طرح امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۴۲۱، ما یکون قذفا و ما لا یکون) اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس مرد نے مال کا دعویٰ کیا ہے اور جب اس نے دعویٰ کیا تھا تو اس وقت وہ زندہ تھا اور بچے کا نسب اس کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے۔ اور اس قول کی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے بھی حکایت کی گئی ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۶۱، کتاب اللعان)

امام مالک نے کہا: اگر اس مرد کا بچہ ہو تو یہ بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا اور اس مرد پر حدِ قذف لگائی جائے گی کیونکہ وہ اپنے بیٹے کے نسب کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور اگر اس کی اولاد نہیں ہے تو اس کے قول کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کے بچے کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا اور اس کو حد قذف لگائی جائے گی اور اس کے لیے میراث ثابت نہیں ہوگی اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور اس بچے کا نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا اور اس کی وراثت سے اسے کوئی چیز نہیں دی جائے گی اور اگر اس بچے نے کسی لڑکے یا لڑکی کو چھوڑا تو اس کا نسب مدعی سے ثابت ہوگا اور اس مرد پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور اس کا باپ اس کا وارث ہوگا، کیونکہ اس نے بچے کے نسب کی نفی کی تھی اور اس کا نسب مدعی سے ثابت ہو گیا۔
(المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۵۶، باب اللعان)

باب لعان کے مسائل

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کہتے ہیں کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، سو وہ اسلام سے مرتد ہو گئی، اور اس نے حدِ قذف کا مطالبہ کیا تو لعان کرایا جائے گا یا اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی کیونکہ قذف اس وقت ہوتا ہے جب وہ خود مرتد ہو جائے اور اس کی بیوی مسلمان ہو تب بھی اس طرح ہوگا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۴۲۱، ما یکون قذفا و ما لا یکون)

اور ابوثور کہتے تھے کہ جب وہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح فسخ ہو گیا اور اس عورت کا خون حلال ہو گیا ہے اور وہ مسلمہ نہیں ہے، تو وہ اپنا حق حاصل نہیں کر سکتی۔

اور فقہاء احناف نے کہا کہ ان کے درمیان نہ حد ہے اور نہ لعان ہے اور اگر وہ عورت اسلام کی طرف رجوع کرلے پھر وہ نکاح کر لے تو نہ اس کے اوپر حد ہوگی اور نہ لعان ہوگا۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۵۷، باب اللعان)

جب کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو اس عورت نے اس کے خلاف گواہ قائم کیے کہ اس نے اپنے نفس کی تکذیب کی ہے تو اس مرد پر حدِ قذف لگائی جائے گی اگر اس نے اس کا مطالبہ کیا اور یہ امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔

فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اس مرد پر حد لازم ہوگی اور ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا۔

اور موسیٰ نے اس کو ان سے نقل کیا ہے اور ابوثور نے ان سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: ان دونوں کے درمیان لعان نہیں ہوگا اور نہ ان پر حد ہوگی۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۵۸، باب اللعان)

اور جب کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کی بیوی باندی تھی اور پھر اس کو آزاد کر دیا گیا اور اس نے اس پر جب زنا کی تہمت لگائی تھی تو وہ عورت ذمیہ تھی، پھر مسلمان ہوگئی تو امام شافعی کے قول کے مطابق نہ اس پر حد ہے اور نہ اس پر لعان ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۴۲۱، ما یکون قذفا و مالا یکون)

اور ابوثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۵۸، باب اللعان)

البتہ امام شافعی نے کہا ہے: اگر وہ چاہے تو وہ لعان کرلے تاکہ وہ اپنے نفس سے تعزیر کو دور کردے۔

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں اور ہمارے علم میں نہیں ہے کہ اہل علم میں سے کسی نے اس صورت میں حدِ قذف کو واجب کیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۹۳-۴۹۷، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

''لعان کرنے والی عورت کے ساتھ اس کے بچے کو ملا دیا جائے گا'' اس حدیث کے مسائل اور اس کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا، اور اس بچے کے نسب کی نفی کر دی اور ان کے درمیان تفریق کر دی اور بچے کو اس عورت کے ساتھ لاحق کر دیا۔

رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ آپ نے بچے کو اس مرد کی بیوی کے ساتھ ملا دیا تو یہ بات معلوم ہے کہ اس کی ماں نے اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی نہیں کی، کیونکہ اس کی ماں نے اس بچے کو جنا تھا اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب لعان کی وجہ سے اس بچے کا نسب اس کے باپ سے منتفی ہو گیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس بچے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا گویا کہ اب اس بچے کا کوئی باپ نہیں ہے، پس وہ بچہ اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا اور نہ اس کا باپ اس بچے کا وارث ہوگا اور نہ وہ بچہ کسی کی طرف منسوب ہوگا، وہ بچہ صرف اپنی ماں کے عصبات کی طرف منسوب ہوگا اور ہمارے زمانے کے تمام شہروں کے فقہاء اور فتویٰ دینے والوں کا یہی مذہب ہے۔

دوسرا قول یہ ہے بلکہ آپ نے بچے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا، سو اس کی ماں اس کے لیے بمنزلہ باپ اور بمنزلہ ماں ہے، یعنی اس کی ماں ہی اس کا باپ ہے اور اس کی ماں ہے، اور یہ اس حدیث کی بناء پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور علماء کا ملاعنہ کے بیٹے کی میراث میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم اس کا ذکر کتاب الفرائض میں کریں گے۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے کہا ہے کہ ملاعنہ کے بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ صرف اس لیے ملایا جاتا ہے اور جب تک اس کا باپ اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی پر برقرار ہو تو اس وقت تک اس بچے کو باپ کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، پس اگر اس نے ایک دن کے لیے بھی اقرار کرلیا کہ وہ بچہ اس کا ہے تو اس بچے کا نسب اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

جب مرد بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دے تو بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ۸۰۴ ھ صحیح البخاری: ۵۳۱۵، کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری متوفی ۲۵۶ ھ نے اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا اور اس مرد نے اس عورت کے بچے کی اپنی ذات سے نفی کر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور بچے کو اس عورت کے ساتھ لاحق کر دیا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لعان کے سبب سے بچہ اپنے ماں سے منتفی نہیں ہوتا کیونکہ اس کی ماں سے وہ پیدا ہوا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب اس کا نسب لعان کی وجہ سے اپنے باپ سے منتفی ہو گیا تو آپ نے اس بچے کو اس عورت کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ لاحق کر دیا کیونکہ اب اس بچے کا کوئی باپ نہیں ہے، پس وہ اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا اور نہ اس کا باپ بچے کا وارث ہوگا اور نہ وہ اپنے باپ کے عصبات کے ساتھ لاحق ہوگا وہ صرف اپنی ماں کے عصبات کی طرف منسوب ہوگا، یعنی ماموں وغیرہ کی طرف اور تمام شہروں کے علماء اور فقہاء کا یہی موقف ہے۔

اور کہا گیا ہے بلکہ آپ نے بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دیا، اور اس بچے کی ماں کو اس کے باپ کے منزلہ میں قرار دیا اور علماء کا اختلاف ہے کہ جس عورت سے لعان کیا گیا ہو اس کے بیٹے کی وراثت کس کے پاس جائے گی۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے کہا ہے کہ جس عورت سے لعان کیا گیا ہے اس کا بیٹا اپنی ماں کے ساتھ ملایا جائے گا اور جب تک اس کا باپ لعان پر قائم ہو اور بچے کی اپنی ذات سے نفی کرتا ہو تو اس بچے کو اس کے باپ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا لیکن اگر اس نے ایک دن کیلئے بھی یہ اقرار کرلیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵، ۴۲۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

بچے کے نفی کرنے کی وجہ سے لعان کی مشروعیت اور حافظ ابن حجر کا علامہ طیبی سے مناقشہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ ھ، صحیح البخاری: ۵۳۱۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی متوفی ۷۴۳ ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے "فانتفی من ولدھا" یعنی مرد نے اس عورت کے بیٹے کی اپنی ذات سے نفی کر دی، علامہ الطیبی نے کہا: یہ فا سببیہ ہے یعنی ملاعنہ سبب الانتفاع ہے، پس اگر علامہ طیبی کی مراد یہ ہے کہ ملاعنہ سبب ہے نسب کے ثبوت کی نفی کا، تو ان کا کلام جید ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ملاعنہ نفی ولد کے وجود کا سبب ہے تو اس طرح نہیں ہے، کیونکہ مرد ملاعنہ میں بچے کی نفی کے درپے نہیں ہوتا، لہٰذا صرف لعان سے بچے کے نسب کی نفی نہیں ہوگی اور یہ حدیث مؤطا امام مالک میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: وانتفی، واؤ کے ساتھ نہ کہ فا کے ساتھ، یعنی اگر فا کے ساتھ

ہوتا تو پھر یہ کہا جا سکتا کہ یہ فا سببیہ ہے، مؤطا امام مالک میں یہ حدیث واؤ کے ساتھ ہے۔

اور حافظ ابن عبد البر نے ذکر کیا ہے کہ بعض راویوں نے اس حدیث کا امام مالک کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: ''وانتقل ''یعنی اس میں قاف کا لفظ ہے فا کے بجائے اور اس کے آخر میں لام ہے، تو گویا کہ یہ لفظ غلط ہے، اور اگر یہ لفظ محفوظ ہو تو اس کا معنی پہلے معنی کے قریب ہے اور یہ حدیث سورۂ نور کی تفسیر میں ایک اور سند کے ساتھ نافع سے منقول ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لعان کرنے کا حکم دیا، اس سے واضح ہو گیا کہ نفی نسب لعان کا سبب ہے اور لعان نفی ولد کا سبب نہیں ہے۔

اور اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ لعان کی مشروعیت بچے کی نفی کی وجہ سے ہے۔

امام احمد سے روایت ہے کہ بچے کے نسب کی نفی مجرد لعان سے ہو جائے گی خواہ مرد بچے کے نسب کی نفی کے در پے نہ ہو کیونکہ اس کا ذکر لعان میں موجود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں اور اس میں اعتراض ہے، کیونکہ اگر اس بچے کو مرد اپنی طرف کھینچ لیتا تو وہ اس کے ساتھ مل جاتا، اور لعان کی تاثیر صرف اس میں ہے کہ لعان کی وجہ سے مرد سے حدِ قذف ساقط ہو جاتی ہے اور عورت کے زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے، پھر عورت سے بھی حد زنا ساقط ہو جاتی ہے اس کے لعان کی وجہ سے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: اگر مرد نے ملاعنہ میں بچے کی نفی کی تو بچے کا نسب منتفی ہو جائے گا اور اگر خاوند اس بچے کے نسب کی نفی کے در پے نہیں ہوا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ دوبارہ لعان کرے کیونکہ لعان منتفی ہو گیا اور عورت کے اوپر لعان کا اعادہ نہیں ہے۔ اور اگر خاوند کیلئے یہ ممکن ہو کہ وہ حاکم کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرے اور اس حاکم نے اس کو بغیر عذر کے مؤخر کر دیا، حتیٰ کہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تو پھر مرد کیلئے اس بچے کے نسب کی نفی کرنا ممکن نہیں ہوگا جیسا کہ الشفعاء میں ہوتا ہے۔

اور اس پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حمل کی نفی کے اندر یہ شرط نہیں ہے کہ مرد یہ تصریح کرے کہ یہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ ایک حیض کے ساتھ استبراء کرے، اور فقہاء مالکیہ سے منقول ہے کہ اس کی شرط ہے اور جن فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہے انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس نے حمل کی اپنی ذات سے نفی کی ہے بغیر اس کے کہ وہ لعان میں اس کے در پے ہوتا ہے، یہ لعان اس کے تہمت لگانے کی وجہ سے واقع ہوا ہے اور امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ حاملہ عورت کو بھی حیض آجاتا ہے، لہٰذا استبراء کی شرط کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے: اس اعتراض کا کوئی ایسا جواب نہیں ہے جس پر قناعت کی جا سکے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور سے ثابت شدہ احکام

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، صحیح البخاری: ۵۳۱۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث تین احکام پر مشتمل ہے:

(۱) اللعان:

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور لعان کی صحت اور اس کی مشروعیت پر اجماع ہے۔

(۲) التفرقہ:

لعان کے بعد شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق میں فقہاء کا اختلاف ہے جس کو ہم عنقریب ذکر کر چکے ہیں۔امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ سے منقول ہے کہ نفسِ لعان سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ سے منقول ہے کہ جب تک حاکم ان کے درمیان تفریق نہ کر دے، اس وقت تک تفریق نہ ہوگی، کیونکہ ظاہر حدیث میں اسی طرح منقول ہے کہ اس حدیث میں ذکر ہے: ''ففرق بینھما'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی، اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کی تفریق کرنے سے تفریق واقع ہوتی ہے اور نفسِ لعان سے تفریق واقع نہیں ہوتی اور یہ حدیث مخالفین پر حجت ہے۔

(۳) بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دینا:

یہ بھی ظاہر حدیث میں مذکور ہے کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے: ''والحق الولد بالمراۃ'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اس عورت کے ساتھ لاحق کر دیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد نے عورت کے ساتھ لعان کیا اور اس سے حمل کے نسب کی نفی کر دی تو بچے کا نسب اس مرد سے منتفی ہو گیا اور بچے کا نسب اس کی ماں سے ثابت ہوگا اور وہ بچہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور اس کی ماں اس بچے کی وارث ہوگی اور اس کی تفصیل عنقریب گزر چکی ہے۔

انتفاعِ نسب میں بعض فقہاء کا اختلاف اور اس کے متعلق جمہور فقہاء کا موقف

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ جب مرد عورت کے بچے کی نفی کر دے تو بچے کا نسب اس سے منتفی نہیں ہوگا اور نہ وہ اس کے ساتھ لعان کرے گا اور انہوں نے اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

جب حضرت سعد بن ابی وقاص نے فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ عبد بن زمعہ میرا بھائی ہے، اور میرے باپ (عتبہ بن ابی وقاص) کی باندی کا بیٹا ہے، جس سے عتبہ بن ابی وقاص نے زنا کیا تھا اور اس کے نتیجے میں عبد بن زمعہ پیدا ہوا تھا، وہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابی وقاص سے فرمایا: وہ تمہارا بھائی ہے اے عبد بن زمعہ! پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، اور زانی کے لیے پتھر ہیں یعنی اس کو سنگسار کیا جائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے سودہ! تم عبد بن زمعہ سے پردہ میں رہا کرو، کیونکہ آپ نے عبد بن زمعہ میں عتبہ بن ابی وقاص کی مشابہت دیکھی تھی، تو حضرت سودہ نے اپنے بھائی عبد بن زمعہ کو کبھی نہیں دیکھا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۳ (مختصراً)، صحیح البخاری: ۲۲۱۸، ۲۴۲۱، ۲۵۳۳، ۲۷۴۵، ۴۳۰۳، ۶۷۴۹، ۶۷۶۵، ۶۸۱۷، ۷۱۸۲۔)

۶۷۵۰: ہمیں یحییٰ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از زہری از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۴۵۸، از سند سفیان)

۷۷۵۸: ہمیں حامد بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق رازی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک بن انس نے حدیث بیان کی (الموطا ص ۵۶۷)، از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ (صحیح البخاری: ۲۲۱۸، صحیح مسلم: ۱۴۵۷ از سند زہری)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی امام ترمذی کے علاوہ دیگر محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ فراش یہ واجب کرتا ہے کہ بچے کا نسب مرد اور عورت دونوں سے ثابت ہوگا اور مرد اور عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے نسب کو لعان سے خارج کر دیں یا کسی اور وجہ سے خارج کر دیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ:

امام طحاوی نے اپنی عبارت میں اس سے قوم مراد لی ہے، عامر الشعبی، محمد بن ابی ذئب اور بعض اہل مدینہ اور دوسروں نے ان کی مخالفت کی ہے اور وہ جمہور فقہاء ہیں، تابعین سے اور تبع تابعین سے اور ان ہی میں سے ائمہ اربعہ ہیں اور ان کے اصحاب ہیں کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کے بچے کے نسب کی نفی کی تو لعان کیا جائے گا اور اس کا نسب مرد سے منتفی ہو جائے گا اور اس کا نسب اس کی ماں کے ساتھ لازم رہے گا، پھر اس میں ایک اور وجہ سے بھی اختلاف ہے۔

انکارِ نسب کے لیے مدت کے تعین میں فقہاء کا اختلاف

پس ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے کہ جب مرد بچے کے نسب کی نفی کر کے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے خواہ وہ ولادت کے وقت ہو یا ولادت کے ایک دن یا دو دن کے بعد ہو، یا اتنی مدت کے بعد ہو جتنی مدت کے اندر ولادت عادۃً مہیا ہوتی ہے تو اس کا انکارِ نسب کرنا صحیح ہے، اور اگر اس نے اس مدت کے بعد انکارِ نسب کیا تو پھر نسب منتفی نہیں ہوگا اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے کسی وقت اور مدت کا تعین نہیں کیا اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے سات دن کی مدت کا تعین کیا ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم المتوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن الحسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے اس کی مدت کا تعین کیا ہے کہ وہ مدت نفاس کی مدت سے زیادہ ہو اور وہ چالیس دن ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس مدت کے اندر مرد کا انکارِ نسب کرنا معتبر ہوگا اور اس مدت کے بعد اس کا انکارِ نسب کرنا معتبر نہیں ہوگا۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۰۴ھ نے علی الفور کا اعتبار کیا ہے، انہوں نے کہا: اگر مرد نے علی الفور بچے کے نسب کی نفی کر دی تو اس کا نسب منتفی ہو جائے گا ورنہ نہیں ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۵ کی شرح میں فقہاءِ اسلام کے نظریات اور حدیث سے ثابت شدہ احکام کی تفصیل

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بچہ عورت کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے نسباً اور میراثاً، اور یہی صحیح مذہب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بچے کی ماں کی ماں میراث کی وارث ہوگی اور باقی ترکہ اس کی ماں کے عصبات کے لیے ہوگا اور یہی مذہب مشہور ہے اور پہلا قول شیخ ابن تیمیہ کا مختار ہے اور وہی صحیح ہے۔

مسئلہ:

جب مرد عورت کے درمیان لعان کیا جائے اور ان دونوں سے امام یہ کہے کہ بے شک تم دونوں میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے، پھر ان دونوں میں سے کوئی ایک رجوع کرلے تو کیا اس پر حد قائم کی جائے گی اور ان کے درمیان تفریق کی جائے گی؟

الجواب:

اگر عورت لعان سے رجوع کرلے تو اس پر حدِ زنا قائم کی جائے گی اور اگر مرد لعان سے رجوع کرلے تو اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی اور ان کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

قرآن مجید اور سنت ثابتہ میں دخول کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سے مقصود جماع ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ (النساء: ۲۳) اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری زیر پرورش ہیں تمہاری ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

اور رہی خلوت تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خلوت کے اوپر بھی دخول کے احکام کو جاری کیا ہے اور کہا ہے کہ جب مرد نے عورت کے ساتھ خلوت کی اور اپنے اور لوگوں کے درمیان پردہ ڈال دیا تو عورت کے لیے مکمل مہر ثابت ہوگا کیونکہ اس نے اس عورت سے اس چیز کو حلال کر دیا جس کو خاوند کے سوا اور کوئی شخص حلال نہیں کرتا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۱ مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

جس انصاری صحابی نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، اس انصاری صحابی کے متعلق تحقیق

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، صحیح البخاری: ۵۳۱۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس انصاری نے اپنی بیوی کو متہم کیا تھا وہ حضرت ہلال بن امیہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے شریک بن سحماء جو انصار کے حلیف تھے کے ساتھ اپنی بیوی کو متہم کیا تھا، سحماء اس کی والدہ کا نام ہے اور اس کے والد کا نام عبد بن مغیث ہے، حافظ ابوعمرو ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جریر بن حازم نے ایوب، عکرمہ کے ذریعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جب ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو تہمت لگائی تو ان سے کہا گیا: بخدا! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ۸۰ کوڑے حدِ قذف کے ماریں گے، حضرت ہلال نے کہا اللہ تعالیٰ بہت بڑا عادل اور منصف ہے، جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ جانتا ہے تو آیت ملاعنہ نازل ہوئی۔ بخاری کے ایک شارح علامہ ابن التین نے کہا صحیح تر یہ ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے حضرت عویمر العجلانی سے پہلے لعان کیا تھا۔

علامہ ابوالحسین علی بن محمد بن محمد حمید ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے الحاوی الکبیر میں لکھا ہے کہ:

حضرت ہلال کا واقعہ حضرت عویمر العجلانی کے واقعہ سے پہلے کا ہے، ابن صباغ نے کہا: حضرت ہلال کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان کے واقعہ میں نازل ہوئی اور حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ سے یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن نازل ہوا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ ہلال کے واقعہ میں نازل ہوا تھا وہی تمہارے متعلق بھی حکم ہے، کیونکہ یہ حکم تمام لوگوں کے لیے عام ہے اور علماءِ اصول نے کہا ہے کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیت سبب کا لحاظ نہیں ہوتا۔

اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ پہلی روایت میں ہے کہ مرد و زن کے درمیان تفریق کر دی اور انہیں قسمیں دیں اور اس روایت میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لعان کرایا، پھر ان میں تفریق کر دی، بہ ظاہر ان دونوں حدیثوں میں تضاد ہے، اس کا جواب یہ ہے

کہ در حقیقت معنی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ لعان تو ضروری ہے اور تفریق حاکم کی طرف سے ہے، اس میں فقہاءِ احناف کی دلیل ہے کہ لعان تب ہی مکمل ہوتا ہے جب زوجین کے درمیان حاکم تفریق کردے۔ (تفہیم البخاری حصہ ہشتم ص ۱۳۸۴، باراول، الجدہ پرنٹرز لاہور)

صحیح البخاری: ۵۳۱۵ کی شرح از شیوخ دیو بند

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولد کو لعان کرنے والی عورت کے ساتھ لاحق کیا جائے گا، شوہر کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جائے گی، چنانچہ روایت میں تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو عورت کے ساتھ لاحق فرمادیا تھا یعنی بچے کو صرف ماں کی طرف منسوب کر دیا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفس لعان سے بچے کی نفی ہو جائے گی خواہ مرد نے اشارۃً بھی لعان میں اس کا ذکر نہیں کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۵) لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بچے کی نفی کے لیے شوہر کی طرف سے وضاحت ضروری ہے کیونکہ خود لعان بچے کی نفی کے لیے مشروع نہیں ہے، لعان تو شوہر کو حدِ قذف اور بیوی کو حدِ زنا سے بچانے کے لیے ہے، شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کے باوجود اگر بچے کو اپنا تسلیم کرتا ہے تو بچے کا نسب ثابت مانا جائے گا، اگر شوہر بچے کے نسب کی نفی کرتا ہے تو شوہر کی طرف سے بچے کی نفی ولادت کے وقت یا اس سے ایک دو دن بعد تو صحیح ہوگی لیکن اس کے بعد اس کی نفی کا اعتبار نہیں ہوگا، البتہ امام صاحب نے اس کے لیے کوئی خاص مدت متعین نہیں فرمائی، سات دن کی ایک روایت ان سے منقول ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد نے چالیس دن کی مدت مقرر فرمائی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فوراً نفی معتبر ہوگی ورنہ نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۲)

(کشف الباری عما فی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، ص ۵۴۴-۵۴۵، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی نے علامہ عینی کی پوری عبارت نقل نہیں کی بلکہ علامہ عینی کی عبارت میں جو امام طحاوی نے دوسرے فقہاء کا موقف بیان کیا تھا، جس پر علامہ عینی نے اپنا تبصرہ کیا ہے اس کو انہوں نے بالکل چھوڑ دیا، کیونکہ یہ عبارت بہت مشکل اور دقیق تھی، سلیم اللہ خان دیو بندی نے علامہ عینی کی عبارت کا آسان حصہ تو نقل کر دیا اور مشکل اور دقیق عبارت کو ترک کر دیا، ہم نے علامہ عینی کی شرح کا وہ حصہ پوری تفصیل کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

۳۶- بَابُ: قَوْلِ الْإِمَامِ اللّٰهُمَّ بَيِّنْ

امام اور سربراہ کا یہ دعا کرنا: اے اللہ! اس معاملہ کی حقیقت بیان فرما

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام اور سربراہ کی دعا کا معنی

یہ باب لعان کے متعلق امام کی اس دعا کے متعلق ہے جس میں امام یا سربراہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھ پر حقیقتِ حال کو منکشف فرمادے، یعنی اس پیش آمدہ مسئلہ میں جو شرعی حکم ہے، اس کو ظاہر فرمادے۔

قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے بیان کیا:

اس دعا کا یہ معنی نہیں ہے کہ امام نے اپنے قول کے صدق پر ثبوت کو طلب کیا ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتِ واقعہ کو منکشف فرمادے۔

۵۳۱۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ ذُكِرَ الْمُتَلَاعِنَانِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَدِيٍّ فِي ذَلِكَ قَوْلًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ فَذَكَرَ لَهُ أَنَّهُ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَقَالَ عَاصِمٌ مَا ابْتُلِيتُ بِهَذَا الْأَمْرِ إِلَّا لِقَوْلِي فَذَهَبَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي وَجَدَ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ وَكَانَ ذَلِكَ الرَّجُلُ مُصْفَرًّا قَلِيلَ اللَّحْمِ سَبْطَ الشَّعَرِ وَكَانَ الَّذِي وَجَدَ عِنْدَ أَهْلِهِ آدَمَ خَدْلًا كَثِيرَ اللَّحْمِ جَعْدًا قَطَطًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اللَّهُمَّ بَيِّنْ فَوَضَعَتْ شَبِيهًا بِالرَّجُلِ الَّذِي ذَكَرَ زَوْجُهَا أَنَّهُ وَجَدَ عِنْدَهَا فَلَاعَنَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَهُمَا فَقَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْمَجْلِسِ هِيَ الَّتِي قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ رَجَمْتُ أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُ هَذِهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا تِلْكَ امْرَأَةٌ كَانَتْ تُظْهِرُ السُّوءَ فِي الْإِسْلَامِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن القاسم نے خبر دی از القاسم بن محمد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو والوں کا ذکر کیا گیا تو حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق کوئی بات کہی، پھر واپس چلے گئے، پھر ان کے پاس ان کی قوم میں سے ایک مرد آیا اور اس نے ذکر کیا کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک اجنبی مرد کو پایا ہے، تو حضرت عاصم بن عدی نے کہا: میں اس معاملہ میں صرف اپنی بات کی وجہ سے مبتلا ہوا ہوں، پھر وہ اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو بتایا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کے پاس ایک اجنبی مرد کو پایا ہے اور وہ مرد زرد رو تھا اس کے جسم پر گوشت کم تھا، اس کے بال گھنگھریالے تھے اور سیدھے تھے، اور جس شخص کو اس نے اپنی بیوی کے پاس پایا تھا وہ گندمی رنگ کا تھا، موٹا تازہ تھا اور پُر گوشت تھا، اس کے بال سخت گھنگھریالے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ کے حضور) عرض کی: اے اللہ بیان فرما، یعنی مجھ پر اس معاملہ کی حقیقت کو منکشف فرمادے، تو اس عورت کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو اس مرد کے مشابہ تھا جس کا ذکر اس کے خاوند نے کیا تھا کہ اس نے ایسے مرد کو اس عورت کے پاس پایا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا، تو اس مرد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مجلس میں کہا: یہ وہی عورت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی ایک کو بغیر گواہوں کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کر دیتا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں یہ وہ عورت تھی جو اسلام لانے کے بعد برے کام کرتی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۰، ۵۳۱۶، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۷۲۳۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۷، سنن نسائی: ۳۴۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۵۰۷، مسند احمد: ۳۰۹۶)

جن امور میں وحی نازل نہ ہوئی ہو، ان امور میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ لعان کا معاملہ مؤخر ہو گیا یہاں تک کہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے منقول ہے واضح ہو گیا جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے، اور اس نے پہلے حضرت سہل کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ لعان ان کے درمیان میں واقع ہوا اس سے پہلے کہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہو، سو اس بناء پر حدیث میں بھی مذکور ہے ''فلاعن'' یہ بعد کا واقعہ ہے۔ اس مرد نے اس چیز کی خبر دی جس چیز پر اس نے اپنی عورت کو پایا تھا اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ مرد زرد رنگ کا تھا، یہ دو جملوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

ایک مرد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: یہ سائل حضرت عبداللہ بن شداد بن الهاد تھے، اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان کا نام ابوزناد نے از القاسم بن محمد اس حدیث میں ذکر کیا ہے جیسا کہ عنقریب کتاب الحدود میں آئے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ عورت اسلام میں بے حیائی کے کام کرتی تھی لیکن نہ تو اس کے خلاف گواہ قائم ہوئے تھے اور نہ اس عورت نے گناہ کا اعتراف کیا تھا۔

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو برے کام کرتا ہو اس کا پسِ پشت عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس عورت سے یہ بات نہیں سنی، پس اگر علامہ داؤدی کی مراد ہے کسی عیب کو مبہم بیان کرنا تو اس کی گنجائش ہے اور کتاب التفسیر میں از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ روایت بیان ہو چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ کا حکم نازل نہ ہوتا تو میرے لیے اس عورت کے ساتھ سنگین معاملہ ہوتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا حکم اس سے پہلے نازل نہ ہوا ہوتا یعنی یہ حکم کہ لعان ہے عورت سے حد کو ساقط کر دیتا ہے، تو میں اس عورت پر حد کو لازم کرتا، جس ظاہری شبہ کی بناء پر اس عورت پر تہمت لگائی گئی ہے۔

اور اس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ جن چیزوں کے متعلق وحی نازل نہ ہوئی ہو، ان میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے، پس جب کسی حکم کے متعلق وحی نازل ہو جاتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اجتہاد سے قطع نظر کر کے وحی کے متعلق عمل کرتے اور ظاہر کے مطابق عمل کرتے خواہ کوئی ایسا قرینہ ہو جو خلاف ظاہر کا تقاضا کرتا ہو۔

حدیث لعان کے فوائد

(۱) جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی واقعہ کے متعلق سوال کیا جائے اور آپ کو اس کا حکم معلوم نہ ہو اور آپ کو یہ امید ہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نازل ہو گا تو آپ اپنے اجتہاد کی طرف سبقت نہ کریں۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیش آمدہ مسائل کا حل معلوم کرنے کیلئے سفر کرنا چاہیے کیونکہ سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ نے عراق سے مکہ کی طرف سفر کیا ملاعنہ کے مسئلہ کو معلوم کرنے کیلئے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کے پاس اس کے گھر جانا چاہیے خواہ وہ قیلولہ کر رہا ہو، جب اس کو معلوم ہو کہ آنے والا اس

تنگ نہیں کرے گا۔

(۴) اس میں عالم کی تعظیم ہے اور اس کی کنیت کے ساتھ اس کو خطاب کرنے کا جواز ہے۔

(۵) تعجب کے موقع پر سبحان اللہ کہنا چاہیے۔ اور اس میں سعید بن جبیر کے علم کی وسعت ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ پر اس مسئلہ کا حکم مخفی تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو سبحان اللہ کہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو معلوم تھا کہ یہ حکم بہت مشہور ہے، تو ان کو تعجب ہوا کہ بعض لوگوں پر یہ حکم کیسے مخفی رہا۔

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام احکام میں سب سے پہلے سبقت کرتے تھے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: سب سے پہلے اس مسئلے کا سوال فلاں نے کیا اور حضرت انس بن مالک متوفی ۹۱ ھ نے کہا کہ یہ پہلا لعان تھا اور اس میں یہ مذکور ہے کہ کوئی شخص اپنے کلام کی وجہ سے امتحان کے اندر مبتلا ہوتا ہے۔

(۷) حاکم کسی فریق کو باطل پر اپنے موقف پر طول دینے سے منع کرے۔ اور اس سلسلے میں اس کو نصیحت کرے اور خوفِ خدا یاد دلائے اور ڈرائے اور اس کو بار بار کہے تا کہ اس کو کامل نصیحت ہو۔

(۸) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دو فاسد کاموں میں جو زیادہ خفیف ہو اس کا ارتکاب کیا جائے اور جو ثقیل ہو اس کو ترک کر دیا جائے، کیونکہ صبر کرنے کی مصیبت اس سے کم ہے جو کسی برے کام پر غیرت کی وجہ سے اور شدت کی وجہ سے طاری ہوتی ہو۔ اور اگر غیرت کی وجہ سے مرد اپنے بیوی کو قتل کر دیتا جس کی وجہ سے اس کو قصاص دینا پڑتا تو اس کو ترک کرنا زیادہ سہل تھا۔

(۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو اس پر متنبہ کیا کہ یا تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا پھر وہ لعان کرے بجائے اس کے کہ وہ غیرت میں آ کر اپنی بیوی کو قتل کرے۔

(۱۰) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس مسئلہ کا علم نہ ہو، اس کے متعلق سوال کرنا صحابہ کا قدیم معمول ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ خبرِ واحد پر عمل کیا جاتا ہے جب کہ وہ خبر دینے والا ثقہ ہو۔

(۱۱) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حاکم کے لیے سنت یہ ہے کہ لعان کرنے والوں کو وعظ اور نصیحت کرے جب وہ لعان کا ارادہ کرے اور پانچویں مرتبہ زیادہ خصوصیت کے ساتھ ان کو نصیحت کرے، اور دقیق العید نے فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے عورت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے جب وہ غیظ و غضب کے اظہار کا ارادہ کرے۔

(۱۲) اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ایسے سوالات کو کرنا مکروہ ہے جن سے کسی مسلمان کے عیب کی پردہ دری ہو یا جس سے کسی مسلمان کی اذیت کا سبب ہو، خواہ کوئی سبب ہو، اور امام شافعی کے کلام میں یہ اشارہ ہے کہ ایسا سوال کرنا مکروہ ہے اور یہ سوال صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخصوص تھا تا کہ آپ پر اس مسئلہ کے متعلق وحی نازل ہو، تا کہ کسی مباح چیز کے متعلق ایسا سوال نہ کیا جائے کہ اس کے سوال کی وجہ سے کوئی تحریم کا حکم نازل ہو جائے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کرے جو حرام نہیں تھی، پھر اس کے سوال کی وجہ سے اس چیز کو حرام کر دیا گیا اور سلف صالحین کی جماعت کا یہ دائمی معمول رہا ہے کہ ایسی چیز کا سوال نہ کیا جائے جو واقع نہ ہوئی ہو لیکن اکثر فقہاء کا عمل اس کے خلاف ہے۔ اور ایسے مسائل بے شمار ہیں جن میں فقہاء نے مسائل کو ان کے وقوع سے پہلے دریافت کیا۔

(۱۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام اس چیز کے حکم کے متعلق سوال کرتے تھے جس کے متعلق وحی نازل نہیں ہوئی۔
(۱۴) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عالم جب کسی سوال کو مکروہ جانے تو اس کی مذمت کرے۔ اور جس شخص کو کوئی مکروہ کام کسی دوسرے کے سبب سے ملا ہو تو وہ اس کے اوپر ناراضگی کا اظہار کرے۔
(۱۵) جو شخص کسی حکم کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ اس معرفت کے حصول کو ردنہ کرے اس خیال سے کہ عالم اس کے سوال کو ناپسند کرے گا یا اس کے اوپر ناراض ہوگا بلکہ وہ نرمی اور عاجزی کے ساتھ اپنے سوال کو دہرائے حتیٰ کہ اس کی حاجت پوری ہو جائے۔
(۱۶) امورِ دین سے متعلق جو سوالات لازم ہیں ان سوالات کو کرنا مشروع ہے، خواہ سراً سوال کیا جائے یا جہراً یعنی پوشیدہ طور پر سوال کیا جائے یا علی الاعلان سوال کیا جائے اور اس میں سائل کے اوپر کوئی عیب نہیں ہے خواہ اس کا سوال اس چیز کے متعلق ہو جو عادتاً قوی ہے۔
(۱۷) اس حدیث میں توبہ کرنے پر ترغیب دی ہے اور پردہ پوشی کا حکم دیا ہے۔
(۱۸) جب لعان ہو جائے تو لعان کرنے والے مرد سے حدِ قذف ساقط ہو جاتی ہے اور لعان کرنے والی عورت سے حدِ زنا ساقط ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود یہ منقول نہیں ہے کہ تہمت لگانے والے پر حد لگائی گئی، علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا: امام مالک بن انس نے اس طرح نہیں کہا، کیونکہ ان تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اور اگر ان تک یہ حدیث پہنچتی تو وہ ضرور اس کے مطابق کہتے۔ اور بعض فقہاء مالکیہ نے کہا کہ اس پر یعنی لعان کرنے والے پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور فقہائے احناف نے کہا کہ جس پر تہمت لگائی گئی تھی اس نے حدِ قذف کا مطالبہ نہیں کیا تھا حالانکہ یہ اس کا حق تھا اس لیے یہ منقول نہیں ہے کہ تہمت لگانے والے پر حد لگائی گئی کیونکہ لعان کی وجہ سے حد ساقط ہو گئی۔
(۱۹) قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے ذکر کیا ہے کہ ان کے بعض اصحاب نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ شریک یہودی تھا اور میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔
(۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور سربراہ پر یہ لازم نہیں ہے کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ اس کو یہ بتلائے کہ کس نے تم پر تہمت لگائی ہے۔
(۲۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حاملہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے سے پہلے لعان کیا جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے: دیکھو اگر اس کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہو تو اس کا یہ حکم ہے جیسا کہ حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے روایت کی ہے کہ وہ مرد اور اس کی بیوی دونوں آئے، پس ان دونوں نے لعان کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید کہ اس عورت کے ہاں سیاہ رنگ کا گھنگھریالے بالوں والا بچہ پیدا ہوگا تو اس کے ہاں سیاہ رنگ کا گھنگھریالے رنگ والا بچہ پیدا ہوا۔ اور اسی کے مطابق جمہور فقہاء کا قول ہے اور فقہاءِ احناف نے اس کے خلاف کہا ہے کہ حمل کا پیش از وقت علم نہیں ہوتا کیونکہ بعض اوقات پیٹ میں بچہ نہیں ہوتا محض پیٹ میں ہوا بھری ہوتی ہے، اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ لسانِ شرع مرد سے حدِ قذف دور کرنے کے لیے ہے اور عورت سے حدِ زنا کو دور کرنے کے لیے ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ عورت حاملہ ہو یا حاملہ نہ ہو، اسی وجہ سے جو عورت آیسہ ہو یعنی جس کا حیض آنا بند ہو چکا ہو اس کے لیے بھی لعان مشروع ہے

اور کم عمر لڑکی کے متعلق اختلاف ہے، پس جمہور کا موقف یہ ہے کہ جب مرد نے کسی کم عمر لڑکی پر زنا کی تہمت لگائی تو اس کے لیے لعان کرنا جائز ہے تا کہ اس مرد سے حدِ قذف ساقط ہو جائے۔

(۲۲) اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جھوٹی قسم میں کفارہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر جھوٹی قسم میں کفارہ ہوتا تو اس قصہ کے اندر اس کا بیان کر دیا جاتا اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں حانث کا تعین نہیں ہے اور اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر جھوٹی قسم میں کفارہ واجب ہوتا تو اس کا حدیث میں بیان ہوتا، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے: ''کہ تم میں سے جس نے بھی قسم کو توڑ دیا ہے تو وہ کفارا ادا کرے''، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توبہ کی طرف رہنمائی کی۔

(۲۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم گواہ پیش کرو، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی، اس میں یہ دلیل ہے کہ اگر تہمت لگانے والا گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تو اس سے قسم لی جائے گی۔

(۲۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی ضرورت تقاضا کرے تو اوصافِ مذمومہ کو ذکر کرنا جائز ہے اور یہ غیبتِ محرمہ نہیں ہے۔

(۲۵) اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ لعان صرف اس کے لیے مشروع کیا گیا ہے جس کے پاس گواہ نہ ہوں، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر وہ مرد اس عورت کے زنا پر گواہ پیش کرنے کی طاقت رکھتا تو اس کے لیے جائز تھا کہ وہ اس سے لعان کرتا تا کہ بچے کی اپنی ذات سے نفی کرے، کیونکہ یہ مسئلہ زنا میں منحصر نہیں ہے۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی اور ان کے متبعین نے اسی کے متعلق کہا ہے۔

(۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکم کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے اور پوشیدہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہیں، علامہ ابن التین نے کہا اور اسی سے امام شافعی نے زندیق کی توبہ کو قبول کرنے پر استدلال کیا اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ حکم ظاہر کے ساتھ اس وقت متعلق ہوتا ہے جب اس کے ساتھ باطن کا کوئی حکم متعلق نہ ہو، اور زندیق کے باطن کا حال معلوم ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کی ظاہری توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بات ثابت ہو گئی کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر قادر تھے کہ آپ وحی کے ذریعے معلوم کر کے اس جھوٹے کو معین کر دیتے، لیکن آپ نے یہ خبر دی کہ فیصلہ ظاہر شرع کے مطابق ہوگا جس کا تقاضا یہ ہے کہ باطنی معاملات کا کھوج نہ لگایا جائے اور ان کو دریافت کرنے کے درپے نہ ہوا جائے۔

(۲۷) اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حاکم اپنے ظن اور گمان کے مطابق عمل نہ کرے اور حدود میں اشارہ نہ کرے جب کہ حکم ظاہر کے خلاف ہو، جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ: ''مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا جب مدعی انکار کرے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں''۔

(۲۸) اور اس حدیث سے امام شافعی نے اس پر استدلال کیا ہے کہ استحسان کا قول کرنا باطل ہے (استحسان سے مراد قیاسِ خفی ہے جس کے امام ابوحنیفہ قائل ہیں)، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر قسموں کا اعتبار نہ ہوتا تو میرے لیے اور اس عورت کے لیے (یعنی معاملہ سنگین ہوتا)''۔

(۲۹) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حاکم کسی حکم کا فیصلہ کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش کو بروئے کار لائے اور تمام شرائط کو پورا کرے اور اپنے فیصلہ کو نہ بدلے، سوائے اس صورت کے کہ اس پر یہ ظاہر ہو جائے کہ کوئی شرط نہیں پائی گئی یا کسی سبب میں کمی پائی گئی ہے۔

(۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لعان ہر عورت کے متعلق مشروع ہے، خواہ اس عورت کے ساتھ دخول کیا گیا ہو یا دخول نہ کیا گیا ہو اور علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے اس کے اوپر اجماع کو نقل کیا ہے۔

(۳۱) اور اس سے معلوم ہوا کہ جو عورت غیر مدخول بہا ہو اس کو اس کا مہر ادا کیا جائے گا اس میں فقہاءِ حنبلیہ کا اختلاف ہے، پس اگر کسی مرد نے نکاحِ فاسد کیا یا کسی عورت کو طلاقِ بائن دی پھر اس کے ہاں اولاد ہوئی، پھر اس نے ارادہ کیا کہ اس اولاد کی اپنی ذات سے نفی کرے تو اس کے لیے لعان کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: اس صورت کے اندر بچے کا اس مرد سے نسب ثابت ہو جائے گا اور اس سے حدِ قذف ساقط نہیں ہوگی اور نہ لعان ہوگا کیونکہ وہ عورت اجنبیہ ہے، اور اسی طرح اگر اس نے کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی، پھر اس کو تین طلاقیں دے کر بائن کر دیا تو اس کے لیے بھی لعان ثابت ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کے لیے لعان نہیں ہوگا۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے از ہشیم از مغیرہ روایت کی ہے کہ شعبی نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، پھر اس نے بچے کی اپنی ذات سے نفی کی تو اس کے لیے لعان کرنا جائز ہے، تو حارث نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (النور: ۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ○

پھر کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ عورت اس کی بیوی ہے، تو عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ جب مجھ پر حق واضح ہو جائے تو میں اس کی طرف رجوع نہ کروں، پس اگر مرد نے تین مرتبہ لعان کر لیا اور عورت نے بھی اسی طرح تین مرتبہ لعان کیا تو حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے گا، ایسی صورت میں جمہور کے نزدیک تفریق واقع نہیں ہوگی کیونکہ ظاہر قرآن میں یہ تصریح ہے کہ ان دونوں پر حد واجب ہوگئی اور وہ حد ساقط نہیں ہوگی، سوائے اس صورت کے جو ذکر کی گئی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ شعبی نے سنت کو سمجھنے میں خطا کی اور ان دونوں کے درمیان تفریق واقع ہو جائے گی۔

(۳۲) اور اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ لعان سے حمل منتفی ہو جاتا ہے، اس میں امام ابوحنیفہ کا اختلاف ہے اور امام احمد کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے، کیونکہ حدیث اس معاملے میں ظاہر ہے کہ وہ عورت حاملہ تھی اور بچے کو اس عورت کے ساتھ لاحق کر دیا گیا۔

(۳۳) اور اس میں ظنِ غالب کے مطابق حلف لینے کا جواز ہے اور اس کی دلیل اصل کے مطابق عمل کرنا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے یہ قوی امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سائل کے سوال کی تصدیق کر دے گا، کیونکہ حضرت ہلال بن امیہ سے کہا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم پر حد قذف کے کوڑے مارے گا اور حضرت ہلال بن امیہ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یہ کوڑے نہیں مارے جائیں گے کیونکہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میں نے اسی چیز کے مطابق سوال کیا ہے جس کو میں نے دیکھا ہے۔

(۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم کا اس وقت اعتبار کیا جائے گا جب وہ حاکم کی اجازت سے قسم کھائی جائے، کیونکہ حضرت ہلال بن امیہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور سچا ہوں، پھر ان سے لعان کے کلمات نہیں کہلوائے گئے۔

(۳۵) اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قیاس کے تقاضے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ قیاس کا تقاضا اور قیافہ پر عمل کرنا اس وقت جائز نہیں ہوتا جب اس کے مقابلے میں کوئی شریعت کا ظاہری حکم نہ ہو اور جب اس کے مقابلے میں شریعت کا ظاہری حکم نہ ہو تو پھر قیاس اور قیافہ کے تقاضے پر عمل کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۹-۵۲۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ، فتح الباری ج ۹ ص ۴۶۱-۴۶۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس کسی اجنبی مرد کو پائے اور وہ طیش میں آ کر اس کو قتل کر دے تو اس کے شرعی حکم کا بیان

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، صحیح بخاری ۵۳۱۶ کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسئلہ:

اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس کسی دوسرے مرد کو پائے اور وہ غضب میں آ کر اس کو قتل کر دے تو آیا اس کے اوپر قصاص لازم ہوگا؟

الجواب:

نہیں، کیونکہ جس وقت اس نے اپنی بیوی کے پاس دوسرے مرد کو پایا اور اس کو قتل کر دیا تو اس پر نہ قصاص ہوگا اور نہ دیت ہوگی اور نہ کفارہ ہوگا۔

اور جس چیز نے اس عورت کو رجم کرنے سے منع کیا ہے وہ لعان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ إِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ (النور: ۸)
اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے O

اور یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس عورت کے خلاف کوئی گواہ نہیں تھا، لیکن ایک دوسری عورت تھی جو اسلام لانے کے بعد بے حیائی کے کام کرتی تھی اور وہ عورت شبہ کا محل تھی اور اس کے خلاف قرائن زیادہ تھے لیکن گواہ کوئی نہیں تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے رجم کر دیتا تو میں اس عورت کو رجم کر دیتا۔

(صحیح مسلم: ۱۴۹۷، سنن نسائی: ۳۴۰۷، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۰) (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۹۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۱ھ)

حدیث: ۵۳۱۶، کے تین شرعی احکام

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث تین احکام شرعیہ پر مشتمل ہے:

(۱) لعان مشروع ہے۔

(۲) لعان کے بعد حاکم مرد و زن میں تفریق کر دے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ تفریق نفس لعان سے ہو جاتی ہے یا لعان کے بعد حاکم تفریق کرے گا۔

امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ حاکم کے تفریق کرنے سے تفریق ہوگی جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) اگر شوہر بچے کی پیدائش کے وقت اس کی نفی کر دے تو بچہ ماں سے لاحق کیا جائے گا، جمہور فقہاء اور چاروں ائمہ کا اس میں

اتفاق ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر عورت کو بچے کی نفی کی تہمت لگائی تو بچہ منتفی نہیں ہوگا اور نہ ہی اس وقت لعان کیا جائے گا کیونکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الولد للفراش وللعاهر الحجر، (بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی محروم ہے)۔

اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ جب بچے کی نفی بوقت ولادت کرے یا ولادت کے ایک دو روز بعد کرے، پہلی صورت میں بچے کی نفی ہو جائے گی اور دوسری صورت یعنی ایک دو روز بعد نفی کرے تو نفی نہ ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا اور ایک روایت ان سے ہے کہ انہوں نے اس کے لیے سات دن مقرر کیے ہیں۔

امام ابو یوسف، امام محمد اور قتادہ نے نفاس کی اکثر مدت مقرر کی ہے اور وہ چالیس روز ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بچے کی پیدائش کے فوراً بعد نفی کا اعتبار ہے ورنہ نفی نہ ہوگی۔ (تفہیم البخاری حصہ ہشتم ص ۳۸۵، الجدہ پرنٹرز، بار اول)

لعان کی تحقیق از مصنف

لعان کا لغوی اور اصطلاحی معنی

لعان کا لفظ لعن سے ماخوذ ہے، علامہ سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں کہ لعن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اس کا معنی ہے: دھتکارنا اور خیر سے دور کرنا، اور جب اس کی نسبت مخلوق کی طرف ہو تو یہ بددعا کا کلمہ ہے اور لکھتے ہیں کہ لعان کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے تو امام اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرائے اور مرد سے ابتداء کرے، مرد چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ اس نے فلاں مرد کے ساتھ زنا کیا ہے اور میں اپنی اس تہمت میں صادق ہوں، جب وہ چار بار یہ قسم کھالے تو پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ زنا کی اس تہمت لگانے میں جھوٹا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، پھر عورت کو کھڑا کیا جائے اور وہ چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتی ہوں کہ اس شخص نے جو مجھ پر تہمت لگائی ہے، یہ اس تہمت میں جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر یہ سچوں میں سے ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو، لعان کے بعد وہ عورت اس شخص سے بائنہ ہو جائے گی اور کبھی اس شخص کے لیے حلال نہیں ہوگی، اگر وہ حاملہ ہو تو بچہ اس عورت کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۳۳۴-۳۳۵)

لعان کے شرعی معنی میں مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: کہ لعان کا شرعی معنی ہے: ایسی شہادات جو قسموں سے مؤکد ہوں اور لعنت کے ساتھ مقرون ہوں، اور امام شافعی فرماتے ہیں: یہ دو قسمیں ہیں جو لفظ شہادت کے ساتھ مؤکد ہوں، امام شافعی کے نزدیک اس میں قسم کی اہلیت شرط ہے، اس لیے مسلمان اور اس کی کافر بیوی اور کافر اور کافرہ، غلام اور اس کی بیوی میں بھی لعان ہو جاتا ہے، امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس میں شہادت کی اہلیت شرط ہے، اس لیے لعان ایسے مسلمان آزاد، عاقل بالغ کے ساتھ خاص ہے جس پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۰)

لعان کی وجہ تسمیہ

مرد لعنت کا لفظ کہتا ہے اور عورت غضب کا لفظ کہتی ہے اور اس مسئلہ کا عنوان لعان بنایا گیا ہے، جب کہ آیت میں لعن اور غضب دونوں الفاظ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء مرد سے ہوتی ہے اور وہ لعنت کا لفظ کہتا ہے اور مرد کی جانب قوی ہے، نیز لعان کرنے نہ کرنے کا مدار مرد ہی پر ہوتا ہے اور عورت کو غضب کے لفظ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ مرد کی نسبت عورت کا جرم بڑا ہے، مرد اگر جھوٹا ہو تو وہ حد قذف کا مستحق ہے اور اگر عورت جھوٹی ہو تو وہ سنگسار کی جانے کی مستحق ہے۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۰)

زانی کو از خود قتل کرنے کا حکم

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے اور یہ متحقق ہو جائے کہ اس نے زنا کیا ہے اور وہ شخص اس سبب سے اس زانی کو قتل کر دے تو جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ اس پر قصاص لازم آئے گا الا یہ کہ وہ زنا کے ثبوت پر چار گواہ پیش کر دے یا مقتول کے ورثاء اس کے زنا کا اعتراف کر لیں، اور یہ شرط بھی ہے کہ وہ زانی شادی شدہ ہو، یہ دنیاوی ضابطہ ہے اور اگر وہ سچا ہے تو آخرت میں اس پر کوئی وبال نہیں ہوگا۔ بعض شوافع کا قول یہ ہے کہ جو شخص بھی سلطان کی اجازت کے بغیر کسی شادی شدہ زانی کو قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ا ص ۴۸۸، کراچی)

امام ابو حنیفہ کا قول جمہور کے موافق ہے، اگر دو شخص گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں آدمی کو زنا کے سبب سے قتل کیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا اور امام احمد کے نزدیک اس پر قصاص نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۴۹، لاہور)

جمہور کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو حضرت سعد کے جواب میں فرمایا: تلوار کافی گواہ ہے، پھر فرمایا: نہیں! مجھے خدشہ ہے کہ پھر لوگ نشہ اور غیرت میں آکر دھڑا دھڑ قتل کرنا شروع کر دیں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۰۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب سے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی، البتہ جس پر چار گواہوں سے زنا ثابت ہو جائے اس کا معاملہ الگ ہے کیونکہ وہ مباح الدم ہے اس لیے اس صورت میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، لیکن کسی شخص کو بھی قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے اور اس وجہ سے وہ مؤاخذہ کا مستحق ہوگا۔

لعان کے بعد تفریق میں مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام مالک، امام شافعی اور ان کے موافقین کا یہ نظریہ ہے کہ نفس لعان سے، لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے، امام مالک اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ عورت کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد تفریق ہو جاتی ہے اور امام شافعی اور ان کے اکثر اصحاب کا یہ قول ہے کہ مرد کے لعان سے فارغ ہوتے ہی تفریق ہو جاتی ہے، سحنون مالکی کا بھی یہی قول ہے، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری کا یہ قول ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے تفریق ہوتی ہے، اور امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، ایک میں احناف کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں شوافع کے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۵، مصر)

علامہ ابو الحسن مرداوی حنبلی لکھتے ہیں کہ وجیز میں لکھا ہے کہ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور

محرر، نظم، رعایتین، حاوی صغیر، فروع وغیرہ کتب حنابلہ میں اسی قول کو مقدم کیا ہے، اور امام احمد بن حنبل کا دوسرا قول یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی جب تک کہ حاکم تفریق نہ کرے۔ خرقی (المغنی ابن قدامہ کا متن) کا بھی مختار ہے۔ قاضی، شریف، ابو الخطاب اور ابن البناء وغیرہم فقہاء حنابلہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، ہدایہ، مذہب، مسبوک الذہب اور دوسری کتب حنابلہ میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور انتصار میں لکھا ہے کہ عام اصحاب حنابلہ کا بھی یہی مختار ہے۔ (الانصاف ج۹ ص۲۵۱-۲۵۲، بیروت)

فقہاء احناف کے نظریہ پر دلائل

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت درج کی جس میں پہلے لعان کا واقعہ درج ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لعان کی کاروائی بیان کرنے کے بعد فرمایا: "ثم فرق بینھما" (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۴) "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کردی"۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمر کی اس روایت کو سعید بن جبیر سے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۱) اور نافع سے بھی، نافع سے دو روایات ذکر کی ہیں ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن نافع ان ابن عمر اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرق بین رجل وامراتہ قذفھا واحلفھا۔

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے مرد اور عورت کے درمیان تفریق کردی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۳)

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہوگیا کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے بعد تفریق نہ فرماتے۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعہ لعان میں یہ بیان کیا ہے کہ لعان کے بعد حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "کذبت علیھا یا رسول اللہ ان امسکتھا فطلقھا ثلاثا قبل ان یامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" "یا رسول اللہ! (لعان کے بعد) اگر اب میں اس کو اپنے نکاح میں رکھوں تو پھر میں جھوٹا قرار پاؤں گا، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فرمانے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں"، اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۲)

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہوگیا کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ حضرت عویمر اس کو تین طلاقیں نہ دیتے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اب تین طلاقوں کی کیا ضرورت ہے تفریق تو ہوگئی۔

علامہ نووی کے اعتراضات کے جوابات

علامہ نووی نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذھب فلا سبیل لک علیھا: "جاؤ اب اس عورت پر تمہاری ملکیت نہیں ہے"، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کو رد کردیا، یعنی اب تمہاری اس پر ملکیت نہیں ہے، اس لیے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۴۸۹، کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شرح مسلم میں علامہ نووی کی اس عبارت سے یہ

وہم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عویمر کے تین طلاقیں دینے کے بعد فرمایا: ''لا سبیل لک علیہا'' اور یہ کہ یہ جملہ حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت میں موجود ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ جملہ حضرت ابن عمر کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد ہے: اللہ یعلم ان احد کما کاذب۔ (فتح الباری ج۹ ص ۵۲، ۵۱، ۲۰۰۴ء لاہور)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ''فلا سبیل لک علیہا'' کا حضرت عویمر کی دی گئی تین طلاقوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے نہ یہ تین طلاقوں پر رد ہے، اس معاملہ میں علامہ نووی نے ایک کھلا ہوا مغالطہ کھایا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: ''لا سبیل لک علیہا'' جس حدیث میں ہے وہ حسب ذیل ہے:

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے لعان کرنے والوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: ''تمہارا حساب اللہ پر ہے، تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور اس عورت پر اب تمہاری ملکیت نہیں ہے''۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۲)

اس حدیث سے نہ صرف یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ''لا سبیل لک علیہا'' کا تعلق حضرت عویمر کے قصہ سے نہیں ہے بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان نفس لعان سے تفریق نہیں ہوئی بلکہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوئی ہے۔

نفس لعان سے تفریق نہ ہونے پر ایک واضح دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عویمر نے لعان کے بعد تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ اگر نفس لعان سے تفریق ہو جاتی تو آپ ان تین طلاقوں کو مسترد کر دیتے، امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن سهل بن سعد فی هذا الخبر فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فانفذه رسول الله ﷺ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۰)	حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

علامہ نووی نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ دوسری روایت میں ہے: ففارقها ''حضرت عویمر اپنی بیوی سے علیحدہ ہو گئے''۔ لیکن یہ تین طلاقیں دینے کے بعد کا واقعہ ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابن شہاب کی حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے ظاہر ہے۔ اس لیے اس روایت کا یہ لفظ بھی علامہ نووی اور شوافع کے مسلک کے لیے مفید نہیں ہے۔

(صحیح مسلم کتاب اللعان رقم الباب: ۳، رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۴۹۲، رقم الحدیث المسلسل: ۳۶۷۵)

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر کی بکثرت روایات مذکور ہیں۔ (رقم الباب: ۹، ۸، ۷) جن میں تصریح ہے کہ لعان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تفریق کی اور یہ موقف احناف کی واضح دلیل ہیں اور فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے موقف پر کوئی حدیث نہیں ہے۔

لعان کی وجہ سے بچہ کے نسب کی نفی میں مذاہب فقہاء

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص نے لعان کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۴)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء تابعین اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے بعد بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور باپ سے اس کا نسب منتفی ہوگا۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ عامر، شعبی، محمد بن ابی ذئب اور بعض اہل مدینہ نے اس مسئلہ میں جمہور سے اختلاف کیا ہے کیونکہ بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر ہو، اس لیے لعان کرنے والے شخص سے ہی نسب ثابت ہوگا، لیکن ان کے خلاف یہ حدیث جمہور کی قوی دلیل ہے اور اس قاعدہ میں اس حدیث سے تخصیص کی جائے گی، البتہ ایک اور اختلاف یہ ہے کہ ماں سے نسب اس وقت منتفی ہوگا جب بچہ پیدا ہوتے ہی یا زیادہ دن گزرنے سے پہلے مرد اس کا انکار کر دے، امام ابوحنیفہ نے دن مقرر نہیں کیے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں سات دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہے۔ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ چالیس دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہے، یعنی اس سے پہلے انکار کا شرعاً اعتبار ہوگا اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بچہ پیدا ہوتے ہی فوراً انکار کر دیا تو اس کا انکار شرعاً معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۲، مصر) (تبیان القرآن ج ۸ ص ۷۵-۷۹، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور)۔

لعان کے متعلق صدرالشریعہ کی تحقیق

صدرالشریعہ بدرالطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ الغنی متوفی ۱۳۶۷ھ، لعان کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ ۞ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ (النور: ۶-۹)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو O اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند) سچوں میں سے ہو O

حدیث ۱: صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا کسی مرد کو اپنی بی بی کے ساتھ پاؤں تو اسے چھوؤں بھی نہیں، یہاں تک کہ چار گواہ لاؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! انہوں نے عرض کی: ہرگز نہیں، قسم ہے اس کی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں فوراً تلوار سے کام تمام کردوں گا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''سنو تمہارا سردار کیا کہتا ہے، بے شک وہ بڑا غیرت والا ہے اور میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ (عزوجل) مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے''۔ دوسری روایت میں ہے کہ ''یہ اللہ (عزوجل) کی غیرت ہی کی وجہ سے ہے کہ فواحش (بے حیائی کی باتوں) کو حرام فرما دیا ہے، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ''۔

(صحیح مسلم، کتاب اللعان، الحدیث: ۱۶، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ص ۸۰۵)

حدیث ۲: صحیحین میں انہیں سے مروی کہ ایک اعرابی نے حاضر ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میری عورت کے سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے اور مجھے اس کا اچنبا ہے (یعنی معلوم ہوتا ہے میرا نہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''تیرے پاس اونٹ ہیں؟''، عرض کی: ہاں! فرمایا: ان کے رنگ کیا ہیں؟ عرض کی، سرخ: فرمایا ''ان میں کوئی بھورا بھی ہے؟'' عرض کی: چند بھورے بھی ہیں، فرمایا: ''تو سرخ رنگ والوں میں یہ بھورا کہاں سے آ گیا؟'' عرض کی: شاید رگ نے کھینچا ہو (یعنی اس کے باپ دادا میں کوئی ایسا ہوگا، اس کا اثر ہوگا) فرمایا: ''تو یہاں بھی شاید رگ نے کھینچ لیا ہو، اتنی بات پر اسے انکار نسب کی اجازت نہ دی''۔

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب من شبہ اصلا معلوما، الحدیث: ۷۳۱۴، ج ۴ ص ۵۱۲)

حدیث ۳: صحیح بخاری شریف ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی، ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بی بی پر تہمت لگائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی''۔ عرض کی: یارسول اللہ! (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم) کوئی شخص اپنی عورت پر کسی مرد کو دیکھے تو گواہ ڈھونڈنے جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا۔ پھر ہلال نے کہا: قسم ہے اس کی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! بے شک میں سچا ہوں اور خدا کوئی ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بچاوے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام اترے اور (وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ) نازل ہوئی، ہلال نے حاضر ہوکر لعان کا مضمون ادا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: بے شک اللہ عزوجل جانتا ہے کہ تم میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں کوئی توبہ کرتا ہے، پھر عورت کھڑی ہوئی، اس نے بھی لعان کیا، جب پانچویں بار کی نوبت آئی تو لوگوں نے اسے روک کر کہا، اب کہے گی تو ضرور غضب کی مستحق ہوجائے گی اور اس پر وہ کچھ رکی اور جھجکی جس سے ہم کو خیال ہوا کہ رجوع کرے گی مگر پھر کھڑی ہوکر کہنے لگی: میں تو اپنی قوم کو ہمیشہ کے لیے رسوا نہ کروں گی، پھر وہ پانچواں کلمہ بھی اس نے ادا کر دیا۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر باب ویدرؤا عنھا العذاب۔ الحدیث: ۴۷۴۷، ج ۳ ص ۲۸۰)

حدیث ۴: صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوعورت میں لعان کرایا، پھر شوہر نے عورت کے لڑکے سے انکار کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں تفریق کردی اور بچہ کو عورت کی طرف منسوب کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کے وقت پہلے مرد کو نصیحت وتذکیر کی اور یہ خبر دی کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت آسان ہے پھر عورت کو بلا کر نصیحت وتذکیر کی اور اسے بھی یہی خبر دی۔ دوسری روایت میں ہے کہ مرد نے اپنے مال (مہر) کا مطالبہ کیا۔ ارشادفرمایا: کہ ''تم کو مال نہ ملے گا، اگر تم نے سچ کہا ہے تو جو منفعت اس سے اٹھا چکے ہو اس کے بدلے میں ہو گیا اور اگر تم نے جھوٹ کہا ہے تو یہ مطالبہ بہت بعید و بعید تر ہے''۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب اللعان الحدیث: ۳۳۰۵، ۳۳۰۶، ج ۲ ص ۲۵۰)

حدیث ۵: ابن ماجہ میں بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ''چار عورتوں سے لعان نہیں ہوسکتا: (۱) نصرانیہ جو مسلمان کی زوجہ ہے اور (۲) یہودیہ جو مسلمان کی عورت ہے اور (۳) حرہ جو کسی غلام کے نکاح میں ہے اور (۴) باندی جو آزاد مرد کے نکاح میں ہے''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب اللعان، الحدیث: ۲۰۷۱، ج ۲ ص ۵۲۸)

لعان کے متعلق مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: مرد نے اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائی اس طرح کہ اگر اجنبیہ عورت کو لگاتا تو حدِ قذف (تہمتِ زنا کی حد) اس پر لگائی جاتی، یعنی عورت عاقلہ، بالغہ، حرہ، مسلمہ، عفیفہ (پاک دامن، پارسا عورت) ہو تو لعان کیا جائے گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی کے

حضور پہلے شوہر قسم کے ساتھ چار مرتبہ شہادت دے یعنی کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے جو اس عورت کو زنا کی تہمت لگائی اس میں خدا کی قسم! میں سچا ہوں، پھر پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر خدا کی لعنت اگر اس امر میں کہ اس کو زنا کی تہمت لگائی جھوٹ بولنے والوں سے ہو اور ہر بار لفظ ''اس'' سے عورت کی طرف اشارہ کرے، پھر عورت چار مرتبہ یہ کہے کہ میں شہادت دیتی ہوں خدا کی قسم! اس نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے، اس بات میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر اللہ (عزوجل) کا غضب ہو، اگر یہ اس بات میں سچا ہو جو مجھے زنا کی تہمت لگائی، لعان میں لفظ شہادت شرط ہے، اگر یہ کہا کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ سچا ہوں، لعان نہ ہوا۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ا ص ۵۱۵، ۵۱۶)

مسئلہ ۲: لعان کے لیے چند شرطیں ہیں:

(۱) نکاح صحیح ہو، اگر اس عورت سے اس کا نکاح فاسد ہوا ہے اور تہمت لگائی تو لعان نہیں۔

(۲) زوجیت قائم ہو (یعنی عورت نکاح میں موجود ہو) خواہ دخول ہوا ہو یا نہیں، لہٰذا اگر تہمت لگانے کے بعد طلاق بائن دی تو لعان نہیں ہو سکتا، اگرچہ طلاق دینے کے بعد پھر نکاح کر لیا، یونہیں اگر طلاق بائن دینے کے بعد تہمت لگائی یا زوجہ کے مرجانے کے بعد تو لعان نہیں اور اگر تہمت کے بعد رجعی طلاق دی یا رجعی طلاق کے بعد تہمت لگائی تو لعان ساقط نہیں۔

(۳) دونوں آزاد ہوں۔

(۴) دونوں عاقل ہوں۔

(۵) دونوں بالغ ہوں۔

(۶) دونوں مسلمان ہوں۔

(۷) دونوں ناطق ہوں، یعنی ان میں کوئی گونگا نہ ہو۔

(۸) ان میں کسی پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔

(۹) مرد نے اپنے اس قول پر گواہ نہ پیش کیے ہوں۔

(۱۰) عورت زنا سے انکار کرتی ہو اور اپنے کو پارسا کہتی ہو، اصطلاحِ شرع میں پارسا اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وطی حرام نہ ہوئی ہو نہ وہ اس کے ساتھ متہم ہو (نہ اس پر وطی حرام کی تہمت لگی ہو)، لہٰذا طلاق بائن کی عدت میں اگر شوہر نے اس سے وطی کی اگرچہ وہ اپنی نادانی سے یہ سمجھتا تھا کہ اس سے وطی حلال ہے تو عورت عفیفہ نہیں۔ یونہیں اگر نکاح فاسد کر کے اس سے وطی کی تو عفت (پاکدامنی) جاتی رہی یا عورت کی اولاد ہے جس کے باپ کو یہاں کے لوگ نہ جانتے ہوں اگرچہ حقیقتاً وہ ولد الزنا (زنا سے پیدا ہونے والا بچہ) نہیں ہے، یہ صورت متہم ہونے کی ہے، اس سے بھی عفت جاتی رہتی ہے۔ اور اگر وطی حرام عارضی سبب سے ہو مثلاً حیض ونفاس وغیرہ میں جن میں وطی حرام ہے وطی کی تو اس سے عفت نہیں جاتی۔

(۱۱) صریح زنا کی تہمت لگائی ہو یا اس کی جو اولاد اس کے نکاح میں پیدا ہوئی اس کو کہتا ہو کہ یہ میری نہیں یا جو بچہ عورت کا دوسرے شوہر سے ہے، اس کو کہتا ہو کہ یہ اس کا نہیں۔

(۱۲) دار الاسلام میں یہ تہمت لگائی ہو۔

(۱۳) عورت قاضی کے پاس اس کا مطالبہ کرے۔
(۱۴) شوہر تہمت لگانے کا اقرار کرتا ہو یا دو مرد گواہوں سے ثابت ہو، لعان کے وقت عورت کا کھڑا ہونا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔
(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۵، الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۵۶)
مسئلہ ۳: عورت پر چند بار تہمت لگائی تو ایک ہی بار لعان ہوگا۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۴)
مسئلہ ۴: لعان میں تمادی نہیں یعنی اگر عورت نے زمانۂ دراز تک مطالبہ نہ کیا تو لعان ساقط نہ ہوگا ہر وقت مطالبہ کا اس کو اختیار باقی ہے، لعان معاف نہیں ہو سکتا یعنی اگر شوہر نے تہمت لگائی اور عورت نے اس کو معاف کر دیا اور معاف کرنے کے بعد اب قاضی کے یہاں دعویٰ کرتی ہے تو قاضی لعان کا حکم دے گا اور عورت دعویٰ نہ کرے تو قاضی خود مطالبہ نہیں کر سکتا۔ یوہیں اگر عورت نے کچھ لے کر صلح کر لی تو لعان ساقط نہ ہوا جو لیا ہے اسے واپس کر کے مطالبہ کرنے کا عورت کو حق حاصل ہے، مگر عورت کے لیے افضل یہ ہے کہ ایسی بات کو چھپائے اور حاکم کو بھی چاہیے کہ عورت کو پردہ پوشی کا حکم دے۔
(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۶، الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۵۴)
مسئلہ ۵: عورت کے مر جانے کے بعد اس کو تہمت لگائی اور اس عورت کی دوسرے شوہر سے اولاد ہے جس کے نسب میں اس کی تہمت کی وجہ سے خرابی پڑتی ہے، اس نے مطالبہ کیا اور شوہر ثبوت نہ دے سکا تو حد قذف قائم کی جائے اور اگر دوسرے سے اولاد نہیں بلکہ اسی کی اولادیں ہیں تو حد قائم نہیں ہو سکتی۔ (رد المحتار کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۵۳)
مسئلہ ۶: مرد و عورت دونوں کافر ہوں یا عورت کافرہ یا دونوں مملوک ہوں یا ایک یا دونوں میں سے ایک مجنون ہو یا نابالغ یا کسی پر حد قذف قائم ہوئی ہے تو لعان نہیں ہو سکتا اور اگر دونوں اندھے یا فاسق ہوں یا ایک تو ہو سکتا ہے۔
(الدر المختار، ورد المحتار کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۵۲)
مسئلہ ۷: شوہر اگر تہمت لگانے سے انکار کرتا ہے اور عورت کے پاس دو مرد گواہ بھی نہ ہوں تو شوہر سے قسم نہ کھلائی جائے اور اگر قسم کھلائی گئی اس نے قسم کھانے سے انکار کیا تو حد قائم نہ کریں۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۵۵)
مسئلہ ۸: شوہر نے تہمت لگائی، اور اب لعان سے انکار کرتا ہے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ لعان کرے یا کہے: میں نے جھوٹ کہا تھا، اگر جھوٹ کا اقرار کرے تو اس پر حد قذف قائم کریں اور شوہر نے لعان کے الفاظ ادا کر لیے تو ضرور ہے کہ عورت بھی ادا کرے ورنہ قید کی جائے گی، یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے اور اب لعان نہیں ہو سکتا نہ آئندہ تہمت لگانے سے شوہر پر حد قذف قائم ہوگی مگر عورت پر تصدیق شوہر کی وجہ سے حد زنا بھی قائم نہ ہوگی جب کہ فقط اتنا کہا ہو کہ وہ سچا ہے اور اگر اپنے زنا کا اقرار کیا تو بشرائط اقرار زنا حد زنا قائم ہوگی۔ (الدر المختار، ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۵۵)
مسئلہ ۹: شوہر کے نا قابل شہادت ہونے کی وجہ سے اگر لعان ساقط ہو مثلاً غلام ہے یا کافر یا اس پر حد قذف لگائی جا چکی ہے تو حد قذف قائم کی جائے بشرطیکہ عاقل بالغ ہو، اور اگر لعان کا ساقط ہونا عورت کی جانب سے ہے کہ وہ اس قابل نہیں مثلاً کافرہ ہے یا باندی یا محدودہ فی القذف یا وہ ایسی ہے کہ اس پر تہمت لگانے والے کے لیے حد قذف نہ ہو، یعنی عفیفہ نہ ہو تو شوہر پر حد قذف نہیں بلکہ تعزیر ہے مگر جب کہ عفیفہ نہ ہو اور علانیہ زنا کرتی ہو تو تعزیر بھی نہیں اور اگر دونوں محدود فی القذف (یعنی دونوں کو تہمت زنا کی سزا

مل چکی ہو) ہوں تو شوہر پر حد قذف ہے۔ (الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۵۵، ۱۵۷)

مسئلہ ۱۰: اگر عورت سے کہا: تو نے بچپن میں زنا کیا تھا یا حالت جنون میں اور یہ بات معلوم ہے کہ عورت کو جنون تھا تو نہ لعان ہے، نہ شوہر پر حد قذف اور اگر کہا: تو نے حالت کفر میں یا جب تو کنیز تھی اس وقت زنا کیا تھا یا کہا: چالیس (۴۰) برس ہوئے کہ تو نے زنا کیا حالانکہ عورت کی عمر اتنی نہیں تو ان صورتوں میں لعان ہے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۵)

مسئلہ ۱۱: عورت سے کہا: اے زانیہ یا تو نے زنا کیا یا میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا تو یہ سب الفاظ صریح ہیں، ان میں لعان ہوگا اور اگر کہا: تو نے حرام کاری کی یا تجھ سے حرام طور پر جماع کیا گیا یا تجھ سے لواطت کی گئی تو لعان نہیں۔
(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۵)

مسئلہ ۱۲: لعان کا حکم یہ ہے کہ اس سے فارغ ہوتے ہی اس شخص کو اس عورت سے وطی حرام ہے، مگر فقط لعان سے نکاح سے خارج نہ ہوئی بلکہ لعان کے بعد حاکم اسلام تفریق کر دے گا اور اب مطلقہ بائن ہوگئی، لہٰذا بعد لعان اگر قاضی نے تفریق نہ کی ہو تو طلاق دے سکتا ہے ایلاء وظہار کر سکتا ہے، دونوں میں سے کوئی مر جائے تو دوسرا اس کا ترکہ پائے گا، اور لعان کے بعد اگر وہ دونوں علیحدہ نہ ہونا چاہیں جب بھی تفریق کر دی جائے گی۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب اللعان، الجزء الثانی ص ۹۲)

مسئلہ ۱۳: اگر لعان کی ابتداء قاضی نے عورت سے کرائی تو شوہر کے الفاظ لعان کہنے کے بعد عورت سے پھر کہلوائے اور دوبارہ عورت سے نہ کہلوائے اور تفریق کر دی تو ہوگئی۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب اللعان، الجزء الثانی ص ۹۲)

مسئلہ ۱۴: لعان ہو جانے کے بعد ابھی تفریق نہ کی تھی کہ خود قاضی کا انتقال ہو گیا یا معزول ہو گیا اور دوسرا اس کی جگہ مقرر کیا گیا تو یہ قاضی دوم اب پھر لعان کرائے۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب اللعان، الجزء الثانی ص ۹۲)

مسئلہ ۱۵: تین تین بار دونوں نے الفاظ لعان کہے تھے یعنی ابھی پورا لعان نہ ہوا تھا کہ قاضی نے غلطی سے تفریق کر دی تو تفریق ہوگئی مگر ایسا کرنا خلافِ سنت ہے اور اگر ایک ایک یا دو دو بار کہنے کے بعد تفریق کی تو تفریق نہ ہوئی اور اگر صرف شوہر نے الفاظِ لعان ادا کیے عورت نے نہیں اور قاضی غیر حنفی نے (جس کا یہ مذہب ہو کہ صرف شوہر کے لعان سے تفریق ہو جاتی ہے) تفریق کر دی تو جدائی ہوئی، اور قاضی حنفی ایسا کرے گا تو اس کی قضا نافذ نہ ہوگی کہ یہ اس کے مذہب کے خلاف ہے اور خلاف مذہب حکم کرنے کا اسے حق نہیں۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۶۰)

مسئلہ ۱۶: لعان کے بعد ابھی تفریق نہیں ہوئی ہے اور دونوں یا ایک کو کوئی ایسا امر لاحق ہوا کہ لعان سے پیشتر ہوتا تو لعان ہی نہ ہوتا مثلاً ایک یا دونوں گونگے یا مرتد ہو گئے یا کسی کو تہمت لگائی اور حد قذف قائم ہوئی یا ایک نے اپنی تکذیب کی یا عورت سے وطی حرام کی گئی تو لعان باطل ہو گیا، لہٰذا قاضی اب تفریق نہ کرے گا اور اگر دونوں میں سے کوئی مجنون ہو گیا تو لعان ساقط نہ ہوگا، لہٰذا تفریق کر دے گا، اور اگر بوہرا ہو گیا جب بھی تفریق کر دے گا اور اگر مرد نے الفاظ لعان کہہ لیے تھے اور عورت نے ابھی نہیں کہے تھے کہ بوہرا ہو گیا یا عورت بوہری ہوگئی تو تفریق نہ ہوگی نہ عورت سے لعان کرایا جائے۔
(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۷)

مسئلہ ۱۷: لعان کے بعد شوہر یا عورت نے تفریق کے لیے کسی کو اپنا وکیل کیا اور غائب ہو گیا تو قاضی وکیل کے سامنے تفریق

کردے گا، یوہیں اگر بعد لعان چل دیے پھر کسی کو وکیل بنا کر بھیجا تو قاضی اس وکیل کے سامنے تفریق کردے گا۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۷)

مسئلہ ۱۸: لعان کے بعد اگر ابھی تفریق نہ ہوئی جب بھی اس عورت سے وطی ودواعی وطی (یعنی وطی پر ابھارنے والے افعال مثلاً بوس وکنار وغیرہ) حرام ہیں اور تفریق ہوگئی تو عدت کا نفقہ وسکنیٰ یعنی رہنے کا مکان پائے گی اور عدت کے اندر جو بچہ پیدا ہوگا اسی شوہر کا ہوگا اگر دو برس کے اندر بچہ پیدا ہو۔ اور اگر عدت اس عورت کے لیے نہ ہو اور چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہو تو اسی شوہر کا قرار پائے گا۔ (الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، مطلب: فی الدعاء... الخ، ج ۵ ص ۱۶۰)

مسئلہ ۱۹: اگر شوہر نے اس بچہ کی نسبت جو اس کے نکاح میں پیدا ہوا ہے اور زندہ بھی ہے، یہ کہا کہ یہ میرا نہیں ہے اور لعان ہوا تو قاضی اس بچہ کا نسب شوہر سے منقطع کردے گا اور وہ بچہ اب ماں کی طرف منتسب ہوگا، بشرطیکہ علوق (نطفہ ٹھہرنا، حمل ٹھہرنا) ایسے وقت میں ہوا کہ عورت میں صلاحیت لعان ہو، لہٰذا اگر اس وقت باندی تھی اب آزاد ہے یا اس وقت کافرہ تھی اب مسلمان ہے تو نسب منتفی نہ ہوگا (یعنی نسب منقطع نہ ہوگا) اس واسطے کہ اس صورت میں لعان ہی نہیں اور اگر وہ بچہ مر چکا ہے تو لعان ہوگا اور نسب منتفی نہیں ہوسکتا ہے۔ یوہیں اگر دو بچے ہوئے اور ایک مر چکا ہے اور ایک زندہ ہے اور دونوں سے شوہر نے انکار کردیا یا لعان سے پہلے ایک مر گیا تو اس مردہ کا نسب منتفی نہ ہوگا۔ نسب منتفی ہونے کی چھ شرطیں ہیں:

(۱) تفریق

(۲) وقت ولادت یا اس کے ایک دن یا دو دن بعد تک ہو، دو دن کے بعد انکار نہیں کرسکتا۔

(۳) اس انکار سے پہلے اقرار نہ کر چکا ہو اگرچہ دلالۃً اقرار ہو مثلاً اس کو مبارک باد کہی گئی اور اس نے سکوت کیا یا اس کے لیے کھلونے خریدے۔

(۴) تفریق کے وقت بچہ زندہ ہو۔

(۵) تفریق کے بعد اسی حمل سے دوسرا بچہ نہ پیدا ہو یعنی چھ مہینے کے اندر۔

(۶) ثبوت نسب کا حکم شرعاً نہ ہو چکا ہو، مثلاً بچہ پیدا ہوا اور وہ کسی کی دودھ پیتے بچہ پر گرا اور یہ مر گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ اس بچہ کے باپ کے عصبہ اس کی دیت ادا کریں اور اب باپ یہ کہتا ہے کہ میرا نہیں تو لعان ہوگا اور نسب منقطع نہ ہوگا۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، جز ۵ ص ۱۶۰)

مسئلہ ۲۰: لعان وتفریق کے بعد پھر اس عورت سے نکاح نہیں کرسکتا، جب تک دونوں اہلیت لعان رکھتے ہوں اور اگر لعان کی کوئی شرط دونوں یا ایک میں مفقود ہوگئی تو اب باہم دونوں نکاح کرسکتے ہیں مثلاً شوہر نے اس تہمت میں اپنے کو جھوٹا بتایا اگرچہ صراحۃً یہ نہ کہا ہو کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی مثلاً وہ بچہ جس کا انکار کر چکا تھا مر گیا اور اس نے مال چھوڑا ترکہ لینے کے لیے یہ کہتا ہے کہ وہ میرا بچہ تھا تو حد قذف قائم ہوگی اور اس کا نکاح اس عورت سے اب ہوسکتا ہے اور اگر حد قذف نہ لگائی گئی جب بھی نکاح ہوسکتا ہے، یوہیں اگر بعد لعان وتفریق کسی اور پر تہمت لگائی اور اس کی وجہ سے حد قذف قائم ہوئی یا عورت نے اس کی تصدیق کی یا عورت سے وطی حرام کی گئی اگرچہ زنا نہ ہو مگر تصدیق زن سے نکاح اس وقت جائز ہوگا جب کہ چار بار ہو اور حد ولعان ساقط ہونے کے لیے ایک

بار تصدیق کافی ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ا ص ۵۲۰)

مسئلہ ۲۱: حمل کی نسبت اگر شوہر نے کہا کہ یہ میرا نہیں تو لعان نہیں، ہاں اگر یہ کہے کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل اسی سے ہے تو لعان ہوگا مگر قاضی اس حمل کو شوہر سے نفی نہ کرے گا۔ (الدر المختار کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۶۲)

مسئلہ ۲۲: کسی نے اس کی عورت پر تہمت لگائی اس نے کہا: تو نے سچ کہا وہ ویسی ہی ہے جیسا تو کہتا ہے تو لعان ہوگا اور اگر فقط اتنا ہی کہا کہ تو سچا ہے تو لعان نہیں نہ حد قذف۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ا ص ۵۱۷)

مسئلہ ۲۳: عورت سے کہا: تجھ پر تین طلاقیں اے زانیہ تو لعان نہیں بلکہ حد قذف ہے اور اگر کہا: اے زانیہ تجھے تین طلاقیں تو نہ لعان ہے نہ حد۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ا ص ۵۱۷)

مسئلہ ۲۴: عورت سے کہا: اے زانیہ، زانیہ کی بچی، تو عورت اور اس کی ماں دونوں پر تہمت لگائی، اب اگر ماں بیٹی دونوں ایک ساتھ مطالبہ کریں تو ماں کا مطالبہ مقدم قرار دے کر حد قذف قائم کریں گے اور لعان ساقط ہو جائے گا اور اگر ماں نے مطالبہ نہ کیا اور عورت نے کیا تو لعان ہوگا، پھر بعد میں اگر ماں نے مطالبہ کیا تو حد قذف قائم کریں گے اور اگر صورت مذکورہ میں عورت کی ماں مر چکی ہے اور عورت نے دونوں مطالبے کیے تو ماں کی تہمت پر حد قذف قائم کریں گے اور لعان ساقط اور اگر صرف اپنا مطالبہ کیا تو لعان ہوگا، یو ہیں اگر اجنبیہ پر تہمت لگائی، پھر اس سے نکاح کر کے پھر تہمت لگائی اور عورت نے لعان و حد دونوں کا مطالبہ کیا تو حد ہوگی اور لعان ساقط اور اگر لعان کا مطالبہ کیا اور لعان ہوا، پھر حد کا مطالبہ کیا تو حد بھی قائم کریں گے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ا ص ۵۱۷)

مسئلہ ۲۵: اپنی عورت سے کہا: میں نے جو تجھ سے نکاح کیا اس سے پہلے تو نے زنا کیا یا نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا تو یہ تہمت چونکہ اب لگائی ہے، لہٰذا لعان ہے اور اگر یہ کہا: نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کی تہمت لگائی تو لعان نہیں بلکہ حد قائم ہوگی۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ا ص ۵۱۸)

مسئلہ ۲۶: عورت سے کہا: میں نے تجھے بکر نہ پایا تو نہ حد ہے نہ لعان۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ا ص ۵۱۸)

مسئلہ ۲۷: اولاد سے انکار اس وقت صحیح ہے جب مبارک بادی دیتے وقت یا ولادت کے سامان خریدنے کے وقت نفی کی ہو ورنہ سکوت (خاموش رہنا) رضا سمجھا جائے گا اب پھر نفی نہیں ہو سکتی، مگر لعان دونوں صورتوں میں ہوگا اور اگر ولادت کے وقت شوہر موجود نہ تھا تو جب اسے خبر ہوئی نفی کے لیے وہ وقت بمنزلہ ولادت کے ہے (ولادت کے قائم مقام ہے، ولادت کے درجہ میں ہے) شوہر نے اولاد سے انکار کیا اور عورت نے بھی اس کی تصدیق کی تو لعان نہیں ہو سکتا۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۶۳)

مسئلہ ۲۸: دو بچے ایک حمل سے پیدا ہوئے یعنی دونوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو اور ان دونوں میں پہلے سے انکار کیا دوسرے کا اقرار تو حد لگائی جائے اور اگر پہلے کا اقرار کیا دوسرے سے انکار تو لعان ہوگا بشرطیکہ انکار سے نہ پھرے اور پھر گیا تو حد لگائی جائے مگر بہر حال دونوں ثابت النسب ہیں۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۶۳)

مسئلہ ۲۹: جس بچے سے انکار کیا اور لعان ہوا وہ مر گیا اور اس نے اولاد چھوڑی اب لعان کرنے والے نے اس کو اپنا پوتا پوتی قرار

دیا تو وہ ثابت النسب ہے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۶۶)

مسئلہ ۳۰: اولاد سے انکار کیا اور ابھی لعان نہ ہوا کہ کسی اجنبی نے عورت پر تہمت لگائی اور اس بچہ کو حرامی کہا اس پر حدِ قذف قائم ہوئی تو اب اس کا نسب ثابت ہے اور کبھی منتفی نہ ہوگا۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۶۷)

مسئلہ ۳۱: عورت کے بچہ پیدا ہوا شوہر نے کہا: یہ میرا نہیں یا یہ زنا سے ہے اور کسی وجہ سے لعان ساقط ہو گیا تو نسب منتفی نہ ہوگا حد واجب ہو یا نہیں، یوہیں اگر دونوں اہل لعان ہیں مگر لعان نہ ہوا تو نسب منتفی نہ ہوگا۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۹)

مسئلہ ۳۲: نکاح کیا مگر ابھی دخول نہ ہوا بلکہ ابھی عورت کو دیکھا بھی نہیں اور عورت کے بچہ پیدا ہوا، شوہر نے اس سے انکار کیا تو لعان ہوسکتا ہے اور بعد لعان وہ بچہ ماں کے ذِمہ ہوگا اور پورا مہر دینا ہوگا۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۹، ۵۲۰)

مسئلہ ۳۳: لعان کے سبب جس لڑکے کا نسب عورت کے شوہر سے منقطع کر دیا گیا، بعض باتوں میں اس کے لیے نسب کے احکام ہیں مثلاً وہ اپنے باپ کے لیے گواہی دے تو مقبول نہیں، نہ باپ کی گواہی اس کے لیے مقبول، نہ وہ اپنے باپ کو زکوٰۃ دے سکے، نہ باپ اس کو، اور اس لڑکے کے بیٹے کا نکاح باپ کی اس لڑکی سے جو دوسری عورت سے ہے نہیں ہوسکتا یا عکس ہو جب بھی نہیں ہوسکتا اور اگر باپ نے اس کو مار ڈالا تو قصاص نہیں، اور دوسرا شخص یہ کہے کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس کا نہیں ہوسکتا اگرچہ یہ لڑکا بھی اپنے کو اس کا بیٹا کہے بلکہ تمام باتوں میں وہی احکام ہیں جو ثابت النسب کے ہیں، صرف دو باتوں میں فرق ہے، ایک یہ کہ ایک دوسرے کا وارث نہیں دوسرے یہ کہ ایک کا نفقہ دوسرے پر واجب نہیں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان ج ۱ ص ۵۲۱، الدر المختار، کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۶۷)

(بہارِ شریعت حصہ ہشتم جلد دوم، ص ۲۱۸-۲۲۷، مکتبۃ المدینہ، دعوت اسلامی، ۱۴۳۰ھ)

۳۷- بَابٌ: إِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ تَزَوَّجَتْ بَعْدَ الْعِدَّةِ زَوْجًا غَيْرَهُ فَلَمْ يَمَسَّهَا

جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر اس عورت نے عدت کے بعد اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا، سو اس نے اس سے جماع نہیں کیا

تین طلاقوں کے بعد عورت کا دوسرے خاوند پر بغیر شرعی حلالہ کے نکاح کے لیے حلال نہ ہونا

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لعان کرنے والے نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر اس نے لعان کے بعد جب اس کی عدت پوری ہوگئی تو اس نے کسی اور مرد سے نکاح کر لیا جس نے اس سے جماع نہیں کیا، امام بخاری نے اس عنوان کا جواب نہیں لکھا اور اس کا جواب محذوف ہے، اور اصل عبارت یوں ہے کہ کیا اب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی، اگر دوسرے شوہر نے اس عورت کو طلاق دے دی، اس سے پہلے کہ وہ اس کے ساتھ جماع کرتا اور وہ عبارت اس طرح ہے، کہ یہ

عورت اب پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ جب دوسرا شوہر اس کو طلاق دے اور وہ اس کے ساتھ جماع کر چکا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۵۳۱۷ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيَّ تَزَوَّجَ امْرَأَةً ثُمَّ طَلَّقَهَا فَتَزَوَّجَتْ آخَرَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ لَهُ أَنَّهُ لَا يَأْتِيهَا وَأَنَّهُ لَيْسَ مَعَهُ إِلَّا مِثْلُ هُدْبَةٍ فَقَالَ لَا حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا، از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ح ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی، از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت (حضرت تمیمہ بنت وہب رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا، پھر انہوں نے اس کو (تین) طلاقیں دے دیں، پھر اس عورت نے کسی اور مرد سے نکاح کر لیا (یعنی حضرت عبد الرحمٰن بن زبیر) سے نکاح کر لیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے بیان کیا کہ ان کے یہ دوسرے خاوند ان سے جماع نہیں کر سکتے اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے ایک پلو کی مثل ہے تو آپ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ تم ان کی مٹھاس چکھ لو اور وہ تمہاری مٹھاس چکھ لیں۔

صحیح البخاری: ۲۶۳۹، ۵۲۶۰، ۵۲۶۱، ۵۲۶۵، ۵۳۱۷، ۵۷۹۲، ۵۸۲۵، ۶۰۸۴، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۲، مسند احمد: ۲۳۵۷۸، سنن دارمی: ۲۲۶۷)

صحیح البخاری کی دوسری روایت کی تفصیل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، سو بیان کیا کہ میں حضرت رفاعہ کے نکاح میں تھی، انہوں نے مجھ کو تین طلاقیں دے دیں، پس میں نے حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر سے نکاح کر لیا اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کی مثل تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تم رفاعہ کی طرف واپس جانا چاہتی ہو؟ نہیں، حتیٰ کہ تم اس کی مٹھاس کو چکھ لو اور وہ تمہاری مٹھاس کو چکھ لے، حضرت ابو بکر اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت خالد بن سعید بن العاص دروازے پر کھڑے تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ اس عورت کے لیے کیا حکم دیا جاتا ہے، تو حضرت خالد نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو بکر کیا آپ نہیں سن رہے کہ یہ عورت کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بے حیائی سے باتیں کر رہی ہے؟۔ (صحیح البخاری: ۲۶۳۹)

تین طلاقوں کا ذکر، اور یہ کہ تین طلاقوں کے بعد عورت پہلے خاوند کیلئے حلال نہیں ہے جب تک کہ دوسرا خاوند اس کے ساتھ جماع نہ کرلے

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی التوفی ۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کرلیں، اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں O

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، جب وہ دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور پھر دوسرا مرد اس کو طلاق دے دے تو وہ پہلے مرد سے نکاح کرسکتی ہے، پس جب کہ یہ ثابت ہوگیا کہ نبی ﷺ نے اس سے منع کیا ہے کہ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب دوسرا خاوند اس عورت سے جماع کرلے تو رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کو قبول کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب دوسرا شوہر اس عورت سے جماع کرلے۔

اور ہمارے علم کے مطابق تمام اہل علم نے یہ کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جب تک دوسرا خاوند اس عورت سے جماع نہ کرے وہ عورت پہلے خاوند پر حلال نہیں ہوسکتی، اس میں صرف سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کا اختلاف ہے، جس کا میں ان شاء اللہ آگے ذکر کروں گا۔ اور ہم نے جو ذکر کیا ہے یہ حضرتِ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کا قول ہے۔ اور یہی مسروق اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور اہل مدینہ کا قول ہے اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے، اور امام مالک کا قول ہے۔ (امام مالک کا مذہب المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۱، کتاب النکاح میں مذکور ہے) اور فقہاءِ احناف کا مسلک (المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۱۰-۱۱، کتاب الطلاق میں مذکور ہے) اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۳۵۷، کتاب الادب)

۷۷۲۱: از سعید بن المسیب، انہوں نے بیان کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عورت پہلے خاوند پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا خاوند اس کے ساتھ جماع نہ کرلے، اور رہا میں، تو میں یہ کہتا ہوں کہ جب دوسرے خاوند نے اس سے نکاح صحیح کرلیا اور وہ اس نکاح سے یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس سے پہلا

خاوند نکاح کر سکتا ہے۔(سنن سعید بن منصور:۱۹۸۹)

اور یہ ایسا قول ہے کہ ہمارے علم کے مطابق اہلِ علم میں سے کسی نے اس قول کی موافقت نہیں کی، ہاں! اہلِ خوارج کے طائفہ نے سعید بن مسیب کے قول کی موافقت کی ہے۔

اور علامہ محمد بن ابراہیم ابوبکر النیشا پوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں کہ:

جو چیز سنت سے ثابت ہے وہ اس کے ماسوا تمام چیزوں سے مستغنی ہے۔(الاوسط من السنن والا جماع والاختلاف ج۹ص ۲۷۳-۲۷۵)

جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، وہ پہلے شوہر پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے جماع نہ کر لے، یہ حکم سنتِ صحیحہ سے ثابت ہے اور اس میں صرف سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کا اختلاف ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ، حدیث صحیح البخاری:۵۳۱۶ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں وہ اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ دوسرا خاوند اس سے مجامعت کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دے، اور حدیث میں جو الفاظ ہیں کہ تم اس کی مٹھاس چکھ لو اور وہ تمہاری مٹھاس چکھ لے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت سے جماع کر لے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی التوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ:

تمام فقہاء کی جماعت کا یہی مسلک ہے، سوائے سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کے، انہوں نے کہا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ دوسرے شوہر کے ساتھ جماع نہ کر لے اور میں یہ کہتا ہوں کہ جب دوسرے مرد نے اس کے ساتھ نکاحِ صحیح کر لیا اور اس نکاح سے مراد اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کرنا نہیں تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اب اس عورت سے پہلا خاوند نکاح کر لے اور ہمارے علم کے مطابق سعید بن المسیب کے اس قول کی اہل علم میں سے کسی نے موافقت نہیں کی، سوائے خوارج کی ایک جماعت کے اور جو چیز سنت سے ثابت ہے وہ اس کے ماسوا سے مستغنی ہے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ سعید بن مسیب کو حدیث العُسیلہ نہیں پہنچی، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم رفاعہ القرظی کی طرف رجوع نہیں کر سکتیں، حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن الزبیر تمہاری مٹھاس چکھ لے اور تم اس کی مٹھاس چکھ لو۔

سعید بن المسیب نے ظاہر قرآن کے اوپر عمل کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ:۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس

(طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کرلیں، اگر ان کا یہ
گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود
ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں O

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا شاذ قول

اور قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت کے ساتھ جماع کرے تب وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی، اور سعید بن مسیب سے اس مسئلہ کے متعلق جو حدیث مروی ہے، وہ ان سے غائب رہی۔ اور اسی طرح حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا بھی قول شاذ ہے، کیونکہ انہوں نے کہا کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ دوسرا شوہر اس کے ساتھ وطی کرلے ایسی وطی جس میں انزال بھی ہو، اور انہوں نے کہا: مٹھاس چکھنے کا معنی ہے: انزال اور باقی تمام فقہاء نے حسن بصری کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے کہا کہ التقاء الختنین یعنی دو شرمگاہوں کا ملنا یہ سبب ہے پہلے خاوند کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کا جس چیز سے حد واجب ہوتی ہے اور جس چیز سے غسل واجب ہوتا ہے اور جس چیز سے روزہ فاسد ہوتا ہے اور جس چیز سے پورا مہر واجب ہوتا ہے وہ مطلقہ کو حلال کردیتا ہے اور عسیلہ یعنی مٹھاس کو چکھنا یہ لذت سے کنایہ ہے۔

اگر عورت کی لاعلمی میں دوسرے شوہر نے اس سے جماع کیا تب بھی مٹھاس چکھنے کا تقاضا پورا نہیں ہوگا

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا:

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حتیٰ کہ تم اس کی مٹھاس چکھ لو اور وہ تمہاری مٹھاس چکھ لے، اس کے متعلق بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جب دوسرا شوہر اس بیوی کے پاس گیا جب وہ بیوی سو رہی تھی یا بیوی بے ہوش تھی اور اس کو پتا نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے، اس صورت کے اندر وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی، حتیٰ کہ وہ دونوں اس عمل کی مٹھاس چکھ لیں، کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مٹھاس چکھنے کے معاملہ میں ان دونوں کو برابر قرار دیں، اور ان میں سے کوئی ایک مٹھاس چکھ لے تو وہ عورت پہلے خاوند کے اوپر حلال ہو جائے، اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، اور حضرت جابر بن عبداللہ متوفی ۷۸ھ، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفی ۵۷ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا قول ہے، اور علماء کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور اس میں سعید بن المسیب کے سوا اور کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

جس وطی سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جاتی ہے، اس وطی کی صفت میں فقہاء کا اختلاف

جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت حلال ہوگی جب دوسرا خاوند اس کے ساتھ جماع کرلے۔ اس کے متعلق امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: اس سے مراد وطی مباح ہے، پس اگر اس نے روزے کی حالت میں جماع کیا یا اعتکاف کی حالت میں جماع کیا یا عورت کے حیض یا نفاس کی حالت میں جماع کیا تو پھر جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں وہ اس جماع کی وجہ سے اپنے پہلے خاوند کے اوپر حلال نہیں ہوگی۔ اور نہ ان کے نزدیک ذمی عورت ذمی کی وطی سے حلال ہوگی۔ اور اگر نابالغ بچے نے جب اس عورت سے وطی کی تب بھی وہ عورت پہلے خاوند کے اوپر حلال نہیں ہوگی۔

فقہاء احناف، امام اوزاعی اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: ہر وہ مرد جس نے نکاح صحیح کے ساتھ اس عورت سے وطی کی جس کو تین طلاقیں دی گئی تھیں تو وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی، اور اسی طرح اگر دوسرے خاوند نے اس عورت سے اس حال میں جماع کیا جب وہ محرمہ تھی یعنی احرام میں تھی یا روزہ دار تھی یا حائضہ تھی یا کسی نابالغ بچے نے اس کے ساتھ وطی کی جو قریب بلوغ تھا تو ان تمام صورتوں میں وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی، اور ذمی عورت مسلمان کے لیے ذمی خاوند کے وطی کرنے کی وجہ سے حلال ہو جائے گی، اور ابن الماجشون نے ان تمام صورتوں میں کہا کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔

جس مرد نے تین طلاق یافتہ عورت کو پہلے خاوند پر حلال کرنے کیلئے عقدِ نکاح کیا اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف

امام مالک نے کہا: دوسرا خاوند تین طلاق یافتہ عورت کو پہلے خاوند کے لیے اسی وقت حلال کر سکتا ہے جب وہ از خود اپنی رغبت سے اس عورت سے نکاح کرے اور اگر اس نے اس قصد سے اس عورت سے نکاح کیا کہ وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے تو اس قصد سے وہ عورت پہلے شوہر پر حلال نہیں ہوگی خواہ اس بات کا علم شوہر اور بیوی کو ہو، یا ان کو اس کا علم نہ ہو، تو ایسی صورت میں وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی اور دخول سے پہلے اور دخول کے بعد وہ نکاح فسخ ہو جائے گا، اور یہ اللیث، الثوری، الاوزاعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: اس صورت میں نکاح جائز ہے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے اس نکاح کو برقرار رکھے اور یہی عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور الحکم کا قول ہے۔

اور القاسم اور سالم اور عروہ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ کا قول ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ دوسرا خاوند تین طلاق یافتہ عورت سے نکاح کرلے تاکہ اس کو پہلے خاوند کے لیے حلال کردے جب اس عورت اور اس کے خاوند کو اس کا علم نہ ہو اور اس کو اس کی نیت کی وجہ سے اجر ملے گا اور یہ ربیعہ اور یحییٰ بن سعید کا قول ہے۔

حلالہ کے عدم جواز پر دلائل

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت عقبہ بن عامر الجہنی متوفی ۵۸ھ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ محلل اور محلل لہ پر لعنت فرماتا ہے، یعنی جو مرد کسی عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کرتا ہے اور جس کے لیے اس عورت کو حلال کیا جاتا ہے، ان دونوں پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اور حضرت عقبہ بن عامر متوفی ۵۸ھ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کیا تم کو میں یہ نہ بتاؤں کہ "التیس المستعار" کون ہے یعنی وہ بکرا جس کو بکری کو گابھن کرنے کے لیے کرایہ پر لیا گیا ہو، تو حضرت عقبہ بن عامر نے فرمایا کہ التیس المستعار المحلل ہے یعنی جو شخص تین طلاق یافتہ عورت کو پہلے خاوند پر حلال کرنے کے لیے نکاح کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو المحلل پر لعنت فرمائی ہے تو وہ صرف اس لیے فرمائی ہے کہ یہ نکاح فاسد ہے اور آپ نے ایسے نکاح کرنے سے ڈرایا ہے اور منع فرمایا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے المحلل کے نکاح کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ زنا ہے۔

تین طلاق یافتہ عورت کے نکاح کی زوجِ ثانی کی تحلیل کے جواز کے متعلق فقہاءِ احناف کے دلائل

فقہاءِ احناف نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کر لیں، اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں O

اور یہ شرط پائی گئی جب دوسرے شوہر نے تین طلاق یافتہ عورت سے عقدِ نکاح کیا تو اب وہ تین طلاق یافتہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو گئی اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ دوسرے شوہر نے عقدِ نکاح کے وقت تحلیل کی نیت کی یا نہ کی ہو، یعنی اس نے یہ نیت کی ہو کہ وہ اس تین طلاق یافتہ عورت کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کر رہا ہے یا اس نے یہ نیت نہ کی ہو، اس میں کوئی فرق نہیں ہے، فقہاءِ احناف نے کہا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ عقدِ نکاح جماع کو مباح کر دیتا ہے اور مہر کو واجب کرتا ہے اور نفقہ یعنی بیوی کے خرچ کو واجب کرتا ہے اور طلاق کی تحلیل کو واجب کرتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ اس میں حلالہ کی نیت کرے یا نہ کرے۔ پس وہ یہ کہے کہ میں اس تین طلاق یافتہ عورت سے نکاح کرتا ہوں تا کہ میں اس کے ساتھ جماع کروں۔ خواہ وہ یہ نیت کرے یا نیت نہ کرے تو وہ تین طلاق یافتہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے حقِ جماع کا مطالبہ کرے اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ فسخِ نکاح کا دعویٰ کرے اور یہ اس وقت ہوگا کہ جب وہ عورت اپنے قول سے یہ دعویٰ کرے کہ اس کا خاوند نامرد ہے اور عورت یہ ارادہ نہ کرے کہ اس نے اپنے شوہر کو صرف کپڑے کے پلو کی طرح پایا ہے۔ اس قول سے اُس عورت کی مراد یہ تھی کہ اس مرد کا آلہ کمزور ہے اور ڈھیلا ہے، اس میں سختی اور انتشار نہیں ہے حتیٰ کہ وہ دخول کر سکے اور یہ چیز از ایوب از عکرمہ کی روایت سے ظاہر ہو گئی کیونکہ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس مرد کے اوپر یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی گناہ کا دعویٰ نہیں کرتی مگر ان کے ساتھ وہ چیز نہیں ہے جس سے کسی عورت کی تسلی ہو سکے اور وہ اس چیز کے ساتھ عورت کے اندر دخول کو سرانجام دے سکے، پھر اس نے اپنے کپڑے کے پلو کو پکڑا، پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو صرف ایک چمڑے کے ٹکڑے کی طرح ہے، اگر میں نے غلط کہا ہو تو میں جھوٹی ہوں۔

جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اور وہ عورت اس سے جماع کا مطالبہ کرے، اس مسئلہ میں فقہاءِ اسلام کی آراء

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ ایک مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے اور وہ عورت اس سے جماع کا مطالبہ کرتی ہے تو اکثر اہل علم کے نزدیک جب اس مرد نے اس عورت سے ایک مرتبہ جماع کر لیا تو اس کو نامردی کے علاج کی مہلت نہیں دی جائے گی، یہ قول عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۲۴ھ اور طاؤس بن یمانی متوفی ۱۰۶ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے منقول ہے اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ بن مخلد متوفی ۲۳۸ھ کا مذہب ہے۔ اور ابوثور نے بعض اہل الاثر سے یہ روایت کی ہے کہ جب بھی مرد اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے رک گیا تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی، کیونکہ اس عورت کے لیے اس سے زیادہ مدت کے لیے جماع کے علاج کے لیے کوئی لائق قناعت مہلت نہیں ہے۔

اور ابوثور نے کہا: جب مرد نے ایک مرتبہ عورت سے جماع کر لیا، پھر رک گیا، پھر عورت نے اس کے خلاف مقدمہ پیش کیا تو اس عورت کے لیے مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ نامردی میں علاج کے لیے اتنی ہی مدت کی مہلت ہوتی ہے، اور میں اس میں یہ غور نہیں کرتا کہ یہ نکاح کے اول میں ہو یا نکاح کے آخر میں ہو، علت بہر حال موجود ہوگی اور یہ جماع کے حقوق میں سے ہے۔ پس جب بھی جماع سے ممانعت کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو اس کا حکم وہی ہوگا جو نامرد کا حکم ہوتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۹-۳۹۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تفصیل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۵۳۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسماعیل متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا، پھر اس عورت کو طلاق دے دی، پھر اس عورت نے کسی اور مرد سے نکاح کیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ اس کے دوسرے شوہر یعنی حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ، ان سے جماع کرنے پر قادر نہیں ہیں اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کی مثل ہے۔ تو آپ نے فرمایا: تم اپنے پہلے شوہر کی طرف نہیں جا سکتیں، حتیٰ کہ تمہارا دوسرا شوہر تمہاری مٹھاس کو چکھ لے اور تم اس کی مٹھاس کو چکھ لو۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۷، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، فتح الباری ج ۹ ص ۴۶۴)

یہ حدیث صحیح البخاری: ۵۲۶۰ میں زیادہ وضاحت کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دے دی گئی ہوں وہ اپنے پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے جماع کرنے کے بعد اس کو طلاق نہ دے، جیسا کہ ابھی گزرا ہے، اور تمام محدثین اور فقہاء کا اسی

پر اتفاق ہے، سوائے سعید بن المسیب المتوفی ۹۰ھ کے اور ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی فقیہ نے سعید بن مسیب کے قول کی موافقت کی ہو اور اس کا قول قابل شمار ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی حاکم ہے، اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ سعید بن مسیب تک حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی کی حدیث نہ پہنچی ہو اور اس حدیث میں جو ذکر ہے ''حتیٰ کہ وہ تمہاری مٹھاس چکھ لے اور تم اس کی مٹھاس چکھ لو''، یہ لذت سے کنایہ ہے۔

تین طلاق یافتہ عورت جس جماع کے بعد پہلے شوہر پر حلال ہو جاتی ہے اس جماع کی کیفیت میں فقہاء اسلام کی آراء

تین طلاق یافتہ عورت جس جماع کے بعد پہلے شوہر پر حلال ہو جاتی ہے اس جماع کی صفت کے متعلق امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے: صرف وطیٔ مباح اور جائز جماع ہی اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر سکتا ہے، پس اگر دوسرے شوہر نے روزے کی حالت میں عورت سے جماع کیا یا حالتِ اعتکاف کے اندر عورت سے جماع کیا یا دورانِ حج عورت سے جماع کیا یا عورت سے اس کی حالتِ حیض میں جماع کیا یا حالتِ نفاس میں جماع کیا تو وہ مرد اس عورت کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں کر سکے گا۔ اسی طرح ذمی عورت بھی ذمی کے وطی کرنے سے پہلے خاوند پر حلال نہیں ہوگی اور جو نابالغ بچہ اپنی بیوی جماع سے کرے تو وہ بھی اس عورت کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں کر سکے گا۔

اور فقہاء کوفہ اور امام اوزاعی اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ ہر خاوند کا جماع جب کہ وہ نکاحِ صحیح کے ساتھ ہو اس عورت کو اس کے پہلے خاوند پر حلال کر دے گا اور اسی طرح اگر اس کے دوسرے خاوند نے اس عورت سے اس کی حالتِ احرام میں جماع کیا، پھر بھی اس جماع سے وہ عورت پہلے خاوند پر حلال ہو جائے گی یا وہ عورت روزے دار تھی یا کسی قریب بہ بلوغ لڑکے نے اس کے ساتھ جماع کیا جو ابھی بالغ نہیں ہوا تھا تب بھی وہ اس عورت کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے گا۔ اسی طرح ذمی عورت مسلمان کی وطی کرنے سے اپنے پہلے خاوند کے اوپر حلال ہو جائے گی خواہ اس کے ذمی شوہر نے اس کے ساتھ وطی کی ہو، اور ابن ماجشون نے بھی ان تمام اقوال کو اختیار کیا ہے۔

حلالہ کے لیے کیے ہوئے نکاح کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: زوجِ ثانی کے نکاح سے وہ عورت زوجِ اول پر اسی وقت حلال ہوگی جب زوجِ ثانی اپنی رغبت سے اس عورت کے ساتھ نکاح کرے اور اگر اس نے حلالہ کرنے کے قصد سے اس عورت سے نکاح کیا تو پھر وہ عورت زوجِ اول کے لیے حلال نہیں ہوگی خواہ شوہر اور بیوی دونوں کو اس بات کا علم ہو یا ان دونوں کو اس بات کا علم نہ ہو، ایسی صورت میں زوجِ ثانی کا نکاح کرنا اور اس عورت سے جماع کرنا اس عورت کو زوجِ اول کے لیے حلال نہیں کرے گا اور وہ نکاح دخول سے پہلے اور دخول کے بعد فسخ ہو جائے گا اور یہ لیث، ثوری، اوزاعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ یہ نکاح جائز ہے اور زوجِ ثانی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس نکاح پر برقرار رہے اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور الحکم کا بھی یہی قول ہے۔ (التمہید ج ۱۳ ص ۲۳۰-۲۳۱)

اور قاسم، عُروہ اور عامر بن شراحیل متوفی ۱۰۳ھ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر زوجِ ثانی اس عورت سے اس لیے عقدِ نکاح کرے تاکہ وہ اس عورت کو زوجِ اول کے لیے حلال کردے جب کہ شوہر اور اس کی بیوی کو یہ علم نہ ہو کہ وہ ان کے نکاح کو حلال کرنے کے لیے اس عورت سے نکاح کر رہا ہے اور اس کو اس پر اجر دیا جائے گا اور یہ ربیعہ، یحییٰ بن سعید وغیرھم کا قول ہے اور اس کی پہلے اس سے زیادہ وضاحت ہو چکی ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ محلل اور محلل لہ پر لعنت کی گئی ہے یعنی جو مرد کسی عورت کو اس کے پہلے خاوند پر حلال کرنے کے لیے نکاح کرتا ہے اس پر بھی لعنت ہے اور جس کے لیے حلال کرنے کے لیے وہ نکاح کرتا ہے اس مرد پر بھی لعنت ہے، یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ متوفی ۵۸ھ سے منقول ہے۔ (صحیح ابوداؤد للالبانی:۱۸۱۱)

امام ترمذی نے اس حدیث کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(سنن ترمذی:۱۱۲۰، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۴۹، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۸، ۴۵۰، سنن دارمی ج ۳ ص ۱۴۵۰)

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور شیخ محمد ناصر الدین البانی التوفی ۱۴۲۰ھ، نے اس حدیث کو مشکوٰۃ المصابیح: ۳۲۹۶ میں حدیث صحیح قرار دیا اور اس حدیث کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۳)

اور حضرت عقبہ بن عامر الجہنی التوفی ۵۸ھ نے کہا ہے: کیا میں تمہاری رہنمائی اس کرائے پر لیے ہوئے بکرے پر نہ کروں جو بکری کو گابھن کرنے کے لیے اعارۃً لیا جاتا ہے اور محلل بھی وہی ہوتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ:۱۹۳۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۲۹۹، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۵۱، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۹۹)

امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی، اور حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی متوفی ۷۴۸ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اور علامہ عبدالحق نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (الاحکام الوسطیٰ ج ۳ ص ۱۵۷)

علامہ ابن القطان نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ علامہ عبدالحق نے اس حدیث کو صحیح نہیں قرار دیا حسن کہا اور صحیح نہ ہونے کی وجہ بیان نہیں کی۔ (بیان الوہم ج ۳ ص ۴۰۸)

حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام ابن ماجہ کی سند کے ساتھ صحیح ہے۔

(نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۳۹)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا ہے: اس حدیث کے تمام رُواۃ کی توثیق کی گئی ہے۔

(الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، ج ۲ ص ۷۳)

اس حدیث میں دو علتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) اللیث نے مشرح سے کوئی حدیث نہیں سنی اور نہ ان سے کسی چیز کو روایت کیا ہے، یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر کا قول ہے جیسا کہ عللِ ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۴۱۱ میں مذکور ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ امام حاکم نے کہا ہے کہ ابوصالح کاتب اللیث نے اللیث اس کا مشرح بن عاہان سے سماع بیان کیا ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۹۸)

(۲) مشرح بن عاہان کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ اور ابو صالح کاتب اللیث کو بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے، یہ امام عبد الرحمن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ کا قول ہے۔ (العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۱۹۸)

علامہ ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری شافعی متوفی ۸۴۰ھ نے کہا ہے کہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مشرح بن عاہان کی ابن معین اور دیگر محدثین نے توثیق کی ہے اور کاتب اللیث میں اختلاف کیا گیا ہے بعض محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے ان پر انکار کیا ہے اور ان کی روایت لیث سے بہت زیادہ ہے اور بعض نے اس کی تضعیف کی ہے۔ (زوائد ابن ماجہ ص ۲۷۷)

ابن معین نے کہا: مشرح بن عاہان کا کم سے کم حال یہ ہے کہ انہوں نے لیث سے ایک کتاب کی روایت کی اور ان کے سامنے اس کو پڑھ کے سنایا اور لیث نے ان کو اس کی اجازت دی۔

(الجرح والتعدیل ج ۵ ص ۸۶-۸۷، بیان الوہم والایہام ج ۳ ص ۵۰۵) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۸۹-۴۹۱، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

اور اس حدیث کو شیخ ناصر الدین البانی متوفی ۱۴۲۰ھ صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ابن ماجہ: ۱۵۷۲)

صحیح البخاری ۵۳۱۷ کی شرح کے ضمن میں متعدد اہم امور کی تفصیل اور تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۳۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں: وہ حدیث درج ذیل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت (حضرت تمیمہ بن وہب) سے نکاح کیا، پھر اس کو تین طلاقیں دے دیں، اس عورت نے دوسرے خاوند (حضرت عبد الرحمن بن زبیر) سے نکاح کر لیا، پھر وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! یہ دوسرا خاوند مجھ سے جماع نہیں کرتا، اس کے پاس ہے کیا سوائے اس کپڑے کے پلو کے، آپ نے فرمایا: تم اپنے پہلے خاوند کے پاس اس وقت تک نہیں جا سکتیں جب تک تم دوسرے خاوند سے مزانہ اٹھاؤ اور وہ خاوند تجھ سے مزانہ پائے۔ (صحیح البخاری: ۲۶۳۹)

اگر عورت کو اس کا دوسرا خاوند طلاق دے دے اور اس سے جماع نہ کرے تو آیا وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہے یا نہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں صحیح بخاری کے جن نسخوں پر مطلع ہوا ہوں، ان میں امام بخاری نے کتاب اللعان سے اس حدیث کو منفصل نہیں بیان کیا اور علامہ ابن بطال نے اس حدیث کو اس باب کے قریب بیان کیا ہے اور وہ باب ہے ''والئی یئسن من المحیض'' (کتاب العدت) ''یعنی جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کا حکم'' اور بعض شارحین نے اس حدیث کو ابواب العدت میں بیان کیا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس حدیث کا یہاں پر اثبات کیا جائے، کیونکہ اس باب کا لعان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ لعان میں جس مرد نے جس عورت سے لعان کیا ہو اس کی طرف وہ عورت نہیں لوٹائی جاتی، خواہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے، خواہ اس دوسرے

مرد نے اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

حضرت رفاعہ قرظی اور ان کی بیوی کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرت رفاعہ القرظی کا ذکر ہے، ان کا نام رفاعہ القرظی بن سموال ہے، اور قرظی کا تعلق بنو قریظہ سے ہے، ان کا ذکر صحیح بخاری کے مغازی کے اول میں کیا جا چکا ہے۔

صحیح بخاری میں ذکر ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے نکاح کیا اور عمرو بن علی نے اسماعیلی سے روایت کی ہے کہ اس عورت کا تعلق بنو قریظہ کے ساتھ تھا، اور ابن وہب اور طبرانی اور دارقطنی نے روایت کی ہے کہ اس عورت کا نام حضرت تمیمہ بنت وہب تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام سُہیمہ تھا، یہ ابونعیم کا قول ہے اور گویا کہ یہ غلط ہے اور ابن مندہ کے نزدیک ان کا نام عُمیمہ تھا، اس کی ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور ان کے والد کا نام الحارث تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن الزَبیر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

صحیح البخاری کی اس روایت میں مذکور ہے کہ پھر حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اور پھر حضرت عبد الرحمٰن بن الزَبیر سے نکاح کر لیا (الزَبیر میں زا پر زبر ہے) اور تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ اس عورت کے پہلے خاوند حضرت رفاعہ تھے اور دوسرے خاوند حضرت عبدالرحمٰن بن الزَبیر تھے۔

سعید بن ابوعروبہ نے کتاب النکاح میں از قتادہ روایت کی ہے کہ حضرت تمیمہ بنت ابی عبید القرظیہ، حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، سو انہوں نے ان کو طلاق دے دی، پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزَبیر سے نکاح کر لیا۔

امام ابن اسحاق نے اپنی المغازی میں سلمہ بن الفضل سے روایت کی ہے کہ یہ عورت بنو قریظہ سے تھیں، جن کو تمیمہ کہا جاتا تھا، یہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، سو انہوں نے ان کو طلاق دے دی، پھر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا، پھر انہوں نے اس کو طلاق دے دی، پھر اس عورت نے ارادہ کیا کہ وہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ جائے، یہ حدیث مرسل ہے اور صحیح المحفوظ وہ ہے جس کے اوپر محدثین کی ایک جماعت متفق ہوئی۔

یہ واقعہ ایک اور عورت کا ہے جس کا قصہ اس کے قریب ہے، امام احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ نے سلیمان بن یسار از عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب روایت کی ہے کہ ایک عورت جس کا نام الغمیصاء تھا یا الرمیصاء تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور وہ اپنے خاوند کی شکایت کرتی تھی کہ خاوند اس سے جماع نہیں کر سکتا، پھر تھوڑی دیر گزری تھی کہ اس کے خاوند آئے اور انہوں نے کہا: یہ عورت جھوٹ بولتی ہے لیکن یہ عورت ارادہ کرتی ہے کہ اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹ جائے، آپ نے فرمایا: یہ اس عورت کے لیے جائز نہیں ہے حتیٰ کہ یہ عورت اپنے خاوند کی مٹھاس چکھ لے، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن اس میں سلیمان بن یسار کے متعلق اختلاف ہے، اور ہمارے شیخ نے شرح الترمذی میں لکھا ہے کہ اس حدیث پر تعاقب کیا گیا ہے اور امام ابن عساکر اور امام المنذری نے اس حدیث کا اعتراف نہیں کیا، اور الغمیصاء کے شوہر کا نام عمرو بن حزم ہے، اس کی امام سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے روایت کی ہے اور امام ابونعیم نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور میں اس عورت کے دوسرے خاوند کے نام پر واقف نہیں ہو سکا۔

البقرہ: ۲۳۰ کی حافظ ابن حجر عسقلانی سے تفسیر اور تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کر لیں، اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں O

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت عائشہ بنت عبد الرحمٰن بن عقیل النظریہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو ان کے چچا زاد بھائی حضرت رفاعہ بن وہب بن عتیک کے نکاح میں تھیں، سو انہوں نے ان کو طلاقِ بائن دے دی، پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا، پھر انہوں نے اپنی بیوی حضرت عائشہ بنت عبد الرحمٰن کو طلاق دے دی، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں سو انہوں نے کہا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر نے مجھ کو طلاق دے دی ہے، اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے جماع کرتے، کیا میں اپنے چچا زاد بھائی جو میرے پہلے خاوند ہیں یعنی حضرت رفاعہ بن وہب بن عتیک، ان سے دوبارہ نکاح کر لوں؟ تو آپ نے فرمایا: ''نہیں۔''

حضرت رفاعہ القرظی اور حضرت رفاعہ النضری دو الگ شخص ہیں اور ان کے دو الگ قصے ہیں اور جس نے ان دونوں کو ایک گمان کیا، اس کا گمان خطا ہے

حضرت رفاعہ النضری اور حضرت رفاعہ القرظی دو الگ الگ شخص ہیں اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ دونوں ایک ہیں، اس نے غلط گمان کیا، اس حدیث کی سند اگر محفوظ ہے تو اس کے سیاق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ دوسرا قصہ ہے، اور رفاعہ القرظی اور رفاعہ النضری دونوں کا یہ قصہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر ان دونوں میں سے ہر ایک نے حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا، اور حضرت عبد الرحمٰن بن زبیر نے اپنی بیوی کو اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دی، پس ان دونوں کے قصہ میں حکم متحد ہے اور اشخاص متغائر ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس عورت کے نام میں پانچ اقوال ہیں۔

حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے جماع پر قادر نہ ہونے کی جو شکایت کی، اس کی تفصیل اور تحقیق

صحیح البخاری ۵۳۱۷ میں مذکور ہے: کہ جس عورت سے حضرت رفاعہ القرظی نے نکاح کیا تھا وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔

امام بخاری نے از ابی معاویہ از ہشام روایت کی ہے کہ اس عورت نے کسی اور خاوند سے نکاح کیا اور وہ خاوند اس کے ساتھ اس

طرح جماع پر قادر نہیں ہوا اور از ابو عوانہ از دراوردی از ہشام روایت ہے کہ پھر اس عورت نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ جماع پر قادر نہ ہو سکے کیونکہ ان کو کوئی عارضہ پیش آیا ہے، جب وہ اپنی بیوی سے جماع کرنا چاہتے تھے تو کوئی جن ان پر عارض ہوا یا ان کو کوئی مرض لاحق ہوا جس کی وجہ سے وہ اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہ کر سکے، پھر اس حدیث میں مذکور ہے کہ ابو معاویہ نے ہشام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ بہت حقیر طریقے سے مقاربت کی اور ان کی طرف سے مجھے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ اور اس عورت نے ذکر کیا کہ ان کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کی مثل ہے، اس حدیث میں ھدبہ کا لفظ ہے، یعنی جو کپڑا صحیح طریقے سے بنا ہوا نہ ہو، یہ لفظ ھدب العین سے ماخوذ ہے اور یہ پلکوں کے بالوں کو کہتے ہیں، اس عورت کی مراد یہ تھی کہ عبدالرحمٰن بن زبیر کا آلہ کپڑے کے پلو کی طرح ڈھیلا ہے اور اس کے اندر انتشار اور اکڑاؤ نہیں ہے۔

اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ زوج ثانی کا وطی کرنا زوجِ اول کے لیے محلل نہیں ہوتا مگر جب تک کہ وہ اس حال میں اپنی بیوی سے جماع نہ کرے کہ اس کا آلہ منتشر ہو اور اس میں اکڑاؤ ہو، پس اگر اس کا ذکر شل ہو یا عنین ہو یا وہ شخص نامرد ہو یا بچہ ہو تو اس کا اپنی بیوی سے جماع کرنا اس کے لیے کافی نہیں ہے کہ وہ اس کی بیوی کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اور اس کا ذکر عنقریب اس باب میں گزر چکا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر حرام ہو اور اس مرد کے ساتھ صرف کپڑے کے پلو کی مثل آلہ تھا، اس عورت نے بیان کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر نے مجھ سے بہت حقیر طریقے سے مقاربت کی اور ان کی کوئی چیز مجھ تک نہیں پہنچی، کیا میں اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو۔۔۔۔ الحدیث۔۔

اور از زہری از عروہ، اوائل طلاق میں یہ حدیث گزری ہے کہ اس مرد کے ساتھ صرف کپڑے کے پلو کی مثل تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شاید کہ تم رفاعہ القرظی کی طرف واپس جانا چاہتی ہو۔ فرمایا نہیں۔ الحدیث

اور کتاب اللباس میں عنقریب از ایوب از عکرمہ یہ روایت آئے گی کہ حضرت رفاعہ القرظی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو پھر ان کی بیوی نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر سے طلاق لے لی، حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سبز کپڑا اوڑھے ہوئے آئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: پھر اس عورت کے خاوند یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر بھی آ گئے اور انہوں نے اپنی بیوی کی شکایت کو سنا اور حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر کے ساتھ ان کے دو بیٹے تھے جو اس عورت کے علاوہ کسی دوسری بیوی سے پیدا ہوئے تھے، ان کی بیوی نے کہا: اللہ کی قسم! میں حضرت عبدالرحمٰن پر کسی گناہ کو منسوب نہیں کرتی مگر یہ کہ ان کے پاس ایسی چیز نہیں ہے جو مجھے ان سے مستغنی کر سکے، اور اس نے کپڑے کا ایک پلو اٹھایا، حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر نے کہا: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! یہ عورت جھوٹی ہے، میں نے اس عورت کو اس طرح پھاڑا ہے جس طرح چمڑے کو پھاڑتے ہیں، لیکن یہ عورت نافرمان ہے اور یہ حضرت رفاعہ القرظی کی طرف واپس جانا چاہتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ واقعہ اسی طرح ہے تو یہ عورت حضرت رفاعہ القرظی کے لیے حلال نہیں ہے۔ الحدیث

اور اس باب کے اخیر میں ہے کہ حضرت خالد بن سعید نے اس کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ یہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح بے حیائی سے باتیں کر رہی ہے۔ حضرت خالد بن سعید اس وقت دروازے سے باہر تھے اور حضرت ابوبکر صدیق اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اس صورتِ حال کا مشاہدہ کر رہے تھے، اسی وجہ سے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کی بات سن کر مسکرا رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو نہیں ڈانٹا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکرانا اور آپ کا تبسم فرمانا اس عورت کی باتوں پر تعجب کی بناء پر تھا، یا یہ اس وجہ سے کہ اس نے ایسی باتوں کو صراحتاً بیان کیا جن کو بیان کرنے سے عورتیں حیا کرتی ہیں یا اس وجہ سے کہ عورتوں کی عقل کم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت عبد الرحمٰن بن زَبیر کی بیوی ان سے شدید بغض رکھتی تھی اور اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹنے سے بہت محبت کرتی تھی، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی صورت کا وقوع جائز ہے۔

کتاب الشہادات میں بھی یہ حدیث گزری ہے اور اس میں حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے کلام سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کسی کی آواز سن کر اس پر شہادت دینا جائز ہے۔

اس حدیث میں العُسیلہ کا لفظ مذکور ہے، جس کا معنی ہے: تھوڑا سا شہد یا تھوڑی سی مٹھاس، اس کے لغوی اور عرفی معنی کی تحقیق

صحیح البخاری: ۵۳۱۷ میں مذکور ہے: ''آپ نے اس عورت کی بات سن کر فرمایا: نہیں حتیٰ کہ تم عبد الرحمٰن بن زبیر کی مٹھاس کو چکھ لو اور وہ تمہاری مٹھاس کو چکھ لے''۔ حدیث میں یہ لفظ ''عُسیلہ'' ہے، یعنی تم اس کی تھوڑی سی مٹھاس چکھ لو اور وہ تمہاری تھوڑی سی مٹھاس چکھ لیں اور دونوں جگہ پر یہ لفظ تصغیر ہے، اس کی توجیہ میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ''العَسل'' یعنی شہد کی تصغیر ہے کیونکہ عَسل کا لفظ مؤنث ہے اور قزاز نے اس کی توثیق کی ہے، پھر کہا اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ لفظ از روئے لغت کے مذکر ہے اور الازہری نے کہا: یہ لفظ مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ عرب جب کسی چیز کی تحقیر کرتے ہیں تو اس میں ھاءِ تانیث داخل کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے ان کا قول ہے دریھمات، انہوں نے درہم کی جمع مؤنث ذکر کی، جب انہوں نے درہم کی تحقیق کا ارادہ کیا، نیز انہوں نے کہا: ہند کی تصغیر میں ھنیدہ کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں یعنی لفظ عُسیلہ میں تانیث اس اعتبار سے ہے کہ زوجِ اول کے لیے تحلیل کرنے کے لیے اتنا کافی تھا کہ دوسرا شوہر اپنی بیوی کے ساتھ تھوڑی سی مقدار میں جماع کر لیتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد تھوڑا سا شہد ہے اور تصغیر تقلیل کے لیے ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ زوجِ اول کے لیے اس کی بیوی کو حلال کرنے کے لیے تھوڑی سی مقدار میں جماع کرنا کافی ہے۔

الازہری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ العُسیلہ کا معنی ہے: جماع کی حلاوت اور جماع کی مٹھاس جو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مرد کے آلہ کا سرِ عورت کی فرج میں غائب ہو جاتا ہے اور علامہ داؤدی متوفی ۴۰۴ھ نے کہا: عسیلہ کے لفظ میں تصغیر اس لیے ہے کیونکہ اس کی العسل یعنی شہد کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ العسیلہ کا معنی ہے: النطفہ، اور یہ الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ کے قول کے موافق ہے۔

جمہور علماء نے کہا: العسیلہ یعنی تھوڑے سے شہد کو چکھنا یہ مجامعت سے کنایہ ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب مرد کے آلہ کا سرِ عورت

کی فرج میں غائب ہو جائے اور الحسن البصری نے اضافہ کیا کہ جب انزال ہو جائے۔ اور الحسن البصری کی جماع میں یہ شرط ان کا تفرد ہے، یہ بات علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ اور دوسرے شارحین نے کہی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ حسن بصری کا یہ قول شاذ ہے اور تمام فقہاء نے اس قول کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا ہے: جماع کے لیے اتنی مقدار کافی ہے جتنی مقدار سے حد واجب ہو جاتی ہے اور جتنی مقدار سے عورت کا مکمل مہر واجب ہو جاتا ہے اور جتنی مقدار سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

امام ابو عبید الہروی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے کہ العسیلہ سے مراد لذت الجماع ہے، اور عرب ہر وہ چیز جس سے لذت حاصل ہو اس کو عسل یعنی شہد کہتے ہیں اور ان کا یہ قول تشدید میں سعید بن المسیب کی رخصت کے مقابلہ میں ہے۔ اور حسن بصری کے قول کو یہ چیز رد کرتی ہے کہ اگر انزال جماع میں شرط ہوتا تو پھر انزال کا ہونا کافی تھا لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک جماع کے طریقہ سے بعید ہے، مثلاً مرد کو اپنا آلہ پورا داخل کرنے سے پہلے انزال ہو گیا اور جب مرد اور عورت میں سے ہر ایک کو مکمل دخول سے پہلے انزال ہو گیا تو اس تقریر کے اوپر ہر ایک نے دوسرے کی تھوڑی سی مٹھاس نہیں چکھی، یہ اس کے خلاف ہے اگر عسیلہ کی تفسیر انزال منی یا لذتِ جماع کے ساتھ کی جائے۔

سعید بن المسیب کا حدیث العسیلہ کے خلاف یہ کہنا کہ جب نکاح صحیح ہو جائے تو پھر عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اور اس کے لیے اس کی تھوڑی سی مٹھاس چکھنا شرط نہیں ہے، سو ان کا یہ قول باطل ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ یہ توجیہ ہے کہ ان تک حدیث العسیلہ نہیں پہنچی

علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بیوی زوجِ اول کے لیے اس وقت حلال ہوگی جب زوجِ ثانی بیوی کے ساتھ جماع کر لے، سوا سعید بن المسیب کے، پھر انہوں نے سندِ سعید کے ساتھ یہ روایت کی کہ سعید بن المسیب یہ کہتے تھے کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیوی زوجِ اول کے لیے حلال نہیں ہوتی، حتیٰ کہ زوجِ ثانی اس سے جماع کر لے اور میں یہ کہتا ہوں کہ جب مرد نے عورت کے ساتھ نکاحِ صحیح کر لیا اور وہ اس سے یہ ارادہ نہیں کرتا تھا کہ وہ اس عورت کو زوجِ اول کے لیے حلال کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ زوجِ اول اس عورت سے نکاح کر لے، اسی طرح اس حدیث کی امام ابن ابی شیبہ نے اور امام سعید بن منصور نے روایت کی ہے۔ اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس حدیث کی سعید بن المسیب سے روایت کو بعید قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا: سعید بن المسیب کے اس قول کی فقہاء میں سے کسی نے موافقت نہیں کی، سوائے خوارج کے ایک طائفہ کے، اور شاید کہ سعید بن المسیب کو حضرتِ رفاعہ القرظی کی بیوی کی حدیث نہیں پہنچی تو انہوں نے ظاہرِ قرآن سے استدلال کیا، حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ جو اس مسئلہ کے متعلق حدیث وارد ہے وہ ضعیف ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۱۷ کے خلاف امام نسائی کی روایت پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے از شعبی از صالح از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے

بیان کیا کہ ایک مرد کی ایک بیوی تھی، اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر اس مرد نے کسی اور عورت سے نکاح کر لیا، پھر اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی، پس وہ عورت پہلے خاوند کی طرف واپس جانے لگی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پہلے خاوند کے پاس نہیں جا سکتی حتیٰ کہ تم دوسرے خاوند کی تھوڑی سی مٹھاس چکھ لو۔

اور امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے اس حدیث کی از سفیان ثوری از علقمہ بن مرثد روایت کی ہے کہ کہ رزیل بن سلیمان الاحمری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کی ہے، امام نسائی نے کہا: یہ روایت صحت وصواب کے زیادہ لائق ہے اور یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ ثوری شعبہ کی روایت کو زیادہ مضبوطی سے یاد رکھنے والا ہے۔ اور پہلی روایت صحت اور ثواب کے زیادہ لائق ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ ہے کہ علقمہ کا شیخ ان دونوں کا شیخ ہے اور وہ زید بن سلیمان ہے جیسا کہ الثوری نے بیان کیا ہے نہ کہ صالح بن رزیل ہے جیسا کہ شعبہ نے کہا ہے، کیونکہ محدثین کی ایک جماعت نے علقمہ سے اسی طرح روایت کی ہے، ان میں سے ہلال بن جامع ہیں جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ حدیث سعید بن المسیب کے نزدیک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہوتی تو اس کو لوگوں کے کلام کی طرف منسوب نہ کرتے۔

اور ابراہیم بن المنذر کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوجعفر النحاس نے معانی القرآن میں نقل کیا ہے اور اس کی عبدالوہاب مالکی نے شرح الرسالہ میں اتباع کی ہے۔ اور سعید بن جبیر کا اس کے موافق قول کرنا ان کا وہم ہے اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ابوحیان نے وثوق سے کہا ہے: السعید بن المسیب اور سعید بن جبیر کی کوئی سند مصنفات میں معروف نہیں ہے اور ابراہیم بن المنذر کا قول اس معاملہ میں حجت ہے، اور امام عبدالرحمٰن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے از داؤد سعید بن المسیب کی اس معاملہ میں موافقت کی ہے۔

علامہ قرطبی المالکی کا امام نسائی کی روایت پر تبصرہ

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے جمہور کے قول کے موافق یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حکم اس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جس پر اس کا اسم جاری ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حتیٰ کہ تم اس کی تھوڑی سی مٹھاس چکھ لو، اس میں یہ خبر ہے کہ ایسا ہونا ممکن تھا لیکن اس عورت نے جب کہا کہ اس کے دوسرے خاوند کے ساتھ اس کپڑے کے پلو کی مثل ہے یہ ظاہر ہے کہ اس کا جماع کرنا مشکل تھا۔

علامہ کرمانی کی حدیث مذکور کی شرح

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے یہ جواب دیا ہے کہ اس عورت نے جو کپڑے کے پلو کے ساتھ اپنے دوسرے شوہر کے آلہ کی مثال دی ہے اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ اس کے دوسرے شوہر کا آلہ باریک ہے اور پتلا ہے کیونکہ وہ بہت ڈھیلا ہے اور حرکت نہیں کرتا اور اس خبر کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس عورت نے یہ شکایت کی تھی کہ اس کے شوہر کا آلہ منتشر نہیں ہوتا اور وہ اس کو اس کی فرج میں داخل کرنے پر قادر نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ نہیں حتیٰ کہ تم اس کی تھوڑی سی مٹھاس چکھ لو تو اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ اس کے شوہر کو اس کے ساتھ جماع کرنا جائز الوقوع ہے تو گویا کہ آپ نے فرمایا کہ تم صبر کرو اور انتظار کرو حتیٰ کہ تمہارا یہ دوسرا شوہر جماع کر سکے اور اگر وہ اپنے دوسرے شوہر یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر سے الگ

ہو جائے تب بھی وہ اپنے پہلے شوہر کی طرف واپس نہیں جا سکتی حتیٰ کہ اس کے بعد کسی اور شوہر سے نکاح کرے اور وہ اس سے جماع کرے، پھر اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے، تب وہ اپنے پہلے شوہر حضرت رفاعہ القرظی کے پاس واپس جا سکتی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۶۴-۴۶۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۲۴، ۵۲۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۷ کی شرح از شیخ عثیمین

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی نے ایک عورت سے نکاح کیا، پھر اس عورت کو طلاق دے دی، اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئی اور اس نے ذکر کیا کہ اس مرد نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا اور اس مرد کے پاس تو صرف اس کپڑے کے پلو کی مثل ہے تو آپ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ تم اس کی تھوڑی سی مٹھاس چکھ لو اور وہ تمہاری تھوڑی سی مٹھاس چکھ لے۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۷، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی: ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳)

تین طلاق یافتہ عورت کے پہلے شوہر کے حق میں حلال ہونے کی شرائط اور نکاحِ صحیح پر تفریعات

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تین طلاق یافتہ عورت کے اپنے شوہر کے لیے حلال ہونے کی یہ شرط ہے کہ اس عورت کا دوسرے مرد سے نکاحِ صحیح ہو، اور اس نے یہ نکاح اس عورت کو پہلے شوہر کے لیے حلال کرنے کی نیت سے نہ کیا ہو اور وہ مرد اس عورت سے جماع کرے۔

مسئلہ:

کیا اس میں یہ شرط ہے کہ جماع کے وقت مرد کا انزال ہو یا نہ ہو؟

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کامل جماع اس وقت ہوتا ہے جب مرد کا انزال ہو جائے۔

پس اگر مرد نے اس عورت سے عقدِ نکاح کیا اور اس سے جماع کیا، پھر اس کو معلوم یہ ہوا کہ وہ عورت اس کی رضاعی بہن ہے تو وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے یا اس مرد نے اس عورت سے بغیر ولی کے نکاح کیا، پھر اس کو طلاق دے دی، تب بھی وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے اور ہم نے یہ کہا ہے کہ پہلے شوہر کے لیے عورت کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کا نکاح صحیح ہو۔

حلالہ کی نیت سے نکاح کرنے والے کا لعنت کا مستحق ہونا

اگر دوسرے شوہر نے اس عورت سے اس نیت سے نکاح کیا کہ وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے اور اس کو طلاق دے دی تو اگر یہ شرائط مکمل ہو جائیں تب بھی وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ یہ حیلہ ہے اور حیلہ سے کسی چیز کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور یہ محلل اللہ عزوجل کی لعنت کا مستحق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ شخص اس بکرے کی مثل ہے جس کو کسی بکری کو گابھن کرنے کے لیے کرائے پر لیا جاتا ہے، وہ مرد ایک بکرا ہے جس کو بکریوں والے کرائے پر حاصل کریں تا کہ اپنی بکریوں کو اس بکرے سے ایک رات کے لیے گابھن کرائیں اور پھر وہ اس بکرے کو اجرت دے کر واپس کر دے۔

پہلے شوہر کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کی تین شرطیں ہیں۔اور تیسری شرط یہ ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت کی فرج میں دخول کرے اور مرد کا آلہ منتشر ہو اور اگر مرد نے اس عورت سے فرج کے علاوہ کسی اور جگہ جماع کیا خواہ انتشار کے ساتھ جماع کیا اور انزال بھی ہوا تب بھی وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی اور اگر اس دوسرے شوہر نے اس عورت کی فرج میں جماع کیا اور اس کا آلہ منتشر نہیں تھا تب بھی وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ جماع کے لیے ضروری ہے کہ مرد کا ذکر منتشر ہو اور وہ عورت کی فرج میں داخل ہو۔

آیا جماع کے وقت انزال ضروری ہے یا نہیں؟

مسئلہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد تمہاری تھوڑی سی مٹھاس چکھ لے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ جماع کے وقت انزال ضروری ہے؟

الجواب:

جماع کی تکمیل اس وقت ہوگی کہ جب انزال ہو جائے لیکن کبھی انزال کے بغیر بھی جماع کی لذت حاصل ہو جاتی ہے لیکن کامل لذت اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب انزال بھی ہو۔اسی وجہ سے بعض علماء نے زوجِ ثانی کے جماع کے لیے انزال کی شرط عائد کی ہے اور بعض علماء نے اس کی شرط عائد نہیں کی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۷ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا، پھر اسے طلاق دے دی، اس نے کسی اور آدمی سے نکاح کر لیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ عورت حاضر ہوئی اور آپ سے ذکر کیا کہ وہ مرد اس سے جماع نہیں کرسکتا ہے اور اس کے پاس صرف کپڑے کے کنارے کی مثل ہے (یعنی وہ نامرد ہے)، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پہلے شوہر کی طرف رجوع نہیں کرسکتی حتیٰ کہ تو اس کے شہد کو چکھ لے اور وہ تمہارا شہد چکھ لے، یعنی تم ایک دوسرے سے جماع کی لذت پاؤ، (طلاقِ ثلاثہ کے باب میں اس حدیث کی تشریح ہو چکی ہے)۔ (تفہیم البخاری حصہ ہشتم: ۳۸۸، الجدہ پرنٹرز اردو بازار لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۱۷، کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حلالہ نکاح کا مسئلہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں حلالہ کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دے دی اور اس کے بعد اس شخص کی بیوی نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا تو کیا محض نکاح شوہر اول کے حق میں حلالہ بن جائے گا اور اس کے لیے پھر پہلے شوہر سے اس نکاح کے بعد اگر طلاق ہوگئی تو عدت کے بعد نکاح جائز ہو جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ دوسرے شخص سے صرف نکاح کا ہوجانا تحلیل کے لیے کافی ہے، ابن الجوزی نے داؤد ظاہری کا قول بھی اسی کے مطابق نقل کیا ہے۔
(۲) جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ دوسرے شخص سے نکاح اور جماع دونوں کا ہونا تحلیل کے لیے ضروری ہیں، صرف نکاح حلالہ کے لیے کافی نہیں بلکہ وطی بھی ضروری ہے، البتہ انزال شرط نہیں۔
(۳) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسرے شخص سے صرف نکاح اور جماع کا ہونا تحلیل کے لیے کافی نہیں بلکہ انزال بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۸۵۴-۸۵۳، عمدۃ القاری، باب من اجاز طلاق الثلاث ج ۲۰ ص ۲۳۶)

جمہور کا مستدل روایت باب ہے جس میں حضرت رفاعہ قرظی کا واقعہ مذکور ہے، حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی نے دوسرے شخص سے نکاح کیا، نکاح کے بعد وہ شوہر اول کے پاس آنا چاہ رہی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''لا، حتی تذوقی عسیلته، ویذوق عسیلتك''، عُسَیْلَة سے مراد جماع ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۶) تو اس حدیث سے یہ بات صاف معلوم ہوئی کہ عورت جب تک دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد جماع نہ کرلے اس وقت تک وہ شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہوسکتی ہے۔

امرأۃ رفاعہ کا واقعہ

(۱) یہاں حدیث باب میں امرأۃ رفاعہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، رفاعہ بن سموال (بروزن غَضَنْفَر) قرظی نے بنو قریظہ ہی کی ایک عورت سے شادی کی، اس عورت کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، تَمِیمہ (تاء کے فتحہ کے ساتھ) تُمیمہ (تصغیر کے ساتھ) سُہیمہ، اُمیمہ مختلف نام روایات میں ملتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۰)، رفاعہ نے اس کو طلاقِ مغلظہ دے دی تو اس نے ایک دوسرے شخص سے شادی کی جس کا نام عبدالرحمٰن بن الزَّبیر (زاء کے فتحہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ) تھا، عبدالرحمٰن اس کے ساتھ جماع کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہ ہوسکا تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور شکایت کی کہ وہ جماع پر قادر نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تو اپنے پہلے شوہر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے لیکن اس کے لیے تو اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک تو اس دوسرے شوہر کے جماع سے لطف اندوز نہ ہوجائے۔

لیس معه الامثل هُدْبَة یعنی اس کے پاس نہیں ہے مگر کپڑے کے پھندے کی طرح، ھدبہ (ہاء کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ) کپڑے کی طرف کو کہتے ہیں، واراد ان ذکرہ یشبه الهدبة فی الاسترخاء وعدم الانتشار حتی تذوقی عُسیله (فتح الباری: ج ۹ ص ۵۸۲) یہاں تک کہ تو اس کا شہد چکھ لے یعنی اس سے جماع کر کے لطف اندوز ہوجائے عُسیله، عُسَلْ کی تصغیر ہے، عَسَلْ مونث ہے، اس لیے اس کی تصغیر میں تاء تانیث ہے، عُسیله کی تفسیر ماقبل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے گزرچکی ہے کہ اس سے مراد جماع ہے، ازہری فرماتے ہیں ''الصواب ان معنی العسیلة حلاوة الجماع الذی یحصل بتغییب الحشفة فی الفرج''۔ (ارشاد الساری: ج ۱۲، فتح الباری: ج ۹ ص ۵۸۳)

(۲) عہد نبوی میں اس طرح کے ایک دوسرے واقعہ کا ذکر بھی روایات میں ملتا ہے، چنانچہ مقاتل بن حیان نے اپنی تفسیر قرآن کریم کی آیت ''فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره'' کی شان نزول میں ذکر کیا ہے کہ یہ آیت عائشہ بنت عبدالرحمٰن بن

عتیک کے متعلق نازل ہوئی، وہ اپنے چچازاد رفاعہ بن وہب بن عتیک کے نکاح میں تھی، رفاعہ بن وہب نے اس کو تین طلاقیں دیں تو اس نے عبدالرحمن بن زبیر سے شادی کی، عبدالرحمن نے اس کو طلاق دی تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا کہ عبد الرحمن نے مجھے جماع کیے بغیر طلاق دے دی اب کیا میں اپنے پہلے شوہر کے پاس جاسکتی ہوں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں''۔

(فتح الباری: ج ۹ ص ۵۸۱ تفسیر الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج ۱ ص ۲۸۳)

بعض حضرات نے مذکورہ دونوں واقعات کو ایک شمار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ غالب یہ ہے کہ مذکورہ دونوں واقعات الگ الگ ہیں، کیونکہ پہلا واقعہ رفاعہ بن سموال کی بیوی کا ہے اور دوسرا رفاعہ بن وہب کا ہے اور ان دونوں عورتوں نے دوسری شادی عبدالرحمن بن زبیر سے کی۔ (فتح الباری: ج ۹ ص ۵۸۲-۵۸۱)

(۳) اس طرح کا ایک تیسرا واقعہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ غُمیصاء یا رُمیصاء نامی عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے شوہر کی شکایت کرنے لگی کہ وہ جماع پر قادر نہیں ہے، تو اس کے شوہر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ جھوٹ بولتی ہے، در اصل یہ اپنے پہلے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لیس ذالک لها حتی تذوق عسیلة''۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۱، والدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج ۱ ص ۲۸۴، سورۃ البقرہ)

بہر حال ان تمام روایات کے پیش نظر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مطلقہ مغلظہ پہلے شوہر کے لیے اسی وقت حلال ہوسکتی ہے جب دوسرا شوہر نکاح کے بعد اس سے جماع بھی کرے اور جماع کے بعد پھر طلاق دے دے تو تب عدت گزرنے کے بعد وہ شوہر اول کے لیے حلال ہوگی۔

حنفیہ کے مسلک پر ایک اشکال اور اس کا جواب

حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں! حنفیہ کے مسلک پر یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حدیثِ باب، خبر واحد ہے، اس سے قرآن کریم کی آیت ''حتی تنکح زوجا غیرہ'' پر زیادتی جائز نہیں، آیت میں صرف نکاح کا ذکر ہے، حدیث سے جماع کی قید کا اضافہ کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے۔

(۱) اس اشکال کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نکاح وطی کے معنی میں حقیقت ہے اور مذکورہ آیت کریمہ میں نکاح اسی حقیقی معنی میں مستعمل ہے، اس لیے حدیث سے اس پر زیادتی نہیں ہوئی بلکہ حدیث ظاہر قرآن کی موافق ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۵)

(۲) دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث باب خبر واحد نہیں بلکہ خبر مشہور ہے اور خبر مشہور سے زیادتی فی النص جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۶ باب من اجاز طلاق الثلاث)

چنانچہ امام ابوبکر جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث مشہورہ منقول ہیں کہ عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ دوسرا خاوند اس سے مجامعت کرلے، ان احادیث میں سے از زہری، از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ حضرت رفاعہ القرظی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اور یہ احادیث لوگوں نے قبول کی ہیں، اور فقہاء ان احادیث پر عمل کررہے ہیں، اور ہمارے نزدیک یہ احادیث

بمنزلہ متواتر ہیں اور فقہاء کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مگر سعید بن مسیب سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے صرف عقدِ نکاح سے حلال ہو جاتی ہے اور اس میں مجامعت کی شرط نہیں ہے اور ہم کو یہ علم نہیں ہے کہ کسی ایک نے سعید بن مسیب کی اس مسئلہ میں متابعت کی ہے، سو یہ شاذ روایت ہے۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۳۹۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری ص ۵۴۶-۵۵۰، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۷، کی شرح از غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ

شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رفاعہ قرظی نے ایک عورت (تمیمہ بنت وہب) سے نکاح کیا، پھر اس کو (تین طلاق) دے دیے، اس نے دوسرا خاوند کر لیا (عبد الرحمٰن بن زبیر) پھر وہ عورت آنحضرت کے پاس آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دوسرا خاوند مجھ سے صحبت ہی نہیں کرتا، اس کے پاس کیا ہے سوا ایک کپڑے کا پھندنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پہلے خاوند کے پاس اس وقت تک نہیں جا سکتی جب تک دوسرے خاوند سے مزہ نہ اٹھائے اور وہ تجھ سے مزہ نہ پائے۔

تمام علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ حلالہ کے لیے دوسرے خاوند کا صحبت کرنا شرط ہے یعنی حشفہ کا دخول ہو جانا اگرچہ انزال نہ ہو، اور امام حسن بصری نے انزال کو بھی شرط لکھا ہے اور سعید بن المسیب نے صرف نکاح کو حلالہ کے لیے کافی سمجھا ہے اور سعید کے سوا کوئی اس کا قائل نہیں ہوا، البتہ خوارج کا مذہب سعید کے قول کے موافق ہے، اور شاید سعید کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو گی۔

(تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۱-۲۴۲، نعمانی کتب خانہ، لاہور جون ۱۹۹۰ء)

صحیح البخاری: ۵۳۱۷، کی شرح از ابن حزم الظاہری الاندلسی

شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۱۹۵۰: مسئلہ:

جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، اس مرد کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے مگر جب وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر لے جو اس کی فرج میں نکاحِ صحیح کے ساتھ حالتِ عقل میں وطی کرے اور حالتِ عقل ضروری ہے، اور اس کے لیے نکاحِ فاسد میں اس سے وطی کرنا حلال نہیں ہے اور نہ اس عورت سے اس کی دبر میں وطی کرنا حلال ہے اور نہ اس صورت میں کہ وہ نکاحِ صحیح میں وطی کرے اس حالت میں کہ اس کی بیوی بے ہوش ہو یا نشہ میں ہو یا مجنون ہو، اور مرد اس طرح نہ ہو یا نیند میں اپنی بیوی سے وطی کرے اور اس کو جماع کی لذت کا ادراک نہ ہو تو جب وہ مرد مر جائے تو وہ عورت اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی، یا دوسرا مرد اس عورت کو طلاق دے دے یا نکاح فسخ ہو جائے، پھر بھی وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔

اور اسی طرح اگر ان کا نکاح صحیح ہو، پھر وہ اس عورت سے ایسی حالت میں وطی کرے جس حالت میں وطی کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً اس نے فرض روزہ رکھا ہوا ہو یا عورت نے فرض روزہ رکھا ہوا ہو، یا وہ مرد احرام میں ہو یا وہ عورت احرام میں ہو، یا وہ مرد اعتکاف میں ہو یا عورت اعتکاف میں ہو، پس ان تمام صورتوں میں وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو گی اور اس کی دلیل یہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کر لیں، اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر خاوند کے متعلق بر سبیل عموم فرمایا ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد اس کی بیوی پہلے خاوند پر حلال نہیں ہوگی اور وہ اس کا خاوند اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ ان کا نکاح صحیح نہ ہو، اور رہا وہ شخص جس نے اس عورت سے نکاح کیا اللہ عزوجل کے حکم کے خلاف تو وہ اس کا خاوند نہیں ہے اور نہ اس کے خاوند میں شمار کیا جائے گا۔

باقی رہا یہ امر کہ اس کی وطی کا کیا معاملہ ہوگا اور جب دوسرا خاوند فوت ہو گیا پھر کیا معاملہ ہوگا اور ان کا نکاح فسخ ہو گیا تو پھر کیا معاملہ ہوگا۔

امام ابوداؤد سجستانی نے حدیث بیان کی از مسدد، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی ابی معاویہ نے از الاعمش از ابراہیم النخعی از الاسود از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر اس عورت نے دوسرا نکاح کر دیا، پھر اس دوسرے مرد نے جماع کرنے سے پہلے اس کو طلاق دے دی، تو کیا وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی، حتیٰ کہ وہ عورت اس دوسرے خاوند کا تھوڑا سا شہد چکھ لے، اور دوسرا خاوند اس عورت کا تھوڑا سا شہد یعنی اس کی مٹھاس چکھ لے۔

یہ حدیث بطور تواتر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفی ۵۷ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت انس بن مالک متوفی ۹۱ھ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ اور دیگر صحابہ سے مروی ہے اور حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں کہ:

حضرت رفاعہ القرظی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر ان کی بیوی نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، پس کہنے لگیں: یا رسول اللہ! وہ حضرت رفاعہ القرظی کے نکاح میں تھیں، انہوں نے ان کو تین طلاقیں دے دیں، پھر انہوں نے اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا، اور بے شک اللہ کی قسم! ان کے پاس تو صرف اس کپڑے کے پلو کی مثل تھا، اور اس نے اپنی چادر کا ایک پلو پکڑا اور اس کو پکڑ کر دکھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے مسکرائے اور فرمایا کہ شاید تم حضرت رفاعہ القرظی کے پاس جانا چاہتی ہو، آپ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور تم اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لو، یہ صحیح مسلم: ج ۴ ص ۱۵۴، کا متن ہے اور صحیح البخاری: ۵۲۶۰ کا متن ہے، اسی طرح یہ صحیح البخاری، ۵۳۱۶، ۵۳۱۷، میں مذکور ہے۔ اور عنقریب ان شاء اللہ اس حدیث کی باقی اسانید کا ذکر آئے گا اور یہ حدیث بمنزلہ متواتر

ہے، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کا عورت کے ساتھ وطی کرنا ہی حلال اور حرام کے درمیان حدِ فاصل ہے اور تمام صریح عبارات اسی حدیث کے موافق محمول کی جائیں گی، بلکہ اس حدیث میں حلالہ کی مشروعیت کا ذکر ہے، اور اس کے طلب کرنے کا اور اس کے لیے مساعی کرنے کا ذکر ہے، مگر یہ سب چیزیں وطی کی شرط کے ساتھ ہیں۔

شیخ ابن حزم الظاہری اندلسی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ صرف زوجِ ثانی کی وطی سے وہ عورت زوجِ اول کے لیے حلال ہوگی اور اس کے بغیر نہیں ہوگی، پس اس میں زوجِ ثانی کی موت بھی داخل ہے، اور صحتِ نکاح کے بعد اس نکاح کا فسخ ہونا بھی داخل ہے۔

شیخ ابن حزم الظاہری اندلسی لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مخالفت صرف سعید بن المسیب نے کی ہے، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام سعید بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں داؤد بن ابی ھند نے خبر دی از سعید بن المسیب، کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں پھر اس نے کسی سے نکاح کر لیا ہو تو سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ نے کہا لوگ یہ کہتے ہیں، کہ زوجِ اول کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ زوجِ ثانی اس سے جماع نہ کر لے اور میں یہ کہتا ہوں کہ جب زوجِ ثانی نے نکاحِ صحیح کے ساتھ اس عورت سے عقدِ نکاح کر لیا اور اس نے اس نکاح سے حلالہ کا قصد نہیں کیا پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ زوجِ اول اس عورت سے نکاح کر لے۔

اس حدیث کے متعلق مصنف کی تحقیق، اور اس پر دلائل کہ تحلیل کی نیت سے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چیز کو اپنی شریعت میں مقرر فرما دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سعید بن المسیب سے جو یہ قول منقول ہے، یہ صحیح نہیں ہے اور ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے، اور اس قول کی حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی تفسیر میں اور انہوں نے اس کی نسبت حافظ ابن عبد البر المالکی متوفی ۴۶۳ھ کی طرف الاستذکار میں کی ہے اور انہوں نے اس پر صرف یہ تعاقب کیا ہے کہ اس حدیث کی صحت پر اعتراض ہے۔

علاوہ ازیں حافظ ابو عمرو بن عبد البر المالکی نے اس قول کی حکایت الاستذکار میں کی ہے۔ فاللہ اعلم

میں کہتا ہوں کہ اولاً یہ قول اس بات کو متضمن ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت فقط عقدِ نکاح سے زوجِ اول کے لیے حلال ہو جائے گی بغیر اس کے کہ زوجِ ثانی اس سے وطی کرے، اور دوسری اس چیز کو متضمن ہے کہ سعید بن المسیب نے کہا کہ جب زوجِ ثانی اس عورت سے عقدِ نکاح کرے تو وہ اس سے حلالہ کا قصد نہ کرے اور ان دونوں قولوں کا خلاف ثابت ہے۔ رہا ارادہ تحلیل کی مشروعیت کا جواز تو یہ سعید ابن المسیب کی اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرد کے متعلق فرمایا جس کی کوئی بیوی تھی، سو اس نے اس کو طلاق دے دی، پھر اس عورت سے کسی دوسرے مرد نے نکاح کر لیا اور اس مرد نے اس عورت سے دخول کرنے سے پہلے اس کو طلاق دے دی، آیا وہ عورت اپنے پہلے خاوند کی طرف واپس جا سکتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، حتیٰ کہ وہ مرد اس عورت کا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور وہ عورت اس مرد کا تھوڑا سا شہد چکھ لے، پھر حلالہ کی نیت اور اس کی مشروعیت اور اس کا ارادہ بھی دوسری روایات کے اندر اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ ثابت

ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا کہ حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قطعی اقوال کے ساتھ بیان کیا کہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن الزبیر سے جو نکاح کیا تھا وہ صرف اس لیے کیا تھا کہ عبدالرحمٰن بن الزبیر ان کے لیے محلل ہو جائیں تا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کی طرف حضرت رفاعہ القرظی کے پاس واپس جا سکیں، اور یہ بہت واضح صورت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ حلالہ کی نیت سے بھی پہلے شوہر کی طرف رجوع کرنا جائز ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے بعد آنے والی احادیث سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو مقرر رکھا اور یہ بیان فرمایا کہ چونکہ دوسرے شوہر نے اس عورت کے ساتھ وطی نہیں کی تھی، اس لیے وہ اپنے پہلے شوہر یعنی حضرت رفاعہ القرظی کی طرف واپس نہیں جا سکتیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رفاعہ کی بیوی کی اس نیت کو اپنے اس ارشاد سے ظاہر فرمادیا کہ شاید کہ تم رفاعہ کی طرف واپس جانا چاہتی ہو؟ لیکن جب کہ اس نیت کے ظہور کا تقاضا یہ تھا کہ اگر حلالہ کرنے کی نیت دوسرے شوہر سے نکاح کو اور پہلے شوہر کی طرف لوٹنے کو باطل کر دیتی تو حضرت رفاعہ کی بیوی کا حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر جو ان کے دوسرے شوہر تھے، ان کے ساتھ نکاح اصلاً باطل ہو جاتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رفاعہ کی بیوی کی اس بات پر موافقت کی کہ وہ اس سے نکلنے کا وسیلہ تلاش کرے بایں طور کہ اگر وطی متحقق ہو جائے تو پھر وہ زوجِ اول کے لیے حلال ہو جائیں گی اور آپ نے ان کے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھا اور اس میں یہ قطعی دلیل ہے کہ تحلیل کی نیت سے ان کا دوسرا نکاح کرنا صحیح ہے، تا کہ وہ زوجِ اول کی طرف رجوع کر سکے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رخصت اور اجازت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمایا ہے اور آپ کے لیے شریعت مقرر فرمائی ہے تا کہ یہ مومنین کے لیے شریعت مقرر ہو جائے کیونکہ آپ مومنین کے لیے رؤف ورحیم ہیں۔ سعیدی غفرلہ

شیخ ابن حزم الظاہری کی طرف سے سعید بن المسیّب کے قول کے رد پر مزید دلائل

شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ اپنے کلام کو جو سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کے رد پر مشتمل ہے، اس کو جاری کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مناسب یہ تھا کہ آپ اس کو رد کر دیتے جس طرح آپ نے عمامہ پر مسح کرنے کو رد فرمادیا تھا اور جس طرح پانچ چسکیوں سے دودھ پینے والے بچے کی تحریم نہ ہونے کو رد فرمادیا تھا، کیونکہ یہ دونوں چیزیں صریح قرآن پر زائد ہیں، پس کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس پر عمل کرے سوائے اس کے جو بطریق تواتر ثابت ہو، اور سعید بن المسیب یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ نے جو کہا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ عورت مرد کا تھوڑا سا شہد چکھے اور مرد تھوڑا سا شہد چکھے، یہ چیز قرآن مجید پر زائد ہے، کیونکہ یہ حدیث صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پانچ چسکیوں کی حدیث ثابت ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں۔

اور یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے بھی ثابت ہے مگر یہ احادیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں۔

اسی طرح جو شخص سنت ثابتہ کے رد کرنے کا قول کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ بیع اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک کہ خریدار اور بائع دونوں مجلس سے متفرق نہ ہو جائیں کیونکہ اس مسئلہ میں بہ کثرت لوگ مبتلا ہوتے ہیں، پس اگر سعید بن المسیب سے

یہ مسئلہ مختلف ہوتا اور اس کے متعلق حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ دوسرے شوہر کی بیوی پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی خواہ دوسرا شوہر اس عورت سے وطی کر لے، سوائے اس کے کہ اس کا اس وطی سے انزال ہو جائے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف کہ جب کوئی مسلمان اپنی کتابیہ بیوی کو تین طلاقیں دے دے، پھر وہ کسی دوسرے سے نکاح کرلے پھر وطی کے بعد وہ مرد مر جائے تو آیا وہ عورت پہلے شوہر کی طرف واپس جاسکتی ہے یا نہیں؟

اور اس میں اختلاف ہے کہ جب مسلمان کتابیہ بیوی کو تین طلاقیں دے دے، پھر وہ عورت کسی دوسرے کتابی مرد سے نکاح کرلے اور اس سے وطی کرلے پھر وہ مرد مر جائے؟ تو حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور سفیان بن سعید بن المسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ اب وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔

اور ربیعہ اور امام مالک نے کہا کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی اور ہم کو اس مسئلہ میں ان کے صرف اس قول کا علم ہے کہ اس مرد کے لیے اس کتابی عورت کو طلاق دینا جائز نہیں ہے، سو ہم کہتے ہیں کہ کون سی چیز اس صورت میں اس کی بیوی کو پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے سے منع کرے گی، اگر وہ مرجائے یا اس کا نکاح اس عورت سے فسخ ہو جائے۔

(المحلی بالآثار، ج ۹ ص ۴۱۵-۴۲۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ھ)

ایک اور غیر مقلد عالم کی صحیح البخاری: ۵۳۱۷، کی شرح اور اس کے متعلق ان کی تحقیق اور اس چیز کا بیان کہ لفظ واحد کے ساتھ تین طلاقوں کو دینا جائز ہے:

شیخ ابو الطیب نواب صدیق ابن الحسن خان بھوپالی المتوفی ۱۳۰۷ھ درج ذیل حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، سو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! رفاعہ نے مجھ کو طلاق دی ہے اور قطعی طلاق دے دی ہے اور میں نے ان کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر القرظی سے نکاح کیا ہے، اور ان کے پاس تو صرف ایک کپڑے کے پلو کی مثل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شاید کہ تم رفاعہ القرظی کے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟ نہیں، حتیٰ کہ وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور تم اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لو۔

(صحیح البخاری: ۴۹۵۸، التمہید ج ۱۵ ص ۷۹، ج ۱۹ ص ۱۴۱، ج ۲۳ ص ۳۸۷، شرح مسلم للنووی ج ۱۰ ص ۷۰، سبل السلام ج ۳ ص ۱۷۲، ۱۷۱، المغنی ج ۷ ص ۲۸۲، کتاب الام ج ۵ ص ۲۴۷، ۱۳، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۶، نیل الاوطار، ج ۷ ص ۱۱)

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ القرظی جن کا تعلق بنو قریظہ سے تھا، ان کی بیوی جن کا نام تمیمہ بنت وہب ہے اور ان کے نام میں اور بھی اقوال ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! رفاعہ نے مجھ کو طلاق دے دی ہے، اور قطعی طلاق دی ہے یعنی کلی طلاق دے دی ہے۔

اور امام بخاری نے صحیح البخاری کی کتاب الادب میں یہ حدیث ایک اور سند سے ذکر کی ہے، اس میں یہ مذکور ہے کہ رفاعہ القرظی

نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں اور میں نے اس کے بعد عبد الرحمٰن بن الزبیر القرظی سے نکاح کر لیا ہے اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کی مثل ہے، یعنی ایسا کپڑا جو بنا ہوا نہ ہو اور یہ الفاظ اس وقت کہے جاتے ہیں جب اس مرد کو نامرد قرار دیا جائے اور ان کی مراد یہ تھی کہ یا تو ان کا آلہ بہت چھوٹا ہے یا بہت ڈھیلا ہے اور وہ اپنے آلہ کو ان کی فرج میں داخل کرنے پر قادر نہیں ہیں، یعنی وہ اپنے آلہ کے سر کو اپنی بیوی کی فرج میں داخل کرنے پر قادر نہیں ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: شاید کہ تم رفاعہ القرظی کی طرف واپس جانا چاہتی ہو؟ نہیں، تم ان کی طرف واپس نہیں جا سکتیں، حتیٰ کہ عبد الرحمٰن تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور تم ان کا تھوڑا سا شہد چکھ لو، عُسیلہ کا لفظ تصغیر کے ساتھ مذکور ہے اور یہ جماع کنایہ سے ہے، اور جماع کی لذت کو شہد کی لذت کے ساتھ تشبیہ دی ہے، اور تصغیر میں مؤنث کا صیغہ لایا گیا ہے کیونکہ عسل کا لفظ مذکر بھی ہوتا ہے اور مؤنث بھی ہوتا ہے اور اس لیے کہ وہ عسلۃ کی تصغیر ہے یعنی شہد کا ایک ٹکڑا۔

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں کہ:

اس حدیث کے مطابق اہل علم صحابہ اور تابعین کا عمل ہے، کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے اور دوسرا مرد اس کے ساتھ جماع نہ کر لے۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دوسرا شوہر جب اس عورت سے جماع کر لے، اس حال میں کہ وہ عورت سوئی ہوئی ہو یا بے ہوش ہو اور اس کو لذت کا ادراک نہ ہو تو پھر وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی، کیونکہ شہد کو چکھنا اس وقت متحقق ہوگا کہ جب وہ لذت کا ادراک کرے اور عامۃ اہل العلم کے نزدیک وہ عورت اس صورت میں پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: اس پر اتفاق ہے کہ حشفہ یعنی مرد کے آلہ کے سر کا عورت کی فرج میں غائب ہو جانا خواہ انزال نہ ہو، یہ پہلے شوہر کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کے لیے کافی ہے اور الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ نے اس میں انزال کی شرط عائد کی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حتیٰ کہ تم اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لو اور وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور اس شہد سے مراد نطفہ ہے۔ اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ حضرت رفاعہ القرظی نے مجھے قطعی طلاق دے دی، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دفعتاً واحدہ دی ہیں یا تین طلاقیں متفرق طور پر دی ہیں۔

لفظ واحد کے ساتھ دی گئی تین طلاقوں کے ایک طلاق ہونے پر نواب صدیق حسن بھوپالی کے دلائل

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دفعتاً دیں تو ایک طلاق واقع ہوگی اور یہ قول محمد بن اسحاق صاحب المغازی کا ہے، اور انہوں نے درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از داؤد بن الحصین از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبید بن یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں، پھر طلاق دینے کے بعد وہ اس پر بہت زیادہ غمگین ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے ان کو کیسے طلاق دی تھی، تو انہوں نے کہا: تین طلاقیں ایک مجلس میں دی تھیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہے تم اس طلاق سے رجوع کر لو، اس حدیث کی امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے روایت کی ہے اور اس کو محمد بن اسحاق کی سند سے

صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کہا ہے کہ یہ حدیث اس مسئلہ میں صریح نص ہے جو کسی تاویل کو قبول نہیں کرتی اور اس کے علاوہ دوسری روایات میں تاویل ہو سکتی ہے، پھر فقہاء نے اس حدیث کے چار جواب دیے ہیں:

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ چار جواب لکھے، پھر مزید آٹھ جواب لکھے، پھر کہا کہ راجح یہ ہے کہ جب لفظِ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس پر اجماع ہو چکا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کسی صحابی سے یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہو۔ اور ان تمام صحابہ کا اجماع اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کا ناسخ موجود ہے۔ اگرچہ بعض صحابہ اور تابعین سے وہ ناسخ مخفی رہا، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سب پر یہ ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث پر عمل کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور اجماع کی مخالفت معتبر نہیں ہے۔ اور جمہور کا موقف یہی ہے کہ اجماع کے بعد جو اختلاف ظاہر ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

یہ تمام جوابات جن کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے، یہ تمام جوابات مخدوش ہیں، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ان پر رد کیا ہے اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم نے بھی اغاثۃ اللھفان میں ان جوابات کا رد کیا ہے اور اعلام الموقعین میں بھی رد کیا ہے اور دیگر تصانیف میں بھی۔ اور اس مسئلہ میں ہمارے شیخ اور ہماری برکت قاضی محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور ان کے متبعین کی طرف رجوع ہے اور یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس پر شیخ ابن تیمیہ الحرانی متوفی ۷۲۸ھ کے عہد میں قیامت برپا ہو گئی تھی اور بہ کثرت زلزلے آگئے تھے، اور اس پر بہت مباحثے اور مناظرے ہوئے، تو جو اس مسئلہ میں ثابت قدم رہا، وہ ثابت قدم رہا اور جو پھسل گیا، وہ پھسل گیا اور انصاف خیر الاوصاف ہے اور مجھے کلام کے طویل ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں یہاں پر مفصل بحث کرتا اور حدیث رکانہ کے جو جوابات دیے گئے ہیں ان کا رد کرتا۔ (عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۵۰-۴۵۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۹ھ)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر غیر مقلدین کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

تین مجموعی طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق شیخ ابن حزم الظاہری کے دلائل

مشہور غیر مقلد شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جو اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں ان کو ایک طلاق قرار دیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے اس کام میں جلدی کر لی جس کام میں ان کے لیے تاخیر تھی، پس اگر ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۳۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۹، سنن نسائی: ۳۴۰۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبد یزید رکانہ اور اس کے بھائیوں کے والد سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کر لو"۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں تو اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں، آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم اس کو تین طلاقیں دے چکے ہو تم اس سے رجوع کر لو اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی

عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔ (الطلاق:۱)

امام ابوداؤد نے کہا: نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود جو روایت ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا، یہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ کسی مرد کا بیٹا اور اس کی بیوی اس کے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طلاق کو ایک طلاق قرار دیا۔ (المحلی بالآثار ج ۸ ص ۳۸۹-۳۹۰، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ)

تین مجموعی طلاقوں کے تین طلاقیں ہونے پر جمہور فقہاء کے قرآن مجید سے دلائل

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ..... فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ:۲۲۹-۲۳۰)

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔۔۔ پس اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

البقرہ:۲۳۰، کے شروع میں فرمایا ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا اس کے شروع میں حرف فاء ہے جو تعقیب بلا مہلت کے لیے آتا ہے اور اب قواعد عربیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد اگر خاوند نے فوراً تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ کر لے، اس آیت میں اگر حرف ثم ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا ہے تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق دی جائے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے لیکن قرآن میں ثم کی بجائے فاء کا ذکر کیا گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اگر خاوند نے دو طلاقیں دینے کے بعد فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی۔

قرآن مجید میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فرمایا ہے، یعنی دو مرتبہ طلاق، اور دو مرتبہ طلاق دینا اس سے عام ہے کہ ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی جائے یا دو طہروں میں دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد اگر فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین بار تین طلاقیں دیں اور کہا میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔

تین مجموعی طلاقوں کے تین طلاقیں ہونے پر جمہور فقہاء کے احادیث صحیحہ سے دلائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ، حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، سو ان سے کہا: اے عاصم! اگر تم کسی مرد کو دیکھو کہ اس کی بیوی کسی دوسرے مرد کے ساتھ ہے تو کیا تم اس کو قتل کر دو گے یا پھر وہ شخص کیا کرے؟ اے عاصم! تم میری خاطر اس کا سوال کرنا، پس حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کو ناپسند کیا اور اس کی مذمت کی حتیٰ کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ پر یہ بات بہت سخت گزری جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، پھر جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اپنے گھر گئے تو ان کے پاس حضرت عویمر رضی اللہ عنہ آئے، پس انہوں نے پوچھا:

اے عاصم! تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا؟ تو حضرت عاصم نے جواب دیا: میں تمہارے پاس کوئی اچھی خبر نہیں لایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو سوال کیا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا، تب حضرت عویمر نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں رکوں گا حتیٰ کہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کروں، پس حضرت عویمر اس وقت آئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ دوسرے مرد کو دیکھے تو آیا وہ اس کو قتل کردے تو آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرما دیا ہے، پس تم جاؤ اور اپنی بیوی کو لے آؤ، حضرت سہل نے کہا: پس ہم نے ایک دوسرے پر لعان کیا، میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا: اگر میں نے اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں گا، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ (صحیح البخاری: ۵۳۰۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے بیوی اسی وقت حرام ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اگر ایک مجلس میں تین طلاقوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول عبث ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے یہ فرماتے کہ بیک وقت تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم سے علیحدہ نہیں ہوئی۔ نیز اس حدیث کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰)

اس حدیث میں یہ واضح تصریح ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اس میں رجوع کا اختیار نہیں ہوتا۔

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خشعمیہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسن سے کہا کہ آپ کو خلافت مبارک ہو تو حضرت حسن نے کہا: تم حضرت علی کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو، جاؤ میں نے تم کو تین طلاقیں دیں، اس نے اپنے کپڑے اٹھائے اور بیٹھ گئی حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو گئی۔ حضرت حسن نے اس کی طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار درہم صدقہ بھیجا تو اس نے کہا: مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے، جب حضرت حسن تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے آب دیدہ ہو کر فرمایا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ آپ نے فرمایا: جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں یا بہ یک وقت تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرلے (اگر آپ کا یہ ارشاد نہ ہوتا) تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۳۶ نشر السنہ ملتان، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۳۰-۳۱ نشر السنہ ملتان، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹، دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کی امام طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، اس کے متعلق حافظ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں، ان دونوں حدیثوں کی امام طبرانی نے روایت کی ہے اور پہلی حدیث کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹، دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث میں انتہائی وضاحت کے ساتھ یہ تصریح ہے کہ بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں، خواہ وہ تین طلاقیں مجموعی طور پر دی جائیں یا متفرق طور پر۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ میں کھڑے ہو کر فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، پھر ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کردوں! (سنن نسائی: ۳۳۹۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوتی ہیں کیونکہ اگر اکٹھی تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اس طلاق سے رجوع کرلو اور اس پر ناراض نہ ہوتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا ناجائز اور گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حد سے تجاوز کرنا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، پھر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقیں دینے کے بعد تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوجائے گی اور تمہارا اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کی امام طبرانی نے روایت کی ہے، اس میں ایک راوی علی بن سعید ہے، امام دارقطنی نے کہا: وہ قوی نہیں ہے اور دوسروں نے کہا: وہ بہت عظیم راوی ہے، اور اس حدیث کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق آثار صحابہ اور اقوال تابعین

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سالم نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ نافذ ہوجائیں گی اور اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۹۵، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۳ھ، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۸۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا: اے ابوعباس! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، حضرت ابن عباس نے (طنزاً) فرمایا: یا ابا عباس! پھر فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت سے تین طلاقیں دیتا ہے، پھر کہتا ہے: اے ابوعباس! تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۹۷، ۱۱۳۹۶، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

واقع بن سحبان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں؟ حضرت عمران بن حصین نے کہا: اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۸۷، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین

طلاقیں دی ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اس کو دردناک مار، مارتے اور ان کے درمیان تفریق کر دیتے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۸۹، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ وہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے تھے ورنہ وہ تین طلاقیں دینے والے کو دردناک طریقہ سے نہ مارتے اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور وہ جو صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا، اس کے بالتفصیل جوابات ان شاء اللہ عنقریب ہدیہ قارئین ہوں گے۔

زہری نے اس شخص کے متعلق کہا جس نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دے دیں، انہوں نے کہا اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے الگ ہوگئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۹۲، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دے دیں۔ حضرت ابن مسعود نے جواب دیا کہ تین طلاقوں سے اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہوگئی اور باقی ستانوے (۹۷) طلاقیں حد سے تجاوز ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۹۷، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حبیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں، تو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہوگئی باقی طلاقیں دوسری بیویوں میں تقسیم کر دو۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۱، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

معاویہ بن ابی یحییٰ بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا: یا امیر المومنین! میں نے اپنی بیوی کو سو (۱۰۰) طلاقیں دی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۴، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کسی مرد نے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک سو (۱۰۰) طلاقیں دے دی ہیں، حضرت مغیرہ نے جواب دیا کہ تین طلاقوں نے اس کی بیوی کو اس پر حرام کر دیا اور باقی ستانوے (۹۷) طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳-۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۵، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

شعبی بیان کرتے ہیں کہ قاضی شریح سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دے دی ہیں، انہوں نے کہا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی علیحدہ ہوگئی اور باقی طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۷، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حسن بصری کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دی ہیں تو انہوں نے کہا: تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۸، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی

جب تک دوسرا شخص اس سے دخول نہ کر لے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۵۶، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ان سب نے جواب دیا: اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک اس کی بیوی کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۵۹، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کسی شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے اور اگر اس نے اپنی بیوی کو الگ الگ تین طلاقیں دیں تو اس کی بیوی پہلی طلاق کے ساتھ اس سے علیحدہ ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۸۱۷۶، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

البقرہ: ۲۲۹-۲۳۰، سے واضح ہو گیا کہ تین طلاقیں دینے کے بعد بغیر شرعی حلالہ کے عورت مرد پر حلال نہیں ہوتی خواہ وہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں یا الگ الگ، اسی طرح احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے بھی واضح ہو گیا کہ اگر ایک مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو مرد پر اس کی بیوی حرام ہو کر اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور شیخ ابن حزم الظاہری، شیخ شوکانی اور دیگر غیر مقلدین نے صحیح مسلم کی از طاؤس از حضرت ابن عباس روایت سے جو استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تین طلاقوں کو تین طلاق ہی قرار دے دیا، سو اب ہم اس روایت کے مفصل جوابات پیش کر رہے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق

اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے ثبوت میں شیخ ابن حزم الظاہری کی پیش کردہ روایت کے مفصل اور متعدد جوابات

صحیح مسلم کی یہ روایت، شاذ، معلل، مردود ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ طاؤس نے اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں، اور اگر اس لیے وہ طلاقیں متفرق دی ہیں تو اس کی بیوی پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۷۶، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث روایت کریں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیں، اس لیے یہ روایت شاذ ہے اور حضرت ابن عباس کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے میں طاؤس کو وہم ہوا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ، فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کی وضاحت امام بیہقی کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن میں امام بخاری اور امام مالک کا اختلاف ہے، امام مسلم نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو ترک کر دیا اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی باقی روایات کے خلاف ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلے انسان تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر لیتا تھا، پھر البقرہ:۱۲۹، الطلاق مرتٰن نے اس کو منسوخ کر دیا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اس پر حرام ہوگئی۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ تم تین طلاقیں لے لو اور ستانوے طلاقوں کو چھوڑ دو۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے اپنی بیوی کی نافرمانی کی، سو تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی تم نے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کیا، سو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں رکھا۔

طاؤس کے علاوہ عطاء، عمرو بن دینار اور مالک بن حارث وغیرہم جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ ہیں، ان سب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے کہ بہ یک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہوجاتی ہیں، ان کے برخلاف صرف طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابوبکر میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۹، سنن نسائی: ۳۴۰۶)

سو یہ روایت طاؤس کا وہم ہے اور شاذ اور معلل ہے، صحیح نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۷ نشر السنہ ملتان)

قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: حضرت ابن عباس کے تمام شاگردوں نے حضرت ابن عباس سے طاؤس کے خلاف روایت کی ہے، سعید بن جبیر، مجاہد اور نافع نے حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔

(نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۲، مکتبۃ الکلیات الازہریہ قاہرہ، ۱۳۹۸ھ)

طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ ہونے پر مزید دلائل

خود طاؤس کا فتویٰ بھی اپنی روایت کے خلاف تھا، طاؤس یہ کہتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو وہ ایک طلاق شمار ہوگی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۶، ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

طاؤس کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً تین طلاقوں کو ایک طلاق نہیں قرار دیتے تھے بلکہ جب کوئی مرد دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو پھر اس کی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوگی۔

علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی متوفی ۸۴۵ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے لکھا ہے کہ طاؤس کی یہ روایت وہم اور غلط ہے اور علماء میں سے کسی ایک نے بھی ان روایت کو قبول نہیں کیا، کیونکہ ثقہ راویوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔ (الجوہر النقی علی ہامش

السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۳۷-۳۳۸، نشر السنہ ملتان)

طاؤس کی روایت کا صحیح محمل

جمہور محدثین اور فقہاء اسلام نے اس حدیث کو اس کے فنی سقم کی وجہ سے مسترد کر دیا ہے، تاہم بر سبیل تنزل اس حدیث سے یہ تاویل کی کہ عہد رسالت اور دور صحابہ میں مسلمان تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض مسلمانوں نے تین طلاق دینے کی نیت سے تین بار طلاق دینا شروع کر دیا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نیات کے اعتبار سے ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو نہیں بدلا بلکہ اس چیز کو نافذ کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے، حدیث میں ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی ہے، آپ نے دریافت فرمایا: تم نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا، میں نے عرض کیا، میں نے اس سے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، آپ نے پوچھا: اللہ کی قسم! میں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے فرمایا: پس یہ وہی طلاق ہے جس کا تم نے ارادہ کیا تھا۔ (سنن ترمذی: ۱۱۷۷)

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے تین سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۰۶، ۲۲۰۷، ۲۲۰۸)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقوں کا ارادہ کرنا جائز ہے کیونکہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رکانہ سے یہ استفسار نہ فرماتے کہ تم نے طلاق البتہ سے کیا مراد لیا ہے، اور ان کی مراد پر قسم طلب نہ فرماتے، بلکہ صاف فرما دیتے کہ ایک مجلس میں ایک لفظ سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت رکانہ سے ان کی طلاق کی تعداد کو دریافت کرنا اور ان کی مراد پر قسم لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مجلس واحد میں لفظ واحد میں دی ہوئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس حدیث کے مطابق تھا، اور جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ بھی اسی حدیث کے مطابق ہے۔

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے ثبوت میں سنن ابوداؤد کی روایت کا جواب

اس جگہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یزید ابورکانہ سے فرمایا: تم اپنی بیوی کو طلاق دو، سو انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر آپ نے فرمایا: تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کر لو، انہوں نے کہا: میں تو اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم اس سے رجوع کر لو۔ الحدیث (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد بھی رجوع کرنا صحیح ہے کیونکہ ابورکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین طلاقوں سے رجوع کرنے کا حکم دیا۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد حدیث: ۲۱۹۶، کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ابوداؤد نے کہا: نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں: کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ

نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کی طرف واپس کر دی، امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ کسی مرد کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو صرف طلاق البتہ دی تھی، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طلاق قرار دیا۔

امام ابوداؤد نے اپنی جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ درج ذیل ہے:

از نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ روایت ہے کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دی، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور کہا اللہ کی قسم! میں نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا؟ تو حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کی طرف واپس کر دی، پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دی۔

(سنن ابوداؤد: ۲۲۰۶، سنن ترمذی: ۱۱۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۱)

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے ثبوت میں مسند احمد کی روایت کا مفصل اور محقق جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر وہ اس پر بہت زیادہ غمگین ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی تھی؟ انہوں نے بتایا: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں، آپ نے پوچھا: ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ تین طلاقیں ایک طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو اس طلاق سے رجوع کر لو، حضرت ابن عباس نے بتایا کہ پھر حضرت رکانہ نے اس طلاق سے رجوع کر لیا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۵، مسند احمد: ۲۳۸۷، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

شیخ شعیب الارنؤوط اور دیگر محققین اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں داؤد بن الحصین کی عکرمہ سے روایت ہے، علی بن المدینی نے کہا کہ داؤد بن الحصین نے عکرمہ سے جو حدیث روایت کی ہے سو وہ منکر ہے، اور امام ابوداؤد نے کہا کہ عکرمہ سے اس کی روایات مناکیر ہیں اور علامہ ذہبی نے اپنی کتاب میں کہا کہ اس کی روایات غرائب مستنکرہ ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تقریب التہذیب'' میں کہا ہے کہ یہ عکرمہ کے سوا دوسری روایات میں ثقہ ہیں۔

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے حجت قائم نہیں ہوتی جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آٹھ (۸) شاگرد اس روایت کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں، علاوہ ازیں حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق دی تھی۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹)

امام ابویعلیٰ اور امام عبدالرزاق اور امام ابوداؤد نے از ابن جریج از بعض بنی ابورافع از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ ابورکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم اپنی بیوی سے رجوع کر لو'' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، آپ نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہے تم ان سے رجوع کر لو''۔ (مسند ابویعلیٰ:

۲۵۰۰، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

علامہ حمد بن محمد خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند پر اعتراض ہے کیونکہ ابن جریج نے اس حدیث کی ابورافع کے بعض بیٹوں سے روایت کی ہے اوران کا نام ذکر نہیں کیا اور سند مجہول حجت نہیں ہوتی۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۲۳۶)

نیز علامہ خطابی نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل اس حدیث کی تمام سندوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے حضرت رکانہ کی اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کو ترک کر دیا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۱۰ ص ۳۶۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں نہیں دی تھیں، بلکہ طلاق البتہ دی تھی، امام ابوداؤد نے اس کو ترجیح دی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳ طبع لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۱، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)۔ (حاشیہ مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۵-۲۱۷، موسسہ الرسالہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اکٹھی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی مبحث کا خلاصہ

شیخ ابن حزم الظاہری اور دیگر غیر مقلدین ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں، اس کے برخلاف ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور محدثین ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیتے ہیں، ہم نے اس مبحث میں پہلے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے بیان کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں، تین طلاقیں ہی ہوتی ہیں، ایک طلاق نہیں ہوتی۔ اس کے بعد شیخ ابن حزم الظاہری اور غیر مقلدین نے جن احادیث سے اپنے اس موقف پر استدلال کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے، اس کا تفصیلی دلائل سے رد کیا ہے اور حق کو واضح تر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے اور میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔ آمین یارب العالمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

٦٩ ـ كِتَابُ الْعِدَّةِ

عدت کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

یہ باب احکام العدۃ کے بیان میں ہے، اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ کی شرح میں اس عنوان میں لفظ کتاب لکھا ہوا ہے اور یہی صحیح ہے، اور عدت کا معنی ہے کہ عورت اپنے شوہر کی وفات کے بعد کچھ مدت تک دوسرا نکاح کرنے سے ٹھہری رہے یا شوہر کی طلاق لینے کے بعد کچھ مدت تک دوسرا نکاح کرنے سے ٹھہری رہے اور یہ عدت یا تو اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے سے ختم ہوگی، یا تین حیض گزرنے سے یہ عدت ختم ہوگی اور اگر اس عورت کو حیض نہ آتا ہو تو پھر تین ماہ گزرنے سے یہ عدت ختم ہوگی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: عدت کا لفظ عد یعد کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: عددت الشیء، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تم کسی چیز کا شمار کرو، اور اس کا شرعی معنی ہے اس مدت تک انتظار کرنا جس مدت کے بعد عورت کے نکاح کا زوال ہو جاتا ہے یا نکاح کی شبہ کا زوال ہو جاتا ہے، اور آزاد عورت کی عدت طلاق سے یا بغیر طلاق سے فسخ نکاح سے یا مثلاً خیار عتق سے اور خیار بلوغ سے یا زوجین میں سے کسی ایک کی ملکیت اپنے صاحب سے یا ارتداد سے یا عدم کفر سے تین حیض ہوتی ہے، اگر وہ عورت ''ذوات الحیض'' سے ہو، اور اگر اس کو کم عمر ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت تین ماہ ہوتی ہے اور اگر عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوتی ہے خواہ وہ عورت مسلمان ہو یا کتابیہ ہو یا کسی مسلمان مرد کے نکاح میں ہو، کم عمر ہو یا بڑی عمر کی ہو، دخول سے پہلے یا دخول کے بعد اور باندی کی عدت دو حیض ہیں عدت طلاق میں اگر وہ عورت ان عورتوں میں سے ہو جن کو حیض آتا ہو، اور اگر وہ عورت ان عورتوں میں سے ہو جن کو حیض نہیں آتا ان کے کم عمر ہونے کی وجہ سے یا ان کے بہت بڑھاپے کی وجہ سے یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو اس کی عدت طلاق ڈیڑھ ماہ ہے دخول کے بعد، اور دو مہینے اور پانچ دن اس کی عدت وفات ہے۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ عورت محض باندی ہو یا ام الولد ہو یا مدبرہ ہو یا مکاتبہ ہو یا اس عورت کا بعض حصہ آزاد کیا گیا ہو، یہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ ھ کے نزدیک ہے۔

اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، یعنی اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے۔ عام ازیں کہ وہ آزاد عورت ہو یا باندی ہو اور عام ازیں کہ وہ عدت طلاق سے ہو یا وفات سے ہو یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو، اور عدت الفار ابعد الاجلین ہے، یعنی عدت الوفات اور عدت الطلاق میں سے جس کی مدت زیادہ ہو، وہ اس کی عدت ہے، یہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۷۹ ھ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ ھ کے نزدیک اس کی عدت، عدت وفات ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۳۸۔ باب: قول الله تعالیٰ: وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ (الطلاق: ۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں، اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو۔

الطلاق: ۴ کی تفسیر از علامہ ازہری

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری التوفی ۱۹۹۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وہ مطلقہ جس کو حیض آتا ہو، اور وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، ان کی عدت کے احکام سورہ بقرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں، یہاں ان عورتوں کی عدت بیان کی جارہی ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو، ان کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ عورتیں جو سنِ ایاس کو پہنچ چکی ہوں، جن کو حیض آنے کی قطعاً امید نہ ہو۔ بعض علماء نے پچپن سال اور بعض نے تریسٹھ سال کی عمر کو سن ایاس کہا ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جس عمر میں حیض کا آنا یقیناً بند ہو جائے۔ (۲) وہ عورتیں جو ابھی نابالغ ہوں یا جن کو حیض تو نہیں آیا لیکن وہ عمر کے اعتبار سے بالغ ہو گئی ہوں۔ (۳) جو حاملہ ہوں۔

پہلی دو قسموں کی عدت تین ماہ ہے، آیسہ طلاق کے بعد تین ماہ گزارے، اسی طرح نابالغہ۔

حاملہ کی عدت کا ذکر بعد میں آرہا ہے۔

وہ عورتیں جن کا حیض کسی عارضہ کی وجہ سے بند ہو گیا، ان کی عدت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت عثمان، حضرت علی، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہے کہ یہ عورت انتظار کرے، یہاں تک کہ سنِ ایاس کو پہنچ جائے اور اس کے بعد تین ماہ عدت گزارے۔ اگر اس عورت کو پھر حیض شروع ہو جائے تو پھر تین حیض عدت گزارے۔ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ امام ثوری، لیث اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت نو ماہ انتظار کرے، اگر اس اثناء میں اسے حیض نہ آئے تو تین ماہ عدت گزارے اور اگر نو ماہ میں حمل کے آثار ہوں تو پھر اس کی عدت وضعِ حمل ہوگی۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک کا یہی مسلک ہے۔

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی جوان بیوی کو طلاق دی اور اسے حیض آنا بند ہو گیا تو پورا سال عدت گزارے۔

امام حسن بصری کہتے ہیں کہ وہ سال بھر انتظار کرے۔ اگر اس عرصہ میں حیض نہ آئے تو پھر تین ماہ عدت گزارے، یہاں تین ماہ سے مراد قمری مہینے ہیں۔ اگر پہلی تاریخ کو طلاق ہوئی تو تین چاند شمار ہوں گے، انتیس کے ہوں یا تیس کے۔ اور اگر درمیان میں طلاق ہوئی تو پھر اس تاریخ سے نوے دن گنے جائیں گے۔ صاحبین کے نزدیک وہ مہینہ تیس کا شمار ہوگا، اس کے بعد دو مہینے چاند کے حساب سے شمار ہوں گے۔

یہ حکم مطلقہ کے لیے ہے، لیکن جس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حاملہ نہ ہو تو پھر ہر حال میں چار ماہ دس دن عدت گزارے گی خواہ وہ صغیرہ ہو، آیسہ ہو یا جوان ہو۔

یہ آیت اگرچہ عام ہے مطلقہ اور بیوہ دونوں کو شامل ہے لیکن اجماع سے اس عموم کی تخصیص ہو گئی۔ (تفسیرات احمدیہ، ملا جیون،

احکام القرآن للجصاص)

اب حاملہ عورت کی عدت بیان کی جارہی ہے، اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت کیا ہوگی؟ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی ایک آیت میں مطلق بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے اور یہاں مطلق حاملہ کی عدت وضعِ حمل بتائی گئی ہے، اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق چار ماہ دس دن ہوگی اور اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق وضعِ حمل ہوگی لیکن اگر بیوہ ہو اور حاملہ بھی ہو تو اس کی عدت میں اختلاف ہے۔ حضرت سیدنا علی، حضرت ابن عباس کے نزدیک دونوں آیتوں پر عمل کرتے ہوئے ابعد الاجلین عدت ہوگی، یعنی اگر خاوند کی وفات کے فوراً بعد بچہ پیدا ہوا تو چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اگر مدتِ حمل چار ماہ دس دن سے تجاوز کر گئی تو پھر وضعِ حمل کے وقت اس کی عدت ختم ہوگی۔

لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورہ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے، اس لیے یہ آیت پہلی آیت کی مخصص ہوگی، گویا چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہوگی جو حاملہ نہ ہو، اور جو حاملہ ہو خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ، اس کی عدت وضعِ حمل تک ہوگی، اس قول کی تائید متعدد صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ امام مالک نے اپنے موطا میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ اس مسئلہ پر حضرت ابنِ عباس اور عبدالرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے ابوسلمہ کے درمیان گفتگو ہوئی۔ ابنِ عباس ابعد الاجلین کے قائل تھے اور ابوسلمہ وضعِ حمل کو عدت کی انتہا کہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ میں اس مسئلہ میں اپنے بھتیجے ابوسلمہ کی تائید کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کے غلام کریب کو حضرت ام المومنین ام سلمہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ ام المومنین نے بتایا کہ سبیعہ اسلمیہ کا خاوند فوت ہوا، وہ حاملہ تھیں، چند روز کے بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ سبیعہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عدت کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تو حلال ہوگئی، جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہی حدیث سبیعہ اسلمیہ کی زبانی روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں سعد بن خولہ کی بیوی تھی، حجۃ الوداع کے موقع پر انہوں نے وفات پائی۔ میں اس وقت حاملہ تھی، ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا، مجھے ایک آدمی نے بتایا کہ تمہیں چار ماہ دس دن عدت پوری کرنی ہوگی تب تم نکاح کر سکتی ہو، میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنا ماجرا بیان کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم آزاد ہو، اگر کسی سے نکاح کرنا چاہو تو کر سکتی ہو۔

صحابہ کرام کی کثیر تعداد کا یہی مسلک ہے، ائمہ اربعہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔

مسئلہ: اگر پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو عدت آخری بچے کی پیدائش کے وقت ختم ہوگی۔

مسئلہ: اگر حمل ساقط ہو جائے اور یہ یقین ہو کہ جو چیز نکلی ہے وہ حمل ہی ہے تو اس وقت بھی عدت ختم ہو جائے گی۔

(تفسیر ضیاء القرآن جلد پنجم ص ۲۸۲-۲۸۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

الطلاق: ۴ کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اور وہ

عورتیں جن کو حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کاموں کو آسان کردے گا۔ (الطلاق: ۴)

جن بوڑھی عورتوں کو حیض نہیں آتا، ان کی عدت میں شک ہونے کے محامل

جن عورتوں کو حیض آتا ہے ان کی عدت اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرما چکا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ۔ طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

(البقرہ: ۲۲۸)

اور اس آیت میں بتایا ہے کہ جن عورتوں کو نابالغہ ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، ان کی عدت تین ماہ ہے، پھر اس آیت میں جو فرمایا ہے: اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو، اس کے تین محمل ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اگر تم کو معلوم نہ ہو جو عورت، حیض سے رک گئی ہے یا جس کا حیض شروع نہیں ہوا تو اس کی عدت تین ماہ ہے، زہری نے کہا: جو عورت بوڑھی ہے اور اس کو حیض میں شک ہے تو وہ تین ماہ عدت گزارے گی۔ اگر جوان عورت کو حیض نہ آئے تو دیکھا جائے گا وہ حاملہ ہے یا غیر حاملہ۔ اگر متعین ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، نہیں تو انتظار کیا جائے حتیٰ کہ حمل کا معاملہ صاف ہو جائے اور انتظار کی مدت ایک سال ہے۔

ابن زید نے کہا: اگر عورت یا مرد کو حیض کے آنے میں شک ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر حمل کا انتظار ہو تو اس کی عدت نو ماہ ہے۔

(۲) ابن ابی کعب نے کہا: یا رسول اللہ! قرآن مجید میں بوڑھی عورت، نابالغہ اور حاملہ کی عدت بیان نہیں کی گئی تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

(۳) عکرمہ نے کہا: اگر عورت کو مہینہ میں بار بار خون آتا ہے اور کئی مہینہ خون آتا رہتا ہے اور اس کو شک ہے اور یہ متعین نہیں ہوتا کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا، یعنی یہ خون رحم سے آیا ہے یا بیماری کی وجہ سے کسی رگ سے آیا ہے تو پھر اس کی عدت تین ماہ ہے۔

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اسی آخری قول کو ترجیح دی ہے۔

(جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۷۹-۱۸۰، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز فرمایا: اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے فرمایا: اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

بیوہ حاملہ کی عدت میں اختلاف صحابہ

اس میں اختلاف ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے یا اس کی عدت وضع حمل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مختار یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے، وہ کہتے تھے: جو چاہے میں اس سے اس مسئلہ پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ الطلاق: ۴ میں فرمایا: حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، البقرہ: ۲۳۴ کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں فرمایا ہے کہ بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور وہ قسم کھا کر فرماتے: النساء القصریٰ (الطلاق) النساء الطولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم یہ کہتے تھے کہ اس کی عدت زیادہ لمبی مدت ہے، یعنی اگر وضع حمل کی مدت

چار ماہ سے زیادہ ہو تو وہ اس کی عدت ہے اور اگر چار ماہ دس دن کی مدت وضع حمل کے عرصہ سے زیادہ ہو تو وہ اس کی عدت ہے۔
(جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۸۴، ۱۸۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہم سورۃ الطلاق کے تعارف میں اس اختلاف کو تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

نابالغہ، بوڑھی اور حاملہ عورتوں کی عدت کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس عورت کو کم عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا بایں طور کہ اس کی عمر نو سال سے کم ہو، اس کی عدت تین ماہ ہے یا جو عورت بوڑھی ہو اور سن ایاس کو پہنچ چکی ہو، اس کی عدت بھی تین ماہ ہے، یا جو عورت بالغہ ہو چکی ہو اور بار بار حیض آنے کے بعد اس کا طہر دائم ہو اور بوڑھی ہونے تک اس کو دوبارہ حیض نہ آیا ہو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے اور مہینوں کا اعتبار چاند کی تاریخوں کے حساب سے ہوگا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۶-۱۴۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اور عدت وفات چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے چار ماہ دس دن ہے اور حاملہ عورت کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے، خواہ وہ عدتِ طلاق گزار رہی ہو یا عدتِ وفات۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۵۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

رہی عدتِ حمل تو اس کی مقدار اتنی ہی ہے جتنی مدت وضع حمل میں رہ گئی ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ حتیٰ کہ عدت واجب کے ایک دن یا ایک گھنٹہ بعد بھی ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ - اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

اور کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ اگر میت تختِ غسل پر ہو اور اس کی بیوی کے ہاں ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، پھر لکھتے ہیں: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ - اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آیت مطلقہ کی عدت کے بارے میں ہے یا بیوہ کی عدت کے بارے میں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں کے بارے میں ہے، اور سبیعہ بنت الحارث نے روایت کیا ہے کہ ان کے شوہر کی موت کے بیس اور کچھ دنوں کے بعد ان کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۰۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۹۴)

نیز عدت سے مقصود یہ ہے کہ براءت رحم واضح ہو جائے اور تین حیض گزر جانے سے بھی براءت رحم واضح ہو جاتی ہے اور وضع حمل سے اس سے بھی زیادہ براءت رحم واضح ہو جاتی ہے، پس وضع حمل سے عدت کا پورا ہونا مہینوں کی بہ نسبت زیادہ واضح ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں عموم ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۴ ص ۳۴۰-۳۴۲، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

(تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۱-۷۹، فرید بک اسٹال لاہور)

اس کا بیان کہ نابالغہ عورتوں اور بہت بوڑھی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء الحنفی المتوفی ۲۰۷ ھ نے اپنی کتاب معانی القرآن میں لکھا ہے:

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ ھ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے اس عورت کی عدت کو جان لیا جس کو حیض آتا ہے، سو جو بہت بوڑھی عورت ہو، جو حیض کے آنے سے مایوس ہو چکی ہو، اس کی عدت کتنی ہوگی، تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَ الّٰٓئِیْ یَىٕسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۔ (الطلاق:۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

پھر ایک مرد کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا: پھر اس عورت کی عدت کا کیا حکم ہے جس کو حیض اس کی کم عمر ہونے اور نابالغ ہونے کی وجہ سے نہ آتا ہو؟ تو آپ نے فرمایا: جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو، وہ بوڑھی عورتوں کے حکم میں ہیں، جو اپنی عدت سے مایوس ہو چکی ہیں۔ ان کی عدت بھی تین ماہ ہے، پھر ایک اور مرد کھڑا ہوا، اور جو حاملہ عورتیں ہیں، یارسول اللہ! ان کی عدت کتنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو حاملہ عورتیں ہیں ان کی عدت ان کا وضع حمل ہے یعنی جب ان کے ہاں بچہ ہو جائے گا تو ان کی عدت پوری ہو جائے گی:

وَ الّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ۝ (الطلاق:۴)

اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا O

پس جب حاملہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور اس کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، خواہ اس کے شوہر کی میت ابھی غسل کے تختہ پر ہو اور اس کی تدفین نہ کی گئی ہو، اور امام عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی متوفی ۴۶۸ ھ، نے حضرت ابوعثمان عمرو بن صالح سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جب سورۃ البقرہ میں عورتوں کی عدت کا حکم نازل ہوا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ ھ نے کہا: یارسول اللہ! اہل مدینہ کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کی عدت کا حکم باقی ہے، جس کا ذکر اس سورت کی آیت میں نہیں ہے، آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: کم عمر عورتیں اور بوڑھی عورتوں اور حاملہ عورتوں کی عدت کا تو بیان ہے، تو پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور تفسیر مقاتل میں مذکور ہے کہ خلاد انصاری نے کہا: یارسول اللہ! جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت کتنی ہے، تو پھر یہ آیت نازل ہوگئی یعنی الطلاق: ۴۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

اس باب کی حدیث میں امام بخاری کی تعلیق

قَالَ مُجَاهِدٌ اِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا یَحِضْنَ اَوْ لَا یَحِضْنَ وَاللَّائِیْ قَعَدْنَ عَنِ الْمَحِیْضِ وَاللَّائِیْ لَمْ یَحِضْنَ

مجاہد نے کہا: اگر تم کو یہ علم نہ ہو کہ ان عورتوں کو حیض آتا ہے یا حیض نہیں آتا اور وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو کر بیٹھ گئی ہیں اور وہ عورتیں جن

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ (تفسیر ابن جریر ج ۱۲ ص ۱۳۲) کو ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخزومی المتوفی ۱۰۴ھ نے اپنی تفسیر میں کہا:

الطلاق: ۴ میں مذکور ہے: ''اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا''۔

امام عبد بن حمید نے از شبابہ از غرقہ از ابن ابی نجیم اس تعلیق کی روایت سند موصول کے ساتھ کی ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جو عورت حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہو، اس کی عدت تین ماہ ہے اور رہی حاملہ عورتیں تو ان کے متعلق اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے کہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے اور جس کے اوپر عمل متواتر ہے وہ یہ ہے کہ جب حاملہ عورت کا وضع حمل ہو جائے اور اس کے ہاں بچہ ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو گئی اور اس مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کا اختلاف ہے، ان دونوں صحابہ نے یہ کہا کہ اس عورت کی عدت آخر الاجلین ہے یعنی عدت وفات چار ماہ دس دن اور وضع حمل کی مدت، ان میں سے جس کی مدت زیادہ ہو وہ اس حاملہ عورت کی عدت ہے، اگر چار ماہ دس دن کی مدت زیادہ ہے تو پھر وہ عدت ہے اور اگر وضع حمل کی مدت چار ماہ دس دن سے زیادہ ہے تو پھر وہ اس کی عدت ہے۔ سحنون مالکی سے بھی اس طرح روایت ہے، اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقف سے رجوع کر لیا تھا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اصحاب عطاء بن ابی رباح، اور عکرمہ اور جابر بن زید رحمہم اللہ، ان سب نے جمہور فقہاء کے قول کی مثل کہا اور حماد بن ابی سلیمان استاذ امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ متوفی ۱۲۰ھ نے کہا کہ وہ حاملہ عورت اس وقت تک اپنی عدت سے نہیں نکلے گی حتیٰ کہ اس کا نفاس مکمل ہو جائے اور وہ نفاس کے بعد غسل کر لے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مشہور غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ کی شرح

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں:

اب جس عورت کو حیض آتا ہو لیکن بند ہو گیا ہو اس کی عدت میں اختلاف ہے، اکثر فقہاء کا یہ قول ہے کہ وہ حیض کی منتظر رہے یہاں تک کہ اس عمر کو پہنچے جس میں حیض موقوف ہو جاتا ہے اور اس وقت نو مہینے عدت کرے لیکن یہ قول باعث جرح اور آسان امام مالک اور اوزاعی کا قول ہے کہ ایسی عورت نو مہینے تک انتظار کرے یعنی اگر حیض آئے تو فبہا ورنہ تین مہینے عدت کر کے دوسرا نکاح کرے، اور بعضوں نے کہا ان ارتبتم کا معنی یہ ہے کہ باسٹھ سال کی عمر میں خون آئے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ خون حیض کا ہے یا استحاضہ کا تو ایسی عورت کی عدت تین مہینے ہوگی۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۴۲، نعمانی کتب خانہ، جون ۱۹۹۰ء)

عدت کے متعلق احکام از علامہ رضوی

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں:

کتاب العدة: عدت کا لغوی معنی شمار کرنا ہے اور شریعت میں عورت کا ایک مدت تک انتظار کرنا ہے جو اس پر نکاح زائل ہونے کے بعد لازم ہے۔

باب: تمہاری عورتیں جو حیض سے ناامید ہو جائیں اگر تم اس کے وجود میں تردد کرو

اس کی تفسیر میں مجاہد نے کہا: اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ انہیں حیض آتا ہے یا نہیں آتا اور وہ عورتیں جو حیض سے بیٹھ گئی ہیں (بوڑھی ہو گئی ہیں) اور وہ عورتیں جنہیں حیض نہیں آیا (وہ کمسن ہیں) ان کی عدت تین ماہ ہے۔

تشریح: آزاد عورت کو اگر طلاق ہو جائے یا طلاق کے بغیر نکاح فسخ ہو جائے جیسے خیارِ بلوغ میں ہے اگر حیض آتا ہے اور دخول کے بعد طلاق ہوئی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ اگر وہ کم سن یا بوڑھی ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ اگر اس کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، اگرچہ وہ کتابیہ مسلم کی بیوی ہو کم سن ہو یا بوڑھی ہو، اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اگر لونڈی ہو تو اس کی عدت طلاق دو حیض ہیں۔ اگر کم سن یا بوڑھی ہونے کے سبب اسے حیض نہ آتا ہو یا اس کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کی عدت جماع کے بعد طلاق کی صورت میں ڈیڑھ ماہ اور وفاتِ شوہر کی تقدیر پر دو ماہ پانچ دن ہے۔ اس میں قنہ، ام ولد، مدبرہ، مکاتبہ اور معتقة البعض سب مساوی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی ہے، اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے اس میں آزاد اور لونڈی دونوں برابر ہیں۔

فراء نے کتاب معانی القرآن میں ذکر کیا ہے کہ لوگوں نے کہا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ (جن عورتوں کو حیض آتا ہے) ان کی عدت تو ہمیں معلوم ہو گئی ہے جو عورتیں بوڑھی ہو گئی ہوں اور حیض سے ناامید ہو چکی ہوں ان کی عدت کیا ہے، تو یہ آیت کریمہ فعدتھن ثلاثة اشھر، نازل ہوئی کہ ان کی عدت تین ماہ ہے، پھر ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ کم سن سے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت کیا ہے؟ فرمایا: ان کی عدت وہی ہے جو بوڑھی عورتیں حیض سے ناامید ہو چکی ہوں یعنی تین ماہ، پھر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم حاملہ عورتوں کی عدت کیا ہے؟ فرمایا: ''واولات الاحمال ان یضعن حملھن '' یعنی ان کی عدت وضع حمل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اگرچہ اسے غسل دیا جا رہا ہو اور ابھی دفن نہ کیا گیا ہو اور اس کی بیوی حاملہ وضع حمل کر دے تو اس کی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عدت الوفات ابعد الاجلین ہے، عبداللہ بن مسعود نے کہا: جو چاہے میں اس سے مباہلہ کے لئے تیار ہوں کہ سورۂ طلاق قصریٰ جس میں عدت الوفات وضع حمل ہے، سورۂ طلاق کبریٰ (نساء) جس میں عدت الوفات چار ماہ دس دن ہے کے بعد نازل ہوئی یعنی سورۂ نساء، میں چار ماہ دس دن ان عورتوں کی عدت ہے جو حاملہ نہ ہوں اور جو حاملہ ہوں ان کی عدت وضع حمل ہے جیسے سورۂ طلاق میں ہے۔ واللہ اعلم

(تفہیم البخاری حصہ ہشتم ص ۳۷۳، ۳۷۴، جدہ پرنٹرز بار اول)

نابالغہ اور آیسہ کی عدت کے متعلق شرعی احکام

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی تعلیق میں جو ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخذ ومی کا اثر ہے، اس کی الفریابی نے سند موصول کے ساتھ روایت کی

ہے اور سورۃ الطلاق کی تفسیر میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

اور امام عبدالرحمن محمد بن ادریس بن حاتم رازی شافعی متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ از یونس از الزہری کہا ہے: اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس آیت میں ارتیاب کا کیا معنی ہے اور جس عورت کو اپنے بیٹھنے کے متعلق شک تھا اور اپنے بچے کے متعلق شک تھا اور اپنے حیض کے متعلق شک تھا، آیا اس کو حیض آیا ہے یا نہیں، اور اس کو شک تھا کہ اس کا حیض ابھی تک منقطع ہوا ہے یا ابھی اس کا حیض جاری ہے اور جس عورت کے کم سن ہونے کی وجہ سے اس کو یہ شک تھا کہ آیا وہ حیض آنے کی عمر کو پہنچ گئی ہے یا نہیں؟ اور جس کو یہ شک تھا کہ آیا وہ حاملہ ہوگئی ہے یا نہیں، پس جس کو ان تمام صورتوں میں شک ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے، اور یہ وہ ہے جس پر ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے جزم اور وثوق کیا ہے، اور اس میں اختلاف ہے کہ جس کا حیض منقطع ہوگیا جب کہ پہلے اس کا حیض جاری تھا تو اکثر شہروں کے فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ وہ حیض کا انتظار کرے یہاں تک کہ وہ اس عمر کو پہنچ جائے جس عمر میں حیض نہیں آتا، پھر وہ اس وقت نو ماہ عدت گزارے گی۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور الاوزاعی سے روایت ہے کہ وہ نو مہینے انتظار کرے گی، پس اگر اس کو حیض آ گیا تو فبہا ورنہ وہ تین ماہ عدت گزارے گی اور امام اوزاعی سے روایت ہے کہ اگر وہ نوجوان عورت ہے تو اس کے لیے بھی یہی سنت ہے، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور جمہور کی حجت ظاہر قرآن ہے، کیونکہ ظاہر قرآن میں آیسہ یعنی وہ عورت جو حیض سے ناامید ہو چکی ہے اور جو عورت نابالغہ ہو ان کے متعلق قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ وہ تین ماہ عدت گزارے گی لیکن امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا ایک قول یہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کا بھی یہی قول ہے اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم کو اس حکم کے متعلق شک ہو نہ کہ اس عورت کے حیض سے ناامید ہونے کے متعلق شک ہو۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۷۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۲۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

کتاب العدۃ

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، اس کی عدت کا بیان

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ۝

اور یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الفریعہ بنت مالک بن سنان کے متعلق فرمایا اور ان کے خاوند فوت ہو چکے تھے، آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو، حتیٰ کہ کتاب اپنی مدت کو پہنچ جائے۔

اور تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ آزاد مسلمان عورت جو کہ اپنے خاوند کی وفات سے حاملہ نہ ہو، اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے خواہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو، خواہ صغیرہ ہو یا بالغہ خواہ بالغہ ہو چکی ہو۔ (الاجماع لابن المنذر: ۴۴۱، الاقناع: ۲۳۹۰)

۹۷۷۷: ہمیں محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک بن انس نے خبر دی (الموطاج ۲ ص ۶۱-۴۶۲-۴، مسند الشافعی: ۲۴۲، ۲۴۱) اور سعید بن عبد الرحمٰن اور یحییٰ بن عبد اللہ بن سالم اور ابن لھیعہ وغیرہ نے بیان کیا کہ سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم نے ان کو حدیث بیان کی از ان کی پھوپھی حضرت زینب بنت کعب بن عجرہ، کہ الفریعہ بنت مالک بن سنان نے کہا اور یہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ ھ، کی بہن ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پوچھنے کے لیے آئیں کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس بنو خدرہ میں چلی جائیں اور ان کے خاوند اپنے ان بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں گئے ہوئے تھے حتیٰ کہ جب وہ طرف القدوم پر پہنچے تو انہوں نے ان غلاموں کو پالیا اور ان غلاموں نے ان کے شوہر کو قتل کر دیا۔ (صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۱۲۹ رقم الحدیث: ۴۲۹۲، طرف القدوم یہ حجاز کی ایک جگہ ہے اور یہ وہی جگہ ہے جس کے متعلق بعض احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طرف القدوم کے اندر ختنہ ہوا تھا) تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اجازت دیں کہ وہ اپنے گھر والوں یعنی بنو خدرہ کی طرف لوٹ جائیں، ان کے خاوند نے ان کے لیے کوئی گھر نہیں چھوڑا جس کے وہ مالک ہوں، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤں، آپ نے فرمایا: ہاں، پس وہ وہاں سے نکل کر ایک حجرہ میں گئیں یا مسجد میں گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا یا بلانے کا حکم دیا: پھر آپ نے فرمایا: میں نے تم سے کیا کہا تھا تو میں نے آپ کے سامنے وہ قصہ دہرایا جو میرے شوہر کے متعلق تھا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں ٹھہرو حتیٰ کہ کتاب اپنی مدت کو پہنچ جائے حتیٰ کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے، حضرت الفریعہ نے کہا: سو میں نے چار ماہ دس دن عدت گزاری، پھر جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ ھ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے مجھے بلوایا اور مجھ سے سوال کیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی اتباع کی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۳۰۰، سنن ترمذی: ۱۲۰۴، سنن نسائی: ۳۵۲۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۰)، یہ تمام روایات از سعد بن اسحاق مروی ہیں اور امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت الفریعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ اسی جگہ عدت گزارے گی جہاں پر وہ سکونت رکھتی تھی حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے خواہ وہ مسکن کسی غیر کی ملکیت ہو، اور اس حدیث میں یہ اجازت ہے کہ مسکن کی اضافت مساکین کی طرف کی جائے اگر چہ وہ اس کا مالک نہ ہو، اور یہ حدیث اس کے خلاف حجت ہے جس کا یہ زعم ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا وہ جہاں چاہے عدت گزارے اور اس میں دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ حکم بیان کیا ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے اوپر اس حکم کو بیان کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کے اوپر یہ واجب کیا ہے کہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ حکم واجب کیا ہے کہ جس مقام

میں وہ رہتی تھی وہیں پر عدت گزارے گی اور اس کے اوپر سوگ کرنے کو لازم کیا ہے۔ اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں زانی کے اوپر حد نازل کی ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کو شہر بدر کرنے کا حکم نازل کیا ہے۔
(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج۹ ص ۵۰۳-۵۰۵، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ کس جگہ عدت گزارے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے الفریعہ بنت مالک سے فرمایا: کہ تم اپنے گھر میں سکونت رکھو حتیٰ کہ کتاب اپنی مدت کو پہنچ جائے اور ہم بھی اسی کے مطابق کہتے ہیں، اور اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔
فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ اپنے گھر میں ٹھہرے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے، کیونکہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے جن عورتوں کے خاوند فوت ہو گئے تھے ان کو ذوالحلیفہ سے لوٹایا جب کہ وہ حج کرنے کے لیے یا عمرہ کرنے کے لیے گئی ہوئی تھیں۔
(موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۹۱، مصنف عبدالرزاق: ۱۲۰۷۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۴ ص ۱۳۰، سنن سعید بن منصور: ۱۳۴۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۳۵)
اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ سے روایت ہے کہ ان کی صاحبزادی کے خاوند فوت ہو گئے تو انہوں نے حکم دیا کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں لوٹ جائیں اور وہاں پر عدت گزاریں۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۰۷۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)
اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے حکم دیا کہ جن عورتوں کے شوہر فوت ہو گئے ہیں جب رات کا وقت ہو تو ہر عورت اپنے گھر میں لوٹ آئے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۰۶۸، ۱۲۰۶۹، سنن سعید بن منصور: ۱۳۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۳۶)
اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ یہ فرماتے تھے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ اپنے خاوند کے گھر سے نہ نکلے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۹۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۲۰۶۳)
حضرت ام سلمہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے متعلق فرمایا جس کا خاوند فوت ہو گیا تھا کہ تم رات کے دو حصوں میں سے کوئی ایک حصہ اپنے گھر میں گزارو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۰۷۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۳۶)
اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ یہ کہتے تھے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ اپنے رشتہ داروں کی زیارت کرے اور پھر اپنے گھر میں لوٹ آئے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۲)
اور یہ اللیث بن سعد اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۳۲۸، بحث مقام المتوفی عنہا زوجہا والمطلقۃ فی بیتھا)
اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں گزارے گی۔ (مسائل احمد: ۱۱۵۵)
اور امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت نہ رات کو گھر سے باہر نکلے گی اور نہ دن کو گھر سے باہر نکلے

گی یعنی جس عورت کو طلاق دی گئی ہو اور وہ عدت گزار رہی ہو یا جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور وہ عدت گزار رہی ہو تو وہ دن میں باہر نکل سکتی ہے لیکن رات بہر حال اپنے گھر میں گزارے گی۔ (المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۳۷ بحث باب العدة وخروج المراة من بیتها)

اور امام محمد بن حسن الشیبانی المتوفی ۱۸۹ھ نے کہا ہے: جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں یا ایک طلاقِ بائن دی گئی ہو یا ایک رجعی طلاق دی گئی ہو، اس عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ رات یا دن میں اپنے گھر سے باہر نکلے حتیٰ کہ اس کی عدت مکمل ہو جائے اور انہوں نے کہا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور وہ عدت وفات گزار رہی ہو اور مطلقہ عورت یہ دونوں عدت کے دوران گھر سے باہر نہیں نکلیں گی۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ جہاں چاہے عدت گزارے، یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر بن عبد اللہ متوفی ۷۸ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاة ۵۷ھ سے منقول ہے۔

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور جابر بن زید اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا بھی یہی قول ہے۔

۷۷۸۰: ہم کو الربیع بن سلیمان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم کو امام شافعی نے خبر دی (کتاب الام ج ۵ ص ۲۳۵) انہوں نے کہا: ہمیں عبد المجید نے خبر دی، از ابن جریج، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الزبیر نے خبر دی، از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ، انہوں نے کہا: میری خالہ کو طلاق دی گئی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے باغات کی کھجوروں کو کاٹنے کے لیے نکلیں تو ان کو ایک مرد نے گھر سے باہر نکلنے کے لیے منع کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے باغ کی کھجوروں کو کاٹو، شاید کہ تم ان کھجوروں کا صدقہ کرو گی اور نیک کام کرو گی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸۳ از طریق ابن جریج)

امام محمد بن ادریس الشافعی نے کہا ہے کہ انصار کے کھجوروں کے باغات ان کے گھروں کے قریب تھے اور درختوں سے کھجوروں کا اتارنا دن کے اوقات میں ہوتا تھا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۳۹-۲۴۰، بحث سکنی المطلقات ونفقتهن)

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

انصار کی کھجوروں کے باغات جیسا کہ امام شافعی نے ذکر کیا ہے ان کے گھروں کے قریب ہیں اور اس حدیث میں یہ اجازت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رات کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلنے کا حکم دیا ہو، اور نہ اس میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے گھر سے باہر رات گزاری اور جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کے لیے اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے دن کے وقت میں گھر سے باہر نکلنا جائز ہے جب کہ رات کو وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔

اور امام ابو عبید الہروی المتوفی ۲۲۴ھ یہ کہتے تھے کہ بعض احادیث میں رات کے وقت کھیتوں کی فصل کاٹنے سے ممانعت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ شاید تم اپنے باغ کے پھلوں کو صدقہ کرو گی اور نیکی کرو گی۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ دن کے وقت میں عدت گزارنے والی عورت کا اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔ اور جب کہ مساکین باغوں سے پھل اتارنے کے لیے دن کے وقت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ یہ کام رات کے اوقات میں نہیں کرتے تھے۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۰۵-۵۰۸، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

عدت گزارنے والی عورت کا حج یا عمرہ کے لیے گھر سے باہر نکلنا

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ کوئی عدت گزارنے والی عورت حج یا عمرہ کے لیے گھر سے باہر نکلے۔

سو فقہاء کی ایک جماعت نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور اس سے منع کیا ہے، پس جن فقہاء نے ان عورتوں کو جو حج کے لیے جانے والی ہوں یا عمرہ کے لیے جانے والی ہوں اور ان کے خاوند فوت ہو چکے ہوں تو جنہوں نے ان کو گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا وہ حضرت عمر بن الخطاب متوفی ۲۴ھ ہیں اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ ہیں اور القاسم بن محمد اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۲۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا جب تک اس نے احرام نہیں باندھا اس کو واپس بلایا جائے گا۔

(المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۲، بحث باب فی خروج المطلقۃ فی النھار والمتوفی عنھا زوجھا وسفرھا)

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے وہ حج نہ کرے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۳۳۰، بحث باب مقام المتوفی عنھا والمطلقۃ فی بیتھا)

فقہاء احناف نے کہا ہے: جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو اس کو حج کرنے کے لیے روانہ نہیں ہونا چاہیے اور وہ ذی محرم کے ساتھ سفر نہ کرے اور نہ غیر ذی محرم کے ساتھ سفر کرے۔

(المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۴۱، بحث باب العدۃ وخروج المراۃ من بیتھا)

اور امام ابوعبید الہروی نے اس قول کی سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ سے روایت کی ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی اور فقہاء احناف سے روایت کی ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ فرماتے ہیں: ہمارا بھی اسی طرح قول ہے

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: اس عورت کے لیے عدت کے دوران حج کے لیے روانہ ہونا جائز ہے۔

یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اور جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، یہ دونوں جب تک چاہیں عدت گزاریں اور عدت کے دوران حج کے لیے روانہ ہوں اگر وہ دونوں چاہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کی امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے روایت کی ہے۔

(المصنف: ۱۲۰۵۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۳۶)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے روایت کی ہے)۔ (المصنف: ۱۲۰۵۱،۱۲۰۵۲)

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ نے کہا ہے: جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ حج کے لیے بھی روانہ ہو اور عمرہ کے لیے بھی روانہ ہو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۰۶۰) اور الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا ہے کہ وہ عدت کے دوران حج کے لیے روانہ ہو، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت طلاق کی

عدت میں حج کے لیے روانہ ہو۔ (مسائل احمد واسحاق: ۱۱۴۱) اسی طرح اسحاق بن ابراہیم بن مخلد ابن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ جب اس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں تو وہ حج کے لیے روانہ ہو سکتی ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں: کہ ہم پہلے قول کے مطابق کہتے ہیں اور اسی قول کو اختیار کرتے ہیں۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۰۸ دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، اس کے پاس اس کے فوت ہونے کی خبر اس وقت آئے جب وہ اپنے خاوند کے گھر میں نہ ہو

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ جس عورت کے پاس اس کے خاوند کی وفات کی خبر آئی اور وہ اس گھر میں سکونت پذیر نہ ہو جس گھر میں وہ رہتی تھی۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ وہ اپنے مسکن کی طرف واپس آ جائے اور وہیں پر ٹھہرے جب تک کہ وہ کسی ایسے گھر میں آ کر نہ ٹھہرے جہاں پر وہ رہائش کا ارادہ رکھتی ہو۔

(المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۴، بحث فی رجوع المطلقۃ والمتوفی عنھن ازواجھن الی بیوتھن یعتددن فیھا)

اور ربیعہ یہ کہتے تھے کہ وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے سوائے اس صورت کے کہ جس گھر میں اس کا خاوند فوت ہوا ہے، وہ گھر اس جگہ سے بہت دور ہو اور درمیان میں کافی فاصلہ ہو۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۵)

اور حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۃ المسلمین المتوفی ۱۰۱ھ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو حکم دیا جس کا خاوند شام میں فوت ہو گیا تھا کہ وہ مصر کی طرف سفر کرے، اس سے پہلے کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور وہ اپنی عدت مصر کے گھر میں پوری کرے اور یحییٰ بن سعید انصاری یہ کہتے تھے کہ جو مرد الاسکندریہ میں فوت ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی ہے اور وہاں اس کا گھر ہے اور فسطاط میں بھی اس کا گھر ہے، اگر وہ چاہے تو وہاں عدت گزارے جہاں اس کا خاوند فوت ہوا ہے اور اگر وہ چاہے تو اپنے خاوند کے گھر کی طرف واپس آ جائے اور فسطاط میں ٹھہرے اور وہیں عدت گزارے حتیٰ کہ واپس آ جائے۔

اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ سے منقول ہے، انہوں نے کہا: اگر اس عورت کے پاس اس کے خاوند کی وفات کی خبر آئے اور وہ پہاڑ کی چوٹی پر ہو تو وہاں سے نہ نکلے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔

اور سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس کا خاوند ایک شہر کی طرف نکلا اور پھر وہیں فوت ہو گیا، آیا وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے یا اپنے گھر والوں کے گھر کی طرف لوٹ آئے؟ تو سالم نے جواب دیا: وہ وہیں عدت گزارے جہاں اس کا خاوند فوت ہوا ہے یا وہ اپنے خاوند کے گھر کی طرف لوٹ آئے۔ (المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اور فقہاء احناف نے کہا ہے: جب کسی عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دی اور وہ اس وقت اپنے گھر والوں کے گھر میں تھی یا کسی اور گھر میں ملاقات اور زیارت کے لیے گئی ہوئی تھی تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں واپس آ جائے حتیٰ کہ وہیں عدت گزارے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۳۹، بحث باب العدۃ وخروج المراۃ من بیتھا)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

میں امام مالک کے قول کے مطابق کہتا ہوں کہ وہ عورت اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے، سو وہیں عدت گزارے، سوائے اس صورت کے کہ اس گھر کے درمیان مسافتِ بعیدہ ہو یا وہ عورت حج کا احرام باندھ چکی ہو یا عمرہ کا احرام باندھ چکی ہو تو پھر وہ حج یا عمرہ کے لیے روانہ ہو حتیٰ کہ حج اور عمرہ کے مناسک کو ادا کرلے، اور اگر اس کی عدت کا کچھ وقت باقی ہو تو وہیں پر عدت گزارے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۰۹-۵۱۱، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء الحنفی المتوفی ۲۰۷ھ نے معانی القرآن مطبوعہ بیروت میں لکھا ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے اس عورت کی عدت کو جان لیا کہ جس کو حیض آتا ہے، پس اس بوڑھی عورت کی عدت کتنی ہے جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہے تو الطلاق: ۴ نازل ہوئی، پھر ایک مرد نے پوچھا: اس نابالغ لڑکی کی عدت کتنی ہوئی تو آپ نے فرمایا: وہ عورتیں جن کو حیض نہیں آیا وہ اس بوڑھی عورت کے حکم میں ہیں جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں اور ان دونوں کی عدت تین ماہ ہے، پھر ایک اور مرد کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! اور حاملہ عورتوں کی عدت کتنی ہے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ۝ (الطلاق: ۴)

اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے کام میں آسانی کردے گا ۝

پس جب اس عورت کا حمل وضع ہو جائے تو وہ اپنے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی خواہ اس کا خاوند مر چکا ہو اور وہ غسل کے لیے تخت پر ہو اور ابھی تک اس کی تدفین نہ کی گئی ہو۔ (معانی القرآن ج ۳ ص ۱۶۳، مطبوعہ بیروت)

اور امام عبد بن حمید نے بھی اپنی تفسیر میں اس اثر کا ذکر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱۸ ص ۱۶۲، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشا پوری شافعی متوفی ۴۶۸ھ نے بھی اس حدیث کی ابوعثمان عمرو بن سالم سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب سورۃ البقرہ میں عورتوں کی عدت کے متعلق احکام نازل ہوئے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ نے کہا: یارسول اللہ! اہل مدینہ کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کی عدت کے کچھ احکام باقی ہیں جن کا اس سورت میں ذکر نہیں کیا گیا، آپ نے پوچھا: وہ کیا ہیں، تو انہوں نے کہا: نابالغ لڑکیاں، بوڑھی عورتیں اور حاملہ عورتیں، تو الطلاق: ۴ نازل ہوگئی۔

(اسباب النزول ص ۴۵۸)

اور مقاتل نے اپنی تفسیر میں از حضرت خلاد انصاری رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے: یارسول اللہ! ان عورتوں کی عدت کتنی ہوگی جن کو ابھی تک حیض نہیں آیا تو یہ آیت یعنی الطلاق: ۴ نازل ہوگئی۔ (تفسیر عبد بن حمید بحوالہ السیوطی ج ۶ ص ۳۵۸، دار الفکر بیروت)

اور زجاج نے کہا ہے کہ امام مالک کا جو مذہب ہے اور جس پر لغت دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان ارتبتم کا معنی ہے: اگر

تمہیں کسی عورت کے حیض آنے یا نہ آنے کے متعلق شک ہو اور اس کا حیض منقطع ہو چکا ہو اور وہ عورت ان عورتوں میں سے ہو جن کی مثل کو حیض آتا ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب اس کو نو ماہ کی مقدار چھوڑ دیا جائے جو حمل کی مدت ہے، پھر حمل کی مدت گزارنے کے بعد وہ تین ماہ عدت گزارے، پس اگر اس کو ان تین مہینوں میں حیض آ جائے تو اس کے تین حیض پورے ہو جائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا حیض متاخر ہو جائے۔ پھر جب بھی وہ ان تین مہینوں کے قریب پہنچے گی اور اس کو حیض آ جائے گا تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ سے بھی منقول ہے۔

اور اہل عراق نے یہ کہا ہے کہ اس عورت کو چھوڑ دیا جائے گا خواہ اس کو تیس مہینوں سے زیادہ گزر جائیں اور اگر اس کے اوپر ستر مہینے گزر گئے حتیٰ کہ وہ اتنی عمر کو پہنچ گئی جتنی عمر میں حیض نہیں آتا۔

(مختصر اختلاف العلماء لامام ابی بکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی ۳۷۰ھ، ج ۲ ص ۳۸۲، دار البشائر الاسلامیہ ۱۴۱۷ھ)

انہوں نے کہا: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس عورت کو اس سے زیادہ مدت کے لیے مبتلا کر دیتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّالّٰٓئِیۡ لَمۡ یَحِضۡنَ ؕ وَ اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ یُسۡرًا ○ (الطلاق: ۴)

اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا ○

امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں ان کی عدت کے متعلق شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے، لیکن بہت بوڑھی عورت جس کی مثل کو حیض نہیں آتا اور وہ نابالغ لڑکی جس کے متعلق کوئی شک نہیں ہے کہ اس کی مثل کو حیض نہیں آتا تو امام مالک کے نزدیک اس کی طلاق میں کوئی عدت نہیں ہے۔ اور امام مالک اور دوسرے فقہاء کے نزدیک اس پر اجماع ہے کہ جو عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو اور تین ماہ کی مدت گزرنے کے بعد اس کو حیض نہ آئے اور قرآن عظیم میں اس کے متعلق کوئی نص صریح نہیں ہے، تو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ (النوادر والزیادات، ج ۵ ص ۲۴)

رہی وہ نابالغ لڑکی جس کی مثل کے ساتھ وطی نہیں کی جاتی، پس اگر اس کے خاوند نے اس کے ساتھ دخول کیا اور اس کے ساتھ وطی کر لی پس گویا کہ اس نے اس کو زخمی کر دیا اور امام مالک کے نزدیک اس پر عدت نہیں ہے، سوائے اس صورت کے کہ اس کی مثل وطی کی صورت کے اندر سلامت رہتی ہو، اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ وہ عورت جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو اور اس میں کوئی شک نہ ہو تو واجب ہے کہ وہ تین ماہ عدت گزارے۔ اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو زیادہ بوڑھی ہونے کی وجہ سے اس کی عدت تین ماہ ہے، اور اسی طرح سے وہ نابالغ لڑکی جس کو ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، اس کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ (الموطا امام مالک ص ۳۶۰)

اور علامہ ابن القاسم مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ وہ اس دن سے عدت گزارے گی جس دن اس کا حیض مرتفع ہوا ہو، نہ اس دن سے عدت گزارے گی جس دن اس کو طلاق دی گئی ہو، وہ نو ماہ تک انتظار کرے گی اور اس کو حیض نہ آیا تو پھر وہ تین ماہ مزید عدت گزارے گی اور اگر اس کو اس سے پہلے حیض آ گیا کہ وہ یہ مدت مکمل کرتی تو امام اوزاعی نے کہا کہ جب مرد نے اپنی اس بیوی کو طلاق دی اور وہ جوان تھی اور اس کا حیض مرتفع ہو گیا اور اس نے تین ماہ تک کوئی چیز نہیں دیکھی تو وہ ایک سال عدت گزارے

گی۔ (مختصر اختلاف العلماء لا مام ابی بکر احمد بن علی الجصاص رازی الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ ج ۲ ص ۳۸۲، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۱۷ھ)

(الاستذکار لعلامہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، ج ۱۸ ص ۹۵-۹۶، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور اللیث اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: جس عورت کا حیض مرتفع ہو جائے اور وہ عورت غیر آیسہ ہو یعنی وہ حیض آنے سے مایوس نہ ہوئی ہو تو اس کی عدت ہمیشہ حیض ہے، اور اگر دو حیضوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو حتیٰ کہ وہ عورت اس عمر میں داخل ہو جائے جس عمر میں اس کی مثل کو حیض نہیں آتا، تو اس کی عدت دوبارہ وہ شروع ہوگی جو حیض سے مایوس عورت کی عدت ہوتی ہے یعنی تین ماہ اور یہ مذہب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت زید بن ثابت متوفی ۴۵ھ سے منقول ہے۔ اور امام مالک نے اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کے قول سے استدلال کیا ہے اور اسی قول کے مطابق انہوں نے بھی فتویٰ دیا ہے اور اہلِ مدینہ نے بھی اس پر عمل کیا ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء لا مام ابی بکر احمد بن علی الجصاص رازی الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ ج ۲ ص ۳۸۲، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۱۷ھ)

(الاستذکار لعلامہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، ج ۱۸ ص ۹۵، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

فقہاءِ احناف نے ظاہرِ قرآن پر عمل کیا ہے اور ظاہرِ قرآن میں حیض والی عورتوں کی عدت وہ نہیں ہے جو حیض سے مایوس عورت کی عدت ہے اور جو نابالغہ کی عدت ہے، سو جو عورت ان میں سے نہ ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے، خواہ وہ حیض ایک دوسرے سے کتنے ہی فاصلہ پر کیوں نہ ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح: ج ۲۵ ص ۴۹۷-۵۵۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

احکام العدۃ

شیخ ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ احکام عدت کے متعلق لکھتے ہیں:

۱۹۸۴۔ مسئلہ: عدت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جس شخص نے نکاح کے بعد ایک مرتبہ یا زیادہ مرتبہ وطی کی اور پھر اس نے طلاق دی۔

(۲) عدتِ وفات، خواہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ وطی کی ہو یا نہ کی ہو۔

(۳) جس عورت کو آزاد کر دیا گیا ہو، جب اس نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا ہو اور اپنے خاوند سے علیحدگی کو اختیار کر لیا ہو، سو یہ اسی عورت کے ساتھ خاص ہے نہ کہ فسخ کی باقی صورتوں کے ساتھ، اس کی عدت وہی ہے جو مطلقہ کی عدت ہوتی ہے برابر برابر۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ عدتِ طلاق اور عدتِ وفات قرآن مجید میں مذکور ہے، اور اسی طرح جس عورت کو طلاق دی گئی اور اس عورت کے ساتھ طلاق دینے والے نے اس نکاح میں وطی نہیں کی تو اس کی عدت ساقط ہے۔

رہی وہ عورت جس کو آزاد کیا گیا ہے اور اس نے اپنے نکاح کے فسخ کو اختیار کر لیا، اسی طرح ہم نے اس حدیث کی روایت کی ہے از ابوداؤد، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عفان بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند ایک سیاہ فام غلام تھے جن کا نام مغیث تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ کو خیار دیا اور حکم دیا کہ وہ عدت گزاریں۔

شیخ ابومحمد ابن حزم الظاہری اندلسی نے کہا: اگر اس عورت کی عدت اس کے سوا ہو جو قرآن مجید میں مذکور ہے تو اس کو ضرور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقینی طور پر بیان فرماتے اور ہم نے کہا: یہ عدت طلاق ہے کیونکہ یہ زندہ کی عدت ہے نہ کہ مردہ کی عدت، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر سے علیحدہ ہو کر عدت گزارے اور اس کا شوہر زندہ ہے تو یہ وہ عدت ہے جو زندہ سے مفارقت کی یقینی طور پر عدت ہے۔

رہی فسخ کی وجوہ کی باقی صورتیں، عام ازیں کہ وہ نکاح صحیح سے ہو یا عقدِ فاسد سے ہو ان میں سے کسی کی بھی عدت نہیں ہے، کیونکہ اس عدت کو نہ قرآن نے واجب کیا ہے نہ سنت نے واجب کیا ہے اور قرآن وسنت کے علاوہ اور کوئی چیز حجت نہیں ہے، اور طلاق صرف نکاح صحیح میں ہوتی ہے۔

اسی طرح اس کی بھی عدت وفات نہیں ہے جس کے نکاح کا عقد صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نہ عدتِ طلاق کو واجب کیا ہے نہ عدتِ وفات کو واجب کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے صرف اسی کی عدت کو واجب کیا ہے جس کا اپنے شوہر سے عقدِ صحیح ہو اور جس کا عقد فاسد ہے وہ اس کا خاوند نہیں ہے، سو نہ اس کی طلاق ہے اور نہ اس کے لیے مفارقت کے بعد عدت طلاق ہے اور نہ اس کے خاوند کی وفات کے بعد اس کے لیے عدتِ وفات ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (الطلاق:۱) اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

پس اگر وہ یہ کہے کہ ہم ہر فسخ کو المعتقہ پر قیاس کرتے ہیں جو اپنے خاوند سے فراق کو اختیار کرتی ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ پورا قیاس باطل ہے، پھر اگر یہ برحق ہوتا تو یہ عینِ باطل ہوتا، کیونکہ فسخ نکاح کی تمام صورتوں میں نکاح کو فسخ کرنے والے کے لیے کوئی اختیار نہیں ہوتا سوائے المعتقہ کے، اور اس پر بلا خلاف اجماع ہے، اور جو عدتِ واجبہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم ہے۔ اور ان میں سے کوئی چیز استبراءِ رحم کی وجہ سے نہیں ہے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے مخالفین مخالفت نہیں کرتے، کہ وہ کم عمر لڑکی جس سے وطی کی گئی ہو جو حاملہ نہیں ہو سکتی، اور وہ بوڑھی عورت جو حاملہ نہیں ہوتی تو ان کی عدت طلاق میں اور وفات میں تین ماہ ہے۔ اور اگر وہ عدتِ طلاق میں کم سن لڑکی سے متعلق ہماری مخالفت کریں تو ہمارے قول کی صحت اور ان کے قول کے بطلان پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَالّٰٓـئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـئِیْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ○ (الطلاق:۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں، اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا○

اسی طرح ان کا اس میں بھی اختلاف نہیں ہے، وہ خصی جس کا اتنا ذکر باقی ہو جس سے وہ دخول کر سکے تو اس کی عورت پر بھی عدت ہے تو یقینی طور پر اس کا بچہ کبھی بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ان کا اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ جس نے اپنی عورت سے ایک مرتبہ وطی کی، پھر وہ اس سے دس سال تک غائب رہا، پھر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی بیوی پر کوئی عدت نہیں ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس صورت میں بھی اس کی بیوی حاملہ نہیں ہوگی اور اگر عدت حمل کے خوف کی وجہ سے ہوتی تو

اس کے لیے ایک حیض کافی تھا۔ (المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۲۶-۲۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ھ)

نابالغ لڑکیوں اور بوڑھی عورتوں کی عدت

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ طلاق کی آیت کریمہ ذکر فرمائی ہے جس میں دو قسم کی عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے، ایک وہ عورتیں جو سن یاس کو پہنچ جائیں اور ان کو حیض آنا بند ہو جائے اور دوسری وہ بچیاں جن کو حیض آنا ابھی شروع نہیں ہوا، ان دونوں قسم کی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے۔ آیت کریمہ میں "ان ارتبتم" کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے ان لم تعلموا یحضن یعنی "ان ارتبتم" کے معنی یہ ہیں کہ تم کو معلوم نہ ہو کہ ان عورتوں کو ابھی حیض آئے گا یا نہیں، جن عورتوں کے حیض آنے اور نہ آنے کے متعلق تم کو شک اور ارتیاب ہو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں "ارتیاب فی اتیان الحیض وفی عدم اتیان الحیض" مراد نہیں یعنی حیض آنے نہ آنے میں شک وارتیاب مراد نہیں بلکہ ارتیاب فی الحکم مراد ہے یعنی مذکورہ دونوں قسم کی عورتوں کے حکم میں اگر تم کو شک اور ارتیاب ہے کہ ان کی عدت کا قانون کیا ہونا چاہیے اور ان کے لیے شریعت کا کیا فیصلہ ہے تو ان کی عدت تین ماہ بتادی گئی ہے۔

چنانچہ واحدی نے اس آیت کریمہ کی شان نزول میں روایت نقل کی ہے کہ سورہ بقرہ میں جب عدت کی آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ بعض عورتیں ایسی باقی رہ گئی ہیں کہ ان کی عدت کا حکم نازل نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کونسی عورتیں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا الصغار والکبار وذوا الحمل، یعنی بچیاں اور سن یاس تک پہنچ جانے والی بوڑھی عورتیں اور حاملہ عورتیں، تو اس پر مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۳) مجاہد کی تعلیق باب کو فریابی نے موصولاً نقل کیا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۹۳)

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق ص ۵۵۱-۵۵۰، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۳۹۔ باب: وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے

یہ باب الطلاق: ۴ کی تفسیر سے متعلق ہے۔

۵۳۱۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمُزَ الْأَعْرَجِ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ عَنْ أُمِّهَا أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَسْلَمَ يُقَالُ لَهَا سُبَيْعَةُ كَانَتْ تَحْتَ زَوْجِهَا تُوُفِّيَ عَنْهَا وَهِيَ حُبْلَى فَخَطَبَهَا أَبُو

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از جعفر بن ربیعہ از عبد الرحمن بن ہرمز الاعرج، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ زینب ابنۃ ابی سلمہ نے ان کو خبر دی از ام خود، حضرت ام سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ قبیلہ اسلم کی ایک عورت جس کو سُبیعہ کہا جاتا تھا، وہ

السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ فَأَبَتْ أَنْ تَنْكِحَهُ فَقَالَ وَاللهِ مَا يَصْلُحُ أَنْ تَنْكِحِيهِ حَتَّى تَعْتَدِّي آخِرَ الْأَجَلَيْنِ فَمَكُثَتْ قَرِيبًا مِنْ عَشْرِ لَيَالٍ ثُمَّ جَائَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ انْكِحِي۔

اپنے خاوند کے نکاح میں تھیں جو فوت ہو گیا تھا اور اس وقت یہ حاملہ تھیں، پس سُبیعہ کو ابوالسنابل بن بعکک نے نکاح کا پیغام دیا، سو اس نے انکار کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے، تو ابوسنابل نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس سے نکاح کرو حتیٰ کہ تم دو عدتوں میں سے جس کی مدت زیادہ ہے وہ عدت گزار لو، وہ تقریباً دس راتیں ٹھہری رہیں، اور پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نکاح کر لو۔

امام بخاری نے اس حدیث کی ایک اور سند کے ساتھ روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی، انہوں نے بتایا کہ ایک مرد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس نے کہا: مجھے اس عورت کے متعلق فتویٰ دیں جس کے ہاں اپنے خاوند کی وفات کے چالیس راتوں کے بعد بچہ پیدا ہو گیا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس کی عدت وہ ہے جس کی مدت دو عدتوں میں سب سے زیادہ ہے، تو میں نے کہا یعنی حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

حضرت ابوہریرہ نے کہا: میں اپنے بھتیجے یعنی ابوسلمہ کے ساتھ تھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کریب کو حضرت ام سلمہ کی طرف بھیجا اور ان سے اس کے متعلق سوال کیا، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت سُبیعہ الاسلمیہ کے خاوند شہید ہو گئے اور وہ اس وقت حاملہ تھیں، پھر ان کی شہادت کے چالیس راتوں کے بعد ان کو نکاح کا پیغام دیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح کر دیا اور ابوسنابل بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس کو نکاح کا پیغام دیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۴۹۰۹، ۵۳۱۸، صحیح مسلم: ۱۴۸۵، سنن ترمذی: ۱۱۹۴، سنن نسائی: ۳۵۱۱، مسند احمد: ۲۶۱۱۸، موطا امام مالک: ۱۲۵۳، سنن دارمی: ۲۲۷۹)

ابوسنابل کا سُبیعہ کو غلط مسئلہ بتلانا تا کہ وہ کسی اپنی پسند کے جوان آدمی کے رشتہ کو ترک کر کے اس جیسے بوڑھے آدمی کے رشتہ پر راضی ہو جائے

نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کہ ابوسنابل بوڑھا شخص تھا، پھر ابوبشر بن حارث نے جو جوان شخص تھا، اس کو نکاح کا پیغام بھیجا، وہ عورت راضی ہو گئی اور بناؤ سنگھار کرنے لگی، تو ابوسنابل نے کہا کہ تم اس سے نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ دو مدتوں میں سے جو مدت زیادہ لمبی ہے وہ پوری نہ ہو جائے، ابوسنابل نے اس عورت کو یہ غلط مسئلہ بتایا تھا، اس لیے اس کو تھڑ کا یا یعنی گمراہ کیا تا کہ وہ عورت بالفعل اپنا نکاح ملتوی کر دے، اس عورت کے عزیز واقارب اس وقت موجود نہ تھے۔ اس کا خیال تھا کہ جب اس عورت کے عزیز واقارب آجائیں گے

تو وہ اس کو سمجھا کر مجھ سے نکاح کرنے پر راضی کرلیں گے۔ (تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۳ نعمانی کتب خانہ جون ۱۹۹۰ء)

۵۳۱۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ عَنِ اللَّيْثِ عَنْ يَزِيدَ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى ابْنِ الْأَرْقَمِ أَنْ يَسْأَلَ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةَ كَيْفَ أَفْتَاهَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَتْ أَفْتَانِي إِذَا وَضَعْتُ أَنْ أَنْكِحَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی از اللیث از یزید کہ ابن شہاب نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ نے ان کو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے یہ خبر دی، کہ انہوں نے زید بن ارقم کی طرف مکتوب لکھا اور ان سے سُبیعہ اسلمیہ کے متعلق دریافت کیا کہ نبی ﷺ نے ان کے متعلق کیا فتویٰ دیا تھا، تو سبیعہ اسلمیہ نے بتایا کہ مجھے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب میرے ہاں بچہ ہو جائے تو میں نکاح کر سکتی ہوں۔

امام بخاری نے اس حدیث کی درج ذیل دوسری روایت کی ہے:

اور اللیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے حدیث بیان کی کہ ان کے والد نے حضرت عمر بن عبد اللہ بن ارقم الزہری کی طرف مکتوب لکھا، اس میں یہ حکم دیا کہ وہ سُبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کی حدیث کے متعلق سوال کریں اور یہ کہ جب انہوں نے نبی ﷺ سے اپنے نکاح کے متعلق سوال کیا تو نبی ﷺ نے ان کو کیا جواب دیا، پھر عمر بن عبد اللہ بن الارقم نے عبد اللہ بن عتبہ کی طرف مکتوب لکھا اور اس میں یہ خبر دی کہ سُبیعہ بنت الحارث نے ان کو خبر دی کہ وہ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان کا تعلق بنو عامر سے تھا اور یہ ان صحابہ میں سے تھے جو غزوہ بدر میں حاضر تھے، پس وہ حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اور اس وقت وہ حاملہ تھیں، پس وہ چند دن ٹھہریں یہاں تک کہ ان کے ہاں ان کی شوہر کی وفات کے بعد بچہ ہو گیا، پھر جب وہ نفاس سے فارغ ہو گئیں تو انہوں نے نکاح کا پیغام دینے والوں کے لیے بناؤ سنگھار کیا، تو ان کے پاس ابو سنابل بن بعکک داخل ہوئے، یہ بنو عبد الدار سے تعلق رکھنے والے ایک مرد تھے، اس نے ان سے کہا: کیا وجہ ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے نکاح کا پیغام دینے والوں کے لیے بناؤ سنگھار کیا ہے، کیا تم نکاح کی توقع رکھتی ہو؟ پس بیشک اللہ کی قسم! تم اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتیں حتیٰ کہ تمہارے اوپر چار مہینے دس دن کی مدت نہ گزر جائے۔ سُبیعہ نے کہا: جب ابو سنابل نے مجھ سے کہا تو میں نے اپنے کپڑے اکٹھے کیے حتیٰ کہ میں شام کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور میں نے آپ سے اس معاملہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے مجھے یہ جواب دیا کہ جب میرا وضع حمل ہو گیا اور میرے ہاں بچہ ہو گیا تو میری عدت پوری ہو گئی اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں جس کو پسند کروں اس سے نکاح کرلوں۔

(صحیح البخاری: ۳۹۹۱، ۵۳۱۹، صحیح مسلم: ۱۴۸۴، سنن نسائی: ۳۵۱۸، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۶، سنن ابن ماجہ: ۲۰۲۸، مسند احمد: ۲۶۸۸۹)

نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ نے کہا ہے کہ آیت مبارکہ:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

اس آیت کی مخصص ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (البقرہ:۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے منقول ہے کہ اس عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے یعنی دو مدتوں میں سے جس کی مدت زیادہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کا بھی یہی قول ہے، لیکن باقی تمام صحابہ اس کے خلاف ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس قول سے رجوع بھی منقول ہے، اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ یہ کہتے تھے کہ جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرنے پر حاضر ہوں کہ سورہ طلاق آخر میں اتری ہے اور اس سے یہ آیت "وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (البقرہ:۲۳۴)" منسوخ ہوگئی ہے۔ (تیسیر الباری ج۵ ص ۲۴۳ نعمانی کتب خانہ لاہور جون ۱۹۹۰ء)

۵۳۲۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ تَنْكِحَ فَأَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ۔

(سنن نسائی:۳۵۰۶، سنن ابن ماجہ:۲۰۲۹، مسند احمد: ۱۸۴۳۸، موطا امام مالک:۱۲۵۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، کہ سبیعہ اسلمیہ کے خاوند کی وفات ہوگئی اور اس کی چند راتوں کے بعد انہوں نے بچے کو جنم دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ کسی اور سے نکاح کر لیں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے نکاح کر لیا۔

عدتِ طلاق اور عدتِ وفات کی انواع

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۗ (الطلاق:۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

پس اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ ہر حاملہ مطلقہ کی عدت جس سے اس کا خاوند رجوع کا مالک ہو یا رجوع کا مالک نہ ہو خواہ وہ عورت آزاد ہو یا باندی ہو یا مدبرہ ہو یا مکاتبہ ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ اس کا وضع حمل ہو جائے، اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے۔

(الاجماع:۴۳۵، الموطا امام مالک:۸۴، مصنف عبد الرزاق:۱۱۷۱۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج۷ ص ۴۳۰)

ان تینوں نے از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر روایت کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا اس عورت سے متعلق جس کا خاوند فوت ہو گیا

اور وہ حاملہ تھی؟ تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا: جب اس کا وضع حمل ہو گیا تو وہ دوسرے شوہر سے نکاح کے لیے حلال ہو گئی، پھر انصار کے ایک مرد نے ان کو خبر دی کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے پاس تھے، انہوں نے اس کا اسی طرح ذکر کیا۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۸ ص ۱۱۷)

اور اس میں اختلاف ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو گیا اس کی عدت کتنی ہو گی، تو اکثر اہل علم نے کہا ہے کہ اس کی عدت یہ ہے کہ اس کا حمل وضع ہو جائے، خواہ اپنے خاوند کی وفات کے ایک دن بعد اس کا وضع حمل ہو جائے یا ایک گھنٹہ بعد اس کا وضع حمل ہو جائے، یہ حدیث حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ اگر اس کا وضع حمل ہوا اور اس کا خاوند میت کے غسل کے تختہ پر تھا تب بھی وہ حلال ہو جائے گی۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۷۱۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۳۰، موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۸۹)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ، کا بھی یہی قول ہے۔ اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور الزہری متوفی ۱۵۲ھ اور قتادہ بن دعامہ بن عزیز البصری متوفی ۱۱۷ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور سفیان بن سعید بن المسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام اوزاعی اور الحارث العکلی اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام ابو عبید الہروی متوفی ۲۲۷ھ اور ابو ثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے۔

(شرح زرقانی ج ۳ ص ۲۸۶، کتاب الام ج ۵ ص ۳۸۲، بحث عدۃ الوفات، المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۳۵، بحث باب العدۃ وخروج المرأۃ من بیتھا)

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشا پوری المتوفی ۳۱۸ھ فرماتے ہیں:

ہم بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ یہ اقوال اور مذاہب قرآن مجید کی ظاہر آیت کے موافق ہیں:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت سُبیعہ کو نکاح کرنے کی اجازت دی۔ (صحیح البخاری: ۳۹۹۱، صحیح مسلم: ۱۴۸۴)

۴۸۷۷: ہمیں ابراہیم بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں یزید بن ہارون نے خبر دی، از یحییٰ بن سعید از سلیمان بن یسار، ان کو ابو سلمہ نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ ابو سلمہ اور حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے آپس میں یہ ذکر کیا کہ ایک مرد اپنی بیوی سے فوت ہو گیا اور اس کی موت کی چند راتوں کے بعد بچہ پیدا ہوا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس کی عدت آخر الاجلین، یعنی دو عدتوں میں سے جس کی مدت سب سے زیادہ ہو، وہ اس کی عدت ہے، تو ابو سلمہ نے ان سے کہا کہ جب اس کا بچہ پیدا ہو گیا تو وہ عورت نکاح کرنے کے لیے حلال ہو گئی، پھر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے آپس میں بحث کی، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنے بھتیجے یعنی حضرت ابو سلمہ کے ساتھ ہوں، پھر انہوں نے حضرت ابن عباس کے آزاد شدہ غلام کریب کو حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا تو حضرت ام سلمہ نے کہا کہ حضرت سُبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ کے خاوند فوت ہو گئے، اس کی چند راتوں کے بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور بنو عبد الدار کے ایک مرد نے ان کو نکاح کا پیغام دیا اور ان کو یہ خبر دی کہ وہ حلال ہو چکی ہیں، پس انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کر لیں تو ان سے ابو سنابل نے کہا کہ تم حلال نہیں ہو، پھر حضرت سُبیعہ نے اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان

کو حکم دیا کہ وہ نکاح کر لیں۔ (صحیح مسلم:۱۴۸۵، صحیح البخاری:۴۹۰۹)

اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی عدت آخر الاجلین ہے یعنی دو عدتوں میں سے جس کی مدت زیادہ ہو وہ اس کی عدت ہے، یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے منقول ہے۔

(سنن سعید بن منصور:۱۵۱۶، مصنف عبدالرزاق:۱۱۷۱۴، سنن سعید بن منصور:۱۵۱۸، مصنف عبدالرزاق:۱۱۷۱۲)

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ نے اس قول کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (سنن سعید بن منصور:۱۵۲۳)

اور حماد بن ابی سلیمان استاذ امام ابوحنیفہ المتوفی ۱۲۰ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت اس وقت تک نکاح نہ کرے حتیٰ کہ غسل کر لے اور باقی اہل علم نے اس کو حالتِ نفاس میں بھی نکاح کی اجازت دی ہے اور علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں: اور ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں کیونکہ یہ قول ظاہر کتاب اور سنت کے موافق ہے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج۹ ص۵۲۹،۵۲۷، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

جس حاملہ عورت کے پیٹ میں دو بچے ہوں اس کی عدت ختم ہونے کا بیان

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہل علم نے یہ کہا ہے کہ اس عورت کی عدت ختم نہیں ہوگی حتیٰ کہ اس کے پیٹ میں جو کچھ بھی ہے اس کا وضع حمل ہو جائے۔ یہ قول حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے منقول ہے اور اسی قول کے مطابق عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور سعید ابن المسیب متوفی ۹۰ھ اور سلیمان بن یسار اور ابن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ھ اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن وغیرہم کے اقوال ہیں۔

ابوزناد عبداللہ بن ذکوان متوفی ۲۴۲ھ نے اس قول کی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی ہے۔

(المدونۃ ج۲ ص۲۳۳، بحث کتاب الرجعت)

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔

(کتاب الام ج۵ ص۳۱۹، بحث عدۃ الحامل)

اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج۲ ص۳۴، بحث باب المستحاضہ)

اور اسی طرح امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور کا قول ہے۔ (مسائل احمد واسحاق:۹۴۴)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

ہم بھی اس قولِ اول کے مطابق کہتے ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ

اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو اجرت دو۔

(الطلاق:۶)

اور وہ عورت جس کے پیٹ میں بچہ غیر واضح ہو اور وہ نماز کو نہ چھوڑتی ہو اور اس کے لیے نفاس کا حکم صرف آخر اولاد سے ہو، پس

اگر اس کے شوہر نے اس کو طلاقِ رجعی دی اور بچہ کا بعض حصہ پیٹ سے باہر آ گیا تو اس کے لیے اس سے رجوع کرنا جائز ہے حتیٰ کہ بچہ ظاہر ہو جائے، کیونکہ بچے کا بعض حصے کا حمل غیر واضع ہے، اور یہ قول عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ سے منقول ہے۔ اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے قول پر مبنی ہے اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق کے اقوال پر مبنی ہے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۳۱۹ بحث عدۃ الحامل) (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۲۹-۵۳۰، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

ناتمام بچے کی عدت پوری ہونے کا بیان

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

وہ تمام اہل علم جن کے اقوال محفوظ ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ جو عورت مطلقہ ہو اس کا جب ناتمام بچہ پیدا ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ یہ اس کی اولاد ہے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ (الاجماع: ۴۴۶)

اسی طرح حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور محمد بن سیرین اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ھ کا قول ہے۔ اور اسی طرح حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ کا قول ہے۔ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کا قول ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۲۳۷، بحث دعوی المرأۃ انقضاء عدتها)

امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے۔ (مسائل احمد واسحاق: ۹۴۴)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۳۰، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۸ میں امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از جعفر بن ربیعہ از عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ زینب ابنۃ ابی سلمہ نے ان کو خبر دی از ام خود، حضرت ام سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ قبیلہ اسلم کی ایک عورت جس کو سُبیعہ کہا جاتا تھا، وہ اپنے خاوند کے نکاح میں تھیں جو فوت ہو گیا تھا اور اس وقت یہ حاملہ تھیں، پس سُبیعہ کو ابوالسنابل بن بعکک نے نکاح کا پیغام دیا، سو اس نے انکار کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے، تو ابوسنابل نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم مجھ سے نکاح کرو حتیٰ کہ تم دو عدتوں میں سے جس کی مدت زیادہ ہے وہ عدت گزار لو، وہ تقریباً دس راتیں ٹھہری رہیں، اور پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نکاح کر لو۔

صحیح البخاری: ۵۳۱۹ میں امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی از اللیث از یزید کہ ابن شہاب نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ نے ان کو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے یہ خبر دی، کہ انہوں نے زید بن ارقم کی طرف مکتوب لکھا اور ان سے سُبیعہ اسلمیہ کے متعلق دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق کیا فتویٰ دیا تھا، تو سبیعہ اسلمیہ نے بتایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب میرے ہاں بچہ ہو جائے تو میں نکاح کر سکتی ہوں۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، ان حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو عورت اپنے بڑھاپے کی وجہ سے حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہو، اس کی عدت تین ماہ ہے اور جس

عورت کو ابھی حیض نہ آیا ہو تو کم عمر ہونے کی وجہ سے اس کی عدت بھی تین ماہ ہے۔

جس نوجوان عورت کا حیض مرتفع ہو گیا ہو اور اس عورت کی مثل سے حیض آنا ممکن ہو، اس کی عدت کے متعلق فقہاء کے اقوال

اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی جوان عورت کا حیض نہ آئے جب کہ اس کی مثل عورت کا حیض آنا ممکن ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس عورت کو بھی طلاق دی گئی پھر اس کو ایک حیض آیا یا دو حیض آ گئے، پھر اس کا حیض مرتفع ہو گیا تو وہ نو مہینے تک انتظار کرے، پھر اگر اس کا حمل ظاہر ہو گیا تو فبہا ورنہ وہ نو مہینے کے بعد تین مہینے انتظار کرے۔ پھر وہ عدت سے حلال ہو جائے گی اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جس عورت کی عدت میں شک ہو تو حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے مروی ہے اور یہی امام مالک اور امام اوزاعی کا قول ہے کہ اس کی عدت ایک سال ہے۔

اور ابن القاسم مالکی نے کہا کہ وہ اس دن سے عدت گزارے گی جس دن اس کا حیض مرتفع ہو گیا نہ اس دن سے جس دن اس کو طلاق دی گئی، وہ نو مہینے انتظار کرے گی، پس اگر اس کو ان ایام میں حیض نہیں آیا تو وہ تین ماہ عدت گزارے گی اور اگر اس کو تین ماہ مکمل ہونے سے پہلے حیض آ گیا تو از سر نو حیض کا شمار ہو گا اور امام اوزاعی نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ نوجوان عورت تھی، پھر اس کا حیض مرتفع ہو گیا اور اس نے کوئی چیز نہیں دیکھی تو وہ ایک سال تک عدت گزارے گی۔

جو عورت نہ حیض سے مایوس ہو اور نہ وہ عورت نابالغہ ہو، اس کی عدت کے متعلق امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مسالک

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور اللیث اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: جس عورت کا حیض مرتفع ہو جائے اور وہ حیض آنے سے مایوس نہ ہو تو اس کی عدت ہمیشہ حیض ہے، اور اگر دو حیضوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو حتیٰ کہ وہ عورت اس عمر میں داخل ہو جائے جس عمر میں اس کی مثل عورتوں سے حیض نہیں آتا تو وہ اس عورت کی عدت دوبارہ گزارے گی جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو اور وہ عدت تین ماہ ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت زید بن ثابت متوفی ۴۵ھ کا مذہب ہے۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے اس مسئلہ میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کے قول پر عمل کیا ہے، اور ان کا گمان ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، اور اہلِ مدینہ کے علماء کا عمل ہے۔ اور فقہاء احناف نے ظاہر قرآن پر عمل کیا ہے اور ظاہر قرآن میں جس عورت کو حیض آتا ہو اس کی عدت میں مہینوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور مہینوں کا دخل صرف اس عورت کے متعلق ہے جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہو اور اس نابالغہ سے متعلق ہے جس کو ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، پس جو عورت نہ حیض سے مایوس ہو اور نہ بالغہ ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ تین حیضوں کے درمیان کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو۔

امام مالک کے دلائل

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ جس عورت کو اپنی عدت کے مہینوں کے متعلق شک ہو، تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کا حمل نو مہینے تک

مستمر رہے، کیونکہ نو مہینے کی مدت کے اندر حمل ہر حال میں ظاہر ہو جاتا ہے، پس جب یہ یقین ہو گیا کہ اس مدت میں اس کو حمل نہیں ٹھہرا تو ایک قول یہ ہے کہ ہم نے جان لیا کہ وہ عورت ان عورتوں میں سے نہیں ہے جس کو اپنی عدت کے مہینوں کے متعلق شک ہو اور نہ وہ عورت ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض آتا ہو تو وہ دوبارہ تین ماہ عدت گزارے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے متعلق فرمایا جن کو حیض نہیں آتا، اس کا قیاس ان کی عدت پر ہے جن کی عدت مہینوں سے شمار ہوتی ہے، اس کا قیاس اس عورت پر ہے جو کم سن ہو اور اس کو تین مہینوں سے پہلے حیض آجائے تو معلوم ہو گیا کہ وہ ان عورتوں میں سے ہے جنہیں حیض آتا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ دوبارہ تین حیض کو شمار کرے۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق:۴)

کیونکہ اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے کہ اکثر علماء اس پر متفق ہیں اور اسی کے اوپر عمل جاری ہے، کہ جب حاملہ عورت کا وضع حمل ہو گیا تو اس کی عدت پوری ہو گئی اور ان کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت ہر عدت گزارنے والی عورت کے متعلق عام ہے، خواہ وہ عدتِ طلاق ہو یا عدتِ وفات ہو، کیونکہ یہ آیت مجمل ہے اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ بالخصوص مطلقہ کے لیے ہے اور نہ اس میں یہ ذکر ہے کہ یہ بالخصوص اس عورت کے لیے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، پس یہ ہر عدت گزارنے والی عورت کے حق میں عام ہے، تو واجب ہے کہ اس کی عدت حیض سے ہو اور تین مہینے کی مدت مطلقہ کے لیے اس وقت ہے جب وہ حاملہ نہ ہو جیسا کہ اس کے متعلق نص صریح وارد ہے اور واجب ہے کہ اس کی عدت چار مہینے دس دن ہو جو کہ اس عورت کی عدت ہوتی ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو جب کہ وہ حاملہ نہ ہو اور واجب ہے کہ ہر وہ عورت جو حاملہ ہو اور اس کا خاوند فوت ہو چکا ہو یا اس کے خاوند نے اس کو طلاق دے دی ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ اس کا حمل وضع ہو جائے اور اس کے ہاں بچہ ہو جائے۔

مسئلہ مذکورہ کے متعلق دوسرے فقہاء کا نظریہ

دوسرے علماء نے کہا: حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس قول کی صحت پر شاہد ہے اور اسی پر علماءِ حجاز اور علماءِ عراق اور علماءِ شام کا عمل ہے اور میرے علم میں سلف صالحین میں سے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا، سوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کے، اور ایک روایت حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی بھی ہے، ان دونوں نے یہ کہا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کی عدت ابعد الاجلین ہے، یعنی چار ماہ دس دن اور وضعِ حمل، ان میں سے جس کی مدت بھی زیادہ ہو وہ اس عورت کی عدت ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے کہا کہ جب ان کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہنچا تو انہوں نے کہا: جو شخص چاہے مجھ سے اس بات کے اوپر مباہلہ کر لے کہ یہ آیت جو سورۃ النساء القصریٰ یعنی سورہ طلاق میں ہے یعنی:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق:۴)

یہ آیت اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے جو سورۃ البقرہ کی درج ذیل آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ

بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۴)

جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کرلیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اگر حضرت سُبیعہ کی حدیث نہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دو آیتوں کے متعلق بیان نہ ہوتا تو اس میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول معتبر ہوتا، اس لیے کہ یہ دو عدتیں جمع ہوگئی ہیں تو ان دو عدتوں میں سے کوئی ایک عدت بھی بغیر یقین کے خارج نہیں ہوگی، اور یقین ابعد الاجلین کے اندر ہے یعنی وضع حمل اور چار ماہ دس دن ان میں سے جس کی مدت زیادہ ہو وہی اس عورت کی عدت ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ فقہاء حجاز اور فقہاء عراق نے ام الولد کے متعلق کہا: جس کا خاوند فوت ہوگیا اور اس کا مالک بھی فوت ہوگیا اور یہ پتا نہیں چل سکا کہ ان میں سے کون پہلے فوت ہوا ہے تو انہوں نے کہا: اس کے اوپر دو عدتیں ہیں، چار ماہ دس دن اور امام شافعی کے نزدیک ایک حیض، اور یہی اس کے لیے ابعد الاجلین ہے۔

صورتِ مذکورہ میں فقہاء احناف کا مذہب

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت نے کہا: اس صورت میں کوئی حیض نہیں ہے، یعنی اس صورت میں ایک حیض کی عدت نہیں ہے، اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے کہا: اس عورت کی عدت تین حیض ہے، مگر سنت اس طرح وارد ہے کہ جس حاملہ کا خاوند فوت ہوگیا ہو تو وہ عدت پوری ہونے کے بعد کسی سے نکاح کرسکتی ہے، جیسا کہ حضرت سبیعہ کے متعلق حدیث میں ذکر ہے، اگر یہ حدیث حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو پہنچ جاتی تو وہ اس حدیث کو ترک نہ کرتے اور رہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو ان سے مروی ہے کہ انہوں نے بحث اور مناظرہ کے بعد حضرت سبیعہ کی حدیث کی طرف رجوع کرلیا اور ان کے اصحاب میں سے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور عکرمہ بن البربری متوفی ۱۰۵ھ اور جابر بن زید یہ کہتے تھے کہ جب حاملہ عورت کا حمل وضع ہوجائے تو وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے لیے حلال ہوجاتی ہے خواہ وہ اپنے خاوند کی موت کے ایک گھنٹہ کے بعد اس کا وضع حمل ہوجائے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۹۲-۳۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حاملہ عورتوں کی عدت کا بیان

حافظ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری کی درج ذیل احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۵۳۱۸: امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از جعفر بن ربیعہ از عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ زینب ابنۃ ابی سلمہ نے ان کو خبر دی از ام خود، حضرت ام سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ قبیلہ اسلم کی ایک عورت جس کو سُبیعہ کہا جاتا تھا، وہ اپنے خاوند کے نکاح میں تھیں جو فوت ہوگیا تھا اور اس وقت یہ حاملہ تھیں، پس سُبیعہ کو ابو السنابل بن بعکک نے نکاح کا پیغام دیا، سو اس نے انکار کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے، تو ابو سنابل نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم مجھ سے

نکاح کرو حتیٰ کہ تم دو عدتوں میں سے جس کی مدت زیادہ ہے وہ عدت گزار لو، وہ تقریباً دس راتیں ٹھہری رہیں، اور پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نکاح کرلو۔

۵۳۱۹: امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی از اللیث از یزید کہ ابن شہاب نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ نے ان کو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے یہ خبر دی، کہ انہوں نے زید بن ارقم کی طرف مکتوب لکھا اور ان سے سُبیعہ اسلمیہ کے متعلق دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق کیا فتویٰ دیا تھا، تو سبیعہ اسلمیہ نے بتایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب میرے ہاں بچہ ہو جائے تو میں نکاح کرسکتی ہوں۔

۵۳۲۰: امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں یحییٰ بن قضاعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام از عروہ از والد خود از حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، کہ سبیعہ اسلمیہ کے خاوند کی وفات ہوگئی اور اس کی چند راتوں کے بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ کسی اور سے نکاح کرلیں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے نکاح کرلیا۔

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں کہ:

حضرت سبیعہ کی حدیث کی شرح کتاب التفسیر میں گزر چکی ہے۔

اور لیث نے کہا ہے کہ مجھے یزید نے حدیث بیان کی از ابن شہاب اور وہ یزید بن ابی حبیب ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا اطراف میں ذکر کیا اور اس کی امام ابو نعیم اور امام طبرانی نے تصریح کی ہے۔ (المعجم الکبیر: ۷۸۴، ج ۲۴ ص ۲۹۴)

اور امام نسائی نے اس کی روایت یزید بن ابی انیسہ از یزید بن ابی حبیب از محمد بن مسلم۔ (سنن نسائی ج ۶ ص ۱۹۵)

اور رہے علامہ الدمیاطی تو انہوں نے کہا: یہ یزید بن عبد اللہ بن اسامہ بن الہاد ہے۔

اور حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی ایک اور بھی سند ہے جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں از اسحاق بن عیسیٰ روایت کی ہے انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی ابن لہیعہ نے از بکیر از بسر از ابی بن کعب کہ ان کی بیوی ام طفیل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سُبیعہ کو یہ حکم دیا تھا کہ جب ان کا حمل وضع ہو جائے تو وہ دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۷۵)

مسئلہ زیر بحث کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

قاضی اسماعیل نے کہا: کہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے اور اسی کے اوپر اکثر علماء کا عمل ہے کہ جب کسی عورت کا حمل وضع ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جاتی ہے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ الطلاق: ۴، ہر عدت گزارنے والی کے حق میں عام ہے خواہ وہ عدت طلاق ہو یا عدتِ وفات ہو، کیونکہ یہ آیت مجمل ہے، پس اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ آیت بالخصوص مطلقہ کے متعلق ہے اور نہ بالخصوص یہ ذکر ہے کہ یہ اس عورت کے متعلق ہے جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو، سو یہ آیت ہر عدت گزارنے والی عورت کے حق میں عام ہے، پس واجب یہ ہے کہ یہ عدت حیض کے ساتھ ہو اور مطلقہ کیلئے تین مہینوں کے ساتھ ہو۔

جیسا کہ صریح نص میں مذکور ہے، پس واجب ہے کہ چار مہینے دس دن تو اس عورت کی عدت ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو جب

کہ وہ حاملہ نہ ہو اور واجب ہے کہ یہ آیت ہر حاملہ عورت کے متعلق ہو جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو یا جس خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پس اس کی عدت یہ ہے کہ اس کا حمل وضع ہو جائے۔ اور اس باب کی حدیث اس پر شاہد ہے اور اسی کے مطابق علماء حجاز اور علماء عراق اور علماء شام کا عمل ہے، انہی میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ ہیں اور میرے علم کے مطابق سلف صالحین میں سے اس مسئلہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے، اور ایک روایت حضرت علی کی ہے، سو ان دونوں نے کہا: اس عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے، اگر عدت چار مہینے دس دن زیادہ ہو تو وہ عدت ہے اور اگر وضع حمل کی مدت زیادہ ہو تو وہ اس کی عدت ہے۔

اور نیز سحنون مالکی سے روایت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا اور ان کے اصحاب میں سے عطاء بن ابی رباح اور عکرمہ اور جابر بن زید نے حضرت ابن عباس کے رجوع کی تصدیق کی ہے اور انہوں نے جمہور کے قول کے مطابق کہا ہے۔ اور حماد بن ابی سلیمان استاذ امام ابو حنیفہ متوفی ۱۲۰ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت عدت سے باہر نہیں آئے گی حتیٰ کہ اس کا نفاس ختم ہو جائے اور وہ نفاس کے بعد غسل کر لے اور یہ قول حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور ابراہیم النخعی متوفی ۹۶ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ سے منقول ہے۔ (النوادر والزیادات ج ۵ ص ۲۵، الاستذکار ج ۱۸ ص ۱۷۷-۱۷۸)

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کے مذہب کی تائید

ابن القصار مالکی نے کہا: اور یہی امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کے قول کا قیاس ہے، کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں: الاقراء کا معنی حیض ہے، پس جب تین حیض گزر جائیں گے تو عورت عدت سے نہیں نکلے گی حتیٰ کہ وہ غسل کر لے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ، نے اس مسئلہ میں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، کے متعلق کہا: جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرنے پر تیار ہوں کہ یہ آیت جو سورۃ النساء القصریٰ یعنی سورۃ الطلاق میں ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ (الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

سورۃ البقرہ کی اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ۝

اور اگر حضرت سبیعہ کی حدیث نہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دو آیتوں کے متعلق بیان نہ ہوتا، تو پھر وہی قول معتبر ہوتا جو حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے، کیونکہ یہ دو عدتیں جمع ہو گئی ہیں، پس ان میں سے کوئی عدت یقین کے بغیر خارج

نہیں ہوگی اور یقین اس مسئلہ میں آخر الاجلین ہے یعنی وہ عدت جس کی مدت دونوں میں سب سے زیادہ ہے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ فقہاء حجاز اور فقہاء عراق کا اس ام الولد کے متعلق یہ قول ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور اس کا مالک بھی فوت ہو گیا ہو اور یہ معلوم نہ ہو سکا ہو کہ ان میں سے کون پہلے فوت ہوا ہے، تو اس صورت میں اس پر دو عدتیں ہیں۔ چار ماہ دس دن اور امام شافعی کے نزدیک ایک حیض اور یہ اس کے لیے آخر الاجلین ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں کوئی حیض نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک اس میں عدت تین حیض ہے، مگر سنت اس مسئلہ میں وارد ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو وہ عدت کے بعد نکاح کر سکتی ہے جیسا کہ حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ حدیث پہنچ جاتی تو وہ اس حدیث کو ترک نہ کرتے اور رہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو ان سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف بحث اور مناظرہ کے بعد رجوع کر لیا تھا۔

حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حضرت سُبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ رضی اللہ عنہا، ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ تھے جو بنو عامر بن لوی کے آزاد شدہ غلام تھے اور ان کا تعلق یمن سے تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا تعلق عجم فارس سے تھا، انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور غزوہ بدر میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی حاضر ہوئے اور مکہ میں حجۃ الوداع کے بعد فوت ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ یہ مکہ میں فوت ہو گئے اور ان کی وفات کے بعد ان کی بیوی حضرت سُبیعہ کا ان کی وفات کی چند راتوں کے بعد وضع حمل ہو گیا، اور ایک قول یہ ہے کہ پچیس راتوں کے بعد اور ایک قول ہے کہ اس سے بھی کم راتوں کے بعد وضع حمل ہو گیا۔

(الاستیعاب ج ۴ ص ۱۱۴، اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۳، تہذیب الکمال ج ۵ ۲ ص ۱۹۳)

حضرت ابوسنابل بن بعکک رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حضرت ابوسنابل بن بعکک ابن الحارث بن الصباغ بن عبدالدار بن قصی بن کلاب بن مرہ رضی اللہ عنہ ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام حبہ ہے، اور ایک قول اس کے علاوہ ہے، یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے اور یہ شاعر تھے اور یہ مکہ میں فوت ہوئے اور غزوہ بدر میں ان کو قید کیا گیا تھا۔

(الاستیعاب ج ۴ ص ۲۴۶، اسد الغابہ ج ۶ ص ۱۵۶، تہذیب الکمال ج ۳۳ ص ۳۸۵، رقم: ۷۴۱۶، الاصابہ: ج ۴ ص ۹۵، رقم: ۵۷۰)

ابن الارقم کا تذکرہ

حضرت ابن الارقم ان کا نام عبداللہ بن الارقم بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ رضی اللہ عنہ ہے، یہ فتح مکہ کے ساتھ اسلام لائے تھے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب تھے، پھر یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ کے کاتب تھے، پھر یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے کاتب تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ نے ان کو دو سال بیت المال کا عامل بنایا تھا، پھر انہوں نے استعفیٰ دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا استعفیٰ قبول کر لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق کہا کہ میں نے ان سے زیادہ کوئی اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا نہیں دیکھا۔

(الاستیعاب ج ۳ ص ۳، رقم: ۱۴۷۷، اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۷۲، تہذیب الکمال: ج ۱۴ ص ۳۰۱، رقم: ۳۱۹۰، سیر اعلام النبلاء: ج ۲ ص ۴۸۲، رقم: ۹۸)

حضرت سُبیعہ کی عدت پوری ہونے کے بعد ان کو نکاح کرنے کی رخصت عطا فرمانا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سُبیعہ نے کہا کہ میں وضع حمل کے بعد تقریباً دس راتیں ٹھہری اور الموطا میں مذکور ہے کہ ان کے شوہر کی وفات کے پندرہ دن بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، پھر ان کو دو مردوں نے نکاح کا پیغام دیا، ایک مرد نو جوان تھا اور دوسرا امرد اُدھیڑ عمر کا تھا، حضرت سُبیعہ نو جوان کی طرف مائل ہوئیں تو ادھیڑ عمر مرد نے کہا: تم کیوں بناؤ سنگھار کر رہی ہو، اور ان کے گھر والے اس وقت موجود نہیں تھے، اس ادھیڑ عمر (ابوسنابل) کو یہ امید تھی کہ جب حضرت سُبیعہ کے گھر والے آئیں گے تو وہ ان کو حضرت ابوسنابل کی طرف مائل کر لیں گے، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، آپ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا: تم جس سے چاہو نکاح کر لو۔ (الموطا بروایۃ یحییٰ ص ۳۶۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۰۲-۵۰۶، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، ۵۳۱۹، ۵۳۲۰، کی شرح از حافظ علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، میں مذکور ہے کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے ان کو خبر دی یعنی ابن عبد الاسد المخزومی کو اور یہ حدیث کتاب الطلاق کی تفسیر میں گزر چکی ہے، جس میں ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے از کریب از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، اس روایت میں مذکور ہے کہ پس حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور الاعرج کی سند کے ساتھ مذکور ہے کہ مجھے حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے ان کو خبر دی از والد خود از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، اسی طرح اعرج نے حضرت ابوسلمہ سے روایت کی اور یحییٰ بن ابی کثیر نے از حضرت ابوسلمہ از کریب از حضرت ام سلمہ روایت کی ہے جیسا کہ سورۃ الطلاق کی تفسیر میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور امام مسلم نے سلیمان بن یسار کی سند سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابوسلمہ دونوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے، پس انہوں نے کریب کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا اور ان سے اس کے متعلق سوال کیا، پس حضرت ام سلمہ نے ایک قصہ کا ذکر کیا اور کریب اعرج کی روایت کے موقع پر حاضر تھے۔

اور امام مالک نے الموطا میں از عبد ربہ بن سعید از ابوسلمہ روایت کی ہے کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا، اور امام نسائی نے داؤد بن ابی عاصم کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے ان کو خبر دی، پھر حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ کا جوان کے ساتھ قصہ تھا، وہ ذکر کیا اور کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد نے مجھے خبر دی، اور امام احمد بن حنبل نے ابن اسحاق کی سند سے ذکر کیا کہ مجھے محمد بن ابراہیم التیمی نے حدیث بیان کی از حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور یہ اختلاف اس حدیث کی صحت میں کوئی طعن پیدا نہیں کرتا، کیونکہ حضرت ابوسلمہ کا اس قصہ میں اعتبار ہے جب ان کا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا آپس میں تنازع ہوا، پس گویا کہ جب ان کو کریب سے حضرت ام سلمہ کی یہ حدیث پہنچی تو انہوں نے اس پر قناعت نہیں کی حتیٰ کہ وہ خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے اور پھر حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے جن کا یہ قصہ ہے، پھر انہوں نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد سے حاصل کیا اور یہ مرد ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت المسور بن مخرمہ ہوں، جیسا اس حدیث کی تیسری سند میں آئے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مرد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہوں، جیسا کہ امام

نسائی کی حدیث کے آخر میں آئے گا، پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس قصہ پر شاہد تھا تو ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے اس قصہ کو مبہم رکھا ہو، جب انہوں نے یہ کہا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد نے اس قصہ کی خبر دی تھی۔

اور رہا یہ کہ امام عبد بن حمید نے صالح بن ابی حسان کی روایت سے یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے اجتماع کا قصہ بیان کیا، انہوں نے مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا، پس حضرت عائشہ نے حضرت سبیعہ کی حدیث کا ذکر کیا، سو یہ روایت شاذ ہے اور صالح بن ابی حسان مختلف فیہ ہیں اور شاید کہ یہی اس وہم کا سبب ہے جس کی امام حمیدی نے از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حکایت کی ہے اور اس کا ذکر سورۃ الطلاق کی تفسیر میں ہو چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۷۰-۴۷۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۲۶-۵۳۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: ان تین حدیثوں کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی اسی طرح کی غیر محصل اور طول طویل عبارات ہیں، انہوں نے متعدد اسانید کے ساتھ روایات ذکر کی ہیں اور کوئی روایت پوری ذکر نہیں کی اور ہر روایت کا ایک حصہ ذکر کر کے اس کو چھوڑ دیا اور بعد میں دوسری روایت کو ذکر کر دیا اور ان کی شرح کا کوئی معنی حاصل نہیں ہوتا، اس لیے ان کی اس شرح کو چھوڑنے میں ہی ہماری اور قارئین کی عافیت ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، کے مشکل الفاظ کے معانی اور مبہم عبارات کے محامل اور اسمائے رواۃ کا تذکرہ

علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے:

من اسلم: یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور یہ قبیلہ اسلم بن افصی بن حارثہ بن عمرو کی طرف نسبت ہے۔

سُبیعہ: یہ سبعہ کی تصغیر ہے، سبعہ جوستہ کے بعد ہوتا ہے، یہ بنت الحارث ہیں اور ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ ہیں جن کا تعلق بنو عامر بن لوی سے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کے حلیف تھے، یہ مکہ میں حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے تھے اور یہی صحیح ہے۔

وھی حبلی: اس میں واؤ حال کے لیے ہے یعنی اس وقت حضرت سُبیعہ حاملہ تھیں۔

ابو السنابل: السنابل سُنبلۃ کی جمع ہے، (جس کا معنی خوشہ یا گچھا ہے) ان کا نام عمرو ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام حبہ بن بعکک الحجاج بن حارث ابن السباق بن عبد الدار بن قصی القرشی العبدری ہے، یہ ان لوگوں میں سے تھے جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور یہ شاعر تھے اور مکہ میں فوت ہو گئے تھے۔

حضرت سُبیعہ نے ان کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کیا: تو حضرت ابو سنابل نے کہا کہ تم لمبی مدت گزارو گی یعنی جو عدت وفات چار ماہ دس دن ہے اور جو وضع حمل کی عدت ہے ان میں سے جو زیادہ طویل مدت ہوگی وہ تمہاری عدت ہے۔

انکحی: یعنی جب ان کی عدت پوری ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم جس سے چاہو نکاح کرلو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ (الطلاق:۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں یہ بتایا کہ الطلاق:۴ میں سورۃ البقرہ کی اس آیت کی تخصیص کر دی۔

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ:۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○

اور اس حدیث کے مطابق علماء حجاز اور علماء عراق اور علماء شام کا عمل ہے اور اس میں ان کا کوئی مخالف نہیں ہے سوائے اس کے جو حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے وہ یہ کہتے تھے کہ اس عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے، بعد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۳-۴۳۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۹، کی شرح از علامہ عینی اور ابن الارقم کا تذکرہ

علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے، جو از یحییٰ بن بکیر از یزید امام بخاری نے ذکر کی ہے۔

اس حدیث میں ابن الارقم کا ذکر ہے، ان کا نام عبد اللہ بن الارقم ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح ہے، اور اس کی عبارت اس طرح ہے: از ابن شہاب انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود نے حدیث بیان کی کہ ان کے والد نے حضرت عمر بن عبد اللہ بن الارقم کی طرف مکتوب لکھا اور تمام شارحین نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ عبد اللہ بن ارقم ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ صحیح بخاری کے پہلے شارح کو اس میں وہم ہوا ہے اور پھر بعد کے تمام شارحین نے اس وہم کی اتباع کی اور عبد اللہ کا پورا نام اس طرح ہے: وہ عبد اللہ بن الارقم بن عبد یغوث بن وہب بن عبد زہرہ ہیں، وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب تھے، پھر حضرت ابو بکر کے کاتب ہوئے اور پھر حضرت عمر کے کاتب ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو دو سال بیت المال پر عامل رکھا اور پھر وہ مستعفی ہو گئے اور خلیفہ بن خیاط نے کہا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پوری مدت خلافت میں بیت المال کے اوپر عامل رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بیت المال کے عامل رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق کہا کہ میں نے کسی کو بھی ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں پایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۰، کی شرح از علامہ عینی، اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سُبیعہ کے خاوند کی وفات کے کتنے دنوں کے بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس مسئلہ میں مختلف روایات ہیں جن میں تطبیق مشکل ہے

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جو از یحییٰ بن قزعہ، امام بخاری نے ذکر کی ہے، اس حدیث میں مذکور ہے:

نفست: یہ لفظ نفاس سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ولادت ہیں، یعنی بچہ جننا۔
بلیال: یعنی خاوند کی وفات کے چند راتوں بعد، ایک روایت میں ہے کہ پچیس راتیں تھیں، ایک روایت میں ہے کہ اس سے کم تھیں اور زہری کی روایت میں ہے کہ خاوند کی وفات کے چند دنوں بعد، اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ میں اپنے خاوند کی وفات کے بعد دو ماہ ٹھہری تھی حتیٰ کہ میرے ہاں بچہ ہو گیا اور سورۃ الطلاق کی تفسیر مین گزرا ہے کہ خاوند کی وفات کے چالیس راتوں بعد، اور امام نسائی کی روایت میں ہے: بیس راتوں کے بعد، اور امام ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے: پندرہ یا بیس دنوں کے بعد، اور امام ترمذی اور امام نسائی کی روایت میں ہے: تیئس دن کے بعد یا پچیس دن کے بعد اور سنن ابن ماجہ کی روایت مین ہے: بیس دن کے بعد، اور ان روایات کے درمیان تطبیق دینا بہت مشکل ہے کیونکہ یہ قصہ ایک ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اس مدت کو مبہم رکھا گیا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۴-۴۳۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۰۱) باب عدۃ المطلقۃ والمختلعۃ

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۰ھ لکھتے ہیں:
سوال: جب کسی عورت کو اس کی نافرمانی کی وجہ سے طلاق دی گئی اور اس کی مدت ایک سال یا دو سال تک طویل ہو گئی یا اس سے کم ہو گئی اور استبراء رحم کی مدت گزر گئی تو کیا اس عورت کو عدت لازم ہو گی یا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کر لے اور اس پر کوئی عدت نہیں ہے، کیونکہ اس کو یہ علم ہے کہ اس کے شوہر نے اس کو کسی عوض پر طلاق دی تھی اور وہ اس عورت سے رجوع کرنے میں رغبت نہیں رکھتا۔ (۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ)
الجواب: جب کسی ایسی عورت کو طلاق دی گئی جس کے اوپر طلاق کے بعد عدت واجب ہے خواہ اس پر مدتِ بعیدہ گزر چکی ہو تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اس پر عدت لازم ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔ (البقرہ: ۲۲۸)
اور اس لیے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے جب ان سے خلع کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ خلع کے بعد ایک حیض عدت گزاریں اور صحیح یہ ہے کہ جس عورت نے خلع کیا ہو اس کی عدت کے لیے ایک حیض تک طلاق کے بعد اپنے آپ کو روکے رکھنا کافی ہے، اس حدیث شریف کی بناء پر اور یہ حدیث البقرہ: ۲۲۸ کے لیے مخصص ہے، پس اگر خلع کرنے والی عورت نے عدت گزاری اور اس کو مال کے عوض طلاق دی گئی تھی اور اس کے تین حیض گزر گئے تو یہ زیادہ کامل ہے اور اس میں زیادہ احتیاط ہے تاکہ بعض اہل علم کے اختلاف سے نکلا جائے جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں تین حیض عدت لازم آئے گی، کیونکہ آیتِ مذکورہ یعنی البقرہ: ۲۲۸ میں عموم ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ومقالات متنوعہ ج ۲۲ ص ۱۷۴-۱۷۶، مکتبۃ المورد، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۲۷ھ)

شیخ عبداللہ بن باز کے فتویٰ پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: شیخ عبداللہ بن باز متوفی ۱۴۲۰ھ کا یہ فتویٰ غلط ہے، کیونکہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب قرآن مجید کی نص صریح اور جو آیت بالعموم ہو اس کا خبرِ واحد سے تعارض ہو تو قرآن مجید کی آیہ مبارکہ کو ترجیح دی جاتی ہے اور خبرِ واحد میں اتنی صلاحیت نہیں ہے

کہ وہ قرآن مجید کے عموم کے مزاحم ہو سکے، لہٰذا عبد اللہ بن باز نجدی حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ کا یہ فتویٰ صراحتاً غلط ہے اور جس عورت نے خلع کیا ہو تو اس کی عدت بھی تین حیض ہے، صرف ایک حیض اس کی عدت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۱۰۲) جو شوہر اپنی بیوی سے بیس سال تک غائب رہا ہو، پھر اس نے اس کو طلاق دی ہو

شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن ابن باز الحنبلی النجدی ۱۴۲۰ھ لکھتے ہیں:

سوال: ایک مرد سفر میں گیا اور ایک لمبی مدت تک اپنی بیوی سے غائب رہا حتیٰ کہ بیس سال گزر گئے، پھر اس مدت کے بعد اس نے اپنی بیوی کو طلاق یا لخلع بھیجی طلاقِ صحیح اور اس کی بیوی یہ ارادہ کرتی ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے تو کیا اس کے اوپر عدت واجب ہے؟ جب کہ اس کے شوہر کو سفر پر گئے ہوئے بیس سال گزر چکے ہیں اور اس مرد نے اس عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا کیا یہ عدت استبراءِ رحم کے لیے ہوگی یا کسی اور وجہ سے؟ (۲۸ صفر ۱۳۹۲ھ)

الجواب: اگر یہ واقعہ اسی طرح ہے جس طرح تم نے ذکر کیا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس عورت کے اوپر عدت ہے، کیونکہ عدت صرف طلاق کے بعد ہوتی ہے، خواہ شوہر کا مطلقہ سے غائب ہونا کافی مدت کے لیے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔ (البقرہ: ۲۲۸)

اور اس میں حکمت یہ ہے جیسا کہ شیخ ابن قیم نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں ذکر کیا اور اس موجوع پر نفیس بحث کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ صرف استبراءِ رحم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہاں پر اور حکمتیں بھی ہیں، اسی لیے جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اس کے اوپر عدت واجب ہوتی ہے، اگرچہ اس شوہر نے اس عورت کے ساتھ دخول نہ کیا ہو، اور اگر اس کی بیوی صغیرہ اور کم سن ہو اور یہ گمان نہ ہو کہ اس عورت کو حمل ہو سکتا ہے اور اسی طرح جو عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو اس کے اوپر بھی عدت واجب ہوتی ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہٗ نے عدت میں استبراءِ رحم کے علاوہ اور بھی بہت حکمتیں رکھی ہیں، لیکن جب کہ وہ عورت اس طرح ہے جس طرح تم نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنا مال خرچ کر کے طلاق حاصل کی ہے تو اس وجہ سے وہ خلع کرنے والی عورت ہو گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو عورت خلع کرے اس کے لیے ایک حیض عدت گزارنا کافی ہے، اور اسی کے ساتھ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اور سلف اور خلف کی ایک جماعت نے فتویٰ دیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد شیخ ابن قیم کا بھی یہی مختار ہے اور یہی صحیح ہے ان شاء اللہ، خاص طور پر کہ جب اس کی ضرورت پیش آئے اور یہ خدشہ ہو کہ کفو کا رشتہ نہیں ملے گا، یعنی اگر تین حیض گزرنے یا تین ماہ گزرنے تک انتظار کیا جائے تو کفو کا رشتہ نہیں ملے گا، اور میں اللہ عزوجل سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور تم کو اور ہمارے تمام بھائیوں کو دین کی فقہ سمجھنے کی اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ (مجموع الفتاویٰ ومقالات متنوعہ ج ۲۲ ص ۱۷۴-۱۷۶، مکتبۃ المورد، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۲۷ھ)

شیخ ابن باز کے دوسرے فتویٰ کا بھی غلط ہونا

میں کہتا ہوں کہ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن باز الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۰ھ کا یہ فتویٰ بھی پہلے فتویٰ کی طرح غلط ہے، کیونکہ جب قرآن مجید کی صریح آیت میں یہ تصریح ہے کہ مطلقہ عورت تین حیض تک اپنے آپ کو دوسرے نکاح سے روکے

رکھے گی، تو شیخ ابن باز حنبلی النجدی کا خبرِ واحد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اثر سے یہ فتویٰ دینا کہ ایک حیض گزرنے کے بعد اس کی عدت پوری ہو جائے گی، یہ محض غلط ہے اور خبرِ واحد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اثر میں یہ طاقت نہیں ہے کہ قرآن مجید کی نصِ صریح سے متصادم اور متعارض ہو سکے، لہٰذا اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء کا یہ قول صحیح ہے کہ اس صورت میں بھی اس عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے تین حیض کی مدت تک روکے رکھے۔ سعیدی غفرلہٗ

(۱۰۳) جو عورت خلع کا مطالبہ کرے اس کی عدت کا بیان

سوال: یہاں ایک عورت ہے جس کے شوہر نے اس وقت سفر کیا جب وہ عورت حاملہ تھی، اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا اور وہ شوہر اس عورت سے غائب تھا اور اپنے سفر کے اندر وہ بیمار تھا، اور عورت اس دوران خرچ کی استطاعت نہیں رکھتی تھی اور ایک طویل مدت کے بعد اس نے خلع بالطلاق کا مطالبہ کیا اور شوہر غائب تھا اور اس نے اپنی بیوی کو بچہ پیدا ہونے کے بعد جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دی، کیا اس عورت پر عدت گزارنا لازم ہے یا اس سے عدت ساقط ہو جائے گی کیونکہ اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان بچہ پیدا ہونے کے بعد جماع نہیں ہوا۔ (۲۸ شعبان ۱۴۱۹ھ)

الجواب: جن عورتوں کو طلاق دی جائے، ان کے اوپر عدت گزارنا لازم ہے خواہ ان کے شوہر نے ان کو ایک مدتِ طویلہ تک چھوڑے رکھا ہو اور حاملہ ہونے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد ان سے جماع نہ کیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ۔ (البقرہ:۲۲۸) اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔

اور قرآن مجید کا یہ حکم تمام مطلقات کیلئے عام ہے خواہ وہ مدخول بھا ہوں یا نہ ہوں، پس ہر وہ عورت جس کے ساتھ اس کے خاوند نے دخول کیا، پھر اس کو طلاق دے دی تو اس پر عدت لازم ہے، خواہ وہ طلاق بچے کی ولادت کے بعد بھی ہو، اور خواہ اس اثناء میں شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہ کیا ہو تو وہ عورت عدت گزارے گی کیونکہ اس آیت کریمہ میں عام حکم دیا گیا ہے۔

لیکن علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس عورت سے خلع کیا گیا ہے، آیا وہ تین حیض تک عدت گزارے گی یا ایک حیض عدت گزارے گی، یہ خلع شدہ عورت ہے جب کہ اس نے طلاق کے عوض مال مقرر دیا ہو تو صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے ایک حیض عدت گزارنا کافی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: کہ جب حضرت ربیع بنت معوذ نے اپنے شوہر سے خلع کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزاریں، اسی طرح حضرت ثابت بن قیس کی بیوی بھی، پس مقصود یہ ہے کہ جو خلع شدہ عورت ہو اور اس کو اس کے خاوند نے مال کے عوض طلاق دی ہو، اگر اس نے تین حیض عدت گزاری تو یہ افضل اور احوط ہے، اور اگر اس نے ایک حیض عدت گزاری تو یہ اس کے لیے کافی ہے، جیسا کہ اہل علم کا صحیح قول ہے۔ واللہ ولی التوفیق

(مجموع الفتاویٰ ومقالات متنوعہ، ج ۲۲ ص ۱۷۶-۱۷۷، مکتبۃ المورد، الطبعۃ الرابعہ ۱۴۲۷ھ)

مصنف کا شیخ ابن باز الحنبلی النجدی کے فتاویٰ پر تبصرہ اور تعاقب

میں کہتا ہوں کہ شیخ ابن باز کا یہ فتویٰ بھی ان کے پہلے دو فتووں کی طرح غلط ہے، کیونکہ جب قرآن مجید کی صریح آیت ہے اور اس میں بالعموم یہ حکم ہے کہ ہر مطلقہ عورت تین حیض تک عدت گزارے گی اور اپنے اس فتویٰ میں شیخ ابن باز حنبلی نے بھی یہ تسلیم کیا

ہے کہ اس آیت کا یہ حکم عام ہے اور ہر مطلقہ پر لازم ہے کہ وہ تین حیض تک عدت گزارے، اس کے باوجود شیخ ابن باز کا خبرِ واحد کی بناء پر یہ فتویٰ دینا کہ جس عورت کو خلع کی صورت میں طلاق دی گئی ہو اس کے لیے ایک حیض عدت گزارنا کافی ہے، ان کا یہ فتویٰ صراحتاً خلافِ قرآن ہے اور تمام فقہاءِ امت کے مذاہب کے خلاف ہے اور ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ افضل اور احوط یہ ہے کہ وہ تین حیض عدت گزارے بلکہ ان کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اس عورت پر واجب یہ ہے کہ وہ تین حیض عدت گزارے، کیونکہ قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ جس عورت کو طلاق دی گئی ہو تو وہ تین حیض تک عدت گزارے گی جیسا کہ شیخ ابن باز کو بھی یہ تسلیم ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کا حکم ہر مطلقہ کو عام ہے، للہذا تمام دلائل سے واضح ہو گیا کہ شیخ ابن باز کا یہ فتویٰ قرآن کے خلاف ہے اور تصریحاتِ مذاہبِ فقہاء کے خلاف ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، ۵۳۱۹، ۵۳۲۰، کی شرح از شیخ عثیمین الحنبلی النجدی

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حاملہ عورت کی عدت خواہ وہ عدتِ وفات ہو یا عدتِ طلاق ہو یا فسخِ نکاح کی عدت، تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے، پس اگر کسی عورت کا خاوند وضعِ حمل کے بعد فوت ہو جائے اور ایک دن گزرا ہو تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، اور اس عورت کے اوپر سوگ کرنا لازم ہوگا، کیونکہ خاوند کی وفات پر سوگ کرنا عدت کے تابع ہے، کیونکہ قرآن مجید کا یہ حکم عام ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضعِ حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

اس آیت میں لفظِ مفرد کو حمل کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور یہ حمل کی تمام انواع اور اقسام کے لیے عام ہے، پس اگر عورت کے ہاں دو بچے اکٹھے پیدا ہوئے تو جب تک دوسرا بچہ پیدا نہ ہو جائے اس عورت کی عدت مکمل نہیں ہو گی۔

سوال: اگر اس میں اشتباہ ہو جائے کہ کون سا بچہ پہلے پیدا ہوا ہے یا کون سا بچہ پہلے مرا ہے تو پھر کیا ہو گا؟

الجواب: اس صورت میں ہم احتیاط پر عمل کریں گے، پس اس پر لازم ہے کہ وہ چار مہینے دس دن عدت گزارے۔

(شرح صحیح البخاری: ج ۵ ص ۸۴-۸۵، مکتبۃ الطبری للنشر والتوزیع، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، ۵۳۱۹، ۵۳۲۰، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۵۳۱۸: ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے کہا کہ زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد ابوسلمہ سے اور انہوں ام المومنین ام سلمہ زوجۂ محترمہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی کہ قبیلہ اسلم کی ایک عورت جس کو سُبیعہ کہا جاتا ہے کا شوہر فوت ہو گیا جب کہ وہ حاملہ تھی، اسے ابوالسنابل نے منگنی کا پیغام بھیجا۔ اس نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا، ابوالسنابل بن بعکک نے کہا: بخدا! تو نکاح نہیں کر سکتی حتیٰ کہ دو عدتوں (چار ماہ دس دن اور وضعِ حمل) میں سے لمبی عدت نہ پوری کرے۔ وہ تقریباً دس (۱۰) روز ٹھہری، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نکاح کر سکتی ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ عدت الوفات چار ماہ دس دن ہے، اس سے ان عورتوں کی عدت مُستثنیٰ ہے جن کے شوہر فوت

ہو جائیں حالانکہ وہ حاملہ ہوں کیونکہ ان کی عدت وضع حمل ہے۔

۵۳۱۹: یزید سے روایت ہے کہ انہیں ابن شہاب نے خط لکھا کہ عبید اللہ بن عبد اللہ نے انہیں اپنے والد سے خبر دی کہ انہوں نے ابن ارقم کو خط لکھا کہ وہ سبیعہ اسلمیہ سے دریافت کریں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کیا فتویٰ دیا تھا؟ فاطمہ نے کہا: مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ جب حمل وضع کرے تو نکاح کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت بالکاتبہ جائز ہے، ابن ارقم کا نام عمر بن عبد اللہ بن ارقم بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف زہرہ ہے، وہ فتح مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب رہے، پھر ابوبکر صدیق اور ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے کاتب رہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کئی سال بیت المال پر مقرر کیا، پھر وہ مستعفی ہو گئے، خلیفہ بن خیاط نے کہا عبد اللہ بن ارقم عمر فاروق کے پورے عہدِ خلافت میں بیت المال پر قائم رہے اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں دو سال بیت المال پر حاکم رہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا کوئی نہیں دیکھا، رضی اللہ عنہ۔

۵۳۲۰: مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ سُبیعہ اسلمیہ نے اپنے شوہر کی وفات کے چند روز بعد بچہ کو جنم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر نکاح کی اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دیدی، پھر اس نے نکاح کر لیا۔

اس حدیث میں مدتِ ولادت مبہم ذکر کی ہے، مناسب بھی یہی ہے، کیونکہ اس مدت میں مختلف اقوال ہیں، بعض پچیس روز اور بعض اس سے کم ذکر کرتے ہیں، بعض دو ماہ اور بعض چالیس روز ذکر کرتے ہیں، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے، لہٰذا اس میں ابہام ہی موزوں ہے۔ (تفہیم البخاری حصہ ہشتم، ص ۵۹۰-۵۹۳، الجدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، ۵۳۱۹، ۵۳۲۰، کی شرح شیوخ دیوبند سے

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حاملہ عورتوں کی عدت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں حاملہ عورتوں کی عدت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ ان کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت میں ہے اور یہی جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا مسلک ہے، البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس سے منقول ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت ابعد الاجلین ہو گی یعنی اگر وضع حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہو جاتا ہے تو عدت چار ماہ دس دن ہو گی اور اگر وضع حمل چار ماہ دس دن کے بعد ہوتا ہے تو عدت وضع حمل ہو گی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مذہب جمہور کی طرف رجوع بھی منقول ہے (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۴)، روایت باب جمہور کا مستدل ہے کہ اس میں وضع حمل کو عدت قرار دیا گیا ہے، کتاب التفسیر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت سُبیعہ کا واقعہ

باب کی روایات میں سُبیعہ بنت حارث کا واقعہ نقل کیا گیا ہے، ان کے شوہر حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، جیسا کہ

کتاب المغازی کی روایت میں ہے (کشف الباری، کتاب المغازی باب فضل من شھد بدرا:۱۴۵) وضع حمل کے بعد ابوالسنابل نے ان کے پاس پیغام نکاح بھیجا تو انہوں نے انکار کیا، موطا کی روایت میں ہے کہ ان کو دو آدمیوں نے پیغام نکاح دیا تھا جن میں ایک جوان اور دوسرا ادھیڑ عمر تھا (فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۰) جو جوان تھا اس کا نام ابوالبشر بن حارث تھا (فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۰) اور ابوالسنابل ادھیڑ عمر تھا اس لیے سبیعہ نے جوان کے پیغامِ نکاح کو قبول کرنا چاہا، اس پر ابوالسنابل نے کہا کہ جب تک چار ماہ دس دن نہ گزر جائیں اس وقت تک تمہارے لیے کسی سے نکاح کرنا حلال نہیں، ان کا وضع حمل شوہر کی وفات کے دو تین ماہ بعد ہوا تھا، بعض روایات میں دو ماہ، بعض میں چالیس دن، بعض میں پچیس دن کا ذکر ہے (فتح الباری ج۹ ص ۵۹۲)، بہر حال چار ماہ دس دن ابھی نہیں گزرے تھے، ابوالسنابل نے یہ اس لیے کہا کہ اس وقت سبیعہ کے دوسرے رشتہ دار موجود نہیں تھے، ان کا خیال تھا کہ تب تک ان کے رشتہ دار آجائیں گے اور ان سے بات ہوگی تو شاید یہ میرے ساتھ نکاح پر آمادہ ہو جائیں (الموطا للامام مالک، کتاب الطلاق، باب عدۃ المتوفی عنھا زوجھا اذا کانت حاملا، ج ۲ ص ۵۸۹) سبیعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرا وضع حمل ہو گیا ہے، کیا میں اب نکاح کر سکتی ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نکاح کر سکتی ہے۔

ابوسنابل نے کہا: اللہ کی قسم! تم اس سے نکاح نہیں کر سکتیں

صحیح بخاری کے کئی نسخوں میں ''فقال'' کے بجائے ''فقالت'' ہے لیکن صحیح ''فقال'' مذکر کا صیغہ ہے، ضمیر ابوالسنابل کی طرف راجع ہے ''ان تنکحیہ'' میں ''ان'' مصدریہ ہے اور بتاویل مصدر ہو کر یہ جملہ ''یصلح'' کا فاعل ہے، ابوالسنابل کے مختلف نام روایات میں آتے ہیں، عمرو، عامر، اصرم، عبداللہ۔ (فتح الباری ج۹ ص ۵۹۰)

باب کی دوسری روایت کتاب المغازی میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

(دیکھیے کشف الباری، کتاب المغازی باب من شھد بدرا ص ۱۴۵)، تیسری روایت میں ''ان سبیعۃ نفست'' (نون کے ضمہ اور فاء کے کسرہ کے ساتھ) بمعنی ولدت۔

مطلقات کی عدت قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں تین قروء بتائی گئی ہے، اس پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن ''قرء'' کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

حضرات حنفیہ کے نزدیک ''قرء'' یہاں حیض کے معنی میں ہے اور یہی امام احمد بن حنبل کا صحیح قول ہے، حضرات صحابہ میں سے حضرت عمر بن عبدالخطاب، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی قول منقول ہے، بلکہ اثرم نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ اکابر صحابہ کا یہی قول ہے۔

امام شافعی، امام مالک فرماتے ہیں کہ ''قرء'' ''طھر'' کے معنی میں ہے، حضرات صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے یہی قول منقول ہے، امام احمد کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

امام بخاری کا رجحان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب میں حضرت ابراہیم نخعی کا جو اثر نقل کیا ہے، اس میں اگرچہ ایک دوسرا مسئلہ بیان ہوا ہے لیکن اس اثر کے ذکر کرنے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اور میلان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ''قرء'' حیض کے معنی میں ہے اور

وہ اس مسئلہ میں حضرات حنفیہ کی موافقت کر رہے ہیں، کیونکہ اس اثر میں مطلقہ کی عدت حیض سے شمار کی گئی ہے، طہر سے نہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی کے اثر کا حاصل

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے اثر کا حاصل یہ ہے کہ ایک مطلقہ عورت نے عدت کے اندر دوسری شادی کر لی، مثلاً ابھی تک اس کی عدت کا ایک ہی حیض گزرا تھا کہ اس نے دوسرا نکاح کر لیا، نکاح کے بعد دوسرے شوہر نے بھی طلاق دیدی، اب پہلے شوہر کی عدت بھی اس پر لازم ہے اور دوسرے شوہر کی عدت بھی اس پر لازم ہے، پہلے شوہر کی عدت ختم ہونے کے لیے دو حیض اور دوسرے شوہر کی عدت کے لیے تین حیض باقی ہیں، تو اب جو دو حیض آئیں گے ان کو دوسرے شوہر کی عدت میں بھی شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ یہ دو حیض دوسرے شوہر کی عدت میں شمار نہیں ہوں گے بلکہ صرف پہلے شوہر کی عدت میں شمار ہوں گے، اور دوسرے شوہر کی عدت کے لیے اس کے بعد مستقل تین مزید حیض اس کو گزارنے ہوں گے لیکن امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ دو حیض دوسرے شوہر کی عدت کے لیے بھی شمار ہوں گے، آگے دوسری عدت پوری ہونے کے لیے صرف ایک حیض کی ضرورت ہوگی، اس طرح کل چار حیض سے دونوں شوہروں کی عدت گزر جائے گی، زہری کے اس قول کو سفیان نے بھی پسندیدہ قرار دیا اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے، امام مالک کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔ (الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۳، فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۵، ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۹۶) حضرت ابراہیم نخعی کی اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے موصولاً نقل کیا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۹۶)

''اقرأت'' کے لفظ کے دو معانی

ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ فرماتے ہیں کہ ''اقرات'' کا استعمال اس وقت بھی ہوتا ہے جب حیض کا زمانہ قریب آجائے اور اس وقت بھی ہوتا ہے جب زمانہ طہر قریب آجائے، حاصل یہ ہے کہ مذکورہ لفظ حیض اور طہر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بانجھ عورت کے لیے ''اقرات'' کے لفظ کا استعمال

ماقرأت بسلاقط: اس وقت کہا جاتا ہے جب عورت بانجھ ہو اور وہ پیٹ میں بچے کو جمع نہ کر سکے، معلوم ہوا قرء کے معنی جمع کرنے کے آتے ہیں، حیض کو قرء اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں جمع شدہ خون کا خروج ہوتا ہے، اور طہر کو قرء اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں رحم کے اندر خون جمع ہوا کرتا ہے، کتاب التفسیر میں سورہ نور کے تحت بھی یہ جملہ گزر چکا ہے۔ (کشف الباری کتاب التفسیر: ۴۹۴)

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، ص ۵۵۲-۵۵۶، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

۴۰۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ: ۲۲۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس آیت کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

آیا ہر مطلقہ کی عدت تین حیض ہے خواہ وہ آزاد عورت ہو یا باندی، یا اس عموم سے باندیاں مستثنٰی ہیں اور باندیوں کی عدت دو حیض ہے؟

المطلقات: سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے ساتھ دخول کیا گیا ہو اور ان کو حیض آتا ہو، یتربصن: کا معنی ہے: وہ انتظار کریں، یعنی تین حیض تک وہ دوسرا نکاح کرنے کے لیے انتظار کریں، اور یہ خبر کا صیغہ ہے اور یہ امر کے معنی میں ہے یعنی ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ تین حیض تک دوسری جگہ نکاح کرنے سے رکی رہیں، یعنی جب ان کا خاوند ان کو طلاق دے دے اور تین حیض تک وہ رکی رہیں، پھر اگر وہ چاہیں تو دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔

اور ائمہ اربعہ نے اس آیت کے عموم سے باندی کو خارج کیا ہے کیونکہ جب اس کو طلاق دی جائے تو اس کی عدت آزاد عورت کی نصف ہوتی ہے، اور حیض کی تجزی اور تقسیم نہیں ہوتی، تو پھر باندی کی عدت مکمل دو حیض ہیں۔ اور چونکہ ابن جریج نے مظاہر بن اسلم المخزومی المدنی سے روایت کی ہے از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ باندی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں، اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: لیکن اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں الکلیہ ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، امام دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ اور ان کے علاوہ دوسروں نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ خود القاسم بن محمد کا قول ہے اور اس کی امام ابن ماجہ نے عطیہ العوفی کی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے اور امام دارقطنی نے کہا کہ صحیح وہ ہے جس کی روایت سالم اور نافع نے از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کی ہے، اور اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور بعض مقدمین نے کہا: بلکہ باندی کی عدت بھی وہی ہے جو آزاد عورت کی عدت ہے، کیونکہ اس آیت میں بر سبیل العموم یہ فرمایا ہے کہ ہر مطلقہ اپنے نفس کو تین حیض تک دوسروں سے نکاح سے روکے رکھے اور اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ امر جبلی اور فطری ہے، سو اس میں آزاد عورتیں اور باندیاں دونوں برابر ہیں، اور اس قول کی حکایت ابو عمر نے ابن سیرین سے کی، اور بعض اہل الظاہر نے اس اثر کو ضعیف قرار دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی پہلی تعلیق

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ فِيمَنْ تَزَوَّجَ فِي الْعِدَّةِ فَحَاضَتْ عِنْدَهُ ثَلَاثَ حِيَضٍ بَانَتْ مِنَ الْأَوَّلِ وَلَا تَحْتَسِبُ بِهِ لِمَنْ بَعْدَهُ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۵۷)

اور ابراہیم نے کہا جس مرد نے عدت کے دوران کسی عورت سے نکاح کیا، پس اس عورت کو اس کے پاس تین حیض آ گئے، سو وہ پہلے حیض سے بائنہ ہو جائے گی، اور اس کے بعد کے حیضوں کا شمار نہیں کیا جائے گا۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کے شروع میں مذکور ہے، ابراہیم نے کہا۔

ابراہیم کا تعارف

ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ، یہ حماد بن ابی سلیمان متوفی ۱۲۰ھ کے استاذ ہیں، اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کے استاذ الاستاذ ہیں۔

''اجتماع العدتین'' کی تفسیر

اس مسئلہ کا تعلق اجتماع العدتین سے ہے۔

پس ہم اولاً یہ کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے عدت کے دوران نکاح کیا، اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا اور شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، پس جب اس نے عدت میں نکاح کیا اور اس عورت کو اس کے پاس تین حیض آ گئے تو وہ عورت پہلے حیض سے بائنہ ہو جائے گی، کیونکہ اس کی عدت اسی حیض سے ہے۔

پھر اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا: اور اس عورت کے اس حیض کا شمار نہیں کیا جائے گا، یعنی اس عورت کو اس حیض کے سبب سے اس کے پہلے خاوند کے بعد شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ دوسرے شوہر کے لیے اس کو ایک اور عدت گزارنی ہوگی، یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے جس کی امام ابن ابی شیبہ نے از عبدہ بن ابی سلیمان از اسماعیل بن ابی خالد روایت کی ہے۔

اور مدنیون نے امام مالک متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی ہے: اگر اس عورت کو اس کے پاس ایک حیض آ گیا یا دو حیض آ گئے، پہلے خاوند سے تو وہ اپنی بقیہ عدت کو پوری کرے گی، پھر دوسرے شوہر کے لیے از سر نو عدت گزارے گی، جس طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے مروی ہے اور یہی لیث اور امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے۔ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے، اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے۔

اور ابن القاسم مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان میں سے ایک کی عدت دونوں کی عدت ہو جائے گی، یعنی زوجِ اول کی عدت بھی ہو جائے گی اور زوجِ ثانی کی عدت بھی ہو جائے گی، اور یہی قول اوزاعی کا ہے اور ثوری کا ہے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی دوسری تعلیق

قَالَ الزُّهْرِيُّ تَحْتَسِبُ وَهَذَا أَحَبُّ إِلَى سُفْيَانَ يَعْنِي قَوْلَ الزُّهْرِيِّ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۵۷)

اور زہری نے کہا اس کا شمار کیا جائے گا، اور یہ قول سفیان کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، یعنی زہری کا قول۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ، اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن فقہاء نے یہ کہا کہ یہ حیض دونوں شوہروں کی عدت ہے اور جنہوں نے یہ کہا کہ یہ صرف پہلے شوہر کی عدت ہے، اس مسئلہ میں طرفین کے دلائل

یعنی محمد بن مسلم بن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا: اس حیض کا شمار کیا جائے گا، پس یہ حیض دونوں شوہروں کی عدت

ہو جائے گا جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور یہ زہری کا قول سفیان ثوری کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اور ابن شھاب زہری اور ان کے متبعین کی دلیل یہ ہے کہ اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ پہلا شوہر اس عورت سے دوسرے شوہر کی بقیہ عدت میں نکاح نہیں کرے گا، سو اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ دوسرے شوہر کی عدت ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اس عورت سے اس کی عدت میں نکاح کر لیتا، اور اولین کی دلیل یہ ہے کہ یہ دو حق ہیں اور یہ دونوں اس عورت پر واجب ہیں اس کے دونوں شوہروں کے لیے جیسا کہ باقی حقوق ہیں اور ایک کا حق دوسرے کے حق میں داخل نہیں ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تیسری تعلیق

وَقَالَ مَعْمَرٌ: يُقَالُ: أَقْرَأَتِ الْمَرْأَةُ: إِذَا دَنَا حَيْضُهَا وَأَقْرَأَتْ: إِذَا دَنَا طُهْرُهَا، وَيُقَالُ: مَا قَرَأَتْ بِسَلًى قَطُّ: إِذَا لَمْ تَجْمَعْ وَلَدًا فِي بَطْنِهَا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۵۷)

اور معمر نے کہا: کہا جاتا ہے: ''اقرأت المراۃ''، جب اس کا حیض قریب آجائے'' اور ''اقرأت'' کہا جاتا ہے جب اس کا طہر قریب آجائے اور کہا جاتا ہے: ما قرأت بسلی قط: یعنی جب عورت کے پیٹ میں بچہ جمع نہ ہو۔ (تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۷۷)

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ، اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

معمر کا تعارف

معمر: کے اسم میں دونوں میموں پر زبر ہے اور عین پر جزم ہے، امام ابو عبیدہ بن المثنیٰ نے کہا: معمر ۲۱۰ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

''قرء'' کا لفظ حیض اور طہر دونوں معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کے اقوال اور ان کے مآخذ

اس حدیث میں مذکور ہے، کہا جاتا ہے: ''اقرأت المرأۃ'' اس سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ ''قرء'' کا لفظ حیض اور طہر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی یہ لفظ لغتِ اضداد میں سے ہے، اور فقہاء کا اختلاف ہے کہ ''اقرء'' کا لفظ جب عورت کو طلاق دی جائے تو وہ کس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ضحاک، الاوزاعی، ثوری، نخعی، سعید بن المسیب، علقمہ، اسود، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن بصری، قتادہ اور الشعبی، الربیع، مقاتل بن حیان، السدی، مکحول اور عطاء الخراسانی نے کہا کہ ''الاقرء'' الحیض ہے اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے، اور امام احمد بن حنبل کی دو روایتوں میں سے جو زیادہ صحیح روایت ہے اس میں بھی یہی مذکور ہے اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابوالدرداء، حضرت عبادہ بن الصامت، حضرت انس بن مالک، حضرت ابن مسعود، حضرت عباس، حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

اور سالم اور قاسم، اور عروہ اور سلمان بن یسار، ابن عثمان، زہری اور باقی امام مالک، امام شافعی، امام ابوثور، داؤد ظاہری اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت میں یہ قول ہے کہ ''الاقرء'' کا ''معنی الاطہار'' ہے، اور یہ قول حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت

رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور ابو عمر حافظ ابن عبد البر نے کہا: یہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے، پس ان کے نزدیک مطلقہ عورت نکاح کے لیے حلال ہو جاتی ہے، جب وہ تیسرے حیض کے خون میں داخل ہو، عام ازیں کہ اس طہر کا کچھ حصہ باقی رہے جس میں اس عورت کو طلاق دی گئی تھی، ایک دن ہو یا زیادہ ہو یا ایک گھنٹہ ہو یا زیادہ ہو، سو اس طہر کا شمار کیا جائے گا۔

اور فقہاء کی پہلی جماعت نے کہا کہ مطلقہ عورت نکاح کے لیے حلال نہیں ہوتی، حتیٰ کہ وہ تیسرے حیض کے بعد غسل کر لے۔

جن فقہاء نے یہ کہا کہ ''الاقرء'' کے معنی میں توقف ہے، ان کا بیان

اور فقہاء کی ایک اور جماعت نے الاقرء کے معنی میں توقف کیا، آیا یہ حیض ہے یا طہر ہے، اور یہ فقہاء سلیمان بن یسار ہیں اور فضالہ بن عبید ہیں اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل ہیں۔

''ما قرأت بسلا'' کے لغوی معنی کی تحقیق اور اس میں ارباب لغت کے اقوال

اس کے بعد امام بخاری نے کہا: ''ما قرأت بسلی'' اس میں سین کے نیچے زیر ہے اور یاء مقصورہ ہے اور سلی اس باریک کھال کو کہتے ہیں جس میں مویشیوں میں سے کسی مویشی مادہ کا بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا رحم بچے کے ساتھ ملا نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس سے یہ اشارہ کیا ہے کہ قرء کا لفظ جمع اور ملنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

الاصمعی نے کہا ہے: ''القرء'' (قاف پر پیش) اور ابو زید نے کہا: ''القَرء'' (قاف پر زبر) واقرأت المراۃ، جب منی عورت کے رحم میں ٹھہر جائے اور قعدت المرأۃ ایام اقرائھا، یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب عورت حیض کے ایام میں بیٹھ جائے اور ابو عمر حافظ ابن عبد البر نے کہا: ''القرء'' کا لفظ اصل لغت کے اندر ''الوقت'' ہے اور ''الطھر'' ہے اور ''الحمل'' ہے اور ''الجمع'' ہے۔

ثعلب نے کہا: ''القرء'' کا معنی ہے: ''الاوقات'' اور اس کا واحد قرء ہے، اور اس کا معنی ہے: وقت، اور کبھی یہ لفظ حیض کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی یہ لفظ طہر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آیا ''قرء'' کا لفظ حیض اور طہر، دو معنی میں مشترک ہے، یا ایک میں حقیقت ہے اور دوسرے میں مجاز ہے

اور قطرب نے کہا: عرب کہتے ہیں: ''ما اقرأت الناقۃ سلا قط'' یعنی اونٹنی نے اپنے رحم کی جھلی کو نہیں گرایا۔ اور کہا جاتا ہے: ''اقرأت الناقۃ قرء'' اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب نر اونٹ مادہ کے پاس بار بار جائے۔ نیز انہوں نے کہا: کہا جاتا ہے: ''قرأت المرأۃ قرء'' جب عورت کو حیض آئے یا جب عورت حیض سے پاک ہو جائے۔ اور ''قرأت'' کہا جاتا ہے جب عورت حاملہ ہو جائے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ اسماء مشترکہ میں سے ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ حیض میں حقیقت ہے اور طہر میں مجاز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۶-۴۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

البقرہ: ۲۳۱ کی تفسیر از علامہ ازہری سے

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۹۹۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

طلاق سے یہاں مراد طلاق رجعی ہے، یعنی جب تک تم نے طلاق مغلظ نہیں دی اس وقت تک تمہیں اختیار ہے، چاہے تو رجوع

کرلو اور اسے اپنے گھر بسالو اور اس کے ساتھ حُسن سلوک کرو، اور اگر رجوع کا ارادہ نہیں تو پھر اسے عمدگی اور شائستگی سے علیحدہ کر دو، جو صورت بھی اختیار کرو اس میں نیک نیتی ملحوظ ہو، عورت کو ضرر دینا اور اسے تنگ کرنا ہرگز مقصود نہیں ہونا چاہیے۔

گھریلو زندگی کی اہمیت کے پیش نظر ان قوانین کو غلط استعمال کرنے والوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر تم نے ان قواعد کی تعمیل میں تاویل سے کام لینا شروع کیا تو یاد رکھو تمہارا یہ جرم نظر انداز نہیں کیا جائے گا، کیونکہ تم آیاتِ خداوندی کا مذاق اڑارہے ہو، اور یہ بڑا سنگین جرم ہے، اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔

پہلے جملے میں سرزنش کی گئی تھی۔ اب ملاطفت وشفقت سے ان قوانین کے اتباع کی ترغیب دی جارہی ہے کہ دیکھو قرآن ایسی کتاب ہدایت تمہیں عطا فرمائی گئی ہے، تمہیں اس نعمتِ عظمیٰ کا پاس ہمیشہ رہنا چاہئے، تبھی تو تم اس احسانِ عظیم کی شکر گزاری کا حق ادا کر سکتے ہو، ترغیب وترہیب کی کیا حسین آمیزش ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن، ص ۱۵۹-۱۶۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، جولائی ۲۰۱۱ء)

البقرہ: ۲۳۱ کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ (البقرہ: ۲۳۱)

اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت (کی میعاد) کو پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق (اپنے نکاح میں) روک لو یا ان کو حسنِ سلوک کے ساتھ چھوڑ دو، اور ان کو ضرر پہنچانے کیلئے نہ روکے رکھو تاکہ تم ان پر زیادتی کرو، اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ۔

جس عورت کو خاوند خرچ نہ دے اس کی گلوخلاصی میں آراء ائمہ

ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی شخص کا اپنی منکوحہ کو بہ طور ظلم اور زیادتی کے نکاح میں روکے رکھنا جائز نہیں ہے، بایں طور کہ اس کو نہ کھانے، پینے، کپڑوں اور رہائش کے اخراجات دے اور نہ اس کو اپنے نکاح کی قید سے آزاد کرے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت کا حکم یہ ہے کہ قاضی ان کا نکاح فسخ کر دے اور عدت کے بعد وہ عورت نکاح ثانی کے لیے آزاد ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اس صورت میں قاضی کو تفریق کا حق نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ جب خاوند نامرد ہو تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی قاضی کو تفریق کا حق ہے، جب کہ خاوند کے مرد ہونے سے عورت کو شہوانی تسکین ہوتی ہے اور کھانے پینے کے خرچ نہ ہونے سے اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی اس لیے اس صورت میں قاضی تفریق کرنے کا زیادہ مستحق ہے، فقہاء احناف نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ استدلال اس آیت کے شانِ نزول کے خلاف ہے، علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس آیت کو بہ طور ظلم عورت کو نکاح میں روکنے کی ممانعت اور حسن معاشرت کے ساتھ عورت کے ہمراہ رہنے کے حکم پر محمول کیا ہے، لیکن یہ تقریر اس آیت کے شانِ نزول کے خلاف ہے کیونکہ امام ابن جریر، امام ابن المنذر وغیرہ نے سدی سے روایت کیا ہے کہ ثابت بن یسار انصاری نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت ختم ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس سے رجوع کر لیا اور اس کو پھر طلاق دے دی اور جب دوبارہ اس کی عدت ختم ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس سے پھر

رجوع کرلیا اور سہ بارہ اسی طرح کیا حتیٰ کہ اس عورت کی عدت نو ماہ ہوگئی، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنی عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لیے (عدت میں) نہ روکے رکھو۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۴۲-۱۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ آلوسی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ خصوصیت مورد کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی ہمدردی، قوت استدلال اور عدل وانصاف اور ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کے لحاظ سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک راجح ہے، اور علماء احناف کو اس خالص انسانی مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر فتویٰ دینا چاہیے، جب کہ فقہاء احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے۔ میں نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد ثالث کے اخیر میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے۔

خرچ سے محروم عورت کی گلوخلاصی پر جمہور فقہاء کے دلائل

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دستور کے مطابق عورتوں کو نکاح میں رکھنے کا حکم دیا ہے اور دستور کے مطابق رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ خاوند اس کو کھانے پینے کا خرچ دے اور اگر یہ نہیں دے سکتا تو پھر اس کو طلاق دے دے، اور اگر وہ اس کو پھر بھی طلاق نہیں دیتا تو وہ عورت کو دستور کے مطابق رکھنے کے حکم سے خارج ہوگیا، اب حاکم اس عورت پر طلاق واقع کردے گا تاکہ شوہر کی طرف سے نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے عورت کو ضرر نہ لاحق ہو، کیونکہ بھوک اور پیاس پر کوئی صبر نہیں کرسکتا (اس کے برعکس شہوانی خواہش پوری نہ ہونے پر صبر ہوسکتا ہے)۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوثور، ابوعبید، یحییٰ قطان اور عبد الرحمن بن مہدی کا یہی مذہب ہے، صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ کا یہی مذہب ہے اور تابعین میں سے سعید بن المسیب کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے کہا: یہی سنت ہے اور اس کو حضرت ابوہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

اس کے برعکس امام ابوحنیفہ، ثوری اور زہری کا قول یہ ہے کہ جب شوہر خرچ نہ دے تو عورت پر صبر لازم ہے اور حاکم کے حکم سے یہ نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ؕ (البقرہ: ۲۸۰) اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو فراخ دستی تک مہلت دو۔

(قرض لے کر بیوی کو کھلانا اس وقت متصور ہوگا جب اس کی نیت بیوی کو تنگ کرنا اور ضرر پہنچانا نہ ہو، اور مفروضہ صورت میں شوہر دانستہ بیوی کو خرچ نہیں دیتا)، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَ الصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَ اِمَآئِكُمۡ ؕ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ (النور: ۳۲)

اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا نکاح کردو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کردو، اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقراء کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے فقر علیحدگی کا سبب نہیں بن سکتا (کسی شخص کا فقر کی وجہ سے نفقہ دینے پر قادر نہ ہونا اور بات ہے وہ قرض لے کر بھی بیوی کو کھلا سکتا ہے اور کسی شخص کا قدرت کے باوجود عورت کو محض تنگ کرنے کے لیے نفقہ نہ دینا اور چیز ہے اور ہماری بحث اسی میں ہے اور زیر بحث آیت میں بھی عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت سے نکاح میں روکے رکھنے سے منع کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

نیز شوہر اور بیوی کے درمیان اجماعاً نکاح منعقد ہو گیا، اب یہ نکاح اجماع سے منسوخ ہو گا، یا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے جس کا کوئی معارض نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی رائے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی ہو، اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو، عورت کہے گی: یا مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو، غلام کہے گا: مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو، بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ، مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲-۵۲۴-۵۲۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بیوی کو یا خرچ دیا جائے ورنہ اس کو طلاق دے دی جائے اور یہ ائمہ ثلاثہ کے موقف پر قوی دلیل ہے بلکہ اس اختلاف میں بہ منزلہ حکم ہے۔ نفقہ نہ دینے کی وجہ سے قاضی جو تفریق کرے گا وہ امام شافعی کے نزدیک طلاق بائنہ ہے اور امام مالک کے نزدیک طلاق رجعی کے قائم مقام ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۵-۱۵۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۳۸۷ھ)

مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نافذ ہونا

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں: امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں ایک آدمی کسی شخص سے کہتا: میں نے تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، پھر کہتا: میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا اور کوئی شخص کہتا: میں نے غلام آزاد کر دیا اور پھر کہتا: میں تو مذاق کر رہا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ''اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ'' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ کوئی شخص ان کو مذاق سے کہے یا بغیر مذاق کے، وہ نافذ ہو جائیں گی، طلاق، عتاق (غلام آزاد کرنا) اور نکاح۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بغیر ارادۂ طلاق کے مذاق سے طلاق دے دیتا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ''اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ'' اور رسول اللہ ﷺ نے طلاق کو لازم کر دیا۔

امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجوع کرنا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۸۶، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی، ایران)

احکام شرعیہ کو مذاق بنالینا حرام ہے اور ان کا مذاق اڑانا کفر ہے، مذاق میں طلاق دینا حرام ہے اور یہ طلاق نافذ ہو جائے گی۔ اسی طرح عمل گناہ کرتے رہنا اور زبان سے توبہ کرتے رہنا بھی احکامِ شرعیہ کو مذاق بنانا ہے۔

(تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۳۹-۸۴۱، فرید بک اسٹال لاہور)

جس طلاق کے بعد رجوع کیا جائے، پھر طلاق دی جائے

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ (البقرہ: ۲۳۱)

اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت (کی میعاد) کو پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق (اپنے نکاح میں) روک لو یا ان کو حسنِ سلوک کے ساتھ چھوڑ دو، اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکے رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو، اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا، تو اس طلاق سے رجوع کر لیتا تھا، پھر اس کو دوبارہ طلاق دیتا تھا، پھر رجوع کر لیتا تھا، اور اس کو یوں ہی ضرر پہنچاتا رہتا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ اور یہ قول مجاہد سے اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ سے اور ذہاب سے اور عامر بن شراحیل متوفی ۲۰۳ھ سے اور قتادہ بن دعامہ بن عزیز البصری متوفی ۱۱۷ھ سے مروی ہے۔

(تفسیر طبری ج ۲ ص ۲۹۷، تفسیر الدر المنثور ج ۱ ص ۶۸۱)

جو مرد اپنی بیوی کو ضرر پہنچانے کے لیے بار بار طلاق دے اور پھر اس طلاق سے رجوع کر لے اس کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے جو شخص اپنی بیوی کو ضرر پہنچانے کے لیے بار بار ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے، اور اس کی عدت کب پوری ہوگی، جب اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر رجوع کیا، پھر طلاق دی، تو اکثر اہل علم نے یہ کہا ہے کہ اس کی آخری طلاق کے بعد اس کی عدت شروع ہو جائے گی۔

اور ابوقلابہ نے کہا: جب اس نے زبان سے رجوع کر لیا تو یہ رجوع ہے، پس اگر اس نے جماع سے پہلے طلاق دی تو عدت دوبارہ شروع کی جائے گی اور یہ رجوع عدتِ اولیٰ کا ہے، اسی طرح حماد بن ابی سلیمان متوفی ۱۲۰ھ کا قول ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۰۹۴۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ نے کہا: ہمارے نزدیک اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔

اور الزہری نے کہا: جب اس نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا تو وہ آخری طلاق سے عدت گزارے گی اور جب اس نے رجوع نہیں کیا تو پہلی طلاق سے عدت گزارے گی۔

اور جابر بن زید نے کہا: جس دن اس نے طلاق دی ہے، اس دن سے عدت گزارے گی۔

ابن جریج نے کہا: اور عمرو نے اور عبد الکریم نے اور الحسن بن مسلم نے اور دوسروں نے اور طاؤس نے کہا کہ امام مالک بن انس نے کہا ہے کہ وہ اس دن سے عدت گزارے گی جس دن اس کے شوہر نے اس کو آخری طلاق دی۔ (المدونہ ج ۲ ص ۴، بحث طلاق السنہ)

اور ابن جابر اور سعید بن عبد العزیز اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۲۷ھ اور ابوثور اور فقہاءِ احناف کا بھی یہی قول ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۳۲، بحث باب الرجعت)

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ وہ آخری طلاق سے عدت گزارے گی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پہلی طلاق سے عدت گزارے گی، اور مزنی امام شافعی کے پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، امام شافعی کے دوسرے قول کو ترجیح دیتے تھے، اور وہ یہ ہے کہ جب اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اور اس نے کچھ عدت گزاری، پھر رجوع کر لیا اور انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ (الاحزاب:۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو، تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسنِ سلوک سے ان کو رخصت کر دو O

علامہ ابوبکر محمد ابن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا جو قول ہے، وہی قیاس کا تقاضا ہے، اور وہی اس آیت کے مطابق ہے کہ اس کے اوپر کوئی عدت نہیں ہے، اور میں نے بعض فقہاء سے سنا جنہوں نے اس کے خلاف کہا اور ان دو قولوں میں پہلا قول زیادہ اولیٰ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج۹ ص ۵۳۱-۵۳۳، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

جو عورت غائب ہو اور اس کے پاس اس کے خاوند کی وفات کی خبر آ جائے یا خاوند کے طلاق دینے کی خبر آ جائے

علامہ ابوبکر محمد ابن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اہلِ علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جس عورت کے پاس اس کے خاوند کی وفات کی خبر پہنچی یا اس کی طلاق کی خبر پہنچی تو اس کا کیا حکم ہے؟ پس ایک جماعت نے کہا: عدتِ طلاق اور عدتِ وفات اس دن سے شروع ہو گی جس دن اس کے خاوند کی وفات ہوئی یا جس دن اس کے خاوند نے اس کو طلاق دی۔ (مصنف عبد الرزاق ج۶ ص ۳۲۷-۳۳۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ج۷ ص ۴۲۵)

اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور مجاہد بن جبر القرشی المخدومی متوفی ۱۰۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ اور عکرمہ البربری المتوفی ۱۰۵ھ اور سلیمان بن یسار، اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور ابو العلیاء اور نافع مولیٰ ابن عمر متوفی ۱۱۷ھ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور اسی طرح امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے۔ (المدونہ ج۲ ص ۱۲، بحث عدۃ المتوفی عنہا زوجہا)

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ (مسائل احمد واسحاق: ۲۷۴) اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابو عبید الہروی المتوفی ۲۲۷ھ اور ابو ثور اور فقہاءِ احناف کا مذہب ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج۶ ص ۳۶، بحث باب العدۃ وخروج المرأۃ من بیتہا)

اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس عورت کی عدت اس دن سے شروع ہو گی جس دن اس کو کسی نے خبر پہنچائی ہے، یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کا ہے اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور قتادہ بن دعامہ بن عزیز البصری متوفی ۱۱۷ھ اور عطاء الخراسانی متوفی ۱۵۳ھ اور خلاس بن عمرو کا بھی یہی قول ہے۔

اور اس مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ اس کی عدت اس وقت شروع ہوگی جب اس پر گواہ قائم ہو جائیں کہ فلاں دن اس کا شوہر فوت ہوا تھا یا فلاں دن اس کے شوہر نے طلاق دی تھی، اور اگر گواہ قائم نہ ہوں تو اس کی عدت اس دن سے شروع ہوگی جس دن اس کو خبر پہنچی ہے اور یہ سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور عمر بن عبد العزیز خلیفۃ المسلمین متوفی ۱۰۱ھ کا قول ہے۔

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا:

میں پہلے قول کے مطابق کہتا ہوں، اور عدت طلاق سے یا وفات سے واجب ہوگی، کیونکہ کوئی عورت اس سے خالی نہیں ہے کہ اس کا شوہر جب فوت ہو گیا ہو یا اس نے طلاق دی ہو، اور یہ کہ اس کی بیوی عدت گزارے گی، پس جب فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ وہ عورت فی الحال اس کی بیوی نہیں ہے اور اگر اس کا شوہر تین طلاق دینے کے بعد فوت ہو گیا تو وہ اس بناء پر اپنے شوہر کی وارث نہیں ہوگی کہ وہ معتدہ ہے یعنی عدت گزارے گی، اور ان کا اس پر اجماع ہے کہ اگر وہ شوہر کی طلاق کے وقت حاملہ ہوتی اور اس کو طلاق کا علم نہ ہوتا حتیٰ کہ اس کے ہاں بچہ ہو جاتا تو وضع حمل کے ساتھ اس کی عدت پوری ہو جاتی، سو واجب ہے کہ دوسری عدت کا بھی یہی حکم ہو۔ (الاجماع: ۴۴۷، الاقناع: ۲۴۰۳)، (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۳۳-۵۳۴، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

باب:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

(البقرہ: ۲۲۸)

امام بخاری اس باب کی تعلیقات میں لکھتے ہیں:

(۱) اور ابراہیم نے کہا: جس مرد نے عدت کے دوران کسی عورت سے نکاح کیا، پس اس عورت کو اس کے پاس تین حیض آ گئے، سو وہ پہلے حیض سے بائنہ ہو جائے گی، اور اس کے بعد کے حیضوں کا شمار نہیں کیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۵۷)

(۲) اور زہری نے کہا: اس کا شمار کیا جائے گا، اور یہ قول سفیان کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، یعنی زہری کا قول۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۵۷)

(۳) اور معمر نے کہا: کہا جاتا ہے: ''اقرأت المراۃ''، جب اس کا حیض قریب آ جائے'' اور ''اقرأت'' کہا جاتا ہے جب اس کا طہر قریب آ جائے اور کہا جاتا ہے: ما قرأت بسلی قط: یعنی جب عورت کے پیٹ میں بچہ جمع نہ ہو۔ (تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۷۷)

اس مسئلہ میں فقہاء اسلام کے اقوال کہ مرد کو طلاق سے رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب عورت کو طلاق دی جائے تو اس کے اوپر ''الاقراء'' واجب ہوتے ہیں، ان اقراء کا کیا معنی ہے، اور وہ کون سا وقت ہے جس وقت میں بیوی اپنے شوہر سے بائنہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ مرد اپنی بیوی سے رجوع نہیں کر سکتا۔

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مرد عورت سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہے حتیٰ کہ وہ تیسرے حیض سے غسل کر لے۔ اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا قول ہے اور یہ قول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

متوفی ۵۲ھ اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ متوفی ۳۴ھ، حضرت ابو الدرداء متوفی ۳۲ھ کا قول ہے اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوعبید متوفی ۲۲۷ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال کہ ''الاقراء'' کا معنی حیض ہے یا طہر

اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ مرد کو رجوع کا اس وقت تک حق ہے جب تک وہ عورت حیض میں ہو، یہ طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ کا قول ہے اور یہ قول ان فقہاء کے مذہب پر مبنی ہے جو کہتے ہیں کہ ''الاقراء'' کا معنی حیض ہے، اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ ''الاقراء'' کا معنی الاطہار ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ مرد اس وقت طلاق سے رجوع کر سکتا ہے جب تک کہ تیسرے حیض کا پہلا قطرہ نہ ہو، اور جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ طاہر تھی اور یہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے اور جن فقہاء نے کہا: ''الاقراء'' کا معنی ''الاطہار'' ہے، وہ سلف صالحین میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمر متوفی ۷۳ھ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور قاسم اور سالم ہیں۔

اور ابوبکر بن عبد الرحمن نے کہا: میں نے جن فقہاء کو بھی پایا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق کہتے تھے، اور اہل لغت کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ عرب حیض کو ''قرء'' کہتے ہیں، اور طہر کو بھی ''قرء'' کہتے ہیں اور جس وقت میں حیض اور طہر جمع ہو اس کو بھی ''قرء'' کہتے ہیں، پس جب کہ یہ لفظ از روئے لغت کے ان معانی کا متحمل ہے تو قرآن مجید کی آیت مبارکہ میں الاقراء کے معنی کو دیکھنا ہوگا:

فقہاء مالکیہ اور فقہاء شافعیہ کے اس پر دلائل کہ الاقرء کا معنی ''الاطہار'' ہے

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

(البقرہ:۲۲۸)

اس آیت میں ''قرء'' کا کیا معنی ہے، تو ہم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے یہ دلیل پائی کہ ''الاقراء'' ''الاطہار'' ہیں، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ طہر میں طلاق دیں، اور آپ نے اس طہر کو عدت قرار دیا اور آپ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ مدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عورتوں کو اس مدت میں طلاق دی جائے۔ اور آپ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حیض میں طلاق دینے سے منع فرما دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ''الاقراء'' کا معنی ''الاطہار'' ہے۔

پس اگر فقہاء احناف یہ کہیں کہ ''الاقراء'' کا معنی ''الحیض'' ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اقعدی ایام اقرائک'' یعنی تم اپنے حیض کے ایام میں ٹھہری رہو، یعنی تم ان ایام میں نماز نہ پڑھو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایام طہر میں نماز پڑھنے سے منع نہیں فرما سکتے۔

اس کے جواب میں ان سے یہ کہا جائے گا: اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ''القرء'' کا لفظ حیض کی بھی صلاحیت رکھتا ہے جس طرح طہر کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ حیض کا معنی طہر ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے ''دعی الصلوۃ ایام اقرائک'' اس کا محمل یہ ہے کہ آپ کا یہ خطاب مستحاضہ کے لیے تھا، کہ جب وہ حیض کا خون دیکھ لے تو نماز کو ترک کر دے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث

میں ''الاقراء'' کا معنی طہر ہے، وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ الاقرء کا اعتبار طہر میں کیا گیا ہے۔ اور مُستحاضہ جب خون کو آتا ہوا دیکھ لے تو وہ نماز کو ترک کر دے گی، یہ ہم کو مُضر نہیں ہے، کیونکہ یہ دو مسئلے الگ الگ ہیں، ایک مسئلہ عدت کا ہے اور ایک مسئلہ نماز کا ہے۔

اگر فقہاء احناف یہ کہیں کہ قرء کے اسم کا اطلاق حیض پر بھی ہوتا ہے کیونکہ جب کسی عورت کو حیض آ جائے تو اس کو ذوات الاقرء کہا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرء کا اسم طہر کے لیے وضع کیا گیا ہے اور یہ حیض کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ طہر محض کا اسم ہے، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ حیض والی عورتوں کے لیے وضع کیا گیا ہے جن کو ذوات الاقرء کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ وہ طہر ہے جس کے بعد حیض نہیں آتا، پس جب اس کے بعد حیض آ جائے تو طہر پایا گیا جس کے بعد حیض آیا۔

بحث مذکور کا حاصل

اور صحابہ کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، پس لائق ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ کے قول کو مقدم رکھا جائے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کے حال کو زیادہ جاننے والی ہیں، کیونکہ حیض کی حالت عورتوں کے ساتھ خاص ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت قُرب حاصل تھا، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت قرب حاصل تھا اور انہوں نے جان لیا تھا کہ حیض کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور جس مصیبت میں وہ مبتلا ہو چکے تو اس کو دوسروں کو بہ نسبت زیادہ جاننے والے تھے۔

رہا ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ ھ کا یہ قول کہ جس نے کسی عورت سے عدت میں نکاح کیا اور اس کے پاس اس عورت کو تین حیض آ گئے تو وہ پہلے حیض سے بائنہ ہو جائے گی اور اس حیض کا شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ عدت میں جو نکاح کیا جاتا ہے وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور اس مرد اور عورت کے درمیان تفریق کی جاتی ہے اور یہ اجتماع العدتین کا مسئلہ ہے۔

اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے، پس اہلِ مدینہ کے فقہاء نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اگر عورت کو ایک حیض آیا یا دو حیض آئے تو وہ اپنی عدت کے باقی ایام پورے کرے گی اور پھر دوبارہ دوسری عدت گزارے گی، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ سے مروی ہے، اور یہی اللیث، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ کا قول ہے۔

اور ابن القاسم مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان دو عدتوں میں سے ایک عدت دونوں کی عدت ہو جائے گی، برابر ہے کہ یہاں پر عدت حمل کے ساتھ ہو یا حیض کے ساتھ ہو یا مہینوں کے ساتھ ہو، اور یہی امام اوزاعی، الثوری، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ اور ابن القاسم کی جو امام مالک سے روایت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا اس پر اجماع ہے کہ پہلا مرد اس عورت سے بقیہ عدت کے اندر دوسرے مرد سے پہلے نکاح نہیں کرے گا، اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ دوسرے مرد کی عدت ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ مرد اس کی عدت میں اس عورت سے نکاح کر سکتا تھا۔ اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو حق ہیں جو دونوں واجب ہیں، اس عورت کے دونوں شوہروں کے لیے، جیسا کہ اس کے باقی حقوق ہیں اور ایک کا حق دوسرے

کے حق میں داخل نہیں ہوگا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۹۳-۳۹۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نوٹ: حافظ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ نے تعلیقاتِ مذکورہ کی شرح میں وہی لکھا ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح سے نقل کر چکے ہیں، تاہم انہوں نے ابن القاسم مالکی کے قول کا یہ حوالہ ذکر کیا ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء للامام ابوبکر جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ ج ۲ ص ۳۰۰، دار البشائر الاسلامیہ ۱۴۱۷ھ، الاستذکار للحافظ ابوعمر بن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۷ ص ۱۹، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

قرء کے لغوی معنی کی تحقیق اور ''قرء'' کے مصداق میں مذاہب فقہاء

امام ابوعبیدہ اللغوی التوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے: ''الاقراء'' قرء کی جمع ہے، اور ''القرء'' کے معنی ہیں: اوقات، کبھی یہ وقت طہر کے لیے ہوتا ہے اور کبھی یہ وقت حیض کے لیے ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے: ''القرء'' کا معنی طہر ہے۔ اسی طرح جو عورت طاہرہ ہو اس کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے، اور قرء کا لفظ کبھی ہمزہ کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی بغیر ہمزہ کے۔

اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جو ''اقراء'' عورت پر واجب ہوتے ہیں، جب اس کو طلاق دی جائے تو ان اقراء کا کیا مصداق ہے، فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جب تک کوئی عورت تیسرے حیض سے غسل نہ کرلے اس وقت تک اس کا شوہر اس سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہوتا ہے اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما متوفی ۳۲ھ کا قول ہے۔ (مجمل اللغت ج ۲ ص ۷۵۰، مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۱۵-۳۱۶، الاستذکار ج ۱۸ ص ۳۴)

اور یہ مذہب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۲ھ اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ متوفی ۳۴ھ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا قول ہے۔ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری التوفی ۱۶۱ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوعبید الہروی متوفی ۲۲۴ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

فقہاءِ شافعیہ اور فقہاءِ احناف کے اس پر دلائل کہ قرء کا لفظ حیض کے لیے وضع کیا گیا ہے یا طہر کے لیے وضع کیا گیا ہے؟

اور ابوبکر بن عبد الرحمن نے کہا: میں نے جن فقہاء کو پایا، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کے قول کے مطابق کہتے تھے کہ الاقراء کا معنی الطہر ہے اور اس میں اہل لغت کا اختلاف نہیں ہے کہ عرب حیض اور طہر دونوں کو قرء کہتے ہیں اور جس وقت میں حیض اور طہر جمع ہو اس کو بھی قرء کہتے ہیں، پس جب لفظ از روئے لغت ان معانی کا محتمل ہے تو واجب ہے کہ ہم اس پر دلیل کو طلب کریں کہ اس آیت یعنی البقرہ: ۲۲۸ھ میں ثلاثۃ قروء کا لفظ جو مذکور ہے اس میں قرء کا کیا معنی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: یہی وہ مدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم فرمایا ہے یعنی طہر میں۔ (صحیح البخاری: ۴۹۰۸)

اور امام مالک اور امام شافعی کے مخالف یعنی فقہاءِ احناف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''دعی الصلوٰۃ ایام اقرائک'' یعنی تم حیض کے ایام میں نماز کو چھوڑ دو، اس حدیث میں اقراء کا اطلاق حیض پر کیا گیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ طہر میں نماز کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیں گے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قرء کا اطلاق

حیض پر بھی کیا جاتا ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ قرء کا اطلاق حیض پر کیا جاتا ہے کیونکہ جب عورت کو حیض آجائے تو اس کو ذوات الاقرء کہا جاتا ہے، تو ہم کہیں گے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ قرء کا اسم اس طہر کے لیے ہے جو حیض سے منتقل ہوتا ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ اس لفظ کو طہر کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۰۸-۵۱۱ ملخصا، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

قرء کا اطلاق حیض پر ہوتا ہے یا طہر پر، اس پر فریقین کے دلائل

شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مسعود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عاصم نے از ابن جریج حدیث بیان کی از مظاہر بن اسلم، از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باندی کی طلاق دو طلاقیں ہیں، اور اس کی عدت دو حیض ہیں، اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ باندی کی عدت دو حیض ہے، اس سے معلوم ہوا کہ البقرہ: ۲۲۸، میں جو ثلثۃ قروء کا لفظ ہے اس میں قرء کا معنی حیض ہے نہ کہ طہر۔

شیخ ابو محمد کہتے ہیں: کہ یہ دونوں حدیثیں ساقط ہیں، ان سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مظاہر بن اسلم ضعیف راوی ہیں، اسی طرح عمر بن شبیب بھی ضعیف راوی ہیں، اور عطیہ بھی ضعیف ہیں، ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اور اگر ان میں سے کسی ایک کی روایت صحیح ہوتی یا دونوں کی صحیح ہوتی تو ہم اس کی مخالفت نہ کرتے۔

ابن حزم الظاہری کی دلیل پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: امام ابوداؤد کی کتاب صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے، اور جس حدیث کے اوپر امام ابوداؤد سکوت فرمائیں وہ حدیث ان کے نزدیک حجت ہوتی ہے اور جو حدیث امام ابوداؤد کے نزدیک حجت ہے اس پر ابن حزم الظاہری کی جرح کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ سعیدی غفرلہٗ

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ حدیث ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مستحاضہ کے لیے فرمایا: ''اذا اتاک قرئک فلا تصلی'' یعنی جب تمہارے پاس تمہارا قرء یعنی حیض آجائے تو تم نماز نہ پڑھنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: واذا مر القرء تطھری، جب وہ حیض گزر جائے تو تم غسل کرنا، پھر تم نماز پڑھنا ایک حیض سے دوسرے حیض تک، اور یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مستحاضہ کو یہ حکم دیا کہ وہ نماز کو اتنے ایام میں ترک کر دے جتنے ایام میں وہ حیض کے دوران نماز کو ترک کرتی تھی۔

شیخ ابن حزم الظاہری اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں: کہ ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ حیض کو قرء بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ تم اس کا انکار نہیں کرتے کہ طہر کو بھی قرء کہا جاتا ہے، ہمارا اختلاف اس بات میں ہے کہ البقرہ: ۲۲۸، میں جو ثلثۃ قروء کا لفظ ہے اس میں قرء سے مراد آیا حیض ہے یا طہر ہے؟۔

شیخ ابن حزم الظاہری کی جرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ ابن حزم الظاہری نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ حیض پر بھی قرء کا اطلاق ہوتا ہے، رہا یہ کہ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ البقرہ: ۲۲۸، میں قرء سے

مراد آیا حیض ہے یا طہر ہے؟ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ثَلٰثَةَ کا لفظ فرمایا ہے یعنی تین قروء، اگر حیض کا معنی اس آیت میں طہر ہو تو جس طہر میں طلاق دی گئی ہے اگر اس کو شمار کیا جائے تو یہ اڑھائی طہر ہوں گے تین طہر نہیں ہوں گے اور جس طہر میں طلاق دی گئی ہے اس طہر کو شمار نہ کیا جائے تو پھر یہ ساڑھے تین طہر ہوں گے، مکمل تین طہر کسی صورت میں بھی نہیں ہوں گے، تو ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ لفظ خاص ہے اور اس سے مراد خاص تین قروء ہیں، اور یہ تین قروء مکمل اسی وقت ہو سکتے ہیں جب قروء سے مراد حیض لیا جائے اور اگر اس سے مراد طہر ہو تو پھر یہ اڑھائی قروء ہوں گے یا ساڑھے تین قروء ہوں گے اور تین قروء اسی وقت ہو سکتے ہیں جب اس سے مراد حیض ہو۔ سعیدی غفرلہ

نیز شیخ ابن حزم الظاہری کہتے ہیں کہ طلاق کے بعد عدت بلا مہلت گزارنا فرض ہے اور طلاق طہر میں دی جاتی ہے، پس معلوم ہوا کہ جو طہر طلاق کے ساتھ متصل ہے، اسی سے عدت شمار ہو گی، نہ کہ حیض کے ساتھ جو کہ طلاق کے ساتھ متصل نہیں ہے اور اگر قرء کا معنی حیض ہو تو ان کے قاعدے کے مطابق یہ واجب ہوگا کہ جس مرد نے عورت کو حالتِ حیض میں طلاق دی، وہ اسی حیض کو قرء قرار دے کر اس کو عدت شمار کرے۔

شیخ ابن حزم الظاہری کی دلیل کا جواب

میں کہتا ہوں کہ ابن حزم الظاہری کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس طلاق سے رجوع کرنا واجب ہے، اور اس طلاق کا شمار نہیں کیا جائے گا، لہٰذا شیخ ابن حزم الظاہری کی یہ دلیل احناف کے خلاف حجت نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ (المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۳۵-۳۷ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ھ)

علامہ السمرقندی الحنفی کی طرف سے "قرء" کی تحقیق

امام ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: عدت میں القرء کا معنی ہے: "الطہر"۔

اور ہمارے نزدیک القرء کا معنی ہے: الحیض۔

(المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۱۳، البدائع الصنائع للکاسانی ج ۴ ص ۲۰۰۳، البنایہ شرح الہدایہ للعینی ج ۴ ص ۱۷۷، مغنی المحتاج للشربینی ج ۳ ص ۳۸۵، کتاب الام للامام الشافعی ج ۵ ص ۲۰۹، الشرح الصغیر للمالکیہ ج ۱ ص ۴۶۲، المغنی لابن قدامہ الحنبلی ج ۷ ص ۴۵۲)

علامہ سمرقندی لکھتے ہیں:

قرء کا لفظ طہر اور حیض دونوں میں حقیقت ہے، کیونکہ یہ لفظ حیض اور طہر دونوں میں شرعاً مستعمل ہوتا ہے اور لغۃً، لغت پر دلیل شاعر کا یہ شعر ہے، اور لغت میں قرء کا معنی حیض ہونے پر یہ شعر دلیل ہے:

یارب ذی ضغن وضب فارض   له قرء کقرء الحائض

ترجمہ: اے میرے رب! میل کچیل والی اور بوڑھی گوہ   اس کا حیض، حائض عورت کے حیض کی طرح ہے

اور لغت میں قرء کے معنی طہر ہونے پر یہ شعر دلیل ہے:

مورثة مال وفی الحی رفعه   لما ضاع فیها من قرء نسائکا

ترجمہ: وہ مال کی وارث کرنے والی ہے اور قبیلہ میں مال کو اٹھانے والی ہے جب کہ اس عورت کا طہر ضائع ہوگیا۔ یعنی جب اس عورت کے رحم میں تمہاری بیویوں کا طہر ضائع ہوگیا، اس شعر میں شاعر نے قرء سے مراد طہر لیا ہے۔
(المبسوط ج ۶ ص ۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور شریعت میں قرء کا معنی حیض ہے، اس پر دلیل درج ذیل حدیث ہے۔

عن ابو امامة الباهلی عن النبی ﷺ: اقل الحیض الجاریة البکر والثیب ثلاثة ایام ولیالیها واکثرها عشرة ایام۔

حضرت ابوامامہ باہلی متوفی ۸۶ھ اپنی سند کے ساتھ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کہ کنواری لڑکی ہو یا شادی شدہ ہو، اس کے حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور راتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس ایام ہیں۔

(سنن دار قطنی عن علقمہ عن عبد اللہ، رقم: ۱۹، وعن انس: رقم ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۵، وعن سفیان: رقم: ۲۴، وعن عثمان بن ابی العاص، رقم: ۲۹، ۳۰، کتاب الحیض ج ۱ ص ۲۰۹، ۲۱۰، والطبرانی عن ابی امامہ کنز العمال وابن الجوزی عن ابی سعید الخدری فی العلل المتناہیہ، وعن عائشہ فی التحقیق، وایضاً ابن عدی عن انس، ورواہ الطبرانی البنایہ شرح الہدایہ للعینی ج ۱ ص ۶۱۷، ۶۱۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں (الدرایہ لتخریج احادیث الہدایہ ج ۱ ص ۸۴) اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۷ھ نے کہا ہے: رہی حدیث واثلہ اور حدیث امامہ اور حدیث انس، پس یہ تمام احادیث ضعیف ہیں اور محدثین کے نزدیک ان کے ضعف پر اتفاق ہے، اور ان کے ضعف کی وضاحت امام دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے کتاب الخلافیات میں ذکر میں کی ہے اور پھر انہوں نے اس کا ذکر السنن الکبیر میں کیا ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج ۲ ص ۳۶۰)

اور حضرت واثلہ بن الاسقع کی حدیث سے مراد یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اقل الحیض ثلاثة ایام واکثرها عشرة ایام، یعنی حیض کی کم سے کم مقدار تین دن ہیں اور زیادہ سے زیادہ مقدار دس دن ہیں، اور رہی حضرت انس کی حدیث، تو انہوں نے کہا: حیض کی مدت تین دن ہے، چار دن ہے، پانچ دن ہے، چھ دن ہے، سات دن ہے آٹھ دن ہے اور نو دن ہے، اور رہی حدیث واثلہ، تو اس کی امام الدارقطنی نے روایت کی ہے اور رہی حدیث حضرت انس کی تو اس کی روایت امام ابن عدی نے الکامل فی ضعفاء میں کی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ حضرت فاطمہ بنت ابی حُبیش رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں:

''دعی الصلوٰة قدر الایام التی تحیضین فیها'' اور دوسری روایت میں ہے ''دعی الصلوٰة یوم قرئك''۔
(صحیح البخاری: ۳۲۵، بحث کتاب الحیض)

اس حدیث میں قرء کا اطلاق حیض پر ہے، اور اس میں قلیل اور کثیر کا فرق نہیں بیان کیا گیا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کہ جن ایام میں تم کو استحاضہ آ رہا ہے، ان ایام میں تم اتنے دن نماز کو چھوڑ دو، جتنے دن تم حیض کے ایام میں نماز کو چھوڑتی ہو۔

اور امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ، نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

تمکثی قدر ما کانت تحبسک حیضتک ثم اغتسلی وصلی۔ (صحیح مسلم:۱۵۶۶، کتاب الحیض باب المستحاضہ) یعنی تم اتنے دنوں تک ٹھہری رہو جتنے دنوں تک تم کو حیض ٹھہراتا تھا، پھر تم غسل کرنا اور نماز پڑھنا۔

اور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ، نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

فامرها ان تدع الصلوٰۃ ایام اقرائها۔ (سنن ابوداؤد:۲۸۱، کتاب الطہارۃ، باب المرأۃ تستحاض) یعنی آپ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کو یہ حکم دیا کہ وہ ایام اقراء میں نماز کو چھوڑ دیں۔

اور چونکہ ایام طہر میں نماز کو نہیں چھوڑا جاتا اس لیے اس حدیث میں اقراء سے مراد ایام حیض ہیں۔

اور امام احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

تترک الصلوٰۃ قدر اقرائها وحیضها وتغتسل وتصلی۔ یعنی ایام اقراء اور ایام حیض میں تم نماز کو چھوڑ دو، اور پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔

اور اس روایت کے دوسرے الفاظ ہیں:

واذا اتاک قرئک فلا تصلی واذا مر قرئک فلتطهری، یعنی جب تمہارے پاس تمہارا حیض آ جائے تو تم نماز نہ پڑھنا، اور جب تمہارا حیض گزر جائے، پھر تم غسل کرنا۔ (سنن نسائی: ج ۱ ص ۱۸۴-۱۸۳، بحث کتاب الحیض والاستحاضہ باب ذکر الاقراء)

اور امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

اذا اتاک قرئک فلا تصلی، یعنی جب تمہارے پاس تمہارا حیض آ جائے تو تم نماز نہ پڑھنا (سنن ابن ماجہ: رقم:۶۲۰) اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: دعی قدر الایام ولیالی التی کنت تحیضین، تم اتنے دن اور اتنی راتوں میں حیض آنے کی صورت میں نماز چھوڑ دیتی ہو، اتنے دن نماز کو چھوڑ دینا۔ (سنن ابن ماجہ: رقم:۶۲۳)

اور ان الفاظ کے ساتھ بھی روایت ہے۔

درج ذیل حدیث ہے کہ:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ (ان کو ابن وہب بھی کہا جاتا ہے اور ان کو ابن عمر بن وہب بن عریب بن وہب بن رباح الباہلی ابوامامہ بھی کہا جاتا ہے، یہ ۸۶ھ میں فوت ہو گئے تھے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

تدع الصلوٰۃ ایام اقرائها۔ تم ایام حیض کے اندر نماز کو چھوڑ دو۔

(سنن ابن ماجہ رقم: ۶۲۵، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی المستحاضۃ قد عدت ایام اقرائها)

اور امام احمد نے کتاب الحیض والنفاس باب المستحاضہ میں اس حدیث کی انہی الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔
(الفتح الربانی ج ۲ ص ۱۷۲، رقم الحدیث:۳۹)

اور امام احمد بن حسین بیہقی الشافعی متوفی ۴۵۸ھ نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

امکثی قدر ما کانت تحبسک حیضتک، ثم اغتسلی۔

اوران الفاظ کے ساتھ بھی روایت کی ہے:

ان اتاک قرئک فلا تصلی۔

یعنی جب تمہارے پاس تمہارا اقرء یعنی حیض آ جائے تو تم نماز نہ پڑھنا اور اتنے دنوں تک نماز نہ پڑھنا جتنے دنوں تک تمہارا حیض تمہیں نماز پڑھنے سے روکے رکھتا ہے، پھر تم غسل کر کے نماز پڑھنا۔ (سنن بیہقی: ج ا ص ۳۳۲، ۳۳۱)

امام دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنت میں سے یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ہر قرء میں ایک طلاق دے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۸۴، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶)

اس حدیث میں قرء سے مراد طہر ہے اور یہ اس لیے ہے کہ قرء کا لفظ وقت کے لیے ہے اور ہر طلاق کے لیے الگ الگ وقت ہے، پس قرء کا لفظ حیض اور طہر دونوں میں حقیقت ہے، مگر ہمارے اصحاب احناف نے باب العدۃ کے اندر حیض کو ترجیح دی ہے، اور امام شافعی نے باب العدۃ میں طہر کو ترجیح دی ہے۔

(فتاویٰ ابواللیث السمرقندی المسماۃ بمختلف الروایہ، ج ۲ ص ۱۰۴۶-۱۰۴۷، مکتبہ محمدیہ، سلام کتب مارکیٹ گرومندر کراچی)

قرء کے لغوی معنی کی تحقیق

الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

الاصمعی نے کہا ہے: القرء (قاف پر پیش ہے اور ابوزید نے کہا قاف: پر زبر ہے) ''اقرأت المراۃ'' یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب عورت کے رحم میں نطفہ مستقر ہو جائے اور کہا جاتا ہے: ''قعدت المرأۃ ایام اقرائها'' یعنی عورت ایام حیض میں بیٹھ گئی، اور ثعلب نے کہا: القرء کا معنی ہے: الوقت، اور یہ لفظ کبھی حیض میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی طہر میں، نیز انہوں نے کہا: قرأت المرأۃ قرءا، یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب عورت کو حیض آئے اور وہ حیض سے پاک ہو جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ اسمائے مشترکہ میں سے ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ القرء حیض میں حقیقت ہے اور طہر میں مجاز ہے۔

ان صحابہ کے اسماء گرامی جنہوں نے کہا کہ قرء کا معنی حیض ہے

اور جن صحابہ کرام نے یہ کہا کہ قرء کا معنی حیض ہے، وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ ہیں، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ، اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ متوفی ۳۴ھ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۲ھ۔

ان فقہاء اور تبع تابعین کے اسماء جنہوں نے کہا قرء کے معنی حیض ہے

اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن مسیب متوفی ۹۰ھ، اور علقمہ اور الاسود، اور ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی مخزومی متوفی ۱۰۴ھ

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ اور محمد بن سیرین اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۷ھ اور عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ اور مکحول اور عطاء بن ابی مسلم الخراسانی متوفی ۱۵۳ھ۔

اور تابعین میں سے ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی (استاذ حماد) متوفی ۹۶ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام اوزاعی۔ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ (الفقہ الحنفی وادلتہ، ج ۲ ص ۲۴۳-۲۴۴، دار الکلم الطیب، دمشق بیروت ۱۴۲۰ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

(البقرہ:۲۲۸)

اس آیت میں المطلقات سے مراد ذوات الحیض ہیں، یعنی جن عورتوں کو حیض آتا ہو، جیسا کہ سورۃ الطلاق میں مذکور ہے اور تربص کا معنی ہے: انتظار اور یہ صیغہ خبر کا ہے اور معنی میں امر ہے، یعنی عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ان کو طلاق دی جائے تو وہ تین حیض تک اپنے آپ کو دوسروں کے ساتھ نکاح سے روکے رکھیں۔

حافظ ابوعمر بن عبدالبر مالکی نے کہا ہے: میرے علم میں ایسا کوئی فقیہ نہیں ہے جس نے کہا ہو الاقراء کا معنی الاطہار ہے۔ اور یہ زہری کے علاوہ کسی نے کہا ہے۔ اور اس قول پر یہ لازم آتا ہے کہ جو عورت عدت گزار رہی ہے وہ اس وقت تک حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ چوتھے حیض میں داخل ہو جائے۔ اور علماء مدینہ کا صحابہ اور تابعین میں سے اس پر اتفاق ہے اور اسی طرح امام شافعی کا اور امام مالک کا اور امام احمد کا اور ان کے متبعین کا، کہ جب کوئی عورت تیسرے حیض میں ہو تو وہ پاک ہو جائے گی، اس شرط کے ساتھ کہ اس کو طہر میں طلاق دی گئی، لیکن اگر اس کو حیض میں طلاق دی گئی ہے تو اس حیض کا شمار نہیں کیا جائے گا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس عورت کے اوپر دو عدتیں جمع ہو جائیں تو وہ دونوں عدتیں گزارے گی۔ اور فقہاء احناف سے روایت ہے اور امام مالک سے بھی ایک روایت ہے کہ اس کے لیے ایک عدت کو گزارنا کافی ہے، اسی طرح الزہری کا قول ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۷۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، پاکستان ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۰-۵۳۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (البقرہ:۲۲۸)

طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے، اور ان (طلاق رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں، بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے

ساتھ رہنے کا ہو، اور عورتوں کے لیے دستور کے مطابق مردوں پر
اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں
اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ بہت غالب
بڑی حکمت والا ہے O

البقرہ: ۲۲۸ کی شرح از مصنف، قرء کے معنی کی تحقیق اور شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں طلاق دی گئی، اس وقت مطلقہ کے لیے کوئی عدت نہیں ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کو بیان فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۷۴)

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت تین قروء بیان فرمائی ہے اور قروء کا معنی حیض ہے، اس کی ایک اور جمع اقراء بھی آتی ہے۔ (الصحاح ج ۱ ص ۶۴) قروء کے معنی حیض ہونے پر یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ کے متعلق فرمایا: تم اپنے ایام اقراء (''قرء'' کی جمع ہے) میں نماز کو چھوڑ دو، جن میں تم کو حیض آتا ہے، پھر تم غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو، نماز پڑھو اور روزہ رکھو۔ (جامع ترمذی ص ۴۴، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۴۷)

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عدت والی عورت کو بہ وقتِ ضرورت اپنا حیض یا اپنا حمل نہیں چھپانا چاہیے ورنہ وہ سخت ترین گناہ گار ہوگی۔

عورتوں کے مردوں پر یہ حقوق ہیں: (۱) مرد عورتوں کے ساتھ زبردستی نکاح نہ کریں (۲) کھانے پینے، بات چیت کرنے اور دیگر عائلی اور خانگی معاملات میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ رہیں (۳) اسی طرح عورت کی صورت یا سیرت ناپسند ہونے پر بھی اس سے ازدواج کے ناطے کو نہ توڑیں اور صبر و شکر کے ساتھ اس کے ہمراہ زندگی بسر کریں۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عورت سے ایسی اولاد عطا کرے جس کو دیکھ کر اس کی بری عادات مرد کو بھول جائیں یا کسی اور وجہ سے اللہ تعالیٰ اس نکاح میں ڈھیروں برکتیں نازل فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور ان کو جسمانی اور عقلی قوت زیادہ عطا کی ہے۔ دوسری فضیلت یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں کے اخراجات کا کفیل بنایا ہے اور ان کے گھر کا منتظم بنایا ہے تیسری فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر حاکم بنایا اور عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا پابند کیا ہے۔ چوتھی فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت دی کہ وہ اس کو اس کی نافرمانی پر تادیباً مار سکتا ہے اور پانچویں فضیلت یہ دی کہ عورت کو اس کا پابند کیا کہ وہ مرد کی غیر حاضری میں اس کی عزت کی حفاظت کرے اور اپنی پارسائی کو مجروح نہ کرے اور اس کے مال کی بھی حفاظت کرے، غرضیکہ جسمانی قویٰ، کھانے پینے، رہائش اور لباس کے اخراجات اور شوہر کے احکام کی تعمیل اور اس کے مال اور اپنی عفت کی حفاظت، ہر اعتبار سے عورت کو مرد کا تابع اور محکوم قرار دیا ہے ''بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ'' (البقرہ: ۲۳۷) نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے، اس آیت میں یہ بتایا کہ نکاح کی گرہ کو قائم رکھنے یا طلاق کے ذریعہ اس کو توڑنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے مرد کے ہاتھ میں رکھا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مرد و عورت میں سے ہر فریق دوسرے کے حقوق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے، بیوی خاوند کی اطاعت کرے اور خاوند اس کے جملہ حقوق کا خیال رکھے اور ہر ایک دوسرے کے لیے بن سنور کر رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں اپنی بیوی کے لیے بن سنور کر رہتا ہوں،

جیسے وہ میرے لیے بن ٹھن کر رہتی ہے، ضرورت کے وقت ہر فریق دوسرے کے کام آئے اور بیماری میں ہر فریق دوسرے کا علاج اور خدمت کرے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۵۶، فرید بک اسٹال لاہور)

صحیح البخاری کی تعلیقات کی شرح از العثیمین، شیخ عثیمین کا شیخ ابن تیمیہ پر تعاقب

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حنبلی المتوفی ۷۲۸ھ نے کہا ہے کہ البقرہ: ۲۲۸، میں المطلقات سے مراد ہے: طلاق یافتہ رجعیہ جو تین حیض عدت گزاریں گی اور باقی عورتیں ایک حیض عدت گزاریں گی، لیکن اس آیت کو عموم پر محمول کرنا زیادہ اولیٰ اور احوط ہے، کیونکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول شاذ ہے، اور گویا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنے شذوذ پر مطلع نہیں ہوئے۔

جس مرد نے عدت کے دوران نکاح کیا اس کے نکاح کا فساد

ہر حال میں مسئلہ یہ ہے کہ جس مرد نے کسی عورت سے دورانِ عدت نکاح کیا اور پھر اس سے جماع کر لیا تو اس کا نکاح فاسد ہے، کیونکہ عدت کے دوران نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (البقرہ: ۲۳۵)

اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم (عدت والی عورتوں کو) اشارہ، کنایہ سے نکاح کا پیغام دو یا تم اپنے دلوں میں چھپاؤ، اللہ کو علم ہے کہ (عدت کے بعد) عنقریب تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے، لیکن تم (عدت سے پہلے) ان سے کوئی خفیہ وعدہ نہ کرو، البتہ شریعت کے موافق ان سے بات کرو، اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، سو اس سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، نہایت حلم والا ہے O

عدت کے دوران پیغام نکاح دینے کی ممانعت کی تفصیل اور عدت کے احکام شرعیہ اور عزم کا معنی

عدت خواہ کوئی بھی ہو، اس کے احکام شرعیہ یہ ہیں:

مسلمان منکوحہ بالغہ عورت جب طلاقِ ثلاثہ مغلظہ کی عدت گزارے یا عدت وفات گزارے تو انقطاع نکاح پر افسوس کے اظہار کے لیے زینت کو ترک کر دے، زیورات اور ریشمی کپڑے نہ پہنے، باریک دندانوں کی کنگھی سے بال نہ سنوارے، خوشبو اور تیل نہ لگائے، سرمہ اور مہندی نہ لگائے، زعفران اور سرخ یا زرد رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے، ہاں! عذر کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کر سکتی ہے۔ (درمختار علی ہامش الرد ج ۱ ص ۲۱۶-۲۱۷)

ہر قسم کی عدت گزارنے والی کو نکاح کا پیغام دینا حرام ہے، البتہ اشارہ کنایہ سے اپنا مدعا ظاہر کرنا جائز ہے، مثلاً کہے: مجھے امید ہے کہ ہم اکٹھے رہیں گے، یا آپ بہت خوبصورت ہیں یا نیک ہیں، بہ شرطیکہ وہ عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو اور عدتِ طلاق میں

ایسا کہنا مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کے شوہر کے ساتھ عداوت پیدا ہوگی۔ (درمختار علی ھامش الردج ۱ ص ۲۱۷-۲۱۸)

اس آیت میں طلاق یا وفات کی عدت گزارنے والی عورت سے نکاح کرنے کے ارادہ سے بھی منع فرمایا ہے اور دورانِ عدت اس سے نکاح کا عزم (پکا ارادہ) کرنا حرام ہے اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان تلواروں سے لڑیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے، مقتول کے جہنمی ہونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح البخاری: ج ۱ ص ۹)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اگر کسی شخص نے قتل نہ کیا ہو بلکہ صرف قتل کا عزم کیا ہو، وہ پھر بھی جہنمی ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ فعل حرام کا عزم اور پکا ارادہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اس پر استحقاق عذاب ہے، البتہ ''ھَم'' پر مواخذہ نہیں ہوتا ''ھَم'' اور ''عزم'' میں فرق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص راجح اور غالب طور پر کسی کام کو کرنا چاہے اور مرجوح اور مغلوب طور پر کام نہ کرنا چاہے تو یہ ''ھَم'' ہے اور جب سو فیصد کام کا پختہ ارادہ ہو تو یہ ''عزم'' ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۰-۵۹، فرید بک اسٹال لاہور)

عدت کے دوران کیے ہوئے نکاح کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں فقہاءِ تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے، پس ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں پہلی عدت مکمل ہونے کے بعد دوبارہ عدت کو شروع کیا جائے گا، پس اس عورت کے اوپر چھ حیض ہوں گے، تین حیض پہلی عدت کے ہوں گے اور تین حیض دوسری عدت کے، اور ابراہیم نخعی المتوفی ۹۶ھ، اور محمد بن عبداللہ بن مسلم بن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کی رائے یہ ہے کہ وہ تین حیض دونوں عدتوں کے لیے شمار کیے جائیں گے اور ایک عدت دوسری عدت میں داخل ہو جائے گی، اور اس پر لازم ہے کہ وہ تین حیض عدت گزارے اور ان میں سے ہر ایک کے قول کی توجیہ ہے۔

رہے ابراہیم النخعی تو ان کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ یہ دونوں عدتیں دو شخصوں کی ہیں، ان میں سے ہر ایک کا حق ہے، اور ایک کا حق دوسرے کے حق میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر پہلا شخص یہ ارادہ کرے کہ وہ اس عورت سے رجوع کرلے تو اس کے لیے تیسرے حیض کی ابتداء میں رجوع کرنا جائز ہے اور اگر یہ عدت دوسرے کی ہوتی تو یہ رجوع نہ کر سکتا۔

اور رہے زہری تو ان کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ عدت سے یہ مراد ہے کہ عورت کے رحم سے بری ہونے کا علم ہو جائے، اور یہ عدت کی سب سے بڑی وجہ ہے اور اس سے حقوق کی اور ازواج کی حفاظت ہوتی ہے اور اس کے لیے تین حیض کی عدت کافی ہے، عام ازیں کہ یہ عدت ایک مرد کی ہو یا متعدد مردوں کی ہو۔ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کا مشہور مذہب پہلا ہے جیسا کہ ابراہیم نخعی کا قول ہے، اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا مذہب وہ ہے جو زہری کا قول ہے، اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

باب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض انتظار کریں

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان مطلقات سے مراد وہ عورتیں ہیں جنہیں حیض آتا ہو اور ان کے شوہروں نے ان سے جماع کیا ہو، ان کے شوہر اگر انہیں

طلاق دیں تو تین حیض عدت پوری کرنے کے بعد وہ نکاح کر سکتی ہیں، اس عموم سے منکوحہ لونڈی جسے طلاق دی جائے مستثنیٰ ہے، وہ دو حیض عدت پوری کرے گی، کیونکہ لونڈی منکوحہ کی عدت آزاد عورت کی عدت سے نصف ہے، اور تین حیض کا نصف ڈیڑھ حیض ہے، چونکہ حیض متجزی نہیں ہے، اس لئے دوسرا حیض بھی مکمل شمار ہوگا، اس میں چاروں اماموں کا اتفاق ہے اور یہ کہنا ضعیف ہے کہ اس میں آزاد اور لونڈی برابر ہیں۔

ابراہیم نخعی نے اس شخص کے بارے میں جو عدت میں نکاح کرے اور اس کے پاس عورت کو تین حیض آئیں، کہا کہ وہ پہلے حیض سے بائنہ ہو جائے گی اور اس حیض کو بعد والے شوہر کے لیے شمار نہ کرے گی۔

اس صورت میں دو عدتوں کا اجتماع ہے۔ علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ جس شخص نے عدت میں نکاح کر لیا اس کا نکاح فسخ کیا جائے گا اور ان میں تفریق کر دی جائے گی، پس اگر کسی نے عدت میں نکاح کیا اور اس کے پاس عورت کو تین حیض آئے تو وہ پہلے حیض سے بائن ہو جائے گی، کیونکہ اس شوہر سے اس عورت کی یہی عدت ہے اور یہ عورت پہلے شوہر کے بعد اس حیض کو شمار نہ کرے گی بلکہ دوسرے شوہر کے لئے دوسری عدت پوری کرے گی۔ مدینہ منورہ والے امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر اسے پہلے شوہر کے پاس ایک یا دو حیض آئے تو اس کی وہ باقی عدت بھی پوری کرے، پھر دوسرے شوہر کے لئے مستقل عدت پوری کرے، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک سے ابن قاسم کی روایت کے مطابق ایک عدت دونوں کے لئے شمار ہوگی، اوزاعی، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ کا یہی مذہب ہے، کذا فی الہدایہ۔

زہری نے کہا: یہ عورت اس حیض کو پہلے شوہر کے بعد شمار کرے گی، زہری کا قول سفیان ثوری کو بہت پسند ہے۔ یعنی پہلا حیض دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور وہ اس میں متداخل ہوں گے اور دوسرے دو حیض دوسرے کے لئے ہوں گے، لہٰذا متداخل سمیت اور دو حیض پورے کر کے شوہر ثانی سے نکاح کر سکتی ہے۔

معمر نے کہا: جب عورت کا حیض قریب آ جائے تو کہا جاتا ہے: ''اقرأت المرء ة''۔

اور جب طہر قریب آ جائے تو اقراءت کہا جاتا ہے اور جب عورت کے پیٹ میں بچہ کی صورت پیدا نہ ہو سکے تو کہا جاتا ہے: ''ما قرأت بسلی قط''۔ اس سے امام کا مقصد یہ ہے کہ لفظ قُرء حیض اور طہر دونوں میں مستعمل ہے اور یہ اضداد میں سے ہے کہ ایک لفظ دو ضدوں میں استعمال ہو، علماء کی ایک جماعت نے کہا: قرء بمعنی حیض ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ اور صحیح تر روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل بھی یہی کہتے ہیں، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان وعلی اور دیگر صحابہ کرام سے بھی یہی منقول ہے۔

امام مالک، شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کہتے ہیں کہ قرء بمعنی طہر ہے۔ یہ ابن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک مطلقہ جب تیسرے حیض کے خون میں داخل ہوگی تو عورت اس حیض کو شمار کرے گی اگرچہ اس طہر میں جس میں طلاق واقع ہوئی تھی کے ایک دو دن باقی ہوں، اور پہلے حضرات کے نزدیک مطلقہ کسی شخص کے لئے حلال نہ ہوگی، حتیٰ کہ تیسرے حیض کے بعد غسل کرے۔ کتب فقہ میں اس مسئلہ کی تفصیل مذکور ہے۔ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۹۴-۳۹۳ ۳، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

۴۱۔ بَابُ: قِصَّةِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ — حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا قصہ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا — اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت)

يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ (الطلاق:۱)

ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کردے ○

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ○ (الطلاق:۷۔۶)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلادے گی ○ صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کردے گا ○

الطلاق:۱ کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۹۹۸ھ، مذکورہ آیات کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

عدت کے ساتھ بہت سے فقہی مسائل وابستہ ہیں، ایام عدت میں عورت کا نفقہ اور سکنی مرد کے ذمہ ہے، ایام عدت میں اگر زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو دوسرا متوفی کا وارث ہوتا ہے، عدت گزارنے سے پہلے عورت کسی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت آزاد ہے، جس سے چاہے نکاح کرے، پہلا خاوند یا اس کے رشتہ دار اس کو روک نہیں سکتے، اس کے علاوہ کئی دیگر مسائل کا عدت سے گہرا تعلق ہے، اگر اس کو معمولی سی بات سمجھ لیا گیا، اس کی ابتداء اور انتہاء کا پوری طرح خیال نہ کیا گیا تو طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی، عدالت بھی اس وقت تک کوئی فیصلہ صادر نہ کرسکے گی، جب تک عدت کی ابتداء اور انتہاء کا صحیح طریقہ نہ ہو جائے۔ اس لیے حکم دیا کہ عدت کو پوری احتیاط کے ساتھ شمار کرو، یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہی نہیں، عورتیں بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ دونوں کے متنوع قسم کے مفادات کا اس پر دار و مدار ہے، کیونکہ ان مسائل کا تعلق مرد اور عورت کی پرائیویٹ زندگی سے ہے، ان کا صحیح علم انہی کو حاصل ہے، دوسرے لوگ ان حالات پر آگاہ نہیں ہوسکتے، اس لیے یہاں خاص طور پر فریقین کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

مردوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ طلاق دینے کے فوراً بعد وہ اپنی بیوی کو اس کی رہائش گاہ سے باہر نہ نکال دیں، اس کو یوں بے سہارا اور بے آسرا کر کے گھر سے نکال دینا بڑی سنگ دلی ہے، جب تک وہ عدت گزار رہی ہے اس کا نفقہ اور اس کی رہائش کا انتظام مرد

کے ذمہ ہے، اسی طرح عورت کو بھی حکم دیا کہ وہ طلاق مل جانے کے بعد اپنے اس پہلے گھر سے فوراً نہ نکل جائے بلکہ ایام عدت وہاں ہی پورے کرے، اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد کر دی گئی ہے اور اس کی رہائش کا انتظام بھی مرد کے ذمہ ہی ہے۔ اس کی حکمت آیت کے آخری جملہ لا تدری لعل اللہ الآیہ میں بیان کی گئی ہے کہ طلاقِ رجعی کی صورت میں اگر وہ ایک جگہ رہیں گے تو عین ممکن ہے کہ خاوند کے دل میں اس کے بارے میں جو نفرت پیدا ہوگئی ہے وہ محبت سے بدل جائے، وقتی جوش میں آ کر اس نے جو اقدام کیا ہے اس پر وہ نظر ثانی کرے یا عورت اپنی کوتاہیوں پر نادم ہو کر اپنے خاوند کو راضی کر لے اور اس طرح ایک اجڑا ہوا گھر پھر آباد ہو جائے۔

آپ نے دیکھا اسلام آخری وقت میں بھی دلوں کو جوڑنے کی کس طرح کوشش کرتا ہے، بگڑے ہوئے حالات کو سنوارنے کا آخری موقع بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ (یہاں چند فقہی مسائل کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا):

(۱) وہ عورت جسے خاوند نے رجعی یا بائن طلاق دے دی ہو وہ اپنے گھر سے نہ دن کو نکل سکتی ہے نہ رات کو، البتہ بیوہ عورت کو ضروری کام کے لیے دن میں نکلنے کی اجازت ہے لیکن رات وہ اپنے گھر میں آ کر بسر کرے۔

(۲) اگر طلاق رجعی ہے تو پھر مرد اور عورت کے درمیان کسی حجاب کی ضرورت نہیں، بلکہ عورت کے لیے مستحسن ہے کہ وہ بناؤ سنگھار کرے تا کہ دلوں کی کدورت دور ہو۔

(۳) اگر طلاقِ بائن ہے تو پھر عورت کو مرد سے پردہ کرنا چاہیے، بہتر ہے کہ کوئی ایسی ثقہ عورت ان کے پاس رہے جس کی موجودگی میں یہ کوئی غیر شرعی حرکت نہ کر سکیں۔

(۴) اگر خاوند فاسق ہے یا مکان بہت تنگ ہے تو پھر مرد کو کہا جائے گا کہ وہ اس گھر سے نکل جائے۔

ہاں عورت اگر حرام کاری کا ارتکاب کرتی ہے یا چوری چکاری سے باز نہیں آتی، یا بڑی بدزبان ہے اور اپنے خاوند کے ماں باپ، بھائی بہن سے گالی گلوچ کرتی اور برا بھلا کہتی رہتی ہے یا اب بھی خاوند کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرتی ہے تو ان تمام صورتوں میں خاوند اپنے گھر سے نکال سکتا ہے، یہ مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد علامہ جصاص لکھتے ہیں:

ھذہ المعانی کلھا یحتملھا اللفظ وجائز ان یکون جمیعھا مرادا، آیت کے الفاظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتے ہیں اور جائز ہے کہ آیت سے یہ تمام معانی مراد ہوں۔ (احکام القرآن للجصاص)، تنبیہ فرما دی کہ یہ مسائل ایسے نہیں ہیں جن پر عمل کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی پر موقوف ہو، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو سراپا حکمت ہیں، تمہارے لیے اطمینان و سکون کا باعث ہیں جو شخص ان کی پابندی سے گریز کرے گا، وہ اپنے آپ پر ظلم توڑے گا، اس کی زندگی سکون اور اطمینان سے محروم ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا بھی وہ حقدار بن جائے گا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۷۶-۲۷۵، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

الطلاق: ۱، ۶، ۷، کی تفسیر از مصنف

دورانِ عدت عورتوں کو گھروں سے نکالنے یا ان کے از خود نکلنے کی ممانعت

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں شوہروں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ دورانِ عدت اپنی بیویوں کو گھروں سے نکالیں، اور عورتوں کو بھی از خود نکلنے

سے منع فرمایا ہے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دورانِ عدت عورتوں کو رہائش فراہم کرنا واجب ہے، کیونکہ جن گھروں سے عورتوں کے نکالنے کو منع فرمایا ہے یہ وہ گھر ہیں جن میں عورتیں طلاق سے پہلے رہتی تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عورتوں کو انہی گھروں میں رکھا جائے، ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ شوہر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مطلقہ عورت کو اپنے ساتھ لے کر سفر پر جائے حتیٰ کہ وہ اس سے رجوع کرے اور رجوع پر گواہ قائم کرے، اور انہوں نے مطلقہ عورت کو عدت کے دوران سفر کرنے سے منع کیا ہے۔

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ طلاق رجعی میں بیوی کو کھانے پینے کا خرچ اور رہائش مہیا کرے اور اس کو اپنے گھر سے نہ نکالے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۵۴)

کھلی بے حیائی کی متعدد تفاسیر

کھلی بے حیائی کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عدت پوری ہونے سے پہلے عورت کا گھر سے نکلنا کھلی بے حیائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورت دورانِ عدت اپنے خاوند سے بدزبانی اور بدکلامی کرے تو خاوند کا اس کو گھر سے نکالنا جائز ہے۔

ضحاک نے کہا: اس آیت میں کھلی بے حیائی سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورت خاوند کی نافرمانی کرے۔

حسن بصری اور زید بن اسلم نے کہا: کھلی بے حیائی سے مراد ہے وہ زنا کرے، پھر اجرائے حد کے لیے اس کو گھر سے باہر جانا پڑے گا۔

علامہ ابوبکر رازی نے کہا: کھلی بے حیائی کی تفسیر میں یہ تمام معانی درست ہیں۔

پھر فرمایا: اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔
(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۵۴، سہیل اکیڈمی، لاہور)

ایک طہر میں تین طلاق دینے کی تحریم

اس آیت میں یہ دلیل ہے جس نے خلافِ سنت طلاق دی اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، کیونکہ اس سے پہلے فرمایا ہے: جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، سو جس نے اس کے خلاف کیا یعنی حیض میں طلاق دی یا اس طہر میں طلاق دی جس میں وہ اس سے جماع کر چکا تھا تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، نیز سنت طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے، سو جس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اس نے بھی اپنی جان پر ظلم کیا۔

ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے کی اباحت پر امام شافعی کے دلائل

امام شافعی اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک تین طلاقیں دینا مباح ہے، ان کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

سلمہ بن ابی سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام سلمہ کو ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ ان کے اصحاب میں سے کسی نے ان پر مذمت کی۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۷)

سلمہ بن ابی سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

عہد میں کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے شوہر سے الگ کر دیا اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ان کی مذمت کی۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۹)

کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاق دینے کی تحریم کے متعلق احادیث اور ان کی وجہ ترجیح

کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے کی تحریم پر امام دار قطنی اور امام بیہقی کو حدیث نہیں پہنچی، لیکن ہمارے پاس بہ کثرت احادیث موجود ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے پر ناراضی کا اظہار فرمایا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب اباحت کی احادیث اور تحریم کی احادیث میں تعارض ہو تو تحریم کی احادیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اس کو قتل نہ کر دوں؟ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۹۸)

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر یہ ارادہ کیا کہ ان کو دو طہروں میں مزید دو طلاقیں دیں، جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: اے ابن عمر! اللہ تعالیٰ نے اس طرح نہیں فرمایا، تم نے سنت طلاق (طریقہ طلاق) میں خطا کی، سنت یہ ہے کہ تم طہر کا استقبال کرو اور ہر طہر میں طلاق دو۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے اس طلاق سے رجوع کر لیا، پھر آپ نے فرمایا: جب وہ پاک ہو جائے تو پھر تم اس طہر میں خواہ اس کو طلاق دو، خواہ اپنے پاس رکھو، پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیں اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے جائز ہوتا کہ میں اس سے رجوع کر لیتا؟ آپ نے فرمایا: نہیں! وہ تم سے الگ ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل معصیت ہوتا۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۴)

فی نفسہ طلاق کے ناپسندیدہ ہونے کے متعلق احادیث

تین طلاقیں دینا سنت کیسے ہو سکتا ہے جب کہ فی نفسہ طلاق دینا ناپسندیدہ عمل ہے، اور بہ کثرت احادیث میں طلاق دینے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، طلاق دینا صرف شدید ضرورت کی بناء پر مشروع کیا گیا ہے جب شوہر اور بیوی کے درمیان مزاج کی ہم آہنگی نہ ہو اور کسی طرح بھی ان میں موافقت نہ ہو سکے یا بیوی بدچلن اور آوارہ ہو اور سمجھانے سے باز نہ آئے اور جب کوئی ایسی ناگزیر وجہ نہ ہو تو طلاق دینا سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال کاموں میں جو کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ موجب غضب ہے وہ طلاق دینا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۷۸)

حضرت محارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جو اس کے نزدیک طلاق سے زیادہ موجب بغض ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۷۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۱۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عیب کے بغیر عورتوں کو طلاق مت دو، کیونکہ اللہ عزوجل چکھنے والے مردوں اور چکھنے والی عورتوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۴۹۷-۱۴۹۸)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہو اور اس نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک طلاق دینے سے زیادہ مبغوض ہو اور جب کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا: تو ان شاء اللہ آزاد ہے تو وہ اسی وقت آزاد ہو جائے گا اور ان شاء اللہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ان شاء اللہ تجھے طلاق ہے تو اس پر طلاق نہیں پڑے گی اور وہ استثناء کر سکتا ہے۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۱۹۱۸، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۳۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۶۱، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۶۴۳)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: طلاق کی چار قسمیں ہیں۔ دو حلال ہیں اور دو حرام ہیں، جو دو طلاقیں حلال ہیں وہ یہ ہیں: (۱) کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو (۲) وہ اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دے جب اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو، اور جو دو طلاقیں حرام ہیں، وہ یہ ہیں: (۱) کوئی شخص اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے (۲) کوئی شخص جماع کرتے وقت اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس کو اس کا پتا نہ ہو کہ اس کا نطفہ رحم میں پہنچ گیا ہے یا نہیں۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۲۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کرو اور (بلا عذر) طلاق نہ دو، کیونکہ طلاق دینے سے عرش کانپنے لگتا ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۹۱، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۱۲، علامہ سیوطی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے، اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۵۱، تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۰۲، الاحادیث الضعیفہ رقم الحدیث: ۱۳۱۷، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔

عدت طلاق کے دوران عورت کے گھر سے باہر نکلنے پر ایک حدیث سے جواز کا استدلال

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (الطلاق: ۱) تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے لکھا ہے کہ فقہاءِ احناف کا مذہب یہ ہے کہ عدتِ طلاق کے دوران عورت کا گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ درج ذیل حدیث اس کے خلاف ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق دی گئی، انہوں نے اپنی کھجوریں درخت سے اتارنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے ان کو گھر سے نکلنے سے منع کیا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! تم اپنے درخت سے کھجوریں اتارو کیونکہ ہو سکتا ہے تم ان کھجوروں کو صدقہ کر دو یا کوئی اور نیک کام کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۳)

اس حدیث کی بناء پر علامہ قرطبی مالکی کا مذہب احناف کو رد کرنا

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے اس قول پر دلیل ہے کہ جو عورت عدت طلاق میں ہو، وہ اپنی ضروریات کے لیے دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے اور رات میں اس پر لازم ہے کہ وہ گھر آ جائے، امام مالک فرماتے ہیں: خواہ اس کو طلاق رجعی دی گئی ہو یا طلاق بائن دی گئی ہو، امام شافعی فرماتے ہیں کہ طلاق رجعی میں وہ رات اور دن کے کسی وقت

میں گھر سے باہر نہ نکلے اور جس کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو وہ دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جو عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو وہ صرف دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے اور جو عورت عدتِ طلاق گزار رہی ہو وہ رات اور دن کے کسی وقت میں گھر سے باہر نہ نکلے اور یہ حدیث ان کے مذہب کا رد کرتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۴، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

مصنف کی طرف سے علامہ قرطبی کے اعتراض کا جواب

میں کہتا ہوں: ہمارا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (الطلاق:۱) تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کو دورانِ عدت بغیر کسی استثناء یا قید کے مطلقاً گھر سے باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے اور قرآن مجید حضرت جابر کی خالہ کی حدیث پر مقدم ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو حضرت جابر کی خالہ کو دورانِ عدت گھر سے نکلنے کی اجازت دی تھی، ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہو، تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں نکلنے کی ممانعت کا حکم عام ہے اور حضرت جابر کی حدیث میں ان کی خالہ کے لیے نکلنے کا حکم خاص ہے اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے، چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں دورانِ عدت ان کی خالہ کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اباحت ہے اور اس آیت میں مطلقہ کے لیے دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کی تحریم ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تحریم اور اباحت کے دلائل میں تعارض ہو تو تحریم کے دلائل کی اباحت کے دلائل پر ترجیح ہوتی ہے، پانچواں جواب یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنا مطلقاً ممنوع ہے، لیکن آپ نے اپنے خصوصی اختیار سے حضرت جابر کی خالہ کو دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی، اس حدیث میں آپ نے مخصوص مطلقہ کو دورانِ عدت ضرورت کی وجہ سے گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے، بالعموم یہ نہیں فرمایا کہ ہر مطلقہ دورانِ عدت اپنی ضرورت کی وجہ سے دن میں باہر نکل سکتی ہے، اس لیے اس خاص جزئیہ سے حکم عام پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اور اس کی بہت نظائر ہیں، دیکھئے میت پر نوحہ کرنا مطلقاً ممنوع ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو مخصوص میت پر نوحہ کرنے کی اجازت دی، جب یہ آیت نازل ہوئی:

يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا (الی قولہ تعالیٰ) وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ (الممتحنہ:۱۲) ہجرت کر کے آنے والی خواتین آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہیں کریں گی۔۔۔۔اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

حضرت ام عطیہ نے کہا: ان احکام میں میت پر نوحہ کرنے سے ممانعت بھی تھی، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آلِ فلاں پر نوحہ کرنے کی اجازت دے دیں، کیونکہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں نوحہ میں میری موافقت کی تھی، سو میرے لیے بھی ان کی موافقت کرنا ضروری ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماسوا آلِ فلاں کے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۷، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت ام عطیہ کو آلِ فلاں پر نوحہ کرنے کی اجازت دینے سے یہ لازم نہیں آیا کہ مطلقاً میت پر نوحہ کرنا جائز ہے۔

اسی طرح چھ ماہ کی بکری کی قربانی کرنا بالعموم جائز نہیں ہے لیکن آپ نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کی بکری کی قربانی

کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم اس کی قربانی کرلو اور تمہارے علاوہ یہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۸، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۶۲)

آپ نے مکہ کے درختوں کو کاٹنے سے مطلقاً منع فرمایا لیکن قریش کے ایک شخص نے اذخر (گھاس) کاٹنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۲)

قرآن مجید میں اڑھائی سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانے کی ممانعت ہے لیکن آپ نے حضرت سالم کو بلوغت کے بعد جوانی میں سہلہ بنت سہیل نامی ایک صحابیہ کا دودھ پینے کی اجازت دے دی اور حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کو ان کی رضاعی ماں بنا دیا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۵۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۲۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۴۳)

ریشم پہننا مردوں کو مطلقاً ممنوع ہے لیکن آپ نے حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن کو خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۹۲، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۳۱۰)

ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ جو کام مطلقاً ممنوع ہو، اگر آپ کسی شخص کو اس کام کرنے کی اجازت دے دیں تو اس اجازت کی وجہ سے وہ کام بالعموم جائز نہیں ہوجاتا اور وہ اجازت صرف اس کی حد تک رہتی ہے، سو آپ نے حضرت جابر کی خالہ کو عدت طلاق میں کھجوریں اتارنے کے لیے گھر سے باہر جانے کی جو اجازت دی تھی یہ اجازت صرف ان کی حد تک ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عدتِ طلاق میں دن کے وقت عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا بالعموم جائز ہو جائے، لہٰذا اس حدیث کی بناء پر مذہب احناف کا مردود ہونا لازم نہیں آتا۔ مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہٗ نے اس مسودہ کو دیکھ کر مجھ سے کہا: آپ شرح صحیح مسلم کے جواب کو بھی یہاں لکھ دیں، سو وہ جواب یہ ہے:

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

حضرت جابر کی روایت کا ایک جواب یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت جابر کی خالہ نے اپنے شوہر سے خلع کیا ہو اور خلع میں عدت کا نفقہ معاف کردیا ہو، اس وجہ سے وہ تلاشِ معاش میں باہر گئی ہوں اور اس قسم کے مسائل میں احناف کے نزدیک بھی رخصت ہے۔ ''ہدایہ'' اور ''فتح القدیر'' میں اس کی تصریح ہے۔ دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہو اور اب منسوخ ہو چکا ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر جو اس حدیث کے راوی ہیں خود یہ فتویٰ دیتے تھے کہ مطلقہ کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ابوالزبیر نے حضرت جابر سے پوچھا: کیا مطلقہ اور بیوہ اپنے گھر سے باہر نکل سکتی ہیں؟ حضرت جابر نے کہا: نہیں۔ الحدیث۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر اپنی خالہ کے دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ان کے نزدیک منسوخ ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۶، کراچی) نیز امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور وہ گھر سے جانا چاہتی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کو روکو! اس نے

کہا: میں نہیں روک سکتا، فرمایا: اس کو قید کرلو، کہا: اس کے بھائی بہت طاقتور ہیں، فرمایا: امیر سے مدد طلب کرو۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۴۳۱) اور امام ابن ابی شیبہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور عثمان حج اور عمرہ سے عورتوں کو روکتے تھے تاوقتیکہ وہ عدت پوری کرلیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۸۲، ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

علامہ قرطبی کا حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے امام ابوحنیفہ پر رد اور اس کے جوابات

علامہ قرطبی مالکی نے امام ابوحنیفہ پر دوسرا رد اس حدیث سے کیا ہے:

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ ابوحفص بن المغیرہ المخزومی نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں دے دیں، اور وہ خود یمن چلے گئے اور ان کے گھر والوں نے حضرت فاطمہ بن قیس سے کہا: تمہارا نفقہ ہمارے ذمہ نہیں ہے، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ حضرت میمونہ کے گھر تھے، انہوں نے بتایا کہ ابوحفص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، کیا اس کا نفقہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا نفقہ نہیں ہے اور اس پر عدت ہے اور حضرت فاطمہ بنت قیس کو یہ پیغام بھیجا کہ تم خود کہیں نہ جانا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر چلی جائیں، پھر ان کو یہ پیغام بھیجا کہ ام شریک کے گھر تو مہاجرین اولین آتے ہیں، وہ ابن مکتوم جو نابینا ہیں ان کے گھر چلی جائیں، کیونکہ جب تم اپنا دوپٹا اتاروگی تو وہ تم کو نہیں دیکھیں گے، پس وہ ان کے گھر چلی گئیں اور جب ان کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے ان کا نکاح کردیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰، الرقم المسلسل: ۳۶۳۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۴، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۵۴۶، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۵۳۵۳)

علامہ قرطبی مالکی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس عدتِ طلاق میں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو عدت کے ایام شوہر کے گھر کے بجائے حضرت ابن ام مکتوم کے گھر گزارنے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ عورت عدتِ طلاق میں شوہر کے گھر سے نکل سکتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۵، دارالفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کے بھی وہی پانچ جوابات ہیں جو ہم اس سے پہلے حضرت جابر کی خالہ کی حدیث کے سلسلے میں بیان کرچکے ہیں اور مزید چھٹا جواب یہ ہے کہ جمہور صحابہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کو رد کردیا ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد بیان کیا کہ:

اسود بن یزید نے حضرت عمر کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اللہ کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے ترک نہیں کریں گے، شاید اس کو یاد رہا، یا بھول گئی، مطلقہ عورت کے لیے شوہر کی طرف سے رہائش بھی ہوگی اور اس کے ذمہ اس کا خرچ بھی ہوگا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق: ۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

(صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۳۶۴۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳۶)

امام دارقطنی نے اس قصہ کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: عروہ نے کہا کہ حضرت عائشہ، فاطمہ بنت قیس پر رد کرتی تھیں اور

دورانِ عدت مطلقہ کے گھر سے نکلنے کا انکار کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ عدت پوری ہونے سے پہلے مطلقہ اپنے گھر سے نہ نکلے۔
(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۴، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۷۲)

تین طلاقوں کی ممانعت پر دلیل

نیز فرمایا: تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت پیدا کر دے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنو آدم کے قلوب رحمن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے قلب کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۸۶۱، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت یہ دعا کرتے تھے: اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر قائم رکھ، آپ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ! آپ بہت زیادہ یہ دعا کرتے ہیں، اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر اور اپنی اطاعت پر قائم رکھ، آپ نے فرمایا: مجھے کون مامون رکھ سکتا ہے، بندوں کے دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جب وہ کسی بندے کا دل پلٹنا چاہتا ہے تو پلٹ دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۱ طبع قدیم، مسند احمد ج ۴۳ ص ۲۳۰، رقم الحدیث: ۲۶۱۳۳، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مسند ابویعلیٰ، رقم الحدیث: ۴۶۶۹، کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث: ۱۲۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۱۰، ج ۱۱ ص ۳۷، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۵۳، اس حدیث کی سند صحیح لغیرہ ہے، کیونکہ اس کی سند کا ایک راوی علی بن زید ابن جدعان ضعیف ہے، باقی رجال ثقہ ہیں)۔

جب احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے دل پلٹتا اور بدلتا رہتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ شوہر آج اپنی بیوی سے ناراض ہے کل راضی ہو جائے، آج اس کو بیوی سے نفرت ہے اور کل وہ نفرت محبت سے بدل جائے اور وہ بیوی کو طلاق دینے پر نادم ہو اور اس طلاق سے رجوع کر لے، اس لیے فرمایا: تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ شوہر پر لازم ہے کہ وہ یک بار تین طلاقیں نہ دے بلکہ ہر طہر میں ایک طلاق دے شاید کہ ایک حیض یا ایک ماہ گزرنے کے بعد حالات بدل جائیں اور اس کا دل پلٹ جائے اور جس وجہ سے وہ بیوی کو طلاق دے رہا تھا وہ وجہ زائل ہو جائے، اور وہ پہلے طہر میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ تین طلاقیں دینا ممنوع اور مذموم ہے ورنہ اس آیت کا پھر کیا محمل ہوگا اور اس آیت میں امام شافعی اور ابن حزم ظاہری کا رد ہے جنہوں نے کہا ہے کہ تین طلاقیں دینا سنت ہے۔

ہمارے زمانہ میں لوگ وثیقہ نویس یا وکیل سے طلاق نامہ لکھواتے ہیں اور عموماً وہ اس طرح کی عبارت لکھتا ہے کہ میں بہ قائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ اپنی فلاں منکوحہ کو تین طلاقیں دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہوں اور اپنے نکاح سے خارج کرتا ہوں اور بعض لکھتے ہیں کہ میں اپنی منکوحہ کو طلاق ثلٰثہ مثلثہ مغلظہ دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہوں اور شوہر اس پر دستخط کر دیتا ہے اور اس طلاق کے بعد رجوع کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ شوہر کا دل بدل دیتا ہے، پھر شوہر نادم اور پریشان ہوتا ہے اس کو خیال آتا ہے اب بچوں کا کیا ہوگا، پھر مفتیوں کے پاس جاتا ہے، کبھی حلالہ کرانے کا سوچتا ہے کبھی اپنا مذہب بدل کر غیر مقلد مولویوں کے پاس جا کر یہ باطل فتویٰ حاصل کرتا ہے کہ تین طلاقیں ایک بارگی واقع نہیں ہوتیں، یہ

ایک طلاق ہے اور یہ ساری مصیبت اس وجہ سے آئی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا، اللہ تعالیٰ کے برحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حد رکھی تھی کہ وہ ایک طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے لیکن اس نے غصہ میں بے قابو ہو کر اللہ کی حدود کو توڑا اور اب پچھتاتا پھر رہا ہے، ہونا یہ چاہیے کہ جب انسان اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو کسی عالم یا مفتی کے پاس جائے وہ اس کو بتائے گا کہ جس طہر میں تم نے مباشرت نہ کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دو، اگر بعد میں ناراضگی ختم ہو جائے تو رجوع کر لینا اور اگر تین حیض گزر گئے اور تم نے رجوع نہیں کیا تو تمہاری بیوی بائنہ ہو کر تم سے الگ ہو جائے گی، پھر بھی یہ گنجائش ہوگی کہ عدت کے بعد باہمی رضامندی سے تم پھر اس سے دوسری بار نکاح کر لو۔ میں ۳۸ سال سے فتاویٰ لکھ رہا ہوں، میرے پاس جب بھی کوئی آیا، وثیقہ نویس یا وکیل سے تین پکی طلاقیں لکھوا کر اس پر دستخط کر کے اپنا گھر اجاڑ کر آیا اور اب مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ میں اس کے اجڑے ہوئے گھر کو پھر بسا دوں، طلاق دینے سے پہلے طلاق دینے کا طریقہ معلوم کرنے کوئی نہیں آتا، وائے افسوس!

اللہ کے بندو! اللہ کی حدود کو نہ توڑو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ (الطلاق:۱)

اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ۝

فاطمہ بنت قیس کی وہ روایت جس سے ائمہ ثلاثہ نے مطلقہ کے خرچ کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے خاوند نے مجھ کو تین طلاقیں دے دیں، میں نے گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے عم زاد عمرو بن ام مکتوم کے پاس جاؤ اور ان کے پاس عدت گزارو۔
(صحیح مسلم، کتاب الطلاق باب ۶ رقم الحدیث: ۴۵)

شعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے رہائش اور خرچ مقرر نہیں کیا تھا، پھر اسود نے ایک مٹھی میں کنکریاں لے کر ان کو ماریں اور کہا: تم پر افسوس ہے، تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ہم اللہ کی کتاب کو اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے، اس کو اصل حدیث یاد ہے یا شاید وہ بھول گئی ہو، اس کے لیے رہائش بھی ہوگی اور خرچ بھی ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ (الطلاق:۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

طلاقِ ثلاثہ کے بعد نفقہ اور سکنیٰ کے استحقاق میں مذاہب

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے شوہر پر ہر حال میں نفقہ اور سکنیٰ (کھانے اور رہائش کا خرچ) لازم ہے، خواہ مطلقہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ اگر حاملہ ہو تو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ لازم ہے ورنہ کچھ نہیں، امام شافعی اور امام مالک کہتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ صرف اس صورت میں جب وہ حاملہ ہو۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں کہ حسن بصری، عمرو بن دینار، طاؤس، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، شعبی، امام احمد بن حنبل، اسحاق اور غیر مقلدین کے نزدیک جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں اگر وہ حاملہ ہے تو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے ورنہ اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنیٰ، اور حماد، شریح، نخعی، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، حسن بن صالح، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مسلک ہے اور عبدالرحمٰن بن مہدی، ابوعبیدہ، امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ تو ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ اس وقت لازم ہوگا جب وہ حاملہ ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۷-۳۰۸، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں کہ جنہوں نے مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کو واجب کیا ہے، وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ'' (الطلاق:۶)، ''مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے موافق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو''۔ اس آیت میں سکنیٰ کا امر ہے اور نفقہ اس لیے واجب ہے کہ وہ اس کے پاس مقید ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، پتا نہیں وہ مسئلہ سے ناواقف ہے یا بھول گئی۔ (مالکی اور شافعی) علماء نے کہا کہ کتاب اللہ میں فقط سکنیٰ کا ذکر ہے، امام دارقطنی نے کہا کہ حضرت عمر کے قول میں ''ہمارے نبی کی سنت'' کے الفاظ ایسی زیادتی ہے جو غیر محفوظ ہے۔ ثقہ راویوں نے اس کا ذکر نہیں کیا اور فقہاء حنبلیہ کا استدلال، حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے: ''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ'' (الطلاق:۶) اس آیت میں صرف سکنیٰ کو واجب کیا ہے نفقہ کو واجب نہیں کیا اور حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے بھی نفقہ کا عدم وجوب ثابت ہوتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ'' (الطلاق:۶) اگر مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان کو نفقہ دو تاوقتیکہ حمل وضع ہو جائے، اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو مطلقہ غیر حاملہ ہو اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

(شرح مسلم ج ا ص ۴۸۳، اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب پر فقہاء احناف کے قرآن مجید سے دلائل

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے، اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے، اختلاف اس مطلقہ ثلاثہ میں ہے جو غیر حاملہ ہو، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس کے لیے سکنیٰ واجب ہے نفقہ واجب نہیں ہے، امام احمد بن حنبل اور غیر مقلدین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنیٰ، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ دونوں واجب ہے، فقہاء احناف قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق

(البقرہ:۲۴۱) نان ونفقہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے O

امام فخر الدین رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(والقول الثانی) ان المراد بهذه المتعة النفقة والنفقة قد تسمى متاعا واذا حملنا هذه المتاع على النفقة اندفع التكرار۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں متعہ سے مراد نفقہ ہے اور نفقہ کو متاع بھی کہا جاتا ہے اور جب ہم متاع کو نفقہ پر محمول کریں گے تو تکرار نہیں رہے گا۔

ایک آیت میں ہے:

وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ:۲۳۶)

اور مطلقہ عورتوں کو کچھ برتنے کے لیے دو (یعنی کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑا) خوشحال اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق دے، یہ نیکی کرنے والوں پر واجب ہے O

سورۂ بقرہ کی آیت:۲۳۶ میں مطلقہ عورتوں کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق متاع دینے کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اور یہاں متاع سے مراد بالاتفاق ایسی چیز ہے جس سے وقتی طور پر نفع اٹھایا جا سکے جیسے کپڑوں کا جوڑا، خادم یا کچھ نقد رقم وغیرہ، پس اگر بقرہ کی آیت:۲۴۱ میں بھی متاع سے مراد یہی ہو (جیسا کہ ائمہ ثلاثہ نے سمجھا ہے) تو تکرار لازم آئے گا، اس تکرار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسری آیت میں متاع کو نفقہ پر محمول کیا جائے جب کہ از روئے لغت متاع کا اطلاق نفقہ پر بھی ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی متاع کا اطلاق نفقہ پر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (البقرہ:۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کو ایک سال تک نان اور نفقہ ادا کرنے کی وصیت کریں اور اس مدت میں ان عورتوں کو گھر سے نہ نکالا جائے۔

اس آیت میں متاع سے بالاتفاق اور بالاجماع نفقہ مراد ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مطلقہ عورتوں کے لیے البقرہ:۲۳۶، میں متاع دینے کا حکم کیا ہے اور اس سے بالاتفاق وقتی نفع کی چیز مثلاً جوڑا وغیرہ مراد ہے، اس کے بعد البقرہ:۲۴۱ میں پھر مطلقہ عورتوں کے لیے متاع دینے کا حکم دیا گیا ہے، اب اگر اس سے پھر وہی وقتی نفع کی چیز مراد لی جائے تو تکرار ہوگا، اس لیے امام رازی فرماتے ہیں کہ تکرار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں متاع سے مراد نفقہ لیا جائے جبکہ لغت اور قرآن مجید سے متاع پر نفقہ کا اطلاق ثابت ہے، امام رازی کی تفسیر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں متاع کا لفظ نکرہ ہے اور اصول عرب یہ ہے کہ نکرہ جب مکرر ہو تو ثانی پہلے کا غیر ہوتا ہے اور جب پہلے متاع سے مراد وقتی نفع کی چیز ہے تو ضروری ہوا کہ دوسرے متاع سے مراد نان ونفقہ ہو اور اس آیت میں مطلقات کا لفظ عام ہے اور تمام مطلقات کو شامل ہے، وہ حاملہ ہوں یا غیر حاملہ، اور امام رازی کی تفسیر اور اصول عرب سے ثابت ہوا کہ ہر مطلقہ عورت کے لیے دوران عدت نفقہ واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اور یہی احناف کا مذہب ہے۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق:٦)

ان مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان پر تنگی کرنے کے لیے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ اور اگر یہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل ہونے تک ان پر خرچ کرو۔

علامہ ابوبکر الجصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ کے وجوب پر اس آیت میں تین دلیلیں ہیں: (۱) سکنیٰ مالیات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مطلقہ کے لیے مال میں حق واجب کیا ہے، خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ ہو اور سکنیٰ بھی نفقہ کا ایک حصہ ہے (۲) اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کو ضرر پہنچانے سے منع کیا (وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ) اور مطلقہ عورت کو نان ونفقہ نہ دینا بھی ضرر ہے (۳) اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت پر تنگی کرنے سے منع کیا ہے (لتضیقوا علیھن) یعنی نہ سکنیٰ میں تنگی کرو نہ نان ونفقہ میں تنگی کرو، یہ نہی دونوں کو شامل ہے، اس کے بعد علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ'' اگر وہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہیں تو ان پر خرچ کرو، اس میں مطلقہ سے مراد ہے عام، خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ، کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اگر مطلقہ ثلاثہ حاملہ ہو تو اس کا نفقہ بھی واجب ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ نفقہ کا وجوب حاملہ ہونے کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ وہ دورانِ عدت اس کے گھر رہے گی اور جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ رجعیہ کا نفقہ بھی اس آیت سے ثابت ہے اور وہ حمل کی وجہ سے نہیں بلکہ دورانِ عدت اس کے گھر رہے گی اور جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ رجعیہ کا نفقہ بھی اس آیت سے ثابت ہے اور وہ حمل کی وجہ سے نہیں بلکہ دورانِ عدت اس کے گھر رہنے کی وجہ سے ہے کیونکہ رجعیہ اگر غیر حاملہ ہو پھر بھی اس کا نفقہ واجب ہے تو پھر مطلقہ ثلاثہ کا نفقہ بھی اس وجہ سے واجب ہوگا کہ وہ دوران عدت خاوند کے گھر رہے گی۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۶۰، ۴۵۹، سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

اور یہ بھی واضح رہے کہ جب مطلقہ ثلاثہ کے لیے امام شافعی اور امام مالک اس آیت سے سکنیٰ کا وجوب مانتے ہیں تو نفقہ کا وجوب بطریق اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ نان ونفقہ سکنیٰ سے زیادہ اہم ہے۔

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب پر احادیث سے دلائل

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عن حرب بن ابی العالیۃ عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المطلقۃ ثلاثا لھا السکنیٰ والنفقہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی۔

(سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۰)

علامہ زیلعی لکھتے ہیں: عبدالحق نے احکام میں لکھا ہے کہ ابوالزبیر عن جابر کی روایت اس وقت صحیح ہوتی ہے جب اس میں سماع کی تصریح ہو یا عن اللیث عن ابی الزبیر ہو (یعنی لیث کے علاوہ کوئی اور راوی عن ابی الزبیر عن جابر روایت کرے تو صحیح نہیں ہے) اور حرب بن ابی العالیہ سے بھی استدلال نہیں ہوتا، کیونکہ یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اس لیے اقرب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۷۴ مجلس علمی، ہند)

عبدالحق کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں متعدد احادیث عن ابی الزبیر عن جابر کی سند سے بیان کی

ہیں اور اس سند میں لیث نہیں ہے، مثلاً کتاب الحج کے "باب جواز دخول مكة بغير احرام" میں ہے "نامعاویه بن عمار الدهنی عن ابی الزبیرعن جابر" نیز اسی باب میں ہے: "فی روایة قتیبة قال نا ابو الزبیرعن جابر"۔ ان اسانید میں نہ لیث ہے نہ حضرت جابر سے ابوالزبیر کے سماع کی تصریح ہے، پس واضح ہوگیا کہ عبدالحق کا بیان کردہ قاعدہ امام مسلم کے نزدیک مسلم نہیں ہے، ورنہ امام مسلم ان اسانید کے ساتھ روایات کو اپنی صحیح میں درج نہ کرتے اور جب یہ سند حدیث کی صحت کے منافی نہیں تو دارقطنی کی مذکورہ روایت کی صحت کے لیے بھی موجب طعن نہیں ہے۔

اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حرب بن ابی العالیہ کو یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے تاہم ان کی ثقاہت کی بھی تصریح ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حرب بن ابی العالیہ کا امام حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام مسلم اور امام نسائی ان کی روایات سے استدلال کرتے ہیں، پس ثابت ہوگیا کہ حرب بن ابی العالیہ رجال صحیح میں سے ہیں۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل صحیح مسلم کی حسب ذیل روایت ہے:

قال عمر لا نترك كتاب الله وسنة رسوله لقول امرأة لاندری لعلها حفظت اونسيت لها السكنى والنفقة قال الله عزوجل لا تخرجوهن من بيوتهن الا ان ياتين بفاحشة مبينة۔

حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سن کر حضرت عمر نے فرمایا: ہم اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، پتا نہیں اس نے حدیث کو یاد رکھا یا بھول گئی، مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو الا یہ کہ وہ کھلی بدکاری کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے واضح ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہ تھی کہ مطلقہ ثلاثہ کا سکنیٰ اور نفقہ واجب ہے، باقی اس پر علامہ نووی نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ دارقطنی کے نزدیک "نہ سنت رسول کو ترک کریں گے" یہ زیادتی غیر محفوظ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زیادتی امام مسلم کے نزدیک ثابت ہے اور امام مسلم کی تصحیح اور ان کی روایت دارقطنی کی جرح سے زیادہ قوی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس زیادتی کے متعدد متابع ہیں، نیز امام مسلم نے متعدد اسانید سے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت پر حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار بھی روایت کیا ہے، ان کے شوہر حضرت اسامہ بھی اس روایت کا انکار کرتے تھے۔

نفقہ کے عدم وجوب پر ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

امام احمد بن حنبل نے مطلقہ ثلاثہ سے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب کی نفی پر حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سے استدلال کیا ہے اور امام مالک اور امام شافعی نے مطلقہ ثلاثہ سے نفقہ کے وجوب کی نفی پر اسی روایت سے استدلال کیا ہے، جیسا کہ ہم علامہ نووی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔ علامہ سرخسی حنفی اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس کے شوہر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جب بھی حضرت فاطمہ سے اس روایت کو سنتے تو پوری قوت سے اس روایت کا رد کرتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: یہ عورت اس روایت سے دنیا میں ایک فتنہ پیدا کر رہی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، پتا نہیں وہ سچی ہے یا

جھوٹی؟ اس کو مسئلہ یاد ہے یا بھول گئی، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: مطلقہ ثلاثہ کے لیے دورانِ عدت نفقہ اور سکنیٰ ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں: اگر بالفرض یہ حدیث ثابت ہو تو اس کی دو تاویلیں ہیں، پہلی تاویل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کے شوہر غائب تھے، مدینہ سے یمن کی طرف گئے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے بھائی کو جو کا آٹا بہ طور نفقہ دینے کا وکیل بنایا، انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور ان کا خاوند وہاں موجود نہیں تھا، جو اس کے بدلہ میں کوئی اور چیز ادا کرتا، دوسری تاویل یہ ہے کہ روایات کے مطابق حضرت فاطمہ بنت قیس بہت زبان دراز تھیں اور اپنے دیوروں (خاوند کے بھائیوں) کو بہت تنگ کرتی تھیں، اس وجہ سے ان لوگوں نے ان کو گھر سے نکال دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا، جس وجہ سے انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ اور سکنیٰ مقرر نہیں فرمایا۔
(المبسوط ج ۵ ص ۲۰۱-۲۰۲، دار المعرفہ بیروت)

اس کے بعد فرمایا: اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O

دودھ پلانے کی اجرت لینے کا جواز

علامہ ابوبکر احمد بن علی الجصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر بچہ کی ماں اس بچہ کو دودھ پلانے پر راضی ہو (خواہ وہ مطلقہ ہو یا نہ ہو) تو باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ بچہ کو دودھ پلانے کے لیے کوئی اور دایہ مقرر کرے، اور بچہ کے باپ پر یہ لازم ہے کہ وہ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کی اجرت ادا کرے، بہ شرطیکہ بچہ کی ماں رواج اور دستور کے مطابق دودھ پلانے کی اجرت طلب کرے۔ (واضح رہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں سے صرف مذہب اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ دودھ پلانے کی اجرت کا اس کے باپ سے مطالبہ کر سکتی ہے) اور اگر بچہ کی ماں دودھ پلانے کی اجرت رواج اور دستور سے زیادہ کا مطالبہ کرے تو پھر فریقین باہمی مشاورت سے کسی اور دایہ کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کر سکتے ہیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۶۶۳-۶۶۴، سہیل اکیڈمی، لاہور)

شوہر پر اس کی بیوی اور بچوں کے خرچ دینے کا وجوب

الطلاق: ۷ میں فرمایا: صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مطلقہ کا خرچ شوہر کی حیثیت کے مطابق اس پر واجب ہے، جو خوش حال ہو اور اپنی وسعت کے مطابق خرچ دے اور جو تنگ دست ہو وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ دے۔

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اور اگر کوئی شخص تنگ دست ہے تو وہ یہ امید رکھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو خوش حال کر دے گا۔

شوہر پر بیوی کا خرچ واجب ہے، اس سلسلہ میں یہ آیت بھی ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا روٹی اور کپڑا ہے جو دستور اور رواج کے مطابق ہو۔ (البقرہ:۲۳۳)

شوہر پر واجب ہے کہ وہ رواج اور دستور کے مطابق بیوی اور بچوں کا خرچ دے اور اگر شوہر پورا خرچ نہ دے تو بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ شوہر کے پیسوں میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رقم نکال لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کنجوس آدمی ہیں، وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو، سوا اس کے کہ میں ان کی لاعلمی میں ان کے پیسے نکال لوں، آپ نے فرمایا: تم دستور کے مطابق اتنے پیسے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے کافی ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۶۴-۲۲۱۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۵۳۲، سنن نسائی رقم الحدیث:۵۴۴۱، مسند احمد ج۶ ص ۴۰-۳۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ طور فے عطا فرمائے تھے، ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے، سو وہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں سے اپنی ازواج مطہرات کو ایک سال کا خرچ دیا کرتے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ہتھیاروں اور سواریوں پر خرچ کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۹۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۵۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۹۶۵، سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۷۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے، تمہاری بیوی کہے گی: مجھے کھانا کھلاؤ ورنہ مجھے طلاق دو، اور تمہارا خادم کہے گا: مجھے کھانا کھلاؤ ورنہ مجھے بیچ دو، اور تمہاری اولاد کہے گی: تم مجھے کس پر چھوڑ رہے ہو۔ (مسند احمد رقم الحدیث:۷۴۳۳، دارالفکر بیروت، صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۵۵)

اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرو، ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: تم اس کے مصرف کو خود بہتر جانتے ہو۔

(سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۳۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۲۳۵، اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد اور حاکم نے اولاد کو بیوی پر مقدم کیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۹۱، المستدرک ج۱ ص ۴۱۵ قدیم، المستدرک رقم الحدیث:۱۵۱۴ جدید، تلخیص الحبیر رقم الحدیث:۱۶۶۶)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جب تم اس ترتیب پر غور کرو گے تو جان لو گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الاولیٰ فالاولیٰ اور الاقرب فالاقرب کو مقدم کیا ہے، اور آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ انسان پہلے اپنے اوپر خرچ کرے، پھر اپنی اولاد پر کیونکہ اولاد اسی کے جز کی طرح ہے

اور جب وہ اس پر خرچ نہ کرے اور کوئی اور بھی ان پر خرچ کرنے میں اس کے قائم مقام نہ ہو تو وہ ہلاک ہو جائیں گے، پھر تیسرے درجہ میں بیوی کا ذکر فرمایا اور اس کو اولاد سے کم درجہ میں رکھا، کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خرچ نہیں دے گا تو ان میں تفریق کر دی جائے گی اور اس کو اس کے شوہر کی طرف سے یا اس کے محرم کی طرف سے اس کا خرچ دیا جائے گا، چوتھے درجہ میں اس کے خادم کا ذکر کیا، کیونکہ اگر وہ اس کو خرچ نہیں دے گا تو اس کو فروخت کر دیا جائے گا، (یہ غلام ہونے کی صورت میں ہے اور اگر وہ آزاد ہو تو کہیں اور نوکری کر لے گا) علامہ خطابی کا کلام ختم ہوا۔

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا: ہمارے اصحاب کا یہی مختار ہے کہ نابالغ اولاد کا خرچ بیوی کے خرچ پر مقدم ہے، علامہ نووی شافعی نے بیوی کے خرچ کو اولاد کے خرچ پر مقدم کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاد اس کا جز اور اس کا حصہ ہے اور بیوی اجنبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۵۔ ۴۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بچوں اور بیوی کے بعد ماں باپ اور اجداد کا خرچ بھی واجب ہے، بہ شرطیکہ وہ محتاج ہوں۔ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمان: ۱۵) اور دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے رہنا۔ (ہدایہ اولین ص ۴۴۵)، (تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۷-۹۰، فرید بک اسٹال لاہور)

۵۳۲۱، ۵۳۲۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَهُمَا يَذْكُرَانِ أَنَّ يَحْيَى بْنَ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ طَلَّقَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَكَمِ فَانْتَقَلَهَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَأَرْسَلَتْ عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ اتَّقِ اللّٰهَ وَارْدُدْهَا إِلَى بَيْتِهَا قَالَ مَرْوَانُ فِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ إِنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْحَكَمِ غَلَبَنِي وَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَوَمَا بَلَغَكِ شَأْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ لَا يَضُرُّكَ أَنْ لَا تَذْكُرَ حَدِيثَ فَاطِمَةَ فَقَالَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ إِنْ كَانَ بِكِ شَرٌّ فَحَسْبُكِ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ مِنَ الشَّرِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از القاسم بن محمد وسلیمان بن یسار، انہوں نے ان دونوں سے سنا، وہ دونوں ذکر کرتے تھے کہ یحییٰ بن سعید بن العاص نے حضرت عبد الرحمٰن بن الحکم کی بیٹی (عمرہ) کو طلاق دے دی، تو اس کے والد عبد الرحمٰن اپنی بیٹی کو وہاں سے اٹھا کر لے آئے، یہ خبر سن کر حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے مروان (لڑکی کے چچا) جو ان دنوں (حضرت معاویہ کی طرف سے) مدینہ کے گورنر تھے کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اس لڑکی کو اس کے گھر کی طرف بھیج دو جہاں اسے طلاق دی گئی ہے؛ سلیمان کی حدیث میں ہے کہ مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ جواب دیا کہ عبد الرحمٰن بن الحکم (لڑکی کے والد) نے مجھ کو مجبور کر دیا (میرا کہنا نہیں مانا) اور نقصان ہے، پس مروان نے کہا: اگر فاطمہ کے گھر سے نکلنے کا سبب یہ تھا کہ اس میں اور اس کے خاوند کے عزیزوں میں آئے دن جھگڑا رہتا تھا تو یہاں یہی میاں بیوی میں جو جھگڑا ہے وہ مکان سے نکلنے کے لیے کافی ہے، یعنی آپ کے لیے وہ خرابی کافی ہے جو ان دونوں خرابیوں کے درمیان ہے۔

قاسم بن محمد یہ کہتے ہیں کہ مروان نے کہا: کیا آپ کو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث نہیں پہنچی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر تم فاطمہ کا قصہ نہ بیان کرو تو کیا ہو۔

(صحیح البخاری: ۵۳۲۴، ۵۳۲۶، ۵۳۲۸، صحیح مسلم: ۱۴۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۵، موطا امام مالک: ۱۲۳۰)

شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس کا تذکرہ اور حدیث مذکور کے مطالب

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ضحاک کی بہن تھیں جو یزید پلید کی طرف سے عراق کے حاکم مقرر ہوئے تھے، حضرت فاطمہ بنت قیس عمر میں ضحاک سے بہت بڑی اور بہت حسین اور سمجھدار عورت تھیں، ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص حضرت خالد بن ولید کے چچازاد بھائی تھے، انہوں نے یمن سے ان کو تیسری طلاق بھجوا دی، حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکان اور خرچ نہ ملنے کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تم کو مکان ملے گا نہ خرچ۔ امام احمد اور اہل حدیث نے اسی حدیث کے مطابق یہ کہا ہے کہ تیسری طلاق کے بعد عورت کا مسکن اور خرچ خاوند پر لازم نہیں ہوگا۔ اور فقہائے احناف کے نزدیک تیسری طلاق کے بعد بھی عورت کے لیے مسکن اور خرچ لازم ہوگا۔

سعید بن عاص نے عبد الرحمن بن حکم کی بیٹی عمرہ کو طلاق دی تو اس کے والد اپنی بیٹی کو وہاں سے اٹھا کر لے آئے یعنی جہاں اس کو طلاق دی گئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان سے کہا: خدا سے ڈرو اور اس لڑکی کو اسی گھر میں بھیج دو جہاں اس کو طلاق دی گئی ہے اور عدت پوری ہونے تک اس کو وہیں رکھو۔ مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ جواب دیا کہ کیا آپ کو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث نہیں پہنچی؟ یعنی وہ بھی اپنے خاوند کے گھر سے چلی گئی تھیں اور انہوں نے دوسری جگہ اپنی عدت پوری کی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان سے فرمایا: اگر تم فاطمہ بنت قیس کا قصہ نہ بھی بیان کرو تو اس میں تمہارا کیا حرج ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہے کہ تم حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے کیوں استدلال کرتے ہو؟

حضرت فاطمہ کا اس گھر سے نکلنا ایک قدرتی وجہ سے تھا، اس عذر میں اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے کہ وہ گھر خوفناک تھا، کوئی کہتا ہے کہ حضرت فاطمہ بدزبان عورت تھیں۔

مروان نے کہا: اگر حضرت فاطمہ کے نکلنے کا سبب یہ تھا کہ ان میں اور ان کے خاوند کے عزیزوں کے درمیان آئے دن جھگڑا رہتا تھا تو یہی وجہ یہاں بھی ہے، یعنی عمرہ اور اس کے خاوند یحییٰ بن سعید کے درمیان بھی آئے دن جھگڑا رہتا تھا اور وہ اس کے لیے کافی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر سے نکل جائیں اور کہیں اور عدت گزاریں۔

(تیسیر الباری شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۴۴-۲۴۵ نعمانی کتب خانہ، جون ۱۹۹۰ء)

۵۳۲۳، ۵۳۲۴ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا لِفَاطِمَةَ أَلَا تَتَّقِي اللهَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد الرحمن

يَعْنِي فِي قَوْلِهَا لَا سُكْنَى وَلَا نَفَقَةَ

بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں؟ یعنی تم جو یہ کہتی ہو کہ مطلقہ کے لیے نہ رہائش ہوگی اور نہ اس کو خرچ ملے گا، تو کیا تم اس بات میں اللہ سے نہیں ڈرتیں؟

(صحیح البخاری: ۵۳۲۴، ۵۳۲۶، ۵۳۲۸، صحیح مسلم: ۱۴۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۵، موطا امام مالک: ۱۲۳۰)

حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے مطالب اور اس کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

لیکن جس عورت کو طلاقِ رجعی دی جائے اس کے لیے سب کے نزدیک اس کی رہائش اور اس کا خرچ خاوند پر لازم ہے، یعنی عدت پوری ہونے تک خواہ وہ حاملہ نہ ہو اور جس مطلقہ کو طلاقِ بائن دی گئی ہو تو بعض متقدمین نے اس کے لیے رہائش کو واجب قرار دیا ہے ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق: ۶)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو۔

اور چونکہ اس آیت میں مطلقہ بائنہ کے لیے صرف رہائش کا ذکر ہے اور نفقہ اور خرچ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے بعض متقدمین نے مطلقہ بائنہ کے لیے صرف رہائش کو خاوند کے ذمہ لازم کیا ہے اور اس کے خرچ کو خاوند کے ذمہ لازم نہیں کیا، تاہم جو عورت حاملہ ہو تو انہوں نے وضعِ حمل تک اس کے خرچ کو بھی لازم کیا ہے۔

فقہاء احناف نے مطلقہ بائنہ کے لئے بھی رہائش اور نفقہ کو واجب قرار دیا ہے، کیونکہ الطلاق: ۶ کی آیت میں حکم عام ہے، نیز ان کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے اس اثر سے بھی ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کو رد کر دیا تھا اور ان سے فرمایا تھا کہ ہم اللہ کی کتاب کے حکم اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو صرف ایک عورت کے کہنے پر ترک نہیں کر سکتے، معلوم نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی، حالانکہ حضرت عمر نے مطلقہ بائنہ کے لیے صرف رہائش کو لازم قرار دیا تھا نہ کہ نفقہ کو۔ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ قول ثابت نہیں ہے، اور شیخ شوکانی نے اہل حدیث کا یہ مذہب قرار دیا ہے کہ نفقہ اور سکنہ صرف مطلقہ رجعیہ کے لیے واجب ہے مطلقہ بائنہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب نہیں ہے، ہاں اگر وہ حاملہ ہو تو اس کے لیے بھی وضعِ حمل تک نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے۔ (تیسیر الباری شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۴۶-۲۴۷ نعمانی کتب خانہ، لاہور جون ۱۹۹۰ء)

۵۳۲۵، ۵۳۲۶ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ لِعَائِشَةَ أَلَمْ تَرَيْ إِلَى فُلَانَةَ بِنْتِ الْحَكَمِ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا الْبَتَّةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عباس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبدالرحمن بن قاسم از والد خود، کہ عروہ بن زبیر نے حضرت

فَخَرَجَتْ فَقَالَتْ بِئْسَ مَا صَنَعَتْ قَالَ أَلَمْ تَسْمَعِي فِي قَوْلِ فَاطِمَةَ قَالَتْ أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ لَهَا خَيْرٌ فِي ذِكْرِ هَذَا الْحَدِيثِ. وَزَادَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَابَتْ عَائِشَةُ أَشَدَّ الْعَيْبِ وَقَالَتْ إِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ فِي مَكَانٍ وَحْشٍ فَخِيفَ عَلَى نَاحِيَتِهَا فَلِذَلِكَ أَرْخَصَ لَهَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آپ فلانہ بنت الحکم کی طرف نہیں دیکھتیں جن کو ان کے خاوند نے تین طلاقیں دے دی تھیں، پھر وہ گھر سے نکل گئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس نے بہت برا کام کیا، انہوں نے کہا: کیا آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی بات نہیں سنی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ فاطمہ بنت قیس کے لیے اس حدیث کو بیان کرنا اچھا نہیں ہے، (کیونکہ اس حدیث سے دوسرے لوگ بھی مطلقہ کا گھر سے نکل جانا جائز سمجھیں گی حالانکہ یہ اجازت صرف حضرت فاطمہ بنت قیس کے ساتھ مخصوص تھی)۔ اور عبدالرحمن بن ابی زناد نے ہشام سے، انہوں نے اپنے والد عروہ سے اس حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس پر بہت بڑا عیب لگایا تھا (کہ وہ یہ حدیث بیان کرتی پھرتی ہیں کہ مطلقہ بائنہ کے لیے نہ رہائش ہوگی نہ خرچ ہوگا)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہ (طلاق کے وقت) ایک غیر آباد مکان میں رہتی تھیں، انہیں یہ ڈر ہوا کہ کہیں بدکار لوگ انہیں پریشان نہ کریں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس مکان سے نکلنے کی اجازت دے دی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۲۳، ۵۳۲۶، ۵۳۲۸، صحیح مسلم: ۱۴۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۵، موطا امام مالک: ۱۲۳۰)

حضرت فاطمہ بنت قیس اور حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس بن خالد الاکبر بن وہب بن ثعلبہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر القرشیہ الفہریہ یہ ضحاک بن قیس کی بہن تھیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس عمر میں ان سے دس سال بڑی تھیں، اور وہ مہاجرات اول میں سے تھیں (یعنی جن خواتین نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی) یہ بہت حسین وجمیل اور بہت عقل اور کمال والی تھیں، اور انہی کے گھر میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کی شہادت کے بعد اصحاب شوریٰ کا اجتماع ہوا تھا، اور انہوں نے اپنا مشہور خطبہ دیا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ بہت حسین اور ذہین خاتون تھیں۔

ابو عمر و حافظ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ان سے الشعبی اور ابو سلمہ نے احادیث کی روایت کی ہے اور رہے الضحاک بن قیس تو وہ کم عمر صحابہ میں سے تھے۔ اور حافظ ابو عمر نے کہا: کہ کہا جاتا ہے: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً سات سال پہلے پیدا

ہوئے تھے اور محدثین ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کی نفی کرتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو زیاد کے بعد کوفہ کا عامل بنادیا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ترپین (۵۳) ھ کے اندر کوفہ کا حاکم بنادیا تھا اور ستاون (۵۷) ھ میں ان کو معزول کر دیا تھا اور ان کی جگہ عبدالرحمٰن بن ام الحکم کو عامل بنادیا تھا اور ان کو شام کی طرف، اور پھر وہ حضرت معاویہ کے ساتھ ہی رہے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا اور خلافت میں ان کے قائم مقام ہو گئے حتیٰ کہ یزید بن معاویہ آ گیا، پھر وہ یزید کے ساتھ رہے یہاں تک کہ یزید مر گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا معاویہ بن یزید، اور مروان بن الحکم نے بعض اہل شام پر حملہ کیا اور مروان کی بیعت کی گئی، پس حضرت ضحاک نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی، اور اکثر اہل شام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، مروان نے ان پر حملہ کیا اور ان کے ساتھ لڑائی کی، پس حضرت الضحاک بن قیس مرج کے اندر شہید کر دیے گئے، یہ ۱۵ ذی الحجہ ۶۴ ھ کا واقعہ ہے، ضحاک بن قیس سے حسن بصری اور تمیم بن طرفہ اور سماک بن حرب نے احادیث کی روایت کی ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا قصہ

حضرت فاطمہ بنت قیس کا قصہ اسانید صحیحہ متواترہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

امام مسلم نے یہ باب قائم کیا ہے "المطلقة ثلاثا لا نفقة لها" (تین طلاق یافتہ عورت کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہوگا)۔

پھر انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس کے قصہ کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے، ان میں سے پہلی حدیث یہ ہے: ہمیں یحییٰ بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اس حدیث کی امام مالک پر قراءت کی از عبداللہ بن یزید مولی الاسود از سلمہ بن عبدالرحمٰن از حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا، کہ حضرت ابوعمرو بن حفص نے ان کو تین طلاقیں دے دیں، اور وہ کہیں غائب تھے، تو ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ بنت قیس کے پاس نفقہ کے طور پر کچھ جَو بھیجے، تو حضرت فاطمہ بنت قیس ناراض ہوئیں تو وکیل نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے لیے ہم پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے اپنے خاوند کے اوپر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے اور آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ حضرت ام شریک کے گھر میں عدت گزاریں، پھر فرمایا: کہ یہ وہ خاتون ہیں کہ جن کے گھر کو میرے اصحاب نے ڈھانپ رکھا ہے، تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو، کیونکہ وہ ایک نابینا مرد ہیں، تم اپنے کپڑے اتار کر رکھو گی تو وہ دیکھ نہیں سکیں گے، پس جب تمہاری عدت پوری ہو جائے گی تو مجھے اطلاع دینا، حضرت فاطمہ بنت قیس نے کہا: جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ سے ذکر کیا کہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان نے اور حضرت ابوجہم نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے ابوجہم تو وہ تو اپنے کاندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے، رہے معاویہ تو وہ مفلس ہیں، ان کے پاس مال نہیں ہے، تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو، میں نے ان کو ناپسند کیا، آپ نے پھر فرمایا: کہ تم اسامہ سے نکاح کر لو تو میں نے اسامہ سے نکاح کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بہت خیر رکھی اور مجھ پر رشک کیا گیا، امام مسلم کی اس روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ ہے، یعنی نہ تم کو خرچ ملے گا اور نہ تم کو رہائش ملے گی اور دوسری روایت میں ہے کہ تمہارے لیے نفقہ نہیں ہے، پس تم کہیں اور منتقل ہو جاؤ اور ابن ام مکتوم کے گھر چلی جاؤ اور وہیں پر رہو، اور ابوبکر بن ابی جہم کی روایت میں ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا، حضرت فاطمہ بنت

قیس رضی اللہ عنہا یہ کہتی تھیں کہ میرے خاوند ابوعمر بن حفص ابومغیرہ نے مجھے طلاق دے دی، اور اس کے ساتھ مجھے پانچ صاع (۲۰ کلو گرام) کھجوریں اور پانچ صاع جو یعنی (۲۰ کلوگرام) جو بھیجے، تو میں نے کہا: کیا میرے لیے صرف یہی نفقہ ہے اور میں تمہارے گھر میں عدت نہیں گزاروں گی، تو اس نے کہا: نہیں، حضرت فاطمہ بنت قیس نے بتایا کہ پھر میں نے اپنے کپڑے باندھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے پوچھا: تمہیں کتنی طلاقیں دی، میں نے کہا: تین، آپ نے فرمایا: تمہارے لیے کوئی نفقہ نہیں، تم اپنے چچا کے بیٹے ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو۔

اور امام احمد بن محمد طحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث کو سولہ (۱۶) صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

- ہمیں محمد بن عبداللہ بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں الولید بن مسلم نے حدیث بیان کی از الاوزاعی از یحییٰ، انہوں نے کہا ہمیں ابوسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی ابوعمرو بن حفص المخزومی نے ان کو تین طلاقیں دے دیں، پھر انہوں نے میرے لیے نفقہ کا حکم دیا جس کو میں نے کم سمجھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تھا، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنومخزوم کے چند لوگوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس وقت آپ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، انہوں نے بتایا یا رسول اللہ! ابوعمرو بن حفص نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں دے دیں، کیا اس کے لیے کوئی نفقہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ اس کے لیے نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ ہے، یعنی نہ اس کو خرچ ملے گا اور نہ رہائش ہوگی، اور آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ وہ حضرت ام شریک کے گھر کی طرف منتقل ہو جائیں، پھر ان کی طرف پیغام بھیجا کہ ام شریک کے گھر میں تو مہاجرین اولین بہت آتے ہیں، تو تم ابن ام مکتوم کے گھر کی طرف منتقل ہو جاؤ، کیونکہ جب تم اپنے کپڑے اتار کر رکھو گی تو وہ تم کو نہیں دیکھ سکیں گے۔

تین طلاق یافتہ خاتون کے لیے نفقہ اور سکنیٰ نہ ہونے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

فقہاء اسلام کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے: جس خاتون کو تین طلاقیں دی گئیں، اس کے لیے کوئی نفقہ اور سکنیٰ واجب نہیں ہے جب کہ وہ خاتون غیر حاملہ ہو، اور ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جن کو ابھی ذکر کیا گیا ہے اور یہ فقہاء حسن بصری ۱۱۰ھ ہیں اور عمرو بن دینار ہیں اور طاؤس بن کیسان الیمانی المتوفی ۱۰۶ھ ہیں اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ ہیں اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ ہیں اور عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ ہیں اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ہیں اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ ہیں، اور اہل ظاہر یعنی غیر مقلدین سے بھی یہی روایت ہے۔

اور فقہاء کے دوسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے نفقہ بھی واجب ہوگا اور سکنیٰ بھی واجب ہوگا خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، اور یہ فقہاء حماد بن ابی سلیمان (استاذ امام اعظم) المتوفی ۱۲۰ھ ہیں اور حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ ہیں، اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ ہیں، سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ ہیں۔ اور ابن ابی لیلیٰ ہیں اور ابن شبرمہ ہیں اور الحسن بن صالح ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ ہیں اور قاضی ابو یوسف بن ابراہیم المتوفی ۱۸۳ھ ہیں، اور امام محمد بن الحسن الشیبانی المتوفی ۱۸۹ھ ہیں۔ اور یہی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ کا مذہب ہے۔

فقہاء کے تیسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ تین طلاق یافتہ خاتون کے لیے ہر حال میں نفقہ ہوگا، جب کہ وہ حاملہ ہو اور یہ فقہاء عبدالرحمٰن بن مہدی ہیں اور امام مالک متوفی ۱۷۹ ھ ہیں اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ ہیں۔

ہمارے اصحاب احناف نے اپنے مذہب کا اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ ھ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما متوفی ۵۸ ھ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو مسترد کر دیا ہے اور ان کا انکار کیا ہے۔ اور ان کا عمل اس پر تھا جس کی روایت الاعمش نے از ابراہیم از الاسود از حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے، آپ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے، اس کو وہم ہو گیا یا وہ بھول گئی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے نفقہ بھی واجب کرتے تھے اور سکنیٰ بھی واجب کرتے تھے۔

امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری متوفی ۲۶۱ ھ نے روایت کی ہے: ہمیں ابواحمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعمار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں الاسود بن یزید کے ساتھ مسجد اعظم میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ الشعبی بھی تھے، اور الشعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے نہ سکنیٰ واجب کیا نہ نفقہ، پھر اسود نے اپنے ہاتھ سے کنکریاں اٹھا کر پھینکیں اور کہا: تم پر افسوس ہے کہ تم جیسا شخص یہ حدیث بیان کرتا ہے، حضرت عمر رضی نے کہا: ہم اللہ کی کتاب کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے۔ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے سکنیٰ بھی واجب ہوگا اور نفقہ بھی واجب ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق: ۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں

اور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نہیں جانتے کہ اس عورت نے اس بات کو یاد رکھا یا یاد نہیں رکھا۔

اور امام احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ ھ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر فاطمہ بنت قیس دو گواہ لے کر آئیں تو ہم ان کی بات کو سن لیں گے، جو یہ گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا، ورنہ ہم ایک عورت کے قول کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ترک نہیں کریں گے۔

تین طلاق یافتہ خاتون کے اپنے گھر سے نکلنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ ھ سے روایت ہے اور اسی کے مطابق سعید بن المسیب، القاسم، سالم، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید اور سلیمان بن یسار، ان سب کا یہی قول ہے، انہوں نے کہا کہ تین طلاق یافتہ عورت اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے گی جہاں اس نے اس کو طلاق دی ہے، اور امام ابوعبید نے بھی اس قول کی روایت امام مالک سے، ثوری سے اور فقہاء احناف سے کی ہے، اور ان سب کی رائے یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں یا جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا وہ صرف اپنے گھر میں عدت گزارے گی۔

اور یہاں پر ایک دوسرا قول بھی ہے، وہ یہ ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے، اور یہ موقف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ، اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان متوفی ۱۰۶ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ کا قول ہے۔

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ یہ کہتے تھے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے وہ اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے جائے گی اور عشاء کے بعد تک ان کے پاس ٹھہرے گی پھر اپنے گھر لوٹ آئے گی اور یہی اللیث اور امام محمد بن ادریس الشافعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے وہ دن میں تو باہر نکل سکتی ہے لیکن رات صرف اپنے گھر میں گزارے گی اور جو عورت مطلقہ ہے وہ رات اور دن کے کسی وقت میں بھی گھر سے باہر نہیں نکلے گی اور امام محمد بن حسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ نے کہا: تین طلاق یافتہ عورت اور جس عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہے وہ عدت کے دوران رات اور دن کے کسی وقت میں بھی گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔

اور اس پر اجماع قائم ہو گیا کہ جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہے، وہ رہائش کی بھی مستحق ہو گی اور خرچ کی بھی مستحق ہو گی، کیونکہ جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہے اس کا حکم وہی ہے جو تمام معاملات میں بیویوں کا حکم ہوتا ہے۔

تین طلاق یافتہ عورتوں کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ (الطلاق:۱)

اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ○

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۞ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۞ (الطلاق:۶،۷)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ○ صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ○

آیاتِ مذکورہ کی تفسیر از علامہ عینی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ (الطلاق:۱)۔ الآیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور اپنی بیویوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو یعنی جن گھروں میں وہ بیویاں رہتی ہیں اور یہ ان کے شوہروں کے گھر ہیں، ان گھروں کی اضافت بیویوں کی طرف کی گئی ہے، کیونکہ رہائش کے اعتبار سے وہ عورتیں ان گھروں کے ساتھ مخصوص ہیں، الآیہ۔ کا معنی ہے یعنی یہ آیت آخر تک پڑھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق:۱) یعنی وہ مطلقہ عورتیں اپنے گھروں سے نہ نکلیں، سوائے اس صورت کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

کھلی بے حیائی کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد زنا ہے، پھر وہ عورتیں گھروں سے نکلیں گی تا کہ ان پر حد قائم کی جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ کھلی بے حیائی سے مراد ہے شوہر کی نافرمانی، اور اس آیت کا معنی یہ ہے: سوائے اس صورت کہ ان عورتوں کو نافرمانی کی بناء پر طلاق دی جائے، پھر وہ عورتیں گھر سے نکلیں گی، کیونکہ شوہر کی نافرمانی ان کا گھروں میں جو رہنے کا حق ہے اس کو ساقط کر دے گی، تیسرا قول یہ ہے کہ کھلی بے حیائی سے مراد یہ ہے کہ وہ زبان درازی اور بدزبانی کریں اور فحش کلام کریں یعنی ایسی باتیں کریں جو بے حیائی کے امور پر مشتمل ہوں۔

''تلك حدود الله، ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه'': یعنی جن احکام کا ذکر کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا، اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی سزا کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لا تدری، اس کا معنی ہے: کوئی شخص نہیں جانتا، دوسرا قول یہ ہے: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی از خود نہیں جانتے، تیسرا قول یہ ہے کہ اے طلاق والے! تم بھی نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لعل الله يحدث بعد ذالك'': یعنی ایک طلاق دینے کے بعد یا دو طلاقیں دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کیا نئی صورت پیدا کر دے گا، ''امرا'': یعنی جب تک وہ عورت عدت میں ہے تو اس کے شوہر کو اللہ تعالیٰ طلاق سے رجوع کی توفیق دے گا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ (الطلاق:٦): یعنی تم نے اپنی جن عورتوں کو طلاق دی ہے ان کو وہیں پر رکھو جہاں پر تم خود رہتے ہو، اور اس آیت میں مِن تبعیض کے لیے ہے، یعنی اپنے رہائشی مکانوں میں سے کسی مکان میں رکھو، اور قتادہ سے منقول ہے کہ اگر اس مرد کا صرف ایک گھر ہو تو وہ اس کو اپنے گھر کے بعض حصوں میں رکھے گا۔

مِّنْ وُّجْدِكُمْ: یعنی تم اپنی بیوی کو وہاں رکھو جہاں رکھنے کی تم کو طاقت ہے اور تمہاری گنجائش ہے اور تمہاری وسعت ہے حتیٰ کہ عورتیں وہاں پر عدت گزار لیں۔ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ: یعنی ان کو ان گھروں میں ایذا نہ پہنچاؤ تا کہ وہ ان گھروں سے نکل جائیں۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ: یعنی اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرو حتیٰ کہ ان کا حمل وضع ہو جائے، پھر وہ عدت سے نکل جائیں۔

''فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ'': یعنی اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو انہیں دودھ پلانے کی اجرت دو ان کی مرضی اور اپنی وسعت کے مطابق۔

ضرورت کے وقت انتقالِ خون کا جواز اور اس کی شرائط اور احکام

عورت جو اپنے بچے کو دودھ پلائے، اس کو دودھ پلانے کی اجرت کا حکم صرف اسلام نے دیا ہے، اور کسی مذہب میں عورت کا یہ استحقاق نہیں ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کی اجرت کا خاوند سے تقاضا کرے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام نے عورتوں کو کتنے وسیع حقوق عطا فرمائے ہیں اور اس میں اجرت کا بھی ثبوت ہے اور اس میں یہ ثبوت بھی ہے کہ ضرورت کی وجہ سے عورت اپنے جسم کا کوئی حصہ دوسرے کو دی سکتی ہے، کیونکہ عورت جو دودھ پلاتی ہے وہ اس کے جسم کا حصہ ہوتا ہے اور بچے کی نشوونما کی ضرورت کی وجہ سے عورت کے لیے جائز قرار دیا کہ وہ بچے کو دودھ پلائے اور اپنے جسم کا حصہ اس کو عطا کرے۔ اور اسی سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ ضرورتِ علاج کی وجہ سے انتقالِ خون جائز ہے کیونکہ جس طریقہ سے دودھ جسم کا حصہ ہے خون بھی جسم کا حصہ ہے اور جب ضرورتِ نشوونما کی وجہ سے بچے کو دودھ پلانا جائز ہے تو ضرورتِ علاج کی وجہ سے کسی مریض کو کوئی شخص اپنا خون بھی دے سکتا ہے، جو شخص بلڈ کینسر کا مریض ہو اس کا علاج صرف اسی صورت میں ہوتا ہے کہ اس کے جسم کا سارا خون تبدیل کر دیا جائے اور کسی صحت مند جسم کا خون اس کے جسم میں منتقل کر دیا جائے، اسی طرح بعض صورتوں میں کوئی بڑی سرجری ہوتی ہے یا کوئی بڑا حادثہ ہو جاتا ہے اور کسی انسان کے جسم کا بہت زیادہ خون نکل جاتا ہے اور اس کے جسم میں جب تک متبادل خون منتقل نہ کیا جائے اس کا جانبر ہونا انتہائی مشکل اور دشوار ہوتا ہے، اس لیے اس ضرورت کی بناء پر کسی انسان کے جسم میں دوسرے انسان کا خون کا منتقل کرنا جائز ہے۔

ہمارے زمانے میں بعض متاخرین فقہاء انتقالِ خون کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن جس انسان کا انتقالِ خون کے بغیر جانبر ہونا مشکل اور دشوار ہو یا بعض صورتوں میں ناممکن ہو اگر اس کو خون نہ دیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ اسلام میں تمہیں خون دینے کی اجازت نہیں ہے، دوسرے لفظوں میں اسلام میں تمہیں زندہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شخص اسلام سے متنفر ہو جائے کہ جو مذہب میری حیات پر راضی نہیں ہے میں اس مذہب پر کیسے راضی ہوں۔

امام طحاوی کی جب پیدائش قریب تھی تو ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا اور فقہاءِ شافعیہ کے قول کے مطابق ماں کا پیٹ چیر کر مردہ ماں کے پیٹ سے بچے کو نکالنا جائز نہیں ہے اور فقہاءِ احناف کے نزدیک جائز ہے، جب امام طحاوی اپنے ماموں سے فقہ پڑھ رہے تھے، تب انہیں اس مسئلے کا علم ہوا کہ اگر فقہ حنفی پر عمل نہ کیا جاتا تو ان کو اپنی مردہ ماں کے پیٹ میں ہی زندہ دفن کر دیا جاتا، تو انہوں نے بے ساختہ کہا: میں اس مذہب پر راضی نہیں ہوں جو میری موت پر راضی ہو اور وہ فقہ شافعی کو چھوڑ کر فقہ حنفی کی طرف منتقل ہو گئے، تو جس مسلمان مرد کو یہ بتایا جائے کہ اسلام میں خون دینا جائز نہیں ہے اور بغیر خون دیے اس کی حیات عادۃً متصور نہ ہو تو یہ خطرہ ہے کہ وہ بھی امام طحاوی کی طرح اپنے مذہب کو تبدیل کر لے گا، اس لیے اس خطرہ سے بچنے کے لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ ضرورت کے وقت انتقالِ خون جائز ہے، تاہم ہم یہ کہتے ہیں کہ مطلقاً خون کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ خون کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور بغیر اضطرار کے کسی حرام کے ساتھ حلال کا معاملہ نہیں کیا جاتا لیکن جب مسلمان ماہر ڈاکٹر اور سرجن یہ کہیں کہ اس شخص کو خون دینا ضروری ہے ورنہ اس کی زندگی کا بچنا محال ہے تو اس ضرورت کی بناء پر اس کو کسی ایسے انسان کا خون دیا جا سکتا ہے

جس کے خون کا گروپ اس انسان کے خون کے گروپ سے ملتا ہو اور ڈاکٹر یہ بھی چھان بین کر لیں کہ اس خون کے اندر کوئی اور مہلک بیماری مثلاً ایڈز یا کینسر اور ہیپا ٹائیٹس وغیرہ کے جراثیم نہیں ہیں اور اس چھان بین کے بعد اس کو خون دینا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

پیوند کاری کے عدم جواز پر دلائل اور یہ کہ اس کا انتقالِ خون پر قیاس کرنا غلط ہے

بعض لوگ انتقالِ خون کے جواز کے اوپر اعضاء کی پیوند کاری کو قیاس کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ قیاس درست نہیں ہے، کیونکہ خون سیال (مائع) مادہ ہے، جس کا کوئی ٹھوس اور مشخص جسم نہیں ہے، اس کے برخلاف اعضاء کا ٹھوس اور مشخص جسم ہوتا ہے، لہٰذا خون کے اوپر اعضاء کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز کسی جسم سے بقدرِ ضرورت خون نکال لیا جائے تو اس شخص کے تشخص میں اور اس کی صحت میں اور اس کی توانائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور جتنا خون نکالا گیا ہو، چند دنوں بعد اتنا ہی خون اس کے جسم میں پھر پیدا ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف اعضاء کا ایک ٹھوس اور مشخص وجود ہے، مثلاً کسی کی آنکھ نکال لی جائے، یا کسی کی ناک نکال لی جائے یا کسی کا گردہ نکال لیا جائے یا کسی کا کوئی اور عضو نکال لیا جائے تو اس کے جسم کا تشخص تبدیل ہو جائے گا اور کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ اس کا متبادل عضو بن جائے، نیز انتقالِ خون اس وقت جائز ہے کہ جب کسی ضرورت مند مریض کی جان کو خطرہ ہو اور اگر اس کو خون نہ دیا جائے تو ڈاکٹر یہ کہیں کہ یہ شخص مرجائے گا تو اس صورت میں علاج کی وجہ سے اس کو خون دینا جائز ہے، اس کے برخلاف اعضاء کی پیوند کاری جو کی جاتی ہے، اس میں اگر کسی کا گردہ تبدیل نہ کیا جائے یا کسی کی پتلی کی پیوند کاری نہ کی جائے تو اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا، اور آنکھ کی پتلی کی صورت میں تو بالکل ظاہر ہے، اور جہاں تک گردے کا تعلق ہے تو ایک گردے کے ساتھ بھی انسان زندہ رہتا ہے اور اگر کسی کے دونوں گردے فیل ہو جائیں تب بھی جدید میڈیکل سائنس نے ڈائلیسس کے ذریعے ایسا حل پیش کر دیا ہے کہ وہ ناکارہ گردوں کے ساتھ بھی طویل عرصہ تک صحت مند انسان کی طرح زندگی گزار سکتا ہے اور ہمارے علم میں اور ہمارے مشاہدے میں ایسی بہت مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو کسی بڑی آزمائش سے محفوظ رکھے، ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے وہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ انسان نہ اپنے پورے جسم کا مالک ہے نہ جسم کے کسی ایک حصہ کا مالک ہے، جس طرح انسان اپنے پورے جسم کو ہلاک نہیں کر سکتا، قرآن کریم میں ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ:۱۹۵) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء:۲۹) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے O

سو قرآن کریم کی اس آیت کے اعتبار سے خودکشی کرنا اور اپنے پورے جسم کو ہلاک کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس کی عقلی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے، انسان کے جسم کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر انسان نہ اپنے پورے جسم کو ہلاک کر سکتا ہے اور نہ اپنے جسم کے کسی ایک حصہ کو ہلاک کر سکتا ہے، اس وجہ سے خودکشی کرنا بھی جائز نہیں ہے اور اعضاء کی پیوند کاری کرنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

نیز حدیث میں ہے:

امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ اور اسحاق بن ابراہیم دونوں نے حدیث بیان کی از سلیمان، اور ابوبکر نے کہا: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از حجاج الصواف، از ابوزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت طفیل بن عمر الدوسی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے ایک مضبوط قلعہ میں جانے کی اجازت دیتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ قبیلہ دوس کا زمانہ جاہلیت میں ایک قلعہ تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا، کیونکہ اس گھر کا اللہ تعالیٰ نے انصار کے لیے ذخیرہ کر لیا تھا، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت کی تو حضرت طفیل بن عمرو نے بھی آپ کی طرف ہجرت کی اور آپ کے ساتھ ان کی قوم کے ایک فرد نے بھی ہجرت کی، ان کو مدینہ راس نہیں آیا اور وہ بیمار ہو گئے، اور انہوں نے بے صبری کی اور چھری لی اور اپنی انگلیوں کے ایک جوڑ کو کاٹ ڈالا اور ان سے بہت زیادہ خون بہنے لگا جس کی وجہ سے وہ انتقال کر گئے، پھر حضرت طفیل بن عمرو نے اس مرد کو خواب میں دیکھا کہ وہ اچھی حالت میں ہے اور دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں پٹی بندھی ہوئی ہے، انہوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو ہجرت کی تھی اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی، حضرت طفیل نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی دیکھ رہا ہوں، انہوں نے کہا کہ مجھ سے کہا گیا: جس عضو کو تمہاری طرف سے فاسد کیا گیا ہے ہم اس کو ٹھیک نہیں کریں گے۔ پھر حضرت عمرو الطفیل الدوسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ قصہ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! اس کے ہاتھوں کی بھی مغفرت فرما دے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶، الرقم المسلسل: ۲۱۲، مسند احمد: ۱۴۹۸۶)

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کے سبب سے اس مرد کی مغفرت فرما دی لیکن اس نے جو چھری سے اپنے ہاتھوں کے جوڑوں کی رگوں کو کاٹ دیا اس کی اللہ تعالیٰ نے اصلاح نہیں فرمائی اور فرمایا کہ جس عضو کو تم نے اپنے ہاتھوں سے فاسد کیا ہے ہم اس کی ہرگز اصلاح نہیں کریں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں کی بھی اصلاح فرما دی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کے کسی عضو کو تلف کر دے یا ضائع کر دے یا اس کی منفعت کو ختم کر دے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ جس عضو کو تم نے فاسد کیا ہے ہم اس کی اصلاح نہیں کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعضاء کی پیوند کاری کی وجہ سے کسی عضو کو تلف کرنا جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید اور اس حدیث صحیحہ کی بناء پر ہم نے یہی سمجھا ہے کہ اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں کسی آزمائش سے محفوظ رکھے اور جو مسلمان اس عارضہ میں مبتلا ہو گئے ہیں ان کو اعضاء کی پیوند کاری کے بغیر شفا عطا فرمائے، تاہم ہو سکتا ہے کہ بعد میں ایسے دلائل ظاہر ہوں جن پر ہماری نظر نہیں ہے اور ان کی رُو سے اعضاء کی پیوند کاری بھی جائز ہو جائے تو ہم یہی کہیں گے: ''لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا''، یعنی اب تک تو ہم نے یہی سمجھا ہے کہ اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے، لیکن ہو سکتا ہے جو دلائل ہم پر منکشف نہیں ہوئے ہوں، ان میں سے کسی دلیل کی وجہ سے اعضاء کی پیوند کاری جائز ہو جائے، جب تک ہمارے علم میں کوئی ایسی دلیل نہ آئے اس وقت تک ہم اعضاء کی پیوند کاری کے جواز کا قول نہیں کر سکتے۔

میں کہتا ہوں: اس ضمن میں انتقال خون اور اعضاء کی پیوند کاری کا مسئلہ آ گیا، اب اس کے بعد ہم پھر الطلاق کی آیات کی جو

علامہ عینی نے تفسیر کی ہے، اس کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ: اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو، یعنی تم میں سے مسلمان ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں جب وہ ان کو بھلائی اور نیکی کا حکم دیں، الفراء نے کہا: جب وہ ارادہ کرلیں اور الکسائی نے کہا: جب وہ مشورہ کریں اور اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے: اگر تمہاری یہ مطلقہ بیویاں تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو ان کو اس دودھ پلانے کی بھی اجرت عطا کرو، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک اگر وہ بچہ خود اس عورت کا ہے تو اس کے لیے دودھ پلانے کی اجرت خاوند سے لینا جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔
وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ: ''اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو''، یعنی اگر دودھ پلانے میں تم کو دشواری محسوس ہو اور شوہر بیوی کو دودھ پلانے کی اجرت دینے سے انکار کرے اور اس کی ماں اس کو بغیر اجرت کے دودھ پلانے سے انکار کرے تو شوہر کے لیے اپنی بیوی کو دودھ پلانے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔
فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ: ''تو کوئی دوسری عورت دودھ پلادے گی''، یعنی پھر تمہیں بچے کی ماں کے علاوہ کوئی اور دوسری عورت دودھ پلانے کے لیے مل جائے گی۔
لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ: ''صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے''۔ یعنی شوہر کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی وسعت اور گنجائش دی ہے، اس کے مطابق خرچ کرے اور جس کے اوپر رزق تنگ ہے تو جتنا اس کو میسر ہے اتنا اس کو خرچ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔
سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا: ''اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا''۔ یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی معیشت کے بعد آسانی پیدا فرمادے گا اور وسعت اور گنجائش پیدا فرمادے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے تنگ دست شوہروں کے لیے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر رزق کے ابواب کشادہ فرمادے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۷-۴۴۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۲، ۵۳۲۱، کے رجال کا تذکرہ

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، ان کا نام اسماعیل بن ابی اویس ہے، اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ الانصاری ہیں، اور اس حدیث کی سند میں القاسم بن محمد کا ذکر ہے، یہ ابن محمد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان بن یسار کا ذکر ہے، یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد شدہ غلام ہیں۔ اور ان کے والد مدینہ میں حضرت معاویہ کی طرف سے گورنر تھے، اور یحییٰ وہ عمرو بن سعید کے بھائی ہیں جو الاشدق کے نام سے معروف تھے۔
اس حدیث کی امام ابوداؤد نے بھی کتاب الطلاق میں از القعنبی از مالک روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور مبہم عبارات کی توضیح

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فانتقلها''، یعنی حضرت عمرہ کو عبدالرحمن بن الحکم نے جو ان کے والد تھے، اس مسکن سے منتقل کیا

جس میں ان کو طلاق دی گئی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: فارسلت العائشة: اس میں کچھ عبارت محذوف ہے، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ عبد الرحمن بن الحکم اپنی بیٹی کو اس مسکن سے منتقل کر رہے ہیں جس میں ان کو ان کے خاوند نے طلاق دی تھی، جن کا نام یحییٰ بن سعید ہے، حضرت عائشہ نے مروان بن الحکم کی طرف پیغام بھیجا اور وہ اس وقت مدینہ کا امیر تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اتق الله واردها، یعنی اس مطلقہ مذکورہ کو واپس بلاؤ، اور اس کو یہ حکم دو کہ وہ اس گھر کی طرف لوٹ جائے جس میں اس کو طلاق دی گئی تھی۔ تو مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ جواب دیا کہ عبدالرحمن بن الحکم جو کہ عمرہ کے والد ہیں، وہ مجھ پر غالب آ گئے ہیں اور میں اس پر قادر نہیں ہوا کہ ان کو ان کے مکان سے منتقل کروں (یہ سلیمان بن یسار کی روایت ہے۔)

اور القاسم بن محمد کی روایت میں مذکور ہے کہ مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آپ کو فاطمہ بنت قیس کے قصہ کی خبر نہیں پہنچی؟ اور وہ قصہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے خاوند کے گھر میں عدت نہیں گزاری بلکہ دوسرے گھر میں منتقل ہو گئیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: کہ حضرت عائشہ نے کہا: تمہیں کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ یعنی حضرت عائشہ نے مروان سے کہا کہ اگر تم فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا ذکر نہ کرتے تو تم پر کوئی نقصان نہیں تھا۔ حضرت عائشہ کی مراد یہ تھی کہ تم اس سے استدلال نہ کرو کہ تم نے عمرہ کو ان کے شوہر کے گھر منتقل ہونے سے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کی وجہ سے چھوڑ دیا، کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس جو اپنے شوہر کے گھر سے منتقل ہوئی تھیں تو وہ ایک خاص سبب کی وجہ سے تھا اور وہ سبب یہ تھا کہ ان کا مکان بالکل الگ تھا اور اس میں ان کو وحشت ہوتی تھی اور اس میں ان کو خوف ہوتا تھا، کہا گیا ہے کہ اس میں ایک اور سبب بھی تھا اور وہ یہ ہے کہ وہ کمزور تھیں، اور اپنے گھر کا سارا سامان دوسری جگہ منتقل نہیں کر سکتی تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فقال مروان'' یعنی مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کے نزدیک فاطمہ بنت قیس کے مکان میں کوئی خرابی تھی یا کوئی خاص سبب تھا جس سے وہ دوسرے گھر منتقل ہوئیں تو یہ عذر آپ کے لیے کافی ہے کہ مطلقہ کو اگر ایسا کوئی عذر درپیش ہو تو وہ اپنے خاوند کے گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خطاب مروان کی بھتیجی کے لیے تھا جس کو طلاق دی گئی تھی کہ اگر تمہارے ساتھ بھی کوئی خرابی ہو تو تمہارے لیے ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کے لیے یہ عذر کافی ہے کہ تم اپنے خاوند کے گھر کو چھوڑ کر اپنے والد کے گھر منتقل ہو جاؤ۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے مروان کے اس قول کی شرح میں لکھا ہے:

اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس نے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا حکم دیا تھا، یہ اس خرابی کی وجہ سے تھا جو عمرہ اور ان لوگوں کے درمیان واقع ہو گئی۔

تمام صحابہ کا اس پر اجماع کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی جو یہ روایت ہے کہ مطلقہ کیلئے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہوگا، یہ روایت غلط ہے

علامہ عینی فرماتے ہیں:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت پر عمل نہیں کیا اور اس روایت کا انکار کیا، اسی

طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کا انکار کرتے تھے اور اسی طرح حضرت اسامہ اور سعید بن مسیب اور دوسرے صحابہ اور تابعین بھی حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کا انکار کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کا انکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت کے سامنے کیا اور کسی نے بھی حضرت عمر کے اوپر اعتراض یا انکار نہیں کیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ تمام صحابہ کا اس مسئلہ میں وہی موقف تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف ہے۔
(عمدة القاری ج ۲۰ ص ۴۴۱-۴۴۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۴، ۵۳۲۳، کی مبہم عبارات کی توضیح

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حدثنی محمد بن بشار: الحافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ نے لکھا ہے کہ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس حدیث کی روایت محمد سے کی ہے اور ان کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور یہ دراصل محمد بن بشار ہیں، اسی طرح ابومسعود نے ان کو اس طرف منسوب کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ما لفاطمة؟: یعنی حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو کیا ہوا، اور جو کچھ وہ اس قصہ میں بیان کرتی ہیں، کیا وہ اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتی نہیں ہیں، یعنی حضرت فاطمہ بنت قیس نے جو یہ حدیث بیان کی ہے کہ مطلقہ کے لیے نہ نفقہ ہوگا اور نہ سکنیٰ ہوگا، یعنی مطلقہ کے زوج کے اوپر مطلقہ کے لیے نہ خرچ واجب ہوگا اور نہ اس کے لیے رہائش واجب ہوگی۔ اور حال یہ ہے کہ ان کے قصہ سے یقینی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ انہوں نے جو اپنے خاوند کے گھر سے اپنے والد کے گھر منتقل ہونے کا حکم دیا تھا تو وہ ایک خاص سبب کی وجہ سے تھا۔

المہلب نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے جو حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کا انکار کیا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام نے ان کے لیے خاوند کے گھر سے منتقل ہونے اور خاوند کے گھر کو چھوڑنے کو مباح فرما دیا تھا، اور شارع علیہ السلام کو اس سبب کی خبر نہیں دی گئی تھی۔ (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۴۴۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۶-۵۳۲۵، کے مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کی توضیح

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ''عن ابیہ'' اس سے مراد القاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''الم ترین الی فلانة بنت الحکم'': اس حدیث میں حضرت فاطمہ بنت قیس کی نسبت ان کے دادا کی طرف کی گئی ہے اور وہ درحقیقت عبدالرحمٰن بن الحکم کی بیٹی ہیں، جیسا کہ پہلی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''البتة'' یعنی ان کے شوہر نے ان کو طلاق مغلظہ دے دی اور وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو گئیں، اور ان کی طلاق رجعی نہیں تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فخرجت'': یعنی جس گھر میں ان کو طلاق دی گئی تھی، وہ اس گھر سے نکل گئیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''بئس ما صنعت'': اور الکشمیہنی کی روایت میں مذکور ہے، بئس ما صنعت، یعنی ان کے خاوند

نے جوان کو طلاق دے کر گھر سے نکلنے کا موقع دیا، یہ انہوں نے اچھا نہیں کیا، یا عمرہ کے والد نے جوان کو اس گھر سے منتقل ہونے کا موقع دیا، یہ اچھا نہیں کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لیس لها خیر فی ذکر هذا الحدیث": یعنی حضرت فاطمہ بنت قیس نے جو اس حدیث کا ذکر کیا ہے، اس میں ان کے لیے کوئی خیر نہیں ہے۔ کیونکہ کسی شخص کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ کسی ایسی چیز کا ذکر کرے جس پر انکار کیا جا سکتا ہو۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اور ابن ابی الزناد نے اضافہ کیا، یعنی عبدالرحمٰن بن ابی زناد جن کا نام عبداللہ ابو محمد المدنی ہے، انہوں نے یہ اضافہ کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ابن ابی الزناد کی روایت میں بحث ہے، امام نسائی نے کہا: ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جائے گا، اور امام ابن عدی نے کہا: ان کی بعض روایات میں ان کا کوئی متابع نہیں ہے، اور یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ ثقہ اور صدوق ہیں اور ان کی بعض احادیث میں ضعف ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ہشام بن عروہ کی روایات میں تمام لوگوں سے زیادہ ثابت ہیں، امام بخاری نے ان کی روایات کے ساتھ اپنی صحیح میں استدلال کیا ہے، اور امام مسلم نے بھی اپنی کتاب کے مقدمہ میں ان کی روایت سے استدلال کیا ہے اور امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے بھی ان کی روایات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور ابو داؤد نے سلیمان بن ابو داؤد سے اس حدیث معلق کی سند موصول ذکر کی ہے۔

"عابت عائشة" یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی سخت مذمت کی۔

"فلذالك" یعنی کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس کو اس مکان میں وحشت ہوتی تھی تو ان کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اس مکان سے منتقل ہو جائیں، اور ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے، کیونکہ یہ ابن ابی زناد کی روایت ہے اور وہ سخت ضعیف راوی ہیں، اور ابن حزم ظاہری کے اس قول کو رد کیا گیا ہے، خصوصاً یحییٰ بن معین نے کہا کہ ہشام بن عروہ کی روایت میں جو سب سے زیادہ ثابت ہیں۔

احادیث مذکورہ کا خلاصہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو مسترد کر دیا، اور یہ ثابت کیا ہے کہ مطلقہ بائنہ کے لیے عدت کا خرچ بھی ہوتا ہے اور دورانِ عدت اس کی رہائش بھی اس کے شوہر پر ثابت ہوتی ہے۔

اور صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ نے کہا ہے: کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسترد کر دیا تھا کیونکہ حضرت عمر نے فرمایا تھا: ہم اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کر سکتے ہمیں معلوم نہیں کہ اس عورت نے سچ کہا ہے یا جھوٹ کہا ہے اور اس عورت کو وہ حدیث یاد رہی ہے یا وہ بھول گئی ہے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے اس کے شوہر کے اوپر عدت کے دوران کا خرچ بھی لازم ہوتا ہے اور اس کی رہائش بھی لازم ہوتی ہے جب کہ وہ عدت کے اندر ہو۔ اور حضرت زید بن

ثابت اور حضرت اسامہ بن زید اور حضرت جابر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی اس حدیث کو رد کر دیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں فقہاء احناف پر اعتراض کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی پوری عبارت اس طرح ہے:

اور بعض فقہاء احناف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ انہوں نے فرمایا: تین طلاق یافتہ عورتوں کے لیے اس کے شوہر کے ذمہ عدت کے دوران رہائش بھی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے۔ اور ابن السمعانی نے اس کا رد کر دیا ہے کہ یہ بعض مجازفین کا قول ہے یعنی یہ ان لوگوں کا قول ہے جو بے تکی باتیں کرتے ہیں اور اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں، لہٰذا اس روایت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے: اس روایت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اصلاً ثبوت نہیں ہے۔ اور شاید کہ ان کا ارادہ یہ ہے کہ جو ابراہیم نخعی کی حضرت عمر سے روایت ہے کیونکہ ابراہیم نخعی کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۱، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

المجازف وہی ہے جس نے بغیر کسی ثبوت کے علماء کی طرف مجازفت کی نسبت کی ہے یعنی جس نے بغیر کسی ثبوت کے علماء کی طرف بے تکی باتیں کرنے کی نسبت کی ہے، درحقیقت وہی بے تکی باتیں کرنے والا ہے۔ اگر اس کی مراد یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثبوت کا انکار کیا ہے تو یہ اس کو مفید نہیں ہے، کیونکہ جنہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثبوت ہے، اور مثبت نافی سے اولیٰ ہوتا ہے، کیونکہ جو کسی چیز کو ثابت کرتا ہے اس کے پاس اس کی بہ نسبت زیادہ علم ہوتا ہے جو اس کی نفی کرتا ہے۔

اور امام طحاوی نے کہا ہے جو اس فن کے بہت بڑے امام ہیں، کہ جب حضرت فاطمہ بنت قیس آئیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت کی کہ آپ نے ان سے فرمایا: کہ رہائش اور خرچ شوہر کے ذمہ اس کے لیے ہے جس کو طلاقِ رجعی دی گئی ہے، اور حضرت فاطمہ بنت قیس نے اس روایت میں کتاب اللہ کی نصِ صریح کی مخالفت کی کہ کتاب اللہ میں جو عورت کو طلاقِ بائن دی گئی ہو، اس کے لئے شوہر کے ذمہ ثابت کیا ہے اور حضرت فاطمہ بنت قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے خلاف روایت کی ہے، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کا انکار کرنا انکارِ صحیح ہے اور حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت باطل ہے، لہٰذا اس کے اوپر اصلاً عمل واجب نہیں ہے۔

اور اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کے لیے اس کے شوہر کے ذمہ رہائش بھی ہے اور خرچ بھی ہے۔

اور امام دارقطنی نے حرب بن ابی العالیہ سے از ابی الزبیر از جابر رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی روایت ذکر کی ہے۔

امام طحاوی اور امام دارقطنی کی روایات پر ایک اشکال کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام عبد الحق نے اپنی کتاب ''الاحکام'' میں یہ لکھا ہے کہ حرب بن ابی العالیہ کی روایات سے استدلال نہیں

کیا جاتا اور ان کو یحییٰ بن معین نے دراوردی کی روایات میں ضعیف قرار دیا ہے اور ابن ابی خیثمہ کی روایات میں بھی ضعیف قرار دیا ہے، اور اشبہ کی روایت یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث موقوف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حرب بن ابی العالیہ کی یہ حدیث صحیح مسلم کی احادیث میں درج ہے اور ان کی احادیث کی امام حاکم نے بھی مستدرک میں روایات کو درج کیا ہے اور حرب بن ابی العالیہ کی روایات کی توثیق کے لیے امام مسلم کا ان کی روایات سے استدلال کرنا کافی ہے۔ اور امام طحاوی نے بھی شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس نے یہ خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ نے یہ حدیث بیان کی کہ ان کے خاوند نے ان کو تین طلاقیں دیں، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے تمہارے شوہر کے ذمہ عدت کے درمیان نہ خرچہ ہے اور نہ رہائش ہے، سو اس حدیث کی انہوں نے ابراہیم نخعی کو خبر دی، تو ابراہیم نخعی نے کہا: حضرت عمر نے بتایا: کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: آپ نے فرمایا: تین طلاق یافتہ عورت کے لیے شوہر کے ذمہ رہائش بھی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ابراہیم نخعی نے تو حضرت عمر کو نہیں پایا تھا، کیونکہ ابراہیم نخعی حضرت عمر کی وفات کے دو سال بعد پیدا ہوئے تو میں کہوں گا کہ اس کا ہمیں کوئی ضرر نہیں ہے، کیونکہ ابراہیم نخعی کی مرسل روایات سے استدلال کیا جاتا ہے، خاص طور پر وہ احادیث جو ہمارے قواعد کے موافق ہوں۔ فافہم

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۲-۴۴۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

جو عورت مطلقہ بائنہ ہو، اس کے عدت کے دوران گھر سے نکلنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن ابراہیم المنذر النیشاپوری الشافعی التوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو وہ عدت کے دوران اپنے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں؟

پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ نے اس سے منع کیا ہے۔

اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور القاسم اور سالم اور ابوبکر بن عبد الرحمن اور خارجہ بن زید اور سلیمان بن یسار کی رائے یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت پوری کرے گی جس گھر میں اس کے خاوند نے اس کو طلاق دی ہے۔ اور امام ابوعبید الہروی التوفی ۲۲۷ھ نے کہا ہے کہ امام مالک التوفی ۱۷۹ھ اور فقہاء کوفہ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری التوفی ۱۶۱ھ ان سب کی رائے یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائنہ دی گئی ہو یا جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ صرف اپنے خاوند کے گھر میں عدت پوری کرے گی۔

اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں، وہ جہاں چاہے عدت گزارے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر بن عبد اللہ متوفی رضی اللہ عنہ ۷۸ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ کا قول ہے۔

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں وہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے مطابق گھر سے نکلے گی اور اس کے شوہر کے ذمہ نہ اس کی رہائش ہوگی اور نہ اس کی عدت کے دوران کا خرچ ہوگا۔

علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا تین طلاق یافتہ عورت عدت کے دوران گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں؟ اور جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو تو وہ گھر سے نکل سکتی ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ یعنی وہ مطلقہ عورتیں اپنے گھروں سے نہ نکلیں، سوائے اس صورت کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں (الطلاق:۱)

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کی عدت کے دوران گھر سے نکلنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ عدت کے دوران دن کے وقت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور رات صرف اپنے خاوند کے گھر میں گزارے گی اور جس عورت کو طلاق دی گئی ہے وہ عدت کے دوران نہ رات میں گھر سے باہر نکلے گی اور نہ دن میں، اور انہوں نے ان دونوں مسئلوں میں یہ فرق کیا ہے کہ جس عورت کو طلاق دی گئی ہے، ہمارے نزدیک اس کی رہائش شوہر پر لازم ہے اور اس کی عدت کے دوران اس کا خرچ بھی شوہر پر لازم ہے، اور چونکہ اس کے شوہر پر رہائش اور خرچ اس کی عدت کے دوران لازم ہے تو یہ اس کو گھر سے باہر نکلنے سے مستغنی کر دیتا ہے، اور جس عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہے تو اس کا نہ کوئی خرچ شوہر پر لازم ہے کیونکہ وہ فوت ہو چکا ہے، اسی لیے وہ اپنے معاش کی تلاش کے لیے دن کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور دن کے اوقات میں وہ اپنے معاش کی ضروریات کے لیے تگ و دو کرے گی۔

اور امام محمد بن الحسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ نے کہا ہے کہ خواہ مطلقہ ہو خواہ وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، وہ عدت کے دوران نہ دن کو باہر نکل سکتی ہے اور نہ رات کو گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

اور فقہاء کی ایک اور جماعت نے کہا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کی طرف منسوب ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے اور یہ قید نہیں لگائی کہ وہ اپنے خاوند کے گھر عدت گزارے، پس وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہے تو اس کا شوہر اس سے رجوع کر سکتا ہے، اور اس کے شوہر کے ذمہ اس کی عدت کے دوران اس کا خرچ بھی ہے اور اس کی رہائش بھی ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو بیویوں کا تمام امور میں ہوتا ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے شوہر کے ذمہ خرچ اور رہائش واجب ہے یا نہیں؟

سو حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ نے یہ کہا ہے کہ:

جو تین طلاق یافتہ عورت حاملہ نہ ہو تو اس کی رہائش اور اس کا خرچ شوہر کے ذمہ نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا:

جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہے اس کی رہائش تو شوہر کے ذمہ ہے اور اس کا خرچ شوہر کے ذمہ نہیں ہے، یہ سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور سلیمان بن یسار اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا قول ہے۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور ابن ابی لیلیٰ اور لیث اور اوزاعی اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: کہ ہر مطلقہ کے لیے اس کے شوہر پر رہائش اور خرچ لازم ہوتا ہے جب کہ وہ عورت عدت کے اندر ہو خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، خواہ اس کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو یا طلاقِ رجعی دی گئی ہو، یہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور فقہاء کوفہ کا قول ہے، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا بھی یہی قول ہے۔

اور فقہاء احناف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما متوفی ۵۸ھ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو مسترد کر دیا تھا اور ان پر انکار کیا تھا اور انہوں نے اس مسئلہ پر از ابراہیم از الاسود از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے رب کی کتاب کو اور اس کے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں وہ بھول گئی ہے یا اس کو یاد نہیں رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کو مسترد کرنا اور مطلقہ بائنہ کے لیے عدت کے دوران رہائش اور خرچ کو واجب قرار دینا

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطلقہ بائنہ کے لیے اس کے شوہر کے ذمہ خرچ اور عدت کے دوران رہائش کو لازم کرتے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ (الطلاق: ۱)

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ○

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ،

حَمْلٍ فَأَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ ۚ وَأْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ أُخْرٰى ۞ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۞ (الطلاق:۶،۷)

اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کردے گا O

پس جب حضرت فاطمہ بنت قیس آئیں اور انہوں نے یہ روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ شوہر کے ذمہ رہائش اور عدت کے دوران کا خرچ اس عورت کے لیے ہوتا ہے جس کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو تو انہوں نے اپنی اس روایت سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی نص صریح سے مخالفت کی، عدت کو لازم کیا ہے، جس کو طلاق رجعی نہ دی گئی ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بھی مخالفت کی ہے کیونکہ حضرت عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ بنت قیس کے خلاف حدیث روایت کی ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا اور حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت باطل ہو گئی، لہٰذا اس کے موافق عمل واجب نہیں ہے۔

مطلقہ بائنہ کی عدت کے دوران رہائش اور خرچ کے متعلق فقہاءِ احناف اور فقہاءِ مالکیہ کے نظریات

اور فقہاءِ احناف نے یہ کہا ہے کہ رہائش خرچ کے تابع ہوتی ہے اور رہائش خرچ کے وجوب کے ساتھ واجب ہوتی ہے اور رہائش خرچ کے سقوط کے ساتھ ساقط ہوتی ہے۔ ان سے اصحابِ مالک نے یہ کہا کہ رہائش اس وقت لازم ہوتی ہے جب وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہو اور اس وقت نفقہ بھی اس کے تابع ہوتا ہے کیونکہ اس کا شوہر اس سے نفع اٹھانے پر قادر ہوتا ہے، اس صورت میں یہ جائز نہیں ہے کہ ایک کے سقوط سے دوسرے کا سقوط ہو جائے، اور طلاقِ بائن کے بعد اللہ کا حق، پس اس صورت کے اندر عدت کے دوران کا خرچ رہائش کے تابع نہیں ہوگا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ شوہر اور بیوی اگر دونوں اس پر متفق ہو جائیں کہ وہ رہائش کو ساقط کردیں تو اس عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ شوہر کے اس گھر کے علاوہ جس گھر میں اس نے طلاق دی ہے کہیں اور عدت گزارے، اور جس حال میں شوہر بیوی کے نکاح میں ہو تو اس وقت اس کے لیے جائز ہے کہ جس گھر میں چاہے منتقل ہو جائے اور طلاق کا حکم اس طرح نہیں ہے۔

جن فقہاء نے رہائش سے منع کیا ہے، ان کے دلائل

اور جن فقہاء نے شوہر کے ذمہ رہائش اور عدت کے دوران خرچ سے منع کیا ہے انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر یہ اس لیے انکار کیا تھا کہ ان کے نزدیک حضرت فاطمہ بنت قیس نے کتاب اللہ کی مخالفت کی تھی یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی:

أَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ (الطلاق:۶) ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم

خود رہتے ہو۔

انہوں نے کہا: اس آیت کا حکم مطلقہ رجعیہ کے متعلق ہے اور حضرت فاطمہ بنت قیس مطلقہ بائنہ تھیں، اور ان کے لیے ان کے شوہر پر رجوع کا حق نہیں تھا اور حضرت فاطمہ بنت قیس نے یہ کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ عدت کے دوران کا خرچ اور رہائش اس شوہر کے ذمہ ہوتی ہے جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو اور حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو طلاقِ رجعی نہیں دی گئی تھی، پس انہوں نے اس مسئلہ میں جو روایت کی ہے وہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف نہیں ہے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما متوفی ۵۸ھ نے جو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کا انکار کیا اور اس روایت کے خلاف کہا۔

اور حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کی متابعت حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ نے کی ہے اور عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ کی روایت میں اس کی زیادہ تفصیل ہے۔

ہشیم نے روایت کی ہے: ہمیں مغیرہ، حصین، اور اسماعیل بن ابی خالد نے اور مجالد نے از شعبی روایت کی ہے کہ میں حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، پس ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلہ کے متعلق پوچھا جو عدت کے دوران رہائش اور خرچ کے متعلق ہے تو حضرت فاطمہ بنت قیس نے بیان کیا: کہ مجھے میرے خاوند نے قطعی طلاق دے دی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کا مقدمہ پیش کیا، تو انہوں نے میرے لیے رہائش اور خرچ کو نہیں چھوڑا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے عدت کے دوران رہائش اور عدت کے دوران خرچ کو لازم نہیں کیا، اور مجھے حکم دیا کہ میں حضرت ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزاروں اور مجالد نے اپنی حدیث میں یہ ذکر کیا کہ رہائش اور نفقہ یعنی عدت کے دوران رہائش اور عدت کے دوران خرچ اس عورت کے لیے لازم ہوتا ہے جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو۔

جن فقہاء نے رہائش کو واجب کیا ہے اور خرچ کو واجب نہیں کیا ہے ان کے دلائل

اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو اس کے شوہر پر رہائش تو لازم ہے لیکن عدت کے دوران کا خرچ لازم نہیں ہے، انہوں نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک شعبی کی یہ روایت غلط ہے، کیونکہ شعبی سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو اس کے لیے رہائش کو لازم کیا ہے اور بعض فقہاء نے یہ کہا کہ اس کے شوہر کے اوپر رہائش بھی لازم ہے اور عدت کے دوران کا خرچ بھی لازم ہے۔

اور اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے: ہمیں امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے بیان کیا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از حسین بن صالح از سُدی از ابراہیم النخعی، انہوں نے تین طلاق یافتہ عورت کے متعلق کہا کہ اس کے لیے عدت کے دوران رہائش بھی لازم ہے اور عدت کے دوران کا خرچ بھی لازم ہے اور یہ حدیث الشعبی کی روایت کو ضعیف قرار دیتی ہے۔

اور امام ابن اسحاق نے کہا: کہ میں اسود بن یزید کے ساتھ جامع مسجد میں تھا اور ہمارے ساتھ الشعبی بھی تھے تو انہوں نے ہمیں حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے شوہر کے ذمہ رہائش کو اور عدت کے دوران خرچ کو لازم نہیں کیا تھا، تو اسود بن یزید نے کنکریاں اٹھا کر ان کو ماریں اور کہا: تم پر افسوس ہے کہ تم یہ روایت بیان کرتے ہو، اسماعیل نے کہا: پس

شاید کہ الشعبی نے اس کے خلاف فتویٰ دیا جو حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے کیونکہ تمام لوگ اس روایت کا انکار کرتے تھے۔

اور ابو عوانہ نے از منصور از ابراہیم تین طلاق یافتہ عورت کے متعلق یہ حدیث روایت کی ہے کہ اس کے شوہر کے ذمہ عدت کے دوران رہائش بھی ہے اور عدت کے دوران خرچ بھی لازم ہے اور اس کو خرچ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اسماعیل نے کہا: پس منصور نے اس روایت کی تلخیص کی جو اس کے ضبط پر دلالت کرتی ہے اور یہ بیان کیا کہ ابراہیم کی مراد یہ تھی کہ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے رہائش لازم ہے اور خرچ لازم نہیں ہے، اور رہائش کا ساقط کرنا حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت میں ہے جس پر انکار کیا گیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس کا انکار کیا ہے اور اس سبب کو مخفی رکھا جس سبب کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو اپنے شوہر کے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی تھی، حضرت عائشہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: تم اللہ سے ڈرو اور اس راز کو نہ چھپاؤ جس راز کی وجہ سے تمہیں اپنے شوہر کے گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی تھی اور وہ راز یہ تھا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس بہت منہ پھٹ تھیں اور زبان دراز تھیں اور اپنے شوہر کے خلاف بدزبانی کرتی تھیں، تو ان کے شوہر کے گھر والے ان کو عدت کے دوران اپنے گھر میں رہنا برداشت نہیں کرتے تھے اس وجہ سے وہ اس گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوئیں نہ کہ اس وجہ سے کہ مطلقہ بائنہ کے لیے اس کے شوہر پر نہ کوئی رہائش لازم ہوتی ہے اور نہ خرچ۔ اور ہمارے نزدیک جب کسی عورت کو اس کے شوہر کے گھر والے اس کی اذیت رسانی کی وجہ سے اس کے گھر میں رہنے سے منع کریں تو پھر اس عورت کے لیے کسی اور گھر کی طرف منتقل ہونا جائز ہے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں کہ کس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو اس گھر سے دوسرے گھر منتقل ہونے کی اجازت دی تھی، اور حضرت فاطمہ بنت قیس نے اس سلسلہ میں جو حدیث روایت کی ہے، وہ محض اپنی رائے سے روایت کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور مروان کے درمیان مباحثہ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ ھ نے مروان سے کہا: تم فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو چھوڑو، کیونکہ ان کا ایک الگ قصہ ہے۔ اور فرمایا کہ فاطمہ بنت قیس کیا اللہ سے نہیں ڈرتیں اور وہ یقینی طور پر اصل صورت حال کو جانتی تھیں اور مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اگر فاطمہ بنت قیس کے معاملہ میں کوئی شر ہے تو آپ کو ان دو شر کے درمیان اختیار ہے، مروان کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کو اپنے شوہر کے گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کا حکم دیا گیا تھا تو وہ کسی شر کی وجہ سے تھا جو حضرت فاطمہ بنت قیس اور ان کے گھر والوں کے درمیان تھا، اور جب شر اور شقاق زوجین کے درمیان واقع ہو تو حاکم کے لیے جائز ہے کہ دو منصفوں کو بھیجے اور وہ ان کو جمع کرنے کا حکم دے یا الگ الگ ہونے کا حکم دے، پس معتدہ (عدت والی) کا اپنے خاوند کے گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونا اس شر کی وجہ سے تھا۔

حضرت فاطمہ بنت قیس کی اپنے گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں عدت گزارنے کی توجیہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ (الطلاق:۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

اس آیت میں جس کھلی بے حیائی کا ذکر ہے اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔

بعض علماء نے کہا: کھلی بے حیائی سے مراد بدزبانی اور بدخلقی ہے۔ اور یہ مروان کے اس قول کے مشابہ ہے کہ اگر اس میں کوئی شر ہے تو آپ کے لیے وہ شر کافی ہے جو ان دو شر کے درمیان ہے۔ اور اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں جو اس باب کے بعد ان شاء اللہ ذکر کیے جائیں گے۔ علامہ المھلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت فاطمہ بنت قیس پر انکار کیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے خاوند کے گھر سے نکلنے اور دوسرے گھر میں عدت گزارنے کی جو اجازت دی تھی وہ ایک خاص سبب کی وجہ سے تھی اور حضرت فاطمہ بنت قیس نے اس سبب کا ذکر نہیں کیا تھا۔

حدیث مذکور کی فقہ

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جو مرد عالم ہو جب اسے کسی مسئلہ کا علم نہ ہو تو اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ جب اس سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ اس کا جواب دے، جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اس وجہ کا علم نہیں تھا جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کی اجازت دی تھی، پس انہوں نے یہ وہم کیا کہ مطلقہ بائنہ کے لیے شوہر کے ذمہ رہائش نہیں ہوتی۔ اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ شوہر کے ذمہ رہائش واجب ہوتی ہے اور نفقہ باطل نہیں ہوتا، انہوں نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ (الطلاق:٦)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O

پس اگر عدت کے دوران خرچ واجب ہوتا جیسا کہ عدت کے دوران رہائش واجب ہے تو پھر حاملہ عورت کے لیے عدت کے دوران خرچ کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ پس جب تخصیص واقع ہوئی تو واجب ہے کہ مطلقہ کے لیے اس کے خاوند پر کوئی خرچ واجب نہ ہو جب کہ وہ حاملہ نہ ہو، اور نیز یہ بھی واجب ہے کہ یہ عورت وہ نہیں ہے جس کا خاوند اس سے رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے، کیونکہ جس عورت سے اس کا خاوند رجوع کرنے کا حق رکھے، اس کا حق خاوند پر واجب ہوتا ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس عورت کی رہائش اس کے خاوند پر واجب ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے

اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝ (الطلاق:٦)

لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلادے گی O

کیونکہ جو عورت بائنہ ہے اس کی طلاق پائی گئی ہے، اور وہ بیویوں کے کل احکام سے خارج نہیں ہوئی، خواہ وراثت کے احکام ہوں خواہ دوسرے احکام ہوں، پس اس کی رہائش کا ذکر دوبارہ کیا گیا تا کہ جب تک وہ عدت کے اندر ہو، اس کی حفاظت رہے، اور جو عدت سے پہلے اس کے احکام تھے وہی احکام ثابت رہیں، اور اس سے عدت کے دوران کا خرچ ساقط کردیا گیا ہے جو کہ اس عورت کے اپنے شوہر سے بائنہ ہونے سے پہلے ثابت تھا اور وہ خرچ اس کی عدت کے دوران نہیں مقرر کیا گیا، سوائے اس صورت کے کہ وہ عورت حاملہ ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۹۷-۴۰۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

مطلقہ بائنہ کے عدت کے دوران گھر سے نکلنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابو عمر بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ کی یہ حدیث متعدد سنداتِ صحیحہ متواترہ سے مروی ہے۔ (التمہید ج ۱۹ ص ۱۵۵)

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جیسا کہ علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی التوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ مطلقہ بائنہ کی عدت کے دوران گھر سے نکلنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، پس علماء کے ایک گروہ نے اس سے منع کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کا یہی موقف ہے۔

اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب اور قاسم اور سالم اور ابو بکر بن عبد الرحمٰن اور خارجہ بن زید اور سلیمان بن یسار کا موقف یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے گی جہاں اس کے خاوند نے اس کو طلاق دی تھی، اور امام ابو عبید نے اس قول کی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور فقہاء احناف سے روایت کی ہے۔ ان سب کی رائے یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ اور جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، وہ رات صرف اپنے خاوند کے گھر میں گزارے گی۔

اور اس مسئلہ میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ جہاں چاہے عدت گزارے گی، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ سے مروی ہے۔

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے: جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، وہ اپنے خاوند کے گھر سے نکل کر کہیں اور عدت گزارے گی اور نہ اس کے لیے اس کے خاوند پر رہائش لازم ہوگی اور نہ عدت کے دوران کا خرچ لازم ہوگا، جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔

علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ علماء کا اختلاف صرف تین طلاق یافتہ عورت کے دورانِ عدت گھر سے نکلنے کے متعلق ہے، یا اس مطلقہ کے متعلق یہ اختلاف ہے جو مطلقہ بائنہ ہو اور خاوند کے لیے اس کی عدت کا کوئی حق نہ ہو، لیکن جس عورت کو

طلاقِ رجعی دی گئی ہو وہ بیویوں کے حکم میں ہے اور تمام اہل علم نے یہ کہا ہے کہ خاوند کے لیے اس کے گھر سے نکلنے سے منع کرنے کا حق ہے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق:۱) تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، یہ کہتے تھے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہو، وہ اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے عدت کے دوران گھر سے باہر جائے گی اور عشاء کے بعد اپنے گھر واپس آ جائے گی۔ (المدونہ ج ۲ ص ۱۰۴-۱۰۵)

اور یہی اللیث اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا موقف ہے۔ (الاستذکار ج ۱۸ ص ۱۸۱)

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے: جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، وہ عدت کے دوران دن کے وقت میں گھر سے باہر نکلے گی اور رات صرف اپنے خاوند کے گھر میں گزارے گی اور جو عورت مطلقہ ہو وہ عدت کے دوران نہ رات میں گھر سے باہر نکلے گی اور نہ دن میں گھر سے باہر نکلے گی۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۹۴-۳۹۵)

اور فقہاء احناف نے اس فرق کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ مطلقہ کے لیے ہمارے نزدیک عدت کے دوران رہائش اور خرچ لازم ہوتا ہے اور یہ اس کو گھر سے باہر نکلنے سے مستغنی کرتا ہے اور جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، اس کا کوئی نفقہ کا کفیل نہیں ہوتا، پس اس کے لیے جائز ہے کہ وہ دن کی روشنی میں گھر سے باہر نکلے اور اپنے رب کے فضل کو تلاش کرے تا کہ اپنی کفالت کر سکے۔

(شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۸۱ مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۹۴-۳۹۵)

اور امام محمد بن حسن شیبانی نے کہا کہ عدت کے دوران مطلقہ گھر سے باہر نکلے اور نہ وہ عورت گھر سے باہر نکلے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، نہ رات میں اور نہ دن میں۔ (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۸۱ مختصر اختلاف العلماء ص ۳۹۳-۳۹۵، المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۳۲)

جن فقہاء کے نزدیک جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور فقہاء تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے یہ کہا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ وہ عورت چار ماہ دس دن عدت گزارے اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے، سو وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۰-۲۹، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

اور اس پر اجماع ہے کہ جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو وہ رہائش اور عدت کے دوران خرچ کی مستحق ہوتی ہے کیونکہ اس کا حکم تمام معاملات میں بیویوں کا حکم ہے۔

اور جو عورت تین طلاق یافتہ ہو اس کے متعلق رہائش کے استحقاق کے وجوب میں اختلاف ہے جب کہ وہ حاملہ نہ ہو، سو ایک گروہ نے یہ کہا ہے اس باب میں کوئی نص صریح نہیں ہے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی

۶۸ھ اور یہی امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور کا قول ہے۔

مطلقہ بائنہ کے عدت کے دوران خرچ کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

اور ابراہیم نخعی کی ایک روایت ہے کہ جو مطلقہ بائنہ ہو اس کے لیے نفقہ ثابت نہیں، اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ اور عُروہ بن زبیر نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس کے متعلق امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اس کو اسانید جیدہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۴۲، رقم الحدیث: ۱۸۶۶۴، ۱۸۶۶۱)

اور اس مسئلے میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور حضرت قاضی شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ اور حکم اور حماد بن ابی سلیمان متوفی ۱۲۰ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ نے اختلاف کیا ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اس کے متعلق بھی اپنی سند کے ساتھ روایات کو ذکر کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۴۱)

اور فقہاء کے تیسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے رہائش اور عدت کے دوران کا خرچ واجب ہے جب تک کہ وہ عدت میں ہو خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، خواہ اس کو طلاقِ بائن دی گئی ہو یا طلاقِ رجعی دی گئی ہو، یہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور فقہاء احناف کا قول ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۹۹، الاستذکار ج ۱۸ ص ۵۳-۵۴)

اور یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے بھی منقول ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۴۲)

اور فقہاء احناف نے اس پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور حضرت اسامہ بن زید متوفی ۵۸ھ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کو رد کر دیا تھا اور اس پر انکار کیا تھا اور انہوں نے کہا کہ الاعمش نے از ابراہیم از الاسود از حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے، اس کو وہم ہو گیا یا وہ بھول گئی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عورت (یعنی مطلقہ بائنہ) کے لیے عدت کے دوران کے خرچ اور رہائش کو واجب کرتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸۰، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ الثلاثۃ لانفقۃ لھا)

اور ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا: ہم اپنے دین میں کسی عورت کی شہادت کا اعتبار نہیں کریں گے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ نے از اعمش از ابراہیم از اسود از حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔
(المحلی ج ۱۰ ص ۲۹۵)

اور امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اگر تم اس پر دو گواہ لے آئیں جو یہ گواہی دیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سنا ہے، تو فبہا ورنہ ہم ایک عورت کے قول کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو ترک نہیں کریں گے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق: ۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر نے یہ کہا کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے اور یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔

اور احمد بن شعیب النسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کریں گے۔

یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ (الطلاق:۱)

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے!) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ○

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰى یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ○ (الطلاق:۶)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ○

(سنن نسائی ج ۶ ص ۲۰۹) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۱۳-۵۱۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ:

علامہ ابن الملقن شافعی نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کی بہت زیادہ طویل شرح کی ہے، ہم نے اس میں سے کچھ حصہ پیش کیا ہے اور باقی شرح کو ہم ترک کر رہے ہیں، کیونکہ اس شرح کا اکثر حصہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح سے نقل کر چکے ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے قصہ میں سورۃ الطلاق کی آیات کی تفسیر از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ لکھتے ہیں:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ (الطلاق:۱): ''اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے''۔

اس آیت میں وہ احکام بیان کیے گئے ہیں جو شوہر اور بیوی سے متعلق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توجہ کا اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے ساتھ شروع کیا، سو فرمایا:

''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ'' اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ '' یعنی اے ایمان والو! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو'' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا بہت اہتمام فرمایا ہے اور بہت توجہ فرمائی ہے۔

پھر فرمایا: ''جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو'':

اس آیت میں لام توقیت کے لئے ہے، یعنی جس وقت میں عدت شروع ہوگی، اور وہ وقت یہ ہے کہ عورت حاملہ ہو یا وہ بغیر جماع کے طاہرہ ہو، اور یہی وہ وقت ہے جس میں عدت شروع ہوتی ہے، کیونکہ جب عورت کو اس حال میں طلاق دی گئی کہ وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت فوراً شروع ہو جائے گی اور جب اس کو طلاق دی گئی اس حال میں کہ وہ بغیر جماع کے طاہرہ تھی، تب بھی عدت شروع ہو جائے گی جو کہ عدتِ معلومہ ہے اور وہ تین حیض ہے، لیکن جب عورت کو اس حال میں طلاق دی گئی ہے کہ وہ عورت حائضہ تھی تو عدت شروع نہیں ہوگی کیونکہ جس حیض میں عورت کو طلاق دی جائے، اس کو عدت میں شمار نہیں کیا جاتا، اسی طرح جب عورت کو اس حال میں طلاق دی گئی کہ وہ جماع سے طاہرہ تھی، تب بھی عدت کو شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے اس جماع کی وجہ سے وہ عورت حاملہ ہو گئی ہو یا حاملہ نہ ہوئی ہو، سو اس صورت کے اندر عدت معلوم نہیں ہوگی، سو ضروری ہے کہ عدت اس حال میں شروع کی جائے جب وہ حاملہ ہو یا اس حال میں طلاق دی جائے کہ وہ طاہرہ ہو بغیر جماع کے۔

''وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ '': ''اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہ سب سے اہم موضوع ہے۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ (الطلاق: ۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

اس آیت میں عورت کے شوہر کو خطاب ہے اور عورت کو بھی خطاب ہے، کہ نہ تو تم اپنی بیویوں کو اپنے گھروں سے نکالو اور نہ وہ بیویاں از خود گھروں سے نکلیں، پس اس آیت میں شوہر اور بیوی دونوں کے لئے ممانعت ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں''۔

اس آیت میں ''الفاحشة المبينة'' کے الفاظ ہیں، ان کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فحش گفتاری ہے اور بدزبانی ہے، یعنی عورت اپنی بدزبانی کی وجہ سے اپنے پڑوسیوں کو ایذاء پہنچائے۔ اور جب وہ اپنی بدزبانی کی وجہ سے اپنے شوہر کے گھر والوں کو بھی ایذاء پہنچائے، خاص طور پر جب اس کا شوہر اس کو طلاق دے، تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ عورت گھر سے نکل جائے، اسی طرح اگر وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی بدزبانی سے ایذاء پہنچائے تب بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر سے نکل جائے۔

وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ۔ اور یہ اللہ کی حدود ہیں۔

اس میں اشارہ ان احکام کی طرف ہے جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ عورتوں کو ان کی عدت کے وقت میں طلاق دی جائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا وجوب اور عورتوں کو اپنے گھروں سے نکالنے کی ممانعت اور عورتوں کے ازخود اپنے گھر سے نکلنے کی ممانعت اور عدت کا شمار کرنا بایں طور کہ عدت کے ایام کو لکھ کر محفوظ کر لیا جائے، سو یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ'' اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا''۔

کیونکہ تمہاری جان تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، تو جب تم اللہ تعالیٰ کے محارم کی پردہ دری کرو گے تو تم اپنی جان کے لیے ظلم کرنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس جو امانت رکھی تھی، اس میں خیانت کرنے والے ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاۙ (الاحزاب: ۷۲)

بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی، بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے O

''فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ'' (الطلاق: ۱) کی مناسبت سے الاحزاب: ۷۲ کی تفسیر از مصنف

اکثر مترجمین نے اس آیت میں ''حمل'' کا معنی اٹھانا کیا ہے، ان مترجمین کے ترجمہ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے بااختیار نہیں بنایا کہ وہ اللہ کے احکام پر عمل کریں یا نہ کریں، بااختیار اللہ نے صرف انسانوں اور جنات کو بنایا ہے، اس لیے آسمانوں اور زمینوں کا اس امانت کو اٹھانے سے انکار کرنا محل اعتراض ہے۔ ہم نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: ''انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا''۔ اور اب اس آیت پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ آسمان اور زمین وغیرہ بااختیار نہیں ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ''وحملها الانسان'' کا ترجمہ اکثر مترجمین نے کیا ہے: ''اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے''، اور اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی جس امانت کو اٹھانے سے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا تو انسان کو باعث تحسین و آفرین ہونا چاہیے تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے بہت ظالم اور بہت جاہل کیوں فرمایا؟ اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: ''اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی، بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے''، کیونکہ ''حمل'' کا معنی جس طرح اٹھانا ہے اسی طرح ''حمل'' کا معنی خیانت کرنا بھی ہے۔ علامہ جمال الدین افریقی لکھتے ہیں: الزجاج نے کہا ''یحملنها'' کا معنی ہے ''یخنها'' یعنی آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے، اور جو شخص کسی امانت میں خیانت کرے، وہ اس کے بوجھ کو اٹھاتا ہے، اسی طرح جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے، وہ اس گناہ کو اٹھاتا ہے، حسن نے کہا: یہی معنی صحیح ہے۔

(لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۷۵، القاموس المحیط ج ۳ ص ۵۲۹) (انوار تبیان القرآن ص ۶۸۲، فرید بک اسٹال لاہور)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کردے ۝ (الطلاق:۱)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں، پہلے ارشاد کی علت بیان کی گئی ہے کہ تم عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ عورتیں از خود نکلیں۔ یعنی تم نہیں جانتے کہ جب تم اپنی بیوی کو طلاق دو گے تو شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی ایسی صورت حال پیدا کرے کہ تم طلاق دینے کے بعد اس عورت سے رجوع کرنے میں رغبت کرو۔ اور جب تم اس طلاق سے رجوع کرلو گے تو گویا کہ تم نے پہلے وہ طلاق نہیں دی، کیونکہ لوگ اس چیز کو نہیں جانتے، پھر جب وہ عورت گھر سے باہر نہیں نکلے گی اور گھر میں رہے گی تو اس کو طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا زیادہ آسان ہوگا، بہ نسبت اس کے کہ وہ تمہارا گھر چھوڑ کر اپنے میکے چلی جائے، کیونکہ جب وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس چلی جائے گی تو اس عورت اور اس کے شوہر کے درمیان جدائی ظاہر ہو جائے گی، اور ہو سکتا ہے پھر اس کے گھر والے اس کو شوہر کی طرف واپس جانے سے منع کریں اور شوہر کو بھی رجوع کرنے سے منع کریں لیکن جب وہ عورت گھر میں ہوگی تو پھر شوہر کا اس سے رجوع کرنا آسان ہوگا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ (الطلاق:٦) ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو۔

اَسْكِنُوْهُنَّ میں ضمیر مطلقات کی طرف راجع ہے، اور مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ کا معنی ہے یعنی جس مکان میں تم رہتے ہو، مِّنْ وُّجْدِكُمْ کا معنی ہے یعنی تمہاری فراخی اور تنگی کے اعتبار سے جو تمہاری رہائش ہے، اس میں اپنی بیویوں کو رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ (الطلاق:٦) ''اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ''۔

بسا اوقات شوہر اپنی بیوی کو تنگ کرنے کے لئے ضرر پہنچاتا ہے، یعنی اس کو کھانے اور پینے کی چیزیں اپنے وقت پر مہیا نہیں کرتا یا اس کے حال کے مناسب اس کو کھانا پینا مہیا نہیں کرتا تو پھر وہ عورت اپنی ضرورت کے مطابق گھر سے باہر نکلنے کے لیے مجبور ہوتی ہے، اس لیے فرمایا کہ تم ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:٦) ''اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو''۔

یعنی اگر مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں، تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو، یہاں تک کہ ان کا وضع حمل ہو جائے، اور رہائش ہر مطلقہ کے لیے واجب ہے اور خرچ صرف حاملہ کے لیے واجب ہے، اور اس آیت کریمہ کا ظاہر یہ ہے کہ غیر حاملہ کے لیے خرچ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو حتیٰ کہ وضع حمل ہو جائے، لیکن اہل علم نے اس حکم کے ساتھ مطلقہ بائنہ کو بھی خاص کرلیا اور کہا ہے کہ جو مطلقہ غیر بائنہ ہے، یعنی مطلقہ رجعی ہے، اس پر تو خرچ کرنا مطلقاً لازم ہے، عام ازیں کہ وہ حاملہ ہو یا حاملہ نہ ہو۔ اور فرمایا حتیٰ کہ ان کا وضع حمل ہو جائے، یعنی ضروری ہے کہ اس وقت تک ان پر خرچ کیا جائے یہاں تک کہ ان حاملہ عورتوں کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے، اور اگر حمل اس کے پیٹ میں دو سال رہے یا تین سال رہے یا چار سال رہے تو اسے اس پوری مدت حمل تک خرچ کرنا ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حتیٰ کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ (الطلاق:٦) ''اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو''۔ یعنی مطلقہ بائنہ، کیونکہ وہ بیوی نہیں ہے، پس اس کا حکم اجنبی عورت کا حکم ہے، تو جب وہ اپنے شوہر کے بچے کو دودھ پلائے تو اس کو اجرت دینا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ، اس میں یہ دلیل ہے کہ دودھ پلانے کا خرچہ شوہر کے اوپر واجب ہے، اس لیے یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ عورتیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر وہ عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں، کیونکہ جو مسئول ہے وہ شوہر ہے اور بچے کا باپ ہے، نیز اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر اس کی بیوی یہ اختیار کرے کہ وہ اس کے بچے کو دودھ پلائے گی اور اس کے شوہر کو ایسی عورت مل جائے جو مفت میں اس کے بچے کو دودھ پلائے، تو بچے کو اس کی ماں دودھ پلائے گی کیونکہ وہ زیادہ حق دار ہے اور اس لیے کہ بچے کی ماں کا دودھ بچے کے لیے زیادہ نفع آور ہے اور اس لیے کہ دوسری عورت کی بہ نسبت ماں بچے پر زیادہ شفیق ہے، اور اس لیے کہ دودھ پلانے والی کے اخلاق میں کوئی ایسی چیز ہو جو اس بچے کے اوپر اثر ڈالے، اسی لیے انسان کو یہ منع کیا گیا ہے کہ وہ کسی بیوقوف عورت سے اپنے بچے کو دودھ پلوائے، کیونکہ اس کی حماقت بچے کی طبیعت میں اثر انداز ہوگی۔

وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ (الطلاق:٦) ''اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو''۔

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے کہ تم دودھ پلانے کے متعلق آپس میں مشورہ کرلو، کہ کتنے زمانے تک دودھ پلایا جائے گا اور جو امور دودھ پلانے سے متعلق ہوتے ہیں، ان کے متعلق باہم مشورہ کرلیا جائے گا۔

یہ معاملہ عورت کی طرف مفوض کیا گیا ہے نہ کہ باپ کی طرف، کیونکہ بعض عورتوں کے مزاج میں سختی اور درشتی ہوتی ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتیں کہ بچہ بھوکا ہے یا اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے، اسی طرح بعض مردوں کے مزاج اور ان کی طبیعت میں بھی سختی اور غلظت ہوتی ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس کا بیٹا بھوکا ہے یا ان کا پیٹ بھرا ہوا ہے، پس جب ان کا باہمی مشورہ ہوگا اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے تو پھر خیر کا حصول ہوگا۔

وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ (الطلاق:٦) ''اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلادے گی''۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، یعنی تم یہ گمان نہ کرو کہ اگر تم اپنی غربت اور مفلسی کی وجہ سے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت نہ دے سکو، پس باپ یہ چاہے کہ اس کو کم اجرت دے، اور ماں یہ چاہے کہ اس کو زیادہ اجرت ملے، تو تم یہ گمان نہ کرو کہ بچہ ضائع ہو جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ عنقریب اس کے لیے اس عورت کو میسر کردے گا جو اس کو دودھ پلائے گی۔

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا (الطلاق:٧) ''صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے''۔

یعنی جو شخص صاحب حیثیت ہے اور مالدار ہے اور خوشحال ہے تو وہ فراخ دستی کے ساتھ خرچ کرے اور جس کے اوپر اس کی معیشت کو تنگ کردیا گیا ہے، حتیٰ کہ وہ مفلس اور تنگدست ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جتنا عطا کیا ہے اس کی حیثیت کے مطابق وہ اس پر خرچ کرے، اگر اس کے پاس مال قلیل ہے تو وہ کم مال کو خرچ کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا، یعنی کسی شخص کو اتنا مال ادا کرنے کا مکلف نہیں کرتا جتنا مال اس کو عطا نہیں کیا، سو جس کے پاس بالکل مال نہیں ہے، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اور جو مفلس ہے اس کے اوپر حج فرض نہیں ہے اور نہ اس پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں پر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اتنا مکلف نہیں کرتا جتنی اس کے پاس طاقت نہیں ہے۔ وہ کہے گا: میں کہاں سے خرچ کروں، کیا میں پہاڑ کھود کر مال نکالوں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیسیر ہے اور آسانی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو تنگی رزق میں مبتلا کرتا ہے تو اس سے شرعی احکام میں تخفیف کر دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق:٧) ''عنقریب اللہ تعالیٰ مشکل کے بعد آسانی کر دے گا''۔ پس تم کشادگی کا انتظار کرو، پس عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی اور مفلسی کے بعد آسانی اور کشادگی کو پیدا کر دے گا، اور کبھی بھی ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الم نشرح:٥،٦)

پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ○ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ○

اس آیت میں ''الْعُسْرِ'' معرفہ ہے اور ''يُسْرًا'' نکرہ ہے اور العسر اور یسر دونوں کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی عینِ اول ہوتا ہے اور جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی غیرِ اول ہوتا ہے، اس کا معنی یہ ہوا کہ مشکل تو ایک ہی ہے اور اس کے ساتھ آسانیاں دو ہیں، شاعر کا شعر ہے:

اذا اشتدت بک البلویٰ ففکر فی الم نشرح فعسر بین یسرین اذا قراتہ فافرح

ترجمہ: جب تم پر کوئی مصیبت بھاری ہو تو سورہ الم نشرح میں غور کرو، پس ایک مشکل دو آسانیوں کے درمیان میں ہے، جب تم اس کو پڑھو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔

یعنی جب تمہیں کوئی مشکل درپیش ہو تو پھر آسانی کا انتظار کرو اور تنگی کے بعد کشادگی کے منتظر رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا اور ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی، اور ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مکرر بیان فرمایا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الانفال:٧٠)

اے نبی! ان قیدیوں سے کہیے جو آپ کے قبضہ میں ہیں: اگر اللہ تمہارے دلوں کی کسی نیکی کو ظاہر فرمائے گا تو وہ تم کو اس سے بہت زیادہ دے گا جو (بطور فدیہ) تم سے لیا گیا ہے، اور اللہ تم کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

الانفال: ۷۰ کی تفسیر از مصنف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اپنی قوم کا خیال فرمائیں، ان سے فدیہ لے لیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کو قتل کر دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔
(المعجم الکبیر ج ۱۱ص ۳۴۸)

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان صحابہ کو ملامت کی گئی ہے جنہوں نے فدیہ لے کر قیدی آزاد کرنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن حقیقتاً یہ خطاب ان تمام صحابہ کرام کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ اس آیت کا روئے سخن ان بعض مسلمانوں کی طرف ہے، جنہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا اور مال دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی خواہش کی تھی، ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مالِ دنیا کی طمع سے بری ہیں، ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہوسکتا ہے ان میں سے کچھ لوگ اسلام لے آئیں اور اسلام کی نشرواشاعت میں اضافہ ہو اور مسلمانوں کو شوکت اور غلبہ حاصل ہو، سو حضرت ابوبکر نے جو فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کرنے کا مشورہ دیا تھا، وہ آخرت کی بناء پر ہی تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو قبول فرمایا، لہٰذا یہ آیت قیدیوں کو رہا کرنے کے خلاف نہیں ہے۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فدیہ لینے کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق تھے، کیونکہ اس سے پہلے فدیہ لینے سے ممانعت نہیں کی گئی تھی، پھر فدیہ لینا عذاب کا سبب کیسے ہوسکتا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی شریعتوں میں مالِ غنیمت لینا حرام تھا اور ابھی اس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جب بلا اجازت مسلمانوں نے کافروں کا مالِ غنیمت لوٹ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے بنی آدم میں سے کسی کے لیے بھی مالِ غنیمت حلال نہیں کیا گیا، اور جب جنگ بدر ہوئی تو مالِ غنیمت کی حلت کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے مالِ غنیمت لوٹنا شروع کر دیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی: ۳۰۹۶)، اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورۃ الانفال کی ان آیات میں قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کرنے کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ بلا اجازت مالِ غنیمت لینے پر ملامت کی گئی ہے اور اگر بالفرض ان آیات کا ربط قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے سے ہی جوڑا جائے تو اس ملامت کی وجہ یہ ہے کہ ابتداءِ اسلام میں کفار کی بیخ کنی ہی مطلوب تھی، اس وجہ سے کفار کو قتل نہ کرنے اور گرفتار کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو پھر یہی حکم نازل ہوا کہ میدانِ جنگ میں کافروں کی گردنیں اڑا دو، پھر ان کو گرفتار کرلو اور گرفتار کرنے کے بعد ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دو یا بلا فدیہ رہا کر دو۔

جو لوگ بدر میں قید ہو کر آئے، ان میں حضرت عباس بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر قیدیوں کی طرح حضرت عباس سے فرمایا: اے عباس! تم اپنا بھی فدیہ دو اور اپنے بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث اور اپنے خلیفہ عتبہ بن مجدم کا فدیہ بھی دو، حضرت عباس نے ان کا فدیہ دینے سے انکار کیا اور کہا: میں اس غزوہ سے پہلے اسلام قبول کر چکا تھا، یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے معاملہ کو خوب جاننے والا ہے، اگر تمہارا دعویٰ برحق ہے تو اللہ تم کو اس کی جزا دے گا، لیکن تمہارا ظاہر حال یہ ہے کہ تم ہم پر حملہ آور ہوئے ہو، سو تم اپنا فدیہ ادا کرو، حضرت عباس نے کہا: مجھ سے آپ نے بہ طورِ غنیمت جو بیس اوقیہ سونا وصول کیا ہے، اس کو فدیہ میں کاٹ لیں، میرے پاس اور مال نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مال کہاں ہے جو تم نے مکہ سے روانگی کے وقت ام الفضل کے پاس رکھا تھا اور اس وقت تم دونوں کے پاس اور کوئی نہیں تھا اور تم نے یہ کہا

تھا کہ اگر میں اس مہم میں کام آ گیا تو اس مال میں سے اتنا فضل کو دینا، اتنا قثم کو دینا اور اتنا عبد اللہ کو دینا، تب عباس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میرے اور ام الفضل کے سوا اس کو اور کوئی نہیں جانتا اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل: ۳۳۱۰، ج ا مجمع الزوائد ج ۶ ص ۸۶، المستدرک ج ۳ ص ۳۲۴)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا ثبوت ہے اور یہ علمِ غیب آپ کو اللہ عزوجل کی عطاء سے حاصل ہوا تھا، میں نے اس حدیث کو ۳۶ مستند حوالہ جات کے ساتھ ذکر کیا ہے تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ہر مکتبہ فکر کے قدیم وجدید علماء کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب مسلم اور غیر نزاعی ہے، اور یہ آیت حضرت عباس ہی کے متعلق نازل ہوئی۔ (المعجم الاوسط ج ۹ ص ۴۹)

(انوار تبیان القرآن ص ۲۹۶-۲۹۵، فرید بک اسٹال لاہور)

شیخ عثیمین نے لکھا ہے:

اسی طرح غزوہ بدر کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ تم نے بدر کے قیدیوں سے فدیہ نہیں لینا تو بہ ظاہر مسلمانوں کو یہ حکم دشوار لگا، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی، تو یہ بھی مشکل کے بعد آسانی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مشکل کے بعد آسانی پیدا فرماتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کرتا ہے، تنگی کے بعد فراخی پیدا کرتا ہے، مصیبت کے بعد راحت پیدا کرتا ہے اور جب بندہ مایوس ہو جاتا ہے تو اچانک اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

اور جو مشکل کے بعد آسانی کو بعید سمجھے تو اس کے لیے مشکل کے بعد آسانی نہیں ہوتی۔ العیاذ باللہ

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۸۷-۸۹، موضحا ومخرجا، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۱، ۵۳۲۲، ۵۳۲۳، ۵۳۲۴، ۵۳۲۵، ۵۳۲۶، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب: فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ

فاطمہ بنت قیس قرشیہ فہریہ ضحاک بن قیس کی ہمشیرہ ہیں، وہ اس سے دس سال بڑی تھیں اور مہاجرات اول سے ہیں، وہ بہت خوبصورت اور عقلمند تھیں اور نہایت ہی باکمال تھیں۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کے گھر میں ہی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا تھا، ابو عمرو نے کہا: ان سے شعبی اور ابو سلمہ نے روایت کی ہے۔ ان کے بھائی ضحاک بن قیس ان صحابہ کرام میں سے ہیں جو کمسن تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سات سال قبل پیدا ہوئے، کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سماع ثابت نہیں، وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے زیاد کے بعد کوفہ کے حاکم رہے جب کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ترپین (۵۳) ہجری میں حاکم مقرر کیا تھا۔ پھر ستاون (۵۷) ہجری میں انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبد الرحمٰن بن عوف بن حکم کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا اور انہیں شام بلا لیا، وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک شام میں رہے اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھی، جب یزید بن معاویہ فوت ہوا تو مروان نے شام کے بعض علاقہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے لوگوں نے اس کی بیعت کی، جب کہ ضحاک بن قیس اور اکثر اہل شام نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، وہ چونسٹھ ہجری کو ذوالحجہ کے مہینہ میں مرج راہط میں شہید ہو گئے، حسن بصری، تمیم بن طرفہ، محمد بن سوید فہری، میمون بن مہران اور سماک بن حرب نے ان سے روایت کی ہے۔

فاطمہ بنت قیس کا واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ابوعمرو بن حفص نے انہیں تین طلاقیں دیں جب کہ وہ غائب تھے اور اپنے وکیل کو کچھ جو دے کر اس کے پاس بھیجا تو وہ اس سے ناراض ہوگئیں۔ اس نے کہا: تمہارے لئے ہمارے ذمہ کچھ نہیں۔ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے ذمہ تمہارا خرچہ وغیرہ نہیں ہے اور اسے حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر میں عدت پوری کرے، پھر فرمایا: وہ عورت بہت مہمان نواز ہے، وہاں مہمان بہت آتے جاتے ہیں، تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت پوری کرو کہ وہ نابینا شخص ہے تم اپنے کپڑے بھی کبھی اتار سکوگی۔ جب عدت پوری ہوجائے تو مجھے اطلاع کرو، فاطمہ نے کہا: جب میری عدت پوری ہوگئی تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! معاویہ بن ابوسفیان اور ابو جہم نے اسے منگنی کے پیغام بھیجے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوجہم اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے ہیں (عورتوں کو بہت مارتے ہیں) اور معاویہ بن ابوسفیان غریب آدمی ہے، تو اسامہ بن زید سے نکاح کرلے، پہلے پہلے تو میں نے اچھا نہ جانا، جب میرا اسامہ سے نکاح ہوگیا تو عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں اور اس میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے خیر ہی خیر کی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ سے فرمایا: تیرے لئے نہ تو خرچہ ہے اور نہ رہنے کا مکان ہے۔ اس سے بعض علماء نے استدلال کیا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کے لئے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہے، جب کہ وہ حاملہ نہ ہو، لیکن بعض علماء نے کہا: مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ اور سکنیٰ ہے حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے تلامذہ کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا: اس کے لئے ہر حال میں سکنیٰ ہے اور اگر حاملہ ہو تو وہ نفقہ کی مستحق ہے ورنہ نہیں۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم مسلک حضرات اور حضرت عمر فاروق ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور اسامہ بن زید نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا انکار کیا ہے، انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا کہ ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے، کیا معلوم اس نے وہم کیا ہے یا بھول گئی ہے۔ مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ اور سکنیٰ دونوں واجب ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق: ۱)

تم ان کو (دوران عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں، وہ عدت میں اپنے گھر سے باہر نہیں جاسکتی۔ عبداللہ بن مسعود اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی روایت کیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر میں جہاں اسے طلاق ہوئی ہے عدت پوری کرے۔ ابن عباس، جابر، عطاء، طاؤس اور حسن بصری نے کہا: جہاں چاہے عدت پوری کرے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: جس عورت کا شوہر فوت ہوجائے وہ عشاء کے بعد لوگوں کے سونے تک باہر جاسکتی ہے، پھر واپس آجائے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ دن کو باہر جاسکتی ہے اور رات اپنے گھر میں ہی رہے گی۔ اور جس عورت کو طلاق دی گئی ہو وہ نہ رات کو اور نہ دن میں باہر نکل سکتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مطلقہ اور جس کا شوہر فوت ہوگیا وہ نہ رات نہ دن کے وقت عدت میں باہر نکل سکتی ہے اور جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس میں تمام علماء کا اتفاق اور اجماع ہے کہ وہ سکنیٰ اور نفقہ کی مستحق ہے، جیسے منکوحہ عورت مستحق ہوتی ہے، وہ تمام امور میں زوجات کے حکم میں ہے۔ (عینی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے'':

عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور عورتیں باہر نہ نکلیں مگر یہ کہ بدکاری کریں۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں جو کوئی اللہ کی حدوں سے آگے گزرے گا۔ وہ اپنے نفس پر ظلم کرے گا، اے طلاق دینے والے تو نہیں جانتا کہ شاید اللہ تعالیٰ طلاق کے بعد کوئی شے ظاہر کردے اور مطلقہ عورتوں کو ٹھہراؤ جہاں خود رہتے ہو اپنی طاقت کے مطابق' ان کو تنگی نہ پہنچاؤ نہ ان پر مسکن تنگ کرو، اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو خرچہ دو، یہاں تک کہ وہ اپنے حمل وضع کریں۔

''بعد عسر یسرا'': یعنی جن عورتوں کو ایک طلاق، یا دو طلاقیں ہوں یا وہ خلع کے سبب بائن ہوں یا تین طلاقیں ہوں وہ حاملہ ہوں یا نہ ہوں، جس گھر میں وہ رہی ہوں اور وہاں عدت گزارنے بیٹھی ہوں تو ان کو وہاں سے مت نکالو!

اس اعتبار سے بیوت کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے، ہاں اگر وہ بدکاری یعنی زناء کریں تو حد قائم کرنے کے لئے انہیں باہر نکالو۔ بعض نے کہا: فاحشہ سے مراد نشوز (نافرمانی) ہے اور نشوز سے سکنیٰ کا حق ساقط ہو جاتا ہے، لعل الله یحدث بعد ذالك امرا، یعنی شاید اللہ تعالیٰ ایک بار یا دو بار طلاق دینے کے بعد کوئی شے ظاہر کردے اور طلاق کے بعد پریشان اور نادم ہو اور اس کے دل میں عورت کی محبت ظاہر ہو اور وہ رجوع کرلے، والله تعالیٰ و رسوله الاعلیٰ اعلم!

۵۳۲۱، ۵۳۲۲: یحییٰ بن سعید نے قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہما کو یہ ذکر کرتے ہوئے سنا کہ یحییٰ بن سعید بن عاص نے عبدالرحمٰن بن حکم کی بیٹی کو طلاق دے دی تو عبدالرحمٰن اس کو وہاں سے لے گیا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان بن حکم (برادر عبدالرحمٰن بن حکم) کو پیغام بھیجا جب کہ مروان مدینہ منورہ کا حاکم تھا کہ اللہ سے ڈرو اور لڑکی کو اپنے گھر واپس کرو، سلیمان کی حدیث میں ہے کہ (مائی صاحبہ کے جواب میں) مروان نے کہا: عبدالرحمٰن بن حکم مجھ پر غالب آ گیا ہے (میری بات تسلیم نہیں کرتا) اپنی روایت میں قاسم بن محمد نے کہا (کہ مروان نے جواب میں کہا:) کیا آپ کو فاطمہ بنت قیس کی خبر نہیں پہنچی؟ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تجھے یہ بات تکلیف نہ دے کہ فاطمہ کا قصہ ذکر نہ کرو (اس کے جواب میں) مروان نے کہا: اگر آپ کے نزدیک کوئی شر ہے تو آپ کو ان دونوں کے درمیان شر کافی ہے۔

یعنی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان کو پیغام بھیجا کہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن سے کہو کہ وہ اپنی مطلقہ بیٹی کو وہاں چھوڑ دے جہاں اسے طلاق ہوئی ہے، اس کو وہاں سے باہر لانا مناسب نہیں، مروان نے کہا: میرا بھائی مجھ پر غالب ہے، وہ میری بات کو قبول نہیں کرتا۔ قاسم بن محمد نے اپنی روایت میں کہا کہ مروان نے مائی صاحبہ کو جواب دیا کہ یا ام المومنین! فاطمہ بنت قیس کا قصہ معروف ہے کہ ان کو تین طلاقیں دی گئی تھیں، اس کو نان ونفقہ اور مسکن وغیرہ نہ دیا گیا اور اس نے اپنے شوہر کے گھر میں عدت پوری نہ کی تھی، بریں قیاس اگر عبدالرحمٰن کی بیٹی بھی اپنے شوہر کے گھر میں عدت پوری نہ کرے تو حرج نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر تو فاطمہ کا قصہ ذکر نہ کرے تو تجھے تکلیف نہیں ہونی چاہیے یعنی فاطمہ پر قیاس نہ کرو، کیونکہ فاطمہ جہاں رہتی تھی، وہ جگہ خطرناک تھی اس لئے وہ وہاں سے منتقل ہو گئی تھی، وہ سبب عبدالرحمٰن کی بیٹی کے لئے نہیں ہے۔ اس کے جواب میں مروان نے کہا: اگر فاطمہ اور اس کی رہائش میں کوئی شر تھی جو شوہر کے گھر سے باہر آنے کا سبب تھی تو ایسا سبب یہاں بھی ہے کہ ان دونوں یعنی عبدالرحمٰن کی بیٹی اور اس کے شوہر میں باہم ناراضگی ہے جس کے سبب طلاق واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کے مسکن

سے باہر جانے کا یہ سبب کافی ہے۔

۵۳۲۳، ۵۳۲۴: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فاطمہ کا کیا حال ہے، کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتی ہے، یعنی اپنی بات میں کہ مطلقہ ثلاث کے لیے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہے۔ (یعنی فاطمہ بنت قیس کا شوہر کے مسکن سے نکلنا کسی سبب سے تھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے لیے سکنیٰ و نفقہ ہی نہیں)۔ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۰۰-۳۹۵، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۲۱، ۵۳۲۲، ۵۳۲۳، ۵۳۲۴، ۵۳۲۵، ۵۳۲۶، کی شرح شیوخ دیوبند سے

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی، مہتمم جامعہ فاروقیہ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فاطمہ بنت قیس کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے، اس لیے کہ ان کے قصے کی روایات امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہیں، البتہ امام مسلم اور امام ابوداؤد نے ان کا قصہ تفصیل سے بیان کیا ہے، امام بخاری نے اس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا صاحب عقل و جمال عورت تھیں، ابوعمرو بن حفص نے ان سے نکاح کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن بھیجا تو ابوعمرو بھی ان کے ساتھ گئے اور وہیں سے انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ کو تیسری طلاق بھیجی اور اپنے چچازاد بھائی حارث بن ہشام کو کہلا بھیجا کہ فاطمہ کو کچھ کھجوریں اور جو دیدیں، فاطمہ کو وہ کم معلوم ہوئے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''لیس لك سکنیٰ ولا نفقة'' (فتح الباری ج ۹ ص ۷۹۷) اور انہیں حکم دیا کہ ''تم ام شریک کے گھر میں عدت پوری کرو'' پھر فرمایا کہ ام شریک کے پاس ہمارے اصحاب بکثرت آتے جاتے ہیں اس لیے وہاں کے بجائے تم عبداللہ ابن ام مکتوم کے گھر عدت پوری کرو، اس لیے کہ وہ نابینا آدمی ہیں، وہاں تم آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ رہ سکو گی، جب تمہاری عدت پوری ہوجائے تو مجھے اطلاع دے دینا، چنانچہ عدت پوری ہونے پر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی اور کہا کہ مجھے معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوجہم تو اپنی لاٹھی کندھے سے نہیں اتارتا (بہت سخت گیر ہیں) اور معاویہ مفلس آدمی ہیں، اس کے پاس مال نہیں ہے، تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر فاطمہ نے اسامہ سے نکاح کرلیا، فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی خیر عطا فرمائی کہ عورتیں مجھ پر رشک کرنے لگیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، ج ۲ ص ۱۱۱۴، رقم الحدیث: ۱۴۸۰)

معتدہ مبتوتہ کے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دراصل معتدہ مبتوتہ کے نفقہ اور سکنیٰ کا مسئلہ بیان کیا ہے یعنی وہ عورت جس کو طلاق بائن دی گئی اور وہ غیر حاملہ ہے تو دورانِ عدت اس کو شوہر کی طرف سے نفقہ اور سکنیٰ ملے گا کہ نہیں، اس میں اختلاف ہے:

مطلقہ رجعیہ کو تو بالاتفاق دوران عدت نفقہ اور سکنیٰ ملے گا، مطلقہ مبتوتہ اگر حاملہ ہے تو اس کو بھی بالاتفاق دورانِ عدت نفقہ اور سکنیٰ ملے گا، اختلاف مطلقہ مبتوتہ غیر حاملہ میں ہے۔

(۱) امام احمد، امام اسحاق، حسن بصری اور ظاہریہ کے نزدیک معتدہ مبتوتہ غیر حاملہ کو دورانِ عدت نہ نفقہ ملے گا، نہ سکنیٰ۔

(۲) امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی کے نزدیک اس کو دورانِ عدت نفقہ اور سکنیٰ دونوں ملیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی قول منقول ہے۔

(۳) امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس کو دورانِ عدت سکنیٰ ملے گا، البتہ نفقہ نہیں ملے گا۔

(الابواب والتراجم، ج ۲ ص ۸۳، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۷، فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۰، بدایۃ المجتہد، کتاب الطلاق، بیان احکام العدد: ج ۲ ص ۹۵)

اور امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے باب میں جو آیت ذکر فرمائی اس سے سکنیٰ ثابت ہوتا ہے اور نفقہ کے وجوب کے متعلق کوئی دلیل انہوں نے ذکر نہیں کی، فاطمہ بنت قیس کے واقعہ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تردید والی روایت ذکر فرمائی۔

امام احمد، امام اسحاق، حضرت فاطمہ بنت قیس کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''لا نفقۃ لک ولا سکنی'' تمہارے لیے نہ نفقہ ہے، نہ سکنیٰ ہے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل قرآن کریم کی آیت ہے جو امام بخاری نے یہاں ترجمۃ الباب میں ذکر فرمائی ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق: ۶)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سکنیٰ کا حکم تو مطلق دیا ہے اور نفقہ کا حکم حاملہ ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ مفہوم مخالف حجت ہے اور اس کا اعتبار نہیں ہوتا ہے اس لیے وہ اس آیت کریمہ سے ثابت کرتے ہیں کہ اگر عورت حاملہ نہ ہو تو اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۰)

حضرت فاطمہ بنت قیس کے قصے سے بھی وہ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اس میں دو حکم ہیں: لا نفقۃ لک ولا سکنی، سکنیٰ کا حکم چونکہ قرآن کریم کی آیت ''اسکنوھن'' سے معارض ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں ہوگا، البتہ نفقہ کا حکم چونکہ کسی آیت کے معارض نہیں اس لیے اس کا اعتبار ہوگا۔

دلائل احناف

حضرات حنفیہ بھی اپنے مسلک کے لیے قرآن وحدیث وآثار سے دلائل پیش کرتے ہیں:

(۱) سورۃ البقرہ میں ہے ''وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین''، اس آیت میں ''مطلقات'' کا لفظ رجعیہ اور مبتوتہ دونوں کو شامل ہے، اسی طرح ''متاع'' کا لفظ نفقہ اور کسوہ سب کو شامل ہے۔

(تفسیر ابن جریر طبری ج ۲ ص ۳۴۲، کذا فی التکملۃ ج ۱ ص ۲۰۲)

(۲) ایک دوسری روایت میں مطلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ''وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف'' یعنی والد کے ذمہ ان عورتوں کا کھانا اور لباس دستور کے ہے، یہاں بھی مبتوتہ اور رجعیہ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

(۳) دارقطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''المطلقة ثلاثا، لها السكنى و النفقة''
(سنن دارقطنی: کتاب الطلاق: ج ۴ ص ۲۱، وانظر للتفصیل اعلاء السنن، باب ان المطلقة المبتوتة لها السکنی والنفقة ج ۱۱ ص ۱۰۴)
جہاں تک تعلق ہے حضرت فاطمہ بنت قیس کے واقعہ کا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کی حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسامہ بن زید نے رد کر دیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب وہ حدیث پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا:
''لانترك كتاب الله وسنة نبينا بقول امراة، لاندري حفظت او نسيت لها السكنى والنفقة'' (صحیح مسلم (مع تکملہ فتح الملہم) کتاب الطلاق: باب المطلقة البائن لانفقة لها: ج ۱ ص ۲۱۳) یعنی کتاب اللہ اور اپنے نبی کی سنت کو ہم کسی عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں اس کو بات صحیح یاد بھی رہی ہے یا نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مبتوتہ کے لیے سکنیٰ اور نفقہ دونوں ہیں، کتاب اللہ میں سکنیٰ کا حکم تو صراحتاً موجود ہے، ارشاد ہے ''أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ'' تاہم حنفیہ نے اس آیت کریمہ سے نفقہ کے وجوب پر بھی چار طریقے سے استدلال کیا ہے:

(۱) سکنیٰ ایک مالی حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ شوہر کے ذمہ واجب فرمایا ہے اور یہ حق مبتوتہ اور رجعیہ دونوں کے لیے ثابت ہیں، حق سکنیٰ کا واجب ہونا وجوب نفقہ کا بھی تقاضہ کرتا ہے کیونکہ سکنیٰ ایک مالی حق ہونے کی بناء پر نفقہ ہی کا ایک حصہ ہے تو جب سکنیٰ واجب ہے تو نفقہ بھی واجب ہونا چاہیے۔

(۲) اس آیت کریمہ میں ہے ''وَلَا تُضَارُّوهُنَّ'' یعنی ان مطلقہ عورتوں کو ضرر اور تکلیف نہ دو اور نفقہ نہ دینے میں بھی ضرر اور تکلیف ہے۔

(۳) اس جملے کے آگے کا جملہ ہے ''لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ'' اور تنگی و تضییق جس طرح سکنیٰ میں ہو سکتی ہے، اسی طرح ترک نفقہ بھی تنگی میں داخل ہے۔

امام جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے نفقہ کے وجوب پر مذکورہ تین طریقوں سے استدلال کیا ہے۔
(احکام القرآن للجصاص، سورۃ الطلاق: ج ۳ ص ۵۶۵)

بعض حضرات نے اس آیت کریمہ سے نفقہ کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ لفظ ''أَسْكِنُوهُنَّ'' سے سکنیٰ اور نفقہ دونوں ثابت ہوتے ہیں ''سکنیٰ'' تو واضح ہے کہ وہ اس لفظ کا منطوق ہے اور نفقہ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ معتدہ، حق زوج کے لیے دوران عدت شوہر کے گھر میں محبوس رہتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص جس کے لیے محبوس رہتا ہے، اس کا نفقہ اسی کے ذمہ لازم ہوا کرتا ہے، جیسے قاضی عامۃ المسلمین کے لیے محبوس ہوتا ہے تو اس کا نفقہ اور وظیفہ عامۃ المسلمین کے بیت المال سے ادا کیا جاتا ہے، اس قاعدہ کے پیش نظر معتدہ کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہونا چاہیے۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم میں ''أَسْكِنُوهُنَّ'' سے صراحتاً سکنیٰ کا وجوب ثابت ہوا تو مذکورہ قاعدہ جس سے نفقہ از خود واجب ہو گیا، اس طرح گویا کتاب اللہ سے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کا ثبوت ہو گیا۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۵۶۵)

(۴) پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں "فَانْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ" کا اضافہ ہے، ان کی قراءت ہے "اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ وَانْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ مِنْ وُّجْدِكُمْ" (روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۳۹ سورۃ الطلاق) اس قراءت میں سکنیٰ کے حکم کی طرح نفقہ کا حکم بھی صراحت کے ساتھ ہے، ممکن ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی یہی قراءت ہو، تب ہی تو انہوں نے "لا ندع کتاب ربنا" کہا کہ ہمارے رب کی کتاب میں نفقہ اور سکنیٰ دونوں کا ذکر ہے۔

اب رہا "وسنة نبینا" کہ سنت سے نفقہ کا ثبوت کیسے ہوسکتا ہے، وہ اس طرح ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار میں یہی روایت حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اس کے آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لها السكنى والنفقة" (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۵) اس مرفوع حدیث میں صراحت کے ساتھ مجبوتہ کے لیے سکنیٰ اور نفقہ دونوں کے وجوب کا ذکر ہے۔

ابراہیم نخعی کی مراسیل حجت ہیں

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت پر اشکال کیا گیا کہ یہ منقطع ہے، کیونکہ ابراہیم نخعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابراہیم نخعی کی یہ روایت زیادہ سے زیادہ مرسل کہلائے گی اور ابراہیم نخعی کی مراسیل کو حضرات محدثین نے معتبر اور صحیح قرار دیا ہے۔

امام جرح وتعدیل یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: "مراسیل ابراهیم احب الی من مراسیل الشعبی"۔

(تہذیب الکمال: ج ۲ ص ۲۳۸، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۷، سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۲۲)

اور شعبی کی مراسیل کے متعلق عجلی فرماتے ہیں: "ومرسل الشعبی صحیح" (خلاصۃ الخزرجی: ۱۸۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے شعبی کی مراسیل بالاتفاق صحیح ہیں، انہوں نے خود اپنا معمول اور اصول بیان کیا ہے کہ جب کوئی روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مجھے ایک استاد سے ملتی ہے تو میں اس استاذ کا نام لے کر اس روایت کو بیان کرتا ہوں اور جب کئی اساتذہ سے پہنچی ہوتی ہے تو میں ان اساتذہ کے نام نہیں لیتا بلکہ براہ راست اس کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرسل بیان کرتا ہوں۔ (کتاب العلل للترمذی ج ۲ ص ۷۴۳، فی آخر سننہ) اس لیے حافظ ابن رجب نے فرمایا: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابراہیم نخعی کی مراسیل ان کی اسانید سے زیادہ قوی اور صحیح ہوتی ہیں۔ (تعلیقات تہذیب الکمال ج ۲ ص ۲۳۹)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ان کی تمام مراسیل درست ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر نے "التمہید" میں اس بات کی تصریح کی ہے۔ (التمہید لابن عبد البر باب بیان التدلیس ومن یقبل نقلہ ویقبل مرزج ۱ ص ۳۸،۳۷) اور مذکورہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے۔

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابراہیم نخعی کی یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے حجت نہیں تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ "لا ندع کتابنا وسنة نبینا" کی صحت میں تو بہر حال کسی کو شک نہیں اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ کسی صحابی کا "السنة کذا" کہنا حدیث مرفوع کے درجے میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۱۱)

بیہقی نے اس پر اشکال کیا ہے کہ "سنة نبينا" کے الفاظ ابو احمد زبیری کا تفرد ہے کیونکہ ابو احمد کے شیخ عمار بن زریق سے یحییٰ بن آدم نے بھی یہ روایت نقل کی ہے لیکن انہوں نے "وسنة نبينا" کے الفاظ نہیں کہے اور یحییٰ بن آدم زبیری سے احفظ ہیں۔

لیکن ماردینی نے اس کا جواب دیا کہ یحییٰ اور زبیری کی روایت میں تعارض نہیں، کیونکہ زبیری نے یحییٰ کی مخالفت نہیں کی بلکہ ایک اضافہ کیا ہے جس سے یحییٰ کی روایت خالی ہے اور زبیری ثقہ ہیں، ثقہ کی زیادتی اور اضافہ قبول کیا جاتا ہے، پھر زبیری اس اضافہ میں منفرد بھی نہیں ہیں بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کے شواہد اور متابعات بھی ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۷)

حضرت فاطمہ بنت قیس کے واقعہ کا جواب

جہاں تک تعلق ہے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے واقع کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں سکنیٰ اور نفقہ ان کی مخصوص حالت کی وجہ سے نہیں دیا گیا، سکنیٰ ایک تو اس وجہ سے نہیں دیا گیا کہ ان کے شوہر کا گھر ویرانے میں تھا اور وہاں ان کا عدت گزارنا مناسب نہیں تھا، دوسرے وہ زبان کی قدرے تیز تھیں، جس کی وجہ سے سسرال والوں سے نہیں بنتی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی آیت "وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ" پر عمل کرتے ہوئے انہیں دوسری جگہ منتقل کردیا، آیت کریمہ میں "فاحشه" کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بدگوئی اور زبان درازی منقول ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، کتاب الانکاح، باب الا ان یاتین بفاحشة مبينة، ج ٦ ص ٣٢٣، رقم الحدیث: ١١٠٢٢)

باقی رہا نفقہ تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ جب انہیں سکنیٰ نہیں دیا گیا تو نفقہ کی بھی وہ مستحق نہیں رہیں، کیونکہ نفقہ تو احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، جب احتباس نہ رہا تو نفقہ بھی نہ رہا۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے شوہر نے اپنے وکیل کے ذریعہ بطور نفقہ ان کے لیے کچھ کھجوریں اور جو بھیجے تھے لیکن انہوں نے وہ اپنے حق سے کم سمجھ کر واپس کردیے تھے تو ممکن ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "لا نفقة لك" میں زائد نفقہ کی نفی ہے جس کا وہ مطالبہ کر رہی تھی، مطلقاً نفقہ کی نفی نہیں۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۵٦٨)

باقی "وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ" کے مفہوم مخالف سے حضرات شوافع نے جو استدلال کیا ہے، اس کا جواب حضرات حنفیہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ مفہوم مخالف ہمارے نزدیک نصوص میں حجت نہیں اور "اُولَاتِ حَمْلٍ" کی یہ قید، قید احترازی نہیں بلکہ حاملہ عورتوں کو بطور خاص اس لیے ذکر فرمایا کہ بسا اوقات مدت حمل طویل ہوجاتی ہے، اس لیے متنبہ فرمایا کہ اگر بالفرض مدت حمل طویل ہوجائے تو بھی وضع حمل تک نان نفقہ سابقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ مذکورہ آیت مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ دونوں کو شامل ہے اور مطلقہ رجعیہ پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ غیر حاملہ ہو تو بھی اس کو نفقہ ملے گا، جس سے معلوم ہوا کہ مطلقہ رجعیہ کے حق میں "وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ" کے مفہوم مخالف کا اعتبار کوئی بھی نہیں کرتا، لہٰذا مبتوتہ کے حق میں بھی اس کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۵٦۵)

۵۳۲۱، ۵۳۲۲: یحییٰ بن سعید یہ روایت قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار دونوں سے نقل کرتے ہیں کہ ان دونوں حضرات کو انہوں نے یہ تذکرہ کرتے ہوئے سنا کہ یحییٰ بن سعید بن العاص نے عبدالرحمٰن بن الحکم کی بیٹی (جس کا نام عمرہ تھا) کو طلاق دی (یہ مشہور گورنر مروان بن الحکم کی بھتیجی تھی) عبدالرحمٰن نے اپنی بیٹی شوہر کے گھر سے منتقل کردی، اس پر ام المومنین حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا نے مدینہ کے امیر اور لڑکی کے چچا، مروان بن الحکم کے پاس کہلا بھیجا کہ اللہ سے ڈریں اور لڑکی کو شوہر کے گھر لوٹا دیں (تا کہ وہ وہاں عدت گزارے) مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات کا کیا جواب دیا؟ یہ روایت قاسم اور سلیمان دو حضرات سے ہے اور ان دونوں کی روایت میں مروان کا جواب مختلف ہے:

سلیمان بن یسار کی روایت میں ہے کہ مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اس سلسلہ میں مجھ پر (میرے بھائی) عبد الرحمن غالب آ گئے اور (انہوں نے اپنی بیٹی شوہر کے گھر سے منتقل کر دی) اور قاسم کی روایت میں ہے کہ مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کیا آپ کو فاطمہ بنت قیس کا واقعہ نہیں معلوم؟ (کہ وہ شوہر کے گھر سے منتقل ہو گئی تھی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''تمہارا کوئی حرج نہیں ہوگا اگر تم فاطمہ کی حدیث ذکر نہ کرو'' (مطلب یہ ہے کہ وہ واقعہ آپ کے لیے حجت نہیں کیونکہ فاطمہ زبان دراز تھی اور ان کا ہر وقت سسرال سے جھگڑا رہتا تھا، انہیں ان کی مخصوص حالت کی وجہ سے الگ کیا تھا، اس لیے وہ واقعہ آپ کے لیے حجت نہیں) مروان بن الحکم نے کہا: ''ان کان بك شر فحسبك مابين هذا لشر'' (فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۸) اس میں ''بک''، ''عند'' کے معنی میں ہے یعنی اگر آپ کے نزدیک وہاں شر تھا تو ان دونوں کے درمیان بھی شر ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ وہاں ان کا نباہ نہیں ہو سکتا تھا، شوہر کے گھر میں وہ شر اور نزاع کی وجہ سے نہیں رہ سکتی تھی، اس لیے انہیں منتقل کیا گیا تھا، تو یہاں بھی میاں بیوی کے درمیان شدید اختلاف اور نزاع ہے جس کی وجہ سے عبد الرحمن کی بیٹی کو یحییٰ بن سعید کے گھر سے منتقل کیا گیا ہے، وہاں خروج اور انتقال کا سبب اگر نزاع اور شر تھا تو وہ سبب یہاں بھی ہے۔

۵۳۲۳، ۵۳۲۴: باب کی دوسری روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے، کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتی کہ کہتی ہے: مطلقہ کو نہ نفقہ ملے گا اور نہ سکنیٰ''۔

۵۳۲۵، ۵۳۲۶: تیسری روایت میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''کیا آپ نے حکم کی فلاں پوتی کو نہیں دیکھا کہ اس کے شوہر نے اس کو طلاق بائنہ دے دی ہے اور وہ گھر سے نکل گئی ہے''، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اس نے برا کیا''، عروہ نے کہا: ''کیا آپ نے فاطمہ کا قول نہیں سنا کہ (لا سکنی ولا نفقة)، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس حدیث کو بیان کرنے میں فاطمہ کے لیے کوئی بھلائی نہیں''۔

عبد الرحمن بن ابی زناد کی روایت میں اضافہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ کو سخت سست کہا اور بہت معیوب سمجھا اور کہا کہ فاطمہ ایک ویران مکان میں رہتی تھی جس کے اطراف میں ہمیشہ ڈر لگا رہتا تھا، اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رخصت دے دی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ایک مخصوص واقعہ ہے اور ایک خاص سبب کی وجہ سے اسے شوہر کے گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی تھی، اس کو عام قانون قرار دے کر استدلال میں پیش کرنا درست نہیں۔

وزاد ابن ابی الزناد عن هشام عن ابيه...

امام ابو داؤد نے اس کو موصولاً نقل کیا ہے، مکان وحش (واؤ فتحہ کے ساتھ) بمعنی ویران، ابن حزم نے اعتراض کیا ہے کہ عبد الرحمن بن ابی زناد انتہائی ضعیف راوی ہیں اور ان کی یہ روایت باطل ہے لیکن ان کی یہ بات درست نہیں، بے شک ابو الزناد پر

بعض ائمہ نے جرح کی ہے لیکن وہ متروک الحدیث نہیں بلکہ یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''انہ ثبت الناس فی ھشام بن عروہ'' (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۰) اور ان کی یہ روایت ہشام ہی سے ہے ''فللہ در البخاری ما اکثر استحضارہ واحسن تصرفہ فی الحدیث والفقہ''۔ (فتح الباری ج۹ ص ۶۰۰، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۲۴)

۴۲۔ بَابُ: الْمُطَلَّقَةِ إِذَا خُشِيَ عَلَيْهَا فِي مَسْكَنِ زَوْجِهَا أَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيْهَا أَوْ تَبْذُوَ عَلَى أَهْلِهَا بِفَاحِشَةٍ

جب مطلقہ عورت کے متعلق یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ اپنے خاوند کے گھر میں رہے گی تو اس کے گھر میں کوئی اجنبی داخل ہو جائے گا یا وہ عورت اپنے خاوند کے گھر والوں سے بے حیائی اور بدزبانی سے گفتگو کرے گی (تو اس وقت وہ خاوند کے گھر کے علاوہ کہیں اور عدت گزارے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے)

مطلقہ بائنہ کی صورت میں اپنے خاوند کے گھر سے باہر عدت گزار سکتی ہے

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس مطلقہ عورت کے حکم کے بیان میں ہے کہ جب وہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے تو اس کو یہ خطرہ ہو کہ کوئی اجنبی مرد اس کے گھر میں اچانک داخل ہو جائے گا، جس سے اس کی ناموس کو خطرہ ہو گا، یا وہ عورت بدکلام اور بدزبان ہو اور وہ اپنے شوہر کے گھر والوں کے ساتھ بدکلامی اور بے حیائی کے ساتھ پیش آتی ہو۔

سو یہ باب دو چیزوں پر مشتمل ہے:

(۱) اس کا خطرہ ہو کہ اس کے خاوند کے گھر میں اچانک کوئی اجنبی آ جائے گا۔

(۲) وہ عورت بدزبان ہو، ان دونوں عنوانوں کے درمیان جو علتِ جامعہ ہے اور سببِ مشترک ہے، وہ ہے مصلحت کی رعایت اور شدید ضرورت کے وقت ایسی چیز سے احتراز کرنا جو مصلحت کے خلاف ہو، اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرتِ فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: کہ تم کو تمہارے گھر سے تمہاری بدزبانی نے نکالا ہے، امام بخاری نے ان دونوں عنوانوں کا جواب ذکر نہیں کیا، جیسا کہ امام بخاری کی عادت ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں مطلقہ بائنہ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کو چھوڑ کر کسی اور گھر کے اندر منتقل ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۲۷، ۵۳۲۸۔ حَدَّثَنِي حِبَّانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَنْكَرَتْ ذَلِكَ عَلَى فَاطِمَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی: انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی از ابن شہاب از عروہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے حضرت فاطمہ

بنت قیس کے قول پر انکار کیا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۲۲، صحیح مسلم: ۱۴۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۵، موطا امام مالک: ۱۲۳۰)

حدیث مذکور کی تخریج

امام بخاری نے اس حدیث کی مختصراً از حبان بن موسیٰ المروزی از عبداللہ بن المبارک المروزی از عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج از محمد بن مسلم بن شہاب از زہری از عروہ بن الزبیر روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اس قول پر انکار کیا کہ مطلقہ بائنہ کے لیے رہائش نہیں ہے، پس امام بخاری نے اس حدیث کی از ابن جریج از ابن شہاب مختصراً روایت کی ہے۔

اور امام مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ نے اس حدیث کی از صالح بن کیسان از ابن شہاب روایت کی ہے کہ ان کو ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف نے خبر دی کہ حضرت فاطمہ بنت قیس نے ان کو خبر دی کہ وہ حضرت ابوعمرو بن حفص بن المغیرہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، تو انہوں نے ان کو تین طلاقیں دے دیں، پس انہوں نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور یہ سوال کیا کہ وہ اپنے خاوند کے گھر سے کسی اور کے گھر منتقل ہو کر وہاں عدت گزارے، تو آپ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ابن ام مکتوم کے گھر میں منتقل ہو جائیں جو کہ نابینا صحابی ہیں، پس مروان بن الحکم نے اس کا انکار کیا کہ مطلقہ اپنے خاوند کے گھر سے نکل سکتی ہے اور عروہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی اس حدیث پر انکار کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۴-۴۴۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فاحشہ مبینہ کی متعدد تفاسیر

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ صحیح البخاری: ۵۳۲۷، کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابوالزناد کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا اپنے گھر سے نکلنا اور اس میں عدت نہ گزارنا اس وجہ سے تھا کہ ان کا گھر ایسی جگہ میں تھا جس میں وحشت تھی تو ان کو وہاں رہنے سے خوف دامن گیر ہوا۔

اور امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان کے اندر حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی فحش گفتاری کا سبب نہیں بیان کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے کہا: تم کو اس گھر سے تمہاری زبان نے نکالا ہے، اس حدیث کا ذکر اسماعیل نے کیا از محمد بن اسحاق از محمد بن ابراہیم از حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

اور اس حدیث کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے بھی مروی ہے، انہوں نے کہا: ''الفاحشة المبينه'' سے مراد ہے شوہر کی نافرمانی اور بدخلقی اور ان پر زبان دراز کرنا، پس اگر مطلقہ عورت اپنے خاوند کے گھر والوں کے ساتھ زبان درازی کرے اور فحش گفتاری کرے تو ان کے لیے جائز ہے کہ اس کو اپنے گھر سے نکال دیں۔

اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن کعب کی قراءت میں ''اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ'' (الطلاق: ۱) کو اس طرح پڑھتے تھے ''الا ان تفحش عليكم''، یعنی وہ عورتیں گھر سے نہ نکلیں نہ ان کو نکالا

جائے، بجز اس صورت میں کہ وہ تم سے فحش کلام کریں اور زبان درازی کریں۔

اور الحارث بن ابی سلمہ نے از یزید بن ہارون از عمر بن میمون بن مہران از والد خود از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اپنے دیوروں کے ساتھ زبان درازی کرتی تھیں اور اپنی زبان سے ان کو ایذاء پہنچاتی تھیں۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ مطلقہ عورتوں کا گھر سے نکلنا فاحشہ ہے یعنی بے حیائی کا سبب ہے، اور یہی عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ کا قول ہے جس کو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ (الطلاق:۱) سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

انہوں نے کہا: اس آیت میں ''فاحشہ مبینہ'' سے مراد زنا ہے، انہوں نے کہا کہ جب کوئی مطلقہ عورت زنا کرے تو اسے گھر سے نکال دیا جائے گا اور اس پر حد جاری کی جائے گی اور یہی زید بن اسلم کا قول ہے۔

اسماعیل بن اسحاق نے کہا: ان میں سے ہر ایک نے اپنے صاحب کے مذہب کے خلاف کہا، سوائے اس کے کہ جب ''فاحشہ مبینہ'' کا لفظ کہا جائے تو وہ اس کی دلیل ہے کہ بعض چیزیں دوسری بعض چیزوں سے زیادہ واضح ہوتی ہیں اور رہا زنا وغیرہ تو وہ حدود میں سے ہے، کیونکہ یہ حد ہے جو محدود ہے اور جب انسان اس حد پر پہنچ جائے تو وہ زانی ہوگا، اس کے علاوہ اگر کوئی اور جرم ہو تو یہ وہ شر ہے جو مرد اور عورت کے درمیان واقع ہوتا ہے، اور اس میں کوئی شر دوسرے شر سے زیادہ ہوتا ہے اور ہم کو اس میں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر وہ ایسا شر ہو کہ شوہر اور بیوی کے درمیان اس کی اصلاح کی امید نہ ہو تو عورت شوہر کے گھر سے کسی دوسرے کے گھر کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ رہا زنا تو اس میں اجتہاد اور رائے کا دخل نہیں ہے۔

اور جنہوں نے کہا کہ مطلقہ عورت کا گھر سے نکلنا فاحشہ ہے تو یہ کلام عرب میں جائز ہے، سوا اس کے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا گھر سے نکلنا فاحشہ کے علاوہ کسی اور سبب سے بھی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی قول کو واجب کرے اور اس کا یہ زعم ہو کہ یہی قول صحیح ہے اور دوسرا قول صحیح نہیں ہے۔ اور وہ جو حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے جس میں ''اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ'' کی جگہ ''الا ان تفحش علیکم''، یعنی سوائے اس صورت کے کہ تم سے بدکلامی کریں تو یہ حجت قویہ ہے۔

اور وہ جو امام بخاری نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کا گھر ایسی جگہ میں تھا جہاں پر وحشت تھی، تنہائی تھی تو ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کوئی ان کی عصمت اور آبرو پر ڈاکہ ڈالے گا تو یہ امام مالک کے اس قول کے مشابہ ہے کہ جو دیہاتی عورت عدت گزار رہی ہو وہ اپنے خاوند کے ساتھ جہاں چاہے عدت گزارے۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا: اگر یہ روایت صحیح ہو کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کو ان کی بدکلامی یا بدخلقی کی وجہ سے گھر سے نکال دیا گیا تو اس میں یہ دلیل ہے کہ جو مرد فحش گفتار ہو اور بدکلامی کرتا ہو اور اپنے پڑوسیوں کو ایذاء دیتا ہو تو اس کے گھر کو فروخت کر دیا جائے گا اور اس کی رہائش کو وہاں سے ساقط کر دیا جائے گا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۰۱-۴۰۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور اس حدیث کی مؤید دیگر روایات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کے بعض طرق میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کا گھر ایک مکانِ وحش میں تھا، الوَحش اس جگہ کو کہتے ہیں جو ویران ہو، جہاں پر کوئی رہنے والا نہ ہو، اور اس حدیث میں تبذو کا لفظ ہے، یہ لفظ البذاءت سے ماخوذ ہے، علامہ ابن التین شارح بخاری نے کہا ہے: جو شخص بدزبان اور بدخُلق ہو اس کو بذیء اللسان کہا جاتا ہے، اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی زبان میں ایذاء رسانی تھی۔

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا متوفی ۵۷ھ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم کو اس گھر سے تمہاری زبان نے نکالا ہے، اور اس کا ذکر اسماعیل نے از ابن اسحاق از محمد بن ابراہیم از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کیا ہے۔
(المحلی لابن حزم ظاہری ج ۱۰ ص ۲۹۳)

اور اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا: الفاحشة المبينه، شوہر کی نافرمانی اور بدخلقی ہے اور یہ کہ عورت شوہر کے گھر والوں کے خلاف زبان درازی کرے، پس جب عورت اس طرح کی زبان درازی کرے تو اس کے گھر والوں کے لیے اس کو اپنے گھر سے نکالنا جائز ہے۔
اس حدیث کی روایت امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی تفسیر میں کی ہے۔
(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۳ ص ۹۰۴، رقم الحدیث: ۵۰۴۰)

اور حارث بن ابی امہ نے از یزید بن ہارون، از عمرو بن میمون بن مہران از والد خود از سعید بن مسیب روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اپنے دیوروں کے خلاف زبان درازی کرتی تھیں اور ان کو اپنی زبان سے ایذاء پہنچاتی تھیں۔
امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس حدیث کی روایت کی ہے (سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۳۳ نشر السنہ ملتان)
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ عورتوں کا اپنے گھر سے نکلنا فاحشہ ہے، اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ یہ عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ کا قول ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۹۵، رقم الحدیث: ۱۹۲۰۰)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۳۴-۵۳۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے اس شرح کے بعد جو عبارت ذکر کی ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو علامہ ابن بطال مالکی کی شرح میں درج ہے، جس کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

بعض مشکل الفاظ کے معانی اور اس حدیث کی مؤید دیگر روایات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کے عنوان میں امام بخاری نے یہ لفظ ذکر کیا ہے "ان يقتحم عليك"۔
یقتحم، اقتحام سے ماخوذ ہے اور اقتحام کے معنی ہیں کسی شخص کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہو جانا اور امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں "تبذو" کا لفظ استعمال کیا ہے اور بذاء کا معنی القول الفاحش یعنی فحش گفتاری یا بدکلامی ہے۔

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ ھ نے اس حدیث کو صالح بن کیسان از ابن شہاب روایت کیا ہے، کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ان کو خبر دی کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کو چھوڑ کر کسی اور کے گھر میں عدت کے ایام گزاریں، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ابن ام مکتوم جو نابینا صحابی ہیں ان کے گھر میں منتقل ہو جائیں، سو مروان نے اس روایت کا انکار کیا اور کہا کہ مطلقہ بائنہ کا اپنے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے اور عروہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی اس روایت کا انکار کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۱، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

مطلقہ عورت کی اقسام اور ان کے احکام

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ ھ حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

مطلقہ کی دو قسمیں ہیں، ایک مطلقہ رجعی ہے اور دوسری مطلقہ بائن ہے۔ پس جو مطلقہ رجعی ہے اس کے لیے نفقہ بھی ہوتا ہے اور کسوہ بھی ہوتا ہے یعنی عدت کے دوران اس کا خرچ بھی دیا جائے گا اور اس کا لباس بھی دیا جائے گا اور اس کو رہائش بھی ہر حال میں دی جائے گی، کیونکہ مطلقہ رجعی جو ہے وہ بیویوں کے حکم میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۲۸)

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے اور ان (طلاق رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو۔ اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے ان پر ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے اور اللہ بہت غالب، بڑی حکمت والا ہے ۝

طلاق کا لغوی و اصطلاحی معنی

میں کہتا ہوں: عورت کی طلاق کے دو معنی ہیں:

(۱) نکاح کی گرہ کو کھول دینا (۲) ترک کر دینا، چھوڑ دینا (تاج العروس ج ۶ ص ۴۲۵)

فقہی اصطلاح میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ فی الفور یا از روئے مآل نکاح کی قید کو اٹھا دینا طلاق ہے، الفاظ مخصوصہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو مادہ طلاق پر صراحۃً یا کنایۃً مشتمل ہوں، اس میں خلع بھی شامل ہے۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۵)۔ (سعیدی غفرلہٗ)

شیخ عثیمین نے لکھا ہے کہ:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زوجِ مطلق کو شوہر فرمایا ہے، اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ طلاقِ رجعی کے بعد بھی

زوجیت کے احکام باقی رہتے ہیں۔

رہی طلاق بائن جو فسخ نکاح کی وجہ سے ہو، یا طلاق کی وجہ سے ہو یا شوہر فوت ہو گیا ہو تو ایسی عورت کے لئے نہ عدت کے دوران کا خرچہ ہوگا، نہ لباس ہوگا، نہ رہائش ہوگی، سوائے اس کے کہ وہ عورت حاملہ ہو اور اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ مطلقہ بائنہ کی دو قسمیں ہیں (۱) حامل (۲) حائل

رہی حاملہ تو اس کے لیے نفقہ ہے اور رہی حائلہ تو اس کے لئے کچھ بھی نہیں۔

سوال: کیا مطلقہ پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہے؟

جواب: نہیں! اس کے برخلاف جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو، کیونکہ مطلقہ رجعیہ کے متعلق صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے گھر میں رہنا ضروری نہیں ہے، اس معنی پر کہ وہ گھر سے باہر نہیں جائے گی، جیسا کہ اس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو وہ گھر سے باہر نہیں جاتی۔ رہا گھر میں رہائش کا معاملہ تو وہ گھر میں رہائش رکھے گی، لیکن اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے لئے، یا اپنی سہیلیوں کے لئے یا اپنے اور رشتہ داروں سے ملنے کے لیے گھر سے باہر جا سکتی ہے۔

سوال: جو بائن حائل ہو تو کیا اس کو بھی متعہ دیا جائے گا (چند کپڑے)؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ جو عورت دخول سے پہلے مطلقہ ہو اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس کو المتعہ یعنی چند کپڑے دینا واجب ہے اور جب اس کا مہر مقرر کیا گیا ہو تو پھر اس کو نصف مہر دینا کافی ہے اور جس عورت کے ساتھ دخول ہو چکا ہو، اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اس کے لئے بھی المتعہ واجب ہے یا نہیں؟

پس بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ وجوب مطلقاً ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے O (البقرۃ:۲۴۱)

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم بہ طور استحباب ہے اور قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم بہ طور وجوب ہے۔

سوال: جب کسی عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی تو کیا وہ اپنے گھر والوں کے پاس جا سکتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: یہ خطا ہے، اور طلباءِ علم پر واجب ہے کہ وہ اس چیز کو لوگوں کے سامنے بیان کریں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۱-۹۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۸، ۵۳۲۷ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عروہ بن زبیر نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آپ نے فلانہ بنت الحکم کو نہیں دیکھا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دیں تو وہ گھر سے باہر چلی گئی، ام المومنین نے فرمایا: اس نے برا کیا ہے، عروہ نے کہا: یا ام المومنین! آپ نے فاطمہ بنت قیس کا کلام نہیں سنا؟ مائی صاحبہ نے فرمایا: اس حدیث کے ذکر کرنے میں فاطمہ کی خیریت نہیں ہے۔ ابن ابی زناد نے ہشام سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے سخت معیوب جانا اور فرمایا کہ فاطمہ وحشت مکان میں تھی، اس کو

اس کی جانب سے خطرہ لاحق تھا یعنی فاطمہ بنت قیس وحشت ناک مکان میں رہتی تھی جہاں کوئی انیس نہ تھا اور اسے ہر طرف سے خطرہ تھا، اس لئے وہاں سے انتقال کی رخصت دی گئی، اسی لئے ام المومنین فرمایا کرتی تھیں کہ جہاں فاطمہ یہ کہتی ہے کہ مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ سکنیٰ نہیں، وہاں اسے اس کا سبب بھی ظاہر کرنا چاہیے، اور علت بیان کئے بغیر اسے یہ نہیں ذکر کرنا چاہیے تھا، مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ اور سکنیٰ دونوں ہیں، اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسترد کر دیا تھا، جب کہ انہوں نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ایک عورت کے کہنے پر ترک نہیں کر سکتے۔ ہمیں معلوم نہیں وہ اس بات میں سچی ہے یا جھوٹی ہے، اس کو یاد رہا ہے یا بھول گئی ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے مطلقہ ثلاث کے لئے عدت میں نفقہ اور سکنیٰ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم! (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۰۰-۳۹۹، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۲۸، ۵۳۲۷، کی شرح از شیوخ دیو بند

شیخ سلیم اللہ خاں دیو بندی، مہتمم جامعہ فاروقیہ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ماقبل باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا تھا کہ معتدہ بائنہ کے لیے سکنیٰ ہوگا، اب یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی عذر پیش آجائے جس کی وجہ سے وہ شوہر کے گھر سے دورانِ عدت منتقل ہونا چاہے تو وہ منتقل ہو سکتی ہے۔

عذر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مکان ایسی جگہ واقع ہے کہ وہاں کسی اجنبی آدمی یا طلاق دینے والے سابقہ شوہر کے گھس آنے کا خطرہ ہو جو عورت کے لیے ضرر کا باعث بن سکتا ہے اور عذر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عورت زبان دراز ہے شوہر اور اس کے رشتہ داروں کے ساتھ ہر وقت لڑتی جھگڑتی ہے اور اس نے جینا دوبھر کر دیا ہے۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ دونوں باتیں نقل کی گئی ہیں کہ ان کا گھر ویران جگہ میں تھا، جہاں کسی آدمی کے آنے کا خطرہ تھا، امام ابوداؤد نے اس کا ذکر موصولاً اور امام بخاری نے تعلیقاً کیا ہے جیسا کہ پہلے باب میں گزر چکا اور حضرت سعید بن المسیب سے امام نسائی کی روایت میں دوسری بات کا بھی ذکر ہے، اس میں حضرت فاطمہ بنت قیس کے متعلق ہے "انها كانت لسنة" یعنی وہ زبان دراز تھیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۸)

ترجمۃ الباب میں ہے "المطلقة اذا خشي عليها" "خُشِيَ" مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب فاعل "ان يقتحم عليها" ہے یعنی جب اس پر کسی کے گھس آنے کا خوف ہو، اقتحام کے معنی ہیں "الهجوم على الشخص بغير اذن: بغیر اجازت کے کسی پر داخل ہونا، تبذو: بذاء سے ہے جس کے معنی بدگوئی اور زبان درازی کے آتے ہیں، بعض نسخوں میں "على اهله" ہے ای على اهل المطلق اس صورت میں "اھلہ" کی ضمیر طلاق دینے والے کی طرف راجع ہوگی۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۱، ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۰)

"اذا خُشِيَ عليها اوتبذو على اهلها" شرط ہے، جزاء محذوف ہے، تقدیر ہوگی "تنتقل الى مسكن غير مسكن الطلاق" (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۰) یعنی وہ کہیں اور منتقل ہو سکتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں ہے "ان عائشة انكرت ذالك على فاطمه" یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس پر اس کے قول کے متعلق نکیر کی "ذالك" کا مشار الیہ فاطمہ بنت قیس کا قول "لانفقة ولا سكنى" ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۱)

حضرت عُروہ کی یہ حدیث پہلے باب کے آخر میں ذرا تفصیل سے گزر چکی ہے، اس کے آخر میں ہے "ان فاطمة کانت فی مکان وحش فخیف علی ناحیها فلذالك ارخص لها النبی ﷺ" اور نسائی کی روایت بھی گزر چکی ہے جس میں "انها کانت لسنة" کے الفاظ ہیں، امام بخاری نے ان روایات کے مجموعے سے ترجمۃ الباب ثابت کیا ہے اور نسائی والی روایت چونکہ امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لیے اس کو باب میں ذکر نہیں کیا۔

مطلب یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں معتدہ کے جواز خروج کے لیے دو علتیں بیان کی ہیں، ایک الخوف علیها یعنی اس پر کسی کے گھس آنے کا خدشہ ہو تو نکل سکتی ہے، دوم الخوف منها، یعنی اس کی زبان درازی سے خوف ہو تو بھی نکل سکتی ہے لیکن روایت میں صرف پہلی علت کا ذکر ہے، دوسری علت کا ذکر نہیں، روایت باب میں اگرچہ پہلی علت کا ذکر بھی نہیں کیونکہ وہ یہاں بہت مختصر ہے البتہ اس سے ماقبل والے باب کے آخر میں مذکورہ علت کا ذکر اسی روایت میں ہے۔

اور دوسری علت آپ قیاس سے ثابت کر سکتے ہیں کہ جب اس پر کسی کے گھس آنے کا خوف طلاق دینے والے شوہر کے گھر سے نکلنے کا سبب بن سکتا ہے تو اس کی زبان درازی سے خوف بھی خروج کے جواز کا سبب بننا چاہیے، اور بعض روایات میں اس دوسری علت کی تصریح بھی ہے لیکن وہ روایات امام بخاری کی شرط پر نہیں، اس لیے انہیں ذکر نہیں کیا۔

معتدہ مطلقہ کے گھر سے نکلنے کا حکم

معتدہ مطلقہ کے گھر سے نکلنے کے بارے میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے:

(۱) امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مطلقہ عورت دن کے وقت ضرورت کی بناء پر دوران عدت گھر سے باہر نکل سکتی ہے

(۲) حضرات حنفیہ کے نزدیک معتدہ مطلقہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتی۔

(الابواب والتراجم، ج ۱۲ ص ۸۳، وتکملۃ فتح الملہم کتاب الطلاق و باب جواز خروج البائن)

ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس کو امام مسلم اور امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق ہوگئی تو انہوں نے (دورانِ عدت) میں چاہا کہ اپنے باغ کا پھل کاٹ لیں، انہیں ایک شخص نے گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا، تو وہ نبی ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نکل کر اپنے باغ کا پھل کاٹ سکتی ہو، بہت ممکن ہے کہ تم اسے صدقہ کرو یا دوسری بھلائی میں خرچ کرو۔

ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ مطلقہ عورت دوران عدت گھر سے باہر نکل سکتی ہے، جیسا کہ اس روایت میں ہے۔ حضرات حنفیہ قرآن کریم کی آیت سے استدلال کرتے ہیں، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

"وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ" یعنی وہ مطلقہ عورتیں گھر سے نہیں نکل سکتیں مگر یہ کہ وہ کسی واضح برائی کا ارتکاب کرلیں۔ اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ اس میں تمام مطلقات کو صراحتاً عدت ختم ہونے تک گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا معتدہ مطلقہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتی۔

باقی رہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص یا تقیید جائز

نہیں، اور اس حدیث کی یہ تاویل بھی کر سکتے ہیں کہ وہ احکامِ عدت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہو۔
اس پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ اس حدیث کے خلاف ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے، ان سے پوچھا گیا کہ معتدہ مطلقہ اور معتدہ وفات دورانِ عدت گھر سے باہر نکل سکتی ہے، تو انہوں نے فرمایا: نہیں نکل سکتیں۔ (شرح معانی الآثار، کتاب الطلاق ۲)

معتدۃ الوفاۃ کے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم

یہ ساری تفصیل معتدہ مطلقہ کے متعلق تھی، جہاں تک تعلق ہے معتدۃ الوفات کے نفقہ اور سکنیٰ کا تو اس کی تفصیل کتاب التفسیر میں گزر چکی ہے، معتدۃ الوفات دن کے وقت اپنے گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اور احناف کے نزدیک معتدۃ الوفات (بیوہ) کے لیے نہ نفقہ ہے، نہ سکنیٰ ہے۔ حاملہ ہو یا غیر حاملہ چونکہ زوج کے انتقال کے بعد اس کے اموال ورثہ کو منقول ہو گئے، لہٰذا ورثہ کے مال سے نہ نفقہ ادا کیا جائے گا نہ سکنیٰ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۱۱، اوجز المسالک ج ۱۰ ص ۱۸۵)
علامہ نووی کے مطابق شوافع کے یہاں نفقہ تو واجب نہیں خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، البتہ سکنیٰ کے لیے نووی فرماتے ہیں: ''والاصح عندنا وجوب السکنی'' (الصحیح لمسلم مع شرحہ الکامل للنووی ج ۱ ص ۴۸۳) گویا دوسری روایت میں ان کے یہاں اس کے لیے سکنیٰ نہیں ہے۔ حنابلہ کے یہاں اگر وہ غیر حاملہ ہے تو نہ نفقہ ہے نہ سکنیٰ اور اگر حاملہ ہو تو دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنیٰ نہیں، اور دوسری روایت میں حاملہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ ہے، کذا قال الموفق (اوجز المسالک ج ۱۰ ص ۱۸۵)
مالکیہ کے نزدیک متوفی عنہا زوجہا کے لیے نفقہ نہیں، حاملہ ہو یا غیر حاملہ، البتہ سکنیٰ اس صورت میں ہے جب گھر زوج کی ملکیت ہو یا کرایہ کا ہو اور شوہر نے وفات سے قبل کرایہ ادا کر دیا ہو، ورنہ نہیں۔ کذا قال الباجی۔

(اوجز المسالک ج ۱۰ ص ۱۸۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۶۵۹)

(کشف الباری عما فی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب الطلاق، کتاب النکاح ص ۵۷۱-۵۶۶، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۴۳۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ﴾ (البقرہ: ۲۲۸) مِنَ الْحَيْضِ وَالْحَبَلِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور ان عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے، یعنی وہ اپنے حیض کو چھپائیں یا اپنے حمل کو چھپائیں۔

عورتوں کا اپنے رحموں میں مستور حیض اور حمل کے اوپر امین ہونا

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں حیض یا حمل کو جو پیدا کیا ہے وہ اس کو چھپائیں، امام بخاری نے جو اس باب میں ''الحیض والحمل'' لکھا ہے، یہ اس آیت کے ماقبل کی تفسیر ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور مجاہد بن جبر مخزومی متوفی ۱۰۴ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور الحکم

بن عیینہ اور ربیع بن انس اور ضحاک اور متعدد صحابہ اور تابعین کا قول ہے۔

اس حدیث میں ''الحمل'' کا لفظ ہے اور بعض روایات میں ''الحبل'' کا لفظ ہے۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں بچے کو پیدا کیا ہے یا حیض کا خون پیدا کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عورت اپنے خاوند سے الگ ہونے کا ارادہ کرے تو اپنے حیض کو چھپا لیتی ہے، تاکہ وہ طلاق کا انتظار نہ کرے یا وضع حمل کا انتظار نہ کرے یا تاکہ اس کے اوپر بچے کی پیدائش دشوار ہو اور خاوند اس کو چھوڑ دے، یا وہ اپنے حیض کو چھپا لیتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ میں حائضہ تھی اب طاہرہ ہو چکی ہوں، تاکہ اس کو جلدی طلاق مل جائے (علامہ زمخشری کی عبارت ختم ہوئی)۔

اس کے بعد فرمایا: ''فی ارحامھن'' اور امام بخاری نے بیان کیا کہ جو ان کے رحموں میں حیض یا حمل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کا ارادہ کیا ہے اور اس آیت کی قراءت کا ارادہ نہیں کیا۔

اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ جب عدت کا معاملہ حیض اور طہر کے درمیان دائر ہو اور اس پر اطلاع غالباً عورتوں کی جہت سے ہوتی ہے تو اس معاملہ میں عورت کو امین بنایا گیا ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ نے کہا ہے کہ عورت کو جس طرح اس کی شرمگاہ پر امینہ بنایا گیا ہے، اسی طرح حیض اور حمل کے معاملہ پر بھی امینہ بنایا گیا ہے۔

اور اسماعیل نے کہا ہے: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو عورت عدت میں ہو وہ بھی اپنے رحم میں حیض اور حمل کے اوپر امینہ ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ مجھے حیض آ گیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر وہ یہ کہے کہ اس کے ہاں بچہ ہو گیا ہے تب بھی اس کی تصدیق کی جائے گی، سوائے اس صورت کے کہ کسی دلیل سے اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔ اسی طرح ہر امین کے قول کا اعتبار کیا جاتا ہے جب تک کہ اس کا جھوٹ کسی دلیل سے ظاہر نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۵۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۲۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ لَمَّا أَرَادَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَنْفِرَ إِذَا صَفِيَّةُ عَلَى بَابِ خِبَائِهَا كَئِيبَةً فَقَالَ لَهَا عَقْرَى أَوْ حَلْقَى إِنَّكِ لَحَابِسَتُنَا أَكُنْتِ أَفَضْتِ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِي إِذًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ کا ارادہ فرمایا (ارکانِ حج سے فارغ ہونے کے بعد) تو اس وقت حضرت صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا خیمہ کے دروازے کے اوپر رنجیدہ صورت میں کھڑی ہوئی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارا حلق زخمی ہو گیا ہے یا تمہارا سر مونڈ دیا گیا ہے، کیا تم ہم کو روانگی سے روکنے والی ہو، کیا تم نے دس ذوالحج کو قربانی کے دن طواف زیارت کر لیا تھا؟ حضرت صفیہ نے بتایا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: پھر تم ہمارے ساتھ روانہ ہو۔

(صحیح بخاری: ۲۹۴،،۳۰۵،۳۱۶،۳۱۷،۳۱۹،۳۲۸،۱۵۱۲،۱۵۱۸،۱۵۵۶،۱۵۶۰،۱۵۶۱،۱۵۶۲،۱۶۳۸،۱۶۵۰،۱۷۰۹،۱۷۲۰، ۱۷۳۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۸۳،۱۷۸۶،۱۷۸۸،۲۹۵۲،۴۴۰۱،۵۳۲۸،مسلم:۱۲۱۱،سنن نسائی:۲۹۰،سنن ابو داؤد:۱۷۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶۳،مسند احمد:۲۵۳۱۰)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ عورتیں اپنے رحم میں حیض یا حمل کے متعلق جو دعویٰ کریں، ان کے اس دعویٰ کی تصدیق کی جائے گی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے یہ پوچھا کہ کیا تم نے دس ذی الحجہ کو طواف زیارت کرلیا تھا، انہوں نے کہا: جی ہاں! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول کے اوپر کسی دلیل کو طلب نہیں کیا گویا کہ ان کے دعویٰ کی تصدیق کردی۔ تو اسی طرح عورت جو اپنے رحم میں حیض یا حمل کی خبر دے، ان کی اس خبر کی بھی تصدیق کی جائے گی اور ان سے اس پر کسی دلیل کو طلب نہیں کیا جائے گا، سو یہ اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور مہمل عبارات کے محامل

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ان ینفر'' یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے بعد روانگی کا ارادہ فرمایا، اور حج میں دو روانگیاں ہیں، ایک روانگی ایام تشریق کے دوسرے دن ہے اور دوسری روانگی ایام تشریق کے تیسرے دن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اذا'' یعنی آپ نے اچانک حضرت صفیہ بنت حیی ام المومنین کو دیکھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''کئیبۃ'' یعنی آپ نے ان کو رنجیدہ اور غمزدہ پایا۔

اور اس میں مذکور ہے: ''عقریٰ'' اس کا معنی ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس میں کوئی بیماری پیدا کردے یا اس کے حلق میں درد ہو جائے اور ایک قول یہ ہے کہ عقریٰ، دعویٰ کی طرح مصدر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عقیر کی جمع ہے، اصمعی اور ابو عمرو نے کہا ہے: یہ اس عورت کے متعلق کہا جاتا ہے جو ایذاء پہنچانے والی ہو۔ اور یہ بددعا کا کلمہ ہے لیکن عرب جب یہ لفظ بولتے ہیں تو ان کا مقصد بددعا نہیں ہوتا بلکہ یہ الفاظ ان کی زبان پر بددعا کے قصد کے بغیر جاری ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''او حلقی''، اس میں راوی کو شک ہے کہ آپ نے عقریٰ فرمایا تھا یا حلقی فرمایا تھا اور حلق کے معنی سر مونڈنے کے ہیں، اور یہ بھی بددعائیہ کلمہ ہے یعنی تم زخمی ہو جاؤ، تمہارے حلق میں زخم ہو جائے، یا تم بیمار ہو جاؤ یا تمہارا سر مونڈ دیا جائے، اور ان الفاظ کو بغیر بددعا کے قصد کے اہل عرب کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: جیسے ہمارے عرف میں مائیں بچوں کو کہتی ہیں: تم مر جاؤ، تمہیں ہیضہ ہو جائے، تمہیں چیچک نکل آئے، اور ان کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ فی الواقع وہ اپنے بچوں کو بددعائیں دے رہی ہیں بلکہ وہ محض اپنے غصہ کے اظہار کے لیے بچوں کے متعلق یہ الفاظ کہتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ کو یہ الفاظ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ماں یا باپ یا کوئی بڑا اپنے چھوٹوں کو ایسے الفاظ کہے جن کا بہ ظاہر معنی بددعا ہو اور اس کا قصد بددعا نہ ہو بلکہ محض اپنے غصہ کا اظہار ہو تو ان الفاظ کا کہنا جائز ہے اور شریعت میں اس کی گنجائش ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں مذکور ہے: ''لحابستنا'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکنے کی نسبت حضرت صفیہ کی طرف فرمائی، کیونکہ اگر انہوں نے طوافِ زیارت نہ کیا ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ نہیں فرما سکتے تھے، تو آپ نے فرمایا: کیا یہ ہم کو روکنے والی ہیں، ''افضت'': اس کا معنی ہے: کیا تم نے طوافِ زیارت کر لیا تھا؟، پھر فرمایا: ''انفری'' یعنی اب تم روانہ ہو سکتی ہو، کیونکہ جس عورت نے طوافِ زیارت کر لیا ہو اور وہ حائضہ ہو تو اس سے طوافِ وداع ساقط ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۵-۴۴۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت (البقرہ: ۲۲۸) کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ نے کہا کہ امانت میں سے یہ ہے کہ عورت اپنی شرمگاہ پر امین ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے کہا کہ عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اگر وہ حاملہ ہوں تو اپنے حمل کو چھپائیں اور نہ ان کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر وہ حائضہ ہوں تو وہ اپنے حیض کو چھپائیں، یعنی جو عورتیں مطلقہ ہوں۔ ابن شہاب نے کہا: تاکہ عدت پوری ہو جائے، اور اس کا خاوند رجوع کرنے کا مالک نہ رہے، جب کہ اس کے لیے رجوع کا حق ہو، اور مجاہد نے کہا: یہ اس صورت میں ہے کہ جب عورت اپنے خاوند سے بغض رکھتی ہو یا اپنے خاوند سے محبت رکھتی ہو۔ یعنی بغض کی وجہ سے وہ چاہے گی کہ اس کا خاوند اس کو جلدی طلاق دے دے اور محبت کی وجہ سے یہ چاہے گی کہ اس کا خاوند اس کو طلاق نہ دے۔

اور قتادہ نے کہا کہ عورت اپنے حمل کو چھپاتی تھی، اور دوسری مدت تک چلی جاتی تھی، اس خوف سے کہ اس کا خاوند اس سے رجوع کر لے گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔

اور اسماعیل بن اسحق نے کہا: کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو عورت عدت میں ہے وہ اپنے رحم میں جو حیض ہے یا حمل ہے اس کے اوپر امین ہے، اگر وہ یہ کہے کہ مجھے حیض آ گیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر وہ یہ کہے کہ اس کے ہاں بچہ ہو گیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی، سوائے اس صورت کے کہ کوئی ایسی دلیل پائی جائے جس سے اس عورت کا جھوٹ ظاہر ہو جائے، اور اسی طرح ہر امین کے متعلق یہ حکم ہے کہ اس کے دعویٰ کی تصدیق کی جائے گی جب تک کہ اس کے دعویٰ کے متعلق کوئی چیز ظاہر نہ ہو، اور اس کی نظیر درج ذیل آیت میں ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔـا ۭ (البقرہ: ۲۸۲)

اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تمہارے درمیان کسی کاتب کو عدل کے ساتھ دستاویز لکھنی چاہیے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے لکھنا سکھایا ہو اس کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے، اور جس شخص پر قرض ہو لکھوانا اس کی ذمہ داری ہے اور اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے، جو اس کا رب ہے اور اس (قرض سے) کچھ کم نہ کرے۔

جس طرح کاتب کو اللہ تعالیٰ نے یہ وصیت کی ہے کہ جو حق ثابت ہے، اس کو وہ من وعن لکھے، اس میں کوئی کمی نہ کرے، اسی طرح عورتوں کو وصیت کی ہے کہ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کو نہ چھپائیں، اگر حیض ہے تو بتادیں کہ ان کو حیض ہے، اور اگر حمل ہے تو بتادیں کہ ان کو حمل ہے، اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تفسیر بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

اور سلیمان بن یسار نے کہا: اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ وہ اپنی فرج کو کھول کر دکھائیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کے پیٹ میں حیض ہے یا طہر، لیکن جب وہ عورتیں مومنہ ہیں تو یہ تمام معاملات ان کے اقوال اور ان کے دعاوی کی طرف مفوض کر دیے۔

المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورتیں اپنے حیض اور حمل کے بارے میں جو دعویٰ کریں، اس کی تصدیق کی جائے گی، اور عورتوں کی دائیوں (لیڈی ڈاکٹر) سے اس کی تصدیق طلب نہیں کی جائے گی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہ بتایا کہ وہ حائضہ ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا: کہ تمام مسلمانوں کو روانگی سے روک لیں، اور آپ نے اس معاملے میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا امتحان نہیں لیا اور نہ ان کو جھوٹا قرار دیا، سو اسی طرح کوئی عورت اپنے رحم میں حیض یا حمل کی جو خبر دے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۰۲-۴۰۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ نے صحیح البخاری: ۵۳۲۹ کی وہی شرح کی ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ ابن بطال کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۳۷-۵۳۹)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی صحیح البخاری: ۵۳۲۹ کی تقریباً وہی شرح کی ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ عینی اور علامہ ابن بطال سے نقل کر چکے ہیں، تاہم ان کی شرح کا خلاصہ یہ ہے:

صحیح البخاری: ۵۳۲۹ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

امام حاکم نے المستدرک میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ عورت کو اس کی شرمگاہ پر امین بنایا جاتا ہے، اسی طرح اس کے رحم پر بھی امین بنایا جاتا ہے، اور اس کی شرح سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور حاکم کی روایت کے رجال صحیح ہیں، پھر امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو ذکر کیا ہے، جب کہ حضرت صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ایام منیٰ میں حائضہ ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم ہم کو مکہ سے مدینہ روانہ ہونے سے روکنے والی ہو اور اس کی شرح کتاب الحج میں گزر چکی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جو عورت طواف زیارت کر چکی ہو، پھر اس کو طواف وداع کرنے سے پہلے حیض آجائے تو اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ طواف وداع کرنے کے لئے ٹھہری رہے، وہ قافلے کے ساتھ روانہ ہو سکتی ہے۔

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اس قول پر بناء کی کہ وہ حائض ہیں، اپنا سفر موخر کر دیا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں عورت کی تصدیق کی جائے گی جب وہ یہ بتائے کہ اس کو حیض آگیا ہے یا اس کو حمل ہو گیا ہے تو اس میں صرف عورت کے بیان کو قبول کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بعض طبی حیلوں سے حیض کو یا حمل کو روکنے کی ممانعت اور کن صورتوں میں عورت کے دعویٰ کی تصدیق کی جائے گی اور کن صورتوں میں اس کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جائے گی

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے عورت کے رحم میں جو حیض کو پیدا کیا ہے یا حمل کو پیدا کیا ہے، عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس حیض کو یا حمل کو چھپائے اور اس کو چھپانا بہت بری بات ہے، اور سب سے بری بات یہ ہے کہ بعض عورتیں العیاذ باللہ، جب انہیں حمل کی ابتداء میں طلاق دی جائے تو وہ اسقاطِ حمل کراتی ہیں، تاکہ ان کے اوپر عدت لازم نہ ہو، سو یہ امر جائز نہیں ہے، اسی طرح بعض عورتیں ایسی دوائیں کھالیتی ہیں جس سے مقررہ وقت پر حیض نہیں آسکتا تو جب مرد ان کو طلاق دے تو وہ عدت کو طول دینے کے لیے ایسی گولیاں کھالیتی ہیں جس سے حیض نہ آئے۔

رہا اسقاطِ حمل کا عدمِ جواز تو اس کی وجہ یہ ہے کہ استقرارِ حمل خاوند کا حق ہے اور رہا دوسری صورت کا عدمِ جواز تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں خاوند کو ظلم میں مبتلا کرنا ہے کیونکہ عورت جب تک عدت میں ہوگی اور اس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو تو اس کے خاوند کے اوپر اس کا خرچ واجب ہوگا۔

اور علماء نے کہا ہے کہ جب عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کی عدت پوری ہو چکی ہے تو اس کی تین حالتیں ہیں:

ایک حالت میں اس کے دعویٰ کا صحیح ہونا ممکن نہیں ہے اور دوسری حالت میں بعض نادر صورتوں میں اس کے دعویٰ کا صحیح ہونا ممکن ہے اور تیسری صورت میں اس کے دعویٰ کا صحیح ہونا عادت کے مطابق ہے۔

(۱) پہلی حالت میں اس کے دعویٰ کو بالکل نہیں سنا جائے گا مثلاً وہ یہ کہے کہ اس کی عدت حیض کے ساتھ ہے اور بیس دن کے بعد وہ آئے اور کہے کہ اس کی عدت مکمل ہوگئی ہے تو ہم اس کے دعویٰ کو بالکل نہیں سنیں گے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ بیس دنوں میں تین حیض آکر گزر جائیں۔

(۲) جب وہ عورت بیس دن کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ اس کے تین حیض مکمل ہو گئے ہیں تو اس کے اس دعویٰ کو بغیر گواہوں کے قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ بہت نادر ہے کہ تیس دنوں میں تین حیض آکر گزر جائیں۔

(۳) جب عورت یہ دعویٰ کرے کہ تین مہینوں میں یا دو مہینوں میں اس کی عدت پوری ہوگئی ہے تو اس کا یہ دعویٰ قبول کیا جائے گا اور اس سے کسی گواہ کو طلب نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ امر عادتاً ممکن اور واقع ہے کہ اتنی عدت میں تین حیض پورے ہو جاتے ہیں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۳-۹۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۹ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''عورتوں کے لیے حلال نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کے پیٹوں میں حیض اور حمل پیدا کیا ہے اسے پوشیدہ رکھیں''۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج سے واپسی کا ارادہ کیا تو اچانک ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ اپنے خیمہ کے دروازہ پر غمناک کھڑی ہیں، حضور نے ان سے عقری یا حلقی فرمایا کہ تو ہمیں مکہ میں روکنے والی ہے، کیا تو نے نحر کے روز طواف زیارت کیا تھا؟ عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: اس وقت چلو (کوئی حرج نہیں)۔

یعنی جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کا ارادہ کیا تو طواف سے پہلے ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا، اس لئے وہ اندوہ ناک اور غمگین ہوئیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ کلمہ عقری، حلقی فرمایا، اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں، ابوعبیدہ نے کہا: اس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ اس کے جسم کو زخمی کرے اور اس کے حلق میں درد ہو، صاحب محکم نے کہا: اس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ اس کو ہلاک کرے اور اس کے بال حلق کرے" بعض نے یہ کہا کہ وہ اپنی قوم کو ہلاک کرے اور ان کا حلق کرے کہ وہ منحوس ہے، بعض یوں کہتے ہیں: عقری بانجھ ہو اور "حلقی" منحوس ہو، بہرحال اس کے معنی جو بھی ہوں اس کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے جیسے "تربت یداہ" کا حقیقی معنی مراد نہیں اسی طرح "قاتلہ اللہ" کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ یہ آپ نے بہ طور شفقت فرمایا ہے۔
(تفہیم البخاری، ج ۸ ص ۴۰۲، جدہ پرنٹرز لاہور بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۲۹ کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عدت کا تعلق حیض اور حمل سے ہے، اس لیے عورت کو حیض اور حمل کے کتمان کی اجازت نہیں ہے، اس سلسلے میں وہ امین ہے، امام حاکم نے مستدرک میں روایت نقل کی ہے "ان من الامانة ان اءتمنت المراۃ علی فرجھا" (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۲) لہٰذا اگر عورت حیض اور حمل کے متعلق کوئی بات پیش کرے گی تو اسے تسلیم کیا جائے گا، ہاں معتدہ اگر کوئی ایسی بات کہتی ہے جو عقل سے بالکل باہر ہے اور جس کا کھلا کذب ہونا معلوم ہے تو اس کو معتبر نہیں قرار دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب (حجۃ الوداع) میں واپس جانے کا ارادہ کیا تو حضرت صفیہ اپنے خیمہ کے دروازے کے پاس غمگین کھڑی تھیں (کیونکہ انہیں منیٰ میں طواف زیارت کرنے کے بعد معذوری کے ایام شروع ہو گئے تھے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "کیا تو ہمیں روکے رکھے گی، کیا تو نے نحر کے دن یعنی دسویں ذوالحجہ کو طواف زیارت کر لیا ہے" انہوں نے کہا "جی ہاں" تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تو، پھر تو چل کوئی حرج نہیں" (کیونکہ طواف وداع حائضہ کے لئے ضروری نہیں)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض وغیرہ کے سلسلہ میں عورت کے قول کا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ کے ایام بیماری شروع ہونے کی وجہ سے سفر کو مؤخر کرنے کا ارادہ فرما لیا تھا اور ان سے کوئی تحقیق نہیں کی کہ واقعتاً بیماری کے ایام شروع ہوئے کہ نہیں، ان کی تکذیب نہیں فرمائی، معلوم ہوا اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۲) یہ حدیث کتاب الحج میں "باب التمتع" کے تحت گزر چکی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۲)

فقال لھا عقری او حلقی انك لحابستنا: اس جملہ کی ترکیب اور لغوی تشریح میں مختلف قول ہیں:

(۱) ابوعبید اور امام سیبویہ کے نزدیک "عقرًا، حلقًا" تنوین کے ساتھ ہیں اور یہ دونوں عَقَرَ اور حَلَقَ کے مصدر ہیں، ترکیب میں

یہ مفعول مطلق واقع ہو رہے ہیں، جیسے سقیا، رعیا اور جدعًا کے الفاظ مفعول مطلق واقع ہوتے ہیں۔ تقدیر عبارت ہے: عقرك الله عقرا (اللہ تجھے بانجھ کر دے) وحلقك الله حلقا (اللہ تیرے گلے کو خراب کر دے، اللہ کرے تیرے حلق میں تکلیف ہو)۔
(النہایہ لابن الاثیر ج ۳ ص ۲۷۳)

(۲) علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ''عقری'' اور ''حلقی'' الف کے ساتھ ہیں اور ترکیب میں خبر واقع ہو رہے ہیں، مبتدا محذوف ہے ای هی عقری یا انت عقری۔ (مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۶۴۰)

(۳) بعضوں کے نزدیک عقری اور حلقی (الف کے ساتھ) فعلی کے وزن پر مصدر ہیں بمعنی العقر والحلق، جس طرح شکوی شکو کے معنی میں مصدر ہے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۲۷۳)

یہ اگرچہ لغوی اعتبار سے بددعائیہ کلمات ہیں لیکن عام استعمال میں اس کے لغوی معنی مراد نہیں لیے جاتے بلکہ بطور تعجب اور تحیر کے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں (مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۴۰)، یہاں پر بھی بطور تعجب اور تحیر کے استعمال کئے گئے ہیں۔
(کشف الباری عمانی صحیح البخاری ص ۵۷۳-۵۷۱، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۴۴۔ بَابٌ: ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ (البقرہ: ۲۲۸) فِي الْعِدَّةِ وَكَيْفَ يُرَاجِعُ الْمَرْأَةَ إِذَا طَلَّقَهَا وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ، وقوله ﴿فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ﴾ (البقرہ: ۲۳۲)

اور ان (طلاقِ رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں۔ (البقرہ ۲۲۸) اور عدت کے دوران مرد اپنی بیوی سے کس طرح رجوع کرے جب وہ اس کو ایک یا دو طلاقیں دے چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ''انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو''۔ (البقرہ: ۲۳۲)

۵۳۳۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ زَوَّجَ مَعْقِلٌ أُخْتَهُ فَطَلَّقَهَا تَطْلِيقَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الحسن انہوں نے کہا: حضرت معقل بن یسار نے اپنی بہن کا نکاح کیا، پھر اس کے خاوند نے اس کو ایک طلاق دے دی۔

(صحیح البخاری: ۴۵۲۹، ۵۱۳۰، ۵۳۳۰، ۵۳۳۱، سنن ترمذی: ۲۹۸۱، سنن ابوداود: ۲۰۸۷)

۵۳۳۱۔ وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ أَنَّ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ كَانَتْ أُخْتُهُ تَحْتَ رَجُلٍ فَطَلَّقَهَا ثُمَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: اور مجھے محمد بن المثنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبد الاعلی نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی سعید نے از

خَلَّى عَنْهَا حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا ثُمَّ خَطَبَهَا فَحَمِيَ مَعْقِلٌ مِنْ ذٰلِكَ أَنَفًا فَقَالَ خَلَّى عَنْهَا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَخْطُبُهَا فَحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ (البقرہ:۲۳۲) فَدَعَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَرَأَ عَلَيْهِ فَتَرَكَ الْحَمِيَّةَ وَاسْتَقَادَ لِأَمْرِ اللّٰهِ

قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی الحسن نے کہ حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن ایک مرد کے نکاح میں تھیں، اس مرد نے انکو طلاق دے دی، پھر ان سے الگ ہوگیا حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہوگئی، پھر ان کو نکاح کا پیغام دیا تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو اس پر غصہ اور غیرت آئی، انہوں نے کہا: یہ مرد اپنی بیوی سے علیحدہ ہوگیا ہے حالانکہ وہ عدت کے دوران اس سے رجوع کرنے پر قادر تھا اور اب اس کو نکاح کا پیغام دے رہا ہے، پس حضرت معقل بن یسار اس مرد اور اس کی بیوی کے نکاح کے درمیان حائل ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں، ، اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتےO پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان پر اس آیت کی تلاوت فرمائی، تو انہوں نے اپنے غصے اور غیرت کو ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے جھک گئے۔

باب مذکور کے عنوان کی شرح از علامہ عینی اور البقرہ:۲۲۸ کی تفسیر

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی یہ باب البقرہ:۲۲۸ کی تفسیر کے بیان میں ہے، اس عنوان میں البعولة کا لفظ ہے، یہ لفظ بعل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے خاوند، مفسرین نے کہا ہے: جس خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ جب تک اس کی بیوی عدت کے دوران ہے، وہ اس بیوی کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لے اور یہی معنی ہے امام بخاری کے اس قول کا کہ عدت کے دوران، اور یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ جب اس کی عدت پوری ہوگئی تو اب وہ خاوند کے رجوع کرنے کا محل نہیں رہے گی اور اس میں اجازت طلب کرنے کی ضرورت ہوگی اور گواہوں کی ضرورت ہوگی اور عقد جدید کی ضرورت ہوگی۔
امام بخاری نے لکھا ہے: "فی العدۃ" یہ آیت کا جز نہیں ہے، اسی لئے ابوذر نے اس کو فاصلے کے ساتھ بیان کیا ہے، یعنی عدت

کے دوران رجوع کرنے کے متعلق، اور یہ بتایا ہے کہ مراد یہ ہے کہ رجوع کرنے کا حق عدت کے دوران ہے، اور یہی جمہور علماء کا قول ہے، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے: ان عورتوں کے شوہر عدت کے دوران رجوع کرنے کے زیادہ حق دار ہیں اور یہ زیادہ واضح ہے، اس میں کسی اور چیز کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ تم عورتوں کو عدت میں اس سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں۔

رجوع کے معتبر ہونے میں فقہاء اسلام کی مختلف عبارات

اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کس صورت میں مرد عورت سے رجوع کرنے والا ہوگا، ایک جماعت نے کہا کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس نے رجوع کر لیا، یہ قول سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ، اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ اور امام اوزاعی سے منقول ہے۔

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ ان دونوں نے کہا ہے کہ جب اس نے اپنی بیوی کو چھوا یا اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت سے دیکھا رجوع کے قصد کے بغیر تب بھی یہ رجوع ہے اور مناسب یہ ہے کہ اس پر گواہ قائم کریں اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ جب اس نے عدت کے دوران اپنی بیوی سے وطی کر لی، اور وہ رجوع کا ارادہ رکھتا تھا اور اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ گواہ بنائے، تب بھی یہ رجوع ہے، اور عورت کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اس کو وطی کرنے سے منع کرے حتیٰ کہ وہ اس بات پر گواہ بنا لے کہ وہ رجوع کر رہا ہے۔

اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: جب اس نے رجوع کر لیا اور گواہ نہیں بنایا تب بھی رجوع کرنا صحیح ہوگا اور ہمارے اصحاب احناف کا بھی یہی قول ہے اور گواہ بنانا مستحب ہے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ رجوع صرف کلام کے ساتھ ہوتا ہے، اگر اس نے رجوع کی نیت سے جماع کر لیا تو یہ رجوع نہیں ہے۔ اور اس عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوگا لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ وہ عورت تو اس کی بیویوں کے حکم میں ہے اور زید نے کہا کہ جب اس نے اپنے دل میں رجوع کر لیا تو یہ لغو ہے۔

امام بخاری کے اس قول کی شرح کہ مرد اپنی بیوی سے کس طرح رجوع کرے

امام بخاری نے اس مسئلہ کا جواب نہیں لکھا، یا تو اس وجہ سے کہ ان کی عادت ہے کہ حدیث پڑھنے والا خود غور کر کے سمجھ لے گا کہ اس کا کیا جواب ہے یا اس وجہ سے کہ اس باب کی احادیث کے مطالعہ کے بعد اس کا جواب واضح ہو جائے گا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی صحیح البخاری: ۵۳۳۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور مبہم عبارات کے محامل

''حمی'': اس کا معنی ہے: جب کسی شخص کو کسی کام کے کرنے سے عار محسوس ہو، اور اس کو اس کام کے کرنے پر غصہ اور غیرت آئے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''انفا''، اور اس کا معنی ہے: غیظ اور تکبر، یعنی حضرت معقل بن یسار کو اس بات پر غصہ آیا کہ ان کی بہن

کے شوہر نے عدت کے دوران ان کی بہن سے رجوع نہیں کیا اور جب ان کی بہن کی عدت پوری ہوگئی تو اب وہ ان کو نکاح کا پیغام دے رہا ہے، اس وجہ سے ان کو غیرت آئی اور انہوں نے اپنی بہن کو اپنے شوہر سے نکاح کرنے سے منع کیا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''واستقاد'' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا اور اپنی غیرت اور غصے کو ترک کر دیا اور نکاح کی اجازت دے دی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

البقرہ: ۲۳۲: کی تفسیر از علامہ ازہری

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۹۹۸ھ، البقرہ: ۲۳۲، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی مطلقہ عورت جب اپنی عدت پوری کرلے اور اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو عورت کے ولی اسے منع نہ کریں، اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسی عورت اگر اپنے تجویز کردہ خاوند کے ساتھ عدت گزرنے کے بعد نکاح کرنا چاہے تو پہلا خاوند اسے نہ روکے اور یہ کوشش نہ کرے کہ جب میں نے اسے طلاق دے دی ہے تو کوئی دوسرا بھی اس سے نکاح نہ کرے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۶۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

البقرہ: ۲۳۲: کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (ان ہی پہلے خاوندوں کے) ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔ (البقرہ: ۲۳۲)

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب اربعہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی اور ان کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہوگئی، پھر ان کی بہن کے خاوند نے دوبارہ نکاح کا پیغام دیا تو حضرت معقل نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا از خود نکاح جائز نہیں ہے، وہ اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اگر بغیر ولی کی اجازت کے عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہوتا تو حضرت معقل کی بہن از خود اپنا نکاح اپنے پچھلے خاوند سے کر لیتیں اور ان کے خاوند کو یہ ضرورت نہ پڑتی کہ وہ ان کے بھائی سے رشتہ مانگیں، اور نہ ان کے بھائی کے منع کرنے کی کوئی وجہ ہوتی، اسی لیے امام شافعی نے کہا ہے کہ بغیر ولی کے عورت کے نکاح کے عدم جواز پر یہ آیت قوی دلیل ہے، نیز ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، اس کا نکاح باطل ہے، یہ تین بار فرمایا، نیز فرمایا: جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ بالغہ عورت اپنا نکاح خود کر لے، ان کا استدلال بھی اسی آیت سے ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نکاح کا اسناد عورتوں کی طرف کیا گیا ہے، اور ان کو نکاح سے روکنے سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ خاص ان کا حق ہے کیونکہ وہی اہل مباشرت ہیں اس لیے ان کا یہ تصرف صحیح ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ

وہ نابالغہ اور مجنونہ پر محمول ہے۔

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوحنیفہ کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی (خواہ کنواری ہو یا بیوہ) ولی کی بہ نسبت اپنے نکاح کی زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ فرمایا: اس کی خاموشی۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۷۷۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

حضرت خنساء بن حزام انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے باپ نے ان کا نکاح کر دیا درآں حالیکہ وہ بیوہ تھیں اور ان کو یہ نکاح ناپسند تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۷۷۴-۷۷۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آ کر ایک عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ میرے بیٹے کے چچا (دیور) نے میرے نکاح کا پیغام دیا، اور میرے باپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا اور میرا نکاح وہاں کر دیا جہاں مجھے پسند نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے والد کو بلایا اور اس سے یہ معاملہ دریافت فرمایا، اس کے باپ نے کہا: میں نے اس کے نکاح میں کسی خیر کو ترک نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ نکاح نہیں ہوا، (اور عورت سے فرمایا:) جاؤ جس سے چاہو نکاح کر لو۔ (المصنف ج ۴ ص ۱۳۲-۱۳۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی بیٹی حفصہ کا نکاح منذر بن الزبیر سے کر دیا۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن موجود نہیں تھے، جب وہ آئے تو انہوں نے ناراض ہو کر کہا: اے خدا کے بندو! کیا مجھ ایسے شخص کی بیٹی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر کیا جا سکتا ہے؟ حضرت عائشہ ناراض ہوئیں اور فرمایا: کیا تم منذر کو ناپسند کرتے ہو؟

(المصنف ج ۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۰۶ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ولی کے بغیر ایک عورت کے نکاح کو جائز قرار دیا، اس عورت کی مرضی سے اس کی ماں نے اس کا نکاح کر دیا تھا۔ (المصنف ج ۴ ص ۱۳۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

(تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۴۳-۸۴۱، فرید بک اسٹال لاہور)

۵۳۳۲- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنهما طَلَّقَ امْرَأَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از نافع کہ حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو

ﷺ أَنْ يُرَاجِعَهَا ثُمَّ يُمْسِكَهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ عِنْدَهُ حَيْضَةً أُخْرَى ثُمَّ يُمْهِلَهَا حَتَّى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضِهَا فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا حِينَ تَطْهُرُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُجَامِعَهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ إِذَا سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ قَالَ لِأَحَدِهِمْ إِنْ كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ وَزَادَ فِيهِ غَيْرُهُ عَنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ لَوْ طَلَّقْتَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَنِي بِهَذَا

طلاق دے دی جبکہ وہ حائضہ تھیں اور انہیں ایک طلاق دی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلیں، پھر ٹھہرے رہیں حتیٰ کہ ان کی بیوی اس حیض سے پاک ہوجائے، پھر اس کو ان کے پاس دوبارہ حیض آئے، پھر اس کو مہلت دیں، حتیٰ کہ وہ اس حیض سے پاک ہوجائے، پس اگر وہ اس کو طلاق دینے کا ارادہ کریں تو ان کو اس طہر میں طلاق دیں جس طہر میں انہوں نے اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو، پس یہ وہ عدت یا مدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہی کہ عورتوں کو طلاق دی جائے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس کے متعلق سوال کیا جاتا، تو وہ کسی سے کہتے کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو وہ تم پر حرام ہوگئی ہے، حتیٰ کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔ اور دوسروں نے اس حدیث میں از اللیث یہ اضافہ کیا ہے کہ مجھے نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب تم نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی یا دو طلاقیں دیں تو نبی ﷺ نے مجھے اس کے متعلق حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۴۹۰۸، ۵۲۵۱، ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۵۸، ۵۲۶۴، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۷۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، سنن نسائی: ۳۳۹۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۹، مسند احمد: ۶۱۰۶، موطا امام مالک: ۱۲۲۰، سنن دارمی: ۲۲۶۲)

صحیح البخاری: ۵۳۳۲-۵۳۳۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

طلاقِ رجعی کے بعد رجوع کی کیفیت اور تین طلاقوں کے بعد رجوع کا عدم جواز اور عقدِ جدید کے ساتھ دوبارہ نکاح کا ضروری ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (البقرہ: ۲۲۸)

اور ان (طلاقِ رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں۔

اہل تفسیر نے اس آیت کے متعلق یہ کہا ہے کہ طلاق رجعی یافتہ عورتوں سے ان کے شوہر عدت کے دوران ان سے رجوع کے زیادہ حق دار ہیں۔

رہا امام بخاری کا یہ قول کہ عورت کس طرح رجوع کرے گی، جب اس کو اس کے شوہر نے ایک طلاق دی یا دو طلاقیں دیں، سو

مراجعت کی دو قسمیں ہیں، ایک تو عدت کے دوران مراجعت ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ اور ایک عدت کے بعد مراجعت ہے جیسا کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ آزاد مرد نے جب اپنی آزاد بیوی کو طلاق دی اور وہ مدخول بہا تھی خواہ ایک طلاق دی یا دو طلاقیں دی تو وہ اس سے رجوع کرنے کا حق دار ہے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے، خواہ وہ عورت کو ناپسند کرے، اسی طرح مفسرین نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۝ (الطلاق:۱) شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے O

مفسرین نے کہا ہے: اس سے مراد رجوع کرنا ہے، اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ یہ کہتے تھے کہ اگر تم نے ایک مرتبہ طلاق دی یا دو مرتبہ طلاق دی اس خوف سے کہ اس کا رجوع کرنا میرے لیے ظاہر ہوگا، اور اگر اسے طلاقِ مغلظہ دے دی یعنی تین طلاقیں دے دیں تو اب اس کے لیے اس سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ پس اگر طلاق دینے والے نے اپنی بیوی سے سنت کے مطابق رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ اس عورت کی عدت پوری ہو گئی تو وہ عورت اپنے نفس کی خود زیادہ مختار ہے، اور وہ عورت اپنے شوہر کے لیے اجنبیہ ہو جائے گی، اور بغیر اس کے کہ وہ عورت کو دوبارہ نکاح کا پیغام دے اور دوبارہ نکاح کریں ولی اور گواہوں کی موجودگی میں تو یہ رجوع کی سنت کے مطابق نہیں ہے یعنی اس طلاق کے بعد رجوع نہیں ہوگا بلکہ نکاحِ جدید کرنا ہوگا اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قصہ کی تفصیل

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ وغیرہ نے یہ کہا ہے: اسی تفصیل کے مطابق حضرت معقل بن یسار کا قصہ ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان کی بہن کا شوہر اگر عدت کے دوران ان کی طلاق یافتہ بہن سے رجوع کر لیتا تو وہ اس کا زیادہ مالک ہوتا، پس جب حضرت معقل کی بہن کی عدت پوری ہو گئی اور وہ اپنے شوہر کے لیے اجنبی عورت ہو گئی، اب ان کے شوہر نے ان سے رجوع کرنے کو پسند کیا، تو ان کے بھائی نے ان کو اس سے منع کیا اور دوبارہ ان سے نکاح کرنے سے روکا اور یہ ممانعت جائز نہیں تھی، سوائے اس کے کہ پہلے یہ مباح تھی، اور ان کے شوہر کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ حضرت معقل کی بہن کو واپس بلائیں، سوائے نکاحِ جدید کے اور مہرِ جدید کے اور سوائے گواہوں کے، سو اس باب میں حضرت معقل بن یسار کا جو قصہ ہے اس کا یہی معنی ہے۔

رہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث تو اس کے معنی میں اختلاف ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر کو یہ حکم دیا تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی ہے، وہ اس طلاق سے رجوع کر لیں، اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مہر دینے کی ضرورت تھی اور نہ یہ ذکر ہے کہ ان کو اس معاملے میں اپنی بیوی کے ولی کی ضرورت تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا جو انہوں نے حیض کی حالت میں دی تھی تو اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ عورت اس پر راضی تھی یا اس کا ولی اس پر راضی تھا، اور اگر مہر دینے کی اور ولی کی ضرورت ہوتی تو صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حکم نہ دیا جاتا بلکہ عورت اور اس کے ولی کو بھی حکم دیا جاتا اور یہی حکم ہے ہر اس شخص کا جو عدت کے دوران طلاق سے رجوع کرے گا، کہ اس کو نکاح کے احکام میں سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی سوائے رجوع کرنے پر شہادت کے۔ اور یہ علماء کا اجماع ہے اور اس کو نکاح کے فرائض میں سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی اس لیے کہ جو شخص سنت کے مطابق طلاق دیتا ہے وہ اس نکاح میں کسی ایسی چیز کو داخل نہیں کرتا جو نکاح کے منافی ہو۔

طلاقِ رجعی میں رجوع کے وقت گواہوں کے قائم کرنے کا حکم

اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ رجوع کرنے میں سنت یہ ہے کہ اس رجوع پر گواہ قائم کیے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رجوع کرنے میں بھی گواہی کا ذکر فرمایا ہے، اور اس کا نکاح میں اور طلاق میں ذکر نہیں فرمایا جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ (الطلاق:۲)

پھر جب وہ تکمیل عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو اچھائی کے ساتھ روک لو یا ان کو دستور کے مطابق جدا کر دو، اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنالو، اور اللہ کے لیے گواہی دو۔

جب مرد اپنی بیوی سے عدت کے دوران رجوع کرے تو اس کی کیفیت میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی مرد نے ایک رجعی طلاق یا دو رجعی طلاق کے بعد رجوع کیا تو اس رجوع کی کیا کیفیت ہوگی؟

سعید بن المسیب التوفی ۹۰ ھ، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ ھ نے یہ کہا ہے کہ اس صورت میں جب مرد نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس کا رجوع متحقق ہو گیا۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ، نے کہا ہے: جب مرد نے اپنی بیوی سے عدت کے دوران جماع کیا اور وہ رجوع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، اور وہ اس سے ناواقف تھا کہ رجوع کرنے میں گواہوں کا بنانا ضروری ہے تو عورت کو چاہیے کہ اس کو جماع کرنے سے روک دے حتیٰ کہ مرد اپنے رجوع کے اوپر گواہ بنائے اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا ہے کہ جب اس نے رجوع کر لیا اور گواہ نہیں بنائے تب بھی اس کا رجوع کرنا صحیح ہے۔

اور فقہاءِ احناف اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ ھ نے کہا ہے: اگر اس نے اپنی بیوی کو شہوت کے ساتھ مس کیا یعنی چھوا یا شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کو دیکھا تو یہ بھی اس کا رجوع ہے اور اس کو چاہیے کہ اس رجوع پر گواہ بنائے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی نے کہا ہے: رجوع بغیر کلام کے متحقق نہیں ہوگا، بایں طور کہ وہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا اور یہی ابو ثور کا قول ہے اور امام شافعی نے کہا: اگر اس نے رجوع کی نیت سے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کر لیا یا رجوع کی نیت نہیں تھی تو یہ اس کا رجوع نہیں ہے اور عورت کے لیے مرد کے اوپر مہرِ مثل واجب ہے لیکن امام شافعی کا یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ وہ عورت اس کی بیویوں کے حکم میں ہے اور اس کی وارث ہوگی اور وہ مرد اس کا وارث ہوگا، پس اگر وہ اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے تو اس کے اوپر مہر کس طرح واجب ہوگا۔

حائضہ سے رجوع کرنے سے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ ابراہیم بن المنذر التوفی ۳۱۸ ھ نے کہا ہے کہ حائضہ سے رجوع کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: جس مرد نے اپنی بیوی کو طلاق اس حالت میں دی کہ وہ حیض میں تھی یا نفاس میں تھی تو اس کو اس

طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور فقہاء احناف نے کہا ہے: اس مرد کے لیے مناسب ہے کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلے اور یہی ابوثور کا قول ہے اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اس کو رجوع کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ابن عمر کو حکم دو کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنا فرض ہے اور یہی ان فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں: جس نے حالتِ حیض یا نفاس میں اپنی بیوی کو طلاق دی، اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

بغیر ولی کے نکاح کے جواز میں فقہاء کا اختلاف

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، اور جب کسی عورت کو اس کا ولی کسی سے نکاح کرنے سے منع کرے تو پھر سلطان یا سربراہِ ملک کو یہ چاہیے کہ وہ کس وجہ سے اس عورت کو نکاح کرنے سے منع کر رہا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معقل بن یسار کو منع کیا جب انہوں نے اپنی بہن کو ان کے شوہر سے عدت کے بعد نکاح کرنے سے منع کیا تھا، سو اس میں جمہور فقہاء کی یہ دلیل ہے کہ ولی شرطِ نکاح سے ہے۔

میں کہتا ہوں:

فقہاء احناف کے نزدیک عاقلہ بالغہ عورت اپنے مرضی سے کسی مرد سے نکاح کرسکتی ہے، اور مناسب یہ ہے کہ وہ کفو میں نکاح کرے، لیکن اگر اس نے اپنے ولی یا سرپرست کی اجازت کے بغیر کسی مرد سے نکاح کرلیا تو فقہاء احناف کے نزدیک یہ نکاح منعقد ہو جائے گا اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے کہ جب حضرت معقل بن یسار نے اپنی بہن کو اس سے منع کیا کہ وہ اس مرد سے نکاح کریں جو ان کو طلاق دے چکا ہے اور عدت گزر چکی ہے اور وہ عورت بائنہ ہو چکی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معقل بن یسار کو اس سے منع فرمایا حالانکہ وہ اپنی بہن کے ولی تھے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت کسی مرد سے اپنی مرضی سے نکاح کرے تو ولی کو اس نکاح سے منع کرنے کا حق نہیں ہے اور آزاد عاقلہ بالغہ کا اپنی مرضی سے کسی مرد سے نکاح کرنا جائز ہے اور مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے کفو میں نکاح کرے۔

ہمارے زمانے میں اکثر و بیشتر ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ عورتیں اپنے والدین کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنی پسند سے نکاح کرلیتی ہیں، اور ان عورتوں کے سرپرست اس نکاح کے خلاف عدالت میں مقدمہ پیش کرتے ہیں اور عدالتیں عورت کے حق میں فیصلہ کر دیتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کا موقف درست ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۰۴-۴۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: (صحیح البخاری ۵۳۳۲-۵۳۳۰ کی شرح علامہ ابن ملقن نے کتاب الطلاق میں نہیں کی بلکہ اس کی شرح انہوں نے کتاب التفسیر میں کی ہے، اب ہم اس شرح کو وہاں سے نقل کر رہے ہیں)۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے شوہر کا طلاق دینا اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح کی پیشکش کرنا اور حضرت معقل بن یسار کا اس نکاح سے منع کرنا

علامہ ابوالحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۲۹ ۴ میں مذکور ہے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن تھی، جن کی طرف نکاح کا پیغام دیا گیا، اور دوسری سند سے مذکور ہے کہ حضرت معقل بن یسار کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی پھر ان کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہوگئی، پھر ان کو دوبارہ نکاح کا پیغام دیا تو حضرت معقل بن یسار نے اپنی بہن کا ان کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں،، اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

حضرت معقل بن یسار کی بہن کا نام اور البقرہ: ۲۳۲ کے شان نزول میں مختلف اقوال

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے روایت کی ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کا نام جُمیل بنت یسار تھا (جُمیل اسم تصغیر ہے اور جیم پر پیش ہے)، (الاکمال لابن ماکولاج ۲ ص ۱۲۵)۔ یہ ابوالبداح کے نکاح میں تھیں اور امام ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ان کا نام فاطمہ بنت یسار ہے، اور ابن فتحون نے بیان کیا ہے کہ ان کا نام جمیلہ تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام جمیل تھا اور علامہ ابراہیم المنذری متوفی ۳۱۸ھ نے ان کا نام لیلیٰ ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ البقرہ: ۲۳۲ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان کی ایک چچازاد بہن تھی جن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی، پھر ان کی عدت پوری ہوگئی، پھر ان کے شوہر نے ارادہ کیا کہ وہ ان سے رجوع کرلیں تو حضرت جابر نے اس سے منع کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت اس مرد کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر جب اس کی عدت پوری ہوگئی تو اس نے اپنی بیوی کو اس سے منع کیا کہ وہ کسی اور سے نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔ (تفسیر الطبری ج ۲ ص ۴۹۸-۵۰۰)

آیت مذکورہ میں ''لا تعضلوا'' کا معنی

لا تعضلوا کا مصدر العضل ہے، اس کا معنی ہے منع کرنا، یعنی تم ان کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے منع کر کے ان پر تنگی نہ کرو، اور یہ لفظ ضاد کے کسرہ کے ساتھ لا تعضِلوا بھی پڑھا گیا ہے اور ضاد کے زبر کے ساتھ لا تعضَلوا بھی پڑھا گیا ہے اور مشہور قراءت پیش

کے ساتھ ہے یعنی لا تعضلوا، کہا جاتا ہے: "عضلت الناقة فهي معضل" جب کسی اونٹنی کا بچہ اس کے پیٹ میں روک دیا جائے۔

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے عدم جواز پر فقہاء شافعیہ کی دلیل

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ البقرہ: ۲۳۲ سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی، کیونکہ اگر عورت اپنا نکاح خود کرنے کی مالک ہوتی اور اس میں ولی کی اجازت کی ضرورت نہ ہوتی تو حضرت معقل بن یسار کی بہن از خود اپنا نکاح کرلیتی اور حضرت معقل بن یسار کے منع کرنے پر البقرہ: ۲۳۲ نازل نہ ہوتی۔ سو اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی عورت کے نکاح کرنے کا معاملہ اس کے ولی کی طرف مفوض ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۴۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲، ۱۰۱-۱۰۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

امام شافعی کی دلیل پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں:

اس کے برعکس اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، جب ہی تو جب حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن نے اپنے پہلے شوہر سے نکاح کا ارادہ کیا اور اس پر حضرت معقل بن یسار نے ان کو منع کیا تو قرآن کریم نے حضرت معقل بن یسار کے منع کرنے کے رد پر البقرہ: ۲۳۲ نازل فرمائی اور یہ ظاہر فرمادیا کہ اگر آزاد عاقلہ بالغہ عورت اپنا نکاح از خود کہیں کرنا چاہے تو اس کے شوہر کو اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے اس حکم کو تسلیم کرلیا۔ سو واضح ہوگیا کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت اپنا نکاح از خود کہیں کرسکتی ہے اور اس کے ولی اور سرپرست کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کو اس نکاح کرنے سے روکے اور منع کرے اور یہی فقہاء احناف کا موقف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو از خود نکاح سے روکنے اور اس پر البقرہ ۲۳۲ نازل ہونے کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری کی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس حدیث کی جو شرح لکھی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رجوع کی دو قسمیں ہیں:

(۱) یا تو رجوع عدت میں ہوگا، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلیں اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ انہیں اس رجوع میں عقد جدید کی ضرورت ہے۔ اور یا رجوع عدت کے بعد ہوگا جیسا کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مذکور ہے اور اس پر اجماع ہے کہ آزاد مرد جب آزاد عورت کو دخول کے بعد ایک طلاق دے یا دو طلاقیں دے تو وہ اس سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہے خواہ اس کی بیوی اس رجوع کو ناپسند کرتی ہے، پس اگر اس نے رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ عدت پوری ہوگئی تو پھر اس کی بیوی اس کے لئے اجنبی عورت کی طرح ہوجائے گی، اور اب وہ بیوی اس کے لئے حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ اس کے ساتھ وہ دوبارہ نکاح کرے۔

اور سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ مرد کس صورت میں اپنی بیوی سے رجوع کرنے والا ہوتا ہے۔

امام اوزاعی نے کہا: جب مرد نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس نے اس کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لیا اور بعض تابعین سے بھی اسی طرح منقول ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا بھی یہی قول ہے اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا بھی یہی قول ہے بشرطیکہ وہ اس جماع میں رجوع کی نیت کرے۔

اور فقہاء احناف نے امام اوزاعی کی مثل کہا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر اس نے اپنی بیوی کو شہوت کے ساتھ چھوایا اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھا تب بھی رجوع ہو گیا اور امام شافعی نے کہا ہے کہ رجوع صرف کلام کرنے سے متحقق ہوگا۔ اور اس اختلاف پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ اس صورت میں مرد کا بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا یا حرام ہوگا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق نکاح کو زائل کر دیتی ہے اور اس کے زیادہ قریب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس رجوع کے بعد مرد کا عورت کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا یا نہیں ہوگا، جیسا کہ مشرکین میں سے کوئی فریق اسلام لے آیا، اور دوسرا فریق عدت میں اسلام لایا، اور جب کہ جماع کا جواز روزے اور احرام اور حیض سے اٹھ جاتا ہے، پھر جب یہ معانی زائل ہو جائیں تو اس کا جماع کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۳-۴۸۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۲، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۲-۵۳۳۰ کی شرح از شیخ عثیمین، اصلاح کی نیت سے رجوع کرنے کا جواز اور بیوی کو ضرر پہنچانے کے لیے رجوع کرنے کا عدم جواز

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض ناواقف لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر اس کی عدت پوری ہو گئی اور عدت پوری ہونے کے بعد اس کے شوہر نے پھر اس کو نکاح کا پیغام دیا تو وہ کہتے ہیں: تم نے ہماری بیٹی کو طلاق دے دی اور آج تم پھر اسے نکاح کا پیغام دے رہے ہو، ہم اس سے نکاح نہیں کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں،، اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

خلاصہ یہ ہے کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ جو عورت اس کے زیر ولایت اور زیر سرپرستی ہو خواہ اس کی بہن ہو یا اس کی بیٹی ہو اور وہ از خود اپنے سابق شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اس کو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرے۔

رہا یہ کہ وہ عورت جب تک عدت میں ہے اور اس کو طلاق رجعی دی گئی ہے تو اس کے شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے رجوع کر لے خواہ وہ عورت چاہے یا انکار کرے، یا اس عورت کے گھر والے چاہیں یا انکار کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا (البقرہ:۲۲۸) اور ان (طلاقِ رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں، بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس رجوع کے لیے شرط عائد کی ہے کہ ان کا ارادہ اصلاح کا ہو لیکن جب ان کا ارادہ ضرر پہنچانے کا ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک شوہر رجوع کرنے کا حقدار نہیں ہے۔ اگرچہ دنیا میں اس کو رجوع کرنے کا حق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو یہ حق نہیں ہے کہ جب وہ اصلاح کا ارادہ نہ کرتا ہو تو پھر بیوی کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کرے جب کہ وہ بیوی کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کرتا ہو کہ وہ اس کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لے اور پھر اس کو دوبارہ طلاق دے تاکہ اس کی عدت طویل ہوتی جائے اور پھر وہ رجوع کرتا جائے، جس طرح اس زمانے میں بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔

سوال: اگر کوئی مطلقہ عورت طلاقِ رجعی کے بعد اپنے شوہر کے گھر میں رہے تو کیا اس میں کوئی فتنہ ہوگا یعنی اس کا شوہر اس مطلقہ رجعیہ سے جماع کرے گا؟

جواب: اس میں کوئی فتنہ نہیں ہے، کیونکہ جب مرد مطلقہ رجعیہ سے جماع کرلے گا تو اس کا رجوع متحقق ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے مطلقہ رجعیہ کے لیے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو گھر سے نکالا نہ جائے بلکہ گھر میں رکھا جائے تو جب عورت خاوند کے گھر میں رہے گی تو خاوند کے لیے جائز ہوگا کہ اس کے ساتھ جماع کرلے اور جب وہ اس کے ساتھ جماع کرلے گا تو اس کی دی ہوئی طلاق سے رجوع ہو جائے گا، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جب بیوی اس کے گھر میں رہے گی تو وہ بیوی کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے میں رغبت کرے گا۔

سوال: جب مرد مطلقہ عورت سے جماع کرے تو کیا اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ رجوع کی نیت کرے؟

جواب: مذہب مختار یہ ہے کہ جب وہ مطلقہ رجعیہ سے جماع کرے گا تو اس کا رجوع متحقق ہو جائے گا خواہ اس میں وہ رجوع کی نیت نہ کرے۔

اور صحیح یہ ہے کہ جب مرد نے مطلقہ رجعیہ سے جماع کیا تو یا تو وہ رجوع کی نیت نہیں کرے گا یا رجوع کی نیت کرے گا یا اس کے دل میں کوئی نیت نہیں ہوگی۔ پس اگر اس نے رجوع کی نیت نہیں کی تو یہ رجوع نہیں ہے، اور اس کو اس فعل پر تعزیر دی جائے گی، اور اگر اس نے رجوع کی نیت کی ہے تو پھر معاملہ واضح ہے اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی، اس کے دل میں کوئی بات نہیں تھی تب بھی معتمد قول یہ ہے کہ یہ رجوع متحقق ہو گیا کیونکہ اس نے طلاق رجعی دی تھی اور وہ اس کی بیوی تھی اور جب اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا تو اس کا یہ فعل جائز ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۲-۵۳۳۰ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب: مطلقہ عورتوں کے شوہر عدت میں رجوع کرنے کے زیادہ حق دار ہیں

جب بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں تو اس سے رجوع کس طرح کرے گا، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: عورتوں کو منع نہ کرو

۵۳۳۰: بعولہ بعل کی جمع ہے بمعنی شوہر، مفسرین نے کہا: جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی، جب تک اس کی عدت ختم نہ ہو وہ اس کو واپس لانے کا مستحق ہے اور اگر عدت ختم ہو جائے تو وہ بائنہ ہو جائے گی اور رجعت کا محل نہ رہے گی، اب اسے اجازتِ نکاح حاصل کرنا ہوگی اور شروطِ نکاح کے ساتھ عقدِ جدید کرے گا۔

مراجعت کی صورت میں بعض علماء نے کہا: جب اس سے جماع کرے گا تو رجوع ہو جائے گا، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے۔ نیز انہوں نے کہا: اگر اس کو مس کیا یا قصدِ رجعت کے بغیر اس کی شرمگاہ کو بنظرِ شہوت دیکھ لیا تو رجوع ثابت ہو جائے گا۔ اس پر گواہ بنانا مناسب ہے، امام مالک اور اسحاق نے فرمایا: جب رجعت کے ارادہ سے عدت میں جماع کیا اور گواہ قائم کرنے سے جاہل تھا تو رجوع ثابت ہوگا اور جب تک رجعت پر گواہ قائم نہ کرے، بیوی اس کو جماع کرنے سے روک سکتی ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: جب رجوع کیا اور گواہ نہ بنائے تو رجوع صحیح ہے۔ احناف بھی یہی کہتے ہیں، البتہ گواہ قائم کرنا مستحب ہے، امام شافعی نے فرمایا: رجوع صرف کلام سے ہوتا ہے اور اگر رجعت کے ارادے سے جماع کیا تو رجوع نہ ہوگا اور اس کو مہر مثل ادا کرے گا، لیکن اس میں اشکال ہے کہ وہ عورت بیوی کے حکم میں ہے، لہٰذا یہ وطی موجب مہر مثل نہیں۔ امام مالک نے فرمایا: جب اس کو حالتِ حیض یا نفاس میں طلاق دی تو اسے رجوع پر مجبور کیا جائے گا۔ ابن ابی شیبہ نے جابر بن زید سے روایت کی کہ جب دل میں رجوع کیا تو یہ رجوع نہ ہوگا۔

۵۳۳۱: حسن بصری نے کہا: معقل بن یسار کی ہمشیرہ ایک آدمی کی بیوی تھی، اس نے اسے طلاق دے دی، پھر اس سے علیحدہ رہا حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہوگئی پھر اسے منگنی کا پیغام بھیجا تو معقل بن یسار نے غصہ سے اس کا انکار کر دیا اور کہا: وہ اس سے علیحدہ رہا حالانکہ وہ اس پر قادر تھا پھر اب منگنی کا پیغام دیتا ہے اور اپنی ہمشیرہ اور اس کے شوہر کے درمیان حائل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ ''جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں اپنے سابق شوہر سے نکاح سے منع نہ کرو'' نازل ہوئی۔ پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معقل کو بلایا اور اس کے سامنے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی تو اس نے غصہ ترک کیا اور اللہ کے حکم کے تابع ہوا''۔ (ایک روایت میں ہے کہ معقل نے سابق شوہر کو بلایا اور اس سے اپنی ہمشیرہ کا نکاح کر دیا)۔

۵۳۳۲: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی، حالانکہ وہ حالتِ حیض میں تھی، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ رجوع کرے، پھر اس کو روک رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کے پاس دوسری بار حیض آئے، پھر اس کو روک رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کے پاس تیسری بار حیض آئے، پھر اس کو مہلت دے حتیٰ کہ حیض سے پاک ہو جائے، اب اگر اس کو طلاق دینے کا ارادہ ہو تو جس وقت پاک ہو جائے جماع کرنے سے پہلے طلاق دے، یہی وہ عدت ہے جس میں عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا جاتا تو ان میں سے کسی سے کہتے تھے: اگر تو نے بیوی کو تین طلاقیں دیں تو وہ تیرے اوپر حرام ہوگئی یہاں تک کہ وہ

تیرے سوا کسی اور شخص سے نکاح کرے، اس حدیث میں قتیبہ کے غیر نے لیث سے روایت میں اضافہ کیا کہ مجھے نافع نے خبر دی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر تو ایک یا دو طلاق دے تو بہتر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہی حکم فرمایا تھا۔
(تفہیم البخاری حصہ ہشتم ص ۴۰۵-۴۰۲، جدہ پرنٹرز لاہور بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۳۲ کی شرح شیوخ دیو بند سے

شیخ سلیم اللہ خاں دیو بندی مہتمم جامعہ فاروقیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طلاق سے رجوع کا مسئلہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں رجوع عن الطلاق کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے دی تو عدت کے اندر اگر وہ رجوع کرے تو نئے نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر عدت گزر گئی تب وہ رجوع کرنا چاہے تو اس صورت میں عقد جدید اور نئے نکاح کی ضرورت ہوگی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے اندر حضرت عبداللہ بن عمر کی جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس میں رجوع کی پہلی صورت پائی جاتی ہے، یعنی رجوع فی العدت، اور حضرت معقل بن یسار کی جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس میں رجوع کی دوسری صورت پائی جاتی ہے، یعنی رجوع بعد العدت۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ شوہر طلاق رجعی دینے کے بعد عدت کے اندر رجوع کا حق رکھتا ہے، اگرچہ عورت کو ناپسند ہو اور وہ اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۴)

طلاق سے کیسے رجوع کیا جائے گا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں آگے فرماتے ہیں: ''وکیف یراجع المراۃ اذا طلقھا۔ یعنی طلاق سے رجوع کا طریقہ کیا ہوگا؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رجوع بالکلام ہوگا، شوہر کہے کہ میں نے طلاق سے رجوع کرلیا۔ امام اوزاعی اور امام مالک کے نزدیک رجوع بالجماع ہوگا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نیت کی شرط بھی لگاتے ہیں کہ شوہر رجوع عن الطلاق کی نیت سے جماع اور صحبت کرے تب رجوع صحیح ہوگا، حنفیہ کے نزدیک رجوع قول اور عمل دونوں سے ہوسکتا ہے، جماع، مس بالشہوۃ، نظر الی فرجھا بالشہوۃ، سے رجوع ہو جائے گا اگرچہ اس نے رجوع کا قصد نہ کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۴، الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۴)

امام احمد سے ایک قول امام شافعی کے موافق اور دوسرا قول امام اوزاعی کے موافق منقول ہے۔

باب کے تحت امام بخاری نے جو روایات ذکر فرمائی ہیں، یہ پہلے گزر چکی ہیں، پہلی روایت میں ہے فحمی معقل من ذالك انفا، یعنی حضرت معقل (بفتح المیم، وسکون العین وکسر القاف) خودداری کی وجہ سے اس سے رکا اور انہوں نے دوبارہ اپنی بہن کو اس شوہر کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دی، حمی از باب سمع من حمی عن الشیئی، رکنا، حمایت کرنا، انفا (ہمزہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ) خودداری (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۳) ''واستقاد لامر اللہ''، یعنی اس نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی۔

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، ص ۵۷۵-۵۷۴، کتاب الطلاق، کتاب النکاح، کتاب فضائل القرآن، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۴۵۔ بَابٌ: مُرَاجَعَةِ الْحَائِضِ
حیض والی عورت کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی تو آیا اس طلاق کا شمار ہوگا یا نہیں؟

۵۳۳۳۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ جُبَيْرٍ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ طَلَّقَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَسَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا ثُمَّ يُطَلِّقَ مِنْ قُبُلِ عِدَّتِهَا قُلْتُ فَتَعْتَدُّ بِتِلْكَ التَّطْلِيقَةِ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سیرین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس بن جبیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، پس انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس طلاق سے رجوع کر لیں، پھر عدت پوری ہونے سے پہلے اس کو طلاق دے دیں، میں نے پوچھا: کیا اس طلاق کا شمار کیا جائے گا؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے سے عاجز ہو اور بیوقوف ہو (یعنی تب وہ ایسا کرے گا اور جو احکامِ شرعیہ پر عامل ہو اور صاحب عقل ہو تو وہ ایسا نہیں کرے گا، یعنی اس طلاق کا شمار ہوگا)۔

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الطلاق کے اوائل میں ذکر کیا ہے اور اس کا متن درج ذیل ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی کہ ان کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی، پھر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوئے، پھر آپ نے فرمایا: ابن عمر کو حکم دو کہ وہ اس دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لے، پھر وہ اس کو اپنے پاس رکھے حتیٰ کہ وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کو حیض آئے، پھر اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اگر اس پر یہ منکشف ہو کہ وہ اس کو طلاق دے، تو وہ اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو، پس یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۹۰۸، ۵۲۵۱، ۵۲۵۲، ۵۳۲۵۳، ۵۲۵۸، ۵۲۶۴، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۷۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، سنن نسائی: ۳۳۹۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۹، مسند احمد: ۶۱۰۶، موطا امام مالک: ۱۲۲۰، سنن داری: ۲۲۶۲)

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت، اس کے مطالب اور مبہم عبارات کی وضاحت

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۳۳۳، کی باب کے ساتھ مطابقت واضح ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں حیض والی عورت سے رجوع کرنے کا ذکر ہے، اور حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا۔

اس حدیث کی سند میں حجاج کا لفظ ہے، جو فعال کے وزن پر ہے، اور حجاج میں جیم پر تشدید ہے، ان کا پورا نام ہے حجاج بن منہال، اور اس حدیث میں یزید کا ذکر ہے جس کا مصدر زیادت ہے، اور ان کا نام ہے یزید بن ابراہیم التستری۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ یونس بن جبیر نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا، یعنی یہ سوال کیا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی ہو اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے جواب میں کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی، اس جملہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ کو صیغۂ غائب سے تعبیر کیا ہے، بہ ظاہر یوں کہنا چاہیے تھا کہ میں نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تھی، لیکن اس کے بجائے انہوں نے یوں کہا کہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تھی۔

پس حضرت عمر نے سوال کیا یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے حکم دیا کہ ابن عمر سے کہو کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلے اور عدت کے اندر اس کو دوبارہ طلاق دے۔

میں نے کہا: کیا اس طلاق کا شمار کیا جائے گا؟ یہ کہنے والے یونس بن جبیر ہیں تو انہوں نے حضرت ابن عمر سے یہ سوال کیا تو حضرت ابن عمر نے یہ جواب دیا کہ یہ بتاؤ کہ ابن عمر احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے سے عاجز ہو یا بیوقوف ہو تو کیا وہ ایسا کرے گا، یعنی حضرت ابن عمر کو اس طلاق کے شمار کرنے سے کیا چیز منع کرے گی؟ یا تو جہالت منع کرے گی، یا حماقت منع کرے گی اور یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں، تو پھر اس طلاق کا شمار کیا جائے گا۔

علامہ ابن التین کی شرح پر علامہ عینی کا تعاقب

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ''الاقراء'' سے مراد ''الاطہار'' ہے، اور اس میں امام ابوحنیفہ کے خلاف حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ الاقراء سے مراد حیض ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: سبحان اللہ! اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی تخصیص کی کیا دلیل ہے اور امام ابوحنیفہ اس قول میں منفرد نہیں ہیں لیکن جب آدمی ان کی طبیعت میں باطل تعصب ہو تو وہ اس کو اس قسم کی باتوں پر برانگیختہ کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

قرء کے معنی حیض ہونے پر مصنف کی طرف سے دلیل

امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ قرء کا معنی حیض ہے، اور اس سے پہلے اس پر بہت دلائل ذکر کیے جا چکے ہیں، ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرہ:۲۲۸) طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

اس آیت میں طلاق یافتہ عورت کی عدت تین قروء بیان کی گئی ہے، اگر طلاق کا معنی حیض کیا جائے تو پھر تین حیض متصور ہوں گے اور اگر قروء کا معنی طہر کیا جائے تو جس طہر میں طلاق دی جائے گی اگر اس کو شمار کیا جائے تو پھر یہ ڈھائی طہر ہوں گے اور اگر اس کو شمار نہ کیا جائے تو پھر یہ ساڑھے تین طہر ہوں گے اور ثلاثۃ کے لفظ پر عمل نہیں ہوگا، اور ثلاثۃ ایک لفظ خاص ہے جس کا معنی ہے مکمل تین عدد، اور مکمل تین عدد صرف حیض میں ہوں گے طہر میں مکمل تین عدد نہیں ہو سکتے، اس لیے امام ابوحنیفہ کا مذہب قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

رجوع کے شرعی معنی کی تحقیق

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رجوع سے مراد ہے عدت کے اندر رجوع کرنا، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں مذکور ہے، اور رجوع کا ایک معنی ہے عدت کے بعد رجوع کرنا (عدت کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ نکاح باقی نہیں رہتا، اب اس کی طرف رجوع کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے دوبارہ نکاح کیا جائے، دوبارہ مہر رکھا جائے، دوبارہ گواہ قائم کیے جائیں۔ سعیدی غفرلہ)

عدت کے بعد رجوع کرنے کی مثال وہ ہے جس کا ذکر حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کے معاملہ میں گذر چکا ہے اور اس پر اجماع قائم ہے کہ مرد جب اپنی آزاد عورت کو طلاق دے دے اور وہ اس سے دخول کر چکا ہو اور اس نے اس کو ایک طلاق دی ہو یا دو طلاقیں دی ہوں تو وہ اس طلاق سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے، خواہ عورت اس کو ناپسند کرتی ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ (البقرہ:۲۲۸) اور ان (طلاق رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں، بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت مذکورہ میں رجوع کا بیان ہے، اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ اگر میں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی یا دو طلاقیں دیں، پھر مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ میں اس طلاق سے رجوع کرلوں، اور حضرت ابن عمر طلاقِ مغلظہ دے چکے تھے تو ان کو اس سے رجوع کرنا میسر نہ ہوا۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح

اگر طلاق دینے والے نے سنت کے مطابق طلاق نہیں دی حتیٰ کہ مطلقہ کی عدت پوری ہو گئی تو وہ خود اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے، پس عدت کے بعد وہ مطلقہ اپنے خاوند کے لیے اجنبی عورت کی طرح ہو جائے گی اور وہ اپنے خاوند کے لیے بغیر نکاح کے پیغام دینے اور دوبارہ نکاح کرنے جو ولی اور گواہوں کے ساتھ ہو، حلال نہیں ہوگی، اور یہ رجوع کے طریقے پر نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے۔

اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کا نکاح کیا، اگر ان کا شوہر عدت کے دوران رجوع کر لیتا تو وہ اس کا مالک تھا، لیکن جب ان کی بیوی کی عدت مکمل ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے لیے اجنبیہ ہوگئیں تو اب انہوں نے پسند کیا کہ وہ دوبارہ ان سے رجوع کریں تو ان کی بیوی کے بھائیوں نے منع کیا اور ان کے ساتھ دوبارہ نکاح سے بھی منع کیا اور ان کا منع کرنا جائز نہیں تھا، اگرچہ یہ پہلے مباح تھا اور بغیر نکاح جدید کے اور مہر کے اور گواہوں کے ان کا حضرت معقل بن یسار کی بہن سے دوبارہ نکاح کرنا جائز نہیں تھا اور یہی حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی شرح

رہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث، سو وہ اس شرح کے خلاف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ انہوں نے حیض میں جو طلاق دی ہے، وہ اس طلاق سے رجوع کر لیں اور اس حدیث میں آپ نے یہ ذکر نہیں فرمایا کہ اس رجوع میں ان کو دوبارہ مہر مقرر کرنے یا دوبارہ ولی کی اجازت کی ضرورت ہوگی، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو آپ نے یہ ذکر نہیں فرمایا کہ ان کی بیوی بھی اس پر راضی ہو اور نہ یہ ذکر فرمایا کہ ان کا ولی اس پر راضی ہو اور اگر اس کی ضرورت ہوتی تو صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کا ذکر نہ کیا جاتا بلکہ ان کی عورت کو بھی حکم دیا جاتا اور عورت کے ولی کو بھی حکم دیا جاتا، سو ہر وہ شخص جو عدت کے دوران دی ہوئی طلاق سے رجوع کرے تو اس کا یہی حکم ہے کہ اس پر احکامِ نکاح میں سے کوئی حکم لازم نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اس رجوع کے اوپر گواہ قائم کرلے اور اس پر علماء کا اجماع ہے اور اس پر نکاح کے فرائض میں سے کوئی فرض اس لیے لازم نہیں ہے کہ وہ سنت کے مطابق طلاق دینے والا ہے اور اس نکاح میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس نکاح کے منافی ہو۔

اور اس معنی کی تائید قرآن مجید کی اس آیتِ مبارکہ سے ہوتی ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾ (البقرہ:۲۲۸)

طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقدِ ثانی سے) روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے، اور ان (طلاقِ رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں، بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو، اور عورتوں کے لیے دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

یعنی عورتوں کے شوہر عدت کے دوران رجوع کرنے کے زیادہ حق دار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ رجوع

کرلیں یہ لازم نہیں کیا کہ وہ عورتوں سے اجازت طلب کریں اور نہ نکاح کے فرائض میں سے اور کسی فرض کو لازم کیا ہے۔
اور طلاقِ سنت میں علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب وہ رجوع کریں تو اس پر گواہ قائم کرلیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ (الطلاق:۶) ''مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے موافق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو''۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں کو اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا ہے اور یہ ذکر نہیں فرمایا کہ تم ان پر گواہ بناؤ اور نہ نکاح میں گواہ بنانے کا ذکر کیا ہے اور نہ طلاق میں گواہ بنانے کا ذکر کیا ہے، لیکن رجوع کرنے میں گواہ بنانے کا حکم دیا ہے:
فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّھَادَۃَ لِلّٰہِ (الطلاق:۲) پھر جب وہ تکمیل عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو اچھائی کے ساتھ روک لو یا ان کو دستور کے مطابق جدا کردو، اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنالو، اور اللہ کے لیے گواہی دو۔
جب یہ ثابت ہوگیا کہ جب مرد اپنی بیوی سے رجوع کرے تو وہ اس پر گواہ قائم کرلے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کس صورت میں اس کا رجوع متحقق ہوگا۔ سعید بن المسیب التوفی ۹۰ھ، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاوس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ نے کہا ہے کہ جب مرد نے مطلقہ رجعیہ سے جماع کرلیا تو اس کا رجوع متحقق ہوگیا۔
اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے: جب اس نے اپنی بیوی کے ساتھ عدت کے دوران جماع کیا اور وہ رجوع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور وہ اس سے ناواقف تھا کہ وہ اس رجوع کے لیے گواہ قائم کرلے تو عورت کو چاہیے کہ اس کو جماع کرنے سے منع کرے حتیٰ کہ وہ رجوع کے اوپر گواہ قائم کرلے اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: جب اس نے رجوع کیا اور گواہ نہیں بنایا تو اس کا رجوع صحیح ہے، اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ رجوع صرف کلام کے ساتھ صحیح ہوتا ہے بایں طور کہ وہ اپنی بیوی سے کہے: میں نے تم سے رجوع کرلیا اور یہی ابو ثور کا قول ہے، پس اگر اس نے رجوع کی نیت سے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا یا اس کے بغیر جماع کیا تو اس کا رجوع صحیح نہیں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مہرِ مثل ادا کرے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۸۸-۳۸۹، الاشراف ج ۱ ص ۲۷۶-۲۷۷)
امام شافعی کے مذہب پر یہ اشکال ہے کہ مطلقہ رجعیہ بیویوں کے حکم میں ہوتی ہے تو اگر وہ مطلقہ رجعیہ سے جماع کرے گا تو اس پر مہرِ مثل کیونکر واجب ہوگا؟ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کے نزدیک اگر اس نے اپنی بیوی کو چھوا یا اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت سے دیکھا اور اس کا رجوع کرنے کا قصد نہیں تھا تب بھی اس کا رجوع متحقق ہوگیا اور مناسب یہ ہے کہ وہ اس کے اوپر گواہ قائم کرلے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۸۸)

حائضہ سے رجوع کرنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کا اختلاف

علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: حائضہ سے رجوع کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: جس نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں یا حالتِ نفاس میں طلاق دی تو اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور

کیا جائے گا اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ حیض یا نفاس میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لے اور یہی ابوثور کا قول ہے۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا ہے: اس صورت میں یعنی حیض یا نفاس میں دی ہوئی طلاق میں اس کو رجوع کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے پر مرد کو مجبور کیا جائے گا ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا تھا کہ تم ابن عمر کو حکم دو کہ اس نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں جو طلاق دی ہے اس سے رجوع کرلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنا فرض ہے۔ (الاشراف ج ۱ ص ۲۸۱)

طلاقِ رجعی میں جماع کرنے کا حکم

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ ھ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک طلاق رجعی میں اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے اور اس میں فقہاء نے مخالفت کی ہے اور جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو وہ عدت کے دوران اور عدت کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے، نہ وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی ہیں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور وہ اس کو اپنی مرضی سے طلاق دے، پھر وہ اس طلاق کی عدت گزارے تو پھر وہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے اس کی دُبر (سرین) میں وطی کی تو یہ رجوع نہیں ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ یہ بھی رجوع ہے۔

دل میں رجوع کرنے کا حکم

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں جابر بن زید سے روایت کی ہے کہ جب کسی مرد نے اپنے دل میں رجوع کی نیت کی تو اس کا یہ نیت کرنا لغو ہے، انہوں نے کہا: اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر اس نے اپنی بیوی کو رجوع کرنے کی خبر نہیں دی حتیٰ کہ اس کی عدت مکمل ہو گئی اور اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور دوسرے مرد نے اس کے ساتھ دخول کر لیا تو اس مرد کے لیے کوئی چیز ثابت نہیں ہو گی۔

اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ نے فرمایا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس سے رجوع کرنے پر گواہ قائم کر لیے تو وہ اس کی بدستور بیوی ہے، خواہ اس نے اس کو اس کی خبر دی ہو یا نہ دی ہو اور دوسرے شوہر نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ نے فرمایا: اگر اس نے اپنی بیوی کو دوسرا نکاح کرنے سے پہلے پالیا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے اور دوسری روایت میں ہے: جب تک کہ دوسرے مرد نے اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو، اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر اپنی بیوی کے پاس اس نے پیغام بھیجا کہ اس نے رجوع کر لیا ہے، اور اس کی بیوی تک یہ پیغام نہ پہنچا ہو حتیٰ کہ اس نے نکاح کر لیا تو انہوں نے کہا: وہ عورت اس سے بائنہ ہو جائے گی، اور اگر اس عورت تک اس سے پہلے رجوع کا پیغام پہنچ گیا کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرتی، تو وہ اس کی بدستور بیوی رہے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۶۴-۱۶۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ ھ)

ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ ھ نے کہا: جب کسی مرد نے عدت پوری ہونے کے بعد اپنے رجوع کرنے کا دعویٰ کیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس دعویٰ کے اوپر گواہ پیش کرے اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ ھ نے کہا ہے کہ اس صورت میں

اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی خواہ وہ گواہ پیش کرے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا: اگر مرد نے عدت پوری ہونے کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں تم سے رجوع کر چکا تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور ابراہیم نخعی نے کہا: اگر اس نے چپکے سے طلاق دی ہے تو وہ چپکے سے رجوع کر لے، اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے کہا کہ یہ رجوع ہے اور اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اس نے کھلم کھلا طلاق دی تھی اور رجوع کر لیا تو وہ اپنے رجوع کے اوپر گواہ قائم کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۹۵-۱۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

بغیر ولی اور سرپرست کی اجازت کے نکاح کے جواز میں فقہاءِ اسلام کا اختلاف

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ کہتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے، اور جب ولی اس کو نکاح کرنے سے روکے تو سلطان یا سربراہ کے لیے جائز ہے کہ اس سے یہ پوچھے کہ وہ کس وجہ سے اس عورت کو نکاح سے منع کر رہا ہے، سو اس حدیث میں جمہور کی یہ دلیل ہے کہ نکاح کی شرط ولی کی اجازت ہے، اور امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت معقل بن یسار کے قصہ میں نازل ہوئی ہے اور ہمارے نزدیک یہ نکاح میں ولی کی اجازت کے لیے اصل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ میں فقہاءِ احناف کا موقف یہ ہے کہ آزاد، عاقلہ، بالغہ از خود اپنی مرضی سے کسی جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جو کنواری لڑکی بالغہ ہو اس کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور اس کی اجازت کے بغیر اس کا کہیں نکاح نہیں کیا جائے گا، اور حضرت معقل بن یسار کی حدیث میں فقہاءِ احناف کی دلیل ہے کیونکہ جب حضرت معقل بن یسار نے اپنی بہن کو ان کے سابق شوہر کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ (البقرہ: ۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں، اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

سو اس آیت کے نزول کے بعد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ جو پہلے اپنی بہن کو ان کے سابق شوہر کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کر رہے تھے، انہوں نے اپنے منع کرنے سے رجوع کر لیا اور بہن کو اجازت دے دی کہ وہ سابق شوہر سے نکاح کر سکتی ہیں، تو جس طرح حضرت معقل بن یسار نے اس آیت کے نزول کے بعد اپنا سرِ تسلیم خم کر دیا اور یہ مان لیا کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، کاش! فقہاءِ شافعیہ بھی اس آیت کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیتے اور یہ مان لیتے کہ آزاد عاقلہ

بالغہ عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اور مناسب یہ ہے کہ وہ کفو کے اندر نکاح کرے۔ (سعیدی غفرلہ)

ہوائے نفس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترجیح دینا

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو اس بات پر غصہ تھا کہ جب ان کے بہنوئی نے عدت کے دوران ان کی بہن کو دی ہوئی طلاق سے رجوع نہیں کیا، اب وہ عدت گزرنے کے بعد جب ان کی بہن بائنہ ہو چکی ہے تو وہ اس سے کیوں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں، ان کو اس پر غیرت آئی اور انہوں نے اپنی بہن کو ان کے نکاح میں دوبارہ دینا اپنے لیے باعثِ عار سمجھا لیکن جب البقرہ: ۲۳۲ نازل ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ تم عورتوں کو نکاح کرنے سے منع نہ کرو تو انہوں نے اپنا غصہ تھوک دیا اور اپنے عار اور اپنی غیرت کو پسِ پشت ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنی بہن کو اپنے بہنوئی کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے سے منع نہیں کیا، سو معلوم ہوا کہ جب انسان ہوائے نفس میں مبتلا ہو اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو تو وہ ہوائے نفس کو ترک کر دے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرے۔

فقہاء کا اس میں اختلاف کہ قرء کا معنی طہر ہے یا حیض

علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں: کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قرء کا معنی طہر ہے، اس کو علامہ ابن التین شارح بخاری نے ذکر کیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کریں، پھر ان کو دوبارہ طلاق دیں ان کی عدت پوری ہونے سے پہلے، یعنی طہر میں طلاق دیں، اور اس کا امام بخاری نے اس طرح ذکر نہیں کیا۔

پھر علامہ ابن التین نے ذکر کیا ہے کہ اس میں امام ابوحنیفہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قرء کا معنی حیض ہے۔ (ہم اس سے پہلے بتا چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ جو کہتے ہیں کہ قرء کا معنی حیض ہے اس پر ان کے کیا دلائل ہیں۔ سعیدی غفرلہ)۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۴۲-۵۴۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق کے متعلق فقہاءِ اسلام کا اختلاف

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، صحیح البخاری: ۵۳۳۳ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، اکثر اہل علم یہ کہتے ہیں کہ حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق، طلاقِ رجعی ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ حیض میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور شیخ ابن تیمیہ کا موقف یہ ہے کہ حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اور ان کے شاگرد ابنِ قیم نے بھی اس مسئلہ میں ان کی موافقت کی ہے اور انہوں نے اپنی کتاب زاد المعاد میں اس پر بہت زیادہ دلائل قائم کیے ہیں، جو ان کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہی قولِ راجح ہے کہ حالت حیض میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، کیونکہ قاعدہ عظیمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے امر کے موافق نہیں ہے تو اس کا وہ عمل مردود ہے، کیونکہ حالتِ حیض میں طلاق دینا ایسا عمل ہے جس کے موافق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امر نہیں ہے، پس جب اس کے موافق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امر نہیں ہے، تو وہ عمل مردود ہے اور وہ عمل مقبول نہیں ہے اور وہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور جو احادیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس قصہ کے متعلق وارد

ہیں، وہ مختلف ہیں، بعض احادیث میں ہے: اس پر اعتماد کیا جائے گا، اور بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے اس کا بالکل اعتبار نہیں کیا، کیونکہ یہ طلاق ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے بغیر واقع ہوئی ہے۔

اور جب دلائل میں تعارض ہو اور ان میں سے کوئی ایک دلیل دوسری دلیل سے زیادہ واضح نہیں ہے تو واجب ہے کہ اس حکم کو اس طرح لوٹایا جائے جس طرح راسخین فی العلم متشابہ کو محکم کی طرف لوٹاتے ہیں اور محکم یہ ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق واقع نہیں ہوتی، اس حدیث کی بناء پر جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے کہ جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے (صحیح البخاری: ۲۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۷۱۸) اور اس لیے کہ اگر ہم حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق کو واقع کر دیں تو یہ اللہ عزوجل کے حکم کے خلاف ہے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ وہ اس طلاق سے رجوع کر لیں اور یہ تفصیل نہیں کی تھی کہ یہ پہلی طلاق ہے یا تیسری طلاق ہے اور اس میں دلیل ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوئی اور اس کا شمار نہیں کیا گیا، کیونکہ اگر یہ طلاق واقع ہوتی تو حضرت عبد اللہ بن عمر پوچھتے کہ کیا یہ پہلی طلاق ہے یا تیسری طلاق ہے، اور اس لیے کہ اگر یہ تیسری طلاق ہوتی تو پھر رجوع کرنا ممکن نہیں تھا۔

اور صحیح مسلم میں یہ دلیل ہے کہ یہ پہلی طلاق ہے اور اس سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ طلاق واقع ہو گئی ہے۔

پس میرے نزدیک راجح قول وہ ہے جس کی طرف شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ اس طہر میں دی ہوئی طلاق واقع ہوتی ہے جس میں مرد اپنی بیوی سے جماع کر چکا ہو، حتیٰ کہ اس کا عمل ظاہر ہو جائے۔ اگر مرد نے اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دی جس میں وہ جماع کر چکا ہے تو اس کی وہ طلاق لغو ہے، کیونکہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی عورت حاملہ ہے تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۶-۹۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں شیخ عثیمین کا شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم کے ساتھ تخصیص کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرے اور اس طلاق کا شمار نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی احادیث سے واضح ہے اور شیخ عثیمین پر حیرت ہے کہ جب اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صریح حدیث موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ تم عبد اللہ بن عمر سے کہو کہ اس طلاق سے رجوع کر لے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی تو پھر اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے شیخ عثیمین نے اس مسئلہ پر اس عمومی حدیث سے استدلال کیا ہے: ''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے''، سو جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس خاص مسئلہ کے متعلق صریح حدیث موجود ہے تو پھر اس عمومی حدیث سے استدلال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ (سعیدی غفرلہ)

تنبیہ: مولانا غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ نے صحیح البخاری: ۵۳۳۳ کی شرح نہیں کی ہے اور صرف ترجمہ کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

باب: حائضہ مطلقہ سے رجوع کرنا

۵۳۳۳: یونس بن جبیر نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے کہا: عبداللہ بن عمر نے طلاق دی جب کہ ان کی بیوی حالتِ حیض میں تھی، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کے متعلق) سوال عرض کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ کہو: اس سے رجوع کرے، پھر جب عدت کا وقت آئے تو اس کو طلاق دے (طہر میں طلاق دے)، یونس نے کہا: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اس طلاق کو شمار کیا جائے گا (جو حالتِ حیض میں دی گئی تھی) تو انہوں نے کہا: مجھے خبر دو اگر عبداللہ عاجز آ گیا ہو اور حماقت کی وجہ سے طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہو گی؟ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۰۶-۴۰۵، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۳۳، کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کسی آدمی نے زمانہ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسکو رجوع کر لینا چاہیے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، البتہ اس رجوع کی شرعی حیثیت میں اختلاف ہے، امام مالک، داؤد ظاہری کے نزدیک رجوع واجب ہے، امام احمد کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، اور حنفیہ کا مذہب مختار بھی یہی ہے، امام شافعی کے نزدیک رجوع مستحب ہے، امام احمد کا ظاہر مذہب بھی اسی کے مطابق ہے اور حنفیہ میں قدوری نے اسی کو مختار قرار دیا ہے، دلائل کی تفصیل کتاب الطلاق کے شروع میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''باب مراجعة الحائض'' کا ترجمہ تو قائم کیا ہے لیکن وجوب اور عدم وجوب پر انہوں نے کوئی بحث نہیں کی۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق، ص ۴۷۵، مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی کراچی)

۴۶- بَابٌ: تُحِدُّ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے، وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے

باب مذکور کی تعلیق

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا أَرَى أَنْ تَقْرَبَ الصَّبِيَّةُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا الطِّيبَ لِأَنَّ عَلَيْهَا الْعِدَّةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ هَذِهِ الْأَحَادِيثَ الثَّلَاثَةَ

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۱۱۷)

اور زہری نے کہا: کہ میری رائے یہ نہیں ہے کہ جس بچی کا شوہر فوت ہو گیا ہو تو وہ خوشبو کے قریب جائے، کیونکہ اس پر بھی عدت واجب ہے، ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم از حمید بن نافع از زینب بنت ابی سلمہ، انہوں نے ان تین حدیثوں کی خبر دی۔

احداد کا صیغہ اور اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی کا بیان

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، حدیث مذکور کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''تحد'' اس میں پہلے حرف پر پیش ہے اور دوسرے حرف پر زیر ہے اور یہ رباعی سے ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ پہلے حرف پر زبر ہو اور دوسرے حرف پر پیش ہو ثلاثی سے۔

اہلِ لغت نے کہا ہے: ''الاحداد'' کا اصل معنی ہے منع کرنا، اسی وجہ سے دربان کو حداد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ آنے والے کو گھر میں داخل ہونے سے منع کرتا ہے، اور اسی وجہ سے ''العقوبت'' یعنی سزا کو حد کہا جاتا ہے، کیونکہ سزا بھی انسان کو گناہ کے کرنے سے روکتی ہے اور ابن درستویہ نے کہا ہے کہ احداد کا معنی ہے جو عورت عدت گزار رہی ہو، اس کو زینت اختیار کرنے سے منع کرنا اور اس کو اپنے بدن پر خوشبو لگانے سے منع کرنا اور جو لوگ اس عورت کو نکاح کا پیغام دینا چاہیں ان کو منع کرنا، اور جو لوگ اس سے نکاح میں رغبت کرنا چاہیں ان کو منع کرنا، جیسا کہ حد معصیت سے منع کرتی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۷۵۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ اور اس باب کے عنوان کی شرح

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ تحد کے صیغہ میں پہلے حرف پر ضمہ ہے اور دوسرے حرف پر زیر ہے اور یہ رباعی سے ہے، علامہ عینی اس پر رد فرماتے ہیں کہ یہ اہلِ صرف کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ثلاثی مزید سے ہے، اور اس کا باب احداد ہے۔ ثعلب نے کہا: جب کوئی عورت اپنے خاوند کی وفات کے سوگ میں زینت کو ترک کردے تو کہا جاتا ہے ''حدت المرأة علی زوجها تحد حدادا''۔

اور ابن درستویہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے نفس اور بدن پر زینت کو منع کرتی ہے، اور اس عورت کو نکاح کا پیغام دینے والوں کو بھی منع کرتی ہے کہ وہ اس کو نکاح کا پیغام دیں یا اس سے نکاح میں رغبت کریں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳-۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی، بچی پر سوگ کے وجوب میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

یعنی محمد بن مسلم الزہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ جس بچی کا خاوند فوت ہو گیا ہو، یعنی جو نابالغہ ہو وہ بھی خوشبو لگانے کے قریب نہ جائے کیونکہ اس پر بھی عدت واجب ہے۔

ابن شہاب زہری نے بچی کا ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کے نزدیک بچی پر سوگ واجب نہیں ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور کے نزدیک بچی پر سوگ واجب ہے۔

ابن شہاب زہری نے کہا: کیونکہ بچی پر بھی سوگ واجب ہے، اس میں انہوں نے یہ اشارہ کیا ہے کہ عدت کے وجوب میں بچی بھی بالغہ کی مثل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری نے اس باب میں تین احادیث کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

۵۳۳۴۔ قَالَتْ زَيْنَبُ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٌ أَوْ غَيْرُهُ فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

حضرت زینب نے کہا: میں حضرت ام حبیبہ نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین کے پاس گئی، جب ان کے والد ابوسفیان بن حرب فوت ہو گئے تھے تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک کریم کی مثل زرد رنگ کی خوشبو منگوائی جو جسم پر لگانے والی تھی، پھر ان کی ایک باندی نے اس خوشبودار کریم کو ان کے رخساروں پر ملا، پھر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے اب خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت پر یقین رکھتی ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی میت کے اوپر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے، سوا اپنے خاوند کے جس پر وہ چار مہینے دس دن سوگ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۵۳۳۴، ۵۳۳۹، ۵۳۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۸۶، سنن ترمذی: ۱۱۹۵، سنن نسائی: ۳۵۰۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۶، مسند احمد: ۲۵۹۱۴، موطا امام مالک: ۱۲۶۸، سنن دارمی: ۲۲۸۴)

بیوہ عورت کے سوگ کے متعلق فقہاء کے نظریات

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوگ کی تعریف یہ ہے کہ بیوہ عورت زیب وزینت نہ کرے، رنگی پوشاک زینت کی نیت سے نہ پہنے، سرمہ اور خوشبو نہ لگائے، نہ زعفران یا مہندی لگائے، اسی طرح جو زیورات زینت کے لیے پہنے جاتے ہیں وہ نہ پہنے، بس ہماری شریعت میں صرف خاوند کے لیے اس کی بیوہ کو چار مہینے اور دس دن سوگ منانے کا حکم ہے، اور دوسرے مردوں کی مرگ پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور اہل حدیث (غیر مقلدین) کا یہی قول ہے اور فقہاء احناف نے اس کے خلاف کہا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ نابالغ لڑکی پر عدت واجب نہیں ہے۔

ہمارے زمانے میں نصاریٰ نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جب ان کا کوئی رئیس یا بادشاہ مرجاتا ہے تو مہینوں تک سوگ کرتے ہیں اور اپنی رعیت کو بھی سوگ کا حکم دیتے ہیں، مسلمانوں کو ان کی پیروی ہرگز نہ کرنا چاہیے، بس تین دن سوگ کافی ہے۔ اور شیعوں نے اس صحیح حدیث کے خلاف یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر محرم میں دس دن تک امام حسین علیہ السلام پر سوگ کیا کرتے ہیں، پان وغیرہ نہیں کھاتے، ان کی عورتیں زیور اتار ڈالتی ہیں، بعض عورتیں گوشت وغیرہ نہیں کھاتیں، یہ سب نادانی اور جہالت کے کام ہیں، افسوس ... مسلمان تیرہ سو سال گزرنے کے بعد کے واقعات پر تو سوگ کرتے ہیں اور اب جو ان کی آنکھوں کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی خرابی ہو رہی ہے، اس کو دیکھ کر ایک آنسو بھی نہیں نکالتے، نہ اپنی قوم کی اصلاح اور فلاح کی کوئی تدبیر کرتے ہیں، ہاتھ

پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا، کھانا پینا، چین اڑانا، آپ خوش تو سارا جہان خوش، یہ مسلمانوں کا شیوہ ہوگیا ہے، یہ مسلمان محنت اور مشقت سے ایسا جی چراتے ہیں کہ کچھ نہ پوچھو، خالی عیش کرنے، اوقات ضائع کرنے، باوجود اس کے کہ مسلمانوں میں بہت سے انگریزی خواں اور مالدار بھی ہیں، مگر کسی ایک کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ قرآن شریف اور احادیث کی صحیح کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کر کے انگلستان اور امریکہ بھیجیں تا کہ وہاں کے مسلمان ان کتابوں سے فائدہ اٹھائیں، دو تین انگریزوں نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے مگر وہ کس کام کا؟ اول تو ترجمہ غلط، دوسرے مخالفانہ نظر سے انہوں نے قرآن شریف کے مضامین پر چوٹ کی ہے، خیر یہ تو ہوا۔ رونا اس پر آتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا بندۂ خدا حدیث یا قرآن کا ترجمہ پھیلائے تو اس کو روکتے ہیں، مناع للخیر بن کر اپنے آپ کو دوزخ کا کندھا بناتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس حدیث کی رو سے بعض علماء نے علاج کی غرض سے سوگ کرنے والی عورت کے لیے سرمہ لگانے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن موطا امام مالک کی روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کو سرمہ لگا لے اور صبح کو پونچھ ڈالے، اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر ضرورت ہو تو بیوہ عورت رات کو سرمہ لگا سکتی ہے لیکن دن کو پونچھ ڈالے۔

(تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۰-۲۵۲ نعمانی کتب خانہ، جون ۱۹۹۰ء)

احداد کی تعریف

علامہ عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

احداد کا لغوی معنی ہے سوگ، اس سے مراد یہ ہے کہ بیوہ عورت زینت کی تمام انواع اور اقسام کو ترک کر دے، نہ رنگین لباس پہنے، نہ خوشبو لگائے، نہ زیورات پہنے اور جب تک عدت کے اندر ہے تو سرمہ نہ لگائے، اور اس کی پوری تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کا زیب و زینت کرنا اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اس سے نکاح کیا جائے، اور عدت کے دوران نکاح کرنا یا نکاح کا پیغام دینا ممنوع ہے تو اس لیے عدت کے دوران سوگ کرنا واجب ہے، اور بیوہ عورت کو زیب و زینت کرنے سے منع کر دیا گیا ہے تا کہ اس کے نکاح کرنے کا سدِ باب ہو اور اللہ تعالیٰ کی حدود محفوظ رہیں۔

کہا جاتا ہے "امرأۃ حاد و محد" اور احداد کا لغوی معنی ہے منع کرنا، اسی وجہ سے دربان کو حداد کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ گھر میں داخل ہونے والوں کو روکتا ہے اور شرعی سزا کو حد کہا جاتا ہے، کیونکہ شرعی سزا بھی انسان کو گناہوں کے ارتکاب سے روکتی ہے۔

القزاز نے کہا ہے: بیوہ عورت کے لئے حاد کا لفظ آتا ہے، حادۃ نہیں آتا، (کیونکہ یہ لفظ مرد کے لئے مستعمل نہیں ہوتا، مرد سوگ نہیں کرتا، صرف عورت ہی سوگ کرتی ہے جیسے حیض والی عورت کے لئے حائض کا لفظ آتا ہے، حائضہ کا لفظ نہیں آتا، کیونکہ حیض بھی عورت کے ساتھ خاص ہے مرد کو حیض نہیں آتا، نیز کہا جاتا ہے امراۃ حامل، اور یوں نہیں کہا جاتا امراۃ حاملۃ، کیونکہ بچہ کا حمل ہونا عورت کے ساتھ مخصوص ہے، مرد کو بچہ کا حمل نہیں ہوتا، اسی لیے امراۃ حامل کہا جاتا ہے، کیونکہ مرد حامل نہیں ہوتا، اسی طرح سوگ بھی عورت کے ساتھ خاص ہے مرد سوگ نہیں کرتا، اس لیے امراۃ حاد کہا جاتا ہے اور امراۃ حادۃ نہیں کہا جاتا۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

ابن درستویہ نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ بیوہ عورت کو اپنی زینت کرنے سے اور اپنے بدن پر خوشبو لگانے سے منع کیا ہے تا کہ جو لوگ اسے نکاح کا پیغام دینا چاہتے ہوں اور نکاح کا پیغام دینے میں رغبت رکھتے ہوں، وہ رک جائیں۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم تین دن سوگ کروں، پھر تم جو چاہو کرنا۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۳۸)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ عبداللہ بن شداد کا حضرت اسماء بن عمیس سے سماع ثابت نہیں ہے، سو یہ حدیث مرسل ہے۔

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں: یہ حدیث دوسری احادیث کے مخالف ہے، جیسا کہ فقہاء کے نزدیک ثابت ہے اور شیخ ابن حزم ظاہری نے از ابن ارطاۃ از الحسن بن سعید از عبداللہ بن شداد روایت کی ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے بعد حضرت اسماء کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ غسل کرلیں اور سرمہ لگائیں۔ (المحلی ج ۱۰ ص ۲۸۰)

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کی روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس دن کے بعد پھر تم سوگ نہ کرنا''۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۹)

میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی کی روایت میں اور ابن حزم ظاہری اور امام احمد بن حنبل کی حدیثوں میں کوئی تعارض اور مخالفت نہیں ہے، کیونکہ امام بیہقی کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین دن سوگ کرنے کا حکم دیا اور ابن حزم ظاہری کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: تم تین دن کے بعد غسل کرلینا اور سرمہ لگالینا اور امام احمد کی روایت میں ہے: تم اس دن کے بعد سوگ نہ کرنا، اور ان سب کا مآل (خلاصہ) یہی ہے کہ خاوند کے علاوہ اور کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا اپنے خاوند کی شہادت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرنا ان کی خصوصیت ہے۔

(سعیدی غفرلہ)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مسائل اور فوائد

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت ام حبیبہ کی حدیث متعدد معانی پر دلالت کرتی ہے، جن کا بیان درج ذیل ہے:

(۱) مسلمان عورتوں پر یہ حرام کیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کریں، اور ان کے لیے اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کی موت پر تین دن تک سوگ کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔

(۲) مسلمان بیوی کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کریں، اگر کسی مسلمان کی بیوی یہودیہ ہو یا نصرانیہ ہو تو اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہو اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، تو وہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، اور ذمی عورت اس خطاب میں داخل نہیں ہے۔ (الاشراف ج ۱ ص ۲۷۰)

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جن بیویوں کو اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع فرمایا ہے یہ ان عورتوں سے متعلق ہے جن کی عدت مہینوں کے ساتھ ہے، نہ کہ ان عورتوں سے متعلق جو حاملہ ہوں۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، اس کے اوپر سوگ لازم نہیں ہوتا، اور اس پر ظاہر

حدیث دلالت کرتی ہے۔ (الاشراف ج ۱ ص ۲۷۲)

(۵) اس مسئلہ میں اجماع نہیں ہے، کیونکہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سوگ کے قائل نہیں ہیں اور ان کا قول شاذ اور غریب ہے۔ (الاشراف ج ۱ ص ۲۶۹)

(۶) امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور سفیان بن سعید بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ، اور فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اگر باندی کا خاوند فوت ہو جائے تو اس پر بھی سوگ کرنا لازم ہے، کیونکہ باندی بھی تمام ازواج میں داخل ہے اور میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے سوائے حسن بصری کے، کیونکہ وہ سوگ کے قائل نہیں ہیں۔

(۷) اس پر اجماع ہے کہ جب ام ولد کا مالک فوت ہو جائے تو اس پر سوگ لازم نہیں ہے، کیونکہ سوگ کرنے کا حکم شوہر کی موت سے متعلق ہے نہ کہ مالک کی موت کے ساتھ، اور ام ولد بیوی نہیں ہے۔ (الاشراف ج ۱ ص ۲۶۲-۲۷۰)

میں کہتا ہوں کہ النیشاپوری کا یہ کہنا غلط ہے کہ اس پر اجماع ہے کیونکہ حضرت عمرو بن العاص کی حدیث میں یہ حکم ہے کہ ام ولد کی عدت بھی آزاد مسلمان عورت کی مثل ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۳۰۸)

تنبیہ: علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ کے ذکر کردہ فوائد ختم ہوئے۔

یہودیہ اور عیسائیہ کا شوہر فوت ہو جائے تو آیا اس پر بھی سوگ کرنا لازم ہے یا نہیں؟

اگر کتابیہ (یعنی یہودیہ یا عیسائیہ) کا مسلمان شوہر فوت ہو جائے تو امام مالک کے نزدیک اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس کے اوپر اپنے شوہر کا سوگ کرنا لازم ہے یا نہیں ہے؟، پس اشعب مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اس کے اوپر سوگ لازم نہیں ہے، اور یہی ابن نافع اور فقہاء احناف کا قول ہے۔ (الاستذکار لابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۸ ص ۲۱۹، موسسۃ الرسالہ بیروت)

فقہاء احناف نے کہا ہے کہ یہودیہ یا عیسائیہ کے اوپر اپنے شوہر کی وفات کے سبب سے سوگ کیسے لازم ہوگا جب کہ وہ شرک کرتی ہے اور جو فرائض کو ترک کرتی ہے وہ بھی بہت سنگین بات ہے۔

اور امام مالک سے دوسری روایت ہے کہ اس یہودیہ یا عیسائیہ پر بھی سوگ کرنا لازم ہے اور یہی اللیث، اور امام شافعی اور ابوثور اور ابن حیی کا قول ہے۔ (الاستذکار لابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۸ ص ۲۱۹، موسسۃ الرسالہ بیروت)

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ سوگ کرنا اس کے خاوند کا حق ہے اور وہ نسب کی حفاظت کرتا ہے جیسے عدت اس کا حق ہے، اور کافرہ عورت بھی اس حکم میں داخل ہے۔

امام بخاری نے روایت کی ہے کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع کے اوپر بیع نہ کرے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۲۷، صحیح مسلم)

کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح کے اوپر نکاح کا پیغام نہ دے حتیٰ کہ اس کا بھائی اس کو اجازت دے دے، یا اپنے پیغامِ نکاح کو ترک کر دے۔ سو جس طرح کافر کی بیع کے اوپر بیع کرنا جائز نہیں ہے اور کافر کے پیغامِ نکاح کے اوپر نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے، سو اسی طرح سے خاوند کی وفات کے اوپر سوگ کرنا بھی خاوند کا حق ہے، خواہ اس کی بیوی کافرہ ہو۔

نیز اس پر یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ اگرچہ حدیث میں یہ خطاب مومنات کے ساتھ ہے، لیکن ذمی عورت بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ وہ بھی زوجیت میں داخل ہے، کیونکہ ذمی عورت کے لیے بھی نفقہ لازم ہوتا ہے رہائش لازم ہوتی ہے اور عدت لازم ہوتی ہے اور

ان تمام احکام میں وہ مسلمان عورت کی طرح ہے، اسی طرح شوہر کی وفات پر سوگ کرنے میں بھی وہ مسلمان عورتوں کی طرح ہے۔

کم سن نابالغہ کا شوہر فوت ہو جائے تو آیا اس پر بھی سوگ لازم ہے یا نہیں؟

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام ابوعبید الہروی متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، اور ان کے اصحاب نے کہا ہے: نابالغہ عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کے اوپر اپنے شوہر کی موت پر سوگ کرنا لازم نہیں ہے۔

(الاستذکار لابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۸ ص ۲۱۹-۲۲۰، موسسۃ الرسالہ بیروت)

ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند کی موت کے علاوہ کسی اور کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حکم بالغہ عورت کے ساتھ مخصوص ہے اور جو نابالغہ ہے وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے، اس پر صرف عدت لازم ہے۔ علامہ ابن التین نے لکھا ہے کہ داؤد ظاہری کا اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے۔

جن فقہاء نے کہا ہے کہ نابالغہ پر بھی لازم ہے کہ جب اس کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ اس پر سوگ کرے کیونکہ جب نابالغہ کا نکاح ہر نکاح کرنے والے کے ساتھ جائز ہے جیسا کہ بالغہ عورت کا نکاح ہر نکاح کرنے والے کے ساتھ جائز ہوتا ہے تو واجب ہے کہ سوگ کرنے کا مسئلہ بھی اسی طرح ہو اور اس پر اجماع ہے کہ نابالغہ پر عدت وفات لازم ہے تو اسی طرح اس پر سوگ بھی لازم ہوگا۔

تین طلاق یافتہ عورت کا شوہر اگر فوت ہو جائے تو آیا اس پر بھی شوہر کی موت پر سوگ کرنا لازم ہے یا نہیں؟

سعید بن المسیب التوفی ۹۰ھ اور سلیمان بن یسار اور ابن سیرین اور حکم نے کہا: اس پر بھی اپنے شوہر کی موت پر سوگ کرنا لازم ہے، اور فقہاء احناف اور ابوثور اور امام ابوعبید الہروی کا بھی یہی قول ہے۔

(الاستذکار لابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۸ ص ۲۲۲، موسسۃ الرسالہ بیروت)

امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۶۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت بھی زینت کو ترک کر دے، اور ابراہیم بن یزید بن قیس الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ سے بھی اسی قول کی حکایت ہے۔ (الاستذکار لابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۸ ص ۲۲۲، موسسۃ الرسالہ بیروت، المفہم ج ۴ ص ۲۸۴)

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت پر اس کے شوہر کی موت کے سبب سے اس پر سوگ کرنا لازم نہیں ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت ام حبیبہ نے ایک خوشبو منگوائی، جس میں زرد رنگ کا خلوق تھا (یعنی زرد رنگ کی کریم تھی) اور خلوق کا معنی ہے ایسی خوشبو جو کریم میں ملی ہوئی ہو"۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے: پھر حضرت ام حبیبہ نے اس خوشبودار کریم کو اپنے عارضین پر ملا، اس حدیث میں عارضین سے مراد ہے دو رخسار، اور علامہ قرطبی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ العوارض کی اصل الاسنان ہے یعنی دانت۔ اور رخساروں کو عوارض اس

لیے کہا گیا ہے کہ اس میں کسی چیز پر اس کے مجاور کا اطلاق ہے۔ (المفہم ج ۴ ص ۲۸۲-۲۸۳، دار ابن کثیر بیروت)

صاحب الموعب نے کہا ہے: العارض کا معنی ہے ''رُخسار'' کہا جاتا ہے: ''اخذ من عارضیه ''، یعنی جب کوئی شخص اپنے رخساروں سے بال چنے، تو اس طرح کہا جاتا ہے۔ الازہری نے اپنی تہذیب میں کہا ہے العارض کا معنی ہے الخد، یعنی رخسار، کہا جاتا ہے'' اخذ الشعر من عارضیه ''، یعنی اس نے اپنے رخساروں سے بال چن لیے۔ (تہذیب اللغت ج ۳ ص ۲۴۰۲)

یہ قول صاحب الموعب کے قول کی مثل ہے اور اللحیانی نے کہا ہے'' عارضا الوجه وعراضها'' اس کا معنی ہے چہرے کی دو جانبیں۔ اور ابن سیدہ نے کہا ہے العارضان کا معنی ہے داڑھی یا جبڑے کی دو جانبیں، اور عارض کا معنی ہے رُخسار۔ (المحکم ج ۱ ص ۲۴۷)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی المتوفی ۳۹۸ھ نے کہا ہے کہ'' عارضة الانسان'' کا معنی ہے: اس کے رُخسار کے دو صفحے اور عرب کہتے ہیں'' فلان خفیف العارضین'' اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کے رخساروں پر بال کم ہیں۔

(الصحاح ج ۳ ص ۱۰۸۶، دار العلم بیروت ۱۴۰۴ھ)

اور ابن فارس نے کہا ہے: بسا اوقات عرب لوگ عوارض سے اسنان یعنی دانتوں کا ارادہ کرتے ہیں۔ (مجمل اللغت ج ۲ ص ۶۶۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مرد کی سعادت اس میں ہے کہ اس کے عارضین خفیف ہوں یعنی اس کے رخساروں پر بال کم ہوں، کیونکہ جب وہ وضو کرے گا تو وہ پانی کو بالوں کی جڑوں تک پہنچانے کا محتاج نہیں ہوگا اور نہ غسل میں اپنے رُخساروں کے بالوں کو دھونے میں مبالغہ کرنے کا محتاج ہوگا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۲۱۱، الکامل لابن عدی ج ۸ ص ۵۰۶، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۹۷)

خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں سکین راوی مجہول اور منکر الحدیث ہے اور دوسرا راوی مغیرہ بن سوید بھی مجہول ہے اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس کی سند میں یوسف بن الغرق ہے، وہ بھی منکر الحدیث ہے۔

علامہ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں یوسف بن الغرق ہے، العضدی نے اس کے متعلق کہا کہ وہ کذاب ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۱-۱۶۵)

شیخ البانی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (ضعیف الجامع: ۵۳۰۳)، اسی طرح شیخ البانی نے الاحادیث الضعیفہ ۱۹۳ھ میں بھی اسی طرح کہا ہے۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے: کہ جو عورت اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے وہ تین راتوں سے زیادہ اپنے خاوند کے علاوہ کسی کی موت کے اوپر سوگ نہ کرے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ تین دنوں سے زیادہ سوگ نہ کرے اور ایک اور روایت میں ہے: تین سے زیادہ سوگ نہ کرے اور اس سے مراد راتیں ہیں۔ اسی وجہ سے المعدود کو مونث کا صیغہ لایا گیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایام سے مراد ان کی راتوں کے ساتھ ہے۔ اس کی علامہ قرطبی نے حکایت کی ہے اور پہلا قول علامہ اوزاعی کا ہے۔

(المفہم ج ۴ ص ۲۸۴، دار ابن کثیر بیروت)

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا مذہب یہ ہے کہ جب حاملہ عورت کے ہاں چار مہینے دس دن سے پہلے بچہ ہو جائے تو وہ چار مہینے دس دن عدت پوری کرے گی۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی عورت اپنے خاوند کی موت کے سوا کسی کی موت پر تین دن

سے زیادہ سوگ نہیں کرے گی، اس حدیث میں خاوند سے مراد ہر خاوند ہے، عام ازیں کہ دخول کے بعد ہو یا دخول سے پہلے ہو، اسی طرح ہر عورت سے مراد عام ہے وہ نابالغہ ہو یا بالغہ ہو یا باندی ہو یا آزاد ہو۔

نابالغہ کو اس حدیث میں داخل کرنے پر اعتراض ہے اور یہودیہ یا نصرانیہ بھی اس میں داخل نہیں ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۴۹-۵۶۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۳۳۵۔ قَالَتْ زَيْنَبُ فَدَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا فَدَعَتْ بِطِيبٍ فَمَسَّتْ مِنْهُ ثُمَّ قَالَتْ أَمَا وَاللَّهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: پس میں حضرت زینب بن جحش ام المومنین کے پاس گئی، جب ان کے بھائی کی وفات ہوگئی تھی تو انہوں نے ایک خوشبودار کریم منگوائی اور اس سے کچھ کریم لگائی، پھر انہوں نے کہا: سنو اللہ کی قسم! مجھے خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ منبر پر فرما رہے تھے کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی فوت شدہ شخص کے اوپر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اپنے شوہر کے اس پر چار ماہ اور دس دن سوگ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۵۳۳۴، ۵۳۳۹، ۵۳۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۸۶، سنن ترمذی: ۱۱۹۵، سنن نسائی: ۳۵۰۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۶، مسند احمد: ۲۵۹۱۴، موطا امام مالک: ۱۲۶۸، سنن دارمی: ۲۲۸۴)

اس کی توجیہ کہ عدتِ وفات گزارنے والی عورت کو بناؤ سنگھار کرنے سے منع کیا گیا ہے اور عدتِ طلاق گزارنے والی عورت کو بناؤ سنگھار کرنے سے منع نہیں کیا گیا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المازری نے کہا ہے کہ عدتِ وفات گزارنے والی عورت کو زینت اور بناؤ سنگھار سے منع کیا گیا ہے اور عدتِ طلاق گزارنے والی عورت کو زینت اختیار کرنے سے منع نہیں کیا گیا، کیونکہ زیب و زینت کرنا اور خوشبو لگانا نکاح کی دعوت دیتا ہے اور نکاح میں واقع کرتا ہے تو اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے تاکہ زیب و زینت سے منع کرنا نکاح سے روکنے کے لیے زیادہ موثر ہو۔ اور جب کہ عدتِ وفات میں عدت گزارنے والی عورت کا شوہر موجود نہیں ہوتا اور وہ اپنی بیوی کو کسی غلط کام سے روک نہیں سکتا، اس کے برخلاف طلاق دینے والا زندہ ہوتا ہے اور وہ اپنی مطلقہ بیوی کی حفاظت کرتا ہے، کیونکہ اس کا نسب اس کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا مطلقہ کے شوہر کے ہوتے ہوئے کسی اور روکنے والے کی ضرورت نہیں ہے۔ (المعلم ج ۱ ص ۴۶۵، مطبوعہ بیروت)

مفقود (جس عورت کا شوہر غائب ہو اور اس کی خبر معلوم نہ ہو) کی بیوی کی عدت کے متعلق فقہائے اسلام کی آراء

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ مفقود کی بیوی عدت کے دوران سوگ کرے گی، اور ابن الماجشون نے کہا: اس پر کوئی عدت نہیں ہے۔ (الاستذکار ج ۱۸ ص ۲۲۱، موسسۃ الرسالہ بیروت)

ام ولد کی عدت کا مسئلہ

شیخ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ام ولد کی عدت نہیں ہوتی، خواہ اس کو آزاد کر دیا جائے اور اس کا مالک فوت ہو چکا ہو، اور نہ کسی اور باندی کی عدت ہوتی ہے جس کا مالک فوت ہو چکا ہو یا اس کو آزاد کر چکا ہو، کیونکہ کتاب اور سنت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور ان کے لیے جائز ہے کہ وہ جب چاہیں نکاح کر لیں۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: تم ہمارے اوپر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مشتبہ نہ کرو، جب ام ولد کا مالک فوت ہو جائے تو اس کی وہی عدت ہوتی ہے جو آزاد عورت کی عدت ہوتی ہے، اور وہ عدت چار ماہ دس دن ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۳۰۸)

اس حدیث کی تصریح کے مطابق ابن حزم ظاہری کا یہ کہنا غلط ہے کہ ام ولد کی کوئی عدت نہیں ہوتی۔

بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کرنے کی توجیہ

بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن اس لیے ہوتی ہے کہ چار ماہ کے دوران حمل کا پتا چل جاتا ہے، کیونکہ نطفہ رحم میں چالیس دن باقی رہتا ہے، پھر وہ نطفہ علقہ بن جاتا ہے یعنی جما ہوا خون، پھر وہ علقہ مضغہ بن جاتا ہے یعنی گوشت بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۰۸)

پھر جب یہ تین چالیس دن گزر گئے تو یہ چار ماہ کی مدت ہے، اس میں مزید دس دن کا اضافہ ہے تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس عورت کو حمل ٹھہرا ہے یا نہیں، اس لیے بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے کہ اگر اس کو حمل نہیں ٹھہرا تو پھر اس کی یہی عدت ہے اور اگر اس مدت کے دوران اس کا حمل ظاہر ہو گیا تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۵۶۲-۵۶۵، ملخصاً وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۳۳۶۔ قَالَتْ زَيْنَبُ وَسَمِعْتُ أُمَّ سَلَمَةَ تَقُولُ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ ابْنَتِي تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنَهَا أَفَتَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذٰلِكَ يَقُولُ لَا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ۔

حضرت زینب نے کہا: اور میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ بیان کرتی تھیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے، اور اس کی آنکھ میں تکلیف ہے، کیا وہ اپنی آنکھ میں سرمہ لگا لے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! دو مرتبہ یا تین مرتبہ اس نے پوچھا تو آپ نے ہر مرتبہ فرمایا، نہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی عدت تو چار ماہ دس دن ہے اور تم میں سے کوئی ایک عورت زمانہ جاہلیت کے اندر ایک سال کے بعد اونٹ کی مینگنی کو پھینک دیتی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۳۸، ۵۷۰۶، صحیح مسلم: ۱۴۸۹، سنن ترمذی: ۱۱۹۷، سنن نسائی: ۳۵۳۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۴، موطا امام مالک: ۱۲۷۰)

۵۳۴۷۔ قَالَ حُمَيْدٌ فَقُلْتُ لِزَيْنَبَ وَمَا تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ فَقَالَتْ زَيْنَبُ كَانَتِ الْمَرْأَةُ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا دَخَلَتْ حِفْشًا وَلَبِسَتْ شَرَّ ثِيَابِهَا وَلَمْ تَمَسَّ طِيبًا حَتَّى تَمُرَّ بِهَا سَنَةٌ ثُمَّ تُؤْتَى بِدَابَّةٍ حِمَارٍ أَوْ شَاةٍ أَوْ طَائِرٍ فَتَفْتَضُّ بِهِ فَقَلَّمَا تَفْتَضُّ بِشَيْءٍ إِلَّا مَاتَ ثُمَّ تَخْرُجُ فَتُعْطَى بَعَرَةً فَتَرْمِي ثُمَّ تُرَاجِعُ بَعْدُ مَا شَاءَتْ مِنْ طِيبٍ أَوْ غَيْرِهِ سُئِلَ مَالِكٌ مَا تَفْتَضُّ بِهِ قَالَ تَمْسَحُ بِهِ جِلْدَهَا۔

(موطا امام مالک: ۱۲۷۰)

حُمید نے کہا: میں نے حضرت زینب سے پوچھا: وہ ایک سال کے بعد اونٹ کی مینگنی کو کس طرح پھینکتی تھیں، تو حضرت زینب نے بتایا کہ جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو وہ کسی جھونپڑی میں داخل ہو جاتی اور بہت خراب کپڑے پہن لیتی، اور خوشبو نہ لگاتی حتیٰ کہ ایک سال گزر جاتا، پھر کسی جانور کو لایا جاتا، گدھے کو یا بکری کو یا پرندے کو، وہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو رگڑتی، بعض اوقات جب وہ اپنا جسم اس کے ساتھ رگڑتی تو وہ جانور مر جاتا، پھر وہ عورت جھونپڑی سے نکلتی، سو اس کو اونٹ کی مینگنی دی جاتی، وہ اس اونٹ کی مینگنی کو پھینک دیتی، پھر اس کے بعد وہ جس طرح چاہتی خوشبو لگاتی اور زیب و زینت اختیار کرتی (یعنی وہ ایک سال کی مدت اس حالت میں گزارتی اور ایک سال کے بعد کسی جانور سے اپنا جسم رگڑنے کے بعد اونٹ کی مینگنی کو پھینک دیتی تو اس کی عدت ختم ہو جاتی اور پھر وہ زیب و زینت اور خوشبو کو اختیار کر لیتی۔ سعیدی غفرلہ) امام مالک سے سوال کیا گیا: وہ جانور سے کس طرح اپنے آپ کو رگڑتی تھی تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس جانور کے ساتھ اپنی کھال کو رگڑتی تھی۔

زمانہ جاہلیت کی عدت کا طریقہ

غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی وہ عورت بھوتنی کی صورت میں ہوتی، بال اور ناخن بڑھے ہوئے، میلی کچیلی غلیظ۔

وہ نہ نہاتی تھی، نہ کپڑے بدلتی تھی، اور نہ ناخن کاٹتی تھی، کم بخت سال بھر اس پورے حال میں رہنے کی وجہ سے وہ عورت کیا معلوم ہوتی، بھوتنی معلوم ہوتی، اس کے بدن پر تمام زہریلا مادہ میل کچیل جم جاتا، اور یہی وجہ تھی کہ جانور پر اپنا بدن رگڑنے کے بعد وہ بیچارہ جانور مر جاتا۔ واہ رے جہالت، اپنی جان کو بھی تکلیف دی، اوپر سے ایک بے چارے جانور کی بھی جان لی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ جانور کے ساتھ اپنی شرمگاہ کو رگڑتی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ دوڑ کر اپنے ماں باپ کے گھر میں چلی جاتی، کیونکہ اس کو اپنا حال دیکھ کر شرم آتی، کہیں دوسرے لوگ دیکھیں گے، اور بعض نے کہا ہے کہ وہ اپنا سوگ اس جانور سے توڑتی، اور بعض نے کہا ہے کہ وہ غسل کر کے پاک صاف ہوتی۔ ان علماء نے یہ حدیث میں مذکور "تفتض" کی شرح میں بیان کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم چار ماہ دس دن کی عدت کو اپنے اوپر بوجھ سمجھ رہی ہو، اور زمانہ جہالت کی عدت کی تکلیفوں کو بھول گئیں، اول تو اس میں سال بھر تک انتظار کرنا، ثانی کسی دوسرے ایسے خراب جھونپڑے میں ایک سال تک

اور ایسے پھٹے پرانے بدبودار کپڑوں کے ساتھ رہنا، یہ کتنی شدید مصیبت تھی، اور اسلام کے زمانہ میں جو تم کو آسانی حاصل ہوئی ہے، اس کی تم قدر نہیں کرتیں، اب چار مہینے دس دن بھی تم سے صبر نہیں کیا جاتا۔ اتنے دن اسی حال میں بھی گزر جائیں، اگر سرمہ نہ لگاؤ گی تو کیا مر جاؤ گی۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۲ ،نعمانی کتب خانہ لاہور جون ۱۹۹۰ء)

بیوہ عورت کو عدت کے دوران سرمہ لگانے کی ممانعت کے متعلق علماء کے نظریات

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں بیوہ عورت کو عدت کے دوران جو سرمہ لگانے سے منع فرمایا ہے، یہ ممانعت بہ طور تحریم نہیں ہے، یعنی یہ نہی تحریمی نہیں ہے بلکہ نہی تنزیہی ہے اور اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ نہی تحریم کے لیے ہے تو یہ اس وقت ہے کہ جب سرمہ لگانے کی ضرورت نہ ہو، لیکن جب سرمہ لگانے کی ضرورت ہو تو پھر بیوہ عورت سرمہ لگا سکتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین میں آسانی ہے، مشکل نہیں ہے۔ یعنی جب شدید ضرورت اور احتیاج نہ ہو تو پھر بیوہ عورت کو عدت کے دوران سرمہ لگانے کی ممانعت ہے اور جب شدید ضرورت اور احتیاج ہو تو پھر اس کو سرمہ لگانے کی رخصت ہے۔ یعنی اس کے لیے سرمہ لگانا بہ طور زینت کے ممنوع ہے اور بہ طور علاج معالجہ کے ممنوع نہیں ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بیوہ عورت کو حالتِ سوگ میں سرمہ لگانے سے منع کیا گیا ہے، خواہ اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو یا نہ ہو، لیکن علامہ نووی کی اس عبارت پر یہ رد کیا گیا ہے کہ احکامِ شرعیہ میں ضرورت مستثنیٰ ہوتی ہے۔

اس دور میں سرمہ لگانے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ آنکھ بہت نازک عضو ہے، اس کی بہت حفاظت کرنا چاہیے اور سرمہ لگانے سے پہلے کسی آنکھوں کے ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیے کہ آیا سرمہ لگانے سے اس کی آنکھوں میں کوئی ضرر تو نہیں ہوگا، اگر کوئی آنکھوں کا اسپیشلسٹ سرمہ لگانے سے منع کرے تو پھر سرمہ نہیں لگانا چاہیے کیونکہ اس دور میں ویسے بھی جو حکیمانہ دوائیاں اور میک اپ کا سامان بنایا جاتا ہے، اس میں احتیاط کے تقاضوں کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا اور ان چیزوں کے استعمال سے اکثر انسان نقصانات سے دوچار ہوتا ہے، لہٰذا کسی ماہر ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر بہتر ہے کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے سے احتراز کیا جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

بیوہ عورت کے لیے سرمہ لگانے کی دو متعارض حدیثوں میں تطبیق

موطا امام مالک میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ تم رات کو سرمہ لگاؤ اور دن میں اس کو پونچھ کر صاف کردو۔ اور حدیثِ مذکور میں مطلقاً بیوہ عورت کو سرمہ لگانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، ان دو حدیثوں میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ جب اسے سرمہ لگانے کی ضرورت نہ ہو یعنی کسی بیماری کے علاج کے لیے اسے سرمہ لگانے کی ضرورت نہ ہو تو پھر اس کے لیے سرمہ لگانا جائز نہیں ہے اور اگر کسی بیماری کے علاج کے لیے اسے سرمہ لگانے کی ضرورت ہے تو دن میں اس کے لیے سرمہ لگانا جائز نہیں ہے اور رات میں وہ سرمہ لگا سکتی ہے۔

دوسری تطبیق یہ ہے کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں جو بیوہ عورت کو سرمہ لگانے سے منع کیا ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ جب اس کی آنکھوں میں کوئی خوف نہ ہو، لیکن اس توجیہ کا رد کیا گیا ہے کہ شعبی کی روایت میں ہے کہ اس عورت کے گھر والوں کو اس کی آنکھوں پر خطرہ تھا اور ابن مندہ کی روایت میں ہے: اس کی آنکھوں میں سخت تکلیف تھی اور اس کی بینائی میں خطرہ تھا، پھر بھی آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اس کو سرمہ لگانے سے منع فرمایا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ سرمہ لگانا جائز ہے خواہ اس میں خوشبو ہو اور انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں نہی تنزیہی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورت کو عدت کے دوران مخصوص سرمہ لگانے سے منع فرمایا ہے جس سرمہ سے عورتیں زینت حاصل کرتی ہیں۔

چار ماہ دس دن کے تعین کی توجیہ

شریعت میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے، کہا گیا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ ایک سو بیس (۱۲۰) دن کے بعد بچہ کی خلقت مکمل ہوتی ہے اور پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ اور کبھی چاند کم و بیش دن کا ہوتا ہے تو بطریقِ احتیاط عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے اور عشر کا لفظ مونث ہے، اس سے مراد راتیں ہیں اور راتوں کے ساتھ دن کا بھی شمار ہے۔ پس عورت عدت سے اس وقت تک باہر نہیں آئے گی جب تک کہ گیارہویں رات شروع نہ ہو جائے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کی شرح

اس حدیث میں مذکور ہے ''قال حُمید:''، اس حدیث کے راوی کا نام ہے حُمید بن رافع۔

''فقلت لزینب'': اس سے مراد ہے حضرت زینب بنت ام سلمہ۔

''وما ترمی بالبعرۃ'': یعنی مجھے بتائیں کہ اس حدیث میں عورت سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ تم اونٹ کی مینگنی مارتی تھیں۔

''حفشا'': امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ نے امام مالک کی سند سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد ہے بیت صغیر، یعنی کوٹھڑی۔ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، نے کہا ہے کہ حفش سے مراد ہے بیت ذلیل، یعنی اس سے مراد وہ جھونپڑی ہے جس میں عدت گزارنے والی اپنا سامان وغیرہ رکھتی ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے بیت صغیر حقیر، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے بیت صغیر ضیق، یعنی اتنا تنگ اور چھوٹا گھر جس میں کوئی انسان کروٹ بھی نہ بدل سکے۔ علامہ حمد بن محمد خطابی نے کہا ہے کہ جھونپڑی کو حفش اس لیے کہا ہے کہ یہ تنگ ہوتا ہے اور اس کی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد حدیث میں ہے ''ثم توتی بدابۃ'': یعنی اس عورت کے پاس پھر ایک جانور کو لایا جاتا ہے جو گدھا ہوتا ہے یا بکری ہوتی ہے یا پرندہ ہوتا ہے، اس میں او کا لفظ تنویع کے لئے ہے، اور جانوروں پر دابۃ کا اطلاق لغوی اعتبار سے ہے عرفی اعتبار سے نہیں ہے۔

''فتفتض بہ'': علامہ خطابی نے کہا ہے: یہ لفظ فضضت الشیء سے ماخوذ ہے، یعنی جب تم کسی چیز کو توڑ ڈالو اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو، یعنی وہ معتدہ اپنے جسم کو اس جانور کے ساتھ رگڑ کر عدت کو توڑ ڈالتی ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔

علامہ القتبی نے کہا ہے: میں نے علماء حجاز سے اس لفظ کے معنی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: عدت گزارنے والی عورت

غسل نہیں کرتی تھی اور پانی کو نہیں چھوتی تھی اور نہ اپنے ناخن کاٹتی تھی اور ایک سال کے بعد انتہائی قبیح منظر کے ساتھ اس جھونپڑی سے باہر آتی تھی، پھر وہ پرندے کو اپنی فرج کے ساتھ رگڑتی جس سے وہ زندہ نہیں رہتا تھا، اور ابن وہب نے کہا: وہ اپنے ہاتھ کو اس کی پشت پر رگڑتی، پھر اس کے بعد صاف پانی سے نہاتی حتیٰ کہ صاف وشفاف ہو جاتی اور الخلیل نے کہا ہے: ''القفص'' کا معنی ہے: میٹھا پانی، کہا جاتا ہے ''اقتفصت بہ'' یعنی میں نے میٹھے پانی کے ساتھ غسل کیا۔

''فتعطی بنرۃ فترمی بھا'': یعنی اس عدت گزارنے والی عورت کو اونٹ کی مینگنی دی جاتی اور وہ اس مینگنی کو پھینکتی۔

ابن الماجشون نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ عورت بکری کی مینگنی پھینکتی یا اونٹنی کی مینگنی پھینکتی اور اس کو اپنے سامنے ڈالتی، اور یہ اس کی علامت ہوتی کہ اس کی عدت پوری ہو گئی ہے اور ابن وہب کی روایت ہے کہ وہ بکری کی مینگنی اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینکتی، ایک قول یہ ہے کہ اونٹنی یا بکری کی مینگنی کو پھینکنے میں یہ اشارہ ہے کہ اس نے جو اتنے دن مشقت اٹھا کر صبر کیا اور عدت گزاری تو اونٹنی کی مینگنی پھینک کر اس نے اس عدت کو ختم کرنے کا استخفاف کیا اور استحقار کیا اور اپنے خاوند کے حق کی تعظیم کی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس لیے اونٹنی کی مینگنی کو پھینکتی ہے تاکہ اس میں یہ شگون ہو کہ وہ دوبارہ اس مصیبت میں مبتلا نہیں ہو گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵-۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بیوہ عورت کے سرمہ لگانے کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو کیا وہ سرمہ لگا لے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا: نہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۳۳۶)

ابراہیم نخعی اور عطاء اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ اگر کوئی عورت مرض کی وجہ سے مجبور ہو تو وہ رات کے اندر سرمہ لگا لے اور دن کے اندر سرمہ کو پونچھ لے، اور ان کا استدلال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث مذکور سے ہے۔

(المنتقی للباجی مالکی ج ۴ ص ۱۴۵)

اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اضطرار کی صورت میں بیوہ عورت کے لیے سرمہ لگانا جائز ہے، خواہ اس میں خوشبو بھی ہو اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ رات کے وقت اس سرمہ کو لگانا جائز ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بیوہ عورت کو حالتِ سوگ میں سرمہ لگانے سے منع فرمایا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ یہ ممانعت تنزیہہ کے لیے ہو، علاوہ ازیں اس وقت اس کی آنکھوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

بیوہ عورت کی عدت کے متعلق قرآن مجید کی دو آیات

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (البقرۃ: ۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو انہوں نے دستور

کے مطابق کیا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

اس آیت میں فرمایا کہ جو لوگ موت کی آہٹ کو محسوس کریں یا قریب المرگ ہوں، وہ اپنی بیویوں کے لیے یہ وصیت کریں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے، جمہور فقہاء اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت سورہ بقرہ کی اس آیت سے منسوخ ہے جس میں فرمایا ہے: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔ (البقرہ: ۲۳۴) اور وہ آیت درج ذیل ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اس آیت میں غیر حاملہ کے لیے عدتِ وفات چار ماہ دس دن بیان کی گئی ہے۔ عدت خواہ کوئی بھی ہو اس کے احکام شرعیہ یہ ہیں: مسلمان منکوحہ بالغہ عورت جب طلاقِ ثلاثہ مغلظہ کی عدت گزارے یا عدت وفات گزارے تو انقطاع نکاح پر افسوس کے اظہار کے لیے زینت ترک کر دے، زیورات اور ریشمی کپڑے نہ پہنے، باریک دندانوں کی کنگھی سے بال نہ سنوارے، خوشبو اور تیل نہ لگائے، سرمہ اور مہندی نہ لگائے، زعفران اور سرخ یا زرد رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے، ہاں! عذر کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کر سکتی ہے۔ (درمختار علی ھامش الردج ۱ ص ۲۱۶-۲۱۷)

ان آیات کی تفسیر اور ان کی شرح مصنف نے ربط قائم کرنے کے لئے کی ہے۔

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں: صحیح البخاری: ۵۳۳۶ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عدت صرف چار ماہ دس دن ہے، اس ارشاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت کو کم کر دیا ہے، اور عورتوں کو عدت گزارنے میں صبر کی تلقین کی ہے، اور اس حصر کا فائدہ یہ ہے کہ حاملہ کی عدت بھی اس مدت سے زیادہ نہیں ہے، اور اس میں امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کا اختلاف ہے۔ نیز اس ارشاد میں یہ تصریح ہے کہ پہلے جو ایک سال تک عدت گزارنے کا حکم دیا تھا وہ حکم اب منسوخ ہو گیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک پہلے زمانہ جاہلیت کے اندر سال پورا ہونے کے بعد اونٹ کی مینگنی پھینک دیتی تھی۔ (صحیح البخاری: ۵۳۳۸، ۵۷۰۶، صحیح مسلم: ۱۴۸۸)، سو اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا کہ پہلے عورتیں ایک سال تک عدت گزارتی تھیں، اور اب اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی ہے اور ان کی عدت صرف چار ماہ دس دن مقرر فرما دی ہے۔

حافظ ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: یہ دو آیتیں، ناسخ اور منسوخ میں سے ہیں، جن کے متعلق علماء کا اختلاف نہیں ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ سورۃ البقرہ: ۲۴۰ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (البقرہ: ۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ

دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے۔

اس پر اجماع کہ ایک سال تک عدت گزارنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے

یہ آیت جمہور کے نزدیک منسوخ ہے، اور اب یہ حکم نہیں ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے لیے ایک سال تک رہائش کی وصیت کرے، مگر ایک روایتِ شاذہ ہے از ابن ابی نجیح از مجاہد اور اس روایت کا کوئی متابع نہیں ہے اور کسی نے اس روایت کے متابع یہ قول نہیں کیا اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ اب عدت چار ماہ دس دن سے زائد ہے نہ صحابہ میں سے، اور نہ تابعین میں سے اور نہ بعد کے فقہاء میں سے۔ پس اس پر اجماع ہو گیا اور اب خلاف مرتفع ہو گیا اور ایک سال تک عدت کا حکم چار ماہ دس دن کی عدت کے حکم سے اتفاقاً منسوخ ہو گیا۔

اور رہا رہائش اور خرچ کی وصیت کرنے کا حکم تو فقہاء نے کہا ہے: یہ وصیت کے احکام سے منسوخ ہو گیا، اور یہ فقہاء اکثر اہل حجاز ہیں اور رہے اہلِ عراق تو ان کے نزدیک یہ سنت سے منسوخ ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا وصية لوارث'' سو ان دو وجہوں میں سے جو وجہ بھی ہو، بہر حال اس پر اجماع ہے کہ ایک سال تک عدت گزارنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی روایتوں میں تعارض اور صحیح مسلم کی روایت کو ترجیح

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت زینب نے کہا: میں حضرت ام حبیبہ کے پاس گئی، جب ان کے والد ابوسفیان فوت ہو گئے تھے اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ کی بیٹی نے کہا کہ حضرت ام سلمہ کے بھائی فوت ہو گئے تھے۔

(صحیح مسلم: ۱۴۸۶، کتاب الطلاق باب وجوه الاحداد فی عدة الوفاة)

اسی طرح الجلودی وغیرہ کی روایت بھی ہے اور یہی درست ہے۔ اور ابن الحذاء کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ کے بھائی فوت ہو گئے، یعنی حضرت ام حبیبہ کی جگہ حضرت ام سلمہ کے بھائی کا ذکر ہے، یعنی حضرت ام سلمہ کے بھائی فوت ہوئے تھے نہ کہ ام حبیبہ کے بھائی۔

اور اس حدیث کی امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کی ہے، از عمرو بن شعیب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے، اور عمرو بن شعیب تابعی نہیں ہیں، لہٰذا اس حدیث کا مراسیل میں ذکر صحیح نہیں ہے۔

صحیح یہ ہے کہ عمرو بن شعیب تابعی ہیں اور انہوں نے حضرت ربیع بنت معوذ اور حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سماع کیا ہے۔ اور علامہ ابن ملقن نے یہ کلام علومِ ابن الصلاح سے استفادہ کیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، لہٰذا عمرو بن شعیب تابعی ہیں، اور انہوں نے بہ کثرت صحابہ سے سماع کیا ہے۔

حضرت زینب بنت ام سلمہ کا تذکرہ

حضرت زینب بنت ام سلمہ نے ان تینوں احادیث کی روایت کی ہے (یعنی صحیح البخاری، ۵۳۳۴، ۵۳۳۵، ۵۳۳۶)۔

ان کے والد ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد ہیں، یہ مخزومیہ ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں، یعنی آپ کی لے پالک ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام برہ ہے اور یہ صحابیہ ہیں، ان سے حضرت عبد اللہ بن زمعہ بن الاسود نے نکاح کیا تھا، پھر ان کے دو بیٹے یوم

الحرہ میں شہید کردیئے گئے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں اور اپنی والدہ سے اور متعدد صحابہ سے، اور ان سے عروہ، اور ابوسلمہ نے احادیث کی روایت کی ہے۔ یہ تہتر (۷۳ ھ) میں فوت ہوگئی تھیں۔

(معجم الصحابہ ج ۶ ص ۳۳۳۷، الاستیعاب ج ۴ ص ۴۴۱۰، اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۳۱)

شارح بخاری علامہ ابن التین نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ حضرت زینب بنت سلمہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی روایت نہیں ہے، اور ان کے بھائی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، علامہ ابن التین کی یہ عبارت بہت عجیب ہے، اس سے اجتناب کرو۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں، ان کا نام رملہ بنت ابوسفیان ہے، انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، پھر ان کے خاوند وہاں فوت ہوگئے تھے، پھر حبشہ کے بادشاہ النجاشی نے ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کردیا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مکتوب کے ذریعے سے حضرت نجاشی کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ حضرت رملہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کردیں، اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مرد ایک شہر میں ہو اور عورت دوسرے شہر میں ہو تو ان کے درمیان اس طرح نکاح ہوسکتا ہے کہ مرد دوسرے شہر میں کسی کو اپنا وکیل بنادے خواہ خط کے ذریعے بنائے یا پیغام بھیج کر بنائے تو ان کا نکاح ہوسکتا ہے، آج کل جو طریقہ مروج ہے کہ مرد ایک شہر میں ہو اور عورت دوسرے شہر میں ہو تو ٹیلی فون کے ذریعے ان کے درمیان میں نکاح کردیا جاتا ہے، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ ضروری ہے کہ مجلسِ نکاح کے اندر دو گواہ موجود ہوں یا تو شوہر خود موجود ہو، یا اس کا وکیل موجود ہو، جب حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان کا نکاح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وہاں موجود نہیں تھے لیکن آپ کے وکیل حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے اور انہوں نے آپ کا نکاح حضرت رملہ بنت ابی سفیان سے کردیا۔ سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ام حبیبہ کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ ہے، اور حضرت ام حبیبہ سے ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عنبسہ اور عروہ نے روایت کی ہے، اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا چوالیس (۴۴ ھ) میں فوت ہوگئی تھیں۔

(الاستیعاب ج ۴ ص ۴۸۳، معرفۃ الصحابہ ج ۶ ص ۳۲۱۶، ۳۲۱۸، اسد الغابہ ج ۷ ص ۳۱۵، ۱۱۵)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِیْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۷)

عنقریب اللہ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا فرمادے گا، اور اللہ بہت قادر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ۝

اس کی امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۹۹، الکامل الضعفاء لابن عدی ج ۳ ص ۳۹۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۶۹، ۵۶۵ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۴، ۵۳۳۵، ۵۳۳۶، ۵۳۳۷ کی شرح از علامہ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تنبیہ: میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کا اکثر حصہ علامہ بدرالدین عینی حنفی اور علامہ ابن الملقن شافعی کی شرح میں آچکا ہے، تاہم جو بعض زائد امور ہیں، ان کو ہم لکھ رہے ہیں:

نابالغہ کے سوگ نہ کرنے پر فقہاء احناف کا استدلال اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ان کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب کی وفات ہوگئی تو حضرت ام حبیبہ نے ایک زرد رنگ کی خوشبودار کریم منگوائی اور ایک لڑکی نے ان کے رخساروں پر اس کو لگایا، پھر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! مجھے خوشبو لگانے کی اب کوئی ضرورت تو نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت بھی اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے کسی میت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے، سوائے اپنے خاوند کے جس پر وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔ (صحیح البخاری: ۵۳۳۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے اس حدیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس عورت کو سوگ کرنے کی اجازت دی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو۔ اور عورت کا لفظ جو فرمایا ہے، اس سے نابالغ لڑکی نکل گئی، نیز فرمایا کہ وہ اللہ اور رسول پر ایمان رکھتی ہو یعنی مکلفہ ہو، اس قید سے بھی نابالغ لڑکی نکل گئی تو معلوم ہوا کہ سوگ کرنا صرف اس عورت پر واجب ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو اور نابالغہ کے لیے سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نابالغہ لڑکی پر بھی اپنے شوہر کی موت کے اوپر سوگ کرنا واجب ہے، جس طرح نابالغہ لڑکی پر اس کے شوہر کی موت کی وجہ سے اس پر عدت واجب ہے اور انہوں نے کہا: اس حدیث میں عورت کی جو قید لگائی ہے یہ باعتبار اکثر اور غالب کے ہے اور غیر مکلفہ ہونے کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں نابالغہ لڑکی کا ولی مخاطب ہے، کیونکہ وہی اس کو عدت میں بیٹھنے کا بھی حکم دے گا اور سوگ کرنے کا بھی حکم دے گا اور آپ نے جو فرمایا کہ ہر وہ عورت جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو اس کے عموم میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا اور آزاد یا باندی یا جس کا بعض حصہ آزاد ہو یا جو مکاتب ہو یا جو ام ولد ہو وہ سب داخل ہیں، کیونکہ جب کسی باندی یا ام ولد کا مالک فوت ہو جائے تو اس کے اوپر بھی عدت کرنا واجب ہے اور اس کی موت پر سوگ کرنا واجب ہے، اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں خاوند کی قید ہے کہ وہ صرف اپنے خاوند کی موت پر چار ماہ دس دن سوگ کرے گی تو اس سے معلوم ہوا کہ باندی کا مالک فوت ہو جائے یا ام ولد کا مالک فوت ہو جائے تو اس کے اوپر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

ذمیہ کے خاوند پر سوگ کرنے کے وجوب میں فقہاء اسلام کا اختلاف

حدیث مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''ہر وہ عورت جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو''، اس سے فقہاء احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ ذمیہ عورت کا خاوند اگر فوت ہو جائے تو اس پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ایمان کی

قید ہے اور بعض مالکیہ اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور اسی کے موافق امام نسائی نے باب قائم کیا ہے اور جمہور فقہاء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ مبالغہ میں تاکید کے لیے فرمایا ہے اور اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ اور نیز سوگ کرنا خاوند کا حق ہے اور یہ عدت کے ساتھ ملا ہوا ہے، لہٰذا کافرہ بھی اس معنی میں داخل ہے جیسا کہ کافر اس ممانعت میں داخل ہے کہ وہ اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے، اور علامہ سبکی نے اپنے فتاویٰ میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ ذمیہ بھی اس حدیث میں داخل ہے کہ اللہ پر ایمان لائے اور آخرت پر ایمان لائے۔ نیز اس حدیث میں ارشاد ہے "کہ عورت کسی میت پر سوگ نہ کرے سوائے اپنے خاوند کے"، اس حدیث میں میت کی قید سے مفقود الخبر نکل گیا ہے کیونکہ مفقود الخبر کی موت متحقق نہیں ہے، لہٰذا مفقود الخبر پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

(فتح الباری ج۹ ص ۴۸۵-۴۸۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج۶ ص ۵۳۸-۵۳۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ نابالغہ پر سوگ کے واجب نہ ہونے پر علامہ کورانی نے دلائل پیش کیے ہیں، جن کا ہم نے ان کی شرح میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے، سو احناف کے موقف پر دلائل علامہ کورانی حنفی کی شرح میں ملاحظہ فرمائیں جو عنقریب آئے گی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صغیرہ نابالغہ کے سوگ پر دلائل

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

زہری نے کہا: میری یہ رائے نہیں ہے کہ جس کم سن لڑکی کا خاوند فوت ہو گیا ہو، وہ خوشبو لگائے، کیونکہ اس پر عدت واجب ہے،
شیخ عثیمین نے کہا: زہری کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، خواہ وہ کم سن ہو اور پالنے اور پنگوڑہ میں ہو یعنی مہد میں ہو، اس پر بھی عدت واجب ہے اور سوگ کرنا واجب ہے۔ پس اگر کوئی انسان کسی بچی سے اس کے پالنے میں نکاح کرے اور وہ فوت ہو جائے تو اس بچی کے اوپر عدت بھی واجب ہے اور اس پر سوگ بھی واجب ہے اور وہ کسی زینت کو اختیار نہیں کرے گی اور نہ خوشبو کے قریب جائے گی، کیونکہ اس پر عدتِ وفات اور سوگ کرنا واجب ہے۔ اور اگر اس کا خاوند اس کو طلاق دے دے تو اس کے اوپر عدت واجب نہیں ہے حتیٰ کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ خلوت کرے، اگر اس کے خاوند نے اس کو پکڑا اور وہ پالنے میں بچی تھی اور اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھا اور اس سے کھیلنے لگا تو اس پر عدت نہیں ہے۔ اور اگر اس نے اس کو طلاق دے دی تو اس خلوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ خلوت اسی کے ساتھ معتبر ہوتی ہے کہ جس کے ساتھ وطی کی جاسکے لیکن عدتِ وفات میں اس کم سنی کے باوجود عدت واجب ہوتی ہے، تو اس بچی کا ولی اس کو حکم دے گا کہ وہ بناؤ سنگھار کی ان چیزوں سے اجتناب کرے جن سے سوگ کرنے والی عورت اجتناب کرتی ہے۔

سوال: کیا جو لڑکی سات سال سے کم عمر کی ہو اس کا عقدِ نکاح کرنا صحیح ہے؟

جواب: ہاں! اس کا نکاح صحیح ہے، کیونکہ اس کا قبول کرنا اس کے باپ کی طرف سے ہوگا، لیکن جو باپ کا غیر ہو، اس کے لیے اس کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

باپ یا بھائی اور دیگر رشتہ داروں پر سوگ کرنے کا جواز

صحیح البخاری: ۵۳۳۴، سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کسی عورت کے لیے جائز ہے کہ جب اس کا کوئی قریبی رشتہ دار باپ یا بھائی یا اس کی مثل فوت ہو جائے تو اس پر تین دن سوگ کر سکتی ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے خاوند کے سوا کسی پر بھی تین دن سے زیادہ سوگ

کرنے سے منع فرمایا ہے اور خاوند کے اوپر چار ماہ دس دن سوگ کرنے کو لازم فرمایا ہے۔

سوال: اس حدیث میں یہ قید ہے کہ وہ عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، تو وہی اپنے خاوند کی موت پر چار ماہ دس دن سوگ کرے گی، اور خاوند کے علاوہ کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کرے گی، تو کیا اس میں یہ دلیل ہے کہ کافرہ اپنے کسی عزیز اور رشتہ دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کر سکتی ہے؟

جواب: نہیں! کیونکہ یہ وصف برانگیختہ کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے، یعنی اگر وہ حقیقتاً ایمان رکھتی ہے تو وہ ایسا نہیں کرے گی، اور یہ اس پر دلیل ہے کہ اپنے کسی رشتہ دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا گناہِ کبیرہ ہے، کیونکہ ایسا کرنے والے سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی نفی کی ہے۔

سوال: کیا اسی طرح مرد کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اپنے کسی رشتہ دار کی موت پر تین دن سوگ کرے؟

جواب: علماء نے کہا ہے کہ ہاں مرد بھی اپنے کسی رشتہ دار کی موت پر تین دن یا اس سے کم سوگ کر سکتا ہے، کیونکہ جب عورت کے لیے اجازت دی گئی ہے تو یہ اجازت مرد کو بھی شامل ہے، کیونکہ انسان کو اپنے کسی رشتہ دار کی موت سے غم ہوتا ہے اور وہ اپنے کسی رشتہ دار کی موت کے اوپر مجلس میں اسی طرح ہنسی خوشی نہیں رہے گا جس طرح اس کی زندگی میں ہنسی خوشی کے ساتھ رہتا تھا، لیکن تین دن سے زیادہ اس کا اپنے کسی رشتہ دار کی موت کے اوپر غم کرنا اور لوگوں سے ہنسی خوشی کے ساتھ نہ ملنا یہ جائز نہیں ہے۔

جاہلوں کی بعض رسموں پر شیخ عثیمین کا رد اور ابطال

بعض جاہل لوگ یہ کرتے ہیں کہ جب ان کا کوئی رشتہ دار فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس پر چالیس دن تک یا اس سے زیادہ مدت تک ماتم کرتے ہیں، اور یہ عقلی طور پر جہالت ہے اور دین میں گمراہی ہے، کیونکہ اس سے نہ میت کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ زندہ کو، کیونکہ اگر وہ اپنے غم میں صادق ہو، تو اس سے اس کا غم اور تازہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے کبھی کبھی شیطان اس کے پاس میت کی صورت میں آتا ہے، تا کہ اس کا غم تازہ ہو جائے اور وہ اس سے پوچھتا ہے: کیا تم نے میرے باپ کو دیکھا یا میرے چچا کو دیکھا یا میرے بھائی کو دیکھا، میں اس کے لیے کیا کروں، کیا میں اس کے لیے صدقہ کروں یا اس کے لیے نماز پڑھوں یا کیا کروں؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا کچھ نہ کریں کیونکہ یہ صرف شیطان اس میت کے غم کو تازہ کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔

شیخ عثیمین کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ کسی فوت شدہ انسان پر غم ہونا فطری بات ہے، اور وہ اپنے کسی فوت شدہ عزیز کے لیے صدقہ اور خیرات کرے اور ایصالِ ثواب کرے تو ان چیزوں کا ثبوت قرآن اور سنت میں موجود ہے۔

کسی عزیز کی موت پر غم کا ثبوت

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابو سیف لوہار کے پاس گئے، جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دایہ کے شوہر تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو اٹھایا ان کو بوسہ دیا، ان کو سونگھا، پھر وہ اس کے بعد داخل ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی جان اللہ کو سپرد کر رہے تھے، تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، تو ان سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ بھی؟، آپ نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ آنسو رحمت ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں اور دل غمزدہ ہوتا ہے اور ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق پر غمزدہ ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۳۰۳، صحیح مسلم: ۲۳۱۵، سنن ابوداؤد: ۳۱۲۶، سنن ابن ماجہ: ۱۵۸۹، مسند احمد: ۱۲۶۰۲)

قرآن مجید سے ایصال ثواب کا ثبوت

اللہ تعالیٰ والدین کے لیے دعا کرنے کا حکم دیتا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؀ (اسراء: ۲۴) اور کہو کہ اے میرے رب میرے والدین پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے O

جس طرح اولاد کی دعا سے والدین کو نفع پہنچتا ہے، اسی طرح اولاد کے ایصال ثواب سے بھی والدین کو نفع پہنچتا ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ (حشر: ۱۰) اے ہمارے رب! ہماری بخشش فرما اور ہمارے ان مسلمان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے فوت ہو چکے ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کے فوت شدہ بھائیوں کے لیے دعا کا ذکر ہے، اور جس طرح مسلمانوں کی دعا سے مسلمان میت کو فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کے دیگر نیک اعمال سے بھی مسلمان میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن میں دوسروں کے لئے شفاعت کا ذکر ہے، ایصال ثواب کی واضح دلیل ہیں۔

احادیث اور آثار سے ایصال ثواب کا ثبوت

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک فوت ہو گئیں اور میرا گمان یہی ہے کہ اگر وہ کچھ بات کر سکتیں تو صدقہ کرتیں، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کر دوں تو کیا ان کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہو گئیں اور وہ موجود نہ تھے، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں غائب تھا اور میری والدہ فوت ہو گئیں، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنا پھلوں والا باغ اپنی والدہ کی طرف صدقہ کر دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن عبادہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! سعد کی والدہ فوت ہو گئیں، پس کس چیز کا صدقہ کرنا سب سے افضل ہے، آپ نے فرمایا: پانی کا، انہوں نے کنواں کھودا اور کہا: یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۶، مطبوعہ

مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی ماں کی طرف سے باغ بھی صدقہ کیا اور کنواں بھی صدقہ کر دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے سرمئی خصی مینڈھے ذبح کیے، جب آپ نے ان کو قبلہ کے رخ گرایا تو آپ نے یہ دعا پڑھی:

انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین، ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا من المسلمین، اللھم منک ولک عن محمد وامتہ بسم اللہ واللہ اکبر، اس کے بعد آپ نے ذبح کیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

امام ابوداؤد کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے اس کو قبول فرما۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

حنش کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھے ذبح کرتے ہوئے دیکھا، میں نے کہا: یہ کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، پس میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹-۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں، اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے، یہ اسناد صحیح ہے (یعنی روزوں کا فدیہ دے)۔

(سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۹۵، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت نے آ کر کہا: میری بہن فوت ہو گئی اور اس پر روزے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا قرض ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۹۵، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، اور وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس کی طرف سے حج کرو، یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا قرض ادا کرو، کیونکہ وہ ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہو گئیں اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور تم پانی کا صدقہ کرو، اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الکتب العربی، ۱۴۰۲ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص نفلی صدقہ کرے اور اس کو اپنے والدین کی طرف سے کر دے تو اس کے والدین کو اس کا اجر ملتا ہے اور اس کے اجر سے کچھ کمی نہیں ہوتی، اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں خارجہ بن مصعب ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۸-۱۳۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۲ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد میت کے لیے ایک درجہ بلند کیا جائے گا، وہ کہے گا: اے رب! یہ کیا ہے؟ پس کہا جائے گا: تیرے بیٹے نے تیرے لیے بخشش کی دعا کی ہے! (الادب المفرد، ص ۲۰-۲۱، مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ، سانگلہ ہل)

ایصالِ ثواب کے متعلق علماء غیر مقلدین کا نظریہ

نواب صدیق حسن خان بھوپالی کہتے ہیں:

زندہ انسان، نماز، روزہ، تلاوت قرآن، حج اور دیگر عبادات کا جو ثواب میت کو ہدیہ کرتا ہے وہ میت کو پہنچتا ہے، اور زندہ انسان کا اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے یہ عمل نیکی، احسان اور صلہ رحمی کے قبیل سے ہے، اور تمام مخلوقات میں جس کو نیکی اور احسان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ میت ہے جو تحت الثریٰ میں رہتے ہیں، اور اب نیک اعمال کرنے سے عاجز ہے، پھر اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے عبادات کا ہدیہ پیش کرنا ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے، سو جو شخص میت کے لیے ایک دن کے روزے یا قرآن مجید کے ایک پارے کی تلاوت کا ہدیہ پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دس روزوں اور دس پاروں کا اجر عطا فرمائے گا۔

اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی عبادات کو دوسروں کے لیے ہدیۃً پیش کرنا اس سے بہتر ہے کہ انسان ان عبادات کا اپنے لیے ذخیرہ کرے، یہی وجہ ہے کہ جس صحابی نے کہا تھا کہ میں اپنی دعا کا تمام وقت آپ پر صلوٰۃ پڑھنے میں صرف کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے لیے کافی ہے! یہ وہ صحابی ہیں جو بعد کے تمام لوگوں سے افضل ہیں، پھر اس قول کا کیا جواز ہے کہ سلف صالحین نے فوت شدہ لوگوں کے لیے ایصالِ ثواب نہیں کیا! کیونکہ اس قسم کے ایصالِ ثواب کے لیے لوگوں کی شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ سلف صالحین نے ایصالِ ثواب نہیں کیا تھا تو اس سے ایصالِ ثواب میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ مستحب ہے، واجب نہیں ہے اور ہمارے لیے ایصالِ ثواب کے جواز کی دلیل موجود ہے خواہ ہم سے پہلے کسی نے ایصالِ ثواب کیا ہو یا نہ!

شیخ ابن قیم نے ایصالِ ثواب کے دلائل میں سے دعاء، استغفار اور نمازِ جنازہ کو پیش کیا ہے اور ان تمام کاموں کو سلف صالحین نے کیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ کے لیے اذان کے بعد فضیلت اور وسیلہ (بلند درجہ) کی دعا کی جائے، اور آپ پر صلوٰۃ پڑھی جائے، اور یہ قیامت تک مشروع ہے، اور ہم نے اپنے مشائخ اور قرابت داروں کو دعاء، تلاوتِ قرآن اور صدقات کا ثواب پہنچایا اور ہم نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے اس پر ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہمیں معلوم ہوگیا کہ ان تک ہمارا نفع پہنچا ہے، عبدالحق نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر سورۂ بقرہ پڑھی جائے، امام احمد پہلے ایصالِ ثواب کا انکار کرتے تھے، جب انہیں حضرت ابن عمر کے اس قول کا علم ہوا تو انہوں نے اس انکار سے رجوع کر لیا۔ امام ابن ابی شیبہ نے حجاج

بن دینار سے مرفوعاً روایت کیا ہے: تم اپنی نمازوں کے ساتھ ماں باپ کی طرف سے نماز پڑھو، اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کی طرف سے روزے رکھو اور اپنے صدقہ کے ساتھ ان کی طرف سے صدقہ کرو، حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے مردوں پر یٰسین پڑھو'' اس کا ایک احتمال یہ ہے کہ انسان کی موت کے وقت پڑھو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کی قبر پر پڑھو، علامہ سیوطی نے کہا: جمہور نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور شیخ ابن قیم نے کئی دلائل سے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے، عبدالواحد مقدسی نے کہا: یہ احادیث مرفوعہ اور صالحین کی خواب میں بشارتیں ایصال ثواب کے جواز پر اور میت کو اس سے نفع پہنچنے پر دلالت کرتی ہیں، شیخ نے کہا: ہر چند کہ سلف صالحین کی بشارات دلیل نہیں بن سکتیں، لیکن بکثرت بشارات اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہارے خوابوں سے اس کی موافقت ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں ہے۔

(السراج الوہاج ج ۲ ص ۵۵، مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۰۲ھ)

ایصال ثواب کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

میت کی طرف سے قرضوں کو ادا کرنا، صدقات کرنا اور دیگر تمام عبادات معتبر ہیں۔

(فیض الباری ج ۳ ص ۱۳۴، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۵۷ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی نے متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے ایصال ثواب کے ثبوت میں احادیث بیان کیں، اور اس کے بعد لکھا: ان احادیث اور آثار کے علاوہ بکثرت احادیث اور آثار ہیں جو حد تواتر تک پہنچتے ہیں، اور ان سے ایصال ثواب ثابت ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی عبادات کا ثواب دوسروں کو پہنچاتا ہے اس سے دوسروں کو نفع ہوتا ہے اور یہ چیز تواتر سے ثابت ہے۔

(فتح الملہم ج ۳ ص ۳۹، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی)

ایصال ثواب کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

فاتحہ دلاتے وقت کھانا سامنے رکھنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اور وقت فاتحہ کھانے کے قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولی ثواب یا جواز فاتحہ میں کچھ خلل نہیں، جو اسے ناجائز و ناروا کہے، ثبوت اس کا دلیل شرعی سے دے، ورنہ اپنی طرف سے بحکم خدا و رسول کسی چیز کو ناجائز و ناروا کہہ دینا خدا اور رسول پر افتراء کرنا ہے، ہاں اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائے گا ثواب نہ پہنچے گا تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے لیکن نفس فاتحہ میں اس اعتقاد سے کچھ بھی حرف نہیں آتا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۹۵، مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

ایصال ثواب کی تفصیل اور غنی کے کھانے کی تحقیق بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

طعام تین قسم کا ہے، ایک وہ کہ عوام ایام موت میں بطور دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز و ممنوع ہے، لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور، اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں، دوسرے وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصال ثواب کے لیے بہ نیت تصدق کیا جاتا ہے، فقراء اس کے لیے احق ہیں، اغنیاء کو نہ چاہیے، تیسرے وہ طعام کہ نذر

ارواح طیبہ (اس نذر سے مراد ایصال ثواب کی نذر ہے، یہ نذر عرفی ہے، شرعی اور فقہی نذر مراد نہیں ہے کیونکہ وہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لیے حرام ہے، اس نذر عرفی کی مزید وضاحت عنقریب اعلیٰ حضرت کی دیگر عبارات سے پیش کی جائے گی۔ سعیدی غفرلہ)، حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کیا جاتا ہے اور فقراء و اغنیاء سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے، یہ سب کو بلا تکلف روا ہے اور وہ ضرور باعث برکت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۴، مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

(شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۵۰۹-۵۰۰، مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات انڈیا، ۱۴۲۳ھ)

زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام کی عدت کا فرق

شیخ عثیمین لکھتے ہیں:

اسلام میں عورت چار ماہ دس دن عدت گزارے گی، اور عدت کے دوران اس کو غسل کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا اور نہ لوگوں کے ساتھ مجلس سے منع کیا جائے گا، اور جب وہ حیض سے پاک ہو جائے گی، تو وہ خوشبو لگائے گی تاکہ حیض کی بدبو زائل ہو جائے اور جیسے کپڑے چاہے گی وہ پہنے گی، لیکن وہ زینت کو اختیار نہیں کرے گی، اور کوئی شک نہیں کہ یہ اسلام اور جاہلیت میں فرق ہے۔

اور جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند مر جائے تو اس کی بیوی کسی کے ساتھ نہیں بیٹھتی اور نہ خوشبو لگاتی ہے اور وہ اپنے میلے کچیلے کپڑوں اور بدبو کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے اور اپنے حیض میں بھی اسی طرح رہتی ہے اور پورے ایک سال تک وہ پانی کو نہیں چھوتی، اور جب سال گزر جاتا ہے تو اس کے لیے گدھا لایا جاتا ہے یا کوئی اور جانور لایا جاتا ہے یا پرندہ لایا جاتا ہے، پھر وہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو رگڑتی ہے اور اس کی سخت بدبو کی وجہ سے وہ جانور مر جاتا ہے، پھر وہ اونٹ کی ایک مینگنی اٹھا کر مارتی ہے اور اونٹ کی مینگنی اٹھا کر مارنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کی عدت ختم ہوگئی ہے۔ اور یہ بہت بڑی جہالت ہے اور سخت حماقت ہے۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام ایک مکمل مذہب ہے جس نے یہ ہدایت دی کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے وہ صرف چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور یہ اس کے خاوند کا اس پر حق ہے۔

خلاصہ بحث

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا، خواہ وہ عورت کم سن ہو یا بالغہ ہو اس کے ساتھ دخول کیا گیا ہو یا دخول نہ کیا گیا ہو، اس پر واجب ہے کہ وہ اس عدت کی مدت کے اندر سوگ کرے، لیکن جب وہ عورت حاملہ ہو تو وہ وضع حمل تک عدت گزارے، اور اگر وہ غیر حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، حتیٰ کہ جب اس مدت کے اندر اس کو صرف ایک مرتبہ حیض آئے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور اگر کبھی حیض نہ آئے تو جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے اس کے اوپر کوئی عدت نہیں ہے۔

سوال: جو عورت تین دن حیض گزار رہی ہے، اگر اس کا خاوند اس کو جماع کے لیے بلائے تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو منع کرے؟

جواب: نہیں یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ عورت کسی کے حق کو ضائع نہیں کر سکتی، لیکن اس کے خاوند کو چاہیے کہ وہ اس کے سوگ کی رعایت کرے اور سوگ کے ایام میں اس کو مباشرت کے لیے نہ بلائے۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۰۰-۱۰۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

''الاحداد'' کا معنی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی التوفی ۸۹۳ھ، سوگ کے متعلق لکھتے ہیں:

''الاحداد'' کا معنی ہے: زینت کو ترک کرنا اور عمدہ کپڑے اور زیورات کو نہ پہننا، یہ لفظ حد سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ''المنع''، کہا جاتا ہے ''حدت المراۃ واحدت''، جب عورت سوگ کرے، اور امام ترمذی نے حکایت کی ہے کہ یہ لفظ تحد کے بجائے تجد ہے اور جد سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''قطع'' ہے، مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کی وفات کے ایام میں اچھے کپڑوں اور زیورات سے منقطع ہو جاتی ہے۔

نابالغہ اور کافرہ کے سوگ کے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات اور فقہاءِ احناف کی دلیل

ابن شہاب زہری نے کہا ہے: میری رائے یہ ہے کہ نابالغہ لڑکی بھی خوشبو کے قریب نہ جائے، اور زہری کے اسی قول کے موافق امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مذہب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ سوگ کرنا خاوند کا حق ہے، خواہ اس کی بیوی مکلفہ ہو یا غیر مکلفہ ہو، مسلمان ہو یا کافر ہو، اور حدیث میں جو ارشاد ہے ''کہ وہ عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہو اور آخرت پر''، یہ ارشاد باعتبار اکثر اور غالب کے ہے، اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ کافرہ اور نابالغہ کو احکامِ شرعیہ کا خطاب نہیں ہوتا، لہٰذا جو عورت نابالغہ ہے یا کافرہ ہے اس کو سوگ کے اس حکم کے ساتھ مخاطب نہیں کیا گیا، لہٰذا نابالغہ اور کافرہ کا خاوند اگر فوت ہو جائے تو اس کے اوپر اپنے خاوند کی موت کے اوپر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

کفار کے فروع کے مکلف ہونے میں علماء بخارا اور علماء شافعیہ کا اختلاف اور صحیح موقف کا بیان

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کفار فروع (مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ) کے مکلف فقط اعتقاد میں ہیں، یا اداء اور اعتقاد دونوں کے مکلف ہیں، بخارا کے علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ وہ صرف حق اعتقاد میں مکلف ہیں، یعنی کفار پر یہ ضروری ہے کہ وہ نماز، روزہ وغیرہ کی فرضیت کا اعتقاد رکھیں اور جب تک وہ ایمان نہ لائیں ان پر ان عبادات کا ادا کرنا فرض نہیں ہے، اور عراق کے علماء احناف اور علماء شافعیہ کا یہ مسلک ہے کہ کفار نماز، روزہ وغیرہ کی فرضیت پر ایمان لانے اور ان کو ادا کرنے دونوں کے مکلف ہیں اور ان کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے ان کو عذاب ہوگا، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے ان میں سے کسی جانب تصریح نہیں کی، البتہ امام محمد کی بعض عبارات سے عراقی علماء کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور قرآن مجید کی ان آیات کا بھی یہ ظاہر یہی تقاضا ہے:

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۝ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ ۝ (حم السجدہ:۶)

اور عذاب ہے مشرکوں کے لیے ۝ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہی آخرت کے منکر ہیں ۝

علماء بخارا اس آیت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ مشرکین کو زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے عذاب ہوگا، فریقین کے اس اختلاف کا بہ غور مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء بخارا کا نظریہ صحیح ہے، کیونکہ اگر کفار اپنے کفر کے زمانہ میں نماز اور روزہ وغیرہ کے ادا کرنے کے مکلف ہوں تو اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر نمازوں اور روزوں کی قضاء لازم ہونی چاہیے، حالانکہ عہد رسالت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام قبول کرنے کے بعد زمانہ کفر میں چھوڑی ہوئی

نمازوں اور روزوں کا مکلف کیا ہو۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ عراقیوں کا قول ہی معتمد ہے جو کہتے ہیں کہ کفار اعتقاد اور اداء دونوں کے مخاطب ہیں۔

(ردالمحتارج ۳ص ۲۲۳، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

(تبیان القرآن ج ۱ص ۳۰۴-۳۰۵، فرید بک اسٹال لاہور)

صحیح البخاری: ۵۳۳۴ میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا! یا رسول اللہ! میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں تو کیا وہ سرمہ لگا لے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا: نہیں!، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عدت تو صرف چار ماہ دس دن ہے اور اس سے پہلے تم زمانہ جاہلیت کے اندر اونٹ کی ایک مینگنی ایک سال کے بعد پھینکتی تھیں۔

سوگ کرنے والی عورت کو سرمہ سے منع کرنے کی تحقیق

علامہ احمد بن اسماعیل کورانی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ منع فرمایا، یہ آپ نے ممانعت میں مبالغہ اور جھڑکنے کے لیے منع فرمایا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ اور امام نسائی متوفی ۱۷۹ھ نے روایت کی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کسی عورت کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے رات میں سرمہ لگانے کی اجازت دی۔

(سنن نسائی: ۳۵۴۷، کتاب الطلاق، باب رخصۃ للحادۃ، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۵، فی ما تجتنبہ المعتدۃ فی عدتھا)

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ سرمہ لگانا یا تو زینت کی وجہ سے ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اس عورت کو سرمہ لگانے کی اپنے مرض کی وجہ سے ضرورت ہے، اس لیے آپ نے اجازت دی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم میں سے کوئی ایک زمانہ جاہلیت میں ایک سال کے بعد اونٹ کی ایک مینگنی پھینک دیتی تھی۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں عدت اس طرح ہوتی تھی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اونٹ کی مینگنی پھینکنے سے ان کا کیا ارادہ ہوتا، تو میں کہوں گا کہ بیوہ عورت کا عدت گزارنا اور سوگ کرنا اس اونٹنی کی مینگنی کے پھینکنے سے زیادہ آسان ہے اور اس میں یہ کنایہ ہے کہ اس کے خاوند کی موت کا معاملہ بہت سنگین ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں ایک سال تک سوگ کرنے والی عورت کے اپنے جسم کو کسی جانور کے ساتھ رگڑنے کی توجیہ

پھر اس حدیث میں مذکور ہے کہ پھر کسی چوپائے یا گدھے یا بکری یا پرندے کو لایا جاتا ہے اور وہ عورت اس کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی ہے۔ یعنی وہ اس کے ساتھ اپنی فرج کو رگڑتی ہے اور اتنا عرصہ حیض کے خون کو نہ دھونے کی وجہ سے اس کی فرج میں سخت بدبو ہوتی ہے اور وہ جانور اس سخت بدبو کی وجہ سے مر جاتا ہے اور عرب یہ معاملہ کر کے یہ تجربہ کرتے تھے کہ آیا اس عورت نے اس ایک سال کے اندر حیض آنے کے بعد اپنی فرج کو دھویا یا نہیں، کیونکہ اگر وہ اپنی فرج کو دھو لیتی تو اس سے اتنی سخت بدبو نہ آتی، اور جب سخت بدبو آئی اور وہ جانور اس بدبو کی وجہ سے مر گیا تو عرب کے لوگوں کو یہ تسکین اور تسلی ہو گئی کہ اس عرصہ میں اس عورت نے غسل نہیں کیا اور وہ اسی طرح میلی کچیلی اور بدبو کی حالت میں زندگی گزارتی رہی۔

عدت وفات میں سوگ کرنے کی توجیہ

علامہ مازری وغیرہ نے لکھا ہے کہ زینت اور خوش بو نکاح کی محرک ہوتی ہیں اور خاوند معدوم ہے، اور زینت نکاح کے تابع ہے، لیکن یہ توجیہ لغو ہے کیونکہ خاوند وفات اور طلاق دونوں میں معدوم ہوتا ہے، بلکہ سوگ کو عدتِ وفات کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ سوگ کی حکمت یہ ہے کہ خاوند کے فوت ہونے کی وجہ سے مصیبت کا اظہار کیا جائے اور عدتِ طلاق کے اندر خاوند کی کوئی حرمت نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی رعایت ہے کیونکہ خاوند ہی نے طلاق دے کر بیوی کو ایذاء پہنچائی ہے، علاوہ ازیں امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ جس عورت کو طلاقِ بائن دی گئی ہے وہ سوگ کرے گی اور امام احمد بن حنبل سے بھی یہی ایک روایت ہے اور امام شافعی نے بھی کہا ہے کہ اس کے لیے سوگ کرنا مستحب ہے۔ (الکوثر الجاری، ج ۹ ص ۵۹-۶۱، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۵، ۵۳۳۶، ۵۳۳۷ کی شرح از علامہ رضوی

باب: ''جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے''

دراصل ''احداد'' بمعنی منع ہے اور اس سے مراد وہ عورت ہے جو اپنے آپ کو زینت اور خوشبو وغیرہ سے دور رکھے، اور منگنی کرنے والوں اور اس میں طمع کرنے سے منع کرے۔

''زہری نے کہا: میں نہیں جانتا کہ کم سن لڑکی جس کا شوہر فوت ہو جائے وہ خوشبو کے قریب جائے، کیونکہ اس پر عدت ہے''۔

کمسن لڑکی جس کا شوہر فوت ہو جائے اس کے زینت ترک کرنے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر ترکِ زینت واجب نہیں اور دوسرے تینوں ائمہ کرام کے نزدیک واجب ہے، ظاہر یہ ہے کہ زہری نے یہ اجتہاد سے کہا ہے، اس میں کوئی روایت ذکر نہیں کی، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ان کے خلاف ہے، اور دوسرے ائمہ کا اجتہاد ان کے موافق ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ کم سن لڑکی موطوءَ ہے یا غیر موطوءَ ہے۔

حمید بن نافع نے زینب بنت ام سلمہ سے روایت کی کہ انہوں نے اسے تینوں حدیثوں کی خبر دی (ان میں سے ایک یہ ہے)، زینب نے کہا: میں ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجہ محترمہَ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی جب کہ ان کے والد ابوسفیان بن حرب فوت ہو گئے، ام حبیبہ نے خوشبو منگائی جس میں خلوق وغیرہ کی زردی تھی، انہوں نے اس سے کم سن بچی کو خوشبو لگائی، پھر اپنے رخساروں کو لگائی، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے خوشبو کی حاجت تو نہیں لیکن میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی عورت، جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، مگر شوہر پر چار ماہ دس دن سوگ منائے، زینب نے کہا: میں ام المومنین زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کے پاس گئی جس وقت ان کا بھائی فوت ہوا تھا تو انہوں نے خوشبو منگائی اور اس سے کچھ خوشبو لگائی: پھر فرمایا، بخدا! مجھے خوشبو کی حاجت نہیں، لیکن میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر شریف پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی عورت کے لئے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے حلال نہیں کہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے مگر شوہر پر چار ماہ دس دن سوگ منائے، زینب نے کہا: میں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک عورت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بیٹی کا شوہر

فوت ہوگیا ہے اور اس کی آنکھوں میں درد ہے، کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا سکتی ہوں؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرمہ مت لگاؤ! دو یا تین بار فرمایا، ہر بار فرماتے: سرمہ مت لگاؤ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو صرف چار ماہ دس دن ہیں، حالانکہ تم میں کوئی عورت جاہلیت کے زمانہ میں ایک سال کے بعد مینگنی پھینکتی تھی، حمید نے کہا: میں نے زینب سے کہا: اس کے معنی کیا ہیں کہ وہ سال کے بعد مینگنی پھینکتی تھی، زینب نے کہا: جس عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تھا وہ چھوٹے سے کمرہ میں داخل ہو جاتی اور بدترین کپڑے پہن لیتی اور خوشبو وغیرہ نہ لگاتی حتیٰ کہ اس پر ایک سال گزر جاتا، پھر کوئی جانور گدھا یا بکری یا پرندہ لایا جاتا تو وہ اس کے چمڑے پر ہاتھ پھیرتی تو بہت کم ایسا ہوتا کہ جس پر وہ ہاتھ پھیرتی مگر وہ مر جاتا تھا، پھر وہ باہر نکلتی تو اس کو مینگنی دی جاتی اس کو وہ پس پشت پھینکتی، پھر اس کے بعد خوشبو وغیرہ لگاتی تھی، امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: تفتض کے معنی کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اس سے اپنی کھال ملتی تھی۔

جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کی بیوہ کو چار ماہ دس دن عدت وفات پوری کرنے میں حکمت یہ ہے کہ عورت کے پیٹ میں بچے کی کمالِ تخلیق اور اس میں نفخ روح ایک سو بیس دن کے بعد ہوتا ہے، چونکہ چاند کی کمی بیشی سے فرق پڑ جاتا ہے اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے اس عدد پر احتیاطاً دس روز کا اضافہ کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کے سوا اور کسی پر تین دن سے زیادہ سوگ جائز نہیں۔ جس عورت نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال عرض کیا تھا اس کا نام عاتکہ بنت نعیم بن عبداللہ بن نحام ہے، بعض نے کہا: عورت کا نام عاتکہ ہے اور اس کی ماں کا نام معلوم نہیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں دو تین بار فرمایا کہ وہ سرمہ مت لگائے، لیکن موطا وغیرہ میں ہے کہ حضور نے فرمایا: رات کو لگا لیا کرو اور دن کو صاف کر دیا کرو، یعنی جب سرمہ لگانے کی ضرورت نہ ہو تو جائز نہیں اور جب اس کی احتیاج ہو تو رات کو جائز ہے دن میں جائز نہیں، بہتر یہ ہے کہ سرمہ ہرگز نہ لگائے اگر لگایا ہو تو دن کو پونچھ دے، لیکن متن کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ عدت کے ایام میں سرمہ کرنا حرام ہے اگرچہ اس کی احتیاج ہو، لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، بعض نے کہا: حدیث میں نہی تنزیہہ کے لیے ہے، بعض نے مخصوص سرمہ پر محمول کیا ہے اور وہ سرمہ ہے جس سے زینت کی جاتی ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قد کانت احداکن فی الجاهلية اس میں یہ اشارہ ہے کہ اسلام میں اس کے خلاف حکم ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وصية لازواجهم متاعا الى الحول، پھر یہ حکم اس سے پہلی آیت سے منسوخ ہوگیا اور وہ یہ کہ ''يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا''، یہ ناسخ تلاوت کے اعتبار سے مقدم اور نزول کے اعتبار سے متاخر ہے۔

قوله خفشا، بکسر الخاء وسکون الفاء اور اس کے بعد شین ہے، اس کا معنی ہے: چھوٹا سا کمرہ، امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ذلیل اور پرانا کمرہ ہے۔

قوله فتفتض به، ابن قتیبہ نے کہا: میں نے اہل حجاز سے افتضاض کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ذکر کیا: معتدہ عورت نہ تو پانی کو ہاتھ لگاتی، نہ ناخن ترشواتی اور نہ بال اترواتی تھی، اور سال کے بعد بری حالت میں باہر نکلتی، پھر وہ عدت کو پرندہ سے توڑتی اور اس کو اپنی شرمگاہ سے مس کر کے پھینک دیتی، اس کے بعد وہ زندہ نہیں رہتا تھا۔

خطابی نے کہا: یہ ''فضضت الشئى'' سے ہے جب کہ اس کو توڑے اور جدا جدا کر دے، یعنی وہ سوگ کو اس پرندے سے توڑتی

تھی، اخفش نے کہا: یہ فضہ سے ماخوذ ہے، صفائی اور سفیدی میں چاندی سے تشبیہ دی گئی ہے، یعنی وہ جانور کو مس کر کے غسل کرتی حتیٰ کہ چاندی کی طرح سفید ہو جاتی۔ خلیل نے کہا: الفضفض کے معنیٰ خوش ذائقہ پانی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: افتضضته به یعنی اس کے ساتھ غسل کیا۔

قوله فترمی، یعنی اس مینگنے کو اپنے آگے پھینکتی تو یہ اس کو چھوٹے سے ذلیل اور برے کمرہ سے نکلنے کو حلال کرتا تھا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ عدت کو ایسے پھینکتی جیسے مینگنا پھینکا جاتا ہے، بعض نے کہا: اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ جس مصیبت پر صبر اور انتظار کرتی رہی جس میں مبتلا تھی، جب وہ ختم ہو گئی تو وہ اس کے نزدیک مینگنے کی مانند ہے جس کو حقارت سے پھینکا جاتا ہے، اس میں حقِ زوج کی تعظیم مقصود ہے۔

قوله سُئِل مالك، یعنی امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: تفتض کے معنیٰ کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا: وہ اپنے چمڑے سے مینگنے کو مس کرتی لیکن ہم نے اس سے پہلے جو ابن قتیبہ سے ابھی ابھی نقل کیا ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ کو مس کر کے پھینک دیتی کے منافی نہیں، لیکن اس سے خاص ہے، کیونکہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے مطلق جلد ذکر کی ہے اور جو ابن قتیبہ سے منقول ہے وہ شرمگاہ کی جلد ہے، بات ایک ہی ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے تقبص بالصاد ہے، اور قبص کے معنیٰ انگلیوں کے کناروں سے پکڑنا ہے اور یہ جلدی سے کنایہ ہے یعنی وہ برے منظر سے کثرت حیاء اور نکاح کے شوق کے باعث دوڑتی ہوئی تیزی سے اپنے والدین کے گھر جاتی تھی (قسطلانی) واللہ تعالیٰ و رسوله الاعلیٰ اعلم! (تفہیم البخاری ج ہشتم ص ۴۰۶-۴۱۰، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۳۵، ۵۳۳۶، ۵۳۳۷ کی شرح از شیوخ دیوبند

تُحِد، احداد سے ہے، احداد کے معنیٰ ترکِ زینت اور سوگ کرنے کے آتے ہیں، احداد لغت میں منع کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں معتدہ کا دورانِ عدت اپنے آپ کو زینت مثلاً خوشبو وغیرہ سامان زیبائش سے روکنے کو کہتے ہیں، بیوہ دوران عدت چار ماہ دس دن تک زینت سے احتراز کرے گی اور یہ سوگ کرنا اس پر واجب ہے، حضرت حسن بصری اور شعبی کے نزدیک واجب نہیں لیکن ان کا قول شاذ ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۷)

وقال الزهری: لا اری ان تقریب الصبیة الطیب، لان علیها العدة۔

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ کم سن لڑکی (جس کا شوہر مر جائے) خوش بو کے قریب جائے اور خوش بو لگائے اس لیے کہ اس پر بھی عدت ہے۔

اگر کمسن لڑکی اور نابالغ لڑکی کا شوہر مر جائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر بھی سوگ منانا واجب ہے، حضرات حنفیہ کے نزدیک اس پر سوگ واجب نہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۶، الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۴)

امام بخاری نے حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق ذکر کر کے ائمہ ثلاثہ کی تائید فرمائی ہے، "لان علیها العدة" سے جو علت ذکر فرمائی یہ امام زہری کے قول کا حصہ نہیں بلکہ امام بخاری نے ذکر فرمائی ہے کیونکہ ابن وہب نے اس کو موصولاً نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۶) حاصل یہ ہے کہ چونکہ کم سن نابالغ لڑکی پر بھی عدت گزارنا واجب ہے اس لیے سوگ منانا

بھی اس پر واجب ہونا چاہیے۔

حضرات حنفیہ روایت باب سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ہے ''لا یحل لامرأة تومن باللہ والیوم الأخر'' اس میں امرأة کا لفظ بولا گیا ہے جس کا اطلاق بالغہ پر ہوتا ہے نابالغ لڑکی کو ''امرأة'' نہیں کہتے، اس لیے نابالغ بچی کو سوگ منانے کا پابند نہیں بنایا جائے گا۔

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: کہ فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ کمسن لڑکی یعنی نابالغہ اور کافرہ احکام شرع کی مکلف نہیں ہیں، احکام شرع کے مکلف مسلمان بالغ افراد ہیں، لہٰذا نابالغہ لڑکی پر ایام عدت میں شوہر کی موت پر سوگ کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ فقہاء احناف کی بہت زبردست دلیل ہے، شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کو اس اہم دلیل کا بھی ذکر کرنا چاہیے تھا لیکن انہوں نے اپنے مطالعہ کی کمی کی وجہ سے فقہاء احناف کی اس اہم دلیل کا ذکر نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

سوگ کی مدت

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب میں حضرت حمید بن نافع کے واسطے سے حضرت زینب بن ابی سلمہ سے تین روایات نقل کی ہیں، ایک روایت میں حضرت ام حبیبہ، دوسری روایت میں حضرت زینب بنت جحش اور تیسری روایت میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ نقل کیا گیا ہے، زینب بنت ابی سلمہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ربیبہ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی (شوہر اول سے) بیٹی ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۶)

وہ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ کے پاس اس وقت گئی، جب ان کے والد حضرت ابوسفیان کا انتقال ہو گیا، حضرت ام حبیبہ نے خوشبو منگوائی جس میں خَلُوق یا کسی اور چیز کی زردی تھی، اور ایک لڑکی کو لگائی، پھر وہ ہاتھ اپنے رخسار پر پھیر لیے اور کہا کہ بخدا! مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، بجز شوہر کے کہ اس کا سوگ چار ماہ دس دن تک منائے۔

زینب فرماتی ہیں کہ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس گئی جب ان کے بھائی فوت ہوئے، انہوں نے بھی خوشبو منگوا کر اسے استعمال کیا اور فرمایا کہ بخدا! مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں مگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ کسی عورت کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں کہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے بجز شوہر کے کہ اس کا سوگ چار ماہ دس دن تک منائے۔

زینب بنت ابی سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے (اپنی والدہ) ام سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری بیٹی کا شوہر مر گیا ہے اور اس کی آنکھ میں تکلیف ہے، تو کیا ہم اس کو سرمہ لگا سکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا: ''نہیں نہیں''۔

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوہ عورت کے لیے ایامِ عدت اور ایامِ سوگ میں سرمہ لگانا مطلقاً ممنوع ہے، جب کہ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اس بحث میں لکھا ہے کہ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک بیوہ عورت رات اور دن میں ضرورت کے وقت سرمہ لگا سکتی ہے اور انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ سعیدی غفرلہٗ

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اب تو عدت کی مدت چار ماہ دس دن ہے جب کہ زمانۂ جاہلیت میں تم میں سے ایک عورت سال پورا ہونے پر مینگنی پھینکا کرتی تھی (اس کے بعد عدت سے باہر ہوتی تھی)۔

زمانہ جاہلیت کی عدت

راویٔ حدیث حضرت حمید کہتے ہیں: میں نے زینب بنت ابی سلمہ سے پوچھا کہ سال پورا ہونے پر مینگنی پھینکنے کا کیا مطلب ہے؟ تو زینب نے فرمایا: جب کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوجاتا تو وہ ایک تنگ کوٹھری میں داخل ہوجاتی، خراب قسم کا کپڑا پہن لیتی اور کسی قسم کی خوشبو نہیں لگاتی، یہاں تک کہ ایک سال گزر جاتا، اس کے بعد اس کے پاس ایک چوپایہ (گدھا، بکری یا کوئی پرندہ) لایا جاتا اور وہ اس پر اپنا جسم اور کھال پھیرتی، بہت کم ایسا ہوتا کہ جس پر وہ جسم پھیرے اور وہ مر نہ جائے، پھر وہ باہر نکل آتی، اس کو ایک مینگنی دی جاتی، وہ اسے پھینکتی، پھر وہ واپس ہوجاتی اور خوش بو وغیرہ جو چاہتی لگاتی (اس طرح اس کی عدت مکمل ہوجاتی)۔

امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ ''تفتض بہ'' سے کیا مراد ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عورت اس (جانور) سے اپنی کھال ملتی تھی۔

انها اخبرته هذه الاحاديث الثلاثة۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے حمید بن نافع کو تین احادیث سنائیں، ان تین میں سے ابتدائی دو روایات کتاب الجنائز میں گزر چکی ہیں۔ (صحیح البخاری کتاب الجنائز، باب احداد المرأۃ علی غیر زوجھا، رقم الحدیث: ۱۲۸۰، ۱۲۸۲، ج ص ۲۵۱)۔

البتہ آخری روایت یہاں پہلی بار ذکر فرمائی۔

حنفیہ اور مالکیہ اس سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ سوگ مومنہ پر واجب ہے، ذمیہ پر نہیں، کیونکہ یہ حکم صرف مومنہ کو شامل ہے، ذمیہ سے خاموش ہے اور اشیاء میں چونکہ اصل اباحت ہے، لہٰذا ذمیہ پر سوگ واجب نہیں، شوافع کے نزدیک ذمیہ پر بھی سوگ واجب ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۷) مالکیہ کے نزدیک مفقود الخبر کی بیوی بھی سوگ منائے گی، جمہور کے نزدیک نہیں، جمہور اس لفظ سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ مفقود الخبر کی وفات متحقق اور یقینی نہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۷)

شوہر کے علاوہ کسی دوسرے رشتہ دار پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا درست نہیں، امام ابوداؤد نے ''مراسیل'' میں عمرو بن شعیب کی روایت نقل کی ہے کہ باپ پر سات دن تک سوگ کیا جاسکتا ہے لیکن وہ روایت مرسل ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۸)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ مراسیل ابوداؤد کی یہ روایت کہ باپ کی وفات پر بھی سات دن تک سوگ کیا جاسکتا ہے بالکل صحیح نہیں ہے اور

جب کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح کی احادیث مستندہ میں یہ تصریح ہے کہ شوہر کی مرگ کے علاوہ اور کسی کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کیا جاسکتا، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ باپ کی موت کے اوپر سات دن تک سوگ کی اجازت دی جائے، شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کو چاہیے تھا کہ ابوداؤد کی اس مرسل روایت کو رد کردیتے اور کہتے کہ مستندہ روایات کے خلاف یہ مرسل روایت ہے، اس لیے اس روایت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور شوہر کی موت کے علاوہ اور کسی کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ باپ کی موت پر سات دن سوگ کرنے کی اجازت ہو جب کہ سیدتنا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو سوگ تین دن کے بعد کریم لگا کر توڑا تھا تو وہ ان کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے انتقال پر ہی تو تھا، اور وہ سب سے زیادہ قرآن و حدیث کو جاننے والی ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ بچہ کی کامل تخلیق اور نفخ روح کا مرحلہ ایک سو بیس دن گزرنے کے بعد مکمل ہوتا ہے، چار ماہ میں سے ہر ماہ اگر تیس دن کا ہو تو چار مہینوں کے ایک سو بیس دن بنتے ہیں لیکن چونکہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے اس لیے دس دن احتیاطاً بڑھائے دیئے گئے ہیں اور چار ماہ دس دن مقرر کیے گئے ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۶)

ایک اشکال اور اس کے جوابات

اس پر امام احمد کی ایک روایت سے اشکال ہوسکتا ہے جو حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے دن میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آج کے بعد تم نے سوگ نہیں منانا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۷۰۸)

اس سے سوگ منانے کی مدت تین دن معلوم ہوتی ہے، اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱) یہ حدیث شاذ ہے، کیونکہ یہ باب کی صحیح احادیث کی مخالف ہے، اس لیے معتبر نہیں۔

(۲) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکم پہلے تھا بعد میں احادیث باب سے منسوخ ہوگیا۔

(۳) اس میں جس سوگ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ عام سوگ نہیں تھا بلکہ حضرت اسماء نے معروف سوگ سے ہٹ کر بہت زیادہ مبالغہ کے ساتھ سوگ منایا جس سے منع کیا گیا۔

(۴) بعضوں نے کہا کہ حضرت اسماء حاملہ تھیں، تین دن کے بعد وضع حمل ہوگیا تھا اور وضع حمل سے عدت پوری ہوجاتی ہے، اس لیے سوگ سے انہیں منع کیا گیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۹)

جاءت امراۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس عورت کا نام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی، ابن وہب کی روایت میں عاتکہ بنت نعیم آیا ہے، البتہ اس کی بیٹی کا نام معلوم نہ ہوسکا، اس کی بیٹی کے شوہر کا نام اسی روایت میں مغیرہ مخزومی مذکور ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۹۰۹، ۹۰۱)

اشتکت عینھا:

''عینھا'' ''اشتکت'' کے لیے فاعل بھی بن سکتا ہے، اس کی آنکھ شکایت کررہی تھی، شکایت کی نسبت اس صورت میں ''عین'' کی طرف مجازاً ہوگی، اور ''عینھا'' کو مفعول بہ بھی بنایا جاسکتا ہے، ''اشتکت'' میں ضمیر فاعل ہوگی یعنی وہ لڑکی اپنی آنکھ کی

شکایت کر رہی تھی، منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اس دوسری صورت کو راجح قرار دیا اور علامہ حریری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو درست کہا، چنانچہ وہ "درة الغواص" میں فرماتے ہیں: "لا يقال: اشتكت عين فلان، والصواب ان يقال: اشتكى فلان عينه لانه هو المشتكى لاهى"۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۸)

افنكحلها:

نكحل نون کے ضمہ کے ساتھ باب افعال سے ہے، بمعنی سرمہ لگانا یعنی کیا ہم اس کو سرمہ لگا سکتے ہیں۔

كانت المرأة اذا توفى عنها زوجها دخلت حفشا۔

حفش (حاء کے کسرہ، فاء کے سکون کے ساتھ) چھوٹے گھر، تنگ کوٹھری کو کہتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۱۱) بعرة: مینگنی کو کہتے ہیں۔

فقلما تفتض بشئى الا مات:

یہاں "تفتض به" کا جو لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حدیث کے آخر میں گزر چکا کہ اس کے معنی ہیں تمسح به جلدها۔
یعنی وہ عورت اس جانور کے ساتھ اپنا جسم مل لیتی تھی۔

(۲) ابن قتیبہ نے اسی کے قریب قریب "افتضاض" کی تشریح کی، وہ فرماتے ہیں: میں نے حجازیین سے افتضاض کے معنی پوچھے ہیں، تو انہوں نے کہا: معتدہ نہ پانی کو ہاتھ لگاتی تھی، نہ ناخن کاٹتی، نہ بالوں کو صاف کرتی، ایک سال کے بعد وہ تنگ کوٹھری سے بہت بری صورت میں نکلتی، اور عدت کی پابندیوں کو ایک پرندے کے ذریعہ ختم کر ڈالتی، اس طرح کہ اس پرندے سے اپنی شرمگاہ کو پونچھتی اور پھر اس کو پھینک دیتی، وہ پرندہ افتضاض کے اس عمل کے بعد عموماً زندہ نہیں رہتا تھا۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے افتضاض "فضضت الشئی" سے ماخوذ ہے جس کے معنی توڑنے کے آتے ہیں، چونکہ پرندے کے ساتھ مذکورہ عمل کے بعد معتدہ عورت عدت کی پابندیوں کو توڑ دیتی اور ختم کر دیتی، اس لیے اس کو افتضاض کہتے ہیں (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۹)، "تفتض به" میں باء سببیہ ہے۔

(۳) بعضوں نے کہا: "افتضاض" کے معنی میٹھے پانی سے غسل کرنے کے آتے ہیں، تفتض کے معنی ہیں: وہ میٹھے پانی سے غسل کر کے فِضّة (چاندی) کی طرح صاف ہو کر چمک جاتی، چنانچہ امام اخفش نے فرمایا کہ "افتضاض" فضة سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی پاک ہونے اور نظافت حاصل کرنے کے ہیں، اور امام خلیل فرماتے ہیں: فضفض، میٹھے پانی کو کہتے ہیں اور افتضاض غسل کرنے کو کہتے ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۹)

جس جانور کے ساتھ معتدہ عورت اپنا جسم ملتی وہ جانور اکثر مرجاتا، ممکن ہے یہ شیطان اور جنات کا اثر ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گندگی کی وجہ سے اس کے جسم سے ایسے جراثیم پیدا ہو جاتے ہوں جن سے جانور مر جاتے ہوں، یا سال بھر اس طرح رہنے کی وجہ سے اس کے جسم میں ایسی حرارت اور گرمی پیدا ہو جاتی کہ جانور اس سے مرجاتا تھا۔ واللہ اعلم

فتعطى بعرة:

تعطی: اعطاء سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے، ضمیر اس کے اندر نائب فاعل ہے اور بعرۃ مفعول بہ ہے، معتدہ کو مینگنی دی جاتی وہ اس کو پھینکتی، اس کا مقصد یا تو اس طرف اشارہ کرنا ہوتا تھا کہ اس نے مینگنی کی طرح عدت کی اس کیفیت کو بھی اب پھینک دیا ہے اور یا اس طرف اشارہ ہوتا تھا کہ مشقت اور تکلیف کی یہ حالت اس کے لیے شوہر کے حق کی تعظیم کی وجہ سے باعث بوجھ نہیں تھی بلکہ مینگنی کی طرح ہلکی حقیر تھی، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ معتدہ تفاولاً مینگنی پھینکتی تھی کہ یہ حالت دوبارہ کبھی اس کی طرف لوٹ کر نہ آئے۔
(فتح الباری ج۹ ص ۶۱۲)

فدخلت على زينب ابنة جحش حين توفى اخوها:

یہ باب کی دوسری روایت میں ہے، زینب بنت ابی سلمہ فرماتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے پاس آئی، جب ان کے بھائی کا انتقال ہوا، حضرت زینب بنت جحش کے تین بھائی تھے، ایک عبداللہ بن جحش، دوسرے عبیداللہ بن جحش اور تیسرے عبد بن جحش، جن کی کنیت ابواحمد الاعمیٰ تھی۔

عبداللہ بن جحش تو یہاں مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ جنگ احد میں شہید ہوئے تھے، اور زینب بنت ابی سلمہ اس وقت بچی تھیں، وہ اس حالت میں حضرت زینب بنت جحش کے پاس تعزیت کے لیے کیسے آسکتی تھیں۔

عبیداللہ بن جحش بھی مراد نہیں لے سکتے، اس لیے کہ اس نے مرتد ہو کر نصرانی مذہب قبول کر لیا تھا، اور ۵ ھ یا ۶ ھ میں حبشہ میں نصرانی ہونے کی حالت میں اس کا انتقال ہوا۔

عبد بن جحش بھی مراد نہیں لے سکتے اس لیے کہ ان کا انتقال اپنی بہن حضرت زینب بنت جحش کے بعد ہوا ہے (اگرچہ بعض حضرات نے انہیں کو مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا انتقال پہلے ہوا ہے۔)

بعض علماء نے اس اشکال کا یہ جواب دیا کہ بھائی سے یہاں عبیداللہ بن جحش ہی مراد ہیں، وہ اگرچہ مرتد ہو گیا تھا تاہم چونکہ بھائی تھا، اس لیے حضرت زینب کو اس کا غم تھا خاص کر نصرانیت کی حالت میں انتقال تو اور زیادہ باعث غم تھا اس لیے حضرت زینب نے سوگ منایا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھائی سے ان کا کوئی علاتی یا رضاعی بھائی مراد ہو۔ (فتح الباری ج۹ ص ۶۰۶)
(کشف الباری عمانی صحیح البخاری کتاب الطلاق، ص ۵۷۷-۵۸۴ مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی، کراچی)

عدت کے متعلق صدر الشریعہ کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ الغنی متوفی ۱۳۶۷ ھ، عدت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ (الطلاق:۱)

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دوران عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور

نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ (البقرہ:۲۲۸)

طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقدِ ثانی سے) روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے۔

وَ الّٰٓئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ (الطلاق:۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں، اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ:۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقدِ ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ۝

حدیث ۱: صحیح بخاری شریف میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی وفات کے چند دن بعد بچہ پیدا ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر نکاح کی اجازت طلب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، الحدیث: ۵۳۲۰، ج ۴ ص ۴۶۰)، نیز اس میں ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ طلاق (جس میں حمل کی عدت کا بیان ہے) سورۂ بقرہ (کہ اس میں عدت وفات چار مہینے دس دن ہے) کے بعد نازل ہوئی، (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، الحدیث: ۴۵۳۲، ج ۳ ص ۱۸۳)، یعنی حمل والی کی عدت چار ماہ دس دن نہیں بلکہ وضع حمل ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس پر مباہلہ کر سکتا ہوں کہ وہ اس کے بعد نازل ہوئی۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی عدۃ الحامل، الحدیث: ۲۳۰۷، ج ۲ ص ۳۲۷)

حدیث ۲: امام مالک و شافعی و بیہقی حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے راوی کہ وفات کے بعد اگر بچہ پیدا ہو گیا اور ہنوز مردہ چارپائی پر ہو تو عدت پوری ہو گئی۔ (الموطا امام مالک، کتاب الطلاق، باب عدۃ المتوفی عنہا، الحدیث: ۱۲۸۴، ج ۲ ص ۱۳۲)

عدت کے متعلق مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: نکاح زائل ہونے یا شبہ نکاح کے بعد عورت کا نکاح سے ممنوع ہونا اور ایک زمانہ تک انتظار کرنا عدت ہے۔
(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۲۶)

مسئلہ ۲: نکاح زائل ہونے کے بعد اس وقت عدت ہے کہ شوہر کا انتقال ہوا ہو یا خلوت صحیحہ ہوئی ہو، زانیہ کے لیے عدت نہیں، اگرچہ حاملہ ہو اور یہ نکاح کر سکتی ہے مگر جس کے زنا سے حمل ہے اس کے سوا دوسرے سے نکاح کرے تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو وطی

جائز نہیں۔ نکاح فاسد میں دخول سے قبل تفریق ہوئی تو عدت نہیں اور دخول کے بعد ہوئی تو ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة، ج ۱ ص ۵۲۶)

مسئلہ ۳: جس عورت کا مقام بند ہے، اس سے خلوت ہوئی تو طلاق کے بعد عدت نہیں۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدة، ج ۵ ص ۱۸۳)

مسئلہ ۴: عورت کو طلاق دی، بائن یا رجعی یا کسی طرح نکاح فسخ (یعنی ختم) ہوگیا، اگرچہ یوں کہ شوہر کے بیٹے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا اور ان صورتوں میں دخول ہو چکا ہو یا خلوت ہوئی ہو اور اس وقت حمل نہ ہو اور عورت کو حیض آتا ہے تو عدت پورے تین حیض ہے جب کہ عورت آزاد ہو اور باندی ہو تو دو حیض اور اگر عورت ام ولد ہے اس کے مولیٰ کا انتقال ہوگیا یا اس نے آزاد کر دیا تو اس کی عدت بھی تین حیض ہے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدة، ج ۵ ص ۱۹۱)

مسئلہ ۵: ان صورتوں میں اگر عورت کو حیض نہیں آتا ہے کہ ابھی ایسے سن کو نہیں پہنچی یا سن ایاس کو پہنچ چکی ہے یا عمر کے حسابوں بالغہ ہو چکی ہے مگر ابھی حیض نہیں آیا ہے تو عدت تین مہینے ہے اور باندی ہے تو ڈیڑھ ماہ۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدة، ج ۵ ص ۱۹۲-۱۸۶)

مسئلہ ۶: اگر طلاق یا فسخ پہلی تاریخ کو ہوا اگرچہ عصر کے وقت تو چاند کے حساب سے تین مہینے ورنہ ہر مہینہ تیس دن کا قرار دیا جائے یعنی عدت کے کل دن نوے ہوں گے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة، ج ۱ ص ۵۲۷، الجوہرة النیرہ، کتاب العدة، الجزء الثانی ص ۹۶)

مسئلہ ۷: عورت کو حیض آچکا ہے مگر اب نہیں آتا اور ابھی سن ایاس کو بھی نہیں پہنچی ہے اس کی عدت بھی حیض سے ہے، جب تک تین حیض نہ آلیں یا سن ایاس کو نہ پہنچے اس کی عدت ختم نہیں ہو سکتی اور اگر حیض آیا ہی نہ تھا اور مہینوں سے عدت گزار رہی تھی کہ اثنائے عدت میں حیض آگیا تو اب حیض سے عدت گزارے یعنی جب تک تین حیض نہ آلیں، عدت پوری نہ ہوگی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة، ج ۱ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۸: حیض کی حالت میں طلاق دی تو یہ حیض عدت میں شمار نہ کیا جائے بلکہ اس کے بعد پورے تین حیض ختم ہونے پر عدت پوری ہوگی۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة، ج ۱ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۹: جس عورت سے نکاح فاسد ہوا اور دخول ہو چکا ہو یا جس عورت سے شبہۂ وطی ہوئی اس کی عدت فرقت و موت دونوں میں حیض سے ہے اور حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے، اور وہ عورت کسی کی باندی ہو تو عدت ڈیڑھ ماہ۔

(الجوہرة النیرہ، کتاب العدة، الجزء الثانی ص ۹۵، ۹۶، الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة ج ۱ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۱۰: اس کی عورت کسی کی کنیز ہے اس نے خود خرید لی تو نکاح جاتا رہا، مگر عدت نہیں یعنی اس کو وطی کرنا جائز مگر دوسرے سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، جب تک دو حیض نہ گزار لیں۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة ج ۱ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۱۱: اپنی عورت کو جو کنیز تھی خریدا اور ایک حیض آنے کے بعد آزاد کر دیا تو اس حیض کے بعد دو حیض اور عدت میں رہے اور حرہ (آزاد عورت) کا سا سوگ کرے، اور اگر ایک بائن طلاق دے کر خریدی تو ملکِ یمین (لونڈی کا مالک ہونے) کی وجہ سے وطی

کر سکتا ہے اور دو طلاقیں دیں تو بغیر حلالہ وطی نہیں کر سکتا اور اگر دو حیض کے بعد آزاد کر دی تو نکاح کی وجہ سے عدت نہیں، ہاں عتق (آزاد ہونے) کی وجہ سے عدت گزارے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ا ص ۵۲۷)

مسئلہ ۱۲: جس عورت سے نابالغ نے شبہۂ یا نکاح فاسد میں وطی کی، اس پر بھی یہی عدت ہے، یوہیں اگر نابالغی میں خلوت ہوئی اور بالغ ہونے کے بعد طلاق دی جب بھی یہی عدت ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۱۹۰)

مسئلہ ۱۳: نکاح فاسد میں تفریق یا متارکہ کے وقت سے عدت شمار کی جائے گی، متارکہ یہ کہ مرد نے یہ کہا کہ میں نے اسے چھوڑا یا اس سے وطی ترک کی یا اسی قسم کے اور الفاظ کہے جب تک متارکہ یا تفریق نہ ہو کتنا ہی زمانہ گزر جائے عدت نہیں، اگر چہ دل میں ارادہ کر لیا کہ وطی نہ کرے گا، اور اگر عورت کے سامنے نکاح سے انکار کرتا ہے تو یہ متارکہ ہے ورنہ نہیں، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں۔

(الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۲۰۸، ۲۰۹، الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی، ص ۱۰۲)

مسئلہ ۱۴: طلاق کی عدت وقتِ طلاق سے ہے اگر چہ عورت کو اس کی اطلاع نہ ہو کہ شوہر نے اسے طلاق دی ہے اور تین حیض آنے کے بعد معلوم ہوا تو عدت ختم ہو چکی اور اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو اتنے زمانہ سے طلاق دی ہے تو عورت اس کی تصدیق کرے یا تکذیب، عدت وقت اقرار سے شمار ہوگی۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی، ص ۱۰۱، ۱۰۲)

مسئلہ ۱۵: عورت کو کسی نے خبر دی کہ اس کے شوہر نے تین طلاقیں دے دیں یا شوہر کا خط آیا اور اس میں اسے طلاق لکھی ہے، اگر عورت کا غالب گمان ہے کہ وہ سچ کہتا ہے یا یہ خط اسی کا ہے تو عدت گزار کر نکاح کر سکتی ہے۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی، ص ۱۰۲)

مسئلہ ۱۶: عورت کو تین طلاقیں دے دیں مگر لوگوں پر ظاہر نہ کیا اور دو حیض آنے کے بعد عورت سے وطی کی اور حمل رہ گیا اب اس نے لوگوں سے طلاق دینا بیان کیا تو عدت وضع حمل ہے اور وضع حمل تک نفقہ اس پر واجب۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ا ص ۵۳۲)

مسئلہ ۱۷: طلاق دے کر مکر گیا، عورت نے قاضی کے پاس دعویٰ کیا اور گواہ سے طلاق دینا ثابت کر دیا اور قاضی نے تفریق کا حکم دیا تو عدت وقت طلاق سے ہے، اس وقت سے نہیں۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ا ص ۵۳۲)

مسئلہ ۱۸: پچھلا حیض اگر پورے دس دن پر ختم ہوا ہے تو ختم ہوتے ہی عدت ختم ہوگئی اگر چہ ابھی تک غسل نہ کیا بلکہ اگر چہ اتنا وقت بھی ابھی نہیں گزرا ہے کہ اس میں غسل کر سکتی اور طلاق رجعی تھی تو شوہر اب رجعت نہیں کر سکتا اور اب یہ عورت نکاح کر سکتی ہے اور اگر دس دن سے کم میں ختم ہوا ہے تو جب تک نہا نہ لے یا ایک نماز کا پورا وقت نہ گزر لے عدت ختم نہ ہوگی یہ حکم مسلمان عورت کے ہیں، اور کتابیہ ہو تو بہر حال حیض ختم ہوتے ہی عدت پوری ہو جائے گی۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ا ص ۵۲۸)

مسئلہ ۱۹: وطی بالشبہ کی چند صورتیں ہیں:

(۱) عورت عدت میں تھی اور شوہر کے سوا کسی اور کے پاس بھیج دی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ تیری عورت ہے اس نے وطی کی بعد کو حال کھلا۔

(۲) عورت کو تین طلاقیں دے کر بغیر حلالہ اس سے نکاح کر لیا اور وطی کی۔

(۳) عورت کو تین طلاقیں دے کر عدت میں وطی کی اور کہتا ہے: میرا گمان یہ تھا کہ اس سے وطی حلال ہے۔
(۴) مال کے عوض یالفظ کنایہ سے طلاق دی اور عدت میں وطی کی۔
(۵) خاوند والی عورت تھی اور شبہۃً اس سے کسی اور نے وطی کی، پھر شوہر نے اس کو طلاق دے دی ان سب صورتوں میں عورت پر دو عدتیں ہیں اور بعد تفریق دوسری عدت پہلی عدت میں داخل ہو جائے گی، یعنی اب جو حیض آئے گا دونوں عدتوں میں شمار ہوگا۔
(الجوہرة النیرہ، کتاب العدة، الجزء الثانی ص ۱۰۱)

مسئلہ ۲۰: مطلقہ نے ایک حیض کے بعد دوسرے سے نکاح کیا اور اس دوسرے نے اس سے وطی کی، پھر دونوں میں تفریق کردی گئی اور تفریق کے بعد دو حیض آئے تو پہلی عدت ختم ہوگئی مگر ابھی دوسری ختم نہ ہوئی، لہٰذا یہ شخص اس سے نکاح کرسکتا ہے کوئی اور نہیں کرسکتا جب تک بعد تفریق تین حیض نہ آلیں اور تین حیض آنے پر دونوں عدتیں ختم ہوگئیں۔
(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة، ج ۱ ص ۵۳۲)

مسئلہ ۲۱: عورت کو طلاق بائن دی تھی ایک یا دو، اور عدت کے اندر وطی کی اور جانتا تھا کہ وطی حرام ہے اور حرام ہونے کا اقرار بھی کرتا ہے تو ہر بار کی وطی پر عدت ہے مگر سب متداخل ہوں گی اور تین طلاقیں دے چکا ہے اور عدت میں وطی کی اور جانتا ہے کہ وطی حرام ہے اور مقر (اقرار کرنے والا) بھی ہے تو اس وطی کے لیے عدت نہیں ہے بلکہ مرد کو رجم کا حکم ہے اور عورت بھی اقرار کرتی ہے تو اس پر بھی۔ (الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة، ج ۱ ص ۵۳۲)

مسئلہ ۲۲: موت کی عدت چار مہینے دس دن ہے یعنی دسویں رات بھی گزر لے بشرطیکہ نکاح صحیح ہو دخول ہوا ہو یا نہیں دونوں کا ایک حکم ہے، اگرچہ شوہر نابالغ ہو یا زوجہ نابالغہ ہو، یوہیں اگر شوہر مسلمان تھا اور عورت کتابیہ تو اس کی بھی یہی عدت ہے مگر اس عدت میں شرط یہ ہے کہ عورت کو حمل نہ ہو۔ (الجوہرة النیرہ، کتاب العدة، الجزء الثانی ص ۹۷، وغیرھا)

مسئلہ ۲۳: عورت کنیز ہے تو اس کی عدت دو مہینے پانچ دن ہے شوہر آزاد ہو یا غلام کہ عدت میں شوہر کے حال کا لحاظ نہیں بلکہ عورت کے اعتبار سے ہے، پھر موت پہلی تاریخ کو ہو تو چاند سے مہینے لیے جائیں ورنہ حرہ کے لیے ایک سو تیس دن اور باندی کے لیے پینسٹھ دن۔ (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب العدة، ج ۵ ص ۱۹۲-۱۹۰)

مسئلہ ۲۴: عورت حامل ہے تو عدت وضع حمل ہے عورت حرہ ہو یا کنیز مسلمہ ہو یا کتابیہ عدت طلاق کی ہو یا وفات کی یا متارکہ یا وطی بالشبہ کی حمل ثابت النسب ہو یا زنا کا مثلاً زانیہ حاملہ سے نکاح کیا اور شوہر مر گیا یا وطی کے بعد طلاق دی تو عدت وضع حمل ہے۔
(الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب العدة، ج ۵ ص ۱۹۲، الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة ج ۱ ص ۵۲۸، وغیرھا)

مسئلہ ۲۵: وضع حمل سے عدت پوری ہونے کے لیے کوئی خاص مدت مقرر نہیں موت یا طلاق کے بعد جس وقت بچہ پیدا ہو عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ ایک منٹ بعد حمل ساقط ہو گیا اور اعضاء بن چکے ہیں، عدت پوری ہوگئی ورنہ نہیں اور اگر دو یا تین بچے ایک حمل سے ہوئے تو پچھلے کے پیدا ہونے سے عدت پوری ہوگی۔ (الجوہرة النیرہ، کتاب العدة، الجزء الثانی ص ۹۶)

مسئلہ ۲۶: بچہ کا اکثر حصہ باہر آچکا تو رجعت نہیں کرسکتا مگر دوسرے سے نکاح اس وقت حلال ہوگا کہ پورا بچہ پیدا ہو لے۔
(ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب فی عدة الموت، ج ۵ ص ۱۹۳)

مسئلہ ۲۷: موت کے بعد اگر حمل قرار پایا تو عدت وضعِ حمل سے نہ ہوگی بلکہ دنوں سے۔ (الجوہرة النیرہ، کتاب العدة، الجزء الثانی ص ۱۰۰)

مسئلہ ۲۸: بارہ برس سے کم عمر والے کا انتقال ہوا اور اس کی عورت کے چھ مہینے سے کم کے اندر بچہ پیدا ہوا تو عدت وضعِ حمل ہے اور چھ مہینے یا زائد میں ہوا تو چار مہینے دس دن اور نسب بہر حال ثابت نہ ہوگا، اور اگر شوہر مراہق ہو تو دونوں صورتوں میں وضعِ حمل سے عدت پوری ہوگی، اور بچہ ثابت النسب ہے۔ (الجوہرة النیرہ، کتاب العدة، الجزء الثانی ص ۱۰۰، الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدة، ج ۵ ص ۱۹۳)

مسئلہ ۲۹: جو شخص خصی تھا اس کا انتقال ہوا اور اس کی عورت حاملہ ہے یا مرنے کے بعد حاملہ ہونا معلوم ہوا تو عدت وضعِ حمل ہے اور بچہ ثابت النسب ہے۔ (الجوہرة النیرہ، کتاب العدة، الجزء الثانی ص ۱۰۰)

مسئلہ ۳۰: عورت کو طلاقِ رجعی دی تھی اور عدت میں مر گیا تو عورت موت کی عدت پوری کرے اور طلاق کی عدت جاتی رہی خواہ صحت کی حالت میں طلاق دی ہو یا مرض میں، اور اگر بائن طلاق دی تھی یا تین تو طلاق کی عدت پوری کرلے جب کہ صحت میں طلاق دی ہو اور اگر مرض میں دی ہو تو دونوں عدتیں پوری کرے یعنی اگر چار مہینے دس دن میں تین حیض پورے ہو چکے تو عدت پوری ہو چکی اور اگر تین حیض پورے ہو چکے ہیں مگر چار مہینے دس دن پورے نہ ہوئے تو ان کو پورا کرے اور اگر یہ دن پورے ہو گئے مگر ابھی تین حیض پورے نہ ہوئے تو ان کے پورے ہونے کا انتظار کرے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة، ج ۱ ص ۵۳۰)

مسئلہ ۳۱: عورت کنیز تھی، اسے رجعی طلاق دی اور عدت کے اندر آزاد ہوگئی تو حرہ کی عدت پوری کرے یعنی تین حیض یا تین مہینے اور طلاقِ بائن یا موت کی عدت میں آزاد ہوئی تو باندی کی عدت یعنی دو حیض یا ڈیڑھ مہینہ یا دو مہینے پانچ دن۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدة، ج ۵ ص ۱۹۶)

مسئلہ ۳۲: عورت کہتی ہے کہ عدت پوری ہو چکی اگر اتنا زمانہ گزر رہا ہے کہ پوری ہو سکتی ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور اگر اتنا زمانہ نہیں گزرا تو نہیں۔ مہینوں سے عدت ہو جب تو ظاہر ہے کہ اتنے دن گزرنے پر عدت ہو چکی اور حیض سے ہو تو آزاد عورت کے لیے کم از کم ساٹھ دن ہیں اور لونڈی کے لیے چالیس بلکہ ایک روایت میں حرہ کے لیے انتالیس دن کہ تین حیض کی اقل (کم سے کم) مدت نو دن ہے اور دو طہر کی تیس دن اور باندی کے لیے اکیس دن کہ دو حیض کے چھ دن اور ایک طہر درمیان کا پندرہ دن۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب العدة، ج ۵ ص ۲۱۰)

مسئلہ ۳۳: مطلقہ کہتی ہے کہ عدت پوری ہوگئی کہ حمل تھا ساقط ہو گیا اگر حمل کی مدت اتنی تھی کہ اعضاء بن چکے تھے تو مان لیا جائے گا ورنہ نہیں، مثلاً نکاح سے ایک مہینے بعد طلاق دی اور طلاق کے ایک ماہ بعد حمل ساقط ہونا بتاتی ہے تو عدت پوری نہ ہوئی کہ بچے کے اعضاء چار ماہ میں بنتے ہیں۔ (الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب العدة، ج ۵ ص ۲۱۱)

مسئلہ ۳۴: اپنی عورت مطلقہ سے عدت میں نکاح کیا اور قبل وطی طلاق دے دی تو پورا مہر واجب ہوگا اور سرے سے عدت بیٹھے، یوہیں اگر پہلا نکاح فاسد تھا اور دخول کے بعد تفریق ہوئی اور عدت کے اندر نکاح صحیح کر کے طلاق دے دی یا دخول کے بعد کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق ہوئی، پھر نکاح کر کے طلاق دی یا نابالغہ سے نکاح کر کے وطی کی، پھر طلاق دی اور عدت کے اندر نکاح کیا اب وہ لڑکی بالغہ ہوئی اور اپنے نفس کو اختیار کیا یا نابالغہ سے نکاح کر کے وطی کی، پھر لڑکی نے بالغہ ہو کر اپنے کو اختیار کیا اور عدت کے اندر پھر اس سے نکاح کیا اور قبلِ دخول طلاق دے دی ان سب صورتوں میں دوسرے نکاح کا پورا مہر اور طلاق کے بعد عدت

واجب ہے، اگر چہ دوسرے نکاح کے بعد وطی نہیں ہوئی کہ نکاح اول کی وطی نکاح ثانی میں بھی وطی قرار دی جائے گی۔

(الدر المختار و رد المحتار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۲۱۲)

مسئلہ ۳۵: بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کو طلاق دی تو جب تک اسے تین حیض نہ آلیں دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی یا سن ایاس کو پہنچ کر مہینوں سے عدت پوری کرے اگر چہ بچہ پیدا ہونے سے قبل اسے حیض نہ آیا ہو۔

(الدر المختار و رد المحتار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۲۱۷)

(بہار شریعت، حصہ ہشتم، جلد دوم، ص ۲۴۰-۲۴۲، مکتبۃ المدینہ (دعوتِ اسلامی) ۱۴۳۰ھ)

۴۷۔ بَابُ: الْكُحْلِ لِلْحَادَّةِ — سوگ کرنے والے کے لیے سرمہ لگانا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آیا سوگ کرنے والی بیوہ کے لیے سرمہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

۵۳۳۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ نَافِعٍ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّهَا أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ زَوْجُهَا فَخَشُوا عَلَى عَيْنَيْهَا فَأَتَوْا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَاسْتَأْذَنُوهُ فِي الْكُحْلِ فَقَالَ لَا تَكَحَّلْ قَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ تَمْكُثُ فِي شَرِّ أَحْلَاسِهَا أَوْ شَرِّ بَيْتِهَا فَإِذَا كَانَ حَوْلٌ فَمَرَّ كَلْبٌ رَمَتْ بِبَعَرَةٍ فَلَا حَتَّى تَمْضِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید بن نافع نے حدیث بیان کی از زینب ابنۃ ام سلمہ از مادرِ خود، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو لوگوں کو اس کی آنکھوں کے اوپر خطرہ محسوس ہوا (کہ کہیں وہ اندھی نہ ہو جائے) تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور انہوں نے نبی ﷺ سے اس کے لیے سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی، تو آپ نے فرمایا کہ وہ سرمہ نہ لگائے، (اس سے پہلے) تم میں سے کوئی ایک عورت بہت خراب چادروں میں اور بہت خراب گھر میں ایک سال تک رہتی تھی، پھر جب سال کے بعد کتا گزرتا تو وہ اونٹ کی مینگنی پھینک دیتی، پھر گھر سے نہیں نکلتی، تو اب تم عدت گزارو حتیٰ کہ چار ماہ دس دن گزر جائیں۔

(صحیح البخاری: ۵۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۴۸۹، سنن ترمذی: ۱۱۹۷، سنن نسائی: ۳۵۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۴، موطا امام مالک: ۱۲۷۰)

۵۳۳۹۔ وَسَمِعْتُ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ تُحَدِّثُ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

اور میں نے زینب ابنۃ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سے سنا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے، سوا اپنے خاوند کی موت کے، اس کا چار ماہ دس دن تک سوگ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۵۳۳۴، ۵۳۳۹، ۵۳۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۸۶، سنن ترمذی: ۱۱۹۵، سنن نسائی: ۳۵۰۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۹، سنن ابن

ماجہ: ۲۰۸۶، مسند احمد: ۲۵۱۴، موطا امام مالک: ۱۲۶۸، سنن داری: ۲۲۸۴)

۵۳۴۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرٌ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ عَلْقَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ نُهِينَا أَنْ نُحِدَّ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثٍ إِلَّا بِزَوْجٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ بن علقمہ نے حدیث بیان کی از محمد بن سیرین، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہمیں خاوند کے سوا کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۵۳۴۰، ۵۳۴۱، ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، صحیح مسلم: ۹۳۸، سنن نسائی: ۳۵۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۷، مسند احمد: ۲۰۲۷۰، سنن داری: ۲۲۸۶)

جو وصف مونث کے ساتھ مخصوص ہو، اس کے صیغہ میں تاء نہ لگانے کی بحث

امام بخاری نے ان احادیث کا عنوان قائم کیا ہے: ''الکحل للحادۃ'' یعنی سوگ کرنے والی عورت کے لئے سرمہ لگانا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ صیغہ ثلاثی مجرد کا ہے اور اگر یہ رباعی (یعنی ثلاثی مزید) کا ہوتا تو المحدۃ کہا جاتا۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ الحاد کہا جائے، بغیر تاء کے، کیونکہ یہ مونث کی صفت ہے جیسا کہ طالق اور حائض، (حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:) حادۃ کہنا یہ غلط نہیں ہے اگرچہ حاد کہنا راجح ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۲، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ الحادۃ کے بجائے الحاد لکھا جائے، کیونکہ یہ مونث کی صفت ہے جیسے طالق اور حائض، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: لیکن یہ جائز ہے خطا نہیں ہے، یعنی الحادہ لکھنا بھی جائز ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اگر طالق کے صیغہ میں طالقۃ کہا جاتا اور حائض کے صیغہ میں حائضۃ کہا جاتا تو پھر حادۃ کہنا بھی جائز ہے اور اگر طالقۃ اور حائضۃ نہیں کہا جاتا تو پھر حادۃ بھی نہیں کہا جائے گا، اور صحیح وہ ہے جو علامہ ابن التین نے کہا اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے کہ حادۃ کہنا بھی جائز ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ)

حادۃ اور حاد کے صیغہ کی بحث میں محاکمہ

قاضی بدر الدین الدمامینی مالکی المتوفی ۸۲۷ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

السفاقسی نے کہا ہے کہ صحیح لفظ الحاد ہے، جیسے طالق اور حائض ہے، کیونکہ یہ صرف مونث کی صفت ہے اور اس میں مذکر شریک نہیں ہوتا۔ (التنقیح ج ۳ ص ۱۰۷۵)

(علامہ دمامینی فرماتے ہیں): علامہ زمخشری وغیرہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر ان صفات سے حدوث کا معنی مرادلیا جائے (یعنی یہ قصد کیا جائے کہ اس وقت اس کو بالفعل حیض آرہا ہے)، تو پھر اس صیغہ کے ساتھ تاء لانا لازم ہے جیسے کہا جاتا ہے"حاضت فھی حائضۃ"، یعنی اس عورت کو حیض آ گیا اور وہ حائضہ ہوگئی، اس صورت میں اس صیغہ کے ساتھ تاء لانا لازم ہے اور کہا جاتا ہے: "طلقت فھی طالقۃ" یعنی اس عورت کو اس وقت طلاق دی گئی تو وہ طلاق یافتہ ہوگئی، اور اگر اس کے ساتھ حدوث کے معنی کا قصد نہ کیا جائے جیسے مرضعۃ اور حاملۃ تو پھر اس کے ساتھ تاء نہیں لگائی جائے گی، یعنی دودھ پلانے والی عورت اور حاملہ عورت، اور اس صورت میں"مرضع اور حامل" کہا جائے گا، اور ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے جو الکحل للحادہ کہا ہے تو ان کی مراد بھی یہ ہو کہ جس عورت میں سوگ حادث ہوا ہے یعنی حادۃ۔ (مصابیح الجامع ج ۹ ص ۹۸، دارالنوادر دمشق، ۱۴۳۱ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس بحث میں لکھتے ہیں:

صحیح الفاظ یہ ہیں"الکحل للحاد" اور شرح ابن بطال میں مذکور ہے"الکحل للحادۃ" اور صحیح الفاظ پہلے ہیں، کیونکہ جو صفت مونث کے ساتھ مخصوص ہو اور مذکر اس میں شریک نہ ہو تو اس کے صیغہ میں تاء نہیں لائی جاتی جیسے طالق (طلاق یافتہ) طامث (حیض والی)، حائض (اس کا معنی بھی ہے: حیض والی)۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح مُرضع ہے یعنی دودھ پلانے والی، کیونکہ مرد بچہ کو دودھ نہیں پلاتا، اور اسی طرح حامل ہے یعنی جس عورت کو بچہ کا حمل ہو، کیونکہ مرد کو بچہ کا حمل نہیں ہوتا، تو یہ صیغے بھی مونث کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے ان کے ساتھ تاء نہیں لگائی جاتی۔ (سعیدی غفرلہ)۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۱۷۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۸، ۵۳۳۹، ۵۳۴۰ کے مباحث کی شرح از علامہ ابن ملقن

احلاس کا معنی:

صحیح البخاری: ۵۳۳۸، میں مذکور ہے:"قد کانت احداکن تمکث فی شر احلاسھا"۔

اس حدیث میں"احلاس" کا لفظ ہے، یہ حلس کی جمع ہے، حلس اس چادر کو کہتے ہیں جس کو بچھا کر اس پر بیٹھا جاتا ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم اس سے پہلے بہت بری چادر پر بیٹھتی تھیں، اور اس پر وقت گزارتی تھیں۔

سوگ کرنے والی عورت کے لیے سرمہ لگانے کے متعلق مباحث

نیز اس حدیث میں مذکور ہے:"فخشوا علی عینیھا" یعنی لوگوں کو اس کی آنکھوں پر خطرہ محسوس ہوا، اور انہوں نے اس کی آنکھوں میں سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ اس سے پہلے باب میں سوگ کرنے والی عورت کے لیے سرمہ لگانے کا حکم بیان کیا جاچکا ہے، اور علامہ ابن التین نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ عورت اس حالت کو نہیں پہنچی تھی کہ سرمہ نہ لگانے سے اس کو ایذاء پہنچتی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دی تھی کہ وہ رات میں سرمہ لگالے اور دن میں اس کو نکال لے، علامہ ابن التین نے کہا: امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کا مذہب یہ ہے کہ اگر سوگ کرنے والی عورت مجبور ہو کہ سرمہ نہیں لگائے گی تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ

سرمہ لگا سکتی ہے، خواہ اس سرمہ میں خوشبو بھی ہو۔

علامہ ابن الجلاب نے کہا ہے کہ جب سوگ کرنے والی عورت مرض سے مجبور ہو تو رات میں سرمہ لگا لے اور دن میں اس کو صاف کر لے۔

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے اور وہ ابوسلمہ پر سوگ کر رہی تھیں، اور انہوں نے اپنی آنکھوں میں صبر (ایلواء، ایک قسم کی دوائی) لگائی ہوئی تھی، تو آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! یہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا: یہ صبر (یعنی ایلوا) ہے یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: تم اس کو رات میں لگا لیا کرو اور دن میں اس کو پونچھ دیا کرو۔ (الموطا: ۱۷۴)

اور ابن ابی صفرہ نے کہا ہے کہ سوگ کرنے والی عورت کو سرمہ لگانے کی ممانعت قطع ذرائع کے لیے ہے، یعنی سد باب کے لئے ہے، کیونکہ سرمہ لگانا نکاح کے محرکات میں سے ہے، سو جو عورت عدت گزار رہی ہے اس کو سرمہ لگانے سے منع کیا گیا ہے تاکہ کوئی اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ نہ کرے، اور اس میں میت کے لیے احتیاط ہے، لیکن جب لوگوں کو سرمہ نہ لگانے سے مشقت ہوئی ہو تو ان سے اس حکم میں تخفیف کی گئی ہے اور رات میں سرمہ لگانے کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ سوگ کرنے والی عورت کو سرمہ لگانے کی ممانعت تحریم کے لئے نہیں ہے، تنزیہ کے لئے ہے۔ پس جو چاہے تو اپنے نفس پر شدت کو اختیار کرے، جیسا کہ حضرت صفیہ بنت ابی عبید نے سرمہ لگانے کو بالکل ترک کر دیا، حتیٰ کہ ان کی آنکھیں جلنے لگیں اور جو چاہے رخصت پر عمل کرے یعنی رات کو سرمہ لگا لے اور دن میں آنکھوں کو دھو ڈالے تو اس کی بعض سلف نے اجازت دی ہے۔

اور امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ سالم بن عبد اللہ اور سلیمان بن یسار نے یہ خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو سرمہ لگانے کی اجازت دی جو اپنے خاوند کی موت کے اوپر سوگ کر رہی ہو، جب کہ اس عورت کو اپنی آنکھوں پر خطرہ ہو اور اس کی آنکھوں میں مرض ہو جو سرمہ لگانے یا دوا لگانے سے زائل ہو جائے خواہ اس میں خوش بو ہو، امام مالک نے کہا: کیونکہ یہ ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں آسانی ہے۔ (الموطا ص ۳۷۰)

امام محمد بن ادریس الشافعی نے کہا ہے: ہر وہ سرمہ جس میں آنکھوں کی زینت ہو جیسے الاثمد اور اس کے مشابہ سرمے، ایسے سرموں کو لگانے میں کوئی خیر نہیں ہے، لیکن جو فارسی سرمہ ہو تو اس کو ضرورت کے وقت لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ زینت نہیں ہے بلکہ اس کے لگانے سے آنکھ زیادہ بدنما ہو جاتی ہے اور جس کو مرض کی وجہ سے ایسے سرمہ لگانے کی ضرورت ہو جس میں زینت ہے تو وہ اس سرمہ کو رات میں لگا لے اور دن میں اس سرمہ کو صاف کر دے۔ اور انہوں نے امام مالک کی حدیث مذکور سے استدلال کیا ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

امام شافعی نے کہا کہ ایلواء لگانے سے آنکھ زرد ہو جاتی ہے تو اس میں زینت ہے اور خوشبو نہیں ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو رات میں ایلواء لگانے کی اجازت دی، کیونکہ رات میں وہ دکھائی نہیں دیتا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۱۳)

علامہ ابن المنذر شافعی نے کہا ہے کہ تمام فقہاء نے ضرورت کے وقت سوگ کرنے والی عورت کے لئے سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، جیسے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور فقہاء احناف کا

قول ہے۔انہوں نے کہا کہ سیاہ سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ سوگ کرنے والی عورت کی آنکھوں میں مرض ہو۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۷۱-۵۷۳،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ،قطر ۱۴۲۹ھ)

سوگ کرنے والی عورت کے سرمہ لگانے کے متعلق فقہاءِ حنبلیہ کا مسلک

شیخ محمد صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ لکھتے ہیں:
خاوند کے اوپر سوگ کرنے والی عورت کے اوپر ایامِ سوگ میں سرمہ لگانا حرام ہے، خواہ آنکھ میں تکلیف کی وجہ سے اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو،لیکن اگر سرمہ کے علاوہ کوئی اور دوا مثلاً قطرات ڈالنے سے اس کو شفا ہو تو رات میں وہ آنکھ میں قطرات ڈالنا جائز ہے اور دن میں ان کو پونچھ ڈالے لیکن سرمہ لگانے سے منع کیا جائے گا، کیونکہ اس میں آنکھ کی خوبصورتی ہے، سو اس کو منع کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۰۲،مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

احادیثِ مذکورہ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، لکھتے ہیں:
اس باب میں اس عورت کی حدیث کو بیان کیا گیا ہے جس نے اپنی بیٹی کے لئے سرمہ لگانے کا سوال کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا، جیسا کہ اس سے پہلے باب میں گزر چکا ہے۔
صحیح البخاری: ۵۳۳۹، میں احلاس کا لفظ ہے، یہ حلس کی جمع ہے، اس میں حاء پر زیر ہے یعنی حِلس ہے، اس کا معنی ہے: باریک چادر۔حضرت ام عطیہ نے بیان کیا کہ ہمیں منع کیا گیا ہے کہ ہم خاوند کی موت کے علاوہ کسی اور کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کریں۔(الکوثر الجاری ج ۹ ص ۶۱-۶۲،داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

احادیثِ مذکورہ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ،ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حادة، ثلاثی مجرد حد یحد سے ہے اور محدہ احداد سے افعال ہے، سفاقسی نے کہا: صحیح حاد ہے ہا کے بغیر، جیسے طالق اور حائض ہا کے بغیر ہیں، کیونکہ یہ عورت کی ایسی صفت ہے جس میں مرد شریک نہیں۔شیخ ابن حجر نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ جائز ہے خطا نہیں اگر چہ دوسرا زیادہ راجح ہے۔علامہ عینی نے کہا: اگر طالق میں طالقة اور حائض میں حائضة کہا جاتا ہے تو حادة بھی کہا جا سکتا ہے اور اگر طالقہ اور حائضہ نہیں کہا جاتا تو حادة بھی نہیں کہا جائے گا، لیکن درست وہی ہے جو سفاقسی نے کہا ہے اور شیخ ابن حجر کا اس میں جواز کا دعویٰ کرنا نظر سے خالی نہیں جو غیر مخفی ہے۔
صاحب مصابیح نے زمخشری سے نقل کیا کہ اگر ان صفات میں حدوث کا معنی مقصود ہو تو تاء لانا ضروری ہے جیسے حاضت فهي حائضة و طلقت فهي طلقة، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدوث کا معنی مقصود نہیں ہوتا پھر بھی تاء لاحق کر دیتے ہیں جیسے مُرضعة وحاملة، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ کا کلام اسی نہج پر ہے۔
زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی والدہ ام المومنین سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہو گیا تو لوگوں نے اس کی

دونوں آنکھوں پر خوف محسوس کیا، وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے آنکھوں میں سرمہ لگانے کی اجازت چاہی تو فرمایا: سرمہ نہ لگائے، آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی عورت (جاہلیت کے زمانہ میں) خراب قسم کے گھر اور گندھے کپڑوں میں رہتی تھی، جب سال گزر جاتا اور کوئی کتا وہاں سے گزرتا تو اس کی طرف مینگنیاں پھینکتی اور عدت سے باہر ہوتی۔ میں سرمہ کی اجازت نہیں دیتا یہاں تک کہ چار ماہ دس دن گزر جائیں (نافع نے کہا:) میں نے زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان عورت جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے کے لئے حلال نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے مگر اپنے شوہر پر چار ماہ دس دن سوگ منائے۔ (ام حبیبہ ام المومنین زوجۂ محترمہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوسفیان کی بیٹی اور حضرت امیر معاویہ کی ہمشیرہ ہیں، ان کا نام رملہ ہے)۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم کو شوہر پر سوگ منانے کے علاوہ تین دن سے زیادہ سوگ منانے سے منع کیا گیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک روایت کے مطابق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو رخصت دی کہ وہ عدت ختم ہونے تک اپنے شوہر پر سوگ مناتی رہے اور اپنے والد پر سات روز سوگ منائے اور ان کے سوا دوسروں پر تین تین دن سوگ منائے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ جب ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انہوں نے تین دن سوگ منانے کے بعد خوشبو استعمال کی اور سائل نے جو حدیث ذکر کی ہے، وہ ابوداؤد نے مراسیل میں عمرو بن شعیب کے ذریعے معضل ذکر کی ہے۔ علامہ عینی نے کہا: ابوداؤد کا اس حدیث کو مراسیل میں ذکر کرنا یہ کوئی توجیہ نہیں، لیکن اگر ارسال سے انقطاع مراد لیا جائے تو توجیہ ہوسکتی ہے کیونکہ عمر تابعی نہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم! (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۱۱-۴۱۲، جدہ پرنٹرز لاہور بار اول)

احادیثِ مذکورہ کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حادۃ، سوگ والی عورت کو کہتے ہیں، باب کی پہلی روایت میں ہے کہ ایک عورت کا شوہر مر گیا، لوگوں کو اس کی آنکھ کے متعلق خطرہ محسوس ہوا تو وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور سرمہ لگانے کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سرمہ نہ لگاؤ''، (زمانہ جاہلیت میں عدت گزارنے کا طریقہ تو یہ تھا کہ) تم میں سے ایک عورت خراب قسم کی کوٹھری میں رہتی، جب سال گزر جاتا، پھر ایک کتا گزرتا جس پر معتدہ مینگنی پھینکتی تھی (تب عدت ختم ہوتی تھی اب اسلام میں تو سہولت دے دی گئی ہے) لہٰذا جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں اس وقت تک سرمہ نہ لگائے۔ یہ حدیث اس سے پہلے باب میں بھی گزر چکی ہے۔ احلاس: حِلس (حاء کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ) کی جمع ہے، کپڑے اور باریک چادر کو کہتے ہیں، او شر بیتها: راوی کو شک ہے کہ شر احلاسها کہا یا شر بیتها، کہا تھا، کپڑے اور مکان دونوں کی صفت کو اس نے بیان کیا، فلا حتی تمضی: ای فلا تکتحل حتی تمض اربعة اشهر وعشرة ايام۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سلیم اللہ کو چاہیے تھا کہ یہ بیان کرتے کہ امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان میں حادۃ کا لفظ کہا، جب کہ صحیح لفظ حاد ہے،

کیوں کہ جو صفت مونث کے ساتھ مخصوص ہو اور مذکر کے لیے وہ صفت نہ آتی ہو، تو اس میں مونث کے صیغہ میں تاء نہیں لائی جاتی جیسا کہ حیض مونث کے ساتھ مخصوص ہے تو مونث کی صفت میں حائض کہا جاتا ہے حائضۃ نہیں کہا جاتا، کیونکہ مرد کو حیض نہیں آتا، اسی طرح حمل مونث کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ مردوں کو حمل نہیں ہوتا، اس لیے مونث کے لیے حامل کہا جاتا ہے، حاملۃ نہیں کہا جاتا، اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے لیے مُرضع کہا جاتا ہے کیونکہ مرد اپنا دودھ نہیں پلاتا، اس لیے مونث کے لیے مرضعۃ نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح طامث کہا جاتا ہے طامثۃ نہیں کہا جاتا۔ (سعیدی غفرلہٗ)۔

سوگ منانے والی عورت کے سرمہ لگانے کا حکم

شیخ سلیم اللہ خان لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں سوگ والی عورت کے سرمہ لگانے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، اس پر تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ سوگ والی عورت کے لیے بغیر ضرورت اور حاجت کے سرمہ لگانا جائز نہیں، البتہ ضرورت کی صورت میں بھی سرمہ لگا سکتی ہے کہ نہیں، اس میں اختلاف ہے۔

(۱) ظاہریہ کے نزدیک ضرورت کے وقت بھی سوگ والی عورت سرمہ نہیں لگا سکتی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے باب میں جو حدیث بیان کی ہے وہ ظاہریہ کا مستدل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھ میں تکلیف کے باوجود اس سوگ والی معتدہ عورت کو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضرورت کے وقت سوگ والی عورت رات کو سرمہ لگا سکتی ہے، دن کو نہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے، ان کا استدلال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے جس کو امام مالک، امام احمد اور امام ابو داؤد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک معتدہ نے سرمہ لگانے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: "لا تکتحلی به الا من امر لابد منه یشتد علیك فتکتحلین باللیل وتمسحینه بالنهار" اور پھر فرمایا کہ میں نے بھی اپنے شوہر ابوسلمہ کی وفات پر اس طرح کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا "فلا تجعلیه الا باللیل، وتنزعیه بالنهار" اور موطا کی روایت میں ہے "اجعلیه باللیل وامسحیه بالنهار"۔

(۳) حضرات حنفیہ کے نزدیک ضرورت کے وقت سوگ والی عورت دن کو بھی سرمہ لگا سکتی ہے، اور رات کو بھی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح روایت بھی اسی کے مطابق ہے، لان الضرورات تبیح المحظورات۔

حدیث باب کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرمہ لگانے سے اس لیے منع فرمایا کہ آپ کے نزدیک ضرورت متحقق نہیں تھی، یا تو اس لیے کہ وہ بیماری ہلکی تھی اور یا اس لیے کہ اس کا علاج سرمہ کے علاوہ دوسری چیز سے ممکن تھا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۰) (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۵۸۵-۵۶۸، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

شیخ سلیم اللہ دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سلیم اللہ خان نے لکھا ہے: حضرات حنفیہ کے نزدیک ضرورت کے وقت سوگ والی عورت دن کو بھی سرمہ لگا سکتی ہے اور رات کو بھی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح روایت بھی اسی کے متعلق ہے۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری ص ۵۸۶)

میں کہتا ہوں کہ شیخ سلیم اللہ خان نے فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کا جو مسلک نقل کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ دونوں کے نزدیک جب خاوند کی موت پر سوگ کرنے والی عورت کی آنکھ میں ضرر ہو اور اس کے مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اس کو رات میں سرمہ لگانے کی اجازت ہے اور ان فقہاء نے تصریح کی ہے کہ دن کے وقت میں وہ اس سرمہ کو پونچھ ڈالے، جب کہ شیخ سلیم اللہ خان نے اس کے برخلاف دن میں بھی سرمہ لگانے کو فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سرمہ لگانے کی بجائے آنکھ کی دوائی کے جو قطرات ہوتے ہیں وہ رات کو آنکھ میں ڈال لیے جائیں اور دن میں پونچھ لیے جائیں، کیونکہ سرمہ لگانا بہرحال آنکھ کی خوبصورتی اور زینت کا سبب ہے، جب کہ سوگ کے ایام میں زیب و زینت سے احتراز کرنا ضروری ہے، ہم اس سے پہلے علامہ عینی حنفی اور علامہ کورانی حنفی اور علامہ ابن ملقن کی شرح سے فقہاء مالکیہ کا مسلک نقل کر چکے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی خاوند کی موت پر صبر کرنے والی عورت کو دن میں سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی، شیخ سلیم اللہ خان کو چاہیے تھا کہ وہ یہ شرح لکھنے سے پہلے فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کی عبارات پر اچھی طرح غور و فکر کر لیتے۔ (سعیدی غفرلہ)

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو ایام عدت میں اس کے سرمہ لگانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

صحیح البخاری: ۵۳۳۸ میں مذکور ہے کہ حضرت زینب بنت ام سلمہ نے اپنی والدہ سے روایت کی کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو لوگوں کو اس کی آنکھوں پر خطرہ محسوس ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اس کو سرمہ لگانے سے متعلق اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ وہ سرمہ نہ لگائے۔ الحدیث۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مالک متوفی ۱۷۹ ھ نے روایت کی ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور وہ ان کے خاوند ابو سلمہ کی وفات پر سوگ میں تھیں اور انہوں نے اپنی آنکھوں پر صبر (ایلواء، ایک قسم کی دوائی) لگایا ہوا تھا، آپ نے پوچھا: اے ام سلمہ! یہ کیا ہے، انہوں نے کہا: یہ صبر ہے یارسول اللہ! (یعنی ایلواء) تو آپ نے فرمایا: اس کو رات میں لگایا کرو اور دن میں اس کو دھو ڈالو، اور یہ حدیث اس باب کی حدیث کے مخالف ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کی بیٹی کو جب ان کا خاوند فوت ہو گیا تو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی نہ رات میں اور نہ دن میں۔

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کے غلط حوالہ پر ایک اور رد، از مصنف

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال مالکی کی اس عبارت میں سلیم اللہ خان دیوبندی کا رد ہے، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ فقہاء مالکیہ نے ضرورت کی وجہ سے رات اور دن دونوں میں سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، حالانکہ علامہ ابن بطال مالکی نے حضرت ام سلمہ کی حدیث سے یہ بتایا ہے کہ وہ رات میں تو ایلواء لگا سکتی ہیں دن میں نہیں۔ اور صحیح البخاری: ۵۳۳۸ میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیوہ عورت کو ایام عدت میں نہ رات میں سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے اور نہ دن میں، اور اس حدیث کو بھی علامہ ابن بطال مالکی نے نقل کیا ہے، پس بغیر تحقیق کے شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے فقہاء احناف اور مالکیہ کی طرف یہ کیسے منسوب کر دیا کہ وہ ضرورت کے وقت بیوہ عورت کو ایام عدت کے اندر دن اور رات دونوں میں سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۸ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تطبیق

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: ابوعبداللہ بن ابی صفرہ نے کہا: ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام عدت میں خوشبودار کریم لگانے اور زینت سے منع کیا تا کہ عدت کے دوران زیب وزینت کا سد باب ہو، کیونکہ زیب وزینت کرنا نکاح کے محرکات میں سے ہے، جس سے بیوہ کو منع کیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ عدت سے نکل جائے اور اس میں میت کے حق کی حفاظت ہے، لیکن جب لوگوں کے اوپر اس سے مشقت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو سرمہ لگانے کی اجازت دے دی، اور دوسری حدیث میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً بیوہ عورت کو ایام عدت میں سرمہ لگانے سے منع فرمایا ہے تو یہ ممانعت تحریم کے لئے نہیں ہے، یہ ممانعت کراہیت کے لیے ہے اور یہ ممانعت تنزیہی ہے، پس جو چاہے تو وہ اپنے نفس پر شدت کرے، جیسا کہ حضرت صفیہ بنت ابی عبید نے سرمہ لگانے کو بالکل ترک کر دیا تھا حتیٰ کہ ان کی آنکھیں جلنے لگیں، سو جو چاہے وہ رخصت پر عمل کرے اور جو چاہے وہ عزیمت پر عمل کرے۔ (عزیمت کا معنی ہے: حکم شرعی پر اصل کے مطابق عمل کرنا اور رخصت کا معنی ہے کہ اگر اصل حکم پر عمل کرنے میں کوئی دشواری اور مشقت ہو تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کیا جائے۔ سعیدی غفرلہٗ)

مسئلہ مذکورہ میں فقہاء مالکیہ کی تصریحات

امام مالک نے الموطا میں ذکر کیا ہے کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے از سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار، ان دونوں نے یہ اجازت دی کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، جب اس کو اپنی بینائی پر خطرہ ہو کہ اس بیماری کی وجہ سے اس کی بینائی زائل ہو جائے گی تو وہ سرمہ لگا لے۔ اور دوا استعمال کرے جس میں خوشبو ہو، امام مالک نے کہا کہ جب اس کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین میں آسانی ہے۔

سرمہ لگانے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ جدید طبی تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ سرمہ لگانے سے بینائی کا خطرہ زائل نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے کہ قدیم زمانہ میں ایسا ہوتا ہو، لیکن اب ایسی دوائیں ایجاد ہوگئی ہیں اور ایسے قطرات ایجاد ہو گئے ہیں کہ ان قطرات کو ڈالنے سے انسان کی نظر محفوظ رہتی ہے اور ایسی دوائیں بھی ایجاد ہوگئی ہیں جن کے کھانے سے انسان کی نظر برقرار رہتی ہے، میرا اپنا تجربہ ہے کہ جب میں ۶ رجولائی ۱۹۸۵ء کو کراچی آیا تھا، اس وقت میری نظر کا نمبر ساڑھے چار تھا اور میں بغیر چشمہ کے لکھ اور پڑھ نہیں سکتا تھا، اور میری نظر بہت کمزور تھی، لیکن مسلسل جدید طبی دواؤں کے استعمال کرنے اور قطرات کو آنکھوں میں ڈالنے سے الحمد للہ! اب میری نظر بہت بہتر ہوگئی ہے اور بغیر چشمہ کے لکھنے اور پڑھنے کا کام کر لیتا ہوں اور اس وقت جو میں نعم الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۰ کو لکھوا رہا ہوں جس کی میرے عزیز حافظ محمد جمشید سلمہ اللہ العزیز وزید حبہ لیپ ٹاپ پر کمپوزنگ کر رہے ہیں اور میں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر اس کو پڑھ رہا ہوں تو بغیر کسی چشمہ کے اس کو پڑھ رہا ہوں اور میں سرمہ بالکل نہیں لگاتا، تو ہوسکتا ہے کہ قدیم زمانہ میں ایسا ہو کہ سرمہ لگانے سے بینائی کے جانے کا خطرہ ٹل جاتا ہو لیکن اب جدید میڈیکل سائنس نے ایسی دوائیں اور ڈراپس ایجاد کر دیئے ہیں کہ جن کی وجہ سے انسان کی نظر اور بینائی محفوظ رہتی ہے اور مستند ڈاکٹر سرمہ لگانے سے منع کرتے ہیں، کیونکہ اول تو سرمہ بنانے والے اتنی احتیاط

نہیں کرتے اور نہ جانے کیا کیا چیزیں پیس کر سرمہ بنا دیتے ہیں جن سے انسان کی نظر کو اور اس کی بینائی کو نقصان پہنچتا ہے، اس لیے حتی الامکان سرمہ لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے اور جو مستند، ماہر آنکھوں کے ڈاکٹر (Eye Secialist) دوائیں بتائیں اور قطرات بتائیں ان کو استعمال کرنا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: المختصر الصغیر میں بیان کیا ہے کہ بیوہ عورت بغیر شدید ضرورت کے سرمہ نہ لگائے اور ایسا سرمہ لگائے جس میں خوشبو نہ ہو، اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ہر وہ سرمہ جس میں آنکھوں کی زینت ہو، مثلاً اثمد اور اس کے مشابہ سرمہ جات، ان میں کوئی خیر نہیں ہے اور رہا فارسی اور اس کے مشابہ سرمہ جات، تو ضرورت کے وقت ان کے لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ زینت نہیں ہے بلکہ اس سے آنکھوں میں بدصورتی پیدا ہوتی ہے، اور اگر شدید ضرورت ہو تو ایسا سرمہ جس میں زینت ہو تو اسے رات کو لگانا جائز ہے اور دن میں اسے پونچھ ڈالے اور امام مالک نے اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

امام شافعی نے کہا: ''الصبر'' (ایلوہ) آنکھوں کو زرد کر دیتا ہے، اس میں زینت ہے اور خوشبو نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات میں اس کو لگانے کی اجازت دی ہے حتیٰ کہ دکھائی نہ دے، اسی طرح اس کے مشابہ اور جو چیزیں ہیں، اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، نے کہا ہے کہ ضرورت کے وقت عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ اور امام مالک اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ سیاہ سرمہ لگانے کے اندر بھی ضرورت کے وقت کوئی حرج نہیں ہے جب آنکھوں میں کوئی مرض یا بیماری ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۱۰-۴۱۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

آیا جو بیوہ عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو، اس کے لیے سرمہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

صحیح البخاری: ۵۳۳۸ میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا، تو لوگوں کو اس کی آنکھوں پر خطرہ محسوس ہوا، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے اس کے لیے سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی، تو آپ نے فرمایا: وہ سرمہ نہ لگائے، تم میں سے ایک عورت بری چادروں میں رہتی تھی یا برے مکان میں رہتی تھی، پھر جب ایک سال گزر جاتا تو کوئی کتا گزرتا اور وہ اونٹ کی مینگنی پھینکتی، تو اب وہ چار ماہ دس دن تک نہیں ٹھہر سکتی؟۔

الشیخ محمد علی صابونی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اشتکت عینھا'' یعنی اس کی آنکھوں میں کوئی مرض پیدا ہو گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''شر احلاسھا'': احلاس جلس کی جمع ہے اور یہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کپڑا کسی سواری کی پشت پر بچھایا جاتا ہے، اور یہاں اس سے مراد ہے کہ بیوہ عورت ایام عدت کے اندر جو خراب اور میلے کچیلے کپڑے پہنتی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رمت ببعرۃ'' یعنی وہ اونٹ کی مینگنی پھینک دیتی، اس میں اشارہ ہے کہ اس کی عدت ختم ہو گئی ہے اور یہ زمانہ جاہلیت کی عادات میں سے تھا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا۔

حدیث مذکور کی شرح

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو وہ ایک سال تک ٹھہری رہتی، اور انتہائی میلے کچیلے اور

خراب کپڑوں کے اندر عدت گزارتی، کسی ایسے مکان میں جو تنگ ہوتا اور وحشت ناک ہوتا اس مکان میں وہ اپنے خاوند کے اوپر سوگ کرتی، اور جب ایک سال گزر جاتا تو وہ عدت سے نکل آتی، پھر وہ کسی بکری یا اونٹ کی مینگنی لیتی اور جب اس کے پاس سے کوئی کتا یا گدھا گزرتا تو وہ مینگنی اس کتے یا گدھے کے اوپر پھینکتی اور یہ اشارہ کرتی کہ اس کی یہ مدت ختم ہوگئی ہے اور اب اس کا خاوند کی موت کے اوپر سوگ ختم ہو چکا ہے۔

اور حضرت عاتکہ بنت نعیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور یہ سوال کیا کہ ان کی بیٹی کا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اس کی آنکھ میں مرض پیدا ہوگیا ہے اور خطرہ ہے کہ اس کا مرض بڑھ جائے گا تو کیا وہ سرمہ لگالے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سرمہ نہ لگائے، کیونکہ سرمہ لگانا زینت کے لیے ہوتا ہے اور جو عورت ایامِ سوگ میں ہو، اس کے لیے زینت کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ سرمہ کے علاوہ کسی اور دوا سے اپنا علاج کرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں عورت اپنے خاوند کی وفات پر پورا ایک سال سوگ کرتی تھی اور شریعت اسلامیہ نے سہولت دی اور عدت چار مہینہ دس دن مقرر کردی اور بیوہ عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ اس مدت کے اندر زینت کو ترک کردے اور زمانہ جاہلیت کے اندر جو مشکل احکام تھے ان کی تخفیف کردی، اور بیوہ عورت کو یہ اجازت دی کہ وہ ایامِ عدت میں غسل کرسکتی ہے اور جو کپڑے عام طور پر پہنتی ہے وہ پہن سکتی ہے اور جب اس کو دوا اور علاج کی ضرورت ہو تو وہ دوا اور علاج کرسکتی ہے، بغیر اس کے کہ اس دوا کے اندر کوئی زینت ہو۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۳۵-۱۳۶، مکتبۃ العصریہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۲ھ)

۴۸۔ بَابُ: الْقُسْطِ لِلْحَادَّةِ عِنْدَ الطُّهْرِ — سوگ کرنے والی عورت کے لیے غسل کے وقت "قسط" (ایک قسم کی خوشبو) کو استعمال کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب سوگ کرنے والی عورت حیض ختم ہونے کے بعد غسل کرے، جب وہ عورت ایسی ہو جس کو حیض آتا ہو تو وہ غسل کے وقت قسط کو استعمال کرے۔ اور قسط ایک قسم کی خوشبو ہے جو کافور کی طرح ہوتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قسط لوبان کی طرح ایک چیز ہوتی ہے جس کو سلگانے سے اس کے دھوئیں سے خوشبو آتی ہے۔

۵۳۴۱۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَتَطَيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ وَكُنَّا نُنْهَى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی، از ایوب از حفصہ از حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم کو اس سے منع کیا جاتا کہ ہم کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کریں سوائے خاوند کے، اس کے اوپر چار مہینے دس دن سوگ کیا جاتا ہے اور ہم نہ سرمہ لگائیں اور نہ خوشبو لگائیں اور نہ رنگے ہوئے کپڑے پہنیں، ہاں یمن کا دھاری دار رنگین کپڑا پہن سکتی ہیں، اور ہم کو یہ رخصت دی

گئی کہ غسل کے وقت جب کوئی عورت حیض سے غسل کرے تو تھوڑا سا قسط اظفار (یعنی ایک قسم کی خوشبو اپنی فرج پر ملے جس سے حیض کی بد بو زائل ہو جائے) لگا لے۔ اور ہم کو جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کیا جاتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۵۳۴۰، ۵۳۴۱، ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، صحیح مسلم: ۹۳۸، سنن نسائی: ۳۵۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۷، مسند احمد: ۲۰۲۷۰، سنن دارمی: ۲۲۸۶)

حدیث کے بعض مشکل الفاظ کے معانی از نواب وحید الزماں متوفی ۱۳۲۸ھ

قسط: یہ لفظ کاف اور تاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی کست، اور قاف اور طاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی قُسط۔

اس حدیث میں ثوب عصب کا لفظ ہے، عصب اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا دھاگا باندھ کر رنگا جاتا ہے، پھر بنایا جاتا ہے، پھر بندھا ہوا مقام سفید رہتا ہے باقی رنگین رہتا ہے، اس کپڑے پر اس چھینٹ کو بھی قیاس کر سکتے ہیں جس کا رنگ پختہ ہوتا ہے۔

اور حدیث میں اظفار کا لفظ ہے، یہ عدنان کے ساحل پر ایک جگہ ہے۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۴ نعمانی کتب خانہ لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی از علامہ عینی (قُسط، اظفار اور ثوب عصب کے معانی)

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قُسط: یہ لفظ اصل میں کُست ہے، پس کاف کو قاف سے بدل دیا گیا اور تاء کو طاء سے بدل دیا گیا۔ اس کی تفسیر ''کتاب الحیض باب الطیب للمرأۃ عند غسلھا من الحیض'' میں گزر چکی ہے۔

ثوب عصب: یہ یمن کا دھاری دھار کپڑا ہے، جس کو پہلے بنا جاتا ہے، پھر رنگا جاتا ہے۔

فی نبذۃ: اس کا معنی ہے: تھوڑی سی چیز۔

قسط اظفار: اظفار عدن کے ساحل پر ایک جگہ ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ ظفار ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ ''القُسط والاظفار'' یہ بخور کی دو معروف قسمیں ہیں، یعنی بخور کو سلگا کر اس کے دھوئیں سے حیض کی بد بو کو زائل کیا جاتا ہے، اس سے مقصود خوشبو لگانا نہیں ہوتا۔

امام ابو عبد اللہ البخاری نے کہا ہے کہ القُسط اور الکُست، یہ الکافور اور القافور کی مثل ہیں: اور نُبذۃ کا معنی ہے: ایک ٹکڑا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس عبارت سے یہ اشارہ کیا ہے کہ قُسط میں قاف، کاف سے تبدیل کیا ہوا ہے، جیسے الکافور میں کاف، قاف سے تبدیل کیا ہوا ہے اور القُسط میں طاء، تاء سے تبدیل کی ہوئی ہے کیونکہ یہ دونوں قریب المخرج ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

لفظ ''قُسط'' اور ''اظفار'' کی تحقیق

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

''قُسط'' کا لفظ قاف کے ساتھ بھی تلفظ کیا جاتا ہے اور کاف کے ساتھ بھی تلفظ کیا جاتا ہے یعنی قُسط اور کُست، اور بخور کا معنی

معلوم ہے،اور یہ ہندی میں لوبان کو کہتے ہیں۔(المجمل ج ۲ ص ۷۵۲)
اسی طرح الاظفار ہے اور یہ تھوڑا سا عطر ہے جو ناخن کی مقدار کے مشابہ ہے۔اور قسط اظفار کا لفظ صحیح نہیں ہے اور نہ جزع اظفار کا لفظ صحیح ہے اور قسط ظفار کہا جاتا ہے اور جزع ظفار کہا جاتا ہے، یہ یمن کے ایک شہر کی طرف مشہور ہے جس کو ظفار کہا جاتا ہے۔
النُبذۃ: نَبَذَ کا معنی ہے: کسی چیز کو پھینکنا، یعنی تھوڑا سا بخور یا لوبان جو آگ میں پھینک دیا جائے یا ڈال دیا جائے جس سے دھواں نکلے، اور ''نُبذۃ'' کا معنی ہے: تھوڑی سی چیز، اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ لوبان کو پیسا جاتا ہے، پھر اس کو پانی میں ڈال دیا جاتا ہے، اور اس پانی کے ساتھ حیض والی عورت اپنی شرمگاہ کو دھوتی ہے تا کہ اس سے حیض کی بدبو زائل ہو جائے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۷۵-۵۷۶،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

''العصب'' کی تحقیق:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، صحیح البخاری:۵۳۴۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں ''ثوب عصب'' کا لفظ ہے، یہ یمن کی چادریں ہیں جن کو بُنا جاتا ہے، پھر باندھا جاتا ہے، پھر رنگا جاتا ہے، اور اس سے سفید رنگ کا کپڑا بنتا ہے جو رنگا ہوا نہیں ہوتا۔
صاحب منتہیٰ نے کہا ہے ''العصب'' کا معنی ہے: یمن کی بنی ہوئی چادریں، اور بعض اہل یمن سے مروی ہے کہ العصب ایک سمندری جانور ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ فرعون کی گھوڑی ہے، اس سے سیپیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں، اور یہ سفید رنگ کا ہوتا ہے اور یہ بہت عجیب وغریب معنی ہے، اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب معنی وہ ہے جو علامہ سہیلی نے بیان کیا ہے کہ العصب ایک گھاس ہے، جو صرف یمن میں پیدا ہوتی ہے اور انہوں نے اس قول کو ابوحنیفہ الدینوری کی طرف منسوب کیا ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب قول علامہ داؤدی کا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ العصب کا معنی ہے: سبز رنگ کا دھاری دار کپڑا، اور سلف صالحین کے اندر عصب کی تفسیر میں سبز رنگ کا ذکر نہیں ہے۔

سوگ کرنے والی عورت کے رنگ دار کپڑے پہننے، ریشمی کپڑے پہننے اور زیورات پہننے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سوگ کرنے والی عورت کے لیے زرد رنگ کے یا اور کسی رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا جائز نہیں ہے، سوائے اس کے کہ جو کالے کپڑے ہیں، اس کی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے اجازت دی ہے، کیونکہ سیاہ کپڑے زینت کے لیے نہیں بنائے جاتے بلکہ یہ غم کا لباس ہے، اور عُروہ نے اسود غالب کپڑوں کے پہننے کو بھی مکروہ قرار دیا اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے موٹے کپڑے پہننے کو مکروہ قرار دیا، علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: ہمارے نزدیک یہ کپڑے پہننا مطلقاً حرام ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے جنہوں نے اس کی اجازت دی۔
اور ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جن کپڑوں کو رنگا نہ گیا ہو اور وہ سفید کپڑے

ہوں، ان کو سوگ والی عورت کے لیے پہننا جائز ہے، اور بعض فقہاء مالکیہ نے کہا ہے کہ جن کپڑوں کو زینت کے لیے بنایا جاتا ہے، ان کا پہننا منع ہے، اسی طرح اگر سیاہ کپڑے بھی زینت کے لیے بنائے جاتے ہوں تو ان کا استعمال کرنا بھی منع ہے اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے اجازت دی ہے کہ جن کپڑوں کو زینت کے لیے نہ پہنا جائے، ان کا پہننا سوگ والی عورت کے لیے جائز ہے خواہ وہ کپڑے رنگے ہوئے ہوں اور ریشمی کپڑے پہننے میں اختلاف ہے، اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک یہ مطلقاً ممنوع ہے، خواہ وہ کپڑے رنگے ہوئے ہوں یا غیر رنگے ہوئے ہوں، کیونکہ ریشمی کپڑے عورتوں کے لیے بطور زینت کے پہننا مباح ہے اور جو عورت سوگ کر رہی ہو تو اس کو زینت کرنے سے منع کیا جاتا ہے تو جس طرح مردوں کو ریشمی کپڑا پہننا منع ہے اسی طرح جو عورت ایامِ سوگ میں ہو اس کو بھی ریشمی کپڑا پہننا منع ہے اور سونے اور چاندی اور موتیوں کے زیورات پہننے میں دو قول ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ سوگ کرنے والی عورتوں کے لیے مقصود تو زینت کو ترک کرنا ہے اور زیورات پہننے میں زینت ہوتی ہے۔

''قسطِ اظفار'' کی تحقیق

علامہ نووی نے کہا ہے ''القسط والاظفار''، یہ البخور کی دو معروف قسمیں ہیں اور ان سے خوشبو مقصود نہیں ہوتی اور حیض والی عورت کے لیے غسل کے وقت اس کی اجازت دی گئی ہے تا کہ حیض کی بدبو کو اس کے دھوئیں سے زائل کیا جائے نہ کہ اس سے خوشبو کا حصول ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ان کے ساتھ خوشبو لگانے سے مقصود یہ ہے کہ ان کے ساتھ دوسرے اجزاء ملا لیے جائیں، پھر ان کو پیسا جائے تو ایک خاص خوشبو بن جائے اور اس سے مقصود یہ ہو کہ حیض کے خون کے اثر کو زائل کیا جائے اور اس کی بدبو کو دور کیا جائے نہ کہ اس سے خوشبو کو حاصل کیا جائے اور علامہ داؤدی کا یہ الزام ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قسط کو پیسا جائے اور اس کو پانی میں ڈالا جائے، پھر اس پانی سے عورت اپنی شرمگاہ کو دھوئے، تا کہ حیض کی بدبو زائل ہو جائے۔ قاضی عیاض نے اس معنی کا رد کیا ہے، کیونکہ حدیث کا ظاہر اس معنی کا انکار کرتا ہے، اور حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ قسط یعنی بخور کے دھوئیں سے بدبو زائل ہو جائے اور اس پر بھی اعتراض ہے، اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس چیز میں منفعت کو اس کا استعمال کرنا سوگ والی عورت کیلئے جائز ہے جب کہ اس میں نہ زینت ہو اور نہ خوشبو ہو جیسا کہ زیتون کا تیل سر میں لگایا جائے یا کوئی غیر خوشبودار تیل سر میں لگایا جائے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۱-۴۹۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۲-۵۴۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری: ۵۳۴۱ کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایامِ سوگ والی عورت کے لیے حیض سے غسل کے وقت لوبان کے دھویں کے استعمال کا جواز

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کے سوا سب کا اس پر اجماع

ہے کہ جو عورت سوگ میں ہو، اس کے لیے خوشبو کو اور زینت کو استعمال کرنا ممنوع ہے، سوائے اس کے جو حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کو اجازت دی گئی کہ جب وہ حیض سے غسل کریں، تھوڑا سا قسط (یعنی لوبان کا دھواں) لگالیں، کیونکہ قسط اس خوشبو میں سے نہیں ہے جس سے سوگ والی عورت کو منع کیا گیا ہے اور قسط بطور منفعت کے استعمال کیا جاتا ہے، اور بدبو کو زائل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور صفائی، ستھرائی اور پاکیزگی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور حیض والی عورت کو ایسا تیل لگانے کی بھی اجازت دی گئی ہے جس میں خوشبو نہ ہو اور یہ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ابو ثور کا قول ہے۔

ایام سوگ والی عورت کیلئے تیل، مہندی اور خضاب وغیرہ استعمال کرنے کا مسئلہ اور اس میں فقہاء اسلام کی عبارات

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت ایسا تیل استعمال کرسکتی ہے جس میں خوشبو نہ ہو، امام مالک نے بیان کیا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی تھیں کہ سوگ والی عورت اپنے بالوں میں کنگھی کرے اور زیتون کا تیل لگائے کیونکہ اس میں خوشبو نہیں ہے۔

اور عطاء بن رباح متوفی ۱۱۴ھ نے کہا کہ سوگ والی عورت مہندی، اور سیاہ خضاب کو ملا کر اپنے بالوں کو رنگ سکتی ہے۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا کہ سوگ والی عورت مہندی اور خضاب کے ساتھ اپنے بالوں میں کنگھی نہ کرے، وہ اپنے بالوں کو صرف بیری کے پتوں سے دھوئے، ایسی چیز کے ساتھ جس سے اس کے بالوں میں رنگ اور خوشبو نہ آئے اور انہوں نے کنگھی کرنے سے بھی منع کیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور عروہ اور سعید بن المسیب، ان سب نے سوگ والی عورت کو خضاب لگانے سے منع کیا ہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا: تمام اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ خضاب لگانا زینت میں داخل ہے اور یہ ممنوع ہے۔

سوگ کرنے والی بیوہ عورت کے لباس پہننے کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

نیز علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ سوگ والی عورت رنگ دار لباس اور زرد لباس نہ پہنے مگر سیاہ کپڑوں میں رنگے ہوئے لباس کو پہن سکتی ہے اور عروہ بن زبیر اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے سوگ کرنے والی بیوہ عورت کے لیے سیاہ کپڑے پہننے کی اجازت دی ہے اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ سیاہ لباس پہننا مکروہ ہے اور عروہ یہ کہتے تھے کہ سوگ کرنے والی بیوہ عورت سرخ لباس نہ پہنے مگر یمن کا دھاری دار لباس پہن سکتی ہے اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کہا ہے کہ رنگ دار لباس کو صاف کرلے مگر یمن کا دھاری دار لباس پہن سکتی ہے اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ یمن کا دھاری دار لباس بھی نہ پہنے اور ان کا یہ قول اس حدیث کے خلاف ہے۔

امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: ہر وہ رنگ جس میں زینت ہو اور کپڑے میں نقش ونگار ہو یا دھاری دار کپڑوں میں نقش ونگار ہو تو سوگ کرنے والی بیوہ ایسے کپڑوں کو نہ پہنے خواہ وہ کپڑے باریک ہوں یا موٹے ہوں۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے امام مالک متوفی ۱۷۹ھ سے نقل کیا ہے کہ سوگ کرنے والی

عورت مہندی سے اور رنگ دار کپڑوں سے اجتناب کرے، سوا سیاہ کپڑوں کے ان کو وہ پہن سکتی ہے خواہ وہ ریشمی ہوں اور رنگ دار کپڑے خواہ اونی ہوں یا غیر اونی ہوں ان کو نہ پہنے اور نہ سبز رنگ کے کپڑے پہنے۔ اور المدونہ میں مذکور ہے کہ اگر اس کو کوئی اور کپڑے نہ ملیں تو وہ پہن سکتی ہے، نیز المدونہ میں مذکور ہے کہ باریک کپڑے نہ پہنے اور نہ یمن کے دھاری دار کپڑے پہنے اور موٹے کپڑے پہننے کے لیے انہوں نے گنجائش رکھی ہے، اور سفید کپڑے باریک پہن سکتی ہے اور ریشم کے موٹے کپڑے پہن سکتی ہے اور سوتی کپڑے پہن سکتی ہے۔

بیوہ عورت کے بناؤ سنگھار کے متعلق حسن بصری کا شاذ قول جو احادیث صحیحہ کے خلاف ہے

علامہ ابراہیم بن المنذر شافعی النیشا پوری التوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ تمام اہل علم کے برخلاف سوگ کرنے کی رائے نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے کہا: جو عورت بھی طلاق یافتہ ہو اور جو عورت بیوہ ہو وہ دونوں سرمہ بھی لگائیں اور کنگھی بھی کریں اور جوتی بھی پہنیں، بالوں کو رنگیں، خوشبو لگائیں اور جو چاہیں کریں۔

علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا ہے: جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ بیوہ عورت پر سوگ کرنا لازم ہے، اور جس شخص کو بھی یہ احادیث پہنچی ہوں اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان احادیث کو تسلیم کریں اور ہوسکتا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ تک یہ احادیث نہ پہنچی ہوں، یا انہوں نے ان احادیث میں وہ تاویل کی ہو جو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، حماد بن سلمہ نے از حجاج از حسن بن سعد از عبد اللہ بن شداد از حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب پر روئیں تو آپ نے انہیں تین دن تک رونے کی اجازت دی، پھر آپ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ تم تین دن کے بعد غسل کر لینا اور سرمہ لگا لینا۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اہل علم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو کئی وجوہ سے مسترد کر دیا اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، یہ کہتے تھے کہ یہ حدیث شاذ ہے اس کے اوپر عمل نہیں کیا جائے گا، اور امام ابو عبید الہروی التوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف روایت کی ہے، پھر حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ بیوہ عورت سوگ کے ایام میں ان چیزوں سے اجتناب کرے گی یعنی بناؤ سنگھار کی چیزوں سے اور تمام سلف صالحین کا اس پر عمل ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۱۱-۴۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان میں جو "الحادة" کا لفظ لکھا ہے، اس پر علامہ کورانی کا اعتراض اور اس کا جواب

صحیح البخاری: ۵۳۴۱ کا امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے: "القسط للحادة عند الطهر"۔

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی التوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی متوفی ۶۰۶ھ، نے کہا ہے کہ امام بخاری کا "الحادة" لکھنا غلط ہے، کیونکہ سوگوار بیوہ کے لیے الحاد بغیر تاء کے لکھا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: "احدت وحدت فهی محد وحاد"، لیکن انہوں نے باب الحیض میں کہا ہے: حائض

وحائضۃ، پس اس قیاس پر حادۃ کہنا بھی جائز ہے۔

بیوہ عورت کے لباس کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اس حدیث میں "ثوب عصب" کا لفظ ہے، کہا گیا ہے کہ یہ وہ کپڑا ہے جس کو رنگنے کے بعد بُنا جائے، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے بیوہ عورت کے لیے سیاہ کپڑوں کے پہننے کو بھی جائز قرار دیا ہے، کیونکہ اس سے زینت کا قصد نہیں کیا جاتا، لیکن اس پر اعتراض ہے، کیونکہ بعض اوقات سیاہ لباس کے اندر دوسرے رنگ دار لباس کی بہ نسبت زیادہ زینت ہوتی ہے، اور مختلف شہروں کے اعتبار سے اس کا حکم مختلف ہوتا ہے۔

"کست اظفار" کا معنی اور اس کا حکم

اس کے بعد حدیث میں "کست اظفار" کا لفظ ہے، اس کو القسط بھی کہا جاتا ہے اور امام بخاری نے عنوان میں القُسط ہی لکھا ہے، علامہ ابن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے کہ قُسط کا معنی ہے: عمدہ گھاس، اور اظفار، ظُفر کی جمع ہے اور یہ خوشبو کی ایک قسم ہے، اور قسط کی اضافت اظفار کی طرف اس لیے ہے کہ یہ بھی اس کا ایک جز ہے اور ایک روایت میں قسط اور اظفار کا لفظ ہے، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس قسم کی خوشبو کی بقدرِ ضرورت اجازت ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۹ ص ۶۲، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۱، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۵۳۴۱: ام عطیہ نے کہا: ہم کو میت پر تین دن سے زیادہ سوگ سے منع کیا جاتا تھا، مگر شوہر پر چار ماہ دس دن تک اور ہم سرمہ نہ لگاتی تھیں، نہ خوشبو لگاتی تھیں اور نہ ہی رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں، مگر وہ کپڑا جو پہلے سے رنگا ہوا ہو اور جب کوئی ہم سے حیض سے پاک ہو اور غسل کرے تو تھوڑا سا قسط ظفار کے استعمال کی رخصت دی جاتی ہے اور ہم کو جنازوں کے پیچھے چلنے سے منع کیا جاتا تھا۔

ابو عبد اللہ بخاری نے کہا: "قسط" اور "کست" کافور قافور کی طرح ہے، نُبذَۃ کا معنی قطعہ ہے۔

عصب یمنی چادریں ہیں: ان کو بُننے سے پہلے ان کے دھاگے رنگ دیئے جاتے تھے۔ ظفار میں ہمزہ پڑھنا خطا ہے، ظفار عدن کے ساحل کے کنارے ایک موضع ہے۔ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۱۳، جدہ پرنٹرز لاہور بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۴۱، کی شرح از شیوخ دیو بند

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی مہتمم جامعہ فاروقیہ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سوگ والی عورت کے حیض سے پاک ہونے کے وقت قسط خوشبو کے استعمال کرنے کو بیان کیا ہے، حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں کو کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منانے سے منع کیا جاتا تھا، مگر شوہر پر چار مہینے دس دن تک (سوگ مناتے تھے)، ہم نہ سرمہ لگاتے تھے، نہ خوشبو لگاتے تھے، نہ رنگا ہوا کپڑا پہنتے تھے، البتہ ثوب عَصب کی اجازت تھی (ثوب عصب کی تفصیل آگے آرہی ہے)، جب ہم میں سے کوئی عورت حیض سے غسل کر کے پاک ہوتی تو تھوڑے سے قُسط اظفار (کے استعمال کرنے کی) ہمیں اجازت دی جاتی اور ہم لوگوں کو جنازے کے پیچھے چلنے سے منع کیا جاتا تھا۔

نُنْهی: مضارع مجہول جمع متکلم کا صیغہ ہے، نون اول کے ضمہ اور ھاء کے فتح کے ساتھ رُخِصَ (بضم الراء وکسر الخاء) ماضی مجہول کا صیغہ ہے، نُبْذَۃ بمعنی شیٔ قلیل، کست اظفار: اظفار جگہ کا نام ہے، صنعانی نے فرمایا کہ صحیح لفظ ظفار ہے جو عدن کے ساحل پر ایک جگہ کا نام ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۱۱۲)

قال ابو عبد الله: القسط والكست، مثل الكافور والقافور، نُبذة: قطعة۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسط کا لفظ قاف کے ساتھ بھی ہے اور کاف کے ساتھ بھی ہے جس طرح کافور کاف اور قاف دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، نبذۃ بمعنی ٹکڑا، تھوڑا سا حصہ۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق، ص ۵۸۷، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے صحیح البخاری: ۵۳۴۱ کی شرح کی، اس حدیث میں قُسط اظفار کا لفظ ہے اور امام بخاری کے عنوان میں ''القُسط'' کا لفظ ہے، شیخ سلیم اللہ خان کو یہ چاہیے تھا کہ ''القُسط'' اور ''الکُست'' کے معنی کا بیان کرتے جو انہوں نے نہیں کیا، جب کہ اس حدیث کی شرح میں قُسط اور کُست کے معنی کو بیان کرنا ضروری تھا، پھر امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ''القُسط'' کا لفظ لکھا ہے اور حدیث میں ''کست اظفار'' لکھا ہے، سو انہیں چاہیے تھا کہ وہ یہ بیان کرتے کہ عنوان میں اور حدیث میں کیا مناسبت ہے اور یہ کہ اس حدیث میں جن چیزوں کی شرح ضروری تھی، ان کی شیخ سلیم اللہ خان نے شرح نہیں کی۔

۴۹۔ بَابٌ: تَلْبَسُ الْحَادَّةُ ثِيَابَ الْعَصْبِ سوگ کرنے والی بیوہ یمن کے دھاری دار کپڑے پہنے

باب مذکور کے عنوان کی شرح

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ سوگ کرنے والی بیوہ ''ثیاب العصب'' پہنے اور ہم عنقریب ذکر کر چکے ہیں کہ عَصب کا معنی ہے: یمن کی چادریں، جن کو پہلے بُنا جاتا ہے، پھر رنگ کیا جاتا ہے، پھر بُنا جاتا ہے، پھر اس کے کناروں پر نقش و نگار بنائے جاتے ہیں، تا کہ سفید رنگ باقی رہے، اور کہا جاتا ہے: بردِ عصب اور برودِ عصب، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دھاری دار چادریں ہیں۔

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے کہ عدت گزارنے والی عورت کو ان کپڑوں کے پہننے سے منع کیا گیا ہے جنہیں بُننے کے بعد رنگ کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۴۲۔ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ فَإِنَّهَا لَا تَكْتَحِلُ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الفضل بن دکین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد السلام بن حرب نے حدیث بیان کی، از ام ہشام از عطیہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہو اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اپنے

خاوند کے، کیونکہ نہ وہ سرمہ لگائے گی اور نہ وہ رنگین کپڑے پہنے گی، مگر دھاری دار یمن کے کپڑے پہن سکتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۵۳۴۰، ۵۳۴۱، ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، صحیح مسلم: ۹۳۸، سنن نسائی: ۳۵۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۷، مسند احمد: ۲۰۲۷۰، سنن داری: ۲۲۸۶)

۵۳۴۳ - وَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَتْنَا حَفْصَةُ حَدَّثَتْنِي أُمُّ عَطِيَّةَ نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَلَا تَمَسَّ طِيبًا إِلَّا أَدْنَى طُهْرِهَا إِذَا طَهُرَتْ نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ وَأَظْفَارٍ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْقُسْطُ وَالْكُسْتُ مِثْلُ الْكَافُورِ وَالْقَافُورِ۔

اور انصاری نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حفصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو لگانے سے منع فرمایا، مگر جس وقت عورت اپنے حیض سے غسل کرے، اس وقت تھوڑا سا قسط اور اظفار لگا لے، مگر لوبان کے دھوئیں سے حیض کی بدبو کو زائل کرے، امام عبداللہ بخاری نے کہا ہے قسط اور کست، کافور اور قافور کی مثل ہے یعنی ایک قسم کی خوشبو ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۵۳۴۰، ۵۳۴۱، ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، صحیح مسلم: ۹۳۸، سنن نسائی: ۳۵۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۷، مسند احمد: ۲۰۲۷۰، سنن داری: ۲۲۸۶)

صحیح البخاری: ۵۳۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، اس سے مراد ہشام بن حسان القردوسی ہیں (قاف کے پیش اور راء کے سکون کے ساتھ)۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کے ساتھ مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ہشام سے مراد ہشام الدستوائی ہیں، جن کا اس سے پہلے حدیث میں ذکر ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۲۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا ان کو ہشام الدستوائی لکھنا غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ ہشام بن حسان ہیں۔ اسی طرح الحافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن مزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ نے کہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰)

نیز اس حدیث میں حفصہ کا ذکر ہے، اس سے مراد حفصہ بنت سیرین ہیں جو محمد بن سیرین کی بہن ہیں، اور امام بخاری نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو یہاں پر صراحۃً مرفوعاً بیان کیا ہے۔

سوگ کرنے والی بیوہ کے لباس پہننے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ ابراہیم بن منذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جو بیوہ سوگ کے ایام گزار رہی ہو، اس کے لیے رنگ دار کپڑے پہننا اور زرد کپڑے پہننا جائز نہیں ہے، مگر ان کپڑوں کو پہننا جائز ہے جن کو سیاہ رنگ کے ساتھ رنگا گیا

ہو، اور عُروہ بن زبیر اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے بیوہ عورت کے لیے سیاہ رنگ کے کپڑے پہننے کی اجازت دی ہے اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اور عُروہ یہ کہتے تھے کہ بیوہ عورت سرخ رنگ کے کپڑے نہ پہنے مگر یمن کی دھاری دار چادریں پہن سکتی ہے اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت رنگ دار کپڑے پہننے سے بچے، مگر یمن کی دھاری دار چادریں پہن سکتی ہے، اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا کہ بیوہ عورت یمن کی دھاری دار چادریں نہ پہنے اور زُہری کا یہ قول حدیث مذکور کے خلاف ہے۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ ہر وہ رنگا ہوا کپڑا جس میں زینت ہو یا وہ کپڑا دھاری دار ہو یا اس کے کناروں پر نقش و نگار ہو تو بیوہ عورت ان کپڑوں کو نہ پہنے خواہ وہ کپڑے موٹے ہوں یا باریک ہوں۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت مہندی لگانے سے اور رنگ کرنے سے اجتناب کرے، البتہ سیاہ رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے، بشرطیکہ وہ کپڑے ریشمی نہ ہوں اور اون کے رنگین کپڑے نہ پہنے اور المدونہ میں مذکور ہے کہ اگر اسے کوئی اور کپڑا نہ ملے تو پھر وہ پہن سکتی ہے اور وہ باریک کپڑے نہ پہنے اور یمن کے دھاری دار کپڑے نہ پہنے اور موٹے کپڑوں میں گنجائش ہے اور سفید باریک کپڑے پہن سکتی ہے اور موٹے ریشمی کپڑے بھی پہن سکتی ہے اور سُوتی کپڑے بھی پہن سکتی ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: بیوہ عورت کے اوپر سونے اور چاندی کے زیورات کو پہننا حرام ہے، اسی طرح موتیوں کا پہننا بھی حرام ہے، اور موتیوں کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ جائز ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں امام بخاری نے کہا ہے: ''الانصاری'': اس سے مراد ہیں: محمد بن عبد اللہ بن المثنیٰ بن عبد اللہ بن انس بن مالک، جو بصرہ کے قاضی ہیں اور امام بخاری کے شیخ ہیں، امام بخاری نے ان سے اکثر احادیث روایت کی ہیں بالواسطہ بھی اور بلاواسطہ بھی، اور شاید کہ امام بخاری نے اس حدیث کی ان سے مذاکرۃً روایت کی ہے، اس لیے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمیں انصاری نے حدیث بیان کی۔

اور اس حدیث کی سند میں ہشام بن حسان ہے، ان کا تذکرہ عنقریب ہو چکا ہے۔

اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس حدیث کو امام ابوحاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ سے سند موصول کے ساتھ صرف لفظِ انصاری کے ساتھ روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورت کو کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع فرمایا ہے، سوائے اس کے خاوند کے، کیونکہ وہ اس کے اوپر چار مہینے دس دن سوگ کرے اور نہ کوئی رنگین کپڑے پہنے، سوائے یمن کے دھاری دار کپڑوں کے، اور نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ اور مُبہم عبارات کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو لگانے سے منع فرمایا ہے، یہاں عبارت محذوف ہے، یعنی بیوہ عورت خوشبو نہ لگائے مگر جس وقت وہ اپنے حیض سے غسل کرے تو اس وقت وہ خوشبو لگا سکتی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے نبذۃ یعنی وہ لوبان کا تھوڑا سا دھواں سُلگائے اور اس سے حیض کی بدبو کو زائل کرے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حیض کی بدبو زائل کرنے کے لیے خوشبو اور لوبان کے دھویں کو استعمال کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی التوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کے سوا تمام علماء کا اس پر اجماع ہے، کہ سوگ کرنے والی بیوہ کے لیے خوش بو لگانا اور زینت کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے، لیکن حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب سوگ کرنے والی عورت حیض کا غسل کرے تو حیض کی بدبو زائل کرنے کے لیے تھوڑا سا لوبان کا دھواں استعمال کرسکتی ہے، کیونکہ لوبان کا دھواں وہ خوشبو نہیں ہے جس سے سوگ کرنے والی بیوہ کو منع کیا جائے، اور لوبان کا دھواں صرف منفعت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور بدبوؤں کو زائل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور صفائی اور پاکیزگی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور سوگ کرنے والی بیوہ کے لیے اس تیل کو بھی استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس میں خوشبو نہ ہو اور یہ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور امام مالک بن انس نے کہا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، وہ زیتون کا تیل لگائے اور اس کے مشابہ جو غیر خوشبودار تیل ہو اس کا استعمال کرے۔
اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا یہ بیان کرتی ہیں کہ سوگ کرنے والی بیوہ اپنے اوپر زیتون کا تیل لگائے کیونکہ اس میں خوشبو نہیں ہے۔ (الموطا ص ۳۷۰-۳۷۱)
اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ نے کہا کہ وہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرے جس میں خضاب ملا ہوا ہو۔
(مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۶، رقم الحدیث: ۱۲۱۲۲)
اور امام مالک بن انس نے کہا کہ وہ کسی ایسی چیز کے ساتھ کنگھی نہ کرے جس میں خضاب ہو، وہ اپنا سر بیری کے پتوں سے دھوئے اور انہوں نے بیوہ عورت کو کنگھی کرنے سے منع کیا ہے۔ (الموطا ص ۳۷۰)
اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور عُروہ اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ نے بیوہ عورت کو خضاب لگانے سے منع کیا ہے، علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا ہے: تمام اہل علم کا اس مسئلہ کے اندر کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔

بیوہ عورت کس قسم کے کپڑے پہن سکتی ہے؟ اس مسئلہ کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

اور خضاب زینت کی ان اقسام میں داخل ہے جن سے بیوہ عورت کو منع کیا گیا ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ بیوہ عورت رنگین کپڑے نہ پہنے اور زرد کپڑے نہ پہنے، ہاں جو سیاہ رنگ کے ساتھ کپڑے رنگے ہوئے ہوں، وہ پہن سکتی ہے اور عُروہ بن زبیر اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے سیاہ کپڑے پہننے کی رخصت دی ہے۔ اور ابن شہاب زہری نے بیوہ عورت کو سیاہ کپڑے پہننے سے منع کیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۴)

اور عُروہ کہتے تھے کہ بیوہ عورت سرخ کپڑے نہ پہنے مگر یمن کے دھاری دار کپڑے پہن سکتی ہے، اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت رنگ دار کپڑے پہننے سے اجتناب کرے، سوائے یمن کے دھاری دار کپڑوں کے۔

اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت یمن کے دھاری دار کپڑے نہ پہنے، اور زہری کا یہ قول حدیث مذکور کے خلاف ہے اور امام شافعی یہ کہتے تھے کہ ہر وہ رنگین کپڑا جس میں زینت ہو اور جس کپڑے میں نقش ونگار ہو، یا جو دھاری دار کپڑے ہوں اور اس میں نقش ونگار ہوں تو بیوہ عورت ان کو نہ پہنے، خواہ وہ کپڑے موٹے ہوں یا باریک ہوں۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۲۱۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت مہندی لگانے سے اور بالوں کو رنگنے سے اجتناب کرے، سوائے سیاہ کپڑوں کے پہننے سے، کیونکہ اس کے لیے سیاہ کپڑے پہننا جائز ہے خواہ وہ ریشمی کپڑے ہوں، اور اون کے رنگین کپڑے نہ پہنے اور نہ سبز رنگ کے کپڑے پہنے، اور المدونہ میں مذکور ہے کہ اگر اس کو ان کے سوا کوئی اور کپڑا نہ ملے تو پھر اس کے لیے ان کا پہننا جائز ہے اور امام مالک نے کہا کہ وہ باریک کپڑے نہ پہنے، اور نہ یمن کے دھاری دار کپڑے پہنے، یعنی باریک اور موٹے کپڑے پہننے کی انہوں نے اجازت دی ہے، اور انہوں نے کہا کہ وہ سفید کپڑے باریک پہن سکتی ہے اور ریشمی موٹے کپڑے پہن سکتی ہے، اور سوتی کپڑے پہن سکتی ہے اور اونی کپڑے پہن سکتی ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۷۷، دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ ریشمی کپڑے پہننا حرام نہیں ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۸ ص ۴۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، نے کہا ہے کہ تمام علماء نے کہا ہے کہ بیوہ عورت سفید کپڑے پہن سکتی ہے۔ علامہ الابہری نے کہا ہے: جن کپڑوں کا پہننا بیوہ عورت کے لیے مباح کیا گیا ہے، ان میں زینت نہیں ہے، کیونکہ بیوہ عورت کو زینت والے کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے کپڑے وہ پہن سکتی ہے۔

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک ان کپڑوں کا پہننا حرام نہیں ہے جن کپڑوں کو بُنا گیا ہو جیسے چادریں، (الوسیط ج ۳ ص ۸۱) اور انہوں نے حدیث میں جو یمن کے دھاری دار کپڑوں کا استثناء ذکر کیا گیا ہے، اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس سے مراد یمن کے وہ دھاری دار کپڑے ہیں جن کو رنگا نہ گیا ہو۔ اسی طرح امام بیہقی نے روایت کی ہے۔

(معرفۃ السنن والآثار ج ۱۱ ص ۲۲۲)

بیوہ عورت کے متعلق زیورات پہننے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

ہمارے نزدیک بیوہ عورت کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات کو پہننا منع ہے، کیونکہ سنن ابوداؤد میں اس کی تصریح ہے۔
(سنن ابوداؤد: ۲۳۰۴) اسی طرح سنن نسائی میں بھی سند حسن کے ساتھ اس کی تصریح کی ہے۔ (سنن نسائی ج۶ ص ۲۰۳)

اسی طرح علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ: ہمارے نزدیک بیوہ عورت کے لیے موتیوں والا لباس پہننا بھی صحیح مذہب میں ممنوع ہے۔ (روضۃ الطالبین ج۸ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، کی رائے یہ تھی کہ بیوہ عورت کے لیے سوگ کرنا ضروری نہیں ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۰۵، رقم الحدیث: ۱۹۲۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیوہ عورت کو سوگ کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے جس تک یہ احادیث پہنچ گئی ہوں کہ وہ ان احادیث کو تسلیم نہ کرے، اور ہوسکتا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کو یہ احادیث نہ پہنچی ہوں، یا یہ احادیث ان کو پہنچی ہوں لیکن انہوں نے ان احادیث میں تاویل کی ہوں، جیسا کہ حضرت اسماء بنت عمیس کی حدیث ہے کہ حماد بن سلمہ نے از حجاج از الحسن بن سعد روایت کی ہے۔ اور اہل علم نے اس حدیث کو مسترد کر دیا ہے، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، یہ کہتے تھے کہ یہ حدیث شاذ ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

اور امام ابو عبید الہروی نے کہا کہ تمام امہات المومنین جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیوہ عورت کے سوگ کے متعلق احادیث روایت کی ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو زیادہ جاننے والی تھیں، پھر حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ بیوہ عورت عدت کے دوران سوگ کرے اور زینت والے لباس سے اجتناب کرے۔

بیوہ عورتوں کے جنائز کے ساتھ جانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اس سے پہلے یہ حکم کتاب الجنائز میں گزر چکا ہے، علامہ ابن التین شارح بخاری نے از ابن القرطبی روایت کی ہے کہ عورتوں کے جنازہ کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور المدونہ میں مذکور ہے کہ اگر نوجوان عورتیں بھی جنائز کے ساتھ جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے، پس وہ خاوند کے جنازے میں اور بھائی کے جنازے میں اور بیٹے کے جنازے میں اور والد کے جنازے میں جاسکتی ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور کے جنازے میں ان کا جانا مکروہ ہے۔ (المدونہ ج۱ ص۱۶۹-۱۷۰)

اور علامہ ابن حبیب مالکی نے اس حدیث کی بناء پر تمام عورتوں کو جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۷۶-۵۷۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

ایام سوگ کے مسائل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے صحیح البخاری: ۵۳۴۲، میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی روایت کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصریح ہے کہ جو عورت اللہ اور آخرت پر یقین رکھتی ہے، وہ کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، سوائے اپنے خاوند کی موت کے، پس وہ نہ سرمہ لگائے اور نہ رنگین کپڑے پہنے مگر یمن کے دھاری دار کپڑے۔

یہ حدیث حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مثل ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ نہ وہ سرمہ لگائے اور نہ وہ رنگین کپڑے پہنے مگر دھاری دار یمن کے کپڑے اور اس سے پہلے اس کی شرح گزر چکی ہے۔ اور اس میں یہ ذکر ہے کہ تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے اور اس سے پہلی روایت میں تین راتوں کا ذکر ہے، اور ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ راتوں سے مراد دنوں کے ساتھ راتیں ہیں، اور مطلق مقید کے اوپر محمول ہے اور اوزاعی کا مذہب یہ ہے کہ وہ صرف تین راتیں سوگ کرے۔

اور صحیح البخاری: ۵۳۴۳، میں مذکور ہے کہ انصاری نے کہا: اس سے مراد محمد بن عبد اللہ بن المثنیٰ ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں، اور امام بخاری نے ان کی احادیث کو بہ کثرت روایت کیا ہے، بالواسطہ بھی اور بلاواسطہ بھی۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، اس سے مراد ہشام الدستوائی ہیں جو اس سے پہلی حدیث میں مذکور ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ نہ وہ خوشبو لگائے، یہاں امام بخاری نے اس کو اختصار سے روایت کیا ہے، اور امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے امام ابوحاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ کی سند سے یہ حدیث اس طرح روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی عورت تین دن سے زیادہ کسی کی مرگ پر سوگ نہ کرے، سوائے خاوند کی موت کے، کیونکہ اس کی موت پر وہ چار مہینے دس دن سوگ کرے گی، اور نہ وہ رنگین کپڑے پہنے مگر یمن کے دھاری دار کپڑے پہن سکتی ہے اور نہ وہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۳، دار المعرفہ بیروت)

صحیح البخاری: ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں برود یمنیہ کا ذکر ہے، جس میں سفید اور کالی دھاریاں ہوتی ہیں، اور عصب بمعنی معصوب ہے، اور ثیاب کی اضافت عصب کی طرف، موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔

حدیث مذکور کی سند کی شرح

علامہ قسطلانی اس حدیث کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں الفضل بن دُکین کا ذکر ہے (دال پر پیش ہے اور کاف پر زبر ہے)، اس کے بعد اس سند میں عبد السلام بن حرب کا ذکر ہے، یہ ابوبکر النہدی الکوفی ہیں، اس کے بعد ہشام کا ذکر ہے، یہ ابن حسان القردوسی ہیں (قاف پر پیش) حافظ ابن حجر نے کہا ہے یہ الدستوائی ہیں۔ از حفصہ، یہ بنت سیرین ہیں، از ام عطیہ: یہ نسیبۃ ہیں۔

ثوب عصب کی شرح

اس قید سے رنگین کپڑے اور ریشمی کپڑے نکل گئے، جن میں نقش و نگار کی زینت ہے، لیکن جو کپڑے رنگین ہوں اور زینت

کے لیے نہ ہوں بلکہ مصیبت کے لیے ہوں یا کالے کپڑے ہوں تاکہ میل کچیل سے بچے رہیں، ان کے پہننے میں حرج نہیں۔
(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۱۳۰-۱۳۱، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی باقی شرح وہی ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی ان حدیثوں کی شرح کر چکے ہیں۔
تنبیہ: شیخ عثیمین نے اپنی شرح میں فتح الباری کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

ماتم کرنے کی ممانعت

شیخ محمد داؤد راز میواتی غیر مقلد عالم ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
کسی بھی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا منع ہے، مگر خاوند کے لیے چار مہینے دس دن کے سوگ کی اجازت ہے، اب وہ لوگ خود غور کر لیں، جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر ہر سال محرم میں سوگ کرتے ہیں، سیاہ کپڑے پہنتے ہیں اور ماتم کرتے ہوئے اپنی چھاتی کو کوٹتے ہیں، یہ لوگ یقیناً اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہیں، اللہ ان کو ہدایت فرمائے۔ آمین
اس سلسلہ میں سنی حضرات کو ضرور غور کرنا چاہیے کہ وہ اہل سنت کے مسلک کے خلاف حرکت کر کے سخت گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۹۳، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

صحیح البخاری: ۵۳۴۲، ۵۳۴۳ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب: سوگ والی عورت بُننے سے پہلے رنگے ہوئے کپڑے پہنے

۵۳۴۲: ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عورت کے لئے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے، شوہر پر سوگ کے علاوہ تین دن سے زیادہ سوگ منانا حلال نہیں۔ وہ نہ تو سرمہ استعمال کرے اور نہ رنگے ہوئے کپڑے پہنے مگر وہ کپڑے پہن سکتی ہے جو بُننے سے پہلے ان کے دھاگے رنگے ہوئے ہوں۔
علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن المنذر سے نقل کیا کہ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ سوگ منانے والی عورت کے لئے رنگے ہوئے کپڑے اور زرد رنگ والے کپڑے پہننے جائز نہیں لیکن سیاہ رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے۔ اس کی عروہ بن زبیر، امام مالک، اور امام شافعی نے بھی رخصت دی ہے۔ زہری نے سیاہ رنگ والے کپڑوں کو مکروہ کہا ہے۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں: بُننے سے پہلے رنگے ہوئے کپڑے جائز ہیں۔ سفیان ثوری نے کہا: رنگے ہوئے کپڑوں سے اجتناب کرے، البتہ بُننے سے پہلے رنگے ہوئے کپڑے جائز ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس رنگ میں زینت ہو کپڑا باریک ہو یا موٹا ہو وہ نہ پہنے۔
۵۳۴۳: انصاری نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی، انہوں نے حفصہ اور ام عطیہ کے ذریعہ روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوگ منانے والی عورت خوشبو استعمال نہ کرے، لیکن جب طہر کا وقت قریب ہو جب کہ وہ پاک ہو جائے تو تھوڑا سا قسط ظفار استعمال کرے۔
حدیث میں کچھ عبارت مقدر ہے۔ دراصل عبارت یہ ہے: "نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال ولا تمس طیبا" یعنی نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، چنانچہ فرمایا خوشبو نہ ملے۔

قولہ ادنیٰ بمعنی قریب ہے۔ قولہ "نبذۃ" طِیبًا سے بدل واقع ہے، یا فعل مقدر کا مفعول ہے یعنی وتمس طیبا من قسط واظفار، اظفار خوشبو کی قسم ہے، بعض حواشی میں ہے کہ قسط واظفار بخور کی دو قسمیں ہیں، کہ جو عورت حیض سے پاک ہو کر غسل کرے، تو بدبو دور کرنے کے لئے خون کے اثرات پر خوشبو ملے تا کہ خون کا تعفن جاتا رہے۔ یہ خوشبو کے استعمال کی رخصت نہیں۔ یعنی قسط ظفار کا ٹکڑا ملے تا کہ بُو جاتی رہے۔ (تفہیم البخاری، ج ۸ ص ۴۱۴-۴۱۵، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، کی شرح از شیوخ دیو بند

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سوگ والی عورت کے لیے ثیاب عَصب کے استعمال کی اجازت کو بیان فرمایا ہے کہ سوگ والی عورت ثیاب عصب استعمال کر سکتی ہے۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عصب ایک گھاس کا نام ہے جو یمن میں ہوتی ہے، جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں، ان کپڑوں کو جو اس گھاس میں رنگے جاتے ہیں، ثیاب عَصب کہا جاتا ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس تشریح کو غریب قرار دیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۴)

مشہور یہ ہے کہ سوت کاتنے کے بعد اسے باندھ کر رنگ میں ڈالا جاتا ہے، اس کے بعد پھر اس کو کھولتے اور بُنتے ہیں، جہاں جہاں اس سوت کے اندر بندش ہوتی ہے وہاں رنگ نہیں پہنچتا، اس سے جو کپڑا بُنا جاتا ہے اس میں زینت نہیں ہوتی، اس لیے سوگ اور احداد کے زمانے میں اس کے پہننے کی اجازت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سوگ والی عورت کو رنگین کپڑے اور ثوب مصبوغ پہننے سے منع کیا گیا ہے لیکن یہ ممانعت ثیاب عصب کو شامل نہیں بلکہ ممانعت ان کپڑوں کے استعمال سے ہے جو بُننے کے بعد رنگے جاتے ہیں، جب کہ ثیاب بُننے سے پہلے رنگ میں ڈالے جاتے ہیں۔

دوسری روایت میں "قال الانصاری" سے محمد بن عبد اللہ بن المثنیٰ مراد ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں۔

شیخ سلیم اللہ خان لکھتے ہیں:

یعنی سوگ والی عورت خوشبو استعمال نہیں کر سکتی، البتہ زمانہ طہر کے قریب تھوڑا سا قسطِ ظفار استعمال کر سکتی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۵)

سوگ والی عورت کے لیے ثیاب عصب کا حکم

سوگ والی عورت کے لیے ثیاب عصب کے استعمال میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے، اس پر تو اتفاق ہے کہ معتدہ رنگین، خوبصورت اور زینت والے کپڑے استعمال نہیں کر سکتی، ثیاب عصب کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ معتدۃ الوفات کے لیے اس کا استعمال حرام ہے اور یہی مسلک حضرات حنفیہ کا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ کپڑا موٹا ہے، ملائم اور پتلا نہیں ہے تو پھر جائز ہے لیکن اگر وہ ملائم اور رقیق و باریک ہے

تو پھر اس کا استعمال ناجائز ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جواز اور عدم جواز دونوں قسم کی روایات منقول ہیں، لیکن ان کی اصح روایت عدم جواز کی ہے۔

(الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۴، فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۴)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عراق اور کوفہ وغیرہ میں ثوب عصب کی ترقی یافتہ شکل تیار ہوگئی تھی اور زینت کے مواقع میں اس کا استعمال کیا جاتا تھا اس لیے ہمارے فقہاء نے اپنے زمانے اور علاقے کے عرف کے مطابق معتدہ کے لیے اس کا استعمال ممنوع قرار دیا، حدیث میں ثوب عصب کی اجازت دی گئی ہے کہ اس وقت وہ ایک سادہ کپڑا شمار ہوتا تھا اور زینت کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق، ص-۵۸۹، ۵۸۷، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۵۰۔ بابٌ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(البقرۃ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کرلیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

۵۳۴۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا شِبْلٌ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ ﴿وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا﴾ قَالَ كَانَتْ هَذِهِ الْعِدَّةُ تَعْتَدُّ عِنْدَ أَهْلِ زَوْجِهَا وَاجِبًا فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ﴾ (البقرۃ: ۲۴۰) قَالَ جَعَلَ اللهُ لَهَا تَمَامَ السَّنَةِ سَبْعَةَ أَشْهُرٍ وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَصِيَّةً إِنْ شَائَتْ سَكَنَتْ فِي وَصِيَّتِهَا وَإِنْ شَائَتْ خَرَجَتْ وَهُوَ قَوْلُ اللهِ تَعَالَى ﴿غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ (البقرۃ: ۲۴۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شبل نے حدیث بیان کی از ابن ابی نجیح از مجاہد، کہ قرآن مجید میں ہے: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں۔ مجاہد نے کہا: یہ وہ عدت ہے جس میں بیوہ کو خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت کے ایام میں رہنا واجب ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ مجاہد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ کی عدت میں

سال پورا کر کے سات مہینے بیس دن بڑھا دیے، یعنی خاوند کے مرنے کے بعد عورت کو اختیار ہے خواہ وہ ایک سال تک عدت گزارے اس وصیت کے مطابق، اور اگر چاہے تو وہ گھر سے نکل جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور (گھر سے) نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

فَالْعِدَّةُ كَمَا هِيَ وَاجِبٌ عَلَيْهَا زَعَمَ ذٰلِكَ عَنْ مُجَاهِدٍ وَقَالَ عَطَاءٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَسَخَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ عِدَّتَهَا عِنْدَ أَهْلِهَا فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَائَتْ وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾

پس یہ عدت اس طرح بیوہ عورت پر گزارنا واجب ہے، یہ مجاہد کا زعم ہے، اور عطاء نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس آیت نے اس عدت کو منسوخ کر دیا ہے کہ عورت پر واجب تھا کہ وہ خاوند کے گھر والوں کے پاس رہے، اب وہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: اور (گھر سے) نہ نکالا جائے۔

وَقَالَ عَطَاءٌ إِنْ شَائَتْ اعْتَدَّتْ عِنْدَ أَهْلِهَا وَسَكَنَتْ فِي وَصِيَّتِهَا وَإِنْ شَائَتْ خَرَجَتْ لِقَوْلِ اللّٰهِ

تو عطاء بن ابی رباح نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اگر بیوہ عورت چاہے تو خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت گزارے اور اس وصیت کے مطابق وہاں رہے، اور اگر چاہے تو ان کے گھر سے نکل جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ﴾ (البقرہ:۲۴۰) قَالَ عَطَاءٌ ثُمَّ جَاءَ الْمِيرَاثُ فَنَسَخَ السُّكْنٰى فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَائَتْ وَلَا سُكْنٰى لَهَا۔

تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے۔ عطاء نے کہا: پھر میراث کی آیت نازل ہوئی، اور اس نے خاوند کے گھر میں رہائش کو منسوخ کر دیا، اب بیوہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے اور اس کے لیے رہائش نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری:۴۵۳۱، ۵۳۴۴، سنن نسائی:۳۵۳۱، سنن ابوداؤد:۲۳۰۱)

شیخ وحید الزمان غیر مقلد متوفی ۱۳۲۸ھ صحیح البخاری: ۵۳۴۴، کی شرح میں لکھتے ہیں:

البقرہ:۲۳۴ اور البقرہ:۲۴۰ میں سے کون سی آیت منسوخ ہے؟

اگر عورت سات مہینے بیس دن یعنی ایک سال پورا ہونے تک اپنے سسرال میں رہنا چاہے تو سسرال والے اس کو نکال نہیں سکتے، غیر اخراج کا یہی مطلب ہے، یہ مذہب خاص مجاہد کا ہے، انہوں نے یہ خیال کیا کہ ایک سال کی عدت کا حکم بعد میں نازل ہوا ہے اور چار مہینے دس دن کی عدت کا حکم پہلے نازل ہوا ہے، اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ناسخ منسوخ سے پہلے نازل ہوا ہو، اس لیے انہوں

نے دونوں آیتوں میں اس طرح تطبیق دی، باقی تمام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ایک سال کی عدت کی آیت منسوخ ہے اور چار مہینے دس دن کی آیت اس کی ناسخ ہے، اور پہلے ایک سال کی مدت کا حکم نازل ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کم کر کے چار مہینے دس دن کی عدت مقرر فرمائی اور دوسری آیت نازل فرمائی۔ (تیسیر الباری شرح صحیح بخاری، ج ۵ ص ۲۵۵ نعمانی کتب خانہ)

دوسرے غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ ایک سال کی مدت کی آیت منسوخ ہے، اور چار مہینے دس دن کی آیت اس کی ناسخ ہے، اور پہلے ایک سال کی عدت کا حکم نازل ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے کم کر کے چار مہینے اور دس دن کی عدت مقرر کر کے دوسری آیت نازل فرمائی، اگر وہ عورت سات مہینے بیس دن یا ایک سال پورا ہونے تک اپنے سسرال میں رہنا چاہے تو سسرال والے اسے نکال نہیں سکتے، غیر اخراج کی یہی تفسیر ہے۔ یہ مذہب خاص مجاہد کا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ ایک سال کی عدت کا حکم بعد میں نازل ہوا ہے اور چار مہینے دس دن کا حکم پہلے نازل ہوا ہے، اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ناسخ منسوخ سے پہلے نازل ہوا ہو، اس لیے انہوں نے ان دونوں آیتوں میں اس طرح تطبیق دی، تاہم باقی مفسرین کا یہ قول ہے کہ ایک سال کی عدت کی آیت منسوخ ہے اور چار مہینے دس دن کی عدت کی آیت اس کی ناسخ ہے۔ اور پہلے ایک سال کی عدت کا حکم نازل ہوا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کم کر کے چار مہینے دس دن کی عدت کا حکم نازل فرمایا اور دوسری آیت نازل فرمائی یعنی اربعة اشهر وعشرا، اب عورت خواہ سسرال میں رہے، خواہ اپنے میکے میں رہے، اسی طرح تین طلاق کے بعد خاوند کے گھر میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، خاوند کے گھر میں عدت پوری کرنا اس وقت عورت پر واجب ہے جب طلاق رجعی ہو کیونکہ خاوند کے رجوع کرنے کی امید ہوتی ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۹۴-۹۵، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

شیخ داؤد راز کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ داؤد راز نے یہ غلط لکھا ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت پر خاوند کے گھر میں عدت پوری کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے یہ کہا تھا کہ ان کے خاوند نے ان کو تین طلاقیں دے دیں، اور ان کے لیے نہ رہائش مہیا کی اور نہ ان کو خرچ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے نہ رہائش ہے نہ خرچ ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کو مسترد کر دیا، اور فرمایا کہ ہم ایک عورت کے قول کی بناء پر کتاب اللہ کے حکم کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں ترک کریں گے، پتا نہیں اس عورت نے اس حدیث کو یاد رکھا یا بھول گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کے لیے رہائش کو واجب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے

بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی ؕ مطابق آپس میں مشورہ کرلو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O (الطلاق:۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً مطلقہ کے لیے رہائش اور عدت کے دوران خرچ کو واجب فرمایا ہے، اور اس کی طلاقِ رجعی کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں فرمائی، لہٰذا شیخ داؤد راز کا رہائش کو طلاقِ رجعی کے ساتھ خاص کرنا قطعاً باطل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ نے بھی حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو مسترد کر دیا تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴، کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں شبل کا ذکر ہے (شین پر زیر ہے اور باء پر جزم ہے) یہ شبل بن عباد ہیں، (عین پر زبر اور باء پر تشدید) یہ مکی ہیں، یہ عبداللہ بن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں، اور ان کا نام یسار ہے جو یمین کی ضد ہے، اور یہ حدیث اسی سند اور متن کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۵۳۱)

حدیث مذکور کے بعض مبہم الفاظ کی شرح اور مشکل الفاظ کے معانی

مجاہد نے کہا کہ بیوہ عورت کے اوپر یہ عدت واجب ہے: علامہ عینی لکھتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عبارت یوں ہوتی ''کہ بیوہ عورت پر یہ عدت واجبۃ ہے'' اور تانیث کا صیغہ ہوتا، لیکن اس کی توجیہ یوں ہے کہ بیوہ عورت کے لیے یہ امر واجب ہے، یا یہ کہا جائے کہ واجب سے مراد وہ ہے کہ جس کے تارک کی مذمت کی جائے، اور اس کی وصفیت سے قطع نظر کی جائے۔

مجاہد کے کلام کا حاصل

مجاہد کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے، اور بیوہ کے گھر والوں پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ اس کو سات مہینے بیس دن تک اپنے گھر میں رہنے دیں تاکہ سال پورا ہو جائے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: یہ قول مفسرین میں سے کسی کا بھی نہیں ہے، اور نہ بعد کے فقہاء تابعین کا یہ قول ہے، بلکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ ایک سال عدت گزارنے کی آیت منسوخ ہو چکی ہے اور رہائش عدت کے تابع ہے، پس جب ایک سال کی عدت کا حکم منسوخ ہو گیا، چار مہینے دس دن کی آیت سے، تو ایک سال تک شوہر کے گھر میں رہنے کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

علامہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ ایک سال کی عدت کا حکم چار مہینے دس دن کی عدت کے حکم سے منسوخ ہو گیا، اور علماء کا غیر اخراج کی تفسیر میں اختلاف ہے، سو جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے۔

امام بخاری نے کہا: یہ مجاہد کا زعم ہے، یعنی ابن ابی نجیح نے کہا: مجاہد سے منقول ہے کہ عدت چار مہینے دس دن واجب تھی، اور پورا سال کرنا وصیت کے ازواج سے بیوہ کے لیے اختیار تھا، اگر وہ چاہے تو وصیت کو قبول کرے اور پورا سال عدت گزارے اور اگر چاہے تو عدت واجبہ پر کفایت کر لے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہو کہ عدت پورا سال تک مکمل

کرنا واجب ہے لیکن رہائش خاوند کے گھر والوں کے پاس چار مہینے دس دن تک واجب ہے اور سال پورا کرنے میں بیوہ کو اختیار ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مجاہد نسخ کے قول کا اعتبار نہیں کرتے۔ واللہ اعلم

امام بخاری نے لکھا ہے: اور عطاء نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت نے بیوہ عورت کی عدت کو کے گھر والوں کے پاس رہنے کے لزوم کو منسوخ کر دیا، اب وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی ہے: ''غَيْرَ إِخْرَاجٍ''۔

یعنی عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ نے از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے یہ روایت کی ہے اور اس کی تفسیر سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

اور امام بخاری نے کہا کہ عطاء نے کہا: اگر بیوہ عورت چاہے اپنے خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت گزارے اور وصیت کے مطابق وہاں رہائش رکھے، اور اگر چاہے تو ان کے گھر سے چلی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ (البقرہ: ۲۴۰) تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے۔

عطاء نے کہا: پھر میراث کی آیت نازل ہوئی اور رہائش کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا، اب بیوہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے اور اس کے اوپر خاوند کے گھر میں رہائش لازم نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا یہی قول ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے، اس کے لیے خاوند کے اوپر رہائش لازم نہیں ہے، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے کہ جس طرح اس پر نفقہ واجب نہیں ہے، رہائش بھی لازم نہیں ہے، اور امام شافعی کا زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ واجب ہے، اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کا قول یہ ہے کہ بیوہ عورت کے لیے رہائش لازم ہے، جب کہ گھر میت کی ملکیت میں ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱-۱۲، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں شبل کا ذکر ہے، یہ شبل بن عباد المکی ہیں، امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی نجیح کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن یسار ہیں۔

اس حدیث میں ''النعی'' کا لفظ ہے (عین کے نیچے زیر اور یا مشدد) اس کا معنی ہے: موت کی خبر۔

حدیث مذکور کا خلاصہ

مجاہد نے جو کہا ہے کہ بیوہ عورت کے اوپر ایک سال پورا کرنے کی عدت لازم ہے، یہ غریب قول ہے، اور حضرت ابن الزبیر

رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے اس آیت یعنی البقرہ: ۲۴۰ کو کیوں ثابت رکھا ہے، حالانکہ اس کو دوسری آیت یعنی البقرہ: ۲۳۴ منسوخ کر چکی ہے، تو انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! میں کسی چیز کو اس کی جگہ سے متغیر نہیں کرتا۔
(صحیح البخاری: ۴۵۳۰)

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی مراد یہ تھی کہ البقرہ: ۲۴۰ کو جس میں ایک سال تک عدت گزارنے کا حکم ہے، اس کو البقرہ: ۲۳۴ نے منسوخ کر دیا جس میں چار مہینے دس دن عدت گزارنے کا ذکر ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اس آیت نے بیوہ عورت کے لیے اس حکم کو منسوخ کر دیا کہ وہ ایک سال تک شوہر کے گھر والوں کے پاس عدت گزارے، تو وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کو اس حکم کے ساتھ خاص کیا ہے کہ وہ ایک سال تک عدت گزاریں۔

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا قول یہ ہے کہ پھر میراث کی آیت نازل ہوئی تو اس نے بیوہ عورت کے لیے رہائش کے حکم کو منسوخ کر دیا، پس وہ جہاں چاہے عدت گزارے، اور اس کے لیے رہائش نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاری: ۴۵۳۱)

بیوہ عورت کے لیے رہائش کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

اور یہی امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے کہ بیوہ عورت کے لیے رہائش لازم نہیں ہے اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی ہے کہ جس طرح اس کے لیے خرچ واجب نہیں ہے، اسی طرح رہائش بھی واجب نہیں ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کے لیے رہائش بھی واجب ہے اور خرچ بھی واجب ہے، کیونکہ حضرت الفریعہ کی حدیث اس کے متعلق درج ذیل کتب حدیث میں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۳۰۰، سنن ترمذی: ۱۲۰۴، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۹۹-۲۰۰)

اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ بیوہ عورت کے لیے رہائش لازم ہے، اگر وہ گھر میت کی ملکیت میں ہو یا وہ اس کو کرائے پر لے کر دے۔ (المنتقی للباجی ج ۴ ص ۱۳۴)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس آیت کا حکم میراث کی آیت سے منسوخ ہو گیا، اور ایک سال عدت گزارنے کا حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کر دی ہے، اور حضرت الفریعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: تم اپنے گھر میں عدت گزارو حتیٰ کہ کتاب کا حکم اپنی مدت کو پہنچ جائے۔

امام مالک سے ایک روایت ہے کہ بیوہ عورت کے لیے رہائش ہے، اور دوسری روایت ہے کہ اس کے لیے رہائش نہیں ہے، امام مالک نے کہا: میت کی زوجہ کرایہ ادا کرنے کے بعد زیادہ حق دار ہے، یعنی جب وہ ماہانہ کرایہ دے یا سالانہ کرایہ دے، اور اگر اس نے سالانہ کرایہ نقد دیا تو وہ رہائش کی زیادہ حق دار ہے۔

اگر بیوہ عورت سفر کے لیے دو دن یا زیادہ دن کی مسافت کے لیے جائے اور واپس آ جائے تو اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ وہاں رات گزارے جیسا کہ اس کے اوپر واجب ہے کہ اپنے خاوند کے گھر رات گزارے اور اصبغ مالکی نے کہا ہے کہ وہ اگلے دن لوٹ آئے، اگر وہ اس پر قادر ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۵۸۱-۵۸۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مجاہد کے مذہب کا بیان

مجاہد کا مذہب یہ ہے کہ جس آیت میں مذکور ہے:

يَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّعَشۡرًا (البقرہ: ۲۳۴)

وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔

وہ کہتے ہیں یہ آیت درج ذیل آیت سے پہلے نازل ہوئی ہے:

وَالَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَیَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۖۚ وَّصِیَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَاعًا اِلَى الۡحَوۡلِ غَیۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكُمۡ فِیۡ مَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ﴿۲۴۰﴾ (البقرہ: ۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

مجاہد کے مذہب پر ایک اشکال

اور انہوں نے ایک سال کی عدت والی آیت کو چار ماہ دس دن کی عدت والی آیت سے منسوخ نہیں قرار دیا، اور ان پر یہ اشکال ہوا کہ منسوخ کا ناسخ کے ساتھ استعمال کرنا ممکن نہیں ہے، اور مجاہد کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں کو استعمال کرنا ممکن ہے، کیونکہ ان دونوں کے حکم میں کوئی تعارض نہیں ہے، اور یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کے اوپر چار ماہ دس دن کی عدت لازم کی ہو، تو اس کے اوپر فرض ہے کہ وہ چار ماہ دس دن تک اپنے گھر سے نہ نکلے، اور اس کے گھر والوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کو سات ماہ اور بیس راتوں تک مزید رہنے دیں تا کہ سال مکمل ہو جائے، اگر وہ عورت چاہے، یا وہ نکلنا چاہے تب بھی اس پر کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَّصِیَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَاعًا اِلَى الۡحَوۡلِ غَیۡرَ اِخۡرَاجٍ (البقرہ: ۲۴۰)

وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے۔

مجاہد کی رائے یہ ہے کہ کتاب اللہ کے کسی حکم کو ساقط نہ کیا جائے جس کا استعمال کرنا ممکن ہو اور جس کا منسوخ ہونا ظاہر نہ ہوا ہو، لیکن مجاہد کا یہ قول وہ ہے کہ جس کو مفسرین قرآن میں سے ان کے علاوہ کسی نے بھی نہیں کہا اور نہ فقہاء امت کے تابعین میں سے کسی نے کہا ہے، بلکہ جماعتِ مفسرین اور تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ البقرہ: ۲۴۰ جس میں ایک سال تک عدت گزارنے کا حکم ہے، وہ درج ذیل آیت سے منسوخ ہو گیا ہے:

مجاہد کے مذہب کا رد

یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔ (البقرہ:۲۳۴)

اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک عورت پہلے ایک سال کے بعد اونٹ کی مینگنی پھینکتی تھی اور ایک سال عدت گزارتی تھی تو اب تم پر چار ماہ دس دن عدت گزارنا کیوں مشکل ہے؟۔

مجاہد کے قول کے غلط ہونے پر مزید دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیوہ عورت کے لیے چار ماہ دس دن کی عدت کو لازم کیا ہے، پس امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اس عدت کے بعد وہ عورت اپنے شوہر کے لیے اجنبی ہو جائے گی اور نہ اس کے لیے رہائش ہوگی اور نہ کچھ اور ہوگا، وہ عورت چاہے یا نہ چاہے، اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ عدت کے بعد اپنے شوہر کے گھر میں رہے جبکہ وہ اب اس کی بیوی نہیں ہے اور نہ اس کے پیٹ میں حمل ہے جو اس بات کو واجب کرے کہ وضع حمل تک وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہے۔ اور نیز جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال کی عدت کو منسوخ کر دیا اور رہائش عدت کے ساتھ مربوط تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے چار سال کی عدت کا حکم نازل فرما دیا، تو محال ہے کہ عدت کے غیر میں اس کے لیے رہائش ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی وضاحت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ بیوہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عائشہ، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رہائش کا حکم مطلقہ کے لیے واجب ہے، اور یہ قرآن مجید کی نصِ صریح سے ثابت ہے اور قرآن مجید میں مطلقہ کو رہائش دینے کا حکم ہے، اور احکام صرف قرآن مجید کی نصِ صریح سے یا سنت سے یا اجماع سے ثابت ہوتے ہیں اور اس سے پہلے اس مسئلہ میں اہلِ علم کا اختلاف گزر چکا ہے جو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، اس کے لیے تو کتاب اور سنت سے رہائش لازم ہے، لیکن بیوہ عورت کے لیے چار ماہ دس دن کے بعد ایک سال تک رہائش قرآن وسنت میں واجب نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال، ج ۷ ص ۵۱۵-۵۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ مجاہد کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔ (البقرہ:۲۳۴)

یہ آیت، درج ذیل آیت سے پہلے نازل ہوئی:

وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے۔ (البقرہ: ۲۴۰)

جیسا کہ البقرہ: ۲۳۴ تلاوت میں پہلے ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ اشکال تھا کہ ناسخ منسوخ سے پہلے ہے، ان کی رائے یہ تھی کہ اس کا استعمال ممکن ہے، اور متعارض نہیں ہے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ پر چار ماہ دس دن عدت واجب کی ہو اور اس کے گھر والوں پر یہ واجب کیا ہو کہ ان کے پاس سات مہینے اور بیس راتیں رہے تا کہ سال پورا ہو جائے۔ اور یہ وہ قول ہے کہ مفسرین میں سے مجاہد کے علاوہ اور کسی نے بھی نہیں کہا، اور نہ فقہاءِ اسلام میں سے کسی نے مجاہد کی متابعت کی ہے اور تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ ایک سال تک عدت گزارنے کی آیت جو ہے یہ منسوخ ہوگئی ہے، اور رہائش بھی عدت کے تابع ہے، پس جب چار مہینے دس دن کی عدت سے ایک سال کی عدت منسوخ ہوگئی تو ایک سال کی رہائش بھی منسوخ ہوگئی۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی نے کہا ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ ایک سال کی عدت چار مہینے دس دن کی عدت سے منسوخ ہوگئی ہے، اور گھر سے نہ نکالنے کا حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے اور صحابہ اور تابعین اور علماءِ اسلام میں سے کسی نے بھی مجاہد کی موافقت نہیں کی ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۳-۴۹۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک سال کی عدت گزارنے کی حکمت اور سوگ کرنے والی بیوہ کے لیے ضرورت کے اوقات میں گھر سے نکلنے کی اجازت

یہ حکم شوہر کے متعلق اس اعتبار سے ہے کہ اس کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ یہ وصیت کرے کہ اس کی بیوہ اس کے گھر میں پورا ایک سال عدت گزارے لیکن اگر وہ چاہے تو گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اور اگر چاہے تو وہ گھر میں باقی رہے، پس وہ آزاد ہے، یعنی چار ماہ دس دن عدت گزارنے کے بعد وہ آزاد ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ خاوند کے حق کی حفاظت کی جائے، اور عدت کے دوران نکاح کا پیغام دینے والے اس مدت کے دوران اس کو نکاح کا پیغام نہ دیں، سو وہ گھر سے نہ نکلے، مگر اہلِ علم نے کہا ہے کہ جائز ہے کہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دن میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، مثلاً بیوہ عورت کے پاس کوئی ایسا شخص نہ ہو جو اس کو کھانے پینے کی چیزیں لادے، پس وہ گھر سے باہر جائے تا کہ وہ روٹی اور طعام یا اس کے مشابہ چیزیں خرید لے، اور اگر وہ پڑھانے والی ہے تو تدریس کے لیے جائے، کیونکہ پڑھانا بھی اس کی ضروریات میں سے ہے، اسی طرح طالبہ کو امتحان کے ایام میں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے، پس اگر وہ طالبہ سوگ کے ایام میں ہو تو وہ دن میں امتحان دینے کے لیے جاسکتی ہے لیکن رات میں بغیر شدید ضرورت کے نہ جائے، مثلاً اس کو یہ خطرہ ہو کہ اس کے گھر کی چھت بارش کی وجہ سے گر جائے گی یا اس کے گھر کو آگ لگ جائے گی، تو اس صورت میں وہ گھر سے باہر نکل سکتی ہے، یا اس کو یہ خطرہ ہو کہ گھر کی دیوار گر جائے گی تو ایسی ناگزیر

صورتوں میں سوگ میں عدت گزارنے والی عورت کے لیے رات کو بھی گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۰۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴، کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

احادیث کی روشنی میں مجاہد اور عطاء بن ابی رباح کے قول اور ان کے رد کا حکم

اگر تم یہ سوال کرو کہ مجاہد کے کلام کا خلاصہ کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ مجاہد نے یہ زعم کیا کہ البقرہ: ۲۳۴ پہلے نازل ہوئی ہے اور البقرہ: ۲۴۰ بعد میں نازل ہوئی ہے، لیکن عدت گزارنے والی عورت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو پورا سال عدت گزارے اور اگر وہ چاہے تو سال پورا ہونے سے پہلے گھر سے نکل جائے اور مجاہد کا یہ قول ایسا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی، کیونکہ امام ابوداؤد اور نسائی نے یہ روایت کی ہے کہ ایک سال کی عدت چار ماہ دس دن کی عدت سے منسوخ ہوگئی ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۲۹۸، کتاب الطلاق، باب نسخ المتوفی عنہا زوجھا)

اور عطاء نے کہا: پھر میراث کی آیت نازل ہوئی تو بیوہ کے لیے رہائش کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اس کے لیے رہائش نہیں ہوگی۔

علامہ کورانی فرماتے ہیں: عطاء کے اس قول کے موافق ائمہ میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں ہے، کیونکہ امام احمد نے روایت کی ہے کہ حضرت فریعہ بنت مالک بن سنان نے بیان کیا کہ میرے خاوند شاسعہ کے گھر میں شہید کر دیے گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ کسی اور گھر میں منتقل ہو کر عدت گزاریں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسی گھر میں عدت گزارو، جس گھر میں تمہارے خاوند کی موت کی خبر پہنچی ہے حتیٰ کہ کتاب اپنی مدت کو پہنچ جائے۔

(سنن ترمذی: ۱۲۰۴، سنن نسائی: ۳۵۳۲، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۱، مسند احمد: ۲۷۶۵۴)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مجاہد کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ معتدہ (عدت گزارنے والی عورت) چار ماہ دس دن تک انتظار کرے اور اس کے گھر والوں پر واجب کیا گیا کہ وہ ان کے پاس باقی سات مہینے اور بیس دن یعنی پورا سال مکمل کرے۔ ابن بطال نے: کہا کسی مفسر نے یہ تفسیر نہیں کی اور نہ ہی کسی فقیہ نے یہ کہا ہے بلکہ انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ سال والی آیت منسوخ ہے اور سکنیٰ سال کی عدت کے تابع ہے۔ جب چار ماہ دس دن عدت سے سال بھر کی عدت منسوخ ہوگئی تو سکنیٰ بھی منسوخ ہو گیا، چنانچہ ابن عبد البر نے کہا کہ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ چار ماہ دس دن عدت نے سال بھر کی عدت کو منسوخ کر دیا ہے، البتہ اختلاف صرف ''غیر اخراج'' میں ہے۔ جمہور علماء نے کہا: یہ بھی منسوخ ہے۔

ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ جو عدت واجب ہے وہ صرف چار ماہ دس دن ہے اور سال بھر عدت میں رہنا یعنی سات ماہ بیس روز زیادہ عدت گزارنا وصیت کے اعتبار سے اس کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو وصیت کو قبول کرے اور پورا

سال عدت گزارے اور اگر چاہے تو صرف واجب پر اکتفاء کرے جو چار ماہ دس دن ہے۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ پورا سال عدت واجب ہے اور شوہر کے گھر والوں کے پاس سکونت چار ماہ دس دن واجب ہے اور باقی سات ماہ بیس دن اسے اختیار ہے اور ''فالعدۃ کما ھی واجب علیھا'' اس احتمال کی تائید کرتا ہے یعنی یہ نسخ کا قول نہیں کرتے۔

(تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۱۷-۴۱۸، جدہ پرنٹرز لاہور، باراول)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴، کی شرح از شیوخ دیو بند

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی مہتمم جامعہ فاروقیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متوفی عنہا زوجہا کی عدت کا مسئلہ بیان کیا ہے۔ متوفی عنہا زوجہا کی عدت کے بارے میں دو آیتیں نازل ہوئیں۔ ایک آیت ہے ''وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا'' اور دوسری آیت ہے ''وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ''۔

ان دونوں آیتوں میں دو باتوں کے اندر اختلاف ہے، اول تو یہ کہ عدت شوہر کے گھر گزاری جائے گی کہ نہیں، دوم یہ کہ مدت عدت چار ماہ دس دن ہے یا ایک سال ہے؟

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت شوہر کے گھر میں گزاری جائے گی ''یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ'' میں تربص سے تربص فی بیت الزوج مراد ہے اور مدت عدت اس میں چار ماہ دس دن ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تربص ایک سال تک کرنا ہوگا اور اگر نکلنا چاہے تو نکل بھی سکتی ہے۔

جمہور علماء جن میں ائمہ اربعہ بھی داخل ہیں، کی رائے یہ ہے کہ ''یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ'' والی آیت ناسخ ہے اور ''وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول'' والی آیت منسوخ ہے، اگرچہ تلاوت میں ناسخ مقدم اور منسوخ موخر ہے۔

مجاہد اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف نقل کیا ہے کہ آیت الحول منسوخ نہیں، وصیت کا حکم آیت الحول میں چار ماہ دس دن کی عدت کے مقرر ہونے کے بعد آیا ہے، پھر زوجات کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہیں تو اس وصیت سے استفادہ کریں یا ان کی مرضی استفادہ کرنے کی نہ ہو تو نہ کریں، اب یہ سمجھیے کہ یہاں تین چیزیں ہیں:

(۱) متوفی عنہا زوجہا کے لیے چار ماہ دس دن کی عدت کا واجب ہونا۔

(۲) متوفی عنہا زوجہا کی سکونت کا بیت زوج میں لازم ہونا۔

(۳) ازواج پر وصیت کا واجب ہونا۔

امام بخاری نے ایک قول حضرت مجاہد کا نقل کیا اور ایک قول عطاء کا، اور یہ دونوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، تو گویا انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے پیش کی ہے، حضرت مجاہد نے یہ کہا ہے کہ ''وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ'' کا چار ماہ دس دن کی عدت سے کوئی تعلق نہیں، آیت الحول کے نازل ہونے کے بعد چار ماہ دس دن کی عدت اسی طرح واجب ہے جس طرح پہلے واجب تھی، آیت الحول میں ازواج کو اسی کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ زوجات کے لیے

مزید سات ماہ اور بیس دن کی وصیت کریں، متاع اور سکنیٰ کے لیے تاکہ سال پورا ہو جائے اور زوجات کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس وصیت کے مطابق بیتِ زوج میں رہنا پسند کریں تو رہیں اور اگر رہنا پسند نہ کریں تو نہ رہیں۔

عطاء کہتے ہیں کہ ''وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ'' والی آیت الحول میں امور ثلٰثہ میں سے امرِ ثانی کو منسوخ کیا گیا ہے اور عورت کے لیے بیتِ زوج میں عدت گزارنا ضروری نہیں رہا، عطاء کہتے ہیں کہ نہ چار ماہ دس دن کی عدت میں شوہر کے گھر رہنا ضروری ہے اور نہ مدت وصیت میں بیت زوج میں سکونت اختیار کرنا ضروری ہے، عطاء کے نزدیک چار ماہ دس دن کی عدت کا حکم اپنی جگہ باقی ہے، آیت الحول کے نازل ہونے سے سکونت فی بیت الزوج کا وجوب ختم ہو گیا، نہ مدت عدت چار ماہ دس دن میں یہ وجوب باقی رہا، نہ مدت وصیت سات ماہ بیس دن میں۔

مجاہد نے مدتِ وصیت میں تو عورت کے اختیار کا ذکر کیا ہے لیکن عدت کی مدت یعنی چار ماہ دس دن کے بارے میں مجاہد نے سکوت کیا ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ مجاہد کے نزدیک بھی جس طرح مدتِ وصیت میں عورت کے لیے بیت زوج میں سکونت واجب نہیں اسی طرح عدت کی مدت چار ماہ دس دن میں بھی سکونت فی بیت الزوج واجب نہیں، اگرچہ انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ جب مدتِ وصیت میں جو بڑی مدت ہے سکونت فی بیت الزوج ضروری نہیں تو مدتِ عدت چار ماہ دس دن میں جو کہ چھوٹی مدت ہے یہ سکونت ضروری نہ ہوگی، لہٰذا اگر یہ مان لیا جائے کہ مجاہد بھی سکونت فی بیت الزوج کو نہ مدتِ وصیت میں ضروری سمجھتے ہیں نہ مدتِ عدت میں تو پھر عطاء اور مجاہد میں اختلاف باقی نہیں رہتا۔

اس کے بعد عطاء نے فرمایا ہے کہ آیتِ میراث کے نزول کے بعد عورت کے لیے بیتِ زوج میں رہنے کا اختیار ختم ہو گیا، نہ وہ چار ماہ دس دن مدت عدت میں وہاں رہ سکتی ہے اور نہ مدتِ وصیت سات ماہ بیس دن میں وہاں رہ سکتی ہے، اگر رہے گی تو کرایہ دینا ہوگا، میراث اس کو مل گئی، پیسے اس کے پاس ہیں اور رہنا چاہتی ہے تو کرایہ دے بلکہ آیتِ میراث کے بعد تو یہ وصیت بھی جائز نہیں کیونکہ آیتِ میراث نے آیت الحول کو منسوخ کر دیا، آیت تربص سے وہ منسوخ نہیں ہوئی تھی کیونکہ آیت تربص نزول میں مقدم تھی اور آیت الحول موخر تھی، مگر آیت المیراث اس سے بھی مؤخر ہے، لہٰذا وہ آیت الحول کے لیے ناسخ ہے۔

اس تیسرے مسئلہ میں بھی کہ آیت الحول آیت المیراث سے منسوخ ہو گئی، عطاء اور مجاہد کا اختلاف نہیں دونوں اس نسخ کے قائل ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مجاہد اور عطاء کے بیان میں ابن عباس کا مذہب بیان کرنے میں اختلاف نہیں ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات میں اختلاف واقع ہوا ہے، بعض روایات سے عدمِ نسخ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے اور اس کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی اور بعض روایات سے نسخ معلوم ہوتا ہے۔

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۵۹۰-۵۹۲، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۵۳۴۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ نَافِعٍ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ لَمَّا جَاءَهَا نَعِيُّ أَبِيهَا دَعَتْ بِطِيبٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی از سفیان از عبد اللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم، انہوں نے کہا: مجھے حمید بن نافع نے حدیث بیان کی از زینب ابنۃ ام سلمہ از حضرت ام حبیبہ ابنۃ ابی سفیان رضی اللہ عنہما، جب حضرت ام

فَمَسَحَتْ ذِرَاعَيْهَا وَقَالَتْ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُحِدُّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

المومنین ام حبیبہ کے پاس ان کے والد کی وفات کی خبر آئی تو انہوں نے خوشبودار کریم منگائی اور اس کو اپنے رخساروں پر لگایا اور کہا: مجھے اب خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے، اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اپنے خاوند کی موت کے کہ اس اوپر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۵۳۳۴، ۵۳۳۹، ۵۳۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۸۶، سنن ترمذی: ۱۱۹۵، سنن نسائی: ۳۵۰۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۶، مسند احمد: ۲۵۹۱۴، موطا امام مالک: ۱۲۶۸، سنن دارمی: ۲۲۸۴)

تنبیہ:

اس حدیث کی شرح نعم الباری میں متعدد مرتبہ کی جا چکی ہے اور تمام شارحین نے اس کی شرح کو ترک کر دیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

یہاں تک ہم نے عدت گزارنے والی بیوہ کے سوگ کے متعلق احادیث اور ان کی شروح کو شارحین کی عبارت سے بیان کیا ہے، اب ہم اس مسئلہ کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور صدر الشریعہ کے فتاویٰ کو نقل کر رہے ہیں:

سوگ کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے فتاویٰ جات

اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا فاضل بریلی متوفی ۱۳۴۰ھ سوگ کے مسائل کے متعلق فتاویٰ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ (۹۶): مسئولہ محمد عنایت اللہ، ۶ ربیع الاول شریف، ۱۳۰۸ھ

حضرت مولوی تسلیم عرض، وہ لڑکی کہ بیوہ ہوگئی ہے میں اسے شاہجہان پور لے جانا چاہتا ہوں، اس میں کیا حکم ہے؟ اور ایام عدت وفات میں عورت بضرورت بھی دوسرے مکان یا دوسری جگہ جا سکتی ہے یا نہیں؟ والسلام۔ محمد عنایت اللہ

الجواب: تا ختم عدت عورت پر اسی مکان میں رہنا واجب ہے، شاہجہانپور خواہ کسی جگہ لے جانا جائز نہیں، ہاں جس کے پاس کھانے پہننے کو نہیں اور اسے ان چیزوں کی تحصیل میں باہر نکلنے کی ضرورت ہے کہ بغیر اس کے خوردونوش کا سامان گھر میں بیٹھے نہیں کر سکتی، تو وہ صبح وشام باہر نکلے اور شب اسی مکان میں بسر کرے دوسرے مکان میں چلے جانا ہرگز جائز نہیں، مگر یہ مکان اس کا نہ تھا مالکان مکان نے جبراً نکال دیا، یا کرایہ پر رہتی تھی اب کرایہ دینے کی طاقت نہیں یا مکان گر پڑا یا گرنے کو ہے یا اور کسی طرح اپنی جان یا مال کا اندیشہ ہے، غرض اسی طرح کی ضرورتیں ہوں تو وہاں سے نکل کر جو مکان اس کے مکان سے قریب تر ہو، اس میں چلی جائے ورنہ ہرگز نہیں، درمختار میں ہے:

موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اور رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں ہی رہے کیونکہ اس نے اپنا خرچہ خود پورا کرنا ہے اس لئے وہ باہر نکلنے کی محتاج ہے حتیٰ کہ اگر اپنی کفایت اور ضرورت کے لئے اس کے پاس نفقہ ہو تو یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر نکلنا حلال نہیں ہے۔ (درمختار، باب الحداد ج ۱ ص ۲۶۰، مطبع مجتبائی دہلی)

میں کہتا ہوں: یونہی اگر وہ گھر میں رہ کر کوئی محنت کر کے اپنا خرچہ بنا سکتی ہے تو نکلنا حلال نہ ہوگا کیونکہ اس کا باہر نکلنا ضرورت کی بناء پر جائز ہوا ہے اور جب ضرورت نہیں تو جواز بھی نہیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے۔

اسی میں ہے:

موت اور طلاق کی عدت والی عورتیں اسی گھر میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہوئی اور وہاں سے باہر نہ نکلیں، الا یہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو، یا وہاں مال کے نقصان کا خطرہ ہو یا مکان کرایہ پر تھا عورت میں کرایہ دینے کی طاقت نہ ہو یا اور اس قسم کی ضروریات ہوں تو قریب ترین مکان میں منتقل ہو جائے، اور طلاق والی کو یہ حکم ہے کہ جہاں پر خاوند اسے سکونت دے وہاں رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (درمختار، باب الحداد ج ۱ ص ۲۶۰ مطبع مجتبائی دہلی)

مسئلہ (۹۷): از بریلی محلہ شاہ آباد متصل چاہ کنکر مسئولہ سید منصور علی صاحب، ۱۵ شوال ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت جس کا خاوند مر گیا وہ ایام عدت میں اپنے کسی استحقاق وراثت کے استحکام کے واسطے باہر گھر سے جا سکتی ہے یا نہیں اور اگر باہر جائے تو کس قدر عرصہ تک اور اس کے باہر جانے سے اس کے کسی حقوق میں فرق تو نہ آئے گا؟ بینوا توجروا

الجواب: سائل نے ظاہر کیا کہ عورت مسکینہ ہے پانچ روپے کی ایک معاش کہ اس کے شوہر نے اسے لکھ دی تھی صرف وہی پاس رکھتی ہے، اور اہلکار کچہری کو کمیشن دے کر بلانے کی استطاعت اصلاً نہیں، اور اگر نہ جائے تو وہ جائداد اس کے نام نہ ہوگی اور وہ جگہ جہاں جانا چاہتی ہے اس کے مکان عدت سے صرف چھ میل دور ہے، دن ہی دن میں جانا اور مکان میں واپس آنا ہو جائے گا، رات یہیں آ کر بسر کرے گی، اگر بات یونہی ہے تو صورت مذکورہ میں اسے جانا اور دن کے وقت واپس آ کر رات مکانِ عدت میں ہی بسر کرنے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے نکلے اور رات کا اکثر حصہ واپس اپنے مکان ہی میں بسر کرے، کیونکہ اس کا اپنا خرچہ خود اس کے ذمہ ہے اس لئے وہ محتاج ہے کہ باہر نکلے، حتیٰ کہ اگر اس کے پاس کفایت کے مطابق خرچہ موجود ہے تو پھر یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر جانا جائز نہیں ہے، فتح اور قنیہ میں اسے اپنی ضروری اشیاء کی اصلاح کے لئے نکلنا جائز قرار دیا ہے، مثلاً زراعت کی نگرانی کرنی ہے اور اس کا کوئی وکیل نہ ہو۔ (درمختار، باب الحداد ج ۱ ص ۲۶۰ مطبع مجتبائی دہلی)

ردالمحتار میں ہے:

نہر میں کہا ہے یہاں یہ قید ضروری ہے کہ رات کو خاوند والے گھر واپس آئے اور وہاں رات گزارے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ردالمحتار، باب الحداد، ج ۲ ص ۶۲۰، داراحیاء التراث العربی بیروت)

مسئلہ (۹۸): از شہر روہیلی ٹولہ بریلی مسئولہ مسیت خاں، ۱۹ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

زید فوت ہوا، اس کی زوجہ کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتی اور نہ کوئی شخص ورثاء و متعلقین متوفی سے اس کے نان ونفقہ کا متکفل ہو بلکہ اشخاص مذکور کی جانب سے چور شارب الخمر تارک الصلوٰۃ قمار باز ہیں، و نیز دیگر امور خلاف شریعت کے مرتکب رہتے ہیں، نسبت مسماۃ مذکور کے انعدام عصمت و اتلاف مال و دیگر قسم کے فسادات کا اندیشہ کامل وقوی ہے، ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کو

مکان مسکونہ اپنا چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر ایام گزاری عدت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عدتِ موت کا نفقہ کسی پر نہیں ہوتا، خود اپنے پاس سے کھائے، پاس نہ ہو تو دن کو محنت و مزدوری کے لئے باہر جاسکتی ہے، چار مہینے دس دن وہیں گزارنا فرض ہے، اللہ عزوجل کے ادائے فرض میں حیلے نہ کئے جائیں، "والله یعلم المفسد من المصلح" (اللہ تعالیٰ مفسد اور مصلح کو جانتا ہے) اگر اندیشہ واقعی وصحیح ہے بذریعہ حکومت بندوبست کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۹): از پرانا شہر روہیلی ٹولہ بریلی مرسلہ احمد اللہ خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ قوم حجام سے ہے اور ہمیشہ سے بوجہ پیشہ حجامی باہر نکلتی ہے، ایسی صورت میں اس کو بایامِ عدت دن میں اور شب میں باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قیامِ شب دوسرے مکان پر کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ عدت موت کی ہے، پس اگر عورت کے پاس اتنا مال ہے کہ چار ماہ دس دن گھر بیٹھ کر کھائے جب تو اسے نکلنا بالکل جائز نہیں ورنہ جتنے دنوں کھانے کا سامان پاس رکھتی ہے اتنے دنوں اسے گھر بیٹھ کر کھانا لازم، اور پھر نکلنا جائز، رات اپنے گھر میں گزارے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۰): از شہر بریلی ۳۰ رمضان ۱۳۳۶ھ

زید فوت ہوا، ایک زوجہ حاملہ اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں نابالغ چھوڑیں، وہ ایک غریب آدمی تھا جس کے رہنے کو مکان بھی نہ تھا کرایہ کا مکان تھا، مکان والے کا دو مہینہ کا کرایہ چاہئے، وہ کہتا ہے کہ کرایہ دو یا مکان خالی کرو، زوجۂ زید کے پاس نہ کھانے پینے کو کچھ ہے اور نہ کرایۂ مکان ادا کرنے کو، ایسی حالت میں زوجۂ زید اندر میعاد عدت کے وہ مکان جس میں زید فوت ہوا چھوڑ کر اپنی ماں کے گھر جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جہاں سے ممکن ہو کرایہ ادا کرے اور عدت کے دن وہیں گزارے۔

جس کا خاوند فوت ہو گیا تھا یہ بات میں نے اس کی ماں سے کہی وہی سائلہ تھی تو اس بات پر وہ راضی ہو گئی تو میں نے معلوم کرلیا کہ عورت کرایہ اور نفقہ پر قادر ہے، اور یہ بیان منتقل ہونے کا ایک بہانہ تھا، اس کا تجربہ بارہا ہم کر چکے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

اگر موت کی عدت والی کسی کرایہ کے مکان میں ہو اور کرایہ دینے پر قادر ہو تو اس کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں بلکہ کرایہ ادا کرے۔ (ردالمحتار، باب الحداد، ج ۲ ص ۶۲۰، دار احیاء التراث العربی بیروت)

درمختار میں ہے:

موت اور طلاق کی عدت والی عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے اسی مکان میں عدت بسر کریں جہاں عدت واجب ہوئی ہے الا یہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو یا وہاں مال کے نقصان کا خطرہ ہو، یا مکان کرایہ پر تھا، عورت کرایہ دینے کی طاقت نہ رکھتی ہو، یا اور اس قسم کی ضروریات ہوں جن سے مجبور ہو تو قریب ترین موضع میں منتقل ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (درمختار، باب الحداد ج ۱ ص ۲۶۰، مطبع مجتبائی دہلی)

مسئلہ (۱۰۱): یہ چند مسائل محمد میر خاں صاحب پیلی بھیت کو ارسال فرمائے گئے، بتاریخ ۴ شعبان المعظم

عدت میں عورت کو یہ چیزیں منع ہیں، ہر قسم کا گہنا، یہاں تک کہ انگوٹھی چھلا بھی، مہندی، سرمہ، عطر، ریشمی کپڑا، ہار، پھول، بدن یا کپڑے میں کسی قسم کی خوشبو، سر میں کنگھی کرنا، اور اگر مجبوری ہو تو موٹے دندانوں کی کنگھی کرے جس سے فقط بال سلجھالے پٹی نہ جھکالے، پھلیل، میٹھا تیل، کُسم، کیسر کے رنگے کپڑے، یونہی ہر رنگ جس سے زینت ہوتی ہو اگر چہ پڑیا گیرو کا، چوڑیاں اگر چہ کانچ کی، غرض ہر قسم کا سنگار ختم عدت تک منع ہے۔ چار پائی پر سونا، بچھونا سونے یا بیٹھنے میں بچھانا منع نہیں۔

مسئلہ (۱۰۲): از میونڈی ڈاک خانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب، ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ درمیان عدت کے عورت سے واسطے کرنے نکاح کے دریافت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: عدت میں نکاح کا پیغام دینا بھی حرام ہے اور اگر پیام نہیں، مثلاً اس کے گھر والے دریافت کریں کہ نکاح ثانی کا ارادہ ہے یا کیا، تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۳): از شہر متصل جامع مسجد پیارے میاں، معرفت عنایت خاں، ۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ باہر تھی اور خبر انتقال شوہر سن کر آئی اور ایک مکان میں قیام کیا جس میں بیٹھک ہے اور ایک دروازہ صدر ہے، لہٰذا ایامِ عدت میں بیٹھک سے مکان میں جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سائل نے بیان کیا کہ عورت گوالیار میں تھی اور وہاں سے آئی، شوہر کا مکان گاؤں میں، یہ وہاں نہ گئی بلکہ شہر میں ایک غیر شخص کے یہاں ٹھہری، اس کی بیٹھک اور زنانخانہ کا کیا پوچھنا اسے سفر کر کے آنا حرام تھا اور غیر شخص کے یہاں ٹھہرنا حرام تھا، بیٹھک ہو یا زنانخانہ اسے حکم ہے کہ شوہر کے مکان میں عدت پورے کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۴): ۱۳ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مرگیا حالتِ نابالغی میں، عمر ۱۴ یا ۱۵ برس کی تھی، زوجہ اس کی ہندہ ۱۳ سال کی، کوئی علامت بلوغت نہ تھی، بعد مرنے زید کے تین روز کے بعد زید کا باپ زید کی زوجہ کو اپنے مکان کو لے گیا، موضع سواڑ میں، اور وہاں لے جاکر ہندہ سے اسٹامپ لکھایا معافی مہر کا، دو چار روز رہ کر پھر اسی مکان پر آگیا جہاں زید کا انتقال ہوا تھا وہ مکان زید کی نانی کا تھا، اب زید کا باپ ہندہ کے باپ کو ہندہ کو دیکھنے نہیں دیتا، کہتا ہے بعد عدت یا عدت کے اندر میں ہندہ کا نکاح اپنی رائے سے کردوں گا، اور ہندہ بیمار ہے جاڑا بخار آتا ہے، ہندہ کے باپ کو صدمہ ہوتا ہے کہ میں اس کا علاج کروں لیکن زید کا باپ نہیں بھیجتا نہ دیکھنے دے، ہندہ کے کسی رشتہ دار کو نہیں دیکھنے دیتا، ہندہ کا باپ کہتا ہے کہ شریعتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بدلنے مکان کے وہی قید باقی رہی، ہندہ کے ذمہ یا بدل گئی کیونکہ زید کا باپ ہندہ کو اس مکان سے اور مکان میں لے گیا دو چار روز رکھا اب ہندہ کا باپ چاہتا ہے کہ شریعت اجازت دے تو میں ہندہ کو اپنے مکان پر لے آؤں اس وجہ سے کہ ہندہ کو زید کے سامنے تکلیف پہنچاتا تھا اب تو اور بھی زیادہ تکلیف پہنچتی ہے ہندہ کو، لہٰذا سوال کا جواب عنایت فرمایا جائے، زید کی نانی کے مکان سے زید کے باپ کا مکان چار کوس ہے۔

الجواب: عدت کے اندر اسے دوسری جگہ لے جانا حرام تھا اور جب تک وہاں رکھا یہ بھی حرام ہوگا مگر اس سے عدت جاتی نہ رہی، موت سے چار مہینے دس دن تک شوہر ہی کے مکان میں رہنا پڑے گا، اگر وہ نابالغہ ہے تو اس کے معاف کئے سے مہر معاف نہیں ہوسکتا اور

عدت کے اندر تو کوئی اس کا نکاح نہیں کر سکتا جو کرے گا باطل محض ہوگا، عدت کے بعد ہندہ کے باپ کو اس کے نکاح کا اختیار ہے، پدرِ زید کو کچھ اختیار نہیں، اگر یہ کر دے گا، پدرِ ہندہ کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر وہ رد کر دے فوراً رد ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۵): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور وہ غیر شہر میں جس مکان میں اس کا شوہر سکونت رکھتا تھا، عدت میں ہے لیکن بسبب نادانی اور غیر محرم کے وحشت ناک ہو کر چاہتی ہے کہ والدین کے مکان میں جا کر رہوں، آیا اس کو شرع اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اولاً یہاں شرعاً واقعی عذر سچی مجبوری دیکھی جاتی ہے، ''واللہ یعلم المفسد من المصلح'' (اللہ تعالیٰ مفسد اور مصلح کو جانتا ہے) خدا ہر ایک کا نہاں وعیاں سب جانتا ہے، اگر ایامِ عدت تک وہاں رہنے میں کوئی خوف صحیح و اندیشۂ واقعہ ہندہ کے مال یا جان یا ناموس پر نہیں، کوئی ضرر صحیح وہاں اتنے دن گزارنے میں نہیں یا ہے تو اس کا علاج اسے ممکن ہے مثلاً اس کے بعض اعزۂ محارم اس کے پاس رہ سکتے ہیں، یا قابلِ اعتماد عورات کو سات کے لئے رکھ سکتی ہے اگر چہ اجرت دے کر، تو اسے ہرگز اجازت نہیں ہو سکتی، خوف میں شاید اور عجب نہیں کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ خوف صحیح منشاء صحیح سے ناشی ہونا چاہیے نہ اس وحشت کا کچھ اعتبار جو کم عمری کا لازمہ ہے، خصوصاً ایسے غم کی حالت میں جب تک وہ ایسی شدت پر نہ ہو جس سے نقصان صریح عقل وغیرہ پر پہنچنے کا خطرہ ہو۔

ثانیاً اور اگر واقعہ حالتِ مجبوری ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس مکان سکونت سے قریب تک کون سا مکان ایسا ہے جس میں وہ اندیشۂ وخطرہ نہ ہو، اگر اسی شہر میں کوئی دوسرا مکان قابلِ اطمینان اپنے کسی عزیز کا ہو تو وہاں چلی جائے، شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں، بلکہ وہیں دو محلوں میں دو مکان قابلِ اطمینان ہوں ایک دور ایک پاس، تو دور والے میں جانے کی اجازت نہیں، اور اگر اس شہر میں نہ ہو مگر دوسرے شہر کی بہ نسبت شہر والدین اور اس شہر سکونت سے قریب تر ہے میں کوئی مکان قابلِ اطمینان ہے تو وہیں جائے، ہاں اگر سب صورتیں معدوم ہوں تو البتہ بحالتِ ضرر صریح و مجبوری محض اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

موت اور طلاق کی عدت والی عورتیں اسی مکان میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہوئی ہو، اور وہاں سے منتقل نہ ہوں الا یہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو یا مال کے نقصان کا خطرہ ہو یا مکان کرایہ پر ہو اور عورت کرایہ نہ پائے اور دیگر ایسی ضروریات کی وجہ سے مجبور ہو تو قریب ترین مکان میں منتقل ہو جائے، اور طلاق والی عورت کو یہ حکم ہے کہ جہاں خاوند انتظام کرے وہاں رہے۔ (درمختار، باب الحداد، ج ا ص ۲۶۰، مطبع مجتبائی دہلی)

عالمگیریہ میں ہے:

عدت والی عورت جب کسی ایسے مکان میں ہو کہ وہاں اس کے ساتھ کوئی نہ رہتا ہو اور چوروں یا پڑوسیوں سے خائف نہ ہو لیکن وہ عورت رات کو ڈرتی ہو، اگر یہ ڈر شدید نہ ہو تو عورت کو وہاں سے منتقل ہونا جائز نہیں، اور اگر یہ ڈر شدید ہو تو پھر منتقل ہونا جائز ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ایسے ہی مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ ہندیہ، ج ا ص ۵۳۵، الباب الرابع عشر فی الحداد، نورانی کتب خانہ پشاور)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۳۲۷-۳۲۴، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان ۱۴۱۸ھ)

سوگ کے متعلق صدر الشریعہ کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ الغنی متوفی ۱۳۶۷ھ، سوگ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

حدیث (۱): صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری بیٹی کے شوہر کی وفات ہوگئی (یعنی وہ عدت میں ہے) اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں، کیا اسے سرمہ لگائیں؟ ارشاد فرمایا: نہیں، دو یا تین بار یہی فرمایا کہ نہیں، پھر فرمایا: کہ ''یہ تو یہی چار مہینے دس دن ہیں اور جاہلیت میں تو ایک سال گزرنے پر مینگنی پھینکا کرتی تھی''۔ (یہ جاہلیت کی رسم تھی کہ سال بھر کی عدت ایک جھونپڑے میں گزارتی اور نہایت میلے کچیلے کپڑے پہنتی، جب سال پورا ہوتا تو وہاں سے مینگنی پھینکتی ہوئی نکلتی اور اب عدت پوری ہوتی)۔

(صحیح البخاری، کتاب الطلاق باب تحد المتوفی عنہا، رقم الحدیث: ۵۳۳۶ ج ۳ ص ۵۰۲)

حدیث (۲): صحیحین میں ام المومنین ام حبیبہ وام المومنین زینب بن جحش رضی اللہ عنہما سے مروی، کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو عورت اللہ (عزوجل) اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اسے یہ حلال نہیں کہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے، مگر شوہر پر کہ چار مہینے دس دن سوگ کرے۔

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب حد المراۃ علی غیر زوجھا، حدیث: ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ج ۱ ص ۴۳۳)

حدیث (۳): ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، مگر شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ کرے اور رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے، مگر وہ کپڑا کہ بننے سے پہلے اس کا سوت جگہ جگہ باندھ کر رنگتے ہیں، اور سرمہ نہ لگائے اور نہ خوشبو چھوئے، مگر جب حیض سے پاک ہو تو تھوڑا سا عود استعمال کر سکتی ہے'' اور ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مہندی نہ لگائے۔

(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ۔ الحدیث ۱۴۹۱ ص ۷۹۹، سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب فیما تجتنب المعتدۃ فی عدتھا. الحدیث: ۲۳۰۲، ج ۲ ص ۴۵۲)

حدیث (۴): ابوداؤد ونسائی نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''جس عورت کا شوہر مر گیا ہے وہ نہ کسم کا رنگا ہوا کپڑا پہنے اور نہ گیرو کا رنگا ہوا اور نہ زیور پہنے اور نہ مہندی لگائے اور نہ سرمہ''۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق باب فیما تجتنب المعتدۃ فی عدتھا، الحدیث: ۲۳۰۴، ج ۲ ص ۴۵۲)

حدیث (۵): ابوداؤد ونسائی، انہیں سے راوی کہ جب میرے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میں نے مصبر (ایلوہ) لگا رکھا تھا، فرمایا: ''ام سلمہ یہ کیا ہے؟''، میں نے عرض کی، یہ ایلوہ ہے اس میں خوشبو نہیں، فرمایا: ''اس سے چہرہ میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے، اگر لگانا ہی ہے تو رات میں لگا لیا کرو، اور دن میں صاف کر ڈالا کرو اور خوشبو اور مہندی سے بال نہ سنوارو''، میں نے عرض کی: کنگھا کرنے کے لیے کیا چیز سر پر لگاؤں؟ فرمایا: کہ ''بیری کے پتے سر پر تھوپ لیا کرو پھر کنگھا کرو''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق باب فیما تجتنب المعتدۃ فی عدتھا، الحدیث: ۲۳۰۵، ج ۲ ص ۴۵۲)

حدیث (۶): حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن کے شوہر کو ان کے غلاموں نے قتل کر ڈالا تھا، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ مجھے میکے میں عدت گزارنے کی اجازت دی جائے کہ میرے شوہر نے کوئی اپنا مکان نہیں چھوڑا اور نہ خرچ چھوڑا، اجازت دے دی پھر بلا کر فرمایا: ''اسی گھر میں رہو جس میں رہتی ہو، جب تک عدت پوری نہ ہو''۔ لہٰذا انہوں نے چار

ماہ دس دن اسی مکان میں پورے کیے۔ (جامع الترمذی، ابواب الطلاق، باب ماجاء این تعتد المتوفی عنھا زوجھا الحدیث: ۱۲۰۸، ج ۲ ص ۴۱۱)

سوگ کے متعلق مسائل فقہیہ

مسئلہ(۱): سوگ کے یہ معنی ہیں کہ زینت کو ترک کرے یعنی ہر قسم کے زیور چاندی سونے جواہر وغیرہا کے اور ہر قسم اور ہر رنگ کے ریشم کے کپڑے اگرچہ سیاہ ہوں نہ پہنے اور خوشبو کا بدن یا کپڑوں میں استعمال نہ کرے اور نہ تیل کا استعمال کرے اگرچہ اس میں خوشبو نہ ہو جیسے روغن زیتون اور کنگھا کرنا اور سیاہ سرمہ لگانا، یوہیں سفید خوشبودار سرمہ لگانا اور مہندی لگانا اور زعفران یا کسم یا گیرو کا رنگا ہوا یا سرخ رنگ کا کپڑا پہننا منع ہے، ان سب چیزوں کا ترک واجب ہے۔ یوہیں پڑیا کا رنگ گلابی، دھانی، چمپئی اور طرح طرح کے رنگ جن میں تزین (یعنی بناؤ سنگھار) ہوتا ہے سب کو ترک کرے۔

(الدرالمختار، کتاب الطلاق فصل فی الحداد ج ۵ ص ۲۲۱، الفتاوی الھندیہ کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد ج ۱ ص ۵۳۳، الجوھرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی ص ۱۰۲)

مسئلہ(۲): جس کپڑے کا رنگ پرانا ہو گیا کہ اب اس کا پہننا زینت نہیں اسے پہن سکتی ہے، یوہیں سیاہ رنگ کے کپڑے میں بھی حرج نہیں جب کہ ریشم کے نہ ہوں۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد ج ۱ ص ۵۳۳)۔

مسئلہ(۳): عذر کی وجہ سے ان چیزوں کا استعمال کرسکتی ہے مگر اس حال میں اس کا استعمال زینت کے قصد (یعنی ارادہ) سے نہ ہو مثلاً دردسر کی وجہ سے تیل لگا سکتی ہے، یا تیل لگانے کی عادی ہے جانتی ہے کہ نہ لگانے میں دردسر ہو جائے گا تو لگانا جائز ہے، یا دردسر کے وقت کنگھا کرسکتی ہے مگر اس طرف سے جدھر کے دندانے موٹے ہیں ادھر سے نہیں جدھر باریک ہوں کہ یہ بال سنوارنے کے لیے ہوتے ہیں اور یہ ممنوع ہے، یا سرمہ لگانے کی ضرورت ہے کہ آنکھوں میں درد ہے، یا خارشت (ایک جلدی بیماری جس میں بدن پر پھنسیاں نکل آتی ہیں اور کھجلی ہوتی ہے) ہے تو ریشمی کپڑے پہن سکتی ہے۔ یا اس کے پاس اور کپڑا نہیں ہے تو یہی ریشمی یا رنگا ہوا پہنے مگر یہ ضرور ہے کہ ان کی اجازت ضرورت کے وقت ہے، لہٰذا بقدرِ ضرورت اجازت ہے، ضرورت سے زیادہ ممنوع مثلاً آنکھ کی بیماری میں سرمہ لگانے کی ضرورت ہو تو یہ لحاظ ضروری ہے کہ سیاہ سرمہ اس وقت لگا سکتی ہے جب سفید سرمہ سے کام نہ چلے اور اگر صرف رات میں لگانا کافی ہے تو دن میں لگانے کی اجازت نہیں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۳، الدرالمختار وردالمحتار کتاب الطلاق فصل فی الحداد ج ۵ ص ۲۲۲)

مسئلہ(۴): سوگ اس پر ہے جو عاقلہ بالغہ مسلمان ہو اور موت یا طلاق بائن کی عدت ہو اگرچہ عورت باندی ہو، شوہر کے عنین ہونے یا عضو تناسل کے کٹے ہونے کی وجہ سے فرقت ہوئی تو اس کی عدت میں بھی سوگ واجب ہے۔

(الدرالمختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۱، الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد ج ۱ ص ۵۳۴)

مسئلہ(۵): طلاق دینے والا سوگ کرنے سے منع کرتا ہے یا شوہر نے مرنے سے پہلے کہہ دیا تھا کہ سوگ نہ کرنا جب بھی سوگ کرنا واجب ہے۔ (الدرالمختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد ج ۵ ص ۲۲۱)

مسئلہ(۶): نابالغہ و مجنونہ و کافرہ پر سوگ نہیں۔ ہاں اگر اثنائے عدت میں نابالغہ، بالغہ ہوئی مجنونہ کا جنون جاتا رہا اور کافرہ مسلمان ہوگئی تو جو دن باقی رہ گئے ہیں ان میں سوگ کرے۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۳)

مسئلہ (۷): ام ولد کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا یا مولیٰ کا انتقال ہو گیا تو عدت بیٹھے گی مگر اس عدت میں سوگ واجب نہیں، یوہیں نکاح فاسد اور وطی بالشبہ اور طلاق رجعی کی عدت میں سوگ نہیں۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی ص ۱۰۳، الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۴)

مسئلہ (۸): کسی قریب کے مرجانے پر عورت کو تین دن تک سوگ کرنے کی اجازت ہے اس سے زائد کی نہیں اور عورت شوہر والی ہو تو شوہر اس سے بھی منع کر سکتا ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۳)

مسئلہ (۹): کسی کے مرنے کے غم میں سیاہ کپڑے پہننا جائز نہیں مگر عورت کو تین دن تک شوہر کے مرنے پر غم کی وجہ سے سیاہ کپڑے پہننا جائز ہے اور سیاہ کپڑے غم ظاہر کرنے کے لیے نہ ہوں تو مطلقاً جائز ہیں۔

(الدرالمختار و ردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۴)

مسئلہ (۱۰): عدت کے اندر چار پائی پر سو سکتی ہے کہ یہ زینت میں داخل نہیں ہے۔

مسئلہ (۱۱): جو عورت عدت میں ہو اس کے پاس صراحۃً نکاح کا پیغام دینا حرام ہے اگرچہ نکاح فاسد یا عتق کی عدت میں ہو اور موت کی عدت ہو تو اشارۃً کہہ سکتے ہیں اور طلاق رجعی یا بائن یا فسخ کی عدت میں اشارۃً بھی نہیں کہہ سکتے اور وطی بالشبہ یا نکاح فاسد کی عدت میں اشارۃً کہہ سکتے ہیں اشارۃً کہنے کی صورت یہ ہے کہ کہے میں نکاح کرنا چاہتا ہوں مگر یہ نہ کہے کہ تجھ سے، ورنہ صراحت ہو جائے گی یا کہے میں ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں جس میں یہ یہ وصف ہوں اور وہ اوصاف بیان کرے جو اس عورت میں ہیں یا مجھے تجھ جیسی کہاں ملے گی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۴، الدرالمختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد ج ۵ ص ۲۲۵)

مسئلہ (۱۲): جو عورت طلاق رجعی یا بائن کی عدت میں ہے یا کسی وجہ سے فرقت ہوئی اگرچہ شوہر کے بیٹے کا بوسہ لینے سے اور اس کی عدت میں ہو یا خلع کی عدت میں ہو اگرچہ نفقۂ عدت پر خلع ہوا ہو یا اس پر خلع ہوا کہ عدت میں شوہر کے مکان میں نہ رہے گی تو ان عورتوں کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں نہ دن میں نہ رات میں جب کہ آزاد ہوں یا لونڈی ہو جو شوہر کے پاس رہتی ہے اور عاقلہ، بالغہ، مسلمہ ہو اگرچہ شوہر نے اسے باہر نکلنے کی اجازت بھی دی ہو اور نابالغہ لڑکی طلاقِ رجعی کی عدت میں شوہر کی اجازت سے باہر جا سکتی ہے اور بغیر اجازت نہیں اور نابالغہ بائن طلاق کی عدت میں اجازت و بے اجازت دونوں صورت میں جا سکتی ہے، ہاں اگر قریب البلوغ (بالغ ہونے کے قریب) ہے تو بغیر اجازت نہیں جا سکتی اور عورت پگلی یا بوہری یا کتابیہ ہے تو جا سکتی ہے مگر شوہر کو منع کرنے کا حق ہے۔ مرد و عورت مجوسی (آگ کی پوجا کرنے والے) تھے، شوہر مسلمان ہو گیا اور عورت نے اسلام لانے سے انکار کیا اور فرقت ہو گئی اور مدخولہ تھی لہٰذا عدت بھی واجب ہوئی تو عدت کے اندر اس کا شوہر نکلنے سے منع کر سکتا ہے۔ مولیٰ نے ام ولد کو آزاد کیا تو اس عدت میں باہر جا سکتی ہے اور نکاحِ فاسد کی عدت میں نکلنے کی اجازت ہے مگر شوہر منع کر سکتا ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۴، الدرالمختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد ج ۵ ص ۲۲۷)

مسئلہ (۱۳): چند مکان کا ایک صحن ہو اور وہ سب مکان شوہر کے ہوں تو صحن میں آ سکتی ہے اوروں کے ہوں تو نہیں۔

(الدرالمختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۷)

مسئلہ(۱۴): اگر کرایہ کے مکان میں رہتی تھی جب بھی مکان بدلنے کی اجازت نہیں، شوہر کے ذمہ زمانہ عدت کا کرایہ ہے اور اگر شوہر غائب ہے اور عورت خود کرایہ دے سکتی ہے جب بھی اسی میں رہے۔

(ردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد مطلب الحق ان علی المفتی۔ ج ۵ ص ۲۲۸)

مسئلہ(۱۵): موت کی عدت میں اگر باہر جانے کی حاجت ہو کہ عورت کے پاس بقدر کفایت مال نہیں اور باہر جا کر محنت مزدوری کر کے لائے گی تو کام چلے گا تو اسے اجازت ہے کہ دن میں اور رات کے کچھ حصے میں باہر جائے اور رات کا اکثر حصہ اپنے مکان میں گزارے مگر حاجت سے زیادہ باہر ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔ اور اگر بقدر کفایت اس کے پاس خرچ موجود ہے تو اسے بھی گھر سے نکلنا مطلقاً منع ہے اور اگر خرچ موجود ہے مگر باہر نہ جائے تو کوئی نقصان پہنچے گا مثلاً زراعت کا کوئی دیکھنے بھالنے والا نہیں اور کوئی ایسا نہیں جسے اس کام پر مقرر کرے تو اس کے لیے بھی جاسکتی ہے مگر رات کو اسی گھر میں رہنا ہوگا۔

(الدرالمختار و ردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، مطلب: الحق ان علی المفتی ج ۵ ص ۲۲۸)

مسئلہ(۱۶): موت یا فرقت (علیحدگی) کے وقت جس مکان میں عورت کی سکونت (رہائش) تھی، اسی مکان میں عدت پوری کرے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ گھر سے باہر نہیں جاسکتی اس سے مراد یہی گھر ہے اور اس گھر کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں بھی سکونت نہیں کر سکتی، مگر بضرورت اور ضرورت کی صورتیں ہم آگے لکھیں گے آج کل معمولی باتوں کو جس کی کچھ حاجت نہ ہو محض طبیعت کی خواہش کو ضرورت بولا کرتے ہیں وہ یہاں مراد نہیں بلکہ ضرورت وہ ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

مسئلہ(۱۷): عورت اپنے میکے گئی تھی یا کسی کام کے لیے کہیں اور گئی تھی اس وقت شوہر نے طلاق دی یا مر گیا تو فوراً بلا توقف وہاں سے واپس آئے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۵)

مسئلہ(۱۸): جس مکان میں عدت گزارنا واجب ہے اس کو چھوڑ نہیں سکتی مگر اس وقت کہ اسے کوئی نکال دے مثلاً طلاق کی عدت میں شوہر نے گھر میں سے اس کو نکال دیا، یا کرایہ کا مکان ہے اور عدت عدتِ وفات ہے، مالک مکان کہتا ہے کہ کرایہ دے یا مکان خالی کر اور اس کے پاس کرایہ نہیں یا وہ مکان شوہر کا ہے مگر اس کے حصہ میں جتنا پہنچا وہ قابل سکونت نہیں اور ورثا اپنے حصہ میں اسے رہنے نہیں دیتے یا کرایہ مانگتے ہیں اور پاس کرایہ نہیں یا مکان ڈھ رہا ہو (گر رہا ہو) یا ڈھنے کا خوف ہو یا چوروں کا خوف ہو، مال تلف (ضائع) ہو جانے کا اندیشہ ہے یا آبادی کے کنارے مکان ہے اور مال وغیرہ کا اندیشہ ہے تو ان صورتوں میں مکان بدل سکتی ہے، اور اگر کرایہ کا مکان ہو اور کرایہ دے سکتی ہے یا ورثہ کو کرایہ دے کر رہ سکتی ہے تو اسی میں رہنا لازم ہے۔ اور اگر حصہ اتنا ملا کہ اس کے رہنے کے لیے کافی ہے تو اسی میں رہے اور دیگر ورثہ شوہر جن سے پردہ فرض ہے ان سے پردہ کرے اور اگر اس مکان میں نہ چور کا خوف ہے نہ پڑوسیوں کا، مگر اس میں کوئی اور نہیں ہے اور تنہا رہتے خوف کرتی ہے تو اگر خوف زیادہ ہو مکان بدلنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں اور طلاق بائن کی عدت ہے اور شوہر فاسق ہے اور کوئی وہاں ایسا نہیں کہ اگر اس کی نیت بد ہو تو روک سکے، ایسی حالت میں مکان بدل لے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۵، ردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۹)

مسئلہ(۱۹): وفات کی عدت میں اگر مکان بدلنا پڑے تو اس مکان سے جہاں تک قریب کا میسر آسکے اسے لے اور عدت طلاق کی ہو تو جس مکان میں شوہر اسے رکھنا چاہے اور اگر شوہر غائب ہے تو عورت کو اختیار ہے۔ (فتاوی عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر

فی الحداد، ج ا ص ۵۳۵)

مسئلہ (۲۰): جب مکان بدلا تو دوسرے مکان کا وہی حکم ہے جو پہلے کا تھا یعنی اب اس مکان سے باہر جانے کی اجازت نہیں، مگر عدتِ وفات میں بوقتِ حاجت بقدرِ حاجت جس کا ذکر پہلے ہو چکا۔ (فتاوی عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ا ص ۵۳۵)

مسئلہ (۲۱): طلاقِ بائن کی عدت میں یہ ضروری ہے کہ شوہر و عورت میں پردہ ہو یعنی کسی چیز سے آڑ کر دی جائے کہ ایک طرف شوہر رہے اور دوسری طرف عورت، عورت کا اس کے سامنے اپنا بدن چھپانا کافی نہیں اس واسطے کہ عورت اب اجنبیہ ہے اور اجنبیہ سے خلوت جائز نہیں بلکہ یہاں فتنہ کا زیادہ اندیشہ ہے اور اگر مکان میں تنگی ہو اتنا نہیں کہ دونوں الگ الگ رہ سکیں تو شوہر اتنے دنوں تک مکان چھوڑ دے، یہ نہ کرے کہ عورت کو دوسرے مکان میں بھیج دے اور خود اس میں رہے کہ عورت کو مکان بدلنے کی بغیر ضرورت اجازت نہیں اور اگر شوہر فاسق ہو تو اسے حکماً اس مکان سے علیحدہ کر دیا جائے اور اگر نہ نکلے تو اس مکان میں کوئی ثقہ (معتبر، قابلِ اعتماد) عورت رکھ دی جائے جو فتنہ کے روکنے پر قادر ہو اور اگر رجعی کی عدت ہو تو پردہ کی کچھ حاجت نہیں اگرچہ شوہر فاسق ہو کہ یہ نکاح سے باہر نہ ہوئی۔ (الدر المختار و رد المحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، مطلب: الحق ان علی المفتی۔ ج ۵ ص ۲۳۰)

مسئلہ (۲۲): تین طلاق کی عدت کا بھی وہی حکم ہے جو طلاقِ بائن کی عدت کا ہے، زن و شو اگر بڑھیا بوڑھے ہوں اور فرقت واقع ہوئی اور ان کی اولادیں جن کی مفارقت گوارا نہ ہو تو دونوں ایک مکان میں رہ سکتے ہیں جب کہ زن و شو کی طرح نہ رہتے ہوں۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۳۱)

مسئلہ (۲۳): سفر میں شوہر نے طلاقِ بائن دی یا اس کا انتقال ہوا اب وہ جگہ شہر ہے یا نہیں اور وہاں سے جہاں جانا ہے مدتِ سفر ہے یا نہیں اور بہر صورت مکان مدتِ سفر ہے یا نہیں، اگر کسی طرف مسافت سفر نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے وہاں جائے یا گھر واپس آئے اس کے ساتھ محرم ہو یا نہ ہو، مگر بہتر یہ ہے کہ گھر واپس آئے اور اگر ایک طرف مسافتِ سفر ہے اور دوسری طرف نہیں تو جدھر مسافت سفر نہ ہو اس کو اختیار کرے اور اگر دونوں طرف مسافتِ سفر ہے اور وہاں آبادی نہ ہو تو اختیار ہے جائے یا واپس آئے، ساتھ میں محرم ہو یا نہ ہو اور بہتر گھر واپس آنا ہے اور اگر اس وقت شہر میں ہے تو وہیں عدت پوری کرے، محرم یا بغیر محرم نہ ادھر آ سکتی ہے نہ ادھر جا سکتی اور اگر اس وقت جنگل میں ہے مگر راستہ میں گاؤں یا شہر ملے گا اور وہاں ٹھہر سکتی ہے کہ مال یا آبرو کا اندیشہ نہیں اور ضرورت کی چیزیں وہاں ملتی ہوں تو وہیں عدت پوری کرے پھر محرم کے ساتھ وہاں سے سفر کرے۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۳۲، فتاوی ہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ا ص ۵۳۵)

مسئلہ (۲۴): عورت کو عدت میں شوہر سفر میں نہیں لے جا سکتا، اگرچہ وہ رجعی کی عدت ہو۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۳۳)

مسئلہ (۲۵): رجعی کی عدت کے وہی احکام ہیں جو بائن کے ہیں، مگر اس کے لیے سوگ نہیں اور سفر میں رجعی طلاق دی تو شوہر کے ہی ساتھ رہے اور کسی طرف مسافت سفر (یعنی ساڑھے ستاون میل (تقریباً ۹۲ کلومیٹر) کی راہ) ہے تو ادھر نہیں جا سکتی۔

(درمختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۳۳)

(بہار شریعت، ج ۲ ص ۲۴۰-۲۴۴ مجلس المدینۃ العلمیہ، دعوت اسلامی)

۵۱۔ بَابُ: مَهْرِ الْبَغِيِّ وَالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ

طوائف کا معاوضہ اور نکاح فاسد کا بیان

وَقَالَ الْحَسَنُ إِذَا تَزَوَّجَ مُحَرَّمَةً وَهُوَ لَا يَشْعُرُ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا وَلَهَا مَا أَخَذَتْ وَلَيْسَ لَهَا غَيْرُهُ ثُمَّ قَالَ بَعْدُ لَهَا صَدَاقُهَا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۶)

اور حسن بصری نے کہا: اگر کسی شخص نے عمداً کسی عورت سے نکاح کر لیا جو اس پر حرام تھی، تو اس عورت کو اس کے خاوند سے الگ کر دیں گے، اگر عورت مہر میں سے کچھ لے چکی ہے تو اس کو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملے گا، پھر اس کے بعد حسن بصری نے کہا: اس کو مہر مثل ملے گا۔

تنبیہ:

یہ امام بخاری کی اس باب میں تعلیق ہے۔

جس مرد نے کسی مُحَرَّمہ سے دانستہ نکاح کیا، یا بے خبری میں نکاح کیا، اس کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، نے کہا کہ جب کسی مرد نے مُحَرَّمہ (میم پر پیش ہے اور راء پر تشدید ہے) سے نکاح کر لیا، یعنی جس عورت سے نکاح کرنا اس پر حرام تھا، اور ا مستملی کی روایت میں یہ لفظ مَحْرَمہ ہے (میم پر زبر اور حاء پر جزم اور راء پر زبر)، اور علامہ ابن التین نے کہا: اس سے مراد وہ عورت ہے جو محرم ہے، اور اس مرد نے اس عورت سے اس حال میں نکاح کیا کہ اس کو پتا نہیں تھا کہ یہ عورت اس کے اوپر حرام ہے تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، اور وہ عورت اپنے شوہر سے جو مہر وصول کر چکی ہے اس کو وہی ملے گا اس کے علاوہ اس کو کچھ نہیں ملے گا، یہ امام مالک کا مشہور قول ہے۔

پھر حسن بصری نے اس قول کے بعد کہا: اس کو مہر مثل ملے گا، اور فقہاء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اس کو مہر مثل ملے گا اور دوسرے گروہ نے کہا ہے: اس کو وہ مہر ملے گا جو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

لیکن کسی مرد نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا اس پر حرام تھا، اور اس کو یہ علم تھا کہ اس سے نکاح کرنا حرام ہے، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ، اور امام محمد حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: اس مرد پر حد لازم ہو گی اور اس عورت کا کوئی مہر نہیں ہو گا۔

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کہا اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ اس پر حد نہیں ہے، خواہ اس کو یہ علم ہو کہ اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔

اور امام ابو حنیفہ نے کہا یہ تعزیر چالیس کوڑوں سے کم ہو گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۴۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از ابو بکر بن عبد الرحمٰن از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان

ثَمَنِ الْكَلْبِ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ۔

کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے اور کاہن (غیب کی باتیں بتانے والا) کی مٹھائی سے اور طوائف کے معاوضہ سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۳۷، ۲۲۸۲، ۵۳۴۶، ۵۷۶۱، صحیح مسلم: ۱۵۶۷، سنن ترمذی: ۱۱۳۳، سنن نسائی: ۴۲۹۲، سنن ابو داؤد: ۳۴۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۱۵۹، مسند احمد: ۱۶۶۲۲، موطا امام مالک ۱۳۶۳، سنن دارمی: ۲۵۶۸)

شیخ وحید الزماں غیر مقلد متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کاہن اور کتے کی بیع اور طوائف کی آمدنی کا حرام ہونا اور طوائفوں کی آمدنی سے دعوتیں کھانے کا حرام ہونا

کاہن سے مراد ہے جو غیب کی باتیں بتا کر مال کمائے، یہ سب کمائیاں حرام ہیں، بعضوں نے شکاری کتے کی بیع جائز قرار دی ہے، جو مولوی مشائخ رنڈیوں کی دعوتیں کھاتے ہیں یا فال تعویذ گنڈے کر کے رنڈیوں سے پیسے لیتے ہیں، وہ مولوی مشائخ کہاں ہیں، اچھے خاصے حرام خور ہیں۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۷ نعمانی کتب خانہ کراچی جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

یہ درست ہے کہ طوائفوں کی آمدنی حرام ہے، اور ان کی آمدنی سے دعوتوں کا کھانا بھی حرام ہے، لیکن شیخ وحید الزمان نے کس دلیل کی بناء پر یہ کہا کہ علماء اور مشائخ طوائفوں کی آمدنی سے دعوتیں کھاتے ہیں، یہ محض ان کی بدگمانی ہے اور علماء اور مشائخ پر تہمت ہے، اور عوام کو علماء اور مشائخ سے بدظن کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ ۖ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ۝ (الحجرات: ۱۲)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں، اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس کو ناپسند کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

علماء اور مشائخ عوام کو احکام شرعیہ بیان کرتے ہیں اور وعظ اور نصیحت کرتے ہیں اور جب آپ ان پر بہتان باندھ کر اور تہمت لگا کر عوام کو ان سے متنفر کریں گے تو پھر عوام کو احکام شرعیہ کون بیان کرے گا اور وعظ و نصیحت کون کرے گا، کاش! شیخ وحید الزمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور علماء اور مشائخ پر بہتان نہ باندھتے۔ سعیدی غفرلہٗ

دوسرے غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی نے بھی اس حدیث کی شرح میں شیخ وحید الزمان کی عبارت نقل کر دی ہے۔ اور ان کی شرح پر بھی وہی تبصرہ ہے جو ہم شیخ وحید الزمان پر تبصرہ کر چکے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۹۶، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

صحیح البخاری: ۵۳۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے بعض رجال

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، جو ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، تو وہ سفیان بن عیینہ ہیں، اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا ذکر ہے، وہ ابن الحارث بن ہشام المخزومی ہیں۔ اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، وہ عقبہ بن عمرو الانصاری البدری ہیں۔

کتے کی قیمت کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

حسن بصری، ربیعہ، حماد بن ابی سلیمان، الاوزاعی، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، اور داؤد ظاہری متوفی ۳۰۷ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، کے نزدیک کتے کی قیمت حرام ہے، اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ، اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ اور سحنون مالکیہ کے نزدیک جس کتے سے کوئی نفع حاصل ہو (مثلاً شکار کا کتا، یا کھیتوں کی حفاظت کا کتا، یا گھروں کی حفاظت کا کتا) تو اس کی بیع اور اس کی قیمت کو لینا جائز ہے، اور ان مذکور فقہاء نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں کتوں کی بیع سے اس وقت منع فرمایا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور جب آپ نے شکار کرنے کے لیے کتوں کو رکھنے کی اجازت دی اور مطلقاً کتوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا تو اس حدیث کے اندر کتوں کی قیمت کی ممانعت کا جو حکم ہے، وہ منسوخ ہو گیا۔

کاہن کی اجرت اور طوائف کی آمدنی کا حکم

رہی کاہن کی شیرینی یا اس کی آمدنی تو یہ رشوت ہے، جس کو کاہن لیتا ہے اور یہ باطل ہے۔ (کاہن وہ شخص ہے جس سے زمانہ جاہلیت میں لوگ پوچھتے تھے کہ بارش کب ہوگی یا پوچھتے تھے کہ وہ کاشت کاری کر رہے ہیں اس میں انہیں فائدہ ہوگا یا نقصان، یا وہ سفر پر جا رہے ہیں، یا تجارت کے لیے جا رہے ہیں، اس میں ان کو فائدہ ہوگا یا نقصان، تو کاہن انکل پچو سے ان کو غیب کی باتیں بتاتا تھا، اگر وہ کہتا کہ سفر میں فائدہ ہوگا تو وہ سفر پر چلے جاتے اور اگر وہ کہتا کہ سفر میں نقصان ہوگا، تو وہ سفر پر نہیں جاتے، اس زمانہ میں جو سڑکوں پر بیٹھے ہوئے نجومی ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے یا جو ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر غیب کی باتیں بتاتے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے، یا جو اخباروں میں ہر ہفتے چھپتا ہے کہ آپ کا یہ ہفتہ کیسا گزرے گا اور غیب کی باتیں بتاتے ہیں کہ آپ کو فلاں کام میں فائدہ ہوگا یا نقصان ہوگا، تو یہ سب کاہن کے حکم میں ہیں، ان سے پوچھنا بھی حرام ہے، ان کا بتانا بھی حرام ہے اور ان کی آمدنی بھی حرام ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رہا طوائف کا معاوضہ تو یہ وہ ہے جو اس نکاح پر دیا جاتا ہے جو حرام ہے، سو یہ حرام ہے، اور قاضی نے کہا ہے کہ علماء کا اس میں

اختلاف نہیں ہے کہ طوائف کی آمدنی اور اس کی اجرت اور اس کا معاوضہ حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے گانے والے کی اور ماتم کرنے والے کی اجرت کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے بطلان پر فقہاء کا اجماع ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳-۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن شافعی

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتوں کی قیمت کی ممانعت کی تفصیل

اس حدیث میں کتے کی قیمت سے جو منع فرمایا ہے یہ ممانعت ہر قسم کے کتے کو شامل ہے۔

علامہ ابن التین شارح بخاری نے کہا ہے کہ کتے کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ہے گھروں کا کتا اور دوسری قسم ہے کھیتوں کی حفاظت کا کتا اور مویشیوں کی حفاظت کا کتا، سو پہلی قسم کے کتوں کی قیمت کو لینا اور ان کی بیع حرام ہے، کیونکہ یہ کتے لوگوں کو خوف زدہ کرتے ہیں اور ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں، لہٰذا ان کی قیمت حرام ہے۔

اور شکاری کتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کی خرید و فروخت میں اختلاف ہے، اور اگر کوئی ان کتوں کو قتل کر دے تو اس کے معاوضہ میں قیمت کو لینے میں بھی اختلاف ہے۔

کاہن کی مٹھائی کی قیمت کی تفصیل

کاہن کی مٹھائی سے مراد وہ چیز ہے جو کاہن کو اُجرت دی جاتی ہے، کہا جاتا ہے "حلوتہ" یعنی میں نے اس کو مٹھائی دی، اور "الحُلوان" رشوت ہے، اور اس کی اصل حلاوت یعنی مٹھاس سے ہے اور اس کو کسی میٹھی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے، کہا جاتا ہے "حلوتُ فلانا" جب تم نے اس کو مٹھائی کھلائی، جیسے کہا جاتا ہے "عسلتہٗ" میں نے اس کو شہد کھلایا اور "تمرتہٗ" میں نے اس کو کھجور کھلائی۔

علامہ ابن ملقن کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: کہ علامہ ابن الملقن نے کاہن کی تعریف ذکر نہیں کی، کاہن وہ شخص ہے جس سے زمانہ جاہلیت میں لوگ مستقبل میں پیش آمدہ مسائل کے متعلق سوالات کرتے تھے، اور ان کے جوابات کے مطابق اپنے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔ مثلاً وہ کاہن سے پوچھتے کہ بارش کب ہوگی؟ سفر میں فائدہ ہوگا یا نقصان ہوگا؟ جنات فرشتوں کی باتیں سن کر ان کے کانوں میں کوئی بات ڈال دیتے تھے اور وہ ایک بات کے ساتھ اپنے طرف سے سو باتیں ملا کر بیان کر دیتے تھے، کاہن کے پاس جانا اور اس سے غیب کی باتیں دریافت کرنا جائز نہیں ہے، صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کاہن کے پاس گیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔

علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی علمِ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور اسی طرح اولیاءِ کرام کو بھی علمِ غیب پر مطلع فرماتا ہے، اور ان دونوں کے علمِ غیب میں فرق ہے

اس زمانہ میں جو لوگ نجومیوں کے پاس جاتے ہیں، یا اخبارات میں پیش گوئیاں پڑھ کر ان کے مطابق عمل کرتے ہیں ان کا

بھی یہی حکم ہے، ان سب چیزوں سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ علامہ عینی کی شرح میں ہم اس کو مزید تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔
غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت ساری چیزیں انسان کو نہیں بتائیں مثلاً وہ کب مرے گا، کہاں مرے گا، قیامت کب آئے گی، ان تمام چیزوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے، اور ان کے متعلق تجسس کرنا اور ان کی تحقیق میں پڑنا جائز نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو اور بعض برگزیدہ اولیاء کرام کو بعض غیب کی باتوں پر مطلع فرمادیتا ہے، معتزلہ کراماتِ اولیاء کے منکر ہیں، اس لیے وہ اولیاء کرام کے لیے علمِ غیب کے قائل نہیں ہیں، لیکن علماءِ اہلسنت دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں اولیاء کرام کے لیے بھی علمِ غیب کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو بھی علمِ غیب عطا فرماتا ہے، لیکن ان کا علم وحی سے حاصل ہوتا ہے اور وہ قطعی ہوتا ہے اور اولیاء کرام کو جو علمِ غیب حاصل ہوتا ہے وہ الہام کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور وہ ظنی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

فاحشہ یا طوائف کے معاوضہ اور اس کی آمدنی کی تفصیل

طوائف کا مہر زنا کی قیمت ہے، اور ''البغی'' کے لفظ میں باء پر زبر ہے اور غین پر زیر ہے اور یا پر تشدید ہے، اس حدیث کی بناء پر فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص کسی عورت کو زنا پر مجبور کرے، اس کا مہر نہیں ہوتا۔
علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ شارح بخاری نے کہا ہے اس طرح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی شخص کے ناحق قتل کی ممانعت فرمائی ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ جس نے کسی غلام کو قتل کیا تو اس پر اس کی قیمت کا ادا کرنا لازم ہے، اور جس نے کسی آزاد کو قتل کیا تو اس پر اس کی دیت کا ادا کرنا لازم ہے۔

کتے کی قیمت اور فاحشہ کے مہر اور کاہن کی مٹھائی کا حدیث میں ایک ساتھ ذکر اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ان سب کا حکم بھی ایک ہو

اس حدیث میں کتے کی قیمت کا ذکر ہے اور وہ مکروہ ہے اور فاحشہ کے مہر کا ذکر ہے اور کاہن کی مٹھائی کا ذکر ہے اور یہ دونوں حرام ہیں، اور ان کو جمع کرنا ان کے درمیان حکم میں مساوات کو واجب نہیں کرتا، کیونکہ بعض اوقات واجب اور مستحب کو ایک آیت میں جمع کر دیا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل: ۹۰) بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل اور احسان (نیک کام) کرو۔

عدل اور احسان کا فرق از مصنف

احسان کا درجہ عدل سے بڑھ کر ہے، کیونکہ عدل یہ ہے کہ انسان کسی کو اتنا دے جتنا دینا اس پر واجب ہے اور اس سے اتنا لے جتنا لینے کا اس کا حق ہے اور احسان یہ ہے کہ جتنا اس پر واجب ہے اس سے زیادہ دے اور جتنا اس کا حق ہے اس سے کم لے۔ اسی طرح عدل یہ ہے کہ کسی نے اس کو جتنی ایذاء پہنچائی تھی، وہ اس کو اتنی ہی ایذاء پہنچائے اور احسان یہ ہے کہ وہ اس کی زیادتی کو معاف کر دے، اور اس کے ساتھ نیکی کرے، قرآن مجید میں ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ'' (الشوریٰ: ۴۰) ''برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے، پھر جس نے معاف کر دیا اور نیکی کی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے اور حدیث میں ہے:
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے سب سے افضل عمل

بتایئے، آپ نے فرمایا: اے عقبہ! جو تم سے قطع تعلق کرے، اس سے تعلق جوڑو، جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو (اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو معاف کر دو)۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸) (سعیدی غفرلہٗ)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عدل کرنا واجب ہے اور احسان کرنا مستحب ہے، اسی لیے علامہ ابن الملقن نے فرمایا کہ اس آیت میں عدل اور احسان دونوں کا حکم دیا ہے، حالانکہ عدل واجب ہے اور احسان مستحب ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک آیت میں واجب اور مستحب دونوں کا ذکر ہوتا ہے، اسی طرح اس حدیث میں کتے کی قیمت جو مکروہ ہے اور کاہن کی مٹھائی اور فاحشہ کے مہر کو ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ یہ دونوں حرام ہیں، اسی لیے ان تینوں کا حدیث میں ایک ساتھ ذکر کرنا اس کو واجب نہیں کرتا کہ ان تینوں کا شرعی حکم بھی ایک ہو، جس طرح عدل اور احسان کا النحل: ۹۰، میں ایک ساتھ ذکر کرنا اس کو واجب نہیں کرتا کہ دونوں کا حکم ایک ہو۔

اور اس پر اجماع ہے کہ فاحشہ عورت کو مہر دینا حرام ہے، اور اس سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

نکاحِ فاسد کی تفصیل اور نکاحِ فاسد کی دو قسمیں، یا عقدِ نکاح میں فساد ہو اور یا مہر میں فساد ہو

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

نکاحِ فاسد میں فساد یا تو عقدِ نکاح میں ہوتا ہے یا اس میں فساد مہر میں ہوتا ہے، جو فساد عقدِ نکاح میں ہو تو اکثر امت کے نزدیک وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، اور ان میں سے بعض فقہاء کے نزدیک منعقد ہو جاتے ہیں۔ سو جو نکاح بناء سے پہلے فسخ ہو جائے یہ اس قبیل سے ہے جو عقدِ نکاح میں فساد کی وجہ سے ہوا ہے، اس میں مہر نہیں ہوتا، اور اگر عورت نے کوئی مہر لیا ہے، تو واپس کیا جائے گا، اور جو نکاح بناء کے بعد فسخ ہوا ہے تو اس میں وہ مہر دیا جائے گا جو مقرر ہو چکا ہے۔

اور جو نکاح مہر میں فساد کی وجہ سے فاسد ہوا ہے جیسا کہ خرید و فروخت میں قیمت کے فساد کی وجہ سے بیع فاسد ہوتی ہے، تو یہ نکاح دخول سے پہلے فسخ کر دیا جائے گا، اور اگر مرد دخول کے بعد فوت ہو گیا ہو تو مہر ادا کیا جائے گا۔

عقدِ نکاح میں فساد کی اقسام

اور علامہ ابن القاسم مالکی کا قول ہے کہ ہر وہ نکاح جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح ہے کہ وہ حرام ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا جائے گا، سو وہ نکاح بغیر طلاق کے فسخ کر دیا جائے گا، اور اگر اس نے طلاق دی تو وہ لازم نہیں ہوگی اور شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے جیسا کہ کوئی مرد چار بیویوں کے بعد پانچویں عورت سے نکاح کر لے یا جیسے کوئی مرد اپنی رضاعی بہن سے نکاح کر لے یا اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی پھوپھی سے نکاح کر لے یا اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی خالہ سے نکاح کر لے یا عدت کے دوران عدت والی عورت سے نکاح کر لے۔

جو نکاح حرام ہو اور اس کی حرمت میں اختلاف ہو تو وہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے

نیز علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا: ہر وہ نکاح جس کی اجازت یا اس کے فسخ میں علماء کا اختلاف ہے تو اس نکاح میں فسخ طلاق نہیں ہے، اور اس کے اندر وراثت بھی جاری ہوگی اور طلاق بھی جاری ہوگی اور خلع بھی جاری ہوگا، جب تک کہ اس نکاح کو فسخ نہ کر دیا جائے، جیسا کہ کوئی عورت از خود اپنا نکاح کر لے یا بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کر لے (میں کہتا ہوں: کہ یہ نکاح ائمہ ثلاثہ

کے نزدیک ناجائز ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک کسی عاقلہ بالغہ عورت کا اپنے اختیار سے ازخود نکاح کرنا یا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا جائز ہے۔سعیدی غفرلہٗ)، یا کوئی باندی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے یا مہر میں دھوکہ دے، کیونکہ اگر قاضی نے اس کے متعلق فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نہیں توڑا جائے گا، اسی طرح جو نکاح حرام ہو یا جو نکاحِ شغار ہو (نکاحِ شغار کا مطلب یہ ہے کہ ادلہ بدلہ کا نکاح، مثلاً کوئی مرد یہ کہے کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دو اس کے بدلہ میں میں اپنی بیٹی کا نکاح تم سے کر دوں گا، اس میں طرفین سے مہر مقرر کیا جائے تو اس نکاح کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اگر مہر مقرر نہ کیا جائے اور صرف یہی مہر ہو کہ تم اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دو، میں اپنی بیٹی کا تم سے نکاح کر دوں گا تو یہ نکاح باطل ہے، لیکن اس صورت میں بھی مہرِ مثل لازم ہوگا۔سعیدی غفرلہٗ)، علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں کیونکہ اس قسم کے نکاحوں میں فقہاء کا اختلاف ہے، جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا یا نکاحِ شغار۔

جس نے دانستہ یا نادانستہ نکاحِ حرام کیا، اس کے شرعی احکام

علامہ ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

جس نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا، اور اس کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے تو شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور ان پر حد لازم نہیں ہوگی۔ اور اس کے مہر میں علماء کے دو قول ہیں، حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے یہ کہا کہ جو اس کا مہر مقرر ہو چکا ہے وہ اس مہر کو وصول کرے گی، اور ان کا دوسرا قول ہے کہ اس کے لیے مہرِ مثل لازم ہوگا اور باقی فقہاء بھی انہی دو قولوں پر متفق ہیں، بعض فقہاء نے کہا کہ اس کے لیے مہرِ مثل ہوگا اور بعض فقہاء نے کہا کہ اس کے لیے مقرر شدہ مہر ہوگا۔

اور جس نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا اور اس کو علم تھا کہ یہ نکاح حرام ہے تو امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: اس پر حد لازم ہوگی اور اس کا مہر نہیں دیا جائے گا۔ (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۴۹)

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے: اس پر حد نہیں ہے اور اگر اس کو تحریم کا علم ہو تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی اور امام ابو حنیفہ نے کہا: یہ تعزیر چالیس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔

بعض مالکیوں کا باندیوں کے ساتھ وطی حرام اور عورت کے ساتھ نکاحِ حرام کرنے میں حد لازم ہونے یا حد لازم نہ ہونے کا فرق کرنا اور فقہاء احناف کا ان صورتوں میں حد کو لازم نہ کرنا، اس مسئلہ میں فقہاء احناف کے دلائل

ابن القاسم مالکی نے باندیوں کے ساتھ وطی حرام کے اوپر اور آزاد عورتوں کے ساتھ وطی حرام میں فرق کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب مرد نے کسی عورت کے ساتھ نکاحِ حرام کیا اور اس کو معلوم تھا کہ یہ نکاح حرام ہے تو اس پر حد واجب ہوگی۔ اور جب کسی مرد نے کسی باندی کو خریدا اور اس سے حرام وطی کی اور اس کو معلوم تھا کہ یہ وطی حرام ہے تو اس پر حد نہیں ہوگی۔

اور فقہاء احناف کے سوا باقی فقہاء نکاح میں اور باندی کے ساتھ وطی کرنے میں کوئی فرق نہیں کرتے، اور ان دونوں صورتوں

میں حد کو واجب کرتے ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ جو ان صورتوں میں حد کو واجب نہیں کرتے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ عقد کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے خواہ وہ شبہ فاسد ہو، اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، جیسا کہ کسی مرد نے اس باندی کے ساتھ وطی کی جو اس کے اور اس کے شریک کے درمیان مشترک تھی تو یہ وطی بالاتفاق حرام ہے، لیکن اس پر حد نہیں ہو گی، کیونکہ شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی، ہاں ان دونوں صورتوں میں تعزیر ہو گی۔

اسی طرح جو نکاح فاسد ہیں، جیسے ممتوعہ عورت سے نکاح کرنا یا بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کرنا، یا بغیر گواہوں کے نکاح کرنا یا حائض سے وطی کرنا یا معتکفہ سے وطی کرنا، تو یہ تمام صورتیں حرام ہیں، اور ان تمام صورتوں میں وطی حرام ہے اور اس پر اور مرد پر حد نہیں ہو گی۔

امام مالک ابن انس متوفی ۱۷۹ھ، جو حد واجب کرتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ (النساء:۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار (مسلمان) مردوں کی گواہی طلب کرو، پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو حتیٰ کہ انہیں موت آ جائے، یا اللہ ان کے لیے کوئی (اور) راہ پیدا کر دے گا O

علامہ ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ فرماتے ہیں کہ یہ فاحشہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ پیدا کر دے گا، اور وہ اللہ تعالیٰ نے راہ پیدا کر دی ہے کہ جو عورتیں بدکاری کریں ان کو رجم کر دیا جائے، یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے اور اس پر اجماع قائم ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ماں سے عقدِ نکاح کر لے اور اپنی بہن سے عقدِ نکاح کر لے تو یہ نکاح جائز نہیں ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور وہ شخص صرف زانی ہے، زنا کا قصد کرتا ہے اور نکاح کی وجہ سے خود سے حد کو ساقط کر رہا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵، ۵۸۷-۵۹۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن کی شرح پر مصنف کا تبصرہ اور امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلیل

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اپنی اس عبارت میں امام ابوحنیفہ کے موقف پر اعتراض کیا ہے، کیونکہ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی ماں یا بہن یا دیگر محرمات کے ساتھ عقدِ نکاح کر کے وطی کر لے تو اس پر حد واجب ہوتی ہے اور اس کو رجم کر دیا جائے گا، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس نے عقدِ نکاح کر لیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن بھائی کے ساتھ نکاح کرنا جائز تھا، تو ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں یہ شبہ ہو کہ جب پچھلی شریعتوں میں محرمات کے ساتھ نکاح جائز تھا، تو اب بھی محرمات کے ساتھ نکاح جائز ہو گا، ہرچند کہ یہ شبہ فاسد ہے، لیکن شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، اس لیے اگر کسی شخص نے محرمات سے عقدِ نکاح کر لیا تو اس پر حد لازم نہیں ہو گی بلکہ تعزیر ہو گی۔

صحیح البخاری: ۵۳۴۶ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکاحِ فاسد کی دو قسمیں اور ان کے احکام کی تفصیل

فاحشہ عورت یا طوائف کا مہر یا اس کا معاوضہ اجماعِ امت سے حرام ہے اور اس سے نسب ثابت نہیں ہوتا، رہا نکاحِ فاسد تو اس کی دو قسمیں ہیں، کبھی عقدِ نکاح میں فساد ہوتا ہے اور کبھی مہر میں فساد ہوتا ہے، جو عقدِ نکاح میں فساد ہو تو اکثر ائمہ کے نزدیک وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، اور جو نکاح مہر کے فساد کی وجہ سے فاسد ہو جیسے خرید وفروخت کے اندر قیمت میں فساد ہوتا ہے تو وہ نکاح دخول سے پہلے فسخ ہو جائے گا اور وہ نکاح باقی رہے گا جب وہ مرد دخول کے بعد فوت ہو جائے۔

اور ابن القاسم مالکی کا آخری قول یہ ہے کہ جس نکاح کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریم پر صریح نص کر دی ہے، اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ نکاح بغیر طلاق کے فسخ ہو جائے گا اور اگر اس نے طلاق دی تو وہ لازم نہیں ہوگی اور شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے، جیسا کہ کوئی مرد چار بیویوں سے نکاح کرنے کے بعد پانچویں عورت سے نکاح کرلے، یا اپنی رضاعی بہن کے ساتھ نکاح کرلے، یا اپنی بیوی کی پھوپھی کے اوپر نکاح کرلے، یا اپنی بہن کی خالہ پر نکاح کرلے یا عدت کے اندر نکاح کرلے تو یہ تمام نکاح قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی تصریحات سے حرام ہیں۔

اور ہر وہ نکاح جس کے انعقاد کے جواز میں اور اس کے فسخ میں علماء کا اختلاف ہو، تو اس میں طلاق کے ساتھ نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور اس میں وراثت بھی جاری ہوتی ہے اور طلاق اور خلع کے احکام بھی جاری ہوتے ہیں جب تک نکاح فسخ نہ ہو، جیسا کہ کوئی عورت از خود اپنا نکاح کرلے یا کوئی عورت بغیر ولی کے نکاح کرلے یا کوئی باندی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے یا مہر میں دھوکہ ہو، یا نکاح شغار ہو تو کیونکہ اس قسم کے نکاحوں کے جواز اور عدمِ جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے، سو یہ نکاح دیگر فقہاء کے نزدیک منعقد ہو جائیں گے۔

علامہ ابن بطال کی شرح پر مصنف کا تبصرہ اور بغیر ولی کے نکاح کے جواز پر فقہاءِ احناف کے دلائل

میں کہتا ہوں: ہم متعدد بار بیان کر چکے ہیں کہ عاقلہ بالغہ آزاد عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہے، ہر چند کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں ہے لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ نکاح جائز ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ (البقرہ: ۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں، اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی، حتیٰ کہ عدت گزر گئی اور وہ بائنہ ہو گئیں، پھر ان کی بہن کے خاوند نے ان کو دوبارہ نکاح کا پیغام دیا لیکن حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی حمیت اور عار کی وجہ سے اپنی بہن کو ان کے سابق خاوند کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا اور منع کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب طلاق کے بعد عورتوں کی عدت

پوری ہو جائے اور وہ سابق خاوند سے نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو نکاح کرنے سے نہ روکو، سو جب یہ آیت نازل ہوگئی تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی حمیت اور عار پر خاک ڈالی اور اپنی بہن کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے سابق خاوند سے نکاح کر لیں، اسی طرح صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حدیث ہے "لاتجبرالبکر البالغة" "بالغہ عورت کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا"، اس سے معلوم ہوا کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت اپنی مرضی سے کسی جگہ نکاح کر سکتی ہے اور بہتر یہ ہے کہ وہ کفو کے اندر نکاح کرے تاکہ اس کے خاندان والوں کو غیر کفو میں نکاح کرنے کی وجہ سے عار محسوس نہ ہو۔ (سعیدی غفرلہ)

جس شخص نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا، جس سے نکاح کرنا حرام تھا تو آیا اس پر حد لازم ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء اسلام کا اختلاف

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

جس مرد نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا اور مرد اور عورت دونوں کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ نکاح حرام ہے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور ان دونوں پر حد نہیں ہوگی، اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس عورت کا مہر لازم ہوگا یا نہیں؟۔

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا ہے: اس عورت نے جو مقرر شدہ مہر لے لیا سو وہ اس کا ہے، پھر ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو مہر مثل ملے گا اور باقی فقہاء کے بھی یہی دو قول ہیں۔

اور جس مرد نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا اور اس کو علم تھا کہ یہ نکاح حرام ہے، تو امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے اس مرد پر حد زنا لازم ہوگی، اور اس عورت کے لیے کوئی ملک ثابت نہیں ہوگا اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ اس مرد پر حد لازم نہیں ہوگی، خواہ اس کو تحریم کا علم ہو، اس پر تعزیر لگائی جائے گی، (کیونکہ عقد نکاح کی وجہ سے اس نکاح میں شبہ پیدا ہو گیا اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ سعیدی غفرلہ)۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کی تعزیر میں چالیس کوڑوں سے کم کوڑے لگائے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں: کیونکہ اسی کوڑے آزاد مرد کے لیے حدِ قذف ہیں اور چالیس کوڑے غلام کے لیے حد قذف ہیں اور تعزیر حد سے کم ہوتی ہے، اس وجہ سے اس کو چالیس کوڑوں سے کم کوڑے لگائے جائیں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر بن عمر القریشی المخزومی الاسکندری المالکی المتوفی ۸۲۷ھ نے اس حدیث کی شرح میں صرف "محرمة" کی لفظی تحقیق کی ہے کہ یہ لفظ مُحرمة ہے یعنی میم پر زبر ہے حاء پر جزم ہے اور را پر زبر ہے اور اخیر میں تا پر پیش ہے اور اس سے مراد ہے: "جس سے نکاح کرنا حرام ہو" اور بعض شارحین نے اس کو اسم مفعول قرار دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ حاء پر زبر ہے را پر تشدید ہے۔ (مصابیح الجامع شرح الجامع الصحیح للبخاری ج ۹ ص ۹۹، دار النوادر، دمشق ۱۴۳۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کی پہلی حدیث حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری سے مروی ہے جس میں کتوں کی قیمت اور کاہن کی مٹھائی اور فاحشہ عورت کے مہر سے منع فرمایا ہے۔
علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ جمہور نے کہا ہے جس نے اس عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا اور اس کو علم تھا کہ یہ نکاح حرام ہے تو اس پر حد واجب ہو جائے گی، کیونکہ اس نکاح کی تحریم پر اجماع ہے تو یہاں کوئی ایسا شبہ نہیں ہے جس سے حد ساقط ہو جائے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ عقدِ نکاح شبہ ہے اور ان کا استدلال اس سے ہے کہ اگر کسی مرد نے ایسی باندی سے وطی کی جس میں اس کا کوئی شریک تھا تو یہ نکاح بالاتفاق حرام ہے اور شبہ کی وجہ سے اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس مرد کا اس باندی کی ملکیت میں جو حصہ ہے وہ حصولِ شبہ کا تقاضا کرتا ہے بخلاف اس نکاح کے جو حرام ہو، اس میں اس کی ملکیت اصلاً نہیں ہے، لہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہے، اور ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ آزاد عورت سے وطی کرنے میں حد ہے اور مملوکہ سے وطی کرنے میں حد نہیں ہے۔ واللہ اعلم
(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۴-۴۹۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام ابوحنیفہ پر اعتراض کا جواب از مصنف

میں کہتا ہوں: کہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جس مرد نے کسی ایسی عورت سے عمداً نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا، تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی، صرف تعزیر ہوگی، اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس پر حد لازم ہوگی، امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے جو اس نکاحِ حرام میں عقد کیا تھا تو وہ عقد اس شبہ کو پیدا کرتا ہے کہ شاید اس عقد کی وجہ سے وہ نکاح حلال ہو، اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، جیسا کہ محرمات کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے لیکن اگر کوئی مرد اپنی ماں یا بہن سے عقدِ نکاح کر لے اور اس کو یہ شبہ ہو کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی اور بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز تھا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ محرمات کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز ہے، ہر چند کہ یہ شبہ باطل ہے لیکن شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، لہٰذا اس صورت میں بھی حد ساقط ہو جائے گی اور صرف تعزیر لازم ہوگی۔ سعیدی غفرلہٗ۔

صحیح البخاری: ۵۳۴۶ کی شرح، از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو الانصاری البدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے، خواہ وہ کتا سدھایا ہوا ہو یا نہ ہو، کیونکہ کتا نجس ہے اور فقہاء احناف اور سحنون مالکی نے کہا ہے کہ جن کتوں سے نفع حاصل ہوتا ہے، ان کی بیع جائز ہے (جیسے گھر کی حفاظت کا کتا یا کھیتوں کی حفاظت کا کتا یا مویشیوں کی حفاظت کا کتا۔ وضاحت از سعیدی غفرلہٗ)
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کاہن کی مٹھائی سے بھی منع فرمایا ہے، کاہن وہ شخص ہے جو کسی جن کے واسطہ سے علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں کو غیب کی خبریں بتاتا ہے اور اس پر معاوضہ لیتا ہے، یعنی جنات فرشتوں کی مستقبل کے متعلق باتیں سنتے

ہیں اور کوئی بات سن کر کاہن کے کان میں پھونک دیتے ہیں اور کاہن اس ایک بات کے ساتھ اپنی طرف سے کئی باتیں ملا کر لوگوں کو بتاتا ہے۔

علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے الحاوی الکبیر میں لکھا ہے کہ جو مرد کہانت کا کسب کرتا ہے اور لہو ولعب کرتا ہے اس کو منع کیا جائے گا اور وہ جو اس کا معاوضہ لیتا ہے تو اس کو اور دینے والے کو تادیباً سزا دی جائے گی۔

اور اس حدیث میں فاحشہ کے مہر سے بھی منع کیا گیا ہے، یعنی جو زانیہ عورت زنا پر اجرت لیتی ہے اور اس کا نام مہر رکھتی ہے، اس کو مہر تشبیہاً کہا گیا ہے یا اس پر معنی لغوی کے اعتبار سے مہر کا اطلاق کیا گیا ہے اور یہ حدیث اس سے پہلے کتاب البیع میں گزر چکی ہے۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۳۴ ۱۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۶ کی شرح، از علامہ کورانی

محارم کے ساتھ نکاح کا باطل ہونا اور اس میں دانستہ اور نادانستہ نکاح کرنے کے احکام کا فرق

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

محارم کے ساتھ نکاح کرنا باطل ہے اور علماء کے نزدیک اس نکاح میں مہر واجب نہیں ہوتا، اگر اس کو اس نکاح کے حرام ہونے کا علم ہو اور اس پر جمہور کے نزدیک حد لازم ہے، اور اگر اس نے کسی عورت سے نکاحِ حرام کیا اور اس کو اس نکاح کے حرام ہونے کا علم نہیں تھا تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، انہوں نے کہا: دخول سے پہلے اس میں کوئی چیز لازم نہیں ہے اور دخول کے بعد بعض نے کہا: مہرِ مقرر لازم ہے اور بعض نے کہا کہ مہرِ مثل لازم ہوگا۔

کتوں کی قیمت اور کاہن کی مٹھائی کے متعلق فقہاءِ اسلام کی عبارات

علامہ کورانی حنفی لکھتے ہیں کہ حضرت ابومسعود عقبہ بدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کتوں کی قیمت سے منع فرمایا ہے، اور اس حدیث میں امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کی یہ دلیل ہے کہ کتوں کی بیع جائز نہیں ہے، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے بھی یہی روایت ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے الموطا میں کہا ہے کہ میں اس بیع کو مکروہ قرار دیتا ہوں۔

''کاہن'' اور ''العراف'' کا فرق

حلوان الکاھن: اس لفظ میں حاء پر پیش ہے، یعنی کسی کاہن کو کہانت کی جو اجرت دی جاتی ہے، علامہ ابن الاثیر الجزری الشافعی متوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے: کاہن وہ شخص ہے جو امورِ مستقبلہ کی خبر دیتا ہے، اور اس کا یہ زعم ہوتا ہے کہ ایک جن اس کو آ کر غیب کی خبریں بتاتا ہے، اور جو شخص قیافہ سے غیب کی خبر بیان کرتا ہے تو اس کو ''العراف'' کہا جاتا ہے، اس کا یہ حکم نہیں ہے۔

(الکوثر الجاری شرح صحیح البخاری، ج ۹ ص ۶۴-۶۵، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ کورانی کی شرح پر مصنف کا اضافہ، بدلتے ہوئے موسم کی پیش گوئی کرنا، سورج اور چاند گرہن کی پیش گوئی کرنا اور دواؤں کے متعلق پیش گوئی کرنا، کہانت کے حکم میں نہیں ہے

میں کہتا ہوں: جو سائنسدان آلات کے ذریعہ موسم کی خبر دیتے ہیں اور پورے ایک ہفتہ کا موسم بیان کر دیتے ہیں کہ فلاں دن

اتنا درجہ حرارت ہوگا اور فلاں دن اتنا درجہ حرارت ہوگا اور فلاں دن بارش ہوگی اور فلاں دن بارش نہیں ہوگی، یا آلات کے ذریعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں سال فلاں مہینے اور فلاں دن سورج گرہن ہوگا یا چاند گرہن ہوگا اور وقت بھی معین کر دیتے ہیں اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ایسا ہی ہوتا ہے، سو یہ بھی کاہن کے حکم میں نہیں ہے بلکہ عراف کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ سائنسدان غیب کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ سورج اور زمین کی حرکت اور ان کے درمیان زمین کے حائل ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے اور دیگر علامات کی وجہ سے یہ پیش گوئی کرتے ہیں اور یہ غیب کا دعویٰ نہیں کرتے اور ان کی دی ہوئی خبر قطعی اور یقینی نہیں ہوتی بلکہ ظنی ہوتی ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ جیسا کہ ایلو پیتھک دواؤں کے اوپر ایکسپائرڈ یٹ لکھی ہوتی ہے کہ یہ دوا فلاں تاریخ تک قابلِ استعمال ہے، اس کے بعد یہ دوا قابلِ استعمال نہیں ہے، تو میڈیکل سائنٹسٹ اپنے تجربات سے یہ پیشگوئی کرتے ہیں اور ان کی یہ پیشگوئی تقریباً سو فیصد ثابت ہوتی ہے اور جس طرح مختلف ایلو پیتھک دواؤں کے متعلق ڈاکٹرز بتاتے ہیں کہ اس دوا سے سر درد کو آرام آئے گا، اس دوا سے بخار اتر جائے گا، اس دوا سے نمونیہ میں فائدہ ہوگا، سو ان کے یہ اقوال بھی غیب کی خبر پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ تجربات پر مبنی ہوتے ہیں، تو جس طرح ان کے مطابق عمل کرنا کاہن کی اٹکل پچو سے دی ہوئی غیب کی خبروں کے حکم میں نہیں ہے بلکہ عراف کے حکم میں ہے، اس لیے موسمی علامات اور سورج گرہن وغیرہ اور دواؤں کے متعلق ان کی خبروں پر عمل کرنا بھی کاہن کی خبروں پر عمل کرنے کے حکم میں نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

صحیح البخاری: ۵۳۴۶، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پہلے تو یہ کہتے تھے کہ اگر کسی نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو اس پر حرام ہے اور اس کو تحریم کا علم نہ تھا تو ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے اور نکاح کے وقت جو مہر مقرر کیا تھا وہ عورت وہی لے گی اس کے علاوہ کسی شے کی مستحق نہیں، اس کے بعد حسن بصری نے یہ فتویٰ دیا کہ اس کے لئے مہر مثل ہے۔ ان ہی دونوں اقوال پر فقہاء کے اقوال ہیں، بعض مہر مثل کے قائل ہیں اور بعض نکاح کے وقت مقرر شدہ مہر کے قائل ہیں، اور جس نے مُحرمہ سے نکاح کیا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ یہ عورت مجھ پر حرام ہے تو امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک اس پر حد واجب ہے، اور مہر وغیرہ کچھ نہیں۔ سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما نے کہا: اس پر حد نہیں تعزیر ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تعزیر چالیس کوڑوں سے کم ہوگی۔

اس حدیث سے حسن بصری، ربیعہ، حماد بن ابی سلیمان، اوزاعی، شافعی، احمد اور ایک روایت کے مطابق امام مالک رضی اللہ عنہم نے استدلال کیا ہے کہ کتے کی قیمت حرام ہے، عطاء، ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ عنہم نے کہا: جن کتوں سے نفع حاصل ہو سکتا ہے ان کی بیع جائز ہے، اور قیمت مباح ہے، انہوں نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کی قیمت کی ممانعت اس وقت تھی جب کتوں کو قتل کرنے کا حکم تھا، جب شکار وغیرہ کے لئے ان سے انتفاع مباح ہوا تو ان کی قیمت بھی مباح ہوگئی اور ان کو قتل کرنے کی نہی منسوخ ہوگئی، ہاں جن کتوں سے انتفاع جائز نہیں ان کی قیمت حرام ہے۔

کاہن لوگوں کو باطل باتیں بتا کر ان سے رشوت وصول کرتے ہیں، یہ حرام ہے، امام طحاوی نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین اشیاء حرام ہیں اور صحیح کی حدیث ایسی روایت ذکر کی۔ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۲۰-۴۲۱، جلد

پرنٹرز لاہور، باراول)

صحیح البخاری: ۵۳۴۶، کی شرح از شیوخ دیو بند

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بغی (باء کے فتحہ، غین کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ) بروزن فعیل، زانیہ کو کہتے ہیں، یہ صفت کا صیغہ ہے اور بِغاء سے مشتق ہے، جس کے معنی زنا کے آتے ہیں، مذکر اور مونث دونوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا وزن فعول ہے، اصل میں بَغُوئٌ تھا، واؤ کو یاء سے بدل دیا اور یاء کی مناسبت سے غین کو کسرہ دے کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۷، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱)

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ درحقیقت نکاح فاسد میں مہر کا مسئلہ بیان فرمانا چاہتے ہیں، لیکن نکاح فاسد کے سلسلہ میں چونکہ ان کے پاس کوئی روایت موجود نہیں ہے، اس لیے انہوں نے مَہرِ بغی کی روایت سے استدلال کیا ہے اور ترجمہ میں ''مہر بغی'' کا اضافہ کر دیا ہے چونکہ نکاح فاسد میں جو وطی ہوتی ہے وہ بھی ایک قسم کا بغاء اور زنا ہے۔

نکاح فاسد کی کئی صورتیں ہیں مثلاً: گواہوں کے بغیر نکاح، زمانۂ عدت میں نکاح، نکاح موقت، یہ نکاح فاسد کی صورتیں ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱)

مُحرمه: (میم کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ) ای امراۃ محرمة علیه، مُستملی کی روایت میں مَحرمة (میم کے فتحہ، حاء کے سکون اور راء کے فتحہ کے ساتھ) ای ذا محرمة یعنی ذی رحم محرم خاتون۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی ذی رحم محرم خاتون کے ساتھ نکاح کر لیا اور اس کو معلوم نہیں تھا تو معلوم ہونے کے بعد دونوں کے درمیان تفریق اور جدائی کر دی جائے گی۔

اب رہا یہ کہ اس عورت کو کچھ ملے گا یا نہیں تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں، ایک قول تو یہ ہے کہ اس کو صداق مسمّی ملے گا یعنی نکاح میں جو مہر طے ہو گیا تھا وہی اس کو ملے گا۔ ''ولها ما اخذت'' سے یہی مراد ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو مہر مثل ملے گا ''لها صداقها'' یعنی ''صداق مثلها''، یہی دونوں قول جمہور کی طرف منسوب ہیں، بعضوں نے کہا: صداق مسمّی ملے گا اور بعض فرماتے ہیں: مہر مثل ملے گا، ابن بطال نے اس کو اکثر علماء کا قول قرار دیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۸)

محرم سے نکاح کرنے والے کا حکم

یہ صورت تو اس وقت ہے جب کسی آدمی نے بے خبری میں کسی محرمہ سے نکاح کر لیا ہو، لیکن اگر کسی نے دیدہ و دانستہ اس شنیع حرکت کا ارتکاب کیا تو ایسے شخص کے حکم میں اختلافِ فقہاء ہے:

(۱) امام مالک، امام شافعی، حضرت حسن بصری اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ایسے شخص پر حدِ زنا جاری کی جائے گی۔ (المحلی لابن حزم، کتاب الحدود، حکم القتل فیمن اعرس بامراۃ ابیہ، ج ۱۲ ص ۲۰۰)

(۲) امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق کے نزدیک ذی رحم محرم خاتون سے شادی کرنے والے کو قتل کیا جائے گا اور اس کا مال ضبط کر لیا جائے گا۔ (بذل المجہود، کتاب الحدود، باب فی الرجل یزنی بحریمہ ج ۱۷ ص ۴۲۳)

(۳) ابن حزم ظاہری کے نزدیک باپ کی بیوی سے نکاح کرنے والے کو توقتل کیا جائے گا لیکن باقی محارم سے نکاح کرنے والے پر حدزنا جاری کی جائے گی۔ (المحلی لابن حزم ج ۱۲ ص ۲۰۴)

(۴) امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری کے نزدیک اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی بلکہ تعزیراً اس کو سزا دی جائے گی۔ (بذل المجہود ص ۱۷ اص ۴۲۳)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''الحدود تندری بالشبهات'' حدود کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ وہ شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور یہاں شبہۃ العقد ہے اس لیے حد شرعی جاری نہیں کی جائے گی، البتہ سخت سزا دی جائے گی۔ (بذل المجہود ج ۱۲ ص ۴۲۲)

شیخ سلیم اللہ خان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: کہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جس مرد نے کسی ایسی عورت سے عمداً نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا، تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی، صرف تعزیر ہوگی، اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس پر حد لازم ہوگی، امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے جو اس نکاحِ حرام میں عقد کیا تھا تو وہ عقد اس شبہ کو پیدا کرتا ہے کہ شاید اس عقد کی وجہ سے وہ نکاح حلال ہو، اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، جیسا کہ محرمات کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے لیکن اگر کوئی مرد اپنی ماں یا بہن سے عقدِ نکاح کر لے اور اس کو یہ شبہ ہو کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی اور بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز تھا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ محرمات کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز ہے، ہر چند کہ یہ شبہ باطل ہے لیکن شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، لہٰذا اس صورت میں بھی حد ساقط ہو جائے گی اور صرف تعزیر لازم ہوگی۔ سعیدی غفرلہٗ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سنن ابی داؤد کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میرے اپنے چچا (ابو بردہ بن نیار) سے ملاقات ہوئی، ان کے پاس جھنڈا تھا، میں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے تو وہ کہنے لگے: ''بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی رجل نکح امراة ابیه فامرنی ان اضرب عنقه و آخذ ماله'' (سنن ابوداؤد، کتاب الحدود ج ۴ ص ۴۵۵، رقم الحدیث: ۴۴۵۷)

حافظ ابن حجر نے ''الاصابۃ'' میں فرمایا کہ نکاح کرنے والے اس شخص کا نام منظور بن زبان اور عورت کا نام ملیکہ بنت خارجہ تھا، لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ منظور بن زبان تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہا جب کہ حدیث میں ہے کہ مذکورہ شخص کی گردن مارنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ (تعلیقات بذل المجہود ج ۱۲ ص ۴۲۲)

بہر حال اس روایت سے استدلال کر کے امام احمد فرماتے ہیں کہ ذی رحم محرم سے نکاح کرنے والے کو قتل کیا جائے گا۔

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے قتل کے اس حکم کو مورِدِ حدیث کے ساتھ خاص کر دیا ہے کہ امراة الاب سے نکاح کرنے کی صورت میں تو قتل کیا جائے گا لیکن دوسری محارم میں قتل نہیں بلکہ حدزنا جاری کی جائے گی۔ (المحلی لابن حزم ج ۱۲ ص ۲۰۵)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ ''القول الجازم فی سقوط الحد بنکاح المحارم'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے اور حضرات حنفیہ کے مسلک کو اس میں مدلل بیان کیا ہے۔

باب کی پہلی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، کاہن کی اجرت اور زنا کار عورت کی کمائی کے کھانے سے منع فرمایا۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں "باب ثمن الکلب" کے تحت گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱)

کتا فروخت کر کے اس کی قیمت لینا حضرت حسن بصری، امام شافعی، امام احمد کے نزدیک حرام ہے۔

حدیث باب ان حضرات کا مستدل ہے۔

ابراہیم نخعی، سحنون مالکی اور حضرات حنفیہ کے نزدیک ثمن الکلب جائز ہے۔ حدیث میں جو نہی وارد ہے یہ ان حضرات کے نزدیک منسوخ ہو چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱)

دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واشمۃ (گودنے والی) اور مستوشمۃ (گدوانے والی) پر اور سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے اور کتے کی قیمت اور زنا کار کی کمائی سے منع فرمایا ہے اور تصویر بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔

یہ حدیث بھی کتاب البیوع میں باب ثمن الکلب کے تحت گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۲۱)

تیسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب اماء (باندیوں کی کمائی) سے منع فرمایا، یعنی لونڈیوں نے زنا کر کے جو رقم حاصل کی ہو اس سے منع فرمایا۔ یہ حدیث بھی کتاب البیوع کے آخر میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۲۱)

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۵۹۳-۵۹۶، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۵۳۴۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَآكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَنَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الْبَغِيِّ وَلَعَنَ الْمُصَوِّرِينَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عون بن ابی جُحیفہ نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "الواشمہ" (گودنے والی) اور "المستوشمہ" (گودوانے والی) اور سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے اور کتے کی قیمت سے اور طوائف کی کمائی سے منع فرمایا اور تصویر بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸۶، ۲۲۳۸، ۵۳۴۷، ۵۹۴۵، ۵۹۶۲، صحیح مسلم: ۱۵۹۷، سنن ترمذی: ۱۲۰۶، سنن نسائی: ۲۴۱۶، سنن ابوداؤد: ۳۴۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۷، مسند احمد: ۱۸۲۸۱، سنن دارمی: ۲۵۳۵)

صحیح البخاری: ۵۳۴۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند کے تیسرے راوی ہیں عون بن ابی جُحیفہ، اس اسم میں جیم پر پیش ہے اور ان کا نام ہے وہب بن عبد اللہ السوائی، انہوں نے کوفہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں مکان بنالیا تھا۔

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔ اور کتے کی قیمت کے متعلق اس سے پہلے باب میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس حدیث میں ''الواشمہ'' کا لفظ ہے، یہ الوشم سے ماخوذ ہے، اردو میں الوشم کو گودنا کہتے ہیں، اس کا معنی ہے: سوئی سے کھال میں سوراخ کرنا، پھر ان سوراخوں میں سرمہ یا نیل بھر دیا جاتا ہے، (کبھی ان سوراخوں کے ذریعہ گودوانے والے کا نام لکھا جاتا ہے اور کبھی کوئی شخص اپنی کلائی پر اپنے محبوب یا کسی عزیز دوست کا نام لکھ دیتا ہے اور کبھی کسی جانور کی تصویر بنائی جاتی ہے سعیدی غفرلہ)

اور ''المستوشمہ'' کا معنی ہے: جو عورت کسی عورت سے اپنی کلائی پر یہ کام کراتی ہے۔

اس حدیث میں ''آکل الربوا'' اور ''موکل الربوا'' کا ذکر ہے، ''آکل الربوا'' کا معنی ہے سود کھانے والا اور ''موکل الربوا'' کا معنی ہے سود کھلانے والا۔ ان دونوں کو گناہ میں مساوی قرار دیا گیا ہے، اگرچہ ایک میں فائدہ ہے اور دوسرے میں نقصان ہے، یعنی سود کھانے میں فائدہ ہے اور سود کھلانے میں نقصان ہے، اس لیے کہ یہ دونوں فعل حرام ہیں اور دونوں گناہ میں شریک ہیں اور ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کا اضافہ، سود کھانے والے اور سود کھلانے والے کی مذمت کی توجیہ

ہمارے زمانہ میں سود کا کاروبار بہت عام ہے، اور بعض نام نہاد ترقی پسند لوگ کہتے ہیں کہ زمانۂ اسلام میں سود کی ممانعت اور حرمت اس وجہ سے تھی کہ سود کے ذریعہ غریبوں کا استحصال ہوتا تھا، کوئی غریب شخص اپنی کسی مجبوری میں کسی امیر شخص سے قرض لیتا تو وہ اس سے کہتا کہ اگر تم نے مثلاً ایک ماہ کے بعد میری رقم واپس نہیں کی تو تم کو اس پر اتنا زیادہ سود ادا کرنا ہوگا، یعنی اصل رقم سے زائد دینی ہوگی، پھر اگر ایک ماہ کے بعد وہ اصل رقم اور سود کو ادا نہ کر سکے تو اس مجموعی رقم کے اوپر مزید سود لگا دیا جاتا ہے اور یوں ہر مہینے سود در سود کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور وہ غریب شخص قرض میں بال بال ڈوب جاتا ہے، کبھی ایسا ہوتا کہ ادائیگی کی مدت ایک ماہ کی بجائے ایک سال ہوتی، لیکن اس صورت میں بھی غریب قرض میں بال بال ڈوب جاتا اور امیر کو بغیر کسی محنت کے اور بغیر کسی ذہنی مشقت کے اپنے سرمایہ کو بڑھانے کا موقع ملتا اور یوں امیر امیر تر ہو جاتا اور غریب غریب تر ہو جاتا تو اس وجہ سے اسلام میں سود کی ممانعت کر دی اور سود کو حرام قرار دے دیا، لیکن اس زمانہ میں ایسا نہیں ہے، اس زمانہ میں لوگ کاروبار کرنے کے لیے بینک سے قرض لیتے ہیں اور ان کو جو قرض حاصل ہوتا ہے اس سے وہ تجارت کرتے ہیں اور کارخانے بناتے ہیں، ملز اور فیکٹریاں بناتے ہیں اور پھر اس میں ان کو بے اندازہ نفع حاصل ہوتا ہے اور سال کے بعد وہ بینک کو چھ فیصد مارک اپ ادا کر دیتے ہیں، تو اب ایسا نہیں ہے کہ سود کی وجہ سے غریبوں کا استحصال ہوتا ہو بلکہ سود کی وجہ سے معیشت میں ترقی ہوتی ہے، جب فیکٹریاں بنتی ہیں اور کارخانے قائم ہوتے ہیں تو لوگوں کو روزگار کے مواقع حاصل ہوتے ہیں، اس لیے اس زمانہ میں سود کو جائز قرار دینا چاہیے۔

ہم کہتے ہیں کہ اول تو جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کو اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرنا چاہیے، جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا ہے تو خواہ معیشت میں ترقی ہو یا نہ ہو سود سے اجتناب کرنا لازم ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ کاروبار اور تجارت میں اضافہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سود سے رقم حاصل کی جائے، بلکہ اسلام نے اس کا متبادل حل یہ پیش کیا ہے کہ مضاربت کی بنیاد پر ایک فریق رقم مہیا کرے اور دوسرا فریق کاروبار کرے اور ایک مدت خواہ وہ ایک سال ہو کے بعد جو نفع حاصل ہو اس میں رقم لگانے والے اور کاروبار کرنے والے دونوں کو پہلے سے طے شدہ اصول کے مطابق منافع تقسیم کر دیا جائے، اس صورت میں کاروبار کرنے والے کو مضارب کہا جائے گا اور رقم لگانے والے کو رب المال کہا جائے گا، خواہ وہ رب المال بینک ہو یا کوئی اور ادارہ ہو اور

آج ہمارے ملک میں بلکہ پوری اسلامی دنیا میں مُضاربت کی بنیاد پر اسلامی بینکنگ ہو رہی ہے، لہٰذا یہ عذر صحیح نہیں ہے کہ اگر سود کو ختم کر دیا جائے تو کاروبار اور معیشت تباہ ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں سود کھلانے والے پر بھی لعنت فرمائی گئی ہے، بعض لوگ بینک سے سود لیتے ہیں اور وہ سودی رقم غریبوں اور ضرورت مندوں کو دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو سود نہیں کھاتے، ہم لوگوں کو کھلا دیتے ہیں، ظاہر ہے یہ بھی ناجائز ہے، اگر آپ نے غریبوں کی مدد کرنی ہے تو آپ سود کی حرام رقم سے غریب کی مدد کیوں کرتے ہیں، آپ اپنی حلال کمائی سے اور جائز آمدنی سے غریبوں کی مدد کریں اور لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم بینک سے سود نہیں لیں گے تو بینک والے وہ سود کی رقم عیسائی مشنریوں کو دے دیں گے اور عیسائی مشنریاں اس رقم کو اسلام کے خلاف تبلیغ پر خرچ کریں گے، تو ہم اس کا سدِ باب اور سدِ ذرائع کرنے کے لیے بینک سے سود لے کر غریبوں کو دے دیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ دلیل بھی غلط ہے، کیونکہ بینک کے پاس جو سود کی رقم ہے اس کا بینک مالک ہے، وہ جو چاہے اس رقم کا کرے، آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا، آپ سے یہ سوال کیا جائے گا کہ جب سود لینا منع تھا تو آپ نے بینک سے سود کیوں لیا اور جب سود کی رقم کھلانا ممنوع تھا تو آپ نے سود کی رقم غریبوں کو کیوں کھلائی؟ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے مالِ حرام سے صدقہ کیا اور ثواب کی توقع رکھی تو وہ کافر ہو گیا اور اگر لینے والے نے دینے والے کو دعا دی تو وہ بھی کافر ہو گیا، کیونکہ مالِ حرام سے صدقہ کرنا جب کہ اس کی حرمت قطعی ہو جیسے سود کی حرمت قطعی ہے، اس حرام کو حلال کرنے کے مترادف ہے، اسی طرح جب لینے والا سود کی رقم لے کر دینے والے کو دعا دے گا تو وہ بھی اس حرام کو حلال کرنے کے مترادف ہے، اور حرامِ قطعی کو حلال قرار دینا کفر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ مالِ حرام سے کسی صدقہ کو قبول نہیں فرماتا، اور نہ مالِ حرام سے کسی عبادت کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ (البقرہ: ۲۶۷)

اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے پاک چیزوں کو خرچ کرو، اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

حلال کمائی کی مدح

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے اچھا کسب (کمائی) کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: جائز تجارت اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا۔

امام عبد بن حمید نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، حضرت عائشہ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اپنی پاکیزہ کمائی سے کھاؤ، اور تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی ہے، تمہاری اولاد اور ان کے اموال تمہاری ملکیت ہیں۔

امام احمد، امام عبد بن حمید، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے عمدہ کھانا وہ ہے جس کو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور انسان کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔

حرام مال سے صدقہ کرنے کا وبال

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس کی کمائی حرام ہے اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی حلال کمائی سے حج کے لیے جاتا ہے اور سواری پر بیٹھ کر ندا کرتا ہے ''اللھم لبیك'' تو آسمان سے فرشتہ ندا کرتا ہے ''لبیك وسعدیك'' تمہارا زادِ راہ حلال ہے اور تمہاری سواری حلال ہے، تمہارا حج مبرور ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور جب کوئی شخص حرام کمائی سے حج کے لیے جاتا ہے اور سواری پر بیٹھتا ہے اور ''لبیك اللھم لبیك'' کہتا ہے تو آسمان سے فرشتہ ندا کرتا ہے: تمہارا ''لبیك'' کہنا مقبول نہیں، تمہارا سفر خرچ حرام ہے، تمہارا حج غیر مبرور ہے اور مقبول نہیں ہے۔

امام اصبہانی نے ''الترغیب'' میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے حرام مال سے حج کیا اور ''لبیك اللھم لبیك'' کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمہارا ''لبیك'' کہنا مردود ہے، تمہارا حج مردود ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۴۷، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی، ایران)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کرتا اور چوری کے مال سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔ (جامع ترمذی ص ۲۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اگر کسی شخص کے پاس ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال ہو اور اب اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مال اصل مالکوں کو واپس کر دے، اگر وہ فوت ہو چکے ہوں تو ان کے وارثوں کو واپس کر دے، اور اگر ان کا پتا نہ چلے تو اس مال کو ان مالکوں کی طرف سے صدقہ کر دے اور یہ بہر حال جائز نہیں ہے کہ وہ مال حرام سے زکوٰۃ ادا کرے، صدقات و خیرات اور حج و عمرہ کرے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی فقیر کو مالِ حرام سے کوئی چیز دی اور اس میں ثواب کی امید رکھی تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اس کو مالِ حرام سے دیا ہے اور اس نے دینے والے کو دعا دی اور دینے والے نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے، لیکن تکفیر اس وقت ہوگی جب اس مال حرام کی حرمت قطعی ہو مثلاً سود، یا خمر اور زنا کی آمدنی۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ہمارے زمانہ میں لوگ اسمگلنگ کر کے سرمایہ جمع کرتے ہیں، رشوت کے ذریعہ سرمایہ جمع کرتے ہیں، سود کے ذریعہ اور ناجائز لوٹ کھسوٹ کے ذریعہ سرمایہ جمع کرتے ہیں اور متعدد ناجائز طریقوں سے سرمایہ جمع کرتے ہیں، پھر اس سرمایہ سے حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خیرات و صدقات کرتے ہیں، ان کو اس مذکور تفصیل پر غور کرنا چاہیے اور اپنے طریقہ کار کو اسلامی طریقہ کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ وما علینا الا البلاغ۔ سعیدی غفرلہ

تصویر بنانے والوں کی تحقیق

اس حدیث میں مصورین پر بھی لعنت فرمائی گئی ہے، بعض ترقی پسند علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ تصویریں ہیں جو ہاتھ سے کسی کپڑے یا کاغذ پر بنائی جاتی تھیں، جیسے پینٹنگ کے ذریعہ تصویریں بنائی جاتی ہیں، اور کیمرہ کے ذریعہ جو تصویر کھینچی جائے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، لیکن ان کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث کے اندر تصویر بنانے والے کی حرمت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ تصویر بنانے والا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت کرتا ہے تو اگر کیمرہ کے ساتھ تصویر بنائی جائے خواہ وہ عام کیمرہ ہو یا ویڈیو کیمرہ ہو تو اس سے جو تصویر حاصل ہوگی تو بہر حال وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے مشابہ ہوگی، اس لیے وہ بھی ممانعت اور حرمت میں داخل ہے، تاہم ضرورت کی بناء پر بقدرِ ضرورت کسی حرام کام کے ارتکاب کی گنجائش ہوتی ہے جیسے مردار، خنزیر اور شراب حرام ہے، لیکن اگر کوئی آدمی مر رہا ہو اور اس کو کوئی حلال چیز کھانے کے لیے میسر نہ ہو تو اس کے لیے اتنی مقدار میں حرام چیز کو کھانا جائز ہے جس سے اس کی جان بچ جائے، اسی اصول کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اگر چہ تصاویر بنانا ممنوع ہے لیکن اس زمانہ میں بعض معاشی ضروریات، کاروباری ضروریات، تعلیمی ضروریات کی وجہ سے تصویر بنانے کی اجازت دی جائے گی، مثلاً شناختی کارڈ بنانا ضروری ہے، اگر شناختی کارڈ نہ بنایا جائے تو آدمی بینک کے اندر اپنا اکاؤنٹ نہیں کھول سکتا، اگر شناختی کارڈ نہ ہو تو آدمی حج یا عمرہ کے لیے سفر نہیں کر سکتا، اگر شناختی کارڈ نہ ہو تو راستہ میں اس کو پولیس تنگ کرتی ہے، اسی طرح ڈرائیونگ لائسنس کے لیے بھی تصویر کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح اسکول اور کالج کے اندر داخلہ کے لیے اور امتحانات کے لیے بھی آئیڈنٹی کارڈ پر تصویر ضروری ہے، اور یہ سب قانونی ضروریات ہیں، اور کوئی آدمی اس زمانہ میں تصویر کے بغیر نہ تعلیم حاصل کر سکتا ہے، نہ کاروبار کر سکتا ہے، نہ سفر کر سکتا ہے، تاہم یہ تصویر اتنی بنانی چاہیے جو پاسپورٹ سائز کی ہو اور پورے جسم کی تصویر نہیں ہونی چاہیے اور شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں اور پکنک وغیرہ میں جو لوگ تفریحاً تصویریں کھینچتے ہیں، ان کی کوئی معاشی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دینی مدارس کی سالانہ تقسیم اسناد کے جلسوں میں جو تصویریں بنائی جاتی ہیں، ان کی بھی کوئی معاشی ضرورت نہیں ہے، وہ محض تفریحاً بنائی جاتی ہیں یا شوقیہ بنائی جاتی ہیں، لہٰذا ان کی اجازت نہیں دی جائے گی، باقی جو ملکی قانون کی وجہ سے تصویر کھینچنا لازمی ہے، اس میں عام لوگ مسئول نہیں ہوں گے، اس میں مسئول حکومت ہوگی۔ سعیدی غفرلہ

صحیح البخاری: ۵۳۴۷ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''واشمه'' وشم سے ہے وہ یہ ہے کہ سوئی کے ساتھ جلد کو چیرا جاتا ہے، پھر اس میں سرمہ بھرا جاتا ہے، ''مستوشمه'' وہ عورت ہے جس کو اس کام کے لئے بلایا جاتا ہے، سود کھانے والے اور کھلانے والے میں اگر چہ ایک کو خسارہ ہوتا ہے لیکن وہ دونوں حرام فعل ہیں، ایک دوسرے کے معاون اور شریک ہیں۔ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۲۱، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

۵۳۴۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نَهَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں علی بن الجعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از

النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ کَسْبِ الْإِمَاءِ۔ محمد بن جُحادہ از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باندیوں کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۸۳، ۵۳۴۸، سنن ابوداؤد: ۳۴۲۵، مسند احمد: ۹۸۶۹، سنن دارمی: ۲۶۲۰)

شیخ وحیدالزمان اہل حدیث متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ نے کہا: اگر عمداً کوئی محرم عورت مثلاً ماں بہن بیٹی وغیرہ سے اس کو حرام جان کر نکاح کرے تو اس پر حد پڑے گی ائمہ ثلاثہ اور اہل حدیث کا یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ نے ایک عجیب بات کہی ہے کہ محرم عورت سے نکاح کرنے میں حد ساقط ہو جائے گی۔

(تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۸ نعمانی کتب خانہ لاہور جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحیدالزمان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ وحیدالزمان نے اس حدیث کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے اس کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس حدیث میں تو باندیوں کی کمائی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ محارم سے نکاح کرنا ممنوع ہے، رہا یہ کہ شیخ وحید الزمان نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی جو عبارت نقل کی ہے اور امام ابوحنیفہ پر جو اعتراض کیا ہے، اس کی تفصیل ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ نکاح کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ سعیدی غفرلہ

دوسرے اہل حدیث عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی نے بھی شیخ وحیدالزمان کی شرح من وعن نقل کر دی ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۹۶، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

شیخ میواتی کی اس شرح پر بھی وہی تبصرہ ہے جو ہم اس سے پہلے شیخ وحیدالزمان کی شرح پر کر چکے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۳۴۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ''مھر البغی'' کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں باندیوں کی کمائی کا ذکر ہے تو اس کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باندیوں کی کمائی سے مراد وہ ہے جو باندیاں زنا کرنے کے بعد اس کی اجرت لیتی ہیں تو یہ اجرت بھی ''مھر البغی'' میں داخل ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن جُحادہ (جیم پر پیش) کا ذکر ہے، اور اس حدیث کے ایک اور راوی ابوحازم ہیں ان کا نام سلیمان اشجعی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس باب کی مؤخر الذکر دو حدیثوں کی شرح نہیں لکھی، اسی طرح علامہ ابن بطال

مالکی نے بھی ان مؤخر الذکر حدیثوں کی شرح نہیں لکھی۔

اسی طرح علامہ کورانی نے بھی اس حدیث کی شرح میں صرف یہی لکھا ہے کہ ''علی بن الجعد'' میں جیم پر زبر ہے اور عین پر جزم ہے اور جُحادہ میں جیم پر پیش ہے اور حاء پر زبر ہے اور ان کا نام سلیمان انجعی ہے)۔
(الکوثر الجاری ج ۹ ص ۶۵، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۸ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسب اماء سے مراد یہ ہے کہ ان سے بدکاری کرا کر مال وصول کیا جائے، یہ حرام ہے اور یہ بدکار عورت کی کمائی میں داخل ہے۔
(تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۲۱، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

۵۲۔ بَابٌ: اَلْمَهْرُ لِلْمَدْخُولِ عَلَيْهَا وَكَيْفَ الدُّخُولُ أَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ وَالْمَسِيسِ

جس عورت سے دخول کیا ہو اس کے پورے مہر کا واجب ہونا، اور دخول سے کیا مراد ہے اور دخول اور مساس (یعنی عورت کو چھونا اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا) سے پہلے طلاق دینے کا کیا حکم ہے؟

شیخ وحید الزمان اہل حدیث متوفی ۱۳۲۸ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

جماع کرنا یا خلوت ہو جانا امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام اوزاعی اور اہل کوفہ کا مذہب ہے کہ جب عورت مرد میں خلوت ہو جائے دروازہ بند کرلیں پردہ ڈال لیں تو بس پورا مہر واجب ہو گیا، بشرطیکہ مرد عورت میں کوئی جماع کا مانع نہ ہو مثلاً بیماری یا روزہ یا حیض وغیرہ، اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ پورا مہر اسی وقت واجب ہوگا جب شوہر بیوی سے جماع کر لے۔
(تیسیر الباری شرح بخاری ج ۵ ص ۲۵۸ نعمانی کتب خانہ، جون ۱۹۹۰ء)

باب مذکور کے عنوان کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر صرف خلوت ہو اور جماع نہ ہو تو اس صورت میں مہر کے وجوب کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

یعنی اس باب میں عورت مدخول بہا کے مہر کا حکم بیان کیا گیا ہے، اور کیف الدخول کا مطلب یہ ہے کہ جب مرد نے دروازہ بند کر دیا اور عورت کے اوپر پردہ ڈال دیا تو اس پر مکمل مہر واجب ہو جائے گا اور اس عورت کے لیے عدت بھی ثابت ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ، اور حضرت عبد اللہ بن عمر متوفی ۷۳ھ، رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے۔ اور یہی فقہاء احناف کا قول ہے اور لیث اور الاوزاعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کے دوسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ مہر صرف مسیس سے یعنی جماع کرنے سے واجب ہوتا ہے، اور یہ قول حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ سے منقول ہے، اسی کے موافق شریح نے اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ کا قول ہے اور یہی امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا اور ابوثور کا مذہب ہے۔

امام بخاری نے کہا: ''او طلقها قبل الدخول والمسيس'' یعنی جب مرد نے دخول سے اور جماع سے پہلے عورت کو طلاق دے دی، امام بخاری نے دو لفظ کہے ہیں، دخول اور مسیس، اس میں دو مذہبوں کی طرف اشارہ ہے، ایک مذہب یہ ہے کہ خلوت پر کفایت کی جائے گی اور جماع کی ضرورت ہوگی، اور لفظ مسیس صرف نسفی کی روایت میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴-۱۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۴۹- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَجُلٌ قَذَفَ امْرَأَتَهُ فَقَالَ فَرَّقَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ بَيْنَ أَخَوَيْ بَنِي الْعَجْلَانِ وَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ فَأَبَيَا فَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ فَأَبَيَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا قَالَ أَيُّوبُ فَقَالَ لِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ فِي الْحَدِيثِ شَيْءٌ لَا أَرَاكَ تُحَدِّثُهُ قَالَ قَالَ الرَّجُلُ مَالِي قَالَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَقَدْ دَخَلْتَ بِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَهُوَ أَبْعَدُ مِنْكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن زرارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے خبر دی از ایوب از سعید بن جبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ نبی ﷺ نے بنو العجلان کے بھائیوں (یعنی دو فریقوں) کے درمیان تفریق کردی تھی، اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بے شک تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے، تو ان دونوں نے انکار کیا، تو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی۔ ایوب نے کہا: پس مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا: اس حدیث میں کوئی چیز ہے اور میرا گمان ہے کہ تم نے اس کو بیان نہیں کیا، انہوں نے بیان کیا کہ مرد نے کہا: میرے مال کا کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے کوئی مال نہیں ہے اگر تم سچے ہو تو تم اس عورت کے ساتھ دخول کر چکے ہو اور اگر تم جھوٹے ہو تو پھر تم اس سے زیادہ بعید ہو۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۱، ۵۳۱۲، ۵۳۴۹، ۵۳۵۰، صحیح مسلم: ۱۴۹۳، سنن نسائی: ۳۴۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۸، مسند احمد: ۴۴۶۳)

علامہ عینی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ''صداق الملاعنه'' کے باب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح ہو چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۴۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دخول اور خلوتِ صحیحہ میں فقہاء اسلام کے اقوال

جس مرد نے اپنی بیوی کے اوپر دروازہ کو بند کر دیا اور عورت کے اوپر پردہ ڈال دیا تو عورت کے لیے مہر واجب ہو گیا اور عورت پر عدت بھی ثابت ہو گئی، فقہاء میں سے اللیث، الاوزاعی اور فقہاء احناف اور امام احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے اور حضرت عمر اور حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ خلوتِ صحیحہ سے مکمل مہر واجب ہو جاتا ہے، خواہ مرد نے بیوی سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو، سوا اس کے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مریض ہو یا روزہ دار ہو یا محرم ہو یا عورت حائض ہو تو اس صورت میں اس پر عدت ہوگی اور احناف کی دلیل یہ ہے کہ غالب یہ ہے کہ جب دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور عورت پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے تو جماع واقع ہو جاتا ہے تو یہ فعل جماع کے قائم مقام ہے، کیونکہ لوگوں کی فطرت ہے کہ اس حالت میں جماع کرنے سے صبر نہیں کرتے کیونکہ ان پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور جماع کے محرک بہت ہوتے ہیں۔ اور امام شافعی اور فقہاء کی دوسری جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مہر اس وقت واجب ہوتا ہے جب بیوی کے ساتھ جماع کر لیا جائے اور ان کا استدلال قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ خلوتِ صحیحہ سے مہر واجب نہیں ہوتا، صرف جماع سے مہر واجب ہوتا ہے، اس آیت میں جو فرمایا ہے "اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی" تو یہ قرآن کے اسلوب کے مطابق جماع سے کنایہ ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

البقرہ: ۲۳۷ کی تفسیر از مصنف

غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کی ادائیگی کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عورت کی عدت کے مفصل احکام بیان فرمائے تھے اور اس کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ مردوں کے حقوق عورتوں سے زیادہ ہیں اور عدت طلاق ہو یا عدت وفات اس کے نتیجے میں عورت کے مہر کی ادائیگی مرد پر

واجب ہو جاتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مہر کے بعض احکام بیان فرمائے، جس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جس کا نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں کیا گیا اور دوسری وہ ہے جس کا نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا ہو، اول الذکر کو شوہر اپنی حیثیت کے مطابق کچھ استعمال کی چیزیں دے دے اور ثانی الذکر کو نصف مہر ادا کرنا لازم ہے الا یہ کہ عورت نصف مہر سے کچھ رقم معاف کر دے یا شوہر نصف مہر سے زائد ادا کرے اور شوہر کا نصف مہر سے زائد ادا کرنا مکارمِ اخلاق کے زیادہ قریب ہے۔ غیر مدخولہ کو استعمال کی کچھ چیزیں یا نصف مہر ادا کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ مباشرت سے پہلے فوراً اس کو طلاق دینے سے اس کے مستقبل پر برا اثر پڑے گا اور اس قدر جلد طلاق ہونے سے چہ میگوئیاں ہوں گی اور اس کے لیے جو نکاح کے مزید پیغام آنے ہیں ان میں کمی ہوگی تو اس کی اشک شوئی اور تلافی کے لیے اس کے واسطے نصف مہر کو لازم کیا گیا ہے، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نکاح سے پہلے مہر کو مقرر نہ کیا جائے تو نکاح پھر بھی صحیح ہے، تاہم اس صورت میں مہر مثل ادا کرنا لازم ہوتا ہے یعنی اس جیسی لڑکی یا اس لڑکے کے خاندان میں جتنے مہر کو مقرر کرنے کا رواج ہو اتنا مہر ادا کیا جائے۔

(تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۵۰-۸۵۱، فرید بک اسٹال لاہور)

صحیح البخاری: ۵۳۴۹، کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلوتِ صحیحہ کی وجہ سے مہر اور عدت کے وجوب میں فقہاءِ اسلام کا اختلاف

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: جب شوہر نے دروازہ بند کر دیا اور اپنے بیوی کے اوپر پردہ ڈال دیا تو اس کا مہر اور اس کی عدت واجب ہو گئی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ ھ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ کا یہی مذہب ہے اور یہی فقہاءِ احناف، ثوری، لیث، الاوزاعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ کا مذہب ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ سے فرمایا جنہوں نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور پھر مہر کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو تم اس کے ساتھ دخول کر چکے ہو''، فقہاء نے کہا ہے: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ دخول کو جماع کی دلیل قرار دیا ہے اگرچہ کبھی دخول کے ساتھ جماع نہیں ہوتا لیکن چونکہ اکثر دخول کے ساتھ جماع ہو جاتا ہے، لہٰذا دخول کو جماع پر محمول فرمایا اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں عورتوں کی شہوت مرکوب رکھی ہے۔

فقہاءِ احناف کے دلائل

فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ خلوتِ صحیحہ کے ساتھ طلاق کے بعد پورا مہر واجب ہوتا ہے خواہ اس نے اپنی بیوی سے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو، خواہ اس کی بیوی نے مباشرت کا دعویٰ کیا ہو یا نہ کیا ہو، سوا اس صورت کے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مُحرِم نہ ہو، یا مریض ہو یا روزہ دار ہو یا عورت حائضہ ہو، پس اگر خلوت اس حال میں ہو پھر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے اوپر صرف نصف مہر واجب ہوگا اور اس کی بیوی پر ان کے نزدیک عدت بھی ہوگی ان تمام صورتوں میں۔

دوسرے فقہاء کے دلائل

دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ مہر صرف مسیس (یعنی جماع سے) واجب ہوتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ سے اسی طرح مروی ہے، اور یہی قاضی شریح بن ھانی متوفی ۷۸ ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ ھ اور ابن سیرین کا مذہب ہے اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ ھ اور ابو ثور کا بھی یہی مذہب ہے اور ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ (الاحزاب: ۴۹)

پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو۔

الاحزاب: ۴۹ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں بیوی کو ہاتھ نہ لگانے کا ذکر ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک خلوت صحیحہ بیوی کو ہاتھ لگانے (عمل زوجیت) کے قائم مقام ہے اور خلوتِ صحیحہ کی تعریف یہ ہے کہ خاوند کی بیوی کے ساتھ خلوت میں عمل زوجیت سے کوئی شرعی مانع نہ ہو مثلاً دونوں میں سے کسی نے احرام باندھا ہو، یا کسی کا روزہ ہو یا بیوی کو حیض ہو اور نہ کوئی حسی مانع ہو مثلاً بیوی کو ایسی بیماری ہو جو اس عمل سے مانع ہو، اور نہ کوئی عقلی مانع ہو مثلاً وہاں کوئی ایسا شخص ہو جس کی وجہ سے خاوند اس عمل سے حیاء کرے، اگر اس طریقہ سے خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہو، پھر خاوند نے اس عمل سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو خاوند پر مکمل مہر واجب ہوگا اور اس عورت پر احتیاطاً عدت واجب ہوگی اور اگر اس طرح خلوت نہ ہوئی ہو اور نہ خاوند نے عمل تزویج کیا ہو تو اس پر نصف مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۶۴۷)۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ عورت طلاق کی وجہ سے جماع سے پہلے نصف مہر کی مستحق ہوگی اور جماع کی وجہ سے اس پر عدت واجب ہوگی اور بغیر جماع کے خلوت معروف نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے شخص یعنی حضرت عُویمر العجلانی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا کہ اگر تو سچا ہے تو تو نے جو اپنی بیوی کی فرج کو حلال قرار دیا تھا، اس وجہ سے تو

اپنے مہر کو وصول کر چکا ہے، اس حدیث کو امام بخاری نے متلاعنین کے باب میں ذکر کیا ہے۔

صورتِ مذکورہ میں تیسرا قول

سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ نے کہا ہے: جب کسی مرد نے اپنے گھر میں عورت کے ساتھ دخول کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور جب عورت نے مرد کے گھر میں دخول کیا تب بھی اس کی تصدیق کی جائے گی اور یہی امام مالک کا قول ہے اور امام مالک کے اصحاب نے اس پر یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کے دعویٰ کی خاوند کے گھر میں تصدیق کی جائے گی کیونکہ گھر مرد کا گھر ہے جو شب باشی کے لیے بنایا گیا ہے اور مرد پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اس گھر میں رکھے، پس لوگوں نے اس عورت کو مرد کے گھر میں داخل کر دیا اور یہ اس کے گھر میں بسانے کے لیے ہے، اور یہ جو کہا ہے کہ عورت کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ مرد کے گھر میں داخل ہوئی، اس سے مراد یہ ہے کہ جب مرد نے عورت سے اس کے گھر میں ملاقات کی اس کے گھر والوں کے ساتھ یا تنہا اور اس کے ساتھ دخول نہیں کیا اور عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ مرد نے اس کو چھوا ہے یا اس کے ساتھ جماع کیا ہے اور مرد نے انکار کیا تو مرد کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ مرد مدعیٰ علیہ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ پر ثبوت پیش کرے ورنہ مدعیٰ علیہ کے انکار پر فیصلہ کیا جائے گا۔

بیوی کے لیے نصف مہر ثابت ہونے پر امام مالک کے دلائل

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ نے کہا ہے: پس جب مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا سو اس کو بوسہ دیا اور اس کے کپڑے اتارے اور دونوں اس پر متفق ہیں کہ مرد نے بیوی کے ساتھ جماع نہیں کیا تو بیوی کے لیے نصف مہر ہوگا، اگر زمانہ قریب میں یہ واقعہ ہوا اور اگر اس میں مدت طویل ہوگئی، پھر مرد نے بیوی کو طلاق دی تو پھر بیوی کے لیے مکمل مہر ہوگا اور اس پر دائماً عدت ثابت ہوگی۔ اس قول کو ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔

امام شافعی کی دلیل

اور علامہ ابن القصار نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ جب مرد نے عورت کے ساتھ دخول کیا پس، جب یہ کہا گیا کہ اس نے بیوی کے ساتھ وطی نہیں کی اور عورت کہتی ہے: اس نے میرے ساتھ وطی کی ہے تو پھر مرد کے قول کا اعتبار ہوگا، کیونکہ خلوت اس جماع کی غیر ہے جو مہر کو واجب کرتا ہے۔

فقہاءِ احناف کی دلیل

اور ابن عُلیہ نے از عوف از زُرارۃ بن اوفی سے روایت کی ہے کہ خلفاءِ راشدین مھدیین کا اسی پر عمل ہے کہ جس نے اپنا دروازہ بند کر دیا، یا پردہ ڈال دیا تو اس پر مہر واجب ہو جائے گا اور عدت بھی واجب ہو جائے گی اور اسی اثر کے ساتھ فقہاءِ احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ معلوم ہے عموماً پردہ اسی وقت ڈالا جاتا ہے جب مرد نے بیوی کے ساتھ وطی کی ہو، تو پردہ ڈالنا وطی سے کنایہ ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۱۸-۴۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کی حدیث مذکور کتاب اللعان میں گذر چکی ہے اور یہ درج ذیل کتب حدیث میں بھی مذکور ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۴۹۳، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۸، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۷۷)

یہ حدیث اس مسئلہ میں ظاہر ہے کہ مہر دخول کے ساتھ واجب ہوتا ہے اور دخول کا معنی یہ ہے کہ مرد کے آلہ کا سر عورت کی اندامِ نہانی میں داخل ہو جائے۔

دخول فی الفرج کے علاوہ دیگر صورتوں کے فقہی مسائل

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی مرد نے دبر میں وطی کی اور جب اس نے اپنی انگلی کی پور کو اپنی بیوی کی دبر میں داخل کر دیا تو علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ اس کے لیے پورا مہر ثابت ہوگا (ہمارے نزدیک یہ فعل مذموم ہے اور یہ جماع نہیں ہے بلکہ اس فعل پر وعید ہے اور اس سے مہر ثابت نہیں ہوگا۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور جس مرد کا آلہ کٹا ہوا ہو یا جو نامرد ہو اور جو اس کی مثل ہو اس میں بھی اختلاف ہے، پس مغیرہ نے کہا کہ جب مدت طویل ہو جائے تو عورت مہر کی مستحق ہوگی، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے لیے مہر کامل ہوگا، خواہ مدت طویل نہ ہو کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان عورتوں کا کیا قصور ہے جب کہ عجز تمہاری طرف سے آیا ہو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۸۷۳)

خلوتِ صحیحہ کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۳ھ، حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ کا قول یہ ہے کہ جب مرد نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور اپنی بیوی کے اوپر پردہ ڈال دیا تو اس پر مہر واجب ہو گیا اور عدت ثابت ہو گئی۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۲۸۵-۲۸۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۵۵)

اور یہی فقہاءِ احناف، ثوری، لیث اور اوزاعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۹۱، الاستذکار ج ۱۶ ص ۱۳۰-۱۳۳)

اور ان فقہاءِ کرام کی دلیل یہ ہے کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر العجلانی سے فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو تم اپنی بیوی کے ساتھ دخول کر چکے ہو''۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول کو جماع کی دلیل قرار دیا، ہر چند کہ بعض اوقات دخول کے باوجود جماع نہیں ہوتا لیکن چونکہ اکثر دخول کے ساتھ جماع ہو جاتا ہے، اس لیے آپ نے اس کو اکثر پر محمول کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں عورتوں کی شہوت کو رکھا ہوا ہے۔

فقہاءِ احناف کا مذہب

فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ خلوتِ صحیحہ کے ساتھ طلاق کے بعد مکمل مہر واجب ہو جاتا ہے، خواہ شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ وطی کی ہو یا وطی نہ کی ہو یا بیوی نے اس کے وطی کرنے کا دعویٰ کیا ہو یا نہ کیا ہو، سوا اس صورت کے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک محرم

ہو یا بیمار ہو یا روزہ دار ہو، یا عورت حائضہ ہو۔ پس اگر خلوت اس حال میں ہو اور پھر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس پر صرف نصف مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت ثابت ہوگی ان تمام صورتوں میں۔ (الاستذکار ج ۱۶ ص ۱۳۰-۱۳۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۵۹۱-۵۹۳، ملخصاً وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: اس کے بعد علامہ ابن ملقن نے وہی اقوال بیان کیے ہیں جن کو ہم علامہ ابن بطال کی شرح میں ذکر کر چکے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۳۴۹ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی متوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کو دخول سے پہلے طلاق دے دی جائے تو اس کے لیے نصف مہر واجب ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ نے خلوتِ صحیحہ کو وطی کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اور امام مالک نے کہا: اگر مرد بیوی کے پاس داخل ہوا اور مدت طویل گذر گئی تو اس پر مکمل مہر واجب ہوگا۔

پھر امام بخاری نے اس باب میں حضرت عُویمر کے لعان کی حدیث ذکر کی ہے، اور استدلال کا مقام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عُویمر سے اس وقت فرمایا جب انہوں نے اپنی بیوی کو دیے ہوئے مہر کا مطالبہ کیا، تو آپ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو تم اس کے ساتھ دخول کر چکے ہو، اور اس حدیث میں دخول کو مکمل مہر کا سبب قرار دیا گیا ہے اور اس میں ان فقہاء کا رد ہے جنہوں نے خلوت کو دخول کے ساتھ ملایا ہے اور اس دلیل پر اعتراض ہے، کیونکہ یہ اس حادثہ کا جواب ہے اور کسی اور امر کی وجہ سے یہ خلوتِ صحیحہ کے سبب سے مہر کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۹ ص ۶۵-۶۶، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دخول اور خلوت کے بعد مہر کے ثبوت اور مہر کے سقوط کی تفصیل

قاعدہ عامہ یہ ہے کہ جب دخول اور خلوت کے بعد تفریق ہو تو ہر حال میں مہر ثابت ہوتا ہے اور اس مہر کا ساقط کرنا ممکن نہیں ہے، لیکن فرض کیا جائے کہ عورت میں کوئی عیب ہے جس کا مرد کو کوئی علم نہیں تھا تو وہ دھوکہ کھانے کی وجہ سے اس مہر کی رقم کو واپس لے گا۔ اور جب دخول اور خلوت سے پہلے تفریق ہو تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا، اور اگر دخول کے بعد تفریق ہو تو اس کو نصف مہر ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے۔

دخول یا خلوت سے پہلے تفریق ہو تو عورت کو مکمل مہر ملے گا یا نصف مہر ملے گا؟

رہا یہ کہ جب تفریق دخول سے پہلے ہو یا خلوت سے پہلے ہو یا ان کے بعد ہو، اگر تفریق دخول اور خلوت سے پہلے ہو تو اس کی

تفصیل یہ ہے: اگر تفریق عورت کی جہت سے ہو تو اسے کچھ نہیں ملے گا، اور اگر تفریق مرد کی جہت سے ہو تو اس کو نصف مہر ملے گا الا یہ کہ عورتیں اپنا حق معاف کر دیں اور جب تفریق دخول کے بعد ہو یا خلوت کے بعد ہو تو عورت مکمل مہر کی مستحق ہوگی، کیونکہ مہر دخول کے ساتھ موکد ہو جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح موت کے سبب سے بھی، پس دو فریقوں میں سے اگر ایک فریق مر جائے خواہ دخول سے پہلے تو مکمل مہر ثابت ہوگا کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے اس مرد کے متعلق فیصلہ کیا جس نے ایک عورت سے عقد کیا اور پھر وہ فوت ہو گیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا کہ اس عورت کو وراثت بھی ملے گی اور مہر بھی ملے گا اور اس پر عدت بھی ہوگی، تو ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق جو ہماری ایک عورت تھی، اس کے متعلق ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا ہے، تو حضرت مسعود رضی اللہ عنہ اس سے خوش ہوئے۔

خلوتِ صحیحہ سے مہر کے وجوب کے متعلق فقہاءِ اسلام کی عبارات

لیث، اوزاعی اور فقہاء احناف اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ جس مرد نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور اپنی بیوی پر پردہ ڈال دیا تو اس کے لیے مہر واجب ہو جائے گا اور اس عورت پر عدت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا بھی یہی موقف ہے۔

اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ خلوتِ صحیحہ سے مکمل مہر واجب ہوتا ہے، خواہ مرد نے عورت کے ساتھ مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو، سوا اس صورت کے کہ دونوں میں سے کوئی ایک مریض ہو یا روزہ دار ہو یا مُحرم ہو، یا عورت حائضہ ہو تو اس کے لیے نصف مہر ہوگا اور اس پر مکمل عدت ہوگی اور ان کا استدلال اس سے ہے کہ غالب اور اکثر یہ ہے کہ جب دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور عورت پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے تو پھر جماع کا وقوع ہوتا ہے، تو گمانِ غالب یہ ہے کہ کمرہ بند کرنا اور عورت پر پردہ ڈالنا جماع سے کنایہ ہے، کیونکہ مردوں کی طبیعت میں یہ چیز رکھی گئی ہے کہ وہ جماع سے صبر نہیں کر سکتے کیونکہ ان پر شہوت غالب ہوتی ہے اور شہوت پورا کرنے کے محرکات بکثرت ہوتے ہیں۔

اور فقہاء شافعیہ اور دوسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ مکمل مہر صرف جماع سے واجب ہوتا ہے اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرۃ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور شریح ھانی ۷۸ھ اور عامر بن شراحیل ۱۰۳ھ سے بھی اس قسم کا اثر مروی ہے۔

اور اس باب کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت عُویمر نے لعان کے بعد یہ کہا کہ میرے دیئے ہوئے مال کا کیا ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مال اس کے عوض میں ہے جو تم نے اپنی بیوی کی فرج کو حلال کیا تھا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱۱۰-۱۱۱۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۹ کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ مدخول بہا کے لیے مہر واجب ہے، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ جو عورت مدخول بہا ہے، اس کے لیے مہر واجب ہے، اگر مہر مسمی ہے اور پہلے سے مقرر ہے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

وکیف الدخول:

دخول کی کیفیت اور اس کی حقیقت شرعیہ کی تفصیل میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے۔

حضرات حنفیہ، امام احمد اور ایک روایت میں امام مالک فرماتے ہیں کہ دخول حقیقت میں خلوت صحیحہ ہے، اگر عورت کے ساتھ مرد کی خلوت ہو جائے، اس طرح کہ کوئی شرعی یا حسی مانع موجود نہ ہو تو ایسی خلوت کو دخول قرار دیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دخول سے مراد جماع ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔
(فتح الباری ج۹ ص۶۱۹)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دخول شوہر کے گھر میں ہوا ہے تو وہاں عورت کا قول معتبر ہوگا یعنی اختلاف کی صورت میں شوہر کو بینہ اور گواہوں کے ذریعہ ثابت کرنا پڑے گا اور اگر ثابت نہ کر سکے تو عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

اور اگر بیوی کے گھر میں دخول ہوا ہے تو وہاں زوج کا قول معتبر ہوگا۔ یعنی اگر اختلاف ہو جائے تو عورت کو بینہ سے ثابت کرنا پڑے گا، نہیں تو مرد کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور بینہ سے ثابت کرنا کوئی مشکل بات نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں دخول سے مراد خلوت ہے اور اس کا علم لوگوں کو ہو جاتا ہے۔

او طلقها قبل الدخول والمسیس

یعنی اگر کسی آدمی نے دخول اور مسیس سے پہلے طلاق دے دی تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دخول کے بعد "مسیس" کا لفظ ذکر کیا ہے اور یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ دخول، مسیس، مس اور جماع ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دخول کے بعد مسیس کا لفظ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ امام شافعی کی تائید فرما رہے ہیں کیونکہ ان کے یہاں دخول جماع کے معنی میں ہے۔

باب کے تحت امام نے جو حدیث نقل فرمائی ہے، اس کے آخر میں ہے "ان کنت صادقا فقد دخلت بها" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدخول بہا مہر کی حق دار ہوتی ہے۔ (کشف الباری عمائی صحیح البخاری، کتاب الطلاق، ص۵۹۷-۵۹۸، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۵۳- بَابٌ: الْمُتْعَةِ لِلَّتِي لَمْ يُفْرَضْ لَهَا

جب عورت کا مہر مقرر نہ کیا ہو تو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کے لیے اسے کچھ چیزیں (کپڑے، زیور، یا نقد روپیہ) دینا

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

(البقرہ: ۲۳۶-۲۳۷)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے ○ اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے ○-

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

(البقرہ: ۲۴۱-۲۴۲)

اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے ○ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو ○

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاعنہ میں لعان والی عورت کو کچھ دینے کو واجب نہیں کیا، جب اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی۔

باب مذکور کی شرح از نواب وحید الزمان غیر مقلد

غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

مطلقہ عورت کو حسنِ سلوک کے لیے جو چیزیں دی جاتی ہیں، اس کو اصطلاح میں مُتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کہتے ہیں، اس کے متعلق حنفیہ اور عطاء اور شعبی اور نخعی کا یہ قول ہے کہ یہ مُتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) اس عورت کے لیے واجب ہے جس کا مہر مقرر نہ ہوا ہو، اور صحبت سے پہلے اس کو طلاق دے دی جائے، بعضوں نے کہا: کسی کے لیے متعہ واجب نہیں ہے، امام مالک سے یہی منقول ہے، امام بخاری کا میلان دوسرے قول کی طرف معلوم ہوتا ہے، یہ متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) مہر کے علاوہ ہے، اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، جتنا ہو سکے دے سکتے ہیں کم از کم تیس درہم کی مالیت دے اور نصف مہر سے زیادہ نہ دے، اور حسن بصری نے کہا کہ تیس درہم متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) میں دیے جائیں۔ (تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۵۹ نعمانی کتب خانہ لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کے ثبوت میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

یعنی یہ باب اس مطلقہ کے المتعہ کے حکم کے بیان میں ہے، جس کے ساتھ دخول نہ کیا گیا ہو اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔
المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) میں اختلاف ہے، فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہر مطلقہ کے لیے واجب ہے خواہ اس کے ساتھ دخول نہ کیا گیا ہو، اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے منقول ہے، اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کا بھی یہی قول ہے۔ اور فقہاءِ احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کے ساتھ مہر جمع نہیں ہوتا۔

اور حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ اور شریح بن ھانی متوفی ۷۸ھ اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔
اور فقہاءِ احناف نے کہا ہے: اگر مرد نے عورت کے ساتھ دخول کیا، پھر اس کو طلاق دے دی تو وہ اس کو المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) پیش کرے گا، اور اس پر جبر نہیں کیا جائے گا اور یہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور الاوزاعی کا قول ہے۔ مگر الاوزاعی نے کہا: اگر زوجین میں سے کوئی ایک غلام ہو تو پھر المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) واجب نہیں ہے۔ اور حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ امام شافعی سے بھی امام ابو حنیفہ کے قول کے مثل منقول ہے۔
اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: ہر مطلقہ عورت کے لیے المتعہ ہے، خواہ وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو۔ جب اس کو طلاق دے دی جائے اور اس کا مقرر شدہ مہر اس کو نہ دیا گیا ہو، اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دی اور یہی امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے روایت ہے کہ ہر مطلقہ عورت کے لیے مُتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہے، اور اسی کی مثل حسن بصری، سعید بن جُبیر اور ابوقلابہ سے منقول ہے۔
فقہاء کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کسی جگہ پر بھی واجب نہیں ہے، اور یہ ابنِ ابی لیلیٰ، ربیعہ، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور لیث اور ابن ابی اسامہ کا قول ہے۔
امام بخاری نے اس عنوان پر درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

امام بخاری کا اپنے موقف پر البقرہ ۲۳۶-۲۳۷، سے استدلال

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ (البقرہ:۲۳۶-۲۳۷)

موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

امام بخاری کے استدلال کی تقریر از علامہ عینی اور اس آیت کا شانِ نزول

امام بخاری کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے مُطلقاً مُتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) واجب ہے، اور یہ سعید بن جُبیرہ وغیرہ کا قول ہے اور امام محمد بن جریر طبری کا بھی یہی مختار ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے: ''متعوھن'' اس میں المُتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) دینے کا امر ہے، اور یہ اس کا معاوضہ ہے کہ جو شوہر سے فوت ہو گیا یارہ گیا وہ یہ معاوضہ اپنی حیثیت کے مطابق دے، جو خوش حال ہو وہ اپنی وسعت کے مطابق دے اور جو تنگدست ہو وہ اپنی گنجائش کے مطابق دے۔

یہ آیت انصار کے ایک مرد کے متعلق نازل ہوئی جس نے بنوحنیفہ کی ایک عورت سے نکاح کیا تھا اور اس کا مہر مقرر نہیں کیا تھا، پھر دخول سے پہلے اس کو طلاق دے دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو المُتعہ دو، خواہ ایک ٹوپی دو''۔

المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزوں) کے وجوب کے متعلق فقہاءِ احناف کا مذہب

اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ صرف اسی عورت کے لیے متعہ واجب ہے اور باقی مطلقات کے لیے مُتعہ مستحب ہے۔ نیز اس آیت میں فرمایا: ''متاعا'' یعنی شریعت میں یہ حسن سلوک کرنا مستحسن ہے، اور محسنین کے اوپر یہ واجب ہے کہ وہ مطلقات کے ساتھ حُسن سلوک کریں اور ان کو المُتعہ (یعنی کچھ چیزیں) دیں۔ اس کے بعد امام بخاری نے درج ذیل آیات پیش کیں:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ (البقرہ:۲۴۱-۲۴۲)

اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے O اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلِلْمُطَلَّقٰتِ''، امام بخاری نے اس آیت کے عموم سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر مطلقہ مطلقہ کے لیے متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) دینا واجب ہے، اور علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''المطلقات'' کا بہ طور عموم ذکر فرمایا ہے اور ان کے لیے المتعہ کو (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی

چند چیزیں) واجب قرار دیا ہے، جب کہ ان میں سے کسی ایک کے لیے متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کو دینا واجب ہے اور یہ وہ مطلقہ ہے جو غیر مدخول بھا ہو۔

البقرہ: ۲۴۱ کا البقرہ ۲۳۶ سے منسوخ ہونا اور اس پر یہ اشکال کہ پہلی آیت بعد والی آیت سے کیسے منسوخ ہوگئی اور اس کا علامہ زمخشری کی طرف سے جواب

اور البقرہ: ۲۴۱ میں فرمایا ''حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ''، اور البقرہ: ۲۳۶ میں فرمایا ''حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ''، اور یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O

اگر تم یہ سوال کرو کہ آیتِ متقدمہ آیتِ متاخرہ سے کیسے منسوخ ہوگئی تو میں کہوں گا: کبھی آیت تلاوت میں متقدم ہوتی ہے اور تنزیل میں متاخر ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تلاوت میں مقدم ہونے اور تنزیل میں مؤخر ہونے کی نظیر

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ (البقرہ: ۱۴۲)

عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلہ (بیت المقدس) سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ (پہلے) تھے، آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں۔

یہ آیت تلاوت میں مقدم ہے اور اس کے ساتھ دوسری آیت یہ ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۴۴)

بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف پھیر لو، اور بے شک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اللہ اس سے غافل نہیں ہے O

سو پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تحویلِ قبلہ کا حکم دیا گیا، اور جب تحویلِ قبلہ ہوگئی، اس پر یہودیوں نے اعتراض کیا، لیکن تلاوت میں یہودیوں کے اعتراض کا پہلے ذکر ہے اور تحویلِ قبلہ کا بعد میں ذکر ہے، تو اس طرح بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تلاوت میں ایک چیز کا

حکم پہلے ہوتا ہے اور اس کے متعلق آیت بعد میں نازل ہوتی ہے۔

المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزوں) کی مقدار کے متعین نہ ہونے اور اس کی مقدار کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

اور حافظ ابوعمر ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ قرآن مجید میں جس المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کا ذکر ہے اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، نہ اس کی کوئی حد متعین ہے۔ اور امام مالک بن انس سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو ان کو متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) میں ایک باندی پیش کی، اور ابن سیرین متعہ میں خادم کو اور نفقہ کو اور لباس کو پیش کرتے تھے، اور حسن بن علی اپنی بیوی کو دس ہزار درہم بہ طور متعہ دیتے تھے، تو ان کی بیوی نے کہا: یہ جدا ہونے والے دوست کی طرف سے متاعِ قلیل ہے۔ اور قاضی شریح پانچ سو درہم بطور متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) دیتے تھے اور اسود بن یزید تین سو درہم بہ طور متعہ دیتے تھے، اور عُروہ ایک خادم کو پیش کرتے تھے، اور قتادہ نے کہا: المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ایک چادر ہے ایک دوپٹہ ہے اور ایک قمیص ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور انہوں نے کہا: یہ متعہ ہر آزاد عورت کے لیے ہے یا باندی کے لیے ہے اور کتابیہ کے لیے ہے جو خاوند کی جہت سے ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے منقول ہے کہ المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) تیس درہم ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک باندی کو متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) میں دیتے تھے۔

احادیث لعان میں لعان شدہ عورت کے لیے المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزوں) کا ذکر نہ ہونے کی بحث

اس کے بعد امام بخاری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاعنہ میں متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کا ذکر نہیں کیا جب لعان والی عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس کلام سے یہ ارادہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لعان کے متعلق جو احادیث روایت کی گئی ہیں ان میں المتعہ کا ذکر نہیں ہے۔ اور گویا کہ امام بخاری نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس عورت سے لعان کیا گیا ہو اس کے لیے المتعہ ثابت نہیں ہوتا۔

علامہ محمد یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ثابت ہوتا ہے، اور جس عورت سے لعان کیا گیا ہو، وہ مطلقات میں داخل نہیں ہے، پھر انہوں نے کہا کہ امام بخاری نے جو "طلقها" کا لفظ کہا ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ لعان شدہ عورت بھی مطلقہ ہے، پھر علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا کہ نفسِ لعان سے فراق حاصل ہو جاتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: تمہارے لیے اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے۔ اور حضرت عویمر نے جو اپنی بیوی کو طلاق دی تھی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے طلاق نہیں دی تھی بلکہ

یہ کلام زائد ہے جو ان سے صادر ہوا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵-۱۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۵۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ حِسَابُكُمَا عَلَى اللهِ أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَالِي قَالَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ وَأَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از سعید بن جبیر از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ نبی ﷺ نے لعان کرنے والے دو فریقوں سے کہا: تمہارا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے، تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، اور مرد سے فرمایا: تمہاری اس عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے، تو اس مرد نے: کہا یا رسول اللہ! اور میرے مال کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تمہارے لیے کوئی مال نہیں ہے، اگر تم صادق ہو تو تم نے جو اپنی بیوی کی فرج کو حلال کیا ہے تو وہ مال اس کا معاوضہ ہے اور اگر تم جھوٹے ہو تو پھر تم زیادہ بعید ہو اور تمہارا مال اس عورت سے زیادہ بعید ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۱، ۵۳۱۲، ۵۳۴۹، ۵۳۵۰، صحیح مسلم: ۱۴۹۳، سنن نسائی: ۳۴۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۸، مسند احمد: ۴۴۶۳)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث عنقریب گزر چکی ہے، امام بخاری نے اس حدیث کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ نے اس عورت کے لیے المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کا ذکر نہیں کیا جس کے ساتھ ان کے شوہر نے لعان کیا تھا، کیونکہ اس میں متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کے ساتھ تعارض نہیں کیا گیا، اور نبی ﷺ نے فرمایا: کہ تم اس سے زیادہ بعید ہو، یہ اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے، یعنی جب تم اس سے مباشرت کر چکے ہو تو تمہارا اس سے مطالبہ کرنا یہ بہت زیادہ بعید ہے اور اس کو آپ نے تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزوں) کے ثبوت کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کے ثبوت میں فقہاءِ اسلام کا اختلاف ہے، فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ المتعہ دینا اس مطلقہ کے لیے واجب ہے جس کے ساتھ دخول نہ کیا گیا ہو اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا مذہب ہے، اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کا بھی یہی قول

ہے اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے، اور مہر کو المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کے ساتھ جمع نہیں کیا جائے گا۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۲۶۵)

(یہ تمام آثار امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ نے ذکر کیے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۴۵، دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۶ھ)

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ قاضی شریح بن ھانی متوفی ۷۸ھ اور حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ (الاستذکار ج ۱۷ ص ۲۸۰-۲۸۱، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

فقہاء احناف نے کہا ہے: اگر مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا، پھر اس کو طلاق دے دی تو وہ اس کو المتعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں، مثلاً کچھ کپڑے، کچھ زیور یا کچھ نقد روپیہ یا غلام یا باندی) دے گا، اور مرد کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور یہ الثوری، اور ابن حی اور الاوزاعی کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر زوجین میں سے کوئی ایک غلام ہو تو پھر اس پر المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) دینا واجب نہیں ہے، خواہ اس نے دخول سے پہلے طلاق دی ہو اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا ہو۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۲۶۵-۲۶۶)

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ سے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کے قول کی مثل منقول ہے۔ اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: ہر مطلقہ کے لیے المتعہ ہوتا ہے (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) خواہ وہ عورت مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا، جب جدائی مرد کی جانب سے ہو یا نکاح مرد کی جانب سے مکمل نہ ہوا ہو، سوا اس عورت کے جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی ہو، اسی طرح نامرد کی بیوی، اور یہ امام شافعی اور ابو ثور کا قول ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہوتا ہے اور اسی کی مثل حسن بصری، سعید بن جبیر، ابو قلابہ اور فقہاء کی ایک جماعت سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾ (البقرہ: ۲۴۱)

اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے O

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو۔

(الاستذکار للحافظ ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۷ ص ۲۸۵، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۰، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کسی جگہ بھی واجب نہیں ہے اور یہ ابن ابی لیلیٰ اور ربیعہ کا قول ہے، اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور اللیث اور ابن ابی سلمہ کا قول ہے۔

اور امام شافعی کی دلیل وہ ہے جس کو امام مالک نے از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے مُتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہے، سوا اس عورت کے کہ جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو طلاق دی گئی ہو اور اس کے شوہر نے اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو، تو اس کے لیے نصف مہر ہوگا۔ (الموطا ص ۳۵۴)

امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: میرا گمان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے

استدلال کیا ہے:

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

سوانہوں نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا کہ اس عورت کا حکم تمام مطلقات کے حکم سے خالی ہے، اور شاید کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ مطلقہ نے شوہر سے طلاق کے وقت جو بھی فائدہ اٹھایا ہے وہ اس کو لے لے، پس جب کہ مدخول بہا کوئی چیز لے لیتی ہے اور غیر مدخول بہا بھی کچھ لے لیتی ہے تو جب اس کے لیے مہر فرض نہیں کیا گیا اور یہ عورت غیر مدخول بہا تھی اور اس کے لیے فرض کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے نصف مہر لے اور نصف مہر جو ہے وہ المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) سے زائد ہے۔ اور اس نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو اس کے لیے المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) واجب نہیں ہوگا۔ (کتاب الام ج ۷ ص ۲۲۸، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

فقہاءِ احناف کے دلائل

فقہاءِ احناف کی دلیل وہ ہے جس کو امام ابوعبید الھروی متوفی ۲۲۷ھ نے بیان کیا ہے، کہ ہم نے دیکھا کہ عورتوں کی المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) میں تین قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس میں دو قسموں کے لیے متعین کو ذکر کیا گیا ہے، اور یہ وہ عورتیں ہیں جنہیں دخول کے بعد طلاق دی گئی ہو، خواہ ان کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو یا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، اور دوسری قسم وہ مطلقات ہیں جن کو دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو اور ان کا مہر مقرر کیا گیا ہو، پس ان عورتوں کے لیے کامل مقرر شدہ مہر ہوگا، پس جب یہ دو حق ان کے لیے واجب ہو گئے تو اب ان کو المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) دینا محض اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وجہ سے ہوگا اور واجب نہیں ہوگا۔ اور ہم نے دو واجب پائے اور اس وقت المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وجہ سے غیر واجب ہے اور ہم نے اس آیت کو پایا جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ خوش حال کے لیے اس کی حیثیت کے مطابق المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہے اور تنگ دست کے لیے اس کی گنجائش کے مطابق المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہے۔ اور یہی تیسری قسم ہے اور یہ وہ مطلقات ہیں جن کے ساتھ دخول نہیں کیا گیا اور نہ ان کے لیے مہر فرض کیا گیا ہے اور وہ آیت یہ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور

قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ (البقرہ:۲۳۶)

تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O

پس اس صورت میں المتعہ دینا حتمی اور واجب ہے، اور اگر یہ متعہ نہ ہوتا تو اس وقت عقدِ نکاح باطل ہو جاتا، اس وجہ سے کہ وہ ان عورتوں کے ساتھ جماع نہیں ہوتا تا کہ وہ صدقات کی مستحق ہوں اور ان کے لیے مہر فرض نہیں کیا جاتا تا کہ وہ صدقات کی مستحق ہوں، اس لیے ہر حال میں ان کو متعہ دینا واجب ہے۔

جو فقہاء المتعہ کو واجب قرار نہیں دیتے، ان کے دلائل

اور جن فقہاء نے متعہ کو اصلاً واجب نہیں قرار دیا، ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

''ومتعوھن''، ''اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو''۔ اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ اس حکم پر عمل کرنا واجب ہے لیکن اس کے ساتھ وہ چیز نہیں ہے جو اس حکم کے اثبات پر دلیل ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے ساتھ خوش حال اور تنگدست کو ملا کر ذکر کیا ہے۔

اور نکاح میں واجبات کی دو قسمیں ہیں یا تو نکاح منکوحات کے حال کے اعتبار سے ہوگا جیسے مہر جو مہر مثل کو واجب کرتا ہے۔

یا زوجین کے حال کے اعتبار سے ہوگا جیسا کہ نفقات اور متعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) ان دونوں قسموں سے خالی ہے، کیونکہ اس میں صرف مرد کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے، بایں طور کہ خوشحال زیادہ متعہ دے گا اور تنگ دست کم متعہ دے گا۔

نیز المتعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) اگر فرض ہوتا، تو اس کی ایک مقدار معلوم ہوتی جیسا کہ دیگر مالی فرائض کی مقدار معلوم ہوتی ہے، مثلاً زکوٰۃ اور فطرہ کی، اور ہم نے نہیں دیکھا کہ مال میں کوئی فرض اور واجب ہو اور اس کی مقدار غیر معلوم ہو، اور جب اس طرح سے نہیں ہے، تو پھر المتعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) فرض کی حد سے نکل کر استحباب اور ارشاد کی طرف نکل گیا، اور اس میں جو احادیث ہیں وہ صلۂ رحم اور ہدیہ کے طور پر ہیں۔

نیز جب اللہ تعالیٰ نے المتعہ کو مخصوص عورتوں کے متعلق ثابت کیا ہے یعنی جن عورتوں کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور ان کو جماع سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو تو ان کے لیے المتعہ یعنی بہ طور حسن سلوک استعمال کی چند چیزوں کے دینے کو ثابت فرمایا ہے، تو اس میں یہ دلیل ہے کہ متعہ غیر واجب ہے، کیونکہ واجبات وہ ہوتے ہیں جو لوگوں پر عموماً لازم ہوتے ہیں جیسے نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ،

پھر جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ'' (البقرہ:۲۳۶) اور فرمایا ''عَلَى الْمُتَّقِيْنَ'' (البقرہ:۲۴۱)

اسی طرح شریح بن ھانی نے تاویل کی ہے انہوں نے ایک مرد سے کہا اگر تم محسنین میں سے ہو تو متعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) دو، اور اگر تم متقی ہو تب بھی المتعہ دو۔ اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ المتعہ واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وعلی المتقین'' (البقرہ: اور علیٰ وجوب کے لیے آتا ہے، اور ''عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ'' (البقرہ:۲۳۶) میں اس کو مستحب قرار دیا ہے۔

فقہاءِ مالکیہ کا مسلک اور ان کے دلائل

حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا: یہ وہ تفسیر ہے، جس سے ہمارے اصحاب نے استدلال کیا ہے اور اس کا یہ

جواب دیا گیا ہے کہ اس کو ترک کرنے میں کوئی ایسی تحدید نہیں ہے جو اس کے وجوب کو ساقط کر دے جیسے اولاد کا اور بیویوں کا نفقہ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ:۲۳۳) جس کا بچہ ہے، اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے۔

اور ہم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بچے کے باپ کے اوپر بچے کی ماؤں کے لیے کوئی معین مقدار واجب کی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق:۷) صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ۝

المتعہ کی مقدار معین نہ ہونے پر دلائل

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہند زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے فرمایا: تم (ابوسفیان کے مال سے) اتنی مقدار خرچ لے لو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو (صحیح البخاری:۲۲۱۱) اور اس حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرچ کی کسی مقدار کو معین نہیں فرمایا۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے روایت کی ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور ان کو متعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) میں ایک باندی دی۔ (الموطا امام مالک ص ۳۵۴)

اور محمد بن سیرین المتعہ (بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) میں خادم اور نفقہ اور لباس دیتے تھے۔ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو متعہ میں دس ہزار درہم دیے، تو انہوں نے یہ کہا کہ متاع قلیل ہے جو جدا ہونے والے دوست سے پہنچی ہے۔

اور شریح بن ہانی متوفی ۷۸ھ نے متعہ میں پانچ سو درہم دیے، اور اسود بن یزید نے متعہ میں تین سو درہم دیے، اور عروہ نے متعہ میں ایک خادم دیا، اور قتادہ نے کہا: المتعہ میں ایک چادر ہے، ایک قمیص ہے اور دوپٹہ ہے۔

یہ تمام آثار امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے المصنف عبدالرزاق میں روایت کیے ہیں۔

(ج ۷ ص ۴۳-۷۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

نیز یہ آثار امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی متوفی ۲۲۷ھ نے بھی روایت کیے ہیں۔

(سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۳-۵ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا بھی یہی مذہب ہے، انہوں نے کہا: یہ متعہ ہر آزاد عورت کے لیے ہے، یا باندی اور کتابیہ کے لیے ہے جب مرد کی جہت سے اس کو طلاق واقع ہو، اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ طلاق دینے والا المتعہ میں خادم دے اور خلّہ (ایک نوع کی دو چادریں) یا نفقہ دے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ

سے مروی ہے کہ وہ المتعہ میں تیس درہم دے۔ ان آثار کو امام عبدالرزاق بن ھمام متوفی ۲۱۱ھ نے روایت کیے ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۷۳-۷۴، دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے المتعہ میں ایک باندی دی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۷۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، الاستذکار ج ۱۷ ص ۲۷۵، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام بخاری کے قول سے ان کے استدلال کی شرح اور لعان کرنے والی عورت کے لیے المتعہ کا عدم وجوب اور اسی طرح خلع کرنے والی عورت کے لیے بھی المتعہ کا عدم وجوب

امام بخاری نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان میں المتعہ کا ذکر نہیں کیا، جب لعان والی عورت کو ان کے خاوند نے طلاق دی، یہ حدیث ان کی دلیل ہے جنہوں نے کہا ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ ہوتا ہے، اور لعان مطلقات میں داخل نہیں ہے، لہٰذا اس کے لیے متعہ نہیں ہوگا، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا یہی مذہب ہے اور ابن القاسم مالکی نے کہا: ہر فسخ شدہ نکاح کے اندر متعہ نہیں ہے۔

اور لعان فقہاء کے نزدیک فسخ کی مثل ہے، کیونکہ لعان کرنے والے دو فریق نکاح پر برقرار نہیں رہتے، پس یہ ارتداد کے مشابہ ہے، اور ہر فرقہ میں عورت کی طرف سے بناء سے پہلے اور بناء کے بعد اس کے لیے متعہ نہیں ہوتا، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے خلع کرنے والی عورت کے لیے متعہ کو واجب کیا ہے، اور امام مالک کے اصحاب نے کہا کہ فدیہ دینے والی عورت کے لیے کیسے متعہ واجب ہوگا؟ فدیہ دینے والی عورت تو طلاق کے حصول کے لیے کچھ مال دیتی ہے، تو وہ متعہ (بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) کیسے حاصل کرے گی؟۔

اگر شوہر فوت ہو جائے اور اس نے بیوی کے لیے مہر مقرر نہ کیا ہو تو اس بیوی کے مہر، اس کی وراثت اور اس کی عدت کے متعلق فقہاءِ اسلام کی عبارات اور اس سلسلہ میں احادیث

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے ○

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورت کے لیے نکاح کرنا مباح ہے اور اس کے لیے مہر کو فرض نہیں کیا گیا ہے، پھر اگر اس کا شوہر دخول کے بعد فوت ہو گیا تو اس کے بعد مہرِ مثل لازم ہوگا اور اس میں اختلاف ہے کہ اگر اس کا شوہر مر گیا اور اس نے اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: اس کے لیے مہرِ مثل ہوگا اور اس کے لیے میراث بھی ہوگی اور اس پر عدت بھی ہوگی،

یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے منقول ہے، اور اسی کے مطابق امام ابن ابی لیلیٰ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور فقہاء احناف اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور کا قول ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ اس عورت کے لیے میراث بھی ہوگی اور اس پر عدت بھی ہوگی اور اس کے لیے مہر نہیں ہوگا۔ یہ مذہب حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے منقول ہے۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے، اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، زیادہ ظاہر پہلا قول ہے۔

جو مرد کسی عورت سے نکاح کرے اور فوت ہو جائے اور اس نے اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو اور نہ مہر مقرر کیا ہو تو اس کا شرعی حکم

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت اس میں داخل نہیں ہوگی حتیٰ کہ اس کو پہلے کوئی چیز پیش کر دی جائے جو کم از کم چوتھائی دینار ہے،، نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، کہ ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا، پھر وہ فوت ہو گیا اور اس نے اس کے ساتھ دخول نہیں کیا تھا اور نہ اس کے لیے کوئی مہر مقرر کیا تھا، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کو مکمل مہر ملے گا اور اس کے لیے عدت ثابت ہوگی اور اس کے لیے وراثت بھی ہوگی۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۱۴، سنن ترمذی: ۱۱۴۵، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۲۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۱)

اور حضرت معقل بن سنان نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے حضرت بروع بنت واشق کے متعلق اسی طرح فیصلہ فرمایا تھا۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، نیز اس حدیث کو امام ابن حبان، امام حاکم، امام بیہقی اور ابن حزم ظاہری وغیرہم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۴۵، صحیح ابن حبان ج ۹ ص ۴۰۸، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۸۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۴۵)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۹۶-۶۰۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا المتعہ (بہ طور حسن سلوک چند چیزیں مطلقہ کو دینے) کے متعلق فقہاء کا اختلاف

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جس مطلقہ کے ساتھ دخول نہیں کیا گیا اور اس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا اس کو المتعہ (بہ طور حسن سلوک چند چیزیں) دینے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا موقف یہ ہے کہ اس کو المتعہ (بہ طور حسن سلوک چند چیزیں) دینا واجب ہے۔ اور یہی عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ، اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کا قول ہے، اور یہی فقہاء احناف کا مذہب ہے اور مہر کو المتعہ کے ساتھ جمع نہیں کیا جائے گا۔

اور فقہاء کی دوسری جماعتوں نے کہا ہے کہ ہر مطلقہ کو متعہ (بہ طور حسن سلوک چند چیزیں) دینا واجب ہے خواہ وہ مطلقہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو، جب کہ جدائی شوہر کی جانب سے ہو اور شوہر نے اس کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور دخول سے پہلے طلاق دے دی ہو، اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ابوثور کا قول ہے۔

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے روایت ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے المتعہ دینا ثابت ہے اور اسی کی مثل حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور ابوقلابہ اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب ہے، ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرہ:۲۴۱)

اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے O

کیونکہ اس آیت میں کسی مطلقہ کی تخصیص نہیں کی گئی۔

فقہاء کی تیسری جماعت نے یہ کہا ہے کہ المتعہ دینا کسی جگہ بھی واجب نہیں ہے، اور یہ ابن ابی لیلیٰ اور ابوزناد اور ربیعہ کا قول ہے اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا مذہب ہے اور لیث اور ابن ابی سلمہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام شافعی کے دلائل

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ امام مالک نے از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ ثابت ہے، سوا اس کے کہ جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو طلاق دی گئی ہو اور اس کے ساتھ دخول نہ کیا گیا ہو تو اس کو نصف مہر دینا کافی ہے، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرہ:۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

پس حضرت ابن عمر نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا کہ یہ عورت تمام مطلقات کے حکم سے خارج ہے۔

اور شاید حضرت ابن عمر کی رائے یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ مطلقہ اپنے زوج سے طلاق کے وقت کچھ نہ کچھ متاع حاصل کر لیتی ہے، پس جب کہ مدخول بہا بھی کچھ چیزیں لے لیتی ہے اور غیر مدخول بہا بھی کچھ چیزیں لے لیتی ہے تو جب اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا گیا ہو اور اس کے ساتھ دخول نہ کیا گیا ہو، اور اس کا مہر مقرر کیا گیا ہو، تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نصف مہر لے گی اور نصف مہر جو ہے وہ المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک استعمال کی چند چیزوں سے زیادہ ہے، لہٰذا اس کے لیے المتعہ یعنی استعمال کی چند چیزیں واجب نہیں ہیں۔

فقہاء احناف کے دلائل

امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے المتعہ کے ثبوت میں عورتوں کی تین قسمیں دیکھی ہیں۔ پس یہ آیت جس میں المتعہ کا ذکر کیا گیا ہے، تو اس میں ان مطلقات کی دو قسمیں ہیں جن کو دخول کے بعد طلاق دی گئی ہے، خواہ ان کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو یا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، اور جو مطلقات دخول سے پہلے ہیں، اور ان کا مہر مقرر کیا گیا ہے، پس ان عورتوں کے لیے جماع کے ساتھ مکمل مہر ہوگا اور پہلی عورتوں کے ساتھ یعنی جن کے ساتھ دخول نہیں کیا گیا، ان کے لیے مقرر شدہ مہر کا نصف ہوگا، پس جب یہ دونوں حق واجب ہیں تو پھر المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے چند چیزیں دینا محض اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وجہ سے ہے اور واجب نہیں ہے، اور ہم نے اس آیت کو دیکھا جس میں خوش حال اور تنگ دست کا ذکر کیا گیا ہے، اور تیسری قسم ان مطلقات کی ہے جن کے ساتھ دخول نہیں کیا گیا اور نہ ان کے لیے مہر فرض کیا گیا ہے، ان کے متعلق قرآن مجید میں یہ آیت ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O

اس آیت سے واضح ہوا کہ متعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دینا حتمی اور واجب ہے اور اگر یہ متعہ نہ ہو، تو پھر عقدِ نکاح باطل ہو جائے گا کیونکہ ان عورتوں کے ساتھ جماع نہیں ہوگا تو وہ صدقات کی مستحق ہوتیں اور نہ ان کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہے، پس ضروری ہے کہ ان کے لیے ہر حال کے اندر المتعہ یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں ثابت ہوں۔

ان فقہاء کے دلائل جنہوں نے کہا کہ المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزوں کو دینا بالکل واجب نہیں ہے، ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۶)

اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O

چونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''مَتِّعُوْهُنَّ''، یعنی ان عورتوں کو المتعہ دو، اور یہ امر کا صیغہ ہے، اور اس کا ظاہر وجوب ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان عورتوں کو المتعہ دینا واجب ہے، لیکن اس حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو ملایا ہے جو اس حکم کے استحباب پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: خوش حال کے اوپر اس کی حیثیت کے مطابق المتعہ دینا ہے اور تنگ دست کے اوپر اس کی گنجائش کے مطابق متعہ دینا ہے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ المتعہ واجب نہیں ہے۔

اور نکاح میں واجبات کی دو قسمیں ہیں، یا تو وہ منکوحات کے حال کے اعتبار سے ہوتے ہیں جیسے مہر جو پہلے مقرر کیا گیا ہو ورنہ مہر مثل ہوگا، اور اسی طرح نفقات کا ادا کرنا بھی واجب ہوتا ہے اور المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دینا ان

دونوں کے معنی سے فارغ ہے، کیونکہ المتعہ میں صرف مرد کے حال کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ خوش حال کے اوپر متعہ زیادہ ہے بہ نسبت تنگ دست کے، نیز اگر المتعہ فرض ہوتا تو اس کی مقدار معلوم اور متعین ہوتی جیسے دیگر مالی فرائض کی مقدار معلوم اور معین ہے اور ہم نے کوئی مالی فرض ایسا نہیں دیکھا جس کی مالی مقدار معلوم اور معین نہ ہو، پس جب کہ المتعہ اس طرح نہیں ہے یعنی اس کی مقدار معلوم اور معین نہیں ہے تو پھر المتعہ کا ادا کرنا فرائض کی حد سے نکل کر استحباب کی حد میں داخل ہو گیا ہے، اور المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دینا، ایسا ہے جیسے رشتہ داروں کو حسنِ سلوک کے اعتبار سے چند چیزیں دینا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے المتعہ کو ایک خاص قوم پر واجب کیا ہے، یعنی جس مرد نے اپنی بیوی کو جماع سے پہلے طلاق دی ہو اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا ہو تو اس کے لیے المتعہ کو واجب کیا ہے۔ اور ہر مطلقہ پر واجب نہیں کیا اور واجبات وہ ہوتے ہیں جو بالعموم واجب ہوتے ہیں جیسے نماز ہے، روزہ ہے اور حج ہے اور زکوٰۃ ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ المتعہ واجب نہیں ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ'' (البقرہ: ۲۳۶)، یعنی المتعہ کو دینا احسان کرنے والوں پر حق ہے اور فرمایا ''حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ'' (البقرہ: ۲۴۱) یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے المتعہ کو دینا ثابت ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مطلقہ عورت کو المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دینا واجب نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۲۰-۴۲۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتعہ یعنی بہ طور حسن سلوک مطلقہ کو استعمال کی چند چیزیں دینے کے مسائل

المتعہ: یہ وہ مال ہے جو کو خاوند اس مطلقہ کو دیتا ہے جس کے لیے نصف مہر واجب نہیں ہوا، اور نہ اس کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے ○

پس تم مطلقہ کو بہ طور فضل جو چیزیں دو گے اس میں اللہ تعالیٰ تم کو جزا دے گا کیونکہ جس عورت نے اپنا نفس تمہارے سپرد کر دیا اور اس کو کوئی چیز حاصل نہیں ہوئی تو اس کو المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے چند چیزوں کا دینا واجب ہے تا کہ اس کو وحشت نہ ہو اور اس لیے کہ مہر تو بیوی کی فرج سے منفعت حاصل کرنے کے عوض میں ہوتا ہے جس کو شوہر حاصل کر چکا ہوتا ہے اور جب ایسا نہیں ہوا تو پھر واجب ہے کہ اس کو المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دی جائیں لیکن جس مطلقہ کے لیے نصف مہر واجب ہو گیا ہے تو اس کے لیے متعہ نہیں ہو گا۔ اور اس کے لیے نصف مہر کو لینا کافی ہے تا کہ اسے وحشت نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نصف مہر

کے سوا اس کے لیے کسی چیز کو واجب نہیں کیا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرہ:۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

اور سنت یہ ہے کہ المتعہ تیس درہم سے کم نہ ہو، اور نصف مہر تک نہ پہنچے اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ ایک خادم سے زیادہ نہ ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے کم ہو جس سے مالداری کا حصول ہو اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو دس ہزار درہم متعہ میں دیے اور ان کی بیوی نے کہا: یہ متاع قلیل ہے جو جدا ہونے والے محبوب کی طرف سے مجھے ملی ہے۔

اور فقہاء مالکیہ نے یہ کہا ہے کہ المتعہ بالکل واجب نہیں، اور بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ متعہ کی مقدار معلوم اور معین نہیں ہے، اور واجب کی مقدار معلوم اور معین ہوتی ہے اور اس دلیل کا یہ جواب دیا گیا ہے، کہ مقدار کا معلوم اور معین نہ ہونا وجوب کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ رشتہ دار کو خرچ دینا بھی واجب ہے اور اس کی مقدار معلوم نہیں ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ سے روایت ہے کہ المتعہ اس مطلقہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو، اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۳۷-۱۳۸، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتعہ (یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک مطلقہ کو استعمال کی چند چیزیں دینے) کی تحقیق

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ:۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O

یعنی تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم جماع سے پہلے اپنی بیویوں کو طلاق دے دو اور ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے مثلاً ایک مرد نے کسی عورت سے عقدِ نکاح کیا اور مہر مقرر نہیں کیا، پھر مرد نے اس عورت کو اس کے ساتھ دخول سے پہلے طلاق دے دی تو اس

میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں اس لیے گناہ کی نفی کی ہے، تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ وہ اس حال میں گناہ گار ہوگا کیونکہ عنقریب لوگ سوال کریں گے کہ جب کسی مرد نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس سے پہلے کہ وہ اس کی طرف دیکھتا تو اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں گناہ کی نفی فرمادی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ المتعہ یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دینا ہر شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ فی نفسہٖ المتعہ دینا واجب نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۱۲-۱۱۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتعہ، یعنی (بہ طورِ حسنِ سلوک کے مطلقہ کو چند چیزیں دینا) پر دلائل اور المتعہ کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب کا خلاصہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○ (البقرۃ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے ○

امام شافعی نے کہا: جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، تو اس کو المتعہ دینا واجب ہے، اور امام مالک نے کہا ہے کہ ہر طلاق یافتہ عورت کے لیے متعہ دینا مستحب ہے، اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ جس عورت کے ساتھ دخول نہ کیا ہو اور اس کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اس کے لیے متعہ دینا مستحب ہے، اور امام احمد بن حنبل کا مذہب امام شافعی کے قول کی مثل ہے، سوا دخول بہا کے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ۶۶، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بعینہٖ اسی متن اور سند کے ساتھ کتاب التفسیر میں گزر چکی ہے، اور وہاں اس کی تشریح بھی گزر چکی ہے۔

(کشف الباری، کتاب التفسیر: ۷۹، ۸۰)

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقہ کے لیے متعہ کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، متعہ مطلقہ عورت کو رخصت کرتے ہوئے کچھ دینے کو کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعہ کے طور پر دوپٹہ، اوڑھنی اور کپڑا دینا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱)

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

(۱) امام مالک اور امام احمد کے نزدیک متعہ مطلقاً واجب نہیں، چاہے عورت مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو، مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعہ ہر مطلقہ کے لیے واجب ہے، خواہ وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا، مہر طے شدہ ہو یا نہ۔

(۳) حضرات حنفیہ کے نزدیک متعہ صرف اس مطلقہ کے لیے واجب ہے جو غیر مدخول بہا ہو اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، ''ولا یجمع المهر مع المتعة''۔ (الابواب والتراجم، ج ۲ ص ۸۴، ۸۵، عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱)

چنانچہ ترجمۃ الباب کی آیت میں یہ دونوں قید ہیں ''مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فریضة''، اس میں دونوں باتیں مذکور ہیں کہ وہ مدخول بہا بھی نہ ہو اور اس کے لیے مہر کا تسمیہ بھی نہ ہوا ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان میں لعان کرنے والی عورت کے لیے متعہ کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا، یہاں تک کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی، حالانکہ وہ ملاعنہ مدخول بہا تھی، معلوم ہوا کہ متعہ صرف اس مطلقہ کے لیے ہے جو غیر مدخول بہا ہو۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ملاعنہ (لعان والی عورت) مطلقہ کے حکم میں ہے ''فتجب فی ماتجب للمطلقة''، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ملاعنہ کے لیے متعہ نہیں۔ (الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۵) (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۶۰۰)

کتاب العدت کا اختتام اور خاتمہ

کتاب الطلاق اور اس کے توابع یعنی لعان اور ظہار وغیرہ میں ایک سو آٹھ (۱۰۸) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے چھبیس (۲۶) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں، اور ان میں مکرر احادیث کی تعداد بیانوے (۹۲) ہے، اور خالص احادیث کی تعداد بیس (۲۰) ہے۔

''نعم الباری'' جلد عاشر (۱۰) کی تکمیل

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری جلد عاشر کا افتتاح ۲۴ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ/18 مارچ 2012ء، بروز اتوار کو ہوا تھا اور اب اس کی تکمیل ۲۴ شعبان ۱۴۳۳ھ/15 جولائی 2012ء، کو ہوگئی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالك حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه کما یحب ربنا ویرضیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰله واصحابه اجمعین۔

اس جلد میں سڑسٹھ (۶۷) احادیث کی شرح نہایت تفصیل کے ساتھ آ گئی ہے، پہلے میں نے اس جلد کے تقریباً نصف صفحات کو مولانا وقار الحسن سے قلم سے املاء کرایا تھا، بعد ازاں میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لیپ ٹاپ خرید لیا اور میرے نہایت عزیز شاگرد مولانا حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ وزید علمہ وفضلہ نے اس جلد کے بقیہ حصہ کو کمپوز کرنا شروع کیا، پھر بعد ازاں جو قلم سے لکھا گیا تھا اس کو بھی کمپوز کر دیا، اب یہ جلد عاشر مکمل کمپوزنگ کے ساتھ ہے اور ہمارے معزز اور مکرم عزیز سید عمیر الحسن البرنی زید حبہ، نے نہایت عرق ریزی سے پڑھ بھی لیا ہے، اس لیے توقع ہے کہ اس میں کمپوزنگ کی اغلاط بہت کم ہوں گی یا برائے نام ہوں گی۔

یہ جلد اس لیے جلد مکمل ہوگئی ہے کہ اس کا نصف میں پہلے لکھوا چکا تھا اور بعد میں اسی کی کمپوزنگ کی گئی ہے، اور یہ درمیانی عرصہ دار العلوم نعیمیہ کی تعلیمی تعطیلات کا تھا، اس وجہ سے زیادہ سرعت کے ساتھ کام ہو گیا اور نعم الباری کی بقیہ جلدیں اتنی سرعت کے ساتھ تو نہیں ہوں گی، لیکن پھر بھی پہلے کی بہ نسبت ان شاء اللہ العزیز جلد ان کی تکمیل ہو جائے گی۔

جلد عاشر باب الخلع سے شروع ہوئی ہے اور اس کا اختتام کتاب العدۃ پر ہوا ہے اور جلد حادی عشر (۱۱) ان شاء اللہ کتاب النفقات سے شروع ہوگی۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور نعم الباری کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے۔

پہلے بخاری شریف کی شرح نعمۃ الباری کے نام سے چھپتی رہی ہے لیکن اب آٹھویں (۸) جلد سے میں نے اس کا نام بدل کر ''نعم الباری'' رکھ دیا ہے۔

میں اس جلد کی تکمیل میں اپنے تمام معاونین کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں۔ خصوصاً مفتی پاکستان علامہ منیب الرحمٰن زید حبہم و لطفہم و صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی مدظلہ و محترم حفیظ البرکات شاہ صاحب شکر اللہ سعیہم اور حافظ محمد اکرم ساجد صاحب مدظلہ اور مولانا مختار احمد صاحب اور اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک کے تمام معاونین کے لیے دعا گو ہوں۔ خصوصاً حافظ سلیم اکبر قادری سلمہ، کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے دعوتِ اسلامی کی (مجلس المدینۃ العلمیہ) کی تخریج کے ساتھ شائع شدہ بہارِ شریعت مہیا کی جس سے میں نے نویں جلد میں بھی استفادہ کیا ہے اور دسویں جلد میں بھی استفادہ کیا ہے اور نعم الباری کی باقی مجلدات میں بھی ان شاء اللہ استفادہ ہوتا رہے گا اور خصوصاً حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے اور ان کو صحت و توانائی کے ساتھ تا دیر قائم رکھے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحت اور توانائی کے ساتھ اسلام پر قائم رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے ہماری مغفرت فرمائے، ہمیں بڑھاپے کے عوارض سے، سکرات الموت سے، قیامت کی ہولناکیوں سے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ اور مامون فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہم کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور نعم الباری کی تمام مجلدات کو تا قیامت برقرار اور فیض آفریں رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلی اصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد عاشر (۱۰) کی ڈائری

افتتاح: 24/ربیع الثانی 1433ھ/ 18/مارچ 2012ء بروز اتوار

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	تعدادِ حدیث
18/مارچ2012ء	۲۴ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ	اتوار	۵۸	۵۸	۵۲۸۳
یکم اپریل2012ء	جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ	اتوار	۹۲	۱۵۰	۵۲۸۹
یکم مئی2012ء	جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ	منگل	۱۵۵	۳۰۵	۵۲۹۳
یکم جون2012ء	رجب ۱۴۳۳ھ	جمعہ	۱۱۵	۴۲۰	۵۳۰۸
یکم جولائی2012	شعبان ۱۴۳۳ھ	اتوار	۳۲۵	۷۵۰	۵۳۳۲
15جولائی2012ء	۲۴شعبان ۱۴۳۳ھ	اتوار	۲۲۰	۹۷۰	۵۳۵۰

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید
۲۔ تورات
۳۔ زبور
۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ
۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دارالمعرفہ بیروت، 1420ھ
۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۸۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطاامام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ
۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ
۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ
۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ
۱۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۱۵۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دارالمعرفہ بیروت
۱۶۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
۱۷۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالصمیعی 1428ھ

۱۸۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۰۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ

۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۲۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دارالکتاب العربی 1407ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1420ھ

۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دارارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دارالفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1425ھ، دارالعلم الحدیث، 1426ھ

۲۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1412ھ

۲۵۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دارالفکر، بیروت 1424ھ

۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 273ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1415ھ، دارالجیل، بیروت، دارالفکر، بیروت 1421ھ

۲۷۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دارالفکر بیروت، 1421ھ

۲۸۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279، سنن ترمذی، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1422ھ، دارالجیل، بیروت 1998ء، دارالمعرفہ بیروت 1423ھ

۳۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ

۳۱۔ حافظ ابوبکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ

۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دارالرایہ، ریاض، 1411ھ

۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت

۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1412ھ، دارالفکر،

بیروت، 1421ھ
۳۵۔ امام ابوعبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسستہ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ
۳۶۔ امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسستہ الرسالہ 1421ھ
۳۷۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۸۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابویعلیٰ موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت 1404ھ
۳۹۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307ھ، **المنتقی**، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ
۴۱۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ
۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض 1420ھ
۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ
۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی
۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسستہ الرسالہ، بیروت 1427ھ
۴۶۔ امام ابوجعفر محمد احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ
۴۷۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۴۸۔ امام ابوبکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفی 333ھ، المجالسۃ وجواہر العلم، دار ابن حزم بیروت، 1419ھ
۴۹۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسستہ الرسالہ بیروت، 1407ھ
۵۰۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1425ھ
۵۱۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسستہ الریان 1429ھ
۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ
۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر بیروت، 1420ھ

۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ

۵۶۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی، شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۵۸۔ امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی، متوفی 385ھ، سنن الدارقطنی، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ

۶۰۔ امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۱۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ، دارالمعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۶۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۳۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دارالکتب العربی 1407ھ

۶۴۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارالنفائس، بیروت

۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان

۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارلکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ

۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المینارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۷۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۷۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۷۴۔ امام ابو عمر یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷۵۔ حافظ ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعہ الامام ابن ابی الدنیا، مطبوعہ: مکتبۃ العصریہ، بیروت

۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دار ابن حزم 1423ھ

۷۷۔ امام ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۷۹۔ علامہ عمر بن عبد العزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید المتوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1427ھ

۸۰۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۸۱۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ

۸۲۔ امام ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

۸۳۔ امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1432ھ

۸۴۔ امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دار الحدیث، قاہرہ 1407ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1414ھ

۸۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دار البخاری، مدینہ منورہ

۸۶۔ امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سید الابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ

۸۷۔ امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۸۸۔ امام ابو محمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دار خضر، بیروت 1419ھ

۸۹۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دار ارقم، بیروت، دار ابن حزم 1423ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۹۰۔ امام علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، دکن

۹۱۔ تاج الدین علی بن عبد اللہ بن الحسن الارذ دیلی التبریزی الشافعی، متوفی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ التی استشھد بھا الفقہاء، دارالاصلاح 2009ء

۹۲۔ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دارالطباعۃ المحمدیہ 1388ھ

۹۳۔ حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلسِ علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۹۴۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، احوال القبور واحوال اھلھا الی النشور، دارالکتب العربی، بیروت 1418ھ

۹۵۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دارالفکر، بیروت 1414ھ

۹۶۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ

۹۷۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ

۹۸۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیریۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ

۹۹۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1414ھ،

۱۰۰۔ حافظ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوھر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ ملتان

۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ

۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبۃ دارالباز، مکہ مکرمہ، درالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دارابن کثیر، 1421ھ

۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، 1417ھ

۱۰۵۔ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن عبد اللطیف الزبیری حنفی متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ

۱۰۶۔ امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام بن عبدالرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ
۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ
۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ
۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ
۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دارابن حزم، بیروت 1414ھ
۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ، مطبوعہ: مکتبۃ القاہرہ، مصر 1385ھ
۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت
۱۱۶۔ حافظ عبدالرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ
۱۱۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1412ھ
۱۱۹۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیرہ وشرح المناوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ
۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی الحنفی المتوفی 1420ھ، سلسلۃ الاحادیث صحیحہ، مطبوعہ: انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ
۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، مطبوعہ: دارالوسیلہ للنشر والتوزیع

1425ھ
۱۲۲۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت
۱۲۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1409ھ، دارالفکر بیروت
۱۲۵۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ
۱۲۶۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۱۲۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ
۱۲۸۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ
۱۲۹۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمیٰ لطائف الاسرار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۳۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دارالوطن، ریاض 1418ھ
۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ،
۱۳۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دارالفکر بیروت
۱۳۴۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ تفسیر کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۱۳۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دارالکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء
۱۳۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1415ھ
۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دارفراس للنشر والتوزیع، مصر
۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دارالکتب العربیہ، پشاور

۱۳۹۔ علامہ عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ،تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت
۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ،جلالین، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ ، بیروت
۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ،روح البیان، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ،تفسیر صاوی، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1421ھ
۱۴۳۔ علامہ السید عبداللہ سبر، متوفی 1242ھ،تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دارالاسوۃ للطباعۃ والنشر ،1421ھ
۱۴۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت، دارالفکر بیروت 1417ھ
۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دارالکتب العلمیہ ، بیروت 1420ھ
۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ،خزائن العرفان
۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ،نور العرفان، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، گجرات
۱۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
۱۵۱۔ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء
۱۵۲۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ،ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ
۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ
۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دارالفلاح 1430ھ
۱۵۸۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ ، بیروت 1426ھ
۱۵۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابو عمرو بن عبد البر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دارالکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بہ فوائد مسلم، مطبوعہ: دارالوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دارابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفی 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری مطبوعہ: دارابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبد اللہ الحنفی المتوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی التوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح، دارالکتب العلمیہ بیروت 1424ھ

۱۷۹۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن، متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ

۱۸۰۔ امام قاضی بدرالدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دارالنور 1431ھ

۱۸۱۔ علامہ ابوعبد اللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ

۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1426ھ

۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض 1418ھ

۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دارابن کثیر، بیروت

۱۸۶۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعہ المنیر یہ، مصر 1348ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۸۷۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ

۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1420ھ

۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ

۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ

۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ

۱۹۴۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ،

بیروت 1425ھ

۱۹۵۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ

۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۹۷۔ علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۹۸۔ علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ

۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، اسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1350ھ

۲۰۴۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۶۔ شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۷۔ امام محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۲۰۸۔ شیخ ابو الطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ

۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی

۲۱۱۔ شیخ عبد الرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۱۲۔ شیخ وحید الزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ

۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث، مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ

۲۱۴۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیو بندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ

۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیو بندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی

۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکلم الطیب، بیروت 1430ھ

۲۱۷۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ

۲۱۸۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیو بندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۱۹۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیو بندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی

۲۲۱۔ ابو محمد عبد اللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دار التدمریہ، ریاض 1428ھ

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابو بکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الھمدانی المتوفی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ

۲۲۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ

۲۲۸۔ امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ

۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ تقریب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ
۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفی 963ھ، تنزیہہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ الموضوعہ
۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ
۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی
۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دارالباز للنشر والتوزیع 1405ھ
۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق
۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1415ھ
۲۴۵۔ یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
۲۴۷۔ امام ابو عبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۲۴۸۔ امام ابومحمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ
۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دارالعلم، بیروت 1404ھ
۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۲۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،

۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۵۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء

۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت

۲۵۸۔ علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر

۲۶۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ المطبع الکاثولیکیہ، بیروت 1927ء

۲۶۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی

۲۶۳۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء

۲۶۴۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء

۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ، مطبع فیروز سنز لمیٹڈ

۲۶۷۔ سعدی ابوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان

۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء

۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ

۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دار صادر، بیروت 1388ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ

۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دار القلم، بیروت

۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسستہ السعودیہ، 1411ھ

۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، دار احیاء العلوم، بیروت 1408ھ

۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دار البشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ

۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، دار الفکر بیروت، 1424ھ

۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۷۹۔ امام محی السنہ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دار الفکر بیروت 1415ھ

۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد

۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت

۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الفکر بیروت

۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران

۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1417ھ

۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1419ھ

۲۹۰۔ حافظ علاؤالدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء،

مطبوعہ: دار القلم، دمشق 1416ھ

۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۹۲۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ

۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۹۴۔ شیخ عبد الرحمن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ

۲۹۵۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۲۹۸۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ

۲۹۹۔ علامہ محمد عبد الباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1393ھ

۳۰۰۔ شیخ عبد اللہ بن الشیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد محمد بن الشہیر الحاکم الشہید البلخی الحنفی، متوفی 344ھ، الکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۵۔ امام ابوبکر الرازی الجصاص المتوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاویٰ فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ

۳۰۶۔ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ

۳۰۷۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی المتوفی 373ھ، فتاویٰ ابو اللیث سمرقندی، السیاۃ بمختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ

۳۰۸۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی

۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابو الحفص علی بن الحسن بن محمد السعدی الحنفی المتوفی 461ھ، النتف فی الفتاویٰ، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ

۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت 1398ھ

۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ

۳۱۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۳۱۳۔ الامام اکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبدالرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابوالمظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۱۹۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۲۱۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دارفراس للنشر والتوزیع

۳۲۲۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ

۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1415ھ

۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ

۳۲۵۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، 1411ھ

۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاویٰ الکبریٰ الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ 1417ھ
۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاوی عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبری امیریہ بولاق مصر، 1310ھ
۳۴۵۔ علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ العصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ
۳۴۸۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ
۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی التوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ
۳۵۰۔ علامہ شاہ عبد العزیز محمد دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاوی عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ
۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ
۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ: دار الاشاعۃ العربی، کوئٹہ
۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور
۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رد المحتار، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاوی مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ
۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاوی رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاوی، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ
۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ
۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ، متوفی 1356ھ، فتاوی مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر، لاہور 1418ھ
۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ
۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاوی امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ
۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی 1395ھ
۳۶۴۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاوی نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ھ
۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفی 1413ھ، وقار الفتاوی، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء
۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی التوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب، بیروت 1420ھ
۳۶۷۔ مولانا محمد عبد اللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1982ھ، فتاوی مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ

۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبد الغنی النابلسی الحنفی النقشبندی المتوفی 1123ھ، فتاوی النابلسی المسماۃ بنھایۃ المراد فی شرح ہدایہ، ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ

۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء

۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ

۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمر قندی الحنفی الفتاوی فی الحیل والمخارج المسمی بجنۃ الاحکام وجنۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۷۳۔ شیخ عبد الحمید محمود طہمار، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ

۳۷۵۔ علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ

۳۷۶۔ علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ

۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ

۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۳۸۱۔ امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ

۳۸۲۔ قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۳۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا

۳۸۴۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت

۳۸۵۔ علامہ ابوالبرکات، احمد دردیر مالکی، متوفی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دارالحدیث قاہرہ، 1425ھ
۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۳۸۹۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاوی، مطبوعہ: ریاض، دارالجیل، بیروت 1418ھ
۳۹۰۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1424ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت 1426ھ
۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
۳۹۲۔ علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ
۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ
۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۹۵۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز حنبلی، متوفی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتاویٰ و مقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دارالوفاء، 1421ھ
۳۹۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا
۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ
۴۰۰۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ھ، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: داراحیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ
۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۴۰۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت
۴۰۴۔ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دارالکتاب العربی 1411ھ
۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ

۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۹۔ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ، مختصر اختلاف العلماء، دار البشاء الاسلامیہ، 1417ھ
۴۱۳۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۴۱۴۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۴۱۵۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ
۴۱۶۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1405ھ
۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۱۹۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۰۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران
۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز
۴۲۴۔ شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران
۴۲۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعۃ المطبعہ الاسلامیہ، تہران 1392ھ
۴۲۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ
۴۲۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور
۴۲۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور
۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابوالمعالی عبدالملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ
۴۳۱۔ امام ابوالفتح ظہیرالدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۴۳۲۔ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ
۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دارالمامون للتراث 1415ھ
۴۳۴۔ میر عبدالواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ
۴۳۵۔ ملاباقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ
۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور
۴۳۷۔ مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ
۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان 1413ھ
۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دارالاشاعت، کراچی
۴۴۰۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ
۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ
۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ
۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء
۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ
۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء
۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ
۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ
۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ۔

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ
۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ
۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر 1415ھ
۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ ما بین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل، لاہور 1399ھ
۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی
۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق
۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء
۴۶۰۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ
۴۶۱۔ مولانا محمد عبد اللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ
۴۶۲۔ ابو الحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء
۴۶۳۔ شیخ عبد الحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء
۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور
۴۶۷۔ میر عبد الواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز
۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان
۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفی 1346ھ، المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ
۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دار الاشاعت، کراچی
۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی
۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ
۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ
۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفہ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء

۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراطِ مستقیم، مکتبۂ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء

۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء

۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاوٰی دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات

۴۸۰۔ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالاتِ مفتیٔ اعظم، مطبوعہ: بزمِ رضا، لاہور 1428ھ

۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوتِ فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ

۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیاتِ استاذ العلماء، مطبوعہ: دار الاسلام لاہور 1433ھ

۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ

۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالاتِ سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقامِ ولایت و نبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تاریخ نجد و حجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء

۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم و دقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ

۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہ سفرِ آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

کی زیورِ طبع سے آراستہ ہونے والی مؤثر تصنیف

تفہیم المسائل

قرآن وحدیث کی روشنی میں
فقہی مسائل کا
مؤثر انداز میں نچوڑ

تفسیر سورۃ النسآء

دورِ جدید کی منفرد جامع اور عام فہم تفسیر، اندازِ بیان مؤثر ودلکش قدیم وجدید اہم تفاسیر کا نچوڑ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز